عام فہم زبان، مشکل الفاظ کے سلیس معانی، اور اختلافی مسائل کے محققانہ حل سے مزین تفسیر

الفوائد التفسیریۃ السلفیۃ

تالیف

محمد ابو سعید

ابن

شیخ القرآن علامہ سید عبد السلام رستمی

ناشر:

الجامعۃ العربیۃ

سیفن چوک کوہاٹ روڈ بڈھ بیر پشاور

091-2325499

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان ، بہت رحم کرنے والا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ﴾

الفوائد

التفسیریة السلفیة

(یعنی سلفی علماء کی تفسیری فوائد)

ازافادات

شیخ القرآن و الحدیث **عبدالسلام** عبد الرؤوف الرستمی (حفظہ اللہ تعالی)

جمع وترتیب

ابوسعید محمد ابن الشیخ

بسم الله الرحمٰن الرحیم

مقـدمــة التفسيــر

ان الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبالله من شرورانفسنا،وسيئات اعمالنامن يهده الله فلامضل له ومن يضلل فلاهادى له واشهدان لااله الا الله وحده لاشريک له واشهدان محمداعبده ورسوله.امابعد

پس ہر مسلمان پرفرض ہے کہ اپنے رب،معبودکو پہچانے،اس کی صفتوں کو جانے،اس کے حکم کومعلوم کریں،اس کی مرضی نامرضی سمجھ بوجھ لے،کیونکہ بغیراس کے بندگی نہیں ہوتی،اور جو بندگی بجانہ لائے وہ بندہ نہیں،گندہ ہے،اللہ تعالی کی پہچان علم سے آتی ہے،آدمی محض نادان پیدا ہوتا ہے،سب چیز سکھانے سے سیکھتا ہے،بتانے سے جان لیتا ہے،سو بتانے والے کتنی ہی تقریر کریں پھراس برابرنہیں ہوسکتی،جواللہ تعالی نے آپ بتائی ہے وہ ہدایت جواللہ کی کلام میں ہے،ہرگزکسی دوسرے کی کلام میں نہیں ہوسکتی،لیکن اللہ کا کلام عربی زبان میں ہے ہمارے لئے (پاک وہند کے رہنے والوں)اس کا سمجھنا محال ہے اس لئے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فارسی ترجمہ قران مجید کا لکھا،اس کا نام فتح الرحمٰن رکھا،پھرانکے فرزندشاہ عبدالقادر نے اردو میں ترجمہ کیا موضح القران کے نام سے،اس ترجمہ سے ہمیں بڑانفع ہوا۔

جبکہ عربی زبان میں قران شریف کی تفسیریں دنیامیں بے شمارہیں،تیرہ سو(۱۳۰۰)تفسیروں کا نام کتاب اکسیر میں درج ہیں،جبکہ اس کے بعد بھی عربی اوردیگرمختلف زبانوں میں قران کی تفسیریں لکھی گئی ہیں،بعض احباب نے مجھ سے یہ مطالبہ کیا کہ تم اردوزبان میں ایک ایسی تفسیر لکھ دو،جوکہ مختصر ہونے کے باوجودقران کا مطلب سمجھاوے کم علموں کوہدایت کا راستہ بتاوے کافی اشغال کے باوجودمیں نے ان بھائیوں کا مطالبہ پورا کرنے کاارادہ کیا۔اس واسطے کہ علماء پرواجب ہے کہ عوام کوکلام اللہ کا مطلب واضح کردیں اوراس کی صحیح تفسیر کریں اوراسے باقاعدہ اپنامحورعلم بنائیں اسے سیکھیں اورسکھائیں۔جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایاہے:

وَإِذَ أَخَذَ اللّهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوتُواْ الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلاَ تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاء ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْاْ بِهِ ثَمَناً قَلِيْلاً فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ.(ال عمران:١٨٧).

ہم نے کتاب والوں سے عہدلیاکہ وہ اسے بیان کرتے رہیں (اس کے احکامات نہ)چھپائیں لیکن ان

لوگوں نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا اوراس کے بدلے دنیا طلب کرنے لگے ان کا یہ بیوپار نہایت ہی برا ہے۔دوسری جگہ فرمایا ہے: إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَناً قَلِيْلاً أُولَئِكَ لاَ خَلاقَ لَهُمْ فِيْ الآخِرَةِ وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ (ال عمران:۷۷)

جولوگ اللہ تعالی سے کے ہوئے عہداوراپنی قسموں کوتھوڑےتھوڑے مال کے بدلے بیچتے پھریں۔ان کے لئے اخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ان سے اللہ تعالی بات چیت نہیں کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے قیامت کے دن دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔پس جولوگ جن کوہم سے پہلے کتاب اللہ دی گئی تھی اورانہوں نے اس سے منہ پھیرلیا اور دنیا کے حاصل کرنے اوراس کے جمع کرنے میں مشغول ہوگئے اوراللہ تعالی کی منع کی ہوئی چیزوں کے پیچھے پڑ کر اللہ کی پاک کتاب کوچھوڑ دیا۔

پروردگار نے ان کی مذمت بیان کی ،مسلمانوں کوچاہئے کہ وہ ایسانہ کریں جومذمت کا سبب بنے بلکہ انہیں چاہئے کہ احکام الٰہی کی تعمیل میں دل وجان سے لگے رہیں اورقران پاک کے سیکھنے سکھانے ،سمجھنے اورسمجھانے میں مشغول رہا کریں،اللہ تعالی فرماتا ہے: اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴿۱۶﴾

کیاایمان والوں کے لئے ابتک وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالی کے ذکر سے اورجوان کی طرف حق اترا ہے اس سے کانپ اٹھیں اوران کی طرح نہ ہوجائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی لیکن کچھ زمانہ گذرتے ہی ان کے دل سخت ہوگئے اوراکثر لوگ نافرمان ہوگئے (سورت حدید)،اس آیت کے ترجمہ میں غورکروکس لطافت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح بارش سے خشک زمین لہلہانے لگتی ہے اسی طرح ایمان اور ہدایت سے وہ دل جونافرمانیوں اورگناہوں کی باعث سخت ہوگئے ہوں نرم پڑ جایا کرتے ہیں اللہ بزرگ وبرتر اورجوادوسخی سے قبولیت کی امید پرہم بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ مالک ہمارے دلوں کوبھی نرم کردیں۔آمین۔

تفسیر کا بہترین طریقہ

جان لو:۔تفسیر کا بھترین طریقہ یہ ہے کہ اول تو قرآن مجید کی تفسیر قرآن ہی سے ہو۔اسلئے کہ ایک بیان کہیں مختصر ہے تو کہیں اسکی تفصیل بھی ہے۔اس کے بعد قرآن کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے۔اس لئے کہ حدیث قرآن کریم کی شرح اورتفسیر ہے بلکہ امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام قرآن ہی سے سمجھے ہوئے

ہیں جیسا کہ۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیماً (النساء:۱۰۵)

ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے۔تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے سمجھائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے کرسکو۔خبردار تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار مت بننا۔ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے،،

وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه وهدی ورحمة لقوم یؤمنون(نحل ۶۴)

ہم نے تو تم پر اسی لئے یہ کتاب نازل فرمائی ہے کہ لوگوں کے اختلافات کا تصفیہ کردیا کرو۔یہ کتاب ایمان داروں کیلئے ہدایت،رحمت ہے۔دوسری جگہ فرمایا ہے کہ:وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ (النحل:۴۴) اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو(ارشادات)لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کردو اور تاکہ وہ غور کریں۔اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بھی مروی ہے:الا انی اوتیت القرآن ومثله معه (مسند الشامیین:۳/۱۵۴)وغیرہ۔کہ مجھ کو یہ قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مانند ایک اور چیز بھی اس کے ساتھ دی گئی ہے(یعنی سنت)یہ یاد رہے کہ حدیثیں بھی اللہ کی وحی ہیں جس طرح قران پاک بذریعہ وحی اترا،اسی طرح حدیث رسول اللہ ﷺ بھی وحی الہی ہیں مگر قران وحی متلو ہے،اور حدیث وحی غیر متلو ہے امام شافعیؒ اور دوسرے بڑے بڑے ائمہ نے اس حقیقت کو دلائل سے ثابت کردیا ہے،لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کا موقع نہیں،مقصد یہ ہے کہ قران پاک کی تفسیر اولا خود قران مجید پھر حدیث سے کرنی چاہئے جیسا کہ حدیث میں ہے:قال رسول اللہ ﷺ لمعاذ حین بعثه الی الیمن فیم تحکم؟ قال بکتاب الله ،قال فان لم تجد ؟قال بسنة رسول الله، قال فان لم تجد؟قال اجتهد رأیی، قال فضرب رسول اللہ ﷺ فی صدره وقال الحمدلله الذی وفق رسول رسول الله لما یرضی رسول الله.وهذا الحدیث فی المسندو السنن باسناد جید کماهو مقرر فی موضعه (رواه الترمذی:۶۳۸/۴ وابوداود:۳۰۳/۳ والدارمی ۶۰/۱ وابن ماجة:۷۷۴/۲ واحمد:۲۳۰/۲،۲۶۵وصححه ابن القیم فی اعلام المؤقعین،وابن تیمیه فی الفتاوی :۱۳/۳۶۴ وخطیب البغدادی وکذا المبارکفوری فی تحفة الاحوذی:۲۳۹/۶). رسول اللہ ﷺ نے جب معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو دریافت کیا کہ حکم(فیصلہ)کس طرح کروگے؟جواب دیا کتاب اللہ سے،فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو کہا سنت رسول اللہ سے:کہا اگر اس میں بھی نہ پاؤ؟کہا پھر اجتہاد کروں گا،نبی ﷺ نے یہ جواب سنکران کے سینے

پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے نبی کو پسند ہے۔

اس بنا پر جب کسی آیت کی تفسیر قرآن، حدیث دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔وہ تفسیر قرآن کو بہت زیادہ جانتے تھے اس لئے کہ جو قرینے اور احوال اس وقت تھے ان کا علم انہی کو ہو سکتا ہے وہ اس وقت موجود اور حاضر تھے (کما قال ابن عباسؓ انا انزل علینا القرآن فقأناه وعلمنافیم نزل،وانه سیکون بعدنا اقوام یقرؤن القرآن ولایدرون فیم نزل، الحدیث،فضائل القران لابی عبیدة:١٠٣ ،والفصوی: ١/٦١٥ وعبدالرزاق:رقم:٢٠٣٦٨) علاوہ ازیں کامل سمجھ بوجھ صحیح علم اور نیک عمل بھی انہیں حاصل تھا بالخصوص ان بزرگوں کو جو ان میں بڑے مرتبہ کے اور زبردست عالم تھے۔ بلاشبہ چاروں خلفاء جو رشد اور ہدایت والے تھے یعنی ابوبکر صدیق،عمر فاروق،عثمان ذی النورین،علی رضی اللہ عنہم،علی ہذا القیاس عبداللہ بن مسعودؓ،عبداللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:و الذی لا الہ غیرہ مانزلت اية من كتاب الله الاوانااعلم فيم نزلت واين نزلت ولواعلم احداً اعلم بكتاب الله منى تناله المطايا لاتيته.

اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، کتاب اللہ کی کوئی ایت ایسی نہیں جسے میں نہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور کہاں نازل ہوئی؟ میں اگر جانتا؟ کہ کتاب اللہ کے علم سے متعلق کوئی مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور وہاں تک میں کسی طرح پہنچ بھی سکتا ہوں تو ضرور اس کی شاگردی میں اپنے آپ کو پیش کرتا۔آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:كان الرجل منااذاتعلم عشرايات لم يجاوزهن حتى يعرف معانيهن و العمل بهن. ہم میں سے ہر شخص جب تک دس ایتوں کا پورا مطلب نہ جان لیتا اور ان پر عمل نہ کر لیتا گیارہویں آیت نہیں پڑھتا تھا۔

تابعی عبدالرحمن سلمیؒ فرماتے ہیں حدثنا الذين كانوايقرأوننا انهم كانوايستقرئون من النبیﷺ وكانوااذاتعلمواعشر آيات لم يخلفوهاحتى يعملوابمافيهامن العمل فتعلمنا القران و العمل جميعا: کہ ہم نے جن سے قران سیکھا وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہﷺ سے پڑھا جب تک ہم دس ایتوں کا علم وعمل نبیﷺ سے نہ سیکھ لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے،غرض قران کا علم اور قران پر عمل دونوں ہی ضروری ہے۔کبھی کبھار بنی اسرائیل سے روایت لینا بھی جائز ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے بلغوا عنى ولواية وحدثواعن بنى اسرائيل ولاحرج ومن كذب على متعمدافليتبوامقعده من النار.(بخاری: رقم:١٠٤) رسول اللہﷺ نے فرمایا میری طرف سے پہنچا دیا کرو اگرچہ ایک ایت ہی ہو اور بنی اسرائیل سے بھی روایت

لینے میں کوئی حرج نہیں اور مجھ پر قصداً جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔

اس وجہ سے عبداللہ بن عمرو نے جنگ یرموک میں دو بوریاں یھود ونصاری کی کتابیں پائی تھیں ان کی باتیں بھی وہ اس حدیث کو مدنظر رکھ کر نقل کر دیا کرتے تھے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ بنی اسرائیل کی یہ روایتیں صرف مسئلہ کی مضبوطی اور اس کی گواہی کے لئے لائی جاتی ہیں، خود ان سے مسائل ثابت نہیں کئے جاسکتے روایات بنی اسرائیل تین قسم کی ہیں:

ایک تو وہ جن کی تصدیق خود ہمارے ہاں موجود ہے (یعنی قران اور سنت میں) اس کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں۔ دوسرے وہ جن کی تکذیب خود ہمارے ہاں موجود ہو (یعنی کسی ایت یا حدیث کے خلاف ہو) اس کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

تیسرے وہ جس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب، اس بنا پر ہم اسے جھوٹ (غلط) یا صحیح نہیں کہہ سکتے۔ اور جب کسی ایت کی تفسیر قران، حدیث اور اقوال صحابہ تینوں میں نہ ملے تو اکثر ائمہ دین نے کہا ہے: کہ ایسے موقع پر تابعین کی تفسیر سے مدد لی جائے، جیسے مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، قتادہ، ضحاک وغیرہ۔ (ابن کثیر وفتاوٰی ابن تیمیہ :۱۳/۳۶۳) اور اپنی رائے سے تفسیر کرنا تو محض حرام ہے جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی:۲۸۷۶، میں روایت ہے عبداللہ بن عباس سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "**من قال فی القران برأیه اوبمالایعلم فلیتبوأ مقعده من النا ر**"یعنی جو قران میں اپنی رائے کو دخل دے یا نہ جاننے کے باوجود جو کچھ کہہ دے تو اس نے اپنی جگہ جہنم میں بنالی۔

اسی طرح ابن جریر نے جندبؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من قال فی القران برأیه فقداخطأ** اور ترمذی میں سہیل بن ابی حزم سے روایت ہے کہ **من قال فی کتاب الله برأیه فاصاب فقداخطأ** ۔ یعنی قران کریم میں اپنے رائے سے جو کچھ کہے وہ خطاء کریگا۔ دوسری روایت کا معنی یہ ہے کہ جو اپنی رائے سے قران میں کوئی ٹھیک بات کہہ دے جب بھی وہ خطا کار ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ سلف صالحینؒ کی ایک بڑی جماعت بلا علم تفسیر کرنے سے بہت ڈرتی تھی۔ ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ **ای ارض تقلنی وای سماء تظلنی اذاقلت فی کتاب الله مالااعلم**۔ مجھے کونسی زمین اٹھائیگی، اور کونسا آسمان سایہ دے گا اگر میں قران مجید میں وہ بات کہوں جو نہیں جانتا۔

قران کریم کی جامعیت

اللہ تعالی نے فرمایا: **ونزلناعلیک الکتاب تبیانالکل شیء وهدیً ورحمة وبشری للمسلمین**

(سورۃ نحل:۷۹)یعنی اتاری ہم نے تجھ پر ایسی کتاب جو بیان کرتی ہے، ہر چیز کو اور ہدایت، رحمت اور مسلمانوں کے لئے خوشخبری ہے۔جبکہ دوسری مقام پر فرمایا: **مافرطنافی الکتاب من شی** (انعام:۳۸) ہم نے اس کتاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ستکون فتنة،فقلت ما المخرج منها یارسول الله؟قال کتاب الله فیه نبأماکان قبلکم وخبرمابعدکم وحکم مابینکم** [الحدیث:ترمذی رقم:۲۹۰۶] ۔یعنی عنقریب کچھ فتنے ہونے والی ہیں، میں نے سوال کیا ان سے بچاؤ کیوں کر ہوگی؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے اس میں اگلی، پچھلی خبر، حال کا حکم ہے۔ابن مسعودؓ کہتے ہیں جو کوئی علم سیکھنا چاہے وہ قران کو حاصل کرے اس میں اولین اور آخرین کی خبر ہے، حسن بصری نے کہا ہے اللہ تعالی نے ایک سو چار (۱۰۴) کتابیں اتاریں سب کتابوں کا سارا علم ان چار کتابوں میں رکھا، تورات، انجیل، زبور، قران مجید۔پھر پہلی تین کتابوں کا سارا علم قران مجید میں محفوظ کیا جبکہ قران مجید کا سارا علم مفصل سورتوں میں رکھا پھر مفصل سورتوں کا علم فاتحۃ الکتاب میں سمایا۔جس نے سورت فاتحہ کو معلوم کر لی اس نے گویا کتب منزلہ کا علم حاصل کرلیا۔(الاتقان)۔

امام شافعیؒ سے نقل ہے کہ کچھ ائمہ دین کہتے ہیں وہ سب شرح ہے سنت کی، یعنی حدیث رسول اللہ کی ساری سنت شرح ہے قران کریم کی، بعض سلفؒ سے منقول ہے جو کوئی حدیث میں نے نہیں سنی مگر اس کے لئے ایک آیت کتاب اللہ کی ڈھونڈ نکالی۔

سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے، کہ مجھ کو کوئی حدیث نہیں پہنچی صحیح سند سے مگر میں نے اس کا مصداق کتاب اللہ میں پایا۔ابن ابی حاتم اور اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے ابن جریر میں، کہ اس قران میں ہر علم اتارا گیا ہے اور ہم کو ہر چیز کا تمیز بخشا ہے (لیکن ہمارا علم دریافت سے بیان قران کے قاصر ہوا)۔ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ اللہ تعالی قران مجید میں اگر کسی چیز کو چھوڑتا تو لفظ ذرہ، خردلہ اور بعوضہ کو چھوڑ دیتا (ابوالشیخ)۔

امام شافعیؒ نے کہا ہے جو حکم نبی ﷺ نے دیا ہے وہ سب قرآن سے سمجھا ہے۔حدیث سلمانؓ میں مرفوعاً آیا ہے، میں حلال نہیں کرتا کسی چیز کو، مگر جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے (**رواه الطبرانی فی الکبیر: ۶۰۰۱**) یہ بھی امام شافعیؒ کا قول ہے کہ دین میں کسی شخص پر کوئی حادثہ نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایک راستہ ہدایت کا اس حادثے میں موجود ہوتا ہے۔بعض احکام ثابت ہونا سنت سے ابتداً معلوم ہوتا ہے درحقیقت وہ بھی کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہے اسلئے کہ کتاب اللہ نے اتباع رسول ﷺ ہم پر واجب کیا ہے، رسول اللہ کی بات پر چلنا ہم پر فرض ٹھرایا ہے. ایک بار امام

شافعیؒ نے مکہ معظّمہ میں یہ بات کہی تھی، کہ اے لوگو، تم جو چاہو مجھ سے پوچھو، میں ہر بات کا جواب قرآن کریم سے دونگا، کسی نے کہا بھلا بتاؤ محرم کو زنبور کا قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا: "بسم الله الرحمٰن الرحیم" قال الله "وما اٰتکم الرسول فخذوه ومانھٰکم عنه فأنتھوا".

پھر اپنی سند سے یہ حدیث حذیفہؓ روایت کی کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اقتدوا باللذین من بعدی، ابی بکر وعمر، پھر ایک دوسری حدیث بسند خود ذکر کی، جسکا مضمون یہ تھا کہ عمر بن خطابؓ نے محرم کو حکم قتل کرنے کا دیا ہے۔ بخاری نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث پڑھی "لعن الله الواشمات والمستوشمات" الحدیث، ایک عورت نے اُسمیں گفتگو کی انہوں نے کہا بھلا جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہو اور وہ بات قرآن میں بھی موجود ہو، میں اُس پر کس طرح لعنت نہ کروں، اُسنے کہا میں نے تو سارا قرآن، جو درمیان ان دونوں لوحوں کی ہے، پڑھا مگر جو تم کہہ رہے ہو، وہ اسمیں کہیں نہیں پایا، اُنہوں نے کہا اگر تو پڑھتی تو ضرور پاتی، کیا تو نے یہ ایٰت نہیں پڑھی ہے "ما اٰتٰکم الرسول فخذوه ومانھٰکم عنه فأنتھوا" اُس نے کہا ہاں پڑھی ہے کہا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے۔

ابن برجان کہتے ہیں، جو بات رسول اللہ ﷺ نے کہی ہے وہ یا تو خود قرآن میں موجود ہے یا قرآن میں اسکی اصل ہے قریب ہو یا بعید، جس نے سمجھا اُس نے سمجھا، اور جو اندھا رہا وہ اندھا رہا، اسی طرح ہر حکم و ہر فیصلہ آپؐ کا قرآن میں موجود ہے، حدیث عائشہؓ میں آیا ہے "کان خلقه القرآن" غضب ہے کہ پیغمبر تو قرآن پر چلیں امت نہ چلے۔

بعض علماء نے کہا ہے ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کا نکالنا قرآن سے ممکن نہ ہو لیکن اُس شخص کو جسے اللہ نے سمجھ دی ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے رسول اللہ ﷺ کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال کی اس ایٰت سورۃ منافقون سے برامد کی ہے "ولن یؤخر الله نفسا اذا جاء اجلھا" اس طرح پر کہ یہ ایٰت سر ہے تریسٹھ سورۃ کا اسکے پیچھے سورۃ تغابن ہے جسے نبی ﷺ کی مفقود ہونے پر افسوس ظاہر ہوتا ہے۔

ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ اگر ایک رسی اونٹ کی پاؤں باندھنے کی کھو جاوے، تو میں اُسکو کتاب اللہ میں پالونگا، پھر وہ علم صحابہ سے تابعین کی ارث میں آیا پھر ہمتیں گھٹ گئیں عزیمتیں سست پڑھ گئیں، اُمنگ جاتی رہی، اہل علم کم ہو گئے، جو بوجھ اُن علوم کا صحابہ وتابعین نے اٹھایا تھا، وہ اُنسے نہ اٹھ سکا اُنہوں نے علم کو نوع نوع کر ڈالا ہر گروہ ایک فن خاص کے ساتھ قائم ہوا۔

تلاوت قران پاک میں آسانی پیدا کرنے کے لئے اجزاء بنانا

تلاوت قران پاک میں آسانی پیدا کرنے کے لئے قران پاک کو احزاب، منزلیں اجزاء، پارے، اور رکوعات میں تقسیم کرنا

اکثر صحابہ کرام اور تابعین کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک ختم قرآن کر لیتے تھے، اس مقصد کے لئے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی، جسے، حزب، یا، منزل کہا جاتا ہے، اس طرح پورے قران کو کل سات احزاب پر تقسیم کیا گیا تھا (البرہان)

جیسا کہ ایک لمبی حدیث میں ذکر ہے: **قال اوس بن حذیفة رضی اللہ عنہ سئلت اصحاب رسول اللہ ﷺ کیف تحزبون القرآن ،قالوا ثلاث، وخمس ،وسبع ،وتسع ،واحدی عشرة ،وثلاثة عشرة،وحزب المفصل وحده.ابو داود: ۱۳۹۳ .**

رسول اللہ ﷺ کی حیات میں صحابہ کرام سے پوچھا گیا کہ قران کے وظیفے (پڑھنے کا مقرر مقدار) کس طرح کرتے ہیں، تو فرمایا، پہلی تین سورتوں کی ایک منزل (سورۃ بقرہ ،آل عمران، اور سورۃ النساء) پھران کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل ،سورت مائدہ ،انعام، اعراف، انفال، اور سورت التوبہ) پھران کے بعد کی، سات سورتوں کی تیسری منزل (سورت یونس، ھود، یوسف، رعد، ابراھیم، حجر، اور سورۃ نحل) پھران کے بعد کی نوسورتوں کی چوتھی منزل ہے (سورت اسراء، کہف۔ مریم، طہ، انبیاء، حج، مومنون، نور اور سورۃ فرقان) پھران کے بعد کی گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل (سورۃ الشعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، السجدہ، الاحزاب، سبا، فاطر۔ اور سورۃ یاسین) پھران کے بعد کی تیرا سورتوں کی چھٹی منزل ہے: (سورۃ الصافات، ص، زمر، غافر، فصلت، شوری، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمد، فتح، اور سورۃ الحجرات) اور مفصل یعنی سورۃ ق سے لیکر آخر قران تک ساتویں منزل ہے۔ اس روایت کو مسند احمد: ۸۹/۲۶، اور ابوداؤد نے باب تحزیب القرآن میں نقل کیا ہے۔

اور آجکل قرآن کریم تیس اجزاء پر منقسم ہے جنہیں تیس پارے کہا جاتا ہے، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لئے آسانی کے خیال سے تیس مساوی حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے، چنانچہ بعض اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہوجاتا ہے، یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تیس پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف نقل کراتے وقت انہیں تیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانہ کی ہے، لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل احقر کو نہیں مل سکی، البتہ علامہ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ قرآن کے

تیس پارے مشہور چلے آتے ہیں اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں ان کا رواج ہے (البرہان، مناہل العرفان) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہد صحابہ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے، واللہ اعلم۔

قرون اولی کے قرانی نسخوں میں ایک اور علامت کا رواج تھا اور وہ یہ کہ ہر پانچ ایتوں کے بعد حاشیہ پر لفظ ''خمس'' یا ''خ'' اور ہر دس ایتوں کے بعد لفظ ،عشر، یا ''ع'' لکھدیتے تھے، پہلی قسم کی علامتوں کو اخماس اور دوسری قسم کی علامتوں کو اعشار کہا جاتا تھا (مناہل العرفان) علماء متقدمین میں یہ اختلاف بھی رہا ہے کہ بعض علماء ان علامتوں کو جائز اور بعض مکروہ سمجھتے تھے، یقینی طور سے یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ یہ علامتیں سب سے پہلے کس نے لگائیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس کا موجد حجاج بن یوسف تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے عباسی خلیفہ مامون نے اس کا حکم دیا تھا (البرہان) لیکن یہ دونوں اقوال اس لئے درست معلوم نہیں ہوتے، کہ خود صحابہ کے زمانے میں اعشار کا تصور ملتا تھا، چنانچہ مسروق فرماتے تھے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں ''اعشار'' کا نشان ڈالنے کو مکروہ سمجھتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ)۔

''اخماس'' اور ''اعشار'' کے علامتیں تو بعد میں متروک ہوگئیں لیکن ایک اور علامت جو آج تک رائج چلی آتی ہے، رکوع کی علامت ہے اور اس کا تعین قران کریم میں مضامین کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہوا وہاں رکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف عین بنادی گئی، احقر کو جستجو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا، کہ رکوع کی ابتداء کس نے اور کس دور میں کی؟ البتہ یہ بات تقریبا یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی ایک متوسط مقدار کی تعین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے۔ اور اس کو رکوع اس لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہونچ کر رکوع کیا جائے، پورے قران میں ،۵۴۰، رکوع ہیں، اس طرح اگر تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو ستائیسویں شب میں قران کریم ختم ہوسکتا ہے۔ فتاوی عالمگیریہ: فصل التراویح۔

اور اسی طرح قران کریم کی تمام آیتین چھ ہزار ہیں اس سے اوپر اختلاف ہے۔ بعض تو اس پر زیادہ نہیں بتاتے مگر بعض دوسو چار آیتیں چھ ہزار سے زائد بتاتے ہیں۔ بعض دوسو چودہ آیتیں ،بعض دوسو انیس ،بعض دوسو چھبیس ،ابوعمرو دانی نے کتاب البیان میں یہی تفصیل لکھی ہے۔

قران شریف کے کلمات کی نسبت، عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ ستتر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں۔ حروف کی گنتی کی نسبت مجاہد سے مروی ہے کہ قران شریف کے حروف تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی ہیں، فضل بن عطا بن یسار فرماتے ہیں، کہ کل حروف تین لاکھ تینتیس ہزار پندرہ ہیں۔ حجاج نے اپنے زمانے میں قاریوں، حافظوں، اور کاتبوں

کو جمع کر کے دریافت کیا، کہ قران کریم کی حروف کے گنتی کر کے مجھے بتاؤ، تو سب نے حساب کر کے بالاتفاق کہا، کہ تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں، پھر حجاج نے کہا اچھا حروف کے اعتبار سے ادھا قرآن شریف کہاں ہوتا ہے؟ تو حساب سے معلوم ہوا کہ سورت کہف ''ولیتلطف'' کی ''ف'' پر ٹھیک آدھا قران ہوتا ہے اور سورۂ براءت کی سو آیتوں پر قران کریم کا پہلا تہائی حصہ حروف کے اعتبار سے ختم ہوتا ہے۔ اور دوسری تہائی سورۂ شعراء کی سو آیت کے سرے پر یا ایک سو ایک کے سرے پر ختم ہوتی ہے اور تیسری تہائی آخر تک، اور اگر منزلوں کا شمار کیا جائے، یعنی سات حصے قران کریم کے کئے جائیں، تو پہلی منزل ''صد'' کی ''د'' پر ختم ہوتی ہے، جو اس آیت میں ''فمنهم من امن به ومنهم من صدعنه'' (النساء: ۵۵). اور دوسری منزل ''حبطت'' کی ''ت'' پر ختم ہوتی ہے، جو سورۂ اعراف کی ایت: ۱۴۷، اور تیسری منزل ''اکلها'' کے اخری ''الف'' پر جو سورۂ رعد: ۳۵، میں ہے، اور چوتھی منزل ''جــعــلــنــا'' کے ''ا'' پر جو سورۂ حج کی آیت جعلنامنسکا: ۳۵، میں ہے اور پانچویں منزل ''مومنة'' کی ''ۃ'' پر جو سورۂ احزاب میں آیت: ۳۶ ''وما كان لمومن ولامومنة'' میں ہے اور چھٹی منزل '' السوء '' کی ''ؤ'' پر جو سورۂ فتح کی آیت: ۶ '' الظانين بالله ظن السوء'' میں ہے، اور ساتویں منزل قران پاک کے خاتمہ پر ہے۔ (البرہان)۔

ابو محمد سلام حمانیؒ، کا بیان ہے کہ ہم نے چار مہینے کی متواتر محنت سے یہ سب باتیں معلوم کر کے حجاج کو بتائیں۔ حجاج کا معمول تھا کہ ہر رات پاؤ (ربع) قراں شریف پڑھا کرتے تھے۔ (یعنی چوتھا حصہ) اس لحاظ سے پاؤ قران سورۂ انعام کے خاتمہ پر ہوتا ہے، اور آدھا سورۂ کہف کے لفظ ''ولیتلطف'' پر اور پونا سورۂ زمر کے خاتمہ پر، اور پورا اختتام قرآن پر۔ شیخ ابوعمرو دانی نے اپنی کتاب ''البیان'' میں ان باتوں میں بھی اختلاف نقل کیا ہے۔ بعض مفسرین نے قران کریم، بلحاظ تفسیر چار حصوں کو منقسم کیا ہے، حصہ اول سورت فاتحہ سے لیکر سورۂ مائدہ پر ختم ہوتا ہے، جبکہ دوسرا حصہ سورۂ انعام سے لیکر بنی اسرائیل پر ختم ہوتا ہے، تیسرا حصہ سورۂ الکہف سے لیکر سورۂ احزاب پر ختم ہوتا ہے، اور اخری حصہ سورت سبا سے لیکر قران کریم کی اخر پھر، یعنی سورت الناس پر ختم ہوتا ہے۔

سورۃالفاتحۃ(مکیۃ)

سورۂ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں، جن میں سے ''ام القرآن'' سب سے زیادہ جامع اور مشہور ہے۔اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ''ام'' کے معنی یہاں مغز اور خلاصے کے ہیں، یہ سورت چونکہ ان تمام مضامین کا خلاصہ ہے، جو سارے قرآن میں بالتفصیل مذکور ہیں، اس لئے یہ سورۂ مبارکہ ام القرآن کے نام سے موسوم کی گئی۔

اس کی دو تقریریں ہیں، مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے اس کی تقریر یہ فرمائی: کہ قرآن مجید میں چھ(٦) مضامین بیان کئے گئے ہیں: (١) توحید (٢) رسالت (٣) احکام (٤) قیامت (٥) ماننے والوں کے احوال اور (٦) نہ ماننے واالوں کے احوال۔

اور سورۂ فاتحہ میں یہ تمام مضامین بالاجمال موجود ہیں، ''الحمدللہ'' سے ''الرحمٰن الرحیم'' تک توحید، ''مالک یوم الدین'' میں قیامت ''ایاک نعبد'' اور ''اھدنا الصراط المستقیم'' میں احکام کا بیان ہے، کیونکہ ''نعبد'' میں عبادت کے تمام طریقے اور احکام کی طرف اشارہ ہے، اسی طرح '' الصراط المستقیم'' سے شریعت کے تمام احکام مراد ہیں، ''صراط الذین انعمت علیھم'' میں رسالت کا بیان ہے، کیونکہ ''منعم علیہم'' چار جماعتیں ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام سرفہرست ہیں، جیسا کہ سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ اور دوسری طرف ماننے والوں کے احوال کی طرف اشارہ ہے، یعنی ماننے والوں کو ہر قسم کے انعام واکرام سے نوازا جائے گا، اور ''غیر المغضوب علیھم ولا الضالین'' میں نہ ماننے والوں کا ذکر ہے۔اس طرح یہ سورۂ قرآن مجید کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے۔اور اسی بناء پر اس کا نام اُمُّ القرآن رکھا گیا ہے۔

دوسری تقریر:۔ ہمارے شیخ مولانا حسین علیؒ کی ہے، آپ فرمایا کرتے تھے، کہ امام ربانی نے علیؓ سے نقل کیا ہے: نیز تفسیر مواہب الرحمٰن: ١/٣١، میں ہے کہ سارے اسمانی علوم اور قرآن مجید کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں موجود ہے، آہ، و(اتقان)۔کیونکہ مضامین کے اعتبار سے قرآن مجید کے چار حصے ہیں، اور ہر حصہ '' الحمدللہ'' سے شروع ہوتا ہے۔

پہلا حصہ سورۂ فاتحہ سے سورۂ مائدہ کے اخر تک ہے اس حصہ میں زیادہ تر خالقیت کا بیان ہے یعنی ساری کائنات

کا پیدا کرنے والا صرف اللہ ہی ہے، اور کوئی نہیں۔

دوسرا حصہ سورۂ انعام سے سورۂ بنی اسرائیل کے اخر تک ہے، اس حصے کا مرکزی مضمون ربوبیت ہے، یعنی اس میں زیادہ تر یہ بیان کیا گیا ہے کہ، ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اس کو حد کمال تک پہنچانے والا، اور ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے والا صرف اللہ تعالی ہی ہے، اس کے سوا اور کوئی نہیں۔

تیسرا حصہ سورۂ کہف سے سورۂ احزاب کے اخر تک ہے، اس میں زیادہ تر یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ تخت بادشاہی پر وہ خود متمکن ہے، وہی مالک ومتصرف اور مختار، وکارساز ہے، اور وہی برکات دہندہ ہے، اور وہ اپنی بادشاہی میں اپنے تصرفات اور اختیارات میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔

چوتھا حصہ سورۂ سبا سے قرآن مجید کے اخر تک ہے، اس حصے کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ قیامت کے دن مالک ومختار، صرف اللہ ہی ہوگا۔ اور اس کے سامنے کوئی شفیع غالب نہیں ہوگا۔ یہ چاروں مضامین جو پورے قرآن میں تفصیل سے مذکور ہیں، ان کا خلاصہ اور اجمالی خاکہ سورۂ فاتحہ میں موجود ہے، چنانچہ ''الحمدللہ'' حصہ اول کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ لفظ ''اللہ'' سے وصف مشہور مراد ہے، یعنی خالق بمطابق قاعدہ مشہورہ (لکل فرعون موسی) ای لکل مبطل محق ۔مشرکین عرب بھی اللہ تعالی کی صفت خالقیت کا اقرار کرتے تھے، جیسا کہ سورۂ زخرف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ (ان کو) اللہ تعالی نے پیدا کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ﴿٢٥﴾ (لقمان) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ اسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالی نے پیدا کیا ہے۔

دوسرا حصہ:۔ ''رب العالمین '' میں مذکور ہے، اور تیسرے حصہ کی طرف '' الرحمٰن الرحیم'' میں اشارہ ہے۔ یعنی مالک ومختار اور تخت حکومت پر وہی متمکن ہے، کیونکہ انتہائی رحمت اور غایت شفقت بادشاہوں ہی کی صفتیں ہیں، اور چوتھا حصہ ''مالک یوم الدین'' میں مذکور ہے۔

نیز عبداللہ بن عباس ؓ سے منقول ہے: ''لکل شئ لباب ولباب القرآن الحوامیم'' (خازن: ٦/ ٧٣)

یعنی ہر چیز کا ایک خلاصہ ہوتا ہے، اور قرآن کا خلاصہ حوامیم ہیں۔ اور تمام حوامیم کا مبدأ سورۂ زمر ہے اور سورۂ زمر کا دعویٰ یہ

ہے کہ عبادت صرف اللہ ہی کی کرو، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، چنانچہ سورۂ زمر میں ارشاد ہے: فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ ﴿٢﴾ أَلَا لِلَّهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴿٣﴾

سو، آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی بندگی کرتے رہئے، یاد رکھو عبادت جو کہ (شرک) سے خالص ہو، اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے، اس آیت میں بقرینہ "فـاعبـد" الـديـن، کے معنی عبادت کے ہیں اور عبادات سے مراد غائبانہ دعا و پکار ہے، جیسا کہ حم مومن، میں اس کی وضاحت کی گئی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴿١٤﴾ سو تم سب خالص اعتقاد کر کے اس کو پکارا کرو، یہاں "اعبدوا" کے بجائے "ادعوا" فرما کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ عبادات سے مراد، دعا اور پکار ہے، اور پکار عبادت کا جزء اعظم ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے " الدعاء هو العبادة" اور "الدعاء مخ العبادة"۔ (ترمذی: ٣٢٩٣)

اسی طرح حم مومن، میں دوسری جگہ ارشاد ہے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے: کہ مجھ ہی کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا، جو لوگ صرف میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے، نبی کریم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "عن عبادتی قال عن دعائی" (ابن جریر)۔ یعنی عن عبادتی میں عبادت سے مراد، دعاء اور پکار ہے، اور حوامیم سبعہ کا دعوی یہی ہے کہ حاجات و مشکلات میں غائبانہ صرف اللہ ہی کو پکارو، اور صرف اسی سے استمداد اور استعانت کرو، سورۂ زمر کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں "ایاک نعبد" میں آ گیا، اور حوامیم سبعہ کا خلاصہ سورۂ فاتحہ کے 'ایاک نستعین" میں آ گیا، اس طرح سارے قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں آ گیا۔

سورۂ فاتحہ کے خلاصہ اور دعوی کو سورۂ جن میں اس طرح بیان فرمایا ہے: قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوْ رَبِّيْ وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَداً (٢٠) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار ہی کو (غائبانہ حاجات میں) پکارتا ہوں (اور اس کی پکار میں) کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا ہوں۔

بعینہ اس مفہوم کو علامہ ابن کثیر نے اس طرح بیان فرمایا ہے: "الفاتحة سر القرآن وسرها، هذه الكلمة، (اياك نعبدو اياك نستعين). یعنی سورۂ فاتحہ تمام قرآن کا مغز ہے، اور سورۂ فاتحہ کا مغز "اياك نعبد

وایاک نستعین ''ہے۔ابن قیمؒ مدارج السالکین:۱/۴۷، میں لکھتاہے،انزل اللہ مائة کتاب واربعة کتب،جمع معانیھافی التورات وا لانجیل و القرآن ،وجمع معانی ھذہ الکتب الثلاثة فی القرآن، وجمع معانی القرآن فی المفصل ،وجمع معانی المفصل فی الفاتحة، ومعانی الفاتحة فی، ایاک نعبد و ایاک نستعین۔

فضائل السورة:۔

حدیث ابی ہریرۃؓ میں ایاہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایاہے کہ:الحمدللہ رب العٰلمین، ام القرآن، ام الکتاب ،سبع مثانی ،قرآن عظیم ،ہے(رواہ الترمذی وصححه) اس کو فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن میں پہلے سب سے یہی سورت لکھنے میں آتی ہے،قرأت نماز ہی اسی سے شروع ہوتی ہے،اس کو حمد ہی کہتی ہے،صلاۃ ہی بولتی ہیں،حدیث صحیح قدسی میں ایاہے:''قسمت الصلاۃ بینی وبین عبدی نصفین'' مراد''الصلاۃ'' سے اس جگہ یہی سورت مبارکہ ہے،اس لئے کہ یہ سورت شرط نماز ہے،بغیر اس کے پڑھے نماز نہیں ہوتی،اس کا ایک نام شفاء،بھی ہے،حدیث ابی سعید میں مرفوعا نزدیک دارمی کی آیاہے کہ، فاتحۃ الکتاب،شفاء،ہے ہرزہر سے۔دوسری روایت میں اس کو رقیہ فرمایاہے ایک شخص نے ایک سانپ کی کاٹے ہوئے پر اس کو پڑھا تھا،فرمایا کہ تو نے کیونکر جانا کہ یہ رقیہ ہے،یعنی منترزہرکا۔ابن عباسؓ اس کو''اساس القران''کہا کرتے تھے۔بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ،کو،اساس فاتحة الکتاب، بتلاتی تھے،یہ سورت مکہ میں اتری تھی،کسی نے کہا کہ دوبار اتری ہے،ایک بار مکہ میں،ایک بار مدینہ میں،اورکسی نے کہاہے کہ ادھی مکہ میں اورآدھی مدینے میں،پہلی بات زیادہ ٹھیک ہے،اکثر علماء کا یہی قول ہے،اسی کو بغوی بیضاوی نے صحیح ترٹھرایاہے،سب سورتوں کے نام اور سب سورتوں اورآیتوں کی ترتیب توقیفی ہے،یعنی نقل پر رسول پاک ﷺ پر موقوف ہے۔

سورت،قرآن کی ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں،کبھی کسی سورت کا ایک ہی نام ہوتاہے،کبھی کئی نام،جیسے سورۂ فاتحہ کی بہت نام ہیں،صحابہ نے مصاحف میں نام سورتوں کے نام نہیں لکھے تھے،یہ ایجاد حجاج نے کی ہے،اس سورت میں پچیس کلمے ایک سوتیرہ حرف ہیں۔

فائدہ:

رسول اللہ ﷺ نے ابوسعید بن المعلیٰؓ سے فرمایا، میں تجھے ایک بہت بڑی سورت قرآن کی سکھاؤں گا، پہلے اس کے کہ تو مسجد سے باہر آوے پھر سورت فاتحہ بتایا، کہا کہ یہی وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے، جو مجھ کو دیا گیا ہے۔ اس کو بخاری احمد، ابوداؤد، نسائی نے روایت کیا ہے، ابی بن کعبؓ سے کہا تو چاہتا ہے کہ میں تجھ کو ایک ایسی سورت سکھاؤں جو نہ تورات وانجیل میں اتری ہے، نہ زبور وفرقان میں، پھر فرمایا کہ وہ سورت یہی سورۃ الفاتحۃ ہے، اس کو احمد ونسائی نے روایت کیا ہے، ترمذی نے صحیح بتایا ہے۔ حدیث عبداللہ بن جابرؓ میں، نزدیک احمد کی، بڑی خیر والی سورت ٹھرایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بعض سورتوں کو بعض سورتوں پر فضیلت حاصل ہے، اکثر علماء نے یہی کہا ہے، اگر چہ یوں تو سارا ہی اللہ کا کلام فاضل ہے، بلکہ نور علی نور۔

ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من صل صـــــلاة لم يقرأ فيهاام القرآن فهي خداج، ثلاثا، غيرتام ،فقيل لابى هريرةؓ، انانكون وراء الامام ،قال اقرأبهافي نفسك، فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول: قال الله عزوجل، قسمت الصلاة بيني وبين عبدى نصفين، ولعبدى ماسأل، فاذاقال العبد "الحمدلله رب العٰلمين "قال الله ،حمدنى عبدى، واذاقال "الرحمٰن الرحيم" قال الله ،اثنى علىّ عبدى، فاذاقال "مالك يوم الدين "قال، مجدّنى عبدى، وقال مرة، فوض الى عبدى، فاذاقال" اياك نعبدواياك نستعين" قال هذابيني وبين عبدى، ولعبدى ماسأل ،فاذاقال" اهدِنَـــا الصِّرَاطَ المُستَقِيْمَ 0صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنعَمتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ المَغضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْن "قال هذالعبدى ولعبدى ماسأل .رواه النسائى ومسلم: رقم: ۵۹۸.

یعنی جو شخص اپنی نماز میں ام القرآن نہ پڑھے اسکی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، پوری نہیں ہے، ابوہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو؟ فرمایا چپکے چپکے پڑھ لیا کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ میں نے نماز (سورۃ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ کر دیا ہے، اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگتا ہے وہ میں دیتا ہوں، جب بندہ کہتا ہے (الـــحــــمـــدلله رب العــالمين) تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر بندہ کہتا ہے، (الـرحـمٰـن الرحيم) اللہ تعالی

فرماتا ہے،اثنی علی عبدی میرے بندے نے میری ثناء بیان کی، پھر بندہ کہتا ہے،(مالک یوم الدین) اللہ تعالی فرماتا ہے،(مجدنی عبدی) میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ تعالی اسکے جواب میں فرماتا ہے،(فوض الی عبدی) میرے بندے نے خود کو میرے سپرد کر دیا۔پھر بندہ کہتا ہے،(ایاک نعبد وایاک نستعین) اللہ تعالی فرماتا ہے، یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے،اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں دوں گا۔پھر بندہ اخر سورت تک پڑھتا ہے اللہ تعالی فرماتا ہے یہ سب میرے بندے کے لئے ہے،اور یہ جو مانگے گا وہ اس کے لئے ہے۔

حدیث ابی سعید میں جو کہ سعید بن منصور اور بیہقی نے نقل کیا ہے،اس سورت کو ہر قسم کی شفاء کہا ہے، دارمی اور بیہقی نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے، جس میں اس سورت کو ہر بیماری کی دوا فرمایا ہے، ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام بیٹھے تھے، کہ ناگہاں ایک آواز اُوپر سے سنی گئی، جبرئیل نے منہ بہ طرف اسمان کی، کہا یہ ایک دروازہ ہے جو آج تک کبھی نہ کھلا تھا،اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا، تا کہ تم کو بشارت دے، دو نور کی جو تم کو دی گئیں ہیں، تم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ایک فاتحۃ الکتاب، دوسری خواتیم سورت البقرہ، تو کوئی حرف بھی ان دونوں کا نہ پڑھو گے، مگر وہ نور تجھ کو دیا جاوے گا۔اس روایت کو مسلم اور نسائی نے نقل کیا ہے۔(ملخص از تفسیر لطائف البیان)

قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا

قرات سے پہلے استعاذہ کرنا جمہور کی نزدیک سنت ہے واجب نہیں، کہ اس کے نہ پڑھنے سے گناہ ہو۔عطاء بن ابی رباح کا قول ہے کہ جب کبھی قران پڑھے، استعاذہ کا پڑھنا واجب ہے خواہ نماز میں ہو خواہ غیر نماز میں۔امام رازیؒ نے یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھ لینے سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے، عطاءؒ کے قول کی دلیل ایت کی ظاہری الفاظ ہیں، کیونکہ اس میں ''فاستعذ'' امر ہے اور عربیت کے قواعد کے لحاظ سے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، اسی طرح رسول اللہ کا اس پر دوام کرنا بھی وجوب کی دلیل ہے، اور اس سے شیطان کا شر دور ہوتا ہے، اور اس کا دور کرنا واجب ہے، اور جس چیز سے واجب پورا ہوتا ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے، اور استعاذہ زیادہ احتیاط والا ہے، اور وجوب کا ایک طریقہ یہ بھی ہے، بعض علماء کا قول ہے کہ ''اعوذ'' پڑھنا نبی ﷺ پر واجب تھا، آپؐ کی امت پر واجب نہیں، امام مالک سے یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ فرض نماز میں ''اعوذ'' پڑھے، اور رمضان شریف کی اول رات کی نماز میں

اعوذ پڑھ لے ۔امام شافعیؒ ،املاء ،میں لکھتے ہیں کہ ''اعوذ'' زور سے پڑھے اور اگر پوشیدہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں، اور ''املاء'' میں لکھتے ہیں کہ بلند اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے،اس لئے کہ ابن عمرؓ سے پوشیدہ پڑھنا،اور ابو ہریرہؓ سے اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہے ۔اعوذ، پڑھنا اللہ تعالی کی طرف التجا کرنا ہے،اور ہر برائی والے کی برائی سے اس کے دامن میں پناہ طلب کرنا ہے ''عیاذ'' کے معنی برائی دفع کرنے کے ہیں اور ''لیاذ'' کے معنی بھلائی حاصل کرنے کے ہیں، متنبّی کا شعر ہے۔

یامن الوذبه فی ماأوّمله ☆ ومن اعوذبه مما احاذره

لایجبر الناس عظماانت کاسره ☆ ولایهیضون عظماانت جابره

اے وہ پاک ذات،جس سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں،اور اے وہ پروردگار، کہ تمام برائیوں سے میں اس کی پناہ پکڑتا ہوں، جسے وہ توڑے اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا،اور جسے وہ جوڑ دے اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ ''اعوذ'' کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالی کی پناہ پکڑتا ہوں، کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے،جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم ہے، ایسا نہ ہو کہ میں ان سے رک جاؤں، اور جن کاموں سے میں منع کیا گیا ہوں ،ایسا نہ ہو کہ مجھ سے وہ بدافعال سرزد ہو جائیں۔

اعوذ باللہ کی تفسیر اور اس کے احکام

قران پاک میں ہے:خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّهِ إِنَّهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ(اعراف: ۲۰۰) الخ ،یعنی درگزر کرنے کی عادت رکھو، بھلائی کا حکم کیا کرو،اور جاہلوں سے منہ موڑ لیا کرو۔ اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آجائے ،تو اللہ تعالی سننے والے، جاننے والے، سے پناہ طلب کرلیا کرو، کہ اللہ تعالی شیطان کے وسوسوں اور ان کے حاضری سے ہم تیری مدد کے ذریعہ پناہ چاہتے ہیں اور سورۂ مومنون میں فرماتا ہے:ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُل رَّبِّ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَأَعُوْذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتَّى إِذَا جَاء أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾

یعنی بھلائی کے ساتھ دفع کرو۔تم میں اور جس دوسرے شخص میں عداوت ہوگی وہ ایسا ہو جائے گا۔جیسے ولی دوست ۔ یہ کام صبر کرنے والوں اور نصیب داروں کا ہے، جب شیطانی وسوسہ اجائے تو اللہ تعالی سننے والے، جاننے والے،

کے ذریعہ، پناہ چاہو۔ان ایتوں میں حکم فرمایا ہے کہ انسانوں میں سے جو تمہاری دشمنی کرے،اس کی دشمنی کا علاج تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ سلوک اور احسان کرو، تاکہ اس کی انصاف پسند طبیعت خود اسے شرمندہ کرے،اور وہ تمہاری دشمنی سے نہ صرف باز رہے بلکہ تمہارا بہترین دوست بن جائے،اور شیاطین کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے ایسی پناہ پکڑی، سکھائی ، کیونکہ یہ پلید، دشمن سلوک اور احسان سے بھی قبضہ میں نہیں آتا،اسے تو انسان کی تباہی اور بربادی ہی میں مزہ آتا ہے اور اس کی پرانی عداوت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔قرآن فرماتا ہے: اے بنی ادم دیکھو، کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو وہ بہکا کر جنت سے نکلوا دیا،اور جگہ فرمایا، کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو، ایک اور جگہ فرمایا، کیا تم اس شیطان سے اور اس کی ذریات سے دوستی کرتے ہو، مجھے چھوڑ کر؟ وہ تمہارا دشمن ہے، یاد رکھو، ظالموں کے لئے برا بدلہ ہے، یہی وہ لعین ہے جس نے قسم کھا کر ہمارے باپ آدم علیہ السلام سے کہا تھا، کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔تو اب خیال کر لیجئے کہ ہمارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہوگا؟ ہمارے لئے تو وہ حلف اٹھا کر آیا ہے، کہ اللہ جل جلالہ کی عزت کی قسم، میں ان سب کو بہکاؤں گا۔ہاں ان میں سے جو مخلص بندے ہیں وہ محفوظ رہ جائیں گے۔اسی لئے اللہ تعالی کا فرمان ہے: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٩٩﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِيْنَ هُم بِهِ مُشْرِكُوْنَ ﴿١٠٠﴾ (نحل) جب قران کی تلاوت کرو، تو اللہ تعالی کے ذریعہ پناہ طلب کیا کرو۔شیطان راندھے ہوئے سے ایمان دار، اور اللہ تعالی پر توکل کرنے والوں پر اس کا کوئی زور نہیں۔اس کا زور تو انہی پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھیں اور اس کو اللہ تعالی کے ساتھ شریک کریں۔

قاریوں کی ایک جماعت تو کہتی ہے، کہ قرآن پڑھنے کے بعد ''اعوذ'' پڑھنی چاہئے، اس میں دو فائدے ہیں ایک تو قرآن کے طرز پر عمل۔دوسرے عبادت کے بعد کے غرور کا توڑ، ابوحاتم سجستانی نے اور ابن فلوفا نے حمزہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔جیسے کہ ابوالقاسم یوسف بن علی بن جنادہ نے اپنی کتاب ''العبادة الکامل'' میں بیان کیا ہے، ابو ہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔لیکن سند غریب ہے، قرطبی نے امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی بیان کیا ہے، لیکن ابن العربی اسے غریب کہتے ہیں، ایک مذہب یہ بھی ہے کہ اول واخر دونوں مقاموں پر ''اعوذ'' پڑھے، تاکہ دونوں دلیلیں جمع ہو جائیں، اور جمھور علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تلاوت سے پہلے ''اعوذ'' پڑھنا چاہئے، تاکہ وسوسے دور ہو جائیں، تو ان بزرگوں کے نزدیک آیت کے معنی ''جب پڑھے'' تو یعنی ''جب پڑھنا چاہے تو'' ہو جائیں گے، جیسے آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا

قُمْتُمْ إِلَى الصَّلاةِ فاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ الاية ﴿۶﴾ (مائدة)
یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو، تو وضوء کرلیا کرو کہ جب تم نماز کے لئے جب کھڑے ہونے کا ارادہ کرو، کے ہیں ۔احادیث کی رو سے بھی یہی معنی ٹھیک معلوم ہوتے ہیں ۔مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے ۔پھر، سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولاالہ غیرک ، پڑھ کر تین مرتبہ " لا الہ الا اللہ " پڑھتے ۔پھر فرماتے" اعوذباللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من ھمزہ ونفخہ ونفثہ" سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے (ابوداؤد: رقم: ۶۵۸، ترمذی: ۲۲۵) ۔امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں سب سے زیادہ مشہور یہی ہے "ھمز" کے معنی گلا گھوٹنے کے اور "نفخ" کے معنی تکبر اور "نفثہ" کے معنی شعر گوئی کے ہیں ۔ابن ماجہ کی ایک حدیث میں یہی معنی بیان کئے گئے ہیں، اور اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں داخل ہوتے ہی تین مرتبہ " اللہ اکبر کبیرا "تین مرتبہ" الحمدللہ کثیرا "اور تین مرتبہ" سبحان اللہ بکرۃ واصیلا" پڑھتے، پھر یہ پڑھتے "اللھم انی اعوذبک من الشیطان من ھمزہ ونفخہ ونفثہ "ابن ماجہ میں اور سند کے ساتھ یہ روایت مختصر بھی آئی ہے، مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ پہلے تین مرتبہ تکبیر کہتے پھر تین مرتبہ" سبحان اللہ وبحمدہ" کہتے پھر" اعوذباللہ" اخر تک پڑھتے، مسند ابویعلی میں ہے کہ رسول پاک ﷺ کے سامنے دو شخص لڑنے جھگڑنے لگے ۔غصے کے مارے ایک کے نتھنے پھول گئے آپؐ نے فرمایا اگر یہ" اعوذباللہ من الشیطان الرجیم" کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی جاتا رہے، نسائی نے اپنی کتاب (عمل الیوم واللیلہ) میں بھی اسے روایت کیا ہے ۔مسند احمد، ابوداد، ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے ۔اس کی ایک روایت میں اتنا اضافہ اور بھی ہے، کہ معاذؓ نے اس شخص سے اس کے پڑھنے کو کہا لیکن اس نے نہ پڑھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا ۔امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ اضافے والی روایت مرسل ہے ۔اس لئے کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ جو معاذؓ سے اسے روایت کرتے ہیں اس کا معاذؓ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں، بلکہ معاذؓ ان سے بیس برس پہلے فوت ہو چکے تھے، لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ شاید عبدالرحمٰن نے ابی بن کعبؓ سے سنا ہو، وہ بھی اس حدیث کے راوی ہے، اور اسے معاذؓ تک پہنچایا ہو کیونکہ اس واقعہ کے وقت تو بہت سے صحابہ موجود تھے ۔صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی میں بھی مختلف سندوں اور مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے ۔استعاذہ، کے متعلق اور بھی بہت سے حدیثیں ہیں یہاں سب کو جمع کرنے سے بحث طویل ہوگا ۔ان کے بیان کے لئے اذکار، ووظائف، فضائل واعمال کی کتابیں ہیں ۔واللہ اعلم ۔

ایک روایت میں ہے، کہ جبرئیل علیہ السلام جب سب سے پہلے وحی لیکر نبی ﷺ کے پاس آئے، تو پہلے ''اعوذ'' پڑھنے کا کہا۔ تفسیر ابن جریر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلے پہل جب جبرئیل علیہ السلام، محمد ﷺ پر وحی لیکر آیا فرمایا کہ ''اعوذ'' پڑھے آپ نے فرمایا: استعیذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم '' پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ''اقرأ باسم ربک الذی خلق''۔ واللہ اعلم۔

یہ ظاہر ہے کہ شیطان سے بچانے والا سوائے اللہ تعالی کے اور کوئی نہیں، اسی لئے پروردگار عالم نے انسانوں کے شر سے محفوظ رہنے کی تو ترکیب سلوک واحسان وغیرہ بتائی ہے۔ اور شیطان کے شر سے بچنے کی صورت یہ بتائی، کہ ہم اس ذات پاک کے ذریعہ پناہ طلب کریں۔ اسلئے کہ نہ تو اسے رشوت دی جاتی ہے، نہ وہ بھلائی اور سلوک کے ذریعہ اپنی شرارت سے باز آتا ہے، اس کی برائی سے بچانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ گزشتہ تینوں آیتوں میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے'' خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿۱۹۹﴾. اور سورۃ :مؤمنون؛؛ میں ہے ؛ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿۹۶﴾ اور سورۃ حم سجدہ میں ہے: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿۳۴﴾ ان تینوں آیتوں کا مفصل بیان اور ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔ لفظ ''شیطان'' ،شطن سے ماخوذ ہے، اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبعیت سے دور ہے، بلکہ ہر بھلائی سے بعید ہے، اس لئے اسے شیطان کہتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ، شاط سے مشتق ہے اس لئے کہ وہ آگ سے پیدا شدہ ہے، اور، شاط، کے معنی یہی ہیں بعض کہتے ہیں کہ معنی کی رو سے تو دونوں ٹھیک ہیں، لیکن اول زیادہ صحیح ہے عرب شعراء کے شعر بھی اس کی تصدیق میں ملتے ہیں امیہ بن ابوصلت اور نابغہ کے شعروں میں بھی یہ لفظ ،شطن ، سے مشتق ہے جو دور ہونے کے معنی میں مستعمل ہے سیبویہ کا قول ہے کہ جب کوئی شیطانی کام کرے تو عرب کہتے ہیں، تشیطن فلان۔ یہ نہیں کہتے کہ، تشیط فلان ،اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ ،شاط، سے نہیں بلکہ شطن سے ماخوذ ہے اور اس کے صحیح معنی بھی دوری کے ہے، جو جن اور انس وحیوان سرکشی کرے اسے شیطان کہہ دیتے ہیں قرآن کریم میں۔ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نِبِيٍّ عَدُوّاً شَيَاطِينَ الإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوراً ،وَلَوْ شَاء رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۱۲﴾ (انعام)۔ مسند احمد میں ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اے ابوذرؓ، جنات اور انسان

کے شیطانوں سے اللہ تعالی کی مدد کے ذریعہ پناہ طلب کرو، میں نے کہا انسان میں بھی شیطان ہوتے ہیں، آپؐ نے فرمایا ہاں، صحیح مسلم میں ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "نماز کو عورت، گدھا اور کالا کتا تھوڑ دیتا ہے، میں نے کہا جناب! سرخ۔ زرد، کتوں میں سے کالے کتے کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: کالا کتا شیطان ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تر کی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں وہ، ناز وخرم، سے چلتا ہے، عمرؓ اسے مارتے پیٹتے بھی ہیں لیکن اس کا اکڑنا اور بھی بڑھ جاتا ہے آپ اتر پڑتے ہیں اور فرماتے ہیں تم تو میری سواری کے لئے کسی شیطان کو پکڑ لائے ہو، میرے نفس میں تکبر آنے لگا۔ چنانچہ میں نے اس سے اترنا ہی مناسب سمجھا۔

"رجیم"، فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے، یعنی وہ مرجوم ہے اور ہر بلائی سے دور ہے، جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُوماً لِّلشَّيَاطِيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ (ملک: ۵) یعنی، ہم نے دنیا کے اسمان کو ستاروں سے مزین کیا اور انہیں شیطانوں کے لئے رجم بنایا: رجیم، کے ایک معنی راجم کے بھی کئے گئے ہیں، چونکہ شیطان لوگوں کو وسوسوں سے اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے اس لئے اسے رجیم یعنی راجم کہتے ہیں۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾

صحابہ کرام نے کتاب اللہ کو اسی سے شروع کیا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، سورت نمل کی ایک آیت ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ہر سورت کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے؟ یا ہر سورت کی ایک مستقل ایت ہے، جو اس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ یا ہر سورت کے ایت کا جزو ہے یا صرف سورت فاتحہ ہی کی ایت ہے، اور دوسری سورتوں کی نہیں، یا صرف ایک سورت کو دوسری سورت سے علیحدہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اور آیت نہیں؟ علماء سلف اور متاخرین کا ان امور میں اختلاف چلا آیا ہے، اور اپنی جگہ پر اس کی تفصیل موجود ہے۔ سنن ابی داؤد میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے، جب تک آپؐ پر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نازل نہیں ہوتی تھی۔

چنانچہ صحیح ابن خزیمہ میں ام سلمہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سورت فاتحہ کی شروع میں نماز میں پڑھا، اور اسے ایک آیت شمار کی، لیکن اس کے ایک راوی عمرو بن ھارون بلخی ضعیف ہے، اور اس طرح

کی ایک روایت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ نیز علی، ابن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم، عطاء، طاوس، سعید بن جبیر، مکحول، زہری، رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے، کہ ''بسم اللہ'' ہر سورت کی ایک مستقل ایت ہے سوائے سورت برأت کے۔ ان صحابہ اور تابعین کے علاوہ عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق بن راہویہ اور ابوعبیدہ قاسم بن سلام، رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ ''بسم اللہ'' نہ تو سورت فاتحہ کی آیت ہے اور نہ کسی اور سورت کی، امام شافعیؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ''بسم اللہ'' سورت فاتحہ کی تو ایک ایت ہے لیکن اور سورتوں کی نہیں۔

ان کا ایک قول یہ بھی ہے، کہ یہ ہر سورت کے شروع کی ایت کا حصہ ہے، لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں، داؤد کہتے ہیں کہ ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' ایک مستقل ایت ہے، سورت میں داخل نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی یہی روایت ہے، اور ابوبکر رازی نے ابوحسن کرخی کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے، جو امام ابوحنیفہ کے بڑے پایہ کا ساتھی ہے۔ یہ تو تھی بحث ''بسم اللہ'' کے سورت فاتحہ کے ایت ہونے یا نہ ہونے کی۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ عثمان بن عفانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی نسبت سوال کیا، آپؐ نے فرمایا: یہ اللہ تعالی کا نام ہے۔ اللہ تعالی کے بڑے ناموں اور اس میں اس قدر نزدیکی ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔

ابن مردویہ میں بھی اس طرح کی روایت ہے۔ اور ابن مردویہ بھی یہی روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب عیسی علیہ السلام کو ان کی والدہ نے معلم کے پاس بٹھایا اس نے کہا لکھئے ''بسم اللہ'' عیسی علیہ السلام نے کہا: ''بسم اللہ'' کیا ہے؟ استاد نے جواب دیا میں نہیں جانتا آپ نے فرمایا ''ب'' سے مراد اللہ تعالی کا ''بہا'' یعنی بلندی ہے اور ''سین'' سے مراد اس کی ''سنا'' یعنی نور اور روشنی ہے اور ''م'' سے مراد اس کی ''مملکت'' یعنی بادشاہی ہے، اور اللہ کہتے ہیں معبودوں کے معبود کو، اور رحمٰن کہتے ہیں دنیا اور اخرت میں رحم کرنے والے کو، اور رحیم کہتے ہیں، اخرت میں رحم وکرم کرنے والے کو۔

ابن جریر میں بھی یہی روایت ہے لیکن سند کے رو سے یہ بے حد غریب ہے، ممکن ہے کہ کسی صحابی وغیرہ سے مروی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کی روایتوں میں سے ہو۔ مرفوع حدیث نہ ہو، واللہ اعلم۔

ابن مردویہ میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ مجھ پر ایک ایسی ایت اتری ہے جو کسی اور نبی

پر سوائے سلیمان علیہ السلام کے نہیں اتری۔ وہ ایت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے۔

جابرؓ فرماتے ہیں جب یہ ایت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اتری، بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے۔ ہوائیں ساکن ہوگئی سمندر ٹھہر گیا جانوروں نے کان لگا لئے، شیاطین پر آسمان سے شعلے گرے، اور پروردگار عالم نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا نام لیا جائے گا اس میں ضرور برکت ہوگی۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جہنم کی انیس داروغوں سے جو بچنا چاہے وہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھے، اس کے بھی انیس حروف ہیں، ہر حرف ہر فرشتے سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گا۔ اسے ابن عطیہ نے بیان کیا ہے، اس کی تائید ایک حدیث سے بھی کی ہے، جس میں ہے میں نے تیس سے اوپر فرشتوں کو دیکھا، کہ وہ جلدی کر رہے تھے، یہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا، جب ایک شخص نے: ربنالک الحمد، حمدا کثیرا طیبامبارکافیہ، پڑھا تھا اس میں بھی تیس سے اوپر حروف ہیں۔ اتنے ہی فرشتے اترے، اسی طرح ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' بھی انیس حروف ہیں، اور وہاں فرشتوں کی تعداد بھی انیس ہیں۔

مسند احمد میں مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کی سواری پر آپؐ کے پیچھے جو صحابی سوار تھے، ان کا بیان ہے کہ رسول پاک ﷺ کی اونٹنی ذرا پھسلی، تو میں نے کہا شیطان کا ستیاناس ہو، آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کہو، اس سے شیطان پھولتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ گویا اس نے اپنی قوت سے گرایا۔ ہاں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کہنے سے وہ مکھی کی طرح ذلیل وپست ہو جاتا ہے۔

نسائی نے اپنی کتاب ''عمل الیوم واللیلہ'' میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے نقل فرمایا ہے، اور صحابی کا نام اسامہ بن عمیرؓ بتایا ہے، اور اس میں ہے کہ ''بسم اللہ'' کہہ یہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی برکت ہے۔ اسی لئے ہر کام اور ہر بات کی شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کہہ لینا مستحب ہے۔ خطبہ کے شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کہنی چاہئے، حدیث میں ہے کہ جس کام کو ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع نہ کیا جائے، وہ بے برکت ہوتا ہے، پاخانہ میں جانے کے وقت ''بسم اللہ'' پڑھ لے، حدیث میں یہ بھی ہے کہ وضوء کے وقت بھی پڑھ لے۔ مسند احمد اور سنن میں ابو ہریرہؓ سعید بن زید اور ابوسعید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو شخص وضوء میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضوء نہیں ہوتا۔ یہ حدیث حسن ہے، بعض علماء تو وضوء کے وقت اغاز میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھنا واجب بتاتے ہیں، بعض مطلق وجوب کے قائل ہیں، جانور کو ذبح کرتے وقت بھی اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ امام شافعی اور ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔

بعض نے یاد آنے کے وقت اور بعض نے اسے مطلقاً واجب کہا ہے، امام رازی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی فضیلت میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ ایک میں ہے کہ جب تو اپنی بیوی کے پاس جائے اور ''بسم اللہ'' پڑھ لے اور اللہ کوئی اولاد بخشے، تو اس کے اور اس کی اولاد کے سانس کی گنتی کے برابر تیرے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گے۔ لیکن یہ روایت بالکل بے اصل ہے، میں نے تو یہ کہیں کسی معتبر کتاب میں نہیں پائی۔ کھاتے وقت بھی ''بسم اللہ'' پڑھنا مستحب ہے۔ صحیح مسلم میں ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر بن ابوسلمہؓ سے فرمایا، جو آپؐ کے گھر میں ام المؤمنین ام سلمہؓ کے، اگلے خاوند سے تھے، کہ ''بسم اللہ'' کہو، اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنے سامنے سے نوالہ اٹھالیا کرو۔

بیوی سے ملنے کے وقت بھی ''بسم اللہ'' پڑھنی چاہئے، صحیحین میں ابن عباسؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ملنے کا ارادہ کرے تو یہ دعاء پڑھے ''**بسم الله اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان مارزقتنا**'' یعنی اے اللہ، ہمیں اور جو ہمیں تو دے اسے شیطان سے بچا۔

فرماتے ہیں کہ اگر اس جماع سے حمل ٹھہرے تو اس بچہ کو شیطان کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ''بسم اللہ'' کی ''ب'' کا تعلق کس سے ہے؟ نحویوں کے اس میں دو قول ہیں، اور دونوں ہی تقریباً ہم خیال ہیں۔ بعض ''اسم'' کہتے ہیں اور بعض ''فعل''، ہر ایک کی دلیل قران سے ملتی ہے، جو لوگ اسم کے ساتھ متعلق بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ " **بسم الله**" **ابتدائی**، یعنی اللہ کے نام سے میری ابتداء ہے۔ قرآن میں ہے: **اركبوا فيها بسم الله مجريها و مرسٰها ان ربی لغفور الرحيم** اس میں اسم یعنی مصدر ظاہر کر دیا گیا ہے، اور جو لوگ فعل مقدر بتاتے ہیں، چاہے وہ امر ہو یا خبر۔ جیسے کہ، **ابدأ" بسم الله**'' اور، **ابتدأت" بسم الله**'' ان کی دلیل آیت ''**اقرأ باسم ربک الذی خلق** '' ہے دراصل دونوں ہی صحیح ہیں، اس لئے کہ فعل کے لئے بھی مصدر کا ہونا ضروری ہے تو اختیار ہے کہ فعل کو مقدر مانا جائے اور اس کے مصدر کو بمطابق اس فعل کے جس کا نام پہلے لیا گیا۔ کھڑا ہونا، بیٹھنا، کھانا، پینا، قرآن کا پڑھنا، یا وضوء اور نماز وغیرہ، ان سب کے شروع میں برکت حاصل کرنے کے لئے، امداد چاہنے کے لئے اور قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا مشروع ہے، واللہ اعلم۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم، میں روایت ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام، محمد ﷺ پر جب وحی لے کر آئے تو فرمایا: اے محمد ﷺ کہئے ''**استعيذ بالله السميع العليم من الشيطٰن الرجيم**'': پھر کہا: کہئے ''**بسم الله الرحمٰن الرحيم** '' مقصود یہ تھا کہ اٹھنا، بیٹھنا، پڑھنا، سب اللہ کے نام سے شروع ہو۔

''اللہ'' وہ نام ہے جو سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی اور کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عرب کو یہ معلوم نہیں کہ اس کا اشتقاق کیا ہے؟ اس کا باب کیا ہے؟ بلکہ بہت بڑے نحوی کا خیال ہے کہ یہ اسم جامد ہے، اور اس کا کوئی اشتقاق ہے ہی نہیں۔ قرطبی نے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے، جن میں امام شافعی، امام خطابی، امام الحرمین، امام غزالی شامل ہیں۔ خلیل اور سیبویہ سے روایت ہے کہ ''الف لام'' اس میں لازم ہے۔ امام خطابی نے اس کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ ''یا اللہ'' تو کہہ سکتے ہیں مگر ''یا الرحمٰن'' کہتے ہوئے کسی کو نہیں سنا، اگر لفظ ''اللہ'' میں ''الف لام'' اصل کلمہ کا نہ ہوتا تو اس پر ندا کا لفظ ''یا'' داخل نہ ہوسکتا، کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف نداء کا ''الف لام'' والے اسم پر داخل ہونا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مشتق ہے اور اس پر ''روبہ بن العجاج'' کا ایک شعر بطور دلیل لاتے ہیں: جس میں مصدر ''تالہ'' کا بیان ہے جس کا ماضی ومضارع اَلِهَ يَأْلَهُ اِلَهَةً وُ تالها، ہے، وہ شعر یہ ہے:

للّٰہ در الغانیات المدة ☆ سبّحن و استرجعن من تالهی

جیسے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ ''ويــذرک و الِاهَتَکَ'' پڑھتے تھے، مراد اس سے عبادت ہے یعنی اس اللہ کی عبادت کی جاتی ہے اور وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں، بعض نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ: ''وَهُوَ اللّٰهُ فِيْ السَّمٰوَاتِ وَفِيْ الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ﴿۳﴾ 'سورة انعام، اور ایت میں ہے''وَهُوَ الَّذِیْ فِیْ السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِيْ الْأَرْضِ إِلَهٌ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ ''سورۂ زخرف، یعنی وہی اللہ ہے اسمانوں میں اور زمین میں وہی ہے جو اسمان میں معبود ہے، اور زمین میں معبود ہے، سیبویہ خلیل سے نقل کرتے ہیں، کہ اصل میں یہ ''الہ'' تھا جیسے فعالٌ پھر ہمزہ کے بدلے ''الف ولام'' لایا گیا ہے جیسے ''الناس'' کہ اس کی اصل ''اناس'' ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ لفظ اللہ کی اصل ''الـــہ'' ہے ''الف لام'' حرف تعظیم کے طور پر لایا گیا ہے، سیبویہ کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے، عرب شاعروں کے شعروں میں بھی یہ لفظ ملتا ہے کسائی اور فراء کہتے ہیں کہ اس کے اصل الالہ تھی ہمزہ کو حذف کیا اور پہلے لام کو دوسرے لام میں ادغام کیا جیسے کہ '' لَّكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّيْ وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّيْ أَحَداً ﴿۳۸﴾ ''(کھف:) میں لٰکن، انا، کا لکنا، ہوا ہے، چنانچہ حسن کی قرأت میں، لکن انا، ہی ہے، اور اس کا اشتقاق ''ولہ'' سے ہے اور اس کے معنی تحیر ہے، ولہ، عقل کے چلے جانے کو کہتے ہیں جب وہ جنگل میں بھیج دیا جائے، چونکہ ذات باری تعالیٰ اور اس

کی صفتوں کی تحقیق میں عقل حیران اور پریشان ہوجاتی ہے اس لئے اس پاک ذات کو اللہ کہا جاتا ہے، اس بناء پر اصل میں یہ لفظ ''ولاہ'' تھا، واو، کو، ہمزے، سے بدل دیا گیا، جیسے کہ ''وشاح'' اور ''وسادۃ'' میں اشاح واسادۃ، کہتے ہیں۔ رازی کہتے ہیں کہ یہ لفظ ''الهت الى فلان'' سے مشتق ہے جو کہ معنی میں سکنت کے ہے، یعنی میں نے فلان سے سکون اور راحت حاصل کی۔ چونکہ عقل کا سکون صرف ذات باری تعالی کے ذکر کی طرف ہے اور روح کی حقیقی خوشی اسی کی معرفت میں ہے اس لئے کہ علی الاطلاق کامل وہی ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں، اسی وجہ سے ''اللہ'' کہا جاتا ہے قرآن مجید میں ہے الَّـذِيْـنَ آمَنُواْ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللّهِ أَلاَ بِذِكْرِ اللّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿۲۸﴾ (الرعد).

یعنی ایمانداروں کے دل صرف اللہ تعالی کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ''لاہ، يلوه'' سے، ماخوذ ہے جس کے معنی چھپ جانے، اور حجاب کرنے کے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اله ا لفصيل'' سے ہے، چونکہ بندے اس کی طرف تضرع اور عاجزی سے جھکتے ہیں اسی کے دامن رحمت کا پلہ ہر حال میں تھامتے ہیں، اس لئے اسے اللہ کہا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب ،اله الرجل ياله، اس وقت کہتے ہیں جب کسی اچانک امر سے کوئی گھبرا اٹھے، اور دوسرا اسے پناہ دے اور بچالے، چونکہ تمام مخلوق کو ہر مصیبت سے نجات دینے والا اللہ تعالی ہے اس لئے اس کو اللہ کہتے ہیں، جیسے کہ قرآن مجید میں ہے: قُلْ مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾ (مومنون). یعنی وہی بچاتا ہے اور اس کے مقابل میں کوئی نہیں بچایا جاتا۔

رازیؒ کا مختار مذہب یہی ہے کہ لفظ ''اللہ'' مشتق نہیں ہے۔ خلیل، سیبویہ، اکثر اصولیوں اور فقہاء کا یہی قول ہے، اس کی بہت سی دلیلیں بھی ہیں، اگر یہ مشتق ہوتا، تو اس کے معنی میں بہت سے افراد کی شرکت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں، پھر اس لفظ کو موصوف بنایا جاتا ہے اور اس کی بہت ساری صفتیں آتی ہے۔ جیسے رحمٰن، رحیم، ملک، قدوس وغیرہ تو معلوم ہوا کہ یہ مشتق نہیں، قرآن میں ایک جگہ، العزيز الحميد''اللہ'' الخ جو آتا ہے وہاں یہ عطف بیان ہے۔ ایک دلیل اس کے مشتق نہ ہونے کے یہ بھی ہے، هل تعلم له سميا (مریم: ۶۵)، یعنی کیا اس کا ہم نام بھی کوئی جانتے ہو؟ لیکن یہ غور طلب ہے۔ واللہ اعلم۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے۔ لیکن رازیؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ جو معرفت الہی کے کنارے پر پہنچ گئے دوسرے وہ جو اس سے محروم ہیں جو حیرت کی اندھیروں میں اور جہالت کی پرخار وادیوں میں پڑے ہوئے ہیں، وہ تو عقل اور روحانی کمالات کو کھو بیٹھے ہیں، لیکن جو ساحل معرفت پر پہنچ چکے ہیں،

جونورانیت کے وسیع باغوں میں جاٹھہرے ہیں، جو کبریائی اورجلال کی وسعت کا اندازہ کرچکے ہیں وہ بھی یہاں تک پہنچ کرحیران وششدر، رہ گئے ہیں ،غرض ساری مخلوق اس کی پوری معرفت سے عاجزاورسرگشتہ وحیران ہیں پس یہ ان معانی کے بناء پراس پاک ذات کا نام اللہ ہے۔ساری مخلوق اس کی محتاج ،اس کے سامنے جھکنے والی ،اوراس کی تلاش کرنے والی ہیں۔اس معنی میں اسے اللہ کہتے ہیں ۔جیسا کہ خلیل کا قول ہے ،عرب محاورے میں ہراونچی اور بلند چیزکو''لاہ'' کہتے ہیں ''لاهت الشمس''چونکہ پروردگار عالم بھی سب سے بلندوبالا ہے،اس کوبھی اللہ کہتے ہیں۔اور''الٰه''کے معنی عبادت کرنے اورتالہ کے معنی قربانی کرنے کے ہیں ،اوررب عالم کی عبادت کی جاتی ہے۔اوراس کے نام پرقربانیاں کی جاتی ہیں،اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں۔ابن عباسؓ کی قرأت میں ہیں''ویذرک والهتک'' اس کی اصل''الاله'' ہے پس ''ف'' کلمہ کی جگہ پر جو''ہمزہ'' ہے وہ حذف کیا گیا۔پھرنفس کلمہ کا''لام'' زائد''لام'' سے ،جوتعریف کے لئے لایا گیا ہے، اس سے ملادیا گیااورایک کودوسرے میں مدغم کردیا گیا،توایک لام مشدد،رہ گیا،اورتعظیماً''اللہ'' کہا گیا۔یہ توتفسیر لفظ''اللہ'' کی تھی۔

الرحمٰن الرحیم :،یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں۔دونوں میں مبالغہ ہے،''الرحمٰن''میں''الرحیم'' سے زیادہ مبالغہ ہے علامہ ابن جریر کے قول سے معلوم ہوتا ہے وہ بھی ان معنوں میں متفق ہیں گویااس پراتفاق ہے۔بعض سلف کی تفسیروں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے،عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی اس معنی میں پہلے گذرچکا ہے،کہ''رحمٰن'' سے مراد دنیااوراخرت میں رحم کرنے والا اور''رحیم'' سے مراداخرت میں رحم کرنے والا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ''رحمٰن''مشتق نہیں ہے،اگر یہ اس طرح ہوتا تومرحوم کے ساتھ ملتا۔حالانکہ قرآن میں ''بالمؤمنین رحیما''ایا ہے مبرد کہتے ہیں کہ''رحمٰن''عبرانی نام ہے عربی نہیں۔ابواسحاق زجاج معانی القرآن میں کہتے ہیں کہ احمد بن یحی کا قول ہے کہ رحیم عربی لفظ ہےاوررحمٰن عبرانی ہے دونوں کوجمع کردیا گیا ہے۔لیکن ابواسحاق کہتے ہیں کہ اس قول کی طرف دل نہیں مانتا۔قرطبی فرماتے ہیں:اس لفظ کے مشتق ہونے کی دلیل یہ ہے،کہ ترمذی ومسنداحمد،کی صحیح حدیث ہے:**عن ابراهیم بن عبدالله بن قارظ ان اباه حدثه:انه دخل علی عبدا لرحمٰن بن عوفؓ وهومریض، فقال له عبد الرحمٰن :وصلَتُکَ رَحمٌ ان النبیﷺ قال:قال الله عزوجل انا الرحمٰن خلقت الرحم وشققت لهامن اسمی،فمن یصلها،اصله،ومن یقطعهااقطعه فابته.اوقال من یبتهاابته.** (**مسنداحمد**:رقم: ۱۶۸۰ ص: ۲ ۲۱ /۳). رسول اللہﷺ فرماتے ہیں،کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ میں''رحمٰن''

ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا، اور اپنے نام میں سے ہی اس کا نام مشتق کیا۔ اس کے ملانے والے کو میں ملاؤں گا، اور اس کے توڑنے والے کو میں کاٹ دوں گا۔ اس صریح حدیث کے ہوتے ہوئے مخالفت اور انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ رہا کفار عرب کا اس نام سے انکار کرنا، یہ محض ان کی جہالت کا ایک کرشمہ تھا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ "رحمٰن" اور "رحیم" کے ایک ہی معنی ہیں جیسے ندمان اور ندیم۔ ابوعبید کا بھی یہی خیال ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ، فعلان، فعیل، کی طرح نہیں۔ فعلان میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے جیسے "غضبان" اسی شخص کو کہہ سکتے ہیں جو بہت ہی غصہ والا ہو اور، فعیل، صرف، فاعل، اور صرف، مفعول، کے لئے بھی آتا ہے جو مبالغہ سے خالی ہوتا ہے۔

ابوعلی فارسی کہتے ہیں کہ "رحمٰن" عام اسم ہے جو ہر قسم کی رحمتوں کو شامل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ رحیم باعتبار مومنوں کے ہے فرماتا ہے " وکان بالمومنین رحیما" مومنون کے ساتھ، رحیم ہے، ابن عباس فرماتے ہیں یہ دونوں نام رحمت ورحم والے ہیں، ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت ورحم ہے۔ ابن عباسؓ کی اس روایت میں لفظ "ارق" ہے اس کے معنی خطابی وغیرہ ارفق کرتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ "اللہ تعالی رفیق" یعنی مہربانی اور شفقت والا ہے وہ ہر کام میں نرمی اور آسانی کو پسند کرتا ہے وہ نرمی اور آسانی پر وہ نعمتیں مرحمت فرماتا ہے جو سختی پر عطا نہیں فرماتا۔ ابن مبارک فرماتے ہیں "رحمٰن" اسے کہتے ہیں کہ جب اس سے جو مانگا جائے عطا فرمائے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے وہ، غضبناک، ہو۔ ترمذی کی حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ بعض شاعروں کا قول ہے۔

الله يغضب ان تركت سواله وبنى ادم حين يسال يغضب

یعنی اللہ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم سے مانگو تو وہ بگڑتے ہیں۔ عزرمی فرماتے ہیں کہ "رحمٰن" کے معنی تمام مخلوق پر رحم کرنے والا اور رحیم کے معنی مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔ دیکھئے قران کریم کی دو آیات " ثم استوى على العرش " اور " الرحمٰن على العرش استوى " میں استوی کے ساتھ "رحمٰن" کا لفظ ذکر کیا تاکہ تمام مخلوق کو یہ لفظ اپنے عام رحم وکرم کے معنی سے شامل ہو سکے اور مومنوں کے ذکر کے ساتھ لفظ "رحیم" فرمایا "وکان بالمومنین رحیما" پس معلوم ہوا کہ "رحمٰن" میں مبالغہ بنسبت "رحیم" کے بہت زیادہ ہے۔ لیکن حدیث کی ایک دعا میں "یارحمٰن الدنیا و الاخرة ورحیمهما" بھی آیا ہے۔ مسند بزار: ۱/۱۳۱، مسند مروزی: ۸۷، ۹۷۔

"رحمٰن" یہ نام بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے سوا دوسرے کا نام نہیں جیسے کہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ

کو پکارو، یا ''رحمٰن'' کو جس نام سے چاہو اسے پکارو، اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔ ایک اور ایت میں ہے:
'' واسئل من ارسلنا الخ '' (زخرف: ۴۵) یعنی اپنے سے پہلے کے رسولوں کو پوچھ لو، کیا ان کے لئے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود تھا جس کی عبادت وہ کرتے ہوں، جب مسیلمہ کذاب نے بڑے بڑے دعوے شروع کئے اور اپنا نام ''رحمان الیمامہ'' رکھا، تو پروردگار نے اسے بے انتہا رسوا اور برباد کیا اور وہ جھوٹ و کذب کی علامت مشہور ہو گیا، آج اسے مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے اور ہر جھوٹے دعویدار کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے، ہر دیہاتی اور شہری کچے پکے گھر والا اسے بخوبی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رحیم میں رحمٰن سے زیادہ مبالغہ ہے اس لئے اس لفظ کے ساتھ اگلے لفظ کی تاکید کئی گئی ہے اور تاکید بہ نسبت اس کے کہ جس کی تاکید کی جائے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تاکید ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو صفت ہے اور صفت میں یہ قاعدہ نہیں۔ پس اللہ تعالی کا نام لیا گیا ہے جس نام میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور اسکی صفت سب سے پہلے رحمٰن بیان کی گئی، اور یہ نام رکھنا بھی دوسروں کو ممنوع ہے، جیسے فرمادیا کہ، اللہ، کو ''یا رحمٰن'' کو پکارو، جس نام سے چاہو پکارو، اس کیلئے اسماء حسنی بہت سارے ہیں۔ مسیلمہ نے بدترین جرأت کی، اور برباد ہوا، اور اس کے گمراہ ساتھیوں کے سوا یہ بات اوروں پر نہ چل سکی۔ رحیم، کے وصف کے ساتھ اللہ تعالی نے دوسروں کو بھی موصوف کیا ہے۔
فرماتا ہے: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ) اس ایت میں اپنی نبی کو رحیم کہا، اسی طرح اپنے بعض اس ناموں سے دوسروں کو بھی اس نے یاد کیا ہے۔ جیسے ایت: إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعاً بَصِيراً ﴿۲﴾ (الدہر) میں انسان کو سمیع اور بصیر کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالی کے بعض نام تو ایسے ہیں کہ دوسرے معنی میں اس کا اطلاق ہوسکتا ہے، اور بعض ایسے ہیں کہ نہیں ہوسکتا، جیسے، اللہ تعالی، اور، رحمٰن، خالق، اور، رازق، وغیرہ، اسی لئے اللہ تعالی نے اپنا پہلا نام ''اللہ'' ذکر کیا پھر اس کی صفت ''رحمٰن'' سے کی۔ اس لئے کہ ''رحیم'' کی نسبت یہ زیادہ خاص ہے اور زیادہ مشہور ہے۔ قاعدہ ہے کہ پہلے سب سے زیادہ بزرگ نام لیا جاتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے سب سے زیادہ خاص نام لیا، پھر اس سے کم، پھر اس سے کم، اگر کہا جائے کہ جب ''رحمٰن'' میں ''رحیم'' سے زیادہ مبالغہ موجود ہے تو پھر اسی پر اکتفا کیوں نہ کیا گیا، تو اس کے جواب میں عطاء خراسانی کا یہ قول پیش کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ کافروں نے ''رحمٰن'' نام بھی غیروں کا رکھ لیا تھا، اس لئے ''رحیم'' کا لفظ بھی ساتھ لگایا گیا، تاکہ کسی قسم کا وہم ہی نہ رہے۔ ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' صرف

اللہ تعالیٰ ہی کے نام ہیں۔

ابن جریر نے اس قول کو نقل کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے کے عرب ''رحمٰن'' سے واقف ہی نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیت: **قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَـٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ** ،الایۃ [۱۱۰] (اسراء)۔ نازل فرما کر، ان کی تردید کی، کفار قریش نے حدیبیہ والے سال بھی جب رسول اللہ ﷺ نے علیؓ سے فرمایا تھا کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھو، تو کفار نے کہا تھا کہ ہم ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' کو نہیں جانتے۔ بخاری میں یہ روایت موجود، ہے بعض روایتوں میں ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم ''رحمٰن یمامہ'' کو جانتے ہیں کسی اور ''رحمٰن'' کو نہیں جانتے۔ اسی طرح اور جگہ قرآن پاک میں ہے: **وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۚ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا** [۶۰] [الفرقان] یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے، کہ ''رحمٰن'' کے سامنے سجدہ کرو، تو وہ حیرت زدہ ہو کر جواب دیتے ہیں کہ ''رحمٰن'' کون ہے؟ جسے ہم تیرے قول کی وجہ سے سجدہ کریں۔ درحقیقت یہ بدکار لوگ صرف عناد، تکبر، سرکشی اور دشمنی کی بناء پر رحمٰن کا انکار کرتے تھے، نہ کہ وہ اس نام سے ناآشنا تھے۔ اس لئے کہ جاہلیت کے زمانے کے پرانے اشعار میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام ''رحمٰن'' موجود ہے۔ جو انہی شاعروں کے شعر ہیں، سلامہ کے شعر اور دیگر اشعار ملاحظہ ہوں:

عجلتم علینا عجلتینا علیکم وما یشاء الرحمٰن یعقد ویطلق

الاضربت تلک الفتاۃ ھجینھا الاقضب الرحمٰن ربی یمینھا

تفسیر ابن جریر میں نقل ہے عبداللہ بن عباس سے، کہ ''رحمٰن'' فعلان، کے وزن پر رحمت، سے ماخوذ ہے اور کلام عرب سے ہے۔ وہ اللہ، رفیق، اور رقیق ہے، جس پر رحم کرنا چاہے اور جس سے غصے ہو اس سے بہت دور اور اس پر بہت سخت گیر بھی ہے۔ اسی طرح ان کے سارے نام ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ ''رحمٰن'' کا نام دوسروں کے لئے منع ہے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا نام ہے، لوگوں کو اس نام پر کوئی حق نہیں۔ اور اسی طرح ایک جماعت ''بسم اللہ'' کو ایت قرار دیکر ایت ''الحمد'' کو الگ پڑھتی ہے اور بعض ملا کر پڑھتے ہیں۔ میم، کو دو ساکن جمع ہو جانے کی وجہ سے زیر دیتے ہیں۔ جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ کوفی کہتے ہیں کہ بعض عرب میم پر زبر پڑھتے ہیں، ہمزہ، کی حرکت زبر، میم کو دیتے ہیں۔ جیسے ''الم، اللہ لاالہ الاھو''، ابن عطیہ کہتے ہیں کہ زبر کی قرأت کسی سے بھی میرے خیال میں مروی نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿٢﴾

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا[٢]

(٢)اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿١﴾جب کوئی شخص کوئی اچھا کام اپنے اختیار سے کرتا ہے،اور دوسرا شخص اس کی بزرگی کے ارادے سے اس کام کی ثناوصفت اپنے زباں سے بجالاتا ہے،تو اس کو حمد کہتے ہیں، یہ حمد خاص اللہ ہی کے ذات پاک کو لائق ہے۔دوسرے کو زیبا نہیں،حدیث میں آیا ہے "اللهم لک الحمد كله" ابن عباسؓ کہتے ہیں ، الحمدلله ، شکر کا کلمہ ہے۔بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالی فرماتا ہے لو میرے بندے نے میرا شکر کیا۔ابن عمرو کا لفظ مرفوع یہ ہے کہ "الحمدللہ" سر ہے شکر کا۔جس نے اللہ کی حمد نہ کہی اس نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا،اس کو عبدالرزاق اور خطابی وحکیم ترمذی وبیہقی نے روایت کیا ہے۔قران پاک میں نوح علیہ السلام کو بندہ شکر گذار فرمایا ہے:ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْداً شَكُوراً﴿٣﴾(اسراء)۔اس لئے کہ وہ اللہ کی بہت حمد کیا کرتے تھے۔

جابرؓ نے مرفوعاً کہا ہے،کہ،افضل ذکر،لا اله الاالله ہے۔اور افضل دعا الحمدلله ہے اس کو ترمذی نے حسن کہا ہے،نسائی وابن ماجہ اور ابن حبان،بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ابو مالک اشعریؓ کا لفظ یہ ہے کہ" الحمدلله " ترازو کو بھر دیتا ہے،رواہ مسلم والنسائی واحمد۔

انسؓ کا لفظ مرفوع یہ ہے کہ،حمد سے زیادہ کوئی چیز اللہ کو محبوب نہیں ہے،ابو ہریرہؓ کی حدیث میں یوں فرمایا ہے کہ ہر عمدہ کام جو اللہ کے حمد سے شروع نہیں کیا جاتا،وہ برکت سے خالی ہوتا ہے،رواہ اھل السنن وابن حبان وبیہقی،مسلم کا لفظ مرفوع انسؓ سے یوں آیا ہے کہ،خوش ہوتا ہے اللہ اس بندے سے جو ہر نوالے،ہر گھونٹ پر اللہ کی حمد کرتا ہے۔

رب: کہتے ہیں کسی چیز کے مالک،مربی،مدبر،مصلح،جابر،قائم کو،معبود کو،سو یہ سارے معنی اللہ پاک کی ذات میں موجود ہے۔رب،کا استعمال غیر اللہ کے لئے اضافت سے ہوتا ہے،جیسے"رب الدار" وغیرہ بغیر اضافت خاص اللہ کے لئے بولا جاتا ہے،کسی نے یہی کہا ہے کہ یہ نام اسم اعظم ہے۔

العالمین: عالم کی جمع ہے،اور اسم آلہ کا صیغہ ہے،کہتے ہیں ہر موجود ماسوا اللہ کو،یعنی جو کچھ اللہ کے سوا موجود ہے وہ سب "عالم" ہے،لفظ عالم میں سارے خلق داخل ہیں کسی نے کہا عالم مشتق ہے علامت سے۔یہ مصنوعات گویا وجود صانع=

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٣﴾ [٣] مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٤﴾ (٤)

بہت بخشش کرنے والا ، بڑا مہربان، جزاء کے دن کا مالک

=: کی علامت ہیں ابن معتز نے کیا خوب کہا ہے:

فیاعجبا کیف یعصی الاله ام کیف یجحده الجاحد وفی کل شیء له ایة تدل علی انه واحد

بعض نے کہا، ہر زمانے کے لوگ ''عالم'' کہلاتے ہیں، ابن عباسؓ نے کہا مراد ''عالم'' سے جن اور انس ہے، بعض نے ملائکہ وشیاطین کا بھی اضافہ کیا ہے، قول اول صحیح تر ہے۔اس دلیل سے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ '' رب العلمین'' کون ہے؟ تو انہوں نے یہ جواب دیا تھا۔

قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ (الشعراء)۔اس سے یہی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عالم سے الگ تھلگ ہے، عالم میں داخل نہیں ہے، اس لئے قران میں آیا ہے کہ: ''الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ﴿٥﴾ (طہ) رحمٰن عرش پر ہے'' عالم'' کی گنتی میں اختلاف ہے کسی نے کہا چودہ ہزار عالم ہیں کسی نے کہا سترہ ہزار، کسی نے کہا اٹھارہ ہزار، کسی نے کہا اسی ہزار'' عالم'' ہیں ٹھیک بات یہی ہے کہ سوا'' عالم الغیب'' کے کسی کو گنتی عوالم کی معلوم نہیں ہے۔کعب احبار نے کہا نہیں جانتا کوئی شخص ،عدد عوالم، مگر اللہ عزوجل، میں کہتا ہوں قران مجید میں آیا ہے:وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ (مدثر).

(۳) الرحمٰن الرحیم: بہت مہربان نہایت رحم والا لفظ'' رب العلمین'' میں ایک طرح کا ڈرانا تھا، اس لئے ان دونوں نام مبارک کو ذکر کر کے تسلی، خاطر بخشی ترہیب کو ترغیب ملا دیا۔ ''رحمٰن'' اور'' رحیم'' کی تحقیق بسملہ میں گذر گئی۔

(۴) مالک یوم الدین: لفظ ''مالک'' '' ملک'' سے مشتق ہے، جسکے معنی ہیں کسی چیز پر ایسا قبضہ کہ وہ اس میں تصرف کرنے کی جائز قدرت رکھتا ہو، (قاموس)۔

لفظ **دین** قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے چنانچہ بعض مقامات میں پوری شریعت کو دین کہا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے:ومن یبتغ غیر الاسلام دینافلن یقبل منه . (ال عمران: ۸۵) یعنی جس نے اسلام کے سوا=:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۞

ہم تیری عبادت کرتے(۵) ہیں اور تجھ ہی سے مددمانگتے ہیں(٦)

=: کسی اور دین کو پسند کرلیا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اکثر جگہوں میں ''الدین'' اللہ کی توحید اس کی خالص عبادت، اور پکار، کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا: **ان الحكم الالله امران لاتعبدوا الا اياه ذلك الدين القيم** (یوسف: ۴۰) یعنی نہیں حکم مگر اللہ کے لئے اس نے حکم دیا ہے کہ مت عبادت کرو اس کے سوا کسی کی، یہی ہے دین محکم۔ سورت زمر: ۳، میں فرمایا: **الالله الدين الخالص**۔ یعنی خبردار اللہ ہی کے لئے ہے خالص عبادت اور پکار۔ اور سورت حم مومن میں ہے: **فادعوا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون**(۱۴) یعنی سوا اللہ کو پکارو، خالص کر کے اس کے لئے عبادت کو، گو کافروں کے لئے ناگوار ہی کیوں نہ ہو، مگر جہاں لفظ ''دین'' یوم کا مضاف ہو وہاں اس کے معنی جزاء کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ **مالک يوم الدين** میں ہے۔

یعنی روز جزاء کا مالک، اور اس دن میں تمام تصرفات اور اختیارات کا واحد مختار اور اعمال کی جزاء وسزا مقرر کرنے والا، اور اعمال پر نیک وبد نتائج مرتب کرنے والا، اور اختیار رکھنے والا، یہ مذکورہ دعوی یعنی ''**الحمدلله**'' کی تیسری دلیل ہے۔

(۵) اياك نعبد سورت فاتحہ میں یہ ایت مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ ''**ایاک نعبد**'' میں ''**ایاک**'' مفعول کو ''**نعبد**'' فعل پر مقدم کیا گیا ہے، تاکہ حصر کا فائدہ دے، اور مطلب یہ ہو کہ عبادت صرف اللہ کے لئے ہونی چاہئے، اور اس کے سوا کسی پیغمبر، فرشتہ یا، ولی کی عبادت اور پکار نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ وہ سارے خود اللہ کے حکم سے اسی ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح ''**اياك نستعين**'' میں فائدہ حصر کے لئے مفعول بہ کو فعل پر مقدم کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ مدد صرف اللہ ہی سے مانگنی چاہئے۔ اور اس کے سوا کسی پیر یا پیغمبر سے اور کسی فرشتہ یا ولی سے مافوق الاسباب امور میں مدد نہیں مانگنی چاہئے۔ امام ابن کثیر بعض بزرگوں سے نقل فرماتے ہیں، کہ سارے قرآن کا مرکزی حصہ سورت فاتحہ ہے اور سورت فاتحہ کا مرکزی حصہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہے، وہ لکھتے ہیں: **الفاتحة سر القران وسرها هذه الكلمة**

(ایاک نعبدو ایاک نستعین۔ابن کثیر)۔

عبادت کے مفہوم میں دو چیزیں داخل ہیں،ایک غایت تذلل،یعنی انتہائی عاجزی اور ذلت،دوم غایت تعظیم، لیکن اس اعتقاد اور شعور کے ساتھ کہ معبود کو غائبانہ تصرف اور قدرت حاصل ہے،جس سے وہ نفع ونقصان پر قادر ہے۔ کیونکہ معبود صرف وہی ہوسکتا ہے جس میں دو صفتیں موجود ہوں:۱۔یہ کہ وہ عالم الغیب ہو،کائنات کا ذرہ ذرہ اس پر منکشف ہو،اور زمین وآسمان کی ساری مخلوق کے ظاہر وباطن سر وعلانیہ کو وہ اچھی طرح جانتا ہو۔۲:یہ کہ وہ مالک ومختار،متصرف فی الاموراور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو،قرآن مجید میں اللہ تعالی نے جہاں کہیں اپنے لئے استحقاق عبادت وپکار کا ذکر فرمایا ہے وہاں اپنی انہی دونوں صفتوں کو اس کی علت قرار دیا ہے،اور جہاں کہیں غیر اللہ سے عباد وپکار کی نفی کی ہے،وہاں غیر سے دونوں صفتوں کی نفی فرمائی ہے،کہیں دونوں صفتوں کی نفی ہے اور کہی صرف ایک کی،چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا یُشْرِکُونَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّکَ یَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا یُعْلِنُونَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُکْمُ وَإِلَیْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۷۰﴾ (قصص)یعنی اور تیرا رب جو کچھ چاہتا ہے،پیدا کرتا ہے،اور پسند کرتا ہے،ان لوگوں کو کوئی اختیار حاصل نہیں،اللہ تعالی ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے،اور تیرا رب جانتا ہے،جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں،اور وہی اللہ ہے،اس کے سوا کوئی معبود بننے کے لائق نہیں،دنیا واخرت میں تمام صفات کارسازی کا مستحق وہی ہے،اور اسی کی حکومت ہوگی اور اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے ۔دوسری جگہ فرمایا:

لَهُ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ﴿۶﴾ وَإِن تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ یَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ﴿۷﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ﴿۸﴾ (طه:۷)یعنی جو کچھ آسمانوں میں ہے،اور جو کچھ زمین میں ہے،اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور جو کچھ (زمین کی) مٹی کے نیچے ہے سب اُسی کا ہے۔اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔(وہ برحق معبود ہے کہ) اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے،اُس کے (سب) نام اچھے ہیں۔اور ایک جگہ ارشاد ہے:

وَلِلَّهِ غَیْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَیْهِ یُرْجَعُ الْأَمْرُ کُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْهِ وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾ (هود:)آسمانوں اور زمین میں جتنی بھی غیب کی باتیں ہیں،ان سب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، اور سب امور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں،پس تم اسی کی عبادت کرو،اور اسی پر بھروسہ کرو،اور تمہارا رب ان باتوں سے

بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو،ان کے علاوہ آیت الکرسی اوردوسری کئی ایتوں میں بھی یہ مضمون وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ان تمام ایتوں میں اللہ تعالی نے پہلے اپنی ان دونوں صفتوں کا ذکر فرمایا کہ وہ متصرف ومختار ہے،زمین واسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کے قبضہ میں ہے زمین وآسمان کی ساری مخلوق کے تمام معاملات اورسارے کارخانہ عالم کی تدبیر اور پورا نظام عالم اسی کے زیر اقتدار ہے،اورزمین وآسمان کے تمام غیوب کو جاننے والا بھی وہی ہے،اورتینوں جگہوں میں دونوں صفتیں بیان کرنے کے بعد یہ اعلان فرمایا کہ جب عالم الغیب اور متصرف ومختار،اللہ ہے،تو معبود بننے اور پکارے جانے کے لائق بھی صرف اللہ ہی ہے،تمام صفات کارسازی بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔لہذا تم اسی کی عبادت کرو،اسی کو پکارو،اسی کے آگے جھکو،اوراسی سے مانگو،جو کچھ بھی مانگو،ایک مقام پر تو اللہ تعالی نے مشرکین کو خطاب کرکے صاف صاف ان کے رویہ پر انکار فرمایا کہ تم ایسے بے بس اور بے چارے معبودوں کو پکارتے ہو جو تمہارے نفع اورنقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے،اور نہ تمہارے حالات کو جانتے ،اورنہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں۔اوراس اللہ کو چھوڑتے ہو جو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔اورتمہارے نفع اورنقصان کا بھی پورا پورا اختیار رکھتا ہے۔ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّهِ مَا لاَ يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرّاً وَلاَ نَفْعاً وَاللّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۷۶﴾(مائدۃ:۷۶) کہو کہ تم اللہ کے سوا ایسی چیز کی کیوں پرستش کرتے ہو جس کو تمہارے نفع اورنقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں اوراللہ ہی (سب کچھ) سنتا جانتا ہے۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر وہ قول وفعل،دعا،اورپکار،ثناء،اورتعظیم،رکوع اورسجود قیام اورقعود،وغیرہ جو،اس اعتقاد اورشعور کے ساتھ ہو کہ معبود کو مافوق الاسباب ہمارے تمام معاملات پر غیبی قبضہ اورتسلط حاصل ہے۔اوروہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے عبادت ہے،چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے عبادت کی تعریف کو ایک جامع تعبیر سے حسب ذیل عبارت میں بیان فرمایا ہے: عبادت اس اعتقاد اورشعور کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط حاصل ہے۔جس کی وجہ سے وہ نفع ونقصان پر قادر ہے۔اس لئے ہر تعریف،ہر پکار اور ہر تعظیم جو اس مذکورہ اعتقاد،وشعور کے ساتھ ہو،وہ عبادت ہے۔ملخص از مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین۔

تقریر بالا سے اس شبہ کا جواب بھی ہوگیا،کہ تعظیم وتکریم ،اورعزت واحترام تو اللہ کے سوا اوروں کا بھی کیا جاتا ہے۔اللہ کے پیغمبرﷺ کی تعظیم وتکریم تو ساری امت پر فرض ہے۔استاد اور پیرومرشد کا ادب واحترام بھی لازم ہے۔اور والدین کی تعظیم وتکریم بھی ضروری ہے،لہذا اگر تعظیم وتکریم اور عجز کا نام عبادت ہے تو پھر یہ بھی عبادت ہوگی۔حالانکہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں،تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعظیم صرف وہی عبادت

ہے جس میں معبود کو مافوق الاسباب غیبی طور پر متصرف اومختار اور عالم الغیب سمجھا جائے، اور اگر معظم اور محترم ہستی کو صفات بالا سے متصف نہ مانا جائے تو یہ تعظیم عبادت میں داخل نہیں۔

اس لئے ایسی تعظیم غیراللہ کی بھی جائز ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تعظیم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو ذات باری تعالی کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوم وہ جو غیراللہ کے لئے بھی جائز ہے۔ پہلے ایات قرانیہ سے بوضاحت معلوم ہو چکا ہے، کہ معبودیت کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک متصرف ومختار اور قدرت کاملہ کا مالک ہونا۔ دوم زمین وآسمان کی تمام ظاہر اور چھپی ہوئی چیزوں کا عالم ہونا۔ علامہ ابن قیم کی جو عبارت پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ اس کا حاصل بھی یہی ہے، کہ معبود وہی ہوسکتا ہے جسے علم اور تصرف کے اعتبار سے تمام مخلوق پر غیبی تسلط حاصل ہو۔ جس کی وجہ سے وہ نفع ونقصان پہنچانے پر قادر ہو، لہذا تعظیم کا ہر وہ طریقہ خواہ وہ حمد وثنا ہو یا دعا وپکار، رکوع وسجود ہو، یا کچھ اور، جو اس اعتقاد اور شعور کے ساتھ بجالایا جائے کہ معظم ومحترم ہستی مافوق الاسباب اختیار وتصرف کی مالک اور عالم الغیب ہے، تو ایسی تعظیم عبادت ہوگی، اور ذات باری تعالی کے ساتھ محسوس ہوگی۔ لہذا جب یہ عقیدہ ہو کہ فلاں کو مجھ پر ظاہری اسباب کے سوا مافوق الاسباب غیبی تسلط حاصل ہے، اور وہ غائبانہ مجھے نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس اعتقاد کے تحت کوئی بھی تعظیم ہاتھ پاؤں سے سرزد ہو، یا زباں سے ثنا یا پکار ہو، تو وہ اس کی عبادت ہوگی۔

اگر یہ اعتقاد اللہ تعالی کے متعلق ہو تو اسکے تحت کئے گئے تمام افعال تعظیم، اللہ تعالی کی عبادت میں داخل ہونگے، اور اگر معاذ اللہ مذکورہ بالا اعتقاد غیراللہ کے لئے ہو، مثلا فرشتہ، جن، پیغمبر، ولی، زندہ یا فوت شدہ تو اس اعتقاد کے تحت سجدہ، رکوع۔ پکار، نذر و نیاز جھکنا، دوزانوں بیٹھنا، قبر پر چادر یا پھول چڑھانا، وغیرہ تعظیمی افعال ان کی عبادت ہوگی، اور شرک ہوگا۔ اللہ تعالی نے جہاں کہیں خالص عبادت کا حکم دیا ہے اور شرک سے منع فرمایا ہے وہاں یہی مراد ہے کہ مذکورہ بالا اعتقاد اور شعور کے ساتھ تمام تعظیمی افعال واقوال (سجدہ، رکوع، دعا، پکار، نذر، نیاز وغیرہ) صرف اللہ تعالی کے لئے بجالائے جائیں۔ سورت زمر میں ارشاد ہے: فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ (۲ زمر).

سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہیے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ غیبی تسلط اور مافوق الاسباب، اقتدار اعلی کے اعتقاد کے ساتھ ہر قسم کی تعظیم صرف اللہ ہی کی بجالاؤ، نہ کسی پیغمبر، یا ولی یا فرشتہ کی۔ اور سورۂ زمر میں پھر اشاد ہے: قُلْ إِنِّيْ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ اور اس ایت کے بعد فرمایا قُلِ اللَّهَ أَعْبُدُ مُخْلِصاً لَّهُ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِ.

مطلب یہ ہے: کہ اے پیغمبر ﷺ آپ فرما دیجئے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں غائبانہ تسلط اور مافوق الاسباب تصرف وقدرت کے تحت تمام تعظیمی افعال واعمال صرف اللہ ہی کے لئے بجالاؤں، اور اے مشرکین تم مذکورہ اعتقاد کے ساتھ تعظیمی افعال اللہ کے سوا جس کے لئے چاہو بجالاؤ۔ ابراہیم واسمٰعیل اور ھابیل (ہبل) علیہم السلام کے لئے، یا ''لات'' اور دوسرے بزرگوں کیلئے، لیکن میں تو ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ جو لوگ مذکورہ بالا تعظیم صرف اللہ کے لئے بجالائیں گے اور غیر اللہ کی ایسی تعظیم سے اجتناب کریں گے جنت اور نعیم آخرت کی خوش خبری بھی ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے جو سورۃ زمر میں ذکر ہے:

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ یعنی جو لوگ طاغوت کی عبادت اور غیبی تسلط کے اعتقاد کے تحت اس کے لئے تعظیمی افعال واعمال بجالانے سے اجتناب کریں اور یہ سب کچھ صرف اللہ ہی کے لئے بجالائیں تو خوش خبری ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔

حاصل یہ ہے کہ غیبی تسلط اور مافوق الاسباب تصرف وقدرت کے اعتقاد کے تحت جو افعال تعظیمی بجالائے جائیں، وہ عبادت میں داخل ہیں، اور ایسی تعظیم اللہ کے ساتھ خاص ہے، اور اللہ کے سوا کسی پیغمبر، ولی پیر، ومرشد واستاد، اور ماں باپ اور حاکم وقت وغیرہ ہی کے لئے جائز نہیں۔

تعظیم کی دوسری قسم یہ ہے، کہ غیبی تسلط اور مافوق الاسباب قدرت وتصرف کا اعتقاد رکھے بغیر، رسول ﷺ، اپنی استاد، پیر مرشد اور دوسروں کی تعظیم وتکریم بجالانا، ان کی اطاعت کرنا، ان کے سامنے دوزانو بیٹھنا، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینا، ان کی خدمت میں تحفے تحائف اور ہدیے پیش کرنا، وغیرہ وغیرہ، یہ تعظیم چونکہ عبادت میں داخل نہیں اس لئے یہ اللہ کے سوا قابل احترام ہستیوں کے لئے جائز ہے۔ کیونکہ اس میں وہ اعتقاد نہیں پایا گیا جو عبادت کی روح ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور غیر عبادت میں فارق اور مابہ الامتیاز نیت اور اعتقاد ہے، لیکن یہ بات یاد رہے کہ تعظیم کی بعض سورتیں ایسی ہیں، جو اللہ تعالی کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ کسی بھی نیت سے غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہیں، مثلاً سجدہ کرنا، اللہ کے گھر کا طواف کرنا، حلف اٹھانا (قسم کھانا)، اور نذر و نیاز دینا، وغیرہ یہ امور ایسے ہیں کہ ہر حال میں صرف اللہ ہی کے لئے کرنے جائز ہیں، غیر اللہ کیلئے بالکل ناجائز ہیں، اگر یہ امور غیر اللہ کے لئے مذکورہ بالا اعتقاد غیبی تسلط اور مافوق الاسباب قدرت کے ساتھ کئے جائیں۔ تو صریح شرک ہے، اور اگر اس اعتقاد کے بغیر کئے جائیں تو شرک نہیں ہوگی۔

(٦) وِإِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ ۔ یہاں بھی مفعول کو فعل پر اس لئے مقدم کیا، تا کہ حصر کا فائدہ حاصل ہو، مطلب یہ کہ جس طرح عبادت صرف اللہ ہی کی ہونی چاہیئے ،اسی طرح استعانت (مدد طلب کرنا) بھی صرف اسی ہی سے ہونی چاہیئے نہ کسی اور سے۔استعانت (یعنی حاجت اور مشکلات میں پکارنا اور مدد مانگنا) چونکہ عبادت کی سب سے بڑی اور اہم شاخ ہے۔اس لئے عبادت کے بعد خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ ہر آدمی جو کسی معبود کی عبادت کرتا ہے، دنیوی زندگی کے اعتبار سے اس کی عبادت کا مقصد اور لب لباب یہی ہوتا ہے۔ کہ اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جائیں اور اس کی تمام مشکلیں آسان ہو جائیں،۔

اس لئے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دعا (یعنی پکار) عبادت کا مغز اور لب لباب ہے۔" **الدعاء مخ العبادة**" اور ایک روایت میں ہے "**الدعاء هو العبادة**" (ابوداود: ١٢٦٤ ،ترمذی: ٢٨٩٥) تفسیر ابن جریر۔،یعنی پکارنا ہی اصل عبادت ہے قرآن مجید میں بھی لفظ عبادت بمعنی دعا اور پکار وارد ہوا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ (مومن: ٦٠) . اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے: کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔اس آیت میں پہلے اللہ تعالی نے اپنی پکار کا حکم فرمایا ہے، پھر پکار کو لفظ عبادت سے تعبیر فرمایا، جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے: کہ "**عبادتی**" سے مراد "**دعائی**" ہے، یعنی اس آیت میں عبادت سے دعاء اور پکار مراد ہے تفسیر ابن جریر وابن کثیر۔

سورۂ زمر اور حوامیم کا مرکزی مقصد ہے۔ **فَادْعُوهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ** (مومن: ٦٥) اور سورت فاتحہ میں اسی دعوٰی کو ﴿ إِيَّاکَ نَعْبُدُ وإِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ سے بیان کیا گیا ہے اس طرح سارے قرآن کا مرکزی مضمون حوامیم میں اور حوامیم کا خلاصہ سورت فاتحہ میں اور فاتحہ کا لب لباب ﴿إِيَّاکَ نَعْبُدُ وإِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ﴾ میں ہے۔(جیسا کہ پہلے گذر گیا)۔

اعتراض: ہم ہر وقت یہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، کہ ہر انسان دوسرے انسان سے مدد مانگتا ہے، اور اسے اپنی مدد کے لئے پکارتا، اور اس سے مدد کی درخواست کرتا ہے، یہ باہمی مدد و امداد کا سلسلہ اس قدر وسیع اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر دنیا کا کاروبار ایک منٹ بھی نہیں چل سکتا۔اور اس باہمی امداد کا ثبوت خود قرآن مجید میں بھی موجود ہے، عیسٰی علیہ السلام

نے جب یہودیوں کی شرارت بھانپ لی، اور سمجھ لیا، کہ وہ کفر پر آڑ گئے ہیں تو اعلان کیا: مَنْ أَنصَارِىٓ إِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللّٰهِ (ال عمران: ٥٢)

یعنی اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہے؟ تو حواریون نے جواب دیا کہ ہم ہیں، اللہ کے دین کے مددگار، اسی طرح ذوالقرنین نے بھی ایک قوم سے مدد کی درخواست کی تھی، سورت کہف: میں ارشاد ہے" فاعینونی بقوة" الاية (٩٥) یعنی تم لوگ قوت بازو سے میری مدد کرو، علاوہ ازیں اللہ تعالی نے تمام انسانوں کو امداد باہمی کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: وتعاونوا علی البرو التقوی (مائدہ: ٢) نیکی اور خوف الہٰی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، تو اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔ آج کل کے اہل بدعت اس قسم کی چیزیں پیش کر کے عوام کو ورغلانے کی کوشش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں دیکھو جی، اللہ نے ایک دوسرے سے مدد مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اور عیسی علیہ السلام نے بھی اپنی متبعین سے مدد مانگی تھی، لہذا اولیاء اللہ سے بھی مدد مانگنا جائز ہے۔

جواب: اہل بدعت کے قول سے معلوم ہوا، العیاذ باللہ، عوام الناس، اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کے حاجت روا، اور مشکل کشا ہیں، کیونکہ عیسی علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے مدد مانگی اور ذوالقرنین نے اپنی قوم سے۔ یہ اہل بدعت بھی عجب کشمکش اور مخمصے میں مبتلا ہے۔

ایک طرف تو دعوی کرتے ہیں کہ انبیاء علیہ السلام اور اولیاء کرام حاجت روا اور مشکل کشا ہیں، اور دوسری طرف عوام الناس کو انبیاء اور اولیاء کا حاجت روا سمجھتے ہیں، معاذ اللہ ربی، یہ تو الزامی جواب تھا، اس کا تحقیقی جواب یہ ہے" ایاک نستعین"، میں جو استعانت اور استمداد اللہ کے ساتھ مختص کی گئی ہیں وہ اور ہے، اور جو استمداد اور استعانت روزمرہ کی زندگی میں ہر آدمی دوسرے سے کرتا ہے، یا جو انبیاء علیہ السلام نے اپنے متبعین سے کی، وہ اور ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

استعانت (مدد مانگنے) کی دو قسمیں ہیں: ایک استعانت ماتحت الاسباب یعنی ظاہری اسباب کے تحت کسی سے مدد مانگی جائیں، یہ وہ امداد ہے جو تمام انسانوں کو روزمرہ کی زندگی میں ایک دوسرے سے حاصل ہوتی ہے، عیسی علیہ السلام نے حواریوں سے جو مدد مانگی تھی وہ بھی ماتحت الاسباب تھی، جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہود ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں، تو حواریون سے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ہے جو اللہ کے دین کے لئے میری مدد کریں؟ حواریون نے جواب دیا ہم ہیں اللہ کے دین کے مددگار۔ یہ سارا معاملہ ماتحت الاسباب تھا، حواری عیسٰی علیہ السلام کے پاس تھے، غائب نہیں تھے، انہوں نے بالمشافہ حواریوں سے اسباب عادیہ کے تحت امداد طلب کی، اسی طرح ذوالقرنین نے بھی یاجوج وماجوج کو روکنے کے لئے

دیوار بناتے وقت لوگوں سے جو کہا تھا"اعینونی بقوۃ" کہ تم لوگ قوت بازو یعنی کام سے میری مدد کرو، یہ مدد بھی ظاہری اسباب کے تحت تھی، نہ عیسیٰ علیہ السلام نے حواریون کو غائبانہ پکارا، اور نہ ان سے مافوق الاسباب مدد مانگی، اور نہ ہی ذو القرنین نے اپنی قوم سے ایسا کیا، جس طرح ظاہری اسباب کے تحت مدد، امداد جائز ہے، اسی طرح اسباب عادیہ کے تحت پکار بھی جائز ہے، یعنی جو آدمی سامنے موجود ہو، اسے پکار کر (اے فلاں کہہ کر) کوئی ایسا کام کرنے کا کہا جائے جو اسباب عادیہ کے تحت اس کی قدرت میں ہو، مثلاً اسے کہا جائے کہ مجھے پانی پلادو یا بازار سے سودا سلف لادو وغیرہ، قرآن مجید میں ہے، جنگ احد میں وقتی افراتفری کی بنا پر جب کچھ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ ہو گئے، اور آپ ؐ نے ان کو واپس بلایا:"والرسول یدعوکم فی اخراکم" (ال عمران:۱۰۳) اور رسول پیچھے سے تم کو بلا رہے تھے، نبی علیہ السلام کا یہ بلانا اور پکارنا اسباب ظاہری کے تحت تھا۔ اور اواز ان کو دی جارہی تھی، جو میدان احد میں آپ ؐ کی آواز سن رہے تھے، یہ پکار ماتحت الاسباب ہے، اور اس کے بغیر دنیا کا کاروبار ہی نہیں چل سکتا۔

ایک جگہ فرمایا لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا (النور:۶۳) یعنی جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام سے اور بلند آواز سے پکارتے ہو، اس طرح رسول اللہ کو نہ پکارا کرو۔ معلوم ہوا کہ جو استعانت امداد باہمی اور پکار عادی اسباب کے تحت ہو وہ نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کے سوا دنیا کا کاروبار ہی نہیں چل سکتا، اور"ایاک نستعین" میں اس قسم کی استعانت کا حصر مقصود نہیں اور نہ ہی اس کی قران میں ممانعت ہے۔

استعانت کی دوسری قسم ہے مافوق الاسباب: یعنی اسباب عادیہ کے بغیر کسی کو دور و نزدیک سے غائبانہ پکارا جائے اور اس سے استمداد کی جائے، یہ پکار اور استعانت اللہ تعالی کے ساتھ مخصوص ہے، اور اللہ کے سوا کسی پیغمبر، فرشتہ، یا ولی سے ہرگز جائز نہیں۔ تمام انسانوں، بلکہ جانداروں کی مافوق الاسباب مدد اللہ تعالی ہی کرتا ہے، اس کی امداد میں قرب و بعد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور یہ استمداد غیر اللہ سے شرک ہے، اور یہی وہ استمداد و استعانت ہے جس کا "إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" میں حصر ہے۔ اس موقع پر تفسیروں میں ایک سوال و جواب مذکور ہے، کہ انسان ایک دوسرے سے کئی امور میں مدد لیتا ہے، پانی مانگتا ہے، روٹی مانگتا ہے، اور اس سے کئی ضرورت کی چیزیں طلب کرتا ہے، تو پھر"ایاک نستعین" کا حصر کس طرح صحیح ہوا؟

اس کا جواب: یہ دیا گیا ہے کہ انسان ظاہری اسباب کے تحت ایک دوسرے سے جو امداد لیتا ہے، وہ ظاہری امداد بھی دراصل اللہ تعالی ہی سے ہوتی ہے، کیونکہ مدد کرنے والے انسان کے جسم و جان کو اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے، ا=

اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِینَ أَنعَمتَ عَلَیھِم

ہمیں سیدھاراستہ دکھا۔(۷)ان لوگوں کاراستہ جن پرتونے انعام کیاہے۔[۸]

سے ہاتھ پاؤں اسی نے دیئے ،اوران میں حرکت بھی اسی نے پیدافرمائی ،لیکن استعانت اوراستمداد کی مذکورہ بالا دوقسمیں (ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب) بیان کرنے کے بعداس قسم کےسوال وجواب کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

بعض اہل بدعت اس موقع پرایک اور مغالطہ پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ تو درست ہے، کہ غیراللہ کی عبادت جائزنہیں بلکہ شرک ہے خواہ کسی پیغمبر کی عبادت ہو یافرشتہ اورولی کی ،لیکن انبیاء اور اوراولیاء کوحاجات ومشکلات میں امداد کے لئے غائبانہ پکارنا شرک نہیں بلکہ جائز ہے،اورقران مجید کی جن آیتوں میں غیراللہ کی دعا سے منع کیا گیا ہے وہاں دعا سے مرادعبادت ہے نہ کہ پکار،اورثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ مفسرین نے ''یدعون'' کی تفسیر''یعبدون'' سے''یدعو'' کی ''یعبد''اور''ادع'' کی''اعبد'' سے کی ہے۔

تواس کا جواب یہ ہے کہ: غیراللہ کوغائبانہ مافوق الاسباب پکارنا شرک ہے،اوراہل بدعت کا استدلال سراسر غلط ہے، کیونکہ پہلے بالتفصیل بیان ہوچکا ہے کہ''دعاء''اور پکار کی دوقسمیں ہیں،ایک مافوق الاسباب،اوردوم ماتحت الاسباب ،پکار کی پہلی قسم عبادت ہے،اوراللہ کے ساتھ خاص ہے،اوردوسری قسم چونکہ عبادت نہیں،اس لئے وہ غیراللہ کے لئے بھی جائزہےاوریہی وہ پکار ہے جس سے مغالطہ دیا جاتا ہے۔

باقی رہامفسرین کا''تدعون'' کی تفسیر''تعبدون'' سے کرنا،تواس سے ان مقصد دعا کا حاصل معنی بیان کرنا ہے، اور یہ مطلب ہے کہ غائبانہ مافوق الاسباب دعا بھی عبادت ہی کا فرد ہے۔(بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ دعااور پکار عبادت کا سب سے اہم فرد ہے)۔ اورجس طرح عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائزنہیں،اسی طرح یہ دعااور پکار بھی اللہ کے سوا کسی کی جائزنہیں۔شاہ ولی اللہ''الفوز الکبیر''میں فرماتے ہیں''مفسرین حاصل معنی بطریق افہام بیان می کنندمردمان ناواقف گمان می کنند کہ لفظی معنی کردہ اند۔دعا بمعنی مطلق خواندن کسے رامنع نیست مراداز خواندن کسے رادرغائبانہ حاجات است، لہذامفسرین تفسیر بہ عبادت می کنند''

شاہ صاحب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ غیراللہ کوپکارنا دوقسم ہے،ایک غائبانہ حاجات میں یعنی مافوق الاسباب

مفسرین کرام ''یدعون'' کی ''یعبدون'' سے تفسیر کر کے اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ مافوق الاسباب غائبانہ حاجات میں پکارنا عبادت ہے، اس لئے اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔اور غیر اللہ کے لئے شرک ہے۔پکار کی دوسری قسم ماتحت الاسباب ہے، وہ غیر اللہ کے لئے جائز ہے، جیسا کہ ''و الرسول یدعو کم فی اخراکم'' اور ''لاتجعلوا دعاء الرسول''، میں ہے جیسا کہ تفصیل سے مذکور ہو چکا ہے، نیز تمام اہل لغت نے دعا کے معنی خواندن (پکارنا) سے کیئے ہیں، عبادت سے نہیں کیے، اور مفسرین کا کام لغوی معنی بیان کرنا نہیں، بلکہ ان کا کام تو مطلب اور تفسیر بیان کرنا ہے۔

(۷) اهـدِنَـــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ پہلی ایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالی ہے، اور پھر ہر چیز اور ہر جاندار کو رفتہ رفتہ حد کمال تک پہنچانے والا بھی وہی ہے، سارے عالم کا نظام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی متصرف ومختار ہے، اور پھر محاسبہ اعمال کے دن یعنی قیامت کے دن کا مالک بھی وہی ہے۔جب انسان ان چاروں حقیقتوں کا اعتراف کر لے، اور ان پر پختہ ایمان لے آئے، وہ بے ساختہ پکار اٹھے گا۔''ایاک نعبدو ایاک نستعین'' یہ دراصل بندوں کا اپنے رب سے عہد ہے کہ اے اللہ ہم صرف تیری ہی بندگی کریں گے، صرف تجھے ہی حاجات ومشکلات میں مدد کے لئے پکاریں گے، اس کے بعد'' اهدنا الصراط المستقیم'' میں اسی عہد پر استقامت کی دعا مانگی جارہی ہے، مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ سیدھی راہ جو تو نے ہمیں دکھا دی ہے یعنی توحید اور صرف تیری عبادت وپکار اور صرف تجھی سے استعانت واستمداد کی راہ، اب اس پر ہمیں قائم رکھ، تادم آخر، ہمیں اس پر چلا ''الصراط المستقیم'' کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس سے ''ایاک نعبدو ایاک نستعین'' والا رستہ مراد ہے۔اس صورت میں ''الصراط'' کا الف لام عہد خارجی کے لئے ہوگا۔قرآن مجید کی دوسری کئی آیتوں میں ''صراط مستقیم'' سے توحید اور اللہ کی خالص عبادت وپکار کی طرف اشارہ ہے، ایک جگہ عیسی علیہ السلام کی زبان سے صراط مستقیم کا مفہوم یہ بیان فرمایا:

وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٣٦﴾ (مریم) اور بے شک اللہ ہی میرا پروردگار ہے اور وہی تمہارا پروردگار، اس لئے صرف اسی کی عبادت کرو، اور صرف اسے ہی پکارو، یہی ہے صراط مستقیم (سیدھی راہ) اور ایک جگہ تمام بنی آدم کو خطاب کر کے فرمایا:

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِيْ آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَأَنْ اعْبُدُونِيْ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ (یس) اے اولاد آدم کیا میں نے تمہیں اس بات کی تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی بندگی مت کرنا اور صرف میری ہی بندگی کرنا یہی ہے صراط مستقیم۔

الصراط المستقیم، کا دوسرا مطلب یہ ہے، کہ اس سے مطلق راہ حق مراد ہے، جو اسلام کے تمام احکام کو شامل ہے، مثلاً عبادات، معاملات، اخلاقیات، معاشیات، سیاسیات، احکام برزخ، احوال اخرت، وغیرہ، و المراد به طريق الحق وهو ملة الاسلام (مدارک) اورآیت، سورت انعام (١٥١) میں بھی اس طرف اشارہ ہے، وہاں پہلے اللہ تعالی نے شرک سے منع فرمایا، پھر والدین سے احسان اور حسن سلوک کا حکم دیا، پھر قتل اولاد، قتل نفس محرمہ، اور دیگر تمام فواحش سے منع کیا، پھر یتیموں کے حق تلفی سے روکا۔ پھر ناپ تول پورا کرنے اور ہر حال میں عدل وانصاف کو قائم رکھنے کا حکم دیا۔ اوراخر میں جناب نبی کریم ﷺ کو اعلان کرنے کا حکم فرمایا: ''وَاَنَّ هَذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ''اور بے شک یہ میرا راستہ جو بالکل سیدھا ہے۔ سواس راہ پر چلو، یہاں دین کے تمام احکام کو ''صراط مستقیم ''فرمایا

''الصراط المستقیم ''مرکب توصیفی ہے اور ''المستقیم'' اس چیز کو کہتے ہیں جو بالکل سیدھی ہو، اوراس میں کسی قسم کی کجی اور پیچ وخم نہ ہو، اور '' الصراط المستقیم'' (سیدھی راہ) توحید یا پوری ملت اسلام کو اس لئے فرمایا کہ توحید کی راہ بالکل سیدھی ہے۔ جس پر چلنے سے انسان اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر راہ توحید سے سر مو ہٹ گیا تو سیدھا جہنم میں پہنچے گا۔ اسی طرح ملت اسلام بھی سیدھی اور درمیانی راہ ہے، اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط، جیسا کہ یہود نے عزیر علیہ السلام کے بارے میں افراط، اور مسیح علیہ السلام کے بارے میں تفریط سے کام لیا، اور عیسائیوں نے عیسی علیہ السلام کے حق میں افراط سے کام لیا۔ اور جناب محمد ﷺ کی شان میں تفریط کی، اسی طرح باقی احکام شرعیہ میں بھی، پہلی امتوں میں افراط وتفریط موجود تھی۔ لیکن شریعت محمدیہ علی صاحبها الصلوات و السلام ہر قسم کی اعتقادی اور عملی افراط وتفریط سے بالکل پاک ہے۔

لفظ ''ہدایت'' ہمیشہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے، مفعول اول کی طرف ہمیشہ بلا واسطہ حرف جر، اور مفعول ثانی کی طرف کبھی بواسطہ حرف جر مثلاً يهدى من يشاء الى صراط مستقيم (یونس: ٢٥) اور'' وهديناهم الى صراط مستقيم''(انعام: ٨٨) اور کبھی بلا واسطہ حرف جر، مثلاً ''وهديناهما الصراط المستقيم''(سورت صافات: ١١٨) اور ''ويهديك صراطامستقيما (فتح: ٢)''، لیکن استعمال کے ان دونوں صورتوں کے معنوں میں فرق ہے، پہلی سورت میں ہدایت کے معنیٰ ''اراءة الطريق ''راہ نمودن یعنی راہ دکھانے کی ہونگے۔ اور دوسری صورت میں اس کے معنیٰ، ايصال الى المطلوب، بمنزل رسانیدن، یعنی منزل مقصود تک پہنچانے کے ہوں گے۔ ''اهدنا الصراط المستقيم'' میں ''نا'' ضمیر منصوب متکلم مفعول اول ہے اور ''الصراط المستقيم'' مفعول ثانی ہے جو بلا واسطہ حرف

جر استعمال ہوا ہے۔اس لئے ہدایت کے معنی یہاں ایصال الی المطلوب (یعنی منزل مقصود تک پہنچا دینے) کے ہیں۔ یہاں چونکہ منزل مقصود صراط مستقیم ہے اس لئے معنی یہ ہونگے کہ ہم کو صراط مستقیم (سیدھی راہ) پر چلا، اور اس پر قائم رکھ۔جیسا کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: (چلا ہم کو راہ سیدھی) اور یہاں یہ معنی موزون اور مناسب ہیں، کیونکہ جب ایک شخص "الحمدللہ" سے "ایاک نستعین" تک بیان کردہ تمام باتوں پر ایمان لے آتا ہے اور ان پر عامل ہو جاتا ہے تو "صراط مستقیم" تو اس نے دیکھ لیا اور سیدھی راہ اسے مل چکی، اس لئے اب "اھدنا الصراط المستقیم" میں سیدھی راہ دیکھنے کی دعا نہیں کر رہا بلکہ وہ یہ التجا کر رہا ہے کہ: اے اللہ جو سیدھی راہ تو نے مجھے دکھادی ہے، اب اس پر مجھے قائم رکھ، و معناہ ادم ھدایتنا (قرطبی).

ہدایت کی دو قسمیں ہیں، ایک فطری، دوسری کسبی۔فطری ہدایت تو انسان اور غیر انسان سب کے لئے عام ہے، اور اللہ کی طرف سے ہر ذی روح کو پیدائش کے ساتھ ہی عطا کیا جاتا ہے جیسا کہ سورت (طٰہٰ) میں ارشاد ہے: قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝۵۰ اور اس نے ہر چیز کو صورت عطا کی اور پھر اس کی راہنمائی فرمائی۔

اور ایک جگہ فرمایا: "و الذی قدر فھدی" (الاعلی: ٣) وہ جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا اور رہنمائی فرمائی۔ہم دیکھتے ہیں کہ مرغی کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے لگتا ہے، جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہی پستان مادر سے دودھ پینے لگتے ہیں۔آخر انہیں کون بتاتا ہے کہ یہ ہماری غذا ہے، اور اسے حاصل کرنے کا مقام اور طریقہ یہ ہے، یہ راہنمائی اللہ تعالی کی طرف سے ہوتی ہے، اور ہر ذی روح کی فطرت میں ودیعت ہوتی ہے۔

ہدایت کی دوسری قسم کسبی ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، پھر اس کے چار درجے ہیں: (١) انابت، یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنا، اور ضد وعناد کو چھوڑ کر راہ ہدایت کی تلاش وجستجو کرنا، یہ ہدایت صرف انہیں لوگوں کو ملتی ہے جن میں انابت الی اللہ اور تلاش حق کا جذبہ ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: ویھدی الیہ من اناب (الرعد: ٢٧) اور دوسری جگہ فرمایا: ویھدی الیہ من ینیب (شوری: ١٣) یعنی اللہ تعالی ہدایت کی توفیق صرف ان لوگوں کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع اور انابت کرتے ہیں۔

(٢) ہدایت یعنی سیدھی راہ پانا، یہ انابت الی اللہ کے بعد حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

(٣) استقامت: ہدایت کے بعد استقامت کا درجہ ہے۔جب ایک آدمی کو ہدایت حاصل ہو جاتی ہے، اور اسے صراط مستقیم مل جاتا ہے۔تو اب وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق سیدھی راہ پر چلتا ہے، اور اس پر قائم ہو جاتا ہے ارشاد ہے:

''ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا''(حٰمٓ سجدہ: ۳۰) اس میں دوسرے اور تیسرے درجہ کا بیان ہے ''قالوا ربنا اللہ ''میں ہدایت آ گئی۔اور''ثم استقاموا''میں استقامت۔

(۴)ربط القلب،راہ ہدایت اور صراط المستقیم پر استقامت کے بعد ربط القلب کا درجہ حاصل ہوتا ہے، یہ درجہ رسوخ ایمان اور یقین کی پختگی کا،سب سے اونچا اور بلند مقام ہے،جب مومن کو ایمان ویقین کا یہ درجہ حاصل ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے راہ ہدایت سے نہیں ہٹا سکتی اور نہ اس کے ایمان ویقین کو متزلزل کر سکتی ہے۔یہ درجہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔اصحاب کہف کو یہ درجہ حاصل تھا چنانچہ ارشاد ہے: إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَهاً لَقَدْ قُلْنَا إِذاً شَطَطاً ﴿۱۴﴾ الکهف)۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے۔اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی کر دی اور ان کے دل مضبوط کئے،اس ایت میں تین درجات کا ذکر ہے: آمنو ابربھم میں ہدایت فزدناھم ھدیً میں استقامت اور و ربطنا علی قلوبھم ربط القلب کا ذکر ہے،ہدایت کا یہ درجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حاصل تھا،جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:﴿ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُوْلَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴾.(الحجرات:۷)

لیکن اللہ تعالی نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا،اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تم کو نفرت دے دی۔''اھد نا''میں ہدایت کی اخری دو درجے حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے،یعنی استقامت اور ربط القلب کیونکہ انابت اور ہدایت تو پہلے حاصل ہو چکی ہے،ہدایت کی طرح ضلالت کے بھی چار درجے ہیں،ان کا ذکر اگے آ رہا ہے۔

(۸) ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنعَمتَ عَلَيْهِمْ '' یہ الصراط المستقیم سے بدل کل ہے اور بدل کا فائدہ یہ ہے کہ صراط مستقیم کی تفسیر اور تعین ہو جائے یعنی صراط مستقیم وہ راستہ ہے،جس پر وہ لوگ قائم رہے جو ''الذین انعمت علیھم'' کے مصداق ہیں،اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے انبیاء علیہم السلام،صدیقین،شہداء اور صالحین مراد ہیں۔جیسا کہ ایک دوسری ایت میں اس طرف اشارہ ہے:وَمَن يُطِعِ اللّهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَـئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاء وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولَـئِكَ رَفِيْقاً ﴿۶۹﴾ النساء)۔جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے اشخاص بھی ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ تعالی نے انعام فرمایا ہے،یعنی انبیاء،=

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿٧﴾

نہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہ ہوئے [٩].

=وصدیقین، اور شہداء، اور صالحین، اور یہ اشخاص بہت اچھے رفیق ہیں۔ قال الجمهور من المفسرین انه اراد صراط النبیین و الصدیقین و الشهداء و الصالحین، وانتزعوا ذلک من قوله تعالی: وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ قرطبی)۔

سوال: اگر "الصراط المستقیم" سے مندرجہ بالا چار گروہوں کی راہ مراد ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ "اهدنا الصراط المستقیم" میں ان چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے، اور اس میں "النبیین" کا درجہ بھی شامل ہیں، تو اس کے حاصل کرنے کی درخواست بھی اس میں شامل ہوگی۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اب بھی درجہ نبوت حاصل کرنے کا امکان موجود ہے۔

جواب: اول تو یہی غلط ہے کہ "اہدنا الصراط المستقیم" میں چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے، بلکہ اس میں تو صرف ان جماعتوں کی راہ پر چلنے کی اور قائم رکھنے کی درخواست ہے نیز درخواست او دعا ہمیشہ ایسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے، جس کا حصول کسب او محنت سے ممکن ہو، اور جس فضل و کمال کا حصول کسب اور محنت سے ناممکن ہو، اس کے لئے درخواست کرنا بالکل بے معنی اور عبث ہے، اس لئے اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ "اهدنا الصراط المستیم" میں ان چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے، تو درجہ نبوت چونکہ کسب و ریاضت سے حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ نبوت ایک محض وہبی چیز ہے، اور اس کے بارے میں قانون الٰہی یہ ہے "اللّٰہ یعلم حیث یجعل رسالته" (الانعام: ١٢٤)، لہذا درخواست کا تعلق نبوت سے نہیں بلکہ درخواست صرف صدیقین شہداء اور صالحین کے کمالات کے لئے ہے۔

(٩) ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ یہ "الذین انعمت علیهم" سے بدل ہے، یا اس کی صفت ہے اور "و لا الضالین" "غیر المغضوب علیهم" پر عطف ہے اور "لا" تاکید نفی کے لئے ہے، جو لفظ غیر سے مفہوم

ہے: **بدل من "الذین انعمت علیهم" اوصفة له، و"لا" مزیدة لتاکیدمافی "غیر" من معنی النفی (مظهری)** . رسول پاک ﷺ سے منقول ہے کہ "**مغضوب علیهم**" سے یہود اور "ضالین" سے نصاری مراد ہیں، اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ وابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں (ابن جریر)۔

"غضب" کے معنی شدید غصہ کے ہیں، اور ایک نفسانی کیفیت ہے، لیکن اللہ تعالی کی صفات میں غضب کے معنی ارادہ عقوبت اور قصد سزا کے ہیں۔ **ومعنی الغضب فی صفة اللہ تعالی ارادته العقوبة، فهو صفة ذات، وارادة اللہ تعالی من صفات ذاته** (قرطبی) اور سلف صالحین کے نزدیک کما یلیق بشانہ ہے۔

اور "ضلال" کے معنی سیدھی راہ سے بھٹک جانا اور ہدایت سے علیحدہ ہو کر چلنا۔ **الضلال فی الدین الذهاب عن الحق** (روح المعانی)۔ ان ایتوں کا حاصل یہ ہے کہ، اے اللہ! ہم کو ان لوگوں کی راہ پر قائم رکھ، جن پر تو نے انعام فرمایا۔ اور جن پر نہ تیرا غضب ہوا، اور نہ وہ گمراہ ہوئے، جن لوگوں پر تیرا غضب ہو، مثلاً یہود، اور جو لوگ راہ حق سے گمراہ ہوئے، مثلا نصاریٰ ان کی راہ سے ہم کو بچا، مغضوب علیہم کی تفسیر یہود سے اور ضالین کی نصاری سے بطور تمثیل ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ مغضوب علیہم صرف یہود ہی ہیں اور ضالین سے صرف نصاری ہی مراد ہیں، اس لئے یہود ونصاری کے علاوہ مشرکین اور منافقین بھی ان دونوں لفظوں میں داخل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے وقت چونکہ یہود ونصاری، مذہب اور خانقاہیت کے اجارہ دار تھے، اور ساتھ ہی راہ حق سے گمراہ اور بھٹکے ہوئے تھے، اور اللہ تعالی کے قہر وغضب کے مستحق تھے، اس لئے **المغضوب علیهم** اور **الضالین** کی تفسیر ان دونوں گروہوں سے کی گئی۔

ہدایت کی طرح گمراہی کے بھی چار درجے ہیں:

(۱) **ریب وشک** یہ درجہ گمراہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے، پہلے آدمی کے دل میں توحید اور دین حق کے بارے میں شبہات وشکوک پیدا ہوتے ہیں، جو اسے صراط مستقیم اور راہ ہدایت سے بھٹکاتے ہیں۔

(۲) ضلالت (گمراہی) توحید اور دین حق سے متعلق شکوک وشبہات کا ازالہ نہ کیا جائے اور وہ کسی کے دل میں جاگزیں ہو جائیں، تو آدمی ضلالت اور گمراہی میں جا گرتا ہے، اور راہ حق کو چھوڑ کر باطل کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔

(۳) جدال: ضلالت کے بعد جدال کا درجہ ہے گمراہی کے بعد گمراہ شخص اپنے باطل نظریات اور غلط عقائد کو حق اور صحیح ثابت کرنے کے لئے اہل حق سے جھگڑا اور مجادلہ ومنازعہ کرتا ہے اور ضد وعناد سے ہر حق بات کو رد کر دیتا ہے۔

(۴) مہر جباریت یا طبع علی القلب یا ختم علی القلب، گمراہی کے بعد جب آدمی حق کے مقابلہ میں جھگڑا اور جدال

شروع کرتا ہے اور تمام عقلی اور نقلی دلائل سے حق کے واضح اور ثابت ہو جانے پر بھی حق کو نہیں مانتا، اور اپنی ضد وعناد پر ڈٹا رہتا ہے، تو اب اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے، یعنی اس کے دل میں جو کفر ونفاق اور شرک ہے وہ دل سے باہر نہیں نکل سکتا، اور جو چیز اس کے دل سے باہر ہے یعنی ایمان ویقین اور توحید واخلاص وہ اس کے دل میں داخل نہیں ہو سکتی، جب آدمی گمراہی کے اس درجے میں پہنچ جاتا ہے تو اس کا راہ راست پر آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس درجہ میں اس سے ہدایت کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔

شیخ حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، اس کو مہر جباریت سے تعبیر فرماتے تھے، قرآن مجید میں یہ چاروں درجے کہیں جدا جدا اور کہیں دو دو یا اس سے زیادہ یکجا مذکور ہیں، سورۂ مومن، میں دو آیتوں کے اندر چاروں درجے ایک ساتھ مذکور ہیں۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُم بِهِ حَتَّى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ مِن بَعْدِهِ رَسُولاً كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ (۳۴) .الَّذِيْنَ يُجَادِلُونَ فِيْ آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتاً عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِيْنَ آمَنُوا كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ یقیناً اس سے قبل یوسف علیہ السلام تمہارے پاس دلائل توحید ونبوت لے کر آ چکے تھے سو تم ان امور میں برابر شک میں رہے جو تمہارے پاس لائے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو تم کہنے لگے کہ بس اللہ اب ان کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ اس لئے اللہ تعالی حد سے تجاوز کرنے والوں، اور توحید میں شک کرنے والوں کو گمراہ کر دیتا ہے، جو محض ضد وعناد کی وجہ سے بلا کسی دلیل کے، جو ان کے پاس موجود ہو، اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں، یہ کج بحثی اور جھگڑا اللہ تعالی کو بھی سخت ناپسند ہے، اور ایمان والوں کو بھی، اس لئے اللہ تعالی ہر مغرور اور جابر کے پورے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

اس ایت میں ''کذالک'' میں دونوں جگہ ''کاف'' تعلیلیہ ہے اور بمعنی لام ہے جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا ہے، اس آیات میں چاروں درجات بالتدریج مذکور ہیں، پہلے وہ لوگ یوسف علیہ السلام کے لائے ہوئے دلائل توحید اور نبوت کے بارے میں ریب وشک میں پڑے رہے، اس وجہ سے گمراہ ہوئے، اور راہ ہدایت اور جادہ توحید سے بھٹک گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ضد وعناد سے جھگڑا اور مجادلہ شروع کر دیا اور توحید اور دین حق سے دور بھاگنے لگے، اس لئے اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر مہر جباریت لگا دی۔ ضلالت کے یہ چار درجے ہدایت کے چاروں درجوں کے مقابلے میں ہیں اول: انابت کے مقابلہ میں ریب وشک دوم ہدایت کے مقابلے میں ضلالت سوم استقامت کے مقابلہ میں جدال

ومخاصمت چہارم ربط القلب کے مقابلہ میں طبع علی القلب۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ، میں ضلالت کے چاروں درجات مذکور ہیں پہلے تینوں درجے الضالین میں اور چوتھا درجہ مغضوب علیہم میں۔

(فوائد)

فائدہ اول:

اہل حدیث اور اہل رائے کے درمیان مسئلہ امین مختلف فیہ ہے، اہل حدیث کی تحقیق ہے، کہ جہری نمازوں میں امام اور مقتدی دونوں کو آمین بالجہر کہنی چاہئے۔ سری نمازوں میں آمین بالسر کہنے پر اجماع ہے۔ اہل رائے کا خیال ہے کہ جہری نمازوں میں امام اور مقتدی کو آمین خفیہ کہنی چاہئے۔ اس مسئلہ میں جانبین کے دلائل کا علمی و تحقیقی جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

حدیث اول: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اذا امّن الامام فأمّنوا فانه من وافق تأمينه تأمين الملائكةغفر له ماتقدم من ذنبه** . یعنی جب امام آمین کہے، تو تم بھی آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دئے جائیں گے ،(بخاری رح ۷۸۰ و مسلم ح ۷۲/۴۱۰)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جہر سے آمین کہے ۔امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ النیسابوری (متوفی ۳۱۱ھ) فرماتے ہیں: **في قول النبي ﷺ ((اذا امّن الامام فأمّنوا))مابان وثبت أن الامام يجهربآمين ،اذمعلوم عند من يفهم العلم أن النبي ﷺ لا يأ مر المأموم أن يقول آمين عند تأمين الأمام الا والماموم يعلم أن الأمام يقوله ، ولو كان الأمام يسرّ بآمين، لايجهربه، لم يعلم المأموم أن امامه قال آمين اولم يقله.ومحال أن يقال للرجل اذا قال فلان كذا فقل مثل مقالته وأنت لاتسمع مقالته ،وهذاعين المحال ،ومالايتوهمه عالم أن النبي ﷺ يأمر المأموم أن يقول آمين اذا قاله امامه وهو لايسمع تأمين امامه.**

نبی کریم ﷺ کے فرمان ’’جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو‘‘ سے واضح طور پر یہ ثابت ہوا، کہ امام کو جہر سے آمین کہنی چاہیے، کیونکہ ہر صاحب علم سمجھ رکھتا ہے کہ نبی ﷺ مقتدی کو امام کی آمین کے وقت آمین کہنے کا حکم نہیں فرماتے مگر

مقتدی امام کی آمین کو جانتا ہے۔اور اگر امام آمین بالسّر کہے بالجہر نہ کہے تو مقتدی کو معلوم نہیں ہوسکتا کہ امام نے آمین کہی ہے یا نہیں کہی ہے، اور یہ محال ہے کہ آدمی سے کہا جائے کہ جب فلاں یہ کہے تو تم بھی اسی طرح کہو، حالانکہ تم اس کی بات نہیں سن رہے ہو، یہ قطعی طور پر محال ہے اور کوئی عالم بھی اس کا تصور نہیں کرسکتا کہ نبی ﷺ مقتدی کو آمین اس وقت کہنے کا حکم دیں جب امام آمین کہے اور مقتدی امام کی آمین نہ سن رہا ہو، (صحیح ابن خزیمہ ۱/۲۸۶ ح ۵۷۰)۔

کئی قرائن امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے اس بیان کی تائید کرتے ہیں۔

(۱) ابو ہریرہؓ کی دوسری مرفوع حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس حدیث میں آمین بالجہر مراد ہے، مثلاً حدیث نعیم المجمر ،حدیث اسحاق بن ابراھیم الزبیدی وغیرہ کا۔

(۲) منصور بن میسرہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہؓ کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ نے ﴿غیر المغضوب علیھم و لا الضآلین﴾ کہا تو آمین کہی یہاں تک کہ ہمیں سنا دیا، آپ کے پیچھے جو نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے بھی آمین کہی (مصنف عبدالرزاق ۲/۹۵، ۹۶ ح:۲۶۳۴)۔

اس اثر کے سارے راوی ثقہ ہیں، سوائے منصور بن میسرہ کے (جو تابعی ہے) اگر یہ تصحیف نہیں ہے تو اس کے حالات مجھے معلوم نہیں۔

خالد بن ابی عزہ کے بارے میں ظفر احمد تھانوی لکھتے ہیں: فلم اقف علیٰ ترجمته و لکنه ثقة علی قاعـــدة ابن حبان: مجھے اس کے حالات نہیں ملے لیکن وہ ابن حبان کے قاعدہ پر ثقہ ہیں۔(اعلاء السنن ۱/۲۷۷)

دیوبندیوں کے نزدیک قرون ثلاثہ میں کسی کا مجہول ہونا چنداں مضر نہیں۔والجھالة فی القرون الثلاثة لایضر عندنا: (اعلاء السنن ۳/ ۱۶۱) اور قرون ثلاثہ میں مجہول ہونا ہمارے نزدیک مضر نہیں ہے۔

اور حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا: اخبرنا یحیٰ بن محمد بن عمرو بالفسطاط قال حدثنا اسحاق ابن ابراھیم بن العلاء الزبیدی قال حدثنا عمرو بن الحارث قال حدثنا عبد الله بن سالم عن الزبیدی قال أخبرنی محمد بن مسلم عن سعید بن المسیب وأبی سلمة عن ابی ہریرةؓ قال کان رسول الله ﷺ اذا فرغ من قراء ة أم القرآن رفع صوته وقال آمین۔

یحیٰ بن محمد بن عمرو نے ہمیں حدیث بیان کی (انہوں نے کہا) ہمیں اسحاق بن ابرہیم بن العلاء الزبیدی نے حدیث بیان کی (انہوں نے کہا) ہمیں عمرو بن حارث نے حدیث بیان کی انہوں نے عبداللہ بن سالم عن زبیدی سے

حدیث بیان کی (کہا) مجھے محمد بن مسلم (الزہری) نے عن سعید بن مسیّب عن ابی سلمۃ (کے واسطے) سے حدیث بیان کی کہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ سورۃ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو اپنی اواز بلند کرتے، اورفرماتے آمین۔ (صحیح ابن حبان ۳/۱۴۷ ح ۱۸۰۳، مصنف عبدالرزاق ۲/۹۷)۔

حدیث دوم: ابی ہریرہؓ (فعلی) امام نسائی نے نقل کیا ہے کہ :اخبرنا محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم عن شعیب حدثنا اللیث حدثنا خالد عن ابی ھلال عن نعیم المجمر قال: صلیت وراء ابی ھریرۃ فقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ثم قرأ بأم القران حتیٰ بلغ غیر المغضوب علیھم ولاالضآلین فقال: آمین، فقال الناس آمین ویقول کلما سجد :اللہ اکبر واذا قام من الجلوس فی الاثنتین قال: اللہ اکبر واذا سلم قال: والذی نفسی بیدہ انی لاشبھکم صلوٰۃ برسول اللہ ﷺ:

نعیم المجمر (تابعی) سے روایت ہے کہ میں نے ابوہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی پھر آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی جب آپ نے ﴿غیر المغضوب علیھم ولاالضآلین﴾ پڑھا تو آمین کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہی، جب آپ سجدہ کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے پھر فرماتے :اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہوں۔ (سنن نسائی ۲/۱۳۴ ح ۹۰۵)۔

حدیث سوم علیؓ: حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ ثنا حمید بن عبدالرحمٰن ثنا ابن ابی لیلیٰ عن سلمۃ بن کھیل عن حجیۃ بن عدی عن علیؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ اذا قال ولاالضآلین قال آمین.

یعنی علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے جب ولاالضآلین کہا تو آمین کہی۔ [رواہ ابن ماجۃ فی سننہ ۱/۲۷۸ ح ۸۵۴] اور بیھقی نے بھی خلافیات میں نقل کیا ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے: قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول امین أذاقرأ، غیر المغضوب علیھم ولا الضالین"

حدیث چھارم: عبداللہ بن زبیرؓ: عبدالرزاق عن ابن جریج عن عطاء قال قلت لہ أکان ابن الزبیر یؤمّن علی اثر ام القرآن ؟قال نعم ،ویؤمّن من وراہ حتیٰ ان للمسجد للّجۃ :ابن جریج نے کہا میں نے (عطاء بن ابی رباح) سے پوچھا، کیا ابن زبیرؓ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہتے تھے؟ تو انھوں نے کہا ہاں اور جو ان کے پیچھے

(نماز پڑھتے تھے) وہ بھی، یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔ (مصنف عبدالرزاق۲/۹۶،۹۷، ومصنف ابن ابی شیبۃ۲/۴۲۶)۔

حدیث پنجم :عکرمہؒ (عن الاصحاب): ابن ابی شیبۃ نے کہا:حدثنا وكيع قال ثنافطر قال سمعت عكرمةؓ يقول أدركت الناس ولهم زجة [وفي المحلى ۳/۲۶۴، ضجة] في مساجدهم بآمين اذاقال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضآلين ۔یعنی وکیع نے ہمیں حدیث بیان کی (کہا) فطر نے ہمیں حدیث بیان کی (کہا) میں نے عکرمہؒ (تابعی) سے سنا، وہ کہہ رہے تھے، میں نے لوگوں کو (ان کی مساجد میں) اس حال میں پایا کہ جب امام ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضآلين﴾ کہتا تو لوگوں کے آمین کہنے سے مساجد گونج اٹھتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ۲/۴۲۵):

حدیث ششم :ام الحصين رضى الله عنه : طبرانی نے فرمایاحدثنا ابراهيم بن هاشم البغوى ثنا هدبة بن خالدثنا هارون بن موسى النحوى ثنا اسمٰعيل بن مسلم عن ابى اسحاق عن ابن ام الحصين عن جدته ام الحصين انها كانت تصلى خلف النبى ﷺ فى صف من النساء فسمعته يقول: الحمدلله رب العٰلمين، الرحمٰن الرحيم، مٰلك يوم الدين، بلغ (ولا الضالين) قال: "آمين" حتى سمعته وانا فى صف النساء، وكان يكبر اذا سجدوا اذا ركع. (معجم الكبير: ۲۵/۱۵۸). یعنی میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتی تھی (عورتوں کی صف میں) تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، الحمدلله رب العٰلمين الخ ۔ یہاں تک کہ ولا الضالين پڑھا، اس کے بعد آمین بلند آواز سے پڑھا یہاں تک کہ میں نے سنی اور میں عورتوں کی صف میں تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ جب سجدہ اور رکوع کو جاتے تو اللہ اکبر پڑھتے۔

حدیث ہفتم: حدیث عطاءؒ: ابن ابی شیبہ نے کہا:حدثنا وكيع عن عطاء قال:لقد كان لنا دوى فى مسجدنا هذا بآمين، اذاقال الامام غير المغضوب عليهم ولا الضالين. اور اسی روایت کو امام بیہقی نے اس الفاظ سے نقل کیا ہے۔ عن خالد بن ايوب عن عطاء قال ادركت مأتين من اصحاب النبى ﷺ فى هذا المسجد اذاقال الامام غير المغضوب عليهم و لا الضآلين سمعت لهم زجة بآمين (۲/۵۹).یعنی عطاء بن ابی رباحؒ نے کہا: کہ ہمارے مسجد میں جب امام غير المغضوب عليهم ولا الضالين.

کہتا تو بھنبھناہٹ ہوتی تھی۔

حدیث ہشتم: وائل بن حجرؓ: امام ترمذی نے کہا: حدثنا بندار (محمد بن بشار) حدثنا یحیٰ بن سعید وعبدالرحمٰن بن مھدی قالا: حدثنا سفیان عن سلمة بن کھیل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال سمعت رسول اللہ ﷺ ﴿قرأ غیر المغضوب علیھم ولاالضآلین﴾ فقال (آمین) ومدبھا صوتہ (قال) وفی الباب عن علیؓ وابی ھریرةؓ قال ابوعیسیٰ ،،حدیث وائل بن حجرؓ حدیث حسن ،،

بندار نے ہمیں حدیث بیان کی (انھوں نے کہا) ہمیں یحیٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مھدی نے حدیث بیان کی (انھوں نے کہا) ہمیں سفیان نے: عن سلمة عن حجر بن عنبس سے حدیث بیان کی کہ وائل بن حجرؓ نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ نے ﴿ غیر المغضوب علیھم ولاالضآلین ﴾ پڑھا پھر کہا آمین، اور اپنی آواز کو اس کے ساتھ کھینچا، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے (جامع ترمذی ۲/ ۲۷، ۲۸ ح ۲۴۸)۔

اس حدیث میں ذرا تفصیل سے تحقیق کرتے ہیں، اسلئے کہ یہ حدیث جانبین کا مستدل ہے، اختلاف سفیانؒ اور شعبہؒ کی وجہ سے: سفیان سے یہ روایت ابن مھدی، یحیٰ بن سعید المحاربی، اور وکیع نے ''مدبھا صوتہ'' اور ''یمد بھا صوتہ '' کے الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے، محمد بن کثیر، محمد بن یوسف الفریابی، قبیصہ اور ابوداؤد الحفری نے ''رفع بھاصوتہ ،، اور ''یرفع بھا صوتہ '' کے الفاظ سے بیان کی ہے، لھذا دونوں روایتیں صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی توضیح کرتے ہیں۔ محمد ابن کثیر کی روایت سنن دارمی ۱/ ۲۸۴، میں اور سنن ابی داؤد: ۱/ ۵۷۴، ح ۹۳۲، میں موجود ہے۔ محمد ابن کثیر کی متابعت دو ثقہ راویوں نے کی ہے۔ (۱) ابوداؤد الحفری (السنن الکبری: ۲/ ۵۷) ان کی روایت میں ''رفع بھاصوتہ'' کے الفاظ ہیں۔ ابوداؤد عمر بن سعد الحفری، صحیح مسلم کا راوی اور ثقہ عابد تھا۔ (التقریب: ۴۹۰۴).

(۲) الفریابی نے ''یرفع صوتہ'' کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ [سنن دارقطنی: ۱/ ۳۳۳] محمد ابن یوسف بن واقد الفریابی صحاح ستہ کے راوی اور الامام الحافظ شیخ الاسلام تھے۔ [النبلاء: ۱۰/ ۱۱۴] آپ جمہور کے نزد ثقہ ہیں، ابن معین وغیرہ نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔

(۳) قبیصہؒ نے بھی ''یرفع بھا صوتہ'' کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ [المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۲/ ۴۴ ح ۱۱۱].

شعبہ کی روایت

سلمہ بن کہیل سے حجر بن عنبسہ اور علقمہ بن وائلؒ کی سند کیساتھ امام شعبہ نے جو روایت بیان کی ہے۔ وہ سفیان ثوریؒ اور العلاء بن صالح وغیرہ کی روایت کیخلاف ہے، یہ روایت[مسند احمد ۳۱۶/۴، سنن دار قطنی :۱/۳۳۴، بیھقی: ۵۷/۲، ۵۸، مسند طیالسی:۱۰۲۴، ابن حبان:۱۴۶/۳، ح:۱۸۰۲، اور حاکم:۲/ ۲۳۲ وغیرہ میں ہے] شعبہ سے محمد بن جعفر اور یزید بن زریع نے ''اخفیٰ بھا صوتہ'' (آپ نے اپنی آواز پست رکھی) کے الفاظ بیان کئے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن مہدی، ابوداؤد طیالسی، عمر بن مرزوق، اور سلیمان بن حرب، وغیرہ نے ''خفض بھاصوتہ'' اور ''یخفض بھاصوتہ'' (اپنی آواز پست رکھی) کے الفاظ بیان کئے ہیں۔ ابوالولید الطیالسی سے اختلاف ہے ان کے شاگرد اسماعیل بن اسحاق القاضی (ثقہ بالاجماع) کی روایت میں ؛؛یخفض بھاصوتہ ،، کے الفاظ ہیں۔ حاکم اور ذہبی نے اس روایت کی تصحیح کی ہے، ابرہیم بن مرزوق (متکلم فیہ) کی روایت میں '' رافعاًبھا صوتہ '' کے الفاظ ہیں۔ ابن مرزوق کی روایت شاذ اور اسماعیل القاضی کی روایت محفوظ ہے۔ شعبہ سے عبدالصمد اور وہب بن جریر نے یہ حدیث بیان کی ہے، اس میں خفض وغیرہ الفاظ نہیں بلکہ قال آمین(آپ نے آمین کہی) کے الفاظ ہیں۔

(صحیح ابن حبان ۱۴۶/۳) میں حافظ ابن حبان نے اس پر ''باب أن یجھر بآمین'' باندھا ہے۔ عبدالصمد بن عبدالوارث صحاح ستہ کے راوی اور صدوق ثبت ہیں۔ (التقریب ۱۰۸۰) وہب بن جریر بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔(التقریب ۷۴۷۲) اور ان دونوں تک سند بالکل صحیح ہے، معلوم ہوا کہ شعبہ سے روایت میں ان کے شاگردوں کا اختلاف ہے، شعبہ بن الحجاج صحاح ستہ کے راوی، ثقہ، حافظ اور متقن تھے۔(التقریب ۲۷۹۰) مگر جمھور غیر جانبدار محدثین نے متعدد علل کی وجہ سے آپ کی اس روایت کو خطا (غلط) اور سفیان کی روایت کو صواب قرار دیا ہے۔ حاکم اور حافظ ذہبی نے اگر شعبہ کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے تو امام بخاری اور امام ابوزرعہ نے شعبہ کی حدیث کو خطا اور ثوری کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے. (العلل الکبریٰ للترمذی:۲۱۷/۱) امام دارقطنی نے کہا: یقال أنه وهم فیه لأن سفیان الثوری ومحمد بن سلمةبن کهیل وغیرهمارووا عن سلمةفقالوا:ورفع صوته بآمین وهو الصواب (سنن دارقطنی: ۱/ ۳۳۴ ح ۱۲۵۶) امام بیھقی نے کہا: وقد اجمع الحفاظ :محمدبن اسماعیل وغیره علیٰ أنه أخطافی ذالک(معرفة السنن والاثار ۲۱۰/۱).

☆ سفیان ثوری کی روایت کو شعبہ کی روایت پر کئی لحاظ سے ترجیح حاصل ہے:

(۱) سفیان ثوری کی العلاء بن صالح (ثقه) نے متابعت کی ہے، اور شعبہ کا کوئی متابع نہیں۔

(۲) سفیان کی روایت کے دو شاہد ہیں، اور شعبہ کا کوئی شاہد نہیں۔

شاہد نمبرا: کہا جاتا ہے علقمۃ بن وائل نے بھی یہ حدیث: یجھر بآمین: اپنے والد وائل بن حجرؓ سے بیان کی ہے (مسند احمد ۳۱۸/۴، السنن الکبریٰ للبیہقی : ۵۸/۲) علقمۃ بن وائل صحیح مسلم کے راوی ہیں، ابن سعد اور ابن حبان نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (التہذیب: ۲۴۷/۷) نا قابل تردید دلائل سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنے والد سے احادیث سنی ہیں۔ (صحیح مسلم ۱۶۸۰، اور ۴۳۸۷، ملاحظہ کیجئے) علقمہ سے ابواسحاق (عمرو بن عبداللہ الہمدانی) راوی ہیں، آپ کتب ستہ کے راوی اور ثقہ عابد تھے۔ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ (التقریب: ۵۰۶۵) آپ مدلس بھی تھے۔ (طبقات المدلسین : ۳/۹۱، ملاحظہ کیجئے) آپ سے شریک نے یہ حدیث بیان کی ہے، آپ سے شریک کی روایت قبل از اختلاط ہے کیونکہ وہ آپ سے قدیم السماع تھے۔ (میزان الاعتدال : ۲۷۳/۲) سماک نے ابواسحاق کی متابعت کی ہے (کتاب التمیز لمسلم: ۱۰۶، امام مسلم نے فرمایا ہے: اخطأ شعبة فی هذه الروایة حین قال: واخفی صوته، وسنذکر انشاء الله روایة من حدث عن شعبة فیهافاصاب ثم ذکر الخ) سماک صحیح مسلم کے راوی اور صدوق تھے، مگر عکرمہ سے ان کی روایت میں خاص کر اضطراب ہے، اور آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور تلقین قبول کر لیتے تھے۔ (التقریب: ۵۰۶۵).

شریک بن عبداللہ القاضی صحیح مسلم کے راوی ہیں، صدوق یخطئی کثیراً تغیر حفظه منذولی القضاء بالکوفة وکان عادلاً فاضلاً عابداً شدیداً علیٰ اهل البدع ،، (التقریب: ۲۷۹۷) یعنی منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد ان کا حافظہ کمزور پڑ گیا تھا۔ ایسے راوی سے روایت متابعات میں جب کہ اصل صحیح یا حسن ہو تو پیش کی جا سکتی ہے۔ شریک سے اسود بن عامر (ثقہ) نے اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

شاہد نمبر۲: کہا جاتا ہے کہ عبدالجبار بن وائل نے بھی یہ حدیث اپنے والد سے آمین بالجہر کے مفہوم کے ساتھ بیان کی ہے۔ (سنن ابن ماجۃ :۸۵۵، مصنف ابن ابی شیبۃ: ۴۲۵/۲ح ۷۹۵۹، مسند احمد ۳۱۵/۴ح ۱۸۸۴۰، ۱۸۸۴۱، سنن دارقطنی: ۳۳۴/۱ح: ۱۲۵۹، نسائی بحوالہ نصب الرایہ: ۳۱۱/۱) عبدالجبار بن وائل صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ تھے ان کے والد سے ان کی روایت مرسل ہے۔ (التقریب: ۳۷۴۴)

دیوبندیوں کے نزدیک مرسل حجت ہے۔(احسن الکلام:۱/۲۶۲) دیگر محدثین کے نزدیک مرسل ضعیف ہوتی ہے مگر صحیح و حسن لذاتہ کی تائیداوراعتضاد کی صورت میں اسے شواہد میں پیش کیا جاسکتا ہے۔عبدالجبار سے ابواسحاق وغیرہ نے یہ حدیث بیان کی ہے،ابواسحاق سے زہیر، یونس بن ابی اسحاق، زید بن ابی انیسہ، اورابوبکر بن عیاش نے یہ حدیث بیان کی ہے۔زہیر ثقہ ثبت ہیں،مگران کا سماع ابواسحٰق سے آخری عمر کا ہے،آپ کتب صحاح ستہ کے راوی ہیں۔(التقریب : ۲۰۵۱)یونس صحیح مسلم کے راوی اور جمہور کے نزدیک ثقہ اورصدوق ہیں،آپ کو کچھ اوہام بھی ہوئے ہیں۔حافظ ذھبی نے کہا:؛بل هو صدوق لابأس به،،(میزان الاعتدال: ۴/۴۸۳)زید کتب ستہ کے راوی اور ثقہ تھے۔(التقریب: ۲۱۱۸)ابوبکر بن عیاش قول راجح میں جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں لہذا حسن الحدیث ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے نور العینین مطالعہ کیجئے (طبع جدید:۱۶۸)۔

(۳) جمہور محدثین نے شعبہ کی روایت کو خطأ اور ثوری کی روایت کو صواب قرار دیا ہے۔

(۴) شعبہ کی روایت میں اضطراب ہے، یہ بات ابوبکر الاثرم نے کہی ہے جبکہ سفیان کی روایت میں اضطراب نہیں ہے (تلخیص الحبیر :۱/۲۳۷)۔

(۵) محدثین کا قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ سفیان اور شعبہ کی روایت میں جب بھی اختلاف ہو تو سفیان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔امام بیہقی نے کہا:لااعلم اختلافاً بین اهل العلم بالحدیث أن سفیان و شعبة اذا اختلفا فالقول قول سفیان.

علم حدیث سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب سفیان اور شعبہ کے مابین اختلاف ہو تو سفیان کا قول راجح ہوگا۔(اعلام الموقعین: ۲/۳۹۶،عون المعبود: ۳/۲۰۷، الخلافیات للبیهقی: ۱/۵۰)یحیٰی القطان نے کہا ہے:جب شعبہ سفیان کی مخالفت کرے تو میں سفیان کے قول کو لیتا ہوں۔ (الجرح والتعدیل:۴/۲۲۳، ۲۲۴ .وسنده صحیح. تهذیب التهذیب :۴/۱۰۱)یعنی حدیث کی روایت میں، نیز ملاحظہ فرمائیں(شرح علل الترمذی لابن رجب : ۱/۱۵۶، ۱۷۷)

(۶) وائل بن حجرؓ کی روایت (جو کہ ثوری کی سند کے ساتھ ہے) کے دیگر صحابہ کرام سے کئی روایات بھی شاہد ہیں، جب کہ شعبہ کی روایت کا کوئی شاہد نہیں ہے۔دونوں روایات کی تطبیق علماء احناف کے الفاظ سے۔

(۱) ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:ولو کان الی فی هذا شئ لوفقت بأن روایة الخفض یراد بها عدم القرع

العنيف ،وروایة الجهر بمعنى قولها فی زیر الصوت وذیله یدل علی هذا ما فی ابن ماجة،کان ﷺ﴿اذاتلا غیر المغضوب علیهم ولاالضآلین﴾ قال آمین حتی یسمع من فی الصف الاول فیرتج بهاالمسجد، ابن ماجه: ۱/۴٦۲ ،برقم: ۸۵۲، وارتجاجه اذاقیل فی الیم فانه الذی یحصل عنه دوی کما یشاهد فی المساجد ،بخلاف ماذاکان بقرع ،وعلی هذافینبغی أن یقال علی هذا الوجه لا بقرع کما فعله بعضهم (فتح القدیر : ۱/۳۰۲).

(۲) شاہ انورشاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں:بقی اختلاف سفیان وشعبة فی حدیث وائلؓ فوجهه عندی أنه من باب حفظ کل ما لم یحفظه الآخروالحدیث یسقط علیٰ مذهب الشافعیة ، وکان النبی ﷺجهر فیها بالتأمین دون جهر الفاتحةوهومذهب الامام الشافعیؒ،فکان فی تأمینه جهر وخفض معاً،الجهر فی نفسه والخفض بالنسبةالی الفاتحة ،فمایرویه شعبةؓ ایضاًصحیح ،ومایؤدّیه سفیانؒ ایضاًصحیح الا ان کلاهمایؤدیان حصةمن المراد، فجهره ،أداه سفیانؒ ،وخفضه ،بالنسبة الی الفاتحة، ذکره شعبة ، والأمران صحیحان هٰذاهوالرأی عندی والناس حملوه علی الاختلاف فا ضطر کل الی اعلال ماعندالآخر ،ولاحاجة الیه عندی :فیض الباری:۲/۲۹۵ .

(۳) ان دونوں کی تطبیق کے بعد مولانا عبدالحئی لکھنویؒ کی توجیہ نقل کرتے ہیں:

قلت :لقد طفناکماطفتم سیننا بهٰذاالبیت طراًاجمعینا

فوجدنابعد التأمل والامعان القول بالجهربآمین هوالاصح لکونه مطابقالماروی عن سید بنی عدنان ،وروایةالخفض عنه ﷺضعیفة لاتوازی روایات الجهر،ولو صحت وجب ان تحمل علی عدم القرع العنیف کمااشار الیه ابن الهمام ،وای ضرورة داعیة الی حمل روایات الجهر علی بعض الاحیان اوالجهر للتعلیم مع عدم ورود شئی من ذالک فی روایة ،والقول بأنه کان فی ابتداء الأمر اضعف لان الحاکم قد صححه من روایةوائل بن حجرؓوهوانما اسلم فی اوخرالامر کماذکره ابن حجر فی فتح الباری.واما اثر ابراهیم النخعی ونحوه فلاتوازی الروایات المرفوعة والله اعلم[السعایة: ۲/۱٧٦].

مذکورہ عبارات سے ان علماء کا مقصد ظاہر ہے کہ حدیث وائل بن حجرؓ میں شعبہ اور سفیان کا جو اختلاف ہے یہ اخفا

اور جہر کا نہیں بلکہ سفیان کا مقصد یہ ہے کہ آمین فی نفسہ جہر سے تھا جبکہ شعبہ کا مقصد یہ کہ بنسبت فاتحہ آپ ﷺ نے آمین پست اواز سے کہی، تو ان علماء نے دونوں روایتوں کا تطبیق بھی کیا، تعارض کو دفع کیا اور یہ بھی ثابت کیا کہ آمین بالجہر صحیح سنت سے ثابت ہے۔ اور ان علماء کے قول کا تائید حدیث ابومحذورہؓ میں موجود ہے جو کہ ابوداؤد نے نقل کیا ہے: قال قلت یارسول الله علمنی سنة الآذان قال فمسح مقدم رأسه قال تقول الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، ترفع بها صوتک، ثم تقول اشهدان لااله الا الله، اشهدان لااله الا الله، اشهدان محمداً رسول الله، اشهدان محمداً رسول الله، تخفض بها صوتک، الحديث سنن ابی داؤد: ۱۳۵/۴، مع المنهل یعنی میں نے کہا یارسول اللہ مجھے اذان سکھلاؤ کیونکر کہتے ہیں، آپ ؐ نے میرے سر پر آگے کی جانب ہاتھ پھیرا، اور فرمایا: الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، بلند آواز سے کہہ: پھر آہستہ سے کہہ: اور پھر بلند آواز سے کہہ: اشهدان لااله الاالله، اشهدان لااله الاالله، اشهدان محمدارسول الله، اشهدان محمدارسول الله، الحديث۔

جبکہ یہی معنی حدیث ابی قتادہ میں بھی مذکور ہے کہ، عن ابی قتادةؓ ان النبی ﷺ خرج ليلة فاذاهو بابی بکرؓ یصلی يخفض من صوته، قال ومر بعمر بن الخطابؓ وهو يصلی رافعا صوته، قال فلما اجتمعا عند النبی ﷺ قال النبی ﷺ یا ابابکر مررت بک وانت تصلی تخفض صوتک، قال قد اسمعتُ من ناجيت يارسول الله، قال وقال لعمر مررت بک وانت تصلی رافعا صوتک، قال فقال يارسول الله اوقظ الوسنان واطرد الشيطان. زاد الحسن فی حديثه فقال النبی ﷺ یا ابابکر ارفع من صوتک شيئا وقال لعمر اخفض من صوتک شيئا. ابوداود: باب رفع الصوت بالقرأة فی صلاة الليل: ۵۴۰/۱ (مترجم).

ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک شب کو نکلے انہوں نے ابوبکرؓ کو دیکھا چپکے چپکے نماز پڑھ رہے ہیں، اور عمرؓ کو دیکھا بلند آواز سے قرأت کر رہے ہیں، جب دونوں (ابوبکرؓ وعمرؓ) رسول اللہ کے پاس آئے، آپ ؐ نے پوچھا اے ابوبکر میں جو تمہارے پاس گیا تو دیکھا تم چپکے چپکے نماز پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ میں اس کو سناتا تھا جو کانا پھوسی بھی سن لیتا ہے۔ (یعنی اللہ تعالی کو) پھر آپ ؐ نے فرمایا اے عمر میں جو تمہارے پاس گیا تو دیکھا تم بلند آواز سے پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے کہا یارسول اللہ میں سوتے کو جگاتا تھا، اور شیطان کو بھگاتا تھا (یعنی پکار کر پڑھنے سے یہ غرض تھی

کہ جولوگ سورہے ہیں نماز کونہیں اٹھے وہ آواز سن کر چونک جاویں۔حسن کی روایت میں اتنی زیادۃ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکرؓتم اپنی آواز تھوڑي بلند کرو، اے عمرؓتم اپنی آواز تھوڑی پست کرو۔

توان دونوں حدیثوں سے بھی معلوم ہوا کہ خفض کا معنی پست آواز یعنی معمولی جہر ہے جبکہ محققین علماء کا بھی یہ قول ہے کہ آمین زیادہ اونچی آواز سے نہیں کہنا چاہئے۔بس اتنا کہ بعدوالی صف اس کو سنے جیسا کہ حدیث میں ہے:

چند غلط فہمیوں کا ازالہ:

(۱) بعض لوگوں نے کہا: آمین دعاء وذکر ہے،اوردعاء وذکر میں اصل اخفاء ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے﴿**اُدعـوا ربکم تضرعاوخفية انه لايحب المعتدين**﴾اعراف:۵۵۔

ترجمہ: اپنے رب سے عاجزی اورآہستگی کے ساتھ دعا کیا کرو، بےشک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتے۔(**اظهار التحسين فى اخفاء التأمين: ۵۱؛۵۴**).

جواب(۱)اس آیت کے معنی ہماری تحقیق کے مطابق آج تک کسی مستند مفسر نے بھی خفیہ آمین کہنے کے نہیں کئے۔جیسے: **تفسير ابن جرير ،تفسيرابن ابى حاتم ،تفسيرابن كثير،تفسيرابن جوزى ،تفسيرمعالم التنزيل ،تفسيربيضاوى ،تفسيركبير ،تفسيرمدارک،تفسيرجلالين ،تفسيرفتح البيان** وغیرہ ملاحظہ کیجئے،اور اس کےساتھ کتاب(**الظفر المبين فى رد مغالطات المقلدين**)بھی ملاحظہ ہو،اسلئے یہ مفہوم ایک خودساختہ اور جدیداختراع ہے۔

(۲) آمین بالجہر کاحکم اس آیت کے عموم سے مستثنیٰ اورمخصوص ہے،اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ اورصحابہ کرام نے آمین بالجہر کہی ہے،لہٰذارسول اللہ ﷺ کی بات قرآن کی آیت کے مفہوم کے تعین میں حجت ہے۔اس آیت کے مفہوم سےاوربھی کئی دعائیں مستثنٰی ہیں۔مشت نمونہ ءخروار۔صحیح مسلم میں ہے؛**فلما قضى النبى ﷺ صلوته ثم دعا عليهم الخ**،،(**كتاب الجهاد باب مالقى النبى ﷺ من اذى المشركين :ح۱۰۷،۱۷۹۴**) اوریہی صحیح مسلم میں ہے براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ :**فسمعته يقول :رب قنى عذابک**...الخ،،(کتاب الصلوٰۃ باب استحباب یمین الامام:ح۶۲،۷۰۹).

(۳) اگراس آیت کی روسے اہل الرائے کےنزدیک ہردعا کوخفیہ پڑھنالازم ہوتو وہ خوداس آیت کے خودساختہ مفہوم

کے خلاف بلند آواز سے کیوں دعایں کرتے ہیں؟ مثلاً جہری نمازوں میں فاتحہ بالجہر پڑھتے ہیں جو دعا ہے۔ فرض نماز کے بعد اونچی اواز سے دعا کرتے ہیں۔ بسا اوقات امام کی دعا پر مقتدی اونچی اواز میں آمین بھی کہتے ہیں۔

(۴) ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے جو دعا خفیہ کی ہے وہ خفیہ کرنی چاہیئے اور جو بالجہر کی ہے وہ بالجہر کرنی چاہیئے، چونکہ آمین آپ ﷺ سے اور آپؐ کے جان نثار صحابہ کرام سے ثابت ہے، لہٰذا آمین بالجہر کہنی چاہیئے قرآن کریم کے عموم کی تخصیص خبر واحد کیساتھ ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔ (الاحکام للآمدی: ۲/۳۴۷)۔

فائدہ دوم:

امام بخاریؒ نے (جزء القرأت: ۲۵) میں لکھا ہے: کہ متواتر احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز میں سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، یہ ارشاد نبوی عام ہے اس میں مرد، عورت، امام، مقتدی اور منفرد سب شامل ہیں ۔ان احادیث میں سے ایک حدیث عبادہ بن صامتؓ سے نقل ہے

پہلی حدیث: عبادۃ بن صامت سے نقل ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**لاصلـوۃ لمن لم یقرأبفاتحة الـکتـاب**''، یعنی اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورت فاتحہ نہ پڑھے، یہ روایت متفق علیہ ہے۔ (بخاری حدیث نمبر: ۷۵٦، مسلم: ۳۴، ۳٦) جبکہ امام بیہقی نے جزء القرأت: ٦۴ حدیث نمبر ۱۲۱، میں ۔اوراسی طرح امام نسائی نے ۲/۱۴۱، میں اور ابن حبان نے ۵/۸٦، ۹۵، میں ان الفاظ سے نقل کی ہے: ''**لایقرأن احدمنکم اذاجھرت الابام القرآن**'' جب میں جہر کے ساتھ قرأت کررہا ہوں تو تم میں سے کوئی شخص بھی سورت فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھے۔

دوسری روایت: رفاعہ بن رافع الزرقیؓ سے ایک لمبی روایت نقل ہے: جو کہ صلوۃ کے متعلق ہے، اس میں یہ الفاظ نقل ہیں''**اذااقمیت الصلوٰۃ فکبِّر ثم اقرأبفاتحة الکتاب وماتیسرثم ارکع**'' الحدیث، یعنی جب نماز کی اقامت ہوجائے، تو تکبیر کہہ، پھر سورت فاتحہ پڑھ اوراس کے بعد جو آسان ہو۔ پھر رکوع کر: **شرح السنة للبغوی** :۳/۱۰۔ اور آگے فرمایا، یہ حدیث حسن ہے۔

تیسری حدیث: انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: **ان النبی ﷺ صلی باصحابه فلماقضی صلاته اقبل علیهم بوجهه فقال اتقرؤن فی صلاتکم والامام یقرأ؟فسکتوافقالهاثلاث مرات فقال قائل اوقائلون انالنفعل قال:فلاتفعلوا ولیقرأاحدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه.**

یعنی انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو ایک نماز پڑھائی، پس جب آپ نے نماز پوری کی تو ان کی طرف چہرہ مبارک کرتے ہوئے فرمایا، کیا تم اپنی نماز میں پڑھتے ہو جبکہ امام پڑھ رہا ہوتا ہے؟ تو وہ خاموش ہو گئے آپؐ نے یہ بات تین دفعہ دہرائی، تو ایک یا کئی اشخاص نے کہا: بے شک ہم ایسا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: پس ایسا نہ کرو، اورتم میں سے ہر شخص سورت فاتحہ اپنے دل میں پڑھے۔(مسند ابی یعلی الموصلی: ۱۸۷/۵، ۱۸۸، ح ۲۸۵۰)۔صحیح ابن حبان: ۱۵۲/۵۔

چوتھی حدیث: ایک صحابی کی روایت: ”عن محمد بن ابی عائشہ عمن شھد ذاک قال: صلی النبی ﷺ فلما قضی صلاته قال: اتقرؤن و الامام یقرأ قالوا: انا لنفعل قال: فلا تفعلوا الا ان یقرأ أحدکم بفاتحة الکتاب فی نفسه“

محمد ابو عائشہ نے ایک صحابی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا تم اس وقت پڑھتے ہو جبکہ امام پڑھ رہا ہوتا ہے، انہوں (صحابہ) نے کہا: ہم بے شک ایسا کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: پس ایسا نہ کرو، سوائے اس کے کہ تم میں سے ہر شخص سورت فاتحہ اپنے دل میں پڑھے۔(مصنف عبد الرزاق ۱۲۶/۲، ۱۲۷او، ومسند احمد ۲۳۶/۴۔

پانچویں حدیث: عبداللہ عمروؓ کی ہے: عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول اللہ ﷺ تقرؤن خلفی؟ قالوا نعم انا لنهذّ هذاً قال فلا تفعلوا الابام القران.

عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں کہا: جی ہاں، ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کچھ بھی نہ پڑھو سوائے فاتحہ کے، اس روایت کو امام بخاریؒ نے جزء القرأت حدیث نمبر ۶۳، میں اور امام بیہقی نے کتاب القرأت ۷۹، میں نقل کیا ہے۔

چھٹی حدیث: حدیث ابی ہریرہؓ: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنه عن النبی ﷺ اذا اقیمت الصلوٰۃ فکبر ثم اقرأ ثم ارکع“ الحدیث، رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو فرمایا جب فرض نماز کی اقامت ہو جائے تو تکبیر کہہ پھر قرأت کر پھر رکوع کر۔ یہ حدیث امام بخاریؒ نے جزء القرأت نمبر: ۱۱۳، پر نقل کیا ہے۔

ساتویں حدیث: معاویۃ بن الحکم السلمیؓ کی ہے: معاویۃ بن الحکم السلمی کی ایک طویل حدیث کا خلاصہ ہے کہ انہوں

نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور نماز میں باتیں کرتے رہے فرماتے ہیں: فلما صلی رسول اللہ ﷺ فبأبی وأمی ما رأیت معلماقبله، بعده، احسن تعليمامنه، فوالله ماكهرنی ولاضربنی ولاشتمنی، ثم قال: ان هذا الصلوٰة لايصلح فيهاشیء من كلام الناس انماهوالتسبيح و التكبيروقرأة القران"

پس جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ سے بہترین استاد نہ پہلے میں نے دیکھا اور نہ بعد میں۔ آپ نے نہ تو مجھے جھڑکا نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس نماز میں انسانوں کے کلام کی کوئی چیز جائز نہیں ہے، یہ نماز تو تسبیح وتکبیر اور قران کا پڑھنا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۳/۱، ح ۵۳۷)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی جس طرح تسبیح وتکبیر کہے گا، اسی طرح سورۃ فاتحہ بھی پڑھے گا، کیونکہ یہ حدیث خاص طور پر مقتدی کے بارے میں ہے۔ امام بخاریؒ وغیرہ نے بھی اس سے قرأت خلف الامام کے بارے میں استدلال کیا ہے۔ (جزء القرأت: ۶۹، ۷۰، بیہقی (۲۷ ح ۱۷۷)

آٹھویں حدیث: خلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے: قال يزيدبن شريک انه سئل عمرؓ عن القــرأة خلف الامام ؟فقال اقرأ بفاتحة الكتاب قلت: وان كنت انت؟قال فان كنت انا، قلت وان جهرت؟ قال وان جهرت"

یزید بن شریک (تابعی) سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرؓ سے قرأت خلف الامام کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: فاتحہ پڑھ تو میں (یزید) نے کہا: اور اگر آپ ہوں؟ تو فرمایا: اگر میں ہوں (تو بھی پڑھ) میں (یزید) نے پوچھا: اگر آپ قرأت بالجہر کر رہے ہوں؟ تو فرمایا: اور اگر میں جہر سے پڑھوں (تو بھی پڑھ۔ (المستدرک: ۲۳۰/۱۔ سنن کبریٰ: ۱۶۷/۲۔ مصنف عبدالرزاق: ۱۳۱/۲)۔

نویں حدیث ابوسعید خدری: امام بخاریؒ نے فرمایا: قال ابونضــرة سألت اباسعيد الخدریؓ عن القرأة خلف الامام؟ فقال بفاتحة الكتاب" ابونضرہ نے کہا: میں نے ابوسعید خدریؓ سے امام کے پیچھے قرأت کا پوچھا؟ تو انہوں نے فرمایا سورت فاتحہ پڑھ۔ یہ روایت امام بخاری نے جزء القرأت: ۳۰، ۳۱، میں اور امام بیہقی نے کتاب القرأت: ۱۱۰، میں نقل کیا ہے۔

دسویں حدیث: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے: عن العيزارعن ابن عباسؓ قال اقرأخلف الامام

بفاتحة الکتاب'' عیزار نے کہا: کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھ۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے مصنف: ١/٣٧٥، میں اور امام بیہقی نے سنن کبریٰ: ٢/١٦٩، میں نقل کیا ہے۔ **تلک عشرة کاملة۔**

ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں مقتدی کو فاتحہ کا حکم دیا گیا ہے، لیکن یہاں اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

تیسرا فائدہ

بعض لوگ اس آیت کریمہ ''**صراط الذین انعمت علیهم**' سے مسئلہ تقلید کے لئے استدلال کرتے ہیں تو اس مسئلہ کا مذکورہ آیت سے دور کا تعلق بھی نہیں یہ ایک جاہلانہ استدلال ہے، محمد رسول اللہ ﷺ سے لیکر آج تک کسی مفسر، عالم، فقیہ نے اس آیت سے یہ مسئلہ مستنبط نہیں کیا ہے، لہذا یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کا ذکر اللہ تعالی نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: **فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله** (**العمران: ٧**)۔ اور اس آیت کی تفسیر بھی کسی سے مخفی نہیں، علاوہ ازیں اگر ان کا یہ تفسیر مان لیا جائے تو یہاں پر تمام ربانی انعام یافتہ لوگوں کے راستے کا ذکر ہے، بعض انعام یافتہ کا نہیں لہذا اس آیت کریمہ سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہوا، یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ربانی انعام یافتہ (انبیاء، صدیقینؓ، شہداء اور صالحین) کا راستہ، اللہ اور رسول کی اطاعت ہے آنکھیں بند کر کے کسی غیر نبی کی بے دلیل تابع داری نہیں، لہٰذا اس آیت کریمہ سے بھی تقلید کا رد ہی ثابت ہے، اور اس مسئلہ کی مزید تحقیق انشاء اللہ سورہ بقرہ میں آئے گی۔

چوتھا فائدہ:۔

یہاں اکثر مفسرین نے ''وسیلہ'' کے متعلق بحث لکھا ہے: لیکن بعض مفسرین نے یہاں وسیلہ کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔

وسیلہ، استعانت اور استمداد کے مسئلے میں بکثرت لوگوں کو اشکال رہتا ہے، امید ہے کہ اس تشریح سے اصل حقیقت واضح ہو جائے گی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بنانا نہ مطلقا جائز ہے اور نہ مطلقا ناجائز ہے، بلکہ اس میں وہ تفصیل ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے، کہ کسی کو مختار مطلق سمجھ کر وسیلہ بنایا جائے تو شرک وحرام ہے، اور محض واسطہ اور ذریعہ سمجھ کر کیا جائے تو جائز ہے۔ (معارف القرآن)۔ اور اسی طرح عبارت تفسیر عثمانی میں بھی ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں اس کا تفصیلی بحث (سورت مائدہ: ٣٥) میں آئے گا۔

سورة البقرة (مدنية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ.

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اس سورت کا نام مشہور تو یہی ہے ''بقرۃ'' کے معنی گائے کے ہیں، چونکہ اس سورت کی آیت نمبر (٦٨) میں گائے سے متعلق ایک قصہ بیان ہوا ہے، اس لئے اسی مناسبت سے اس کا نام سورت البقرہ (یعنی وہ سورت جس میں گائے کا ذکر ہے) رکھا گیا۔

صحیح حدیثوں میں سورت بقرہ کی بہت کچھ فضیلت ثابت ہے۔ایک حدیث شریف میں رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے: ''ان لکل شیء سناماً وان سنام القران سورة البقرة'' مستدرک، جامع الترمذی، وانظر تفسیر ابن کثیر، یعنی ہر چیز کا ایک اعلیٰ حصہ ہوتا ہے، اور قران مجید کا اعلیٰ و برتر حصہ سورۃ بقرہ ہے۔قران مجید کی سورتیں کلام اللہ ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں، البتہ مضامین کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت ہے، سورۃ بقرہ میں چونکہ تمام بنیادی عقائد، توحید و رسالت ،کتب، اخرت وغیرہ مرکزی اعمال، جہاد، انفاق، نماز، روزہ، حج، زکواۃ وغیرہ اور بعض اہم معاملات نکاح ،طلاق، عدت، قصاص، وصیت، رہن، قرض، سود وغیرہ تفصیل سے مذکور ہیں، بلکہ وہ تمام مضامین جو پورے قران مجید میں پھیلے ہوئے ہیں وہ تفصیلا یا اجمالا سارے کے سارے اس سورت میں آگئے ہیں، اسی مناسبت سے بعض روایتوں میں اس سورت کا نام ''فسطاط القرآن'' بھی آیا ہے فسطاط کے معنی خیمہ کے ہیں جس طرح خیمہ نیچے بیٹھنے والوں پر حاوی ہوتا ہے، اسی طرح یہ سورت بھی قران مجید کے تمام مضامین پر حاوی ہے، اس لئے اس لحاظ سے باقی سورتوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے، ایک حدیث میں آپ ؐ کا ارشاد ہے: **اقرؤا سورة البقرة فان اخذها بركة وتركها حسرة ولا يستطيعها البطلة۔** (صحیح مسلم ومسند احمد)۔

یعنی سورت بقرہ پڑھا کرو، کیونکہ اس کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا باعث برکت اور اس کا ترک موجب حسرت وندامت ہے۔مگر باطل پرست لوگ اس پر عمل نہیں کرسکیں گے۔

ربط: سورت بقرہ کو سورت فاتحہ کے ساتھ کئی طرح سے ربط ہے:

(۱) **ربط اسمی**: یہودی گائے کی پرستش اور اس کی تعظیم کیا کرتے تھے، چنانچہ سامری نے جب سونے

کا بچھڑا بنا کر ان کے سامنے لا رکھا، تو سب اس کے سامنے جھک گئے اور اسے پوجنے لگے، یہود کے علاوہ خود مشرکین عرب بھی گاؤ پرستی میں مبتلا اور اس کے تقدس کے قائل تھے، جب کبھی بارش نہ ہوتی تو وہ گائے کی دم کے ساتھ گھاس پھونس باندھ کر اور اسے آگ لگا کر چھوڑ دیتے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جب آگ سے گائے کی دم جلے گی، تو وہ چیخ و پکار کرے گی، اور اس کی چیخ و پکار اور بے چینی کی وجہ سے اللہ تعالی بارش برسائے گا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت کا ایک سمجھدار اور سلیم الفطرت شاعر الورل الطائی ایسے ضعیف الاعتقاد مشرکوں کو ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے:

لادر در رجال خاب سعیهم یستمطرون لدی الازمات بالعشر

ان لوگوں کا عمل بے نتیجہ ٹھہرا جن کی کوشش ناکام ہوئی اور جو خشک سالی میں عشر (ایک پودا) کے ذریعہ بارش طلب کرتے ہیں۔ (لسان العرب)۔

اجاعل انت بیقورامسلعة ذریعة لک بین اللہ و المطر

کیا تو اللہ اور بارش کے درمیان اس گائے کو وسیلہ بناتا ہے جس کی دم سے سلع (ایک پودا) کی ٹہنیاں بندھی ہوئی ہیں۔ (مشکل القران ابن قتیبہ)۔

اور اس وقت کے عیسائی تو آل عمران کے بعض بزرگوں کی الوہیت کے قائل تھے، اور انہیں مالک و مختار سمجھ کر حاجات و مشکلات میں پکارتے تھے۔ عیسی و مریم علیہا السلام کے متعلق عیسائیوں کے جو مشرکانہ عقائد تھے، وہ قران مجید میں جا بجا تفصیل سے مذکور ہیں، سورت بقرہ میں زیادہ تر روئے سخن، یہود کی طرف اور سورۃ ال عمران میں نصاری کی طرف ہے، ان دونوں سورتوں میں زیادہ تر حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا نمبر آتا ہے۔ اس زمانہ میں جس طرح حقوق اللہ کو نہایت بیباکی سے پامال کیا جا رہا تھا اسی طرح حقوق العباد کو بھی نہایت بے دردی سے ضائع کیا جا رہا تھا، خصوصا عورتوں کے ساتھ نہایت وحشیانہ اور غیر منصفانہ سلوک کیا جا رہا تھا۔ اور ان کی فطری کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کی خوب حق تلفی کی جاتی تھی تو اللہ تعالی نے سورت البقرہ اور سورت آل عمران کے بعد سورت نساء میں عورتوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان سے حسن معاشرت کی تلقین فرمائی، تاکہ مسلمان حقوق اللہ اور حقوق العباد آدا کر کے اللہ تعالی کی رضامندی حاصل کریں، اور اللہ تعالی کے خوان نعمت سے دنیا اور عقبی میں بہرہ مند ہو سکیں۔ اب ان سورتوں میں اسی ربط بطریق ذیل ہوگا: **اللھم ایاک نعبدو ایاک نستعین (فاتحة) ولا نعبدو لا نستعین البقرة کما فعل الیھودو المشرکون (بقرة). ولا نعبدو لا نستعین ال عمران کما فعل النصاری (ال عمران) ونؤدی حقوق النساء رغبة ونؤتی**

صدقاتهن نحلة(نساء)فانزل علينامائدة انعامک وافضالک فی الدنیا والاخرة(مائدة) اے اللہ! ہم صرف تیری بندگی کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور تیرے سوا کسی کی بندگی اور پرستش نہیں کرتے، جس طرح یہود اور مشرکین عرب گائے کی اور نصاری آل عمران کے بزرگوں کی عبادت اور پرستش کرتے تھے۔ہم عورتوں کے حقوق بہ رضا ورغبت ادا کرینگے۔پس اے اللہ! دنیا واخرت میں اپنے فضل واحسان اور انعام واکرام سے سرفراز فرما۔یہ ربط اسی سورت مائدہ تک ہے اس کے بعد کا ربط اسی سورت انعام کے شروع میں مذکور ہوگا۔

دوسرا ربط: سورت فاتحہ میں ''اھدنا الصراط المستقیم '' سے ہدایت کی درخواست کی گئی ہے۔اب سورت بقرہ کی ابتداء ہیں اس کی منظوری آگئی کہ یہ پوری کتاب سرچشمہ ہدایت ہے، اور سیدھی راہ دکھاتی ہے اور پھر سورت میں ہدایت کا جامع اور مکمل پروگرام بیان فرمایا ہے۔

تیسرا ربط: سورت فاتحہ میں تین جماعتوں کا ذکر تھا(۱)منعم علیهم جن پر اللہ کا انعام ہوا۔(۲)''مغضوب علیهم'' جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے۔(۳)''الضالین'' گمراہ لوگ منعم علیہم سے مومنین مراد ہیں جن کے چار درجے ہیں باقی دونوں گروہ غیر مومنین کے ہیں ان کے بھی چار درجے ہیں۔جیسا کہ سورت فاتحہ کی تفسیر میں مفصل گذر چکا ہے۔''مغضوب علیہم'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو فساد باطن کے ساتھ ساتھ فساد عمل میں بھی مبتلا ہیں، یعنی نہ ان کے عقائد صحیح ہیں اور نہ اعمال درست، (یہ کافروں کا گروہ ہیں) اور'' الضالین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو فساد باطن کا شکار ہیں۔اور ان کے عقائد میں کفر وشرک کی گندگی موجود ہے البتہ ان کے کچھ ظاہری اعمال مسلمانوں کے سے ہیں، (یہ گروہ منافقوں کا ہے) سورت فاتحہ میں ان تینوں جماعتوں کا ذکر اجمالی تھا، اب سورت بقرہ کی ابتداء میں لف ونشر مرتب کے طور پر قدرے تفصیل سے ان کا ذکر کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی ان کے کچھ اوصاف اور ان کی جزاوسزا کا بیان بھی آگیا ہے۔''قال الامام الرازی ویحتمل ان یقال المغضوب علیهم هم الكفار ،و الضالون هم المنافقون ،وذلک لانه تعالی بدأبذكر المؤمنين و الثناء عليهم فی خمس ايات من اول سورةا لبقرة ثم اتبعه بذكر الكفاروهوقوله ان الذين كفرواثم اتبعه بذكر المنافقين وهو قوله ومن الناس من يقول امنا فكذابدأبذكر المومنين وهوقوله انعمت عليهم ثم اتبعه بذكر الكفاروهوقوله غير المغضوب عليهم ثم اتبعه بذكر المنافقين وهوقوله ولا الضالين .(تفسر کبیر).

چوتھا ربط: سورت فاتحہ میں بندوں سے ''ایاک نعبد'' کے ذریعے اللہ کی توحید کا اقرار لیا گیا ہے، اور عبادت واستعانت کو اللہ=

الٓـــــــمّٓ ﴿۱﴾

اللہ تعالی کو اس کا علم ہے۔ (۱)

=کے ساتھ مخصوص ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔سورت بقرہ میں اسی دعویٰ توحید کو مختلف مقاصد کے پیش نظر تین جگہ ذکر کر کے ہر جگہ اسے دلیل عقلی سے واضح اور ثابت کیا گیا ہے۔چنانچہ (۲۱) نمبر آیت میں،یاایھا الناس اعبدوا ربکم سے دعوی پیش کیا اور پھر" الذی خلقکم " سے رزقالکم تک دلیل عقلی پیش کی،دوسری دفعہ (ایت:۱۶۳) میں:وَإِلَـٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَـٰنُ الرَّحِيمُ سے دعوی پیش کیا،اوراس کے بعد:(ایت:۱۶۴) میں"إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ ،الاية. میں دلیل عقلی بیان کی،

تیسری بار (ایت:۲۵۵) میں الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ،الاية. دعوی میں پیش کیا۔اوراس میں آیت کی آخر تک عقلی دلیل پیش کی، دعوی توحید کو تین بار ذکر کرنے کا مقصد جداگانہ ہے۔پہلے موقع پر شرک فی الدعاء کی نفی مقصود ہے یعنی اللہ کے سوا غائبانہ دعا اور پکار سننے والا اور کوئی نہیں،دوسرے مقام پر نذر ونیاز اور منت میں شرک کی نفی مقصود ہے۔اور تیسری جگہ شفاعت قہری کی تردید مقصود ہے۔

مختصر خلاصہ

سورت بقرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے دو حصے ہیں۔حصہ اول ابتداء سورت سے اولـئک هـم المتقـون (۱۷۷) تک ہے، اوردوسرا حصہ وہاں سے سورت کے اخر تک ،حصہ اول میں دو مضمون بیان کئے گئے ہیں توحید اوررسالت ابتداء سورت سے " وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ" ﴿۱۲۳﴾ توحید اور" وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ" (۱۲۴) سے حصہ اول کے اخر تک رسالت کا بیان ہے،گویا کہ پہلا حصہ"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی تشریح ہے۔دوسرا حصہ مسلمانوں کے ظاہر و باطن کی اصلاح کے طریقے،اور اندرونی نظام کو درست کرنے کے لئے امور انتظامیہ بیان فرما کر مشرکین کے مقابلے میں انہیں جہاد اور انفاق کا حکم دیا گیا ہے،گویا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی خاطر مشرکین سے جہاد کا حکم فرمایا گیا ہے۔

(۱) یہ حروف مقطعات میں سے ہیں۔جو قران مجید کی انتیس (۲۹) سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں،مفسرین کرام

نے ان حروف کے ان سورتوں کی ابتداء میں ذکر کرنے کی حکمتیں، ان کے ظاہری معانی اوران کی تمثیلات بیان فرمائی ہیں۔مفسرین کرام نے جو کچھ بیان کیا ہے اسے ان حروف مقطعات کے حقیقی معانی اور مرادات الٰہی تو نہیں کہا جا سکتا زیادہ سے زیادہ انہیں فوائد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

یہ حروف بے معنی اور مہمل نہیں ہیں، ان سے مراد الٰہی متعین ضرور ہیں، لیکن ان کا بھید اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ **ھذا علم مستور وسر محجوب استأثر اللّٰہ تبارک وتعالی بہ** ۔تفسیر کبیر، روح المعانی، بیضاوی، خلفائے راشدین اور ابن مسعودؓ سے یہی منقول ہے،:**لکل کتاب سرٌ وسر القران اوائل السور** ۔ روح المعانی، تفسیر کبیر (یعنی ہر کتاب کا ایک بھید ہوتا ہے اور قران مجید کے بھید سورتوں کے ابتدائی حصے یعنی حروف مقطعات ہیں۔امام شعبی فرماتے ہیں: **سر اللّٰہ تعالی فلاتطلبوہ** تفسیر کبیر، روح المعانی، یعنی یہ حروف مقطعات اللہ کا بھید ہیں ان کے پیچھے مت پڑو۔

سورتوں کی ابتداء میں ان حروف کے ذکر نے میں جو حکمتیں مفسرین کرام نے بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اعمال شرعیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کی حکمت اور علت ہماری سمجھ میں آ سکے، جیسے نماز، روزہ اور زکواۃ، یہ بات بہ خوبی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ نماز میں قیام اور رکوع اور سجود وغیرہ کے ذریعے اپنے مالک اور آقا کے سامنے انتہائی عاجزی اور بے چارہ گی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔روزہ سے شہوات نفسانیہ کو کمزور کر کے روحانی پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔بھوک کے تجربہ سے غریبوں اور بھوکوں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور زکواۃ کے ذریعے حاجت سے زائد دولت سوسائٹی کے معذور اور محتاج طبقہ میں تقسیم کر کے ان کی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے۔

دوسری قسم ان اعمال کی ہے جن کی حکمت اور علت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔مگر ہم ایسے اعمال بجالانے کے مکلّف ہیں، جیسا کہ افعال حج ہیں مثلاً صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا) طواف میں رمل کرنا (کندھوں ہلا ہلا کر چلنا) اور جمرات پر سنگریزے پھینکنا۔کمال انقیاد اور تسلیم اسی کا نام ہے، کہ احکم الحاکمین کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے خواہ اس کی علت سمجھ میں آئے یا نہ آئے بلکہ اطاعت کرنے کے لئے علت دریافت کرنا بے ادبی میں داخل ہے۔

اعمال شرعیہ کی طرح اقوال کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ ہیں جن کا مفہوم ہماری سمجھ میں آ سکتا ہے۔ایسے اقوال کے پڑھنے ان کے معانی میں غور فکر کرنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور کچھ اقوال ایسے ہیں، جن کا مفہوم ہماری عقل وفہم سے ماوراء ہے۔مگر ہمیں ان کے بھی ماننے اور پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے (تفسیر کبیر) سورت ال عمران کی آیت کا یہی مطلب ہے:هُوَ الَّذِىَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ =

ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۲﴾

یہ وہ کتاب ہے(۲) جس میں کوئی بھی شک نہیں۔ پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے۔

=الْکِتَابِ (الایة:۷) یعنی وہ ایسا ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی، جس کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو محکم ہیں یعنی جن کا مطلب واضح اور ظاہر ہے، یہی ایتیں اس کتاب کا اصلی مدار ہیں۔ اور اس میں کچھ آیتیں ایسی ہیں، جن کی مراد مشتبہ ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ دین میں شورش ڈھونڈنے اور اس کا مطلب تلاش کرنے کی غرض سے اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں، جس کی مراد مشتبہ ہے۔ حالانکہ اس کا مطلب بجز اللہ تعالی کے اور کوئی نہیں جانتا، جو لوگ علم دین میں پختہ کار ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر اجمالا یقین رکھتے ہیں، کہ یہ سب ہمارے پروردگار کے طرف سے ہیں، اور نصیحت صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو اہل عقل ہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ قران مجید کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک ''محکمات'' یعنی وہ جن کا مطلب معلوم اور مراد متعین ہے ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ دوسری ''متشابہات'' یعنی وہ جن کی مراد مشتبہ ہے اور اللہ کے سوا ان کی صحیح مراد کسی کو معلوم نہیں، علماء ربانین کا متشابہات کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں لیکن ان کا اصل مقصد اللہ تعالی ہی جانتا ہے۔ متشابہات کی دو قسمیں ہیں: قسم اول حروف مقطعات جو بعض سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں جیسے الم، الر، المر، طٰہٰ، حمٓ. وغیرہ۔ (ابن کثیر، روح المعانی، خازن، معالم، قرطبی) اور قسم دوم وہ الفاظ ہیں جن کے ظاہری اور لغوی معانی تو معلوم ہوں، لیکن ان کی کیفیت کو سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہ ہو، جیسے اللہ کی طرف سے یدٌ (ہاتھ) وجہٌ (چہرہ) وغیرہ کے اضافت جیسے اینما تولوا فثم وجه الله (البقرہ:۱۱۵) ید الله فوق ایدیهم (الفتح:۱۰)۔

(۲) اس آیت کریمہ میں ترکیب نحوی کی کئی صورتیں ہیں ''ذلک الکتاب'' مبتدا اور ''لاریب فیه'' جملہ اس کی خبر ہو: یا، ذلک مبتدا ہوا اور الکتاب اس کا پہلی خبر اور لا ریب فیه خبر بعد خبر ہو، یا علیحدہ جملہ ہو، اس صورت ''الکتاب'' کا الف لام حقیقت کے لئے ہوگا اور ذلک الکتاب کا مطلب یہ ہوگا کہ کامل اور صحیح معنوں میں کتاب یہی قران ہے۔ (روح المعانی) یا الکتاب کا الف لام عہد کے لئے ہوگا، اور اس سے اشارہ اس کتاب کی طرف ہوگا جس کے نزول کی بشارت تورات اور انجیل کے ذریعے یہود و نصاری کو مل چکی تھی۔ اور وہ جانتے تھے کہ بنی اسمٰعیل میں اخری=

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

جوکہ یقین کرتے ہیں غیب پر،(۳)اورنماز قائم کرتے ہیں(۴) اور جوکچھ ہم نے انہیں دیا ہے ۔اس میں سے خرچ کرتے ہیں(۵)

= نبی پیدا ہوگا،اوراس پراللہ کی طرف سے کتاب نازل ہوگی۔(روح المعانی)

مگراس صورت میں ''لاریب فیہ'' کوعلٰیحدہ جملہ قرار دینا زیادہ موزوں ہوگا۔اورترجمہ یوں ہوگا:بےشک یہ وہی کتاب ہے یعنی جس کی بشارت انبیاءسابقین دے چکے ہیں۔ذلک الکتاب، ای الکتاب الذی اخبر الانبیاء المتقدمون بان اللہ تعالی سینزلہ علی النبی المبعوث من ولد اسمٰعیل (تفسیر کبیر)۔

ان دونوں ترکیبوں میں ھدی للمتقین میں دواحتمال ہونگے:یا تو یہ جملہ پہلے مبتداء کی خبر بعد خبر ہوگا،یہ علٰیحدہ جملہ ہوگا اوراس کا مبتدا''ھو''محذوف ہوگا،ان دونوں ترکیبوں کی صورت میں لاریب فیہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کتاب کے اللہ کی طرف سے ہونے میں اوراس کے مضامین کی صحت اورواقعیت میں کوئی شک اورشبہ نہیں۔یہاں نفس قرآن میں شک کی نفی مقصود ہے،یہ مطلب نہیں کہ اس میں کسی فرد بشر کوشک نہیں کیونکہ کسی آدمی کا قرآنی مضامین کی صحت یااس کے من عنداللہ ہونے میں شک کرنااس کے اپنے قصور فہم کا نتیجہ ہے یہ ریب اس کے اپنے فہم میں ہے نہ کہ قرآن میں،اس لئے یہاں مقصود یہ ہے کہ یہ کتاب فی نفسہ ہرقسم کی شک وریب سے پاک ہے،اس کے دلائل واضحہ اور براہین قاہرہ نے اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں چھوڑی۔(قرطبی،مدارک،،کبیر)۔

''ذلک الکتاب'' مبتدا،لاریب فیہ جملہ معترضہ برائے تاکید''ھدی للمتقین''خبر،اس صورت میں آیت کاترجمہ یوں ہوگا:بےشک یہ کتاب ڈرنے والوں کے لئے سراپاہدایت ہے۔اس ترکیب کی صورت میں نہ ریب کے متعلق کوئی اشکال وارد ہوتا ہےاورنہ ہی کسی لفظ کومقدر ماننے کی ضرورت ہے۔

یہاں ایک شبہ کیا جاتا ہے کہ قران مجید کی کئی دوسری آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب(قران)بلاتخصیص تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے،چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:ھدی للناس وبینات من الھدی و الفرقان .(سورۃبقرہ:۱۸۵) مگراس آیت میں قران مجید کے ہدایت ہونے کومتقی لوگوں کےساتھ مخصوص کردیا گیاہے،تواس کاجواب یہ ہے کہ بلاشبہ قران تاقیامت تمام بنی ادم کے لئے ہدایت ہے۔مگرچونکہ اس کی ہدایت سے فائدہ صرف وہی

لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں خوف الٰہی ہو۔اس لئے یہاں صرف متقین کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔(تفسیر ،روح المعانی) یا متقین سے مراد: المنیبین الی الله الذین یتقون الضدویجتنبون العناد ۔یعنی جولوگ اللہ کی طرف متوجہ اور راہ حق کے طالب ہیں ،جب وہ ضد وعناد کو بالائے طاق رکھ کر نظر انصاف سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے،تو ان پر یہ کتاب یقیناً ہدایت کی راہیں کھول دیگی اوران کے دلوں کو ضرور نور ہدایت سے روشن اومنور کردیگی۔ کـمـا قـال الله تـعـالـی:"ومایتذکر الا من ینیب"(مومن:۱۳)"ویهدی الیه من ینیب"(شوری:۱۳)"ومن خشی الرحمٰن وجاء بقلب منیب"(قٓ:۳۳)"ویهدی الیه من اناب"(رعد:۲۷).

یعنی ہدایت کو قبول کرنے اوراس کو روکنے کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسموں کا بیان

پہلی جماعت: یعنی وہ لوگ جو ظاہر وباطن میں مسلمان ہیں ان کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں۔

(۳) "متقین" کی پہلی صفت "یومنون" ایمان سے ماخوذ ہے اور ایمان کے معنی دل سے ماننے اور تصدیق کرنے کے ہیں[قرطبی]۔اور"غیب" ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حس وعقل کی رسائی اور دسترس سے ماوراء ہو، مـا لا یـقـع تـحـت الشـعـور ولا تـقـتـضیه بداهت العقل (روح المعانی)وهوقول جمهور المفسرین، ان الغیب هو الذی یکون غائباعن الحاسة ۔(کبیر)۔اور یہاں غیب سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کا ادراک عقل وحس سے ناممکن ہے اوران کے متعلق جو کچھ بھی معلوم ہے وہ پیغمبر ﷺ کی اطلاع واخبار ہی سے معلوم ہے، مثلاً ذات باری تعالیٰ، فرشتے، کتب سماویہ، انبیاء متقدمین علیہم السلام، احوال برزخ، علامات قیامت، حشر ونشر، صراط، ومیزان، جنت، دوزخ، وغیرہ۔ کـل مـاخبـربـه الـرسـول ﷺ مـمـالاتهتـدی الیه العقول، من اشراط الساعةوعذاب القبرو الحشر و الـنـشـرو الـصـراط و الـمـیـزان والـجنة و النارالخ.(قرطبی)انه ماخبربه ﷺ فی حدیث جبریل علیه السـلام وهـوالله تـعـالـی ومـلائـکتـه ورسـله والیوم الاخروالقدرخیره وشره الخ(روح المعانی، ابن کثیر ،قـرطـبی،ابـن جریر)۔تو آیت کا ماحصل یہ ہوا، کہ وہ لوگ ان تمام امور کو جوان کی عقل وفہم اور حس وادراک سے باہر ہیں محض پیغمبر علیہ السلام کی اطلاع پر سچا مانتے اوران کی تصدیق کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات ذہن نشین کرلینی چاہئے ،کہ عالم غیب کی تمام اشیاء اوران سے متعلق احوال وکوائف مثلاً عالم برزخ اور مابعد الحشر کی تفصیلات وکوائف کو مخبر صادق ﷺ کے بیان کے مطابق ہی مانا جائے گا،ظن وتخمین اور عالم شہادت پر قیاس کے ذریعے عالم غیب کی کوئی چیز ثابت نہیں کی جاسکتی ،عالم غیب کے امور جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں مثلاً عذاب

قبر، حشر ونشر وغیرہ ،ان کا انکار کفر اور جو امور دلائل ظنیہ سے ثابت ہیں مثلاً زندوں کے بعض اعمال سے مردوں کا منتفع ہونا، مثلاً ایصال ثواب، امت کے صلوات وسلام کا نبی علیہ السلام کو پہنچنا، اور عالم برزخ میں ارواح کا اجساد مثالیہ میں متمثل ہو کر عبادات اور دیگر افعال بجالانا وغیرہ کا انکار بدعت ہے۔ اور وہ امور جن کی بنیاد محض ضعیف اور بالکل کمزور روایتوں پر ہو، ان کے انکار سے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ ایسے امور کے رد وقبول میں قرآنی ارشادات اور صحیح روایتوں سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ مُردوں کا سننا، امت کے اعمال کا نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہونا وغیرہ ایسے ہی امور ہیں، ان امور کی پوری تحقیق اپنی جگہ آئے گی۔

(۴) متقی لوگوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ نماز قائم رکھتے ہیں نماز قائم رکھنے سے اس کو اس کے تمام فرائض وواجبات، سنن ومستحبات اور حقوق وآداب کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے۔ یاتون بھا بحقوقھا (جلالین) عن ابن عباسؓ اقامت الصلوٰۃ اتمام الرکوع و السجود و التلاوت و الخشوع و الاقبال علیھا فیھا، وقال قتادۃ اقامۃ الصلوٰۃ المحافظۃ علی مواقیتھا و وضوئھا و رکوعھا و سجودھا. (ابن کثیر). اقامتھا عبارۃ عن تعدیل ارکانھا و حفظھا من ان یقع خلل فی فرائضھا و سننھا و ادابھا (کبیر). ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کی ایک ظاہری صورت ہے، اور ایک باطنی حقیقت، ظاہری صورت تو یہ ہے، کہ شرعی طریقہ کے مطابق نمازی کا بدن، اس کے کپڑے اور نماز پڑھنے کی جگہ پاک ہو۔ اور نماز کو اس کے تمام ظاہری ارکان وآداب کی شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے ادا کیا جائے، اور نماز کی باطنی صورت یہ ہے کہ نماز کو فریضہ الٰہی سمجھ کر محض رضائے مولیٰ کی خاطر پورے خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کیا جائے، اور نماز کے دوران نماز ہی کو اپنے دل کی توجہ کا مرکز بنایا جائے، خیالات فاسدہ اور وساوس شیطانیہ سے دل کو خالی اور پاک رکھا جائے۔ لہٰذا نماز کو ان تمام ظاہری اور باطنی حقوق کے ساتھ ادا کرنے کا نام، اقامت صلواۃ ہے اور یہی متقین کی دوسری صفت ہے۔ اس صفت میں جس قدر کمال یا نقص ہوگا اسی قدر اتقاء میں فرق پڑ جائے گا۔

(۵) یہ متقین کی تیسری صفت ہے بعض مفسرین نے اس آیت سے ''زکواۃ'' مراد لی ہے مگر اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ ایت اپنی عموم پر ہی محمول ہے، اور تمام حقوق مالیہ کی ادائیگی کو شامل ہے خواہ وہ واجب ہوں یا غیر واجب، مثلاً زکوٰۃ، نفلی صدقہ، قربانی، اپنی ذات اور اہل عیال پر خرچ وغیرہ۔ واولی التاویلات بالایۃ و احقھا بصفۃ القوم ان یکون کانوا لجمیع اللازم فی اموالھم مؤدین، زکوۃ کان ذلک او نفقۃ من لزمتہ نفقتہ من اھل وعیال وغیرھم ممن تجب علیھم نفقتہ بالقرابۃ و الملک وغیر ذلک. (ابن جریر، ابن کثیر) ویدخل فیہ

انفاق الواجب كالزكوٰة و النذروالانفاق على النفس وعلى من تجب نفقته عليه والانفاق فى الجهاد اذاوجب عليه والانفاق فى المندوب وهوصدقة التطوع ومواساة الاخوان وهذه كلهاممايمدح بها. (خازن).

بلکہ ایت اس سے بھی زیادہ عموم کی محتمل ہے، لفظ ''ما'' اپنے عموم اور وسعت کی وجہ سے ان تمام انعامات کوشامل ہے جو اللہ تعالی نے انسان کو عطا فرمائے ہیں۔خواہ مادی انعامات، جیسے مال واولاد، ودولت، وثروت وقوت، صحت وغیرہ، خواہ علمی، جیسے علم وہنر عقل وحکمت اور فہم وفراست وغیرہ۔لہٰذا اپنی قوت وصحت اور اولاد کے ذریعے دوسروں کی مدد کرنا علم وحکمت سکھانا، مخلصانہ مشوروں سے تعاون کرنا، یہ سب اس ایت کے تحت داخل ہیں۔الانفاق البذل، من النعم الظاهرة و الباطنة ،وعلم لايقال به ككنز لاينفق منه.(روح المعانى). وقال بعض المتقدمين فى تاويل قوله تعالى ومما رزقناهم ينفقون اى مما علمناهم يعلّمون. قرطبى۔

(٦) یہ متقین کی چوتھی صفت ہے، اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر ہے ایک وہ وحی جو رسول پاک ﷺ پر نازل ہوئی، دوسری وہ وحی جو پہلے پیغمبروں پر اتری، پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں پر ایمان لانے سے مراد صرف یہ ہے کہ انہیں اللہ کی طرف سے مانا جائے اور انہیں سچا سمجھا جائے، ان پر عمل کرنا واجب نہیں، رسول اللہ ﷺ کی وحی پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اسے حق اور من عند اللہ ماننے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کیا جائے اور اپنی زندگی اس کی ہدایت کے مطابق بسر کی جائے۔آپ ؐ کی وحی صرف قران مجید ہی میں منحصر نہیں، بلکہ آپ ﷺ کے تمام دینی ارشادات جو کتب احادیث میں موجود ہیں یہ سب وحی تھے، تو جس طرح قران پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح قران کے علاوہ دوسری وحی کو ماننا بھی فرض ہے۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے بعد وحی منقطع ہو چکی ہے، اگر جاری ہوتی تو یہاں اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر ضرور ہوتا۔اس آیت میں جس ایمان کا ذکر ہے حقیقت میں وہ ایمان بالغیب ہی کا ایک شعبہ ہے ''یومنون بالغیب'' کے الفاظ پورے عالم غیب پر حاوی تھے، مگر اس آیت میں عالم غیب کی صرف دو چیزوں کو خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے یعنی گزشتہ وحی اور موجودہ وحی پر ایمان لانا، تو اس تخصیص بعد التعمیم سے یہود ونصاری میں سے جو لوگ ایمان لا چکے تھے، ان کی عزت افزائی اور ان کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔(روح المعانی، کبیر، مظہری)۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ

اورجو ایمان لاتے ہیں،اس پرجواتارا گیاہے آپ پراورجوآپ سے پہلے اتاراگیا(٦)اورآخرت پربھی وہ

يُوْقِنُوْنَ ﴿٤﴾ أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥﴾

یقین رکھتے ہیں۔(۷)وہی لوگ اپنے رب کے راستہ پرہیں اوروہی نجات پانے والے ہیں۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾

بے شک جولوگ انکارکرچکے ہیں برابرہے انہیں توڈرائے یانہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے ۔(۸)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ط

اللہ نے ان کے دلوں اورکانوں پرمہرلگادی ہے(۹) اوران کے آنکھوں پرپردہ ہے

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٧﴾

اوران کے لئے بڑاعذاب ہے۔

---

(۷) یہ متقین کی پانچویں صفت ہے، یہاں اخرت سے مراددارِاخرت یعنی قیامت ہے نہ کہ نبوت، جیسا کہ منکرین ختم نبوت کا خیال ہے، چنانچہ دوسری ایت میں ارشاد ہے: وان الدار الاخرة لهی الحیوان.(عنکبوۃ:٦٤) قیامت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ حشر ونشر، حساب وکتاب، جنت، دوزخ، اور یوم قیامت کو جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب کچھ مانتے اوراس کے وقوع پر یقین رکھتے ہیں یہاں تک تو دعوت توحید کو قبول کرنے والوں اور کتاب ہدایت سے متفع ہونے والوں کی صفات وعلامات کا ذکر تھا، اب آگے ان صفات کا ثمرہ اوران کے حاملین کی جزاء کا بیان ہے۔

یہاں دونوں جگہوں میں ''اولئک'' کا اشارہ مذکورہ بالا صفات کے حاملین کی طرف ہے۔ای المتصفون بماتقدم من الایمان بالغیب واقام الصلوٰۃ و الانفاق من الذی رزقهم. الخ. تفسیر ابن کثیر.ای الذین هذه صفتهم (تفسیر خازن)ای اهل هذه الصفة(معالم) ۔یعنی جولوگ مذکورہ صفات سے متصف ہیں

دنیا میں وہ سیدھی راہ پر ہیں۔اور آخرت میں بھی انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوگی۔فان الهدى فى الدنيا و الفلاح فى الاخرة (روح المعانی)۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ: "مفلحون" کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہو،ابن کثیر،یعنی سیدھی راہ پر چلنے اور کتاب ہدایت پرعمل کرنے کی وجہ سے وہ دنیا میں بھی کامیاب ہونگے اور آخرت میں بھی۔ (اولٰئک هم المفلحون) میں "هم" ضمیر فصل ہے جو حصر اور تخصیص کے معنی پیدا کرتی ہے (بیضاوی،مظہری)۔معتزلہ نے اس ایت سے استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے اور اس کے لئے نجات نہیں کیونکہ اس ایت نے فلاح کو مذکورہ صفات والے مومنوں میں محصور کردیا ہے۔تو اس سے معلوم ہوا کہ جن میں یہ صفات نہ ہوں وہ اس فلاح سے محروم رہیں گے،تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حصر مطلق اعتبار سے نہیں ہے بلکہ فلاح کامل اعتبار سے ہے یعنی فلاح کامل تو انہیں لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہوں گے۔البتہ مطلق فلاح کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جن لوگوں میں بعض عملی خامیاں ہونگی نجات وفلاح تو اخران کو بھی حاصل ہوجائے گی۔ واولئک هم المفلحون يدل على انهم الكاملون فى الفلاح فيلزم ان يكون صاحب الكبيره غير كامل فى الفلاح(تفسير كبير) المراد المفلحون الكاملون فى الفلاح ويلزم منه عدم كمال فلاح من ليس منهم لاعدم الفلاح مطلقا(تفسير مظهری،بيضاوی)۔یہاں تو ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے کتاب ہدایت کو دل وجان سے مانا اور اسے اپنی زندگی کا دستور العمل بنایا۔اب آگے دوسری جماعت کا ذکر ہے۔

(۸) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دعوت حق کو ظاہراً وباطناً ٹکرادیا، نہ دل سے مانا نہ زبان سے، بلکہ اپنے پوری طاقت سے اس کی مخالفت کی،اس ایت میں "کفروا" سے مراد مطلق کافر مراد نہیں ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کی تبلیغ پر ہزاروں کافر ایمان لائے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے، بلکہ اس سے مراد خاص قسم کے کافر ہیں یعنی وہ لوگ جو حق کو اچھی طرح سمجھ چکے اور پہچان چکے ہوں،مگر محض ضد وعناد کے وجہ سے اس کا انکار کرتے ہوں۔ضد وانکار کی وجہ سے ان کے ضمیر مردہ اور دل سیاہ ہوچکے ہیں،اس لئے وعظ ونصیحت وتبلیغ وانذار،کا،ان پر کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ای ستروا الحق عنادا (مدارک) مشرکین مکہ میں ابوجہل،ابولہب،ولید بن مغیرہ،وغیرہ،اور یہود کے بعض علماء،اور رؤس مثلا حیی بن احطب ،کعب بن اشرف وغیرہ اس قسم کے کافر تھے۔(ابوسعود،قرطبی،نیشاپوری)۔جیسا کہ فرعون اور اس کی قوم کی متعلق اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْماً وَعُلُوّاً (نمل: ۱۴)۔انہوں نے انکار کردیا حالانکہ ان کے دل یقین کرچکے تھے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر۔

یہی حال مشرکین مکہ کا تھا، اوراحبار یہود کے متعلق ارشاد ہے: ''فلما جائھم ما عرفوا کفروا بہ(البقرہ: ۸۹) اورأئنذرتھم'' میں ہمزہ استفہام کے لئے نہیں ہے بلکہ تسویہ کے لئے ہے، کیونکہ جو ہمزہ: سواء ،ماادری ،ماابالي ،لیت شعری ،وغیرہ، کے بعد آئے وہ تسویہ کے لئے ہوتا ہے، اورعلامت اس کی یہ ہے کہ مصدر اس کے مدخول کے قائم مقام ہو سکے۔(مغنی ابن ہشام)۔اوررضی شرح کافیہ میں ہے'' ان الھمـــــزة تستعمل مطردامع ''اَمِّ'' التســــــوية ''اور''ام'' اس ایت میں احدالامرین کے لئے نہیں بلکہ یہ''ام'' متصلہ ہے اورتسویہ کے لئے (رضی شرح کافیہ،مغنی) ترکیب نحوی: الذین کفروا ،موصول مع صلہ اسم انّ ، سواء علیھم ائنذرتھم ، بتاویل مصدر مبتداء موخراور یہ جملہ خبر ان۔(مظہری،رضی)''لایؤمنون'' جملہ مفسرۃ ہے جو ماقبل کی تفصیل کرتا ہے، جملہ مفسرہ ،لاجمال ماقبلھافیمافیه الاستواء. ، (مظھری،روح المعانی) یعنی ان کافروں کے حق میں آپ ﷺ کے انذاراورعدم انذار کے یکساں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا اورایمان نہیں لائیں گے۔یا'' لایؤمنون'' جملہ''ان'' کی خبر ہے اورسواء علیھم الخ .درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔اورخبر''ان'' و الجملة قبلھااعتراض (روح المعاني. مظھری ،مدارک) ایت کا مفہوم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

(۹) یہ جملہ معللہ ہے اور ماقبل کی علت اوراس کا سبب بیان کررہا ہے۔اعلم انه تعالی لمابین فی الایة انھم لایومنون اخبرفی ھذالایة سبب الذی لاجله لم یومنواوھو الختم.(تفسیر کبیر)ختم اللہ علی قلوبھم.استیناف تعلیلی لماسبق من الحکم (ابوالسعود)اشارہ الی برھان لمی للحکم السابق(روح المعانی) یعنی پیغمبر علیہ السلام کے انذار کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔کیونکہ ان کے دلوں اورکانوں پر مہر لگ چکی ہے اوران کی انکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے، قبول حق کی تمام راہیں ان پر بند ہو چکی ہیں، اس لئے اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔اوراس دولت سے ہمیشہ کے لئے محروم رہیں گے۔اب یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالی ہی نے ان کے دلوں اورکانوں پر مہر لگادی، اوران کی انکھوں پر پردہ ڈال دیا، اوراس طرح ان پر قبول ہدایت کی تمام راہیں روک دیں، تو پھر اگر وہ ایمان نہیں لائے اور کفر پر مرگئے تو انہیں سزا کس قصور پر دی جائی گی؟ کیونکہ مہر الٰہی کی وجہ سے وہ کفر پر مرنے پر مجبور تھے، لہٰذا یہ بات عدل وانصاف کے منافی ہے کہ ایسے لوگوں کو سزادی جائے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی ظالم نہیں ہے، وہ کسی کو بلاقصور سزا نہیں دیتا، اس آیت میں ان کافروں کا جوانجام بیان کیا گیا ہے، وہ خود ان کے اپنے اعمال کی نتیجہ ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا، دیکھنے، سننے کے لئے اسے انکھ اورکان دیئے

غور وفکر وسوچ بچار کے لئے اسے دل ودماغ اور عقل شعور کی دولت سے مالا مال فرمایا: ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لاَ تَعْلَمُونَ شَيْئاً وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۷۸﴾ (نحل) آفاق وانفس کے واضح اور روشن دلائل کے دفتر اس کے سامنے کھول دیئے تاکہ وہ اپنے حواس کے ذریعے ان میں غور وفکر کرکے حق وباطل میں امتیاز کر سکے۔سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (حٰمٓ سجده: ۵۳)

اور پھر اسی پر ہی بس نہیں کی بلکہ سیدھی راہ دکھانے اور عقلی ونقلی دلائل کے ساتھ حق سمجھانے کے لئے پیغمبر بھی بھیجے جنہوں نے دن رات اللہ کا پیغام سنایا اور ان کے تمام شبہات دور کرکے اللہ کی حجت ان پر قائم کی۔رُّسُلاً مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّهُ عَزِيزاً حَكِيماً ﴿۱۶۵﴾ (النساء)

لیکن اس کے باوجود کہ ان پر حق واضح ہو گیا اور انہوں نے حق کو اچھی طرح پہچان لیا۔انہوں نے حق کو نہ مانا بلکہ ضد وعناد کی وجہ سے کفر وانکار پر ڈٹے رہے، نہ آنکھوں سے کام لیا، نہ کانوں سے، نہ عقل شعور ہی کو استعمال کیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ کفر و انکار ان کے رگ وریشہ میں سرایت کرکے ان کی طبعیت ثانیہ بن گیا۔ان کے حواس بے کار ہو گئے اور حق کا احساس وشعور ہمیشہ کے لئے ان سے رخصت ہو گیا، اور ان پر گمراہی کی ایک ایسی تاریکی اور ظلمت چھا گئی، کہ اب وہ اس سے باہر نہیں آسکتے، گمراہی کی اس کیفیت کو مہر سے تعبیر کیا گیا ہے تو یہ مہر جو لگی ہے تو وہ قانون تکوینی کے تحت اپنے اسباب وعلل کی بنا پر لگی ہے، جب کوئی شخص حق کو پہچاننے کے بعد محض ضد وعناد کی وجہ سے اپنے ارادے اور اختیار سے کفر کو ایمان پر ترجیح دیتا ہے تو اس سے ایمان کی توفیق چھین لی جاتی ہے اور اس کے حواس بے کار ہو جاتے ہیں، اور وہ جدھر جانا چاہے اسے ادھر ہی کو دھکیل دیا جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُون (الاحقاف: ۲۶) اور دوسری جگہ ارشاد ہے: وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءتْ مَصِيراً ﴿۱۱۵﴾ (النساء)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے حواس پر مہر کا لگنا، اور سعادت ایمان سے ان کی ابدی محرومی، یہ ان کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہیں، ان کے جحود وانکار اور ضد وعناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگی ہے۔ایسا نہیں ہے کہ اس مہر کی وجہ سے انہیں کفر پر مجبور کیا گیا ہے۔=

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے۔(۱۰)

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَمَا

حالانکہ وہ ایمان دار نہیں ہے۔ اللہ اور ایمان داروں کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ

يَخْدَعُوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

وہ اپنی آپ ہی کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے۔

= اب یہاں ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے کہ: ''ختم اللہ علی قلوبھم '' میں مہر لگانے کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مہر لگنا ان کے اعمال کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالی کا فعل ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک تمام افعال عباد کا خالق اللہ تعالی ہے، اور ہر کام کے لئے فاعل مباشر اور سبب کا ہونا ضروری ہے۔ اور کام کو چونکہ تینوں سے نسبت ہوتی ہے، اللہ تعالی سے مخلوق ہونے کی نسبت، فاعل سے صدور کی، اور سبب سے ترتب کی، اس لئے فعل کو تینوں کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو قتل اور غارت گری کے جرم میں پھانسی دے دی جاتی ہے، تو اس پر لوگ مختلف عبارتوں سے رائے زنی کریں گے۔ کوئی کہے گا اللہ تعالی نے اس کا بیڑہ غرق کر دیا، کوئی کہے گا اس نے خود ہی اپنا خانہ خراب کر دیا، اور کوئی یوں گویا ہو گا کہ بداعمالیاں اسے لے ڈوبیں، اپنی اپنی جگہ تینوں فقرے صحیح ہیں۔ جس نے اس مجرم کی تباہی کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کی ہرگز یہ غرض نہیں اور نہ ہی سامعین نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس کی تباہی کا ذمہ دار اللہ تعالی ہے، اور وہ مجرم بری الذمہ اور بے قصور ہے۔ بلکہ اس کی تباہی کو اللہ کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ خالق الافعال ہے۔

باقی رہی اس کی تباہی تو وہ اس کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح مہر لگانے کو مختلف نسبتوں کی وجہ سے مختلف ذوات کی طرف منسوب کیا گیا ہے، مہر لگنے کا اصل سبب چونکہ ان کے اپنے اعمال تھے اس لئے کبھی اس کیفیت کو ان کے اعمال سے وابستہ کیا گیا۔ کلابل ران علی قلوبھم ما کانو یکسبون (تطفیف: ۱۴) اور کبھی ان معاندین نے

اس مہر کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے سب کچھ اپنی ہی طرف منسوب کرلیا۔وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِیْ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِیْ آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ (حٰمٓ السجدہ: ۴) اوراللہ تعالیٰ چونکہ خالق الافعال علة العلل اور مسبب الاسباب ہے،اس لئے اس لحاظ سے مہر لگانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی گئی ہے ،جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے اس لئے مہرلگانے کو اللہ کی طرف منسوب کرنے سے ایمان سے ان کی محرومی،کفر پر موت،اورابدی عذاب کی ذمہ داری،اللہ پر عائد نہیں ہوتی ، یہ سب کچھ ان کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اوران کا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔

(۱۰) تیسری فرقہ منافقین: یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ظاہری طور پر اسلام تو قبول کرلیا مگر باطن میں کافر ہی رہے،ان لوگوں نے زبان سے تو اسلام کا اقرار کیا مگر دل سے انکار کیا،اس آیت میں منافقین کے ایمان کی حقیقت بیان فرمائی کہ یہ زبان سے تو اللہ کے توحید،اور اخرت کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان کے دل یقین وایمان اور تصدیق واذعان سے یکسر خالی ہیں۔اس کے بعد منافقت اور دو رخی چال سے ان منافقین کی غرض وغایت بیان کئی گئی ہے،اس دورخی چال سے وہ مسلمانوں کو فریب دیکران سے دنیوی اور مادی فائدے حاصل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لینے سے دنیوی احکام میں وہ مسلمان ہی شمار ہونگے ، ان کا جان ومال محفوظ ہوجائے گا اور مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً حاصل ہونے والے اموال غنیمت اور دیگر مادی فوائد میں وہ ان کے ساتھ برابر کے شریک ہونگے:"يخادعون الله" پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ دھوکہ اور فریب تو اسے دیا جاسکتا ہے۔جو لاعلم ہو اور حقیقت سے ناواقف ہو،لیکن اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب و الشهادة ہے،اور ہر ظاہر اور ہر چھپی چیز کو جانتا ہے،اسے کیونکر دھوکہ دیا جاسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے:ای يخٰدعون رسول الله.(مدارک،قرطبی،مظهری،خازن ومعالم،کبیر،روح المعانی،نشاپوری،بحر المحیط) یعنی وہ اللہ کی رسول کو دھوکہ دیتے ہیں،(اس سے یہ بھی بخوبی ظاہر اور معلوم ہو گیا کہ ان تمام مفسرین اہل السنّت والجماعت کا یہ متفقہ اور مسلمہ عقیدہ تھا کہ رسول پاک ﷺ عالم الغیب نہ تھے نہ ذاتی طور پر اور نہ عطائی طور پر)۔

یا،اللہ کو دھوکہ دینے سے ایمان والوں کو دھوکہ دینا مراد ہے کیونکہ اللہ والوں کو دھوکہ دینا اور وہ بھی صرف اس لئے کہ وہ مومن،توحید کے پابند ہیں،ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کو دھوکہ دینا۔وقيل المرادبه المومنون، واذاخادعوا المومنين فكانهم خادعوا الله تعالى .(خازن) وقيل ذكر الله ههناتحسين و المقصودبالمخادعة

مخادعة الذين امنوا. (معالم)اس سورت میں ''واؤ'' تفسیر یہ ہوگی ،اور ''**و الذین امنوا**'': کا عطف ماقبل پر تفسیری ہوگا منافق یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی اس دورنگی پالیسی سے مسلمانوں کو دھوکہ دیکر مزے کرر ہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے رہے، بلکہ اپنی جانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں ،اوراس منافقانہ روش سے غیر شعوری طور پر اپنی ہی عاقبت خراب کرر ہے ہیں ۔مگر انہیں اس بات کا شعور واحساس تک نہیں ہے کہ ان کی یہ غلط روش خود انہی کی تباہی کا باعث ہوگی اوراس کا وبال خود انہی پر پڑھے گا۔(قرطبی،معالم)اگلی ایت میں منافقین کے حال پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان کے باطن کے خرابی اورفساد عقائد کو بیماری سے تعبیر فرمایا:**و المرض عبارة مستعارة عن الفساد الذی فی عقائدھم.** (قرطبی) اور یہ لفظ نفاق شک وریب ،جو دوا انکار پیغمبرﷺ اور مسلمانوں سے عداوت اور بغض وحسد وغیرہ سب کو شامل ہے۔**فی قلوبھم مرض شک و نفاق.** (معالم،ابن جریر) **استعیر ھھنالمافی قلوبھم من الجھل وسوء العقیدة وعداوة النبیﷺ وغیر ذلک من فنون الکفر** (ابو سعود)**ومجاز بان یستعار لبعض امراض القلب کسوء الاعتقادو الغل و الحسدوالمیل الی المعاصی فان صدورھم کانت تغلی علی رسول اللهﷺ غلاو حنقا** (نشاپوری) اور بیماری عضو کی اس غیر طبعی حالت کا نام ہے جس کی وجہ سے عضو کے طبعی افعال میں خلل وفتور واقع ہوجائے ،یہ تمام امور چونکہ دل کو اللہ کی معرفت اوراس کی سچی اطاعت اور مخلصانہ عبادت سے روکتے ہیں اس لئے یہ سب روحانی اور قلبی امراض ہیں۔(کبیر)۔

شک ونفاق اور بغض وحسد کی یہ بیماری جو ان کے دلوں کو لگی ہوئی تھی کم ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتی گئی۔جوں جوں قران نازل ہوتا ان کا کفر ونفاق بڑھتا جاتا ،کیونکہ ہرایت کے ساتھ یہ وہ منافقانہ سلوک کرتے ، بہ ظاہر اسے مانتے لیکن دل میں اس کا انکار کرتے یا جوں جوں پیغمبرﷺ اور مسلمانوں کو دشمنوں پر غلبہ اور اقتدار حاصل ہوتا گیا اوردین اسلام کی شان وشوکت میں ترقی ہوتی گئی تو ان کی دلوں کی جلن اور تکلیف اوران کے سینوں میں بغض وحسد کی آگ بڑھتی گئی۔**وزیادة الله مرضھم امابتضعیف حسدھم بنعم الله تعالی علی رسوله و المؤمنین اوظلمة قلوبھم یتجدد کفرھم بماینزله سبحانه شیئافشیئامن الآیات و الذکر الحکیم.**(روح المعانی)''**فزادھم الله**'' میں فاء تعقیب کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ''فاء'' کا مابعد ماقبل پر مرتب ہے۔**و الفاء للدلالة علی ترتب مضمونھاعلیه** (ابو سعود) یعنی ان کی بیماری انہیں کی بداعمالیوں اور بد پرہیزیوں کا نتیجہ ہے، باقی رہا اضافہ مرض کو اللہ کی طرف منسوب کرنا تو محض اس لئے ہے کہ وہ مسبب الاسباب ہے،اور فاعل حقیقی ہے ایت=

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضاً وَّلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا

ان کے دلوں میں بیماری ہے، پھراللہ نے ان کی بیماری بڑھادی اوران کے لئے دردناک عذاب ہے اس لئے کہ وہ

يَكْذِبُوْنَ ﴿١٠﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْأَرْضِ قَالُوْآ إِنَّمَا نَحْنُ

جھوٹ بولتے تھے۔ اورجب انہیں کہاجاتاہے کہ ملک میں فسادنہ ڈالوتو کہتے ہیں

مُصْلِحُوْنَ ﴿١١﴾ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢﴾

کہ ہم ہی تواصلاح کرنے والے ہیں۔خبرداربیشک وہی لوگ فسادی ہیں۔(١١) لیکن نہیں سمجھتے۔

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوْا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوْا أَنُؤْمِنُ كَمَا

اورجب انہیں کہاجاتاہے ایمان لاؤجس طرح اورلوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائیں جس طرح

آمَنَ السُّفَهَآءُ أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾

بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں خبردار وہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے

وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَالُوْا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْآ إِلٰى شَيَاطِيْنِهِمْ قَالُوْا

اورجب ایمان داروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (١٢)اورجب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے

إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٤﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ

ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم توصرف ہنسی کرنے والے ہیں اللہ ان سے ہنسی کرتاہے

وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٥﴾

اورانہی مہلت دیتاہے کہ اپنی گمراہی میں حیران رہیں۔

=کے ان دونوں حصوں میں منافقین کے انجام کی علت اورسبب کا بیان تھا۔آگے ان کے انجام کا ذکر ہے۔منافقین خبث

باطن اور فساد عقیدہ کی خطرناک بیماری میں مبتلا تھے اللہ کی طرف سے آیات شفاء لگا تار نازل ہوتی رہیں، مگر انہوں نے ان سے اعراض کیا اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ادنیٰ سی کوشش بھی نہ کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا مرض بڑھتا گیا اور بالاخران کی ہلاکت کا باعث ہوا اور وہ دائمی عذاب اور دردناک سزا کے مستحق قرار پائے۔ "بما کانوا یکذبون" یہاں "باء" سببیت کے لئے اور "ما" مصدر یہ ہے (روح، ابوسعود) اور فعل ناقص دوام واستمرار کے لئے ہے۔ ابوسعود، روح۔ یعنی مسلسل کذب بیانی اور نفاق پر لگاتار اصرار کی وجہ سے انہیں مذکورہ سزا کا حکم سنایا گیا ہے، اور یہاں جھوٹ بولنے سے وہی نفاق مراد ہے یعنی دل میں اسلام کا انکار چھپائے ہوئے ہیں مگر زبان سے "امنا باللہ وبالیوم الاخر" کا اقرار کرتے ہیں ومعناہ بکذبهم وقولهم امنا وليسوا بمؤمنين. (قرطبی) ای بکذبهم فی قولهم امنا باللہ وباليوم الاخر. (مدارک) اگے منافقین کی مزید خباثتیں ذکر کرکے ان کے حال کو اور واضح کیا گیا ہے۔

منافقین بہ ظاہر مسلمان تھے لیکن درپردہ کافروں سے ربط قائم کر رکھا تھا مسلمانوں کے پوشیدہ راز ان تک پہنچاتے، اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہے، اور اس طرح فتنہ وفساد کے لئے زمین ہموار کر رہے تھے: وکان فساد المنافقين فى الارض انهم كانوا يمايلون الكفار ويمالؤنهم على المسلمين بافشاء اسرارهم اليهم واغرائهم عليهم، وذلک مما يؤدى الى هيج الفتن بينهم. (مدارک) والفساد، منها النفاق الذى صافوا به الكفار فاطلعوهم على اسرار المؤمنين فان كل ذلک يودى الى خراب الارض وقلة الخير ونزع البركة وتعطل المنافع.

یعنی ہم نے جو مسلمانوں اور کافروں دونوں فریقوں سے میل جول قائم کر رکھا ہے اس سے ہمارا مقصود صرف دونوں فریقوں میں صلح اور آشتی کی فضا پیدا کرنا ہے اور کچھ نہیں۔ ان هذا المدارات سعى فى الاصلاح بين المسلمين و الكفار. (كبير) قالوا انما نريد الاصلاح بين المومنين واهل الكتاب. (ابن جرير).

(۱۱) یہ منافقوں کے دعوے کا نہایت ہی بلیغ طریقے سے رد ہے، جملہ مستانفہ لاکر اور حرف تنبیہ سے متنبہ کر کے سامعین کو متوجہ کر کے حرف تاکید اور کلمہ حصر سے اس حقیقت کو واضح فرمایا، کہ یہ لوگ مصلح ہونے کا دعوی کر رہے ہیں حالانکہ فتنہ وفساد کا سرچشمہ یہی لوگ ہیں، اور زیادہ تر فساد انہیں کے ذریعے پھیل رہا ہے۔ ان کے دل مرض نفاق کی وجہ سے اس حد تک مردہ اور بے حس ہو چکے ہیں کہ اصلاح وفساد میں امتیاز نہیں کر پاتے، اور شر وفساد کو امن واصلاح قرار دے رہے ہیں۔ وهذا امانا شئ من جهل مركب فاعتقدوا الفساد صلاحا

واصروا واستکبروا استکبارا. (روح المعانی).

"واذاقیل لھم" سے منافقین کی دوسری خباثت ذکر کیا، زبان سے "امنا" کہہ کر مومن ہونے کا دعوی تو وہ پہلے ہی کر چکے تھے یہاں دوبارہ انہیں ایمان لانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ وہ منافقانہ طور پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ اب انہیں مخلصانہ طور پر ایمان لانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ای ایمانا مقرونا بالاخلاص بعیدا عن النفاق. (کبیر) مقرونا بالاخلاص، خالصا عن شوائب النفاق. (روح المعانی) اور "الناس" میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے مراد مہاجرین اور انصار ہے یا وہ مومنین مراد ہیں جو اہل کتاب میں سے ایمان لا چکے تھے۔ عبداللہ بن سلام وغیرہ من مومنی اھل الکتاب، وقیل کما امن المھاجرون و الانصار. (معالم).

"قالوا انؤمن کما امن السفھاء" یہ منافقین کا قول ہے اور لفظ "سفھاء" سے انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم پر طنز کیا ہے یعنی ہم ان بیوقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں، جو اپنے نفع ونقصان کو بھی نہیں سمجھتے۔ وانما سفّھوھم جھلا منھم حیث اشتغلوا بما لایجدی فی زعمھم. (روح المعانی) امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ منافقین صاحب اقتدار لوگ تھے وہ دولت واقتدار کے نشے میں مخمور، طبقہ دین اسلام کو باطل سمجھتے تھے اور جو شخص باطل دین کو قبول کرے وہ بیوقوف ہوتا ہے۔ (کبیر) جیسا کہ آج کل روشن خیالی کے مرض میں مبتلا اور نشہ اقتدار میں بدمست طبقہ، دین کا درد رکھنے والوں اور ان کی اللہ ورسول کے احکام سے بغاوت پر حرف گیری کرنے والوں کو کم فہم، دقیانوسی اور موجودہ دور کے تقاضوں سے بے خبر، وغیرہ القاب سے سرفراز فرماتے ہیں، یہ بعینہ ان منافقین کی تقلید ہے۔

"الا انھم ھم السفھاء" سے زور اور تاکید کے ساتھ منافقین کا رد کیا ہے۔ یعنی اصل میں بیوقوف تو وہ خود ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کے متفقہ دین کو قبول کرنے والوں پر سفاہت اور کم عقلی کا الزام لگا رہے ہیں۔ الا انھم ھم السفھاء دون المومنین و المصدقین باللہ وبرسولہ وثوابہ وعقابہ. (ابن جریر)

"ولکن لایعلمون" ان کی جہالت ونادانی کا یہ عالم کہ وہ اپنی اس کھلی ہوئی حماقت اور سفاہت کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔

(فائدہ) ان ایتوں سے صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوئی ہے، یہ ایتیں ان کے مومنین، مخلصین ہونے کا بین اور لافانی ثبوت ہیں، ان کا ایمان اس قدر کامل، شوائب نفاق سے اس قدر پاک، اللہ کے نزدیک اس قدر پسندیدہ اور مقبول ہے، کہ اسے منافقین کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ نیز اس مبارک جماعت کو بیوقوف کہنے والوں کو پر=

أُولٰٓـئِکَ الَّـذِیْـنَ اشْتَـرَوُا الـضَّلٰلَةَ بِـالْهُـدٰی

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی

فَـمَا رَبِـحَـت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَـلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی

سوان کی تجارت نے نفع نہ دیااورہدایت پانے والے نہ ہوئے ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے

اسْتَوْقَـدَ نَـارًا فَـلَمَّا أَضَآءَ تْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ

آگ جلائی پھرجب آگ نے اس کے آس پاس کوروشن کردیا تواللہ نے ان کی روشنی بجھادی اورانہیں

ظُلُـمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُـمٌّ بُكْـمٌ عُـمْـیٌ فَهُـمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

اندھیروں میں چھوڑاکہ کچھ نہیں دیکھتے ۔ بہرے گونگے اندھے ہیں سووہ نہیں لوٹیں گے ۔(۱۳)

=لے درجہ کے بیوقوف قراردیاہے۔

(۱۲) یہ منافقوں کی تیسری خباثت ہے،کہ جب وہ بااثراورمخلص مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم خالص ایمان لاچکے ہیں”امـنّـا“ سےمنافقین مسلمانوں کواس بات کا یقین دلاناچاہتے تھےکہ اب انہوں نےنفاق چھوڑ دیاہے،اوردل سےخالص ایمان قبول کرلیاہے،کیونکہ ان کازبانی ایمان تومسلمانوں کوپہلے بھی معلوم تھا۔فـالمراد اخلصنا بالقلب، و الـدلیـل عـلیـه ان الاقـراربـاللسان كان معلومامنهم.(کبیر) مگریہی لفظ ان کےنفاق کی غمازی کرتاہےکیونکہ مسلمانوں کوپہلے سےاس نفاق کاعلم تھااب اس کی تردیدکیلئے اوران کے دلوں میں اپنے اخلاص کاسکہ بٹھانے کے لئے انہیں کوئی تاکیدی جملہ استعمال کرناچاہیئے تھامگراس کے باوجودوہ سرسری طورپرصرف ”امـنّـا“ کالفظ استعمال کرتے ہیں اس لئےکہ نفاق قلبی کی وجہ سے وہ تاکیدی جملے گوارہ نہیں کرسکتے۔

”خلا“ کاصلہ عام طورپر”باء“آتاہےمگریہاں”الی“ آیاہے،اس کی وجہ یہ ہےکہ یہاں” خلا“ذھاب کے معنی کومتضمن ہےاورمطلب یہ ہےکہ منافقین مسلمانوں سے ملنے کے بعدجب اپنے لیڈروں کے پاس جاتے ہیں تووہاں مسلمانوں کے سامنے کئے ہوئے اقرارکے خلاف باتیں کرتے ہیں،اس تضمین کافائدہ یہ ہے کہ اس سے منافقین کی

منافقت خوب عیاں ہو جاتی ہے۔لہٰذا "الٰی ""ذاھبین" محذوف سے متعلق ہے جو "خلوا" کے فاعل سے حال ہے ای خلوا ذاھبین الی شیاطینھم، اور شیاطین سے علماء یہود اور شرک وکفر کے لیڈر مراد ہیں۔شیاطینھم ،سادتھم وکبرائھم ورؤسائھم من احبار الیھود ورؤس المشرکین والمنافقین .(ابن کثیر).

"انامعکم" یعنی دین اور ایمان اور عقیدہ میں ہم تمہارے ساتھ ہیں انا مصاحبوکم وموافقوکم علی دینکم.(مدارک).

(۱۳) مثال کو عربی میں مثل بھی کہتے ہیں، اس کی جمع امثال آتی ہے جیسے قرآن میں ہے "وتلک الامثال "(حشر : ۲۱) یعنی یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، جنہیں صرف عالم ہی سمجھتے ہیں۔ایت کا مطلب یہ ہے کہ منافق جو گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے مول لیتے ہیں۔ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں آگ جلائیں اس سے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں۔

پریشانی دور ہو اور فائدے کی امید بندھے، کہ دفعتہً آگ بجھ جائے، اور یک لخت اندھیرا چھا جائے، تو نہ نگاہ کام کرے اور نہ راستہ معلوم ہو سکے، اور باوجود اس کے وہ شخص خود بہرا ہو۔کسی کی بات کو نہ سن سکتا ہو، گونگا ہو، کسی سے دریافت نہ کر سکتا ہو، اندھا ہو، جو روشنی سے کام نہ چلا سکتا ہو، اب بھلا یہ کیسے راہ پا سکے گا؟ ٹھیک اسی طرح یہ منافق بھی ہیں کہ ہدایت کو چھوڑ کر یہ راہ گم کر بیٹھے اور بھلائی کو چھوڑ کر برائی کو چاہنے لگے۔اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا، جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ بصراحت موجود ہے واللہ اعلم۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں سدیؒ سے یہی نقل کیا ہے پھر کہا ہے کہ یہ تشبیہ بہت ہی درست اور صحیح ہے، اس لئے کہ پہلے تو ان منافقوں کو نور ایمان حاصل ہوا، پھر ان کے نفاق کی وجہ سے وہ بجھ گیا اور یہ حیرت میں پڑ گئے اور دین کی حیرت سے بڑی حیرت اور کیا ہوگی؟

ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ جن کی یہ مثال بیان کی گئی ہے انہیں کسی وقت بھی ایمان نصیب ہی نہ ہوا تھا، کیونکہ پہلے فرمان باری تعالی گذر چکا ہے:"وماھم بمؤمنین" یعنی گو یہ زبان سے اللہ تعالی پر اور قیامت پر ایمان لانے کی کہتے ہیں، مگر حقیقتاً یہ ایمان دار نہیں، لیکن ٹھیک بات یہ ہے کہ اس آیہ مبارکہ میں ان کے کفر ونفاق کے وقت کی خبر دی گئی ہے، اس سے اس کا انکار نہیں ہوتا کہ اس حالت کفر ونفاق سے پہلے کبھی انہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہوا، ممکن ہے ایمان لائے ہوں پھر اس سے ہٹ گئے اور دلوں پر مہریں لگ گئی ہوں، دیکھئے اور جگہ قرآن کریم میں ہے:"ذٰلک بانھم آمنوا=

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ أَصَابِعَهُمْ فِيْ

یا جیسا کہ آسمان سے بارش ہو۔جس میں اندھیرے اورگرج اور چمک ہو۔ اپنی انگلیاں

آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ واللّٰهُ مُحِيطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ

اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اور موت کے ڈر سے رکھتے ہوں۔ اور اللہ پاک کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔قریب ہے

الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ

کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے۔جب ان پر چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں چلتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا ہے

قَامُوْا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

توٹھہر جاتے ہیں۔اوراگر اللہ چاہے توانکے کان اورآنکھیں لے جائے بیشک اللہ ہرچیز پر

قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

قادر ہے۔(۱۴)

=ثم کفروا''(منافقون:۳) یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر ان کے دلوں پر مہر لگ گئی،اب وہ کچھ نہیں سمجھتے ،یہی وجہ ہے کہ اس مثال میں روشنی اور اندھیرے کا ذکر ہے یعنی کلمہ ایمان کے ظاہر کرنے کی وجہ سے دنیا میں کچھ نور رہو گیا،لیکن کفر کے چھپانے کی وجہ سے پھر آخرت کے اندھیروں نے گھیر لیا۔

(۱۴) یہ دوسری مثال ہے جو دوسری قسم کے منافقوں کے لئے بیان کی گئی ہے یہ وہ قوم ہے جن پر کبھی حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی شک میں پڑ جاتے ہیں،تو شک کے وقت ان کی مثال برسات کی سی ہے۔''صیب'' کے معنی مینہ اور بارش کے ہیں،بعض نے بادل کے معنی بیان کئے لیکن زیادہ مشہور معنی بارش کے ہی ہیں جو اندھیرے میں برسے۔ ''ظلمات'' سے مراد شک اور کفر ونفاق ہے،اور''رعد'' یعنی گرج جو اپنی خوفناک آواز سے دل ہلا دیتی ہے۔یہی حال منافق کا ہے کہ اسے ہر وقت خوف وڈر،گھبراہٹ اور پریشانی ہی رہتی ہے،جیسے اور جگہ ہے:''یحسبون کل صیحة علیھم

"(منافقون: ۴) یعنی ہر آواز کو اپنے اوپر ہی سمجھتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾ (التوبة) کہ یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، لیکن دراصل وہ ڈرپوک لوگ ہیں اگر وہ کوئی جائے پناہ یا راستہ پالیں تو یقیناً وہ اس میں سمٹ کر گھس جائیں۔ بجلی سے مثال دی ہے اس نور ایمان کی، جو ان کے دلوں میں کسی وقت چمک اٹھتا ہے۔ تو وہ اس وقت اپنی انگلیاں موت کے ڈر سے کانوں میں ڈال لیتے ہیں، لیکن یہ انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔

یہ اللہ تعالی کی قدرتوں اور اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں یہ بچ نہیں سکتے۔ جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا: "هل اتاک حديث الجنود" (بروج: ۱۷) یعنی کیا تمہیں لشکر کی، فرعون اور ثمود کی روایات نہیں پہنچیں۔ پہنچی تو ہیں لیکن یہ کافر جھٹلانے میں ہی ہیں، اور اللہ تعالی بھی انہیں ان کے پیچھے سے گھیر رہا ہے۔ بجلی کا آنکھوں کو اچک لینا اس کی قوت اور سختی اور ان منافقین کی بینائی کی کمزوری اور ان کا ضعف ایمان ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کی مضبوط آیات ان منافقوں کی قلعی کھول دیں گی اور ان کے چھپے ہوئے عیوب ظاہر کر دیں گی اور اپنی نورانیت سے انہیں مبہوت کر دیں گی جب ان پر اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی ایمان جب ان پر ظاہر ہو جاتا ہے تو ذرا روشن دل ہو کر پیروی بھی کرنے لگتے ہیں لیکن پھر جہاں شک و شبہ آیا ان کے دل میں کدورت اور ظلمت بھر گیا اور بھونچکے ہو کر کھڑے رہ گئے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اسلام کو ذرا عروج ملا تو ان کے دل میں قدرے اطمینان پیدا ہوا، لیکن جہاں اسکے خلاف نظر آیا کہ یہ الٹے پیروں کفر کی طرف لوٹنے لگے۔ جیسے ارشاد الٰہی ہے: "ومن الناس من يعبدالله على حرف" (:حج: ۱۱).

یعنی بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کنارے پھر ٹھہر کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر بھلائی ملی تو مطمئن ہوئے اور اگر برائی پہنچی تو اسی وقت پھر گئے الخ۔ ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کا روشنی میں چلنا حق کو جان کر کلمہ اسلام پڑھنا ہے اور اندھیرے میں ٹھیر جانا کفر کی طرف لوٹ جانا ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین کا یہی قول ہے اور زیادہ صحیح اور ظاہر بھی یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیااور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَاۗءً

تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو ۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اورآسمان سے بارش برسا کرتمہارے کھانے کے لئے انواع واقسام کے میوے پیدا کئے پس کسی کواللہ کا ہمسر نہ بناؤاورتم جانتے تو ہو۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا

اوراگرتم کواس (کتاب) میں جوہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پرنازل فرمائی ہے کچھ شک ہوتواسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنالاؤ

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ

اور اللہ کے سوا جوتمہارے مددگار ہوں ان کوبھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔لیکن اگر (ایسا) نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے

تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔[۱۵]

---

[۱۵]ان دونوں ایتوں میں قران کریم کورسول اللہ ﷺ کا اعلیٰ معجزہ بتلا کرآپ کی رسالت اور سچھائی کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے معجزات توہزاروں ہیں اور بڑے بڑے حیرت انگیز ہیں لیکن ان میں سے اس جگہ آپؐ کے علمی معجزے یعنی قرآن کے ذکر پراکتفاء کرکے یہ بتلادیا گیا کہ آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ قران ہے۔اوراس معجزہ کوانبیاء علیہم السلام کے عام معجزات میں بھی ایک خاص امتیاز حاصل ہے کہ عام دستور یہ ہے کہ ہر نبی ورسول کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے کچھ معجزات ظاہر فرماتے ہیں،مگر یہ معجزات ان رسولوں کے ہاتھوں ظاہر ہوتے ہیں، انہیں کے ساتھ ختم ہوجاتے ہیں،مگرقرآن حکیم ایک ایسا معجزہ ہے جوقیامت تک باقی رہنے والا ہے۔

وان کنتم فی ریب:. لفظ ''ریب'' کا ترجمہ اردو میں شک کا کیا جاتا ہے، مگر امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ درحقیقت ریب ایسے تردد اور وہم کو کہا جاتا ہے جس کی بنیاد کوئی نہ ہو، ذرا غور و تامل کرنے سے رفع ہو جائے، اسی لئے قرآن کریم میں اہل علم سے ریب کی نفی کی گئی ہے۔ اگر چہ وہ مسلمان نہ ہوں، جیسے ارشاد ہے۔ ''**ولا یرتاب الذین اوتوا الکتاب والمؤمنون**'' (**المدثر: ۳۱**)، یہی وجہ ہے کہ شروع سورۃ بقرہ میں قرآن کریم کے متعلق فرمایا ''**لاریب فیه**'' کہ اس میں کسی ریب کی گنجائش نہیں، اور اس آیت میں فرمایا: ''**وان کنتم فی ریب**''، یعنی اگر ہو تم کسی تردد میں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر چہ قرآن کریم اپنے واضح اور معجزانہ دلائل کی بناء پر کسی شک و تردد کا محل نہیں ہے، لیکن اپنی ناواقفیت سے پھر بھی تمہیں کوئی تردد ہے تو سن لو: **فأتوا بسورة من مثله**۔ لفظ سورۃ کے معنی محدود و قطعہ کے ہیں اور سورت قرآن مجید اس خاص حصہ قرآن کو کہا جاتا ہے جو بذریعہ وحی ممتاز اور علیحدہ کر دیا گیا ہے۔

پورے قرآن میں اس طرح ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں چھوٹی بڑی ہیں۔ اور اس جگہ لفظ سورت بغیر الف لام کے لانے سے اس طرف اشارہ پایا گیا کہ چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی اس حکم میں شامل ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اگر تمہیں اس قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی تردد ہے اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ نبی کریم ﷺ یا کسی دوسرے انسان نے خود بنالیا ہے تو اس کا فیصلہ بڑی اسانی سے اس طرح ہوسکتا ہے کہ تم بھی اس قران کی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثال بنالاؤ، اگر تم اس کی مثال بنانے میں کامیاب ہو گئے تو بے شک تمہیں حق ہوگا کہ اس کو بھی کسی انسان کا کلام قرار دو، اور اگر تم عاجز ہو گئے تو سمجھ لو کہ یہ انسان کی طاقت سے بالاتر، خالص اللہ جلا جلالہ کا کلام ہے۔

یہاں کوئی کہہ سکتا تھا کہ ہمارا عاجز ہو جانا تو اس کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ سبھی انسان عاجز ہیں، ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسرا آدمی یا جماعت یہ کام کرلے، اس لئے ارشاد فرمایا'': **وادعوا شهداء کم من دون الله**''، شہداء شاہد کی جمع ہے جس کے معنی حاضر کے آتے ہیں، گواہ کو بھی شاہد اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا حاضرِ عدالت ہونا ضروری ہے۔ اس جگہ شہداء سے مراد یا تو عام حاضرین ہیں، کہ سارے جہاں میں جس جس سے تم اس کام میں مدد لینا چاہو، لے سکتے ہو، اور یا اس سے مراد اُن کے بت ہیں، جن کے بارے میں ان کا یہ خیال تھا کہ قیامت کے روز یہ ہمارے لئے گواہی دیں گے۔

دوسری ایت میں ان کو ڈرایا گیا کہ اگر تم یہ کام نہ کرسکو تو پھر جہنم کی ایسی سخت آگ سے بچنے کا سامان کرلو، جس کے انگارے آدمی اور پتھر ہوں گے، اور وہ تم ہی جیسے انکار کرنے والوں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور اسی جملہ کے بیچ میں جو واقعہ ہونے والا تھا اس کی خبر بھی دیدی۔ ''**ولن تفعلوا**''، یعنی خواہ تم کتنا ہی انفرادی اور اجتماعی زور لگاؤ تمہاری مجال نہیں کہ اس کی

مثال بناسکو۔اس پرغور کیا جائے کہ جوقوم اسلام اورقرآن کی مخالفت اوراس کوگرانے مٹانے کے لئے اپنی جان، مال، آبرو ،اولادسب کچھ قربان کرنے پرتلی ہوئی تھی، اس کو یہ آسان سا موقع دیا جاتا ہے، کہ قران کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کی مثال بنالاؤ توتم اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہو، اور یہ کہکر ان کی غیرت کو جوش میں لایا جاتا ہے، کہ تم ہرگز یہ کام نہ کرسکوگے ،مگر پوری قوم میں کوئی بھی اس کام کے لئے آگے نہ بڑھا، اس سے بڑھ کر کونسا اعتراف اپنے عجز کا اورقرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کا ہوسکتا ہے؟۔جس سے معلوم ہوا کہ قران کریم نبی کریمﷺ کا ایسا کھلا معجزہ ہے جس نے تمام سرکشوں کی گردنیں جھکادیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات صرف ان کی حیات تک معجزہ ہوتے ،لیکن قران کا معجزہ بعدوفات رسول کریمﷺ بھی اسی طرح معجزہ کی حیثیت سے باقی ہے، آج بھی ایک ادنیٰ مسلمان ساری دنیا کے اہل علم ودانش کوللکار کر دعوی کرسکتا ہے کہ اس کی مثال نہ کوئی پہلے لاسکا، نہ آج لاسکتا ہے۔اور جس کو ہمت ہو، پیش کر کے دکھلائے۔

شیخ جلال الدین سیوطی، نے اپنی کتاب، خصائص کبری: ۲۷۹/۱، میں رسول اللہﷺ کے دومعجزوں کے متعلق بحوالہ حدیث لکھا ہے کہ قیامت تک باقی ہے ایک قران کا معجزہ ہے،ومعجزات القرا ن مستمرۃ الی یوم القیامۃ الخ، اورامام بیہقی نے: دلائل النبوۃ: ۱۰/۱، میں اسی طرح لکھا ہے کہ: فاما (العَلَم) الذی اقترن بدعوتہ ولم یزل یتزایدایام حیاتہ،ودام فی امتہ بعدوفاتہ،فھو (القران) العظیم ،المعجز المبین ،وحبل اللہ المتین، الذی ھوکماوصفہ بہ من انزلہ فقال:فی سورۃ فصلت: ۴۱، ۴۲،و الواقعۃ:۷۷، ۸۰،و البروج: ۲۱، ۲۲،وال عمران: ۶۲ .وغیرھا.

،دوسرے یہ کہ رسول اللہﷺ سے ابوسعید خدریؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہﷺ ایام حج میں تینوں جمرات پرلاکھوں آدمی تین روزتک مسلسل کنکریاں پھینکتے ہیں پھرکوئی ان کنکریوں کے ڈھیرکو یہاں سے اٹھاتا بھی نظرنہیں آتا۔اورایک مرتبہ پھینکی ہوئی کنکرکودوبارہ استعمال کرنا بھی ممنوع ہے، اس لئے ہرحاجی اپنے لئے مزدلفہ سے کنکریاں نئی لیکرآتا ہے۔اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ جمرات کے گرد ایک ہی سال میں ٹیلہ لگ جاتا، جس میں جمرات چھپ جاتے اورچندسال میں توپہاڑ ہوجاتا، رسول پاکﷺ نے ارشادفرمایا: کہ ہاں، مگراللہ تعالی نے اپنے فرشتوں کومقررکررکھا ہے کہ جس جس شخص کا حج قبول ہو، اس کی کنکریاں اٹھالی جائیں، تواب اس جگہ صرف ان کم نصیبوں کی کنکریاں باقی رہ جاتی ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوا، اس لئے اس جگہ پڑی ہوئی کنکریاں بہت کم نظرآتی

ہیں، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہاں پہاڑ کھڑا ہو گیا ہوتا۔ یہ روایت سنن بیہقی: ۵/۱۲۸، میں موجود ہے۔ اور فاکہی نے ''اخبار مکہ'': ۴/۱۹۲، پر بہت روایات نقل کی ہیں:

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے ذریعہ رسول کریم ﷺ کی سچائی کی تصدیق ہر سال اور ہر زمانے میں ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ حج میں لاکھوں آدمی ہر سال جمع ہوتے ہیں اور ہر شخص ہر جمرہ پر ہر روز ساتھ ساتھ کنکریاں پھینکتا ہے اور بعض جاہل تو بڑے بڑے پتھر پھینکتے ہیں، اور یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کنکریوں کو یہاں سے اٹھانے اور صاف کرنے کا حکومت یا کوئی جماعت بھی روزانہ انتظام نہیں کرتی، نہ اٹھائی جاتی ہیں، اور جیسا زمانہ قدیم سے دستور چلا آتا ہے کہ اس جگہ سے کنکریاں اٹھائی ہی نہیں جاتیں۔ تو اگلے سال اس کا دوگنا اور تیسرے سال تگنا ہو جائے گا۔ پھر کیا شبہ ہے، کہ چند سال میں یہ حصہ زمین مع جمرات کے ان کنکریوں میں چھپ جائے گا۔ اور بجائے جمرات کے ایک پہاڑ کھڑا نظر آئے، مگر مشاہدہ اس کے خلاف ہے اور یہ مشاہدہ ہر زمانے میں رسول کریم ﷺ کی تصدیق اور آپؐ پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے، سنا ہے کہ اب یہاں سے کنکریاں اٹھانے کا کچھ انتظام ہونے لگا ہے مگر تیرہ سو برس تک کا عمل بھی اس مضمون کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح معجزہ قران ایک زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے، جیسے رسول ﷺ کے عہد مبارک میں اس کی نظیر یا مثال پیش نہیں کی جا سکی۔ آج بھی نہیں کی جا سکتی۔

اس اجمالی بیان کے بعد آپ کو یہ معلوم کرنا چاہیے کہ قران کریم کو کس بناء پر رسول اللہ ﷺ کا معجزہ قرار دیا گیا؟ اور اس کا اعجاز کن کن وجوہ سے ہے؟ اور کیوں ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہو گئی؟۔ دوسرا یہ کہ مسلمانوں کا یہ دعوا کہ چودہ سو برس کے عرصہ میں قرآن کی زبردست تحدی چلینج کے باوجود کوئی اس کی یا اس کے کسی ٹکڑے کی مثال نہ پیش کر سکا یہ تاریخی حیثیت سے کیا وزن رکھتا ہے؟ یہ دونوں باتیں طویل الذکر اور تفصیل کی طالب ہیں۔

پہلی بات کہ قران کو معجزہ کیوں کہا گیا؟ اور وہ کیا وجوہ ہیں جن کے سبب ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، اس پر قدیم و جدید علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، اور ہر مفسر نے اپنے اپنے طرز میں اس مضمون کو بیان کیا ہے، میں اختصار کے ساتھ چند ضروری چیزیں عرض کرتا ہوں، اس جگہ سب سے پہلے غور کرنے کی چیز یہ ہے، کہ یہ عجیب و غریب کل علوم کی جامع کتاب، کس جگہ، کس ماحول میں، اور کس پر نازل ہوئی؟ اور کیا وہاں کچھ ایسا علمی سامان موجود تھا جن کے ذریعہ دائرۂ اسباب میں ایسی جامع بینظیر کتاب تیار ہو سکے، جو علوم اولین اور آخرین کی جامع، اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق بہترین ہدایت پیش کر سکے، جس میں انسان کی جسمانی اور روحانی تربیت

کامکمل نظام ہو، اور تدبیر منزل سے لیکر سیاست مما لک تک ہر نظام کے بہترین اصول ہوں۔

جس سرزمین اور جس ذات پر یہ کتاب مقدس نازل ہوئی، اس کی جغرافیائی کیفیت اور تاریخی حالت معلوم کرنے کے لئے آپ کو ایک ریگستانی، خشک اور گرم علاقہ سے سابقہ کرنا پڑھے گا۔ جس کو بطحاء مکہ کہتے ہیں، اور جو نہ زرعی ملک ہے نہ صنعتی، نہ اس ملک کی آب و ہوا ہی کچھ ایسی خوش گوار ہے جس کے لئے باہر کے آدمی وہاں پہنچنے کی رغبت کریں، نہ راستے ہی کچھ ہموار ہیں، جن سے وہاں تک پہنچنا آسان ہو، اکثر دنیا سے کٹا ہوا ایک جزیرہ نما ہے، جہاں خشک پہاڑوں اور گرم ریگ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اور دور تک نہ کوئی بستی نظر آتی ہے، اور نہ کوئی کھیت نہ درخت۔

اس پورے خطۂ ملک میں کچھ بڑے شہر بھی نہیں، چھوٹے چھوٹے گاؤں اور ان میں اونٹ بکریاں پال کر اپنی زندگی گذارنے والے انسان بستے ہیں، اس کے چھوٹے دیہات کا تو دیکھنا کیا، جو برائے نام چند شہر کہلاتے ہیں، ان میں بھی کسی قسم کے علم و تعلیم کا کوئی چرچا نہیں، نہ وہاں کوئی اسکول اور کالج ہے اور نہ کوئی بڑی یونیورسٹی یا دار العلوم، وہاں کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے محض قدرتی اور پیدائشی طور پر فصاحت و بلاغت کا ایک فن ضرور دیا ہے، جس میں وہ ساری دنیا سے فائق اور ممتاز ہیں، وہ نثر اور نظم میں ایسے قادر الکلام ہیں کہ جب بولتے ہیں تو رعد کی طرح کڑکتے اور بادل کی طرح برستے ہیں، ان کی ادنی ادنی چھوکریاں ایسی فصیح و بلیغ شعر کہتی ہیں، کہ دنیا کے ادیب حیران رہ جائیں۔ لیکن یہ سب کچھ ان کا فطری فن ہے، جو کسی مکتب یا مدرسہ میں حاصل نہیں کیا جا سکتا، غرض نہ وہاں تعلیم و تعلّم کا کوئی سامان ہے، نہ وہاں کے رہنے والوں کو ان چیزوں سے کوئی لگاؤ یا دلبستگی ہے، ان میں کچھ لوگ شہری زندگی بسر کرنے والے ہیں، تو وہ تجارت پیشہ ہیں، مختلف اجناس مال کی درآمد، برآمد، ان کا مشغلہ ہے۔

اس ملک کے قدیم شہر ''مکہ'' کے ایک شریف گھرانہ میں وہ ذات مقدس پیدا ہوتی ہے، جو مہبط وحی ہے، جس پر قران اترا ہے، اب اس ذات مقدس کا حال سنئے: ولادت سے پہلے ہی والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ پیدا ہونے سے پہلے یتیم ہو گئے، ابھی سات سال کی عمر بھی نہ تھی کہ والدہ کی بھی وفات ہو گئی، اغوش مادر کا گہوارہ بھی نصیب نہ رہا شریف آباء واجداد کی فیاضی اور بے مثل سخاوت نے اپنے گھر میں کوئی اندوختہ نہ چھوڑا تھا، جس سے یتیم کی پرورش اور ائندہ زندگی کا سامان ہو سکے، نہایت عسرت کی زندگی، پھر ماں باپ کا سایہ سر پر نہیں، ان حالات میں آپ ؐ نے پرورش پائی، اور عمر کا ابتدائی حصہ اسی طرح گذارا جو تعلیم و تعلّم کا اصل وقت تھا ہے، اس وقت اگر مکہ میں کوئی دار العلوم یا اسکول و کالج بھی ہوتا تو بھی آپ ؐ کے لئے اس سے استفادہ مشکل تھا، مگر معلوم ہو چکا کہ وہاں سرے سے یہ علمی مشغلہ اور اس سے دلچسپی ہی

کسی کو نہ تھی، اسی لئے یہ پوری قوم عرب امیین کہلاتے تھے۔قران کریم نے بھی ان کے متعلق یہ لفظ استعمال کیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا تھا کہ آپ ﷺ ہر قسم کی تعلیم و تعلّم سے بے خبر رہے وہاں کوئی بڑا عالم بھی ایسا نہ تھا جس کی صحبت میں رہ کر یہ علوم حاصل کئے جاسکتے جن کا قران حامل ہے، پھر قدرت کو تو ایک فوق العادۃ معجزہ دکھلانا تھا، آپؐ کے لئے خصوصی طور پر ایسے سامان ہوئے معمولی نوشت و خواند ہر جگہ کے لوگ کسی نہ کسی طریقے سے سیکھ ہی لیتے ہیں، آپؐ نے وہ بھی نہ سیکھا بالکل امی محض رہے کہ اپنا نام تک بھی نہ لکھ سکتے تھے۔

عرب کا مخصوص فن شعروسخن تھا جس کے لئے خاص خاص اجتماعات کئے جاتے اور مشاعرے منعقد ہوتے اور اس میں ہر شخص مسابقت کی کوشش کرتا تھا، آپؐ کو حق تعالی نے ایسی فطرت عطا فرمائی تھی کہ ان چیزوں سے بھی دلچسپی نہ تھی۔نہ کبھی کوئی شعر یا قصیدہ لکھا، نہ کسی ایسی مجلس میں شریک ہوئے۔ہاں امی محض ہونے کے ساتھ بچپن سے ہی آپؐ کی شرافت نفس، اخلاق فاضلہ، فہم و فراست کی غیر معمولی آثار، دیانت و امانت کا اعلی ترین شہکار آپؐ کے ذات مقدس میں ہر وقت مشاہدہ کئے جاتے تھے۔جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب کے بڑے بڑے مغرور و متکبر سردار آپؐ کی تعظیم کرتے تھے اور سارے مکہ میں آپؐ کو امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔اب ایک طرف قرآن کی یہ تحدی اور چیلنج اور دوسری طرف ساری دنیا کی مخالف طاقتیں جو اسلام اور نبی ﷺ کو شکست دینے کے لئے اپنی مال، جان، اولاد، ابرو، سب گنوانے کو تیار ہیں۔

اور عرب کے سرداروں نے قران اور اسلام کے مٹانے اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مغلوب کرنے میں جس طرح اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا، وہ کسی لکھے پڑھے آدمی سے مخفی نہیں۔شروع میں رسول پاک ﷺ اور آپؐ کے گنے چنے رفقاء کو کس کس طرح کی ایذائیں دیکر چاہا کہ وہ کلمہ اسلام کو چھوڑ دیں، مگر جب دیکھا کہ، یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے، تو خوش امد کا پہلو اختیار کیا۔

عرب کا سردار ''عتبہ بن ربیعہ'' قوم کا نمائیدہ بن کر آپؐ کے پاس حاضر ہوا، اور عرب کی پوری دولت و حکومت اور بہترین حسن و جمال کی لڑکیوں کی پیشکش اس کام کے لئے کی کہ آپؐ اسلام کی تبلیغ چھوڑ دیں۔آپ ﷺ نے اس کی جواب میں قران کی چند آیتیں سنا دینے پر اکتفاء فرمایا، جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو جنگ و مقابلہ کے لئے تیار ہوکر جو قریش عرب نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں سر دھڑ کی بازی لگائی، جان، مال، اولاد، ابرو سب کچھ اس مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوئے۔یہ سب کچھ کیا مگر یہ کسی سے نہ ہوسکا کہ قران کی چیلنج کو قبول کرتا، اور چند سطرے مقابلہ پر پیش کر دیتا، کیا ان حالات میں سارے عرب کا اس کے مقابلہ سے سکوت اور عجز اس کی کھلی ہوئی شہادت نہیں؟ کہ

یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالی کا کلام ہے، جس کے کام یا کلام کی نظیر انسان کیا ساری مخلوق کی قدرت سے باہر ہے۔

پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ عرب نے اس کے مقابلہ سے سکوت کیا، بلکہ اپنے خاص مجلسوں میں سب نے اس کے بیمثل ہونے کا اعتراف کیا، اور جو ان میں سے منصف مزاج تھے انہوں نے اس اعتراف کا اظہار بھی کیا، پھر ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہوگئے، اور کچھ اپنی ابائی رسوم کی پابندی یا بنی عبد مناف کی ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے محروم رہے، قریش عرب کی تاریخ ان واقعات پر شاہد ہے، میں اس میں سے چند واقعات اس جگہ بیان کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہوسکے کہ پورے عرب نے اس کلام کے، بے مثل، بینظیر ہونے کو تسلیم کیا، اور اس کی مثال پیش کرنے کو اپنی رسوائی کے خیال سے چھوڑ دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ اور قران کا چرچا مکہ سے باہر حجاز کے دوسرے مقامات میں ہونے لگا، اور حج کا موسم آیا تو قریش مکہ کو اس کی فکر ہوئی کہ اب اطراف عرب سے حجاج ائیں گے، اور رسول کریم ﷺ کا یہ کلام سنیں گے، تو فریفتہ ہوجائیں گے اور غالب خیال یہ ہے کہ مسلمان ہوجائیں گے، اس کے انسداد کی تدبیر سوچنے کے لئے قریش نے ایک اجلاس منعقد کیا، اس اجلاس میں عرب کے بڑے بڑے بڑے سردار موجود تھے، ان میں ولید بن مغیرہ، عمر میں سب سے بڑے اور عقل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، سب نے، ولید بن مغیرہ، کو یہ مشکل پیش کی کہ اب اطراف ملک سے لوگ آئیں گے اور ہم سے محمد ﷺ کے متعلق پوچھیں گے تو ہم کیا کہیں؟ ہمیں آپ کوئی ایسی بات بتلائیے کہ ہم سب وہی بات کہہ دیں، ایسا نہ ہو کہ خود ہمارے بیانات میں اختلاف ہوجائے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم ہی کہو کیا کہنا چاہئے؟

لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں ہم سب یہ کہیں، کہ محمد ﷺ (معاذ اللہ) مجنون ہیں، ان کا کلام مجنونانہ بڑ ہے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم ایسا ہرگز نہ کہنا، کیونکہ یہ لوگ جب ان کے پاس جائیں گے، اور ان سے ملاقات و گفتگو کریں گے، اور ان کو ایک فصیح و بلیغ، عاقل انسان پائیں گے، تو انہیں یقین ہوجائیگا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ اچھا ہم ان کو یہ کہیں کہ وہ ایک شاعر ہیں، ولید نے اس سے بھی منع کیا، اور کہا کہ جب لوگ ان کا کلام سنیں گے، وہ تو شعر و شاعری کے ماہر ہیں، انہیں یقین ہوجائے گا کہ یہ شعر نہیں، اور نہ آپ ﷺ شاعر ہیں، نتیجہ یہ ہوگا یہ سب لوگ تمہیں جھوٹا سمجھیں گے، پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ تو پھر ہم ان کو کاہن قرار دیں، جو شیاطین و جنات سے سنکر غیب کی خبریں بیان دیا کرتے ہیں۔ ولید نے کہا یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جب لوگ ان کا کلام سنیں گے، تو پتہ چل جائے گا یہ کلام کسی کاہن کا نہیں ہے، وہ پھر بھی تمہیں ہی جھوٹا سمجھیں گے، اس کے بعد قران کے بارے میں جو ولید بن مغیرہ کے تاثرات تھے ان

کوان الفاظ میں بیان کیا: اللہ کی قسم، تم میں کوئی ادمی، شعر وشاعری اور اشعار عرب سے میرے برابر واقف نہیں۔ اللہ کی قسم اس کلام میں خاص حلاوت ہے، اور ایک خاص رونق ہے جو میں کسی شاعر یا فصیح و بلیغ کے کلام میں نہیں پاتا۔ پھر ان کی قوم نے دریافت کیا، کہ آپ ہی بتلایئے، پھر ہم کیا کریں؟۔ اور ان کے بارے میں لوگوں سے کیا کہیں؟ ولید نے کہا میں غور کرنے کے بعد کچھ جواب دوں گا، پھر بہت سوچنے کے بعد کہا کہ اگر کچھ کہنا ہی ہے تو تم ان کو ساحر کہو، کہ اپنے جادو سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں۔ قوم اس پر مطمئن اور متفق ہوگئی اور سب سے یہی کہنا شروع کیا، مگر اللہ کا چراغ کہیں پھونکوں سے بجھنے والا تھا؟ اطراف عرب کے لوگ آئے، قرآن سنا، اور بہت سے مسلمان ہو گئے ، اور اطراف عرب میں اسلام پھیل گیا (خصائص کبری: ۱/۳۸۱)۔

اسی طرح ایک قریشی سردار نضر بن حارث نے ایک مرتبہ اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا: اے قوم قریش! آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ محمد ﷺ تمہاری قوم کے ایک نوجوان تھے، اور تم سب ان کے اخلاق وعادات کے گرویدہ اور اپنی قوم میں ان کو سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار جانتے ، اور کہتے تھے، اب جبکہ ان کے سر میں سفید بال آنے لگے، اور انہوں نے ایک بے مثل کلام، اللہ کی طرف سے پیش کیا، تو تم ان کو جادوگر کہنے لگے، اللہ کی قسم وہ جادوگر نہیں، ہم نے جادوگروں کو دیکھا اور برتا ہے، ان کے کلام سنے ہیں، اور طریقوں کو سمجھا ہے، وہ بالکل اس سے مختلف ہیں۔

اور کبھی تم ان کو کاہن کہنے لگے، اللہ کی قسم، وہ کاہن بھی نہیں، ہم نے بہت کاہنوں کو دیکھا، اور ان کے کلام سنے ہیں، ان کو ان کے کلام سے کوئی مناسبت نہیں۔ اور کبھی تم ان کو شاعر کہنے لگے، اللہ کی قسم، وہ شاعر بھی نہیں، ہم نے خود شعر، شاعری کے تمام فنون کو سیکھا سمجھا ہے، اور بڑے بڑے شعراء کے کلام ہمیں یاد ہیں، ان کے کلام سے اس کو کوئی مناسبت نہیں، پھر کبھی تم ان کو مجنون بتاتے ہو، اللہ کی قسم، وہ مجنون بھی نہیں، ہم نے بہت سے مجنونوں کو دیکھا بھالا، ان کی بکواس سنی ہے، ان کے مختلف اور مختلط کلام سنے ہیں، یہاں یہ کچھ نہیں، اے میری قوم، تم انصاف کے ساتھ ان کے معاملہ میں غور کرو، یہ سرسری ٹلا دینے کی چیز نہیں (خصائص کبری: ۱/۲۸۳)۔

ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میرا بھائی ''انیس'' ایک مرتبہ مکہ معظّمہ گیا اس نے واپس آ کر مجھے بتلایا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے، میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ بھائی نے کہا کہ کوئی ان کو شاعر کہتا ہے، کوئی کاہن بتلاتا ہے، کوئی جادوگر کہتا ہے، میرا بھائی انیس خود بڑا شاعر اور کہانت وغیرہ سے

واقف آدمی تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ جہاں تک میں نے غور کیا، لوگوں کی یہ سب باتیں غلط ہیں۔ ان کا کلام نہ شعر ہے، نہ کہانت ہے، نہ مجنونانہ کلمات ہیں، بلکہ مجھے وہ کلام صادق نظر آتا ہے۔

ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ بھائی سے یہ کلمات سنکر میں نے مکہ کا سفر کیا، اور مسجد حرام میں آ کر رہنے لگا تیس روز میں نے اس طرح گذارے کہ سوائے زمزم کے پانی کے میرے پیٹ میں نہیں گیا، اس تمام عرصہ میں نہ مجھے بھوک کی تکلیف معلوم ہوئی، نہ کوئی ضعف محسوس کیا (خصائص: ۱/۲۸۷)۔

اسلام اور پیغمبر پاک ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل اور ''اخنس بن شریق'' وغیرہ بھی لوگوں سے چھپ کر قرآن سنا کرتے، اور اس کی عجیب وغریب بے مثل و بےنظیر اثرات سے متاثر ہوتے تھے، مگر جب قوم کی کچھ لوگوں نے ان کو کہا کہ جب تم اس کلام کو ایسا بےنظیر پاتے ہو، تو اس کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ تو ابوجہل کا جواب یہ تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ بنی عبدمناف میں اور ہماری قبیلہ میں ہمیشہ سے رقابت اور معاصرانہ مقابلہ چلتا رہتا ہے۔ وہ جس کام میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم بھی اس کا جواب دیتے ہیں، اب جبکہ ہم اور وہ دونوں برابر حیثیت کے مالک ہیں تو اب وہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، اب ہم اس میں کیسے ان کا مقابلہ کریں؟ میں تو کبھی اس کا اقرار نہ کروں گا۔ (خصائص ۱/۲۸۵)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کے اس دعوے اور چیلنج پر صرف یہی نہیں کہ پورے عرب نے ہار مان لی، اور سکوت اختیار کیا، بلکہ اس کے بے مثل اور بےنظیر ہونے اور اپنے عجز کا کھلے عام طور پر اعتراف بھی کیا ہے۔ اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ سارا عرب بلکہ ساری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز ہو جاتی۔

قران اور پیغمبر کے مقابلہ میں جان، مال، اولاد، آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لئے تو وہ تیار ہو گئے، مگر اس کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے دو سطریں اس کے مقابلہ میں پیش کر دیتا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اپنے جاہلانہ اعمال وافعال کے باوجود منصف مزاج تھے، جھوٹ کے پاس نہ جاتے تھے، جب انہوں نے قرآن کو سنکر یہ سمجھ لیا کہ جب درحقیقت اس کلام کی مثل ہم نہیں لا سکتے تو محض دھاندلی اور کٹھ حجتی کے طور پر کوئی کلام پیش کرنا، اپنے لئے عار سمجھا، کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم نے کوئی چیز پیش بھی کر دی تو پورے عرب کے فصحاء وبلغاء اس امتحانی مقابلہ میں ہمیں فیل کر دیں گے، اور خواہ مخواہ رسوائی ہوگی، اس لئے پوری قوم نے سکوت اختیار کیا، اور جو زیادہ منصف مزاج تھے انہوں نے صاف طور پر اقرار و تسلیم بھی کیا، جسکے کچھ وقائع پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ عرب کا سردار سعد بن زرارہ نے رسول پاک ﷺ کے چچا عباسؓ کے سامنے اقرار کیا کہ ہم نے خوامخواہ محمد ﷺ کی مخالفت کر کے اپنے رشتے ناطے توڑے اور تعلقات خراب کئے، میں یقین کیساتھ کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں، ہرگز جھوٹے نہیں۔اور جو کلام وہ لائے ہیں بشر کا کلام نہیں ہوسکتا۔(خصائص:۱/۲۸۷)۔

قبیلہ بنی سلیم میں قیس بن نسیبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے قرآن سنا، اور چند سوالات کئے جن کا جواب رسول ﷺ نے بیان فرمایا، تو یہ اسی وقت مسلمان ہوگئے اور پھر اپنی قوم میں واپس گئے تو لوگوں سے کہا: میں نے روم وفارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام سنے ہیں، بہت سے کاہنوں کے کلمات سننے کا تجربہ ہوا ہے، حمیر کے مقالات سنتا رہا ہوں، مگر محمد ﷺ کے کلام کی مثل میں نے آج تک کہیں نہیں سنا، تم سب میری بات مانو، اور ان کا اتباع کرو، انہیں کی تحریک وتلقین پر ان کی قوم کے ایک ہزار آدمی فتح مکہ کے موقع پر رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوگئے۔(خصائص:۱/۲۸۸)۔

یہ اقرار وتسلیم صرف ایسے لوگوں سے منقول نہیں جو آپ ﷺ کے معاملات سے یکسو اور غیر جانب دار تھے، بلکہ وہ لوگ جو ہر وقت ہر طرح رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے، قرآن کے متعلق ان کا بھی یہی خیال تھا، مگر اپنی ضد اور حسد کی وجہ سے اس کا اظہار لوگوں پر نہ کرتے تھے۔

علامہ سیوطی نے خصائص کبری:۱/۲۸۵، میں بحوالہ بیہقی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل اور ابوسفیان اور اخنس بن شریق رات کو اپنے اپنے گھروں سے اس لئے نکلے کہ چھپ کر رسول اللہ سے قرآن سنیں، ان میں ہر ایک علیحدہ علیحدہ نکلا، ایک کی دوسرے کو خبر نہ تھی، اور علیحدہ علیحدہ گوشوں میں چھپکر قرآن سننے لگے، تو اس میں ایسے محو ہوئے کہ ساری رات گذر گئی، جب صبح ہوگئی تو سب واپس ہوئے، اتفاقاً راستہ میں مل گئے، اور ہر ایک نے دوسرے کا قصہ سنا، تو سب آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، کہ تم نے یہ بری حرکت کی، اور کسی نے یہ بھی کہا کہ آئندہ کوئی ایسا نہ کرے، کیونکہ اگر عرب کے عوام کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ کہہ سنکر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے، اگلی رات آئی تو پھر ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہی ٹیس اُٹھی، کہ قرآن سنیں، اور پھر اسی طرح چھپ چھپ کر ہر ایک نے قرآن سنا، یہاں تک کہ رات گذر گئی اور صبح ہوتے ہی یہ لوگ واپس ہوئے، تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور اس کے ترک پر سب نے اتفاق کیا، مگر تیسری رات

آئی تو پھر قرآن کی لذت وحلاوت نے انہیں چلنے اور سننے پر مجبور کر دیا، پھر پہو نچے اور رات بھر قرآن کریم سنکر لوٹنے لگے، تو پھر راستہ میں اجتماع ہو گیا، تو اب سب نے کہا کہ آؤ آپس میں معاہدہ کرلیں، کہ آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے، چنانچہ اس معاہدہ کی تکمیل کی گئی، اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، صبح کو اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی اٹھائی، اور پہلے ابوسفیان کے پاس پہنچا کہ بتلاؤ اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے دبے دبے لفظوں میں قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا، تو اخنس نے کہا کہ اللہ کی قسم، میری بھی یہی رائے ہے، اس کے بعد وہ ابوجہل کے پاس پہنچا، اور اس سے بھی یہی سوال کیا، کہ تم نے محمد ﷺ کے کلام کو کیسا پایا؟

ابوجہل نے کہا کہ صاف بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان اور بنوعبد مناف کے خاندان میں ہمیشہ سے چشمک چلی آئی ہے، قوم کی سیادت وقیادت میں وہ جس محاذ پر آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم ان کا مقابلہ کرتے ہیں، انھوں نے سخاوت وبخشش کے ذریعے قوم پر اپنا اثر جمانا چاہا، تو ہم نے اُن سے بڑھ کر یہ کام کر دکھایا، اُنھوں نے لوگوں کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں، تو ہم اس میدان میں بھی ان سے پیچھے نہیں رہے، یہاں تک کہ پورا عرب جانتا ہے کہ ہم دونوں خاندان برابر حیثیت کے مالک ہیں۔ ان حالات میں اُن کے خاندان سے یہ آواز اُٹھی کہ ہمارے خاندان میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، اب ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ ہم کیسے کریں؟، اس لئے ہم نے تو یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم زور اور طاقت سے اُن کا مقابلہ کریں گے اور ہرگز ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ یہ ہے قرآن کا وہ کھلا ہوا معجزہ جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے۔

تیسری وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے، کہ اس میں غیب کی اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی بہت سی خبریں ہیں، جو قرآن نے دیں، اور بعینہ اسی طرح واقعات پیش آئے جسطرح قرآن نے خبر دی تھی، مثلاً قران نے خبر دی کہ روم وفارس کے مقابلہ میں ابتداء اہل فارس غالب آئیں گے، اور رومی مغلوب ہوں گے، لیکن ساتھ ہی یہ خبر دی کہ دس سال گذرنے نہ پائیں گے کہ پھر رومی اہل فارس پر غالب آجائیں گے، مکہ کے سرداروں نے قرآن کی اس خبر پر ابوبکر صدیقؓ سے ہار جیت کی شرط لگالی، اور پھر ٹھیک قرآن کی خبر کے مطابق رومی غالب آگئے تو سب کو اپنی ہار ماننا پڑی۔ اسی طرح اور بہت سے واقعات اور خبریں ہیں جو امور غیبیہ کے متعلق قرآن میں دی گئیں اور ان کی سچائی بالکل روز روشن جیسی واضح ہوگئی۔

چوتھی وجہ اعجاز قرآن کی یہ ہے کہ اس میں پچھلی اُمتوں اور اُن کی شرائع اور تاریخی حالات کا ایسا صاف

تذکرہ ہے کہ اس زمانے کے بڑے بڑے علماء یہود ونصاریٰ جو پچھلی کتابوں کے ماہر سمجھے جاتے تھے ان کو بھی اتنی معلومات نہ تھیں، اور رسول اللہ ﷺ نے تو کبھی نہ کسی مکتب میں قدم رکھا، نہ کسی عالم کی صحبت اُٹھائی، نہ کسی کتاب کو ہاتھ لگایا، پھر یہ ابتداء دنیا سے آپ ﷺ کے زمانے تک تمام اقوام عالم کے تاریخی حالات اور نہایت صحیح اور سچے سوانح اور ان کی شریعتوں کی تفصیلات کا بیان ظاہر ہے، کہ بجز اس کے نہیں ہوسکتا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ خبریں دی ہوں۔

پانچویں وجه یه هے کہ اس کی متعدد ایات میں لوگوں کے دل کی چھپی ہوئی باتوں کی اطلاع دی گئی اور وہ پھر ان کے اقرار سے ثابت ہوگیا کہ وہ بات صحیح اور سچی تھی، یہ کام بھی عالم الغیب والشھادۃ ہی کرسکتا ہے، کسی بشر سے عادۃً ممکن نہیں، جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے ﴿اذھمت طآئفتان منکم ان تفشلا﴾ (ال عمران: ۱۲۲) جب تمھاری دو جماعتوں نے دل میں ارادہ کیا، کہ پسپا ہوجائیں۔ اور یہ ارشاد کہ ﴿یقولون فی انفسھم لو لا یعذبنا اللہ بما نقول﴾ (مجادلہ: ۸) یعنی وہ لوگ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کو انھوں نے کسی سے ظاہر نہیں کیا، قرآن کریم نے ہی ان کا انکشاف کیا ہے۔

چھٹی وجه اعجاز قرآنی کی وہ ایات ہیں، جن میں قرآن نے کسی قوم یا فرد کے متعلق یہ پیشگوئی کی کہ وہ فلاں کام نہ کرسکیں گے، اور پھر بھی وہ لوگ باوجود ظاہری قدرت کے اس کام کو نہ کرسکے، جیسے یہود کے متعلق قرآن نے اعلان کیا کہ اگر وہ درحقیقت اپنے آپ کو اللہ کے دوست اور ولی سمجھتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے پاس جانے سے محبت ہونا چاہیئے، وہ ذرا موت کی تمنا کرکے دکھائیں اور پھر ارشاد فرمایا: ﴿ولن یتمنوہ ابداً﴾ (۹۵: بقرہ) وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کرسکیں گے: موت کی تمنا کرنا کسی کیلئے مشکل نہ تھا خصوصاً اُن لوگوں کیلئے جو قرآن کو جھٹلاتے تھے، قرآن کے ارشاد کی وجہ سے اُن کو تمنائے موت میں خوف و ہراس کی کوئی وجہ نہ تھی، یہود کیلئے تو مسلمانوں کو شکست دینے کا یہ موقع بڑا غنیمت تھا کہ فوراً تمنائے موت کا ہر مجلس ومحفل میں اعلان کرتے۔ مگر یہود ہوں یا مشرکین زبان سے کتنا ہی قرآن کو جھٹلائیں ان کے دل جانتے تھے کہ قرآن سچا ہے، اس کی کوئی بات غلط نہیں ہوسکتی، اگر موت کی تمنا ہم اس وقت کریں گے تو فوراً مر جائیں گے اس لئے قرآن کے اس کھلے ہوئے چیلنج کے باوجود کسی یہودی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زبان سے تمنائے موت کا اظہار کردے۔

ساتویں وجه اعجاز قرآن کی وہ خاص کیفیت ہے جو قرآن کے سننے سے ہر خاص وعام اور مومن وکافر

پرطاری ہوتی ہے جیسے جبیر بن مطعمؓ کواسلام لانے سے پہلے پیش آیا کہ اتفاقاً انہوں نے رسول اللہ ﷺ کونماز مغرب میں سورۂ طور، پڑھتے ہوئے سنا، جب آپؐ اخری آیات پر پہونچے تو جبیرؓ کہتے ہیں، کہ میرا دل گویا اڑنے لگا، اور یہ سب سے پہلا دن تھا کہ میرے دل میں اسلام نے اثر کیا، وہ آیات یہ ہیں:

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿٣٥﴾ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿٣٦﴾ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾ (الطور)

کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہوگئے ہیں یا یہ خود (اپنے تیئں) پیدا کرنے والے ہیں۔ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں یا یہ (کہیں کے) داروغہ ہیں؟

آٹھویں وجہ یہ ھے: کہ اس کو بار بار پڑھنے اور سننے سے کوئی اُکتاتا نہیں، بلکہ جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اس کا شوق اور بڑھتا ہے دنیا کی کوئی بہتر سے بہتر اور مرغوب کتاب لے لیجئے اس کو دو چار مرتبہ پڑھا جائے تو انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے، پھر نہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے نہ سننے کو، یہ صرف قرآن کا خاصہ ہے، کہ جتنا کوئی اس کو زیادہ پڑھتا ہے اتنا ہی اس کو شوق ورغبت بڑھتا جاتا ہے، یہ بھی قرآن کے کلام الٰہی ہونے ہی کا اثر ہے۔

نویں وجہ: یہ ہے کہ قرآن نے اعلان کیا ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالی نے لیا ہے، وہ قیامت تک بغیر کسی ادنی تغیر وترمیم کی باقی رہے گا، اللہ تعالی نے اپنے اس وعدے کو اس طرح پورا فرمایا: کہ جب سے قرآن نازل ہوا ہے آج چودہ سو برس گذریں، ہر قرن ہر زمانے میں لاکھوں انسان ایسے رہے ہیں اور رہیں گے جن کے سینوں میں پورا قرآن اس طرح محفوظ رہا کہ ایک زیر وزبر کی غلطی کا امکان نہیں۔

ہر زمانے میں مرد، عورت، بچے بوڑھے، اس کے حافظ ملتے ہیں، بڑے سے بڑے عالم اگر کہی ایک زیر زبر کی غلطی کر جائے تو ذرا ذرا سے بچے وہی غلطی پکڑ لیں گے۔ دنیا کا کوئی مذہب اپنی مذہبی کتاب کے متعلق اس کے مثال تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں کرسکتا۔ بہت سے مذاہب کی کتابوں میں تو آج یہ پتہ چلانا بھی مشکل ہوگیا ہے کہ اس کی اصل کس زبان میں آئی تھی؟ اور اس کے کتنے اجزاء تھے۔ کتاب کی صورت میں بھی ہر قرن ہر زمانے میں جتنی اشاعت قرآن کی ہوئی، شاید دنیا کی کسی کتاب کو یہ بات نصیب ہوں، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کی تعداد دنیا میں بہ نسبت منکرین اور کافروں کے بہت کم رہی، اور ذرائع نشر واشاعت بھی جتنے غیر مسلموں کو حاصل رہے ہیں مسلمانوں

کو اس کا کوئی معتد بہ حصہ نصیب نہ ہوا، مگر ان باتوں کے باوجود کسی قوم کسی مذہب کی کوئی کتاب دنیا میں اتنی شائع نہیں ہوئی جتنا قرآن شائع ہوا، پھر قرآن کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے صرف کتابوں اور صحیفوں پر موقوف نہیں رکھا، جن کے جل جانے اور محو ہو جانے کا امکان ہو، بلکہ اپنے بندوں کے سینوں میں بھی محفوظ کر دیا، اگر آج ساری دنیا کے قرآن (العیاذ باللہ) نابود کر دیا جائیں تو اللہ کی یہ کتاب پھر بھی اسی طرح محفوظ رہیگی۔

چند حافظ مل کر بیٹھ جائیں تو چند گھنٹوں میں پھر ساری کی ساری لکھی جا سکتی ہے۔ یہ بے نظیر حفاظت بھی صرف قرآن ہی کا خاصہ اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا نمایاں ثبوت ہے، کہ جس طرح اللہ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اس پر کسی مخلوق کا تصرف نہیں چل سکتا، اسی طرح اس کا کلام بھی ہمیشہ تمام مخلوقات کی دستبرد اور تصرفات سے بالاتر ہو کر ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیگا قرآن کی یہ پیشنگوئی چودہ سو برس تک مشاہدہ میں آ چکی ہیں، اور تا قیامت انشاء اللہ تعالیٰ آتی رہے گی اس کھلے معجزے کے بعد قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں کیا کسی کو شک وشبہ کی گنجائش رہ سکتی ہے؟۔

دسویں وجہ : وہ علوم ومعارف ہیں جن کا احاطہ آج تک کسی کتاب نے کیا ہے نہ آئندہ امکان ہے، کہ اتنے مختصر حجم اور محدود کلمات میں اتنے علوم وفنون جمع کئے جا سکیں جو تمام کائنات کی دائمی ضروریات کو حاوی اور انسان کی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر حال سے متعلق پورا مرتب اور بہترین نظام پیش کر سکے، شخصی پھر عائلی زندگی سے لے کر قبائلی اور شہری زندگی تک اور پھر عمرانیات واجتماعیات اور سیاستِ مما لک کے ہر پہلو پر حاوی نظام پیش کر دے۔ پھر صرف نظری اور علمی طور پر نظام پیش کرنا ہی نہیں عملی طور پر اس کا رواج پانا اور تمام نظامہائے دنیا پر غالب آ کر قوموں کے مزاج، اخلاق، اعمال، معاشرت اور تمدن میں وہ انقلاب عظیم پیدا کرنا جس کی نظیر نہ قرون اولیٰ میں مل سکتی ہے۔ نہ قرون مابعد میں یہ حیرت انگیز انقلاب کیا کسی انسان کی قدرت اور اس کی حکمت عملی کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ خصوصا جبکہ وہ انسان امی اور اس کی قوم بھی امی ہو

یہی وہ محیر العقول تاثیرات ہیں کہ جن کی وجہ سے قران کو کلام الٰہی ماننے پر ہر وہ شخص مجبور ہے جس کی عقل وبصیرت کو تعصب عناد نے بالکل ہی برباد نہ کر دیا ہو۔ یہاں تک کہ اس دورِ مادہ پرستی کے، مسیحی مصنفین جنہوں نے کچھ بھی قرآن میں غور فکر سے کام لیا اس اقرار پر مجبور ہو گئے کہ یہ ایک بے مثل وبے نظیر کتاب ہے۔ فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس کو حکومت فرانس کی وزارت معارف نے قرآن حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کر لیا تھا، اس نے اعتراف کیا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے ۔ بے شک قران کا طرز بیان خالق جل وعلا شانہ

کا طرز بیان ہے، بلاشبہ جن حقائق ومعارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ ایک کلام الٰہی ہی ہوسکتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک وشبہ کرنے والے بھی جب اس کی تاثیر عظیم کو دیکھتے ہیں تو تسلیم واعتراف پر مجبور ہوتے ہیں، پچاس کروڑ مسلمان جو سطح زمین کے ہر حصے پر پھیلے ہوئے ہیں ان میں قران کی خاص تاثیر کو دیکھ کر مسیحی مشن میں کام کرنے والے بالا جماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا کہ جس مسلمان نے اسلام اور قران کو سمجھ لیا وہ کبھی مرتد ہوا، یا قران کا منکر ہوگیا ہو۔

مسلمانوں میں تاثیر قرآنی کا یہ اعتراف اس مسیحی مستشرق سے ایک ایسے دور میں ہورہا ہے جبکہ خود مسلمان قران اور اسلام سے بیگانہ، اس کی تعلیمات سے دور، اس کی تلاوت سے غافل ہوچکے ہیں کاش! یہ مصنف اسلام اور قرآن کے اس دور کو دیکھتا جبکہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں قرآن کا عمل تھا اور انکی زبانوں پر قرآن کی آیات تھیں۔

اس طرح دوسرے مسیحی مصنفین نے بھی جو منصف مزاج ہیں اسی قسم کے اعتراف کئے ہیں مسٹر ولیم میور نے اپنی کتاب ''حیات محمدؐ'' میں واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے، اور ڈاکٹر شبلی شمیل نے اس پر ایک مستقل مقالہ لکھا ہے۔

قران کے کلام الٰہی اور معجزہ نبوی ہونے پر دس وجوہ آپ سن چکے ہیں، آخر میں ایک اجمالی نظر اس پر ڈالئے، کہ محمد ﷺ پیدائشی یتیم ہوکر دنیا میں تشریف لائے ہیں عمر بھر کسی مکتب میں قدم نہیں رکھے، قلم اور کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا، اپنا نام بھی خود نہیں لکھ سکتے، اسی میں جوان ہوتے ہیں، آپؐ کی طبیعت عزلت پسند ہے، کسی کھیل، تماشا، جلسوں، ہنگاموں، میں جانے کے بھی عادی نہیں۔ شعر وسخن سے بھی مناسبت نہیں، کسی قومی اجتماع میں کبھی کوئی خطبہ دینے یا تقریر کرنے کا بھی عمر بھر اتفاق نہیں ہوتا، چالیس سال ہونے کے بعد جبکہ ادھیڑ عمر میں پہونچ جاتے ہیں، اور عادۃً کسی علم کے سیکھنے سکھانے کا وقت ختم ہوجاتا ہے، اس وقت آپؐ کی زبان مبارک پر ایک ایسا محیر العقول، جامع حقائق، فصاحت وبلاغت میں اعجاز نما کلام، آنے لگتا ہے، جو کسی بڑے سے بڑے عالم، ماہر اور فصیح وبلیغ سے بھی ممکن نہیں، جس کے ذریعہ آپؐ عرب کے بڑے بڑے فصحاء وبلغاء کو خطاب فرماتے ہیں، ان کے جلسوں میں پہونچ کر خطبے دیتے ہیں، اور پوری دنیا کے لئے عموماً، اور عرب کے لئے خصوصاً، یہ چیلنج سناتے ہیں، کہ کوئی اس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ کرے، تو اس کے کسی چھوٹے سے حصہ کی مثال بنا کر دکھلا دے، اس پر پوری قوم مثال پیش کرنے سے عاجز ہوجاتی ہے۔

پوری قوم جو آپؐ کو پہلے ''امین'' کے لقب سے پکارتی ، اور تعظیم کرتی تھی، آپؐ کی مخالف ہوجاتی ہے، اس کلام کی تبلیغ سے باز رکھنے کے لئے دولت، حکومت اور ہر انسانی خواہش کی چیزیں پیش کرتی ہے، آپؐ ان میں سے کسی چیز کو قبول

نہیں کرتے، پوری قوم آپؐ کو اور آپؐ کے رفقاء کو ستانے، اور ان پر ظلم کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے، آپؐ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں مگر اس کلام کی تبلیغ نہیں چھوڑتے، قوم آپؐ کے قتل کی سازشیں کرتی ہے، جنگ وجدل پر امادہ ہو جاتی ہے، آپؐ کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑتا ہے، آپؐ کی قوم آپؐ کو وہاں بھی سکون سے نہیں بیٹھنے دیتی۔

سارا عرب اور اہل کتاب آپؐ کی مخالفت پر جمع ہو جاتا ہے، آئے دن مدینہ پر حملے ہوتے ہیں، آپؐ کے مخالفین یہ سب کچھ کرتے ہیں، مگر قران کے چیلنج کو قبول کر کے ایک چھوٹی سی سورت قرآن کی مثل بنا کر پیش نہیں کرتے، قران ان کو غیرت دلاتا ہے اس پر بھی ان کی رگ حمیت میں حرکت نہیں ہوتی، صرف یہی نہیں کہ پورا عرب قران کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہا۔ بلکہ خود وہ ذات اقدس جس پر یہ قرآن نازل ہوا، وہ بھی اس کی مثال اپنی طرف سے پیش نہیں کر سکتے، ان کا سارا کلام یعنی حدیث جس طرح کا ہے، قران کا کلام یقیناً اس سے ممتاز ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے: قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَ نَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ، الاية ﴿۱۵﴾ (یونس)

جو لوگ آخرت میں ہمارے سامنے آنے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسی جیسا ایک اور قرآن بنا دیجئے یا اسی کو بدل دیجئے، تو آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل ڈالوں۔

ایک طرف تو قرآن کے یہ کھلے کھلے معجزات ہیں، جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر شاہد ہیں، دوسری طرف اس کے مضامین ومضمرات اور حقائق ومعارف پر نظر ڈالئے تو وہ اس سے زیادہ محو حیرت کر دینے والی چیز ہے۔ نزول قرآن کے بتدائی دور کے چند سال تو اس حالت میں گذرے کہ قرآنی تعلیمات کو کھلے طور پر پیش کرنا بھی ممکن نہ تھا، رسول ﷺ خفیہ طور پر لوگوں کو اصول قرآنی کی طرف دعوت دیتے تھے، پھر بے شمار مزاحمتوں اور مخالفتوں کے نرغہ میں کچھ علانیہ دعوت بھی شروع کی جانے لگی، مگر قرآن کریم کے مجوزہ قانون کی تنفیذ کا کوئی امکان نہ تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد صرف دس سال ایسے ملے جن کو مسلمانوں کے لئے ازادی کا زمانہ کہا جا سکتا ہے، جس میں قرآنی نظام کا مکمل تعلیم اور تنفیذ کی کوشش اور کوئی تعمیری کام کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان دس سال میں بھی آپ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ابتدائی چھ سال دشمنوں کے نرغہ اور منافقین اور یہود مدینہ کی سازشوں سے کس کو فرصت تھی کہ کوئی تعمیری کام اور ایسا نظام جو ساری دنیا کے نظاموں سے مختلف ہوں، عملی طور پر نافذ کر سکے، مسلمانوں کے خلاف سب سے بڑے بڑے معرکے انہیں چھ سال کے اندر پیش آئے، غزوہ بدر، احد، احزاب وغیرہ، سب اسی مدت کے اندر ہوئے، ہجرت کے چھٹے سال، دس سال کے لئے حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا گیا، اور صرف ایک سال اس معاہدہ پر قریش عرب قائم رہے، اس کے بعد انہوں نے اس کو بھی توڑ ڈالا۔ اور پھر جنگ

وجہاد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ظاہراسباب میں یہ صرف ایک دو سال ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کو اس کام کے لئے ملے، کہ قران کی دعوت کو عام کر سکیں، اوراس کے نظام کو نافذ کرنے کی کوشش کر سکیں، اسی عرصہ مین آپؐ نے بڑے بڑے سلاطین دنیا کو خطوط لکھے، قرآن کی دعوت ان کو پہونچائی، قرانی نظام کو قائم کرنے، پھیلانے کی سعی فرمائی، اور نبی کریم ﷺ کی آخری عمر تک اس آزادی کے صرف چار سال ہوتے ہیں، جن میں فتح مکہ کا جہاد بھی پیش آیا، اور مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اب اس چار سال کی قلیل مدت کو دیکھئے، اور قران کے اس نفوذ واثر پر نظر ڈالئے، کہ رسول ﷺ کی وفات کے وقت تقریباً پورے جزیرۃ العرب پر قران کی حکومت تھی، ایک طرف سرحد روم تک، اور دوسری طرف عراق تک، تیسری طرف عدن تک، پہونچ چکی تھی۔

اگراس سے بھی قطع نظر کر لی جائے کہ رسول اللہ ﷺ امی تھے، اس کو بھی نظر انداز کیا جائے کہ آپ ﷺ کی قوم ایک ایسی قوم تھی کہ جس نے کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کی تھی، اس کو بھی بھول جائیے کہ ساری دنیا آپ ﷺ کے خلاف تھی، اور مشرکین عرب، یہود ونصاریٰ، سب کے سب مل کر آپ ﷺ کو اور قرآن کو دنیا سے مٹانے پر تلے ہوئے تھے، بالکل سازگار فضا مان لیجئے تو بھی ایک نئے نظام، نئے قانون اور نئے اصول کی پہلے تو تدوین وترتیب، پھر اس کی تعلیم وتفہیم پھر اسکی عملی تنفیذ اوراس کے ذریعہ ایک پاکباز معاشرہ، اور ملک بھر میں امن وسکون پیدا کرنے کے لئے کتنی مدت، کتنا سرمایہ، کتنے آدمی درکار ہیں، اور کیا وہ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو حاصل تھا؟ آج کے نظاموں کو سامنے رکھ کر حساب لگائیے تو ایک اندھے کی بھی آنکھیں کھل جائیں گی، کہ یہ نفوذ واثر یہ روحانی تاثیر بجز خاص قدرت الٰہیہ کسی طرح ظاہر نہیں ہو سکتی۔

اعجاز قرآنی کے پورے وجوہ اوران کی تفصیلات کا بیان ایک نہایت طویل بحث ہے، علماء امت نے اس پر بیسیوں مستقل کتابیں ہر زمانہ میں مختلف زبانوں میں تصنیف فرمائی ہیں، سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں جاحظ نے نظم القرآن، کے نام سے مستقل کتاب لکھی، پھر چوتھی صدی کے اوائیل میں ابو عبداللہ واسطی نے بنام ''اعجاز القران'' ایک کتاب تصنیف کی، پھراسی صدی میں ابن عیسی ربانی نے ایک مختصر رسالہ بنام ''اعجاز القرآن'' لکھا، قاضی ابوبکر باقلانی نے پانچویں صدی کے اوائل میں ''اعجاز القرآن'' کے نام سے ایک مفصل ومبسوط کتاب لکھی، علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان اور خصائص کبری میں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں، قاضی عیاض نے شفاء میں، بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس مضمون کی تفصیل لکھی، اخری دور میں مصطفیٰ صادق رافعی مرحوم نے ''اعجاز القران'' کے نام سے، اور جناب سید رشید رضا مصری نے ''الوحی المحمدی'' کے نام سے مستقل، جامع اور مبسوط کتابیں لکھیں، اردو زبان میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک رسالہ بنام

''اعجاز القران'' تصنیف فرمایا۔ یہ بھی قران مجید کی خصوصیات میں سے ہے، کہ اس کے ایک ایک مسئلہ پر مکمل تفسیروں کے علاوہ مستقل رسائل وکتابیں اتنی لکھی گئی ہیں کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

عرض کرنا یہ ہے کہ یہ مضمون اپنی پوری تفصیل کے ساتھ تو اس جگہ بیان نہیں ہوسکتا لیکن، جتنا بیان ہو چکا ہے وہ بھی ایک منصف مزاج انسان کو اس پر مجبور کردینے کے لئے کافی ہے کہ قران مجید کو اللہ تعالی کا کلام اور رسول اللہ ﷺ کا عظیم الشان معجزہ تسلیم کرلے۔

بعض لوگوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ قران کے مقابلہ میں کتابیں اور مقالات لکھے گئے، مگر وہ محفوظ نہ رہے ہوں۔ لیکن اگر ذرا بھی انصاف سے کام لیا جائے تو اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ جب سے قرآن نازل ہوا، پوری دنیا میں قرآن کے ماننے والے کم اور منکرین زیادہ رھے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذرائع نشر واشاعت جتنے منکرین قران کو حاصل رہے ہیں قرآن کے ماننے والوں کو اکثر قرون میں اس کا کوئی قابل ذکر حصہ حاصل نہیں رہا، قران اتنا بلند بانگ دعوی اپنے مخالفین کے سامنے کرتا ہے، ان کو چیلنج دیتا ہے، غیرتیں دلاتا ہے، اور مخالفین اسلام اسکے مقابلہ میں جان، مال اور اولاد سب کچھ قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں، اگر انہوں نے قرآن کا چیلنج قبول کر کے کوئی چیز مقابلہ کے لئے پیش کی ہوتی، تو کیسے ممکن تھا کہ وہ ساری دنیا میں شائع نہ ہوتی، اور ہر زمانہ میں منکرین قران مسلمانوں کے مقابلہ میں اسکو پیش نہ کرتے، اور مسلمانوں کی طرف سے اس پر جرح وقدح میں سینکڑوں کتابیں نہ لکھی گئی ہوتیں۔

اسلام کے قرن اول میں صرف ایک واقعہ مسلیمہ کذاب کا پیش آیا، کہ اس نے کچھ چند بے حیائی کے الٹے سیدھے کلمات لکھ کر یہ کہا تھا کہ یہ وحی آسمانی قرآن کی مثل ہے، مگر دنیا جانتی ہے کہ ان کلمات کا کیا حشر ہوا، خود اس کی قوم نے ان کے منہ پر ماردیئے، وہ کلمات ایسے شرمناک، غیر مہذب تھے کہ کسی مہذب سوسائٹی میں ان کو بیان بھی نہیں کیا جاسکتا، اور بہرحال جیسے بھی تھے وہ آج تک کتابوں میں نقل ہوتے چلے آئے ہیں، اگر کسی اور شخص نے کوئی اچھا کلام قرآن کے مقابلہ میں پیش کیا ہوتا، تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دنیا کی تاریخ اس کو یکسر بھلا دیتی، اور منکرین قران اس کو ہر قیمت پر باقی رکھنے کی کوشش نہ کرتے۔

وہ لوگ جو قرآن کے مقابلہ میں ہر وقت سینہ سپر تھے قرآن کے اس چیلنج کے جواب میں انہوں نے طرح طرح کی باتیں کیں، جن کو قرآن میں نقل کر کے جواب دیا گیا، مگر اس کا ایک واقعہ نہیں کہ کوئی کلام مقابلہ پر پیش کر کے اس کے

قران کامثل ہونے کا دعوی کیا گیا ہو۔

ایک رومی غلام جولوہاری کا کام کیا کرتا تھا،اور کچھ تورات اور انجیل پڑھا ہوا تھا،کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ سے ملتا تھا،عرب کے کچھ جاہلوں نے تعصب اور عناد سے یہ مشہور کیا،کہ رسول پاک ﷺ کو یہ قرآنی مضامین اس نے سکھائے ہیں،قرآن نے ان کا یہ اعتراض نقل کر کے خود جواب دیا،کہ جس شخص کی طرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں وہ تو خود عجمی ہے، عربی زبان کی بلاغت کو کیا جانے،اور یہ قرآن عربی کی انتہائی بلیغ کتاب ہے،سورۂ نحل کی ایت (۱۰۳) میں دیکھئے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٠٣﴾

اورہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھا تا ہے مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اُس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے

کچھ لوگوں نے قران کی تحدّی کے جواب میں یہ کہا کہ:''لو نشاء لقلنا مثل هذا'' (انفال: ۳۱)اگر ہم چاہتے تو ہم بھی قرآن کے مثل کلام کہد یتے''۔لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ پھر چاہا کیوں نہیں؟ قرآن کے مقابلہ کے لئے سارا ایڑی چوٹی کا زور تو خرچ کیا، جان و مال کی قربانی دی،اگر تمہیں اس کا مثل کلام لکھنے یا کہنے کی قدرت تھی،تو قرآن کی اس تحدّی کے بعد تم نے اس کی مثل کلام بنا کر فتح کا سہرا اپنے سر کیوں نہیں لیا؟

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے اس دعوے کے بعد مخالفین نے کچھ شریفانہ سکوت نہیں کرلیا بلکہ جو کچھ ان کے منہ پر آیا،اس کے مقابلہ پر کہتے رہے،لیکن یہ پھر بھی کسی نے نہیں کہا کہ ہم میں سے فلاں آدمی نے قرآن جیسا فلاں کلام لکھا ہے،اس لئے قران کا یہ دعوی یکتائی (معاذ اللہ) غلط ہے۔بعض معاندین کو یہ سوجھی کہ رسول پاک ﷺ جو قبل از نبوت چندروز کے لئے ملک شام تشریف لے گئے،اور راستہ میں،بحیرا،راہب سے ملاقات ہوئی وہ تورات کا ماہر تھا،اس سے آپؐ نے علوم سیکھے،مگر کوئی ان سے پوچھے کہ ایک دن کی ایک ملاقات میں اس سے یہ ساری علوم ومعارف فصاحت و بلاغت کا اعجاز،اخلاقی تربیت ،نظام خانگی ،نظام مملکت کیسے سیکھ لئے۔آج کل کے بعض معترضین نے کہا کہ کسی کلام کی مثل نہ بنایا جانا اس کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ اللہ کا کلام یا معجزہ ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک اعلی درجہ کا ماہر بلاغت کوئی نثر یا نظم لکھے کہ دوسرا آدمی اس کی نظیر نہ لاسکیں۔

سعدی شیرازی کی گلستان،فیضی کی ''تفسیر بے نقط'' کو عام طور پر بے مثل و بے نظیر کتابیں کہا جاتا ہے،تو کیا وہ بھی معجزہ ہیں؟ لیکن اگر ذرا غور کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ سعدی اور فیضی کے پاس سامان تعلیم وتالیف کس قدر موجود تھا کتنے،

عرصہ تک انہوں نے تعلیم حاصل کی، برسوں مدرسہ میں پڑے رہے، راتوں جاگے، مدتوں محنتیں کیں، بڑے بڑے علماء کے سامنے زانوئے ادب طے کئے، سالہا سال کی محنتوں اور دماغ سوزیوں کے نتیجہ میں اگر بالفرض فیضی یا حریری یا متنبّی یا کوئی اور عربی زبان میں اور سعدی فارسی میں اور ملٹن انگریزی میں یا ہومر یونانی میں، یا کالی داس سنسکرت میں ایسے ہوئے ہیں کہ، ان کا کلام دوسروں کے کلام سے فائق ہو گیا، تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

معجزہ کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ اسباب متعارفہ کے توسط کے بغیر وجود میں آئے، کیا ان لوگوں کے لئے باقاعدہ تحصیل علوم، استادوں کے ساتھ طویل ملازمت وصحبت، وسیع مطالعہ، مدتوں کی مشاقی، ان کی علمی مہارت کے کھلے ہوئے اسباب نہیں ہیں؟ اگر ان کے کلام دوسروں سے ممتاز ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جس نے کبھی کتاب وقلم کو ہاتھ نہ لگایا ہو، کسی مدرسہ ومکتب میں قدم نہ رکھا ہو، وہ ایسی کتاب دنیا کے سامنے پیش کرے کہ ہزاروں سعدی اور لاکھوں فیضی اس پر قربان ہو جانے کو اپنا سرمایہ فخر سمجھیں، اور ان کو جو کچھ علم وحکمت حاصل ہوئی اس کو بھی آپؐ ہی کے فیض تعلیم کا اثر قرار دیں ۔اس کے علاوہ فیضی اور سعدی کے کلام کا مثل پیش کرنے کی کسی کو ضرورت بھی کیا تھی؟ کیا انہوں نے نبوت کا دعوی کیا تھا، اور اپنے کلام کے بے مثل وبینظیر ہونے کو اپنا معجزہ کہا تھا، اور دنیا کو اس کا چیلنج دیا تھا کہ ہمارے کلام کی کوئی مثال نہیں پیش کی جاسکتی؟ جس کے نتیجہ میں لوگ اس کا مقابلہ کرنے، اور مثال پیش کرنے کے لئے مجبور ہوتے۔

پھر قران کی صرف فصاحت وبلاغت اور نظم وترتیب ہی بے مثال نہیں، لوگوں کے دل ودماغ پر اس کی تاثیرات عجیبہ اس سے زیادہ بے مثال اور حیرت انگیز ہیں، جن کی وجہ سے قوموں کے مزاج بدل گئے، انسانی اخلاق میں ایک کایا پلٹ ہوگئی، عرب کے تندخو، گنوار، حلم واخلاق اور علم وحکمت کے استاد مانے گئے، ان حیرت انگیز انقلابی تاثیرات کا اقرار صرف مسلمان ہی نہیں موجودہ زمانے کے سینکڑوں غیر مسلموں نے بھی کیا ہے، یورپ کے مستشرقین کے مقالات اس بارے میں جمع کئے جائیں، تو ایک مستقل کتاب بن سکتا ہے۔اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام شہادت الاقوام علی صدق الاسلام تحریر فرمائی ہے اس جگہ چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں:

ڈاکٹر گستاولی بان نے اپنی کتاب ''تمدن عرب'' میں صفائی سے اس حیرت انگیزی کا اعتراف کیا، ان کے الفاظ کا ترجمہ اردو میں یہ ہے: اس پیغمبر اسلام، اس نبی امی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگذشت ہے، جس کی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہ آئی تھی، رام کیا، اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی

سلطنتوں کو زیروزبر کرڈالا، اوراس وقت بھی وہی نبی امی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان اللہ کو کلمہ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہیں۔

مسٹر ’’وڈول‘‘ جس نے قرآن کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا ہے لکھتا ہے کہ: جتنا بھی ہم اس کتاب (یعنی قران مجید) کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نامرغوبی، نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، فوراً ہمیں مسخر کر لیتی ہے، متحیر بنا دیتی ہے، اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے، اس کا طرز بیان باعتبار اس کے مضامین واغراض کے عفیف، عالیشان، اور تہدید امیز ہے، اور جا بجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں۔ غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پُر زور اثر دکھاتی رہے گی (شہادت الاقوام:۱۳)۔

مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک ذاغلول نے ۱۸۹۸ء میں مسٹر کونٹ ہنردی کی کتاب ’’الاسلام‘‘ کا ترجمہ عربی میں شائع کیا تھا، اصل کتاب فرنچ زبان میں تھی، اس میں مسٹر کونٹ نے قرآن کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر کئے ہیں۔ عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کے زبان سے کیونکر ادا ہوا، جو بالکل امی تھا، تمام مشرق نے اقرار کر لیا ہے، کہ نوع انسانی لفظاً و معنیٰ ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطابؓ کو مطمئن کر دیا۔ ان کو اللہ کا معترف ہونا پڑا، یہ وہی کلام ہے، کہ جب یحیٰؑ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالبؓ نے حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پڑھے، تو اس کی انکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ اور بشپ چلا اٹھا، کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا‘‘ (شہادت الاقوام:۱۴)۔

انسائکلو پیڈیا برٹانیکا، (جلد ۱۶ ص ۵۹۹) میں ہے: قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں: بہت سی آیات دینی واخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں، مظاہر قدرت، تاریخ، الہامات انبیاء کے ذریعہ اس میں اللہ کی عظمت، مہربانی اور صداقت کی یاددلائی گئی ہے۔ بالخصوص محمد ﷺ کے واسطہ سے اللہ کو واحد اور قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے۔ بت پرستی اور مخلوق پرستی کو بلالحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔

انگلستان کے نامور مؤرخ ڈاکٹر گبن اپنی مشہور تصنیف (سلطنت روما کا انحطاط وزوال: ۵/باب:۵۰) میں لکھتے ہیں: قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے، کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے،=

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
اور جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے (نعمت کے) باغ ہیں جن کے نیچے سے
تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا
نہریں بہہ رہی ہیں جب اُنہیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا
مِنْ قَبْلُ وَأُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَّلَهُمْ فِيْهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ
اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیئے جائیں گے اور وہاں ان کے لئے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے
﴿۲۵﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيٓ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا
بیشک اللہ تعالیٰ اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان فرمائے۔
الَّذِيْنَ آمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ
جو لوگ مومن ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ان کے رب کی طرف سے سچ ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں
مَاذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖ
کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہی کیا ہے؟ اس سے (اللہ تعالیٰ) بہت لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے
إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا
تو صرف نافرمانوں ہی کو جو اللہ کے اقرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز (یعنی رشتہ قرابت)
أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ
کے جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو قطع کئے ڈالتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں
﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
(کافرو!) تم اللہ تعالیٰ سے کیونکر منکر ہو سکتے ہیں جس حال میں کہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں جان بخشی پھر وہ تمہیں مارے گا

ثُمَّ يُحۡيِيكُمۡ ثُمَّ إِلَيۡهِ تُرۡجَعُونَ ﴿٢٨﴾

پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ [١٦]

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِی الۡأَرۡضِ جَمِيۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰٓی

وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کیں[١٧] پھر۔

= قانون اساسی ہے، اور صرف اصول مذہب ہی کے لئے نہیں، بلکہ احکام تعزیرات، کے لئے اور قوانین کے لئے بھی ہے ،جن پر نظام کا دار ومدار ہے، جن سے نوع انسانی کی زندگی وابستہ ہے، جن کو حیات انسانی کی ترتیب وتنسیق سے گہرا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ محمد ﷺ کی شریعت سب پر حاوی ہے۔ یہ شریعت ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے، کہ سارے جہاں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس جگہ مستشرقین یورپ کے اقوال واعترافات کا استیعاب نہیں کرسکتا کہ اس کی گنجائش نہیں۔ نمونہ کے طور پر چند اقوال نقل کئے گئے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ باعتبار فصاحت وبلاغت کے اور باعتبار اغراض ومقاصد کے اور باعتبار علوم ومعارف کے قران کے بینظیر وبے مثل ہونے کا اقرار صرف مسلمانوں نے نہیں، بلکہ ہر زمانے کے منصف مزاج غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔

قرآن نے ساری دنیا کو اپنی مثال لانے کا چیلنج دیا تھا، اور کوئی نہ لا سکا، آج بھی ہر مسلمان دنیا کے ماہرین علوم وسیاست کو چیلنج کر کے کہہ سکتا ہے، کہ پوری دنیا کی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا دکھلا دو، کہ ایک بڑے سے بڑا ماہر حکیم فیلسوف کھڑا ہو کر اور ساری دنیا کے عقائد ونظریات اور رسوم وعادات کے خلاف ایک نیا نظام پیش کرے، اور اس کی قوم بھی اتنی جاہل اور گنوار ہو، پھر وہ اتنے قلیل عرصہ میں اس کی تعلیم کو بھی عام کر دے، اور عقلی تنفیذ کو بھی اس حد پر پہنچا دے کہ اس کی نظیر آج کے مضبوط ومستحکم نظاموں میں ملنا ناممکن ہوں۔ دنیا کی پہلی تاریخ میں اگر اس کی کوئی نظیر نہیں تو آج تو بڑی روشنی، روشن خیالی، بڑی تیز رفتاری کا زمانہ ہے، آج کوئی کر کے دکھلا دے، اکیلا کوئی نہ کر سکے، تو اپنی قوم کو بلکہ دنیا کی ساری اقوام کو جمع کر کے اس کی مثال پیش کرے۔

[١٦] اس آیت میں دنیا کی زندگی اور موت کے بعد صرف ایک حیات کا ذکر ہے، جو قیامت کے روز ہونے والی ہے، قبر کی زندگی، جس کے ذریعہ قبر کا سوال وجواب، اور قبر میں ثواب وعذاب ہونا، قران کریم کی متعدد ایات اور حدیث کی متواتر روایات سے ثابت ہے، یہاں اس کا ذکر نہیں، وجہ یہ ہے کہ یہ برزخی زندگی اس طرح زندگی نہیں ہے جو انسان

کو دنیامیں حاصل ہے، یا اخرت میں پھر ہوگی، بلکہ ایک درمیانی صورت مثل خواب کی زندگی کے ہے، اس کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بھی کہا جاسکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی۔ اس لئے کوئی مستقل زندگی نہیں جس کا جداگانہ ذکر کیا جائے۔

[١٧] اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کو کسی نہ کسی حیثیت سے بلاواسطہ یا بالواسطہ فائدہ پہونچتا ہو، خواہ یہ فائدہ دنیا میں استعمال کرنے کا ہو، یا اخرت کے لئے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کا، بہت سی چیزوں کا فائدہ تو انسان محسوس کرتا ہے، اس کی دوا، یا، غذا یا استعمال میں براہ راست آتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ انسان کو ان سے فائدہ پہونچتا ہے، مگر اس کو خبر بھی نہیں ہوتی، یہاں تک کہ جو چیزیں انسان کے لئے مضر سمجھی جاتی ہیں جیسے زہریلی اشیاء، زہریلے جانور وغیرہ۔ غور کریں تو وہ کسی نہ کسی حیثیت سے انسان کے لئے نفع بخش بھی ہوتی ہیں، جو چیزیں انسان کے لئے ایک طرح سے حرام ہیں دوسری کسی طرح اور حیثیت سے ان کا نفع بھی انسان کو پہونچتا ہے۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

ابن عطاء نے اس آیت کے تحت فرمایا، کہ اللہ تعالی نے ساری کائنات کو تمہارے واسطے اس لئے پیدا فرمایا کہ ساری کائنات تمہاری ہو، اور تم اللہ تعالی کے لئے ہو، اس لئے عقل مند کا کام یہ ہے کہ جو چیز اسی کے لئے پیدا ہوتی ہے، وہ تو اس کو ملے گی، اس کی فکر میں لگ کر اس ذات سے غافل نہ ہو جس کے لئے یہ پیدا ہوا ہے۔ (بحر محیط)۔

اس ایت سے بعض علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ انسان کے لئے حلال ومباح ہوں، کیونکہ وہ اسی کے لئے پیدا کی گئی ہیں، بجز ان چیزوں کے کہ شریعت نے حرام قرار دیدیا، اس لئے جب تک کسی چیز کی حرمت قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو، اس کو حلال سمجھا جائے گا۔

اس کے بالمقابل بعض علماء نے یہ قرار دے دیا، کہ انسان کے فائدے کے لئے کسی چیز کے پیدا ہونے سے اس کا حلال ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لئے اصل اشیاء میں حرمت ہے، جب تک قرآن وسنت کی کسی دلیل سے جواز ثابت نہ ہو، ہر چیز حرام سمجھی جائے گی، بعض علماء نے توقف فرمایا۔

تفسیر بحر محیط میں ابن حیان نے فرمایا، کہ صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں اقوال مذکورہ میں سے کسی کے لئے حجت نہیں، کیونکہ ﴿خلق لکم﴾ میں حرف لام سببیت بتلانے کے لئے آیا ہے، کہ تمھارے سبب سے یہ چیزیں پیدا کی گئی ہیں، اس سے نہ انسان کے لئے اُن چیزوں کے حلال ہونے پر کوئی دلیل قائم ہوسکتی ہے، نہ حرام ہونے پر، بلکہ حلال وحرام کے احکام جداگانہ قرآن وسنت میں بیان ہوئے ہیں، انھیں کا اتباع لازم ہے، اس آیت میں زمین کی پیدائش پہلے =

إِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾

آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا اور وہ ہر چیز سے خبردار ہے ۔[١٨]

=اور اسمانوں کی پیدائش بعد میں ہونا بلفظ ''ثم'' بیان کیا گیا ہے، اور یہی صحیح ہے، اور (سورۃ والنازعات: ٣٠) میں جو یہ ارشاد ہے ''والارض بعد ذالک دحاھا''، یعنی زمین کو اسمانوں کے پیدا کرنے کے بعد بچھایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کی پیدائش اسمانوں کے بعد ہوئی ہو، بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ زمین کی درستی اور اس میں سے پیداوار نکالنے وغیرہ کے تفصیلی کام اسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوئے، اگر چہ اصل زمین کی تخلیق اسمانوں سے پہلے ہوچکی تھی ۔(بحرمحیط وغیرہ)۔ یا ''بعد'' بمعنی مع ہے، اس آیت سے اسمانوں کی تعداد سات ہونا ثابت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علم ھیئت والوں کا اسمانوں کی تعداد نو (٩) بتلانا غلط، بے دلیل اور محض خیالات پر مبنی ہے۔

[١٨] اس ایت کریمہ کی تفسیر میں اہل السنۃ کے دو قول منقول ہیں: ایک یہ کہ یہاں ''استوی الی السماء'' بمعنی ''ارتفع الی السماء'' ہے (مراد آسمان کی طرف چڑھنا اور بلند ہونا)۔ معروف مفسر ابن جریر نے اسی معنی کو راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ اپنی تفسیر میں ''استواء الی السماء'' کے معنی کے بارے میں علماء کا اختلاف نقل کر کے فرماتے ہیں: ﴿ثم استوی الی السماء فسواھن سبع سمٰوات﴾ کا معنی یہ ہے کہ، پھر وہ اسمان پر چڑھا اور بلند ہوا اور اپنی قدرت سے تدبیر فرمائی، اور انہیں سات کی تعداد میں پیدا فرمایا۔ اب یہاں ''استوی الی السماء'' کا معنی ظاہر یعنی ''ارتفاع الی السماء'' مراد لیا گیا اور ''ارتفاع الی السماء'' کی کیفیت کو اللہ تعالی کے سپرد کر دیا گیا (یعنی بفحوائے ایت کریمہ'' ثم استوی الی السماء'' اس کا اسمان کی طرف چڑھنا ثابت اور برحق ہے، لیکن چڑھنے کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، جسے اللہ تعالی کے سپرد کرنا ضروری ہے۔'' استوی الی السماء'' کا دوسرا معنی قصد تام ہے یعنی پھر اللہ تعالی نے آسمانوں کی طرف قصد فرمایا۔

امام ابن کثیرؒ نے سورۂ بقرہ اور امام بغویؒ نے سورۂ فصلت کی تفسیر میں اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں ''ثم استوی الی السماء''، کا معنی یہ ہے کہ پھر اس نے اسمانوں کی طرف قصد فرمایا، یہاں=

وَإِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلاَئِکَةِ إِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ

اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا

خَلِیْفَةً قَالُوْا أَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ

ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا تو اس میں ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کُشت وخون کرتا پھرے؟ اور ہم

نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ إِنِّی أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

تیری تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے[۱۹]

= ''استوی'' قصد کرنے اور متوجہ ہونے کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ''الیٰ'' کے ساتھ متعدی ہے۔ امام بغویؒ نے بھی '' ثم استوی الی السماء ''کامعنی ''عمدالی خلق السماء'' کیا ہے، یعنی اس نے آسمانوں کو خلق فرمانے کا قصد فرمایا۔ واضح ہو کہ یہاں ''استوا'' بمعنی ''قصد'' کی تفسیر کلام کو معنی ظاہر سے پھیرنا قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ فعل ''استوی'' حرف ''الیٰ'' سے ملا ہوا ہے، اور حرف ''الیٰ'' غایت اور انتہا پر دلالت کرتا ہے، جس کی وجہ سے یہ فعل ''استوی'' ایک ایسے معنی کی طرف منتقل ہوگیا جو حرف مقترن یعنی ''الیٰ'' کے بالکل مناسب ہے۔ اس کی ایک اور مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عینا یشرب بھاعباداللہ ۔ الدہر:٦۔ یعنی چشمہ، جس سے اللہ کے بندے سیراب ہونگے۔ اب ''یشرب'' کا اصل معنی پینا ہے لیکن یہاں سیراب ہونا مراد ہے یعنی ''یشرب'' بمعنی ''یروی'' کیونکہ فعل ''یشرب'' حرف ''باء'' کے ساتھ ملکر آیا ہے، لہٰذا بمعنی ''یروی'' کی طرف منتقل ہوگیا، جو ''باء'' کے مناسب ہے۔ ثابت ہوا کہ بعض اوقات فعل اپنے متعلقہ حرف کی وجہ سے اپنے اصل معنی سے معنی دیگر کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، تاکہ کلام میں حرف کے معنی کی مناسبت پیدا ہوجائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''استواء'' کا مذکورہ معنی متعلقہ حرف ''الیٰ'' کی مناسبت سے ہے لہٰذا یہ معنی ظاہر سے عدول قرار نہیں پائے گا۔

[۱۹] پچھلی آیتوں میں اللہ جل شانہ کی خاص وعام نعمتوں کا ذکر کرکے انسان کو ناشکری اور نافرمانی سے بچنے کی ہدایت کی گئی، اب ان دس آیتوں میں آدم علیہ السلام کا قصہ بھی اسی سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ نعمت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک

صوری یعنی محسوس، جیسے کھانا، پینا، روپیہ پیسہ، مکان جائداد، دوسری معنوی، جیسے عزت، آبرو، مسرت، علم، پچھلی آیات میں صوری اور ظاہری نعمتوں کا ذکر تھا، اور ان آیتوں میں معنوی نعمتوں کا ذکر ہے، کہ ہم نے تمھارے باپ آدم علیہ السلام کو دولت علم دی، اور مسجود ملائک بنانے کی عزت دی اور تم کو ان کی اولاد میں ہونے کا فخر عطاء کیا۔ خلاصہ مضمون آیت کا یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے جب تخلیق آدم اور دنیا میں اس کی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کیا، تو فرشتوں سے بظاہر ان کا امتحان لینے کی لئے اس ارادے کا ذکر فرمایا، جس میں اشارہ یہ تھا کہ اس معاملے میں اپنی رائے کا اظہار کریں، فرشتوں نے رائے یہ پیش کی کہ انسانوں میں تو ایسے لوگ بھی ہوں گے جو فساد اور خون ریزی کریں گے، اُن کو زمین کی خلافت اور انتظام سپرد کرنا سمجھ میں نہیں آتا، اس کام کے لئے تو فرشتے زیادہ انسب معلوم ہوتے ہیں، کہ نیکی ان کی فطرت ہے، برائی کا صدور ہی اُن سے ممکن نہیں، وہ مکمل اطاعت گذار ہیں، دنیا کے انتظامات بھی وہ درست کرسکیں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کی رائے کے غلط ہونے کا اظہار اول ایک حاکمانہ طرز سے کیا، کہ خلافت ارضی کی حقیقت اور اس کی ضروریات سے تم واقف نہیں، اس کو میں ہی مکمل طور پر جانتا ہوں۔

پھر دوسرا جواب حکیمانہ انداز سے آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر ترجیح، اور مقام علم میں آدمؑ کے تفوق کا ذکر کر کے دیا گیا، اور بتلایا گیا، کہ خلافت ارض کے لئے زمینی مخلوقات کے نام اور اُنکے خواص وآثار کا جاننا ضروری ہے اور فرشتوں کی استعداد اس کی متحمل نہیں۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے، کہ اللہ جل شانہ کا فرشتوں کی مجلس میں اس واقعہ کا اظہار کس حیثیت سے تھا؟ کیا ان سے مشورہ لینا مقصود تھا، یا محض ان کو اطلاع دینا پیش نظر تھا، یا فرشتوں کی زبان سے ان کی رائے کا اظہار کرانا اس کا منشأ تھا۔

سو یہ بات ظاہر ہے کہ مشورہ کی ضرورت تو یہاں پیش آتی ہے، جہاں مسئلہ کے سب پہلو کسی پر روشن نہ ہوں، اور اپنے علم وبصیرت پر مکمل اطمینان نہ ہو، اس لئے دوسرے عقلاء اور اہل دانش سے مشورہ کیا جاتا ہے، یا ایسی صورت میں جہاں حقوق دوسروں کے بھی مساوی ہوں۔ تو ان کی رائے لینے کے لئے مشورہ ہوتا ہے، جیسے دنیا کی عام کونسلوں میں رائج ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ یہاں دونوں صورتیں نہیں ہوسکتیں، اللہ تعالی خالق کائنات ہیں ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں، اور ظاہر وباطن ہر چیز ان کے علم وبصر کے سامنے برابر ہے، ان کو کیا ضرورت کہ کسی سے مشورہ لیں۔

اسی طرح یہاں یہ بھی نہیں کہ کوئی پارلیمانی حکومت ہے، جس میں تمام ارکان کے مساوی حقوق ہیں، اور سب سے مشورہ لینا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالی ہی سب کے خالق اور مالک ہیں، فرشتے ہوں یا جن وانس سب ان کی مخلوق

ومملوک ہیں، کسی کو حق نہیں کہ ان کے کسی فعل کے متعلق سوال بھی کر سکے کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ اور فلاں کام کیوں نہیں کیا؟" لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ﴿۲۳﴾ (انبیاء:) اللہ تعالی سے اس کے کسی فعل کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا، اور سب سے ان کے اعمال کا سوال کیا جائے گا۔

بات یہی ہے کہ درحقیقت یہاں مشورہ لینا مقصود نہیں، اور نہ اس کی ضرورت ہے، مگر صورت مشورہ کی بنائی گئی، جس میں مخلوق کو سنت مشورہ کی تعلیم کا فائدہ ہوسکتا ہے، جیسے رسول کریم ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کی ہدایت قرآن کریم میں فرمائی گئی جیسا کہ (ال عمران:۱۵۹) میں ہے، حالانکہ آپؐ تو صاحب وحی ہیں، تمام معاملات اوران کے تمام پہلو آپؐ کو بذریعہ وحی بتلائے جا سکتے تھے۔ مگر آپؐ کے ذریعہ مشورہ کی سنت جاری کرنے اور امت کو سکھانے کے لئے آپؐ کو بھی مشورہ کی تاکید فرمائی گئی۔ غرض فرشتوں کی مجلس میں اس واقعہ کے اظہار سے ایک فائدہ تو تعلیم مشورہ کا حاصل ہوا، (کمافی روح البیان)۔

دوسرا فائدہ خود الفاظ قرآنی کے اشارہ سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ انسان کی پیدائش سے پہلے فرشتے یہ سمجھے تھے کہ ہم سے زیادہ افضل واعلم کوئی مخلوق اللہ تعالی پیدا نہیں کریں گے۔ اور تفسیر ابن جریر میں عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے، کہ خلقت آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتے آپس میں کہتے تھے کہ: "**لن يخلق الله خلقا اكرم عليه منا و لا اعلم**"۔ یعنی اللہ تعالی کوئی مخلوق ہم سے افضل واعلم پیدا نہ فرماویں گے۔ اللہ تعالی جل شانہ کے علم میں تھا کہ ایک ایسی مخلوق بھی پیدا کرنا ہے جو تمام مخلوق سے زیادہ افضل اور اعلم ہوگی، اس لئے فرشتوں کی مجلس میں آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے اور زمین کے خلیفہ بنانے کا ذکر کیا گیا، کہ وہ اپنے خیال کا اظہار کریں۔

چنانچہ فرشتوں نے اپنے علم وبصیرت کے مطابق نیازمندی کے ساتھ رائے کا اظہار کیا کہ جس مخلوق کو آپ خلیفہ زمین بنا رہے ہیں، اس میں تو شر وفساد کا مادہ بھی ہے، وہ دوسروں کی اصلاح اور زمین میں امن امان کا انتظام کیسے کر سکتا ہے، جبکہ وہ خود خونریزی کا بھی مرتکب ہوگا...... اس کے بجائے آپ کے فرشتوں میں شر وفساد کا کوئی مادہ نہیں، وہ خطاؤں سے معصوم ہیں، اور ہر وقت آپ کی تسبیح وتقدیس اور عبادت واطاعت میں لگے ہوتے ہیں، وہ بظاہر اس خدمت کو اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں۔

غرض اس سے (معاذ اللہ) اللہ کے فعل پر اعتراض نہیں، کیونکہ فرشتے ایسے خیالات وحالات سے معصوم ہیں، بلکہ مقصد محض دریافت کرنا تھا، کہ ایک ایسی معصوم جماعت کے موجود ہوتے ہوئے دوسری غیر معصوم مخلوق پیدا کر کے یہ

کام اس کے حوالے کرنا، اور اس کو ترجیح دینا کس حکمت پر مبنی ہے؟۔ چنانچہ اس کے جواب میں پہلے تو حق تعالی نے اجمالی طور پر یہ فرمایا کہ: "**انی اعلم مالا تعلمون**": یعنی تم خلافت الٰہیہ کی حقیقت اور اس کے لوازم سے واقف نہیں، اس لئے یہ سمجھ رہے ہو کہ ایک معصوم مخلوق ہی اس کو انجام دے سکتی ہے، اسکی پوری حقیقت کو ہم ہی جانتے ہیں۔

اس کے بعد فرشتوں کو اس کا کچھ تفصیلی علم کرانے کے لئے ایک خاص واقعہ کا اظہار کیا گیا کہ تمام کائنات عالم کے نام اور ان کے خواص وآثار جن کے علم کی صلاحیت صرف آدم علیہ السلام ہی میں ودیعت کی گئی تھی، فرشتوں کی فطرت وجبلت اس کے مناسب نہ تھی، وہ سب آدم علیہ السلام کو سکھائے اور بتلائے گئے تھے، مثلاً دنیا کی نافع ومضر چیزیں، اور ان کے خواص وآثار، ہر جاندار اور ہر قوم کے مزاج وطبائع اور ان کے اثار، ان چیزوں کے معلوم کرنے کے لئے طبیعت ملکی متحمل نہیں، فرشتہ کیا جانے کہ بھوک کیا ہوتی ہے؟ پیاس کی تکلیف کیسی ہوتی ہے؟ نفسانی جذبات کا کیا اثر ہوتا ہے؟ کسی چیز سے نشہ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ سانپ اور بچھو کا زہر بدن پر کیا اثر کرتا ہے؟۔ غرض زمینی مخلوقات کے نام اور خواص وآثار کی دریافت فرشتوں کے مزاج اور مخصوص طبعیت سے بالکل علیحدہ چیز تھی، یہ علم صرف آدمؑ ہی کو سکھلایا جاسکتا تھا، انہیں کو سکھلایا گیا، پھر قرآن کی کسی تصریح یا اشارہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آدم علیہ السلام کو یہ تعلیم کسی تنہائی میں فرشتوں سے علیٰحدہ دی گئی، اس لئے ہوسکتا ہے کہ تعلیم سب کے لئے عام ہی ہو، مگر اس تعلیم سے فائدہ اٹھانا آدم علیہ السلام کی طبعیت میں تھا، وہ سیکھ گئے، فرشتوں کی فطرت میں نہ تھا، وہ نہ سیکھ سکے، اسی لئے یہاں تعلیم کو آدمؑ کی طرف منسوب کیا گیا، اگرچہ یہ تعلیم فی نفسہ عام تھی، آدمؑ اور ملائکہ دونوں کو شامل تھی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ظاہری تعلیم کی صورت ہی عمل میں نہ آئی ہو، بلکہ ادم علیہ السلام کی فطرت میں ان چیزوں کا علم ابتدائے افرینش سے ودیعت کر دیا گیا ہو، جیسے بچہ ابتداء ولادت میں ماں کا دودھ پینا جانتا ہے، بطخ کا بچہ تیرنا جانتا ہے، اس میں کسی ظاہری تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالی کی قدرت میں تو سب کچھ ہے، وہ فرشتون کا مزاج اور طبیعت بدل کر ان کو بھی یہ چیزیں سکھا سکتے تھے، تو ان کو کیوں نہ سکھایا گیا؟ مگر اس کا حاصل تو یہ ہوا، کہ فرشتوں کو ہی انسان کیوں نہ بنا دیا، کیونکہ اگر فرشتوں کی جبلت وفطرت کو بدلا جاتا تو پھر وہ فرشتے نہ رہتے، بلکہ انسان ہی ہوجاتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ زمینی مخلوقات کے اسماء اور ان کے خواص وآثار کا آدم علیہ السلام کو علم دیا گیا، جو فرشتوں کے بس کا نہیں تھا، اور پھر ان مخلوقات کو فرشتوں کے سامنے کر کے سوال کیا گیا، کہ اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ ہم سے زیادہ کوئی مخلوق اعلم وافضل پیدا نہیں ہوگی۔ یا یہ کہ زمین کی خلافت ونیابت کے لئے فرشتے بہ نسبت انسان کے زیادہ موزوں ہیں

توان چیزوں کے نام اورخواص بتلاؤ جن پرخلیفہ زمین کوحکومت کرنا ہے۔ یہاں سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوگیا کہ حاکم کے لئے ضروری ہے کہ اپنی محکوم رعایا کے مزاج وطبائع سے اوران کے خواص وآ ثار سے پورا واقف ہو۔اس کے بغیر وہ ان پرعدل وانصاف کے ساتھ حکمرانی نہیں کرسکتا۔جوشخص یہ نہیں جانتا کہ بھوک سے کیسی اورکتنی تکلیف ہوتی ہے؟ اگراس کی عدالت میں کوئی دعوی کسی کوبھوکا رکھنے کے متعلق پیش ہوتو وہ اس کا فیصلہ کیا اورکس طرح کرے گا؟

غرض اسی واقعہ سے حق تعالی شانہ نے فرشتوں کو یہ بتلادیا کہ زمین کی نیابت کے لئے معصوم ہونے کو دیکھنا نہیں، بلکہ اس کو دیکھنا ہے کہ وہ زمین کی چیزوں سے پورا واقف ہو،ان کے استعمال کے طریقوں اوران کے ثمرات کو جانتا ہو، اگرتمہارا یہ خیال صحیح ہے کہ فرشتے اس خدمت کے لئے زیادہ موزوں ہیں،توان چیزوں کے نام اورخواص بتلاؤ؟

فرشتوں کا اظہارِرائے چونکہ کسی اعتراض یافخر وغرور یااپنا استحقاق جتلانے کے لئے نہیں بلکہ محض اپنے خیال کا اظہار،ایک نیازمند خادم کی طرح اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے تھا،اس لئے فوراًبول اٹھے:قَالُوا سُبحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّکَ أَنتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ﴿۳۲﴾ پاک ہیں آپ،ہم کوعلم نہیں،مگروہی جوآپ نے عطا فرمایا،بیشک آپ بڑے علم وحکمت والے ہیں۔

دوسرا سوال اس جگہ یہ ہے،کہ فرشتوں کواس کی کیسے خبر ہوئی کہ انسان خونریزی کرے گا،کیاانہیں علم غیب تھا،یامحض اٹکل اورتخمینہ سےانہوں نے یہ سمجھا تھا؟اس کا جواب جمہور محققین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہی ان کوانسان کے حالت اوراس کے ہونے والے معاملات بتلادیئے تھے،جیسا کہ بعض آثارمیں ہے کہ جب اللہ تعالی نے فرشتوں سے آدم علیہ السلام کوخلیفہ زمین بنانے کا ذکر فرمایا،توفرشتوں نے اللہ تعالی ہی سے اس خلیفہ کا حال دریافت کیا،اللہ سبحانہ وتعالی ہی نے ان کوبتلایا(روح المعانی)اس سے فرشتوں کوتعجب ہوا کہ جب انسان کا حال یہ ہے کہ وہ فساد وخون ریزی بھی کرے گا،تواس کونیابت زمین کے لئے منتخب فرمانا کس حکمت پرمبنی ہے؟اس کا ایک جواب توحق تعالی کی طرف سے آدم علیہ السلام کے علمی تفوق کا اظہار فرما کردیا گیا،اورفساد وخوں ریزی سے جوشبہ اس کے استحقاق نیابت پرکیا گیا تھا؟اس کا جواب(**انی اعلم مالاتعلمون**) میں اجمالا دے دیا گیا،جس میں اشارہ ہے کہ جس چیز کوتم خلافت ونیابت کے منافی سمجھ رہے ہو درحقیقت وہ ہی اس کی اہلیت کا بڑا سبب ہے،کیونکہ نیابت زمین کی ضرورت ہی رفع فساد کے لئے ہے،جہاں فساد نہ ہو وہاں خلیفہ اورنائب بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں،غرض یہ بتلادیا گیا کہ منشائے الٰہی یہ ہے کہ جس طرح اس نے ایک ایسی مقدس معصوم مخلوق فرشتے پیدا کردئے جس سے کسی گناہ،خطاء کا صدورہو ہی نہیں سکتا،اورجس طرح اس نے شیاطین پیدا کردئے جن میں نیکی وبھلائی کی صلاحیت نہیں،اسی طرح ایک ایسی مخلوق بھی پیدا کرنا منشائے الٰہی ہے،جس میں

خیر وشر، نیکی اور بدی کا مخلوط مجموعہ ہو، اور جس میں خیر وشر کے دونوں جذبات ہوں، اور جو جذبات شر کو مغلوب کر کے خیر کے میدان میں آگے بڑھے، اور رضائے الٰہی کا خلعت حاصل کرے۔

اس قصہ آدمؑ اور تعلیم اسماء کے واقعہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ زبان اور لغت کے اصل واضع خود اللہ تعالیٰ ہیں، پھر اس میں مخلوق کے استعمالات سے مختلف صورتیں اور مختلف زبانیں پیدا ہو گئیں، امام اشعری نے اسی آیت سے استدلال کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو واضع لغت قرار دیا ہے۔

اس واقعہ میں قرآن حکیم کے یہ بلیغ الفاظ بھی قابل نظر ہیں کہ جب فرشتوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتلاؤ لفظ "انبؤنی" ارشاد فرمایا کہ مجھے بتلاؤ، اور جب آدم علیہ السلام کو اسی چیز کا خطاب ہوا تو لفظ "انبئھم" فرمایا گیا، یعنی آدمؑ کو حکم ہوا کہ فرشتوں کو یہ اسماء بتلائیں، اس طرز بیان کے فرق سے واضح ہو گیا کہ آدم علیہ السلام کو معلم کا درجہ دیا گیا، اور فرشتوں کو طالب علم کا، جس میں آدم علیہ السلام کی فضیلت وتفوق کا ایک اہم صورت سے اظہار کیا گیا ہے، اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں کے علوم میں بھی کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے، کیونکہ جس چیز کا ان کو علم نہیں تھا، آدم علیہ السلام کے ذریعہ ان کو بھی ان چیزوں کا اجمالی طور پر کسی نہ کسی درجہ میں علم دیدیا گیا۔

زمین کا انتظام اور اس میں اللہ کا قانون نافذ کرنے کے لئے اس کی طرف سے کسی خلیفہ کا مقرر ہونا، جو ان آیات سے معلوم ہوا، اس سے دستور مملکت کا اہم باب نکل آیا، کہ اقتدار اعلیٰ تمام کائنات اور پوری زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں: ان الحکم الاللہ، (یوسف: ۴۰، ۶۷) اور لہ ملک السمٰوات و الارض (بقرہ: ۱۰۷) اور الالہ الخلق و الامر (اعراف: ۵۴)، وغیرہ، زمین کے انتظام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ آتے ہیں، جو باذن اللہ، زمین پر سیاست وحکومت اور بندگان اللہ تعالیٰ کی تعلیم وتربیت کا کام کرتے، اور احکام الٰہیہ کا نفاذ کرتے ہیں، اس خلیفہ ونائب کا تقرر بلاواسطہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس میں کسی کے کسب وعمل کا کوئی دخل نہیں، اسی لئے پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے، کہ نبوت کسبی چیز نہیں، جس کو کوئی اپنی سعی وعمل سے حاصل کر سکے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی خود اپنے علم وحکمت کے تقاضے سے خاص خاص افراد کو اس کام کے لئے چن لیتے ہیں، قرآن حکیم نے جگہ جگہ اس کا اظہار فرمایا ہے ارشاد ہے: اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلاومن الناس ان اللہ سمیع بصیر (حج: ۷۵)۔ اللہ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے اپنے رسول کو اور انسانوں میں سے، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ "(انعام: ۱۲۴) اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں، کہ اپنی رسالت کس

کوعطافرمادیں۔

یہ خلیفہ من اللہ بلا واسطہ حق تعالی سے اس کے احکام معلوم کرتے اور پھر ان کو دنیا میں نافذ کرتے ہیں، یہ سلسلہ خلافت کا آدم علیہ السلام سے شروع ہوکر خاتم الانبیاء ﷺ تک ایک ہی انداز میں چلتا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اس زمین پر اللہ تعالی کے اخری خلیفہ ہوکر بہت ہی اہم خصوصیات کے ساتھ تشریف لائے۔ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپؐ سے قبل انبیاء خاص خاص قوموں یا ملکوں کی طرف مبعوث ہوتے تھے، ان کا حلقہ حکومت و اختیار انہی قوموںؑ اور ملکوں میں محدود ہوتا تھا۔ابراہیم علیہ السلام ایک قوم کی طرف، اور لوطؑ دوسری قوم کی طرف مبعوث ہوئے ،موسی وعیسی علیہما السلام اور ان کے درمیان آنے والے انبیاء بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے۔

رسول پاک ﷺ کو پورے عالم اور اس کی دونوں قوم، جنات وانسان کی طرف بھیجا گیا، آپؐ کا اختیار واقتدار پوری دنیا کی دونوں قوموں پر حاوی فرمایا گیا،قران کریم نے آپؐ کی بعثت ونبوت کے عام ہونے کا اعلان اس آیت میں فرمایا: **قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السمٰوات والارض** (اعراف:۱۵۸)۔آپؐ کہہ دیجئے کہ:اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف، اللہ وہ ذات ہے جس کے قبضہ میں ہے ملک آسمانوں اور زمین کا۔

اور صحیح مسلم:۵۲۳،۵۲۱، میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں میں خاص فضیلت بخشی گئی ہے ان میں سے **ایک یہ ھے** کہ مجھ کو تمام عالم کا نبی ورسول بنا کر بھیجا گیا۔

دوسری خصوصیت : خاتم الانبیاء ﷺ کی یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کی خلافت ونیابت جس طرح خاص خاص ملکوں اور قوموں میں محدود ہوتی تھی،اسی طرح ایک خاص زمانے کے لئے مخصوص ہوتی تھی،اس کے بعد دوسرا رسول آجاتا،تو پہلی رسول کی خلافت ختم ہوکر آنے والے رسول کی خلافت قائم ہوجاتی تھی۔ہمارے رسول ﷺ کو اللہ تعالی نے خاتم الانبیاء بنادیا، کہ آپؐ کی خلافت قیامت تک قائم رہے گی،اس کا زمانہ بھی کوئی مخصوص زمانہ نہیں، بلکہ جب تک زمین وآسمان قائم اور زمانہ کا وجود ہے وہ بھی قائم ہے۔

تیسری خصوصیت: یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات وشریعت ایک زمانہ تک محفوظ رہتی اور چلتی تھی۔رفتہ رفتہ اس میں تحریفات ہوتے ہوئے وہ کالعدم ہوجاتی تھیں،اس وقت کوئی دوسرا رسول اور دوسری شریعت بھیجی جاتی تھی۔ہمارے رسول ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپؐ کا دین آپؐ کی شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی،قران مجید جو رسول پاک ﷺ پر نازل ہوا اس کے تو الفاظ اور معانی سب چیزوں کی حفاظت اللہ تعالی نے خود اپنے ذمہ لے لی،اور ارشاد فرمایا: **انا نحن نزلنا الذکر وانالہ**

لحافظون(حجر: ۹) ۔ہم نے ہی قران نازل فرمایا،اور ہم اس کے محافظ ہیں۔اسی طرح رسول پاک ﷺ کی تعلیمات وارشادات جن کوحدیث کہاجاتا ہے،اس کی حفاظت کا بھی اللہ تعالی نے ایک خاص انتظام فرمادیا،کہ قیامت تک آپ ؐ کی تعلیمات اورارشادات کوجان سے زیادہ عزیز سمجھنے والی ایک جماعت باقی رہے گی،جوآپ ؐ کے علوم ومعارف اورآپ ؐ کے شرعی احکام صحیح صحیح لوگوں کوپہونچاتی رہے گی،کوئی اس جماعت کونہ مٹاسکے گا،اللہ تعالی کی تائید غیبی ان کے ساتھ رہے گی۔خلاصہ یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اور صحیفیں سب مسخ ومحرّف ہوجاتے،اور بالاخر دنیا سے گم ہوجاتے،یاغلط سلط باقی رہتے تھے،رسول پاک ﷺ کی لائی ہوئی کتاب قران اورآپ ؐ کی بتلائی ہدایات،حدیث سب کی سب اپنے اصلی خدوخال کے ساتھ قیامت تک موجودومحفوظ رہیں گی،اسی لئے اس زمین پرآپ ؐ کے بعد نہ کسی نئے نبی اوررسول کی ضرورت ہے،نہ کسی اورخلیفۃ اللہ کی گنجائش۔

چوتھی خصوصیت: رسول پاک ﷺ کی یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی خلافت جومحدودزمانہ کے لئے ہوتی تھی،ہرنبی ورسول کے بعددوسرارسول منجانب اللہ مقررہوتا،اورخلافت کا کام سنبھالتا تھا۔خاتم الانبیاء ﷺ کازمانہ خلافت تاقیامت ہے،اس لئے قیامت تک آپ ؐ ہی اس زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں،آپ ؐ کی وفات کے بعدنظام عالم کے لئے جونائب ہوگا،وہ خلیفۃ الرسول اورآپکانائب ہوگا۔صحیح بخاری رقم:۳۴۵۵،ومسلم:۱۸۴۲،کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلماهلك نبى خلفه نبى وانه لانبى بعدى وسيكون خلفاء فيكثرون** ۔بنی اسرائیل کی سیاست وحکومت ان کے انبیاء کرتے تھے،ایک نبی فوت ہوتا،تو دوسرانبی آجاتا تھا،اورخبردار ہو،کہ میرے بعدکوئی نبی نہیں،ہاں میرے خلیفہ ہوں گے اور بہت ہوں گے۔

پانچویں خصوصیت: رسول پاک ﷺ کی یہ ہے کہ آپ ؐ کے بعدآپ ؐ کی امت کے اجماع کواللہ تعالی نے وہ مقام عطافرمایا،جوانبیاء علیہم السلام کاہوتا ہے،یعنی امت کے اجماع کومعصوم قراردیدیا،کہ آپ ؐ کی پوری امت کبھی گمراہی اورغلطی پرجمع نہ ہوگی،یہ پوری امت جس مسئلہ پراجماع اوراتفاق کرے وہ حکم الٰہی کامظہر سمجھا جائے گا،اسی لئے کتاب اللہ اورسنت رسول ﷺ کے بعداسلام میں تیسری حجت اجماع امت قراردی گئی ہے رسول اللہ ﷺ کاارشاد ہے: **لا تجتمع هذه الامة على الضلالة** (ترمذی:۲۱۶۷)۔ میری امت کبھی گمراہی پرمجتمع نہ ہوگی۔اس کی مزید تفصیل اس حدیث سے معلوم ہوجاتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے: **لاتزال طائفة من امتى على الحق منصورين لايضرهم من خالفهم حتى يأتى امر الله.** (ابن ماجه:رقم:۱۰ وبخاری کتاب الاعتصام:ومسلم کتاب الامارة، والترمذی رقم:۲۲۲۹)۔ یعنی کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پرقائم رہے گی،دنیا کتنی ہی بدل جائے حق کتناہی مضمحل ہوجائے مگرایک جماعت حق کی حمایت

ہمیشہ کرتی رہے گی، اورانجام کارو ہی غالب رہے گی۔اس سے بھی واضح ہوگیا کہ پوری امت کبھی گمرہی اور غلطی پر جمع نہ ہوگی ،اور جب کہ امت کا مجموعہ معصوم قرار دیا گیا تو خلیفہ رسول کا انتخاب بھی اسی کے سپرد کردیا گیااور خاتم الانبیاﷺ کے بعد نیابت زمین اور نظم ونسق حکومت کے لئے انتخاب کا طریقہ مشروع ہوگیا، یہ امت جسے خلافت کے لئے منتخب کردے، وہ خلیفہ رسول کی حیثیت سے نظام عالم کا واحد ذمہ دار ہوگا اور خلیفہ سارے عالم کا ایک ہی ہوسکتا ہے۔خلفائے راشدین کے اخری عہد تک یہ سلسلہ خلافت صحیح اصول پر چلتا رہا،اوراسی لئے ان کے فیصلے صرف دینی اور ہنگامی فیصلوں کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ ایک محکم دستاویز اورایک درجہ میں امت کے لئے حجت مانے جاتے ہیں، کیونکہ خودرسول پاکﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ، الحدیث(ابن ماجه: ۴۲،ابوداود رقم: ۴۶۰۷،ترمذی: ۲۶۷۶) ۔میری سنت کولازم پکڑو،اورسنت خلفاء راشدین کو۔خلفاء راشدہ اورصحابہ وتابعین کے بعد کچھ طوائف الملو کی کا اغاز ہوا مختلف خطوں میں مختلف امیر بنائے گئے ،ان میں سے کوئی بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں، ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جاسکتا ہے، اور جب پوری دنیا کے مسلمانوں کا اجتماع کسی ایک فرد پر متعذر ہوگیا، اور ہر ملک ، ہرقوم کا علیحدہ امیر بنانے کی رسم چل گئی،تو مسلمانوں نے اس کا تقرر اسی اسلامی نظریہ کے تحت جاری رکھا، کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جس کو امیر منتخب کرے وہ ہی اسی ملک کا امیر اوراولوالامر کہلائے،قران مجید کے ارشاد: وامرهم شوری بینهم (شوری: ۳۸) کے عموم سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔اسمبلیاں اسی طرز عمل کا ایک نمونہ ہیں،فرق اتنا ہے کہ جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اوران کے ممبران بالکل آزاد اور خودمختار ہیں، محض اپنی رائے سے جو چاہیں، اچھا یا برا قانون بنا سکتے ہیں، اسلامی اسمبلی اوراس کے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اس اصول وقانون کے پابند ہیں، جو اللہ تعالی کی طرف سے اس کے رسولﷺ کے ذریعہ ان کو ملا ہے، اس اسمبلی یا مجلس شوری کی ممبری کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں، اور جس شخص کو یہ منتخب کریں، اس کے لئے بھی کچھ حدود وقیود ہیں، پھر ان کی قانون سازی بھی قران وسنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہوسکتی ہے، اس کے خلاف کوئی قانون بنانے کا ان کو اختیار نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے فرشتوں کو مخاطب کرکے جوارشادفرمایا کہ میں زمین میں اپنی طرف سے خلیفہ بنانے والا ہوں، اس سے دستور مملکت کی چند اہم دفعات پر روشنی پڑتی ہے: اول یہ کہ آسمان اور زمین میں اقتدار اعلی اللہ تعالی کا ہے، دوسرے یہ کہ زمین میں اللہ تعالی کے احکام کی تنفیذ کے لئے اس کا خلیفہ اس کا رسول ہوتا ہے، اور ضمنی طور پر یہ بھی واضح ہوگیا کہ خلافت الہیہ کا سلسلہ جب رسولﷺ پر ختم ہوگیا، تو اب خلافت رسول کا سلسلہ اس کے قائم مقام ہوا، اوراس خلیفہ کا تقرر ملت کے انتخاب سے قرار پایا۔مزید تفصیل کے لئے تفسیر قرطبی ملاحظہ کریں۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُوْنِي
اوراس نے آدم کوسب چیزوں کے نام سکھائے پھران کوفرشتوں کے سامنے کیااور فرمایا کہ اگرتم سچے ہوتو مجھے ان (چیزوں)

بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا
کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں

عَلَّمْتَنَآ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓآدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ
بیشک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (تب) اللہ تعالیٰ نے (آدم علیہ السلام کو) حکم دیا کہ اے آدم! تم ان (فرشتوں) کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ

فَلَمَّآ أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّيْٓ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ
جب انہوں نے ان (چیزوں) کے نام بتائے تو (اللہ نے فرشتوں سے) کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اورزمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جوتم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھے معلوم ہے۔اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ ؕ أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ
کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ [۲۰]
اورغرور میں آ کر کافر بن گیا۔

---

[۲۰] ربط ایات: پچھلے واقعہ میں جب آدم علیہ السلام کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر ہو چکی، اور دلائل سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ صلاحیت خلافت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے، وہ آدم علیہ السلام میں سب مجتمع ہیں، اور ملائکہ کو ان میں سے بعض علوم حاصل ہیں، اور جنات کو تو بہت ہی کم حصہ ان علوم کا حاصل ہے، اور اس حیثیت خاص سے کہ ملائکہ وجن ہر دو گروہ کے علوم کے یہ جامع ہیں، اس کا شرف ہر دو گروہ پر ظاہر ہو گیا، اب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس مقدمہ کو معاملہ سے بھی

ظاہر فرمادیں، اور ملائکہ اور جنوں سے ان کی کوئی خاص تعظیم کرائی جائے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ ان دونوں سے کامل اور مصداق ۔

آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری،

کے ہیں۔ اور آدم علیہ السلام ان علوم خاصہ میں ملائکہ اور جن ہر دو گروہ سے کامل اور دونوں کے علوم وقویٰ کو جامع ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان غیر کاملوں سے اس کامل کی کوئی ایسی تعظیم کرائی جائے کہ عملاً بھی یہ امر ظاہر ہو جاوے، کہ یہ ان دونوں سے کامل اور جامع ہیں، جب تو یہ دونوں ان کی تعظیم کر رہے ہیں، اور گویا زبان حال کہہ رہے ہیں، کہ جو اوصاف ہم میں الگ الگ ہیں، وہ ان کے اندر یکجا ہیں، اس لئے جو عمل تعظیمی تجویز فرمایا گیا ہے، اس کی حکایت ذکر فرماتے ہیں کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں، سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدے سے انکار کیا، اور غرور میں آ گیا۔ اور یہ واقعہ قران کریم میں سات مرتبہ ذکر کیا گیا ہے: (۱) یہاں: (۲) سورۃ اعراف: ایت نمبر ۱۱، سے : (۳) سورۃ حجر: ۲۸، سے (۴) سورۃ بنی اسرائیل : ۶۱، سے۔ (۵) سورۃ کہف: ۵۰ ، سے (۶) سورۃ طٰہٰ: ۱۱۵، سے ۔ (۷) سورۃ صٓ : ۷۱، سے۔ جبکہ ہم یہاں تفصیل کرتے ہیں اور باقی جگہوں میں اس تفصیل پر اکتفاء کریں گے۔

اس آیت میں جو بات صراحتاً مذکور ہے، وہ تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا۔ مگر آگے جب استثناء کر کے یہ بتلا دیا گیا، کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا، تو اس سے ثابت ہوا کہ سجدہ آدم کا حکم اس وقت کی تمام موجودین کے لئے تھا، جیسا کہ سورۂ اعراف: ۱۲، میں ہے، جن میں فرشتے اور ابلیس سب داخل ہیں، مگر حکم میں صرف فرشتوں کے ذکر پر اس لئے اکتفاء کیا گیا کہ وہ سب سے افضل اور اشرف تھے۔

اس ایت میں فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، اور سورۃ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا مصر پہنچنے کے بعد یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا مذکور ہے، ”وخروا لہ سجدا“ (یوسف: ۱۰۰)۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سجدہ عبادت کے لئے نہیں ہو سکتا، کیونکہ غیر اللہ کی عبادت شرک وکفر ہے اور سجدہ عبادت ہے، جس میں یہ احتمال ہی نہیں کہ کسی وقت کسی شریعت میں جائز ہو سکے، اس کے سوا کوئی احتمال نہیں کہ قدیم انبیاء کے زمانے میں سجدے کا بھی وہی درجہ ہوگا جو ہمارے زمانے میں سلام، مصافحہ، معانقہ اور دست بوسی یا تعظیم کے لئے کھڑے ہو جانے کا ہے۔

جصاصؒ نے احکام القران میں یہی فرمایا ہے، کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تحیہ کے لئے سجدہ

مباح تھا،شریعت محمدیہ میں منسوخ ہوگیا،اور بڑوں کی تعظیم کے لئے صرف سلام،مصافحہ کی اجازت دی گئی،رکوع۔سجدہ اور بہ ہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو ناجائز قرار دیدیا گیا۔توضیح اس کی یہ ہے کہ اصل کفروشرک اور غیراللہ کی عبادت تو اصول ایمان کے خلاف ہے، وہ کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں ہوسکتے،لیکن کچھ افعال واعمال ایسے ہیں جو اپنی ذات میں شرک وکفر نہیں،مگر لوگوں کی جہالت اور غفلت سے وہ افعال ذریعہ شرک وکفر کا بن سکتے ہیں،ایسے افعال کو انبیاء سابقین کی شریعتوں میں مطلقاً منع نہیں کیا گیا، بلکہ ان کو ذریعہ شرک بنانے سے روکا گیا،جیسے جانداروں کی تصویر بنانا،اور استعمال کرنا،اپنی ذات میں کفروشرک نہیں،اس لئے پچھلی شریعتوں میں جائز تھا۔

اسی طرح سجدہ تعظیمی پچھلی شریعتوں میں جائز تھا،لیکن آخر کار لوگوں کی جہالت سے یہی چیزیں شرک وبت پرستی کا ذریعہ بن گئیں،اوراسی راہ سے انبیاء علیہم السلام کے دین وشریعت میں تحریف ہوگئی،اور پھر دوسرے انبیاء اور دوسری شریعتوں نے آکر اس کو مٹایا،شریعت محمدیہ چونکہ دائمی اورابدی شریعت ہے، رسول کریم ﷺ پر نبوت ورسالت ختم اورآپ ﷺ کی شریعت اخری شریعت ہے،اس لئے اس کو مسخ وتحریف سے بچانے کے لئے ہر ایسے سوراخ کو بند کردیا گیا، جہاں سے شرک وبت پرستی آسکتی تھی۔

تصویر سازی اوراس کے استعمال کو اس وجہ سے حرام کیا گیا،سجدہ تعظیمی اس وجہ سے حرام ہوا،ایسے اوقات میں نماز پڑھنے کو حرام کردیا گیا ہے،جن میں مشرکین اور کفار اپنے معبودوں کی عبادت کیا کرتے تھے،کہ یہ ظاہری مطابقت کسی وقت شرک کا ذریعہ نہ بن جائے۔صحیح مسلم:رقم:۲۲۴۹،میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:**قال رسول اللہ ﷺ لایقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عبیداللہ،وکل نسائکم اماء اللہ............ ولایقل العبدلسیدہ ،ربی،ولکن لیقل سیدی .**

یعنی آقاؤں کو یہ حکم دیا کہ اپنے غلام کو عبد یعنی اپنا بندہ کہہ کر نہ پکاریں،اور غلاموں کو یہ حکم دیا کہ وہ آقاؤں کو اپنا رب نہ کہیں حالانکہ لفظی معنی کے اعتبار سے بندہ کے معنی غلام کے اور رب کے معنی پالنے والے اور تربیت کرنے والے کے ہیں، ایسے الفاظ کا استعمال ممنوع نہ ہونا چاہئے تھا،مگر محض اس لئے کہ یہ الفاظ موہم شرک ہیں،کسی وقت جہالت سے یہی الفاظ اقاؤں کی پرستش کا دروازہ نہ کھولدیں،اس لئے ان الفاظ کے استعمال کو روک دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ اور یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ جو قرآن میں مذکور ہے یہ سجدہ تعظیمی تھا،جو ان کی شریعت میں سلام،مصافحہ،اور دست بوسی کا درجہ رکھتا تھا،اور جائز تھا،

شریعت محمدیہ کو کفر وشرک کے شائبہ سے بھی پاک رکھنا تھا، اس لئے اس شریعت میں اللہ تعالی کے سوا کسی کو بقصد تعظیم بھی سجدہ یا رکوع کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ نماز جو اصل عبادت ہے، اس میں چار طرح کے افعال ہیں، کھڑا ہونا، بیٹھنا، رکوع، سجدہ ان میں سے پہلے دو۔ یعنی کھڑا ہونا اور بیٹھنا تو ایسے کام ہیں، جو عادۃً بھی انسان اپنی ضرورتوں کے لئے کرتا ہے، اور عبادۃً بھی نماز میں کئے جاتے ہیں، مگر رکوع اور سجدہ ایسے فعل ہیں، جو انسان عادۃً نہیں کرتا، وہ عبادت ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس لئے ان دونوں کو شریعت محمدیہ میں عبادت ہی کا حکم دے کر غیر اللہ کے لئے ممنوع کر دیا۔

اب یہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ سجدہ تعظیمی کا جواز تو قرآن کی مذکورہ آیات سے ثابت ہے۔ شریعت محمدیہ میں اس کا منسوخ ہونا کس دلیل سے ثابت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث متواترہ مشہورہ سے سجدہ تعظیمی کا حرام ہونا ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی کو جائز قرار دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کیا کریں مگر اس شریعت میں سجدہ تعظیمی مطلقا حرام ہے، اس لئے کسی کو کسی کے لئے جائز نہیں۔

یہ حدیث بیس (۲۰) صحابہ کرام کی روایت سے ثابت ہے، اصول حدیث کی معروف کتاب تدریب الراوی میں ہے کہ جس روایت کو دس صحابہ کرام نقل فرمادیں، تو وہ حدیث متواتر ہو جاتی ہے، جو قران کی طرح قطعی ہے، یہاں تو بیس صحابہ کرام سے مروی ہے۔ بحوالہ بیان القران :از اشرف علی تھانویؒ۔ اس مسئلہ کی اہتمام کی وجہ سے ہم بیان القرآن (۱/۲۲) کا تفصیل ناظرین کو پیش کرتے ہیں: الفقہ: سجدة التحية كان مشروعا فی شرع من قبلنا، ونسخ فی شرعنا، و الناسخ مارواه الترمذی عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: لو كنت امرا احدا ان يسجد لأحد لأمرت المرأة ان تسجد لزوجها. وفی العزيزی قال الشيخ حديث صحيح الخ، وقال الترمذی وفی الباب عن معاذ بن جبل ،وسراقه بن مالک ،وصهيب، و عقبه بن مالک بن جعشم ،وعائشة ،وابن عباس ،وعبدالله بن ابی اوفی ،وطلق بن علی ،وام سلمة ،وانس ،وابن عمر رضی الله عنهم .

وفی نيل الاوطار وقد روی حديث ابی هريرة المذكور .البزار باسناد فيه سليمان بن داود اليمانی وهو ضعيف، واخرج قصة معاذ المذكورة فی الباب (واللتی عزاها الماتن الی احمد وابن ماجة عن عبدالله بن ابی اوفی)البزار -باسناد رجاله رجال الصحيح ،واخرجها ايضا البزار و الطبرانی

باسناداخروفيه النهاس بن قحم وهوضعيف ،واخرجهاايضا البزارو الطبراني باسناداخررجاله ثقات، وقضية السجودثابتة ،عن حديث ابن عباسؓ عند البزار،ومن حديث سراقة عند الطبراني ،ومن حديث عائشة عنداحمد وابن ماجة ،ومن حديث عصمة عند الطبراني ،وعن غيرهؤلاء، وحديث عائشة الذى ذكره المصنف ساقه ابن اماجة باسنادفيه على بن زيدبن جدعان وفيه مقال،(ضعّفه كثيرون ووثقه بعضهم ،واخرج له مسلم مقرونابغيره كمافى التهذيب).وبقية اسناده من رجال الصحيح، واوردهذا الحديث ابن الجارودفى المنتقى فهوصحيح عنده، فانه لايأتى الابالصحيح كماصرح به السيوطى فى ديباجة "جمع الجوامع" وحديث عبدالله بن ابى اوفىؓ ساقه ابن ماجة باسنادصالح اه ،مختصرا،وفى الترغيب للمنذرى بعدروايت انس بن مالكؓ مع قصة الجمل رواه احمدباسنادجيد،رواه ثقات مشهورون ،و البزاربنحوه، ورواه النسائى مختصرا،وابن حبان فى صحيحه من حديث ابى هريرة بنحوه ،باختصار،وفيه بعدرواية قيس بن سعد،رواه ابوداودوفى اسناده شريک وقداخرج له مسلم ووثق، قلت لماسكت عنه ابوداودفهوحجة عنده، وفيه بعدحديث ابن ابى اوفى، رواه ابن ماجة وابن حبان فى صحيحه اهـ ،وساق فى كنز العمال بعدهذا الحديث متوناعديدة وطرقاكثيرة نسردمنهاسوى التى ذكرناهاانفا،حاكم عن بريدة ،وقيس بن سعد،ولم يتعقب عليهما السيوطى ،بل صححهمافى الصغيرصريحا،فهماحديثان صحيحان ،و الترمذى عن انس ،و الطبرانى فى الكبيرعن ابن عباسؓ ،و البيهقى عن ابى هريرة ،وعبد ابن حميدعن جابر،و الطبرانى فى الكبير،وسعيدبن منصورعن زيدبن ارقم اهـ ،وفى الخصائص الكبرى روايات كثيـــــرة منهاروابة ثعلبة بن ابى مالک عند ابى نعيم ،وروابة يعلى بن مرة عند الطبرانى ، وابى نعيم ،ووجدت فى قرطاس عتيق بخطى ولم يحضرنى الآن من اين كنت اخذته ان الحديث رواه ابوداود والطبرانى و الحاكم و البيهقى عن قيس بن سعد،و الترمذى عن ابى هريرة ،و الدارمى و الحاكم عن بريدة ،واحمد عن معاذ ،و الطبرانى عن سراقة بن مالک ،وصهيب وعقبة بن مالک وغيلان بن مسلم .ورواه ابن ابى شيبة عن عائشة، و البيهقى ايضاعن ابى هريرةؓ كذافى "جمع الجوامع" للسيوطى انتهى مافى القرطاس.

فهذه اسانيدعديدة بعضهاصحيح وبعضهاحسن وبعضهاضعيف يقوى باخر،ومنتهى هذه الاسانيدالى عشرين صحابيا،لواقتصرناعلى الطرق المارة. و الحديث اذاروى من عشرة فهومتواترعلى القول المختار(كمافى تدريب الراوى:)،فهذالحديث متواتر بالاولى ،وان اختلف احدفى تواتره للاختلاف فى العدد الذى يحصل به التواترفلايمكنه ان ينكرمن كونه مشهورا،ويكفى المشهور لنسخ المتواترعلى ماتقررفى الاصول،واطلنا الكلام فيه للضرورة الداعية فى هذا الزمان والايكفينااجماع الامة ،ولم تراحدمن السلف ولامن الخلف اختلف فى حرمة سجدة التحية مع التصفح كثيرمن كتب التفسيرو الحديث و الفقه. ومانقل عن بعض الصوفية فى كتب تواريخهم لم يثبت عنهم ،وان ثبت فلاعبرة بقولهم لانهم ليسوامن يعتد بقولهم فى الاجماع ،وان سلم كونهم ممن يعتدبقوله فى الاجماع فلايعتدبه ايضافى هذا المقام، لان الاجماع السابق لايرتفع بالاختلاف اللاحق ،نعم لايلام عليهم لعدم اشتغالهم بتحقيقات العلمية ،ومع ذلك لايحتج بقولهم وصنيعهم، لاسيمااذاثبت النكيرعن بعض اكابرهم ،ويحتاج الى هذا الكلام ،اذاسلم ان سجود الملائكة لآدم وسجوداخوة يوسف وابيه له كان سجودا حقيقياوكان تحية لهما،و الحال انه مختلف فيه فقال بعضهم لم يكن سجوداحقيقيابل هوكناية عن التعظيم، وقال بعضهم كان آدم ويوسف بمنزلة الكعبة لهم ،فاللام بمعنى الى ،وقال بعضهم اللام للسبب، اى كانت السجدة لله تعالى شكراعلى ماانعم الله عليهم، لاجل يوسف ،وآدم على نبينا وعليهما السلام ،واذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال ،وحينئذ لايحتاج الى اثبات النسخ ،ويثبت الحرمة بخبر الواحدايضا ،ونقول ايضاان الاية وان كانت قطعى الثبوت ولكنهاظنى الدلالة فلابعدفى نسخها،بحديث ظنى الثبوت قطعى الدلالة كمالايخفى ،والله اعلم بالصواب.

مذکورہ عبارت میں کچھ غلطیاں ہیں،اس کی اصلاح کے پیش نظر ہم مذکورہ احادیث کوتفصیل سے پیش کرتے ہیں، تاکہ مخالفین کواعتراض کی کوئی گنجائش نہ رہے،وہ یہ ہے کہ مولانا شرف علیؒ نے امام ترمذی سے جوروایات نقل کی ہیں،وہ چونکہ امام ترمذی نے فی الباب میں ذکر کیا ہے،اور باب میں چونکہ خاوند کے حقوق ذکر کئے جاتے ہیں،اس لئے مذکورہ احادیث میں حق الزوج ذکر ہے،اوراس کے ضمن میں بعض احادیث میں سجدے کا ذکر بھی ہے،لیکن بعض میں نہیں۔تواسی وجہ سے ہم نے

یہاں مناسب سمجھا، کہ وہ احادیث جس میں سجدہ کے متعلق ذکر ہے، وہ تفصیل سے ذکر کریں، پہلی روایت ابوہریرہؓ کا ہے۔

۱. عن ابی ھریرۃ عن النبیﷺ، قال :لو کنت امر احدا ان یسجدلاحدلامرت المرأة ان تسجد لزوجھا.ترمذی مع التحفة : ۳۵۸/۴.

۲۔ دوسری حدیث معاذؓ کا ہے:عن معاذبن جبل قال قال رسول اللهﷺ:لو کنت امراً احدا ان یسجد لاحدلامرت المرأة ان تسجدلزوجھا،من حقه علیھا.رواہ احمدفی مسندہ :۳۸۱/۵.و الطبرانی: ۵۲/۲۰۔

۳. عن عائشة قالت :قال رسول اللهﷺلو کنت امراً احداان یسجدلاحدلامرت المرأة ان تسجدلزوجھا:ابن ماجة (۲/۴۰۲)ابن ابی شیبة ۳۹۸/۳۰.مسنداحمد:۶/۷.

۴: عن سراقه بن مالک بن جعشم انه قال: یارسول اللهﷺ:اناکنانری ملوک العجم فیسجدوا لھم وانت احق ان نسجدلک ،قال رسول اللهﷺلو امرت احداان یسجدلاحدلامرت المرأة ان تسجدلزوجھا،کتاب العیال لابن ابی الدنیا. ۸/۱۲۱. طبرانی. ۱۲۹/۷.

۵. (عن قیس بن سعدؓقال:اتیت الحیرة فرأیتم یسجدون لمرزبان لھم،فقلت لَرسول اللهﷺ احق ّان یسجدله ،فاتیت رسول اللهﷺفقلت انی اتیتُ الحیرة،فرأیتھم یسجدون لمرزبان لھم فانت احق بان یُسجدلک ، فقال لی:ارأیت لومررت بقبری،اکنت تسجدله؟فقلت لا،قال:لاتفعلوا،لو کنت امراحدا ان یسجد لاحد،لامرت المرأة ان یسجدن لازواجھن ،لماجعل اللّٰه لھم علیھن من حق۔ابوداود:رقم:۲۱۴۰،حاکم:۱۸۷/۲،ارواء:۵۷/۷،۵۸۔

یعنی قیس بن سعدؓ سے روایت ہے کہا، میں حیرہ آیا، وہاں میں نے لوگوں کو اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے دیکھا، میں نے کہا رسول اللہﷺ زیادہ حق دار ہیں، کہ ان کو سجدہ کیا جاوے، میں رسول اللہﷺ کے پاس آیا میں نے عرض کی کہ میں حیرہ میں گیا، وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے تھے، آپﷺ سجدہ کے زیادہ لائق ہیں، آپؐ نے فرمایا مجھ کو اس بات کی خبر دے، اگر تو میری قبر سے گذرے تو اس کو سجدہ کرے گا؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا: اگر میں سجدہ کرنے کا حکم کرتا، تو سب سے پہلے عورتوں کو حکم کرتا، کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں، اس لئے کہ اللہ تعالی نے عورتوں پر مردوں کا حق رکھا ہے۔ طبرانی فی الکبیر ۳۵۱/۱۸ .ابوداود: ۲/۲۱۱.

۶: عن جابرؓ،قال: قال رسول اللہ ﷺلو کنت امراً احدا، یسجدلاحد، لکان النساء لازواجھن مصنف ابن ابی شیبة ۶۹/۶۔

۷: عن ابن عباسؓ قال:(یعنی رسول اللہ ﷺ'لا آمر احدا ان یسجدلاحد،ولو امرت احدا،یسجدلاحد،لامرت المرأةان تسجدلزوجھا.طبرانی۳۵۷/۱۱۔

۸: عن غیلان بن سلمةؓ، قال: کنامع النبیﷺفی سفره فقال: لو کنت امراً احداان یسجدلاحدلامرت المرأة ان تسجدلزوجھا(طبرانی:۲۴۶/۱۸)

۹: عن انسؓ ،فقال:ﷺ لایصلح لبشران یسجدلبشر،ولوصلح لبشر،ان یسجدلبشرلامرت المرأة ان تسجدلزوجھامن عظم حقه علیھا.(مسنداحمد:۶۴. ۶۵/۲۰)و الترغیب:۶۷۴/۲۔

۱۰: عن صھیبؓ ،فقال: ﷺکذبواعلی انبیائھم کماحرفواکتابھم ،لوامرت احداان یسجدلاحدلامرت المرأة ان تسجدلزوجھا.طبرانی فی الکبیر ۳۶/۸

۱۱: عن سلمانؓ،قالؐ: ولوامرت احداان یسجدلاحدلامرت المرأة ان تسجدلزوجھالعظم حقه علیھا.(اخبار اصفھان:۱۹۳/۲)

۱۲: عن بریدةؓ ،فقالؐ: لوکنت امر احداان یسجدلاحدلامرت المرأة ان تسجد لزوجھا. مستدرک حاکم :۱۷۲/۴۔

۱۳: عن زیدبن ارقمؓ ،ان معاذاقال :یارسول اللہ أرأیت اھل الکتاب یسجدون لأساقفتھم وبطارقتھم افلانسجدلک؟ قال: لوکنت امر احداان یسجدلاحد،لامرت المرأة ان تسجد لزوجھا،ولاتودی المرأة حق زوجھاحتی لوسئلھانفسھاعلی قتب لاعطته. طبرانی: ۲۰۸/۵

۱۴: عن عبداللہبن بی اوفیؓ، فقالؐ: لوکنت امر احداان یسجدلاحدلامرت المرأة ان تسجدلزوجھا.خصائص:۲۵۵/۲۔

۱۵: عن ثعلبة بن ابی مالکؓ، فقالوایارسول اللہ کنانحن احق بالسجودمن ھذہ البھیمة، قال ﷺ لوینبغی لشیء من الخلق ان یسجد لشیء دون اللہلأنبغی للمرأة ان تسجد لزوجھا.(خصائص کبری للسیوطی:۲۵۷/۲)۔

۱۶ : عن یعلی بن مرة قال خرج النبی ﷺ یومافجاء بعیر یرغو حتی سجدله فقال المسلمون، نحن احق ان نسجدللنبی ﷺ فقال : لوکنت امر احداان یسجدلغیر اللہ لامرت المرأة ان تسجدلزوجها: خصائص ۲/۲۵۸)۔

۱۷: حدیث عمرموقوف: عمر رضی اللہ عنہ کوشام میں ایک دہقان ملاقات کے لئے آیا، دیکھتے ہی سربسجود ہوا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ماھذا السجود؟قال: ھکذانفعل بعظمائنا: فقال عمر: اسجد للذی خلقک. الحدیث (التاریخ دمشق: ۶۸/۱۰۷ .وابن ابی شیبة فی المصنف: ۶/۶۷ .

۱۸ : روایة ابی موسی جوکہ امام طبرانی اور ھیثمی نے مجمع الزوائد: ۶/۳۲، میں لمبی روایت نقل کی ہے درمیان میں لکھتا ہے: وقدقال له(نجاشی) عمرو وعمارة ،انهم لایسجدون لک،فلماانتهینابدرنامن عنده من القسیسین و الرهبان،اسجدوللملک،فقال جعفر،انالانسجدالاالله .

۱۹: شعبیؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے علیؓ کوسجدہ کیا، تو آپ نے منع کیا اور فرمایا: اسجدللہ۔ابن ابی شیبة فی المصنف: ۶/۶۷ .

۲۰: ایک روایت دانیال علیہ السلام سے بھی ابونعیم نے دلائل النبوۃ: ۱/۸۳، میں نقل کیا ہے لمبی حدیث ہے درمیان میں فرماتا ہے، فدعادانیال فادخل علیه ولم یدخل علیه احدالایسجدله ،فوقف دانیال ولم یسجد،فقال الملک لمن فی البیت: اخرجوافخرجوا،فقال بخت نصرلدانیال مامنعک ان تسجدلی؟فقال دانیال ان لی رباآتانی هذا العلم الذی سمعت به علی ان لااسجدلغیره فخشیت ان اسجدلک فینسلخ عنی هذا العلم، ثم اصیرفی یدک امیا،فلاتنفع بی فتقتلنی، فرأیت ترک السجدة اهون من قتلی وخطرسجدة اهون من الکرب والبلاء الذی انت فیه،فترکت السجودنظراالی ذلک۔

اورایک اثرعمربن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ: اس کوایک دربان نے سجدہ کیا تواس نے اس کومعزول کردیا، اورفرمایاانما السجدة للہ عزوجل: ۱۹/ ۱۳۶ . چونکہ پہلے ایک روایت کاترجمہ گذرگیا،اس پراکتفاء کرتے ہیں۔

اب یہاں بعض بےادب لوگ ادمؑ علیہ السلام کوکچھ غلط نسبت کرتے ہیں، اور چھ وجوہ سے اس کے لئے تمسک کرتے ہیں اس واقعہ سے: توہم ہرایک کوتفصیل کے ساتھ مع جواب ذکرکرتے ہیں۔

پہلی وجہ: یہ نافرمان تھے اورنافرمانی کرنے والاضرورصاحب کبیرہ ہوتا ہے، نافرمان ہونے پر،نص قرآنی دلالت کرتی

ہے: وعصی آدم ربه فغوی،طٰهٰ: ۱۲۱ ۔تواس کا جواب یہ ہے:معصیت نام ہے حکم کی مخالفت کا،اور حکم کبھی وجوب اور کبھی استحباب کے لئے ہوتا ہے،عرب کہتے ہیں:اشرت علیه فی امر ولده بکذافعصانی ، میں نے فلان کواس کے بیٹے کے متعلق رائے دی تواس نے میری نہیں مانی ، یامیں نے دوا پینے کو کہا ،تو اس نے میری نافرمانی کی (دوا نہیں پی)اور جب امر وجوب اوراستحباب دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے،تو یہ ممتنع نہ ہوگا کہ ''عصیان'' کا اطلاق آدم علیہ السلام پراس لئے نہیں تھا کہ انہوں نے واجب کو چھوڑ دیا تھا، بلکہ ترک استحباب کی وجہ سے یہ اطلاق کیا گیا۔

دوسری وجہ:۔ آدم علیہ السلام نے توبہ کی تھی ،جیسا کہ ارشاد ہے:فتلقی ادم من ربه کلمات فتاب علیه . بقرہ ۔پھر آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کئے، پھر اللہ تعالی نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔اور توبہ کرنے والا نافرمان ہی ہوتا ہے، اس لئے کہ تائب اپنے کئے پر نادم ہوتا ہے۔اوراس کا نادم ہونا یہ درحقیقت اس بات کی اطلاع ہے کہ میں گناہ کر چکا ہوں،اب اگر وہ اس خبرواطلاع میں جھوٹا ہو،تو جھوٹ بولنے سے نافرمان ہوااوراگر سچا ہو تو یہ ہمارا مطلوب ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے گناہ کبھی نہ کیا ہواس کی طرف سے بھی توبہ کرنا مخلوق سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف پوری طرح یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہونے کے لئے ایک اچھا اقدام ہے،اوراس کے مستحسن ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ابتدا ہی سے ثواب کا مستحق ہوگا،اوراس کی دلیل ہماری، یہ دعا ہے:اللھم اجعلنی من التوابین) پس اگر توبہ گناہ کرنے کے بعد ہی مستحسن قرار دی جائے تو پھراس دعا کا یہ مطلب ہوگا کہ اے اللہ ہمیں گناہگار بنا، پھر توبہ کرنے والوں میں سے بنا، اور یہ ناجائز ہے۔جبکہ قرآن وحدیث میں توبہ اوراستغفار کی بہت فوائد ذکر کی گئی ہیں،صرف گناہ معاف کرنے کیلئے استغفار وتوبہ مشروع نہیں۔مثلاً آیت سورۂ بقرہ:۵۸،واعراف:۱۶۸،وھود:۳،و۵۲،ونوح:۱۱۔وغیرہ۔اوراس باب میں احادیث بکثرت موجود ہیں۔

تیسری وجہ:۔ آدم علیہ السلام نے منھی عنہ(یعنی جس چیز سے انہیں روکا گیا تھا)اس کا ارتکاب کیا تھا۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:ولاتقرباھذہ الشجرۃ:بقرہ. اوراس درخت کے قریب نہ جاؤ۔

ارشاد ربانی ہے:الم انھکماعن تلکما الشجرۃ:اعراف: ۲۲ ۔کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غیر مسلم ہے کہ نہی حرام ہی کے ارتکاب سے روکنے کے لئے کی جاتی ہے، بلکہ نہی مشترک ہے تحریم اورتنزیہ دونوں کے درمیان۔اس ابہام کی تفسیر یہ ہے کہ نہیں کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ منھی عنہ(جس چیز سے روکا گیا) کا ترک بہتر ہے کرنے سے،اب رہی یہ بات کہ کرنے کی صورت میں کرنے والا عذاب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ تو یہ

نہی کے مفہوم سے خارج ہے اور اس حقیقت کے ہوتے ہوئے فریق مخالف کا استدلال ساقط ہو کر رہ گیا۔ اور اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ نہی تحریم ہی کے لئے ہے تو یہ ارتکاب بھول کر کیا ہوا تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: فنسی ولم نجدله عزما. طه : ۱۱۵ . وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں پختگی نہ پائی۔

چوتھی وجہ:۔ درخت سے پھل کھانے کی صورت میں اللہ تعالی نے انہیں ظالم کہا "فتکونا من الظالمین" (بقرہ) اور وہ خود بھی اپنے آپ کو ظالم کہتے ہیں۔ اور یہ دعا مانگتے ہیں: ربنا ظلمنا انفسنا (اعراف: ۲۳)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولی اور بہتر عمل کو ترک کرنا بھی ظلم ہے، اس لئے کہ جب ثواب عظیم کا حقدار بننے کے لئے بہتر کام کرنے کی توفیق وقدرت دی گئی تو کسی عذر کے بغیر اس کو چھوڑنا ثواب کے حصہ میں کمی کرنی ہوگی، اور ایسے شخص کو ظالم کہا جا سکتا ہے، اس لئے کہ درحقیقت "ظلم" چیز کو اپنے محل سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنے کا نام ہے۔ اور یہاں بھی اسی طرح ہے۔

پانچویں وجہ:۔ آدم علیہ السلام خود یہ اقرار کرتے ہیں کہ اگر میرے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت ومہربانی نہ ہوتی تو میں گھاٹے میں رہتا جیسا کہ فرمایا: وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین: اعراف ۲۳۔ اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔ یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ آدم علیہ السلام گناہ کبیرہ کے مرتکب تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ارتکاب خلاف اولی پر محمول ہے جبکہ اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

چھٹا اعتراض: آدم علیہ السلام، شیطان کے وسوسے اور اس کے پھسلانے کی وجہ سے جنت سے نکالے گئے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں صرف یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جنت سے پھل کھانے کی وجہ سے نکالا گیا، اور یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ نکالنا سزا وتوہین کے طور پر تھا، اور کیسے ہو سکتا ہے جب کہ آدم علیہ السلام کو زمین میں خلافت ہی کے لئے پیدا فرمایا گیا، اور یہی ان کی خلقت کا حکمت اصلی تھا، تو یہ کہنا بے جا ہوگا کہ آدم علیہ السلام کو سزا وتوہین کے طور پر بھیج دیا گیا۔ آیات سابقہ میں ہم تاویل کرنے پر مجبور اس لئے ہوئے ہیں، کہ اگر آدم علیہ السلام کو نفس الامر میں ظالم وعاصی قرار دیا جائے تو ان کے بارے میں معاذ اللہ جہنم کے مستحق ہونے کا فیصلہ بھی کرنا پڑے گا، اس لئے کہ ارشاد الہی ہے: ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جھنم (جن: ۲۳). اور یہ بھی کہنا پڑے گا کہ وہ (نعوذ باللہ) ملعون ہے، اس لئے کہ ارشاد ہے: الالعنة اللہ علی الظالمین (ھود: ۱۸) ۔ اور جب کہ امت کا اجماع ہے کہ نہ وہ جہنمی ہیں اور نہ ہی ملعون ۔ اس لئے ہمیں یہ تاویل کرنے پڑی اور یہ اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق دوسرا شبہ بھی ہے جس کا تفصیل سورت اعراف میں آئے گا۔

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ
اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ (پیو)
شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَاَزَلَّهُمَا
لیکن اس درخت کے پاس جانا نہیں ورنہ ظالموں میں ہو جاؤ گے پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا
الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
اور جس (عیش ونشاط) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا تب ہم نے حکم دیا کہ (جنت سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے
عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٣٦﴾
دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔ [٢١]

---

[٢١] یہ آدم علیہ السلام کے قصہ کا تکملہ ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ، جب آدمؑ کی فضیلت اور خلافت ارضی کے لئے صلاحیت فرشتوں پر واضح کر دی گئی، انہوں نے تسلیم کر لیا، اور ابلیس اپنے تکبر اور معارضہ کی وجہ سے کافر ہو کر نکال دیا گیا، تو آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حواء کو یہ حکم ملا کہ تم دونوں جنت میں رہو، اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ مگر ایک معین درخت کے لئے یہ ہدایت کی کہ اس کے پاس نہ جانا، یعنی اس کے کھانے سے مکمل پرہیز کرنا، شیطان جو آدمؑ کی وجہ سے مردود ہوا وہ خار کھائے ہوئے تھا، اس نے کسی طرح موقع پا کر، اور مصلحتیں بتلا کر ان دونوں کو اس درخت کے کھانے پر آمادہ کر دیا، ان کی لغزش کی وجہ سے ان کو بھی یہ حکم ملا کہ اب تم زمین پر جا کر رہو، اور یہ بھی بتلا دیا کہ زمین کی رہائش جنت کی طرح بے غل وغش نہ ہوگی، بلکہ وہاں آپس میں اختلافات اور دشمنیاں بھی ہوں گی، جس سے زندگی کا لطف پورا نہ رہے گا۔ (وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ) یہ واقعہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ملائکہ کے سجدہ کے بعد کا ہے، بعض لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ تخلیق اور سجدہ کا واقعہ جنت سے باہر کہیں ہوا ہے، اس کے بعد جنت میں داخل کیا گیا، لیکن ان الفاظ میں یہ مفہوم یقینی نہیں، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تخلیق بھی جنت میں ہوئی، اور سجدے کا واقعہ بھی جنت میں پیش آیا، مگر اس وقت تک ان کو کوئی فیصلہ اس کے متعلق نہیں سنایا گیا تھا، کہ آپ کا مسکن ومستقر کہاں ہوگا؟ اس واقعہ کے بعد یہ فیصلہ سنایا گیا۔

"وَ كُلاَ مِنهَا رَغَداً حَيثُ شِئتُمَا" "رغداً" کے معنی عربی میں اس نعمت ورزق کے ہیں جن کا حاصل کرنے میں کوئی محنت ومشقت بھی نہ ہو، اور وہ اتنی وسیع اور کثیر ہو کہ اس کے کم یا ختم ہو جانے کا خطرہ نہ ہو، معنی یہ ہوئے کہ آدم وحواء علیہما السلام کو فرمایا کہ جنت کے پھل بافراغت استعمال کرتے رہو، نہ ان کے حاصل کرنے میں تمہیں کسی محنت کی ضرورت ہوگی، اور نہ یہ فکر کہ یہ غذا ختم یا کم ہو جائے گی۔

" وَلَا تَقرَبَا هَـذِهِ الشَّجَرَةَ " کسی خاص درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا کہ اس کے قریب نہ جاؤ، اصل مقصد تو یہ تھا کہ اس کا پھل نہ کھاؤ، مگر تاکید کے طور پر عنوان یہ اختیار کیا گیا کہ اس کے پاس بھی نہ جاؤ، اور مراد یہی ہے کہ کھانے کے لئے اس کے پاس نہ جاؤ، یہ درخت کونسا تھا؟ قران کریم نے متعین نہیں کیا، اور کسی مستند حدیث میں بھی اس کی تعین مذکور نہیں، ائمہ تفسیر میں سے کسی نے گندم کا درخت قرار دیا، کسی نے انگور کا، کسی نے انجیر کا، مگر جس کو قرآن وحدیث نے مبہم چھوڑا ہے، اس کو متعین کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے (قرطبی)۔ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ یعنی اگر آپ نے اس شجرہ ممنوعہ کو کھایا، تو آپ ظالموں میں داخل ہو جائیں گے۔

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيطَانُ عَنهَا "زلة" کے معنی عربی لغت میں لغزش کے ہیں۔"ازلال" کے معنی کسی کو لغزش دینا، معنی یہ ہیں کہ شیطان نے آدمؑ وحواء کو لغزش دیدی، قرآن کے یہ الفاظ صاف اس کا اظہار کررہے ہیں کہ آدمؑ وحواء کی یہ خلاف ورزی اسی طرح کی نہ تھی جو عام گنہگاروں کی طرف سے ہوا کرتی ہے، بلکہ شیطانی تلبیس سے کسی دھوکہ فریب میں مبتلا ہو کر ایسے اقدام کی نوبت آ گئی، کہ جس درخت کو ممنوع قرار دیا تھا، اس کا پھل وغیرہ کھا بیٹھے "عنھا" میں لفظ "عن" بمعنی سبب ہے، یعنی اس درخت کے سبب وذریعہ سے شیطان نے آدمؑ وحواء کو لغزش میں مبتلا کر دیا۔

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ جب شیطان کو سجدے سے انکار کی بناء پر پہلے ہی مردود کر کے جنت سے نکال دیا گیا تھا۔ تو یہ آدمؑ وحواء کو بہکانے کے لئے جنت میں کیسے پہنچا؟ اس کا بے غبار جواب یہ ہے کہ شیطان کے بہکانے اور وہاں تک پہنچنے کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر ملاقات کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان جنات میں سے ہے، اور یہ اللہ تعالی نے جنات کو بہت سے ایسے تصرفات پر قدرت دی ہے، جو عام طور پر انسان نہیں کر سکتے، انکو مختلف شکلوں میں متشکل ہو جانے کی بھی قدرت دی ہے، ہوسکتا ہے کہ اپنی قوت جنیہ کے ذریعہ مسمریزم کی صورت سے آدم وحواء کے ذہن کو متاثر کیا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رخصت ہوتے وقت یہ وسوسہ کیا ہو۔

اور شاید یہی سبب ہوا کہ ادم علیہ السلام کو اس کی دشمنی کی طرف دھیان نہ رہا، قران مجید کی ایت:"قاسمهما انی

لکمالمن الناصحین" (اعراف: ۲۱) سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے صرف وسوسہ اور ذہنی اثر ڈالنے سے کام نہیں لیا، بلکہ آدم وحواء سے زبانی گفتگو کر کے اور قسمیں کھا کر متاثر کیا۔

"فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ "یعنی شیطان نے اس دھوکہ اور لغزش کے ذریعے آدمؑ وحواء علیہما السلام کو ان نعمتوں سے نکال دیا، جن میں وہ آرام سے گذر بسر کر رہے تھے، یہ نکالنا اگرچہ بحکم الٰہی ہوا، مگر سبب اس کا شیطان تھا، اس لئے نکالنے کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی۔

"وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" یعنی ہم نے حکم دیا کہ نیچے اتر جاؤ، اس طرح کہ تم میں بعضے بعضوں کے دشمن رہیں گے، اس حکم کے مخاطب آدمؑ وحواء ہیں، اور اگر شیطان کو اس وقت تک آسمانوں سے باہر نہیں کیا گیا تھا، تو وہ بھی اسی خطاب میں شامل ہے، اس صورت میں باہمی عداوت ہونے کا مطلب یہ ہوگا، کہ شیطان تمہاری عداوت کا سلسلہ دنیا میں بھی جاری رکھے گا۔

"وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ "یعنی آدم وحواء علیہما السلام کو یہ بھی ارشاد ہوا کہ تم کو زمین پر کچھ عرصہ ٹھہرنا ہے، اور ایک میعاد معین تک کام چلانا ہے، یعنی زمین پر جا کر بھی دوام نہ ملے گا، کچھ مدت کے بعد اس گھر کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔

"اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ "میں آدم اور حوا علیہما السلام دونوں کے لئے جنت کو مسکن بنانے کا ارشاد ہے، جس کو مختصر لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے "اسکنا الجنة" یعنی آپ دونوں جنت میں رہیں، جیسا کہ اس کے بعد "کلا" اور "لاتقربا" میں دونوں کو ایک ہی صیغہ میں جمع کیا گیا ہے، مگر یہاں اس کے خلاف "انت وزوجک الجنة" کے الفاظ کو اختیار کرنے میں صرف مخاطب آدم کو قرار دیا، اور انہی سے فرمایا کہ آپؑ کی زوجہ بھی جنت میں رہے۔ اس میں دو مسئلوں کی طرف اشارہ ہے، اول یہ کہ بیوی کے لئے رہائش کا انتظام شوہر کا ذمہ ہے، دوسرے یہ کہ سکونت میں بیوی شوہر کے تابع ہے، جس مکان میں شوہر رہے اس میں اس کو رہنا چاہئے۔

مسئلہ: لفظ "اسکن" میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت ان دونوں کے لئے جنت کا قیام محض عارضی تھا، دائمی قیام جو شان ملکیت کی ہوتی ہے وہ نہ تھی، کیونکہ لفظ "اسکن" کے معنی یہ ہیں کہ اس مکان میں رہا کرو یہ نہیں فرمایا کہ یہ مکان تمہیں دے دیا گیا، یہ تمہارا مکان ہے، وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کے علم میں تھا کہ آئندہ ایسے حالات پیش آئیں گے کہ آدم وحواء علیہما السلام کو جنت کا مکان چھوڑنا پڑے گا، نیز جنت کا استحقاق ملکیت ایمان اور عمل

صالح کر کے معاوضہ میں حاصل ہوتا ہے جو قیامت کے بعد ہوگا، اسی سے فقہاء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کہے کہ میرے گھر میں رہا کرو، یا یہ کہ میرا گھر تمہارا مسکن ہے، اسی سے مکان کی ملکیت اور دائمی استحقاق اس شخص کو حاصل نہیں ہوتا (قرطبی)۔

''وکلامنھا رغدا'' : یعنی کھاؤ تم دونوں جنت سے بافراغت: اس میں بطرز مذکور سابق خطاب صرف آدم علیہ السلام کو نہیں کیا گیا، بلکہ دونوں کو ایک ہی لفظ میں شریک کر کے ''کلامنھا'' فرمایا، اس میں اشارہ اس کی طرف ہوسکتا ہے کہ غذا اور خوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں، وہ اپنی ضرورت اور خواہش کے وقت اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرے اور یہ اپنی خواہش کی مطابق۔

''رغدا حیث شئتما'' : لفظ ''رغدا'' ماکولات میں وسعت وکثرت کی طرف اشارہ ہے، کہ جو چیز جتنی چاہیں کھا سکتے ہیں، بجز ایک درخت کے اور کسی چیز میں رکاوٹ اور ممانعت نہیں، اور لفظ ''شئتما'' میں مقامات کی وسعت کا بیان ہے، کہ پوری جنت میں جہاں چاہیں جس طرح چاہیں کھائیں، کوئی خطہ ممنوع نہیں، اس میں اشارہ ہے کہ چلنے پھرنے اور مختلف مقامات سے اپنی ضروریات حاصل کرنے کی ازادی انسان کا فطری حق ہے، ایک محدود ومعین مقام یا مکان میں اگر چہ ضرورت وخواہش کی ساری چیزیں مہیا کر دی جائیں، مگر وہاں سے باہر جانا ممنوع ہو تو یہ بھی ایک قسم کی قید ہیں، اس لئے آدم علیہ السلام کو کھانے پینے کے تمام چیزیں بکثرت وفراغت عطاء کر دینے پر اکتفاء نہیں کیا گیا، بلکہ ''حیث شئتما'' فرما کر ان کو چلنے پھرنے اور ہر جگہ جانے کی آزادی بھی دی گئی۔ ''ولا تقربا ھذہ الشجرۃ'': یعنی اس درخت کی قریب بھی نہ جاؤ، ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو یہ تھا کہ اس درخت اس کے پھل کو نہ کھاؤ مگر احتیاطی حکم یہ دیا گیا کہ اس کے قریب بھی نہ جاؤ، اس سے اصول فقہ کا مسئلہ ''سد ذرائع'' ثابت ہوا، یعنی بعض چیزیں اپنی ذات میں ناجائز یا ممنوع نہیں ہوتیں۔ لیکن جب یہ خطرہ ہو کہ ان چیزوں کے اختیار کرنے سے کسی حرام ناجائز کام میں مبتلا ہو جائے گا۔ تو اس جائز چیز کو بھی روک دیا جاتا ہے۔ جیسا درخت کے قریب جانا ذریعہ بن سکتا تھا اس کے پھل پھول کھانے کا، اس ذریعہ کو بھی منع فرما دیا گیا۔ اسی کا نام اصول فقہ کی اصطلاح میں ''سد ذرائع'' ہے۔

فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۷﴾

پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بیشک وہ معاف کرنے والا اور صاحبِ رحم ہے۔[۲۲]

[۲۲] یہ کلمات وہی ہیں جو کہ سورت اعراف ایت نمبر:۲۳، میں موجود ہیں، یہی تفسیر، تفسیر ابن کثیر، جواہر القرآن، اور دیگر مفسرین نے بھی کیا ہے، شاہ صاحبؒ نے تفسیر فتح الرحمٰن میں لکھا ہے: وآن کلمات این اند: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲۳﴾ (سورۃ اعراف)

تفسیر نعیمی نے یہاں غلط تفسیر کر کے حاکم والی روایت سے استدلال کیا ہے، لیکن یہ جمہور مفسرین اور روح قرآن سے مخالف ہے، اس کا ہم تفصیلی جواب لکھتے ہیں، تا کہ بعض کم علم لوگ اس پر غلط نہ ہو جائے، حافظ طبرانی، امام حاکم، حافظ ابونعیم، اور امام بیہقی نے سیدنا علیؓ اور عمرؓ سے مرفوعا روایت کی ہے، کہ جب آدم علیہ السلام پر عتاب ہوا، تو آپؑ فکر توبہ میں حیران تھے اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' میں سمجھا تھا کہ بارگاہ الہی میں وہ رتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد ﷺ کو حاصل ہے، کہ اللہ تعالی نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ عرش پر مکتوب فرمایا، لہذا آپ نے اپنی دعا میں ''ربنا ظلمنا'' الایة، کے ساتھ یہ عرض کیا، اسئلک بحق محمد ﷺ ان تغفر لی، الخ، وحی نازل ہوئی کہ محمد ﷺ کون ہے؟ جن کے واسطے سے تم نے استغفار کی؟ عرض کیا کہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا، کہ محمد ﷺ سے اونچی ہستی کوئی نہیں جن کا نام آپ نے اپنے نام کے ساتھ لکھا، وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں، تمہاری اولاد میں سے ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔ فضائل ذکر ۹۵، ۹۶، نشر الطیب فی ذکر النبی ﷺ: ۱۳، نسیم الریاض ۳/ ۳۹۸. مقالات کوثری: ۳۹۱. تفسیر نعیم الدین مرادابادی: ۱۲۔ یہ روایت مختلف سندوں کے ساتھ، مستدرک: ۲/۶۱۵۔ دلائل النبوۃ، امام بیہقی ۵/۴۸۹۔ اور معجم صغیر، امام طبرانی: ۲/۸۲، ۸۳۔ میں موجود ہے اور تینوں کا مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے، جس کے بارے میں امام ابن حبان فرماتے ہیں: کان یقلب الاخبار وھو لا یعلم حتی کثر ذلک فی روایته من رفع المراسیل واسناد الموقوف فاستحق الترک. (المجروحین: ۲/ ۵۹۳). لاعلمی میں روایات میں ہیر پھیر کرتا تھا، یہاں تک کہ اس نے کثرت سے یہ کام شروع کیا۔ مرسل روایت کو مرفوع کہنے لگا، جس کے سبب سے اس لائق

ٹھہرا، کہ اسے چھوڑ دیا جائے، اوراس کی روایت کو نہ لی جائے۔امام ساجی نے فرمایا: ہمیں ربیع نے اوراسے امام شافعی نے بتایا کہ، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے پوچھا گیا کہ کیا تیرے باپ نے تیرے دادا، رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنی، کہ نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا، اورمقام ابراہیم میں نماز پڑھی، اس نے کہا ہاں، امام ساجی ہی فرماتے ہیں، منکرالحدیث ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں حدیث کا علم جاننے والوں کے نزدیک اس کی روایت نہایت ضعیف ہوتی ہے، امام حاکم اورامام ابونعیم نے فرمایا کہ: یہ اپنے باپ سے موضوع احادیث نقل کرتا ہے۔تہذیب التہذیب:۱۶۲/۶۔محمد بن عبداللہ بن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو کہتے ہوئے سنا، کہ امام مالک کے سامنے کسی نے کوئی حدیث بیان کی آپ نے پوچھا: من حدثک؟ فذکر له اسنادامنقطعا،فقال اذهب الی عبد الرحمٰن بن زیدبن اسلم یحدثک عن ابیه عن نوح علیه السلام (المجروحین : ۲۳/۲ .تهذیب الکمال:۱۸،۱۷).

یہ تجھے کس نے بیان کی ہے؟ تو اس نے ایک منقطع سند بیان کی، اس پرامام مالک نے فرمایا: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے پاس جاؤ وہ اس روایت کو اپنے باپ سے اوراس کا باپ نوح علیہ السلام سے اس کو بیان کرے گا۔اس راوی کی ایک منکرروایت یہ بھی ہے کہ ما من عبد یمر بقبر رجل کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الاعرفه ورد علیه السلام۔میزان الاعتدال:۵۶۵/۱۔

جب کوئی زندہ شخص کسی مردہ کے قبر کے پاس سے گذرے اوران دونوں کی آپس میں جان پہچان ہو اور یہ اسے سلام دے تو وہ مردہ ہوا شخص اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

امام حاکم، اسی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں خود لکھتے ہیں: روی عن ابیه احادیث موضوعة، لایخفی علی من تأملها من اهل الصنعة ان الحمل فیها علیه.[المدخل الی الصحیح: ۱۵۴،ترجمه ۹۷] یہ اپنے باپ کے سند سے موضوع احادیث کو روایت کرتا ہے۔علم حدیث واثار کے ماہرین کو خوب معلوم ہے۔کہ اس کا اصل ذمہ دار عبدالرحمٰن ہی ہے۔معجم صغیر طبرانی والی روایت میں تین ابتدائی راوی ماسوائے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے سب مجہول ہیں: قال الهیثمی رواه الطبرانی فی الاوسط والصغیر وفیه من لم اعرفهم .(مجمع الزوائد: ۲۵۳/۸)۔بیہقی والی روایت میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے ساتھ عبداللہ بن فہری موجود ہے، جس کے بارے میں حافظ ذھبی اورحافظ ابن حجر فرماتے ہیں: کہ روی عبدالرحمٰن بن زید خبرا باطلا،فیه ،یاادم لولا محمد ماخلقتک.رواه البیهقی فی دلائل النبوة.[میزان الاعتدال ۴۵۰/۲،لسان المیزان:

۳/ ۳٦۰] اس نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے ایک باطل روایت نقل کی ہے، کہ اے ادم علیہ السلام اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا، اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔ امام حاکم اگر چہ اس حدیث کے تصحیح میں فرماتے ہیں، (صحیحٌ) مگر حافظ ذہبی لکھتے ہیں: بل موضوع وعبدالرحمٰن واہ . تلخیص المستدرک: ۲/ ۶۱۵۔ صحیح نہیں، بلکہ یہ روایت موضوع ہے اور عبدالرحمٰن واہی [شدید کم زور] راوی ہے۔ یہ بھی فرمایا: خبر باطل. میزان الاعتدال: ۲/ ۵۰۴ . یہ روایت باطل ہے۔ اور حافظ ابن حجر بھی اس روایت کو باطل قرار دیتے ہیں۔ لسان المیزان: ۳/ ۳۶۰۔ نیز یہ روایت ارشاد ربانی: ''فتلقی ادم من ربه کلمات فتاب علیه'' سورة البقره ۔اور: قَالاَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ، اعراف: ۲۳۔ کے معارض ومخالف ہے لہذا قطعا نا قابل استدلال اور نا قابل التفات ہے۔

جبکہ حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہے، حدثنا أبو سعيد عمرو بن محمد بن منصور العدل، ثنا ابو الحسن محمد بن اسحاق بن ابراهيم الحنظلي، ثنا ابو الحارث عبدالله بن مسلم الفهري، ثنا اسماعيل بن مسلمة، انبأ عبد الرحمان بن زيد بن اسلم، عن ابيه عن جده، عن عمر بن الخطابؓ قال: قال رسول الله ﷺ لمّا اقترف آدم الخطيئة قال يا رب اسئلک بحق محمد لما غفرت لي، فقال الله، يا آدم وكيف عرفت محمدا ولم اخلقه؟ قال يا رب لأنک خلقتني بيدک ونفخت فيّ من روحک، رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا: لا اله الا الله محمد رسول الله، فعلمت انک لم تضف الى اسمک الا احب الخلق اليک، فقال الله، صدقت يا آدم، انه لأحب الخلق اليّ ادعني بحقه فقد غفرت لک، ولولا محمد ما خلقتک. (حاكم في المستدرك: ۳/ ۵۱۷ رقم: ۴۲۸۶). اس حدیث کی آخر میں ہے کہ، ولولا محمد ما خلقتک، اور یہ جملہ، آیت: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾ ذاريات ، سے مخالف ہے۔

☆

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ

ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

غمناک ہوں گے ۔ اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا أُولٰٓئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

تو وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ۔

يَا بَنِىْ إِسْرَائِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوْا

اے آلِ یعقوب! میرے وہ احسانات یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اُس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا،

بِعَهْدِىْٓ أُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَآمِنُوْا بِمَا أَنْزَلْتُ

میں اُس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو، اور جو کتاب میں نے نازل کی ہے جو تمہاری کتاب

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا

کو سچا کہتی ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس سے منکر اوّل نہ بنو اور میری آیتوں میں ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ حاصل کرو[۲۳]

---

[۲۳] اس ایت میں اللہ تعالی کی ایات کے بدلے میں قیمت لینے کی ممانعت کا مطلب وہ ہی ہے جو آیت کے سباق وسیاق سے معلوم ہوتا ہے، کہ لوگوں کے مرضی اوران کی اغراض کی خاطر اللہ تعالی کی آیات کا مطلب غلط بتلا کر یا چھپا کر لوگوں سے پیسے لئے جائیں، یہ فعل باجماع امت حرام ہے۔لفظ" قـلـيـلا " بڑھانے سے دولت دنیا کی حقارت کی طرف اشارہ ہے۔یعنی میری آیتوں کے عوض تم جو رقم وصول کرتے ہو، وہ میری آیتوں یا دولت اخرت کی نسبت نہایت قلیل اور حقیر ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کی ایتوں کو تھوڑی رقم کے عوض بیچنا جائز نہیں ہے، اور زیادہ رقم کے عوض جائز ہے (من الکبیر:۱/۹۱، الروح:۱/۲۴۵ وغیرہما) حق چھپا کر پیٹ کا جہنم بھرنے کی یہ سنت آج بھی جاری ہے

، یہودیوں کی طرح بہت سے مولوی اور پیر آپ کو ایسے نظر آئیں گے جولوگوں کو گیارھویں شریف کی ترغیب تو دیتے ہونگے ، اپنے دادا کی قبر پر حاضر ہوکر چڑھاوے اور نظریں پیش کرنے کی تلقین کرتے ہوں گے، حاجتوں اور مصیبتوں میں اولیاء اللہ کی قبروں پر حاضری دیکر انہیں مدد کے لئے پکارنے کی تعلیم بھی دیتے ہونگے ،مگر اپنے مریدوں کے سامنے آپ نے انہیں قرآن مجید کی ان ایتوں کا وعظ کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا ہوگا، جن میں اللہ تعالی نے غیر اللہ کی نذر و نیاز اور چڑھاوے کو حرام کہا ہے، اور جن میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ میرے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ،میرے سوا کوئی عالم الغیب اور کارساز نہیں، اس لئے میرے سوا حاجات ومشکلات میں کسی اور کومت پکارو، کیونکہ ایسا کرنے سے یہودیوں کی طرح انہیں بھی یقین ہے، کہ ان کی آمدنیاں بند ہوجائینگی اور ان کا جھوٹا وقار ختم ہوجائے گا۔

اس آیت کی ضمن میں بعض مفسرین نے **تعلیم قران پر اجرت لینے کا مسئلہ** ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں، کہ رہا یہ معاملہ، کہ کسی کو اللہ تعالی کی آیات صحیح صحیح بتلا کر یا پڑھا کر اس کی اجرت لینا کیسا ہے؟ اس کا تعلق ایت مذکورہ سے نہیں، خود یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل غور و بحث ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت و معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ فقہاء امت کا اس میں اختلاف ہے، امام مالکؒ، شافعی، احمد بن حنبل، جائز قرار دیتے ہیں، اور امام ابو حنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ منع فرماتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قران کو ذریعہ کسب معاش کا بنانے سے منع فرمایا ہے ۔لیکن متاخرین حنفیہ نے بھی جب ان حالات کا مشاہدہ کیا، کہ قرآن مجید کے معلمین کو اسلامی بیت المال سے گذارہ ملا کرتا تھا، اب ہر جگہ اسلامی نظام میں فتور کے سبب ان معلمین کو عموما کچھ نہیں ملتا، یہ اپنے معاش کے لئے کسی محنت ،مزدوری یا تجارت وغیرہ میں لگ جائیں ،تو بچوں کو تعلیم کا سلسلہ یکسر بند ہوجائے گا، کیونکہ وہ دن بھر کا مشغلہ چاہتا ہے، اس لئے تعلیم قران پر تنخواہ لینے کو بضرورت جائز قرار دیا۔جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے، کہ آج کل اسی پر فتوی دینا چاہئیے ،کہ تعلیم قران پر اجرت و تنخواہ لینا جائز ہے، صاحب ہدایہ کے بعد آنے والے دوسرے فقہا نے بعض ایسے ہی دوسرے وظائف جن پر تعلیم قران کی طرح دین کی بقاء موقوف ہے، مثلا امامت، اذان اور تعلیم حدیث، وفقہ، وغیرہ کو تعلیم قران کے ساتھ ملحق کرکے ان کی بھی اجازت دی (درمختار)۔اس آیت کی تفسیر میں بعض علماء نے ایصال ثواب کے لئے ختم قران پر اجرت لینے کا بحث ذکر کیا ہے۔تفسیر روح المعانی نے :۵۵/۱۶، میں لکھا ہے کہ: ویدخل فی العموم قرأة القران للموتی بالاجرة، فلاثواب فیها للمیت ولاللقاری اصلا، وقدعمت البلوی بذلک و الناس عنه غافلون، واذانبهوا لاینتبهون، فاناللہ واناالیه راجعون ۔اور ابن ابی العزؒ شرح

عقیدۃ الطحاویۃ:۲/۶۷۲، میں لکھا ہے:واما استئجار قوم یقرؤن القران ویهدونه للمیت،فهذا لم یفعله احد من السلف ولا امر به احد من ائمة الدین ،ولا رخص فیه ،و الاستجار علی نفس التلاوة غیر جائز بلاخلاف، وانما اختلفوا فی جواز الاستیجار علی التعلیم ونحوه ،ممافیه منفعة تصل الی الغیر،و الثواب لایصل الی المیت الااذا کان العمل لله،وهذا لم یقع عبادة خالصة، فلایکون ثوابه ممایهدی الی الموتی ،ولهذا لم یقل احد،انه یکتری من یصوم ویصلی ویهدی ثواب ذلک الی المیت ،لکن اذا اعطی لمن یقرأ القران ویعلمه ویتعلمه معونة لاهل القرآن علی ذلک ،کان هذا من جنس الصدقة عنه فیجوز، وفی" الاختیار"لو اوصی بان یعطی شیء من ماله لمن یقرأ القران علی قبره فالوصیة باطلة لانه فی معنی الاجرة , انتهی .وذکر الزاهدی فی" القنیه" انه لو وقف علی من یقرأ عند قبره فالتعین باطل ۔ابن عابدین شامی ردالمختار:۵/۳۵، میں لکھتا ہے کہ:قال تاج الشریعة فی شرح الهدایة ،ان القران بالاجرة لایستحق الثواب، لا للمیت ولا للقاری ،وقال العینی فی شرح الهدایة، ویمنع القاری للدنیا،و الآخذ و المعطی اثمان ،فالحاصل ان ماشاع فی زماننا من قراة الاجزاء بالاجرة لایجوز،لان فیه الامر بالقرأة واعطاء الثواب للآمر، والقرأة لاجل المال، فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر ،ولولا الاجرة ماقرأ احد لاحد فی هذا الزمان، بل جعلوا القران العظیم مکسبا ووسیلة الی جمع الدنیا. انا لله وانا الیه راجعون ۔اوراسی طرح کا عبارت مجموعۃ الرسائل :۱۸۰، میں بھی لکھا ہے :اور بہت تفصیل کے بعد فرماتا ہے، کہ ہمارے مدعی کے اثبات کے لئے قرآن وسنت اوراجماع، قیاس ہے، اما الکتاب فقوله تعالی" ولاتشتروا بایاتی ثمنا قلیلا".واما السنة فکقوله علیه السلام" اقرؤا القران ولاتأکلوا به "الحدیث .اس روایت کومسند احمد نے :۲۴/۲۸۸پراور۲۹۵، پر،جبکہ ابن ابی شیبہ نے:۲/۴۰۰، ۴۰۱ ، اورطبرانی نے اوسط:۲۵۹۵، میں نقل کیا ہے۔ جبکہ ۱۷۱، میں فرماتا ہے:ولولا الدراهم التی تدفع له بمقابلة ذلک، لم یتعب نفسه فی ذلک ،ولم یسهر له جفنا،ولترک ذلک بالکلیة ،واتخذ حرفة غیره، یتعیش منها فاذن لااجر له سوی مانواه، کمانطق به الحدیث الصحیح ،کماقدمناه، واذا کان لاثواب له فی قرائته وذکره، فای

شیء یهدیه الی روح الذین لم یدفعوا له هذا المال الا فی مقابلة ثواب هذه القرأة والذکر، ولو علموا انه لاثواب له ولا لهم لم یدفعوا له فلسا واحدا، واذا لم تحصل لهم تلک المنفعة او بطلت الاجارة والوصیة فبای وجه تحصل القربة، ویأخذ المدفوع الیه ذلک فی مذهب من المذاهب. اور اسی طرح:۱۷۳، میں بعض قراء کا عیوب ذکر کرتے ہیں: وکثیرا ما یدلس بعض فسقة القراء فیسقط من بعض الاجزاء شیئا سرا، وربما سرقوا الخبز والطعام، زیادة علی مایتناولونه من الحطام الحرام، ثم یهبون ماتحصل منهم فی تلک الاوقات الی روح من کان سببا فی اجتماعهم علی تلک المنکرات، والجزاء من جنس العمل، فانظر مااقبح هذا الخلل، ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم۔ مزید تفصیل کے لئے اس کتاب کا صفحہ:۱۲۵، ۱۲۹، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۹۰۔ دیکھئے۔

اور تقی الدین برکوی، نے اس مسئلہ کے متعلق ایک رسالہ لکھی ہے: جو کہ "انقاذ الهالکین" کی نام سے مشہور ہے اس کی اول میں لکھتا ہے: فهذه رسالة معمولة لابطال ماشاع فی البلاد واشتهر فی مابین العباد والعُبادمن اتخاذ القران العظیم، والفرقان الکریم" تنزیل من رب العٰلمین، لایمسه الا المطهرون "مکسبا بجمع الدنیا، وسبیلا یشترون بایات الله ثمنا قلیلا، یستبدلون الذی هو ادنی بالذی هو خیر، فهم کحاطب اللیل لایفرقون بین نفع وضر. فویل لهم مما یقرؤن وویل لهم مما یکسبون، فنعوذ بالله ثم نعوذ به ان یبتلینا وایاکم به وبامثاله الخ۔ یہ رسالہ کتاب شرح شرعة الاسلام کی حاشیہ:۱۰٦، پر موجود ہے۔ اردو میں ہم مذکورہ عبارات کا خلاصہ معارف القرآن:۱/۲۰۸، سے نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: علامہ شامی نے: درمختا کی شرح میں اور اپنے رسالہ شفاء العلیل میں بڑی تفصیل اور قوی دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کردی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کو جن متاخرین فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، اس کی علت ایک ایسی دینی ضرورت ہے جس میں خلل آنے سے دین کا پورا نظام مختل ہوجاتا ہے، اس لئے اس کو ایک ایسی ہی ضرورت کے مواقع میں محدود رکھنا ضروری ہے، اس لئے مردوں کو ایصال ثواب کے لئے ختم قران کرانا یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا اجرت کے ساتھ حرام ہے، کیونکہ اس پر کسی عام دینی ضرورت کا مدار نہیں، اور اجرت لیکر پڑھنا حرام ہوا، تو اس طرح پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گنہگار ہوئے

اور جب پڑھنے والے ہی کو کوئی ثواب نہ ملا تو میت کو وہ کیا پہنچائے گا۔ علامہ شامی نے اس بات پر فقہاء کی بہت سی تصریحات، تاج الشریعۃ، عینی شرح ہدایہ، حاشیہ خیر الدین بر بحر الرائق، وغیرہ سے نقل کی ہیں، اور خیر الدین رملی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے، کہ ایصال ثواب کے لئے قبر پر قرآن پڑھوانا یا اجرت دے کر ختم قران کرانا صحابہ وتابعین اور اسلاف امت سے کہیں منقول نہیں، اس لئے بدعت ہے (شامی ۱/۱۴۷) اور اسی طرح صلوٰۃ تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا بھی جائز نہیں ہے، محمد بن نصر المروزی نے ''قیام اللیل'' ۱۷۷ (مختصر) میں ایک عنوان لکھا ہے کہ: باب اخذ الاجر علی الامامة فی رمضان، اس میں ابن معقل کا واقعہ نقل کیا ہے، کہ صلی بهم، فی رمضان، فلما کان یوم الفطر ارسل الیه عبیدالله بن زیاد بخمس مأة درهم، وحلة، فردها وقال، انا لا نأخذ علی کتاب الله اجرا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ابن مقرن سے بھی نقل کیا ہے۔ پھر آگے لکھتا ہے: وسئل احمد عن امام قال لقوم اصلی بکم رمضان بکذا وکذا درهما، قال اسئل الله العافیة من یصلی خلف هذا۔ اور السنن والمبتدعات: ۱۶۱، میں بھی یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔

یہاں پر ابوحازمؒ کا واقعہ امام قرطبی نے وضاحت مسئلہ کے لئے نقل کیا ہے، ہم بھی اختصار سے اس کو نقل کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک مدینہ طیبہ پہنچے، اور چند روز قیام کیا، تو لوگوں سے دریافت کیا کہ مدینہ طیبہ میں اب کوئی ایسا آدمی موجود ہے جس نے کسی صحابی کی صحبت پائی ہو؟ لوگوں نے بتلایا ہاں ابوحازم ایسے شخص ہیں، سلیمان نے اپنا آدمی بھیج کر ان کو بلوالیا، جب وہ تشریف لائے تو سلیمان نے کہا کہ اے ابوحازم یہ کیا بے مروتی اور بیوفائی ہے؟ ابوحازم نے کہا آپ نے میری کیا بے مروتی اور بے وفائی دیکھی ہے؟ سلیمان نے کہا کہ مدینہ کے سب سے مشہور لوگ مجھ سے ملنے آئے، آپ نہیں آئے، ابوحازم نے کہا، امیر المؤمنین میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، اس سے کہ آپ کوئی ایسی بات کہیں، جو واقعہ کے خلاف ہے، آج سے پہلے نہ آپ مجھ سے واقف تھے، اور نہ میں نے کبھی آپ کو دیکھا تھا، ایسے حالت میں خود ملاقات کے لئے آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بیوفائی کیسی؟

سلیمان نے جواب سنکر ابن شہاب زہری اور حاضرین مجلس کی طرف التفات کیا، تو امام زہری نے فرمایا کہ ابوحازم نے صحیح فرمایا، آپ نے غلطی کی۔ اس کے بعد سلیمان نے روئے سخن بدل کر کچھ سوالات شروع کئے اور کہا اے ابوحازم، یہ کیا بات ہے کہ ہم موت سے گھبراتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی آخرت کو ویران اور دنیا کو آباد کیا ہے، اس لئے ابادی سے ویرانہ میں جانا پسند نہیں۔ سلیمان نے تسلیم کیا، اور پوچھا کہ کل اللہ تعالی کے سامنے حاضری کیسے ہوگی؟ فرمایا کہ نیک عمل کرنے والا تو اللہ تعالی کے سامنے اسی طرح جائیگا جیسا کوئی مسافر سفر سے

واپس اپنے گھر والوں کے پاس جاتا ہے، اور برے عمل کرنے والا اس طرح پیش ہوگا جیسا کوئی بھاگا ہوا غلام پکڑ کر آقا کے پاس حاضر کیا جائے۔سلیمان یہ سنکر رو پڑے،اور کہنے لگے،کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالی نے ہمارے لئے کیا صورت تجویز کر رکھی ہے،ابوحازم نے فرمایا کہ اپنے اعمال کو اللہ کے کتاب پر پیش کرو تو پتہ لگ جائے گا،سلیمان نے دریافت کیا کہ قران کی کس آیت سے یہ پتہ لگے گا؟ فرمایا اس آیت سے:''ان الابرار لفی نعیم☆ و ان الفجار لفی جحیم'' (انفطار: ۱۳، ۱۴،) یعنی بلاشبہ نیک عمل کرنے والے جنت کی نعمتوں میں ہیں، اورنافرمان، گناہ شعار، دوزخ میں۔سلیمان نے کہا کہ اللہ تعالی کی رحمت تو بڑی ہے، وہ بدکاروں پر بھی حاوی ہے، فرمایا اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡب'' مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (اعراف:۵۶)۔

یعنی اللہ تعالی کی رحمت نیک عمل کرنے والوں سے قریب ہے۔سلیمان نے پوچھا،اے ابوحازم، اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ فرمایا وہ لوگ جو مروت اور عقل سلیم رکھنے والے ہیں۔پھر پوچھا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ تو فرمایا کہ فرائض وواجبات کی ادائیگی،حرام چیزوں سے بچنے کے ساتھ، پھر دریافت کیا،کہ کونسی دعا زیادہ قابل قبول ہے؟ تو فرمایا کہ جس شخص پر احسان کیا گیا ہو،اس کی دعا اپنی محسن کے لئے اقرب الی القبول ہے۔پھر دریافت کیا کہ صدقہ کونسا افضل ہے؟ تو فرمایا کہ مصیبت زدہ سائل کے لئے باوجود اپنے افلاس کے جو کچھ ہو سکے،اس طرح خرچ کرنا کہ نہ اس سے پہلے احسان جتائے اور نہ ٹال مٹول کر کے ایذا پہو نچائے ، پھر دریافت کیا کہ کلام کونسا افضل ہے؟ تو فرمایا کہ جس شخص سے تم کو خوف ہو، یا جس سے تمہاری کوئی حاجت ہو،امید وابستہ ہو،اس کے سامنے بغیر کسی رد و رعایت کے حق بات کہہ دینا، پھر دریافت کیا کہ کونسا مسلمان سب زیادہ ہوشیار ہے؟ فرمایا وہ شخص جس نے اللہ تعالی کے اطاعت کے تحت کام کیا ہو، اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دی ہو۔پھر پوچھا کہ مسلمانوں میں کون شخص احمق ہے؟ فرمایا وہ آدمی جو اپنے کسی بھائی کی اس کے ظلم میں مدد کرے. جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اس نے دوسری کی دنیا درست کرنے لئے اپنا دین بیچ دیا۔سلیمان نے کہا کہ صحیح فرمایا،اس کے بعد سلیمان نے اور واضح الفاظ میں دریافت کیا،کہ ہمارے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ابوحازم نے فرمایا کہ مجھے اس سوال سے معاف رکھیں تو بہتر ہے۔سلیمان نے کہا کہ نہیں، آپ ضرور کوئی نصیحت کا کلمہ کہیں،ابوحازم نے فرمایا،اے امیر المؤمنین،تمہارے اباواجداد نے بزور شمشیر لوگوں پر تسلط کیا۔اور زبردستی ان کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت قائم کی،اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا،اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے ،کاش، آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ کو مرنے کے

بعد کیا کہتے ہیں، اوران کو کیا کہا جاتا ہے؟ حاشیہ نشینوں میں سے ایک شخص نے بادشاہ کے مزاج کے خلاف ابوحازم کی اس صاف گوئی کو سن کر کہا کہ ابوحازم تم نے یہ بہت بری بات کہی ہے، ابوحازم نے فرمایا: کہ تم غلط کہتے ہو بری بات نہیں کہی ، بلکہ وہ بات کہی جس کا ہم کو حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے علماء سے اس کا عہد لیا ہے، کہ حق بات لوگوں کو بتلائیں گے ۔چھپائیں گے نہیں۔ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهُ (ال عمران:۱۸۷) یہی وہ بات ہے جس کے لئے یہ طویل حکایت، امام قرطبی نے ایت مذکورہ کی تفسیر میں درج فرمائی، سلیمان نے پھر سوال کیا، کہ اچھا اب ہمارے درست ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا کہ تکبر چھوڑو۔ مروت اختیار کرو، اورحقوق والوں کو ان کے حقوق انصاف کے ساتھ تقسیم کرو۔ سلیمان نے کہا کہ ابوحازم کیا ہوسکتا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں، فرمایا: اللہ کی پناہ ، سلیمان نے پوچھا یہ کیوں ؟ فرمایا: کہ اس لئے کہ مجھے خطرہ یہ ہے کہ میں تمہارے مال ودولت وجاہ کی طرف کچھ مائل ہوجاؤں، جس کے نتیجے میں مجھے عذاب بھگتنا پڑے۔ پھر سلیمان نے کہا کہ اچھا آپ کی کوئی حاجت ہوتو بتلایئے، کہ ہم اس کو پورا کریں، فرمایا ہاں ایک حاجت ہے، کہ جہنم سے نجات دلا دواور جنت میں داخل کرادو، سلیمان نے کہا کہ یہ تو میرے اختیار میں نہیں، فرمایا کہ پھر مجھے آپ سے اور کوئی حاجت مطلوب نہیں، اخر میں سلیمان نے کہا کہ اچھا میری لئے دعا کیجئے، تو ابوحازم نے یہ دعا کی ، یا اللہ اگر سلیمان آپ کا پسندیدہ ہے، تو اس کے لئے دنیا واخرت کی بہتری کو آسان بنادے، اور اگر وہ آپ کا دشمن ہے، تو اس کی بال پکڑ کر اپنی مرضی اور محبوب کاموں کی طرف لے آ۔ اور اس مقام سے غیر حاضر نہ پائے جس کی طرف آنے کا آپ نے حکم دیا ہے، سلیمان نے اس مجلس سے فارغ ہونے کے بعد سو ۱۰۰ گنیاں بطور ہدیہ کے ابوحازم کے پاس بھیجیں، ابوحازم نے ایک خط کے ساتھ ان کو واپس کردیا۔ خط میں لکھا تھا کہ اگر یہ سو دینار میرے کلمات کا معاوضہ ہیں، تو میرے نزدیک خون اور خنزیر کا گوشت اس سے بہتر ہے، اور اگر اس نے بھیجا ہے کہ بیت المال میں میرا حق ہے۔ تو مجھ جیسے ہزار علماء اور دین کے خدمت کرنے والے ہیں، اگر سب کو آپ نے اتنا ہی دیا ہے، تو میں بھی لے سکتا ہوں، ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ، ابوحازم کی اس ارشاد سے کہ اپنے کلمات نصیحت کا معاوضہ لینے کو خون اور خنزیر کی طرح قرار دیا ہے، اس مسئلہ پر بھی روشنی پڑھتی ہے کہ کسی طاعت وعبادت کا معاوضہ لینا، ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ یہ واقعہ: سنن دارمی نے :۴۶۶/۳ ، اور حلیۃ الاولیاء :۲۳۴/۳ ، اور ابن منظور نے :۲۰۶۷/۱۰، تہذیب میں نقل کیا ہے۔ ابن عساکرنے : تاریخ دمشق :۳۳/۲۲ ، میں نقل کیا ہے۔

وَإِيَّایَ فَاتَّقُونِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

اور مجھ ہی سے خوف رکھو ۔ اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ

اور سچی بات کو جان بُوجھ کر نہ چھپاؤ ۔ اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو

وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۴۳﴾ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ

اور (اللہ تعالیٰ کے آگے) جھکنے والوں کیساتھ جھکا کرو، یہ کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کئے دیتے ہو

وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ

حالانکہ تم (اللہ تعالیٰ کی) کتاب بھی پڑھتے ہو کیا تم نہیں سمجھتے۔ اور (رنج و تکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخٰشِعِينَ ﴿۴۵﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُوا رَبِّهِمْ

اور بیشک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز و انکساری کرنے والے ہیں۔ جو یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں

وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِي إِسْرَآئِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ

اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے یعقوب کی اولاد! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے

عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ

اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ کام نہ

عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ

آئے گا اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے اور نہ لوگ (کسی اور طرح)

يُنصَرُونَ ﴿۴۸﴾ وَإِذْ نَجَّيْنٰكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ الْعَذَابِ

مدد حاصل کر سکیں۔ اور (ہمارے اُن احسانات کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون سے نجات دی، وہ (لوگ) تمہیں بڑا دُکھ

يُذَبِّحُوْنَ أَبْنَآءَ كُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَ كُمْ وَفِيْ ذٰلِكُم بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے

عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ

بڑی (سخت) آزمائش تھی۔ اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا تو تمہیں نجات دی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا

تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوْسٰىٓ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ

اور تم دیکھ ہی تو رہے تھے۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو (معبود) مقرر کر لیا

بَعْدِهٖ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ

اور تم ظلم کر رہے تھے ۔ پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو

تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معجزے عنایت کئے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو ۔

﴿۵۳﴾ وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو! تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے

الْعِجْلَ فَتُوْبُوْآ إِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْآ أَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ

تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے

بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى

، پھر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور بیشک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحبِ رحم ہے۔ اور جب تم نے (موسیٰ سے) کہا

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ

کہ اے موسیٰ! جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر یقین نہ کریں گے تو تم کو بجلی نے آ گھیرا اور تم دیکھ رہے تھے

ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ

پھر موت آ جانے کے بعد ہم نے تمہیں از سرِ نو زندہ کر دیا تا کہ احسان مانو ۔ اور تم پر بادل کا سایہ کئے رکھا

الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوا مِن طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا

اور (تمہارے لئے) من و سلویٰ اتارتے رہے کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ (پیو)

ظَلَمُونَا وَلٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هٰذِهِ

مگر تمہارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی اور) وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے اور جب ہم نے (اُن سے) کہا

الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا

کہ اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ (پیو) اور (دیکھو) دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا

حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ

اور حِطَّةٌ (یعنی توبہ) کہنا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے تو جو ظالم تھے انہوں

ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِى قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ

نے اس لفظ کو، جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا پس ہم نے ان ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا

السَّمَآءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾ وَإِذِ اسْتَسْقٰى مُوسٰى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا

انکے فسق و نافرمانی کی وجہ سے ۔اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے (اللہ سے) پانی مانگا تو ہم نے کہا

اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ

کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (انہوں نے لاٹھی ماری) تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا

أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْأَرْضِ

گھاٹ معلوم کر (کے پانی پی) لیا (ہم نے حکم دیا کہ) اللہ کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی کھاؤ اور پیو مگر زمین میں

مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا

فساد نہ کرتے پھرنا۔اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہوسکتا تو اپنے رب سے دعا

رَبَّکَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا

کیجئے کہ ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اُگتی ہیں ہمارے لئے پیدا کر دے

وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ أَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا

انہوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو

فَإِنَّ لَکُمْ مَّا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْکَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ

وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا،اور (آخرکار) ذلت (اور رسوائی) اور محتاجی (و بےنوائی) ان سے چمٹا دی گئی اور وہ اللہ کے

مِّنَ اللهِ ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ کَانُوْا يَکْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ

غضب میں گرفتار ہوئے یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے

الْحَقِّ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ

یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ مسلمان ہیں

هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ

یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان لائے گا اور

صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان کے (اعمال کا) صلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) نہ ان کو کس طرح کا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا

خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔اور جب ہم نے تم سے عہد (کر) لیا اور کوہِ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا)

مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ

کہ جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے اس کو زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں (لکھا) ہے اسے یاد رکھو تا کہ (عذاب سے) محفوظ رہو

تَوَلَّيْتُم مِّن بَعْدِ ذٰلِکَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ

تم اس کے بعد (عہد سے) پھر گئے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم

الْخٰسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا

خسارے میں پڑ گئے ہوتے۔ اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے

لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خٰسِئِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا

تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔ اور اس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لئے اور جو اُن کے بعد آنے والے تھے

خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ

عبرت اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بنا دیا۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے

أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَكُونَ

کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ بولے کہ کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں [٢٤]

---

[٢٤] اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا مگر وہ خبث باطن کی وجہ سے اس حکم کو مذاق سمجھنے لگے، اور اس معاملہ کو چالیس سال تک ٹالتے رہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ، گائے ذبح کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کو اس کے عمزادوں نے اس کی دولت حاصل کرنے کے لئے رات کی تاریکی میں قتل کر دیا، صبح ہوئی تو شور و غل بپا کر دیا، اور معاملہ موسی علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کر کے انہیں گائے ذبح کر کے اس کا کوئی حصہ مقتول کے جسم پر لگانے کا حکم دیا، تا کہ وہ زندہ ہوکر اپنے قاتل کا پتہ بتادے، (ان روایات کے متعلق ابن کثیر لکھتے ہیں:

الظاهر انها ماخوذة من كتب بني اسرائيل، وهي مما يجوز نقلها ولكن لا نصدق ولا نكذب، فلهذا لا يعتمد عليها الا ما وافق الحق عندنا. والله اعلم) . اس واقعہ کا پہلا حصہ بعد میں (واذ قتلتم نفسا فادار أتم فيها) میں مذکور ہے۔اور ''واذ قال موسى لقومه'' میں واقعہ کا اخری حصہ مذکور ہے۔ واقعہ کی ترتیب کو اس لئے بدلا گیا، تا کہ ایک ہی واقعہ سے متعلق ان کی دو خباثتوں کی واضح طور پر نشاندہی کی جا سکے۔اول گائے ذبح کرنے کے سلسلے میں پس وپیش اور ٹال مٹول۔دوم بے گناہوں پر قتل کا الزام، اگر واقعہ کو اصل ترتیب سے ذکر کیا جاتا، تو اس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا، اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے،لیکن شیخ حسین علی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ یہ دو مستقل واقعے ہیں، جیسا کہ گذشتہ واقعات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ''واذ'' سے جتنے واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ سب مستقل واقعات ہیں، نیز بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ گائے ذبح کرنے کے حکم اور گائے حاصل کر کے ذبح کرنے کے درمیان چالیس سال کا طویل وقفہ تھا: مدارک: ۱/۴۴، کبیر: ۱/۵۶۴، نعش کا اتنا عرصہ بے گور وکفن پڑا رہنا اور پھر متعفن نہ ہونا یہ امور بھی عقل وقیاس سے بعید ہیں، اس سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ دو مستقل واقعے ہیں، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ پہلے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہو طویل پس وپیش اور جستجو کے بعد جب وہ مطلوبہ گائے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے ہوں تو قتل کا واقعہ پیش آ گیا ہو، اور انہیں اس گائے کا گوشت مقتول کے بدن سے لگانے کا حکم دیا گیا ہو۔تا کہ زندہ ہوکر اپنے قاتل کا نشاندہی کرے۔

وقيل انه يجوز ان يكون ترتيب نزولها على موسى عليه السلام على حسب تلاوتها بان يأمرهم الله تعالى بذبح البقرة ثم يقع القتل فيؤمروا بضرب بعضها(روح المعانی: ۱/۲۸۵:وقرطبی: ۱/۴۴۵)

لیکن ایک سوال باقی رہ جائے گا کہ اس صورت میں گائے ذبح کرنے کے حکم کی وجہ کیا ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک واقعہ ہونے کی صورت میں جس چیز کو مفسرین کرام نے ذبح کے لئے گائے ہی کو منتخب کرنے کی حکمت کہا ہے، اس صورت میں وہی ذبح بقرہ کی علت ہوگی، مصریوں کے ساتھ صدیوں رہنے کی وجہ سے اسرائیلی بھی گوسالہ پرستی کے شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔وہ گائے کی پوجا کرتے اور اس کی تعظیم بجالاتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے باوجود انہیں گوسالہ پرستی سے قدرے انس باقی تھی، اگر چہ عملی طور پر وہ گائے کی پوجا نہیں کرتے تھے، لیکن گوسالہ پرستی سے وہ پورے طور پر متنفر بھی نہیں ہوئے تھے، جبھی تو سامری کے

گوسالہ کو دیکھتے ہی اس کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے، اس لئے ان کے سابق معبود کو ان کی نظروں میں ذلیل کرنے اور انہیں اس کی عبادت سے کلی طور پر متنفر کرنے کے لئے اللہ تعالی نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا، تاکہ توحید کی جڑیں ان کے دلوں کی گہرائیوں میں پھیل کر خوب مضبوط ہوسکیں۔ وانـمـا امـر (والله اعـلـم) بـذبـح البـقـرة دون غيـرهـا، لانهـامن جنس ماعبدوه من العجل ،ليهون عندهم ماكانوايرونه من تـعـظيـمـه. وليـعـلـم بـاجـابتهـم زوال مـاكـان فـي نـفوذهم من عبادتـه. ماوردي،قرطبي۔ وانـمـااختـص البـقـرمـن سـائـر الـحيـوانـات لانهم كانوايعظمون البقرويعبدونهامن دون الله فاختبروابذلك ،الخ. (بحر).

بنی اسرائیل سمجھے، کہ: گائے تو ایک مقدس اور معظم جانور ہے، بھلا اللہ تعالیٰ اسے ذبح کرنے کا حکم کس طرح دے سکتا ہے؟ یا انہوں نے ذبح بقرہ کے ذریعے قاتل کے پتہ لگانے کو بعید از عقل سمجھا، اس لئے کہا ہو نہ ہو، موسیٰ علیہ السلام ہم سے ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ ''قـال اعـوذبالله ان اكون الجاهلين''۔ کیونکہ احکام الٰہی کی تبلیغ میں تمسخر کرنا، جاہلوں اور بے وقوفوں کا کام ہے، اور انبیاء علیہم السلام کو یہ چیز زیب نہیں دیتی، لان الهزء في اثناء تبليغ امر الله سبحانه ،جهل وسفه ،ابوالسعود)۔

''يبيـن لـناماهي'' سے اسرئیلیوں کے تعنت اور حکم الٰہی کے امتثال میں لیت ولعل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، یہاں ,,مـاهـي ،، کے ذریعے گائے کی حقیقت مختصہ سے سوال نہیں، بلکہ یہ سوال محض ایضاح حال کے لئے ہے ,,لافـارض ولابكر ،، یعنی نہ بوڑھی ہو اور نہ بچی ''الفارض'' اسم لـلـمسـنة التي انقطعت ولادتها من الكبر'' والبكر'' اسم للصغيرة التي لم تلد من الصغر :(روح).

''عـوان بين ذالك'' یہ ماقبل کی تاکید ہے'' عوان'' اسے کہتے ہیں، جو مذکورہ دونوں عمروں کے درمیان ہو، وسط بين السنين (معالم)اى لاهي صغيرة ولاهي مسنة(قرطبي).

''فـافـعـلـوامـاتؤمـرون '' یعنی حکم کی تعمیل کرو اور زیادہ سوال وجواب نہ کرو,اى مـن ذبـح البـقــــرة ولاتـكرروا السوال ولاتعنتوا (روح)۔تـجـديـد لـلامـر وتاكيد وتنبيه على ترك التعنت فيماتركوه (قرطبي) . جب عمر کے متعلق اطمینان ہوگیا، تو اب رنگ کے متعلق سوال کر دیا ''صـفـراء فاقع لونها''''فاقع'' کے معنی تیز، زرد، رنگ والے کے ہیں، شديد الصفرة تكادمن صفرتهاتبيض ۔ابن کثیر۔

"تسر الناظرین": یعنی اس کا تیز اور گہرا زرد رنگ بدنما نہ ہو بلکہ ایسا خوشنما ہو کہ دیکھنے والے اسے دیکھ کر راحت اور سرور محسوس کریں۔

"ان البقر تشابهه علینا" یہ اسرائیلیوں کی سرکشی اور ان کے خبث باطن کی انتہا ہے، کہ حکم الہی کی تعمیل میں کیسی چالاکی سے پس وپیش کررہے ہیں۔ان البقرة تشابه علینا ،یعنی مذکورہ بالا اوصاف تو بہت سی گائیوں میں پائے جاتے ہیں،ان سے گائے کی تعین نہیں ہوتی ،اس لئے مزید وضاحت فرمائی جائے۔

"وانا انشاء الله لمهتدون" بار بار سوال کی وجہ سے گائے کے حصول میں دشواری بڑھ رہی تھی ،اس لئے اب انہوں نے اپنی غلطی محسوس کی ،اوراس پر نادم ہوئے ،اوراخری سوال میں اپنی کامیابی کو مشیت الٰہی سے متعلق کیا،گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں، کہ ہم مطلوبہ گائے حاصل کر کے ہی دم لیں گے۔حدیث میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے تھے (قرطبی)۔

"لاذلول" یعنی اس سے محنت کا کام نہ لیا جاتا ہو۔" تثیر الارض ولاتسقی الحرث "یہ ماقبل کی تفسیر ہے ، "مسلمة" بےعیب ہو،بریئة من العیوب (معالم:).

"لاشیه فیها" وہ یک رنگ ہواوراس میں کسی دوسرے رنگ کا داغ دھبہ نہ ہو۔ای لیس فیهالون یخالف معظم لونهاهی صفراء کلهالابیاض فیهاولاحمرة ولاسواد(قرطبی).

"جئت بالحق " یہاں حق بمعنی حقیقت ہے یعنی اب تم نے مطلوبہ گائے کی ٹھیک ٹھیک حقیقت بیان کی ہے۔ای اظهرت حقیقة ماامرنابه فالحق هنابمعنی الحقیقة (روح المعانی).

"فذبحوهاوماکادوایفعلون "،یعنی ان کی طبیعت گائے کی ذبح کرنے پر امادہ نہیں ہوتی تھی ،اس لئے بار بار سوال کرتے تھے۔ذبح تو کیا مگر بڑی مشکل سے بنی اسرائیل کو کوئی سی گائے ذبح کرنے کا حکم ملاتھا،مگرانہوں نے ازراہ تعنت اس میں موشگافیاں شروع کردیں،تواس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ بالا اوصاف کی گائے کے لئے ایک طرف توانہیں بہت زیادہ قیمت اداکرناپڑی،اوردوسرا عرصہ درازتک اس کی تلاش میں مارے مارے پھرے۔عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، کہ اگر وہ کوئی سی گائے لے کر ذبح کرڈالتے توان کا کام بن جاتا،لوذبحوااىّ بقرة ارادوا،لاجزأتهم، ولکن شددواعلی انفسهم فشدد الله علیهم (روح المعانی)۔

مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ۝٦٧ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُوْلُ إِنَّهَا

انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے التجا کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ (موسیٰ نے) کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ

بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ

وہ گائے ہے نہ تو بوڑھی اور نہ بن بیاہی بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہے پس جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو

۝٦٨ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُوْلُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ

انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ ہمیں یہ بھی بتادے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟ (موسیٰ نے) کہا اللہ فرماتا ہے

صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝٦٩ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا

کہ وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے، کہ دیکھنے والوں کو خوش کر دیتا ہو۔ انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے پھر درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں

مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَآءَ

اس کی مزید ماہیت بتا دے؟ کیونکہ اس گائے میں شبہ پڑا ہے ہم کو، (اگر) اللہ نے چاہا تو

اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝٧٠ قَالَ إِنَّهُ يَقُوْلُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْأَرْضَ وَلَا

ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی، کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے محنت کرنے والی نہیں۔ نہ تو زمین جوتتی ہے

تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ

اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہے۔ اس میں کسی طرح کا داغ نہیں ہو۔ کہنے لگے کہ اب تم نے سب باتیں درست بتا دیں،

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝٧١ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ

انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے تھے ہی نہیں۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو اس میں باہم جھگڑنے لگے

مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝٧٢ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا كَذٰلِكَ يُحْيِ

لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ تو ہم نے کہا کہ اس کا کوئی سا ٹکڑا اس کو مارو۔ اس طرح

اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ آيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾

اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو [٢٥]۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَإِنَّ مِنَ

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھر تو بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ

الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهٰرُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا

نکلتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں

يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ أَفَتَطْمَعُوْنَ أَنْ

کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ کیا تم امید رکھتے ہو کہ

يُّؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهُ مِنْ

یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے؟ (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلامِ الٰہی کو سنتے پھر

---

[٢٥]۔ پہلی تفسیر کے مطابق یہ مذکورہ واقعہ کا پہلا حصہ ہے جسے بعد میں ذکر کیا گیا ہے، اور دوسری تفسیر کے مطابق یہ مستقل واقعہ ہے، جو پہلے واقعہ کے بعد پیش آیا "ادارء تم" درء سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہٹانے اور دفع کرنے کے ہیں، اور یہ اصل میں "تـدارئتـم" تھا، "تاء" کو قرب مخرج کی وجہ سے دال سے تبدیل کیا گیا اور پھر اسے ساکن کر کے دوسرے دال میں ادغام کر دیا گیا، اور ابتداء میں ہمزہ وصل کا اضافہ کیا گیا، باب تفعل کا خاصہ مشارکت ہے، اس لئے مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے ہر شخص قتل کا الزام دوسرے پر پھینکنے لگا" والله مخرج ما كنتم تكتمون" یعنی جس چیز کو تم مسلسل چھپانے کی کوشش کر رہے تھے، اللہ اسے ظاہر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا "فقلنا اضربوه ببعضها" "ہ" ضمیر نفس کی طرف راجع ہے، کیونکہ مونث معنوی ہے۔ اس کی طرف مذکر و مونث دونوں ضمیریں راجع ہو سکتی ہیں، اور "بعضها" کی ضمیر گائے کی طرف راجع ہے، مطلب یہ کہ گائے کے بدن کا کوئی سا حصہ مقتول کے بدن سے لگا دو، تو وہ زندہ ہو کر قاتل کا پتہ بتا دیگا۔

بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا وَإِذَا

اسے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدلتے رہے ہیں۔ اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں

خَلَا بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ قَالُوْآ أَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے

لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ أَوَلَا

وہ تم ان کو اس لئے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اُسی کے حوالے سے تمہارے رب کے سامنے تمہیں الزام دیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں

يَعْلَمُوْنَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّوْنَ لَا

کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ کو (سب) معلوم ہے اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں

يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

کہ اپنے خیالاتِ باطل کے سوا (اللہ کی) کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں تو اُن لوگوں کے لئے ہلاکت ہے

يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا

جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہے تا کہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيْهِمْ

حاصل کریں، ان کے لئے ہلاکت ہے اس لئے کہ اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں

وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْآ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً

اور (پھر) ان کے لئے ہلاکت ہے اس لئے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا

قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ

چھو ہی نہیں سکے گی۔ ان سے پوچھو کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے اقرار لے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا

أَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّأَحَاطَتْ

(نہیں) بلکہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم ہی نہیں ہے۔ ہاں جو بُرے کام کرے اور اس کے گناہ

بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَأُوْلٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ

اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے

آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أُوْلٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا

اور جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنت کے مالک ہوں گے (اور) ہمیشہ اس میں رہیں گے

خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ إِلَّا اللّٰهَ

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ

اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں کیساتھ بھلائی کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا

حُسْنًا وَّأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ

اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہنا تو چند لوگوں کے سوا تم سب (اس عہد سے)

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا

منہ پھیر کر بیٹھے۔ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں کشت و خون نہ کرنا

تُخْرِجُوْنَ أَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ أَنْتُمْ

اور اپنے کو اُن کے وطن سے نہ نکالنا تو تم نے اقرار کر لیا اور تم گواہ ہو ۔ پھر تم وہی ہو

هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ

کہ اپنوں کو قتل کر دیتے ہو اور اپنے میں سے بعض لوگوں پر ظلم سے چڑھائی کر کے انہیں وطن سے نکال بھی دیتے ہو

عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَإِنْ يَّأْتُوْكُمْ أُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ

اور اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو بدلا دے کر اُن کو چھڑوا بھی لیتے ہو حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم کو حرام تھا

عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ

(یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتابِ (الٰہی) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کر دیتے ہو

مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ

تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رُسوائی ہو اور قیامت کے دن

إِلٰى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور جو کام تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سے غافل نہیں ہے۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی، پس نہ تو ان سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸٦﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ

(اور طرح کی) مدد ملے گی ۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے

بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَأَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے نشانات بخشے اور روح القدس (یعنی جبریل) سے ان کو مدد دی۔

أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ

تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آیا جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے

وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا

اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے ۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردے میں ہیں (نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے

مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے پس یہ تھوڑے ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور جب اللہ کے ہاں سے اُن کے پاس کتاب آئی

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا

جو اُن کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔

جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب اُن کے پاس آ پہنچی تو اُس سے کافر ہو گئے پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے[۲۶]

---

[۲۶] کتاب سے مراد قران ہے اور تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے، هو القران ،وتنكيره للتفخيم، ابو السعود." مصدق لمامعهم "،مامعهم ، سے مراد تورات ہے، یعنی قران مسئلہ توحید میں، تردید شرک میں، نبوت میں ،اور دیگر کئی احکام میں تورات کی تائید وتصدیق کرتا ہے، قران کی صدق کی ایک دلیل تو یہ ہوئی" وكانوا من قبل يستفتحون" یہاں "يستفتحون" بمعنى يفتحون ہے، کیونکہ باب استفعال کی ایک خصوصیت موافقت مجرد ہے، جیسے استقرّ بمعنی قرّ ہے،اور، فتح، کے معنی بتانے اور خبر دینے کے بھی آتے ہیں، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے،من قولهم فتح عليه ،اذاعلمه ووقفه كمافي قوله تعالى "اتحدثونهم بمافتح الله عليكم". روح المعانی، یعنی یہی یہودی اس سے پہلے کفار اور مشرکین کو بتایا کرتے تھے، عرب میں جو آخری نبی پیدا ہونے والا ہے، اس کے ظہور کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ اور اس نبی پر اللہ کی طرف سے ایک کتاب نازل ہوگی، اى يعرّفون المشركين ان نبيايبعث منهم وقدقرب زمانه. روح ،بحر . یہ قران اور صاحب قران کی صدق پر دلیل ہے۔ جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب آ گئی اور اللہ کا وہ رسول بھی آ گیا، جن کو وہ اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے، تو انہوں نے محض بغض وحسد اور ضد وعناد کی وجہ سے اور اپنے تقدس واقتدار کی حفاظت اور حرص دنیا کی خاطر ان دونوں کا انکار کر دیا۔ بغضاوحسداوحرصاعلى الرياسة.مدارک. كفروا،لما،اولى ، کا جواب ہے، اور لماثانيه، اولى ، کی تاکید ہے، یالمااولى ، کا جواب محذوف ہے، اور یہ لماثانيه، کا جواب ہے۔" فلعنة الله على الكافرين" ان کافروں کے لئے کفر وانکار کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے دوری ہو۔ نہ دنیا میں ایمان کی توفیق نصیب ہوگی نہ اخرت میں نجات نصیب ہوگی۔ اس ایت کا ترجمہ احمد رضا خان بریلوی نے اس طرح کیا ہے: (اور لوگوں کو شبہ میں ڈالا ہے)" اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلہ سے

کافروں پر فتح مانگتے تھے" جبکہ حاشیہ والا (مولوی نعیم الدین) اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں، کہ سید الانبیاء کی بعثت اور قران کریم کے نزول سے پہلے یہود اپنے حاجات کے لئے حضور کے نام پاک کے وسیلہ سے دعا کرتے، اور کامیاب ہوتے تھے۔ اور اس طرح دعا کیا کرتے تھے، اللھم افتح علینا وانصرنا بالنبی الامی، یارب ہمیں نبی، امی، کے صدقے میں فتح ونصرت عطا فرما۔ مولوی حمد اللہ جان، البصائر: ۲۱، ۳۰، میں لکھتے ہیں، یہ آیت بنو قریظہ کے متعلق نازل ہوئی، جیسا کہ سدی سے روایت ہے: کہ جب اوس وخزرج اور مشرکین کی لڑائی ہوتی، تو وہ تورات نکال کر اس میں رسول اللہ ﷺ کا نام نکال لیتے، اور اپنے ہاتھ اس پر رکھ کر دعا کرتے کہ: اللھم انا نسئلک بحق نبیک الذی وعدتنا ان تبعثه فی هذا الزمان ان تنصرنا علی عدونا الیوم، تو ان کی مدد کی جاتی۔ مولوی صاحب، یہ روایت مستدرک: ۶۵۲/۲، اور، دلائل النبوۃ، ودر منثور، وغیرہ نے نقل کیا ہے، روایت حاکم اس طرح ہے: کہ اخبرنی الشیخ ابو بکر بن اسحاق، انبأ محمد بن ایوب ثنا یوسف بن موسی، ثنا عبد الملک بن هارون بن عنترة، عن ابیه، عن جده، عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ قال: کانت یهود خیبر تقاتل غطفان، فکلما التقوا هزمت یهود خیبر، فعاذت الیهود بهذا الدعاء: اللهم انا نسئلک بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا، ان تخرجه لنا فی اخر الزمان، الا نصرتنا علیهم، قال فکانوا اذا التقوا دعوا بهذا الدعاء، فهزموا غطفان، فلما بعث النبی ﷺ کفروا به، فانزل الله "وقد کانوا یستفتحون بک یا محمد علی الکافرین.

امام حاکم اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے، ادت الضرورة الی اخراجه فی التفسیر وهو غریب من حدیثه۔ اس کی سند میں، عبد الملک بن ھارون ہے، اس کے متعلق، ابن حجر، لسان المیزان: ۸۶/۴، میں لکھتا ہے: متروک هالک، اور امام ذہبی تلخیص المستدرک میں لکھتا ہے، ھالک، جبکہ امام حاکم نے خود ہی اشارہ کیا کہ یہ ضعیف ہے۔ اس روایت سے بعض مبتدعین توسل بالذوات الفاضلہ کے لئے استدلال کرتے ہیں۔ اور نعیم الدین بریلوی اس آیت کی تفسیر کے بعد لکھتا ہے کہ: مسئلہ، اس سے معلوم ہوا کہ مقبولان کے حق کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور سے قبل جہان میں حضور کی تشریف آوری کا شہرہ تھا، اس وقت بھی حضور کے وسیلہ سے خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی، لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ یہ روایت صحیح نہیں، جبکہ مدارک، اور خازن وغیرہ لکھتے ہیں: کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ جب وہ آجائے تو ہم ان کے ساتھ ملکر تمہیں ایسا قتل وغارت کرینگے، کہ تمہارا نام ونشان مٹ جائے گا۔ مزید تفصیل کے لئے تفسیر احسن الکلام (پشتو) کو رجوع کریں۔

بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ یَّكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡیًا اَنۡ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ

جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا وہ بہت بُری ہے یعنی اس جلن سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے

مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ

جس پر چاہتا ہے اپنی مہربانی سے (وحی) نازل فرماتا ہے۔ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب سے کفر کرنے لگے تو وہ (اس کے) غضب

عَلٰی غَضَبٍ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ﴿۹۰﴾

بلائے غضب میں مبتلا ہو گئے اور کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے [۲۷]

---

[۲۷] یہاں ''اشتراء'' کے معنے بیچنے کے ہیں، یعنی جن چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانیں بیچ دی ہیں، اور جس کام کیلئے انہوں اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے وہ بہت برا ہے، ''ان یکفروا بما انزل اللہ'' یہ ''بئس'' کا مخصوص بالذم ہے۔ یعنی جس برے کام کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا، وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ایات بینات کا کفرو انکار ہے، اور ''ماانزل اللہ'' سے مراد قرآن ہے، جس کا ''کتاب مصدق'' کے الفاظ میں پہلے ذکر ہو چکا ہے، والمراد ، بماانزل اللہ، کتا ب مصدق، روح۔ ''بغیاان ینزل اللہ'' بغیا، ان یکفروا، کا مفعول لہ، ہے اور ان کے کفروانکار کی علت بیان کر رہا ہے اور ''من فضله'' سے وحی مراد ہے، اور ''من یشاء من عبادہ'' سے مراد محمد ﷺ ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب نے قرآن کا انکار کسی غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں کیا، وہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کو اچھی طرح جانتے ہیں، اور انکار محض بغض وحسد کی بناء پر کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ آخری نبی بھی ہماری خاندان بنی اسرائیل ہی میں سے ہوگا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ تو بنی اسماعیل میں پیدا ہوگیا ہے، تو حسد کرنے لگے کہ بنی اسماعیل کے پیغمبر پر کیوں وحی نازل ہوئی ہے؟ انهم ظنوا ان هذا الفضل العظيم بالنبوة المنتظرة يحصل فى قومهم فلماوجدوه فى العرب حملهم ذلك على البغي و الحسد (كبير) ۔یعنی وہ دوہرے غضب کے مستحق ہو گئے۔ ایک غضب تو توحید کو چھوڑ کر شرک کرنے اور گوسالہ پرستی کی وجہ سے نازل ہوا، اور دوسرا غضب آخری نبی ﷺ کو نہ ماننے کی وجہ سے ۔ ''وللكافرين عذاب مهين'' اوران کافروں کے لئے ایسا عذاب تیار ہے جو ان کے بغض وعناد اور کبر وغرور کو توڑ کر انہی کو ذلیل وخوار کرے گا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کو مانو تو کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر نازل ہوچکی ہے ہم تو اُسی کو مانتے ہیں

بِمَا وَرَآءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ

(یعنی) یہ اس کے سوا اور (کتاب) کونہیں مانتے حالانکہ وہ سچی ہے اور جو اُن کی کتاب ہے اس کی بھی تصدیق کرتی ہے۔

أَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى

(ان سے) کہہ دو کہ اگر تم صاحبِ ایمان ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو پہلے ہی کیوں قتل کیا کرتے؟ اور موسیٰ

بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَأَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

تمہارے پاس کھلے ہوئے معجزات لے کر آئے تو تم ان کے (کوہِ طور) جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے اور تم ظلم کرتے تھے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا آتَيْنٰكُمْ

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور کوہِ طور کو تم پر اُٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا کہ) جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے

بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا

اس کو زور سے پکڑو اور سنو تو وہ (جو تمہارے بڑے تھے) کہنے لگے کہ ہم نے سن تو لیا لیکن مانتے نہیں

وَأُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖ إِيْمَانُكُمْ إِنْ

اور ان کے کفر کے سبب بچھڑا ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا (اے پیغمبر ﷺ! ان سے) کہہ دو کہ اگر تم مومن ہوتو

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ

تمہارا ایمان تم کو بُری بات بتاتا ہے۔ کہہ دو کہ آخرت کا گھر اور لوگوں کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے نزدیک

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ﴿۹۴﴾

صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہے تو اگر سچے ہو تو موت کی آرزو تو کرو [۲۸]

[۲۸] اس ایت میں اللہ تعالی نے یہودیوں کے ایک باطل قول کی تردیدکی، بعد میں ان کومباہلے کا چیلنج دیا ہے، یہ چیلنج ان کے اسی سب سے بلند بانگ دعوی کے جواب میں ہے، کہ ہم اللہ تعالی کے برگزیدہ پیغمبروں کی اولاد ہیں، اس لئے ہم اللہ کے چہیتے اورمحبوب ہیں، اور جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا۔ سبب نزولها قولهم لن يدخل الجنة الخ ونحن ابناء الله واحباءه الخ ولن تمسنا النار الخ (روح، قرطبی) معالم، ابن کثیر، تواس کا جواب مباہلے سے دیا گیا۔

"الدار الاخرة" سے مراد جنت ہے اور "الناس" سے مراد تمام وہ لوگ ہیں، جو ان کے دین پر نہیں تھے۔

"فتمنوا الموت"، یعنی ہر فریق دوسرے کی موت کی تمنا کرے، یعنی موت کی بددعاء کرے، جیسا کہ مباہلہ میں ہوتا ہے۔ ای ادعوا بالموت على الكاذب من الفريقين و المراد منه المباهلة كماصح عن ابن عباس رضى الله عنهما وغيره من السلف . جامع البيان، قرطبی، ان كنتم صادقين: یعنی اگر تم اس دعوی میں سچے ہو کہ جنت صرف تمہارے ہی لئے ہے تو آؤ اور مباہلہ کرو۔ اور امام احمد نے: ۹۹/۴، میں یہ حدیث نقل کیا ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوان اليهود تمنوا الموت لماتوا، ورأوا مقاعدهم من النار، ولو خرج الذين يباهلون رسول الله ﷺ لرجعوا لايجدون مالا ولا اهلا،

اس ایت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں تمنی موت سے اپنی موت کی تمنا مراد ہے، یعنی اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو اللہ سے اپنے لئے موت مانگو کیونکہ جس شخص کو یقین ہو کہ وہ جنت میں جائے گا اس کی دلی خواہش یہ ہوگی کہ وہ دنیا کے تکلیفوں سے نجات پائے اور اخرت کی طرف منتقل ہو کر جنت میں اپنا بسیرا کرلے، لیکن ابن کثیر نے اس قول کو مرجوح کہا ہے۔ اور فرمایا ہے، کہ: یہ قول کچھ دل کو نہیں لگتا، اس لئے کہ بہت سے اچھے اور نیک آدمی بھی زندگی چاہتے ہیں، بلکہ حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جسکی لمبی عمر ہوئی ہو، اور اعمال اچھے ہوں، علاوہ ازیں یہی قول یہودی بھی کہہ سکتے تھے، تو بات فیصلہ کن نہ ہوتی، ٹھیک تفسیر وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ دونوں فریق ملکر جھوٹے کی ہلاکت اور اس کی موت کی دعاء کریں، اس اعلان کے سنتے ہی یہودی تو ٹھنڈے پڑ گئے، اور تمام لوگوں پر ان کا جھوٹ کھل گیا۔ سورۃ جمعہ

ایت (٦) میں بھی یہودیوں کومباہلہ کی دعوت دی گئی ہے: وہاں سبب ذکر ہے اور یہاں مسبب اور''العمران'': ٦١، میں عیسائیوں کومباہلہ کی دعوت ہے ۔اسی طرح مشرکین عرب سے بھی کہا گیا،سورۂ مریم: ٧٥،یعنی ہم میں سے جوگمراہ ہو،اللہ تعالی اس کی گمراہی بڑھادے۔اس کی پوری تفصیل اس آیت کے تحت بیان ہوگی انشاءاللہ۔

علامہ امیرعلی نے مباہلہ کے متعلق کچھ احکام اور شرائط لکھے ہیں،جس کا حاصل یہ ہے: کہ اب مباہلہ جائز نہیں مگر کسی ایسے ہی امرمہم میں جوشرعی ہو،اوراس میں اشتباہ وعناد کیا گیا ہو،اور وہ بدون مباہلے کے دفع نہ ہوتا ہو،تو روا ہے، بشرطیکہ مباہلے سے پہلے حجت پوری پوری قائم کردے،اورشبہ دورکرنے میں کوشش کرلے،اور پہلے نصیحت اورڈراوٴ دلادے، پھر اگروہ نفع نہ کرے اوریہی ضرورت پیش آوے کہ مباہلہ کیا جاوے،تو روا ہے ۔جیسا کہ حافظ ابن قیم کا بھی یہی قول معلوم ہوتا ہے ۔کیونکہ انہوں نے صفات حق عزوجل کوظاہری معانی پررکھنے،اوراس کی مرادکوحق عزوجل کے سپردکرنے کی حقیقت پر بدون تاویل وتحریف کے اپنے علماء زمانہ سے خانہ کعبہ کے رکن ومقام کے درمیان مباہلہ کرنے کو بلایا،مگرکسی نے قبول نہ کیا،اورحق اس مسئلہ میں اکابراہل اللہ کی طرف ہےاوراسی کے قریب قول عدم تاویل کا ہے،اورسب سے اخس قول تاویل ہے، اگرچہ متاخرین نے اس کومحکم ومضبوط قراردیالیکن وہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے ۔(مواہب الرحمان: ٣٠/٢١٧)۔امام ذہبی نے تاریخ اسلام (کبیر): ١١/ص١٣،اورابن کثیر نے البدایہ والنہایہ: ١٣/٥٨٢،میں یہ واقعہ ذکرکیاہے،کہ: **وقد كان عبدالله بن مصعب الزبيري افترى عليه(يحى) لبغضه للطالبية،وزعم انه طلب اليه ان يخرج معه،فباهله يحى بحضرة الرشيد،وقام،فمات الزبيري ليومه،وكان يحى قدطلب مباهلته وشبك يده في يده وقال: قل: اللهم ان كنت تعلم ان يحى بن عبدالله بن حسن لم يدعني الى الخلاف و الخروج على امير المومنين هذا،فكلني الى حولي وقوتي و اسحتني بعذاب من عندك،آمين ،رب العالمين. قال: فتلجلج الزبيري وقالها.ولماقال يحى مثله ماتلجلج.**

اورعبداللہ بن عباسؓ نے مسئلہ ظہار کے متعلق فرمایا تھا''**من شاء باهلته انه ليس للامة ظهار**''اس کوابن حجر نے اتحاف المہرۃ: ٧/٤٤٢،میں ذکرکیا ہے ۔جبکہ مصنف عبدالرزاق: ١٠/٣٥٥، اورسنن سعید بن منصور: ١/٤٤،میں اس سے،مسئلہ العول، میں بھی مباہلہ کی ذکر ہے،اورابوداوٴد نے کتاب الطلاق باب عدۃ الحامل: ٣/٣٦٢،میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مباہلے کا ذکرنقل کیا ہے،اورتفسیر جمل نے: ١/٤٣١،میں اس مسئلے کا تفصیل ذکرکیا ہے۔اورقوام السنۃ نے کتاب سیر السلف: ٣/١٠٦٤،میں واثق باللہ اورابن ابی دوٴاد کا مباہلہ ذکرکیا ہے۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ ﴿٩٥﴾

لیکن اُن اعمال کی وجہ سے جواُن کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں یہ کبھی اُس کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے واقف ہے

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا

بلکہ اُن کو تم اور لوگوں سے کہیں زیادہ زندگی کے حریص دیکھو گے یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی۔

يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُّعَمَّرَ

ان میں سے ہر ایک یہی خواہش کرتا ہے کہ کاش وہ ہزار برس جیتا رہے مگر اتنی لمبی عمر اُس کو مل بھی جائے تو اُسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی

وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ

اور جو کام یہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ رہا ہے۔ کہہ دو کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مر جانا چاہیئے)

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اس نے تو (یہ کتاب) اللہ کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کیا ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لئے

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ

ہدایت اور بشارت ہے۔ جو شخص اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کے پیغمبروں کا

وَجِبْرِيلَ وَمِيكٰلَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِينَ ﴿٩٨﴾

اور جبریل کا اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ تعالیٰ دشمن ہے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفٰسِقُونَ ﴿٩٩﴾

اور ہم نے تمہارے پاس سلجھی ہوئی آیتیں ارسال فرمائی ہیں اور اِن سے انکار وہی کرتے ہیں جو بدکردار ہیں۔

أَوَكُلَّمَا عٰهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ

ان لوگوں نے جب کبھی (اللہ سے) پختہ وعدہ کیا تو اُن میں سے ایک فریق نے اُس کو پھینک دیا

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر بے ایمان ہیں ۔ اور جب اُن کے پاس اللہ کی طرف سے پیغمبر آئے

لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اور وہ اُن کی کتاب کی بھی تصدیق کرتے ہیں تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اُن میں سے ایک جماعت نے

كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا

اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں ۔ اور اُن (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے

الشَّيٰطِينُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِينَ

جو سلیمان کے عہدِ سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی

كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور اُن باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے تھے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں

هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ أَحَدٍ حَتّٰى يَقُولَآ إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا

ہاروت اور ماروت پر اتری تھیں اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو (ذریعہ) آزمائش ہیں

تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ

تم کافر نہ بن،اور لوگ ان سے ایسا (جادو) سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں۔

بِضَآرِّينَ بِهٖ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ

اور اللہ کے حکم کے سوا وہ اس سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے اور کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو اُن کو نقصان ہی پہنچاتے

وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرٰاهُ مَا لَهٗ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ

اور فائدہ کچھ نہ دیتے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں کا خریدار ہوگا اُس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بُری تھی۔ اگر وہ (اس بات) کو جانتے [۲۹]

---

[۲۹] اس ایت میں "الشیاطین" سے سرکش جن اور ابلیس کے چیلے مراد ہیں، جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، و المتبادر من الشیاطین مردۃ الجن، وھو قول الاکثرین.(روح المعانی). ان یہودیوں نے تورات میں اخری نبی پر ایمان لانے کے حکم ہی کو نہیں ٹھکرایا بلکہ انہوں نے تو تورات کی دعوت توحید کو بھی پامال کر دیا، اور اسے چھوڑ کر شیطانی جادو اور ٹوٹکوں کے پیچھے پڑ گئے، جو سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطانوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے گھڑے تھے، جب یہودیوں نے قران کی دعوت توحید کے مقابلہ میں غیر اللہ کی پکار کا جواز ثابت کرنے کے لئے تورات پیش کی، تو تورات مسئلہ توحید پر قران سے متفق نکلی، تو اب یہودی اپنی خفت مٹانے کے لئے جادو کی وہ پوتھیاں نکال لائے، جو شیطانوں نے لکھ کر سلیمان علیہ السلام اور ان کے مومن وزیر اصف بن برخیا اور ہاروت و ماروت فرشتوں کے ناموں سے مشہور کر رکھی تھیں، اور نسلا بعد نسل موجودہ یہود تک پہنچی تھیں: قال السدی عارضت الیھود محمدا ﷺ بالتوراۃ فاتفقت التوراۃ والقرآن، فنبذوا التوراۃ ،واخذوا بکتاب اصف ،وسحرھاروت وماروت ،قرطبی: کبیر،نیشابوری.

جادو میں چونکہ غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے، اس لئے ایسا جادو صریح شرک اور کفر ہے، جب یہودی جادو، اور ٹوٹکوں کی پوتھیاں نکال لائے اور کہا دیکھو، یہ سلیمان علیہ السلام کے خاص نوشتے ہیں، اور وہ جادو کیا کرتے تھے، اور غیر اللہ کو پکارا کرتے تھے، بلکہ اسی کی بناء پر وہ جنوں پر حکومت کرتے تھے، تو اللہ تعالی نے یہودیوں کے اس دعوی کی تردید و تکذیب فرما کر سلیمان علیہ السلام کی اس کفر و شرک سے برائت کا اعلان فرمایا، کہ سلیمان پیغمبر نے تو ایسا کفر و شرک کبھی نہیں کیا، جو یہ لوگ ان کے ذمے لگا رہے ہیں، "ولکن الشیاطین کفروا"" لکن" ماقبل کی نفی اور مابعد کے اثبات کے لئے آتا ہے، یعنی سلیمان علیہ السلام نے یہ جادو اور کفر و شرک نہیں کیا بلکہ یہ سب شیاطین کی کارستانیاں ہیں۔ قتادہ کا بیان ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطانوں نے ایک کتاب تیار کی، جس میں جادو اور شرک تھا، اور لوگوں میں اس کی اشاعت کی، اور اس میں لکھا ہوا جادو لوگوں کو سکھانے لگے، جب سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہوا، تو انہوں نے وہ کتابیں حاصل کر کے اپنے تخت کے نیچے دفن کرا دیں۔

جب ان کی وفات ہوگئی تو جنوں نے یہ کتابیں پھر سے نکال لیں، اوراب لوگوں میں مشہور کرنا شروع کردیا کہ یہ سلیمان علیہ السلام کے مخصوص نوشتے اوران کا خاص علمی خزانہ ہے۔ جسے انہوں نے ہم سے چھپایا ہوا تھا، اور بعض نوشتوں کی ابتداء میں توان خبیثوں نے یہ الفاظ بھی بڑھادیئے تھے"هذا ما كتب اصف بن برخيا للملك سليمان بن داؤد من ذخائر كنوزا لعلم "یعنی یہ علم کے ذخیروں میں سے وہ خزانہ ہے جسے اصف بن برخیا نے سلیمان علیہ السلام کے حکم سے لکھا تھا، جنوں نے یہ کتابیں نکال کرلوگوں میں پھیلانا، اورانہیں سکھانا شروع کردیا۔ابن جریر۔ رفتہ رفتہ یہی نوشتے اور پوتھیاں نبی کریم ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کے پاس بھی پہنچ گئیں، اور بعض روایتوں میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیاطین اسمان کے قریب جاکرائندہ کاموں سے متعلق فرشتوں کی باتیں سنتے اوران میں اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹ ملاکرکاہنوں اورنجومیوں کو بتاتے، اوروہ ان تمام باتوں کوکتابوں میں لکھ کرلوگوں میں پھیلاتے، اورانہیں سکھاتے، اورچونکہ کوئی بات سچی بھی ہوجاتی تھی، اس لئے انہوں نے لوگوں میں مشہور کررکھا تھا، کہ جن غیب جانتے ہیں، اور یہ سلیمان علیہ السلام کا خاص علم ہے، اوراسی علم کے ذریعے انہوں نے جن وانس اور ہوا کو تابع کررکھا ہے: مدارک، نیشاپوری۔اگراس روایت کوپیش نظر رکھا جائے تو"شیاطین" سے شیاطین الجن والانس دونوں مراد ہونے چاہئیں، کیونکہ اس کام کوشروع توشیاطین الجن نے کیا تھا، لیکن لوگوں میں اسکی تعلیم واشاعت، شیاطین الانس کے ذریعے ہوئی۔

تحقيق السحر

اس آیت میں جادوکوکفر کہا گیا ہے، اس لئے جادو سے یہاں دواؤں کے ذریعے یا ہاتھ کی صفائی سے عجیب وغریب کرتب دکھانے مراد نہیں، کیونکہ بعض لوگ ان پر بھی جادو، اور سحر کا اطلاق کردیتے ہیں، اور یہ کفر بھی نہیں بلکہ اس سے جادو کی وہ تمام قسمیں مراد ہیں، جن میں غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے، اور ارواح خبیثہ سے استعانت کی جاتی ہے، اوراس میں شرکیہ وظائف پڑھے جاتے ہیں: ويستعان في تحصيله بالتقرب الى الشيطان بارتكاب القبائح قولا، كالرقى التى فيها الفاظ الشرك الخ. روح. شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ جادو کی تیرہ قسمیں ہیں، اورسب کا خلاصہ غیر اللہ کو پکارنا، غیر اللہ کو قادر، اور عالم الغیب سمجھنا ہے، اس کے بعد فرمایا ہے کہ جادوگر کی سزا قتل ہے ، اورقتل کے بعد نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے، اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ شیخؒ فرماتے ہیں، اے برادر! دعاء لغیر اللہ کہ بروئے اثار عجیبہ ظاہر میشود سحر است، ہمین است ماہیت در الفاظ، دعوت قمری "ای مرسل الرحمة ومنزل النعمة "ودردعوت عطارد:"كل ماحصل لى من الخير فهو منك"۔

ونیز گویند ایھا العالم بحفیات الامور و المطلع علی السرائر ،ودر تفسیر عزیزی است اگر در سحر قولی یا فعلی که موجب کفر باشد مثل ذکر نام بتان وارواح خبیثہ بہ تعظیمکہ شایان رب العزت است مثلے اثبات عموم علوم وقدرت وغیب دانی ومشکل کشائی یا ذبح لغیر اللہ یا سجدہ لغیر اللہ، وغیرذلک واقع شود، بلاشبہ آن سحر کفر است ۔ وصاحب ان مرتد شود، انتہی مختصراً فی التوسل لابن تیمیہ: ۱۳۰۔استغاثہ واقسام لغیر اللہ سحر است ۔

اسی طرح امام ابن تیمیہ ''قاعدہ جلیلیہ'' میں فرماتے ہیں کہ جادو میں غیر اللہ کو پکارنا لازم ہے، جس طرح یہودیوں نے اللہ کے معصوم پیغمبر سلیمان علیہ السلام کے ذمہ جادو اور غیر اللہ کو پکارنے جیسا شرک لگادیا تھا، اور ثبوت میں غیر مستند نوشتے پیش کئے تھے، اسی طرح آج کل قران کی خالص توحید کے مقابلہ میں شرک پسند پیر اور بدعت نواز مولوی اپنے شرکیہ اعمال وعقائد اور بدعات کو جائز ثابت کرنے کے لئے امام ابوحنیفہؒ شیخ عبد القادر جیلانی ،امام شعرانی اور دیگر بزرگان دین کا نام لیتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ مشائخ بھی غیر اللہ کو نہ صرف پکارنے کی اجازت دیتے تھے بلکہ خود بھی پکارا کرتے تھے، اور ثبوت ''قصیدہ نعمانیہ،قصیدہ غوثیہ، لطائف المنن ، اور بہجۃ الاسرار'' ایسی غیر مستند اور بے سروپا کتابیں پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ بزرگان دین اس قسم کی خرافات سے بالکل بری تھے، اگر قران کے مقابلے میں ایسی عبارتیں اور کتابیں بزرگوں کی طرف منسوب کرکے پیش کی جائیں، تو اگر واقعی وہ بزرگ اور اولیاء اللہ تھے جیسے مذکورہ بزرگان، تو اس نسبت کا صاف انکار کردینا چاہیئے ،جس طرح وضّاعوں اور کذّابوں نے رسول اللہ ﷺ کے ذمہ جھوٹی حدیثیں لگادی ہیں، اسی طرح توحید کے غداروں اور سنت کے باغیوں نے یہ منگھڑت خرافات ان بزرگوں کے ذمہ لگادی ہیں، اور اگر ان عبارتوں کی نسبت ان بزرگوں کی طرف صحت سے ثابت ہوجائے تو ان میں تاویل کی جائیگی ، اور ان کا ایسا محمل بیان کیا جائیگا جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو، اور اگر الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو کہا جائے ، کہ یہ کلمات اس شخص سے غلبہ حال کی حالت میں صادر ہوئے ہونگے ،جس میں وہ معذور ہیں ۔ بہرحال قواعد شرعیہ کے خلاف کسی کا کوئی قول قابل قبول نہیں، خواہ وہ کتنا ہی بڑا ولی اور امام کیوں نہ ہو، شریعت، اماموں ،اور ولیوں کے تابع نہیں، بلکہ امام اور ولی شریعت کے تابع ہیں ۔

''ومـا انزل''، میں ''ما'' موصولہ ہے، نافیہ نہیں، جیسا بعض کو غلطی لگی ہوئی ہے، اس کا عطف ''مـا تتلو'' پر ہے یعنی یہودیوں نے تورات کا پیغام توحید چھوڑ چاڑ کر شیطانی ٹوٹکوں اور ہاروت اور ماروت کے جادو کی اتباع اور پیروی شروع کردی، یہاں ''انـزل '' سے مراد وحی نہیں بلکہ الہام کے ذریعے تعلیم مراد ہے .الانـزال بـمـعـنـی الالھـام و التعليم.معالم ''الملکین'' میں مشہور قرأت لام کے فتحے سے ہے القرأۃ المشھورۃ بفتح اللام ، کبیر ،اسی بناء

پر محققین کی رائے یہ ہے، کہ ھاروت و ماروت دونوں فرشتے تھے، جنہیں لوگوں کے امتحان اور ابتلاء کے لئے اللہ تعالی نے زمین پر بھیجا تھا۔ ذهب كثير من السلف الى انهما كانا ملكين من السماء وانهما انزلا الى الارض . ابن كثير . وهذا الملكان انزلا لتعليم السحر ابتلاء من الله تعالى على الناس . روح المعانى . ان فرشتوں کو زمین پر اتارنے کی وجہ کے متعلق علمائے محققین نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں سحر اور جادو کا چرچا عام تھا، اور جادوگر بکثرت تھے، بعض دفعہ جادوگر نبوت کا دعوی کر دیتے، اور جادو کے عجیب وغریب کرتب دکھا کر لوگوں سے اپنی جھوٹی نبوت منوا لیتے، جادوگر لوگوں کو ایسے ایسے شعبدے دکھاتے کہ وہ حیران رہ جاتے، سفلی عملیات اور جادو کے ٹوٹکوں سے عوام اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں حق سمجھنے لگے، اور ان کے ذہنوں میں ایسی الجھنیں پیدا ہوگیں، کہ وہ جادو اور معجزے کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتے تھے، اس طرح جادو کے ذریعہ روز بروز گمراہی پھیل رہی تھی، لوگ انبیاء علیہم السلام، اللہ کے نیک بندوں، اور جادوگروں، اور شعبدہ بازوں کو ایک ہی سمجھنے لگے، تو اللہ تعالی نے حق و باطل کا فیصلہ کرنے اور جادو اور معجزہ میں امتیاز قائم کرنے کے لئے، ان فرشتوں کو جادو کی حقیقت سے اگاہ کر کے، زمین پر بھیجا تھا، تا کہ لوگ جادو اور معجزہ کی حقیقت اور باہمی امتیاز کو سمجھ کر جادوگروں کے مکروفریب سے بچ سکیں، الكبير، روح المعانی، والبحر۔

یہودیوں نے ہاروت و ماروت کے متعلق ایک عجیب وغریب اور جھوٹا قصہ مشہور کر رکھا تھا، جو کہ امام احمد نے مسند: ۱۰/۳۱۷، میں اور عبد بن حمید [۷۸۷]، ابن حبان [۶۱۸۶] ابن السنی [۶۶۲۲] سنن کبری: [۱۰/۴و۵] وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ: حدثنا يحى بن ابى بكير، حدثنا زهير بن محمد عن موسى بن جبير عن نافع، مولى عبدالله بن عمرؓ عن عبدالله بن عمرؓ، انه سمع نبى الله ﷺ يقول: ان آدم ﷺ لما اهبطه الله تعالى الى الارض قالت الملائكة اى ربّ : أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاء ، وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّيْ أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ ﴿بقرہ، ۳۰﴾ قالوا ربنا نحن اطوع لك من بنى آدم، قال الله تعالى للملائكة: هلموا ملكين من الملائكة حتى يهبط بهما الى الارض فننظر كيف يعملان، قالوا ربنا هاروت وماروت، فاهبطا الى الارض ومثّلت لهما الزهرة امرأةً من احسن البشر، فجائتهما فسئلاها نفسها، فقالت لا والله حتى تكلما بهذه الكلمة من الاشراك. فقالا والله لا نشرك بالله ابداً، فذهبت عنهما ثم رجعت بصبى تحمله، فسئلاها نفسها فقالت: لا والله حتى تقتلا هذا الصبى، فقالا والله لا نقتله ابدا، فذهبت ثم رجعت بقدح خمر تحمله

فشربا،فسكرا،فوقعاعليها،وقتلا الصبى ،فلما افاقا،قالت المرأة و الله ماتر كتماشيئامماابيتماه علىّ الاقدفعلتماحين سكرتما، فخُيّرابين عذاب الدنياوالاخرة، فاختاراعذاب الدنيا.

جس کا ماحصل یہ ہے، کہ اللہ نے ان دونوں فرشتوں کوبطورازمائش، بشری لوازمات دیکرزمین پر بھیجا،توانہوں نے ایک کنجری زہرہ کے ورغلانے پرشراب نوشی کی ،ایک بچہ ناحق قتل کیا۔اورزہرہ کنجری سے منہ کالا کیا،اس کے بعدانہوں زہرہ کنجری کواسم اعظم بتادیا،اوروہ اس کے ذریعے اسمان پر چلی گئی،تواللہ نے اسے زہرہ سیارہ بنادیا۔ھاروت وماروت اپنے گناہوں کی وجہ سے اسمان پرنہ جاسکے،اوراب نہیں الٹالٹکا کرعذاب دیاجارہاہے۔تعجب ہے کہ بعض مفسرین نے یہ جھوٹاقصہ بلانکیراپنی کتابوں میں درج کیاہےلیکن محققین علماء نے اس پرشدیدانکارکیاہے،جبکہ اس حدیث کےمتعلق شعیب الارنووط تعلیق (مسنداحمد) میں لکھتاہے:اسناده ضعيف ،ومتنه باطل ،موسى بن جبير.وهو الانصارى المدنى الحذاء،ذكره ابن حبان فى الثقات:۷/۴۵۱،وقال يخطئ ويخالف، وقال ابن القطان لايعرف حاله،وقال الحافظ فى التقريب مستور.وزهيربن محمد، هوابو المنذر الخراسانى المروزى الخرقى، ذكره ابوذرعة فى اسامى الضعفاء ،وقال ابوحاتم محله الصدق ،وفى حفظه سوء ،واختلف قول ابن معين فيه، فوثقه مرة وضعفه اخرى،وضعفه النسائى ،وذكره ابن حبان فى الثقات:وقال يخطئ ويخالف،وقال الدارمى له اغاليط كثيرة،وقال الساجى صدوق منكر الحديث،وذكره العقيلى وابن الجوزى و الذهبى فى جملة الضعفاء ،وبقية رجاله ثقات. و الصحيح ان هذا الحديث لاتصح نسبته الى النبى ﷺ،وانماهومن قصص كعب الاحبار،نقله عن كتب بنى اسرائيل،فقداخرج عبد الرزاق فى تفسيره: ۱/۵۳،وعنه ابن جرير:رقم:۱۶۸۴،۱۶۸۵،عن سفيان الثورى عن موسى بن عقبة عن سالم عن ابن عمرؓ،عن كعب الاحبار،قال ذكرت الملائكة اعمال بنى آدم الخ، واسناده صحيح على شرط الشيخين وهو اصح واوثق من السند المرفوع.

وقدذكره ابن كثيرفى التفسير،نقله عن هذا الموضع،وقال هذاحديث غريب من هذا الوجه ، ورجاله كلهم ثقات من رجال الصحيحين الاموسى بن جبيرهذا،وهو الانصارى السلمى مولاهم،وقدتفردبه عن نافع عن ابن عمرؓ عن النبىﷺ،ثم ذكرابن كثيرمتابعين له من طريقين آخرين عن نافع،احدهمامن رواية ابن مردويه باسناده الى عبدالله بن رجاء،عن سعيدبن سلمة ،عن

موسى بن سرجس،عن نافع عن ابن عمرؓ عن النبیﷺ،ثانیهمامن تفسیر الطبری باسناده من طریق الفرج بن فضاله،عن معاویة بن صالح عن ابن عمرؓ،عن النبیﷺ،ثم قال ابن کثیر،وهذان ایضاغریبان جدا،واقرب مایکون فی هذا،انه من روایة عبدالله بن عمرؓ،عن کعب الاحبار،لاعن النبیﷺ،وبعدان اوردابن کثیرحدیث عبد الرزاق الصحیح فی التفسیرقال:فهذا اصح واثبت الی عبدالله بن عمرؓ من الاسنادین المتقدمین،وسالم اثبت فی روایة ابیه عن مولاه نافع،فدار الحدیث ورجع الی نقل کعب الاحبار،عن کتب بنی اسرائیل.

وذکرابن کثیرنحوامن ذلک فی تاریخه البدایة و النهایة: ۱/۳۷،۳۸،ثم قال هذا من اخباربنی اسرائیل ،کماتقدم من روایة ابن عمرؓ عن کعب الاحبار،ویکون من خرافاتهم التی لایعوّل علیها. اوراس روایت کو بزار نے نقل کیا ہے(۲۹۳۸،زوائد)اور پھر فرماتا ہے کہ بعض رواۃ نے اس روایت کو عن نافع عن ابن عمرؓ موقوف نقل کیا ہے،اور میرے نزدیک زہیر نے اس کو مرفوع کیا ہے،حالانکہ یہ معتبر حافظ(قابل اعتبار)نہیں تھے۔ امام بیہقی اس روایت کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:رواه موسى بن عقبه عن نافع عن ابن عمرؓ عن کعبؓ قال...... الحدیث وهذا اشبه۔الارنووط آگے لکھتا ہے کہ:واورده الهیثمی فی مجمع الزوائد:۵/۶۸.وقال رواه احمدو البزارورجاله رجال الصحیح خلاموسی بن جبیروهوثقة،واخرجه بسیاق آخرموقوفا الحاکم فی المستدرک ۴/۶۰۷،۶۰۸.من طریق یحی بن سلمه بن کهیل عن ابیه عن سعیدبن جبیرعن ابن عمرؓ ،وقال هذاحدیث صحیح الاسنادولم یخرجاه، وَتَرُکُ حدیث یحی بن سلمة عن ابیه من المحالات التی یردهاالعقل،فانه لاخلاف انه من اهل الصنعة ،فلاینکرلابیه ان یخصه باحادیث یتفردبهاعنه، فتعقبه الذهبی بتضعیف یحی بن سلمة هذابقوله ،قال النسائی متروک وقال ابوحاتم منکر الحدیث، قلناوضعفه ایضایحی بن معین وقال لیس بشیء ،وقال البخاری فی حدیثه مناکیر،وقال الترمذی یضعف فی الحدیث، وقال ابن حبان منکر الحدیث جدا،یروی عن ابیه اشیاء لاتشبه حدیث الثقات ،کانه لیس من حدیث ابیه ،فلمااکثرعن ابیه مماخالف الاثبات ،بطل

الاحتجاج به ،الا فیما وافق الثقات،وقال ابن نمیر لیس ممن یکتب حدیثه ،وکان یحدث عن ابیه احادیث لیس لهااصول ،وقال ابن سعدکان ضعیفا جدا،وقال ابوداودلیس بشئ ،وقد اورد الحافظ حدیث احمدهذافی القول المسدد:۳۸،۳۹،وقال اورده ابن الجوزی من طریق الفرج بن فضالة، عن معاویة بن صالح عن نافع ،وقال لایصح ،و الفرج بن فضالة ضعفه یحی ،وقال ابن حبان یقلب الاسانید،ویلزق المتون الواهیة بالاسانید الصحیحة، ثم دافع الحافظ "ولم یصنع شیئا"عن روایة احمدفقال وبین سیاق معاویة بن صالح وسیاق زهیرتفاوت ،وقداخرجه من طریق زهیربن محمدایضا،ابوحاتم بن حبان فی صحیحه وله طرق کثیرة جمعتهافی جزء مفردیکاد الواقف علیه ان یقطع بوقوع هذه القصة لکثرة الطرق الواردة فیها،وقوة مخارج اکثرها،والله اعلم.

قلناقدتقدم ان ا بن کثیرقداشارالی روایة معاویة بن صالح هذه،وانه لایعول علیها،و الفرج بن فضالة الراوی عن معاویة بن صالح:ضعیف.ومهماکثرت الطرق الواردة فی هذه الروایة،فانهاکلهاضعیفة،فلاتقوی بمجموعهافی مثل هذا المطلب.قال الشیخ احمدشاکررحمه اللهفی تعلیقه علی المسند،اماهذا الذی جزم به الحافظ بصحة وقوع هذه القصة لکثرة طرقهاوقوة مخارج اکثرها،فلا،فانهاکلهاطرق معلولة او واهیة الی مخالفتها الواضحة للعقل،لامن جهة عصمة الملائکة القطعیة فقط.بل من ناحیة ان الکوکب الذی تراه صغیرافی عین الناظرقدیکون حجمه اضعاف حجم الکرة الارضیة بالآلاف المؤلفة من الاضعاف،فانی یکون جسم المرأة الصغیرالی هذه الاجرام الفلکیة الهائلة.قلنالم یردفی هذاالخبرعند من خرجه ان المرأة التی تسمی الزهرة قدمسخت نجما،قال ابن حبان بعدان اورد الحدیث الزهرة هذه امرأة کانت فی ذلک الزمان، لا،انها الزهرة التی هی فی السماء ، التی هی من الخنس.

جبکہ اس کے متعلق الشیخ عبد الغنی النابلسی الدمشقی الحنفی نے ایک کتاب بنام "برہان الثبوت فی تبرئۃ ہاروت وماروت" لکھاہے ،اوراس کتاب میں تصحیح ابن حجروسیوطی پر مفصل ردکیاہے اورفرمایاہے :وانظروتأمل فی قول الحافظ ابن حجر،یکاد الواقف علیه یقطع بوقوع هذه القصة،یعنی

انهـاغيـر واقـعة عـلـى جهة القطع،بل هو امر مظنون،ثم علله بكثرة الطرق الواردة فيها،وهی مختلفة اختلافاكبيرابحيث ان بعضهالايطابق بعضامتناواسنادا.

وأنـا أورد لک جـمـيـع طرقها التی ذكرالسيوطی، انهابلغت نيفاوعشرين طريقا،حتی تری الاختـلاف الـواقـع فيهـا،فـلاتـغتـربهـا،وتـرجع الی عصمة جميع الملائكة، المقطوع بهاعندعلماء الاسـلام، الـواردفـی كتـاب الله تـعـالـی،وعـلـيـه اجـمـاع اهـل السـنة و الـجـمـاعة وجـمـهـور العلماء.ص:۲۵۵.

امام رازیؒ فرماتے ہیں:واعـلـم ان هـذه الـروايـة فاسدة مردودة غيرمقبولة لانه ليس فی كتاب مـايـدل عـلـی ذلک بـل فيـه مـايبطلها.(كبير) . قرطبی لکھتے ہیں:قـلـنـاهـذاكـلـه ضعيف وبعيدعن ابن عـمـروغيـره لايـصـح منـه شیء . امام ابوحیان رقمطراز ہیں:وهـذاكـلــه لايـصـح منـه شیء ،و الملائكة معصومون لايعصون الله ماامرهم ويفعلون مايؤمرون ، البحر۔

علامہ خازن لکھتے ہیں، فبـان بهـذه الـوجوه ركة هذه القصة .علامہ سید محمود الوسی،امام رازی کا مذکورہ بالا قول نقل کرکے فرماتے ہیں:ونص الشهاب العراقی علی ان من اعتقدفی هاروت وماروت انهماملكان يعذبان علی خطيئتهمامع الزهرة فهو كافربالله العظيم.روح۔

یہ واقعہ موضح قران میں بھی ہے،جو شاہ عبد القادر محدث دہلوی کے نام پر کتابی صورت میں چھپی ہوئی ہے، مگر محققین،مثلا محدث العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک یہ تفسیر شاہ عبد القادر کی نہیں ہے،کسی نے لکھ کران کے نام منسوب کردی ہے،شاہ صاحب کی ''موضح قران'' صرف وہی حواشی ہیں،جو قران مجید کے حاشیہ پر چھپے ہوئے ہیں،بعض ناشرین نے اب ان میں بھی کچھ اور رد بدل کردیا ہے۔

''يـعـلـمان'' تعليم سے ہے اور تعلیم کے معنی یہاں درس وتدریس کے نہیں ہیں،بلکہ یہاں تعلیم بمعنی اعلام ہے، انـه مـن الاعـلام لامـن التـعـلـيـم فيعلمان بمعنی يعلمان، قرطبی.وقرأ طلحه بن مصرف، يُعْلِمانِ من الاعـلام لامـن التـعـلـيم وعليهاحمل بعضهم قرأة التشديد.روح ۔اور ''من'' زائدہ ہے،تاکید استغراق کے لئے۔روح۔ ''فتنۃ'' کے معنی ازمائش اور امتحان کے ہیں:وامـا الـفـتـنـة فـی هـذا الـمـوضـع فـان معناها الاختيار والابتلا.ابن جرير. الفتنة، الاختبار والامتحان.ابوسعود۔یعنی جب کوئی ان دونوں فرشتوں کے پاس جادو سیکھنے

کے لئے آتا،تو وہ پہلے ازراہ خیر خواہی اس پر واضح کر دیتے تھے،کہ دیکھو جادو پر اعتقاد رکھنا اوراس پر عمل کرنا کفر ہے،اور ہم تو محض اس لئے بھیجے گئے ہیں،تا کہ جادو اور معجزہ کا فرق لوگوں پر واضح کر دیں،لہذا جادو کے اصول ہم تمہیں بتلائیں گے ان کو ناجائز طور پر استعمال نہ کرنا،اوراس طرح ہم تمہارے لئے ازمائش وامتحان کا ذریعہ ہیں۔دیکھنا کہیں جادو کے پیچھے پڑ کر اپنا ایمان نہ ضائع کر بیٹھنا۔مذکورہ بیان سے ہاروت وماروت فرشتوں کا دامن بھی شرک وجادو سے پاک ہوگیا،جو کہ یہودیوں نے ان کے ذمہ لگایا تھا۔اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ خود جادو نہیں کیا کرتے تھے،اور نہ ہی غیر اللہ کو پکارتے تھے،وہ تو اللہ کے حکم سے محض لوگوں کے امتحان کے لئے جادو کی حقیقت واضح کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔فرشتوں کے روکنے کے باوجود اس جادو کو ناجائز طور پر استعمال کرنے لگے، اورزیادہ تر خاوند، بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے کے لئے اسے استعمال کرتے تھے۔

"وماهم بضارين به من احدالاباذن الله"۔جادوٹو ٹکے اورتعویذ گنڈے سے جو بھی اثار ظاہر ہوتے ہیں ، وہ اللہ کے حکم اوراس کی قضا سے ہوتے ہیں، کیونکہ فاعل اور موثر حقیقی وہی ہے نہ کہ یہ چیزیں۔یہ چیزیں تو محض اسباب کا درجہ رکھتی ہیں:**قال سفيان الثوری الابقضاء ه وقدرته ومشيته. معالم**۔اس لئے ضروری نہیں کہ ہر ٹوٹکے اورتعویذ گنڈے کا اثر ظاہر ہو۔

یہ بد بخت یہودی جو کچھ سیکھ رہے تھے،اس کے ذریعہ دوسروں کو نقصان پہنچانا تو ان کے بس کی بات نہ تھی،البتہ یہ جادو، دنیا اوراخرت میں ان کے لئے سراسر نقصان ہی نقصان تھا،اوراس میں انہیں ذرہ برابر بھی فائدہ نہ تھا۔

"**ولقدعلموا**"،"علموا" کا فاعل یہودیوں کے علماء ہیں،**قيل عائد على علماء اليهود**،بحر،اشتراہ، میں ضمیر مفعول" **ماتتلو**"کی طرف راجع ہے،جس سے مراد جادو ہے،اور"**اشتراء**" سے مراد استبدال ہے:

ای استبدال ماتتلوا الشياطين بكتاب الله. ابو سعود۔یعنی ان یہودیوں کے مولویوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جس نے اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر اس پر جادو اور سحر کی پوتھیوں کو ترجیح دی،اور توحید سے منہ موڑ کر شرک اور غیر اللہ کو پکارنے میں لگ گیا،وہ اخرت میں سخت بدنصیب ہوگا۔اللہ کی کتاب سے تورات یا قران مجید مراد ہے۔ابوحیان ایک صورت یہ بھی لکھتے ہیں کہ (**اشتراه**) کی ضمیر تورات یا قران شریف کی طرف عائد ہو،اور،اشترا،بمعنی بیع ہو،یعنی جس نے تورات یا قران کو چھوڑ کر اس کے عوض جادو کی کتابوں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔(بحر محیط)۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللهِ خَيْرٌ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو اللہ کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا۔ اگر وہ اس سے واقف ہوتے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا

اے اہلِ ایمان! (گفتگو کے وقت پیغمبر ﷺ سے) ''رَاعِنَا'' نہ کہا کرو۔ [۳۰]

انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اُنْظُرْنَا کہا کرو اور خوب سن رکھو اور کافروں کے لئے دُکھ دینے والا عذاب ہے۔ جو لوگ کافر ہیں،

مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ أَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاللّٰهُ

اہلِ کتاب یا مشرک، وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے خیر (و برکت) نازل ہو اور اللہ تعالیٰ تو جس کو چاہتا ہے

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

---

[۳۰] اس آیت میں اس بات کی ہدایت ہے کہ ایسے الفاظ مت کہو جس میں ایہام شرک ہو۔ اسی وجہ سے رشید احمد گنگوہی، درود تاج کو سم قاتل قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس میں ''دافع البلاء'' وغیرہ شرکیہ الفاظ ہیں۔ فتاوی رشیدیہ (۱۴۹)۔ تاویل اس لئے نہیں ہو سکتی کہ اس کا قائل مہدی علی شیعہ ہے جس کے غلط عقائد معلوم ہیں۔

''راعنا'' کی دو توجیہ ہیں: ''رعونت'' سے مشتق ہے یعنی احمق یا ''راعینا'' بمعنی چرواہا۔ عام مفسرین کا یہ قول ہے، اور جناب شیخ حسین علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کا مقصد یہ تھا کہ ہم نبی کریم ﷺ کی زندگی میں موقع ادب میں راعنا کہیں گے اور راعنا تو رعایت سے مشتق ہے، لہٰذا ہم رسول پاک کی وفات کے بعد کہیں گے کہ غیر اللہ نگہبان ہو سکتا ہے، کیونکہ ہم رسول اللہ کی حیات میں آپؐ کو راعنا کہتے تھے، اور آپؐ نے اس کی تردید نہیں فرمائی۔ باوجودیکہ رسولؐ کی زندگی میں تو ما تحت الاسباب رعایت جائز تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا، راعنا، کا لفظ ہی چھوڑ دو، جو کہ شرک کا بیج ہے، اس جگہ ''وانظرنا'' کا لفظ کہو، جس میں شرک کا وہم نہیں ہے۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا

ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا اس کو فراموش کرا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا ویسی ہی

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۶﴾

اور آیت بھیج دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے؟ [۱۳۱]

---

[۱۳۱] نسخ سے مراد یہ ہے کہ ایت کا حکم اٹھ جائے لیکن اس کی تلاوت باقی رہ جائے اور ''انسا'' سے مراد یہ ہے کہ تلاوت اور حکم دونوں اٹھ جائیں، یہ راعنا کو منسوخ کر کے اس کی جگہ انظرنا کہنے کے حکم کی طرف اشارہ ہے'' نأت بخیر منھا او مثلھا''، یعنی اگر ہم کسی حکم کو منسوخ کر دیتے ہیں تو وہ بھی ہماری حکمت و مصلحت کے عین مطابق ہوتا ہے، اور ہم منسوخ شدہ حکم کی جگہ اس سے زیادہ مفید اور زیادہ آسان یا نفع اور سہولت میں اس کے برابر دوسرا حکم نازل کر دیتے ہیں۔ ای بما ھو انفع لکم و اسھل علیکم و اکثر لاجر کم او مثلھا فی المنفعة و الثواب الخ، معالم.''الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر'' یہاں استفہام تقریری ہے اور اس کا مخاطب ہر سامع ہے، ھذا ستفھام معناہ التقریر، و الاولی ان یکون المخاطب السامع. بحر۔

مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب تو اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اپنے بندوں پر احکام میں ردبدل اور محو و اثبات کا اسے پورا پورا اختیار ہے، لہٰذا اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اس سے اصل دعوی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالی ہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہ انسانوں کی تمام حاجتیں اور ضرورتیں پوری اور ان کی تمام مشکلات آسان کر سکتا ہے، تو پھر اس کے سوا کیوں کسی اور کو پکارا جائے اور کیوں کسی اور سے استعانت کی جائے، اس آیت کا دوسرا ربط یہ ہے کہ اگر ہم کوئی ایسی رسم منسوخ کر دیں جو موہم شرک ہو تو اس کی جگہ اس سے بہتر طریقہ رائج کرا دیتے ہیں جس طرح راعنا کا لفظ منسوخ کر کے اس کی جگہ انظرنا کا لفظ کہنے کا حکم دیا ہے۔

فائدہ: متقدمین علماء، نسخ کو اس کے وسیع معنوں میں لیتے تھے، یعنی وصف ایت کے مطلق تغیر کو نسخ کہتے تھے، اس لئے ان کے نزدیک پانچ سو سے بھی زیادہ آیتیں منسوخ ہیں، لیکن متاخرین نے نسخ کو محدود معنی میں استعمال کیا، یعنی ایت کا حکم مع التلاوۃ یا بدون التلاوۃ اٹھا دینے کو نسخ کہتے ہیں۔ اس لئے اس مفہوم کے پیش نظر بیس سے زیادہ ایتیں منسوخ نہیں ہیں، جیسا کہ علامہ سیوطی نے الاتقان میں بسط و تفصیل سے ذکر کیا ہے، لیکن امام ولی اللہ محدث دہلوی الفوز الکبیر کے باب دوم، فصل دوم میں اس مفہوم کے تحت صرف پانچ ایتوں کو منسوخ مانتے ہیں، اور باقی تمام ایتوں کی توجیہ فرماتے ہیں، جناب شیخ رحمہ اللہ ان پانچ ایتوں کو بھی منسوخ نہیں مانتے، اور شاہ صاحب کی طرز بیان پر ان پانچوں ایتوں کی ایسی توجیہ فرماتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچوں آیتوں کا حکم بھی تا قیامت باقی ہے، ان پانچ ایتوں کی توجیہ اپنی اپنی جگہ آئے گی، انشاء اللہ تعالی۔ بعض لوگ نسخ پر اعتراض کرتے ہیں، کہ اللہ تعالی پہلے ایک حکم دیکر پھر اسے واپس کیوں لیتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ کے معنی پہلا حکم واپس لینے کا نہیں بلکہ اس سے پہلے حکم کی مدت کی انتہاء کا بیان مقصود ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اس مدت تک تھا۔ اس کے بعد کے لئے نہیں۔ جیسا طبیب، ڈاکٹر مریض کو ایک نسخہ ایک خاص مدت تک لکھتا ہے، پھر بعد میں اس کو بدل دیتا ہے۔ نسخ میں علماء، مفسرین کا بہت اختلاف ہے، لیکن اس اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ نسخ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) نسخ القران بالقران جیسے و الّٰتی یأتین الفاحشة الی قوله فامسکوهن فی البیوت نساء(۱۵)۔ ایت رجم (سورۃ نور:۲) سے منسوخ ہے وغیرہ۔

(۲) نسخ القران بالحدیث جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لا وصیة لوارث، یعنی وارث کے حق میں وصیت کا حکم اس حدیث سے منسوخ ہوا، اسی طرح شادی شدہ زنا کار سے جلد کا اسقاط اور رجم کا اثبات بھی حدیث سے ثابت ہے، جبکہ قران کریم میں صرف زانی، غیر شادہ شدہ کے لئے جلد کا حکم ہے، اس کو صرف سنت نے ساقط کیا، جو کہ نبی کریم ﷺ کا فعل ہے۔ قرطبی۔

(۳) نسخ الحدیث بالحدیث جیسے رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور ،الا فزوروھا، کنت نھیتکم عن لحوم الاضاحی الافکلوھاوادخروھا.

(۴) نسخ الحدیث بالقران جیسے کہ شام یعنی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ہے اس کے باوجود اس طرف کو چھوڑ کر بیت اللہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حدیث کے ذریعہ تھا جس کو تحویل قبلہ کی آیتوں نے منسوخ کردیا۔قرطبی۔امام شافعی نسخ مخالف یعنی نسخ الحدیث بالقران، نسخ القرآن بالحدیث، نہیں مانتے، کہتے ہیں کہ اس سے مخالف کو اعتراض کا موقع ملے گا، کہ خود باری تعالی پیغمبرؐ کی بات ردکرتے ہیں، یا پیغمبر علیہ السلام باری تعالی کی بات ردکرتے ہیں۔تو ہم کیسے مانیں۔امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مخالف کے اعتراض کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ مخالف تو توافق کی صورت میں بھی اعتراض کرسکتا ہے، کہ اللہ تعالی، یارسول اللہ ﷺ اپنی بات خود نہیں مانتے۔

نسخ کی دوسری تقسیم

(۱) الفاظ اور حکم دونوں منسوخ ہوچکے ہوں۔جیسے سورت احزاب، سورت بقرہ سے بڑی تھی، لیکن آپؐ سے بھلادی گئی۔عن ابی بن کعب قال: کم تقرؤون سورۃ الاحزاب؟قال:بضعاوسبعین اية.قال:لقدقرأتھامع رسول اللہ ﷺ مثل البقرة،اوأكثرمنھا،وان فیھاایة الرجم.(مسنداحمد:۱۳۴/۳۵).

(۲) صرف الفاظ منسوخ ہوں حکم باقی ہو۔جیسے یہ روایت:قال زرّ،قال لی ابی بن کعب : کأیّن تقرأسورة الاحزاب؟اوکأیّن تعدھاقال:قلت له ثلاثاوسبعین آیة،فقال:قط،لقدرأیتھاوانھالتعادل سورة البقرة،ولقدقرأنافیھا" الشیخ و الشیخة اذا زنیافارجموھما البتة نكالامن اللہ واللہ عزیز حكیم.

(مسنداحمد:۱۳۴/۳۵).

.یایہ ایت: قال انسؓ فقرأنافیھم قرانا ثم ان ذلک رفع، بلغوا اعناقومنااناقدلقینا ربنافرضی عنا وارضانا.(بخاری کتاب المغازی رقم:۴۰۹۰).

یا یہ: عشر رضاعات معلومات یحرمن(ثم نسخن) بخمس معلومات ۔.الفاظ منسوخ ہیں،الفاظ منسوخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے نماز نہیں ہوتی اور وحی متلو نہیں کہلاتی۔ یہ حدیث عائشہ سے منقول ہے، جو مسلم :۳/۹۱۲، مترجم،عربی نمبر:۳۵۸۲، میں ہے۔تفصیلی روایت ایسی ہے:

عن عائشه رضی الله عنها انها قالت كان فيما انزل من القران، عشر رضعات معلومات يحرمن، ثم نسخن ،بخمس معلومات، فتوفى رسول الله ﷺ وهى فيمايقرأمن القران.

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، کہ پہلے قران مجید میں یہ نازل ہوا تھا، کہ دس چکیوں سے حرمت لازم آتی ہے پھر وہ منسوخ ہوگیا۔ پھر پانچ چکیوں سے حرمت کا حکم ہوا، اور رسول اللہ ﷺ کے وصال تک قران مجید میں اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔

(بعد میں یہ الفاظ بھی منسوخ ہوئے، لیکن اکثر صحابہ یہ اس لئے تلاوت کرتے تھے، کہ انہوں کو نسخ کا علم نہ تھا، یہ روایت ابوداؤد نے بھی کتاب الرضاع میں نقل کیا ہے، مزید تشریح کے لئے کتاب (المنہل) مطالعہ کیجئے۔

(۳) حکم منسوخ ہو الفاظ باقی ہو جیسے قدماء کے نزدیک ایات عفو، آیات قتال، سے منسوخ ہیں۔

نسخ کی تیسری تقسیم

(۱) حدیث متواتر کے ذریعہ کتاب اللہ کی نسخ ذاتی جائز ہے۔

(۲) حدیث مشہور کے ساتھ کتاب اللہ کی نسخ وصفی جو کہ مطلق حکم کے تفسیر کا نام ہے، جائز ہے۔

(۳) خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ کا بیان جائز ہے، اور جب محتف بالقرائن ہو تو نسخ بھی جائز ہے۔

متواتر حدیث ،کتاب اللہ کی طرح علم یقینی کا فائدہ دیتا ہے، اور خبر مشہور علم طمانیت کا فائدہ اور خبر واحد علم ظنی کا فائدہ دیتا ہے۔خبر متواتر وہ ہے کہ سب قرنوں میں اس کو اتنے لوگوں نے نقل کیا ہو، کہ قومیت، زبان اور وطن کے اختلاف کی وجہ سے ان کا جھوٹ پر اجتماع محال ہو۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ
تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کی ہی ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ أَمْ تُرِيْدُوْنَ أَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ
دوست اور مدد گار نہیں ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے اسی طرح کے سوال کرو
كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ
جس طرح کے سوال پہلے موسیٰ سے کئے گئے تھے اور جس شخص نے ایمان (چھوڑ کر اس) کے بدلے کفر لیا وہ سیدھے رستے
السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيْمَانِكُمْ
سے بھٹک گیا ۔ بہت سے اہلِ کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر
كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا
کافر بنا دیں حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے تو تم معاف کر دو اور درگزر کرو
وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾
یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا (دوسرا) حکم بھیجے بیشک اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے ۔
وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ
اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور جو بھلائی اپنے لئے آگے بھیج رکھو گے اسکو اللہ کے ہاں پا لو گے۔
عِنْدَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ
کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ ان کے سوا کوئی جنت
إِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا أَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ
میں نہیں جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے خیالاتِ باطلہ ہیں (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

كُنتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ

ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اُس کا صلہ

عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾

اُس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ

اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی رستے پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی رستے پر نہیں

الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

حالانکہ دونوں کتابِ (الٰہی) پڑھتے ہیں۔اسی طرح بالکل انہی کی سی بات وہ لوگ کہتے ہیں جو (کچھ) نہیں جانتے (یعنی

مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ

مشرک) تو جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا فیصلہ کر دے گا۔

﴿١١٣﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے نام کا ذکر کئے جانے کو منع کرے

خَرَابِهَا أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوْهَا إِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا

اوران کی ویرانی میں ساعی ہو۔ان لوگوں کو کچھ حق نہیں ہے کہ وہ اُن میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔اُن کے لئے دنیا میں

خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے ۔ اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے۔

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾

تو جدھر تم رخ کرو ادھر اللہ کی وجہ (رضا) ہے بیشک اللہ تعالیٰ وسعت والا اور باخبر ہے

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ

اور یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے (نہیں) وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے

لَّهُ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضٰى أَمْرًا

سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ جب کوئی کام کرنا چاہتا

فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اور جو لوگ (کچھ) نہیں جانتے (یعنی مشرک) وہ کہتے ہیں کہ

لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ أَوْ تَأْتِيْنَا آيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے

مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيٰتِ

وہ بھی انہیں کی سی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جو لوگ صاحبِ یقین ہیں ان کے (سمجھانے کے) لئے

لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَلَا

ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہیں سچائی کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے

تُسْئَلُ عَنْ أَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا

اور اہلِ دوزخ کے بارے میں تم سے کچھ پرسش نہیں ہو گی۔ اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے

النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى

اور نہ عیسائی یہاں تک کہ اُن کے مذہب کی پیروی اختیار کر لو (ان سے) کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی ہدایت ہے

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ

اور (اے پیغمبر) اگر تم اپنے پاس علم (یعنی وحی الٰہی) کے آ جانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے تو تمہیں (عذابِ) الٰہی

مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِیْنَ آتَیْنَاهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ

سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو (ایسے) پڑھتے ہیں

حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے تو یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں اور جو لوگ اس کو نہیں مانتے وہ

الْخَاسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ

خسارہ پانے والے ہیں ۔ اے بنی اسرائیل! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے

وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ

اور یہ کہ میں نے تمہیں اہلِ عالم پر فضیلت بخشی ۔ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ کام نہ آئے گا

نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ

اور نہ اس سے کوئی بدلا قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کسی کی سفارش کچھ فائدہ دے اور نہ لوگوں کو (کسی اور طرح کی) مدد مل سکے

﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ

اور جب اللہ نے چند باتوں میں [۳۲] ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں تمہیں لوگوں کا

لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنائیو تو اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ میرا وعدہ ظالموں سے نہیں [۳۳]

---

[۳۲] "ابتلاء" کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے، تو اس سے اس کا مقصد بندوں کے احوال کو جاننا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ تو پہلے بھی جانتا ہے، بلکہ اس سے ان کے احوال کا خود ان کے لئے اور دوسرے لوگوں کے لئے اظہار مقصود ہوتا ہے تاکہ خود ان بندوں پر اپنی حقیقت واضح ہو جائے، اور دوسروں کو اس سے سبق حاصل ہو سکے۔ و ابتلاء الله العباد ليس ليعلم احوالهم بالابتلاء لانه عالم بهم ولكن ليعلم

العباد احوالھم: معالم التنزیل ۔ ''اذ'' کا عامل ''قال'' ہے جو آگے آ رہا ہے: و الاختیار ان یکون العامل فیه ملفوظا به وھو قال ''انی جاعلک''، بحر، ''کلمات'' کلمہ کی جمع ہیں، اور اس سے مراد وہ امور اور احکام ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا، ان کلمات کے بارے میں مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں۔ بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس سے مراد خصائل فطرت ہیں، یعنی کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، ناخن تراشنا، بغلوں اور زیر ناف کے بال صاف کرنا، اور مونچھوں کے بال تراش کرنا، اور بال میں کنگی کرنا، ختنہ کرنا، استنجاء کرنا۔ جبکہ یہ حدیث مستدرک: ۲/۶۵۶، کتاب التفسیر میں عبداللہ بن عباسؓ سے نقل ہے کہ: عن ابن عباسؓ فی قوله عز جل: ''وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ'' قال ابتلاء الله بالطهارة، خمس فی الرأس وخمس فی الجسد، فی الرأس قص الشوارب، و المضمضة، و الاستنشاق، و السواک، وفرق الرأس، وفی الجسد، تقلیم الاظفار، وحلق العانة، و الختان، ونتف الابط، وغسل مکان الغائط، و البول بالماء۔ اور درمنثور نے: ۱/۲۱۰، میں بیہقی وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ اور بعض نے اسی قسم کے کچھ اور احکام نقل کئے ہیں، لیکن اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر کا ابتلاء، اور پھر ایسے آسان احکام۔ یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ ان خصائل کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، مگر حدیث میں یہ کہیں مذکور نہیں، کہ جن کلمات میں ان کا امتحان لیا گیا تھا وہ یہ خصائل ہیں، اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ اس سے مراد بیٹے، اور پیاری جان کی قربانی ہے، جیسا کہ سورۂ صافات: ۱۰۱، سے، یا باپ کو توحید کا مسئلہ بیان کرنا، جیسا کہ سورۂ مریم: ۴۱، میں ہے، یا بادشاہ کے ساتھ مناظرہ کرنا، کمافی بقرہ: ۲۵۸، یا قوم کے ساتھ مناظرہ، اور جھگڑہ کرنا، جیسا کہ سورۂ انعام: ۷۵، اور بیوی و بچے کو صحرا میں چھوڑنا، کمافی سورۂ ابراہیم: ۳۵، قوم سے برائت کرنا، جیسا کہ سورة ممتحنة: ۴، میں ہے: بحر و ابن کثیر۔

[۳۳] عہد، سے مراد وہی عہد امامت ہے جس سے نبوت مراد ہے، فلمتبادر من العهد، الامامة، ولیست ھی ھٰھنا الا النبوة، روح۔ اور ''ظالمین'' سے مراد، نافرمان ہیں، مطلب یہ ہوا کہ تمہاری اولاد سے جو نافرمان ہونگے وہ اس نعمت سے محروم رہیں گے۔ اور فرمانبرداروں میں سے جنہیں اللہ چاہے گا، مرتبہ نبوت عطا فرمائے گا۔ بیضاوی لکھتا ہے: کہ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم عن الخطاء ہیں،

(مسئلة عصمت الانبیآء)

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے ہم نے اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیوں، انبیآء علیہم السلام کی مدافعت کیلئے تفصیل سے

لکھا ہے، اور ہم نے اس میں یہ واضح کیا ہے کہ رذیل لوگوں نے انبیآء علیہم السلام سے جرائم اور گناہوں کا جو صدور جائز رکھا ہے اوران کی طرف جن قبائح اور ناشائستہ امور کی نسبت کی ہے وہ جھوٹ اور بہتان ہے اور حجت سے عاری، محض گمان ہے، خواہ مخواہ خالی پیٹ ڈکارنے لگے ہیں، اور بے محل طمع میں مبتلاء ہیں، حالانکہ نہ تو ان میں اس مضبوط بازوؤں کے ساتھ ٹکرانے کی طاقت ہے، اور نہ ہی یہ لوگ شیر کی چال چل سکتے ہیں، كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِباً ﴿۵﴾ (کہف)

یاد رکھیئے کہ اس مسئلہ میں اختلاف کے چار مقامات ہیں:

پہلا اختلاف: عقیدہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے، کہ انبیآء علیہم السلام کفر اور بدعت سے محفوظ ومعصوم ہیں، بجز خوارج کے فرقہ فضیلیہ کے کہ ان ہاں انبیآء علیہم السلام معصوم نہیں، اس لئے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ انبیآء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور جائز ہے اور ہر گناہ ان کے ہاں کفر ہے، تو اس طرح کفر کا صدور بھی ان سے جائز ہوا، اور روافض کہتے ہیں کہ انبیآء علیہم السلام کیلئے تقیہ کے طور پر کلمہ کفر کا اظہار بھی جائز ہے۔

دوسرا اختلاف: اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اور شرائع سے متعلق ہے، اس پر بھی امت کا اجماع ہے، کہ انبیآء علیہم السلام سے اس مسئلے میں تحریف اور خیانت کا صدور جائز نہیں، نہ قصداً اور نہ سہواً، ورنہ پھر تو شریعت کی کسی چیز پر بھی اعتماد باقی نہیں رہے گا۔

تیسرا اختلاف: فتویٰ سے تعلق رکھتا ہے، سو اس پر اجماع ہے کہ انبیآء علیہم السلام سے قصداً خطا کا صدور جائز نہیں، سہواً میں اختلاف ہے۔

چوتھا اختلاف: انبیآء علیہم السلام کے افعال واحوال سے متعلق ہے، اس میں پانچ مذاہب ہیں:

(۱) حشویہ: ان کا مذہب یہ ہے کہ انبیآء علیہم السلام کا صغائر وکبائر پر اقدام جائز ہے۔

(۲) اکثر معتزلہ: قصداً کبیرہ کا ارتکاب جائز نہیں صغیرہ کا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے کوئی جائے خلاصی نہ ہو، اگر ہو تو پھر جائز نہیں، جیسے کہ ناپ تول میں ایک دانے سے کم کی کمی کرنا۔

(۳) ابوعلی الجبائی کا مذہب ہے: انبیآء علیہم السلام سے قصداً کبیرہ وصغیرہ کا صدور جائز نہیں، لیکن تاویل میں خطا کی بنا پر ان سے گناہ کا صدور جائز ہے۔

(۴) ابواسحاق ابرہیم بن یسار النظام معتزلی کا مذہب ہے: انبیآء علیہم السلام سے کبیرہ وصغیرہ کا صدور نہ تو قصداً جائز ہے اور نہ تاویلاً وخطائاً، البتہ سہواونسیاناً گناہ کا صدور جائز ہے، لیکن ان کو اس سہو اور نسیان پر تنبیہہ کی جاتی ہے، کیونکہ ان کا علم کامل ہے تو ان پر اس معاملہ میں بیدار رہنا واجب ہے۔

(۵) شیعہ: ان سے نہ تو کبیرہ گناہ کا صدور جائز ہے، اور نہ ہی صغیرہ کا، نہ قصداً اور نہ تاویلا، اور نہ سہوونسیان کے ساتھ۔

اسی طرح وجوب عصمت کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ انبیآء علیہم السلام ابتداء، ولادت سے آخر عمر تک معصوم ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ عصمت زمانہ نبوت میں واجب ہے، زمانہ نبوت سے قبل واجب نہیں، یہی قول ہمارے اکثر اصحاب رحمہم اللہ کا بھی ہے۔ (اہل السنۃ و الجماعۃ)۔ اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیآء علیہم السلام زمانہ نبوت میں قصداً صغائر وکبائر سے معصوم ہیں۔ اور سہواً صغائر وکبائر کا صدور ان سے جائز ہے۔ انبیآء علیہم السلام کی عصمت کے اس وجوب پر پندرہ دلائل پیش کیئے جاتے ہیں۔

پہلی دلیل: اگر انبیآء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں، تو پھر امت کے عام گنہگارروں کی بہ نسبت انبیآء علیہم السلام دنیا میں مذمت اور آخرت میں عذاب کے زیادہ مستحق ہوں گے، اور یہ باطل ہے، تو پھر ان سے گناہ کا صدور بھی باطل ہے۔

ملازمہ: وجہ اس کی یہ ہے کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان میں سب سے بڑی نعمت نبوت اور رسالت ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ نے نعمتیں زیادہ دی ہوں، اس کا نافرمانی کرنا بہت گھناؤنا ہے، اس پر صریح عقل کے دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ نقل بھی تین طریقوں سے اس کی تائید کرتی ہے۔

(۱) حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ازواج مطہرات کو، ﴿**یانسآء النبی لستن کاحدمن النسآء**﴾[**احزاب : ۳۲**] اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو۔ اور ارشاد ہے۔ ﴿**یانسآء النبی من یأ ت منکن بفاحشة مبینةیضٰعف لهاالعذاب ضعفین**﴾[**احزاب : ۳۰**] اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کھلی ہوئی بدکاری کرے، تو اسے دگنا عذاب دیا جائے گا۔

(۲) محصن (شادی شدہ) کو سنگسار اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگایا جاتے ہیں۔

(۳) غلام پر آزاد کی بہ نسبت آدھی حد جاری کی جاتی ہے۔

لہٰذا ان تینوں دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر انبیآء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو پھر وہ امت کے عام گنہگاروں کی بنسبت دنیا میں زیادہ مذمت اور آخرت میں زیادہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔ جب کہ یہ بالا جماع باطل

ہے۔اس لئے کہ کوئی بھی یہ کہنا گوارہ نہیں کرتا کہ پیغمبر، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو سب سے اچھی حالت کا حامل ہو، اور رتبہ میں ہر ایک سے کمتر ہو۔ یہ انبیآء علیہم السلام سے گناہ سرزد نہ ہونے کی پہلی دلیل ہے۔

دوسری دلیل: اگر انبیآء علیہم السلام سے گناہ سرزد ہو تو پھر ان کی گواہی قابل قبول نہ ہوتی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یاایھاالذین اٰمنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا﴾[حجرات / ۶] اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی سی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کیا کرو۔ اس آیت میں فاسق کے قول کی تحقیق اور اس کی گواہی قبول ہونے سے توقف کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ انبیآء علیہم السلام کا مردود الشہادۃ ہونا باطل ہے۔ اس لئے کہ جس کی گواہی دنیاوی معاملات میں معتبر نہ ہو تو ان کی گواہی کو کیسے قبول کیا جائے گا ان ادیان کے بارے میں جو قیامت تک باقی رہیں گے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نبی علیہ السلام قیامت کے دن اپنی امت کے لئے گواہی دیں گے۔ اور یہ امت پہلی امتوں پر، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً﴾[بقرہ/ ۱۴۳] اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا، تا کہ تم اور لوگوں پر گواہ ہو، اور رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہو۔ اور جو قیامت کے دن سارے انبیآء علیہم السلام کے لئے گواہ ہوں گے، تو ان کی گواہی جنت کے بارے میں کیسے قابل قبول ہوگی؟۔

تیسری دلیل: اگر انبیآء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں، تو پھر انہیں تنبیہ کرنا ضروری ہوتا، اس لئے کہ دلائل نیکیوں کے حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں، جب کہ انبیآء علیہم السلام کو زجر وتوبیخ کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ﴾[احزاب : ۵۷] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا و اخرت میں لعنت کی ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صادر ہونا ممتنع ہوا۔

چوتھی دلیل: اگر نبی اکرم ﷺ سے فسق صادر ہو، تو یا ہمیں اس فسق میں ان کی پیروی کا حکم ہوگا اور یہ جائز نہیں، اور یا ان کی اتباع کا حکم نہ ہوگا اور یہ بھی باطل ہے، اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ﴾[آل عمران / ۳۱] کہہ دو اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو، تو میری تابعداری کرو، تا کہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے۔ اور جب یہ دو باطل قسمیں نبی ﷺ سے فسق سرزد ہونے کی صورت میں جنم لیتی ہیں، تو ان سے فسق کا سرزد ہونا ہی محال ہوگا۔

پانچویں دلیل :اگرانبیآءعلیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو پھر وہ ضرور جہنم کی وعیدات کے مستحق ہوں گے،اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے ﴿ومن یعص اللہ ورسولہ یدخلہ ناراخالداًفیھاولہ عذاب مھین﴾[النسآء ۱۴/] اورجوشخص اللہ اوراس کے رسولﷺ کی نافرمانی کرے،اوراس کی حدود سےنکل جائے ،اللہ تعالیٰ اسے آگ میں ڈالیں گے،یہ اس میں ہمیشہ رہے گا،اوراس کے لئے ذلت کاعذاب ہے۔اورملعون بھی ہوں گے،جیسےارشاد باری تعالیٰ ہے﴿الا لعنۃ اللہ علیٰ الظٰلمین﴾[ھود/۱۸] خبردارظالموں پراللہ کی لعنت ہے۔حالانکہ باجماع امت یہ باطل ہے،توانبیآءعلیہم السلام سے گناہ کاصادرہوناباطل ہے۔

چھٹی دلیل:انبیآءعلیہم السلام نیکی کرنےاوربدی چھوڑنے کاحکم دیتے تھے۔پس اگرنیکی چھوڑدیتےاورگناہ کاارتکاب کرتے،توضروراللہ تعالیٰ کےاس ارشادکےتحت آجاتے۔

(۱)﴿یاایھاالذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون کبرمقتا عنداللہ ان تقولوا مالاتفعلون﴾[صف/۲،۳] اےایمان والو! کیوں کہتے ہوجوتم کرتےنہیں،اللہ کےنزدیک بڑی ناپسندبات ہےجوکہواوراس کوکرونہیں۔

(۲)﴿اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتٰب﴾[البقرۃ/۴۴] کیاتم لوگوں کو نیکی کاحکم کرتے ہو،اوراپنے آپ کوبھول جاتے ہو،حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو،پھرکیوں نہیں سمجھتے ؟اگرانبیآءعلیہم السلام سے گناہ صادرہوتواس زجروتوبیخ کےبھی مستحق ہوں گے۔اورظاہر یہ طرزعمل انتہائی قبیح ہےانبیآءعلیہم السلام اس سے پاک ہیں جیسا کہ اس طرزعمل سے شعیب علیہ السلام نے یوں برائت کااعلان کیاہے۔﴿ومااریدان اخالفکم الیٰ ماانھٰکم عنہ﴾[سورۃ ھود/۸۸]اورمیں یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے تمہیں منع کروں،اس کےخلاف کروں۔

ساتویں دلیل : اللہ تعالیٰ ابراہیم،اسحاق،یعقوب علیہم السلام کی صفت میں فرماتے ہیں﴿انھم کانوایسارعون فی الخیرات ﴾[الانبیاء/۹۰] یقیناً یہ لوگ نیک کاموں میں دوڑ پڑتے تھے۔یہاں طریقہ استدلال یہ کہ الخیرات میں الف لام جمع پرداخل ہوکرعموم کا فائدہ دےرہاہے،لھٰذا لفظ''الخیرات'' ہرجائزومناسب فعل کےکرنےاورناجائزفعل کے چھوڑنےکوشامل ہوگا،اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انبیآءعلیہم السلام ہرنیکی کوکرنے اور ہر برائی کوچھوڑنے والے تھے،اوریہی ہمارامدعیٰ ہے۔

آٹھویں دلیل :اللہ تعالیٰ کاارشادہے﴿وانھم عندنالمن المصطفین الاخیار﴾[صٓ/۴۷]یقناًوہ ہمارے نزدیک برگزیدہ نیک بندوں میں سے تھے۔اس آیت میں یہ دونوں لفظ،،المصطفین ،الاخیار ؛؛ساری نیکیاں کرنے

اورساری برائیاں چھوڑنے کوشامل ہیں،اسلئے کہ اس جیسے لفظ سے استثناء کرنا جائز ہے،جیسا کہ عرب کہتے ہیں :**فلان من المصطفين الاخيار الافى كذا**۔اوراستثناء کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اگرحرف استثناء نہ آتا تو مستثنیٰ ضرور مستثنیٰ منہ میں داخل ہوتا۔پس یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انبیآ ءعلیہم السلام زندگی کے ہر شعبے میں برگزیدہ وچنیدہ ہی ہوا کرتے تھے، اورصرف یہ نہیں بلکہ اس قسم کے بلندوبالا تعریفی کلمات قرآن کریم میں انبیآءعلیہم السلام کیلئے جابجا استعمال کئے گئے ہیں۔

(١) ارشاد ربانی ہے:﴿**الله يصطفى من الملائكة رسلاً ومن الناس**﴾[حج/ ٧٥] اوراللہ تعالیٰ فرشتوں اور آدمیوں میں سے ہی پیغام پہنچانے کے لئے چن لیتا ہے۔

(٢) ﴿**ان الله اصطفى آدم ونوحا وآل ابراهيم وآل عمران على العٰلمين**﴾[آلعمران / ٣٣] بےشک اللہ تعالیٰ نے آدم کواورنوح کواورابراہیم (علیہم السلام) کی اولادکواورعمران کی اولادکوسارے جہان سے پسند کیا ہے۔

(٣) اورابراہیم علیہ السلام کےحق میں فرمایا گیا:﴿**ولقد اصطفينٰه فى الدنيا وانه فى الآخرة لمن الصالحين**﴾ [البقرة /١٣٥]اورہم نے تواسے دنیامیں بھی بزرگی دی تھی،بےشک وہ اخرت میں بھی اچھےلوگوں میں سے ہوگا۔

(٤) موسیٰ علیہ السلام کومخاطب کرکے کہا گیا ہے۔﴿**يٰموسى انى اصطفيتك على الناس برسٰلتى وبكلامى**﴾[اعراف /١٤٤]اے موسیٰ (علیہ السلام) میں نے تجھے پیغمبری اورہم کلامی سے دوسرےلوگوں پرامتیازدیا ہے۔

(٥) ابراہیم،اسحاق،یعقوب علیہم السلام کوذکرکرکےفرمایا:﴿**واذكرعبادنا ابراهيم واسحاق ويعقوب اولى الايدى والابصار .انااخلصنٰهم بخالصة ذكرى الدار**﴾ [صٓ/٤٥،٤٦]اورہمارے بندوں ابراہیم اوراسحٰق اوریعقوب علیہم السلام کویادکر،جوہاتھوں اورآنکھوں والے تھے،بیشک ہم نے انہیں ایک خاص فضیلت دی،یعنی ذکرآخرت کے لئے چن لیا تھا۔

اعتراض: ''اصطفاء'' کی صفت سے متصف ہونا گناہ سے مانع نہیں ہے.سورۃ فاطرمیں ہے ﴿**ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينامن عبادنافمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات باذن الله**﴾ [فاطر/٣٢] پھرہم نے اپنی کتاب کاان کووارث بنایا،جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا،پس بعض ان میں سے اپنےنفس پرظلم کرنے والے ہیں،اوربعض ان میں سے میانہ رو ہیں،اوربعض ان میں سے اللہ کےحکم سے نیکیوں میں پیش قدمی کرنے والے ہیں۔پس اس آیت میں مصطفین (برگزیدہ)لوگوں کی تین قسمیں بیان فرمائی گئیں (١) ظالم (٢) مقتصد (٣)سابق بالخیرات۔جبکہ ظالم کاظلم توبدترین گناہ ہے۔

جواب:۔''**فمنهم**'' کےاندرضمیر''**عبادنا**'' کی طرف لوٹ رہی ہے۔''**الذين اصطفينا**'' کی طرف نہیں،اس لیےنحوی

قواعد کے مطابق ضمیر کو مرجع قریب کی طرف لوٹانا واجب ہوتا ہے۔

نویں دلیل:۔ سورۃ ص میں اللہ تعالیٰ شیطان کی قسم کی حکایت فرماتے ہیں ﴿**قال فبعزتک لاغوینھم اجمعین** ﴿۸۲﴾ **الا عبادک منھم المخلصین**﴾ ﴿۸۳﴾ عرض کی کہ تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کردوں گا، مگر ان کو جو تیرے خالص بندے ہوں گے۔ تو اس آیت میں ابلیس نے مخلصین ہی کو اپنے اضلال اور اغوا سے مستثنیٰ اقرار دیا، اور کامل مخلص انبیآء علیہم السلام ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، علیہم السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿**انا اخلصناھم بخالصة**﴾ اور یوسف علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہے ﴿**انه من عبادنا المخلصین**﴾ ابلیس کا یہ اقرار کہ میرے گمراہ کن حربوں سے مخلصین ہی بچ سکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی یہ گواہی کہ انبیآء علیہم السلام مخلصین میں سے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ ابلیس کی گمراہ کن تدابیر اور دلفریب وسوسوں سے انبیآء علیہم السلام محفوظ ہوکر چلے گئے تھے، اور اس سے یہ بات یقینی طور پر سامنے آتی ہے کہ ان سے کوئی بھی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا۔

دسویں دلیل:۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿**ولقد صدق علیھم ابلیس ظنه فاتبعوه الا فریقا من المؤمنین**﴾ [سباء:۲۰] اور البتہ ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کردکھایا سوائے ایمانداروں کے ایک گروہ کے، سب اسکے تابع ہوگئے۔ اس آیت کریمہ میں اتباع ابلیس سے بچنے والے گروہ کے متعلق یہی کہا جائے گا۔ کہ وہ انبیآء علیہم السلام تھے، اس لئے کہ اگر یہ انبیآء علیہم السلام کے گروہ نہ ہوں تو یہ لوگ انبیآء علیہم السلام سے بہتر ٹھرے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿**ان اکرمکم عند الله اتقکم**﴾ [حجرات : ۱۳] اللہ کے نزدیک عزت والا تم میں سے وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔ اور یہ بالاجماع باطل ہے، کیونکہ انبیآء علیہم السلام سے کوئی بھی افضل نہیں ہوسکتا۔ لہذا اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ جس جماعت نے ابلیس کی اتباع نہیں کی وہ انبیآء علیہم السلام ہی کی جماعت تھی، اور جو ابلیس کی اتباع کرے گا، وہ گنہگار ہوگا پس یہ دلیل ہے، اس پر کہ انبیآء علیہم السلام نے کسی قسم کے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔

گیارویں دلیل :۔ اللہ تعالیٰ نے مکلفین کو دو گروہ میں تقسیم فرمایا ہے (۱) حزب الشیطان (۲) حزب اللہ۔ حزب الشیطان کے بارے میں ارشاد باری ہے ﴿**اولٓئک حزب الشیطٰن الا ان حزب الشیطٰن ھم الخاسرون**﴾ [مجادلہ:۱۹] یہی شیطان کا گروہ ہے خبردار یقیناً شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔ اور حزب اللہ کے متعلق ارشاد ہے ﴿**اولٓئک حزب الله الا ان حزب الله ھم المفلحون**﴾ [مجادلہ:۲۲]۔ یہی اللہ کا گروہ ہے خبردار بے شک اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔ اور بلاشبہ شیطانی گروہ تو وہی ہوگا جو شیطان کی چاہت اور اس کی مرضی کے مطابق چلے گا، پس اگر انبیآء علیہم السلام سے شیطانی عمل سرزد ہوجائے تو وہ بھی (نعوذ باللہ) شیطان کے گروہ میں

شمار ہوں گے۔اوران پر یہ آیت کریمہ صادق ہوگی ﴿الاان حزب الشیطان هم الخاسرون ﴾اورامت کے نیک عمل لوگوں پر یہ آیت صادق ہوگی ﴿الاان حزب الله هم المفلحون ﴾ اوراس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ امت کے بعض افراد انبیآء علیہم السلام سے بہتر ہیں جبکہ یہ نتیجہ صریح البطلان ہے۔

بارویں دلیل:۔ ہمارے اصحاب (رحمهم اللہ تعالیٰ) یہ کہتے ہیں کہ انبیآء علیہم السلام فرشتوں سے بہتر ہیں،اور یہ حقیقت دلائل سے ثابت ہے کہ فرشتوں نے کسی قسم کے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔پس اگر انبیآء علیہم السلام سے گناہ صادر ہونا تسلیم کیا جائے تو فرشتوں سے ان کی افضلیت ممتنع ہوگی،اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ام نجعل الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار﴾ [صٓ:۲۸] کیا ہم کردیں گے ان کو جو ایمان لائے اور نیک کام کیئے،ان کی طرح جو زمین میں فساد کرتے ہیں،یا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کی طرح کردیں گے۔

تیرھویں دلیل:۔ اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فرماتے ہیں ﴿انی جاعلک للناس اماما﴾ [بقرہ:۱۲۴] بے شک میں تجھے لوگوں کیلئے پیشوا بنادوں گا۔اور یہ پیشوا وہی ہوتا ہے جس کی اقتداء کی جاتی ہے۔پس اگر ابراہیم علیہ السلام سے نافرمانی سرزد ہوجاتی تو لوگوں کا اس گناہ میں بھی اقتداء کرنا واجب ہوجاتا۔اور یہ باطل ہے۔

چودھویں دلیل:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لاینال عهدی الظالمین ﴾ [بقرہ:۱۲۴] میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔اور جو بھی گناہ کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہوگا،اس لئے کہ ارشاد باری ہے ﴿فمنهم ظالم لنفسه ﴾ [فاطر:۳۲]۔جب تو یہ مقدمہ پہچان چکا،تو اب ہم کہتے ہیں کہ جس عہد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا یا تو یہ عہد نبوت ہوگا اور یہ بعینہ ہمارا مقصود ہے،اور یا عہد امامت مراد ہوگا،اوراس صورت میں تو یہ ہمارے مدعی کیلئے زیادہ واضح دلیل ہوگی۔اس لئے کہ امامت رتبہ میں نبوت سے کم ہوا کرتی ہے۔جب عہد امامت نافرمان وعاصی کو حاصل نہیں ہے تو کیسے ان کے ساتھ عہد نبوت کرکے ان کو نبوت دی جائے گی۔

پندرھویں دلیل:۔ منقول ہے کہ خزیمہؓ نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے دعوے کے مطابق گواہی دی ۔جب کہ وہ لین دین کے وقت موجود نہ تھے۔[تو اس گواہی پر اعتراض کرنے والوں نے اعتراض کیا] تو خزیمہؓ نے کہا کہ جب میں عالم بالا کی خبروں کے بارے میں ان کی تصدیق کررہا ہوں تو کیوں دنیاوی معاملہ میں ان کی تصدیق نہ کروں؟ جب اس کا تذکرہ دربار رسول اللہ ﷺ میں ہوا تو آپ ﷺ نے اسکی تصدیق فرمائی اوران کو ذوالشہادتین (یعنی ان کی گواہی دو کے برابر ہے) کا لقب عطا فرمایا،(ابوداؤد:رقم:۳۶۰۷ج:۳/۳۰۱ کتاب الاقضیہ) تو اگر انبیآء علیہم السلام سے گناہ سرزد ہونا جائز ہوتا تو خزیمہؓ کی یہ گواہی ناجائز ہوتی ۔

(ملخص از کتاب عصمۃ الانبیاء)

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ؕ

اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ

اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنا لو اور ابراہیم اور اسماعیل کو کہا

طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۱۲۵﴾

کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَّارْزُقْ أَهْلَهُ

اور جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے

مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ

جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں ان کے کھانے کو میوے عطا کر تو (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر فائدہ دوں گا

قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۲۶﴾

(مگر) پھر اس کو (عذابِ) دوزخ کے (بھگتنے کے) لئے ناچار کر دوں گا اور وہ بُری جگہ ہے ۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا

اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کئے جاتے تھے کہ) اے اللہ ہم سے یہ خدمت قبول فرما

إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن

بیشک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے ۔ اے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری

ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ

اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا اور (اے اللہ) ہمیں ہمارے طریقِ عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما

الرَّحِيمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ

بیشک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے ۔ اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

جو ان کو تیری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے۔

وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾ وَمَن يَّرْغَبُ عَن مِّلَّةِ

اور اُن (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے۔ اور ابراہیم کے دین سے کون رُوگردانی کر سکتا ہے

إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ

سوائے اس کے جو نہایت نادان ہو۔ ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام) کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ

لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۱۳۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

(زمرۂ) صلحاء میں ہوں گے۔ جب اُن سے اُن کے رب نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کے آگے سرِ اطاعت خم کرتا ہوں

﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يٰبَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ

اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی کہ اے ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے

اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿۱۳۲﴾ أَمْ كُنتُمْ

تمہارے لئے یہی دین پسند فرمایا ہے خبردار تم مسلمان ہی مرنا ۔بھلا جس وقت ۔

شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي

یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلٰهًا

انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے

وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ

اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں ۔ یہ جماعت گزر چکی ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تمہیں تمہارے اعمال (کا)

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَقَالُوْا كُوْنُوْا

اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پُرسش تم سے نہیں ہو گی ۔ اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ

هُوْدًا أَوْ نَصَارٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ

یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے رستے پر لگ جاؤ گے ۔ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم

حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا

(اختیار کئے ہوئے ہیں) جو ایک اللہ ہی کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ۔ (مسلمانو) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہم پر اُتری

وَمَا أُنْزِلَ إِلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا

اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر

أُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا أُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ

اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں اُن پر اور جو اور پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے ملیں اُن پر (سب پر ایمان لائے)

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَإِنْ

ہم اُن پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (معبودِ واحد) کے فرمانبردار ہیں ۔ تو اگر یہ لوگ بھی

آمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَّإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ

اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور اگر منہ پھیر لیں تو وہ

فِىْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۳۷﴾

(تمہارے) مخالف ہیں اور اُن کے مقابلے میں تمہیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔[۳۴]

---

[۳۴] شروع سورۂ بقرہ سے یہاں تک ایمان کی حقیقت کہیں مجمل اور کہیں مفصل بیان کی گئی ہے، اس آیت میں ایک ایسا اجمال ہے جو تمام تفصیلات اور تشریحات پر حاوی ہے کیونکہ ''امنتم'' کے مخاطب رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام ہیں، اس آیت میں ان کے ایمان کو ایک مثالی نمونہ قرار دیکر حکم دیا گیا ہے، کہ اللہ تعالی کے نزدیک مقبول و معتبر صرف اس طرح کا ایمان ہے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے اختیار فرمایا، جو اعتقاد اس سے سرِ مو مختلف ہو، اللہ کے نزدیک مقبول نہیں۔

توضیح اس کی یہ ہے، کہ جتنی چیزوں پر یہ صاحبان ایمان لائے ان میں کوئی کمی زیادتی نہ ہو، اور جس طرح اخلاص کے ساتھ ایمان لائے، اس میں کوئی فرق نہ آئے کہ وہ نفاق میں داخل ہے، اور اللہ تعالی کی ذات وصفات، فرشتے اور انبیاء علیہم السلام ورُسل، اسمانی کتابیں اور ان کی تعلیمات کے متعلق جو ایمان واعتقاد رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا، وہی اللہ کے نزدیک مقبول ہے، اس کے خلاف اس میں کوئی تاویل کرنا، یا کوئی دوسرے معنی مراد لینا اللہ کے نزدیک مردود ہے، فرشتوں اور انبیاء ورسل کے لئے جو مقام آپؐ کے قول وعمل سے واضح ہوا اس سے ان کو گھٹانا یا بڑھانا ایمان کے منافی ہے۔

اس توضیح سے ان تمام باطل فرقوں کے ایمان کا خلل واضح ہوگیا جو ایمان کے دعویدار ہیں، مگر حقیقت ایمان سے بے بہرہ ہیں، کیونکہ زبانی دعوی ایمان کا تو بت پرست مشرکین بھی کرتے تھے، اور یہود ونصاری بھی، اور ہر زمانے میں زندیق وملحد بھی، مگر چونکہ ان کا ایمان اللہ پر، اور رسولوں پر، اور فرشتوں پر اور یوم قیامت وغیرہ پر اس طرح کا نہیں تھا، جیسا رسول اللہ ﷺ کا ہے، اس لئے وہ اللہ کے نزدیک مردود ونامقبول ہوا۔

مشرکین میں سے بعض نے تو فرشتوں کے وجود ہی کا انکار کیا، بعض نے ان کو اللہ کی بیٹیاں بنادیا، دونوں کی تردید ''بمثل ماامنتم به'' سے ہوگئی، یہود ونصاری کے بعض گروہوں نے اپنے پیغمبروں کی مخالفت اور نافرمانی کی، یہاں تک کہ بعض کو قتل بھی کردیا، اور بعض گروہوں نے ان کی عزت وعظمت کو اتنا بڑھایا کہ اللہ یا، اللہ کا بیٹا یا، اللہ کا مثل بنادیا، یہ دونوں قسم کی افراط وتفریط ضلالت وگمراہی قرار دی گئی۔

شریعت اسلام میں رسول کی عظمت ومحبت فرض ہے، اس کے بغیر ایمان ہی نہیں ہوتا، مگر رسول کو کسی صفت علم، یا قدرت وغیرہ میں اللہ کے برابر کردینا گمراہی اور شرک ہے، قرآن کریم نے شرک کی حقیقت یہی بیان فرمائی ہے، کہ غیر اللہ کو کسی صفت میں اللہ کے برابر کریں '' اِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ''(شعراء:۹۸) کا یہی مفہوم ہے، آج بھی جو لوگ رسول کریم ﷺ کو عالم الغیب اور اللہ کی طرح ہر جگہ موجود وحاضر ناظر کہتے ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی عظمت ومحبت کا حق ادا کررہے ہیں، حالانکہ وہ خود نبی کریم ﷺ کے حکم کی

اور عمر بھر کی کوششوں کی صریح مخالفت کررہے ہیں، اس آیت میں ان کے لئے بھی سبق ہے کہ رسول اللہ کی عظمت ومحبت اللہ کے نزدیک ایسی ہی مطلوب ہے، جیسی صحابہ کرامؓ کے دل میں، آپ کی تھی، اس سے کمی بھی حرام ہے اور اس میں زیادتی بھی غلو اور گمراہی ہے۔

اسی طرح جن فرقوں نے رسول کریم ﷺ پر ختم نبوت کا انکار کر کے نئے نبی کے لئے دروازہ کھولنا چاہا، اور قرآن کریم کی واضح تصریح خاتم النبیین کو اپنے مقصد میں حائل پایا، تو انہوں نے رسول و نبی کی بہت سی قسمیں اپنی طرف سے اختراع کرلیں، جن کا نام نبی ظلی، نبی بروزی وغیرہ رکھ دیا، اور ان کے لئے گنجائش نکالنے کی کوشش کی، مذکور الصدر آیت نے ان کے دجل وگمراہی کو بھی واضح کردیا، کیوں کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے ایمان بالرسل میں کسی ظلی و بروزی کا کہیں نام ونشان نہیں، یہ کھلا ہوا زندقہ اور الحاد ہے۔

اسی طرح وہ لوگ جن کے قلب ودماغ صرف مادے اور مادیات میں کھوئی ہوئے ہیں عالم غیب اور عالم آخرت کی چیزیں جب انہیں مستبعد نظر آتی ہیں، تو طرح طرح کی تاویلوں میں پڑجاتے ہیں، اور اپنے نزدیک اس کو دین کی خدمت سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس کو اقرب الی الفهم کردیا، مگر چونکہ وہ تاویلیں "بمثل ماامنتم به" کے خلاف ہیں، اس لئے سب مردود و باطل ہیں، آخرت کے تمام حالات وواقعات جس طرح قرآن وسنت میں وارد ہوئے ہیں ان پر بغیر کسی جھجک اور تاویل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے، حشر اجساد کے بجائے حشر روحانی اور عذاب وثواب جسمانی وروحانی، اسی طرح وزن اعمال میں تاویلیں کرنا سب اللہ کے نزدیک مردود، باطل اور گمراہی ہے۔

یہاں ابن کثیر لکھتا ہے کہ اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں، یعنی تمام کتابوں، اور رسولوں کو مان لیں، تو حق ورشد، ہدایت ونجات پائیں گے۔ اور اگر باوجود قیام حجت کے پھر بھی باز رہے تو یقیناً حق کے خلاف پر ہے۔ جبکہ جواہر القرآن میں ہے: کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا ایمان معیاری اور عنداللہ مقبول تھا، اور وہ ہدایت یافتہ تھے، کیونکہ یہود ونصاری اور مشرکین کا ہدایت یافتہ ہونا ان جیسا ایمان لانے پر موقوف کیا گیا ہے۔ "فسيكفيكهم الله" میں واضح فرمادیا کہ آپؐ اپنے مخالفوں کی زیادہ فکر نہ کریں، ہم خود ان سے نمٹ لیں گے، اور یہ ایسا ہی ہے، جیسا دوسری آیت میں "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾ [مائدہ] میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فرمادیا، کہ آپؐ مخالفین کی فکر نہ کریں، اللہ تعالی ان سے آپؐ کی حفاظت خود کریں گے۔ نافع بن ابی نعیم کہتے ہیں، کہ کسی خلیفہ کے پاس عثمانؓ کی تلاوت والا قرآن مجید بھیجا گیا، زیاد نے یہ سن کر کہا! کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب عثمانؓ کو لوگوں نے شہید کیا اس وقت یہ کلام اللہ ان کی گود میں تھا، اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر پڑا تھا "فسيكفيكهم الله" کیا یہ صحیح ہے؟ نافع نے کہا بالکل ٹھیک ہے میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین کا خون دیکھا تھا۔ (ابن کثیر)۔ اور امام بیہقی نے شعب الایمان: ۱۸۳/۵، واحمد فی الزہد: ۱۵۹، میں عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ: كان عثمان يقرأ في المصحف وهو في حجره فكانت اول قطرة قطرت من دمه على هذه الاية۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

(کہہ دو کہ ہم نے) اللہ کا رنگ (اختیار کرلیا ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔[۳۵]

قُلْ أَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا

(ان سے) کہو کہ کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا رب ہے اور ہمیں ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا)

وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ أَمْ تَقُوْلُوْنَ

اور تمہیں تمہارے اعمال (کا) اور ہم خاص اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو

إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا أَوْ

کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟

نَصَارٰى قُلْ ءَ أَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ

(اے محمد ﷺ! ان سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت (یعنی

---

[۳۵] اس آیت میں نصاریٰ کی اس رسم باطل پر رد ہے، جو کہ یہاں بعض مفسرین وغیرہ نے ذکر کیا ہے، کتاب النکت للسرخسیؒ: ۱۴۰ (وهو شرح لزيادات الزيادات) ومعناه (اصباغ الاولاد) انهم كانوا ياخذون ماء من عين، بقرب ميلاد عيسى عليه السلام (اى وقت ولادة عيسى عليه السلام) يسمونه ماء العمودية، يجعلون ذلك فى قدر، ثم يغمسون اولادهم فيزعمون انهم يتطهرون بذلك عن كل شوب الا النصرانية۔ کتاب النکت میں امام سرخسیؒ (جو کہ کتاب الزیادات کی شرح ہے) لکھتا ہے کہ: ''صبغ''، کا معنی یہ ہے کہ یہ نصاریٰ ایک چشمے سے، (عیسیٰ علیہ السلام کے وقت ولادت کے قریب)، پانی لیتے تھے، اور اس کو عمودی پانی سے موسوم کرتے تھے، اور اس پانی کو ایک ہانڈی میں ڈالکر پھر بچوں کو اس میں نہلاتے اور یہ گمان کرتے کہ اس عمل سے ہمارے یہ بچے تمام مذاہب وعقائد باطلہ سے پاک ہوتے ہیں، اور نصرانیت کے علاوہ تمام ادیان وافکار سے مبراء ہوتے ہیں۔

مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ

اس گواہی) کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

یہ جماعت گزر چکی ان کو (وہ ملے) گا جو انہوں نے کیا اور تمہیں وہ جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے اُن کی پرسش تم سے نہیں ہوگی

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا

احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے سے چلے آتے) تھے (اب) اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے؟

عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

تم کہہ دو کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے ۔[۳۶]

﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے تا کہ تم لوگوں کو دین بیان کرتے رہو

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

اور پیغمبر تم کو بیان کرے گا۔[۳۷]

---

[۳۶] امام بخاری نے براءؓ سے (کتاب الصلواة، باب التوجه نحو القبله) روایت کیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ جب مکہ سے مدینہ آئے تو بیت المقدس کی طرف سولہ ۱۶، یا سترہ ۱۷، مہینے نماز پڑھی، مگر آپ ؐ کی یہ خواہش تھی کہ قبلہ طرف کعبہ کے ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے جو نماز طرف کعبے کے پڑھی، عصر کی نماز تھی، آپ ؐ کے ہمراہ ایک قوم نے بھی پڑھی، ان میں سے ایک کا گذر مسجد بنوسلمہ والوں پر ہوا، وہ لوگ رکوع میں تھے، اس نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز کعبہ کی طرف پڑھی ہے، وہ سب لوگ مکہ کی طرف پھر گئے، کچھ لوگ جو پہلے قبلے پر، قبل تحویل

کے طرف کعبے کے مر گئے تھے، ہم ان کے حق میں کچھ نہ کہہ سکتے تھے، اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

''سفھاء'' سے مراد یا تو مشرکین مکہ تھے یا یہود اور بعض نے منافقین ذکر کئے ہیں، لیکن لفظ اپنے عموم کے لحاظ سے سب کو شامل ہے، اس لئے اس کو عموم پر محمول کرنا ہی بہتر ہے (کبیر)۔

[۳۷] یہاں تفسیر نعیمی والے نے کچھ یوں تفسیر کیا ہے، امت کو تو رسول اللہ ﷺ کی اطلاع کے ذریعہ سے احوال امم، وتبلیغ انبیاء کا علم قطعی ویقینی حاصل ہے، اور رسول اللہ ﷺ بکرم الہی نور نبوت سے ہر شخص کے حال، اور اس کی حقیقت ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاص ونفاق سب پر مطلع ہیں۔

اس کا جواب تفسیر جواہر القرآن نے تفصیل سے دیا ہے، لکھتا ہے: یہ مرکزیت تمہیں اس لئے عطاء کی ہے تاکہ میرا پیغمبر تم کو میری توحید بتائے اور میرے احکام سے تم کو آگاہ کرے، اور تم دوسرے لوگوں کو توحید بتاؤ، اور ان تک میرے احکام پہنچاؤ، اس میں خطاب صحابہ کرام سے ہے''اور شہداء'' شہید کی جمع ہے۔ جو شہادت سے ماخوذ ہے، جن کے معنی ہیں بیان کرنا، اس لئے شہید اور اسی طرح شاہد کے معنے ہونگے۔ اللہ کے توحید بیان کرنے والا، اور راہ حق بتانے والا، جیسا کہ علامہ ابن صفی حنفی نے لکھا ہے: انا ارسلناک شاهدا لله بالوحدانية (جامع)۔ یعنی اپ کو ہمنے توحید بیان کرنیوالا بنا کر بھیجا، اسی طرح سورۂ مائدہ میں ''وکانوا علیه شهدا'' کے تحت علامہ موصوف لکھتے ہیں: رقباء لئلا یبدل (جامع)۔ یعنی علماء یہود تورات کے محافظ تھے کہ اس میں تبدیلی نہ ہونے پائے، اور مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے سورۂ مزمل میں''شاہدا'' کا ترجمہ بتانے والا کیا ہے۔ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِداً عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولًا (۱۵)۔ ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتانے والا تمہارا۔ لیکن شرک پسند اور بدعت نواز مولوی کہتے ہیں کہ، یہاں شہید کے معنی گواہ کے ہیں، اور گواہ صرف وہی ہوسکتا ہے جو موقع پر موجود ہو، اور واقعہ کو اپنی انکھوں سے دیکھے، جب اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو امت پر گواہ فرمایا، تو اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ ہر امتی کے ساتھ موجود ہوتے ہیں، اور اس کی تمام حرکات وسکنات کو دیکھتے ہیں، ورنہ گواہ نہیں بن سکتے، تو اس سے ثابت ہوا کہ آپؐ ہر جگہ اور ہر وقت حاضر وناظر ہیں۔

پہلا جواب: لفظ''شہید'' یہاں بمعنی گواہ نہیں، بلکہ جیسا کہ پہلے جامع البیان اور ترجمہ موضح قران کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں شہید کے معنی بیان کرنے والے اور بتانے والے کے ہیں۔ اور سیاق وسباق کے اعتبار سے بھی یہی

معنی موزوں ہیں کیونکہ اسی ایت میں صحابہ کرام کے لئے بھی لفظ ''شہداء'' کا استعمال کیا گیا ہے۔اور یہ لفظ بعینہ وہی مفہوم ادا کرر ہا ہے جو سورۂ آل عمران میں ایک پوری ایت میں بیان کیا گیا ہے: كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ (الاية: ۱۱۰)

دوسرا جواب: اگر مان لیا جائے کہ اس ایت میں شہید بمعنی گواہ ہے، لیکن یہ دعوی غلط ہے کہ گواہ صرف وہی شخص بن سکتا ہے جو موقع پر موجود ہو اور واقعہ کو اپنی انکھوں سے دیکھے کیونکہ فقہاء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ گواہی کے لئے واقعہ کا انکھوں سے مشاہدہ کرنا ضروری نہیں، کیونکہ قران مجید میں وارد ہے: وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۲۶﴾ [یوسف]۔

یہاں اس شخص کو شاہد (گواہ) فرمایا جس نے زلیخا کی دست اندازی کا اپنے انکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا تھا، بلکہ محض علامات کی بناء پر گواہی دی، تو معلوم ہوا کہ گواہی کے لئے مشاہدہ ضروری نہیں، اسی طرح اگر ایک شخص موقعہ پر موجود نہ ہو لیکن واقعہ کی خبر اس تک کسی ایسے معتبر اور باوثوق ذریعہ سے پہنچ جائے جس سے اس کو واقعہ کی صداقت کا یقین ہو جائے، تو اس کے لئے گواہی دینا جائز ہے، چنانچہ ہدایہ: ۱۵۷/۳، میں ہے انمایجوز للشاهدان يشهدبالاشتهار و ذلک بالتواتر اواخبار من يثق به۔

تیسرا جواب: ''شہید'' کے معنی یہاں نگہبان اور رقیب کے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کا رسول تم پر (یعنی صحابہ کرام پر) نگہبان ہو، تاکہ تم دین اسلام سے نہ ہٹنے پاؤ اور دین میں تحریف نہ ہونے پائے۔ اور تم ان لوگوں پر نگہبان ہو، جو تم سے دین سکھیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت کے دن میں دیکھوں گا، کہ میرے امت کے کچھ لوگ لائے جا رہے ہونگے لیکن قبل اس کے کہ وہ مجھ تک حوض کوثر تک پہنچیں انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا، تو میں کہوں گا کہ یہ تو میرے امتی ہیں، تو مجھے جواب ملے گا کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے کچھ کیا ہے آپ ﷺ کو معلوم نہیں تو:۔فاقول كماقال العبد الصالح: ﴿وكنت عليهم شهيدامادمت فيهم فلماتوفيتنى كنت انت الرقيب عليهم.﴾ (صحيح بخاری: ۲/۶۶۵).

''میں اس کے جواب میں وہی کچھ کہونگا جو اللہ کے نیک بندہ عیسی علیہ السلام کہے گا کہ جب تک میں ان میں موجود تھا ان پر نگران رہا اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا'' اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے خود بیان

فرمادیا کہ جب تک میں ان میں موجور ہا، ان کے حالات سے اگاہ رہا، تواس سے معلوم ہوا کہ آپ کا گواہ ہونا صحابہ کے لئے ہے، اور ہر امتی پر گواہ نہیں ہے اور نہ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔

چوتھاجواب: یا گواہ سے مراد یہ ہے کہ جب قیامت کے دن آپ کی امت پہلی امتوں پر گواہی دے گی کہ ان کے پیغمبروں نے ان کو اللہ کے احکام پہنچائے ہیں اور آپ اپنی امت پر تبلیغ رسالت کی گواہی دیں گے۔ جیسا کہ قتادہؒ فرماتے ہیں: **لتکونوا شهداء علی الناس لتکون هذه الامة شهداء علی الناس ان الرسول قدبلغکم ویکون الرسول علی هذه الامةشهیداان قدبلغ ماارسل به** (ابن جریر) . جیسا کہ حدیث میں ہے: **یجاء بنوح علیه السلام یوم القیامة فیقال له هل بلغت فیقول بلغت یعنی نعم یارب فیسئل امته هل بلغکم فیقولون ماجاء نامن نذیرفیقال من شهودک فیقول محمد وامته فقال رسول اللهﷺفیجاء بکم فتشهدون** (صحیح البخاری: ۱۰۹۲ / ۲) . یعنی ”قیامت کے دن نوح علیہ السلام سے سوال ہوگا کیا تو نے میرے احکام اپنی امت تک پہنچائے تو وہ جواب دیں گے کہ اے میرے رب میں نے پہنچا دیے۔ پھر اللہ تعالی ان کی امت سے سوال فرمائے گا کیا اس نے تم کو میرے احکام پہنچائے تھے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں، تو نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا۔ تیرے گواہ کون ہے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ محمدﷺ اور آپ کی امت میری گواہ ہے نبی کریمﷺ نے فرمایا: چنانچہ پھر تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے“۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ قوم نوح امت محمدیہ پر اعتراض کرے گی کہ تم کس طرح گواہی دے سکتے ہو تم اس وقت موجود نہیں تھے۔ تو امت محمدیہ جواب دے گی: ان **اللہ تعالی بعث الینارسولا وانزل علیه الکتاب فکان فیماانزل الیناخبرکم** یعنی ”اللہ تعالی نے ہماری طرف اپنا رسول بھیجا اور اس پر کتاب نازل فرمائی اور اس پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں تمہارا ذکر بھی فرمایا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی توحید اور اس کے احکام کما حقہ پہنچائے تھے۔“

پانچواں جواب: اگر بالفرض مان لیا جائے کہ تمام دلائل قطعیہ اور نصوص صریحہ کے خلاف یہاں لفظ شہید کے معنی حاضر وناظر ہی کے ہیں اور اس سے نبی علیہ السلام کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہو رہا ہے، تو پھر صرف نبی علیہ السلام ہی کو نہیں بلکہ ساری امت محمدیہ کو حاضر وناظر ماننا پڑے گا۔ کیونکہ اسی آیت میں امت محمدیہ کے لئے بھی لفظ شہداء

استعمال کیا گیا ہے جو شہید کی جمع ہے۔ بلکہ اس صورت میں تو امت کا رتبہ نبی ﷺ سے بھی بڑھ جائے گا۔ کیونکہ آپ ؐ تو صرف اپنی امت کے گواہ ہیں، اور یہ امت پہلی تمام امتوں پر گواہ ہے۔ جیسا کہ " **لتکونوا شهداء علی الناس** " سے ظاہر ہے۔

چھٹا جواب: اگر شہید کے وہی معنی تسلیم کر لئے جائیں جو مبتدعین کہتے ہیں تو اس آیت اور قران مجید کی دوسری آیتوں کے درمیان ایسا اختلاف اور تضاد رونما ہوگا جس کا اٹھانا ممکن نہیں ہوگا۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں یہ آیت ہے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کے بعد تقریبا سولہ، سترہ، سورتیں اور نازل ہوئیں اور ان کے بعد سورۂ منافقون نازل ہوئی جس کا شان نزول صحیح روایتوں کے مطابق یہ ہے: کہ غزوہ تبوک کے سفر میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے موقع پا کر اپنے ساتھی منافقین سے کہا کہ اس پیغمبر اور اس کے ساتھیوں نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے۔ ان کی وجہ سے ہمیں بہت تکلیف ہے۔ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو (العیاذ باللہ) ان کمینوں کو شہر سے نکال دیں گے۔ عبداللہ کی یہ باتیں ایک کم سن صحابی، زید بن ارقم نے سن لیں اور اپنے چچا سے کہہ دیں، انہوں نے سارا ماجرا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے قسمیں کھا کر نبی علیہ السلام کو یہ باور کرا دیا کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ چنانچہ آپ نے زید بن ارقم کو جھٹلا دیا اور عبداللہ بن ابی کو سچا مان لیا تو اس پر سورۂ منافقون نازل ہوئی جس سے آپ پر حقیقت حال منکشف ہوئی۔

اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو یقیناً آپ کو عبداللہ بن ابی کی باتیں معلوم ہو جاتیں اور آپ زید بن ارقم کی تصدیق فرماتے، اور عبداللہ کی قسموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کو جھٹلا دیتے۔ اسے لئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید کے معنی یہاں حاضر و ناظر کے نہیں ہے جیسا کہ فریق مخالف کا زعم ہے۔

ایک شبہ بعض مبتدعین یہاں شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کی ایک عبارت پیش کر کے اس سے نبی علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: یعنی "وباشد رسول شما، برشما گواہ، زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت، برتبہ ہر متدین بدین خود، کہ درکدام درجہ از دین من رسیدہ، الخ۔ (تفسیر عزیزی)۔

یعنی "اور ہو رسول تمہارا تم پر گواہ، کیونکہ آپ نور نبوت سے اپنے ہر امتی کا رتبہ جانتے ہیں۔ کہ وہ کس=

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا

اور جس قبلہ پر تم (پہلے) تھے اُس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا

إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ

کہ ظاہر کریں[۳۸] کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور یہ بات (یعنی تحویل قبلہ لوگوں کو)

لَكَبِيْرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ إِيْمَانَكُمْ

گراں معلوم ہوئی مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی ہے (وہ اسے گراں نہیں سمجھتے) اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو یونہی ضائع کر دیں

إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ [۱۴۳] قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ

اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بڑا مہربان اور رحمت والا ہے۔ (اے محمد ﷺ!) ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا

فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

دیکھ رہے ہیں پس ہم تمہیں اسی قبلہ کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دیں گے۔ تو اپنا منہ مسجد حرام

= درجہ پر پہنچا ہے، تو اس سے معلوم ہوا، کہ آپؐ ہر امتی کے تفصیلی حالات سے اگاہ ہیں اور حاضر و ناظر ہیں۔

جواب: یہ عبارت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کی نہیں ہے، بلکہ مدرج ہے، بعد میں کسی نے بڑھائی ہے، کیونکہ اس کے بعد آگے چل کر شاہ صاحب لکھتے ہیں شہادت در ینجا بمعنی گواہی نیست، بلکہ بمعنی اطلاع ونگہبانی است تا از جادہ حق بیرون نروند، چنانچہ، واللہ علی کل شیء شہید، ودر موقولہ عیسی علیہ السلام، کہ ''وکنت علیھم شھیدا مادمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم وانت علی کل شیء شھید، تفسیر عیزیزی''۔ یعنی اس آیت میں شہادت کے معنی گواہی کے نہیں بلکہ اطلاع اور نگہبانی کے ہیں، تا کہ وہ راہ حق سے باہر نہ جاسکے، جیسا کہ، واللہ علی کل شیء شھید، میں اور عیسی علیہ السلام کے قول ''کنت علیھم شھیدا'' میں شہید بمعنی گواہ نہیں بلکہ اس کے معنی نگران اور نگہبان کے ہیں، یہ عبارت اس بات کا کھلا ہوا قرینہ ہے، کہ پہلی عبارت شاہ صاحب کی نہیں ہے۔ کیونکہ دوسری عبارت میں انہوں نے لفظ شہید کا جو مفہوم بیان فرمایا ہے، وہ پہلی عبارت کے بالکل منافی ہے۔

الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ
(یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو اور تم لوگ جہاں ہوا کرو (نماز پڑھنے کے وقت) اسی مسجد کی طرف منہ کر لیا کرو

وَإِنَّ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ (نیا قبلہ) اُن کے رب کی طرف سے حق ہے

رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا
اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے بے خبر نہیں ہے۔ اور اگر تم ان اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے کر آ ؤ

الْكِتٰبَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ
تو بھی یہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہ کریں اور تم بھی اُن کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں ہو

وَمَابَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَ هُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَ كَ
اور اُن میں سے بھی بعض بعض کے قبلے کے پیرو نہیں ہیں اور اگر تم باوجود اس کے کہ تمہارے پاس دانش (یعنی اللہ کی وحی) آ چکی ہے

مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
اُن کی خواہشوں کے پیچھے چلو گے تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے ۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے

يَعْرِفُوْنَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ أَبْنَآءَ هُمْ وَإِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ
وہ ان (پیغمبر آخر الزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق اُن میں سے سچی

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾
بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔ (اے پیغمبر یہ نیا قبلہ) تمہارے رب کی طرف سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا
اور ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک سمت ہے جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کیا کرتے ہیں تو تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو تم

تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۸﴾

جہاں ہوں گے اللہ تم سب کو جمع کر لے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ

اورتم جہاں سے نکلو (نماز میں) اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کرو بلاشبہ وہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے

مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ اور تم جہاں سے نکلو

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

مسجد محترم کی طرف منہ (کر کے نماز پڑھا) کرو اور مسلمانو تم جہاں ہوا کرو اسی (مسجد) کی طرف رخ کیا کرو

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ

(یہ تاکید) اس لئے (کی گئی ہے) کہ لوگ تمہیں کسی طرح کا الزام نہ دے سکیں

إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي

مگر اُن میں سے جو ظالم ہیں (وہ الزام دیں تو دیں) سو اُن سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا

وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

اور یہ بھی مقصود ہے کہ میں تمہیں اپنی تمام نعمتیں بخشوں اور یہ بھی کہ تم راہِ راست پر چلو ۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا

جس طرح (منجملہ اورنعمتوں کے) ہم نے تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کرسناتا ہے

وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا

اور تمھیں پاک بناتا اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتا ہے اور ایسی باتیں بتاتا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے

تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۲﴾

پس تم مجھے یاد کیا کرو میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ إِنَّ اللّٰهَ

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔

مَعَ الصّٰبِرِينَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کی نسبت یہ نہ کہنا

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ ﴿۱۵۴﴾

کہ وہ مرے ہوئے ہیں بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے ۔[۳۹]

---

[۳۸] "لنعلم" استقبال کے لئے ہے لہذا اس سے شبہ پڑتا ہے، کہ اس سے پہلے اللہ تعالی کو معلوم نہیں تھا کہ کون مانے گا اور کون نہیں مانے گا، حالانکہ یہ چیز اہل اسلام کے عقیدہ کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالی تو ازل سے ابد تک تمام کلیات اور جزئیات کا علم رکھتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد خارج میں تمیز اور اظہار ہے، روح المعانی میں ہے :ارید به التمیز فی الخارج، اور مدارک میں ہے:فوضع العلم موضع التمیز لان به یقع التمیز۔

یعنی ہم نے تحویل قبلہ اس لئے کی ہے، تا کہ ہمارے پیغمبر کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں امتیاز ہو جائے ، جو لوگ تحویل قبلہ کے حکم کو بخوشی مان لیں گے، وہ فرمان بردار ہوں گے، اور جو نہ مانیں گے بلکہ اس کا مذاق اڑائیں گے، وہ نافرمان ہوں گے ، چنانچہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر کئی مسلمان مرتد ہو گئے ۔مگر یہ وہی مسلمان تھے جو بظاہر مسلمان کہلاتے تھے، لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں تھے، یعنی منافقین ، یہ لوگ پہلے تو پوشیدہ طور پر مخالفت کرتے

تھے،مگرتحویل قبلہ کے موقع پرعلانیہ اس کاتمسخراڑاناشروع کردیا،تاکہ مخلص مسلمانوں کے دلوں میں بھی شبہات پیداہوجائیں،تحویل قبلہ بھی مخلص ومنافق اورطیب وخبیث کے درمیان امتیاز کرنے کاایک ذریعہ ہے۔

”وان كانت لكبيرة الاعلى الذين هدى الله“ ہدایت سےمرادایمان ہے،ای خلق الهدى الذى هو الايمان فى قلوبهم(قرطبی) ۔یعنی تحویل قبلہ ایک بھاری ازمائش تھی مگرجن کےدلوں میں اللہ تعالی نے ایمان پیداکردیاتھاان کے لئے اس کامقابلہ کرنااسان تھا،کیونکہ وہ نہ تومصلحتوں کودیکھتے ہیں نہ حکمتوں کو،ان کی زندگی کاماحصل توبس ایمان وتسلیم ہے جہاں حکم ہواوہی سرجھکادیا۔

”قدنرى تقلب وجهک فى السماء“ نبی کریم ﷺ کی خواہش تھی کہ کعبہ کوآپؐ کاقبلہ بنادیاجائے،کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کاقبلہ تھا،نیزاہل عرب کے لئے اس میں زیادہ کشش تھی،اورانہیں اسلام سےقریب لانے کے لئے ایک عمدہ ذریعہ تھا،اہل کتاب میں سے جنہوں نے ایمان لاناتھا،وہ ایمان لاچکے تھےاورجوباقی تھےان کےایمان سےآپؐ مایوس تھے،جیساکہ :”افتطمعون ان يومنوالكم “الایہ،اور” لن ترضى عنک اليهودو لا النصارى “الایہ، سے واضح ہے،اورآپؐ کویہ توقع بھی تھی کہ تحویل قبلہ ہوجائے گی،کیونکہ اب دین کی امامت وسیادت بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہوچکی تھی۔اس لئے اب ضروری تھاکہ قبلہ وہی مقررہو۔جوابراہیم اوراسماعیل علیہما السلام کاتھا،اس لئے آپؐ وحی کی آمدکی توقع پرباربارا سمان کی طرف نظراٹھاکردیکھتے،تواللہ تعالی نے فرمایاکہ ہم آپؐ کی بے چینی اورانتظارکودیکھ رہے ہیں،مگربعض حکمتوں کےتحت اب تک آپ کوتحویل قبلہ کاحکم نہیں دیا۔ایت کامذکورہ بالامطلب اس آیت کی بناپرہےجس میں یہ مذکورہے کہ نبی کریم ﷺ وحی کی امدکےمنتظررہتے تھےاوربوجہ اشتیاق بارباراسمان کی طرف نظر اٹھاکردیکھتے تھے۔

اورشیخ حسین علیؒ فرماتے ہیں،کہ لفظ ”تقلب“باب تفعل سے ہےجس کاخاصہ تکلف ہے،صراح،میں ہے،تقلب الشئ ظهراً لبطن ،كالحية تتقلب فى الرمضاء،۔یعنی سخت گرمی میں سانپ کےتکلیف کےساتھ چلنے پرتقلب کالفظ بولتے ہیں،توآیت کامطلب یہ ہوگا”کہ ہم دیکھ رہے ہیں تکلیف اورناگواری کے ساتھ آپ کے باربارآسمان کی طرف دیکھنےکو،کہ کہیں تحویل قبلہ کاحکم نہ آجائے“۔کیونکہ آپؐ کی خواہش یہ تھی،ابھی تحویل قبلہ نہ ہو،اوربیت المقدس ہی قبلہ رہے،تاکہ اس معاملہ میں یہودیوں سےموافقت رہےاورشایدوہ اسی وجہ سےایمان قبول کرلیں،آیت کایہ مفہوم شیخ نے بیان فرمایاہے،اورچونکہ لغت اورعرف کےبھی مطابق ہے،جبکہ اسلام کےکسی منصوص اورقطعی حکم کی مخالفت

بھی نہیں ہوئی، اس لئے آیت کی یہ تفسیر وتاویل بعض علماء نے صحیح مانا ہے۔

اور بعض نے فرمایا ہے کہ یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ بخاری کی اس روایت سے مخالف ہے جو کہ پہلے ذکر کی گئی، اس میں یہ جملہ تھا، کہ: **وکان رسول اللہ ﷺ یحب ان یوجه الی الکعبة، فانزل اللہ عزوجل ﴿قدنری تقلب وجهک فی السماء﴾، فتوجه نحو القبلة** ۔یعنی رسول اللہ ﷺ دل سے یہ چاہتے تھے، کہ آپ کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو۔ آخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رسول کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ دل میں ایک چیز کو پسند کرے اور ظاہر زبان پر دوسری چیز کا اظہار کرے۔ یہ وجہ بھی ہے کہ تفعل ہر وقت تکلف کے لئے نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تکرار اور کثرت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور "ترضٰھا" فعل مضارع ہے حال اور استقبال دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ بعض اوقات بمعنی ماضی بھی استعمال ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

[۳۹] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شہدآء کی ایک بہت بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، کہ ان کو دنیا سے رخصت ہوجانے اور فی سبیل اللہ قتل ہوکر طبعی موت پاجانے کے بعد عالم برزخ میں ایک امتیازی زندگی اور حیات عطا کی جاتی ہے، جو دوسرے غیر شہداء مومنین کو حاصل نہیں ہوتی، اور اس حیات کا تعلق چونکہ عالم برزخ سے ہے، اس لئے اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تم اپنے حواس ومشاعر سے اس کا ادراک نہیں کرسکتے۔ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق ہم یہاں کرتے ہیں تاکہ کسی کو اس مسئلے کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ حیات شہدآء کے بارے میں قرآن مجید کی دو آیتیں ہیں، ایک تو یہی، دوسری آیت سورت آل عمران: ۱۶۹،۱۷۰، میں ہے یہاں فرمایا کہ ان کو مردہ مت کہو اور وہاں فرماتا ہے کہ شہداء کو مردے مت سمجھو، حالانکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شہداء قتل کردیئے جاتے ہیں، اور ان کی روحیں ان کے ابدان عنصریہ سے پرواز کرجاتی ہیں۔

اور ان کے ابدان سے اس طرح جدا ہوجاتی ہیں، کہ ان سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ بیضاوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ: **ولکن لاتشعرون، ماحالهم وهو تنبیه علی ان حیاتهم لیست بالجسد ولا من جنس مایحس به من الحیوانات وانماهی امر لایدرک بالعقل بل بالوحی** ، لیکن تم نہیں جانتے کہ وہ کس حال میں ہیں، اور یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ ان شہدآء کی حیات جسمانی نہیں اور نہ زندوں کی مانند ظاہری حواس سے محسوس قسم کی زندگی ہے، اور نہ اس کا ادراک عقل سے ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس کی کیفیت کا ادراک صرف وحی سے ہوسکتا ہے، اور مولانا شاہ عبد العزیز دہلویؒ فرماتے ہیں، حیات شہداء بمعنی تعلق ارواح بابدان است برائے استغناء لذاتی کہ موقوف برآلات بدنیست نہ

تعلق ارواح بابدان سابقہ ونہ بقائے روح بادراک وشعور الخ عزیزی: ۲۸۵:ا، یعنی حیات شہداء کا مطلب یہ ہے کہ وہ لذات حاصل کرنے کے لئے جن کا حصول آلات پر موقوف ہے، ارواح ابدان مثالیہ سے متعلق ہو جائیں یہ مطلب نہیں کہ ارواح سابقہ (عنصری) ابدان سے متعلق ہو جائیں اور نہ یہ کہ روح کا ادراک وشعور باقی رہے۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللهﷺ لما اصيب اخوانكم باحد جعل الله عزوجل ارواحهم في اجواف طير خضر ترد انهار الجنة تأكل من ثمارها وتأوى الى قناديل من ذهب في ظل العرش فلما وجدوا طيب مشربهم وماكلهم وحسن مقيلهم قالوا ياليت اخواننا يعلمون بما صنع الله لنا لان لا يزهدوا في الجهاد ، ولا ينكلوا عن الحرب، فقال الله عزوجل ،انا ابلغهم عنكم فانزل الله عزوجل هؤلاء الايات على رسوله: ال عمران: ١٦٩ .اخرجه ابن ابى شيبة: ٢٩٤/٥، ٢٩٥ ،وهناد في الزهد: ١٥٥ ، وابن ابى عاصم في الجهاد: ١٩٤ :١٩٥ ، و الطبرى: ١٧٠/٤ ، ١٧١ .واخرجه عبدالله ابن مبارك في الجهاد: ٦٢ ،وابوداود: رقم ٢٥٢٠ ،وابويعلى: رقم ٢٣١٣،و البيهقي: ١٦٣/٩ ۔رسول اللہﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائی میدان احد میں شہید کر دئے گئے، تو اللہ تعالی نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالبوں میں داخل فرمادیا، جو جنت کی نہروں سے سیراب ہوتے اور اس کے میوے کھاتے ہیں، اور رات کو عرش کے سائے میں سونے کی قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں۔ جب ان روحوں نے اپنے کھانے اور پینے اور سونے کی خوشی حاصل کی، تو کہا کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو یہ خبر پہنچائے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں، اور کھانے کھاتے ہیں، تا کہ وہ بہشت کو حاصل کرنے میں بے رغبتی نہ کریں، اور لڑائی کے وقت سستی نہ کریں، تو اللہ تعالی نے فرمایا: میں پہنچاؤں گا ان کو تمہاری خبر، پس اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالی کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ مت سمجھو، بلکہ وہ جیتے ہیں اپنے رب کے پاس کھانے کھلوائے جاتے ہیں، خوش ہیں ان نعمتوں پر جو اللہ تعالی نے ان کو دی ہیں، اور خوشخبری حاصل کرتے ہیں ان لوگوں پر جو ابھی تک نہیں آئے کہ تم ہرگز مت ڈرو، اور نہ رنجیدہ ہوں۔

یہ روایت ابن عباسؓ سے موقوف بھی منقول ہے کہ، ارواح الشهداء تجول في طير خضر ترد انهار الجنة تعلق من ثمر الجنة .سعيدبن منصور: ٢١٧/٢ ، یعنی شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے قالبوں میں گھومتی اور جنت کے میوے کھاتی ہیں۔

اسی طرح ایک روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی منقول ہے کہ: قال مسروق سألنا عبدالله عن هذه الاية:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتاً ط بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ قال :اناقدسألناعن ذلک فقال: ارواحهم فی جوف طیر خضر ،لهاقنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شأت ثم تأوی الی تلک القنادیل ،فاطلع الیهم ربهم اطلاعة فقال هل تشتهون شیئا،قالوا ای شیء نشتهی؟ونحن نسرح من الجنة حیث شئنا،ففعل ذلک بهم ثلاث مرات ،فلمارؤاانهم لم یترکوامن ان یسألوا،قالوایارب نریدان تردارواحنافی اجسادنا،حتی نقتل فی سبیلک مرة اخری، فلمارأی ان لیس لهم حاجة ترکوا ۔مسلم:رقم ۱۸۸۷۔مسند دارمی:۴۲/۹،ابن ابی شیبۃ:۳۰۸/۵،ترمذی:رقم ۳۰۱۱،ابن ماجہ:۲۸۰۱،بیہقی سنن کبری:۱۶۳/۹۹۔مسند ابی داؤد طیالوسی :۱۵۱/۱:۔مسروق سے روایت ہے، کہا،ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا۔ترجمہ,,اور نہ خیال کر ان لوگوں کو جواللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں مردہ، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں،آخر آیت تک۔اس نے کہا،ان کی روحیں سبز پرندوں کے شکموں میں ہیں،عرش کے نیچے ان کے لئے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں، جہاں سے چاہتے ہیں جنت کے میوے کھاتے ہیں، پھر ان قندیلوں کی طرف ٹھکانا پکڑتے ہیں۔ان کا پروردگار ان کی طرف جھانکا،فرمایا تم کسی بات کی خواہش رکھتے ہو؟انہوں نے کہا ہم کس چیز کی خواہش رکھیں جبکہ ہم جہاں سے چاہتے ہیں جنت کے میوے کھاتے ہیں،تین مرتبہ اللہ تعالی اس طرح فرمائے گا جب وہ دیکھیں گے کہ ان کو چھوڑا نہیں جارہا، پوچھنے سے کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس لوٹادے، یہاں تک کہ ہم ایک مرتبہ اور تیری راہ میں مارے جائیں۔جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ ان کو کچھ حاجت نہیں ہے تو چھوڑ جاتے ہیں۔

عبداللہ ابن مسعودؓ سے ایک موقوف روایت ابن ابی عاصم کتاب الجہاد :۵۱۷/۲، میں اورطبرانی:معجم کبیر: ۲۴۹/۱۰، میں نقل کرتے ہیں کہ:حدّث ان الثمانیة عشر الذی قتلوامن اصحاب رسول اللہ ﷺ جعل اللہ ارواحهم فی الجنة فی طیر خضر ۔یعنی وہ اٹھارہ (۱۸) صحابہ کرام جوایک معرکے میں شہادت پاگئے تھے،ان کے ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں ڈال کر جنت میں داخل کروائے، ان محدثین نے اس روایت کوموقوف اورمرفوع نقل کیا ہے۔

ایک اورروایت کعب بن مالکؓ سے بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:ان ارواح الشهداء فی طائر خضر تعلق من ثمر الجنة ،وقرئ علی سفیان، نسمة تعلق فی ثمرة اوشجرة الجنة ۔مسنداحمد:

۱۴۳/۴۵، وسنن سعید بن منصور:۲۵۶۰۔ترمذی:۱۶۴۰، ابن ابی عاصم کتاب الجہاد:۲/۵۲۱، طبرانی: ۱۹ص۶۶۔ حمیدی:۲/۳۸۵،ابن عبدالبر:۱۱:۰۷۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں جنت کے میوے کھاتی ہیں۔

اسی طرح ایک روایت جابرؓ سے بھی منقول ہے:قال سمعت جابر بن عبداللہ یقول لما قتل عبداللہ بن عمرو بن حرام یوم احد قال رسول اللہ ﷺ:یاجابر الااخبرک ماقال اللہ عزوجل لابیک ؟قلت بلیٰ ،قال :ماکلم اللہ احدا الامن وراء حجاب،وکلم اباک کفاحا،فقال:یاعبدی،تمن علیّ اعطک ،قال: یارب تحیینی فاقتل فیک ثانیة قال: انه سبق منی انهم الیها لایرجعون (یٰسٓ: ۳۱) ,قال یارب فابلغ من ورآئی ،، فانزالله هذه الایة : وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتاً ط بَلْ أَحْيَاء عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴿۱۶۹ : ال عمران﴾ ابن ماجه :۳/۲۶۵ ،رقم:۲۸۰۰. و الترمذی:رقم: ۳۰۱۰،کتاب التفسیر.

جابرؓ سے روایت ہے کہ جب احد کی لڑائی میں عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ (جابرؓ کے باپ) مارے گئے،تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:اے جابرؓ میں تجھ سے بیان کروں؟ جواللہ تعالی نے فرمایا تیرے باپ سے،میں نے عرض کیا بیان کیجئے،آپ ﷺ نے فرمایا:اللہ تعالی نے کسی سے بات نہیں کی مگر پردے کے پیچھے،اور تیرے باپ سے سامنے ہوکر بات کی،اورفرمایا:اے میرے بندے مجھ سے کچھ خواہش کر،تو میں تجھ کودوں،تیرے باپ نے کہا:اے میرے مالک،مجھ کو پھر جلادے،تاکہ میں تیری راہ میں دوبارہ ماراجاؤں،اللہ تعالی نے فرمایا:یہ میراقول ہو چکا ہے،کہ وہ دنیا میں دوبارہ نہیں جاویں گے،تب تیرے باپ نے کہا:اچھااے میرے مالک جولوگ دنیا میں رہ گئے ہیں،ان کو میراحال پہنچادے،اس وقت اللہ تعالی نے یہ آیت اتاری:

ایک روایت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ:قال النبی ﷺان ارواح الشهداء فی طیر خضر ترعی فی ریاض الجنة، ثم یکون مأواها قنادیل معلقة بالعرش، فیقول الرب لهم هل تعلمون کرامة اکرم من کرامة اکرمتکموها ،فیقولون لا،الاان وددنا انک اعدت أرواحنا فی اجسادنا حتی نقاتل مرة اخری فنقتل فی سبیلک ۔کتاب الجہاد ابن ابی عاصم:۲:۵۱۸،کتاب الزہد للھناد:۱/۱۲۱،ابن ابی حاتم: ۱/۲۶۳۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی صورت میں جنت کے باغوں میں چرتی ہیں،

اور پھر عرش سے معلق قندیلوں میں آرام کرتی ہیں، تو اللہ تعالی فرماتا ہے، کیا جو اعزاز واکرام میں نے تمہیں عطا کیا ہے اس سے بہتر تمہارے علم میں ہے؟ تو وہ کہتے ہیں نہیں، البتہ ہماری آرزو ہے کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسدوں میں لوٹا دے، یہاں تک کہ ہم جہاد کریں اور ایک بار پھر تیری راہ میں جام شہادت نوش کریں۔

اس کے علاوہ صحابہ کرام اور سلف صالحین سے اور روایات بھی مروی ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ ان کی روحوں کو طیوری قالبوں میں داخل کر کے علیین میں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اب ہم بطور نمونہ بعض مفسرین کے اقوال پیش کرتے ہیں، امام رازی تفسیر کبیر: ۱۴۸/۴، میں لکھتا ہے کہ: **هذه الارواح بعد المفارقة تتألم وتلتذالى ان يردهاالله تعالى الى الابدان يوم القيامة، فهناك يحصل الالتذاذ و التألم للابدان، فهذاقول قال به عالم من الناس، قالوا وهب، ان لم يقم برهان قاهر على القول به ،ولكن لم يقم دليل على فساده ،فانه ممايؤيد الشرع وينصرظاهر القرآن ،ويزيل الشكوك و الشبهات عماوردفى كتاب اللهمن ثواب القبروعذابه فوجب المصير اليه** ۔یعنی بدن سے جدا ہونے کے بعد یہ روحیں لذتیں والم محسوس کرتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالی ان کو قیامت کے دن ان کے بدنوں میں لوٹا دے تو وہاں لذت والم ان عنصری بدنوں کو بھی حاصل ہوگا۔ یہ قول ہے جس کا ایک عالم قائل ہے۔ انکا کہنا ہے فرض کرو کہ اس قول پر کوئی برہان قاہر قائم نہیں ،لیکن اس کے فساد پر بھی کوئی دلیل موجود نہیں۔ کیونکہ یہ قول شریعت کی تائید کرتا ہے اور ظاہری قران کی حمایت کرتا ہے، اور کتاب اللہ وارد قبر کے ثواب وعقاب کے بارے میں جو شکوک وشبہات رونما ہوتے ہیں ان کو دور کر دیتا ہے، اس لئے اس کی طرف رجوع واجب ہے۔

اور امام محمد بن احمد القرطبی، تفسیر قرطبی میں لکھتا ہے: **وقال اخرون ان ارواحهم فى اجواف طير، وانهم يرزقون فى الجنةيأكلو ن ويتنعمون ، وهذا هو الصحيح من الاقوال، لان ماصح به النقل فهو الواقع وحديث ابن عباسؓ نص يرفع الخلاف، وكذلك حديث ابن مسعوداخرجه مسلم**۔ دوسروں نے کہا ہے کہ (حیات شہداء کا مطلب یہ ہے کہ) ان کی روحیں پرندوں کے قالبوں میں ہیں، اور ان کو جنت میں رزق ملتا ہے وہ کھاتے اور عیش کرتے ہیں، تمام اقوال میں یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ جو بات نقل صحیح سے ثابت ہو۔ نفس الامر میں وہی درست ہے۔ اور ابن عباسؓ کی حدیث تو اس پر نص ہے جو اختلاف کو اٹھا دیتی ہے۔ اسی طرح ابن مسعودؓ کی حدیث جس کی امام مسلم نے تخریج کی ہے۔

علامہ سید محمود الالوسیؒ اس جسد عنصری کی حیات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **واما القول بحیات هذا الجسدا لرمیم مع هدم بنیته وتفرق اجزائه وذهاب هیئته وان لم یکن ذٰلک بعیداعن قدرة من یبدأ الخلق ثم یعیده ،لکن لیس الیه کثیر حاجة ولافیه مزیدفضل ولاعظیم منة، بل لیس فیه سوی ایقاع ضعفة المؤمنین بالشکوک والاوهام وتکلیفهم من غیر حاجة بالایمان بمایعدون قائله من سفهة الاحلام** ۔یعنی باقی رہا اس بوسیدہ جسم کی حیات کا قول، باوجود یکہ اس کی بنیاد گر چکی ہو، اس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں اورصورت مٹ چکی ہو۔ اگر چہ یہ اس کی قدرت سے بعید نہیں جس نے خلق کو از سرنو پیدا کیا اور دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔ لیکن اسکی نہ کوئی ضرورت ہے نہ اس میں کوئی زیادہ فضیلت ہے اور نہ اس میں کوئی بڑا انعام ہے بلکہ اس میں ضعیف الایمان لوگوں کو شکوک وشبہات ڈالنے کے سوا اوران کو بلاضرورت ایک ایسی بات پر ایمان لانے کی تکلیف دینے کے سوا کوئی فائدہ نہیں جس کے قائل کو وہ کم عقل لوگوں میں شمار کریں۔

اس کے علاوہ دیگر مفسرین کے اقوال بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم یہاں مولانا اشرف علی تھانویؒ (بیان القران: ۱/۸۷،۸۸) کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں کہ: ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں، اوراس کی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مرگیا صحیح اور جائز ہے، لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے ،وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے، اوراسی سے جزاء وسزا کا ادراک ہوتا ہے۔لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے، اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے، جس طرح انملہ یعنی سر انگشت ، میں ذکاء حس کہ آثار حیات سے ہے بہ نسبت عقب یعنی پاشنہ کے طبعا وحسا قوی ہے، حتی کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے، کہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت وپوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا، اور مثل جسد زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے، جیسا کہ احادیث اورمشاہدات شاہد ہیں، پس اس امتیاز کی وجہ سے شہدا کو ''احیاء'' کہا گیا، اوران کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی۔ اور یہ حیات ہے جس میں انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ قوت اور امتیاز رکھتے ہیں، حتی کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا۔ اوران کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔ پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ، پھر شہداء ، پھر اور معمولی مردے ، البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء اورصالحین بھی

اس فضیلت میں شہدا کے شریک ہیں۔

اور سیوطیؒ نے شرح الصدور:۳۲۱، میں "فی اجواف طیر" کا یہ معنی کیا ہے کہ :وقال القابسی:انکر العلماء روایة (فی حواصل طیر خضر)لانها حینئذ تکون محصورة ومضیقا علیها،وردّ بان الروایة ثابتة والتاویل محتمل بان یجعل "فی" بمعنی "علی" والمعنی ارواحهم علی جوف طیر خضر کقوله تعالی : وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ طه: ۷۱.ای علی جذوع النخل.وجائز ان یسمی الطیر جوفا،اذهو محیط به ومشتمل علیه.قاله عبد الحق.

وقال غیره لامانع من ان تکون فی الاجواف حقیقة،ویوسعها الله لها،حتی تکون اوسع من الفضاء. الخ.

وقال القرطبی(التذکره: ۱۷۹) فی حدیث کعب:نسمة المؤمن طائر،وهو یدل علی ان نفسها تکون طائرا،ای علی صورته،لانها تکون فیه ویکون الطائر ظرفالها.وکذافی روایة عن ابن مسعودؓ،عند ابن ماجة:ارواح الشهداء عندالله کطیر خضر،وفی لفظ عن ابن عباسؓ:تجول فی طیر خضر،وفی لفظ ابن عمرو:فی صور طیر بیض.وفی لفظ عن کعب:ارواح الشهداء طیر خضر.وقال وهذا کله اصح من روایة "فی جوف طیر خضر".

ایک اعتراض اور اس کا جواب

سیوطی نے شرح الصدور:۳۲۲،اور ابن رجب نے احوال القبور:۱۲۳، میں لکھا ہیں:فان قیل الاموات کلهم کذالک، فکیف خصص هٰولاء ؟فالجواب ان الکل لیس کذالک لان الموت عبارة عن ان تنزع الروح عن الاجساد لقوله تعالی" الله یتوفی الانفس حین موتها" ای یأخذها وافیة من الاجساد، و المجاهد تنقل روحه الی طایر خضر،فقد انتقل من الجسد الی آخر،بخلاف غیره، فان ارواحهم تنفی من الاجساد.

اگر کوئی کہے کہ تمام مردوں کا حال یہی ہے (کہ ان کی روحیں زندہ ہوتی ہیں) تو پھر شہداء کی کیا خصوصیت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے، کہ تمام مردے شہیدوں کی مانند نہیں ہیں، کیونکہ موت کے معنی ہیں روح کو جسد سے نکال لینے کے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے(الله یتوفی الانفس) الا یة۔یعنی وہ روحوں کو جسدوں سے بالکلیہ نکال لیتا ہے،اور شہید کی روح سبز پرندے کے قالب میں منتقل کردی جاتی ہے،اب شہید کی روح تو ایک جسد سے دوسرے جسد میں منتقل ہوگئی،لیکن

دوسرے مردوں کی روحوں کو اجساد سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔اور بیضاوی نے تفسیر:۸۲/۱، میں بھی اس طرح لکھا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے آیت میں جو اشکال تھا حل ہوا، کہ شہداء تو قتل ہو چکے ہیں، ہم نے انہیں اپنے ہاتھوں سے قبروں میں دفن کیا ہے، ان کے ترکے تقسیم ہو چکے ہیں، اور انکی بیویاں بیوہ ہو چکی ہیں، تو پھر وہ زندہ کس طرح ہیں؟

چونکہ انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں ، اس وجہ سے بعض نے ان آیات سے حیات الانبیاء کے متعلق استدلال کیا ہے، بطریق دلالت النص (یعنی کوئی چیز نص سے بطریق اولی ثابت ہو) تو جب شہداء کی حیات اس آیت سے بطریق عبارت النص ثابت ہوئی، تو انبیاء علیہم السلام شہداء سے افضل واعلی ہیں تو اس لئے اس آیت سے بطریق دلالت النص ان کے لئے بھی حیات ثابت ہوئی۔

تو تکمیل فائدہ کے لئے اس مسئلہ کو بھی تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں: حیات الانبیاء کا مقصد یہ ہے کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں، جیسا کہ سیوطی نے شرح الصدور:۳۲۵، اور روح المعانی نے:۱۶۱/۱۵، میں لکھا ہے: **اما الانبیاء علیهم السلام فلاشک ان ارواحهم عندالله فی اعلی علیین، وقدثبت فی الصحیح ان اخر کلمة تکلم بها رسول الله ﷺ عندموته، اللهم الرفيق الاعلی (صحیح البخاری رقم:۴۴۳۷)**. بہرحال انبیاء علیہم السلام کی روحیں تو بلا شک وتر دد اللہ کے جوار رحمت میں اعلی علیین میں مقیم ہیں، چنانچہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات کے وقت اخری بات جو زبان مبارکہ سے ارشاد فرمائی، وہ یہ تھی کہ اے اللہ! مجھے رفیق اعلی میں لے جا۔ (تفسیر مظہری:۲۲۴/۱۰، اور روح المعانی:۱۶۲/۱۵، میں بھی ایسی عبارت موجود ہے)۔

تفسیر جواہر القران نے یہاں خوب تفصیل کی ہے، تکمیل فائدہ کے لئے اس عبارت کو پیش کرتے ہیں: اس دنیا آب وگل سے رحلت وانتقال کی کیفیت اللہ تعالی نے تمام بنی آدم کے لئے ایک ہی مقرر فرمائی ہے، اور وہ ہے موت، اور اس سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں جیسا کہ ارشاد ہے: **کل نفس ذائقة الموت**. (الانبیاء:۳۵) یعنی ہر جی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے، خوا پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر، عیسی علیہ السلام کے سوی اللہ کے تمام پیغمبر ساغر موت نوش فرما چکے ہیں۔ (ادریس، الیاس اور خضر علیہم السلام کے بارے میں محقق اور صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں) چنانچہ یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد الہی ہے ﴿**ام کنتم شهداء اذحضر یعقوب الموت**﴾ ۱۳۳، بقرہ، کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام پر موت کا وقت آیا، یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ﴿**حتی اذاهلک قلتم لن یبعث الله من بعده رسولا**﴾. غافر: ۳۴. یہاں تک جب وہ فوت ہو گئے تم کہنے لگے: کہ اب تو اللہ تعالی کوئی رسول نہیں بھیجے

گا،سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿فلما قضینا علیه الموت مادلهم علی موته الادابة الارض تأکل منسأته﴾. سبا: ۱۴۔پس جب ہم نے اس (سلیمان علیہ السلام) پر موت کا حکم جاری کر دیا، تو ان (جنوں) کو اس کی موت کا پتہ کسی نے نہ دیا، مگر گھن کے کیڑے نے جو اس کے عصا کو کھاتا تھا، اور خود جناب نبی کریم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿انک میت و انهم میتون﴾ (الزمر: ۳۰) آپ ﷺ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے، علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ کی موت پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہو چکا ہے، جیسا کہ صحیح حدیثوں میں موجود ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو عمرؓ اس صدمہ جانکاہ کی شدت کو برداشت نہ کر سکے اور از خود رفتہ ہو کر اعلان کرنے لگے، خبردار کوئی یہ مت کہے کہ نبی کریم ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔ ورنہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

جب ابوبکر الصدیقؓ نے صورت حال دیکھی تو آپ نے تمام صحابہ کرام کے سامنے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، اس کا اقتباس ملاحظہ ہو: من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ، و من کان یعبد الله فان الله حی لا یموت ، و قال ﴿انک میت و انهم میتون﴾ صحیح بخاری: ۱/ ۵۱۷، تم میں سے جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، وہ سن لے کہ آپؐ تو فوت ہو گئے، اور آپؐ پر موت وارد ہو چکی اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا، سو اللہ زندہ جاوید ہے، اور یہ آیت بھی پڑھی: ترجمہ: بیشک آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے، ابوبکر الصدیقؓ نے جب خطبہ دیا تو صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بھی ان کی کسی بات پر انکار نہیں کیا، اور عمرؓ نے بھی تسلیم کر لیا کہ واقعی آپؐ وفات پا چکے ہیں، چنانچہ تمام صحابہ کرام نے یہی سمجھ کر کہ آپؐ وفات پا چکے ہیں، آپؐ کے جسد اطہر کو قبر مبارک میں دفن کیا، الغرض موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں، تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام بنی آدم اسی دراز ے سے گزر کر عالم برزخ پہنچے، اور جو باقی ہیں وہ بھی اسی دروازے سے گزریں گے، اور موت کے معنی ہیں، روح کا بدن عنصری سے نکل جانا، اور اس سے جدا ہو جانا۔

امام راغب اصفہانی اس آیت میں موت کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں: وقوله کل نفس ذائقة الموت، فعبارة عن زوال القوة الحیوانیة و ابانة الروح عن الجسد. (مفردات ۴۹۴). یعنی موت قوت حیات کے زائل ہو جانے اور روح کے بدن سے جدا ہو جانے کا نام ہے، علامہ ابو عبداللہ قرطبی لکھتے ہیں: و اجل الموت هو الوقت الذی فی معلومه سبحانه وتعالی ان روح الحی تفارق جسده. (قرطبی) اجل موت اس وقت کا نام ہے جس میں اللہ تعالی کے علم کے مطابق جاندار کی روح اس کے بدن سے جدا ہو گی۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں: قال العلماء الموت لیس بعدم محض ولا فناء صرف ، و انما هو انقطاع

تعلق الروح بالبدن، ومفارقة، وحیلولة بینهما وتبدل حال وانتقال من دار الی دار (شرح الصدور: ۳۴، وبشری الکئیب. علی حاشیة شرح الصدور ۱۵، ۱۶) ۔یعنی علماء نے کہا ہے کہ موت عدم محض اورفناء صرف کا نام نہیں بلکہ موت بدن سے تعلق روح کے منقطع ہوجانے، روح اور بدن میں جدائی اور پردہ حائل ہوجانے اورایک دار (دنیا) سے دوسرے دار (عالم برزخ) کی طرف منتقل ہونے سے عبارت ہے ۔اورعلامہ سید محمود آلوسی حنفیؒ رقمطراز ہیں: الاماتة بمعنی اخراج الروح وسلب الحیاة (روح) یعنی اماتت کے معنی ہیں روح کا نکال لینا اورزندگی کا سلب کرلینا، اورپھر موت کی یہ کیفیت مذکورہ بالا مفہوم کے ساتھ سب کے لئے یکساں ہے۔اورتمام بنی آدم، انبیاء، شہداء، اورعامة المسلمین پرموت، اخراج روح ازبدن اورابانت روح از جسدہی کے طریقے پروارد ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرطبی نے: ۲۷۶/۴، میں یہ حدیث نقل فرمایا ہے کہ: ان جمیع الانبیاء قبض ارواحهم ملک الموت وهو الذی سیقبض روحی، یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی روحیں ملک الموت نے قبض کیں، اوروہی میری روح کوبھی قبض کرے گا۔

اورعائشہؓ بیان فرماتی ہیں: فقبضه وان رأسه لبین سحری ونحری، یعنی جب اللہ تعالی نے آپ ﷺ کی روح قبض فرمائی اس وقت آپ ﷺ کا سرمبارک میرے سینے اورحلق کے درمیان تھا۔اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: فی روایة همام عن هشام بهذا الاسناد، وعنداحمد: رقم: ۲۴۹۰۵، و البیهقی فی دلائل النبوة: ۲۱۳/۷، نحوه وزاد، فلماخرجت نفسه لم اجدریحاقط اطیب منها ۔اس روایت کوامام احمد نے بھی اس سند کے ساتھ ہشام سے بواسطہ ہمام روایت کیا ہے، اوراس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔عائشہؓ فرماتی ہیں، جب آپ ﷺ کی روح مبارک بدن سے نکلی توایسی خوشبوآئی کہ میں نے اس سے عمدہ خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔

اس مسئلہ میں احادیث بہت زیادہ ہیں، بعض محدثین نے اپنی تصانیف میں اس کے متعلق عنوانات لکھے ہیں، جبکہ بعض نے مستقل رسائل، جیسا کہ امام بیہقی وغیرہ، لیکن بخوف طوالت ہم بعض وہ روایات نقل کرتے ہیں، جوکہ امام بخاری نے، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، کتاب المغازی: میں نقل کی ہیں:

(۱) حدثنا محمدبن عرعرة حدثناشعبة عن ابی بشرعن سعیدبن جبیرعن ابن عباسؓ قال کان عمربن الخطابؓ یدنی ابن عباسؓ فقال له عبد الرحمٰن بن عوفؓ ان لناابناء مثله فقال انه من حیث تعلم فسأل عمرؓ ابن عباسؓ عن هذه الایة ﴿اذاجاء نصرالله و الفتح﴾ فقال اجل رسول الله ﷺ اعلمه

اياه فقال ماعلم منها الاماتعلم . [حدیث نمبر۴۴۳۰]۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ عمرؓ مجھ کو اپنے پاس بٹھایا کرتے اس پر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہنے لگے کہ ان کے برابر تو ہمارے بیٹے ہیں عمرؓ نے کہا تم اس کی وجہ جانتے ہو؟ (کہ میں ابن عباسؓ کی کیوں تعظیم کرتا ہوں؟) پھر انہوں نے مجھ سے اس ایت کو پوچھا اذا جاء نصر الله ،الاية، میں نے کہا: یہ نبی ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے اللہ تعالی نے یہ سورت اتار کر اپ ﷺ کو خبر دی کہ اب وفات کا وقت آن پہنچا، عمرؓ نے کہا میں بھی یہی سمجھتا ہوں جو تم سمجھے۔

(۲) حدثنا يسرة بن صفوان بن جميل اللخمى حدثنا ابراهيم بن سعد عن ابيه عن عروة عن عائشةؓ قالت دعا النبى ﷺ فاطمة فى شكواه الذى قبض فيه فسارها بشىء فبكت ثم دعاها فسارها بشى فضحكت فسألنا عن ذلك فقالت سارنى النبى ﷺ انه يقبض فى وجعه الذى توفى فيه فبكيت ثم سارنى فاخبرنى انى اول اهله يتبعه فضحكت . ۴۴۳۳۔

عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے اس بیماری میں جس میں آپ کے وفات ہوئی فاطمہؓ کو بلایا ان کے کان میں بات کی وہ رونے لگیں، پھر بلایا اور کان میں بات کی، تو وہ ہنس دیں ہم فاطمہؓ سے (جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی) اس کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا: پہلے تو نبی کریم ﷺ نے میرے کان میں یہ فرمایا تھا کہ میں اس بیماری سے نچنے والا نہیں یہ سنکر میں رو پڑی، پھر کان میں مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے عزیزوں میں سب سے پہلے آپ سے ملوں گی تو میں ہنسنے لگی۔

(۳) عن عائشة قالت لما مرض النبى ﷺ مرض الذى مات فيه جعل يقول (فى الرفيق الاعلى). ۴۴۳۵۔

عائشہؓ نے فرمایا: جب نبی کریم ﷺ موت کی بیماری میں مبتلا ہوئے تو فرماتے تھے یا اللہ بلند رفیقوں میں رکھ (یعنی پیغمبروں میں)۔

(۴) عن عباد بن عبدالله بن زبير ان عائشة اخبرته انها سمعت النبى ﷺ واصغت اليه قبل ان يموت وهو مسندالىّ ظهره يقول: اللهم اغفرلي وارحمني والحقني بالرفيق . ۴۴۴۰.

عائشہؓ نے کہا: کہ وفات سے پہلے میں نے کان لگا کر نبی ﷺ کی بات سنی، آپ ﷺ اپنی پیٹھ کا ٹیک مجھ پر لگائے ہوئے تھے اور یہ فرما رہے تھے یا اللہ مجھ کو بخش دے مجھ پر رحم کر۔ مجھ کو بلند رفیقوں سے ملا دے۔

(۵) عن عائشةؓ قالت مات النبى ﷺ وانه لبين حاقنتى وذاقنتى فلا اكره شدة الموت

لاحدابدابعد النبیﷺ. ۴۴۴۶۔

عائشہؓ نے فرمایا: نبی کریمﷺ نے میری دگدگی اورٹھوڑی کے بیچ میں انتقال فرمایا جب سے میں نے نبیﷺ پر موت کی سختی دیکھی اس کے بعد سے میں موت کی سختی کسی کے لئے برا نہیں سمجھتی۔

(٦) عن عائشةؓ ان رسول اللهﷺ كان يسأل في مرضه الذى مات فيه يقول: اين اناغدااين اناغدا؟يريديوم عائشةؓ فاذن له ازواجه يكون حيث شاء فكان في بيت عائشة حتى مات عندها. قالت عائشةؓ فمات في اليوم الذى كان يدورعلى فيه في بيتي فقبضه الله و ان رأسه لبين نحري وسحري وخالط ريقه ريقي ثم قالت دخل عبدالرحمٰن بن ابي بكرومعه سواك يستن به فنظر اليه رسول اللهﷺ فقلت له اعطني هذا السواك ياعبدالرحمٰن فاعطانيه فقضمته ثم مضغته فاعطيته رسول اللهﷺفاستن به وهومستندالى صدرى. ۴۴۵۰۔

عروہ نے کہا مجھ کومیرے والد نے خبر دی انہوں نے عائشہؓ سے انہوں نے کہا نبیﷺ نے جس بیماری میں انتقال فرمایااس میں یوں پوچھتے تھےکل میں کہاں ہونگا؟ کل میں کہاں ہوں گا؟ اپﷺ کا مطلب یہ تھا کہ عائشہؓ کی باری کب آئے گی؟ یہ حال دیکھ کرآپﷺ کی بیبیوں نے آپ کواجازت دی۔ جہاں چاہے وہاں رہیں۔آپؐ کی وفات تک عائشہؓ ہی کے پاس رہے عائشہؓ کہتی ہے کہ آپﷺ کی وفات جس دن ہوئی وہ دن میری باری کا تھا۔اللہ نے اس وقت آپؐ کی روح قبض کی جب آپﷺ کا سر میری دگدگی اورسینہ کے درمیان تھا ،اوراللہ تعالی نے آپؐ کا اور میرا تھوک ملا دیا۔ ہوا یہ کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ایک مسواک لئے ہوئے آئے جس کو وہ اپنے دانتوں پر رگڑا کرتے تھے۔ نبیﷺ نے اس مسواک کو دیکھا میں نے کہا عبدالرحمٰن یہ مسواک مجھ کو دے انہوں نے دیدی میں نے اس کوتراش کر دانتوں سے چبایا۔ پھر وہ مسواک نبیﷺ کو دی آپﷺ نے میرے سینے پر ٹیکا لگائے ہوئے دانتوں پر پھیری۔

(٧) عن عائشةؓ قالت توفي النبيﷺ في بيتي وفي يومي وبين سحري ونحري وكانت احدانا تعوذه بدعاء اذامرض فذهبت اعوذه فرفع رأسه الى السماء وقال في الرفيق الاعلى. ومرعبد الرحمٰن بن ابي بكرؓ وفي يده جريدة رطبة فنظر اليه النبيﷺ فظننت ان له بهاحاجة فاخذتها فمضغت رأسهاونفضتهافدفعتهااليه فاستن بهاكاحسن ماكان مستناثم ناولنيهافسقطت يده ــ اوسقطت من يده فجمع الله بين ريقي وريقه في اخريوم من الدنياواول يوم من الاخرة. ۴۴۵۱۔

عائشہؓ نے کہا: نبی ﷺ نے میرے گھر میں میری باری کے دن میرے سینے اور دگدگی کے بیچ میں وفات پائی۔ اور ہم لوگوں کا قاعدہ تھا جب آپ ﷺ بیمار ہوتے تو دعا پڑھ کر آپ ﷺ کے واسطے پناہ مانگتے۔ میں نے آپ ﷺ کے لئے پناہ مانگنا شروع کی، (معوذتین سورتین پڑھ کر) آپ ﷺ نے اپنا سر اسمان کی طرف اٹھایا فرمایا (یا اللہ) بلند رفیقوں میں رکھ، بلند رفیقوں میں رکھ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ادھر آ نکلے انکے ہاتھ میں تازہ ٹھنی تھی آپ ﷺ نے اُدھر نگاہ ڈالی، میں سمجھ گئی کہ مسواک کرنا چاہتے ہیں میں نے اس کو لے لیا اور چبا کر جھاڑ کر آپ ﷺ کو دی آپؐ بہت اچھی طرح سے اس کو دانتوں پر پھیرا، پھر وہ مسواک مجھ کو دیتے وقت آپ ﷺ کا ہاتھ گر گیا، یا مسواک آپ ﷺ کے ہاتھ سے گر پڑی اللہ تعالی نے دنیا کے اخری دن اور آخرت کے پہلے دن میں میرا اور آپؐ کا تھوک ملا دیا۔

(۸) **عن ابی سلمة ان عائشة اخبرته ان ابابکرؓ اقبل علی فرس من مسکنه بالسنح حتی نزل فدخل المسجدفلم یکلم الناس حتی دخل علی عائشةؓ فتیمم رسول الله ﷺ وھو مغشیً بثوب حبرة فکشف عن وجھه ثم اکب علیه فقبّله وبکی ثم قال بابی انت وامی والله لایجمع الله علیک موتتین اما الموتة التی کتبت علیک فقدمتھا.** یہ حدیث تفصیل کے ساتھ سورت ال عمران: ۱۴۴ کے ذیل میں آئے گا۔ ۴۴۵۲۔

ابن شہاب نے کہا مجھ کو ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی ان کو عائشہؓ نے (جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی) ابوبکرؓ ایک گھوڑے پر سوار اپنے گھر جو سنح میں تھا آئے، گھوڑے سے اتر کر مسجد میں آئے، کسی سے بات نہیں کی، میرے حجرے میں آئے، نبی ﷺ کی نعش کی طرف گئے آپ ﷺ کو ایک یمن کے کپڑے سے ڈھانپ دیا تھا انہوں نے کپڑا اٹھایا۔ پھر آپ ﷺ کے اوپر اوندھے گر کر روئے، بوسہ دیا، کہنے لگے، میرے ماں باپ آپؐ پر صدقے اللہ تعالیٰ دوبارہ آپؐ کو نہیں مارے گا، بس ایک موت جو اللہ تعالی نے آپؐ کے لئے لکھ دی تھی وہ ہو چکی۔

(۹) **عن عائشةؓ وابن عباسؓ ان ابابکرؓ قبلّ النبی ﷺ بعدموته. ۴۴۵۵.**

عائشہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دونوں فرماتے ہیں کہ ابوبکر الصدیقؓ نے نبی کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو بوسہ دیا.

(۱۰) **عن انس قال لماثقل النبی ﷺ جعل یتغشاه فقالت فاطمةؓ واکرب اباه فقال لھالیس علی ابیک کرب بعد الیوم فلمامات قالت یاابتاه اجاب ربادعاه یاابتاه من جنة الفردوس مأواه یاابتاه الی جبرئیل ننعاه فلما دفن قالت فاطمةؓ یاانسؓ اطابت انفسکم ان تحثواعلی رسول الله ﷺ**

التراب. ۴۴۶۲.[تلک عشرة کاملة]

جب نبی ﷺ کی بیماری سخت ہوگئی تو آپ ﷺ پر غشی طاری ہونے لگی، فاطمہؓ آپ ﷺ کی صاحب زادی نے یہ حال دیکھ کر فرمایا، ہائے میرے باپ پر کیسی سختی ہو رہی ہے آپؐ نے فرمایا بس آج ہی کا دن ہے، اس کے بعد تیرے باپ پر کوئی سختی نہ ہوگی۔ جب آپؐ کی وفات ہوگئی تو فاطمہؓ یوں کہہ کر (رونے لگیں) ہائے بابا آپؐ نے اپنے رب کا بلاوا منظور کیا، ہائے بابا آپ نے جنۃ الفردوس میں ٹھکانہ بنایا، ہائے بابا میں جبریل کو آپؐ کی موت کی خبر سناتی ہوں، جب آپؐ دفنائے جا چکے تو فاطمہؓ نے انسؓ سے کہا، تم لوگوں نے یہ کیسے گوارا کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ پر مٹی ڈالو۔

اس مسئلہ میں مذکورہ احادیث کے علاوہ باقی روایات کے حوالہ جات مع راوی (یعنی صحابی) ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

[۱]انسؓ ،بخاری: کتاب الوفاة: نسائی: ۳۸۷/۶.[۲]ابی بن کعبؓ، ابن ماجه: ۱۶۳۳. [۳] ابو الدرداءؓ ،ابن ماجه: ۲۳۷/۷. [۴]ابوسعیدخدریؓ: بخاری: باب هجرة النبی ﷺ واصحابه: ۵۵۲/۱. دارمی: ۳۷/۷.[۵]ابوجحیفهؓ ،بخاری. باب صفة النبی ﷺ: ۵۰۱/۱. [۶]ابوبردهؓ،بخاری باب ماذکرمن درع النبی ﷺ: ۴۳۸/۱.[۷]ابوذرغفاریؓ ،باب السؤال باسماء اللّٰه تعالی: ۱۱۰۰/۲. [۸]انس بن مالکؓ،دارمی: ۱۴۱/۱ و الترمذی: ۲۶۱۸ مسلم: ۲۴۵۴.[۹]ابوهریرهؓ ،بخاری: ۷۴۸/۲ باب کان جبرئیل یعرض القران.[۱۰]ا بوبکرؓ: طبقات الکبری لابن سعد: [۱۱]اُسیدبن حضیر،بخاری: باب قول النبی ﷺ للأنصار، اصبروا: ۵۳۵/۱.[۱۲]ابن عباسؓ،ابن ماجه: ۱۴۵۷ نسائی: ۳۷۹/۶.[۱۳]علی ابن الحسینؓ عن رجل، مشکواة رقم: ۵۹۱۸.[۱۴]عمرؓ،طبقات ابن سعد: ۴۰۷/۲ ،[۱۵]جویریهؓ: طبقات ابن سعد: ۴۰۷/۲ . [۱۶]عمروبن الحارثؓ،بخاری: کتاب الوصایا،حدیث ۲۷۳۹ ص ۳۸۲/۱ . [۱۷]حذیفهؓ،بخاری باب السؤال باسماء اللّٰه تعالی: ۱۱۰۰/۲.[۱۸]جبیربن مطعمؓ، بخاری: ۵۱۶/۱.[۱۹]جندبؓ، طبقات کبری ابن سعد: ۳۶۹/۲.[۲۰]عبیداللّٰه بن عدی بن خیارؓ،بخاری ،باب قتل حمزهؓ: ۵۸۳/۱.[۲۱]سهل بن سعدؓ ،بخاری ،باب ماکان النبی ﷺ واصحابه یأکلون: ۸۱۴:۲.[۲۲]طلحة بن عبیداللّٰهؓ،تفسیرابن عباسؓ تحت آیت ۵۳:سورت

احزاب.[۲۳]ام سلمہؓ،نسائی: ۳۸۸/۴ و ابن ماجه۱۶۲۵ .[۲۴]حفصہؓ ، مؤطاء امام مالکؓ:۴۸.
مسندابی عوانہ: ۲۱۹/۲ .[۲۵]ام أیمنؓ،سنن دارمی: ۴۰.[۲۶]ام الفضل بنت الحارثؓ
،بخاری: ۶۳۷/۲باب مرض النبیﷺ.[۲۷]ابن عمرؓ،ابن ماجہ: ۱۶۳۲ ، بخاری:
۳۰۵.۱۸۷.۵ .[۲۸]ابوایوب [۲۹]زیدبن ثابتؓ،: ترمذی: ۴۱.[۳۰]علیؓ،طبقات الکبری ابن
سعد: ۳۸۵/۲.ابن ماجه:۱۴۶۷ .[۳۱]محمدبن قیسؓ:طبقات ابن سعد [۳۲]صنابحی عن رکبؓ،
بخاری: ۶۴۲/۱ .[۳۳]قیس بن جریرعن رکبؓ، [۳۴]جابربن عبداللہؓ ،بخاری باب اذاوھب ھبة
: ۳۵۴/۱.[۳۵]عبداللہ بن عمروبن العاصؓ،بخاری: ۲۸۵/۱ .باب کراھیة الصخب فی
السوق.[۳۶]مالک بن اوس بن الحدثانؓ، باب فرض الخمس بخاری:۴۳۵.
[۳۶]عثمانؓ،طبقات کبری ابن سعد: ۴۰۵/۲،ومشکواة المصابیح باب عذاب القبر. [۳۷]
عبداللہ بن مسعودؓ،مسندابی عوانه: ۲۴۹/۲ .بخاری: ۹۲۶، باب الاخذبالیدین. طبقات کبری ابن
سعد: ۳۷۷/۲.[۳۸]معاویہؓ،سنن کبری [۳۹]مغیرة بن شعبةؓ،طبقات الکبری: ۴۰۰/۲. [۴۰]
ابوعبید ة بن الجراحؓ، [۴۱]ابوسفیان ابن الحارثؓ، مواھب اللدنیه: ۳۷۶/۴.[۴۲]سالم بن عبیدؓ،
نسائی: ۳۹۵/۶ ،وابن ماجه: ۱۲۳۴ ،بیہقی دلائل النبوة:۲۱۱/۷ .[۴۳]عباس ابن عبد المطلبؓ
،طبقات الکبریٰ ابن سعد: ۳۸۵/۲.دارمی:۳۷.[۴۴]عبیدبن عمیرؓ ،طبقات ابن سعد: ۳۷۷/۲.
[۴۵]کعب بن مالکؓ،:طبقات ابن [۴۶]مخرمه بن نوفلؓ: مستدرک: ۵۲۳/۳.[۴۷]ابوذویب
الھذلیؓ ، مواھب [۴۸]أسماء بنت عمیسؓ ،طبقات کبری ابن سعد: ۳۸۵/۲.[۴۹]ابو الحویرثؓ:
طبقات ابن سعد: ۳۷۸/۲.[۵۰]ابوعسیمؓ،:طبقات کبری ابن سعد: [۵۱]سعدبن ابی
وقاصؓ:طبقات کبری ابن سعد: [۵۲] ابومویھبہؓ،دارمی:۳۸، باب وفات النبیﷺ،حاکم
:۵۵/۳،مسند احمد :۴۸۹/۳.[۵۳]سلمان فارسیؓ ،کنز العمال:۴۷۶/۷.و الجامع الکبیر:
۱۶۷/۹ . [۵۴]ابومرحب سوید بن قیسؓ:دلائل النبوة :۲۵۵/۷.[۵۵]ابولیلیٰ اوس بن اوس
الخولیؓ:مسند احمد : ۲۶۰/۱.[۵۷]دغفل بن حنظلةؓ:دلائل النبوة :۲۴۰/۷،مسند ابی یعلیٰ
رقم :۱۵۷۵ ،شمائل ترمذی :۳۶۶.[۵۸]فضل بن عباسؓ:ابن حبان :رقم : ۳۵۳۰.[۵۹] قثم بن

عباسؓ،:ابن ماجة :رقم :۱۶۲۸ .

اس مسئلہ کے متعلق ابن قیمؒ قصیدہ نونیہ:ص۱۳۰، میں بیان فرماتا ہے:

لوکان حیافی الضریح حیاته قبل الممات بغیرمافرقان

ماکان تحت الارض بل من فوقها واللہ هذی سنة الرحمٰن

اتراہ تحت الارض حیاثم لا یفتیهم بشرائع الایمان

ویریح امته من الآراء و الخلف العظیم وسائر البهتان

ام کان حیاعاجزاعن نطقه وعن الجواب لسائل لهفان

وعن الحراک فماالحیات فما الحیات اللات قد اثبتمواهااوضحوابیان

یعنی اگر نبی کریمﷺ قبر میں اسی طرح زندہ ہوتے جس طرح دنیا میں زندہ تھے وفات سے پہلے، تو قبر کے بجائے زمین کے اوپر زندہ رہتے ،کیونکہ اللہ رحمٰن کا طریقہ یہی ہے، ذرا اتنا تو سوچ اور خیال کر کہ اگر آپؐ قبر میں زندہ موجود ہیں تو پھر مسائل ایمان کے فتوے کیوں نہیں دے رہے؟ امت آئے دن فتنوں اور اختلافات کا شکار ہے۔ مگر آپؐ خاموش ہیں۔کیا آپؐ کو العیاذ باللہ خاکم بدہن بولنے اور جواب دینے کی توفیق نہیں۔اگر حس وحرکت نہیں پھر زندگی کے کیا معنے۔سوچ سمجھ کر جواب دے۔(فرمایا):

ولقداتوایوما الی العباس ☆ یستسقون من قحط وجدب زمان

هذاوبینهم وبین نبیهم ☆ عرض الجداروحجرة النسوان

فنبیهم حی ویستسقون ☆ غیرنبیّهم حاشااولی الایمان

یعنی قحط وخشک سالی سے مجبور صحابہ عباسؓ کے پاس استسقاء کے لئے آئے حالانکہ تمہارے عقیدہ کے مطابق آپﷺ قبر میں بذات خود بنفس نفیس زندہ موجود تھے،اور فرق اور فاصلہ بھی صرف حجرات کی دیوار ہی کا ہے۔اس سے بڑھ کر حیرت انگیز امر کیا ہوسکتا ہے کہ زندہ ہستی (نبی پاک) کو چھوڑ کر ایک امتی سے استسقاء کی دعاء کرائی جارہی ہے۔یہ عقیدہ چونکہ انتہائی مضحکہ خیز ہے،اس لئے ابن قیم،ابن معطلہ کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و الترب تحتهم وفوق رؤسهم وعن الشمال ثم عن ایمان

مثل الذی قدقلتموہ معاذنا باللہ من افک ومن بهتان

بل عندربھم تعالی مثل ما قدقال فی الشھداء فی القرآن

یعنی جن کے نیچے بھی مٹی ہواوران کے سروں پر بھی، اوردائیں بائیں بھی، غرض مٹی میں محصوراور گیرے ہوئے بھی کوئی زندگی ہے، تمہارے اس افک اور بہتان سے اللہ کی پناہ، حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عنداللہ ویسے ہی زندہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے شہداء کی زندگی کا قرآن پاک میں اعلان فرمایا ہے۔ چونکہ یہ عقیدہ معطلہ اورابن فورک کا عقل اورنقل کے سراسر خلاف ہے اس لئے حافظ ابن قیمؒ کو جوش آتا ہے اورانتہائی غصے سے فرماتے ہیں:

یاقومنااستحیوامن العقلاء و المبعوث بالقرآن و الرحمٰن

واللہ لاقدر الرسول عرفتم کلاولا للنفس والانسان

من کان ھذا القدرمبلغ علمه فلیستربالصمت و الکتمان

ولقدابان اللہ ان رسوله میت کماقدجاء فی القرآن

یعنی اے قوم! تمہیں اللہ تعالی، قرآن بلکہ خودرسول اللہ ﷺ اوراہل عقل ودانشمندوں سے شرم آنی چاہیئے۔ کیونکہ نہ ہی توتم نے اللہ تعالی اوراس کے رسول کے قدرومرتبہ کو پہچانا، اورنہ ہی تم نے انسانیت کی قدروعظمت اورنفس یاروح کی شان وکمال کوسمجھا۔ جوکوئی اس درجہ عقل وفہم سے محروم ہے تواسے بالکل خاموش رہتے ہوئے وقت گذارنا چاہیئے، اللہ تعالی نے قرآن مجید میں بالکل واضح الفاظ میں (انک میت) کا اعلان فرماکر نبی ﷺ کی وفات ظاہر فرمادی، مگرتم ہوکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں رٹ لگارہے ہو۔ کہ آپ ﷺ زمین کے نیچے زندہ ہیں۔ اورابن کثیر البدایہ و النہایۃ: ۲۶۶/۵، (م: ۱۳۴/۸) میں لکھتا ہے: واختلف المتأخرون من اصحاب الشافعیؒ فی مشروعیة الصلوة علی قبرعلیه السلام لغیر الصحابة رضی اللہ عنھم، فقیل نعم: لان جسده علیه السلام طری فی قبره لان اللہ تعالی قدحرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء، کماوردبذلک الحدیث فی السنن وغیرھافھو کالمیت الیوم وقال الاخرون لایفعل لان السلف ممن بعد الصحابةؓ لم یفعلوه ولوکان مشروعالبادروا الیه ولثابرواعلیه، واللہ اعلم۔

یعنی امام شافعیؒ کے متاخرین اتباع نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قبرمبارک پرنماز جنازہ اب صحیح ہے یانہیں؟ تو بعض کا کہنا ہے کہ صحیح ہے، اس وجہ سے کہ تازہ موجود ہے جس طرح تدفین کے وقت تھا، اس لئے کہ اللہ تعالی نے انبیاء علیہم السلام کے جسوں (بدن) کوزمین پرحرام کردیا ہے، جس کے متعلق حدیث سنن وغیرہ میں ذکر ہے

آپ ﷺ قبر میں ایسے ہیں جیسے آج فوت ہوئے ہوں۔

جبکہ ہدایہ: ۱/۱۶۰، میں ہے: ان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاولی وتنفل بھاغیر مشروع ولھذا رئینا الناس ترکوا عن اخرھم الصلاۃ علی قبر النبی ﷺ وھو الیوم کماوضع. الخ.

اور ابن ہمامؒ نے فتح القدیر: ۱/۴۵۸، میں لکھا ہے: ولو کان مشروعا لما اعرض الخلق کلھم من العلماء و الصالحین و الراغبین فی التقرب علیہ السلام بانواع الطرق عنہ، وھذا دلیل ظاھر علیہ فوجب اعتبارہ،

اور عنایہ شرح ھدایہ میں برھامش فتح القدیر، اکمل الدین محمد بن محمود البابرتیؒ نے لکھا: وقولہ وھو الیوم کماوضع لان لحوم الانبیاء علیہ السلام حرام علی الارض. بہ ورد الاثر.

اور کبیری : ۵۴۰، میں ہے ولو شرع التنفل بھا یصلی علی قبرہ علیہ السلام الی یوم القیامۃ لانہ الآن کماوضع، لان الارض لاتأکل اجسام الانبیاء .

اور بدائع الصنائع: ۱/ ۱ ۳۱، میں علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے: و الدلیل علیہ لان الامۃ توارثت ترک الصلوۃ علی النبی ﷺ وعلی خلفاء الراشدین و الصحابۃؓ ،ولو جاز لماترک مسلم الصلوۃ علیھم ، خصوصا علی رسول اللہ ﷺ لانہ فی قبرہ کماوضع ،وان لحوم الانبیاء حرام علی الارض، بہ وردالاثر،وترکھم ذالک اجماعا منھم دلیل علی عدم جواز التکرار.

اور مستخلص شرح کنز: ۱ ۵۱ ،میں ہے: انہ فی القبر الیوم کماوضع لان لحوم الانبیاء حرام علی الارض .کمافی الھدایہ: ۶۰ .

اسی طرح بحر الرائق میں ابن نجیمؒ نے لکھا ہے ،اور اسی طرح ابن عابدین شامی نے رد المحتار ودیگر رسائل میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

حاصل بحث ،کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو مٹی نہیں کھاتی، بلکہ وہ صحیح سلامت اسی حالت میں ہیں کہ جس حالت میں انہیں قبر میں رکھا گیا تھا۔ صاحب الہدایہ، ابن الہمام، صاحب عنایہ، صاحب الکفایہ، صاحب مستخلص۔ تمام فقہاء کرام کا یہی قول ہے ۔امام ابوحنیفہؒ کے قول پر اس بحث کا اختتام کرتے ہیں۔علی القاریؒ نے شرح فقہ

اکبر:۱۳۱، میں یہ قول نقل کیا ہے کہ: ورسول اللهﷺمات علی الایمان۔

اب ہم قائلین حیات کے بعض دلائل پیش کرتے ہیں، ان کا ایک دلیل حدیث ابوہریرہؓ ہے، جو کہ امام احمدؒ نے مسند احمد:۷۷/۱۶/۴، میں نقل کیا ہے:عن رسول اللهﷺقال:مامن احدیسلم علیّ الاردّالله عزوجل الیّ روحی حتی اردّعلیہ السلام ۔یعنی کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالی مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے، حتی کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں ۔اس روایت کو ابوداؤد نے:۲۰۴۱، میں اور بیہقی نے:سنن کبری:۲۴۵/۵، میں۔اور حیات الانبیاء:۲۶، میں نقل کیا ہے اگرچہ بعض علماء نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن اس کے مختلف سندیں ہیں بلحاظ مختلف طرق یہ حدیث حسن ہے۔(حاشیہ مسند احمد اور حاشیہ حیات الانبیاء میں اس حدیث پر تحقیق کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ روایت حسن ہے) ظاہر یہ ہے کہ ردالروح کا مفہوم و معنی یہ ہوا کہ رسول اللہﷺ کا جسد اطہر اور روح الگ الگ ہیں، جس سے ہمارا مدعی ثابت ہوتی ہے نہ کہ ان کا اگرچہ بعض علماء نے یہ معنی نہیں لیا ہے۔

محدث شیخ عبدالحق دہلوی شارح مشکوۃ (لمعات:۱۹۲/۳) میں لکھتا ہے :روح لوٹنے کا مطلب اس مقدس حدیث کے متعلق یوں بیان فرمایا ہے:قوله ردّالله علیّ روحی، لیس المرادبعود الروح عودهابعد المفارقة عن البدن وانما المرادانهﷺفی البرزخ مشغول حول الملكوت مستغرق فی مشاهدة رب العزة عزوجل كماكان فی الدنيافی حالة الوحی فی احوال الاخـــرة. عبرعن افاقته من تلک المشاهدة وذلک الاستغراق بردالروح(لمعات التنقیح:۱۹۲/۳ ،باب الصلوة علی النبیؐ۔یعنی روح کے لوٹنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ روح بدن سے نکل کر پھر بدن میں لوٹ آتی ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ نبیﷺ کی روح طیبہ عالم برزخ میں مشاہدہ ربانی میں مشغول و مستغرق ہے جیسا کہ دنیاوی زندگی میں نزول وحی کی حالت میں مستغرق ہو جاتی تھی اسی مشاہدہ واستغراق سے افاقہ کا نام ردروح ہے۔

امام سیوطیؒ اس اشکال سے(کتاب انباء الاذکیاء:۴۳، میں ضمن حیات الانبیاء، وضمن الحاوی:۱۵۲)مختلف جوابات دیتے ہوئے مذکورہ جواب کے بعدفرماتے ہیں:ثم ظهرلی جواب ثالث عشر.وهوان المرادبالروح الملک الذی وكل بقبرهﷺيبلغه السلام و الروح يطلق علی غیرجبرئيل ايضامن الملائكة قال الراغب، اشراف الملائكة تسمی ارواحا.انتهیٰ.ومعنی ”ردالله الی روحی“ ای بعث الی الملک الموكل بتبليغی السلام هذاغاية ماظهروالله اعلم ۔یعنی پھر تیرواں جواب میری ذہن میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ

روح سے وہ فرشتہ مراد ہے جو آپ ﷺ کے قبر شریف پر درود وسلام کے پہنچانے پر مقرر ہے اور روح کا لفظ جبرئیل علیہ السلام کے سوا اور فرشتوں پر بھی بولا جاتا ہے۔امام راغب نے مفردات میں بھی یہی فرمایا ہے:اب:رد اللہ علی روحی کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالی اس فرشتہ کو میرے پاس بھیجتا ہے جو درود وسلام پہنچانے پر مقرر ہے میری تحقیق کی یہ انتہا ہے واللہ اعلم۔

علامہ عبدالحلیم لکھنوی فرنگی محلی نور الایمان:۱۴، میں ایسے رد روح کی تشریح فرماتے ہیں'' **فمعناه ان روحی له اشتغال واستغراق شهودی بحضرت الرب الاعلی واذاسلم احدعلیّ یتوجه روحی الیه فردالروح کناية عن التوجه والاقبال**''یعنی رد روح کے یہ معنی ہیں کہ میری روح مشاہدہ الٰہی میں مشغول ومستغرق ہوتی ہے، اور جب کوئی مسلمان مجھ پر درود وسلام پڑھتا ہے تو میری روح اس کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے،بس رد روح سے روح کی متوجہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔رد بمعنی پھیر دینا،ہٹا دینا،رخ موڑنا اور قاسم العلوم والخیرات،مولانا نانوتوی آب حیات'':۲۳۱، میں ارشاد فرماتے ہیں،اس صورت میں معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالی آپ کے روح پرفتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ وتجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت وحبیبیت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے۔ہوش عطا فرما دیتا ہے۔

اور علامہ سمہودی''وفاء الوفاء'':۱۳۵۴/۴، میں فرماتے ہیں:ان **السبکی قال: یحتمل ان یکون ردامعنویا وان تکون روحه الشریفة مشتغلة بشهود الحضرة و الملأ الاعلی عن هذا العالم واذاسلم علیه اقبلت روحه علی هذا العالم لتدارک السلام وتردعلی المسلّم یعنی ان لروحه الشریفة التفات روحانی**،یعنی علامہ سبکی فرماتے ہیں:یہ ممکن ہے کہ رد روح سے رد معنوی مراد ہو،اس لئے کہ آپ کی روح طیبہ اس عالم دنیا سے گذر کر مقام ملأ اعلی میں تجلیات الٰہی میں مستغرق ہوتی ہے۔جب کوئی آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھتا ہے تو اس عالم دنیا کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے،اور سلام کا جواب دیتی ہے۔اس رد روح کے معنی التفات روحانی ہے نہ رد حقیقی۔

علامہ بیضاوی کی بھی یہی رائے ہے:**و الروح ملک موکل علی الارواح اوجنسها اوجبرئیل اوخلق اعظم من الملائکة**،تفسیر سورت نباء :۴۴۵ ،روح سے وہ فرشتہ مراد ہے جو تمام فرشتوں کا افسر ہے، یا تمام فرشتے یا جبرئیل امین یا فرشتوں سے بڑھ کر کوئی اور مخلوق مراد ہو۔

ان حوالہ جات سے یہی بات ثابت ہورہی ہے کہ سید الانبیاء والرسل ﷺ کی روح طیبہ عالم قدس رفیق اعلی میں

مشاہدہ الٰہی میں مستغرق ہوتی ہے، اسی استغراق سے وقفہ کی حالت میں درود وسلام پڑھنے والے کی طرف روح طیبہ کا توجہ فرمانا ردروح سے تعبیر کیا گیا ہے، اگر آپ ﷺ اپنی عرفی قبر میں بجسدہ وروحہ دنیا کی طرح زندہ تشریف فرما ہوتے اور گوشہ نشینوں کی طرح حجرہ شریفہ کی قبر اطہر میں زندہ جلوہ افروز ہوتے تو پھر اس تعبیر کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس قدر تاویلات کرنے کا کیا مقصد تھا جو ایک دو نہیں بلکہ تیرہ تاویلات ہیں اس قسم کی اضطراب والی حدیثیں بہت کچھ ہیں۔

تبلیغ صلاۃ وسلام کے متعلق علامہ طیبیؒ شرح مشکواۃ المصابیح: ۳۶۳/۲، میں ارشاد فرماتے ہیں **قولہ: فان صلاتکم تبلغنی، وذلک ان النفوس القدسیة اذاتجردت عن العلائق البدنیة وعرجت واتصلت بالملأالاعلی ولم یبق لهاحجاب فیری الکل کالمشاهدبنفسهااوباخبار الملک لها** ۔یعنی یہ نفوس قدسیہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبات جب بدنی تعلقات سے جدا ہوتی ہے تو ملأ اعلی میں پہنچ جاتی ہیں، اور پھر کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ دنیاوی زندگی کی طرح ہر چیز کا مشاہدہ کرتی ہیں یا فرشتوں کے ذریعہ اطلاع پاتی ہیں۔ اور اس جملے کے تائید ان دو روایتوں سے ہوتی ہے:

[۱] **عن ابن مسعودؓ عن النبی ﷺ قال: ان لله ملائکة سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام. نسائی: ۴۳/۳، شعب الإیمان: ۱۴۰/۳**، یعنی ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یقیناً اللہ تعالی کے لئے کچھ فرشتے ہیں پھرنے والے، پہنچاتے ہیں مجھ پر میری امت کی طرف سے سلام۔

[۲] **عن ابن عباسؓ قال: لیس احدمن امة محمد ﷺ صلی علیه صلاة الاوهی تبلغه یقول له الملک: فلان یصلی علیک کذا و کذاصلاة. شعب الإیمان: ۴۱/۳.** یعنی عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے امتیوں میں سے کوئی آپ پر درود بھیجتا ہے تو آپ کو بتادیا جاتا ہے ایک فرشتہ فرماتا ہے کہ، فلاں نے آپ پر اتنی بار درود بھیجا ہے۔

ان کی ایک دوسری دلیل روایت ابن ماجہ ہے جو کہ ۱۶۳۷، پر ہے، ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اکثروا الصلوة علیَّ یوم الجمعة فانه مشهودتشهده الملائکة وإن أحدالن یصلی علیّ إلا عرضت علیّ صلاته حتی یفرغ منها، قال قلت وبعد الموت؟قال وبعد الموت. ان الله حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللهحیٌّ یرزق.** یعنی جمعہ کے دن مجھ پر بہت زیادہ درود بھیجو اس لئے کہ جمعہ کے دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو کوئی مجھ پر درود بھیجے گا اس کا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا۔ جس وقت اس سے فارغ

ہوگا، میں نے عرض کیا، کیا آپؐ کے مرنے کے بعد بھی؟ آپؐ نے فرمایا میرے مرنے کے بعد بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے زمین پر پیغمبروں کا جسم کھانا، غرض یہ ہے کہ اللہ کے نبی زندہ ہیں اوران کو روزی ملتی ہے۔

یہ روایت اسی نمط سے دیگر محدثین نے بھی نقل کی ہے لیکن اخری جملہ پر ابن ماجہ متفرد ہے، اوراس کا یہ سند ضعیف ہے دوجگہوں میں انقطاع ہے، عبادہ بن نسی کی ابوالدرداء سے روایت صحیح نہیں جبکہ زید بن ایمن کا عبادہ سے سماع ثابت نہیں۔

علی القاریؒ مرقات:۲۴۲/۳، اورمبارک پوری مرعات المفاتیح :۴۴۰/۴، اورشیخ عبد الحق اشعۃ اللمعات :۵۱۶/۱، میں مزید لکھتے ہیں کہ:ثم هذه الجملة يحتمل ان تكون من قول النبیﷺنتيجتاللكلام ،ويحتمل ان تكون من قول الراوى استفادة من كلامه وتفريعاعليه یعنی یہ جملہ (فنبی الله حیٌّ يرزق) یاتو رسول اللہﷺ سے صادر شدہ ہے جو بطور نتیجہ کلام کے بیان فرمایا ہو، یا یہ نیچے کسی روای کا قول ہے یعنی مدرج ہے۔

ان کا ایک اور (مستدل) حدیث جو کہ مشکواۃ المصابیح نے رقم:۸۹۴، میں امام بیہقی سے نقل کیا ہے کہ:عن ابی ھریرۃؓقال قال رسول اللہﷺمن صلى علیّ عندقبری سمعته ومن صلى علیّ نائیاابلغته.(شعب الايمان:رقم: ۱۴۸۱)(۱۴۰/۳) یعنی جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اورجس نے مجھ پر درود دور سے پڑھا تو وہ مجھے فرشتوں کے واسطے بتلایا جاتا ہے۔ یہ حدیث مختلف کتابوں میں مذکور ہے اختصار سے ہم اس کا ذکر کرتے ہیں:

طریق اول: طبرانی عن العلاء بن عمرو الحنفی عن محمدبن مروان(كذاب متروک الحديث)عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺمن صلى على من قريب سمعته ومن صلى على نائياابلغته.

طریق ثانی: عقیلی .شیخ عقیلی عن احمدبن ابراهيم عن العلاء بن عمرو الحنفی عن محمدبن مروان عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺمن صلى علیّ عندقبری من قريب سمعته ومن صلى على نائياابلغته. ۱۳۶/۴ ،تاريخ الخطيب:۲۹۱/۳ .

طریق ثالث: ابو الشيخ عن عبدالرحمن بن احمد الاعرج(مجهول العدالة)عن الحسن بن الصباح عن ابی معاوية عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هريرةؓ قال قال رسول اللهﷺمن صلى

علی من قریب سمعته ومن صلی علی من بعیداعلمته۔

اس روایت کے متعلق (الصارم المنکی: ۱۹۰) میں لکھتا ہے کہ: قلت هذاالحدیث موضوع علی رسول اللہ ﷺ ولم یحدث به ابوهریرةؓ ولا ابوصالح ولا الاعمش، یعنی میں (مسمی با بن عبدالہادی) کہتا ہوں کہ یہ حدیث منگھڑت ہے نبی کریم ﷺ پر۔ نہ یہ حدیث ابوہریرہؓ نے بیان فرمائی ہے اور نہ ہی ان کے شاگرد ابوصالح نے اور نہ ہی ابوصالح کے شاگرد اعمش نے۔ پھر اس عبارت کی کچھ سطروں کے بعد ابوالشیخ اصفہانی کی سند پر بحث کرتے ہیں اسی صفحہ ۱۹۰، میں وقدروی بعضهم هذا الحدیث من روایة ابی معاویة عن الاعمش وهو خطاء فاحش وانما هو محمدبن مروان تفردبه وهومتروک الحدیث، یعنی بعض نے یہی حدیث ابی معاویہ عن الاعمش کے طریق سے روایت کی ہے مگر یہ اس (بعض) کی فاحش غلطی ہے۔ اصل میں یہ روایت محمد بن مروان سے ہے جو اس حدیث کی روایت کرنے میں متفرد (یعنی اکیلا) ہے اور محمد بن مروان کے سوا کسی نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔ نہ ابومعایہ نے اور نہ کسی اور راوی نے۔ اور محمد بن مروان کی اپنی حالت یہ ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث صحیح نہیں بلکہ ضعیف اور ساقط الاعتبار ہے، اس وجہ سے ابن الجوزی نے اس کو کتاب الموضوعات: ۱/۳۰۲ میں ذکر کیا ہے۔ بعض کو یہ وہم ہوا ہے کہ سیوطیؒ نے تعقبات میں اور ابن تیمیہ وغیرہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ تو اس کا جواب ناصر الدین الالبانی نے سلسلہ ضعیفہ: ۲۰۳، میں دیا ہے کہ: موضوع بهذا التمام اخرجه ابن شمعون فی الامالی: ۲/۱۹۳، (۲) والخطیب فی تاریخه ۳/۲۹۱، ۲۹۲، وابن عساکر: ۱۶/۷۰/۲، من طریق محمدبن مروان عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی هریرهؓ مرفوعاواخرج طرفه الاول ابوبکربن الخلادفی الجزء الثانی من حدیثه: ۱۱۵/۲، وابوهاشم السیلقی فی ماانتقاه علی ابن بشرویه ۵۶/۱، والعقیلی فی الضعفاء ۳۹۸، وقال لااصل له من حدیث الاعمش ولیس بمحفوظ ولایتابعه الامن هودونه، یعنی ابن مروان هذاثم روی الخطیب باسناده عن عبداللہ بن قتیبة قال سألت ابن نمیرعن هذا الحدیث فقال دع، ذامحمدبن مروان لیس بشیء. قلت ومن طریقه اورده ابن الجوزی فی الموضوعات من روایة العقیلی ثم قال: لایصح، محمدبن مروان هوالسدی الصغیر کذاب، قال العقیلی لااصل لهذا الحدیث وتعقبه السیوطیؒ فی اللآلی: ۱/۲۸۳، بقوله قلت اخرجه البیهقی فی شعب الایمان بهذا الطریق واخرج له شواهدقلت

ثم ساقه السیوطیؒ وبعضهاصحیح مثل قولهﷺ:ان لله ملائکة سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام.وقوله ﷺمامن احدیسلم علیّ الاردالله علی روحی، الحدیث.وتقدم ذکره قریباوهی کلهاانماتشهدلحدیث فی الجملة، واما التفصیل الذی فیه،وانه من صلی علیّ عندقبره ﷺفانه لیسمعه،فلیس فی شیء منهاشاهدعلیه.وامانصفه الاخرفلم یذکر السیوطیؒ ولاحدیثاواحدایشهدله نعم ،قال السیوطی ثم وجدت لمحمدبن مروان متابعاعن الاعمش. اخرجه ابو الشیخ فی الثواب .

حدثناعبد الرحمٰن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثناابومعاویه عن الاعمش به قلت ورجال هذا السندکلهم ثقات معروفون غیرالاعرج هذا،و الظاهرانه الذی اورده ابو الشیخ نفسه فی طبقات الاصبهانیین :٣١٣ ،فقال القاضی عبدالرحمٰن بن احمد الطبری،ثم روی عنه حدیثین ولم یذکرفیه جرحاولا تعدیلافهومجهول، فقول الحافظ فی الفتح:٦/ ٣٧٩،سنده جیدغیرمقبول ،ولهذاقال ابن القیم فی هذا السند،انه غریب، کمانقله السخاوی عنه فی القول البدیع فی الصلوة علی الحبیب الشفیع :١١٦ ،وقال ابن عبد الهادی فی الصارم المنکی فی الردعلی السبکی:١٩٠ .

وقدروی بعضهم هذا الحدیث من روایة ابی معاویه عن الاعمش وهوخطاء فاحش وانماهومحمدبن مروان تفردبه،وهومتروک الحدیث متهم بالکذب،علی ان هذه المتابعة ناقصة اذلیس فیهامافی روایة محمدبن مروان وکفی بهاامردنیاه کذالک اورده الحافظ ابن حجرو السخاوی من هذاا لوجه خلافالمالفظه المذکورفی روایت السدی، کمالایخفی علی المشتغلین بهذا العلم الشریف.

وقال شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فی الردعلی الاخنائی:٢١٠، ٢١١ ،وهذا الحدیث وان کان صحیحا،لعله یعنی فی الجملة فاسناده لایحتج به، وانمایثبت معناه باحادیث اخر،فانه لایعرف الامن حدیث محمدبن مروان السدی الصغیرعن الاعمش، وهوعند اهل المعرفة بالحدیث موضوع علی الاعمش، وجملة القول ان الشرط الاول من الحدیث ینجومن اطلاق القول بوضعه لهذه المتابعة التی خفیت علی ابن تیمیہؒ ،وامثاله ،وامایاقیه فموضوع لخلوه من الشاهد۔

حاصل یہ ہوا کہ یہ حدیث ساقط الاعتبار ہے، جبکہ دوسری حدیثوں کی معارض بھی ہے۔جن میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ خودنہیں سنتے بلکہ اللہ تعالی نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو کہ آپ ﷺ کو درود وسلام پہنچاتا ہے۔جو کہ ابوداؤد، ونسائی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ:ان للہ ملائکة سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالی کے لئے کچھ فرشتے ہیں پھرنے والے، پہنچاتے ہیں مجھ پر میری امت کی طرف سے سلام ۔ اس روایت کوابن حبان نے ۲۲۹۳، میں اور حاکم نے :۴۲۱/۲، میں نسائی نے:۴۳/۳، میں نقل کیا ہے۔اوراس معنی کی دیگرروایات بھی ہیں مذکور پر اکتفاء کرتے ہیں۔ بنابر اصول حدیث یہ حدیث منکر بھی ہوا۔

ان کی ایک دلیل حدیث انسؓ ہے کہ: رسول پاک ﷺ نے فرمایا ’’الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون‘‘ ۔ یعنی انبیاء حیات ہیں اور قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔اس روایت کو ابویعلی نے اپنی مسند:۱۴۷/۶، امام بیہقی نے حیات الانبیاء:۱۷، ۱۸، میں اور بزار نے:۲۵۶، میں ابونعیم نے اخبار اصبہان:۳۸/۲، میں نقل کیا ہے مختلف طرق سے۔جس سے حدیث صحیح لغیرہ کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔

جبکہ اس کا ایک صحیح شاہد بھی انسؓ سے مسلم کتاب الفضائل اور کتاب الایمان باب الاسراء:۹۹/۱، اور مسند احمد: ۱۲۰/۳، غیرہ نے نقل کیا ہے۔لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ قبر سے مراد برزخ ہے نہ کہ یہ گھڑا۔

شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات:۶۲/۱، میں اور تکمیل الایمان:۱۵، میں فرماتے ہیں کہ اہل السنّت کے اعتقادات میں سے ایک اعتقاد عذاب قبر ہے اور قبر سے مراد عالم برزخ ہے، جودنیا کے اور اخرت کے دار کے درمیان واسطہ ہے، اور اس عالم کا تعلق دونوں مقاموں کے ساتھ ہے، قبر سے مراد گھڑا نہیں کہ مردہ کو جس میں دفناتے ہیں ۔امام راغب مفردات: ۳۹۸، میں قبر کے معنے ’’مقر المیت‘‘ لکھتے ہیں۔شاہ ولی اللہ اپنی کتاب الخیر الکثیر :۱۵۸، میں الخزانة التاسعة فی احکام نشأة المعاد کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:ولھا اربع منازل،المنزل الاول:عالم البرزخ وسماہ رسول اللہ ﷺ بالقبر ،یعنی اخروی نشاۃ کی چار منزلیں ہیں ان میں سے پہلی منزل عالم برزخ ہے،جس کا نام رسول اللہ ﷺ نے قبر فرمایا ہے۔کشف مغالطات:۱۵۹، میں ابراہیم دہلوی لکھتا ہے کہ قبر اس گھڑے کا نام نہیں ہے جہاں جسد خاکی مدفون کر کے خاک ڈالتے ہیں بلکہ حقیقی قبر عالم برزخ ہے۔

مولانا اشرف علی مجالس الحکمۃ:۴۳، اور اشرف الجواب:۲۴۵/۳، ۲۴۶، ۲۴۷، میں لکھتا ہے کہ قبر سے مراد حدیث میں عالم برزخ ہے نہ حفرہ (یعنی گھڑا) مظاہر حق: ۶۲، نور الصدور:۱۰۰،۱۲۳، میں بھی یہی لکھتے ہیں، نظم

الفرائد:۱۷۱، میں احسن سنبھلی لکھتا ہے کہ: و المراد بالقبر لیس مایحفر ویدفن فیه المیت بل المراد به عالم البرزخ مما بعد الموت الی یوم النشور، سلیمان ندوی سیرۃ النبی ﷺ ۶۶۸/۴، کے حاشیہ میں بھی یہی تحقیق لکھتا ہے، مولانا ادریس کاندھلوی رسالہ عالم برزخ:۲۵، میں اور شبیر احمد عثمانی تفسیر عثمانی میں یہی تحقیق کرتا ہے۔ وحید الزمان موطأ کے ترجمہ:۹۶، ۹۷، میں بھی ایسی تحقیق کرتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مالا بدمنہ:۱۲، میں تفسیر ماجدی:۶-۱۱۷، میں مفتی کفایۃ اللہ جواہر ایمان:۶، میں یہی معنے مراد لیتے ہیں۔

تو اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ مذکورہ حدیث میں قبر سے عالم برزخ مراد ہے نہ کہ یہ گھڑا۔ جبکہ ان لوگوں کا ایک دوسری مستدل خود اس سے خلاف ہے جو کہ انسؓ سے امام بیہقی نے حیات الانبیاء:۱۸، کنز العمال:۳۲۲۳۰، میں نقل کیا ہے کہ: ان الانبیاء لایترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلة ولکنھم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور۔ یعنی انبیاء کو چالیس راتوں کے بعد ان کی اپنی قبروں میں رہنے نہیں دیا جاتا بلکہ وہ اللہ تعالی کے حضور میں نماز پڑھتے ہیں تا آنکہ صور پھونکا جائے گا۔

اگرچہ یہ حدیث صحیح نہیں خود امام بیہقیؒ اس حدیث کی صحت میں تردد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ: وھذا ان صح بھذا اللفظ، یعنی اول تو دل تسلیم نہیں کرتا کہ یہ حدیث صحیح ہو اور اگر ثابت ہو جائے کہ واقعی حدیث کے یہی الفاظ ہیں تو اس کی توجیہ کرنی پڑے گی، جبکہ اس حدیث کی سند میں محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی ہے جو کہ تمام اصحاب الجرح والتعدیل کے نزدیک ضعیف ہے۔

اور اس کے علاوہ ایک اور صحیح حدیث عبداللہ بن عمرؓ سے صحیح بخاری:۶۲/۱، میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کچھ نماز اپنی گھروں میں ادا کیا کرو اور انہیں قبریں نہ بناؤ۔ اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم ولا تتخذوھا قبورا۔ علماء کرام نے اس حدیث کے کئی مطلب لئے ہیں اور سب صحیح ہیں۔

ایک مطلب تو یہ ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ دوسرا یہ کہ گھروں میں نوافل پڑھنا مندوب اور مستحب ہے، تو نبی کریم ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ تم مردوں کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں میں (قبروں) میں نماز نہیں پڑھتے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں مردوں کو دفن نہ کرو، اور بغوی نے شرح السنۃ میں اکثر اہل علم کا قول ابن منذر سے نقل فرمایا ہے، کہ اس حدیث سے علماء کرام نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ قبرستان نماز کی جگہ نہیں ہے، کذا فی فتح الباری:۹۵/۲۔

اور شیخ عبدالحق لمعات:۳/۱۹۳، میں اس حدیث کی تشریح میں کہ:(سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لاتجعلوا بیوتکم قبوراً الحدیث) ۔فرماتا ہے ای لاتکونوافی بیوتکم کالموتی فی القبور لایصلون ولایعبدون الخ۔اس کے علاوہ اکثر شراح حدیث نے اس کا یہی مقصد لکھا ہے:۔

ان کا ایک اور مستدل واقعہ معراج ہے۔جوکہ کئی طرق سے مفسرین اور محدثین نے نقل کیا ہے تفصیل سورۂ اسراء میں آئے گی۔اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث ابی ہریرہؓ میں تصریح موجود ہے کہ:ثم اتی ارواح الانبیاء (یعنی ارواح الانبیاء کواللہ تعالی نے متشکل کر کے رسول اللہ ﷺ کو دکھایا) جبکہ بعض روایات میں لفظ تمثیل بھی ذکر کیا گیا ہے اور امام ذہبی تاریخ اسلام:۱/۲۷۷، میں اس حدیث کوان الفاظ سے نقل کرتے ہیں::ثم اتی ارواح الانبیاء اور:۱/۲۶۹، میں ان مختلف احادیث کونقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ :فکیف الجمع بین هذه الاحادیث وبین ماتقدم من انه رأی هؤلاء الانبیاء فی السمٰوات وانه راجع موسی؟فالجواب انهم مثلواله فرأهم غیرمرة، فرأی موسی فی مسیره قائمایصلی فی قبره ثم رأه فی بیت المقدس ثم رأه فی السماء السادسة هووغیره فعرج بهم کماعرج بنبینا، والانبیاء احیاء عندربهم کحیاة الشهداء عندربهم، ولیست حیاتهم کحیاة اهل الدنیاولاحیاة اهل الاخرة ،بل لون اخرکماوردان حیاة الشهداء بان جعل الله ارواحهم فی اجواف طیر خضرتسرح فی الجنة وتأوی الی قنادیل معلقة تحت العرش فهم احیاء عندربهم بهذا الاعتبار کمااخبرسبحانه وتعالی واجسادهم فی قبورهم.وهذه الاشیاء اکبرمن عقول البشروالایمان بهاواجب، کماقال تعالی ، الذین یؤمنون بالغیب ،بقره۔اسی طرح جواب ابن حجر نے فتح الباری:۷/۱۶۰، میں دیا ہے۔

مذکورہ حدیث ابوہریرہؓ سے بزار نے (کشف)رقم ۵۵):۱/۴۰،اورطبری نے تہذیب الآثار جزء ثانی:۲/۷، میں اور تفسیر سورۂ اسراء:۶/۵۰۸۴، اور ابن ابی حاتم نے:۷/۳۲۱۱، میں امام بیہقی نے دلائل النبوۃ:۲/۴۰۰، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد:۱/۲۳۸، میں بزار سے نقل کرنے کے بعد فرماتا ہے رواه البزار،ورجاله موثوقون) اور ابن حجر نے فتح الباری:۷/۵۹۹،اور ابویعلی نے ابطال التاویلات:۱/۱۲۳، میں فرمایا ہے کہ :وقدجاء هذافی حدیث المعراج فی روایة ابی حفص بن شاهین وابی طالب بن العشاری ،قال فیه ،ثم اتینابیت المقدس فنشرلی ارواح الانبیاء فصلیت معهم،فبین ان النشرکان علی الارواح وقدذکر ابوبکر الخلال فی کتاب السنة هذه

اللفظة، جبکہ حدیث جابر بن عبداللہ میں لفظ (مثّل) ہے فرماتا ہے: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لما کذبتنی قریش قمت فمثل اللہ لی بیت المقدس۔

اس پر دلالت مضمون حدیث بھی کرتا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کا گذر ایک ایسے مقام پر ہوا کہ وہاں چھوٹا بل تھا یعنی زمین میں سوراخ تھا، اس سے ایک بڑا اژدھا نکلا اور وہ چاہتا تھا کہ پھر اس میں چلا جاوے مگر نہ جا سکتا تھا، اور وہ صورت اس شخص کی تھی کہ وہ کوئی کلمہ عظیمہ کہہ دیتا ہے اور پھر اس کو اس پر ندامت ہوتی ہے اور اس کے بارے میں جواب نہیں دے سکتا۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے بھی دیکھے کہ ان کا شکم گھڑے کی مانند بڑا تھا اس میں سانپ تھے کہ وہ باہر سے نظر آتے تھے۔ اور ان میں سے ایک سانپ دوسرے کو کاٹتا تھا اور وہ لوگ سود خور تھے، پھر ایسے لوگوں کی طرف گذرے کہ ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹ کے مانند تھے، وہ لوگ آگ کا انگارہ نگلتے تھے اور وہ ان کے نیچے سے نکلا کرتا تھا، یہ لوگ وہ اشخاص تھے جو کہ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے تھے، پھر نبی کریم ﷺ کچھ عورتوں کی طرف سے گذرے کہ ان کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے اور سرنگوں منہ لٹکائے ہوئے تھیں، اور وہ زانیہ عورتیں تھیں، پھر ایسے لوگوں کی طرف گذرے کہ ان کے پہلو کا گوشت کاٹا جاتا تھا اور وہ لوگ اپنے دانتوں سے کچلتے تھے وہ لوگ چغلخور تھے۔

پھر بیت المقدس کے پاس پہنچے آپؐ نے مسجد میں نماز پڑھی اور وہاں انبیاء علیہم السلام کی ارواح موجود کی گئیں۔ ابن جریر: ٥٠٨٣/٦۔ محمد بن درویش الحوت اسنی المطالب: ٢٥٧، میں لکھتا ہے و کذا رؤیتہ للانبیاء لیلة الاسراء ھی تمثیل لارؤیة جسم و کذارؤیتہ لموسی وھوقائم یصلی فی قبرہ، و رؤیتہ لادم علیہ السلام فی السماء الدنیاوعن یمینہ باب الجنة وعن یسارہ باب النارفانہ تمثیل۔

ان روایات میں دیگر امتیوں کے متعلق بھی ذکر ہے، جو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ تفسیر مظہری: ٢٢٤/١٠، میں لکھا ہے کہ: ارواح الانبیاء تخرج من جسدھاوتسیرمثل صورتھا الخ۔ فیض الباری: ٤٢/٣، میں شاہ انور نے لکھا ہے: ثم ھذہ ابدان مثالیة لھم. لانھم ارواح مجردة۔ بیضاوی: ٤٧٣/١، میں ایک حدیث نقل کیا ہے، جس میں الفاظ یہ ہیں کہ: مثلّ لی الانبیاء علیھم السلام فصلیت بھم۔ مولانا اشرف علی تھانوی کتاب التکشف: ٤٥٠، میں یہی لکھتا ہے: اس معنی کے وضاحت کے لئے کہ یہ حیات برزخی ہے اور روح جسد عنصری سے الگ ہے، ہم دو انبیاء کرام کا ذکر کرتے ہیں، تا کہ کمزور عقیدے والوں کا شک زائل ہو جائے، مسند ابی یعلی: ٢٣٦/١٣، میں ابو موسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اتی النبی ﷺ اعرابیافاکرمہ فقال لہ ائتنافاتاہ فقال رسول

اللهﷺسل حاجتک فقال ناقة نركبهاواعنزايحلبهااهلی ،فقال رسول اللهﷺعجزتم ان تكونوامثل عجوزبنی اسرائيل .قال ان موسی لماساربنی اسرائيل من مصرضلوا الطريق فقال ماهذا؟فقال علماؤهم ان يوسف لماحضره الموت اخذعليناموثقامن الله ان لانخرج من مصرحتی ننقل عظامه معناقال فمن يعلم موضع قبره قال عجوزمن بنی اسرائيل فبعث اليهافاتته فقال دلنی علی قبريوسف قالت حتی تعطينی حكمی قال ماحكمک؟ قالت اكون معک فی الجنة فكره ان يعطيهاذلک فاوحی الله اليه ان اعطهاحكمهافانطلقت بهم الی بحيرة (موضع مستنقع ماء) فقالت انضبواهذا الماء فانضبواقالت احتفروواستخرجواعظام يوسف فلمااقلوها الی الارض اذا الطريق مثل ضوء النهار۔

یعنی رسول اللہ کسی اعرابی کے ہاں مہمان ہوئے اس نے آپﷺ کی بڑی خاطرتواضع کی ،واپسی میں آپ ﷺ نے فرمایا کبھی ہم سے مدینہ میں بھی مل لینا،کچھ دنوں بعداعرابی آپؐ کے پاس آیارسول اللہﷺ نے فرمایا: کچھ چاہئے ؟اس نے کہاہاں ایک تواونٹنی دیجئے مع ہودج کےاورایک بکری دیجئے جودودھ دیتی ہو،آپؐ نےفرمایاافسوس تونے بنی اسرائیل کی بڑھیا جیساسوال نہ کیا،صحابہ نے پوچھاوہ واقعہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایاجب موسیٰ کلیم اللہ بنی اسرائیل کولے کرچلےتوراستہ بھول گیا،ہزارکوشش کی لیکن راہ نہیں ملتی تھی ،آپ نے لوگوں کوجمع کرکے پوچھایہ کیااندھیر ہے؟ توعلماء بنی اسرائیل نے کہا:بات یہ ہے کہ یوسفؑ نے اپنے اخری وقت میں ہم سے عہدلیاتھا کہ جب ہم مصرسےچلیں تو آپ کا تابوت بھی یہاں سے لیتے جائیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون جانتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا تابوت کہاں ہے؟سب نے انکارکردیا کہ ہم نہیں جانتے، ہم میں سے سواایک بوڑھی کےاورکوئی بھی آپ کی قبرسے واقف نہیں ،آپ نے اس بڑھیاکے پاس آدمی بھیج کراس سے کھلوایا کہ مجھے یوسف کی قبردکھلا۔بوڑھی نے کہاہاں دکھلاؤں گی لیکن پہلے اپناحق لے لوں،موسیٰ علیہ السلام نے کہاتو کیاچاہتی ہے؟اس نے جواب دیا کہ جنت میں آپ کا ساتھ میسرہوآپ پراس کا یہ سوال بہت باری پڑا،اسی وقت وحی آئی کہ اس کی بات مان لو،اوراس کی شرط منظورکرلو،اب وہ آپ کوایک جھیل کے پاس لے گئی جس کے پانی کارنگ بھی متغیرہوگیاتھا۔کہاکہ اس کاپانی نکال ڈالو،جب پانی نکال ڈالااورزمین نظرآنے لگی تو کہااب یہاں کھودو،کھودناشروع ہواتو قبرظاہرہوگئی تابوت ساتھ رکھ لیا۔اب جوچلنے لگےتوراستہ صاف نظرآنے لگااورسیدھی راہ

لگ گئے۔

اس روایت کو حاکم نے مستدرک:۳/۱۷۱،۴۵۲، میں نقل کیا ہے، اور اس پر باب باندھا ہے (نقل عظام یوسف علیه السلام من مصر فی عهد موسی علیه السلام) اور ہیثمی نے مجمع الزوائد:۱۰/۲۶۷، میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے ورجال ابی یعلی رجال الصحیح وهذا الذی حملنی علی سیاقها۔ جبکہ مسند ابی یعلی کی تحقیق کرنے والے (حسین سلیم) نے اس کو حسن کہا ہے، ابن حبان نے صحیح:۲/۵۰۰، میں اس پر عنوان باندھا ہے، اور ابن ابی حاتم نے تفسیر:۸/۲۷۶۸ میں مجاہد سے مرسل نقل کیا ہے جو کہ اس کے لئے ایک شاہد ہے، اور سیوطی نے درمنثور:۶/۲۹۸، میں قتادہ سے، اور جرجانی نے تفسیر درج الدرر:۳/۱۲۰۰، میں ابن عباسؓ سے، اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء:۶/۲۷، میں کعب سے، اور طبرانی نے الاوسط:۷۷۶۷، میں علیؓ سے نقل کیا ہے، اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابن کثیر نے جو اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ هذا حدیث غریب جدا، یہ حکم صحیح نہیں۔

دوسری روایت دانیال علیہ السلام کی ہے: کہ عمرؓ کے زمانے میں ابوموسی اشعری کی سپہ سالاری میں جب سوس فتح ہوا تو ایک بہت مکلّف مکان میں دانیال نبی علیہ السلام کی نعش مبارک ملی، جو فارس وغیرہ کے قدیم دستور کے موافق دوائیں اور خوشبوئیں لگا کر رکھی ہوئی تھی۔ کسی عضو کی صورت وہیئت میں فرق نہیں آیا تھا اور ابوموسیؓ نے ان کی نسبت عمرؓ کو خط لکھا عمرؓ نے جواب دیا: کہ ان کو بیر کے پتے اور خوشبودار پانی سے غسل دے کر دفن کردو۔ ابوموسیؓ نے عمرؓ کی تحریر کے موافق غسل وکفن کے بعد نماز پڑھ کر سوس کے نہر سے کنارہ پر دفن کر کے اس طرف کو پانی جاری کرادیا۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے: اس طرح نقل کیا ہے حدثنا حماد بن سلمه عن ابی عمران الجونی عن انسؓ انهم لما فتحوا تستر قال: فوجد رجل انفه ذراع فی التابوت کانوا یستظهرون ویستمطرون به فکتب ابوموسیؓ الی عمر بن خطابؓ بذلک فکتب عمرؓ، ان هذا نبی من الانبیاء والنار لاتأکل الانبیاء والارض لاتأکل الانبیاء فکتب ان انظر انت واصحابک. یعنی اصحاب ابی موسی فادفنوه فی مکان لایعلمه احد غیر کما قال فذهبت انا وابوموسی فدفناه!. مصنف ابن ابی شیبه: ۱۳/ ۲۸،تاریخ دمشق: ۵۸/ ۳۴۴، ۳۴۱.دلائل النبوة للبیهقی: ۱/ ۳۸۲،۳۹۰. تاریخ طبری: ۱/ ۴۰۰،۲/ ۵۰۵، الاصابه: ۶/ ۲۳۶،تاریخ اسلام للذهبی: ۵/ ۲۸۷، البدایه و النهایه: ۲/ ۳۷۵.قصص الانبیاء للثعلبی: ۱۸۹ ،وتاریخ قزاعی: ۳۴۔

خلیفہ ثانی نے حکم دیا کہ جس طرح میت کو غسل دیا جاتا ہے، اسی طرح اس پیغمبر کو غسل دو، اور جس طرح میت کو کفن دیا جاتا ہے، اسی طرح اس کو کفن دو، اور جس طرح میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، اسی طرح اس پر بھی نماز جنازہ پڑھو۔ اور لحد کھود کر دفن کر دو۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ انبیاء علیہم السلام قبض روح کے بعد عام انسانوں کی طرح ہوتے ہیں، یعنی جسد اور روح علیحدہ علیحدہ مکانوں میں ہوتے ہیں۔

ایسا ایک واقعہ قرآن کریم نے سورۂ بقرہ ۲۵۹، میں عزیر علیہ السلام کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کی تفصیل ابن جریر وغیرہ نے ذکر کی ہے، جبکہ سلیمان علیہ السلام کا واقعہ جو سورۂ سبا:۱۴، میں ہے، بھی اس مسئلے کی وضاحت کرتی ہے۔

جبکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات اور جسد عنصری و روح کے علیحدہ علیحدہ ہونے کی ایک دلیل ان لوگوں کا یہ واقعہ ہے، جو کہ شذرات الذہب: ۲۳۰/۴، وفاء الوفاء: ۶۴۸/۲، میں نور الدین سلطان کے متعلق نقل کیا ہے کہ: بعض عیسائی بادشاہوں نے یہ سازش کی تھی اور ۵۵۷ھ میں دو مراکشی عیسائیوں کے ذریعہ اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی، اپنی طرف سے اس سازش میں بڑی باریک بینی اور مہارت سے کام لیا گیا تھا۔

لیکن قدرت وقوت الٰہیہ ہر چیز پر غالب ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالی نے آپؐ کی حفاظت وعصمت کا وعدہ کر رکھا ہے، اس لئے اللہ تعالی نے خوب حفاظت فرمائی اور عیسائیوں کی سازش کو ناکام ونامراد کر دیا۔ مؤرخین نے اس سازش کا مفصل بیان کیا ہے، سمہودی کہتے ہیں: کہ علامہ جمال الدین نے ایک رسالہ لکھا ہے، جسکا موضوع یہ ہے کہ عیسائیوں کو ملازم نہ رکھا جائے۔ اس میں انہوں نے ذکر کیا، کہ مصر کے ایک عادل حکمران نور الدین زنگی شہید کے دور میں عیسائیوں نے ایک بہت بڑی سازش کی، اور انہیں پختہ یقین تھا کہ اس میں وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان نور الدین زنگی تہجد گذار تھا، اور اوراد ووظائف کا پابند تھا ایک رات تہجد کے بعد سو گیا تو خواب میں رسول اکرمؐ کی زیارت ہوئی آپ دو سرخ رنگ کے آدمیوں کی طرف اشارہ فرما کر ارشاد فرما رہے تھے "انجدنی انقذنی من ھذین" مجھے ان دونوں سے بچاؤ۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا، وضوء کر کے نماز آدا کی اور سو گیا، تو ویسی ہی خواب پھر دیکھی، اور آنکھ کھل گئی اس نے پھر نماز ادا کیا اور سو گیا، تو تیسری مرتبہ پھر وہی خواب آئی تو اس کی نیند اڑ گئی، اس کا ایک وزیر جمال الدین موصلی بہت نیک شخص تھا، اسے اسی رات کو ہی طلب کر لیا۔

اور اس سے خواب کا واقعہ بیان کیا، اس نے کہا! تو بیٹھے کیوں ہو؟ ابھی مدینہ منورہ چلو اور کسی کو خواب نہ بتلانا، اس نے راتوں رات ہی تیاری کی، اور بیس ساتھی لیکر ہلکی پھلکی سواریوں پر روانہ ہو گیا، وزیر موصوف بھی ہمراہ تھا، بہت سامان

بھی ساتھ لیا،سولہ روز میں مدینہ طیبہ پہنچ گیا،شہر سے باہر ہی غسل کیا،مسجد شریف میں حاضر ہوکر ریاض الجنۃ میں نوافل ادا کیئے ،اور بارگاہ نبوت میں سلام عرض کیا،اور بیٹھ کر سوچ میں پڑ گیا۔کہ اب کیا کرے،وزیر نے اٹھ کر اعلان کر دیا جبکہ اہل مدینہ مسجد میں جمع ہو چکے تھے کہ سلطان نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں،خیرات کیلئے مال بھی لائے ہیں،سب اہل مدینہ کی فہرست بنائی جائے ،بعد میں سلطان نے سب کو حاضری کا حکم دیا،جو شخص بھی پیش ہوتا بادشاہ اسے بڑے غور سے دیکھتا،تا کہ جو اشخاص نبی اکریم ﷺ نے خواب میں دکھائے ہیں انہیں پکڑا جا سکے،لیکن ان شکلوں والے نہ مل سکے،ہر شخص کو عطیہ دیتے اور رخصت کر دیتے،تا آنکہ اہل مدینہ سے کوئی باقی نہ رہا۔

اب سلطان نے پوچھا کہ کوئی باقی تو نہیں رہا؟سب نے کہا نہیں ،سلطان نے کہا سوچو اور خوب غور کرلو،اخر لوگوں نے بتلایا اور تو کوئی نہیں صرف مراکشی بزرگ ہیں،جو کسی سے کچھ نہیں لیتے ،وہ بڑے نیک اور امیر لوگ ہیں،محتاجوں کو بڑا صدقہ خیرات دیتے ہیں،ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں،تہجد گذار ہیں،ریاض الجنۃ میں نماز ادا کرتے ہیں،ہر صبح بارگاہ نبوت میں صلاۃ وسلام پیش کرتے ہیں،روزانہ جنت البقیع میں حاضری دیتے ہیں،ہفتہ میں ایک دفعہ مسجد قبا جاتے ہیں۔

الغرض اہل مدینہ نے ان کی بہت تعریف کی ،بادشاہ نے یہ سن کر سبحان اللہ کہا،اور انہیں خواب کا واقعہ نہ بتایا،اور حکم دیا کہ انہیں میرے پاس لاؤ،انہیں بلایا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم دولت مند ہیں،صدقہ قبول نہیں کرتے ، سلطان کے اسرار پر جب انہیں لایا گیا تو اس نے فورا پہچان لیا کہ یہ تو وہی ہیں، جو خواب میں دکھلائے گئے ہیں،اور نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تھا:انجدنی انقذنی من ھذین' ،بادشاہ نے پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہو؟ تو انہوں نے کہا مراکش سے ہم حج کے لئے آئے تھے،ایک سال کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پڑوس میں رہنے کا ارادہ کرلیا ہے،بادشاہ نے کہا سچ سچ بتلا دو،وہ اس پر چپ ہو رہے،بادشاہ نے ان کی رہائش کا پوچھا تو بتلایا گیا کہ ایک مسافر خانہ میں جو حجرہ شریفہ کے قریب ہے،سلطان انہیں پکڑ کر اس مکان میں لے آیا،وہاں بہت مال پڑا ہوا تھا،سلطان اکیلا اس مکان میں پھرتا رہا ایک جگہ سے بوریاں اٹھائی تو اس کے نیچے سرنگ نظر آ گئی جو تازہ کھدی ہوئی حجرہ شریفہ کو جا رہی تھی۔

لوگ یہ دیکھ کر خوف زدہ ہوگئے ،سلطان نے کہا اب مجھے سچ سچ بتادو اور خوب مارا،آخر انہوں نے اعتراف کرلیا کہ وہ عیسائی ہیں،اوران کے بادشاہ نے انہیں مراکشی حاجیوں کے بھیس میں بھیجا ہے،اور بہت زیادہ مال ودولت

دیا ہے، اور ایک خطرناک کام سرانجام دینے کو کہا ہے، جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ کام سرانجام پا جائے گا۔ اور وہ یہ تھا کہ نبی ﷺ کی ذات اقدس تک پہنچیں، اور جو شیطان نے ان کے ذہن میں ڈالا تھا اس پر عملدرآمد کریں، کہ آپ کو یہاں سے نکال لے جائیں، اور اس کا جو نتیجہ ہوگا سو ہوگا، اس لئے وہ مسجد کے جنوبی طرف قریب ترین مسافرخانہ میں مقیم ہوگئے اور اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا اس طرح شروع کیا کہ رات کو کھدائی کرتے اور مراکشی لوگوں کے تھیلوں جیسے ان کے پاس تھیلے ہوتے جن میں مٹی ڈال کر یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ بقیع کے زیارت کو جارہے ہیں وہاں جا کر مٹی قبروں کے درمیان ڈال دیتے، یہ کام وہ عرصہ سے کررہے تھے، جب وہ حجرہ شریفہ کے قریب پہنچے تو آسمان سخت کڑ کا اور بجلی چمکی اور ایسا زلزلہ آیا کہ معلوم ہوتا تھا، پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔

اسی رات کی صبح کو آپ (سلطان) آ پہنچے اور ہمیں پکڑ کر اعتراف جرم کروالیا، جب انہوں نے اعتراف جرم کرلیا اور سلطان کے ذریعہ یہ سازش پکڑی گئی تو سلطان نے کہا کہ الحمدللہ، اللہ تعالی نے اس کام کے لئے مجھے منتخب فرمایا، کسی اور کا انتخاب نہیں کیا، اس کے بعد سلطان پر سخت رقت طاری ہوئی اور بہت رویا۔ اور انہیں مار ڈالنے کا حکم دیا، حجرہ شریفہ سے متصل جو کھڑکی بقیع کی طرف کھلتی تھی اس کے نیچے ان کی گردن اڑادی، پھر سلطان نور الدین زنگی اپنے ملک کو واپس چلا گیا اور عیسائیوں کے خلاف جنگی کاروائیاں بڑھادیں، اور انہیں سرکاری ملازم نہ رکھنے کا حکم جاری کیا۔ (جسم مبارکہ کی چوری کی سازشیں تقریبا پانچ مرتبہ کی گئی ہے، تفصیل کے لئے کتاب: التحفة اللطیفة: ۲/۴۷ ۲، وفاء الوفاء: ۲/۶۵۳، البدایة والنہایة: ۱۳/ص ۲،۳، دیکھیں،

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ انبیاء علیہم السلام شہداء جیسے برزخ میں زندہ ہیں، خود یہ تصریح امام بیہقی نے دلائل النبوۃ: ۲/۳۸۸، اور کتاب حیات الانبیاء: ۲۹، میں کی ہے فرماتا ہے: **والانبیاء صلوات الله علیهم احیاء عندربهم کالشهداء**۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے ارواح طیبہ وفات کے بعد اللہ کے ہاں زندہ ہیں، جیسا کہ شہداء کرام، اور یہی معنی زرقانی نے شرح مواہب: ۵/۳۳۳، میں بھی ذکر کیا ہے، آخر میں ہم علامہ محمد بن درویش الحوت کا قول، جو کہ انہوں نے اسنی المطالب میں ذکر کیا ہے: ۵۸۳، ۶۱۴، ۶۱۹، لکھتا ہے کہ:

فهذه الاخبار بمجموعها تدل على حياته وحياة جميع الانبياء عليهم السلام، ولكنها على نحو ما وصف، لا كحياتنا لانه لما قبض رسول الله ﷺ كان كبقية الموتى من حيث فقد الروح وخروجها من الجسم الكريم ولو كانت حياته كحياتنا لخاطبهم حين اختلفوا فى امر الخلافة، وفى

مـحـل دفـنـه، وفـي ميـراثه، حين اختلفت فاطمة وابوبكرؓ على ذلک وعلى الارض اللتی ادعتهامن ارض فـدک بـنـواحی خيبر،وانه ا عطاهالها،وكالخلاف بين على وعائشة وبين عليّ ومعاويه رضی الله عنهم اجمعين.فظهوره ﷺللصحابة لنزع ا لخلافات المذكورة وهم اولی الناس بهذه الكرامة بل هم اكرم الخلق بعده اولی، واهم من ظهوره لغيرهم وهذابيّن جليّ، فعلم ان حياة الانبيالاتدرک حقيقتها،وانمانعتقدان لهم مزيةعلى غيرهم من الموتی۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخی ہے، جودنیوی حیات سے مشابہ نہیں اور نہ نیند سے مشابہ ہے،اورنہ باقی لوگوں کی موت کے مانند ہے، بلکہ اللہ تعالی ان کے ابدان مکرمہ کو بوسیدگی اورفناء سے محفوظ رکھتاہے، اوربعض اوقات روح نورانیت سے کوئی سرّ ان پرلوٹا تا ہے،

چنانچہ بہت سی حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ امت کا سلام آپؐ پر پیش ہوتا ہے۔بعض حدیثوں میں ہے، کہ آپؐ کی روح آپؐ پرلوٹائی جاتی ہے،تاکہ آپؐ سلام کہنے والا کا جواب دیں۔ بعض حدیثوں میں ہے، جودور سے سلام بھیجے اس کا سلام فرشتے کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے،بعض حدیثوں میں ہے عرض کیا گیا، کہ آپؐ پرصلوۃ وسلام کس طرح پیش ہوگا،آپؐ توبوسیدہ ہوچکے ہوں گے تو فرمایا: اللہ نے زمین پر پیغمبروں کا گوشت کھانا حرام کردیاہے، یہ احادیث مجموعی طور پر نبی کریم ﷺ اور دیگر تمام صحابہ کرام کی حیات پر دلالت کرتی ہے،لیکن یہ حیات وہی ہے جوہم نے پہلی بیان کی ہےیعنی برزخی ہے، ہماری حیات کی طرح نہیں ہے کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کی گئی توجسم مبارک سے روح کے نکلنے میں اور بدن میں روح موجود نہ ہونے میں آپؐ دوسرے اموات کی مانند تھے اگرآپؐ کی حیات ہماری حیات کی مانند ہوتی توجب صحابہ کے درمیان خلافت کے معاملہ میں اختلاف ہواتھا،اس وقت آپؐ ان سے مخاطب ہوتے تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کی حقیقت کا ادراک نہیں ہوسکتا پس ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ دوسری اموات پران کوفوقیت اورفضیلت حاصل ہے۔مزید تحقیق کے لئے محمد حسین نیلویؒ کی کتاب نداءحق مطالعہ کیجئے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے

وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

تو صبر کرنے والوں کو (اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو ۔

الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

أُوْلٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

یہی لوگ ہیں جن پر اُن کے رب کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے رستے پر ہیں ۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا

بیشک (کوہ) صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے

جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ

اُس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے (بلکہ طواف ایک قسم کا نیک کام ہے) اور جو کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ

شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى

قدر شناس اور دانا ہے۔ جو لوگ ہمارے احکام اور ہدایات کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں

مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُوْلٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ

باوجودیکہ ہم نے اُن کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ایسوں پر اللہ

وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا

اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ۔ ہاں جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی حالت درست کر لیتے اور (احکامِ الٰہی کو)

وَبَيَّنُوا فَأُولَٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

صاف صاف بیان کر دیتے ہیں تو میں اُن کے قصور معاف کر دیتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا (اور) رحم کرنے والا ہوں[۴۰]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ

جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے اُن پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے ۔

وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

وہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں (گرفتار) رہیں گے اُن سے نہ تو عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿١٦٢﴾ وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ

اور نہ انہیں (کچھ) مہلت ملے گی ۔ اور (لوگو) تمہارا معبود ایک ہی (یعنی اللہ تعالیٰ) ہے[۴۱] اُس بڑے

---

[۴۰] اس ایت میں مولوی صاحبان کے توبہ کی قبولیت کی شرائط ذکر ہیں :(۱)توبہ کرنا(۲)اپنی اصلاح کرنا(۳)بینوا یہ مراد یہ ہے کہ جوحق یہ لوگ چھپاتے رہیں اب اسے خوب بیان کریں۔جبکہ منافقین کےتوبہ کی شرائط چار ہیں: جوکہ سورت نساء:۱۴۶،میں ذکر ہیں اور عام لوگوں کی توبہ کی دو شرط ہیں جوکہ سورت ال عمران:۸۹،میں مذکور ہیں۔

[۴۱] الہ بمعنی معبود ہے اور وہ عبادت سے مشتق ہے،اورلفظ عبادت کے معنے کی تحقیق سورت فاتحہ میں گذر گئی ہے، قران مجید میں عبادت کی زیادہ تر چار قسمیں آئی ہیں :۱:غائبانہ حاجات میں پکارنا،۲:نذر و نیاز دینا،۳:سجدہ کرنا،۴:طواف کرنا۔

اگر غائبانہ حاجات میں اللہ تعالی کو پکارا گیا،اوراس سے ڈر کر یا اس سے امید رکھ کر اس کے سامنے سجدہ کیا گیا، اوراس کے نام کی نذر و نیاز دیگئی ،اوراس کے گھر (بیت اللہ) کا طواف کیا گیا،تو یہ سب کچھ اللہ کی عبادت ہوگی ،اوراگر یہ امور غیراللہ کے لئے کئے گئے :مثلاً کسی پیغمبر کو غائبانہ حاجات میں پکارا گیا۔یا اس سے ڈر کر یا امید رکھ کر اس کی قبر کے سامنے سجدہ کیا گیا۔اس کے نام کی نذر ونیاز دی گئی ،یا اس کی قبر کا طواف کیا گیا،تو یہ اس کی عبادت ہوگی۔ان تمام اقسام کوکما حقہ سمجھنے کئے لئے عبادت کے معنی سمجھنے ضروری ہیں۔

(قانون لفظ "الــہ") جہاں کہیں قرآن مجید میں "الہٰ" کا لفظ آجائے اور غیر اللہ سے الہٰ ہونے کی نفی کی جا رہی ہو، وہاں غیر اللہ سے (خواہ وہ نبی ہو یا ولی) غائبانہ حاجت میں مافوق الاسباب متصرف فی الامور ہونے کی نفی کی جائے گی، اور علم غیب کی بھی نفی کی جائے گی۔

لیکن زیادہ تر متصرف فی الامور ہونے کی نفی کی جاتی ہے، کیونکہ اس سے علم غیب کی نفی لازم آتی ہے۔ جیسا کہ سورت مائدہ: ۱۷، نمبر ایت سے ۲۱، تک۔

یہاں ان ایات میں عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ سے "الہٰ" ہونے کی نفی کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہ دونوں محتاج ہیں، اور نفع ونقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتے، اور ہر شے کو جاننے والے بھی نہیں۔ یہاں بھی مقصد یہ ہے کہ غائبانہ حاجات میں عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ نافع اور ضار نہیں۔ اور اسی طرح سورت انعام کا ایت: ۱، ۲، ۳، ۱۲، اور ۱۷، دیکھئے تو ان ایات کا حاصل یہ ہے کہ امور مذکورہ فی الایات میں غائبانہ اور مافوق الاسباب متصرف صرف اللہ کریم ہی ہے، اور ہر شے کا جاننے والا بھی وہی ہے۔ لہذا اگر وہ کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ نفع پہنچانا چاہے تو قادر ہے، اور اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ چوتھی ایت پہلی تین ایت پر متفرع ہے، اور ان ایات کے بعد: أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللّهِ آلِهَةً أُخْرَى قُل لاَّ أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَـهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۱۹﴾ (انعام)۔ سے نتیجہ نکالا گیا کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی دوسرا الہٰ نہیں، کیونکہ کسی میں یہ امور مذکورہ، مافوق الاسباب، غائبانہ حاجات میں نہیں پائے جاتے، اور اسی طرح سورت ال عمران اول سے...... "کیف یشاء": ۶، تک، ان ایات سے دلیل بیان کی گئی ہے، جس میں دو امور غائبانہ حاجات میں ظاہری اسباب کے علاوہ بیان کئے گئے ہیں، ۱: متصرف فی الامور اللہ تعالی ہی ہے (۲) ہر شے کا جاننے والا بھی اللہ تعالی ہی ہے۔ اس کے بعد **لاالہ الاھو العزیزا لحکیم** سے نتیجہ نکالا گیا۔

اسی طرح سورت قصص ایت ۶۸، سے ۷۳، تک، ان ایات میں بھی وہی دعویٰ اور دلائل توحید ہیں، اور ان دلائل میں ان ہی دو امور یعنی غائبانہ حاجات میں متصرف اور غیب دان اللہ تعالی ہی ہے کو خوب واضح کیا گیا ہے۔ اس ایت میں "**ولـــہ الـحـکـم**" سے غائبانہ حاجات میں نفع ونقصان کا حکم مراد ہے، اور ظاہری اسباب کے ماتحت حکم مراد لینے سے بہتر ہے۔ اسی طرح سورت طٰہٰ کی اول ایتوں میں بھی ذکر مافوق الاسباب امور میں متصرف اور غیب دان ہونے کا ہے۔

اب اگــر کــوئــی ســوال کــرے : کہ اگر اللہ تعالی کو عالم الغیب بالذات اور غائبانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالذات تسلیم کر لیا جائے، جیسا اس کے شایان شان ہے، اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور اولیاء کرام کو عالم الغیب

بالعرض، یعنی بالواسطہ باعلام اللہ (عطائی) اور غائبانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالعرض یعنی بتملیک اللہ، یعنی اللہ کی دی ہوئی طاقت سے تسلیم کیا جائے، جیسا کہ ان کے شایان شان ہے، تو کیا پھر بھی شرک ہوگا۔ شرک تو تب ہوتا کہ ان کو بھی بالذات مانا جاتا۔

تو جواب یہ ہے کہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو غائبانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالذات نہیں مانتے تھے، بلکہ انہیں متصرف فی الامور بالعرض بتملیک اللہ، جان کر پکارتے تھے، جیسا کہ مشرکین مکہ بوقت تلبیہ حج کہا کرتے تھے: **لبیک لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک الاشریکا ھو لک تملکه وماملک** ۔ابن کثیر: ۴۴۵/۴۔ اسی طرح صحیح مسلم ۳۷۶/۱، اور بخاری، میں ابوجہل کا تلبیہ ایا ہے۔ اسی طرح: **مانعبدھم الالیقربناالی الله زلفی** (سورت الزمر:۳)۔ اس ایت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: انہوں نے بتوں کی طرف قصد کیا کہ انہیں ملائکہ مقربین کی صورتوں پر بنالیا تھا۔ اور ان کی عبادت ملائکہ مقربین کی عبادت کے قائمقام سمجھ کر کی، تاکہ وہ اللہ تعالی کے ہاں ان کے رزق اور مدد اور جنہیں امور دنیا سے خیال کیا جاسکتا ہے، کے لئے اللہ تعالی سے سفارش کریں۔ اور قیامت کے تو منکر ہی تھے۔

اور امام رازی نے تفسیر کبیر میں ایت کریمہ: ''**فلاتجعلو الله اندادا**'' (بقرہ:۲۲) لکھا ہے: جان لے کہ دنیا بھر میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ کا ایسا شریک مانے جو کہ وجود، قدرت، علم اور حکمت میں اس کے برابر ہو۔ یہ ان میں سے ہے جن کا وجود ابھی تک نہیں ہوا۔ اور اللہ تعالی کے سوا دوسروں کو معبود بنانا، تو اس کے قائل بکثرت موجود ہیں۔

دوسرا سوال: قران مجید نے: ''**فلاتجعلو الله انداد**'' میں ''ند'' کی نفی کی ہے، جس کے معنی مساوی اور مماثل کے ہیں، معلوم ہوا کہ کسی کو اللہ کے مساوی اور مماثل نہ بنانا چاہئے۔

جواب: تفسیر ابوسعود میں اس مقام پر لکھا ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے اللہ تعالی کی عبادت کے بجائے اپنے معبودوں کی عبادت شروع کر دی تھی۔ اللہ کریم نے زجر سے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالی کے لئے ند بنا لئے ہیں، جو کام اللہ تعالی کے لئے کرنا چاہئے تھا وہ انہوں نے اپنے معبودوں کے لئے شروع کر دیا۔

سوال : اگر انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اور ملائکہ عظام کو غائبانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالعرض بھی نہ مانا جائے بلکہ اللہ جل شانہ کے دربار میں سفارشی سمجھ کر پکارا جائے تو کیا یہ بھی شرک ہے؟۔

جواب: یہ بھی شرک ہے، مکہ کے مشرک اپنے معبودوں کو سفارشی سمجھ کر پکارتے تھے، جیسا کہ پہلی ایت میں ''**مانعبدھم**

الالیقربناالی اللہ زلفی "سورت الزمر (۳)۔اورسورت یونس میں ہے: وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لاَ يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلاء شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ ﴿۱۸﴾ اوراللہ کے سواان معبودان باطلہ کی عبادت کرتے ہیں جوانہیں نہ نقصان پہنچاسکتے ہیں نہ نفع۔اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

امام رازی اور علامہ ابوسعود نے لکھا ہے: علماء نے اس میں اختلاف کیا کہ انہوں نے پتھروں کے حق میں کیسے کہا کہ یہ اللہ تعالی کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔اوراس میں کئی قول نقل کئے ہیں: جن میں سے چوتھا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں، پیروں اور فقیروں کی شکلیں ان بتوں کی سی بنالیں، اور گمان کیا کہ جب یہ ان مورتیوں کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں، تو وہ پیغمبر اور پیر وفقیر اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہوتے ہیں۔اس زمانہ میں اس کی نظیر بہت سے لوگوں کا، پیروں، فقیروں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہونا ہے، اس اعتقاد پر کہ جب وہ ان کی قبروں کی تعظیم کرینگے تو وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہونگے کیا انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو سفارشی بنالیا ہے؟ سورۂ زمر میں ہے: أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللهِ شُفَعَاء قُلْ أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئاً وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۴۳﴾

فرمادیجئے کہ وہ اگر چہ کسی چیز کے مالک بھی نہ ہوں اور نہ ہی سمجھتے ہوں۔تب بھی۔

سوال: "مــــن دون اللہ" بت تھے، ان کو پکارنا، اور سفارشی بنانا، بیشک شرک ہے، لیکن اولیائے کرام وغیرہ کو پکارنا اور سفارشی بنانا کیونکر شرک ہے؟

جواب: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مشرکین مکہ جنہیں سفارشی بناتے تھے، وہ انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور ملائکہ تھے، ان کی صورتوں پر بت بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے، جیسا کہ تفاسیر کے حوالہ جات نیز بخاری شریف وغیرہ کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے کہ ودّ، سواع وغیرہ بزرگان دین میں سے تھے۔"ان الــذیــن تـدعـون مـن دون اللہ عبـادامثـالـکـم ".

الاعراف: (۱۹۴) جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہوں وہ تم جیسے بندے ہیں۔

سوال: اگر ہر وقت انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو غائبانہ حاجات میں حاجت روانہ سمجھا جائے، بلکہ ان کو بعض وقت سفارشی سمجھ کر پکارا جائے، اور بعض اوقات اللہ تعالی کو پکارا جائے تو کیا یہ بھی شرک ہے؟۔

جواب: مشرکین مکہ بھی اپنے معبودوں کو ہر وقت اور ہر کام میں نہیں پکارتے تھے، بلکہ زیادہ کھٹن کاموں میں وہ اللہ تعالی ہی کو پکارتے تھے۔جیسا کہ سورت یونس آیت: ۲۲، اور سورت عنکبوت ایت: ۶۵، سورت الروم ۳۴، سورت لقمان ایت: ۳۲، سورت نحل: ۵۳، ۵۴، سورت انعام: ۶۳، اور سورت الزمر: ۸، میں ملاحظہ کریں۔

اورحدیث میں ہے:عن عمران بن حصینؓ قال: قال النبیﷺ لابی ،یاحصین کم تعبد الیوم الھا؟قال ابی سبعة،ستافی الارض وواحدافی السماء ،قال فایھم تعدلرغبتک ورھبتک؟قال الذی فی السماء ،قال یاحصین اماانک لواسلمت علمتک کلمتین تنفعانک ۔الحدیث(مشکواة:باب الاستعاذة الفصل الثانی: ۲۱۷:۱)۔اورحدیث،عکرمہؒ جوکہ امام نسائی وغیرہ نے نقل کیاہے،اس باب میں زیادہ مشہور ہے۔ ان ایات اوراحادیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بھی ان مصائب کے وقت صرف اللہ تعالی ہی کو پکارتے تھے،اورمصائب کے دورہوجانے کے بعداپنے معبودوں کوپکارنا شروع کردیتے تھے،لیکن پھربھی قوانین اسلامی کے رو سے مشرک تھے ،اورآج کل کے مشرک توان سے بھی بڑے ہوئے ہیں، ایسے مصائب کے وقت بھی اپنے ہی معبودوں کوپکارتے ہیں۔چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

بگرداب بلاافتاد کشتی مددکن یامعین الدین چشتی

اورکوئی کہتا ہے:بہاؤالحق،بیڑادھک۔(معاذاللہ)۔

مسئلہ اثبات الہ

مشرکین مکہ اللہ تعالی کے وجودکے قائل تھے،اوراس کی ہستی اوربعض صفات کے منکرنہیں تھے،قران کریم میں اس کاذکرکئی ایتوں میں موجودہے:سورت عنکبوت :۶۱،۶۲،۶۳،سورت زخرف:۹،۸۷،سورت مومنون: ۸۴،۸۵، ۸۶،۸۷،۸۸،۸۹سورت یونس:۳۱۔ان ایات سے معلوم ہواکہ اسمانوں اورزمین سے رزق دینے والا،کانوں اورانکھوں کامالک ،یعنی ضامن ،کافرسے مومن پیداکرنے والا، اورمومن سے کافرپیداکرنے والا ،اورازادسے غلام اورغلام سے ازادپیداکرنے والا ،اورتمام امورکی تدبیرکرنے والا ،اورہرشے پرغالب اوربڑےعلم والا،انسانوں کوپیداکرنے والا، اورہرشےکوقبضہ قدرت میں رکھنے والا،ہرشےکوپناہ دینے والا،جس کے مقابلے میں کسی کوپناہ نہ مل سکے،صرف اللہ ہی کوجانتے تھے،اورمذکورہ صفات میں’’ وحدہ لاشریک لہ‘‘ جانتے تھے۔

امام رازی اورابن کثیروغیرہ نے اللہ تعالی کے وجودپرسورت بقرہ کی ایت نمبر۲۱، سے استدلال کیاہے،اوراس کے متعلق مختلف واقعات نقل کئے ہیں،فرماتے ہیں:فی الواقع یہ آیت اللہ تعالی کے وجودپربڑی دلیل ہے،زمین اورآسمان کی مختلف شکل وصورت،ومختلف رنگ،مختلف مزاج،اورمختلف نفع کی موجودات،ان میں سے ہرایک کانفع بخش ہونا،اوران کے خالق کے وجودکاخاص حکمت کاحامل ہونا،اوراس کی عظیم الشان قدرت،حکمت اورزبردست سطوت ،اورسلطنت

کا ثبوت ہے۔

کسی بدوی سے پوچھا گیا کہ اللہ تبارک وتعالی کے موجودگی کی کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا"یاسبحان اللہ،ان البعر ليدل على البعير،وان اثر الاقدام لتدل على المسير،فسماء ذات ابراج،وارض ذات فجاج، وبحار ذات امواج،الايدل ذلک على وجود اللطيف الخبير "یعنی مینگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے،اور پاؤں کے نشان کو زمین پر دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ کوئی آدمی گیا ہے،تو کیا یہ برجوں والا آسمان، یہ راستوں والا زمین، یہ موجیں مارنے والے سمندر۔اللہ تعالی باریک بین اور باخبر کی وجود پر دلیل نہیں بن سکتے؟۔

امام مالکؒ سے ہارون الرشید نے پوچھا کہ اللہ تعالی کی وجود پر کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا زبانوں کا مختلف ہونا،اوازوں کا جداگانہ ہونا،نغموں کا الگ ہونا،ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی سوال ہوتا ہے،تو آپ جواب دیتے ہیں،کہ چھوڑو میں ابھی کسی اورسوچ میں ہوں،لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں،نہ کوئی اسکا نگہبان ہے، نہ چلانے والا۔باوجود اس کے وہ برابر آ جا رہی ہے،اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گذر جاتی ہے،ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے،چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے،نہ کوئی اس کا ملاح ہے،نہ منتظم۔سوال کرنے والے دہریوں نے کہا،آپ کیسی بات کرتے ہیں،کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنی بڑی نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے، اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو؟ آپ نے فرمایا،افسوس تمہاری عقلوں پر،ایک کشتی تو بغیر چلانے والے نہ چل سکے،لیکن یہ ساری دنیا،اسمان وزمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں،اوران کا مالک،حاکم،خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سنکروہ لوگ لاجواب ہوگئے،اورحق معلوم کرکے مسلمان ہوگئے۔

امام شافعیؒ سے بھی یہ سوال ہوا،تو آپ نے جواب دیا،کہ توت کی پتے ایک ہی ہیں،ایک ہی ذائقہ کے ہیں کیڑے اور شہد کی مکھی،اورگائیں،بکریاں،ہرن وغیرہ سب اس کو کھاتے،اور چرتے،چگتے ہیں،اسی کو کھا کر کیڑے میں سے ریشم نکلتا ہے،مکھی شہد دیتی ہے،ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے،اورگائے،بکریاں،مینگنیاں دیتی ہیں،کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں؟ کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟اوراس کو ہم اللہ تبارک وتعالی مانتے ہیں،وہی موجد اور صانع ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک مرتبہ وجود باری تعالی پر دلیل طلب کی جاتی ہے،تو آپ نے فرمایا:سنو! یہاں

ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں، نہ کوئی راستہ ہے، بلکہ سوراخ تک نہیں۔ باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے، اوراندر سے سونے کی طرح دھمک رہا ہے۔ اوراوپر، نیچے، دائیں بائیں، چاروں طرف سے بالکل بند ہے۔ ہوا تک اس میں نہیں جاسکتی، اچانک اس کی ایک دیوارگرتی ہے، اور جاندارانکھوں، کانوں والاخوبصورت بولتا چالتا، خوبصورت شکل اور پیاری بولی والا، چلتا پھرتا نکل آتا ہے، کہواس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یانہیں؟ اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر، اوراس کی قدرت غیر محدود ہے یانہیں؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈھے کو دیکھوں چوطرف سے بند ہے، پھراس میں پروردگار، خالق، یکتا، جاندار بچہ پیدا کردیتا ہے۔ یہی دلیل ہے اللہ کے وجود پر، اوراس کا توحید پر۔

ابونواس سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو کہا، کہ اسمان سے بارش کا برسنا، اس سے درختوں کا پیدا ہونا، اوران ہری ہری شاخوں پرخوش ذائقہ میوں کا لگنا، ہی اللہ تعالی کے وجوداوراس کی وحدانیت کی کافی دلیل ہے۔

ابن المعتز کا قول ہے، افسوس اللہ تعالی کی نافرمانی اوراس کے تکذیب پرلوگ کیسی دلیری کرجاتے ہیں، حالانکہ ہرہر چیزاس پروردگار کی ہستی اور لاشریک ہونے پرگواہ ہے۔

بعض علماء کا مقولہ ہے، کہ اسمانوں کودیکھوان کی بلندی، ان کی وسعت، ان کے چھوٹے بڑے چمکیلے اورروشن ستاروں پرنظرڈالو، ان چمکنے اوردمکنے، ان کے چلنے پھرنے اورٹھہرجانے، ظاہرہونے اورچھپ جانے کا مطالعہ کرو۔ سمندروں کودیکھو جوموجیں مارتے ہوئے زمین کوگھیرے ہوئے ہیں۔ پھراونچے نیچے مضبوط پہاڑوں کودیکھو، جوزمین میں گڑے ہوئے ہیں، اوراسے ہلنےنہیں دیتے۔ جن کے رنگ، جن کی صورتیں مختلف ہیں، پھرقسم قسم کی اورمخلوقات پرنظرڈالو، پھرادھرسے ادھرپھرے جانے والی کھیتیوں اور باغوں کوشاداب کرنے والی خوشنما نہروں کودیکھو، کھیتوں اور باغوں کی سبزیوں اوران کے طرح طرح کے پھل پھول مزے مزے کے میووں پرغورکرو۔ زمین ایک، پانی ایک، لیکن شکلیں، صورتیں اورخوشبو میں، رنگت، ذائقہ اور فائدہ میں الگ الگ ہیں، کیا یہ تمام مصنوعات تمہیں نہیں بتاتیں کہ ان کا صانع کوئی ہے؟ کیا یہ تمام موجودات باوآزبلندنہیں کہہ رہی ہیں کہ ان کا موجدکوئی ہے؟ کیا یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی ہستی، اس کی ذات، اوراس کی توحید پردلالت نہیں کرتی؟ یہ ہیں وہ زوردار دلائل جواللہ تعالی نے اپنی ذات کے منوانے کے لئے ہرنگاہ کے سامنے پیش کردیئے ہیں۔ جواس کی زبردست قدرتوں، اس کی پرزورحکمتوں، اس کی لاثانی رحمتوں، اس کے بینظیرانعاموں، اس کے لازوال احسانوں پردلالت کرنے کے لئے کافی وافی ہیں، ہمارا اقرار ہے، کہ اس کے سوا کوئی

پالنے پوسنے والا، نہ اسکے سوا کوئی پیدا کرنے ،اورحفاظت کرنے والا، نہ اس کے سوا کوئی معبود برحق ،نہ اس کے سوا کوئی مسجود لا شک ،ہاں دنیا کے لوگوں سن لو! میرا توکل اور بھروسہ اسی پر ہے ،میری انابت اور التجا اسی کی طرف ہے۔ میرا جھکنا اور پست ہونا، اسی کے سامنے ہے، میری تمناؤں کا مرکز، میری امیدوں کا آسرا، میرا مأ ویٰ اور ملجاو ہی ایک ہے، اسی کے دست رحمت کو دیکھتا ہوں۔

اسی طرح قران کریم میں لفظ ''الہٰ'' کی کچھ معانی اور مصداقات ہیں : جیسا کہ سورت نمل: ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، میں ۔ان ایات میں ''الہٰ'' کے معانی یہ بتائے گئے ، کہ اسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کی طاقت، اسمانوں سے پانی اتارنے کی طاقت، بارش سے درختوں کے پیدا کرنے کی طاقت ۔اسی طرح زمین کو پیدا کرنے کے بعد اس کو برقرار رکھنے کی طاقت ،زمین سے پانی نکالنے کی طاقت، زمین پر پہاڑوں کو رکھ کر اسے برقرار رکھنے کی طاقت ،مختلف ذائقوں کے دریاؤں کو اکٹھا چلا کر درمیان میں پردہ ڈالنے کی طاقت ، پریشان آدمی کی پکار سننے کی طاقت، برائی دور کرنے کی اور زمین پر خلیفہ بنانے کی طاقت، دریاؤں اور خشکیوں میں راستہ نہ ملنے پر رہنمائی کرنے والا، باران رحمت آنے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں ،خوشخبری کے طور پر چلانے کی طاقت ۔اسی طرح تمام مخلوق کی پیدا کرنے کی طاقت، دوبارہ زندہ کرنے کی طاقت، اسمان اور زمین سے رزق دینے کی طاقت ۔ان معانی کے بیان کے ساتھ ساتھ مذکورہ ایتوں میں ان صفات کا ثبوت صرف اللہ تعالی کے لئے ،اور دوسروں سے نفی بھی بیان ہوئی ،اور اس کے باجود بعض مسلمان مذکورہ صفات میں اللہ تعالی کا شریک ٹھہراتا ہے، شاعر نے کیا خوب کہا:

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے — جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

غیر حق را ہر کہ خواند اے پسر — کیست در عالم از و گمراہ تر

تفسیر تنویر المقباس: ۳۱۶، میں لفظ ''الہٰ'' کے کچھ معانی بیان کئے ہیں: تکمیل فائدہ کے لئے ہم ناظرین کے لئے نقل کرتے ہیں: ''لاالہٰ'' کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: **لاضار و لانافع و لامانع و لامعطی و لامعز و لامذل** الخ یعنی مجرم کو ضرر دینے والا، دوستوں کو فائدہ پہنچانے والا، منع کرنے اور دینے والا، عزت اور ذلت دینا ''الہٰ'' کے معانی کو شامل ہیں۔

الـرَّحْـمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِـىْ خَـلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ

مہربان (اور) رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن

الـلَّيْـلِ وَالـنَّهَـارِ وَالْـفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا

کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں

اَنْـزَلَ الـلّٰـهُ مِنَ السَّـمَـآءِ مِنْ مَّـآءٍ فَـاَحْيَا بِـهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَـا

اور بادل جس کو اللہ تعالیٰ آسمان سے برساتا اور اُس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہونے کے بعد سرسبز) کر دیتا ہے

وَبَـثَّ فِيْهَـا مِـنْ كُـلِّ دَآبَّةٍ وَّتَـصْـرِيْفِ الـرِّيَـاحِ وَالسَّـحَابِ الْمُسَخَّرِ

اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو

بَيْـنَ السَّـمَـآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰـتٍ لِّـقَـوْمٍ يَّـعْـقِـلُـوْنَ ﴿۱۶۴﴾

آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں (ان سب میں) عقلمندوں کے لئے (اللہ تعالیٰ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں

وَمِـنَ الـنَّـاسِ مَـنْ يَّتَّـخِـذُ مِـنْ دُوْنِ الـلّٰـهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰـهِ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں

وَالَّـذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَـوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اور اگر ظالم لوگ جو بات عذاب کے وقت دیکھیں گے

اَنَّ الْـقُـــوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعـًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْـدُ الْعَـذَابِ ﴿۱۶۵﴾

(وہ بات) اب دیکھ لیتے کہ سب طرح کی طاقت اللہ ہی کو ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے

اِذْ تَبَـرَّاَ الَّـذِيْـنَ اتُّبِـعُـوْا مِـنَ الَّـذِيْـنَ اتَّبَـعُـوْا وَرَاَوُا الْـعَذَابَ

اُس دن (کفر کے) پیشوا اپنے پیروی کرنے والوں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذابِ (الٰہی) دیکھ لیں گے

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً

اور اُن کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ (یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے

فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ

کہ اگر ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا کہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں اسی طرح ہم بھی اُن سے بیزار ہو جائیں

يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ

اس طرح اللہ اُن کے اعمال انہیں حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے

النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا

لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۱۶۸﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ

وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ وہ تو تمہیں بُرائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے

وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۹﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ

اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں ۔اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے

اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا

کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو اُسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا

أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۷۰﴾

بھلا اگر چہ اُن کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہوں (تب بھی وہ انہیں کی تقلید کئے جائیں گے)[۴۲]

---

[۴۲] مسئلہ تقلید

اکثر مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں مسئلہ تقلید ذکر کیا ہے۔ چونکہ آج کل اس مسئلہ کی وضاحت بہت ضروری ہے، تو اس وجہ سے ہم ان مفسرین کے اتباع میں یہ مسئلہ تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ ایسے مضمون والے آیات قرآن مجید میں سورۃ مائدہ:۱۰۴، اور سورۃ لقمان:۲۱، میں بھی مذکور ہیں۔

تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف: عربی لغت میں تقلید، کسی کی گردن میں طوق ڈالنے کو کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ: ''قلائد،، ان جانوروں کو کہتے ہیں جن کے گلے میں رسی ڈال دی گئی ہو، اور حرم شریف کیلئے وقف کیا گیا ہو، سورۂ مائدہ کی شروع میں ہے (ولا القلائد) اور متفق علیہ حدیث میں ہے عائشہؓ سے کہ: فتلت قلائد بدن النبی ﷺ بیدیّ ثم قلدها واشعرها واهداها فماحرم علیه شئ کان احل له خ: ۱۶۹۶، م: ۱۳۲۱. ابوالوفاء ابن عقیل: الواضح فی اصول الفقہ: ۲۳۷/۵، میں لکھتا ہے: وحد التقلید، الرجوع الی قول الغیر بغیر حجة، ماخوذ من تقلیده بالقلادة وجعلها فی عنقه۔ غیاث اللغات میں تقلید کی تعریف یوں کی گئی ہے، گردن بند درگردن انداختن وکاربعہدۂ کسے ساختن وبرگردن خود کاربگرفتن۔ ومجازاً بمعنی پیروی کسی بے دریافت حقیقت آن: (۱۶۱) تقلید گلے میں رسی ڈالنے یا کسی کے ذمے کوئی کام لگانے کا نام ہے۔ اسی طرح اپنے ذمے کوئی کام لینا بھی تقلید کہلاتا ہے، اس کا مجازی معنی یہ ہے کہ حقیقت معلوم کئے بغیر کسی کی تابعداری کی جائے۔ شرح مختصر الروضۃ میں ابن سعید الطّوفی: ۶۵۰/۳، لکھتا ہے: التقلید لغة جعل شئ فی العنق محیطا به و الشئ قلادة، وشرعاقبول قول الغیر من غیر حجة، کأن المقلدیطوق المجتهداثم ماغشه به فی دینه وکتمه عنه من علمه، علی وجه الاستعارة (یعنی من التقلید اللغوی)۔

علماء تفسیر کی اصطلاح میں تقلید کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں۔

(۱) ھو عمل بقول الغیر من غیر حجة: کسی دوسرے کے قول پر بغیر دلیل کے عمل کرنا تقلید کہلاتا ہے۔ یعنی کسی شخص کے اقوال پر یہ جانے بغیر عمل کرنا کہ یہ اقوال اس نے کتاب وسنت سے اخذ کئے ہیں یا کہیں اور سے۔ (ارشاد الفحول: ۴۴۱، شرح قصیدہ امالیہ (ضوء المعالی) لملاعلی قاری حنفیؒ: ۸۳، مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت: ۴۴۴/۲، قرطبی: ۲۱۱/۲)۔

(۲) التقلید، العمل بقول من لیس قوله احدی الحجج بلاحجة، تقلید ایسے شخص کی بات پر عمل کرنے کو

کہتے ہیں جس کی بات بغیر دلیل کے حجت نہیں ہے ،(التحریر مع التیسیر ،لابن ہمام:۴/۲۴۱،عقدالفرید،لملاحسن شرنبلالی :۱۵،معیارحق:۳۶)۔

(۳) علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں: التقلیدعند العلماء ،حقیقته قبول قول بلاحجة: ۲/۲۱۱،وقال علمائنا،وقوة الفاظ هٰذه الأیة تعطی ابطال التقلید :علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت کے الفاظ کی قوۃ تقلید کو باطل کرتے ہیں (قرطبی:۲/۲۱۱)۔

(۴) بحرالعلوم علامہ سید امیر علی ملیح آبادی فرماتے ہیں ۔ایسے شخص کیلئے تقلید کرنا ممنوع ہے جونظر اوراجتھاد پر قدرت رکھتا ہو۔(اور رہا دین میں غیر آدمی کا اتباع کرنا کسی دلیل سے یہ جان کر کہ یہ محق ہے) جیسے انبیاء علیہم السلام یا مجتھدین فی الاحکام کی اتباع کرنا درحقیقت یہ تقلید نہیں ، بلکہ جواللہ تعالیٰ نے اتارا اسکا اتباع ہے ۔فعلیٰ هٰذا تقلید یہ ہوئی کہ احکام دین میں غیر کا قول بلا دلیل مان لینا (مواہب الرحمٰن:۲/۶۹)۔

(۵) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:وفی الآیت دلیل علی المنع من التقلیدلمن قدر علی النظر واما اتباع الغیر فی الدین بعدالعلم بدلیل مانه محق، فاتباع فی الحقیقت لما انزل اللّٰهولیس من التقلید المذموم فی شیء(۲/۴۱)۔

(۶) صاحب بیضاوی لکھتے ہیں:وهودلیل علی المنع من التقلید لمن قدر علی النظر والاجتهاد (۱/۴۴۷)مع حاشیہ کازرونی۔

۷) ابوسعود محمد بن محمد العمادی لکھتے ہیں:هٰذه الآیت نزلت فی المشرکین، امروااتباع القران وسائر ماانزل اللّٰهتعالی من الحجج الظاهرة والبینات الباهرة فجنحواللتقلید(تفسیر ابوسعود:۱/۱۸۸)

(۸) ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی لکھتے ہیں: فکأنه نهاهم عن التقلیدوامرهم بالتمسک بالحجة (تفسیر سمرقندی:۱/۱۷۵)۔

(۹) امام عبدالرحمٰن بن محمد الثعالبی لکھتے ہیں:وقوة الفاظ هٰذه الایة تعطی ابطال التقلیدواجمعت الامة علیٰ ابطاله فی العقائد(تفسیر ثعالبی:۱/۳۵۵)۔

(۱۰) امام رازی رقمطراز ہیں:انما ذکراللّٰهتعالی هٰذه الآیت عقیب الزجر عن اتباع خطوات الشیطان تنبیها علیٰ انه لافرق بین متابعة وساوس الشیطان وبین متابعة التقلید ،وفیه اقوی دلیل علیٰ

وجوب النظر والاستدلال، وترک التعویل علیٰ مایقع فی الخاطر من غیر دلیل، اوعلیٰ مایقوله الغیر من غیر دلیل،وعنده تفصیل (تفسیر کبیر:۲/۷۷و۸۷:۴)وغیرہ مواضع میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۱۱) قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ الاندلسی: اپنی تفسیر " المحرر الوجیز"میں لکھتے ہیں:و قوۃ الفاظ هٰذه الاية تعطی ابطال التقليد(۲/۴۵)۔

(۱۲) ابوحیان محمد بن یوسف الاندلسی یوں فرماتے ہیں:وفی هٰذادلالة علیٰ ذم التقليد(البحر المحیط:۲/۱۰۳)۔

(۱۳) ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی تقلید کی ذم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:وكانوا قوماسفهاءً اصحاب التقليد فقالوا انا قلدنا آبآئنافلانقلد غيرهم(تفسیر القرآن العظیم ،لہ:۱/۱۱۹)۔

(۱۴) ابن عادل لکھتے ہیں:لانتبع ذالک وانما نتبع آبآئنا واسلافنا فعارضوه بالتقليد (اللباب:۳/۱۵۸)۔

(۱۵) ابن عجیبہ لکھتے ہیں :قال الحق جل جلاله ،ايتبعونهم تقليداًوعمیً(البحر المدید:۱/۱۷۴)۔

یہاں اقوال مفسرین ہم نے اس وجہ سے بکثرت نقل کیئے، کہ بعض کم علم لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ اس آیت کا مسئلہ تقلید سے کوئی تعلق نہیں،اور یہ احبار ورھبان کے متعلق ہے،اور ہمارے ائمہ کرام تو ہدایت پر تھے،تو یہ قیاس مع الفارق ہے،اس وہم کے دفعہ کے لئے ابن عادل بہت تفصیل سے لکھتا ہے کہ:وصح ان يقال انهاللعطف(يعنی الواو)فالمعنی، والله اعلم، انهاانکاراتباع آبائهم فی کل حال حتی فی الحالة اللتی لاتناسب ان يتبعوهم فيها،وهی تلبسهم بعدم العقل و الهداية ،ولذلک لايجوزحذف هذه الواو الداخلة علی" لو"اذاکان تنبيهاعلی ان مابعدهالم يکن مناسباماقبلها. اللباب:۳/ ۱۵۹۔

جبکہ ابن ابی العزؒ اپنی کتاب الاتباع:۲۳،میں بھی فرماتا ہے، کہ اس آیت کا تعلق مسئلہ تقلید سے ہے :فرمایا. وان قلده فيماتبين له فيه أن الدليل مخالف له او قدر علی النظر فی الدليل وفهمه ولم يفعل، فهٰذا هوالتقليد المذموم فان صاحبه داخل فی زمرة الذين قالوا :﴿انا وجدنا آبائنا علیٰ امة وانا علیٰ اثارهم مقتدون﴾ [الزخرف:۲۳]والذين قال الله عنهم ﴿واذاقيل لهم اتبعوا ماانزل الله قالوا بل نتبع ماالفينا عليه آبائنا﴾۔

اورحافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: وقد احتج العلماء بهٰذه الآية فی ابطال التقليد ولم يمنعهم کفر

اولٰئک من الاحتجاج بها، لان التشبیہ لم یقع من جهة کفر احدهما وایمان الآخر، وانما وقع التشبیہ بین المقلدین بغیر حجة للمقلّد :یعنی علماء نے ان آیات سے ابطال تقلید پر استدلال کیا ہے انہیں (ان آیات میں مذکورین) کے کفر نے استدلال کرنے سے نہیں روکا، کیونکہ تشبیہ کسی کے کفر یا ایمان کی وجہ سے نہیں ہے، تشبیہ تو مقلدین میں بغیر دلیل کے (اپنے) مقلَّد (امام رہنما) کی بات ماننے میں ہے (اعلام الموقعین: ۱۹۱/۲) اور ابن عبدالبر نے یہی تفصیل ذکر کی ہے: الجامع ۲۲۰/۲۔ اسکی عربی عبارت بعد میں آئیگی۔

اور اس آیت سے اکثر علماء اصول نے بھی استدلال کیا ہے، بطور مثال ہم چند حوالہ جات ذکر کرتے ہیں: جن میں سے ایک جامع الاسرار والے ہیں اس نے لکھا ہے ,, لانہ تعالی رد علی المقلدین بقولہ ،الایة، ۵/۵۴۴، اسی طرح باجی نے بھی کتاب الاشارۃ: ۱۳۹، میں ذکر کیا ہے، جبکہ سیوطی نے کتاب الرد علی من اخلدالی الارض: ۱۲۴، میں اس ایٰت سے رد تقلید کیلئے استدلال کیا ہے، اور ولی الدین ابوزرعہ نے کتاب الغیث الھامع: ۹۰۷/۳، میں اور ابن عقیل نے کتاب الواضح: ۲۳۸/۵، میں: آیات سورۃ الزخرف: ۲۲،۲۳، سے ذم تقلید کیلئے استدلال کیا ہے کہ: ان الله سبحانه ذم التقلیدفی کتابه بمثل قوله: اناوجدناابائنا،الایة۔

دوسرا جواب والد محترم نے تفسیر میں لکھا ہے: کہ لفظ ''لوٗ'' وصلیہ ہے اور یہ ثبوت حکم محذوف پر بطریق ترقی دلالت کرتا ہے: یعنی: ایتبعون الآباء اصحاب الهداية بغير دليل فكيف اذا اتبعوهم وهم ضلال، تفسير احسن الكلام [۱/۵۵۹]:

ان آیات کے علاوہ اور آیات بھی ہیں، جن سے علماء کرام نے رد تقلید مذموم کے لئے استدلال کیا ہے۔

(۱) سورۃ اعراف: ۲، میں اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿اتبعوا ماانزل اليكم من ربكم ولاتتبعوا من دونه اولياء قليلا ماتذكرون﴾ تفسیر قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے ''الی الکتاب والسنة'' یعنی ''ماانزل'' سے مراد کتاب وسنت ہے اور بس، اور ابن کثیر اس آیت کے تحت لکھتا ہے کہ: ودلت الآية علىٰ ترك اتباع الآراء مع وجود النص، یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ قرآن وحدیث کے دلائل کی موجودگی میں علماء کی آراء کو چھوڑ نا چاہیئے۔ تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ بغیر دلیل کے کسی بات کو ماننا (دین کے معاملے میں) حرام ہے۔

(۲) سورۃ بنی اسرائیل: ۳۶، میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ولاتقف ماليس لك به علم﴾ اور جس کا تجھے علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کر۔ اس آیت کریمہ سے درج ذیل علماء نے تقلید کے باطل ہونے پر استدلال کیا ہے۔

ابوحامد محمد بن محمد الغزالی (المستصفی من علم الاصول:٢/٣٨٩) السیوطی (الرد علیٰ من اخلد الی الارض :١٢٥، ١٣٠) ابن القیم (اعلام الموقعین ٢/١٨٨)۔

اور علامہ قرطبی رقمطراز ہیں: التقلید لیس طریق للعلم، ولا موصولاله فی الاصول ولافی الفروع، وهو قول جمهور العقلاء والعلماء خلافا لما یحکی عن الجهال الحشویة الثعلبیة من انه طریق الی معرفة الحق :٢/٢١٢، تقلید نہ تو علم کا راستہ ہے اور نہ اصول وفروع میں علم تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہوسکتا ہے، یہ قول تمام عقلاء اور علماء کا ہے، برخلاف جہال حشویہ اور ثعلبیہ کے جو تقلید کو حصول حق کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

(٣) سورۃ توبہ:٣١﴿اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابًا من دون الله﴾ یہود ونصاری نے اپنے مولویوں اور پیروں کو حاکم اور شارع کی حیثیت دی۔ یہ آیت اگر چہ یہود ونصاری کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن یہ بات بالاتفاق قانون کی حیثیت رکھتی ہے کہ: العبـــــــــرة لعموم اللفظ لالخصوص السبب [التنبیه علی مشکلات الهدایة: ٣/١١٥٢] و المستصفی: ٢/٦٠، کبیری:١٨٩، یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ سبب کے خصوص (شان نزول) کا اعتبار۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار نہ کیا جائے، تو پھر قرآن مجید کی کوئی آیت ہم پر صادق نہیں آئے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا،، لتتبعن سنن من کان قبلکم ،، (بخاری :رقم:٧٣٢٠، مشکوٰۃ:٢/٤٨٥) یعنی تم ضرور میرے بعد اگلے لوگوں (یہود ونصاری) کی چالوں پر چلو گے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو شارع کی حیثیت دی، اسی طرح اس امت کے مقلدین نے بھی اپنے ائمہ کو وہی حیثیت دی ہے۔ اس آیت کی تفسیر حدیث کی رو سے ملاحظہ کریں۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں،، الاکثرون من المفسرین قالو ا لیس المراد من الارباب، انهم اعتقدوا فیهم انهم اٰلهة العالم، بل المراد انهم اطاعوهم فی اوامرهم ونواهیهم .ونقل ان عدی بن حاتم کان نصرانیا فانتهیٰ الی رسول الله ﷺ وهویقرأ ، سورة براءة، فوصل الی هٰذه الآیة، قال فقلت لسنا نعبدهم، فقال ألیس یحرمون ماا حل الله، فتحرمو نه ،ویحلون ماحرم الله، فتستحلو نه ؟ فقلت بلی !قال فتلک عبادتهم (کبیر:١٦/٣٧) اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں،، اتخاذ ارباب ،، سے مراد ,, اتخاذ بالعبودیة والالوهیة،، نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پیروں اور مولویوں کے کہنے پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بغیر دلیل کے مانا۔

حدیث میں آتا ہے، عدی بن حاتمؓ نصرانیت سے تائب ہوکر مشرف باسلام ہوئے، اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سورۃ براءۃ کی یہ آیت سنی ,,اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباًمن دون الله،، الخ۔ تو نبی ﷺ سے سوال کیا کہ ہم نے تو ان کو الٰہ اور معبود نہیں بنایا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا. جب وہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کہتے تو تم ان کو حرام نہیں سمجھتے تھے؟ اور جب وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کہتے تو تم ان کو حلال نہیں سمجھتے تھے؟ عدی بن حاتمؓ نے فرمایا کہ ایسا ہی کرتے رہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا؛ یہی تو ان کی عبادت ہے۔

یہی تفسیر حذیفہؓ کی روایت میں بھی منقول ہے، جو کہ ابن عبدالبرؒ نے جامع بیان العلم :۲/۲۱۹، اور بیہقی نے سنن کبری:۱۰/۱۱۶، اور مدخل:۲۱۶، اور خطیب بغدادی نے کتاب الفقیہ والمتفقہ :۶۷، میں ابوالبختری سے نقل کیا ہے: قال قیل لحذیفةؓ فی قولہ تعالی :اتخذوا احبارھم الایة[التوبه: ۳۱] أکانوا ایعبدونھم؟فقال لاولکن کانویحلّون لھم الحرام فیحلّونه ،ویحرّمون علیھم الحلال فیحرّمونه ۔ یہ روایت ابن ابی حاتمؒ نے تفسیر:۶/۱۷۸۴، اور طبری نے ،۱۶۶۸۹، میں نقل کی ہے۔

اورطبری نے رقم:۱۶۶۹۶، میں عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے اس آیت کی تفسیر میں، کہ آپ نے جواب میں فرمایا:زیّنوالھم طاعتھم، دوسری روایت میں ہے کہ:لم یأمروھم ان یسجدوالھم، ولکن امروھم بمعصیة الله فاطاعوھم، فسماھم الله بذلک اربابا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر :۲/۳۴۸، تبصیر الرحمٰن :۲/۲۹۸، جامع البیان :۲/۱۶۶ ،بیضاوی :۲/۳۳۰،مسند احمد:۴/۴۶۴، ترمذی :۲/۱۴۰ ،تفسیرابن جریرطبری :۵/۳۹۷۵، تفسیرالدرالمنثور: ۳/۲۳۱، جامع بیان العلم وفضله لابن عبدالبر:۲/۲۱۹،۲۱۸، اعلام المؤقعین لابن القیمؒ:۲/۱۹۰ ،الرد علی من اخلد الی الارض للسیوطی :۱۲۰ ،الفقیه والمتفقه للخطیب البغدادیؒ:۲/۶۷ وبیھقی: ۱۰/۱۱۶ ، ومدخل:۲۱۶.

[۴]اوراسی طرح آیت سورۃ بقرہ:۱۶۶ ﴿اذتبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورأواالعذاب وتقطعت بھم الاسباب﴾ سے ابن عبدالبر ذم تقلید کے لئے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :ومثل ھٰذا فی القرآن کثیر من ذم التقلیدالآباء والرؤساء، وقد احتج العلماء بھٰذہ الآیات فی ابطال التقلید ،ولم یمنعھم کفر اولٰئک من الاحتجاج بھا، لان التشبیه لم یقع من جھة کفر احدھما وایمان الآخر، وانما وقع التشبیه بین التقلدین بغیر حجة للمقلَّد، کما لو قلد رجل فکفروقلد آخر فأذنب، فقلد

آخر فی مسئلة دنیاہ فاخطأ وجهها ،کان کل واحد ملوما علیٰ التقلید بغیر حجة ، لأن کل ذالک تقلیدیشبه بعضه بعضا، وان اختلفت الاثام فیه ؛جامع بیان العلم و فضله:۲/۲۲۰۔

[٥]اورسورۃ بقرہ:۱۱۱،﴿قل هاتوا برهانکم ان کنتم صٰدقین ﴾سے امام غزالیؒ نے(المستصفیٰ :٢/ ٣٨٩،السیوطی :الرد علیٰ من اخلد الی الارض : ١٣٠) میں تقلید کے باطل ہونے کے لئے استدلال کیا ہے۔

[٦]اورسورۂ زخرف والی:۲۲،۲۳،آیت جوکہ پہلے گذرگئی،اوراس کے علاوہ اورآیات بھی ہیں جن سے ابن قیم نے اعلام الموقعین :۲/۱۷۲،میں استدلال کیا ہے۔

تقلیدکا رد احادیث سے :۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تقلید مذاہب اربعہ وغیرہ بدعت ہے۔حافظ ابن قیم نے فرمایا:وانما حدثت هٰذه البدعة فی القرن الرابع المذموم علیٰ لسان رسول اللهﷺ,,اور(تقلیدکی)یہ بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے،جس(صدی)کی مذمت رسول اللہﷺ نے اپنی زبان (مقدس)سے بیان فرمائی ہے:[اعلام المؤقعین :٢/ ١٨٩ ، حجة اللهالبالغة، لشاہ ولی اللهؒ: ١/ ١٥٢]،البحرالمحیط [٨/ ٣٤٣]الاتباع[ص:[٨١] الرد علی من اخلد الی الارض [ص: ١٣٣]، صون المنطق والکلام [ص: ١٢٦ ،الاحکام فی اصول الاحکام: لابن حزمؒ : ٦/ ١٤٣ ،اورکتاب الردعلی ابن النغریلة : ١٦٦ ،له ،قوت القلوب : ١/ ١٢٤] تفسیر أضوء البیان:٧/ ٥٠٩ ، بلکہ اس لفظ کے متعلق امام سیوطی،صون المنطق:۱۷۱، میں لکھتا ہے کہ؛واما لفظ التقلید فلا نعرفه جاء فی شیء من الاحادیث واقوال السلف فیما یرجع الی الدین ،اوراسی طرح عبارت کتاب الحجة: ٢/ ١١٩ ، میں بھی ہے.

بدعت کے بارے میں ارشادنبویﷺ ہے کہ:وکل بدعة ضلالة ,,اور ہر بدعت گمراہی ہے،،(صحیح مسلم کتاب الجمعةباب تخفیف الصلوٰةوالخطبة:[ح ٨٦٨]۔

(۱)اور نبیﷺ نے قیامت سے پہلے کی ایک نشانی یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ :فیبقیٰ ناس جهال یستفتون فیفتون برأیهم، فَیُضِلُّوْنَ ویَضِلون [صحیح بخاری ،کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة،باب ما یذکر من ذم الرأی : ح،٧٣٠٧]پس جاہل لوگ رہ جائیں گے،ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے،تواپنی رائے سے

فتویٰ دیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اوراسی روایت کونقل کرنے کے بعدابن عبدالبر جامع بیان العلم [۲/۲۲۷] میں فرماتے ہیں: وهذا كله نفي للتقليد و ابطال له، لمن فهمه وهدى لرشده.

(۲) حدثنا مطلب قال حدثنا عبدالله قال وبه حدثني الليث قا ل قال يحىٰ بن سعيد حدثني أبو حازم عن عمر بن مرة عن معاذ بن جبلؓ عن رسول اللهﷺ قال اياكم وثلاثة ؛زلة عالم، وجدال منافق، ودنيا تقطع اعناقكم؛فأمازلة عالم فان اهتدىٰ فلاتقلدوه دينكم، وان زل فلاتقطعوا عنه آمالكم [المعجم الاوسط : ٩/٣٢٦، ٧ ٣٢،شرح اصول اعتقاد اهل السنة : ١/١٦٦، ١١٧].

کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا۔تین چیزوں سے بچو، عالم کی غلطی ،منافق کا (قرآن لیکر) جھگڑا کرنا ،اوردنیا جوتمہاری گردنوں کوکاٹے گی۔ رہی عالم کی غلطی، تواگروہ ہدایت پربھی ہوتو دین میں اس کی تقلید نہ کرو، اوراگر وہ پھسل جائے تواس سے ناامید نہ ہونا۔

(۳) اوراسطرح ایک روایت معاذؓ سے موقوف منقول ہے، کہ معاذؓ نے فرمایا: يامعشر العرب كيف تصنعون بثلاث، دنياتقطع اعناقكم ،وذلة العالم ،وجدال منافق بالقرآن ؟فسكتوا،فقال:اما العالم فان اهتدىٰ فلاتقلدوه دينكم، وان افتتن فلاتقطعوا امنه اناتكم،فان المؤمن يفتتن ثم يتوب،واما القرآن فله منار كمنار الطريق،لاتخفى على احد ،فماعرفتم منه فلاتسئلوا عنه وماشككتم فكلوه الى عالمه . اما الدنيا،فمن جعل الله الغنى فى قلبه فقدافلح، ومن لا،فليس بنافعته دنياه. [كتاب الزهد،لوكيع بن الجراح: ١/٢٩٩، ٣٠٠، وابوداؤد فى الزهد :١٧٧ ،وابونعيم فى الحلية:٥/٩٧،جامع بيان العلم وفضله:٢/٢٢٢].

(۴) اخبرناابو عبدالله الحافظ ثناابوالعباس محمدبن يعقوب ثنامحمدبن خالد ثنا احمدبن خالد الوهبى ثنا اسرائيل عن ابى حصين عن يحىٰ بن وثاب عن مسروق عن عبدالله ابن مسعودؓ أنه قال: لاتقلدوا دينكم الرجال فأن ابيتم فبالأموا ت لابالاحياء۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا دین میں لوگوں کی تقلید نہ کرو، پس اگرتم (میری بات کا) انکارکرتے ہو، تو مردوں کی (اقتداء) کرلو، زندوں کی نہ کرو [السنن الکبریٰ:۱۰/۲] جبکہ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعودؓ سے ان الفاظ میں مذکورہ روایت نقل کی ہے کہ: لايقلدنّ احدكم دينه رجلا فان اٰمن اٰمن وان كفركفر، وان كنتم لابد مقتدين فاقتدوا

بالميت فان الحی لايأمن عليه الفتنة [کبیر:۱۶۶/۹، جامع بیان العلم:۲۲۷/۲، ابوداؤد فی الزہد:۱۴۰، حلیۃ الاولیاء:۱۳۶/۱]۔

(۵) اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک اور روایت ابن عبدالبر نے (جامع میں) مختلف سندوں سے نقل کی ہے کہ ؛حدثنا عبدالرحمٰن بن يحیٰ قال حدثناعلی بن محمد قال حدثناأحمد بن داؤد قال حدثناسحنون قال حدثناابن وهب قال سمعت سفيان :يعنی :ابن عيينة يحدث عن عاصم بن بهدلة عن زربن حبيش عن ابن مسعودؓ أنه كان يقول: اغد عالما اومتعلما ولاتغد امعةفيمابين ذالک [جامع بیان العلم وفضلہ:۲۲۳/۲]۔

(۶) جبکہ ''امعہ'' کی تفسیر ابن عبدالبر نے خود ابن مسعودؓ سے متصل سند کے ساتھ نقل کی ہے:قال ابن وهب فسألت سفيان عن الامعة ؟فحدثنی عن ابی الزعراء عن ابی الاحوص عن ابن مسعودؓ قال كنا ندعوا الامعة فی الجاهلية الذی يدعیٰ الیٰ الطعام فيذهب معه بغيره، وهوفيكم اليوم المحقب دينه الرجال، [جامع:۲۲۳/۲، وابوداؤد فی الزہد:۱۴۰، وحلیۃ الاولیاء:۱۳۷/۱]۔

(۷) جبکہ امام ترمذی نے حذیفہؓ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے کہ:عن حذيفةؓ قال قال رسول اللهﷺ لاتكونوا امعة،تقولون ان احسن الناس احسنّا،وان ظلموا ظلمنا،ولكن وطّنوا انفسكم، ان احسن الناس ان تحسنوا،وان اساؤوا فلا تظلموا،[ترمذی مع التحفة : ۱۳۵/۶].

(۸) اور ابوالبختر ی نے علیؓ سے نقل کیا ہے کہ :ايا كم والاستنان بالرجال، فان الرجل يعمل بعمل اهل الجنة،ثم ينقلب لعلم الله فيه ، فيعمل بعمل اهل النار،فيموت وهومن اهل النار ،وان ا لرجل ليعمل بعمل اهل النار فينقلب لعلم الله فيعمل بعمل اهل الجنة، فيموت وهو من اهل الجنة،فان كنتم لا بد فاعلين فبالاموات لابالاحياء،[ابن عبدالبر فی جامع بيان العلم وفضله : ۲۲۷/۲] جبکہ شاطبی نے الاعتصام:۳۵۸/۲، ۳۵۹، میں اس روایت میں یہ الفاظ بڑھادیئے ہیں:واشار الیٰ رسول اللهﷺ واصحابه الكرام ،تو اس سے بعض لوگوں کو عبداللہ بن مسعود والی روایت سے جو شبہ لاحق ہوا تھا وہ ختم ہوا، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے مقتدا بھی فوت شدہ ہیں۔

(۹) جبکہ خود عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ جواب منقول ہے:قال عبدالله بن مسعودؓ من كان مستنافليستن بمن

قدمات ، فان الحی لاتؤ من علیه الفتنة،اولٰئک اصحاب محمدﷺ،کانوا افضل ھٰذه الامة، ابرھاقلوبا،واعمقھاعلما، واقلھا تکلفا، اختارھم اللہ لصحبةنبیه، ولاقامة دینه ،فاعرفوا لھم فضلھم، واتبعوا علی اثارھم ،تمسکوابمااستطعتم من اخلاقھم، وسیرھم، فانھم کانوا علی الھدی المستقیم [مشکوٰۃ المصابیح؛کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة رقم: ۱۹۲ ،وصون المنطق: ۱۳۸ ،وتحریم النظر : ۴۴ ،والھروی : ۳۸/۴.جامع بیان العلم: ۱۹٦/۲ . اور:۱۹۵/۲، میں حسن بصریؒ سے یہ روایت نقل کیا ہے۔

(۱۰) اور یہی روایت ابونعیم نے حلیہ [۳۰۵/۱] میں عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ: من کان مستنافلیستن بمن قدمات اولئک اصحاب محمدﷺ کانوا اخیرھذه الامة،ابرھاقلوبا،واعمقھاعلما ،واقلھاتکلفا،قوم اختارھم اللہ لصحبة نبیه ونقل دینه، فتشبھوابااخلاقھم وطرائقھم،فھم اصحاب محمدﷺ کانواعلی الھدی المستقیم ،واللہ رب الکعبة، الحدیث۔

(۱۱) جبکہ ابن عبدالبر نے سلمان فارسیؓ سے نقل کیا ہے کہ:قال سلمان کیف أنتم عند ثلاث :زلة عالم ، وجدال منافق بالقرآن ،ودنیاتقطع أعناقکم ،فأمازلة العالم فأن اھتدیٰ فلاتقلدوہ دینکم، واما مجادلة منافق بالقرآن، فان للقرآن منارا کمنار الطریق فما عرفتم منه فخذوہ، ومالم تعرفوہ فکلوہ الیٰ اللہ،واما دنیا تقطع اعناقکم، فانظروا الیٰ من ھو دونکم، ولاتنظروا الیٰ من ھوفوقکم ، [جامع:۲۲۳/۲]۔

تقلیدکارد علماء کرام کے اقوال سے

(۱) امام ابوحنیفہؒ نے قاضی ابویوسفؒ کوفرمایا: ویحک یایعقوب (ھوابویوسف)لاتکتب کل ماتسمع منی، فأنی قد اری الرأی الیوم واترکه غدا، واری الرأی غدا واترکه بعد غد۔

اے یعقوب (ابویوسفؒ) تیری خرابی ہو،میری ہر بات نہ لکھا کر،میری آج ایک رائے ہوتی ہے اور کل بدل جاتی ہے اور کل دوسری رائے ہوتی ہے،تو پھر پرسوں وہ بھی بدل جاتی ہے ،تاریخ یحیی بن معین:۲/ ٦۰۷، وتاریخ بغداد:۴۲۴/۱۳۔

اوراسی طرح امام صاحب نے یہ بھی فرمایا:اذاصح الحدیث فھومذھبی ،،صحیح حدیث میرامذہب ہے۔[الحاشیہ لابن عابدین:٦۳/۱ ،،رسم المفتی :۴/۱، ۲۴، ۲۷،فتاوی دارالعلوم دیوبند:٦۵/۱ ،ایقاض ھمم اولی الابصار:٦۲]

یہ بھی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے: لایحل لاحد ان یأخذ بقولنامالم یعلم من این اخذناہ ،[ابن عبد البر فی الانتقاء :۲٦٧،وجامع الفصولین:۱/۱۵،اعلام المؤقعین :۲/۳۰۹،میزان الشعرانی :۱/۵۸،] مجموعۃ الرسائل (شامی):۲۸،۲۹،۱۳۵۔

امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں:حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی فاننا بشر ،نقول الیوم ونرجع عنه غداً،میزان الکبریٰ:۵۸.

(۲) امام ابوجعفر الطحاویؒ نے فرمایا ہے: وھل یقلد الا عصبی اوغبی :اورتقلید تو صرف وہی کرتا ہے جومتعصب ہو یا بے وقوف ہوتا ہے ۔رسم المفتی،ضمن مجموعۃ الرسائل لابن عابدین :۱/۳۲،لسان المیزان لابن الحجر: ۱/۲۸۴۔

(۳) علامہ بدرالدین عینیؒ نے فرمایا:فالمقلدذھل والمقلد جھل وآفة کل شئی من التقلید؛؛ پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلِد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے اور ہر چیز کی مصیبت تقلید کی وجہ سے ہے ۔[البنایہ شرح ہدایہ :۱/۳۱۷]۔عمدۃ القاری:۱۳/٦۵۔

(۴) امام زیلعیؒ نے فرمایا ہے:۔فالمقلَد ذھل والمقلِدجھل:[نصب الرایہ:۱/۲۸۷]۔

(۵) امام شاہ ولی اللہ الدہلویؒ فرماتے ہیں:فان شئت ان تری انموذج الیھود فانظر الیٰ علماء السوٓء من الذین یطلبون الدنیا ،وقد اعتادوا تقلید السلف واعرضوا عن نصوص الکتاب والسنة، وتمسکوا بتعمق عالم وتشدده واستحسانه، فاعرضوا کلام الشارع المعصوم وتمسکوابا حادیث موضوعة وتاویلات فاسدة کانت سبب ھلاکھم :

اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو علماء سوء کو دیکھو، جو دنیا کی طلب اور سلف کی تقلید پر جمے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کتاب وسنت کے نصوص سے منہ پھیرے اور کسی عالم کے تعمق،تشدد اور استحسان کو مظبوطی سے پکڑے بیٹھے ہیں،انہوں نے رسول اللہ ﷺ جو معصوم ہیں کے کلام کو چھوڑ کر موضوع روایات اور فاسد تاویلوں کو مظبوطی سے پکڑ لیا ہے اسی وجہ سے وہ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں۔[الفوز الکبیر فی اصول التفسیر:۱۰،۱۱]

(٦) صاحب شامی لکھتے ہیں:فأخرج نفسک من ظلمة التقلید وحیرة الاوھام واستضئی بمصباح التحقیق، الخ[۲/۱۹۲]۔

(۷) دیوبندیوں اور بریلویوں کا مشترک مقتدا اور امام، فخر الدین الرازی کا قول بھی پیش کرتے ہیں: فثبت ان اختيار مذهب المعين ليس بشئى، وهو طريق العوام، ويؤيد ماقاله الصوفية، الكتاب والسنة، واجمع عليه المحققون، فالكتاب هو قوله تعالى: ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون﴾، والامر بالسوال من غير تعين يدل على ان اختيار المذهب المعين بدعة، واما السنة، فقوله عليه السلام اصحابى كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم، فالامر بالاقتداء كالامر بالسوال فى ترك الاختيار، واما الاجماع فهو ظاهر، لان النظر فى اقوال العلماء المجتهدين واجب، حتى يميز العاقل دليل الراجح من المرجوح، والقوى من الضعيف، لزيادة الرشد فى الاصول، وهو طريق طلب العلم، وطلبه واجب بالاجماع، ولهٰذا ورد فى الحديث، طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة، فاختيار المذهب المعين بالتقليد اغلاق لهذا الباب، والقياس كذالک، لكونه ترجيحا بلا مرجح وحرجا فى حق المكلف كماذكروه [نزہۃ الخواطر:۱۰۸/۲]۔

جبکہ فقہاء ہند: ۲۶۱/۱: والا اس عربی عبارت کا ترجمہ کچھ یوں کرتا ہے، کہ نبی ﷺ کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ، مذہب معین اختیار کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ عوام کا طریقہ ہے، صوفیا کے اس نقطہ نظر کی تائید کتاب وسنۃ سے واضح الفاظ میں ہوتی ہے، اور محققین کا اس پر اجماع ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون، اس ایت کریمہ میں بلا کسی تعیین کے فقط اہل ذکر سے سوال کرنے کا حکم دینا اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ کسی مذہب معین کا اختیار کرنا بدعت ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ، اصحابى كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم ؛ کہ میرے صحابہ کرام ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے تم جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اس حدیث میں صحابہؓ کی اقتداء کا حکم اسی آیت کی طرح ہے، جس میں مشکل مسائل کے حل کیلئے اہل ذکر اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اجماع امت بالکل ظاہر وواضح ہے، کیونکہ علماء مجتہدین کے اقوال وفرامین کو مطمح نظر ٹھرانا واجب ہے، تا کہ عاقل وفہیم شخص دلیل راجح کو مرجوح سے اور قوی کو ضعیف سے ممیّز کر سکے، اور اصول میں رشد وہدایت نکھر کر سامنے آسکیں، اور یہی طلب علم کا طریقہ ہے اور طلب علم واجب ہے۔ حدیث میں ہے، طلب العلم فريضة على كل مسلم ، کہ طلب علم ہر مسلمان مرد وعورت پر واجب ہے۔ آگے چل کر مولانا زرادی فرماتے ہیں، کسی مذہب معین کو ازروئے تقلید اختیار کرنا اسکے دروازے بند کر دینے کے مترادف ہیں کیونکہ یہ ترجیح

بلا مرجح اور مکلّف کے لئے حرج وتکلیف کا باعث ہے۔

(٨) امام مالکؒ نے فرمایا ہے:انما انا بشر اخطئی واصیب، فانظروا فی رأیی، فکل ماوافق الکتاب والسنة فخذوابه ،وکل مالم یوافق الکتاب والسنة فاترکوہ،[ارشادالسالک:١/٢٢٧، جامع بیان العلم وفضله لابن عبدلبر:٢/٧٠،مختصر المؤمل:٦٠،٦١،والاحکام لابن حزمؒ:٦/٧٩٠،والایقاظ:٢/٧،اعلام الموقعین:٢/٧٥]۔ یقیناً میں بشر ہوں لہٰذا میری ہر رائے کو قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھو، جو قرآن وحدیث کے موافق ہو اس کو قبول کرو، اور جو مخالف ہو اس کو چھوڑ دو۔اسی طرح یہ بھی فرماتے ہیں:لیس احد الاویؤخذ من قوله ویرد علیه الاالنبیﷺ. نبی کریمﷺ کے علاوہ ہر ایک شخص کی بات کو قبول بھی کیا جاسکتا ہے اور رد بھی کیا جاسکتا ہے۔[جزء القرأة للبخاری :١۴ ،مجموعة الفتاوی:٢٠/٢١٠]۔

(٩) اما شافعیؒ فرماتے ہیں؛؛مامن احد الاوتذ هب علیه سنة رسول اللهﷺ وتعزب عنه، فمهماقلت من قول اواصلت من اصل، فیه عن رسول اللهﷺ خلاف ما قلت، فالقول ماقال رسول اللهﷺ وهو قولی ۔نبیﷺ کی تمام سنتوں کا کلی ادراک ناممکن ہے۔طالب سنت سے کچھ سنتوں کا پوشیدہ رہ جانا لازمی امر ہے، لہٰذا میرا جو قول یا میرا بنایا ہوا جو قاعدہ سنت نبویﷺ کے مخالف ہو تو اسکو چھوڑ دو،لیکن اللہ کے نبیﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑنا اور جو سنت مجھ سے مخفی رہ گئی، وہی میرا مذہب ہے۔[اعلام الموقعین:٢/٣٦٢،ایقاظ هِمم اولی الابصار:١٠٠، المجموع للنووی::١/٦٣ ١، الحلیه:٩/١٠٧ ،الهروی فی ذم الکلام :٣/۴٧،ابن عبدالبرفی الانتقاء : ٧٥،آداب الشافعیؒ:٥١]۔

اوراسی طرح یہ بھی فرماتے ہیں؛ اجمع المسلمون علی ان من استبان له سنته عن رسول اللهﷺ لم یحل له ان یدعها لقول احد ،پوری امت کا اس پر اتفاق ہے، کہ کسی امتی کے قول کے مقابلے میں نبیﷺ کی سنت کو چھوڑنا حرام ہے۔اعلام الموقعین:١/٧۔نزہۃ الخاطر:٢/۴٣٨،مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ:اذا صح الحدیث فهو مذهبی،صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔البحرالمحیط:٨/٣۴۴۔

(١٠)امام احمدؒ کا قول:امام ابوداوٗدالسجستانیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:لاتقلد دینک احداًمن هؤلاء." اپنے دین میں ان میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ کر"[مسائل ابی داؤد :٢٧٧].و العدة لابی یعلیٰ:۴/١٢٢٩ .والمسودة:للحرانیین ابن تیمیه ووالده وجده:۴٦٨.

(۱۱)ابوطالب مکی لکھتا ہے کہ: كان الفقهاء يكرهون التقليد [قوت القلوب : ۱ / ۳۲۷].

(رأيت احد عشرة كوكبا).

علماء کے اقوال ردتقلید میں بہت زیادہ ہیں، خاص کروہ علماء جنہوں نے اصول فقہ میں تصنیفات لکھی ہیں، ہرایک نے اپنی تصنیف کی آخر میں تقلید کا مسئلہ بمعہ تعریفات وحکم ذکر کیا ہے۔تو یہاں ہم صرف مذکورہ علماء کی عبارات پر اکتفاء کرتے ہیں۔

اب ہم ان لوگوں کے دلائل پر نظر ڈالتے ہیں جو کہ تقلید کے قائل ہیں:

پہلے ہم ان کے وہ دلائل ذکر کرتے ہیں جو آیات قرآنیہ ہیں :۔سورۃ نحل :۴۳،سورۃ الانبیاء:۷،النسآء :۵۹،۸۳،التوبۃ :۱۲۲ ۔ان آیات کی تفسیر اپنی اپنی جگہ پر کی جائیگی، یہاں اجمالی جواب یہ ہے کہ: ان آیات میں اتباع کا ذکر ہے تقلید کا نہیں،اس لئے کہ ان مقلدین نے تقلید کی تعریف عملا کچھ یوں کی ہے: تمام مسائل میں امام ابوحنیفہؒ اور حنفی مفتیٰ بہا مسائل کی تقلید کرنا چاہیئے ،اگر چہ یہ مسائل قرآن وحدیث کے خلاف اور غیر ثابت بھی ہوں، مفتیٰ بہ قول کے مقابلے میں کتاب وسنت واجماع کو رد کر دینا۔اور قولا ،اس پر دلائل ان کی کتابوں میں موجود ہیں ۔جیسا کہ ابن ابی العز الحنفیؒ فرماتے ہیں،واهل التقليد لايفعلون ذالک، بل يأ خذ أحدهم بمايجد فی کتب اصحاب ذالک الامام الذی قلده، ولايلتفت الى قول من خالفه كائنامن كان، ونص ذالک الامام والكتب عنده بمنزلة نص الشارع ، وكثيرا ما يكون ذالک النص من كلام بعض الاصحاب فی الفتاوی ،ولم يكن لذالک الامام فی تلک المسألة قول منقول[الاتباع :۳۱]

اوراس کی ایک زندہ مثال،شیخ الہند محمود الحسنؒ مقدمہ تقریر ترمذی:۳۶او۳۹، میں لکھتے ہیں۔,,فالحاصل ان مسئلة الخيار من مهمات المسائل، وخالف ابو حنيفةؒ فيه الجمهور، وكثيرا من الناس من المتقدمين والمتأخرين، وصنفوا رسائل فی ترديد مذهبه فی هذه المسألة ،ورجح مولانا شاه ولی الله الدهلوی قدس سره فی رسائله مذهب الشافعیؒ من جهة الاحاديث والنصوص ، وكذالک قال شيخنا بترجيح مذهبه ،وقال: الحق والانصاف ان الترجيح للشافعیؒ فی هٰذه المسألة ، ونحن مقلدون يجب علينا تقليد امامنا ابی حنيفةؒ،،۔

حاصل یہ ہے کہ خیار مجلس کا مسئلہ اہم مسائل میں سے ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے (جو کہ اس کے قائل نہیں) اس

بارے میں جمہور کی مخالفت کی ہے۔متقدمین اور متأخرین میں سے اکثر علماء نے اس بارے کتابیں تصنیف کی ہیں۔جن میں اس مسئلے کے حوالے سے امام ابوحنیفہؒ کی تردید کی ہے اور امام شافعیؒ کے مذہب کو ترجیح دی ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا موقف احادیث اور نصوص کی رو سے مدلل ہے، ہمارے شیخ بھی امام شافعیؒ کے مذہب کو راجح قرار دیتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے، حق اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ خیار مجلس میں امام شافعیؒ کے مذہب کو ترجیح دی جائے، (جبکہ شیخ الہند محمود الحسن فرماتے ہیں) لیکن ہم مقلدین ہیں اس لئے ہم پر امام ابوحنیفہؒ کی تقلید واجب ہے۔

اسی طرح ایک قول ابن نجیم حنفی نے البحر الرائق:۱۹۵/۵، میں لکھا ہے,,نعم نفس المؤمن تميل الىٰ قول المخالف في مسئلة السب، لكن اتباعناللمذهب واجب . ہاں مومن کی رائے اس مسئلہ میں جانب مخالف کی طرف مائل ہوتی ہے، لکن ہم اپنے مذہب کے متبع ہیں۔ان کے متعلق سلطان العلماء عز الدین السلمیؒ، قواعد الاحکام :۱۳۵/۲، میں لکھتا ہے: ومن العجب العجيب ان الفقهاء المقلدين يقف احدهم على ضعف ماخذ امامه، بحيث لايجدلضعفه مدفعا،ومع هذايقلده فيه، ويترك من الكتاب و السنة والاقسية الصحيحة لمذهبه جموداًعلى تقليد امامه، بل يتحلل لدفع ظواهر الكتاب و السنة ويتاولهمابالتاويلات البعيدة الباطلة نضالاعن مقلَده ،الخ۔اور اس سے یہ عبارت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ:۱۵۵، میں نقل کی ہے:

جبکہ موجودہ زمانے کا مفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوی، ارشاد القاری:۴۱۲/۱، میں رقمطراز ہیں، غرض یہ کہ یہ مسئلہ اب تک تشنۂ تحقیق ہے، مع ھٰذا ہمارا فتوی اور عمل قول امام کے مطابق ہی رہیگا۔اس لئے کہ ہم امام کے مقلد ہیں اور مقلد کے لئے قول امام حجت ہوتا ہے، نہ کہ ادلہ اربعہ، کہ ان سے استدلال وظیفہ مجتہد ہے،۲۸۸، میں لکھتا ہے، کہ توسیع مجال کی خاطر اہل بدعت، فقہ حنفی کو چھوڑ کر قرآن وحدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور ارخاء عنان کے لئے ہم بھی یہ طرز قبول کر لیتے ہیں، ورنہ مقلد کے لئے صرف قول امام ہی حجت ہوتا ہے۔

اسی طرح کا ایک قول مقدمہ کتاب دفاع امام ابوحنیفہؒ:۲۶، میں بھی موجود ہے۔

جبکہ امام ربانی نے بھی مکتوبات (مترجم اردو):۶۰۱/۱، مکتوب ۲۸۶، میں لکھا ہے کہ مقلد کو لائق نہیں کہ مجتہد کی رائے کے برخلاف کتاب وسنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے (اصل فارسی نسخہ:۵۴۶/۱)۔

جبکہ یہ صاحب (شیخ الہندؒ) تعصب تقلید میں اتنا منہمک تھا، کہ آیت قرآنی میں تحریف کرنے لگا، ایضاح الادلہ :۹۷، میں اہل حدیث پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اس طرح پر اطاعت انبیاء کرام علیہم السلام وجملہ اولی الامر بعینہ اطاعت

خداوند جل جلالہ خیال کیا جائیگی، اور متبعین انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر الوالامر کو خارج از اطاعت خداوندی سمجھنا ایسا ہوگا جیسا متبعین احکام، حکام ماتحت کو کوئی کم فہم خارج از طاعت حکام بالا دست کہنے لگے، یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا کہ ﴿فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول والی اولی الامر منکم﴾ (جبکہ صحیح آیت اس طرح ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً ﴿۵۹﴾ [النساء) اور ظاہر ہے کہ اولوالامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی ہیں، سو دیکھئے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام و جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں، آپ نے آیۃ ﴿فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤ منون باللہ والیوم الاخر﴾ تو دیکھ لی، اور آپ کو یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا، معروضہ احقر بھی موجود ہے، عجب نہیں کہ آپ تو دونوں آیتوں کو حسب عادت متعارض سمجھ کر ایک کے ناسخ اور دوسرے کے منسوخ ہونے کا فتویٰ لگانے لگیں۔

جناب مجتہد صاحب صحیح عرض کرتا ہوں، کہ ان آیات سے تقلید متنازع فیہ کے بطلان کی امید رکھنی ایسا قصہ ہے جیسا کسی بھوکے نے کہا تھا، دو اور دو چار روٹیاں ہوتی ہیں، سوا اس کے کہ اس قسم کے استدلالات سے آپ کی خوبی اجتہاد ظاہر ہوا ،اور کچھ نفع نہیں، اور آپکے اس قسم کے استدلالات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک تمام مقتدیان دین وائمہ مجتہدین خلاف احکام خداوندی وارشادات نبوی حکم دینے والے ہیں، اور آیۃ ﴿ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا﴾ حشر:۷، کی صریح مخالفت کرنے والے ہیں۔اس پوری عبارت کو ہم نے اس وجہ سے ذکر کیا کہ بعض کو شبہ ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔

اور ان کے نزدیک علماء کے کچھ طبقات ہیں جس کو شامی نے:۱/۱۶۵، میں ذکر کیا ہیں۔(۱) طبقہ مجتھدین فی الشرع : جیسے ائمہ اربعہ (۲) طبقہ مجتھدین فی المذھب : جیسا کہ امام ابو یوسفؒ و محمدؒ وغیرہ ہیں (۳) طبقہ مجتھدین فی المسائل اللتی لانص فیھاعن صاحب المذھب جیسے ابوجعفر طحاوی وغیرہ۔(۴) طبقہ اصحاب التخریج، امام رازی وغیرہ جیسا علماء۔(۵) طبقہ اصحاب الترجیح، جیسے صاحب قدوری وغیرہ۔(۶) طبقہ مقلدین (محققین) جو کہ صحیح وضعیف میں تمیز کرنے پر قادر ہو، جیسے صاحب کنز وغیرہ۔(۷) طبقہ مقلدین ، یہ وہ طبقہ ہے جو مذکورہ اشیاء میں کسی ایک پر بھی قادر نہ ہو، وکذافی فوائد البھیۃ:[۲۱،۲۲]۔

توان طبقات کو بیان کرنے سے معلوم ہوا کہ آج کل کوئی نہ اجتہاد کریگا اور نہ دلیل سے حکم معلوم کرنے کی اجازت ہے، اور نہ دوسرا مذہب اختیار کرنے کا، تو اس سے اب ان لوگوں کا دعوی ظاہر ہوا جو کہتے ہیں کہ ہم ان مسائل میں تقلید کرتے ہیں جو کہ اجتہادی اور غیر منصوصی ہوں، اور ائندہ تفصیل سے ان کا یہ وہم بھی دور ہو جائے گا۔

اب تقلید اور اتباع میں فرق واضح کرتے ھیں تاکه ان لوگوں کے ا قوال پر کوئی اعتماد نه کریے ۔

تقلید اور اتباع میں فرق : التقلیدمعناه فی الشرع ، الرجوع الی قول لاحجةلقائله علیه ، وذالک ممنوع منه فی الشریعة ،والاتباع ماثبت علیه الحجة . شریعت میں تقلید ایسی بات ماننے سے تعبیر ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو، شریعت اس عمل کو سختی سے منع کرتی ہے۔ جبکہ اتباع ایسی بات ماننے کو کہتے ہیں جس پر دلیل ہو، [اعلام الموقعین :۲/۱۹۷، کتاب الرد علی من اخلد الی الارض ،للسیوطی :۱۲۰، ۱۲۳۔

اور تفسیر التحریر والتنویر میں :۴۲۳/۷:۔ لکھا ہے کہ ,,الاتباع فی الاصل، اقتفاء اثر الماشی ،ثم استعمل فی العمل بمثل عمل الغیر ،کمافی قوله تعالیٰ: والذین اتبعوهم باحسان۔الایۃ (التوبۃ:۱۰۰)۔

اور نضرۃ النعیم میں :۱۰/۲: لکھا ہے کہ ,,قال الامام احمد بن حنبل ؒ،هوان یتبع الرجل ماجاء عن النبی ﷺ وعن اصحابه ؓ ،اور تفسیر اضوا البیان :۴۷۹/۷، ۴۸۸، ۵۴۸، میں ہے کہ ,,الاتباع ماثبت علیه الحجة ،وهواتباع کل من اوجب علیک الدلیل اتباع قوله۔ اور ابن عبدالبر متعدد مواضع میں اس کا فرق بیان کرتے ہیں ,,التقلید معناه فی الشرع، الرجوع الی قول لاحجةلقائله علیه ،وذالک ممنوع منه فی الشریعة ،والاتباع ماثبت علیه حجة،، اور کچھ عبارت کے بعد لکھتا ہے:

,,کل من اتبعت قوله من غیر ان یجب علیک قوله لدلیل یوجب ذالک، فأنت مقلده ، والتقلید فی دین الله غیر صحیح ،وکل من اوجب علیک الدلیل اتباع قوله، فأنت متبعه، والاتباع فی الدین مسوغ والتقلید ممنوع [جامع بیان العلم وفضله:۲/۲۳۱] اور راہ سنت میں مولانا صفدر صاحب لکھتے ہیں، اور یہ بات طے شدہ ہے، کہ اقتداء اور اتباع اور چیز ہے اور تقلید اور۔ اور مولانا اشرف علیؒ نے امداد الفتاوی:۴/۲۰۶، میں مفصل فرق بیان کیا ہے۔

اس فرق بیان کرنے سے اب کوئی ان لوگوں کے دلائل بیان کرنے سے دھوکہ نہیں کھائے گا، کیونکہ مذکورہ آیات اور جو احادیث وغیرہ ان کے مستدلات ہیں، وہ اتباع کے متعلق ہیں۔

شبہات ، اعتراضات ، تناقضات

(۱) عوام کا کوئی متعین مذہب نہیں ہوتا:۔ العامی لامذهب له :حقیقت الفقہ:۳۴,,امی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا بلکہ اس کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اس کے مفتی کا ہوتا ہے،شامی: ۱/ ۱۳۰ ،اعلام المؤقعين : ۲/ ۲۷۳، شذرات الذهب ۴/ ۶۱، معيارحق: ۷۵،ميزان الكبرىٰ ،للامام الشعرانى :۳۴،اد ب المفتى والمستفتى لابن الصلاح: ۱۶۱ ،نهاية الوصول للهندى :۸/ ۳۹۲۱،آيات بينات: ۴/ ۳۸۰، تيسير التحرير: ۴/ ۲۵۳ ،ادب الفتوىٰ لابن الصلاح: ۳۹،الغيث الهامع، لابى زرعه احمدالعراقى:۳/ ۹۰۵، التقرير والتحبير :۳/ ۳۵۱. بحر الرائق:۲/ ۱۴۸ .

(۲) مقلد کا دلیل مجتہد کا قول ہے:اقوال المجتهدين فى حق المقلد كالادلة،فواتح الرحموت :۲/ ۴۴۴،نهاية السؤل:۴/ ۶۲۵ ،ارشاد القارى:۴۱۲۔اس کی عبارت پہلے گزر گئی۔

(۳) ایک عالم کا دوسرے عالم کا تقلید کرنا باطل عمل ہے:۔ابوالولید الباجی نے اِحکام الفصول میں عنوان لکھا ہے کہ ,,فصل فى ابطال تقليد العالم للعالم،،:۶۳۵۔وکتاب الاشارۃ،لہ:۱۳۷،

(۴) تقلید دلیل نہیں:۔ کا کی جامع الاسرار میں لکھتا ہے۔وهوقبول قول الغيربلادليل ليس بحجة فى اصول الدين ولافى فروعه لانه تعالىٰ رد على المقلدين بقوله أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ ﴿۱۷۰﴾:۵/ ۱۴۴۵۔

(۵) مقلد علم حاصل نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہے:۔ کا کی نے لکھا ہے ،واجمع العلماء علىٰ ان المقلد عاصٍ بترک الاستدلال : جامع الاسرار:۵/ ۱۴۴۵۔

(۶) تقلید طریقہ علم نہیں بلکہ جہل ہے: امام زرکشی نے فرمایا ہیں,,والتقليد جهل [البحر المحیط:۸/ ۳۲۱، ۳۲۳،نفائس الاصول:۹/ ۳۹۴۶،اور سمعانی قواطع الادلہ فی اصول الفقہ میں لکھتے ہیں:و العلم لايحصل للمقلد

بتقلید غیرہ. قواطع الادلۃ:۲/۸۹۴،المستصفی للغزالی:۲/۳۸۷،نصب الرایہ:۱/۲۱۹،۳/۲۲۸،فواتح الرحموت:۲/۴۴۶ ،الاشارۃ للباجی:۱۳۸،اصول الاحکام للامدی:۴/۲۲۴،الواضح:۵/۲۳۸،۲۴۵،کتاب الرد علی من اخلد الی الارض للسیوطی :۶۸،۱۱۷،۱۲۰،۱۲۲،۱۲۴،۱۳۸،۱۳۹،۱۴۵،تقویم الادلۃ للدبوسی الحنفی:۳۸۹،جبکہ ۳۹۰،میں لکھتا ہے فالمقلد فی حاصل امرہ ملحِق نفسہ بالبهائم فی اتباع الاولادالامهات،علی مناهجها بالتمیز، فان الحق نفسه بها لفقده آلة التمیز فمعذور فیداوی ،ولایناظر وان الحقه بها ومعه آلة التمیز فالسیف اولیٰ به حتیٰ یقبل علی الآلة فیستعملها ویجیب خطاب اللہ تعالیٰ المفترض طاعته الخ،التحبیر ۸/۴۰۲۵،۴۱۱۳۔والعدۃ لقاضی ابی یعلی:۴/۱۲۱۸۔اوراسی کی قریب عبارت عبداللہ بن المعتز کا ہے آپ نے فرمایا,,لافرق بین بهیمة تنقاد وانسان یقلد :جامع بیان العلم وفضله، لابن عبدالبر:۲/۲۲۸،جبکہ ابن عبدالبر نے اس کے متعلق ایک لمبی نظم بھی کہی ہے،جس کا ایک بیت یہ ہے:

,,لافرق بین مقلد وبهیمـــة تنقاد بین جنادل ودعائر ،،

(۷) اُمی کا مفتی سے استفتاء طلب کرنا تقلید نہیں:۔ فظهر انه لم یجعل الاستفتاء تقلیدا [۳۲۱،نفائس الاصول :۹/۳۹۱۹،المستصفیٰ: ۳۸۷،۳۸۹،ایات بینات :۴/۳۵۸،فواتح الرحموت :۲/۴۴۴،تیسیرالتحریر :یٔ۴/۲۱۴،شرح منتهیٰ الاصول، لسعدالدین تفتازانی :۳۰۶،شرح مختصر الاصول :لعضدالدین :۲/۳۰۵،اصول الاحکام للامدی:۴/۲۲۱،الغیث الهامع، لابی زرعه :۴/۸۹۴،البحرالحیط :۸/۳۱۸،۳۲۰،۳۲۱ ،نفائس الاصول :۹/۳۹۱۹،التقریروالتحبیر :۳/۳۴۰،مسلم الثبوت :۲۸۹،التحبیر :۸/۴۰۱۳،۴۰۱۵،شرح مختصر الروضة، لابن سعید الطوفی :۳/۶۵۲،

(۸) قاضی کا عادل گواہوں کی گواہی یا خبرواحد قبول کرنا تقلید نہیں:۔وقبول خبر الواحد وشهادة العدول لایسمی تقلیدا. البحر المحیط للزرکشی :۸/۳۲۱،نفائس الاصول :۹/۳۹۱۹، قواطع الادلة :۸۴۸،المستصفیٰ :۳۸۷،فواتح الرحموت :۲/۴۴۴،تیسیر التحریر :۴/۲۴۱،شرح منتهیٰ الاصول :۲/۳۰۶،شرح مختصر الاصول ،لعضد الدین :۲/۳۰۵،اصول الاحکام، للامدی

:۲۲۱/۴،التقریر والتحبیر:۳۴۰/۳،مسلم الثبوت : ۲۸۹،

(۹) صحابی کا تقلید کرنا جائز ہے:۔ یجوز تقلید الصحابة فقط [الکافی للسغناقی:۱۵۸۱/۴،نفائس الاصول:۴۰۳۸/۹،قال الامام ابو حنیفةؒ اقلد من کان من القضاة والمفتیین من الصحابةؓ :شرح ادب القاضی للخصاف :۱۸۳/۱،فواتح الرحموت :۳۴۹/۲،تقویم الادلۃ:۲۵۶، نھایۃ السؤل : ۵۹۱/۴،المعتمد لابی الحسین:[۳۶۶/۲]۔علاء الدین الحنفی ،افاضۃ الانوار میں لکھتا ہے:''وتقلید الصحابی واجب یترک به القیاس [ص:۲۰۷]وایضا المنار[ص:۲۰۸]والتقریر والتحبیر لامیر الحاج[۳۵۳/۳]۔شامی:۳۱/۳۔اور اس مسئلے کا تفصیل کتاب المدخل الی ارشاد الامۃ،محمد صجی حسن حلاق کا:۲۲۷ میں دیکھیں۔

(۱۰) عوام کو صحابہ کے اقوال کا اتباع نہیں کرنا چاہیئے: .ان العامی لایقلده''البحر المحیط [۳۳۸/۸]اور امیر بادشاہ الحنفی نے تیسیر التحریر میں لکھا ہے کہ:''نقل الامام فی البرهان اجماع المحققین علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابة.[۲۵۵/۴]ونهایة السؤل[۶۲۱/۴]

(۱۱) حدیث پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے:۔ جیسا کہ امام زرکشی نے فرمایا ہے:العمل بقول النبی ﷺ لیس بالتقلید [البحر المحیط :۳۱۶/۸،۳۲۳،نفائس الاصول :۳۹۱۹/۹ ،فواتح الرحموت : ۴۴۴/۲، ۴۴۶،تیسیر التحریر:۲۴۱/۴،شرح منتهی الاصول :لسعدالدین تفتازانی :۳۰۶/۲،شرح المختصر، لقاضی عضدالملة والدین : ۳۰۵/۲،اصول الاحکام للامدی :۲۲۱/۴،التقریر والتحبیر :۳۴۰/۳،مسلم الثبوت : ۲۸۹،التحبیر:۴۰۱۳/۸،۴۰۱۵،شرح مختصر الروضة، لابن السعید الطوفی :۶۵۲/۳،العدة لقاضی ابی یعلیٰ:۱۲۱۶/۴.

(۱۲) عوام کے لئے شریعت کے دلائل پر عمل کرنا جائز نہیں:۔ بانه لایتاهل للعمل بادلة الشرع ونصوصه وظواهره ۔البحر المحیط [۳۳۹/۸]احسن الفتاوی میں رشید احمد لدھیانوی لکھتے ہیں''رجوع الی الحدیث مقلد کا وظیفہ نہیں۔[۵۵/۳۔والتقریر والتحبیر :۳۵۴/۳۔والفصول للجصاص:۲۸۲/۴]صاوی لکھتا ہے:لأن الاخذ بظواهر

الكتاب والسنة من اصول الكفر۔[۱۰/۳] (اس پر تفصیلی رد شنقیطی نے اضواء البیان: [۳۴۷/۷] میں کیا ہے)

(۱۳) عوام ادلہء شرعیہ پر عمل کریں:۔ ملای علی القاری صلاۃ الجوائز میں لکھتے ہیں: فرضی اللہ عنہ حیث نبهنا على ان الواجب على الامة كافة من الائمة والعامة متابعة الكتاب والسنة فمن جاوزهما فقد وقع فی الكفر او البدعة۔[ص ۳۸]، البحر المحیط: [۳۳۴/۸]، تیسیر التحریر: [۲۵۵/۴]،

(۱۴) مقلد کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں:۔ المجتهد یجوز له الافتاء واما المقلد فقال ابو الحسین البصری وغیره لیس له الافتاء مطلقا ۔ البحر المحیط: [۳۵۹/۸] والرد علی من اخلد الی الارض للسیوطی [ص: ۸۳، ۸۶، ۱۱۸] ونہایۃ السؤل للاسنوی [۵۸۳/۴]، کتاب التحصیل للارموی [۳۰۱/۲] التحبیر للمرداوی [۴۰۷۱/۸]۔

(۱۵) حدیث کی تصحیح، تضعیف، تحسین، میں علماء کی بات ماننا تقلید نہیں:۔ ابن ابی العزؒ نے فرمایا کہ: وانما قولنا "رواه البخاری ومسلم" كقولنا "رواه القراء السبع" والقرآن منقول بالتواتر، لم یختص هٰؤلاء السبع بنقل الشئ منه، وكذلک التصحیح، لم یقلد اهل الحدیث فیه البخاری ومسلما بل جمهور ماصححاه وكان قبلهما عند ائمة الحدیث صحیحا. الخ ۔ الاتباع: [ص ۴۸]۔

(۱۶) غیر مجتہد عالم تقلید نہیں کریگا:۔ وقیل لا یقلد العالم وان لم یكن مجتهدا لان له صلاحیة اخذ الحكم من الدلیل ۔ ایات البینات للعبادی: ۳۶۲/۴، احکام الفصول میں ہے کہ فانه لایجوز له ان یقلد من هو مثله فی العلم ولا من هو فوقه [ص ۶۳۵]، قواعد الاحكام، لعزالدین السلمی [۱۳۵/۲]، الغیث الهامع، لابی زرعة [۸۹۲/۳، ۸۹۳] التقریر والتحبیر [۳۵۱/۳]، نهایة السؤل [۵۸۶/۴].

اور امام ذہبی اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ: ۱۶/۱، میں لکھتا ہے ,, فیا لله العجب من عالم یقلد دینه امامابعینه فی كل ماقال مع علمه بمایرد علی مذهب امامه من النصوص النبویة، فلاقوة الابالله۔

(۱۷) اُمی اور غیر اُمی کیلئے تقلید اور التزام مذہب معین لازم ہے:۔ ایات بینات [۳۶۱/۴، ۳۸۲، میں ہے کہ: ویلزم غیر المجتهد عامیا كان اوغیره الخ] مقلد جس کے قول پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں:۔ اور، احکام لابن حزم [۶۶۴/۶] میں ہے کہ: انمایقلد من یجهل الحكم فی النازلة الخ.

(۱۸) کسی انسان پر مذہب معین کا التزام لازم نہیں:۔ ابن امیر الحاج شرح تحریر ابن ہمام میں لکھتے ہیں"

وقيل لايلزم وهو الاصح ،كما فى الرافعى وغيره،لأن التزامه غيرملزم، اذلاواجب الاماواجبه الله ورسوله، ولم يجب الله ورسوله على احدمن الناس ان يتمذهب بمذهب الرجل من الامة فيقلده فى دينه۔۔۔الخ۔[۳۵۰/۳] شامی[۱۶۳،۳۰/۱] نہایۃ السؤل[۶۱۹/۴] العدۃ لابی یعلی[۱۲۲۶/۴]۔

(۱۹) ایک مذہب سے دوسرے مذہب کوانتقال کرنا جائز نہیں:۔ ''ويحرم الانتقال من مذهب الى اخر حتى شدد بعض المتأخرين المتكلفين من الحنفية وقالوا ان الحنفى اذا صار شافعيايعزر ۔''نہایۃ السؤل،للا سنوی[۶۱۸/۴] اورصاوی نے لکھاہے''فالخارج عن المذاهب الاربعة ضال ومضل وربما اداه ذالک الى الكفر۔[۱۰/۳]اس کاتفصیلی رد شنقیطی نے اضوءالبیان[۴۳۶/۷] میں کیاہے۔

(۲۰) ایک مذہب سے دوسرے مذہب کوانتقال کرنا جائز ہے:۔ نہایۃ السؤل میں اسنوی نے لکھاہے'' ويصح الانتقال من مذهب الى مذهب، وهذا هوالحق الذى ينبغى ان يؤمن به ويعتقد''[۶۱۸/۴]

(۲۱) مطلق خبر ماننا تقلید نہیں:۔ ''وذكر،الرجوع الى خبرالواحد فى حكاية حديث اواجماع اوفى اخبار عن نجاسة اناء اودخول فى وقت اوعين القبلة لايسمىٰ تقليدا''۔التحبیر[۴۰۱۵،۴۰۱۴/۸]

(۲۲) دلیل سے حکم معلوم کرنا اجتہاد ہے:۔''واخذ القول مع معرفة دليله فهو اجتهاد ''ایات بینات:[۳۵۹/۴]۔

(۲۳) اُمی کا تعریف:۔ جس میں دلیل سے حکم معلوم کرنے کا صلاحیت نہ ہو:۔ایات بینات[۳۶۲/۴]،احکام الفصول[ص:۲۲۸/۴]،والواضح فى اصول الفقه لابن عقيل[۴۴۶/۵].

(۲۴) اُمی مستفتی وہ شخص ہے جوطرق احکام نہیں جانتے:۔''الذى لايعرف طرق الاحكام''تقريب الوصول[ص:۱۶۰].

(۲۵) مفتی کی تعریف,,یعنی مفتی کون ہوسکتا ہے: ۔''المفتى من استكمل فيه ثلاث شرائط الاجتهاد،والعدالة،والكف عن الترخيص والتساهل۔البحرالمحیط[۳۵۸/۸] نفائس الاصول:[۳۹۱۹/۹] معین الحکام لطرابلسی[ص:۲۱۸] اورامیر بادشاہ الحنفی نے تیسیر میں لکھاہے کہ:''واجمع الفقهاء ان المفتى يجب ان يكون من اهل الاجتهاد''[۲۵۱/۴]التقرير والتحبير[۳۴۸،۳۴۶،۳۴۱/۳] الواضح

[۴۵۶/۵]والرد علی من اخلد الی الارض[ص:۸۳]والتحبیر للمرداوی [۴۰۷۰/۸، ۴۰۷۱].

مجتہد مطلق کی تعریف مجتہد مطلق پرلازم ہے کہ وہ کسی کا تقلید نہیں کریگا:۔ایات بینات[۳۶۲/۴،۳۸۰]اورقاضی ابویعلی نے العدۃ میں لکھا ہے کہ"فاماالعالم هو الذی کملت له الات الاجتهاد"[۱۲۳۸/۴]وکشف الاسرار[۱۴/۴]الواضح[۲۳۷/۵]ومسلم الثبوت[ص:۲۹۰]اور سیوطیؒ کتاب الرد علی من اخلد الی الارض:۱۱۳،میں لکھتا ہے: فالمجتهد المستقل:شرطه ان یکون قیمابمعرفة الاحکام الشرعیة من الکتاب و السنة والاجماع و القیاس الخ۔

(۲۷) مقلدین کا یہ قبیح قول: ۔کہ ہر آیت یا حدیث یا قول صحابی جو کہ احناف کے رائے کا خلاف ہوتو یہ قابل قبول نہیں ہوگا۔اصول کرخی[ص:۱۱،۱۲]میں لکھتا ہے: الاصل ان کل ایة تخالف قول اصحابنافانهاتحمل علی النسخ الخ ۔تفسیر صاوی[۱۰/۳]۔

(۲۸) اتباع کی بعض صورتوں پر تقلید کا اطلاق مجازی ہے: ۔علماء نے اتباع کی بعض صورتوں پر تقلید کا جو اطلاق کیا ہے تو وہ مجازی ہے جیسا کہ امام زرکشی نے لکھا ہے ویسمیٰ تقلیدا مجازا [البحر المحیط:۳۱۷/۸،۳۲۱،۳۲۲،]اور امام غزالی نے المستصفیٰ:۳۹۰/۲،میں لکھا ہے :فان فرض العامی الاخذ بقول العالم، وانما نسمیه تقلیدا علی سبیل المجاز والاتساع ،احکام:۶۴۲،شرح مختصر الاصول لعضد الدین:۳۰۵/۲،اصول الاحکام للآمدی:۳۳۱/۴،التقریر والتحبیر :۳۴۰/۳،التحبیر : ۴۱۴/۸،العدۃ:۱۳۱۷/۴۔

(۲۹) علماء نے تقلید کو اضطراری حالت میں جائز قرار دیا ہے: ۔ الواضح[۲۵۵/۵]اور شنقیطی نے تفسیر اضواء البیان[۵۵۳/۷]میں تقلید پر تفصیلی رد کرتے ہوئے فرماتا ہے"لاخلاف بین اهل العلم فی ان الضرورة، لها احوال خاصة تستوجب احکاما غیر احکام الاختیار ،فکل مسلم الجأته ضرورة الی شیئ الجاء صحیحا حقیقیا فهو فی سعة من امره فیه وقد استثنی الله جل وعلا حالة الاضطرار فی خمس ایات من کتابه ،ذکر فیه المحرمات الاربعه التی هی من اغلظ المحرمات تحریما، وهی المیتة، والدم ، ولحم الخنزیر ،وما اهل لغیر الله به ،فان الله تعالیٰ کلماذکر تحریمها استثنی منها حالة الضرورة فاخرج من حکم التحریم۔"قال الله تعالی فی سورۃ البقرة[۱۷۳]سورة مائده، [۳] سورة

انعام[۱۱۹، ۱۴۵]سورة النحل[۱۱۵]وبهذا تعلم ان المضطر للتقليد الاعمى اضطرارا حقيقيا بحيث يكون لاقدرة له البتة على غيره مع عدم التفريط لكونه لاقدرة له اصلا على الفهم اوله قدرة على الفهم وقد عاقته عوائق قاهرة عن التعلم اوهو فى اثناء التعلم ولكنه يتعلم تدريجا لأنه لايقدر على تعلم كل مايحتاجه فى وقت واحد اولم يجد كفئا يتعلم منه ونحو ذالک فهو معذور فى التقليدالمذكور للضرورة لأنه لامندوحة له عنه، اما القادر على التعلم المفرط فيه والمقدم اراء الرجال على ما علم من الوحى فهذا الذى ليس بمعذور.''

(۳۰) موجودہ صورۃ تقلید کوتقلید کا نام دینا صحیح نہیں:۔ یہ اصل میں ''تقلُّد'' باب تفعل ہے لیکن انہوں نے اس سے تقلید بنایا ہے جیسا کہ ابن ہمام (تحریرالامام) میں لکھتا ہے'وکان الوجه جعل المعرف بماذكر التقليدلأن المقلد جعل قوله(اى من قلّده) قُلادة فى عنقه وهذا تقلّد لاتقليد۔[۳۴۱/۳]

(۳۱)شریعت میں تقلید کا کوئی صورت ممدوح نہیں:۔ ويتخرج من هٰذا،انه لايتصور تقليد مباح فى الشريعة لافى الاصول، ولا فى الفروع ،اذالتقليد علىٰ ماعرفه القاضى، اتباع من لم يقم باتباعه حجة ولم يستند الىٰ علم الخ.''البحر المحيط للزركشى :[۸/ ۳۲۰، ۳۲۲]اورابوزرعہ نے الغيث الهامع ۸۹۴/۳، میں لکھا ہے ,,ليس فى الشريعة تقليد، فانه قبول القول من غير حجة، واقوال المفتيين والحكام ،مقبولة بالاجماع لقيام الدليل الشرعى على وجوب العمل بها،والتقرير والتحبير :۳/ ۳۴۰،ويكفى فى ابطال التقليد ان القائلين به مقرون على انفسهم بالباطل، لان كل طائفة من الحنفية والمالكية والشافعية مقرة بان التقليد لايحل، وائمتهم الثلاثة قد نهواعن تقليدهم ،ثم مع ذالک خالفوهم وقلدوهم وهٰذاعجب مامثله عجب حيث اقروا ببطلان التقليد ثم دانواللهبالتقليد الخ:كتاب الرد على من اخلد الى الارض للسيوطى :۱۳۳،كتاب التحصيل للارموى :۲/ ۳۰۳،۳۰۸. التلخيص للجوينى:۵۳۰.

(۳۲) حدیث کی مقابلہ میں فقہاء کے قول کواختیار کرنا شرک ہے:۔ فتاوی عزیزی [ص ۱۶۲] میں شاہ عبدالعزیزؒ لکھتا ہے کہ: وفی الحقیقت اگر مقلدان مذہب تفحص کنندمی یابند کہ این بلاءتقلید ایشان رابحدے کشیدہ کہ قول ہر

یکے را از احاد فقہاء در مقابل حدیث می آرند وترجیح می دہند واین از ان قبیل است کہ علماء را بہ پیغمبرے رسانیدہ شود بلکہ بخدائے زیرا کہ درحدیث صحیح ترمذی آمدہ است کہ عدی ابن حاتمؓ از جناب نبوت ﷺ درتفسیر آیۃ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابامن دون الله ، عرض کرد کہ یارسول اللہ ایا ایشان رابخدائے می پرستید ندوخدا میدانستند فرمودند کہ بگفتہ ایشان حلال وحرام می دانستند گفت آرے فرمودند ہمین ست ارباب گرفتن وظاہرست کہ منصب ضرب تکلیف ونصب شریعت مخصوص بخدا است وبےنص قاطع اوکسے را ایں منصب دادند شرک محض ست ، نعوذ باللہ منھا۔

(۳۳) تقلید کرنا کفر ہے: سیوطیؒ نے کتاب الرد علی من اخلد الی الارض:۱۳۹و۱۴۵، میں مختلف علماء سے نقل کیا ہے کہ تقلید کرنا کفر ہے، کہ، فنقول وبالله التوفيق ، التقليد هو ان يقلد الغير ويتبعه من غير دليل ظهر له وانه من افعال الكفر ، قال الله تعالى حاكياعنهم فى سورة زخرف:۲۳ وعنكبوت:۱۲

(۳۴) مقلدین کا یہ قول کہ ہم ان اماموں کی تقلید۔ اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کے پاس دلائل تھے اور یہ قرآن وحدیث پر ہم سے زیادہ عالم تھے، تو اس کا جواب علی القاریؒ نے مرقات المفاتیح:[۱۵۷/۸] میں لکھا ہے ,, کہ،، قال الطيبى ولاريب ان الامام احمد بن حنبلؒ ماذهب الىٰ هذا القول الا بعد ماتلقى من الصحابة والتابعين ،على انه امام من الائمة الكبار يجب أن يتلقى كلامه بالقبول ويحسن الظن به .. ١ه،،وفيه ان عدم الريب فى تلقيه من الصحابةؓ والتابعين ،من علم الغيب، وان وجوب قبول كلامه انما يكون بالنسبة الىٰ مقلده لابالنسبة الىٰ العلماء المجتهدين الذين خرجو ا عن ربقة التقليد ودخلوا فى مقام تحقيق الادلة والتسديد والتأييد ۔اور تفصیلی جواب تفسیر اضوء البیان:۵۴۳/۷، میں مذکور ہے۔

(۳۵) مقلدین کا یہ قول کہ ہم فقہاء کی تقلید:۔ اس وجہ سے کرتے ہیں کہ انہوں نے تمام مسائل مرتب اور جمع کر کے ہمارے لئے اسان بنا دیا، اور فقہ کے کتابوں سے اخذ آسان ہے، جبکہ قران اور حدیث سے مشکل، غلط ہے، فیض الباری میں شاہ انور شاہ کشمیری: لکھتے ہیں: فمن زعم ان الدين كله فى الفقه بحيث لايبقى ورائه شى فقدحادعن الصواب: ۱۰/۲.

(۳۶) مقلد ہونے کے باوجود علم اصول سیکھنا:۔ امام ذہبیؒ رقمطراز ہیں: اصول الفقه لاحاجة لک به يامقلد،ويامن يزعم ان الاجتهادقدانقطع ومابقى مجتهد،ولافائدة فى اصول الفقه الاان

یصیر محصلہ مجتھدا،فاذاعرفه ولم یفک تقلیدامامه لم یصنع شیئابل اتعب نفسه ورکب علی نفسه الحجة فی مسائل،وان کان یقرأه لتحصیل الوظائف ولیقال،فھذامن الوبال،وھوضرب من الخبال.(کلمات فی العلم وادب الطلب للذھبی:۲۱۳،وبیان زغل العلم و الطلب:۲۰،۲۱)۔

(۳۷)مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی تقلید نہیں اور یہی وجہ ہے کہ امام زرکشیؒ بحرمحیط:۳۲۲/۸، میں فرماتا ہے کہ:واعلم ان القاضی و الغزالیؒ یقولان لاتقلیدفی الدنیا الخ۔ التلخیص للجوینی:۵۳۰.

مذکورہ تفصیل سے حقیقت تقلید خوب واضح ہوا، کہ یہ ایک بدعت ہے، خیرالقرون میں اس کا وجود نہیں تھا، اور یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی میں اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے مسائل شرعیہ میں اگر چہ علماء کا اختلاف ہوتا رہتا ہے لیکن اختلاف تضاد تک نہیں پہنچتا، ہم نے دیکھا کہ مجتہد مطلق کا تعریف کرتے ہیں کہ کسی کا تقلید نہیں کریگا پھر کہتے ہیں صحابیؓ یا بوقت ضرورت دوسری مجتہد کا تقلید کرسکتا ہے، جبکہ بعض نے وجوب کا حکم بھی لگایا ہے، تقلید کی تعریف میں بھی اختلاف کیا ہے، یہ بھی معلوم نہیں کہ کون تقلید کریگا، اور کون نہیں کرے گا، کبھی کہتا ہے کہ عامی تقلید کریگا، پھر اس کے دو اقسام بناتے ہیں ایک عامی محض، دوسرا عالم غیر مجتہد، تو عامی کے متعلق کبھی کہتے ہیں کہ اس پر تقلید واجب ہے تو کبھی کہتے ہیں کہ اس کا تقلید سے کیا واسطہ، اس کا تو کوئی مذہب نہیں، عالم غیر مجتہد کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ تقلید کریگا، پھر لکھتے ہیں کہ دلائل سے استنباط کریگا، یہ بھی کہتے ہیں کہ مفتی کیلئے مجتہد ہونا ضروری ہے، جبکہ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں کی تعداد میں غیر مجتہد، مقلدین مفتیین موجود ہیں، اوپر گذر گیا کہ مقلد دلائل اربعہ سے استدلال نہیں کریگا، اور ہم دیکھتے ہیں ان مقلدین کو، کہ بحث ومناظرہ میں دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگ مذکورہ عبارات اوران لوگوں کے کتابوں میں تقلید کی متعلق دیگر عبارات میں نظر عمیق سے دیکھیں اور سوچیں تو آپ کو مختلف قسم کے تضادات نظر آئینگے، اور آپ یقین کرینگے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے ﴿ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیه اختلافا کثیرا﴾[النسآء :۸۲] تو ہم پر یہ عیاں ہوا کہ یہ تقلید دین الٰہی نہیں ہے اس وجہ سے اس میں اختلاف ہے۔ بعض مقلدین چالاکی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم قرآن وحدیث واجماع کو مانتے ہیں اور مسائل منصوصہ میں تقلید نہیں کرتے، ہم تو صرف مسائل اجتہادیہ میں امام ابوحنیفہؒ اور حنفی مفتیٰ بھا مسائل کی تقلید کرتے ہیں، اور اگر قرآن وحدیث کے خلاف امام کی قول ہو تو ہم چھوڑ دیتے ہیں، یہ بات اگر چہ فی نفسہ بہت اچھی اور شرعی لحاظ سے مأمور بہ ہے، لیکن ان لوگوں کا یہ قول ان کے اعمال ظاہرہ سے خلاف ہے اور بعینہ منافقوں کی اس قول سے مشابہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے

,,کہ﴿اذا جاءک المنافقون قالوا نشهد انک لرسول الله، والله یعلم انک لرسوله، والله یشهد ان المنافقین لکاذبون ﴾[المنافقون:۱] ہم ان کے اس دعوے کو جھوٹے ثابت کرنے کے لئے مزید وضاحت کرتے ہیں، اگر چہ اشارۃً مذکورہ تفصیل میں گذر چکا ہے، ہم ان سے اول یہ استفسار اور وضاحت طلب کرتے ہیں، کہ آپ کے فقہاء نے جو مراتب ذکر کیئے ہیں، آپ کون سی رتبہ میں ہیں، حالانکہ آپ کے بزرگوں نے یہ تصریح کیا ہے کہ ہم آخری طبقہ میں ہیں، دوسری وجہ یہ کہ پہلے گذر گیا کہ علماء غیر مجتہدین کا دلیل قول مجتہد ہے قرآن وسنت سے استدلال نہیں کریگا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ان لوگوں کے کتابوں میں کافی سارے مسائل قرآن وسنت سے خلاف ہیں، جن کے امثال ابن قیمؒ نے اعلام المؤقعین اور دیگر ان علماء نے، جنہوں نے تقلید کی رد میں کتابیں لکھی ہیں، تفصیل سے ذکر کی ہیں، مذکورہ تفصیل سے اس مسئلے کا وضاحت پوری طرح ہوئی اور کوئی خفاء نہ رہی، نصیحتاً سورۃ نجم کا یہ آیت ان کو پیش کرتے ہیں﴿ان یتبعون الا الظن وما تهوی الانفس، ولقد جاء هم من ربهم الهدیٰ ﴾[۲۳]اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ یہ لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کرام کی تقلید نہیں کرتے بلکہ هویٰ کے پجاری اور خواہش پرست ہیں، ورنہ ان کے اقوال منع تقلید میں کتنے واضح ہیں۔ آخر میں ابن ابی العز الحنفی کا قول جو کہ اس نے کتاب الاتباع :[ص:۸۰] میں ذکر کیا ہے، نقل کرتے ہیں تا کہ ان لوگوں کا اعتراض ختم ہو جائے، کہ جب ہم تقلید چھوڑ دینگے تو کیا کرینگے، ہم تو مجتہدین اور علماء نہیں، فرمایا: ,,فان الامة قد اجتمعت علی انه لایجب طاعة احد فی کل شیء الا رسول الله ﷺ ،بل غایة مایقال انه یسوغ او ینبغی اویجب علی العامی ان یقلد واحدا من الائمة من غیر تعیین زید او عمرو، واما ان یقول قائل انه یجب علی الامة تقلید فلان دون غیره، فهٰذا هو المحذور ،فمن تعصب لواحد من الائمة دون الباقین فهو بمنزلة من تعصب لواحد من الصحابة دون الباقین کالرافضی الذی تعصب لعلیؓ دون الخلفاء الثلاثة، فهٰذه طرق اهل الهویٰ ،نسأل الله السلامة والعافیة،وهذا رفض وتشنیع لکنه تشنیع فی بعض الطوائف والعلماء لافی تفضیل بعض الصحابةؓ .والواجب علی کل مسلم یشهد ان لااله الا الله وان محمد ارسول الله ان یکون اصل قصده توحید اللهبعبادته وطاعة رسوله، ویعلم ان افضل الناس بعد الرسول هم الصحابة، فلا ینتصر لشخص انتصارا عاما مطلقا الالرسوله ﷺ ولالطائفة انتصاراعامامطلقا الاللصحابةؓ ،فان الهدی یدور مع الرسول ومع اصحابه دون اصحاب غیره، فاذاا جمعوا لم یجمعوا علی خطأ ،فان الدین

الذی بعث الله به رسوله لیس مسلما الی عالم واحد واصحابه ،ولو کان کذالک لکان ذالک الشخص نظیراً لرسول الله ﷺ وهو شبیه بقول الرافضة .وائمة الاسلام ابو حنیفة ؒ ومالک ؒ والشافعی ؒ واحمد ؒ وغیرهم رضی الله عنهم کل منهم ذهب الی ما ذهب الیه عن اجتهاد، واما ان یقال المجتهد تارة یخطئی وتارة مصیب، وهٰذا هو الحق، فما اختلفوا فیه علی قولین او اکثر فأحدهم مصیب وهو صاحب الاجرین، ومن خالفه مخطئی وله اجر علی اجتهاده، وخطأه مغفور، وهٰذا فی کل مسألة حصل فیها اختلاف ،ولیس الصواب وقفا علی احدهم بعینه ،والخطأ وقفا علی الباقین .ومن اعتقدهٰذا فلیر اجع عقله فان هٰذه غفلة عظیمة واذا کان الامر کذالک فما من امام الا وقد فاته الصواب ولو فی مسألة، لانه غیر معصوم ومایؤمن من قلده فی مسألة قد خالفه فیها غیره فحکم بها وافتی ان تکون تلک المسألة هی التی اخطأ فیها امامه، فعلیه ان یعرضها علی الدلیل ولایقتصر علی ماقاله اصحابه فی الکلام علیها لاحتمال ان یکون عند من خالفه من الدلیل ما لیس عندهم لاناقد امرنا ان نرد ماتنازعنا فیه الی الله والرسول، والاخلال بهٰذاالواجب هوالذی اوجب الافتراق المذموم .وهٰذه کانت طریقة الصحابة والتابعین وتابعیهم، اهل القرون الثلاثة، المفضلة ،اعنی رد المتنازع فیه الی الله والرسول، ولم یکن فیهم من یأخذ بقول واحد معین منهم دون غیره، غیر رسول الله ﷺ وهی طریقة التابعین لهم باحسان الی یوم الدین .

اور صفحہ:۸۸ میں طلباء کو وصیت خاصہ فرماتا ہے :فالواجب علی من طلب العلم النافع ان یحفظ کتاب الله ویتدبره ،وکذالک من السنة ماتیسر له ویطلع منها ویتروی ویأخذ معه من اللغة والنحو مایصلح به کلامه ویستعین به علی فهم الکتاب والسنة، وکلام السلف الصالح فی معانیها، ثم ینظر فی کلام عامة العلماء الصحابة،ثم من بعدهم ماتیسر له من ذالک من غیر تخصیص ،فمااجتمعوا علیه لایتعداه، ومااختلفوا فیه نظر فی ادلتهم بغیر هوی ولاعصبیةثم بعد ذالک ﴿من یهد الله فهو المهتد ومن یضلل فلن تجدله ولیا مرشدا﴾[الکهف :۱۷]اور قرطبی : ۲/۲۱۲ : .مسألہ سادسہ میں لکھتا ہے کہ:فرض علی العامی الذی لا یشتغل باستنباط الاحکام من اصولها لعدم اهلیته فیما لایعلمه من امر دینه ویحتاج الیه ان یقصد اعلم من فی زمانه وبلده فیسأله عن نازلته فیتمثل فیها فتواه ،لقوله

تعالیٰ ﴿فأسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون﴾وعليه الاجتهاد فی اعلم اهل وقته بالبحث عنه حتى يقع عليه الاتفاق من الاكثر من الناس، وعلى العالم ايضا فرض ان يقلد عالمامثله فی نازلة خفی عليه فيها وجه الدليل والنظر، واراد ان يجد دالفكر فيها والنظر، حتى يقف على المطلوب فضاق الوقت عن ذالک،وخاف على العبادة ان تفوت اوعلى الحكم ان يذهب ، سواء كان ذالک المجتهد الآخر صحابيا اوغيره ،واليه ذهب القاضی ابوبكروجماعة من المحقيقين۔

مذکورہ عبارات کا حاصل یہ ہے، جوشخص عامی محض اور جاہل ہے وہ علاقے کی عالم سے مسائل پوچھتا رہے گا،اور جو عالم ہے وہ بوقت ضرورت دوسرے عالم سے معلومات حاصل کرسکتا ہے،اور یہ اتباع ہے تقلید نہیں ،اگر چہ بعض نے اس کوتقلید مجازی یاتقلید ممدوح کا نام دیا ہے۔ان بھائیوں کیلئے نصیحت جوکہ کہتے ہیں کہ وہ قرآن وسنت کے متبع ہیں اورکسی کی تقلید نہیں کرتے۔ان پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے اس دعوی میں سچے ہوں کہ وہ قرآن وسنت پرعمل کرتے ہیں، کہ اتباع قرآن وسنت ان کے ظاہراور باطن میں نمایا ہوں،اور مقلدین جیسے نہ ہوں، جو کہ چند احادیث کو مانتے ہیں اور اکثریت سے پہلوتہی کرتے ہیں ،یہی وصیت عباد الخواص الشامی نے اپنے شاگردوں کوفرمایا تھا:ولاتكفوا من السنة بانتحالها بالقول دون العمل بها ،فان انتحال السنة دون العمل بها كذب بالقول مع اضاعة العمل[دارمی:۴۷۱/۳]اوربغیرعمل کے صرف نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کےغضب کی سبب ہے،جیسا کہ سورۃ الصّف میں ہے﴿یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَالَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲﴾ کَبُرَ مَقۡتاً عِنۡدَ اللّٰہِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳﴾﴾ اورسورۃ بقرہ میں یہود یوں کی صفت ذکرکیا گیا ہے﴿ اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَتۡلُوۡنَ الۡکِتٰبَ اَفَلَاتَعۡقِلُوۡن ﴿۴۴﴾﴾اوررسول اللہ ﷺ نے بغیرعمل کے قول کوقیامت کی نشانیوں میں شمار کیا ہے۔عن عبدالله بن عمرو عن رسول الله ﷺ أنه قال :من اقتراب الساعة أن ترفع الاشرار وتوضع الأخيار ويفتح القول ويخزن العمل ويقرأ بالقوم المثناة ،ليس فيهم احد ينكرها قيل وما المثناة؟ قال:ما اكتتبت سوى كتاب الله عزوجل. (مستدرک:۵۶۷/۷)اتباع سنت کی تفصیل بعد میں ائے گا:۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَالَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً

جولوگ کافر ہیں ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

(یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے کہ (کچھ) سمجھ ہی نہیں سکتے ۔اے اہلِ ایمان!

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں اُن کو کھاؤ اور اگر اللہ ہی کے بندے ہو تو اُس (کی نعمتوں) کا شکر بھی ادا کرو

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ

اُس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سؤر کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے۔

لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ

ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اُس پر کچھ گناہ نہیں

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ

بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے[۴۳]۔ جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے اُن (ہدایتوں) کو جو اُس نے نازل فرمائی ہیں

---

[۴۳] اس ایت کریمہ میں ان چیزوں کی حرمت کا بیان فرماتا ہے جن کو مشرکین حلال سمجھتے تھے،اس ایت میں حصر کے ساتھ چار چیزوں کی حرمت بیان کی گئی ہے (۱) مردار (۲) بہنے والا خون (۳) خنزیر (۴) نذر لغیر اللہ:۔اب ایک اشکال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ایت میں ''انما'' کلمہ حصر استعمال کر کے حرام چیزوں کو صرف چار میں بند کر دیا ہے،حالانکہ ان چار چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں ،جن کی حرمت خود قرآن میں اپنی اپنی جگہ مذکور ہے، تو پھر اس حصر کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں چوپایوں کی حلت وحرمت کا کوئی قانون بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود صرف مشرکین کی خود ساختہ تحلیل کی تردید ہے،مشرکین میں بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ وغیرہ کو جن کا ذکر سورۂ مائدہ میں

آئے گا اپنی طرف سے حرام کر رکھا تھا، تو ان کے جواب میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ جن چیزوں کو تم نے حرام ٹھہرا رکھا ہے وہ حرام نہیں ہیں، بلکہ حرام تو صرف یہ اشیاء ہیں۔ لیس المرادمن الایة قصر الحرمة علی ماذکر مطلقا کماهو الظاهر............بل مقیدبمااعتقدوه حلالا. روح المعانی.

میتة: سے مراد ہر وہ جانور ہے جو ذبح کئے یا ہلاک کئے بغیر از خود مر جائے، یا اسے ذبح تو کیا جائے لیکن وہ ذبحہ شرعی طریقہ کے مطابق نہ ہو۔ وهی التی ماتت من غیر ذکاة شرعیة. روح المعانی، جس طرح مردار کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح اس کے باقی تمام اجزاء سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں۔ البتہ اس کے بال، ہڈی بشرطیکہ اسے تمام رطوبتوں سے پاک صاف کر لیا گیا ہو، اور اس کا چمڑہ دباغت (رنگائی) کے بعد پاک ہیں، ان کا استعمال جائز ہے۔

اور دم (خون) سے، دم مسفوح مراد ہے یعنی وہ خون جو جانور کے بدن کے کسی حصہ سے بہہ کر نکلے، جیسا کہ ذبح کے وقت رگوں سے خون نکلتا ہے۔

''ولحم الخنزیر'' خنزیر کے تمام اجزاء یعنی گوشت، کھال، ہڈی، چربی، بال، وغیرہ سب حرام ہیں، اس کے بدن کے کسی حصہ سے انتفاع جائز نہیں۔ کیونکہ وہ نجس العین ہے، اور گوشت کی تخصیص صرف اس لئے کی گئی ہے کہ گوشت ہی جانور کا مقصودی اور ضروری حصہ ہوتا ہے، جب وہ حرام ہے تو باقی اجزاء بطریق اولی حرام ہونگے۔

ان محرمات میں سے چوتھی چیز ''ما اهل به لغیر الله'' ہے ''اہل'' اہلال سے ہے، جس کے معنی اواز بلند کرنے اور شہرت دینے کے ہیں ''الاهلال اصله رفع الصوت (کبیر) اهل اهلال'' سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے چنانچہ عربی محاورات میں کہا جاتا ہے'' اهل الرجل، یااهل المعتمر، اذارفع صوته بالتلبیة'' یعنی عمرہ ادا کرنے والے نے بلند آواز سے تلبیہ پڑھا۔ لسان العرب: ۱۱/۷۰۱۔

''لغیر الله'' بحذف مضاف ای لتعظیم غیر الله اور ''به'' میں ''باء'' بمعنی علی ہے اس جملے میں کئی احتمالات ہیں:

۱: یعنی ''ما'' سے مراد وہ چوپایہ ہے جسے غیر اللہ (پیغمبر، ولی، فرشتہ یا جن وغیرہ) کو متصرف وکارساز، غیب دان اور مافوق الاسباب حاجت اور مشکل کشا سمجھ کر اس کی تعظیم کے پیش نظر اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے نذر و منت کے طور پر متعین اور نامزد کر دیا جائے یہ نذر غیر اللہ ہے اور حرام ہے، اس طرح یہ جانور حرام ہو جاتا ہے، اگر اسے

اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تب بھی یہ حرام ہی رہتا ہے اور حلال نہیں ہوتا، اور اس کا حکم بالکل وہی ہے جو مردار کا ہے، نذر غیر اللہ کی حرمت کا مسئلہ قرآن مجید میں مختلف انداز بیان کے ساتھ کئی جگہ مذکور ہے مثلا:

ســـورة مائده:(۳) میں اوفسـقااهل به لغیر الله،سورۂ انعام:[۱۴۵،۱۳۶]إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّهِ بِهِ، سورۂ نحل:۱۱۵۔

اسی طرح علیؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا: لعن الله من ذبح لغير الله ولعن الله من آوى مـحـدثا، ولعن الله من لعن والديه ولعن الله من غيّر تخوم الارض. يعنى المنار ۔جس شخص نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جس نے بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جس نے اپنے والدین پر لعنت کی اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جس نے زمین کی حدبندی کے نشانات تبدیل کئے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس روایت کو مسلم نے:۱۹۷۸، میں نقل کیا ہے: واخـرجـه ابـن ابـی شیبـه ۵۶۶/۶ ـ ۵۶۷ ـ ومسند بزار:۳۹۱ ومسند ابی یعلی:۶۰۲، وسنن کبری بیہقی؛ ۹۹/۶ والنسائی: ۲۳۲/۲، والحاکم: ۱۵۳/۴ ۔

طارق ابن شہاب سلمان رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق ایک عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں کہ: دخل الجنة رجل فـى ذبـاب ودخـل الـنـار رجـل فـى ذبـاب، قـالـوا وما الذباب؟ فرأى ذبابا على ثوب انسان فقال هذا الـذبـاب، قـالـوا وكيف ذاک؟ قال مر رجلان مسلمان على قوم يعكفون على صنم لهم ،فقالوا لهما، قـربـا لـصنمنا قربانا قالا لا نشرک بالله شيئا،قالوا اقربا ماشئتما،ولو ذبابا،فقال احدهما لصاحبه ماترى؟ فـقال احدهـما لا اشرک بالله شيئا فقتل فدخل الجنة، فقال الاخر بيده على وجهه فاخذ ذبابا فالقاه على الـصنم فدخل النار. ابن ابى شيبة: ۳۵۸/۱۲،وابو نعيم فى الحلية ۲۰۳/۱، كتاب الزهد: ۱۵ الدر الـمنثور: ۷۵/۶ ، كفاية: ۱۸۵. شعب الايمان: ۴۵۷/۹،المعجم لابن الاعرابى: ۸۲۲/۲، یعنی ایک آدمی مکھی کی وجہ سے جنت میں داخل ہوا، اور دوسرا جہنم میں، انہوں نے پوچھا یہ کیسے؟ اس نے جواب میں کہا: کہ دو مسلمانوں کا ایک قوم پر گذر ہوا، وہ ایک بُت کی عبادت کر رہے تھے، تو ان لوگوں نے ان دونوں مسلمانوں کو کہا: اس بُت کے نام کوئی چیز نذر کر کے دیدو۔ تو ان دونوں نے کہا: ہم اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کے نام نذر نہیں دیتے (یعنی اس عبادت میں اللہ تعالی کا شریک نہیں ٹھہراتے، تو انہوں نے کہا کہ آپ کو ضرور دینا پڑے گا۔ اگر چہ ایک مکھی ہو۔ تو ان دونوں میں ایک نے انکار کیا تو ان مشرکوں نے اس کو قتل کر دیا، جس کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہوا، دوسرے نے قریب ایک مکھی کو پکڑ

کر بُت کی طرف پھینکا تو موت کے بعد وہ جہنم میں داخل ہوا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے، جو کہ ثابت بن ضحاک ؓ سے نقل ہے کہ: **نذر رجل علی عهد النبی ﷺ ان ینحر ابلا ببوانة ،فاتی النبی ﷺ فقال انی نذرت ان انحر ابلا ببوانة ،فقال النبی ﷺ هل کان فیها وثن من اوثان الجاهلیة یعبد؟ قالوا لا ،قال هل کان فیها عید من اعیادهم؟ قالوا لا ،قال رسول الله ﷺ اوف بنذرک، فانه لا وفاء لنذر فی معصیة الله، ولا فیما لا یملک ابن آدم** ۔ابوداؤد: ۱۹۹/۳، ابن ماجہ: حدیث ۲۱۳۱، مسند احمد: ۱۹۵/۲۴۔

یعنی ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نذر مانی کہ وہ بوانہ مقام میں اونٹ ذبح کرے گا، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس میں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا کہ اس کی عبادت کی جاتی تھی؟ صحابہ کرام نے کہا نہیں ،فرمایا اس میں کافروں کی کوئی عید تھی؟ کہا نہیں ۔فرمایا اپنی نذر پوری کر، اس لئے کہ گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں اور جس میں آدم کا بیٹا مالک نہیں اس کا پورا کرنا بھی جائز نہیں۔

امام بخاری ایک عنوان لکھتا ہے "**باب ماذبح علی النصب و الاصنام**" اور اس میں موحد جاہلیت کا واقعہ نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ زید بن عمرو ابن نفیل سے بلدح کے نشیب میں ملے۔ **وذاک قبل ان ینزل علی رسول الله ﷺ الوحی، فقدم الیه رسول الله ﷺ سفرة لحم ،فابی ان یأکل منها ،ثم قال انی لا اکل مما تذبحون علی انصابکم، ولا آکل الا ماذکر اسم الله علیه**۔

یہ اس وقت کا ذکر ہے کہ جب آپ پر وحی نہیں اتری تھی ،پیغمبر نہیں ہوئے تھے، رسول ﷺ نے زید کے سامنے ایک دسترخوان رکھا (یہ دسترخوان مشرکوں نے بواسطہ رسول اللہ ﷺ آپ کو پیش کیا، اس لئے آپ ؐ نے مشرکوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ جملہ فرمایا: از فتح) جس پر گوشت تھا، زید نے اس کے کھانے سے انکار کیا پھر کہنے لگے میں ان جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا جن کو تم بتوں کے تھانوں پر ذبح کرتے ہو، میں تو اسی جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ بخاری مع الفتح: ۱۸/۱۱۔

ابن کثیر اور ابن ابی حاتم نے تفسیر سورۂ مائدہ میں ابوالطفیل سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے لیکر آج تک یہ چاروں چیزیں حرام رہی ہیں، کسی وقت ان میں سے کوئی بھی حلال نہیں ہوئی۔ مردار، خون، سور کا گوشت، اللہ تعالی کے سوا دوسرے کے نام کی چیز۔

اسی طرح ابن کثیر وابن ابی حاتم نے تفسیر سورۂ مائدہ میں علیؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے: قال کان رجل من بنی ریاح یقال له ابن وثیل، وکان شاعرا، نافر "غالبا" ابا الفرزدق، بماء بظهر الکوفة، علی ان یعقر هذا مائة من ابله، وهذا مائة من ابله، اذا وردت الماء، فلما وردت الماء قاما الیها بالسیوف، فجعلا یکسفان عراقیبهما، قال فخرج الناس علی الحمرات و البغال یریدون اللحم، قال وعلیؓ بالکوفة، قال فخرج علیؓ علٰی بغلة رسول الله البیضاء وهو ینادی یاایها الناس لاتأکلوا من لحومها فانما اهل به لغیر الله. اور یہ قالی نے کتاب امالی میں: ۲/۱۱۷، وذیل الامالی: ۳/۵۴، میں نقل کیا ہے۔

علیؓ جب کوفہ کے حاکم تھے، اس وقت قبیلہ بن ریاح کا ایک شخص جو شاعر تھا، فرزدق کے دادا غالب سے مقابل ہوا، اور یہ طے پایا کہ دونوں آمنے سامنے ایک ایک سو اونٹوں کی کوچیں کاٹیں گے، چنانچہ کوفہ کی پشت پر پانی کی جگہ یہ آئے اور جب وہاں ان کے اونٹ آئے تو یہ اپنی تلواریں لے کر کھڑے ہوگئے۔ اور اونٹوں کی کوچیں کاٹنی شروع کیں اور دکھلاوے، سناوے اور فخر وریاکاری کے لئے دونوں اس میں مشغول ہوگئے۔

کوفیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے گدھوں اور خچروں پر سوار ہوکر گوشت لینے کے لئے آنے لگے، اتنے میں جناب علی المرتضی رسول اللہ کے سفید خچر پر سوار ہوکر یہ منادی کرتے ہوئے وہاں پہنچے کہ لوگو، یہ گوشت نہ کھانا یہ جانور "ما اهل به لغیر الله"، میں داخل ہیں۔ اور قرطبی نے یہ واقعہ: ۲/۲۲۴، میں مختصر نقل کیا ہے۔

عائشہؓ سے امام قرطبیؒ ۲/۲۲۴، ایک واقعہ نقل کرتا ہے: ۲/۲۲۴: قالت امرأة عند ذلک من الناس: یاام المؤمنین ان لنا أظأرا من العجم لایزال یکون لهم عید، فیهدون لنا منه، أفنأکل منه شیئا؟ قالت اما ماذبح لذلک الیوم فلاتأکلوا ولکن کلوا من اشجارهم۔ یعنی ایک عورت نے ام المومنین عائشہؓ سے سوال کیا کہ ام المؤمنین، ہمارے کچھ رشتہ دار عجمی لوگوں میں سے ہیں اور ان کے یہاں تو روز روز کوئی نہ کوئی تہوار ہوتا رہتا ہے یہ اپنے تہواروں کے دن کچھ ہدیہ (تحفہ) ہمارے پاس بھی بھیج دیتے ہیں، ہم اس کو کھائیں یا نہ؟ اس پر عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: جو جانور اس عید کے دن کے لئے ذبح کیا گیا ہو وہ نہ کھاؤ، لیکن ان کے درختوں کے پھل وغیرہ کھا سکتے ہو۔

اور اسی طرح قرطبی نے حسنؒ سے مذکورہ صفحہ میں ایک فتوی نقل کیا ہے: انه سئل عن امرأة مترفة صنعت للعبها عرسا فنحرت جزورا، فقال الحسن لایحل أکلها فانها انما نحرت لصنم۔ یعنی ایک مالدار عورت اپنی گڑیوں کے نکاح پر اونٹ وغیرہ ذبح کرتی ہے تو یہ حلال ہیں؟ تو حسن نے فتوی دیا کہ اسے نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ یہ ایک

تصویر کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ ابن عطیہ نے محرر الوجیز: ۲/۵۰، میں بھی ذکر کیا ہے۔
اس کے متعلق اکثر مفسرین نے یہی مسئلہ ذکر کیا ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کی تعظیم بجالانے کے لئے جانور ذبح کرے، وہ ملعون اور مرتد ہے۔ تفسیر غرائب القرآن میں اس آیت کے تحت نظام الدین نیساپوری اور شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی: ۱/۴۸۱، میں لکھتا ہے: **قال العلماء لو ان مسلماذبح ذبیحة وقصد بذبحها التقرب لغیر الله،صار مرتدا ،وذبیحته ذبیحة مرتد .**
یعنی علما نے کہا ہے کہ اگر کسی مسلم نے ایک جانور کو ذبح کیا اور اس سے غیر اللہ کے تقرب کا قصد کیا تو وہ مرتد ہو گیا، اور اس کا مذبوحہ مرتد کا مذبوحہ ہے۔ اور ایسی عبارت امام رازی نے تفسیر کبیر: ۵/۱۱، میں لکھی ہے۔ وفتاوی عزیزیہ: ۱/۵۰۔
اور شاہ عبد العزیزؒ فتاوی عزیزیہ: ۱/۶۵، میں لکھتا ہے: کہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ ملعون من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح خدا بگیرد یا نہ، زیرا کہ جون شہرت داد کہ این جانور برائے فلان است ذکر نام خدا بوقت ذبح فائدہ نہ کرد چہ آن جانور منسوب بآں غیر گشت وخبث درو پیدا شد کہ زیادہ از خبث ومردار است وہرگاہ این خبث دروے سرایت کرد، دیگر بذکر نام خداوند حلال نمی شود مانند سگ وخوگ کہ اگر بنام خداوند مذبوح شوند حلال نمی گردند۔
یعنی صحیح حدیث میں ہے کہ ہر شخص جانور ذبح کرنے سے تقرب لغیر اللہ چاہے وہ ملعون ہے، ذبح کے وقت اللہ کا نام لے یا نہ لے، کیونکہ جب اس نے مشہور کر دیا کہ یہ جانور فلاں فلاں غیر اللہ کے لئے ہے، تو ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، جب وہ جانور بطور نذر و منت غیر کی طرف منسوب ہو گیا ہو تو اس میں مردار سے بھی بڑھکر نجاست پیدا ہو گئی اور اس میں اس طرح گھس جائے گی کہ اب وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ جس طرح کتا اور خنزیر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتے۔
بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب اس پر اللہ تعالی کا نام ذبح کرنے کے وقت لیا جائے تو پھر جانور حلال اور پاک ہوتا ہے تو اس کا جواب تبصیر الرحمٰن میں علی مہائمیؒ دیتے ہیں: **وما اهل لغیر الله به فانه وان ذکر معه اسم الله فقد عارض المطهر فیه المنجس مع نجاسته بالموت وان لم یذکر فقد زید فی تنجیسه** ۔ اور معارف القرآن والے نے ۳/۲۹، میں لکھا ہے: وہ جانور جو غیر اللہ کے لئے نام زد کیا گیا ہو پھر اگر ذبح کے وقت بھی اس

پر غیر اللہ کا نام لیا ہے تو وہ کھلا شرک ہے۔اور یہ جانور باتفاق مردار کے حکم میں ہے۔جیسا کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے،یا بعض جاہل کسی پیر فقیر کے نام پر،اور اگر بوقت ذبح نام تو اللہ کا لیا،مگر جانور کسی غیر اللہ کے نام پر نذر کیا ہو اور اس کی رضا مندی کے لئے قربان کیا ہے،تو جمہور فقہا نے اس کو بھی ''ما اهل به لغير الله'' کے تحت حرام قرار دیا ہے۔

بعض لوگ اعتراض میں ملاجیون کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں:ومن ههنا علم ان البقرة المنذورة للاولياء كما هو الرسم فی زماننا حلال طيب، لانه لم يذكر اسم غير الله عليها وقت الذبح ،وان كانوا ينذرونها له۔تفسیرات احمدی:۴۵۔تو اس کا جواب مولانا اشرف علی تفسیر بیان القران:۱/۹۷،میں اور فتاوی امدادیہ:۴/۹۰میں دیتا ہے۔

بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہو گیا ہے،اس کا جواب اس کے منہیہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصال ثواب کی بناء پر حلت کا حکم فرمایا ہے،اور بلا تاویل حلال نہیں کہتے ،جیسا کہ اسی قسم کی تاویل سے نووی نے ابراہیم مروزی کے قول کے بعد رافعی کا قول نقل کیا ہے تو جہاں یہ تاویل یقیناً منفی ہو اس کو کیسے حلال کہا جاوے گا،اور عوام کا یہ فعل یقیناً قابل تاویل نہیں ،دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اس جانور کے بدلے اس سے دوگنی قیمت انکو دیکر کہا جاوے کہ بجائے اس جانور کے اس چیز سے ایصال ثواب کردو،ہرگز وہ گوارہ نہ کریں اور استبدال میں اندیشہ ناراضی ان بزرگوں کا کریں جس سے فساد نیت یقینی ہے اور یہی مدار تھا حرمت کا۔

اور یہی جواب مفتی رشید احمد نے:احسن الفتاوی:۱/۴۹،میں دیا ہے، جب کہ بحر العلوم علامہ سید امیر علی تفسیر مواہب الرحمٰن :۲/۷۷،میں بہت تفصیل کے بعد لکھتا ہے،اور صاحب تفسیر احمدی نے جو اس مقام پر تساہل کیا،وہ سخت خطاء ہے،اللہ تعالی ہم کو اور ان کو عفو کرے اور بخشدے اور:۵/۴۳،میں اس کا سخت جواب دیتا ہے:پس عجب ان لوگوں سے کہ خالی منطق وفلسفہ پڑھ کر فتوی پر قلم اٹھاتے ہیں اور شیخ صدو کے نام کا بکرا اور مانند اس کے جائز بتاتے ہیں، یہ خلاف مذاہب ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالی، بلکہ خلاف مذہب فقہاء وائمہ مجتہدین ہے،جس کا گناہ تا قیامت اپنے سر پر لیتے ہیں۔اور معنی بھی یہ لکھتے ہیں کہ ہر وہ چیز حرام کی گئی کہ غیر اللہ کے لئے پکاری گئی ہو۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ پھر تو مہمانوں وغیرہ کے لئے ذبح کرنا بھی ناجائز ہے،تو اس کا جواب درمختار اور رد المختار(شامی):کتاب الذبائح ۹/۴۷۵،میں دیتا ہے:ذبح لقدوم الامير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لانه

"اهـل بـه لـغير الله"ولو ذكر اسم الله،ولو ذبح للضيف لايحرم ،لانه سنة الخليل عليه السلام ،واكرام الـضيف اكـرام اللهتـعـالـى،و الفارق انه ان قدمهاليأكل منها كان الذبح لله تعالى، و المنفعة للضيف، اوللـوليـمة، اولـلـربـح ،وان لـم يقدمهاليأكل منها بل يدفعهالغيره كان لتعظيم غير الله فتحرم، وهل يكفر ؟قولان۔

یعنی کسی کے آنے پر جانور کوذبح کرنا حرام ہےاس لئے کہ یہ[ماهل به لغير الله] کا معنی اس کوشامل ہے اگر چہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا جائے ۔اوراگر ذبح کے وقت یہ ارادہ ہوکہ مہمان کے لئے ضیافت میں ذبح کرنا ہے تو پھر حرام نہ ہوگا، کیونکہ یہ سنت ابراہیمی ہے، اورمہمان کا اکرام اللہ ہی کا اکرام ہے،اس میں فرق واضح ہے، کہ اگر مہمان کے کھانے کے لئے ذبح کیا جائے تو ذبح اللہ تعالی کے نام ہے، اورکھانے کا فائدہ مہمان وغیرہ کے لئے ہے، اوراگر اس کوکھانے نہ دیا صرف اس کی تعظیم کے لئے ذبح کر کے دوسروں کو دیا،تواس میں تعظیم لغیر اللہ ہے، اور یہ حرام ہے، جبکہ کفر میں علماء کا اختلاف ہے۔

اوراسی طرح تفسیر مواہب الرحمٰن :۲/۷۷، میں بھی فرماتا ہے اور یہ جو بعض لوگوں کو وہم ہوا کہ مہمان کے لئے ذبح کرتے ہیں۔جواب یہ ہے کہ اگر اس کے تقرب کے لئے ہوتو مرتد وکافر ہے کمافی الفتاوی، بلکہ یہ تو مہمان کی ضیافت کے لئے اللہ کے نام پر ذبح ہوتا ہے جیسے روز بازار میں ہزاروں جانور ذبح ہوکر فروخت ہوتے ہیں،الخ۔

مولانا عبدالحی فرنگیؒ نے مجموعہ فتاوی:۲/۸۹، میں لکھا ہے کہ "مـااهـل بــه لـغيـر الله" سے مراد وہ جانور ہے جو بقصد تقرب الی غیراللہ ذبح کیا جاوے،اورمقصود اراقۃ الدم سے تعظیم غیر خدا ہو،اور جان دینا خاص غیر کے لحاظ سے ہووے ایسا جانورحرام ہے،اگر چہ وقت ذبح کے بسم اللہ اس پر کہی جاوے، ذبـح لـقـدوم الاميـرونحوه كواحدمن العظماء يحرم لانه اهل به لغير اللهولو ذكراسم اللهعليه ولو ذبح للضيف لايحرم۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے :فتاوی امدایہ:۴/۸۹، میں فرمایا ہے (جس کا حاصل یہ ہے) کہ: بزرگوں کی نذرونیاز کا جانوراگر کسی واسطے ذبح کیا جاوے کہ وہ بزرگ ہم سے خوش ہوں، اورہمارا کام کر دیں، اوران کو متصرف فی التکوین سمجھے، اوران سے تقرب کے لئے ذبح کرے اورذبح سے وہی مقصود ہوں، چنانچہ اس زمانہ میں اکثر جہاں کا یہی عقیدہ ہوتا ہے،تو یہ عقیدہ رکھنے والا مشرک اوروہ ذبیحہ بالکل حرام ہے،اگر چہ بوقت ذبح اللہ کا نام لیا جاوے۔

"وما اہل بہ لغیر اللہ" اوراگر اللہ کے واسطے دیکر اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو بخشد یا تو یہ جائز ہے فقط۔

''ما'' کی تفسیر میں دوسرا احتمال یہ ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں فرمایا ہے کہ ''ما'' عام ہے اوراس کی مراد بھی عام ہے، خواہ جانور ہو یا غلہ یا مٹھائی ہو یا کوئی اور چیز جو غیر اللہ کے تقرب کے لئے دی جائے سب اس میں شامل ہیں، اگر ''ما'' سے صرف ذبیحہ مراد لیا جائے تو پھر اس کے بعد ''ما ذبح علی النصب'' کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لہذا جن لوگوں نے ''ما'' سے صرف ذبیحہ مراد لیا ہے انہوں نے ما اہل کی صرف ایسی صورت بیان کی ہے جو مشرکین میں اس وقت رائج تھی، ورنہ یہ بات وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ جانوروں کے علاوہ غلہ وغیرہ کی نذریں بھی غیر اللہ کے لئے مانتے تھے، جیسا کہ ﴿ وجعلوا لله مماذرأمن الحرث و الانعام نصيبا ﴾ الخ سے معلوم ہوتا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ وماذبح على النصب سے صرف ذبیحہ مراد ہو اور مااهل سے مراد عام ہو، یعنی جانور، غلہ وغیرہ پہلی اور دوسری دونوں تفسیروں کی صورت میں ''ب'' کو بمعنی علی لینا پڑیگا۔

یہی معنی نواب صاحب نے تفسیر ترجمان القران اور شاہ عبدالعزیز نے اور صاحب فتح المجید نے بھی: ۱۴۰، میں اختیار کیا ہے اور مفتی رشید احمد احسن الفتاوی: ۱/۵۲، میں لکھتا ہے کہ: مااهل به لغير الله ، کے عموم میں مٹھائی وغیرہ بھی داخل ہے، اور ماذبح على النصب کا بالاستقلال ذکر اس پر قرینہ ہے کہ، مااهل به لغير الله حیوان وغیر حیوان دونوں کو شامل ہے، اور اگر اسے حیوان کے ساتھ خاص رکھا جائے تو غیر حیوان کی حرمت ثابت بالقیاس ہوگی، بعلة التقرب الى غير الله۔

اوراسی طرح مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن: ۱/۴۲۴، میں لکھتا ہے کہ: یہاں ایک چوتھی صورت اور ہے، جس کا تعلق حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں سے ہے، مثلا، مٹھائی کھانا وغیرہ جن کو غیر اللہ کے نام پر نذر کے طور سے ہندو لوگ بتوں پر، اور جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں، فقہاء نے اس کو بھی اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے ''مااهل به لغير الله'' کے حکم میں قرار دیکر حرام کہا ہے۔

فقہاء احناف مسئلہ نذر لغیر اللہ کے متعلق لکھتے ہیں، خصوصا ابن نجیم بحر الرائق: ۲/۵۲۱، میں لکھتا ہے: وقد منا ان النذر لايصح بالمعصية'' للحديث'' (لانذرفى معصية الله تعالى). یہ روایت امام مسلم نے کتاب النذر حدیث نمبر ۸، ابوداؤد نے کتاب الايمان باب: ۲۱، ۹، امام ترمذی نے کتاب النذور باب اول امام نسائی نے كتاب الايمان: ۱۷، ۳۱، ابن ماجہ نے کتاب الکفارات باب: ۱۶، اور مسند احمد نے: ۲/۲۰۷، اور ۶/۲۴۷، میں نقل کیا ہے.

فقال الشيخ قاسم في شرح الدرر،واما النذر الذى ينذره اكثر العوام على ماهومشاهد،كان يكون للانسان غائب،اومريض، اوله حاجة ضرورية، فيأتي الى بعض الصلحاء ويجعل على رأسه سترة ،ويقول ياسيدى فلان ان ردالله غائبى اوعوفى مريضى اوقضيت حاجتى، فلک من الذهب كذا،اومن الفضة اومن الطعام كذا،اومن الماء كذا،اومن الشمع كذا،اومن الزيت كذا،فهذا النذرباطل بالاجماع لوجوه:منهاانه نذرمخلوق و النذرللمخلوق لايجوز،لانه عبادة ،و العبادة لاتكون لمخلوق.ومنهاان المنذورله ميت، و الميت لايملک، ومنهاانه ظن ان الميت يتصرف فى الاموردون الله تعالى ،واعتقاده ذلک كفر.

پھر کچھ عبارت کے بعد لکھتا ہے:ولايجوزلخادم الشيخ اخذه، ولااكله، ولا التصرف فيه، بوجه من الوجوه الاان يكون فقيرااوله عيال فقراء عاجزون عن الكسب ،وهم مضطرون فيأخذون على سبيل الصدقة المبتدأة، فاخذه ايضامكروه مالم يقصدبه الناذر التقرب الى الله تعالى وصرفه الى الفقراء ويقطع النظرعن نذرالشيخ ،فاذاعلمت هذافمايوخذمن الدراهم و الشمع والزيت وغيرها،وينقل الى ضرائح الاولياء تقربا اليهم، فحرام باجماع المسلمين مالم يقصدوبصرفهاللفقراء الاحياء قولاواحدا.اوریہی عبارت فتح المجیدوالے نے:۱۵۷، میں نقل کی ہے۔

اوراسی طرح درمختار جوکہ شامی کامتن ہے اس میں لکھتا ہے:۳۷۹/۳،واعلم، ان النذر الذى يقع للاموات من اكثر العوام ومايوخذمن الداراهم و الشمع وا لزيت ونحوها،الى ضرائح الاولياء الكرام تقربا ا ليهم، فهوبالاجماع باطل وحرام ،مالم يقصدواصرفهاالفقراء الانام وقدابتلى الناس بذلک، ولاسيمافى هذه الاعصار.وقدبسطه العلامة قاسم فى شرح درر البحار،ولقدقال الامام محمدؒ لوكانت العوام عبيدى، لاعتقتهم واسقطت ولائى ،وذلک لانهم لايهتدون فالكل بهم يتعيرون ۔اوراس کی شرح میں ابن عابدین شامی لکھتا ہے:صاحب بحرالرائق کی عبارت نقل کرنے کے بعد: امالونذرزيتالايقادقنديل فوق ضريح الشيخ اوفى المنارة كمايفعل النساء من نذر الزيت لسيدى عبد القادرويوقدفى المنارةجهة المشرق فهوباطل، واقبح منه النذربقرأة المولدفى المنائرومع اشتماله على الغناء و اللعب وايهاب ثواب ذلک الى حضرة المصطفىﷺ:۳/۳۸۰۔

یعنی حاصل عبارت یہ ہے کہ ایک حنفی عالم شیخ قاسم اپنی کتاب ''شرح درر البحار'' میں لکھتے ہیں: کہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ کسی ولی یا بزرگ کی قبر پر اس کے سرہانے کھڑے ہو کر نذر مانتے ہیں اور ان میں سے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے جناب! اگر میرا گم شدہ مل جائے، یا میرا مریض صحت یاب ہو جائے، یا اپنی کسی حاجت کا نام لیکر کہتا ہے کہ میری یہ ضرورت اور حاجت پوری کر دے گا، تو میں اتنا سونا یا اتنی چاندی تیری نذر کروں گا، یا اتنا کھانا یا اتنا دودھ یا فلاں فلاں شے اتنی مقدار میں تجھے دوں گا، یا اتنا تیل تیری قبر پر جلاؤں گا۔ یاد رکھیئے: یہ نذر بالا جماع باطل قرار پائے گی جس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) ایک وجہ یہ ہے کہ یہ نذر مخلوق کے لئے ہے اور مخلوق کے لئے نذر ماننا ناجائز ہے کیونکہ نذر بھی ایک قسم کی عبادت کا نام ہے اور عبادت اگرچہ کسی قسم کی ہو کسی مخلوق کے لئے نہیں کی جا سکتی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ نذر میت کے لئے مانی گئی ہے اور میت کو کسی چیز پر بھی قدرت اور تصرف حاصل نہیں ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ نذر ماننے والے نے یہ خیال کیا کہ میت کو معاملات میں تصرف حاصل ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

علامہ قاسم الحنفیؒ مزید فرماتے ہیں کہ، مندرجہ بالا دلائل معلوم ہونے کے بعد جو شخص نقدی، یا شمع یا تیل وغیرہ اولیاء اللہ کی قبر پر اس لئے لے جاتا ہے کہ وہاں سے تبرک حاصل کرے گا، تو یہ فعل اور عمل باجماع المسلمین حرام ہے، اس عبارت کو ابن نجیم، شامی، اور شیخ صنع اللہ الحنفیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔

اور اسی طرح کی عبارات اور کتابوں میں بھی زیادہ ہیں، لیکن مذکورہ عبارات پر اکتفاء کرتے ہیں، البتہ دیگر کتابوں کے صرف حوالہ جات نقل کرتے ہیں: غاية الاماني: ۲/ ۳۱، ۳۱۲، اغاثة اللهفان: ۱/ ۳۰۵، حاشية الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۴۷۱، البلاغ المبین: ۲۹، جلاء العینین: ۴۹۰، ۵۰۳، منهاج التاسیس: ۴۱۷، روح المعانی: ۱۳/ ۶۷، ۱۷/ ۲۱۲، ابداع: ۸۹، مجموعة الفتاوی لعبد الحی: ۲/ ۸۹، ۲۹۹، ۱۵۱، ۳۹۰، ۱۰۵ اور ۳/ ۱۲۴. کتاب سیف اللہ ۶۹، تیسیر العزیز الحمید: ۲۰۳، تلخیص کتاب الاستغاثة: ۹۰، ۲۹۷، رساله زیارة القبور للبرکوی: ۷، ۲۲. ۲۹، ۵۲، مجالس الابرار ۱۱۹، کشاف القناع: ۶/ ۲۷۶، الفروع لابن مفلح: ۶/ ۳۵۹، الدین الخالص: لصدیق حسن خان: ۲/ ۱۸۹، ۱۹۱، ۳/ ۴۸، ۵۰، ۵۲، ۵۶، ۶۵، ۶۶. ومدارج السالکین: ۱/ ۳۴۵

مغني المحتاج للشربيني: ۴/ ۳۷۱، ومجموعة الفتاویٰ لشيخ الاسلام: ۲۴/ ۳۱۹، ۲۷/ ۳۰۲، ۲۷/ ۷۷، ۱۴۶، وفتح المعين: شرح شرح ملا مسكين على الكنز: ۴۵۰، واقتضاء الصراط المستقيم: ۲/ ۶۷۱، ۷۰۸، ۷۴۰، و الروض الندى: شرح كافي المبتدى: ۵۰۲، وغمز عيون البصائر لابن نجيم المصرى: ۲۳۱، الفتاوى الحامدية: ۳۱، شفاء الصدور: ۶۲، ۶۷۔ جبکہ امام سیوطیؒ کتاب الامر بالاتباع: ۱۳۴، میں لکھتا ہے۔

لايحل اسراج القبور و لا النذر لسرجها و كذلک ايقاد المصابيح كالسرج و الشمع و القناديل فى هذه المشاهد و الترب لايجوز بلا خلاف، للنهى الوارد فى ذلک و فاعله ملعون على لسان رسول الله ﷺ حيث قال: لعن الله زائرات القبور و المتخذين عليها المساجد و السرج. یہ روایت ابوداود نے کتاب الجنائز رقم: ۳۲۳۶، اور ترمذی نے کتاب الصلوٰۃ رقم ۳۲۰، امام نسائی نے کتاب الجنائز: ۴/ ۹۴، ۹۵، ابن ماجہ نے کتاب الجنائز رقم ۱۵۷۵، ابن ابی شیبہ نے: ۳/ ۳۴۴، مسند احمد: ۱/ ۲۲۹، ۲۸۷، ۳۲۴، ۳۳۷۔ مسند طیالسی رقم: ۲۷۳۳، ابن حبان: رقم: ۳۱۶۹ معجم کبیر: ۱۲/ ۱۴۸، مستدرک: ۱/ ۳۷۴، سنن کبری بیھقی: ۴/ ۷۸، تاریخ بغداد: ۸/ ۷۰، ۱۷، شرح السنۃ: ۲/ ۴۱۶، وغیرہ نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

اس کے بعد امام سیوطی لکھتا ہے: ولا يجوز الوفاء بما نذر لها من زيت و شمع و غير ذلک۔ جبکہ ۱۱۷، پر لکھتا ہے: و اقبح من ذلک ان ينذر لتلک البقعة، دهنا لتنويرها او شمعا و يقول: انها تقبل النذور كما يقوله بعض الضالين۔ اور ۱۱۸، پر لکھتا ہے: او ينذر ذلک لقبر اى قبر كان، فان هذا نذر معصية باتفاق العلماء لايجوز الوفاء به، بل عليه كفارة يمين عند كثير من العلماء، منهم احمد و غيره۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ''ما'' عام ہے تو بعض مفسرین نے اس سے صرف ذبیحہ کیوں مراد لیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کے یہاں لفظ اہلال کا زیادہ تر استعمال مذبوحہ پر ہوتا تھا، اس کے پیش نظر انہوں نے ''ما'' سے مذبوحہ مراد لیا، اس سے ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مذبوحہ کے علاوہ باقی اشیاء سے غیر اللہ کی نیاز جائز ہے، بلکہ ان مفسرین کے نزدیک جس طرح جانوروں سے غیر اللہ کا نیاز حرام ہے اسی طرح باقی اشیاء، غلہ، کپڑا وغیرہ سے بھی حرام ہے۔

اور آیت کے مفہوم میں ایک تیسرا احتمال بھی ہے، وہ یہ کہ ما سے مراد کلام ہو، جس سے غیر اللہ کے تقرب کے لئے

جانور نامزد کیا گیا ہو، مطلب یہ ہے کہ ایسا کلمہ بھی حرام اور مشرکانہ ہے جسے غیر اللہ کی نذر ومنت مانتے وقت بلند کیا جائے۔ حاصل مطلب اس کا بھی وہی ہوگا جو شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے اس صورت میں "بـــه" کی "ب" اپنے اصل پر رہے گی۔ اور اسے علی کے معنی میں لینے کی ضرورت نہیں ہوگی جیسا کہ کہا جاتا ہے: **اهللت بالتلبية و اهللت بالتسمية على الذبيحة .**

صراح میں ہے: **اهل المعتمر اذارفع صوته بالتلبية و التسمية على الذبيحة،** جیسے کہ پہلے لسان العرب سے منقول ہو چکا ہے: **فمجرورا لباء هولفظ يرفع به الصوت اى اسم الله مثلاً، فالمرادمن قوله تعالى "وما اهل به" اى لفظ رفع به الصوت لتعظيم غير الله و التقرب اليه،** حاصل یہ کہ اس کلام سے تکلم اور اس قول کا تلفظ بھی حرام کر دیا جس سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو، اور اسی وجہ سے ہر وہ چیز بھی حرام ہوگی جس سے غیر اللہ کا تقرب مطلوب ہو، اور بعینہ **انه رجس** اور **فسقا اهل لغير الله به** (الانعام) میں فسقا سے بھی کلمہ تقرب ہی مراد ہے جس کے ذریعے غیر اللہ کی نذر ومنت مانی جائے۔

طبری نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے بعض علماء یہ استدلال کرتے ہیں کہ نذر لغیر اللہ کا کھانا حلال ہے اور یہ فعل حرام ہے۔ **حدثنا ابن حميد قال حدثنا سلمة عن ابن اسحاق عن يعقوب بن عتبه قال، فلما خرجوا من عندرسول الله ﷺ وتوجهوا الى بلادهم راجعين، بعث رسول الله ﷺ اباسفيان بن حرب و المغيره بن شعبه فى هدم الطاغية، فخرج مع القوم حتى اذاقدموا الطائف، اراد المغيرة ؓ ان يقدم اباسفيان، فابى ذلك ابوسفيان عليه، وقال ادخل انت على قومك، واقام ابوسفيان بماله بذى الهرم، فلمادخل المغيرة ؓ علاها يضربها بالمعول وقام قومه دونه، بنومتعب، خشية ان يرمى اويصاب كمااصيب عروة وخرج نساء ثقيف حسرا يبكين عليها ويقلن:**

الا ابكين دُفّاع ☆ اسلمها الرُّضاع ☆ لم يحسنوا المِصاع.

قال : ويقول ابوسفيان و المغيرة يضربها بالفأس واهالك، واهالك، فلماهدمها المغيرة ؓ اخذ مالها وحليها وارسل الى ابى سفيان وحليها مجموع ومالها من الذهب والجزع، وكان رسول الله ﷺ امر اباسفيان ان يقضى من مال اللات دين عروة و الاسود ابنى مسعود فقضى منها دينهما. وفى هذه السنة غزا رسول الله ﷺ غزوة تبوك۔ تاریخ طبری: ۲/۱۸۱۔

راوی کہتے ہیں کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے نکل گئے اور چلے اور جب اپنے گاؤں واپس ہونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیانؓ اور مغیرۃ بن شعبہؓ کو بتوں کو توڑنے کیلئے بھیجا، تو یہ دونوں اپنی قوم کے ساتھ نکل گئے حتی کہ یہ طائف تک پہنچے، تو مغیرہؓ نے ابوسفیانؓ کو آگے کرنے کا ارادہ کیا، ابوسفیانؓ نے ایسا کرنے سے انکار کیا، اور کہنے لگا کہ تم اپنے قوم کے پاس چلے جاؤ، اور ابوسفیانؓ اپنے مال کے ساتھ ذی ھرم مقام پر ٹھر گیا اور مغیرہؓ جب داخل ہوئے تو اوپر چڑھ کر ہتھوڑے سے مارنے لگا، اور اس کی قوم بنو متعب یہاں ٹھرے، اس خوف سے کہ ان کو مارا جائے گا یا عروہ جیسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے (یعنی یہ معبود ان کو ضرر پہنچائے گا) تو بنو ثقیف قبیلہ کی کچھ خواتین ننگے سر نکل گئیں جو کہ اس پر گریہ کر کے یہ اشعار کہتی رہیں۔ضرور روئینگے دفاع کرنے والے ☆ اسکو دے دیا لئیم لوگوں نے ☆ اور انہوں نے تلوار کے واروں میں اچھا مقابلہ نہیں کیا۔

راوی کہتا ہے کہ ابوسفیانؓ نے فرمایا کہ مغیرہؓ طاغیہ (یعنی معبود) کو کلہاڑی سے مارتے رہے اور یہ کہتے رہے، تعجب ہے تم پر، تعجب ہے تم پر، اور جب مغیرہؓ نے اس کو توڑ کر گرایا تو اس کے مال اور زیورات لے لئے، ابوسفیان کو پیغام بھیجا، جبکہ اس نے ان کے زیورات کو جمع کیا ہوا تھا، اس کے مال میں سونا اور موتیاں تھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو حکم دیا کہ لات (بت) کے مال سے مسعودؓ کے دو بیٹوں عروہ اور اسود کا قرضہ ادا کرے، تو ابوسفیانؓ نے اس مال سے دونوں کا قرضہ اداء کیا اور اسی سال میں غزوہ تبوک بھی پیش آیا تھا۔

یہ واقعہ امام طبری نے محمد بن حمید سے نقل کیا ہے جس کے متعلق امام ذہبی سیر اعلام النبلاء:۱۱/۵۰۳، میں لکھتا ہے: کہ یہ منکر الحدیث تھا۔اس کا استاد سلمہ ابن الفضل ہے یہ اگرچہ مغازی میں قوی تھا لیکن احادیث میں یہ غیر معتبر ہیں، سیر اعلام النبلاء:۹/۵۰، تیسرا راوی محمد بن اسحاق ہے جو کہ مختلف فیہ ہے۔آخری راوی جو کہ یہ واقعہ ذکر کرتا ہے امام ذہبی نے:۶/۲۴، میں اور ابن حجر نے: تہذیب التہذیب:۱۰/۴۱، میں لکھا ہے کہ یہ تابعی تھا۔مذکورہ سند میں ہم دیکھتے ہیں کہ یعقوب بن عتبہ تابعی ہے امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء:۶/۱۲۴، ابن حجر نے تہذیب التہذیب:۹/۴۱۰، میں اور امام مزی نے: تہذیب الکمال:۳۲/۳۵۰، میں اس کے احوال نقل کیے ہیں، جس میں لکھتا ہے کہ اس نے سائب بن یزیدؓ کو دیکھا ہے اور ۱۲۸ھجری میں وفات ہوا ہے جبکہ ابوسفیانؓ بیس ۲۰، ہجری میں وفات ہوا ہے۔(سیر اعلام النبلا:۱/۲۰۵۔ تو یہ روایت منقطع ہے۔

یہی واقعہ ابن ہشام نے السیرۃ النبویۃ:۴/۱۹۵، میں نقل کیا ہے بغیر سند کے۔فرمایا ہے: قال ابن اسحٰق

فلما فرغوا الخ ۔اوراسی طرح ایک واقعہ طبقات ابن سعد:۲/۳۳۱، میں ذکر ہے فرماتا ہے:قالوا بعث رسول اللہ ﷺ علی ابن ابی طالبؓ فی خمسین ومائة رجل من الانصارعلی مائة بعیر وخمیسن فرساومعه رایة سوداء ولواء ابیض الی الفلس لیهدمه فشنو الغارة علی محلةآل حاتم مع الفجرفهدموا الفلس وخربوه وملاؤاایدیهم من السبی و النعم و الشاء وفی السبی اخت عدی بن حاتم وهرب عدی الی الشام ووجدفی خزانة الفلس ثلاثة اسیاف رشوب و المحذم وسیف یقال له الیمانی وثلاثة ادراع واستعمل رسول اللہ ﷺعلی السبی اباقتادة واستعمل علی الماشیة و الرثة عبداللہبن عتیک فلمانزلوارکک اقتسموا الغنائم وعزل للنبی ﷺ صفیارسوبا و المحذم ثم صارله بعد السیف الاخروعزل الخمس وعزل آل حاتم، فلم یقسمهم حتی قدم بهم المدینة۔

انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے علیؓ کو بمعہ ۱۵۰، سپاہیوں کے بھیجا، اور علیؓ کے ساتھ ایک بڑا کالا جھنڈا، جبکہ سفید چھوٹا جھنڈا بھی تھا، تاکہ فلس معبود کو توڑ ڈالے۔انہوں نے صبح کے وقت حاتم طائی کے قبیلہ پرحملہ کیا اور فلس معبود کو نیست ونابود کردیا۔جبکہ مال غنیمت میں جانور، بکریاں حاصل کیں اور لوگوں کو قیدی بنایا، اوران قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی جبکہ بیٹا شام (دمشق) کو فرار ہوا، اوراس معبود کے خزانہ میں تین تلواریں تھیں، جس میں سے ایک کا نام رسوف، یعنی بہت تیز دھاروالی اور دوسرے کا نام مخذم، یعنی کٹائی کرنے والا، اور تیسرے کو یمانی کہا جاتا تھا اور تین زرے بھی تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان قیدیوں کا انتظام ابوقتادہ کے حوالے کیا۔اور جانوروں ودیگر اشیاء کو عبداللہ بن عتیک کے سپرد کیا۔جب رکک کے مقام پر پہنچے، تو مال غنیمت کو تقسیم کیا اور رسول اللہ ﷺ کے حصے میں تینوں تلواریں آگئیں جبکہ انہوں نے اس کے ساتھ خمس بھی الگ کیا اور حاتم طائی کے قبیلے والوں کو بغیر تقسیم مدینہ لے آئے۔

ان دونوں واقعات سے بعض علماء استدلال کرتے ہیں کہ نذر لغیر اللہ کا جو مال ہے اس کا استعمال جائز ہے لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ یہ دونوں مستدل ضعیف ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ابن سعد نے یہ واقعہ بلفظ قالو انقل کیا ہے نزدیک صفحات پر قائلین تو معلوم نہیں البتہ جزء ثانی کے اول میں کچھ روات نقل کئے ہیں غالب یہ ہے کہ ضمیر ان کو راجع ہوگا جس میں، پہلا محمد بن عمر بن واقد الاسلمی ہے یعنی واقدی جو مشہور کذاب ہے۔دوسرا راوی رویم بن یزید المقری ہے جو کہ مجہول ہے۔امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء:۱۴/۲۳۵، میں لکھا ہے کہ:کان فی ایام المامون اور یہ ہارون بن ابی عیسی سے نقل کرتا ہے جس کے متعلق ابن حجر تہذیب التہذیب

:۹/۱۱، میں لکھتا ہے: کہ یہ ضعیف راوی ہے۔تیسرا راوی حسین بن محمد ہے جو کہ مجہول ہے، اور ابو معشر سے نقل کرتا ہے امام ذہبی نے سیر:۷/۴۳۳، میں اس کے متعلق منکر الحدیث لکھا ہے۔چوتھا راوی اسماعیل بن عبداللہ ہے ابن حجر تہذیب التہذیب:۱/۳۲۱، میں اس کے متعلق تفصیل سے لکھتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ متکلم فیہ ہے، اس کا استاد اسمٰعیل بن ابراہیم ہے جو کہ ثقہ ہے تہذیب التہذیب:۱/۲۸۹۔اور اس کا استاد موسیٰ بن عقبہ ہے وہ تو ثقہ ہے لیکن یہ چوتھا تابعی تھا۔تاریخ ابن ابی خیثمہ:۳/۲/۳۱۴، میں اس کا قول نقل کرتا ہے کہ **قال موسی فلم اسمع احدایقول قال النبی ﷺ الام خالد** یعنی ام خالد کے علاوہ کسی صحابی سے اس کی روایت نقل کرنا صحیح نہیں ہے۔اس سند کے بعد ابن سعد لکھتا ہے **دخل حدیث بعضهم فی حدیث بعض** ۔یعنی یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ روایت کس کی ہے؟ اور سند متصل بھی نہیں بلکہ منقطع اور مرسل ہے جو کہ اقسام ضعیف میں سے ہے۔

بعض علماء نے ان واقعات کی تصحیح کی ہے، لیکن یہ تصحیح باعتبار سیرت ہے نہ کہ باعتبار احادیث، جبکہ دونوں میں فرق واضح ہے۔جیسا کہ سیر اعلام النبلاء:۷/۴۰، میں امام ذہبی نے محمد بن اسحاق کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

قلت لسنا ندعی فی ائمة الجرح و التعدیل، العصمة من الغلط النادر،ولامن الکلام بنفس حادٍّفیمن بینهم وبینه شحناء واحنة، وقدعلم ان کثیرامن کلام الاقران بعضهم فی بعض مهدرلاعبرة به ولاسیمااذاوثّق الرجل جماعة یلوح علی قولهم الانصاف،وهذان الرجلان کل منهماقدنال من صاحبه، لکن اثّر کلام مالک فی محمدبعض اللین ولم یؤثر کلام محمدفیه، ولاذرة ،وارتفع مالک وصار کالنجم ،والاخرفله ارتفاع بحسبه ،ولاسیمافی السیر،وامافی احادیث الاحکام فینحط حدیثه فیهاعن رتبة الصحة الی رتبة الحسن.الافیماشذفیه فانه یعدمنکرا،هذا الذی عندی فی حاله "واللہ اعلم"۔

اس لئے ان علماء کی تصحیح پر بعض کو غلطی ہوئی اور اس سے استدلال کرنے لگے، جبکہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مذکورہ واقعات میں یہ تصریح نہیں ہے، کہ یہ مال ان معبودوں کے نام نذر کیا گیا تھا، یہ احتمال ہے کہ ان لوگوں نے مرمت کے لئے جمع کئے ہونگے،ہم یہ جواب بھی کرتے ہیں کہ حربی کافروں کا ہر قسم مال حاصل ہوجائے تو اس کا حکم مال غنیمت کا ہوتا ہے۔جبکہ دوسرے واقعہ میں یہ تصریح موجود ہے۔اس بحث کے آخیر میں ایک روایت سائب بن ابی السائب کی نقل کرتے ہیں جس کو طبرانی نے:۷/۱۳۹، میں اور دارمی نے:۱/رقم ۳، پر اور مسند احمد نے:۳/۴۲۵، میں نقل کیا ہے، اس میں یہ صحابی (سائب بن عبداللہ) بتلاتے ہیں کہ نذر لغیر اللہ مشرکانہ عمل ہے۔=

وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا أُوْلٰئِكَ مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ إِلَّا النَّارَ

چھپاتے اور اُن کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ اُن کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور اُن کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے

أُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور بخشش چھوڑ کر عذاب خریدا یہ (آتشِ) جہنم کی

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ

کیسی برداشت کرنے والے ہیں ۔یہ اس لئے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی

وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتَابِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ لَيْسَ

اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں (آ کر نیکی سے) دُور (ہو گئے) ہیں۔نیکی یہی نہیں

= فرماتا ہے کہ:بعث معی اهلی قدح لبن وزبد الی الهتهم فذهبت به فلقدخفت ان اکل منه شيئا،ووضعته اذجاء کلب فشرب اللبن واکل الزبدوبال علی الصنم.وهواساف ونائلة ۔یعنی مجھے اپنے گھر والوں نے کچھ مکھن اور دودھ دیکر کہا:کہ یہ معبود کو دیکر آنا میں یہ لے کر گیا اور ڈر کی وجہ سے کچھ بھی اس سے نہ کھایا۔جب میں نے یہ چیزیں اپنے معبود کے قریب رکھ دیں تو ایک کتے نے آ کر وہ کھا لی۔اور پھر معبود پر چڑھ کر پیشاب کیا۔

اور انسؓ سے ایک روایت مشہور ہیں کہ: لاعقرفی الاسلام، وکانوا یعقرون الابل علی قبور الموتیٰ ، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:اسلام میں عقر نہیں ہے،عبدالرزاق نے کہا جاہلیت میں لوگ قبروں کے پاس جا کر اونٹ یا بکری کو ذبحہ کرتے تھے،اسی کو عقر کہتے ہیں،اسلام میں اس کی ممانعت ہوئی ہے۔مسند الفردوس:۳۲۵/۵ ابوداؤد:۱۶۶/۳،اس بحث کا اختتام مندرجہ بالا حدیث پر ہوا۔

الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ

کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ

مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ

اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور(اللہ کی) کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں

وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِينَ

اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں

وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ

اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں

وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَآءِ

اور جب عہد کر لیں تو اُس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں

وَالضَّرَّآءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولٰئِكَ هُمُ

اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں

الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾ يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى

جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں اے مومنو! تمہیں مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے

الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثٰى بِالْأُنْثٰى

(اس طرح پر کہ) آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ

اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے پیروی کرنا

وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ

اور (قاتل) کو خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ یہ رب کی طرف سے تمہارے لئے آسانی او رمہربانی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ

جو اس کے بعد زیادتی کرے اُس کیلیئے دردناک عذاب ہے۔ اور اے اہل عقل!

فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ

(حکمِ) قصاص میں (تمہاری) زندگانی ہے کہ تم (قتل وخونریزی سے) بچو۔ تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے

إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

کسی کو موت کا وقت آ جائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کیلیئے دستور کے مطابق وصیت کر جائے

بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَن بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ

(اللہ سے) ڈرنے والوں پر یہ ایک حق ہے۔ جو شخص وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالے تو اس (کے بدلنے) کا گناہ انہیں

عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ

لوگوں پر ہے جو اُس کو بدلیں اور بیشک اللہ تعالیٰ سنتا (اور) جانتا ہے اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے

جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ

(کسی وارث کی) طرفداری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو تو اگر وہ (وصیت کو بدل کر) وارثوں میں صلح کرا دے تو اُس پر کچھ گناہ نہیں

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۸۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

ہے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) رحم والا ہے۔ اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾

جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

أَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُم مَّرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

(روزوں کے دن) گنتی کے چند روز ہیں تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کر لے

مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ

اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں [۴۴] (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں

---

[۴۴] اس ایت میں اللہ پاک نے مومنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تم روزہ رکھا کرو، یعنی کھانے پینے جماع کرنے سے خالص اللہ کی نیت سے رک جاؤ، اس میں پاکی وپاکیزگی ہے، جی کی اخلاط ردیہ واخلاق رزیلہ سے یہ روزہ کچھ تمہیں پر انوکھا فرض نہیں ہوا ہے، جو امتیں تم میں سے پہلے تھیں ان پر بھی فرض تھا، تم کو اس نیک کام میں ان کی پیروی کرنا چاہیے، بلکہ اس فرض کے ادا کرنے میں تم انکی نسبت زیادہ کشش وکوشش رکھو: كما قال تعالى: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰئكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾ الاية (مائدہ: ۴۸)۔

اور یہاں جو کہا "لعلكم تتقون" اسلئے کہ روزے میں بدن کا پاک کرنا شیطان کے راستوں کو بند کرنا ہے، اسی لئے صحیحین میں آیا ہے، اے گروہ جوانوں کے، جو کوئی تم میں بیاہ کر سکے وہ کریں، جو نہ کر سکے، وہ روزہ رکھے، یہ روزہ اس کے لئے خصی ہونا ہے، پھر یہ فرمایا کہ روزہ کچھ ہر دن مقرر نہیں ہے۔ کہ جی پر شاق گذرے یا اس کے ادا کرنے بجالانے میں ضعف پیدا ہو، بلکہ کئی دن ہیں گنتی کے۔ شروع اسلام میں ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھتے تھے پھر صوم رمضان سے وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ معاذؓ وابن مسعودؓ وابن عباسؓ وعطاءؒ وقتادہؒ ضحاکؒ نے کہا ہے، کہ زمانہ نوح علیہ السلام سے ابتک یہی دستور تھا کہ ہر مہینے میں تین روزے ہوتے، اللہ نے وہ حکم روزہ رمضان سے اٹھا دیا، مگر حسن بصری نے کہا ہے: واللہ ہر امت گذشتہ پر یہی ایک ماہ کامل کے روزے فرض تھے، جس طرح ہم پر فرض ہیں۔

"ايام معدودات" سے مراد عدد معلوم ہے، ابن عمرؓ سے مرفوعا آیا ہے، رمضان کا روزہ اللہ نے اگلے امتوں پر فرض کیا تھا، الحدیث بطولہ، رواہ ابن ابی حاتم۔ یہ بھی ابن عمرؓ نے کہا ہے کہ اگلی امتوں پر یہ فرض تھا، کہ جب نماز شب پڑھ کر سو رہیں تو ان پر کھانا پینا عورتوں سے ملنا ائندہ شب تک حرام ہو جاتا۔ یہی قول ہے ایک جماعت صحابہ وتابعین کا۔ ابن

عباسؓ نے کہا ہے مراد اگلوں سے اس جگہ اہل کتاب ہے، یہی بات شعبی وسدی وعطاء خراسانی سے بھی مروی ہے، پھر اللہ نے ابتداء اسلام کا ذکر کیا، کہ اس زمانے میں مرض وسفر میں قضاء کرنا درست تھا، مقیم صحیح جس کو طاقت تھی اس کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے روزہ رکھے چاہے افطار کرے۔ افطار کے بدلے ایک فقیر کو ہر روز کھانا کھلا دیا کرے، یا ایک سے زیادہ کو۔ اور جو روزہ رکھے تو افضل ہے، یہی قول ہے ابن عباسؓ ومجاہد وطاؤس وغیرہ سلف کا۔

امام احمد نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے کہ نماز، روزے نے تین پلٹے کھائے، جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں آئے تو سترہ مہینے تک نماز طرف بیت المقدس کے پڑھا کئے، پھر اللہ نے حکم کعبے کا دیا، یہ ایک پلٹا ہوا، دوسرا پلٹا یہ تھا کہ جب نماز کے لئے جمع ہوتے، تو ایک دوسرے کو پکارتے، یہاں تک کہ ناقوس بجانے کی ٹھیرتی تھی کہ اتنے میں عبداللہ بن زید نے خواب میں آذان سنی، رسول اللہ ﷺ نے اس کو جاری کیا، اسی طرح کے دوسرے خواب عمر بن خطابؓ نے دیکھے تھے، یہ دو پلٹے ہوئے۔

تیسرا پلٹا یہ تھا کہ جب نماز کو آتے اور رسول اللہ ﷺ بعض رکعات پڑھ چکے ہوتے تو ایک نمازی دوسرے نمازی سے اشارۃ پوچھتا کہ کتنے رکعتیں ہو چکی ہیں؟ وہ کہتا ایک یا دو، اس پر وہ شخص اتنی نماز پڑھ کر پھر جماعت میں داخل ہوتا، معاذؓ آئے انہوں نے کہ نہیں، ہم جس حال پر رسول اللہ ﷺ کو پائینگے وہی کرینگے، پھر جو نماز ہم سے پہلے ہو چکی ہے اس کو پورا کرینگے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا، جناب ﷺ نے فرمایا یہ سنت تمہارے لئے معاذؓ نے نکالی ہے، سو تم ایسا ہی کیا کرو، یہ تین حال ہوئے نماز کے، رہا روزہ سو جب رسول ﷺ مدینے میں آئے تو ہر ماہ میں تین روزے اور ایک روزہ عاشورہ کا رکھتے تھے، پھر اللہ نے یہ ایت اتاری، اس پر یہ ٹھیری کہ جس کا جی چاہے وہ روزے رکھے، جو نہ رکھے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، اس کے بعد ایت ائندہ: ﴿شهر رمضان الذی﴾ الایۃ آئی فليصمه تک، اس پر ہر مقیم وصحیح پر ایک ماہ کا صوم ثابت ہوا، مریض ومسافر کو رخصت ملی، بوڑھے کو جسے طاقت روزہ رکھنے کی نہیں ہے کھانا دینا ٹھیرا، یہ دو پلٹے ہوئے، تیسرا پلٹہ یہ تھا کہ جب تک رات کو نہ سوتے تب تک کھاتے پیتے عورتوں کے پاس جاتے جب سو گئے تو رک جاتے، ایک شخص انصاری صرمہ نام روزے رکھتا، مزدوری کرتا رات کو گھر آیا نماز عشا پڑھکر سو گیا، نہ کچھ کھایا نہ پیا، صبح کو روزہ دار اٹھا، جناب ﷺ نے اسکو سخت تکلیف میں دیکھ کر حال پوچھا، اس نے یہ قصہ حال بتلایا، ادھر تو یہ ہوا، ادھر عمرؓ بعد سو جانے کے جماع کر بیٹھے، پھر جناب ﷺ سے حال کہا، اس پر یہ ایت اتری: اس حدیث کو ابوداؤد نے سنن (کتاب الصلاۃ) میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔

صحیحین میں عائشہ سے نقل ہے، کہ عاشورے کا روزہ مقرر تھا، جب رمضان فرض ہوا، تو اب جسکا جی چاہتا وہ رکھتا اور جسکا جی نہ چاہتا وہ نہ رکھتا، اس کو بخاری نے ابن عمرؓ وابن مسعودؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

معاذؓ نے کہا ابتداء امر میں جو کوئی چاہتا روزہ رکھتا، نہ رکھتا تو ہر روز ایک مسکین کو کھلا دیتا، بخاری نے سلمہ بن الاکوعؓ سے اتنا اور زیادہ روایت کیا ہے کہ پھر ایت مابعد اتری، اس نے اس حکم منسوخ کر دیا۔ ابن عمرؓ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اسی طرح عبداللہ نے بھی کہا ہے کہ ایت ﴿ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ﴾ اس کی ناسخ ہے، ہاں بخاری میں ابن عباسؓ سے ایا ہے کہ یہ ایت منسوخ نہیں ہے، بلکہ بوڑھے مرد وعورت کے لئے، جن کو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، وہ ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، یہ روایت ابن عباسؓ سے کئی طریق سے آئی ہے، ابن ابی لیلی کہتے ہیں میں عطا کے پاس گیا رمضان میں، اور وہ کہہ رہے تھے، کہ مجھے کہا ابن عباسؓ نے، یہ ایت اتری اس نے پہلی ایت کو منسوخ کر دیا مگر کبیر فانی اگر چاہے تو ہر روز ایک مسکین کو کھلا دے، خود افطار کریں، ابن کثیر نے کہا حاصل امر یہ ہوا کہ نسخ حق میں صحیح مقیم کے ثابت ہے، روزہ رکھنا اس پر واجب ہے لقولہ تعالیٰ: فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ .

رہا شیخ فانی بوڑھا جو روزہ نہیں رکھ سکتا، وہ افطار کرے، اس پر قضا نہیں، اس لئے کہ اس کو ایسا وقت کہاں آویگا کہ وہ اس وقت میں قضا کر سکے، وہ تو روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے، رہی یہ بات کہ جب اس نے افطار کیا تو ہر روز ایک مسکین کا کھلانا اس پر اگر مقدور رکھتا ہے واجب ہے یا نہیں، اس میں علماء کی دو قول ہیں: قول صحیح جس پر اکثر اہل علم ہیں، یہی ہے کہ فدیہ دینا عوض ہر دن کے واجب ہے، جس طرح ابن عباسؓ وغیرہ سلف نے "یطیقونہ" کی تفسیر کیا ہے، ساتھ لفظ "یتجشمونہ" کے یہی قول ابن مسعودؓ کا ہے، اسی کو بخاری نے بھی اختیار کیا ہے لفظ بخاری کا یہ ہے کہ جو شیخ کبیر طاقت صوم نہ رکھتا ہو، وہ کھانا کھلا دے۔

انسؓ نے جب بوڑھے ہو گئے ایک یا دو سال تک ہر دن ایک مسکین کو گوشت روٹی کھلائی، اور خود افطار کیا، یہ بات جس پر بخاری ہیں، اس کو حافظ ابو یعلی موصلی نے مسند کیا ہے یعنی ایوب بن ابی تمیمہ نے کہا ضعیف ہو گئے انسؓ روزے رکھنے سے، ایک بڑا طباق ثرید کا تیار کر کے تیس مسکین کو بلا کر کھلا دیا، یہ روایت انسؓ کی کئی طریق سے آئی ہے، اسی حکم میں حامل ومرضع کو بھی رکھا ہے، جب ان کو اپنی جان یا بچے کی جان کا ڈر ہو تو افطار کرے، فدیہ دیں، قضاء رکھیں، بعض کا قول یہ ہے کہ فقط فدیہ دیں، قضاء نہ رکھیں، بعض نے کہا بلکہ قضا بلا فدیہ واجب ہے۔

روزہ ایک عبادت قدیم ہے جو آدمؑ سے لیکر اس دم تک یکساں فرض رہی، اللہ نے کسی امت کو فرضیت صیام سے

خالی نہ چھوڑا، یہ بات نہیں ہے کہ نرے مسلمانوں ہی پر فرض کیا ہو، ہاں یہ اور بات ہے کہ قدر ووقت صوم میں اختلاف ہو۔ اہل کتاب پر تو یہی رمضان کا روزہ فرض تھا، مگر انہوں نے بدل ڈالا وغفل بن حنظلہؓ مرفوعا کہتے ہیں کہ نصاری پر صوم رمضان فرض تھا، اتفاقا انکا بادشاہ بیمار ہوا، انہوں نے کہا اگر اللہ اس کو شفا دیگا تو ہم دس روزے زیادہ رکھا کریں گے، پھر دوسرا شخص بادشاہ ہوا اس نے گوشت کو کھایا منہ دکھنے لگا، اس نے کہا اگر مجھکو شفا ہوگئی تو سات روزے اور رکھوں گا، پھر تیسرا بادشاہ ہوا، اس نے کہا ان تین دن کو بھی پورا کرنا چاہے، ہم ربیع میں روزہ رکھیں گے، سوایسا ہی کیا، پچاس روزے ہو گئے۔

بیمار کو اگر طاقت صوم نہیں ہے تو افطار عزیمت ہوگا اور جو ہے مگر مشکل کے ساتھ تو رخصت ہے، جمہور کا یہی قول ہے، جمہور کہتے ہیں جو سفر مبیح افطار ہے، وہ بقدر مسافت قصر صلوٰۃ ہوتا ہے، قدر مسافت میں جو اختلاف ہے، وہ معروف ہے، پھر بعض نے ایسے مقادیر بیان کئے ہیں، جن پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی، حق یہ ہے کہ جس پر مسمی سفر صادق آتا ہے وہی مبیح افطار ہے، اسی طرح جس پر مسمی مرض صادق آوے، اس میں افطار کرے۔

سفر طاعت میں افطار کرنے پر تو اجماع ہے، لکن سفر مباح میں اختلاف ہے، حق یہ ہے کہ سفر مباح میں بھی رخصت فطر ثابت ہے، سفر معصیت مختلف فیہ ہے۔

لفظ "یطیقونہ" کو مخفف ومشدد دونوں طرح پڑھا ہے، مخفف کے بنیاد پر آیت منسوخ ہے، تشدید واو کی بنیاد پر محکم ہے، تشدید کے معنی تکلیف ومشقت کے ہوتے ہیں، اگر ہمزہ باب افعال کا اس جگہ واسطے سلب کے ٹھیرایا جاوے، تو بھی ہوسکتا ہے، اس صورت میں حاجت تقدیر کرنے صرف لائے نفی کی بھی نہوگی، ایت بھی محکم رہے گی، ورنہ منسوخ ٹھیریگی، فدیے کے مقدار میں اختلاف ہے، کسی نے کہا گیہوں ہر دن نصف صاع، غیر گندم ایک صاع۔ بعض نے کہا فقط ایک مد، غالب قوت بلد سے دے، ابن عباسؓ نے کہا ہر مسکین کو صبح وشام کا کھانا دے، اپنی ام ولد سے کہا تو انہیں کے حکم میں ہے، جن کو طاقت روزہ رکھنے کی نہیں ہے، تو کھانا دے روزہ نہ رکھ، وہ حاملہ تھی یا مرضعہ۔ ابن عمرؓ کی ایک بیٹی نے سوال کیا کہ میں روزہ رمضان کا رکھوں، وہ حاملہ تھی، کہا افطار کر، ہر دن ایک مسکین کو کھلا، اسی طرح ایک جماعت تابعین سے مروی ہے، عرضیکہ حامل ومرضع وشیخ فانی وشیخہ فانیہ فدیہ دیکر افطار بلا قضا کر سکتے ہیں، اسی طرح سفر مرض، حیض نفاس، عذر فطر ہے لکن ان پر قضا واجب ہے نہ کہ فدیہ۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ

اور جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو اُس کے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے

﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ

(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اوّل اوّل) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے

وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ

اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔ تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو

فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

تو چاہیئے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) ان کا شمار پورا کر لے

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ

اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا اور (یہ آسانی کا حکم) اس لئے (دیا گیا ہے) کہ تم روزوں کا شمار پورا کر لو

وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

اور اُس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تمہیں ہدایت بخشی ہے تم اُس کو بزرگی سے یاد کرو اور اُس کا شکر ادا کیا کرو

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ

اور (اے پیغمبر ﷺ!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي

جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیئے کہ میرے احکام کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ

تاکہ نیک رستہ پائیں ۔ روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے

نِسَآئِكُمْ ط هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُوْنَ

وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم اُن کی پوشاک ہو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم (اُن کے پاس جانے سے) اپنے حق میں خیانت

أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوْهُنَّ

کرتے تھے پس اُس نے تم پر مہربانی کی اور تمہاری حرکات سے درگزر فرمایا اب (تمہیں اختیار ہے کہ) اُن سے مباشرت کرو

وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ

اور اللہ نے جو چیز تمہارے لئے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اُس کو (اللہ سے) طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری

الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوْا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ

(رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ

اور جب مسجدوں میں اعتکاف کے واسطے بیٹھے ہو (۴۵) تو اُن سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا۔

فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیز گار بنیں

---

(۴۵) اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں، اور اصطلاح قرآن وسنت میں خاص شرائط کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنے اور قیام کرنے کا نام اعتکاف ہے، لفظ ''في المساجد'' کے عموم سے ثابت ہوا کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہوسکتا ہے، فقہاء کرام نے جو یہ شرط بیان کی ہے کہ اعتکاف صرف اس مسجد میں ہوسکتا ہے جس میں جماعت ہوتی ہو، غیر آباد مسجد جہاں جماعت نہیں ہوتی، اس میں اعتکاف درست نہیں، یہ شرط درحقیقت مسجد کے مفہوم ہی سے مستفاد ہے، کیونکہ مساجد کے بنانے کا اصل مقصد جماعت کی نماز ہے، ورنہ تنہا نماز تو ہر جگہ دُکان مکان وغیرہ میں ہوسکتی ہے۔

فائدہ

اور یہ جوحدیث حذیفہؓ کا ہے جو کہ امام طحاوی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ:۔عن هشام بن عمار قال حدثناسفيان بن عيينة،عن جامع بن ابی راشد،عن ابی وائل قال:قال حذيفةؓ، لعبدالله ؓ،عكوف بين دارک ودارابی موسیؓ لاتغيّر؟ وقدعلمت ان رسول اللهﷺقال:لااعتكاف الافی المساجد الثلاثة ، المسجد الحرام، ومسجد النبیﷺ ، ومسجدبيت المقدس،قال عبداللهؓ لعلک نسيت وحفظوا، واخطأت واصابوا، تو اس کا جواب خودامام طحاوی مشکل الاثار:۷/۲۰۱، میں دیتا ہے کہ:قال ابو جعفرفتأملناهذ ا الحديث فوجدنافيه إخبارحذيفةؓ ،ابن مسعودؓ انه قدعلم ماذكره له عن النبیﷺوترک ابن مسعودؓانكارذلک عليه ،وجوابه اياه بمااجابه به فی ذلک من قوله ”لعلهم حفظوا“نسخ ماقدذكرته فی ذلک، واصابوا فيماقدفعلوا ،وكان ظاهرالقرآن يدل علی ذلک ،وهوقوله عزوجل: ﴿ولاتباشروهن وانتم عاكفون فی المساجد﴾.فعم المساجد كلهابذلک، وكان المسلمون ،عليه من الاعتكاف فی مساجدبلدانهم، امامساجد الجماعات اللتی تقام فيها الجُمُعات، واماهی وماسواهامن المساجد اللتی لهاالائمة و المؤذنون علی ماقاله اهل العلم فی ذلک. والله عزوجل نسأله التوفيق.

اوراس کتاب کا محقق شعیب الارنووط،اس حدیث کی تحقیق میں لکھتا ہے کہ:هشام بن عمار قال فيه ابوحاتم صدوق،لما كبرتغيرحفظه ،وكلمادفع اليه قرأه، وكلمالقّن تلقّن.

ورواه البيهقی :۴/۳۱۶،و الذهبی فی سير اعلام النبلاء:۱۵/۸۱،من طريق محمودبن آدم المروزیؒ (ولم يوثقه غير ابن حبان).حدثناسفيان بن عيينه بهذا الاسناد،ولفظه: وقدعلمت ان رسول اللهﷺ قال:لااعتكاف الافی المسجد الحرام ،اوقال، الافی المساجد الثلاثة ،وقال عبداللهؓ: لعلک نسيت وحفظوا،اواخطأت واصابوا،الشک

منی.وقول الذهبی باثره ،صحیح غریب عال، یرید بالغرابة غرابة متنه، ورواه الاسماعیلی فی معجمه : ۳۳۶، ۱۲۱ ۷،من طریق محمدبن الفرج (وهوصدوق) عن سفیان بن عیینةبه ،(ولکن فیه عباس بن احمد الوشاء، وهومجهول الحال)فهؤلاء الثلاثة هشام بن عماروممحمود بن آدم ومحمدبن الفرج رفعوا الحدیث، وقدخالفهم من هواوثق منهم، فرواه علی الشک سعید بن منصورفی سننه، فیمانقله عنه ابن حزم فی المحلی: ۱۹۵/۵ ،حدثناسفیان بن عیینه عن جامع بن ابی راشدعن شقیق بن سلمة قال، قال:حذیفةؓ لعبدالله بن مسعودؓ قدعلمت ان رسول اللهﷺ قال:لااعتکاف الافی المساجد الثلاثة،اوقال مسجدجماعة،(وکذافی الغیلانیات: ۲۷۹)قال ابن حزم هذاشک من حذیفةؓ اوممن هودونه،ولایقطع علی رسول الله ﷺ بشک ،ولوانه علیه السلام قال:لا اعتکاف الافی المساجد الثلاثة ،لحفظه الله علیه ،ولم یدخل فیه شکا،فصح یقینانه علیه السلام لم یقله قط .

ورواه موقوفاعلی حذیفةؓ، عبد الرزاق: ۸۰۱۶،ومن طریقه الطبرانی فی الکبیر: ۹۵۱۱ ،عن سفیان بن عیینه بهذا الاسناد،و رواه عبد الرزاق: ۸۰۱۴،ومن طریقه الطبرانی: ۹۵۱۰ ،وابن ابی شیبة :۹۱/۳ ،عن سفیان الثوری عن واصل الاحدب عن ابراهیم النخعی ،قال جاء حذیفةؓ الی عبداللهؓ،فقال الااعجبک من ناس عکوف بین دارک وبین دار الاشعریؓ،؟ قال عبداللهؓ، فلعلهم اصابوا واخطأت ،فقال حذیفةؓ ماابالی ،أفیه اعتکف اوفی بیوتکم هذه ؟،انماالاعتکاف فی هذه المساجد الثلاثة، مسجد الحرام،ومسجد المدینة و المسجد الاقصی،وکان الذین اعتکفوافعاب علیهم حذیفةؓ فی مسجد الکوفة الاکبر ،وهذااسندرجاله ثقات، رجال الشیخین،ولایضره ان ابراهیم النخعی ارسله عن حذیفةؓ وعبداللهؓ،فقدثبت عنه ،کمافی تهذیب الکمال انه قال:اذاحدثتکم عن عبداللهؓ،فهو الذی سمعت ،واذاقلت قال عبداللهؓ،فهوعن غیرواحد عن عبداللهؓ، قال الحافظ ابن رجب فی شرح

العلل: ١/٢٩٣،٢٩٥،وهذايقتضى ترجيح المرسل على المسندلكن عن النخعى خاصة فيماارسله عن ابن مسعودؓ خاصة. قلت وهذا الحديث منها،فرواية من رواه على الشک، ورواية من وقفه على حذيفةؓ، اصح واقوى واثبت .ورواه الطبرانى : ٩٥٠٩،عن على بن عبد العزيز البغوى ،حدثناحجاج بن منهال ،حدثناابوعوانه،عن مغيره،عن ابراهيم ان حذيفةؓ قال لابن مسعودؓ الاتعجب من قوم بين دارک ودار ابى موسىؓ يزعمون انهم معتكفون قال فلعلهم اصابوا واخطأت، اوحفظوا ونسيت، قال امااناا فقدعلمت انه لااعتكاف الافى مسجدجماعة.

وقال امام البخارى فى صحيحه فى اول كتاب الاعتكاف:٤/٢٧١، بشرح الفتح باب الاعتكاف فى العشر الاواخروالاعتكاف فى المساجدكلها لقوله تعالى:"ولاتباشروهن وانتم عاكفون فى المساجد"قال الامام العينى فى عمدة القارى : ١١/١٤١،قيدالاعتكاف بالمساجد، لانه لايصح فى غير المساجدوجمع المساجدواكثرهابلفظ كلهااشارة الى ان الاعتكاف لايختص فى مسجددون مسجدوفيه خلاف.فقال حذيفةؓ لااعتكاف الا فى المساجد الثلاثة، مسجدمكة، ومدينة ،والاقصى،وقال سعيدبن المسيب، لااعتكاف الافى مسجد نبى، وفى الصوم لابن ابى عاصم باسناده الى حذيفةؓ لااعتكاف الافى مسجدرسول الله.

وذهبت طائفة الى انه لايصح الاعتكاف الافى مسجدتقام فيه الجمعة، روى ذلک عن علىؓ وابن مسعودؓ وعروة وعطاء و الحسن و الزهرى،وهوقول مالک فى المدونة ،قال امامن تلزمه الجمعة فلايعتكف الافى الجامع،وقالت طائفة، الاعتكاف يصح فى كل مسجد،روى ذلک عن النخعى وابى سلمة و الشعبى،وهوقول ابى حنيفة و الثورى و الشافعى فى الجديد،واحمد واسحاق وابى ثور وداود، وهوقول مالک فى المؤطاء ، وهوقول الجمهور،و البخارى ايضا،حيث استدل بعموم الاية ،فى سائر المساجدقال صاحب الهداية الاعتكاف لايصح الافى مسجد الجماعة ،وعندابى حنيفة انه لايصح الافى مسجد

یصلی فیه الصلوات الخمس .و قال الزهری و الحکم وحماد،هومخصوص بالمساجد اللتی یجمع فیها، وفی الذخیرۃ للمالکیة قال مالک ،یعتکف فی المسجدسواء اقیم فیه الجماعة ام لا.وفی المنتقی:عن ابی یوسف، الاعتکاف الواجب لایجوزاداءہ فی غیرمسجد الجماعة، و النفل یجوزادائه فی غیرمسجد الجماعة .وفی الینابیع،لایجوزالاعتکاف الواجب الافی مسجدله امام ومؤذن معلوم، ویصلی فیه خمس صلوات .

ورواہ الحسن عن ابی حنیفةؒ، وروی عبد الرزاق فی المصنف : ۸۰۰۹،عن الثوری عن جابر الجعفی ،عن سعدبن عبیدۃ ،عن ابی عبد الرحمٰن السلمی،عن علی بن ابی طالبؓ قال لا اعتکاف الافی مسجدجماعة ،ورواہ ابن ابی شیبة:۳/ ۹۱ ،عن وکیع عن سفیان،عن ابی اسحاق،عن الحارث الاعور،عن علیؓ ،وعن جابر الجعفی عن سعدبن عبیدۃ عن ابی عبد الرحمٰن،عن علیؓ .قلت و الحارث الاعور وجابر الجعفی ضعیفان.وروی عبد الرزاق :۸۰۱۰،عن معمر،عن رجل ،عن الحسن،وعن هشام بن عروۃ ،عن ابیه،قال لااعتکاف الافی مسجدجماعة. و السند الثانی صحیح علی شرطهما.وروی ابوداود:۲۴۷۳،عن وهب بن بقیة اخبرناخالدعن عبدا لرحمٰن بن اسحاق ،عن الزهری عن عروۃ ،عن عائشةؓ انهاقالت، السنة علی المعتکف الایعودمریضا، ولایشهدجنازۃ، ولایمس امرأۃ، ولایباشرها،ولایخرج لحاجة الالمالابدمنه، ولااعتکاف الابصوم،ولااعتکاف الافی مسجدجامع ،وهذاسندقوی، رجاله ثقات ،رجال الصحیح، غیرعبد الرحمٰن بن اسحاق ، فقدروی له مسلم فی الشواهد و البخاری فی ادب المفرد،واصحاب السنن ، وهوصدوق،وجَانَبَ الثواب من قال انه علی شرط مسلم. ورواہ البیهقی:۳۱۵/۴،من طریق عبیدبن شریک ،حدثنایحی بن بکیر حدثناالیث،عن عقیم عن ابن شهاب عن عروۃ بن زبیر،وفیه، و السنة فی المعتکف الایخرج الاللحاجة اللتی لابدمنها،ولایعودمریضا،ولایمس امرأۃ ،ولایباشرها،ولااعتکاف الافی

مسجد جماعة،و السنة فيمن اعتكف ان يصوم.ورواه الدارقطني:٢/ ٢٠١،و البيهقي ،عن عبد الملک بن جريج ،عن محمدبن شهاب عن سعيدبن مسيب ،وعروة بن زبير،عن عائشةؓ انها اخبرتهما ان رسول اللهﷺ كان يعتكف العشر الاواخر،في شهررمضان حتى توفاه الله،ثم اعتكفن ازواجه من بعده،وان السنة للمعتكف ان لايخرج الالحاجة الانسان ،ولايتبع جنازة ،ولايعود مريضا،ولايمس امرأة ولايباشرها،ولا اعتكاف الافي مسجدجماعة ويأمرمن اعتكف ان يصوم .يعني، سفیان بن عیینہ نے ایک حدیث،عن جامع بن ابی راشدعن ابی وائل قال حذيفةؓ ان رسول اللهﷺ قال لااعتكاف الافي المساجد الثلاثة ، المسجد الحرام، ومسجد النبیﷺ، ومسجدبیت المقدس ،بیان کی ہے،جس کا مفہوم درج ذیل ہے۔رسول اللہﷺ نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ اعتکاف نہیں ہوتا،مسجد حرام،مسجد النبیﷺ،اورمسجد اقصیٰ (بیت المقدس)۔(شرح مشکل الاثارللطحاوی: ٧/ ٢٠١ ح ٢٧٧١، السنن الکبری للبیھقی: ٤/ ٣١٦، سیر اعلام النبلاء للذهبی: ١٥/ ٨١،وقال الذهبی صحیح غریب عال، معجم الاسماعیلی: ٣٢٦،سفیان بن عیینہ سے اسے تین راویوں:محمود بن آدم المروزی، ہشام بن عمار اورمحمد بن الفرج نے روایت کیا ہے۔اور یہ سب صدوق (سچے) راوی تھے۔جامع بن ابی راشدثقہ فاضل تھے۔تقریب التہذیب ٨٨٧،وھو من رجال الستة ۔ابووائل شقیق بن سلمہ ثقہ تھے۔تقریب التہذیب: ٢٨١٦،وھو من رجال الستة ومن المخضرمین)۔یہ روایت سفیان بن عیینہ کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔امام بخاری نے عنوان لکھا ہے کہ:باب الاعتكاف في العشر الاواخر(كتاب الصوم). والاعتكاف في المساجد كلها،لقوله تعالى :﴿ولاتباشروهن وانتم عاكفون في المساجد﴾ الاية ،یعنی باب ہے رمضان کے اخیر میں اعتکاف کرنا،اوراعتکاف ہر مسجد میں درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا الایۃ ۔اوریہی قول وعلت امام مالک نے مؤطاء میں ذکرکیا ہے۔اس تفصیل سے ان لوگوں کا یہ وہم دفع ہوا جن کا قول تھا کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کہیں بھی اعتکاف کرنا صحیح نہیں۔

وَلَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤاور نہ اُس کو (رشوۃً) حاکموں کے پاس پہنچاؤ

لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾

تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو ۔

يَسْأَلُوْنَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ

(اے محمد ﷺ!) لوگ تم سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہہ دو کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی میعادیں)

وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا

اورحج کے وقت معلوم ہونے کا ذریعہ ہےاورنیکی اس بات میں نہیں کہ(احرام کی حالت میں) گھروں میں اُن کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

بلکہ نیکوکار وہ ہے جو پرہیز گار ہو۔ اور گھر میں اُن کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ نجات پاؤ

تُفْلِحُوْنَ ﴿١٨٩﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا

ور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ

کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔ اور ان (کافروں) کو جہاں پاؤ قتل کر دو

وَأَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے وہاں سے تم بھی اُن کو نکال دو اور (دین سے گمراہ کرنے کا)

وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقَاتِلُوْكُمْ فِيْهِ

فساد قتل وخونریزی سے کہیں بڑھ کر ہےاور جب تک وہ تم سے مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں اُن سے نہ لڑنا

فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۹۱﴾ فَإِنِ انْتَهَوْا

ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم اُن کو قتل کر ڈالو۔ کافروں کی یہی سزا ہے ۔ اور اگر وہ باز آ جائیں

فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے ۔ اور اُن سے اُس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے

وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظّٰلِمِينَ ﴿۱۹۳﴾

اور (ملک میں) اللہ ہی کا دین ہو جائے اور اگر وہ (فساد سے) باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیئے)

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى

ادب کا مہینہ ادب کے مہینے کے مقابل ہے اور ادب کی چیزیں ایک دوسرے کا بدلا ہیں۔ پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے

عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا

تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اُس پر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ

أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹۴﴾ وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ

اللہ ڈرنے والوں کیساتھ ہے ۔ اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ

اور نیکی کرو بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۔ اور اللہ (کی خوشنودی) کیلئے حج اور عمرے کو پورا کرو

وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا

اور اگر (راستے میں) روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کر دو) اور جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے

رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهٖ أَذًى

سر نہ منڈاؤ اور اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اُس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو (اگر وہ سر منڈا لے تو)

مِّـنْ رَّأْسِـهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَآ أَمِنتُمْ

اُس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے پھر جب (تکلیف دُور ہو کر) تم مطمئن ہو جاؤ

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

تو جو (تم میں) حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے اور جس کو

فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

(قربانی) نہ ملے وہ تین روزے ایامِ حج میں رکھے اور سات جب واپس ہو۔ یہ پورے دس ہوئے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جس کے اہل و عیال مکہ میں نہ رہتے ہوں اور اللہ سے ڈرتے رہو ۔

وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ

اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔حج کے مہینے (معیّن ہیں جو) معلوم ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں

فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ

حج کی نیت کر لے تو حج (کے دنوں) میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی بُرا کام کرے نہ کسی سے جھگڑے۔

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ

اور جو نیک کام تم کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہو جائے گا۔اور زادِراہ (یعنی رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زادِ

التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

راہ (کا) پرہیز گاری ہے اور اے اہل عقل مجھ سے ڈرتے رہو ۔ اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ

أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَإِذَآ أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ

(حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے رب سے روزی طلب کرو اور جب عرفات سے واپس ہونے لگو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ وَإِنْ

تو مشعر حرام (یعنی مزدلفہ) میں اللہ کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اُس نے تمہیں سکھایا ہے اور اُس سے

كُنتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ أَفِيْضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ

پیشتر تم لوگ (ان طریقوں سے) محض ناواقف تھے۔ پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوں وہیں سے تم بھی واپس ہو۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ

اور اللہ سے بخشش مانگو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔ پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَآءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ

تو (منیٰ میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور بعض لوگ ایسے ہیں

مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر اور ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً

اور بعض ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت عطا فرمانا

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا

اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔ یہی لوگ ہیں جن کیلئے ان کے کاموں کا حصہ (یعنی نیک اجر تیار) ہے

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ أَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ

اور اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والا ہے۔ اور (قیامِ منیٰ کے) دنوں میں (جو) گنتی کے (دن ہیں)

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ

اللہ کو یاد کرو اگر کوئی جلدی کرے (اور) دو ہی دن میں (چل دے) تو اُس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو بعد تک ٹھہرا رہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں

لِمَنِ اتَّقٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور یہ باتیں اُس شخص کیلئے ہیں جو (اللہ سے ڈرے) اور تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم سب اُس کے پاس جمع کئے جاؤ گے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ

اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تمہیں دلکش معلوم ہوتی ہے اور جو اُس کے دل میں ہے اس پر

عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْأَرْضِ

اللہ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے

لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے اور اللہ تعالیٰ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ

اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے خوف کر تو غرور اُس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے سو ایسے کو جہنم سزاوار ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے

﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَؤُوْفٌ

اور کوئی شخص ایسا ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے

بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً

مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ

وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

پھر اگر تم احکام روشن پہنچ جانے کے بعد لڑکھڑا جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب (اور) حکمت والا ہے

﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰئِكَةُ

کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان پر اللہ (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں آ نازل ہو اور فرشتے بھی (اتر آئیں)

وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ

اور کام تمام کر دیا جائے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ (اے محمد ﷺ!) بنی اسرائیل سے پوچھو

كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَّمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَإِنَّ اللّٰهَ

کہ ہم نے اُن کو کتنی کھلی نشانیاں دی اور جو شخص اللہ کی نعمت کو اپنے پاس آنے کے بعد بدل دے تو اللہ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ

سخت عذاب دینے والا ہے۔ اور جو کافر ہیں ان کیلئے دنیا کی زندگی خوشنما کردی گئی ہے اور وہ مومنوں سے تمسخر کرتے ہیں

مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ

لیکن جو پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن اُن پر غالب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ

(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو اللہ نے (اُن کی طرف) بشارت

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

دینے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور اُن پر سچائی کیساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن اُمور میں لوگ اختلاف کرتے تھے اُن کا ان میں فیصلہ کردے

فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

اور اُس میں اختلاف بھی انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجودیکہ اُن کے پاس کھلے ہوئے احکام آ چکے تھے

الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ

(اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امرِ حق میں وہ اختلاف کرتے تھے

بِإِذْنِهٖ وَاللهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

اللہ نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اُس کی راہ دکھا دی اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں)

مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ

تو پیش آئی ہی نہیں اُن کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں) میں ہلا ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ پیغمبر

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

اور مومن لوگ جو اُن کیساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد آنے والی ہے۔ دیکھو اللہ کی مدد عنقریب (آیا چاہتی) ہے

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ

(اے محمد ﷺ!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں؟ کہہ دو کہ

فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

(جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا ہو وہ (درجہ بدرجہ اہلِ استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو

وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

اور مسافروں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا

(مسلمانو) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا اور یقیناً ایک چیز تمہیں بُری لگے

وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللهُ يَعْلَمُ

اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور یقیناً ایک چیز تم کو بھلی لگی اور وہ تمہارے لئے مضر ہو اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ

اورتم نہیں جانتے (اے محمد ﷺ!) لوگ تم سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کے بارے میں دریافت کرتے ہیں

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَّصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

تو کہہ دو کہ اُن میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اُس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ میں جانے)

وَإِخْرَاجُ أَهْلِهٖ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللهِ وَالْفِتْنَةُ

سے (بند کرنا) اور اہلِ مسجد کو اُس میں سے نکال دینا (جو یہ کفار کرتے ہیں) اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی

أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ

خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر طاقت رکھیں تو تمہیں تمہارے دین

إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ

سے پھیر دیں اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر کر (کافر ہو) جائے گا اور کافر ہی مرے گا

فَأُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ

تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں

النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۲۱۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کیلئے (اپنا) وطن چھوڑ گئے اور (کفار سے) جنگ کرتے رہے

فِي سَبِيلِ اللهِ أُولٰٓئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللهِ وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) رحمت کرنے والا ہے۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ

(اے پیغمبر) لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں تو کہہ دو کہ اُن میں نقصان بڑا ہے

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْئَلُوْنَكَ

اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی ہیں مگر اُن کے نقصانات فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں

مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

کہ (اللہ کی راہ میں) کونسا مال خرچ کریں تو کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى

تاکہ تم سوچو۔ (یعنی) دنیا اور آخرت (کی باتوں) میں (غور کرو) اور تم سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں

قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَّإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ

تو کہہ دو کہ اُن کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم اُن سے مل جل کر رہنا (یعنی خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَأَعْنَتَكُمْ

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں تکلیف میں ڈال دیتا

إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ

بیشک اللہ تعالیٰ غالب (اور) حکمت والا ہے۔ اور (مومنو) مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں

وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ

(اُن سے) نکاح نہ کرنا کیونکہ مشرک عورت خواہ تمہیں کیسی ہی بھلی لگے اُس سے مومن لونڈی بہتر ہے

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا

اور (اسی طرح) مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو اُن کی زوجیت میں نہ دینا کیونکہ

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ إِلَى

مشرک (مرد) خواہ وہ تمہیں کیسا ہی بھلا لگے (اُس سے) مومن غلام بہتر ہے یہ (مشرک، لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں

النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوَ إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

اور اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور اپنے حکم لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ أَذًى

نصیحت حاصل کریں ۔ اور تم سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ وہ تو نجاست ہے ۔

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ

سو ایامِ حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک پاک نہ ہو جائیں اُن سے مقاربت نہ کرو۔

فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللّٰهُ

ہاں جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ارشاد فرمایا ہے اُن کے پاس جاؤ کچھ شک نہیں ہے

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ

کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔اور اپنے لئے (نیک عمل) آگے بھیجو۔اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَاعْلَمُوْٓا أَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٢٣﴾

اور جان رکھو کہ (ایک دن) تمہیں اُس کے روبرو حاضر ہونا ہے اور (اے پیغمبر) ایمان والوں کو بشارت سنا دو ۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا

اور اللہ (کے نام) کو اس بات کا حیلہ نہ بنانا کہ (اُس کی) قسمیں کھا کھا کر نیک سلوک کرنے اور پرہیزگاری کرنے

وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٤﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ

اور لوگوں میں صلح وسازگاری کرانے سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے ۔ اللہ تمہاری لغو قسموں پر تم سے

فِيٓ أَيۡمَانِكُمۡ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتۡ قُلُوبُكُمۡ وَٱللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ

مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جو قسمیں تم قصدِ دلی سے کھاؤ گے اُن پر مواخذہ کرے گا اور اللہ بخشنے والا بُردبار ہے ۔

﴿۲۲۵﴾ لِّلَّذِينَ يُؤۡلُونَ مِن نِّسَآئِهِمۡ تَرَبُّصُ أَرۡبَعَةِ أَشۡهُرٍ فَإِن فَآءُو

جولوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھالیں اُن کو چار مہینے تک انتظار کرنا چاہئیے اگر (اس عرصے میں قسم سے) رجوع کرلیں تو

فَإِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَإِنۡ عَزَمُواْ ٱلطَّلَٰقَ فَإِنَّ ٱللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۷﴾

اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔ اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیں تو بھی اللہ سنتا اور جانتا ہے ۔[۴۶]

---

[۴۶] ایلاء کہتے ہیں قسم کھانے کو،اوراصطلاح شرع میں اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مرد یہ قسم کھائے کہ میں چار مہینہ یااس سے زائد (مثلاً پانچ مہینہ یا چھ مہینہ) تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا،لہٰذا اگراس مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا، یہاں تک کہ چار مہینے گذر گئے ،تواس صورت میں اکثر صحابہ کے قول کے مطابق اس مرد کی بیوی پر محض چار مہینے گذر جانے سے طلاق نہیں پڑے گی، بلکہ ایلاء کرنے والے کو''ٹھہرایا'' جائے گا،یعنی حاکم وقاضی اس کومحبوس کرے گا،اوراس سے یہ کہے گا کہ یاتو اپنی عورت سے رجوع کرو،یعنی اس سے جماع کرلو،یا اپنی بیوی کوطلاق دے دو۔چنانچہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اورامام احمدؒ کا مسلک یہی ہے،نیز امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگروہ مرد،حاکم وقاضی کی اس بات پرعمل نہ کرے یعنی نہ توعورت سے رجوع کرے اورنہ طلاق دےتو حاکم کواختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کوطلاق دے دے۔جیسا کہ صاحب مشکوات (رقم:۳۲۳۲) نے سلیمان بن یسارؒ سے نقل کیاہے کہ:ادرکت بضعة عشر من اصحاب النبیﷺ کلهم یقول:یوقف المولی(مسند الشافعیؒ: ۱۳۹ ،ودار قطنی: ۶۲/۴) یعنی سلمان بن یسارؒ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریمﷺ کے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابیوں کو پایاہے، وہ سب یہ فرمایا کرتے تھے، کہ ایلاء کرنے والے کوٹھہرایا جائے۔اورامام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے،اس صورت میں اگراس مرد نے چار مہینے کے اندراپنی بیوی سے رجوع کرلیاتو اس کا ایلاء ساقط ہوجائے گا،مگراس پرقسم پوری نہ کرنے کا کفارہ لازم آئے گا۔اوراگراس نے جماع نہ کیایہاں تک کہ چار مہینے گذر گئے،تواس کی بیوی پرایک طلاق بائن پڑجائے گی،ایلاء کے دیگر مسائل اوراس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ

اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے تئیں روکے رہیں

أَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور اگر وہ اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتی ہیں تو اُن کو جائز نہیں کہ اللہ نے جو کچھ اُن کے شکم میں پیدا کیا ہے اُس کو چھپائیں

وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْٓا إِصْلَاحًا ؕ

اور اُن کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

اور عورتوں کا حق (مردوں) پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ ۪

اور اللہ تعالیٰ غالب (اور) صاحبِ حکمت ہے۔ طلاق (صرف) دو بار ہے (یعنی جب دو دفعہ طلاق دیدی جائے تو) پھر

فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوْا

(عورت کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کیساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم

مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا إِلَّآ أَنْ يَّخَافَآ أَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ

اُن کو دے چکے ہو اُس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو (دونوں پر) کچھ گناہ نہیں

فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ

یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے

فَأُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ

وہ گنہگار رہوں گے۔ پھر اگر شوہر (دوطلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دیدے تو اُس کے بعد جب تک عورت کسی

حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا

دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اُس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہوگی ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دیدے اورعورت اور پہلا خاوند

أَنْ يَّتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ

پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لیں تو اُن پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کریں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کو وہ اُن لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو دانش رکھتے ہیں ۔[۴۷]

---

[۴۷] ان آیات کے ذیل میں تفسیر لطائف البیان والے نے خوب تفسیر کیا ہے ہم ناظرین کے لئے اس کو پیش کرتے ہیں: اس آیت میں تین مسئلے ارشاد فرمائے، ایک مسئلہ طلاق کا، دوسرا خلع کا، اور تیسرا حلالہ کا، موضح قران میں لکھا ہے کہ عدت تک مرد چاہے تو عورت کو پھر رکھ لے، یہ بات پہلی طلاق میں ہے، دوسری میں بعد اس کے نہ پھر سکے گی، تو موافق شرع اس کے حق ادا کر سکے تو رکھے، کہ پھر قضیہ نہو، نہ رکھ سکے تو رخصت کرے، اس نیت سے نہ اٹکاوے کہ عاجز ہوکر جو میں نے دیا تھا وہ پھر جاوے، یہ تب رواہے کہ ناچاری ہو کسی طرح دونوں کی خو نہ ملے، مرد کی طرف سے ادائے حق میں قصور نہ ہو، اس وقت سب لوگ ملکر عورت سے کچھ پھروا دیں، مرد کو راضی کر کے طلاق دلوادے، اس کو خلع کہتے ہیں۔

تیسری طلاق کے بعد پھر نہیں سکتی ، بلکہ دونوں کی خوشی ہو تو بھی نکاح نہیں بندھ سکتا، جبتک کہ بیچ میں اور خاوند کی صحبت نہ ہو چکے انتہے، اس کو حلالہ کہتے ہیں۔

ابن کثیر نے کہا، اس آیت نے اس دستور کو جو شروع اسلام میں تھا اٹھا دیا، وہ دستور یہ تھا، کہ مرد گو سو طلاق دے، جبتک عورت عدت میں ہے تب تک رجعت کا حقدار رہتا تھا، اس میں عورتوں کا نقصان ہوتا، اللہ تعالی نے تین طلاق میں حصر کر دیا، ایک دو طلاق تک رجعت کو مباح رکھا، تیسری طلاق کے بعد بالکل جدا کر دیا۔

عروۃ نے کہا ایک شخص نے اپنی جورو سے کہا تھا کہ میں کبھی تجھ کو طلاق نہ دونگا، نہ تیرے پاس رہونگا، اس نے کہا یہ کیونکر ہوگا، کہا طلاق دونگا جب مدت پوری ہونے لگے گی رجوع کرلونگا، اس نے آ کر یہ بات جناب ﷺ سے کہی، اس پر یہ آیت اتری کہ طلاق دو بار تک ہوتی ہے، رواہ ابن ابی حاتم، اس کو ابن جریر وعبد ابن حمید نے بھی روایت کیا ہے، کہا اس آیت کے اترنے پر لوگوں نے درستی طلاق کی شروع کردی، جس نے دی تھی یا نہ دی تھی، یہ حدیث کئی طریق سے نزدیک ابن مردویہ وترمذی وحاکم کے آئی ہے۔ حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے، عائشہؓ نے کہا پہلے طلاق کا کوئی وقت نہ تھا، اللہ نے وقت مقرر کردیا، کہ تیسری طلاق کے بعد رجعت نہیں ہے، جبتک کہ دوسرا خصم نہ کرے، یہی قول قتادہ وسدی وابن زید کا ہے، اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے،

حاصل یہ ہوا کہ گنتی اس طلاق کی جس کے بعد رجعت ہوسکتی ہے دوبار ہے۔ لفظ " مرتان" سے یہ نکلا کہ طلاق مرۃ بعد مرۃ ہو، نہ ایک دفعہ میں دوطلاق، ایک جماعت مفسرین اسی طرف گئی ہے، پھر جب ایک طلاق دی یا دوبار میں دوطلاق تو بقائے عدت تک اختیار ہے، چاہے بنیت اصلاح واحسان پھیر لے یا چھوڑ رکھے، عدت گذر جانے پر وہ جدا ہوجائے گی، یہ جدائی ساتھ بھلائی کے، چاہیئے کوئی حق اس کا ضائع نہ کرے، نہ اس کو نقصان پہونچاوے۔ ابن عباسؓ نے کہا جب مرد نے عورت کو دوبار طلاق دیدی، تو اب تیسری طلاق پر اللہ سے ڈرے، یا تو دستور کے موافق روکے اور اچھا برتاؤ رکھے، یا احسان کے ساتھ بدون کسی ظلم کے رخصت کردے یعنی ستاوے نہیں۔

حدیث ابورزین میں مرفوعاً آیا ہے کہ رخصت کرنا یہی تیسری طلاق ہے (رواہ ابن ابی حاتم وعبد بن حمید واحمد وغیرہم) کسی نے کہا کہ امساک سے مراد رجعت ہے، بعد دوسری طلاق کے " تسریح" سے مراد ترک رجعت ہے، بعد تیسری طلاق کے یہانتک کہ عدت گذر جائے لیکن اظہر یہ ہے کہ مراد تیسری طلاق کا دینا ہے، بدون اضرار کے، ابوعمرو نے کہا علماء کا اجماع ہے اس بات پر کہ " تسریح" سے تیسری طلاق دینا ہے بعد دوطلاق کے، یہی مطلب ہے اس ارشاد کا "فان طلقھا فلاتحل لہ" الایۃ، اسمیں اختلاف ہے کہ تینوں طلاق کا ایک بار دینا کیسا ہے؟ وہ تین ہونگی یا ایک؟ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تین ہونگی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اوران کے شاگرد حافظ ابن القیم اور قاضی محمد بن علی شوکانی اور ایک جماعت محققین کا یہ مذہب ہے کہ وہ ایک ہی طلاق ہوئی، یہی حق ہے، عمر بن خطاب رضی عنہ نے کسی مصلحت سے ایسی طلاق کو تین طلاق ٹھیرادیا تھا، ورنہ زمانہ ابوبکر صدیقؓ وہ عہد نبوت میں وہ ایک ہی طلاق سمجھی جاتی تھی، یہ مسئلہ بڑے جھگڑے کا ہے، اس باب میں مستقل کتابیں، رسالے ہیں، بڑی لمبی چوڑی بحث ہے،

مذہب مشہور ائمہ اربعہ مطابق مذہب جمہور ہے، لکن ہر ایک مذہب کے بعض محققین اسی طرف گئے ہیں، جو مختار شیخ الاسلام ہے، حتی کہ بعض حنفیہ بھی جس طرح اعلام الموقعین وغیرہ میں حکایت کیا ہے۔ سو جب اللہ کی نہر آئی تو اب عقل کی نہر سے کیا کام رہا، آیت شریف اس بات پر بھی دلیل ہے کہ طلاق دینے پر عورت سے کوئی چیز تنگ کر کے واپس نہ لے، بہت ہو یا کم، جو دیا سو دیا، تنکیر لفظ شيئ'' سے یہ نکلا کہ کچھ بھی نہ لے، جب ذرا سا لینا بھی جائز نہ ہوا، تو بہت لینا تو بالاولی ناجائز ٹھیریگا، پھر جب مہر کا واپس کرنا حلال نہ ہوا، تو جو مال خاص ملک اس عورت کا ہے اس کا لینا تو کسی طرح جائز نہیں۔ یہ خطاب ازواج کو ہے، بعض نے کہا حکام کو، پہلا قول ٹھیک ہے یہ آیت مثل اس آیت کے ہے: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا .لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (النساء: ۱۹). ہاں اگر عورت پھر اپنی خوشی سے کچھ دیدے تو پھر وہ روا ہے۔

دوسرا مسئلہ خلع

دوسرا مسئلہ خلع کا بیان فرمایا: کہ جب باہم میاں بیوی کے شقاق ونفاق ہو، عورت حقوق مرد کے ادا نہ کرے، بلکہ اس کو دشمن رکھے، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کر سکے، تو جو مال شوہر نے دیا تھا، وہ اپنی جان چھڑانے میں دیکر الگ ہو جاوے، اس بذل مال میں نہ کچھ حرج عورت پر ہے، نہ اس کے لینے میں کوئی حرج خاوند پر آتا ہے، جمہور کا مذہب یہی ہے، بخاری میں ابن عباسؓ سے آیا ہے کہ جمیلہ زن ثابت بن قیسؓ نے اکر کہا، میں ثابت سے کسی خلق یا دین کے سبب سے روٹھی نہیں ہوں، لیکن بغض کی وجہ سے مجھے اسکے دیکھنے کی تاب وطاقت نہیں ، میں کفر کو اسلام میں مکروہ رکھتی ہوں، فرمایا تو اس کا باغ اس کو پھیرتی ہے؟ کہا ہاں، ثابت سے کہا، باغ لے ایک طلاق دیدے، ابن ماجہ کا لفظ یہ ہے کہ باغ لے لیں، زیادہ نہ لیں، اس باب میں بہت سے حدیثیں آئی ہیں، معلوم ہوا کہ یہ امر ایجابی تھا نہ ارشادی، یہ بھی ثابت ہوا کہ جو دیا ہو اس سے زیادہ نہ لے، کہ اس میں عورت کا ضرر ہے، بعض نے کہا ظاہر قران سے جواز اخذ زائد ظاہر ہے، اس لئے کہ کسی مقدار معین کی قید نہیں لگائی ہے، مالکؒ وشافعی وابوثور اسی طرف گئے ہیں۔ ایک جماعت صحابہ وتابعین سے بھی یوں ہی روایت ہے۔ طاوس وعطاء واوزاعی واحمد واسحق کہتے ہیں زیادہ لینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث ابن عباسؓ میں

مرفوعاروایت ہے:امره ان یأخذ ماساق ولایزداد .رواه ابن بطة وابن مردویه وابن ماجة۔ ابن کثیر نے کہا:اسناد ابن ماجہ جید وصحیح ہے ۔ یہ بھی نکلا کہ خلع اسی صورت میں جائز ہے کہ جب کسی طرح نباہ نہ ہو سکے، ایک کو دوسرے کی صورت بُری لگے،خوف کفر کا ہو۔حدیثیں مذمت مختلعات میں بہت آئی ہیں، ثوبانؓ نے کہا ہے کہ جناب ﷺ نے فرمایا،جس عورت نے اپنے شوہر سے بےکسی کھٹکے کے طلاق مانگی،تو اسپر جنت کی بوحرام ہے،خلع کرنے والیاں منافقات ہیں،رواہ ابن جریر۔ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے، حاکم نے کہا صحیح ہے، رواہ احمد وابوداؤد، وابن ماجۃ والبیہقی ایضا۔عقبہ بن عامرؓ کا لفظ یہ ہے کہ خلع کرنے والیاں الگ تھلگ ہونیوالیاں منافقات ہیں،رواہ ابن جریر،اس کی سند ضعیف ہے اس کو امام احمد نے بھی ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے،ابن عباسؓ کا لفظ نزدیک ابن ماجہ کے مرفوعا یوں ہے،نہیں مانگتی کوئی عورت طلاق اپنے شوہر سے،بغیر کسی گناہ کے پھر وہ جنت کی بو بھی پاوے، حالانکہ بو جنت کی چالیس برس کی راہ سے پائی جاتی ہے۔

ایک جماعت سلف وائمہ خلف نے یہ کہا ہے کہ جائز نہیں ہے خلع جبتک کہ طرف سے عورت کے شقاق ونشوز نہو۔جب ہو تو مرد کو جائز ہے کہ فدیہ لیکر چھوڑ دے بدلیل:"الا ان یخافا الا یقیما حدود الله"،معلوم ہوا کہ سوا اس حالت کے خلع درست نہیں ہے کسی اور حالت میں خلع نکرے مگر دلیل سے،اور دلیل موجود نہیں ہے،یہی مذہب ہے ابن عباس طاؤس ابراہیم عطاء حسن وجمہور کا،یہاں تک کہ مالکؒ واوزاعیؒ نے کہا ہے کہ اگر شوہر نے کچھ اس سے لے لیا ہے اور عورت کا نقصان ہوتا ہے تو پھر دینا اس کا واجب ہے،یہ طلاق رجعی ٹھہریگی، مالکؒ نے کہا ہم نے علماء کو اسی بات پر پایا ہے،

شافعیؒ کہتے ہیں نہیں بلکہ خلع جب حالت شقاق میں جائز ہوا تو حالت اتفاق میں بالاولی جائز ہوگا۔یہی قول ساری اصحاب شافعی کا،مگر پہلی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے،مزنی نے کہا خلع منسوخ ہے۔بقوله تعالی:"وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا"(نساء:۲۰)۔ابن کثیر نے کہا یہ قول ضعیف یا ماخذ مردود ہے،قائل پر شوکانیؒ نے کہا یہ قول خارج ہے اجماع سے، دونوں آیتوں میں کوئی منافات نہیں ہے،ابن جریر نے کہا یہ آیت حق ثابت بن قیس میں اتری ہے،کئی طریق سے آئی ہے،انکی جورو کا نام حبیبہ بنت عبداللہ تھا۔بخاری میں جمیلہ آیا ہے،موطأ میں حبیبہ بنت سہل انصاری کہا ہے،عائشہؓ کا لفظ یہ ہے کہ ثابتؓ نے اس کو مارا تھا،بعض جسم اس کا ٹوٹ گیا،اس نے نبی ﷺ سے کہا،آپؐ نے

ثابتؓ کو بلایا، فرمایا: کچھ مال لے کر اس کو جدا کر دے، کہا یہ ہوسکتا ہے فرمایا ہاں کہا میں نے اس کو دو باغ دئے ہیں، وہ اسکے ہاتھ میں ہیں، فرمایا دونوں لیلے، اس کو چھوڑ دے، اس نے یہی کیا، رواہ ابن جریر و ہذ الفظہ وابو داؤد۔ دوسرا لفظ ابن جریر کا یہ ہے، کہ نبی ﷺ نے جمیلہ سے کہا، تو اس سے کس بات پر ناخوش ہے؟ کہا نہ دین پر اور نہ خلق پر، مگر مجھ کو اس کی بدصورتی بری لگتی ہے، فرمایا تو اس کا باغ واپس دیگی؟ کہا ہاں، اس نے باغ پھیر دیا، دونوں میں تفریق کر دی۔ ابن عباسؓ نے کہا سب سے پہلے اسلام میں یہی خلع ہوا، کہ وہ پاس رسول اللہ ﷺ کے آئی، اور کہا اے رسول اللہ! کوئی شی کبھی اس کے اور میرے سر کو یکجا نہ کرے گی، میں نے ایک جانب خیمہ سے اس کو دیکھا کہ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ آتا تھا، سب سے زیادہ کالا سب سے زیادہ قد میں چھوٹا سب سے زیادہ صورت میں بد ہے، شوہر نے کہا میں نے اس کو افضل مال جو میرا باغ تھا دیا ہے، یہ اس کو پھیر دے، فرمایا تو کیا کہتی ہے، کہا ہاں، اگر اور کچھ چاہے تو وہ بھی دوں، اس پر نبی ﷺ نے دونوں کے بیچ میں فراق کرا دیا۔ رواہ ابن جریر۔

معلوم ہوا کہ یہ امر ارشادی نہ تھا، بلکہ ایجابی تھا، یہ بھی ثابت ہوا کہ وعدہ زیادت، عورت نے اپنی طرف سے کیا، کچھ جناب ﷺ نے اس کو نہیں فرمایا، جناب ﷺ نے تو فقط واپسی اسی باغ کی کرائی، پھر یہ بھی ثابت نہیں کہ اس نے کچھ زیادہ دیا ہو، اور جناب ﷺ نے مقرر رکھا ہو، بلکہ حدیث اول میں صاف زیادہ لینے سے منع فرمایا ہے، اطلاق ایت شریف مقید ہے ساتھ اس حدیث مذکور کے، مگر جمہور کہتے ہیں **قولہ تعالی "فلاجناح علیھمافیماافتدت بہ"** عام ہے، لیکن یہ کچھ منافی ایت باب نہیں ہے، کہ حجت ہوسکے، بلکہ قرأت ربیع بن انسؓ یوں ہے **"فیماافتدت بہ منہ"** اسی لئے بعد اس کے یہ فرمایا ہے کہ تم اللہ کے قاعدے سے آگے نہ بڑھوں اگر بڑو گے ظالم ہوگے، ابن ماجہ کے نزدیک عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے یوں آیا ہے: کہ ثابت ایک بدشکل آدمی تھے حبیبہؓ نے کہا اے رسول اللہ واللہ اگر ڈر اللہ کا نہ ہوتا تو جب وہ میرے پاس آتا میں اس کے منہ پر تھوک دیتی، الحدیث، اس حدیث میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ تفریق بحکم رسول اللہ ﷺ ہوئی، ابن کثیر نے کہا ائمہ کا اختلاف ہے اس باب میں کہ مرد کو زیادہ لینا مقدار عطاء سے جائز ہے یا نہیں جمہور کہتے ہیں جائز ہے یہی قول ہے ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، مجاہد، عکرمہ، ابراہیم نخعی، قبیصہ، حسن بن صالح، عثمان بتی، کا، اسی طرف مالک، لیث، شافعی، ابوثور، بھی گئے ہیں، اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے، اصحاب ابوحنیفہؒ نے کہا، اضرار اگر طرف زوجہ کے ہو تو جتنا دیا ہے اتنا لے لئیں، زیادہ لینا درست نہیں، اگر زیادہ دیا ہے تو قضا میں جائز ہے اور اگر اضرار طرف زوج سے ہو تو کچھ بھی نہ لے، اگر لے لیا ہے تو قضا میں جائز ہے، امام احمد، ابوعبیدہ، وابن

راہویہ کا یہ قول ہے، کہ جتنا دیا ہے، اس سے زیادہ لینا درست نہیں ہے، اسی طرف ایک جماعت تابعین کی بھی گئی ہے، ابن کثیر کا میلان خاطر بھی اسی طرف ہے، عطاء نے کہا جناب علیہ ﷺ نے عطاء سے زیادہ لینے کو مکروہ رکھا ہے۔

ابن عباسؓ نے کہا؛ جس شخص نے اپنی عورت کو دو طلاقیں دیں، پھر اس عورت نے اس مرد سے خلع کیا تو وہ مرد اگر چاہے تو پھر اس سے نکاح کر لے، اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ طلاق دو بار تک ہوتی ہے، عکرمہ نے کہا ہر شی جس کو مال نے جائز رکھا ہے، وہ طلاق نہیں ہے۔ ابراہیم بن سعد بن ابی وقاص نے یہی مسئلہ ابن عباسؓ سے پوچھا تھا، کہا خلع طلاق نہیں ہے اللہ نے ذکر طلاق کا اول اور اخر آیت میں کیا ہے خلع کا درمیان میں، خلع کوئی چیز نہیں ہے (یعنی طلاق بلکہ یہ فسخ ہے) پھر یہ آیت پڑھی: ''الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ''۔ پھر یہ پڑھا ''فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره''۔ یہ مذہب ابن عباسؓ کا ہے کہ خلع طلاق نہیں ہے بلکہ فسخ ہے۔ اسی طرف عثمانؓ، ابن عمرؓ، وطاؤس، وعکرمہ، احمد بن راہویہ، ابوثور داؤد ظاہری، شافعیؒ بھی گئے ہیں، ابن کثیر کہتے ہیں ظاہر آیت کریمہ بھی یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خلع طلاق بائن ہے، مگر یہ کہ زیادہ کی نیت کرے، یہی قول ہے ایک جماعت صحابہ وتابعین و مالک وابوحنیفہ وشافعی کا، قول جدید میں حنفیہ کہتے ہیں اگر نیت ایک یا دو طلاق کی کی ہے، یا چھوڑ دیا ہے تو یہ ایک ہی طلاق بائنہ ہوئی، اور جو تین کی نیت کی ہے تو تین طلاقیں ہوئیں، شافعی کا تیسرا قول یہ ہے کہ جب خلع بلفظ طلاق نہ ہوگا اور وہ نیت سے بالکل عاری ہوگا تو وہ بالکل کچھ چیز نہیں ہے، شوکانی پہلے اس بات کے قائل تھے کہ خلع طلاق ہے پھر اس کو فسخ ٹھیرایا۔

ائمہ اربعہ وابن راہویہ نے یہ کہا ہے عدت مختلعہ کی مثل مطلقہ کے تین حیض ہیں، اگر حیض آتا ہو، اسی طرف ایک جماعت کثیر صحابہ وتابعین کی بھی گئی ہے، ترمذی نے کہا ہے یہی قول ہے اکثر اہل علم کا صحابہ وغیرہم سے ان کا ماخذ یہ ہے کہ جب خلع طلاق ٹھیری تو مثل سائر مطلقات کے عدت کرنا چاہئیے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عدت مختلعہ کی ایک حیض ہے، اس میں استبراء رحم کا ہو جاتا ہے، عثمانؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، وعکرمہ۔

اور وہ لوگ جو خلع کو فسخ کہتے ہیں سب اسی طرف گئی ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ جناب علیہ ﷺ نے عورت ثابت بن قیسؓ کو ایک ہی حیض کی عدت کا حکم دیا تھا، اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، ترمذی نے حسن غریب کہا ہے۔ دوسرا لفظ ترمذی کا یہ ہے کہ ربیع بنت معوذ نے عہد نبوت میں خلع کیا، اس کو جناب علیہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ایک حیض کی عدت کرے،

مخالع کورجوع کرنا طرف مختلعہ کے عدت میں بغیراس کی رضامندی کے جائز نہیں ہے، ائمہ اربعہ، وجمہور علماء اسی طرف گئے ہیں، اسلئے کہ وہ مال خرچ کرکے اپنی جان کی مالک ہوچکی ہے۔ابن ابی اوفی وماہان حنفی نے کہا اگر مال پھیردے تو بغیر رضا بھی رجعت اندرعدت کی درست ہوگی، اسی کو ابوثور نے بھی اختیار کیا ہے، ثوری نے کہا کہ اگر خلع بغیر لفظ طلاق ہوا ہے تو یہ فرقت ہوئی، اب کوئی راہ شوہر کو طرف اس کے نہیں ہے، اوراگر برائے نام طلاق ہے تو وہ عدت تک مالک رجعت ہے، اسی طرف داؤد ظاہری بھی گئے ہیں، سب کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ مختلع کو نکاح کرنا مختلعہ سے عدت میں جائز ہے، ایک گروہ نے کہا کہ نہیں جائز ہے۔ابن کثیر نے کہا یہ قول شاذ ومردود ہے۔رہی یہ بات کہ مختلع اس کو عدت میں دوسری طلاق بھی دے سکتا ہے یا نہیں اس میں علماء کے تین قول ہیں:

ایک یہ کہ نہیں، اس لئے کہ وہ اپنی جان کی مالک ہوگئی، اس سے چھوٹ گئی، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ عکرمہ، جابر بن زید، حسن بصری، شافعیؒ احمد، ابن راہویہ، ابوثور، اسی کے قائل ہیں۔دوسرا قول مالک کا یہ ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی طلاق بھی کہدی ہے دونوں کے بیچ میں سکوت نہیں کیا تو طلاق پڑ یگی، اوراگر سکوت کیا ہے تو نہیں پڑ یگی۔ابن عبد البر نے کہا عثمانؓ سے اسی طرح مروی ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ طلاق ہر حال میں پڑ جاوے گی، جبتک کہ عدت میں ہے۔ابوحنیفہ وثوری واوزاعی وابن مسعودؓ وابوالدرداءؓ وغیرہم اسی کے قائل ہیں، مگر ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ان دونوں صحابہ سے یہ قول ثابت نہیں ہے، پھر اللہ پاک نے بعد اس کے یہ فرمایا، کہ یہ شرائع جو بیان کئے گئے ہیں، اللہ کے قواعد ہیں، ان سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، حدیث صحیح میں آیا ہے، اللہ نے حدیں باندھی ہیں، تم اس سے اگے نہ بڑھو، اللہ نے فرائض مقرر کئے ہیں، تم ان کو برباد نہ کرو، اللہ نے محارم ٹھیرائے ہیں تم اس کا ہتک نہ کرو، کچھ چیزوں سے سکوت کیا ہے بغیر نسیان کے تم ان کومت پوچھو،

اس ایت سے بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ جمع کرنا تین طلاق کا ایک کلمہ میں حرام ہے، مالکیہ اور جولوگ ان کے موافق ہیں اسی طرف گئے ہیں، ان کے نزدیک سنت یہ ہے کہ ایک طلاق دے، لقولہ تعالی: ''الطلاق مرتان'' پھر فرمایا ''تلک حدود اللہ فلاتعتدوھا ''الایة، پھر اس قول کو مؤید کیا ہے، حدیث محمود بن لبید سے جو نزدیک نسائی کے اس لفظ سے آئی ہے، کہ خبر ملی جناب ﷺ کو، ایک شخص نے اپنی جورو کو اکھٹی تین طلاقیں دی ہیں، نہایت غضبناک کھڑے ہوکر فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کو کھیل تماشا بنایا ہے؟ اور میں درمیان تمہارے موجود ہوں، یہاں تک کہ ایک آدمی نے کہا، اگر حکم ہوتو میں اس کو مار ڈالوں، مگر اس سند میں انقطاع ہے۔

تیسرا مسئلہ تحلیل کا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی جورو کو تیسری طلاق دیدے بعد اس کے کہ دو طلاق پہلے دے چکا ہو، تو وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے، جب تک دوسرا خاوند نہ کرے، اور وہ اس سے صحبت نہ کرے بنکاح صحیح، کیونکہ اگر وطی بغیر نکاح کے ملک یمین میں کی ہے، تو پہلے مرد کو حلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ اس کا شوہر نہوا، اسی طرح اگر بیاہ کر لیا لیکن لیکن مدخولہ نہ ہوئی تو بھی زوج اول کے لئے حلال نہ ہوگی، بہت سے فقہاء میں یہ مشہور ہے کہ سعید بن مسیّب کا یہ قول ہے کہ مجرد عقد کے ہمراہ ثانی کے مقصود تحلیل حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اس قول کی صحت میں نظر ہے، اگرچہ ابن عبدالبر نے استذکار میں ذکر اس کا کیا ہے کیونکہ امام احمد نے بطریق سعید بن مسیّب ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جناب ﷺ نے فرمایا کہ پہلی شوہر کو نہیں مل سکتی، جب تک کہ دوسرے شوہر کا شہد نہ چکھ لے، ابن جریر کا لفظ ابن مسیّب سے حدیث مذکور میں مرفوع یوں ہے: قال لا، حتی تذوق عسیلته ویذوق عسیلتها ۔ اس کو نسائی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ سو یہ حدیث مخالف حکایت مذکور ہے یہ بات بعید ہے کہ راوی خلاف روایت بغیر کسی مستند کے کرے، دوسرا لفظ احمد و نسائی کا حدیث ابن عمرؓ سے یوں ہے: کہ جناب ﷺ سے پوچھا کہ ایک آدمی نے اپنی جورو کو تین طلاقیں دیدی ہیں، اس نے دوسری مرد سے نکاح کیا دروازہ بند کر کے پردہ چھوڑا، پھر طلاق دی دخول نہ کیا، کیا زوج اول کے لئے حلال ہوگی؟ فرمایا اول پر حلال نہیں جب تک کہ اس دوسرے کا شہد نہ چکھ لے، یہ لفظ احمد کا ہے۔

ان کی تیسری روایت میں انس بن مالکؓ سے یوں آیا ہے: قال لا حتی یکون الاخر قد ذاق من عسیلتها و ذاقت من عسیلته، ابن جریر کا لفظ ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً یہ ہے: حتی یذوق الاخر عسیلتها، دوسرا لفظ ابن جریر کا حدیث عائشہ سے یہ ہے: کہ فرمایا: لا حتی یذوق من عسیلتها کما ذاق الاول، اس کو شیخین و نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ تیسرا لفظ ان کا عائشہؓ سے یہ ہے: قال لا تحل لزوجها الاول حتی یذوق الاخر عسیلتها، و تذوق عسیلته، اس کو ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے، صحیحین میں یہ حدیث کئی طرق سے آئی ہے، عائشہؓ نے کہا: رفاعہ قرظی نے ایک عورت سے نکاح کیا، پھر طلاق دی، اس نے دوسرا بیاہ کیا، پھر آ کر جناب ﷺ سے کہا: کہ وہ میری پاس نہیں آتا ہے، اس کے پاس تو کچھ نہیں مگر مثل ہدبہ ثوب کے، یعنی جیسے ایک لتا کپڑے کا، فرمایا: لا حتی تذوقی عسیلته ویذوق عسیلتک ۔

امام احمد کی روایت میں آیا ہے کہ یہ شکایت نسبت عبدالرحمٰن بن زبیرؓ کی تھی، یعنی وہ جماع پر قادر نہیں ہے۔ جناب نے کہا تو چاہتی ہے کہ رفاعہ کے پاس پھر جاوے، یہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ کچھ شہد اس کا اور وہ کچھ شہد تیرا چکھ نہ لے، اس

کو شیخین ونسائی نے روایت کیا ہے، یہ قصہ بھی کئی طرح سے نزدیک مالک وغیرہ ہم کے آیا ہے، غرض کہ بات یہ ٹھیری کہ مجرد خلوت کافی نہیں ہے، صحبت کا ہونا ضروری ہے زوج ثانی سے، مقصود ہے کہ وہ عورت میں راغب ہو، نکاح بقصد دوام عشرت کرے، کیونکہ مشروع تزویج میں یہی امر ہے۔

امام مالک نے یہ بھی شرط کیا ہے کہ وطی مباح ہو، یہ نہ ہو کہ وطی محرم ہو، یا وہ صائمہ یا معتکفہ یا حائض یا نفساء ہو، یا زوج ثانی صایم یا محرم یا معتکف ہو، کہ ان صورتوں میں وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی، اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہے تو اس کے نکاح کرنے سے پہلے شوہر مسلم کے لئے حلال نہیں ہوسکتی کیونکہ کفار کے نکاح نزدیک مالک کے باطل ہیں، حسن بصری نے یہ شرط بھی زیادہ کی ہے کہ زوج ثانی منزل بھی ہوجاوے شاید یہ بات لفظ عسیلہ سے سمجھی ہے، مگر اس بنیاد پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ عورت بھی منزل ہو، مگر مراد عسیلہ سے منی نہیں ہے، اس لئے کہ احمد ونسائی نے عائشہؓ سے مرفوعا روایت کیا ہے، **الا ان العسیلة الجماع**۔

یعنی مراد شہد سے صحبت ہے نہ انزال، پھر اگر زوج ثانی نے وہ نکاح اس قصد سے کیا ہے کہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجاوے تو محلل ٹھیرا، احادیث میں محلل کی مذمت، اس پر لعنت آئی ہے، وقت عقد اگر اس امر کی تصریح کرے گا تو نزدیک جمہور ائمہ کے سرے سے نکاح ہی نہ ہوگا، باطل ہوگا، حدیث ابن مسعودؓ میں آیا ہے، کہ جناب ﷺ نے فرمایا: کہ لعنت ہے محلل اور محلل لہ پر، الحدیث، رواہ احمد، والنسائی، اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے، اسی پر عمل ہے اہل علم کا، صحابہ سے ان میں عمرؓ وعثمانؓ وابن عمرؓ ہیں، یہی قول ہے، فقہائے تابعین کا، یہی مروی ہے علی وابن عباسؓ وابن مسعودؓ سے۔

دوسرا لفظ ابن مسعودؓ کا یہ ہے جناب ﷺ نے فرمایا ''**لعن ا الله المحلل و المحلل له**'' **رواہ احمد**، یعنی لعنت کرے اللہ دونوں پر، محلل سے زوج ثانی مراد ہے، محلل لہ سے زوج اول، تیسرا لفظ ان کا مرفوعا یہ ہے کہ محلل اور محلل لہ ملعون ہیں، زبان محمد ﷺ پر، قیامت تک، رواہ احمد، والنسائی۔

عقبہ بن عامر نے کہا کہ جناب ﷺ نے فرمایا: کہ کیا خبر نہ دوں میں تم کو تیس مستعار سے؟ کہا ہاں، وہ محلل ہے لعنت کرے اللہ محلل ومحلل لہ پر، رواہ ابن ماجہ، دوسرا لفظ ابن ماجہ کا ابن عباس سے مرفوعا یوں ہے: **لعن رسول الله ﷺ المحلل والمحلل له**۔ اس حدیث کو امام احمد نے ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کیا ہے، ابن عمرؓ نے کہا ہم اس کو عہد رسالت میں زنا گنتے تھے، حاکم نے کہا یہ اسناد صحیح ہے، عمرؓ نے کہا محلل ومحلل لہ میرے پاس آئیں گے، تو میں ان کو رجم

کروں گا، رواہ الاثرم وابن ابی شیبہ، ایک آدمی نے حلالہ کیا، یعنی واسطے حلال کرنے کے زوج اول پر، عثمانؓ نے دونوں میں تفریق کرادی۔

اس طرح علیؓ وابن عباسؓ وغیرہما سے بھی مروی ہے، اس باب میں بہت حدیثیں آئی ہیں، سات حدیثیں تو ابن کثیر نے لکھی ہیں، ابن قیم نے اعلام الموقعین واغاثۃ اللھفان میں اس پر بڑا غل مچایا ہے لعنت کی دھوم دہام ثابت کی ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا: کہ اگر دوسرے خاوند نے بعد دخول کے طلاق دی ہے، تو پھر دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے، اگر وہ گمان کرتے ہیں کہ باہم اچھا برتاؤ رہے گا، اور اگر اس بات کا یقین نہیں ہے کہ اللہ کے حدود قائم رہیں گے یا تردد ہے، ایک کو میاں بیوی میں سے، یا دونوں کو، پھر اس نکاح میں پھنسنا مظنہ معصیت اور حرام میں گرفتار ہونا ہے، یہ ہیں شرائع احکام اللہ کے، جن کو واسطے جاننے والوں کے بیان فرمایا ہے۔

ایک آدمی نے ایک یا دو طلاق دیکر عورت کو چھوڑ دیا، عدت گذر گئی اس نے دوسرے سے نکاح کرلیا، اس نے اس کو بعد دخول کے پھر طلاق دیدی، عدت پوری ہوئی، پھر زوج اول نے اس سے نکاح کرلیا، تو وہ عورت اس کو معہ ایک طلاق باقی کے مل سکتی ہے، یا کیا ہوگا اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، مالک شافعی احمد ایک گروہ صحابہ نے کہا یہ عود مع طلاق باقی کی ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زوج ثانی نے طلاق سابق کو توڑ ھا دیتا ہے، اب جو پہلے کو ملی ہے تو تینوں طلاق سمیت ملے گی، ابوحنیفہ کا مذہب یہی ہے، اس دلیل سے کہ جب دوسرا شوہر تینوں طلاق کو ڈھا دیا تھا ہے تو پھر تین سے کم کو بطریق اولی ڈھا دیگا واللہ اعلم۔ ابن المنذر نے کہا علماء کا اجماع ہے اس بات پر کہ جب کسی ازاد مرد نے تین طلاقیں دیں، عدت گذر گئی، اس نے دوسرا خصم کرلیا، پھر اس دوسرے نے بعد دخول کے طلاق دیدی، پھر اس سے اگلے خاوند نے نکاح کیا، تو وہ عورت پاس اس کے تین طلاق پر رہی۔ تکمیل فائدہ کے لئے ہمارے جامعہ کے مفتی نے طلاق ثلاثہ کے متعلق ایک فتوی جاری کیا ہے، ہم اسکو ادھر لکھتے ہیں:

متن فتوی

مذکورہ مسئلہ میں اگر چہ علماء کرام کا اختلاف ہے، لیکن اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ تین طلاق واقع ہوئے ہیں، اوراس کو طلاق مغلظ سمجھا جاتا ہے، تو احتیاط اس میں ہے کہ اس بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح کیا جائے، لیکن اگر کسی وجہ کی بناء پر اس بیوی سے جدائی اختیار کرنا مشکل ہو، اوراس کو حلال کرنے کے لئے مختلف تدابیر اور حیل اختیار کرتے ہیں، تو پھر

اس سے بہتر یہ ہے کہ ان علماء کے قول پر عمل کیا جائے جن کی رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں ایک طلاق واقع ہوتی ہے، ان علماء کا قول اگرچہ اکثریت کے قول کے خلاف ہے، لیکن قران وحدیث سے مؤید ہے اور دین میں اکثریت کو اعتبار نہیں بلکہ دلیل کا اعتبار ہے۔

چونکہ قرآن مجید سورت بقرہ ایت: ۲۲۹، میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''الطلاق مرتان فامساک بمعروف اوتسریح باحسان'' آیت کا معنے ابن ابی العز نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے: فان قوله ''مرتان'' لایفهم منه مرة الامرة بعداخرى ،فاذاقال انت طالق ثلاثاهذامرة كمن رمى الجرمة بحصاتين اواكثررمية واحدة كانت له مرة حتى لورماهابسبع جملة ،كانت له رمية، وبقى عليه رمية ستة حصياة، ستة مرات ،ولو قال عقيب الصلاة سبحان الله ثلاثاوثلاثين مرة هكذامن غيرتكريرو الحمدلله ثلاثلا وثلاثين ،كذالك والله اكبر اربعا وثلاثين كذلك ،لم يكن بهذا، كمالوكرر التسبيح و التحميد و التكبير ،بهذا العدد الخ.

اس قول کا حاصل یہ ہے کہ آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک جگہ جتنی بھی عدد طلاق دی جائے اس کو ایک بار ہی مانا جائے گا۔ ''قرآن کے اس لفظ کی رو سے''۔ اور ایسا ہی حدیث میں بھی ہے، جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے: ان ابا الصهباء قال لابن عباسؓ اتعلم ان ماكانت الثلاث تجعل واحدة على عهد النبى ﷺ وابى بكرؓ وثلاثامن امارة عمرؓ وقال ابن عباسؓ نعم : ۱۰۹۹ / ۲.

اور اسی صفحہ پر مسلم کی دوسری روایت میں بھی ہے: فلما كان فى عهد عمرؓ تتابع الناس فى الطلاق فاجازهم عليه. حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ اور تین سال خلافت عمرؓ میں عدد کے اعتبار سے جتنی بار طلاق دی جاتی تو وہ ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی۔ لیکن عمرؓ نے یہ سنت کچھ وقت کے لئے ترک کر کے بطور تعزیر حکم میں سختی کی، اور ایک مجلس میں تینوں طلاقوں کو تینوں ہی پر محمول کیا، تا کہ لوگ اس فعل سے منع ہو جائیں، جیسے کہ ابن ابی العز اس کی طرف اشارہ کر کے لکھتا ہے: ولايدل عليها قول عمرؓ، كماادعى ،وانما يدل قوله على ان الله تعالى شرع الطلاق مرة بعداخرى للحاجة ،فالذى يطلق ثلاثايقصداستعجال ايقاعها،وكان لهم عن ذلك غنية، فان الغرض يحصل بالواحدة فزيادة الثانية و الثالثة زيادة على المشروع من غيرحاجة، ولهذا يحصل لهم الندم غالبا،فرأى عمرؓ

الزامهم بتعجيل ماقصدوا تعجيله من ايقاع الثانية و الثالثة، ليرتدعوا عن الطلاق، بمنزلة التعزيرلمن يفعل ذلک ،فان التعزيرالى رأى الامام، وعمرؓ رأى ان التعزيربالزامهم بحكمهارادع لهم عن ايقاعها،لانه غيّرحكم الطلاق عماكان عليه. ۲/۱۲۹۹.

اوراسی وجہ سے بعض علماء کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ عمرؓ نے تعزیرا کیا ہے تو اصل مسئلہ کو رجوع کر کے ایک وقت میں تین طلاقوں کو ایک ہی قرار دیا، چونکہ یہ مشہور قاعدہ ہے کہ قران وحدیث کو رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی بھی منسوخ نہیں کرسکتا، خواہ اجماع صحابہ کیوں نہ ہو جیسا کہ ابن ابی العز ۳/۱۲۰۴، میں رقمطراز ہیں: وان ارادبه انه كان ثابتابالسنة، و ان الصحابة بعدرسول الله ﷺ اجمعوا على نسخه، فممنوع فان النسخ لايكون بعدرسول الله.

اوریہی وجہ ہے کہ جب عمر نے حج کے متعلق حکم کیا کہ تمتع نہ کرواور حج افراد کرو تو ان کے بیٹے نے اس کے خلاف فتویٰ دیا، جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ :كان عبدالله بن عمريفتى بالذى انزل الله عزوجل من الرخصة بالتمتع، وسنّ رسول الله ﷺ فيه ،فيقول ناس لابن عمرؓ، كيف تخالف اباک وقدنهى عن ذلک؟ فيقول لهم عبدالله ويلكم ! الاتتقون الله؟ان كان عمرؓ نهى عن ذلک ،فيبتغى فيه الخير ،يلتمس به تمام العمرة ،فلم تحرمون ذلک وقداحلّه الله، وعمل به رسول الله ﷺ ،افرسول الله احق ان تتبعوا سنته ام سنة عمرؓ؟۔ مسند احمد: ۹/۵۱۰۔

اس طرح مسلم میں ہے کہ: عن وبــــرة قال سأل رجل ابن عمرؓ اطوف با البيت وقداحرمت بالحج ،فقال ومايمنعک ؟قال انى رأيت فلانا يكرهه، وانت احب الينامنه، رأيناه قد فتنته الدنيا،وقال واينااوايكم لم تفتنه الدنيا؟ثم قال رأينارسول الله ﷺ احرم بالحج، وطاف بالبيت ، وسعى بين الصفاو المروة، وسنة الله وسنة رسوله احق ان تتبع من سنة فلان، ان كنت صادقا. صحيح مسلم :۲/۹۰۵.

مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی صحابی ایک عمل کرے اوراس کے مقابل رسول اللہ ﷺ کی حدیث موجود ہو، تو ہمیں چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کریں، اوراس کے بارے میں مفصل حدیث مسند ابی یعلی میں نقل ہے، اوروہ بھی ابن عباس سے منقول ہے: عن ابن عباسؓ قال طلق ركانة بنت عبديزيدفى مجلس ثلاثا،فحزن عليهاحزناشديدا،فقال له رسول الله ﷺ كم طلقتهاياركانة؟فقال ثلاثا،فى مجلس واحد،فقال رسول

اللهفانهاواحدة.

اوراگرکوئی اعتراض کرے کہ ابن عباسؓ نے اس روایت کے خلاف قول کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعتبار روایت کو ہے نہ کہ کسی کی رائے کو، جیسے کہ آگے بیان ہو چکا ہے، اور تفصیل کے لئے دیکھئے: ''التنبیہ'' وہاں فرماتے ہیں کہ: واذاامکن ان تکون المخالفة عن رأی واجتهاد، وهو مأجور، ومغفور له، فالعبرة حينئذ لماروى لالمارأى، فانماماروا ه ثابت عن قائل معصوم، ومارأى عنه غيرثابت عن قائل غيرمعصوم، وقداخذ الاصحاب فى مواضع برواية من افتى من الصحابة بخلاف روايته، كمافى حديث ابى هريرةؓ فالبحرهو الطهورماؤ ه: ١/٣٦٦.

اوراسی طرح علماء احناف سے بھی ضرورت کے وقت تین طلاقوں کا ایک طلاق واقع ہونا ثابت ہے ۔جیسا کہ مولانا عبدالحی (صاحب مجموع الفتاوی) لکھتے ہیں: علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟ کہ زید نے اپنی عورت کو حالت غضب میں کہا: کہ میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا۔پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق ہونگے یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں، اور شافعیؒ میں مثلا واقع نہ ہوں، تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل کرنے کی اجازت دی جاوے گی یا نہیں؟ ۔الجواب: اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہونگی، اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا۔مگر بوقت ضرورت، کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس کے لئے دشوار ہو، اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو۔تقلید کسی اور امام کی اگر کریگا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا، نظیر اس کی مسئلہ نکاح زوجہ مفقود وعدت ممتدة الطهر موجود ہے، کہ حنفیہ عندالضرورت امام مالکؒ کے قول پر عمل کرنے کو درست رکھتے ہیں، چنانچہ ردالمحتار میں تفصیلاً ذکر ہے، لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ شخص کسی شافعی عالم سے استفسار کرکے اس کے فتوے پر عمل کرے۔ واللہ اعلم. حرره عبد الحى عفى عنه: نسخه اردو: ۵۳، ۲/۵۴. ونسخہ فارسی: ۲/۴۷۔

اوراسی طرح ملاعلی قاری نے کتاب شرح الفاظ الکفر ص: ۱۷۹: میں بھی لکھا ہے کہ بوقت ضرورت دوسرے عالم کے رائے پر عمل ہوسکتا ہے۔

هذاماعندى والله اعلم بالصواب۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

اور جب تم عورتوں کو (دو دفعہ) طلاق دے چکو اور اُن کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں یا تو حسنِ سلوک سے نکاح میں رہنے دو یا بطریق شائستہ رخصت کر دو

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ

اور اس نیت سے اُن کو نکاح میں نہ رہنے دینا چاہیئے کہ اُنہیں تکلیف دو اور اُن پر زیادتی کرو اور جو ایسا کرے گا

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا

وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور اللہ کے احکام کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ

اور اللہ نے تمہیں جو نعمتیں بخشی ہیں اور تم پر جو کتاب اور دانائی کی باتیں نازل کی ہیں۔

يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۳۱﴾

جن سے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے اُن کو یاد کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور اُن کی عدت پوری ہو جائے تو اُن کو دوسرے شوہروں کیساتھ جب

إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ

وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں نکاح کرنے سے مت روکو۔ اس (حکم) سے اُس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا

سے اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ یہ تمہارے لئے نہایت خوب اور پاکیزگی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم

تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ

نہیں جانتے۔ اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اُس شخص کیلئے ہے جو پوری مدت تک دودھ

أَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

پلوانا چاہیئے اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہو گا۔

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا

کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی (تو یاد رکھو کہ) نہ تو ماں کو اُس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے۔

وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ

اور نہ باپ کو اُس کی اولاد کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے۔ اور اسی طرح (نان نفقہ) بچے کے وارث کے ذمے ہے۔

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

اور اگر دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضا مندی اور صلاح سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو اُن پر کچھ گناہ نہیں۔

وَإِنْ أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوْا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا

اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم دونوں پلانے والیوں کو دستور کے مطابق اُن کا حق

آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

جو تم نے دینا تھا دیدو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس کو دیکھ رہا ہے

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں

وَّعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ أَنْفُسِهِنَّ

اور جب (یہ) عدت پوری کر چکیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کر لیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں

بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ اگر تم (اشارے) کنائے کی باتوں میں عورتوں کو

عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِيْ أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ

نکاح کا پیغام بھیجو یا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دلوں میں مخفی رکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ کو معلوم ہے

أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا

کہ تم اُن سے (نکاح کا) ذکر کرو گے مگر (ایام عدت میں) اس کے سوا کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہہ دو۔

إِلَّا أَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ

پوشیدہ طور پر اُن سے قول و اقرار نہ کرنا اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا۔

حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ

اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے تو اس سے ڈرتے رہو۔

وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ

اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور حلم والا ہے۔ اور اگر تم عورتوں کو اُن کے پاس جانے یا اُن کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دیدو

مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ

تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ہاں اُن کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے

وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق۔ نیک لوگوں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ

اور اگر تم عورتوں کو اُن کے پاس جانے سے پہلے طلاق دیدو لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہو گا۔

مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُوْنَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ

ہاں اگر عورتیں بخش دیں یا مرد جن کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے (اپنا حق) چھوڑ دیں (اور پورا مہر دیدیں تو اُن کو اختیار ہے)

وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ

اور اگر تم مرد لوگ ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری کی بات ہے۔ اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا۔

إِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوةِ

کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ (مسلمانو) سب نمازیں خصوصًا درمیانی نماز (یعنی نمازِ عصر)

الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا

پورے التزام کیساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔ اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے

أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ

یا سوار (جس حال میں ہو نماز پڑھ لو) پھر جب امن ہو جائے تو جس طریق سے اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔

مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ

جو تم پہلے نہیں جانتے تھے اللہ کو یاد کرو۔ اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں۔

وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ

وہ اپنی عورتوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ اُن کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں۔

فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ

ہاں اگر وہ خود گھر سے نکل جائیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کر لیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى

اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ اور مطلقہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا چاہیئے پرہیزگاروں پر (یہ بھی) حق ہے

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ أَلَمْ

اسی طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ بھلا

تَــرَ إِلَــى الَّــذِيْـنَ خَــرَجُـوْا مِـنْ دِيَــارِهِـمْ وَهُـمْ أُلُـوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ

تم نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں ہی تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے۔

فَـقَـالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ

تو اللہ نے اُن کو حکم دیا کہ مر جاؤ۔ پھر اُن کو زندہ بھی کر دیا کچھ شک نہیں کہ اللہ لوگوں پر مہربانی رکھتا ہے لیکن

أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْآ أَنَّ اللّٰهَ

اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ۔ اور (مسلمانو!) اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان رکھو کہ اللہ (سب کچھ)

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَنْ ذَا الَّـذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ

سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے ۔کوئی ہے کہ اللہ کو قرضِ حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اُس کو کئی حصے زیادہ دے گا

أَضْعَـافًـا كَثِيْــــرَةً وَّاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٤٥﴾

اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا اور کشادہ کرتا ہے اور تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے ۔

أَلَـمْ تَـرَ إِلَـى الْمَلَإِ مِنْ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى إِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ

بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا

ابْـعَـثْ لَـنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔پیغمبر نے کہا کہ اگر تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے

الْـقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوْا قَالُوْا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ

تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلوتہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم وطن سے

دِيَـارِنَـا وَأَبْـنَـآئِـنَـا فَـلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْآ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ

اور بال بچوں سے جدا کر دیئے گئے۔لیکن جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو چند لوگوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں

عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ

سے خوب واقف ہے ۔ اور پیغمبر نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔

مَلِكًا قَالُوْا أَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

وہ بولے کہ اُسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہو سکتا ہے؟ بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً

اور اُس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے اُس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کیلئے) منتخب فرمایا ہے

فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهُ مَنْ يَّشَآءُ

اُس نے اُسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور اللہ (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهٖ

اور وہ بڑا وسعت والا اور دانا ہے۔ اور پیغمبر نے اُن سے کہا کہ اُن کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے ۔

أَنْ يَّأْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلی

وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوْسٰى وَآلُ هَارُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلَآئِكَةُ

ہو گی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے۔

إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ

اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے ۔ جب طالوت فوجیں لیکر روانہ ہوا

بِالْجُنُوْدِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ

تو اُس نے کہا کہ اللہ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اُس میں سے پانی پی لے گا

فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّيْٓ إِلَّا

(اُس کی نسبت تصور کیا جائیگا کہ) وہ میرا نہیں اور جو نہ پیئے گا وہ (سمجھا جائیگا کہ) میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی

مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا

ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر جب وہ لوگ نہر پر پہنچے) تو چند اشخاص کے سوا سب نے پانی پی لیا۔

جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهُ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ

پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اُس کیساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت

وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ

اور اُس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ اُن کو اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ استقلال رکھنے والوں کیساتھ ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا

اور جب وہ لوگ جالوت اور اُس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو (اللہ سے) دعا کی کہ اے اللہ ہم پر صبر کے دہانے کھول دے

وَّثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتح عطا فرما۔

﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوْتَ وَآتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ

تو طالوت کی فوج نے اللہ کے حکم سے اُن کو ہزیمت دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور اللہ نے اُس کو بادشاہی

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَآءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے پر (چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا

لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ

تو ملک تباہ ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ اہلِ عالم پر بڑا مہربان ہے ۔ یہ

آيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں سچائی کیساتھ پڑھ کر سناتے ہیں (اور اے محمد ﷺ!) تم بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہو ۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ

یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) اُن میں سے ہم نے بعضکو بعض پر فضیلت دی ہے۔ بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے گفتگو فرمائی

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَآتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَأَيَّدْنٰهُ

اور بعض کے (دوسرے اُمور میں) مرتبے بلند کئے۔ اور عیسیٰ بن مریم کو ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں عطا کیں

بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ

اور روح القدس سے اُن کو مدد دی اور اگر اللہ چاہتا تو اُن سے پچھلے لوگ اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد

مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ

آپس میں نہ لڑتے لیکن اُنہوں نے اختلاف کیا تو اُن میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہی رہے

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ باہم جنگ و قتال نہ کرتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

اے ایمان والو جو (مال) ہم نے تمہیں دیا اُس میں سے اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کرلو جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہو

وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ

اور نہ دوستی اور نہ سفارش ہو سکے اور کفر کرنے والے لوگ ظالم ہیں ۔ اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

۔زندہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔اُسے نہ اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

کون ہے کہ اُس کی اجازت کے بغیر اُس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔ جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے۔

وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ

اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہو چکا ہے اُسے سب معلوم ہے۔اور یہ لوگ اُس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ

ہاں جس قدر وہ چاہتا ہے اُس کی بادشاہی آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے۔ اور اُسے اُن کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں

حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۲۵۵﴾

اور وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے۔[۴۸]

[۴۸] یہ ایت قران کریم کی عظیم ترین آیت ہے، احادیث میں اس کے بڑے فضائل و برکات مذکور ہیں، مسند احمد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو سب ایات سے افضل فرمایا ہے، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعبؓ سے دریافت کیا کہ قران کریم میں کونسی ایت سب سے زیادہ عظیم ہے؟ ابی بن کعبؓ نے عرض کیا، ایت الکرسی، نبی کریم ﷺ نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا، اے ابوالمنذر تمہیں علم مبارک ہو۔

ابوذرؓ نے رسول پاک ﷺ سے دریافت کیا: یارسول اللہ قران میں عظیم تر ایت کونسی ہے؟ فرمایا، ایت الکرسی (ابن کثیر عن احمد فی المسند)۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورت بقرہ میں ایک ایت ہے جو سیدۂ ایات قرآن ہے، وہ جس گھر میں پڑھی جائے، شیطان اس سے نکل جاتا ہے۔نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص ہر نماز فرض کے بعد ایت الکرسی پڑھا کرے تو اس کو جنت میں داخل ہونے کے لئے بجز موت کے کوئی مانع نہیں ہے، یعنی

موت کے بعد فوراوہ جنت کے اثار اور راحت وآرام کا مشاہدہ کرنے لگے گا۔اس آیت میں اللہ جل شانہ کی توحید ذات وصفات کا بیان ایک عجیب وغریب انداز میں بیان کیا گیا ہے۔جس میں اللہ جل شانہ کا موجود ہونا،زندہ ہونا، سمیع وبصیر ہونا،متکلم ہونا۔واجب الوجود ہونا، دائم وباقی ہونا،سب کائنات کا موجد وخالق ہونا،تغیرات اور تاثرات سے بالاتر ہونا،تمام کائنات کا مالک ہونا،صاحب عظمت وجلال ہونا،کہ اس کے آگے کوئی بغیر اس کی اجازت کے بول نہیں سکتا،ایسی قدرت کاملہ کا مالک ہونا،کہ سارے عالم اور اس کی کائنات کو پیدا کرنے، باقی رکھنے،اوران کا نظام محکم قائم رکھنے سے اس کو نہ کوئی تھکان پیش آتا ہے نہ سستی،ایسے علم محیط کا مالک ہونا،جس سے کوئی کھلی یا چھپی چیز کا کوئی ذرہ یا قطرہ باہر نہ رہے،یہ اجمالی مفہوم ہے،اس آیت کا اب تفصیل کے ساتھ اس الفاظ کے معنی سنئے:اس آیت میں دس جملے ہیں:

پہلا جملہ: ”اللہ لاالــہ الاھــو “ اس میں ”اللہ“اسم ذات ہے،جس کے معنی ہیں”وہ ذات جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے“لاالــــہ الاھــو“ میں اسی ذات کا بیان ہے کہ قابل عبادت،اس ذات کے سوا کوئی چیز نہیں۔

دوسرا جملہ ہے ” الــحــی الـقـيــوم“ ،لفظ”حی“ کے معنی عربی زبان میں ہیں”زندہ“اسمائے الھیہ میں سے یہ لفظ لاکر یہ بتلانا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے،وہ موت سے بالاتر ہے۔

لفظ”قیوم“قیام سے نکالا ہے،قیام کے معنی کھڑا ہونا،قائم کھڑا ہونے والے کو کہتے ہیں،قیّوم، اور،قیّام مبالغہ کے صیغے کہلاتے ہیں،انکے معنی ہیں وہ جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھتا،اور سنبھالتا ہے، قیوم حق تعالی کی خاص صفت ہے،جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہوسکتی، کیونکہ جو چیزیں خود اپنے وجود وبقاء میں کسی دوسرے کی محتاج ہوں وہ کسی دوسری چیز کو کیا سنبھال سکتی ہیں؟

اس لئے کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں۔جو لوگ عبدالقیوم کے نام کو بگاڑ کر صرف قیوم بولتے ہیں گنہگار ہوتے ہیں۔اللہ جل شانہ کے اسمائے صفات میں حی وقیوم کا مجموعہ بہت سے علماء کے نزدیک اسم اعظم ہے۔علیؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں،میں نے ایک وقت یہ چاہا کہ نبی کریم ﷺ کو دیکھوں،آپ ﷺ کیا کر رہے ہیں؟پہونچا،تو دیکھا کہ آپ ﷺ سجدہ میں پڑے ہوئے بار بار”یاحی، یاقیوم، یاقیام“کہہ رہے ہیں۔

تیسرا جملہ : "لاتأخذہ سنة و لانوم" ہے لفظ "سنة" میں "س" کے زیر کے ساتھ اونگھ کو کہتے ہیں، جو نیند کے ابتدائی اثار ہوتے ہیں، اور نوم مکمل نیند کو، اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ جل شانہ اونگھ اور نیند سب سے بری و بالا ہے، پچھلے جملے میں لفظ "قیوم" نے جب انسان کو یہ بتلایا کہ اللہ جل شانہ سارے اسمانوں، اور زمینوں، اور ان میں سمانے والی تمام کائنات کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہیں، اور ساری کائنات اسی کے سہارے قائم ہے، تو ایک انسان کا خیال اپنی جبلت وفطرت کے مطابق اس طرف جانا ممکن ہے کہ جو ذات پاک اتنا بڑا کام کر رہی ہے، اس کو کسی وقت تھکان بھی ہونا چاہئے، کچھ وقت ارام اور نیند کے لئے بھی ہونا چاہئیے، اس دوسرے جملے میں محدود علم وبصیرت اور محدود قدرت رکھنے والے انسان کو اس پر متنبہ کر دیا کہ اللہ جل شانہ کو اپنی اوپر یا دوسری مخلوقات پر قیاس نہ کرے، اپنا جیسا نہ سمجھے، وہ مثل ومثال سے بالاتر ہے، اس کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سارے کام نہ کچھ مشکل ہیں نہ اس کے لئے تھکان کا سبب ہیں، اور اس کی ذات پاک تمام تاثرات اور تھکان وتعب اور اونگھ اور نیند سے بالاتر ہے۔

چوتھا جملہ: "لہ مافی السمٰوات ومافی الارض" اس کے شروع میں لفظ "لہ" کا لام تملیک کے معنی کے لئے آیا ہے، جس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام چیزیں جو اسمانوں یا زمین میں ہیں سب اللہ کی مملوک ہیں، وہ مختار ہے، جس طرح چاہے ان میں تصرف فرماوے۔

پانچواں جملہ ہے: "مَن ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ" یعنی ایسا کون ہے جو اس کے آگے کسی کی سفارش کر سکے۔ بدون اس کی اجازت کے، اس میں چند مسائل بیان فرما دیئے ہیں، اول یہ کہ جب اللہ تعالی تمام کائنات کا مالک ہے، کوئی اس سے بڑا اور اس کے اوپر حاکم نہیں، تو کوئی اس سے کسی کام کے بارے میں باز پرس کرنے کا بھی حق دار نہیں، وہ جو حکم جاری فرمائیں اس میں کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں، ہاں یہ ہوسکتا تھا کہ کوئی شخص کسیکی سفارش وشفاعت کرے، سو اس کو بھی واضح فرما دیا، کہ بارگاہ عزت وجلال میں کسی کو مجال دم زدن نہیں، ہاں کچھ اللہ تعالی کے مقبول بندے ہیں جن کو خاص طور پر کلام اور شفاعت کی اجازت دیدیجائیگی، غرض بلا اجازت کوئی کسی کی سفارش وشفاعت بھی نہ کر سکے گا، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ محشر میں سب سے پہلے ساری امتوں کی میں شفاعت کروں گا، اسی کا نام مقام محمود ہے، جو رسول ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

چھٹا جملہ ہے: ''يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ''یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے آگے پیچھے کے تمام حالات وواقعات سے واقف وباخبر ہے، اگے اور پیچھے کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے اور پیدا ہونے کے بعد کے تمام حالات وواقعات حق تعالیٰ کے علم میں ہیں، اور یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ آگے سے مراد وہ حالات ہے جو انسان کے لئے کھلے ہوئے ہیں، اور پیچھے سے مراد اس سے مخفی واقعات وحالات ہوں، تو معنی یہ ہونگے کہ انسان کا علم تو بعض چیزوں پر ہے اور بعض پر نہیں، کچھ چیزیں اس کے سامنے کھلی ہوئی ہیں کچھ چھپی ہوئی، مگر اللہ جل شانہ کے سامنے یہ سب چیزیں برابر ہیں اس کا علم ان سب چیزوں کو یکساں محیط ہے، اور ان دونوں مفہوموں میں کوئی تعارض نہیں، آیت کی وسعت میں یہ دونوں داخل ہیں:

ساتواں جملہ ہے: ''وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاء'' یعنی انسان اور تمام مخلوقات اللہ کے علم کے کسی حصہ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے ،مگر اللہ تعالیٰ ہی خود جس کو جتنا حصہ علم عطا کرنا چاہیں صرف اتنا ہی اس کو علم ہوسکتا ہے، اس میں بتلا دیا گیا کہ تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم محیط صرف اللہ جل شانہ کی خصوصی صفت ہے۔انسان یا کوئی مخلوق اس میں شریک نہیں ہوسکتی۔

آٹھواں جملہ ہے: ''وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ ''یعنی اس کی کرسی اتنی بڑی ہے جس کی وسعت کے اندر ساتوں اسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں، اس قسم کی آیات کو اپنے معاملات پر قیاس نہ کیا جائے، اس کی کیفیت وحقیقت کا ادراک انسانی عقل سے بالاتر ہے، البتہ مستند روایات حدیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور کرسی بہت عظیم الشان جسم ہیں، جو تمام اسمان اور زمین سے بدرجہا بڑے ہیں۔

ابن کثیر نے بروایت ابوذر غفاریؓ نقل کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کرسی کیا اور کیسی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ساتوں اسمانوں اور زمینوں کی مثال کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں کوئی حلقہ انگشتری جیسا ڈال دیا جائے۔اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ عرش کے سامنے کرسی کی مثال بھی ایسی ہی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں انگشتری کا حلقہ۔**نواں جملہ ہے:**

''وَلَا يَؤُدُهُ حِفْظُهُمَا ''یعنی اللہ تعالیٰ کو ان دونوں عظیم مخلوقات آسمان زمین کی حفاظت کچھ گراں نہیں=

لَآ إِكْرَاهَ فِى الدِّينِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ

دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے تو جو شخص

يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

غیراللہ سے اعتقاد نہ رکھے اور اللہ پر ایمان لائے اُس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۵۶﴾

جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے ۔[۴۹]

=معلوم ہوتی، کیونکہ اس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سب چیزیں نہایت آسان ہیں۔

دسواں اخری جملہ ہے: ''وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ '' یعنی وہ عالیشان اور عظیم الشان ہے، پچھلے نو جملوں میں حق تعالی کی ذات وصفات کے کمالات بیان ہوئے ہیں ان کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ہر عقل رکھنے والا انسان یہی کہنے پر مجبور ہے کہ ہر عزت وعظمت اور بلندی وبرتری کی مالک وسزاوار وہی ذات پاک ہے (تلک عشرة کاملة) ان دس جملوں میں اللہ جل شانہ کی صفات کمال اور اس کی توحید کا مضمون پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ آ گیا۔امام بقاعی نے اس آیت کی تفسیر میں ایک مکمل جلد لکھی ہے۔

[۴۹] اسلام کو مضبوط پکڑنے والا چونکہ ہلاکت اور محرومی سے محفوظ رہتا ہے اس لئے اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تھام کر گرنے سے مامون رہتا ہے، اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں اور یوں کوئی رسی ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے، اسی طرح اسلام میں کسی قسم کی ہلاکت اور خسران نہیں ہے، اور خود کوئی اسلام کو ہی چھوڑ دیں تو اور بات ہے۔(بیان القران)۔

اس ایت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں زبردستی نہیں ہے، حالانکہ اسلام میں جہاد اور قتال کی تعلیم اس کے معارض ہے۔اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اسلام میں جہاد اور قتال کی تعلیم لوگوں کو قبول ایمان پر مجبور کرنے کے لئے نہیں =

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا

جولوگ ایمان لائے ہیں اُن کا دوست اللہ تعالیٰ ہے کہ اُن کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں

أَوْلِیَآؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ إِلَى الظُّلُمٰتِ أُوْلٰٓئِكَ

اُن کے دوست شیطان ہیں جو اُن کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ

أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِیْ حَآجَّ إِبْرَاهِیْمَ فِیْ رَبِّهٖ

اہلِ دوزخ ہیں کہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ بھلاتم نے اُس شخص کونہیں دیکھا جواس سبب سے کہ اللہ نے اُسکوسلطنت بخشی تھی ابراہیم سے رب

أَنْ آتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِیْمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ قَالَ أَنَا

کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ وہ بولا کہ

أُحْیٖ وَأُمِیْتُ قَالَ إِبْرَاهِیْمُ فَإِنَّ اللّٰهَ یَأْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ

جلانا اور مارنا تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے

فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾

آپ اُسے مغرب سے نکال دیجئے (یہ سن کر) کافر حیران رہ گیا۔ اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا [۵۰]

= ہے، ورنہ جزیہ لے کر کفار کو اپنی ذمہ داری میں رکھنے اوران کی جان ومال وابرو کی حفاظت کرنے کے اسلامی احکام کیسے جاری ہوتے، بلکہ دفع فساد کے لئے ہے کیونکہ فساد اللہ تعالی کو ناپسند ہے، جس کے درپے کافر رہتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:"ویسعون فی الارض فساداواللہ لایحب المفسدین".(مائدة:٦٤). یہ لوگ زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں، اوراللہ تعالی فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس لئے اللہ تعالی نے جہاد اور قتال کے ذریعے سے ان لوگوں کے فساد کو دور کرنے کا حکم دیا ہے، پس ان لوگوں کا قتل ایسا ہی ہے جیسے سانپ، بچھو اور دیگر موذی جانوروں کا قتل، اسلام نے عورتوں، بچوں، بوڑھوں اوراپاہج وغیرہ کے قتل

کوعین میدان جہاد میں بھی سختی سے روکا ہے، کیونکہ وہ فساد کرنے پر قادر نہیں ہوتے، ایسے ہی ان لوگوں کے بھی قتل کرنے کو روکا ہی جو جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے قانون کے پابند ہو گئے ہوں۔

اسلام کے اس طرز عمل سے واضح ہو جاتا ہے، کہ وہ جہاد اور قتال سے لوگوں کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا، بلکہ اس سے وہ دنیا میں ظلم وستم کو مٹا کر عدل وانصاف اور امن وامان قائم رکھنا چاہتا ہے، عمرؓ نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی عوت دی، تو اس کے جواب میں اس نے کہا: انا عجوز کبیرۃو الموت الیّ قریب، یعنی میں ایک قریب المرگ بڑہیا ہوں، اخری وقت میں اپنا مذہب کیوں چھوڑوں؟ عمرؓ نے یہ سنکر اس کو ایمان پر مجبور نہیں کیا۔ بلکہ یہی آیت تلاوت فرمائی: ''لااکرہ فی الدین'' یعنی دین میں زبردستی نہیں ہے۔ درحقیت ایمان کے قبول پر جبر واکراہ ممکن بھی نہیں ہے اس لئے کہ ایمان کا تعلق ظاہری اعضاء سے نہیں ہے، بلکہ قلب کے ساتھ ہے، اور جبر واکراہ کا تعلق صرف ظاہری اعضاء سے ہوتا ہے، اور جہاد وقتال سے صرف ظاہری اعضاء ہی متاثر ہو سکتے ہیں، لہذا اس کے ذریعے سے ایمان کے قبول کرنے پر جبر ممکن نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آیات جہاد وقتال ایت ''لااکرہ فی الدین'' کے معارض نہیں ہیں۔ (مظہری، قرطبی)۔

[۵۰] اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو ضد وعناد کی وجہ سے کفر پر رہنا چاہتے ہیں، اور اپنے اختیار سے کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالی ان سے ایمان کی توفیق چھین کر شیطانوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے، جو ان کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے دل شبہات کی سیاہی سے بالکل ڈھک جاتے ہیں اور ان سے فطری نور چھین لیا جاتا ہے اور ان کے دلوں پر مہر جباریت لگ جاتی ہے۔

''اولئک'' کا اشارہ ''الذین کفروا'' کی طرف ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے عنادا اور اختیارا کفر قبول کیا ہے، وہ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے بعد اللہ نے تین قصے بیان فرمائے ہیں۔

''الم تر'' الایۃ یہ پہلا واقعہ ہے اور اسکو بطور تمثیل ذکر کیا گیا ہے۔ کہ ضدی اور معاند آدمی کو وضوح حق کے باوجود قبول حق کی توفیق نہیں ملتی۔ جیسا کہ نمرود کے سامنے ابراہیم علیہ السلام نے ٹھوس اور اطمینان بخش دلائل سے اللہ کی توحید واضح کر کے اس پر حجت الٰہی قائم کر دی، مگر اس کے باوجود اس نے اسے قبول نہ کیا، کیونکہ وہ ضد وعناد کے وجہ سے قبول حق کی استعداد سے محروم ہو چکا تھا۔ جس شخص سے ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے کا یہاں ذکر ہے، مفسرین نے اس

سے نمرودمرادلیاہے، جواس زمانے کا بڑا ظالم وجابراور سرکش بادشاہ تھا، اور خود کو اللہ کا شریک سمجھتا تھا۔"**هـذا الذی حاج ابراهيم فی ربه**" **وهوملک بابل نمرودبن کنعان بن کوش بن سام بن نوح** (ابن کثیر، قرطبی)۔

"اَنْ" سے پہلے لام تعلیلیہ محذوف ہے، یعنی اللہ کے بارے میں اس کے جھگڑنے کا سبب یہ تھا کہ اللہ نے اس کو حکومت دی، اقتدار بخشا، اور وہ نشۂ اقتدار سے مخمور ہو کر غرور کرنے لگا، اور اللہ کا شریک بن بیٹھا۔ **لان اتـاه الله**، یعنی ان **ايتـاء الـملک ابطره واورثه الکبر فحاج لذلک** (مدارک)۔"اِذْ" ظرف "**حاج**" کے متعلق ہے، ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نمرود کے سوال کا جواب ہے، نمرود نے سوال کیا تھا کہ وہ رب کونسا ہے جس کی توحید کی تو دعوت دیتا ہے؟ **قـاله اثـر قـول نـمـرود مـن ربک الذی تدعوا اليـه؟** (روح)۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں اللہ کی دو ایسی صفتوں کا ذکر کیا جو بالکل واضح تھیں، اور جن کا روز مرہ کی زندگی میں نمرود بھی مشاہدہ کرتا تھا، یعنی زندہ کرنا، پیدا کرنا، اور مارنا۔ موت وحیات اللہ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہتا ہے زندگی عطا کرتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے زندگی سلب کر لیتا ہے۔

"**قـال انـا احـی و اميـت**" اس ضدی ملعون نے ان کے قول کو غلط مفہوم میں لیا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالی جس کو زندگی دیتا یا جس سے زندگی چھینتا ہے وہ ظاہری اسباب ہی کے ذریعے ایسا کرتا ہے، اور اس طرح ظاہری اسباب کے ذریعے تو میں بھی ایسا کرسکتا ہوں۔ مثلاً جسے چاہوں معاف کردوں اور جسے چاہوں قتل کرادوں۔ نمرود خوب جانتا تھا کہ موت وحیات اس کے قبضہ میں نہیں، مگر محض ضد وعناد اور ڈھٹائی کی بناء پر اس نے یہ جواب دیا۔

وانـما ارادان يدعی لنفسه هذا المقام عنادا ومکابرة (ابن کثیر)۔ ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ وہ ضد اور ڈھٹائی پر تلا ہوا ہے، اس لئے فوراً ایسی دلیل پیش کردی، جس کے سامنے وہ بالکل بے بس ہو گیا، اور اس کی ضد وڈھٹائی کی بھی پیش نہ چل سکی، جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا، ان کی پہلی دلیل اس سرکش پر کارگر نہیں ہوئی تو فوراً دوسری دلیل پیش فرمادی، جس طرح طبیب حاذق جب دیکھتا ہے کہ مریض کو ایک نسخہ سے فائدہ نہیں ہوا تو اس کے لئے دوسرا نسخہ تجویز کردیتا ہے، اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالی تو سورج کو مشرق کی طرف سے نکالتا ہے اگر تو الــــہ ہے تو اسے مغرب کی طرف سے نکال کر دکھادے۔"**فبهـــت الـــذی کـفـــر**" اس پر وہ کافر جھگڑالو حیرت زدہ ہو گیا اور اپنا سامنہ لیکر رہ گیا۔"**والله لايهـدی الـقـوم الظالمين**" جو لوگ ضد وعناد کے وجہ سے حق قبول نہیں کرتے، اور اپنے لئے عذاب جہنم کا سامان مہیا کرتے ہیں، ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت قبول کرنے کی توفیق نہیں دیتا۔

أَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

یا اسی طرح اُس شخص کو (نہیں دیکھا) جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاقِ گزر ہوا تو اُس نے کہا کہ

قَالَ أَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ

اللہ اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا تو اللہ نے اُس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اُس کو مردہ رکھا)

ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ

پھر اُس کو جلا اٹھایا اور پوچھا کہ تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اُس سے بھی کم۔

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ

اللہ نے فرمایا کہ (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو۔ اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق) گلی سڑی نہیں

وَانْظُرْ إِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ

اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مرا پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کیلئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں

وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا

اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم اُن کو کس طرح جوڑ دیتے اور اُن پر گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

جب یہ واقعات اُس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۵۱]

---

[۵۱] یہ دوسرا واقعہ ہے اور ''او'' تنویعیہ ہے یعنی دوسری نوع کے بیان کے لئے ہے یہ قصہ اس کی تمثیل ہے کہ جو لوگ اللہ کی طرف انابت کرتے ہیں۔ حق وصداقت اور اطمینان باطن کے متلاشی ہیں۔ اللہ تعالی کس طرح ان کی دستگیری کرتا، اور ان کے اطمینان کا سامان مہیا کرتا ہے۔ استشهاد علی ماذکر من ولایته تعالی للمؤمنين وتقرير له. (ابو السعود)۔

"کالذی" میں "ک" تمثیل کے لئے ہے، یعنی اس کے منجملہ شواہد میں سے ایک یہ ہے، اس قسم کے اور بھی کئی واقعات ہو چکے ہیں، مثلا ایک واقعہ، الم تر الی الذین خرجوا (بقرہ: ۲۴۳) میں مذکور ہوا ہے، کہ بعض مومنوں کو قتال نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالی نے مار کر پھر زندہ فرمایا۔

یا "ک" زائدہ ہے، "الذی مر" کے بارے میں اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ عزیر علیہ السلام تھے، والمار هو عزير بن شرخيا كما اخرجه الحاكم عن عليؓ، واسحاق بن بشر عن ابن عباسؓ وعبدالله بن سلام واليه ذهب قتادة وعكرمة و الربيع و الضحاك و السدى وخلق كثير (روح)۔

اور قریہ سے مراد بیت المقدس ہے جسے بخت نصر نے تباہ و برباد کیا تھا، وقال عكرمة و الربيع ووهب هي بيت المقدس وكان قدخربها بخت بنصر وهذاهو الاشهر (روح المعانی، بحر)۔

انہوں نے جب اس کی تباہی کا منظر دیکھا تو اظہار تأسف کے طور پر کہا کہ اللہ تعالی اس بستی والوں کو دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا؟ مطلب یہ نہیں کہ انہیں ان کے دوبارہ جی اٹھنے کا یقین نہیں تھا، بلکہ وہ کیفیت احیاء کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ "فاماته الله" تو اللہ تعالی نے انہیں کیفیت احیا کا مشاہدہ کرانے کے لئے ان پر موت وارد کردی، اور وہ پورے سو سال اسی حالت میں زمین کے اوپر ہی پڑے رہے، اور سو سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد اللہ نے ان کو زندہ کیا، "قال کم لبثت" یہ سوال و جواب احاطہ صفات سے ان کے عجز کے اظہار کے لئے کیا گیا ہے۔

عزیر علیہ السلام نے حالت موت کی مدت صرف ایک دن یا اس سے بھی کم بتائی، یہ محض ان کا اندازہ اور تخمینہ تھا، سو سال کا عرصہ انہیں یک روزہ خواب کی طرح معلوم ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ حالت موت میں یہ جلیل القدر پیغمبر علیہ السلام اختلاف لیل ونہار اور انقلابات زمانہ سے بالکل بے خبر تھا۔

اگر انہیں ان چیزوں کا احساس ہوتا تو مدت کا یہ تخمینہ بیان نہ کرتے، بلکہ ان کو پوری مدت کا ٹھیک ٹھیک علم ہوتا، اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ عزیر علیہ السلام دنیا میں ہونے والے تمام انقلابات سے بے خبر تھے۔ سو سال کے عرصہ میں نہ تو رات دن کے اختلاف کا ان کو پتہ چلا، اور نہیں انہیں بیرونی اوازیں سنائی دیں، نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ ان کے ابدان مبارکہ میں موجود نہیں رہتیں، اور ان کی حیات دنیوی ناسوتی نہیں ہوتی بلکہ برزخی ہوتی ہے۔

یعنی تم تو پورے سو سال حالت موت میں رہے ہو مگر دیکھ لو اس کے باوجود تمہارا کھانا پینا خراب نہیں ہوا، اس=

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ

اور جب ابراہیم نے (اللہ سے) کہا کہ اے رب مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کس طرح زندہ کریگا تو اللہ نے فرمایا کہ

أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي

کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں لیکن (میں دیکھنا) اس لئے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل

قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ

اطمینانِ کامل حاصل کر لے۔ اللہ نے فرمایا کہ چار پرندے پکڑوا کر اپنے پاس منگوا لو (اور ٹکڑے ٹکرے کروا دو)

ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ

پھر اُن کا ایک ایک حصہ ہر ایک پہاڑ پر رکھوا دو پھر اُن کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس

يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾

دوڑتے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے ۔ [٥٢]

= میں کسی کا قسم تغیر اور بو پیدا نہیں ہوئی، بلکہ وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جس طرح آج سے سو سال پہلے تھا۔

"وانظر الی حمارک" الخ عزیر علیہ السلام جب یہاں سے گزرے تھے اس وقت گدھے پر سوار تھے، آرام کرنے کے لئے گدھے کو چھوڑ کر لیٹ گئے، اور حالت نوم ہی میں ان کی روح قبض کر لی گئی، ادھر گدھا بھی مر گیا، اور اس اثناء میں اس کا گوشت، پوست تو مٹی نے کھا لیا، مگر ہڈیاں صحیح سلامت پڑی رہیں، تو اللہ تعالی نے فرمایا اپنے گدھے کی طرف بھی دیکھ، ہم اسے کس طرح زندہ کرتے ہیں تا کہ ہم تمہیں بعث بعد الموت یعنی دوبارہ جی اٹھنے پر لوگوں کے لئے دلیل اور برہان بنا دیں۔

"ولنجعلک آیة للناس" ودلالة على البعث بعد الموت (قرطبی) ۔ انشاز کے معنی ہلانے اور جنبش دینے کے ہیں ہماری قدرت کاملہ کا اپنی آنکھوں سے نظارہ کرلو اور مشاہدہ کرلو کہ ہم کس طرح گدھے کی ہڈیوں کو گوشت

پوست پہنا کر اور اس میں روح پھونک کر اسے دوبارہ زندہ کرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالی نے ان کے دیکھتے ہی دیکھتے بگڈھے کو زندہ کر دیا۔علم سے یہاں علم مشاہدہ اور معاینہ مراد ہے، کیونکہ اللہ تعالی کی قدرت کا علم ویقین تو انہیں پہلے بھی حاصل تھا، مگر وہ علم مشہود نہیں تھا،قال مکی انہ اخبر عن نفسہ عندماعاین من قدرة اللّٰہتعالی فی احیائہ الموتی فتیقن ذلک بالمشاھدة.(قرطبی)۔

[۵۲]اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیل اللہ نے حق تعالی سے یہ درخواست کی کہ مجھے اس کا مشاہدہ کرادیجئے، کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس درخواست کی کیا وجہ ہے؟ کیا آپ کو ہماری قدرت کاملہ پر یقین نہیں؟ کہ وہ ہر چیز پر حاوی ہے، ابرہیم علیہ السلام نے اپنا واقعی حال عرض کیا کہ یقین کیسے نہیں ہوتا، کیونکہ آپ کی قدرت کاملہ کے مظاہر ہر لحظہ ہر آن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں،اور غور وفکر کرنے والے کے لئے خود اس کی ذات میں اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے،لیکن انسانی فطرت ہے کہ جس کام کا مشاہدہ نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی یقینی ہو اس میں اس کے خیالات منتشر رہتے ہیں، کہ یہ کیسے اور کس طرح ہوگا؟ یہ ذہنی انتشار سکون قلب اور اطمینان میں خلل انداز ہوتا ہے،اس لئے یہ مشاہدہ کی درخواست کی گئی کہ احیاء موتیٰ کی مختلف صورتوں اور کیفیتوں میں ذہنی انتشار واقع نہ ہو کر قلب کو سکون واطمینان حاصل ہو جائے۔

حق تعالی نے ان کی درخواست قبول فرما کر ان کے مشاہدہ کی بھی ایک ایسی عجیب صورت تجویز فرمائی،جس میں منکرین کے تمام شبہات وخدشات کے ازالہ کا بھی مشاہدہ ہو جائے ،وہ صورت یہ تھی کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ چار پرندے (جانور) اپنے پاس جمع کرلیں ،پھر ان کو پاس رکھ کر آموختہ کرلیں، کہ وہ ایسے آموختہ ہو جائیں کہ آپ کے بلانے سے آجایا کریں، اوران کی پورے طرح شناخت بھی ہو جائے۔یہ شبہ نہ رہے کہ شاید کوئی دوسرا پرندہ آ گیا ہو، پھر ان چاروں کو ذبح کر کے اور ہڈیوں اور پروں سمیت ان کا خوب قیمہ سا کر کے اس کے کئی حصے کر دیں۔اور پھر اپنے تجویز سے مختلف پہاڑوں پر اس قیمہ کا ایک ایک حصہ رکھ دیں، پھر ان کو بلائیں،تو وہ اللہ تعالی کی قدرت کاملہ سے زندہ ہو کر دوڑے دوڑے آپ کے پاس آجائیں گے۔

ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ:قال النبیﷺنحن احق بالشک من ابراھیم اذقال﴿ رَبِّ أَرِنِیُ کَیُفَ تُحِیِ الْمَوْتَی ﴾ویرحم اللّٰہلوطا،لقدکان یأوی الی رکن شدید،ولولبثت فی السجن طول مالبث یوسف،لاجبت الداعی.(بخاری: ۳۳۷۲ ،مسلم: ۱۵۱)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے لائق ہیں،جب انہوں نے کہا تھا(ترجمہ)اے پروردگار!مجھے دکھادے کہ تو مردوں کو کس طرح جلائے گا،اور اللہ تعالی لوط علیہ السلام پر رحم کرے جو رکن شدید کا سہارا پکڑے ہوئے تھے۔اور اگر میں جیل خانے میں اتنی طویل مدت تک رہتا جتنی مدت یوسف علیہ السلام رہے تو میں یقیناً بلانے والے کی دعوت قبول کر لیتا۔

اس حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کے جس شک کا ذکر کیا گیا ہے،اس کا تذکرہ قرآن کریم کی اس آیت میں ہے: اور اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ،ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے لائق ہیں،تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی عظمت اور برتری ظاہر کرنے کے لئے کہا،کہ یہ شک ابراہیم علیہ السلام کو ہوا،ہمارے نبی کریم ﷺ نے اس طرح کا شک ظاہر نہیں کیا۔نبی کریم ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے لائق ہیں۔نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے ظاہری اسلوب سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نہ صرف ابراہیم علیہ السلام کے لئے بلکہ اپنی ذات کے لئے بھی مذکورہ شک کا اثبات کیا،حالانکہ دونوں کا اس طرح کے شک میں مبتلا ہونا امر محال ہے،کیونکہ انبیاء علیہم السلام جن کی ذات ایمان وایقان کا اولین مظہر بلکہ اصل اور بنیاد ہوتی ہے،اور جن کا وجود طمانیت وعرفان کا سرچشمہ ہوتا ہے،فطری طور پر شک وتردد سے محفوظ ومامون ہوتے ہیں،ان میں عدم ایقان اور شک وشبہ کے وجود کے کوئی معنی نہیں،لہذا مذکورہ ارشاد سے رسول اللہ ﷺ کی مراد وہ نہیں ہے جس کا تقاضا ظاہری اسلوب کرتا ہے،بلکہ آپ ؐ کی اصل مراد یہ ہے کہ اس آیہ کریمہ سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے،کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پروردگا سے جو درخواست کی اس کا تحریک احیاء موتی کے نفس وقوع میں کوئی شک وشبہ تھا،وقوع پر تو ان کو پورا ایمان وایقان تھا،وہ صرف مراتب عرفان اور کمالات ایقان میں ترقی کے طلب گار تھے،علم الیقین سے اور آگے بڑھ کر عین الیقین اور حق الیقین کے درجہ پر پہنچنے کے متمنی تھے،جس کو اطمینان قلبی سے تعبیر کیا،یعنی ان کا مدعا یہ تھا کہ احیاء موتی کے وقوع پر ایمان کے درجہ تک تو یقین اب بھی حاصل ہے،صرف یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدہ بھی حاصل ہو جائے،تاکہ اطمینان قلب کی دولت میں اور اضافہ ہو،ان صحابہ پر اسی بات کو واضح کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ نے یہ پیرایہ بیان اختیار فرماتے ہیں کہ دیکھو شک وتردد اگر ابراہیم علیہ السلام میں راہ پاسکتا تو یقیناً ہم میں بھی راہ پاتا،اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ ہم میں شک وتردد کا کسی طرح گذر نہیں ہوتا،لہذا جان لو!کہ ابراہیم علیہ السلام بھی ہماری ہی طرح کمال ایقان وعرفان کے درجہ پر فائز تھے،اور ان کے دل ودماغ میں بھی کسی طرح کا کوئی شک وتردد راہ پائے ہوئے نہیں تھا۔

تفسیر روح المعانی میں بسند ابن المنذ رحسنؒ سے روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ پھر ان کو پکارا تو فوراً ہڈی سے ہڈی، پر سے پر، خون سے خون، گوشت سے گوشت، ملکر سب اپنی اپنی اصلی ہیئت میں زندہ ہوکر دوڑتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے، حق تعالی نے فرمایا، کہ اے ابراہیم قیامت کے روز اسی طرح سب اجزاء واجساد کو جمع کر کے ایک دم سے ان میں جان ڈالدوں گا۔

قران کے الفاظ میں یأتینک سعیا آیا ہے کہ پرندے دوڑتے ہوئے آئیں گے جس سے معلوم ہوا کہ دوڑ کر نہیں آئیں گے کیونکہ آسمان میں اڑھکر آنے میں نظروں سے اوجھل ہوکر بدل جانے کا شبہ ہوسکتا ہے زمین پر چل کر آنے بالکل سامنے رہیں گے اس واقعہ میں حق تعالی نے قیامت کے بعد حیات بعد الممات کا ایسا نمونہ خلیل اللہ کو دکھا دیا جس نے مشرکین اور منکرین کے سارے شبہات کا ازالہ مشاہدہ سے کرا دیا۔

حیات بعد الممات اور عالم اخرت کی زندگی پر سب سے بڑا اشکال منکرین کو یہی ہوتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہوجاتا ہے، پھر یہ مٹی کہیں ہوا کے ساتھ اڑ جاتی ہے، کہیں پانی کے ساتھ بہہ جاتی ہے، کہیں درختوں اور کھیتوں کی شکل میں برامد ہوتی ہے، پھر اس کا ذرہ ذرہ دنیا کے اطراف بعیدہ میں پھیل جاتا ہے، ان منتشر ذروں اور اجزاء انسانی کو جمع کر دینا اور پھر ان میں روح ڈال دینا سطحی نظر والے انسان کی اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ سب کو اپنی قدرت اپنی حیثیت پر قیاس کرتا ہے، وہ اپنے سے مافوق اور ناقابل قیاس قدرت میں غور نہیں کرتا۔

حالانکہ اگر وہ ذرا سا اپنے ہی وجود میں غور کر لے، تو اسے نظر آئے کہ آج بھی اس کا وجود ساری دنیا میں بکھری ہوئے اجزاء وذرات کا مجموعہ ہے، انسان کی آفرینشن جن ماں اور باپ کے ذریعے ہوتی ہے، اور جن غذاؤں سے ان کا خون اور جسم بنتا ہے، وہ خود جہاں کے مختلف گوشوں سے سمٹے ہوئے ذرات ہوتے ہیں، پھر پیدائش کے بعد انسان جس غذا کے ذریعے نشو ونما پاتا ہے جس سے اس کا خون اور گوشت پوست بنتا ہے۔ اس میں غور کرے تو اس کی غذاؤں میں ایک ایک چیز ایسی ہے جو تمام دنیا کے مختلف ذرات سے بنی ہوئی ہے، دودھ پیتا ہے تو وہ کسی گائے، بھینس یا بکری کے اجزاء ہیں، اور ان جانوروں میں یہ اجزاء اس گھاس، دانے سے پیدا ہوئے، جو انھوں نے کھائے ہیں، یہ گھاس، دانے، معلوم نہیں کس کس خطہ زمین سے آئے ہیں، اور ساری دنیا میں پھرنے والی ہواؤں نے کہا کہاں کے ذرات کو ان کی تربیت میں شامل کر دیا ہے، اسی طرح دنیا کا دانہ دانہ اور پھل اور ترکاریاں اور انسان کی تمام غذائیں اور دوائیں جو اس کے بدن کا جزو بنتی ہیں، وہ کس کس گوشہ عالم سے کس کس طرح حق تعالی کی قدرت کاملہ اور نظام محکم نے ایک انسان کے بدن میں جمع

فرمادئے، اگر غافل اور کوتاہ نظر انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنی ہی تن بدن کی تحقیق کرنے بیٹھ جائیں تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ اس کا وجود ایسے بے شمار اجزاء سے مرکب ہے جو کوئی مشرق کا ہے کوئی مغرب کا، کوئی جنوبی دنیا کا، کوئی شمالی حصے کا، آج بھی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اجزاء قدرت کے نظام محکم نے اس کے بدن میں جمع فرما دیئے ہیں، اور مرنے کے بعد یہ اجزاء پھر اسی طرح منتشر ہو جائیں گے تو اب دوسری مرتبہ پھر ان کا جمع فرما دینا اس کی قدرت کاملہ کے لئے کیا دشوار ہے جس نے پہلی مرتبہ اس کے وجود میں ان منتشر ذرات کو جمع فرما دیا تھا۔

واقعہ مذکورہ پر چند سوالات مع جوابات

آیت متذکرہ بالا کے مضمون میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں اول یہ کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو یہ سوال ہی کیوں پیدا ہوا، جبکہ وہ حق تعالی کی قدرت کاملہ پر ایمان لانے میں اس وقت کی ساری دنیا سے زیادہ یقین پر تھے؟ اس کا جواب اس تقریر کے ضمن میں آچکا ہے جو اوپر کی گئی ہے کہ درحقیقت خلیل اللہ علیہ السلام کا سوال کسی شک وشبہ کی بناء پر تھا ہی نہیں، بلکہ سوال کا منشأ صرف یہ تھا کہ حق تعالی قیامت میں مردوں کو زندہ کریں گے، ان کی قدرت کاملہ سے یہ کسی طرح بھی مستبعد یا حیرت انگیز نہیں، بلکہ یقینی ہے، لیکن مردہ کو زندہ کرنے کا کام انسان کی طاقت سے باہر ہے، اس نے کبھی کسی مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا نہیں، اور مردہ کو زندہ کرنے کی کیفیات اور صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں، انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کے مشاہدہ میں نہ ہو اس کی کیفیات کی کھوج لگانے کی فکر میں رہا کرتا ہے، اس میں اس کا خیال مختلف راہوں پر چلتا ہے، جس میں ذہنی انتشار کی تکلیف بھی برداشت کرتا ہے، اس ذہنی انتشار کو رفع کر کے قلب کو سکون مل جانے ہی کا نام اطمینان ہے۔ اس کے لئے خلیل اللہ علیہ السلام نے یہ درخواست پیش فرمائی تھی۔

اسی سے معلوم ہو گیا کہ ایمان اور اطمینان میں فرق کیا ہے؟ ایمان اس اختیاری یقین کا نام ہے جو انسان کو رسول ﷺ کے اعتماد پر کسی غیب کی بات کے متعلق حاصل ہو جائے، اور اطمینان سکون قلب کا نام ہے بعض اوقات نظروں سے غائب کسی چیز پر یقین کامل تو ہوتا ہے، مگر قلب کو سکون اس لئے نہیں ہوتا کہ اس کی کیفیات کا علم نہیں ہوتا، یہ سکون صرف مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو بھی حیات بعد الموت پر تو کامل ایمان ویقین تھا، سوال صرف کیفیت احیاء کے متعلق تھا۔

اس کے متعلق ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ علم کے تین مرتبے ہیں، (۱) علم الیقین، وھو ماعلمه بالسماع و الخبر و القياس (۲) عين اليقين، وھو ماشاھدہ وعاینه بالبصر (۳) حق الیقین، وھو ماباشرہ ووجدہ

وذاقه وعرفه بالاعتبار ،وهذا اعلى من الكل ،مجموعة الفتاوی: ١٠ / ٦٤٥ ۔یعنی علم کے تین رتبے ہیں۔

(۱)علم الیقین جو کہ خبر، قیاس وغیرہ سے حاصل ہوا ہو، کمافی سورۃ التکاثر:۵۔

(۲) عین الیقین ، جو کہ دیکھنے اور مشاہدہ سے حاصل ہوا ہو، کمافی التکاثر:۷۔

(۳)حق الیقین ، کمافی واقعہ:۹۵، یہ وہ علم ہے جس میں مذکورہ وجوہ یعنی اسباب علم تمام کے تمام جمع ہوئے ہو۔ اور یہ سب سے اعلی رتبہ ہے۔تو ابراہیم علیہ السلام اس رتبے کا خواہشمند تھا، جبکہ عزیر علیہ السلام اور حواریین جن کا ذکر سورۃ مائدہ:۱۱۳، میں ہے، بھی اس رتبہ کے طلبگار تھے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کا سوال زندہ کرنے کی کیفیت سے متعلق تھا، اصل حیات بعد الموت میں اس کی کوئی شک وشبہ نہ تھا، تو پھر ارشاد ربانی '' اولم تؤمن '' یعنی کیا آپ کو یقین نہیں فرمانے کا کوئی موقع نہیں رہتا۔

جواب یہ ہے کہ جو سوال خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام نے پیش فرمایا کہ اصل واقعہ میں کوئی شک نہیں، لیکن اس سوال کا ایک مفہوم تو یہی ہے کہ زندہ کرنے کی کیفیت دریافت کرنا منظور ہے۔انہی الفاظ سوال کا دوسرا مفہوم بھی ہوسکتا ہے، جو اصل قدرت میں شبہ یا انکار سے پیدا ہوا کرتا ہے، جیسے آپ کسی بوجھ کے متعلق یقین رکھتے ہیں کہ فلاں آدمی اس کو نہیں اٹھا سکتا، اور آپ اس کا عاجز ہونا ظاہر کرنے کے لئے کہیں کہ دیکھیں تم کیسے اس بوجھ کو اٹھاتے ہو، چونکہ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا یہ غلط مفہوم بھی کوئی لے سکتا تھا، اس لئے حق تعالی نے خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو اس غلط بات سے بری ثابت کرنے کے لئے ہی یہ ارشاد فرمایا'' اولــــم تــؤمـــن'' تاکہ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام اس کے جواب میں ''بلی''، فرما کر افتراء پردازوں کی زد سے نکل جائیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس سوال ابراہیمی سے کم از کم اتنا تو معلوم ہوا کہ ان کو حیات بعد الموت پر اطمینان حاصل نہ تھا حالانکہ علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر عالم غیب سے پردہ اٹھا دیا جائے تو میرے یقین واطمینان میں کوئی زیادتی نہ ہوگی ، کیونکہ مجھے ایمان بالغیب ہی سے اطمینان کامل حاصل ہے ،تو جب بعض امتیوں کو درجہ اطمینان حاصل ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ اللہ کے خلیل کو اطمینان کا درجہ حاصل نہ ہو۔اس کے متعلق یہ سمجھنا لینا چاہئے کہ اطمینان کے بھی بہت سے درجات ہیں، ایک وہ اطمینان ہے جو اولیاء اللہ اور صدیقین کو حاصل ہوتا ہے، اور ایک اس سے اعلی مقام اطمینان ہے جو عام انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے، اور ایک اس سے بھی مافوق ہے جو خاص خاص کو=

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن (کے مال) کی مثال

كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَّاللّٰهُ

اُس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر ایک بال میں سوسو دانے ہوں اور اللہ جس (کے مال) کو چاہتا ہے

يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ

زیادہ کرتا ہے اور وہ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ جو لوگ اپنا مال اللہ کے رستے میں خرچ کرتے ہیں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ أَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ

پھر اُس کے بعد نہ اُس خرچ کا (کسی پر) احسان رکھتے ہیں اور نہ (کسی کو) تکلیف دیتے ہیں اُن کا صلہ

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

اُن کے رب کے پاس (تیار) ہے اور (قیامت کے روز) نہ اُن کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ أَذًى

جس خیرات دینے کے بعد (لینے والے کو) تکلیف دی جائے اُس سے تو نرم بات کہہ دینی اور (اُس کی بے ادبی سے) درگزر کرنا بہتر ہے

= بصورت مشاہدہ عطا فرمایا جاتا ہے جیسا کہ پہلے ابن تیمیہ سے نقل کی گئی۔ علی کرم اللہ وجہہ کو جو درجہ اطمینان کا حاصل تھا وہ بلاشبہ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو حاصل تھا، بلکہ اس سے اعلیٰ درجہ اطمینان جو مقام نبوت کے ساتھ خاص ہے اس اطمینان میں خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام اور سب امتیوں سے فائق تھے۔ پھر جس کو وہ طلب فرما رہے ہیں وہ سب سے اعلیٰ مقام اطمینان ہے، جو خاص خاص انبیاء کو عطا فرمایا جاتا ہے، جیسے سرور کائنات سید الانبیاء ﷺ کو جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرا کر اطمینان خاص بخشا گیا۔ الغرض اس سوال کی وجہ سے یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان حاصل نہ تھا، یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اطمینان کامل جو مشاہدہ سے حاصل ہوا کرتا ہے وہ نہ تھا، اسی کے لئے یہ درخواست فرمائی تھی۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذٰى

اور اللہ بے پروا اور بُردبار ہے۔ مومنو! اپنے صدقات (وخیرات) احسان رکھنے اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح برباد نہ کر دینا

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ

جو لوگوں کو دکھانے کیلئے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو اُس (کے مال) کی مثال

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا

اُس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اُس پر زور کا مینہ برس کر اُسے صاف کر ڈالے

لَا يَقْدِرُونَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ

(اسی طرح) یہ (ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اور اللہ ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا

﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ

اور جو لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اور خلوصِ نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال

أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَّمْ

ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو۔ (جب) اُس پر مینہ پڑے تو دُگنا پھل لائے اور اگر مینہ نہ بھی پڑے

يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۶۵﴾ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ

تو خیر پھوار ہی سہی۔ اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے ۔ بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے

أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ

کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہہ رہی ہوں ۔

لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ

اور اس میں اُس کیلئے ہر قسم کے آمدنی موجود ہوں اور اُسے بڑھاپا آ پکڑے اور اُس کے ننھے منھے بچے بھی ہوں

فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيٰتِ

تو (ناگہاں) اُس باغ پر آگ کا بھرا ہوا بگولہ چلے اور وہ جل (کر راکھ کا ڈھیر ہو) جائے۔ اس طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲٦٦﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو (اور سمجھو)۔ مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے

كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ

لئے زمین سے نکالتے ہیں اُن میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور بُری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ اگر وہ

وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ؕ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ

چیزیں تمہیں دی جائیں تو بجز اس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کرلو اُن کو کبھی نہ لو۔ اور جان رکھو کہ اللہ غنی اور قابلِ ستائش ہے

﴿۲٦٧﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ

(اور دیکھنا) شیطان (کا کہا نہ ماننا وہ) تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے۔ اور اللہ تم سے اپنی

مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲٦٨﴾ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ

بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ

اور جس کو دانائی ملی بیشک اُس کو بڑی نعمت ملی۔ اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

﴿۲٦٩﴾ وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهُ

اور تم (اللہ کی راہ میں) جس طرح کا خرچ کرو یا کوئی نذر مانو اللہ اُس کو جانتا ہے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۲٧٠﴾ إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اگر تم خیرات ظاہراً دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہلِ حاجت کو تو وہ خوب تر ہے

وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّنْ
اور (اس طرح کا دینا) تمہارے گناہوں کو بھی دور کر دے گا۔
سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ
اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے ۔ (اے محمد ﷺ!) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو بلکہ
اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ
اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔اور (مومنو) تم جو مال خرچ کرو گے تو اُس کا فائدہ تمہیں کو ہے اور تم تو جو خرچ کرو گے
إِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ
اللہ کی خوشنودی کیلئے کرو گے اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیدیا جائے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہ کیا جائے گا
﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي
(اور ہاں تم جو خرچ کرو گے تو) اُن حاجتمندوں کیلئے جو اللہ کی راہ میں رُکے بیٹھے ہیں اور زمین میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے
الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ
(اور مانگنے سے عار رکھتے ہیں) یہاں تک کہ نہ مانگنے کی وجہ سے ناواقف شخص اُن کو غنی خیال کرتا ہے۔
تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا
اور تم چہرے سے اُن کو صاف پہچان لو (کہ حاجتمند ہیں اور شرم کے سبب) لوگوں سے چمٹ کر نہیں مانگ سکتے
وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۷۳﴾ الَّذِينَ
اور تم جو مال خرچ کرو گے کچھ شک نہیں کہ اللہ اُس کو جانتا ہے ۔ جو لوگ
يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ
اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں اُن کا صلہ اللہ کے پاس ہے۔اور اُن کو

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا

(قیامت کے دن)نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ غم ۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں

لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ

وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گی جیسے کسی کو جن نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ

تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اُس کا اور (قیامت میں)

وَاَمْرُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد۔ اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے ۔

﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ

اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست

كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

نہیں رکھتاہے ۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

اور زکوٰۃ دیتے رہے اُن کو اُن کے کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور اُن کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے

﴿۲۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ

مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سُود باقی رہ گیا ہے اُس کو چھوڑ دو ۔

مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۷۸﴾ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ

اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کیلئے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کرلو گے

فَلَكُمْ رُؤُسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَإِنْ كَانَ

(اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔ اور اگر

ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَأَنْ تَصَدَّقُوْا

قرض لینے والا تنگدست ہو تو (اُسے) وسعت (کے حاصل ہونے تک) مہلت (دو) اور اگر (زرِقرض) بخش ہی دو

خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللهِ

تو تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو۔ اور اُس دن سے ڈرو جب کہ تم اللہ کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور ہر شخص اپنے اعمال کا پوراپورا بدلہ پائے گا اور کسی کا کچھ نقصان نہ ہو گا ۔ مومنو!

آمَنُوْا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ

جب تم آپس میں کسی میعاد معین کیلئے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اُس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے

كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللهُ فَلْيَكْتُبْ

بلکہ) انصاف سے لکھے نیز لکھنے والا جیسا اُسے اللہ نے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللهَ رَبَّهُ

اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور اللہ سے جو کہ اُس کا رب ہے خوف کرے

وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ؕ فَإِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا أَوْ ضَعِيْفًا

اور زرِ قرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے۔ اور اگر قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف ہو

أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ

یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اُس کا ولی ہو وہ انصاف کیساتھ مضمون لکھوائے اور اپنے میں سے دو مردوں کو

مِنْ رِّجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ

(ایسے معاملے کے) گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں)

مِنَ الشُّهَدَآءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى

کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی اور جب گواہ (گواہی کیلئے) طلب کئے جائیں

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوٓا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا

تو انکار نہ کریں۔ اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اُس (کی دستاویز) کے لکھنے لکھانے میں کاہلی نہ کرنا۔

إِلٰٓى أَجَلِهِ ذٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنٰى أَلَّا تَرْتَابُوا

یہ بات اللہ کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے۔ اور شہادت کیلئے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے۔ اس سے تمہیں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں پڑے گا

إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوٓا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ

اور جب خرید و فرخت کیا کرو تو بھی گواہ کر لیا کرو اور کاتبِ دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح نقصان نہ کریں

وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللهُ

اگر تم (لوگ) ایسا کرو تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرو اور (دیکھو کہ) وہ تمہیں (کیسی مفید باتیں) سکھاتا ہے۔

وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا

اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے ۔ اور اگر تم سفر پر ہو اور (دستاویز) لکھنے والا نہ مل سکے

فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا

تو (کوئی چیز) رہن باقبضہ رکھ کر (قرض لے لو) اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ

تو امانتدار کو چاہئیے کہ صاحبِ امانت کی امانت ادا کر دے۔ اور اللہ جو کہ اُس کا رب ہے اُس سے ڈرے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

اور (دیکھنا) شہادت کو مت چھپانا۔ جو اُس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہگار ہوگا۔ اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے

عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو گے

أَنفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن

یا چھپاؤ گے تو اللہ تم سے اُس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جسے چاہے مغفرت کرے اور جسے چاہے عذاب دے

يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٨٤﴾ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ رسول (اللہ) اس کتاب پر جو اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں

مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ

اور مومن بھی۔ سب اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا

(اور کہتے ہیں کہ) ہم اُس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ اور وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا

وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٢٨٥﴾

اور قبول کیا۔ اے رب ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا

اللہ کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اُس کو اُن کا فائدہ ملے گا اور بُرے کرے گا تو اُسے

مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا

اُن کا نقصان پہنچے گا اے رب اگر ہم سے بھول چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔ اے اللہ

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا

ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے اللہ

وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا

جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھنا اور (اے اللہ) ہمارے گناہوں سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے

وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾

اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہمیں کافروں پر غالب فرما(٥٣)

---

(٥٣) ان آیتوں کی فضیلت

عن ابن عباسؓ قال بينما جبرئيل عليه السلام قاعدعند النبیﷺ سمع نقيضامن فوقه فرفع رأسه فقال هذاباب من السماء،فتح اليوم لم يفتح الا اليوم ،فنزل منه ملك ،فقال هذاملك نزل الى الارض لم ينزل قط الا اليوم، فسلم فقال ابشربنورين اوتيتهمالم يؤتهمانبی قبلك، فاتحة الكتاب ،وخواتيم سورة البقرة،لن تقرأ بحرف منهماالااعطيته (رواه مسلم: ٢٨٩،و الترمذی: ٣٢٧٦).

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) جب جبرئیل علیہ السلام نبی کریمﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے

تھے،توانہوں نے (یعنی جبرئیل نے)اوپر کی طرف دروازہ کھلنے کی سی آواز سنی،چنانچہ انہوں نے اپنا سراوپر اٹھالیا، اور کہا کہ، یہ اسمان کا دروازہ کھولا گیا ہے، آج کے علاوہ اور کبھی یہ نہیں کھولا گیا ہے، جب ہی اس دروازے سے ایک پرشتہ اترا، جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ فرشتہ آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا ہے، پھر اس فرشتے نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا اور کہا کہ خوشخبری ہو کہ آپ کو وہ دو نور عطا فرمائے گئے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے اور کسی نبی کو نہیں دئے گئے، اور وہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کا آخری حصہ ہیں۔ان میں سے آپ ﷺ کی طرف پڑھے گئے ایک ایک حرف کے عوض آپ ﷺ کو ثواب ملے گا، یا آپ ﷺ کی دعا قبول کی جائی گی۔

عن ابی مسعودؓ قال:قال رسول الله ﷺ الایتان من آخرسورة البقرة من قرأبهمافی ليلة كفتاه .متفق عليه. (بخاری:۴۰۰۸،مسلم:۲۵۵). ابو مسعودؓ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جو شخص رات میں سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں یعنی ’’امن الرسول‘‘ سے آخر تک پڑھتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہیں۔

عن جبیر بن نفیرؓ ان رسول الله ﷺ قال ان الله ختم سورة البقرة بايتين اعطيتهما من كنزه الذی تحت العرش فتعلموهن وعلموهن نسائكم ،فانها صلاة وقربان ودعاء . (دارمی:۳۳۹۰، وحاکم: ۱/۵۶۲)

جبیر بن نفیرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی نے سورۂ بقرہ کو دو آیتوں (یعنی امن الرسول سے آخر تک) پر ختم فرمایا ہے۔ یہ دو آیتیں مجھے اس خزانے سے عطا فرمائی گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے، لہذا ان آیتوں کو تم سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھلاؤ، کیونکہ وہ آیتیں رحمت ہیں (اللہ کے) قرب کا ذریعہ ہیں، اور تمام دینی و دنیوی بھلائیوں کے حصول کے لئے دعاء ہیں۔

’’کافی ہیں‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات میں ان آیتوں کے پڑھنے کی وجہ سے انسان و جنات کے شرارت وایذاء سے محفوظ رہتا ہے، گویا یہ آیتیں اس لئے دافع شر و بلا ہو جاتی ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ یہ دو آیتیں اس کے حق میں قیام لیل و عبادت، ذکر کے لئے شب بیداری کا قائم مقام بن جاتی ہیں۔

☆☆☆

☆

سورة ال عمران(۱)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَيُّ الۡقَيُّوۡمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ

آلٓمّٓ ۔اللہ (جو معبودِ برحق ہے) اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔زندہ، ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔

عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَاَنۡزَلَ التَّوۡرٰىةَ

اُس نے (اے محمد ﷺ!) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔اور اُسی نے تورات اور

وَالۡاِنۡجِيۡلَ ﴿۳﴾ مِنۡ قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ اِنَّ الَّذِيۡنَ

انجیل نازل کی ۔لوگوں کی ہدایت کیلئے پہلے اور (پھر جوحق اور باطل کو) الگ الگ کر دینے والا (ہے) نازل کیا جو لوگ

كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ﴿۴﴾

اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اُن کو سخت عذاب ہوگا اور اللہ تعالیٰ زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے ۔

---

(۱) یہ سورت مدنی ہے اس کے شروع کی ۸۳ (تراسی) آیات نجران کے عیسائیوں کے جو ایلچی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سن ۹ ھ میں آئے تھے، ان کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ۔اس وفد میں تین آدمی سرکردہ تھے، عاقب، سید، اورابوحارثہ، یہ لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ عیسی علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے لگے، اورکہا کہ وہ اللہ کے ولد اورنائب ہیں، اورمریم وعیسی علیہما السلام ہمارے معبود ہیں۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا رب تو زندہ جاوید اور سارے جہاں کا نگہبان اور رازق ہے، زمین وآسمان کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، وہ ماں کے رحم میں اپنی مرضی کے مطابق بچے کی شکل بناتا ہے، وہ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، اب تم بتاؤ کیا ان صفات میں سے کوئی ایک صفت بھی عیسی علیہ السلام میں پائی جاتی ہے؟ جب ان صفات میں سے کوئی صفت بھی ان میں نہیں تو پھر وہ معبود کس طرح بن سکتے ہیں؟

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ
اللہ (ایسا خبیر و بصیر ہے کہ) کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں۔ نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔
﴿۵﴾ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ
وہی تو ہے جو (ماں کے پیٹ میں) جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶﴾ هُوَ الَّذِيٓ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
اوراللہ غالب اورحکمت والاہے وہی تو ہے۔ جس نے تم پر کتاب نازل کی۔
مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ
جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں
فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِ
کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مرادِ اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ
وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهٗٓ إِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ
مرادِ اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہِ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اُن پر ایمان لائے۔
كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا
یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں،[۲] اے اللہ

---

[۲] یہاں بیان ہورہا ہے کہ قرآن مجید میں ایسی آیتیں بھی ہیں، جن کا بیان بالکل واضح صاف اور سیدھا ہے، ہر شخص ان کے مطلب تک پہنچ سکتا ہے، اور بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے مطلب تک عموماً ذہن رسائی نہیں کر سکتے، اب جو لوگ دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف لوٹائیں، یعنی جس مسئلہ کی صراحت جس آیت میں پائیں لے لیں تو وہ ہدایت پر ہیں، اور جو صاف صریح آیات کو چھوڑ کر ایسی ایات کو دلیل بنائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہیں، اور ان میں الجھ جائیں یہ وہ

ہے جو منہ کے بل گر پڑے۔

''ام الکتاب'' یعنی اصل اصول کتاب اللہ کی ، وہ صاف اور واضح آیات ہیں۔شک وشبہ میں نہ پڑو، اور کھلے احکام پر عمل کرو، انہی کو فیصلہ کرنے والی مانو، اور جو نہ سمجھ میں آئے اسے بھی ان سے سمجھو۔بعض اور آیتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک معنی تو ان کا ایسا نکلتا ہے جو ظاہر آیتوں کے موافق ہو، اور ممکن ہے کہ اس کے سوا اور معانی بھی نکلیں گو وہ لفظ اور ترکیب کے اعتبار سے ہوں نہ کہ واقعی طور پر، تو ان غیر ظاہر معنوں میں نہ پھنسو۔

محکمات اور متشابہات کی وضاحت:

محکم اور متشابہ کے بہت سے معنی سلف سے منقول ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں کہ محکمات وہ ہیں جو ناسخ ہوں، جن میں حلال، حرام، احکام، حکم، ممنوعات، حدیں اور اعمال کا بیان ہو، اسی طرح آپ سے یہ بھی مروی ہے ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ (انعام:۱۵۱) اور اس کے بعد کی حکموں والی آیتیں محکمات ہیں اور ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ (بنی اسرائیل:۴) اور اس کے بعد کی تین آیات۔

متشابہات ان آیات کو کہتے ہیں جو منسوخ ہیں، اور جو پہلے کی ہیں اور جو پیچھے کی ہیں، اور جن میں مثالیں دی گئی ہیں، اور قسمیں کھائی گئی ہیں، اور جن پر صرف ایمان لایا جاتا ہے، اور عمل کے لئے وہ احکام نہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی فرمان ہے، مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد سورتوں کے شروع کے حروف مقطعات ہیں، مجاہد کا قول ہے کہ یہ ایک دوسری کی تصدیق کرنے والی ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ﴾ (زمر:۲۳) اور یہ بھی مذکور ہے کہ یہ وہ کلام ہے جو ایک ہی طرز کے ماتحت ہو، اور مثانی وہ ہے جہاں دو مقابل کی چیزوں کا ذکر ہو جیسے صفتِ جنت، دوزخ کی، اور حال نیکوں اور بدوں کا وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت میں متشابہ، محکم کے مقابلہ میں ہے، اس لئے ٹھیک مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا، اور یہ فرمان ہے محمد بن اسحاق بن یسارؒ کا، فرماتے ہیں کہ یہ رب کی حجت ہے، ان میں بندوں کا بچاؤ ہے، جھگڑوں کا فیصلہ ہے باطل کا چکوتا ہے، انہیں ان کے صحیح اور اصل مطلب سے کوئی گھما نہیں سکتا، نہ ان کے معنی میں ہیر پھیر کر سکتا ہے، متشابہات کی سچائی میں کلام نہیں، نہ ان میں تصریف وتاویل کرنی چاہیئے ، ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزماتا ہے جیسے حلال حرام سے آزماتا ہے انہیں باطل کی طرف لے جانا اور حق سے پھیر دینا نہیں چاہیئے۔

اہل بدعت متشابہات سے ہی استدلال کرتے ہیں

پھر فرماتا ہے کہ جن دلوں میں کجی ''ٹیڑھا پن'' گمراہی اورحق سے باطل کی طرف جانا ہے وہ متشابہ آیات کولیکراپنے بدترین مقاصدکو پورا کرنا چاہتے ہیں،اور لفظی اختلافات سے ناجائزفائدہ اٹھاکراپنی طرف موڑ لیتے ہیں،اور جومحکم آیات ہیں ان میں ان کا وہ مقصد پورانہیں ہوتا،کیونکہ ان کے الفاظ بالکل صاف اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں،نہ وہ انہیں ہٹا سکتے ہیں،نہ ان میں اپنے لئے کوئی دلیل پاتے ہیں،اس لئے فرمان ہے کہ اس سے مقصدان کا فتنہ کی تلاش ہوتی ہے،تاکہ اپنے ماننے والوں کو بہکائیں،اپنی بدعتوں کی دلیل قرآن سے لانا چاہتے ہیں،حالانکہ قرآن تو بدعتوں کی تردید کرتا ہے،جیسے کہ عیسائیوں نے دلیل پکڑی ہے،عیسیٰؑ کے اللہ کا لڑکا ہونے پر قرآن کے الفاظ ''روح اللہ'' اور ''کلمۃ اللہ'' سے۔پس اس متشابہ آیت کو لے کرصاف آیت جس میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ ﴾ (زخرف:۵۹) یعنی عیسیٰؑ اللہ تعالی کا بندہ ہیں،جن پر اللہ کا انعام ہے۔اور جگہ ہے ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ﴾ (العمران:۵۹) الخ، یعنی عیسیٰؑ کی مثال اللہ تعالی کے نزدیک آدم کی طرح ہے کہ انہیں اللہ تعالی نے مٹی سے پیدا کیا،پھراسے کہا کہ ہوجا،وہ ہوگیا۔اسی طرح کی اور بھی صریح آیتیں ہیں ان سب کو چھوڑ دیا اور متشابہ آیتوں سے عیسیٰؑ کے اللہ کا بیٹا ہونے پر دلیل پکڑی،حالانکہ آپ اللہ کے مخلوق ہیں،اللہ کے بندے ہیں،اس کے رسول ہیں۔

غلط تاویل وتحریف کی مذمت

پھر فرماتا ہے کہ ان کی دوسری غرض آیت کی تحریف ہوتی ہے،کہ اسے اپنی جگہ سے ہٹالیں۔عن عائشةؓ قالت قرأرسول اللهﷺ﴿هو الذی انزل عليک الکتاب منه ايات محکمات هن ام الکتاب واخرمتشابهات﴾ الی قوله ﴿اولوا الالباب﴾فقال اذارأيتم الذين يجادلون فيه، فهم الذين عنی الله ،فاحذروهم. (مسنداحمد: ۲۴۲۱۰). نبی کریمﷺ نے یہ آیت پڑھ کرفرمایا:جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات میں جھگڑتے ہیں تو انہیں چھوڑ دو،یہی لوگ اس آیت میں مراد لئے گئے ہیں،یہ حدیث مختلف طریق سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے صحیح بخاری شریف میں بھی یہ حدیث اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے(کتاب القدر)۔

ایک اورحدیث میں ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں:عن ابی امامةؓ يحدث النبیﷺفی قوله تعالی ﴿فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ﴾قال هم الخوارج وفی قوله تعالی يوم تبيض وجوه

وتسود وجوہ قال هم الخوارج۔(مسند احمد ۲۲۲۵۹)۔پس اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ موقوف سمجھ لیا جائے ،تاہم اس کا مضمون صحیح ہے اس لئے کہ پہلی بدعت خوارج نے ہی پھیلائی ، یہ فرقہ محض دنیوی رنج کی وجہ سے مسلمانوں سے الگ ہوا، نبی ﷺ نے جس وقت حنین کی غنیمت کا مال تقسیم کیا،اس وقت ان لوگوں نے اسے خلاف عدل سمجھا،اوران میں سے ایک نے جسے ذوالخویصرۃ کہا جاتا تھا،اس نے نبی ﷺ کے سامنے آ کر صاف کہا کہ عدل کیجئے آپؐ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا،آپؐ نے فرمایا مجھے تو اللہ نے امین بنایا تھا،اگر میں بھی عدل نہ کروں تو پھر تو،تو برباد ہوا،اورنقصان میں پڑا۔جب وہ لوٹا تو عمرؓ نے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے مارڈالوں۔آپؐ نے فرمایا چھوڑ دو اس کی جنس سے ایک ایسی قوم نکلے گی کہ تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کے نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنی قرآن خوانی کو ان کی قرآن خوانی کے مقابلہ میں حقیر سمجھوگے۔دراصل وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے،تم جہاں انہیں پاؤ قتل کرو،ان کی قتل کرنے والے کو بڑا ثواب ملے گا۔(المنتقی لابن الجارود:۱۰۸۳،ومسند حمیدی:۱۲۷۱)۔

علیؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کا ظہور ہوگیا،اورآپؓ نے انہیں نہروان میں قتل کیا،ابویعلی کی حدیث میں ہے کہ:عن ابی سعیدالخدریؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول:ان منکم من یقاتل علی تأویل القرآن کماقاتلت علی تنزیله،فقال ابوبکرؓ اناھویارسول اللہ؟قال لا قال عمرؓ اناھو؟یارسول اللہ؟قال لاولکنه خاصف النعل،وکان اعطی علیانعله یخصفھا.(مسندابی یعلی:رقم :۱۰۸۶). پھران میں پھوٹ پڑی اوران کی مختلف الخیال فرقے ہوگئے،اورنئی نئی بدعتیں دین میں جاری کرلیں۔اوراللہ کی راہ سے بہت دور جاپڑے۔ان کے بعدقدریہ فرقے کاظہور ہوا،پھرمعتزلہ نکلے،جہمیہ وغیرہ پیدا ہوئے،اورنبی ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ میری امت عنقریب تہتر(۷۳)فرقے ہونگے،سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے،صحابہؓ نے پوچھا وہ کون لوگ ہوں گے؟آپ ﷺ نے فرمایا وہ جو اس چیز پر ہوں،جس پر میں ہوں،اور میرے اصحاب۔اعتقاد اہل السنۃ:۱۵۱۔

ابویعلی کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:ھلاک امتی فی الکتاب واللبن ،قالواوما الکتاب واللبن؟قال یتعلمون القرآن فیتأولونه علی غیرتأویله، ویحبون اللبن فیدعون الجماعات و الجمع ویبدون (مسندابی یعلی:۱۷۴۶،مسنداحمد:۱۵۵/۴) میری امت میں ایک قوم ہوگی جوقرآن تو پڑھے گی لیکن اسے اس طرح پھینکے گی جیسے کوئی کھجور کی گٹھلیاں پھینکتا ہو۔اسکے غلط مطالب بیان کرے گی۔پھرفرمایا”اس کی حقیقی تاویل اورواقعی مطلب اللہ تعالی ہی جانتا ہے“۔

لفظ ''اللہ'' تعالی پر وقف ہے یا نہیں

اس میں اختلاف ہے ،عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تفسیر چار قسم کی ہیں ،ایک وہ جس کے سمجھنے میں کوئی معذور نہیں ،ایک وہ جسے عرب اپنی لغت سے سمجھتے ہیں ،ایک وہ جسے جید علماء اور پورے علم والے ہی جانتے ہیں ،اور ایک وہ جسے بجز ذات باری تعالی کے اور کوئی نہیں جانتا۔ عائشہؓ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے (معجم کبیر: ۳۳۶۴) میں ابو مالک اشعریؓ سے حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لاخاف علی امتی الاثلاث خلال،أن یکثر لھم من المال فیتحاسدوا فیقتتلوا،وان یفتح لھم الکتب یأخذ المومن یبتغی تأویله،ولیس یعلم تأویله الا الله، و الراسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عندربنا،ومایذکرالا اولو الألباب،وان یروا ذا علمھم فیضیّعوه ولا یبالون علیه.**

مجھے اپنی امت پر صرف تین باتوں کا ڈر ہے، مال کی کثرت کا ،جس سے حسد وبغض پیدا ہو،اور آپس کی سر پھٹول شروع ہوگی ،دوسرے یہ کہ کتاب اللہ کی تاویل کے پیچھے پڑ جائیں گے ،حالانکہ اصلی مطلب ان کا اللہ تعالی ہی جانتا ہے ،اور گہرے علم والے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے ،الخ ۔تیسرے یہ کہ علم والے کو پائیں گے تو اسے بے پرواہی سے ضائع کردیں ،یہ حدیث بالکل غریب ہے ،اور حدیث میں ہے کہ قرآن اس لئے نہیں اترا کہ ایک آیت دوسری آیت کے خلاف ہو ،جس کا تم کو علم ہو اس پر عمل کرو ،اور جو متشابہ ہوں ان پر ایمان لاؤ ۔(ابن مردویہ)۔

ابن عباسؓ ،عمر بن عبدالعزیز ،اور مالک بن انسؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ گہرے علم والے بھی اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے ،ہاں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اس کی تاویل کا علم اللہ تعالی ہی کو ہے ،پختہ علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے ،ابی بن کعبؓ بھی یہی فرماتے ہیں ۔امام ابن جریرؒ بھی اس کو پسند کرتے ہیں یہ تو تھی وہ جماعت جو ﴿إِلَّا اللّٰهُ﴾ پر وقف کرتی تھی ،اور بعد کے جملے کو اس سے الگ کرتی تھی ۔اور لوگ یہاں نہیں ٹھہرتے بلکہ ﴿فِی الْعِلْمِ﴾ پر وقف کرتے ہیں اور اکثر مفسرین اور اہل اصول بھی یہی کہتے ہیں ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے ایسی بات کہنی ٹھیک نہیں ۔

ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں ان راسخ علماء میں ہوں جو تاویل جانتے ہیں ،مجاہد فرماتے ہیں راسخ علم والے تفسیر جانتے ہیں ،محمد بن جعفر بن زبیر فرماتے ہیں کہ اصل تفسیر اور مراد اللہ تعالی ہی جانتا ہے ،اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ

ہم اس پر ایمان لائے ، پھر متشابہات ایات کی تفسیر محکمات سے کرتے ہیں جن میں کسی کو مجال سخن نہیں رہتی، مضامین قران ٹھیک ٹھاک ہوجاتے ہیں۔دلیل جاری ہوتی ہے،عذرظاہر ہوجاتا ہے، باطل چھوٹ جاتا ہے،اورکفر دفع ہوجاتا ہے، حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ابن عباسؓ کے لئے دعا کی کہ:"اللهم فقه في الدين وعلمه التاويل" اے اللہ انہیں دین کی سمجھ دے،اور تفسیر کا علم دے۔

بعض علماء نے یہاں تفصیل کی ہے،وہ فرماتے ہیں تاویل دو معنی میں قرآن کریم میں آئی ہے،ایک معنی تو ایک چیز کی اصلی حقیقت اور صحیح اصلیت، جیسے قرآن میں ہے ﴿وَقَالَ يٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ ﴾(یوسف:١٠٠) میرے باپ میرے خواب کی یہی تعبیر ہے۔

اورجگہ ہے۔﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ ﴾(اعراف:٥٣) کافروں کو انتظار صرف اس کی حقیقت ظاہر ہونے کا ہے،جس دن اس کا مصداق آجائے گا، پس ان دونوں جگہ مراد تاویل سے حقیقت ہے، اگراس آیت مبارکہ میں تاویل سے مراد یہی تاویل لی جائے تو﴿الا الله﴾ پر وقف ضروری ہے،اس لئے کہ تمام کاموں کی حقیقت اور اصلیت بجز ذات پاک کے اور کوئی نہیں جانتا۔تو" راسخون في العلم" مبتدا ہوگا اور"يقولون امنا" خبر ہوگی،اور یہ جملہ بالکل الگ ہوگا، دوسرے معنی تاویل کے تفسیر اور بیان، اور ایک شے کی تعبیر دوسرے شے سے ہوتے ہیں جیسے قرآن میں ہے﴿نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ﴾(یوسف:٣٦) ہمیں اس کی تاویل بتاؤ، یعنی تفسیر اور بیان۔اگر آیت مذکورہ میں تاویل سے یہ مراد لی جائے تو"في العلم" پر وقف کرنا چاہیئے ،اس لئے کہ پختہ علم والے علماء جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیونکہ خطاب انہیں سے ہے ، گوحقائق کا علم انہیں بھی نہیں تو اس بناء پر"امنابه" حال ہوگا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ معطوف ہو بغیر معطوف علیہ کے، جیسے اور جگہ ہے﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ سے يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا تک۔(حشر:٧تا١٠) اور ان کی طرف سے یہ خبر کہ ہم اس پر ایمان لائے، اس کے معنی ہے کہ متشابہ پر۔پھر اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب یعنی محکم اور متشابہ حق وصدق ہے،اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اور گواہی دیتا ہے، کہ یہ سب اللہ تعالی کی طرف سے ہے،اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں جیسے اور جگہ ہے﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾(نساء:٨١) یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا اور کی طرف سے ہوتا

تو اس میں بہت اختلاف ہوتا۔اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ اسے صرف عقل مند ہی سمجھتے ہیں، جو اس پر غور اور تدبر کریں، جو صحیح سالم عقل والے ہوں جن کے دماغ درست ہو۔

اور حدیث میں ہے: عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ؓ قال خرج رسول اللهﷺ ذات یوم والناس یتکلمون فی القدر، قال و کأنما تفقأ فی وجهه حب الرمان من الغضب، قال: فقال لهم: مالکم تضربون کتاب الله، بعضه ببعض ؟ بهذا هلک من کان قبلکم قال: فما غبطت نفسی بمجلس فیه رسول اللهﷺ لم أشهده. (مسند احمد: ۶۶۶۸، ۶۸۴۶، خلق افعال العباد: ۱۶۵)۔

آپﷺ نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کے بارے میں لڑ جھگڑ رہے ہیں، آپﷺ نے فرمایا سنو! تم سے پہلے لوگ بھی اس میں ہلاک ہوئے۔کہ انہوں نے کتاب اللہ کی آیات کو ایک دوسرے کے خلاف بتا کر اختلاف کیا، حالانکہ کتاب اللہ کی ہر آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے، تم ان میں اختلاف نکال کر ایک کو دوسری کے متضاد نہ بتاؤ، جو جانو کہو، اور جو نہ جانو اسے جاننے والوں کو سونپو۔ رافع بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں، جو متواضع ہوں، عاجزی کرنے والے ہوں، رب کی رضا کے طالب ہوں، اپنے سے بڑوں سے دبنے والے نہ ہوں، اپنے سے چھوٹے کو حقیر بنانے والے نہ ہوں۔پھر فرمایا: کہ یہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو جب کہ تو نے ہدایت پر جما دیا ہے، انہیں ان لوگوں کے دلوں کی طرح نہ کر جو متشابہ کے پیچھے پڑ کر خراب ہو جاتے ہیں، بلکہ ہمیں اپنے صراط مستقیم پر قائم رکھ، اور اپنے مضبوط دین پر دائم رکھ، اور ہم پر اپنی رحمت نازل کر، ہمارے دلوں کو ثبات دے، ہمارے پراگندگی کو دور کر، ہمارے ایمان و یقین کو بڑھا، تو بہت بڑا دینے والا ہے۔رسول کریمﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔﴿یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک﴾ (متفق علیہ) اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جما ہوا رکھ، پھر یہ دعا: ﴿ربنا لا تزغ﴾ الخ پڑھتے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپﷺ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ﴿اللهم مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک﴾ عائشہؓ نے ایک دن پوچھا، کیا دل الٹ پلٹ ہو جاتا ہے؟ آپﷺ نے فرمایا ہاں، ہر انسان کا دل اللہ تعالی کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر چاہے قائم رکھے، اگر چاہے پھیر دے، ہماری دعا ہے کہ ہمارا رب ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے، اور ہمیں اپنے پاس سے رحمتیں عنایت فرمائے، وہ بڑی دین والا ہے، پھر یہ آیت پڑھی: الابانۃ: ۱/۴/۱۲۸ الباب الرابع۔

لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً

جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اُس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر دینا۔ اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما۔

إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ

تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے ۔ اے رب تو اُس روز جسمیں کچھ بھی شک نہیں سب لوگوں کو جمع کر لے گا

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۹﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ

بیشک اللہ خلافِ وعدہ نہیں کرتا ۔ جولوگ کافر ہوئے نہ تو اُن کا مال ہی اللہ (کے عذاب) سے اُن کو بچا سکے گا

وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَأُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَدَأْبِ آلِ

اور نہ اُن کی اولاد ہی (کچھ کام آئے گی) اور یہ لوگ آتشِ کا ایندھن ہوں گے ۔اُن کا حال بھی فرعونیوں

فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ

اور اُن سے پہلے لوگوں کا سا ہوگا جنھوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تھی تو اللہ نے اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب

وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ

پکڑ لیا تھا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۔(اے پیغمبر) کافروں سے کہہ دو کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ

وَتُحْشَرُوْنَ إِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ

گےاور (آخرت میں) جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گےاور وہ بُری جگہ ہے۔تمہارے لئے دوگروہوں میں جو (جنگ بدر کے

الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأُخْرٰى كَافِرَةٌ

دن) آپس میں لڑے نشانی تھی۔ایک گروہ (مسلمانوں کا تھا وہ) اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ (کافروں کا تھا وہ)

يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

اُن کو اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ

جو اہلِ بصارت ہیں اُن کیلئے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے ۔ لوگوں کو اُن کی خواہشوں کی چیزیں

مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے

وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

گھوڑے اور مویشی اور کھیتی باڑی مزین کی گئیں ہیں یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں ۔

وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ﴿١٤﴾ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَٰلِكُمْ

اوراللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔۔(اے پیغمبر) ان سے کہو کہ بھلا میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جو ان چیزوں سے کہیں اچھی ہو

لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

(سنو) جو لوگ پرہیزگار ہیں اُن کیلئے اللہ کے ہاں باغاتِ ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں

خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ

اُن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور پاکیزہ عورتیں ہیں اور اللہ کی خوشنودی۔ اور اللہ تعالیٰ

بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ

بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ جو اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لے آئے پس ہمیں ہمارے گناہ معاف فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

النَّارِ ﴿١٦﴾ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ

یہ وہ لوگ ہیں جو صبر کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں اور عبادت میں لگے رہتے ہیں اور خرچ کرتے

وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ﴿١٧﴾ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

اور اوقاتِ سحر میں گناہوں کی معافی مانگا کرتے ہیں ۔ اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں

وَالْمَلآئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ إِلٰـهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ

اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی (گواہی دیتے ہیں کہ) اُس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾ إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ أُوتُوا

دین تو اللہ کے نزدیک اسلام (ہی) ہے اور اہلِ کتاب نے جو (اس دین سے) اختلاف کیا تو علم حاصل ہونے کے بعد

الْكِتٰبَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِآيٰتِ اللهِ

آپس کی ضد سے کیا۔ اور جو شخص اللہ کی آیتوں کو نہ مانے تو اللہ تعالیٰ جلد حساب

فَإِنَّ اللهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ

لینے والا (اور سزا دینے والا) ہے اگر یہ لوگ تم سے جھگڑنے لگیں تو کہنا کہ میں اور میرے پیرو تو اللہ کے فرمانبردار ہو چکے۔

وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتٰبَ وَالْأُمِّيِّيْنَ ءَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا

اور اہل کتاب اور اَن پڑھ لوگوں سے کہو کہ تم بھی اسلام لاتے ہو؟ اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں

فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾

تو بیشک ہدایت پا لیں اور اگر نہ مانیں تو تمہارا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ

جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں اور جو انصاف کا حکم دیتے ہیں

يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿٢١﴾ أُولٰـئِكَ

انہیں بھی مار ڈالتے ہیں اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو ۔یہ ایسے لوگ ہیں

الَّذِيْنَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

جن کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہیں اور اُن کا کوئی مددگار نہیں (ہوگا)

نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَی الَّذِیْنَ أُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُدْعَوْنَ

بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا علم دیا گیا اور وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے

إِلٰی کِتٰبِ اللّٰہِ لِیَحْکُمَ بَیْنَہُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْہُمْ وَہُمْ

جاتے ہیں تا کہ وہ (اُن کے تنازعات کا) اُن میں فیصلہ کر دے تو ایک فریق اُن میں سے کج ادائی کیساتھ

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِکَ بِأَنَّہُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ

منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔

وَغَرَّہُمْ فِیْ دِیْنِہِمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَکَیْفَ إِذَا

اور جو کچھ یہ دین کے بارے میں بہتان باندھتے ہیں اُس نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ تو اُس وقت کیا حال ہوگا جب

جَمَعْنَاہُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ

ہم اُن کو جمع کریں گے (یعنی) اُس روز جس میں کچھ بھی شک نہیں اور ہر نفس اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائیگا

وَہُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰہُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ

اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کہو کہ اے اللہ بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے

مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ

اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے

بِیَدِکَ الْخَیْرُ إِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ اللَّیْلَ فِی النَّہَارِ

ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔

وَتُوْلِجُ النَّہَارَ فِی اللَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ

اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا اور تو ہی جاندار سے

مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ

بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔مومنوں کو چاہیئے کہ مومنوں کے سوا

الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ

کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کریگا اُس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں ہاں اگر اس طریق سے تم اُن (کے شر) سے

فِيْ شَيْءٍ إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے[۳]

قُلْ إِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ أَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ کوئی بات تم اپنے دلوں میں مخفی رکھو یا اُسے ظاہر کرو اللہ اُس کو جانتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

ور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اُس کو سب کی خبر ہے اور وہ ہر چیز پر

---

[۳] اس ایت کریمہ میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں اور اس ہدایت کی مخالفت کرنے والوں کے لئے سخت وعید ہے، کہ جو ان کو دوست بنائے گا۔اس کا اللہ تعالی سے دوستی ومحبت کا علاقہ قطع ہوجائے گا، کافروں سے باطنی اور دلی دوستی تو مطلقا حرام ہے، اور ظاہری دوستی معاملات کے درجہ میں اگرچہ جائز ہے مگر بلاضرورت وہ بھی پسند نہیں۔اس مضمون کی ایات قرآن مجید میں جا بجا مختلف عنوانات کے ساتھ بکثرت آئی ہیں (سورۃ ممتحنہ: ۱، و۱۳، سورۃ مائدہ: ۵۱، سورۃ مجادلہ: ۲۲) یہ مضمون بہت سی آیات قرآنیہ میں مجمل و مفصل مذکور ہے، جس میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ موالات، دوستی اور محبت سے شدت کے ساتھ روکا گیا ہے، ان تصریحات کو دیکھ کر حقیقت حال سے ناواقف غیر مسلموں کو تو یہ شبہ ہوجاتا ہے، کہ مسلمانوں کے مذہب میں غیر مسلموں سے کسی قسم کی رواداری اور تعلق کی بلکہ حسن اخلاق کی بھی گنجائش نہیں، اودوسری طرف اس کے بالمقابل

جب قران کی بہت سی آیات سے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور عمل سے خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام کے تعامل سے غیر مسلموں کے ساتھ احسان وسلوک اور ہمدردی وغمخواری کے احکام اور ایسے ایسے واقعات ثابت ہوتے ہیں، جن کی مثالیں دنیا کی اقوام میں ملنا مشکل ہیں، تو ایک سطحی نظر رکھنے والے مسلمان کو بھی اس جگہ قران وسنت کے احکام وارشادات میں باہم تعارض وتصادم محسوس ہونے لگتا ہے، مگر یہ دونوں خیال قران کی حقیقی تعلیمات پر طائرانہ نظر اور ناقص تحقیق کا نتیجہ ہوتے ہیں، اگر چہ مختلف مقامات سے قران کریم کی آیات کو جو اس معاملہ سے متعلق ہیں جمع کر کے غور کیا جائے تو نہ غیر مسلموں کے لئے وجہ شکایت باقی رہتی ہے، نہ ایات وروایات میں کسی قسم کا تعارض باقی رہتا ہے، اس لئے اس مقام کی پوری تشریح کردی جاتی ہے جس سے موالات اور احسان وسلوک یا ہمدردی وغمخواری میں باہمی فرق اور ہر ایک کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی ، اور یہ بھی کہ ان میں کونسا درجہ جائز ہے کونسا ناجائز؟ اور جو ناجائز ہے اس کی وجوہ کیا ہیں؟

بات یہ ہے کہ دو شخصوں یا دو جماعتوں میں تعلقات کے مختلف درجات ہوتے ہیں، ایک درجہ تعلق کا قلبی موالات یا دلی مودت ومحبت ہے، یہ صرف مومنین کے ساتھ مخصوص ہے غیر مومنین کے ساتھ مومن کا یہ تعلق کسی حال میں قطعا جائز نہیں۔

دوسرا درجہ مواسات کا ہے، جس کے معنی ہیں ہمدردی وخیر خواہی اور نفع رسانی کے، یہ بجز کفار اہل حرب کے جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں، باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے سورۂ ممتحنہ کی ایت:۸۔ میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

تیسرا درجہ مدارات کا ہے، جس کے معنی ہیں ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ کے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جبکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو۔ یا ان کے شر وضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو، سورۂ ال عمران کی ایت مذکورہ میں الا ان تتقوا منھم تقٰۃً۔ سے یہی درجہ مدارات کا مراد ہے، یعنی کافروں سے موالات جائز نہیں، مگر ایسی حالت میں جبکہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنا چاہو، اور چونکہ مدارات میں بھی صورت موالات کی ہوتی ہے، اس لئے اس کو موالات سے مستثنی قرار دے دیا گیا۔ (بیان القران)۔

ابوالعباس قرطبی شرح مسلم میں حدیث عائشہؓ کی تشریح میں لکھتا ہے: فیہ جواز غیبة المعلن بالفسق او الفحش ونحو ذلک مع جواز مداراتھم اتقاء شرھم مالم یؤد ذلک الی المداھنة، ثم قال: تبعا للقاضی حسین، و الفرق بین المداراة و المداھنة، ان المداراة بذل الدنیا لصلاح الدنیا او الدین او ھما معا، وھی مباحة، وربما استحسنت، و المداھنة بذل الدین لصلاح الدنیا، انتھی۔ اس عبارت کو قاضی اور مبارکپوری نے بھی اس حدیث کی تشریح میں ذکر کی ہے، تحفۃ الاحوذی: باب ماجاء فی المداراۃ: ۳/۱۴۱ (ق)۔

اس تفصیل سے مداہنت اور مدارات کے درمیان فرق واضح ہوا، کہ مداہنت دنیاوی مفاد کے لئے دین کو قربان کرنا ہے، اور مدارات حصول دنیا یا دین ہے جس طریقہ سے بھی ہو۔

چوتھا درجہ معاملات کا ہے، کہ ان سے تجارت یا اجرت وملازمت اور صنعت وحرفت کے معاملات کئے جائیں یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، بجز ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام کا تعامل اس پر شاہد ہے، فقہاء نے اسی بنا پر کفار اہل حرب کے ساتھ اسلحہ فروخت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے باقی تجارت وغیرہ کی اجازت دی ہے، اور ان کو اپنا ملازم رکھنا یا خود ان کے کارخانوں اور اداروں میں ملازم ہونا یہ سب جائز ہے۔

اس تفصیل سے آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ قلبی اور دلی دوستی اور محبت تو کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں جائز نہیں، اور احسان و ہمدری ونفع رسانی بجز اہل حرب کے اور سب کے ساتھ جائز ہے، اسی طرح ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ بھی سب کے ساتھ جائز ہے، جبکہ اس کا مقصد مہمان کی خاطرداری یا غیر مسلموں کو اسلامی معلومات اور دینی نفع پہنچانا، یا اپنے آپ کو ان کے کسی نقصان وضرر سے بچانا ہو۔

رسول کریم ﷺ جو رحمۃ للعٰلمین ہو کر اس دنیا میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان وہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کئے اس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے، مکہ میں قحط پڑا تو جن دشمنوں نے آپ ﷺ کو اپنے وطن سے نکالا تھا، ان کی خود امداد فرمائی، پھر مکہ مکرمہ فتح ہو کر یہ سب دشمن آپ ﷺ کے قابو=

قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّمَا عَمِلَتْ

قادر ہے ۔ جس دن ہر شخص اپنے اعمال کی نیکی کو موجود پالے گا اور اُن کی برائی کو بھی (دیکھ لے گا)

مِنْ سُوٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ

تو آرزو کرے گا کہ اے کاش اس میں اور اُس کی برائی میں دور کی مسافت ہو جاتی اور اللہ تمہیں اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے

وَاللّٰهُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي

اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے (اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۱﴾

اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

= میں آگئے، تو سب کو یہ فرما کر آزاد کر دیا کہ: "لاتثریب علیکم الیوم" ۔ یعنی آج تمہیں صرف معافی نہیں دی جاتی بلکہ تمہارے پچھلے مظالم اور تکالیف پر ہم کوئی ملامت بھی نہیں کرتے (قرطبی)۔

غیر مسلم جنگی قیدی ہاتھ آئے تو ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو اپنی اولاد کے ساتھ بھی ہر شخص نہیں کرتا، کفار نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، کبھی آپ ﷺ کا ہاتھ انتقام کے لئے نہیں اٹھا، زبان مبارک سے بددعا بھی نہیں فرمائی۔

فاروق اعظم نے غیر مسلم محتاج ذمیوں کو مسلمانوں کی طرح بیت المال سے وظیفے دیئے۔ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے معاملات اس قسم کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں، یہ سب مواسات یا مدارات یا معاملات کی صورتیں تھیں، جس موالات سے منع کیا گیا وہ نہ تھی۔ اس تفصیل اور تشریح سے ایک طرف تو یہ معلوم ہو گیا کہ غیر مسلموں کے لئے اسلام میں کتنی رواداری اور حسن سلوک کی تعلیم ہے دوسری طرف جو ظاہری تعارض ترک موالات کی آیات سے محسوس ہوتا تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ﴿۳۲﴾

کہہ دو کہ اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا ۔[۴]

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰى آدَمَ وَنُوحًا وَّآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

اللہ نے آدم اور نوح کو اور خاندانِ ابراہیم اور خاندانِ عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا ۔

اُن میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے ۔

---

[۴] ابن کثیر نے اس ایت کے تحت اتباع الرسول کے متعلق ایک مختصر نوٹ لکھا ہے، اس کو ہم نقل کرتے ہیں: فرماتے ہیں کہ، اس ایت نے فیصلہ کر دیا کہ جو شخص اللہ کی محبت کا دعوی کرے، اور اس کے اعمال، افعال، عقائد، مطابق فرمان نبوی ﷺ نہ ہوں، طریقہ محمدیہ پر وہ کاربند نہ ہو، تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے: من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد: بخاری: ۲۶۹۷، مسلم: ۱۷۱۸ ۔یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو (یعنی بدعت ہو) وہ مردود ہے۔ اس لئے یہاں بھی ارشاد ہے، کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھنے کے دعوے میں سچے ہو، تو میری سنتوں پر عمل کرو، اس وقت تمہاری چاہت سے زیادہ اللہ تمہیں دے گا۔ یعنی وہ خود تمہارا چاہنے والا بن جائے گا، جیسے کہ بعض حکیم علماء نے کہا ہے کہ تیرا چاہنا کوئی چیز نہیں لطف تو اس وقت ہے کہ اللہ تجھے چاہنے لگ جائے۔

غرض اللہ کی محبت کی نشانی یہی ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت مدنظر ہو۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: دین صرف اللہ کے لئے محبت اور اسی کے لئے دشمنی کا نام ہے، پھر آپ ﷺ نے اسی ایت کی تلاوت کی، لیکن یہ حدیث سنداً منکر ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ حدیث پر چلنے کی وجہ سے اللہ تعالی تمہارے تمام تر گناہوں کو بھی معاف فرما دے گا۔ پھر ہر خاص وعام کو حکم ملتا ہے کہ سب اللہ تعالی ورسول اللہ ﷺ کے مانتے رہیں، جو اس سے لوٹ جائیں، یعنی اللہ ورسول کی اطاعت سے ہٹ جائیں، تو وہ کافر ہے، اور اللہ ان سے محبت نہیں رکھتا۔ اور یہی مقصد ہے ابن عمرؓ کے قول

کا کہ'' من ترک السنة کفر :ابن بطه: ۱/ ۱۱۸۔

اس سے صاف واضح ہوگیا کہ رسول اللہ کے طریقہ کی مخالفت کفر ہے، ایسے لوگ اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے، گوان کا دعوی ہو،لیکن جب تک اللہ تعالی کے سچے نبی امی خاتم الرسل کی پیروی، اوراتباع سنت نہ کریں، وہ اپنے اس دعوی میں جھوٹے ہیں۔

رسول پاک ﷺ تو وہ ہے کہ اگر آج انبیاء اوررسول بلکہ بہترین اوراولوالعزم پیغمبربھی زندہ ہوتے توانہیں بھی آپ کے ماننے بغیراورآپ کی شریعت پر کاربند ہوئے بغیر چارہ ہی نہ تھا، اس کا بیان بسط اور تفصیل کے ساتھ ایت ''واذاخذاللہ میثاق النبیین'' (ال عمران: ۸۱) کی تفسیر میں آئے گا۔انشاءاللہ تعالی۔

اس مسئلے کے مزید تفصیل کے لئے ہم قرانی آیات مبارکہ کے حوالہ جات نقل کرتے ہیں: جوکہ مندرجہ ذیل ہیں:بقرہ: ۴۳،ال عمران: ۱۳۲،سورة النساء:۱۳، ۱۴، ۵۹، ۶۱، ۶۴، ۶۵، ۶۹، ۸۰، ۱۱۵، مائدہ: ۹۲ ، انفال: ۱، ۱۳، ۲۰، ۲۴، ۴۶،توبہ: ۷۱ ، اعراف:۱۵۷، ۱۵۸، ابراهیم: ۴۴ ، نور ۵۴، ۶۳، ۵۶ ، ۵۲، ۵۱ ، یوسف: ۱۰۸ فرقان: ۲۷، احزاب: ۲۱ ، ۳۳، ۳۶، ۶۶، ۷۱، محمد: ۳۳ ، فتح: ۱۷ ، احقاف: ۳۱، ۳۲ ، حجرات: ۱۴، مجادله: ۱۳ ، حشر: ۷ تغابن ۱۲ ۔

رسول کی اطاعت کواطاعت الٰہی سے الگ کرکے بیان کرنے کی حکمت

آیت (۱۳۲) میں فرماتا ہے''اللہ اور رسول کی اطاعت کروتا کہ تم پررحم کیاجائے''اس میں رحمت الٰہی کے لئے جس طرح اللہ کی اطاعت کوضرور اور لازم قرار دیا ہے، رسول کریم ﷺ کی اطاعت کوبھی اسی طرح لازم اورضروری قرار دیا ہے، اور یہ پھرصرف اسی آیت میں نہیں پورے قرآن میں بار باراس کاتکرار اسی طرح ہے کہ جہاں اللہ تعالی کی اطاعت کاحکم ہوتا ہے وہیں اطاعت رسول کا بھی ذکر مستقلا ہے،قرآن کریم کے یہ متواتر اور مسلسل ارشادات ایک انسان کواسلام اور ایمان کے بنیادی اصول کی طرف متوجہ کررہے ہیں کہ ایمان کا پہلا جزءٔ اللہ تعالی کے وجود،اس کی وحدانیت اوراسکی بندگی اوراس کی اطاعت کااقرار کرنا ہے،تو دوسرا جزءٔ رسول کی تصدیق اوراس کی اطاعت ہے۔

اب یہاں غورطلب امر یہ ہے کہ قرآن کریم ہی کے ارشادات سے یہ بھی ثابت ہے کہ نبی ﷺ جوکچھ فرماتے ہیں وہ سب باذن اللہ ہوتا ہے، اپنی طرف سے کچھ نہیں ہوتا،قرآن کریم کا رشاد ہے: ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى ۝۳ إِنْ

﴿هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴾[۴](النجم)۔یعنی رسول کریم ﷺ جو کچھ بولتے ہیں وہ کسی اپنی خواہش سے نہیں کہتے، بلکہ وہ سب اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے،اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ رسول کی اطاعت بعینہ اللہ تعالی ہی کی اطاعت ہوتی ہے،اس سے الگ کوئی چیز نہیں سورۂ نساء میں خود بھی ان الفاظ میں اس کو واضح فرمادیا:﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾(نساء:۸۰)۔یعنی جس نے اطاعت کی رسول کی، اس نے اطاعت کی اللہ کی،تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان دونوں اطاعتوں کو الگ الگ بیان کرنے میں کیا فائدہ؟

خصوصا اس التزام اور اہتمام کے ساتھ کہ پورے قرآن کریم میں یہی عادت مستمرہ ہے کہ دونوں اطاعتوں کا ساتھ ساتھ حکم دیا جاتا ہے،راز اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالی نے دنیا کی ہدایت کے لئے ایک کتاب بھیجی، اور ایک رسول،رسول کے ذمہ یہ کام لگائے گئے: اول یہ کہ وہ قرآن کریم کی آیات ٹھیک اسی صورت اور لب لہجہ کے ساتھ لوگوں کو پہنچادیں،جس صورت سے وہ نازل ہوئیں۔

دوسرے یہ کہ وہ لوگوں کو ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک کریں۔

تیسرے یہ کہ وہ اس کتاب کے مضامین کی امت کو تعلیم دیں، اور اس کے مقاصد کو بیان فرمائیں،نیز یہ کہ وہ کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم دیں، یہ مضمون قرآن کریم کی متعدد آیاتوں میں تقریبا ایک ہی عنوان سے آیا ہے۔﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ﴾(جمعہ:۲)۔معلوم ہوا کہ رسول کے فرائض منصبی میں صرف اتنا ہی داخل نہیں کہ وہ قرآن لوگوں تک پہنچادے، بلکہ اس کی تعلیم اور تبیین بھی رسول کے ذمہ ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مخاطب عرب کے فصحاء وبلغاء تھے،ان کے لئے قرآن کریم کی تعلیم کے یہ معنی تو نہیں ہوسکتے کہ محض الفاظ قرآنی کے لغوی معنی ان کو سمجھائے جائیں، کیونکہ وہ سب خود بخود ان کو بخوبی سمجھتے تھے، بلکہ اس تعلیم اور تبیین کا مقصد صرف یہی تھا اور یہی ہوسکتا ہے،کہ قرآن کریم میں ایک حکم مجمل یا مبہم الفاظ میں بیان فرمایا،اس کی تشریح اور تفصیل نبی ﷺ نے اس وحی کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچائی جو قرآن کے الفاظ میں نہیں آئی، بلکہ حق تعالی نے آپ ﷺ کے قلب مبارک میں ڈالی،جس کی طرف آیات قرآن کریم:﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴾[۴](النجم)میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مثلاً قرآن نے بیشمار مواقع میں صرف ’’ اقیموا الصلواۃ واتوا الزکواۃ‘‘ فرمانے پھر اکتفا کیا ہے، کہیں نماز کے معاملہ میں قیام، رکوع اور سجدہ کا ذکر بھی آیا، تو وہ بھی بالکل مبہم ہے۔

ان کی کیفیات کا ذکر نہیں ، نبی علیہ السلام کو جبرئیل نے خود آ کر اللہ کے حکم سے ان تمام اعمال اور ارکان کی تفصیلی صورت عمل کر کے بتلائی، اور آپ ﷺ نے اسی طرح قول و عمل کے ذریعہ امت کو پہنچا دیا۔ زکواۃ کے مختلف نصاب اور ہر نصاب پر زکواۃ کی مقدار کا تعین۔ پھر یہ بات کہ کس مال پر زکواۃ ہے اور کس مال پر نہیں؟ اور مقادیر نصاب میں کتنا حصہ معاف ہے؟ یہ سب تفصیلات رسول کریم ﷺ نے بیان فرمائی،

چونکہ یہ تفصیلات قرآن کریم میں مذکور نہیں، اس لئے یہ احتمال تھا کہ کسی وقت کسی ناواقف کو یہ دھوکہ ہو کہ یہ تفصیلی احکام اللہ تعالی کے دیئے ہوئے احکام نہیں، اس لئے حق تعالی کی اطاعت میں ان کی تعمیل ضروری نہیں، اس لئے حق تعالی نے سارے قرآن میں بار بار اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے۔ جو حقیقت میں تو حق تعالی ہی کی اطاعت ہے، مگر ظاہری صورت اور تفصیل بیان کے اعتبار سے اس سے کچھ مختلف بھی ہے، اس لئے بار بار تاکیدات کے ساتھ بتلا دیا کہ رسول کریم ﷺ تمہیں جو کچھ حکم دیں اس کو بھی حق تعالی ہی کی اطاعت سمجھ کر مانو، خواہ وہ قرآن میں صراحتا موجود ہو یا نہ ہو یہ مسئلہ چونکہ اہم تھا اور کسی ناواقف کو دھوکہ لگ جانے کے علاوہ دشمنان اسلام کے لئے اسلامی اصول میں گڑبڑ پھیلانے اور مسلمانوں کو اسلام کے صحیح راستہ سے بہکانے کا بھی ایک موقع تھا۔

اس لئے قران کریم نے اس مضمون کو صرف لفظ اطاعت رسول کے ساتھ ہی نہیں بلکہ مختلف عنوانات سے امت محمدیہ کو بتلایا ہے، مثلاً آپ ﷺ کے فرائض میں تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ علاوہ کتاب کے کچھ اور بھی آپ ﷺ کی تعلیمات میں داخل ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہے، جس کو لفظ حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہیں ارشاد فرمایا کہ: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ (نحل:۴۴)۔ یعنی رسول کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے لئے آپ ﷺ پر نازل شدہ آیات کے مطالب و مقاصد اور تشریحات کو بیان فرمائیں۔ اور کہیں یہ ارشاد ہے کہ: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ (حشر:۷)۔ یعنی رسول تم کو جو کچھ دیں وہ لے لو، اور جس سے روکیں اس سے باز آ جاؤ۔

یہ سب انتظام اس لئے کیا گیا کہ کل کو کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہم تو صرف ان احکام کے مکلّف ہیں جو قرآن میں آئے ہیں، جو احکام ہمیں قرآن میں نہ ملیں ان کے ہم مکلّف نہیں، رسول کریم ﷺ پر غالبا یہ منکشف ہو گیا تھا کہ کسی زمانے

میں ایسے لوگ پیدا ہونگے جو رسول کی تعلیمات اور تشریحات سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے لئے یہی دعوی کریں گے کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے، اس لئے ایک حدیث میں صراحۃً بھی اس کا ذکر فرمایا جس کو ترمذی: ۲۶۶۳، ابوداؤد: ۴۶۰۵، ابن ماجہ: ۱۳ؒ نے اپنی اپنی کتابوں میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے: لا الفینّ احدکم متکئا علی اریکته یأتیه الامر من امری مما امرت به او نهیت عنه فیقول لا ادری ماوجدنافی کتاب الله اتبعناه۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کسی کو ایسا پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے بے فکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر و نہی کے متعلق یہ کہہ دے کہ ہم اس کو نہیں جانتے، ہمارے لئے تو کتاب اللہ کافی ہے، جو کچھ اس میں پاتے ہیں اس کا اتباع کر لیتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث جو صفوان بن عسالؓ سے منقول ہے کہ: قال: قال یهودی لصاحبه اذهب بنا الی هذا النبی، فقال له صاحبه لاتقل، نبی، انه لوسمعک کان له اربع اعین، فأتیارسول الله ﷺ فسألاه عن تسع ایات بینات، فقال لهمارسول الله ﷺ، لاتشرکوابالله شیأ، ولاتسرقوا، ولاتزنوا، ولاتقتلوا النفس التی حرم الله الابالحق، ولاتمشواببریٔ الی ذی سلطان لیقتله، ولاتسحروا، ولاتأکلوا الربا، ولاتقذفوامحصنة، ولاتولوا الفراریوم الزحف، وعلیکم خاصة الیهود، ان (لاتعدوافی السبت) قال فقبلایدیه ورجلیه، وقالانشهدانک نبی، قال فمایمنعکم ان تتبعونی؟ قالاان داوددعاربه ان لایزال من ذریته نبی، وانانخاف ان اتبعناک ان تقتلناالیهود. (رواه الترمذی: ۳۱۴۴، و النسائی فی السنن الکبری: ۸۶۵۶. وابن ماجة: ۳۷۰۵۔

ایک دن ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ آؤ اس نبی کے پاس چلیں! اس کے ساتھی نے کہا نہیں، نبی نہ کہو، کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا کہ یہودی بھی مجھے نبی کہتے ہیں، تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، یعنی خوشی سے پھولے نہیں سمائیں گے، بہرحال وہ دونوں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آئے، اور آپ ﷺ سے نو (۹) واضح احکام کے بارے میں سوال کیا، رسول پاک ﷺ نے فرمایا! کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، جس جان کو مارڈالنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، کسی بے گناہ کو قتل کرانے کے لئے اس پر غلط الزام عائد کر کے حاکم کے پاس مت لے جاؤ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاکدامن عورت کو زنا کی تہمت نہ لگاؤ، میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ، اور اے یہودیو! تمہارے لئے خاص طور پر واجب ہے، کہ یوم شنبہ کے معاملہ میں حکم الٰہی سے تجاوز نہ کرو، راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر دونوں یہودیوں نے نبی ﷺ کے ہاتھ، پیر، چوم لئے، اور بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ واقعی نبی ہیں۔=

إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي

(وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے رب جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اُس کو تیری نذر کرتی ہوں

مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۵﴾

اُسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی، تو میری طرف سے قبول فرما تُو تو سننے والا جاننے والا ہے

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ

جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ اُن کے ہاں پیدا ہوا تھا اللہ کو خوب معلوم تھا تو کہنے لگیں کہ رب میرے تو لڑکی ہوئی

أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ

ہے اور (نذر کیلئے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتوان) نہیں ہوتا، اور اس کا نام مریم رکھا ہے

وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا

اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تو پروردگار نے اُس کو پسندیدگی کیساتھ

= نبی علیہ السلام نے فرمایا: جب تمہیں میری رسالت پر یقین ہے، تو میری اتباع سے تم کو کون سا امر مانع ہے؟ انہوں نے کہا حقیقت یہ ہے کہ داوٗدؑ نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی ہوا کرے، لہٰذا ہم ڈرتے ہیں کہ اگر آپ علیہ السلام کی پیروی کریں، تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوا کہ رسول اللہ علیہ السلام پر ایمان الگ چیز ہے، اور آپ علیہ السلام کی اتباع الگ چیز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ جگہ جگہ رسول علیہ السلام کی اطاعت کا بار بار ارشاد اور پھر مختلف عنوانات سے رسول کے دیئے ہوئے احکام کو ماننے کی ہدایات یہ سب اسی خطرہ کے پیش نظر ہیں کہ کوئی شخص ذخیرہ احادیث میں رسول کریم علیہ السلام کی بیان کی ہوئی احکام کو قرآن سے الگ اور اطاعت الٰہی سے جدا سمجھ کر انکار نہ کر بیٹھے۔

اتباع رسول کے متعلق احادیث اور علماء کے اقوال بہت زیادہ ہیں، مذکورہ بحث پر اکتفاء کرتے ہیں۔

رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّأَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا

قبول فرمایا اور اُسے اچھی طرح پرورش کیا۔ اور زکریا کو اُس کا متکفل بنایا۔ زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اُس کے پاس

زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا

جاتے تو اُس کے پاس کھانا پاتے (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

آتا ہے؟ وہ بولیں کہ اللہ کے ہاں سے (آتا ہے) بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ

اُس وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ اے رب مجھے اپنی جناب سے اولادِ صالح عطا فرما بیشک تو

سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ

دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔ وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ

أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا

(زکریا) اللہ تمہیں یحیٰی کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے فیض (یعنی عیسیٰ) کی تصدیق کریں گے اور سردار ہوں گے

وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ أَنّٰى

اور عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے اور (اللہ کے) پیغمبر (یعنی) نیکوکاروں میں ہوں گے۔ زکریا نے کہا اے پروردگار

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِيْ عَاقِرٌ ۚ قَالَ

میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اللہ نے فرمایا

كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ۚ قَالَ

اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زکریا نے کہا کہ اے اللہ (میرے لئے) کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ نے فرمایا

آیَتُکَ أَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَیَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا
نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کر سکو گے تو (ان دنوں میں) اپنے رب کو کثرت سے یاد کر

وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْإِبْکَارِ ﴿۴۱﴾ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَآئِکَةُ یٰمَرْیَمُ
اور صبح و شام اُس کی تسبیح کرنا ۔ اور جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ

إِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَهَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾
اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں میں منتخب کیا ہے ۔

یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرَّاکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾
مریم اپنے رب کی فرما نبرداری کرنا او ر سجدہ کرنا اور رکوع کرنے والوں کیساتھ رکوع کرنا ۔

ذٰلِکَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ إِلَیْکَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ
(اے محمدؐ) یہ باتیں اخبارِ غیب میں سے ہیں جو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں ۔اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال

إِذْ یُلْقُوْنَ أَقْلَامَهُمْ أَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ إِذْ
رہے تھے کہ مریم کا متکفل کون بنے تو تم اُن کے پاس نہیں تھے اور نہ اُس وقت ہی اُن کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے

یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ إِذْ قَالَتِ الْمَلَآئِکَةُ یٰمَرْیَمُ إِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَةٍ
(وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے (مریم سے کہا) کہ مریم، اللہ تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے

مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ
جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ بن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں با آبرو اور (اللہ کے) خاصوں میں ہوگا

الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۴۶﴾
اور ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہوکر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا اور نیکوکاروں میں سے ہوگا

قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

مریم نے کہا کہ اللہ میرے ہاں بچہ کیونکر ہوگا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تک تو لگایا نہیں؟ فرمایا کہ اللہ اسی طرح جو چاہتا ہے

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٤٦﴾

پیدا کرتا ہے۔ وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا، وہ ہو جاتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ ﴿٤٧﴾ وَرَسُوْلًا إِلٰى بَنِيْ

اور وہ انہیں لکھنا (پڑھنا) اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔ اور (عیسٰی) بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (ہو کر جائیں گے

إِسْرَآئِيْلَ أَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ أَنِّيْ أَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ

اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت

الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ

بہ شکل پرندہ بناتا ہوں پھر میں اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے جاندار ہو جاتا ہے اور اندھے اور جذامی

وَأُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ

کو تندرست کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں

فِيْ بُيُوْتِكُمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٤٩﴾

میں جمع رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں اگر تم صاحبِ ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ

اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اُس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لئے بھی (آیا ہوں) کہ

بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

بعض چیزیں تم پر حرام تھیں، اُن کو تمہارے لئے حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٥٠﴾ إِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هٰذَا

تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اُسی کی عبادت کرو یہ

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِيٓ

یہی سیدھا راستہ ہے ۔ جب عیسٰی نے اُن کی طرف سے نافرمانی دیکھی تو کہنے لگے کہ کوئی ہے جو اللہ کا طرفدار

إِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ

اور میرا مددگار ہو؟ حواری بولے کہ ہم اللہ کے (طرفدار اور آپ کے) مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں

بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ

کہ ہم فرمانبردار ہیں ۔ اے اللہ ۔ جو (کتاب) تو نے نازل فرمائی ہے ہم اُس پر ایمان لائے اور (تیرے) پیغمبر کے متبع

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِينَ ﴿٥٣﴾ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ

ہو چکے، تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ رکھ ۔ اور وہ (یعنی یہود قتل عیسٰی کے بارے میں ایک) چال چلے

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٥٤﴾ إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسٰىٓ

اور اللہ بھی (عیسٰی کو بچانے کیلئے) تدبیر چلا اور اللہ خوب تدبیر چلنے والا ہے ۔ اس وقت اللہ نے فرمایا کہ عیسٰی میں تمہاری دنیا

إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ .

میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اُٹھا لوں گا [٥]

---

[٥] اس ایت کریمہ سے مرزا غلام احمد قادیانی اور سر سید احمد اور دیگر باطل فرقے وفات عیسی علیہ السلام کے لئے استدلال کرتے ہیں، اور ان کا منہ تھوڑ جواب تفسیر ثنائی میں مولانا ابو الوفاء محمد ثناء اللہ نے دیا ہے لہذا ہم وہ عبارت قارئین کو لفظ بہ لفظ نقل کرتے ہیں تا کہ فائدہ تام حاصل ہو جائے ۔

فرماتے ہیں، اس ایت میں اللہ تعالی نے اسی بزرگ (مسیح علیہ السلام) کے متعلق (جن کی تمام زندگی کے حالات کے علاوہ مرنے جینے میں بھی لوگ مختلف ہیں) ان کی وفات کا ذکر فرماتا ہے اس ایت کے معنے میں علماء کا قریب قریب اتفاق ہے کہ یہاں موت مراد نہیں بلکہ دنیا سے اٹھانا مراد ہے، مگر ہم نے سید احمد صاحب جو اس مسئلہ (وفات مسیح) کے موجد ہیں اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے لحاظ سے (جو سید صاحب کے اس مسئلہ اور دیگر استحالہ سپر نیچرل میں پیرو ہیں) اس ایت کے معنی میں انہیں کا ترجمہ منظور کیا ہے، اور ''متوفی'' کے معنی موت دینے والا ہی لکھا ہے، مسئلہ ولادت مسیح میں تو سید صاحب ہی ہمارے مخاطب تھے، اس مسئلہ (وفات مسیح) میں دونوں صاحبوں (سید صاحب اور مرزا صاحب) سے (جو دراصل پیرو پیرو ہیں) ہمارے روئے سخن ہے۔

اس بیان سے پہلے کہ قرآن شریف نے اس مسئلہ کے متعلق کیا فیصلہ دیا ہے؟ بیرونی شہادت دیکھنی بھی ضروری ہے، یہود و نصاری جو مسیح علیہ السلام کی حالات کو بچشم خود دیکھنے والے اور ایک دوسرے سے نسلا بعد نسل سننے والے ہیں، اسپر متفق ہیں کہ ممدوح سولی دیئے گئے، گو ان کے اتفاق کے نتائج مختلف ہیں، یہود کا نتیجہ بموجب تعلیم تورات استثناء ۱۳ باب فتحیابی ہے، اور عیسائیوں کا نتیجہ کفارہ گناہ ہے، خیر اسکا یہاں ذکر نہیں، ہماری غرض صرف یہ ہے کہ دونوں فریق اس پر متفق ہیں، کہ مسیح علیہ السلام کو سولی ہی دی گئی۔

پس ان دونوں گروہوں کے اتفاق سے یہ امر باسانی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام موت طبعی سے نہیں مرے ورنہ ممکن نہ تھا کہ دونوں گروہوں سے ان کی موت مخفی رہتی، کیونکہ یہود و نصاری سے زیادہ اور نصاری یہودوں سے بڑھ کر ان کے حالات کے متلاشی تھے، یہودیوں کی غرض یہ تھی کہ وہ کہیں ملیں تو ان کو موت کا مزہ چکائیں، عیسائیوں کو ان سے دلی محبت تھی اس لئے وہ ان کی حال کی تلاش میں سرگرم تھے، چنانچہ اناجیل مروجہ سے اس بات کا پتہ بہ اسانی ملتا ہے کہ عیسائیوں کو مسیح کے حالات سے کس قدر مانوسیت تھی، کہ ان کے معمولی مشاغل چلنا پھرنا بھی قلم بند کر رکھا ہے، پھر اگر وہ موت طبعی سے مرتے تو ممکن نہیں کہ عیسائیوں کو اس کی خبر نہ ہوتی۔ پس سید صاحب کا فرمانا کہ عیسی علیہ السلام تین چار گھنٹے کے بعد صلیب پر سے اتار لئے گئے تھے، اور ہر طرح پر یقین ہوسکتا ہے کہ وہ زندہ تھے، رات کو وہ لحد میں سے نکال لئے گئے، اور وہ مخفی اپنے مریدوں کی حفاظت میں رہے،

حواریوں نے ان کو دیکھا اور ملے اور پھر کسی وقت اپنی موت سے مر گئے ، بلاشبہ ان کو یہودیوں کے خوف سے نہایت مخفی طور سے کسی نامعلوم مقام میں دفن کردیا ہوگا۔ جو ابتک نامعلوم ہے اور یہ مشہور کیا ہوگا کہ وہ اسمان پر چلے گئے (۴۵)۔ تار عنکبوت سے بھی ضعیف ہے، یہ کبھی ممکن نہیں کہ سچے نبی کے تابعدار جن کی قران میں بھی تعریف آئی ہے ایسے صریح کذب کے مرتکب ہوں، اور بے فائدہ اپنے نبی اور اللہ پر افتراء کریں، کہ وہ اسمان پر چلا گیا۔ حالانکہ نہ گیا ہو۔ علاوہ اس کے اگر مسیح حواریوں کو ملے اور اپنی موت سے مرے، تو کیا اتنی دیر میں یہودیوں کو خبر نہ ہوئی کہ وہ اپنی ناکامیابی پر افسوس کرتے اور دوبارہ سعی بلیغ کر کے کامیابی حاصل کرتے۔

پس سید صاحب کے احتمال کو نہ صرف واقعات جھٹلاتے ہیں بلکہ روایت ودرایت دونوں اس کی تکذیب کرتی ہیں، حاصل یہ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا اس امر پر متفق ہونا کہ مسیح علیہ السلام موت طبعی سے فوت نہیں ہوئے ضرور قابل غور ہے، خصوصا مرزا صاحب قادیانی کے نزدیک تو یہ طریق استدلال بہت ہی صحیح ہے کیونکہ وہ اس طریق سے خود بھی مستدل ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: بائیسویں (۲۲) آیت وفات مسیح پر یہ ہے کہ: **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون** ۔ یعنی اگر تمہیں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کیطرف رجوع کرو اور ان کی واقعات پر نظر ڈالو، تا اصل حقیقت تم پر منکشف ہو جائے، سو جب ہم نے موافق حکم اس ایت کے اہل کتاب یعنی یہود ونصاری کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور معلوم کرنا چاہا کہ اگر کسی نبی گذشتہ کے آنیکا وعدہ دیا گیا، تو وہی اجاتا ہے، یا ایسی عبارت کے کچھ اور معنی ہوتی ہے، تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہمشکل ایک مقدمہ عیسی بن مریم علیہ السلام آپ ہی فیصل کر چکے ہیں، اور ان کے فیصلہ کا ہمارے فیصلہ کے ساتھ اتفاق ہے، دیکھو کتاب سلاطین: وملاکی نبی اور انجیل جو ایلیہ کا دوبارہ اسمان سے اترنا کس طور سے مسیح علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ ازالہ: ٦١٦۔

مذکورہ بالا تقریر میں مرزا صاحب نے جو علمیت اور قابلیت کا اظہار کیا ہے وہ تو اہل علم سے مخفی نہیں، دعوی وفات مسیح ہے اور دلیل عدم رجوع کیا ہے، تقریب تام ہے لیکن بلحاظ اس کے کہ مرزا صاحب تو علم لدنی کے عالم ہیں، علوم ظاہر یہ مناظرہ وغیرہ سے بے نصیب ہونا، ان پر کوئی الزام عائد نہیں کرسکتا، ہاں بطور معارضہ بالمثل جو ہم

نے استدلال کیا ہے اس میں بفضلہ تعالی تقریب تام ہے، کیونکہ ہمارا دعوی عدم وفات بموت طبعی ہے، اور بقول مرزا صاحب حسب الحکم آیت کریمہ جب ہم نے اہل کتاب سے وفات مسیح بموت طبعی کے متعلق سوال کیا تو دونوں گروہ نے بالاتفاق جواب دیا کہ نہیں۔ اب ہم آیت قرآنی پر غور کرتے ہیں تو ان آیات میں کسی قدر تفصیل سے اس واقعہ کا بیان ہے، خصوصا سورۂ نساء: ۱۵۷، والی آیت۔

اور مفتی شفیعؒ اس آیت کی تفصیل میں لکھتے ہیں کہ: اس آیت کے الفاظ ومعانی میں بعض فرقوں نے تحریفات کا دروازہ کھولا ہے، جو تمام امت کے خلاف عیسی علیہ السلام کی حیات اور آخر زمانہ میں نزول کے منکر ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان الفاظ کی تشریح وضاحت کے ساتھ کردی جائے۔ ''واللہ خیر الماکرین'' لفظ ''مکر'' عربی زبان میں لطیف وخفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، اگر وہ اچھے مقصد کے لئے ہو، تو اچھا ہے، اور برائی کے لئے ہو تو برا ہے، اسی لئے ''ولا یحیق المکر السیئ'' میں مکر کے ساتھ ''سیئ'' کے قید لگائی، اردو زبان کے محاورات میں مکر صرف سازش اور بری تدبیر اور حیلہ کے لئے بولا جاتا ہے، اس سے عربی محاورات پر شبہ نہ کیا جائے، اسی لئے یہاں اللہ کو ''خیر الماکرین'' کہا گیا، مطلب یہ ہے کہ یہود نے عیسی علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور خفیہ تدبیریں شروع کردیں، حتی کہ بادشاہ کے کان بھردیئے کہ یہ شخص (معاذاللہ) ملحد ہے، تورات کو بدلنا چاہتا ہے، سب کو بددین بنا کر چھوڑے گا، اس نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر حق تعالی کی لطیف وخفیہ تدبیر ان کے توڑ میں اپنا کام کر رہی تھی جس کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

''انی متوفیک'' لفظ ''متوفی'' کا مصدر ''توفی'' اور مادہ ''وفی'' ہے اس کے اصل معنی عربی لغت کے اعتبار سے پورا پورا لینے کے ہیں، وفاء، ایفاء، استیفاء، اسی معنی کے لئے بولے جاتے ہیں، توفی، کے بھی اصلی معنی پورا پورا لینے کے ہیں، تمام کتب لغت عربی زبان کی اس پر شاہد ہیں، اور چونکہ موت کے وقت انسان اپنی اجل مقدر پوری کرلیتا ہے، اور اللہ کی دی ہوئی روح پوری لے لی جاتی ہے، اس کی مناسبت سے یہ لفظ بطور کنایہ موت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور موت کا ایک ہلکا سا نمونہ روزانہ انسان کی نیند ہے، اس کے لئے بھی قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے: (زمر: ۴۲)۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ لے لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت

،اورجن کی موت نہیں آتی ان کی نیند کے وقت۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے الجواب الصحیح :۸۳/۲، میں فرمایا:**التوفی فی لغة العرب معناها القبض والاستیفاء ،وذلک ثلاثة انواع، احدها التوفی فی النوم ،و الثانی توفی الموت، و الثالث توفی الروح وا لبدن جمیعا۔**

اورکلیات ابوالبقاء میں ہے،**التوفی الاماتة وقبض الروح وعلیه استعمال العامة ،واخذ الحق، وعلیه استعمال البلغاء**۔اسی لئے آیت مذکورہ میں لفظ''متوفیک'' کا ترجمہ اکثر علماء نے پورا لینے سے کیا ہے،جیسا کہ ترجمہ شیخ الہند میں مذکور ہے،اس ترجمہ کے لحاظ سے مطلب واضح ہے، کہ ہم آپ کو یہودیوں کے ہاتھ میں نہ چھوڑیں گے، بلکہ خودآپ کو لے لیں گے۔جس کی صورت یہ ہوگی کہ اپنی طرف اسمان پر چڑھالیں گے۔

اوربعض نے اس کا ترجمہ موت دینے سے کیا ہے،اوریہی ترجمہ مفسرقرآن عبداللہ بن عباسؓ سے اسانید صحیحہ کے ساتھ منقول ہے،مگراس کے ساتھ ہی یہ بھی منقول ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں، کہ حق تعالی نے اس وقت جبکہ یہودی آپ کے قتل کے درپے تھے آپ کی تسلی کے لئے دولفظ ارشادفرمائے ،ایک یہ کہ آپ کی موت ان کے ہاتھوں قتل کی صورت میں نہیں بلکہ طبعی موت کی صورت میں ہوگی۔

دوسرایہ کہ اس وقت ان لوگوں کے نرغہ سے نجات دینے کی ہم یہ صورت کریں گے کہ آپ کواپنی طرف اٹھالیں گے،یہی تفسیرعبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے۔تفسیر درمنثور میں ابن عباسؓ کی یہ روایت اس طرح منقول ہے:**عن ابن عباسؓ فی قوله تعالی'' انی متوفیک ورافعک الیّ'' یعنی رافعک ثم متوفیک فی آخر الزمان.** درمنثور.

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آیت ''**انی متوفیک**''و''**رافعک الی**''کی تفسیر میں یہ لفظ نقل کئے ہیں کہ میں آپ کواپنی طرف اٹھالوں گا،پھرآخرزمانہ میں آپ کوطبعی طورپروفات دوں گا۔

اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ ''توفی'' کے معنی موت ہی کے ہیں،مگرالفاظ میں تقدیم وتاخیر ہے،**رافعک** کا پہلے اور**متوفیک** کاوقوع بعد میں ہوگا،اوراس موقع پر**متوفیک** کومقدم ذکرکرنے کی حکمت ومصلحت اس

پورے معاملے کی طرف اشارہ کرنا ہے، جو آگے ہونے والا ہے، یعنی یہ اپنی طرف بلالینا ہمیشہ کے لئے نہیں، چندروزہ ہوگا اور پھر آپ اس دنیا میں آئیں گے اور دشمنوں پر فتح پائیں گے۔ اور بعد میں طبعی طور پر آپ کی موت واقع ہوگی، اس طرح دوبارہ آسمان سے نازل ہونے اور دنیا پر فتح پانے کے بعد موت آنے کا واقعہ ایک معجزہ بھی تھا، اور عیسی علیہ السلام کے اعزاز واکرام کی تکمیل بھی۔

نیز اس میں عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت کا ابطال بھی تھا، ورنہ ان کے زندہ آسمان پر چلے جانے کے واقعہ سے ان کا یہ عقیدہ باطل اور پختہ ہوجاتا، کہ وہ بھی اللہ تعالی کی طرح حی وقیوم ہے، اس لئے پہلے ''متوفیک'' کا لفظ ارشاد فرما کر ان تمام خیالات کا ابطال کردیا پھر اپنی طرف بلانے کا ذکر فرمایا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کفار ومشرکین کی مخالفت وعداوت تو انبیاء علیہم السلام سے ہمیشہ ہی ہوتی چلی آئی ہے، اور عادۃ اللہ یہ رہی ہے کہ جب کسی نبی کی قوم اپنے افکار اور ضد پر جمی رہی، پیغمبر کی بات نہ مانی، ان کے معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائی، تو دوصورتوں میں سے ایک صورت کی گئی ہے۔

یا تو اس قوم پر آسمانی عذاب بھیج کر سب کو فنا کردیا گیا، جیسے عاد، وثمود، اور قوم لوط علیہ السلام، وقوم صالح علیہ السلام کے ساتھ معاملہ کیا گیا، یا پھر یہ صورت ہوتی کہ اپنے پیغمبر کو اس دارالکفر سے ہجرت کرا کے کسی دوسری طرف منتقل کیا گیا، اور وہاں ان کو وہ قوت وشوکت دی گئی کہ پھر اپنی قوم پر فتح پائی، ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کر کے شام میں پناہ لی، اسی طرح موسی علیہ السلام نے مصر سے ہجرت کر کے شام تشریف لائے، اور آخر میں خاتم الانبیاء ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، پھر وہاں سے حملہ آور ہو کر مکہ فتح کیا۔ یہودیوں کے نرغہ سے بچانے کے لئے یہ اسمان پر بلالینا بھی درحقیقت ایک قسم کی ہجرت تھی، جس کے بعد وہ پھر دنیا میں واپس آ کر یہودیوں پر مکمل فتح حاصل کریں گے۔

رہا یہ معاملہ کہ ان کی یہ ہجرت سب سے الگ آسمان کی طرف کیوں ہے؟ تو حق تعالی نے ان کے بارے میں خود فرمادیا ہے کہ ان کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے، جس طرح آدم علیہ السلام کی پیدائش عام مخلوقات کے طریق پیدائش سے مختلف بغیر ماں باپ کے ہے، اسی طرح ان کی پیدائش عام انسانوں کی پیدائش سے مختلف

صورت میں ہوئی، اور موت بھی عجیب وغریب طریقہ سے صدہا سال کے بعد دنیا میں آ کر عجیب ہوگی، تو اس میں کیا تعجب ہے کہ ان کی ہجرت بھی کسی ایسے عجیب طریقہ سے ہو۔

یہی عجائب قدرت تو جاہل نصاریٰ کے لئے اس عقیدہ میں مبتلا ہونے کا سبب بن گئے، کہ ان کو اللہ کہنے لگے، حالانکہ انہی عجائب کے ہر قدم اور ہر چیز پر غور کیا جائے تو ہر ایک واقعہ میں ان کی عبدیت و بندگی اور تابع فرمان الٰہی ہونے اور بشری خصائص سے متصف ہونے کے دلائل ہیں۔

اور اسی لئے ہر ایسے موقع پر قرآن حکیم میں عقیدہ الوہیت کے ابطال کی طرف اشارہ کر دیا ہے، آسمان پر اٹھانے سے یہ شبہ بہت قوی ہو جاتا، اس لئے ''متوفیک'' کو پہلے بیان کر کے شبہ کا قلع قمع کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں یہود کی تردید تو مقصود ہی ہے کہ یہود جو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے اور صولی دینے کا عزم کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ اس تقدیم و تاخیر الفاظ کے ذریعہ اسی کے ساتھ نصاریٰ کی بھی تردید ہوگئی۔ کہ وہ اللہ نہیں جو موت سے بری ہوں، ایک وقت آئے گا جب ان کو بھی موت آئے گی۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ قرآن کریم میں اس طرح کی تقدیم و تاخیر اسی طرح کے مصالح کے ماتحت بکثرت آئی ہے کہ جو واقعہ بعد میں ہونے والا تھا اس کو پہلے اور پہلے ہونے والے واقعہ کو بعد میں بیان فرمایا، تفسیر کبیر۔

''**ورافعک الی**'' اس کا مفہوم ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا گیا ہے، کہ آپ کو اپنی طرف اٹھالوں گا، اور سب جانتے کہ عیسیٰ نام صرف روح کا نہیں بلکہ روح مع الجسد کا ہے، تو رفع عیسیٰ کا یہ مفہوم لینا کہ صرف رفع روحانی ہوا، جسمانی نہیں اٹھایا گیا، بالکل غلط ہے، رہا یہ کہ لفظ ''رفع'' کبھی بلندی مرتبہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ''**ورفع بعضکم فوق بعض درجات**''(انعام:۱۶۵) اور **یرفع اللہ الذین امنوا منکم و الذین اتوا العلم درجات** (مجادلہ:۱۱) وغیرہ آیات میں مذکور ہے۔ تو یہ ظاہر ہے کہ لفظ رفع درجہ کے معنی میں استعمال کرنا ایک مجاز ہے جو قرائن کی بنا پر مذکورہ آیات میں ہوا ہے، یہاں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی لینے کی کوئی وجہ نہیں، اس کے علاوہ اس جگہ لفظ رفع کے ساتھ لفظ ''الی'' استعمال فرما کر اس مجازی معنی

کا احتمال بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔

اس آیت میں ”رافعک الی“ فرمایا اور سورۂ نساء کی آیت میں بھی جہاں یہودیوں کے عقیدہ کا رد کیا گیا وہاں بھی یہی فرمایا، وما قتلوہ یقینا ط بل رفعه الله الیه، الایۃ(۱۵۷، ۱۵۸) یعنی یہودیوں نے یقیناً عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا، بلکہ ان کو تو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا، اپنی طرف اٹھالینا روح مع الجسد کے اٹھالینے ہی کے لئے بولا جاتا ہے۔اس آیت میں حق تعالی نے یہودیوں کے مقابلہ میں عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدے فرمائے: سب سے پہلا وعدہ یہ تھا کہ ان کی موت یہودیوں کے ہاتھوں قتل کے ذریعہ نہیں ہوگی طبعی طور سے وقت موعود پر ہوگی ، اور وہ وقت موعود قرب قیامت میں آئے گا، جب عیسیٰ علیہ السلام اسمان سے زمین پر نازل ہونگے جیسا کہ احادیث صحیحہ متواترہ میں اس کی تفصیل موجود ہے اور اس کا کچھ حصہ آگے آئے گا۔

دوسرا وعدہ فی الحال عالم بالا کی طرف اٹھالینے کا تھا، یہ اسی وقت پورا کر دیا گیا، جس کے پورا کرنے کی خبر سورۂ نساء کی آیت میں اس طرح دے دی گئی ”وما قتلوہ یقینا بل رفعه الله الیه“ یقیناً ان کو یہودیوں نے قتل نہیں کیا، بلکہ حق تعالی نے اپنی طرف اٹھالیا۔

تیسرا وعدہ، ان کو دشمنوں کی تہمتوں سے پاک کرنے کا تھا ”ومطھرک من الذین کفروا“ میں وہ اس طرح پورا ہوا کہ خاتم الانبیا ﷺ تشریف لائے ، اور یہود کے سب غلط الزامات کو صاف کر دیا، مثلا یہود عیسی علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ان کے نسب کو مطعون کرتے تھے، قرآن کریم میں اس الزام کو یہ فرما کر صاف کر دیا کہ وہ محض اللہ کی قدرت اور اس کے حکم سے بلا باپ کے پیدا ہوئے ، اور یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں۔آدم علیہ السلام کی پیدائش اس سے زیادہ تعجب کی چیز ہے کہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔

چوتھا وعدہ، ”وجاعل الذین اتبعوک“ میں ہے کہ آپ کے متبعین کو اپ کے منکرین پر قیامت تک غالب رکھا جائے گا، یہ وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ یا اتباع سے مراد عیسی علیہ السلام کی نبوت کا اعتقاد اور اقرار مراد ہے، ان کے سب احکام پر ایمان و اعتقاد کی شرط نہیں، تو اس طرح نصاری اور اہل اسلام دونوں اس میں داخل ہو گئے کہ وہ عیسی علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے معتقد ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ صرف اتنا اعتقاد نجات آخرت کیلئے

کافی نہیں، بلکہ نجات آخرت اس پرموقوف ہے کہ عیسی علیہ السلام کے تمام احکام پر اعتقاد وایمان رکھے، اور عیسی علیہ السلام کے قطعی اورضروری احکام میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کے بعد خاتم الانبیا ﷺ پر بھی ایمان لائیں، نصاری نے اس پر اعتقاد وایمان اختیار نہ کیا، اس لئے نجات آخرت سے محروم رہے۔ مسلمانوں نے اس پر بھی عمل کیا، اس لئے نجات اخرت کے مستحق ہوگئے، لیکن دنیا میں یہودیوں پر غالب رہنے کا وعدہ صرف عیسی علیہ السلام کی نبوت پر موقوف تھا، وہ دنیا کا غلبہ نصاری اور مسلمانوں کو بمقابلہ یہود ہمیشہ حاصل رہا اور یقیناً قیامت تک رہے گا۔

پانچواں وعدہ، قیامت کے روز ان مذہبی اختلافات کا فیصلہ فرمانے کا تو وہ وعدہ بھی اپنے وقت پر ضرور پورا ہوگا، جیسا کہ آیت میں ارشاد ہے "ثم الی مرجعکم فاحکم بینکم".

مسئلہ حیات ونزول عیسٰی علیہ السلام

دنیا میں صرف یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام مقتول ومصلوب ہوکر دفن ہوگئے، اور پھر زندہ نہیں ہوئے، اوران کے اس خیال کی حقیقت قرآن کریم میں سورۂ نساء کی آیت میں واضح کردی ہے، اور اس آیت میں بھی "ومکروا ومکر اللہ" میں اس کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے کہ حق تعالی نے عیسٰی علیہ السلام کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہیں کی طرف لوٹا دیا، کہ جو یہودی عیسٰی علیہ السلام کے قتل کے لئے مکان کے اندر گئے تھے، اللہ تعالی نے انہیں میں سے ایک شخص کی شکل وصورت تبدیل کرکے بالکل عیسٰی علیہ السلام کی صورت میں ڈھال دیا، اور عیسٰی علیہ السلام کو زندہ اسمان پر اٹھالیا۔

آیت کے الفاظ یہ ہیں "وماقتلوہ وماصلبوہ ولکن شبہ لھم" نہ انہوں نے عیسٰی علیہ السلام کو قتل کیا نہ صولی چڑھایا لیکن تدبیر حق نے ان کو شبہ میں ڈالدیا کہ اپنے ہی آدمی کو قتل کرکے خوش ہوئے۔

اس کی مزید تفصیل سورۂ نساء میں آئے گی، نصاری کا کہنا یہ تھا کہ عیسی علیہ السلام مقتول ومصلوب تو ہوگئے مگر پھر دوبارہ زندہ کرکے اسمان پر اٹھالئے گئے، مذکورہ آیات میں ان کی اس غلط خیال کی بھی تردید کردی، اور بتلادیا کہ جیسے یہودی اپنی ہی آدمی کو قتل کرکے خوشیاں منارہے تھے، اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ

قتل ہونے والے عیسی علیہ السلام ہیں اس لئے "شبــــہ لھـم" کے مصداق یہود کی طرح نصاری بھی ہو گئے، ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا وہ عقیدہ ہے جو اس آیات اور دوسری کئی آیاتوں میں وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کے لئے اسمان پر زندہ اٹھالیا، نہ ان کو قتل کیا جا سکا نہ صولی پر چڑھایا جاسکا۔ وہ زندہ اسمان پر موجود ہیں، قرب قیامت میں اسمان سے نازل ہوکر یہودیوں پر فتح پائیں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پائیں گے، اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع واتفاق ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر (۳۱۹) میں یہ اجماع نقل کیا ہے، قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث کی متواتر روایات سے یہ عقیدہ اور اجماع امت سے بھی ثابت ہے، یہاں اس کی پوری تفصیل کا موقع بھی نہیں، اور ضرورت بھی نہیں، کیونکہ علماء امت نے اس مسئلہ کو مستقل کتابوں اور رسالوں میں پورا پورا واضح فرمادیا ہے اور منکرین کے جوابات تفصیل سے دئے ہیں ان کا مطالعہ کافی ہیں۔

مثلا سید محمد انور شاہ کشمیری کی تصنیف بزبان عربی عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسٰی علیہ السلام، مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی کی تصنیف بزبان اردو حیات عیسٰی علیہ السلام، سید محمد ادریس کی تصنیف حیات مسیح علیہ السلام اور بھی سینکڑوں چھوٹے بڑے رسائل اس مسئلہ پر مطبوع ومشتہر ہو چکے ہیں، احقر نے بامر استاذ محترم سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری کی سو سے زیادہ احادیث جن سے عیسٰی علیہ السلام کا زندہ اٹھایا جانا اور پھر قرب قیامت میں نازل ہونا بتواتر ثابت ہوتا ہے ایک مستقل کتاب " التـصریح" بماتواترفی نزول المسیح میں جمع کردیا ہے، جس کو حال میں حواشی وشرح کے ساتھ حلب میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔

اور حافظ ابن کثیر نے سورۂ احزاب کی آیت "وانـہ لعلم للساعۃ " کی تفسیر میں لکھا ہے: وقدتواترت **الاحـادیـث عـن رسـول اللہ ﷺ انـہ اخبربنزول عیسی علیہ السلام قبل یوم القیامۃ اماماعادلا** ،الـخ ،یعنی رسول کریم ﷺ کی احادیث اس معاملہ میں متواتر ہیں کہ آپ ﷺ نے عیسی علیہ السلام کے قبل قیامت نازل ہونے کی خبر دی ہے، عیسی علیہ السلام کے زندہ اسمان پر اٹھائے جانے اور زندہ رہنے، پھر قرب قیامت میں نازل ہونے کا عقیدہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے، جن کو علماء امت نے مستقل

کتابوں، رسالوں کی صورت میں شائع کر دیا ہے، جن میں سے بعض کے نام اوپر درج ہیں۔

یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس پر نظر کرنے سے ذرا بھی عقل وانصاف ہو تو اس مسئلہ میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی، وہ یہ ہے کہ سورۂ ال عمران کی آیت (۳۳) میں حق تعالیٰ نے انبیاء سابقین کا ذکر فرمایا تو آدم، نوح، آل ابراہیم، ال عمران، سب کا ذکر ایک ہی آیت میں اجمالاً ذکر کرنے پر اکتفاء فرمایا، اس کے بعد بائیس (۲۲) آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام اوران کے خاندان کا ذکر اس بسط وتفصیل کے ساتھ کیا گیا کہ خود خاتم الانبیاء ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا، ان کا ذکر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ نہیں آیا، عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کا ذکر ان کی نذر کا بیان، والدہ کی پیدائش، ان کا نام، ان کی تربیت کا تفصیلی ذکر عیسیٰ علیہ السلام کا بطن مادر میں آنا، پھر ولادت کا مفصل حال، ولادت کے بعد ماں نے کیا کھایا پیا اس کا ذکر، اپنے خاندان میں بچے کو لے کر آنا، ان کے طعن وتشنیع، اول ولادت میں ان کو بطور معجزہ گویائی عطا ہونا، پھر جوان ہونا اور قوم کو دعوت دینا، ان کی مخالفت، حواریین کی امداد، یہودیوں کا نرغہ، ان کو زندہ اسمان پر اٹھایا جانا وغیرہ، پھر احادیث متواترہ میں ان کی مزید صفات شکل وصورت، ہیئت، لباس وغیرہ کی پوری تفصیلات، یہ ایسے حالات ہیں کہ پورے قرآن وحدیث میں کسی نبی ورسول کے حالات اس تفصیل سے بیان نہیں کئے گئے۔ یہ بات ہر انسان کو دعوت فکر دیتی ہے کہ ایسا کیوں اور کس حکمت سے ہوا۔ ذرا بھی غور کیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ خاتم الانبیاء ﷺ چونکہ آخری نبی ورسول ہیں کوئی دوسرا نبی آپ ﷺ کے بعد آنے والا نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اس کا بڑا اہتمام فرمایا کہ قیامت تک جو مراحل امت کو پیش آنے والے ہیں ان کے متعلق ہدایات دیدیں، اس لئے آپ نے ایک طرف تو اس کا اہتمام فرمایا کہ آپ ﷺ کے بعد قابل اتباع کون لوگ ہوں گے؟ ان کا تذکرہ اصولی طور پر عام اوصاف کے ساتھ بھی بیان فرمایا، بہت سے علماء کے نام متعین کر کے بھی امت کو ان کے اتباع کی تاکید فرمائی، اس کے بالمقابل ان گمراہ لوگوں کا بھی پتہ دیا جن سے امت کے دین کو خطرہ تھا۔ بعد کے آنے والے گمراہوں میں سب سے بڑا شخص مسیح دجال تھا، جس کا فتنہ سخت گمراہ کن تھا، اس کے اتنے حالات وصفات بیان فرما دیئے کہ اس کے آنے کے وقت امت کو اس کے گمراہ ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے، اسی طرح بعد کے آنے والے مصلحین

اورقابل اقتداء بزرگوں میں سب سے زیادہ عظیم عیسی علیہ السلام ہیں، جن کوحق تعالی نے نبوت ورسالت سے نوازا، اورفتنہ دجال میں امت مسلمہ کی امداد کے لئے ان کوآسمان میں زندہ رکھا اورقرب قیامت میں ان کوقتل دجال کے لئے مامورفرمایا، اس لئے ضرورت تھی کہ ان کے حالات وصفات بھی امت کوایسے واشگاف بتلائے جائے جن کے بعدنزول عیسٰی علیہ السلام کے وقت کسی انسان کوانکے پہچاننے میں کوئی شک وشبہ نہ رہ جائے۔اس میں بہت سی حکم ومصالح ہیں اول یہ کہ اگرامت کوان کے پہچاننے ہی میں اشکال پیش آیاتوان کے نزول کا مقصد بھی فوت ہوجائے گا۔امت مسلمہ ان کے ساتھ نہ جڑے گی، تووہ امت کی امدادونصرت کسی طرح فرمائیں گے؟ دوسرے یہ کہ عیسٰی علیہ السلام اگرچہ اس وقت فرائض نبوت ورسالت پر مامورہوکر دنیامیں نہ آئیں گے بلکہ امت محمدیہ کی قیادت وامانت کے لئے بحیثیت خلیفہ رسول تشریف لائیں گے، مگرذاتی طور پرجوان کومنصب نبوت ورسالت حاصل ہے اس سے معزول بھی نہ ہونگے بلکہ اس وقت ان کی مثال اس گورنرکی سی ہوگی جواپنے صوبے کا گورنرہے۔مگرکسی ضرورت سے دوسرے صوبہ میں چلا گیا ہے، تووہ اگرچہ صوبے میں گورنرکی حیثیت پرنہیں مگراپنے عہدۂ گورنری سے معزول بھی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عیسی علیہ السلام اس وقت بھی صفت نبوت ورسالت سے الگ نہیں ہونگے، اورجس طرح ان کی نبوت سے انکار پہلے کفرتھا اس وقت بھی کفرہوگا، توامت مسلمہ جو پہلے سے ان کی نبوت پرقرآنی ارشادات کی بنا پرایمان لائیں ہوئے ہیں۔اگرنزول کے وقت ان کونہ پہچانے توانکارمیں مبتلا ہوجائے گی۔اس لئے ان کی علامات وصفات کوبہت زیادہ واضح کرنے کی ضرورت تھی۔تیسرے یہ کہ نزول عیسٰی علیہ السلام کا واقعہ تودنیا کی آخری عمرمیں پیش آئے گا، اگران کی علامات وحالات مبہم ہوتے توبہت ممکن ہے کہ کوئی دوسرا آدمی دعوی کربیٹھے کہ میں مسیح عیسی بن مریمؑ ہوں۔ان علامات کے ذریعہ اس کی تردید کی جاسکے گی، جیسا کہ ہندوستان میں مرزا قادیانی نے دعوی کیا کہ میں مسیح موعودہوں، اورعلماء امت نے انہی علامات کی بناء پراس کی قول کوردکیا۔خلاصہ یہ ہے کہ اس جگہ اور دوسرے مواقع میں عیسٰی علیہ السلام کے حالات وصفات کا اتنی تفصیل کے ساتھ بیان ہونا خودان کے قرب قیامت میں نازل ہونے اوردوبارہ دنیامیں تشریف لانے ہی کی خبردے رہاہے۔

وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ
اور تمہیں کافروں کی طعن سے پاک کر دوں گا اور جو لوگ
فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ
تمہاری پیروی کریں گے اُن کو کافروں پر قیامت تک فائق (وغالب) رکھوں گا۔ پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آؤ گے
فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ
تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن تم میں اُن کا فیصلہ کر دوں گا ۔یعنی جو کافر ہوئے
کَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
اُن کو دنیا اور آخرت (دونوں) میں سخت عذاب دوں گا اور اُن کا کوئی مدد گار نہ ہو گا ۔
نّٰصِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ
اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اُن کو اللہ پورا پورا صلہ دے گا
وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ مِنَ الْاٰیٰتِ
اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ (اے محمد ﷺ) یہ ہم تم کو (اللہ کی) آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں
وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ
عیسٰی کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اُس نے (پہلے) مٹی سے اُن کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ
تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ
(انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔ (یہ بات) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے سو تم ہرگز شک کرنے والوں میں
الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ
نہ ہونا۔ پھر اگر یہ لوگ عیسٰی کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقتِ حال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو اُن سے کہنا

تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآءَ نَا وَأَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ

کہ آ ؤ ہم اپنے بیٹوں اورعورتوں کو بلائیں، تم اپنے بیٹوں اورعورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آ ؤ

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ

پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعا والتجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں ۔ یہ تمام بیانات صحیح ہیں

الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا

اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک اللہ غالب اور حکمت والا ہے ۔ تو اگر یہ لوگ پھر جائیں

فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ

تو اللہ مفسدوں کو خوب جانتا ہے ۔ کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان

سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ

یکساں ہے اُس کی طرف آ ؤ، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اُس کیساتھ کسی چیز کوشریک نہ بنائیں اور ہم میں سے

بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾

کوئی کسی کواللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں ۔[٦]

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَمَا

اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ

أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيْلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٥﴾ هٰأَنْتُمْ

توراۃ اور انجیل اُن کے بعد اُتری ہیں تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ سنو! ایسی بات میں

---

[٦] اس مقام پر مولانا، نانوتوی نے تفسیر مظہری میں اتباع سنت کے متعلق اور مسئلہ ربوبیت کی تفصیل کرتے ہوئے

بے مثال اور عظیم الشان بحث کیا ہے فرماتے ہیں، عدی بن حاتمؓ راوی ہیں کہ جب آیت ''اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ '' (التوبة: ۳۱) نازل ہوئی، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو علماء اور مشائخ کا پوجا نہیں کرتے تھے فرمایا: کیا وہ (اپنی مرضی سے اشیاء کو) تمہاری لئے حلال حرام نہیں کرتے تھے؟ اور پھر تم ان کے قول پر عمل کیا کرتے تھے، میں نے عرض کیا جی ہاں، ایسا کرتے تھے، فرمایا یہی تو وہ ہے (یعنی یہی تو غیر اللہ کو رب بنانا ہوا) ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

اطاعت رسول حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں، اللہ نے فرمایا: ومن یطع الرسول فقداطاع اللہ۔ (نساء: ۸۰) اسی طرح علما، اولیاء، حکام، اور بادشاہوں کا حکم جب شریعت کے موافق ہو اللہ ہی کی اطاعت ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ '' (۵۹: نساء) اور جو خلاف شرع ہو اس کی اطاعت غیر اللہ کی ربوبیت کو تسلیم کرنا ہے۔ رواہ الشیخان فی صحیحھما، وابوداود النسائی۔

عمران بن حصینؓ اور حکیم بن عمرو غفاریؓ کی روایت ہے کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اس مقام سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اگر کسی کی تحقیق میں کوئی مرفوع حدیث صحیح ثابت ہو جائے اور اس کے مقابل دوسری حدیث نہ ہو اور نہ ہی کوئی حدیث اس کی ناسخ ہو، اور امام ابوحنیفہ کا فتوی حدیث مذکورہ کے خلاف ہو، اور باقی ائمہ میں سے کسی امام کا مسلک حدیث مذکورہ کے موافق ہو، تو اس صورت میں حدیث کا اتباع واجب ہے، ایسی حالت میں اگر امام اعظم کے فتوے پر جمارہے، تو گویا یہ غیر اللہ کی ربوبیت کی تسلیم ہوگی۔ بیہقی نے مدخل میں صحیح اسناد کے ساتھ عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کیا ہے، ابن مبارک نے کہا کہ میں نے خود ابوحنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث مل جائے تو ہمارے سر، آنکھوں پر، اور اگر کسی صحابی کا قول مل جائے تو ان کے اقوال سے ہم (کسی مسلک کو) ترجیح دیں گے، اور کسی تابعی کا قول ہو تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔

بیہقی نے روضۃ العقلاء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام اعظمؒ ابوحنیفہ نے فرمایا: رسول اللہ کی حدیث اور صحابہ کے قول کے مقابل میں میرے قول کو ترک کردو۔ یہ بھی منقول ہے، کہ امام صاحب نے فرمایا: اگر حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے، ہم نے عمل بالحدیث کے لئے یہ شرط لگائی، کہ چاروں اماموں میں سے کسی امام کا قول اس حدیث کے موافق ہونا ضروری ہے، اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں حدیث کے خلاف عمل کرنے سے اجماع کی

خلاف ورزی لازم ہوجائے گی۔کیونکہ تیسری یا چوتھی قرن کے بعد فرعی مسائل میں اہل سنت کے چار فرقے ہو چکے،کوئی پانچواں مذہب باقی نہ رہا۔پس گویا اس امر پر اجماع ہوگیا،کہ جو قول ان چاروں کے خلاف ہو،وہ باطل ہے اور رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ میری امت کا اتفاق گمراہی پر نہیں ہوگا۔اللہ تعالی نے بھی فرمایا ہے:وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ من بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا(نساء:١١٥).

اس کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یہ بات تو ممکن ہے کہ حدیث مذکورہ کا علم چاروں اماموں میں سے کسی کو نہ ہوا ہو،اور نہ ان کے شاگردوں میں سے کسی بڑے عالم کو اطلاع ہو،اس سے معلوم ہوا کہ اگر سب نے بالاتفاق حدیث مذکورہ کے خلاف فتوی دیا ہے اور حدیث پر عمل ترک کر دیا ہے،تو اس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ اس حدیث کو کسی دوسری حدیث سے انہوں نے منسوخ یا مؤول قرار دیا ہے۔[یہ قول اگرچہ اکثر علماء کا ہے جیسا کہ امام نوویؒ ابوعمرو ابن صلاح سے نقل کرتا ہے:قال الشيخ ابوعمرو فمن وجد من الشافعية حديثايخالف مذهبه ،نظر ان كملت الآت الاجتهادفيه مطلقا،اوفی ذلک الباب او المسئلة ،كان له الاستقلال بالعمل به ،وان لم تكمل وشق عليه مخالفة الحديث بعدان بحث فلم يجدلمخالفته عنه جواباشافيا،فله العمل به، وان كان عمل به امام مستقل غير الشافعي، ويكون هذاعذراله فی ترک مذهب امامه هنا،وهذا الذی قاله حسن متعين ،والله اعلم.قلت وهناک صورة اخرى، لم يتعرض لذكرهاابن الصلاح، وهی فيمااذالم يجدمن عمل بالحديث فمايصنع ؟اجاب عن هذاتقی الدين السبكی فی رسالة ،معنى قول الشافعی اذاصح الحديث ،ص:١٠٢/٣،فقال والاولى عندی اتباع الحديث وليفرض الانسان نفسه بين يدی النبیﷺوقدسمع ذلک منه، ايسعه التاخرعن العمل به؟لاوالله، وكل واحدمكلف بحسب فهمه وتمام هذا البحث وتحقيقه تجده فی اعلام المؤقعين : ٢/٣٠٢،٣٠٧، اور ١/٧.میں جوکہ امام شافعیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:اجمع المسلمون على ان من استبانت له سنة رسول اللهﷺلم يكن له ان يدعهالقول احدمن الناس ۔وكتاب الفلانی المسمى ايقاظ همم اولی الابصارللاقتداء بسيد المهاجرين والانصار،وتحذيرهم عن الابتداع الشائع فی القرى والامصار،من تقليد المذاهب مع الحمية و العصبية بين فقهاء الاعصار،وهو كتاب فذ فی بابه يجب على كل محب

للحق ان يدرسه دراسة تفهم وتدبر.

اورابن ابی العزؒ (التنبیہ: ۴۰۰، میں لکھتا ہے: ولکن لاعذر لمن بلغه الحديث الصحيح ۔اوراسی طرح علماء اربعہ کا یہ قول مطلق جو کہ مشہور ہے کہ اذا صح الحديث فهو مذهبی ۔اس قول کی تائید کرتا ہے۔

فائدہ:ا۔ اگرعلماء شرع کسی مسئلہ کے جواز یاعدم جواز کا فیصلہ کر چکے ہوں، تو پھراس فتوے کی خلاف ورزی یہ کہہ کر کرنا جائزنہیں، کہ مشائخ صوفیہ کا طریقہ اس کے علاوہ ہے، اورہم صوفیہ کے طریقہ کے پابند ہیں، حقیقت میں صوفیائے کرام نے شرع کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کیا۔شریعت کا بگاڑ توان جاہلوں کی وجہ سے ہوا، جوصوفیہ کے پیچھے آئے (اورتصوف کے علمبردار بنے)۔

فائدہ:۲۔ اولیاءاورشہداء کے مزارات پرسجدے لگانا، طواف کرنا، چراغ روشن کرنا۔ان پرمسجدیں قائم کرنا، عید کی طرح مزارات میں عرس کے نام پر میلے لگانا، جس طرح آج کل جاہل کرتے ہیں۔ جائزنہیں۔

ام المومنین عائشہؓ اورابن عباسؓ راوی ہیں، کہ مرض (وفات) میں رسول اللہ ﷺ نے دھاری دار کمبل سے چہرہ مبارک ڈھانپ لیا، اوردم گھٹا، تو منہ سے ہٹادیا، اوراسی حالت میں فرمایا: یہود ونصاری پراللہ کی لعنت، انہوں اپنے انبیاء کی قبروں کوسجدہ گاہ بنالیا۔عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول پاک ﷺ نے اس ارشاد میں یہود ونصاری کے فعل سے مسلمانوں کو بازداشت کی، (بخاری، ومسلم، امام احمد، اورابوداؤدطیالسی نے بھی اسامہ بن زیدؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے)۔

حاکم نے ابن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے، اوراس کوصحیح بھی کہا ہے، کہ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر، اوران لوگوں پر جوقبروں پرسجدہ گاہ بناتے اور چراغ جلاتے ہیں، اللہ کی لعنت ہو۔مسلم نے جندبؓ بن عبدالملک کا قول نقل کیا ہے۔جندبؓ کا بیان ہے کہ میں نے خودسنا، وفات سے پانچ رات پہلے، رسول پاک ﷺ فرمارہے تھے، ہوشیار! قبروں کوسجدہ گاہ نہ بنانا، میں تاکید کے ساتھ تم کواس کی ممانعت کرتا ہوں۔

هٰؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ

تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ

عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا

بھی علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔ ابراہیم نہ تو یہودی تھے

وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾

اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بےتعلق ہوکر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اُسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا

ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو اُن کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخرالزماں) اور وہ لوگ جو ایمان

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّونَكُمْ

لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے ۔ (اے اہل اسلام) بعضے اہل کتاب اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو گمراہ

وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾ يٰأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ

کردیں مگر یہ (تم کو کیا گمراہ کریں گے) اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور نہیں جانتے ۔ اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں

بِآيٰتِ اللّٰهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٧٠﴾ يٰأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ

سے کیوں انکار کرتے ہو اور تم (تورات کو) مانتے تو ہو ۔ اے اہل کتاب تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ

اور حق کو کیوں چھپاتے ہو اور تم جانتے بھی ہو ۔ اور اہل کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں

الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِيٓ أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ

کہ جو (کتاب) مومنوں پر نازل ہوئی ہے اُس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آیا کرو

وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ

اور اُس کے آخر میں انکار کر دیا کرو تا کہ وہ (اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں۔ اور اپنے دین کے پیرو کے سوا کسی اور کے قائل نہ ہونا

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ

(اے پیغمبر) کہہ دو کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (وہ یہ بھی کہتے ہیں) یہ بھی (نہ ماننا) کہ جو چیز تم کو ملی ہے ویسی کسی اور کو ملے گی

اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

یا وہ تمہیں اللہ کے روبرو قائل معقول کر سکیں گے۔ یہ بھی کہہ دو کہ بزرگی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔ (۷) وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے

---

(۷) طائفہ اہل کتاب سے مراد یہود ہیں، اور ''امنوا'' میں ایمان لانے سے مراد بطور نفاق اظہار ایمان ہے۔ اور ''الذین امنوا'' سے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام مراد ہیں ''وجہ النھار'' سے دن کا پہلا حصہ اور ''اخر النھار'' سے دن کا اخری حصہ یعنی شام مراد ہے، یہودی اسلام کی بڑھتی ہوئی شان وشوکت دیکھ کر حسد وبغض سے جل اٹھے تھے، اور ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے، چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کرنے اور اسلام کا وقار ان کے دلوں میں کم کرنے کے لئے اجتماعی منصوبہ تیار کیا، اور اس منصوبے کے کرتے دھرتے یہود کے بڑے بڑے عالم تھے، چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ صبح کے وقت ظاہری طور محض زبانی اسلام قبول کر لیا کریں، اور شام کو دین اسلام سے بیزاری کا اعلان کر دیا کریں، اور اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہم نے اپنی کتابوں کو دیکھا، اور اپنے علماء سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ دین (العیاذ باللہ) سچا نہیں ،اس لئے ہم نے اس کو چھوڑ کر پھر سے اپنا پہلا دین قبول کر لیا ہے، نیز وہ کہتے، سارا دن اس پیغمبر کے پاس گذارا ہے، پیغمبروں اور ولیوں کے بے ادبی کے سوا اس سے اور کچھ نہیں سنا، وہ صاف کہتا ہے کہ نبی اور ولی نہ کارساز ہیں نہ حاجت روا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ جب ہم اسلام کو چھوڑ کر اس کے بارے میں مذکورہ بالا ریمارکس دیں گے،

تو مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال پیدا ہوگا، جب پہلی کتابوں کے اتنے بڑے عالم اسلام سے برگشتہ ہوگئے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ دین سچا نہیں، اس طرح مسلمانوں میں بھی اسلام سے بیزاری اور برگشتگی پیدا ہوجائے گی، اور اسلام کی ترقی رک جائے گی۔ لیکن اللہ تعالی، جو غیب وشہادت کا جاننے والا ہے، اس نے مسلمانوں پر یہودیوں کا یہ منصوبہ منکشف کر کے اسے ناکام بنا دیا۔

ومعنی الایة، ان الیهود قال بعضهم لبعض اظهروا الایمان بمحمد ﷺ اول النهار، ثم اکفروا به اخره، فانکم اذافعلتم ذلک ظهر لمن یتبعه ارتیاب فی دینه، فیرجعون عن دینه الی دینکم، ویقولون ان اهل الکتاب اعلم به منا. (قرطبی) قال الحسن والسدی تواطأ اثناعشر رجلا من احبار یهود خیبر، وقری عرنیة، وقال بعضهم لبعض ادخلوا فی دین محمد ﷺ اول النهار باللسان، دون الاعتقاد، واکفروا اخر النهار، وقولوا انا نظرنا فی کتبنا وشاورنا علماءنا، فوجدنا محمدا ﷺ لیس بذاک، وظهر لنا کذبه وبطلان دینه، فاذافعلتم ذلک شک اصحابه فی دینهم، فقالوا انهم اهل الکتاب، وهم اعلم به، فیرجعون عن دینهم الی دینکم (روح المعانی).

﴿أَنْ يُؤْتَى أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ﴾ یہ بھی ان منصوبہ ساز احبار یہود ہی کا قول ہیں، البتہ ”قل ان الهدی هدی الله“ جملہ معترضہ ہے جو قول یہود کا جواب ہے، اور ”ان یؤتی“ جملہ استفہامیہ ہے اور ہمزہ استفہام محذوف ہے، اصل ”أأن یؤتی“ تھا جیسا کہ ابن کثیر کی قرأت میں ہے، لیکن یہ استفہام انکاری ہے، اور ”او یحاجوکم“ ”یؤتی“ پر معطوف ہے، مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے آپس میں طے کیا کہ ظاہری طور پر اسلام کا اظہار تو مسلمانوں کے سامنے کر دینا، لیکن صدق دل سے اس کو نہ ماننا، اور نہ ہی اپنے دین کے متبعین کے علاوہ کسی کی یہ بات ماننا کہ تمہارے دین کی طرح کسی اور کا دین ہے، یا تمہاری کتاب کی طرح کسی اور دین والوں کے پاس بھی کوئی سچی کتاب ہے، یا یہ کہ کسی دوسرے دین والے اللہ کے پاس تم پر قیامت کے دن دلیل اور حجت سے غالب آجائیں گے۔

”قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللهِ“ یہ یہودیوں کے قول کی تردید ہے، یہودیوں نے جو یہ فرض کر رکھا تھا، کہ رسالت ونبوت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے، اس لئے ان کے علاوہ اور کسی قوم میں نہ کوئی نبی پیدا ہوسکتا ہے، اور نہ اللہ کی کوئی کتاب نازل ہوسکتی ہے، اصل میں یہودیوں کی مولویوں اور گدی نشینوں نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کا یہ ایک بہانہ تراشا تھا، اصل ضد تو ان کو مسئلہ توحید سے تھی، کیونکہ اس سے ان کی گدیوں اور آمدنیوں پر ضد پڑتی تھی، تو اللہ تعالی نے

الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖ إِلَيْكَ

اور اہل کتاب میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اُس کے پاس (روپوں کا) ڈھیر رکھ دو تو تم کو (فورا) واپس دے دے

وَمِنْهُمْ مَّنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ

اور کوئی اس طرح کا ہے کہ اگر اُس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو جب تک اُس کے سر پر ہر وقت کھڑے نہ رہو

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

تمہیں دے ہی نہ دے۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں کے بارے میں ہم سے مواخذہ نہیں ہوگا، یہ اللہ پر محض جھوٹ

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾ بَلٰى مَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَإِنَّ اللّٰهَ

بولتے ہیں اور (اس بات کو) جانتے بھی ہیں۔ ہاں جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرے اور (اللہ سے) ڈرے تو اللہ

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا

ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے اقراروں اور اپنی قسموں (کو بیچ ڈالتے ہیں اور اُن) کے عوض تھوڑی سی

= ان کے اس خیال کا ابطال فرمایا، کہ فضل ورحمت کے خزانے جن میں رسالت ونبوت بھی شامل ہیں، سارے کے سارے اللہ کے قبضے میں ہیں، وہ ان میں سے جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اس کی رحمت صرف بنی اسرائیل ہی کے لئے مخصوص نہیں، اس کی رحمت نہایت وسیع اور بے پایان ہے جسے وہ اپنی رحمت کے کسی عطیہ کا مستحق سمجھتا ہے، اسے اس سے نواز دیتا ہے۔

أُولَـٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ

قیمت حاصل کرتے ہیں اُن کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں، اُن سے اللہ نہ کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز اُن کی طرف دیکھے گا

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ

اور نہ اُن کو پاک کرے گا اور اُن کو دردناک والا عذاب ہو گا ۔ اور ان (اہل کتاب) میں بعض ایسے ہیں

أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ

کہ کتاب (تورات) کو زبان بل دے کر پڑھتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں کتاب میں سے ہیں۔

مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللّٰهِ

حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا

وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ

اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور جانتے بھی ہیں ۔ کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ اللہ تو اُسے

أَن يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا

کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ

لِّي مِن دُونِ اللّٰهِ وَلَـٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ

(اُس کو یہ کہنا سزاوار ہے کہ اے اہل کتاب) تم (علمائے) ربانی ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب (اللہ)

وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ

پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو اور اس کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو

أَرْبَابًا ؕ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾

رب بنا لو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اُسے زیبا ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے ۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ

اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر

جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اُس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اُس کی مدد کرنی ہوگی

قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ إِصْرِي ؕ قَالُوٓا أَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوا

اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اُس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا) انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا

وَأَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِينَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ

(اللہ نے) فرمایا کہ تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ، گواہ ہوں ۔(۸) تو جو اُس کے بعد پھر جائیں وہ

---

[۸] اللہ تعالی نے اس عہد کا ذکر فرمایا جو نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کے پیشگوئی کرنے کے بارے میں تمام انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا ہے، اللہ تعالی نے ہر پیغمبر سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آخرالزمان پیغمبر پر ایمان لائیں یعنی اسے اللہ کا سچا نبی مانے اور اپنی امت کو اس کی آمد کی اطلاع دے، اور انہیں حکم دے کہ اگر وہ اس کا زمانہ پائیں تو اس پر ایمان لائیں، شیخ حسین علیؒ کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد نبوت ملنے کے ساتھ ساتھ لیا گیا، یہ عہد و میثاق آپ کی سچائی کی بہت بڑی دلیل ہے، چنانچہ اہل کتاب کے سامنے پہلے اسے ہی پیش فرمایا کہ جناب محمد ﷺ وہ پیغمبر ہے جن پر ایمان لانے کا عہد تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں سے لیا گیا، سوائے اہل کتاب تورات، و انجیل میں تمہاری پیغمبروں سے بھی یہ عہد لیا جا چکا ہے، اور تورات اور انجیل پر ایمان لانے کا دعوی کر کے تم بھی اس پیغمبر پر ایمان لانے کا عہد کر چکے ہو، وہ معہود پیغمبر اب آچکا ہے لہذا اس پر ایمان لاؤ اور ہر طریقہ سے اس کی نصرت اور مدد کرو۔

اسی مضمون کا ایک روایت علیؓ اور ابن عباسؓ سے ابن جریر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ: ما بعث الله نبیا من الانبیاء

الااخذعليه الميثاق، لئن بعث اللهﷺوهو حي، ليؤمنن به وينصرنّه، وامره ان يأخذ الميثاق على امته، لئن بعث محمدﷺوهم احياء ليؤمنن به ولينصرنّه.وفي رواية عند اللالكائي (٣/٥٦٠:)وخصُّوابميثاق اخرمن الرسالة و النبوة(كمافي سورة الاحزاب:٧) ۔یعنی علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ہر نبی سے عہد لیا، کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ اپنے نبی محمد ﷺ کو بھیجے، تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی امداد کرے اور اپنی امت کو بھی وہ یہی تلقین کردے کہ وہ بھی محمد ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ کی تابعداری میں لگ جائے۔ جبکہ لالکائی کی روایت میں یہ ہے کہ انبیاء سے ایک دیگر میثاق بھی لی گئی، جو کہ سورت احزاب ایت:۷ میں مذکور ہے۔ یہ روایت ابن جریر اور ابن کثیر اور سیوطی نے خصائص کبری:۲۲/۱، میں نقل کیا ہے۔

اور یہاں پر ابن کثیر نے عمر رضی اللہ عنہ کا روایت نقل کیا ہے:ان عمربن خطاب اتى رسول اللهﷺ بنسخة من التوراة،فقال يارسول الله!هذه نسخة من التوراة فسكت فجعل يقرأووجه رسول اللهﷺ يتغير فقال ابوبكرثكلتك الثواكلٰ ماترى مابوجه رسول اللهﷺ؟فنظرعمرالى وجه رسول اللهﷺ فقال اعوذبالله من غضب الله وغضب رسوله ،رضينابالله ربا،وبالاسلام دينا، و بمحمد نبيا، فقال رسول اللهﷺو الذى نفس محمدبيده لوبدالكم موسى فاتبعتموه وتركتموني .لضللتم عن سواء السبيل ولوكان حياوادرك نبوتي لاتبعني.رواه الدارمي: ١/١١٥،١١٦ واحمد:٣/٣٨٧ ۔عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: میں نے ایک دوست قریظی یہودی سے کہا تھا کہ وہ تورات کے جامع باتیں مجھے لکھ دے تو اگر آپ فرمائیں میں انہیں پیش کروں۔ نبی کریم ﷺ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ آپ ﷺ کے چہرہ کا کیا حال ہے؟ تو عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں اللہ تعالی کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، محمد ﷺ کے رسول ہونے پر، خوش ہوں، اس وقت نبی کریم ﷺ کا غصہ دور ہوا، اور فرمایا قسم ہے اس اللہ تعالی کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر موسی علیہ السلام تم میں آجائیں، اور تم ان کی تابعدرای میں لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سب گمراہ ہو جاؤ۔

یہاں ابن کثیر نے ایک روایت یہ بھی نقل کیا ہے؛وفي بعض الاحاديث، لوكان موسى وعيسى حيين لماوسعهما الااتباعي ۔یعنی بعض احادیث میں ہے کہ اگر موسی اور عیسی علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی نہ کوئی حوالہ اور نہ کوئی سند ہے، تو مرزائیوں کا اس سے استدلال کرنا بے جا ہے۔ اس کے بعد ابن کثیر لکھتا ہے.

فالرسول محمدﷺخاتم الانبياء دائماالى يوم الدين، وهو الامام الاعظم الذى لووجدفي اى عصروجد،لكان هو الواجب طاعته ،المقدم على الانبياء كلهم۔یعنی محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں، اور امام=

الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

بدکردار ہیں ۔ کیا یہ (کافر) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں۔ حالانکہ سب آ سمان

وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ

وزمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۔ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے

وَمَآ أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوْبَ

اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے ابراہیم اور اسما عیل اور اسحاق اور یعقوب

وَالْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ

اور اُن کی اولاد پر اُترے اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کو رب کی طرف سے ملیں سب پر ایمان لائے

=اعظم ہیں۔ابن کثیر نے البدایۃ والنہایہ:۲/۱۸۰،اور۲۶۵، میں اس آیت سے خضر علیہ السلام کی فوتگی کا استدلال کرتے ہوئے لکھتا ہے:فاخذاللہ میثاق کل نبی علی ان یؤمن بمن یجئ بعده من الانبیاء وینصره، فلو کان الخضر حیافی زمانه، لماوسعه الااتباعه، والاجتماع به، و القیام بنصره، ولکان من جملة من تحت لوائه یوم بدر، کماکان تحتهاجبرئیل وسادات من الملائکة ،وقصاری الخضرعلیه السلام ،ان یکون نبیاوهو الحق اورسولا کما قیل ،اوملکافیماذکر ، وایاماکان ،فجبرئیل رئیس الملائکة، وموسی اشرف من الخضر، ولوکان حیالوجب علیه الایمان بمحمدﷺونصرته ،فکیف اذاکان الخضرولیا، کمایقوله طوائف کثیرون، فاولی ان یدخل فی عموم البعثة واحری۔

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتا تو ضرور رسول اللہﷺ سے ملتے، آ گے لکھتے ہیں:ولم ینقل فی حدیث حسن بل ولاضعیف یعتمد،انه جاء یوماواحدا الی رسول اللہﷺ،ولااجتمع به، وماذکرمن حدیث التعزیة فیه، وان کان الحاکم قدرواه ،مستدرک:۲/۲۴۲ ـفاسناده ضعیف، واللہ اعلم . یعنی تعزیہ والی حدیث صحیح نہیں۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ

ہم اُن پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اُسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔ اور جو شخص اسلام

الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٨٥﴾

کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا أَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ

اللہ ایسے لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور (پہلے) اس بات کی گواہی دے چکے کہ یہ پیغمبر برحق ہیں

وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾ أُولٰٓئِكَ

اور ان کو دلائل بھی آگئے اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان لوگوں کی

جَزَآؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلَآئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ﴿٨٧﴾

سزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت ہو۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ

ہمیشہ اس لعنت میں (گرفتار) رہیں گے، اُن سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ اُنہیں مہلت دی جائے گی۔ ہاں جنہوں

تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٨٩﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ

نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی حالت درست کر لی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ جو لوگ

كَفَرُوْا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ

ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے گئے، ایسوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہ لوگ

الضَّآلُّوْنَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ

گمراہ ہیں۔ جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مرگئے وہ اگر (نجات حاصل کرنی چاہیں اور) بدلے میں

مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدٰى بِهٖ أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

زمین بھر سونا دیں تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ان لوگوں کو دردناک عذاب ہوگا اور ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا

نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

(مومنو!) جب تک تم اُن چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کرسکو گے

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ

اور جو چیز تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے۔ بنی اسرائیل کیلئے (تورات کے نازل ہونے سے) پہلے کھانے کی

كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآئِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ

سب چیزیں حلال تھیں سوائے اُن (چیزوں) کے جو یعقوب (علیہ السلام) نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔

مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوْهَا إِنْ كُنْتُمْ

کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تورات لاؤ اور اُسے پڑھو (یعنی دلیل پیش کرو)۔

صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ

اگر تم سچے ہو، جو اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹے افتراء کریں تو ایسے لوگ ہی

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا

بے انصاف ہیں ۔ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرما دیا پس دینِ ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرو

وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ

جو سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ ہی) کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ پہلا گھر جو لوگوں کیلئے مقرر کیا گیا تھا

لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ آيٰتٌ بَيِّنٰتٌ

وہی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت اور جہان کیلئے موجب ہدایت۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک

مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ

ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ جو شخص اس گھر میں داخل ہوا، اس نے امن پا لیا۔

عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ

اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اُس کا حج کرے اور جو اُس کے حکم کی تعمیل نہ کرے گا

فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ ﴿۹۷﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ

تو اللہ تعالیٰ بھی اہلِ عالم سے بے نیاز ہے ۔ کہو کہ اے اہلِ کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کیوں کفر کرتے ہو

اللّٰهِ وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ کہو کہ اے اہلِ کتاب! تم مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیوں روکتے

عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا ؕ وَأَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

ہو؟ اور باوجودیکہ تم اس سے واقف ہو، اس میں کجی نکالتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے

تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا

بے خبر نہیں ۔ مومنو! اگر تم اہل کِتاب کے کسی فریق کا کہا مان لوگے

الْكِتٰبَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمٰنِكُمْ كٰفِرِينَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ

تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے ۔ اور تم کیونکر کفر کرو گے

وَأَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ آيٰتُ اللّٰهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ؕ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ

جب کہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اُس کے پیغمبر موجود ہیں اور جس نے اللہ کی (رسی کو) مضبوط پکڑ لیا

فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

تو وہ سیدھے رستے لگ گیا ۔اے مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ

حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ

اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا ۔اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا

جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً

اور متفرق نہ ہونا اور اللہ کی اُس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے

فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ

تو اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور تم اُس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے ۔ اور تم آگ کے گھڑے

النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ

وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے

الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا

منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں ۔ اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے

وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ

او راحکامِ بیّن کے آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر

عَظِیْمٌ ﴿۱۰۵﴾ یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ

بڑا عذاب ہوگا ۔جس دن بہت سے منہ سفید ہوں گے اور بہت سے منہ سیاہ۔ تو جن لوگوں کے منہ سیاہ ہوں گے

وُجُوْهُهُمْ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ

(اُن سے اللہ فرمائے گا کہ) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ پس (اب) اس کفر کے بدلے۔

تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ وَأَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا

عذاب (کے مزے) چکھو۔ اور جن لوگوں کے منہ سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور اُن میں

خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ آيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ

ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں صحت کیساتھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اہلِ عالم پر ظلم نہیں کرنا چاہتا

ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی

تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴿١٠٩﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

طرف ہے۔ جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم اُن سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا

اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو اُن کیلئے بہت اچھا

لَّهُمْ مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾

ہوتا۔ اُن میں ایمان لانے والے بھی ہیں اور اکثر نافرمان ہیں

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ إِلَّا أَذًى ۚ وَإِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْأَدْبَارَ

اور یہ تمہیں خفیف سی تکلیف کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے

ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوْا إِلَّا بِحَبْلٍ

پھر اُن کو مدد بھی نہیں ملے گی ۔ یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت اُن سے چمٹ رہی ہے بجز اس کے کہ یہ اللہ

مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آجائیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہیں ۔

الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْأَنْبِيَآءَ
اور ناداری اُن سے لپٹ رہی ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق
بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
قتل کر دیتے تھے، یہ اس لئے کہ یہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔
لَيْسُوْا سَوَآءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ آيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ اللَّيْلِ
یہ بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں ان اہلِ کتاب میں کچھ لوگ (اللہ کے حکم پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے
وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
اور سجدے کرتے ہیں ۔ (اور) اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کام کرنے کو کہتے
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولٰٓئِكَ مِنَ
اور بُری باتوں سے منع کرتے اور نیکیوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
نیکو کار ہیں ۔ اور یہ جس طرح کی نیکی کریں گے اُس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ
بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ
پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ۔ جو لوگ کافر ہیں اُن کے مال اور اولاد اللہ کے عذاب کو
مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾
ہرگز نہیں ٹال سکیں گے۔ اور یہ لوگ اہلِ دوزخ ہیں کہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے ۔
مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ أَصَابَتْ
یہ جو مال دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اُس کی مثال ہوا کی سی ہے جس میں سخت سردی ہو اور وہ ایسے لوگوں کی

حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ

کھیتی پر جو اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے چلے اور اُسے تباہ کر دے اور اللہ نے اُن پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے اوپر

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ

ظلم کر رہے ہیں ۔مومنو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا رازداں نہ بنانا

لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَّدُّوْا مَا عَنِتُّمْ

یہ لوگ تمہاری خرابی میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ

اُن کی زبانوں سے تو دُشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) اُن کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ

اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں ۔ دیکھو تم ایسے لوگ ہو کہ اُن لوگوں سے دوستی رکھتے ہو

وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَاِذَا

حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے اور تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے)

لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا آمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ

اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں

قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ

(اُن سے) کہہ دو کہ (بدبختو) غصے میں مر جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔اگر تمہیں آسودگی

حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا

حاصل ہو تو اُن کو بُری لگتی ہے اور اگر رنج پہنچے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر تم تکلیفوں کو برداشت اور (اُن سے) کنارہ کشی کرتے رہو گے

لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿١٢٠﴾

تو اُن کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اُس پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّءُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ

اور جب تم صبح کو اپنے گھر سے روانہ ہو کر ایمان والوں کو لڑائی کیلئے مورچوں پر متعیّن کرنے لگے

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢١﴾ إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اُس وقت تم میں سے دو جماعتوں نے جی چھوڑ دینا چاہا مگر اللہ تعالیٰ

وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ

اُن کا مددگار تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیئے۔اور اللہ نے جنگِ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی

وَّأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ

اور اُس وقت بھی تم بے سروسامان تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ شکر کرو۔ جب تم مومنوں سے یہ کہہ

أَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ أَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَآئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿١٢٤﴾

رہے تھے کہ کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہیں مدد دے؟

بَلٰى إِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَأْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ

ہاں اگر تم دل کو مضبوط رکھو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو اور کافر تم پر جوش کیساتھ دفعۃً حملہ کر دیں تو اللہ

بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَآئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ

پانچ ہزار فرشتے جن پر نشان ہوں گے تمہاری مدد کو بھیجے گا۔ اور اس مدد کو تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے

إِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ

بشارت بنایا یعنی اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اس سے تسلی حاصل ہو ورنہ مدد تو اللہ ہی کی ہے جو غالب (اور)

الْحَكِيمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْ يَكْبِتَهُمْ
حکمت والا ہے ۔ اس لئے کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک یا انہیں ذلیل و مغلوب کر دے کہ
فَيَنقَلِبُوا خَآئِبِينَ ﴿١٢٧﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ
(جیسے آئے تھے ویسے ہی) ناکام واپس جائیں ۔ (اے پیغمبر!) اس کام میں تمہارا کچھ اختیار نہیں (اب دو صورتیں ہیں)
أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿١٢٨﴾
یا تو اللہ اُن کے حال پر مہربانی کرے یا اُنہیں عذاب دے کہ یہ ظالم لوگ ہیں ۔
وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ
اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب
يَّشَآءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٩﴾ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَوٰا
دے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔ اے ایمان والو! دُگنا چوگنا سود نہ کھاؤ ۔
أَضْعَافًا مُّضَٰعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي
اور اللہ سے ڈرو تاکہ نجات حاصل کرو ۔ اور (دوزخ کی) آگ سے بچو جو
أُعِدَّتْ لِلْكَٰفِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾
کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے ۔اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے ۔
وَسَارِعُوٓا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَٰوَٰتُ وَالْأَرْضُ
اور اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔
أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ
اور جو (اللہ سے) ڈرنے والوں کیلئے تیار کی گئی ہے ۔ جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے ۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا

اوروہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور بُرائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں

لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ

اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور باوجودعلم کے کسی برے کام پرآڑنہیں جاتے۔

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ

ایسے ہی لوگوں کا صلہ رب کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں

تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ

بہہ رہی ہیں (اور) وہ اُس میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔تم لوگوں سے پہلے

قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں تو تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا

عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ

انجام ہوا یہ (قرآن) لوگوں کیلئے بیانِ صریح اور اہلِ تقویٰ کیلئے ہدایت اور

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ

نصیحت ہے ۔ اور بے دِل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن ہو تو تم

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ إِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ

ہی غالب رہو گے ، اگر تمہیں زخمِ (شکست) لگا ہے تو اُن لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا

اور یہ دن ہیں کہ ہم اُن کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو متمیز کر دے

وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اور تم میں سے گواہ بنائے اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا ۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ

اور یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو خالص (مومن) بنا دے اور کافروں کو نابود کر دے ۔کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ

تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ

(بے آزمائش) جنت میں جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح ظاہر کیا ہی نہیں

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ

اور وہ ثابت قدم رہنے والوں کو ظاہر کرے ۔ اور تم موت کے آنے سے پہلے

فَقَدْ رَأَيْتُمُوْهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ ۚ

اس کی تمنا کیا کرتے تھے پس تم نے اُس کو آنکھوں سے دیکھ لیا ۔ اور محمد (ﷺ) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ

اُن سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں بھلا اگر یہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟

وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو ثواب دے گا [۹]

---

[۹] میدان احد میں مسلمانوں کو جب شکست ہوئی تو شیطان نے یہ مشہور کر دیا کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے، اس غلط بات

کی شہرت نے بعض مسلمانوں کے دل توڑ دئے، اوران کے قدم اکھڑ گئے۔لڑائی سے بددل ہوکر باگ کھڑے ہوئے اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلے انبیاء کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں، ہوسکتا ہے کہ میدان میں قتل کردیئے جائیں، لیکن کچھ اللہ کا دین جاتا نہیں رہے گا۔اسی ایت سے ابوبکرؓ نے نبی ﷺ کی وفات پر دلیل پکڑی جو کہ مشہور واقعہ ہے۔امام بخاریؒ نے باب مرض النبی ﷺ ووفاته:٦/١٧، میں نقل کیا ہے:ان ابا بکرؓ اقبل علی فرس من مسکنه بالسنح حتی نزل فدخل المسجدفلم یکلم الناس، حتی دخل علی عائشةؓ، فتیمم رسول اللهﷺوهو مغشی بثوب حبـــرة،فکشف عن وجهه، ثم اکبّ علیه وقبّله وبکی ،ثم قال بابی انت وامی واللهلایجمع الله علیک موتتین اما الموتة اللتی کتبت علیک ،فقدمتها.ان ابابکرؓ خرج وعمرؓ یحدث الناس فقال اجلس یاعمرؓ فابی عمرؓ ان یجلس ،فاقبل الناس الیه وترکوا عمرؓ،فقال ابوبکرؓ امابعد:من کان یعبدمحمداﷺ فان محمداﷺ قدمات ،ومن کان یعبداللهفان الله حیٌّ لایموت، قال اللهتعالی:(وتلاهذه الایة)قال فواللهلکأن الناس لم یعلموا ان الله انزل هذه الایة حتی تلاهاابوبکرؓ ، فتلقها منه الناس کلهم ،فماسمعهابشر من الناس الاتلاها.

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی وفات کی خبرسنکر جناب ابوبکر الصدیقؓ گھوڑے پرسوار ہوکر مسجد میں تشریف لے گئے ،لوگوں کی حالت دیکھی بھالی ،اور بغیر کچھ کہنے سنے عائشہؓ کے گھر پرآئے ، یہاں نبی کریم ﷺ پر حبری چادر ڈالی گئی تھی ،آپ نے چادر کا کونہ چہرہ مبارک سے ہٹا کر بے ساختہ بوسے لے لئے ،اور روتے ہوئے فرمانے لگے، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، اللہ کی قسم اللہ تعالی آپ پر دومرتبہ موت نہ لائے گا۔جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آچکی ،اس کے بعد اپ پھر مسجد میں آئے اور دیکھا کہ عمرؓ خطبہ سنا رہے رہیں، ان سے فرمایا کہ خاموش ہوجاؤ، انہیں چپ کرا کر آپ نے لوگوں سے فرمایا: جوشخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمد ﷺ مرگیا، اور جوشخص اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ خوش رہے کہ اللہ تعالی زندہ ہے اس پر موت نہیں آتی ، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: لوگوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا یہ آیت اب اتری ہے، پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہ آیت چڑھ گئی اور لوگوں نے یقین کرلیا کہ آپ ﷺ فوت ہوگئے، ابوبکر الصدیقؓ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر عمرؓ کے تو گویا قدم ٹوٹ گیا، انہیں بھی یقین ہوگیا کہ نبی ﷺ اس جہاں فانی کو چھوڑ کر چل بسے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوْتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا ۗ
اور کسی شخص میں طاقت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے (اُس نے موت کا) وقت مقرر کر کے لکھ رکھا ہے [۱۰]
وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ
اور جو شخص دنیا میں (اپنے اعمال کا) بدلہ چاہے اُس کو ہم یہیں بدلا دے دیں گے اور جو آخرت میں طالبِ ثواب ہو
نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ
اُس کو وہاں اجر عطا کریں گے اور ہم شکر گزاروں کو عنقریب (بہت اچھا) صلہ دیں گے۔ اور بہت سے نبی ہوئے ہیں
قَاتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَا أَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
جن کیساتھ ہو کر اکثر اہل اللہ (اللہ کے دشمنوں سے) لڑے ہیں تو جو مصیبتیں اُن پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں
وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾
اُن کے سبب اُنہوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ بزدلی کی، نہ (کافروں سے) دبے۔ اور اللہ تعالیٰ استقلال رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے

---

[۱۰] قال حجر بن عدی، مایمنعکم ان تعبروا الی ھؤلاء العدو ھذہ النطفة؟ یعنی دجلة، (ثم قرأ ھذہ الایة) "ماکان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا موجلا" ثم اقحم فرسه دجلة، فلما اقحم، اقحم الناس، فلما رأھم العدو، قالوا دیوان فھربوا ۔ یعنی حجر بن عدی جب دشمنان دین کے مقابلہ میں جاتے ہیں اور دریائے دجلہ بیچ میں آجاتا ہے اور لشکر اسلام ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے، تو آپ اس ایت کی تلاوت کر کے فرماتے ہیں کہ کوئی بھی بے اجل نہیں مرتا، آؤ اسی دجلہ میں گھوڑے ڈال دو، یہ فرما کر آپ اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیتے ہیں، آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اپنے جانوروں کو پانی میں کدا دیتے ہیں، دشمن کا خون خشک ہو جاتا ہے، اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو دیوانی آدمی ہیں، یہ تو پانی کی موجوں سے بھی نہیں ڈرتے، بھاگو بھاگو، چنانچہ سب کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا
اور (اس حالت میں) اُن کے منہ سے کوئی بات نکلتی تو یہی کہ اے رب ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں
وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۴۷﴾ فَآتَاهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ
کرتے رہے ہیں معاف فرما۔ اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو
الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴۸﴾ يٰأَيُّهَا
دنیا میں بھی بدلا دیا اور آخرت میں بھی بہت اچھا بدلا (دے گا) اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے
الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا
مومنو! اگر تم کافروں کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر (کر مرتد کر) دیں گے پھر تم بڑے ۔
خٰسِرِينَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِينَ ﴿۱۵۰﴾
خسارے میں پڑ جاؤ گے ۔ (یہ تمہارے مددگار نہیں ہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے ۔
سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ
ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیں گے کیونکہ یہ اللہ کیساتھ شرک کرتے ہیں جس کی اُس نے کوئی بھی
بِهٖ سُلْطَانًا وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِينَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ
دلیل نازل نہیں کی اور اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہ ظالموں کا بہت بُرا ٹھکانہ ہے ۔ اور اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا (یعنی)
اللّٰهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهٖ حَتّٰى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ
اُس وقت جب کہ تم کافروں کو اُس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے اللہ نے تم کو دکھا دیا اُس کے بعد
فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ
تم نے ہمت ہار دی اور حکمِ (پیغمبر) میں جھگڑا کرنے لگے اور اُس کی نافرمانی کی، بعض تو تم میں سے دنیا کے طلبگار تھے[۱۱]

مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ‌ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمۡ عَنۡهُمۡ لِيَبۡتَلِيَكُمۡ

اور بعض آخرت کے طالب۔ اُس وقت اللہ نے تم کو اُن (کے مقابلے) سے پھیر (کر بھگا) دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے

---

[۱۱] آیت مذکورہ میں بتایا گیا ہے کہ شروع جنگ میں اللہ تعالی نے ہمیں ان پر غالب کردیا لیکن جب تم نے بزدلی دکھائی، اور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کی، ان کی بتلائی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے، اور آپس میں اختلاف کرنے لگے، بعض آدمیوں نے کہا تھا کہ ہمیں یہ جگہ ہرگز نہ چھوڑنی چاہئے، لیکن بعض نے کہا کہ ہمیں فتح ہوچکی ہے اب ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں، مسلمان صاف طور پر غالب آگئے تھے، مال غنیمت آنکھوں کے سامنے موجود تھا، جب کفار نے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے، تو تم میں سے بعض نے دنیا طلبی کی اور کفار کی شکست کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ کے فرمان کا خیال نہ کرکے غنیمت کے مال کی طرف لپکے۔

گو بعض نیک نیت اور آخرت طلب بھی تھے، لیکن اس نافرمانی کی بناء پر تم غالب ہوکر مغلوب ہوگئے، تم شکست دیکھ کر گھبرا گئے اور چلاّ اٹھے: "قلتم انی هذا" تم نے کہا یہ مصیبت کہاں سے آگئی تو اللہ تعالی نے جواب دیا "هو من عندانفسكم" اے پیغمبر فرمادیجئے کہ یہ خود تمہاری طرف (پیغمبر کی نافرمانی کی وجہ سے ہے) اگرچہ اللہ تعالی نے "ولقد عفا عنكم" اور یقیناً اس نے تمہاری خطاء کو معاف فرمایا "فرما کر صحابہ کرام کی اس غلطی کو معاف فرمادیا"، لیکن قیامت تک کے لوگوں کے لئے ایک مثال قائم کردی کہ اگر نبی ﷺ کے جانثار صحابہ بھی نبی ﷺ کے حکم کی نافرمانی کریں، تو اللہ تعالی کے بنائے ہوئے اصول کے مطابق وہ بھی عذاب الہی سے نہیں بچ سکتے۔ قارئین کرام غور فرمائیں جب صحابہ کرام جیسی مقتدر ہستیاں نبی ﷺ کی نافرمانی (حالانکہ یہ نافرمانی جان بوجھ کر نہیں کی تھی) پر اللہ تعالی کے عذاب سے نہیں بچ سکتے، تو ہم کونسے باغ کی مولی ہیں کہ ہم خلاف سنت عمل کرتے رہیں اور ہم سے مواخذہ نہ ہو، یقین جانئے موجودہ دور کے بڑے بڑے سیاسی فتنے آئے دن کے سیلاب اور زلزلے وغیرہ اسی وجہ سے آتے ہیں کہ ہم نے سنت رسول ﷺ کا دامن چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ ۱۴ شوال ۳ھ میں کوہ احد کے دامن میں قریش مکہ کے مقابلے میں نبی ﷺ نے لشکر کی صف بندی فرمائی، عقب سے امکان تھا کہ دشمن کا رسالہ احد پہاڑ کا چکر کاٹ کر اچانک حملہ آور ہو، اس لئے آپ ﷺ نے جبل عینین (جبل الرمات) پر عبداللہ بن جبیرؓ کے تحت پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ مقرر فرمایا، اور ان کو تاکید کردی کہ میرے حکم کے بغیر =

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ إِذْ تُصْعِدُوْنَ

اور اُس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے ۔ جب تم لوگ دُور بھاگے جاتے تھے

وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى أَحَدٍ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ

اور کسی کو پیچھے پھر کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ تم کو تمہارے پیچھے کھڑے بُلا رہے تھے تو اللہ نے تم کو غم پر غم پہنچایا

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ أَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا

تا کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی یا جو مصیبت تم پر واقع ہوئی ہے اُس سے تم اندوہناک نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

سب اعمال سے خبردار ہے۔ پھر اللہ نے غم و رنج کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی (یعنی) نیند کہ تم میں سے ایک جماعت پر طاری

مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

ہو گئی اور کچھ لوگ جن کو جان کے لالے پڑ رہے تھے اللہ کے بارے میں ناحق گمان کرتے تھے

الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ

اور کہتے تھے کہ بھلا ہمارے اختیار کی کچھ بات ہے؟ تم کہہ دو کہ بیشک سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں

=اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑنا، خواہ ہمیں پرندے اچک لیں یا ہم کامیاب ہو جائیں۔ جب تک تم اپنی جگہ پر قائم رہو گے ہمارا پلہ بھاری رہے گا۔ جبل عینین (دو چشموں والا پہاڑ) احد کے جنوب میں وادی قنات کے جنوبی کنارے پر واقع ہے، جنگ شروع ہونے پر پہلے حملے میں قریشی فوج کے قدم اکھڑ گئے، ایک رسالہ کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے میدان سے شکست کھا کر احد پہاڑ کا چکر لگا کر جبل عینین پر آ گئے، جبل عینین پر صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے، ان کے باقی آدمی مسلمانوں کی فتح دیکھ کر نبی کریم ﷺ کے فرمان کو چھوڑ کر اپنی مقررہ جگہ چھوڑ گئے تھے، چنانچہ خالد بن ولیدؓ کے رسالہ نے ان بارہ آدمیوں کو شہید کر کے اسلامی فوج کے عقب سے حملہ کر دیا۔

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ

یہ لوگ (بہت سی باتیں) دلوں میں مخفی رکھتے تھے جو تم پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہمارے بس کی بات ہوتی

شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ

تو ہم یہاں قتل ہی نہ کئے جاتے۔ کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں

الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ

کی طرف ضرور نکل آتے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں کی باتوں کو آزمائے

مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُس کو خالص اور صاف کر دے اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا

جو لوگ تم میں سے جب کہ دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں بھاگ گئے

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ

تو اُن کے بعض افعال کے سبب شیطان نے اُن کو پھسلا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کا قصور معاف کر دیا

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) بردبار ہے ۔[۱۲] مومنو! اُن لوگوں جیسے نہ ہونا جو کفر کرتے ہیں

---

[۱۲] واقعہ احد میں جو لغزشیں اور خطائیں بعض اصحاب کرام سے صادر ہوئیں، وہ اپنی ذات میں بڑی شدید اور سخت تھیں، جس مورچہ پر پچاس صحابہ کرام کو یہ حکم دیکر بٹھایا تھا کہ ہم پر کچھ بھی حال گذرے تم یہاں سے نہ ہٹنا، ان کی بڑی تعداد یہاں سے ہٹ گئی اگر چہ ہٹنے کا سبب انکی یہ اجتہادی غلطی سہی، کہ اب فتح ہو چکی ہے اس حکم کی تعمیل پوری ہو چکی ہے، یہاں سے نیچے آ کر سب مسلمانوں کے ساتھ مل جانا چاہیے، مگر درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی واضح ہدایات کے خلاف

تھا۔(اس سے یہ قاعدہ معلوم ہوتا ہے کہ نص صریح کے مقابلہ میں مجتہد اجتہاد نہ کریں، اور نہ یہ قابل اعتبار ہے) اسی خطاء وقصور کے نتیجہ میں جنگ کے میدان سے بھاگنے کے غلطی سرزد ہوئی، چاہے اس میں بھی اسی تاویل ہی کا سہارہ لیا گیا ہو جیسا کہ زجاج سے نقل ہے۔

بہرحال ان تمام ایات میں یہ بات بڑی وضاحت سے سامنے اگئی کہ حق تعالی کی بارگاہ میں اپنے رسول کے ساتھیوں کو محبوبیت کا وہ مقام حاصل ہے کہ اتنی بڑی عظیم خطاؤں اور لغزشوں کے باوجود ان کے ساتھ معاملہ صرف عفوودرگذر کا ہی نہیں بلکہ لطف وکرم بھی فرمایا۔ یہیں سے اہل سنت والجماعت کے اس عقیدہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ صحابہ کرام اگرچہ گناہوں سے معصوم نہیں ان سے بڑے گناہ بھی ہو سکتے ہیں اور ہوئے بھی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود امت کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان کی طرف کسی برائی اور عیب کو منسوب کرے۔

جب اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے ان کی اتنی بڑی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر کے ان کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ فرمایا اور ان کو رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کا مقام عطا فرمایا، تو پھر کسی کو کیا حق ہے کہ ان میں سے کسی کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عمرؓ کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے عثمان غنیؓ اور بعض صحابہ کرام پر غزوہ احد کے اسی واقعہ کا ذکر کر کے طعن کیا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، اس پر عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جس چیز کی معافی کا اللہ تعالی نے اعلان فرما دیا اس پر طعن کرنے کا کسی کو کیا حق ہے۔(صحیح البخاری:۱۱۰/۸ مع الفتح)۔

روایت یہ ہے: **اتی ابن عمرؓ رجل فقال انی سائلک عن شیئ اتحدثنی ؟اتعلم ان عثمان فریوم احد؟فقال نعم ، قال فتعلمه تغیب عن بدرفلم یشهدها؟قال نعم ،قال فتعلم انه تخلّف عن بیعة الرضوان فلم یشهدها؟قال نعم ،قال فکبّر،قال ابن عمرؓ تعال لابیّن لک عماسئلتنی عنه، امافراره یوم احدفاشهدان اللّٰه عفی عنه ، واماتغیّبه عن بدرفانه کان تحته بنت رسول اللّٰه ﷺ،وکانت مریضة، فقال له النبی ﷺ،ان لک اجررجل ممن شهدبدرا، وسهمه ، واماتغیّبه عن بیعة الرضوان، فانه لوکان احداعزّ ببطن مکة، من عثمان لبعثه مکانه،فبعث عثمان وکانت بیعة الرضوان بعدماذهب عثمان الی مکة، فقال رسول اللّٰه ﷺ بیده الیمنی ، هذه یدعثمان، فضرب بهاعلی یده، فقال هذه لعثمان ،وقال ابن عمرؓ اذهب بهاالان معک.(بخاری: ۲/ ۲۸۲مع الفتح: ۲/۱۱۰ . رقم الحدیث: ۴۰۶۶.**

اسی طرح ایک روایت خود عثمانؓ سے منقول ہے، مسند احمد: ۱/ ۶۸، ۷۵۔ میں ہے، کہ ولید بن عقبہؓ نے ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے کہا: آخر تم امیر المؤمنین عثمان بن عفانؓ سے اس قدر کیوں بگڑے ہوئے ہوں؟ انہوں نے کہا: ان سے کہہ دو کہ میں نے احد والے دن فرار نہیں کیا، بدر کے غزوہ میں غیر حاضر نہیں رہا، اور نہ سنت عمر ترک کی، ولید نے جا کر عثمانؓ سے یہ واقعہ بیان کیا، تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: کہ قرآن کہہ رہا ہے **(ولقد عفا الله عنهم)** یعنی احد والے دن کی اس لغزش سے اللہ تعالی نے درگذر فرمایا۔ پھر جس خطا کو اللہ نے معاف کر دیا اس پر عار دلانا کیسا؟ بدر والے دن میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی، اپنی بیوی، رقیہؓ کی تیمارداری میں مصروف تھا، یہاں تک کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہوگئیں، چنانچہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے پورا حصہ دیا، اور ظاہر ہے کہ حصہ انہیں ملتا ہے جو موجود ہوں، پس حکماً میری موجودگی ثابت ہوئی، رہی سنت عمرؓ تو اس کی طاقت نہ مجھ میں ہے نہ عبدالرحمٰن میں جاؤ انہیں یہ جواب بھی پہنچا دو۔

اس لئے اہل السنّت والجماعت کے عقائد کے کتابیں سب اس پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم اور ان پر طعن و اعتراض سے پرہیز واجب ہے، عقائد نسفیہ میں ہے **ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر** یعنی واجب ہے کہ صحابہ کا ذکر بغیر خیر کے اور بھلائی کے نہ کرے۔ اور ''شرح المسامرة'' لابن ہمام میں ہے، **اعتقاد اهل السنة تزكية جميع الصحابة و الثناء عليهم**، یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کو عدول وثقات سمجھیں ان کا ذکر مدح وثناء کے ساتھ کریں۔ شرح مواقف میں ہے، **یجب تعظیم الصحابة کلهم و الکف عن القدح فیهم** یعنی تمام صحابہ کی تعظیم واجب ہے اور ان پر طعن و اعتراض سے باز رہنا واجب ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے عقیدۂ واسطیہ میں فرمایا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان جو اختلافات اور قتل قتال ہوئے ہیں ان میں کسی پر الزام اور اعتراض کرنے سے باز رہیں، وجہ یہ ہے کہ تاریخ میں جو روایات ان کے عیوب کے متعلق آئی ہیں، ان میں بکثرت تو جھوٹی اور غلط ہیں جو دشمنوں نے اڑائی ہیں، اور بعض وہ ہیں جن میں کمی بیشی کر کے اپنی اصلیت کے خلاف کر دی گئی ہیں، اور جو بات صحیح بھی ہے تو صحابہ کرام اس میں اجتہادی رائے کی بناء پر معذور ہیں، اور بالفرض جہاں وہ معذور بھی نہ ہوں، تو اللہ کا قانون یہ ہے کہ'' **ان الحسنات يذهبن السيئات**''۔ یعنی اعمال صالحہ سے برے اعمال کا بھی کفارہ ہو جاتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کے اعمال صالحہ کے برابر کسی دوسرے کے اعمال نہیں ہو سکتے، اور اللہ تعالی کے عفو و کرم کے جتنے وہ مستحق ہیں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کسی کو یہ حق نہیں کہ انکے اعمال پر مواخذہ کرے، اور ان میں سے کسی پر طعن و اعتراض کی زبان کھولے، (عقیدہ واسطیہ ملخصا)۔

وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّی
اور اُن کے (مسلمان) بھائی جب (اللہ کی راہ میں) سفر کریں (اور مرجائیں) یا جہاد کو نکلیں (اور مارے جائیں)

لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ
تو اُن کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ان باتوں سے مقصود یہ ہے کہ اللہ اُن

قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾
لوگوں کے دلوں میں افسوس پیدا کر دے۔اور زندگی اور موت تو اللہ ہی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ
اور اگر تم اللہ کے رستے میں مارے جاؤ یا مرجاؤ تو جو (مال ومتاع) لوگ جمع کرتے ہیں اس سے اللہ کی بخشش اور رحمت

مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَی اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
کہیں بہتر ہے ۔ اور اگر تم مرجاؤ یا مارے جاؤ، اللہ کے حضور میں ضرور اکٹھے کئے جاؤ گے

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ
ان پرآپ نرم دل ہیں اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ
تو یہ تمارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، تو اُن کو معاف کر دو اور اُن کیلئے (اللہ سے) مغفرت مانگو

وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ
اور اپنے کاموں میں اُن سے مشورہ لیا کرو اور جب (کسی کام کا) عزمِ مصمم کرلو تو اللہ پر بھروسا رکھو بیشک اللہ تعالیٰ

یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ
بھروسا رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے

فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے۔ اور مومنوں کو چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں ۔

وَمَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

اور (یہ) کبھی نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر خیانت کرے۔ اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز

ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

(اللہ کے رُوبرُو) لا کر حاضر کرنی ہوگی، پھر ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ

بھلا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو وہ اُس شخص کی طرح (مرتکبِ خیانت) ہوسکتا ہے جو اللہ کی ناخوشی میں گرفتار ہو اور

وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ

جس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ ان لوگوں کیلئے اللہ کے ہاں (مختلف) درجے ہیں اور اللہ اُن کے سب اعمال کو

بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ

دیکھ رہا ہے ۔ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا

اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتا ہے۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ

، اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے ۔[۱۳] (بھلا یہ) کیا (بات ہے کہ) جب تم پر مصیبت واقع ہوئی

---

[۱۳] اس ایت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تین صفتیں بیان فرمائی ہیں: یا دوسرے الفاظوں میں

انہیں رسالت کے تین فرائض کہہ لیجئے، اول یہ کہ وہ لوگوں پر اللہ کی ایتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کے الفاظ پڑھ کر ان کوسناتے ہیں۔دوم یہ کہ وہ ماننے والوں کی عملی تربیت کرتے ہیں، اوراخلاق رذیلہ،عقائد باطلہ، اوراعمال سیئہ ،مثلاشرک وکفراورابائی رسم ورواج سے ان کے ظاہروباطن کو پاک کرتے ہیں۔

سوم، یہ کہ وہ انکو کتاب اللہ کے مطالب ومعانی اوراس کے اسرارورموزسکھاتے ہیں،اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبرﷺ کی ڈیوٹی صرف یہی نہیں تھی کہ آپ اللہ سے کتاب حاصل کرکے لوگوں کودے دیں، اورلوگ خودہی اسے پڑھیں، سمجھیں،اوراس پرعمل کریں،جیسا کہ منکرین حدیث کا خیال ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے اعلان فرمادیا کہ اللہ کی کتاب کو پڑھکرکولوگوں سنانا،کتاب اللہ کے اسرارومعانی ان کوسمجھانا،اورکتاب اللہ کی تعلیمات کے مطابق ان کی عملی تربیت کرنا، یہ بھی پیغمبرعلیہ السلام کے فرائض میں سے ہے، اور یہ تمام فرائض اللہ تعالی نے اپ کے ذمہ لگائے ہوئے تھے،جیسا کہ قران کے اسلوب بیان سے ظاہر ہورہاہے، کہ ہم نے اس رسول اللہﷺ کومذکورہ بالاصفات سے متصف اورمندرجہ بالافرائض کاذمہ داربناکربھیجا۔قران کاانداز بیان اس خیال کی تردید کرتاہے کہ نبی کریمﷺ مذکورہ بالاکام اپنے طورپریالوگوں کی درخواست اورتفویض کی بناءپرسرانجام دیتے تھےجیسا کہ پرویزیوں کازعم ہے۔اس ایت میں جونبی کریمﷺ کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں،ان کاتعلق صحابہ کرامؓ سے براہ راست اور بلاواسطہ تھا، نبی کریمﷺ نے بنفس نفیس ان کوقران کی ایتیں پڑھ کرسنائیں،ان کوکتاب اللہ کے اسرارومعارف سمجھائے ،اوران کاتزکیہ فرمایا،تواس ایت میں جس طرح نبی کریمﷺ کے فضائل ومناقب اورمحامدومحاسن بیان کئے گئے ہیں،اسی طرح اس سے صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ وہ خودنبی کریمﷺ کےتربیت یافتہ اوراخلاق رذیلہ اورافعال ذمیمہ سےمطہرومذکی تھے۔آخرمیں ''وان کانوامن قبل لفی ضلال مبین'' کی جامع تعبیرسےاس ناپاک ماحول کی تصویربھی پیش فرمادی،جس میں اللہ تعالی نےاپنےاخری پیغمبرکومبعوث فرمایا آپ کی بعثت سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے،وہ زندگی کی ہرشعبے میں سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے تھے، ان کے اکثرعقائد واعمال واخلاق وشمائل اللہ کے یہاں پسندیدہ نہیں تھے،وہ لوگ انسان ہونے کے باوجوانسانیت سےکوسوں دورحیوانیت وبربریت سےقریب ترتھے،اس ناپاک ماحول کے ذکرسے بعثت رسول کے احسان عظیم کی اہمیت اوربڑھ گئی ہے۔

☆

قَدْ أَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنّٰى هٰذَا ۭقُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ

حالانکہ (جنگِ بدر میں) اُس سے دو چند مصیبت تمہارے ہاتھ سے اُن پر پڑ چکی ہے تو تم چلا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آ پڑی

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ

اور جو مصیبت تم پر دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن واقع ہوئی سو اللہ کے حکم سے (واقع ہوئی) اور یہ کہ

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

اللہ تعالیٰ مومنوں کو اچھی طرح ظاہر کر لے اور منافقوں کو بھی ظاہر کر لے۔ اور (جب) اُن سے کہا گیا کہ آؤ

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ

اللہ کے رستے میں جنگ کرو یا (کافروں کے) حملوں کو روکو تو کہنے لگے کہ اگر ہمیں لڑائی کی خبر ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ رہتے

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِهِمْ

یہ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے

مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

دل میں نہیں ہیں اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے ۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ أَطَاعُوْنَا

یہ خود تو (جنگ سے بچ کر) بیٹھ ہی رہے تھے مگر (جنہوں نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کر دیں) اپنے (اُن) بھائیوں کے

مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ

بارے میں بھی کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دینا

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا ؕ بَلْ أَحْيَآءٌ

جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

اُن کو رزق مل رہا ہے ۔ جو کچھ اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اُس میں خوش ہیں

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ

اور جو لوگ اُن کے پیچھے رہ گئے اور اُن میں شامل نہیں ہو سکے اُن کی نسبت خوشیاں منا رہے ہیں کہ

أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

(قیامت کے دن) اُن کو بھی نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے ۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ

اور اللہ کے انعامات اور فضل سے خوش ہو رہے ہیں اور اس سے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ

اجر ضائع نہیں کرتا ۔ جنہوں نے باوجود زخم کھانے کے اللہ اور رسول (کے حکم) کو قبول کیا

الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ

جو لوگ اُن میں نیکوکار اور پرہیزگار ہیں اُن کیلئے بڑا ثواب ہے ۔ (جب) اُن سے لوگوں نے آ کر بیان کیا

النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا وَّقَالُوْا

کہ کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لئے (لشکر کثیر) جمع کیا ہے تو اُن سے ڈرو تو اُن کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ

کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے ۔ پھر وہ اللہ کی نعمتوں اور اُس کے فضل کیساتھ (خوش وخرم) واپس آئے

لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾

اُن کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچا اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے ۔

إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ إِنْ كُنْتُمْ

یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، تو اگر تم مومن ہو تو اُن سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٥﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ

ڈرتے رہنا ۔ اور جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں اُن (کی وجہ) سے غمگین نہ ہونا

إِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ

یہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں اُن کو کچھ حصہ نہ دے

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا

اور اُن کیلئے بڑا عذاب تیار ہے ۔جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے

اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّمَا نُمْلِيْ

اور اُن کو دردناک عذاب ہو گا ۔ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں ۔

لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْآ إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

کہ یہ اُن کے حق میں اچھا ہے (نہیں بلکہ) ہم اُن کو اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں آخر کار اُن کو

مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ

ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا ۔ (لوگو) جب تک اللہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے گا

الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ

مومنوں کو اس حال میں جس میں تم ہو ہرگز نہیں رہنے دے گا۔ اور اللہ تم کو غیب کی باتوں سے بھی

اللّٰہَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ

مطلع نہیں کرے گا البتہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے، تو تم اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ

وَ اِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا فَلَکُمۡ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۷۹﴾

اور اگر ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو تمہیں اجرِ عظیم ملے گا ۔ [۱۴]

---

[۱۴] یہ ماقبل پر معطوف ہے اور ''لیطلعکم''میں خطاب مومنوں سے ہے بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ خطاب عام ہے مؤمنوں اور کافروں سب کو شامل ہے ''و الاول اولی '' یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے ۔مؤمنوں نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ انہیں کوئی علامت دی جائے جس سے وہ مؤمن اور منافق میں پہچان کرسکیں۔ان المؤمنین سألوا ان یعطوا علامة یفرقون بها بین المؤمن و المنافق فنزلت(روح المعانی) حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نہ تو ایسا کرے گا کہ مؤمنوں اور کافروں کو باہم ملا جلا رہنے دے، اور ان میں حد امتیاز قائم نہ کرے، بلکہ وہ ضرور منافقین کو مؤمنوں سے جدا کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ ایسا نہیں کریگا، کہ تم کو غیب کا علم دے دے۔

اور تم دل کی پوشیدہ باتوں پر مطلع ہو جاؤ، اور اس طرح مؤمن اور منافق کو پہچان لیا کرو، بلکہ تمہارے لئے ایک ہی صورت ہے کہ امتحان وابتلاء اور تکلیف ومحنت کے ذریعے بطور استدلال تم مؤمن اور منافق میں امتیاز کرلو، جیسا کہ احد میں واقع ہوا''یامعشر المؤمنین، ای ما کان اللہ لیعیّن لکم المنافقین حتی تعرفوهم و لکن یظهر ذالک لکم بالتکلیف و المحنة ،وقد ظهر ذالک فی یوم احد، فان المنافقین تخلفوا و اظهروا الشماتة(قرطبی).

باقی رہا اطلاع علی الغیب کے ذریعے مؤمن اور منافق میں امتیاز کرنا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے بعض رسولوں کو منتخب کرتا ہے اور بذریعہ وحی ان کو اطلاع دیتا ہے۔ جہاں تک آیت کے نفس مفہوم کا تعلق تھا وہ تو بیان ہو چکا، اب یہاں اہل بدعت کے ایک مغالطہ کا رد مقصود ہے، مبتدعین اس آیت سے نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لئے کلی علم غیب ثابت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہاں الغیب میں الف لام استغراق کے لئے ہے، اس آیت میں غیر انبیاء سے الغیب یعنی کلی غیب کی نفی کی گئی ہے، اور پھر ''لکن'' سے برگزیدہ رسولوں کے لئے الغیب یعنی کلی غیب کو ثابت کیا گیا ہے، لیکن

یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔

اولا، اس لئے کہ ''الف لام'' بلاشبہ استغراق کے لئے بھی آتا ہے لیکن یہ اس کا حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی ہے، اور الف لام عہد خارجی میں اصل اور حقیقت ہے علامہ تفتازانی فرماتے ہیں: **التعریف لایلزم ان یکون للاستغراق بل العهدهو الاصل** (التلویح: ١٦٠) یعنی الف لام تعریف کے لئے ضروری نہیں کہ وہ استغراق کے لئے ہو بلکہ اصل تو عہد خارجی ہے، اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی فرماتے ہیں **انما الفرق بان الجنس لایحتاج الی مؤنة المقام الخطابی بخلاف الاستغراق** (حاشیه عبد الغفور۔: ٢) یعنی جنس اور استغراق میں فرق بایں طور ہے کہ جنس کے لئے مقام خطابی کے قرینہ کی ضرورت نہیں لیکن استغراق قرینہ کا محتاج ہوتا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ استغراق میں الف لام کا استعمال مجازی ہے کیونکہ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ قرینہ کے محتاج ہمیشہ مجازی معنی ہوتے ہیں اور حقیقی معنی محتاج قرینہ نہیں ہوتے۔

اور فاضل مدقق مولانا نور محمد کہتے ہیں: **قال العلامة التفتازانی فی بعض تصانیفه انهم اختلفوا فی اللام المزیدبعدرفع الاسم بالابتداء کمافی سلام علیک، فذهب بعضهم الی انهاتعریف الجنس ازلاعهدههنا،ولاثالث لمعنی اللام باتفاق ائمة اللغة،** اس کے بعد صاحب لباب الاعراب سے نقل کیا ہے کہ **اللام لایفید الاالتعریف و الاسم لایدل الاعلی الجنس فاذن لایکون ثمه الاستغراق، نعم یصارالیه بقرینة المقام ،لاان یکون مدلول اللام .(حاشیه عبد الغفور :٣).**

دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ الف لام باتفاق ائمہ لغت عہد خارجی اور جنس میں اصل اور حقیقت ہے اور استغراق میں اس کا استعمال مجازی اور محتاج قرینہ ہے۔ ہکذا فی المتن المتین وغیرہ۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ استغراق الف لام کا مجازی استعمال ہے تو بلا قرینہ صارفہ حقیقت یعنی عہد خارجی کو چھوڑ کر استغراق مراد لینا ہرگز جائز نہیں'' **لان المجازفرع الحقیقة**'' اور مجازی معنی صرف اسی وقت مراد لئے جاتے ہیں جب حقیقت متعذر ہو: ''**متی تعذر الحقیقة ارید المجاز**''، لیکن یہاں تو حقیقی معنی متعذر نہیں ہیں بلکہ ممکن اور عین مراد ہیں۔

ثانیا، اس ایت میں الف کو استغراق پر محمول کرنا ویسی بھی مقام کے مناسب نہیں، کیونکہ مقام تو عہد خارجی کا مقتضی ہے اس لئے کہ سوال تو غیب کے ایک خاص معاملہ کی بات کے بارے میں تھا، یعنی اللہ تعالی ہمیں صاف صاف بتادے کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے، یعنی انکے دلوں میں نفاق ہے، اس لئے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ ہرگز نہیں

ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس غیب پر مطلع فرمادے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسول کو اس غیب کی اطلاع دیدے، اس لئے ''الـغـیـب'' میں الف لام عہد خارجی کے لئے ہے، اور اس سے وہ مخصوص غیب مراد ہے یعنی منافقوں کی نشاندہی بذریعہ وحی الٰہی۔

ثالثا، تمام مفسرین نے یہاں ''الـــغـيـــب'' سے بعض علم غیب مراد لیا ہے، ما کان اور ما یکون اور جمیع مغیبات کا کلی اور تفصیلی علم کسی نے بھی مراد نہیں لیا، تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ الف لام استغراق کے لئے نہیں، چنانچہ علامہ قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **ولـكـن الله يجتبى من رسله من يشاء ،فيـوحى اليه ويخبره بـعـض الـمغيبات.** (بیضاوی)۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، تو اس کی طرف وحی کرتا ہے، اور اسے بعض مغیبات کی خبر دیتا ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں: **ولـكـن الله يـجتبـى مـن رسـلـه من يشاء فيـطـلـعه على بعض علم الغيب** (معالم) لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، تو اسے بعض علم غیب پر مطلع فرمادیتا ہے، اور علامہ ابن صفی لکھتے ہیں: **ولـكـن الله يـجتبـى مـن رسله من يشاء فيـخبره ببـعض المغيبات** (جامع البیان) اور مولانا قاضی ثناءاللہ پانی پتی فرماتے ہیں: **فيـطلعه على البعض من علوم الـغيب احيانا.** (تفسیر مظہری) یعنی اللہ تعالیٰ جن کو رسول منتخب کرتا ہے اسے بعض غیوب کی اطلاع دیتا ہے، اور وہ بھی احیانا یعنی کبھی کبھی۔

رابعا، اگر یہاں تمام قواعد عربیت اور اصول تفسیر کے خلاف لام استغراق کے لئے مان لیا جائے اور یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ نبی کریم ﷺ کو ما کان و ما یکون کا علم کلی اور تفصیلی علم غیب تھا تو اس سے مذکورہ بالا خرابیوں کے علاوہ قران مجید کی ان بہت سی آیتوں کی تکذیب لازم آئے گی، جن میں نہایت صراحت سے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے کلی علم غیب کی نفی کی گئی ہے مثلا: التوبہ:۴۳، ۱۰۱، ۱۰۷۔ التحریم:(۱)۔ مندرجہ بالا آیتیں سورۂ ال عمران کے بعد نازل شدہ سورتوں کی ہیں، اور ان میں رسول اللہ ﷺ سے کلی علم غیب کی صاف صاف نفی ہوتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ اس صورت کی اس آیت میں ''الغیب'' کا الف لام استغراق کے لئے نہیں ہے، اور نہ ہی یہاں ''الغیب'' سے ما کان و ما یکون کا کلی علم غیب مراد ہے۔ بلکہ الف لام یہاں عہد کے لئے ہے۔ اور الغیب سے احد میں بے وفائی کرنے والے منافقین کی پہچان مراد ہے۔

وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَبۡخَلُوۡنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ

جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے

مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ

اس میں اپنی کنجوسی کواپنے لئے بہترخیال نہ کرے بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے۔

سَيُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ

وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن ا سکا طوق بنا کر اُن کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔

مِيۡرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۱۸۰﴾

اور آسمانوں اور زمین کا وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ کو معلوم ہے ۔

لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِيَآءُ ۘ سَنَكۡتُبُ مَا

اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم امیر ہیں، یہ جو کہتے ہیں ہم اُس کولکھ لیں گے

قَالُوۡا وَقَتۡلَهُمُ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ

اور پیغمبروں کو جو یہ ناحق قتل کرتے رہے ہیں اُس کو بھی (قلمبند کررکھیں گے) اور (قیامت کے روز) کہیں گے کہ عذاب

الۡحَرِيۡقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ

(آتش) سوزاں کے مزے چکھتے رہو۔ یہ اُن کاموں کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھ آگے بھیجتے رہے ہیں اور اللہ تو بندوں

لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ

پر مطلق ظلم نہیں کرتا ۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم بھیجا ہے کہ جب تک کوئی پیغمبر

حَتّٰى يَاۡتِيَنَا بِقُرۡبَانٍ تَاۡكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلۡ قَدۡ جَآءَ

ہمارے پاس ایسی نیاز لے کرنہ آئے جس کو آگ آ کرکھا جائے تب تک ہم اُس پر ایمان نہ لائیں گے (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو

كُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِى بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ إِنْ

کہ مجھ سے پہلے کئی پیغمبر تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کرآئے اور وہ (معجزہ) بھی لائے جو تم کہتے ہوتو اگر سچے ہوتو تم

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَإِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

نے اُن کو قتل کیوں کیا؟ ۔ پھر اگر یہ لوگ تم کو سچا نہ سمجھیں تو تم سے پہلے بہت سے پیغمبر

جَآءُوْ ابِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ

کھلی ہوئی نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آ چکے ہیں اور لوگوں نے اُن کو بھی سچا نہیں سمجھا۔ ہر نفس کو موت کا مزہ

وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ

چکھنا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، تو جو شخص آتش جہنم سے دُور رکھا گیا

وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

اور جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے ۔

لَتُبْلَوُنَّ فِىْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ

تمہارے مال و جان میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تم اہلِ کتاب سے اور اُن لوگوں سے جو مشرک

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْآ أَذًى كَثِيْرًا ؕ وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ

ہیں بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے، تو اگر صبر اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو

ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ

یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔اور جب اللہ نے اُن لوگوں سے جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی اِقرار لیا کہ (جو کچھ اس میں لکھا

لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهُ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا

ہے) اُسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس کو نہ چھپانا تو انہوں نے اس کو پسِ پشت ڈال دیا

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ

اوراس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کی۔ یہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں بُرا ہے۔ جولوگ اپنے (ناپسند) کاموں سے خوش

يَفْرَحُونَ بِمَآ أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُّحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

ہوتے ہیں اور (پسندیدہ کام) جو کرتے نہیں اُن کیلئے چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾

اُن کی نسبت خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ اور انہیں دردناک عذاب ہو گا۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾

بیشک آسمانوں اورزمین کی بادشاہی اللہ ہی کیلئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں

لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ

عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں ۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا

اورآسمان اورزمین کی پیدائش میں غورکرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے رب! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا

سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ

تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانا ۔اے رب جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا

فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا

اُسے رُسوا کیا اورظالموں کا کوئی مددگار نہیں ۔ اے رب! ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ

يُّنَادِىْ لِلْأِيْمَانِ أَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا

ایمان کیلئے پکار رہا تھا (یعنی) اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے، اے اللہ! ہمارے گناہ معاف فرما

وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا

اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کیساتھ اٹھا۔ اے اللہ تو نے جن جن چیزوں کے ہم سے اپنے

عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٩٤﴾

پیغمبروں کے ذریعے وعدے کئے ہیں وہ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوانہ کرنا۔ کچھ شک نہیں کہ تو خلافِ وعدہ نہیں کرتا

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّىْ لَا أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى

تو اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول کرلی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو، مرد ہو یا عورت، ضائع نہیں کرتا۔

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَأُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

تم ایک دوسرے کی جنس ہو۔ تو جولوگ میرے لئے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے

وَأُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

اور ستائے گئے۔ اور لڑے اور قتل کئے گئے، میں اُن کے گناہ دُور کر دوں گا۔

وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اور اُن کو جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں اللہ کے ہاں سے بدلا ہے۔

وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى

اور اللہ کے ہاں اچھا بدلا ہے۔ تجھ کو کافروں کے شہر میں چلنا پھرنا دھوکہ نہ دے

الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لٰكِنِ

یہ تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے لیکن

الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

جولوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

یہ اللہ کے ہاں مہمانی ہے اور جو اللہ کے ہاں ہیں وہ نیک بندوں کے لئے بدرجہا بہتر ہے اور ان اہل کتاب میں بعض ایسے بھی

لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ

ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو چیز تمہاری طرف اوران کی طرف نازل کی گئی ہے اس پر بھی اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں

لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اللہ کے ایتوں پر تھوڑا سا مول نہیں لیتے یہی ہے جن کے لئے ان کے رب کے ہاں بدلہ ہے

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا

بیشک اللہ تعالی جلد حساب لینے والا ہے ایمان والو! صبر کرو اور ایک دوسرے کو تلقین صبر کرو اور مقابلہ کے وقت

وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾

مضبوط رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔[١٥]

---

[١١٥] یہ آیت اس سورت کی اخری ایت ہے، مسلمانوں کے لئے چند اہم وصیتوں پر مشتمل ہے، گویا پوری سورت کا خلاصہ ہے، اس میں تین چیزوں کی وصیت مسلمانوں کو کی گئی ہیں، صبر، مصابرہ۔ مرابطہ اور چوتھی چیز تقوی ہے، جوکہ ان تینوں کے ساتھ لازم ہے۔

صبر کے لفظی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں، اور اصطلاح قران وسنت میں نفس کو خلاف طبع چیزوں پر جمائے رکھنے کو صبر کہا جاتا ہے۔ جس کی تین قسمیں ہیں، '' صبر علی الطاعات''یعنی جن کاموں کا اللہ تعالی نے اوراس کے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے ان کی پابندی طبعیت پر کتنی بھی شاق ہو، اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔

دوسرے ''صبرعن المعاصی'' یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالی اوراس کے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ نفس کے لئے کتنی ہی محبوب ولذیذ ہوں نفس کو اس سے روکنا۔ تیسرے'' صبرعلی المصائب'' یعنی مصیبت اور تکلیف پرصبر کرنا، حد سے زیادہ پریشان نہ ہونا، اورسب تکلیف وراحت کوحق تعالی کی طرف سے سمجھ کرنفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔

''مصابرت'' اسی لفظ صبر سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں، دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا۔

''مرابطہ'' یہ لفظ ربط سے بنا ہے، جسکے اصلی معنی باندھنے کے ہیں، اوراسی وجہ سے رباط اورمرابطہ کے معنی گھوڑے باندھنے، اور جنگ کی تیاری کرنا ہے، قران کریم میں اسی معنی کے لئے آیا ہے:''**ومن رباط الخیل**'' (انفال: ٦٠).
اصطلاح قران وحدیث میں یہ لفظ دو معنی کے لئے استعمال کیا گیا ہے، اول اسلامی سرحدوں کی حفاظت، جس کے لئے جنگی گھوڑے اور جنگی سامان کے ساتھ مسلح رہنا لازمی ہے، تاکہ دشمن اسلامی سرحدوں کی طرف رخ کرنے کی جرأت نہ کرے۔

دوسرے نماز جماعت کی ایسی پابندی کہ ایک نماز کے بعد ہی سے دوسرے نماز کے انتظار میں رہے، یہ دونوں چیزیں اسلام میں بڑی مقبول عبادات ہیں، جن کے فضائل بے شمار ہیں۔

ابن کثیر نے عائشہؓ سے ان اخری '١١' آیات کے شان نزول سے متعلق ایک حدیث نقل کی ہے بحوالہ ابن حبان وغیرہ کہ عطاء ابن ابی رباح عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات میں جوسب سے زیادہ عجیب چیز آپ نے دیکھی ہو، وہ ہمیں بتاؤ، اس پر عائشہؓ نے فرمایا: آپ کی کس شان کو پوچھتے ہو؟ ان کی تو ہر شان عجیب ہی تھی، ہاں ایک واقعہ عجیب سناتی ہوں، وہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک رات میرے پاس تشریف لائے، اورلحاف میں میرے ساتھ داخل ہوگئے، پھرفرمایا، کہ اجازت دو، کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں، بستر سے اٹھے، وضوء کیا، پھرنماز کے لئے کھڑے ہوگئے، اورقیام میں اس قدر روئے کہ آپؐ کے آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے، پھررکوع فرمایا، اوراس میں بھی روئے، اورپھرسجدہ کیا، اورسجدہ میں بھی اسی قدر روئے، پھرسراٹھایا، اورمسلسل روتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی، بلالؓ آئے، اوررسول کریم ﷺ کو اطلاع نماز دی، بلال فرماتے ہیں، کہ میں نے عرض کیا کہ نبی کریم ﷺ اس قدر کیوں گریہ فرماتے ہیں؟ اللہ تعالی نے تو آپؐ کے اگلے، پچھلے، گناہ معاف فرمادیے ہیں، آپ نے فرمایا تو کیا میں شکرگذار بندہ نہ بنو؟ اورشکر میں گریہ وزاری کیوں نہ کروں، جبکہ اللہ تعالی نے آج کی شب مجھ پر یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ہے'' **ان فی خلق السمٰوات و الارض** ''الایة، اس کے بعد آپ نے فرمایا بڑی تباہی ہے اس شخص کے لئے جس نے ان آیتوں کو پڑھا اوران میں غورنہیں کیا۔ (شرح مشکل الاثار باب نمبر ٢٧ رقم الحدیث ٤٦١٨ ص: ١٢/٣٤، ابن حبان

رقم:٦٢٠، وابوالشیخ:١٨٦)۔ بلکہ بخاری، ابوداؤد وغیرہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خالہ میمونہؓ کے گھر رات گزاری، رسول اللہ ﷺ جب آئے تھوڑی دیر تک تو آپ ﷺ میمونہؓ سے باتیں کرتے رہے، پھر سوگئے، جب اخری تہائی رات باقی رہ گئی، تو آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور اسمان کی طرف نگاہ کر کے یہ گیارہ ایتیں تلاوت فرمائیں، پھر کھڑے ہوئے مسواک کر کے وضوء کیا، اور گیارہ رکعات نماز ادا کی۔(الحدیث)۔

مسلم:١٥١/١، اورنسائی میں ابوہریرہؓ سے ''رابطوا'' کے متعلق ایک روایت ہے جو کہ ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے: عن ابی هريرةؓ عن النبی ﷺ قال الا اخبركم بما يمحوالله به الخطايا، ويرفع به الدرجات؟ اسباغ الوضوء على المكاره وكثرة الخطا الى المساجد، وانتظار الصلاة بعد الصلاة، فذٰلكم الرباط، فذٰلكم الرباط، فذٰلكم الرباط۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں آ و میں تمہیں بتاؤں کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے؟ اور درجوں کو بڑھاتا ہے؟ تکلیف ہوتے ہوئے کامل وضوء کرنا۔ دور سے چل کر مسجدوں میں آنا۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، یہی رباط ہے، یہی رباط ہے، یہی رباط ہے۔

جبکہ حاکم نے مستدرک:٣٠١/٢، کتاب التفسیر میں ابوسلمہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: قال ابوسلمہ: يا ابن اخی هل تدری فی ای شیئ نزلت هذه الاية؟" يايها الذين امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا"(ال عمران:٢٠٠)؟ قال قلت لا، قال: ياابن اخی انی سمعت اباهريرةؓ يقول: لم يكن فی زمان النبی ﷺ غزو يرابط فيه، ولكن انتظار الصلاة بعد الصلاة۔

ابوسلمہ سے ایک دن ابوہریرہؓ نے پوچھا، اے میرے بھتیجے جانتے ہو اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں، آپ نے فرمایا سنو! اس وقت کوئی غزوہ نہ تھا اس طرح کہ اس میں مرابطہ تھا، یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مسجدوں کو اباد رکھتے تھے اور نمازوں کو ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے۔

اور مسلم نے:٥٠/٦، میں سلمان فارسیؓ سے نقل کیا ہے: عن رسول الله ﷺ انه قال، رباط يوم وليلة خير من صيام شهر وقيامه، وان مات جرى عليه [عمله] الذى كان يعمله، واجرى عليه رزقه، وامن الفتان. ایک دن، رات کی مرابطہ (جہاد کی تیاری) ایک ماہ کے کامل روزوں اور ایک ماہ کی تمام شب بیداری سے افضل ہے، اور اسی تیاری کی حالت میں موت آجائے تو جتنے اعمال صالحہ کرتا تھا سب کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے روزی پہنچائی جاتی ہے۔ اور فتنوں سے امن پاتا ہے۔

سورة النساء (مدنية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔

وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً‌ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا پھر اُن دونوں سے کثرت سے مرد وعورت روئے زمین پر پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو

الَّذِىۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيۡبًا ﴿۱﴾ [۱]

جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ داری کے تعلقات کو بگاڑنے سے بچو بیشک اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے [۱]

وَاٰتُوا الۡيَتٰمٰٓى اَمۡوَالَهُمۡ‌ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الۡخَبِيۡثَ بِالطَّيِّبِ‌ وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا

اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور ناپاک کو پاک سے نہ بدلو اور ان

اَمۡوَالَهُمۡ اِلٰٓى اَمۡوَالِكُمۡ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا ﴿۲﴾ وَاِنۡ

کے مال کو اپنے مال سے ملا کر نہ کھاؤ یہ بڑا گناہ ہے۔ اور اگر تم

خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَـكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ

یتیم لڑکیوں سے بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے

---

[۱] "تساء لون" یہ اصل میں "تتسائلون" تھا ایک تا، بطور تخفیف حذف کردی گئی، باب تفاعل کا خاصہ اشتراک ہے، اس لئے "تساء لون بہ" کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ کے نام پر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، ای یسأل

بعضکم بعضا باللہ (مدارک) و التساء ل باللہ ھو کقولک اسألک باللہ و احلف علیک باللہ و استشفع الیک باللہ (خازن)یا،تسآء لون بمعنیٰ" تسألون" مجرد ہےاور"بہ"میں باء،زائدہ ہے ،اورمطلب یہ ہے کہ جس اللہ سے تم سوال کرتے اور مانگتے ہو،اس سے ڈرو۔

"و الارحام" یہ رحم کی جمع ہےاور لفظ اللہ پر معطوف ہے۔اوراس سے مراد قطع ارحام ہے یعنی اللہ سے ڈرو اور قطع رحمی سے بھی بچو۔اتقوا الارحام ان تقطعوھا۔(مدارک،معالم،خازن)۔

تفسیر مواہب الرحمٰن میں ہے کہ:اتقوا الارحام .ان تقطعوھا، اور بچو ارحام سے،ناتوں کو کاٹنے سے،یعنی آپس کا ناتہ جن حقوق کے ساتھ ہے اس کو ملائے رکھو۔ھکذا فسر ابن عباسؓ و عکرمہ و مجاھد و حسن و ضحاک و ربیع و غیرھم. گویا اس میں اشارہ ہے کہ اے اہل مکہ سب سے پہلے کفر کرنے والے اور ایذاء دینے والے نبی ﷺ کو تم مت ہوں، اور پھر اتقاء ارحام کے حکم میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک ناتے کا ایک مرتبہ ہے۔ اور حدیث میں عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ رحم لٹکا ہوا ہے عرش الرحمٰن عز و جل سے،کہتا ہے جو مجھے ملائے رکھے،اللہ تعالی اس کو ملا دے،اور جو مجھے کاٹے اللہ تعالی اس کو کاٹے۔رواہ البخاری و مسلم۔

اور قرطبی نے کہا ہے کہ امت کا اتفاق ہے کہ صلہ رحمی یعنی ناتے کا ملانا واجب ہے،اور کاٹنا حرام ہے،ایک قرأت میں جو کہ حمزہ وغیرہ کی ہے بالجر ہے بناء بر ینکہ عطف ہے ضمیر"بہ" پر یعنی و بالارحام اہل عرب کا دستور تھا کہ رحم کے واسطہ دیا کرتے تھے جیسا کہ ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔یقول اسألک باللہ و بالرحم اور یہ تقریر اولی ہے بعض مفسرین کے کلام سے کہ تفسیر میں کہا،ای یسأل بعضکم باللہ و بالرحم کیونکہ اس طرح ملا کر زمانہ جاہلیت کی قسم تھی جو شرع میں مستنکر ہے، پس اگر یوں تفسیر کی جاوے تو تقریر کا وہم ہے۔یعنی اگر یوں تفسیر کی جاوے تو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی قسم کو مقرر و ثابت رکھا۔

ابن جریر نے بھی اس تفسیر پر رد کیا ہے فرماتا ہے کہ و ذلک غیر فصیح من الکلام عند العرب، لانھا تنتق بظاھر علی مکی مخفوض الا فی ضرورۃ شعر و ذلک لضیق الشعر،واما الکلام فلاشیء یضطر المتکلم الی اختیار المکروہ من المنطق و الردی فی الاعراب منہ۔زمخشری اور بیضاوی وغیرہ نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے یہ تفصیل اس وجہ سے کیا کہ بعض مبتدعین اس کو مجرور پڑھ کر وسیلے بدعیہ کے لئے استدلال کرتے ہیں فافہم۔

مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ

دو دو تین تین چار چار سے نکاح کرلو اگر تمہیں خطرہ ہو کہ انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کرلو

مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳

یا جو لونڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی یہ طریقہ بے انصافی سے بچنے کے لئے زیادہ قریب ہے۔[۲]

وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا

اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تمہیں چھوڑ دیں

فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا ۝۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ

تو اُسے ذوق وشوق سے کھا لو۔اور بے عقلوں کو اُن کا مال جسے اللہ نے تم لوگوں کیلئے سبب معیشت بنایا ہے مت دو

جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْھُمْ فِيْھَا وَاكْسُوْھُمْ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا

(ہاں) اس میں سے اُن کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور اُن سے معقول باتیں

مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓي اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ

کہتے رہو۔اور یتیموں کو بالغ ہونے آزماتے رہو پھر (بالغ ہونے پر) اگر اُن میں عقل کی پختگی دیکھو تو اُن کا

رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْھِمْ اَمْوَالَھُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْھَآ

مال اُن کے حوالے کردو اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (یعنی بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے)

اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ

اس کو فضول خرچی میں اور جلدی میں نہ اڑا دینا، جو شخص آسودہ حال ہو اُس کو پرہیز کرنا چاہئیے

---

[۲] عائشہؓ سے روایت ہے (اس آیت کی تفسیر کے متعلق): قالت یاابن اختی هذه الیتیمة تکون فی حجر

ولیھاتشرکہ فی مالہ، ویعجبہ مالھاوجمالھا،فیریدولیھاان یتزوجھابغیران یسقط فی صداقھا ، فیعطیھامثل مایعطیھاغیرہ ،فنھوا ان ینکحوھن الا ان یقسطوا الیھن ،ویبلغوابھن اعلی سنتھن فی الصداق،وامروا ان ینکحواماطاب لھم من النساء سواھن۔ (بخاری فی التفسیر)۔

زمانہ جاھلیت میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص کی تولیت میں یتیم لڑکی مثلااس کی چچازادبہن ہوتی ، جووراثت میں اس کی شریک ہوتی ، وہ شخص یہ سوچ کر کہ اگراس یتیمہ کی شادی کسی دوسرے شخص سے کرے گا تواس کی دولت اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی ، وہ خود ہی اس لڑکی سے نکاح کر لیتا،لیکن مہراوردیگرحقوق معاشرت میں اس سے بے انصافی کرتا،اس لئے اللہ تعالی نے یتیم سے بے انصافی اوران پرظلم کرنے سے ممانعت فرمادی،اورمسلمانوں کوتلقین فرمائی کہ اگروہ اپنی زیرکفالت یتیم لڑکیوں سے نکاح کریں،توان کی حیثیت کے مطابق ان کے مہرادا کریں،اوران کے دوسرے حقوق بھی پورے کریں۔لیکن اگرانہیں یہ ڈرہوکہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کے بعدوہ ان سے انصاف کا برتاؤنہیں کرسکیں گے، توانہیں چاہئے کہ وہ یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کریں، بلکہ دوسری عورتوں میں سے جوشرعاان کے نکاح میں آسکتی ہیں،ایک، دو،تین،یاچارعورتوں سے نکاح کرلیں"**ماطاب**" سے مراد"**ماحل**"،یعنی جن عورتوں سے نکاح حلال ہے،اور"**من النساء**" سے مرادوہ عورتیں ہیں جویتٰمیٰ کےعلاوہ ہوں۔

"**واحدۃ**" کاناصب اس سے پہلےمحذوف ہے، **ای فاختاروا واحدۃ**(روح،مدارک)ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت اس صورت میں ہے کہ ان سب کے ساتھ انصاف کرسکو۔لیکن اگر یہ اندیشہ ہوکہ انصاف کےساتھ ان کےحقوق اداکرنے سےقاصرہوگےتوصرف ایک بیوی پرہی اکتفاءکرو۔

اور"**ماملکت ایمانکم**" اس کاعطف "**واحدۃ**" پرہے،مطلب یہ ہے کہ اگرایک ازادعورت کےبھی حقوق ادانہ کرسکوتواپنی مملوکہ لونڈیوں پرہی اکتفاءکرو۔**ای ان خاف ان لایعدل فی واحدۃ فماملکت یمینہ**" (قرطبی).

"**ذلک**" سےایک بیوی یالونڈیوں پراکتفا کرنے کی طرف اشارہ ہے "**الاتعولوا ،ای ان لاتجوروا**" (**قرطبی ،روح ،مدارک**) یعنی ایک بیوی یااپنی مملوکہ لونڈیوں پراکتفاءکرناتمہارے لئےعدل وانصاف سےقریب ترہے،اورظلم وجورسے بچنے کاقریب ترین ذریعہ ہے۔

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ

اور جو محتاج ہو وہ مناسب طور پر کچھ لے لے اور جب اُن کا مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو

فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٦﴾ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

گواہ کر لیا کرو اور حقیقت میں تو اللہ ہی حساب لینے والا کافی ہے ۔ جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ کر مریں

الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

تھوڑا ہو یا بہت، اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی

مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ

یہ حصے (اللہ کے) مقرر کئے ہوئے ہیں ۔ اور جب میراث کی تقسیم کے وقت

أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا

رشتہ دار اور یتیم اور محتاج آ جائیں تو اُن کو بھی اُس میں کچھ دے دیا کرو اور شیریں کلامی سے پیش آیا کرو ۔

مَّعْرُوفًا ﴿٨﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا

اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو اپنے بعد ننھے ننھے بچے چھوڑ جائیں اور اُن کو اُن کی نسبت

عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾

خوف ہو (کہ اُن کے مرنے کے بعد اُن بیچاروں کا کیا حال ہوگا) پس چاہیئے کہ یہ لوگ اللہ سے ڈریں اور معقول بات کہیں

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ

جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں ۔ اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے

وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾ يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے

الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ

اور اگر اولادِ میت صرف لڑکیاں ہی ہوں (یعنی دو یا) دو سے زیادہ تو کُل ترکے میں اُن کا دو تہائی اور اگر صرف ایک لڑکی ہو

وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ

تو اُس کا حصہ نصف۔ اور میت کے ماں باپ کا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ

مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ

شرطیکہ میت کی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اُس کے وارث ہوں تو ایک تہائی ماں کا حصہ

فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا

اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ (اور یہ تقسیم ترکہ میت کی) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو اُس نے کی ہو

أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ

یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اُس کے ذمے ہو عمل میں آئے گی)۔ تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں

أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا

پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے یہ حصے اللہ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اللہ سب کچھ

حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ

جاننے والا اور حکمت والا ہے۔[۳] اور جو مال تمہاری عورتیں چھوڑ کر مریں اگر ان کی اولاد نہ ہوں تو اُس میں نصف حصہ

---

[۳] الحقوق المتقدمة على الميراث

شریعت کا اصول یہ ہے کہ مرنے والے کے مال سے پہلے شریعت کے مطابق اس کے کفن دفن کے اخراجات پورے کئے جائیں، جن میں نہ فضول خرچی ہو نہ کنجوسی ہو، اس کے بعد اس کے قرضے ادا کئے جائیں، اگر قرضے اتنے ہی

ہوں جتنا اس کا مال ہے یا اس سے بھی زیادہ، تو نہ کسی کو میراث ملے گی، نہ کوئی وصیت نافذ ہوگی، اور اگر قرضوں کے بعد مال بچ جائیں یا قرضے بالکل ہی نہ ہوں تو اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو، اور وہ کسی گناہ کی وصیت نہ ہو، تو اب جو مال موجود ہے اس کے ایک تہائی میں سے اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی۔ اگر کوئی شخص پورے مال کی وصیت کر دے تب بھی تہائی مال ہی میں وصیت معتبر ہوگی، تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا مناسب بھی نہیں ہے، اور وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے وصیت کرنا گناہ بھی ہے، ادائے دین کے بعد ایک تہائی میں وصیت نافذ کر کے شرعی وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے، جس کی تفصیلات فرائض کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اگر وصیت نہ کی ہو تو اداء دین کے بعد پورا مال میراث میں تقسیم ہوگا۔

''اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے میراث پانے کے باب میں'' [وہ یہ کہ] لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر (یعنی ایک لڑکا، لڑکی ایک ایک یا کئی کئی ملی جلی ہوں، تو انکے حصوں میں باہم یہ نسبت ہوگی کہ ہر لڑکے کو دوہرا اور ہر لڑکی کو اکہرا) اور اگر (اولاد میں) صرف لڑکیاں ہی ہوں، گو دو سے زیادہ ہوں، تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا، اس مال کا جو کہ میت چھوڑ مرا ہے۔ (اور اگر دو لڑکیاں ہوں، تب تو دو تہائی ملنا بہت ہی ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر ان میں ایک لڑکی کی جگہ لڑکا ہوتا تو اس لڑکی کا حصہ باوجودیکہ بھائی سے کم ہے ایک تہائی سے نہ گھٹتا، پس جب دوسری بھی لڑکی ہے، تب تو تہائی سے کسی طرح گھٹ نہیں سکتا، اور دونوں لڑکیاں یکساں حالت میں ہیں، پس اس کا بھی ایک تہائی ہوگا۔

دونوں کا مل کر دو تہائی ہوا، البتہ تین لڑکیوں میں شبہ تھا کہ شاید ان کو تین تہائی یعنی کل مل جاوے، اس لئے فرمایا کہ گو لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں مگر دو تہائی سے نہ بڑھے گا، اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو (کل ترکہ کا) نصف ملے گا۔ (اور پہلی صورت میں ایک ثلث بچا، اور دوسری صورت کا ایک نصف بچا، دوسرے خاص خاص اقارب کا حق ہے یا اگر کوئی نہ ہو تو پھر اسی کو دیدیا جاوے گا۔ جیسا کہ کتب فرائض میں مذکور ہے)۔

اور ماں باپ (کو میراث ملنے میں تین صورتیں ہیں، ایک صورت تو ان) کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ مقرر ہے، اگر میت کے کچھ اولاد ہو (خواہ مذکر یا مؤنث، خواہ ایک یا زیادہ، اور بقیہ میراث دوسرے خاص خاص ورثہ کو ملے گی۔

اور پھر بھی بچ جاوے، تو پھر سب کو دی جاوے گی) اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور صرف اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں، یہ دوسری صورت ہے اور صرف اس لئے کہا کہ بہن بھائی بھی نہ ہو جیسا آگے آتا ہے تو (اس صورت میں) اس کی ماں کا ایک تہائی ہے (اور باقی دو تہائی باپ کا، اور چونکہ صورت مفروضہ میں یہ ظاہر تھا، اس=

وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِينَ

اور اگر اولاد ہو تو ترکے میں تمہارا چوتھائی (لیکن یہ تقسیم) وصیت (کی تعمیل کے) بعد جو انہوں نے کی ہو

بِهَا أَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ

یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اُن کے ذمے ہو کی جائے گی)۔ اور جو مال تم (مرد) چھوڑ کر مرو اگر تمہاری اولاد نہ ہو

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا

تو تمہاری عورتوں کا اُس میں چوتھا حصہ اور اگر اولاد ہو تو اُن کا آٹھواں حصہ (یہ حصے) تمہاری وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو تم نے کی ہو

أَوْ دَيْنٍ ؕ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلَالَةً

اور ادائے قرض کے (بعد تقسیم کئے جائیں گے)۔ اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے نہ باپ نہ ہو بیٹا

= لئے تصریح کی حاجت نہیں ہوئی)۔ اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن (کسی قسم کے) ہوں (خواہ ماں باپ دونوں میں شریک، جس کو اعیانی کہتے ہیں، خواہ صرف باپ ایک، ماں الگ الگ، جس کو علاتی کہتے ہیں، عرضیکہ کسی طرح کے بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں، اور اولاد نہ ہوں اور ماں باپ ہوں، اور یہ تیسری صورت ہے تو اس صورت میں اس کی ماں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا، اور باقی باپ کو ملے گا۔ یہ سب حصے وصیت (کے قدر مال) نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جاوے، یا قرض اگر ہو تو اس کو بھی نکال لینے کے بعد تقسیم ہونگے۔ تمہارے اصول وفروع جو ہیں تم ان کے متعلق پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے کہ ان میں کونسا شخص تم کو (دنیوی یا اخروی) نفع پہنچانے میں (باعتبار توقع کے) نزدیک تر ہے (یعنی اگر تمہاری رائے پر یہ قصہ رکھا جاتا، تو بغالب احوال تم لوگ تقسیم میں مدار ترجیح وتفضیل کا اس شخص کے نفع رسانی پر رکھتے، اور اس مدار کے تیقن کا خود کوئی طریقہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ تو اس کا مدار تجویز ٹھہرانا ہی صحیح نہ تھا، پس جب نفع میں مدار بننے کی قابلیت نہ تھی اس لئے دوسرے مصالح اور اسرار کو گو وہ تمہارے ذہن میں نہ آویں اس حکم کا مبنی اور مدار ٹھہرا کر) یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا (اور یہ امر) بالیقین (مسلم ہے کہ) اللہ تعالی بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں۔ (پس جو حکمتیں انہوں نے اپنے علم سے اس میں مرعی رکھی ہیں وہی قابل اعتبار ہیں۔ اس لئے تمہاری رائے پر نہیں رکھا۔

أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ

مگر اس کے بھائی یا بہن ہو تو اُن میں سے ہرایک کا چھٹا حصہ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں

مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ

تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔ (یہ حصے بھی) بعد ادائے وصیت و قرض

غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

بشرطیکہ اُن سے میت نے کسی کا نقصان نہ کیا ہو یہ اللہ کا فرمان ہے اور اللہ تعالیٰ نہایت علم والا (اور) نہایت حلم والا ہے [۴]

---

[۴] اورتم کو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جوتمہاری بیبیاں چھوڑ جاویں، اگرانکے کچھ اولاد نہ ہو (نہ مذکر نہ مؤنث، نہ واحد نہ کثیر) اور اگران بیبیوں کے کچھ اولاد ہو (خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے) تو (اس صورت میں) تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا۔ (لیکن ہرصورت میں یہ میراث) وصیت (کے قدر مال) نکالنے کے بعد، کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں یا قرض (اگر ہوتو اس کے نکالنے کے بعد ملے گی) اور بیبیوں کو چوتھائی ملے گا۔ اس ترکہ کا جس کوتم چھوڑ جاؤ (خواہ وہ ایک ہو یا کئی ہوں، تو وہ چوتھائی سب میں برابر بٹ جاوے گا) اگرتمہارے کچھ اولاد نہ ہو (نہ مذکر نہ مونث نہ واحد نہ کثیر) اور اگرتمہارے کچھ اولاد ہوتو (اس صورت میں) ان کو (خواہ وہ ایک ہو یا کئی) تمہارے ترکہ سے اٹھواں حصہ ملے گا۔ (یہ بھی دوصورتیں ہیں، اور دونوں صورتوں میں بقیہ دوسرے ورثہ کو ملے گا، لیکن یہ میراث وصیت (کے قدر مال) نکالنے کے بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ، یا قرض (اگر ہو، تو اس کے بھی نکالنے کے بعد ملے گی۔

اگرکوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں (یعنی باپ دادا) اور نہ فروع ہوں (یعنی اولاد اور بیٹے کی اولاد) اور اس (میت) کے ایک بھائی یا ایک بہن (اخیافی) ہو، تو ان دونوں میں سے ہرایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اور یہ لوگ اس سے (یعنی ایک سے) زیادہ ہوں (مثلا دو ہوں یا اورزیادہ) تو وہ سب تہائی میں (برابر کے)

شریک ہونگے (اوران میں مذکرومونث کا برابر حصہ ہے، اور بقیہ میراث دوسرے ورثہ کو، اوراگر کوئی اور نہ ہوتو پھرا نہی کو دی جائے گی، یہ دوصورتیں ہوئیں، اوردونوں صورتوں میں یہ میراث) وصیت (کےقدر مال) نکالنے کے بعد جس کی وصیت کردی جاوے یا (اگر) قرض (ہو،تواس کےبھی نکالنے) کے بعد (ملے گی) بشرطیکہ (وصیت کرنے والا) کسی (وارث) کوضرر نہ پہنچاوے (نہ ظاہرً انہ ارادۃً ظاہراًیہ کہ مثلاثلث سے زیادہ وصیت کرے ،تووہ وصیت میراث پرمقدم نہ ہوگی۔اورارادۃً یہ کہ رہے ثلث کے اندر،لیکن نیت یہ ہوکہ وارث کوکم ملے، یہ ظاہراًنافذ ہوجاوے گی،لیکن گناہ ہوگا) یہ (جس قدر یہاں تک مذکورہوا)۔

واضح رہے کہ اس آیت میں اخیافی (ماں شریک) بہن بھائی کا حصہ بتلایا گیاہے اگرچہ قرآن کریم کی اس آیت میں یہ قید مذکورنہیں ہے،لیکن یہ قید بالاجماع معتبر ہے۔

سعد بن ابی وقاصؓ کی قرأت بھی اس آیت میں اس طرح ہے: ولہ اخ او اخت من امہ، جیسا کہ علامہ قرطبی، صاحب روح المعانی، اورابوبکر جصاصؒ اور دیگر علماء نےنقل کیا ہے، گو یہ قرأت متواترنہیں ہے،لیکن اجماع امت ہونے کی وجہ سے معمول بھا ہے۔ اوراس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ نسآء کے اختتام پربھی کلالہ کی میراث کا ذکر کیا ہے، وہاں بتایا ہے کہ اگرایک بہن ہوتو اس کوآدھا ملے گا، اوراگرایک بھائی ہوتو اپنی بہن کے پورے مال کا وارث بنے گا، اوراگر دوبہنیں ہوں تو دوتہائی مال پائیں گی، اوراگرمتعدد بھائی بہن ہوں تو مذکرکومؤنث سے دوہرادیا جائیگا۔سورۃ کے اختتام پرجو یہ حکم ارشادفرمایاہے، اعیانی یعنی حقیقی بہن بھائی ،اورعلاتی یعنی باپ شریک بہن بھائی کا ذکر ہے، اگر یہاں علاتی اورعینی بھائی بہن کوشامل کرلیا جائے تواحکام میں تعارض لازم آجائے گا۔

بعض لوگوں کویتیم پوتے کی وراثت میں کچھ شبہات لاحق ہوئے ہیں ہم ان شبہات کے جوابات تفصیل کے ساتھ ذکرکرتے ہیں:۔

(١) پوتے کو چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث سے حصہ نہ دینا ظلم اور بےانصافی ہے۔(٢) یہ فقہاء کی غلطی ہے کہ دادا کو پوتے کا وارث بناتے ہیں، اور پوتے کودادا کا وارث نہیں بناتے، اورحال یہ کہ نسبت ایک ہے۔(٣) پوتا اپنے باپ کا قائم مقام ہے، اس کا چچا واسطہ نہیں اسکا باپ واسطہ تھا، اوروہ فوت ہوچکا ہےتو چاہئے کہ پوتا اپنے باپ کی طرح دادا کا وارث بن جائے۔

جوابات بالترتیب :۔

شبہ نمبر ا: شبہے کے جواب دینے سے قبل منکرین حدیث سے ایک اہم سوال یہ ہے کہ قرآن میں ایسی آیت بتلادو، جس میں چچا کی موجودگی میں یتیم پوتے کا حصہ میراث ذکر ہو، یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچاؤں کی موجودگی میں اپنے دادا عبدالمطلب کی وراثت سے حصہ نہیں ملا تھا، تو یہ مسئلہ ضرور قران کریم میں صراحتاً یا اشارۃً ذکر ہونا چاہئے تھا، لیکن کسی طریقہ سے بھی ذکر نہیں، تو کیا اللہ تعالی نے اس ظلم کو رد کرنے کی طرف توجہ نہیں کی؟ حالانکہ ﴿ وما الله یرید ظلما للعباد ﴾ اللہ تعالی اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے یتیم کے ساتھ ہمدردی کرنے کے دیگر بہت سارے طریقے بتلا دیئے ہیں۔

(۱) اللہ تعالی نے ہدایت میراث میں حصص میراث بیان کرنے کے ساتھ فرمایا ہے [من بعد وصیة توصون بھا او دین] یعنی اللہ تعالی نے وصیت کی طرف ترغیب دلائی، تو دادا کے لئے چاہئے کہ یتیم پوتے کے لئے 1/3 مال کی وصیت کرلے۔ ہوسکتا ہے کہ جب اس کے چچے دو ہوں، تو اس کا حصہ ان کے ساتھ برابر ہوجائیگا اور اگر چچے تین یا زیادہ ہوں تو یتیم پوتے کا حصہ وصیت کی وجہ سے ہر ایک چچا سے بھی بڑھ جائے گا۔

(۲) اگر دادا نے وصیت نہیں کی، تو چچا اس کو اپنے ساتھ میراث میں شریک کرسکتا ہے، بلکہ اپنا سارا حصہ بھی اس کو دے سکتا ہے، کیونکہ قرآن کریم میں بہت ساری آیات میں یتیموں کو مال دینے کی ترغیبات مذکور ہیں [واتی المال علی حبه ذوی القربی والیتٰمی] (بقرہ:١٧٧) [قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین و الیتٰمی] (بقرہ:٢١٥) ترجمہ۔ اسی طرح بہت سی ایات قران مجید میں موجود ہیں۔

(۳) اگر چچا اس کو کچھ نہ دے تو دوسرے رشتہ دار اس کے ساتھ ہمدردی کرسکتے ہیں، اور اس بات کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے [واذا حضر القسمة اولو القربیٰ والیتٰمی و المساکین فارزقوھم منه] (نساء:٨) ۔ یہ تین طریقے اسلام نے اس واسطے رکھے ہیں کہ اس قسم کی حالت میں (یتیم پوتا رہ جاتا ہے) انہیں طریقوں سے اس کے ساتھ ہمدردی کرتے رہو اس کی حوصلہ افزائی ہوجائیگی۔

شبہ: ۲ کا جواب: دادا کو یتیم پوتے کا وارث بنایا اور یتیم پوتے کو دادا کا وارث نہیں بنایا، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی

نے قانون وراثت (جس کے متعلق تین آیات سورت نساء میں نازل ہوئی ہیں) کی بنیاد قرب پر رکھی ہے یعنی جو شخص میت کے زیادہ نزدیک ہو، تو وہ پہلے مستحق میراث ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [للرجال نصیب مما ترک الوالدان و الاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون] (نساء:۷)

ایات کا مفہوم یہ ہے کہ توالد کے رابطہ اور اقربیت کی نسبت کے لحاظ سے میراث ملتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے میراث کی تینوں آیات میں الاقرب فالاقرب کا قانون رکھا ہے سورۂ نساء:۱۱، میں اولا اولاد کا ذکر کیا ہے پھر والدین کا ذکر فرمایا ہے، یہ اقرب فالاقرب پر مبنی ہے، اور سورۂ نساء۱۲، میں خاوند اور بیوی کی میراث کا ذکر فرمایا، جو کہ توالد کے بعد اقرب نسبت ہے، اور سورۂ نساء:۱۷۶، میں اعیانی اور علاتی بھائیوں کی میراث کا تذکرہ فرمایا اس میں بھی اعیانی علاتی پر مقدم ہیں یہ بھی الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر ہے۔

اس بنیاد پر یتیم کا چچا، دادا کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ وہ اس کا بیٹا ہے، اور یتیم اس کی بنسبت دور ہے، کیونکہ وہ باپ کے واسطے سے پوتا بنا ہے اور باپ کے مرنے سے پوتا بیٹا نہیں بن سکتا بلکہ وہی پوتا ہی ہے تو اس وجہ سے چچا کی موجودگی میں اس کا بھتیجا وارث نہیں بن سکتا، اگر ایسی صورت میں یتیم کو میراث میں حصہ دار بنایا جائے (جبکہ اس کے لئے کوئی شرعی دلیل بھی نہیں) تو یہ دادا کا اپنے بیٹے پر ظلم کے مترادف ہوگا۔ اور دادا کو یتیم پوتے کا وارث اس وجہ سے بنایا جاتا ہے کہ دادا یتیم پوتے کے لئے اقرب ہے چچا ابعد ہے کیونکہ چچا دادا کی وساطت سے چچا بنا ہے۔

شبہ: ۳

پوتا قائم مقام بن گیا؟

یہ قائم مقامی کا اصول حافظ اسلم اور پرویز کے خودساختہ اصول میں سے ہیں، اس کے لئے قران کریم میں کوئی ماخذ نہیں، اور نہ وہ پیش کر سکتے ہیں، بلکہ یہ تو عقلی تقاضا کے بھی خلاف ہے، وہ یہ کہ پوتا اپنے دادا کے باپ کی وساطت سے قریب تھا جب باپ اس کے دادا سے پہلے فوت ہوا، تو اب اس کو واسطہ نہیں کہا جا سکتا، یہ حقیقت سے چشم پوشی ہے، اگر کوئی اعتراض میں مثال پیش کرے، کہ کسی کا باپ فوت ہوا ہو، اور وہ دادا زندہ ہو تو دادا باپ کی جگہ پر قائم ہوتا ہے، لیکن جواب یہ ہے کہ اس صورت میں دادا اقربیت کی وجہ سے وارث ہے قائم مقامی کے اصول کے تحت وارث نہیں، اور یتیم پوتے کے مسئلہ میں اقرب [چچا] موجود ہے تو یہاں قائم مقامی کے اصول کار آمد نہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرے گا

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ

اللہ تعالیٰ اُس کو جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی

الْعَظِيْمُ ۝ [۱۳] وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا

کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اُس کی حدوں سے نکل جائے گا اُس کو اللہ دوزخ میں

خٰلِدًا فِيْهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ [۱۴] وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اُس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ مسلمانو! تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ

اُن پر اپنے لوگوں میں سے چار آدمیوں کی شہادت لو۔ اگر وہ گواہی دیں تو اُن عورتوں کو گھروں میں بند رکھو

حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ [۱۵]

یہاں تک کہ موت اُن کا کام تمام کر دے یا اللہ اُن کیلئے کوئی اور سبیل (پیدا) کر دے۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا

اور جو دو مرد تم میں سے بدکاری کریں تو اُن کو ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نیکوکار ہو جائیں تو اُن کا پیچھا چھوڑ دو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ [۱۶] اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ

بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا (اور) مہربان ہے[۵] اللہ انہیں لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو

---

[۵] ان آیات میں ایسے مردوں اور عورتوں کے بارے میں سزا تجویز کی گئی ہے جن سے فاحشہ یعنی زنا کا صدور

ہو جائے ، پہلی آیت میں فرمایا کہ، جن عورتوں سے ایسی حرکت سرزد ہو جائے تو اس کے ثبوت کے لئے چار گواہ مرد طلب کئے جائیں ،یعنی جن حکام کے پاس یہ معاملہ پیش کیا جائے ثبوت زنا کے لئے وہ چار گواہ طلب کریں ، جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں ،اور گواہی بھی مردوں کی ضروری ہے ،اس سلسلہ میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ،زنا کے گواہوں میں شریعت نے دو طرح سے سختی کی ہے۔

چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے جس سے عزت اور عفّت مجروح ہوتی ہے ،اور خاندانوں کے ننگ و عار کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے ،اولاً تو یہ شرط لگائی کہ مرد ہی گواہ ہوں ،عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا ،ثانیاً چار مردوں کا ہونا ضروری قرار دیا ،ظاہر ہے کہ یہ شرط بہت سخت ہے جس کا وجود میں آنا شاذ و نادر ہی ہوسکتا ہے ، یہ سختی اس لئے اختیار کی گئی کہ عورت کا شوہر یا اس کی والدہ یا بیوی بہن ذاتی پرخاش کی وجہ سے خواہ مخواہ الزام نہ لگائیں ، یا دوسرے بدخواہ لوگ دشمنی کی وجہ سے الزام اور تہمت لگانے کی جرأت نہ کرسکیں ، کیونکہ اگر چار افراد سے کم لوگ زنا کی گواہی دیں تو ان کی گواہی نامعتبر ہے ایسی صورت میں مدعی اور گواہ سب جھوٹے قرار دئے جاتے ہیں ،اور ایک مسلمان پر الزام لگانے کی وجہ سے ان پر حد قذف جاری کردی جاتی ہے۔

سورت نور میں واضح طور پر ارشاد فرمایا: **لولا جاؤ علیه باربعة شهداء فان لم یأتوا بالشهداء فاولئک عندالله هم الکاذبون**" کہ جو لوگ چار گواہ نہ لاسکے وہ جھوٹے ہیں۔بعض علماء نے چار گواہوں کی ضرورت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ اس معاملہ میں چونکہ دو افراد ملوث ہوتے ہیں۔مرد ،اور عورت ،تو گویا کہ یہ ایک ہی معاملہ تقدیراً دو معاملوں کے حکم میں ہے ،اور ہر ایک معاملہ دو گواہوں کا تقاضا کرتا ہے ،لہٰذا اس کے لئے چار گواہ ضروری ہونگے۔آیت کے اخر میں فرمایا: کہ اگر وہ دونوں توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے تعرض مت کرو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سزا دینے کے بعد اگر انہوں نے توبہ کرلی تو پھر انہیں ملامت مت کرو ،اور مزید سزا مت دو ، یہ مطلب نہیں کہ توبہ سے سزا بھی معاف ہوگئی اسلئے کہ یہ توبہ سزا کے بعد مذکور ہے ، جیسا کہ "فاء" کی تفریع سے ظاہر ہے ،ہاں اگر توبہ نہ کی ہو ،تو سزا کے بعد بھی ملامت کرسکتے ہیں قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں زنا کے لئے کوئی متعین حد بیان نہیں کی گئی بلکہ صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ان کو تکلیف پہنچاؤ اور زناکار عورتوں کو گھروں میں بند کردو۔تکلیف پہنچانے کا بھی کوئی خاص طریقہ نہیں بتلایا گیا ،اور حکام کے صوابدید پر اس کو چھوڑ دیا گیا۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں ایذاء دینے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو زبان سے عار دلائی جائے ،اور شرمندہ کیا جائے ،اور ہاتھ سے بھی جوتے وغیرہ کے ذریعہ ان کی مرمت کی جائے۔ابن

عباسؓ کا یہ قول بھی بطور تمثیل کے معلوم ہوتا ہے۔اصل بات وہی ہے کہ یہ معاملہ حکام کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

نزول کے اعتبار سے قران کریم کی ان دوآیاتوں کی ترتیب یہ ہے کہ شروع میں توان کوایذاء دینے کا حکم نازل ہوا،اوراس کے بعد خاص طور سے عورتوں کے لئے یہ حکم بیان کیا گیا کہ ان کو گھروں میں محبوس رکھا جائے، یہاں تک کہ وہ عورت مرجائے یااس کی زندگی ہی میں آنے والا حکم آجائے گا تو بطور حد کے اسی کو نافذ کردیا جائے گا۔

چنانچہ بعد میں وہ سبیل بیان کردی گئی جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا تھا،ابن عباسؓ ' سبیل ' کی تفسیر فرماتے ہیں'یعنی **الرجم للثیب و الجلد للبکر** '' کہ شادی شدہ کے حق میں زنا کی حداس کو سنگسار کردینا ہےاور غیرشادی شدہ کے لئے اس کو کوڑے مارنا (بخاری کتاب التفسیر) مرفوع احادیث میں بھی اس 'سبیـــــل '' کا بیان رسول کریم ﷺ سے وضاحت کے ساتھ ثابت ہے،اورشادی شدہ،غیرشادی شدہ ہر ایک کے لئے الگ الگ حکم بیان کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ماعزبن مالکؓ اور قبیلہ ازدکی ایک عورت پرزنا کی حدجاری فرمائی تھی۔اور یہ دونوں چونکہ شادی شدہ تھے،اس لئے ان کوسنگسار کردیا گیا تھا،نیزایک یہودی کوبھی زنا کی وجہ سے رجم کیا گیا تھا،اوراس کے حق میں یہ فیصلہ تورات کے حکم پر کیا گیا تھا۔

غیرشادی شدہ کا حکم خودقرآن کریم کی سورت نور(٢) میں مذکور ہے:**الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهمامائة جلدة** '' زنا کارعورت اورزنا کارمرد میں سے ہرایک کوسو[١٠٠] کوڑے مارو۔شروع میں رجم کے حکم کے لئے قران کریم کی آیت بھی نازل کی گئی تھی لیکن بعد میں اس کی تلاوت منسوخ کردی گئی، البتہ حکم باقی رکھا گیا۔عمرؓ کاارشاد ہے:**ان اللہ بعث محمدابالحق وانزل علیه الکتاب فکان ممانزل اللہ تعالی اية الرجم،رجم رسول اللہ** ﷺ **ورجمنابعده،و الرجم فی کتاب اللہ حق علی من زنی اذااحصن من الرجال و النساء الحدیث[بخاری رقم: ٦٨٣٠ ومسلم:رقم: ١٦٩١]** یعنی اللہ تعالی نے محمد ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا،اوران پرکتاب بھی نازل کردی،جوکچھ وحی اللہ تعالی نے نازل فرمائی،اس میں رجم کی ایت بھی تھی، رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا،اورہم نے بھی ان کے بعدرجم کیا،رجم کا حکم اس شخص کے لئے ثابت ہے،جوزنا کرے،اوروہ شادی شدہ ہوخواہ مرد ہو یاعورت۔

خلاصہ یہ کہ،ان آیات میں جوحبس فی البیوت اورایذا کا حکم ہے،وہ شرعی حدنازل ہونے پرمنسوخ ہوگیا،اوراب حدزناسو[١٠٠] کوڑے یارجم پرعمل کرنالازم ہوگا،مزید تفصیل انشاءاللہ سورۂ نور کی تفسیر میں بیان ہوگی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: کہ میرے نزدیک ”الذان یأتیانها“ کا مصداق وہ لوگ ہیں ،جو غیر فطری طریقہ پر قضاء شہوت کرتے ہیں ،یعنی مرد استلذ اذ بالمثل کے مرتکب ہوتے ہیں ،قاضی صاحب کے علاوہ دیگر علماء نے بھی اسی قول کو لیا ہے،الفاظ قران میں چونکہ لفظ ”الذان یاتیانها“ ’موصول اور صلہ دونوں مذکر کے الفاظ ہیں ،اس لئے ان علماء کا یہ قول بعید نہیں ہے،گو جن علماء نے زانی اور زانیہ مراد لیا ہے انہوں نے بطور تغلیب مذکر کا یہ صیغہ زانیہ کے لئے بھی شامل رکھا ہے،تاہم موقع کی مناسبت سے استلذ اذ بالمثل کی حرمت وشدت اور اس کی جزاء وتعزیر کا ذکر اس جگہ بے جا نہ ہوگا،احادیث و اثار سے اس سلسلہ میں جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس میں سے بطور نمونہ کچھ نقل کیا جاتا ہے:

عن ابی هريرةؓ ان رسول اللهﷺ قال لعن اللهسبعة من خلقه من فوق سبع سمواته وردّد اللعنةعلى واحدمنهم ثلاثا،ولعن كل واحدمنهم لعنة تكفيه،قال ملعون من عمل عمل قوم لوط ، ملعون من عمل عمل قوم لوط،ملعون من عمل عمل قوم لوط .[الترغيب و الترهيب: ٣/ ٢٤٨، مجمع الزوائد: ٦/ ٢٧٢] ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا اللہ تعالی نے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں پر سات اسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجی ہے،اور ان سات میں سے صرف ایک پر تین دفعہ لعنت بھیجی ہے ،اور باقی پر ایک دفعہ،فرمایا ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے،ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے،ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے۔

وعن ابی هريرةؓ عن النبیﷺ قال:اربعة يصبحون فی غضب الله ويمسون فی سخط الله قلت من هم يارسول الله؟قال المتشبهون من الرجال بالنساء و المتشبهات من النساء بالرجال و الذی يأتی البهيمة و الذی يأتی الرجال [ترغيب والترهيب :٣/ ٢٤٩ وشعب الايمان:رقم:٥٣٨٥۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ چار آدمی صبح کے وقت اللہ تعالی کے غضب میں ہوتے ہیں،اور شام کو بھی اللہ تعالی ان سے ناراض ہوتے ہیں،میں نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مرد جو عورتوں کی طرح بنتے ہیں ،اور وہ عورتیں جو مردوں کی طرح بنتی ہیں،اور وہ شخص جو چوپایہ کے ساتھ غیر فطری حرکت کرتا ہے، اور وہ مرد جو مرد سے قضاء شہوت کرتا ہے۔

وعن ابن عباسؓ قال قال رسول اللهﷺ من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل و المفعول به .[ابوداد،رقم: ٤٤٦٢،وترمذی:رقم١٤٥٦ ،وترغیب:٣/ ٢٥٠]. ابن عباسؓ سے روایت

ہے فرمایا: کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جسکوتم قوم لوط کی طرح غیر فطری حرکت کرتا ہوا دیکھ لو، تو فاعل اور مفعول دونوں کو مارڈالو۔

حافظ زکی الدین نے الترغیب والترہیب میں لکھا ہے کہ چار خلفاء عبداللہ بن زبیر اور ہشام بن عبدالملکؒ نے اپنے زمانوں میں غیر فطری حرکت والوں کو آگ میں جلاڈالا تھا۔

اس سلسلہ میں انہوں نے محمد بن المنکدرؒ کی روایت سے ایک واقعہ بھی لکھا ہے، کہ خالد بن ولیدؓ نے ابوبکرؓ کو خط لکھا کہ یہاں عرب کے ایک علاقہ میں ایک مرد ہے جس کے ساتھ عورت والا کام کیا جاتا ہے، ابوبکرؓ نے اس سلسلہ میں صحابہ کرام کو جمع کیا، اوران میں علیؓ بھی تشریف لائے، علیؓ نے فرمایا: کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کا ارتکاب سوائے ایک قوم کے کسی نے نہیں کیا، اوراللہ جل شانہ نے اس قوم کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ آپ سب کو معلوم ہے، میری رائے ہے کہ اسے آگ میں جلادیا جائے، دوسرے صحابہ کرام نے اس پر اتفاق کرلیا، اورابوبکرؓ نے اسے آگ میں جلادینے کا حکم دیدیا۔

مذکورہ روایات میں قوم لوط کے عمل کا حوالہ بار بار آیا ہے، لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے وہ قوم کفروشرک کے علاوہ اس بدترین اورغیر فطری حرکت کی بھی عادی تھی، اورجب لوط علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کا ان پر اثر نہ ہوا، تو اللہ جل شانہ کے حکم سے فرشتوں نے اس قوم کی بستیوں کوزمین سے اٹھالیا اوراوندھا کرکے زمین پر پھینک دیا، جس کا ذکر سورۂ اعراف میں آئے گا۔ انشاءاللہ۔

مندرجہ بالا روایات **استلذاذبالجنس** سے متعلق تھیں، روایات میں عورتوں کے ساتھ غیر فطری فعل کرنے پر بھی شدید ترین وعید آئی ہیں۔

عن ابن عباسؓ قال: إن رسول اللهﷺ قال لاينظر اللهعزوجل الى رجل اتى رجلاًاو امرأةً فى دبرها [ترمذی: رقم: ١١٦٥، نسائی: باب عشرة النساء الخ: ص ١١٥، و الترغيب و الترهيب: ٣/ ٢٥٢] ابن عباسؓ سے روایت ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ جل شانہ اس مرد کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، جو مرد یا عورت کیساتھ غیر فطری فعل کرے۔

عن خزيمة بن ثابتؓ قال قال رسول اللهﷺ ان الله لايستحى من الحق، ثلاث مرات، لاتأتوا النساء فى ادبارهن [ابن ماجه: رقم: ١٩٢٤، نسائى باب عشرة النساء ص: ١٠٣، ١٠٦]۔ خزیمہ بن ثابتؓ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ جل شانہ حق بیان کرنے میں شرم نہیں کرتے، یہ الفاظ=

يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللهُ

نادانی سے بُری حرکت کر بیٹھتے ہیں پھر جلد توبہ کر لیتے ہیں پس ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ مہربانی کرتا ہے

عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

اور وہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔ اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) بُرے کام کرتے رہے ہیں

السَّيِّئٰتِ حَتّٰٓى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّيْ تُبْتُ الْآنَ

یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی کی موت آ موجود ہو تو اُس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ اُن کی

= آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائے، پھر فرمایا: عورتوں کے پاس غیر فطری طریقہ سے مت آیا کرو۔

وعن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال: ملعون من اتى امرأة فى دبرها [ابوداود رقم: ٢١٦٢، احمد ٢/ ٤٤٤، الترغيب و الترهيب: ٣/ ٣٥٤] ابوہریرہؓ سے روایت ہے: کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، وہ شخص ملعون ہے، جو غیر فطری طریقہ سے بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے۔

وعنه ان رسول الله ﷺ قال من اتى حائضا او امرأة فى دبرها او كاهنا فصدقه فقد كفر بما انزل على محمد ﷺ [ابوداود: رقم: ٣٩٠٤، وترمذى: رقم ١٣٥، الترغيب و الترهيب: ٣/ ٢٥٤] ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حیض کی حالت میں بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے، یا غیر فطری طریقہ سے اس کے ساتھ جماع کرتا ہے، یا کسی کاہن کے پاس جاتا ہے، اور غیب سے متعلق اس کی خبر کی تصدیق کرتا ہے، تو ایسے لوگ اس دین سے منکر ہو گئے جو محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

اس قبیح فعل کے لئے کسی معین حد کے مقرر کرنے میں تو فقہاء کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے، تاہم اس کے لئے شدید سے شدید سزائیں منقول ہیں، مثلاً آگ میں جلا دینا، دیوار گرا کر کچل دینا، اونچی جگہ سے گرا کر سنگسار کر دینا، تلوار سے قتل کر دینا وغیرہ۔

وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿١٨﴾

جو کفر کی حالت میں مریں۔ ایسے لوگوں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

مومنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے اُن کو دیا ہے اُس میں

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوْهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوْهُنَّ

سے کچھ لے لو انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا۔ ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں (تو روکنا نامناسب نہیں)

بِالْمَعْرُوْفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ

اور اُن کیساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو یقین کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی

خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّآتَيْتُمْ

بھلائی پیدا کر دے ۔ اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو

إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُوْنَهُ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾

اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اُس میں سے کچھ مت لینا۔[٦]

---

[٦] ایک دفعہ عمر فاروقؓ نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرمایا: لوگو! تم نے نکاح کے لئے کیوں زیادہ مہر باندھنے شروع کر دیئے ہیں؟ رسول ﷺ اور آپؐ کے اصحاب نے تو تقریباً چار سو درہم مہر باندھا ہے، اگر یہ زیادتی تقویٰ اور کرامت کے لحاظ سے بہتر ہوتی تو تم اس کی طرف سبقت نہ لیجاتے (یعنی نبی ﷺ خود یہ کام کرتے) خبردار، آج سے میں، یہ نہ سنوں کہ کسی نے چار سو درہم سے زیادہ کا مہر مقرر کیا ہے، یہ فرما کر آپؓ نیچے اتر آئے، تو ایک قریشی عورت سامنے آئی اور کہنے لگی امیر المؤمنین! کیا آپ نے چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے لوگوں کو منع فرما دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس نے کہا، کیا آپ نے اللہ کا کلام جو اس نے نازل فرمایا ہے نہیں سنا، عمرؓ نے کہا وہ کیا؟ تو اس عورت نے کہا، سنیئے: اللہ تبارک=

وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ

بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اُس سے واپس لو گے؟ اور تم دیا ہوا مال کیونکر واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے کیساتھ صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے عہدِ

وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ

واثق بھی لے چکی ہیں ۔ اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو اُن سے نکاح مت کرنا

مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) یہ نہایت بے حیائی اور ناخوشی کی بات تھی اور بہت بُرا دستور تھا ۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ

تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں

وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ

اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ

اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو اُن کی لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے ہو

حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

(وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں اگر اُن کیساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو (اُن کی لڑکیوں کیساتھ نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں

=وتعالیٰ فرماتا ہے: اوراسی آیت کو تلاوت فرمائی۔عمرؓ نے فرمایا: یااللہ مجھے معاف فرما،عمرؓ سے تو ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے، پھر آپ واپس چلے گئے، اوراسی وقت منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے روک دیا تھا، لیکن اب کہتا ہوں جو شخص اپنے مال میں سے مہر میں جتنا چاہے دے۔ اپنی خوشی سے جتنا مہر مقرر کرنا چاہے، کرے، میں نہیں روکتا۔(سنن کبریٰ للبیہقی: ۲۳۳/۲، والہروی: ۲۳۷/۲)۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۚ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا

اور تمہارے صُلبی بیٹوں کی عورتیں بھی اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے)

بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٣﴾

مگر جو ہو چکا (بیشک اللہ بخشنے والا (اور) رحم والا ہے ۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

اور شوہر والی عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) مگر وہ جو (اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر) تمہارے قبضے میں آ جائیں

كِتَابَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ

(یہ حکم) اللہ نے تمہیں لکھ دیا ہے اور ان کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں۔ اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے

مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ

اُن سے نکاح کر لو بشرطیکہ مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ شہوت رانی۔ تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو

فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهٖ

اُن کا مہر جو مقرر کیا ہو ادا کر دو اور اگر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضا مندی سے مہر میں کمی بیشی کر لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں

مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٢٤﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ

بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے ۔اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں سے

مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مِّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھے تو مومن لونڈیوں میں ہی جو تمہارے قبضے میں آ گئی ہوں

مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ

(نکاح کر لے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔

فَانْكِحُوْهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

تو ان لونڈیوں کیساتھ اُن کے مالکوں کی اجازت حاصل کر کے نکاح کر لو اور دستور کے مطابق اُن کا مہر بھی ادا کر دو

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسَافِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَا أُحْصِنَّ

بشرطیکہ عفیفہ ہوں۔ نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ درپردہ دوستی کرنا چاہیں۔ پھر اگر نکاح میں آ کر

فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ

بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو جو سزا آزاد عورتوں کیلئے ہے اُس کی آدھی اُن کو (دی جائے)۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ

یہ اجازت اس شخص کو ہے جسے گناہ کر بیٹھنے کا اندیشہ ہو۔ اور اگر صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٥﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول کھول کر بیان فرمائے اور تمہیں اگلے لوگوں

مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ أَنْ يَّتُوْبَ

کے طریقے بتائے اور تم پر مہربانی کرے اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ اور اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے

عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿٢٧﴾

اور جو لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے رستے سے بھٹک کر دُور جا پڑو۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿٢٨﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کردے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔

إِلَّآ أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ

ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ

کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے ۔ اور جو تعدی و ظلم سے ایسا کرے گا

نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾

ہم اُس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے

إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے اجتناب کرو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف

عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ

کر دیں گے اور تمہیں عزت کے مکانوں میں داخل کریں گے ۔[۷] اور جس چیز میں

---

[۷] ایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں، کچھ کبیرہ، یعنی بڑے گناہ، اور کچھ صغیرہ، یعنی چھوٹے گناہ، اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص ہمت کر کے کبیرہ گناہوں سے بچ جائے تو اللہ تعالی کا وعدہ ہے کہ ان کے صغیرہ گناہوں کو وہ خود معاف فرما دیں گے۔ کبیرہ گناہوں سے بچنے میں یہ بھی داخل ہے کہ تمام فرائض وواجبات کو ادا کرے، کیونکہ فرض وواجب کا ترک کرنا خود ایک کبیرہ گناہ ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ جو شخص اس کا اہتمام پورا کرے کہ تمام فرائض وواجبات ادا کرے، اور تمام کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو بچالے، تو حق تعالی اس کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ کر دیں گے۔ اعمال صالحہ صغائر کا کفارہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اعمال صالحہ کو صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنا کر اس کا حساب بیباق کر دیں گے، اور بجائے عذاب کے ثواب اور بجائے جہنم کے جنت نصیب ہوگی۔ جیسے احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب کوئی شخص نماز کے لئے وضوء کرتا ہے تو ہر عضو کے دھونے کے ساتھ ساتھ گناہوں کا کفارہ ہو گیا چہرہ دھویا تو آنکھ، کان، ناک وغیرہ کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا، کلی کر لی تو زبان کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا، پاؤں دھوئے تو پاؤں کے گناہ ڈھل گئے، پھر جب وہ

مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر قدم پر گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ایت سے معلوم ہوا کہ وضوء نماز وغیرہ اعمال صالحہ کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہونا جو روایات حدیث میں مذکور ہے اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، اور کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، اور صغیرہ کے یہ شرط ہے کہ آدمی ہمت اور کوشش کر کے کبیرہ گناہوں سے بچ گیا ہو معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں میں مبتلا رہتے ہوئے وضوء اور نماز ادا کرتا رہے تو محض وضوء نماز یا دوسرے اعمال صالحہ سے اس کے صغیرہ گناہوں کا بھی کفارہ نہیں ہوگا، اور کبیرہ تو اپنی جگہ ہیں، اس لئے کبیرہ گناہوں کا ایک بہت بڑا ضرر خود ان گناہوں کا وجود ہے جس پر قران وحدیث کی شدید وعیدیں آئی ہیں اور وہ بغیر سچی توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اس کے علاوہ دوسری محرومی یہ بھی ہے کہ ان کی وجہ سے چھوٹے گناہ بھی معاف نہیں ہونگے اور یہ شخص محشر میں کبائر وصغائر کے بوجھ میں لدا حاضر ہوگا اور کوئی اس وقت اس کا بوجھ ہلکا نہ کر سکے گا۔

آیت میں کبائر کا لفظ آیا ہے اس لئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ گناہ کبیرہ کسے کہتے ہیں اور وہ کل کتنے ہیں؟ اور صغیرہ گناہ کی کیا تعریف ہے اور اس کی تعداد کیا ہے؟

علماء امت نے اس مسئلہ پر مختلف انداز میں مستقل مستقل کتابیں لکھی ہیں: کبیرہ گناہ اور صغیرہ کی تقسیم اور ان کی تعریفات سے پہلے یہ خوب سمجھ لیجئے کہ مطلق گناہ نام ہے ہر ایسے کام کا جو اللہ تعالی کے حکم ومرضی کے خلاف ہو، اسی سے اپ کو یہ اندازہ بھی ہو جائے گا کہ اصطلاح میں جس گناہ کو صغیرہ یعنی چھوٹا کہا جاتا ہے درحقیقت وہ بھی چھوٹا نہیں اللہ تعالی کی نافرمانی اور اس کی مرضی کی مخالفت ہر حالت میں نہایت سخت وشدید جرم ہے۔اسی حیثیت سے امام الحرمین اور بہت سے علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی کی ہر نافرمانی اور اس کی مرضی کی مخالفت کبیرہ ہی ہے، کبیرہ اور صغیرہ کا فرق صرف گناہوں کے باہمی مقابلہ اور موازنہ کی وجہ سے کہا جاتا ہے، اسی معنی میں عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ ”**کل مانھی عنه فھو کبیرۃ**“ (مصنف عبدالرزاق رقم: ١٩٧٠٢، معجم کبیر للطبرانی: ١٤٧٠٩، ١٤٧١١) یعنی جس کام سے شریعت اسلام میں منع کیا گیا ہے وہ سب کبیرہ ہیں۔ گناہ کبیرہ کی تعریف قران وحدیث اور اقوال سلف کی تشریحات کے ماتحت یہ ہے کہ جس گناہ پر قرآن میں کوئی شرعی حد یعنی سزا دنیا میں مقرر کی گئی ہے یا جس پر لعنت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یا جس پر جہنم وغیرہ کی وعید آئی ہے، وہ سب گناہ کبیرہ ہیں (ابن کثیر)، اسی طرح ہر وہ گناہ بھی کبیرہ میں داخل ہوگا جس کے مفاسد اور نتائج بد کسی کبیرہ گناہ کی برابر یا اس سے زائد ہوں، اسی طرح جو گناہ صغیرہ جرأت وبیباکی کے ساتھ کیا جائے یا جس پر مداومت کی جائے تو وہ بھی کبیرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ابن عباسؓ کے سامنے کسی نے کبیرہ گناہوں کی تعداد سات ٧ بتلائی، تو آپ نے فرمایا: سات سو کہا جائے تو زیادہ مناسب ہیں (ابن کثیر)۔=

اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا

اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اُس کی ہوس مت کرو۔ مردوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو اُنہوں نے کئے

وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اور عورتوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو اُنہوں نے کئے اور اللہ سے۔ اُس کا فضل (وکرم) مانگتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٣٢﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ

تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ اور جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تو (حقداروں میں تقسیم کردو کہ) ہم نے ہر ایک

وَالْاَقْرَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى

کے حقدار مقرر کر دیئے ہیں اور جن لوگوں سے تم عہد کر چکے ہو اُن کو بھی اُن کا حصہ دو بیشک اللہ تعالیٰ

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ

ہر چیز پر حاضر ہے۔ مرد عورتوں پر حاکم و مسلط ہیں اس لئے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے

= ابن حجر مکی نے اپنی کتاب الزواجر میں ان تمام گناہوں کی فہرست اور ہر ایک کی مکمل تشریح بیان فرمائی ہے، جو مذکورالصدر تعریف کی رو سے کبائر میں داخل ہیں، ان کی اس کتاب میں کبائر کی تعداد چار سو ستاسٹ (٤٦٧) تک پہنچی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ بعض نے بڑے بڑے ابواب معصیت کو شمار کرنے پر اکتفاء کیا ہے، تو تعداد کم لکھی ہے، بعض نے ان کی تفصیلات اور انواع و اقسام کو پورا لکھا تو تعداد زیادہ ہوگئی (مثلاً امام ذہبی) اس لئے یہ کوئی تعارض و اختلاف نہیں ہے، رسول کریم ﷺ نے مختلف مقامات میں بہت سے گناہوں کا کبیرہ ہونا بیان فرمایا، اور حالات کی مناسبت سے کہیں تین، کہیں چھ، کہیں سات، کہیں ان سے بھی زیادہ بیان فرمائے ہیں، اسی سے علماء امت نے یہ سمجھا کہ کسی عدد میں انحصار کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ مواقع اور حالات کے مناسب جتنا سمجھا گیا اتنا بیان کر دیا گیا۔

بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا أَنْفَقُوْا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ

اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں، تو جو نیک بیویاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ

اور اُن کے پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی

فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ

کرنے لگی ہیں تو (پہلے) اُن کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر اُن کیساتھ سونا ترک کر دو۔ اگر اس پر بھی باز نہ آئیں

وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا

تو زدوکوب کرو اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو پھر اُن کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بیشک اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ (اور)

كَبِيْرًا ۝۳۴ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهٖ

جلیل القدر ہے [۸] اور اگر تمہیں معلوم ہو کہ میاں بیوی میں اَن بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک

---

[۸] "قوام" کی لغوی تشریح، قوام مفرد ہے اس کی جمع "قوامون" ہے جس کا معنی (۱) المتكفل بالامر یعنی کام کی ذمہ داری لینے والے کو کہتے ہیں (۲) القوی علی القيام بالامر یعنی کام قائم کرنے پر قوت رکھتا ہے، یہ باب نصر ینصر سے قام یقوم قوماً و قومته و قياما و قامه بالامر ہے یعنی تولاہ اس کام کا والی بنا اور سربراہ ہوا، وعلی الامر یعنی راقبه و دام وثبت یعنی نگرانی اور ہمیشہ ثابت رہا (منجد) قوام اسم مبالغہ ہے جو صفت کی آخری ڈگری ہے اس کے بعد صفت کا کوئی درجہ نہیں ہوتا اور لغوی معنی سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مرد سربراہ اور ہمیشہ کا نگران ہے۔ قوام کا اردو ترجمہ معتبر اور ثقہ علمائے کرام کی جماعت سے ملاحظہ فرمائیں،

(۱) شاہ رفیع الدین صاحب فرماتے ہیں کہ "مرد قائم رہنے والے یعنی حاکم ہیں اور عورتوں کے سبب اس کے کہ بزرگی دی اللہ تعالیٰ نے بعض ان کے، کو اوپر بعض کے، اور بسبب اس کے کہ خرچ کرتے ہیں مالوں اپنے سے"۔=

وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَآ إِنْ يُّرِيْدَا إِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا

منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ وہ اگر صلح کرا دینی چاہیں گے تو اللہ اُن میں موافقت پیدا کر دے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا

یقیناً اللہ پورے علم والا پوری خبر والا ہے ،اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ ۔

وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى

اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں۔

الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ

اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کیساتھ

=(۲) شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں ''مرد قائم رہنے والے ہیں یعنی حاکم ہیں اوپر عورتوں کے، بسبب اس کے کہ بزرگی دی اللہ تعالٰی نے بعض ان کے،کو اوپر بعض کے،اور بسبب اس کے کہ خرچ کرتے ہیں مالوں اپنے سے۔

(۳) ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں ''امراء عليها غالباً عليهن ''یعنی مرد عورتوں پر صاحب امر ہیں۔

(۴) ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ''الحاكم عليها ''یعنی مرد عورت پر حاکم ہے اور سردار ہے جو اسے درست اور ٹھیک ٹھاک رکھنے والا ہے،اس لئے مرد عورتوں سے افضل ہے وجہ اول یہ ہے کہ نبوت مردوں میں رہی اور اسی طرح شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی ہوسکتا ہے۔اس کے بعد بخاری شریف کی حدیث نقل کرتے ہیں ''وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں۔وجہ دوم یہ ہے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں جو کتاب وسنت سے ان کے ذمہ ہیں۔وجہ سوم یہ ہے کہ مرد کو عورت پر فی نفسہ و باعتبار نفع کے اور حاجت براری کے درجہ ہے کما قال اللہ تعالی،وللرجال عليهن درجة ۔

(۵) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑے گی۔

(۶) امام ماوردیؒ اپنی مشہور تصنیف 'الاحكام السلطانيه ،میں لکھتے ہیں کہ ''اسلامی ریاست کی امارت بھی عورت کے سپرد نہیں کی جاسکتی۔

أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝﴿٣٦﴾

احسان کرو کہ اللہ تعالیٰ (احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور) تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ

جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو (مال) اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کے رکھیں

فَضْلِهٖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝﴿٣٧﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

اور ہم نے ناشکروں کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور خرچ بھی کریں تو (اللہ کیلئے نہیں بلکہ)

رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطٰنُ

لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان نہ اللہ پر لائیں نہ روزِ آخرت پر (ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے) اور جس کا ساتھی شیطان

لَهُ قَرِينًا فَسَآءَ قَرِينًا ۝﴿٣٨﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

ہوا تو (کچھ شک نہیں کہ) وہ بُرا ساتھی ہے۔ اور اگر یہ لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے

وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝﴿٣٩﴾

اور جو کچھ اللہ نے اُن کو دیا تھا اُس میں سے خرچ کرتے تو اُن کا کیا نقصان ہوتا اور اللہ اُن کو خوب جانتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا

اللہ کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا۔ اور اگر نیکی (کی) ہو گی تو اُس کو دوچند کر دے گا۔

وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ

اور اپنے ہاں سے اجرِ عظیم بخشے گا۔ بھلا اُس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے احوال بتانے والے کو بلائیں گے

وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾
اور تمہیں اُن لوگوں کا گواہ طلب کریں گے ۔ (۹)

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا
اُس روز کافر اور پیغمبر کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش

الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾
اُن کو زمین میں مدفون کر کے مٹی برابر کر دی جاتی اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے ۔

---

(۹) ابن جریر وابن کثیر وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ ابن مسعودؓ کی یہ روایت نقل کی ہے، کہ: عن عبداللہ بن مسعودؓ، فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلاء شَهِيْدا، قال: قال رسول اللہ ﷺ شهيدا عليهم ما دمت فيهم، فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم، وانت على كل شيء شهيد. دوسری سند سے نقل کیا ہے کہ: ان النبی ﷺ قال لابن مسعود، اقرأ عليّ، قال، اقرأ عليك وعليك انزل؟ قال انی احب ان اسمعه من غيری، قال فقرأ ابن مسعود، النساء: حتی بلغ: هذه الاية: قال استعبر النبی ﷺ، وكف ابن مسعود۔ (بخاری: ۴۵۸۲، مسلم: ۲۴۷، ترمذی: ۳۰۲۵، احمد: ۱/۳۸۰)۔

اس کے بعد ابن جریر نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں، ان النبی ﷺ قال: شهيدا عليهم ما دمت فيهم فلما (فاذا) توفيتني كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شئ شهيد. یعنی بخاری وغیرہ نے یہ روایت نقل کیا ہے کہ ابن مسعودؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے کچھ قرآن پڑھ کر سناؤ، ابن مسعودؓ نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ کو پڑھ کر کیا سناؤں گا؟ آپؐ پر تو قرآن اترا ہے، فرمایا: ہاں لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں، پس میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی، پڑھتے پڑھتے جب میں نے یہ آیت تلاوت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا بس کرو، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسوں جاری تھے۔ اور پھر آپؐ نے فرمایا: کہ جب تک میں زندہ تھا تو اسی حالت کی گواہی دوں گا، پھر سورۂ مائدہ: والی: ۱۱۷، آیت تلاوت کی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا

مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو نماز کے پاس نہ جاؤ

تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

اور جنابت کی حالت میں بھی جب تک کہ غسل (نہ) کر لو۔ اور اگر تم بیمار ہوں

اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ

یا بحالتِ سفر راستے میں چلے جا رہے ہو (اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لو) اور اگر تم میں سے

تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ

کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہمبستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ

(کر کے تیمّم) کر لو بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے

الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾

حصہ دیا گیا تھا کہ وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی رستے سے بھٹک جاؤ۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اور اللہ تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے۔ اور اللہ ہی کافی کارساز اور کافی مددگار ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا

اور یہ جو یہودی ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو اُن کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا

وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ

اور نہیں مانا اور سنئے اور نہ سنوائے جاؤ اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے (تم سے گفتگو کے وقت)

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا

راعنا کہتے ہیں اور اگر (یوں) کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور (صرف) اِسْمَع اور (راعنا کی جگہ) اُنْظُرْنا (کہتے)

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ

تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی لیکن اللہ نے اُن کے کفر کے سبب اُن پر لعنت کر رکھی ہے

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ

پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے ۔ اے کتاب والو!

آمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا

قبل اس کے کہ ہم لوگوں کے موہوں کو بگاڑ کر اُن کو پیٹھ کی طرف پھیر دیں

عَلٰٓى أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحٰبَ السَّبْتِ

یا اُن پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ہفتے والوں پر کی تھی ہماری نازل کی ہوئی کتاب پر جو تمہاری کتاب کی بھی تصدیق

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

کرتی ہے ایمان لے آؤ اور اللہ نے جو حکم فرمایا سو (سمجھ لو کہ) ہو چکا۔ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا

اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا اُس نے

عَظِيْمًا ﴿٤٨﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ أَنْفُسَهُمْ

بڑا بہتان باندھا ۔ کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں (نہیں)

بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٤٩﴾

بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے اور اُن پر دھاگے برابر بھی ظلم نہیں ہو گا ۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

دیکھو یہ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں اور یہی گناہ صریح کافی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی نسبت سیدھے

سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ

رستے پر ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے تو تم اُس کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے

نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ

کیا اُن کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے کہ لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں گے۔

نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

یا جو اللہ نے اُن لوگوں کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے اُس کا حسد کرتے ہیں،

فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

تو ہم نے خاندانِ ابراہیم کو کتاب اوردانائی عطا فرمائی تھی اور سلطنتِ عظیم بھی بخشی تھی

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

پھر لوگوں میں سے کسی نے تو اُس کتاب کو مانا اور کوئی اُس سے رکا رہا تو اُن نہ ماننے والوں کو دوزخ کی جلتی ہوئی آگ کافی ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۚ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اُن کو ہم عنقریب آگ میں داخل کریں گے، جب اُن کی کھالیں جل جائیں گی

بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيزًا

تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے

حَكِيمًا ۝۵۶ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کو ہم جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ

نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہاں ان کیلئے پاک بیویاں ہیں ۔

وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۝۵۷ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى

اور اُن کو ہم گھنے سائے میں داخل کریں گے ۔اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں

أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ

اُن کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے

بِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝۵۸ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ

بیشک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے ۔ مومنو! اللہ تعالیٰ اور اس کے

وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ

رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت ہیں[۱۰] اُن کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو

---

[۱۰] بعض مفسرین نے "اولو الامر" سے مراد علمائے کرام لیا ہے، تو اس تفسیر کی وجہ سے بعض اس سے علماء کی تقلید کو ثابت کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے "اولو الامر" (علماء) کی اطاعت کا حکم دیکر مسلمانوں کو تقلید کرنے پر مامور کیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے، اگر اس آیت پر غور کیا جائے تو مختلف وجوہات کی بناء پر اس سے تقلید کا رد ثابت ہوتا ہے، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس آیت میں ''اولو الامر'' کے ساتھ لفظ ''اطیعوا'' کو مستقل استعمال نہ کرنا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اولو الامر کی بات کو اللہ تعالی اور اس کے رسول کے حکم کے تحت مانا جائے گا، نہ کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول کی مخالفت میں ان کی مستقل اطاعت کی جائے گی، اگر ''اولو الامر'' کی اطاعت مستقل جائز قرار پائی تو پھر نبی ﷺ کی اطاعت میں اور اولو الامر کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا، کیونکہ مطلقا اولو الامر کی اطاعت سے دونوں میں باہم فرق مٹ جاتا ہے۔ سب سے پہلے احناف نے اولو الامر کی اطاعت کو مطلقاً اور مستقلاً جائز قرار دیکر اور آحادیث میں تاویلات کر کے اس فرق کو مٹایا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت میں اولو الامر سے مراد حکام المسلمین (حاکم وقت) ہیں کیونکہ معروفات میں حاکم وقت کا حکم ماننا ضروری ہوتا ہے۔ اگر بالفرض علماء کو بھی اس میں داخل کیا جائے تو ''**لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**'' الحدیث، کے تحت ہی میں ان کی بات مانی جائے گی۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر تلفیق میں واقع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ کیونکہ علماء کی ہر بات میں بتقاضہ بشریت خطاء کا احتمال پایا جاتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالی نے ''اولو الامر'' جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے، کہ تمام علماء کی بات مانو لیکن مقلد تو صرف ایک عالم کی بات کو اپنے لئے دین میں حجت سمجھتا ہے، اس طرح مقلدین نے سب سے پہلے ایک عالم کی تابعداری کر کے اس آیت کی مخالفت کی ہے،

چوتھی وجہ یہ ہے علماء کے اقوال کو صرف دلیل کی بنیاد پر مانا جائے گا، بغیر دلیل کے اقوال سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، اور رفع اختلاف کے لئے کتاب وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾

الاية. اس آیت میں اللہ تعالی نے متنازع فیہ مسائل کو کتاب وسنت پر پیش کرنے کا حکم دیا ہے، اور ایسا کرنے والوں کو مومن قرار دیا ہے۔

فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ

تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ

خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ

بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔ کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں۔

أَنَّهُمْ آمَنُوْا بِمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ

کہ جو (کتاب) تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں اُن سب پر ایمان رکھتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں

أَنْ يَّتَحَاكَمُوْا إِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ أُمِرُوْا أَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ

کہ اپنا مقدمہ ایک سرکش کے پاس لیجا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ اُس سے اعتقاد نہ رکھیں۔

وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ

اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے کہ اُن کو بہکا کر رستے سے دُور ڈال دے۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ

تَعَالَوْا إِلٰى مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُوْلِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ

جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اُس کی طرف (رجوع کرو) اور پیغمبر کی طرف آؤ تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے اعراض

صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ

کرتے اور رُکے جاتے ہیں۔ تو کیسی بات ہے کہ جب اُن کے اعمال (کی شامت) سے اُن پر کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے

ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

تو تمہارے پاس بھاگے آتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ واللہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور موافقت تھا۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ

ان لوگوں کے دلوں میں جو جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اُس کو خوب جانتا ہے تم ان (کی باتوں) کا کچھ خیال نہ کرو اور انہیں نصیحت کرو

وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ

اوران سے ایسی باتیں کہو جوان کے دلوں پر اثر کر جائیں۔اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے

بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ

مطابق اس کا حکم مانا جائے۔اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے،اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

اور رسول (اللہ ﷺ) بھی ان کیلئے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا (اور) مہربان پاتے ۔[۱۱]

---

[۱۱] اس ایت کے تحت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: یہ ایت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا، کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت حاضر ہوجائے اور آپ ﷺ اس کے لئے دعائے مغفرت کردیں، اس کی مغفرت ضرور ہوجائے گی، لیکن اس کا یہ قول سراسر آیات قرانی واحادیث نبوی سے مخالف ہے، بطور مثال سورۂ توبہ کی ایت: ۸۰، ۱۱۳، ملاحظہ فرمائیں۔(پھرآگے لکھتا ہے) اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی حیات دنیوی کے زمانہ میں ہوسکتی تھی، اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔معارف القران: ۲/ ۴۵۹۔

اور تفسیر نعیمی: ۱۲۹، میں کچھ یوں لکھتا ہے: اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہ الٰہی میں رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ اور آپ ؐ کی شفاعت کار براری کا ذریعہ ہے سید عالم ﷺ کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضہ اقدس پر حاضر ہوا، اور روضہ شریفہ کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو آپ پر نازل ہوا، اس میں یہ آیت بھی ہے: ﴿ولو انهم اذظلموا﴾ الاية، میں نے بیشک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہنے حاضر ہوا، تو میرے رب سے میرے گناہ کی بخشش کرایئے، اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی، اس سے چند مسائل معلوم ہوے۔

مسئلہ: اللہ تعالی کی بارگاہ میں عرض حاجت کے لئے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے۔

مسئلہ: قبر پر حاجت کے لئے جانا بھی ’’جاؤک‘‘ میں داخل اور خیر القرون کا معمول ہے۔

مسئلہ: بعد وفات مقبولان حق کو ’’یا‘‘ کے ساتھ نداء کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: مقبولان حق مدد فرماتے ہیں اور ان کی دعاء سے حاجت روائی ہوتی ہے۔

تو ہم ان جیسے لوگوں کو جواب میں کہتے ہیں، کہ یہ تفسیر صحیح نہیں، اس لئے کہ ایت کو سیاق سباق سے کاٹ کر یہ تفسیر کی گئی ہے۔ اگر یہ ایت ہم اور بعد کے امتیوں کو عام ہے تو: صحابہ کرام نے اسے عام سمجھ کر استسقاء کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر پر جا کر آپ ﷺ سے دعا کیوں نہ کرائی؟ بیان جواز کے لئے ایک بار تو دعا کروا ہی لیتے، مگر صحابہ تابعین وتبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اور نہ ہی یہ کسی امام کا مذہب ہے۔ جس طرح یہ ایت عام ہے اسی طرح ایت: **فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ و الرسول، سورۃالنساء: ٥٩** ۔ اور وہ آیت جو اس کے بعد ہے یعنی: ٦٥، کے الفاظ بھی عام ہے، اور ہم عصر اور بعد کے امتیوں کو شامل ہیں، اس میں بھی تخصیص نہیں، تو پھر ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے حاکموں اور قاضیوں کی بجائے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست قبر اطہر پر جا کر چکایا کریں، اگر ان کا اللہ اور روز اخرت پر ایمان ہے۔

ایت کریمہ کی بلا دلیل تعمیم کا قول اور دوسری ایت میں تخصیص کا کیا مطلب؟، کیا آپ ﷺ شرعی فیصلہ کرنے کے لئے ہم عصر اور بعد کے امتیوں کے لئے یکساں رحمت نہیں؟ کوئی مومن اس بات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس کا قائل ہو جائے کہ آپ ﷺ بعد کے امتیوں کے لئے رحمت نہیں، پس وجہ فرق کیا ہے کہ ایک ایت کو عموم پر رکھا اور دوسری میں تخصیص کر دی؟ جبکہ تنازع کا فیصلہ اہم ہے بنسبت استغفار کے، کیونکہ یہ موقوف علیہ ہے۔

اس نادرست تفسیر کو دیکھ کر کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے، کہ قبر نبی ﷺ کے پاس جا کر ان سے مختلف فیہ مسائل کے بارے میں پوچھو، وہ ضرور جواب عنایت کریں گے، اس لئے کہ دین کو مفصل بیان کرنا ان کا فرض منصبی بھی ہے، تو کیا یہ استدلال درست ہے؟ بالفاظ دیگر، **استشفاع بدعاء الرسول** ﷺ، **تحکیم الی ذات الرسول** ﷺ پر مبنی ہے، اور یہ اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، اور جب تحکیم الی ذات الرسول موت کے بعد نہیں تو استشفاع بدعاء الرسول ﷺ کیسے؟۔

بعض علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ میں لفظ ’’**جاؤک**‘‘ ہے، نہ کہ ’’**جاؤوا قبرک**‘‘، یعنی لفظ ’’**جاؤوک**‘‘ حیاۃ سے متعلق ہے۔ اور حیاۃ دنیوی و بعد الممات کے احکام میں فرق ظاہر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

(عن قیس بن سعدؓ قال: اتیت الحیرة فرأیتم یسجدون لمرزبان لهم، فقلت لَرسول اللهﷺ احق ان یسجدله، فاتیت رسول اللهﷺ فقلت انی اتیتُ الحیرة، فرأیتهم یسجدون لمرزبان لهم، فانت احق بان یُسجدلک؟ فقال لی: ارأیت لومررت بقبری، اکنت تسجدله؟ فقلت لا، فقال: لاتفعلوا، لو کنت امراحدا ان یسجد لاحد، لامرت النساء ان یسجدن لازواجهن لماجعل اللّٰهلهم علیهن من حق۔ابوداود: رقم: ۲۱۴۰، حاکم: ۲/۱۸۷، ارواء: ۷/۵۷، ۵۸۔

یعنی قیس بن سعدؓ سے روایت ہے کہا، میں حیرہ آیا، وہاں میں نے لوگوں کو اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے دیکھا، میں نے کہا (اپنے دل میں) کہ رسول اللہﷺ زیادہ حق دار ہیں، کہ آپﷺ کو سجدہ کیا جاوے، میں رسول اللہﷺ کے پاس آیا میں نے عرض کی کہ میں حیرہ گیا، وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے تھے، آپﷺ سجدہ کے زیادہ لائق ہیں، آپؐ نے فرمایا: مجھ کو اس بات کی خبر دے، اگر تو میری قبر سے گذرے، تو اس کو سجدہ کروگے؟ میں نے کہانہیں، فرمایا: اگر میں سجدہ کرنے کا حکم کرتا، تو سب سے پہلے عورتوں کو حکم کرتا، کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں، اس لئے کہ اللہ تعالی نے عورتوں پر مردوں کا حق رکھا ہے (اس حدیث نے یہ واضح کیا کہ انسان صرف اپنے خالق ہی کے سامنے سجدہ ریز ہوسکتی ہے، کسی مخلوق کے سامنے نہیں جھک سکتی، خواہ وہ مخلوق کتنی ہی باعظمت وبافضیلت ذات کیوں نہ ہو)۔

بعض علمانے یہ جواب بھی کیا ہے، کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، جیسا کہ حدیث ابی ہریرہؓ میں ہے: کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا ہے: اذامات الانسان انقطع عنه عمله، الحدیث رواه مسلم: رقم: ۱۶۳۱، ومشکوٰة: رقم: ۲۰۱، کتاب العلم۔یعنی جب آدمی مرجاتا ہے اس کے عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ایک جواب ملاعلی قاریؒ نے مرقات: ۱۱/۲۳۶، میں اس حدیث کے ضمن میں، جوکہ عقبہؓ سے مروی ہے: صلی رسول اللهﷺ علی قتلی احدبعدثمان سنین کالمؤدع للاحیاء و الاموات. الحدیث . یعنی رسول اللہﷺ نے احد کے شہداء پر نماز پڑھی آٹھ برس بعد، مانند زندوں اور مردوں کو رخصت کرنے والے کے . متفق علیه.
[خ: ۴۰۴۹ م: ۲۳۸۲]۔کیا ہے، ای استغفرلهم، واستغفاره لهم کالوداع للاحیاء و الاموات، اما الاحیاء فبخروجه من بینهم، واما الاموات فبانقطاع دعائه، واستغفاره لهم۔یعنی رسول اللہﷺ وفات کے بعد کسی کے لئے دعا اور استغفار نہیں کرسکتا۔

اس سے زیادہ مصرح اور منہ توڑ جواب حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں موجود ہے: جوکہ بخاری نے: حدیث

نمبر:٥٦٦٦، میں نقل کیا ہے:عن عائشة رضی الله عنها انها قالت:وارأساه، فقال رسول اللهﷺذاک لوکان واناحی فاستغفرلکِ وادعولکِ ،فقالت، عائشة واثکلیاه، والله انی لاظنک تحب موتی، لوکان ذاک لظللت اخریومک معرّسا ببعض ازواجک، فقالﷺبل اناوارأساه، لقدهممت اواردت، ان ارسل الی ابی بکروابنه، فاعهد ان یقول القائلون اویتمنی المتمنون، ثم قلت یابی اللهویدفع المومنون اویدفع اللهویأبی المومنون . عائشہؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے ایک دن رسول کریمﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے اپنے سردرد کی شدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:ہائے میرا سر پھٹا جارہا ہے ،رسول کریمﷺ نے یہ سن کرفرمایا عائشہؓ وہ (تمہاری موت) اگرایسی صورت میں آئی کہ میں زندہ رہا،تو تمہارے لئے سیئات سے مغفرت وبخشش کی دعامانگوں گا۔اورتمہارے (درجات ومراتب کی بلندی)کے لئے بھی دعاکروں گا،عائشہؓ بولیں،ہائے میرے درد کی مصیبت، اللہ کی قسم میرا تو خیال ہے کہ آپﷺ میری موت کو پسند فرماتے ہیں؟اگرایسا ہوا کہ میں مرگئی،تو آپﷺ اسی دن کے آخری حصہ میں اپنی کسی بیوی کے ساتھ شب باشی فرمائیں گے۔

نبی کریمﷺ نے فرمایا:عائشہؓ(چھوڑواس بات کواورسنو) میرا قصد تھا،یا آپﷺ نے یہ فرمایا کہ میرا ارادہ تھا، کہ میں (تمہارے والد) ابوبکرؓ اوران کے بیٹے (یعنی تمہارے عزیز بھائی عبدالرحمٰن) بلابھیجوں،اوران کے حق میں وصیت کردوں،تاکہ پھر کہنے والے کچھ نہ کہیں،یا آپ نے یہ فرمایا کہ تاکہ متمنی لوگ ابوبکرؓ کے بجائے خوداپنے لئے یا کسی اور کے لئے خلافت کی تمنا کا اظہار نہ کریں۔پھر میں نے اپنے دل میں کہا خوداللہ تعالی (ابوبکرؓ کے علاوہ کسی دوسرے کی خلافت کو) منظورنہیں کرے گا ،اورمسلمان بھی مدافعت کریں گے۔یا آپﷺ نے یوں فرمایا:کہ خوداللہ تعالی مدافعت کرے گا اورمسلمان بھی نہیں مانیں گے۔

اورشاہ اسحاق نے مسائل اربعین:۴۳، میں مسئلہ :۴۰، میں رقمطراز ہیں:وحق آن است کہ انکارفقہاء عام است، ازآنکہ استمد اداز قبورانبیاءکنندیاازقبورغیرایشان ہمہ جائز نیست ،چنانچہ ازعبارت دیگرکتب فقہاء کہ درین جواب ایرادکردہ میشودواضح خواہدگردید۔اورحق یہ ہے کہ فقہاء کاانکارعام ہے استمد ادخواہ، انبیاءعلیہم السلام کی قبروں سے ہوخواہ غیرانبیاء کی قبروں سے سب ناجائز ہے،جیسا کہ فقہاء کرام کی دوسری کتابوں کے حوالوں سے جوہم اسی سوال کے جواب میں ذکرکریں گےواضح ہوجائے گا۔

بعض علماءعمرؓ کی حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگرآیت کامعنی یہ ہےتو عمرؓ نے اس پرعمل کیوں نہیں

کیا؟ اور عباسؓ کے دعا کا وسیلہ اللہ تعالی کے دربار میں پیش کیا، یہ روایت بخاری نے: ۱۰۱۰۔اور ۳۷۱۰، میں نقل کیا ہے، بلکہ صاحب نشر المرجان والا لکھتا ہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی منعقد ہوا، کہ رسول اللہ ﷺ انتقال کے بعد عالم برزخ میں دعا واستغفار نہیں فرماتے۔مزید تفصیل کے لئے الصارم المنکی: ۲۶۵، ملاحظہ کیجئے۔

تکمیل فائدہ کے لئے اب ہم روایت اعرابی نقل کرتے ہیں: جو کہ تفسیر قرطبی، وابن کثیر، نفحۃ الیمن وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔اور امام بیہقی نے شعب الایمان: ۶/ ۶۰، میں نقل کیا ہے کہ:اخبرنا ابو علی الروذباری، حدثنا عمرو بن محمد بن عمرو بن الحسین بن بقیة املاءً، حدثنا شکر الهروی، حدثنا یزید الرقاشی، عن محمد بن روح بن یزید البصری، حدثنی ابو حرب الهلالی، قال: حج اعرابی فلما جاء الی باب مسجد رسول الله اناخ راحلته فعلقها، ثم دخل المسجد، حتی اتی القبر، ووقف بحذاو جه رسول الله ﷺ فقال، بابی انت وامی، یارسول الله جئتک مثقلا بالذنوب والخطایا، یا مستشفعا بک علی ربک، لانه قال فی محکم کتابه: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۶۴﴾ وقد جئتک بابی انت وامی مثقلا بالذنوب والخطایا، استشفع بک علی ربک ان یغفر لی ذنوبی، وان تشفع فیّ، ثم اقبل فی عرض الناس ویقول:

یاخیر من دفنت فی التراب اعظمه فطاب من طیبه الابقاع والاکم

نفسی الفداء بقبر انت ساکنــــه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

جبکہ ابن عساکرؒ نے اتحاف الزائر: ۵۴، ۵۵، میں اور ابن النعمان نے مصباح الظلام: ۲۱، میں نقل کیا ہے اور ابن الجوزی نے کتاب المثیر، میں یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں: ثم استغفر، وانصرف، فرقدت فرأیت النبی ﷺ فی نومی وهو یقول، الحق الرجل فبشره ان الله قد غفر له بشفاعته، فاستیقظت فخرجت اطلبه فلم اجده۔ابوحرب ہلالی کہتا ہے، کہ ایک اعرابی فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور کہا "السلام علیکم یارسول الله" میں نے قران کریم کی یہ ایت سنی، اور آپؐ کے پاس آیا ہوں، تاکہ آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ کی شفاعت طلب کروں پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

جن جن کی ہڈیاں میدانوں میں دفن کی گئی ہیں ☆ اوران کی خوشبو سے وہ میدان اور ٹیلے مہک اٹھے ہیں

اے ان تمام میں سے بہترین ہستی ☆ میری جان اس قبر پر سے صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے

جس میں پارسائی وسخاوت اور کرم ہے، پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی خواب میں دیکھتا ہوں کہ رسول ﷺ مجھ سے فرمارہے ہیں، جا، اس اعرابی کو خوشخبری سنا کہ اللہ نے اس کے گناہ معاف فرمادیئے۔

اس واقعہ کی نقل میں اضطراب ہے، بعض عتبی سے نقل کرتے ہیں، اور بعض ابوحرب الهلالی سے، اور بعض علیؓ سے، بہر حال اس واقعہ کی کوئی صحیح سند نہیں ہے۔، جبکہ اعرابی بھی مجہول ہے۔ ابوحرب ہلالی بھی مجہول ہے، یزید رقاشی ضعیف ہے، عمر بن محمد مجہول ہے۔ اتحاف الزائر کی سند میں دوراوی (۱) ابو العباس اور (۲) محمد بن زہیر مجہول ہیں، اور مصباح الظلام کی سند میں مجاہیل ہیں، اور یہ ابوشبل تک سند ہے، جو کہ امام مالکؒ کا شاگرد ہے۔

اس وجہ سے صارم المنکی والے لکھتے ہیں، کہ اس واقعہ کی تکذیب کے لئے یہ کافی ہے کہ بعض اس کو عتبی سے تو بعض ابوشبل سے، اور بعض ابوحرب ہلالی، جبکہ بعض علیؓ کو منسوب کرتے ہیں، کہ انہوں نے یہ ماجرا اپنے آنکھوں سے دیکھا ہے۔

اور وہ روایت جو علیؓ کو منسوب ہے، جو کہ قرطبی وغیرہ نے نقل کیا ہے، تو کتاب صیانۃ الانسان: ۲۴۸، میں ہے کہ یہ خبر منکر اور موضوع ہے اور مختلق مصنوع ہے، اس میں ہیثم متروک کذاب ہے، اور مزید تفصیل کے لئے کتاب الصارم المنکی: ۲۵۲، ۲۶۴، ۳۲۱۔۳۱۴، اور فتح المنان: ۳۵۱، اور کتاب التوصل: ۲۷۴، اور صیانۃ الانسان: ۲۴۷، اقتضاء الصراط المستقیم ملاحظہ کیجئے۔

اور اس واقعہ کو عز بن جماعۃ نے ہدایت السالک: ۱۳۸۳/۳، میں سبل الہدی و الرشاد: ۳۸۰/۱۲، وفاء الوفاء: ۱۳۶۱/۴، اور ابن قدامہ نے المغنی، نووی نے کتاب الایضاح اور شرح مجموع المہذب، ماوردی نے الحاوی الکبیر، کتاب الحج میں بلفظ ''یروی'' نقل کیا ہے جس کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں۔

بعض مبتدعین اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو کہ مسند بزار نے: ۳۰۸/۵، میں نقل کیا ہے، کہ

حدثنا یوسف بن موسی، قال اخبرنا عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی رواد، عن سفیان عن عبداللہ بن السائب عن زاذان عن عبداللہ، عن النبی ﷺ قال: ان للہ ملائکۃ سیاحین یبلغونی عن امتی السلام، قال وقال رسول اللہ ﷺ حیاتی خیر لکم تحدثون ونحدث لکم، ووفاتی خیر لکم تعرض علّی اعمالکم، فما رأیت من خیر حمدت اللہ، وما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم۔

ہیثمی نے مجمع الزوائد: ۵۹۵/۸، اور کشف الاستار: ۳۹۷/۱، وعجلونی، الکشف: ۴۴۲/۱، میں اس کو نقل کیا ہے۔ کہ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے، تم بیان کرتے ہو اور تمہیں میں بھی بیان کروں گا۔ اور جب میں وفات ہو جاؤں، تو میری وفات بھی تمہاری لئے بہتر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہونگے، جب میں بہتر دیکھوں تو میں اللہ کا شکرادا کروں گا، اور جب میں اس کے سوا دیکھوں تو میں تمہارے لئے اللہ سے استغفار مانگوں گا۔

یہ حدیث صحیح نہیں، بزار اس کے اخر میں فرماتا ہے کہ وهذا الحديث اخره لانعلمه يروى عن عبدالله الامن هذا الوجه، بهذاالاسناد، اس میں ایک راوی ہے جس کا نام عبدالمجید بن عبدالعزیز ہے، اور وہ اس زیادۃ پر متفرد ہے۔ ابن حبان نے کتاب المجروحين: ۱۵۲/۲، میں لکھا ہے: کہ یہ منکر الحدیث تھا۔ اور ابن ابی حاتم نے جرح وتعدیل: ۶۴/۶، میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ: كان الحميدى يتكلم فيه، وليس بالقوى، جبکہ تهذيب الكمال: ۲۷۴/۱۸، اور تہذیب التہذیب: ۳۸۲/۶، میں اس کے متعلق لکھا ہے "صدوق يخطئ" اور بعض نے اس کا توثیق بھی کیا ہے۔

وہ اس وجہ سے کہ مسلم نے اس کا ذکر متابعت میں کیا ہے، نہ کہ اصلاً، اور اس وجہ سے حافظ ہیثمیؒ کو مجمع الزوائد: ۵۹۵/۸، اور سیوطیؒ کو خصائص کبری: ۲۸۱/۲، میں مغالطہ ہو کر اس روایت کی تصحیح کیا ہے۔ اس روایت کا ایک دوسرا سند بھی ہے جو کہ ابن عدی نے: ۵۳۳/۳، اور عروس الا جزاء: ۳۹/۲، میں انسؓ سے نقل کیا ہے۔ لیکن ابن عدی نے روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی سند میں خراش بن عبداللہ ہے اور وہ مجہول ہے معلوم نہیں۔ بلکہ اس میں عدوی جو ہے اس کے متعلق لکھتا ہے و العدوى هذاكنانتهمه بوضع الحديث، وظاهرالامرفى الكذب.

جبکہ اس روایت کو مسند الفردوس نے بھی: ۲۱۹/۲، میں نقل کیا ہے، اس کے حاشیہ "تسدید القوس" میں حافظ ابن حجر لکھتا ہے، اس کی سند میں خراش بن عبداللہ اور عدوی ہے لہٰذا روایت ساقط الاعتبار ہے۔ اور اس روایت کو اسمٰعیل قاضی نے: فضل الصلوٰۃ: ۱۲۵، ۱۲۶، میں نقل کیا ہے جو کہ بکر بن عبداللہ سے نقل ہے، اور اسی سند سے مسند حارثی: ۸۸۴/۲، (بغیۃ الباحث) نے بھی نقل کیا ہے۔ اور طبقات ابن سعد: ۳۴۷/۲، میں بکر بن عبداللہ المزنی سے منقول ہے لیکن یہ مرسل ہے۔ اگر چہ روات ثقہ ہیں۔ وسلسلہ ضعیفہ: ۴۰۶/۲۔

حاصل یہ ہوا کہ یہ روایت تمام سندوں سے ضعیف ہے، بعض نے اس کو حسن یا صحیح لغیرہ کہا ہے لیکن مذکورہ صحیح روایت۔ اور وہ روایت جو کہ ابن جریر وغیرہ نے تفسیر سورۃ النساء: ۴۱، میں اور وہ حدیث جو سورۃ مائدہ: ۱۱۷، میں نقل

کیا گیا ہے، کے مقابلے میں، بنابرقول اول منکر، اور بنابرقول ثانی شاذ ہے۔ اور عمل کیلئے درست نہیں، خصوصا باب عقیدہ میں ایسے روایات ساقط الاعتبار ہوتے ہیں۔

مذکورہ تحقیق سے ابن حجر اور قرطبی کا جو وہم تھا وہ بھی ختم ہوا۔ ابن حجر کو، سورۂ نساء:۴۱، والی آیت میں جو حدیث وارد ہے اس کے بعض طرق میں (جو کہ طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے) یہ الفاظ ہے (اسی وجہ سے اس کو یہ اشکال لاحق ہوا ہے): ان النبیﷺ:اتاھم فی بنی ظفر ومعه ابن مسعودؓ وناس من اصحابه ،فامر قاراًفقرأ،فاتی علی ھذه الاية ۴۱،فبکی حتی ضرب لحياه ووجنتاه فقال:يارب،ھذاعلی من انابين ظھريه فکيف بمن لم أره. واخرج ابن المبارک فی الزھد: ۲/۴۲، من طريق سعيدبن المسيبؒ قال:ليس من يوم الاتعرض فيه علی النبیﷺامته غدوة وعشية، فيعرفھم بسيماھم واعمالھم.فلذلک يشھد عليھم .ففی ھذ المرسل مايرفع الاشکال الذی تضمنه حديث ابن فضالة، والله اعلم.فتح الباری: ۱۰/۱۲۲ . یعنی محمد بن فضالہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی ظفر کے پاس رسول اللہﷺ آئے، اور اس صخرہ پر بیٹھ گئے۔ جواب تک ان کے محلے میں ہے۔ آپؐ کے ساتھ ابن مسعودؓ، معاذ بن جبلؓ، اور دیگر صحابہ کرامؓ بھی تھے۔ آپؐ نے ایک قاری سے فرمایا: قرآن پڑھو، وہ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت (فکیف) تک پہنچے، تو آپؐ اس قدر روئے کہ دونوں رخسار اور داڑھی تر ہوگئی، اور عرض کرنے لگے کہ یارب جو موجود ہیں ان پر تو خیر میری گواہی ہوگی، لیکن جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہی نہیں ان کی بابت کیسے؟۔

اور یہی اشکال قرطبی نے کتاب التذکرۃ:۳۳۹، میں نقل کیا ہے۔ تو ابن کثیر:۲/۲۶۹، سورۂ نساء:۴۲، میں، اس کا جواب دیتا ہے کہ:واما،ماذکره ابوعبدالله القرطبی فی التذکرة حيث قال:باب ماجاء فی شھادة النبی ﷺعلی امته:قال:اخبرناابن مبارک ،اخبرنا رجل من الانصار،عن المنھال بن عمرو، حدثه انه سمع سعيدبن المسيب يقول:ليس من يوم الاتعرض فيه علی النبیﷺامته غدوة وعشية،فيعرفھم باسمائھم،واعمالھم ،فلذلک يشھدعليھم يقول الله تعالی:فکيف اذاجئنا من کل امة بشھيد وجئنابک علی ھولاء شھيدا،فانه اثروفيه انقطاع،فان فيه رجلامبھمالم يسم،وھومن کلام سعيدبن المسيب لم يرفعه۔

یعنی ابوعبداللہ قرطبی نے اپنی کتاب ''التذکرۃ'' میں باب باندھا ہے، کہ نبی اکرمﷺ کی اپنی امت پر شہادت=

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں ۔

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾

اور جو فیصلہ تم کردو اُس سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اُس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔[۱۲]

= کے بارے میں کیا آیا ہے۔اس میں سعید بن مسیّب کا یہ قول ذکر کیا ہے، کہ ہر دن صبح شام نبی اکرم ﷺ پر آپ ﷺ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، مع ناموں کے، پس آپؐ قیامت کے دن ان سب پر گواہی دیں گے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی، لیکن اولاتو یہ سعید بن مسیّب کا اپنا قول ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے سند میں انقطاع ہے۔ تیسرا یہ کہ، اس میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام ہی نہیں۔ چوتھا یہ کہ یہ حدیث مرفوع کر کے بیان ہی نہیں کرتے۔ اخیر میں روح المعانی کا عبارت نقل کرتے ہوئے اس بحث کو ختم کرتے ہیں: امام آلوسی اپنی تفسیر: ۶/۱۲۵، میں ایت الوسیلہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **اما اذا كان المطلوب منه ميتا او غائبا فلا يستريب عالم انه (اى طلب الدعاء)** غیر جائز، **وانه من البدع اللتى لم يفعلها احدمن السلف.** اور جس کسی سے بھی خواہ وہ میت ہو یا غائب، دعاء مانگی جاتی ہے، تو اس کی ناجائز ہونے میں کسی عالم کا شک نہیں، اوران بدعات میں سے ہے جس کا وجود سلف صالحین کے دور میں نہیں تھا۔

[۱۲] اس ایت میں رسول کریم ﷺ کی عظمت اور علومرتبت کے اظہار کے ساتھ آپؐ کی اطاعت جو بے شمار آیات قرآنیہ سے ثابت ہے، اس کی واضح تشریح بیان فرمائی ہے۔ اس ایت میں قسم کھا کر حق تعالی جل شانہ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک مومن یا مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ نبی کریم ﷺ کو ٹھنڈے دل سے پوری طرح تسلیم نہ کرے، کہ اس کے دل میں بھی اس فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پائی جائے۔ مفسرین نے فرمایا کہ ارشاد قرآنی پر عمل نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں۔ آپؐ کے بعد آپؐ کی شریعت مطہرہ کا فیصلہ خود آپ ﷺ ہی کا فیصلہ ہے، اس لئے یہ حکم قیامت تک اس طرح جاری ہے، کہ آپؐ کے زمانہ مبارک میں خود بلاواسطہ آپؐ سے رجوع کیا جائے، اور آپؐ کے بعد آپؐ کی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے۔ جو درحقیقت آپؐ ہی کی طرف رجوع ہے۔ بخاری نے: کتاب التفسیر: ۶/۵۸ میں اس ایت کے متعلق یہ واقعہ ذکر کیا ہے: کہ زبیرؓ کا کسی شخص سے نالیوں سے باغ میں پانی لینے کے بارے میں جھگڑا پڑا، تو رسول پاک ﷺ نے

فرمایا زبیر! تم پلالو پھر پانی کو انصاری کے باغ میں جانے دو، اس پر انصاری نے کہا ہاں، یا رسول اللہ ﷺ یہ تو آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں، یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، اور فرمایا زبیر! تم پانی پلاؤ، پھر پانی کو روکے رکھو، یہاں تک کہ باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے، پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو، پہلے تو نبی کریم ﷺ نے ایک ایسی صورت نکالی تھی کہ جس میں زبیرؓ کو تکلیف نہ ہو، اور انصاری کو کشادگی ہو جائے۔ لیکن جب انصاری نے اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو رسول پاک ﷺ نے زبیر کو ان کا پورا حق دلوایا۔ زبیرؓ فرماتے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے یہ ایت (فلا وربک ، الخ) اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ تفسیر بحر محیط میں ہے کہ اس ایت سے یہ مسئلہ نکلا کہ لفظ: ﴿فیما شجر﴾ صرف معاملات اور حقوق کے ساتھ متعلق نہیں، عقائد، نظریات، اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ سے قولا یا عملا ثابت ہو اس کے کرنے سے دل میں تنگی محسوس کرنا بھی ضعف ایمان کی علامت ہے۔ ایت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ رسول پاک ﷺ امت کے صرف مصلح اور اخلاقی رہبر ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک عادل حاکم بھی تھے۔ پھر حاکم بھی اس شان کے، کہ آپ ﷺ کے فیصلہ کو ایمان و کفر کا معیار قرار دیا گیا۔ اس لئے ہر مسلمان کا فرض کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کے بجائے دونوں فریق رسول پاک ﷺ کی طرف اور آپؐ کے بعد آپؐ کی شریعت کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل تلاش کریں۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ شعبی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک یہودی اور منافق کا کسی چیز کے متعلق جھگڑا ہو گیا، یہودی نے منافق سے کہا کہ محمد ﷺ کے پاس یہ مقدمہ لے چلو، جو وہ فیصلہ کر دیں وہ مجھے منظور ہے، کیونکہ یہودی یہ جانتا تھا کہ آپ ﷺ رشوت لے کر فیصلہ نہیں کرتے، منافق نے کہا نہیں، یہودیوں کے حکام کے پاس چلو ان سے فیصلہ کرائیں گے، کیونکہ منافق جانتا تھا کہ یہود کے علماء و حکام رشوت لے کر حق کو ناحق کر دیتے ہیں، آخر کار وہ اپنا جھگڑا لے کر دربار محمدی ﷺ میں آئے، آپؐ نے فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا، لیکن منافق اس پر راضی نہ ہوا، اور کہنے لگا ہمیں یہ فیصلہ عمر فاروقؓ سے کرانا چاہئے، اس کا خیال تھا کہ عمرؓ یہودیوں پر بہت سخت ہیں، وہ ضرور میرے حق میں فیصلہ کریں گے، چنانچہ جب یہ دونوں عمرؓ کے پاس گئے، اور اپنا مقدمہ سنایا، تو یہودی نے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ محمد ﷺ نے اس مقدمے کا فیصلہ میرے حق میں کیا ہے، عمرؓ نے یہ سن کر کہا، اچھا تم دونوں ٹھہرو میں ابھی تمہارا فیصلہ کئے دیتا ہوں، عمرؓ اندر گئے، تھوڑی دیر میں تلوار تانے آ گئے، اور منافق کی گردن اڑا دی، اور فرمایا: ھذا قضاء من لم یرض بقضاء رسول اللہ ﷺ، یعنی جو شخص رسول اللہ کے فیصلے سے راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے۔ اب مقتول کے وارثوں نے عمرؓ کے خلاف قصاص کا دعوی کر دیا، لیکن اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرما کر عمرؓ کے فیصلے کو درست قرار دیا۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ

اور اگر ہم انہیں حکم دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھر چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے ہی ایسا کرتے،

إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ

اور اگر یہ اُس نصیحت پر کاربند ہوتے جو ان کو کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور (دین میں) زیادہ

تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾ وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾

ثابت قدمی کا موجب ہوتا ۔ اور ہم ان کو اپنے ہاں سے اجرِ عظیم بھی عطا فرماتے ۔

وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ

اور سیدھا رستہ بھی دکھاتے ۔ اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) اُن لوگوں

مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ

کیساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید۔

وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ

اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا

اور اللہ جاننے والا کافی ہے ۔مومنو! (جہاد کیلئے) ہتھیار لے لیا کرو پھر یا تو جماعت جماعت ہو کر نکلا کرو

ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُوا جَمِيعًا ﴿٧١﴾ وَإِنَّ مِنكُمْ لَمَن لَّيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَتْكُم

یا سب اکٹھے کوچ کیا کرو ۔ اور تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ (عمدًا) دیر لگاتا ہے پھر اگر تم پر کوئی

مُّصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُن مَّعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٧٢﴾

مصیبت پڑ جائے تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی کہ میں ان میں موجود نہ تھا

وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَأَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ

اور اگر اللہ تم پر فضل کرے تو اسی طرح سے کہ گویا تم میں اس میں دوستی تھی ہی نہیں (افسوس کرتا اور) کہتا ہے کہ کاش میں بھی

يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ان کیساتھ ہوتا تو مقصدِ عظیم حاصل کرتا۔ تو جو لوگ آخرت (کو خریدتے اور اُس) کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچنا چاہتے ہیں

الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ

اُن کو چاہیئے کہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اور جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر شہید ہو جائے

أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ

یا غلبہ پائے تو ہم عنقریب اُس کو بڑا ثواب دیں گے ۔ اور تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ

اور اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے ۔

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا

جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس شہر سے، جس کے رہنے والے ظالم ہیں، نکال کر کہیں اور لے جا

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما ۔

اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

جو مومن ہیں وہ تو اللہ کیلئے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ بتوں کیلئے لڑتے ہیں

الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْا أَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾

سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

بھلاتم نے اُن لوگوں کونہیں دیکھا جن کو (پہلے یہ) حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رہو[۱۳] اور نماز پڑھتے

مسئلہ رفع الیدین۔

[۱۳] اس آیت کریمہ کا تفسیر تمام مفسرین نے یہ کیا ہے کہ کف الید سے مراد یہاں جنگ سے روکنا ہے اور اس کا تائید اسی سورۃ کا [۹۱] آیت ہے جبکہ مستدرک [۲/۳۰۷] اور نسائی نے [مجتبیٰ: ۲/۶، کبریٰ: ۴/۲۶۵] میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا واقعہ سبب نزول نقل فرمایا ہے، جو کہ اس تفسیر کو مزید تقویت دیتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور آپ کے ساتھی مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں، اور کہتے ہیں اے نبی اللہ! ہم کفر کی حالت میں ذی عزت تھے، آج اسلام کی حالت میں ذلیل سمجھے جانے لگے (مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ کی حکم برداری ضروری ہے، اور آپ ﷺ مقابلہ سے منع کرتے ہیں، جس سے کفار کی جرأت بڑھ گئی ہے، اور وہ ہمیں ذلیل کرنے لگے ہیں، تو آپ ﷺ ہمیں مقابلہ کی اجازت کیوں نہ دیں) لیکن آپ ﷺ نے جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ ہم درگزر کریں، خبردار کافروں سے جنگ نہ کرنا۔ پھر مدینہ کی ہجرت ہوئی اور یہاں جہاد کے احکام نازل ہوئے، تو لوگ رکنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن کثیر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے منافقوں کا ذکر کیا ہے تفصیل کے لئے مواہب الرحمٰن، کبیر اور روح المعانی دیکھیں، حاصل یہ ہے کہ کسی بھی تفسیر نے ''کف الید'' سے عدم رفع الیدین کے لئے استدلال نہیں کیا، مگر بعض متعصّب مقلدین اس آیت سے عدم رفع الیدین کے لئے استدلال کرتے ہیں، قاضی عیاض نے اکمال المعلم: [۲/۳۴۴]، محمد بن خلیفۃ الأبّی نے اکمال اکمال المعلم: [۲/۳۲۲] میں اور محمد بن یوسف السنوسی نے مکمل اکمال الاکمال [۲/۳۲۲] میں لکھا ہے کہ: **وقد ذکر ابن القصار هٰذا الحديث حجة فی النهی عن رفع الايدی فی الصلاة علیٰ رواية المنع من ذالک جملة، وذکر ان فی ذالک نزلت هٰذه الاية، والمفسرون فی سبب نزول الآية علیٰ غير هذا.** حاصل یہ ہے کہ ابن قصار نے جمہور مفسرین سے خلاف کرتے ہوئے اس آیت سے عدم رفع الیدین کے لئے استدلال کیا ہے، ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ اس صاحب کو منہ توڑ جواب دیں۔ مذکورہ حوالہ جات سے یہ معلوم ہوا کہ بعض متعصبین اس آیت کی طرح ایک حدیث سے جو کہ

جابر بن سمرہؓ سے منقول ہے، سے عدم رفع الیدین کے لئے استدلال کرتے ہیں، تو ہم دونوں مستدلات سے یکجا جواب دیتے ہیں، وہ حدیث یہ ہے,, **عن جابر بن سمرةؓ قال خرج علينا رسول الله ﷺ فقال: مالي اراكم رافعي ايديكم، كأنها اذناب خيل شمس، اسكنوا في الصلاة**: [مسلم: ۱/۱۸۱، رقم ۴۳۰، ۱۲۱] یعنی رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، اور فرمایا، میں تمہیں ہاتھ اٹھائے ہوئے اس طرح دیکھتا ہوں جیسے شریر گھوڑوں کی دمیں ہوتی ہیں، نماز میں سکون اختیار کرو۔ تو اس حدیث سے پہلا جواب وہ ہے، جو کہ آیت سے ہم نے کیا، جیسا کہ آیت کا وہ معنیٰ نہیں تھا، اور قرآن کریم نے خود اس کا وضاحت کیا، اسی طرح یہ حدیث خود بخود بیناؤں کے لئے وضاحت کرتا ہے، یہ حدیث امام مسلم نے ؛ رقم ۱۲۱، ۴۳۰، پر درج ذیل طریقہ سے نقل کیا ہے۔ جابرؓ فرماتا ہے، ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے ، تو ختم نماز پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا، تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟ تم اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کرتے ہو، جیسے شریر گھوڑوں کی دمیں ہوتی ہیں۔ تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے بھائی کی طرف منہ کر کے صرف زبان سے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہے، اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔ تو اس سے خود بخود معنیٰ حدیث ظاہر ہوئی۔ لہٰذا اس حدیث کے ساتھ استدلال بالکلیہ مردود ہے یہی جواب امام بخاری جزء رفع الیدین: ص: ۱۰۰، میں بیان فرماتا ہے۔

بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ حقیقت میں یہ حدیثیں دو ہیں، ایک تو مذکورہ ہے، جس میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، الحدیث۔ جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ ہم نماز میں مشغول تھے، اور رسول اللہ ﷺ نکل آئے، جسکے الفاظ ایسے ہیں، **دخل رسول الله ﷺ، وفي رواية خرج علينا رسول الله ﷺ** ۔ اور ساتھ ساتھ یہ دھوکہ بھی دیتے ہیں، کہ اس حدیث کا حوالہ مسند احمد پر دیتے ہیں، حالانکہ یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، نسائی، جبکہ ان کے امام، امام طحاوی نے بھی نقل کیا ہے۔ یہ دجل اس لئے کرتے ہیں، کہ امام مسلم اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے ان دونوں احادیثوں کو ایک ہی باب میں نقل کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں احادیث کے الفاظ میں اگر چہ فرق ہے لیکن معنیٰ ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق بوقت سلام رفع الیدین سے ہے، اس لئے کہ امام مسلم نے ان حدیثوں پر باب باندھا ہے: **باب الامر بالسكون في الصلاة، والنهي عن الاشارة باليد، ووضعها عند السلام**. اور ابوداؤد نے لکھا ہے، باب فی السلام، امام نسائی نے سنن کبریٰ: ۲/۳۳، میں لکھا ہے، **السلام بالايدي في الصلاة**، اور اسی طرح مجتبیٰ: ۳/۴، میں اور امام طحاوی نے اس روایۃ کو مشکل الاثار: ۱۵/۱۶۸، میں، **باب النبي ﷺ حامل امامةؓ في**

الصلاۃ اور معانی الاثار : ۱/ ۵۸۷ :باب الاشارۃ فی الصلاۃ، میں نقل کیا ہے، جبکہ اس باب میں لکھتا ہے:

فلما امر رسول اللہ ﷺ بالسکو ن فی الصلاۃ، وکا ن رد السلام بالاشار ۃفیه خرو ج من ذالک ، الخ ،اورایسی عبارت مشکل الاثار میں بھی لکھا ہے۔امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں اس حدیث پر ایسا عنوان لکھا ہے :با ب کراھت الاماء بالید عندالتسلیم ، جبکہ حنفیوں کے امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ نے کتاب الحجۃ :۱/۱۴۳، میں اس حدیث پر ایسا عنوان ذکر کیا ہے :باب التشھدو السلام علیٰ النبی ﷺ ،اور علی المتقی نے کنزالعمال :۷/ ۳۴۰، میں لکھا ہے،باب منع الاشارۃ بالید وقت الصلاۃ ،ان علماء کے عنوانات سے یہ واضح ہوا کہ حدیث کا معنیٰ کیا ہے۔ اورامام نووی شرح مہذب :۳/ ۴۳۰، میں ایسوں کے متعلق فرماتا ہے,,واما احدیث جابر بن سمرۃؓ فاحتجاجھم من اعجب الاشیاء، واقبح انوا ع الجھالة بالسنة ،لان الحدیث لم یر د فی رفع الایدی فی الرکو ع والرفع منه، ولکنھم کانو یرفعون ایدیھم فی حالة السلام من الصلاۃ، ویشیرون بھا الیٰ الجانبین، یریدون بذالک السلام علی من عن الجانبین ،وھذالاخلاف فیه بین اھل الحدیث ومن له ادنیٰ اختلا ط بالحدیث ۔اورابن حبان اس حدیث کوذکر کرنے کے بعد دوسرا عنوان لکھتا ہے،باب ذکر الخبر المقتضی للفظةالمختصرۃالتی تقد م ذکرنالھا بأن القوم انما امروا بالسکون فی الصلاۃ عند الاشارۃ بالتسلیم دون رفع الیدین عند الرکو ع . بطور، ارخاء العنان ،اگر یہ آیت اور حدیث عدم رفع الیدین پر دلیل ہے،تو ہم عندالرکوع اور رکعتین سے اٹھنے کے وقت نہیں کرینگے،لیکن مستدلین کو چاہیئے کہ وہ تکبیر تحریمہ، وتر،اور عیدین میں نہ کریں،اگر مذکورہ رفع الیدین اس حدیث کے ساتھ منسوخ ہے،تو درج بالا تینوں رفع الیدین بطریق اولیٰ ممنوع ،منسوخ ہیں۔جوان کا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہوگا،اگر ان مواضع کی تخصیص دوسرے احادیث کے ساتھ ہیں تو رکوع والے رفع الیدین کی تخصیص بھی متواتر احادیث کے ساتھ ہے۔

ان میں بعض کہتے ہیں کہ ہم لفظ’’اسکنوا فی الصلاۃ‘‘ سے استدلال کرتے ہیں،کہ نماز میں اصل سکون اور حرکات نہ کرنا ہے،تو اس کا بھی جواب وہی ہے،مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ رکوع ،سجود،اور قعدے بھی نہ کریں،اس لئے کہ امر مطلق ہے۔اوراُبی وسنوسی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ وھی التی لاتستقر عند النحس وتشیر بذنبھا الی الیمین والشمال ،اوریہی معنی امام ابوالعباس قرطبی نے مفہم میں بھی کیا ہے،جبکہ اس حدیث کی بعض طرق میں ہے۔یمنا وشمالا[مسلم وبزار:۱۰/۲۰۴]۔اورمبارکپوری شرح مسلم میں لکھتا ہے،لوکان فیه الانکار علیٰ رفع الیدین

قبل الرکوع وبعده، لکان فیه تقبیح بعد تشریع بلاتقدیم النهی، وھو غیر معقول ۔مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ اس آیت کریمہ اور حدیث کا مسئلہ رفع الیدین سے دور کا تعلق بھی نہیں، مسئلہ مذکورہ اگرچہ علماء کرام کے درمیان اختلافی ہے لیکن اثبات رفع الیدین کی متعلق جو روایات ہیں، وہ زیادہ، اصح اور قوی ہیں، جبکہ اس کے راوی بھی وہ صحابہ کرام ہیں جو کہ افقہ تھے، اس دعوی کی اثبات کے لئے ہم جانبین کے دلائل پیش کرتے ہیں، جبکہ نتیجہ آپ خود بخود اخذ کرینگے۔ پہلے ہم مثبتین کے روایات نقل کرتے ہیں۔ چونکہ اس باب میں عبداللہ بن عمرؓ کا روایت زیادہ پیش پیش ہے، اس لئے ہم اس کو اولاذکر کرتے ہیں:

,,عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح الصلوٰۃ، واذا کبر للرکوع، واذا رفع رأسه من الرکوع رفعھما، وقال سمع اللہ لمن حمده ربنا لک الحمد، وکان لایفعل ذالک فی السجود:[بخاری مع الفتح :۲/۲۱۹،مسلم : ۱/۲۹۳،ابوداؤد : ۱/۲۷۶،ترمذی : ۲/۱۵۹،ابن ماجة :رقم :۸۵۸،سنن نسائی : ۲/۱۳۱،مسند احمد :۸/۱۴۵،وغیرہ]۔ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ جب نماز کو شروع کرتے، تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے، اسی طرح جب رکوع کی تکبیر کہتے، جب رکوع سے سر اٹھاتے، تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھاتے، اور سمع اللہ لمن حمده ربنالک الحمد کہتے، اور سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے تھے۔

۱۔ عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت مختلف طرق سے نقل کی گئی ہے، مذکورہ سند سب سے زیادہ معتمد اور صحیح ہے۔ بعض نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت مسند حمیدی میں اس طرح ہے ,,حدثنا الحمیدی قال ثنا الزھری قال اخبرنی سالم بن عبد اللہ عن ابیه قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه حذو منکبیه ،واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع رأسه من الرکوع، فلایرفع ،ولا بین سجدتین۔

تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اس نسخہ میں متنازعہ عبارت محرف ہے، اس لئے کہ یہ عبارت مسند حمیدی کے تمام قلمی نسخوں میں اسی طرح موجود نہیں، بلکہ کچھ یوں ہے کہ: رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه حذو منکبیه، واذا اراد ان یرکع، وبعد ما یرفع رأسه من الرکوع ،ولایرفع بین السجدتین. یہ عبارت نسخہ ظاہریہ کی ہے، جس کو شک ہو تو مسند حمیدی کی قلمی نسخہ کا عکس (جامعہ کی مکتبہ) میں ملاحظہ فرمائیں، اور یہی نسخہ جس میں مذکورہ بالا عبارت ہے اس کے محقق حبیب الرحمان اعظمی نے خود بعض مقامات پر اعتراف کیا ہے، کہ اس نسخہ میں تحریفات ہیں۔ اور خود یہ سند بھی آپ

ملاحظہ کیجئے کہ اس میں حمیدی نے یہ حدیث زہری سے نقل کیا ہے اور دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے، جو جواب یہ لوگ کرتے ہیں وہی ہمارا جواب ہے۔اور کتاب المستخرج لابی نعیم الاصبهانی : ۲/۱۲ ا، میں اسی سند کے ساتھ یہ روایت منقول ہے، جو کہ نسخہ ظاہریہ کی موافق ہے، اور اسی طرح مسند ابی عوانہ میں بھی یہ روایت محرف اور غلط پیش کیا ہے کہ:قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذاافتتح الصلاة رفع یدیه حتیٰ یحاذی بهما،وقال بعضهم :حذو منکبیه، واذا ارادأن یرکع ،وبعد مایرفع رأسه من الرکوع لایرفعهما:[۲/۹۹] ۔اس نسخہ سے حرف واو گرائی گئی ہے، اس لئے کہ مسند ابی عوانۃ کے قلمی نسخوں میں موجود ہے، جبکہ ابوعوانہ نے اس حدیث پر جو عنوان لکھا ہے وہ بھی اسی پر شاہد ہے کہ:بیان رفع الیدین فی افتتاح الصلوٰۃ قبل التکبیر بحذاء منکبیه، وللرکوع، ولرفع رأسه من الرکوع، وانه لایرفع بین السجدتین ۔

دیگر جواب یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے پہلے علماء مثلاً امام طحاوی، زیلعی ،وغیرہ نے عدم رفع الیدین کے حق میں یہ روایت پیش نہیں کیا۔

بعض یہ روایت پیش کرتے ہیں جو کہ مدونۃ الکبری:۱/۶۹، میں ابن عمرؓ سے منقول ہے:ابن وهب عن مالک بن انسؒ عن ابن شهاب عن سالم بن عبداللہ عن ابیه ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیه حذو منکبیه اذا افتتح التکبیر للصلاۃ ۔عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رفع الیدین اپنے کاندھوں کے برابر اس وقت کرتے تھے جب نماز شروع کرتے تھے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے، اس میں رکوع سے پہلے اور بعد کے رفع الیدین کا ذکر نہیں۔جبکہ یہی روایت امام مالکؒ نے مؤطا:۱۳۳، رقم ۵۹، پر نقل کیا ہے، اور التمہید :۹/۲۱۰، میں بھی اسی طرح ہے۔جبکہ عدم ذکر نفی ذکر (عدم وجود) کے لئے مستلزم نہیں ہوتا۔

بعض یہ روایت نقل کرتے ہیں:۔عن عبداللہ بن عون الخرازثنا مالک عن الزهری عن سالم عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ کان یرفع یدیه اذاافتتح الصلوٰۃ ثم لایعود ۔عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ رفع الیدین اس وقت کرتے تھے، جب نماز شروع کرتے، پھر رفع الیدین کرنے کے لئے نہ لوٹتے تھے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کے ساتھ استدلال کرنا باطل ومردود ہے، جیسے کہ امام ابومحمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی نصب الرایہ:[۱/۴۰۷] میںؒ فرماتے ہیں:هذاباطل موضوع ،ولایجوزان یذکر الا علی سبیل

القدح، فقد روينا بالاسانيد الصحيحة عن مالك بخلاف هذا، ولم يذكر الدارقطنی هذا فی غرائب حديث مالك۔

یہ (روایت) باطل، موضوع ہے، اس کا ذکر سوائے اسے برا کہنے کے جائز نہیں ہے، تحقیق یہ ہے کہ صحیح اسانید کے ساتھ امام مالکؒ سے اس کے خلاف (رفع الیدین) ہم تک روایت کیا گیا ہے۔ اور مختصر الخلافیات: [۳۸۵/۱] میں ابن ابی لیلیٰ سے ابن عمر کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ,,ابن ابی ليلیٰ عن نافع عن ابن عمرؓ (رفعه قال) ترفع الايدی فی سبعة مواطن، عندافتتاح الصلاة، واستقبال البيت، والصفا والمروة، والوقفين، والجمرتين۔

رفع الیدین سات مقامات پر کیا جاتا ہے ابتداء نماز کے وقت، بیت اللہ کی زیارت کے وقت، صفا اور مروہ پہاڑی پر قیام کے وقت، وقوف عرفہ اور مزدلفہ کے وقت، رمی الجمار کے وقت۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں ابن ابی لیلیٰ ہے، جس کے متعلق مختصر الخلافیات: ۳۸۶/۱] میں امام حاکم سے نقل کرتا ہے، تفرد ابن ابی ليلیٰ بروايته، وقد اتفق اهل الحديث علی ترك الاحتجاج بروايته، مزید تفصیل حدیث ابن عباسؓ میں آئیگا۔

بعض لوگ ایک روایت کتاب اخبار الفقہاء والمحدثین سے نقل کرتے ہیں، اس کتاب کے :ص: ۲۱۴: میں عثمان بن سوادۃ کے متعلق لکھتا ہے کہ ,,وكان يحدث بحديث رواه مسندا فی رفع اليدين، وهو من غرائب الحديث، واراه من شواذها، حدثنی عثمان بن محمد قال قال لی عبيدالله بن يحیٰ، حدثنی عثمان بن سوادة ابن عباد عن حفص بن ميسرة عن زيد بن اسلم عن عبدالله بن عمرؓ قال كنا مع رسول الله ﷺ بمكة، نرفع ايدينا فی بدأ الصلاة، وفی داخل الصلاة عند الركوع، فلما هاجر النبی ﷺ الی المدينة ترك رفع اليدين فی داخل الصلاة عند الركوع، وثبت علیٰ رفع اليدين فی بدء الصلاة .الخ.

ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھے، تو ہم رفع الیدین کرتے تھے نماز کی ابتداء میں، اور نماز کے اندر رکوع کے وقت، اور جب نبی ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، تو نبی ﷺ نے نماز کے اندر رکوع والا رفع الیدین چھوڑ دیا، اور ابتداء کی رفع الیدین پر آپ ﷺ ثابت رہے، حتیٰ کہ آپ ﷺ وفات پائے۔ اس حدیث کا جواب خود اس کتاب میں موجود ہے، لیکن عربی میں ایک مثال مشہور ہے کہ " صاحب الغرض مجنون "اور پشتو میں بھی ایک مثال ہے کہ: صاحب غرض اندھا ہوتا ہے، یعنی اس کتاب والے نے لکھا ہے کہ یہ غریب حدیثوں میں سے ہے،

اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ شاذ روایتوں میں سے ہے، مزید تفصیل کے لئے ماہنامہ الحدیث نمبر[۱۱] ملاحظہ کیجئے۔

ایک روایت مجاہد سے منقول ہے کہ,, ابو بکر بن عیاش عن حصین عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمرؓ فلم يكن يرفع يديه الا فى التكبيرة الاولىٰ من الصلوٰة ،، کہ میں نے ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی، تو وہ صرف تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے، کہ امام بخاری نے اس حدیث کے متعلق یحیٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ: حديث ابى بكر عن حصين انما هو توهم لااصل له ۔یعنی ابوبکر کی حصین سے روایت اس کا وہم ہے اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے ۔بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا مرکزی کردار ابوبکر بن عیاش ہے، اور وہ متکلم فیہ ہے، جبکہ خود نصب الرایہ :۴۰۹/۱، میں یہ تصریح موجود ہے، کہ ابوبکر بن عیاش آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ یہ روایت محمد بن الحسن نے مؤطا:۹۲، میں نقل کیا ہے اس سند سے,,اخبرنا محمدبن ابان بن صالح عن عبد العزيز بن حكيم قال رأيت ابن عمرؓ يرفع يديه حذاء اذنيه فى اول تكبيرة افتتاح الصلوٰة، ولم يرفعهمافيما سوى ذالک۔

تو اس میں محمد بن ابان راوی ہے جو کہ باتفاق علماء ضعیف ہے۔جبکہ امام بخاری اس روایت سے جوابات کرتے ہوئے یہ بھی نقل کرتا ہے، کہ مجاہد خود رفع الیدین کرتے تھے، اب احناف اپنی قاعدہ کو یاد رکھیں۔

عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت مشہور ہے کہ آپؓ جس شخص کو دیکھتے کہ رکوع سے پہلے اور بعد، رفع الیدین نہیں کرتا تو اسے کنکریوں سے مارتے تھے۔ یہ روایت مسند حمیدی:۲/۲۷۷، میں نقل ہے کہ,,حدثنا الحميدى قال ثنا الوليد بن مسلم قال سمعت زيد بن واقد يحدث عن نافع، ان عبدالله بن عمرؓ كان اذاابصر رجلا يصلى لايرفع يديه كلما خفض ورفع ،حصبه حتى يرفع يديه،، اس کو امام بخاری نے جزء رفع الیدین:[۵۳] میں اور ابن عبد البر نے تمہید :[۲۲۴/۹] میں اور مسائل امام احمد (روایت عبداللہ)[۷۰] میں اور دارقطنی نے :[۲۸۹/۱] میں اور حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث :۲۱۸، میں اور سہمی نے تاریخ جرجان :[۴۳۳] میں نقل کیا ہے ۔اب ناظرین خود سوچیں کہ عبداللہ بن عمرؓ سے کونسی روایت صحیح ہے۔

(۲) روایت مالک بن حویرثؓ :۔عن ابى قلابة انه رأى مالک ابن حويرثؓ اذا صلى كبر ورفع يديه ، واذا راد ان يركع رفع يديه، واذا رفع رأسه من الركوع رفع يد يه ،وحدث ان رسول الله ﷺ صنع هٰكذا۔[صحیح البخاری:۱۰۲/۱، مسلم:۲۹۳/۱، ترمذی مع التحفہ :۱۱۰/۲۔ابوداؤد:۲۸۵/۱، نسائی:۱۸۲/۲، ۱۹۴، ابن ماجۃ:

١/٤٦٥ ،مسند احمد:٢٤/١٦٦] ابوقلابہ فرماتے ہیں کہ مالک بن حویرثؓ جب نماز پڑھتے ،تو تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے ،اور جب رکوع کرتے تو رفع الیدین کرتے ،اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے ،اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

(٣) روایت وائل بن حجرؓ:۔عن وائل بن حجرؓ انه رای النبی ﷺ رفع یدیه حین دخل فی الصلوٰة کبّر، وصف همام حیال اذنیه ،ثم التحف بثوبه، ثم وضع یده الیمنی علی الیسری، فلما اراد ان یرکع اخرج یدیه من الثوب، ثم رفعهما، ثم کبر فرکع ،فلما قال سمع الله لمن حمده رفع یدیه ،فلما سجد سجد بین کفیه .مسلم:رقم: ٤٠١/٤،[ابوداؤد : ٢٧٦/١،سنن نسائی : ١٢٦/٢ ،سنن کبری مع الجوهر النقی : ٧١/٢،معرفة السنن والاثار : ٥٤٣/١،مصنف ابن ابی شیبة : ٢٣٥/١،دار قطنی : ٢٩٣/١،جزء رفع الیدین :ص: ٦٠،٨٣،١٤٥ ،التمهید لابن عبد البر : ٢٢٧/٩]. وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نماز میں داخل ہوئے جب تکبیر کہی رفع الیدین کیا، ہمام نے کانوں تک بیان کیا، پھر کپڑا لپیٹ لیا، اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دیا، اور جب رکوع کا ارادہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ کپڑے سے نکالے اور رفع الیدین کیا، پھر تکبیر کہی اور رکوع کیا، اور سمع الله لمن حمده کہا، (یعنی رکوع سے کھڑے ہوئے) تو رفع الیدین کیا، پس جب سجدہ کیا تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا۔

اس روایت کے بارے میں مسند امام اعظم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ:,,وفی روایة، ذکر عنده وائل حجرؓ انه رای النبی ﷺ رفع یدیه عند الرکوع، وعند السجود، فقال هو اعرابی ،لایعرف الاسلام ،لم یصل مع النبی الا صلوٰة واحدة۔یعنی اس حدیث پر ان کے دو اعتراض ہیں(١) وائلؓ اعرابی یعنی بدو تھے(٢) انہوں نے نبی ﷺ کو صرف ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔اس کے جواب میں ہم ان کے مختصر احوال ذکر کرتے ہیں ۔آپ یمن کے عظماء میں سے تھے،اور بادشاہوں کی اولادوں میں سے تھے،رسول اللہ ﷺ نے آپ کے آنے سے تین دن پہلے آپ کی بشارت دی تھی، ٩ھ میں جو وفود نبی ﷺ کے پاس آئے تھے، ان میں وائلؓ کی آمد کا ذکر ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ:٧١/٥، میں کیا ہے، اس سے اگلے سال یعنی [١٠] ہجری میں آپ دوبارہ آئے تھے، صحیح ابن حبان :[٣/ ١٦٨] باقی صحابہ کرامؓ کا مقام بہت بلند ہے، اور کسی کی دفاع کا محتاج نہیں۔

(٤) روایت ابی حمید الساعدیؓ:۔قال عبد الحمید بن جعفر حدثنا محمد بن عمرو بن عطاء قال

سمعت اباحميد الساعدیؓ فی عشرة من اصحاب النبی ﷺ ،فیهم ابوقتادةؓ ،فقال ابو حمید انی اعلمکم بصلاة رسول الله ﷺ، قالوا لم ؟فوالله ماکنت اکثرله تبعا ولااقدمنا له صحبة ؟قال بلی، قالوا فاعرض، قال کان رسول اللهﷺ اذا قام الیٰ الصلوٰة کبّر، ثم رفع یدیه حتیٰ یحاذی بهما منکبیه ،ویقیم کل عظم فی موضعه ،ثم یقرأ ،ثم یرفع یدیه حتیٰ یحاذی بهما منکبیه، ثم یرکع ویضع راحتیه علیٰ رکبتیه ،معتدلا لایصوّب رأسه، ولایقنع به (ثم یرفع رأسه فیه)یقول سمع الله لمن حمده، ویرفع یدیه حتیٰ یحاذی بهما منکبیه (قال زبیر :فذکر الحدیث ثم قال)ثم اذا قام من الرکعتین رفع یدیه حتیٰ یحاذی بهما منکبیه ،کما صنع عند افتتاح الصلوٰة (قال زبیر :ثم ذکر الحدیث وفیه)فقالوا صدقت، هٰکذا کان یصلی النبی اللهﷺ :[ابوداؤد: ١/ ٢٧٨،سنن الترمذی : ١/ ٦٧،سنن الکبریٰ للبیهقی مع الجوهرالنقی : ٢/ ٧٢،معرفة السنن والاثار: ١/ ٥٤٤،مصنف ابن ابی شیبة: ١/ ٢٣٥،جزء رفع الیدین :٣٧]۔

عبدالحمید بن جعفر نے کہا میں نے محمد بن عمرو بن عطاء سے سنا،اس نے کہا: میں نے ابوحمید الساعدی سے دس صحابہ کرامؓ میں سنا جن میں ابوقتادہؓ بھی تھے ،ابوحمید الساعدیؓ نے کہا، میں تم میں سب سے زیادہ رسول اللہﷺ کی نماز کو جانتا ہوں ۔انھوں نے کہا: آپ نہ تو ہم سے پہلے مسلمان ہوئے ،نہ ہم سے زیادہ آپﷺ کی صحبت اختیار کی ہے (اور نہ ہم سے زیادہ ان کی اتباع کی ہے)ابوحمید نے کہا: یہ بات ٹھیک ہے،تو انھوں نے کہا، اچھا پھر پیش کریں،ابوحمیدؓ نے فرمایا جب رسول اللہﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے ،اور اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے ،اور ہر جوڑ اپنی جگہ پر ٹھر جاتی ، پھر قرأت کرتے ، پھر اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے ، پھر رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے ،رکوع میں نہ سر اونچا رکھتے نہ نیچا، پھر سر اٹھاتے اور سمع الله لمن حمده کہتے ،اور دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے ۔۔۔۔پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوتے ،تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھاتے ، دس کے دس صحابہ کرامؓ نے کہا سچ ہے نبیﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

(٥) روایت علیؓ:۔قال سلیمان بن داؤد الهاشمی اخبرنا عبدالرحمٰن بن ابی الزناد عن موسیٰ بن عقبة عن عبدالله بن الفضل الهاشمی اخبرنا عبدالرحمٰن الاعرج عن عبیدالله ابن ابی رافع عن علی ابن ابی طالبؓ عن النبی ﷺ انه کان اذا قام الی الصلوٰة المکتوبة کبّر، ورفع یدیه حذو منکبیه،

ویصنع مثل ذالک اذا قضیٰ قراته، واراد ان یرکع ،ویصنعه اذا رفع من الرکوع ،ولایرفع یدیه فی شیء من صلاته وهو قاعد ،واذا قام من السجدتین رفع یدیه کذالک و کبر:[ابوداؤد: ۱/ ۲۸۵،ترمذی مع التحفة: ۹/ ۳۵۳. وقال الترمذی بعدنقل هذاالحدیث بطوله ...هذا عندنا مثل حدیث الزهری عن سالم عن ابیه:۳۵۵/۹، بخاری فی رفع الیدین:۳۹، والسنن الکبریٰ:۲/۴/۲۷، معرفۃ السنن :۱/۵۴۶،ابن ماجۃ :۱/۴۶۸، سنن کبری :۲/۴۷، الاوسط لابن المنذر :۳/۱۳۷، دارقطنی :۱/۲۹۰، جزء رفع الیدین:۴۲، مسند احمد:۲/۱۲۳]۔

جبکہ ابن ابی حاتم نے علیؓ سے نقل کیا ہے کہ فرشتے بھی رفع الیدین کرتے ہیں:حدثنا وهب بن ابراهیم حدثنااسرائیل بن حاتم المروزی حدثنامقاتل بن حبان عن الاصبغ بن نباته عن علی بن ابی طالبؓ قال لمانزلت هذه السورة علی النبی ﷺ، ﴿انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر﴾قال رسول الله ﷺ یاجبرئیل ماهذه النحیرة التی امرنی بهاربی؟فقال لیست بنحیرة، ولکنه یأمرک اذا تحرمت للصلوٰة ارفع یدیک، اذاکبرت واذارکعت واذارفعت رأسک من الرکوع واذا سجدت فانها صلوتنا وصلوٰة الملائکة الذین فی السمٰوٰت السبع، وان لکل شیء زینة وزینت الصلوٰة رفع الیدین عندکل تکبیرة .تفسیرابن ابی حاتم: ۱۰/ ۳۴۷۰،مستدرک: ۳/ ۳۹، بیهقی فی السنن الکبری: ۲/ ۵ ،المعجم لابن الاعرابی: ۲/ ۴۹۹ ۔علیؓ کہتے ہیں: کہ جب سورۂ کوثر اتری تو نبی کریم ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ ''وانحر'' سے کیا مراد ہے؟ توانہوں نے کہا:اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتے ہیں کہ جب تو نماز شروع کریں تو رفع یدین کر،اور جب رکوع کرے تو بھی،اور جب رکوع سے اٹھے تو بھی،یہی ہماری نماز ہے اور ساتوں اسمانوں کے فرشتوں کی بھی یہی نماز ہے۔

علیؓ سے ایک موقوف روایت منقول ہے جو کہ امام طحاوی نے:۱/۱۳۲،اور جزء رفع الیدین:۴۴،اور موَطا:۹۰، میں نقل کی ہے کہ:حدثنا ابو بکر النهشلی عن عاصم بن کلیب عن ابیه ان علیاًؓ کان یرفع یده فی اول تکبیرة من الصلوٰة ثم لایرفع بعد .

تو اس کا جواب یہ ہے کہ علیؓ سے روایت رفع بسند صحیح گذر چکی ہے، احناف اس کے خلاف انکا یہ عمل پیش کیا کرتے ہیں، حالانکہ اسکی سند میں عاصم ہے جو منفرد ہے،اور وہ تفرد کی حالت میں حجت نہیں، جیسے امام ابن المدینی

کا قول اس کے بارے میں مشہور ہے، اور حنفیہ کو بھی یہ تسلیم ہے، اور ثقہ ہونا انکے قول کے منافی نہیں، امام بخاری جزء رفع الیدین میں فرماتے ہیں، قال عبدالرحمٰن ابن مهدی ذکرت للثوری حدیث النهشلی عن عاصم بن کلیب فانکره . میزان میں ہے کان من العباد الاولیاء ،لکنه مرجئیی وثقه یحی بن معین وغیره، وقال ابن المدینی لایحتج بماانفرد به : اسی وجہ سے تخریج میں زیلعی نے امام دارمی کا قول نقل کیا ہے:وماروی عن علی بخلاف ذالک فطرقه واهية : یعنی حدیث رفع الیدین کے ماسوا جو کچھ علیؓ سے مروی ہے اس کے جملہ طرق کمزور ہیں۔

(۶) روایت ابی ہریرۃؓ: .قال ابوداود حدثنا عبد الملک بن شعیب بن اللیث حدثنی ابی عن جدی عن یحیٰ عن عبد الملک عن ابن شهاب عن ابی بکر بن عبدالرحمٰن عن ابی هریرةؓ انه قال کان رسو ل اللهﷺ اذاکبّر للصلاة جعل یدیه حذو منکبیه، واذا رکع فعل مثل ذالک، واذا رفع للسجود فعل مثل ذالک، واذاقام من الرکعتین فعل مثل ذالک :ابوداؤد : ۲۸۲/۱،صحیح ابن خزیمه: ۱۴۴/۱ ،وهو ایضا فی حدیث ابی حمیدالساعدی :ابوداؤد : ۲۷۸/۱،جزء رفع الیدین :۶۳ ، ۱۳۴،التمهید لابن عبد البر : ۲۱۷/۹ ۔ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ جب نماز کے لئے تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ اپنے دونوں کندھوں کے برابر کرتے، اور جب رکوع کرتے تو اسی طرح کرتے، اور جب سجدوں کے لئے کھڑے ہوتے تو اسی طرح کرتے، اور جب دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوتے تو اسی طرح کرتے تھے۔

ابو ہریرہؓ سے یہ روایت ابن الاعرابی نے اسطرح نقل کیا ہے:نامحمد بن عصمة نا سوار بن عمارة نا ردیح بن عطیة عن ابی زرعة بن ابی عبدالجبار بن معج قال رأیت اباهریرةؓ فقال لاصلینّ بکم صلاة رسول اللهﷺ، لاازید فیها ولاانقص فاقسم بالله،ان کانت هی صلاته حتی فارق الدنیا ، قال فقمت عن یمینه لانظر کیف یصنع ،فابتدأ فکبر ورفع یدیه ،ثم رکع فکبرورفع یدیه ،ثم سجد، ثم کبر ،ثم سجد ،وکبر ،حتی فرغ من صلاته، قال اقسم باللهان کانت لهی صلاته حتی فارق الدنیا:۱/۹۷ ، المعجم.

کہ میں ضرور آپ کو رسول اللہﷺ کی نماز پڑھاؤں گا۔اس میں نہ زیادت کروں گا اور نہ کمی۔پس انھوں نے اللہ کی قسم اٹھا کر کہا، کہ آپﷺ کی یہی نماز تھی، حتی کہ آپﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔راوی نے کہا: پس میں آپ کی دائیں طرف کھڑا ہو گیا، تا کہ دیکھوں کہ آپ کیا کرتے ہیں۔پس انہوں نے نماز کی ابتدا کی۔اللہ اکبر کہا اور اپنے دونوں

ہاتھ اٹھائے پھر رکوع کیا۔پس (رکوع کے بعد) آپ نے اللہ اکبر کہا،اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر سجدہ کیا۔پھر اللہ اکبر کہا،اور پھر سجدہ کیا،اور اللہ اکبر کہا حتی کہ آپ اپنی نماز سے فارغ ہوگئے۔ابو ہریرہؓ نے فرمایا میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی یہی نماز تھی حتی کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔

امام طبرانی نے مسند الشامیین:۲/۳۵، میں اس الفاظ سے نقل کرتے ہیں: **حدثنا حصین بن وهب الارسوفی ثنا زکریا الارسوفی ثنا عباد بن الخواص ثنا ابوزرعة یحی بن ابی عمروالسیبانی عن ابی عبد الجبار "واسمه عبدالله" عن ابی هریرةؓ قال: لاصلینّ بکم صلوٰة رسول الله ﷺ، ان استطعت لم ازد ولم انقص ،فکبّر فرکع فلم یطل ولم یقصر، ثم رفع رأسه فشهر بیدیه ثم کبر فسجد،،**

ابو ہریرہؓ نے کہا میں ضرور رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر بتاؤں گا،حتی الوسع اس میں نہ زیادتی کروں گا اور نہ کمی۔ پس انھوں نے اللہ اکبر کہا،اور رفع الیدین کیا،پس آپ نے رکوع کیا نہ یہ رکوع لمبا تھا اور نہ ہلکا۔پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور رفع یدین کیا۔پھر اللہ اکبر کہا (پھر اس کے بعد) سجدہ کیا۔

ابو ہریرہؓ سے بعض متعصبین ایک روایت نقل کرتے ہیں جو کہ ابن الجوزی نے کتاب التحقیق:۱/۳۳۱(مع شرح ابن عبدالھادی) میں نقل کیا ہے کہ۔**حدثت عن محمد بن نصر قال انبأناعلی بن محمد بن عبدالحمید قال حدثنا ابوبکر محمدبن علی بن بلال حدثناعبیدالرحمٰن بن علی بن محمد الفقیه قال حدثنی ابی قال حدثنا المأمون بن احمد السلمی حدثنا المسیب بن واضح عن ابن المبارک عن یونس عن الزهری عن سعید عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ قال من رفع یدیه فی الصلاة فلاصلاة له ،،** یہ روایت ابن جوزی نے موضوعات:۲/۹۷، میں بھی نقل کیا ہے۔اور لکھا ہے کہ اسکی سند میں جو مأمون بن احمد ہے،تو یہ کذّاب تھا،اور ابن حبان سے نقل کرتا ہے کہ: **کان دجالا من الدجالین** جبکہ یہی عبارت صاحب نصب الرایہ نے:[۱/۴۷۹] میں بھی ذکر کیا ہے۔

(۷) روایت ابوموسیٰ الاشعریؓ:۔**عن ابی موسی الاشعریؓ قال هل اریکم صلوٰة رسول الله ﷺ، فکبّر ورفع یدیه ،ثم کبّر ورفع یدیه ،ثم کبر ورفع یدیه، ثم قال سمع الله لمن حمده، ثم رفع یدیه ،ثم قال هٰکذا فاصنعوا ،ولایرفع بین السجدتین:**[سنن دار قطنی محقق: ۱/۲۱۸،الاوسط لابن المنذر :۳/۱۳۸،المحلی لابن حزم :۴/۵۹ ۔

ابوموسی الاشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھ کر دکھاؤں؟ پس آپ نے اللہ اکبر کہہ کر رفع الیدین کیا، پھر (رکوع کے وقت) پر اللہ اکبر کہہ کر رفع الیدین کیا۔ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر رفع الیدین کیا، اور فرمایا کہ اس طرح کیا کرو۔ اور سجدہ میں رفع الیدین نہ کیا۔

(۸) روایت ابی بکرؓ:۔ عن عطاء بن ابی رباحؒ: قال صلیت خلف عبداللہ بن الزبیرؓ فکان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ، واذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع، فسألہ فقال عبداللہ بن الزبیرؓ صلیت خلف ابی بکرؓ فکان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ ،واذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع ،وقال ابوبکرؓ صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فکان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ، واذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع. سنن الکبری للبیھقی[۲/۷۳، ۷۴] .

عطاء بن ابی رباح نے کہا ہے کہ میں نے ابن الزبیرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، وہ نماز شروع کرتے وقت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے، میں نے ان سے پوچھا تو ابن الزبیرؓ نے کہا: میں نے ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، وہ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، آپ ﷺ نماز شروع کرتے وقت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔

(۹) روایت براء بن عازبؓ:۔ اخبرنا ابو عبداللہ الحافظ حدثنا ابوبکر احمدبن اسحاق الفقیہ انبأنا ابو مسلم ابراھیم بن عبداللہ . ح، واخبرنا ابوسعید المالینی انبانا ابو احمد بن عدی الحافظ حدثنا فضل بن الحباب قالا حدثنا ابراھیم بن بشار حدثنا سفیان حدثنا یزید بن ابی زیاد بمکة عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی عن البراء بن عازبؓ قال رأیت النبی ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ، و اذا اراد ان یرکع، واذا رفع رأسہ من الرکوع :[السنن الکبریٰ مع الجوھر النقی : ۲/۷۷]۔ براء بن عازبؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے، اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے۔

(۱۰) روایت جابر بن عبداللہؓ: حدثنا محمدبن یحی حدثنا ابوحذیفة حدثنا ابراھیم بن طھمان عن ابی الزبیر عن جابربن عبداللہؓ کان اذاافتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ، واذارکع واذارفع رأسہ من الرکوع فعل

مثل ذالک، ویقول رأیت رسول الله ﷺ فعل مثل ذالک، ورفع ابراھیم بن طھمان یدیه الیٰ اذنیه :[ابن ماجة : ۱/۴۶۹،جزء رفع الیدین : ۱۳۵،۶۲ ،التمھید لابن عبدالبر : ۲۱۷/۹]۔

جابرؓ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے،اور کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے وہ بھی اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

(۱۱) روایت سھل بن سعد الساعدیؓ:۔ان کی حدیث ابوحمید الساعدی کی حدیث میں گذر چکی ہے ابوداؤد : ۱/۲۷۸، ۲۸۰ ،سنن الکبری للبیھقی مع جوھر النقی : ۷۳/۲،معرفة السنن والاثار : ۵۴۴/۱،جزء رفع الیدین :۳۷،معجم ابن الاعرابی: ۲/ ۶۳۳، تاریخ دمشق : ۲۴/۲۲ وعند ابن الاعرابی عن ابی حازم قال رأیت سھل فی الف من اصحاب النبی ﷺ یرفع یدیه فی کل خفض ورفع : ۶۳۳/۲،تاریخ ابن عساکر : ۲۴/۲۲ ۔ابوحازمؒ کہتا ہے کہ میں نے سہلؓ کو ایک ہزار صحابہ کرام کے ساتھ دیکھا تھا کہ ہر اونچ نیچ میں رفع یدین کرتے تھے۔

(۱۲) روایت محمد بن مسلمۃؓ:۔حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابو عامر حدثنا فلیح بن سلیمان حدثنا عباس بن سھل الساعدی قال اجتمع ابو حمید وابو اسید الساعد وسھل بن سعد الساعدی ومحمد بن مسلمةؓ فذکروا صلوٰة رسول الله ﷺ، فقال ابو حمید انا اعلمکم بصلوٰة رسول الله ﷺ، ان رسول الله ﷺ قام فکبر ورفع یدیه، ثم رفع حین کبر للرکوع،ثم قام فرفع یدیه واستویٰ حتی رجع کل عظم الی موضعه :ابوداؤد : ۱/ ۲۸۱ ،سنن کبری مع الجوھر : ۷۳/۲،معرفة السنن والاثار : ۵۴۴/۱،جزء رفع الیدین :ص:۳۷۔

عباس بن سہل کہتے ہیں صحابہؓ کا اجتماع تھا، ان میں سہل بن سعد، ابو اسید اور محمد بن مسلمۃ بھی تھے جن کے سامنے ابوحمید ساعدیؓ نے آپ ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھائی، کہ شروع میں بھی رفع الیدین کیا، اور رکوع کرتے وقت بھی اور اُٹھتے وقت بھی رفع الیدین کیا۔

(۱۳) روایت انسؓ۔حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبد الوھاب حدثنا حمید عن انسؓ ان رسول الله ﷺ کان یرفع یدیه اذادخل فی الصلوٰة واذا رکع :ابن ماجة : ۱/ ۴۶۸،ابن ابی شیبة ۲۳۵/۱، دارقطنی : ۱/ ۲۹۳،بخاری فی جزئه :۳۸،الاوسط لابن المنذر:۱۳۸/۳ ،وابن

الاعرابی فی معجمه : ۳/ ۱۴۱ ۹ ۔انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع میں رفع الیدین کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت انسؓ کو منسوب کی گئی ہے جس کو امام حاکم نے کتاب المدخل:۱۱۳، وتاریخ دمشق:۲۳۳/۵۴ ،والجوزقانی:۱۵/۲،اورابن جوزیؒ نے:۲/۲۸۷، میں نقل کیا ہے:حدثنا المسیب بن واضح ثنا عبداللہ بن المبارک عن یونس بن یزید عن الزهری عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من رفع یدیه فی الرکوع فلاصلاۃ له ۔ یہ سند موضوع ہے،اور اس کا گھڑنے والا محمد بن عکاشہ ہے،محمد بن عکاشہ مشہور کذاب تھا۔لسان المیز ان :۳۲۴/۵۔ اور دوسری سند میں مامون بن احمد ہے، جو کہ کذاب راوی ہے،تفصیل سلسلہ احادیث ضعیفہ:۲/۴۰، پر دیکھیں۔

(۱۴) روایت ابی سعید الخدریؓ:۔حدثنا مالک بن اسماعیل حدثنا شریک عن لیث عن عطاء قال رأیت اباسعید الخدریؓ وابن عمر وابن عباسؓ وابن الزبیر یرفعون ایدیهم ،نحوا من حدیث الزهری عن سالم عن ابن عمر عن النبی ﷺ فی رفع الیدین :[الاوسط لابن المنذر :۱۳۸/۳ ،مصنف ابن ابی شیبة : ۲۳۵/۱ ،جزء رفع الیدین : ۶۲، ۱۳۵] ۔عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسعید الخدریؓ، ابن عمرؓ، ابن عباس، ابن الزبیر، اوران سب کو دیکھا کہ شروع نماز اور رکوع کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔

جبکہ ایک روایت اس سے اس طرح بھی نقل کی گئی ہے:عن عطیة العوفی ان اباسعید الخدریؓ وابن عمرؓ کانا یرفعان ایدیهما اول مایکبران ثم لایعودان ۔یعنی ابوسعید خدریؓ اور عبداللہ بن عمرؓ دونوں شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے،امام بیہقی روایت ابن عمرؓ کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ اس کا راوی عطیہ عوفی سیئ الحال ہے،اور دوسرا راوی سوار بن مصعب منکر الحدیث ہے۔

(۱۵) روایت عبداللہ بن عباسؓ:۔حدثنا ایوب بن محمد الهاشمی حدثنا عمرو بن ریاح عن عبداللہ بن طاؤس عن ابیه عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیه عند کل تکبیرۃ .ابن ماجة : ۴۶۸/۱،الاوسط لابن المنذر :۱۳۸/۳ ،جزء رفع الیدین للامام البخاری:۴۷، ۱۳۲ ،مصنف ابن ابی شیبة : ۲۳۵/۱ ،مسند احمد : ۱۵۳/۴ . ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔امام طبرانی نے :۳۸۵/۱۱،مصنف ابن ابی شیبہ:۹۶/۴، جزء رفع الیدین للبخاری:ص ۱۵۸، میں عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت نقل ہے عن ابن ابی لیلی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباسؓ عن

النبی ﷺ قال: لاترفع الایدی الافی سبع مواطن، فی افتتاح الصلوٰۃ ،واستقبال القبلة، وعلی الصفاو المروۃ ،وبعرفاۃ وبجمع ،وفی المقامین وعند الجمرتین .

یعنی رفع الیدین سات مقامات کے علاوہ کسی اور مقام پرنہیں کی جائے گی ،ابتداء نماز، بیت اللہ کی زیارت کے وقت،صفااورمروہ پہاڑی پرقیام کے وقت،وقوف عرفہ اورمزدلفہ کے وقت، رمی الجمار کے وقت۔

اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ اس کا مرکزی راوی ابن ابی لیلی ہے، جوکہ باتفاق علماءضعیف ہے،صرف حنفی علماء کے اقوال اس کے متعلق نقل کرتے ہیں،طحاوی مشکل الاثار:ص: ۲۲۶/۳، الزیلعی فی النصب الرایة: ۳۱۸/۱، ابن الترکمانی فی الجوھر النقی:۳۴۷/۷، وقال: ابن ابی لیلی متکلم فیه . النیموی (اثار السنن مع تعلیقاته:۱۵۵)وقال لیس بالقوی. خلیل احمد سهارنپوری قال: کثیر الوهم، بذل المجهود: ۳۷/۹،قال شاہ انور شاہ دیوبندی ،فهوضعیف عندی کماذهب الیه الجمهور وہ میرے نزدیک ضعیف ہے،اور جمہور کا بھی یہی فیصلہ ہے۔فیض الباری:۱۶۸/۳۔

محمد یوسف بنوریؒ نے بھی :ابن ابی لیلی کو جمہور کے نزدیک ضعیف قرار دیا ہے، معارف السنن: ۲۹۰/۵۔
اورعبداللہ بن مبارک نے ابن ابی لیلی کی اس روایت کے بارے میں کہا ہے، هذامن فواحش ابن ابی لیلی : کتاب المجروحین: ۲۴۶/۲ ، اس پر جتنے اعتراضات امام بخاری وغیرہ نے ذکر کئے ہیں،سب کے سب امام زیلعی نے نقل کرنے کے بعد بغیر جواب کے چھوڑ دئے ہیں، اورہم یہ بھی کہتے ہیں کہ بالفرض ہم اس حدیث کو صحیح مانے ،تو احناف کا استدلال پھر بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ لوگ خود کئی جگہوں پر مذکورہ مقامات کے علاوہ رفع الیدین کرتے ہیں،مثلاً دعاء قنوت،عیدین اور مختلف ادعیہ میں۔

اس حدیث میں دوقسم رفع الیدین کا ذکر ہے،یعنی نماز میں،اوردعاء میں، بلکہ یہ لفظ تیسری قسم کو بھی شامل ہے، یعنی کعبہ دیکھنے کے وقت ہاتھ اٹھانا، تواس سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ مشترک ہے، اوراحناف کے نزدیک عموم المشترک جائزنہیں،جیسا کہ یہ مسئلہ اصول الشاشی وغیرہ نے فصل فی المشترک و المؤل میں تفصیل سے ذکر کیا ہے،اصول الشاشی کا عبارت ہے: اذلاعموم للمشترک اصلا یعنی مشترک کے لئے بالکل عموم نہیں ۔تفصیلی کلام اس روایت پرامام بخاری نے جزءرفع الیدین:۱۵۸، سے کیا ہے۔

یہ لوگ تفسیر تنویرالمقباس ۲۱۲،کا ایک روایت نقل کرتے ہیں:وباسناده عن ابن عباسؓ فی قوله تعالی

الذین هم فی صلواتهم خاشعون .ای مخبتون متواضعون، لایلتفطون یمیناولاشمالا،ولایرفعون ایدیهم فی الصلوٰۃ۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تفسیر عبداللہ بن عباسؓ کومنسوب ہے،اس کا جامع فیروزابادی صاحب القاموس ہے جوکہ ١٧ ٨ ھجری میں فوت ہوا ہے،کتاب کے اول میں اپنی سند عبداللہ بن عباس تک تفصیل سے لکھتا ہے کہ:اخبرناعبد اللہ الثقة ابن المامور الهروی قال اخبرنا ابی قال اخبرناابوعبیداللہ،قال اخبرنامحمودبن محمد الرازی قال اخبرناعماربن عبد المجید الهروی قال اخبرناعلی ابن اسحاق السمرقندی عن محمدبن مروان عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباسؓ الخ ۔حاصل یہ ہے،اس کے بنیادی راوی محمد بن مروان السدی ،والکلبی اورابوصالح تینوں کذاب ہیں ۔تفصیل کے لئے میزان الاعتدال وغیرہ ملاحظہ فرمائیں:لہذااس نام نہادتفسیر سے استدلال کسی کے لئے بھی حلال نہیں (اس کا مزید تفصیل سورۂ مومنون میں آئے گا)ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں مطلق عدم رفع الیدین کے متعلق جملہ موجود ہے جس کا تفصیل پہلے گذر گیا۔

(١٦) روایت عبداللہ بن الزبیرؓ :. حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا ابن لهیعة عن ابی هبیرة عن میمون المکی انه رای عبداللہ بن زبیرؓ صلی بهم یشیر بکفیه حین یقوم .وحین یرکع ، وحین یسجد،وحین ینهض للقیام، فیقوم فیشیر بیدیه، فانطلقت الی ابن عباسؓ فقلت انی رأیت ابن الزبیر صلی صلوٰۃ لم اراحدا یصلیها ،فوصفت له هذه الاشیاء ،فقال ان احببت ان تنظر الی صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فاقتد بصلوٰۃ عبداللہ بن الزبیرؓ:ابوداؤد : ١/ ٢٨٢،الاوسط لابن المنذر:١٣٨/٣ ،طبرانی فی الکبیر: ١١/ ١٣٣، التمهید لابن عبدالبر :٧/ ٢١٧،جزء رفع الیدین للامام بخاری : ص:٧،٤٧، ١٣٦ .

میمون کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن الزبیرؓ کو دیکھا دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے، اور جب رکوع کرتے،اور جب سجدہ کرتے (یعنی رکوع سے اٹھ کر)اور جب دوبارہ قیام کرتے،تو میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ میں نے ابن الزبیرؓ کونماز پڑھتے دیکھا ہے،وہ نماز میں وہ کام کرتے ہیں جو دوسرے نہیں کرتے،تو عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا،اگر تو رسول اللہ ﷺ کی طرح نماز پڑھنا چاہتے ہوتو ابن الزبیرؓ کی طرح پڑھ۔

(١٧) روایت عمر بن الخطابؓ:۔اخبرنا محمدبن عبداللہ الحافظ حدثنا ابو جعفر احمدبن عبید الحافظ، وابوالقاسم عبدالرحمٰن بن الحسن القاضی الاسدیان بهمدان ،قالا حدثنا ابراهیم بن الحسین بن دیزیل الهمدانی حدثنا اٰدم بن ابی ایاس حدثنا شعبة حدثنا الحکم ،قال رأیت طاؤساکبّر

ورفـع يـديـه حـذومـنـكبيه عندالتكبير ،وعند ركوعه، وعند رفع رأسه من الركوع، فسألت رجلامن اصـحـابـه ،فـقـال انـه يـحدث به عن ابن عمرعن عمر عن النبیﷺ :سنن کبریٰ مع الجوهر النقی :٢/ ٧٤،ابـن الاعـرابـی فـی معجمه: ٣/ ١٠٣٧ ۔حکم کہتے ہیں میں نے طاؤس کو دیکھا،شروع نماز میں اوررکوع کرتے اوراٹھتے وقت تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے، میں نے ان کے ساتھیوں میں سے ایک سے پوچھا! تو انہوں نے بتایا کہ وہ بیان کرتے ہیں عبداللہ بن عمر سے وہ عمرؓ سے وہ رسول اللہﷺ سے یعنی نبیﷺ نے نماز میں رفع الیدین کر کے پڑھیں۔

عمرؓ سے ایک روایت سنن دارقطنی :١/ ٢٩٥ ، اورتاریخ بغداد:١١/ ٢٢٤ ،سنن کبری :٢/ ١١٣ ، والکامل:لابن عدی: ٦/ ١٥٢، میں منقول ہے کہ:''مـحـمـدبـن جابرعن حمادعن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله،قال صليت مع الـنبـیﷺ ومـع ابـی بـكـرومـع عمرؓ رضی الله عنهما،فلم يرفعوا ايديهم الاعند التكبيرة الاولی فی افتتاح الصلوٰة''

یعنی عبداللہ بن مسعود نے فرمایا، کہ میں نے نبی کریمﷺ اورابوبکر اورعمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے، وہ شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کے سواہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔لیکن اس کا راوی محمد بن جابر،اتفاقاً ضعیف ہے، تہذیب التہذیب میں :اس کے متعلق تفصیل دیکھئے۔ابن عدی نے اس کوساقط الاعتبار کہا ہے ۔بعض نے یہ کہا ہے کہ ابن حبان نے اس کوثقات میں داخل کیاہے ،لیکن یہ بات صحیح نہیں کتاب الثقات میں اس کا ذکرنہیں ، بلکہ ابن حبان نے کتاب المجروحین:٢/ ٢٧٠، میں اس کا ذکرکیا ہے۔امام طحاوی نے :١/ ٢٩٤۔

امام بیہقی نے خلافیات:١/ ٣٨٩ (مختصر) میں اسود سے ایک روایت نقل کیا ہے کہ:''رأيـت عمربن الخطاب يـرفـع يـديـه فـی اول تـكبيـرة ثم لايعود '' کہ میں نے عمرؓ کو دیکھا کہ تکبیر تحریمہ کےعلاوہ اورمقامات میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔لیکن حاکم نے اس کے متعلق کہا ہے، کہ یہ،شاذ روایت ہے،اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ، یہ قول امام بیہقی اس حدیث کےنقل کرنے کے بعدلکھتا ہے کہ:قـال الـحـاكـم ابـوعبدالله،هذه رواية شاذة لاتقوم بها الحجة، ولايـعـارض بهـا الاخبـار الـصـحيحة الماثورة عن طاوس بن كيسان عن ابن عمران عمرؓ كان يرفع يديه فی الركوع ۔

اورعراقی نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ:وهـوعـجيـب فـان المعروف عنه الرفع فی المواطن

الثلاثة ،وعلى فرض صحته ،يحمل على انه تركه، لبيان ان الرفع سنة يجوز تركها، ويجوز فعلها: طرح التثريب: ۲/ ۲۵۴ ۔''امام ابوزرعہ رازی نے علل الحدیث: ۹۵/۱ ، میں لکھا ہے کہ حسن بن عیاش کے مقابلے میں اس روایت کو اصح قرار دیا جاتا ہے، جس میں پھر نہ کرنے کا ذکر نہیں۔ایک علت یہ بھی ہے کہ اس روایت میں ابراہیم نخعی کوفی مدلس ہیں اور یہ روایت معنعن ہے۔

(۱۸) روایت معاذ بن جبلؓ : عن معاذ بن جبلؓ قال كان النبی ﷺ اذا كان فی صلاته،رفع يديه قبالة اذنيه، فاذا كبّر ارسلهما ثم سكت ،وربما رأيته يضع بيمينه على يساره، فاذا فرغ من فاتحة الكتاب سكت، فاذا ختم السورة سكت، ثم يرفع يديه قبالة اذنيه ،ويكبر ويركع وكنا لانركع حتى نراه راكعا، ثم يستوى قائما من ركوعه حتى يأخذه كل عضو مكانه، ثم يرفع يديه قبالة اذنيه ويكبر ويخر ساجدا،وكان يمّكن جبهته وانفه من الارض ،ثم يقوم كانه السهم ، لايعتمدعلى يديه، وكان اذاجلس فى اخر صلوته اعتمدعلى فخذه اليسرى، ويده اليمنى على فخذه اليمنى ،ويشير باصبعه اذادعا،وكان اذاسلّم اسرع القيام. (المعجم الكبير : للطبرانی: ۲۰/ ۷۴)۔

معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب نماز پڑھتے تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ، اوراللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیتے تھے۔ اورخاموش رہتے۔اور بہت دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ دائیں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے۔اور جب سورۂ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو خاموش ہوتے ،اور جب سورۃ ختم کرتے تب بھی خاموش ہوتے ،تو پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے۔اوراللہ اکبر کہہ کر رکوع کرتے ،اور جب تک ہم رسول اللہ ﷺ رکوع کرتے نہ دیکھتے اس وقت تک رکوع کرنے نہ جاتے۔پھر نبی کریم ﷺ رکوع کے بعد قیام کرتے۔اس وقت تک جب ہر جوڑ اپنی جگہ پرآ جاتا پھر رفع الیدین کرتے ،پھراللہ اکبر کہہ کرسجدہ کرنے چلے جاتے ، اور ماتھے اورناک کو زمین پر رکھ دیتے ، اور ہاتھ پر ٹیک کئے بغیر کھڑے ہوجاتے ،اور جب نماز کی اخر میں بیٹھ جاتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے دونوں رانوں پر رکھتے ،اوردعا کرتے وقت انگلی سے اشارہ کرتے تھے،اور جب سلام پھیرتے تو جلدی اٹھ جاتے تھے۔

(۱۹) روایت عمیر بن حبیب اللیثیؓ :۔حدثنا هشام بن عمار حدثنا رفدة بن قضاعة الغسانی حدثنا الاوزاعی عن عبدالله بن عبيد بن عمير عن ابيه عن جده عمير بن حبيب قال: كان رسول الله ﷺ يرفع يديه مع كل تكبيرة فی الصلوة المكتوبة :ابن ماجة : ۱/ ۴۶۶.معجم الكبير للطبرانی

:١٧/٤٨،٤٩،جزء رفع اليدين :ص؛٨٧۔کہ رسول اللہ ﷺ ہر تکبیر کیساتھ رفع الیدین کرتے فرض نماز میں۔

(۲۰) روایت عقبۃ بن عامرؓ:۔ حدثنا بشر بن موسى حدثنا ابو عبدالرحمٰن المقرى عن ابن لهيعة حدثنى ابن هبيرة ان اباالمصعب مشرح بن هاعان المعافرى حدثه انه سمع عقبة بن عامرؓ،يقول: فى كل اشارة يشيرهاالرجل بيده فى الصلاة ،بكل اصبع حسنة اودرجة :معجم الكبير للطبرانى :١٧/١٩٧ . فوائدابن منده: ١/١٤٢،جزء مؤمل بن ايهاب :٩٨ ۔یعنی عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا ہے، نماز میں جو شخص اشارہ کرتا ہے اسے ہر (مسنون) اشارہ کے بدلے ایک انگلی پر ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے۔

(۲۱) روایت اعرابی:۔حدثنا هاشم وبهز قالاحدثناسليمان بن المغيرة عن حميد بن هلال حدثنى من سمع الاعرابى يقول: رأيت النبى ﷺ يصلي ورفع كفيه حتى حاذتا او بلغتا اذنيه ،كانهما المروحتان :مسند احمد :٣٣/٢٤٩،مسند حارثى : ١/٢٨٩ ۔اعرابیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں ہتھیلیوں کو کانوں تک اُٹھاتے دیکھا،جیسا کہ یہ دو پنکھے ہیں۔

(۲۲) حدیث الاصحاب:عن قتادة عن الحسن قال :كان اصحاب رسول الله ﷺ يرفعون ايديهم اذا ركعوا واذارفعوارؤسهم من الركوع، كأنماايديهم مراوح.سنن كبرىٰ للبيهقى:٢/٧٥،الاوسط لابن منذر:٣/١٣٩، التمهيد:٧/٢١٧،مصنف ابن ابى شيبه: ١/٢٣٥ .یعنی حسنؒ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رفع یدین کر کے نماز پڑھتے ،جب بھی رکوع کرتے یا رکوع سے سر اٹھاتے ،اس طرح ہوتا کہ جیسے ان کے ہاتھ پنکھے ہوں۔ایسی روایت سعید بن جبیرؒ سے بھی منقول ہے کہ:انه سئل عن رفع اليدين فى الصلوٰة فقال هو شىء يزين به الرجل صلوته، وكان اصحاب رسول الله ﷺ يرفعون فى الافتتاح وعند الركوع ،واذارفعوا رؤسهم ۔یعنی سعید بن جبیر تابعیؒ سے رفع الیدین کے متعلق پوچھا گیا،توانہوں نے کہا کہ یہ نماز کی زینت ہے،اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ شروع نماز میں ،رکوع کے وقت، اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد،رفع الیدین کرتے تھے۔السنن الكبرى للبيهقى : ٢/٧٥۔

(۲۳) روایت ابو اسید ساعدیؓ:۔اس کا ذکر ابوحمید الساعدیؓ کی حدیث میں گذر چکا ہے:ابو داؤد : ١/٢٨٠،سنن الكبرمع الجوهر النقى : ٢/٧٣،معرفة السنن والاثار : ١/٥٤٤،جزء رفع اليدين :ص٣٧۔

مندرجہ بالا احادیث کا خلاصہ یہ ہوا، کہ رفع الیدین کی احادیث متواتر ہیں،جیسا کہ شمار سے ظاہر ہے،اور بعض علماء

نے اس حدیث کی متواتر ہونے کی تصریح بھی کی ہے،مثلاًنظم المتناثرہ: ٩٦، ٩٧.فتح الباری: ١/ ٢٠٣، لقط اللالی المتناثرة: ٢٠٧، التقییدو الایضاح : ٢٧٠،فتح المغیث: ٣/ ٤١،شرح الکبیر: ١/ ٥٣٨.

اورمولانااشرف علی تھانویؒ نے:بوادر النوادر: ٣٦،اورتفسیر بیان القرآن: ١/ ٢٢میں لکھاہے و الحدیث اذا روی من عشرة فھومتواترعلی القول المختار ،اورمولانا محمد شفیع: معارف القرآن: ١/ ١٩٠، میں لکھتاہے کہ جس روایت کودس صحابہ کرام نقل فرمادیں ،تووہ حدیث متواتر ہوجاتی ہے جوکہ قران کی طرح قطعی ہے۔ اور یہاں توبیس سے زائدصحابہ کرام سے یہ روایت منقول ہے۔

لہٰذارفع الیدین کااثبات قطعی الثبوت ہے،اس میں ذرابرابربھی شک نہیں، جواس سے انکارکرتاہےتواس کی ایمان کاخطرہ ہے۔

تکمیل فائدہ کے لئے تارکین رفع الیدین کے روایات کونقل کرتے ہیں،اگرچہ مذکورہ بالا بحث میں ان کے بعض روایات بمع علل بیان ہوئے۔لیکن دوروایات باقی ہیں،اس کوبھی ذکرکرتے ہیں تاکہ کسی کاشک وشبہ باقی نہ رہے۔

ان کامشہوردلیل حدیث ابن مسعودؓ ہے، جوکہ سنن ترمذی نے: ١/ ٥٩، اورابوداؤد: ١/ ٤٧٨، وغیرہ میں نقل کی گئی ہے۔حدثناسفیان (الثوری)عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الاسودعن علقمة قال قال:ابن مسعودؓالااصلی بکم صلوٰة رسول اللہﷺ،فصلی فلم یرفع یدیه الافی اول مرة۔

عبداللہ بن مسعودنے فرمایا: میں تم کورسول اللہﷺ کی نماز پڑھاؤں؟ پھرآپ نے نماز پڑھی ،اور ہاتھ نہیں اٹھائے سوائے پہلی دفعہ کے۔اس حدیث کے متعلق محی الدین ابن عربی (صوفیوں کے امام)فتوحات مکیہ: ٤٣٧، میں لکھتاہے: کہ وغایة المقصودمن حدیث ابن مسعودؓانه کان علیه السلام یرفع یدیه عند الاحرام مرة واحدة لایزیدعلیھا،ای انه مرة واحدة لم یصنع ذلک مرتین عند الاحرام (فتوحات مکیه: ٤٣٧) یعنی رسول اللہﷺ تکبیرتحریمہ کےوقت ایک ہی دفعہ رفع یدین کرتے (عیدین اور جنازہ کی طرح)باربارنہ کرتے۔ابوداؤداس روایت کے بعدیہ الفاظ فرماتے ہیں: ”ھذامختصرمن حدیث طویل ولیس ھوبصحیح علی ھذا اللفظ ۔کہ یہ لمبی حدیث سے مختصرالفاظ ہیں،اورجس طرح جس مقصدکے لئے اس کوبیان کیاجاتاہے درست نہیں۔

اورامام بخاری نے جزءرفع الیدین: ٨٦، میں لمبی حدیث کوذکرکیاہےاوراس حدیث کے بعدفرمایاہے: قال

احمدبن حنبل عن یحی بن ادم قال نظرت فی حدیث عبداللّٰہ بن ادریس عن عاصم بن کلیب، لیس فیہ، ثم لم یعد،فھذااصح، لان الکتاب احفظ عند اھل العلم،لان الرجل یحدث بشیء ثم یرجع الی الکتاب فیکون کمافی الکتاب. حدثنا الحسن بن الربیع حدثناابن ادریس عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمٰن بن الاسود حدثناعلقمة ان عبداللّٰہ قال علمنارسول اللّٰہ ﷺ الصلاة ،فقام فکبّرورفع یدیہ ،ثم رکع فطبق یدیہ ،فجعلھمابین رکبتیہ ،فبلغ ذلک سعدافقال صدق اخی، اَلابل قدنفعل ذٰلک فی اول الاسلام ،ثم امرنابھذا(یعنی الامساک عن الرکبتین)قال البخاری ھذا ھو المحفوظ عند اھل النظرمن حدیث عبداللّٰہ بن مسعود۔

یعنی ابن مسعودفرماتے ہیں کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے ہمیں نمازسکھائی، توتکبیرکہہ کررفع الیدین کی ،پھررکوع کیاتودونوں ہاتھ ملاکرگھٹنوں میں رکھ لیئے تھے،جب یہ روایت سعدکوپہنچی توانہوں نے کہا،کہ میرے بھائی نے سچ کہاہے، شروع اسلام میں ہمیں اسی طرح حکم تھا،پھرگھٹنوں کوپکڑنے کاحکم دیا۔امام ترمذی اس حدیث کے نقل کرنے کے بعدعبداللّٰہ بن مبارک سے نقل کرتاہے کہ لم یثبت حدیث ابن مسعود۔اس کےعلاوہ ابن عبدالبر نے:تمہید: ۲۲۰/۹،اورابن جوزی وغیرہ نےاس حدیث کےمتعلق مذکورہ قسم کےعبارات لکھیں ہیں،

اس کادوسراجواب یہ ہے کہ اس روایت کامرکزی راوی سفیان ثوریؒ ہے،اوروہ مدلس تھے۔اوراس کاعنعنہ قابل قبول نہیں۔جبکہ سفیان ثوری کی اس حدیث میں رکوع سے پہلے اوربعدکےرفع الیدین کاذکرنہیں ہے، یہ روایت مجمل ہے،اگراس کوعام تصورکیاجائےتوپھرتارکین خوداس روایت پرعمل نہیں کرتے، وتراورعیدین میں کیوں رفع یدین کرتے ہیں؟فماھوجوابکم فھوجوابنا۔

بعض کہتے ہیں کہ ابن حزم نے اس حدیث کی تصحیح کیاہے،تواس کاجواب یہ ہے،کہ مذکورہ علماء کےمقابلے میں ابن حزم کےقول کاکیااعتبارہے؟اوراگرابن حزم کےقول کواعتباردیاجائے، توپھراس کایہ قول بھی ماننا پڑے گاکہ: ولولاھذاالخبرلکان رفع الیدین عندکل رفع وحفض فرضاً: ۸۸/۴،یعنی اگریہ حدیث نہ ہوتی توہراٹھنے اورجھکنےکےوقت رفع الیدین فرض ہوتا۔اس کامقصدیہ ہے کہ رسول اللّٰہ ﷺ نےایک دوبارجواز کےلئےنہیں اٹھائے۔

عبداللّٰہ بن مسعودؓ سےایک موقوف روایت بھی نقل کی گئی ہے۔جوکہ طحاوی وغیرہ نےابراہیم نخعی وغیرہ سےنقل کیاہےکہ:کان عبداللّٰہ بن مسعودؓ لایرفع یدیہ فی شیء من الصلوات الافی الافتتاح۔یعنی ابراہیم نخعی نے

کہا، ابن مسعودؓ کسی نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے سوائے شروع نماز میں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم کا ملاقات عبداللہ بن مسعود سے نہیں ہوا، لہذا یہ سند منقطع ہے، کتاب الام: ۷/۲۷۱، میں امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: ان ابراهيم النخعي لوروىٰ عن علي وعبدالله لم يقبل منه، لانه لم يلق واحدامنهما۔ مزید تفصیل کے لئے میزان الاعتدال: ۱/۳۵، ملاحظہ کیجئے۔

دوسری روایت براء بن عازبؓ کا ہے کہ: عن يزيدبن ابی زيادعن ابن ابی ليلى عن البراء بن عازبؓ قال كان النبی ﷺ اذا كبّر لافتتاح الصلوٰة رفع يديه حتى يكون ابهاماه قريبامن شحمتي اذنيه، ثم لا يعود۔ شرح معانی الاثار للطحاوی: ۱/۲۲۴۔ تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا دارومدار یزید بن ابی زیاد القرشی پر ہے، اور علماء نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال للمزی: ۳/۵۳۴، اور تہذیب التہذیب: ۱۱/۲۸۸۔

دوسرا جواب، یہ روایت یزید بن ابی زیاد نے اختلاط کے بعد بیان کی ہے، سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یزید بن زیاد نے مکہ میں حدیث سنائی: عن عبد الرحمٰن بن ابی ليلى عن البراء بن عازبؓ قال رأيت النبی ﷺ اذافتتح للصلوٰة رفع يديه۔ یعنی اس روایت میں رفع یدین نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

تیسرا جواب، یزید ابن ابی زیاد مدلس تھا، اسے امام دارقطنی اور حاکم وغیرہما نے مدلس قرار دیا ہے۔ یزید بن ابی زیاد سے رفع یدین نہ کرنے کی "ثم لا يعود" وغیرہ کے مختلف الفاظ کے ساتھ جتنی روایات بھی ملتی ہے، کسی میں سماع کی تصریح نہیں ہے۔ شعبہ کی روایت میں سماع کی تصریح ہے، مگر اس میں رفع الیدین نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے، لہذا معلوم ہوا کہ یہ روایت یزید مدلس عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

چوتھا جواب، محدثین کا اجماع ہے، کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اور نہ کرنے کے الفاظ اس میں، یزید بن ابی زیاد نے اضافہ کر دئے ہیں۔ یحی بن معین نے روایت الدوری: ۳/۲۶۴، میں فرمایا ہے کہ: حديث البراء ان النبی ﷺ كان يرفع يديه، ليس هو صحيح الاسناد۔

پانچواں جواب، اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ: یزید الکوفی کی حدیث میں "لم يعد" کہ الفاظ مدرج ہیں حافظ ابن حجر نے کہا، و اتفق الحفاظ على ان قوله" لم يعد"مدرج فی الخبر، من قول يزيدبن ابی زياد، ورووه عنه بدونها شعبه و الثورى وخالد الطحان وزهيروغيرهم من الحفاظ۔ (التلخيص

الحبیر: ۱/ ۲۲۱) . ''یعنی حفاظ حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں ''لم یعد'' کا قول یزید کا مدرج ہے، اس سے شعبہ، ثوری، خالد اور زہیر وغیرھم نے اس قول کے بغیر اس روایت کو بیان کیا ہے۔ اس روایت سے دیگر جوابات ابن مسعودؓ کی روایت میں گذر چکا ہے۔

ہمارے اس تفصیل سے ان لوگوں کا یہ وہم بھی زائل ہوا، کہ جانبین کے پاس احادیث ہیں، تو حاصل جواب یہ ہے کہ حدیثوں میں تعارض ہو تو محکم اور قطعی کو بحال خود رکھ کر محتمل، ضعیف، اور ظنی کو چھوڑ دینگے۔ جبکہ پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں، کہ رفع الیدین کے احادیث محکم اور قطعی ہیں بدرجہ تواتر۔ جبکہ اختیار رفع کے لئے یہ قاعدہ بھی ہے کہ کثرت کو قلت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جیسا کہ بدرالدین عینی شرح بخاری: ۱۲۰/۳، میں لکھتا ہے، ان من جلة اسباب الترجیح کثرة عدد الرواة، وشهرة المروی، حتی اذا كان احد الخبرين يرويه واحد والاخر يرويه اثنان، فالذی يرويه اثنان اولى بالعمل به انتهى۔ علامہ ابن الہمام: التقریر: ۳۳/۳، میں فرماتے ہیں: ''قال ابو حنيفه وابو يوسف لاترجيح بكثرة الادلة ولا بكثرة الرواة مالم تبلغ الشهرة، فحينئذيترجح الحديث الذى بلغ بكثرته حد الشهرة على الحديث الذى لم تبلغ بكثرتهم حدها، انتهى''. بعض ایک مغالطہ دیتے ہیں کہ روایت کو شہادت پر قیاس کرتے ہیں، لیکن یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ عرف عام میں بھی روایت اور شہادت میں فرق سمجھا جاتا ہے۔ اور حازمی کتاب الاعتبار ص ۹، میں لکھتا ہے: وقال بعض الكوفيين كثرة الرواة لاتاثير لها فى باب الترجيحات، لان طريق كل واحد منها غلبة الظن، فصار كشهادة الشاهدين مع شهادة الاربعة، يقال على هذا ان الحاق الرواية بالشهادة غير ممكن، لان الرواية وان شاركت الشهادة فى بعض الوجوه فقد فارقها فى اكثر الوجوه۔

ترجیح کا ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ رفع الیدین کی متواتر احادیث میں اثبات ہے، یہ بات عام طلباء کو بھی معلوم ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ محدث نوویؒ نے کہا: ان احاديث الرفع اولى، لانها اثبات وهذا نفى، فيقدم الاثبات لزيادة العلم: المجموع شرح المهذب: ۴۰۳/۳. نور الانوار: ۱۹۷، نصب الرايه: ۱/ ۳۵۹، فتح البارى: ۱/ ۳۳۳۔ اس بحث کا اختتام احناف اس قاعدے پر کرتے ہیں: کہ جب خلفاء اربعہ اور ابن مسعودؓ کے قول میں تعارض ہو، تو خلفاء اربعہ کا قول لیا جائے گا۔ جیسا کہ علی القاریؒ نے مرقات: ۴۳۲/۱۱، میں لکھا ہے: ولذا يختار امامنا الاعظم روايته وقوله على سائر الصحابة بعد الخلفاء الاربعة لكمال فقاهته۔

وَآتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

اور زکوٰۃ دیتے رہو پھر جب اُن پر جہاد فرض کر دیا گیا تو بعض لوگ اُن میں سے لوگوں سے یوں ڈرنے لگے

كَخَشْيَةِ اللهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا

جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور بڑبڑانے لگے کہ اے اللہ! تو نے

الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلٰى أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا

ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ بہت

قَلِيلٌ وَّالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۷۷﴾

تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیزگار کیلئے (نجاتِ) آخرت ہے۔ اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ

(اے جہاد سے ڈرنے والو!) تم کہیں رہو موت تو تمہیں آ کر رہے گی خواہ بڑے بڑے محلوں میں رہو

وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

ور اُن لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے

يَّقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللهِ

تو (اے محمد ﷺ! تم سے) کہتے ہیں کہ یہ آپ کی وجہ سے (ہمیں پہنچی) ہے، کہہ دو کہ (رنج وراحت) سب اللہ ہی کی طرف سے ہے

فَمَا لِهٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿۷۸﴾ مَا أَصَابَكَ

ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟ تمہیں جو فائدہ پہنچے

مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ

وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامتِ اعمال کی) وجہ سے ہے اور (اے محمدؐ!) ہم نے تمہیں لوگوں

لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ

کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ ہی گواہ کافی ہے ۔ جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا

فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

تو بیشک اُس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے اُن کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ

اور یہ لوگ منہ سے تو کہتے ہیں کہ (آپ کی) فرمانبرداری (دل سے) منظور ہے لیکن جب تمہارے پاس سے چلے جاتے ہیں

بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ

تو ان میں سے بعض لوگ رات کو تمہاری باتوں کے خلاف مشورے کرتے ہیں اور جو مشورے یہ کرتے ہیں اللہ اُن کو لکھ لیتا ہے

مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

، تو ان کا کچھ خیال نہ کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی کارساز کافی ہے ۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے ؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے [۱۴]

---

[۱۴] اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ اس میں بیان کردہ امور وحقائق نفس الامر اور واقع سے مختلف ہوتے، اور بیان کا نفس الامر سے مختلف ہونا جھوٹ اور کذب ہوتا ہے، تو حاصل یہ نکلا کہ اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا، بلکہ انسان کا خود ساختہ ہوتا، تو اس کے کئی بیانات نفس الامر کے خلاف اور جھوٹے ہوتے، لیکن اگر قرآن کے بیان کردہ امور وحقائق کو بنظر انصاف دیکھا جائے اور ان میں غور وفکر کیا جائے تو اس میں ایک بات بھی خلاف واقع نہیں مل سکے گی، بـان يـكـون بـعـض اخـبـاراتـه الغيبية،

کالاخبار عمایسرہ المنافقون غیر مطابق للواقع ،روح المعانی،خازن ۔نیز حسین علی صاحبؒ کے نزدیک یہی راجح ہے،یا اختلاف سے عام اختلاف مراد ہے،خواہ باہمی تناقض ہو،یا نفس الامر سے مخالفت،یا اسلوب بیان اور فصاحت وبلاغت میں اختلاف وغیرہ،کمافی القرطبی۔ابوبکر جصاص نے احکام القرآن:۲/۲۱۵،میں لکھا ہے: کہ اختلاف کے تین اقسام ہیں:(۱) تناقض،یعنی ایک دعوی دوسرے دعوے سے بالکل مخالف اور متضاد ہو،(۲) اختلاف تفاوت،یہ وہ ہے کہ بعض کلام فصیح اور بلیغ ہو،جبکہ بعض فصاحت سے خالی ہو،(۳) اختلاف تلاوم،یعنی ظاہر الفاظ میں تعارض ہو،اور حقیقت میں موافقت ہو۔تو یہاں مذکورہ بالا پہلے دوقسم کے اختلاف کا نفی ہے ،جبکہ تیسری قسم کا نفی نہیں،اور اس کا وجود دورصحابہ کرام سے لیکر آج تک موجود ہے،مثلاً اس حدیث میں:عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ:سمع النبی ﷺ قوما یتدارؤون فی القرآن،فقال:انما ھلک من کان قبلکم بھذا، ضربوا کتاب اللہ بعضہ ببعض،فانمانزل کتاب اللہ یصدّق بعضہ بعضا،فلاتکذبوا بعضہ ببعض ،فماعلمتم منه فقولوا، وماجھلتم،فکلوا الی عالمه.رواہ احمد:۲/۱۸۵،۱۹۵،۱۹۶ ،وابن ماجہ:۸۵،باختصار ، و فی شرح السنة: ۱۲۱ . عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں،کہ نبی کریم ﷺ نے ایک جماعت کے بارے میں سنا کہ وہ آپس میں قرآن کے بارے میں بحث کررہے ہیں،اور جھگڑرہے ہیں،چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تم میں سے پہلے کے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے،انہوں نے کتاب اللہ کے بعض حصہ کو بعض پر مارا یعنی ایات میں تضاد اور اختلاف ثابت کیا،کہ فلاں آیت فلاں آیت کے مخالف ہے،اور یہ آیت فلاں آیت کے مخالف ہے،اور بے شک کتاب اللہ کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے، لہٰذا تم قرآن کے بعض حصہ کو بعض سے نہ جھٹلاؤ،اور اس کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو اس کو بیان کرو،اور جو نہیں جانتے ہو اسے جاننے والوں کی طرف سونپ دو۔یعنی،جن لوگوں کا علم ناقص ہوتا ہے،اور جن کے ایمان وعقیدہ میں کمزوری اور ذہن وفکر میں کمی ہوتی ہے،وہ آیات میں باہم اختلاف پیدا کرتے رہتے ہیں،اور آیت کے حقیقی مفہوم ومراد سے ہٹ کران کے ناقص ذہن وفکر میں جو مفہوم آتا ہے،اسے بیان کرتے ہیں،اور پھر اسی طرز پر اپنے نظریات واعتقادات کی بنیاد بھی رکھ دیتے ہیں۔اس کے بارے میں اس حدیث میں بھی فرمایا جارہا ہے کہ،اگر تمہیں کچھ آیتوں میں اختلاف نظر آئے تو ان میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ ساقط نہ کرو اور نہ اس کی تکذیب کرو بلکہ جہاں تک تمہارا علم مدد کرسکے ان میں تطبیق پیدا کرو،اگر ایسا نہ کرسکو تو پھر تم بجائے اس کے کہ اس میں اپنی عقل وسمجھ کے تیر چلاؤ،اس کے حقیقی معنی ومفہوم کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کی جانب سونپ دو،یا پھر ایسے علماء وصلحاء جو علم کے اعتبار سے تم سے اعلی وافضل ہوں،اور تم پر فوقیت رکھتے ہیں ان سے رجوع کرو۔

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اُسے مشہور کر دیتے ہیں

إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ

اور اگر اُس کو پیغمبر اور اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اُس کی تحقیق کر لیتے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۳﴾

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی مہربانی نہ ہوتی تو چند اشخاص کے سوا سب شیطان کے پیرو ہو جاتے[۱۵]

---

[۱۵] اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا: ''كفىٰ بالمرء كذبا ان يحدث بكل ماسمع ''مقدمه مسلم: ۱/۸، یعنی کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان کر دے۔ ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا ''من حدث بحديث وهويرى انه كذب فهو احدالكاذبين ،مقدمه مسلم: ۱/۷،و الترمذی: ۷/۲۲۴''۔ یعنی جو آدمی کوئی ایسی بات بیان کرے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹی ہے تو دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا وہ بھی ہے (تفسیر ابن کثیر)۔

''وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ'' الخ، استنباط اصل میں کنوئیں کی تہہ سے پانی نکالنے کو کہتے ہیں، کنواں کھودنے میں جو پانی پہلی مرتبہ نکلتا ہے اس کو ماء مستنبط کہتے ہیں، مگر یہاں مراد یہ ہے کہ کسی بات کی، تہہ تک پہنچکر اس کی صحیح حقیقت معلوم کرنا (قرطبی) اور اس کے دو معنے ہیں اول یہ کہ ''الذين يستنبطونه'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس قسم کی خبر کو معلوم کرنے کے درپے اور اس کے علم کے متلاشی تھے اور ''منهم'' کی ضمیر رسول اور اولوالامر کی طرف راجع ہے، اور جار مجرور ''علمه'' کے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ان خبروں کو مشہور نہ کرتے اور جن لوگوں کو یہ خبریں معلوم کرنے کا شوق تھا وہ رسول اللہ ﷺ اور ''اولو الامر''، یعنی صحابہ کرام میں جو صاحب مشورہ اور صاحب تدبر تھے ان سے معلوم کر لیتے۔ دوئم یہ کہ ''منهم'' میں ''من'' بیانیہ ہے اور ''هم''

ضمیر''اولو الامر'' کی طرف راجع ہےاور ''الذین یستنبطونه'' سے وہ لوگ مراد ہیں جو اولوالامر میں صاحب بصیرت اوراستنباط تھے۔''اولو الامر'' کی تعین میں متعدد اقوال ہیں، حسن، قتادہ کے نزدیک علماء اور فقہاء مراد ہیں، سدی فرماتے ہیں کہ امراء اور حکام مراد ہیں، ابوبکر جصاص ان دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں، اس لئے کہ اولوالامر کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے، البتہ اس پر بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ اولوالامر سے مراد فقہاء نہیں ہوسکتے، کیونکہ اولوا لامر اپنے لفظی معنی کے اعتبار سے وہ لوگ ہیں جن کا حکم چلتا ہو، اور ظاہر ہے کہ فقہاء کا یہ کام نہیں، حقیقت یہ ہے کہ حکم چلنے کی دو صورتیں ہیں، ایک جبر وتشدد سے، وہ تو صرف اہل حکومت ہی کرسکتے ہیں، دوسری صورت اعتقاد و اعتماد کی وجہ سے حکم ماننے کی ہے، وہ فقہاء ہی کو حاصل ہے، جس کا مشاہدہ عام مسلمانوں کے حالات سے ہر دور میں ہوتا رہا ہے، کہ دین کے معاملات میں عام مسلمان اپنے اختیار سے علماء ہی کے حکم کو واجب العمل قرار دیتے ہیں، اور از روئے شرع ان پر ان کے احکام کی اطاعت واجب بھی ہے، لہٰذا اس وجہ سے ان پر بھی اولوالامر کا اطلاق صحیح ہے۔(احکام القرآن للجصاص)۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن مسائل میں کوئی نص نہ ہو ان کے احکام اجتہاد و قیاس کے اصول پر قرآنی حیثیت سے نکالے جائیں، کیونکہ اس آیت میں اس بات کا حکم دیا گیا، کہ مسائل جدیدہ کے حل میں اگر رسول کریم ﷺ موجود ہیں تو ان کی جانب رجوع کرو اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کرو، کیونکہ وہ احکام کو مستنبط کرنے کی صلاحیت تامہ رکھتے ہیں اس بیان سے چند امور مستفاد ہوئے ہیں:

ایک یہ کہ فقہاء اور علماء کی جانب عدم نص کی صورت میں رجوع کیا جائے گا۔دوسرے یہ کہ احکام اللہ کی دو قسمیں ہیں، بعض وہ ہیں جو منصوص اور صریح ہیں، اور بعض وہ ہیں جو غیر صریح اور مبہم ہیں، جن کو آیات کی گہرائیوں میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کر رکھے ہیں۔تیسرے یہ کہ علماء کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ایسے معانی کو اجتہاد و قیاس کے ذریعہ استنباط کریں۔

چوتھے یہ کہ عوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل میں علماء کی تقلید کریں۔[احکام القرآن:۲/۲۱۵]،لیکن یہ چوتھی بات کئی وجوہ سے صحیح نہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ مقلدین کا دعوی تقلید کے جواز کا نہیں بلکہ وجوب کا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقلید کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس سے تقلید کے وجوب پر استدلال مقلدین کی اپنی تفسیر ہے۔اسمیں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی مصلحت پسندی کا ذکر کیا ہے جو منافقین کی طرح تحقیق کے بغیر افواہوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ہمارے خیال میں اس آیت میں رد تقلید کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح منافقین تحقیق کے بغیر ہر بات پر عمل کرتے تھے اسی طرح مقلدین بھی ہر سنی سنائی بات پر عمل کرتے ہیں۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ

تو تم اللہ کی راہ میں لڑو تم اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہو اور مومنوں کو بھی ترغیب دو

عَسَى اللّٰهُ أَنْ یَّكُفَّ بَأْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَّأَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾

یقین ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی کو بند کردے اور اللہ لڑائی کے اعتبار سے بہت سخت ہے اور سزا کے لحاظ سے بھی بہت سخت ہے

مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً

جو شخص نیک بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا اور جو بُری بات کی سفارش کرے

سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ﴿۸۵﴾

اس کو اس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

وَإِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوْهَا

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو (جواب) تم اُس سے بہتر (کلمے) سے انہیں لفظوں سے دو

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾

بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے

اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَیَجْمَعَنَّكُمْ إِلٰى یَوْمِ الْقِیَامَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ

۔اللہ (وہ معبودِ برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ قیامت کے دن تم سب کو ضرور جمع کرے گا

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ

اور اللہ سے بڑھ کر بات کا کون سچا ہے؟ تو کیا سبب ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو

وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا أَتُرِیْدُوْنَ أَنْ تَهْدُوْا مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ

حالانکہ اللہ نے ان کو ان کے کرتوتوں کے سبب اوندھا کر دیا ہے کیا تم چاہتے ہو کہ جس شخص کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا

اُس کو رستے پر لے آ ؤ؟ اور جس شخص کو اللہ گمراہ کر دے تم اُس کیلئے کبھی راستہ نہیں پاؤ گے۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ جس طرح

لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ أَوْلِيَآءَ حَتّٰى

وہ خود کافر ہیں (اسی طرح) تم بھی کافر ہو کر (سب) برابر ہو جاؤ۔ تو جب تک وہ اللہ کی راہ میں وطن نہ چھوڑ جائیں

يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

اُن میں سے کسی کو دوست نہ بنانا اگر (ترکِ وطن کو) قبول نہ کریں تو اُن کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کر دو

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ

اور ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ بناؤ۔ مگر جو لوگ ایسے لوگوں سے جا ملے ہوں

إِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ أَوْ جَآؤُكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ

جن میں اور تم میں (صلح کا) عہد ہو یا اس حال میں کہ اُن کے دل تمہارے ساتھ یا اپنی قوم کیساتھ لڑنے سے رک گئے ہوں

أَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ

تمہارے پاس آ جائیں (تو ان سے نہ لڑنا) اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کو تم پر غالب کر دیتا

فَلَقَاتَلُوْكُمْ فَإِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ

تو وہ تم سے ضرور لڑتے پھر اگر وہ تم سے (جنگ کرنے سے) کنارہ کشی کریں اور لڑیں نہیں

وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

اور تمہاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے اُن پر (زبردستی کرنے کی) کوئی سبیل مقرر نہیں کی۔

سَتَجِدُوْنَ آخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّأْمَنُوْكُمْ وَيَأْمَنُوْا قَوْمَهُمْ

تم کچھ اور لوگ ایسے بھی پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں

كُلَّمَا رُدُّوْٓا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوْا فِيهَا فَإِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ

لیکن جب فتنہ انگیزی کو بلائے جائیں تو اُس میں اوندھے منہ گر پڑیں تو ایسے لوگ اگر تم سے (لڑنے سے) کنارہ کشی نہ کریں

وَيُلْقُوْٓا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

اور نہ تمہاری طرف (پیغامِ) صلح بھیجیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو ان کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کردو

ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَأُوْلَٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ وَمَا كَانَ

ان لوگوں کے مقابلے میں ہم نے تمہارے لئے دلیل صریح مقرر کر دی ہے ۔ اور کسی مومن کو شایاں نہیں

لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

کہ مومن کو مار ڈالے مگر بھول کر اور جو بھول کر بھی مومن کو مار ڈالے تو (ایک تو) ایک مسلمان غلام آزاد کر دے

مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهٖٓ إِلَّآ أَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ

اور (دوسرے) مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو اُن کو اختیار ہے) اگر مقتول تمہارے

لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

دشمنوں کی جماعت میں سے ہو اور وہ خود مومن ہو تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہئیے اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو

مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

جن میں اور تم میں صلح کا عہد ہو تو وارثانِ مقتول کو خون بہا دینا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہئیے اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ

فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

متواتر دو مہینے کے روزے رکھے یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبول) توبہ (کیلئے) ہے اور اللہ (سب کچھ) جانتا (اور)

حَكِيمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيهَا

بڑی حکمت والا ہے۔[16] ور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ

---

[١٦] یہ حکم سلطانی ہے۔ راستہ میں خیال رکھنا کہیں غلطی سے تمہارے ہاتھوں کوئی مسلمان قتل نہ ہو جائے، اور اگر ''خطاءً'' ایسا ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے، فرمایا، یہ تو مؤمن کی شان نہیں کہ وہ کسی مؤمن کو عمداً اور جان بوجھ کر قتل کرے، البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کے ہاتھوں غلطی اور خطا سے مؤمن قتل ہو جائے۔

قتل خطا کی بڑی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ قصد وارادہ میں غلطی سے قتل مسلم واقع ہو، یا عمل کی غلطی سے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ دور سے کسی آدمی کو دیکھا، اور سمجھا کہ وہ حربی کافر ہے اور اس پر فائر کر دیا، لیکن دراصل وہ مؤمن تھا۔ دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ کافر کو نشانہ بنا کر تیر پھینکا، یا شکار پر فائر کیا مگر وہ کسی مسلمان کو جالگا، اور وہ مر گیا، پھر جو شخص غلطی سے کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو جائے، اس کی تین صورتیں ہیں: اول یہ کہ مقتول مؤمن ہو اور دارالاسلام کا شہری ہو۔ دوم یہ کہ مقتول ہو تو مؤمن، لیکن حربی کافروں میں رہتا ہو۔ سوم یہ کہ مقتول کافر ہو لیکن ایسی قوم کا فرد ہو جس کا مسلمانوں سے معاہدہ ہو، مثلاً ذمی ہو، جو دارالاسلام میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو، یا مستأمن ہو، یعنی دارالاسلام میں اجازت نامہ کے ذریعے عارضی طور پر مقیم ہو۔ تینوں کا حکم مختلف ہے۔ (الا خطأً) ای مخطأفی قتله من غیر قصد، یعنی قاتل نہ ہوگا مگر بایں طور کہ بدون قصد کے اس سے قتل کرنا صادر ہو گیا۔

مفسرین نے خطا کی تفسیر بدون قصد ہونے سے بہت اچھی بیان کی، جس میں خطا وچوک کی سب صورتیں ووجہیں آ گئیں اور ''مخطأ'' سے تفسیر کرنے میں اشارہ کیا کہ نصب اس کو بنا بر حال واقع ہونے کے ہے، ای لیس له قتله فی حال من الاحوال الاحال الخطأ، یعنی الا درحالیکہ وہ خطا کرنے والا ہو، بھائی مؤمن کے قتل میں۔ اور بعض نے کہا کہ مفعول لہ ہے، یعنی نہیں قتل کرے گا اس کو کسی علت سے سوائے علت خطا کے، اور کہا گیا کہ صفت مصدر محذوف ہے، ای ما کان له ان یقتله قتلاالاقتلاخطأ۔ اور ظاہرا یہ توجیہ سلیس ہے، اور کہا گیا ہے کہ استثناء منقطع ہے، پس قوله ''الاخطأ'' ای لکن ان قتله خطافجزائه مایذکر، یعنی اگر اس کو چوک کر قتل کیا تو جزاء اس کی وہ ہے جو آئندہ مذکور ہے۔

اور پوشیدہ نہ رہے کہ استثنا منقطع ہونا یہاں اجود بلکہ ثواب ہے، اس واسطے کہ ''ما کان'' کے ساتھ استثناء متصل

کے یہ معنی ہوجاوینگے کہ ''الاخطا'' سے سزاوار ہے، حالانکہ یہ مراد نہیں ہے، وما قیل ان "ما کان" بمعنی النهی، فالمعنی لایقتله الاخطاء فلایجدی اذلایندفع به ماقلنافلیتامل ۔(وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا) سے قتل کی پہلی صورت کا حکم ہے۔اس صورت میں قاتل پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا اور مقتول کے ورثاء کو دیت (خون بہا) ادا کرنا واجب ہے۔دیت کی رقم ورثاء میں ان کے حصوں کی مناسبت سے تقسیم ہوگی، اگر اس کا کوئی وارث نہیں تو وہ رقم بیت المال (سرکاری خزانہ) میں جمع ہوگی ''الاان یصدقوا'' یہ وجوب دیت سے مثنیٰ ہے، یعنی اگر مقتول کے ورثاء پورا خون بہا یا اس کا کچھ حصہ معاف کردیں تو معاف کردہ حصے کا ادا کرنا واجب نہیں ہوگا۔خون بہا کی مقدار ایک سو اونٹ ہے اور اگر سو اونٹ کا انتظام نہ ہو سکے تو ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم۔

''فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ'' میں قتل کی دوسری صورت کا حکم ہے کہ قاتل پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا ازاد کرنا واجب ہے اس صورت میں خونبہا واجب نہیں اذااسلم الحربی فی دار الحرب ولم یهاجر الینافقتله مسلم خطأ تجب الکفارة بقتله للعصمة المؤثمة وهی الاسلام ولاتجب الدیة لان العصمة المقومة بالدار، ولم توجد(مدارک) ۔''وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق'' میں ذمی یا کافر معاہد کے قتل کا حکم ہے، یعنی اس کے قاتل پر کفارہ اور دیت دونوں واجب ہیں هذافی الذمی والمعاهدیقتل خطأفتجب الدیة والکفارة (قرطبی) مقتول مومن ہو جیسا کہ پہلی صورت میں تھا، یا کافر جیسا کہ تیسری صورت میں، دونوں کے قاتل پر دیت کا ایجاب ایک ہی انداز سے بیان کیا گیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ مومن اور کافر ذمی یا مستامن کا خون بہا برابر ہے وان کان المقتول ذمیافحکمه حکم المسلم وفیه دلیل علی ان دیة الذمی کدیة المسلم(مدارک)۔

فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اس کا تعلق کفارے کی تینوں صورتوں سے ہے، یعنی غلام یا لونڈی میسر نہ آسکے تو اس کی جگہ متواتر دو ماہ کے روزے رکھنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ دو ماہ میں ایک دن کا روزہ بھی ناغہ نہ ہو، اگر ایک دن بھی ناغہ ہو گیا تو پھر از سر نو دو ماہ روزے رکھنے پڑیں گے، یہاں قتل خطاء کی تینوں صورتوں کا حکم بیان ہوا۔''ومن یقتل مؤمنامتعمدافجزائه جهنم'' قتل خطا کے بعد قتل عمد پر تخویف اخروی فرمائی، قتل عمد کا فقہی حکم کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ(البقرة:۱۷۸) ۔میں بیان ہو چکا ہے یہاں ''خالدافیها'' کے الفاظ سے اس طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ یہاں قتل عمد سے اس کا درجہ کامل مراد ہے یعنی مومن کو عمدا اور اس کے قتل کو بوجہ

ایمان جائز سمجھ کر قتل کرے اور قتل مومن کی حلت کا معتقد ہو چنانچہ امام نسفی فرماتے ہیں۔ای قاصدا قتلہ لایمانہ وھو کفر او قتلہ مستحلا لقتلہ وھو کفر ایضا (مدارک)۔

اور بعض لوگ اس حدیث کی وجہ سے وہم میں مبتلا ہوئے ہیں، حدیث عائشہؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ :ان رسول اللہ ﷺ قال: رفع القلم عن ثلاثة، عن النائم حتی یستیقظ ،وعن المبتلی حتی یبرأ،وعن الصبی حتی یکبر (ابوداؤد رقم:۴۳۹۸)یعنی رسول پاک ﷺ نے فرمایا:قلم اٹھالیا گیا ہے، تین قسم آدمیوں سے (یعنی ان کی بدی کچھ نہیں لکھی جاتی)ایک تو سونے والے سے، جب تک وہ جاگے، دوسرے دیوانے سے، جب تک اس کو عقل آوے، تیسرے لڑکے سے (نابالغ)جب تک وہ عاقل بالغ ہوجائے۔یہ حدیث دیگر کتب احادیث میں بھی موجود ہے)۔کہ اگر کسی بچے کو نیند کی حالت میں ماں کی کسی عضو کے نیچے آنے سے موت واقع ہوجائے تو یہ قتل ،قتل خطاء میں داخل نہیں ،اور ماں نہ دیت اور نہیں دو مہینے روزے رکھے گی۔حالانکہ اس حدیث کے معنی یہ نہیں جو کہ انہوں نے مراد لیا ہے، بلکہ حدیث طبرانی میں وضاحت موجود ہے کہ:عن ابی ادریس اخبرنی غیر واحد من اصحاب رسول اللہ ﷺ منھم شداد بن اوسؓ، وثوبانؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: رفع القلم فی الحد عن الصغیر حتی یکبر ،وعن النائم حتی یستیقظ، وعن المجنون حتی یفیق، وعن المعتوہ الھالک :کبیر ۷/۲۸۷،ومسند الشامیین:۳۸۶،۳۵۰۰،یعنی بچے سے بلوغ تک، نیند والے سے جاگنے تک، دیوانہ اور معتوہ سے جب تک وہ صحیح نہ ہو، حد معاف کیا گیا ہے، تو اس سے واضح ہوا کہ مذکورہ حدیث جو کہ ابوداؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے اس میں ''رفع'' بمعنی حد معاف ہونے کے ہے، نہ کہ دیت اور دو مہینے روزے۔ان کی خطائی کی دوسری وجہ اس حدیث مشہور میں بھی ہے، جو کہ ابن ماجہ وغیرہ نے :عبداللہ بن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ سے نقل کی ہے کہ :قال النبی ﷺ ان اللہ وضع عن امتی الخطا و النسیان :۲۰۴۵۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالی نے معاف کر دیا میری امت کو بھول چوک اور جس کام کو خطا سے کریں۔یہ حدیث ابن حبان نے صحیح :۷۲۱۹، میں نقل کیا ہے۔مزید تفصیل اس حدیث کے متعلق الھدایہ فی تخریج البدایہ:۱/۱۶۷،اور العواصم و القواصم:۱/۱۹۲، میں ملاحظہ کیجئے۔تو بناء برین اس حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ قتل خطاء والے پر بھی دیت وغیرہ نہیں۔حالانکہ جمہور علماء میں سے کسی نے اس پر قول نہیں کیا ہے، اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ قتل خطاء میں دیت دینا، اور روزے رکھنا لازم ہے۔تو یہ لوگ اس حدیث کا جو معنی کرتے ہیں وہی معنی حدیث اول کا بھی ہے۔حاصل کلام یہ ہوا، کہ مذکورہ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ قتل خطاء میں مبتلا عورت پر روزے اور دیت نہیں، جب تک ورثاء معاف نہ کریں۔

وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَأَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿۹۳﴾ يٰۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا

اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کیلئے اُس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مومنو! جب تم

إِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ أَلْقٰى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ

اللہ کی راہ میں باہر نکلا کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور جو شخص تم سے سلام کرے

لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ

اُس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو اور اس سے تمہاری غرض یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو، پس اللہ کے پاس بہت

مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا إِنَّ اللّٰهَ

سی غنیمتیں ہیں۔ تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو (آئندہ) تحقیق کر لیا کرو اور جو عمل تم کرتے ہو

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ

اللہ کو سب کی خبر ہے۔ جو مسلمان (گھروں میں) بیٹھ رہتے ہیں اور کوئی عذر نہیں رکھتے

أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

وہ اور جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً

اللہ نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے

وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ

اور (گو) نیک وعدہ سب سے ہے لیکن اجرِ عظیم کے لحاظ سے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں

أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

پر کہیں فضیلت بخشی ہے۔ (یعنی) اللہ کی طرف سے درجات میں اور بخشش میں اور رحمت میں۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا (اور)

رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ

مہربان ہے۔ جولوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم

كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ قَالُوْٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ

کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز و ناتواں تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کا ملک

وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾

فراخ نہیں تھا کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً

ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے بے بس ہیں کہ نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں

وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ

اور نہ رستہ جانتے ہیں ۔ یقین ہے کہ اللہ ایسوں کو معاف کر دے اور

اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ

اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ جائے وہ زمین میں بہت سی جگہ

مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ

اور وسعت پائے گا اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے

يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾

پھر اس کو موت آ لے تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمے ہو چکا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ

اور جب تم سفر کو نکلو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو

إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا

بشرطیکہ تمہیں خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں ایذا دیں گے بیشک کافر تمہارے کھلے

مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾ وَإِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

دشمن ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) جب تم ان میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہیئے کہ ان کی ایک جماعت

مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوْا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ

تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے جب وہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جائیں

وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ

پھر دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی آئے اور ہوشیار

وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ

اور مسلح ہو کر تمہارے ساتھ نماز ادا کرے۔ کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ

فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ

تو تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔ اگر تم بارش کے سبب

مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى أَنْ تَضَعُوْا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ

تکلیف میں یا بیمار ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار رکھو مگر ہوشیار ضرور رہنا۔ اللہ نے کافروں کیلئے ذلت آمیز

أَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٠٢﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر جب تم نماز تمام کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حالت میں) اللہ کو یاد کرو

قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ

پھر جب خوف جاتا رہے تو (اُس طرح سے) نماز پڑھو (جس طرح امن کی حالت میں پڑھتے ہو) بیشک نماز

كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ

کا مومنوں پر اوقاتِ (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔ اور کفار کے پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا

إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللهِ

اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں اور تم اللہ سے ایسی ایسی

مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾ إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ

امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔(اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے

بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرَاكَ اللهُ وَلَا تَكُن

تاکہ اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو اور (دیکھو)

لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَاسْتَغْفِرِ اللهَ إِنَّ اللهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾

دغا بازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا ۔ اور اللہ سے بخشش مانگنا بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ

اور جو لوگ اپنی ہی کی خیانت کرتے ہیں اُن کی طرف سے بحث نہ کرنا کیونکہ اللہ خائن اور مرتکبِ جرائم کو دوست

خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللهِ وَهُوَ

نہیں رکھتا۔ یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے حالانکہ جب وہ راتوں کو ایسی باتوں کے مشورے کیا کرتے ہیں

مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللهُ بِمَا يَعْمَلُونَ

جن کو وہ پسند نہیں کرتا تو ان کیساتھ ہوا کرتا ہے اور اللہ ان کے (تمام) کاموں پر احاطہ کئے ہوئے ہے ۔

مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هَآأَنتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

بھلا تم لوگ دنیا کی زندگی میں تو ان کی طرف سے بحث کر لیتے ہو

فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ أَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

قیامت کو ان کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑے گا اور کون ان کا وکیل بنے گا؟

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا

اور جو شخص کوئی بُرا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا

رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ

اور مہربان پائے گا ۔ اور جو کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کا وبال اُسی پر ہے اور اللہ تعالیٰ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا

جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔اور جو شخص کوئی قصور یا گناہ تو خود کرے لیکن اس سے کسی بے گناہ کو متہم کرے تو اس نے

فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ

بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا ۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ

تو ان میں سے ایک جماعت تم کو بہکانے کا قصد کر ہی چکی تھی اور یہ اپنے سوا (کسی کو) بہکا نہیں سکتے

وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اور نہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور اللہ نے تم پر کتاب اور دانائی نازل فرمائی ہے ۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اور تمہیں وہ باتیں سکھائی ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔[۱۷] اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے ۔

[۱۷] اس ایت سے بریلوی نبی کریمﷺ کے کلی علم غیب پر استدلال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ ''ما'' استعمال ہوا ہے، جو عموم کے لئے ہوتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ تمام وہ چیزیں جو آپؐ کو معلوم نہ تھیں وہ ساری کی ساری اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بتا دیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے کلی علم غیب عطاء کر دیا تھا، مگر اس آیت سے نبی کریمﷺ کے لئے کلی علم غیب پر استدلال سراسر باطل ہے، اولاً اس لئے کہ یہ استدلال اس بات پر مبنی ہے کہ ''ما'' اس آیت میں عموم اور استغراق حقیقی کے لئے ہے، حالانکہ ''ما'' ہر جگہ عموم اور استغراق کے لئے نہیں آتا، بلکہ اس میں خصوص کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ نسفی حنفی فرماتے ہیں ''ومن'' و''ما'' **یحتملان العموم و الخصوص واصلھما العموم** (رسالہ منارمع شرح نور الانوار: ۷۹) یعنی اگرچہ اصل دونوں میں عموم ہے لیکن دونوں میں خصوص کا احتمال بھی ہوتا ہے اس کی شرح میں ملا جیون فرماتے ہیں: **یعنی انھما فی اصل الوضع للعموم ویستعملان فی الخصوص بعارض القرائن**، اور ایسی مثالیں خود قرآن میں بکثرت موجود ہیں۔ جن میں کلمہ ''ما'' عموم کے لئے نہیں، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے: **ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون** (بقرۃ: ۱۵۱) اور وہ (پیغمبرﷺ) تم کو وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے، اس ایت میں خطاب براہ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے، اور ان کی وساطت سے ساری امت تا قیامت اس آیت کی مخاطب ہے، اگر یہاں کلمہ ''ما'' کو عموم اور استغراق حقیقی پر محمول کیا جائے جیسا کہ بریلویوں کا خیال ہے، تو اس سے لازم آئے گا کہ تمام صحابہ کرام بلکہ امت محمدیہ کا ہر فرد تا قیامت غیب دان ہو، اور اسے ما کان و ما یکون کا کلی علم غیب حاصل ہو۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اور اسی طرح ایک جگہ فرمایا: **وعلمتم مالم تعلموا انتم ولا اباء کم** (انعام:۹۱) اور سکھایا گیا تم کو وہ کچھ جو تم نہ جانتے تھے، اور نہ تمہارے باپ دادا۔ اس آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ اس میں خطاب یہود سے ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے، اور اگر خطاب مسلمانوں سے ہوں تو بھی اگر ''ما'' کو یہاں استغراق حقیقی کے لئے لیا جائے تو اس سے ان تمام یہودیوں کو یا تمام مسلمانوں کو غیب دان ماننا پڑے گا، جو اس آیت کے مخاطب ہیں ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ ''ما'' ہر جگہ عموم کے لئے نہیں ہوتا۔

ثانیاً مفسرین کرام نے بھی اس ایت میں ''ما'' کو خصوص پر محمول کیا ہے۔ اور اس سے مخصوص امور ہی مراد لئے ہیں، اور استغراق حقیقی پر اسے کسی نے بھی محمول نہیں کیا۔ جناب عبداللہ بن عباسؓ اور مقاتل کہتے ہیں ''ما'' سے مراد شریعت

ہے۔قال ابن عباس و مقاتل ھو الشرع، بحر. مفسر قرطبی. اور امام بغوی، امام نسفی اور علامہ خازن فرماتے ہیں: ''ما'' سے امور دین اور احکام شریعت مراد ہیں، وعلمک مالم تکن تعلم یعنی من الشرائع و الاحکام ،قرطبی.یعنی من احکام الشرع و امور الدین، معالم وخازن و اللفظ له ،من امور الدین و الشرائع :مدارک، امام ماوردی کہتے ہیں ''ما'' سے کتاب وحکمت مراد ہے۔وذکر الماوردی الکتاب و الحکمة :بحر، ان حوالوں سے بخوبی واضح ہوگیا کہ ''ما'' یہاں عموم کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد امور دین اور احکام شریعت ہیں، اگر کہا جائے کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ''ما'' سے مراد علم غیب ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن مفسرین نے علم غیب یا اخبار اولین و آخرین لکھا ہے انہوں نے صحیح اور مختار قول امور دین اور احکام شریعت ہی کو قرار دیا ہے، اور دوسرے قول یعنی علم غیب کو کلمہ تمریض ''قیل'' سے ذکر کر کے اس کے ضعف اور غیر معتبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ نیز اس ضعیف قول میں بھی کلی علم غیب کا کوئی ذکر نہیں بلکہ اس سے بھی بعض غیب ہی مراد ہے۔

ثالثاً ''ما'' کو یہاں عموم اور استغراق پر محمول کرنا آیت کے سیاق وسباق کے بالکل منافی ہے کیونکہ اس سے پہلے ''انا انزلنا الیک الکتاب بالحق'' الخ، سے حکم سے سلطانی بیان فرمایا کہ اللہ کے نازل کردہ احکام اور اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق فیصلے کیا کرو۔اس کے بعد جھوٹی تہمت لگانے والوں اور جھوٹی گواہی دینے والوں کو زجریں کیں، اور پھر فرمایا، وعلمک مالم تکن تعلم ،لہٰذا ''ما'' سے یہاں وہی کچھ مراد ہے جو مفسرین نے بیان کیا ہے، یعنی احکام شریعت لہٰذا علم غیب کلی مراد لینا سراسر غلط اور باطل ہے۔

رابعاً، سورۂ نساء جس میں یہ آیت ہے اس کے بعد تقریباً چوبیس سورتیں اور نازل ہوئیں، اگر اس سے آپ ﷺ کو کلی علم غیب حاصل ہو چکا تھا، تو پھر ان چوبیس سورتوں کی نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

بعض مبتدع مولوی کہتے ہیں: کہ ''ما'' عموم کے لئے ہے، اور ''علّم'' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور مفعول نبی کریم ﷺ ہیں، اللہ، مفیض عام ہے اور نبی ﷺ میں استعداد تام۔ تو اس سے ثابت ہوا، کہ نبی علیہ السلام کو کلی علم غیب معلوم تھا، اس کا جواب سورۂ علق ''علم الانسان مالم یعلم'' میں الانسان سے بعض مفسرین کے نزدیک نبی کریم ﷺ مراد ہیں، اور بعض مبتدع مولوی بھی اس کو ترجیح دیتے ہیں، تو یہاں بھی فاعل اللہ اور مفعول نبی ﷺ ہیں اور سورۂ علق کی یہ آیتیں بھی بالاتفاق ساری قرآن سے پہلے نازل ہوئی تھیں، تو اگر ''ما'' کو عموم و استغراق حقیقی کے لئے لیا جائے اور ''علم'' ماضی کا صیغہ ہے جو گذشتہ زمانے میں وقوع فعل پر دلالت کرتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے

پہلے یا اس آیت کے نزول کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو تمام علوم غیبیہ سکھا دیئے تھے، تو (معاذ اللہ) پھر سارے قرآن کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔=

لَّا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ

ان لوگوں کی بہت سی مشوریں اچھی نہیں ہاں (اُس شخص کی مشورہ اچھی ہوسکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات

اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے اور جو ایسے کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کرے گا ۔

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۱۴ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

تو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے۔ اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے

= نیز یہ قانون بھی کسی کتاب میں نہیں لکھا ہوا کہ فاعل اللہ تعالی ہو اور مفعول نبی علیہ السلام کی ذات ہو تو وہاں ہمیشہ عموم ہی مراد لیا جاتا ہے، بلکہ شرک پھیلانے کے لئے ان مولویوں نے یہ قاعدہ اپنی طرف سے وضع کیا ہے۔

غلط استدلال

مخالفین عموم علم نبی کریم ﷺ پر بعض حدیثوں سے بھی استدلال کرتے ہیں مثلاً حدیث میں ہے اخبرنا بما کان ومایکون، (مسند احمد:۲۲۸۸۸) تو اس کا جواب یہ ہے کہ علوم غیبیہ کلیہ یعنی کل ما کان ومایکون مثلاً کل فوجداری اور دیوانی احکام ہندی بنگالی، جرمنی وغیرہ کا بیان کرنا تھوڑے سے وقت میں ناممکن ہے بلکہ یہاں ''ما'' سے مراد نبذ من امور عظام ہیں، یعنی بعض نہایت اہم امور جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ایک شب میں اللہ تعالی نے میری پشت پر ہاتھ رکھا ''فتجلی لی کل شیء'' تو میرے لئے سب کچھ روشن ہوگیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سات صحابہ نے یہ الفاظ بیان کئے ہیں ''فعلمت الذی سئلنی عنه کما هو مصرح فی الدر المنثور'' اور لفظ ''تجلی لی کل شیء'' کے بارے میں خازن نے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ اس کے تمام طرق ضعیف

ہیں، (مزید تفصیل کے لئے حاشیہ مصابیح السنۃ ملاحظہ کریں) لہٰذا ان حدیثوں سے نبی کریم ﷺ کے کل علم غیب پر استدلال کرنا غلط اور باطل ہے۔

لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ

اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے [۱۸] تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے اُدھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن)

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ

جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔ اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا (اور

[۱۸] اس آیت میں دو چیزوں کا جرم عظیم اور دخول جہنم کا سبب ہونا بیان فرمایا ہے، ایک مخالفت رسول ﷺ اور یہ ظاہر ہے، کہ مخالفت رسول ﷺ کفر و وبال عظیم ہے، دوسرے جس کام پر سب مسلمان متفق ہوں اس کو چھوڑ کر اس کے خلاف کوئی راستہ اختیار کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت ہے، یعنی جس طرح قران وسنت کے بیان کردہ احکام پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح امت کا اتفاق جس چیز پر ہو جائے اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے، اور اس کی مخالفت گناہ عظیم ہے، جیسا کہ آپؐ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا! يد الله على الجماعة من شذ شذّ فی النار ۔ یہ روایت عبداللہ بن عمر سے حاکم نے مستدرک: ۱۱۵/۱، میں اور ترمذی نے: ۲۱۶۷، میں نقل کیا ہے۔ اور ابن ماجہ نے انسؓ سے، ۳۹۵۰، میں نقل کیا ہے۔ اور اسامہؓ سے ابن قانع نے معجم میں نقل کیا ہے: تفصیل کے لئے ظلال الجنۃ: ۸۰، ۸۱، ۸۴، ملاحظہ کیجئے۔ یعنی جماعت کے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے اور جو شخص جماعت مسلمین سے علیحدہ ہوگا وہ علیحدہ کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

امام شافعیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اجماع امت کے حجت ہونے کی دلیل قران مجید میں ہے؟ آپ نے قران سے دلیل معلوم کرنے کے لئے تین روز تک مسلسل تلاوت قرآن کو معمول بنایا، ہر روز دن میں تین مرتبہ اور رات میں تین مرتبہ پورا قران ختم کرتے تھے، بالاخر یہی مذکورہ آیت ذہن میں آئی، اور اس کو علماء کے سامنے بیان

کیا تو سب نے اقرار کیا کہ اجماع کی حجّت پر یہ دلیل کافی ہے۔ یہ واقعہ احکام القران للشافعی:۳۹/۱، تاریخ دمشق:۳۶۳/۵۱ ، اور سیر اعلام النبلاء:۸۵/۱۰، میں مذکور ہے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

گناہ) جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس نے اللہ کیساتھ شریک بنایا وہ رستے سے دُور جا پڑا ۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا وَّاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾

یہ جو اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں تو مورتوں ہی کی اور پکارتے ہیں تو شیطان سرکش ہی کو

لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

جس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (جو اللہ سے) کہنے لگا کہ میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لے لیا کروں گا

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ

اور ان کو گمراہ کرتا اور امیدیں دلاتا رہوں گا اور یہ سکھاتا رہوں گا کہ جانوروں کے کان چیرتے رہیں اور کہتا رہوں گا

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ

کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا

خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا

وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔ وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے

غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

وہ دھوکا ہی دھوکا ہے . ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ وہاں سے نجات نہیں پا سکیں گے ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کو ہم بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے

الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝[۱۲۲]

نہریں جاری ہیں ہمیشہ اُن میں رہیں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے؟

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا

(نجات) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو شخص بُرے عمل کرے گا

يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝[۱۲۳] وَمَنْ يَّعْمَلْ

اُسے اُسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا[۱۹] اور وہ اللہ کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا اور نہ مددگار۔اور جو نیک کام

---

[۱۹] عن علی بن زید عن امیة انها سألت عائشةؓ عن قول الله عزوجل: ﴿ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم به الله﴾ (بقرہ: ۲۸۴) وعن قوله: ﴿ومن یعمل سوءًا یجز به﴾ (نساء: ۱۲۳) فقالت ما سألنی عنها احد منذ سألت رسول اللهﷺ، فقال هذه معاتبة الله العبد بما یصیبه من الحمی و النکبة، حتی البضاعة یضعها فی ید قمیصه، فیفقدها فیفزع لها، حتی ان العبد لیخرج من ذنوبه کما یخرج التبر الاحمر من الکیر (رواہ الترمذی: ۲۹۹۱، واحمد: ۲۱۸/۶).

علیؒ ابن زید (بصری تابعی) امیہ سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے عائشہؓ سے، اللہ تعالی کے اس ارشاد کے معنی پوچھے، ''اگر تم وہ چیز جو تمہارے دلوں میں ہے ظاہر کردو، یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا''۔

اور اس آیت کے معنی بھی پوچھے: ''جو شخص برا عمل کرے (یعنی خواہ صغیرہ گناہ کرے خواہ کبیرہ گناہ) تو اس کی جزا (یعنی اس کی سزا دنیا یا آخرت میں) دی جائے گی''۔

عائشہؓ نے فرمایا جیسا کہ، میں نے اس کے بارہ میں رسول کریمﷺ سے دریافت کیا تھا، ویسا کسی نے مجھ سے اس مسئلہ کے بارہ میں نہیں پوچھا، چنانچہ آپؐ نے (میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہ یعنی محاسبہ اور سزا جو دونوں آیتوں میں مذکور ہیں، اللہ تعالی کا عتاب ہے، جس میں بندہ، بخار و رنج کی تکلیف کی صورت میں مبتلا ہوتا ہے، یہاں تک کہ کوئی بندہ اپنا کچھ مال اپنے کرتہ کے آستین (جیب) میں رکھتا ہے اور (پھر وہ مال گم ہوجاتا ہے جسے) وہ نہیں پاتا، چنانچہ وہ اس

مال کے نہ ملنے سے غمگین ہوتا ہے، تو اس کی وجہ سے اس کے گناہ دور کیے جاتے ہیں، اور ہمیشہ یہی سلسلہ جاری رہتا ہے کہ بندہ کسی تکلیف اور رنج میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسا کہ سونا اور چاندی بھٹی سے آگ میں پڑھنے کی وجہ سے سرخ نکلتا ہے۔=

مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ِ ایمان بھی ہو گا تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے

وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ

اور ان کی تِل برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔ اور اُس شخص سے کس کا دین اچھا ہوسکتا ہے جس نے حکمِ الٰہی کو قبول کیا

وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

اور وہ نیکوکار بھی ہے اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو (مسلمان) تھے۔ اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

اور آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز پر

= ان دونوں آیتوں کے معنی پوچھنے کی وجہ یہ تھی، کہ پہلی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندوں سے ان کے دلوں کے خطرات ووسواس اور برے خیالات پر محاسبہ کیا جائے گا۔ اور دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کو ہر برے عمل پر سزادی جاتی ہے، خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا، تھوڑا ہو یا زیادہ، چنانچہ اس سے صحابہ پریشان ہوئے کہ کیا کریں، کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں، چنانچہ امیہؓ نے، عائشہؓ سے ان آیات کا مطلب پوچھا، تو انہوں نے ان آیات کی وضاحت کی، جس کا حاصل یہ ہے کہ ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنین کو ان کے دل کی تمام باتوں اور ان کے تمام چھوٹے بڑے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ بلکہ آیات میں محاسبہ اور سزا کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو ان سے سرزد ہونے والے گناھوں کی وجہ سے دنیا میں اپنے عتاب میں مبتلا کرتا ہے، بایں طور کہ کسی

کو بیماری کی تکلیف میں اور کسی کو دوسرے رنج وغم میں مبتلا کر دیتا ہے، تا کہ یہ چیزیں ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں، عتاب کے معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی دوست سے اس کی کسی غلط روی اور بے ادبی کی وجہ سے بظاہر اس پر اپنے غصہ کا اظہار کرے مگر دل میں اس کی محبت بدستور باقی رہے۔

مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ

احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (اے پیغمبر!) لوگ تم سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ تم کو

يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا

اُن کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتا ہے اور جو حکم اس کتاب میں پہلے دیا گیا ہے وہ اُن یتیم عورتوں

تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ

کے بارے میں ہے جن کو تم اُن کا حق تو دیتے نہیں اور خواہش رکھتے ہو کہ اُن کیساتھ نکاح کر لو اور (نیز) بیچارے

مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ

بیکس بچوں کے بارے میں اور یہ (بھی حکم دیتا ہے) کہ یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو اور جو بھلائی تم کرو گے

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا

اللہ اُس کو جانتا ہے ۔ اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے پرواہی کا خوف ہو

اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ

تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

اور طبعیتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہیں اور اگر تم نیکوکاری اور پرہیزگاری کرو گے تو اللہ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ

اعمال پر پوری طرح خبردار ہے، تم سے تو یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں نے ہر طرح عدل کرو گو تم اسکی کتنی ہی خواہش کرلو

وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ

تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف ڈھل جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا ادھڑ میں لٹک رہی ہے اور اگر

تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِنْ يَّتَفَرَّقَا

آپس میں موافقت کر لو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔ اور اگر میاں بیوی

يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾

ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی دولت سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت والا اور حکمت والا ہے

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ وَإِنْ تَكْفُرُوا

دی گئی تھی اُن کو بھی اور تم کو بھی ہم نے حکمِ تاکیدی کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر کفر کرو گے

فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿١٣١﴾

تو جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ غنی اور سزاوارِ حمد و ثنا ہے

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿١٣٢﴾

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے

إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ

لوگو! اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور اور لوگوں کو پیدا کر دے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر

قَدِيرًا ﴿١٣٣﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

قادر ہے۔ جو شخص دنیا (میں عملوں) کی جزا کا طالب ہو تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت (دونوں) کیلئے اجر (موجود) ہیں

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ

اور اللہ سنتا دیکھتا ہے ۔ اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کیلئے سچی گواہی دو،

بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے۔

اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا

یا فقیر تو اللہ ان دونوں سے زیادہ مقدم ہے، تو تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا

وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اگر تم پیچدار شہادت دو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو (جان رکھو کہ) اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى

مومنو! اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور جو کتاب اُس نے اپنے پیغمبر

رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ اور جو شخص اللہ اور اُس کے فرشتوں

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور اُس کی کتابوں اور اُس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے وہ رستے سے بھٹک کر دُور جا پڑا جو لوگ

اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ

ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے گئے اُن کو اللہ نہ تو بخشے گا ۔

لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا

اور نہ سیدھا رستہ دکھائے گا ۔ (اے پیغمبر) منافقوں کو بشارت سنا دو کہ اُن کیلئے دردناک عذاب

أَلِيمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ

(تیار) ہے ۔ جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔

أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي

کیا یہ اُن کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں عزت تو سب اللہ ہی کی ہے [۲۰] اور اللہ نے تم پر اپنی کتاب میں

---

[۲۰] اسی آیت میں کفار ومشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور گھل مل کر رہنے کی ممانعت اور ایسا کرنے والوں کے لئے وعید مذکور ہے، اور اس کے ساتھ ہی اس مرض میں مبتلا ہونے کی اصل منشاء اور سبب کو بیان کرکے اس کا لغو اور بے ہودہ ہونا بھی بتلا دیا، ارشاد فرمایا: ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعاً: یعنی کفار مشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور ان کے ساتھ ملنے کی غرض عموماً یہ ہوتی ہے کہ ان کی ظاہری عزت وقوت اور جتھے سے متأثر ہوکر یوں خیال کیا جاتا ہے کہ ان سے دوستی رکھی جائے تو ہمیں بھی ان سے عزت وقوت حاصل ہوجائے گی، اللہ تعالیٰ نے اس لغو خیال کی حقیقت اس طرح واضح فرمائی کہ تم ان کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتے ہو جن کے پاس خود عزت نہیں، عزت جس کے معنی ہیں قوت وغلبہ کے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، اور مخلوق میں سے جس کسی کو بھی کوئی قوت وغلبہ ملتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، تو کس قدر بے عقلی ہوگی کہ عزت حاصل کرنے کے لئے اصل عزت کے مالک اور عزت دینے والے کو تو ناراض کیا جائے، اور اس کے دشمنوں کے ذریعہ عزت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

سورۂ منافقون: ۸، میں بھی یہی مضمون ایک اضافہ کے ساتھ اس طرح آیا ہے: وللہ العــــزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنافقین لایفقھون: یعنی عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے، لیکن منافقین اس گُر کو نہیں سمجھتے، اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول ﷺ اور مؤمنین کا اضافہ کرکے یہ بھی بتلا دیا کہ اصل عزت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ جس کو چاہتا ہے کچھ حصہ عزت عطا فرما دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اور ان پر ایمان لانے والے چونکہ اس کے نزدیک محبوب اور مقبول ہیں اس لئے ان کو عزت، وغلبہ دیا جاتا ہے، کفار ومشرکین کو خود ہی عزت نصیب نہیں، ان کے تعلق سے کسی دوسرے کو کیا عزت مل سکتی ہے، اس لئے فاروق اعظمؓ نے

فرمایا: من اعتز بالعبید اذله اللہ (حلیۃ الاولیاء: ۲/۱۷۴) یعنی جو شخص مخلوقات اور بندوں کے ذریعے عزت حاصل کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ مستدرک حاکم: ۳/۸۸، حلیۃ الاولیاء: ۱/۴۷، میں ہے کہ عمرؓ نے ملک شام کے عامل (گورنر ابو عبیدہؓ) سے فرمایا: کنتم اقل الناس واذل الناس فکثرکم بالاسلام و کنتم اذل =

الْكِتٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا

(یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور اُن کی ہنسی اڑائی جاتی ہے

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ

تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں اُن کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔

إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝١٤٠

کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں، سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ

جو تم کو دیکھتے رہتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے تمہیں فتح ملے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے

وَإِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْٓا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ

اور اگر کافروں کو (فتح) نصیب ہو تو (اُن سے) کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے۔

وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور تم کو مسلمانوں (کے ہاتھ) سے بچایا نہیں؟ تو اللہ تم میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝١٤١ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

اور اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔ منافق

=الناس فاعزکم اللہ بالاسلام مهما تطلبوا العزة بغیر اللہ یذلکم اللہ : یعنی اے ابوعبیدہؓ تم تعداد میں کم اور سب سے زیادہ کمزور تھے، تم کو محض اسلام کی وجہ سے عزت وشوکت ملی ہے، تو خوب سمجھ لو! اگر تم اسلام کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے عزت حاصل کرنا چاہو گے تو اللہ تعالی تم کو ذلیل کر دے گا۔

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوْآ إِلَى الصَّلٰوةِ

اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اُس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انہیں دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔ اور جب یہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں

قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

تو سست اور کاہل ہو کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کیلئے اور اللہ کو یاد ہی نہیں کرتے مگر بہت کم

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَا إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَا إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

بیچ میں لٹک رہے ہیں نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ اُن کی طرف او رجس کو اللہ تعالیٰ بھٹکائے

فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ

تو تم اُس کیلئے کبھی بھی رستہ نہ پاؤ گے ۔ اے اہلِ ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صاف حجت قائم کرلو

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں اور تم اُن کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے

إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ

ہاں جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت کو درست کیا اور اللہ (کی رسی) کو مضبوط پکڑا اور خاص اللہ کے فرمانبردار ہو گئے

فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

تو ایسے لوگ مومنوں کے زمرے میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ عنقریب مومنوں کو بڑا ثواب دے گا ۔

مَّا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾

اگر تم شکر گزار رہو اور اس پر ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اور اللہ تعالیٰ تو قدر شناس اور دانا ہے ۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ

اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو اعلانیہ بُرا کہے مگر وہ جو مظلوم ہو اور اللہ (سب کچھ)

سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿١٤٨﴾ إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ

سنتا (اور) جانتا ہے۔ اگر تم لوگ بھلائی کھلم کھلا کرو گے یا چھپا کر، یا بُرائی سے درگزر کرو گے تو

اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا ﴿١٤٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ

اللہ بھی معاف کرنے والا (اور) قدرت والا ہے۔ جو لوگ اللہ سے اور اُس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں اور اللہ

وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ

اور اُس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے

وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾

اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں ۔

أُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾

وہ بلا شبہ کافر ہیں اور کافروں کیلئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولٰئِكَ سَوْفَ

اور جو لوگ اللہ اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان میں کسی میں فرق نہ کیا ایسے لوگوں کو وہ عنقریب

يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾ يَسْئَلُكَ أَهْلُ

ان (کی نیکیوں) کے صلے عطا فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (اے محمد ﷺ!) اہلِ کتاب تم سے مطالبہ

الْكِتٰبِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسٰى أَكْبَرَ مِنْ

ذٰلِکَ فَقَالُوْا أَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً فَأَخَذَتْھُمُ الصَّاعِقَۃُ بِظُلْمِھِمْ

(اُن سے) کہتے تھے کہ ہمیں اللہ ظاہر (یعنی آنکھوں) سے دکھا دو۔ ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو بجلی نے آ پکڑا۔

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِکَ

پھر کھلی نشانیاں آنے کے بعد بچھڑے کو (معبود) بنا بیٹھے تو اس سے بھی ہم نے درگزر کی

وَآتَیْنَا مُوْسٰی سُلْطَانًا مُبِیْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَھُمُ الطُّوْرَ بِمِیْثَاقِھِمْ وَقُلْنَا

اور موسیٰ کو صریح غلبہ دیا۔ اور ان سے عہد لینے کو ہم نے ان پر کوہِ طور اٹھا کھڑا کیا اور انہیں حکم دیا کہ

لَھُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَھُمْ لَا تَعْدُوْا فِی السَّبْتِ

(شہر کے) دروازے میں (داخل ہونا) تو سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور یہ بھی حکم دیا کہ ہفتے کے دن (مچھلیاں پکڑنے)

وَأَخَذْنَا مِنْھُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِھِمْ

میں تجاوز (یعنی حکم کے خلاف) نہ کرنا۔ غرض ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔ (لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا)

مِّیْثَاقَھُمْ وَکُفْرِھِمْ بِآیَاتِ اللّٰہِ وَقَتْلِھِمُ الْأَنْبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ

تو ان کے عہد توڑ دینے اور اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے

وَّقَوْلِھِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ

اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (اللہ نے ان کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے ہیں

بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْنَ إِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۵۵﴾

نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مہر کر دی ہے تو یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔

وَبِکُفْرِھِمْ وَقَوْلِھِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُھْتَانًا عَظِیْمًا ﴿۱۵۶﴾

اور ان کے کفر کے سبب اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللهِ

اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

(اللہ نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اُن کی سی صورت معلوم ہوئی[۲۰]

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ

اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروئ

الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿۱۵۷﴾ بَل رَّفَعَهُ اللهُ إِلَيْهِ

ظن کے سوا ان کو اُس کا مطلق علم نہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا ۔ بلکہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف اٹھا لیا

وَكَانَ اللهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۵۸﴾ وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ

اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے ۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان کی موت سے پہلے

مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا

ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔[۲۱] تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت

---

(۲۱) سورۂ ال عمران کی آیت:" یاعیسی انی متوفیک" الایۃ، میں حق تعالی نے عیسی علیہ السلام کے دشمن یہود کے عزائم کو ناکام بنانے، اور عیسی علیہ السلام کو ان کی دستبرد سے بچانے کے سلسلہ میں پانچ وعدے فرمائے تھے، جن کی تفصیل و مکمل تشریح اور تفسیر سورۂ ال عمران کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے، ان وعدوں میں ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ یہود کو آپ کے قتل پر قدرت نہیں دی جائے گی۔ بلکہ آپؑ کو اللہ تعالی اپنی طرف اٹھالیں گے، اس آیت میں یہود کی شرارتوں اور جھوٹے دعووں کے بیان میں اس وعدہ الٰہیہ کی تکمیل اور یہود کے مغالطہ کا مفصل بیان اور یہود کے اس قول کی مکمل تردید ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔

ان آیات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ:" وماقتلوہ وماصلبوہ " یعنی ان لوگوں نے عیسیٰ بن مریمؑ کو نہ قتل کیا

اور نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ صورت حال یہ پیش آئی کہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔

"ولکن شبہ لھم" کی تفسیر میں امام تفسیر ضحاک فرماتے ہیں کہ قصہ یوں پیش آیا کہ جب یہود نے مسیح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہو گئے، عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لے آئے، ابلیس نے یہود کے اس دستہ کو جو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے تیار کھڑا تھا، عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ دیا، اور چار ہزار آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا، عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا! کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے لئے امادہ ہیں کہ باہر نکلے اور اس کو قتل کر دیا جائے۔ اور پھر جنت میں میرے ساتھ ہو، ان میں سے ایک آدمی نے اس عرض کے لئے آپنے آپ کو پیش کر دیا، آپ نے اس کو اپنا کرتہ، عمامہ، عطا کیا، پھر اس پر آپ کی مشابہت ڈال دی گئی، اور جب وہ باہر نکل آیا تو یہود اسے پکڑ کر لے گئے، اور سولی پر چڑھا دیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا (قرطبی)۔

بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص طیطلا نوس کو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے بھیجا تھا، عیسیٰ علیہ السلام تو مکان میں نہ ملے، اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا تھا۔ اور یہ شخص جب گھر سے نکلا تو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا، یہود یہ سمجھے کہ یہی عیسیٰ علیہ السلام ہے، اور اس اپنے ہی آدمی کو لے جا کر قتل کر دیا۔ (مظہری)۔

ان میں سے جو بھی صورت حال پیش آئی ہو، سب کی گنجائش ہے، قرآن کریم نے کسی خاص صورت کو متعین نہیں فرمایا، اس لئے حقیقت حال کا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے، البتہ قرآن کریم کے اس جملے اور دوسری تفسیری روایات سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتی ہے، کہ یہود نصاریٰ کو زبردست مغالطہ ہو گیا تھا، حقیقی واقعہ ان سے پوشیدہ رہا، اور اپنے گمان وقیاس کے مطابق انہوں نے طرح طرح کے دعوے کئے۔ اور ان کے آپس ہی میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ اسی حقیقت کیطرف قرآن کریم کی ان الفاظوں میں اشارہ کیا گیا ہے: ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ط مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ ان کے پاس صحیح علم کی بنیاد پر کوئی یقینی بات نہیں ہے، جن جن لوگوں نے مسیح عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کر کے طرح طرح کے دعوے کئے ہیں یہ سب شک اور اٹکل کی باتیں ہیں، صحیح صورت واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کو تنبیہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے ہی آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ مقتول چہرے میں تو عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے، لیکن باقی جسم میں ان کی طرح نہیں، اور یہ کہ اگر یہ مقتول عیسیٰ علیہ السلام ہیں

توہمارا آدمی کہاں ہے؟اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو عیسٰی علیہ السلام کہاں ہیں؟

وکان اللہ عزیزا حکیما" یہود لاکھ دفعہ قتل کے منصوبے بناتے لیکن جب اللہ نے عیسٰی علیہ السلام کی حفاظت کا ذمہ لیا، تو اس کی قدرت وغلبہ کے سامنے ان کے منصوبوں کی حیثیت کیا ہے؟ وہ قدرت والا ہے، صرف مادہ کے پرستار انسان اگر رفع عیسٰی علیہ السلام کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکے تو یہ ان کی اپنی کمزوری ہے، وہ حکمت والا ہے، اس کے ہر فعل حکمت ومصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

آخر میں اسی مضمون کے تتمہ کے لئے فرمایا کہ "**وان من اهل الكتاب الاليؤمنن به قبل موته**" یہ لوگ اس وقت اگرچہ بغض وحسد کی وجہ سے حقیقت کی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے، اور عیسٰی علیہ السلام کے متعلق باطل خیالات رکھتے ہیں، نیز محمد مصطفٰی کی نبوت کا بھی انکار کر رہے ہیں، لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے جبکہ ان کی آنکھیں کھل جائیں گی، اور اس وقت انہیں یقین ہو جائیگا، کہ عیسٰی علیہ السلام اور محمد ﷺ کے متعلق جو کچھ ہمارا خیال تھا، وہ سب باطل تھا، اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ "موته" کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع کی جائے اور آیت کا مطلب اس صورت میں یہ ہے کہ یہ یہود اپنی موت سے چند لمحے پیشتر جب عالم برزخ کو دیکھیں گے، تو عیسٰی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئیں گے، اگرچہ اس وقت کا ایمان ان کے حق میں نافع نہیں ہوگا، جس طرح کہ فرعون کو اس کے اس ایمان نے فائدہ نہیں دیا تھا، جو وہ غرق ہونے کے وقت لایا تھا۔

دوسری تفسیر جسکو صحابہ وتابعین کی بڑی جماعت نے اختیار کیا ہے، اور حدیث صحیح سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، یہ ہے کہ "موتہ" کی ضمیر عیسٰی علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور آیت کے مطلب یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اگرچہ اس وقت عیسٰی علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے، یہود تو انہیں نبی ہی تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں العیاذ باللہ مفتری اور کاذب قرار دیتے ہیں، اور نصارٰی اگرچہ ان پر ایمان لانے کا دعوی کرتے ہیں مگر بعض تو ان میں اپنی جہالت میں یہاں تک پہونچ گئے کہ یہود ہی کی طرح عیسٰی علیہ السلام کے مقتول اور مصلوب ہونے کے قائل ہو گئے، اور بعض اعتقاد کے غلو میں اس حد تک نکل گئے کہ انہیں اللہ اور اللہ کا بیٹا سمجھ لیا۔ قرآن کریم کی اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اس وقت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت پر صحیح ایمان نہیں رکھتے، لیکن جب وہ قیامت کے قریب اس زمین پر نازل ہونگے۔ تو یہ سب اہل کتاب ان پر صحیح ایمان لے آئیں گے، نصارٰی تو سب کے سب صحیح اعتقاد کے ساتھ مسلمان ہو جائیں گے، یہود میں جو مخالفت کریں گے قتل کر دیئے جائیں گے، باقی مسلمان ہو جائیں گے، اس وقت کفر اپنی تمام قسموں کے ساتھ دنیا سے فنا کر دیا جائے گا۔

اوراس زمین پرصرف اسلام ہی کی حکمرانی ہوگی۔

ابو ہریرہؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ: عن النبی ﷺ انہ قال لینزلن ابن مریم حکما عدلا فلیقتلن الدجال ولیقتلن الخنزیر ولیکسرن الصلیب وتکون السجدۃ واحدۃللہ رب العالمین.

ثم قال ابوھریرۃؓ، واقرؤوا ان شئتم، وان من اھل الکتاب الالیؤمنن بہ قبل موتہ، قال ابوھریرۃؓ، قبل موت عیسیٰ، یعیدھاثلاث مرات۔(قرطبی)۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک عادل حکمران بن کرضرورنازل ہونگے، وہ دجال اورخنزیرکوقتل کردیں گے، صلیب کوتھوڑڈالیں گے، اوراس وقت عبادت صرف پروردگارعالم کی ہوگی، اس کے بعدابوہریرہؓ نے فرمایااگرتم چاہوتو قرآن کریم کی یہ آیت بھی پڑھ لو، جس میں اسی حقیقت کا ذکرکیا گیاہے، کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا، مگر یہ کہ وہ ان پران کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا، آپ نے فرمایاعیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے، اورتین باران الفاظ کودہرایا۔

آیت مذکورہ کی یہ تفسیرایک جلیل القدرصحابی ابوہریرہؓ سے بروایت صحیحہ ثابت ہے، جس میں "قبل موتہ" سے مرادقبل موت عیسیٰ علیہ السلام قراردیاہے، جس نے آیت کامفہوم واضح طورپرمتعین کردیا، کہ یہ ایت قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کےمتعلق ہے، اس تفسیرکی بناء پریہ آیت ناطق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ابھی نہیں ہوئی، بلکہ قیامت کےقریب جب وہ آسمان سے نازل ہونگے، اوران کےنزول سے اللہ جل شانہ کی جوحکمتیں وابستہ ہیں وہ حکمتیں پوری ہوجائیں گی، تب اس زمین پرہی ان کی وفات ہوگی۔

اس کی تائیدسورۂ زخرف کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے: ﴿ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴾(٦١)۔یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک نشانی ہیں، پس تم قیامت کے آنے میں شک مت کرو، اورمیراکہامانو!

مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہاں پرلکھاہے کہ "انہ" کی ضمیرعیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے، اورمعنی یہ ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک علامت ہیں، اس سے معلوم ہواکہ اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کےنزول کی خبردی گئی ہے، کہ قیامت کےقریب نازل ہونگے، اوران کاآناقیامت کی علامات میں سے ہوگا۔اس آیت میں ایک=

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾

سی) پاکیزہ چیزیں جوان کوحلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے

وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سُود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے

وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ

اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔مگر جو لوگ ان میں سے علم میں پکے ہیں

=دوسری قرأت ”لَعَلَمٌ“ بھی منقول ہے،اس سے یہ معنی زیادہ واضح ہوجاتے ہیں،کیونکہ علم بفتح اللام کے معنی علامت کے ہیں،ابن عباسؓ کی تفسیر بھی اس کی مؤید ہے:عن ابن عباسؓ فی قولہ ”وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ “قال خروج عیسٰی علیه السلام قبل یوم القیامة .

ابن عباسؓ سے ”إِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ “ کے بارے میں منقول ہے،کہ اس سے عیسٰی علیہ السلام مراد ہیں،جو قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے۔(ابن کثیر)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایت مذکورہ ”قبل موتہ“ کے ساتھ جب ابو ہریرۃؓ کی حدیث صحیح کے ساتھ تفسیر کو شامل کیا جائے،تو اس سے واضح طور پر عیسٰی علیہ السلام کا زندہ ہونا اور پھر قرب قیامت میں نازل ہوکر یہود پر مکمل غلبہ پانا ثابت ہوجاتا ہے،اسی طرح آیت ”إِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَة “ سے بھی حسب تفسیر ابن عباسؓ کا یہ مضمون یقینی ہوجاتا ہے،امام ابن کثیر نے ایت ”إِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَة“ کی تفسیر میں لکھا ہے:وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ انه اخبر بنزول عیسٰی علیه السلام قبل یوم القیامة امام عادلا (ابن کثیر)۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث اس معاملے میں متواتر ہیں،کہ آپ ﷺ نے قیامت سے پہلے عیسٰی علیہ السلام کے دنیا میں نازل ہونے کی خبر دی ہے،ان روایات متواترہ کو شاہ انورشاہ کشمیری نے جمع فرمایا،جن کی تعداد سو ١٠٠ سے زائد ہیں۔اور والد محترم نے بھی اپنی کتاب ”انکار حدیث سے انکار قرآن تک“ میں جمع کی ہیں۔

مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ

اور جو مومن ہیں وہ اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور جو تم سے پہلے نازل ہوئیں (سب پر) ایمان رکھتے ہیں

وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ

اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور روزِ آخرت کو مانتے ہیں۔

اُولٰۤئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۶۲﴾ اِنَّاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ كَمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ

انکو ہم عنقریب اجرِ عظیم دیں گے۔ (اے محمدؐ!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح

اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ

نوح اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی اور ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور

وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ ۚ وَاٰتَيۡنَا

یعقوب اور اولادِ یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی

دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ

اور داؤد کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی۔ اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم تم سے پیشتر بیان کر چکے ہیں

وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ﴿۱۶۴﴾

اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات تم سے بیان نہیں کئے اور موسیٰ سے تو اللہ تعالیٰ نے باتیں بھی کیں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيۡنَ وَمُنۡذِرِيۡنَ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ

(سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ

لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔[22] لیکن اللہ نے جو (کتاب) تم پر نازل کی ہے

---

[22] ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سکین اور عدی بن زید نے کہا اے محمد ﷺ! ہم نہیں مانتے کہ موسی علیہ السلام کے بعد اللہ تعالی نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو، اس پر یہ آیات اتریں۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں جب آیت ''یسئلک اھل الکتاب'' سے ''عظیما'' تک اتری، اور یہودیوں کے برے اعمال کا ایئنہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا، تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کسی انسان پر اللہ نے کوئی اپنا کلام نازل نہیں فرمایا، نہ موسیٰ علیہ السلام پر، اور نہ عیسیٰ علیہ السلام پر، اور نہ کسی اور نبی پر۔ آپ ﷺ اس وقت گوٹ لگائے لیٹے تھے اسے آپ ﷺ نے کھول دیا اور فرمایا کسی پر بھی نہیں؟۔ پس اللہ تعالی نے ایت: ''وماقدروا اللہ'' الایۃ، نازل فرمائی، لیکن یہ قول تأمل طلب ہے، اس لئے کہ یہ ایت سورۂ انعام میں ہے جو مکیہ ہے، اور سورۂ نساء کی مندرجہ بالا ایت مدنیہ ہے، جو ان کے رد میں ہے، جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ اسمان سے کوئی کتاب آپ اتار لائیں، جس کی جواب میں فرمایا گیا کہ موسی علیہ السلام سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا پھر ان کے عیوب بیان فرمائے، اور ان کی پہلی اور اب کی سیاہ کاریاں کھولیں، پھر فرمایا کہ اللہ تعالی نے اپنے بندے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے، جس طرح اور انبیاء کی طرف زبور اس کتاب کا نام ہے جو داؤد علیہ السلام پر اتری تھی،

پھر فرماتا ہے اس ایت: یعنی مکی سورت کی ایت سے پہلے بہت سے انبیاء علیہ السلام کا ذکر ہو چکا ہے اور بہت سوں کا نہیں بھی ہوا، جن انبیاء علیہم السلام کے نام قران کے لفظوں میں آ گئے ہیں یہ ہیں آدم علیہ السلام، ادریس، نوح، ھود، ابراہیم، لوط اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، شعیب موسی، ہارون، یونس، داؤد، سلیمان، الیسع، زکریا، عیسٰی، یحی علیہم السلام، اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل، ایوب، اور الیاس علیہم السلام اور ان سب کے سردار محمد ﷺ۔

اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا۔ اسی وجہ سے انبیاء اور مرسلین کے تعداد میں اختلاف ہے۔ اس بارے مشہور حدیث ابوذرؓ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے: کہ آپ نے پوچھا یا رسول اللہ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے پوچھا کہ ان میں رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ، بہت بڑی جماعت۔ میں نے دریافت کیا، سب سے پہلے کونسے ہیں؟ فرمایا ادم علیہ السلام، میں نے کہا کیا وہ بھی رسول تھے؟ فرمایا ہاں، اللہ=

بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۱۶۶﴾

اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے [23]

=تعالی نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، پھر ان میں اپنی روح پھونکی، پھر درست اور ٹھیک ٹاک کیا، پھر فرمایا ای ابوذر! چار سریانی ہیں، آدم علیہ السلام، شیث علیہ السلام، اور نوح علیہ السلام، اور خنوخ علیہ السلام، جن کا مشہور نام ادریس علیہ السلام ہے، انہی نے پہلے قلم سے خط لکھا۔ چار عربی ہیں، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، اور تمہارے نبی ﷺ۔ اے ابوذر! بنو اسرائیل میں پہلے نبی موسیٰ علیہ السلام ہیں، اور اخری عیسیٰ علیہ السلام ہیں، تمام نبیوں میں سب سے پہلے آدم علیہ السلام ہے اور سب سے اخری تمہارے نبی ہیں۔ ابن کثیر۔

اور یہ حدیث دوسری سند سے ابوامامہؓ سے بھی مروی ہے لیکن اس میں معان بن رفاعہ سلامی ضعیف ہیں اور علی بن یزید بھی ضعیف ہیں، اور قاسم بن عبدالرحمٰن بھی ضعیف ہیں، اور ایک حدیث ابویعلی میں ہے کہ اللہ تعالی نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں، چار ہزار بنی اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی اور لوگوں کی طرف، یہ حدیث بھی ضعیف ہے اس میں زیدی اور اس کے استاد رقاشی دونوں ضعیف ہیں، واللہ اعلم۔

ابویعلی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا آٹھ ہزار انبیاء میرے بھائی گذر چکے ہیں، ان کے بعد عیسیٰ علیہ السلام آئے، ان کے بعد میں آیا ہوں، اور حدیث میں ہے، کہ میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد آیا ہوں، جن میں سے چار ہزار تو بنی اسرائیل میں سے تھے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہے اور سند میں کوئی خوف نہیں بجز احمد بن طارق کے، ان کے بارے میں مجھے کوئی عدالت یا جرح نہیں ملی۔ مسند احمد: ۲۶۵/۵، ۲۶۶، میں بھی یہ حدیث کچھ کمی کے ساتھ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

[23] عن ابی ھریرۃؓ عن رسول اللہ ﷺ انه ذکر رجلا من بنی اسرائیل، سأل بعض بنی اسرائیل، ان یسلفه الف دینار فقال ائتنی بالشهداء اشهدهم، فقال کفی باللہ شهیدا، قال فأتنی بالکفیل قال کفی باللہ کفیلا، قال قال صدقت، فدفعها الیه الی اجل مسمی، فخرج فی البحر فقضی حاجته ثم التمس مرکبا یرکبها، یقدم علیه للاجل الذی اجّله، فلم یجد مرکبا فاخذ خشبة فنقرها فادخل فیها الف

دینار وصحیفة منه الی صاحبه، ثم زجج موضعها،ثم اتی بها الی البحرفقال اللهم انک تعلم انی کنت تسلفت فلاناالف دینارفسألنی کفیلافقلت کفی باللہ کفیلافرضی بک، وسألنی شهیدافقلت کفی باللہ شهیدا ،فرضی بک ،وانی جهدت ان اجدمرکباابعث الیه الذی له فلم اقدر،وانی استودعکها،فرمی بهافی البحرحتی ولجت فیه ،ثم انصرف وهوفی ذلک یلتمس مرکبا،یخرج الی بلده فخرج الرجل الذی کان اسلفه ینظر ،لعل مرکباقدجاء بماله فاذابالخشبة التی فیها المال،فاخذلاهله حطبا،فلمانشرهاوجدالمال و الصحیفة ،ثم قدم الذی کان اسلفه فاتی بالف دینار،فقال واللہ مازلت جاهدافی طلب مرکب لآتیک بمالک فماوجدت مرکباقبل الذی اتیت فیه ،قال هل کنت بعثت الیّ بشیء؟ قال اخبرک، انی لم اجدمرکباقبل الذی جئت فیه ،قال فان اللہ قدادی عنک الذی بعثت فی الخشبة فانصرف بالف الدینارراشدا.(بخاری کتاب الکفالة: ۲۲۹۱).

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا،انہوں نے بنی اسرائیل کے دوسرے شخص سے ہزاراشرفیاں قرض مانگیں،اس نے کہا اچھا گواہوں کو بلالا،تاکہ میں ان کے سامنے دوں،ان کو گواہ کروں،اس نے کہا! اللہ کی گواہی بس کرتی ہے،اس نے کہا سچ کہتا ہے، پھراس نے کہا اچھا،ضمانت دے،اس نے کہا اللہ کی ضمانت بس کرتی ہے ،اس نے کہا سچ کہتا ہے ،اور ہزاراشرفیاں اس کووعدے پردے دیں، پھرجس نے قرض لیا تھا،اس نے سمندرکا سفرکیا،اوراپنا کام پورا کرکے یہ چاہا کہ جہاز پرسوا ہوکر اپنے وعدہ پرپہنچ جائے ،(اورقرض ادا کرے)لیکن کوئی جہاز نہ ملا،آخراس نے ایک لکڑی کریدی ،اس میں ہزار اشرفیاں اورایک خط رکھ کراس کا منہ بندکردیااورسمندر پرآیا۔ کہنے لگا کہ، یااللہ تو جانتا ہے کہ میں نے فلانے شخص سے ہزاراشرفیاں قرض لی تھیں،اس نے مجھ سے ضمانت مانگی تو میں نے کہا تھا کہ تیری ضمانت بس کرتی ہے،وہ اس پرراضی ہوگیا تھا،اوراس نے مجھ سے گواہ بھی مانگے تھے میں نے کہا تھا تیری گواہی بس کرتی ہے،وہ اس پرراضی ہوگیا تھا،میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی جہاز ملے،میں اس کا قرض (وعدے پر)ادا کردوں،لیکن میں کیا کروں جہاز ہی نہیں ملا،اب میں یہ مال تیرے سپرد کرتا ہوں (تو پہنچادے)یہ کہہ کراس نے وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی وہ ڈوب گئی، اورلوٹ کر چلاآیا،اس وقت وہ شخص بھی جہاز ڈھونڈتا رہا،جس نے قرض دیا تھا،وہ سمندر پراس خیال سے گیا،کہ شاید کوئی جہاز آئے اوراس کا روپیہ لائے،=

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا

جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا وہ رستے سے بھٹک کر دُور جا پڑے

بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کرتے رہے اللہ اُن کو بخشنے والا نہیں

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ إِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ط وَكَانَ

اور نہ اُنہیں رستہ ہی دکھائے گا ۔ ہاں دوزخ کا رستہ جس میں وہ ہمیشہ (جلتے) رہیں گے اور یہ (بات)

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ

اللہ کو آسان ہے ۔ لوگو! اللہ کے پیغمبر تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں

مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ط وَإِنْ تَكْفُرُوْا فَإِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

تو (ان پر) ایمان لاؤ (یہی) تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر کفر کرو گے تو (جان رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں

=اتنے میں ایک لکڑی اس کو دکھلائی دی،اس نے جلانے کے لئے اٹھالی،جب اس کو چیرا تو اشرفیاں پائیں خط بھی ملا،پھر وہ شخص آن پہنچا جس نے قرض لیا تھا،اور (دوبارہ) ہزار اشرفیاں لایا اور عذر کرنے لگا،اللہ کی قسم ،میں جہاز ڈھونڈتا رہا کہ تمہارا قرض ادا کروں،مگر جس جہاز میں آیا اس سے پہلے کوئی جہاز نہ ملا،تب قرض خواہ نے کہا تو نے میرے پاس کچھ بھیجا تھا؟اس نے کہا میں کہوں،بات یہ ہے کہ جب اس سے پہلے کوئی جہاز مجھ کو نہ ملا تو میں نے ایک لکڑی میں اشرفیاں رکھ کر ڈال دی تھیں،قرض خواہ کہنے لگا،اللہ نے وہ اشرفیاں پہنچا دیں،جو تو نے لکڑی میں رکھ بھیجی تھیں،پھر وہ اشرفیاں لے کر اطمینان کے ساتھ لوٹ گیا۔

وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ

اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے ۔ اے اہلِ کتاب!

لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى

اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ

ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ أَلْقٰهَا إِلٰى مَرْيَمَ

(نہ اللہ تھے اور نہ اس کے بیٹے بلکہ) اللہ کے رسول اور اس کا کلمۂ (بشارت) تھے جو اُس نے مریم کی طرف بھیجا تھا

وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلَاثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ

اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (یہ) نہ کہو (کہ اللہ) تین (ہیں اس اعتقاد سے)

إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اللہ ہی اکیلا معبود ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو جو کچھ آسمانوں میں

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ

اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے ۔[24] مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے

---

[24] اس ایت میں اہل کتاب کو غلو فی الدین سے منع فرمایا گیا، غلو کے لفظی معنی حد سے نکل جانے کے ہیں، اور امام جصاص نے احکام القران میں فرمایا ہے: الغلو فی الدین ھو مجاوزۃ حد الحق فیه۔ یعنی دین کے بارے میں غلو یہ ہے کہ دین میں جس چیز کی جو حد مقرر کی گئی ہے اس سے آگے نکل جائے، اہل کتاب یہود و نصاری دونوں کو اس حکم کا مخاطب اس لئے بنایا گیا کہ غلو فی الدین ان دونوں میں مشترک ہے، اور یہ دونوں فرقے غلو فی الدین ہی کا شکار ہیں، کیونکہ نصاری نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے اور ان کی تعظیم میں غلو کیا، ان کو الہ یا اللہ کا بیٹا یا تیسرا، الہ، بنا دیا، اور یہود نے ان کے نہ ماننے اور رد کرنے میں غلو کیا، کہ ان کو رسول اللہ ﷺ بھی نہ مانا بلکہ معاذ اللہ ان کی والدہ ماجدہ مریم بتول پر تہمت لگائی

اوران کے نسب پر عیب لگایا۔

چونکہ غلو فی الدین کے سبب یہود ونصاری کی گمراہی اور تباہی مشاہدہ میں آچکی تھی اس لئے رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس معاملہ میں پوری احتیاط کی تاکید فرمائی ،مسند احمد میں عمر فاروق کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **لاتطرونی کمااطرت النصاری عیسیٰ بن مریم، فانماانا عبد،فقولوا عبداللہ ورسولہ** ۔یعنی میری مدح وثناء میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا نصاری نے عیسیٰ بن مریم کے معاملہ میں کیا ہے،خوب سمجھ لو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں،اس لئے تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو۔اس روایت کو بخاری نے: کتاب الأنبیاء:۲۰۴،ومسند احمد:۱/۲۳، میں نقل کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ **غلو فی الدین** وہ تباکن چیز ہے جس نے پچھلی امتوں کے دین کو دین ہی کے نام پر برباد کردیا ہے،اس لئے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس وباء عظیم سے بچانے کے لئے مکمل تدبیریں فرمائیں۔حدیث میں ہے کہ حج کے موقعہ پر رسول پاک ﷺ نے رمی جمرات کے لئے عبداللہ بن عباسؓ کوفرمایا کہ آپ ﷺ کے واسطے کنکریاں جمع کرلائیں،انہوں نے متوسط قسم کی کنکریاں پیش کردیں،آپ ﷺ نے ان کو بہت پسند فرما کر دومرتبہ فرمایا: **بمثلهن بمثلهن** یعنی ایسی ہی متوسط کنکریوں سے جمرات پر رمی کرنا چاہے پھر فرمایا: **ایاکم و الغلو فی الدین فانماھلک من کان قبلکم بالغلو فی دینھم.** مسنداحمد:۱/۳۵۰،وابن ماجه: ۳۰۲۹،وابویعلی:۲۴۲۷۔

"**وکلمته**" اس لفظ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ ہیں،مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں:

۱۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی پیدائش میں دوعامل کارفرماہوتے ہیں، ایک عامل نطفہ ہے، اوردوسرا اللہ تعالی کا کلمہ "کن" فرمانا،جس کے بعدوہ بچہ وجود میں آجاتا ہے،عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں چونکہ پہلا عامل منتفی ہے اس لئے دوسرے عامل کی طرف نسبت کرکے آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا،جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مادی اسباب کے واسطے کے بغیر صرف کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے ہیں،اس صورت میں "**القاھاالی مریم**" کے معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالی نے یہ کلمہ مریم علیہا السلام تک پہنچادیا،جس کے نتیجہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آگئی۔

۲۔ بعض نے فرمایا کہ "**کلمة اللہ**" **بشارة اللہ** کے معنی میں ہے،اورمراد اس سے عیسیٰ علیہ السلام ہیں،اللہ تعالی نے فرشتوں کے ذریعہ مریم علیہا السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی تھی اس میں "کلمہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، **اذقالت الملائکة یٰمریم ان اللہ یبشرک بکلمة**۔

۳۔ بعض نے فرمایا کلمۃ ایت ونشانی کے معنی میں ہے جیسا کہ دوسری جگہ یہ لفظ آیہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، وصدقت بکلمات ربھا(تحریم: ۱۲)۔

"وروح منہ" اس لفظ میں دو باتیں قابل غور ہیں، ایک یہ کہ عیسٰی علیہ السلام کو روح کہنے کے کیا معنی ہیں؟ اور دوسرے یہ کہ اللہ جل شانہ کے طرف جو اس کی نسبت کی گئی ہے اس نسبت کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں:

بعض نے فرمایا عرف کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شی کی طہارت اور پاکیزگی کو بیان کرنا ہوتا ہے، تو مبالغہ کے لئے اس پر روح کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش میں چونکہ کسی باپ کے نطفہ کا دخل نہیں تھا۔ اور وہ صرف اللہ جل شانہ کے ارادہ اور کلمہ "کن" کا نتیجہ تھے، اس لئے اپنی طہارت ونظافت میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اسی وجہ سے عرف کے محاورہ کے مطابق ان کو روح کہا گیا، اور اللہ کی طرف نسبت ان کی تعظیم وتشریف کے لئے ہے، جس طرح مساجد کی تعظیم کے لئے ان کی نسبت اللہ کی طرف کر دی جاتی ہے "مساجد اللہ" یا کعبہ کی نسبت اللہ کی طرف کر کے "بیت اللہ" کہا جاتا ہے، چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ صیغہ استعمال کیا گیا ہے، "اسری بعبدہ"۔

۲۔ بعض علماء نے فرمایا عیسٰی علیہ السلام کی بعثت کا حکمت یہ تھا کہ لوگوں کے مردہ دلوں میں روحانی حیات ڈال کر پھر زندہ کر دیں۔ چونکہ وہ روحانی حیات کا سبب تھے، جس طرح روح جسمانی حیات کا سبب ہوا کرتی ہے، اس لئے اس اعتبار سے ان کو روح کہا گیا، جیسا کہ خود قرآن کریم کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے "وکذلک اوحینا الیک روحامن امرنا(شوری: ۵۲): کیونکہ قرآن کریم بھی روحانی حیات بخشتا ہے۔

۳۔ بعض نے فرمایا کہ روح کا استعمال راز کے معنی میں ہوتا ہے عیسٰی علیہ السلام اپنی عجیب وغریب پیدائش کی وجہ سے چونکہ اللہ جل شانہ کے ایک نشانی اور راز تھے اس لئے انہیں "روح اللہ" کہا گیا۔

۴۔ بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یوں تھی: ذوروح منہ، اور چونکہ ذی روح ہونے میں سب حیوان برابر ہیں اس لئے عیسٰی علیہ السلام کا امتیاز اس طرح ظاہر کیا گیا کہ ان کی نسبت اللہ جل شانہ نے اپنی طرف کر دی۔

۵ ایک قول یہ بھی ہے کہ روح "نفخ" پھونک کے معنی میں ہے، جبرئیل علیہ السلام نے مریم کے گریبان میں اللہ کے حکم سے پھونک دیا تھا، اور اسی سے حمل قرار پا گیا۔ چونکہ عیسٰی علیہ السلام بطور معجزہ کے صرف نفخ سے پیدا ہو گئے تھے، اس

لئے آپ کو روح اللہ کہا گیا۔قران کریم کی دوسری آیت: فنفخنافیھامن روحنا(انبیاء: ۹۱) سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد احتمالات بیان کئے گئے ہیں، بہرحال اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا ایک جز ہے، اور یہی روح عیسیٰ علیہ السلام کی انسانی شکل میں ظاہر ہوگئی ہے۔

علامہ الوسیؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ہاروں الرشید کے دربار میں ایک نصرانی طبیب نے علی بن حسین واقدی سے مناظرہ کیا، اوران سے کہا کہ تمہاری کتاب میں ایسا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالی کا جز ہیں، اوردلیل میں یہ آیت پڑھ دی جس میں" روح منـه" کے الفاظ ہیں۔واقدیؒ نے ان کے جواب میں ایک دوسرے ایت پڑھ دی وسخرلکم مافی السمٰوات و مافی الارض جمیعامنه(الجاثیة:۱۳) اس ایت میں کہا گیا ہے کہ اسمانوں اورزمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی اللہ سے ہے۔اور منه کے ذریعہ سے سب چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کردی گئی ہے، اورفرمایا کہ روح منـــه کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالی کا جزو ہیں، تواس آیت کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ اسمان وزمین میں جوکچھ ہے وہ بھی اللہ کا جزو ہے؟ یہ جواب سنکر نصرانی طبیب لاجواب ہوا ،اورمسلمان ہوگیا۔

ولاتقولوا ثلاثة: نزول قران کے وقت نصاری جن بڑے بڑے فرقوں میں تقسیم تھے تثلیث کے متعلق ان کا عقیدہ تین جدا جدا اصولوں پرمبنی تھا۔ایک فرقہ کہتا تھا کہ مسیح عین اللہ ہیں ،اوراللہ ہی بشکل مسیح دنیا میں اتر آیا ہے، دوسرے فرقہ کا کہنا یہ تھا کہ مسیح ابن اللہ ہے اور تیسرا فرقہ یہ دعوی کرتا تھا کہ وحدت کا راز تین میں پوشیدہ ہے، باپ، بیٹا ،مریم۔اس جماعت میں بھی دوگروہ تھے دوسرا گروہ مریم کی جگہ روح القدس کواقنوم ثالث کہتا تھا، غرض یہ لوگ مسیح علیہ السلام ثالث ثلاثہ تسلیم کرتے تھے، اس لئے قران کریم میں تینوں کو جدا جدا بھی مخاطب کیا ہے، اور یکجا بھی،

اورنصارٰی پر یہ واضح کردیا گیا ہے، کہ حق ایک ہی ہے، اوروہ یہ کہ مسیح علیہ السلام مریم علیہ السلام کے بطن سے پیدا شدہ انسان اوراللہ کے سچے رسول ہیں، اس سے زیادہ جوکچھ کہا جاتا ہے سب باطل اورلغو ہے، خواہ اس میں تفریط ہو، جیسا کہ یہود کا عقیدہ ہے، کہ العیاذ باللہ وہ شعبدہ باز اور مفتری تھے، یا افراط جیسا کہ نصاری کا عقیدہ ہے، کہ وہ اللہ ہیں ، یا اللہ کے بیٹے ہیں، یا تین میں کے تیسرے ہیں۔

أَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ
کہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے

وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا
اور سرکشی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا ۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے

الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَأَمَّا الَّذِيْنَ
وہ اُن کو اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عنایت کرے گا۔ اور جنہوں نے (بندہ ہونے سے)

اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ
عار وانکار اور تکبر کیا وہ اُن کو دردناک عذاب دے گا اور یہ لوگ اللہ کے سوا

اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
اپنا حامی اور مددگار نہ پائیں گے ۔ لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (روشن) دلیل آ چکی ہے

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ
اور ہم نے (کفر اور ضلالت کا اندھیرا دُور کرنے کو) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے

وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ
اور اُس (کے دین کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہے اُن کو وہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا

وَّيَهْدِيْهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي
اور اپنی طرف سیدھا رستہ دکھائے گا ۔ (اے پیغمبر) لوگ تم سے (کلالہ کے بارے میں) حکمِ (الٰہی) دریافت

الْكَلٰلَةِ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ
کرتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو

وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا

(اور نہ ماں باپ) اور اس کے بہن ہوں تو اُس کے بھائی کے ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا اور اگر بہن مرجائے

إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا

اور اس کی اولاد نہ ہو تو اُس کے تمام مال کا وارث بھائی ہوگا اور اگر (مرنے والے بھائی کی) دو بہنیں ہوں تو دونوں کو بھائی

الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

کے ترکے میں سے دو تہائی اور اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں

الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۷۶﴾

کے حصے کے برابر ہے اللہ تعالیٰ تم سے اس لئے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے [25]

---

[25] اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو (یعنی نہ مذکر نہ مونث نہ ماں باپ ہوں) اور اس کے ایک (اعیانی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا (یعنی بعد حقوق متقدمہ اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہو اس کو دیا جائے گا ورنہ پھر اسی پر رد ہو جائے گا) اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث (کل ترکہ کا) ہوگا۔ اگر (وہ بہن مرجائے اور) اس کے اولاد نہ ہو (اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر (ایسی) بہنیں دو (یا زیادہ) ہوں تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے (اور ایک تہائی عصبہ کو، ورنہ بطور رد کے انہی کو مل جائے گا) اور اگر (ایسی میت کے جس کے نہ اولاد ہے نہ والدین خواہ وہ میت مذکر ہو یا مونث) وارث چند (یعنی ایک سے زیادہ ایسے ہی) بھائی بہن ہوں مرد اور عورت، تو (ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا) کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر (یعنی بھائی کو دوہرا بہن کو اکہرا، لیکن اعیانی بہن سے علاتی بھائی بہن سب ساقط ہو جاتے ہیں، اور اعیانی بہن سے کبھی وہ ساقط ہو جاتے کبھی حصہ گھٹ جاتا ہے)، روایت احمد میں ہے: کہ قال عمر بن الخطابؓ ماسألت رسول اللهﷺ عن شيئ اكثر مماسألته عن الكلالة حتى طعن باصبعه في صدري، وقال يكفيك آية الصيف التي في آخر سورة النساء۔ (مسند احمد رقم: ۸۹)۔ عمرؓ فرماتے ہیں کہ کلالہ کے بارے میں، میں نے جس قدر سوالات رسول اللہﷺ سے کئے، اتنے کسی اور مسئلہ میں نہیں کئے، یہاں تک کہ آپﷺ نے اپنی انگلی سے میرے سینے میں کچوکا لگا کر فرمایا! کہ تجھے گرمیوں کی وہ آیت کافی ہے جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے۔

سورة المائدة

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا أَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ أُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡأَنۡعَامِ

اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو تمہارے لئے چارپائے جانور حلال کر دیئے گئے ہیں

إِلَّا مَا يُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ غَيۡرَ مُحِلِّى الصَّيۡدِ وَأَنۡتُمۡ حُرُمٌ إِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ مَا

بجز اُن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں مگر احرامِ (حج) میں شکار کو حلال نہ جاننا اللہ تعالیٰ جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے

يُرِيۡدُ ﴿۱﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰهِ

مومنو! اللہ کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا

وَلَا الشَّهۡرَ الۡحَرَامَ وَلَا الۡهَدۡىَ وَلَا الۡقَلَآئِدَ

اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ اُن جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں

وَلَا آمِّيۡنَ الۡبَيۡتَ الۡحَرَامَ يَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرِضۡوَانًا ط

اور نہ اُن لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے رب کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں

وَإِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ أَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ

اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں

الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ أَنۡ تَعۡتَدُوۡا وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰى

عزت والی مسجد سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُن پر زیادتی کرنے لگو اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ

کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے ۔تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا) لہو اور سؤر کا گوشت

الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے

وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ

اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ

اور وہ جانور بھی جو آستانوں پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ تیر سے قسمت معلوم کرو یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ

آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں تو اُن سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

(اور) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ

اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند فرمایا۔ ہاں جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف

لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ

مائل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کیلئے حلال ہیں (ان سے) کہہ دو

الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ

کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں اور وہ (شکار) بھی حلال ہے جو تمہارے لئے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جنہیں تم نے سدھا رکھا ہوا

مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ

جس (طریق) سے اللہ نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اُس کو کھا لیا کرو

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾

اور (شکاری جانوروں کے چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے

اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ

آج تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور تمہارا کھانا اُن کو حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہلِ کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں)

الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ

جب کہ اُن کا مہر دے دو اور اُن سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو۔

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْ أَخْدَانٍ ط وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْإِيْمَانِ

نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔ اور جو شخص ایمان سے منکر ہو

فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ﴿۵﴾

اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہو گا۔

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ

مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو

إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ

اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو) [ا]

[ا] اس آیت کریمہ میں فرضیت وضوء کا ذکر ہے، اوراس میں چار چیزیں فرض ہیں، وضوء میں باقی امور مسنون و مستحب ہیں، جن کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔اورایک قرأت میں ارجلکم مجرور ہے،جس سے بعضوں کو شبہ ہوگیا ہے کہ پاؤں کا حکم بھی مثل سر کے مسح ہے،لیکن چونکہ دو قرأتوں کا مثل دو آیتوں کے متوافق ہونا بلکہ اس سے بھی زیادہ متحد المعنی ہونا ضرور ہے،اوران میں تعارض محال ہے،اس لئے لا محالة غسل ارجل اور مسح ارجل سے ایک ہی معنی مراد ہونگے۔

اورابوزید انصاری وغیرہ اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ مسح بمعنی غسل آتا ہے، چنانچہ ''متوضی'' کو''متمسح'' کہتے ہیں،اور مسح الارض المطر بولتے ہیں،جبکہ بارش سے زمین دھل جاوے۔پھر احادیث صحیحہ غسل ارجل پر متفق ہیں،اور حدیث شیخین میں ایڑیاں خشک رہ جانے پر''ویل للاعقاب''(یہ حدیث متفق علیہ ہے، مسلم نے طہارت:۲۴۲،اور بخاری نے وضوء:۱۶۳، میں نقل کیا ہے) سے نار کی وعید فرمانا: مصرح ہے، جس سے عدم جواز مسح کالشمس فی النهار واضح ہے۔

پھر اہل حق کا اس پر اجماع بھی ہے،اس لئے مسح ارجل غسل پر محمول کیا جاوے گا،اورایک''امسحوا'' مقدر کرلیا جاوے گا تا کہ امسحوا الملفوظ میں جمع بین الحقیقة والمجاز لازم نہ آوے،اوراس صورت میں نکتہ لفظ''مسح'' لانے میں یہ اشارہ ہوگا کہ پاؤں دھونے میں جیسا عادت ہے اسراف پانی کا نہ کریں۔یا جر جوار کا کہا جاوے،اور یہ کہنا کہ عطف میں جر جوار نہیں ہوتا، غیر مسلم ہے، چنانچہ نابغہ کے شعر میں موثق اسیر پر معطوف ہے،اور پھر بھی مجرور ہے۔لم یبق الاّ اسیر غیر منفلّت، وموثق فی حبال القد مجنوب خوب سمجھ لو!اور پوری بحث اس کی روح المعانی میں ہے۔

اورایک مشہور تاویل یہ بھی ہے کہ یہ اس حالت پر محمول ہے، جب پاؤں میں خف(موزے)یا جراب

ہوں،موزوں کا مسئلہ تو تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک ثابت اور متفق علیہ ہے۔تفسیر مواہب الرحمٰن۔لیکن جرابوں پرمسح کرنے میں بعض علماء نے اختلاف کیا ہے،تحقیق مسئلہ کے لئے ہماری جامعہ سے ایک فتویٰ دیا گیا ہے جو ناظرین کے لئے حرف بحرف نقل کرتے ہیں: جرابوں پرمسح کرنا جائز ہے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کئی روایات منقول ہیں۔اور بعض صحابہ کرام سے یہ عمل منقول ہے،ہم تفصیل کے ساتھ جواب صادر فرماتے ہیں،تاکہ معترضین کے اعتراضات اورشبہات کی قلع قمع ہوجائے۔

(۱) عـن المغيـــرة بن شعبة، أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين والنعلين.

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء فرمایا،اور جوربین اور نعلین یعنی (جوتے) پرمسح فرمایا۔(ابـوداؤد مـع الـمـنهـل :۲/۱۳۴ ،والترمذی مع التحفة : ۱/۳۴۳ ، كتاب الطهارة.وابن ماجه : ۱/۱۵۹ كتاب الطهـــــارة وسننها با ب المسح على الجوربين والنعلين .والنسائی : ۱/۸۳ ، كتاب الطهارة، وأحمد :۴/۲۵۲ ،وابن خزيمة : ۱/۹۹، وعبدبن حميد ،صـ۱۵۲ ـ

اس حدیث پر کچھ اعتراضات ہیں جو کہ ابوداؤد وغیرہ نے کئے ہیں۔پہلا یہ کہ قـال أبـوداؤد، كـان عبدالرحمن بن مهدی لايحدث بهذا الحديث، لأن المعروف عن المغيرة أن النبیﷺ مسح على الخفين .:۲/۱۳۶ .

اوردوسرا اعتراض یہ ہے، قـال البيهـقی فی السنن، أما المسح على الجوربين، فقد روى ابو قيس الاودی عن هزيل ابن شرحبيل عن المغيرة بن شعبةؓ، ان النبیﷺ مسح عـلـى جـوربيـه ونـعـليـه، وذاک حـديث منكر ،ضعّفه سفيان الثوری وعبدالرحمن بن مهـدی واحـمـد بن حنبلؒ ....الخ. تو اس تضعیف سے ابن ترکمانی الحنفی جواب فرماتے ہیں۔ قـلـت هـذا الـخبـر أخـرجـه أبـوداؤد وسـكـت عنه، وصححه ابن حبان ،وقال الترمذی حسن صـحـيـح ،وأبـوقـيـس عـبـدالـرحـمـن بن ثروان ،وثقه ابن معين، وقال العجلی ثقة ثبت، وهـزيل وثقه العجلی ،وأخرج لهما معا البخاری فی صحيحه ،ثم انهما لم يخالفا الناس مـخـالفة معارضة ، بل رويا أمرا زائدا على ماروه بطريق مستقل غير معارض، فيحمل

عـلـى انهـمـا حديثان .(الجوهر النقى مع السنن : ١/ ٣٨٤.) اوراسی طرح ابن دقیق العید بھی فرماتے ہیں۔بـأن مـن يصـحـحه يعتمد بعد تعديل أبى قيس على كونه ليس مخالفا لرواية الـجـمهـور مـخـالـفة معارضة ، بل هوأمر زائد على ماروره، ولايعارضه، ولاسيما وهو طريق مستقل برواية هزيل عن المغيرةؓ ،ولم يشارك المشهورات فى سندها. اورمحمود سبکی نےشرح ابوداؤد میں لکھا ہے۔والـعـمـدة فى الجواز على هؤلاء ،لاعلى حديث أبى قيس مع أن الـمـنازعين فى المسح متناقضون، فانهم لوكان هذاالحديث من جانبهم لقالوا هذه زيـــادة والـــزيادة من الثقة مقبولة، ولايلتفتون الى ماذكروه ههنا من تفرد أبى قيس، فاذا كان الحديث مخالفا لهم أعلوه بتفرد راويه ،ولم يقولوا زيادة الثقة مقبولة،كماهو مـوجـود فـى تـصـرفـاتهـم ،والانـصـاف ان تـكـتـال لمنازعك بالصاع الذى تكتال به لنفسك، فان فى كل شئى وفاء وتطفيفا، ونحن لانرضى بهذه الطريقة .

وأجيـب، عـن قـول مسـلـم، لايتـرك ظـاهـر الـقـرآن بمثل أبـى قيـس وهـزيل ،بجوابين.(احدهما) أن ظاهر القرآن لاينفى المسح على الجوربين، كما لاينفى المسح على الخفين.

(الثـانـى)ان الـذيـن سـمـعـوا القرآن من النبى ﷺ وعرفوا تأويله، مسحوا على الـجـوربيـن، وهم أعلم الامة بظاهر القرآن ،ومراد الله تعالى منه، افاده ابن قيم.(أبوداؤد مـع الـمـنهـل : ٢/ ١٣٧ ،وتهـذيـب الـسـنـن لابـن قيم : ١/ ١٢٢).وقال احمد شاكر فى تـصـحيـح هـذالـحـديـث فـى مقدمة الرسالة المسمى ب... المسح على الجوربين .فى ص ١٠ .صـنيع الترمذى فى تصحيح هذا الحديث مصاب، وهذا حديث آخر غير حديث الـمسـح عـلــى الـخفين. اوراسی طرح شرح ترمذی میں ان اعتراضات کے جوابات میں رقم طراز ہیں۔ ولـيـس الامـر كـمـا قـال هـؤلاء الائـمة، والـصـواب صـنيع الترمذى فى تصحيح هذا

الحديث ، وهو حديث آخر غير حديث المسح على الخفين. وقد روى الناس عن المغيرة أحاديث المسح في الوضوء، فمنهم من روى المسح على الخفين ،ومنهم من روى المسح على العمامة، ومنهم من روى المسح على الجوربين، وليس شئى منها بمخالف للأخر، اذ هي احاديث متعددة، وروايات عن حوادث مختلفة. والمغيرة صحب النبي ﷺ نحو خمس سنين، فمن المعقول أن يشهد من النبي ﷺ وقائع متعددة في وضوءه ، ويحكيها فيسمع بعض الرواة منه شيئا ويسمع غيره شياء آخر، وهذا واضح بديهي. (شرح ترمذی لأحمد شاکر : ۱ / ۱۶۸)

روایت نمبر ۲ : عن أبي موسیٰ الأشعری أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين والنعلين. (ابن ماجة : ۱ / ۲۰۲) اس روایت پر ابوداؤد ان الفاظ میں اعتراض کرتا ہے۔قال أبوداؤد، وروى هذا الحديث عن ابی موسیٰ الأشعری عن النبي ﷺ أنه مسح على الجوربين، وليس بالمتصل، ولابالقوی (ابوداؤد مع المنهل :۱/۱۳۷)ابوداؤد کے اعتراضات کا حاصل یہ ہے۔کہ اس میں دو علتیں ہیں۔(۱) یہ کہ یہ حدیث متصل نہیں، بلکہ منقطع ہے، یعنی ضحاک بن عبدالرحمٰن کا ابوموسیٰ سے حدیث سننا ثابت نہیں ہے،اور (۲) یہ کہ اس حدیث کی سند میں راوی عیسٰی بن سنان ہے، جوکہ ضعیف ہے۔

تو پہلی اعتراض سے جواب یہ ہے، کہ ضحاک بن عبدالرحمٰن کا سننا ابوموسیٰؓ سے ثابت ہے، جیسا کہ بدرالدین عینی نے شرح ابوداؤد میں لکھا ہے،اس اعتراض کو نقل کرنے کے بعد۔ قلت قال عبدالغنی فی الکمال، ضحاک بن عبدالرحمن بن عرزب سمع اباه واباموسی الأشعری واباهريرة (۱ / ۷۷۳) اوراسی طرح تہذیب الکمال میں ضحاک بن عبدالرحمٰن بن عرزب کے ترجمہ میں ہے۔روی عن أبي موسیٰ عبدالله بن قيس الأشعری. وأبيه عبدالرحمن بن عزرب، وعبدالرحمن بن غنم الأشعری، وعبدالرحمن بن أبي ليلى، وأبي هريرة،(تهذيب الكمال

:۱۳ /۲۷۰) اوراسی طرح امام بخاری اپنی مشہور کتاب التاریخ الکبیر میں لکھتا ہے. حدثنا ضحاک بن عبدالرحمن بن عرزب الأشعری سمع أباموسیٰ، امام بخاری نے اسی سند کونقل کرتے ہوئے آگے لکھا ہے،عیسٰی بن سنان عن ضحاک بن عبدالرحمن عن أبی موسیٰ فی المسح ،تابعه معلیٰ (۴/ ۳۳۳) تو اس سے ثابت ہوا کہ اُبوداؤداور بیہقی وغیرہ کا قول صحیح نہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب، کہ عیسٰی بن سنان ضعیف ہے۔ یہ ہے کہ اس کا ضعف متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ مختلف فیہ ہے،جیسا کہ علامہ عینی نے مذکوررہ کتاب میں لکھا ہے۔وقال ایضا فی ترجمة عیسٰی بن سنان، قال یحی بن معین ثقة.(ص۳۷۷ ج۱۳) اورتھذ یب الکمال میں بھی یحی بن معین کا قول نقل ہے کہ ھو ثقة. (ص۶۰۸ ج۲۲)اورعجلی سے نقل کرتا ہے کہ لابأس به۔جیسا کہ عجلی نے اپنے کتاب الثقات ص۴۴، میں بھی اسی طرح کہا ہے۔اورابن خراش سے نقل کرتا ہے کہ صدوق۔اورابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں نقل کیا ہے،امام ذھبی اس کے متعلق لکھتا ہے۔وھو ممن یکتب حدیثه علی لینه، وقواه بعضهم یسیرا. (میزان:۳/ ۳۱۲)تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ساقط الاعتبارنہیں،اوراسکا حکم مختلف فیہ راوی کا ہے۔جو کہ ہرذی علم کومعلوم ہے۔

بعض اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے جوربین منعلین مراد ہیں۔ اورمطلق جوربین نہیں ہے۔تو اسکا جواب سبکی اورابن قیمؒ نے کیا ہے۔(شرح ابوداؤد للسبکی :۲/۱۳۶،تھذیب لابن قیم:۱/۱۲۲)ابن قیمؒ اولاً اعتراض نقل کرتا ہے۔ وتأوّل الاستاذ أبوالولید حدیث المسح علی الجوربین والنعلین، علی أنه مسح علی جوربین منعلین، لاانه جورب علی الانفراد، ونعل علی الانفراد. توجواب میں لکھتا ہے قلت هذا مبنی علی أنه یستحب مسح أعلی الخف وأسفله، والبیان فی ذالک ، والظاهر أنه مسح علی الجوربین الملبوس علیهما نعلان منفصلا ن،هذا المفهوم منه فانه فصّل بینهما وجعلهما سنتین ولوکان جوربین منعلین لقال مسح علی الجوربین المنعلین، وایضا فان الجلد الذی فی أسفل الجورب

لایسمی نعلا فی لغة العرب ولاأطلق علیه أحد هذا الاسم.وایضا فالمنقول عن عمر بن الخطاب فی ذالک أنه مسح علی سیور النعل ألتی علی ظاهر القدم مع الجورب فأما أسفله وعقبه فلا.وفیه وجه آخر أنه یمسح علی الجورب وأسفل النعل وعقبه.وایضا فان تجلید أسافل الجوربین لایخرجهما عن کونهما جوربین ولایؤثر اشتراط ذالک فی المسح.وای فرق بین أن یکونا مجلدین اوغیرمجلدین.(تهذیب السنن لابن قیم : ۱/۱۲۳)اوراس اعتراض سے ابن ترکمانی نے بھی جواب کیا ہے۔ قلت ،الحدیث ورد بعطف النعلین علی الجوربین وهو یقتضی المغائرة، فلفظه مخالف لهذا التاویل.(جوهر النقی : ۱/۲۸۵)

روایت۳:. عن کعب بن عجرة عن بلال قال، کان رسول الله ﷺ یمسح علی الخفین والجوربین .(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱/۳۵۱،والاوسط لابن منذر: ۱/۴۶۳).

روایت۴:. عن کعب بن عبدالله قال رأیت علیا بال، فمسح علی جوربیه ونعلیه، ثم قام یصلی.مصنف عبدالرزاق : ۱/۱۹۹،وابن ابی شیبة: ۱/۱۸۸.وبیهقی : ۱/۲۸۵ ، والأوسط : ۱/۴۶۲)

روایت۵: عن أبی الجلاس عن ابن عمر أنه کان یمسح علی جوربیه ونعلیه.(مصنف عبدالرزاق: ۱/۱۹۹، ۲۰۱،وابن ابی شیبة: ۱/۱۹۰، والاسط: ۱/۴۶۳).

روایت۶:عن خالد بن سعد قال کان أبو مسعود الانصاری یمسح علی جوربین له من شعر ونعلیه. (مصنف عبدالرزاق : ۱/۱۹۹).

روایت۷:عن اسماعیل بن رجاء عن أبیه قال رأیت البراء بن عازب یمسح علی جوربیه ونعلیه.(مصنف عبدالرزاق: ۱/ ۲۰۰، وابن ابی شیبة: ۱/۱۸۹ ،وبیهقی : ۱/۲۸۵،والاوسط: ۱/۴۶۳)

روایت۸: عـن قتـــادة عن أنــس بن مالک أنه كان يمسح على الجوربين ؟قال نعم، يـمسـح عـليهـا مثل الـخـفيـن.(مـصـنف عبدالـرزاق: ۱/۲۰۰، وابن ابـی شيبة: ۱/۱۸۸، بيهقی: ۱/۲۸۵،الاوسط: ۱/۴۶۲)

روایت۹:. عـن ابـراهيـم عـن ابـن مسـعـود، كـان يـمسـح عـلى خفيـه ويمسح على جـوربيه.(مصنف عبدالرزاق: ۱/۲۰۱،وابن ابی شيبة:۱۵/۳۵،طبرانی فی المعجم الكبير : ۹/۲۸۸).

روايـت ۱۰ :. عـن ابـی غـالـب عن ابی امامة انه كان يمسح على الجوربين والخفين والعمامة. (الاوسط لابن منذر: ۱/۴۶۳،ابن ابی شيبة: ۱/ ۱۸۸)

روايـت ۱۱ : عـن مـطـرف قـال دخـلـت عـلـی عـمـار فـرأيـت يتوضأ ويمسح على الجوربين.(الاوسط : ۱/۴۶۳).

روایت۱۲: .عـن أبی حازم قال رأيت سهلا يمسح على الجوربين.(الاوسط: ۱/۴۶۳ ، وابن ابی شيبة : ۱/۱۸۸)

روايـت ۱۳ : عـن جـلاس ابـن عـمـرو ،أن عمرؓ توضا يوم جمعة ومسح على جوربيه ونعليه.(مصنف ابن ابی شيبة: ۱/۱۸۸) .

روایت۱۴: عـن اسـمـاعـيـل بـن امية قـال بـلـغـنـی عن سعد بن أبی وقاص، كان لايری بالمسح على الجوربين بأسا.(مصنف ابن ابی شبية : ۱/۱۸۹) .

اس کے علاوہ ابوداؤد وغیرہ نے اورصحابہ کرامؓ کے نام بھی ذکر کئے ہیں،لیکن چونکہ ان صحابہ کرام کے روایات سنداہمیں معلوم نہیں،اسی وجہ سے ہم نے اسکا ذکرکرنا چھوڑ دیا،کیونکہ مذکورہ بالا جن صحابہ کرام سے ہم نے روایات نقل کی ہیں،ان سب کےاسناد مذکورہ کتابوں میں موجود ہیں۔

اوربعض لوگ یہ اعتراض بھی پیش کرتے ہیں،کہ ہم ان روایات کی وجہ سے قرآن کے ظاہرکونہیں چھوڑ

سکتے، تو اس کا جواب پہلے اجمالا گزر چکا ہے۔ اور دوسرا جواب یہ کہ یہ آیات عام مخصوص عنه البعض ہے، یعنی روایات مسح علی الخفین سے۔ اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ عام مخصوص عنه البعض کا حکم ظنی جیسا ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ارجلکم میں دو قرأت ہیں، ایک زبر کے ساتھ، اس کا معنی پاؤں دھونا ہے۔ اور دوسری قرأت زیر کیساتھ ہے، اور یہ قرأت بھی مشہور ہے۔ تفصیل کے لئے تفسیر ابن جریر ص ۴۶۹ ج ۴، ملاحظہ کیجئے۔ تو اس قرأت سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس سے مسح علی الجوربین والخفین مراد ہے۔ جیسا کہ کتاب العدۃ میں امیر صنعانی رقمطراز ہیں۔ ولایخفی ان التعارض انما هو علی قرأة نصب الارجل ،لاعلی قرأة جرها،وقال القائلون بجوازه ،لیس بین الایة والاثار تعارض. لأن الامر بالغسل انما هومتوجه الی من لاخف له .والرخصة انما هی.للابس الخف. وقیل أن التاویل قرأة الارجل بالخفض هو المسح علی الخفین، فتکون الأیة بقرأة النصب افادة ایجاب الغسل مطلقا، ثم خصت الاطلاق قراء ة الجر انما یجب علی من لاخف له.وبین ذالک فعله ﷺ (العدة ص ۲۹۹ ج ۱).

اوراسی طرح ابن جریر بہت لمبی تفصیل ذکر کرنے کے بعد آخر میں لکھتا ہے۔ ولو صح ذالک عن النبی ﷺ کان جائزا أن یکون مسح علی نعلیه وهما ملبوسان فوق الجوربین. (تفسیر ابن جریر: ۴/ ۴۷۷).

تو مذکورہ بالا تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ مسح علی الجوربین جائز اور مسنون ہے اور اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو منع کا جو قول منسوب ہے، وہ صحیح نہیں، جیسا کہ صاحب مبسوط نے امام صاحب کا قول مفصل نقل کیا ہے، لکھتا ہے "وان کانا ثخینین غیر منعلین، لایجوز المسح علیهما عند ابی حنیفة رحمه الله، لان مواظبة المشی بهما سفرا غیر ممکن ،فکان بمنزلة الجورب الرقیق، وعلی قول ابی یوسف محمدؒ یجوز المسح علیهما، وحکی أن ابا حنیفة فی مرضه مسح علی جوربیه، ثم قال لعوّاده فعلت ماکنت امنع الناس عنه، فاستدلوا به علی رجوعه، وحجتهما حدیث ابی موسیٰ

الاشعری رضی اللہ عنہ وارضاہ أن النبی ﷺ مسح علی جوربیه، وقد روی المسح علی الجورب عن ابی بکرؓ، وعلیؓ، وانسؓ،(مبسوط : ۱/۱۰۲).

اوراسی طرح امام ترمذی نے بھی امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے۔ قال ابوعیسیٰ سمعت صالح بن محمد الترمذی قال سمعت ابامقاتل السمرقندی یقول دخلت علی ابی حنیفة فی مرضه الذی مات فیه ، فدعا بماء فتوضأ وعلیه جوربان فمسح علیهما . ثم قال فعلت الیوم شیئا لم أکن أفعله، مسحت علی الجوربین وهما غیر منعّلین(ترمذی نسخه محققه مع التخفة: ۱/۳۵۰ ، ونسخه محققه لاحمد شاکر : ۱/۱۶۹).

اوراسی طرح امام طحاویؒ نے بھی فرمایا ہے لانری بأسا بالمسح علی الجوربین اذاکان صفیقتین ،قد قال ذالک ابویوسف ومحمد، وأما أبوحنیفة فانه کان لایری ذالک حتی یکونا صفیقتین ویکونا مجلدین. (شرح معانی الاثار: ۱/۱۲۷). تواس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علماء احناف وغیرھم کے نزدیک بھی مسح علی الجوربین جائز ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ جرابیں موٹی ہونگی، منعل ہونگی، اور پھٹی ہوئی نہ ہوں، یہ سب قیودات ایسی ہیں کہ ان پر کوئی دلیل نہیں۔ اورنصوص کو اپنی جانب سے مقید کرنا ہے۔ جوکہ علماء اصول کے نزدیک ناجائز ہے۔ اسلئے ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک ایسے جراب پہنے ہوئے ہوں (علماء لغت جراب کی تفسیر لفافة الرجل کے ساتھ کرتے ہیں، قاموس وغیرہ) کہ جن پر جراب کا اطلاق ہوتا ہو۔ خواہ پھٹے ہوئے ہوں، موٹے ہوں، باریک ہوں، منعل ہوں، غیرمنعل ہوں، ان سب پر مسح جائز ہے۔

اور یہ اعتراض کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں باریک کپڑے نہ تھے، سب کے سب موٹے کپڑے تھے، تولہذا یہ قید (موٹے) خودبخود آ گیا کیونکہ یہ واقع تھا اور یہ قید واقعی ہے احترازی نہیں، تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ اعتراض ان لوگوں کا ہے جن کا احادیث رسول اللہ ﷺ سے کوئی واسطہ نہیں، احادیث میں رسول

اللہ ﷺ کے زمانے میں باریک کپڑوں کے وجود کا بھی ذکر ملتا ہے، ہم بطور نمونہ چند احادیث ذکر کرتے ہیں۔

(۱) عن دحية بن خليفة الكلبي أنه قال أُتي رسول الله ﷺ بقباطي، فأعطاني منها قبطية، فقال اصدعها صدعين، فأقطع أحدهما قميصا واعط الآخر امرأتك تختمر به، فلما أدبر قال وأمر امرأتك أن تجعل تحته ثوبا لايصفها. قبطی وہ کپڑا ہے کہ مصر میں بنتا تھا، شراح حدیث اس لفظ کی تشریح میں لکھتے ہیں، القباطي بفتح القاف وموحدة وكسر طاء مهملة وتحتية مشددة، جمع قبطية، وهي على مافي النهاية، ثوب من ثياب مصر رقيقة بيضاء، كأنه منسوب الى القبط، وهم أهل مصر. اور لايصفها کی تشریح میں لکھتے ہیں. اى لاينعتها ولايبين لون بشرتها لكون ذالك القبطي رقيقا، اس حدیث کو ابوداؤد نے كتاب اللباس باب في القباطي للنساء: ۱۱/۱۳۶، مع العون. میں نقل کیا ہے۔

(۲) عن زياد بن كسيب العدوي قال كنت مع أبي بكرة تحت منبر ابن عامر، وهو يخطب وعليه ثياب رقاق، فقال أبو بلال أنظر وا، الى أميرنا يلبس ثياب الفساق (الحديث) اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے (باب ماجاء في الخلفاء: ۳/۲۲۹ مع التحفة).

(۳) اور حدیث اسماءؓ جو کہ ابوداؤد میں ہے: عن عائشة رضي الله عنها ان اسماء بنت ابى بكر دخلت على رسول الله ﷺ وعليها ثياب رقاق، فاعرض عنها رسول الله ﷺ، وقال يااسماء! ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلُح لها. (لم تَصلِح) ان يرى منها الا هذا وهذا. واشار الى وجهه وكفيه. (ابوداؤد: ۴/۲۹).

(۴) اور ایک اور روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے .عن مالك عن علقمة بن ابى علقمة عن امه انها قالت دخلت حفصة بنت عبدالرحمن على عائشة زوج النبي ﷺ وعلى حفصة خمار رقيق. فشقه عائشة .وكستها خمارا كثيفا. (موطأ امام مالك : ۵۶۱). هذا ماعندي (والله اعلم بالصواب).

إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ
اور اگرنہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے
مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا
بیت الخلاء میں سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہمبستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو
فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ
اور اُس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمّم) کر لو اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا
حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ
بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو ۔
[۶] وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ إِذْ قُلْتُمْ
اور اللہ نے تم پر جو احسان کئے ہیں اُن کو یاد کرو اور اُس عہد کو بھی جس کا تم سے قول لیا تھا (یعنی) جب تم نے کہا تھا
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ [۷]
کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا اور قبول کیا اور اللہ سے ڈرو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں (تک) سے واقف ہے
يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
اے ایمان والو! اللہ کیلئے انصاف کی گواہی دینے کیلئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوْا اعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ
آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو (بلکہ) انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو
إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ [۸] وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا
کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے ۔ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
اور نیک کام کرتے رہے اُن سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اُن کیلئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔ اور جنھوں نے کفر کیا
وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ ﴿۱۰﴾ يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔ اے ایمان والو!
اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَّبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ
اللہ نے جو تم پر احسان کیا ہے اس کو یاد کرو جب ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کریں
فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾
تو اس نے اُن کے ہاتھ روک دیئے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیئے
وَلَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ط
اور اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور اُن میں ہم نے بارہ سردار مقرر کئے
وَقَالَ اللّٰهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي
پھر اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے
وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرضِ حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دُور کر دوں گا
وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ
اور تمھیں باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ
وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔ تو اُن لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے اُن پر لعنت کی

وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا

اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو

ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ

نصیحت کی گئی تھی اُن کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو

إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّا نَصٰرٰى أَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ

اور جو لوگ (اپنے تئیں) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

مگر انہوں نے بھی اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی ایک حصہ فراموش کر دیا تو ہم نے ان میں

إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

قیامت تک کیلئے دشمنی اور کینہ ڈال دیا اور جو کچھ وہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو اس سے آگاہ کرے گا۔

يٰأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ

اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر (آخر الزماں) آگئے ہیں کہ جو کچھ تم کتابِ (الہی) میں سے چھپاتے تھے

مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ

وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں کھول کھول کر بتا دیتے ہیں اور تمہارے بہت سے قصور معاف کر دیتے ہیں

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی ہے ۔[۲]

---

[۲] اس ایت میں ''نور'' سے مراد کتاب مبین یعنی قران مجید ہے، اور عطف تفسیری ہے، **و المرادبه وبقوله ''كتاب مبين'' القران لمافيه من كشف ظلمات الشرك ،و الشك، وابانة ماخفى على الناس من الحق، والاعجاز البين، و العطف لتنزيل المغايرة بالعنوان، له المغايرة بالذات** (ابو سعود: ۳؍۳۴۳؍۵) یعنی نور اور کتاب سے قران مراد ہے کیونکہ اس سے شرک وشبہات کے اندھیرے دور ہوتے ہیں ۔اور لوگوں پر حق واضح ہوتا ہے باقی رہی یہ بات کہ معطوف علیہ اور معطوف میں تغایر ضروری ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تغایر فی العنوان کافی ہے ۔اس کے بعد کتاب کی تین صفتیں بیان فرمائیں:

اول: ''**يهدى به الله**'' **الاية**'' **من اتبع رضوانه**''''**يهدى**'' کا مفعول اول ہے، اور ''**سبل السلام**'' اس کا مفعول ثانی ہے، جو لوگ اللہ کی رضا مندی کی متلاشی ہیں، ان کو وہ اس کتاب کے ذریعہ سلامتی کی راہوں تک پہنچا دیتا ہے ۔جن پر چل کر وہ اللہ کے رضا حاصل کر سکتے ہیں ۔

دوئم: ''**ويخرجهم من الظلمات الى النور**'' اور اپنی توفیق اور تائید سے ان کو شرک اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر توحید وہدایت کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے ۔

سوئم: ''**ويهديهم الى صراط مستقيم**'' اور ان کو صراط مستقیم (سیدھی راہ) دکھاتا ہے، جن پر تمام انبیاء علیہم السلام خود گامزن رہے ۔اور جس کی طرف اپنی امتوں کو دعوت دیتے رہے ۔

لفظ ''نور'' کی تحقیق

بعض لوگ جو علم ودیانت سے بے بہرہ ہیں، اور قران مجید کو اپنی تحریفات کا نشانہ بنانا ہی جن کا سرمایہ دین ہے، کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالی نے رسول کریم ﷺ کو نور فرمایا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بشر نہیں ہیں، اور آپ ﷺ کے جسد اطہر کا سایہ نہیں تھا ۔کیونکہ بشریت اور نور میں تضاد ہے، اور نور کا سایہ نہیں ہوتا ۔اس کے دو جواب

ہیں: پہلا جواب اس آیت میں نور سے رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی مراد نہیں بلکہ اس سے قران مجید مراد ہے، جیسا کہ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ کی طرف سے ہمارے پاس دو چیزیں آئی ہیں، ایک نبی کریم ﷺ، دوم قران مجید، رسول پاک ﷺ کی امد کا ذکر، اس سے قبل ﴿یا اهل الکتاب قدجاء کم رسولنا﴾ سے فرمایا، اور دوسری چیز یعنی قران مجید کا ذکر ﴿قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین﴾ سے فرمایا "کتاب مبین" کا عطف "نور" پر عطف تفسیری ہے۔ متعدد مفسرین نے اس کی صراحت کی ہے۔ ابوسعود کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔ امام نفسی حنفی فرماتے ہیں: یرید القران لکشفه ظلمات الشرک و الشک و لابانته ماکان خافیا علی الناس من الحق: مدارک۔

قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں: وجاز ان یکون العطف تفسیریا، وسمی محمد ﷺ و القران نورا لکونهما کاشفین لظلمات الکفر: مظهری، بحر، جیسا کہ سورۂ حدید میں فرمایا: "وانزلنا معهم الکتاب و المیزان" (حدید: ۲۵) یہاں بھی عطف تفسیری ہے، اور "المیزان" سے "الکتاب" مراد ہے، اور اگر واو کو عاطفہ ہی قرار دیا جائے تو اس صورت میں وہ ایک ہی چیز (قران) کے دو متغایر وصف (نور اور کتاب مبین) بیان کرنے کیلئے ہوگی، قران نور ہے کیونکہ اس سے کفر وشرک وشبہات اور شکوک کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، نیز وہ کتاب مبین ہے، یعنی حق و باطل کو اس طرح کھول کر بیان کرتی ہے، کہ ہر شخص بخوبی ان میں امتیاز کر سکتا ہے، قران مجید کو اللہ تعالی نے کئی بار نور سے تعبیر فرمایا مثلا ارشاد ہے: ﴿و انزلنا الیکم نورا مبینا﴾ (نساء: ۱۷۴) اسی طرح سورۂ تغابن میں فرمایا: ﴿فامنوا بالله ورسوله و النور الذی انزلنا﴾ (تغابن: ۸)۔ ان دونوں آیتوں میں نور سے لامحالہ قران مجید ہی مراد ہے۔

دوسرا جواب: اگر سیاق وسباق کے خلاف اس ایت میں نور سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہی مراد لی جائے، تو بھی ان کا مطلب حاصل نہیں ہوسکتا۔ نہ اس سے آپ ﷺ کی بشریت کا انکار ثابت ہوتا ہے، نہ آپ ﷺ کے سایہ کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ لفظ نور کا اپ ﷺ کے ذات اقدس پر اطلاق بطور تشبیہ واستعارہ ہے، جس سے آپ ﷺ کی شان رہنمائی اور وصف ہدایت کو نمایاں کرنا مقصود ہے، جس طرح نور (روشنی) سے اندھیرا زائل ہوجاتا ہے اور ہر چیز صاف نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے کفر وشرک اور ضلالت و جہالت کے اندھیریں دور ہوتے ہیں، اور صراط مستقیم صاف صاف دکھائی دینے لگتی ہے، تو رسول اللہ ﷺ کو نور اس لئے نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ کی ذات نور ہے بشر نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ کو نور اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ کی صفت نور ہے، آپ ﷺ کے ذریعے کفر وشرک کا اندھیرا دور ہوا، اور راہ حق واضح ہوئی، جیسا کہ مفسرین کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

علامہ خازن لکھتے ہیں: یعنی محمدﷺ "انما سماہ نورا لانہ یھتدی بالنور فی الظلام" : خازن، امام نسفی فرماتے ہیں او النور محمدﷺ لانہ یھتدی بہ کما یھتدی بالنور فی الظلام کما سمی سراجا. مدارک، جن مفسرین نے نور سے محمدﷺ کی ذات گرامی مراد لی ہے، ان میں سے کسی نے بھی اس سے آپﷺ کی بشریت یا آپﷺ کے سایہ کی نفی پر استدلال نہیں کیا، بلکہ سب نے اس اطلاق کو استعارہ قرار دیکر اس سے نور ہدایت یعنی ہدایت کی روشنی مراد لی ہے۔

مزید تفصیل اس مسئلے کا یہ ہے، کہ جتنے انبیاء گذر گئے ہیں وہ بشر تھے، دیکھئے سوۂ ال عمران: ۷۹، ۸۰۔ انعام: ۹۱، ابراہیم: ۱۰، ۱۱، بنی اسرائیل: ۹۳، تا ۹۶، اور ۶۱ ص، ۷۱ تا ۷۶، اور سورۂ حجر ۲۸ تا ۳۳، اعراف ۱۲، ۶۳، ۶۹، ال عمران ۵۹، ھود ۲۷، مومنون: ۲۴، ۳۳، ۳۴، ۴۷ شعراء، ۱۸۶، ۱۵۴، سورۂ قمر ۲۴، مریم: ۳۳، یس: ۱۵، ان دلائل سے یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام انسان تھے، اور نبی کریمﷺ تمام انبیاء کرام کے خاتم ہیں، لہذا اللہ تعالی نے ان کو بھی انسان بنایا، اور انسان ہونے کے ناطے اللہ تعالی نے ان کو بہت ہی زیادہ بزرگی اور فضیلت عطا فرمائی ہے، یہاں تک کہ تمام انبیاء کرام پر اللہ تعالی نے ان کو فضیلت عطا فرمائی ہے، نبیﷺ کو اللہ تعالی نے جو مقام عطا فرمایا ہے وہ انسان ہونے کی وجہ سے ہے قران کریم میں خاص دلائل بھی ہیں کہ رسول اللہﷺ بشر تھے۔ ملاحظہ کیجئے سورۂ بنی اسرائیل ۹۳ کہف: ۱۱۰، فرقان: ۷، ۲۰ حم سجدہ: ۶، ال عمران، ۱۶۴، سورۂ جمعہ: ۲، سورۂ بقرہ، ۱۲۹، ۱۵۱، یونس: ۲ ص: ۴، توبہ، ۱۲۸،

احادیث اس باب میں زیادہ ہے بطور نمونہ ہم چند روایات پیش کرتے ہیں: ایک روایت متفق علیہ، خ، ۴۰۱، م: ۲/۸۹ ۵۷، جو کہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسول اللہﷺ نماز میں بھول گئے تو نماز پوری کرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: انما انا بشر مثلکم انسیٰ کما تنسون فاذا نسیت فذکّرونی ۔ میں بھی تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں، میں بھی بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ لہٰذا میں جب بھول جایا کروں تو تم مجھ کو یاد دلا دیا کرو۔

ایک دوسری روایت ام سلمہؓ سے منقول ہے کہ: نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: وانما انا بشر وانکم تختصمون الی، ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض، فاقضی لہ علی نحو ما اسمع منہ، فمن قضیت لہ بشیء من حق اخیہ، فلا یأخذنّہ، فانما اقطع لہ قطعة من النار ۔ یعنی میں ایک انسان ہی تو ہوں، ہوسکتا ہے کہ تم ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ اور تم میں سے ایک فریق دوسرے کی نسبت زیادہ چرب زبان ہو،

اوراس کے دلائل سن کر میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں ،مگر یہ سمجھ لو! کہ اگراس طرح اپنے کسی بھائی کے حق میں سے کوئی چیزتم نے میرے فیصلہ کے ذریعے حاصل کی، تو دراصل تم جہنم کا ایک ٹکڑا حاصل کروگے۔یہ روایت بخاری نے :۲۴۵۸، میں اور مسلم نے:۴/۱۳۱۷،ابوداؤد:۳۵۸۳،نسائی:۸/۲۳۳،ترمذی:۱۳۳۹،اورابن ماجہ نے: ۲۳۱۷، میں نقل کیاہے۔اس کے علاوہ روایات زیادہ ہیں،صرف حوالہ جات پراکتفاء کرتے ہیں۔ابوہریرہؓ سے روایت ہے جوکہ صحیح مسلم نے:۶۶۲۲، میں اوراحمد نے:۲/۴۹۳، میں نقل کیاہے،ابوہریرہؓ کی دوسری روایت ہے جوکہ صحیح مسلم نے ۶۶۱۶، میں اور مسنداحمد نے:۳/۴۰۰، میں اورابن ابی شیبہ:نے۱۰/۳۳۹، میں نقل کیاہے۔انس رضی اللہ عنہ سے مسلم :۶۶۲۸، میں ایک طویل حدیث منقول ہے،اورمسنداحمد نے:۶/۱۰۷، میں۔

اخرمیں ہم وہ مشہورروایت جوکہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے بعدفرمایا تھا کہ:الایاایھا الناس انماانا بشر یوشک ان یأتینی رسول ربی عزوجل فاجیب.مسلم :۲/۲۷۹ مسنداحمد:۴/۳۶۷، سنن دارمی:۳۲۴ سنن کبری للبیھقی:۱۰/۱۱۴ ۔خبردارلوگو!میں ایک بشرہی ہوں،قریب ہے کہ میرے پاس رب کا قاصد(ملک الموت)آجائے اورمیں اس کی دعوت پرلبیک کہوں۔

جبکہ صحابہ کرام بھی رسول اللہ ﷺ کوبشرمانتے تھے۔مستدرک حاکم:۱۰۵۱،۱۰۶، میں عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھا کرتے تھے:چندقریشی صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے کہااپ رسول اللہ ﷺ کی ہربات لکھتے ہیں،ورسول اللہ ﷺ بشریتکلم فی الرضاء و الغضب ۔الحدیث،یعنی رسول اللہ ﷺ ایک بشرہیں اپ ﷺ خوشی اورغصہ میں بھی کلام کرتے ہیں۔ جناب عبداللہ بن عباسؓ نے نبی ﷺ کی وفات کے بعدایک خطبہ ارشادفرمایاجس میں یہ الفاظ بھی تھے:ان رسول اللہ ﷺ قدمات وانہ بشر:سنن الدارمی:۲۳ ۔بیشک رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوچکی ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک بشرہی تھے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے پوچاگیا کہ کیارسول اللہ ﷺ اپنے گھرمیں کیاکام کرتے تھے؟عائشہؓ نے فرمایاکان بشرامن البشریفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم نفسہ(مسنداحمد:۶/۲۵۶ الصحیحۃ: ۶۷۱) رسول اللہ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان ہی تھے آپ ﷺ اپنے کپڑوں سے جوئیں نکالتے،اوراپنے بکری کادودھ خوددودھ لیتے،اوراپنی خدمت خودکرتے تھے۔صحیح ابن حبان کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:ماکان الابشرامن البشر ۔آپ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان ہی تھے(رقم:۲۱۳۶)۔

بعض لوگ مذکورہ ایت کریمہ سے رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کے لئے استدلال کرتے ہیں، لیکن غور طلب بات ہے کہ اس ایت کا یہ اتنا بڑا حصہ لوگوں کے سامنے کیوں تلاوت نہیں کیا جاتا؟ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس حصہ کو بیان کرنے سے وہ پول کھل جاتا ہے، کہ جس کے لئے اس کو تلاوت نہیں کیا جاتا۔ اس ایت سے ظاہر ہے کہ اس کے پہلے بڑے حصہ میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر الگ اور مستقل طور پر کیا گیا ہے، اودوسرے حصہ میں صرف قران کریم کا ذکر ہے کیونکہ قران کریم خود نور بھی ہے اور مضامین کو کھول کر بیان بھی کرتا ہے اور دوسرے مقامات پر اس کی وضاحت موجود ہے۔ جیسا کہ سورت اعراف: ۱۵۷، تغابن: ۸، النساء: ۱۷۴ قران کریم میں عموما نور سے مراد نور ہدایت یعنی ہدایت کا نور ہے اور متعدد مقامات پر نور کا انہیں معنوں میں استعمال ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ: ۲۵۷ مائدہ: ۴۴، ۴۶ سورۂ نور: ۳۵۔

اور رسول اللہ ﷺ بھی نور ہدایت تھے۔ جن آیات اور روایات میں بعض مفسرین اور علماء نے نور سے رسول اللہ ﷺ مراد لیا ہے تو اس کا یہی معنی ہے۔

باقی یہ لوگ کچھ بے سروپا روایات سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ یہ روایت مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یاجابرؓ !ان اللہ خلق قبل الاشیاء نور نبیک، الحدیث۔

یعنی اے جابرؓ! بیشک اللہ تعالی نے تمام اشیاء سے قبل تیرے نبی کا نور پیدا کیا، یہ روایت زرقانی نے: ۱/۴۶ ۵ ،اور صاحب نشر الطیب نے: ۱۶، میں نقل کیا ہے، لیکن ابھی تک اس کا کوئی سند کسی کو معلوم نہیں، علامہ البانی نے فرمایا ہے: کہ میں نے بہت کوشش کی کہ اس روایت کی سند کہیں سے مل جائے لیکن پوری کوشش کے باوجود مجھے نہیں ملا۔

بعض نے اس روایت کو امام عبد الرزاق کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن یہ روایت ان کی مصنّف اور تفسیر دونوں میں موجود نہیں ہے، البتہ اب مصنّف کا ایک جلد بنام (الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنّف) چھپ چکا ہے، اور یہ حدیث اس جزء کی ،ص: ۶۴، میں موجود ہے، لیکن یہ جزء مصنّف کا نہیں، بلکہ بعض مبتدعین نے امام عبد الرزاق کو غلط منسوب کیا ہے، اور امام کو اس کی نسبت صحیح نہیں، بلکہ بعض مبتدعین محرّفین کا اختراع ہے، جیسا کہ اکثر علماء نے بیان فرمایا ہے، اور اس کے رد کے لئے شیخ تکلہ کی کتاب "مجموع فی کشف هذا الجزء المفقود المزعوم" زیادہ مشہور و معروف ہے۔ یہ حدیث دراصل شیعہ مذہب کی مشہور کتاب اصول کافی: ۲/۳۲۸، میں ذکر کی گئی ہے۔

عن جابر بن یزید قال لی ابو جعفر یاجابر ان اول ماخَلَق، خَلَقَ محمد ﷺ، وعترته المهداة المهتدین فکانوا اشباح نور بین یدی اللہ، الخ ۔ یعنی جابر بن یزید بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر

نے کہا اے جابر! اللہ تعالی نے تمام مخلوقات میں سب سے پہلے محمد ﷺ اوران کی ہدایت یافتہ اولاد (ائمہ) کو پیدا کیا، پس ان کے نور کے (یعنی نورانی) وجود اللہ تعالی کے سامنے تھے۔

جبکہ ایک اورروایت: ۳۲۵/۲، میں نقل کرتا ہے کہ قال اللہ تبارک وتعالی یامحمدانی خلقتک وعلیاً نوراً یعنی روحابلابدن ۔یعنی اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ میں نے تجھے اورعلیؓ کونور سے پیدا کیا ہے، یعنی روح بلا بدن ۔(اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک نور سے مرادروح ہے)۔

امام سیوطیؒ نے ایک روایت ذیل اللالی المصنوعۃ: ۵۰، میں ابونعیم سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خلقنی اللہ من نورہ وخلق ابابکر من نوری وخلق عمرمن نورابی بکروخلق امتی من نورعمر، ۔یعنی اللہ تعالی نے مجھے اپنے نور سے پیدا کیا، اورابوبکر کو میرے نور سے پیدا کیا، اورعمر کوابوبکر کے نور سے پیدا کیا، اورمیری امت کوعمر کے نور سے پیدا کیا۔

امام سیوطیؒ اس روایت کونقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، یہ روایت باطل ہے اس کی سند میں ابومعشر، وابوشعیب اور الہیثم متروک رواۃ ہیں ۔علامہ محمد طاہر الفتنی تذکرۃ الموضوعات: ۸٦، میں اورشوکانی فوائد مجموعہ: ۳۲٦، میں اورعلی القاری موضوعات کبری: ۱۱۹، میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ انامن نوراللہ، و المومنون منی، اوریہ تمام ناقلین فرماتے ہیں کہ انہ کذب مختلق موضوع یعنی یہ ایک گھڑا ہوا جھوٹ ہے، اس کا کوئی سند نہیں ۔جبکہ اصل کتاب میں لفظ ''انامن اللہ'' ہے نور کا لفظ نہیں ۔اوراس حدیث کی رد کے لئے شیخ غماری کی کتاب مرشدالحائر کافی شافی ہے، جس کسی کا شک ہو، وہ اس کا مطالع کرے، جبکہ محمد صالحی الشامی، سبل الہدی: ۱/٦۹، میں کچھ روایات نقل کرتے ہیں: روی الحافظ محمدبن عمرالعدنی، شیخ مسلم، فی مسندہ عن ابن عباسؓ ان قریشا، ای المسعدۃ بالاسلام، کانت نورابین یدی اللہ تعالی قبل ان یخلق آدم بالفی عام، یسبح ذلک النور وتسبح الملائکۃ بتسبیحہ. قال ابن القطان: فیجمع من ھذامع مافی حدیث علی، ان النور النبوی جُسّم بعدخلقہ باثنی عشر الف عام، وزیدفیہ سائرقریش، وانطق بالتسبیح، انتہیٰ۔

وقداشارعمہ العباسؓ الی ذلک فیماروا ہ الطبرانی ان سیدنا العباسؓ قال: یارسول اللہ انی اریدان امتدحک، فقال لہ رسول اللہ ﷺ قل: لایفضض اللہ فاک، فقال رضی اللہ عنہ.

وانت لماولدت اشرقت الارض　　　وضائت بنورک الافق

ونحن فی ذلک الضیاء وفی النور وسبل الرشادنحترق

عبداللہ بن عباسؓ والی روایت کوشرف المصطفی میں خرکوشی نے:۱/۳۰۴، میں نقل کیا ہے،جس میں کچھ ایسے الفاظ ہیں:انه قال، ان قریشا کانت نورابین یدی اللہ عزوجل قبل ان یخلق آدم بالفی عام، الخ ۔جبکہ اس روایت کوبوصیری نے کتاب الاتحاف:۹/۷،اور ابن حجر نے:مطالب عالیہ:۴/۱۷۷، میں نقل کیا ہے، اس کے سند میں عبداللہ بن فرات راوی ہے، جوکہ مجہول ہے ۔اورعثمان بن داؤد بھی مجہول ہے ،اورضحاک،عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتا ہے جس میں انقطاع ہے۔اوراس کے بعد علیؓ والی روایت :۱/۳۰۷، میں نقل کرتے ہیں ، یہ روایت بہت لمبی نقل کیا ہے،لیکن اس سند میں بھی انقطاع ہے،اس لئے کہ مصنف کا عبداللہ بن مبارک سے ملاقات نہیں ہوئی ۔اوراس کے علاوہ اس کی صحیح سند کہیں نہ ملی ۔جبکہ خرکوشی:۱/۳۰۰،کعب الاحبار سے ایک لمبی روایت نقل کرتے ہیں ۔جس میں وہ فرماتے ہیں :هل تدرون ماهذه؟ فيهاصفة رسول اللهﷺ،ان اللهتبارک وتعالى لماارادان يخلق محمداﷺامرجبرئيل عليه السلام ان يأتيه بالقبضة البيضاء التى هى نور الارض، فهبط جبرئيل مع الملائكة فقبض قبضة من موضع قبره ،وهى يومئذبيضا،نقية، فعجنت حتى جعلت كالدرة البيضاء ،ثم غمست فى كل انهار الجنة، وطيف بهافى السمٰوات و الارضين و البحار،فعرفت الملائكة محمداﷺوفضله، قبل ان تعرف آدم عليه السلام ،فلماخلق اللهتعالى آدم عليه السلام سمع فى تخطيط جبهته كَنَشِيش الذر،فقال ماهذا؟ قال الله تعالى هذاتسبيح سيدولدک فخذه بعهدى وميثاقى ولاتودعه الافى الاصلاب الطاهرين .وكان نورمحمدﷺ يرى فى دائرة عرة جبين آدم عليه السلام.الخ.

اس روایت سے نور کا معنی معلوم ہوا کہ جن روایات میں محمدﷺ یا امت یا قریش وغیرہ کے متعلق نور کا ذکر ہے، اس سے مرادوہ صاف مٹی ہے زمین کا ،جس سے اللہ تعالی نے ان کو پیدا کیا۔اس کی تائید صالحی کی یہ عبارت بھی کرتا ہے:روى ابوسعد النيسابورى فى الشرف: ١/٣٠١،، وابن الجوزى فى الوفاء، عن كعب الاحبارقال لماارادالله‌سبحانه وتعالى ان يخلق محمداﷺامرجبرئيل ان يأتيه بالطينة التى هى قلب الارض وبهاؤها،ونورها، فهبط جبرئيل فى ملائكة الفردوس وملائكة الرفيق الاعلى فقبض قبضة رسول اللهﷺ من موضع قبره الشريف وهى بيضاء نيرة فعجنت بماء التسنيم فى معين انهار الجنة

حتی صارت کالدرة البیضاء لهاشعاع عظیم۔

یااس نور سے نورایمانی مراد ہے جو کہ اللہ تعالی نے فطرت میں تمام مومنوں کو دیا، جبکہ انبیاء علیہم السلام کو باعتبار رتبہ زیادہ دیا۔ یہ مسئلہ اس روایت میں خوب واضح ہے: عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللهﷺ لماخلق الله آدم مسح ظهره، فسقط عن ظهره کل نسمة هو خالقهامن ذریته الی یوم القیامة، وجعل بین عینی کل انسان منهم وبیصامن نور، ثم عرضهم علی آدم، فقال ای رب من هؤلاء؟ قال داود، فقال رب! کم جعلت عمره؟ قال ستین سنة، قال: رب زده من عمری اربعین سنة، قال رسول اللهﷺ فلماانقضی عمر آدم الاالاربعین، جاءه ملک الموت، فقال آدم اولم یبق من عمری اربعون سنة؟ قال اولم تعطهاابنک داود؟ فجحدآدم فجحدت ذریته، ونسی آدم فاکل من الشجرة فنسیت ذریته، وخطئ وخطئت ذریته. (الترمذی: ٣٠٧٦، حاکم: ٢/ ٥٨٥، ٥٨٦)۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی پشت سے ہر ایک جان گر پڑی، جس کو اللہ تعالی نے قیامت تک پیدا کرنا تھا۔ ہر آدمی کی انکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھ دی۔ پھران کو آدم علیہ السلام کے سامنے کیا، اس نے کہا! اے میرے پروردگار! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا! تیری اولاد ہے، پس ایک آدمی ان میں دیکھا، اس کی انکھوں کی چمک بہت بھلی معلوم ہوئی، کہا! اے میرے پروردگا یہ کون ہے؟ فرمایا یہ داود علیہ السلام ہے ۔کہا! اے پروردگار تونے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے؟ فرمایا! ساٹھ برس۔ کہا! اے میرے رب میری عمر کے چالیس سال اس کی عمر میں زیادہ کردے۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام کی ساری عمر ختم ہوگئی اور چالیس برس رہ گئے، اس کے پاس موت کا فرشتہ آیا، آدم علیہ السلام نے کہا، میری عمر کے چالیس سال نہیں باقی رہتے؟ اس نے کہا کیا تونے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیئے تھے؟ آدم علیہ السلام نے انکار کردیا، اس کی اولاد بھی انکار کرتی ہے۔ آدم علیہ السلام بھول گئے، درخت کھالیا، اس کی اولاد بھی بھول جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام نے خطا کی اس کی اولاد بھی خطاء کرتی ہے۔

اسی طرح ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ: عن ابی الدرداء عن النبیﷺ قال خلق الله آدم حین خلقه، فضرب کتفه الیمنی فاخرج ذریة بیضاء کانهم الذر، وضرب کتفه الیسری فاخرج ذریة سوداء کانهم الحمم، فقال للذی فی یمینه الی الجنة ولاابالی، وقال للذی فی کتفه الیسری الی

النار ولا ابالی ۔ابوالدرداؓ سے روایت ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اس کے دائیں کندھے کو مارا، اس سے سفید اولاد نکالی، گویا کہ وہ چیونٹیاں ہیں، پھر بائیں کندھے پر مارا، اس کی سیاہ اولاد نکالی گویا کہ وہ کوئلہ ہیں۔ یہ روایت امام احمد نے: ۶/۴۴۱، میں نقل کیا ہے۔ اور ھیثمی نے مجمع الزوائد: ۷/۱۸۵، میں بحوالہ بزار وطبرانی نقل کیا ہے۔ اس اولاد کے لئے کہا جو دائیں طرف تھی کہ یہ جنت میں جائیں گے، اور میں پرواہ نہیں کرتا، اور اس اولاد کے لئے کہا جو بائیں کندھے سے نکلی تھی، یہ آگ میں جائیں گے، میں پرواہ نہیں کرتا۔ علی القاریؒ مرقات: ۱/۱۸۹، میں یہاں لفظ "بیضاء" کا معنی نور سے کرتا ہے، اور پھر فرماتا ہے کہ پہلے روایت جس میں لفظ "**وبیصامن نور**" کا ذکر تھا، دونوں روایات ایک ہی ہیں۔

امام ترمذیؒ نے: (۲۶۴۲) عبداللہ بن عمروؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: **سمعت رسول الله ﷺ يقول ان الله خلق خلقه في ظلمة فالقى عليهم من نوره، فمن اصابه من ذلك النور اهتدى، ومن اخطأه ضل، فلذلك اقول: جف القلم على علم الله** ۔یعنی عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے، اللہ نے اپنی مخلوق اندھیرے میں پیدا کیا، اور پھر ان پر اپنا کچھ نور ڈالا، لہذا جس کو اس نور کی روشنی میسر آ گئی، وہ راہ راست پر لگ گیا، اور جس کو نور نہ پہنچا گمراہ ہوگیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں، اللہ کے علم پر قلم خشک ہوا۔ ترمذی کے علاوہ اس روایت کو امام احمد نے: ۲/۱۷۶، ۱۹۷، اور حاکم نے مستدرک: ۱/۳۰، میں نقل کیا ہے۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق: ۳/۳۱۰، میں عائشہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: **قالت استعرت من حفصة بنت رواحة ابرة، كنت اخيط بها ثوب رسول الله ﷺ، فسقطت منى الابرة فطلبتها فلم اقدر عليها، فدخل رسول الله ﷺ، فتبينت الابرة من شعاع نور وجهه، فضحكت، فقال: ياحميراء لم ضحكت؟ قلت: كان كيت وكيت، فنادى باعلى صوته ياعائشة! الويل ثم الويل ثلاثا لمن حرم النظر الى هذ الوجه، مامن مومن ولا كافر الا ويشتهي ان ينظر الى وجهي** ۔یعنی فرماتی ہیں: کہ میں نے حفصہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سینے کے لئے سوئی مانگی، تو مجھ سے گم ہوگئی، کافی تلاش کے باوجود نہ مل سکی، کچھ دیر بعد رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے، تو آپ ﷺ کے چہرے مبارک کی روشنی کی وجہ سے وہ سوئی مجھے نظر آ گئی، تو میں ہنس پڑی، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ اے حمیرا! کیوں ہنسی؟ تو میں نے مندرجہ بالا واقعہ سنایا، نبی کریم ﷺ نے تین بار باواز بلند فرمایا! اے عائشہ! ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس چہرے کے دیدار سے محروم ہوئے۔ یہ روایت ضعیف

ہے، اس لئے کہ محمد بن اسحاق نے اس روایت کو ''عن'' کے ساتھ یزید بن رومان سے نقل کیا ہے، اور اس کا عنعنہ باتفاق علماء علت قادحہ ہے۔ تفصیل کے لئے سیر اعلام النبلاء: ۴۰/۷ اور تہذیب التھذیب: ۳۵/۷، دیکھئے۔

اور اس کا شاگرد سلمہ بن الفضل کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا ہے کہ: عندہ مناکیر، امام نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سیر اعلام النبلاء: ۵۰/۹، اور ابن عساکر کا استاد بھی مجہول ہے۔ جبکہ ابو ابراہیم بن اسماعیل اور ابوالحسن، دونوں مجہول ہیں۔ بعض لوگ خصائص کبری: ۱۶۹/۱۔ اور صالحی کے اس عبارت سے غلط استدلال کرتے ہیں جو کہ اس نے: ۹۰/۲، میں لکھا ہے کہ: **قال ذکوان لم یرَ لرسول اللہ ﷺ ظل فی شمس ولا فی قمر**، یعنی رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ سورج میں اور نہ چاند کی روشنی میں ہوتا تھا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات نور تھی، نہ کہ بشر، تو اس کا جواب حکیم ترمذی دیتا ہے کہ: **قال معناہ لئلا یطأعلیہ کافر فیکون مذلۃ لہ** ۔ یعنی یہ اس وجہ سے تھا کہ کہیں کافر لوگ رسول اللہ ﷺ کے سایہ پر قدم نہ رکھیں اور کہیں رسول اللہ ﷺ کی ناقدری کا سبب بن نہ جائے۔

پھر ابن سبع سے نقل کرتا ہے: **وقال ابن سبع فی خصائصہ ان ظلہ ﷺ کان لایقع علی الارض وانہ کان نوراوکان اذامشی فی الشمس او القمر لایظھر لہ ظل**۔ ابن سبع کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ سورج یا چاند کی روشنی میں اس لئے دکھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ نور تھے۔ ان سب روایات وعبارات کا جواب یہ ہے کہ یہ بے سند اور ضعیف ہیں اور جو روایات صحیح ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس نور سے مراد وہ نور ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کو جاتے وقت اللہ تبارک وتعالی سے مانگتے تھے۔ متفق علیہ روایت میں مذکور ہے، عبداللہ بن عباس ؓ فرماتا ہے: **وکان فی دعائہ، اللھم اجعل فی قلبی نوراوفی بصری نوراوفی سمعی نوراوعن یمینی نوراوعن یساری نوراوفوقی نوراوتحتی نوراوامامی نوراوخلفی نوراواجعلی لی نورا.** (بخاری: ٦٣١٦ ومسلم: ٧٦٣، ١٨١)۔

یعنی آپ کے دعا میں یہ الفاظ بھی تھے، یاالٰھی! کر میرے دل میں نور، اور میرے انکھوں میں نور، اور میرے کانوں میں نور، اور میرے داہنے نور، اور میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، اور میرے آگے نور، اور میرے پیچھے نور، اور کر میرے لئے نور، اور بعض روایوں نے یہ زیادہ کیا، پیدا کر میرے زبان میں نور، اور ذکر کیا بعض نے، کر پٹھے میرے میں گوشت میرے میں اور میرے خون میں اور میرے بالوں میں اور میرے چمڑے میں نور۔ اور صحیح روایات میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ تھا، جبکہ مذکورہ روایت کا اصل حکیم ترمذی کی کتاب نوادرالاصول میں ہے، اور یہ ضعیف

ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبد الرحمان بن قیس ہے، اس کے متعلق امام ذہبی میزان الاعتدال:۲/۵۸۳، میں فرماتے ہیں، کہ یہ جھوٹا تھا، اور اس کا استاد عبدالملک بن عبداللہ مجہول ہے، اور یہ روایت ذکوان کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو کہ صحابی نہیں تابعی ہے، تو روایت مرسل بھی ہے، علاوہ ازیں بستان المحدثین میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ نوادرالاصول کتاب کی اکثر احادیث غیر معتبر ہیں۔

ایک روایت انسؓ سے مقدسی نے کتاب المختارہ:۶/۱۳۸، میں اور حاکم مستدرک:۵/۶۴۸، میں اور ابن خزیمہ صحیح:۲/۵۱، میں نقل کیا ہے کہ: **بینما النبیﷺ یصلی ذات لیلة صلاةً، اذامدیده ثم اخرها فقلنایارسو ل اللہ رأیناک صنعت فی هذه الصلاة شیئالم تکن تصنعه فیماقبله ،قال:اجل، انه عرضت علیّ الجنة فرأیت فیهادالیة قطوفهادانیة ،فاردت ان اتناول منهاشیئا،فاوحی الیّ ان استأخر،فاستأخرت، وعرضت علی النارفیمابینی وبینکم، حتی رأیت ظلی وظلکم فیها،فاومیت الیکم ان استاخروا،فاوحی الی ان اقرهم فانک اسلمت واسلمواوهاجرت وهاجرواوجاهدت وجاهدوافلم ارلک فضلاعلیهم الابالنبوة فاولت ذلک مایلقی امتی بعدی الفتن۔**

یعنی انسؓ ایک رات نبی کریمﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، کہ اچانک آپﷺ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، پھر پیچھے ہٹالیا، پس ہم نے کہا اے اللہ کے رسولﷺ ہم نے آپ کو اس نماز میں ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا، کہ اس سے قبل آپ کو ایسا کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا، نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا، بلاشبہ مجھ پر جنت پیش کی گئی، تو میں نے اس میں اونچے درخت دیکھے جن کے (پھلوں) گچھے نیچے کو جھکے ہوئے تھے، تو میں نے ارادہ کیا کہ ان سے کچھ لے لوں۔ پس میری طرف وحی آئی کہ پیچھے ہٹ جا، سو میں پیچھے ہٹ گیا، اور مجھ پر جہنم بھی پیش کی گئی، جو میرے اور تمہارے درمیان تھی۔ یہاں تک کہ اس آگ کی روشنی میں، میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ پس میں نے تمہیں اشارہ کیا، کہ پیچھے ہٹ جاؤ، پس میری طرف وحی آئی، کہ ان کو ان کی جگہ پر رہنے دو، کیونکہ تو نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے بھی، تو نے جہاد کیا اور انہوں نے بھی، پس ان میں اور تجھ میں ان پر بجز نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں۔ پس میں نے اس کی تاویل کی کہ میرے امت میرے بعد فتنوں میں مبتلا ہوگی۔ ایک دوسری روایت عائشہؓ سے منقول ہے جو کہ مسند احمد نے:۴۱/۴۶۳، میں، اور معجم کبیر:۲۴/۱۷۱، میں ذکر ہے کہ: **عن عائشة ان رسول اللہﷺ کان فی سفرله فاعتل بعیرلصفیة ،وفی ابل زینب فضل، فقال لهارسول اللہﷺان بعیرا لصفیة اعتل،**

فلو اعطيتيها بعيرا من ابلكِ ؟فقالت انا اعطى تلك اليهودية ؟قال:فتركها رسول اللهﷺ ذا الحجة و المحرم شهرين او ثلاثة، لايأتيها،قالت حتى يئست منه وحولت سريري قالت فبينما انا يوما بنصف النهار اذا انا بظل رسول اللهﷺ مقبل ۔یعنی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہﷺ ایک سفر میں تھے (اور اس سفر میں بعض دیگر ازواج مطہرات بھی آپﷺ کے ساتھ تھیں) صفیہؓ کا اونٹ (دوران سفر) بیمار ہوگیا۔زینبؓ کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اونٹ موجود تھا۔آپﷺ نے (زینبؓ سے) فرمایا کہ صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہے اے زینبؓ اگر تو اسے اپنا فالتو اونٹ دے دے تو بہتر ہوگا،انہوں نے کہا کیا میں اس یہودیہ کو اونٹ دے دوں؟ ان کے اس نازیبا جواب سے آپﷺ ناراض ہوگئے،اور آپﷺ نے ذالحجہ، محرم دو یا تین ماہ زینبؓ کے پاس جانا ترک کردیا۔زینبؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریمﷺ سے ناامید ہوگئی اور میں نے اپنی چارپائی وہاں سے ہٹادی۔فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں نے رسول اللہ کا سایہ دیکھا، جو میری طرف آرہا ہے۔ایسی روایت صفیہؓ سے بھی مسند احمد میں: ۴۳۶/۴۴، میں مروی ہے اور البانی نے سلسلہ الصحیحہ :۳۲۰۵، میں نقل کیا ہے۔

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہوا کہ جناب نبی کریمﷺ کا جسد خاکی تھا، بشر اور انسان تھا، آدم علیہ السلام کے نسل سے تھا۔جو آیات اور روایات نور کے متعلق وارد ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہﷺ کی اصل مٹی نور جیسی پاک تھی، یا ان کی نورانیت علم اور ہدایت کی تھی۔ ان لوگوں کی اس عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) محمدﷺ اللہ کا جزء ہے، اور یہ عقیدہ کافروں اور مشرکوں کا تھا، ارشاد الٰھی ہے: ﴿وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ﴾ (زخرف: ۱۵) اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی اللہ تعالی کی ذات کا جزء نہیں ہے، لیکن مشرک اور کافر انسانوں نے اللہ تعالی کی ذات کے بھی حصے کر دیئے، اور اللہ تعالی کے بندوں اور اس کی مخلوق ہی کو اس کی ذات کا جزء قرار دے ڈالا۔اس بحث کا اختتام حدیث انسؓ پر کرتے ہیں: قال لما كان اليوم الذى دخل فيه رسول اللهﷺ المدينة اضاء منها كل شيء ،فلما كان اليوم الذى مات فيه اظلم منها كل شيء، وما نفضنا ايدينا عن التراب وانا لفى دفنه حتى انكرنا قلوبنا ۔یعنی جب وہ دن ہوا جس دن رسول اللہﷺ مدینہ میں داخل ہوئے، ہر چیز روشن ہوئی، اور جب وہ دن ہوا کہ جس میں رسول اللہﷺ وفات ہوئے، تو مدینہ میں ہر چیز تاریک ہوئی، اور ہم نے اپنے ہاتھ خاک دفن سے نہ جھاڑے تھے، اور رسول اللہﷺ کو دفن کرنے میں مشغول تھے، کہ ہم نے اپنے دلوں کو ناآشنا پایا۔یہ روایت امام ترمذی نے: ۳۶۱۸، میں اور دارمی نے: ۱۴۱/۱، میں نقل کیا ہے۔

يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا

إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ

اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔ جو لوگ

قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا

اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم، اللہ ہیں وہ بیشک کافر ہیں (ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ

إِنْ أَرَادَ أَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا

عیسیٰ بن مریم اوران کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ

اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا

ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے

اللّٰهِ وَأَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ

بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہو کہ پھر وہ تمہاری بد اعمالیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ (نہیں)

بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ

بلکہ تم اُس کی مخلوقات میں (دوسروں کی طرح کے) انسان ہو وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ

اے اہلِ کتاب! (پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ جو ایک عرصے تک منقطع رہا تو) اب تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آ گئے ہیں جو

عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ

تم سے (ہمارے احکام) بیان کرتے ہیں [٣] تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری یا ڈر سنانے والا نہیں آیا

---

[٣] ''فترۃ'' کے لفظی معنی سست ہونے، ساکن ہونے اور کسی کام کو معطل اور بند کر دینے کے آتے ہیں۔ اس ایت میں ائمہ تفسیر نے فترت کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں اور مراد اس سے کچھ عرصہ کے لئے سلسلہ نبوت وانبیاء بند رہنا ہے، جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت تک کا زمانہ ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا زمانہ ہے، اس تمام مدت میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ برابر جاری رہا، اس میں کبھی فترت نہیں ہوئی۔ صرف بنی اسرائیل میں سے ایک ہزار انبیاء اس عرصہ میں مبعوث ہوئے۔ اور غیر بنی اسرائیل میں سے جو انبیاء ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے درمیان صرف پانچ سو سال کا عرصہ ہے۔ اس میں سلسلہ انبیاء بند رہا۔ اسی لئے اس زمانہ کو زمانہ فترت کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے کبھی اتنا زمانہ انبیاء کی بعثت سے خالی نہیں رہا۔ (قرطبی)۔

موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کی مدت اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے نبی کریم ﷺ کے درمیان کی مدت میں اور بھی مختلف روایات ہیں جن میں اس سے کم وبیش مدتیں بیان ہوئی ہیں، مگر اصل مقصد پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

امام بخاری نے سلمان فارسیؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے درمیان کا زمانہ چھ سو سال کا تھا۔ اور اس پوری مدت میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے۔ (صحیح البخاری: ۲۰۳/۴، کتاب الانبیاء)۔

فَقَدْ جَآءَكُم بَشِيرٌ وَّنَذِيرٌ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ [۱۹] وَإِذْ قَالَ

سو (اب) تمہارے پاس خوشخبری اور ڈر سنانے والے آ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم

مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَآءَ

سے کہا کہ بھائیو تم پر اللہ نے جو احسان کئے ہیں اُن کو یاد کرو کہ اُس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے

وَجَعَلَكُمْ مُّلُوكًا وَّآتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ [۲۰]

اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہلِ عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلٰى

تو بھائیو! تم ارضِ مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو اور (دیکھنا مقابلے کے

أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝ [۲۱] قَالُوا يَا مُوسٰى إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ

وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے کہ موسیٰ! وہاں تو بڑے زبردست (لوگ) رہتے ہیں

وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَّخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا

اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں ہم وہاں نہیں جا سکتے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم

دَاخِلُونَ ۝ [۲۲] قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا

داخل ہوں گے۔ جو لوگ (اللہ سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر اللہ کی عنایت تھی

ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللّٰهِ

کہنے لگے کہ اُن لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو۔ جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہے اور اللہ ہی

فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ [۲۳] قَالُوا يَا مُوسٰى إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا

پر بھروسہ رکھو بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو۔ وہ بولے کہ اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے

دَامُوْا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ

(اگر ضرور لڑنا ہی ہے) تو تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔ موسیٰ نے (اللہ سے) التجا کی

رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا

کہ اے اللہ! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں

وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ

اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ ملک ان پر چالیس برس تک کیلئے حرام کر دیا گیا

يَتِيهُوْنَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

(کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کرو۔[۴]

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ

اور (اے محمد ﷺ!) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے حالات (جو بالکل) سچے (ہیں)

إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ

پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے (اللہ کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہوگئی اور دوسرے کی

مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾

قبول نہ ہوئی (تب قابیل ہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اُس نے کہا کہ اللہ پرہیزگاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے

لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ

اور اگر تو مجھے قتل کرنے کیلئے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کیلئے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا

---

[۴] ارض مقدسہ سے کونسی زمین مراد ہے۔ اس میں مفسرین کے اقوال بظاہر متعارض ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ بیت

المقدس مراد ہے۔بعض نے شہر قدس اور ایلیا کو ارض مقدسہ کا مصداق بتلایا ہے۔بعض نے شہر اریحا کو جو نہر اردن اور بیت المقدس کے درمیان دنیا کا قدیم ترین شہر تھا اور آج تک موجود ہے۔اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی عظمت ووسعت کے عجیب وغریب حالات نقل کئے جاتے ہیں۔

واقعہ اس کا جو ائمہ تفسیر عبداللہ بن عباسؓ اور عکرمہ اور علی بن ابی طلحہ وغیرہ سے منقول ہے یہ ہے، کہ اس وقت ملک شام اور بیت المقدس پر قوم عمالقہ کا قبضہ تھا ۔جو قوم عاد کی کوئی شاخ اور بڑے ڈیل ڈول اور ہیبت ناک قد وقامت کے لوگ تھے۔جن سے جہاد کر کے بیت المقدس فتح کرنے کا حکم موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ملا تھا۔موسیٰ علیہ السلام حکم الٰھی کی تعمیل کے لئے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے جانا بیت المقدس پر تھا۔

جب نہر اردن سے پار ہو کر دنیا کی قدیم ترین شہر اریحا پر پہونچے، تو یہاں پر قیام فرمایا، اور بنی اسرائیل کے انتظام کے لئے بارہ سرداروں کا انتخاب کرنا قران کریم کی پچھلی آیات میں بیان ہو چکا ہے۔ان سرداروں کو آگے بھیجا تا کہ وہ ان لوگوں کے حالات اور محاذ جنگ کی کیفیات معلوم کر کے آئیں، جو بیت المقدس پر قابض ہیں، اور جن سے جہاد کرنے کا حکم ملا ہے۔یہ صاحبان بیت المقدس پہنچے تو شہر سے باہر ہی قوم عمالقہ کا کوئی آدمی مل گیا اور وہ اکیلا ان سب کو گرفتار کر کے لے گیا، اور اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ یہ لوگ ہم سے جنگ کرنے کے قصد سے آئیں ہیں۔شاہی دربار میں مشہور ہوا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے یا کوئی دوسرا سزا دی جائے، بالاخر رائے اس پر ٹھری کہ ان کو ازآد کر دیں، تا کہ یہ اپنی قوم میں جا کر عمالقہ کی قوت وشوکت کے ایسے عینی گواہ ثابت ہوں کہ کبھی ان کی طرف رخ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔اس موقع پر اکثر کتب تفسیر میں اسرائیلی روایات کی لمبی چوڑی کہانیاں درج ہیں جن میں ان ملنے والے شخص کا نام عوج بن عنق بتلایا ہے، اور اس کی بے پناہ قد وقامت اور قوت وطاقت کو ایسی مبالغہ امیزی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کسی سمجھ دار آدمی کو اس کا نقل کرنا بھی زیب نہیں دیتا۔

امام ابن کثیرؒ نے فرمایا: کہ عوج بن عنق کے جو قصے ان اسرائیلی روایات میں مذکور ہیں نہ عقل ان کو قبول کر سکتی ہے اور نہ شرع میں ان کا کوئی جواز ہے۔بلکہ یہ سب کذب وافتراء ہے بات صرف اتنی ہے کہ قوم عمالقہ کے لوگ چونکہ قوم عاد کے بقایا ہیں، جن کے ہیبت ناک قد وقامت کا خود قران کریم نے ذکر فرمایا ہے اس قوم کا ڈیل ڈول اور قوت وطاقت ضرب المثل تھی، ان میں ایک آدمی قوم بنی سرائیل کے بارہ آدمیوں کے گرفتار کر کے لے جانے پر قادر ہو گیا۔بہر حال بنی اسرائیل کے بارہ سردار عمالقہ کی قید سے رہا ہو کر اپنی قوم کے پاس مقام اریحا پر پہونچے اور موسیٰ علیہ السلام سے اس عجیب

اورغریب قوم اوراس کی ناقابل قیاس قوت وشوکت کا ذکر کیا۔موسیٰ علیہ السلام کے قلب پرتوان سب باتوں کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فتح کامیابی کی بشارت سنادی تھی۔بقول اکبر:

مجھ کو بے دل کردے ایسا کون ہے یاد مجھ کو" انتم الا علون "ہے

موسیٰ علیہ السلام توان کی قوت وشوکت کا حال سن کر اپنی جگہ کوہ استقامت بنے ہوئے اقدام جہاد کی فکر میں لگے رہے۔مگر خطرہ یہ ہوگیا کہ بنی اسرائیل کو اگر حریف مقابل کی اس بے پناہ طاقت کا علم ہوگیا تو یہ لوگ پھسل جائیں گے،اس لئے ان بارہ سرداروں کو ہدایت فرمائی کہ قوم عمالقہ کے یہ حالات بنی اسرائیل کو ہرگز نہ بتائیں، بلکہ راز رکھیں،مگر ہوا یہ کہ ان میں سے ہرایک نے اپنے اپنے دوستوں سے خفیہ طور پراس کا تذکرہ کردیا،صرف دوآدمی جن میں سے ایک کا نام یوشع بن نون اور دوسرے کا کالب بن یوقنا تھا۔انہوں نے موسوی ہدایت پرعمل کرتے ہوئے اس راز کوکسی پرظاہرنہیں کیا۔اور(ظاہر ہے کہ بارہ میں سے جب دس نے راز پاش کردیا) تواس کا پھیل جانا قدرتی امرتھا بنی اسرائیل میں جب ان حالات کی خبریں شائع ہونے لگیں تو رونے پیٹنے اور کہنے لگے کہ اس سے تو اچھا یہی تھا کہ قوم فرعون کی طرح ہم بھی غرق دریا ہوجاتے، وہاں سے بچالا کرہمیں یہاں مروایا جارہا ہے،انہیں حالات میں بنی اسرائیل نے یہ الفاظ کہے"یاموسیٰ ان فیھا قوما جبارین وانالن ندخلھا حتی یخرجوا منھا" یعنی اے موسیٰ علیہ السلام اس شہرمیں توبڑی زبردست قوم آباد ہے،جن کا مقابلہ ہم سے نہیں ہوسکتا،اس لئے جبتک وہ لوگ آباد ہیں ہم وہاں جانے کا نام نہ لیں گے،اگلی آیت میں ہے :کہ دوشخص جوسے ڈرنے والے تھے اورجن پراللہ تعالی نے انعام فرمایا تھاانہوں نے بنی اسرائیل کی یہ گفتگوسنکر بطورنصیحت ان کو کہا: کہ تم پہلے ہی کیوں ڈرسے مرتے ہو،ذراقدم اٹھا کرشہر بیت المقدس کے دروازہ تک تو چلو۔اوردروازہ بیت المقدس میں داخل ہوتے ہی تم غالب ہوجاؤ گے۔اوردشمن شکست کھا کر بھاگ جائے گا۔یہ دوشخص جن کا اس آیت میں ذکر ہے اکثرمفسرین کے نزدیک وہ ہی بارہ میں سے دوسردار ہیں ،جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت پرعمل پیرا ہوکرعمالقہ کا پورا حال بنی اسرائیل کو نہ بتایا تھا،یعنی یوشع بن نون اورکالب بن یوقنا۔

قرآن کریم نے اس جگہ ان بزرگوں کی دوصفتیں خاص طور پرذکرفرمائی ہیں۔ایک:الذین یخافون ۔یعنی یہ لوگ جوڈرتے ہیں اللہ سے۔دوسری صفت ان بزرگوں کی قرآن کریم نے یہ بتلائی کہ انعم اللہ علیھم یعنی اللہ تعالی نے ان پرانعام فرمایا۔

إِنِّيٓ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ إِنِّيٓ أُرِيْدُ أَنْ تَبُوْٓأَ بِإِثْمِيْ وَإِثْمِكَ

مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنے گناہ سمیٹ لے

فَتَكُوْنَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

پھر (زمرۂ) اہلِ دوزخ میں ہوجائیں اور ظالموں کی یہی سزا ہے ۔

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيْهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾

مگر اُس کے نفس نے اُس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اُس نے اُسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ أَخِيْهِ ط

اب اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تا کہ اُسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے۔

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِيْ ج

کہنے لگا کہ افسوس! مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوّے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا

فَأَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيٓ إِسْرَآئِيْلَ

پھر وہ پشیمان ہوا ۔[۵] اس (قتل) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا

---

[۵] ان لوگوں کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح صحیح واقعہ کے مطابق سنا دیجئے اس میں ''بالحق'' کے لفظ سے تاریخی روایات کی نقل میں ایک اہم اصول کی تلقین فرمائی گئی ہے، کہ تاریخی روایات کی نقل میں بڑی احتیاط لازم ہے، جن میں نہ کوئی جھوٹ ہو نہ کوئی تلبیس اور دھوکہ، اور نہ اصل واقعہ میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی زیادتی (ابن کثیر)۔

قران کریم نے صرف اسی جگہ نہیں بلکہ دوسرے مواقع میں بھی اس اصول پر قائم رہنے کی ہدایات دی ہیں ایک جگہ ارشاد ہے: ان هذالهو القصص الحق. (ال عمران: ٦٢) دوسری جگہ ارشاد ہے نحن نقص عليک نبأهم بالحق (کهف: ١٣). تیسری جگہ ارشاد ہے: ذلک عيسٰى ابن مريم قول الحق (مريم: ٣٤) ان تمام مواقع میں

تاریخی واقعات کے ساتھ لفظ حق لا کر اس بات کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے کہ نقل واقعات میں حق وصدق کی رعایت لازمی ہے۔روایات وحکایات کی بناء پر جس قدر مفاسد دنیا میں ہوتے ہیں، ان سب کی بنیاد عام طور پر نقل واقعات میں بے احتیاطی ہوتی ہے۔ذرا سا لفظ اور عنوان بدل دینے سے واقعہ کی حقیقت مسخ ہو جاتی ہے۔

پچھلی اقوام کے مذاہب وشرائع اسی بے احتیاطی کی راہ سے ضائع ہو گئے ،اوران کی مذہبی کتابیں چند بے سند و بے تحقیق کہانیوں کا مجموعہ بن کر رہ گئیں،اس جگہ لفظ ''بالحق'' کا اضافہ کر کے اس اہم مقصد کی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔اس کے علاوہ اسی لفظ میں قران کریم کے مخاطبین کو اس طرف بھی رہنمائی کرنا ہے کہ نبی کریم ﷺ جوامی محض ہیں اور ہزاروں سال پہلے کے واقعات بالکل سچے اور صحیح فرما رہے ہیں، تو اس کا سبب بجز وحی الٰھی اور نبوت کے کیا ہوسکتا ہے؟اس تمہید کے بعد ان دونوں بیٹوں کا واقعہ قران کریم نے یہ بیان فرمایا: إِذْ قَرَّبَا قُرْبَاناً فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الآخَرِ .

لفظ ''قربان'' عربی لغت کے اعتبار سے ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو کسی کے قرب کا ذریعہ بنایا جائے، اور اصطلاح شرع میں اس ذبیحہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔اس قربانی کے پیش کرنے کا واقعہ جو صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ منقول ہیں اور ابن کثیر نے اس کو علماء سلف وخلف کا متفقہ قول قرار دیا ہے، یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام اور حواء علیہا السلام دنیا میں آئے اور توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہوا،تو ہر ایک حمل سے ان کے دو بچے توأم پیدا ہوئے ،ایک لڑکا اور دوسری لڑکی ،اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام کی اولا د میں بجز بہن بھائیوں کے کوئی اور نہ تھا،اور بھائی بہن کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا تو اللہ جل شانہ نے اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے شریعت ادم علیہ السلام میں یہ خصوصی حکم جاری فرما دیا تھا کہ ایک حمل سے جو لڑکا اور لڑکی پیدا ہو وہ تو آپس میں حقیقی بہن بھائی سمجھے جائیں، اوران کے درمیان نکاح حرام قرار پائے ،لیکن دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے کے لئے پہلے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی حقیقی بہن کے حکم میں نہیں ہوگی ۔بلکہ ان کے درمیان رشتہ ازدواج ومنا کحت جائز ہوگا۔لیکن ہوا یہ کہ پہلے لڑکے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ حسین وجمیل تھی اور دوسرے لڑکے ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بدشکل تھی ،جب نکاح کا وقت آیا تو حسب ضابطہ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بدشکل لڑکی قابیل کے حصہ میں آئی ،اس پر قابیل ناراض ہو کر ہابیل کا دشمن ہو گیا،اوراس پر اصرار کرنے لگا کہ میرے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہی میری نکاح میں دی جائے ،ادم

علیہ السلام نے شرعی قاعدہ کے موافق اس کو قبول نہ فرمایا، اور ہابیل وقابیل کے درمیان میں رفع اختلاف کے لئے یہ صورت تجویز فرمائی: کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ کے لئے پیش کرو جسکی قربانی قبول ہو جائے گی یہ لڑکی اس کو دی جائے گی۔ کیونکہ ادم علیہ السلام کو یقین تھا کہ قربانی اسی کی قبول ہوگی جس کا حق ہے یعنی ہابیل کی۔

اس زمانہ میں قربانی قبول ہونے کی ایک واضح اور کھلی ہوئی علامت یہ تھی کہ اسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی کو کھا جاتی تھی۔ اور جس قربانی کو آگ نہ کھاتے تو یہ علامت اس کے نامقبول ہونے کی ہوتی تھی، اب صورت یہ پیش آئی کہ ہابیل کے پاس بھیڑ بکریاں تھیں اس نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی کی، قابیل کاشت کار آدمی تھا، اس نے کچھ غلہ، گندم قربانی کے لئے پیش کیا، اور ہوا یہ کہ حسب دستور آسمان سے آگ آئی، ہابیل کی قربانی کو کھا گئی، اور قابیل کی قربانی جوں کی توں پڑی رہ گئی، اس پر قابیل کو اپنی ناکامی کے ساتھ رسوائی کا غم وغصہ اور بڑھ گیا، تو اس سے رہا نہ گیا۔ اور کھلے طور پر اپنے بھائی سے کہہ دیا ''**لاقتلنک**''، یعنی میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ ہابیل نے اس وقت بھی غصہ کی بات کا جواب غصہ کے ساتھ دینے کے بجائے ایک ٹھنڈی اور اصولی بات کہی، جس میں اس کی ہمدردی وخیر خواہی بھی تھی، کہ " **انما یتقبل اللہ من المتقین** '' یعنی اللہ تعالی کا دستور یہی ہے، کہ اللہ تعالی متقی پرہیزگار کا عمل قبول فرمایا کرتے ہیں۔ اگر تم تقوی اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو تمہاری قربانی بھی قبول ہوتی، تم نے ایسا نہیں کیا تو قربانی قبول نہ ہوئی اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اس کلام میں حاسد کے حسد کا علاج بھی ذکر کر دیا گیا ہے، کہ حاسد کو جب یہ نظر آئے کہ کسی شخص کو اللہ تعالی نے کوئی خاص نعمت عطا فرمایا ہے جو اس کو حاصل نہیں تو اس کو چاہئے کہ اپنی محرومی کو اپنی عملی کوتاہی اور گناہوں کے سبب سے سمجھ کر ان سے تائب ہونے کی فکر کرے، نہ یہ کہ دوسرے سے اس نعمت کے زوال کی فکر میں پڑ جائے، کیونکہ یہ اس کے فائدہ کے بجائے ضرر کا سبب ہے، کیونکہ مقبولیت عنداللہ کا مدار تقوی پر ہے۔ (مظہری)۔

"**لیریہ**'' الخ، اس میں لام تعلیلیہ نہیں بلکہ یہ لام عاقبت ہے، یعنی ایک کوّا اڑتا ہوا، آیا اور قابیل کے سامنے زمین کریدنے لگا، جس کا نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ اسے اپنے مقتول بھائی کی نعش چھپانے کی ترکیب سوجھ گئی، ورنہ کوّا غیب دان نہیں تھا، کہ ہابیل کے قتل کا اسے علم تھا، اور نہ قابیل کو دفن کرنے کا طریقہ سکھانے آیا تھا، لام، عاقبت کے لئے قران مجید میں عام مستعمل ہے جیسا کہ سورۂ قصص (٨) میں ہے: ''**فالتقطه ال فرعون لیکون لهم عدوا و حزنا**'' یہاں لیکون میں لام عاقبت کے لئے ہے۔

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ
کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے
فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۭ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۭ
اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اُس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا
وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي
اوران لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں پھر اس کے بعد بھی ان میں بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال
الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿٣٢﴾ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
سے نکل جاتے ہیں ۔جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑائی کریں
وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا
اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں
أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ
یاایک ہاتھ ایک پاؤں ایک دوسرے کے خلاف کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں یہ تو دنیا
خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا الَّذِينَ
میں اُن کی رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کیلئے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے۔ہاں جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ
تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾
تمہارے قابو آجائیں توبہ کر لی تو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اُس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو اور اُس کے رستے میں جہاد کرو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

تا کہ فلاح پاؤ[٦]۔ جو لوگ کافر ہیں اگر اُن کے پاس روئے زمین (کے تمام خزانے اور اس) کا سب مال و متاع ہو

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور اس کیساتھ اسی قدر اور بھی ہو تا کہ قیامت کے روز عذاب (سے چھٹکارا حاصل کرنے) کا بدلہ دیں

الوسیلہ

[٦] **وسیلہ کے معنی لغت عرب میں** ''التوسل'' خالص عربی لفظ ہے، قرآن و سنت اور کلام عرب کی نظم و نثر میں بھی وارد ہوا ہے اور اس کے معنی، مطلوب تک تقرب حاصل کرنے کے ہیں، اور اس تک رغبت کے ساتھ پہنچنے کے۔ ابن اثیر نہایہ میں لکھتے ہیں: کہ ،الواسل، کے معنی راغب کے ہیں اور الوسیلہ کے معنی قربت اور واسطہ کے ہیں یعنی وہ چیز جس کے ساتھ کسی دوسری چیز تک پہنچ یا تقرب حاصل کیا جائے۔ اس کی جمع وسائل ہے۔ علامہ فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں: وسّل الی اللہ تعالی توسیلا، کے معنی یہ ہیں: کہ اس نے ایسا عمل کیا جس کے باعث اللہ کے ہاں تقرب حاصل کیا ہے، وسّل اور ،توسّل کے معنی ایک ہی ہیں، ابن الفارس ،مجمع المقاییس، میں لکھتے ہیں: الوسیلہ کے معنی رغبت اور طلب کے ہیں ''وسّل'' کے معنی رغب اور ''الواسل'' کے معنی ''ا لراغب الی اللہ عزوجل'' کے ہیں۔ لبید کا شعر ہے:

اری الناس لایدرون ماقدرامرهم بلی کل ذی دین الی الله واسل

میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنے امور کی قدر و منزلت سے آشنا نہیں ہیں، بلکہ ہر دین والا شخص اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والا ہے۔ امام راغب الاصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں: الوسیلہ کے معنی کسی تک رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں۔ یہ الوصیلہ کی نسبت خاص ہے، کیونکہ رغبت کے معنی کو بھی متضمن ہے۔ قرآن مجید میں ہے ,,وابتغوا الیه الوسیلة،، اور اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ علم و عبادات اور اخلاق و آداب شریعت کی پابندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلا جائے۔ وسیلہ کے معنی قربت کے بھی ہیں اور ,,الواسل،، کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والا۔

وسیلہ کے ایک دوسرے معنی بھی ہیں، اور وہ ہیں، بادشاہ کے ہاں قدر و منزلت، درجہ و قرابت کے، جیسا کہ حدیث

شریف میں جنت کے سب سے اعلیٰ درجہ کے لئے بھی یہ نام وارد ہوا ہے چنانچہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: **اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول، ثم صلوّاعليّ فان من صلی عليّ صلاةً ،صلی الله عليه بهاعشرا،ثم سلوا اللّٰہ لی الوسيلة ،فانها منزلة فی الجنة ،لاتنبغی الا لعبد من عباد الله،وارجوان اكون انا هو فمن سأل لی الوسيلة حلت له الشفاعة** ۔(عن ابن عمر: مسلم:۳۸۴/۱۱،ابوداؤد:۵۲۳/۱،ترمذی:۳۶۱۴،نسائی:۲۵/۲)۔

جب تم موذن کو اذان کہتے ہوئے سنو،تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہتا ہے: پھر مجھ پر درود بھیجو جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا۔پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو، یہ جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا۔اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں ۔جو شخص میرے لئے وسیلہ کا سوال کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

وسیلہ کے جو معانی بیان کئے گئے ہیں لغوی اعتبار سے یہ مشہور ومعروف ہیں،کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا۔سلف صالح اور ائمہ تفسیر نے انہی معانی کے مطابق ان دو آیتوں کی تفسیر کی ہے،جن میں وسیلہ کا لفظ وارد ہوا ہے۔

:(۱) یہ آیت کریمہ۔ (۲) سورت اسراء:۵۷۔حافظ ابن کثیر نے ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے کہ وسیلہ کے معنی تقرب ہیں **مجاهد،ابووائل،حسن،عبدالله بن كثير ،سدی،ابن زيد رحمهم الله تعالی رحمة وافرة الی يوم القيامة**۔اور کئی دیگر علماء کرام سے بھی یہی منقول ہیں۔

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا کے مطابق عمل کر کے اس کا تقرب حاصل کرو۔ یہ بیان کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ,,یہ جو ان ائمہ کرام نے فرمایا ہے،مفسرین کا اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے،اور وسیلہ وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ مقصود تک پہنچا جا سکے (ابن کثیر)۔

دوسری ایت مبارکہ کے سلسلہ میں جلیل القدر صحابی عبداللہ بن مسعودؓ نے جو شان نزول بیان فرمایا ہے اس سے اس ایت کریمہ کے معنی کی وضاحت ہوتی ہے،چنانچہ فرماتے ہیں: یہ ایت کریمہ عرب کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جنوں کی فرستش کرتے تھے،جن تو مسلمان ہو گئے،لیکن ان انسانوں کو پتہ ہی نہ چلا جو ان کی پوجا کرتے تھے۔حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''انسان'' جنوں کے مسلمان ہونے کے بعد بھی جنوں کی ہی کے پوجا کرتے رہے،لیکن جن چونکہ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے اس لئے وہ یہ پسند نہ کرتے تھے۔بلکہ وہ تقرب الٰھی کا ذریعہ تلاش کرتے رہتے تھے اور اس ایت کریمہ کی تفسیر میں یہی قول سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔(فتح الباری:۳۲۰/۸،۱۰/۱۲،۱۳،نوویؒ:۲۴۵/۸)۔

اب ہم وسیلہ کی دوقسمیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں:(ا) شرعی وسیلہ سے مراد ہر وہ سبب ہے جو اس طریقے کے مطابق منزل مقصود تک پہنچائے جسے اللہ تعالی نے مقرر فرمایا ہے،اس کی کئی اقسام ہیں:

(ا) اللہ تعالی کی طرف اس کے اسماء حسنی میں سے کسی ایک اسم پاک یا اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت کے ساتھ وسیلہ پکڑنا،مثلا کوئی مسلمان یوں دعا کرے،اے اللہ! تو رحمان،رحیم،لطیف اور خبیر ہے،میں تجھ سے سوال کرتا ہوں الخ۔جیسا کہ سورۂ اعراف:١٨٠، بنی اسرائیل:١١٠، میں اجمالا ہیں اور تفصیل کے لئے:سورۂ نمل ١٩،سورۂ ابراہیم:٣٨ تا ٤١ ،الشعراء:٧٥ تا ٨٥،وغیرہ۔

اوراحادیث میں اس قسم کے روایات بہت زیادہ ہیں۔جیسا کہ(نسائی کبری:٣٨٧/المجتبی:٥٥:٣) میں ہے کہ رسول پاک ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے:**اللھم بعلمک الغیب وقدرتک علی الخلق احینی ماعلمتَ الحیاۃ خیرا لّی، وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرا لی**۔یعنی اے اللہ تیرے علم غیب اور مخلوق پر قدرت کے وسیلے سے میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں،کہ جب تک تو میرے لئے زندگی کو بہتر جانے۔زندہ رکھ،اور جب وفات میرے لئے بہتر ہو،تو فوت کرلے۔اور متفق علیہ میں رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا منقول ہے:**اللھم انی اعوذ بعزتک لا الہ الا انت ان تضلنی**۔یعنی اے اللہ! میں تیری عزت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں کہ مجھے گمراہ کرے۔(بخاری:رقم:٧٣٨٣، ومسلم:٤/٢٠٧٧) ایک اور روایت انس﷜ سے منقول ہے:کہ جب رسول اللہ ﷺ غم وفکر میں مبتلا ہوتے تو یہ دعا فرماتے:**یاحیُّ یاقیوم برحمتک استغیث**۔(ترمذی:٢٦٧/١،حاکم:٥٠٩/١) یعنی اے اللہ! زندہ رہنے والے اور قائم رکھنے والے میں تیری رحمت کے ساتھ تجھ سے فریاد رسی کرتا ہوں۔ان جیسے دیگر روایات بہت زیادہ ہیں اس پر اکتفاء کرتے ہیں۔

٢: کسی عمل صالح کے ذریعہ وسیلہ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی مسلمان یوں دعا کرے:اے اللہ! میں تیرے ساتھ جو ایمان رکھتا ہوں،تیرے ساتھ محبت رکھتا ہوں،تیرے رسول کی اتباع کرتا ہوں،ان کے وسیلے سے میرے گناہ معاف فرمادے"اس کی مشروعیت پر بہت سے دلائل قرآن وسنت میں موجود ہیں،بطور مثال سورۂ ال عمران:١٦،٥٣،١٩٣،مومنون:١٠٩ وغیرہ۔نیز اس قسم کی مشروعیت پر کثرت سے احادیث وارد ہیں،مثلاً بریدہ﷜ نے روایت کیا ہے:کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ایک آدمی سے یہ دعا کرتے ہوئے سنا:**اللھم انی اسئلک بانی اشھد انک انت اللہ الذی لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد**۔(مسند

احمد: ج:۵ص:۳۵۰،وابوداؤد: رقم:۱۴۹۳) یعنی اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو احد، صمد (ایک، اور بے نیاز) ہے جس نے کسی کو جنم نہیں دیا اور نہ اسے کسی نے جنم دیا ہے اور نہ کوئی اس کی ہمسری کرنے والا ہے''۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص نے اللہ تعالی کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے کہ جب اس کے ساتھ کوئی سوال کیا جائے تو وہ ضرور عطا فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ ضرور شرف قبولیت سے سرفراز فرماتا ہے۔

جب کہ اس باب میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت یعنی اصحاب غار کا قصہ بہت مشہور ہے، اس حدیث کے اخر میں ہے۔ **فان کنت تعلم انی فعلت ذلک ابتغاء وجھک ففرج مابقی ، (الحدیث)** یعنی اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو ہمیں اس مشکل سے نجات دے دے، جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں۔ چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی اور وہ تینوں اس سے باہر نکل کر اپنی راہ چل دیئے۔ اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ جب ان تین آدمیوں پر انتہائی مشکل وقت آیا تو وہ زندگی سے مایوس ہو گئے البتہ اس بات کی انہیں امید ضرور تھی کہ اس وقت ان کی اس مشکل کو اللہ تعالی کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا، چنانچہ انہوں نے اللہ تعالی کی طرف رجوع کیا، اسے اخلاص سے پکارا، اپنے ان اعمال صالحہ کو یاد کیا جو انہوں نے اسائش اور آسانی کے اوقات میں اللہ تعالی کی رضا کے لئے کئے تھے۔ تاکہ مشکل اوقات میں وہ کام آئیں۔ (متفق علیہ خ:۳۴۶۵، م:۲۷۴۳۔)

جیسا کہ حدیث نبوی عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے: **تعرّف الی اللّٰہ فی الرخاء یعرفک فی الشد۔** ''تم آسانی کے دور میں اللہ کو پہچانو وہ مشکل میں تمہیں پہچانے گا'' (مسند احمد:۵/رقم ۲۸۰۳، السنۃ لابن ابی عاصم: ۳۱۸)۔ تو انہوں نے اپنے اعمال کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف وسیلہ پکڑا، پہلے نے اپنے ماں باپ کے ساتھ محبت وشفقت کو وسیلہ بنایا۔ اس کا ماں باپ کے ساتھ محبت ورحمت کا مظاہرہ اس حد تک شدید تھا کہ میرے خیال میں انبیاء کرام کے علاوہ کوئی انسان شاید اس حد تک مظاہرہ نہ کر سکے۔ دوسرے نے زنا سے پاکدامنی اور عفت وعصمت کو وسیلہ کے طور پر پیش کیا، جبکہ وہ اپنی عم زاد کی محبت میں نہایت شدت سے گرفتار ہو چکا تھا۔

۳: نیک آدمی کی دعا کا وسیلہ

وسیلہ کی اس قسم کی صورت یوں ہے، کہ مثلا کوئی مسلمان کسی ایسے آدمی کے پاس جائے جس کے بارے میں اس کا اعتقاد ہو کہ وہ صالح اور متقی ہے یا کتاب وسنت کا عالم اور صاحب علم وفضل ہے، تو اس سے دعا کا مطالبہ کرے۔ وسیلہ کی

اس نوعیت کی کئی مثالیں حدیثوں میں وارد ہوئی ہیں: اس کا مشہور مثال حدیث انس ہے کہ: **اصاب الناس سنة علی عهد النبی ﷺ فبینما النبی ﷺ یخطب علی المنبر قائما فی یوم الجمعة دخل اعرابی فقال یارسول الله هلک المال وجاع العیال فادع الله لنا فرفع یدیه یدعوا، الحدیث**. یعنی رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے، اسی دور کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک اعرابی اندر داخل ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یارسول اللہ مال ہلاک ہوگیا، اور اہل وعیال بھوکے ہیں، لہٰذا آپؐ اللہ تعالی سے ہمارے لئے دعا فرمائیے، آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمادی، یہ روایت بخاری وغیرہ نے نقل کی ہے۔

ایک دوسری روایت انسؓ ہی سے منقول ہے کہ: **ان عمر بن الخطاب ؓ کان اذا قحطوا استسقی بالعباس بن عبد المطلب ،فقال اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا، وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا، قال فیسقون. (بخاری: ١٠١٠)** ۔یعنی عمرؓ قحط کے زمانے میں عباس بن عبد المطلبؓ سے بارش کی دعا کا مطالبہ کرتے اور خود یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے نبی ﷺ کے وسیلے سے بارش طلب کرتے تھے، تو، تُو ہمیں بارش دے دیتا تھا، اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں، پس تو ہمیں بارش دے۔ تو اللہ تعالی انہیں بارش دے دیتے تھے۔ (اس کے متعلق مزید بحث بعد میں آئے گا)۔

نیک لوگوں سے دعا کے ساتھ وسیلہ کی مثال کے طور پر اس روایت کو بھی پیش کیا جاسکتا ہے جسے ابن عساکرؒ نے تاریخ دمشق: ٦٥/١١١، اور ابن حجر نے الاصابہ: ٦/٥٤٨، میں نقل کیا ہے۔ سلیم بن عامر خبائری سے، کہ: قحط کا زمانہ تھا اور بارش نہیں ہورہی تھی کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ اور اہل دمشق استسقاء کے لئے باہر نکلے۔ معاویہؓ جب منبر پر بیٹھے تو آپ نے فرمایا: یزید بن اسودؒ جرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں آواز دی، تو وہ فوراً معاویہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے انہیں منبر پر بٹھادیا اور خود ان کے پاؤں کے پاس بیٹھ گئے، اور یہ کہا کہ اے اللہ! آج ہم میں سے جو بہتر اور افضل ہے اسے لیکر تیرے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔ اے اللہ! ہم سفارش کے لئے یزید بن اسود جرشی کو لائے ہیں، اور پھر کہا: اے یزید ہاتھ اٹھاؤ اور اللہ سے دعا کرو، یزید نے ہاتھ اٹھایا لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے اور دعا شروع کردی۔ اب تھوڑی دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ مغرب کی جانب سے ڈھال کی مانند ایک بادل نمودار رہوا۔ ہوا چلنے لگی اور ابھی تک لوگ گھروں میں بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ بارش شروع ہوگئی۔ (ابن عساکر: ٦٥/١١٢، المعرفة والتاریخ للفسویؒ: ٢/٣٨١)۔

یہ بھی ابن عساکر ہی نے صحیح سند سے بیان کیا ہے، کہ ضحاک بن قیس لوگوں کے ساتھ استسقاء کے لئے باہر نکلے،

توانہوں نے بھی یزید بن اسود سے کہا: اے اللہ کے سامنے بکثرت گریہ وزاری کرنے والے! کھڑے ہوکر دعا کیجئے ایک روایت میں ہے کہ ابھی تین بار ہی دعا کی تھی، کہ اس قدر شدت سے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی کہ خدشہ پیدا ہوگیا کہ لوگ کہیں غرق ہی نہ ہوجائیں۔(تاریخ دمشق:۶۵/۱۱۳، تاریخ ابی ذرعہ:۶۰۲/۱)۔

۴: ان تین صورتوں کے علاوہ ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ ایک آدمی اپنی عاجزی وانکساری یا اقرار ظلم وعصیان، اللہ تعالی کے دربار میں پیش کرے، جیسا کہ دعاء آدم علیہ السلام، سورۂ اعراف:۲۳، اور بقرہ:۲۸۶، انبیاء:۸۷، میں ہے۔ اوراسی طرح حدیث ابوبکرؓ میں ہے کہ: **قال للنبی ﷺ علمنی دعاء، أدعوبه فی صلاتی کثیرا، قال قل: اللهم انی ظلمت نفسی ظلما کبیرا(کثیرا)، ولا یغفر الذنوب الاانت، فاغفرلی مغفرة من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم.** (بخاری رقم: ۸۳۴ ومسلم رقم: ۴۸ و ۲۷۰۵)۔ ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا یارسول اللہ! سکھلاؤ مجھ کوالفاظ دعاء، کہ اس کے ساتھ دعاء مانگوں اپنی نماز میں، فرمایا کہہ: یااللہ! ظلم کیا میں نے اپنے نفس پر بہت، اورگناہوں کوکوئی نہیں بخشا مگرتو، پس بخش مجھ کو بخشا خاص، نزدیک اپنے سے، اور مجھ پررحم کر، تحقیق تو بخشنے والا، مہربان ہے۔

اورحدیث ابن مسعودؓ میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: **من کثر همه فلیقل: اللهم! انی عبدک وابن عبدک وابن امتک وفی قبضتک، ناصیتی بیدک، ماض فیّ حکمک، عدل فیّ قضاؤک، الحدیث** ۔(مشکواۃ:۲۴۸۷، مسند احمد:۳۹۱/۱) م:۶/۳۷/۱۲)۔ جس شخص کا فکر بڑھ جائے وہ یہ دعا پڑھے: اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری لونڈی کا بیٹا ہوں، تیرے قبضے میں ہوں، اورمیری پیشانی کے بال تیرے قبضہ میں ہیں، میرے حق میں تیرا حکم جاری ہے، میرے بارہ میں تیرا قضاء عدل ہے۔

اوراسی طرح دعائے استخارہ بھی ہے، جب کہ یہ دعا رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کواس قدر اہتمام سے سکھایا کرتے تھے جیسا کہ قران مجید کی تعلیم اہتمام سے دیا کرتے تھے۔ اورفرماتے کہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ ہوتو یہ دعا پڑھو: **اللهم انی استخیرک بعلمک، واستقدرک بقدرتک، واسئلک من فضلک العظیم، فانک تقدر، ولااقدر، وتعلم ولااعلم، وانت علام الغیوب، الحدیث:** بخاری: ۱۱۶۲، النسائی: ۶/۸۰، ابوداود: ۱۵۳۸، ترمذی: ۴۸۰، ابن ماجه: ۱۳۸۳ ۔ یعنی اے اللہ! میں تیرے علم کیساتھ تجھ سے خیر کا سوال کرتا ہوں، اورتیری قدرت کے ساتھ قدرت حاصل کرتا ہوں، تجھ سے تیرے فضل

عظیم کا سوال کرتا ہوں، بیشک تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا۔تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا ،اور تو غیبوں کو جاننے والا ہے۔

(۲) ممنوع وسیلہ کا بیان اور مبتدعین کے اعتراضات اوران کے جوابات

پہلی دلیل عمرؓ کی عباسؓ سے بارش کی دعا کی درخواست ،بعض لوگ، اشخاص کے ذات، جاہ، حرمت، اور حق کے ساتھ وسیلہ کے جواز کے لئے عمرؓ کے اس واقعہ کو بطور حجت پیش کرتے ہیں: لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اس نیک انسان کی ذات، جاہ، اور حق کا وسیلہ پیش کرتے ہیں، بلکہ اس کی دعا اللہ تعالی کی طرف تضرع اوران کی اللہ سے فریاد رسی کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں، اور یہی معنی ہیں عمرؓ کے اس قول کے :**اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا فتسقينا**. اوراس کے بعد والی جملہ **و انا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا**، یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے چچا عباسؓ سے دعا کا مطالبہ کر رہے ہیں، تا کہ اے اللہ تو بارش نازل فرمادے۔

اس میں یہ تصریح موجود ہے، اگر آپ ﷺ کے ذات اقدس کے ساتھ وسیلہ جائز ہوتا تو عمرؓ اور تمام صحابہ کیوں آپ ﷺ کے ذات کو چھوڑ کر عباسؓ کا وسیلہ پیش کرتے، تو ظاہر ہے کہ یہاں وسیلہ ذات سے نہیں بلکہ دعا سے تھا، اور رسول اللہ ﷺ برزخ میں دعا نہیں فرماسکتے، اس لئے صحابہ کرام نے عباسؓ کی طرف رجوع کیا اور عباسؓ نے دعا کی، اور آپ کے دعا کے الفاظ بھی ابن حجر نے فتح الباری (م):۱۸۶/۳، میں نقل کیا ہے کہ: زبیر بن بکار نے ''انساب'' میں اس واقعہ کے سلسلہ میں عباسؓ کی دعا کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: **اللهم انه لم ينزل بلاء الا بذنب، ولم يكشف الا بتوبة، وقد توجه القوم بي اليك ،لمكاني من نبيك، وهذه ايدينا، اليك بالذنوب، و نواصينا اليك بالتوبة، فاسقنا الغيث**۔

اے اللہ! ہر بلا گناہ کی جہ سے نازل ہوتی ہے، اور توبہ سے دور ہوتی ہے، میری قوم تیرے نبی ﷺ سے قربت کے باعث میری طرف متوجہ ہوئی ہے، تا کہ تجھ سے دعا کی جائے۔ یہ ہمارے گناہگار ہاتھ تیرے سامنے پھیلے ہوئے ہیں، جبکہ ہماری پیشانیاں توبہ کے باعث جھکی ہوئی ہیں۔تو ہمیں بارش عطا فرمادے۔

اور بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری:۲۵۲/۵، میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ:۲/۱۰، میں اور طبری نے تاریخ:۸۰/۲، میں اور عبد الرزاق نے مصنف:۹۳/۳، میں ابن ابی الدنیا نے کتاب المطر :۷۱-۹۴، میں دونوں کا دعا تفصیل سے نقل کیا ہے ,, **عن ابن عباسؓ ان عمر استسقى بالمصلى ،فقال للعباسؓ قم فاستسق ،فقام**

العباس فقال ,,اللهم ان عندک سحابا ،وان عندک ماءً فانشر السحاب ،ثم انزل فیه الماء ،ثم انزله علینا، فاشدد به الاصل ،واطل به الزرع، وادّر به الضرع، اللهم شفعّنا فی انفسنا واھلینا، اللهم انّا شفعّنا الیک عمن لامنطق له ،عن بھائمنا، وانعامنا، اللهم اسقنا سقیا وادعة بالغة ،طبقا ،عاما ،محییا ، اللهم لا نرغب الا الیک وحدک، لا شریک لک، اللهم ان نشکو الیک سغب کل ساغب، وغرم کل غارم ،وجوع کل جائع ،وعری کل عار ،وخوف کل خائف ، فی دعاء له ،،اورعمرؓ کی دعا کی الفاظ یہ نقل کئے ہیں,, اللهم انا نستغفرک ونستسقیک ،، یہ دعا ابن ابی الدنیا نے مجابوالدعوۃ: ۷۹، میں نقل کیا ہے،جبکہ بیہقی نے بروایت شعبی ،السنن الکبری:۳۵۲/۳، میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں,, خرج عمرؓ یستسقی، فلم یزد علی الاستغفار حتی رجع ،فقیل مارأیناک استسقیت ،فقال لقد طلبت المطر بمجادیح السماء ،الذی یستنزل بھا المطر، ثم قرأ : فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً ﴿۱۰﴾ يُرْسِلِ السَّمَاء عَلَيْكُم مِّدْرَاراً ﴿۱۱﴾سورت نوح۔اورتاریخ دمشق:۳۴۶/۴۴، میں بھی یہی الفاظ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عمرؓ کا وسیلہ عباسؓ کی ذات وجاہ کے ساتھ ہوتا تو آپؓ، رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے وسیلہ کو ترک نہ فرماتے۔عمرؓ کا یہ عمل اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ عمراور دیگر صحابہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ وسیلہ کو جائز تصور نہیں کرتے تھے۔صحابہ کرام کے بعد سلف صالح کا بھی عمل اسی طرح رہا۔جیسے کہ معاویہؓ اور ضحاک نے یزید بن اسود کے وسیلہ کو اختیار کیا تھا، جو کہ پہلے گذر گیا،بعض کہتے ہیں: کہ عمرؓ کو نابینا آدمی کے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ وسیلہ پکڑنے والی حدیث نہیں پہنچی تھی (اس کا ذکر بعد میں آئے گا)اوراگر پہنچی ہوتی تو وہ یقیناً آپ ﷺ ہی کا وسیلہ اختیار کرتے۔

اس کا ہم جواب دیتے ہیں کہ وہ بھی وسیلہ بالدعاء ہے بالذات نہیں۔دوئم یہ اگر عمرؓ کو پتہ نہیں تھا تو آیا سب صحابہ کرام اس سے ناخبر تھے؟ علاوہ ازیں یہ بھی کہتے ہیں کہ عمرؓ نے اس وسیلہ کا کئی بار اعادہ فرمایا، جب بھی اہل مدینہ کسی خطرے میں مبتلا ہوتے یا جب بھی بارش کی ضرورت ہوتی تو عمرؓ اسی طرح کیا کرتے تھے۔جیسا کہ اس پر لفظ ’’کان‘‘ دلالت کرتا ہے۔

بعض مبتدعین کہتے ہیں کہ ابن حجر نے: فتح الباری:۱۸۶/۳، میں،اور دیگر مؤرخین نے زبیر بن بکار سے یہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:استسقی عمرؓ بن الخطاب عام الرمادۃبالعباسؓ بن عبد المطلب فخطب عمرؓ

فقال ان رسول اللهﷺ کان یری للعباس مایری الولدللوالد،فاقتدوا ایھاالناس برسول اللهﷺ، واتخذوہ وسیلة الی الله۔ قحط والی سال عمرؓ نے عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ استسقاء کیا۔ عمرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریمﷺ عباسؓ کو وہ مقام ومرتبہ دیتے تھے جو بیٹا، باپ کو دیتا ہے، تو اے لوگو! تم بھی رسول اللہﷺ کی اتباع کرو، اورانہیں اللہ تعالی کی طرف وسیلہ کے طور پر پیش کرو۔

تواس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں داؤد بن عطا مدنی ہے جو کہ ضعیف ہے، اس روایت کو حاکم نے :[۴/۴۰۰م] میں مذکورہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، لیکن نیچے امام ذہبی لکھتا ہے کہ اس میں داؤد راوی متروک ہے۔ اوراس کا شاگرد (یعنی اس سے یہ حدیث نقل کرنے والا) ساعدہ بن عبیداللہ مجہول ہے، جبکہ سند میں اضطراب بھی ہے، اور یہ سیر اعلام النبلاء:۹۲/۲، میں بھی مذکور ہے۔

دوسری دلیل: ان لوگوں کا دوسرا شبہ اور مستدل حدیث ضریر ہے جو کہ امام احمد نے:۴۷۸/۲۸، میں نقل کیا ہے۔ (مزید تخریج اس کا بعد میں کرینگے)۔ کہ ایک نابینا شخص نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اوراس نے عرض کیا!ادع الله ان یعافینی فقال ان شئت دعوت لک وان شئت اخرت ذلک ،فھو خیر(وفی روایةوان شئت صبرت فھو خیرلک)فقال ادعه، فامرہ ان یتوضأفیحسن وضوئه فیصلی رکعتین ویدع بھذاالدعاء : اللھم انی اسئلک واتوجه الیک بنبیک محمدنبی الرحمة، یامحمدﷺانی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ ، فتقضی لی، اللھم فشّفعه فیّ(وشفّعنی فیه)قال ففعل الرجل فبرأ. یعنی آپﷺ اللہ تعالی سے دعا فرمائیے، کہ اللہ مجھے عافیت بخشے، آپﷺ نے فرمایا! اگر تم چاہوتو میں دعا کر دیتا ہوں، اوراگر چاہوتو دعا کو موخر کر دیتا ہوں، اور یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (ایک روایت میں ہے کہ اگر تم صبر کروتو تمہارے لئے بہتر ہوگا)۔ اس نے عرض کیا کہ آپﷺ دعا فرمائیں۔ آپﷺ نے اسے حکم دیا کہ نہایت اچھے طریقے سے وضوء کرے، دورکعت نماز پڑھے اور یہ دعا مانگے، کہ اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیرے نبی رحمت محمدﷺ کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمدﷺ میں تیرے ساتھ اپنے رب کی طرف، اپنی اس حاجت کے سلسلہ میں متوجہ ہوتا ہوں، تو میری اس حاجت کو پورا کر دے۔ اے اللہ! اپنے نبیﷺ کی میرے بارے سفارش قبول فرما (اور میری سفارش اپنے نبیﷺ کے بارے میں قبول فرما)۔ اس نے اسی طرح کیا تو وہ بینا ہوگیا۔''

اس حدیث کو مسند احمد [۴۷۸/۲۸] میں، عبد بن حمید نے [المنتخب:۳۷۹] میں، ترمذی نے:۳۵۷۸، میں، نسائی نے کبریٰ

[۱۰۴۱۹/۹] میں، ابن ماجہ نے: ۱۳۸، میں اور طبرانی نے الکبیر [۸۳۱۱/۲] میں نقل کیا ہے۔ سب نے عثمان بن عمر (جو کہ احمد کے شیخ ہیں) کے سند سے روایت کیا ہے۔ شعبہ نے ابوجعفر مدنی سے روایت کرتے ہوئے کہا، کہ میں نے عمارہ بن خزیمہ سے سنا کہ وہ اسے عثمان سے روایت کرتے تھے۔ امام ترمذیؒ نے اسے ''حسن صحیح غریب'' قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ ابواسحاق نے اسے ''حدیث صحیح'' کہا ہے۔ پھر امام احمدؒ نے اسے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ہمیں شعبہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

اوراس میں ایک دوسری روایت بھی ہے۔ جس کی محمد بن جعفرؒ نے متابعت کی ہے، اوراسے شعبہ سے بیان کیا ہے۔ مستدرک [۵۱۹/۱] امام حاکمؒ نے اسے ''صحیح الاسناد'' قرار دیا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی آپ کی متابعت کی ہے، جبکہ بعض علماء، مثلاً صاحب ''صیانۃ الانسان'' اور صاحبِ ''تطہیر الجنان'' [ص: ۳۷] نے اسے معلول قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی سند میں ابوجعفر ہے، اورامام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسے صرف ابوجعفرؒ کی سند سے جانتے ہیں، جو کہ خطمی نہیں، بلکہ وہ رازی ہیں، صدوق ہیں، لیکن سیئ الحفظ ہیں!

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ اعتراض اس طرح دور کیا جائے گا کہ درست بات یہی ہے کہ یہی ابوجعفر خطمی ہیں۔ امام احمدؒ نے ایک روایت [۱۳۸/۴] میں ان کی نسبت خطمی ہی ذکر کی ہے، جبکہ دوسری روایت میں انہیں ابوجعفر مدنی کہا ہے، امام حاکمؒ نے بھی اسی طرح ان کا نام لیا ہے، اور خطمی ہی مدنی ہیں، رازی مدنی نہیں ''معجم صغیر طبرانی: ۳۰۶/۱'' اور سنن ترمذی کی طبع بولاق میں بھی اسی طرح ہے، تو قطعی شکل یہی ہے، کہ خطمی، عمارہ بن خزیمہ سے اور وہ شعبہ سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ اس سند میں ہے اور یہ صدوق ہیں تو گویا بلا شبہ سند جید ہوئی۔

اس حدیث سے ہمارے مخالفین استدلال کرتے ہیں، کہ یہ دعا نبی کریم ﷺ یا دیگر صلحاء کی حرمت و جاہ کے ساتھ وسیلے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نابینا آدمی کو یہ سکھایا کہ وہ دعا میں آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کرے۔ چنانچہ جب اس نابینا ادمی نے اس طرح دعا کی تو اس کی بینائی واپس لوٹ آئی۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ حدیث وسیلہ کی مختلف فیہ صورت کے سلسلہ میں ہرگز حجت نہیں ہوسکتی، بلکہ ہم نے شرعی وسیلہ کی جو صورتیں ذکر کی تھیں یہ ان میں سے تیسری صورت کی ایک مزید دلیل ہے، کیونکہ نابینا آدمی کا وسیلہ نبی کریم ﷺ کی دعاء کے ساتھ تھا۔ ہم اس سلسلہ میں جو موقف رکھتے ہیں اس کی تائید میں اسی حدیث سے ہمیں کئی دلائل ملتے ہیں چنانچہ ان میں سے اہم ترین حسب ذیل ہیں:

[۱] نابینا آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا تھا کہ آپ ﷺ دعا فرمائیں جیسا کہ اس کے قول :ادع الله ان يعافيني ،آپ ﷺ ،دعا فرمائے کہ اللہ تعالی مجھے عافیت بخشے ، سے ثابت ہے ،یعنی اس نے اللہ تعالی کے پاس آپ ﷺ کی دعا کے وسیلہ کو پیش کیا۔ کیونکہ اس سے معلوم تھا کہ کسی دوسرے کی نسبت نبی کریم ﷺ کی دعا کی مقبولیت کی زیادہ امید ہے۔ اگر اس نابینا آدمی کا مقصود آپ ﷺ کی ذات اقدس ، جاہ وحرمت یا حق وغیرہ کے ساتھ وسیلہ پیش کرنا ہوتا، تو اسے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کی ضرورت نہ تھی ، اور نہ اس بات کی حاجت تھی کہ آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتا ، بلکہ اسے گھر میں بیٹھ کر دعا کرنی چاہئے تھی۔

[۲] کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے دعا کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی خیر خواہی کرتے ہوئے ایک ایسی بات کو بھی بیان فرمادیا، جو اس کے لئے زیادہ افضل تھی یعنی آپ ﷺ نے فرمادیا کہ اگر تم چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں ، اور اگر چاہو تو صبر کرلو اور صبر کرنا تمہارے لئے زیادہ بہتر ثابت ہوگا۔ اس امر ثانی کی طرف آپ ﷺ نے اس حدیث میں بھی اشارہ کیا ہے۔ جسے اللہ تبارک وتعالی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے: **اذا ابتليت عبدى بحبيبتيه فصبر عوضت منهما الجنة**. (بخاری، ۵۶۵۳) الصحیحہ: ۲۰۱۰) یعنی جب میں اپنے بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں (یعنی انکھوں) کے بارے میں آزمائش میں ڈالوں ، اور وہ صبر کرے، تو میں اسے اس صبر کے عوض جنت دوں گا۔

سوم کہ نابینا شخص نے دعا کے لئے اسرار کیا جیسا کہ اس کے قول ''فادع'' سے ثابت ہوتا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔

چہارم: یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نابینا شخص کو جو دعاء سکھلائی اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے **اللهم فشفعه فیّ**، یعنی اے اللہ، رسول پاک ﷺ کی سفارش میرے بارے میں قبول فرما۔ میں کہتا ہوں اسے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ، جاہ یا حق سے وسیلہ پکڑنے پر محمول کرنا محال ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! رسول پاک ﷺ کی میرے بارے میں شفاعت قبول فرما، یعنی آپ ﷺ کی دعا قبول فرما، اور میری بینائی لوٹا دے۔

شفاعت کے لغوی معنی دعا ہیں۔ نبی کریم ﷺ انبیاء کرام اور صالحین کے بارے میں جو یہ ثابت ہے کہ وہ قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گے تو اس سے مراد دعا ہی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شفاعت دعاء کی ایک مخصوص

صورت ہے کیونکہ یہ اسی صورت میں ہوتی ہے۔ جب دو شخص کسی ایک امر کا مطالبہ کر رہے ہوں، ان میں سے ایک دوسرے کے لئے شفیع ہوتا ہے چنانچہ لسان العرب میں ہے: شفاعت کے معنی کسی شفیع کا وہ کلام ہے جس کے ذریعے وہ کسی دوسرے شخص کی حاجت کے لئے بادشاہ سے گفتگو کرے۔ شافع وہ، جو غیر کے لئے مطالبہ کرے اور مطلوب کی طرف سفارش کرے۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کی فلاں کے پاس سفارش کی تو اس نے میرے شفاعت کو قبول فرمالیا۔ تو اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی دعاء کے ساتھ نابینا آدمی نے وسیلہ پکڑا تھا۔ اس کا وسیلہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ نہ تھا۔

پنجم: رسول پاک ﷺ نے نابینا شخص کو جو دعا سکھلائی، اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا، و شفّعنی فیه، اور میری شفاعت آپ ﷺ کے بارہ میں قبول فرما، یعنی میری یہ دعا قبول کرا اور میرے بارے میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت کو شرف قبولیت عطا فرما، آپ ﷺ کی دعا کے نتیجہ میں میری بصارت واپس لوٹا دے۔ اس کے سوا اس جملہ سے اور کوئی مفہوم اخذ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

ششم: علماء کرام نے اس حدیث کو نبی کریم ﷺ کے معجزات آپ ﷺ کی دعا کے مستجاب ہونے اور آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالی نے جو خرق عادت امور کا ظہور فرمایا، اور مبتلائے آلام و مصائب لوگوں کو نجات دی، کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے جیسا کہ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ: ٦/١٦٦، وخصائص الرسول لابن الملقن: ص ٢٩٨، میں ذکر کیا ہے۔

تنبیہ: سابقہ حدیث ضریر کے بعض طرق میں دو زائد امر بیان ہوئے ہیں جن کا شذوذ اور ضعف بیان کرنا از حد ضروری ہے، تاکہ قارئین کرام ان سے روشناس ہو سکیں، اور جن لوگوں نے ان سے غلط استدلال کیا ہے ان کے غلط استدلال سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں۔

پہلی زیادتی: تو حماد بن سلمہ کی ہے انہوں نے اس حدیث کو ابو جعفر خطمی سے بیان کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کی سند کو شعبہ کی روایت کے مطابق بیان کیا ہے اور متن کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ مگر کچھ اختصار کے ساتھ اور آخر میں و شفع نبی فی ردبصری کے بعد یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ وان كانت حاجة فافعل مثل ذلک۔ ابوبکر بن ابی خیثمہؒ نے اسے اپنی تاریخ میں بیان کرنے کے بعد کہا ہے: حدثنا مسلم بن ابراهيم حدثنا حماد بن سلمة به.

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے، القاعدة الجليلة: ١٥٦، میں اس زیادتی کو حماد بن سلمہ کے تفرد اور شعبہ

کی روایت کی مخالفت کے باعث معلول قرار دیا ہے۔شعبہ اس روایت کے سب راویوں سے جلیل المرتبۃ ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اس علت کو بیان کرنا قواعد حدیث کے عین مطابق ہے اور بالکل مخالف نہیں البتہ غماری کا المصباح:ص ۳۰، میں یہ قول کہ حماد ثقہ ہے اور صحیح کے رجال میں سے ہے، اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔غفلت یا تغافل پر مبنی ہے۔کیونکہ مصطلحات حدیث کا یہ متعین اصول ہے کہ ثقہ کی زیادتی اس وقت مقبول ہے جب وہ اپنے سے اوثق (زیادہ ثقہ) راوی کی مخالفت نہ کرے، چنانچہ حافظ ابن حجر نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں:و الزیادۃ مقبولۃ مالم تقع منافیۃ لمن ھو اوثق ،فان خولف بارجح، فالراجح المحفوظ ومقابلہ الشاذ۔یعنی زیادتی اس وقت مقبول ہوگی جب اس میں اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت واقع نہ ہوئی ہو، اگر مخالفت میں راجح روایت ہے تو راجح کو محفوظ کہیں گے اور اس کے مقابلے میں شاذ کہلائے گی۔

دوسری زیادتی: طبرانی نے معجم صغیر:۲۰۶/۱،اور معجم کبیر:۹/۱۷، ۱۸، وکتاب الدعاء:۱۲۸۸/۲، میں اور دلائل النبوۃ :۱۶۶/۶، میں امام بیہقی نے:عبداللہ بن وہب، شبیب بن سعید مکی، روح بن قاسم، ابوجعفر خطمی مدنی، ابوامامۃ سہل بن حنیف اور عثمان بن حنیف کی سند سے روایات ذکر کی ہے، کہ ایک آدمی اپنی کسی ضرورت کے سلسلہ میں عثمان بن عفانؓ کی خدمت میں آتا جاتا رہتا تھا، لیکن آپؓ توجہ نہیں فرماتے تھے اور نہ اس کی حاجت پوری کرتے تھے، وہ آدمی عثمان بن حنیف سے ملا اور شکایت کی، تو انہوں نے کہا کہ وضوء کرو اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا کرو:اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبینا محمد ﷺ نبی الرحمۃ ،یامحمد انی اتوجہ بک الی ربک عزوجل ،فیقضی لی حاجتی. الحدیث ۔یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیری طرف اپنے نبی رحمت ﷺ کے (وسیلہ) کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں، اور اے محمد ﷺ میں تیرے ساتھ تیرے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، کہ وہ میری حاجت کو پورا فرمادے ۔اور پھر اپنی حاجت بیان کردینا، اور پھر میرے پاس آجانا، میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا ،وہ آدمی چلا گیا اور اس نے ایسا ہی کیا، پھر وہ آدمی عثمان بن عفانؓ کے دروازے پر گیا، تو دربان نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر اندر داخل کردیا ،اور عثمانؓ نے اسے اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھالیا، اور فرمایا کہ اپنی حاجت بیان کرو، اس نے اپنی حاجت بیان کی، تو عثمانؓ نے اسے پورا فرمادیا۔ اور فرمایا کہ ابتک تم نے اپنی حاجت ذکر کیوں نہ کی؟ تمہیں جو بھی حاجت پیش آئے تو ہمارے پاس آجانا، وہ آدمی عثمانؓ سے رخصت ہوکر جب عثمان بن حنیف سے ملا تو انہیں کہنے لگا، کہ اللہ تعالی تمہیں جزائے خیر سے نوازے، عثمانؓ تو میری طرف توجہ ہی نہ فرماتے تھے، حتی کہ آپ نے ان سے میرے بارے میں

گفتگوفرمائی، انہوں نے کہا واللہ! میں نے تو گفتگونہیں کی ،لیکن میں ایک مرتبہ نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جب آپﷺ کے پاس ایک نابینا شخص نے اپنی بینائی کے چلے جانے کی شکایت کی ،تو آپﷺ نے فرمایا کہ صبر کرو،اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے پاس کوئی قائد نہیں ،اور مجھے بیحد تکلیف ہے، نبیﷺ نے فرمایا وضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھو،اور پھر یہ دعا کرو،عثمان بن حنیف کہتے ہیں، واللہ! ہم ابھی تک جدا نہیں ہوئے تھے کیونکہ ہماری گفتگو طول پکڑ گئی تھی، حتی کہ ہمارے پاس وہ آدمی آیا،اوراس طرح تھا گویا اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

امام طبرانی فرماتے ہیں روح بن قاسم سے اس روایت کو صرف شبیب بن سعید ابوسعید مکی نے بیان کیا ہے، وہ ثقہ ہے۔یہی وہ راوی ہے جس سے **احمد بن شبیب عن ابیہ عن یونس بن یزید الایلی** کی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں،اس حدیث کو شعبہ نے ابوجعفر خطمی سے بھی روایت کیا ہے، جن کا نام عمیر بن یزید ہے اور وہ ثقہ ہیں،لیکن شعبہ سے روایت کرنے میں عثمان بن فارس متفرد ہے اور حدیث صحیح ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث کی صحت میں تو کچھ شک نہیں اس وقت موضوع بحث یہ قصہ ہے جسے بیان کرنے میں شبیب بن سعید متفرد ہے جیسا کہ امام طبرانی نے فرمایا: یہ شبیب متکلم فیہ راوی ہے۔خاص طور پر اس روایت میں تو یہ بالکل متفرد ہوتا ہے۔جو ابن وہب نے ان سے روایت کی ہو،لیکن شبیب بن سعید کے دو بیٹوں اسماعیل اور احمد نے ابن وہب کی متابعت کی ہے،اس میں اسماعیل مجہول ہے،اوراس کا بھائی احمد صدوق ہے۔شبیب کے بارے میں خلاصہ یہ ہے کہ یہ ثقہ ہے لیکن اس کے حفظ میں ضعف ہے، مگر جب اس کا یہ بیٹا احمد اس سے اور پھر یونس سے روایت کرتا ہے تو وہ حجت ہے۔تفصیل میزان الاعتدال وابن ابی حاتم کی جرح وتعدیل میں ملاحظہ کرے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ قصہ تین امور کے باعث ضعیف اور منکر ہے (١) اس روایت کے منفرد راوی ضعیف ہے (٢)۔اس روای کے ساتھ اس تفرد میں اختلاف کیا گیا ہے۔(٣)۔اس متفرد راوی نے ثقات کی مخالفت کی ہے ان تین امور میں سے اگر کوئی ایک امر ہوتا تو وہ بھی اس قصہ کو ساقط کر دیتا،لیکن اب تو تینوں جمع ہو گئے ہیں ۔(از حاشیہ معجم کبیر طبرانی)۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں اگر یہ قصہ عثمان بن حنیف سے ثابت بھی ہو جائے تو انہوں نے اس ادمی کو نابینا شخص کی پوری دعا نہیں سکھائی تھی ، بلکہ انہوں نے اس سے یہ جملہ **،اللهم فشفعه فى و شفعنى فيه،** ساقط کر دیا تھا، کیونکہ وہ اپنے عربی زبان جاننے کے سلیقہ کی بدولت سمجھتے تھے، کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہﷺ نے اس آدمی کے لئے بھی دعا کی،

جیسے کہ اس نابینا شخص کے لئے کی تھی۔لیکن آپ ﷺ نے اس کے لئے چونکہ دعانہیں فرمائی تھی لہٰذا انہوں نے اس جملہ کوذکرنہ کیا۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ کتاب التوسل میں لکھتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کے وصال کے بعد یہ جملہ کہنا باطل ہے۔ اس حدیث کا تفصیلی جواب کتاب التوسل: ۲۳۳، ۲۳۷، اور فتح المنان: ۳۳۵، ۳۳۹، ۳۶۹، ۳۷۰، جلاء العینین: ۴۵۳، صیانۃ الانسان: ۱۱، ۱۲۵، اور ۱۸۲، میں مذکور ہے۔

تیسری دلیل: ابن ابی الدنیا نے کتاب مجابوا الدعوۃ: ۱۳۶، میں عبدالملک بن سعید بن حیان سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ اس کو آ یک آدمی آیا، اس کے پیٹ میں دوبیلا بیماری تھی۔ تو اس نے یہ دعا پڑھی: **اللہ، اللہ، اللہ، ربی لاشرک بہ شیئا، اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک محمد ﷺ نبی الرحمۃ، یامحمد اتوجہ بک الی ربک وربی، ان یرحمنی ممابی، رحمۃً یغنینی بھاعن رحمۃ من سواہ، ثلاث مرات. فقال لہ ابن ابجر لماجس بطنہ قدبرأت، مابک علۃ،** تو اس آدمی کو شفا نصیب ہوئی۔

یہ روایت منقطع ہے اور ایک عام آدمی کا عمل ہے، اس سے استدلال کرنا علماء کا کام نہیں۔

مذکورہ بالا تحقیق کے بعد اگر کوئی شوکانی کے قول سے استدلال کرے، تو یہ اس کی حماقت ہوگی، جو کہ اس نے تحفۃ الذاکرین: ۱۳۸، میں اس حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ: **وفی الحدیث دلیل علی جواز التوسل برسول اللہ ﷺ الی اللہ عزوجل، مع اعتقادہ ان الفاعل ھو اللہ سبحانہ وتعالی. وانہ المعطی المانع ماشاء کان ومالم یشأ لم یکن۔**

چوتھی دلیل: یہ مبتدعین ابوسعید خدریؓ کی مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کو امام احمد نے: ۱۷/ ۲۴۸، میں اور ابن ماجہ: ۸۷۷، طبرانی: ۴۲۱، وابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ: ۸۴، ابن ابی شیبہ: ۱۰/ ۲۱۱، مسند ابن الجعد: ۲/ ۹۱۷، وجعدیات: ۲/ ۳۷۔ اور ابوحاتم نے ''العلل'': ۲/ ۱۸۴، میں ذکر کیا ہے۔ **عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ من خرج من بیتہ الی الصلواۃ فقال: اللھم انی اسئلک بحق السائلین علیک، واسئلک بحق ممشای ھذا، فانی لم اخرج اشرا ولابطرا ولاریاء ولاسمعۃ، وخرجت اتقاء سخطک وابتغاء مرضاتک، الخ** ۔ابوسعید خدریؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جو شخص نماز کے لئے اپنے گھر سے نکلے اور یہ دعا پڑھے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اس حق کی وجہ سے جو مانگنے والوں کا تجھ پر ہے، اور اس چلنے کے حق کی وجہ سے، کیونکہ میں

غرور اور اترانے اور دکھلانے اور سنانے اور تکبر کے ساتھ گھر سے نہیں نکلا، تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنے چہرے اقدس کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں۔

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اسے ابو سعید خدریؓ سے عطیہ عوفی نے روایت کیا ہے، اور عطیہ ضعیف ہے، جیسا کہ امام نووی نے الاذکار:٣٢، میں، ابن تیمیہ نے القاعدۃ الجلیلۃ،، میں، ذھبی نے میزان میں ذکر فرمایا ہے، بلکہ انہوں نے الضعفاء:١/٨٨، میں لکھا ہے کہ عطیہ کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔ حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد کے کئی ایک مقامات، مثلاً:٥/٢٣٦، میں اسے ضعیف قرار دیا ہے، ابوبکر بن محبّ بعلبکی نے اسے الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا ہے، بوصیری نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ صدوق ہے لیکن غلطیاں بہت کرتا ہے، شیعہ اور مدلس ہے، آپ نے اس کے ضعف کا سبب بھی بیان فرمایا ہے، وہ دو امر ہیں۔ ایک حفظ کا ضعف دوئم تدلیس ہے۔

پانچویں دلیل: مذکورہ حدیث کا ایک شاہد ابن السنی نے:٧٥، میں بلالؓ سے نقل کیا ہے: **عن بلال مؤذن رسول اللہ ﷺ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا خرج الی الصلوٰۃ قال: بسم اللہ امنت باللہ، توکلت علی اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ، اللھم بحق السائلین علیک وبحق مخرجی ھذا ، الحدیث** ۔یعنی رسول پاک ﷺ جب نماز کے لئے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے: اللہ کے نام سے، میں نے اللہ پر ایمان لایا، اللہ پر میں نے توکل کیا، اللہ کی توفیق کے بغیر نہ نیکی کی جاسکتی اور نہ برائی سے بچا جاسکتا ہے، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرنے والوں کے حق، اور اپنے اس نکلنے کے حق سوال کرتا ہوں الخ۔ اس حدیث کو ابن السنی نے: عمل الیوم و اللیلۃ میں بطریق وازع بن نافع عقیلی از ابوسلمہ بن عبدالرحمان عن جابر بن عبداللہ بیان کیا ہے۔ یہ حدیث سخت ضعیف ہے اس کے راویوں میں وازع آفت ہے، اسے جھوٹ سے کوئی چیز باز نہ رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ نووی نے الاذکار:٣٢، میں بیان فرمایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے راویوں میں سے ایک وازع بن نافع عقیلی ہے جس کے ضعف پر اتفاق ہے، اور وہ منکر الحدیث ہے۔ حافظ نے اس کی تخریج کے بعد لکھا ہے: یہ حدیث بہت واہی ہے، امام دارقطنی نے اسے (الافراد ، اطراف:٢/٤/٢٧) میں اسی سند کے ساتھ بیان کرکے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں وازع متفرد ہے، اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے اور وہ منکر الحدیث ہے۔

اور اسی طرح ابن حجر نے نتائج الافکار:١/٢٦٦، میں اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے لکھتا ہے: **ھذا حدیث واہ جدا، وقال فیہ (ای فی الوازع) یحی بن معین، لیس بثقۃ، متروک، وقال حاکم**

روىٰ احادیث موضوعة ،وقال ابن عدی احادیثه کلها غیر محفوظة، الخ ۔ یہ دونوں حدیثین ضعیف ہونے کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتی نہیں ، کہ مخلوق کے ساتھ وسیلہ جائز ہے، بلکہ ان سے اسی مشروع وسیلہ ہی کی ایک نوعیت کا جواز ثابت ہوتا ہے ۔جس کی بابت قبل ازیں گفتگو ہو چکی ہے، اور وہ ہے اللہ تعالی کی طرف سے اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت کا وسیلہ پیش کرنا، کیونکہ اس میں اللہ تعالی سے سوال کرنے والوں کے حق کا وسیلہ، اور نمازیوں کے چلنے کے حق کا وسیلہ مذکور ہے، اللہ تعالی سے سوال کرنے والوں کا حق کیا ہے؟ بلا شبہ ان کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالی ان کی دعاؤں کو قبول فرمالے، اور اللہ تعالی کا اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول کرنا اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے ۔اسی طرح مسلمان کے مسجد کی طرف چلنے کا حق کیا ہے؟ صرف یہ کہ اللہ تعالی مغفرت فرمادے جنت میں داخل کردے اور اللہ تعالی کی مغفرت ورحمت اور اپنے فرمانبردار بندوں کو جنت میں داخل فرمانا یہ سب رب تبارک وتعالی کی صفات ہیں ۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ سندھی نے ،حاشیہ سنن ابن ماجه: ١ / ٢٦٢ ، میں فرمایا ہے:بحق السائلین علیک ،ای متوسلاالیک فی قضاء الحاجة وامضاء المسألة بماللسائلین عندک من الفضل الذی یستحقونه علیک بمقتضی فضلک ووعدک وجودک واحسانک، ولایلزم منه الوجوب المتنازع فیه، علیه تعالی لکن لایهامه الوجوب بالنظر الی الافهام القاصرة، یحترزعنه علماؤنا الحنفیة ویرون اطلاقه لایخلوعن کراهة۔

اور محدث جلیل شاہ عبدالغنی دہلوی انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ: ٥٦، (مذکورہ حدیث کی تشریح میں) میں لکھتے ہیں:اعلم انه لاحق لاحدفی الحقیقة علی اللّٰه تعالی ،ولایجب علیه شیء عنداهل السنة ،وانماهورأی المعتزلة، الاان له معنیین ،احدهما اللزوم و الثانی الالتزام، فالاول کماقلنا،و الثانی تفضل منه واحسان حیث التزم لناباعمالنامالسنااهلالذلک، فهو الجوّادو المنعم، یفضّل علی عباده بمایشاء، فهذا المعنی وردفی الاحادیث ،فافهم، انتهیٰ۔

چوتھی دلیل: ایسی مضمون کا ایک حدیث ابوامامہؓ سے امام طبرانی نے: ٣١٦/٨، نقل کیا ہے لمبی حدیث ہے اخر میں یہ الفاظ ہیں:اسئلک بنوروجهک الذی اشرقت له السموٰت والارض وبکل حق هولک، وبحق السائلین علیک ان تقبلنی فی هذه الغداةوفی هذه العشیة ،وان تجیرنی من النار بقدرتک ۔میں

تیرے چہرہ اقدس کے اس نور کے ساتھ تجھ سے سوال کرتا ہوں جس کے باعث آسمان وزمین منور ہو گئے ہیں، اور ہر اس حق کے واسطہ سے بھی جو تیرا ہے، اور تجھ سے سوال کرنے والوں کے حق کے واسطہ سے بھی۔

علامہ ہیثمی مجمع الزوائد ۱۰/۱۱۷، میں لکھتے ہیں، کہ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس میں فضال بن جبیر ہے جو کہ بالاتفاق ضعیف ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ شدید ترین ضعیف ہے۔ ابن حبان نے اسے متہم قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شیخ گمان کرتا تھا کہ اس نے ابوامامہؓ سے سنا ہے، اور ان سے وہ روایت کرتا جو ان کی احادیث ہی نہیں ہیں۔ انہوں نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہر حال میں ناقابل احتجاج ہے، اور بے اصل حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابن عدی نے الکامل میں لکھا ہے کہ اس کی سب حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔

اور اس حدیث کا تفصیلی جواب صیانۃ الانسان: ۱۲۴، میں ہے جبکہ مذکورہ حدیث میں بھی ''بحق السائلین'' کے متعلق جو معنی گذر گئی وہ ادھر بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس کا مزید تفصیل ابن ابی العز، شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ۱/۲۹۵، میں فرماتا ہے، مذکورہ حدیث کی تشریح میں، فهذا حق السائلين هو اوجبه على نفسه، فهو الذى احقّ للسائلين ان يجيبهم، وللعابدين ان يثيبهم، ولقد احسن القائل:

ماللعباد عليه حق واجب — كلا ولا سعى لديه ضائع

ان عذّبوا فبعدله او نعموا — فبفضله وهو الكريم الواسع

فان قيل فاى فرق بين قول الداعى بحق السائلين عليك وبين قوله (بحق نبيك) او نحو ذلك؟ فالجواب: ان معنى قوله (بحق السائلين عليك، انك وعدت السائلين بالاجابة، وانا من جملة السائلين، فاجب دعائى، بخلاف قوله: بحق فلان، فان فلانا وان كان له حق على الله بوعده الصادق، فلا مناسبة بين ذلك وبين اجابة دعاء هذا السائل، فكأنه يقول لكون فلان من عبادك الصالحين اجب دعائى، واى مناسبة فى هذا، واى ملازمة، وانما هذا من الاعتداء فى الدعاء، وقد قال تعالى" ادعوا ربكم تضرعا وخفية انه لا يحب المعتدين" اعراف: ۵۵، وهذا ونحوه من الادعية المبتدعة، ولم ينقل عن النبى ﷺ ولا عن الصحابة ولا عن التابعين ولا عن احد من الائمة رضوان الله عنهم اجمعين. وانما يوجد مثل هذا فى الحروز و الهياكل التى يكتبها الجهال و الطرقية. و الدعاء من افضل العبادات، و العبادات مبناها على السنة والاتباع لا على الهوى و الابتداع، وان

كان مراده الاقسام على الله بحق فلان فذلك محذور ايضا، لان الاقسام بالمخلوق على المخلوق لايجوز فكيف على الخالق؟ وقد قال ﷺ من حلف بغير الله فقد اشرك، مسند احمد: ٢/ ٦٩، ٨٧، ١٢٥، وابوداود: ٣٢٥١، و الترمذی: ١٥٣٥ . ولهذا قال ابو حنیفةؒ وصاحباه، یکره ان یقول الداعی اسئلک بحق فلان او بحق انبیائک ورسلک وبحق البیت الحرام و المشعر الحرام ونحو ذلک۔

حاصل اس کا یہ ہے اگر یہ حدیث صحیح مان لی جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ کہنے والا اللہ تعالی کی صفت اجابت کا وسیلہ لیتا ہے، کیونکہ سوال کرنے والے کا اللہ پر حق یہ ہے، کہ اللہ ان کی دعائیں سن لے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ''ادعونی استجب لکم'' اور اجابت اللہ تعالی کی ایک صفت ہے، اور صفات الٰہی کا وسیلہ اعلی ترین مشروع وسیلہ ہے۔

یہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ جب بحق السائلین علیک کہنا صحیح ہوسکتا ہے تو بحق نبیک یا بحق فلان کہنا کیوں صحیح نہیں ہوسکتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بحق السائلین کہنے والا خود بھی سائل ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے حق سوال کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے جس کا اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہے، اور وعدہ بھی، لیکن جو شخص ''بحق النبی'' وغیرہ کہتا ہے تو سائل کو نبی وغیرہ کے حق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، دوسرے لفظوں میں وہ یوں کہتا ہے، کہ اے اللہ! چونکہ تیرا فلاں بندہ صالح ہے اس لئے میری دعا قبول فرما، تو کسی اور کی صالحیت اور حق سے سائل کو کیا تعلق؟ بلکہ یہ تو ایک طرح سے دعا میں زبردستی کرنی ہے، حالانکہ دعا میں عاجزی اور مسکنت کی تاکید کی گئی ہے جیسا کہ سورۂ اعراف: ۵۵، میں مذکور ہے، نیز اس قسم کی دعائیں نہ تو نبی ﷺ سے منقول ہیں نہ صحابہ کرام نہ تابعین نہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے منقول ہیں۔ اور دعا افضل ترین عبادت ہے اور عبادات کی بنیاد سنت اور اتباع پر ہے نہ کہ ہوا اور بدعات پر۔

ساتویں دلیل: اور دعا میں بحق النبی وغیرہ کے متعلق جو حدیث مشہور ہے انسؓ سے: کہ جب فاطمہؓ بنت اسد بن ھاشم یعنی علیؓ کی والدہ فوت ہوئیں، تو انہوں نے اسامہ بن زیدؓ، ابوایوب انصاریؓ، عمر بن خطابؓ اور ایک سیاہ رنگ کے غلام کو بلایا، جنہوں نے قبر کھودی، جب نبی کریم ﷺ اس قبر میں داخل ہوئے تو لیٹ گئے، اور آپ ﷺ نے یہ دعا کی: الله الذی یحی ویمیت وهو حی لایموت، اغفر لامی فاطمة بنت اسد، ولقنها حجتها، ووسع مدخلها، بحق نبیک و الانبیاء الذین من قبلی، فانک ارحم الراحمین، الحدیث ۔ اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، وہ زندہ ہے جو کبھی فوت نہ ہوگا، اے اللہ! میری ماں فاطمہؓ بنت اسد کو معاف فرمادے۔ اسے ان کی دلیل کی تلقین فرما، اور ان

کی قبر کو کشادہ فرما، اپنے نبی اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کے حق کے ساتھ، بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔ اس روایت کو طبرانی نے کبیر: ۲۴/۳۵۳، ۳۵۳، میں اور اوسط: ۱۵۳، میں اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء: ۱۲۱، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد: ۹/۲۵۷، میں نقل کیا ہے لیکن طبرانی نے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ **غریب من حدیث عاصم و الثوری، لم نکتبه الامن حدیث روح بن صلاح، تفردبه**، میزان الاعتدال: ۲/ ۵۸، میں اس کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ ضعیف ہے، ابن عدی، دارقطنی اور ابن ماکولا وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تفصیلی کلام سلسلہ ضعیفہ: ۳۲، میں ملاحظہ کیجئے۔

آٹھویں دلیل: جو کہ امیہ بن عبداللہ بن خالد بن اُسَید سے روایت ہے کہ: **کان رسول اللہ ﷺ یستفتح ویستنصر بصعالیک المسلمین (المهاجرین) الطبرانی کبیر: ۱/ ۲۹۲، مجمع الزوائد: ۱۰/ ۲۶۲، شرح السنة: ۱۴/ ۲۶۴**، یعنی نبی کریم ﷺ فقراء مہاجرین کے ساتھ فتح و نصرت طلب کیا کرتے تھے۔ مخالفین کا خیال ہے کہ یہ حدیث اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالی سے مدد طلب کیا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالی ضعیف اور مسکین مہاجروں کے وسیلہ سے فتح عطا فرمادیا کرتے تھے۔

ان کے خیال میں یہ مختلف فیہ وسیلہ ہے، ہم اس کا جواب دو طریقوں سے دیں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ طبرانی نے اس حدیث کو المعجم الکبیر: ۱/۲۹۲، میں بیان کیا ہے کہ **حدثنا محمد بن اسحاق بن راهويه حدثنا ابی حدثنا عیسٰی بن یونس حدثنی ابی عن ابیه به** ۔ دوسری سند اس طرح ہے کہ **حدثنا عبداللہ بن محمد بن عبد العزیز البغوی بن عبیداللہ بن عمر القواریری حدثنا یحی بن سعید عن سفیان عن ابی اسحاق عن امیة بن خالد**۔

پھر انہوں نے **بطریق قیس بن ربیع عن ابی اسحاق عن المهلّب عن ابی صفرة عن امیة بن خالد** مرفوعا روایت کیا ہے۔ اور الفاظ یہ ہیں: **یستفتح ویستنصر بصعالیک المسلمین** ۔ آپؐ فقراء مسلمانوں کے ساتھ فتح و نصرت طلب کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کا دارومدار، اس امیہ پر ہے اور ان کا صحابی ہونا ثابت نہیں تو یہ حدیث مرسل وضعیف ہے، ابن عبدالبر الاستیعاب: ۱/۳۸، میں فرماتے ہیں میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں ہیں، حافظ ابن حجر ''الاصابہ'': ۱/۱۳۳، میں فرماتے ہیں کہ ان کی صحبت و روایت ثابت نہیں ہے، اس میں ایک دوسری علت بھی ہے اور وہ ہے ابواسحاق کا اختلاف اور عن عنہ کیونکہ یہ مدلّس تھا، مگر سفیان نے ان سے قبل از اختلاط سنا تھا۔ لیکن عن عنہ کی علت باقی رہ گئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتو یہ صالحین کی دعا کے اس وسیلہ پر دلالت نہیں کرتی، جس پر حدیث عمرؓ اور حدیث اعمیٰؓ دلالت کرتی تھی۔ اس حدیث کے معنی بیان کرتے ہوئے مناوی: فیض القدیر میں فرماتے ہیں کہ کان یستفتح کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ درج ذیل ارشاد ربانی کے ساتھ جنگ شروع فرمایا کرتے تھے۔ ﴿ان تستفتحوا فقد جاء کم الفتح﴾. الانفال: ۱۹، اگر تم فتح طلب کرو تو تمہارے پاس فتح آچکی ہے۔ یہ معنی علامہ زمخشری نے ذکر کیا ہے، اور یستنصر بصعالیک المسلمین کے معنی یہ ہے کہ آپ فقیر مسلمانوں کی دعاؤں کے ساتھ فتح و نصرت طلب کیا کرتے تھے۔

یہ تفسیر حدیث نبوی سے بھی ثابت ہے امام نسائی نے: ۱۵/۲، ۴۵، میں ان الفاظ کے ساتھ حدیث بیان کی ہے: انما ینصر الله هذه الامة بضعیفها، بدعوتهم، وصلاتهم، واخلاصهم۔ یعنی اللہ اس امت کی اس کے کمزور لوگوں، ان کی دعاؤں، نمازوں اور اخلاص کے ساتھ مدد فرمائے گا۔ اور اصل حدیث صحیح بخاری مع الفتح: ۶/۱۸۴، میں ہے، اور یہی تاویل موصلی نے کتاب الزہد: ۲۵۴، ۲۵۵، اور طبرانی معجم اوسط: ۸۸/۵، میں مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

نویں دلیل: مذکورہ حدیث کی شاہد، روایت سعد بن مالک ہے جو کہ امام احمد نے مسند احمد: ۸۶/۳، میں نقل کیا ہے کہ: قال قلت یارسول الله، الرجل یکون حامیة القوم، ایکون سهمه وسهم غیره سواء؟ قال ثکلتک امک ابن ام سعد، وهل ترزقون وتنصرون الا بضعفائکم۔ لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے، مکحول شامی نے سعد سے یہ روایت سنا نہیں۔ یہ روایت ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء ۹۰/۸، میں ذکر کیا ہے، اور یہ الفاظ ذکر کئے ہیں کہ: بدعوتهم واخلاصهم۔ اور اسی طرح: ۲۶/۵، میں بھی نقل کیا ہے جبکہ: ۱۰۰/۵، میں نقل کیا ہے کہ: قال رسول الله ﷺ ینصر المسلمون بدعاء المستضعفین۔

البتہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری: ۸۹/۶، و، م: ۱۸۴/۶، میں فرمایا ہے: قال ابن البطال تاویل الحدیث، ان الضعفاء اشد اخلاصا فی الدعاء، واکثر خشوعا فی العبادة، لخلاء قلوبهم عن التعلق بزخرف الدنیا. وقال المهلّب اراد ﷺ بذلک حض سعد علی التواضع ونفی الزهو علی غیره. وترک احتقار المسلم فی کل حالة. ثم اورد الحافظ حدیث المسند، وجمع بینه وبین حدیث البخاری وقال: فالمراد بالفضل ارادة الزیادة من الغنیمة، فاعلمه النبی ﷺ ان سهام المقاتلة سواء، فان کان القوی یترجح بفضل شجاعته فان الضعیف یترجح بفضل دعائه واخلاصه۔

دسویں دلیل: مذکورہ حدیث کی دوسری شاہد، روایت ابوالدرداءؓ ہے کہ: **سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ابغونی ضعفائکم، فانکم انماترزقون وتنصرون بضعفائکم** ۔اس روایت کوامام احمد: نے: ٦٠/٣٦، میں ترمذی رقم: ١٧٠٢، ابن حبان: ٤٧٦٧، ابوداؤد: ٢٥٩٤، وغیرہ نے نقل کیا ہے لیکن اس کا بھی وہی معنی ہے جو پہلے گذر گیا۔

علی القاریؒ اس کی تاویل میں لکھتے ہیں **فیرجی تاثیر دعائھم اکثرمن عوام المومنین واغنیائھم**: مرقات: ٧/٩ ۔اورتحفۃ الاحوذی والا بھی لکھتا ہے کہ **ببرکۃ دعائھم**، بدرالدین عینی اورامام قرطبی اورصاحب فیض الباری نے بھی یہی تاویل لکھا ہے۔

گیارھویں دلیل: ان کا ایک مستدل، وسیلۃ آدم والی حدیث ہے، کہ عرش پرآپ علیہ السلام نے دیکھا کہ لکھا ہوا تھا کہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اور پھر آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگی۔اس روایت کا تفصیل سورۂ بقرہ :٣٧، میں گذر گئی ہے اورابن تیمیہؒ نے قاعدہ جلیلہ: ٨٩، میں اس پر تفصیلی رد کیا ہے۔

بارھویں دلیل: ابن تیمیہؒ نے: قاعدہ جلیلہ: ١٩٧، میں ان لوگوں کا ایک مستدل یہ ذکر کیا ہے: **اذا سئلتم اللہ فاسئلوہ بجاھی فان جاھی عنداللہ عظیم** ۔جب تم اللہ تعالی سے سوال کرو، تو میرے جاہ کے ذریعے وسیلہ کرو۔کیونکہ اللہ تعالی کے ہاں میرا جاہ بہت بڑا ہے۔یہ ایک بالکل باطل روایت ہے۔کتب حدیث میں اسکا بالکل کوئی ثبوت نہیں ملتا۔اسے علم سنت سے ناآشنا بعض جاہل لوگ بیان کیا کرتے ہیں۔ابن تیمیہؒ مزید فرماتا ہے کہ: اگر چہ اللہ تعالی کے ہاں نبی ﷺ کا جاہ سب انبیاء ومرسلین کے جاہ سے عظیم ترین ہے۔لیکن مخلوق کا خالق کے ہاں جاہ اس طرح نہیں ہوتا جس طرح مخلوق کا جاہ مخلوق کے ہاں ہوتا ہے۔کیونکہ خالق کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کرسکتا، جبکہ مخلوق مخلوق کے ہاں بغیر اذن کے بھی شفاعت کرسکتا ہے، کیونکہ حصول مطلوب میں وہ شریک ہے، جبکہ اللہ تعالی کا کوئی شریک نہیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر اللہ تعالی کے ہاں نبی کریم ﷺ کا جاہ ومرتبہ عظیم ہے تو ہم آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ وسیلہ اختیار کریں، کیونکہ اس کا آپ ﷺ سے حکم ثابت نہیں ہے۔

جبکہ ابن ابی العز کا قول لفظ جاہ کے متعلق پہلے ذکر ہوا، کہ یہ لفظ ادعیہ میں استعمال کرنا صحیح نہیں۔

تیرھویں دلیل: ابن ابی شیبہ نے: ٦٤/١٧، مالک الدار سے نقل کیا ہے جو کہ عمرؓ کے خازن تھے، بیان کیا ہے کہ: **حدثنا ابومعاویہ عن الاعمش عن ابی صالح عن مالک الدار قال: وکان خازن عمر علی الطعام،**

قال اصاب الناس قحط فی زمن عمرؓ فجاء رجل الی قبر النبیﷺ فقال یارسول اللہ! استسق لامتک، فانهم قدهلکوا، فاتی الرجل فی المنام، فقیل له ائت عمر، فاقرئه السلام، واخبره انکم مسقّیون، وقل له علیک الکیس، علیک الکیس، فاتی عمرؓ فاخبره فبکی عمر ثم قال: یارب لا آلوا الا ماعجزت عنه۔ اسی سند سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق: ۴۴/۳۴۵، و ۵٦/۴۸۹، میں اور ابن ابی خیثمہ نے التاریخ الکبیر: ۲/۸۰، میں اور ابن عبد البر نے: الاستیعاب: ۳/۱۴۹، ۱ اور ابویعلی نے کتاب الارشاد: ۱/۳۱۴، میں بخاری نے تاریخ کبیر: ۷/۳۰۴، بیہقی نے دلائل النبوۃ: ۷/۴۷، میں اور عبدالرزاق: ۳/۹۳، ۹۴، البدایہ والنہایہ: ۷/۹۱، فتح الباری: ۲/۴۹۵، اور ذہبیؒ نے تاریخ اسلام: ۳/۲۷۳، میں۔ ان سب نے ایک ہی سند سے نقل کیا ہے۔ یعنی عمرؓ کے دور میں لوگ قحط میں مبتلاء ہو گئے، تو ایک شخص نبی کریمﷺ کی قبر کے پاس آ کر کہنے لگا یارسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش طلب کیجئے کیونکہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہلاک ہو رہے ہیں، چنانچہ جب یہ آدمی سویا تو اسے خواب میں کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ، الحدیث۔ سیف نے فتوح میں ذکر کیا ہے کہ مذکورہ خواب دیکھنے والے بلال بن حارث مزنی تھے جو کہ صحابہ کرام میں سے ہیں۔

اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا جا سکتا ہے: چنانچہ پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم اس قصہ کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں، کیونکہ مالک الدار، عدالت وضبط میں غیر معروف ہے، اور ہر صحیح سند کے لئے یہ دو شرطیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، جیسا کہ اصول حدیث میں یہ بات تسلیم شدہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل: ۸/۲۱۳، میں اسے ذکر کیا ہے اور مالک دار سے اس ابوصالح کے سوا کوئی اور راوی ذکر نہیں کیا، گویا اس سے وہ یہ بات باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے، اس کی اس بات سے بھی تائید ہوتی ہے کہ امام ابن ابی حاتم نے وسعت حفظ واطلاع کے باوصف کسی سے اس کی توثیق ذکر نہیں کی، جس کا معنی یہ ہے کہ یہ فی الواقع مجہول ہے، اور یہ حافظ کے اس قول کے منافی نہیں ہے، کہ صحیح سند کے ساتھ بروایت ابی صالح سمان، کیونکہ ساری سند کی تصحیح کے سلسلہ میں یہ کوئی نص نہیں ہے بلکہ فقط ابوصالح تک سند صحیح ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو حافظ، ابوصالح سے اس سند کی ابتداء نہ کرتے، بلکہ مالک دار سے اس کی ابتداء کرتے ہوئے فرماتے کہ اس کی سند صحیح ہے، لیکن انہوں نے جو کیا ہے قصداً ایسا کیا ہے، تاکہ وہ اس طرف توجہ مبذول کرا سکیں کہ یہ مقام غور ہے۔ علماء ایسا کئی اسباب کے پیش نظر کیا کرتے ہیں، کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ انہیں بعض راویوں کے حالات اس وقت مستحضر نہیں ہوتے، لہٰذا وہ ساری سند کو حذف کر دینا جائز نہیں سمجھتے، کیونکہ اس سے سند کے صحیح ہونے کا وہم ہوتا ہے، بالخصوص بوقت استدلال،

بلکہ صرف اتنا حصہ ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں جو قابل غور ہوتا ہے۔

حافظ نے یہاں اسی طرح کیا ہے، گویا آپ یہاں اشارہ کرر ہے ہیں، کہ ابوصالح سمان، مالک الدار سے اس روایت کرنے میں متفرد ہیں، جیسا کہ ابن ابی حاتم سے ان کا نقل کرنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس مالک کے حالات کو معلوم کرنا چاہئے یا ابن ابی حاتم کا اس طرف اشارہ ہے کہ یہ روای مجہول ہے واللہ اعلم۔ مزید تفصیل کے لئے کتاب الارشاد کا حاشیہ دیکھئے۔

چودھویں دلیل: ایسی ایک واقعہ ابن ابی خیثمہ نے محمد بن منکدر سے تاریخ: ۲۵۸/۲، میں نقل کیا ہے، لیکن اس کی سند میں اسماعیل بن یعقوب تیمی ہے جو کہ ساقط الاعتبار ہے، اور واقعہ محمد بن المنکدر کا ہے صحابی یا نبی کا قول نہیں۔

پندرھویں دلیل: اسی مضمون کا ایک دوسرا واقعہ جو کہ واقعہ اعرابی سے مشہور ہے، وہ سورۂ نساء میں تفصیل کے ساتھ گذر گئی ہے، مزید ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قبر کو بہ نیت دعا (یعنی وہاں اپنے لئے دعا مانگنا) جانا ممنوع ہے، اور اس حدیث پر عمل نہ کرنے کا مرتکب ہوتا ہے جو کہ اس الفاظ سے مشہور ہے [**لاتجعلوا قبری عیدا، الحدیث** یہ حدیث ابوداؤد: ۲۰۴۲، اور مسند احمد: ۳۶۷/۲، میں منقول ہے] یہی معنی رسول اللہ ﷺ کے نواسے علی بن حسینؓ نے اس حدیث سے مستنبط کیا ہے، جو کہ مشہور واقعہ ہے: اسماعیل قاضی نے فضل الصلوٰۃ: ۱۱۴، ۱۲۹، میں نقل کیا ہے۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق: ۶۲/۱۳، مسند ابی یعلی نے: ۳۶۱/۱، مصنف عبدالرزاق: ۵۷۷/۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۵/۲، الاحادیث المختارہ: ۴۹/۲، تاریخ الاسلام للذہبی: ۳۲۹/۶، وسیر اعلام النبلاء، لہ: ۳۸۶/۴، مسند بزار: ۱۴۸/۲، کہ: **حدثنا ابوبکر زیدبن حباب ثنا جعفربن ابراهیم من ولد ذی الجناحین قال حدثنی علی ابن عمرعن ابیه عن علی ابن حسین، انه رأی رجلایجئ الی فرجة کانت عندقبر النبیﷺ،فیدخل فیهافیدعو،فدعاه فقال الااحدثک بحدیث سمعته من ابی عن جدی عن رسول اللهﷺ،قال لاتتخذوا قبری عیدا،ولابیوتکم قبورا،وصلوا علّی فان صلاتکم تبلغنی حیث ماکنتم۔**

علی ابن حسینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قبر کے نزدیک ایک آدمی اس ہول (غار) کے قریب دعا کرتے تھے۔ جو وہاں موجود تھا، تو اس نے ان کو کہا کہ قبر کے نزدیک دعا نہ کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ، میری قبر کو عبادت خانہ مت بناؤ، اور جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو، تمہاری درود مجھے پہنچتا ہے۔ یہ الفاظ ابن ابی شیبہ کی ہے

۔یہ مختلف طرق سے مذکورہ کتب میں موجود ہیں، ابن تیمیہؒ نے اقتضاء الصراط المستقیم:۱/۲۹۸، میں اورقاعدہ جلیلہ:۱۲۲، میں اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے: یہ حدیث صحیح ہے، اوروہاں دعا کرنا علماء امت کی نظر میں صحیح نہیں بلکہ دعا کرتے وقت رو بہ قبلہ ہونا چاہیئے۔

اورجوقول امام مالکؒ سے قاضی عیاض نے الشفاء:۲/۴۱، واتحاف الزائر:۱۱۶، وغیرہ میں نقل ہے کہ، قال مالک لابی جعفرمنصورؒ، حین سأل عنه، فقال یااباعبدالله استقبل القبلة وادعو ،ام استقبل رسول اللهﷺ؟فقال: ولم تصرف وجهک عنه ،وهووسیلتک ووسیلة ابیک آدمؑ ،الی الله یوم القیامة، بل استقبله واستشفع به، فیشفعک الله ،ثم قرأ اية النساء[۶۴]۔تو یہ امام مالکؒ کی اپنی رائے ہے۔

سولھویں دلیل: ان کا ایک مستدل حدیث ابن عباسؓ ہے جو کہ مستدرک :۲/۲۶۳، اوردلائل النبوۃ:۲/۷۶، میں منقول ہے ۔اورامام ذہبی نے اس کے متعلق لکھا ہے ،کہ اس میں عبد الملک راوی ہے جو کہ متروک اور ہالک ہے مزید تفصیل اس کا سورۂ بقرہ:۸۹، میں ذکر ہوا ہے۔

جبکہ امام ذہبی نے تاریخ الاسلام:۲/۲۴، میں عبداللہ بن مسعوداورعبداللہ بن عباس اوردیگرصحابہ سے مذکورہ ایت کا تفسیراس طریقہ سے نقل کیا ہے کہ: کانت العرب تمرباليهودفيؤذونهم وكانوايجدون محمدافى التوراة فيسألون اللهان يبعثه فيقاتلون معه العرب فلماجاء هم ماعرفوا كفروابه حين لم يكن من بنى اسرائيل ۔یعنی جب کبھی عرب کے مشرکین یہودیوں سے ملتے اوران کوتکلیف وغیرہ دیتے تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ تعالی کی سچی کتاب لیکرایک عظیم الشان پیغمبرتشریف لانے والے ہیں اورہم اللہ تعالی سے دعا کیا کرتے ہیں کہ اے اللہ!اس نبی کوجلد بھیج ،جس کی صفات ہم تورات میں پاتے ہیں، تا کہ ہم ان پر ایمان لاکران ساتھ ہوکرتم سے لڑیں گے، لیکن جب یہ نبی مبعوث ہوئے تو یہ صاف انکارکر بیٹھے۔

سترھویں دلیل: اور یہ لوگ جوداؤدعلیہ السلام کا جوقول نقل کرتے ہیں: جس کومسند بزار:۴/۱۳۳، میں اورحلیۃ الاولیا:۵/۱۹۵، میں نقل کیا ہے کہ: حدثناابوكريب قال نازيدبن حباب قال ناابوسعيدعن على بن زيدعن الحسن عن الاحنف عن العباس عن النبىﷺقال: قال داودعليه السلام اسألك بحق آبائى ابراهيم واسحاق ويعقوب،فقال امااابراهيم فالقى فى النارفصبرمن اجلى، وتلك بلية لم تنلك، واماسحق فبذل نفسه للذبح فصبرمن اجلى وتلك بلية لم تنلك، واما يعقوب فغاب يوسف عنه وتلك بلية

لم تنلک ۔ یہ روایت ضعیف ہے، خود بزار نے کہا ہے کہ: ایک سند سے مرسل ہے اور دوسری روایت میں ابوسعید حسن بن دینار ضعیف ہے۔ اور علی بن زید بھی ضعیف ہے، التقریب: ۲/۳۷، ہیثمی نے مجمع الزوائد: ۸/۲۰۲، وکشف الاستار: ۳/۱۰۰، میں لکھا ہے کہ یہ روایت بزار نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے، جبکہ ابن تیمیہؒ کتاب التوسل: ۲۱۹، میں لکھتا ہے کہ: وھذا وان لم یکن من الدلالة الشرعیة ،فالاسرائیلیات یعتضدبھا ولایعتمدعلیھا یعنی یہ اسرائیلی روایت ہے (حکم اس کا واضح ہے)۔

اٹھارھویں دلیل: امام شعبیؒ کا ایک واقعہ جو کہ ابن عساکر نے: ۲/۳۱/۱۷، میں نقل کیا ہے کہ: اخبرنا ابو محمدھبة الله بن احمدبن طاؤس انبأطرادبن محمدانا ابو الحسین بن بشران انا ابوعلی بن صفوان نا ابوبکربن ابی الدنیاحدثنی ابو الحسن احمدبن عبدالاعلی الشیبانی نااسماعیل بن ابان العامری ناسفیان الثوری عن طارق بن عبد العزیزعن الشعبی قال لقد رأیت عجبا، کنابفناء الکعبة اناوعبدالله بن عمرؓ وعبدالله بن الزبیرؓ ومصعب بن الزبیرؓ وعبد الملک بن مروان، فقال القوم بعدان فرغوامن حدیثھم، لیقم کل رجل منکم فلیأخذبالرکن الیمانی ویسأل الله حاجته، فانه یعطی من ساعته، قم یاعبدالله بن الزبیرفانک اول مولودولد فی الھجرة، فقام فاخذبالرکن الیمانی ثم قال ـ: اللھم انک عظیم ترجی لکل عظیم اسألک بحرمة وجھک وحرمت عرشک وحرمت نبیک الاتمیتنی من الدنیاحتی تولینی الحجازویسلّم علی بالخلافة ، وجاء حتی جلس، فقالوا قم یامصعب بن الزبیر،فقام حتی اخذبالرکن الیمانی، فقال انک رب کل شیء والیک یصیر کل شیء اسألک بقدرتک علی کل شیء ان لاتمیتنی من الدنیاحتی تولینی العراق وتزوجنی سکینة بنت الحسین، وجاء حتی جلس، وقالوا قم یاعبد الملک بن مروان، فقام فاخذبالرکن الیمانی فقال: اللھم رب السموات السبع ورب الارضین السبع ذات النبت بعد القفر،اسألک بحقک علی جمیع خلقک وبحق الطائفین حول عرشک ان لاتمیتنی من الدنیاحتی تولینی شرق الارض وغربھاولاینازعنی احدالاأتیت برأسه ،ثم جاء حتی جلس، ثم قالوا قم یاعبدالله بن عمرؓ فقام حتی اخذبالرکن الیمانی ثم قال:اللھم انک رحمٰن رحیم اسألک برحمتک التی سبقت غضبک واسألک بقدرتک علی جمیع خلقک ان لاتمیتنی من الدنیاحتی توجب لی الجنة، قال الشعبی وماذھبت عینای من

الدنیاحتی رأیت کل رجل منه قداعطی ماسأل، وبشّر عبداللہ بن عمر بالجنة ورُئیت له ۔اس روایت کو ابن ابی الدنیا نے کتاب مجابوا الدعوۃ:۱۰۹، میں ذکر کیا ہے مذکورہ سند کے ساتھ ۔

اس واقعہ سے ان لوگوں کا یہ استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ اس کی سند میں اسماعیل بن ابان العامری ہے اور اس کے متعلق امام ذہبی میزان الاعتدال:۱۱/۱، میں لکھتا ہے: کذبہ یحی بن معین، اور امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ امام احمد اور دیگر محدثین نے اس کو ترک کیا تھا، ابن حبان نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یضع الحدیث علی الثقات یعنی محدثین پر اپنے طرف سے احادیث گھڑتے تھے۔ امام مزی تہذیب الکمال:۱۱/۳، میں لکھتا ہے کہ امام بخاری نے اس کو متروک سمجھا، اور اسی طرح ابوذرعہ سے بھی نقل کیا ہے، کہ اس کے احادیث متروک ہیں، جرجانی سے نقل کیا ہے کہ ظھر منه الکذب ۔امام مزی اس کے متعلق لکھتا ہے: وھو مجمع علی ضعفه ۔مزید تفصیل کتاب الضعفاء للعقیلی:۸۲/۱، کتاب المجروحین:۱,۲۸، الکامل:۳۰۳/۱، الضعفاء للدارقطنی:۵۷۔ تہذیب التہذیب:۲۷۰/۱۔ میں ملاحظہ کرے۔

انیسویں دلیل: مسند فردوس:۳۹۴/۱، منتخب کنزل العمال:۷۹/۲، میں ایک روایت بغیر سند کے موجود ہے: علیؓ اور عمرؓ سے منقول ہے: اذاشجاک شیطان اوسلطان فقل: یامن یکفی من کل احدولایکفی منه احد، یااحدمن لا احدله، یاسندمن لاسندله، انقطع الرجاء الامنک، فکنّی ممماانافیه واعنّی علی ماانا علیه مماقدنزل، بجاہ وجھک الکریم بحق محمد ﷺ آمین۔

اس روایت کی سند ''تسدید القوس'' میں ابن حجر نے یوں بیان کیا ہے: من روایة ابی عبداللہ الجرجانی عن شفیق عن ابراھیم بن ادھم عن موسیٰ بن یزیدعنه ۔اس میں موسیٰ بن یزید مجہول ہے، اور شقیق بلخی منکر الحدیث ہے، امام ذہبی نے میزان لاعتدال:۲۷۹/۲، میں اس کے متعلق تفصیل کیا ہے۔ اور سیوطی نے اللالی المصنوعة: ۳۵۲/۲، میں بحوالہ ابن النجار اس روایت کو عمرؓ اور علیؓ سے لمبی نقل کی ہے جس میں لفظ ''وبحق کل عبد'' ہے لیکن پہلے سے معلوم ہوا کہ یہ سند نا قابل اعتبار ہے۔

بیسویں دلیل: یہ لوگ امام ذہبیؒ نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے سے استدلال کرتے ہیں، جو کہ اس نے تاریخ اسلام:۲۴۳/۳، اور ۳۴۲/۲، میں ذکر کیا ہے۔ثم قاتلھم فاستشھد، اعنی عبد الرحمٰن بن ربیعه، فاخذ اخوہ سلمان بن ربیعة الرایة، وتحیزبالناس، قال فھم یعنی الترک یستسقون بجسدعبد

الرحمٰن حتی الآن ۔ یہ واقعہ خلیفہ نے تاریخ: ۱۶۵، میں اور طبری نے تاریخ: ۳۰۴/۴، ۳۰۶، میں اور ابن عدی نے تاریخ: ۱۳۲/۳، ۱۳۴، میں ذکر کیا ہے۔لیکن اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ یہ ترکوں اور عوام کا عمل ہے، جس کا دین میں کوئی اعتبار نہیں۔

اکسویں دلیل: اسی قسم کا ایک واقعہ ابن ابی عاصم نے کتاب الاحادوالمثانی: ۱۶۳/۱، میں ذکر کیا ہے کہ: وقد رأیت جماعة من اهل العلم واهل الفضل اذاهم اخذهم امرقصدالی قبره فسلم علیه ودعابحضرته وکان یعرف الاجابة واخبرنامشایخناقدیماانهم رأوا من کان قبلهم یفعله ۔اس واقعہ کو ابونعیم نے معرفة الصحابة: ۱۰۰/۱، میں اس سے نقل کیا ہے بغیر سند کے، اور بغیر سند کے واقعہ کو دین میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

بائیسویں دلیل: حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ہے یہ حدیث کتاب الحث علی طلب العلم (ضمن مجموعہ): ۲۲۳، میں منقول ہے کہ: من اراد ان یوتیه الله حفظ القرآن وحفظ العلم، فلیکتب هذاالدعا فی اناء نظیف بعسل ثم یغسله بماء مطریاخذه قبل ان یقع علی الارض، ثم لیشربه علی الریق ثلاثة ایام فانه یحفظ باذن الله: اللهم انی اسألک بانک مسؤل لم یسأل مثلک ،اسئلک بحق محمدرسولک ونبیک ، الحدیث ۔لیکن یہ حدیث ساقط الاعتبار ہے، ابن جوزی نے کتاب الموضوعات: ۱۷۵/۳، میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ: هذاحدیث موضوع علی رسول الله، و المتهم به عمر بن الصبح، قال ابن حبان، یضع الحدیث علی الثقات لایحل کتب حدیثه، الّا علی وجه التعجب.

امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال: ۱۹۹/۴، میں لکھا ہے کہ کذبه یحیی وقال الدارقطنی وغیره متروک فمن بلایاه قال حدثناوکیع عن عبدة عن ابی وائل عن ابن مسعودؓ عن النبی ﷺ قال من اراد ان یوتیه الله حفظ العلم فلیکتب هذا الدعاء : الحدیث ۔ یہ روایت خطیب بغدادی نے کتاب الجامع: ۲۶۱/۲، میں نقل کیا ہے، اور ابن عراق نے تنزیه الشریعة: ۲/ ۳۲۲، اور سیوطی نے اللالی المصنوعة: ۳۵۶/۲، میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ روایت دو سندوں سے منقول ہیں، لیکن ایک سند میں عمر بن صبح ہے جو کہ متہم ہے، اور خطیب والی روایت میں موسیٰ بن ابراہیم مروزی ہے جو کہ کذاب ہے۔

تیئسویں دلیل: ایسی ایک روایت ابوبکرؓ کو بھی منسوب ہے جو کہ ابن اثیر نے جامع الاصول: ۳۰۲/۳، میں نقل کیا ہے

بغیر سند کے۔کہ:قال: علمنی رسول اللہ ﷺ ھذا الدعاء قال:قل اللھم انی اسئلک بمحمدنبیک وبابراھیم خلیلک،وبموسیٰ نجیّک الحدیث ،لیکن سیوطیؒ مذکورہ کتاب کی صفحہ:۲/۳۵۷،میں اس روایت کونقل کرنے کے بعدلکھتا ہے، کہ اس میں عبدالملک ہے جوکہ دجال ہے، باوجوداسکے کہ سندمیں اعضال بھی واقع ہے۔اورابن تیمیہؒ نے مجموع فتاوی:۱/۲۵۲،میں اس کے متعلق لکھا ہے: ھی من الاحادیث الضعیفة الواھیة بل الموضوعة ، ولایوجدفی ائمة الاسلام من احتج بھاولا اعتمدعلیھا.

چوبیسویں دلیل: بعض لوگ سوادبن قارب، جوکہ طبرانی نے کبیر:۷/۹۴،اورامام بیہقی نے دلائل النبوۃ:۲/۲۵۰،میں نقل کیاہے ،کے اشعار سے استدلال کرتے ہیں جوکہ مندرجہ ذیل ہیں:

فاشھدان اللہ لارب غیرہ	وانک مامون علی کل غائب
وانک ادنی المرسلین وسیلة	الی اللہ یاابن الاکرمین الاطایب
فمرنابمایأتیک یاخیرمن مشی	وان کان فیماجاء شیب الذوائب
وکن لی شفیعایوم لاذوشفاعة	سواک بمغن عن سوادبن قارب

امام بیہقی کی کتاب میں لفظ وسیلہ کی جگہ لفظ شفاعت مذکور ہے۔اورعمدۃ القاری:۱۱/۵۱۸،میں بھی لفظ شفاعت ہے،امام ذہبی نے تاریخ اسلام:۱/۲۰۶،میں لفظ شفاعت نقل کیا ہے۔ابن کثیر نے بحوالہ ابویعلی موصلی سے لفظ وسیلہ نقل کیاہے،اورابویعلی نے کتاب المعجم:۲۶۵،میں اورحاکم نے:۴/۸۰۰،میں ابونعیم نے دلائل النبوۃ:۱/۱۱۴،میں،مجمع الزوائد:۸/۴۴۹،میں اورصفدی نے الوافی بالوفیات:۱۶/۲۲،میں اورابن عبدالبر نے الاستیعاب:۲/۶۷۵،میں اورابوالقاسم اصبہانی نے:۴/۱۱۹۴،میں لفظ وسیلہ نقل کیاہے۔مصاعدبن سلیمان نے دلائل النبوۃ کی تحقیق اورتخریج میں بہت تفصیل کے بعدلکھاہے کہ:انھاروایات لاتقوم بھاحجة ولایبنی علیھادین وعقیدة :۴/۱۲۰۸۔یہ حدیث بہرحال ناقابل اعتبار ہےامام ذہبی تاریخ اسلام میں لکھتا ہے کہ ھذاحدیث منکرومحمدبن تراس وزیادمجھولان، لاتقبل روایتھما،واخاف ان یکون موضوعاعلی ابی بکربن عیاش ولکن اصل الحدیث مشھور ۔(جوکہ امام بخاری نے ۳۸۶۶،میں نقل کیاہے اس اشعار کے بغیر)۔پھرآگے فرماتا ہےموصلی کی سندمیں ابوعبدالرحمٰن ہے جوکہ متفق علی ترکہ اورعلی ابن منصورمیں جہالت ہے،مزید یہ کہ حدیث منقطع بھی ہے،پھرابن عدی کے حوالہ سے فرماتا ہے کہ عبادلیس بثقة یأتی بالطامات۔تو ایسی روایت سے استدلال کرنا علماء کا کام نہیں۔

پچیسویں دلیل: روایت امام دارمی ہے جواس نے سنن: ١/٥٥٨، میں نقل کیا ہے: عائشہؓ سے: **حدثنا ابو النعمان ثناسعیدبن زیدثناعمروبن مالک النکری ثناابو الجوزاء اوس بن عبداللہ قال: قحط اھل المدینة قحطاشدیداًفشکوا الی عائشة، فقالت انظروا قبر النبیﷺ فاجعلوا منه کواً الی السماء حتی لایکون بینه وبین السماسقف، قال ففعلوا فمطرنا. مطراحتی نبت العشب وسمنت الابل حتی تفتقت من الشحم، فسمی عام ا لفتق.** اور یہ روایت ابن جوزی نے، کتاب الوفاء: ٨٠١، میں بغیر سند کے نقل کیا ہے۔ اوس بن عبداللہ نے روایت کی ہے کہ اہل مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہو گئے، تو انہوں نے عائشہؓ کے پاس شکایت کی، تو انہوں نے کہا کہ نبی کریمﷺ کی قبر پر ایک روشن دان بنادو، کہ اس کے اور اسمان کے درمیان کوئی چھت نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جس سے اس قدر بارش ہوئی کہ نباتات اُگ آئیں، اونٹ موٹے ہو گئے، ان میں خوب چربی پیدا ہوگئی، اور اس کا نام ہی کشادگی کا سال پڑ گیا۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور تین امور کے باعث نا قابل احتجاج ہے۔

پہلی وجہ: تو یہ ہے کہ سعید بن زید جو کہ حماد بن زید کا بھائی ہے اس میں کچھ ضعف ہے، حافظ تقریب میں فرماتے ہیں کہ یہ صدوق ہے، اور اس کے ہاں کچھ اوہام بھی ہیں، ذہبی میزان میں فرماتے ہیں کہ یحیٰ بن سعید ضعیف ہے۔ سعدی کہتے ہیں کہ حجت نہیں ہے۔ محدثین اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ امام نسائی اور کئی دیگر محدثین نے فرمایا کہ یہ قوی نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت عائشہؓ پر موقوف ہے یہ نبی کریمﷺ کی مرفوع روایت نہیں ہے۔ اگر یہ صحیح بھی ہو، تو پھر بھی حجت نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ یہ بعض صحابہ کرامؓ کی اجتہادی اراء کے قبیل سے ہو۔ اجتہادی اراء میں خطا وصواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اور ہم ان کے اجتہادات کے مطابق عمل کے مکلّف نہیں ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں جو ابوالنعمان ہے اس کا نام محمد بن فضل ہے جو عارم کے نام سے معروف ہے، یہ اگر چہ ثقہ ہے مگر آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔ حافظ برہان الدین حلبی نے الاغتباط بمن رمی بالاختلاط ص: ٢٣، میں حافظ ابن الصلاح کے بالتبع ذکر کیا ہے۔ حافظ نے مقدمہ میں مختلطین کے ضمن میں: ص ٣٩١، میں اسے ذکر کیا تھا۔

ابن تیمیہؒ کتاب الردعلی البکری: ٦٨، اور ٧٤، میں فرماتا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں، اس لئے کہ عائشہؓ کی حیات میں آپﷺ کے گھر میں روشن دان نہیں تھا، بلکہ گھر کی کیفیت اسی طرح تھی جس طرح عہد نبوی میں تھی، گھر کے کچھ حصہ

پر چھت پڑی ہوئی تھی اور کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔

ولید بن عبدالملک نے اپنے دورامارت میں حجرہ کو مسجد میں داخل کر دیا، اور قبر کے گرد ایک بلند دیوار کھڑی کر دی، اور پھر بعد میں ایک روشندان بنایا۔اور اگر صحیح ثابت بھی ہوجائے تو روشندان کھلنا نزول رحمت الٰہی کے لئے تھا دعا کا تو یہاں کوئی ذکر ہی نہیں ہے، تو اس سے استدلال کرنا بعید از عقل ہے۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی قبر پر جو سبز گنبد بنایا گیا ہے تدفین کے وقت سے کافی عرصہ تک اس کا وجود نہیں تھا، ابن نجار نے کہا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے قبر کے اردگرد دیوار تھا۔اس لئے کہ قبر اور مسجد کے مابین فرق ہو، اور یہ تقریباً ٦٧٨ھ تک اسی حالت پر تھا۔اس کے بعد کمال احمد بن برہان نے یہ گنبد بنایا اور اس پر بہت پیسہ خرچ کیا، پھر بعض لوگوں نے ان کے خلاف بادشاہ کو شکایت کی اور کہا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی کی ہے، اور اس حدیث کی خلاف کیا ہے جو ابوداود نے، **ابواب السلام باب فی البناء**، میں نقل کیا ہے کہ: **ان رسول اللہ ﷺ خرج فرأی قبة مشرفة فقال ماھذہ؟قال لہ اصحابہ لفلان (رجل من الانصار)قال فسکت وحملھافی نفسہ حتی اذاجاء صاحبھارسول اللہ ﷺ یسلم علیہ فی الناس اعرض عنہ" صنع ذلک مراراً"حتی عرف الرجل الغضب فیہ والاعراض عنہ فشکاذلک الی اصحابہ فقال واللہ انی لانکررسول اللہ ﷺ "قالوا خرج فرأی قبتک ،فرجع الی قبتہ فھدمھاحتی سواھابالارض، فخرج رسول اللہ ﷺ ذات یوم فلم یرھافقال مافعلت القبة ؟قالو اشکاالیناصاحبھااعراضک عنہ فاخبرناہ فھدمھافقال اماان کل بناء وبال علی صاحبہ الامالایغنی مالابدمنہ۔**

یعنی نبی کریم ﷺ نے راہ میں ایک گنبد اونچا دیکھا، تو آپؐ نے فرمایا یہ کیا ہے تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ فلان انصاری کا مکان ہے آپؐ سن کر چپ ہو رہے اور دل میں اس بات کو رکھا جب وہ شخص آپؐ کے پاس آیا اور مجلس میں آپؐ پر سلام کیا تو آپؐ نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور چند بار ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس کو معلوم ہو گیا غصہ آپؐ کا، اس نے اپنے دوستوں سے شکایت کی اور کہا قسم اللہ کی میں رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ ویسا نہیں پاتا جیسے پہلے آپؐ میرے ساتھ محبت کرتے تھے لوگوں نے کہا آپؐ ایک روز باہر نکلے تھے تو تیرا مکان دیکھا تھا (شاید اسی مکان کو دیکھ کر آپؐ ناراض ہوئے ہوں) یہ سن کر وہ شخص اپنے مکان میں آیا اور اس کو گرادیا زمین کے برابر کر دیا، پھر ایک روز آپؐ نکلے اور اس مکان کو نہ دیکھا آپؐ نے فرمایا وہ مکان کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے مالک نے ہم سے شکایت کی آپؐ کی بے

التفاقی کی تو ہم نے اس کو بتادیا، اس لئے اس نے اس کو منہدم کر دیا تو آپؐ نے فرمایا: ہر مکان اس کے مالک پر وبال ہے۔ مگر وہ کہ اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو: ۳۸/۳، ۷مترجم ابوداؤد۔ تو بادشاہ نے اس کو سزا دی۔ اس کے بعد ملک ناصر قلاؤں کے عہد میں ان کی تجدید کی گئی اور بہت زیادہ مال اس پر خرچ کیا گیا۔

پہلی صدی ہجری میں ۸۷ھ تک مسجد نبوی کی مشرقی جانب حجرات شریفہ موجود تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ۸۷ھ میں مسجد کی توسیع کی، تو ان حجرات کو گرا کر مسجد میں شامل کر لیا، چونکہ تمام ازواج مطہرات فوت ہو چکی تھیں، البتہ حجرہ عائشہؓ کو باقی رکھا، جس میں قبور شریفہ تھیں۔ اس کی اصل دیواروں کی مرمت کی، اب یہ حجرہ تعمیر شدہ مسجد کے اندر تھا، عمر بن عبدالعزیزؒ نے کمال بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے دو اہم کام کیے، ایک تو حجرہ شریف کے اردگرد پانچ کونی دیوار تعمیر کر دی، تا کہ حجرہ کی شمالی جانب نماز ادا کرنے والوں کا رُخ براہ راست اور سیدھا حجرہ شریف کی طرف نہ ہو۔

نیز حجرہ شریفہ کے چوکور ہونے کی وجہ سے اس کی مشابہت کعبۃ اللہ سے نہ ہو، دوسرا کام یہ کیا کہ مسجد کی چھت کا جو حصہ حجرہ شریف کے اوپر تھا، اسے عام چھت کی سطح سے ذرا اونچا اور نمایاں کر دیا۔ تا کہ چھت پر جانے والا کوئی بھی شخص اس کے اوپر سے نہ گزرے کہ یہ آدب کا تقاضا ہے، ساڑھے چھ سو سال تک پانچ کونی حجرے اور چھت کی یہی کیفیت رہی چھ سو اٹھاسٹھ ٦٦٨ھ ہجری میں سلطان بیبرس نے حجرہ شریف کے اردگرد کچھ فاصلہ چھوڑ کر لکڑی کی جالیاں نصب کر دیں، پھر آٹھ سو اٹھاسی ٨٨٨ھ ہجری میں سلطان کا قایتبائی نے ان کی جگہ پیتل اور لوہے کی جالیاں نصب کیں، جو آج تک موجود ہیں، ادھر چھت کے بارہ میں چھ سو اٹھتر ٦٧٨ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے تبدیلی کی، کہ حجرہ شریفہ کے بالائی حصہ کو چھت پر مزید نمایاں کرنے کے لئے گمبند بنا دیا، بعد میں اسی گنبد کی تجدید ہوتی رہی اس تاریخی پس منظر سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قبور مبارکہ والے حجرہ شریفہ کی بالائی چھت مسجد نبوی شریف کے ساتھ مشترک تھی، لہٰذا اس مقام کے تقدس اور آدب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اسے عام چھت سے نمایاں کر دیا۔ اور ساتویں صدی ہجری میں اس پر گنبد بنا دیا گیا۔ لہٰذا ان معروضی حالات کو نظر انداز کرنا اور گنبد خضراء کو بنیاد بنا کر جگہ جگہ قبروں پر گنبد بنانا صحیح نہیں ہے۔ خود سید الاولیاء نے قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر کسی قسم کی عمارت بنانے سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔

عن جابرؓ یقول سمعت رسول اللہ ﷺ نهى ان يقعدعلى القبر وان يقصص (اى يجسس) ويبنى عليه . (ابوداود: كتاب الجنائز باب فى البناء على القبر) ۔ مزید تفصیل کے لئے سمہودی کی کتاب: وفاء الوفاء: ۲/۶۰۹، مطالعہ کریں۔

چھبسویں دلیل: جبکہ بعض مبتدعین سورۂ نساء ایت نمبر:۱، سے استدلال کرتے ہیں کہ "تساء لون به والارحام"۔ یعنی رحم کے واسطے سوال کرنا جائز ہے۔تو اس کا جواب فتح المنان:۴۰۸،اور مجموع فتاوی ابن تیمیہؒ:۱/۳۳۹، میں لکھا ہے کہ،واماقول الناس اسألک باللہ وبالرحم، وقرأة من قرأ(تسائلون به و الارحام)بجر الارحام، فهومن باب التسبب بها،فان الرحم توجب الصلة وتقتضى ان يصل الانسان قرابته، فسؤال السائل لغيره بالرحم توسل اليه بمايوجب صلته من القرابة التى بينهما،ليس هومن باب التوسل بمالايقتضى المطلوب ،بل هوتوسل بمايقتضى المطلوب ،كالتوسل بدعاء الانبياء وبطاعتهم .و الصلاة عليهم.ومن هذا الباب:مايروى عن عبدالله بن جعفرانه قال:كنت اذاسئلت علياشيئافلم يعطنيه، قلت له بحق جعفرالاماعطيتنيه فيعطينيه، اوكماقال: فان بعض الناس ظن ان هذا من باب الاقسام عليه بجعفراومن قولهم :اسألک بحق انبيائک ،ونحوذلک وليس كذلک. الخ.

یعنی:طریقہ استدلال یہ ہے کہ لفظ"ارحام" کو جر(زیر) کے ساتھ پڑھتے ہیں،تو یہ باب التسبب سے ہے اس لئے کہ رحم یہ تاکید کرتا ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی وقرابت قائم کرے۔جب ایک آدمی دوسرے سے رحم کے ذریعے سوال کرتا ہے،تو یہ دراصل اس نے اپنے مابین جوصلہ وقرابت ہے،اس کو وسیلہ بنایا،اور یہ وسیلہ اس باب سے نہیں جس کا مطلوب تقاضا کرتا، بلکہ یہ ایک ایسا وسیلہ ہے جو کہ مطلوب اس کا تقاضا کرتا ہے، جیسا کہ وسیلہ انبیاء علیہم السلام کی دعاء، یا اس کی طاعت یا ان پر درود وغیرہ سے ہو۔اور اس باب سے وہ روایت بھی جو کہ عبداللہ بن جعفرؓ سے مروی ہے کہ جب میں علیؓ سے کچھ مانگتا اور وہ نہ دیتا تو میں اس کو کہتا کہ جعفر کے حق کے وسیلہ سے دے دو تو پھر دیتا۔اور بعض کو وہم ہے کہ یہ اس باب سے ہے کہ علیؓ کو بحق جعفرؓ قسم دیتا اور یا اس باب سے ہے کہ اسئلک بحق انبيائک لیکن یہ صحیح نہیں۔

اور ان کا یہ استدلال تحریف قران کا مترادف ہے،اس ایت کی تفسیر مفسرین نے جو کیا ہے اس میں سرے سے اس غلط وسیلے کا ذکر نہیں۔(ایت کا تفسیر اپنی جگہ پر ملاحظہ کیجئے)۔

ستائسویں دلیل: جبکہ یہ لوگ واقعۂ دانیال علیہ السلام سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کو:ابن جریر طبری نے تاریخ:۲۲۰/۴،الاصابہ لابن حجر:۶:۲۳۶،اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق:۳۴۱/۵۸،۳۴۴،بیہقی نے دلائل النبوۃ:۳۸۲/۱،۳۹۰ ،اور تاریخ اسلام:۲۶۷/۵،ومنہاج التاسیس:۳۲۴،دلائل النبوۃ للاصفہانی:۸۴/۱۔اور ابن ابی شبیہ نے:۲۸/۱۳۰، میں نقل

کیا ہے کہ: عمرؓ کے زمانے میں ابوموسیٰ اشعریؓ کی سپہ سالاری میں جب سوس فتح ہوا، تو ایک بہت مکلّف مکان میں دانیال نبی علیہ السلام کی نعش مبارک ملی، جو فارس وغیرہ کے قدیم دستور کے موافق دوائیں اور خوشبوئیں لگا کر رکھی ہوئی تھی۔ کسی عضو کی صورت وھیئت میں فرق نہیں آیا تھا، اور ابوموسیٰؓ نے ان کی نسبت عمرؓ کو خط لکھا، عمرؓ نے جواب دیا کہ ان کو بیر کے پتے اور خوشبودار پانی سے غسل دے کر دفن کر دو۔

ابوموسیٰؓ نے عمرؓ کی تحریر کے موافق غسل وکفن کے بعد نماز پڑھ کر سوس کے نہر سے کنارہ پر دفن کر کے اس طرف کو پانی جاری کرا دیا۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے: اس طرح نقل کیا ہے **حدثنا حمادبن سلمه عن ابی عمران الجونی عن انسؓ انهم لما فتحوا تستر قال: فوجد رجل انفه ذراع فی التابوت کانوا یستظهرون ویستمطرون به، فکتب ابوموسیٰؓ الی عمربن خطابؓ بذلک فکتب عمرؓ، ان هذا نبی من الانبیاء والنار لاتأکل الانبیاء والارض لاتأکل الانبیاء ،فکتب ان انظرانت واصحابک .یعنی اصحاب ابی موسی، فادفنوه فی مکان لایعلمه احدغیر کما، قال فذهبت اناوابوموسیٰ فدفناه!.** خلیفۂ ثانی نے حکم دیا کہ جس طرح میت کو غسل دیا جاتا ہے اسی طرح اس پیغمبر کو غسل دو، اور جس طرح میت کو کفن دیا جاتا ہے اسی طرح اس کو کفن دو، اور جس طرح میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اسی طرح اس پر بھی نماز جنازہ پڑھو۔ اور لحد کھود کر دفن کیا جائے۔ ابن قیم اغاثۃ اللھفان: ۳۱۹/۱، میں فرماتے ہیں: اس کہانی میں حکمت یہ ہے کہ: صحابہ کرامؓ نے اس کی قبر کو لوگوں سے مخفی رکھا، تا کہ اس کے سبب لوگ فتنے میں نہ پڑ جائے، اگر دعا ونماز قبر کے نزدیک اچھا کام ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین اس قبر کو مخفی نہ چھوڑتے بلکہ اس کو نمایاں کر دیتے۔ اور یہی جواب منہاج التاسیس اور صیانۃ الانسان: ۲۴۶، میں مذکور ہے۔

اب ہم علماء احناف کے اقوال کو نقل کرتے ہیں اس لئے کہ اس وسیلہ کے قائلین خصوصا ہمارے ملک میں احناف ہیں، تاکہ اس ایت کا مصداق بنے: **وشهدشاهدمن اهلها** ۔ان کے معتبر کتاب ہدایہ میں ہے: کہ **ویکره ان یقول فی دعائه بحق فلان" اور "بحق انبیائک ورسلک، لانه لاحق للمخلوق علی الخالق**۔ بدرالدین عینی ان الفاظ کی تشریح میں مزید لکھتا ہے **وکذا الحق و المشعر الحرام. هذامماتوهم ان علی الله حقاللمخلوقین وان کانت عادة الناس جرت بذلک. (البنایه فی شرح الهدایه: ۱۱/۲۸۱)** مشہورترین کتاب درالمختار: ۴۸۳/۹، لکھتا ہے: **عن ابی یوسف عن ابی حنیفه لاینبغی لاحدان یدعوالله الابه، و الدعاء الماذون فیه " المامور به" ما استفیدمن قوله تعالی: ولله الاسماء الحسنی فادعوه بها ۔ وکره قوله (بحق رسلک**

و اولیائک و انبیائک)اوبحق البیت، لانہ لاحق للخلق علی الخالق تعالی ،ولوقال لاخربحق اللہاو باللہان تفعل کذالایلزمه ذلک۔ (رد المحتارمع الشرح: ۹/۴۸۴۔

اورصاحب بحرالرائق کنز کی اس متن (وبحق فلان) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:لایجوزان یقول بحق فلان علیک، و کذابحق انبیائک و اولیائک ورسلک و البیت وا لمعشر الحرام، لانه لاحق للمخلوق علی الخالق ، وانمایخص برحمته من یشاء من غیروجوب علیه، ولوقال رجل لغیره بحق الله او باللهافعل کذا،لایجب علیه ان یأتی بذلک شرعا ۔(البحرالرائق:۳۷۹/۸۔اسی طرح کی عبارات اور کتابوں میں ہے صرف حوالہ جات پراکتفاء کرتے ہیں:ابن عربی :فتوحات : ۱۷۷/۴ ،شرح العقیدة الطحاویه :من ۲۹۴/۱ ،خلاصة الفتاوی : ۳۲۶/۴،شرح فقه اکبر لملا علیّ القاری : ۱۶۱ ، فتاوی سراجیه : ۷۲ ،جلاء العنین : ۴۵۲،فتح القدیر لابن الهمام : ۷۷/۱۰،مجمع الانهر: ۲۳۲/۴ ،مخزن اسلام :۳۷،۳۸،تبیین الحقائق: ۷/۷۰،العنایه، لبابرتی : ۱۴۵/٦ ۔

فتاوی ہندیہ :۲۱۸/۵،میں بھی اسی طرح موجود ہے ۔قدوری نے فقہ کی اپنی بڑی کتاب جوکہ''شرح الکرخی'' کے نام سے موسوم ہے، کے، باب الکراہۃ میں ذکر کیا ہے بشر بن ولید نے کہا ہے کہ ہمیں امام ابو یوسفؒ القاضی نے بیان کیا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا! کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالی کو پکارے،مگراسی کے نام کے ساتھ،اورمیں یہ مکروہ سمجھتا ہوں کہ کوئی یہ کہے کہ اے اللہ! میں تیرے عرش کی عزت والی گرہوں کے وسیلہ سے تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں، یا یہ کہے کہ میں تیری مخلوق کے حق کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں ۔امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی قول ہے لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عرش کے عزت والا اللہ تعالی ہی ہے لہٰذا میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا البتہ یہ مکروہ سمجھتا ہوں کہ کسی کے حق ،انبیاء ومرسلین کرام کے حق ، یا بیت الحرام ومشعرالحرام کے حق سے دعا کی جائے۔

امام قدوری فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالی کو مخلوق کا واسطہ دیکرسوال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے، لہٰذا بالاتفاق سوال کرنے کی یہ صورت ناجائز ہے ۔امام ابوحنیفہؒ اورصاحبین یہ مکروہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص یوں دعا کرے کہ اے اللہ! میں تجھ سے فلاں کے حق یا انبیاء ومرسلین کے حق یا بیت الحرام کے حق کا واسطہ دیکرسوال کرتا ہوں، کیونکہ اللہ تعالی پر کسی کا حق نہیں ہے۔اسی طرح امام ابوحنیفہؒ اورامام محمد بن حسن الشیبانیؒ یہ بھی مکروہ سمجھتے ہیں کہ کوئی یوں دعا کرے:اے اللہ! میں تیرے عرش کی ''گرہوں کا واسطہ دیکرسوال کرتا ہوں'' لیکن امام ابو یوسفؒ کو جب اس سلسلہ =

مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يَّخْرُجُوا مِنَ النَّارِ

تو اُن سے قبول نہیں کیا جائے گا اور اُن کو دردناک عذاب ہو گا۔ (ہرچند) چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں

وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٧﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ

مگر اُس سے نکل نہیں سکیں گے اور اُن کیلئے ہمیشہ کا عذاب ہے ۔ اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت

فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ

اُن کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ اُن کے فعلوں کی سزا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے اور اللہ زبردست

= میں اثر پہنچا تو انہوں نے اسے جائز قرار دے دیا تھا۔

میں نے یہ نقول اس لئے کثرت سے ذکر کی ہیں کہ بہت سے متعصب حنفی اس سے انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ سے یہ قول صحت کے ساتھ منقول نہیں ہے، اگر یہ قول صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے تو پھر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ کتب فقہ میں امام صاحب کی طرف منسوب کوئی قول بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ کسی بھی عالم، فقیہ سے یہ بات مخفی نہیں کہ حنفی کتب میں ائمہ حنفیہ کے اقوال نقل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ عجیب بات یہ ہے کہ جب ان لوگوں کو امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول پیش کر کے جواب دیا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم پر اس قول کی پابندی لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث کے مخالف ہے، اور حدیث سے (ان کے گمان کے مطابق) یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کے وسیلے سے پکارنا جائز ہے ۔جیسا کہ حدیث اصحاب غار، اور حدیث بریدہؓ، سے ثابت ہوتا ہے، یہ دونوں حدیثیں قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہیں۔لیکن یہ لوگ ان احادیث کی غلط تفسیر کرتے ہیں، یہاں امام صاحب کی مخالفت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ کانوں تک تقلید میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور حدیث خواہ کتنی ہی صحیح الاسناد اور صریح الدلالت ہو۔ جب ان کے مذہب کے خلاف ہو تو پھر اس حدیث سے اعراض کر لیتے ہیں، لیکن اب نہ معلوم کہ اپنے معروف طریقے کو خیراباد کہہ کر ہمارے انداز کو کیوں اپنا رہے ہیں؟ نہ معلوم یہ تناقض ہے یا غفلت یا پھر یہ کہ ﴿يقولون بالسنتهم ماليس فى قلوبهم﴾۔

حَكِيُمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنُ تَابَ مِنُ بَعُدِ ظُلُمِهٖ وَأَصُلَحَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوبُ عَلَيُهِ

حکمت والا ہے ۔ اور جو شخص گناہ کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو اللہ اس کو معاف کر دے گا

إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيُمٌ ﴿٣٩﴾ أَلَمُ تَعُلَمُ أَنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلُكُ السَّمٰوٰتِ

کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی سلطنت ہے؟

وَالْأَرُضِ يُعَذِّبُ مَنُ يَّشَآءُ وَيَغُفِرُ لِمَنُ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيُرٌ ﴿٤٠﴾

جس کو چاہے عذاب کرے اور جسے چاہے بخش دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

يٰٓأَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحُزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفُرِ مِنَ الَّذِينَ

اے پیغمبر! جولوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں (کچھ تو) اُن میں سے (ہیں)

قَالُوا آمَنَّا بِأَفُوَاهِهِمُ وَلَمُ تُؤُمِنُ قُلُوبُهُمُ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا

جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن اُن کے دل ایمان نہیں لائے اور (کچھ) اُن میں سے جو یہودی ہیں

سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوُمٍ آخَرِينَ لَمُ يَأْتُوكَ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ

اُن کی وجہ سے غمناک نہ ہونا۔ یہ غلط باتیں بنانے کیلئے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں (کے بہکانے) کیلئے

مِنُ بَعُدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُولُونَ إِنُ

جاسوس بنے ہیں جوابھی تمہارے پاس نہیں آئے (صحیح باتوں کواُن کے مقامات میں ثابت ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں

أُوتِيتُمُ هٰذَا فَخُذُوهُ وَإِنُ لَّمُ تُؤُتَوُهُ فَاحُذَرُوا وَمَنُ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتُنَتَهُ

کہ اگرتم کو یہی (حکم) ملے تو اُسے قبول کر لینا اور اگر یہ نہ ملے تو اُس سے احتراز کرنا۔اور اگر کسی کواللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہے

فَلَنُ تَمُلِكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ شَيُئًا ؕ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَمُ يُرِدِ اللّٰهُ أَنُ يُّطَهِّرَ

تو اُس کیلئے تم کچھ بھی اللہ سے اختیار نہیں رکھتے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا

قُلُوبُهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۴۱﴾

اُن کیلئے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔

سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ أَكّٰلُونَ لِلسُّحْتِ فَإِنْ جَآءُوكَ

(یہ) جھوٹی باتیں بنانے کیلئے جاسوسی کرنے والے اور (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں۔ اگر یہ تمہارے پاس

فَاحْكُم بَيْنَهُم أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوكَ شَيْئًا ط

(کوئی مقدمہ فیصل کرانے کو) آئیں تو تم اُن میں فیصلہ کر دینا یا اعراض کرنا اور اگر اُن سے اعراض کرو گے تو وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ط إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۴۲﴾

اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللهِ

اور یہ تم سے (اپنے مقدمات) کیونکر فیصل کرائیں گے جب کہ خود اُن کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے

ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۳﴾ إِنَّآ أَنْزَلْنَا

پھر اس کے بعد اُس سے پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔ بیشک ہم نے ہی تورات

التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَّنُورٌ يَّحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا

نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے

وَالرَّبّٰنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتٰبِ اللهِ

اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے)

وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي

تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

قیمت نہ لینا اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں ۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ

اور ہم نے ان لوگوں کیلئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے آنکھ کے بدلے اور ناک کے بدلے ناک

وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ

اور کان کے بدے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلا ہے لیکن جو شخص بدلا معاف کر دے

فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

وہ اس کیلئے کفارہ ہوگا اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى آثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ

اور ان پیغمبروں کے بعد انہیں کے قدموں پر ہم نے عیسٰی بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے

وَآتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ

اور اُن کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اُس سے پہلی (کتاب) ہے تصدیق کرتی ہے

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور پرہیز گاروں کو راہ بتاتی اور نصیحت کرتی ہے ۔ اور اہل انجیل کو چاہئیے کہ جو احکام اللہ نے اس میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق حکم دیا کریں

فِيْهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاَنْزَلْنَآ

اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں ۔ اور ہم نے تم پر

اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے ۔ تو جو حکم اللہ نے نازل

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ
فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آ چکا ہے اس کو چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا
عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللهُ
ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا
لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ط
تو سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تمہیں دیئے ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے سو نیک کاموں میں پہل کرو
إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۴۸﴾
تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر جن باتوں میں تم کو اختلاف تھا وہ تمہیں بتا دے گا۔
وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ وَلَا تَتَّبِعْ
اور جو (حکم) اللہ نے نازل فرمایا ہے اُسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی
أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَّفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللهُ إِلَيْكَ فَإِنْ
پیروی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تمہیں بہکا نہ دیں اگر یہ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللهُ أَنْ يُّصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُونَ
نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے اور اکثر لوگ تو نافرمان ہیں
﴿۴۹﴾ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوقِنُونَ ﴿۵۰﴾
کیا یہ زمانۂ جاہلیت کے حکم کے خواہشمند ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کیلئے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے
يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى أَوْلِيَاءَ م بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ
اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے

بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے انہیں دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الظّٰلِمِينَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ

نہیں دیتا۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے تم انہیں دیکھو گے کہ ان میں دوڑ دوڑ کے ملے جاتے ہیں کہتے

نَخْشٰى أَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ

ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آ جائے سو قریب ہے کہ اللہ فتح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اورامر (نازل

فَيُصْبِحُوا عَلٰى مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نٰدِمِينَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا

فرمائے) پھر یہ اپنے دل کی باتوں کو جو چھپایا کرتے تھے پشیمان ہو کر رہ جائیں گے ۔اور مسلمان کہیں گے

أَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ

کہ کیا یہ وہی ہیں جو اللہ کی سخت سخت قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے اعمال اکارت گئے اور وہ

أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خٰسِرِينَ ﴿۵۳﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ

خسارے میں پڑ گئے ۔ اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے

عَنْ دِينِهٖ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ

دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں

أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِينَ ۫ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، اللہ کی راہ میں جہاد کریں

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور

عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ
جاننے والا ہے ۔ تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ
پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں ۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا
اور مومنوں سے دوستی کرے گا تو (وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے ۔ اے ایمان والو!

لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ
جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں اُن کو اور کافروں کو

مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَإِذَا
جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ اور مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ۔ اور جب تم لوگ

نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ
نماز کیلئے اذان دیتے ہو تو یہ اُسے بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں یہ اس لئے کہ سمجھ نہیں رکھتے

﴿۵۸﴾ قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ
کہو اے اہل کتاب تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو سوا اس کے کہ ہم اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر نازل

إِلَيْنَا وَمَآ أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ
ہوئی اس پر اور جو (کتابیں) پہلے نازل ہوئیں اُن پر ایمان لائے ہیں اور تم میں اکثر بدکردار ہیں ۔ کہو کہ

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ
میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر جزا پانے والے کون ہیں، وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی

وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ط

اور جن پر غضبناک ہوا او ر (جن کو) ان میں سے بندر او رسؤر بنا دیا

أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾

اور جنہوں نے شیطان کی پرستش کی ایسے لوگوں کا برا ٹھکانا ہے اور وہ سیدھے رستے سے بہت دور ہیں ۔

وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ

اور جب یہ لوگ تمہار ے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ کفر لے کر آتے ہیں

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ط وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا

او راسی کو لے کر جاتے ہیں اور جن باتوں کو یہ مخفی رکھتے ہیں اللہ اُن کو خوب جانتا ہے ۔ اورتم دیکھو گے کہ

مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا

ان میں اکثر گناہ او رزیادتی او رحرام کھانے میں جلدی کر رہے ہیں بے شک یہ جو کچھ کرتے ہیں

يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ

برا کرتے ہیں ۔ بھلا ان کے مشائخ اورعلماء انہیں گناہ کی باتوں

وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ

اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے بلا شبہ وہ بھی برا کرتے ہیں ۔ اور یہود کہتے ہیں

يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا

کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے) انہیں کے ہاتھ باندھے جائیں اورایسا کہنے کے سبب ان پرلعنت ہو

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ط

(اس کا ہاتھ بندھ ہوا نہیں) بلکہ اُس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے[۷]

وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

اور (اے محمد ﷺ!) یہ جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوئی اس سے اُن میں سے اکثر کی شرارت

وَّكُفْرًا ط وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كُلَّمَا

اور انکار اور بڑھے گا۔ اور ہم نے اُن میں عداوت اور بغض قیامت تک کیلئے ڈال دیا ہے یہ جب

---

[۷]اس جملے کا ظاہری وحقیقی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی کا ہاتھ ہے اور ہاتھوں کی یہ صفت بھی ہے کہ دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں یہ مفرد بھی ذکر ہوا ہے جیسے کہ سورۃ فتح : ۱۰ ، میں اور جمع بھی سورۃ یٰسٓ : ۷۱، میں، یہ مسئلہ بھی اسماء وصفات میں سے ہے ہم اس کو ظاہر پر حمل کرتے ہیں کہ معنی تو ظاہر ہے لیکن کیفیت مجہول ہے یہی صفت بہت سی احادیث میں بھی مذکور ہے۔ایک روایت عبداللہ بن عمرو سے امام مسلم نے: ۳۳/کتاب الامارۃ:۱۸۲۷، میں نقل کی ہے کہ:قال رسول اللہ ﷺ ان المقسطین علی منابر من نور عن یمین الرحمٰن عزوجل، وکلتا یدیہ یمین، الذین یعدلون فی اھلھم وحکمھم وماولوا۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انصاف کرنے والے (قیامت کے دن) اللہ رحمٰن کے دائیں طرف نور کے منبروں پر ہونگے ،اور اللہ تعالی کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں یعنی وہ لوگ جو اپنے اہل وعیال، اور رعایا میں فیصلہ عدل وانصاف سے کرتے ہیں۔سورۃ الزمر:۶۷، میں بھی یہ صفت ہاتھ کی ذکر ہے کہ اللہ تعالی کا دائیاں ہاتھ،اس مسئلہ میں احادیث بہت زیادہ ہیں صرف مذکورہ حدیث پر اکتفاء کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ جب ید (ہاتھ) کا ذکر ہو جائے تو اس سے مراد انسانی ہاتھ ہوتا ہے تو اس وجہ سے ہم یہاں تاویل کرنے پر مجبور ہیں جبکہ یہ لوگ ید کے یہ معنی کرتے ہیں کہ ھو المکون من العظم و اللحم و الاعصاب بھذہ الکیفیۃ،(یعنی الجارحۃ) الجام العوام:۴۷، للغزالیؒ وکتاب الاسماء و الصفات للبیھقی: ۴۹، ۵۔ تو ہم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ علی القاریؒ نے شرح فقہ اکبر:۴۴، میں لکھا ہے[ولا یقال][ای

فی مقام التاویل کماعلیه بعض الخلف مخالفین للسلف. [ان یده قدرته]ای بطریق الکنایة [او نعمته]ای بناء علی ان الیدیطلق علی النعمة................[لان فیه]ای فی تاویله [ابطال الصفة]ای فی الجملة لانه تعالی حیث اطلق الیدولم یذکر القدرة و النعمة بدلهافالظاهر انه ارادبهاغیرمعانیها................ثم اکّد القضیة بقوله [ولکنّ یده صفته بلاکیف]ای بلامعرفة الی کیفیة کعجزناعن کنه۔

اسی طرح بدرالدین عینی عمدۃ القاری:۱/۲۲۲، میں لکھتا ہے:ولفظ الیدمن المتشابهات ففی مثل هذاافترق العلماء علی فرقتین :احدا هماماتسمی مفوضة، وهم الذین یفوضون الامرفیهاالی اللہ تعالی قائلین[ومایعلم تاویله الا اللہ] ال عمران:۷،و الاخری تسمی مؤلة ،وهم الذین یؤولون مثل هذاکمایقال المرادمن الید القدرة عاطفین [و الراسخون فی العلم]ال عمران:۷،علی: اللہ ،والاول اسلم و الثانی احکم قلت، ذکرابوحنیفةؒ ان تاویل الیدبالقدرة ونحوذلک یؤدی الی التعطیل، فان اللہ تعالی اثبت لنفسه یدافاذا اولت بالقدرة یصیرعین التعطیل، وانما الذی ینبغی فی مثل هذاان نؤمن بماذکره اللہ من ذلک علی مااراده ولانشتغل بتأویله فنقول له یدعلی مااراده لاکَیَدِ الْمَخْلُوْقِیْنَ و کذلک فی نظائر ذلک.

مزیدوضاحت کے لئے ہم ان کو کہتے ہیں کہ ہاتھ کی جوتعریف ہے یہ انسانی ہاتھ کا ہے،جبکہ اس کے علاوہ قرآن وسنت میں اور ہاتھوں کا بھی ذکر ہے تو وہاں آپ یہ تعریف صادق نہیں کرسکیں گے؟۔

(۱)سورۃ انعام:۹۳،میں ملائکہ کے ہاتھ کا ذکر ہے ۔(۲)جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ کا ذکر فتح الباری :۱/۱۴۲، میں،اورامام احمد نے مسند:۴۵/۲۹، میں،ابو مالک کی حدیث میں ذکر کیا ہے کہ: ان النبی ﷺ بینما هو جالس فی مجلس فیه اصحابه، جاءه جبرئیل علیه السلام فی غیر صورته یحسبه رجلا من المسلمین فسلم علیه فرد علیه السلام ثم وضع جبریل یده. الحدیث:۔(۳)اس ملک کا ہاتھ جو کہ بادلوں پر مقرر ہے،مسنداحمد:۴/۲۸۵، میں لمبی حدیث ہے درمیان میں فرماتا ہے:قالوا اخبرنا ماهذا الرعد؟ قال: مَلَک من ملائکة اللہ عزوجل مؤکل بالسحاب بیده او فی یده مخراق من نار یزجربه

السحاب. الحديث.

(۴) جنات کے ہاتھوں کو بھی ید کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث ابن ابی بن کعبؓ میں ہے جو کہ مسند الشاشی :۳/۳۴۷، اور نسائی نے سنن الکبری:۹/۳۵۲، اور ابن حبان نے رقم:۷۸۴، میں نقل کیا ہے کہ :ان اباه اخبره أنه كان لهم جرين فيه تمر ،فكان ابی يتعاهده فوجده ينقص فحرسه ذات ليلة فاذا هو بدابة شبيه الغلام المحتلم قال :فسلمت فرد السلام فقلت له من انت أجن ام انس؟قال جن ،قال ناولنی يدک قال فناولنی فاذا يد كلب وشعر ،فقلت له أهكذا خلق الجن . الحديث.

(۵) گھوڑے کے آگلے پاؤں کو ید کہا جاتا ہے: جیسا کہ حدیث ابی ہریرہؓ میں ہے کہ:عن ابی هريرةؓ قال كان رسول الله ﷺ يكره الشكال من الخيل والشكال:ان يكون الفرس فی رجله اليمنىٰ بياض،وفی يده اليسرىٰ او فی يده اليمنىٰ ورجله اليسرىٰ [مسلم رقم : ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۸۷۵، ابوداؤدرقم :۲۵۴۷، ترمذی رقم :۱۶۹۸ :یعنی ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہا رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے میں شکال کو مکروہ سمجھتے تھے اور شکال یہ ہے کہ گھوڑے کے دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ میں سفیدی ہو یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو۔

(٦) اونٹ کے آگلے پاؤں کو ید کہا گیا ہے ابوداؤد میں عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ:افاض رسول الله ﷺ من عرفة وعليه السكينة ورديفه اسامة فقال ياايها الناس عليكم بالسكينة فان البر ليس بايجاف الخيل و الابل.قال فمارأيتهارافعة يديهاعادية حتى اتی جمعا.زادوهب ثم اردف الفضل بن عباسؓ وقال ايها الناس ان البر ليس بايجاف الخيل و الابل.قال فمارأيتهارافعة يديهاحتى اتی منىً ۔کہ رسول اللہ ﷺ عرفات سے لوٹے اطمینان اور سہولت سے اور آپ کے ساتھ اسامہؓ سوار تھے آپ ؐ نے فرمایا اے لوگو، لازم ہے تم پر آہستہ اطمینان سے چلنا، کیونکہ گھوڑوں اور انٹوں کا دوڑانا کچھ نیکی نہیں ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا پھر میں نے کسی گھوڑے یا اونٹ کو نہ دیکھا جو ہاتھ اٹھائے دوڑتا ہو۔ یہاں تک کہ آپ مزدلفہ میں آئے وہاں فضل بن عباسؓ کو اپنے ساتھ بٹھایا پھر فرمایا اے لوگو، نیکی گھوڑے یا اونٹ کے دوڑانے کا نام نہیں ہے لازم جانو، اطمینان سے آہستہ چلنا، ابن عباسؓ نے کہا: پھر میں نے کسی گھوڑے یا اونٹ کو نہ دیکھا جو ہاتھ (آگے کے پاؤں ان کو ہاتھ کہتے ہیں) اٹھائے دوڑتا ہو (بلکہ سب آہستہ چلنے

لگے)۔ابوداؤد:۱۳۸/۲،رقم:۱۹۲۰۔

(۷)ید القمیص: یعنی آستین کو بھی ید کہا گیا ہے۔امیہؓ سے روایت ہے کہ:انھاسألت عائشة عن قول اللہ تبارک وتعالی ﴿ان تبدوا ما فی انفسکم اوتخفوہ یحاسبکم بہ اللہ﴾ بقرہ: ۲۸۴. وعن قولہ ﴿من یعمل سوء یجزبہ﴾ النساء: ۱۲۳. فقالت ماسألنی عنھااحدمنذسألت، رسول اللہ ﷺ فقال ھذہ معاتبة اللہ العبد بمایصیبہ من الحمی و النکبة حتی البضاعة یضعھافی یدقمیصہ فیفقدھافیفزع لھاحتی ان العبدلیخرج من ذنوبہ کمایخرج التبر الاحمرمن الکیر ۔یعنی اس نے عائشہؓ سے پوچھا،اللہ تعالی کے اس فرمان کے متعلق،اگرتم ظاہر کردو جوتمہاری دلوں میں ہے یااس کو چھپالو،اللہ تم سے اس کا حساب لے گا،اوراللہ تعالی کے اس فرمان کے متعلق جوشخص براعمل کرے گااس کا بدلہ دیاجائے گا۔عائشہؓ نے فرمایا:جب سے میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالی کا بندے پرعتاب کرنا ہے جو بندے کو بخار یا رنج وغیرہ پہنچتا ہے یہاں تک کہ مال سے کوئی چیز جس کو وہ اپنے کرتے کی آستین میں رکھتا ہے اس کو گم پاتا ہے اس کے لئے غمگین ہوا،یہاں تک کہ بندہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح سونا بھٹی سے سرخ نکلتا ہے۔ترمذی رقم:۲۹۹۱،ومسنداحمد:۲۱۸/۶، اوراسی طرح ایک روایت عبداللہ ابن عباسؓ سے کتاب المعجم:۱۱۷/۱،میں بھی مروی ہے۔

(۸)ید الاسد: یعنی شیر کی آگے کی ٹانگوں کو بھی ید کہا گیا ہے جیسا کہ حدیث عثمانؓ میں ہے جو کہ سرقسطی نے کتاب الدلائل:۵۳۰/۲،اورطبقات فحول الشعراء:۵۹۳/۲،اورالاغانی:۱۲۷/۱۲،۱۳۱،میں منقول ہے کہ فضرب بیدیہ فارھج و کشرفافرج عن انیاب کالمعاول (الحدیث)۔

(۹)ید الصورة: یعنی تصویر یا جسد بغیر روح کے ہاتھ کو بھی ید کہا گیا ہے۔جو کہ سورۂ اعراف:۱۹۵،میں مذکور ہے۔

(۱۰)ید الشیطان(شیطان کی ہاتھ)کو ید کہا گیا ہے۔جیسا کہ ابن کثیر نے سورۂ انفال،ایت:۴۸،کی ذیل میں ایک روایت نقل کی ہے کہ:وکانت یدہ فی یدرجل من المشرکین،انتزع یدہ ثم ولیٰ مدبراً۔مزید تفصیل کے لئے امام ذہبیؒ کی کتاب الاربعین ملاحظہ فرمائیں۔

أَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ط وَاللّٰهُ
لڑائی کیلئے آگ جلاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس کو بجھا دیتا ہے اور یہ ملک میں فساد کیلئے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ
لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتٰبِ آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا
فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو
عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾
ہم ان سے ان کے گناہ محوکردیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے ۔
وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ
اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئیں ان کو قائم رکھتے
لَأَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ط وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ
تو (ان پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ) اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے ۔ان میں کچھ لوگ میانہ رَو ہیں اور بہت
سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ يٰٓأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ
سے ایسے ہیں جن کے اعمال بُرے ہیں ۔ اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں
وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ط وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ
سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے اور اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے رکھے گا
إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ
بیشک اللہ منکروں کو ہدایت نہیں کرتا ۔[٨] کہو کہ اے اہلِ کتاب!

---

[٨] ما: موصولہ ہے جو عموم کے لئے ہے اور اس سے وہ تمام احکام مراد ہیں جو وحی جلی یا وحی خفی کے ذریعے آپ ﷺ

پر نازل ہوئے، یہاں ''ما انزل'' سے چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں جو آگے آ رہی ہیں۔''وان لم تفعل'' الایۃ اگر آپ ﷺ نے ایک چیز کا بھی اخفا کیا اور اس کی تبلیغ نہ کی تو آپ ﷺ نے حق تبلیغ ادا نہیں کیا، اسی طرح نبی کریم ﷺ کے جانشین علماء کا بھی فرض ہے کہ قران وسنت کے تمام احکام کی اشاعت کریں، اگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ بعض قرانی احکام کو بعض دنیوی مصلحتوں اور ذاتی اغراض کی وجہ سے بیان نہ کیا مثلا شرک وبدعت کا رد نہ کیا اور غیر اللہ کی نذر و نیاز کا مسئلہ بیان نہ کیا تو انہوں نے حق تبلیغ ادا نہیں کیا اور ان کی باقی احکام کی تبلیغ بھی اللہ کی یہاں مقبول نہیں ہوگی۔

اس معنی کی تائید عائشہؓ کی روایت سے ہوتی ہے، کہ: **ومن زعم ان محمدا ﷺ کتم شیئامن کتاب اللہ فقداعظم علی اللہ الفریۃ، لان اللہ یقول:** ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾ (بخاری: کتاب التفسیر، سورت النجم، ترمذی: ۳۰۶۸) کہ جس نے زعم کیا کہ محمد ﷺ نے وحی میں کچھ چھپایا تو وہ جھوٹا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے، الایۃ۔یعنی اپ ﷺ اللہ کے تمام احکام کی تبلیغ کئے جائیں، اور مشرکین کی مخالفت طعن وتشنیع اور ملامت کی پرواہ نہ کریں، اللہ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔اور ایک دوسری روایت عائشہؓ سے نقل ہے کہ: **ان رسول اللہ ﷺ سھر ذات لیلۃ وھی الی جنبہ، قالت فقلت ماشانک یارسول اللہ؟ قال لیت رجلاصالحامن اصحابی یحرسنی اللیلۃ؟ قالت فبینا اناعلی ذلک اذسمعت صوت السلاح، فقال من ھذا؟ فقال اناسعدابن مالک فقال ماجاء بک؟ قال جئت لاحرسک یارسول اللہ، قالت فسمعت غطیط رسول اللہ ﷺ فی نومہ. اخرجہ احمدفی مسندہ: ۶/۱۴۰، ۱۴۱، وبخاری کتاب الجہاد باب الحراسۃ فی الغزو۔**

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ بیدار تھے، نیند نہیں آ رہی تھی، میں نے کہا یارسول اللہ آج کیا بات ہے؟ فرمایا کاش کہ کوئی میرا نیک بخت صحابی آج پہرا دیتا، یہ بات ہو رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی، آپ ﷺ نے فرمایا، کون ہے؟ جواب ملا، کہ میں سعد بن مالک ہوں، فرمایا کیسے آئے؟ جواب دیا اس لئے کہ رات بھر آپ ﷺ کی چوکیداری کروں، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ با آرام سو گئے، یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔

''ان اللہ لایھدی'' الایۃ آپؐ تبلیغ کئے جائیں اگر کچھ لوگ آپؐ کی تبلیغ سے متاثر نہیں ہوتے اور ہدایت قبول نہیں کرتے تو آپؐ اس کا غم نہ کریں۔، جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ معاندین ہیں، اور معاندین کے دلوں پر ان کی ضد وعناد کی وجہ سے مہر جباریت لگ جاتی ہے، اور ان کو اللہ تعالی کی طرف سے ہدایت کی توفیق نہیں ملتی۔

لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِّنْ
جب تک تم تورات اورانجیل کواور جو(اور کتابیں) تمہارے رب کی طرف سے تم لوگوں پر نازل ہوئیں اُن کو قائم نہ رکھو گے
رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ
کچھ بھی راہ پرنہیں ہوسکتے اور(یہ قرآن) جوتمہارے رب کی طرف سے تم پرنازل ہواہےاس سےاُن میں سے اکثر کی سرکشی اور کفراور بھی بڑھائے گا
فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ﴿٦٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا
تو تم قومِ کفار پرافسوس نہ کرو۔ جولوگ اللہ پراورروزِ آخرت پرایمان لائیں گے اورنیک عمل کریں گےخواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی
وَالصّٰبِئُونَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صٰلِحًا فَلَا
یا ستارہ پرست یاعیسائی ان کو (قیامت کے دن)
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ
نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے ۔ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد بھی لیا
وَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۚ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوٰى أَنْفُسُهُمْ
اوران کی طرف پیغمبر بھی بھیجے (لیکن جب کوئی پیغمبران کے پاس ایسی باتیں لے کرآ تا جن کواُن کے دل نہیں چاہتے تھے
فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَّقْتُلُونَ ﴿٧٠﴾
تو وہ (انبیاء کی) ایک جماعت کو تو جھٹلا دیتے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے ۔
وَحَسِبُوٓا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
اور یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی آفت نہیں آئے گی تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے اُن پر مہربانی فرمائی
ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾
(لیکن) پھر اُن میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ اُن کے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے ۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ

وہ لوگ بلا شبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح، اللہ ہیں حالانکہ مسیح یہودیوں سے کہا کرتے تھے

يَبَنِي إِسْرَآئِيلَ اعْبُدُوا اللهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللهِ

کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی جو شخص اللہ کیساتھ شرک کرے گا

فَقَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّآ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط

وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

وَإِنْ لَّمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

اگر یہ لوگ ایسے اقوال سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ دردناک عذاب پائیں گے

﴿۷۳﴾ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ ط وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۷۴﴾

تو یہ کیوں اللہ کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اُس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے ۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ط

مسیح ابن مریم تو صرف (اللہ کے) پیغمبر تھے اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور اُن کی والدہ (مریم) اللہ کی ولی

كَانَا يَأْكُلٰنِ الطَّعَامَ ط انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيٰتِ

اور سچی فرمانبردار تھیں دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم ان لوگوں کیلئے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر

ثُمَّ انْظُرْ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿۷۵﴾ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ

بیان کرتے ہیں پھر دیکھو کہ یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں ۔ کہو کہ تم اللہ کے سوا ایسی چیز کی کیوں پرستش کرتے ہو

مَا لَا یَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰہُ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۶﴾

جس کو تمہارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں اور اللہ ہی سنتا جانتا ہے ۔

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَھْوَآءَ قَوْمٍ

کہو کہ اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش کے پیچھے نہ چلو جو

قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿۷۷﴾

پہلے گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اکثر گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے ۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ

جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسٰی بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی

مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾

یہ اس لئے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔

کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾

(اور) بُرے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے بلاشبہ وہ بُرا کرتے تھے ۔

تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَھُمْ اَنْفُسُھُمْ

تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں انہوں نے جو کچھ اپنے واسطے آگے بھیجا ہے بُرا ہے

اَنْ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَفِی الْعَذَابِ ھُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

(وہ یہ) کہ اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں (مبتلا) رہیں گے ۔

وَلَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَا اتَّخَذُوْھُمْ اَوْلِیَآءَ

اور اگر وہ اللہ پر اور پیغمبر پر اور جو کتاب اُن پر نازل ہوئی تھی اُس پر یقین رکھتے تو اُن لوگوں کو دوست نہ بناتے

وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً

لیکن اُن میں اکثر بدکردار ہیں۔ (اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ مومنوں کیساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے

لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا

یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں کے قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ اُن میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے ۔[9]

---

[9] ان ایات میں مسلمانوں کے ساتھ عداوت یا مودت کے معیار سے ان اہل کتاب کا ذکر فرمایا گیا ہے، جو اپنی حق پرستی اور خوف الٰھی کی وجہ سے مسلمانوں سے بغض و عداوت نہیں رکھتے تھے، مگر ان اوصاف کے لوگ یہود میں بہت کم، بلکہ معدوم تھے، جیسے عبداللہ ابن سلامؓ وغیرہ، نصاریٰ میں نسبتاً ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی، خصوصاً نبی ﷺ کے عہد میں ملک حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور وہاں کے حکام و عوام میں ایسے لوگوں کی بڑی تعداد تھی، اور اسی سبب سے جب مکہ مکرمہ کے مسلمان قریش کے مظالم سے تنگ آ گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا، اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ حبشہ کا بادشاہ نہ خود ظلم کرتا ہے، نہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے دیتا ہے، اس لئے مسلمان کچھ عرصہ کے لئے وہاں چلے جائیں۔ اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے پہلی مرتبہ گیارہ صحابہ کرام حبشہ کی طرف نکلے، جن میں عثمان غنیؓ اور ان کی زوجہ رسول کریم ﷺ کی صاحبزادی رقیہؓ بھی شامل تھیں۔

اس کے بعد جعفر بن ابی طالبؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ جو عورتوں کے علاوہ بیاسی (۸۲) مردوں پر مشتمل تھا، حبشہ پہنچ گیا، شاہ حبشہ اور وہاں کے باشندوں نے ان کا شریفانہ استقبال کیا اور یہ لوگ امن و عافیت سے وہاں رہنے لگے، قریش مکہ کے غیض و غضب نے ان کو اس پر بھی نہ رہنے دیا، کہ یہ لوگ کسی دوسرے ملک میں اپنی زندگی عافیت سے گذار لیں، انہوں نے اپنا ایک وفد بہت سے تحفے دے کر شاہ حبشہ کے پاس روانہ کیا، اور یہ درخواست کی کہ ان مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دیں، مگر شاہ حبشہ نے حالات کی تحقیق کی، اور جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کے رفقاء سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے حالات معلوم کئے، ان حالات اور اسلام کی تعلیمات کو عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی

پیشنگوئی کے عین مطابق پایا، جس میں خاتم الانبیآ ﷺ کی بعثت کا ذکر اوران کی تعلیمات کا مختصر خاکہ، اوران کا اوران کے صحابہ کا حلیہ وغیرہ مذکور تھا، اس سے متأثر ہوکر شاہ حبشہ نے قریشی وفد کے ہدیئے، تحفے واپس کر دئے اوران کو صاف جواب دے دیا کہ میں ایسے لوگوں کو اپنے ملک سے نکلنے کا کبھی حکم نہیں دے سکتا۔

جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی کے دربار میں اسلام اوراس کی تعلیمات کا ایک مختصر مگر جامع خاکہ کھینچ دیا تھا، اور پھر ان صحابہ کرام کے قیام نے نہ صرف اس کے دل میں بلکہ وہاں کے حکام وعوام سب کے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سچی محبت وعظمت پیدا کردی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور وہاں آپ ﷺ کا اور صحابہ کرامؓ کا مطمئن ہوجانا معلوم ہوا، اور مہاجرین حبشہ نے مدینہ طیبہ جانے کا عزم کیا تو نجاشی نے ان کے ساتھ اپنے ہم مذہب نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء، مشائخ کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا، جن میں باسٹھ (٦٢) آدمی حبشہ کے اور آٹھ (٨) شام کے تھے۔

یہ وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک درویشانہ اور راہبانہ لباس میں ملبوس حاضر ہوا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو سورۂ یٰسٓ پڑھ کرسنائی، یہ لوگ سنتے جاتے تھے اوران کی آنکھوں سے آنسوں جاری تھے، سب نے کہا کہ یہ کلام اس کلام کے کتنا مشابہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا، اور یہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ ان کی واپسی پر نجاشی نے بھی اسلام کا اعلان کردیا اور اپنا ایک خط دے کر اپنے صاحبزادے کو ایک دوسرے وفد کا قائد بنا کر بھیجا، مگر سوء اتفاق سے یہ کشتی سمندر میں غرق ہوگئی، الغرض حبشہ کا بادشاہ اور حکام وعوام نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف شریفانہ اور عادلانہ سلوک کیا بلکہ بالآخر خود بھی مسلمان ہوگئے۔

جمہور مفسرین نے فرمایا کہ آیات متذکرہ انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں: **لتجدن اقربھم مودۃ للذین اٰمنوا الذین قالوا انانصاریٰ** : اور بعد کی آیات میں ان کا خوف حق تعالیٰ سے رونا اور حق کو قبول کرنا بیان فرمایا گیا ہے، اس پر بھی جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ اگر چہ یہ آیات نجاشی اوراس کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، لیکن الفاظ میں عموم ہے، اس لئے اس کا حکم ان تمام نصاریٰ کے لئے عام اور شامل ہے، جو اہل حبشہ کی طرح حق پرست اور انصاف پسند ہوں، یعنی اسلام سے پہلے انجیل کے متبع تھے، اور اسلام آنے کے بعد اسلام کے پیروکار ہوگئے۔

یہود میں بھی اگر چہ چند افراد اسی شان کے موجود تھے، جو عہد موسوی میں تورات پر عامل رہے، پھر اسلام آنے کے بعد اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، لیکن یہ اتنی کم تعداد تھی کہ امتوں اور قوموں کے ذکر کے وقت اس کو ذکر نہیں

کیا جاسکتا ہے، باقی یہود کا حال کھلا ہوا تھا، کہ وہ مسلمانوں کی عداوت اور بیخ کنی میں سب سے آگے تھے، اسی لئے صدر آیت میں یہود کا یہ حال ذکر فرمایا: لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیھود: یعنی مسلمانوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس آیت میں نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کی مدح فرمائی گئی ہے جو خوف الٰہی اور حق پرستی کی حامل تھی، اس میں نجاشی اور اس کے اعوان بھی داخل ہیں۔ اور دوسرے نصاریٰ بھی جو ان صفات کے حامل تھے، یا آئندہ زمانہ میں داخل ہوں، لیکن اس کے یہ معنیٰ نہ آیات سے نکلتے ہیں اور نہ ہوسکتے ہیں کہ نصاریٰ خواہ کیسے بھی گمراہ ہوجائیں اور اسلام دشمنی میں کتنے ہی سخت اقدام کریں ان کو بہرحال مسلمانوں کا دوست سمجھا جائے، اور مسلمان ان کی دوستی کی طرف ہاتھ بڑھائیں، کیونکہ یہ بداہۃً غلط اور واقعات کے قطعاً خلاف ہے، اسی لئے ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ بعض جاہل جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان آیات میں مطلقاً نصاریٰ کی مدح ہے اور وہ علی الاطلاق یہود سے بہتر ہیں، یہ سراسر جہالت ہے، کیونکہ اگر عام طور پر دونوں جماعتوں کے مذہبی عقائد کا موازنہ کیا جائے تو نصاریٰ کا مشرک ہونا زیادہ واضح ہے، اور مسلمانوں کے ساتھ معاملات کو دیکھا جائے تو آج کل کے عام نصاریٰ نے بھی اسلام دشمنی میں یہودیوں سے کم حصہ نہیں لیا، ہاں یہ صحیح ہے کہ نصاریٰ میں ایسے لوگوں کی کثرت ہوئی ہے، جو حق پرست تھے، اسی کے نتیجہ میں ان کو قبول اسلام کی توفیق ہوئی، اور یہ آیات ان دونوں جماعتوں کے مابین اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں خود اسی آیت کے آخر میں قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح فرمادیا ہے: ذلک بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لایستکبرون: یعنی جن نصاریٰ کی مدح ان آیات میں کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں علماء اور متقین، تارک الدنیا افراد ہیں اور ان میں تکبر نہیں کہ دوسروں کی بات پر غور کرنے کے لئے تیار نہ ہوں، مقابلہ سے معلوم ہوا کہ یہود کے یہ حالات نہ تھے، ان میں حق پرستی نہ تھی، ان کے علماء نے بھی بجائے ترک دنیا کے اپنے علم کو صرف ذریعہ معاش بنالیا تھا، اور طلب دنیا میں ایسے مست ہوگئے تھے کہ حق و ناحق اور حلال اور حرام کی بھی پرواہ نہ رہی تھی، آیت مذکورہ کے بیان سے ایک اہم بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قوم وملت کی اصلی روح حق پرست، اور متقی علماء ومشائخ ہیں، ان کا وجود پوری قوم کی حیات ہے جب تک کسی قوم میں ایسے علماء ومشائخ موجود ہوں جو دنیوی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں، تقویٰ ان کا مقام ہو تو وہ قوم خیر وبرکت سے محروم نہیں ہوتی۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَآ أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرٰٓى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ
اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو پیغمبر (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ اُن کی آنکھوں

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ج يَقُولُونَ رَبَّنَا
سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ عرض کرتے ہیں کہ اے رب!

آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ
ہم ایمان لے آئے تو ہمیں ماننے والوں میں لکھ لے۔ اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ پر اور حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے

الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِينَ ﴿٨٤﴾ فَأَثَابَهُمُ اللّٰهُ
ایمان نہ لائیں اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ اللہ ہمیں نیک بندوں کیساتھ (جنت میں) داخل کرے گا۔ تو اللہ نے ان کو اس کہنے

بِمَا قَالُوا جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ
کے عوض (جنت کے) باغ عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور نیکوکاروں کا یہی

الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيٰتِنَا أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ
صلہ ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔

الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبٰتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ
مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں

وَلَا تَعْتَدُوا ط إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ
اُن کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے اُسے کھاؤ

حَلٰلًا طَيِّبًا ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ
اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔ اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہ کرے گا

بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗ

لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اُس کا کفارہ

اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ

دس محتاجوں کو اوسط درجے کا دووقت کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا اُن کو کپڑے دینا

اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ

یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے

اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو) چاہئیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اس طرح اللہ تمہارے

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ

اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو ۔[١٠]اے ایمان والو! شراب

---

[١٠]اس ایت میں قسم کھانے کی چند صورتوں کا بیان ہے،بعض کا بیان سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے،اورخلاصہ سب کا یہ ہے کہ اگر کسی گذشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہتے ہیں،مثلاً ایک شخص نے کوئی کام کرلیا ہے،اوروہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے،اور پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا،یہ جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ اورموجب وبال دنیاواخرت ہے،مگراس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا،توبہ واستغفار لازم ہے،اسی لئے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہا جاتا ہے کیونکہ غموس کے معنی ڈوبا دینے والے کے ہیں ، یہ قسم انسان کو گناہ اور وبال میں غرق کردینے والی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی گذشتہ واقعہ پر اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے اور واقع میں وہ غلط ہو مثلاً کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آ گیا ہے،اس پر اعتماد کرکے اس نے قسم کھالی،کہ وہ آ گیا ہے،پھر معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے،اس کو یمین لغو کہتے ہیں۔اسی طرح بلاقصد زبان سے لفظ قسم نکل جائے تو اس کو بھی یمین لغو کہا جاتا ہے اس کا حکم

یہ ہے کہ نہ اسپر کفارہ ہے نہ گناہ۔

تیسری صورت قسم کی یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں اس پر گناہ بھی ہوتا ہے۔بعض میں نہیں ہوتا۔اس جگہ قران کریم کی ایت مذکورہ میں بظاہر لغو سے وہی قسم مراد ہے جس پر کفارہ نہیں خواہ گناہ ہو یا نہ ہو کیونکہ بالمقابل " عقدتم الایمان " مذکور ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں مواخذہ سے مراد صرف دنیا کا مواخذہ ہے جو کفارہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

اور سورۂ بقرہ کی ایت: ۲۵۲، میں ارشاد ہے: ﴿لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما کسبت قلوبکم﴾۔اس میں لغو سے مراد وہ قسم ہے۔جو بلا قصد وارادہ زبان سے نکل جائے، یا اپنے نزدیک سچی بات سمجھ کر قسم کھالے۔مگر وہ واقع میں غلط نکلے۔اس کے بالمقابل وہ قسم مذکور ہے جس میں قصداً جھوٹ بولا گیا ہو۔جس کو یمین غموس کہتے ہیں۔اس لئے اس ایت کا حاصل یہ ہوا کہ یمین لغو پر تو کوئی گناہ نہیں بلکہ گناہ یمین غموس پر ہے جس میں قصد کر کے جھوٹ بولا گیا ہو تو سورۂ بقرہ میں حکم آخرت کے گناہ کا بیان ہے، اور اس سورت کی ایت متذکرہ میں دنیوی حکم یعنی کفارہ کا۔جس کا حاصل یہ ہوا کہ یمین لغو پر اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔یعنی کفارہ واجب نہیں کرتا، بلکہ کفارہ صرف اس قسم پر لازم کرتا ہے جو آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں منعقد کی ہو۔اور پھر اس کو توڑ دیا ہو اس کے بعد کفارہ کی تفصیل اس طرح ارشاد فرمائی ہے۔فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ یعنی تین کاموں میں سے کوئی ایک اپنے اختیار سے کرلیا جائے۔اول یہ کہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانہ صبح وشام دووقت کھلا دیا جائے۔یا یہ کہ دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دیا جائے، مثلاً ایک پاجامہ یا تہبند یا لمبا کرتہ، یا کوئی مملوک غلام ازاد کر دیا جائے اس کے بعد ارشاد ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ یعنی اگر کسی قسم توڑنے والے کو اس مالی کفارہ کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو کہ دس مسکینوں کا کھانہ کھلا سکے نہ کپڑا دے سکے اور نہ غلام ازاد کر سکے تو پھر اس کا کفارہ یہ ہے کہ تین دن روزے رکھے۔بعض روایات میں اس جگہ تین روزے پے در پے مسلسل رکھنے کا حکم آیا ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک کفارہ قسم کے تین روزے مسلسل ہونا ضروری ہیں۔ایت مذکورہ میں کفارہ قسم کے متعلق اول لفظ اطعام آیا ہے اور اطعام کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے کھانا کھلانے کے بھی آتے ہیں، اور کسی کو کھانا دیدینے کے بھی، اس لئے فقہاء نے ایت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ =

وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ

اور جوا، اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں ۔

فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ

سو ان سے بچتے رہنا تا کہ نجات پاؤ [11] شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں

= کفارہ دینے والے کو دونوں باتوں کا اختیار ہے، کہ دس مسکینوں کی دعوت کر کے کھانا کھلا دے، یا کھانا ان کی ملکیت میں دیدے، مگر پہلی صورت میں یہ ضروری ہے کہ متوسط درجہ کا کھانا جو وہ عادۃً اپنے گھر کھاتا ہے، دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے ۔ اور دوسری صورت میں ایک مسکین کو بقدر ایک فطرہ کے دیدے ۔ لیکن روزہ رکھنا صرف اس صورت میں کافی ہوسکتا ہے جبکہ ان تینوں میں سے کسی پر قدرت نہ ہو۔

[11] ان آیات میں بتلانا یہ منظور ہے کہ مالک کائنات نے ساری کائنات کو انسان کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا، اور ہر ایک چیز کو انسان کی خاص خاص خدمت پر لگا دیا ہے، اور انسان کو مخدوم کائنات بنایا ہے، انسان پر صرف ایک پابندی لگا دی کہ ہماری مخلوقات سے نفع اٹھانے کی جو حدود ہم نے مقرر کر دی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، جن چیزوں کو تمہارے لئے حلال طیب بنا دیا ہے ان سے احتراز کرنا بے ادبی اور ناشکری ہے اور جن چیزوں کے کسی خاص استعمال کو حرام قرار دیدیا ہے، اس میں خلاف ورزی کرنا نافرمانی اور بغاوت ہے، بندہ کا کام یہ ہے کہ مالک کی ہدایات کے مطابق اس کی مخلوقات کا استعمال کرے، اسی کا نام عبدیت ہے۔

پہلی آیت میں شراب، جوا، بت اور جوئے کی تیر، چار چیزوں کی حرمت کا بیان ہے، اسی مضمون کی ایک آیت تقریباً ایسے ہی الفاظ کے ساتھ سورۂ بقرہ میں بھی آچکی ہے، اس آیت میں ان چار چیزوں کو رجس فرمایا، رجس عربی زبان میں ایسی گندی چیز کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کی طبعیت کو گھن اور نفرت پیدا ہو، یہ چاروں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان ذرا بھی عقل سلیم اور طبع سلیم رکھتا ہو تو خود بخود ہی ان چیزوں سے اس کو گھن اور نفرت ہوگی ۔

ان چار چیزوں میں سے ایک ازلام ہے، جو زلم کی جمع ہے ازلام اُن تیروں کو کہا جاتا ہے جن پر قرعہ اندازی کر کے عرب میں جوا کھیلنے کی رسم جاری تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ دس آدمی شرکت میں ایک اونٹ ذبح

کرتے تھے، پھر اس کا گوشت تقسیم کرنے کے لئے بجائے اس کے کہ دس حصے برابر کر کے تقسیم کرتے اس میں اس طرح جوا کھیلتے کہ دس عدد تیروں میں سات تیروں پر کچھ مقررہ حصوں کے نشانات بنا رکھے تھے، کسی پر ایک کسی پر دو یا تین، اور تین تیروں کو سادہ رکھا ہوا تھا، ان تیروں کو ترکش میں ڈال کر ہلاتے تھے، پھر ایک ایک شریک کے لئے ایک ایک تیر ترکش میں سے نکالتے، اور جتنے حصوں کا تیر کسی کے نام پر نکل آئے وہ اُن حصوں کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔

اور جس کے نام پر سادہ تیر نکل آئے وہ حصہ سے محروم رہتا تھا، جیسے آج کل بہت سی قسمیں لاٹری کے طریقہ پر بازاروں میں جاری ہیں، اس طرح کی قرعہ اندازی، قمار یعنی جوا ہے جو از روئے قرآن کریم حرام ہے۔ ہاں ایک طرح کی قرعہ اندازی جائز اور رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے، وہ یہ کہ جب حقوق سب کے مساوی ہوں اور حصے بھی مساوی تقسیم کر دیئے گئے ہوں، پھر ان میں سے حصوں کی تعین بذریعہ قرعہ اندزی کر لی جائے، مثلاً ایک مکان چار شریکوں میں تقسیم کرنا ہے تو قیمت کے لحاظ سے چار حصے برابر لگا لئے گئے، اب یہ متعین کرنا کہ کونسا حصہ کس شریک کے پاس رہے، اس کی تعیین اگر آپس میں مصالحت و رضا مندی سے نہ ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ قرعہ اندازی کر کے جس کے نام پر جس طرف کا حصہ نکل آئے اس کو دیدیا جائے، یا کسی چیز کے خواہش مند ایک ہزار ہیں اور سب کے حقوق مساوی ہیں، مگر جو چیز تقسیم کرنا ہے وہ کل سو ہیں تو اس میں قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ ازلام کی قرعہ اندازی کے ذریعہ گوشت تقسیم کرنے کی جاہلانہ رسم کی حرمت سورۂ مائدہ ہی کی ایک آیت میں پہلے آچکی ہے: ﴿وان تستقسموا بالأزلام﴾۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں جن چار چیزوں کا حرام ہونا مذکور ہے ان میں سے دو یعنی میسر اور ازلام نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی ہیں، باقی تین میں ایک انصاب ہے جو نصب کی جمع ہے ایسی چیزوں کو نصب کہا جاتا ہے جو عبادت کے لئے کھڑی کی گئی ہو خواہ بت ہو یا کوئی درخت، پتھر وغیرہ۔ آیت کے شان نزول اور اس کے بعد والی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں اصل مقصود دو چیزوں کی حرمت اور مفاسد کا بیان کرنا ہے، یعنی شراب اور جوا، انصاب یعنی بتوں کا ذکر اس کے ساتھ اس لئے ملا دیا گیا ہے کہ سننے والے سمجھ لیں کہ شراب اور جوے کا معاملہ ایسا سخت جرم ہے جیسے بت پرستی۔

ابن ابی شیبہ کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مدمن الخمر کعابد الوثن

:(رقم:٢٤٠٧٠)یعنی دائمی شراب پینے والا ایسا مجرم ہے جیسے بت کو پوجنے والا، اور بعض روایات میں ہے: **شارب الخمر کعابد اللات والعزیٰ** :(مصنف عبدالرزاق:رقم ١٧٠٦٤)یعنی شراب پینے والا ایسا ہے جیسا لات وعزیٰ کی پرستش کرنے والا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہاں شراب اور جوئے کی شدید حرمت اور ان کی روحانی اور جسمانی خرابیوں کا بیان ہے، اول روحانی اور معنوی خرابیاں: **رجس من عمل الشیطٰن** : کے الفاظ میں بیان کیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ یہ چیزیں فطرت سلیمہ کے نزدیک گندی قابل نفرت چیزیں اور شیطانی جال ہیں، جن میں پھنس جانے کے بعد انسان بے شمار مفاسد اور مہلک خرابیوں کے گڑھے میں جا گرتا ہے، یہ روحانی مفاسد بیان فرمانے کے بعد حکم دیا گیا: ﴿**فاجتنبوہ**﴾: کہ جب یہ چیزیں ایسی ہیں تو ان سے اجتناب کرو اور پرہیز کرو، آخر میں فرمایا: **لعلکم تفلحون**: جس میں بتلا دیا گیا کہ تمہاری فلاح دنیا وآخرت اسی پر موقوف ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے رہو۔

اس کے بعد دوسری آیت میں شراب اور جوئے کے دنیوی اور ظاہری مفاسد کا بیان اس طرح فرمایا: **انما یرید الشیطٰن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضآء فی الخمر والمیسر** :یعنی شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں مبتلا کر کے تمہارے درمیان بغض وعدوات کی بنیادیں ڈال دے، ان آیات کا نزول بھی کچھ ایسے ہی واقعات کے بارے میں ہوا ہے کہ شراب کے نشہ میں ایسی حرکات صادر ہوئیں جو باہمی غیظ وغضب اور پھر جنگ وجدل کا سبب بن گئیں، اور یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا شراب کے نشہ میں جب آدمی عقل کھو بیٹھتا ہے تو اس سے ایسی حرکات کا صدور لازمی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جوئے کا معاملہ ہے کہ ہارنے والا اگرچہ اپنی ہار مان کر اس وقت نقصان اٹھا لیتا ہے، مگر اپنے حریف پر غیظ وغضب اور بغض وعداوت اس کے لازمی اثرات میں سے ہے، قتادہؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض عرب کی عادت تھی کہ جوئے میں اپنے اہل وعیال اور مال وسامان سب کو ہرا کر انتہائی رنج وغم کی زندگی گذارتے تھے۔

آخر آیت میں پھر ان چیزوں کی ایک خرابی ان الفاظ میں ارشاد فرمائی: ﴿**ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ**﴾: یعنی یہ چیزیں تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے غافل کر دیتی ہیں، یہ خرابی بظاہر روحانی اور اخروی خرابی ہے، جس کو دنیوی خرابی کے بعد مکرر ذکر فرماتے ہیں، اس میں اشارہ ہو سکتا ہے کہ اصل قابل نظر اور قابل فکر

وہ زندگی ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے، عقلمند کے نزدیک اسی کی خوبی مطلوب ومرغوب ہونی چاہئے، اوراسی کی خرابی سے ڈرنا چاہئے، دنیا کی چندروزہ زندگی کی خوبی نہ کوئی قابل فخر چیز ہے، نہ خرابی زیادہ قابل رنج وغم ہے، کہ اس کی دونوں حالتیں چندروز میں ختم ہوجانے والی ہے ۔اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ذکراللہ اور نماز سے غفلت یہ دنیاوآخرت اور جسم وروح دونوں کے لئے مضر ہے۔آخرت اورروح کے لئے مضر ہونا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے غافل، بے نماز کی آخرت تباہ اورروح مردہ ہے، اور ذراغور سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ سے غافل کیلئے دنیا بھی وبال جان بن جاتی ہے کہ جب اللہ سے غافل ہوکراس کا انتہائی مقصود مال ودولت اورعزت وجاہ ہوجائے تو وہ اتنے بکھیڑے اپنے ساتھ لاتے ہیں کہ وہ خود ایک مستقل غم ہوتے ہیں جس میں مبتلا ہوکر انسان اپنے مقصودالمقاصد یعنی راحت وآرام اوراطمینان وسکون سے محروم ہوجاتا ہے، اوران اسباب راحت میں ایسا مست ہوجاتا ہے کہ خودراحت کو بھی بھول جاتا ہے، اوراگر کسی وقت یہ مال ودولت یا عزت وجاہ جاتے رہیں یا ان میں کمی آجائے تو ان کے غم اوررنج کی انتہاء نہیں رہتی، غرض یہ خالص دنیادارانسان دونوں حالتوں میں رنج وفکراورغم واندوہ میں گھرارہتا ہے۔بخلاف اس شخص کے جس کا دل اللہ کی یاد سے روشن اورنورنماز سے منور ہے، دنیا کے مال ومنال اورجاہ ومنصب اس کے قدموں پر گرتے ہیں، اورانکو صحیح راحت وآرام پہنچاتے ہیں، اوراگر یہ چیزیں جاتی رہیں تو ان کے قلوب اس سے متأثر نہیں ہوتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذکراللہ اورنماز سے غفلت اگر بغور دیکھا جائے تو اخروی اوردنیوی دونوں طرح کی خرابی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ: **رجس من عمل الشیطٰن**: سے خالص اخروی اورروحانی مضرت بیان کرنا مقصود ہو، اور: **یوقع بینکم العدواۃ والبغضآء**: سے خالص دنیوی اورجسمانی خرابی بتلانا ہو اور: **یصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ**: سے دین ودنیا کی مشترک تباہی وبربادی کا ذکر کرنا مقصود ہو، یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ذکراللہ میں تو نماز بھی داخل ہے، پھرنماز کو علٰحدہ بیان کرنے میں کیا حکمت ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں نماز کی اہمیت اورذکراللہ کی تمام اقسام میں افضل واشرف ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے نماز کو مستقل طور پر ذکر فرمایا گیا ہے، اورتمام دینی اور دنیوی، جسمانی اور روحانی خرابیوں کی تفصیل بتلانے کے بعدان چیزوں سے بازرکھنے کی ہدایت ایک عجیب دل نوازانداز سے فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے: **فھل انتم منتھون**: یعنی جب یہ ساری خرابیاں تمہارے علم میں آگئیں تو اب بھی ان سے باز نہیں آؤگے۔

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے

وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾ وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

تو تمہیں (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیئے ۔ اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول (اللہ ﷺ) کی فرمانبرداری کرتے رہو

وَاحْذَرُوْا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْآ أَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٩٢﴾

اور ڈرتے رہو اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے ۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے

إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا

جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر پرہیز کیا اور ایمان لائے پھر پرہیز کیا

وَّأَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا

اور نیکوکاری کی اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے ۔ مومنو! کسی قدر شکار سے جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے پکڑ سکو

لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ

اللہ تمہاری آزمائش کرے گا (یعنی حالت احرام میں شکار کی ممانعت سے) تاکہ ظاہر کرے

مَنْ يَّخَافُهُ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾

کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے تو جو اس کے بعد زیادتی کرے اُس کیلئے دردناک عذاب ہے ۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اُسے مارے تو

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

(یا تو اُس کا) بدلا (دے اور وہ یہ ہے کہ) اسی طرح کا چوپایہ جسے تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں قربانی (کرے اور یہ

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ أَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

قربانی) کعبہ پہنچائی جائے۔ یا کفارہ (دے اور وہ) مسکینوں کو کھانا کھلانا (ہے) یا اس کے برابر روزے رکھے

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ أَمْرِهٖ ط عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ط وَمَنْ عَادَ

تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے (اور) جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا اور جو پھر کرے گا

فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٩٥﴾

تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ غالب اور انتقام لینے والا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ج

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدے کیلئے

وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ

اور جنگل (کی چیزوں) کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں رہو تم پر حرام ہے

إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ

اور اللہ سے جس کے پاس تم (سب) جمع کئے جاؤ گے ڈرتے رہو۔ اللہ نے عزت کے گھر (یعنی) کعبہ کو لوگوں کیلئے موجب

قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا

امن مقرر فرمایا ہے اور عزت کے مہینوں کو اور قربانی کو وہ اُن جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں۔ یہ اس لئے کہ تم جان لو

أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ سب کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ کو

عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾

ہر چیز کا علم ہے ۔جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ کہ اللہ بخشنے والا مہربان بھی ہے ۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾

پیغمبر کے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ

کہہ دو کہ ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں گو ناپاک چیزوں کی کثرت تمہیں خوش

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾

ہی لگے تو عقل والو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ کامیاب ہو جاؤ ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْاَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ

مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر (اُن کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُری لگیں

وَاِنْ تَسْاَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ

اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ

(اب تو) اللہ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔اس طرح کی باتیں تم سے پہلے

مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ

لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر اُن سے منکر ہو گئے ۔ اللہ نے نہ تو بحیرہ کچھ چیز بنایا ہے

وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام بلکہ کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں

الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ

اور یہ اکثر عقل نہیں رکھتے ۔[١١] اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے

---

[11] یہ مضمون تحریمات غیر اللہ کا اعادہ ہے بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کو طواغیت کے خاطر چھوڑ دیتے تھے، اوراس کا دودھ استعمال نہیں کرتے تھے۔سائبہ وہ جانور جس کو طواغیت کی خاطر بار برداری کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے،

وصیلہ: اس نوعمر اونٹنی کو کہتے ہیں جو یکے بعد دیگرے دو مادہ بچے جنیں اوران کے درمیان نر بچہ پیدا نہ ہوا ہو۔ایسے اونٹنی کو مشرکین اپنی معبودوں کی خوشنودی کے لئے ازاد چھوڑ دیتے تھے۔

حام: اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کی پشت سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں مشرکین اس کو طواغیت کے لئے چھوڑ دیتے۔قاله ابن المسيب. (بخاری كتاب التفسير).

اللہ تعالی نے تو مذکورہ بالا تحریمات کی ہرگز اجازت نہیں دی لیکن مشرکین یہ سب کچھ اپنی طرف سے کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالی پر بہتان باندھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے حالانکہ اللہ تعالی کفر وشرک کا حکم نہیں دیتا،اور تحریمات غیر اللہ تو صریح شرک ہے۔

مشرکین جس طرح غیر اللہ کی خوشنودی اوراپنے معبودان باطلہ کی رضاجوئی کے لئے نذریں مانتے تھے اسی طرح وہ بعض جانوروں کو اپنے معبودوں کی خاطر آزاد چھوڑ دیتے تھے۔نہ ان کا گوشت کھاتے ،نہ دودھ پیتے ،نہ ان پرسواری کرتے ،نہ بوجھ لادتے ،یہ تحریمات وہ اپنے معبودوں کو راضی کرنے کے لئے کیا کرتے تھے،بحیرہ،سائبہ،وصیلہ اور حام جن کا ابھی ذکر ہوا ہے،تحریمات غیر اللہ میں داخل ہیں، غیر اللہ کی نیازوں کو مشرکین حلال سمجھتے تھے، اور جن چیزوں کی انہوں نے اپنی طرف سے تحریم کردی تھی ان کو حرام سمجھتے تھے،اللہ تعالی نے دونوں کا حکم بیان فرمایا،کہ غیر اللہ کی نذریں حرام ہیں ،انہیں مت کھاؤ اور بحیرہ سائبہ وغیرہ تحریمات غیر اللہ حلال ہیں، ان کو کھاؤ،اوراپنی خودساختہ تحریمات کو اٹھاؤ کیونکہ جو چوپائے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے حلال کئے ہیں وہ حلال ہی رہیں گے،اور بندوں کے حرام کرنے سے حرام نہیں ہو جائیں گے۔=

وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَ نَا

اُس کی اور رسول اللہ کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ جس طریق پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی ہمیں کافی ہے

أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٠٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

بھلا اگر اُن کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہوں ؟ ۔ اے ایمان والو!

آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

اپنی جانوں کی حفاظت کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا

إِلَى اللهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس وقت وہ تمہیں تمہارے سب کاموں سے جو کئے تھے آگاہ کرے گا [١٢]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ

اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخص کا گواہ ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے

حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ

اور وصیت کرنے کا وقت ہو، وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں خواہ تم میں سے ہوں یا غیر لوگوں میں سے دو شخص ہوں

= بعض مفسرین نے بحیرہ سائبہ وغیرہ کو نذر غیر اللہ میں داخل کر کے حرام قرار دیا ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ اللہ تعالی نے ایک طرف تو یہ حکم دیا ہے: لاتحرموا طيبات ما احل الله لكم یعنی جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حال کی ہیں انہیں حرام مت کرو۔ اور دوسری طرف فرمایا: ﴿ماجعل الله من بحيرة ﴾ الاٰية یعنی اللہ تعالی نے بحیرہ سائبہ وغیرہ کی تحریم کا کوئی حکم نہیں دیا، اور نہ اس کی اجازت دی ہے، اس لئے یہ جانور حلال ہے اور حلال ہی رہیں گے، بندوں کی تحریم سے حرام نہیں ہو سکتے۔

[١٢] اس ایت کے مفہوم سے یہ دلیل نہیں لی جاسکتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ضروری نہیں رہا، اس اشکال کا جواب ابوبکرؓ نے خود فرمایا، قیس کہتا ہے کہ: قام ابوبكرؓ فحمدالله واثنى عليه وقال ايها الناس انكم تقرؤن

هذه الاٰية : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ، وانكم تضعونها على غير موضعها، وانی سمعت رسول اللهﷺ قال: ان الناس اذارأوا المنكرولايغيرونه اوشک الله عزوجل ان يعمهم بعقابه. قال وسمعت ابابكرؓ يقول: ياايها الناس اياكم و الكذب فان الكذب مجانب الاٰيمان. اس روایت کومسند احمد نے: ۱/۵، میں نقل کیا ہے۔یعنی ابوبکرؓ کھڑے ہوکراللہ تعالی کی حمدوثنا کی، پھرفرمایا، اے لوگو! تم یہ ایت پڑھتے ہولیکن اس کے مفہوم پراس کونہیں رہنے دیتے، رسول اللہﷺ فرماتے تھے کہ اگرکوئی گناہ کی بات دیکھے اور پھراسے غیرت نہ آئے اورغصہ نہ آئے تو کیا عجب، کہ اللہ تعالی ان دونوں کوعذاب میں گھسیٹ لے ۔اے لوگو! جھوٹ بولنے سے بچو۔جھوٹ انسان کوایمان سے ہٹادیتا ہے۔

اورامام ترمذی نے ابوامیہ سے روایت نقل کی ہے(تحفۃ الاٗحوذی:۸/۲۳۳،۴/۴۲۶) اتيت اباثعلبة الخشنی، فقلت له كيف تصنع فی هذه الاية؟فقال ايّة اية؟قلت قوله: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ، فقال اماواللهلقدسألت عنهاخبيراسألت عنهارسول اللهﷺ فقال: بل ائتمروابالمعروف ،وتناهوعن المنكر،حتی اذارأيت شحّامطاعا،وهوی متّبعا،ودنياموثرة،واعجاب كل ذی رأی برايه، فعليک بخاصة نفسک ودع العوام فان من وراء كم اياما، الصبرفيهن مثل القبض علی الجمر،للعامل فيهن اجرخمسين رجلايعملون كعملكم ،قال عبداللهبن المبارک وزادغيرعتبة، قيل يارسول اللهاجرخمسين رجلامنهم اومنا؟قال بل اجرخمسين منكم. یعنی میں ابوثعلبہ الخشنی سے اس ایت کے بارے میں پوچھا(مذکورہ ایت) توانہوں نے کہا! کہ تم نے واللہ بہت ہی باخبرآدمی سے پوچھا،سنو! میں نے بھی رسول اللہﷺ سے اس ایت کے بارے میں پوچھا،تو آپﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی اپنی پگڑی سنبھالنے کے بعد بے فکرہوکرنہ بیٹھ رہنا۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر برابرکئے جاؤ،اس وقت تک کہ لوگ تنگ دل اورتنگ حوصلہ ہوجائے ،زکوات نہ دیں،اورخواہشات کی پیروی کرنے لگیں،دنیا کواخرت پرترجیح دینے لگیں،ہرشخص اپنی ہی رائے پراڑنے لگے ،کسی ناصح کی کچھ نہ سنے،اس وقت تک الگ تھلگ ہوجاؤ،نابکاروں کواپنی حالت پرچھوڑدو۔تمہارے بعدہی ایسازمانہ آنے والا ہے کہ اس میں دم سادھ کربیٹھ رہنے والاایسی مشکلات میں ہوگا گویا آگ کو ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔اپنے آپ نیک عمل کرلینے والا گویا پچاس آدمیوں کے نیک اعمال کے برابراجرپائے گا۔کہا گیا یارسول اللہﷺ کیا ہمارے پچاس آدمی یااس گروہ کے؟ آپﷺ نے فرمایانہیں بلکہ تمہارے پچاس نیک آدمی۔

إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ ط
اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو اور تمہیں موت آ جائے

تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ
اگر تم اُن گواہوں کی نسبت کچھ شک کرو تو اُن کو (عصر کی) نماز کے بعد کھڑا کرو اور دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں کہ ہم شہادت

ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللهِ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ ﴿١٠٦﴾
کا کچھ عوض نہیں لیں گے گو ہمارا رشتہ دار ہی ہو اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے [۱۳]

فَإِنْ عُثِرَ عَلٰى أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَآخَرَانِ
پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ حاصل کیا ہے تو جن لوگوں کا انہوں نے حق مارنا چاہا تھا

يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ
ان میں سے ان کی جگہ اور دو گواہ کھڑے ہوں جو (میت سے) قرابتِ قریبہ رکھتے ہوں پھر وہ اللہ کی قسمیں کھائیں

---

[۱۳] یہ مبتداء ہے اور ''اثنان'' اس کی خبر ہے، خبر سے پہلے ''شهادة'' مضاف محذوف ہے، اصل میں ''شهادة اثنين'' تھا، مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اسی کا اعراب دیکر اس کے قائم مقام کر دیا گیا ''من بعد الصلاة'' یہ قید اتفاقی ہے، کیونکہ نماز میں مسلمان جمع ہوتے ہیں، اس لئے شہادت ان کے سامنے ہو تو بہتر ہے۔ شرک فعلی کی نفی کے بعد شہادت کے مضمون کا ذکر بظاہر بے ربط سا معلوم ہوتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ اللہ کا کلام اس عیب سے پاک ہے جناب شیخ حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ تحریمات اللہ، تحریمات غیر اللہ، نذر اللہ، اور نذر غیر اللہ کے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ غیب دان اور کارساز صرف اللہ تعالی ہی ہے اس کے سوا نہ کوئی غیب دان ہے، نہ متصرف و کارساز، اس لئے قسم بھی اللہ کے نام ہی کی کھانی چاہئے ۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں سے بھی غیر اللہ کی قسم نہ لی جائے کیونکہ غیب دان اور کارساز صرف اللہ ہے، اور کوئی نہیں، اور جس کے نام کی قسم کھائی جائے اس کا غیب دان اور کارساز ہونا ضروری ہے، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا، دو عیسائی اور ایک مسلمان اکٹھے تجارتی سفر پر روانہ ہوئے، مسلمان بیمار ہو گیا اس نے ایک

کاغذ پر اپنے سامان کی فہرست تیار کی، اور اسے سامان میں چھپادیا، اور ان کو وصیت کی کہ وہ اس کا سامان اس کے وارثوں کو دیدیں، وہ فوت ہوگیا اس کے ساتھیوں نے اس کے سامان سے ایک نہایت قیمتی جام نکال لیا۔ اور باقی سامان اس کے وارثوں کو دیدیا۔ جب وارثوں نے سامان میں رکھی ہوئی فہرست میں جام کا ذکر دیکھا لیکن سامان میں اسے نہ پایا، توان دونوں سے اس کا مطالبہ کیا انہوں نے کہا ہمیں اس کا علم نہیں، چنانچہ میت کے وارثوں نے یہ مقدمہ نبی ﷺ کے سامنے پیش کردیا۔ آپ ﷺ نے وارثوں سے گواہ طلب کئے ان کے پاس گواہ نہیں تھے اس لئے آپ ﷺ نے وارثوں سے کہا کہ وہ ان سے کسی ایسی چیز کی قسم لے، جوان کے دین میں بڑی سمجھی جاتی ہے، اس پر اللہ تعالی نے یہ ایت نازل فرمائی کہ قسم خواہ غیر مسلم سے لی جائے وہ صرف اللہ کے نام کی ہونی چاہیئے نہ کہ غیر اللہ کی، یہ روایت ترمذی کی ہے اس کے الفاظ یہ ہے: فسئلهم البينة فلم يجدوا فامرهم ان يستحلفوه بمايعظم على اهل دينه فحلف فانزل الله ياايها الذين امنوا شهادة بينكم الخ. ترمذی: ۳۰۶۹ (خازن)۔

اس ایت میں "فيقسمان بالله" مقصود جملہ ہے، یعنی اگر کوئی ایسے صورت پیش آجائے اور اس میں غیر مسلم سے قسم لینے کی ضرورت پڑ جائے تو اس سے بھی اللہ کے نام ہی کی قسم لینی چاہیئے، جیسا کہ کتب فقہ میں لکھا ہے: کہ یہودی سے اس طرح قسم لی جائے والله الذى انزل التوراة على موسىٰ عليه السلام اور عیسائی سے والله الذى انزل الانجيل على عيسىٰ عليه السلام اور آتش پرست سے والله الذى خلق النار. (ہدایہ وغیرہ)۔

"استحقا اثما" یعنی وہ خیانت اور جھوٹی شہادت سے گناہ کے مستحق ہوئے۔ "الذين" سے ورثاء میت مراد ہیں اور "الاولیٰن" سے وہ دونوں شخص مراد ہیں جنہوں نے میت کے مال میں خیانت کی، اور پھر جھوٹی گواہی دی، اور میت کے وارثوں کو نقصان پہنچایا۔

المرادبالاوليان الوصيان اللذان ظهرت خيانتهما، فمعنى استحقاعليهم الاولیٰن خان في مالهم وجنى عليهم الوصيان اللذان عثرعلى خيانتهما (روح المعانى). حاصل یہ کہ جب بعد میں معلوم ہوجائے کہ سفر میں جن دوآدمیوں کو میت نے وصیت کی تھی وہ خیانت مجرمانہ کی مرتکب ہوئے ہیں، اور انہوں نے غلط بیانی کی ہے، تو پھر میت کے وارثوں میں سے دوآدمیوں سے قسم لی جائے وہ اللہ کے نام کی قسم کھا کر اپنا بیان دیں، کہ ان دونوں نے جھوٹ بولا ہے، اور ہمارا بیان صحیح اور قابل قبول ہے، اور ہم نے اپنے بیان میں حق سے تجاوز نہیں کیا۔

بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ

کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے بہت سچی ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی، ایسا کیا ہو تو ہم

الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ أَدْنٰىٓ أَنْ يَّأْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوْا

بے انصاف ہیں۔اس طریق سے بہت قریب ہے کہ یہ لوگ صحیح صحیح شہادت دیں یا اس بات سے خوف کریں کہ (ہماری)

أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

قسمیں ان کی قسموں کے بعد رد کردی جائیں گی اور اللہ سے ڈرو اور (اس کے حکموں کو توجہ سے) سنو اور اللہ نافرمان لوگوں کو

الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ

ہدایت نہیں دیتا۔ (وہ دن یاد کرو) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر اُن سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا تھا؟[١٤]

---

[١٤] پہلے نفی شرک فعلی کے سلسلے میں یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ غیب دان صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی غیب دان نہیں اب یہاں قیامت کے دن پیش آنیوالا ایک واقعہ ذکر کرکے یہ حقیقت بیان فرمائی کہ اور تو خود انبیاء علیہم السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق پر فوقیت اور برتری عطا فرمائی وہ بھی غیب دان نہیں تھے۔ وہ نہ زندگی میں غیب جانتے تھے، نہ موت کے بعد، غیراللہ کے نام نذریں اور نیازیں صرف اس لئے دیتے تھے کہ وہ ہماری حاجات کو جانتے اور ہمیں نفع ونقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں، جیسا کہ اج کل کے مشرکین کا بھی اپنے پیروں کے متعلق عقیدہ ہے تو اخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ صاف فرما دیا کہ انبیاء علیہم السلام تو غیب جانتے نہیں، جو سب سے افضل ہیں۔ چنانچہ وہ قیامت کے دن صاف کہیں گے کہ ان کے پیچھے جو کچھ ہوتا رہا ہے اس کا انہیں کچھ علم نہیں۔ پھر جو لوگ انبیاء علیہم السلام سے رتبہ میں کمتر ہیں وہ کس طرح غیب دان ہوسکتے ہیں۔

''یوم'' ظرف کا عامل بعد میں مذکور ہے قالوا لا علم لنا. فیقول، یجمع پر معطوف ہے یعنی جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کرکے ان سے یہ سوال کرے گا کہ تمہیں تبلیغ توحید کے بعد اپنی

امتوں کی طرف سے کیا جواب ملا ؟ اس دن وہ سب کہیں گے ہمیں تو اس کا کچھ علم نہیں یہ تو غیب کی بات ہے اور تمام غیبوں کا جاننے والا صرف تو ہی ہے اور کوئی نہیں ۔ یہ ایت انبیاء علیہم السلام سے علم غیب کی نفی پر برہان قاطع ہے ۔

اس آیت میں ''ماذااجبتم'' کے دو معنی ہیں: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سوال تبلیغ کے وقت سے متعلق ہوگا کہ جب تم تبلیغ کرتے تھے اس وقت لوگوں نے تمہاری بات کو قبول کیا یا نہ؟ تو وہ جواب دیں گے **لاعلم لنابباطن مااجاب به امنا** (قرطبی) یعنی ان کے باطن کو ہم نہیں جانتے تھے ہمیں صرف ان کے ظاہر کا علم تھا لیکن اس میں عبارت مقدر کر کے مطلب نکالنا پڑتا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ سوال انبیاء علیہم السلام سے ان کی وفات سے بعد کے حالات سے متعلق ہوگا کہ تمہاری وفات کے بعد ان لوگوں کے کیا حالات تھے؟ کیا یہ تمہیں پکارتے رہے ہیں؟ اور کیا تمہیں اس کا علم ہے تو اس کے جواب میں انبیاء علیہم السلام کہیں گے کہ اے اللہ بعد کے حالات کا تو ہمیں کوئی علم نہیں، جیسا کہ اگلی ایت سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ عیسٰی علیہ السلام بھی قیامت کے دن اللہ تعالی کے سوال کے جواب میں یہی کہیں گے۔ **کنت علیھم شھیدامادمت فیھم**، الایۃ اسی طرح سورۂ یونس میں ہے کہ جن انبیاء، اولیاء کو لوگ دنیا میں پکارتے رہے ، قیامت کے دن وہ صاف کہیں گے کہ ہمیں تو ان کی پکار وغیرہ کا کوئی علم نہیں ۔ ''**ان کناعن عبادتھم لغافلین**'' (یونس:٢٩) بہت سے مفسرین نے اس سوال کو بعدالوفات کے حالات سے متعلق قرار دیا ہے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں **لاعلم لناالاان علمناجوابھم لناوقت حیاتناولانعلم ماکان منھم بعد وفاتنا**، (کبیر).

اہل بدعت کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معلوم تو سب کچھ ہوگا لیکن ہول قیامت کی وجہ سے وہ جواب نہیں دے سکیں گے ، یہ جواب دو ، وجوہ سے غلط ہے اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام قیامت کے جزع فزع سے محفوظ ہوں گے اور ان پر کوئی گبراہٹ طاری نہیں ہوگی جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد ہے: **لا یحزنھم الفزع الاکبر** (انبیاء: ١٠٣) یعنی جن لوگوں کے لئے جنت کا وعدہ ہو چکا ہے وہ قیامت کے فزع اکبر (بڑی گبراہٹ) سے خوفزدہ نہیں ہونگے (٢): اگر یہ مان لیا جائے کہ ان کو سب کچھ معلوم تھا تو اس صورت میں **لاعلم لنا**، واقعہ کے صریح خلاف اور جھوٹ ہوگا ۔

قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَآ إِنَّکَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾ إِذْ قَالَ اللّٰهُ
وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں، تو ہی غیب کی باتوں سے واقف ہے۔ جب اللہ (عیسیٰ سے) فرمائے گا کہ اے

يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ
عیسیٰ بن مریم! میرے اُن احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیئے

إِذْ أَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ
جب میں نے روح القدس (یعنی جبرئیل) سے تمہاری مدد کی تم جھولے میں اور جوان ہو کر (ایک ہی نسق پر)

تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور جب میں نے تمہیں کتاب اور دانائی

وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيْلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِيْ
اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اُس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے

فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ
اڑنے لگتا تھا اور مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتے تھے

وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِيْ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ
اور مُردے کو میرے حکم سے (زندہ کر کے قبر سے) نکال کھڑا کرتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل

عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
تم سے روک دیا جب تم اُن کے پاس کھلے نشانیاں لے کر آئے تو جو اُن میں سے کافر تھے کہنے لگے

إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٠﴾ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّيْنَ أَنْ
کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ اور جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر

آمِنُوا بِی وَبِرَسُولِی قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾

اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ تو وہ کہنے لگے کہ (اللہ!) ہم ایمان لائے تو شاہد رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں ۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ

جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تمہارا رب ایسا کر سکتا ہے

أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾

کہ ہم پر آسمان سے (طعام کا) خوان نازل کرے؟ انہوں نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو ۔

قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

وہ بولے کہ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل تسلی پائیں اور ہم جان لیں کہ تم نے ہم سے سچ کہا ہے

وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا

اور ہم اس (خوان کے نزول) پر گواہ رہیں ۔ (تب) عیسیٰ بن مریم نے دعا کی کہ اے ہمارے رب!

أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا

ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ ہمارے لئے (وہ دن) عید قرار پائے یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں (سب) کیلئے

وَآيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿١١٤﴾ قَالَ اللّٰهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا

اور وہ تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے تو بہتر رزق دینے والا ہے ۔ اللہ نے فرمایا کہ میں تم پر ضرور خوان نازل

عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا

فرماؤں گا لیکن جو اس کے بعد تم میں سے کفر کرے گا اُسے ایسا عذاب دوں گا

لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِينَ ﴿١١٥﴾ وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ

کہ اہلِ عالم میں کسی کو ایسا عذاب نہ دوں گا ۔ اور جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم!

ءَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَأُمِّیَ إِلٰـهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَکَ

کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے

مَا یَکُوْنُ لِیْ أَنْ أَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ إِنْ کُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ

مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھے معلوم ہوگا

تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا أَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ إِنَّکَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ

(کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے اُسے میں نہیں جانتا بیشک تو علام الغیوب ہے

﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِیْ بِهٖ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ

میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے

وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ أَنْتَ الرَّقِیْبَ

اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو تو ان کا نگہبان تھا

عَلَیْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُکَ

اور تو ہر چیز سے خبر دار ہے ۔(۱۵) اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں

وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّکَ أَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ

اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بیشک تو غالب (اور) حکمت والا ہے ۔ اللہ فرمائے گا کہ آج

یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ

وہ دن ہے کہ سچوں کو اُن کی سچائی ہی فائدہ دے گی اُن کیلئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا أَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾

ہمیشہ ان میں بستے رہیں گے، اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں یہ بڑی کامیابی ہے

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢٠﴾

آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان (دونوں) میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

---

(۱۵) عن ابن عباسؓ قال خطب رسول اللهﷺفقال: یاایها الناس انکم محشورون الی الله حفاة عراة غرلاً. ثم قال: کمابدأنا اول خلق نعیده وعداعلیناانا کنافاعلین. الی آخر الایة. ثم قال: الاوان اوّل الخلائق یُکسی یوم القیامة ابراهیمُ ،الاوانه یجاء برجال من امتی فیؤخذبهم ذات الشمال فاقول: یارب اصیحابی، فیقال: انک لاتدری مااحدثوابعدک فاقول کماقال العبد الصالح: وکنت علیهم شهیدامادمت فیهم،فلماتوفیتنی کنت انت الرقیب علیهم فیقال: ان هٰؤلاء لم یزالوامرتدین علی اعقابهم منذفارقتهم. الحدیث. بخاری: ۴۶۲۵.

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! قیامت کے روز تم ننگے اور غیرمختون اٹھائے جاؤ گے جیسے کہ پیدائش کے وقت تھے۔سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔اب میری امت کے چندلوگ لائے جائیں گے جنہیں دوزخ کی نشانی کے طور پر بائیں طرف رکھا جائے گا۔تو میں کہوں گا کہ یہ تو میری امت ہے،تو کہا جائے گا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے بعد تمہاری سنت کو چھوڑ کر کیا بدعتیں ان لوگوں نے جاری کیں۔تو میں بندہ صالح کی طرح یہی کہوں گا (عیسیٰ علیہ السلام) (یعنی ایت میں جو مضمون ہے) کہا جائے گا کہ تمہارے بعد لوگ مرتد اور بدعتی ہوگئے تھے۔اس روایت کو اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

سورة الأنعام مكية[١]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین بنائے اور اندھیرا اور اجالا بنایا

ثُمَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ ثُمَّ

پھر بھی یہ کافر اوروں کو اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھراتے ہیں۔اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر

قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ﴿۲﴾

ایک وقت مقرر کر دیا اور اس کے ہاں ایک مدت مقرر ہیں تم پھر بھی شک کرتے ہو۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الۡاَرۡضِ يَعۡلَمُ سِرَّكُمۡ وَجَهۡرَكُمۡ

اور آسمان اور زمین میں وہی (ایک) اللہ ہے تمہاری پوشیدہ اور ظاہر سب باتیں جانتا ہے اور تم جو عمل کرتے ہو سب سے واقف ہے

---

[۱] سورت انعام مکہ میں ایک ہی رات کے اندر ایک ہی دفعہ میں نازل ہوگئی، اس کو ستر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے لے کر حاضر ہوئے تھے، اور تسبیح پڑھتے جا رہے تھے، اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ناقہ پر سوار تھے اور سورۂ انعام اتر رہی تھی، میں ناقۂ نبی ﷺ کی باگ تھامے ہوئے تھی، وحی کے بوجھ سے ناقہ ایسی دب گئی تھی کہ گویا اس کی ہڈیاں ہی ٹوٹ جائیں گی، ملائکہ زمین و اسمان کو گھیرے ہوئے تھے۔سورۂ انعام اترنے کے بعد نبی کریم ﷺ تسبیح پڑھنے لگے اور فرمایا اس سورت کی مشایعت میں فرشتے افق تک گھیرے ہوئے تھے۔

وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ إِلَّا

اور اللہ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی اُن لوگوں کے پاس نہیں آتی مگر

كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ

یہ کہ اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ جب ان کے پاس حق آیا تو اُس کو بھی جھٹلا دیا

فَسَوْفَ يَأْتِيْهِمْ أَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۵﴾

پس ان کو اُن چیزوں کا جن سے یہ استہزاء کرتے ہیں عنقریب انجام معلوم ہو جائے گا۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی اُمتوں کو ہلاک کر دیا جن کے پاؤں ملک میں ایسے جما دیئے تھے کہ

مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهٰرَ

تمہارے پاؤں بھی ایسے نہیں جمائے اور اُن پر آسمان سے لگاتار مینہ برسایا اور نہریں بنا دیں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ

جو اُن کے (مکانوں کے) نیچے بہہ رہی تھیں پھر اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور اُن کے بعد

قَرْنًا آخَرِيْنَ ﴿۶﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِأَيْدِيْهِمْ

اور اُمتیں پیدا کر دیں۔ اور اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے اور یہ اُسے اپنے ہاتھوں سے بھی ٹٹول لیتے

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ

تو جو کافر ہیں وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ تو (صاف اور) صریح جادو ہے اور کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا

مَلَكٌ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ

؟ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام ہی فیصل ہو جاتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی

مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾

نیز اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اُسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جو شبہہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہے میں انہیں پھر ڈال دیتے

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ

اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کیساتھ مذاق ہوتے رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے مذاق کیا کرتے تھے

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا

اُن کو مذاق کی سزا نے آ گھیرا ۔ کہو کہ ملک میں چلو پھرو پھر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟۱۱۔ (ان سے) پوچھو کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے؟

قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ

کہہ دو کہ اللہ کا۔ اُس نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کرلیا ہے وہ تم سب کو قیامت کے دن جس میں کچھ بھی شک نہیں

فِيْهِ ط اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾

ضرور جمع کرے گا۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے ۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ

اور جو مخلوق رات اور دن میں آرام کرتے ہیں سب اُسی کی ہے اور وہ سنتا جانتا ہے ۔ کہو کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو

أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ

مددگار بناؤں؟ کہ (وہی تو) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا

قُلْ إِنِّىٓ أُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٤﴾

نہیں لیتا (یہ بھی) کہہ دو کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں اور یہ کہ تم (اے پیغمبر!) مشرکوں میں نہ ہونا

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾

(یہ بھی) کہہ دو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے

مَّنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾

جس شخص سے اس روز عذاب ٹال دیا گیا تو اُس پر اللہ نے (بڑی) مہربانی فرمائی اور یہ کھلی کامیابی ہے

وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ

اور اگر اللہ تمہیں کوئی سختی پہنچائے تو اُس کے سوا اس کو کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر نعمت (وراحت) عطا کرے تو (کوئی

فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَكِيمُ

اُس کو روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ دانا

الْخَبِيرُ ﴿١٨﴾ قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ط قُلِ اللّٰهُ ق شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ

اور خبردار ہے ۔ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر (قرین انصاف) کس کی شہادت ہے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی مجھ میں اور تم میں گواہ ہے

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ط

اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تمہیں اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے اس کو آگاہ کر دوں

أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللّٰهِ آلِهَةً أُخْرٰى قُلْ لَّا أَشْهَدُ

کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ کیساتھ اور بھی معبود ہیں؟ (اے محمد ﷺ!) کہہ دو کہ میں تو (ایسی) شہادت نہیں دیتا

قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿١٩﴾ اَلَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ

کہہ دو کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور جن کو تم لوگ شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں ۔جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی

الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِينَ

ہے وہ ان (ہمارے پیغمبر) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں ۔ جنہوں نے

خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے ۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا کیا یا اُس کی آیتوں کو جھٹلایا کچھ شک نہیں

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ

کہ ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے ۔ اور جس دن ہم سب لوگوں کو جمع کریں گے پھر

نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾

مشرکوں سے پوچھیں گے کہ (آج) وہ تمہارے شریک کہاں ہیں جن کا تمہیں دعویٰ تھا؟

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾

تو اُن سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا (اور) بجز اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا کہ) کہیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شریک نہیں بناتے تھے

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

دیکھو اُنہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا اور جو کچھ یہ جھوٹ بناتے تھے سب ان سے جاتا رہا ۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ

اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ تمہاری (باتوں کی) طرف کان رکھتے ہیں اور ہم نے اُن کے دلوں پر تو پردے ڈال دیئے ہیں

وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا

کہ اُن کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں بوجھ پیدا کر دیا ہے (کہ سن نہ سکیں) اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی تو اُن پر ایمان نہ لائیں

حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ

یہاں تک کہ جب تمہارے پاس تم سے بحث کرنے کو آتے ہیں تو جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) اور کچھ بھی نہیں صرف

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ

پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ وہ اس سے (اوروں کو بھی) روکتے ہیں اور خود بھی پرے رہتے ہیں مگر (ان باتوں سے)

إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرٰى إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ

اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور (اس سے) بےخبر ہیں۔ اگر تم (ان کو اس وقت) دیکھو جب یہ دوزخ کے کنارے

فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا

کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیئے جائیں تا کہ اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں

وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ

اور مومن ہو جائیں ۔ ہاں یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) ان پر ظاہر ہو گیا ہے اور اگر

وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾

یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں

وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٢٩﴾

اور کہتے ہیں کہ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کئے جائیں گے

وَلَوْ تَرٰى إِذْ وُقِفُوا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ أَلَيْسَ هٰذَا

اور اگر تم (ان کو اس وقت) دیکھو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور وہ فرمائے گا کہ کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) برحق نہیں ہے

بِالْحَقِّ قَالُوا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾

تو کہیں گے کہ کیوں نہیں، اللہ کی قسم! (بالکل برحق ہے) اللہ فرمائے گا کہ اب کفر کے بدلے (جو دنیا میں کرتے تھے) عذاب چکھو

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللّٰهِ حَتّٰى إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

جن لوگوں نے اللہ کے روبرو حاضر ہونے کو جھوٹ سمجھا وہ گھاٹے میں آ گئے یہاں تک کہ جب اُن پر قیامت نا گہاں آ

قَالُوْا يَا حَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ

موجود ہوگی تو بول اٹھیں گے کہ (ہائے) اس تقصیر پر افسوس ہے جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی اور وہ اپنے (اعمال کے) بوجھ

أَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے دیکھو! جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بہت بُرا ہے ۔ اور دنیا کی زندگی تو ایک

إِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

کھیل اور تماشہ ہے اور بہت اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے (یعنی) ان کیلئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔ کیا تم نہیں سمجھتے ؟

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ

ہمیں معلوم ہیں کہ ان (کافروں) کی باتیں تمہیں رنج پہنچاتی ہیں (مگر) یہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ

الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں ۔[۲] اور تم سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے

فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَأُوْذُوْا حَتّٰى أَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ

تو وہ تکذیب اور ایذا پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کے پاس ہماری مدد پہنچتی رہی اور اللہ کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے

اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَإِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَإِنْ كَانَ

والا نہیں۔ اور تمہیں پیغمبروں (کے احوال) کی خبریں پہنچ چکی ہیں۔ اور اگر ان کی روگردانی تم پر

كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ

شاق گزرتی ہے تو اگر طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈھ نکالو

---

[۲] علیؓ سے روایت ہے کہ: ان ابا جھل قال للنبی ﷺ انا لا نکذّبک ،ولکن نکذّب بما جئت به،

فانزل اللّٰہ تعالی ھذہ الآیۃ،(ترمذی رقم: ۳۰۶۴ مستدرک، ۲/ ۳۱۵)۔

جب ابوجہل نے نبی کریم ﷺ سے یہ کہا: کہ اے محمد ﷺ! ہم تمہیں نہیں جھٹلاتے، ہم تو اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جو تم لیکر آئے ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی: ابوجہل کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے ساتھ ہمارا اختلاف اس دین وشریعت کے بارے میں ہے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو، ہم تو تمہاری تکذیب صرف اس لئے کرتے ہیں کہ تمہاری لائی ہوئی کتاب وشریعت کو سچ نہیں مانتے، اگر درمیان میں سے تمہاری یہ کتاب وشریعت ہٹ جائے تو پھر تمہارے ساتھ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں رہے گا، لیکن وہ لعین اتنا نہیں سمجھا کہ جب محمد ﷺ دنیاوی معاملات میں لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتے، اور صدق وسچائی ان کا وصف ہے، جس کا اقرار واعتراف خود قریش مکہ کو بھی تھا، تو پھر وہ دین وآخرت کے معاملہ میں لوگوں سے کیوں جھوٹ بولیں گے؟ اور ان کو جھوٹ کی طرف بلائیں گے، اور اللہ پر بہتان باندھیں گے۔

اصل بات یہ تھی کہ قریش مکہ کے سارے بڑے بڑے سردار نبی کریم ﷺ کے تئیں سخت بغض وعناد اور حسد کا شکار تھے، ان کو ساری جلن اس بات کی تھی کہ اس یتیم واُمّی شخص کو اتنا بڑا مرتبہ کیسے مل گیا؟ اور ہم اتنی ساری دنیاوی وجاہتیں رکھتے ہوئے اس کی پیروی کیسے کریں، کس طرح اس کو اپنا بڑا اور قابل اتباع مان لیں۔ اور یہی جلن ان سے طرح طرح کی باتیں کہلواتی تھی، جن میں نہ کوئی معقولیت ہوتی تھی اور نہ کوئی سچائی۔

تفسیر کشاف میں اس آیت کی تفسیر میں دو مطلب لکھے ہیں، ایک تو یہ کہ اے محمد ﷺ یہ کافر جو تمہیں جھٹلاتے ہیں، اور یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ تم واقعۃً اپنے پروردگار کی طرف سے نئی کتاب وشریعت لے کر مبعوث ہوئے ہو، تو یہ تمہیں نہیں جھٹلاتے، درحقیقت اللہ کی نازل کردہ آیتوں اور اس کے اتارے ہوئے دین کو جھٹلاتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مالک اپنے اس غلام سے کہ جس کو لوگ ناروا اطوار پر پریشان کرتے اور ستاتے ہوں، یہ کہے کہ وہ لوگ تجھے نہیں ستاتے، بلکہ مجھے ستاتے ہیں، تو دیکھنا میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں، اور ان کو کیسا مزہ چکھاتا ہوں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! یہ کافر تمہیں نہیں جھٹلاتے ہیں کیونکہ تم تو ان کے نزدیک بڑے سچے اور آمین ہو، اور تمہاری سچائی اور امانت ان میں ضرب المثال کی حیثیت رکھتی ہے، ہاں یہ لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کے فرمائے ہوئے دین کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ مطلب حدیث کے مضمون سے زیادہ مطابقت اور موزونیت رکھتا ہے۔

أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى

یا آسمان میں سیڑھی (تلاش کرو) پھر ان کے پاس کوئی معجزہ لاؤ اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ

پس تم ہرگز نادانوں میں سے نہ ہونا ۔ بات یہ ہے کہ (حق کو) قبول وہی کرتے ہیں جو سنتے بھی ہیں

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا

اور مُردوں کو تو اللہ (قیامت ہی کو) اٹھائے گا پھر اُسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے ۔[۳] اور کہتے ہیں کہ ان پر

---

[۳] "یسمعون" کے معنی "ینیبون" کے ہیں یعنی صرف وہی لوگ حق کو قبول کرتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی طرف رغبت ہو بقرینہ وما یتذکر الا من ینیب (مومن:۱۳) اور الموتی (مردے) سے مراد یہاں کفار و مشرکین ہیں، کیونکہ ان کے دل ایمان اور توحید سے خالی ہونے کی وجہ سے مردہ اور بے جان ہے و الموتی ای الکفار کما قال الحسن ورواہ عنہ غیر واحد..........وفی اطلاق الموتی علی الکفار استعارۃ طبعیۃ مبنیۃ علی تشبیہ کفرھم وجھلھم بالموت۔(روح)۔ جامع البیان میں ہے الکفار الذین کالموتی لایسمعون یعنی کافران مردوں کی طرح ہے، نہیں سنتے۔ بیضاوی میں ھٰؤلاء کالموتی الذین لایسمعون .جلالین میں ہے الموتی ای الکفار شبّھھم بھم فی عدم السماع . امام رازیؒ نے فرمایا:ای لاسبیل الی استماعھم . ابوسعود نے بھی یہی کہا۔ ابن جریر میں ہے: جعلھم اللہ ذکرہ فی اعداد الذین لایسمعون صوتا، ولا یعقلون دعاء ،ولایفقھون قولا. خازن میں ہے و المعنی انھم فی حال کفرھم وتکذیبھم کمن لایسمع ولایتکلم، و لھٰذا شبّہ الکفار بالموتی، لان المیت لایسمع ولایتکلم (مدارک) و الموتی یبعثھم اللہ، ثم الیہ یرجعون، فحیئنذ یسمعون و اماقبل ذلک فلا(نیسابوری)یعنی ان الذین تحرص علی حصول ایمانھم بمنزلۃ الموتی الذین لایسمعون . اور کشاف میں ہے:ھم بمنزلۃ الموتی الذین لایسمعون ۔خلاصہ ان تمام عبارات کا یہ ہے کہ اللہ تعالی نے کفار کو مردوں میں شمار کیا ہے، جو نہ حق سنتے ہیں نہ کسی کی پکار سنتے ہیں، نہ بات سمجھتے ہیں، جیسے مردہ نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے، مزید تفصیل بعد میں آئے گا۔

نُزِّلَ عَلَيۡهِ آيَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ قُلۡ إِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى أَنۡ يُّنَزِّلَ آيَةً وَّلٰكِنَّ أَكۡثَرَهُمۡ

ان کے رب کے پاس سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ اللہ نشانی اتارنے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ

لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِي الۡأَرۡضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيۡرُ بِجَنَاحَيۡهِ

نہیں جانتے۔اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے

إِلَّآ أُمَمٌ أَمۡثَالُكُمۡ مَّا فَرَّطۡنَا فِي الۡكِتَابِ مِنۡ شَيۡءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمۡ

اُن کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔ہم نے کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی پھر

يُحۡشَرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَّبُكۡمٌ

سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے۔اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں

فِي الظُّلُمٰتِ ط مَنۡ يَّشَإِ اللّٰهُ يُضۡلِلۡهُ وَمَنۡ يَّشَأۡ يَجۡعَلۡهُ عَلٰى صِرَاطٍ

(اس کے علاوہ) اندھیرے میں (پڑے ہوئے) جس کو اللہ چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے سیدھے رستے پر چلا دے

مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۳۹﴾ قُلۡ أَرَأَيۡتَكُمۡ إِنۡ أَتٰكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ أَوۡ أَتَتۡكُمُ السَّاعَةُ

کہو (کافرو!) بھلا دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا قیامت آموجود ہو

أَغَيۡرَ اللّٰهِ تَدۡعُوۡنَ إِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۴۰﴾

تو کیا تم (ایسی حالت میں) اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر سچے ہو (تو بتاؤ) [4]

---

[4] یہ دلیل عقلی ہے علی سبیل الاعتراف من الخصم۔امام فراء کہتے ہیں: کہ "ارأیت" دو معنوں میں مستعمل ہیں اول رؤیت عین، دوم بمعنی "اَخبِرنِی" مثلاً کہا جاتا ہے "ارئیتک ای اخبرنی" اس صورت میں ضمیر ثانی خواہ واحد ہی کی ہو، (ک) یا تثنیہ (کما) اور جمع (کم) کی اعراب میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا، اور اس کی حیثیت محض ایک حرف کی ہوتی ہے، جو مخاطب کی حالت افراد اور تثنیہ وجمع کا اظہار کرتا ہے (من الکبیر)۔=

بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ إِلَيْهِ إِنْ شَآءَ

(نہیں) بلکہ (مصیبت کے وقت) تم اُسی کو پکارتے ہو تو جس دُکھ کیلئے اُسے پکارتے ہو وہ اگر چاہتا ہے

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلٰى أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ

تو اُس کو دُور کر دیتا ہے اور جن کو تم شریک بناتے ہو (اس وقت) انہیں بھول جاتے ہو۔ اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی اُمتوں کی طرف پیغمبر بھیجے

فَأَخَذْنٰهُمْ بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

پھر (اُن کی نافرمانیوں کے سبب) ہم انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے تاکہ عاجزی کریں۔

= علامہ رضی لکھتے ہیں: کہ یہاں یہ رویئت بصری ہے یا قلبی اور "ارئیت" بمعنی ،ابصرت، ہے یا بمعنی عرفت اورصرف ایک مفعول کو چاہتا ہے جو یہاں "حالکم" محذوف ہے اور مجازا "اخبرنی" مجھے بتا کے معنی میں مستعمل ہے، اور ہمیشہ حالت عجیبہ سے استفسار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ذهب الرضی تبعالغیره انّ رأی،هنا بصرية ، وقيل قلبية بمعنى عرف وهي على القولين: متعد لواحد،واصل اللفظ الاستفهام عن العلم و العرفان، او الابصار،الاانه تجوّزبه عن معنى اخبرنى، ولايستعمل الا فى الاستخبارعن حالة عجيبة لشئ.

اس کے بعد استفہام کا ہونا ضروری ہے خواہ مذکور ہو خواہ مقدر، یہاں مذکور ہے، یعنی، اغیر الله، مطلب یہ ہے کہ رسول ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ مشرکین سے فرمائے مجھے بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ جائے یا قیامت آ پہنچے تو کیا پھر بھی تم غیر اللہ ہی کو پکارو گے؟ "بل ایّاه" یہ اس کا جواب ہے، یعنی اس وقت تم غیر اللہ کو نہیں پکارو گے بلکہ اللہ کے سوا تم جن معبودوں کو پکارتے ہو ان سب کو بھول جاؤ گے، اور صرف ایک اللہ ہی کو پکارو گے تو وہ اگر چاہے گا تو تم سے وہ مصیبت دور فرما دے گا۔ جس کے لئے تم نے اسے پکارا ہے۔

اور ابن حیان نے فرمایا ہے، کہ یہ بمعنی "اخبرنی" ہے، اور "التاء" فيه للخطاب (الفاعل) ومالحقهاحرف يدل على اختلاف المخاطب ،وايضاجئ بالكاف للتاكيدفاذاكان المخاطبون كثيرون جئ بصيغة الجمع.واذاكان المخاطب واحداجئ بصيغة الافراد، كمافى اسراء: ۶۲۔(بحر)۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ

تو جب اُن پر ہمارا عذاب آتا رہا تو کیوں عاجزی نہیں کرتے رہے مگر اُن کے تو دل ہی سخت ہو گئے تھے

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ

اور جو وہ کام کرتے تھے شیطان اُن کو (ان کی نظروں میں) آراستہ کر دکھاتا تھا۔ پھر جب انہوں نے اُس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا

تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب اُن چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش ہو گئے

اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے ۔غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ

اور سب تعریف اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے۔ (ان کافروں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تمہارے کان

وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ اُنْظُرْ

اور آنکھیں چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں یہ نعمتیں پھر بخشے؟ دیکھو

كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ قُلْ اَرَاَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ

ہم کس کس طرح اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں ۔کہو کہ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر

عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾

اللہ کا عذاب بے خبری میں یا خبر آنے کے بعد آئے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہو گا؟

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ

اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجتے رہے ہیں تو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کو پھر جو شخص ایمان لائے اور نیکوکار ہو جائے

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ اندوہناک ہوں گے ۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ

اُن کی نافرمانیوں کے سبب اُنہیں عذاب ہو گا ۔ کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس

خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ

اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ

میں تو صرف اُس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے (اللہ کی طرف سے) آتا ہے کہہ دو کہ بھلا اندھا اور آنکھ والا برابر ہوتے ہیں؟

اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ

تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے ؟ ۔اور جو لوگ خوف رکھتے کہ اپنے رب کے رُوبرو حاضر کئے جائیں گے (اور جانتے ہیں کہ)

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِىٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

اُس کے سوا نہ تو اُن کا کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا ، اُن کو اس (قرآن) کے ذریعے سے نصیحت کرو تا کہ پرہیز گار بنیں

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِىِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

اور جو لوگ صبح وشام اپنے رب سے دعا کرتے ہیں (اور) اُس کی ذات کے طالب ہیں

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَىْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَىْءٍ

اُن کو (اپنے پاس سے) مت نکالو اُن کے حسابِ (اعمال) کی جوابدہی تم پر کچھ نہیں اور تمہارے حساب کی جوابدہی اُن پر کچھ نہیں

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

اگر اُن کو نکالو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے ۔ اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے

لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا

کہ (جو دولتمند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿۵۳﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ

بھلا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟ ۔ اور جب تمہارے پاس ایسے لوگ آیا کریں

يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ

جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو (اُن سے) سلام علیکم کہا کرو اللہ نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کرلیا ہے

أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ

کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بُری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور نیکوکار ہو جائے تو وہ بخشنے والا

رَّحِيمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۵۵﴾

مہربان ہے ۔ اور اسی طرح ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اور اس لئے کہ گنہگاروں کا رستہ ظاہر ہو جائے

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ قُل

(اے پیغمبر! کفار سے) کہہ دو کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے اُن کی عبادت سے منع کیا گیا ہے (یہ بھی) کہہ دو

لَّا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۵۶﴾

کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہیں کروں گا۔ ایسا کروں گا تو گمراہ ہو جاؤں اور ہدایت یافتہ لوگوں میں نہ رہوں

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَكَذَّبْتُم بِهِ مَا عِندِي مَا

کہہ دو کہ میں تو اپنے رب کی روشن دلیل پر ہوں اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ جس چیز کیلئے

تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ﴿۵۷﴾

تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے (ایسا) حکم اللہ ہی کے اختیار میں ہے وہ سچی بات بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

قُلْ لَّوْ أَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْأَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ
کہہ دو کہ جس چیز کیلئے تم جلدی کر رہے ہو اگر وہ میرے اختیار میں ہوتی تو مجھ میں اور تم میں فیصلہ ہو چکا ہوتا
وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ
اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے ۔ اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا
وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا یَعْلَمُهَا
اور اُسے جنگلوں اور سمندروں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اُس کو جانتا ہے
وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ إِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ
اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے
﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰكُمْ بِاللَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ
اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کا خبر رکھتا ہے
ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰی أَجَلٌ مُّسَمًّی ثُمَّ
پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تاکہ معین مدت پوری کر دی جائے پھر تم
إِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾
(سب) کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اس روز) وہ تمہیں تمہارے اعمال جو تم کرتے ہو (ایک ایک کر کے) بتائے گا
وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰی إِذَا جَآءَ أَحَدَكُمُ
اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی
الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ
موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اُس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے ۔ پھر

رُدُّوْا إِلَى اللهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ ؕ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ

(قیامت کے دن تمام) لوگ اپنے مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے۔سن لو کہ حکم اُسی کا ہے اور وہ

أَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

نہایت جلد حساب لینے والا ہے ۔ کہو بھلا تمہیں جنگلوں اور سمندروں کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟

تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَّئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هٰذِهٖ

(جب) کہ تم اُسے عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو (اور کہتے ہو) کہ اگر اللہ ہمیں اس مصیبت سے نجات بخشے

لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ

تو ہم اُس کے بہت شکرگزار ہوں۔کہو کہ اللہ ہی تمہیں اُس مصیبت سے اور ہر سختی سے نجات بخشتا ہے پھر (تم) اس کیساتھ

أَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ

شرک کرتے ہو ۔ کہہ دو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے تم پر اوپر کی طرف سے

فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ

یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے

بَأْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

کی لڑائی کا مزہ چکھا دے، دیکھو ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھیں [5]

---

[5] امام بخاری نے اس ایت کی تفسیر میں جابرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جب یہ ایت اتری کہ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ تو آپ نے فرمایا اعوذ باللہ من ذلک پھر "من تحت ارجلکم "سنکر بھی فرمایا" اعوذ باللہ پھر يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا سنکر فرمایا یہ اسان تر ہے۔اگر اس پر بھی آپ ﷺ پناہ مانگتے تو مانگ سکتے تھے۔سعد بن ابی وقاصؓ سے بھی مروی ہے کہ اس آیت کو سن کر آپ ﷺ فرمایا کہ یہ بات ہو کر رہے گی اور ابھی تک ہوئی نہیں ہے۔(صحیح البخاری: ۶/۷۱، کتاب التفسیر)۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَإٍ

اور اس (قرآن) کو تمہاری قوم نے جھٹلایا حالانکہ وہ سراسر حق ہے، کہہ دو کہ میں تمہارا داروغہ نہیں ہوں۔ ہر خبر کیلئے

مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ آيٰتِنَا

ایک وقت مقرر ہے اور تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ

بیہودہ بکواس کر رہے ہوں تو اُن سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر (یہ بات)

الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾

شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کیساتھ نہ بیٹھو۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

اور پرہیزگاروں پر ان لوگوں کے حساب کی کچھ بھی جواب دہی نہیں ہاں نصیحت تاکہ وہ بھی پرہیزگار ہوں

﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اُن سے کچھ کام نہ رکھو

وَذَكِّرْ بِهٖ أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ

ہاں اس (قرآن) کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہو تاکہ (قیامت کے دن) کوئی اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈالا جائے

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَإِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ

اللہ کے سوا نہ تو کوئی اُس کا دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا۔ اور اگر وہ ہر چیز کا بدلہ بطور معاوضہ دینا چاہے

لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا أُوْلٰٓئِكَ الَّذِيْنَ أُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ

تو وہ اُس سے قبول نہ ہو۔ یہی لوگ ہیں کہ اپنے اعمال کے وبال میں ہلاکت میں ڈالے گئے اُن کیلئے پینے کو

شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَّعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۷۰﴾

کھولتا ہوا پانی اور دکھ دینے والا عذاب ہے اس لئے کہ کفر کرتے تھے

قُلْ أَنَدْعُو مِنْ دُونِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰى أَعْقَابِنَا بَعْدَ

کہو کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکے اور نہ بُرا اور جب ہمیں اللہ نے سیدھا رستہ دکھا دیا

إِذْ هَدَانَا اللهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ ص

تو (کیا) ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ (پھر ہماری ایسی مثال ہو) جیسے کسی کو جنات نے زمین میں بھلا دیا ہو (اور وہ) حیران

لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ إِنَّ هُدَى اللهِ

(ہورہا ہو) اور اُس کے کچھ رفیق ہوں جو اُس کو رستے کی طرف بلائیں کہ ہمارے پاس چلا آ۔ کہہ دو کہ رستہ تو وہی ہے

هُوَ الْهُدٰى وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۷۱﴾ وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ

جو اللہ نے بتایا ہے اور ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کے فرمانبردار ہوں۔ اور یہ (بھی) کہ نماز پڑھتے رہو

وَاتَّقُوهُ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی تو ہے جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے۔ اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں

وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ط قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ

اور زمین کو تدبیر سے پیدا کیا ہے اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائیگا۔ اُس کا ارشاد برحق ہے

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ

اور جس دن صور پھونکا جائے گا اُسی کی بادشاہت ہو گی وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا اور وہی دانا

الْخَبِيرُ ﴿۷۳﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً

اور خبردار ہے۔ اورجب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیاتم بتوں کو معبود بناتے ہو؟

إِنِّيْ أَرٰكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْ إِبْرَاهِيْمَ

میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہو ۔ اور ہم اسی طرح ابراہیم کو

مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾

آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ

(یعنی) جب رات نے اُن کو (پردۂ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارا نظر پڑا، کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے

فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ

جب وہ غائب ہوگیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہوجانے والے پسند نہیں۔ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے

هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ

کہ یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا رب مجھے سیدھا رستہ نہ دکھاتے

لَأَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّيْنَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا

تو میں ان لوگوں میں ہوجاتا جو بھٹک رہے ہیں۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے

رَبِّيْ هٰذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾

یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو کہنے لگے کہ لوگو! جن چیزوں کو تم شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں[6]

إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

میں نے سب سے یکسو ہوکر اپنے آپ کو اُسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے

---

[6] یہاں بعض لوگ ابراہیم علیہ السلام کے ان اقوال سے غلط نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) ابراہیم علیہ السلام

پہلے ایمان میں متردد تھے، تو امام رازیؒ کتاب عصمۃ الانبیاء میں اس سے یہ جواب دیتے ہیں، کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ بلوغ سے قبل کہا تھا۔ اس لئے کہ جب آپ کو بلوغ سے کچھ عرصہ قبل اللہ کی الوہیت کے بارے میں خیال آیا، تو آپ متفکر ہو کر ستاروں کی طرف دیکھنے لگے ان کی عجیب وغریب حرکات سے متاثر ہو کر کہا کہ ضرور یہ رب ہوگا، اور یہی بات انہوں نے سورج اور چاند کے بارے میں بھی کہی، اور اسی دوران وہ بالغ ہوئے تو اس نظریہ سے اعلان برأت کرتے ہوئے فرمایا ''انی بریٔ مما تشرکون'' اور سورج و چاند اور ستاروں کے بارے میں یہ خیال اس لئے پیدا ہوا کہ ان کے اندر نورانیت کے ساتھ بلندی بھی تھی۔

اور بعض لوگ یہ گفتگو بلوغ کے بعد پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ گفتگو نظر واستدلال کے دوران ہوئی تھی البتہ یہ قول اخبار کے طور پر صادر نہیں ہوا بلکہ فرض کے طور پر کہا گیا، جیسا کہ ایک فلسفی حدوث اجسام پر استدلال کرتے ہوئے کہتا ہے۔ **الجسم القدیم** (جسم قدیم ہے) تو وہ قدم اجسام کی خبر نہیں دیتا، بلکہ اس کو فرض کرتا ہے۔

بعض یہ جواب دیتے ہیں (**ھذا ربی فی زعمھم**)، یعنی ان کے خیال میں یہ میرا رب ہے، جیسا کہ ہم میں سے کوئی شخص فرقہ مشبہ کے بارے میں بطور تعریض وتذلیل کہے (**انّ الھہ جسم متغیر**) یا جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بطور طنز کہا تھا (**فانظر الی الھک الذی ظلت علیه عاکفا**) (طٰہٰ:۹۷) ترجمہ: یعنی تیرے خیال کے مطابق یہ تیرا الہ ہے اس کا حشر تو دیکھ لے۔

۲۔ یہ استفہام انکاری کے طور پر کہا گیا ہے اور حرف استفہام کو واضح ہونے کی وجہ سے حذف کیا گیا (مطلب یہ کہ کیا یہ میرا رب ہوسکتا ہے؟)۔

۳۔ آیت میں اختصار ہے، اور پوری عبارت یہ ہے (**یقولون ھذا ربی**) یعنی یہ مشرکین مجھے کہتے ہیں کہ یہ تیرا رب ہے۔

۴۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے تعظیم کواکب کا نظریہ باطل کرنا چاہا تو انہوں نے ان کو یہ یقین دلایا، کہ میں بھی ستاروں کی تعظیم کرتا ہوں، پھر دلیل سے ان کی تعظیم کو ختم کر ڈالا۔ اور ایک قول کے مطابق انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ستاروں کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کی غلطی کو اشکارا کرتے ہوئے فرمایا: کیا یہی میرا رب ہے؟۔

۵۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ کہنا بطور اخبار نہ تھا بلکہ بطور استدلال وقیاس تھا اور اسی وجہ سے اللہ تعالی نے اس پر زجر وتوبیخ نہیں فرمائی بلکہ اسے مدح وتعظیم کے شکل میں ذکر کرکے سراہا گیا۔

حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٧٩﴾ وَحَآجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَآجُّوٓنِّي فِي

اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اُن کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو اُنہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں

اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنِ ؕ وَلَآ أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهٖٓ

بحث کرتے ہو؟ اُس نے تو مجھے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اُس کا شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا

إِلَّآ أَنْ يَشَآءَ رَبِّي شَيْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٨٠﴾

ہاں جو میرا رب چاہے۔ میرا رب اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم فکر نہیں کرتے؟

وَكَيْفَ أَخَافُ مَآ أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ

بھلا میں اُن چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کیساتھ شریک بناتے ہو

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ؕ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ

جس کی اُس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے اگر

إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨١﴾ اَلَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوٓا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ

سمجھ رکھتے ہو۔ جولوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا

أُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿٨٢﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ آتَيْنٰهَآ

اُن کیلئے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے

إِبْرٰهِيمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَآءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ

ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ بیشک تمہارا رب دانا اور خبردار ہے

﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ

اور ہم نے اُن کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهَارُوْنَ

اور اُن کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اورایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ

اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں ۔ اور زکریا اور یحیٰی اور عیسٰی اور الیاس کو بھی

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ط

یہ سب نیکوکار تھے ۔ اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو بھی۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ

اور ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی ۔ اور ان کے بعض باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ

اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا ۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے

يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ط وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چلائے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائی تھی اگر یہ (کفار)

يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کیلئے) ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔ کہہ دو کہ

لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

میں تم سے اس (قرآن) کا صلہ نہیں مانگتا یہ تو جہان کے لوگوں کیلئے محض نصیحت ہے

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ

اوران لوگوں نے اللہ کی قدر جیسی جاننی چاہیئے تھی نہ جانی۔ جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ)

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ

کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کہو کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اُسے کس نے نازل کیا تھا جو لوگوں کیلئے نور اور ہدایت تھی

تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ

اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے۔ اُن (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ قُلِ اللّٰهُ

اور تمہیں وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دو (اس کتاب کو) اللہ ہی نے (نازل کیا)

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ

پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بیہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں ۔ اور یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت

مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لئے (نازل کی گئی ہے) کہ تم مکہ اور اس کے آس پاس کے

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

لوگوں کو آگاہ کر دو اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ

اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو

شَیۡءٌ وَّمَنۡ قَالَ سَاُنۡزِلُ مِثۡلَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوۡ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ

اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی کتاب اللہ نے نازل کی ہے اس طرح کی میں بھی بنا لیتا ہوں۔ اور اگر تم ان ظالم

فِیۡ غَمَرٰتِ الۡمَوۡتِ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوۡۤا اَیۡدِیۡهِمۡ

لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں (مبتلا) ہوں اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کیلئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں

اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ اَلۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى

کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے

اللّٰهِ غَیۡرَ الۡحَقِّ وَكُنۡتُمۡ عَنۡ اٰیٰتِهٖ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا

اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔ اور جیسا ہم نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ایسا ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے

فُرَادٰى كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰكُمۡ وَرَآءَ ظُهُوۡرِكُمۡ

اور جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا تھا وہ سب اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے

وَمَا نَرٰى مَعَكُمۡ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّهُمۡ فِیۡكُمۡ شُرَكٰٓؤُا ؕ

اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے (شفیع

لَقَدۡ تَّقَطَّعَ بَیۡنَكُمۡ وَضَلَّ عَنۡكُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۹۴﴾

اور ہمارے) شریک ہیں (آج) تمہارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے سب جاتے رہے

اِنَّ اللّٰهَ فٰلِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَمُخۡرِجُ الۡمَیِّتِ

بیشک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ (کر اُن سے درخت وغیرہ) اگاتا ہے وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان

مِنَ الۡحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ

کا جاندار سے نکالنے والا ہے۔ یہی تو اللہ ہے پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو؟۔ وہی صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے

وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ

اور اُسی نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا) اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا ہے یہ

تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ

اللہ کے (مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں جو غالب (اور) علم والا ہے۔ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے

لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا

تا کہ جنگلوں اور سمندروں کے اندھیروں میں اُن سے رستے معلوم کرو۔ عقل والوں کیلئے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِىْ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

بیان کر دی ہیں ۔ اور وہی تو ہے جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾

پھر (تمہارے لئے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی۔ سمجھنے والوں کیلئے ہم نے (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں

وَهُوَ الَّذِىْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَىْءٍ

اور وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے پھر ہم ہی (جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی فصلیں اُگاتے ہیں پھر

فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ

اُس میں سے سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں اور اُن کونپلوں میں سے ایک دوسرے کیساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا

کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكُمْ

اور نہیں بھی ملتے۔ یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو اُن کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) اُن کے پکنے پر نظر کرو ان میں اُن

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٩٩﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ

لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں (اللہ کی قدرت کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اوران لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا

وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

حالانکہ ان کو اُسی نے پیدا کیا۔ اور بے سمجھے (جھوٹ بہتان) اس کیلئے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٠٠﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وہ ان باتوں سے جو اُس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے اوران سے بلند ہے۔ (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ

(ہے) اُس کی اولاد کہاں سے ہو جب کہ اُس کی بیوی ہی نہیں اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

باخبر ہے۔ یہی (اوصاف رکھنے والا) اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے)

فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٠٢﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ

تو اُسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگران ہے۔ (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ

يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾ قَدْ جَآءَكُمْ

نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔ (اے محمد ﷺ! ان سے کہہ دو کہ) تمہارے (پاس) اللہ کی

بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ

طرف سے (روشن) دلیلیں پہنچ چکی ہیں تو جس نے (ان کو آنکھ کھول کر) دیکھا اُس نے اپنا بھلا کیا اور جو اندھا بنا رہا

فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ

اُس نے اپنے حق میں بُرا کیا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ اور ہم اسی طرح اپنی آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں

وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

تاکہ کافر یہ نہ کہیں کہ تم (یہ باتیں اہلِ کتاب سے) سیکھے ہوئے ہو اور تاکہ سمجھنے والے لوگوں کیلئے تشریح کر دیں

اتَّبِعْ مَآ أُوْحِىَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ

اور جو حکم تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس آتا ہے اُسی کی پیروی کرو اُس (رب) کے سوا کوئی معبود نہیں

وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ أَشْرَكُوْا وَمَا

اور مشرکوں سے کنارہ کر لو۔ اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور (اے پیغمبر!)

جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

ہم نے تم کو اُن پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ تم اُن کے داروغہ ہو

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور جن لوگوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں اُن کو بُرا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بغیر سمجھے بُرا (نہ) کہہ

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ

بیٹھیں۔اس طرح ہم نے ہر ایک فرقے کے اعمال (اُن کی نظروں میں) اچھے کر دکھائے ہیں پھر ان کو اپنے رب کی طرف

مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَأَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ

لوٹ کر جانا ہے تب وہ اُن کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ اللہ کی پکی قسمیں کھاتے ہیں

أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ

کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں۔ کہہ دو کہ نشانیاں تو سب اللہ ہی کے پاس ہیں

وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾

اور تمہیں کیا معلوم ہے کہ ان کے پاس نشانیاں آ بھی جائیں تب بھی ایمان نہ لائیں[6]

وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ

اور ہم اُن کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں

---

[6] یہ زجر ہے۔وہ بڑی پکی قسمیں کھاتے ہیں، کہ اگر ان کو معجزہ دکھا جائے تو وہ مان لیں گے۔قل انما الایات عنداللہ الخ جواب ہے، آپ ﷺ فرمادیں معجزات تو اللہ کے اختیار میں ہیں، میرے اختیار میں نہیں ہیں۔انما الایات عندا للہ لا عندی فکیف اجیبکم الیھااو اتیکم بھا،او المعنی ھو القادرعلیھا،لاانا،حتی اتیکم بھا (روح)۔چونکہ تمام صحابہ کرام کی بھی آرزو تھی کہ مشرکین کا مطلوبہ معجزہ آجائے، تا کہ وہ ایمان لے آئیں، اس لئے یہاں "کم" ضمیر جمع سے خطاب میں ان کو بھی شامل فرمالیا، اور فرمایا کہ تمہیں یہ بات معلوم نہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر ان کو مطلوبہ معجزہ دے بھی دیا جائے تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔اس لئے معجزہ دکھانا حکمت کی خلاف ہے۔نیز ان کی بہتری اسی میں ہے کہ ان کو معجزہ نہ دکھایا جائے کیونکہ مطلوبہ معجزہ کے انکار کے بعد فوری عذاب آجاتا ہے اور مہلت نہیں ملتی۔قیل للمؤمنین تتمنون ذلک ومایدریکم انھم یومنون .حاصل الکلام ان القوم طلبوامن الرسول معجزات قویة، وحلفواانھالو ظھرت لاٰمنوا،فبین اللّٰہ تعالی انھم وان حلفوا علی ذلک الاانہ تعالی عالم بانھالو ظھرت لم یؤمنوا (کبیر)۔یہاں پر اشعار کے معنے فہم ہے اور ما استفہامیہ انکاریہ ہے اور بعد میں جو "لا" ہے یہ مقحم ہے استفہام میں جو انکار ہے اس کی تاکید کی لئے ذکر کی گئی ہے (یعنی زائد ہے) یا دوسری مفعول محذوف ہے عبارت اس طرح ہوگی ومایشعرکم مافی الواقع وفی علم اللہ انھا الخ . یا یہ کہ "انھا" خلیل اور کسائی کے نزدیک (لعلّ) کے معنی میں ہیں اور مفعول ثانی محذوف ہے، عبارت اس طرح ہوگی، ومایشعرکم حالھم لعلھااذاجأت الخ ۔بعض علماء کے نزدیک خطاب کافروں کو ہے اور کلام میں تقدیر ہے، یعنی ومایشعرکم انکم امنتم عندمجئ الایات، یہاں پر وقف ہے اور "انھا" سے کلام مستانفہ ہے۔"واؤ" تعلیلیہ ہے اور یہ " لایومنون " کی علت ہے اور، کمالم یؤمنوا،نقلب افئدتھم کی تعلیل ہے۔یعنی جب پہلی بار ان کے پاس آیتیں آئیں تو انہوں نے ضد وعناد کی وجہ سے ان کا انکار کردیا، تو اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر مہر ثبت کردی، اس لئے اب اگر وہ منہ مانگا معجزہ دیکھیں گے تو تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

گے) اور ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں ۔

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَیْهِمُ الْمَلَآئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى

اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مُردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے

وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا إِلَّا أَنْ یَشَآءَ اللّٰهُ

اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الا ماشاء اللہ

وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا

بات یہ ہے کہ یہ اکثر نادان ہیں ۔اوراسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنادیا تھا

شَیٰطِیْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط

وہ دھوکا دینے کیلئے ایک دوسرے کے دل میں مزین باتیں ڈالتے رہتے تھے

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ تو ان کو اور جو کچھ یہ جھوٹ باندھتے ہیں اسے چھوڑ دو ۔

وَلِتَصْغٰٓى إِلَیْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِیَرْضَوْهُ

اور (وہ ایسے کام) اس لئے بھی (کرتے تھے) کہ جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل ان کی باتوں پر مائل ہوں

وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ أَفَغَیْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِیْ حَكَمًا

اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں ۔ (کہو) کیا میں اللہ کے سوا اور منصف تلاش کروں

وَّهُوَ الَّذِیْٓ أَنْزَلَ إِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ط وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

حالانکہ اُس نے تمہاری طرف واضح المطالب کتاب بھیجی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے

يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۱۴﴾

وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے رب کی طرف سے برحق نازل ہوئی ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۱۵﴾

اور تمہارے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سنتا اور جانتا ہے

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ

اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم اُن کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ کا رستہ بھلا دیں گے

إِنْ يَّتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۱۶﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ

یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور محض اٹکل کے تیر چلاتے ہیں ۔ تمہارا رب اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے

مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيلِهٖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۷﴾

جولوگ ان کے راہ سے گمراہ ہوجاتے ہیں اوراللہ ہدایت والوں کوخوب جانتاہے

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيٰتِهٖ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾

تو جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اُس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اُسے کھا لیا کرو

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ

اور کیا سبب ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تم اُسے نہ کھاؤ حالانکہ جو چیزیں اُس نے تمہارے لئے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ

مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ

ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (بیشک اُن کو نہیں کھانا چاہیئے) مگر اس صورت میں کہ اُن کے (کھانے کے) لئے ناچار ہو جاؤ

وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ

اور بہت سے لوگ بغیر سمجھے اپنے نفس کی خواہشوں سے لوگوں کو بہکا رہے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ایسے لوگ

بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الَّذِيْنَ
جو (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے باہر نکل جاتے ہیں تمہارا رب خوب جانتا ہے اور ظاہری اور پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ ترک کردو

يَكْسِبُوْنَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾
جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کئے کی سزا پائیں گے

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اُسے مت کھاؤ کہ اُس کا کھانا گناہ ہے اور شیطان (لوگ)

لَيُوْحُوْنَ إِلٰى أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ إِنَّكُمْ
اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم لوگ اُن کے کہے پر چلے تو بیشک تم بھی

لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي
مشرک ہوجاؤ گئے۔ بھلا جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیا اور اُس کیلئے روشنی کردی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے

النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ
کہیں اُس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو اور اُس سے نکل ہی نہ سکے۔ اسی طرح

زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ
کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ انہیں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں

أَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا وَمَا يَمْكُرُوْنَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا
بڑے بڑے مجرم پیدا کئے کہ اُن میں مکاریاں کرتے رہیں اور جو مکاریاں یہ کرتے ہیں اُن کا نقصان انہیں کو ہے اور (وہ

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَإِذَا جَآءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوْا
اس سے) بے خبر ہیں۔ اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ جس طرح کی

لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ

رسالت اللہ کے پیغمبروں کو ملی ہے جب تک اُسی طرح کی رسالت ہمیں نہ ملے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا

اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا کون سا محل ہے اور) وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔ جو لوگ جرم کرتے ہیں

صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ

اُن کو اللہ کے ہاں ذلت اور عذابِ شدید ہوگا اس لئے کہ مکاریاں کرتے تھے۔ تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے

اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا

کہ ہدایت بخشے اُس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ

حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ

اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح اللہ اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے، عذاب

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا قَدْ فَصَّلْنَا

بھیجتا ہے۔ اور یہی تمہارے رب کا سیدھا رستہ ہے۔ جو لوگ غور کرنے والے ہیں ان کیلئے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ

بیان کر دی ہیں۔ ان کیلئے ان کے اعمال کے صلے میں رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا دوست ہے

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ

اور جس دن وہ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہِ جنات! تم نے انسانوں سے بہت

اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا

(فائدے) حاصل کئے تو جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدے

بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِیْ أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوٰکُمْ

اٹھاتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا اللہ فرمائے گا کہ (اب) تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے

خَالِدِیْنَ فِیْهَا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ إِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَکَذٰلِکَ

ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔ بیشک تمہارا رب دانا اور خبردار ہے ۔اور اسی طرح

نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ

ہم ظالموں کو اُن کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں ۔ اے جنوں

وَالْاِنْسِ أَلَمْ یَأْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ آیٰتِیْ

اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے جو میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے

وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓی أَنْفُسِنَا

اور اس دن کے سامنے آموجود ہونے سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ (پروردگار!) ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے

وَغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓی أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ کَانُوْا کَافِرِیْنَ ﴿۱۳۰﴾

ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور (اب) خود اپنے اوپر گواہی دی کہ کفر کرتے تھے

ذٰلِکَ أَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُهْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ

(اے محمد ﷺ!) یہ (جو پیغمبر آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں تو) اس لئے کہ تمہارا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے

وَّأَهْلُهَا غَافِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ

ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والوں کو (کچھ بھی) خبر نہ ہو۔ اور سب لوگوں کے بلحاظ اعمال درجے (مقرر) ہیں

عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّکَ الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَةِ إِنْ یَّشَأْ

اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ اُن سے بے خبر نہیں ہے ۔اور تمہارا رب غنی (اور) رحمت والا ہے اگر چاہے

يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ

تو (اے بندو!) تمہیں نابود کر دے اور تمہارے بعد جن لوگوں کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے جیسا تم کو بھی دوسرے لوگوں کی

آخَرِينَ ﴿١٣٣﴾ إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَاٰتٍ وَّمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿١٣٤﴾

نسل سے پیدا کیا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ (وقوع میں) آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) مغلوب نہیں کر سکتے

قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ

کہہ دو کہ لوگو! تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) عمل کئے جاتا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا

مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُونَ ﴿١٣٥﴾

کہ آخرت میں (جنت) کس کا گھر ہو گا۔ کچھ شک نہیں کہ مشرک نجات نہیں پائیں گے

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا

اور (یہ لوگ) اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیالِ

هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ

(باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) تو اللہ کا اور یہ ہمارے شریکوں (یعنی بتوں) کا۔ تو جو حصہ اُن کے شریکوں کا ہوتا ہے

فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ط سَآءَ مَا

وہ تو اللہ کی طرف نہیں جا سکتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ اُن کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے۔ یہ کیسا بُرا

يَحْكُمُونَ ﴿١٣٦﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ

انصاف ہے ۔[٧] اسی طرح بہت سے مشرکوں کو اُن کے شریکوں نے اُن کے بچوں کو جان سے مار ڈالنا

---

[٧] ان چار آیاتوں میں ان کے رسوم باطلہ کا ذکر ہے، پہلی آیت میں غیر اللہ کی نذر و نیاز کا دوسری بار ذکر ہے

پہلے قد فصل الخ میں اجمالا ذکر کیا یہاں قدرے تفصیل سے ذکر فرمایا، یعنی مشرکین نہ صرف چوپایوں ہی سے غیراللہ کا حصہ نکالتے ہیں بلکہ وہ غلوں اور پھلوں سے بھی غیراللہ کی نذر و نیاز مقرر کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف وہی جانور حرام نہیں جسے غیراللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے بلکہ وہ بھی حرام ہے جو زندہ غیراللہ کی نذر و نیاز کے طور پر دیدیا جائے۔ مشرکین زمین کی پیداوار سے اور جانوروں سے اپنے معبودوں کی نذر و نیاز کے حصے معین کر دیتے تھے۔

اور دوسری آیت میں ان لوگوں کے معبودان باطلہ کی نذر و نیاز کے حصوں کو اللہ تعالی کی نذر کے مصارف میں خرچ نہ کرنے کی ذکر ہے، لیکن اللہ تعالی کی نذروں کو اپنے معبودوں کی نذروں کے مصارف میں خرچ کر دیتے تھے۔ آگے غیراللہ کی نذر و نیاز کی ایک تیسری شق کا بیان ہے: جس طرح مشرکین پھلوں، غلوں اور چوپایوں سے غیراللہ کا حصہ نکالتے تھے، اسی طرح وہ اپنی اولاد میں سے بھی بعض کو اپنے معبودوں کی نذر کے طور پر ذبح کرتے تھے: وقیل انهم كانوا ینذر احدهم اذا بلغ بنوه عشرة نحر واحد منهم (روح)۔ پھر آیت نمبر: ۱۳۸، میں تحریمات غیراللہ کا دوسری بار ذکر ہے یہاں باقی ماندہ صورتوں میں سے چار کا ذکر ہے۔

(۱) هذه انعام و حرث حجر الخ کچھ چوپایوں اور کھیتوں کو وہ اپنے معبودوں کے لئے مقرر کر دیتے تھے اور کہتے تھے انہیں کوئی نہیں کھا سکتا۔

(۲) وانعام حرمت ظهورها بعض نامزد چوپایوں پر سواری کرنے اور بوجھ لادنے کو حرام سمجھتے تھے۔

(۳) وانعام لایذکرون اسم الله علیها۔ جن چوپایوں کو وہ غیراللہ کے لئے نامزد کرتے تھے ذبح کے وقت ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔

(۴) وقالوا ما فی بطون هذه الانعام خالصة لذکورنا .الخ، بحائر و سوائب کے بارے میں وہ یہ فیصلہ کر دیتے تھے کہ ان کے پیٹ کا بچہ اگر زندہ پیدا ہو تو مردوں کے لئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام ہوگا، اور اگر مردہ پیدا ہو تو دونوں جنسوں کے لئے حلال ہوگا۔ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ان معبودوں کے لئے تحریمیں کرنے سے اللہ تعالی خوش ہوتا ہے کہ ہم نے اس کی برگزیدہ بندوں کی تعظیم کی ہے، اللہ تعالی نے مشرکین کے اس فعل کو اپنی ذات مقدسہ پر افتراء قرار دیا، اور اس افتراء پر ان کو تخویف اخروی سنائی۔

شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوهُ

اچھا کر دکھایا ہے تا کہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور اُن کے دین کو اُن پر خلط ملط کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوا هٰذِهٖ أَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَا

تو ان کو چھوڑ دو کہ وہ جانیں اور اُن کا جھوٹ ۔ اور اپنے خیال سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتی منع ہے اسے

إِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا

اُس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے اور (بعض) چوپائے ایسے ہیں کہ انکی پیٹھ پر چڑھنا منع کر دیا گیا ہے

وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا

اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے۔ سب اللہ پر جھوٹ ہے اور وہ عنقریب ان کو ان

يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا

کے جھوٹ کا بدلہ دے گا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچہ ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کیلئے ہے

وَمُحَرَّمٌ عَلٰى أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَآءُ

اور ہماری عورتوں کو (اس کا کھانا) حرام ہے اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو سب اس میں شریک ہیں

سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ

عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا بیشک وہ حکمت والا خبردار ہے ۔ جن لوگوں نے

قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ

اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بے سمجھی سے قتل کیا اور اللہ پر افتراء کر کے اُس کی عطا فرمائی ہوئی روزی کو حرام ٹھہرایا

افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۴۰﴾

وہ گھاٹے میں پڑ گئے بلا شبہ وہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں

وَهُوَ الَّذِىٓ أَنْشَأَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوشٰتٍ

اور اللہ ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کیئے، چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی

وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو (بعض صفاتوں میں) ایک دوسرے سے ملتے

وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖٓ إِذَآ أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ

جلتے ہیں اور (بعض صفاتوں میں) نہیں ملتے جب یہ چیزیں پھلیں تو اُن کے پھل کھاؤ اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو

يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوٓا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۴۱﴾

تو اللہ کا حق بھی اُس میں سے ادا کرو اور بے جا نہ اڑانا کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَّفَرْشًا كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ

اور چوپایوں میں بوجھ اٹھانے والے (یعنی بڑے بڑے) بھی پیدا کئے اور زمین سے لگے ہوئے بھی (پس) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ

اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے ۔یہ آٹھ قسم کے (ہیں)

مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ

دو (دو) بھیڑوں میں سے اور دو (دو) بکریوں میں سے (یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ اے پیغمبر! ان سے) پوچھو

ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ

کہ (اللہ نے) دونوں (کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں (کی) مادوں کو یا جو بچہ مادنیوں کے پیٹ میں لپٹ رہا ہوا ہے؟

نَبِّئُونِى بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ

اگر سچے ہو تو مجھے سند سے بتاؤ ۔اور دو (دو) اونٹوں میں سے اور دو (دو) گایوں میں سے (ان کے بارے میں بھی)

قُلْ ءَآلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ

ان سے پوچھو کہ (اللہ نے) دونوں (کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں (کی) مادینیوں کو یا جو بچہ مادینیوں کے پیٹ میں لپٹ رہا ہو اس کو؟[۸]

---

[۸] "حمولة وفرشا" دونوں "جنّٰت" پر معطوف ہیں۔ یہ تحریمات غیراللہ کا چوتھی بار تفصیل سے ذکر ہے "حمولة" سے وہ چوپائے مراد ہیں جو بوجھ اٹھاتے ہیں اور "فرش" سے وہ مراد ہیں جنہیں ذبح کے لئے زمین پر گرایا جاتا ہے، یا جن کے بالوں سے بنے ہوئے فرش زمین پر بچھائے جاتے ہیں۔

"کلوا مما رزقکم الله" یعنی ان میں سے جو حلال ہیں انہیں کھاؤ، اور زمانہ جاہلیت کی تحریمات کو اٹھاؤ، اور اللہ کا شکر بجالاؤ، اور شیطان کی پیروی میں اللہ کی حلال چیزوں کو حرام نہ کرو۔ ای مما احله الله لکم ولاتحرموا کفعل الجاهلية ،وهذانص فى الاباحة وازالة ماسنّه الكفارمن البحيرة والسائبة (بحرمحيط).

"ثمانية ازواج" یہ حمولة وفرشا سے بدل ہے یہاں حلال چوپائیوں کی آٹھ جوڑوں میں تقسیم فرمائی "اثنین" (دو) سے ہر جگہ نر و مادہ مراد ہے "ضأن" سے اس نے نر و مادہ پیدا کیا یعنی دنبہ اور دنبی، مینڈا اور بھیڑ بھی، یہاں اسی میں داخل ہے۔ اور ایک جوڑا معز کا پیدا فرمایا یعنی بکرا اور بکری۔

"قل ءآلذکرین حرم ام الانثیین" الخ. استفہام انکاری اور توبیخ کے لئے ہے (بحر) اور اس میں مشرکین سے اس خود ساختہ تحریم پر دلیل عقلی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ نے یہ دونوں جوڑے تمہارے انتفاع کے لئے پیدا فرمائے ہیں اب تم بتاؤ کہ تم نے ان کے نر و مادہ اور مادہ کے پیٹ کے بچے کے بارے میں اپنی طرف سے حلت و حرمت کے جو احکام وضع کر رکھے ہیں، یہ تم نے کہاں سے اخذ کئے ہیں۔ ان کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ کیا اللہ نے ان جوڑوں کے نر کو حرام کیا ہے؟ یا ماداؤں کو یا ان بچوں کو جو ابھی مادہ جانوروں کے رحموں ہی میں ہیں۔

اگر کسی جانور کا نر ہونا اس کی حرمت کی علت ہے تو ہر نر جانور حرام ہونا چاہئے۔ اور اگر اس کا مادہ ہونا حرمت کی علت ہے تو اس صورت میں تمام مادہ جانور حرام ہونے چاہئیں، اور اگر بچے کا مادہ کے رحم میں ہونا اس کی حرمت کا سبب ہے تو ہر چوپایہ (نر و مادہ) حرام ہونا چاہئے تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کی بلاوجہ تحریم محض تسویل شیطان اور تلبیس ابلیس ہے، فلوعلل بالذكورة وجب ان يحرم الذكر، اوبالانوثة فكذٰلك، اوباشتمال الرحم وجب ان يحرما لاشتمالهاعليهما (بحر).

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ

بھلا جس وقت اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا تم اُس وقت موجود تھے؟ تو اُس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ لَّآ أَجِدُ فِيْ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهُ

کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں اُن میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا

إِلَّآ أَنْ يَكُوْنَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا

بجز اسکے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا لہو یا سؤر کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو

أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ

کہ اُس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو اور اگر کوئی مجبور ہو جائے لیکن نہ تو نافرمانی کرے اور نہ حد سے باہر نکل جائے

فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ

تو تمہارا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَا

اور گایوں اور بکریوں سے ان کی چربی حرام کر دی تھی سوا اس کے جو اُن کی پیٹھ پر لگی ہو

أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ

یا اوجھڑی میں ہو یا ہڈی میں ملی ہو۔ یہ سزا ہم نے ان کو ان کی شرارت کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں

﴿۱۴۶﴾ فَإِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ج وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ

اور اگر یہ لوگ تمہاری تکذیب کریں تو کہہ دو کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے مگر اس کا عذاب

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ
گنہگار لوگوں سے نہیں ٹلے گا ۔ جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا

مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ
تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک) کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے ۔ اسی طرح ان لوگوں نے

مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ
تکذیب کی تھی جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ چکھ کر رہے ۔ کہہ دو کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے

فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ
(اگر ہے) تو اُسے ہمارے سامنے نکالو ۔ تم محض خیال کے پیچھے چلتے اور اٹکل کے تیر چلاتے ہو ۔ کہہ دو کہ اللہ ہی کی

الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ
حجت غالب ہے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیدیتا ۔ کہو کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو

الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا فَإِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ
بتائیں کہ اللہ نے یہ چیزیں حرام کی ہیں پھر اگر وہ (آ کر) گواہی دیں تو تم اُن کیساتھ گواہی نہ دینا

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ
اور نہ اُن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرنا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے

وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ
اور (بتوں کو) اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں ۔ کہہ دو کہ (لوگو!) آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں

أَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ط
(اُن کی نسبت اُس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ)

وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ

سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تمہیں اور انہیں ہم ہی رزق دیتے ہیں

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي

اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اُن کے پاس نہ جانا اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے

حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کا وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو [۹]

---

[۹] یہ تحریمات الٰہیہ کا ذکر ہے سورۂ مائدہ میں تحریمات الٰہیہ کی صرف ایک صورت مذکور تھی یعنی ’’غیر محلی الصید وانتم حرم‘‘ اور باقی ماندہ صورتیں سورۂ انعام کی اس آیت میں ذکر کی گئی ہیں، اس سورۂ میں مسئلہ نذر غیر اللہ کا ذکر نہیں کیا گیا الاتشرکوا، ای امرکم۔ یا ’’لا‘‘ زاید ہے، یا حرام، بمعنی وجب ہے، تو اب اشکال رفع ہوا۔

محرمات الٰہیہ میں سب سے پہلے شرک کو ذکر کیا گیا اور پھر قتل سے روکا گیا درمیان میں والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا گیا، اس سے مقصود یہ ہے کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، اگر ماں باپ بھی شرک کرنے پر مجبور کرے تو اس معاملہ میں ان کی اطاعت بھی جائز نہیں، جیسا کہ سورۂ عنکبوت:۸، میں فرمایا، وان جاهداک لتشرک بی مالیس لک به علم فلاتطعهما۔ مذکورہ محرمات کے علاوہ حسب ذیل امور کو بھی اللہ تعالی نے حرام فرمایا ہے، فواحش ظاہرہ وباطنہ یعنی بے حیائی کی تمام صورتیں خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ، قتل نفس ناحق، مال یتیم کا ناجائز طریقے سے کھانا، ناپ تول میں کمی بیشی کر کے، کسی کی حق تلفی کرنا، جھوٹی شہادت دینا، اور فیصلے میں بے انصافی کرنا، وغیرہ یہ تمام محرمات الٰهیہ ہیں، یعنی ان امور کو اللہ تعالی نے حرام کیا ہے لہٰذا ان کی تحریم کو باقی رکھو اور ان کو حلال مت سمجھو۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ: قال من اراد ان یقرأ صحیفة رسول اللہ ﷺ التی علیها خاتمه. فلیقرأ هؤلاء الآیات: الی قوله لعلکم تتقون. ترمذی کتاب التفسیر: ۸/۴۴۶۔ یعنی جو نبی ﷺ کی اخری وصیت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ مندرجہ بالا آیتوں کو پڑھیں۔ اور حاکم نے مستدرک: ۳۱۸/۲، میں عبادة=

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا

اور ناپ اور تول انصاف کیساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب

قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا

(کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہواور اللہ کے عہد کو پورا کرو

ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا

ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ۔ اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے

فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ

تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ (اُن پر چل کر) اللہ کے رستے سے ہٹ جاؤ گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں

وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا

حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ (ہاں) پھر (سن لو کہ) ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی

=بن الصامتؓ سے نقل کیا ہے کہ: قال رسول اللہ ﷺ ایکم یبایعنی علی ثلاث؟ ثم تلی رسول اللہ ﷺ، قل تعالوا اتلُ ماحرم ربکم علیکم، حتی فرغ من الآیات. فمن وفی فاجرہ علی اللہ ومن انتقص منھن شیئا فادرکہ اللہ بہ فی الدنیا کانت عقوبتہ، ومن اخر الیٰ الآخرۃ فامرہ الی اللہ، ان شاء عذبہ وان شاء عفی عنہ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون مجھ سے تین باتوں کا وعدہ کرے گا؟ پھر آپ ﷺ نے یہ آیتیں اخر تک پڑھیں، جو ان باتوں کی قرار واقعی تعمیل کرے گا۔ اس کا اجر اللہ تعالی پر ثابت ہے۔ اور جو تعمیل میں کوتاہی کرے گا تو ممکن ہے اللہ تعالی دنیا ہی میں اس کو سزا دے۔ اور اگر سزا کو آخرت تک اٹھا رکھے تو اس وقت اس کی مرضی، چاہے عذاب دے، چاہے معاف کر دے۔

عَلَى الَّذِىْ أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ

تاکہ اُن لوگوں پر جو نیکوکار ہیں نعمت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تاکہ

بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ

(ان کی اُمت کے) لوگ اپنے رب کے روبرو حاضر ہونے کا یقین کریں ۔ اور یہ کتاب بھی ہم نے

أَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

ہی اتاری ہے، برکت والی۔ تو اس کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرو تاکہ تم پر مہربانی کی جائے

أَنْ تَقُوْلُوْا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا

(اور اس لئے اتاری ہے) کہ (تم یوں نہ) کہو کہ ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر کتابیں اتری تھیں اور ہم اُن کے

عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ أَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ أَنَّا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّا

پڑھنے سے (معذور اور) بے خبر تھے ۔ یا (یہ نہ) کہو اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم اُن لوگوں کی نسبت کہیں

أَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

زیادہ سیدھے رستے پر ہوتے۔ سو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آ گئی ہے

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرے اور اُن سے (لوگوں کو) پھیرے۔ جو لوگ ہماری آیتوں

وَصَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا

سے پھرتے ہیں اس پھیرنے کے سبب ہم اُن کو بُرے عذاب کی سزا دیں گے ۔

كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّآ أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِىَ

یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود تمہارا رب آئے یا تمہارے رب کی کچھ نشانیاں

رَبُّکَ أَوْ یَأْتِیَ بَعْضُ آیٰتِ رَبِّکَ یَوْمَ یَأْتِیْ بَعْضُ آیٰتِ رَبِّکَ

آئیں۔(مگر) جس روز تمہارے رب کی کچھ نشانیاں آ جائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اسے ایمان لانا

لَا یَنْفَعُ نَفْسًا إِیْمَانُهَا لَمْ تَکُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ کَسَبَتْ فِیْ إِیْمَانِهَا

کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کئے ہوں گے

خَیْرًا قُلِ انْتَظِرُوْا إِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ إِنَّ الَّذِیْنَ

(تو گناہوں سے توبہ کرنا مفید نہ ہوگا اے پیغمبران سے) کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔جن لوگوں نے

فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَی اللّٰهِ

اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہو گئے ان سے تمہیں کچھ کام نہیں۔ان کا کام اللہ کے حوالے

ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا

پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ اُن کو (سب) بتائے گا۔جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اُس کو ویسی دس نیکیاں

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰٓی إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ملیں گی اور جو بُرائی لائے گا اُسے سزا ویسی ہی ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا

قُلْ إِنَّنِیْ هَدٰنِیْ رَبِّیْ إِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِیْمَ

کہہ دو کہ مجھے میرے رب نے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے مذہب ابراہیم (علیہ السلام) کا

حَنِیْفًا ۚ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ إِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ

جو ایک (اللہ) ہی کی طرف کے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔(یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت

وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْکَ لَهُ وَبِذٰلِکَ

اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے۔جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا

أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ

حکم ملا ہے اور میں سب سے اوّل فرمانبردار ہوں ۔ کہو کہ کیا میں اللہ کے سوا اور رب تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا

شَيْءٍ وَّلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَّازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى

مالک ہے اور جو کوئی (بُرا) کام کرتا ہے تو اُس کا نقصان اُسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ

پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا ۔

الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلَآئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ

اور وہی تو ہے جس نے زمین میں کو خلیفہ بنایا اور ایک دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ تمھیں آزمائے

لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا آتٰكُمْ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں بیشک تیرا رب جلدی عذاب دینے والا ہے اور بیشک البتہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁❁

❁❁❁

❁

سورۃ الاعراف (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓمٓصٓ ﴿۱﴾ کِتَابٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡہُ

الٓمٓصٓ. یہ کتاب تیری طرف بھیجی گئی ہے تاکہ تو اس کے ذریعہ سے ڈرائے اور اس سے تیرے دل میں تنگی نہ ہونا چاہئے

لِتُنۡذِرَ بِہٖ وَذِکۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ

اور یہ ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے۔ جو چیز تمھاری رب کی طرف سے تم پر اتاری ہے اس کی پیروی کرو

وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۳﴾

اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی پیروی نہ کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو

وَکَمۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا فَجَآءَہَا بَاۡسُنَا بَیَاتًا اَوۡ ہُمۡ قَآئِلُوۡنَ ﴿۴﴾

اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے تباہ کر ڈالیں جن پر ہمارا عذاب آتا تھا جب کہ وہ سوتے تھے یا جب وہ دوپہر کو آرام کرتے تھے

فَمَا کَانَ دَعۡوٰىہُمۡ اِذۡ جَآءَہُمۡ بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۵﴾

تو جس وقت ان پر عذاب آتا تھا اُن کے منہ سے یہی نکلتا تھا کہ (ہائے) ہم (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے

فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡہِمۡ وَلَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۶﴾

تو جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم اُن سے بھی پرسش کریں گے اور پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیۡہِمۡ بِعِلۡمٍ وَّمَا کُنَّا غَآئِبِیۡنَ ﴿۷﴾ وَالۡوَزۡنُ یَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ

پھر اپنے علم سے اُن کے حالات بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب تو نہیں ہیں۔ اور اس روز (اعمال کا) تولنا برحق ہے

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾

توجن لوگوں کے (اعمال کے) وزن بھاری ہوں گے وہ تو نجات پانے والے ہیں

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ فَأُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوٓا أَنْفُسَهُمْ بِمَا

اور جن لوگوں کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اس لئے

كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ

کہ ہماری آیتوں کے بارے میں بے انصافی کرتے تھے ۔اور ہم ہی نے زمین میں تمہارا ٹھکانہ بنایا

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿١٠﴾

اور اس میں تمہارے لئے سامانِ معیشت پیدا کئے (مگر) تم کم ہی شکر کرتے ہو

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَآئِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ

اور ہم ہی نے تمہیں (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری صورت شکل بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو

فَسَجَدُوْا إِلَّا إِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ ﴿١١﴾ قَالَ

تو (سب نے) سجدہ کیا لیکن ابلیس کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا ۔ (اللہ نے) فرمایا

مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ

کہ جب میں نے تمہیں حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اُس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ

مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے ۔فرمایا کہ تو (جنت سے) اتر جا تجھے شایاں نہیں

أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِيْنَ ﴿١٣﴾ قَالَ أَنْظِرْنِيْ إِلٰى يَوْمِ

کہ یہاں غرور کرے۔ پس نکل جا تو ذلیل ہے ۔ اُس نے کہا کہ مجھے اُس دن تک مہلت عطا فرما جس دن

يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾
لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے ۔ فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِيْ لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾
کہا جیسا تو نے مجھ کو گمراہ کیا میں ضروران کے تاک میں تیری سیدھی راہ میں بیٹھوں گا۔

ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ
پھران کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اوران کی راہ ماروں گا)

وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا
اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا ۔ (اللہ نے) فرمایا کہ نکل جا یہاں سے پاجی مردود

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾
جو لوگ ان میں سے تیری پیروی کریں گے میں (اُن کو اور تجھے جہنم میں ڈال کر) تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا

وَيٰٓآدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا
اور (ہم نے) آدم (سے کہا کہ) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو نوش جان کرو

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا
مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گنہگار ہو جاؤ گے ۔ تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ

الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ
اُن کے ستر کی چیزیں جو اُن سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تمھیں تمہارے رب نے

مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾
اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو

وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِينَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُورٍ

اور اُن سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مردود نے) دھوکا دے کر اُن کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ

جب اُنہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو اُن کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ جنت کے (درختوں کے) پتے

عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا

(توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چپکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔ تب اُن کے رب نے اُن کو پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت

عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۲۲﴾

کے (پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ عرض کرنے لگے کہ پروردگار

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِينَ

ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے

﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ

(اللہ نے) فرمایا کہ (تم سب جنت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے ایک وقت

وَّمَتَاعٌ إِلٰى حِينٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا

(خاص) تک زمین پر ٹھکانہ اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔ (یعنی) فرمایا کہ اسی میں تمہارا جینا ہو گا

تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيٓ اٰدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا

اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری

يُّوَارِي سَوْاٰتِكُمْ وَرِيشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ

کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور (جو) پرہیز گاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے

ذٰلِکَ مِنۡ آیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ ﴿۲۶﴾ یٰبَنِیۡۤ آدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ

یہ اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں ۔ اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے

الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ أَخۡرَجَ أَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ یَنۡزِعُ عَنۡھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا

جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) جنت سے نکلوا دیا اور اُن سے اُن کے کپڑے اتروا دیئے تاکہ اُن کے ستر اُن کو

سَوۡاٰتِھِمَا إِنَّہٗ یَرٰکُمۡ ھُوَ وَقَبِیۡلُہٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَھُمۡ

کھول کر دکھا دے وہ اور اُس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھ سکتے

إِنَّا جَعَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ أَوۡلِیَآءَ لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۷﴾ وَإِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً

۔ ہم نے شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے ۔ اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں

قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلَیۡھَاۤ آبَآءَنَا وَاللّٰہُ أَمَرَنَا بِھَا قُلۡ إِنَّ اللّٰہَ لَا یَأۡمُرُ

تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ کہہ دو کہ اللہ

بِالۡفَحۡشَآءِ أَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸﴾ قُلۡ

بے حیائی کے کام کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیتا بھلا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ۔ کہہ دو

أَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ وَأَقِیۡمُوۡا وُجُوۡھَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ

کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلے کی طرف) رخ کیا کرو

وَّادۡعُوۡہُ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ کَمَا بَدَاَکُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ ﴿۲۹﴾

اور خاص اسی کی عبادت کرو اور اُسی کو پکارو اُس نے جس طرح تمہیں ابتداء میں پیدا کیا تھا اُسی طرح تم پھر پیدا ہوں گے

فَرِیۡقًا ھَدٰی وَفَرِیۡقًا حَقَّ عَلَیۡھِمُ الضَّلٰلَۃُ إِنَّھُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیۡنَ أَوۡلِیَآءَ

ایک فریق کو تو اُس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی ۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنا لیا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ

اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہدایت یافتہ ہیں ۔ اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو سنوارو

عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا

﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

پوچھو تو کہ جو زینت (و آرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ

اُن کو حرام کس نے کیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کیلئے ہیں اور قیامت کے دن خاص

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ

انہی کا حصہ ہوں گی ۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں سمجھنے والوں کیلئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے ۔ کہہ دو کہ میرے رب نے

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ

تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم

تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا

کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اُس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً

کچھ علم نہیں ۔ اور ہر ایک فرقے کیلئے ایک وقت مقرر ہے ۔ جب وہ وقت آ جاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے

وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ

ہیں نہ جلدی ۔ اے بنی آدم! جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آیا کریں

مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ آيٰتِىْ فَمَنِ اتَّقٰى

اور ہماری آیتیں تمہیں سنایا کریں (تو ان پر ایمان لایا کرو کہ) جو شخص (ان پر ایمان لا کر اللہ سے) ڈرتا رہے گا

وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾

اور اپنی حالت درست رکھے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا أُوْلٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ

اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی وہی دوزخی ہیں کہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے ۔تو اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے

أَوْ كَذَّبَ بِآيٰتِهٖ أُوْلٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰى إِذَا جَآءَ

یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے ان کو ان کے نصیب کا لکھا ملتا ہی رہے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس

تْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا

ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) جان نکالنے آئیں گے تو کہیں گے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے وہ (اب) کہاں ہیں؟

ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾

وہ کہیں گے کہ وہ ہم سے (کہاں) غائب ہو گئے اور اقرار کریں گے کہ بیشک وہ کافر تھے

قَالَ ادْخُلُوْا فِىْ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِى النَّارِ

تو اللہ فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں کی جو جماعتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں انہی کیساتھ تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا حَتّٰى إِذَا

جب ایک جماعت (وہاں) داخل ہو گی تو اپنی (مذہبی) بہن پر لعنت کرے گی یہاں تک

ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرٰهُمْ لِأُولٰهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ أَضَلُّونَا

کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی کی نسبت کہے گی کہ اے اللہ! انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا

فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

تھا تو ان کو جہنم کا دگنا عذاب دے اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا (عذاب دیا جائے گا) مگر تم نہیں جانتے

وَقَالَتْ أُولٰهُمْ لِأُخْرٰهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ

اور پہلی جماعت پچھلی سے کہے گی کہ تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت نہیں تو جو (عمل)

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

تم کیا کرتے تھے اُن کے بدلے میں عذاب کے مزے چکھو۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

اور اُن سے سرتابی کی اُن کیلئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے

حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ نکل جائے اور گنہگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ

ایسے لوگوں کیلئے بچھونا بھی جہنم کا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی (اُسی کا) اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں

﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے

أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

ایسے ہی لوگ اہلِ جنت ہیں (کہ) اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ

اور جو کینے اُن کے دلوں میں ہوں گے ہم سب نکال ڈالیں گے، اُن کے (محلوں کے) نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا

اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں کا رستہ دکھایا اور اگر اللہ ہم کو رستہ نہ دکھاتا تو ہم رستہ نہ پا سکتے

اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا

بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔ اور (اس روز) اواز کر دی جائے گی

أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَنَادٰى أَصْحٰبُ

کہ تم اُن اعمال کے صلے میں جو (دنیا میں) کرتے تھے اس جنت کے وارث بنا دیئے گئے ہو۔ اور اہلِ جنت دوزخیوں سے

الْجَنَّةِ أَصْحٰبَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا

پکار کر کہیں گے کہ جو وعدہ ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا ہم نے تو اُسے سچا پایا، بھلا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا

فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ

کیا تم نے بھی اُسے سچا پایا؟ وہ کہیں گے ہاں۔ تو (اُس وقت) اُن میں ایک پکارنے والا پکار دے گا

أَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کہ بے انصافوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ وہی لوگ جو اللہ کی راہ سے روکتے

وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ

اور اس میں کجی ڈھونڈتے اور آخرت سے انکار کرتے ہیں ۔ ان دونوں یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ

(اعراف نام کی) ایک دیوار ہو گی اور اعراف پر کچھ آدمی ہوں گے جو سب کو ان کی صورتوں سے پہچان لیں گے

وَنَادَوْا أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ

تو وہ اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو یہ لوگ (ابھی) جنت میں داخل تو نہیں ہوئے ہوں گے مگر امید رکھتے ہوں گے

﴿۴۶﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ أَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا

اور جب اُن کی نگاہیں پلٹ کر اہلِ دوزخ کی طرف جائیں گی تو عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب

لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰى أَصْحٰبُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا

ہمیں ظالم لوگوں کیساتھ شامل نہ کرنا اور اہلِ اعراف (کافر) لوگوں کو جنہیں اُن کی صورتوں سے شناخت کرتے ہوں گے پکاریں گے

يَّعْرِفُونَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوا مَا أَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ

اور کہیں گے (کہ آج) نہ تو تمہاری جماعت ہی تمہارے کچھ کام آئی اور نہ تمہارا

تَسْتَكْبِرُونَ ﴿۴۸﴾ أَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ

تکبر (ہی سودمند ہوا)۔ (پھر مومنوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے) کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں

لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ

کھایا کرتے تھے کہ اللہ اپنی رحمت سے ان کی دستگیری نہیں کرے گا (تو مومنو!) تم جنت میں داخل ہو جاؤ تمہیں کچھ خوف

وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰى أَصْحٰبُ النَّارِ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ

نہیں اور نہ تمہیں کچھ رنج و غم ہوگا ۔ اور دوزخی جنتیوں سے کہیں گے کہ

أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالُوا

کسی قدر ہم پر پانی بہاؤ یا جو رزق اللہ نے تمہیں عنایت فرمایا ہے اس میں سے (کچھ ہمیں بھی دو) وہ جواب دیں گے کہ

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿۵۰﴾

اللہ نے جنت کا پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

جنہوں نے اپنے دین کو تماشہ اور کھیل بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا

فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِآيٰتِنَا

تو جس طرح یہ لوگ اُس دن کے آنے کو بھولے ہوئے اور ہماری آیتوں سے منکر ہو رہے تھے اسی طرح آج ہم بھی انہیں

يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً

بھلا دیں گے ۔ اور ہم نے ان کے پاس کتاب پہنچا دی ہے جس کو علم و دانش کیساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ

(اور) وہ مومن لوگوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے ۔ کیا یہ لوگ اس کے وعدۂ عذاب کے منتظر ہیں؟ جس دن وہ وعدہ آ جائے گا

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

تو جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے ہوں گے وہ بول اٹھیں گے کہ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق لے کر آئے تھے

فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا اَوْ نُرَدُّ

بھلا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں کہ ہماری سفارش کریں یا ہم (دنیا میں) پھر لوٹا دیئے جائیں

فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ

کہ جو عملِ (بد) ہم (پہلے) کرتے تھے (وہ نہ کریں بلکہ) ان کے سوا اور (نیک) عمل کریں ۔ بیشک ان لوگوں نے اپنا نقصان کیا

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ

اور جو کچھ یہ افتراء کرتے تھے ان سے سب جاتا رہا ۔ کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِىْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا [۱]

مسئله استوی علی العرش

[۱]مسئلہ استوی علی العرش کا تعلق توحیداسماءوصفات سے ہے،اورتوحیداسماءوصفات توحید کی تین اقسام میں سے ایک مستقل قسم ہے:(۱)(توحیدربوبیت(۲)۔توحیدالوہیت(۳)۔توحیداسماء وصفات)۔ابن ابی العزشرح عقیدۃ الطحاویہ:۱/۲۴،میں فرماتا ہے کہ:**فان التوحیدیتضمن ثلاثة انواع،احدها، الکلام فی الصفات ،و الثانی توحیدالربوبیة،و الثالث:توحیدالالوهیة۔**

توحیداسماءوصفات کا دین میں مقام ومرتبہ بہت اونچا ہے،اوراس کی اہمیت نہایت عظیم ہے،انسان کے لئے اس وقت تک مکمل طریقے سے اللہ تعالی کی عبادت ممکن نہیں ہے جب تک اسے اللہ تعالی کے اسماءوصفات کا علم نہ ہو،اوراس کے متعلق ایک ضروری عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کے اسماء اعلام واوصاف ہیں،یعنی اللہ تعالی کے تمام نام علم ہیں،اس لحاظ سے کہ وہ اس کی ذات پردلالت کرتے ہیں،نیز وہ سب کے سب وصف بھی ہیں۔اس لحاظ سے کہ ان تمام ناموں کے اندرمعانی موجود ہیں جوکہ اس کی ذات کے ساتھ صفات کی حیثیت سے قائم ہیں،اب یہ سارے نام بحیثیت علَم ہونے کے آپس میں مترادف ہیں،کیونکہ ان سب کا مسمی ایک ہی ہے،اوروہ اللہ تعالی ہے۔اور بحیثیت اوصاف ہونے کے یہ تمام نام آپس میں متبائین ہیں،کیونکہ ہرنام اپنے خاص معنی پردلالت کررہا ہے۔

اس قاعدے کاذکرصالحی نے:سبل الہدی والرشاد:۱/۴۰۷،میں کیا ہے،فرماتا ہے:**هوعلم وصفة، اجتمع فيه الامران فی حقه ﷺ،وان كان علمامحضافی حق كثيرممن يسمى به غيره ﷺ،وهذاشأن اسماء الرب تبارک وتعالی، واسماء نبيهﷺ، هی اعلام دالةعلى معان هی بهااوصاف مدح، فلاتضادفيها العلمية الوصفية،بخلاف غيرهامن اسماء المخلوقين، فهوالله الخالق البارئ المصوّر القهّار،فهذه اسماء له تعالى دالة على معان له هی صفات۔**

ابن نفطو یہ مسئلہ سبحان:۱/۳۷۵،میں(مجموعہ اجزاءحدیثیہ)میں لکھتا ہے:**واسماء الله صفات له،**

وصفات الله مدح، وکل من ذکر الله باسم من اسمائه فقداطاعه ،اذاوصفه بصفته التی رضیهالنفسه، ونفی سواهاعنه. پھرآگےفرماتاہے:فالاثبات باسمائه التی هی صفاته، و النفی فیماسواذالک، فتامله تجده فی سائر القران۔

اورقوام السنۃ کتاب الحجۃ:۱۴۲/۲، میں لکھتاہے : الصفات و الاسماء التی هی صفات الخ اس کے علاوہ اورعلماء نے بھی اس مسئلہ کوتفصیل سے ذکرکیاہے، واضح ہوکہ ہم نے جویہ کہاکہ اللہ تعالی کاہرنام علم ہےاوروصف بھی ،تویہ حقیقت خودقران کریم نے بتلادی ہے،جیساکہ سورۂ احقاف:۸، میں فرماتاہے:وهو الغفورالرحیم، یعنی وہ ذات غفوراوررحیم ہے،اورسورۂ کہف:۵۸، میں فرمایا:وربک الغفور ذو الرحمة ،یعنی تیرارب غفوراوررحمت والاہے۔پہلی ایت سےمعلوم ہواکہ اللہ تعالی کے ناموں میں سےایک نام الرحیم بھی ہے۔اوردوسری ایت سے معلوم ہواکہ اللہ تعالی رحمت والاہےیعنی صفت رحمت سےمتصف ہے،

پھرلغت اورعرف عام میں یہ بات اجماع کادرجہ رکھتی ہے کہ(علیم)اسے ہی کہاجائے گاجس میں ''علم'' کاوصف ہو،اور(سمیع)اسے ہی کہاجائے گاجس میں سمع کاوصف ہو،اور(بصیر)وہی کہلائے گاجس میں بصر(دیکھنے) کی صفت ہو،اوریہ بات اس قدرواضح اورصریح ہے،کہ اسے ثابت کرنے کے لئےکسی دلیل کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

اس تفصیل سے ان معطلہ کی گمراہی اورضلالت کھل کرسامنےآگئی جنہوں نے اللہ تعالی کے ناموں کو،ان سے معانی سلب کرکے مانا۔

چنانچہ ان کاعقیدہ ہے کہ اللہ تعالی سمیع ہےلیکن بلاسمع،بصیرہےلیکن بلابصر،انہوں نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ ان اسماءکےاندرپائے جانے والےمعنی یاصفت کاثبوت تعددقدماءکومستلزم ہے،لیکن یہ علت علیل بلکہ میت ہے، کیونکہ قران ،حدیث اورعقل سب کےسب اسے باطل قراردیتے ہیں۔

جہاں تک قران وحدیث کاتعلق ہےتواللہ تعالی نے باوجودیکہ وہ''الواحدالاحد''ہےلیکن اپنے آپ کوبہت سی صفات کےموصوف ہونے کےطورپرذکرفرمایا: مثلاسورۂ بروج ۱۲تا۱۶۔سورۂ الاعلی:۱تا۵ ،ان ایات کریمہ میں ایک ہی موصوف کے بہت سےاوصاف مذکورہیں،لیکن ان بہت سےاوصاف سے تعددقدماء لازم نہیں آتا،عقل بھی اس حقیقت کوتسلیم کرتی ہے۔

چنانچہ کوئی ذات اگربہت سی صفات سےمتصف ہوتویہ بہت سی صفات اس ذات موصوف سےمتباین نہیں ہیں،

کہ جن کو ثابت کرنے سے تعدد موصوف لازم آتا ہو، بلکہ یہی کہا جائے گا کہ یہ ایک ہی ذات موصوفہ کی مختلف ومتعدد صفات ہیں، جو کہ اس کے ساتھ قائم ہیں، اور ہر وہ شی جو موجود ہو اس میں مختلف صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو الموجود کہا جائے تو اس میں صفت وجود پایا جانا آ گیا، پھر یہ بھی کہ وہ واجب الوجود ہے، یاممکن الوجود، نیز یہ کہ اس کا وجود ذاتی ہے، جو قائم بنفسہ ہے، یا ایسے وصف کے طور پر ہے کہ جو کسی شئ میں پایا جائے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ''الدھر'' (زمانہ) اللہ تعالی کے اسماء میں سے نہیں ہے، کیونکہ ''الدھر'' ایک جامد نام ہے، جس میں ایسا کوئی معنی یا وصف نہیں جو اسے اسماء حسنٰی کے ساتھ ملحق ہونے کے لائق بنائے۔ اور اس لئے بھی کہ ''الدھر'' محض وقت یا زمانہ کا نام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے منکرین قیامت کے بارے میں فرمایا ہے سورۂ الجاثیہ: ۲۴، میں یہاں ''الدھر'' سے ان کی مراد زمانہ ہے، یعنی راتوں اور دنوں کا گزرنا۔

اگر کوئی اعتراض میں کہے کہ حدیث متفق علیہ میں ہے۔ (بخاری: ۴۸۲۶، ومسلم: ۴۵۸/۵۔ کہ: **یؤذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل و النھار** تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایسی کوئی دلالت نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ''دھر'' اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام ہے، کیونکہ جو لوگ دھر کو گالی دیتے تھے، ان کی مراد اللہ تعالی نہیں بلکہ زمانہ ہوتا ہے۔ جو کہ حوادث ومصائب کا محل ہے۔ اس حدیث کے لفظ **انا الدھر**، کا معنی وہی ہوگا جو حدیث میں خود تفسیر کر کے یہاں بیان کر دیا یعنی میں زمانہ ہوں میرے ہاتھ میں امر ہے میں رات اور دن کو پھیرتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالی خود دھر نہیں ہے بلکہ دھر کا خالق ہے۔ اس حدیث نے یہ بھی بیان کیا کہ اللہ تعالی **''دھر''** کو پھیرنے والا ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ''**مُقَلِّبْ**''، یعنی پھیرنے والا'' **مُقَلَّبْ** ''جس کو پھیرا جاتا ہو۔ بن جائے، لہٰذا واضح ہو کہ اس حدیث میں **''دھر''** سے مراد اللہ تعالی نہیں ہے۔ ملخص از (**القواعد المثلی**).

یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اللہ تعالی کے اسماء حسنٰی میں جو صفات اور معانی ہیں وہ یا تو متعدی ہونگے یا لازم، اگر متعدی ہوں تو ان پر ایمان تین چیزوں کے اثبات سے مکمل ہوگا:

(۱) یہ ایمان لانا کہ یہ اسم اللہ تعالی کے لئے ثابت ہے۔ (۲) یہ ایمان لانا کہ یہ اسم جس صفت کو متضمن ہے وہ صفت بھی اللہ تعالی کے لئے ثابت ہے۔ (۳) یہ ایمان لانا کہ اس صفت کا حکم اور مقتضی بھی ثابت ہے، صفت متعدی کی مثال (السمیع) ہے، اس میں پہلا واجب یہ ہے کہ (السمیع) کو بطور نام اللہ تعالی کے لئے اثبات ہو۔

دوسرا واجب یہ ہے کہ (السمیع) کا بطور صفت اللہ تعالی کے لئے اثبات ہو۔

تیسرا واجب یہ ہے کہ اس کے حکم اور مقتضی کا بھی اثبات ہو، اور وہ یہ کہ اللہ تعالی ہر مخفی بات کو سن لیتا ہے، جیسا کہ **سورۃالمجادلہ** ، کی پہلی ایت میں مذکور ہے۔

اور اگر اللہ تعالی کا نام ایسے وصف پر مشتمل ہو جو غیر متعدی، یعنی لازم ہے، تو اس پر ایمان کی تکمیل دو امور سے ہوگی: (۱) یہ ایمان لانا کہ یہ اسم اللہ تعالی کے لئے ثابت ہے (۲) یہ ایمان لانا کہ اس ضمن میں اللہ تعالی کی جو صفت ہے وہ بھی اللہ تعالی کے لئے ثابت ہے، مثلاً ''الحی'' تو ضروری ہے کہ ''الحی'' کو بطور نام اور اس کے ضمن میں جو حیات کا معنی ہے اسے بطور صفت، اللہ تعالی کے لئے ثابت ہونے کا ایمان رکھا جائے۔

یہ بھی ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اللہ تعالی کے اسماء اس کی ذات وصفات پر مطابقتا، تضمنا، والتزاما، دلالت کرتے ہیں مثلاً ''الخالق'' اس کی ذات پر اور اس اسم کے اندر موجود ''صفت خلق'' پر مطابقتا دلالت کرتا ہے، جبکہ صرف اس کی ذات پر اور صرف صفت خلق پر تضمنا دلالت کرتا ہے، اور صفت علم وقدرت پر التزاما دلالت کرتا ہے، یعنی جو ذات خالق ہے وہ لازماً علیم بھی ہے، اور قدرت والی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے سورۂ طلاق:۱۲، پر اسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کا ذکر کر کے اخر میں فرماتا ہے: **لتعلموا ان اللہ علی کل شئ قدیر ط و ان اللہ قد احاط بکل شئ علما۔**

ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالی کے تمام اسماء وصفات توقیفی ہیں، اور ان میں عقل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس قاعدے کے پیش نظر ضروری ہے کہ اللہ تعالی کے اسماء سے اگاہی کے لئے کتاب وسنت پر اکتفاء کیا جائے، کیونکہ عقل انسانی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ اس امر کا ادراک کر سکے۔ کہ اللہ تعالی کن ناموں کا مستحق ہے؟۔

اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ قران وسنت میں جو نام ذکر کی گئی ہے انہیں ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے ،اور کسی قسم کی تحریف کا ارتکاب نہ کیا جائے ، بالخصوص اللہ تعالی کی صفات پر مشتمل نصوص کے لئے ۔تو بہت ضروری ہے، اور نصوص صفات کے ظاہر کی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت ہمیں معلوم ہے، جبکہ دوسری حیثیت مجہول ہے، چنانچہ ایک حیثیت معنی کی ہے، اور دوسری کیفیت کی ۔تو معنی معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے۔

اور یہ بات دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے، تو اس سے مفوضہ کے مسلک کا باطل ہونا ثابت ہو گیا، مفوضہ صفات باری تعالی کے نصوص کے معانی کے علم کے بارہ میں تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نصوص صفات کے معانی بھی ہم نہیں جانتے بلکہ یہ اللہ تعالی کے علم میں ہے۔ مفوضہ کا دعوی ہے کہ سلف صالحین کا مذہب بھی یہ ہے، مفوضہ کا یہ قول صراحتاً باطل ہے، اور سلف صالحین معانی کے تفویض کے عقیدہ سے بری ہیں، ان سے تواتر کے ساتھ ایسے اقوال

منقول ہیں جوصفات کے معانی کے اثبات پر دال ہیں۔کبھی وہ معانی اجمالا ہوتے ہیں تو کبھی تفصیلا۔البتہ وہ صفات کی کیفیت کے بارہ میں تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں یعنی کیفیت کا علم اللہ تعالی کے سپرد ہے ہم صفات کا صرف معنی جانتے ہیں، کیفیت نہیں جانتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی معروف کتاب ''العقل والنقل'':۱۱۶/۱، میں جومنہاج السنة کے حاشیہ پر مطبوع ہے میں فرماتے ہیں: جہاں تک تفویض کا تعلق ہے تو یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں قرآن میں تدبر کا حکم دیا ہے، اور اس کے تعقل وفہم کی ترغیب دلائی ہے۔مزید فرماتے ہیں اگر یہ بات مان لیں کہ نصوص صفات کے معانی صرف اللہ ہی جانتا ہے، تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالی نے قران مجید میں جو اپنی صفات بیان کی ہیں، انبیاء ان کے معانی سے ناواقف تھے، تو گویا انبیاء کرام لوگوں کے سامنے ایک ایسا کلام پڑھتے رہے، جس کا معنی وہ خود بھی نہیں جانتے (والعیاذ باللہ) یہ بات تو قران پاک اور انبیاء کرام دونوں کے حق میں موجب جرح وطعن ہوگی۔

کیونکہ اللہ تعالی نے یہ قرآن اتارا ہے اور اسے لوگوں کے لئے بیان اور ہدایت قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اسے مکمل طور پر پہنچا دینے پر مامور کیا ہے۔نیز انہیں اس بات کا بھی پابند کیا ہے کہ وہ لوگوں کو اس کا بیان بھی سکھلا دیں، پھر تمام لوگوں کو قران پاک پر تدبر و تعقل کا حکم دیا ہے تو اس سب کے بعد قرآن پاک کے سب سے اشرف واعلیٰ حصے یعنی رب کائنات کی صفات کے معانی کا علم نہ ہونا انتہائی تعجب خیز ہوگا۔اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان نصوص پر تعقل وتدبر نہ کیا جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے نہ تو بلاغ مبین کے تقاضے پورے کئے اور نہ ہی اس وحی منزل کے بیان کا پورا حق ادا کیا (والعیاذ باللہ)۔

اس میں سلف صالحین کا عقیدہ یہ ہے کہ ظاہر نصوص سے جو معنی متبادر الی الذہن ہے اور ذات باری تعالی کے لائق شان ہے اس کو حق قرار دیا اور اس کی اس دلالت کو ثابت اور برقرار رکھا۔اور یہی لوگ حقیقت میں اھل السنة و الجماعة کے لقب کے حقیقی مصداق ہیں، اس پاکیزہ عقیدے پر سلف صالحین کا اجماع ثابت ہے چنانچہ ابن عبدالبر، التمہید:۱۴۵/۷، میں فرماتے ہیں: کہ:اھل السنة مجمعون علی الاقرار بالصفات الواردة کلھا فی القرآن و السنة، و الایمان بھا، وحملھا علی الحقیقة لا علی المجاز، الا انھم لا یکیّفون شیئا من ذالک، ولا یحدون فیه صفة محصورة، واما اھل البدع و الجھمیة و المعتزلة کلھا و الخوارج، فکلھم ینکرھا، ولا یحمل شیئا منھا علی الحقیقة ویزعمون ان من اقربھا مشبّه ....و الحق

فیماقاله القائلون بمانطق به کتاب اللّٰہ وسنة رسوله وهم ائمة الجماعة، و الحمدللّٰہ الخ۔

یعنی قرآن وسنت میں اللہ تعالی کی جتنی صفات وارد ہیں ان کے اقرار پران کے ساتھ ایمان لانے پر اور انہیں ان کے مجازی معنی کے بجائے حقیقی معنی پر محمول کرنے پر اہل السنۃ کا اجماع ثابت ہے، وہ نہ تو کسی صفت کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی کسی صفت کو حد میں محدود کرتے ہیں۔

قاضی ابویعلی اپنی کتاب "ابطال التاویلات" میں فرماتے ہیں: واعلم انه لایجوز رد هذه الاخبار علی ماذهب الیه جماعة من المعتزلة، ولا التشاغل بتاویلها علی ماذهب الیه الاشعریة، والواجب حملها علی ظاهرها، وانها صفات للّٰہ تعالی، لاتشبه سائر الموصوفین بها من الخلق ولانعتقد التشبیه فیها، الخ یعنی اللہ تعالی کی صفات پر مشتمل اخبار کورد کرنا جائز نہیں نہ ان صفات کی تاویل روا ہے بلکہ ضروری ہے کہ انہیں ان کے معنی ظاہر پر محمول کیا جائے اور یہ ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالی کی صفات میں سے کوئی صفت اس کی کسی مخلوق کی صفت سے کوئی مشابہت اور مماثلت نہیں رکھتی ۔تشبیہ کا عقیدہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے امام اہل السنۃ (امام احمد بن حنبل) اور دیگر ائمہ کرام سے یہی عقیدہ منقول ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی: ۵/۸۷، ۸۹، میں بھی یہ دونوں قول نقل کئے ہیں۔

بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نصوص صفات کا معنی ظاہر ومتبادر تو لیا، لیکن ایک باطل رنگ کے ساتھ، اور وہ تشبیہ ہے، چنانچہ انہوں نے نصوص صفات کی دلالت کو تشبیہ کے عقیدہ پر قائم کر دیا، یعنی خالق کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ ہیں۔ یہ فرقہ مشبّہ ہے اور ان کا مذہب کئی وجوہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ تشبیہ کا عقیدہ نصوص پر ظلم اور ان کے معنی مراد کو معطل کرنے کے مترادف ہے۔ بھلا نصوص صفات تشبیہ پر کیسے قائم ہو سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔ لیس کمثله شیئ : (الشوری:۱۱) یعنی اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عقل سلیم کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ خالق اپنی مخلوق سے ذات وصفات میں ہر لحاظ سے مباین اور جدا ہے، تو پھر ان نصوص پر یہ حکم کیونکر لگایا جا سکتا ہے کہ یہ خالق ومخلوق میں مشابہت پر دلالت کرتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مشابہت کا جو معنی مشبہ نے سمجھا وہ سلف صالحین کے فہم کے خلاف ہے کیونکہ صحابہ وتابعین میں کوئی تشبیہ کا قائل نہیں تھا لہٰذا مشبہ کا مذہب باطل ہوا۔ اگر قائلین تشبیہ یہ سوال کریں کہ اللہ تعالی نے ہمیں قرآن مجید میں

ہماری عقل وفہم کے مطابق مخاطب فرمایا ہے اور اللہ تعالی کی صفات مثلا نزول (اترنا) یا ید (ہاتھ)۔(اس کا تفصیلی جواب سورۂ مائدہ:۶۴، میں گذر گیا ہے)۔کو ہم انسانوں کے نزول اور ید کو مثال بنا کر ہی سمجھ سکتے ہے۔لہٰذا تشبیہ کا عقیدہ ثابت ہوگیا اس کا جواب یہ ہے کہ جس ذات نے ہمارے عقل وفہم کے مطابق مخاطب فرمایا ہے اسی کا فرمان ہے: لیس کمثله شیء ،الشوری: ۱۱، یعنی اس جیسے کوئی چیز نہیں ہے۔اسی ذات نے بندوں کو اپنی لئے مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا:فلاتضربوا لله الامثال ان الله يعلم وانتم لاتعلمون، النحل: ۷۴، اسی ذات نے بندوں کو اس کا ہم مثل بنانے سے منع فرمایا،سورۂ بقرہ ۲۲، اور اللہ تعالی کا پورا کلام حق ہے جس کا بعض ،بعض کی تصدیق کرتا ہے، اور یہ کلام پاک ہر قسم کے تناقض سے پاک ہے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جنھوں نے نصوص صفات سے ایک باطل معنی مراد لیا جو ہرگز اللہ تعالی کے لائق شان نہیں اور وہ معنی ''تشبیہ'' ہے پھر انہوں نے مشبہ کی طرح تشبیہ کا عقیدہ اپنانے کی بجائے تشبیہ سے بچنے کے لئے صفات کے انکار کا راستہ اپنالیا، اور یہ فرقہ معطلہ، جہمیہ ہے، جن میں سے بعض نے اسماء وصفات دونوں کا انکار کردیا اور بعض نے اسماء کو تو مان لیا لیکن ان سے حاصل ہونے والی صفات کا انکار کردیا۔معطلہ نے نصوص صفات کے ظاہری معانی سے صرف نظر کر کے خود ساختہ معانی تراش لیئے جو محض ان کی بیمار عقول کی پیداوار ہیں، ان معانی کی تعین میں وہ آپس میں خود بڑی حیرت واضطراب کا شکار ہیں، اور اسے وہ تاویل کا نام دیتے ہیں جو درحقیقت تحریف ہے۔

جبکہ کچھ معطّلہ تناقض کا شکار ہیں، چنانچہ اللہ تعالی کی بعض صفات کو مانتے ہیں، اور بعض کا انکار کرتے ہیں، اس گروہ میں اشعریہ اور ماتریدیہ وغیرہ کے نام آتے ہیں، یہ لوگ اگر کسی صفت کو شامل کرتے ہیں تو محض اس حجت کے ساتھ کہ اس کے صحیح ہونے پر عقل دلالت کررہی ہے۔اور اگر کسی صفت کی نفی کرتے ہیں تو محض اس حجت کے ساتھ کہ اس صفت کی عقل نفی کررہی ہے یا یہ کہ اس کی صحت پر عقل دلالت نہیں کررہی۔

ان لوگوں کا ایک شبہ ہے کہ ہم جو تاویل کرتے ہیں یہ احکم ہے، اگرچہ تاویل نہ کرنا اسلم ہے، تو اس کے متعلق بدرالدین عینی عمدۃ القاری:۱۱/۲۲۲، میں مسئلۃ الید (یداللہ) کے متعلق لکھتا ہے:ولفظ اليدمن المتشابهات، ففي مثل هذاافترق العلماء على فرقتين، احداهماماتسمى مفوضة ،وهم الذين يفوضون الامرفيهاالى الله تعالى، قائلين (ومايعلم تاويله الا الله)ال عمران:۷،والاخرى تسمى مؤلة، وهم الذين يؤلون مثل هذا، كمايقال المرادمن اليد القدرة،عاطفين (و الراسخون فى العلم)ال عمران:۷،على، الله،والاول

اسلم، والثانی احکم، قلت ذکر ابو حنیفہؒ، ان تاویل الید بالقدرۃ ونحو ذلک یؤدی الی التعطیل، فان اللہ تعالی اثبت لنفسه یدا، فاذا اولّت بالقدرۃ یصیر عین التعطیل، وانما الذی ینبغی فی مثل هذا ان نؤمن بما ذکرہ اللہ من ذلک علی ما ارادہ، ولا نشتغل بتاویله فنقول، له ید، علی ما ارادہ، لا کَیَدِ الْمخلوقین، وکذالک فی نظائر ذلک۔

آمدم برسر مطلب، یہاں چونکہ **مسئلہ استواء علی العرش** مذکور ہے ہم اختصار کے ساتھ سلف صالحین کے اقوال کو نقل کر کے وضاحت کرتے ہیں۔قرآن کریم میں ایسی مضمون والی جملے سات جگہوں میں ذکر کی گئی ہیں (ا)۔یہاں [۲]۔سورۂ یونس:۳[۳]سورۂ رعد:۲[۴]طٰہٰ:۵[۵]سورۂ فرقان:۵۹[٦]سورۂ الم سجدہ:۴[۷]سورۂ حدید:۴۔ پہلے ان لوگوں کا ایک شبہ ہے اس کے متعلق کہ استوی کا معنی استولیٰ ہے یعنی عرش پر قدرت پانا اور قبضہ کرنا۔اس کا جواب علامہ ذہبی نے کتاب ''الاربعین فی صفات رب العٰلمین:۳۸، میں دیا ہے۔

ابوسلیمان داؤد بن علی اصبہانی فرماتے ہیں کہ ہم ابن اعرابی کے پاس تھے، کہ ایک آدمی ان کے پاس آ کر کہنے لگا: **الرحمٰن علی العرش، استوی** کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے فرمایا رحمٰن عرش پر ہے، جیسا کہ اس نے خبر دی ہے، تو اس آدمی نے کہا، اے ابوعبداللہ، استوی کا معنی ''استولی'' ہے یعنی عرش پر قدرت پانا اور قبضہ رکھنا، تو ابن الاعرابی نے کہا خاموش ہو جاؤ! **استولی علی الشئ** کسی چیز پر قابض ہونا صرف اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی مد مقابل ہو، تو جب کوئی ایک دوسرے پر غالب و قابض ہو جائے تو اس وقت استولی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

امام ذہبی مذکورہ کتاب کی:۳۹، میں امام مالکؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ابن وہب نے فرمایا: کہ ہم امام مالک کے پاس تھے کہ ایک آدمی آ کر کہنے لگا ''**الرحمٰن علی العرش، استوی**، میں استواء کی کیفیت بیان کیجئے؟ تو امام مالک خاموش ہو کر نگاہ جھکالی، اور پسینے سے شرابور ہو گئے، پھر اپنا سر اٹھا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے اپنا وصف بیان کیا ہے۔کیفیت بارے سوال نہیں کیا جائے گا، وہ کیفت سے ماوراء اور پاک ہے تو بدعتی ہے (اور ساتھیوں کو حکم دیا کہ) اسے نکال باہر کرو۔

امام مالکؒ کے استاذ محترم امام ربیعہؒ بن ابی عبدالرحمان فروخ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے نیز ام سلمہؓ اور وہب بن منبہ سے بھی (اسی طرح) مروی ہے۔امام مالکؒ کا یہ قول کتاب الرد علی الجہمیۃ:۱۰۴، (دارمی) الابانۃ:۲۲۹، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ:۳/۳۹۸، کتاب اسماء وصفات للبیہقی:۵۱۵، ۵۱٦، فتاوی ابن تیمیہ:۵/۴۱، اجتماع جیوش الاسلامیہ:۴۷،

العلو:۱۰۳، فتح الباری:۴۰۶/۱۳، میں مذکور ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی امام ذہبی نے مذکورہ کتاب کی ص:۵۹، میں نقل کیا ہے: فرماتا ہے: **قال ابو حنیفہؓ من انکر ان اللہ فی السماء فقد کفر،** یعنی امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جو اللہ تعالی کے اسمان پر ہونے کا انکار کرتا ہے وہ یقینی کافر ہے، یہ قول امام ذہبی نے کتاب العلو:۲۰۲، ابن قدامہ نے اثبات صفۃ العلو:۱۷۰، فتاوی ابن تیمیہ:۴۹/۵، اجتماع جیوش الاسلامیۃ:۴۷، میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ علی القاری نے شرح فقہ اکبر:۱۳۹، میں تفصیل سے یہ قول نقل کیا ہے۔

عن ابی مطیع الحکم بن عبداللہ البلخی انہ سأل اباحنیفہؒ،عمن قال لااعرف ربی فی السماء ہو ام فی الارض؟فقال :قدکفرلان اللہ یقول:الرحمٰن علی العرش استوی،وعرشہ فوق سبع سمٰواتہ،قلت فان قال انہ علی العرش استوی، ولکنہ یقول لاادری العرش فی السماء ام فی الارض؟قال ہو کافر،لانہ............ کونہ فی السماء ،فمن انکر ان انہ فی السماء فقدکفر، لانہ تعالی فی اعلی علیین ،وہو یدعی من اعلی لامن اسفل۔

امام شافعیؒ نے اپنے عقیدے اور اپنی وصیت میں فرمایا ہے وہ بات جوسنت سے ثابت ہے میرا عقیدہ وہی ہے اور میں نے اہل حدیث کوبھی اسی عقیدہ پر دیکھا ہے کہ اللہ تعالی اسمان پر اپنے عرش پر (مستوی) ہے وہ اپنی مخلوق سے جس طرح چاہتا ہے قریب ہوتا ہے اور آسمان دنیا پر جس طرح چاہتا ہے نزول فرماتا ہے۔ اس کو امام ذہبیؒ نے مذکورہ کتاب کی ص۴۲، اور العلو:۱۲۰، میں اور کتاب اثبات صفۃ العلو:۱۸۰۔ ابن بطہ نے کتاب الابانۃ:۲۳۲، اور ابن قیمؒ نے اجتماع الجیوش الاسلامیۃ:۵۹، میں نقل کیا ہے۔

جبکہ امام شافعیؒ نے اپنی مسند:۷۰، میں انسؓ سے ایک روایت بھی نقل کیا ہے جس کو امام ذہبیؒ نے سنداً کتاب الاربعین:۳۴، میں نقل کیا ہے: **عن انس بن مالکؓ، یقول اتی جبرئیل بمرآۃ بیضاء فقال ماھذہ؟قال الجمعۃ وھو الیوم الذی استوی فیہ ربک علی العرش.ھذاحدیث غریب، رواہ الشافعی فی مسندہ۔**

انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لے کر آئے، تو آپؐ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ تو جبرئیل نے جواب دیا یہ جمعہ کا دن ہے، اور یہی وہ دن ہے جس میں آپؐ کے رب عرش پر مستوی ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تبارک وتعالی جمعہ المبارک کے دن عرش معلّٰی پر مستوی ہوئے۔ اس حدیث کو عبداللہ بن احمد نے کتاب

السنۃ:۵۶، میں کشف الاستار:۴/۱۹۴،ابن مندہ نے الرد علی الجہمیۃ:۱۰۱، میں، آجری نے الشریعۃ:۲۶۵، میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ امام ذہبی نے کتاب العلو میں تقریبا،۱۶۸،علماء سے اس کے متعلق اقوال نقل کیئے ہیں۔

جبکہ اس میں ایک قول امام ابو یوسفؒ کا بھی ہے کہ:قال بشر بن موسیٰ الخفاف:جاء بشار بن الولید الکندی الی القاضی ابویوسفؒ،فقال له تنهانی عن الکلام، وبشر المریسی وعلیٌّ الاحول یتکلمون قال:ومایقولون؟ قال:یقولون الله فی کل مکان، فقال ابویوسفؒ علیّ بهم فانتهوا إلیهم وقدقام بشر،فجئ بعلیّ الاحول وبالاخرشیخ، فقال ابویوسفؒ، ونظرالی الشیخ، لولاان فیک موضع ادب لاوجعتک، فامربه الی الحبس، وضرب الاحول وطوّف به. کتاب مختصر العلو:۱۵۴۔

امام احمدؒ کا قول اور عبداللہ بن مبارک کا قول امام ذہبی نے ایک ساتھ ذکر کیا ہے،فرماتا ہے:علی بن حسن بن شفیق کہتے ہیں:میں نے عبداللہ بن مبارک سے کہا:ہم اپنے رب کو کیسی پہچانیں؟ تو انہوں نے فرمایا:(وہ)ساتویں آسمان پر اپنے عرش پر ہے،جہمیّہ کی طرح نہیں کہا جائے گا کہ وہ یہاں زمین پر ہے۔پھر یہ بات امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا میرے نزدیک بھی اسی طرح ہے۔یہ دونوں اقوال امام ذہبیؒ نے:۴۰،۴۱، میں ذکر کیا ہے جبکہ عبداللہ بن مبارک کا قول امام بخاریؒ نے کتاب خلق افعال العباد:۸، میں امام دارمی نے کتاب الرد علی المریسی:۱۰۳، میں عبداللہ بن احمد نے کتاب السنۃ:۱۳، میں الابانۃ:۲۳۲،کتاب اسماء وصفات:۵۳۸ اجتماع الجیوش الاسلامیۃ:۴۴،۸۳، میں ذکر کیا ہے۔جبکہ امام احمد کا قول ابن قدامہ نے اثبات صفۃ العلو:۱۰۰،اور ابن تیمیہ نے فتاوی:۵/۵۲، میں نقل کیا ہے۔

محمد بن جریر طبریؒ تفسیر جامع البیان عن تاویل آیِ القرآن میں فرماتے ہیں''ثم استوی علی العرش میں ''استواء'' سے مراد علو اور ارتفاع ہے۔

امام ذہبیؒ الاربعین:۴۳، پر فرماتا ہے:قلت وکونه تعالی فوق العرش:رواه عن النبیﷺ جبیر بن مطعم، والعباس بن عبد المطلب،وابن مسعودؓ،وجابر بن سلیم ،وهومروی عن غیرواحدمن الصحابة والتابعین ،وفی الکتب المنزلة مثل ماصح عن کعب الاحبار قال:فی التوراة أنااللهفوق عبادی علی عرشی ادبّر امور عبادی ۔اللہ تعالی کے عرش پر مستوی ہونے کا عقیدہ سیدنا جبیر بن مطعم،عباس بن عبد المطلب،ابو ہریرہ،سعد بن ابی وقاص،جابر بن عبداللہ،انس بن مالک،ابن عباس،قتادہ بن نعمان،عبادہ بن صامت،ابن مسعود،اور جابر بن سلیم رضوان اللہ عنہم اجمعین،نے نبی کریمﷺ سے روایت کیا ہے،نیز یہ عقیدہ کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم

سے مروی ہے، سابقہ کتب سماویہ میں بھی اسی طرح ہے، جیسا کہ کعب احبارؒ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، انہوں نے فرمایا: تورات میں ہے (اللہ تعالی فرماتے ہیں) میں اللہ اپنے عرش پر اپنے بندوں کے اوپر ہوں، اپنے بندوں کے معاملات کا منتظم و مدبر ہوں۔

دفع وہم "فی" بہت دفعہ، علی، کے معنی میں استعمال ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ﴾ (توبہ: ۲) یعنی علی الارض۔ نیز ﴿وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ﴾ (طٰہٰ: ۷۱)۔ اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان: ﴿أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ﴾ (ملک: ۱۶) ۔ دراصل میں من علی السماء ہے۔ اور ہر وہ چیز جو بلند ہو وہ "سماء" کہلاتی ہے۔ تو یہاں "سماء" سے مراد عرش ہے۔ کیونکہ عرش آسمانوں پر ہی ہے۔ اور اللہ تعالی کا اسمان پر ہونا رسول اللہ ﷺ سے صاف الفاظ میں متواتر طور پر منقول ہے۔ ایک درج ذیل ہے:

حدیث: قولہ ﷺ للجاریة: این الله؟ قالت فی السماء، قال اعتقها فانها مؤمنة۔ (ابوداود: رقم: ۹۳۱، السنن الکبری للبیہقی: ۲۰۴۷۸)۔ ترجمہ آپ ﷺ کا لونڈی سے یہ فرمانا، اللہ تعالی کہاں ہے؟ اس لونڈی نے جواب دیا: اسمان پر۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد کرو یہ ایمان دار ہے۔ اس حدیث کو سیدنا ابو ہریرہؓ، معاویہ بن حکم، محمد بن شرید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ (الاربعین للذہبی)۔

اس بحث کی اخیر میں ایک حدیث جو کہ جبیر بن مطعمؓ سے منقول ہے، نقل کرتے ہیں، اور اس پر اکتفاء کرتے ہیں اگرچہ اس باب میں احادیث زیادہ ہے جیسا کہ امام ذہبی نے ذکر کیا ہے۔ عن جبیر بن مطعم عن ابیه عن جده قال اتی رسول الله ﷺ اعرابی فقال: یارسول الله جهدت الانفس، وضاعت العیال، ونهکت [نهبت] الاموال وهلکت الانعام، فاستسق الله لنا، فانا نستشفع بک علی الله، ونستشفع بالله علیک، قال رسول الله ﷺ ویحک اتدری ماتقول، وسبّح رسول الله ﷺ؛ فمازال یسبّح حتی عرف ذلک فی وجوه اصحابه، ثم قال: ویحک انه لایستشفع بالله علی احد من خلقه، شأن الله اعظم من ذلک، ویحک اتدری ماالله؟ ان عرشه علی سمٰواته، لهکذا، وقال باصابعه مثل القبة علیه، وانه لیئط به اطیط الرحل بالراکب، قال ابن بشار فی حدیثه ان الله فوق عرشه، وعرشه فوق سمٰواته، وساق الحدیث. [ابو داود: ۴/ ۲۴۳، کتاب التوحید لابن خزیمه: ۱۰۳، کتاب الرد علی المریسی: ۱۰۵]۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک گنوار آیا، اور کہنے لگا، یارسول اللہ! مصیبت میں پڑ گئے لوگ، اور تباہ ہو گئے گھربار، اور گھٹ گئے مال، اور مر گئے جانور، تو دعا کیجئے اللہ سے پانی برسنے کی، ہم سفارش لے جاتے ہیں آپ کی اللہ کے پاس، اور سفارش لاتے ہیں اللہ کی آپ کے پاس، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ارے تو سمجھتا ہے، کیا کہہ رہا ہے؟، اور رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا، پھر اللہ کی تعریف کرتے رہے (بڑی دیر تک) یہاں تک کہ معلوم ہوا اثر اس گنوارے کے کہنے کا آپ ﷺ کے اصحاب کے چہروں میں، پھر آپ نے فرمایا: آرے اللہ کی سفارش نہیں کی جاتی، اس کی مخلوقات میں سے کسی پر، اللہ جل جلالہ کی شان بہت بڑی اور برتر ہے، ایسی بات سے، ارے تو جانتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کی بڑائی اور بزرگی کیسی ہے؟ اس کا عرش (تخت) آسمانوں پر اس طرح ہے، اور اشارہ کیا انگلیوں سے ایک گنبد کے طور پر، باوجود اس کے وہ چر چراتا ہے (اللہ کے خوف اور عظمت سے) جیسے پالان چرچراتے ہیں سوار کے نیچے، ابن بشار نے اپنی روایت میں اتنا زیادہ کیا کہ اللہ جل جلالہ اپنے عرش کے اوپر ہے اور عرش اس کا اس کے اسمانوں کے اوپر ہے۔

مذکورہ مسئلہ کی تفصیل کے لئے امام ذہبی کا کتاب العلو، وکتاب الاربعین، امام بیہقی کا کتاب الاسماء و الصفات، شرح عقیدۃ الطحاویۃ، شرح العقیدۃ الواسطیۃ اور الصواعق المرسلۃ وغیرہ مطالعہ کیجئے۔ اس مسئلے کے متعلق ابن تیمیہؒ نے بہت تفصیل سے اپنی مختلف کتابوں میں بحث کیا ہے، بعض لوگوں نے آپ کو یہ غلط قول منسوب کیا ہے، کہ آپ نے کہا ہے کہ عرش قدیم ہے۔ لیکن یہ قول احمد رضا بجنوری نے، ملفوظات کشمیری: ۲۰۳، آپ کے طرف منسوب کر کے شیخ الاسلام پر بہتان باندھا ہے، کیونکہ یہ قول آپ کے کسی کتاب میں مذکور نہیں، بلکہ مجموع فتاوی: ۱۸/۲۱۴، میں آپ نے یہ تصریح کیا ہے، کہ ان العرش مخلوق ایضا، یعنی بیشک عرش بھی مخلوق ہے ، جبکہ بجنوری نے ملفوظات: ۲۴۳، میں یہ قول بھی آپ کو منسوب کیا ہے، کہ آپ نے دوران خطبہ نزول الٰہی کا تشریح کرتے ہوئے منبر سے نیچے اترے اور پھر فرمایا، اللہ ینزل کنزولی ھذا، لیکن یہ بھی آپ پر جھوٹ اور بہتان ہے، بلکہ اس مسئلے کے متعلق شیخ الاسلام کا رسالہ ''شرح حدیث النزول'' مشہور ہے اس میں آپ نے یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ ذکر کی ہے اور اس میں فرمایا ہے کہ، وکذلک نعلم معنی النزول ولا نعلم کیفیتہ ، یعنی اسی طرح ہم نزول کا معنی جانتے ہیں اور اس کی کیفیت کو نہیں جانتے: ص۳۲۔ تو بجنوری کے دونوں انتساب جھوٹ پر مبنی ہے۔

يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ

وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اُس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند ستاروں کو پیدا کیا س

مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

سب اُسی کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو سب مخلوق بھی اُسی کی ہے اور حکم بھی (اُسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾

(لوگو) اپنے رب سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا إِنَّ

اور ملک میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا کچھ شک نہیں

رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ

کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔ اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (یعنی مینہ) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری (بنا کر) بھیجتا ہے

بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتّٰى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ

یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہے تو ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں

فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى

پھر بادل سے مینہ برساتے ہیں پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو (زمین سے) زندہ کر کے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ

باہر نکالیں گے (یہ آیات اس لئے بیان کی جاتی ہیں) تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ جو زمین پاکیزہ (ہے) اُس میں سے سبزہ بھی

بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيٰتِ

رب کے حکم سے (نفیس ہی) نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے ناقص ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم آیتوں کو

لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ

شکر گزار لوگوں کیلئے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے (ان سے) کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ إِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ

کہ اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ إِنَّا لَنَرٰكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾

بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔تو جواُن کی قوم میں سردار تھے وہ کہنے لگے کہ ہم تمہیں صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾

انہوں نے کہا کہ اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی

لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَأَنْجَيْنٰهُ

تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم پرہیز گار بنو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے نوح کو

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا إِنَّهُمْ

اور جواُن کیساتھ کشتی میں سوار تھے اُن کو تو بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں غرق کر دیا کچھ شک نہیں

كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَإِلٰى عَادٍ أَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ

کہ وہ اندھے لوگ تھے۔ اور قوم عاد کی طرف اُن کے بھائی ہود کو بھیجا، انہوں نے کہا کہ اے میری قوم!

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۶۵﴾

اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں؟

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَّإِنَّا لَنَظُنُّكَ

تو اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور ہم تمہیں

مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّي رَسُولٌ مِّنْ رَّبِّ

جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین

الْعَالَمِينَ ﴿۶۷﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿۶۸﴾

کا پیغمبر ہوں ۔ میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اورتمہارا امانتدار خیرخواہ ہوں

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی

لِيُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَّزَادَكُمْ

تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد تو کرو جب اُس نے تمہیں قومِ نوح کے بعد سردار بنایا اور تمہیں پھیلاؤ زیادہ دیا

فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا

پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ نجات حاصل کرو ۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو

لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا

کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کرے اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں اُن کو چھوڑ دیں؟

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۷۰﴾

تو اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے لے آؤ

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ أَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْ أَسْمَآءٍ

ہود نے کہا کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب (کا نازل ہونا) مقرر ہو چکا ہے کیا تم مجھ سے ایسے ناموں

سَمَّيْتُمُوْهَا أَنْتُمْ وَآبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ

کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (اپنی طرف سے) رکھ لئے ہیں جن کی اللہ نے کوئی دلیل

فَانْتَظِرُوْآ إِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَأَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ

نازل نہیں کی تو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ پھر ہم نے ہود کو اور جو لوگ اُن کیساتھ تھے

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾

اُن کو نجات بخشی اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اُن کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں

وَإِلٰى ثَمُوْدَ أَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (تو) صالح نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ هٰذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ آيَةً

معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک معجزہ آ چکا ہے (یعنی) یہی اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے معجزہ ہے

فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ فِيْ أَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ

تو اسے چھوڑ دو تا کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اسے بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ دردناک عذاب تمہیں

أَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوْا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّأَكُمْ

پکڑ لے گا۔ اور یاد تو کرو جب اُس نے تمہیں قومِ عاد کے بعد سردار بنایا اور زمین پر آباد کیا کہ نرم زمین سے

فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا

(مٹی لے لے کر) محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو

فَاذْكُرُوْا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَأُ

پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو ۔ تو اُن کی قوم میں سردار لوگ

الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُوْنَ

جو تکبر کرتے تھے، غریب لوگوں سے جو اُن میں سے ایمان لے آئے تھے کہنے لگے کہ بھلا تم یقین کرتے ہو

أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ اُنھوں نے کہا ہاں جو چیز وہ دے کر بھیجے گئے ہیں ہم اُس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا إِنَّا بِالَّذِيْ آمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ

تو مغرور کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اُس کو نہیں مانتے ۔ آخر انھوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا

وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ

اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالح! جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم (اللہ کے)

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جَاثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

پیغمبر ہو تو اُسے ہم پر لے آؤ ۔ تو اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ

پھر صالح ان سے (نا امید ہو کر) پھرے اور کہا کہ اے میری قوم! میں نے تمھیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمھاری خیر خواہی کی

وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا

مگر تم (ایسے ہو کہ) خیر خواہوں کو دوست ہی نہیں رکھتے ۔ اور (اسی طرح جب ہم نے) لوط کو (پیغمبر بنا کر بھیجا تو)

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ أَتَأْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ

اس وقت انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے اہلِ عالم میں سے کسی نے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ

اس طرح کا کام نہیں کیا۔ یعنی خواہش نفسانی پورا کرنے کیلئے عورتوں کو چھوڑ کر لونڈوں پر گرتے ہو حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد

مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ إِلَّآ أَنْ قَالُوْٓا

سے نکل جانے والے ہو۔ تو اُن سے اس کا جواب کچھ نہ بن پڑا اور بولے تو یہ بولے کہ ان لوگوں (یعنی لوط اور اُس کے گھر

أَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَأَنْجَيْنٰهُ وَأَهْلَهٗٓ

والوں) کو اپنے گاؤں سے نکال دو (کہ) یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔ تو ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا

إِلَّا امْرَأَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَانْظُرْ

مگر ان کی بیوی (نہ بچی) کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ اور ہم نے اُن پر (پتھروں کا) مینہ برسایا سو دیکھ لو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ

کہ گنہگاروں کا کیسا انجام ہوا۔ اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اے قوم!

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی آ چکی ہے

فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا

تو تم ناپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور

تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو اگر تم صاحبِ ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ

اور ہر رستے پر مت بیٹھا کرو کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اُسے تم ڈراتے اور اللہ کی راہ سے روکتے

وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوْا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ

اور اُس میں کجی ڈھونڈتے ہو اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تمہیں جماعتِ کثیر بنا دیا

وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَإِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ

اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا ۔ اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر

آمَنُوْا بِالَّذِىْ أُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ

ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کئے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے

بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٧﴾ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (تو) اُن کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے

لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا

کہ شعیب! (یا تو) ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو اپنے شہر سے نکال دیں گے

أَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِىْ مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿٨٨﴾

یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ اُنھوں نے کہا خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں (تو بھی؟)

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِىْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللّٰهُ مِنْهَا

اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بیشک ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا

وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ أَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَىْءٍ

اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں، ہاں اللہ جو ہمارا رب ہے وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں) ہمارے رب کا علم

عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ

ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے، ہمارا اللہ ہی پر بھروسا ہے اے اللہ! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کیساتھ فیصلہ کر دے

وَأَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور اُن کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو!)

لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾

اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بیشک تم خسارے میں پڑ گئے

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ

تو اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (یہ لوگ) جنھوں نے

كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا

شعیب کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہوئے کہ گویا وہ اُن میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے اور جنھوں نے شعیب کو جھٹلایا

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ

وہ خسارے میں پڑ گئے۔ تو شعیب اُن میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو میں نے تمھیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے ہیں

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾

اور تمھاری خیر خواہی کی تھی تو میں کافروں پر رنج و غم کیوں کروں؟ ۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّآ أَخَذْنَآ أَهْلَهَا بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے کسی شہر میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ

يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ

عاجزی اور انکساری کریں۔ پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا یہاں تک کہ (مال و اولاد میں) زیادہ ہو گئے تو کہنے لگے کہ اسی طرح

مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَأَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾

کا رنج و راحت ہمارے بڑوں کو بھی پہنچتا رہا ہے تو ہم نے اُن کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ (اپنے حال میں) بے خبر تھے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے)

وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَٰهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۹۶﴾

کھول دیتے مگر اُنہوں نے تو تکذیب کی سو اُن کے اعمال کی سزا میں ہم نے اُن کو پکڑ لیا۔

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿۹۷﴾

کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ اُن پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں

أَوَ أَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿۹۸﴾

اور کیا اہلِ شہر اس سے نڈر ہیں کہ اُن پر ہمارا عذاب دن چڑھے آ نازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَٰسِرُونَ ﴿۹۹﴾

کیا یہ لوگ اللہ کے داؤ کا ڈر نہیں رکھتے (سن لو کہ) اللہ کے داؤ سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَآءُ

کیا ان لوگوں کو جو اہلِ زمین کے (مر جانے کے) بعد زمین کے مالک ہوتے ہیں یہ امر موجب ہدایت نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں

أَصَبْنَٰهُم بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۰۰﴾

تو ان کے گناہوں کے سبب ان پر مصیبت ڈال دیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ کچھ سن ہی نہ سکیں۔

تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَٰتِ

یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات ہم تمہیں سناتے ہیں اور ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے

فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلَىٰ قُلُوبِ

مگر وہ ایسے نہیں تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں اُسے مان لیں اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ

اورہم نے اُن میں سے اکثروں میں (عہد کا نباہ) نہیں دیکھا اور اُن میں اکثروں کو (دیکھا تو) بدکار ہی دیکھا۔

لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ

پھر ان (پیغمبروں) کے بعد ہم نے موسیٰ کو نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے اعیانِ سلطنت کے پاس بھیجا

فَظَلَمُوْا بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

تو اُنہوں نے اُن کیساتھ کفر کیا سو دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا ۔ اور موسیٰ نے کہا کہ اے

يٰفِرْعَوْنُ إِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰى أَنْ لَّآ أَقُوْلَ عَلَى

فرعون! میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں ۔ مجھ پر واجب ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں

اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ ﴿۱۰۵﴾

میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی رخصت دے دیجئے

قَالَ إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَأْتِ بِهَآ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

فرعون نے کہا کہ اگر تم نشانی لے کر آئے ہو تو اگر سچے ہو تو لاؤ (دکھاؤ) ۔

فَأَلْقٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَإِذَا هِيَ

موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ اُسی وقت صریح اژدھا (بن گیا) ۔ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں

بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ

کی نگاہوں میں سفید (تھا) ۔ تو قومِ فرعون میں جو سردار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے ۔

﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ أَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

اس کا اردہ یہ ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے بھلا تمہاری کیا مشورہ ہے؟

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

انہوں نے (فرعون سے) کہا کہ فی الحال موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو موقوف رکھئے اور شہروں میں نقیب روانہ کیجئے

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا

کہ تمام ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے اور کہنے لگے

اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ

کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں صلہ عطا کیا جائے گا۔ (فرعون نے) کہا ہاں (ضرور) اور (اس کے علاوہ) تم

لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

مقربوں میں داخل کر لئے جاؤ گے۔ جادوگروں نے کہا موسیٰ یا تو تم (جادو کی چیز) ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں

قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ

(موسیٰ نے) کہا کہ تم ہی ڈالو۔ جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی)

وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى

اور لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر انہیں ڈرایا اور بڑا بھاری جادو دکھایا۔ اور (اس وقت) ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی

اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل جائے گی

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ

اور حق واقع ہوا، اور ان کے کی ہوئی عمل باطل ہوئی۔ پس یہ لوگ اس وقت یہاں مغلوب ہوئیں۔

وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے

قَالُوْآ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور کہنے لگے کہ ہم جہان کے رب پر ایمان لائے ۔ (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے رب پر ۔

قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ

فرعون نے کہا کہ پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟ بیشک یہ فریب ہے جو تم نے مل کر شہر

فِی الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَا أَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

میں کیا ہے تاکہ اہلِ شہر کو یہاں سے نکال دو سو عنقریب (اس کا نتیجہ) معلوم کر لو گے ۔

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوا دوں گا پھر تم سب کو سولی چڑھوا دوں گا ۔

قَالُوْآ إِنَّآ إِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّا

وہ بولے کہ ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۔ اور اُس کے سوا تجھ کو ہماری کون سی بات بُری لگی ہے

إِلَّآ أَنْ آمَنَّا بِآیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا

کہ جب ہمارے رب کی نشانیاں ہمارے پاس آ گئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے اے اللہ! ہم پر صبر و استقامت

وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوْسٰی

کے دہانے کھول دے اور ہمیں (مارنا) تو مسلمان ہی مارنا ۔ اور قومِ فرعون میں جو سردار تھے کہنے لگے کہ کیا آپ موسیٰ

وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِی الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ قَالَ

اور اس کی قوم کو چھوڑ رہے ہیں کہ ملک میں خرابی کریں اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں وہ بولے

سَنُقَتِّلُ أَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

کہ ہم اُن کے لڑکوں کو تو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے اور بلا شبہ ہم اُن پر غالب ہیں ۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو زمین تو اللہ کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ

اس کا مالک بناتا ہے اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔ وہ بولے کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچتی رہیں

اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

اور آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَلَقَدْ

اور اُس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے پھر ظاہر کرے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ۔ اور ہم نے

اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

فرعونیوں کو قحطوں اور میووں کے نقصان میں پکڑا تاکہ نصیحت حاصل کریں ۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى

تو جب اُن کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور اُن کے رفیقوں کی بدشگونی

وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

بتاتے۔ دیکھو اُن کی بدشگونی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے لیکن اُن میں اکثر نہیں جانتے ۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ

اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی ہی نشانی لاؤ تاکہ اس سے ہم پر جادو کرو مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں

﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ

تو ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون

آيٰتٍ مُّفَصَّلاتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ

کتنی کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے، اور وہ لوگ تھے ہی گنہگار۔ اور جب اُن پر عذاب واقع ہوتا

عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

تو کہتے کہ موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو جیسا اُس نے تم سے عہد کر رکھا ہے،

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ

اگرتم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ جانے (کی

إِسْرَآئِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلٰٓى أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوْهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اجازت) دیں گے۔ پھر جب ہم ایک مدت کیلئے جس تک اُن کو پہنچنا تھا اُن سے عذاب دُور کر دیتے تو وہ عہد کو توڑ ڈالتے

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا

تو ہم نے اُن سے بدلہ لے کر ہی چھوڑا کہ اُن کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور اُن سے بے پروائی کرتے تھے

غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ

اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے اُن کو زمین (شام) کے مشرق

وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ

ومغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی وارث بنایا اور بنی اسرائیل کے بارے میں اُن کے صبر کی وجہ سے تمہارے رب کا

إِسْرَآئِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوْا

نیک وعدہ پورا ہوا اور فرعون اور قومِ فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے

يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ

تباہ کر دیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کیلئے

عَلٰى أَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوا يٰمُوسَى اجْعَل لَّنَآ إِلٰـهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ؕ

بیٹھے رہتے تھے۔ (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ موسیٰ! جیسے اُن لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۱۳۸﴾ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا

موسیٰ نے کہا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰـهًا

یہ کرتے ہیں سب بیہودہ ہیں ۔ (اور یہ بھی) کہا کہ بھلا میں اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں

وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۱۴۰﴾

حالانکہ اس نے تم کو تمام اہلِ عالم پر فضیلت بخشی ہے ۔

وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ الْعَذَابِ

اور (ہمارے ان احسانوں کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعونیوں (کے ہاتھ) سے نجات بخشی وہ لوگ تم کو بڑا دکھ دیتے تھے

يُقَتِّلُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

تمہارے بیٹوں کو تو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے

عَظِيمٌ ﴿۱۴۱﴾ وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِينَ لَيْلَةً وَّأَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ

سخت آزمائش تھی ۔ اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی اور دس (راتیں) اور ملا کر اُسے پورا کر دیا

فَتَمَّ مِيقٰتُ رَبِّهٖٓ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسٰى لِأَخِيهِ هٰرُونَ

تو اس کے رب کی چالیس رات کی میعاد پوری ہو گئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا

اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۴۲﴾

کہ میرے (کوہِ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کے رستے پر نہ چلنا

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہِ طور پر) پہنچے اور اُن کے رب نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے

رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي

کہ اے اللہ! مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی) کروں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے

وَلٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى

ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے جب اُن کا رب پہاڑ پرنمودار ہوا

رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ

تو (تجلی انوار ربانی نے) اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے

تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٤٣﴾ قَالَ

اور میں تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں اُن میں سب سے اوّل ہوں۔ (اللہ نے) فرمایا

يٰمُوسٰى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي

کہ اے موسیٰ! میں نے تمہیں اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے

وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ الشّٰكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ وَكَتَبْنَا لَهُ

تو جو میں نے تمہیں عطا کیا ہے اُسے پکڑ رکھو اور (میرا) شکر بجا لاؤ۔ اور ہم نے (تورات کی) تختیوں

فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ

میں ان کیلئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے طاقت سے پکڑے رہو

وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِينَ ﴿١٤٥﴾

اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (درج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا ٹھکانہ دکھاؤں گا

سَاَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں اُن کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا

وَإِنْ يَّرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ

اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی اُن پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) راستہ نہ بنائیں

سَبِيْلًا وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا

اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے رستہ بنا لیں یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ

اوران سے غفلت کرتے رہے۔اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے

أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى

یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلا ملے گا ۔ اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنا لیا

مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ

(وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے آواز نکلتی تھی، ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ اُن سے بات کرسکتا ہے

وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا

اور نہ اُن کو رستہ دکھا سکتا ہے اُس کو اُنہوں نے (معبود) بنا لیا اور ظلم کیا۔ اور جب

سُقِطَ فِيْ أَيْدِيْهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ

وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہمیں معاف نہیں فرمائے گا

لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰى إِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ

تو ہم برباد ہو جائیں گے ۔ اور جب موسیٰ اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے

أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ

تو کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد بہت ہی بداطواری کی کیا تم نے اپنے رب کا حکم جلد چاہا (یہ کہا)

وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ

اور تختیاں رکھ دیں[۲] اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے

قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي

انہوں نے کہا کہ بھائی جان لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کر تے

---

[۲] ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لیس الخبر کالمعاینة ،ان اللّٰہ تعالی اخبر موسیٰ بماصنع قومه فی العجل ،فلم یلق الالواح ،فلماعاین ماصنعوا،القی الالواح فانکسرت.

(مسند احمد: ۱/ ۲۷۱، ابن حبان رقم: ۲۰۸۸، و الحاکم: ۲/ ۳۲۱، ۳۸۰۔ یعنی کسی چیز کے بارے میں سننا، اس کو آنکھ سے دیکھنے کے برابر نہیں ہوسکتا، چنانچہ اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کے اس عمل کے بارے میں خبر دی، جو انہوں نے گوسالہ پرستی کی صورت میں کیا تھا، تو انہوں نے تختیوں کو نہیں پھینکا، لیکن جب وہ اپنی قوم میں واپس آئے، اور اپنی انکھوں سے قوم کے اس عمل کو دیکھا تو تختیوں کو جلدی سے رکھ دیا دیا اور ٹوٹ گئیں۔

”و القی الالواح“ (القاء) کے لغوی معنی ڈال دینے کے ہیں، اور الواح لوح کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں تختی یہاں لفظ القاء سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے غصہ کی حالت میں تورات کی تختیوں کی بے آدبی کی، کہ ان کو ڈال دیا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ الواح تورات کو بے آدبی کے ساتھ ڈال دینا گناہ عظیم ہے، اور انبیاء علیہم السلام سب گناہوں سے معصوم ہیں، اس لئے مراد آیت کی یہی ہے کہ اصل مقصود ہارون علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ خالی کرنا تھا، اور غصہ کی حالت میں جلدی سے ان کو رکھا، جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ ڈال دیا، اس کو قرآن کریم نے بطور تنبیہ کے ڈال دینے کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (بیان القران)۔

فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْأَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾
تو ایسا کام نہ کریں کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملایئے

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِأَخِیْ وَأَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ
تب انہوں نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے

الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ إِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُھُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ
بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔(اللہ نے فرمایا کہ) جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا تھا ان پر اللہ کا غضب واقع ہوگا اور

وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا
دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم افتراء پردازوں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔اور جنہوں نے بُرے کام کئے

السَّیِّئٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِھَا وَآمَنُوْا إِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ
پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے

﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَکَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ وَفِیْ نُسْخَتِھَا
اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو (تورات کی) تختیاں اٹھا لیں اور جو کچھ ان میں لکھا تھا

ھُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ ھُمْ لِرَبِّھِمْ یَرْھَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
وہ ان لوگوں کیلئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی ۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَہٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا فَلَمَّا
اور موسیٰ نے اس میعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب کئے جب

أَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَھْلَکْتَھُمْ مِّنْ قَبْلُ وَإِیَّایَ أَتُھْلِکُنَا
ان کو زلزلے نے پکڑا تو موسیٰ نے کہا کہ اے اللہ! اگر تو چاہتا تو اُن کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا اور مجھ کو بھی کیا تو اس فعل کی سزا

بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِي

میں جو ہم میں سے بے عقلوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ تو تیری آزمائش ہے اس سے تو جس کو چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے

مَنْ تَشَآءُ أَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

ہدایت بخشے، تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْاٰخِرَةِ إِنَّا هُدْنَآ إِلَيْكَ قَالَ

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تیری طرف رجوع ہو چکے (اللہ نے) فرمایا

عَذَابِيْٓ أُصِيْبُ بِهٖ مَنْ أَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ

کہ جو میرا عذاب ہے اُسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے،

فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

میں اس کو ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں [۳]

---

[۳] اس آیت میں ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ کی کتاب تورات لا کر بنی اسرائیل کو دی، تو اپنی کجروی اور حیلہ جوئی کی وجہ سے کہنے لگے کہ ہمیں یہ کیسے یقین آئے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے، ممکن ہے کہ آپ اپنی طرف سے لکھ لائے ہوں۔ ان کو اطمینان دلانے کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، تو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا، کہ اس قوم کے منتخب آدمیوں کو آپ کوہ طور پر لے آئیں تو ہم ان کو بھی خود اپنا کلام سنا دیں گے جس سے ان کو یقین آ جائے، موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا، اور کوہ طور پر لے گئے، حسب وعدہ انہوں نے اپنے کانوں اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا، مگر جب یہ حجت پوری ہوگئی تو کہنے لگے ہمیں کیا معلوم یہ اواز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے یا کسی اور کی۔

ہم تو جب یقین کریں جب کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں، ان کا یہ سوال چونکہ ہٹ دھرمی اور جہالت پر مبنی تھا۔ اس پر غضب الٰہی متوجہ ہوا، ان کے نیچے سے زلزلہ آیا اور اوپر سے بجلی کی کڑک آئی جس سے یہ بے ہوش ہو کر گر گئے،

اور بظاہر مردہ ہوگئے سورۂ بقرہ میں اس جگہ ''صاعقہ'' کا لفظ آیا ہے اور یہاں '' رجفه'' کا''صاعقه'' کے معنی بجلی کی کڑک اور ''رجفہ'' کے معنی زلزلہ کے ہیں، اس میں کوئی بعد نہیں کہ دونوں چیزیں جمع ہوگئی ہوں۔

بہر حال یہ لوگ ایسے ہوکر گر گئے، جیسے مردے ہوتے ہیں، خواہ حقیقتا مر ہی گئے ہوں، یا ظاہر مردہ نظر آتے ہوں ،موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا، اول تو اس لئے کہ یہ لوگ اپنی قوم کے منتخب لوگ تھے۔ دوسرے اس لئے کہ اب اپنی قوم میں جا کر کیا جواب دیں گے، وہ یہ تہمت لگائیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کو کہیں لے جا کر قتل کرادیا ہے، اور اس تہمت کے بعد یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر ڈالیں گے، اس لئے اللہ جل شانہ سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں جانتا ہوں کہ اس واقعہ سے آپ کا مقصود ان کو ہلاک کرنا نہیں کیونکہ اگر یہ مقصود ہوتا تو اب سے پہلے بہت سے واقعات تھے جن میں یہ ہلاک کئے جاسکتے تھے۔

فرعون کے ساتھ غرق کردیئے جاتے یا گوسالہ پرستی کے وقت سب کے سامنے ہلاک کردیئے جاتے، اور آپ چاہتے تو مجھے بھی ان کے ساتھ ہلاک کردیتے مگر آپ نے یہ نہیں چاہا، تو معلوم ہوا کہ اس وقت بھی ان کا ہلاک کرنا مقصود نہیں بلکہ سزا دینا اور تنبیہ کرنا مقصود ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ ہم سب کو چند بیوقوفوں کے عمل کی وجہ سے ہلاک کردیں۔ اس جگہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا اس لئے ذکر کیا کہ ان ستر آدمیوں کی اس طرح غائبانہ ہلاکت کا نتیجہ یہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہاتھوں ہلاک کئے جائیں۔

پھر عرض کیا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ محض آپ کا امتحان ہے جس کے ذریعہ آپ بعض لوگوں کو گمراہ کردیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شکایت وناشکری کرنے لگیں۔ اور بعض لوگوں کو ہدایت پر قائم رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھ کر مطمئن ہوجاتے ہیں، میں بھی آپ کے فضل سے آپ کے حکیم ہونے کا علم رکھتا ہوں لہٰذا اس امتحان میں میں مطمئن ہوں اور آپ ہی تو ہمارے خبر گیر ہیں، ہم پر مغفرت اور رحمت فرمائیے، اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ معافی دینے والے ہیں، اس لئے ان کی اس گستاخی کو بھی معاف کردیجئے چنانچہ وہ سب لوگ صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ستر آدمی جن کا ذکر اس آیت میں ہے، وہ نہیں جنہوں نے ''ارنا اللہ جهرة'' کی درخواست کی تھی، اور وہ صاعقہ کے ذریعے ہلاک کئے گئے تھے بلکہ یہ وہ لوگ تھے جو خود تو گوسالہ پرستی میں شریک نہ تھے مگر قوم کو اس حرکت سے روکنے کی کوئی کوشش بھی نہ کی تھی اس کی سزا میں ان پر زلزلہ آیا اور بے ہوش ہوگئے واللہ اعلم بہر حال یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہوکر کھڑے ہوگئے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ
وہ جو (محمدﷺ) رسول (اللہ) کی، جو نبی اُمی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں
یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں
وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ
اور بُرے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کیلئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں
وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ
اور اُن پر سے بوجھ اور طوق جو اُن (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے
وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ
اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نُور ان کیساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ
مراد پانے والے ہیں (اے محمدﷺ!) کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (یعنی اُس کا رسول) ہوں
جَمِیْعَا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ
(وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگی بخشتا
وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ
اور وہی موت دیتا ہے تو اللہ پر اور اُس کے رسول پیغمبر اُمّی پر، جو اللہ پر اور اُس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں،
وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ
ایمان لاؤ اور اُن کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ اور قومِ موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا راستہ بتاتے اور اُسی کیساتھ

يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا

انصاف کرتے ہیں اور ہم نے ان کو (یعنی بنی اسرائیل کو) الگ الگ کر کے بارہ قبیلے (اور) بڑی بڑی جماعتیں بنا دیا

وَأَوْحَيْنَا إِلٰى مُوْسٰى إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهٗ أَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ

اور جب موسیٰ سے اُن کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو

فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے اُن (کے سروں)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

پر بادل کو سائبان بنائے رکھا اور اُن پر من و سلویٰ اتارتے رہے (اور اُن سے کہا کہ) جو پاکیزہ چیزیں

مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ہم تمہیں دیتے ہیں اُنہیں کھاؤ اور اُن لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ (جو) نقصان (کیا) اپنا ہی کیا

وَإِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ

اور جب اُن سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کر لو اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھانا (پینا)

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْئٰتِكُمْ

اور (ہاں شہر میں جانا تو) حِطَّۃٌ (توبہ) کہنا اور دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ

اور نیکی کرنے والوں کو اَور زیادہ دیں گے۔ مگر جو اُن میں ظالم تھے اُنہوں نے اس لفظ کو جس کا اُنہیں حکم دیا گیا تھا

لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

بدل کر اُس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا تو ہم نے اُن پر آسمان سے عذاب بھیجا اس لئے کہ ظلم کرتے تھے

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ

اور ان سے اُس گاؤں کا حال تو پوچھو جو لبِ دریا واقع تھا جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں

إِذْ تَأْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَأْتِيْهِمْ

حد سے تجاوز کرنے لگے (یعنی) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں

كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَإِذْ

اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں، اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالنے لگے اور

قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا

جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کر دینے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے

قَالُوْا مَعْذِرَةً إِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

تو انہوں نے کہا کہ اس لئے کہ تمہارے رب کے سامنے معذرت کر سکیں اور عجب نہیں کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں [۴]

---

[۴] قصص کے اختتام پر اصحاب سبت کا واقعہ ذکر فرمایا اور اس سے مقصود تخویف دنیوی ہے ''القریہ'' سے ایلہ مراد ہے، جو مدین اور طور کے درمیان سمندر کے کنارے پر واقع تھا، ہفتہ کا دن دین موسوی میں قابل تعظیم تھا، اور اس دن میں مچھلی کا شکار ان کے لئے جائز نہیں تھا، لیکن ابتلا و امتحان کے لئے اللہ کے حکم سے ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی کے اوپر کنارے سے بالکل قریب کثرت سے آجاتیں۔ اور باقی ایام میں غائب رہتیں۔ اس صورت حال کو دیکھ کر انہوں نے یوم سبت کی تعظیم کو بالائے طاق رکھ کر مچھلی کا شکار کرنا شروع کر دیا، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ابلیس نے ان کو یہ حیلہ بتایا کہ وہ سمندر کے کنارے حوض بنالیں اور جمعہ کے دن مچھلیوں کو ہانک کر حوض میں ڈال دیا کریں، اور اتوار کے دن پکڑ لیا کریں، چنانچہ انہوں نے اس حیلے سے اللہ کے حکم کو توڑا تو اللہ تعالی نے ان پر عذاب نازل فرمایا اور وہ سب بندر بن گئے۔

ان لوگوں میں تین جماعتیں تھیں پہلی جماعت ہفتہ کے دن شکار کرتی تھی، دوسری جماعت ان کو اس سے منع

کرتی تھی، اور تیسری جماعت نہ شکار کرتی تھی اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتی تھی، بلکہ منع کرنے والوں سے بھی کہتی تھی کہ تم خوب جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا یا شدید عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے۔ اس لئے ان کو وعظ ونصیحت کر کے کیوں دماغ سوزی کرتے ہو۔ ,,قالوا معذرة الیٰ ربکم،، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اللہ کے سامنے بطور معذرت ان کو اس فعل قبیح سے روکتے ہیں تا کہ نہی عن المنکر کا جو فریضہ ہمارے ذمہ ہے اس میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ نیز ممکن ہے کہ وہ اس فعل سے باز آجائیں ''معذرة،، فعل مقدر یعنی نعتذر کا مفعول مطلق ہے۔ قال جمهور المفسرين ان بنی اسرائیل افترقت ثلث فرق.. فرقة عصت وصادت، وفرقة نهت واعتزلت ،وفرقة اعتزلت ولم تنه ولم تعص، وان هذه الطائفة قالت للناهية ﴿لم تعظون قوما الله مهلكهم او معذبهم عذابا شديدا﴾ (قرطبی).

یہاں ''نسوا،، بمعنی ترکوا ہے، یعنی انہوں نے اپنی قوم کے صلحاء اور ناصحین کی پند ونصیحت کو چھوڑ دیا اور اس سے بالکلیہ اعراض کر لیا، تو برائی سے روکنے والوں کو تو ہم نے بچا لیا مگر ان ظالموں کو جو سرکشی اور نافرمانی کرتے تھے دردناک عذاب سے پکڑ لیا۔ ''فلما عتوا،، جب وہ اللہ کی نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے اور ان کا انکار ضد وعناد کی حد کو پہنچ گیا تو ہم نے ان کی شکلیں مسخ کر دیں اور ان کو بندر بنا دیا۔

ابن کثیر نے یہاں عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت نقل کیا ہے: عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عباسؓ کے پاس آیا، وہ آبدیدہ تھے، اور مصحف ان کی گود میں تھا، میں اس بات کو اہم سمجھ کر ان کے پاس گیا۔ آگے بڑھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا، اور پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا قرآن کے یہ ورق رُلا رہے ہیں، سورۂ اعراف زیر تلاوت تھی کہنے لگے ایلہ کیا ہے جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں وہ کہنے لگے ایلہ میں یہود لوگ بستے تھے، انہیں ہفتہ کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت تھی، ان کے ازمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتہ کے دن ہی نکلیں۔ ہفتہ کے دن دریا مچھلیوں سے پر رہتے تھے۔ تروتازہ، موٹی اور عمدہ بہ کثرت مچھلیاں پانی کے اوپر کودتی پھاندتی رہتی تھیں۔ ہفتہ کے سوا دوسرے دنوں میں سخت کوشش کے بعد ملتی تھیں۔ کچھ دنوں تو یہ لوگ اللہ ہی کی عظمت کرتے رہے، اور انہیں پکڑنے سے رکے رہے۔ لیکن پھر شیطان نے ان کے دلوں میں یہ قیاس ڈال دیا کہ ممانعت تو ہفتہ کے روز مچھلیوں کے کھانے کی ہے تم ہفتہ کو انہیں پکڑ سکتے ہو لیکن کھا نہیں سکتے، دوسرے روز کھا لینا۔ یہ خیال ایک جماعت کا ہو گیا لیکن دوسری جماعت نے کہا کہ کھانے اور پکڑنے دونوں کی ممانعت ہے، غرض یہ کہ اس بحث کے بعد جمعہ کا دن آیا تو یہ لوگ

اپنی عورتوں اور بچوں کو لئے ہوئے نکلے، انکی سیدھی طرف رکنے والے جماعت تھی جو ان سے الگ رہی اور بائیں طرف دوسری جماعت تھی جس نے خاموشی اختیار کر لی، سیدھی جانب والوں نے کہا دیکھو! ہم تمہیں منع کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالی کے عذاب کے مستحق بن جاؤ، اور بائیں طرف والوں نے کہا کہ، ارے اس ہلاک ہونے والی اور مبتلائے عذاب ہونے والی لوگوں کو کیا نصیحت کر رہے ہو، یہ کہیں ماننے والی ہیں؟ اصحاب یمین نے کہا اللہ تعالی ہمیں معاف کرے اس لئے ہم روک رہے ہیں کہ شاید رک جائیں، ہماری تو دلی خواہش ہے کہ وہ گرفتار عذاب نہ ہوں، اگر وہ باز آئے تو اللہ تعالی معاف کرے۔

لیکن وہ لوگ خطا پر قائم رہے تو انہوں نے کہا اے دشمنان رب اخرتم نے نہ مانا، اللہ تعالی کی قسم ہم کو تو اندیشہ ہے کہ تم کو دن بھی نہ نکلے گا، یا تو زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے یا پھتر برس پڑیں گے، یا ایسا ہی کوئی اور عذاب، یہ منع کرنے والے اور چپ رہنے والے عذاب اللہ سے ڈر کر شہر سے باہر ہی رہ گئے اور یہ گناہ گار شہر کے اندر رہے۔ شہر پناہ کا دروازہ اندر سے لگا لیا اب باہر رہنے والے صبح ہی، فصیل کے دروازے پر پہنچے، لوگ باہر نکلے ہوئے نہیں تھے دروازہ اندر سے بند تھا بہت کچھ کھٹکھٹایا اوازیں دیں، لیکن کچھ جواب نہ ملا، اب فصیل کے دیوار کے اوپر سیڑھیاں لگا کر چڑھے، دیکھا کہ یہ سب بندر بنے ہوئے ہیں، ان کی لمبی لمبی دمیں ہیں، اب شہر پناہ کا دروازہ کھولا، اندر داخل ہوئے، ان بندروں نے اپنے عزیزوں کو پہچان لیا، لیکن انسانوں نے اپنے عزیز بندروں کو نہیں پہچانا، یہ بندر نزدیک آتے، ان کے پاؤں پر لوٹتے، تو انسان ان سے کہتے کہ کیا ہم تم کو منع نہیں کرتے تھے؟ تو سر ہلا کر کہتے کہ ہاں۔

پھر ابن عباسؓ نے یہ ایت پڑھی کہ جب انہوں نے نصیحت نہ مانی تو منع کرنے والوں کو ہم نے بچا لیا اور ظالموں کو مبتلائے عذاب کر دیا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منع کرنے والوں کو تو میں جانتا ہوں کہ نجات پا گئے، لیکن دوسروں کے بارے میں ایسا نہیں سمجھتا، مصیبت تو یہ ہے کہ ہم بھی لوگوں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن انہیں کچھ نہیں کہتے، تو عکرمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا میں آپ پر فدا، یہ دوسرے بھی تو ان گنہگاروں سے بہت ناراض تھے، اور ان کی مخالفت کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ اس ہلاک ہونے والی قوم کو نصیحت کر کے کیا کرو گے؟ اس سے ظاہر ہے کہ وہ عذاب میں شریک نہیں بنائے جا سکتے، تو ابن عباسؓ نے خوش ہو کر مجھے دو اچھے کپڑے انعام میں دیئے کہتے ہیں کہ مچھلیاں ہفتہ کے روز ساحل

پر بہت دکھائی دیتیں، اور جب شام ہو جاتی تو دوسرے ہفتہ کے آنے تک نہ دکھائی دیتیں۔ ایک وقت ایک آدمی جال ڈوریاں اور میخیں لے کر گیا، اور وہاں لگا دیا، ایک بڑی سی مچھلی ہفتہ کے روز اس میں لگ گئی اور ہفتہ کا دن گزرنے پر جب اتوار کی رات آئی تو یہ مچھلی پکڑ کر اور بھون کر کھانے لگا۔ مچھلی کی بو پا کر لوگ اس کے پاس دوڑ آئے۔ اس سے پوچھا، اس نے انکار کیا۔ اور جب بہت اصرار کیا تو کہہ دیا کہ اس نے ایک مچھلی پکڑی تھی۔ اور جب دوسرا ہفتہ آیا تو پھر ایسا ہی کیا، اور شب یک شنبہ میں اس کو بھون کر کھایا۔ لوگوں نے مچھلی کی خوشبو پائی تو پھر آ کر پوچھا۔ تو کہا تم بھی ایسا ہی کرو جیسا میں کرتا ہوں۔ کہا تو کیا کرتا ہے۔ اس نے انہیں اپنا حیلہ بتایا۔ تو دوسرے لوگ بھی اس حیلے پر عمل کرنے لگے، حتیٰ کہ یہ بات بہت عام ہوگئی۔ ان کا ایک شہر تھا اس کو ربض کہتے تھے۔ اس شہر کا دوازہ رات میں بند کر لیا کرتے تھے۔

چنانچہ رات ہی رات میں ان کی صورتیں مسخ ہوگئیں۔ ان کی پڑوس کے دیہاتی جوان کی بستی کے اطراف میں رہتے تھے اور صبح طلب معاش میں شہر کے اندر جاتے تھے، تو دروازے کو بند پایا، آوازیں دیں، جواب نہ ملا۔ دیوار کے اوپر چڑھ کر دیکھا تو وہ بندر بن چکے تھے، نزدیک آرہے تھے اپنے لوگوں سے لپٹ رہے تھے۔

دوسرا قول یہ بھی ہے کہ ساکت رہنے والے لوگ بھی عذاب میں مبتلا ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ انہیں بھونتے اور کھاتے دیکھ کر بھی منع نہیں کرتے تھے۔ صرف ایک جماعت نے منع کیا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا یہ عمل عام طور پر تقلید کیا جانے لگا۔ تو ان بعض لوگوں نے کہا کہ کیوں ان ظالموں کو منع کرتے ہو، انہیں عذاب شدید سے سابقہ پڑنے والا ہے، ہم تو ان کے اس عمل سے سخت ناراض ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ تین فریق تھے، ان میں سے صرف منع کرنے والے بچے، باقی دونوں مبتلائے عذاب ہوئے۔ لیکن عکرمہؒ کے کہنے کے بعد پھر ابن عباسؓ نے گویا اپنے قول سے رجوع کر لیا، کیونکہ انہیں انعام میں لباس دیا۔ اور اس قول سے تو یہ رجوع والا قول بہتر ہے کہ سکوت اختیار کرنے والے لوگ بھی نجات پا گئے تھے۔ اور قول باری تعالیٰ ﴿اخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس﴾ سے اس بات پر دلالت ہوتی ہے کہ ان کے سوا دوسرے دو قسم کے جو لوگ بچ گئے انہیں ضرور نجات مل گئی ہوگی۔

﴿بئیس﴾ کے معنی شدید کے ہیں یا الیم کے ہیں یا دردناک ہیں یہ سب معنی آپس میں متقارب ہیں، واللہ اعلم

﴿خاسئین﴾ کے معنی ذلیل وحقیر ہیں۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ

جب انہوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا جن کی اُن کو نصیحت کی گئی تھی تو جو لوگ بُرائی سے منع کرتے تھے

وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۱۶۵﴾

اُن کو ہم نے نجات دی اور جو ظلم کرتے تھے اُن کو بُرے عذاب میں پکڑ لیا کہ نافرمانی کئے جاتے تھے

فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ

پس جن اعمالِ (بد) سے اُن کو منع کیا گیا تھا جب وہ اُن (پر اصرار اور ہمارے حکم سے) گردن کشی کرنے لگے

قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿۱۶۶﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ

تو ہم نے اُن کو حکم دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ ۔اور جب تمہارے رب نے (یہود کو) آگاہ کر دیا تھا کہ وہ

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ

اُن پر قیامت تک ایسے شخص کو مسلط رکھے گا جو ان کو بُری بُری تکلیفیں دیتا رہے بیشک تمہارا رب جلد عذاب کرنے والا ہے

وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِّنْهُمُ الصَّالِحُونَ

اور وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔اور ہم نے ان کو جماعت جماعت کر کے ملک میں منتشر کر دیا،بعض ان میں سے نیکوکار ہیں

وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ وَبَلَوْنَاهُم بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ

اور بعض اور طرح کے (یعنی بدکار) اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے ان کی آزمائش کرتے رہے

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ

تاکہ (ہماری طرف) رجوع کریں ۔ پھر ان کے بعد ناخلف ان کے قائم مقام ہوئے جو کتاب کے وارث بنے

يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا

یہ (بے تامل) اس دنیائے ادنیٰ کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بخش دیئے جائیں گے

وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ الْكِتٰبِ

اور (لوگ ایسوں پر طعن کرتے ہیں) اگر ان کے سامنے بھی ویسا ہی مال آجاتا ہے تو وہ بھی اُسے لے لیتے ہیں کیا ان سے کتاب کی نسبت عہد نہیں لیا گیا

أَنْ لَّا يَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ

کہ اللہ پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے اور جو کچھ اس (کتاب) میں ہے اُس کو انہوں نے پڑھ بھی لیا ہے، اور آخرت کا گھر

خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦٩﴾ وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتٰبِ

پرہیزگاروں کیلئے بہتر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں؟ ۔ اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٧٠﴾

اور نماز کا التزام کرتے ہیں (ان کو ہم اجر دیں گے کہ) ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ

اور جب ہم نے اُن (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ اُن پر گرتا ہے

خُذُوا مَا آتَيْنٰكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧١﴾

تو (ہم نے کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے اُس پر عمل کرو تاکہ بچ جاؤ

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ

اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھ سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کرا لیا

عَلٰى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں، ہم گواہ ہیں

يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِينَ ﴿۱۷۲﴾ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا

کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔[۵] یا یہ نہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا

مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۳﴾

اور ہم تو اُن کی اولاد تھے (جو) اُن کے بعد (پیدا ہوئے) تو کیا جو کام اہلِ باطل کرتے رہے اُس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کرتا ہے

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۴﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي

اور اسی طرح ہم (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تا کہ یہ رجوع کریں۔ اور ان کو اُس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو

---

[۵] جملہ (من ظھورھم) جملہ "من بنی آدم" سے بدل ہے اور "ذریتھم" "اخذ" کا مفعول ہے، یعنی اولاد آدم سے ان کی اولاد کو پیدا کیا، اور سب سے عہد لیا" الست بربکم" کیا میں تمہارا پروردگار اور مالک نہیں ہو؟ بے شک تو ہمارا رب ہے ہم سب اس کا اقرار کرتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور اور معبود ہے۔ والمعنی شھدنا انک ربنا والھنا (قرطبی) یہ عہد کب لیا گیا؟ عام طور پر مفسرین نے لکھا ہے کہ عہد عالم ارواح میں لیا گیا اس طرح کہ ادم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام اولاد کی روحوں کو نکال کر ان سے اقرار لیا گیا۔ جناب شیخؒ فرماتے تھے کہ یہ عہد ہر شخص سے اس کی پیدائش کے وقت لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص اپنی فطرت کے لحاظ سے موحد ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے :فطرة الله التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق الله (روم: ۳۰). اسی طرح ایک جگہ فرمایا: ولئن سئلتھم من خلقھم لیقولن الله (زخرف: ۸۷) یہ اللہ کے خالق و مالک ہونے کا سبق ان کو پیدائش کے وقت ہی سے ملا تھا۔ یہ اصل میں ، کراھة ان تقولوا، یا لئلا تقولوا، تھا، یعنی یہ عہد ربوبیت اس لئے لیا، تا کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو توحید سے بالکل بے خبر تھے، اور ہم کو اس کا بالکل علم ہی نہ تھا، "او تقولوا" یہ پہلے تقولوا پر معطوف ہے، اور نہ یہ عذر پیش کر سکو گے کہ شرک کے اصل بانی تو ہمارے باپ دادا تھے، ہم ان کے بعد پیدا ہوئے اور ہم نے محض ان کی دیکھا دیکھی شرک کیا، اس لئے ان کے فعل کی وجہ سے ہمیں کیوں ہلاک کرتا ہے۔ اس عذر کو ختم کرنے کے لئے ہم نے ہر ایک سے عہد لیا۔

اور مسلم بن یسار نے فرمایا کہ عمرؓ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا: فقال عمرؓ سمعت رسول

اللہ ﷺ يسأل عنها؟فقال ان الله خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه، فاستخرج منه ذريةً، فقال خلقت هؤلاء للجنة، وبعمل اهل الجنة يعملون،ثم مسح ظهره بيده ،فاستخرج منه ذريةً ،فقال خلقت هؤلاء للنار، وبعمل اهل النار يعملون، فقال رجل ففيم العمل يارسول الله؟فقال رسول الله ﷺ ان الله اذاخلق العبدللجنة استعمله بعمل اهل الجنة ،حتى يموت على عمل من اعمال اهل الجنة،فيدخله به الجنة،واذاخلق العبدللنار،استعمله بعمل اهل النار حتى يموت على عمل من اعمال اهل النار،فيدخله به النار.ابوداود: ۴۷۰۴،۴۷۰۳، فى السنن الترمذى ۳۰۷۵،والنسائى فى الكبرى : ۱۱۱۹۰ ،فى التفسير، وصححه الحاكم ۳۵۲/۲،وقال الترمذى حسن.

انہوں نے کہا! کہ جب اس آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا تو میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا! کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، پھران کی پیٹھ پر داہنا ہاتھ پھیرا،اور اس میں سے ان کی اولاد نکالی،اورفرمایا! کہ میں نے ان کو جنت کے لئے اور جنتیوں کے سے اعمال کرنے کے لئے جووہ کریں گے پیدا کیا ہے، پھرآپنا ہاتھ آدم علیہ السلام کی پشت پر پھیرا، اوراس میں سے ان کی اولاد نکالی اورفرمایا: کہ میں نے ان کودوزخ کے لئے اوردوزخیوں کے سے کام کرنے کے لئے جووہ کریں گے پیدا کیا ہے، یہ سنکرایک شخص نے کہا یارسول اللہ پھرعمل کی کیا ضرورت ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں ہی کے سے عمل کراتا ہے، یہاں تک کہ اس بندہ کی وفات جنتیوں جیسے عمل پر ہوجاتی ہے، چنانچہ حق تعالیٰ ان اعمال کی بناء پر اُسے جنت میں داخل کردیتا ہے،اورجب کسی بندہ کودوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تواسے دوزخیوں کے سے اعمال صادرکراتا ہے، یہاں تک کہ وہ اہل دوزخ جیسے اعمال پر مرجاتا ہے،لہٰذا اسے ان اعمال کی بناء پر دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔

یہ عہد میثاق عالم ارواح میں ہوا تا تھا،جیسا کہ دیگراحادیث میں آتا ہے،کہ حق تعالیٰ نے تمام روحوں کوجوازل سے لیکرابدتک دنیامیں آنے والی تھیں،ننھی ننھی چیونٹیوں کی شکل میں جمع کیا،اورپھران کوعقل ودانائی بھی عنایت فرمائی،اور اپنی ربوبیت والوہیت کا سب سے اقرار کرایا۔

☆

آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿۱۷۵﴾

جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں تو اُس نے اُن کو اتار دیا پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا[٦]

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ

اور اگر ہم چاہتے تو اُن آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا

---

[٦] یہ ان کے قول کے رد کی چوتھی وجہ ہے، یعنی اگر وہ بخشے ہوئے ہوتے اور ان کو کسی عمل خیر کی حاجت اور گناہوں سے بچنے کی ضرورت نہ ہوتی تو ان ہی میں کے ایک نیک اور پارسا آدمی کو اس کے گناہ عظیم کی وجہ سے ہم ذلت کے گھڑے میں کیوں ڈال دیتے، ان ایتوں میں بلعم بن باعورا کے قصے کی طرف اشارہ ہے، بلعم بن باعورا بنی اسرائیل میں سے تھا، اور اس کے پاس اسمانی کتاب کا علم تھا وہ بہت نیک اور صالح تھا کہتے ہیں وہ اسم اعظم جانتا تھا اس لئے بہت مستجاب الدعوات تھا بعد میں دولت کے لالچ اور اپنی بیوی کے بہکانے سے آیات وہدایات کو چھوڑ کر گمراہ ہو گیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے جبارین سے جہاد کا ارادہ کیا، تو وہ بلعم کے پاس آئے، اور اس سے موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کرنے کی درخواست کی، پہلے تو اس نے انکار کیا، اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام، اللہ کا رسول ہے، اور اس کے ساتھ فرشتے اور مومنین ہیں اس لئے میں اس پر کس طرح بددعا کر سکتا ہوں اخر ان کے اصرار اور کچھ تحفے تحائف پیش کرنے پر اور بیوی کے بہکانے پر وہ مان گیا جونہیں اس نے اللہ کے نبی کے خلاف زبان کھولی۔ اللہ نے اس کی ساری روحانیت سلب کر لی۔ تمام کمالات زائل ہو گئے ایمان سے محروم کر دیا گیا اور اس کی زبان منہ سے نکل کر نیچے لٹک گئی جس طرح شدت گرمی کی وجہ سے کتے کی زبان باہر نکل آتی ہے اور وہ ہانپنے لگتا ہے اس میں اس کی ذلت کا اظہار ہے۔

یعنی وہ دنیا کی طرف مائیل ہو گیا ای رکن الی الدنیا ومال الیھا (روح). ذلت ودناءت طبع میں اس کی مثال بالکل کتے کی سی ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو اور بھگاؤ تو بھی وہ ہانپتا ہے، اور اگر اسے آزاد چھوڑ دو تو بھی وہ ہانپتا ہے یعنی زبان باہر لٹکا کر ہانپنا اس کی طبعی عادت ہے۔ اسی طرح بلعم بن باعورا کی زبان لٹک گئی تھی۔

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ

اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اُس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے

ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ

اور یونہی چھوڑ دوتو بھی زبان نکالے رہے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو (ان سے) یہ قصہ

يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسَهُمْ كَانُوْا

بیان کردو تاکہ وہ فکر کریں۔جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اُن کی مثال بُری ہےاورانھوں نے نقصان (کیا تو)

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَأُولٰئِكَ هُمُ

اپنا ہی کیا ۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کرے تو ایسے ہی لوگ

الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ

نقصان اٹھانے والے ہیں ۔اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کیلئے پیدا کئے ہیں،

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا

اُس کے دل ہیں لیکن اُس سے سمجھتے نہیں اور اُس کی آنکھیں ہیں مگر اُس سے دیکھتے نہیں اور اُس کے کان ہیں

يَسْمَعُوْنَ بِهَا أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولٰئِكَ هُمُ

پر اُس سے سنتے نہیں یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بھٹکے ہوئے، یہی وہ ہیں جو

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِيْنَ

غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ۔ اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اُس کو اُس کے ناموں سے پکارا کرو

يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ أَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور جولوگ اُس کے ناموں میں کجی کرتے ہیں اُن کو چھوڑ دو، وہ جو کچھ کررہے ہیں عنقریب اُس کی سزا پائیں گے [۷]

---

[۷] ادھر دو مسئلے بیان کرنا ضروری ہے ایک اسماء حسنٰی، دوسرا اللہ کے ناموں میں الحاد،اس لئے کہ دونوں مسئلے ازحد ضروری ہے،اللہ تعالی کے اسماء کسی مخصوص و معین تعداد میں محصور نہیں، کیونکہ حدیث مشہور میں ہے:اسألک بکل اسم هولک سميت به نفسک او انزلته فی کتابک او علّمته احدامن خلقک، او استأثرت به فی علم الغیب عندک(الحدیث) (مسند احمد ۱/۳۹۱،۴۵۲،وغیرہ)۔اے اللہ میں تجھ سے تیرے نام کے واسطے سے دعا کرتا ہوں، وہ نام جو تو نے اپنی ذات کیلئے اختیار کیا ہے، یا وہ نام جو تو نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے۔یا وہ نام جو تو نے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو سکھایا ہے۔یا وہ نام جو تو نے اب تک اپنے خزانہ غیب میں محفوظ فرما کر رکھے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے کچھ اسماء وصفات (نام) اس کے خزانے غیب میں محفوظ ہیں،اور جو چیز اللہ کے علم غیب میں ہو،اس کا حصر واحاطہ کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث:ان لله تسعة وتسعين اسمًا، مائة الاواحدا،من احصاها دخل الجنة ۔ترجمہ بے شک اللہ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں، ایک کم سو،جس شخص نے ان ناموں کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہوگا(بخاری مع الفتح ۱۱/۲۱۸).صحیح مسلم مع المفهم ۷/۱۴).

اس حدیث میں جو کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی کے ننانوے (۹۹) نام ہیں،تو اس سے حصر اور تحدید مراد نہیں ہے، کہ اللہ تعالی کے بس اتنے ہی نام ہیں، کیونکہ اللہ تعالی کے بہت سارے نام ہیں ،جبکہ حدیث کے الفاظ اس طرح نہیں وارد ہوئے ، بلکہ حدیث کے الفاظ کو دیکھتے ہوئے معنی اس طرح ہوتا ہے:اللہ تعالی کے ناموں کی اس تعداد (۹۹) کی شان یہ ہے کہ جو انہیں پڑھنے کا حق ادا کرے گا وہ جنت میں جائیگا،اس مفہوم کے مطابق حدیث کے الفاظ من احصاها دخل الجنة ۔مستقل جملہ نہیں بلکہ سابقہ جملے کی تکمیل ہے۔اس کی مثال اس طرح ہے کہ آپ کہیں، میرے پاس سو درہم ہیں جو میں نے صدقہ کے لئے رکھے ہیں،تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کے پاس اور درہم نہیں ہیں، جو آپ نے صدقہ کے لئے نہیں رکھے۔واضح ہو کہ ان ناموں کی تعین کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں

ہے۔اور جو حدیث بسلسلہ تعین پیش کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے فتاوی: ۳۸۲/۹، میں فرماتے ہیں: اہل الحدیث کا اتفاق ہیں کہ ۹۹ ناموں کی تعین کے سلسلہ میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ نبی کریمﷺ کے قول سے نہیں ہے۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ۳۷۹/۹، پر مزید فرماتے ہیں: یہ نام ولید نامی راوی نے اپنے بعض شامی شیوخ سے ذکر کئے ہیں، جیسا کہ بعض طرق حدیث میں یہ واضح طور پر آیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری: ۲۲۵/۱۱، میں فرمایا ہے اس حدیث کے ضعف کے سلسلہ میں علت صرف ولید کا تفرد نہیں ہے، بلکہ نقل متن میں اختلاف واضطراب، تدلیس اور احتمال ادراج، یہ ساری علتیں ہوسکتی ہیں۔اب چونکہ ان ننانوے ناموں کی تعیین نبی کریمﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے، لہٰذا سلف صالحین سے اس تعین کے سلسلہ میں خاصہ اختلاف منقول ہے اور بہت سے اقوال وارد ہیں۔کتاب اللہ سے ننانوے نام جو سفیان ثوری پر ظاہر ہوئے، انہیں جمع کر کے آپ کے خدمت میں پیش کر رہے ہیں: سورۂ فاتحہ میں:

(۱)(اللہ) (۲)الرب (۳)الرحمان (۴)الرحیم(۵)المالک، اورسورۂ بقرہ میں (۶) المحیط (۷)القدیر (۸)العلیم(۹)الحکیم (۱۰)التواب(۱۱) البصیر (۱۲) الواسع(۱۳)البدیع(۱۴)السمیع (۱۵)الکافی (۱۶)الرؤوف(۱۷) الشاکر(۱۸)القَیُّوم (۱۹)العلیُّ (۲۰)العظیم (۲۱)الولِیُّ (۲۲)الغنِیُّ (۲۳)الحمید. (۲۴)القابض(۲۵)الباسط، اورسورۂ آل عمران میں (۲۶)القائم (۲۷)الوھاب (۲۸)؛سریع الحساب (۲۹)الخبیر، اورسورۂ نساء میں (۳۰)الرقیب(۳۱)الحسیب(۳۲) الشھید (۳۳) الغفور (۳۴)المعین (۳۵)الوکیل، اورسورۂ انعام میں (۳۶)الفاطر(۳۷)الظاھر(۳۸) القادر(۳۹)اللطیف (۴۰)شفیع، اورسورۂ اعراف میں(۴۱)المحیی (۴۲)الممیت (۴۳)خیر الحاکمین، اورسورۂ انفال میں(۴۴)نعم المولی (۴۵)نعم النصیر، اورسورۂ ہود میں (۴۶)الحفیظ (۴۷)أحکم الحاکمین(۴۸)القریب (۴۹)القوی (۵۰)المجیب (۵۱)الودود (۵۲)فعّال، اورسورۂ یوسف میں(۵۳)الواحد(۵۴)القھّار ،اورسورۂ الرعد میں(۵۵)الکبیر (۵۶)المتعال، اورسورۂ ابراہیم میں (۵۷)المنَّانُ، اورسورۂ حجر میں(۵۸)الخَلَّاق،اورسورۂ اسراء

میں (۵۹)الحلیم،اورسورۂ مریم میں (۶۰)الصادق (۶۱)الوارث،(۶۲) الحفی اورسورۂ طٰہٰ میں (۶۳) الملک، اورسورۂ حج میں (۶۴)الباعث،اورسورۂ المومنون میں (۶۵)الکریم(۶۶)أحسن الخالقین، اورسورۂ النور میں (۶۷)الحق (۶۸)المبین (۶۹)النور، اورسورۂ الفرقان میں (۷۰)الھادی،اورسورۂ سبا میں (۷۱)الفتاح،اورسورۂ المومن میں (۷۲)غافر الذنب (۷۳)قابل التوب (۷۴)شدید العقاب (۷۵)ذو الطول، اورسورۂ الذاریات میں (۷۶)الرزّاق (۷۷) المتین، اورسورۂ طور میں (۷۸) البَرُّ، اورسورۂ القمر میں (۷۹) الملیک (۸۰)المقتدر، اورسورۂ الرحمٰن میں (۸۱) ذوالجلال (۸۲)ذو الاکرام، اورسورۂ الحدید میں (۸۳)الاول (۸۴)الآخر (۸۵)الباطن، اورسورۂ الذاریات میں (۸۶) ذوالقوۃ،، اورسورۂ الحشر میں (۸۷) القُدُّوس (۸۸) السّلام (۸۹) المؤمن (۹۰)المھیمن (۹۱)العزیز (۹۲)الجَبَّار (۹۳)المتکبِّر (۹۴)الخالق (۹۵)الباریٔ (۹۶) المُصَوِّر، اورسورۂ البروج میں (۹۷) المبدیٔ، اورسورۂ الاخلاص میں (۹۸) الاحد، (۹۹)الصمد .از کتاب السنة لإبن الخلال: ۶/۷۴.

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد

الحاد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں پر ایمان لانے سے متعلق جو واجب اور ضروری امور ہیں ان میں سے کسی امر سے انحراف کرنا۔اس الحاد کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نام کا انکار کردیا جائے۔یاوہ نام جن صفات واحکام پر دلالت کررہے ہیں ان کا انکار کردیا جائے۔گمراہ فرقہ جہمیہ اس الحاد کا مرتکب تھا۔ضروری تو یہ تھا کہ ان ناموں پر وجوبا ایمان لایا جاتا، نیز یہ نام جن احکام اورصفات لائقہ پر مشتمل ہیں ان پر ایمان لایا جاتا،لیکن اس گمراہ فرقے نے انکار کرکے اس الحاد وانحراف کا ارتکاب کیا۔

(۲) الحاد کی دوسری شکل یہ ہے کہ ان ناموں کی مدلول صفات باری تعالیٰ کومخلوقات کی صفات کے مشابہ قرار دیا جائے، حالانکہ یہ تشبہ باطل ہے،اور یہ ممکن ہی نہیں کہ نصوص قرآن وحدیث اس تشبیہ پر دلالت کریں۔بلکہ نصوص تو ہر قسم کی تشبیہ

کے باطل ہونے پر دال ہیں، تو جو یہ تشبیہ کا نظریہ اپنائے گا اس نے اسماء حسنی میں الحاد و انحراف کا ارتکاب کیا۔

(۳) الحاد کی تیسری شکل یہ ہے کہ اپنی طرف سے اللہ تعالی کا کوئی نام رکھے، جس کا اللہ تعالی نے اپنی ذات کے لئے ذکر نہیں فرمایا، جیسا کہ نصاری نے ذات باری تعالی کو ''الاب'' یعنی باپ کا نام دیا فلاسفہ نے العلۃ الفاعلۃ کا نام دیا یہ سب الحاد ہے، اللہ تعالی کے نام توقیفی ہیں، لہٰذا اپنی طرف سے اللہ تعالی کا کوئی نام تجویز کرنے والا الحاد و انحراف کا مرتکب قرار پائے گا۔ نیز ان گمراہ فرقوں نے اللہ تعالی کے جو نام رکھے ہیں وہ سب کے سب فی نفسہ باطل ہیں، ضروری ہے کہ اللہ تعالی کی ان ناموں سے تنزیہ و پاکیزگی بیان کی جائے۔

(۴) الحاد کی چھوتی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ناموں سے اپنے معبودوں کے نام اشتقاق کرنا، اس الحاد کے مرتکب مشرکین مکہ تھے انہوں نے اللہ تعالی کے نام ''العزیز'' سے اشتقاق کرتے ہوئے اپنے ایک معبود کا نام ''العزی'' رکھدیا، اور اللہ تعالی کے اسم مبارک ''الالٰہ'' سے اشتقاق کرتے ہوئے اپنے ایک معبود کا نام ''اللاّت'' رکھدیا۔ حالانکہ اللہ تعالی کے تمام نام اس کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ اس کا فرمان ہے: اللہ لاالـه الاهـو لـه الاسـماء الـحسـنی طه: ۸ ۔یعنی وہی اللہ ہے جس کے سوی کوئی معبود نہیں، بہترین نام اسی کے ہیں، نیز فرمایا: ﴿ولله الاسـماء الـحسـنـی فـادعوه بها﴾ الاعراف: ۱۸۰ ۔یعنی اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں، سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو، نیز فرمایا ﴿له الاسماء الحسنی یسبح له مافی السمٰوٰت والارض﴾ یعنی اس کے لئے نہایت اچھے نام ہیں، ہر چیز خواہ وہ اسمانوں میں ہو خواہ زمین میں، وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے، الحشر ۲۴۔

اب جس طرح اللہ تعالی اپنی عبادت والوھیت کے ساتھ مختص ہے، نیز یہ بھی اس کا خاصہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ اسی طرح اس کے تمام اسماء حسنی اس کے ساتھ مختص ہیں۔ اور اس حقیقت پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس سے روگردانی کرتے ہوئے کسی غیر کو وہ نام دینا الحاد و انحراف ہی قرار پائے گا۔ واضح ہو کہ یہ الحاد اپنی تمام اقسام کے ساتھ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ملحدین کو اس انداز سے تہدید و تنبیہ فرمائی: ﴿وذروا الـذیـن یـلحدون فی اسمائه سیجزون ماکانوا یعملون﴾ ۔یعنی اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کیئے کی ضرور سزا ملے گی (الاعراف: ۱۸۰)۔ بلکہ ادلہ شرعیہ کے بعض مقتضیات کے پیش نظر تو الحاد کی بعض صورتیں شرک یا کفر کے درجہ پر پہنچی ہوئی ہیں۔ (العیاذ باللہ)۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِينَ

اور ہماری مخلوقات میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا رستہ بتاتے ہیں اور اُسی کیساتھ انصاف کرتے ہیں۔اور جن لوگوں نے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۸۲﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ

ہماری آیتوں کو جھٹلایا اُن کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ اُن کو معلوم ہی نہ ہوگا۔اور میں اُن کو مہلت دیئے جاتا ہوں

إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۱۸۳﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ

میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ اُن کے رفیق (محمدﷺ) کو (کسی طرح کا بھی) جنون نہیں

إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۸۴﴾ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ

ہے وہ تو ظاہر ظہور ڈر سنانے والے ہیں ۔ کیا اُنہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں

وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ

اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں اُن پر نظر نہیں کی اور اس بات پر (خیال نہیں کیا) کہ عجب نہیں اُن (کی موت)

قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۸۵﴾

کا وقت نزدیک پہنچ گیا ہو تو اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے ۔

مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ

جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اُس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان (گمراہوں) کو چھوڑے رکھتا ہے کہ اپنی

يَعْمَهُونَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا

سرکشی میں پڑے بھکتے رہیں ۔ (یہ لوگ) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اُس کے واقع ہونے کا وقت

عِندَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

کب ہے؟ کہہ دو کہ اُس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے وہی اُسے اُس کے وقت پر ظاہر کر دے گا، وہ آسمان اور زمین میں

لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا

ایک بھاری بات ہوگی اور ناگہاں تم پر آ جائے گی۔ یہ تم سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تم اُس سے بخوبی واقف ہو

قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۸۷﴾

کہو کہ اُس کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔[۸]

قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ

کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا

الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ

تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو مومنوں کو ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں ۔

---

[۸] یہ زجر ہے جب آپ قیامت سے ڈراتے ہیں تو ماننے کے بجائے الٹے ضد وعناد کی وجہ سے سوال کرنے لگتے ہیں کہ وہ قیامت آئے گی کب۔ نبی کریم ﷺ سے علم قیامت کی نفی سات طریقوں سے کی گئی۔

پہلا طریقہ: اللہ تعالی نے فرمایا آپ اس کے جواب میں صاف کہہ دیں ﴿انما علمها عند ربی﴾ کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے کہ قیامت کب آئے گی۔

دوسرا طریقہ: ﴿لا یجلیها لوقتها الا هو﴾۔ جب اس کا وقت آ پہنچے گا تو وہ خود ہی اس کو ظاہر فرمائیگا۔

تیسرا طریقہ: ﴿ثقلت فی السمٰوات﴾ زمین وآسمان میں قیامت کے علم کا معاملہ بہت اہم ہے۔ زمین وآسمان کی ساری مخلوق سے قیامت کا علم پوشیدہ ہے۔ اور ہر ایک کی تمنا ہے کہ اس کا علم اس پر منکشف ہو جائے۔ ای کل من اهلها من الملائکة و الثقلین اهمه شان الساعة ویتمنی ان یتجلّی له علمها، ویشق علیه خفائها (مدارک). و المراد کبرت وعظمت علی اهلها حیث لم یعلموا وقت وقوعها (روح المعانی).

چوتھا طریقہ: ﴿یسئلونک کانک حفی عنها﴾ مشرکین قیامت کے بارے میں آپ سے اس طرح سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس کی تلاشی اور جستجو میں ہیں، اور اس کا علم حاصل کر چکے ہیں (ای عالم بها کثیر السوال

عنہا)قرطبی.

پانچواں طریقہ: ﴿ قل انما علمها عند الله ﴾ دوبارہ تاکیداً حکم دیا کہ آپ اعلان کردیں کہ قیامت کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم تمام مخلوق سے پوشیدہ کررکھا ہے ، کیونکہ حکمت تشریعیہ کا اقتضا یہی ہے، اسی طرح انسان کی موت کے وقت کا علم مخفی ہے کیونکہ یہ چیز احکام الٰہی کی بجاآوری اور گناہوں سے اجتناب میں زیادہ معاون ومؤثر ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس علم کو کسی نبی مرسل اور ملک مقرب پر بھی ظاہر نہیں فرمایا: وانما اخفی سبحانه امر الساعة، لاقتضاء الحكمة التشريعية ذلك ،فانه ادعى الى الطاعة وازجر عن المعصية ،كما ان اخفاء الاجل الخاص للانسان كذلك، وظاهر الآيات انه عليه السلام لم يعلم وقت قيامها،نعم علم عليه السلام قربها على الاجمال (روح المعانی)۔

چھٹا طریقہ: قیامت کا علم تو درکنار وہ تو بہت بڑی بات ہے، میں تو اپنے نفع ونقصان کا مالک بھی نہیں ہوں ،الاماشاء الله، یہ استثناء منقطع ہے،یعنی جو کچھ اللہ چاہے،وہی ہوتا ہے۔اس میں انتہائی عجز کا اظہار ہے،اوراس سے نبی ﷺ کا علم قیامت سے عجز کامل طور پر ثابت ہوتا ہے،ولكن ماشاء الله من ذلك كائن ،فالاستثناء منقطع، وهذا ابلغ فى اظهار العجز (ابو السعود). و الكلام مسوق لاثبات عجزه عن العلم بالساعة على اتم وجه (روح المعانی)۔

ساتواں طریقہ: یہ نبی ﷺ سے علم غیب کی نفی پر ایک واضح دلیل ہے ،اگر میں غیب جانتا ہوتا تو دنیا کے تمام منافع حاصل کر لیتا،اور تمام مضار سے بچ جاتا،اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی ،اہل بدعت کہتے ہیں کہ یہاں ﴿كنت﴾ ماضی کا صیغہ ہے اور یہ پہلے کی بات ہے، بعد میں آپ کو کلی علم غیب حاصل ہوگیا تھا،اس کا جواب یہ ہے کہ جب کلمہ ”لو“ ماضی پر داخل ہوجائے ،تو مفید استمرار ہوتا ہے،جیسا کہ شرح عقائد اور حاشیہ خیالی میں مذکور ہے۔

”خیر“ سے دنیوی منافع اور ”سوء“ سے دنیوی تکلفیں مراد ہیں،اوراس میں شک نہیں کہ نبی ﷺ سے کئی دنیوی منافع فوت ہوگئے اور کئی دنیوی تکلیفیں آپ ﷺ کو پہنچیں،باقی رہی آخرت کی خیر تو وہ آپ ﷺ کو تمام وکمال حاصل تھی،اورآخرت کی مضار سے بھی محفوظ تھے، لہٰذا اب مبتدعین کا یہ اعتراض باطل ہوگیا،کہ تمہارے مطلب سے (نعوذ باللہ) نبی ﷺ کا بھلائی سے محروم ہونا لازم آتا ہے۔

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اُس سے اُس کا جوڑا بنایا

زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ

تا کہ اُس سے راحت حاصل کرے۔ سو جب وہ اُس کے پاس جاتا ہے تو اُسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ اُس کیساتھ چلتی

فَلَمَّآ أَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا

پھرتی ہے۔ پھر جب کچھ بوجھ معلوم کرتی ہے (یعنی بچہ پیٹ میں بڑا ہوتا ہے) تو دونوں (میاں بیوی) اپنے رب سے التجا کرتے ہیں

لَئِنْ آتَيْتَنَا صٰلِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّا آتَاهُمَا صٰلِحًا

کہ اگر تو ہمیں صحیح وسالم (بچہ) دے گا تو ہم تیرے شکر گزار رہوں گے۔ جب وہ اُن کو صحیح وسالم (بچہ) دیتا ہے تو اُس (بچے)

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتَاهُمَا فَتَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

میں جو وہ اُن کو دیتا ہے اُس کا شریک مقرر کرتے ہیں۔ جو وہ شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ (کا رتبہ) اُس سے بلند ہے۔[9]

---

[9] یعنی یہ لوگ اولاد کے لئے غیر اللہ کی نذر و نیاز دیتے تھے، مفسرین کے نزدیک ''نفس واحدة'' سے آدم علیہ السلام مراد ہیں، ان آیتوں میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے بعض لوگ اس کو آدم وحواء علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور ایک روایت سے تمسک کرتے ہیں (وہ روایت امام احمدؒ نے: ۱۱/۵، میں اور ترمذی: ۳۰۷۳، وغیرہ نے سمرہؓ سے نقل کیا ہے کہ: عن النبی ﷺ قال لما ولدت حواء طافت بها ابليس و كان لا يعيش لها ولد فقال سميه عبد الحارث فانه يعيش فسمته عبد الحارث فعاش و كان ذٰلك من وحى الشيطان وامره. یعنی نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: کہ حواء کو جب وضع حمل ہوا تو ابلیس ان کے پاس آیا۔ ان کا بچہ زندہ نہیں رہتا تھا تو حواء کو مشورہ دیا کہ بچہ کا نام عبد الحارث رکھو تو وہ زندہ رہے گا چنانچہ بچہ کا نام عبد الحارث رکھا گیا اور وہ زندہ رہا۔ یہ شیطان کی طرف کی وحی تھی اور حارث شیطان کا نام ہوتا ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے، اس میں تین علتیں ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ اس کا راوی عمر بن ابراہیم ایک بصری شخص ہے اگر چہ ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ابوحاتم نے کہا ہے کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔

(۲): دوسرے یہ کہ یہی روایت موقوفاً سمرہؓ کے اپنے قول سے مروی ہے جو مرفوع نہیں۔ ابن جریر میں خود سمرہ بن جندبؓ کا کہنا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔

(۳): تیسرے یہ کہ اس کے راوی حسنؒ سے بھی اس آیت کی تفسیر اس کے سوا بیان کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو یہ خود اس کے خلاف تفسیر نہ کرتے۔

ابن جریر کہتے کہ یہ آدم علیہ السلام کا واقعہ نہیں بلکہ بعض دوسرے مذہب والوں کا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد بعض مشرک انسان ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ یہود اور نصاریٰ کا فعل بیان ہوا ہے کہ اپنی اولاد کو اپنی روش پر ڈال لیتے ہیں۔ اس آیت کی جو تفسیریں بیان کی گئی ہیں ان سب میں بہتر یہی تفسیر ہے۔

دوسری حدیث بھی اس بارے میں ابن عباسؓ سے مروی ہیں کہ: **عن ابن عباسؓ قال کانت حواء تلد لآدم علیه السلام اولادا فیعبّدهم لله ویسمّیه "عبدالله وعبیدالله" ونحو ذالک، فیصیبهم الموت فأتاها ابلیسُ وآدمَ، فقال انکما لوتسمیانه بغیر الذی تسمیانه به لعاش، قال فولدت له رجلا فسماه عبدالحارث ففیه انزل الله یقول الله (هوالذی خلقکم من نفس واحدة الی قوله 'جعلاله شرکاء فیما آتهما)[ابن جریر وابن کثیر].** 'یعنی حوا کے جو اولاد ہوتی تھی، ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیتی تھیں، اور ان کا نام عبداللہ، عبیداللہ وغیرہ رکھتی تھیں۔ یہ بچے مر جاتے تھے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام وحوا کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ اگر اپنی اولاد کا کچھ دوسرا نام رکھا کرو گے تو وہ زندہ رہے گا۔ اب حوا کے بچہ ہوا تو ماں باپ نے بچہ کا نام عبدالحارث رکھا۔ اسی سے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے: **هوالذی خلقکم الخ** . ابن عباسؓ سے اس حدیث کو لے کر ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے، جیسے مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ قتادہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہم۔

اسی طرح سلف سے لے کر خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ اسے ابی بن کعبؓ سے روایت کرتے ہیں، جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ بات اہل کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ محققین نے اس روایت کو غیر معتبر

اوراسرائیلیات قرار دیا ہے۔

ابن حزم ''کتاب الفصل'': ۵/۴، میں لکھتا ہے کہ: واما قوله عزوجل (یعنی یہ آیت) فهذا تكفير لآدم عليه السلام. ومن نسب لآدم عليه السلام الشرك و الكفر، كفرًا مجرّدا بلاخلاف من احدمن الامة ونحن ننكرعلى من كفّرالمسلمين العصاة، العشارين، القتالين، و الشرط، الفاسقين، فكيف من كفّرالانبياء عليهم السلام؟. وهذا الذى نسبوه الى آدم عليه السلام من انه سمى ابنه عبد الحارث، خرافة، موضوعة، مكذوبة، من تاليف من لادين له ولاحياء، ولم يصح سندهاقط، وانمانزلت فى المشركين على ظاهرها، الخ۔

صحیح بات یہ ہے کہ '' فلماتغشاها'' سے روئے سخن بنی آدم کی طرف ہوگیا ہے، اور تثنیہ کے صیغوں سے اولاد آدم میں سے مشرک خاوند بیوی مراد ہیں کہ وہ پہلے تو اللہ تعالی سے دعائیں مانگتے ہیں، کہ ان کے گھر میں صحیح اور تندرست بیٹا پیدا ہو، اور وہ اس کا شکرادا کریں گے لیکن جب اللہ تعالی ان کو فرزند نرینہ عطا کر دیتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں کہ یہ بیٹا تو ان کو فلاں بزرگ کی برکت سے ملا ہے۔ پھر اسی بزرگ کی نذرونیاز دیتے ہیں، اور بعض اس کا نام بھی مشرکانہ ہی تجویز کرتے ہیں، مثلا: عبدود، عبدیغوث، عبدالعزیٰ پیراں دتہ، نبی بخش، علی بخش، حسین بخش وغیرہ۔ وقال قوم ان هذاراجع الى جنس الادميين، و التبيين عن حال المشركين من ذرية آدم عليه السلام وهو الذى يعول عليه. فقوله ﴿جعلاله﴾ يعنى الذكرو الانثى الكافرَينِ الخ (قرطبى) لیکن جناب شیخ حسین علیؒ کے یہاں ''نفس واحدة'' سے مرد مراد ہے، اور ''منها'' سے ''من جنسها'' مراد ہے۔ یعنی تم کو اپنے اپنے باپ سے پیدا کیا اور اس کا جوڑا بھی اسی کی جنس سے پیدا کیا۔

علامہ الوسیؒ فرماتے ہیں اى من جنسها كمافى قوله سبحانه وتعالى ﴿جعل لكم من انفسكم ازواجا﴾ (نحل: ۷۲). فمِنْ ابتدائية (روح). اس طرح آیت میں حواء وآدم علیہ السلام کا ذکر نہیں بلکہ شروع ہی سے مطلق خاوند بیوی کا ذکر ہے۔

أَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ
کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کیئے جاتے ہیں۔ اور نہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں

نَصْرًا وَّلَآ أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَإِنْ تَدْعُوْهُمْ إِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ
اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ۔ اگر تم اُن کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ تو تمہارا کہا نہ مانیں۔

سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوْهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صٰمِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
تمہارے لئے برابر ہے کہ تم ان کو بلاؤ یا چپ ہو رہو ۔ (مشرکو!) جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو

دُوْنِ اللهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ
وہ تمہاری طرح کے بندے ہی ہیں (اچھا) تم اُن کو پکارو اگر سچے ہو تو چاہیئے کہ وہ تمہیں جواب بھی دیں ۔

﴿۱۹۴﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ
بھلا اُن کے پاؤں ہیں جن سے چلیں یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں یا آنکھیں ہیں

يُّبْصِرُوْنَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ
جن سے دیکھیں یا کان ہیں جن سے سنیں؟ کہہ دو کہ اپنے شریکوں کو بلا لو

ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ إِنَّ وَلِيِّيَ اللهُ الَّذِيْ
اور میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی ہو) کرلو اور مجھے کچھ مہلت بھی نہ دو۔ (پھر دیکھو کہ وہ میرا کیا کر سکتے ہیں) میرا مددگار تو اللہ ہی ہے

نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ
جس نے کتاب (برحق) نازل کی اور نیک لوگوں کا وہی دوست ہے ۔ اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَإِنْ تَدْعُوْهُمْ
وہ نہ تمہاری ہی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ۔ اور اگر تم اُن کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ

إِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوا وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۹۸﴾

تو سن نہ سکیں اور تم اُنہیں دیکھتے ہو کہ (بہ ظاہر) آنکھیں کھولے تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر (فی الواقع) کچھ نہیں دیکھتے

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ

(اے محمد ﷺ!) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرلو۔ اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے

مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ

جو لوگ پرہیز گار ہیں جب اُن کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول

مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

کر) دیکھنے لگتے ہیں۔ اور ان (کفار) کے بھائی انہیں گمراہی میں کھینچے جاتے ہیں پھر (اس میں کسی طرح کی) کوتاہی نہیں کرتے

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا

اور جب تم اُن کے پاس (کچھ دنوں تک) کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے) کیوں نہیں بنالی؟

قُلْ إِنَّمَآ أَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا

کہہ دو کہ میں تو اُسی حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میرے پاس آتا ہے۔ یہ (قرآن)

بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ

تمہارے رب کی جانب سے دانش و بصیرت اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اور جب قرآن پڑھا جائے

فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور اپنے رب کو

فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے، پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

غافل نہ ہونا۔بیشک جوکوئی تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی بندگی سے تکبرنہیں کرتے

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾

اوراس کی پاک ذات کویادکرتے ہیں اوراسی کوسجدہ کرتے ہیں۔

سورة الانفال [مدنية]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اورنہایت رحم والا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

یہ لوگ تم سے مال غنیمت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں ،کہہ دو کہ غنیمت اللہ اور اُس کے رسول کا مال ہے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

تو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر چلو [۱]

---

[۱] یہ ایت غزوہ بدر میں پیش آنے والے ایک واقعہ سے متعلق ہے،آیت کی مفصل تفسیر سے پہلے وہ واقعہ سامنے رکھا جائے تو تفسیر سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ غزوہ بدر جوکفرواسلام کا سب سے پہلامعرکہ تھا،اس میں جب مسلمانوں کوفتح ہوئی اور کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا،توصحابہ کرام کے درمیان اس کی تقسیم کے متعلق ایک ایساواقعہ پیش آیاجواخلاص واتفاق کے اس مقام کے

شایان شان نہ تھا، جس پر صحابہ کرام کی پوری زندگی ڈھلی ہوئی تھی، اس لئے پہلی ہی آیت میں اس کا فیصلہ فرما دیا گیا، تا کہ اس مقدس گروہ کے قلوب میں صدق واخلاص اور اتفاق وایثار کے سوا کچھ نہ رہے۔ اس واقعہ کی تفصیل غزوہ بدر کے شریک عبادہؓ کی زبانی مسند احمد:۲۲۷/۵، ترمذی: رقم:۱۶۰۶، ابن ماجہ:۲۸۰۲، مستدرک:۱۳۶/۲، وغیرہ میں اس طرح منقول ہے: کہ عبادہ بن صامتؓ سے کسی نے آیت مذکورہ میں لفظ انفال کا مطلب پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: کہ یہ آیت تو ہمارے یعنی اصحاب بدر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جس کا واقعہ یہ تھا کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہمارے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا، جس نے ہمارے اخلاق پر بُرا اثر ڈالا۔ حق تعالی نے اس آیت کے ذریعہ اموال غنیمت کو ہمارے ہاتھوں سے لے کر رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے سب حاضرین بدر میں اس کو مساوی طور پر تقسیم فرما دیا۔ صورت یہ پیش آئی تھی کہ ہم سب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور دونوں فریق میں گھمسان کی جنگ کے بعد اللہ تعالی نے دشمن کو شکست دی، تو اس وقت ہمارے لشکر کے تین حصے ہو گئے کچھ لوگوں نے دشمن کا تعاقب کیا، تا کہ وہ پھر واپس نہ آسکے۔ کچھ لوگ کفار کے چھوڑے ہوئے مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، اور کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے گرد اس لئے جمع رہے کہ کسی طرف سے چھپا ہوا دشمن رسول پاک ﷺ پر حملہ نہ کر دے۔ جب جنگ ختم ہو گئی اور رات کو ہر شخص اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا وہ کہنے لگے کہ یہ مال تو ہم نے جمع کیا ہے اس لئے اس میں ہمارے سوا کسی کا حصہ نہیں۔ اور جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے، انہوں نے کہا کہ تم لوگ ہم سے زیادہ اس کے حق دار نہیں ہو۔ کیونکہ ہم نے ہی دشمن کو پسپا کیا، اور تمہارے لئے یہ موقع فراہم کیا کہ تم بے فکر ہو کر مال غنیمت جمع کرو۔ اور جو لوگ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لئے آپ کے گرد جمع رہے انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے تو ہم بھی مال غنیمت جمع کرنے میں تمہارے ساتھ شریک ہوتے لیکن نبی کریم ﷺ کی حفاظت جو جہاد کا سب سے اہم کام تھا ہم اس میں مشغول رہے اس لئے ہم بھی اس کے مستحق ہیں۔ جب صحابہ کرام کی یہ گفتگو رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی جس نے واضح کر دیا کہ یہ مال اللہ کا ہے اس کا کوئی مالک وحق دار نہیں بجز اس کے، جس کو رسول اللہ عطا فرمائیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشادات ربانی کے تحت اس مال کو سب شرکاء جہاد میں مساوی طور پر تقسیم فرما دیا، اور سب کے سب اللہ ورسول کے اس فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ اور ان کے خلاف شان جو صورت حال باہمی مسابقت کی پیش آ گئی تھی اس پر نادم ہوئے۔ لفظ ''انفال''، نفل کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں فضل وانعام، نفلی نماز، روزہ، صدقہ، کو بھی نفل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کے ذمہ لازم وواجب نہیں، کرنے والے اپنی خوشی سے کرتے ہیں، اصطلاح قرآن وسنت میں لفظ نفل اور انفال

مال غنیمت کے لئے بھی کہا جاتا ہے، جو کفار سے بوقت جہاد حاصل ہوتا ہے، مگر قرآن کریم میں اس معنے کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں" انفال " اسی ایت میں، لفظ" فیء"سورت حشر میں بیان ہوئی ہے۔ اور لفظ غنیمت اس صورت کی اکتالیسویں آیت میں ہے۔ اوران تینوں کے معانی تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ مختلف ہیں، فرق معمولی اور قلیل ہونے کی وجہ سے بعض اوقات ایک لفظ دوسرے کی جگہ مطلقا مال غنیمت کے لئے بھی استعمال کرلیا جاتا ہے، غنیمت عموماً اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ و جہاد کے ذریعہ مخالف فریق سے حاصل ہو، اور فیئے اس مال کہتے ہیں جو بغیر جنگ وقتال کے کفار سے ملے، خواہ وہ چھوڑ کر بھاگ جائیں یا رضامندی سے دیدینا قبول کریں۔ اور نفل اور انفال کا لفظ اکثر اُس انعام کیلئے بولا جاتا ہے، جو امیر جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگذاری کے صلہ میں علاوہ حصہ غنیمت کے بطور انعام عطاء کرے۔ یہ معنی تفسیر ابن جریر میں عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی گئی ہے (ابن کثیر)۔

اور کبھی مطلقاً مال غنیمت کو بھی نفل وانفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس ایت میں اکثر مفسرین نے یہی عام معنی لئے ہیں، صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباسؓ سے یہی عام معنی نقل کئے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ خاص اور عام دونوں معنی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی اختلاف نہیں اور اس کی بہترین تشریح وتحقیق وہ ہے جو امام ابوعبیدؒ نے اپنی کتاب ''الاموال'' میں ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اصل لغت میں نفل کہتے ہیں فضل وانعام کو، اور اس امت مرحومہ پر اللہ تعالی کا یہ خصوصی انعام ہے کہ جہاد وقتال کے ذریعہ جو اموال کفار سے حاصل ہوں ان کو مسلمانوں کے لئے حلال کردیا گیا۔

ورنہ پچھلی امتوں میں یہ دستور نہ تھا، بلکہ مال غنیمت کے لئے قانون یہ تھا کہ وہ کسی کے لئے حلال نہیں تھے، تمام اموال غنیمت کو ایک جگہ جمع کردیا جاتا تھا۔ اور اسمان سے قدرتی طور پر ایک آگ اتی تھی اور اس کو جلا کر خاک کردیتی تھی یہی اس جہاد کے مقبول عنداللہ ہونے کی علامت ہوتی تھی، اور اگر کوئی مال غنیمت جمع کیا گیا اور اسمانی آگ نے آکر اس کو نہ جلایا تو یہ علامت اس کی ہوتی تھی کہ یہ جہاد اللہ تعالی کے نزدیک مقبول نہیں اس لئے اس مال غنیمت کو بھی مردود اور منحوس سمجھا جاتا تھا اور اسے کوئی استعمال نہ کرتا تھا۔

نبی کریم ﷺ سے بروایت جابرؓ بخاری میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر اور ان کی امت کو نہیں ملیں۔ انہیں پانچ میں سے ایک یہ ہے، **احلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی**، یعنی میرے لئے اموال غنیمت حلال کردیے گئے حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے (بخاری: رقم:۲۲۳۱) آیت مذکورہ میں انفال کا حکم یہ بتلایا گیا، کہ وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ اصل ملکیت

تو اللہ تعالی کی ہے، اور متصرف ان میں اللہ تعالی کے رسول ہیں جو حکم الٰہی کے مطابق اپنی صوابدید پر ان کو تقسیم کرتے ہیں۔اس لئے ائمہ تفسیر کے ایک جماعت نے جن میں عبداللہ بن عباسؓ مجاہد،عکرمہ وسدی وغیرہ داخل ہیں یہ فرمایا کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب تک تقسیم غنائم کا وہ قانون نازل نہ ہوا تھا جو اسی سورۃ کے پانچویں رکوع،آیۃ:۴۱، میں آرہا ہے کیونکہ اس میں پورے مال غنیمت کو رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، کہ جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں، اور آگے جو تفصیلی احکام آئے ہیں ان میں یہ ہے کہ کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں عام مسلمانوں کی ضروریات کے لئے محفوظ کر دیا جائے اور چار حصے شرکاء جہاد میں ایک خاص قانون کے تحت تقسیم کر دیے جائیں، جن کی تشریح احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔اس تفصیلی بیان نے سورۃ انفال کی پہلی ایت کو منسوخ کر دیا،اور بعض علماء نے فرمایا: کہ یہاں کوئی ناسخ ومنسوخ نہیں، بلکہ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے،سورۂ انفال کی پہلی ایت میں اجمال ہے،اور اکتالیسویں ایت میں اسی کی تفصیل ہے،البتہ مال فیٔ جس کے احکام سورۃ حشر میں بیان ہوا ہے، وہ پورا کا پورا رسول کریم ﷺ کے زیر تصرف ہے آپ اپنی صوابدید سے جس طرح چاہیں عمل فرمائیں، اسی لئے اس جگہ احکام بیان فرمانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا ہے:"**وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنه فانتھوا**" یعنی،جو کچھ تم کو ہمارا رسول دیدے اس کو لے لو،اور جس کو روک دے اس سے باز رہو۔اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت وہ ہے جو جنگ و جہاد کے ذریعہ ہاتھ آئے،اور مال فیٔ وہ جو بغیر قتال و جہاد کے ہاتھ آجائے،اور لفظ"انفال" دونوں کے لئے عام بھی بولا جاتا ہے اور خاص اس انعام کو بھی کہتے ہیں جو کسی غازی کو امیر جہاد عطا کرے، اس سلسلہ میں غازیوں کو انعام دینے کے چار صورتیں نبی کریم ﷺ کے عہد سے رائج ہیں، ایک یہ کہ یہ اعلان فرمادیں کہ جو شخص کسی مخالف کو قتل کرے تو جو سامان مقتول سپاہی سے حاصل ہو وہ اسی کا ہے جس نے قتل کیا۔یہ سامان مال غنیمت میں جمع ہی نہ کیا جائے گا۔اور دوسرے یہ کہ بڑی لشکر میں سے کوئی جماعت الگ کر کے کسی خاص جانب جہاد کے لئے بھیجی جائے،اور یہ حکم دے دیا جائے کہ اس جانب سے جو مال غنیمت حاصل ہو وہ اسی خاص جماعت کا ہوگا جو وہاں گئ ہے،صرف اتنا کرنا ہوگا کہ اس مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ عام مسلمانوں کے ضروریات کے لئے بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔تیسرے یہ کہ پانچواں حصہ جو بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے اس میں سے کسی خاص غازی کو اس کی ممتاز کارگزاری کے صلہ میں امیر کی صوابدید کے مطابق دیا جائے۔چوتھے یہ کہ پورے مال غنیمت میں سے کچھ حصہ الگ کر کے خدمت پیشہ لوگوں کو بطور انعام دیا جائے، جو مجاہدین کے گھوڑوں وغیرہ کی نگہداشت کرتے ہیں،اور ان کے کاموں میں مدد کرتے ہیں[ابن کثیر]۔

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ
مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب انہیں اُس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں
وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ
تو اُن کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر
يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾
بھروسا رکھتے ہیں[۲] وہ جو نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں،

---

[۲] ابن کثیر اس ایت کے تحت لکھتا ہے کہ یہ آیت سورۂ توبہ کی ایت: '۹' جیسی ہے، پھر لکھتے ہیں سو! بات یہ ہے کہ اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے جو پہلے ہی سے مومن ہے اور جنت کی خوشخبری اسی کے حق میں ہے۔ امام بخاریؒ اور دوسرے ائمہ نے اسی نوعیت کی آیتوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہوسکتی ہے، جیسا کہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے بلکہ کہا گیا ہے کہ بہت سارے ائمہ کا اسی پر اجماع ہے، جیسے امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور ابو عبیدؒ، مزید تفصیل ہم نے شرح بخاری میں بیان کیا ہے۔

ابن ابی العزؒ شرح عقیدہ الطحاویۃ: ۱/۳۴۲ (باب الایمان هو الاقرار) میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں: کتاب وسنت اور اثار سے اس پر کثرت کے ساتھ دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں، ارشاد الٰہی ہے: "﴿واذا تليت عليهم اياته زادتهم ايمانا﴾" [الانفال]۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: "ويزيد الله الذين اهتدوا هدى" [مریم: ۷٦]۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿ويزداد الذين امنوا ايمانا﴾ [المدثر: ۳۱]۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿هو الذى انزل السكينة فى قلوب المومنين ليزدادوا ايمانا مع ايمانهم﴾ (الفتح: ۴)۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم الوكيل﴾ (العمران: ۱۷۳)۔

مذکورہ اور اس سے قبل والی ایت کے مفہوم پر غور کرنے کے بعد کیسے کہا جاسکتا ہے، کہ ایمان کی زیادتی مومن بہ کی

زیادتی کی وجہ سے ہے، کیا لوگوں کے کہنے میں کہ لوگ تمہارے مقابلہ کے لئے اکھٹے ہوگئے ہیں تم ان سے ڈر جاؤ؟۔مومن بہ زیادہ ہوا ہے؟ اور کیا ایمان داروں کے دلوں پر سکون کے اتارنے میں مومن بہ زیادہ ہوا ہے؟ جب حق تعالی نے ایمان داروں کے دلوں پر اس وقت سکون نازل فرمایا جب وہ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے تاکہ ان کے یقین واطمینان میں اضافہ ہو، اس کی تاکید اللہ تعالی کے اس قول سے ہورہی ہے، ارشاد الٰہی ہے:''**ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان**'' (العمران:۱٦۷)۔نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿**واذا ما انزلت سورۃ فمنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایمانا، فاما الذین امنوا فزادتھم ایمانا وھم یستبشرون، واما الذین فی قلوبھم مرض فزادتھم رجسا الی رجسھم وماتوا وھم کافرون**﴾ (التوبہ:۱۲۴،۱۲۵)۔

اس ایت کی تفسیر میں فقیہ ابو اللیث ثمر قندیؒ نے تفسیر بحر العلوم میں ابو ہریرہؓ سے سند کے ساتھ ایک حدیث ذکر کی ہے، کہ بنو ثقیف قبیلہ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا، اور فرمایا: ایمان دل میں مکمل ہے اس میں زیادتی کفر اور کمی شرک ہے، اس حدیث کے بارے میں علامہ ابن کثیر سے دریافت کیا گیا؟ آپ نے فرمایا: اس کی سند میں ابو اللیث سے ابو مطیع راوی تک مجہول رواۃ ہیں، مشہور تاریخ کی کتابوں میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے، نیز ابو مطیع حکم بن عبداللہ بن مسلم بلخی کو احمد بن حنبل، یحی بن معین، عمرو بن علی فلاس، بخاری، ابوداؤد، نسائی، ابوحاتم رازی، ابوحاتم محمد بن حبان بستی، عقیل بن عدی، دارقطنی وغیرہ نے کمزور کہا ہے، نیز ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والا ابوالمہزم تصحیف کرنے والا ہے، اس کا نام یزید بن سفیان ہے، اس کو اکثر ائمہ نے کمزور کہا، شعبہ بن حجاج نے متروک قرار دیا، نیز اس کو وضاع قرار دیتے ہوئے بیان کیا کہ اگر لوگ اس کو دو پیسے دیتے ہیں تو وہ لوگوں کے لئے جھوٹ موٹ بنا کر حدیثیں بیان کردیتا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں عورتوں کو ناقصات العقل والدین کہا ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاوں، [متفق علیہ: خ:۱۵، وم،۴۴] اس میں کمال کی نفی ہے، مطلق ایمان کی نفی نہیں۔

اس مضمون کی حدیثیں کثرت کے ساتھ مروی ہیں، نیز ایمان کی شاخوں والی حدیث، شفاعت کی حدیث، اور یہ وضاحت کہ دوزخ سے وہ لوگ نکالے جائیں گے جن کے دل میں ادنیٰ ذرّہ کے برابر ایمان ہوگا۔کمال کی نفی کرتی ہے، اس وضاحت کے بعد کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تمام اسمان والوں اور زمین والوں کا ایمان برابر ہے؟ اور ان میں تفاضل ایمان کے

علاوہ دیگر اسباب کی بنا پر ہے، صحابہ کرامؓ کے اقوال سے بھی ایمان کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ابوالدرداءؓ کا قول ہے، وہ شخص فقیہ ہے جو اپنے ایمان کا خیال رکھتا ہے، کہ کہیں اس میں کمی نہ آجائے۔

عمرؓ اپنے رفقاء سے کہا کرتے تھے، آئے! ہم ایمان میں اضافہ کریں، چنانچہ وہ ذکر اذکار میں محو ہو جاتے۔ نیز عبداللہ بن مسعودؓ دعا کرتے ہوئے فرماتے: اے اللہ! ایمان، یقین اور فقاہت میں اضافہ فرما۔ نیز معاذ بن جبلؓ نے ایک آدمی سے فرمایا: ہمارے ساتھ ایک مجلس کرو، ہم ایمان کی باتیں کریں، اسی مضمون کا قول عبداللہ بن رواحۃؓ سے بھی منقول ہے، عمار بن یاسر سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے، انہوں نے بیان کیا جس شخص میں تین چیزیں ہیں، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا، اپنے آپ سے انصاف دلایا، تنگی کے وقت خرچ کیا، اور السلام علیکم کو عام کیا (بخاری) اتنا بیان کافی ہے، وباللہ التوفیق۔

لیکن یہ کہنا کہ اعمال کا ایمان پر عطف مغایرت کا متقاضی ہے، لہٰذا اعمال ایمان کے مسمی میں داخل نہیں ہیں۔ ذرا تفصیل طلب ہے، خیال کیجئے، کہیں تو صرف ایمان کا لفظ مستعمل ہوا ہے، اور کہیں اس کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر ہے، اور کہیں اسلام کا ذکر ہے، مطلق ایمان تو اعمال کو مستلزم ہے، ارشاد الٰہی ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ ﴾ (الانفال)۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ (المائدۃ:۸۱)۔

ارشاد نبوی ہے: زانی زنا کرتے وقت ایمان والا نہیں ہوتا، نیز فرمایا تم ایمان دار نہیں جب تک کہ تم آپس میں محبت نہ کرو، نیز فرمایا جو شخص ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے، نیز فرمایا: جس شخص نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے، اس شخص کا قول راہ حق سے بعید ہے، جو کہتا ہے کہ، ہم میں سے نہیں ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے جیسا نہیں ہے، کاش مجھے کوئی شخص بتائے کہ جو دھوکہ باز ہے وہ کیسے نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام جیسا ہے۔

جب ایمان پر عمل صالح کا عطف ہے تو اس وقت عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے لیکن ان دونوں پر جو حکم لگایا جا رہا ہے اس میں دونوں مشترک ہیں۔

خیال رہے کہ مغایرت کے کچھ مراتب ہیں، اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے متباین ہوں، انمیں سے کوئی بھی نہ دوسرے کا عین ہو، نہ جز ہو، اور نہ ہی ان میں تلازم ہو، جیسے ارشاد الٰہی ہے: ﴿ خلق السمٰوات والارض

وجعل الظلمات وا لنور﴾(انعام:۱)اس نے آسمان وں اورزمین کو پیدا کیااوراندھیروں اورروشنی کو پیدا کیا۔

نیزفرمایا:وانزل التورات والانجیل (آل عمران:۳)اس نے تورات اورانجیل کونازل کیاہے،اس کااستعمال کثرت سے ہےاس کےقریب یہ صورت ہے کہ ان میں تلازم ہو،جیسےارشادالہٰی ہے: ﴿ولاتلبسواالحق بالباطل وتکتمواالحق وانتم تعلمون﴾(بقرہ۴۲)۔

اورحق کو باطل کےساتھ نہ ملاؤاور سچی بات کوجان بوجھ کرنہ چھپاؤ،نیزفرمایا:﴿واطیعوا الله واطیعوا الرسول﴾ (المائدہ:۹۲)اوراللہ کی اطاعت کرواوررسول کی اطاعت کرو،اس کے بعد یہ صورت ہے کہ بعض کاکل پرعطف ہےجیسےارشادالہٰی ہے:﴿حافظوا علی الصلوات و الصلوٰۃ الوسطیٰ﴾ (البقرۃ:۲۳۸)۔نیزفرمایا: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾(البقرة:۹۸).

نیزارشادالہٰی ہے:﴿واذاخذنامن النبیین میثاقھم ومنک﴾ (الاحزاب۷)اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہدلیااورتم سے۔اس جیسی صورت میں دوتوجیہیں ہیں،ایک یہ کہ معطوف اول میں داخل ہے،تو اس کا دودفعہ ذکرہوگیا،دوسری یہ کہ وہ اس جگہ اول میں داخل نہیں اگرچہ انفراداً داخل ہے، اس کی مثال میں فقراء اورمساکین کاذکرکیا جاتا ہے کہ ان ان دونوں کامفہوم انفراداً ایک ہے اورافتراقاً مختلف ہے۔ایک صورت یہ بھی ہے کہ معطوف اورمعطوف علیہ میں صفات کےلحاظ سےاختلاف ہےارشادالہٰی ہے:﴿غافر الذنب وقابل التوب﴾(غافر:۳) گناہ معاف کرنے والا،توبہ قبول کرنے والا ہے۔اشعارمیں عطف کی یہ صورت بھی ہے کہ الفاظ مختلف ہیں معنی ایک ہے شاعرکہتا ہے:فالفی قولھا کذباو مینا:یعنی اس نے اس کےقول کوجھوٹا پایا۔

اس شعرمیں ''کذب''اور''مین''ہم معنی ہیں،قران پاک میں بھی یہ استعمال موجودہےارشادالہٰی ہے: ﴿لکل جعلنامنکم شرعة ومنھاجا﴾ (المائدة:۴۸) تم میں سے ہرایک کے لئے شریعت اوردین بنایاجب کلام میں عطف کی یہ سب صورتیں مستعمل ہیں،توہم شارع کاکلام دیکھیں گے کہ اس میں لفظ ایمان کس طرح استعمال ہواہے،ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ مطلقا استعمال ہوتواس سے مرادوہی معنی لیاجاتا ہے جولفظ میں تقوی،دین سے لیاجاتا ہے،چنانچہ اسباب النزول کےضمن میں مذکورہے،کہ جب لوگوں نے ایمان کے بارے میں دریافت کیاتواللہ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی ارشادالہٰی ہے: ﴿لیس البران تولواوجوھکم قبل المشرق و المغرب﴾ (البقرۃ:۱۷۷)نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کومشرق اورمغرب کی طرف کرو۔=

أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَٰتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ
یہی سچے مومن ہیں اور ان کیلئے اللہ کے ہاں (بڑے بڑے) درجے اور بخشش اور عزت کی روزی ہے
كَرِيمٌ ﴿٤﴾ كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ
جس طرح تمہارے رب نے تمہیں تدبیر کیساتھ اپنے گھر سے نکالا
وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَٰرِهُونَ ﴿٥﴾
اور (اس وقت) مومنوں کی ایک جماعت ناخوش تھی
يُجَٰدِلُونَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ
وہ لوگ حق بات کے بارے میں اُس کے بعد کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا تم سے جھگڑنے لگے گویا موت کی طرف دھکیلے جاتے ہیں
وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٦﴾ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ
اور اسے دیکھ رہے ہیں ۔[۳] اور جب اللہ تم سے وعدہ کرتا تھا (ابو سفیان اور ابو جہل کے)

= محمد بن نصر سند کے ساتھ قاسم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص ابوذرؓ کے پاس آیا، اس نے اس سے ایمان کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اس شخص نے کہا میں نے آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا، اس نے جواب دیتے ہوئے کہا، کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے آپ سے وہی سوال کیا جو آپ نے مجھ سے کیا ہے، آپ ﷺ نے اس پر یہی آیت تلاوت فرمائی، جو میں نے آپ پر تلاوت کی ہے، اس نے بھی آپ ﷺ کو وہی بات کہی جو آپ نے مجھ سے کہی ہے، تو جب وہ مطمئن نہ ہوا تو آپ نے فرمایا: مؤمن وہ شخص ہے جو نیک عمل کرتا ہے، تو اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ ثواب کی امید رکھتا ہے، اور جب برائی کرتا ہے تو اس کو غم لاحق ہوتا ہے اور عذاب سے خائف رہتا ہے۔ اسلاف نے بھی اسی طرح کا جواب دیا ہے۔

[۳] شروع سورت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ سورۂ انفال کے بیشتر مضامین کفار و مشرکین پر عذاب و انتقام اور مسلمانوں پر احسان و انعام کے متعلق ہیں، اور اس کے ضمن میں دونوں فریق کے لئے عبرت و نصیحت کے احکام بیان

ہوئے ہیں۔ اوران معاملات میں سب سے پہلا اورسب سے اہم واقعہ غزوہ بدر کا تھا،جس میں بڑے ساز وسامان اورتعداد وقوت کے باوجود مشرکین کو جانی اور مالی نقصانات کیساتھ شکست اور مسلمانوں کو باوجود ہرطرح کی قلت، اور بے سامانی کی فتح عظیم نصیب ہوئی۔اس سورت میں واقعہ بدر کا تفصیلی بیان ہے، جوآیات مذکورہ سے شروع ہورہا ہے۔

پہلی ایت میں اس بات کا ذکر ہے کہ بعض مسلمانوں کو بدر کے موقع پر جہاد کے لئے اقدام ناپسند تھا۔مگراللہ تعالی نے اپنے خاص فرمان کے ذریعہ اپنے رسول ﷺ کو جہاد کا حکم دیا تو ناپسند کرنے والے بھی ساتھ ہوگئے۔اس بات کے بیان کرنے کے لئے قران کریم نے جوالفاظ اختیار فرمائے ہیں، وہ کئی طرح سے قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ ایت کا شروع ”**کما اخرجک ربک**“ سے ہوتا ہے،اس میں لفظ ”**کما**“ ایک ایسا لفظ ہے جوتشبیہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے،تو غور طلب یہ ہے کہ یہاں تشبیہ کس چیز کی کس چیز سے ہے۔مفسرین نے اس کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں: ابوحیان نے اس طرح کے پندرہ اقوال نقل کئے ہیں ان میں زیادہ اقرب تین احتمال ہیں۔

اول یہ کہ اس تشبیہ سے مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جس طرح غزوہ بدر کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت صحابہ کرام کے آپس میں کچھ اختلاف رائے ہوگیا تھا، پھر حکم الٰہی کے تحت سب نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، اوراس کی برکات اوراچھے نتائج کا ظہور سامنے آگیا،اسی طرح اس جہاد کے شروع میں کچھ لوگوں کی طرف سے ناپسندیدگی کا اظہار ہوا، پھر حکم ربانی کے ماتحت سب نے اطاعت کی اوراس کے مفید نتائج اوراعلی ثمرات کا مشاہدہ ہوگیا۔یہ توجیہ فراء اورمبرد کی طرف منسوب ہے (بحرمحیط)۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ گذشتہ آیات میں سچے مومنین کے لئے آخرت میں درجات عالیہ اورمغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ان آیات میں اس وعدہ کے یقینی ہونے کا ذکراس طرح کیا گیا کہ آخرت کا وعدہ اگرچہ ابھی آنکھوں کے سامنے نہیں، مگراللہ تعالی کا جووعدہ نصرت وفتح ،غزوہ بدر میں آنکھوں کے سامنے آچکا ہے اس سے عبرت پکڑو اوریقین کرو کہ جس طرح یہ وعدہ دنیا ہی میں پورا ہو چکا ہے اسی طرح آخرت کا وعدہ بھی ضرور پورا ہوگا۔(قرطبی)۔

تیسرا احتمال وہ ہے جس کوابوحیان نے مفسرین کے پندرہ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مجھے ان میں سے کسی قول پراطمینان نہیں تھا ایک روز میں اسی ایت پرغور وفکر کرتے ہوئے سوگیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی جگہ جارہا ہوں، اورایک شخص میرے ساتھ ہے میں اسی ایت کے متعلق اس سے بحث کررہا ہوں، اور یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے کبھی ایسی مشکل پیش نہیں آئی جیسی اس آیت کے الفاظ میں پیش آئی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی لفظ محذوف ہے

پھر یکایک خواب ہی میں میرے دل میں پڑا، کہ یہاں لفظ "نصرک" محذوف ہے، اس کو خود میں نے بھی پسند کیا اور جس شخص سے بحث کررہا تھا اس نے بھی پسند کیا۔ بیدار ہونے کی بعد اس پر غور کیا تو میرا اشکال ختم ہوگیا۔ کیونکہ اس سورت میں لفظ "کما" تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ بیان سبب کے لئے استعمال ہوا ہے اور معنی ایت کے یہ ہوگئے کہ غزوہ بدر میں اللہ جل شانہ کی طرف سے جو خاص نصرت وامداد آپ کی ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ اس جہاد میں آپ نے جو کچھ کیا اپنی خواہش اور رائے سے نہیں بلکہ خالص امر ربی اور حکم الٰہی کے تابع کیا۔

اسی کے حکم پر آپ اپنے گھر سے نکلے، اور اطاعت حق کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے، اور یہی ہوتا ہے کہ حق تعالی کی امداد ونصرت اس کے ساتھ ہوجاتی ہے بہرحال ایت کے اس جملہ میں یہ تینوں معنی محتمل اور صحیح ہیں۔ اس کے بعد اس پر نظر ڈالئے کہ قران کریم نے اس جہاد کے لئے نبی کریم ﷺ کا خود نکلنا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالی نے آپ کو نکالا، اس میں اشارہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی کمال عبدیت واطاعت کی طرف کہ آپ کا فعل درحقیت حق تعالی کا فعل ہوتا ہے جو آپ کے اعضاء وجوارح سے صادر ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بندہ جب اطاعت وعبدیت کے ذریعہ اللہ تعالی کا تقرّب حاصل کرلیتا ہے تو اللہ تعالی اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ دیکھتا ہے میرے ذریعہ دیکھتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں، وہ جس کو پکڑتا ہے میرے ذریعہ پکڑتا ہے جس کی طرف چلتا ہے میرے ذریعہ چلتا ہے۔ خلاصہ اس کا یہی ہے کہ حق تعالی کی خاص نصرت وامداد ان کے ساتھ ہوجاتی ہے جن افعال کا صدور بظاہر اس کے آنکھ یا ہاتھ پاؤں سے ہوتا ہے درحقیت اس میں قدرت حق تعالی شانہ کی کارفرما ہوتی ہے: (بخاری: رقم: ۶۵۰۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ "اخرجک" میں اس طرف اشارہ کردیا کہ نبی کریم ﷺ کا جہاد کے لئے نکلنا درحقیقت حق تعالی کا نکالنا تھا جو آپ ﷺ کے ذات سے ظاہر ہوا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ " اخرجک ربک"، فرمایا، جس میں اللہ تعالی جل شانہ کا ذکر صفت رب کے ساتھ کرکے اس طرف اشارہ کردیا کہ اس جہاد کے لئے آپ کو نکالنا شان ربوبیت سے اور تربیت کے تقاضا سے تھا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ مظلوم ومقہور مسلمانوں کے لئے فتحیاب اور مغرور وظالم کے لئے پہلے عذاب کا مظاہرہ کرنا تھا۔

"من بیتک"، کے معنی ہیں آپ کے گھر سے، مطلب یہ ہوا کہ نکالا آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے رب نے آپ

ﷺ کے گھر سے ۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس گھر سے مراد مدینہ طیبہ کا گھر یا یا خود مدینہ طیبہ ہے جس میں ہجرت کے بعد آپ مقیم ہوئے ، کیونکہ واقعہ بدر ہجرت کے دوسرے سال میں پیش آیا ہے اس کے ساتھ لفظ'' بالحق'' کا اضافہ کر کے بتلا دیا کہ یہ ساری کاروائی احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے عمل میں آئی ہے۔ دوسری حکومتوں کی طرح ملک گیری کی ہوس یا بادشاہوں کا غصہ اس کا سبب نہیں۔ آخر آیت میں فرمایا:'' وان فریقامن المومنین لکارھون ''یعنی ایک جماعت مسلمانوں کی اس جہاد کو گراں سمجھتی ، اور ناپسند کرتی تھی۔ صحابہ کرام کو یہ گرانی کس طرح اور کیوں پیش آئی اس کے سمجھنے کے لئے نیز آئندہ آنے والی دوسری آیات کو پوری طرح سمجھنے کے لئے غزوہ بدر کے ابتدائی حالات اور اسباب کا پہلے معلوم کر لینا مناسب ہے، اس لئے پہلے غزوہ بدر کا پورا واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔ ابن عقبہ اور ابن عامر کے بیان کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو مدینہ طیبہ میں یہ خبر ملی کہ ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام سے مال تجارت لے کر مکہ معظّمہ کی طرف جا رہے ہیں۔ اور اس تجارت میں مکہ کے تمام قریشی شریک ہیں۔

ابن عقبہ کے بیان کے مطابق مکہ کا کوئی قریشی مرد یا عورت ایسا نہ تھا جس کا اس میں حصہ نہ ہو، اگر کسی کے پاس صرف ایک مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشہ) سونا بھی تھا تو اس نے اس میں اپنا حصہ ڈال دیا تھا۔ اس قافلہ کے پورے سرمایہ کے متعلق ابن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ پچاس ہزار دینار تھے۔ دینار سونے کا سکہ ہے جو ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔

اس تجارتی قافلہ کی حفاظت اور کاروبار کے لئے قریش کے ستر جوان اور سردار ساتھ تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ تجارتی قافلہ درحقیقت قریش مکہ کی ایک تجارتی کمپنی تھی۔ بغویؒ نے بروایت ابن عباسؓ وغیرہ نقل کیا ہے کہ اس قافلہ میں قریش کے چالیس سوار قریش کے سرداروں میں سے تھے، جن میں عمرو بن العاصؓ، مخرمہ بن نوفل، خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ قریش کی سب سے بڑی طاقت ان کی یہی تجارت اور تجارتی سرمایہ تھا جس کے بل پر انہوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو تنگ کر کے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت جب رسول کریم ﷺ کو سفر شام سے اس قافلہ کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپ کی رائے میں اس وقت اس قافلہ کا مقابلہ کر کے قریش کی طاقت توڑ دینے کا موقع ہے۔

صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو زمانہ رمضان کا تھا پہلے سے کسی جنگ کی تیاری نہ تھی۔ بعض نے تو چستی اور ہمت کا اظہار کیا، مگر بعض نے کچھ پس وپیش کی۔ آپ نے بھی سب پر اس جہاد کی شرکت کو لازم نہ قرار دیا۔ بلکہ یہ حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس سواریاں موجود ہیں وہ ہمارے ساتھ چلیں ۔ اس وقت بہت سے آدمی جہاد میں جانے سے رہ گئے،

اور جو لوگ جانا چاہتے تھے اور ان کی سواریاں دیہات میں تھیں انہوں نے اجازت چاہی کہ ہم اپنی سواریاں لے آویں تو ساتھ چلیں گے۔ مگر وقت اتنے انتظار کا نہ تھا۔ اس لئے حکم یہ ہوا کہ جن لوگوں کے سواریاں پاس موجود ہیں اور جہاد میں جانا چاہیں صرف وہی لوگ چلیں۔ باہر سے سواریاں منگانے کا وقت نہیں۔ اس لئے ساتھ جانے کا ارادہ رکھنے والوں میں سے بھی تھوڑے ہی آدمی تیار ہو سکے۔ اور جن صحابہ نے جہاد میں ساتھ جانے کا ارادہ ہی نہیں کیا اس کا سبب بھی یہی تھا، کہ آپ نے سب کے ذمہ اس جہاد کی شرکت کو واجب نہ قرار دیا تھا، اور ان لوگوں کو یہ بھی اطمینان تھا کہ یہ تجارتی قافلہ ہے، کوئی جنگی لشکر نہیں جس کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو زیادہ لشکر اور مجاہدین کی ضرورت پڑے۔ اس لئے صحابہ کرام کی بہت بڑی تعداد اس جہاد میں شریک نہ ہوئی۔

نبی کریم ﷺ نے جب ''بیر سقیا'' پر پہنچ کر قیس بن صعصعہؓ کو حکم دیا کہ لشکر کو شمار کریں تو انہوں نے شمار کر کے اطلاع دیں کہ تین سو تیرہ افراد ہیں، نبی کریم ﷺ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ تعداد اصحاب طالوت کی ہے، اس لئے فال نیک، فتح اور کامیابی ہے، صحابہ کرام کے ساتھ کل ستر اونٹ تھے۔ ہر تین آدمی کے لئے ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ خود رسول کریم ﷺ کے ساتھ بھی دو مجاہد ایک اونٹ کے شریک تھے، ابولبابہؓ اور علیؓ جب آپ کی باری پیدل چلنے کی آتی تو یہ دونوں عرض کرتے کہ آپ سوار رہیں، ہم آپ کے بدلے پیدل چلیں گے۔ رحمۃ للعالمین کی طرف سے یہ جواب ملتا کہ نہ تو تم مجھ سے زیادہ قوی ہو، اور نہ میں آخرت کے ثواب سے مستغنی ہوں، کہ اپنے ثواب کا موقع تمہیں دے دوں۔ اس لئے اپنی باری میں رسول کریم ﷺ بھی پیدل ہی چلتے تھے۔

دوسری طرف کسی شخص نے ملک شام کے مشہور مقام ''عین زرقا'' پر پہنچ کر رئیس قافلہ ابوسفیان کو اس کی خبر پہنچا دی کہ نبی کریم ﷺ ان کے قافلہ کے انتظار میں ہیں، اور ان کا تعاقب کریں گے۔ ابوسفیان نے احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ جب یہ قافلہ حدود حجاز میں داخل ہوا تو ایک ہوشیار مستعد آدمی ''ضمضم بن عمر'' کو بیس مثقال سونا اجرت دیکر اس پر راضی کیا کہ وہ تیز رفتار سانڈنی پر سوار ہو کر جلد سے جلد مکہ مکرمہ میں یہ خبر پہنچا دے کہ ان کے قافلہ کو صحابہ کرام سے خطرہ لاحق ہے۔ ''ضمضم بن عمر'' نے اس زمانہ کی خاص رسم کے مطابق خطرہ کا اعلان کرنے کے لئے اپنی اونٹنی کے ناک کان کاٹ دیئے، اور اپنے کپڑے آگے پیچھے سے پھاڑ ڈالے۔ اور کجاوہ کو الٹا کر کے اونٹنی کی پشت پر رکھا۔ یہ علامات اس زمانہ میں خطرہ کی گھنٹی سمجھی جاتی تھی۔ جب وہ اس شان سے مکہ میں داخل ہوا تو پورے مکہ میں ہلچل مچ گئی، اور تمام قریش مدافعت کے لئے تیار ہو گئے جو لوگ اس جنگ کے لئے نکل سکتے تھے خود نکلے اور جو کسی وجہ سے معذور تھے

انہوں نے کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر جنگ کے لئے تیار کیا، اورصرف تین روز میں یہ لشکر پورے ساز وسامان کے ساتھ تیار ہو گیا۔

ان میں جو لوگ اس جنگ میں شرکت سے ہچکچاتے اس کو یہ لوگ مشتبہ نظروں سے دیکھتے اور مسلمانوں کا ہم خیال سمجھتے، اس لئے ایسے لوگوں کو خصوصیت سے جنگ کے واسطے نکلنے پر مجبور کیا۔ جو لوگ علانیہ طور پر مسلمان تھے اور ابھی تک بوجہ اپنی اعذار کے ہجرت نہیں کر سکے تھے، بلکہ مکہ میں بس رہے تھے ان کو اور بنو ہاشم کے خاندان میں جس پر بھی یہ گمان تھا کہ یہ مسلمانوں سے ہمدردی رکھتا ہے، ان کو بھی اس جنگ کے لئے نکلنے پر مجبور کیا۔ انہیں مجبور لوگوں میں نبی کریم ﷺ کے چچا عباسؓ اور ابوطالب کے دو بیٹے طالب اور عقیل بھی تھے۔

اس طرح اس لشکر میں ایک ہزار جوان دوسو گھوڑے اور چھ سو زرہیں، اور ترانے گانے والی لونڈیاں اور ان کے طبلے وغیرہ لے کر بدر کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ہر منزل پر دس اونٹ ان لوگوں کے کھانے کے لئے ذبح ہوتے تھے۔ دوسری طرف رسول کریم ﷺ صرف ایک تجارتی قافلہ کے انداز سے مقابلہ کی تیاری کر کے بارہ رمضان کوشنبہ کے دن مدینہ طیبہ سے نکلے اور کئی منزل طے کرنے کے بعد بدر کے قریب پہنچ کر آپ نے دو شخصوں کو آگے بھیجا کہ وہ ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لائیں۔ (مظہری)۔

مخبروں نے یہ خبر پہنچائی کہ ابوسفیان کا قافلہ نبی کریم ﷺ کے تعاقب کی خبر پا کر ساحل دریا کے کنارے کنارے گزر گیا اور اس کی حفاظت اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مکہ مکرمہ سے ایک ہزار جوانوں کا لشکر جنگ کے لئے آرہا ہے۔ (ابن کثیر)۔ ظاہر ہے کہ اس خبر نے حالات کا نقشہ پلٹ دیا۔ اس وقت رسول پاک ﷺ نے اپنے رفیق صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کہ اس آنے والے لشکر سے جنگ کرنا ہے یا نہیں۔ ابوایوب انصاری اور بعض دوسرے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں، اور نہ ہم اس قصد سے آئے ہیں۔ اس پر صدیق اکبر کھڑے ہوئے اور تعمیل کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا پھر فاروق اعظمؓ کھڑے ہوئے اور اسی طرح تعمیل حکم اور جہاد کے لئے تیار ہونے کا اظہار کیا پھر مقدادؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ جو کچھ آپ کو اللہ کا حکم ملا ہے آپ اس کو جاری کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ واللہ، ہم آپ ﷺ کو وہ جواب نہ دیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا: ''**اذھب انت وربک فقاتلاانا ھٰھنا قاعدون** ''یعنی جائیے آپ اور آپ کا رب لڑ بھڑ لیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں ملک حبشہ کے مقام ''برک الغماد'' تک بھی لے جائیں گے تو ہم آپ

کے ساتھ جنگ کے لئے چلیں گے۔(سنن الکبری للبیہقی :۱۰/۱۰۹)۔نبی کریم ﷺ خوش ہوئے اوران کودعائیں دیں، مگرابھی تک انصار کی طرف سے موافقت کی کوئی آواز نہ اٹھی تھی، اور یہ احتمال تھا کہ انصار نے جومعاہدہ نصرت وامداد کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا تھاوہ اندرون مدینہ کا تھا۔مدینہ کے باہرامداد کرنے کے وہ پابندنہیں تھے،اس لئے آپ نے پھرمجمع کوخطاب کرکے فرمایا کہ لوگو! مجھے مشورہ دوکہ اس جہاد پراقدام کریں یانہیں؟اس خطاب کا روئے سخن انصار کی طرف تھاسعد بن معاذ انصاریؓ سمجھ گئے اورعرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ ہم سے پوچھنا چاہتے ہیں۔آپ نے فرمایاہاں،سعد بن معاذؓ نے عرض کیایارسول اللہ ہم آپ پرایمان لائے،اوراس کی شہادت دی کہ جوکچھ آپ فرماتے ہیں سب حق ہے،اورہم آپ سے عہدوپیمان کئے ہیں ہرحال میں آپ کی اطاعت کریں گے۔اس لئے آپ کوجوکچھ اللہ تعالی کاحکم ملا ہو،اس کوجاری فرمائیے۔قسم ہےاس ذات کی جس نے آپ کودین حق کے ساتھ بھیجاہے اگرآپ ہم کوسمندرمیں لے جائیں توہم آپ کے ساتھ دریامیں گھس جائیں گے۔ہم میں سےایک آدمی بھی آپ سے پیچھے نہ رہے گا۔ہمیں اس میں کوئی گرانی نہیں کہ آپ کل ہی ہمیں دشمن سے بھڑادیں۔ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالی آپ کوہمارے کام سےایسے حالات کامشاہدہ کرائے گاجس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔ہمیں اللہ کے نام پرجہاں چاہیں لے چلئے۔رسول اللہ ﷺ یہ سن کربہت مسرورہوئے اورقافلہ کوحکم دیدیاکہ اللہ کے نام پرچلو۔اوریہ خوش خبری سنائی کہ مجھ سے اللہ تعالی نے یہ وعدہ فرمایاہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پرہماراغلبہ ہوگا۔دونوں جماعتوں سے مراد ایک ابوسفیان کاتجارتی قافلہ اوردوسرایہ مکہ سے آنے والالشکرہے۔پھرفرمایاکہ اللہ کی قسم میں گویااپنی آنکھوں سے مشرکین کی قتل گاہ کودیکھ رہاہوں۔یہ پوراواقعہ تفسیرابن کثیراورمظہری سے لیاگیاہے۔واقعہ کے تفصیل سننے کے بعدان ایات مذکور الصدرکودیکھئے ،پہلی آیت میں جویہ ارشادفرمایا:''**وان فریقامن الومنین لکارھون**''یعنی ایک جماعت مسلمانوں کی اس جہادکوبھاری سمجھ رہی تھی،اس سے اشارہ اس حال کی طرف ہے جوصحابہ کرام سے مشورہ لینے کے وقت بعض صحابہ کرام کی طرف سے ظاہرہواکہ انہوں نے جہادسے پست ہمتی کااظہارکیا۔اوراسی واقعہ کابیان دوسری آیت میں ہے:''**یجادلونک فی الحق بعدماتبین کانمایساقون الی الموت وھم ینظرون** ''یعنی یہ لوگ آپ سے حق کے معاملہ میں مجادلہ اوراختلاف کرتے ہیں گویاان کوموت کی طرف کھینچاجارہاہے،جس کووہ اپنی انکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔صحابہ کرام نے اگرچہ کوئی عدول حکمی نہ کی تھی بلکہ مشورہ کے جواب میں اپنے ضعف اورپست ہمتی کااظہارکیاتھا۔مگررسول ﷺ کے ساتھیوں سےایسی رائے کااظہاربھی ان کے مقام بلند کے اعتبارسے اللہ تعالی کے نزدیک ناپسندتھااس لئے ناراضگی کے الفاظ سےاس کوبیان فرمایا۔

أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ

دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارا ہو جائے گا اور تم چاہتے تھے کہ جو قافلہ بے (شان و) شوکت (یعنی بغیر ہتھیار)

لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷﴾

ہے وہ تمہارے ہاتھ آ جائے اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے [4]

---

[4] پہلی اور دوسری ایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو یہ اطلاع ملی کہ قریشیوں کا ایک عظیم لشکر اپنے تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لئے مکہ سے نکل چکا ہے، تو اب مسلمانوں کے سامنے دو جماعتیں تھیں، ایک تجارتی قافلہ جس کو روایات میں "عیـــــر" سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسری یہ مسلح فوج جو مکہ سے چلی تھی، جس کو "نفیر" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، اس آیت میں یہ بتلایا کہ اس وقت اللہ تعالی نے اپنے رسول اللہ ﷺ اور بواسطہ آپ کے سب مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر تمہارا مکمل قبضہ ہو جائے گا۔ کہ اس کے متعلق جو تم چاہو گے کر سکو گے۔

اب یہ ظاہر ہے کہ تجارتی قافلہ پر قبضہ آسان اور بے خطر تھا اور مسلح فوج پر مشکل اور خطرات سے پر، اس لئے اس مبہم وعدہ کو سن کر بہت سے صحابہ کرام کی تمنا اور خواہش یہ ہوئی کہ وہ جماعت جس پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کا وعدہ اللہ تعالی کی طرف سے ہوا ہے وہ غیر مسلح تجارتی قافلہ ہو جائے، لیکن نبی کریم اور بہت سے اکابر صحابہ کا باشارات ربانی یہ ارادہ ہوا کہ مسلح فوج پر قبضہ ہو تو بہتر ہو گا۔

اس ایت میں غیر مسلح جماعت پر قبضہ چاہنے والے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تمہیں تو اپنی سہولت پسندی اور خطرات سے یکسوئی کے پیش نظر یہی پسند تھا کہ غیر مسلح تجارتی قافلہ پر تمہارا قبضہ ہو جائے۔ مگر اللہ تعالی کا ارادہ یہ تھا کہ اسلام کا اصل مقصد حاصل ہو یعنی حق کا حق ہونا واضح ہو جائے، اور کافروں کی جڑ کٹ جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ مسلح فوج سے مقابلہ ہو اور اس پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ اور غلبہ ہو۔

خلاصہ اس کا مسلمانوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ تم نے جو صورت پسند کی وہ نہایت پست ہمتی اور آرام طلبی اور وقتی اور ہنگامی فائدہ کی چیز تھی، اور اللہ تعالی نے جو ارادہ فرمایا وہ عالی ہمتی اور بلند مقاصد اور مکمل اور دائمی فوائد پر مشتمل

تھا۔پھر دوسری آیت میں اس کومزید واضح فرمادیا، کہ اللہ تعالی کے قبضہ قدرت سے تو کوئی چیز باہر نہ تھی، اگروہ چاہتے تو تجارتی قافلہ پر مسلمانوں کا غلبہ اور قبضہ ہوجاتا۔

مگراس نے رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی شایان شان اس کو سمجھا کہ مسلح فوج سے مقابلہ ہوکراس پر قبضہ ہو،تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح ہوجائے۔

یہاں یہ بات غورطلب ہے کہ حق تعالی تو علیم خبیراور ہر کام کے اغاز وانجام سے باخبر ہیں،ان کی طرف سے اس مبہم وعدہ میں کیا مصلحت تھی کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر مسلمانوں کا غلبہ اور قبضہ ہوگا۔وہ ان میں سے کسی ایک کو متعین کرکے بھی فرماسکتے تھے کہ فلاں جماعت پر قبضہ ہوجائے گا۔اس ابہام کی وجہ ''واللہ اعلم'' یہ معلوم ہوتی ہے، کہ اس میں صحابہ کرام کا امتحان کرنا تھا، کہ آسان کام کو پسند کرتے ہیں یا مشکل کو۔اوران کی اخلاقی تربیت بھی تھی جس کے ذریعہ ان کو عالی ہمتی اوراعلی مقاصد کی جدوجہد اور خطرات سے نہ گھبرانا سکھایا گیا۔

تیسری اور چوتھی آیتوں میں اس واقعہ کا بیان ہے جو مسلح فوج سے مقابلہ ٹھن جانے کے بعد پیش آیا کہ رسول کریم ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ اپ کے رفقاء صرف تین سوتیرہ اوروہ بھی اکثر غیر مسلح ہیں، اورمقابلہ تقریباً ایک ہزار جوانوں کا مسلح لشکر ہے تو اللہ تعالی جل شانہ کی بارگاہ میں نصرت وامداد کی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

عبداللہ بن عباس ؓ نے نبی کریم ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں: یااللہ مجھ سے جو وعدہ آپ نے فرمایا ہے، اس کو جلد پورا فرمادے۔یااللہ اگر یہ تھوڑی سی جماعت مسلمین فنا ہوگئی تو پھر زمین میں کوئی تیری عبادت کرنے والا باقی نہ رہے گا۔کیونکہ ساری زمین کفروشرک سے بھری ہوئی ہے یہی چند مسلمان ہیں جو صحیح عبادت بجالاتے ہیں۔ (ترمذی:رقم:۳۰۸۱،ومسند احمد:۲۰۸)۔

نبی کریم ﷺ برابراسی طرح الحاح وزاری کے ساتھ دعامیں مشغول رہے، یہاں تک کہ آپ کے کندھے سے چادر بھی سرک گئی، ابوبکر ؓ نے آگے بڑھ کر چادر اڑھائی اورعرض کیا، یارسول اللہ! آپ زیادہ فکر نہ کریں اللہ تعالی آپ کی دُعاء ضرور قبول فرمائیں گے،اوراپنا وعدہ پورا فرمائیں گے۔ایت میں'' اذتستغیثون ربکم ''کے الفاظ سے یہی واقعہ مراد ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ وقت یادرکھنے کے قابل ہے جب تم اپنے رب سے استغاثہ کررہے تھے،اور مدد طلب کررہے تھے، یہ استغاثہ اگرچہ دراصل رسول کریم ﷺ کی طرف سے ہوا تھا مگر تمام صحابہ اس پر راضی تھے اس لئے پوری جماعت کی طرف منسوب کیا گیا۔

اس کے بعد اس دعاء کی قبولیت کا بیان اس طرح فرمایا: ''**فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکة مردفین** ''یعنی اللہ تعالی نے تمہاری فریاد سن لی اور فرمایا کہ ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کروں گا جو یکے بعد دیگرے قطار کی صورت میں آنے والے ہوں گے۔ فرشتوں کو اللہ تعالی نے جو بینظر قوت وطاقت عطا فرمائی ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے جو قوم لوط علیہ السلام کی زمین کا تختہ الٹنے کے وقت پیش آیا، کہ جبرئیل امین نے ایک پر کے ذریعہ یہ تختہ الٹ دیا۔

ایسی بے مثال طاقت والے فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد مقابلہ میں بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی ایک بھی کافی تھا۔ مگر اللہ تعالی اپنے بندوں کی فطرت سے واقف ہیں کہ وہ تعداد سے بھی متاثر ہوتے ہیں، اس لئے مقابل فریق کی تعداد کے مطابق فرشتوں کے تعداد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تاکہ ان کے قلوب پوری طرح مطمئن ہوجائیں۔

چوتھی آیت میں بھی یہی مضمون ارشاد فرمایا: ''**وماجعله الله الابشرى ولتطمئن به قلوبكم** ''یعنی اللہ تعالی نے یہ صرف اس لئے کیا کہ تمہیں بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہوجائیں۔ غزوہ بدر میں جو اللہ تعالی کے فرشتے امداد کے لئے بھیجے گئے ان کی تعداد اس جگہ ایک ہزار مذکور ہے، اور سورۂ ال عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار ذکر کی گئی ہے۔

اس کا سبب دراصل تین مختلف وعدے ہیں، جو مختلف حالات میں کئے گئے ہیں۔ پہلا وعدہ ایک ہزار فرشتوں کا ہوا جس کا سبب رسول کریم ﷺ کی دعا اور عام مسلمانوں کی فریاد تھی، دوسرا وعدہ جو تین ہزار فرشتوں کا سورۂ آل عمران میں پہلے مذکور ہے وہ اس وقت کیا گیا جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کی قریشی لشکر کے لئے اور کمک آرہی ہے۔ روح المعانی میں ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر وغیرہ سے بروایت شعبی منقول ہے کہ مسلمانوں کو بدر کے دن یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کے امداد کے لئے کمک لے کر آرہا ہے، اس خبر سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ اس پر آلعمران کی ایت: ''**الن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثة الاف من الملائکة منزلین** ''نازل ہوئی، جس میں تین ہزار فرشتے امداد کے لئے آسمان سے نازل کرنے کا وعدہ ذکر کیا گیا۔

اور تیسرا وعدہ پانچ ہزار کا اس شرط کی ساتھ مشروط تھا کہ اگر فریق مخالف نے یکبارگی حملہ کردیا تو پانچ ہزار فرشتوں کی مدد بھیج دی جائے گی، وہ آل عمران کی ایت مذکورہ کے بعد کی آیت میں اس طرح مذکور ہے: ''**بلیٰ ان تصبروا وتتقوا**

ویاتوکم من فورھم ھذایمددکم ربکم بخمسة الاف من الملائکة مسومین ''یعنی اگرتم ثابت قدم رہے اورتقوی پرقائم رہےاورمقابل لشکر یکبارگی تم پرٹوٹ پڑاتو تمہارارب تمھاری امداد پانچ ہزارفرشتوں سے کرے گا،جوخاص نشان یعنی خاص وردی میں ہوں گے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس وعدہ میں تین شرطیں تھیں،ایک ثابت قدمی،دوسرے تقوی،تیسرے مخالف فریق کے یکبارگی حملہ،پہلی دوشرطیں توصحابہ کرام میں موجودتھیں،اوراس میدان میں اول سے اخرتک ان میں کہیں فرق نہیں آیا،مگرتیسری شرط یکبارگی ہلہ بولنے کی واقع نہیں ہوئی،اس لئے پانچ ہزارملائکہ کےلشکر کی نوبت نہیں آئی۔اس لئے معاملہ ایک ہزاراورتین ہزارمیں دائرر ہاجس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تین ہزار سے مراد یہ ہوکہ ایک ہزارجو پہلے بھیجے گئے ان کے ساتھ مزیددوہزارشامل کرکے تین ہزارکردیئے گئے،اوریہ بھی احتمال ہے کہ یہ تین ہزاراس پہلے ہزارکےعلاوہ ہوں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غورہے کہ ان تین آیتوں میں ملائکہ کی تین جماعتوں کے بھیجنے کاوعدہ ہے،اورہرجماعت کےساتھ ایک خاص صفت کاذکرہے،اس سورت کی آیت جس میں ایک ہزارکاوعدہ ہے،اس میں توان ملائکہ کی صفت میں ''مردفین''فرمایاہے،جس کے معنی ہیں پیچھےلگانے والے،اس میں شایداس طرف پہلے ہی اشارہ کردیاگیاکہ ان فرشتوں کے پیچھےدوسرے بھی آنے والے ہیں.

اورسورۂ ال عمران کی پہلی آیت میں ملائکہ کی صفت''منزلین''ارشادفرمائی،یعنی یہ فرشتے آسمان سےاتارے جائیں گے،اس میں اشارہ خاص اہمیت کی طرف ہے کہ زمین میں جوفرشتے پہلے سے موجودہیں ان سے کام لینے کے بجائے خاص اہتمام کےساتھ یہ فرشتے آسمان سےاسی کام کے لئے بھیجے جائیں گے،اورآل عمران کی دوسری ایت جس میں پانچ ہزارکاذکرہےاس میں ملائکہ کی صفت''مسومین''ارشادفرمائی ہے،کہ وہ ایک خاص لباس اورعلامت کے ساتھ ہوں گے،جیسا کہ روایات حدیث میں ہے کہ بدرمیں نازل ہونے والےفرشتوں کےعمامےسفیداورغزوہ حنین میں مدد کے لئےآنے والےفرشتوں کےعمامےسرخ(یازرد)تھے۔

آخرایت میں ارشادفرمایا:''**وما النصر الامن عنداللہ ان اللہ عزیزحکیم** ''اس میں مسلمانوں کوتنبیہ فرمادی کہ جومددبھی کہیں سےملتی ہےخواہ ظاہری صورت سے ہویامخفی انداز سےسب اللہ تعالی ہی کےطرف سے ہےاسی کے قبضہ میں ہےفرشتوں کی مددبھی اسی کے تابع فرمان ہےاس لئےتمہاری نظرصرف اسی ذات وحدہ لاشریک لہ کی طرف رہنی چاہئے کیونکہ وہ بڑاقدرت والاحکمت والاہے۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨﴾

تاکہ سچ کو سچ ثابت اور جھوٹ کو جھوٹ مٹا کر دے گو مشرک ناخوش ہی ہوں ۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَآئِكَةِ

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ (تسلی رکھو) ہم ہزار فرشتوں سے

مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوبُكُمْ

جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے۔ اور اس مدد کو اللہ نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے ۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً

جب اُس نے (تمہاری) تسکین کیلئے اپنی طرف سے تمہیں نیند (کی چادر) اُڑھا دی اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا

لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ

تاکہ تمہیں اُس سے (نہلا کر) پاک کر دے اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کر دے اور اس لئے بھی

وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ

کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔ جب تمہارا رب فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا

إِلَى الْمَلَآئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ

کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں، میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں

كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

رعب و ہیبت ڈالے دیتا ہوں تو اُن کے سر مار (کر) اڑا دو اور اُن کا پور پور مار (کر توڑ) دو ۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

یہ (سزا) اسلئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے

فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَأَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

تو اللہ بھی سخت عذاب دینے والا ہے ۔ یہ چکھو اور یہ کہ کافروں کیلئے (آخرت میں) دوزخ کا عذاب ہے[5]

---

[5] ابتداء سورۂ انفال سے اللہ تعالی کے ان انعامات کا بیان ہو رہا ہے جو اس کے فرمانبردار بندوں پر مبذول ہوئے، غزوہ بدر کے واقعات بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ غزوہ بدر میں جو انعامات حق تعالی کی طرف سے عطا ہوئے، ان میں سے پہلا انعام تو خود اس جہاد کے لئے مسلمانوں کو نکالنا ہے، جس کا بیان ایت " **اذاخــرجک ربک** " میں ہوا ہے۔ دوسرا انعام فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے، جس کا ذکر آیت "**اذیــعــدکــم الله** " میں آیا ہے۔ تیسرا انعام دعا کی قبولیت اور مدد کا وعدہ پورا کرنا ہے، جس کا ذکر آیت "**اذتستغیثون ربکم** " میں ہوا ہے۔

مذکور الصدر آیات میں سے پہلی ایت میں چوتھے انعام کا تذکرہ ہے، جس میں مسلمانوں کے لئے دونعمتوں کا ذکر ہے، ایک سب پر نیند غالب آ کر پریشانی اور تھکان کا دور ہو جانا، دوسرے بارش کے ذریعہ ان کے لئے پانی مہیا فرمانا، اور میدان جنگ کو ان کے لئے ہموار اور دشمن کے لئے دلدل بنا دینا۔

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جس وقت کفر و اسلام کا یہ پہلا معرکہ ٹھن گیا تو کفار مکہ کا لشکر پہلے پہنچ کر ایک ایسے مقام پر پڑاؤ ڈال چکا تھا جو انچائی پر تھا، پانی اس کے قریب تھا، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اس جگہ پہنچے تو وادی کے نچلے حصہ میں جگہ ملی قرآن کریم نے اس میدان جنگ کا نقشہ اسی سورت کی بیالسویں ایت میں اس طرح کھینچا ہے: "**اذانتم بالعدوۃ الـدنیاوھم بالعدوۃ القصوی**" ۔ جس جگہ پہنچ کر رسول پاک ﷺ نے اول قیام فرمایا، اس مقام کے واقف کار "حباب بن منذرؓ " نے اس کو جنگی اعتبار سے نامناسب سمجھ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے یہ اللہ کے حکم سے ہے، جس میں ہمیں کوئی اختیار نہیں یا محض رائے اور مصلحت کے پیش نظر اختیار فرمایا گیا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں یہ کوئی حکم الہی نہیں اس میں تغیر تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ تب حباب بن منذرؓ نے عرض کیا کہ پھر تو بہتر ہے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر مکی سرداروں کے لشکر کے قریب ایک پانی کا مقام ہے اس پر قبضہ کیا جائے

وہاں ہمیں پانی افراط کے ساتھ مل جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور وہاں جا کر پانی پر قبضہ کیا، ایک حوض پانی کے لئے بنا کر اس میں پانی کا ذخیرہ جمع فرمایا۔ اس سے مطمئن ہونے کے بعد سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم آپ کے لئے ایک سایہ بان کسی محفوظ جگہ میں بنا دیں، جہاں آپ مقیم رہیں، اور آپ کی سواریاں بھی آپ کے پاس رہیں۔ منشأ اس کا یہ ہے کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں جہاد کریں گے اگر اللہ تعالی نے ہمیں فتح نصیب فرمائی تو یہی مقصد ہے، اور اگر اللہ نخواستہ کوئی دوسری صورت ہو تو آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر ان صحابہ کرام کے ساتھ جا ملیں جو مدینہ میں رہ گئے ہیں، کیونکہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ لوگ بھی جانثاری اور آپ سے محبت میں ہم سے کم نہیں اور اگر ان کو آپ کے نکلنے کے وقت یہ خیال ہوتا کہ آپ کا اس مسلح لشکر سے مقابلہ ہوگا تو ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہتا، آپ مدینہ میں پہنچ جائیں گے تو وہ آپ کے رفیقِ کار رہیں گے۔ رسول پاک ﷺ نے ان کی اس جانبازانہ پیش کش پر دعائیں دیں۔ اور ایک مختصر سا سایہ بان آپ ﷺ کے لئے بنا دیا گیا، جس میں نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبرؓ کے سوا کوئی نہ تھا۔ معاذؓ دروازہ پر حفاظت کے لئے تلوار لئے کھڑے تھے۔

معرکہ کی پہلی رات تھی، تین سو تیرہ بے سروسامان لوگوں کا مقابلہ اپنے سے تین گنا تعداد یعنی ایک ہزار مسلح فوج سے تھا، میدان جنگ کا بھی اچھا مقام ان کے قبضے میں آ چکا تھا، نچلا حصہ وہ بھی سخت ریتیلا جس میں چلنا دشوار مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا، طبعی پریشانی اور فکر سب کو تھی، بعض لوگوں کے دل میں شیطان نے یہ وساوس بھی ڈالنے شروع کئے کہ تم لوگ اپنے آپ کو حق پر کہتے ہو اور اس وقت بھی بجائے ارام کرنے کے نماز تہجد وغیرہ میں مشغول ہو مگر حال یہ ہے کہ دشمن ہر حیثیت سے تم پر غالب اور تم سے بڑھا ہوا ہے، ان حالات میں اللہ تعالی نے مسلمانوں پر ایک خاص قسم کی نیند مسلط فرما دی جس نے ہر مسلمان کو خواہ اس کا ارادہ سونے کا تھا یا نہیں جبراً اسلا دیا۔

ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کی اس رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو سو نہ گیا ہو۔ صرف رسول اللہ ﷺ تمام رات بیدار رہ کر صبح تک نماز تہجد میں مشغول رہے۔ اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن جریر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس رات میں جب کہ اپنے عریش یعنی سائبان میں نماز تہجد میں مشغول تھے آپ کو بھی کسی قدر اونگھ آ گئی، مگر فوراً ہی ہنستے ہوئے بیدار ہو کر فرمایا۔ اے ابوبکر خوشخبری سنو! یہ جبرئیل علیہ السلام

ٹیلے کے قریب کھڑے ہیں اور یہ کہہ کر سائبان سے باہر یہ آیت پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے: ''**سیھزم الجمع ویولون الدبر** '' (قمر:۴۵) یعنی عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی، اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی، بعض روایات میں ہے کہ آپ نے باہر نکل کر مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ابو جہل کی قتل گاہ ہے، یہ فلاں کی یہ فلاں کی، اور پھر ٹھیک اسی طرح واقعات پیش آئے ۔(اب اس جگہ ایک مسجد بنام مسجد عریش تعمیر کی گئی ہے)(تفسیر مظہری)۔

اور جیسا غزوہ بدر میں تھکان اور پریشانی دور کرنے کے لئے حق تعالی نے تمام صحابہ کرام پر خاص قسم کی نیند مسلط فرمائی اسی طرح غزوہ احد میں بھی اسی طرح کا واقعہ ہوا۔سفیان ثوری نے بروایت عبداللہ بن مسعودؓ نقل کیا ہے کہ جنگ کی حالت میں نیند اللہ تعالی کی طرف سے امن واطمینان کی نشانی ہوتی ہے اور نماز میں نیند شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔(ابن کثیر).

دوسری نعمت مسلمانوں کو اس رات میں یہ ملی کہ بارش ہوگئی جس نے میدان جنگ کا نقشہ بالکل پلٹ دیا، قریشی لشکر نے جس جگہ پر قبضہ کیا تھا وہاں تو بارش بہت تیز آئی، اور میدان میں دلدل ہو کر چلنا مشکل ہوگیا۔اور جس جگہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام مقیم تھے، یہاں ریت کی وجہ سے چلنا مشکل تھا، یہاں بارش ہلکی ہوئی جس نے تمام ریتے کو جما کر میدان کو نہایت ہموار کر دیا۔

آیت مذکورہ میں انہیں دو نعمتوں کا ذکر ہے نیند اور بارش جس نے میدان کارراز کا نقشہ پلٹ کر وہ شیطانی وساوس دھو ڈالے جو بعض کمزور لوگوں کو ستا رہے تھے، کہ ہم حق پر ہونے کے باوجود مقہور ومغلوب نظر آتے ہیں اور دشمن باطل پر ہونے کے باوجود قوت وشوکت اور اطمینان کی حالت میں ہے۔آیت مذکورہ میں فرمایا کہ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالی تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، چین دینے کے لئے ،اور تم پر پانی برسا رہا تھا، تا کہ اس پانی سے تم کو پاک کر دے۔اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جما دے۔

دوسری ایت میں پانچویں انعام کا ذکر ہے جو اس غزوہ بدر کے میدان کارزار میں مسلمانوں پر مبذول ہوا۔وہ یہ کہ اللہ تعالی نے جو فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے بھیجے تھے ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، میں ابھی کفار کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔سو تم کفار کی گردنوں پر حربہ مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا

اے اہلِ ایمان! جب میدانِ جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو اُن سے پیٹھ نہ پھیرنا اور جو شخص جنگ کے روز

فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ

اس صورت کے سوا کہ لڑائی کیلئے کنارے کنارے چلے (یعنی حکمتِ عملی سے دشمن کو مارے) یا اپنی فوج میں جا ملنا چاہے

أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ

اُن سے پیٹھ پھیرے گا تو (سمجھو کہ) وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری

الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ

جگہ ہے۔[6] تم لوگوں نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اُنہیں قتل کیا اور (اے محمد ﷺ!) جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں

---

[6] آیات مذکورہ میں سے پہلی دو آیتوں میں اسلام کا ایک جنگی قانون بتلایا گیا ہے، پہلی آیت میں لفظ ''زحف'' سے مراد دونوں لشکروں کا مقابلہ اور اختلاط ہے، معنی یہ ہیں کہ ایسی جنگ چھڑ جانے کے بعد پشت پھیرنا اور میدان سے بھاگنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔

دوسری آیت میں اس حکم سے استثناء کا ذکر اور ناجائز طور پر بھاگنے والوں کے عذاب شدید کا بیان ہے۔ استثناء دو حالتوں کا ہے ﴿الامتحرفا لقتال او متحيزا الى فئة﴾ یعنی جنگ کے وقت پشت پھیرنا صرف دو حالتوں میں جائز ہے ایک تو یہ کہ میدان سے پشت پھیرنا محض ایک جنگی چال کے طور پر دشمن کو دکھانے کے لئے ہو حقیقتاً میدان سے ہٹنا مقصد نہ ہو بلکہ مخالف کو ایک غفلت میں ڈال کر یکبارگی حملہ پیش نظر ہو یہ معنی ہیں ''الا متحرفا لقتال'' کے، کیونکہ ''تحرّف'' کے معنی کسی ایک جانب مائل ہونے کے آتے ہیں۔ (روح المعانی)۔ دوسری استثنائی حالت جس میں میدان سے پشت پھیرنے کی اجازت ہے یہ ہے کہ اپنے موجودہ لشکر کی کمزوری کا احساس کر کے اس لئے پیچھے ہٹیں تاکہ مجاہدین کی مزید کمک حاصل کر کے پھر حملہ آور ہوں۔ اور امام احمد: ۲/۷۰، اور ابوداود: ۲۶۴۶، وترمذی: ۱۷۷۰، وغیرہ کی ایک روایت میں جو قصہ عبداللہ بن عمرؓ کا منقول ہے، کہ: قال عبدالله بن عمرؓ كنت فی سرية من سرايا رسول

اللهﷺ، فحاص الناس حيصة وكنت فيمن حاص فقلنا: كيف نصنع وقدفررنامن الزحف، وبوّنابالغضب؟ثم قلنالودخلنا المدينة فبتنا؟ثم قلنا،لوعرضناانفسناعلى رسول اللهﷺ،فان كانت لناتوبة والاذهبنا؟فاتيناه قبل صلاة الغداة، فخرج فقال من القوم ؟فقلنانحن الفرارون ،فقال لابل انتم العكارون ،أنافئتكم وانافئة المسلمين ، قال فاتيناه حتى قبّلنايده.

یعنی ایک مرتبہ جنگ سے بھاگ کرانہوں نے مدینہ میں پناہ لی اور نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکراعتراف جرم کیا کہ ہم میدان جنگ سے بھاگنے والے مجرم ہوگئے۔نبی کریمﷺ نے بجائے اظہارناراضگی کے ان کوتسلی دی اورفرمایا''بل انتم العکارون و انافئتکم'' یعنی تم بھاگنے والےنہیں بلکہ کمک حاصل کرکےدوبارہ حملہ کرنے والے ہو،اورمیں تمہارے لئے کمک ہوں،اس میں نبی کریمﷺ نے اس حقیقت کوواضح فرمادیا کہ ان لوگوں کا بھاگ کرمدینہ میں پناہ لینااس استثناء کےاندرداخل ہےجس میں کمک حاصل کرنے کے لئے میدان چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔عبداللہ بن عمرؓکوحق تعالی کےخوف اورھیبت وعظمت کا جومقام خاص حاصل تھااس کی بناپروہ اس ظاہری پسپائی سےبھی گھبرائے اوراپنے آپ کومجرم کی حیثیت میں نبی کریمﷺ کیخدمت میں پیش کردیا۔

اور''متحیزاالی فئة'' کےیہی معنی ہیں کیونکہ ''تحیز''کےلفظی معنی انضمام اور ملنے کے ہیں،اور''فئة'' کے معنی جماعت کے،مطلب یہ ہے کہ اپنی جماعت سےمل کرقوت حاصل کرنے اور پھرحملہ کرنے کی نیت سےمیدان چھوڑے تو یہ جائز ہے۔

یہ استثناء ذکرنے کے بعدان لوگوں کی سزاکاذکرہےجنہوں نے استثنائی حالات کے بغیرناجائزطورپرمیدان چھوڑایاپشت موڑی ارشادہے:فقدباء بغضب من اللهومأواه جهنم وبئس المصير یعنی میدان جنگ سے بھاگنے والےاللہ تعالی کاغضب لےکرلوٹےاوران کاٹھکانہ جہنم ہےاوروہ براٹھکانہ ہے۔

ان دونوں ایتوں سے یہ حکم معلوم ہوا کہ فریق مقابل کتنی ہی زیادہ تعداداورقوت وشوکت میں ہومسلمانوں کوان کے مقابلہ سے پشت پھیرناحرام ہے، بجزدواستثنائی صورتوں کے یہ کہ پشت پھیرنابھاگنے کے لئے نہ ہوبلکہ یاتو پینترا بدلنے کےطورپرہو،اوریاکمک حاصل کرکے دوبارہ حملہ کرنے کےقصدسےہو۔

غزوہ بدرمیں آیتیں یہ نازل ہوئیں، اس وقت یہی حکم عام تھا کہ خواہ کتنی ہی بڑی تعدادسے مقابلہ ہوجائے اوراپنی تعدادسےان کی کوئی نسبت نہ ہوپھربھی پشت پھیرنااورمیدان چھوڑناجائزنہیں۔میدان بدرمیں یہی صورت=

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

تو وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں، اس سے یہ حکمت تھی کہ مومنوں کو اپنے سے اچھی طرح آزما لے بیشک اللہ سنتا جانتا ہے[7]

= تھی کہ تین سو تیرہ کا مقابلہ تگنی تعداد یعنی ایک ہزار سے ہو رہا تھا، بعد میں تخفیف کے احکام سورۂ انفال کی آیت ۶۵،۶۶، میں نازل ہوئے آیت ۶۵، میں بیس مسلمانوں کو دو سو کافروں کے اور سو مسلمانوں کو ایک ہزار کافروں کے مقابلہ میں جہاد کرنے کا حکم ہے اور آیت ۶۶، میں مزید تخفیف کا یہ قانون نازل ہو گیا۔

اس میں اشارہ کر دیا کہ اپنے سے دوگنی تعداد تک تو مسلمانوں ہی کے غالب رہنے کی توقع ہے، اس لئے پشت پھیرنا جائز نہیں ہاں فریق مخالف کی تعداد دوگنی سے بھی زیادہ ہو جائے تو ایسی حالت میں میدان چھوڑ دینا جائز ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص اکیلا تین آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگا وہ نہیں، ہاں جو دو آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے(روح البیان)۔اب یہی حکم قیامت تک باقی ہے جمہور امت اور ائمہ اربعہ کے نزدیک حکم شرعی یہی ہے کہ جب تک فریق مخالف کی تعداد دوگنی سے زائد نہ ہو اس وقت تک میدان جنگ سے بھاگنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سات کاموں کو انسان کے لئے مہلک فرمایا، ان میں میدان جنگ سے بھاگنا بھی شمار فرمایا۔(خ:۲۷۶۶،م:۲۷۲)اور غزوہ حنین کے واقعہ میں صحابہ کرام کی ابتدائی پسپائی کو قرآن کریم نے ایک شیطانی لغزش قرار دیا جو اس کے گناہ عظیم ہونے کی دلیل ہے ارشاد فرمایا:''انما استزلهم الشیطان''۔

[7] واقعہ جو اس آیت میں بیان ہوا اس کی تفصیل ابن جریر طبری اور بیہقی وغیرہ نے عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے یہ نقل کی ہے کہ معرکہ بدر کے دن جب مکہ کے ایک ہزار جوانوں کا لشکر ٹیلہ کے پیچھے سے میدان میں آیا تو مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور اپنی کثرت وقوت پر فخر کرتا ہوا متکبرانہ انداز سے سامنے آیا۔اس وقت نبی کریم ﷺ نے دعا کی کہ یا اللہ یہ تیرے جھٹلانے والے قریش فخر وتکبر کرتے ہوئے آرہے ہیں، آپ نے جو فتح کا وعدہ مجھ سے فرمایا ہے اس کو جلد پورا فرما(روح البیان)۔تو جبرئیل امین نازل ہوئے اور عرض کیا کہ ایک مٹھی خاک کی لے کر دشمن کے لشکر کی=

﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ إِنْ تَسْتَفْتِحُوْا

(بات) یہ (ہے) کچھ شک نہیں کہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کردینے والا ہے (کافرو) اگر تم (محمد ﷺ پر) فیصلہ چاہتے ہو

فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَعُوْدُوْا

تو تمہارے پاس فیصلہ آ چکا (دیکھو) اگر تم (اپنے افعال سے) باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر پھر (نافرمانی)

نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ

کرو گے تو ہم بھی پھر (تمہیں عذاب) دیں گے اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی

=طرف پھینک۔دیں آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔اور ابن ابی حاتم نے بروایت ابن زید نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ مٹی اور کنکروں کی مٹھی بھری ایک لشکر کے داہنے حصہ پر دوسری بائیں حصہ پر، تیسری سامنے کی جانب پھینک دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس ایک یا تین مٹھی بھر کنکریوں کو قدرت نے معجزانہ انداز میں اس طرح پھیلا دیا کہ مخالف لشکر کا کوئی آدمی باقی نہ رہا جس کی آنکھوں میں اور چہروں پر یہ دھول اور کنکریاں نہ پہنچی ہوں، جس کا اثر یہ ہوا کہ پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا فرشتے الگ ان کے ساتھ شریک قتال تھے (مظہری)۔بالآخر کچھ لوگ مخالف فریق کے قتل ہو گئے، کچھ گرفتار کر لئے گئے، باقی بھاگ گئے، اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔بالکل مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں یہ فتح عظیم مسلمانوں کو حاصل ہوئی، میدان جنگ سے واپس آ کر آپس میں گفتگوئیں شروع ہوئیں، صحابہ کرام اپنے اپنے کارنامے ایک دوسرے سے بیان کرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فلم تقتلوھم ولکن اللّٰہ قتلھم﴾ جس میں ان کو یہ ہدایت دی گئی کہ اپنی سعی وعمل پر ناز نہ کرو، یہ جو کچھ ہوا وہ صرف تمہاری محنت وکوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ خالص حق تعالیٰ کی نصرت وامداد کا ثمرہ تھا، جو دشمن تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے ان کو درحقیقت تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے۔اسی طرح رسول کریم ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا: ﴿ومارمیت اذرمیت ولکن اللّٰہ رمیٰ﴾ یعنی یہ مٹھی کنکریوں کی جو آپ نے پھینکی وہ درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے مطلب یہ ہے کہ پھینکنے کا یہ نتیجہ کہ لشکر دشمن کے ہر فرد کی آنکھوں میں پہنچ کر سب کو سراسیمہ کردے یہ آپ کے پھینکنے کا اثر نہیں تھا بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ صورت پیدا فرمائی۔

وَأَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۹﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

اور اللہ تو مومنوں کیساتھ ہے ۔[8] اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر چلو

---

[8] اس آیت میں شکست خوردہ قریشی کفار کو خطاب اور ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو قریشی لشکر کے مسلمانوں کے مقابلہ پر مکہ سے نکلنے کے وقت پیش آیا تھا۔ وہ یہ کہ جب قریشی کفار کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا تو مکہ سے نکلنے سے پہلے لشکر کے سردار ابوجہل وغیرہ نے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر دعائیں مانگی تھیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ اس دعا میں انہوں نے اپنی فتح کی دعا کرنے کے بجائے عام الفاظ میں اس طرح دعا مانگی: یا اللہ! دونوں لشکروں میں سے جو اعلیٰ و افضل ہے اور دونوں جماعتوں میں سے جو زیادہ ہدایت پر ہے، اور دونوں پارٹیوں میں سے جو زیادہ شریف ہے، اور دونوں میں سے جو دین کے اعتبار سے افضل ہے اس کو فتح دیجئے۔ (مظہری)۔

یہ بے وقوف تو یوں سمجھ رہے تھے کہ بمقابلہ مسلمانوں کے ہم ہی اعلیٰ و افضل اور زیادہ ہدایت پر ہیں، اس لئے یہ دعا ہمارے حق میں ہے اور اس دعا کے ذریعہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ اور جب ہم فتح پائیں تو یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے حق پر ہونے کا فیصلہ ہوگا۔

مگر ان کو یہ خبر نہ تھی کہ اس دعا میں درحقیقت وہ اپنے لئے بددعا اور مسلمانوں کے لئے دعا کر رہے ہیں، انجام جنگ سامنے آنے کے بعد قرآن کریم نے ان کو بتلایا: ﴿ان تستفتحوا فقد جاء کم الفتح﴾ یعنی اگر تم الٰہی فیصلہ چاہتے ہو، تو وہ سامنے آچکا کہ حق کو فتح اور باطل کو شکست ہوگئی۔ ﴿وان تنتهوا فهو خير الكم﴾ اور اگر تم اب بھی اپنے کفر و عناد سے باز آ گئے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، "وان تعودوا نعد" اور اگر تم پھر اپنی شرارت اور جنگ کی طرف لوٹے تو ہم بھی مسلمانوں کی امداد کی طرف لوٹیں گے۔ "ولن تغني عنكم فئتكم شيئا ولو كثرت" یعنی تمہاری جماعت اور جتھا کتنا ہی زیادہ ہو اللہ تعالیٰ کی نصرت کے مقابلہ میں تمہیں کچھ کام نہ دے گا۔ ﴿وان الله مع المومنين﴾ یعنی کوئی جماعت تمہیں کیا کام دے سکتی ہے، جب کہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور اُس سے روگردانی نہ کرو اور تم سنتے ہو

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اُن لوگوں جیسے نہ ہونا جو کہتے ہیں کہ ہم نے (حکمِ الٰہی) سن لیا مگر (حقیقت میں) نہیں سنتے

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ

کچھ شک نہیں کہ اللہ کے نزدیک تمام جانداروں سے بدتر بہرے گونگے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اور اگر اللہ ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا

اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

تو ان کو سننے کی توفیق بخشتا اور اگر (بغیر صلاحیت ہدایت کے) سماعت دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ جاتے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

مومنو! اللہ اور اُس کے رسول کا حکم قبول کرو جب کہ رسول اللہ تمہیں ایسے کام کیلئے بلاتے ہیں جو تمہیں (جاوداں) زندگی بخشتا ہے

وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَأَنَّهٗ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اُس کے رُوبرو جمع کئے جاؤ گے [9]

---

[9] پہلی آیت میں ارشاد ہے اگر اللہ تعالی ان میں کوئی بھلائی دیکھتے تو ان کو اعتقاد کے ساتھ سننے کی توفیق بخش دیتے، اور اگر ان کو بحالت موجودہ کہ ان میں طلب حق نہیں ہے حق بات سنا دیں تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رُخی کرتے ہوئے۔ بھلائی سے مراد اس جگہ طلب حق ہے کہ طلب ہی کے ذریعہ تدبر اور فہم کے دروازے کھلتے ہیں، اور اسی سے اعتقاد وعمل کی توفیق ہوتی ہے، اور جن میں طلب حق نہیں گویا اس میں کوئی بھلائی نہیں، معنی یہ ہیں کہ اگر ان میں کوئی بھلائی موجود ہوتی تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالی کے علم میں ہوتی، جب اللہ تعالی کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی نہیں، تو معلوم ہوا کہ درحقیقت وہ ہر بھلائی سے محروم ہیں، اور اس محرومی کی حالت میں اگر ان کو غور وتدبر اور اعتقاد حق کی دعوت دی جائے

تو وہ ہرگز قبول نہ کریں گے، بلکہ اس سے منہ پھیر کر بھاگیں گے، یعنی ان کی یہ روگردانی اس بنا پر نہ ہوگی کہ دین میں ان کو اعتراض کی بات نظر آ گئی اس لئے نہیں مانا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حق بات پر دھیان ہی نہیں دیا۔

اس تقریر سے وہ منطقی شبہ بھی رفع ہو گیا جو اہل علم کے دلوں میں کھٹکتا ہے کہ یہ قیاس کی شکل اول ہے، حد اوسط حذف کریں تو نتیجہ غلط نکل رہا ہے، جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہاں حد اوسط مکرر نہیں کیونکہ پہلے ''**لاسمعهم**'' کا مفہوم الگ ہے، دوسرے ''**اسمعهم**'' کا الگ، پہلے میں سماع قبول اور سماع نافع مراد ہے دوسرے میں خالی سماع۔

دوسری ایت میں پھر اہل ایمان کو خطاب کر کے اللہ اور رسول کے احکام کی تعمیل واطاعت کا حکم ایک خاص انداز سے دیا گیا، کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمہیں جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس میں اللہ اور رسول کا اپنا کوئی فائدہ مضمر نہیں بلکہ سب احکام تمہارے ہی فائدہ کے لئے دیئے گئے ہیں ارشاد فرمایا ہے: ﴿**استجیبوا للہ وللرسول اذادعاکم لمایحییکم**﴾ یعنی بات مانو اللہ کی اور رسول کی جب کہ رسول تم کو ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لئے زندگی بخش ہے۔ وہ حیات جس کا ذکر اس آیت میں ہے کیا ہے اس میں کئی احتمال ہیں: اس لئے علماء تفسیر نے مختلف قول اختیار کئے ہیں، سدی نے کہا کہ وہ حیات بخش چیز ایمان ہے کیونکہ کافر مردہ ہے۔ قتادہ نے فرمایا کہ وہ قرآن ہے جس میں دنیا وآخرت کی زندگی اور فلاح مضمر ہے۔ مجاہد نے فرمایا کہ وہ حق ہے، ابن اسحاق نے فرمایا کہ مراد اس سے جہاد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو عزت بخشی، اور یہ سب احتمالات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، ان میں کوئی تضاد نہیں اور مراد یہ ہے کہ ایمان یا قران یا اتباع حق وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کا دل زندہ ہوتا ہے اور دل کی زندگی یہ ہے کہ بندہ اور اللہ تعالی کے درمیان جو غفلت وشہوت وغیرہ کے حجابات حائل ہیں وہ راہ سے ہٹ جائیں اور حجابات کی ظلمت دور ہو کر نور معرفت دل میں جگہ کر لے۔

ترمذی: ۲۸۷۵، اور نسائی فی سنن کبری: ۱۱۲۰۵، نے بروایت ابو ہریرہؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز ابی بن کعبؓ کو بلایا ابی بن کعب نماز پڑھ رہے تھے جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ میرے پکارنے پر آنے میں دیر کیوں لگائی؟ ابی بن کعبؓ نے عرض کیا، کہ میں نماز میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے حق تعالی کا یہ ارشاد نہیں سنا: ﴿**استجیبوا للہ وللرسول اذادعاکم**﴾؟ ابی بن کعبؓ نے عرض کیا کہ ائندہ اس کی اطاعت کروں گا اگر بحالت نماز بھی آپ بلائیں گے فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔ اور اس جیسی ایک روایت امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ابو سعید بن المعلیؓ سے نقل کیا ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً

اور اُس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کیساتھ اُنہیں لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں گنہگار ہیں

وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے

وَاذْكُرُوْا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُوْنَ

اور (اُس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے

أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ

کہ لوگ تمہیں اُڑا (نہ) لے جائیں (یعنی بے جان و مال نہ کردیں) تو اُس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے تمہیں تقویت بخشی

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ

اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تاکہ (اُسکا) شکر کرو۔ اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو

وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا أَمٰنٰتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا

اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔ اور جان رکھو کہ تمہارا

أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّأَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ أَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس (نیکیوں کا) بڑا ثواب ہے

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ

مومنو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا (یعنی تمہیں ممتاز کر دے گا) اور تمہارے گناہ مٹا دے گا

سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ

اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور جب کافر لوگ تمہارے بارے میں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ

چال چل رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا جان سے مار ڈالیں یا (وطن سے) نکال دیں تو (ادھر تو)

وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

وہ اپنی تدبیریں کررہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کررہا تھا اورسب سے زیادہ مستحکم تدبیروالا اللہ تعالی ہے [10]

---

[10] اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی کے ایک خاص قسم انعام واحسان کا ذکر ہے، جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام پر بلکہ پوری دنیا پر ہوا ہے، کہ قبل از ہجرت جب نبی کریم ﷺ کفار کے نرغہ میں تھے اور وہ آپ کے قید یا قتل کرنے کے مشورے کررہے تھے، تو اللہ نے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا، اور نبی کریم ﷺ کو بسلامت وعافیت مدینہ طیبہ پہنچادیا۔ جس کا واقعہ تفسیر ابن کثیر اور مظہری میں بروایت محمد بن اسحٰق وغیرہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ سے آنے والے انصار کا مسلمان ہوجانا مکہ میں مشہور ہوا تو قریش مکہ کو یہ فکر دامنگیر ہوگئی کہ اب تک تو ان کا معاملہ صرف مکہ میں دائر تھا جہاں ہر طرح کی قوت ہمارے ہاتھ میں ہے۔

اور اب جبکہ مدینہ میں اسلام پھیلنے لگا اور بہت سے صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو اب ان کا ایک مرکز مدینہ طیبہ قائم ہوگیا، جہاں یہ ہر طرح کی قوت ہمارے خلاف جمع کر سکتے ہیں اور پھر ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں، اور ان کو یہ بھی احساس ہوگیا کہ اب تک تو کچھ صحابہ کرام ہی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے ہیں اب یہ بھی قوی امکان ہے کہ محمد ﷺ بھی وہاں چلے جائیں، اس لئے روسائے مکہ نے مشورہ کے لئے دار الندوہ میں ایک خاص مجلس طلب کی، دار الندوہ مسجد حرام کے متصل قصی بن کلاب کا مکان تھا، جس کو ان لوگوں نے قومی مسائل میں مشورہ اور مجلس کرنے کے لئے مخصوص کررکھا تھا اور زمانہ اسلام میں اس کو مسجد حرام میں داخل کرلیا گیا ہے۔ حسب عادت اس مہم مشورہ کے لئے قریشی سرداروں کا اجتماع دار الندوہ میں ہوا جس میں ابوجہل۔ نضر بن حارث، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف، ابوسفیان وغیرہ قریش کے تمام نمایاں اشخاص شامل ہوئے، اور رسول کریم ﷺ اور اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابلہ کی

تدبیریں زیرغور آئیں۔

ابھی مشورہ کی مجلس شروع ہی ہوئی تھی، کہ ابلیس لعین ایک سن رسیدہ عربی شیخ کے صورت میں دارالندوہ کے دروازہ پر آ کھڑا ہوا، لوگوں نے پوچھا کہ تم کون ہو، کیوں آئے ہو؟ بتلایا کہ میں نجد کا باشندہ ہوں، مجھے معلوم ہوا کہ آپ لوگ ایک اہم مشورہ کر رہے ہیں، تو قومی ہمدردی کے پیش نظر میں بھی حاضر ہو گیا کہ ممکن ہے میں کوئی مفید مشورہ دے سکوں۔ یہ سن کر اس کو اندر بلا لیا گیا، اور مشورہ شروع ہوا، تو سہیلی کی روایت کے مطابق ابوالبختری بن ہشام نے یہ مشورہ پیش کیا کہ ان کو یعنی نبی کریم ﷺ کو آہنی زنجیروں میں قید کر کے مکان کا دروازہ بند کر دیا جائے اور چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ معاذ اللہ وہ آپ اپنی موت مر جائیں، یہ سن کر شیخ نجدی ابلیس لعین نے کہا کہ یہ رائے صحیح نہیں کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو معاملہ چھپے گا نہیں، بلکہ اس کی شہرت دور دور پہنچ جائیگی، اور ان کے صحابہ اور رفقاء کے فدایانہ کارنامے تمہارے سامنے ہیں، بہت ممکن ہے کہ یہ لوگ جمع ہو کر تم پر حملہ کر دیں اور اپنی قیدی کو تم سے چھڑا لیں۔ سب طرف سے آوازیں اٹھیں کہ شیخ نجدی کے بات صحیح ہے اس کے بعد ابوالاسود نے یہ رائے پیش کی کہ ان کو مکہ سے نکال دیا جائے یہ باہر جا کر جو چاہیں کرتے رہیں ہمارے شہر ان کے فساد سے مامون ہو جائے گا اور ہمیں کچھ جنگ وجدال بھی کرنا نہ پڑے گا۔

شیخ نجدی یہ سن کر پھر بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں کیا تمہیں معلوم نہیں، کہ وہ کیسے شرین کلام آدمی ہے؟ لوگ ان کا کلام سنکر مفتون اور مسحور ہو جاتے ہیں، اگر ان کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا بہت جلد اپنی طاقتور جماعت بنالیں گے، اور تم پر حملہ کر کے شکست دے دیں گے۔ اب ابوجہل بولا کہ جو کرنے کا کام ہے تم میں سے کسی نے نہیں سمجھا میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے وہ یہ کہ ہم عرب کے سب قبیلوں میں سے ہر قبیلہ کا ایک نوجوان لے لیں ،اور ہر ایک کو عمدہ کام کرنے والی تلوار دے دیں، یہ سب لوگ یکبارگی ان پر حملہ کر کے قتل کر دیں۔ ہم ان کے فساد سے تو اس طرح نجات حاصل کر لے، اب رہا ان کے قبیلہ بنو عبد مناف کا مطالبہ جوان کے قتل کے سبب ہم پر عائد ہو گا سو ایسی صورت میں جب کہ قتل کسی ایک نے نہیں بلکہ ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص نے کیا ہے، تو قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینے کا مطالبہ تو باقی نہیں رہ سکتا۔ صرف خونبہا دیت کے مال کا مطالبہ رہ جائے گا، وہ ہم سب قبیلوں سے جمع کر کے ان کو دے دیں گے۔ اور بے فکر ہو جائیں گے۔ شیخ نجدی ابلیس لعین نے یہ سن کر کہا کہ بس رائے یہی ہے اور اس کے سوا کوئی چیز کارگر نہیں، پوری مجلس نے اسی کے حق میں رائے دے دی، اور آج ہی رات

میں اپنا یہ ناپاک عزم پورا کرنے کا تہیہ کرلیا گیا۔ مگر انبیاء علیہم السلام کی غیبی نصرت کو یہ جاہل کیا سمجھ سکتے تھے، اس طرف جبرئیل امین نے ان کے دارالندوہ کی ساری کیفیت سے رسول پاک ﷺ کو باخبر کرکے یہ تدبیر بتلائی کہ آج رات میں آپ اپنے بستر پر آرام نہ کریں اور بتلایا کہ اب اللہ تعالی نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

ادھر مشورہ کے مطابق شام ہی سے قریشی نوجوان نے سرور دو عالم ﷺ کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ رسول پاک ﷺ نے یہ دیکھا تو علی مرتضی کو حکم دیا کہ آج کی رات وہ رسول کریم ﷺ کے بستر پر آرام کریں، اور یہ خوشخبری سنادی کہ اگرچہ بظاہر اس میں آپ کی جان کا خطرہ ہے مگر دشمن آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ علیؓ نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کردیا اور آپ کے بستر پر لیٹ گئے مگر اب مشکل یہ درپیش تھی کہ نبی کریم ﷺ اس محاصرہ سے کیسے نکلیں؟ اس مشکل کو اللہ تعالی نے ایک معجزہ کے ذریعہ حل کیا وہ یہ کہ بامر الٰہی رسول اللہ ﷺ ایک مٹھی میں مٹی بھر کر باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے جو کچھ آپ کے بارہ میں گفتگو رہے تھے، حالانکہ آپ ان میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے نکلتے چلے گئے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کسی آنے والے نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کیوں کھڑے ہو؟ تو انہوں نے بتلایا کہ محمد ﷺ کے انتظار میں، اس نے کہا کہ تم کس خام خیالی میں ہو وہ تو یہاں سے نکل کر جا بھی چکے ہیں، اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے اپنے سروں پر ہاتھ رکھا تو اس کی تصدیق ہوئی کہ ہر ایک کے سر پر مٹی پڑی تھی۔

علیؓ کرم اللہ وجہہ آپ کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے مگر محاصرہ کرنے والوں نے ان کے کروٹیں بدلنے سے پہچان لیا کہ یہ محمد ﷺ نہیں، اس لئے قتل پر اقدام نہیں کیا صبح تک محاصرہ کرنے کے بعد یہ لوگ خائب و خاسر ہوکر واپس ہوگئے، یہ رات اور اس میں رسول کریم ﷺ کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا علیؓ کے خاص فضائل میں سے ہے۔ قریشی سرداروں کے مشورہ میں جو تین رائیں نبی کریم ﷺ کے متعلق پیش کی گئی تھیں، ان تینوں کو قرآن کریم کی اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: ''واذیمکربک الذین کفروا لیثبتوک اویقتلوک اویخرجوک'' یعنی وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب کہ کفار آپ کے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ اپ کو قید کریں یا قتل کردیں یا شہر بدر کردیں۔ مگر اللہ تعالی نے ان کی سب تدبیریں خاک میں ملا دیں، اسی لئے آخر آیت میں فرمایا: واللہ خیر الماکرین یعنی اللہ تعالی بہتر تدبیر کرنے والے ہیں جو ساری تدبیروں پر غالب آجاتی ہے جیسا کہ اس واقعہ میں مشاہدہ ہوا۔

وَإِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا

اور جب اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں (یہ کلام) ہم نے سن لیا ہے اگر ہم چاہیں تو اسی طرح کا

إِنْ هٰذَا إِلَّا أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿٣١﴾ وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ

(کلام) ہم بھی کہہ دیں اور یہ ہے ہی کیا صرف اگلے لوگوں کی حکایتیں ہیں ۔ اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ!

إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ

اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا،

أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيْهِمْ

یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب بھیج ۔ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک تم اُن میں تھے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ

اُنہیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور اُنہیں عذاب دے ۔ اور (اب) اُن کیلئے کونسی وجہ ہے کہ وہ اُنہیں

وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْا أَوْلِيَآءَهُ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُ

عذاب نہ دے جب کہ وہ مسجد محترم (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں اور وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں اُس کے متولی

إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ

تو صرف پرہیزگار ہیں لیکن اُن میں اکثر لوگ نہیں جانتے ۔ اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس

إِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾

سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی تو تم جو کفر کرتے تھے اس کے بدلے عذاب (کا مزہ) چکھو

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا

جو لوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں) کو اللہ کے رستے سے روکیں سو ابھی اور خرچ کریں گے

ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۥ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ

مگر آخر وہ (خرچ کرنا) اُن کیلئے (موجبِ) افسوس ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگ دوزخ کی طرف

يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهُ

ہانکے جائیں گے ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر

عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهُ فِيْ جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

ایک ڈھیر بنا دے پھر اُس کو دوزخ میں ڈال دے۔ یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں

﴿۳۷﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ

(اے پیغمبر!) کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے افعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ اُنہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر

يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

(وہی حرکات) کرنے لگیں گے تو اگلے لوگوں کا (جو) طریق جاری ہو چکا ہے (وہی اُن کے حق میں برتا جائے گا)

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا

اور اُن لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا غلبہ) باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰكُمْ

اور اگر باز آ جائیں تو اللہ اُن کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔[11] اور اگر رُوگردانی کریں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے

---

[11] اس آیت کریمہ میں دو لفظ قابل غور ہیں ایک لفظ ''فتنہ'' دوسرا ''دین''۔ یہ دونوں لفظ عربی لغت کے اعتبار سے کئی معنی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ ائمہ تفسیر صحابہ و تابعین سے اس جگہ دو معنی منقول ہیں، ایک یہ کہ فتنہ سے مراد کفر و شرک اور دین سے مراد دین اسلام لیا جائے۔ عبداللہ بن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے اس تفسیر پر معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ مسلمانوں کو کفار سے قتال اس وقت تک جاری رکھنا چاہئے جب تک کہ کفر مٹ کر اس کی جگہ اسلام آ جائے، اسلام کے علاوہ کوئی دین و مذہب باقی نہ رہے۔ اس

صورت میں یہ حکم صرف اہل مکہ اور اہل عرب کے لئے مخصوص ہوگا کیونکہ جزیرۃ العرب اسلام کا گھر ہے اس میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین رہے تو دین اسلام کے لئے خطرہ ہے۔ باقی ساری دنیا میں دوسرے ادیان و مذاہب کو قائم رکھا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ قران کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث اس پر شاہد ہیں۔ اور دوسری تفسیر جو عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ فتنہ سے مراد اس جگہ وہ ایذاء اور عذاب ومصیبت ہے جس کا سلسلہ کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر ہمیشہ جاری رہا تھا جب تک وہ مکہ میں تھے تو ہر وقت ان کے نرغہ میں پھنسے ہوئے طرح طرح کی ایذائیں سہتے رہے پھر جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، تو ایک ایک مسلمان کا تعاقب کر کے قتل وغارتگری کرتے رہے مدینہ میں پہنچنے کے بعد بھی پورے مدینہ پر حملوں کی صورت میں ان کا غیظ وغضب ظاہر ہوتا رہا۔ اور اس کے بالمقابل دین کے معنی قہر وغلبہ کے ہیں اس صورت میں تفسیر آیت کی یہ ہوگئی، کہ مسلمانوں کو کفار سے اس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں، اور دین اسلام کا غلبہ نہ ہو جائے کہ وہ غیروں کے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔ عبداللہ بن عمرؓ کے ایک واقعہ بھی اسی تفسیر کی تائید ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب امیر مکہ عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ میں حجاج بن یوسف نے فوج کشی کی اور دونوں طرف مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ میں چل رہی تھیں تو دو شخص عبداللہ بن عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ اس وقت جس بلا میں مسلمان مبتلا ہیں آپ دیکھ رہے ہیں، حالانکہ آپ عمر بن خطابؓ کے صاحبزادے ہیں جو کسی طرح ایسے فتنوں کو برداشت کرنے والے نہ تھے کیا سبب ہے کہ آپ اس فتنہ کو رفع کرنے کے لئے میدان میں نہیں آتے۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ سبب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے کسی مسلمان کا خون بہانا حرام قرار دیا ہے ان دونوں نے عرض کیا کہ کیا آپ قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھتے: ''قاتلوھم حتی لاتکون فتنة'' یعنی مقاتلہ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ بیشک میں یہ آیت پڑھتا ہوں اور اس پر عمل بھی کرتا ہوں۔ ہم نے اس آیت کے مطابق کفار سے قتال جاری رکھا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا۔ اور غلبہ دین اسلام کا ہو گیا۔ اور تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ اب باہم قتال کر کے فتنہ پھر پیدا کر دو اور غلبہ غیر اللہ کا اور دین حق کے خلاف کا ہو جائے۔ (بخاری تفسیر سورۂ انفال،) مطلب یہ تھا کہ جہاد وقتال کا حکم فتنہ کفر اور مظالم کفار کے مقابلہ میں تھا وہ ہم کر چکے اور برابر کرتے رہے یہاں تک کہ یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں بلکہ مسلمانوں کے باہمی مقاتلہ کے وقت تو نبی کریم ﷺ کی ہدایات یہ ہیں کہ اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہے۔ خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداء اسلام کے خلاف جہاد وقتال اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ مسلمانوں پر ان کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے۔ اور یہ صورت صرف قرب قیامت میں ہوگی اس لئے جہاد کا حکم قیامت تک جاری اور باقی ہے۔

نِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَنِعۡمَ النَّصِیۡرُ ﴿۴۰﴾ وَاعۡلَمُوۡا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ

(اور) وہ خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔ اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لُوٹ کر لاؤ

فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ

اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اہلِ قرابت کااور یتیموں کا اور محتاجوں کا

وَابۡنِ السَّبِیۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰہِ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ

اور مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ

یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۱﴾

بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مُدھ بھیڑ ہوگئی اپنے بندے (محمدﷺ) پر نازل فرمائی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الدُّنۡیَا وَہُمۡ بِالۡعُدۡوَۃِ الۡقُصۡوٰی وَالرَّکۡبُ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ

جس وقت تم (مدینے سے) قریب کے ناکے پر تھے اور کافر بعید کے ناکے پر اور قافلہ تم سے نیچے (اتر گیا) تھا

وَلَوۡ تَوَاعَدۡتُّمۡ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِی الۡمِیۡعٰدِ ۙ وَلٰکِنۡ لِّیَقۡضِیَ اللّٰہُ

اور اگر تم (جنگ کے لئے) آپس میں قرارداد کر لیتے تو وقت معین (پر جمع ہونے) میں تقدیم و تاخیر ہو جاتی لیکن

اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ۬ۙ لِّیَہۡلِکَ مَنۡ ہَلَکَ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ

اللہ کو منظور تھا کہ جو کام ہو کر رہنے والا تھا اسے کر ہی ڈالے تا کہ جو مرے بصیرت پر مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر

وَّیَحۡیٰی مَنۡ حَیَّ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَسَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۴۲﴾ اِذۡ یُرِیۡکَہُمُ اللّٰہُ

جیتا رہے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ اس وقت اللہ نے تمہیں خواب میں کافروں کو تھوڑی

فِیۡ مَنَامِکَ قَلِیۡلًا ؕ وَلَوۡ اَرٰىکَہُمۡ کَثِیۡرًا لَّفَشِلۡتُمۡ وَلَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ

تعداد میں دکھایا اور اگر بہت کر کے دکھاتا تو تم لوگ جی چھوڑ دیتے اور (جو) کام (درپیش تھا اس) میں جھگڑنے لگتے

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۴۳﴾ وَإِذْ

لیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچا لیا بیشک وہ سینوں کی باتوں تک سے واقف ہے۔ اور اس وقت جب

يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ

تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو کافروں کو تمہاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھایا تھا اور تم کو ان کی نگاہوں میں

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ط وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۴۴﴾

تھوڑا کر کے دکھایا تھا تا کہ اللہ کو جو کام کرنا منظور تھا اسے کر ڈالے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔[12]

---

[12] غزوہ بدر کفر واسلام کا وہ پہلا معرکہ تھا جس نے ظاہری اور مادی طور پر بھی اسلام کی برتری اور حقانیت کا ثبوت دیا، اس لئے قران کریم نے اس کی تفصیلات بیان کرنے کا خاص اہتمام فرمایا۔ آیات متذکرہ میں اسی کا بیان ہے۔ جس کے ذکر میں بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے علاوہ ایک خاص مصلحت کا اظہار ہے کہ اس معرکہ میں ظاہری اور مادی طور پر مسلمانوں کے فتح پانے کا کوئی امکان نہ تھا اور مشرکین مکہ کی شکست کا کوئی احتمال نہ تھا۔ مگر اللہ تعالی کی غیبی قوت نے سارے سازوسامان اور ظاہری اسباب کی کایا پلٹ دی۔ اسی واقعہ کی وضاحت کے لئے ان آیات میں غزوہ بدر کے محاذ جنگ کا پورا نقشہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے ان آیات کی تشریح سے پہلے چند الفاظ ولغات کی تشریح دیکھ لیجئے۔

"عـدوة" کے معنی ایک جانب کے آتے ہیں، اور لفظ "دنیا" ادنی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں قریب تر، آخرت کے مقابلہ میں اس جہان کو بھی "دنیا" اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عالم آخرت کی نسبت انسان کی طرف قریب تر ہے۔ اور لفظ "قصوى" اقصى سے بنا ہے "اقصى" کے معنی ہیں بعید تر۔ بعد میں ہلاکت اور اس کے مقابلہ میں حیات کا ذکر آیا ہے ان دونوں لفظوں سے موت وحیات کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ معنوی موت وحیات یا ہلاکت ونجات مراد ہے معنوی حیات اسلام وایمان ہے اور موت شرک وکفر، قرآن کریم نے کئی جگہ یہ الفاظ اس معنی میں استعمال کئے، ایک جگہ ارشاد ہے: "یاایها الذین امنوا استجیبوا اللہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم" (انفال: ۲۴) مراد حیات سے وہ حقیقی اور دائمی حیات ہے جو ایمان واسلام کے صلہ میں ملتی ہے اب آیات کی تفسیر یہ ہوئی کہ مسلمان عدوہ دنیا (قریبی

کنارہ) کے پاس تھے اور کفار عدوہ قصوی (دور کنارہ) کے پاس مسلمانوں کا مقام اس میدان کے اس کنارے پر تھا جو مدینہ سے قریب تھا اور کفار میدان کے دوسرے کنارے پر تھے جو مدینہ سے بعید تھا اور ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جس کی وجہ سے یہ جہاد کھڑا کیا گیا تھا وہ بھی مکہ سے آنے والے لشکر کفار سے قریب اور مسلمانوں کی زد سے باہر تین میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔ اس نقشہ جنگ کے بیان سے مقصد یہ بتلانا ہے کہ جنگی اعتبار سے مسلمان بالکل بے موقع غلط جگہ ٹھیرے تھے جہاں سے دشمن پر قابو پانے کا بلکہ اپنی جان بچانے کا بھی کوئی امکان ظاہری اعتبار سے نہ تھا، کیونکہ اس میدان کی وہ جانب جو مدینہ سے قریب تھی ایک ریتیلی زمین تھی جس میں چلنا بھی دوبھر تھا۔ پھر پانی کی کوئی جگہ ان کے پاس نہ تھی اور مدینہ سے بعید والی جانب جس پر کفار نے اپنا پڑاؤ ڈالا تھا وہ صاف زمین تھی اور پانی بھی وہاں قریب تھا۔

اور اس میدان کے دونوں کناروں کا پتہ دے کر یہ بھی بتلا دیا کہ دونوں لشکر بالکل آمنے سامنے تھے کہ کسی کی طاقت یا ضعف دوسرے سے مخفی نہ رہ سکتا۔ نیز یہ بھی بتلا دیا کہ مشرکین مکہ کے لشکر کو یہ بھی اطمینان حاصل تھا کہ ہمارا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے اب اگر ہمیں ضرورت پڑے تو وہ بھی ہماری امداد کر سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل مسلمان اپنی جگہ کے اعتبار سے بھی تکلیف و پریشانی میں تھے، اور کہیں سے کمک ملنے کا بھی کوئی احتمال نہ تھا۔ اور یہ بات پہلے سے متعین اور ہر لکھے پڑھے آدمی کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کی کل تعداد تین سو تیرہ تھی اور کفار کی تعداد ایک ہزار مسلمانوں کے پاس نہ سواریوں کی تعداد کافی تھی اور نہ اسلحہ کی، اس کے بالمقابل لشکر کفار ان سب چیزوں سے آراستہ تھا۔

نہ مسلمان اس جہاد میں کسی مسلح لشکر سے جنگ کی تیاری کر کے نکلے تھے، بلکہ ہنگامی طور پر ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنے اور دشمن کی قوت کو پست کرنے کے خیال سے صرف تین سو تیرہ مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں نکل کھڑے ہوئے تھے اچانک غیر ارادی طور پر ایک ہزار جوانوں کے مسلح لشکر سے مقابلہ پڑ گیا۔

قرآن کی اس آیت نے بتلایا کہ لوگوں کی نظر میں یہ واقعہ اگرچہ ایک اتفاقی حادثہ کی صورت میں بلا ارادہ پیش آیا۔ لیکن دنیا میں جتنے اتفاقیات غیر اختیاری صورت سے پیش آیا کرتے ہیں، ان کی سطح اور صورت اگرچہ محض اتفاقیات کی ہوتی ہے لیکن خالق کائنات کی نظر میں وہ سب کے سب ایک مستحکم نظام کی لگی بندھی کڑیاں ہوتی ہیں، ان میں کوئی چیز بے ربط یا بے موقع نہیں ہوتی جب وہ پورا نظام سامنے آجائے اس وقت انسان کو پتہ لگ سکتا ہے کہ اس اتفاقی واقعہ میں کیا کیا حکمتیں مستور تھیں۔

غزوہ بدر ہی کے واقعہ کو لے لیجئے اس کی اتفاقی اور غیر اختیاری صورت سے ظاہر ہونے میں یہ مصلحت تھی کہ

﴿ولو تواعدتم لاختلفتم فی المیعاد﴾ یعنی اگر عام دنیا کی جنگوں کی طرح یہ جنگ بھی تمام پہلوؤں پر غور وفکر اور باہمی قراردادوں کے ذریعہ لڑی جاتی، تو حالات کا تقاضا یہ تھا کہ یہ جنگ ہوتی ہی نہیں بلکہ اس میں اختلاف پڑ جاتا، خواہ اس طرح کہ خود مسلمانوں کی رائے اپنی قلت وکمزوری اور مقابل کی قوت وکثرت کو دیکھ کر مختلف ہو جاتی۔ یا اس طرح کہ دونوں فریق اہل کفر واہل اسلام مقررہ وعدہ پر میدان میں نہ پہنچتے، مسلمان تو اپنی قلت وکمزوری کو دیکھ کر اقدام کی ہمت نہ کرتے اور کفار پر حق تعالی نے مسلمانوں کا رعب جمایا ہوا تھا وہ کثرت وقوت کے باوجود مقابلہ پر آنے سے گھبراتے۔

اس لئے قدرت کے مستحکم نظام نے دونوں طرف ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ ملے مکہ والوں کو تو ابوسفیان کے قافلہ کی گھبرائی ہوئی فریاد نے ایک ہولناک صورت میں سامنے آکر بے سوچے سمجھے چلنے پر آمادہ کر دیا۔ مسلمانوں کو اس خیال نے کہ ہمارے مقابلہ پر کوئی جنگی مسلح لشکر نہیں ایک معمولی تجارتی قافلہ ہے مگر علیم وخبیر کو منظور یہ تھا کہ دونوں میں باقاعدہ جنگ ہو جائے تاکہ اس جنگ کے پیچھے جو نتائج فتح اسلام کے ظہور میں آنے والے ہیں وہ سامنے آجائیں۔ اسی لئے فرمایا ﴿ولکن لیقضی اللہ امرا کان مفعولا﴾ یعنی ان حالات کے باجود جنگ اس لئے ہو کر رہی، کہ اللہ تعالی کو جو کام کرنا ہے اس کی تکمیل کر دکھائے، اور وہ یہ تھا کہ ایک ہزار جوانوں کے مسلح باسامان لشکر کے مقابلہ میں تین سو تیرہ بے سروسامان فاقہ زدہ مسلمانوں کی ایک ٹولی اور وہ بھی محاذ جنگ کے اعتبار سے بے موقع جب اس پہاڑ سے ٹکراتی ہے، تو یہ پہاڑ پاش پاش ہو جاتا ہے، اور یہ چھوٹی سی جماعت فتحمند ہوتی ہے جو کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہے کہ اس جماعت کی پیٹھ پر کوئی بڑی قدرت اور طاقت کام کر رہی تھی جس سے یہ ایک ہزار کا لشکر محروم تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی تائید اسلام کی وجہ سے اور اس کی محرومی کفر کی وجہ سے تھی۔ جس سے حق وباطل اور کھرے کھوٹے کا پورا امتیاز ہر سمجھدار انسان کے سامنے آ گیا، اسی لئے آخر آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحی من حی عن بینۃ﴾ یعنی واقعہ بدر اسلام کی کھلی حقانیت اور کفر وشرک کے باطل ومردود ہونے کو اس لئے کھول دیا گیا کہ ائندہ جو ہلاکت میں پڑے وہ دیکھ بال کر پڑے اور جو زندہ رہے وہ بھی دیکھ بال کر رہے اندھیرے اور مغالطہ میں کوئی کام نہ ہو۔

اس ایت کے الفاظ میں ہلاکت سے مراد کفر اور حیات وزندگی سے مراد اسلام ہے مطلب یہ ہے حق واضح ہو جانے کے بعد غلط فہمی کا احتمال اور عذر تو ختم ہو گیا اب جو کفر اختیار کرتا ہے وہ دیکھتی آنکھوں ہلاکت کی طرف

جا رہا ہے اور جو اسلام اختیار کرتا ہے وہ دیکھ بھال کر دائمی زندگی اختیار کر رہا ہے۔ پھر فرمایا: ''ان اللہ سمیع علیم'' یعنی اللہ تعالی خوب سننے والا جاننے والا ہیں، کہ سب کے دلوں میں چھپے ہوئے کفر و ایمان تک ان کے سامنے ہیں اور ہر ایک کی سزا و جزا بھی۔

تینتالیسویں اور چوالیسویں دونوں ایتوں میں ایک خاص کرشمہ قدرت کا ذکر ہے جو غزوہ بدر کے میدان میں اس غرض کے لئے عمل میں لایا گیا کہ ایسا نہ ہونے پائے کہ دونوں لشکروں میں سے کوئی بھی میدان جنگ چھوڑ کر اس جنگ کو ہی ختم کر ڈالے، کیونکہ اس جنگ کے نتیجہ میں مادی حیثیت سے بھی حقانیت اسلام کا مظاہرہ کرنا مقدر تھا۔

اور وہ کرشمہ قدرت یہ تھا کہ لشکر کفار اگرچہ واقع میں مسلمانوں سے تین گنا تھا، مگر اللہ تعالی نے محض اپنی قدرت کاملہ سے مسلمانوں کو ان کی تعداد بہت کم کر کے دکھلائی تا کہ مسلمانوں میں کمزوری اور اختلاف پیدا نہ ہو جائے، اور یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو خواب دکھلایا گیا، آپ ﷺ نے سب مسلمانوں سے بتلا دیا جس سے ان کی ہمت بڑھ گئی، دوسری مرتبہ عین میدان جنگ میں جبکہ دونوں فریق آمنے سامنے کھڑے تھے مسلمانوں کو ان کی تعداد کم دکھلائی گئی آیت ۴۳ میں خواب کا واقعہ اور ۴۴ میں بیداری کا مذکور ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہماری نظروں میں اپنا مقابل لشکر ایسا نظر آ رہا تھا کہ میں نے اپنے قریب کے ایک آدمی سے کہا کہ یہ لوگ نوے آدمیوں کی تعداد میں ہوں گے اس شخص نے کہا کہ نہیں سو (۱۰۰) ہوں گے۔

اخری آیت میں اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے'' **یقللکم فی اعینھم** ''یعنی اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بھی مقابل لشکر کی نظر میں کم کر کے دکھلایا، اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد تو حقیقت ہی میں کم تھی وہ صحیح تعداد ان کو دکھلا دی اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جتنی تعداد واقعی تھی اس سے بھی کم کر کے دکھلایا گیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ ابو جہل نے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کی تعداد تو اس سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی جن کی خوراک ایک اونٹ ہو۔ عرب میں کسی لشکر کی تعداد معلوم کرنے کے لئے اس سے اندازہ قائم کیا جاتا تھا کہ کتنے جانوران کی خوراک لئے ذبح ہوتے ہیں، ایک اونٹ سو آدمیوں کی خوراک سمجھا جاتا تھا رسول پاک ﷺ نے بھی اس میدان بدر میں وہاں کے کچھ لوگوں سے قریش مکہ کے لشکر کا پتہ چلانے کے کے لئے پوچھا تھا کہ ان کی لشکر میں روزانہ کتنے اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں؟ تو آپ کو دس اونٹ روزانہ بتلائے گئے، جس سے آپ نے ایک ہزار لشکر کا تخمینہ قائم فرمایا، خلاصہ یہ ہے کہ ابو جہل کی نظر میں مسلمان کل سو آدمی کی تعداد میں دکھلائے =

يَـٰٓأَيُّهَـا الَّـذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلَحُوْنَ ﴿۴۵﴾

مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہوتو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ مراد حاصل کرو۔

وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَـهُ وَلَا تَنَـازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا

وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا

اور صبر سے کام لو کہ اللہ صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔ اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو اتراتے ہوئے

مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور لوگوں کو دکھانے کے لئے گھروں سے نکل آئے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں

وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ

اور جو یہ اعمال کرتے ہیں اللہ ان پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور جب شیطانوں نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر دکھائے

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا

اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ ہو گا اور میں تمہارا رفیق ہوں (لیکن) جب

= گئے یہاں بھی کم کر کے دکھلانے میں یہ حکمت تھی، کہ مشرکین کے قلوب پر مسلمانوں کا رعب پہلے ہی نہ چھا جائے جس کی وجہ سے وہ میدان چھوڑ بھاگیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات معجزہ اور خرق عادت کے طور پر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آنکھوں کا مشاہدہ غلط ہو جائے جیسا یہاں ہوا۔ اس لئے اس جگہ دوبارہ فرمایا "لیقضی اللہ امرا کان مفعولا"، یعنی یہ کرشمہ قدرت اور آنکھوں کا مشاہدات پر تصرف اس لئے ظاہر کیا گیا کہ جو کام اللہ تعالیٰ کرنا چاہتے ہے وہ پورا ہو جائے۔ یعنی مسلمانوں کو قلت و بے سامانی کی باوجود فتح دے کر اسلام کی حقانیت اور تائید غیبی کا اظہار جو اس جنگ سے مقصود تھا وہ پورا کر دکھائے۔

تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِىٓءٌ مِّنكُمْ

دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل (صف آراء) ہوئیں تو پسپا ہو کر چل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں

إِنِّىٓ أَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّىٓ أَخَافُ اللّٰهَ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾

میں تو ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سخت عذاب والا ہے[13]

---

[13] عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ: جاء ابلیس یوم بدر فی جند من الشیاطین معه رأیته ،فی صورة رجل من بنی مدلج ،و الشیطان فی صورة سراقة بن مالک بن جعشم ،فقال الشیطان للمشرکین ''لاغالب لکم الیوم من الناس ،وانی جارلکم ''فلمااصطف الناس اخذرسول اللهﷺ قبضة من التراب فرمی بهافی وجوه المشرکین ،فولوامدبرین ،واقبل جبرئیل علیه السلام الی ابلیس ،فلمارآه وکانت یده فی یدرجل من المشرکین انتزع یده ثم ولیّ مدبرا،هووشیعته ، فقال الرجل یاسراقة اتزعم انک لناجار؟فقال ''انی اری مالاترون انی اخاف اللهط والله شدید العقاب'' وذلک حین رأی الملائکة.ابن کثیر ۔ابن عباسؓ کہتے ہیں بدر والے دن ابلیس اپنا جھنڈا بلند کئے مدلجی شخص کی صورت میں اپنے لشکر سمیت پہنچا اور شیطان سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں نمودار ہوا اور مشرکین کے دل بڑھائے، ہمت دلائی، جب میدان جنگ میں صف بندی ہوگئی تو رسول کریمﷺ نے مٹی کی مٹھی بھر کر مشرکوں کے منہ پر ماری، اس سے ان کے تو قدم اکھڑ گئے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی، جبرئیل علیہ السلام شیطان کی طرف چلے اس وقت یہ ایک مشرک کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے تھا، آپ علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اپنے لشکروں سمیت بھاگ کھڑا ہوا۔ اس شخص نے کہا سراقہ تم تو کہہ رہے تھے کہ ہم تمھارے حمایتی ہیں، پھر یہ کیا کر رہے ہو، یہ ملعون چونکہ فرشتوں کو دیکھ رہا تھا، کہنے لگا میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، میں تو اللہ تعالی سے ڈرنے والا آدمی ہوں، اللہ تعالی کے عذاب بڑے بھاری ہیں۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ

اس وقت منافق اور (کافر) جن کے دلوں میں مرض تھا کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰى إِذْ يَتَوَفَّى

اور جو شخص اللہ پر بھروسا رکھتا ہے تو اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور اگر تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے

الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ

کافروں کی جانیں نکالتے ہیں ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے وغیرہ) مارتے (ہیں اور کہتے ہیں)

الْحَرِيقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

کہ (اب) عذابِ آتش (کا مزہ) چکھو یہ ان (اعمال) کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور یہ (جان رکھو)

لِّلْعَبِيدِ ﴿۵۱﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ جیسا حال فرعونیوں کا اور ان سے پہلے لوگوں کا (ہوا تھا ویسا ہی ان کا ہوا کہ)

كَفَرُوا بِآيٰتِ اللّٰهِ فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

انہوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی سزا میں ان کو پکڑ لیا بیشک اللہ زبردست اور سخت عذاب دینے والا ہے

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ

یہ اس لئے کہ جو نعمت اللہ کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں

حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ

اللہ اسے نہیں بدلا کرتا اور اس لئے کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ جیسا حال فرعونیوں

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ

اور ان سے پہلے لوگوں کا (ہوا تھا ویسا ہی ان کا ہوا) انہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے

فَأَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور فرعونیوں کو ڈبودیا اور وہ سب ظالم تھے

إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾

جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا

جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد کیا ہے پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں

يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ

ڈرتے۔ اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہوں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں عجب نہیں

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ

کہ ان کو (اس سے) عبرت ہو اور اگر تمہیں کسی قوم سے دغا بازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انہیں کی طرف پھینک دو

عَلٰى سَوَآءٍ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور برابر کا جواب دو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔ [14]

---

[14] اس ایت میں رسول پاک ﷺ کو جنگ و صلح کے قانون کی ایک اہم دفعہ بتلائی گئی ہے، جس میں معاہدہ کی پابندی کی خاص اہمیت کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی وقت معاہدہ کے دوسرے فریق کی طرف سے خیانت یعنی عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم معاہدہ کی پابندی کو بدستور قائم رکھیں، لیکن یہ بھی جائز نہیں کہ معاہدہ کو صاف طور پر ختم کر دینے سے پہلے ہم ان کے خلاف کوئی اقدام کریں بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ ان کو اطمینان وفرصت کی حالت میں اس سے آگاہ کر دیا جائے کہ تمہاری بدنیتی یا خلاف ورزی ہم پر ظاہر ہو چکی ہے یا یہ کہ تمہارے معاملات مشتبہ نظر آتے ہیں اس لئے ہم آئندہ اس معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے، تم کو بھی ہر طرح اختیار ہے کہ

ہمارے خلاف جو کاروائی چاہو کرو۔ ایت کے الفاظ یہ ہیں: ''واما تخافن من قوم خیانة فانبذالیھم علی سواء ط ان اللہ لایحب الخائنین ''یعنی آگر آپ کو کسی قوم معاہد سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ پیدا ہو جائے توان کا عہد ان کی طرف ایسی صورت سے واپس کردیں کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں، کیونکہ اللہ تعالی خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ صلح ہو چکا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی جنگی اقدام کرنا خیانت میں داخل ہے، اور اللہ تعالی خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، اگر چہ یہ خیانت دشمن کافروں ہی کے حق میں کی جائے، وہ بھی جائز نہیں، البتہ اگر دوسری طرف سے عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو ایسا کیا جا سکتا ہے کہ کھلے طور پر ان کو اعلان کے ساتھ آگاہ کردیں کہ ہم ائندہ معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے۔ مگر یہ اعلان ایسی ہو کہ مسلمان اور دوسرا فریق اس میں برابر ہوں۔ یعنی ایسی صورت پیدا نہ کی جائے کہ اس اعلان وتنبیہ سے پہلے ان کے مقابلہ کی تیاری کرلی جائے اور وہ خالی الذہن ہونے کی بنا پر تیاری نہ کر سکیں بلکہ جو کچھ تیاری کرنا ہے وہ اس اعلان وتنبیہ کے بعد کریں۔

یہ ہے اسلام کا عدل وانصاف کہ اس میں خیانت کرنے والے دشمنوں کے بھی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں اس کا پابند کیا جاتا ہے کہ عہد کو واپس کرنے سے پیشتر کوئی تیاری بھی ان کے خلاف نہ کریں (مظہری)۔

معاویہؓ کا ایک قوم کے ساتھ ایک میعاد کے لئے التواء جنگ کا معاہدہ تھا۔ معاویہؓ نے ارادہ فرمایا کہ اس معاہدہ کے ایام میں اپنا لشکر اور سامان جنگ اس قوم کے قریب پہنچادیں تا کہ معاہدہ کی میعاد ختم ہوتے ہی وہ دشمن پر ٹوٹ پڑیں، مگر عین اس وقت جب معاویہؓ کا لشکر اس طرف روانہ ہو رہا تھا یہ دیکھا کہ ایک معمر آدمی گھوڑے پر سوار بڑے زور سے یہ نعرہ لگا رہے ہیں'' اللہ اکبر اللہ اکبر وفاءً لاغدرا'' یعنی نعرہ تکبیر کے ساتھ یہ کہا کہ ہم کو معاہدہ پورا کرنا چاہئے اس کی خلاف ورزی نہ کرنا چاہئے۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس قوم سے کوئی صلح یا ترک جنگ کا معاہدہ ہو جائے تو چاہئے کہ ان کے خلاف نہ کوئی گرہ کھولیں اور نہ باندھیں۔ معاویہؓ کو اس کی خبر کی گئی، دیکھا تو یہ کہنے والا بزرگ عمرو بن عنبسہؓ صحابی تھے، معاویہؓ نے فوراً اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تا کہ التواء جنگ کی میعاد میں لشکر کشی پر اقدام کر کے خیانت میں داخل نہ ہو جائیں اس کو نقض عہد نہیں بلکہ فسخ عہد کہا جاتا ہے اور یہ کئی ایک حدیث میں وارد ہے۔ (اس حدیث کو ابوداؤد: ۲۷۵۹، ترمذی ۱۵۸۰، نسائی امام احمد: ۱۱۳/۴، نے سلیم بن عامر کی روایت سے نقل کیا ہے)۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا
اور کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں ،وہ (اپنے چالوں سے ہمیں)

اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ
ہرگز عاجز نہیں کر سکتے۔ اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے

وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ
اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لئے مستعد ہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں

وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ
اوران کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے ہیبت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا
اس کا ثواب تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا اور اگر یہ لوگ

لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾
صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسا رکھو کچھ شک نہیں کہ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ
اور اگر یہ چاہیں کہ تمہیں فریب دیں تو اللہ تمہیں کفایت کرے گا وہی تو ہے جس نے تمہیں

اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ
اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی۔ اوران کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تم دنیا بھر کی دولت

مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ
خرچ کرتے تب بھی ان کی دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی بیشک

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ

وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اے نبی! اللہ تمہیں اور مومنوں کو جو تمہارے پیروکار ہیں

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ

کافی ہے [15] اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر

مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ

تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر سو (ایسے)

يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے اس لئے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے۔ [16]

---

[15] حاصل آیت یہ ہے، کہ آپ کو اوراپ کے ساتھیوں کو اللہ کافی ہے، اللہ آپ کا حامی وناصر اور کارساز ہے، آپ ایمان والوں کو جہاد کی ترغیب دیں، اور اللہ پر بھروسہ رکھیں، اگر تم تعداد میں کم ہوگے تو بھی تمہیں دشمن پر فتح وغلبہ عطاء کروں گا، ''ومن اتبعک من المومنین'' یہ ''حسبک'' میں کاف ضمیر پر معطوف ہے، یابقول امام زجاج یہ مفعول معہ ہے، یا یہ مبتداء ہے اوراسکی خبر محذوف ہے، (ای من اتبعک من المومنین کذٰلک حسبهم الله) حاصل یہ ہے کہ آپ کو اور ایمان والوں کو تمام مہمات میں اللہ کافی ہے (روح، بحر، کبیر، مدارک) لفظ ''اللہ'' پر اس کو معطوف ماننا غلط ہے، کیونکہ کفایت کرنے والا تو صرف اللہ تعالی ہی ہے، اورکوئی نہیں، علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد: ۳۵/۱، اورابن تیمیہ نے کتاب الردعلی الاخنائی: ۲۱۳، میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اور اس کا عطف لفظ ''اللہ'' پر غلط ثابت کیا ہے۔

[16] عام مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت اس سے بعد کی آیت یعنی ''اَلـٰئن خفف الله ''الخ سے منسوخ ہوچکی ہے، شیخ حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ''حرض المؤمنین علی القتال'' کومنسوخ مانا جائے تو یہ غلط ہے کیونکہ اس میں ترغیب الی الجہاد ہے جو بالاتفاق منسوخ نہیں اوراگر ''ان یکن منکم عشرون ''الخ کومنسوخ مانا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ خبر ہے اورخبر میں نسخ نہیں ہوتا بلکہ =

اَلْـئٰـنَ خَـفَّـفَ اللّٰهُ عَـنْـكُـمْ وَعَـلِـمَ أَنَّ فِيْـكُـمْ ضَـعْـفًـا فَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ
اب اللہ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ (ابھی) تم میں کسی قدر کمزوری ہے پس اگر تم میں

مِّـــائَةٌ صَابِـــرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ أَلْفٌ يَّغْلِبُوْا أَلْفَيْنِ
ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر

بِـإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَـعَ الصَّابِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَـانَ لِـنَبِيٍّ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ أَسْرٰى
غالب رہیں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کا مددگار ہے۔ پیغمبر کو شایان نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں

حَتّٰـــى يُثْـــخِـــنَ فِـــى الْأَرْضِ تُـــرِيْـــدُوْنَ عَـــرَضَ الـــدُّنْيَـــا
جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہا دے تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو

وَاللّٰهُ يُـــرِيْـــدُ الْآخِـــرَةَ وَاللّٰهُ عَـزِيْـزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ
اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے[17] اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا

= احکام میں ہوتا ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے بیس مسلمانوں پر دو سو کافروں سے جنگ کرنا فرض تھا اب اس آیت سے فرضیت منسوخ ہو گئی جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: شـــق ذالک عـــلـــی المسلمین اذ فرض علیهم ان لا یفر واحد من عشرة فجآء التخفیف (روح المعانی)۔ لھٰذا اس کو تخفیف کہا جاتا ہے، نسخ نہیں۔

[17] یہ بھی قانون جنگ ہے، جنگ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مسلمانوں نے قید کر لئے تھے ان قیدیوں کے بارے میں چونکہ اللہ کی طرف سے کوئی فیصلہ نازل نہیں ہوا تھا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ لیا۔ ابوبکر الصدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کی اپنی قوم کے آدمی اور آپ کے رشتہ دار ہیں آپ ان کی جان بخشی فرما دیں، ممکن ہے یہی اسلام قبول کر کے اسلام کے مددگار بن جائیں اور ان سے فدیہ کی جو رقم وصول کی جائے وہ ائندہ

جہاد میں کام آئے گی۔

لیکن عمر فاروقؓ کا مشورہ تھا، یارسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی تکذیب کی، آپ کو وطن سے نکالا، اور آپ سے برسر پیکار ہوئے، آپ ان کی گردنیں اڑا دیں، اکثر صحابہ ابوبکر الصدیقؓ کی رائے سے متفق تھے، خود نبی علیہ السلام کا رجحان طبع بھی اسی طرف تھا۔ چنانچہ فدیہ لے کر تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ اس پر اللہ تعالی کی طرف سے یہ عتاب نازل ہوا کہ کسی پیغمبر کو یہ نہیں چاہئے کہ اس کے قبضہ میں مشرک محارب قیدی ہوں اور وہ انہیں قتل نہ کرے اور فدیہ لے کر چھوڑ دے۔

اس ایت کریمہ، اورسورۂ انبیاء (٧٩) سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام بھی مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کرتے تھے: و المذهب الثانی، وعليه الجمهور، وهو ظاهر مذهب الشافعیؒ کماقاله الماوردیؒ وسليم، ومذهب احمدؒ، واكثر المالكية، منهم القاضی عبد الوهاب و القاضيان: ابويوسفؒ وعبد الجبارؒ وابو الحسين و القاضی فی (التقريب) انه يجوز لنبيناﷺ وغيره من الانبياء عليهم السلام ذلک، وأومأ اليه الشافعیؒ فی الرسالة "لان الله تعالی خاطب نبيه، كماخاطب عباده، وضرب له الامثال، وامره بالتدبّر و الاعتبار، وهو اجلّ المتفكرين فی ايات الله، واعظم المعتبرين بها، واماقوله تعالی: ان هو الا وحی يوحیٰ [النجم: ٤]. فالمراد به القرآن، لانهم قالوا: انما يعلّمه بشر.

سلمنا ان ضمير للنطق، ولا يلزم منه ماذكرتم، لان الاجتهاد الشرعی ماذون فيه. و الدليل عليه فی الاراء والحروب كثير، كقتله النضر ونحوه فی الامور التی تحری فيها، واختار احد الجائزين. واما الاحكام فلانه اكمل من غيره، لعصمته من الخطاء، فاذاجاز لغيره الذی هو عرضة للخطاء، فلان يجوز للكامل اولی، ولان العمل بالاجتهاد اشق من العمل باليقين فيكون اكثر ثوابا.

پھر اخر میں لکھتا ہے وقال الماوردی و الرؤيانی فی كتاب القضاء، اختلف اصحابنا فی عصمة الانبياء من الخطاء فی الاجتهاد علی وجهين.................لكن لا يقرهم الله عليه ليزول الارتياب به وان جاز ان يكون غيرهم من العلماء مقرا عليه۔

امام زرکشیؒ کتاب ''البحر المحیط'' ۲۴۸/۸، میں لکھتا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء بھی مجتہدین تھے، اور اجتہادات کرتے تھے، اور یہ ان کے لئے جائز تھے، اس لئے کہ اللہ تعالی نے جیسے عام علماء کو مخاطب کیا ہے ایسے ہی اپنے انبیاء کو بھی مخاطب کیا ہے، اور ان کو تدّبر اور اعتبار کا حکم دیا ہے اور ایات اللہ میں متفکرین اور معتبرین میں سے انبیاء کرام زیادہ عظیم الشان تھے، اور ہر وہ جو آیت ہے سورۂ نجم :۴، میں، تو اس سے مراد قرآن کریم ہے، کیونکہ جب مشرکین نے یہ اعتراض کیا کہ یہ قرآن آپؐ کو ایک انسان سکھاتا ہے، تو اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے اس کا جواب دیا، اور اگر ہم یہ بات مانیں، کہ یہ آیت عام ہے، تو پھر بھی ان لوگوں کی مدعا ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ دنیائی امور سب کے نزدیک اس سے مستثنی ہے، اور جہادی اراء و دیگر انتظامی امور وغیرہ سب کے نزدیک مسلّم ہیں۔ پس جب امتیوں کے لئے یہ امور جائز ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے لئے بطریق اولیٰ جائز ہیں، اور یہی وجہ بھی ہے کہ اجتہاد اور اعتبار میں تکلیف اور مشقت ہوتی ہے تو اس کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ تو انبیاء کرام کو اس سے کس طرح محروم تصور کر سکتے ہیں؟ البتہ یہ ہے کہ اگر ان سے اجتہاد میں خطائی واقع ہو جائے تو یہ خطائی دائمی نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے ان کو تنبیہ دی جاتی ہے۔ اور حدیث ام سلمہؓ میں یہ تصریح بھی ذکر ہے کہ **انما اقضی بینکم برأيي فيمالم ينزل علی فيه.**

یعنی میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا اپنی رائے سے اس مقدمے میں جس میں کوئی حکم (وحی) مجھ پر نہیں اترا۔

ابوداود:۳۵۸۵، سنن الصغری:۳۲۰/۳، سنن کبری:۲۶۰/۱۰، ومسند ابی یعلی:۲۵۶/۱۲، ومشکل الاثار:۱۶۳/۲، یہ مسئلہ اکثر اصولیوں نے باب الاجتہاد میں ذکر کیا ہے، مثلا المعتمد، ۷۶۲/۲، اللمعہ:۷۶، المتسصفی:۳۵۵/۲، مختصر ابن الحاجب:۲۹۱/۲، جمع الجوامع: ۳۸۶/۲، نہایت السول:۲۳۷/۳، وغیرہ۔

سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ
ہوتو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ تو جو مالِ غنیمت تمہیں ملا ہے اسے کھاؤ

حَلَٰلًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾ يَٰأَيُّهَا النَّبِيُّ
(کہ وہ تمہارے لئے) حلال طیب (ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے پیغمبر!

قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ
جوقیدی تمہارے ہاتھ میں (گرفتار) ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی معلوم کرے گا تو جو (مال) تم سے

خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٠﴾
چھن گیا ہے اس سے بہتر تمہیں عنایت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَإِن يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ
اور اگر یہ لوگ تم سے دغا کرنا چاہیں گے تو یہ پہلے ہی اللہ سے دغا کر چکے ہیں تو اس نے ان کو (تمہارے) قبضے میں کر دیا اور

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
اللہ دانا حکمت والا ہے۔[18] جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال

---

[18] اکثر مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت رسول پاک ﷺ کے چچا عباسؓ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ وہ بھی بدر کے قیدیوں میں شامل تھے اور ان سے بھی فدیہ لیا گیا تھا، ان کی خصوصیت اس معاملہ میں یہ تھی کہ جنگ بدر میں یہ مکہ سے اپنے ساتھ تقریباً سات سوگنی سونا لے کر چلے تھے، تاکہ وہ لشکر کفار پر خرچ کیا جائے، اور ابھی یہ خرچ ہونے نہیں پایا تھا، کہ وہ مع اس سونے کے گرفتار کر لئے گئے۔

جب فدیہ دینے کا وقت آیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ساتھ جو سونا تھا اس کو میرے فدیہ کی رقم میں لگا لیا جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو مال آپ کفر کی امداد کے لئے لائے تھے وہ تو مسلمان کا مال غنیمت بن

گیا۔ فدیہ اس کے علاوہ ہونا چاہئے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی آپ ادا کریں، عباسؓ نے عرض کیا کہ اگر اتنا مالی بار مجھ پر ڈالا گیا تو مجھے قریش سے بھیک مانگنا پڑے گی، میں بالکل فقیر ہو جاؤں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! کیوں؟ کیا آپ کے پاس وہ مال موجود نہیں جو مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے اپنی زوجہ ام الفضل کے حوالہ کیا ہے۔ عباسؓ نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ جبکہ وہ میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کے سپرد کیا تھا، اور کوئی تیسرا آدمی اس سے واقف نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے اس کی پوری تفصیل بتلا دی، عباسؓ کے دل میں یہ سن کر نبی کریم ﷺ کے سچے رسول ہونے کا یقین ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ نبی کریم ﷺ کے دل سے معتقد تھے مگر کچھ شبہات تھے جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رفع فرما دیئے اور وہ درحقیقت اسی وقت مسلمان ہو گئے مگر ان کا بہت سارو پیہ قریش مکہ کے ذمہ قرض تھا اگر یہ اسی وقت اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے تو وہ روپیہ مارا جاتا، اس لئے اعلان نہیں کیا، اور رسول پاک ﷺ نے بھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا، فتح مکہ سے پہلے انہوں نے رسول پاک ﷺ سے اس کی اجازت چاہی کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ جائیں مگر نبی کریم ﷺ نے ان کو یہی مشورہ دیا کہ ابھی ہجرت نہ کریں۔

عباسؓ کی اس گفتگو پر رسول پاک ﷺ نے آیت مذکورہ میں آیا ہوا وعدہ بھی ان کو بتلا دیا کہ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا اور اخلاص کے ساتھ مومن ہو گئے تو جو کچھ مال فدیہ میں خرچ کیا ہے اس سے بہتر اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرما دیں گے۔ چنانچہ عباسؓ اظہار اسلام کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس وعدہ کا ظہور اپنی انکھوں سے = دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ مجھ سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا گیا تھا، اس وقت میرے بیس غلام مختلف جگھوں میں تجارت کا کاروبار کر رہے ہیں، اور کسی کا کاروبار بیس ہزار درہم سے کم نہیں ہے، اور اس پر مزید یہ انعام ہے کہ مجھے حجاج کو آب زمزم پلانے کی خدمت مل گئی ہے، جو میرے نزدیک ایسا گرانقدر کام ہے کہ سارے اہل مکہ کے اموال بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں۔

وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ

اور جان سے لڑے وہ اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق

بَعْضٍ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَّلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّى

ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ

يُهَاجِرُوا وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ

ہجرت نہ کریں تم کو ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد طلب کریں

إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ؕ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۷۲﴾

تو تم کو مدد کرنی لازم ہے مگر ان لوگوں کے مقابلے میں کہ تم میں اور ان میں (صلح کا) عہد ہو (مدد نہیں کرنی چاہیئے) اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ

اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائے

وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ

گا اور بڑا فساد مچے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ کی راہ میں لڑائیاں کرتے رہے

وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ؕ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لئے (اللہ کے ہاں) بخشش

كَرِيمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ

اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کرتے رہے

فَأُولَئِكَ مِنكُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ

وہ بھی تم ہی میں سے ہیں اور رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں

فِي كِتَابِ اللهِ إِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۷۵﴾

کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

سورة التوبة(مدنية) [١]

[١] سورت برأت شروع ہورہی ہے جس کو سورۂ توبہ بھی کہا جاتا ہے برأت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں کفار سے برأت کا ذکر ہے اور توبہ اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے (مظہری)۔

اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصاحف قرآن میں اس سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہیں لکھی جاتی ہے، اس کے سوا تمام قرآنی سورتوں کے شروع میں ''بسم اللہ'' لکھی جاتی ہے، اس کی وجہ معلوم کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ قرآن مجید تئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے، ایک ہی سورت کی آیتیں مختلف اوقات میں نازل ہوئیں، جبرئیل امین جب وحی لے کر آتے تو ساتھ ہی بحکم الٰہی یہ بھی بتلاتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھی جائے، اسی کے مطابق رسول کریم ﷺ کاتبین وحی کو ہدایت فرما کر لکھوا دیتے تھے۔ اور جب ایک سورت ختم ہو کر دوسری سورت شروع ہوتی تھی، تو سورت شروع ہونے سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نازل ہوتی تھی، جس سے یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ پہلی سورت ختم ہوگئی اب دوسری سورت شروع ہورہی ہے۔ قران مجید کی تمام سورتوں میں ایسا ہی ہوا ہے، سورت توبہ نزول کے اعتبار سے بالکل آخری سورتوں میں سے ہے، اس کے شروع میں عام دستور کے مطابق نہ ''بسم اللہ'' نازل ہوئی اور نہ رسول کریم ﷺ نے کاتب وحی کو اس کی ہدایت فرمائی۔ اسی حال میں رسول کریم ﷺ کی وفات ہوگئی۔ جامع قرآن عثمان غنی نے اپنی دور خلافت میں جب قران مجید کو کتابی صورت میں ترتیب دیا، تو سب سورتوں کے خلاف سورت توبہ کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہ تھی، اس لئے یہ شبہ ہوگیا کہ شاید یہ کوئی مستقل سورت نہ ہو بلکہ کسی دوسرے سورت کا جزء ہے اب اس کی فکر ہوئی کہ اگر یہ کسی دوسرے سورت کا جزء ہے تو وہ کونسی سورت ہوسکتی ہے۔ مضامین کے اعتبار سے سورۂ انفال اس کے مناسب معلوم ہوئی۔

عثمانؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ان دونوں سورتوں کو قرینتین یعنی ملی ہوئی کہا جاتا تھا (مظہری) اس لئے سورۂ انفال کے بعد اس کو رکھ دیا گیا یہ احتیاط تو اس لئے کی گئی کہ دوسرے سورت کا جز ہو تو اس کے ساتھ رہنا چاہئے مگر احتمال یہ بھی تھا کہ علیحدہ مستقل سورت ہو اس لئے لکھنے میں یہ صورت اختیار کی گئی کہ سورۂ انفال کے ختم پر سورۂ توبہ کے شروع سے پہلے کچھ جگہ خالی چھوڑ دی گئی جیسے عام سورتوں میں ''بسم اللہ'' کی جگہ ہوتی ہے۔

سورۂ برات یا سورت توبہ کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہ لکھے جانے کی یہ تحقیق خود جامع قرآن عثمانؓ سے ابوداؤد، رقم:٦٨٦، نسائی کبری:۵/۱۰، مسند احمد:۱/۵۷، ترمذی:۳۰۸۱۔ میں عبداللہ ابن عباسؓ کے ایک سوال کے جواب میں منقول ہے:

ابن عباسؓ نے عثمانؓ سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے جو آپ نے سورۂ انفال کو جو مثانی میں سے ہے اور سورۂ برات جو کہ مئین میں سے ہے ملا دیا؟، اور ان کے درمیان ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نہیں لکھی، اور پہلے کی سات لمبی سورتوں میں انہیں رکھا؟ آپ نے جواب دیا کہ بسا اوقات نبی ﷺ پر ایک ساتھ کئی سورتیں اتری تھیں۔ جب آیت اترتی آپ وحی کے لکھنے والوں میں سے کسی کو بلا کر فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو، جس میں یہ ذکر ہے، سورۂ انفال مدینہ منورہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور سورۂ برات سب سے آخر میں اتری تھی، بیانات دونوں کے ملتے جلتے تھے، مجھے خیال ہوا کہ کہیں یہ بھی اسی میں سے نہ ہو، نبی ﷺ کا انتقال ہو گیا اور آپ ﷺ نے ہم سے نہیں فرمایا کہ یہ اس میں سے ہے، اس لئے میں نے دونوں سورتوں کو متصل لکھا اور ان کے درمیان ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' نہیں لکھی، اور سات پہلی لمبی سورتوں میں انہیں رکھا۔

اس تحقیق سے یہ معلوم ہو گیا کہ سورۂ توبہ کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہ لکھنے کے وجہ یہ ہے کہ اس کا احتمال ہے کہ سورۂ توبہ علیحدہ سورت نہ ہو بلکہ انفال کا جز ہو، اس احتمال پر یہاں ''بسم اللہ'' لکھنا ایسا نادرست ہوگا جیسے کوئی شخص کسی سورت کے درمیان ''بسم اللہ'' لکھ دے۔

اسی بناء پر علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص اوپر سے سورۂ انفال کے تلاوت کرتا آیا ہو اور سورۂ توبہ شروع کر رہا ہو وہ ''بسم اللہ'' نہ پڑھے، لیکن جو شخص اسی سورت کے شروع یا درمیان سے اپنی تلاوت شروع کر رہا ہے اس کو چاہئے کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھ کر شروع کرے، بعض ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ سورۂ توبہ کی تلاوت میں کسی حال ''بسم اللہ'' پڑھنا جائز نہیں، یہ غلط ہے اور اس پر دوسری غلطی یہ ہے کہ بجائے ''بسم اللہ'' کے یہ لوگ اس کے شروع میں "اعوذ باللہ من النار" پڑھتے ہیں، جس کا کوئی ثبوت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے نہیں ہے۔ اور علیؓ سے جو بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ سورۂ برأت کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہ لکھنے کے وجہ یہ ہے کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' امان ہے اور سورۂ برأت میں کفار کے امان اور عہد و پیمان کو ختم کیا گیا ہے۔ مستدرک:۳۲۷۳، وروح۔ سو یہ ایک نکتہ اور لطیفہ ہے جو اصلی سبب کی منافی نہیں یعنی اصلی سبب تو یہی ہے کہ سورۂ انفال اور توبہ کے ایک ہونے کے احتمال کی بنا پر ''بسم اللہ'' نہیں لکھی گئی، پھر اس نہ لکھے جانے کا ایک

لطیفہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سورت میں کفار سے برأت اور رفع امان مذکور ہے جو ''بسم اللہ'' کے مناسب نہیں اس لئے تکوینی طور پر یہاں ایسے اسباب پیدا کر دیئے گئے کہ ''بسم اللہ'' یہاں نہ لکھی جائے۔

سورۂ توبہ کی ایات مذکورہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے چند واقعات کا جاننا ضروری ہے جن کے سبب یہ آیات نازل ہوئی ہیں اس لئے پہلے ان واقعات کی مختصر تفصیل لکھی جاتی ہے۔

(۱): پوری سورۂ توبہ میں چند غزوات اور ان سے متعلقہ واقعات کا اور ان کے ضمن میں بہت سے احکام ومسائل کا بیان ہوا ہے مثلاً تمام قبائل عرب سے معاہدات کا ختم کر دینا، فتحہ مکہ، غزوہ حنین، غزوہ تبوک، ان واقعات میں فتح مکہ سب سے پہلے ۸ھ ہجری میں، پھر غزوہ حنین اسی سال میں، پھر غزوہ تبوک رجب ۹ھ ہجری میں، پھر تمام قبائل عرب سے معاہدات ختم کرنے کا اعلان ذی الحجہ ۹ھ ہجری میں ہوا۔

(۲): (نبذ عہد) یعنی معاہدات ختم کر دینے کے متعلق جو مضامین ان آیات میں مذکور ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ سن ۶ھ ہجری میں رسول پاک ﷺ نے عمرہ کا قصد فرمایا، اور قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ اور مقام حدیبیہ میں ان سے صلح ہوئی، اس صلح کی میعاد روح المعانی کی نقل کے مطابق دس سال کی تھی، مکہ میں علاوہ قریش کے دوسرے قبائل بھی تھے معاہدہ صلح کی ایک شرط یہ بھی رکھی گئی کہ قریش کے علاوہ دوسرے قبائل میں جس کا جی چاہے وہ قریش کا حلیف اور ساتھی بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ رسول پاک ﷺ کا حلیف ہوکر آپ کے ساتھ ہوجائے چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے نبی کریم ﷺ کا حلیف بننا پسند کیا اور آپ کے ساتھ ہو گئے، اور قبیلہ بنی بکر نے قریش کے ساتھ ہونا اختیار کرلیا، اس معاہدہ کی رو سے یہ لازمی تھا کہ دس سال کے اندر نہ باہمی جنگ ہوگی اور نہ کسی جنگ کرنے والے کو کسی جانب سے کوئی مدد دی جائی گی اور جو قبیلہ کسی فریق کا حلیف ہے وہ بھی اسی کے حکم میں سمجھا جائے گا کہ اس پر حملہ کرنا یا حملہ آور کو مدد دینا معاہدہ کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا۔

یہ معاہدہ سن ۶ھ ہجری میں ہوا، ۷ھ ہجری میں معاہدہ کے مطابق رسول کریم ﷺ مع صحابہ کرام کے عمرہ قضاء ادا کرنے کے لئے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے، اور تین روز قیام کر کے حسب معاہدہ واپس تشریف لے آئے، اس وقت تک کسی فریق کی طرف سے معاہدہ کی کوئی خلاف ورزی نہ ہوئی۔ اس کے بعد پانچ ماہ گزرے تھے کہ قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ خزاعہ پر رات کے وقت چھاپہ مارا اور قریش نے بھی یہ سمجھ کر کہ رسول پاک ﷺ بہت دور ہیں اور رات کا وقت ہے آپ تک واقعہ کی تفصیلات پہنچنا مشکل ہے اس حملہ میں بنی بکر کو ہتھیاروں اور اپنے جوانوں سے امداد دی۔

ان واقعات اورحالات کے مطابق جن کو بالاخر قریش نے بھی تسلیم کرلیا وہ معاہدہ صلح ٹوٹ گیا جو حدیبیہ میں دس سال کے التواء جنگ کا ہوا تھا۔قبیلہ خزاعہ جو رسول پاک ﷺ کے حلیف تھے انہوں نے اس واقعہ کی اطلاع آپ کو دے دی۔ نبی کریم ﷺ نے قریش کی عہد شکنی کی خبر پا کر قریش کے خلاف جنگ کی خفیہ تیاری شروع کر دی۔

قریش کو بدر،احد،احزاب کے معرکوں میں مسلمانوں کی غیبی اور ربانی قوت کا اندازہ ہوکر اپنی قوت وطاقت کا نشہ اتر چکا تھا،اس وقت عہد شکنی کرنے کے بعد مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا خطرہ تو پیدا ہو ہی چکا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو اطلاع پہنچنے کے بعد مکمل خاموشی سے یہ خطرہ اور زیادہ قوی ہوگیا۔مجبور ہوکر ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ خود جاکر حالات کا اندازہ لگائیں،اور اگر رسول کی طرف سے جنگ کی تحریک کا اندازہ ہوتو پچھلے واقعہ پر عذر ومعذرت کرکے ائندہ کے لئے تجدید معاہدہ کرلیں۔ابوسفیان کو مدینہ پہنچ کر رسول پاک ﷺ کی جنگی تیاریوں کا کچھ علم ہوا تو پریشان ہوکر اکابر صحابہ میں سے ایک ایک کے پاس گئے کہ وہ سفارش کرکے معاہدہ کی تجدید کرادیں مگر سب نے ان کے سابقہ اور لاحقہ تلخ معاملات کے سبب انکار کر دیا۔اور ابوسفیان ناکام واپس آئے،قریش مکہ پر خوف وہراس طاری ہوگیا۔ادھر نبی کریم ﷺ نے حسب روایت البدایہ والنہایہ،لابن کثیر،۱۰رمضان ۸ھ کو مدینہ طیبہ سے صحابہ کرام کی بڑی جماعت کے ساتھ مکہ پر حملہ کرنے کے قصد سے کوچ فرمایا اور بالاخر مکہ فتح ہوگیا۔

فتح کے وقت بہت سے رؤساء قریش جو پہلے سے اسلام کی حقانیت کا یقین رکھتے تھے،مگر برادری کے خوف سے اظہار نہ کرسکتے تھے اب ان کو موقع مل گیا وہ مشرف بہ اسلام ہوگئے،اور جو اس وقت بھی اپنے قدیم مذہب کفر پر جمے رہے انکو بھی بجز معدود چندافراد کے نبی کریم ﷺ نے سب کو جان ومال کا امان دے کر پیغمبرانہ اور معجزانہ اخلاق کا وہ ثبوت دیا جس کا دوسرے لوگوں سے تصور بھی نہیں ہوسکتا،ان کی تمام گزشتہ عداوتوں اور مظالم اور بے رحمی کے واقعات کو یکسر نظر انداز فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں آج تم سے وہی بات کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے اس وقت کہی تھی،جب کہ وہ والدین کے ساتھ یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچے تھے: **لاتثریب علیکم الیوم** یعنی تمھارے ظلم وجور کا انتقام لینا یا کوئی سزا دینا تو کیا ہم تم کو ملامت کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

بہرحال اس وقت مکہ پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہوگیا،مکہ اور اطراف مکہ میں رہنے والے غیر مسلموں کو جان ومال کا امان دے دیا گیا۔لیکن اس وقت ان غیر مسلموں کے مختلف حالات تھے ایک قسم تو وہ لوگ تھے جن سے حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا،اور انہوں نے خود اس کو توڑ دیا اور وہی فتح مکہ کا سبب ہوا،دوسرے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے صلح کا معاہدہ

کسی خاص میعاد کے لئے کیا گیا، اور وہ اس معاہدہ پر قائم رہے جیسے بنی کنانہ کے دو قبیلے بنی ضمرہ اور بنی مدلج، جن سے ایک مدت کے لئے صلح ہوئی تھی : اور سورت برأت نازل ہونے کے وقت بقول خازن ان کی میعاد صلح کے نو مہینے باقی تھے۔ تیسرے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے معاہدہ صلح بغیر تعین مدت کے ہوا تھا۔ چوتھے وہ لوگ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔

فتح مکہ سے پہلے جتنے مشرکین یا اہل کتاب سے رسول پاک ﷺ نے معاہدات کئے ان کا سب کا یہ تلخ تجربہ مسلسل ہوتا رہا کہ انہوں نے خفیہ اور علانیہ عہد شکنی کی اور دشمنوں سے سازش کر کے رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی مقدور بھر کوششیں کی۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے اپنے مسلسل تجربہ اور اشارات الٰہیہ کے ماتحت یہ فیصلہ کرلیا تھا، کہ آئندہ ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی معاہدہ صلح نہ کیا جائے گا۔ اور جزیرۃ العرب کو ایک اسلامی قلعہ کی حیثیت سے صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا جس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ مکہ اور جزیرۃ العرب پر اقتدار حاصل ہوتے ہی اعلان کر دیا جائے کہ غیر مسلم یہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو جائیں، لیکن اسلام کے اصول عدل وانصاف اور رحیمانہ سلوک اور رحمۃ للعالمین کی رحمت عامہ کے ماتحت بلامہلت کے ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے سورت برأت کے شروع میں ان چاروں قسم کی غیر مسلم جماعتوں کے جدا جدا احکام نازل ہوئے۔ پہلی جماعت جو قریش مکہ کی تھی جنہوں نے میثاق حدیبیہ کو خود توڑ دیا تھا اب یہ کسی مزید مہلت کے مستحق نہ تھے مگر چونکہ یہ زمانہ اشہر حرم کا زمانہ تھا جن میں جنگ وقتال منجانب اللہ ممنوع تھا اس لئے ان کے متعلق تو وہ حکم آیا جو سورۂ توبہ کی پانچویں آیت میں مذکور ہے:

جس کا حاصل یہ ہے: کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کر کے اپنا کوئی حق باقی نہیں چھوڑا مگر اشہر حُرم کا احترام بہر حال ضروری ہے اس لئے اشہر حرم ختم ہوتے ہی یا وہ جزیرۃ العرب سے نکل جائیں یا مسلمان ہو جائیں ورنہ ان سے جنگ کی جائے۔

اور دوسرے جماعت جن سے کسی خاص میعاد کے لئے معاہدہ صلح کیا گیا اور وہ اس پر قائم رہے ان کا حکم سورۂ توبہ کی چوتھی آیت میں یہ آیا: یعنی وہ مشرک لوگ جن سے تم نے معاہدہ صلح کرلیا پھر انہوں نے معاہدہ پر قائم رہنے میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی، تو تم ان کے معاہدہ کو اسکی مدت تک پورا کر دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ یہ حکم بنوضمرہ اور بنومدلج کا تھا جس کی رو سے ان کو نو مہینے کی مہلت مل گئی۔ اور تیسری اور چوتھی دونوں جماعتوں کا ایک ہی حکم آیا جو سورۂ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت میں مذکور ہے:

یعنی اعلان دست برداری اللہ تعالی کی طرف سے اور اس کی رسول کی طرف سے ہے، ان مشرکین کے لئے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا، سو تم لوگ اس سرزمین میں چار مہینے چل پھر لو۔ اور یہ جان رکھو کہ تم اللہ تعالی کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ بے شک اللہ تعالی کافروں کو رسوا کرے گا۔

غرض پہلی دوسری آیتوں کی رو سے ان سب لوگوں کو جن سے بلاتعین مدت کوئی معاہدہ تھا یا جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا چار مہینے کی مہلت مل گئی۔ اور چوتھی آیت کی رو سے ان لوگوں کو تا اختتام معاہدہ مہلت مل گئی جن کے ساتھ کسی خاص میعاد کا معاہدہ تھا اور پانچویں آیت سے مشرکین مکہ کو اشہر حرم ختم ہونے تک مہلت مل گئی۔ ان احکام کا نفاذ اور مہلت کا شروع اس وقت سے تجویز ہوا جب کہ ان احکام کا اعلان تمام عرب میں ہو جائے، اس اعلان عام کے لئے یہ انتظام کیا گیا کہ ۹ھ کے ایام حج میں منیٰ و عرفات کے عام اجتماعات میں اس کا اعلان کیا جائے، جس کا ذکر سورۂ توبہ کی تیسری آیت میں آیا:

یعنی اعلان عام ہے عام لوگوں کے سامنے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں اس بات کا کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین سے۔ پھر اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم نے اعراض کر لیا تو یہ سمجھ رکھو کہ تم اللہ تعالی کو عاجز نہیں کر سکو گے، اور ان کافروں کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

چنانچہ اس حکم ربانی کی تعمیل کے لئے رسول کریم ﷺ نے ۹ھ ہجری کے حج میں صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰؓ کو مکہ مکرمہ بھیج کر میدان عرفات اور منیٰ میں جہاں تمام قبائل عرب کا اجتماع تھا یہ اعلان کرا دیا اور یہ بھی ظاہر تھا کہ اس عظیم الشان مجمع کی معرفت پورے عرب میں اس حکم کا مشتہر ہو جانا لازمی تھا، پھر احتیاطاً علیؓ کی معرفت یمن میں بالتخصیص اس کا اعلان کرا دیا۔ اس اعلان عام کے بعد صورت حال یہ ہوگئی کہ پہلی جماعت یعنی مشرکین مکہ کو اشہر حرم کے خاتمہ یعنی محرم ۱۰ھ ہجری کے ختم تک اور دوسری جماعت کو رمضان ۱۰ھ ہجری تک اور تیسری چھوٹی جماعتوں کو ۱۰ ربیع الثانی ۱۰ھ تک حدود سے خارج ہو جانا چاہئے، اور جو اس کی خلاف ورزی کرے وہ مستحق قتال ہے اس طرح اگلے سال کے زمانہ حج تک کوئی کافر داخل حدود نہ رہنے پائے گا۔ جس کا ذکر سورۂ توبہ کی اٹھائیسویں آیت میں آئے گا۔ اور حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد: ''**لایحجن بعد العام مشرک** :ترمذی: ۳۰۹۱، ابو داود: ۱۹۴۸ '' کا یہی مطلب ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ﴿۱﴾

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکوں سے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا بیزاری (اور جنگ کی تیاری) ہے

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ

تو (مشرکو! تم) زمین میں چار مہینے چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے اور یہ بھی کہ

وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲﴾ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ

اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ۔ اور حج اکبر کے دن اللہ

وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے

وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اوراس کا رسول بھی (ان سے دستبردار ہے) پس اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اوراگر نہ مانو (اور اللہ سے مقابلہ کرتے ہو)

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳﴾

تو جان رکھو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکو گے اور (اے پیغمبر!) کافروں کو دکھ دینے والے عذاب کی خبر سنا دو

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا

البتہ جن مشرکوں کے ساتھ تم نے عہد کیا ہواورانہوں نے تمہارا کسی طرح کا قصور نہ کیا ہواور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد

عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

کی ہو تو جس مدت تک ان کے ساتھ عہد کیا ہو اسے پورا کرو (کہ) اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۴﴾ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ

جب عزت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِنْ تَابُوْا

اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھے رہو پھر اگر وہ توبہ کر لیں

وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ

اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلامِ الٰہی سننے لگے

ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ كَيْفَ يَكُوْنُ

پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو اس لئے کہ یہ بے خبر لوگ ہیں۔[۲] بھلا مشرکوں کے لئے (جنھوں نے عہد توڑ ڈالا)

---

[۲] اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہوا، کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے اہل السنۃ، مذاہب اربعہ، متقدمین اور متاخرین اس نظریہ پر متفق ہیں کہ قرآن مجید اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے، بعد میں متاخرین مختلف ہو گئے کہ اللہ کا کلام ایک معنی ہے جو قائم بالذات ہے یا حروف اصوات کا بھی نام ہے، اللہ ان کے ساتھ متکلم ہوا جبکہ وہ پہلے متکلم نہ تھا یا وہ ہمیشہ متکلم رہا، جب اس نے چاہا اور جس وقت چاہا جیسے چاہا، اور کلام قدیم ہے، بعض معتزلہ قرآن پاک کو غیر مخلوق اس معنی میں کہتے ہیں کہ وہ کلام جھوٹا نہیں اس کا افتراء نہیں کیا گیا، بلکہ وہ سچا کلام ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ معنی تو اس لفظ سے کوئی شخص نہیں لیتا اور تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن پاک جھوٹا کلام نہیں ہے۔

اختلاف تو اس مسئلہ میں ہے کہ کیا قرآن مخلوق ہے یا اللہ کا کلام ہے اس کے ساتھ قائم ہے؟ معتزلہ کے توحید اور صفات میں جو عقائد ہیں یہ ان کی عقل کی پیداوار ہیں کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں ہیں، اگر چہ بظاہر یہی کہتے ہیں کہ ہم تمام مسائل ائمہ سے اخذ کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر لوگوں کو فطرت سلیمہ پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور وہ اپنی عقلوں سے صحیح راہ جانچنا چاہیں تو تمام جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں لیکن شیطان نے بعض لوگوں کو مغالطوں میں ڈال دیا ہے جس سے ان میں یہ افتراق پیدا ہو گیا ہے ارشاد ربانی ہے: ''وان الذین اختلفوا فی الکتاب لفی شقاق بعید'' (البقرة: ١٧٦،

اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں (آ کر نیکی سے) دور (ہو گئے ہیں)۔امام طحاوی کا کلام واضح ہے کہ اللہ پاک ہمیشہ متکلم رہا جب چاہا اور جس طرح چاہا وہ متکلم ہوا، اور اس کا کلام قدیم ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول فقہ اکبر:۴۸، میں ہے: القرآن فی المصاحف مکتوب، وفی القلوب محفوظ، وعلی الالسن مقروء ،وعلی النبیﷺ منزل ،ولفظنا بالقرآن مخلوق ،و القرآن غیر مخلوق ،وما ذکر اللہ فی القرآن عن موسیٰ علیہ السلام وغیرہ وعن فرعون وابلیس فان ذلک کلام اللہ اخبارا منهم وکلام موسیٰ وغیرہ من المخلوقین مخلوق، و القرآن کلام اللہ لا کلامهم ،وسمع موسیٰ علیہ السلام کلام اللہ فلما کلم موسیٰ کلم بکلامه الذی هو من صفاته لم یزل، وصفاته کلها خلاف صفات المخلوقین، یعلم لا کعلمنا،ویقدر لا کقدرتنا،ویری لا کرؤیتنا،ویتکلم لا ککلامنا انتهیٰ ۔قرآن پاک مصاحف میں لکھا ہوا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، اور زبانوں پر پڑھا جاتا ہے، نبیﷺ پر نازل ہوا، ہمارے الفاظ قرآن مخلوق ہیں، (یعنی انسان کا تلاوت کرنا اس کا عمل ہے اور یہ مخلوق ہے) جبکہ قرآن غیر مخلوق ہے، اور قران پاک میں موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات، نیز فرعون اور ابلیس کے واقعات، یہ سب اللہ کا کلام ہے، اللہ نے ان کے واقعات سے ہمیں خبر دی ہے، جبکہ موسیٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کا اپنا کلام مخلوق ہے، اور قران پاک تو اللہ کا کلام ہے ان کا کلام نہیں، اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا، جب اللہ پاک موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے تو اللہ نے اس سے جو کلام کیا وہ اللہ کی صفات سے ہے جو ہمیشہ ہیں، اور اللہ کی تمام صفات مخلوق کی صفات کے خلاف ہیں، اللہ کا علم ہمارے علم جیسا نہیں، اللہ کی قدرت ہماری قدرت جیسی نہیں ہے، اللہ کی روئیت ہماری رؤیت جیسی نہیں ہے، اور اللہ کا کلام ہمارے کلام جیسا نہیں ہے۔

خیال رہے جب اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا تو وہ اللہ کا وصف تھا یعنی جب موسیٰ آئے تو اللہ اس کے ساتھ ہم کلام ہوئے، ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں: فلما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمه ربه (الاعراف: ۱۴۳). اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہ طور) پر پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا۔اس آیت میں ان لوگوں کا رد مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کا وصف کلام اگرچہ اس کے نفس کے ساتھ قائم ہے اس کا سننا متصور نہیں، لیکن اللہ فضاء میں آواز فرما لیتا ہے جیسا کہ ابو منصور ماتریدی کا قول ہے۔

معتزلہ کا کہنا (کہ اللہ کا کلام اس کی مشیت اور قدرت کے ساتھ متعلق ہے وہ جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے اور وہ

،شیئابعدشیء ، کلام کرتا ہے بالکل صحیح اور درست ہے نیز ان کا کہنا کہ اللہ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور کلام اس کا وصف ہے، ظاہر ہے کہ صفت کا قیام موصوف کے ساتھ ہوتا ہے یہ بھی صحیح ہے اس کو ماننا اور اس کے مطابق کہنا درست ہے، ہاں ان کا وہ قول تسلیم نہ ہوگا جو عقل اور شرع کے خلاف ہوگا۔ لیکن معتزلہ کا یہ کہنا (کہ حوادث کا قیام اللہ کے ساتھ ہے) مجمل ہے، ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کون ائمہ ہیں جو اللہ کے ساتھ حوادث کے قیام کو تسلیم نہیں کرتے جبکہ قرآن وسنت کے نصوص اس پر دال ہیں نیز ائمہ کے نصوص اور صریح عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ پیغمبر جو لوگوں سے مخاطب ہوئے ، اور انہیں بتایا کہ اللہ نے فلاں بات کہی فلاں کی منادی دی، اور فلاں سرگوشی کی یا وہ فلاں بات کہتا ہے، ان تمام صورتوں میں ان کا نظریہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ان کو مخلوق مانتے ہیں اور اس کی ذات سے منفصل مانتے ہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، خود اللہ متکلم ہوا، جیسا کہ عائشہ کے واقعہ افک میں وہ خود کہتی ہیں کہ میری شان ایسی کہاں تھی کہ میرے بارے میں اللہ کلام فرماتا، اور وحی نازل فرماتا، کہ اس کی تلاوت ہوتی۔

نیز لغت عرب میں اور میدان عقل میں اس وقت تک کسی کو متکلم نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ کلام کا قیام نہ ہو، معتزلہ کا یہ کہنا کہ اگر ہم نے کلام کو اللہ کے ساتھ متعلق کر دیا تو پھر تشبیہ لازم آئے گی ، اس سے بچنے کے لئے انہیں تاویلات کا سہارا لینا پڑتا ہے، حالانکہ تشبیہ تو اس سے بھی ختم ہو جاتی ہے جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ متکلم ہے لیکن اس کا تکلم ہمارے جیسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے کہا کہ اللہ کا علم ہمارے علم جیسا نہیں، اسی طرح تمام صفات سمجھ لیجئے ، ہم سوال کرتے ہیں کیا قادر کا تصور قدرت کے بغیر اور کیا حی کا تصور حیات کے بغیر ممکن ہے؟ نبی کریم ﷺ سے ذیل کے دعائیہ کلمات منقول ہیں: کیا آپ جب کلمات اللہ کے ساتھ پناہ طلب کر رہے ہیں تو آپ مخلوق کے ساتھ پناہ مانگ رہے ہیں، ہرگز نہیں کلمات اللہ مخلوق نہیں ہیں، اللہ کے کلمات غیر مخلوق ہیں۔ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:۔ **اعوذ بکلمات الله التامات التی لایجاوزھن بر ولا فاجر** (مسند احمد: ۳/ ۴۱۹، عمل الیوم و اللیلة: رقم: ۶۴۲)

میں اللہ کے کلمات کے ساتھ (جو پورے ہیں) پناہ طلب کرتا ہوں جن سے کوئی نیک اور برا انسان متجاوز نہیں ہو سکتا۔

متاخرین حنفیہ کہتے ہیں کہ کلام بس ایک معنی ہے ، تعدد، تکثر بلحاظ دلالت کے ہے ، بلحاظ مدلول کے نہیں ہے اور کلام کی عبارتیں مخلوق ہیں اور عبارتوں کو کلام اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور ان کے ساتھ اس کی

ادائیگی ہوتی ہے ان کو عربی میں پیش کرو تو قرآن ہے عبرانی میں ذکر کرو تو تورات ہے بس اختلاف عبارات میں ہے کلام میں نہیں مجازاً عبارات کو ہی کلام اللہ کہا گیا ہے۔

جواب: ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ "لاتقربوا الزنی" کا وہی معنی ہے جو "اقیموا الصلوۃ" کا ہے اور آیۃ الکرسی کا وہی معنی ہے جو آیت مدائینہ کا ہے اور سورت اخلاص کا وہی معنی ہے جو "تبت یدا ابی لھب" کا ہے معمولی غور و فکر رکھنے والا انسان بھی اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتا۔

نیز یہ نظریہ سلف صالح کے نظریہ کے بھی خلاف ہے، پس حقیقت یہ ہے کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن فی الحقیقت اللہ کا کلام ہیں، اور اللہ کے کلام کا انتہا ماننا بھی درست نہیں، وہ ہمیشہ سے کلام کرتا رہا اور ہمیشہ کلام کرتا رہے گا۔ جس طرح اس نے چاہا اور جب چاہا ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں۔ "**قل لو کان البحر مداداالکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنابمثله مددا**" (**الکھف: ۱۰۹**)۔ کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے) کے لئے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے، اگر چہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لائیں۔ نیز فرمایا: **ولوان مافی الارض من شجرۃ اقلام و البحر یمدہ من بعدہ سبعة ابحر مانفدت کلمات الله،ان الله عزیز حکیم(لقمان:۲۷)**.

اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں وہ سب کے سب قلم ہوں اور سمندر کا (تمام پانی) سیاہی ہو اور اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں، بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔

پس اگر جو مصحف میں ہے اس کو عبارت مانا جائے کلام اللہ نہ کہا جائے، تو جنب اور بے وضوء انسان کا اس کو ہاتھ لگانا کیسے ممنوع ہوتا اور اگر قاری کا پڑھنا قرآن نہ ہوتا تو جنب اور بے وضوء انسان کے لئے اس کا پڑھنا کیسے ناجائز ہوتا، پس اللہ کا کلام دلوں میں محفوظ ہے زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول پہلے گزر چکا ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ لوح محفوظ میں یا کتاب مکنون (پوشیدہ کتاب) یا "رق منشور" (کشادہ اوراق) میں ہے، ان تینوں کا مفہوم ایک ہے، یعنی قران پاک لوح محفوظ میں ہے، یا وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے لیکن قرآن پاک کے بارے میں اللہ کا یہ قول: ۔**وانه لفی زبر الاولین (الشعراء۱۹۶)**. اور بے شک وہ

قرآن ضرور پہلی کتابوں میں ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کا ذکر اور اس کا بیان پہلی سماوی کتابوں میں موجود تھا، جیسا کہ محمد ﷺ اور آپ کے اوصاف کا ذکر بھی پہلی کتابوں میں موجود تھا، لیکن یہ معنی درست نہیں کہ قرآن پہلے صحیفوں میں ہے، جب کہ قرآن پاک کو اللہ پاک نے محمد ﷺ پر نازل فرمایا آپ کے علاوہ کسی پر نازل نہیں فرمایا ہمارے اس موقف کی وضاحت ایک دوسری آیت سے بھی ہورہی ہے ارشاد ربانی ہے: ''الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورات والانجیل'' (اعراف:۱۵۷) وہ شخص (جس کا وصف) اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تورات اور انجیل میں۔

خیال رہے کہ '' زبر'' کا معنی لکھنا اور جمع کا آتا ہے، یعنی اس کا ذکر پہلی سماوی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اور لفظ کتاب سے کبھی محل کتابت اور کبھی کلام مکتوب مراد لیا جاتا ہے اور کتاب میں کلام لکھنا اور ان چیزوں کو لکھنا جو خارج میں موجود ہیں ان دونوں میں فرق واضح ہے اس لئے کہ جو چیزیں خارج میں موجود ہیں ان کے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کتاب میں ذکر ہو۔ اللہ کا کلام جو خارج میں حقیقتاً موجود ہے اولاً بواسطہ جبرئیل، اللہ سے سنا گیا، پھر ہر پہنچانے والے سے اسے سنا جاتا ہے جب سامع اس کو سنتا ہے تو اس کو اس کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس کو حافظہ میں محفوظ رکھتا ہے، پس اس لحاظ سے اللہ کا کلام مسموع، محفوظ، معلوم ہے، جب سامع اس کی قرأت کرتا ہے تو وہ مقروء ہوا۔

اور جب تحریر میں آ گیا تو مکتوب ہو گیا ان تمام صورتوں میں اللہ کا کلام حقیقی ہے اس کی نفی کرنا درست نہیں تو یہ کہنا بالکل جائز نہیں کہ مصحف میں اللہ کا کلام نہیں ہے، اس طرح جب قاری اس کی تلاوت کررہا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس کو اس نے پڑھا ہے وہ کلام نہیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔

کیا اس صورت میں مشرک اللہ سے اللہ کا کلام سنے گا وہ تو اللہ کی جانب سے جو مبلّغ ہے اس سے سنے گا پس اس آیت کی روشنی میں اس شخص کا قول قابل اعتبار نہیں جو کہتا ہے کہ مشرک اللہ کا کلام نہیں سن رہا ہے، وہ تو اللہ کے کلام کی عبارت سن رہا ہے حالانکہ مذکورہ آیت میں کلام اللہ ہے عبارت کلام اللہ نہیں، اور اصل بات یہ ہے کہ ہر لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جائے اسی طرح جو شخص کہتا ہے کہ مصاحف میں لکھا ہوا عبارت کلام اللہ یا حکایت کلام اللہ ہے کلام اللہ نہیں ہے اس نے کتاب وسنت اور سلف امت کے مسلک کی مخالفت کی ہے اور یہی گمراہی کافی ہے۔

امام طحاوی کا قول (قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اس سے اس کی ابتداء ہے، دیگر ائمہ اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں اس کی طرف ہی اسی کی انتہاء ہے، ان لوگوں کے قول کے مخالف ہے جو کہتے ہیں اللہ کا کلام ایک معنی ہے جس کا سننا ممکن

نہیں اور مسموع ،منزل ،مقروء ،مکتوب ،اللہ کا کلام نہیں ، وہ تو عبارت کلام اللہ ہے۔ نیز امام طحاویؒ کی اس تشریح سے جھمیہ ،معتزلہ، کا رد ہو رہا ہے جو قائل ہیں کہ اللہ نے کلام کا معنی میں خلق کیا تو وہاں سے کلام کا اغاز ہے اللہ سے نہیں ، جب کہ سلف امت کا نظریہ ہے کہ اللہ متکلم ہے اس سے کلام کا آغاز ہے مخلوقات سے آغاز نہیں ہے، ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں: تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم(الزمر: ۱) اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے کتاب کو نازل کرنا ہے۔

نیز:ولکن حق القول منی (السجدة:۱۳) میرا قول حق ہے۔نیز:قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق(نحل: ۱۰۲) ، کہہ دو کہ اس (قرآن) کو تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ روح القدس نے اتارا ہے۔

امام طحاوی کا قول کہ اللہ کی طرف کلام کا انتہا ہوگا اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کا کلام سینوں اور مصاحف سے اٹھالیا جائے گا تو سینوں اور مصاحف میں اللہ کے کلام کا کچھ اثر باقی نہیں رہے گا۔جیسا کہ متعدد آثار میں اس کا ذکر موجود ہے۔امام طحاوی کا قول اللہ کے تکلم کی کیفیت معلوم نہیں اللہ نے اپنے کلام کی فرشتے کے ذریعہ اپنے رسول کی جانب وحی کی۔ جبرئیل نے کلام کو اللہ سے سنا اور جبرئیلؑ سے محمد مصطفیٰ ﷺ نے سنا آپ نے لوگوں پر اس کو پڑھا۔جیسا کہ سورۂ اسراء:۱۰۶،اور سورۂ شعراء:۱۹۳، میں ہے۔

پھر امام طحاویؒ لکھتا ہے : ''اللہ کا کلام مخلوق کے کلام کی طرح مخلوق نہیں'' اس میں بھی معتزلہ کا رد مقصود ہے اور اس قول میں بھی کہ اللہ کا کلام حقیقی معنی میں ہے۔ان کا رد ہے جبکہ وہ کلام کو ایک معنی کہتے ہیں جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اللہ سے سنا نہیں جاتا، یعنی ان کے ہاں نفسانی کلام ہے اس لئے کہ جس کے ساتھ نفسانی کلام کا قیام ہو اور وہ اس کے ساتھ متکلم نہ ہو تو اس کلام کو حقیقی کلام نہیں کہا جاسکتا، وگرنہ ماننا پڑیگا کہ گونگا انسان بھی متکلم ہے اور ماننا پڑے گا کہ جو کچھ مصاحف میں ہے وہ قرآن نہ ہو اور نہ اللہ کا کلام ہو بلکہ عبارت کلام اللہ ہو۔

جیسا کہ جب ایک گونگا انسان کسی دوسرے شخص کی جانب اشارہ کرے جس سے مقصود سمجھ میں آئے تو وہ شخص معنی کی عبارت کو تحریر کرے پس اس صورت میں مکتوب معنی کی عبارت ہے، یہ ایسی مثال ہے جس کے بارے میں معتزلہ کہتے ہیں کہ ہمارے نظریہ کو واضح انداز میں پیش کرتی ہے۔

اگرچہ مثال کی مطابقت کے لحاظ سے اللہ کو کوئی شخص گونگا کہنے کے لئے تیار نہیں، البتہ ان کے ہاں اس کی وضاحت یوں ہے کہ فرشتے نے اللہ سے وہ معنی سمجھا جو اس کے ساتھ قائم تھا اگرچہ فرشتے نے اللہ سے کسی آواز کو نہیں سنا

اورنہ کسی حرف کوسنا ہے بس ایک معنی کوسمجھا اس کوتعبیر کیا پھر قرآن پاک کی ترتیب وتالیف کو پیدا فرمایا۔ بلکہ اللہ نے بعض اجسام میں جوفرشتے سے بہت پست درجہ والے ہیں اس قسم کی عبارت کاخلق کیا۔امام طحاویؒ فرماتے ہیں جوشخص اللہ کے کلام کوایک معنی سمجھتا ہے ہم اس سے دریافت کریں گے کیا موسیٰ علیہ السلام نے تمام معنی کوسنا، یابعض کوسنا؟ اگر وہ کہے تمام کوسنا تو یہ قول فاسد ہے اگر بعض کا کہے تو دعویٰ ٹوٹ گیا کہ وہ ایک معنی ہے نیز جب اللہ نے فرشتوں سے کہا:﴿انی جاعل فی الارض خلیفة:﴾ (البقرۃ:۳۰) بیشک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں، نیز جب اللہ نے کہا آدم کوسجدہ کروان میں یہ اللہ کا تمام کلام ہے یا بعض کلام ہے اگر کہے تمام ہے تو یہ مکابرہ ہے ،اگر بعض کہے تو معنی ایک نہ رہا اس میں تعدد آ گیا۔کلام اورقول سے کیا مراد ہے اس میں چار قول ہیں:

پہلاقول: کلام لفظ معنی دونوں کومتناول ہے جیسا کہ لفظ انسان جسم اور روح دونوں کومتناول ہوتا ہے یہ سلف امت کاقول ہے۔

دوسرا قول: کلام سے مرادصرف لفظ ہے اور معنی مسمی کا جزنہیں بلکہ مسمی کا مدلول ہے۔ یہ معتزلہ کی ایک جماعت کاقول ہے۔

تیسرا قول: کلام صرف معنی کا نام ہے لفظ پراس کا اطلاق مجازا ہے یہ قول ابن کلاب اوراس کے ہم خیال لوگوں کا ہے۔

چوتھاقول: کلام لفظ اور معنی میں مشترک ہے یہ قول بعض متاخرین کلابیہ کا ہے۔

پانچواں قول: کلام کا لفظ ،کلام اللہ میں مجاز اور انسانوں کے کلام میں حقیقت ہے اس لئے کہ انسانوں کے حروف ان کے ساتھ قائم ہیں۔پس کلام کا قیام غیر متکلم کے ساتھ نہ ہوا لیکن اللہ کا کلام اس کے ہاں اس کا قیام اللہ کے ساتھ نہیں ہے۔تو اس کو اللہ کا کلام کہنا ممتنع ہوا۔کلام ایک معنی ہے اس پر ایک شعر سے استدلال کیا جاتا ہے جو فاسد ہے ۔شعر ملاحظہ فرمائیں:

ان الکلام لفی الفؤادو انما جعل اللسان علی الفؤاددلیلا

کلام کاتعلق تو دل کے ساتھ ہے زبان تو دل کی صرف رھمنائی کا کام دیتی ہے۔لیکن یہ شعر موضوع ہے اگر چہ اخطل کی جانب منسوب ہے جب کہ اس کے دیوان میں نہیں ہے۔بعض لوگوں نے ''ان البیان''نقل کیا، یہ اقرب الی الصحۃ ہے اس کوصحیح تسلیم کرنے کے باوجود بھی اس سے استدلال صحیح نہیں ہے شعر موضوع سے استدلال بالکل ناقص ہے جبکہ اگر صحیحین سے استدلال کیا جائے تو اس پر بھی ہم کہتے ہیں کہ حدیث خبر واحد ہے جو یقین کا فائدہ نہیں دیتی اگر چہ علما نے

صحیحین کوشرف قبول سے نوازا ہے نیز جبکہ ہم دیکھتے ہیں عیسائی کلام کا معنی بیان کرنے میں گمراہ ہو گئے انہوں نے عیسٰی علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا اور لاہوت کا ناسوت کے ساتھ اتحاد ہو گیا، یعنی اللہ اور لوگ ایک ہو گئے تو کیا ہم کلام کے معنی کے سلسلہ میں عیسائیوں کے قول سے استدلال کریں جو کلام کا معنی بیان کرنے میں سیدھے راہ سے بھٹک گئے۔ یعنی انہوں نے کلام کا وہ معنی بیان نہ کیا جو لغت عرب میں ہے، پھر معنی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ لازم آتا ہے کہ ہم اخرس یعنی گونگے کو متکلم کہیں جبکہ کلام کا قیام اس کے دل کے ساتھ ہے زبان سے نہ وہ بات کرتا ہے اور نہ اس سے کوئی بات سنی جاتی ہے۔ پس یہ معنی عیسائیوں کے قول کے کس قدر مشابہ ہے جو لاہوت ناسوت کے قائل ہیں، یعنی اللہ اور مخلوق میں وحدت ہے اور اللہ کا کلام ایک معنی ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ لیکن اس کا سننا ممکن نہیں اور جس ترتیب کو ہم سن رہے ہیں وہ مخلوق ہے پس قدیم معنی کو مخلوق ترتیب کے انداز سے بتانا بالکل اسی طرح ہے جس طرح لاہوت کو ناسوت کی شکل میں ظاہر کیا جائے کہ عیسٰی علیہ السلام الہ ہیں یعنی اللہ، عیسٰی علیہ السلام کے وجود میں ظہور پذیر ہے۔

امام طحاویؒ ان لوگوں کے قول کا رد کرتے ہوئے (جو کلام کو معنی سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معنی اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے) ایک حدیث نقل کرتے ہیں، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: **ان ھذہ الصلاۃ لایصلح فیھا شیء من کلام الناس انماھو التسبیح** ۔الحدیث، ہماری نمازوں میں لوگوں کا کلام درست نہیں (مسلم:۸۳۶)۔

نیز: **ان اللہ یحدث من امرہ مایشاء وان اللہ احدث من امرہ ان لاتکلموا فی الصلاۃ، الحدیث**، اللہ پاک احکام میں تجدید فرماتا رہتا ہے، اب جو اللہ نے حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ تم نماز میں کلام نہ کرو (نسائی فی السنن الکبری:۱۴۴، وابوداود رقم:۷۸۹)۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جب نمازی عمداً ابلا مصلحت نماز میں کلام کرتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن کیا دل میں جو تصدیق کا معنی موجود ہے یا امور دنیوی کی طلب ہے تو اس سے بھی نماز باطل ہوگی۔ ہرگز نہیں نماز کلام کرنے سے باطل ہوگی معلوم ہوا معنی کو کلام کہنا درست نہیں۔

نیز صحیحین میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **ان اللہ تجاوز لامتی عما حدثت بہ انفسھا مالم تتکلم بہ اوتعمل بہ**، بخاری:۲۵۲۸، مسلم:۱۲۷، اللہ نے میری امت کے نفسانی خیالات کو معاف کر دیا ہے، جب تک کہ وہ کلام نہ کریں یا عمل نہ کریں، معلوم ہوا کہ دل کی خیالات کلام نہیں۔ خیالات آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، نماز کلام کرنے سے باطل ہوتی ہے۔ لغت عرب میں کلام کا معنی زبان سے بات کرنا ہے ہمیں شریعت کے احکام عربی زبان میں

ہی بتائے گئے ہیں۔

نیز سنن میں ہے: معاذؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ انا لمواخذون بمانتکلم به ؟فقال وهل یکب الناس فی النار علی مناخرهم الا حصائد السنتهم، (ترمذی: ۲۶۱۶، ابن ماجة: ۳۹۷۳) یعنی، یارسول اللہ کیا ہم جو زبان سے کہتے ہیں اس پر ہمارا مواخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو ناک کے بل جہنم میں گرانے والیاں ان کی تیز زبانیں تو ھیں، معلوم ہوا کلام کا تعلق زبان کے ساتھ ہے اور قول، کلام نیز ان سے جو صیغ مشتق ہوتے ہیں کتاب وسنت اور کلام عرب میں ان کا تعین موجود ہے، لفظ، کلام اور قول میں صحابہ، تابعین کرام کے دور میں کچھ نزاع نہ تھا، یہ نزاع متاخرین اہل بدعت علماء میں رونما ہوا، پھر وسیع ہوتا چلا گیا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ کلام اور قول کا مفہوم واضح ہے اس کے بیان کے لئے کسی شاعر کے شعر کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمام اہل زبان متقدمین اور متاخرین کلام کے معنی سے اسی طرح متعارف ہیں جس طرح وہ سر، ہاتھ، پاؤں کے مسمی سے متعارف ہیں نیز اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ کا کلام معنی نہیں جو اللہ کے ساتھ قائم ہے اور نہ ہی مقرو، محفوظ، مکتوب، مسموع کلام اللہ کی حکایت ہے بلکہ کلام اللہ ہے اور نہ ہی وہ مخلوق ہے۔ جو شخص قرآن پاک کو مخلوق کہتے ہیں اس میں کچھ شعور نہیں ہے جیسا کہ (سورۂ اسراء: ۸۸) میں ہے۔ کیا اس آیت میں اشارہ اس معنی کی جانب ہے جو اس کے نفس میں ہے یا اس سے مراد متلو مسموع ہے ظاہر ہے کہ اشارہ متلو، مسموع کی طرف ہے، اس لئے کہ جو چیز اللہ کی ذات میں ہے نہ اس کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے نہ وہ اتارا گیا ہے، نہ وہ مقرو ہے اور نہ ہی مسموع ہے، اگر اشارہ اس چیز کی طرف ہوتا جو اس کے نفس میں ہے تو یوں کہا جاتا:

لایاتون بمثل مافی نفسی . اور جو چیز اللہ کی نفس میں ہے نہ وہ مسموع ہے نہ اس کی طرف پہنچنا ممکن ہے اور نہ ہی اس کا علم حاصل ہوسکتا ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مذکورہ آیت میں اشارہ اس چیز کی حکایت کی طرف ہے جو اللہ کے نفس میں ہے، اور وہ متلو، مکتوب، مسموع ہے، پس اشارہ یا تو اللہ کی ذات کی طرف ہوگا یہ درست نہیں، اس لئے کہ یہ تو صریح قول ہے کہ قران مخلوق ہے بلکہ یہ لوگ تو معتزلہ سے بھی زیادہ کافر ہیں، اس لئے کہ کسی چیز کی حکایت اس کے مثل اور مشابہ کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ وضاحت ہے کہ اللہ کے صفات کی حکایت بیان کی جاتی ہے، اگر تلاوت حکایت کا نام ہوتا تو سب لوگ اللہ کے کلام کا مثل پیش کر سکتے تھے، اور انہیں عجز حاصل نہ ہوتا اور ان کے خیال میں تلاوت کرنے والا آواز اور حروف کی حکایت

کرنے والا ہے، آواز اور حروف نہیں ہے، حالانکہ قرآن پاک تو سورتوں اور آیات کے مجموعہ کا نام ہے، جو پاکیزہ صحائف میں ہے ارشاد ربانی ہے: ”فاتوا بعشر سور مفتریات (ھود: ۱۳) ۔تو اس جیسی دس سورتیں لاؤ جو جھوٹ موٹ ہوں۔

نیز فرمایا: بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ“ عنکبوت: ۴۹۔یعنی بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں محفوظ ہیں اور ہماری آیتوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں۔

نیز فرمایا: ”فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطھرۃ“ (عبس: ۱۳،۱۴)۔قابل ادب ورقوں میں (لکھا ہوا) جو بلند مقام پر رکھے ہوئے اور پاک ہیں۔پس جو شخص قران پاک کی تلاوت کرتا ہے اس کو ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں، ارشاد نبوی ہے: قال النبی ﷺ امانی لا اقول ”الم“ حرف ولکن الف حرف ولام حرف ومیم حرف. (ترمذی: ۲۹۱۰)۔

میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے لیکن الف ایک حرف لام دوسرا حرف، اور میم تیسرا حرف ہے، قرآن پاک حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے تلاوت کرنے والوں کی زبانوں سے اسے سنا جاتا ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں نو اقوال ھیں:

پہلا قول: فلاسفہ اور صابیون کا قول ہے کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اس کے معانی کا عقل فعال کی طرف سے نفوس پر فیضان ہوتا ہے۔

دوسرا قول: قرآن پاک مخلوق ہے اللہ سے منفصل ہے یہ قول معتزلہ کا ہے۔

تیسرا قول: قران پاک معنی ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس میں امر، نہی، خبر، استفہام سبھی اسلوب ہیں، جب ان معانی کو عربی میں تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ قرآن ہے اور اگر عبرانی میں تعبیر کیا جاتا ہے تو تورات ہے یہ قول ابن کلاب اور اس کے ہم خیال اشعری وغیرہ کا ہے۔

چوتھا قول: قرآن پاک حروف اور ازلی اوازوں کا نام ہے جو ازل میں مجتمع تھیں، یہ قول بعض متکلمین اور بعض محدثین کا ہے۔

پانچواں قول: قرآن پاک حروف اور اصوات کا نام ہے اللہ پاک ان کے ساتھ متکلم ہوا اس سے پہلے کہ ان کے ساتھ متکلم نہ تھا یہ قول کرامیہ وغیرہ کا ہے۔

چھٹا قول: قرآن پاک اللہ کا کلام ہے جس کو اپنے علم اور ارادہ سے (جو اس کی ذات کے ساتھ ہیں) بناتا ہے صاحب المعتبر کا یہی قول ہے اور امام رازی، المطالب العالیہ میں اس کی طرف مائل ہیں۔

ساتواں قول: اللہ کا کلام ایسے معنی کو متضمن ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کو اس نے اپنی غیر میں مخلوق کیا، یہ قول ابو منصور ماتریدی کا ہے۔

آٹھواں قول: قرآن پاک معنی قدیم قائم بالذات اوران اوازوں کے درمیان جن کو اللہ اپنے غیر میں پیدا فرماتا ہے یہ مشترک ہے یہ قول ابو المعالی اور اس کے پیروں کاروں کا ہے۔

نواں قول: اللہ پاک ہمیشہ سے کلام کے ساتھ متکلم رہا اس لئے جب چاہا اور جسے چاہا وہ ایسی اواز کے ساتھ متکلم رہا جو سنی جاتی ہے اور کلام قدیم ہے اگرچہ معین اواز قدیم نہیں ہے۔ یہ قول ائمہ حدیث وسنت کا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق امام عبدالعزیز مکی اور بشر مریسی کا مناظرہ مشہور ہے ''کتاب الحیدۃ'': ۷۹، ۸۰، سے مختصر انقل کرتے ہیں، یہ مناظرہ مامون عباسی کے سامنے ہوا، امام عبدالعزیز مکی کا اصرار تھا کہ مناظرہ میں نص قرآن کے علاوہ کسی دیگر دلیل کو پیش نہیں کیا جائے لیکن بشر مریسی نے امیر المومنین سے مطالبہ کیا کہ مناظرہ میں اس شرط کو ختم کیا جائے کہ دلیل صرف نص قرآن سے ہو، پھر دیکھنا کہ وہ کس طرح اپنے قول سے رجوع کرتا ہے، اور قران پاک کو مخلوق کہتا ہے، اگر اس طرح نہ ہوا تو میں اپنے خون کے حلال ہونے کی اجازت دیتا ہوں، چنانچہ مناظرہ شروع ہوتا ہے امام عبدالعزیز نے دریافت کیا تو پہل کرتا ہے یا میں تجھ سے سوال کروں؟ بشر نے کہا تم پہلے سوال کرو، اور وہ میرے بارے میں پر امید تھا، میں نے کہا تین باتوں میں سے ایک ضروری ہے اولا یہ اقرار کرو کہ اللہ تعالی نے قران پاک کو اپنے نفس میں پیدا کیا (جب کہ میں تو قرآن پاک کو اللہ کا کلام سمجھتا ہوں) یا یوں کہوں کہ اللہ نے قرآن پاک کو اس حال میں پیدا کیا کہ وہ اس کی ذات یا اس کے نفس کے ساتھ قائم ہے یا پھر تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے قرآن کو اپنے غیر میں پیدا کیا۔ اس نے جوابًا کہا اللہ نے قرآن پاک کو اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح اس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا، اور جواب سے گریز کیا، مامون نے بشر کا جواب سنا، تو امام عبدالعزیز سے کہا کہ تم اس کی تشریح کرو، بشر تو ناکام ہو چکا ہے، وہ اب کیا بات کرے گا، چنانچہ مامون کے کہنے پر امام عبدالعزیز نے تشریح کرتے ہوئے کہا اگر بشر کہے کہ اللہ نے اپنے کلام کو اپنے نفس میں پیدا کیا تو یہ محال ہے اس لئے کہ اللہ کی ذات حوادث مخلوقہ کا محل نہیں ہے، اس کی ذات میں کوئی چیز مخلوق نہیں، اگر یہ کہے کہ اللہ نے اس کو اپنے غیر میں پیدا کیا وہ کلام ہے یہ بھی محال ہے اور قائل کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ہر وہ کلام جس کو اللہ نے اپنے غیر میں

پیدا کیا ہے وہ اللہ کا کلام ہو، اس کو قائل نہیں مانتا، اگر یہ کہے کہ اللہ نے کلام کو پیدا کیا اس حال میں کہ وہ اس کے نفس اور ذات کے ساتھ قائم ہے تو یہ بھی محال ہے اس لئے کہ کلام تو متکلم سے ہوتا ہے جیسا کہ ارادہ اس سے ہوتا ہے جو ارادہ کرنے والا ہے، اور علم عالم سے ہوتا ہے اور کسی ایسے کلام کا متعقل ہونا ممکن نہیں جو بنفسہ قائم ہو تو جب ان وجوہ سے اس کا مخلوق ہونا محال ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا وصف ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ اللہ کے کلام کو حرف وصوت سے مرکب ماننا جسمیت نہیں، اور جو ملفوظات کشمیری: ۲۰۰، میں ہے کہ، واضح ہو کہ حافظ ابن تیمیہ بھی قیام، حوادث، حرف وصوت، وغیرہ ذات باری کے ساتھ مانتے ہیں، حافظ ابن قیمؒ نے بھی اپنے ''عقیدہ نونیہ'' میں کلام باری کو حرف وصوت سے مرکب کہا، جس کا، رد، علامہ کوثری نے ''تعليقات السيف الصقيل'' میں کیا ہے، اور وہاں شیخ عزالدین و دیگرا کابرامت کے فتاوی نقل کر دئے ہیں، ان فتاوی سے ثابت ہوا کہ جس نے خدا کو متکلم بالصوت والحروف کہا، اس نے خدا کے لئے جسمیت ثابت کی، جو کفر ہے۔

لیکن اس کا یہ قول صحیح نہیں، بلکہ اس مسئلے کی پوری وضاحت امام الحرمین کے والد ''ابومحمد عبداللہ بن یوسف الجوینی'' نے اپنی ایک رسالہ جس کا نام ''رسالة فی اثبـــات الاستواء و الفوقية ومسئلة الحرف و الصوت فی القرآن المجيد'': ۱/۱۶۱. میں کیا ہے کہ، والتحقيق هو ان الله‌تعالی قدتكلم بالحروف كمايليق بجلاله وعظمته، فانه قادر، و القادر لايحتاج الى جوارح ولاالى لهوات، وكذلك له صوت كمايليق به، يسمع ولايفتقر ذلك الصوت المقدس الى الحلق و الحنجرة، كلام الله‌تعالی كمايليق به، و صوته كمايليق به، ولاننفي الحرف و لاالصوت عن كلامه سبحانه لافتقارهمامنا الى الجوارح و اللهوات، فانهمامن جناب الحق تعالى لايفتقران الى ذلك، وهذاينشرح الصدرله ويستريح الانسان به من التعسف و التكلف۔

اور تحقیق یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالی نے حروف کے ساتھ کلام فرمایا، جیسا کہ اس کے جلال اور عظمت کے لائق ہیں، کیونکہ وہ قادر ہے اور قادر مطلق کو اعضاء اور حلق کے کوے کی حاجت نہیں ہوتی، اور اسی طرح (اس کے کلام) کی سنی جانے والی آواز ہے، جیسا کہ اس کے لائق ہے اور یہ مقدس آواز حلق اور نرخرے کی محتاج نہیں، اللہ تعالی کا کلام ہے جیسا کہ اس کے لائق ہے اور اس (کلام) کی آواز ہے جیسا کہ اس کے لائق ہے۔ ہم اللہ سبحانہ کے کلام سے حرف وصوت کی نفی (انکار) اس وجہ سے نہیں کرتے کہ ہم اعضاء اور حلق کے کووں کے محتاج ہیں (بلکہ ان صفات کا اقرار کرتے ہیں) کیونکہ حق تعالی کی جناب (ذات) ان چیزوں کی محتاج نہیں ہے اور یہ وہ بات ہے جس پر شرح صدر ہوتا ہے اور تعسف اور تکلف سے (دور رہ کر) انسان

کوآرام پہنچتا ہے۔(مسئلة الحروف و الصوت: ۱۱ ،ضمن الرسائل المنيرية ۱ /۱۸۴.)

اور ابراہیم نخعی نے ابوالعالیہ الریاحی کی تعلیم القرآن میں احتیاط کے بارے میں فرمایا:أظن صاحبكم قد سمع انه من كفر بحرف منه فقد كفر به كله ،میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے ساتھی نے یہ سنا ہے کہ جس نے قرآن کے ایک حرف کا انکار کیا تو اس نے سارے قرآن کا انکار کیا۔(مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰/۵۱۳)۔

اور ابوسعید خدریؓ سے جو لمبی روایت نقل ہے اس میں یہ جملہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:فينادى بصوت ،ان الله يأمرک ، الحديث۔صحیح بخاری:رقم:۴۸۳۷۔

امام بخاری اپنی کتاب ''خلق افعال العباد:۹۲،میں اس حدیث کی تشریح میں لکھتا ہے:وفي هذا دليل ان صوت الله لايشبه اصوات الخلق ،یعنی اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالی کی اواز مخلوق کی اواز سے مشابہ نہیں ہے۔اسی قسم کی روایات زیادہ ہے صرف اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

مجموع فتاوی:۱۲/۵۷۹،میں شیخ الاسلام لکھتا ہے کہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بعض مبتدعین نے حرف اور صوت کا صریح انکار کر کے نیا مسئلہ کھڑا کر دیا۔علماء اہل السنۃ کی ان واضح تصریحات کے مقابلے میں کوثری کی اس عبارت کی کوئی وقعت باقی نہ رہی،جو کہ مقالات الكوثرى:بدعة الصوتيه حول القرآن:۲۷،میں ہے کہ:و الواقع ان القرآن فى اللوح، وفى لسان جبرئيل عليه السلام ،وفى لسان النبى ﷺ،والسنة سائر التالين ،وقلوبهم و الواحهم مخلوق حادث محدث ضرورة، ومن ينكر ذلک يكون مسفسطا ساقطا من مرتبة الخطاب،وانما القديم هو المعنى القائم بالله سبحانه،يعنى الكلام النفسى فى علم الله جل شانه فى نظر احمد بن حنبلؒ و ابن حزم ،وقد صح عن احمد قوله فى المناظرة: القرآن علم الله و علم الله غير مخلوق۔

اور واقعی یہ ہے کہ لوح محفوظ ،زبان جبرئیل علیہ السلام،زبان نبی ﷺ،اور تمام تلاوتِ قرآن کرنے والوں کی زبانوں،دلوں اور تختیوں پر قرآن مخلوق حادث ہے جو کہ ضروریات (بدیہی حقیقتوں) کا مسئلہ ہے۔جو شخص اس کا انکار کرتا ہے تو وہ بدیہیات کا منکر اور وہمیات کا قائل ہے،وہ اس مرتبے سے ساقط ہے کہ اس سے گفتگو کی جائے۔قدیم تو وہ معنی ہے جو اللہ سبحانہ کے ساتھ قائم ہے،احمد بن حنبل اور ابن حزم کی نظر میں وہ اللہ جل شانہ کے علم میں کلام نفسی کے معنی میں ہے۔احمد سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے مناظرے میں کہا:قرآن اللہ کے علم میں سے ہے اور اللہ کا علم مخلوق نہیں ہے۔

لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ

اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عہد کیونکر (قائم) رہ سکتا ہے ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ)

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

کے نزدیک عہد کیا ہے اگر وہ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تو تم بھی اپنے قول واقرار (پر) قائم رہو بیشک اللہ پرہیز گاروں کو

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷﴾ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ

دوست رکھتا ہے ۔(بھلا ان سے عہد) کیونکر (پورا کیا جائے جب ان کا یہ حال ہے) کہ اگر تم پر غلبہ پا لیں

اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ

تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا یہ منہ سے تو تمہیں خوش کر دیتے ہیں لیکن ان کے دل (ان باتوں کو) قبول نہیں کرتے اور ان

فٰسِقُوْنَ ﴿۸﴾ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ

میں اکثر نافرمان ہیں۔ یہ اللہ کی آیتوں کے عوض تھوڑا سا فائدہ حاصل کرتے اور لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکتے ہیں

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا

کچھ شک نہیں کہ جو کام یہ کرتے ہیں بُرے ہیں۔ یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ تو رشتہ داری کا پاس کرتے ہیں نہ عہد کا

ذِمَّةً وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

اور یہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور زکوۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور سمجھنے والے لوگوں کے لئے ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں

وَاِنْ نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ

اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنے کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو

الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ أَلَا تُقَاتِلُوْنَ

(یہ بے ایمان لوگ ہیں اور) ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں عجب نہیں کہ اپنی حرکات سے باز آ جائیں۔ بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو

قَوْمًا نَّكَثُوْا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِإِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ

جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر (الٰہی) کے جلا وطن کرنے کا عزمِ مصمم کر لیا اور انہوں نے تم سے (عہد شکنی کی)

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ط أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ

ابتداء کی کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ ڈرنے کے لائق اللہ تعالیٰ ہے بشرطیکہ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ

ایمان رکھتے ہو۔ ان سے لڑو اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالے گا اور رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ

عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ

دے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو ٹھنڈا کرے گا ۔ اور ان کے دلوں سے غصہ دُور کرے گا اور

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

جس پر چاہے گا رحمت کرے گا اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ

کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو متمیز کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کئے

وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ

اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دِلی دوست نہیں بنایا اور اللہ تمہارے سب کاموں سے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ

واقف ہے مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں

شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِى النَّارِ هُمْ

جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہیں ان لوگوں ے سب اعمال بے کار ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ

اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے یہی لوگ یقین ہے کہ

يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ

ہدایت یافتہ لوگوں میں (داخل) ہوں۔[3] کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ محترم (یعنی خانہ کعبہ) کو آباد کرنا

---

[3] یہ مشرکین مکہ اپنی مشرکانہ رسوم کو عبادت اور مسجد حرام کی عمارت وآبادی کو اپنا نام دیتے، اور اس پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کے متولی اور اس کی عمارت کے ذمہ دار ہیں۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عباسؓ جب اسلام لانے سے پہلے غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے اور مسلمانوں نے ان کو کفر و شرک پر قائم رہنے سے عار دلائی، تو انہوں نے جواب دیا کہ تم لوگ صرف ہماری برائیاں یاد رکھتے ہو اور بھلائیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم بیت اللہ اور مسجد حرام کو آباد رکھنے اور اس کا انتظام کرنے اور حجاج کو پانی پلانے وغیرہ کی خدمات کے متولی بھی ہیں؟ اس پر قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں: ''ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجداللہ'' یعنی مشرکین کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مساجد کی تعمیر کریں، کیونکہ مسجد صرف وہی جگہ ہے جو ایک اللہ وحدہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے، شرک وکفر اس کی ضد ہے، وہ عمارت مسجد کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔

عمارتِ مسجد کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے کئی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے: ایک ظاہری در و دیوار کی تعمیر، دوسرے مسجد کی حفاظت اور صفائی اور ضروریات کا انتظام، تیسرے عبادت کے لئے مسجد میں حاضر ہونا، عمرہ کو عمرہ اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ اس میں بیت اللہ کی زیارت اور عبادت کے لئے حاضری ہوتی ہے۔

مشرکین مکہ تینوں معنی کے اعتبار سے اپنے آپ کو معمار بیت اللہ اور عمارت مسجد حرام کا ذمہ دار سمجھتے ، اور اس پر فخر کیا کرتے تھے ان آیات میں اللہ تعالی نے واضح فرما دیا کہ مشرکین کو اللہ کی مساجد کی عمارت کا کوئی حق نہیں، جبکہ وہ خود اپنے کفر وشرک کے گواہ ہیں، ان لوگوں کے اعمال حبط اور ضائع ہوگئے، اور وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے۔خود اپنے کفر وشرک کی گواہی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اپنے مشرکانہ افعال واعمال کے سبب گویا خود اپنے کفر وشرک کی گواہی دے رہے ہیں اور یا یہ کہ عادۃً جب کسی نصرانی یا یہودی سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو؟ تو وہ اپنے آپ کو نصرانی یا یہودی کہتا ہے اسی طرح مجوس اور بت پرست اپنے کافرانہ ناموں ہی سے اپنا تعارف کراتے ہیں یہی ان کے کفر وشرک کا اعتراف اور شہادت ہے (ابن کثیر)۔

اور عمارت مسجد کے متعلق ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ یہ کام مشرک کافر نہیں کر سکتے بلکہ وہ صرف نیک صالح مسلمان ہی کا کام ہے، اس سے مراد مساجد کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں، باقی رہا ظاہری در و دیوار وغیرہ کی تعمیر سو اس میں کسی غیر مسلم سے بھی کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں (تفسیر مراغی)۔

اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنادے یا مسجد بنانے کے لئے مسلمانوں کو چندہ دیدے تو اس کا قبول کر لینا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام کا، یا ائندہ اس پر قبضہ کر لینے کا، یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو (رد المختار، شامی، مراغی)۔

اور اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ مساجد کی عمارت اور آبادی صرف نیک مسلمان ہی کا کام ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو شخص مساجد کی حفاظت ،صفائی اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہے اور جو عبادت اور ذکر اللہ کے لئے یا علم دین اور قران پڑھنے پڑھانے کے لئے مسجد میں آتا جاتا ہے اس کے یہ اعمال اس کے مومن کامل ہونے کی شہادت ہے۔

امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کی حاضری کا پابند ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿**انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ**﴾ (**الترمذی: ۵۰۹۰ کتاب التفسیر، ومسند احمد: ۳/۶۸**)۔

اور صحیحین کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صبح وشام مسجد میں حاضر ہوتا ہے اللہ تعالی=

الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ط

اس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے؟

لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللهِ ط وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا

یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ جولوگ ایمان لائے

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

اور وطن چھوڑ گئے اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے رہے اللہ کے ہاں

أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ ط وَأُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

ان کے درجے بہت بڑے ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾

ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت کی اور خوشنودی کی اور بہشتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے نعمت ہائے جاودانی

=اس کے لئے جنت کا ایک درجہ تیار فرما دیتے ہیں (بخاری:۲۶۲، مسلم:۱۵۵۶)۔ اور سلمان فارسیؓ نے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " ان المساجد بیوت الله فی الارض وانه لحق علی الله ان یکرم من زاره فیها" (مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۲۹۶ وشعب الایمان: رقم: ۲۹۴۳) زمین پر اللہ کے گھر مساجد ہیں، اور جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ تعالی کی زیارت کرنے والے مہمان ہے اور میزبان پر حق ہے کہ مہمان کا اکرام کرے۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا کہ عمارت مسجد میں یہ بھی داخل ہے کہ مسجد کو ایسی چیزوں سے پاک کرے جن کے لئے مسجدیں نہیں بنائی گئیں، مثلاً خرید وفروخت دنیا کی باتیں کسی گمشدہ چیز کی تلاش یا دنیا کی چیزوں کا لوگوں سے سوال یا فضول قسم کے اشعار جھگڑا، لڑائی اور شور وشغب وغیرہ۔ (مظہری)۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۲﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

ہے۔ (اور وہ) ان میں ابدالآباد رہیں گے کچھ شک نہیں کہ اللہ کے ہاں بڑا صلہ (تیار) ہے۔ اے اہلِ ایمان!

لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ

اگر تمہارے (ماں) باپ اور (بہن) بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو

وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ

اور جو ان سے دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہیں۔ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ

وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ﰳاقْتَرَفْتُمُوْهَا

اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو

وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ

وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم

وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ

(یعنی عذاب) بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہیں مدد دی ہے

مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا

اور (جنگِ) حنین کے دن جب کہ تم کو اپنی (جماعت کی) کثرت پر ناز تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی

وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ﴿۲۵﴾

اور زمین باوجود (اتنی بڑی) فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر پھر گئے

ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَنْزَلَ جُنُوْدًا

پھر اللہ نے اپنے پیغمبر پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی (اور تمہاری مدد کو فرشتوں کے) لشکر

لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾

جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے (آسمان سے) اتارے اور کافروں کو عذاب دیا اور کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہے مہربانی سے توجہ فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے[4]

---

[4] آیات مذکورہ میں غزوہ حنین کے واقعات شکست وفتح کا اوران کے ضمن میں بہت سے اصولی اورفروعی مسائل اورفوائد کا بیان ہے جیسا کہ اس سے پہلے سورت میں فتح مکہ اوراس کے متعلقات کا ذکر تھا،شروع آیت میں حق تعالی نے اپنے اس انعام واحسان کا ذکرفرمایاہے ،جومسلمانوں پرہرموقع اورہرحالت میں مبذول رہاہے ارشادفرمایا: ﴿ولقدنصر کم اللّٰہ فی مواطن کثیرۃ ﴾ یعنی حق تعالی نے تمہاری مدد فرمائی،بہت سے مقامات میں،اوراس تمہید کے بعدخصوصیت کےساتھ فرمایا﴿ویوم حنین﴾ یعنی غزوہ حنین کے دن بھی حق تعالی کی مدد پہنچی۔غزوہ حنین کی خصوصیت اس وجہ سے فرمائی ہے کہ اس میں بہت سے واقعات اورحالات خلاف توقع عجیب انداز سے ظاہر ہوئے،جن میں غورکرنے سے انسان کے ایمان میں قوت اورعمل میں ہمت پیدا ہوتی ہے،اس لئے ایات مذکورہ کی لفظی تفسیر سے پہلے اس غزوہ کے ضروری واقعات جوحدیث وتاریخ کی مستندکتابوں میں مذکورہیں کسی قدر تفصیل سے بیان کردینا مناسب ہے،تاکہ ایات مذکورہ کے سمجھنے میں آسانی ہواورجن فوائد کے لئے یہ واقعات بیان فرمائے گئے ہیں وہ سامنے آجائیں،ان واقعات کا بیشتر حصہ تفسیر مظہری سے لیا گیاہےجس میں بحوالہ کتب حدیث وتاریخ واقعات کا ذکر ہے۔

حنین: مکہ مکرمہ اورطائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جومکہ مکرمہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پرواقع ہے، رمضان ۸ھ ہجری میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوااورقریش مکہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے ہتھیارڈال دیئے تو عرب کا ایک بہت بڑامشہور بہادر جنگجواور مالدارقبیلہ ہوازن جس کی ایک شاخ طائف کے رہنے والے بنوثقیف بھی تھے،ان میں

ہل چل مچ گئی۔انہوں نے جمع ہوکر یہ کہنا شروع کیا کہ فتح مکہ ہوجانے کے بعد مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہوگئی ہے اس سے فارغ ہونے کے بعد لازمی ہے کہ ان کا رُخ ہماری طرف ہوگا،اس لئے دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ان کی حملہ آور ہونے سے پہلے ہم خود ان پر حملہ کردیں،اس کام کے لئے قبیلہ ہوازن نے اپنی سب شاخوں کو جو مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں جمع کرلیا۔اس قبیلہ کے سب سے بڑے چھوٹے بجز معدودے چند افراد کے جن کی تعداد سو سے بھی کم تھی سب ہی جمع ہوگئے۔اس تحریک کے لیڈر مالک بن عوف تھے، جو بعد میں مسلمان ہوگئے، اور اسلام کے بڑے علم بردار ثابت ہوئے،اس وقت مسلمانوں کے خلاف حملہ کا سب سے زیادہ جوش انہیں میں تھا،قبیلہ کی عظیم اکثریت نے ان کی رائے سے اتفاق کرکے جنگ کی تیاریاں شروع کردیں،اس قبیلہ کی چھوٹی چھوٹی دو شاخیں بنوکعب،وبنوکلاب اس رائے سے متفق نہیں ہوئی،اللہ تعالی نے ان کو کچھ بصیرت دیدی تھی۔انہوں نے کہا کہ اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا بھی محمدؐ کے خلاف جمع ہوجائے گی تو وہ ان سب پر بھی غالب آئیں گے،ہم الٰہی طاقت کے ساتھ جنگ نہیں کرسکتے،باقی سب کے سب نے معاہدے کئے۔اور مالک بن عوف نے ان سب کو پوری قوت سے جنگ پر قائم رہنے کی ایک تدبیر یہ کی کہ ہر شخص کے تمام اہل وعیال بھی ساتھ چلیں،اور اپنا اپنا پورا مال بھی ساتھ لے کر نکلیں،جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدان سے بھاگنے لگیں تو بیوی بچوں اور مال کی محبت ان کے پاؤں کی زنجیر بن جائے،میدان سے گریز کا ان کے لئے کوئی موقع نہ رہی ،ان کی تعداد کے بارے میں اہل تاریخ کے مختلف اقوال ہیں حافظ حدیث علامہ ابن حجر وغیرہ نے راجح اس کو قرار دیا ہے کہ چوبیس یا اٹھائیس ہزار کا مجمع تھا،اور بعض علماء نے چار ہزار کی تعداد بیان کی ہے،یہ ممکن ہے کہ سب اہل وعیال عورتوں بچوں سمیت تعداد چوبیس یا اٹھائیس ہزار ہو،اور لڑنے والے جوان ان میں چار ہزار ہوں۔

بہر حال رسول کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں ان کے خطرناک عزائم کی اطلاع ملی،تو آپ ﷺ نے ان کے مقابلہ پر جانے کا عزم فرمالیا،مکہ مکرمہ پر عتاب بن اسیدؓ کو امیر بنایا،اور معاذ بن جبل کو ان کے ساتھ لوگوں کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لئے چھوڑا۔اور قریش مکہ سے اسلحہ اور سامان جنگ عاریت کے طور پر مانگا۔صفوان بن امیہ جو قریش کا سردار تھا بول اٹھا کہ کیا آپ یہ سامان جنگ ہم سے غصب کرکے لینا چاہتے ہیں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ عاریت کے طور پر لیتے ہیں،جس کی واپسی ہمارے ذمہ ہوگی،یہ سن کر اس نے سو زرہیں مستعار دیں،اور نوفل بن حارث تین ہزار نیزے اسی طرح پیش کردیئے۔امام زہریؒ کی روایت کے مطابق رسول کریم ﷺ چودہ ہزار صحابہ کا لشکر لے کر اس جہاد کی طرف متوجہ ہوئے جن میں بارہ ہزار انصار مدینہ تھے جو فتح مکہ کے لئے آپ کے ساتھ آئے تھے، اور دو ہزار وہ

مسلمان تھے جو مکہ اور اطراف مکہ کے لوگوں میں سے بوقت فتح مسلمان ہوگئے تھے، جن کو ''طلقاء'' کہا جاتا ہے، شوال کی چھٹی تاریخ ہفتہ کے دن آپ اس غزوہ کے لئے نکلے اور فرمایا کہ کل انشاء اللہ ہمارا قیام ''خیف بنی کنانہ'' کے اس مقام پر ہوگا جہاں جمع ہوکر قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کے لئے عہد نامہ لکھا تھا۔

یہ چودہ ہزار مجاہدین کا لشکر تو جہاد کے لئے نکلا ان کے ساتھ مکہ کے بیشمار لوگ مرد و عورت تماشائی بنکر نکلے جن کے دلوں میں عموماً یہ تھا کہ اگر اس موقع پر مسلمانوں کو شکست ہو تو ہمیں بھی اپنا انتقام لینے کا موقع ملے گا اور یہ کامیاب ہوں تو بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ اسی قسم کے لوگوں میں ایک شیبہ بن عثمان بھی تھے، جنہوں نے بعد میں مسلمان ہوکر خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ غزوہ بدر میں میرا باپ حمزہؓ کے ہاتھ سے اور چچا علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا جس کا جوش انتقام اور انتہائی غیظ میرے دل میں تھا میں اس موقع کو غنیمت جان کر مسلمانوں کے ساتھ ہولیا کہ جب کہیں موقع پاؤں رسول کریم ﷺ پر حملہ کردوں، میں ان کے ساتھ ہوکر ہر وقت موقع کی تلاش میں رہا یہاں تک کہ اس جہاد کے ابتدائی وقت میں جب کچھ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے، اور وہ بھاگنے لگے، تو میں موقع پاکر نبی کریم ﷺ کے قریب پہونچا، مگر دیکھا کہ داہنی طرف عباسؓ آپ ﷺ کی حفاظت کررہے ہیں، اور بائیں طرف ابوسفیان بن حارث، اس لئے میں پیچھے کی طرف پہنچ کر ارادہ ہی کررہا تھا کہ یکبارگی تلوار سے آپ پر حملہ کردوں کہ یکایک آپ کی نظر مجھ پر پڑی اور آپ ﷺ نے مجھے آواز دی کہ شیبہ یہاں آؤ، اپنے قریب بلا کر دست مبارک میرے سینے پر رکھ دیا، اور دعا کی کہ یا اللہ اس سے شیطان کو دور کردے، اب جو میں نظر اٹھاتا ہوں تو نبی کریم ﷺ نے میرے دل میں اپنے آنکھ، کان اور جان سے بھی زیادہ محبوب ہوجاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ کفار کا مقابلہ کرو، اب تو میرا یہ حال تھا کہ میں اپنی جان آپ پر قربان کررہا تھا، اور بڑی بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا، جب نبی کریم ﷺ اس جہاد سے واپس آئے تو میں خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے میرے دل کے تمام خیالات کی نشاندہی کردی، کہ تم مکہ سے اس نیت پر چلے تھے، اور میرے گرد میرے قتل کے لئے گھوم رہے تھے۔ مگر حق تعالی کا ارادہ تم سے نیک کام لینے کا تھا جو ہوکر رہا۔

مقام حنین پر پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تو سہل بن حنظلہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ خبر لیکر حاضر ہوئے کہ گھوڑے سوار آدمی ابھی دشمن کے طرف سے آیا ہے وہ بتلا رہا ہے کہ قبیلہ ہوازن پورا کا پورا مع اپنے سب سامان کے مقابلہ پر آگیا ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ پروانہ کرو یہ سارا سامان مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن کر ہاتھ آئے گا۔ اس جگہ ٹھیر کر نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن حداد کو جاسوس بنا کر بھیجا، کہ دشمن کے حالات کا پتہ چلائیں، وہ ان کی

قوم میں جا کر دو دن رہے۔ سب حالات دیکھتے سنتے رہے ان کے لیڈر اور کمانڈر مالک بن عوف کو دیکھا کہ وہ اپنے لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ محمد کو اب تک کسی بہادر تجربہ کار قوم سے سابقہ نہیں پڑا، مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت کا زعم ہو گیا، اب ان کو پتہ لگے گا، تم سب لوگ صبح ہوتے ہی اس طرف صف بندی کرو کہ ہر ایک کے پیچھے اس کے بیوی بچے اور مال ہو، اور اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ ڈالو، اور سب مل کر یکبارگی حلہ بولو، یہ لوگ جنگ کے بڑے تجربہ کار تھے، اپنی فوج کے چند دستوں کو مختلف گھاٹیوں میں چھپا دیا تھا۔ اس طرف کفار کے لشکر کی یہ تیاریاں تھیں، دوسری طرف مسلمانوں کا یہ پہلا جہاد تھا جس میں چودہ ہزار سپاہی جنگ کے لئے نکلے تھے، اور سامان جنگ بھی پہلے سے زیادہ تھا، اور یہ لوگ بدر اور احد کے میدانوں میں یہ دیکھ چکے تھے کہ صرف تین سو تیرہ بے سامان لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح پائی ،تو آج اپنی کثرت اور تیاری پر نظر کر کے حاکم اور بزار کی روایت کے مطابق ان میں بعض کی زبان سے ایسے کلمات نکل گئے کہ آج تو یہ ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں، آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگے گا۔

''مالک الملک والملکوت'' کو یہی چیز ناپسند تھی کہ اپنی طاقت پر کوئی بھروسہ کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں کو اس کا سبق اس طرح ملا کہ جب قبیلہ ہوازن نے قرارداد کے مطابق یکبارگی حلہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چار طرف سے گھیرا، ڈال دیا، گرد و غبار نے دن کو رات بنا دیا، تو صحابہ کرام کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگے، صرف نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے، اور بہت تھوڑے سے صحابہ کرام جن کی تعداد تین سو اور بعض نے ایک سو یا اس سے بھی کم بتلائی ہے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جمے رہے، وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ آپ آگے نہ بڑھیں۔

یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ نے عباسؓ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو پکارو کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، اور سورۂ بقرہ والے کہاں ہیں، اور وہ انصار کہاں ہیں، جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا، سب کو چاہیئے کہ واپس آئیں اور نبی کریم ﷺ یہاں ہیں۔ عباسؓ کی آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی، اور یکا یک سب بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی اور بڑی دلیری کے ساتھ لوٹ کر دشمن کا پورا مقابلہ کیا، اسی حالت میں اللہ تعالی نے فرشتوں کی مدد بھیج دی، ان کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور سب مال کو چھوڑ کر بھاگا، اور طائف کے قلعہ میں چھپا، اور پھر باقی پوری قوم بھاگ کھڑی ہوئی، ان کے ستر سردار مارے گئے، بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ بچے زخمی ہو گئے، تو نبی کریم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ان کا سب مال مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، چھ ہزار جنگی قیدی چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ آئی۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ

مومنو! مشرک تو پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں اور اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے گا

الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ

تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا

إِنْ شَآءَ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

بیشک اللہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔ جو لوگ اہلِ کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے

وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ

اور نہ روزِ آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں

وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے

يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى

ہاتھ سے جزیہ دیں۔ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں

الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِؤُنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ

کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے

كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾

یہ بھی انہیں کی ریس کرنے لگے ہیں اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں

اتَّخَذُوْا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ

انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابنِ مریم کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا

وَمَا أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا إِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۱﴾

گیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اسکے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے[5]

---

[5] ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں مسند احمد :۱۹۳۸۱، وابن حبان :۱۸۳/۱۶، ومعجم کبیر :۲۰/۱۲، و۹۹/۱۷، وترمذی رقم:۵۰۹۳، کی وہ حدیث نقل کی ہے جو کہ عدی بن حاتمؓ سے منقول ہے کہ: انه لمابلغته دعوة رسول اللهﷺفرّالی الشام ،وکان قدتنصّرفی الجاهلیة ،فاسرت اخته وجماعة من قومه،ثم من ّرسول اللهﷺ علی اخته واعطاها،فرجعت الی اخیها،ورغبته فی الاسلام وفی القدوم علی رسول اللهﷺ،فقدم عدی المدینة،وکان رئیسافی قومه طیٔ،وابوه حاتم الطائی المشهوربالکرم ،فتحدث الناس بقدومه،فدخل علی رسول اللهﷺوفی عنق عدی صلیب من فضة،فقرأرسول اللهﷺ هذه الایة،قال فقلت انهم لم یعبدوهم ،فقال بلی،انهم حرمواعلیهم الحلال،واحلوالهم الحرام،فاتبعوهم،فذلک عبادتهم ایاهم، وقال رسول اللهﷺ یاعدی ماتقول؟أیفرّک ان یقال ''الله اکبر''؟فهل تعلم شیئااکبرمن الله؟مایفرّک؟ ایفرّک ان یقال لااله الاالله؟فهل تعلم من اله الاالله؟ثم دعاه الی الاسلام فاسلم،وشهدشهادة الحق،قال:فلقدرأیت وجهه استبشر ثم قال:ان الیهود مغضوب علیهم،و النصاری الضالون.

یعنی عدی بن حاتمؓ کو رسول اللہﷺ کا دین پہنچا، تو شام کی طرف بھاگ نکلا جاہلیت میں ہی یہ نصرانی بن گیا تھا، یہاں اس کی بہن اور اس کی جماعت قید ہوگئی پھر نبیﷺ نے بطور احسان اس کی بہن کو آزاد کردیا، اور رقم بھی دی، یہ سیدھی اپنے بھائی کی پاس گئیں، اور انہیں اسلام کی رغبت دلائی اور سمجھایا، کہ تم رسول کریمﷺ کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ یہ مدینہ منورہ آگئے تھے، اپنی قوم طے کے سردار تھے، ان کے باپ کی سخاوت دنیا بھر میں مشہور تھی، لوگوں نے رسول کریمﷺ کو خبر پہنچائی، آپﷺ خود ان کے پاس آئے اس وقت عدی کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی، نبیﷺ کی زبان سے اسی آیت (اتخذوا) کی تلاوت ہو رہی تھی، تو انہوں نے کہا کہ یہود و نصارٰی نے اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کی، آپﷺ نے فرمایا ہاں سنو! ان کے کئے ہوئے حرام کو حرام سمجھنے لگے، اور جسے ان کے =

يُرِيدُونَ أَنْ يُّطْفِؤُا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللهُ إِلَّآ أَنْ يُّتِمَّ نُورَهُ

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نُور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کئے بغیر رہنے کا نہیں۔ اگرچہ

وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِیٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰی وَدِيْنِ الْحَقِّ

کافروں کو بُرا ہی لگے۔ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا

دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔ مومنو! (اہلِ کتاب کے)

إِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ النَّاسِ

بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے

بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا

اور (ان کو) اللہ کے رستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں

= علماء اور درویش حلال بتلا دیتے اسے حلال سمجھنے لگے، یہی ان کی عبادت تھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا عدی! کیا تم اس سے منکر ہو کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے؟ کیا تمہارے خیال میں اللہ تعالیٰ سے بڑا اور کوئی ہے؟ کیا تم اس سے انکاری ہو کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں؟ کیا تمہارے نزدیک اس کے سوا اور کوئی بھی عبادت کے لائق ہے؟ پھر آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی، انہوں نے مان لی اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور نبی ﷺ کی رسالت کی گواہی دی، آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا یہود پر اللہ کا غضب اترا ہے اور نصرانی گمراہ ہو گئے ہیں۔

حذیفۃ بن یمانؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے، کہ اس سے مراد حلال وحرام کے مسائل میں علماء اور ائمہ کی محض باتوں کی تقلید ہے۔

يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۴﴾
اور اس کو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذابِ الیم کی خوشخبری سنا دو۔
يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ
جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیاجائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو
وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿۳۵﴾
اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ وہی ہے جوتم نے اپنے لئے جمع کیا تھا سو جوتم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو
إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ
اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں (بارہ ہیں یعنی) اس روز (سے)
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ
کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کتابِ الٰہی میں (برس کے) بارہ مہینے (لکھے ہوئے) ہیں ان میں سے چار مہینے
حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ
ادب کے ہیں یہی دین کا سیدھا رستہ ہے تو ان مہینوں میں (قتالِ ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا
وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ
اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ
مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۶﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا
پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ امن کے کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرنا ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں
يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا
ایک سال تو اس کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام تاکہ حرمت کے مہینوں کی جو اللہ نے مقرر کئے ہیں گنتی پوری کر لیں

مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ أَعْمَالِهِمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

اور جواللہ نے منع کیا ہے اس کو جائز کرلیں ان کے بُرے اعمال ان کو بھلے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مَا لَكُمْ إِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا

نہیں دیا کرتا۔[6] مومنو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم (کاہلی کے سبب سے)

---

[6] پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کے کفر و شرک، گمراہی اور بداعمالیوں کا ذکر تھا، ان دو آیتوں میں بھی اسی سلسلہ کا ایک مضمون اور عرب جاہلیت کی ایک جاہلانہ رسم کا بیان اور مسلمانوں کو اس سے اجتناب کی ہدایت ہے، وہ رسم بد ایک واقعہ سے متعلق ہے جس کی تفصیل یہ ہے، کہ عہد قدیم سے تمام انبیاء علیہم السلام سابقین کی شریعتوں میں سال کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے، اور ان میں سے چار مہینے بڑے متبرک اور ادب و احترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے، تین مہینے مسلسل، ذیقعدہ، ذی الحجۃ، محرم اور ایک رجب۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، اور ان میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہے، سابق شریعتوں میں ان مہینوں کے اندر قتل و قتال بھی ممنوع تھا۔ مکہ مکرمہ کے عرب چونکہ اسماعیل علیہ السلام کے واسطہ سے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لئے یہ سب لوگ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے قائل اور ان کی شریعت کو ماننے کا دعوٰی کرتے تھے۔

اور چونکہ ملت ابراہیم علیہ السلام میں بھی ان چار مہینوں (اشہر حرم) میں قتل و قتال اور شکار ممنوع تھا، عرب جاہلیت پر اس حکم کی تعمیل اس لئے سخت دشوار تھی کہ دور جاہلیت میں قتل و قتال ہی ان کا پیشہ بن کر رہ گیا تھا، اس لئے اس میں آسانی پیدا کرنے کے لئے انہوں نے اپنی نفسانی اغراض کے لئے طرح طرح کے حیلے نکالے، کبھی اشہر حرم کے کسی مہینے میں جنگ کی ضرورت پیش آتی یا لڑتے لڑتے شہر حرام آجاتا تو کہہ دیتے کہ اب کے سال یہ مہینہ حرام نہیں ہوا، اگلا مہینہ حرام ہوگا، مثلاً محرم آگیا تو کہتے کہ اس سال محرم کا مہینہ حرام نہیں بلکہ صفر کا مہینہ حرام ہوگا۔

اور مزید ضرورت پڑتی تو کہتے کہ ربیع الاول حرام ہوگا، یا یہ کہتے کہ اس سال صفر کا مہینہ پہلے آگیا محرم بعد میں آئے گا، اس طرح محرم کو صفر بنا دیا، غرض سال بھر میں چار مہینے تو پورے کرلیتے تھے لیکن اللہ کی متعین کردہ ترتیب اور تعین

کالحاظ نہ کرتے تھے، جس مہینہ کو چاہیں ذی الحجہ کہہ دیں، اور جس کو چاہیں رمضان کہہ دیں، جس کو چاہیں مقدم کر دیں، اور جس کو چاہیں موخر کر دیں، اور کبھی زیادہ ضرورت پڑتی مثلاً لڑتے لڑتے دس مہینے گذر گئے اور سال کے صرف دو مہینے باقی رہ گئے، تو ایسے موقع پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑا دیتے اور کہتے کہ اب کے برس سال چودہ مہینوں کا ہوگا، اسی طرح باقی ماندہ چار مہینوں کو اشہر حرم بنا لیتے تھے، غرض دین ابراہیم کا اتنا تو احترام کرتے تھے کہ سال میں چار مہینوں کا احترام کرتے اور ان میں قتل وقتال سے باز رہتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں اس کا امتیاز ہی دشوار ہوگیا تھا، کہ کونسا مہینہ رمضان یا شوال کا ہے اور کونسا ذی القعدہ اور ذی الحجۃ یا رجب کا ہے، ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور نویں سال میں نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو موسم حج میں تمام کفار و مشرکین سے برأت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تو یہ مہینہ حقیقی حساب سے اگرچہ ذی الحجۃ کا مہینہ تھا مگر جاہلیت کے اسی پرانے دستور کے مطابق یہ مہینہ ذی القعدہ قرار پایا تھا، اور اس سال ان کے نزدیک حج کا مہینہ بجائے ذی الحجۃ کے ذی القعدہ مقرر تھا۔ پھر سن ۱۰ ھ میں جب رسول کریم ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو قدرتی طور پر ایسا نظام بن گیا کہ مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا اہل جاہلیت کے حساب میں بھی وہ ذی الحجہ ہی قرار پایا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اپنے منی کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''عن أبی بکرةؓ أن النبی ﷺ خطب فی حجته فقال: ''إن الزمان قد استدار کھیئته یوم خلق الله السمٰوات والأرض، السنة إثنا عشر شهرا منها أربعة حرم ثلاث متواليات، ذوالقعدة وذوالحجة والمحرم ورجب مضر الذی بين جمادی وشعبان'' [أبو داؤد باب أشهر الحرم: ۲/ ۱۴۰]. یعنی زمانہ پھر پھرا کر پھر اپنی اسی ہیئت پر آ گیا جس پر اللہ تعالی نے زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا، یعنی جو مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا جاہلیت والوں کے نزدیک بھی اس سال وہی مہینہ ذی الحجہ کا مہینہ قرار پایا۔

یہ تھی وہ رسم جاہلیت جو مہینوں کی تعداد اور ترتیب اور تعین میں کمی بیشی اور ردو بدل کر کے کی جاتی تھی، جس کے نتیجہ میں ان تمام احکام شرعیہ میں خلل آتا تھا جو کسی خاص مہینہ یا اس کی کسی خاص تاریخ سے متعلق ہیں، یا جو سال کے شروع یا ختم سے متعلق ہیں، مثلاً عشرہ ذی الحجہ میں احکام حج اور عشرہ محرم کے روزے اور ختم سال پر زکواۃ وغیرہ کے احکام۔ بات تو مختصر سی تھی کہ مہینہ کا نام بدل کر مقدم و موخر کر دیا کہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم بنا دیا، لیکن اس کے نتیجے میں سینکڑوں احکام شرعیہ کی تحریف ہو کر عمل برباد ہوا، قران کریم کی ان دو آیتوں میں اس رسم جاہلیت کی خرابی اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہدایت

ہے۔پہلی ایت میں ارشاد ہے:''ان عدۃ الشھور عنداللہ اثناعشر شھرا''،اس میں لفظ'' عدۃ''تعداد کے معنی میں ہے،اور''شھور''شھر کی جمع ہے،معنی یہ ہے کہ حق تعالی کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ متعین ہے اس میں کسی کو کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں۔

اس کے بعد''فی کتاب اللہ'' کا لفظ بڑھا کر بتلایا کہ یہ بات ازل سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھی پھر:''یوم خلق السمٰوات والارض'' فرما کر اشارہ کر دیا کہ قضا الٰہی اس معاملہ میں اگرچہ ازل میں جاری ہوچکی تھی لیکن یہ مہینوں کی ترتیب اور تعین اس وقت عمل میں آئی جب آسمان وزمین پیدا کیے گئے۔پھر ارشاد فرمایا:''منھا اربعۃ حرم''یعنی ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں ان کو حرمت والا دو معنی کے اعتبار سے کہا گیا ایک تو ان لئے کہ ان میں قتل وقتال حرام ہے دوسرے اس لئے کہ یہ مہینے متبرک اور واجب الاحترام ہیں،ان میں عبادات کا ثواب زیادہ ملتا ہے، ان میں سے پہلا حکم تو شریعت اسلام میں منسوخ ہوگیا،مگر دوسرا حکم احترام وادب اوران میں عبادت گذاری کا اہتمام اسلام میں بھی باقی ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ یوم النحر میں رسول کریم ﷺ نے ان مہینوں کی تشریح یہ فرمائی کہ تین مہینے مسلسل ہیں، شوال،ذی القعدہ،ذی الحجہ،محرم اورایک مہینہ رجب کا ہے مگر ماہ رجب کے معاملہ میں عرب کے دوقول مشہور تھے،بعض قبائل اس مہینہ کو رجب کہتے تھے جس کو ہم رمضان کہتے ہیں اور قبیلہ مضر کے نزدیک رجب وہ مہینہ تھا جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کو رجب مضر فرما کر یہ وضاحت بھی فرمادی کہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے وہ ماہ رجب مراد ہے۔

''ذلک الدین القیم'' یہ ہے دین مستقیم یعنی مہینوں کی تعین اور ترتیب اوران میں ہر مہینہ خصوصًا اشہر حرم کے متعلق جو احکام ہیں ان کو حق تعالی کے حکم ازلی کے مطابق رکھنا ہی دین مستقیم ہے،اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی اور تغیر وتبدل کرنا کج فہمی اور کج طبعی کی علامت ہے۔

''فلاتظلموافیھن انفسکم''یعنی ان مقدس مہینوں میں تم اپنا نقصان نہ کر بیٹھنا کہ ان کے معینہ احکام واحترام کی خلاف ورزی کرو،یاان میں عبادت گذاری میں کوتاہی کرو۔امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے،اسی طرح جو شخص کوشش کرکے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور برے کاموں

سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے اس لئے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔

یہاں تک مشرکین مکہ کی ایک خاص رسم جاہلیت کا بیان اور اس کا ابطال تھا آخر آیت میں پھر اس حکم کا اعادہ ہے جو شروع سورت میں دیا گیا تھا کہ میعاد معاہدہ ختم ہونے کے بعد تمام مشرکین و کفار سے جہاد واجب ہے۔ دوسری آیت میں بھی رسم جاہلیت کا ذکر اس طرح فرمایا: ''انما النسیٔ زیادة فی الکفر'' لفظ ''نسی'' مصدر ہے جس کے معنی پیچھے ہٹا دینے اور مؤخر کر دینے کے ہیں اور بمعنی مؤخر بھی استعمال ہوتا ہے۔

مشرکین عرب نے ان مہینوں کے آگے پیچھے کرنے کو یہ سمجھا تھا کہ اس طرح ہماری اغراض نفسانی بھی فوت نہ ہونگی، اور حکم الٰہی کی تعمیل بھی ہوجائے گی ،حق تعالی نے فرمایا کہ یہ تمہارا مہینوں کو مؤخر کرنا اور اپنی جگہ سے ہٹا دینا کفر میں اور زیادتی ہے، جس سے ان کفار کی گمراہی اور بڑھتی ہے کہ وہ شہر حرام کو کسی سال تو حرام قرار دیں اور کسی سال حلال کرلیں۔ ''لیواطؤا عدة ماحرم اللہ '' یعنی تا کہ وہ پوری کرلیں گنتی ان مہینوں کی جن کو حق تعالی نے حرام قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ محض گنتی پوری کر لینے سے تعمیل حکم نہیں ہوتی ، بلکہ جو حکم جس مہینہ کے لئے دیا گیا تھا، اس مہینہ میں اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ ایتوں سے ثابت ہوا کہ مہینوں کی جو ترتیب اور ان مہینوں کے جو نام اسلام میں معروف ہیں، وہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاح نہیں، بلکہ رب العلمین نے جس دن آسمان وزمین پیدا کئے اسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور ان کے ساتھ خاص خاص مہینوں کے خاص خاص احکام متعین فرمادئے تھے، اس لئے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے نزدیک احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے، اسی قمری حساب پر تمام احکام شرعیہ، روزہ، حج، زکواة وغیرہ دائر ہیں، لیکن قرآن کریم نے تاریخ وسال معلوم کرنے کے لئے جیسے قمر کو علامت قرار دیا ہے اسی طرح آفتاب کو بھی اس کی علامت فرمایا ہے۔

''لتعلموا عددالسنین و الحساب '' اس لئے تاریخ وسال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے لیکن اللہ تعالی نے اپنے احکام کیلئے چاند کے حساب کو پسند فرمایا، اور احکام شرعیہ اس پر دائر فرمائے، اس لئے قمری حساب کا محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے، اگر ساری امت قمری حساب ترک کر کے اس کو بھلا دے تو سب گناہ گار رہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے لیکن سنت اللہ اور سنت سلف کے خلاف ضرور ہے، اس لئے بلاضرورت اس کو اختیار کرنا اچھا نہیں۔

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ

زمین پر گرے جاتے ہو (یعنی گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ

بیٹھے ہو؟ دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں بڑی تکلیف

عَذَابًا أَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ

کا عذاب دے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا (جو اللہ کے پورے فرمانبردار ہوں گے) اور تم اس کو کچھ نقصان

شَيْئًا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ إِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ

نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ ان کا مددگار ہے (وہ وقت تمہیں یاد ہوگا)

أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا

جب ان کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا (اس وقت) دو (ہی شخص تھے جن) میں (ایک ابوبکر تھے) دوسرے (خود رسول

فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ

اللہ) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ

سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ

نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے اور

كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ [7]

---

[7] عن انس بن مالکؓ ان ابابکر قال نظرت الی اقدام المشرکین علی رؤوسنا ونحن فی

الغار، فقلت یارسول اللہ لو ان احدھم نظر الی قدمه ابصرنا فقال یا ابابکرؓ! ما ظنک باثنین اللہ ثالثھما (بخاری: ۳۶۵۳ ومسلم: ۲۳۸۱). انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے بیان فرمایا، جب ہم غار میں چھپے ہوئے تھے اور میں نے مشرکوں کی پیروں کی طرف دیکھا، جو گویا ہمارے سروں پر تھے، تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی نظر اپنے پیروں کی طرف چلی گئی تو ہم کو دیکھ لے گا، نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ان دو شخصوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہے؟

''غار'' سے مراد مشہور پہاڑ جبل ثور کے بالائی حصہ کی وہ غار ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ کو سفر ہجرت کے دوران تین راتیں بسر فرمائی تھیں، اور ابوبکر صدیق آپ ﷺ کی ساتھ تھے، جبل ثور مکہ کے مشرقی جنوبی سمت تقریباً چھ (۶) میل کے فاصلے پر واقع ہے، جب نبی کریم ﷺ اللہ تعالی کے حکم سے اپنا وطن عزیز چھوڑ کر مدینہ منورہ جانے کیلئے مکہ سے روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کی روانگی کے بعد مشرکین مکہ کو جیسے ہی پتہ چلا، انہوں نے اپنے گماشتے آپ ﷺ کی تعاقب میں روانہ کردیئے، ان کو حکم دیا گیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو نبی کریم ﷺ کو مکہ واپس لایا جائے، نبی کریم ﷺ اپنے رفیق سفر ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ جبل ثور کے اس غار میں چھپے ہوئے تھے، کہ اچانک ان گماشتوں کی ایک ٹولی اس غار کے دہانے تک پہنچ گئی۔

اس غار کا محل وقوع اس طرح کا ہے کہ اگر کوئی شخص غار کے باہری کنارہ پر کھڑا ہو تو غار کے اندر موجود شخص کی نظر اس کے پیروں پر پڑتی ہے، اور اگر باہری کنارہ پر کھڑا ہوا شخص نیچے نظر کر کے اپنے پیروں کی طرف دیکھے تو وہ غار کے اندر موجود شخص کو بڑی آسانی کے ساتھ دیکھ سکتا ہے۔

چنانچہ ابوبکر صدیقؓ نے دیکھا کہ مشرکین مکہ کے گماشتے نبی کریم ﷺ کی تلاش میں اس غار تک پہنچ گئے ہیں اور وہ لوگ بالکل غار کے منہ پر کھڑے ہوئے ہیں، جوں ہی ان میں سے کسی شخص کی نظر ان کے اپنے پیروں کی طرف جائے گی، وہ ہمیں دیکھ لے گا، اور اس طرح نبی کریم ﷺ پر دسترس کا موقع ان لوگوں کو مل سکتا ہے، ابوبکر صدیقؓ نے اپنی اس تشویش کا اظہار آپؐ کے سامنے کیا لیکن آپؐ نے بڑے یقین کے ساتھ ان کو اطمینان دلایا کہ ہم اور تم وہ دو شخص ہیں جن کے ساتھ ایک تیسری ذات اللہ تعالی کی مدد و نصرت بھی ہے۔ ہمارا پروردگار ہماری حفاظت فرمائے گا اور ہمیں اپنے دشمنوں کے چنگل میں پڑنے سے بچائے گا، اور ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالی نے =

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

تم سبک بار ہوں یا گراں بار (یعنی مال واسباب تھوڑا رکھتے ہو بہت، گھروں سے) نکل آؤ اور اللہ کے رستے میں مال اور جان سے لڑو

ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾ لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا وَّسَفَرًا

یہی تمہارے حق میں اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو۔ اگر مالِ غنیمت آسان ہوتا اور سفر بھی

قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰكِنۡ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ

ہلکا سا ہوتا تو تمہارے ساتھ (شوق) سے چل دیتے لیکن مسافت ان کو دُور (دراز) نظر آئی (تو عذر کریں گے)

وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ ۚ يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ

اور اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو آپ کے ساتھ ضرور نکل کھڑے ہوتے یہ اپنے تئیں

= اپنے پیارے رسول کریم ﷺ اور آپ ؐ کے پیارے ساتھی ابوبکر صدیقؓ کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ وہ مشرکین مکہ جو غار کے بالکل منہ پر کھڑے ہوئے اپنی تیز نگاہوں سے ادھر ادھر نبی کریم ﷺ کو تلاش کر رہے تھے اور اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اسی غار میں موجود ہیں، عین موقع پر حوصلہ ہار بیٹھے، نہ تو ان کو آگے تلاش کا موقع ملا اور نہ انہیں پیروں کی طرف غار کے اندر دیکھنا نصیب ہوسکا، صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ اور نبی کریم ﷺ کے معجزہ کا ظہور تھا۔

طیبیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے ان مشرکوں کے حق میں یہ بددعاء فرمائی تھی: اے اللہ! انکی انکھوں کی بینائی معطل کردے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان سب کو اس طرح بے بصر کردیا کہ وہ غار کے چاروں طرف گھومتے تھے مگر اس کے اندر موجود نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیقؓ کو دیکھنے پر قادر نہ ہوسکتے تھے، اور جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس موقع پر کبوتروں نے غار کے منہ پر انڈے رکھ دیئے اور مکڑیوں نے جالا تن دیا، یہ بھی معجزہ ہی تھا۔

وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ إِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ لِمَ أَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰى

ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔[8] اللہ تمہیں معاف کرے تم نے پیشتر اس کے کہ

---

[8] آیات مذکورہ میں نبی کریم ﷺ کے غزوات میں سے ایک اہم غزوہ کا بیان اوراس کے ضمن میں بہت سے احکام اور ہدایات ہیں،

یہ غزوہ غزوہ تبوک کے نام سے موسوم ہے اور نبی کریم ﷺ کا تقریبا آخری غزوہ ہے تبوک مدینہ کے شمال میں سرحدشام پر ایک مقام کا نام ہے شام اس وقت رومی مسیحیوں کی حکومت کا ایک صوبہ تھارسول کریم ﷺ ۸ھ ہجری میں جب فتح مکہ اورغزوہ حنین سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت جزیرۃ العرب کے اہم حصے اسلامی حکومت کے زیرنگیں آچکے تھے اورمشرکین مکہ کی ہشت سالہ مسلسل جنگوں کے بعداب مسلمانوں کوذراسکون کا وقت ملا تھا۔مگر جس ذات کے بارے میں حق تعالی نے پہلے ہی: لیظهره علی الدین کله'' نازل فرما کر پورے عالم کی فتوحات اوراس میں اپنے دین حق کوغالب کرنے کی بشارت دیدی تھی اس کواوراس کے رفقاء کار کوفرصت کہاں، مدینہ پہنچتے ہی ملک شام سے آنے والے تجارت پیشہ لوگ جوشام سے زیتون کا تیل لاکر مدینہ وغیرہ میں فروخت کیا کرتے تھے، ان لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ شاہ روم ہرقل نے اپنی فوجیں مقام تبوک میں سرحدشام پرجمع کردی ہیں، اورفوجیوں کو پورے ایک سال کی تنخواہیں پیشگی دے کر مطمئن اورخوش کردیاہے، اورعرب کے بعض قبائل سے بھی ان کی سازباز ہے، ان کا تہیہ یہ ہے کہ مدینہ پر یکبارگی حملہ کریں، جب رسول کریم ﷺ کواس کی اطلاع پہونچی تو آپ ﷺ نے یہ ارادہ فرمالیا، کہ ان کے حملہ آورہونے سے پہلے پیش قدمی کرکے وہیں مقابلہ کیا جائے جہاں ان کی فوجیں جمع ہیں (تفسیر مظہری بحوالہ محمد یوسف صالحی)۔

یہ زمانہ اتفاق سے سخت گرمی کا زمانہ تھا اور مدینہ کے لوگ عموما زراعت پیشہ لوگ تھے، ان کی کھیتیاں اور باغات کے پھل پک رہے تھے جس پر ان کی ساری معیشت اور پوری سال کے گذارہ کا مدار تھا۔اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح ملازمت پیشہ لوگوں کی جیبیں مہینہ کے آخری دنوں میں خالی ہوجاتی ہیں اسی طرح زراعت پیشہ لوگ فصل کے ختم پرخالی ہاتھ ہوتے ہیں، ایک طرف افلاس دوسری طرف قریب امدنی کی امید، اس پرمزید موسم گرما کی شدت اس قوم کے لئے جس کوابھی ابھی ایک حریف کے ساتھ آٹھ ۸ مسلسل جنگوں کے بعد ذرادم لینے کا موقع ملا تھا، ایک انتہائی صبرازما امتحان

تھا۔مگر وقت کا تقاضا تھااور یہ جہاد اپنی نوعیت میں پہلی سب جنگوں سے اس لئے بھی ممتاز تھا کہ پہلے تو اپنی ہی طرح کے عوام سے جنگ تھی ،اور یہاں ہرقل،شاہ روم کی تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ تھا،اس لئے رسول کریمﷺ نے مدینہ طیبہ کے پورے مسلمانوں کواس جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیدیا اور کچھ آس پاس کے دوسرے قبائل کو بھی شرکت جہاد کے لئے دعوت دی تھی۔ یہ اعلان عام اسلام کے فدا کاروں کا ایک سخت امتحان تھااور منافق دعویداروں کا امتحان بھی،اس کے علاوہ لازمی نتیجہ کے طور پر اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کے مختلف حالات ہو گئے۔

قران کریم نے ان میں سے ہر حالت کے متعلق جدا جدا ارشادات فرمائے ہیں، ایک حالت ان کامل مکمل اشخاص کی تھی جو بلاتردد جہاد کے لئے تیار ہو گئے، دوسری وہ لوگ جو ابتدً ا کچھ تردد کے بعد ساتھ ہو گئے ان دونوں طبقوں کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ’’الذین اتبعوہ فی ساعة العسرة من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منهم‘‘ یعنی وہ لوگ قابل مدح ہیں جنھوں نے سخت تنگی کے وقت رسول کریمﷺ کا اتباع کیا، بعداس کے کہ ان میں سے ایک فریق کے قلوب لغزش کرنے لگے تھے۔

تیسری حالت ان لوگوں کی تھی جو کسی صحیح عذر کی بناپر اس جہاد میں نہ جاسکے، اس کے متعلق قرآن کریم نے ایت:’’لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ‘‘میں ان کے عذر کی قبولیت کا اظہار فرما دیا۔چوتھی قسم ان لوگوں کی تھی جو باوجود کوئی عذر نہ ہونے کے کاہلی کے سبب جہاد میں شریک نہیں ہوئے ان کے متعلق کئی آیتیں نازل ہوئیں ’’اخرون اعترفوا بذنوبھم ‘‘اور’’آخرون مرجون لامر اللہ‘‘ اور’’وعلی الثلاثة الذین خلفوا‘‘الایۃ،تینوں آیتیں ایسے ہی افراد کے بارے میں نازل ہوئیں جن میں ان کی کاہلی پر زجر وتنبیہ بھی ہے اور بالآخران کی توبہ کے قبول ہونے کی بشارت بھی۔

پانچواں طبقہ منافقین کا تھا جو اپنے نفاق کی وجہ سے اس سخت امتحان میں اپنے نفاق کو چھپا نہ سکا اور شرکت جہاد سے الگ رہا اس طبقہ کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے۔چھٹا طبقہ ان منافقین کا تھا جو جاسوسی اور شرارت کے لئے مسلمانوں کے ساتھ ہولیا تھا ان کی حالت کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہیں: ’’وفیکم سمٰعون لھم‘‘ ’’ولئن سألتموھم لیقولن‘‘ ’’وھموا بما لم ینالوا‘‘ ۔لیکن اس ساری سختی اور تکلیف کے باوجود شرکت جہاد سے باز رہنے والوں کی مجموعی تعداد پھر بھی برائے نام تھی، بھاری اکثریت انہی مسلمانوں کی تھی جو اپنے سارے منافع اور راحت کو قربان کر کے اللہ کی راہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گئے،اسی لئے اس جہاد میں نکلنے والے=

يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

تم پر وہ لوگ بھی ظاہر ہو جاتے جو سچے ہیں اور وہ بھی تمہیں معلوم ہو جاتے جو جھوٹے ہیں ان کو اجازت کیوں دی؟

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تم سے اجازت نہیں مانگتے (کہ پیچھے رہ جائیں بلکہ چاہتے ہیں کہ) اپنے مال

وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور جان سے جہاد کریں اور اللہ ڈرنے والوں سے واقف ہے۔ اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان نہیں رکھتے

=اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی جو اس سے پہلے کسی جہاد میں نظر نہیں آئی۔

نتیجہ اس جہاد کا یہ ہوا کہ جب ہرقل شاہ روم کو مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت کے مقابلہ پر آنے کی خبر پہنچی تو اس پر رعب طاری ہو گیا مقابلہ پر نہیں آیا رسول کریم ﷺ اپنے فرشتہ خصلت صحابہ کرام کے لشکر کے ساتھ چند روز محاذ جنگ پر قیام کر کے جب مخالف کے مقابلہ پر آنے سے مایوس ہو گئے تو واپس تشریف لے آئے۔ جو آیتیں اوپر لکھی گئی ہیں بظاہر ان کا تعلق اس چوتھی جماعت سے ہے جو بغیر کسی صحیح عذر کے اپنی سستی اور کاہلی کی بناء پر شریک جہاد نہیں ہوئے پہلی آیت میں ان کو اس کاہلی اور غفلت پر تنبیہ کی گئی اور اس کے ساتھ ان کے اس مرض غفلت و کاہلی کا سبب اور پھر اس کا علاج بھی ارشاد فرمایا گیا۔

تیسری آیت میں رسول کریم ﷺ کی ہجرت کا واقعہ پیش کر کے یہ بتلایا گیا کہ حق تعالیٰ کا رسول کسی انسان کی نصرت اور امداد کا محتاج نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو براہ راست غیب سے امداد پہنچا سکتے ہیں جیسا کہ ہجرت کے وقت پیش آیا جب آپ کو آپ کی برادری اور اہل وطن نے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا، سفر میں آپ کا رفیق بھی ایک صدیق کے سوا کوئی نہ تھا، دشمنوں کے پیادے اور سوار تعاقب کر رہے تھے آپ کی جائے پناہ بھی کوئی مستحکم قلعہ نہ تھا بلکہ ایک غار تھا جس کے کنارے تک تلاش کرنے والے دشمن پہنچ چکے تھے۔

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور ان کی دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں ڈانواڈول ہو رہے ہیں

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ

اور اگر وہ نکلنے کاارادہ کرتے ہیں تو اس کے لئے سامان تیار کرتے لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (اور نکلنا) پسند نہ کیا

فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ

تو ان کو ملنے جلنے ہی نہ دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا کہ جہاں (معذور) بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تم

مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

میں (شامل ہوکر) نکل بھی کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے اور تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے دوڑے

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

دوڑے پھرتے اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ ظالموں کوخوب جانتا ہے

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ

یہ پہلے بھی طالبِ فساد رہے ہیں اور بہت سی باتوں میں تمہارے لئے الٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ پہنچا

وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ

اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور وہ بُرا مانتے ہی رہ گئے۔ اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے تو اجازت ہی دیجئے

وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور فتنہ میں نہ ڈالئے دیکھو یہ آفت میں پڑ گئے ہیں اور دوزخ سب کافروں کو گھیرے ہوئے ہے

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا

(اے پیغمبر!) اگر تمہیں آسائش حاصل ہوتی ہے تو ان کو بُری لگتی ہے اور اگر کوئی مشکل پڑتی ہے تو کہتے ہیں

قَدْ أَخَذْنَآ أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾

کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی (درست) کر لیا تھا اور خوشیاں مناتے لوٹ جاتے ہیں

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا

کہہ دو کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہو وہی ہمارا کارساز ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَا

اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیئے۔ کہہ دو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو

إِلَّآ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ

اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ (یا تو) اپنے پاس سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے

عِنْدِهٖ أَوْ بِأَيْدِيْنَا فَتَرَبَّصُوْا إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ أَنْفِقُوْا

یا ہمارے ہاتھوں سے (عذاب دلوائے) تو تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ تم (مال)

طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا تم نافرمان لوگ ہو

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ

اوران کے خرچ (اموال) کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ انہوں نے اللہ سے اوراس کے رسول سے کفر کیا

وَلَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور نماز کو آتے ہیں تو سست و کاہل ہو کر اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا

تم ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں اصل یہ ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَأً أَوْ مَغٰرٰتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

اگر ان کو کوئی بچاؤ کی جگہ (جیسے قلعہ) یا غار ومغاک یا (زمین کے اندر) گھسنے کی جگہ مل جائے تو اسی طرح رسیاں تڑاتے ہوئے بھاگ جائیں

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَإِنْ أُعْطُوْا مِنْهَا

اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ (تقسیم) صدقات میں تم پر طعنہ زنی کرتے ہیں اگر ان کو اس میں سے (خاطر خواہ) مل

رَضُوْا وَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ إِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوْا

جائے تو خوش رہیں اور اگر نہ ملے تو جھٹ خفا ہو جائیں۔ اور اگر وہ اس پر خوش رہتے

مَآ آتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور اللہ اپنے فضل سے

وَرَسُوْلُهٗٓ إِنَّآ إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ

اور اس کے پیغمبر (اپنی مہربانی سے) ہمیں (پھر) دے دیں گے اور ہمیں تو اللہ ہی کی خواہش ہے (تو ان کے حق میں بہتر ہوتا)

وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ

صدقات (یعنی زکوٰۃ وخیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنانِ صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیفِ قلب

وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭوَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ [۶۰]

مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہئیے یہ حقوق) اللہ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے[9]

---

[9] اس آیت میں مصاریف زکواۃ بیان کئے گئے ہیں۔ جوکہ آٹھ ہیں: جن میں سے ایک مصرف فی سبیل اللہ ہے، جملہ ''فـی سبیـل اللہ'' کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء نے اس کو جہاد فی سبیل اللہ میں مقصور کیا ہے، اور جہاد ومجاہدین کی جتنی ضروریات ہیں تمام کے تمام پر زکواۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔ جبکہ بعض علماء کی رائے ہے کہ جملہ ''فی سبیل اللہ'' لفظ کے اعتبار سے عام ہے اور اس کے لئے کوئی مخصص نہیں ہے۔ جبکہ بعض احادیث میں بھی اس جملہ کے عموم کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حدیث ابن عمرؓ میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ '':ان الحج و العمـرة من سبیل اللہ، اخرجه ابو داود رقم: ۱۹۸۸ .

عن یزیدبن ابی مریم قال لحقنی عبایة بن رفاعه بن رافع و اناماش الی الجمعة فقال ابشر فان خطاک هذه فی سبیل اللہ سمعت اباعبس یقول قال رسول اللہ ﷺ من اغبرت قدماه فی سبیل اللہ فهما حرام علی النار ۔ یزید بن مسلم کہتا ہے کہ عبایہ بن رفاعہ مجھے راستے میں ملا جبکہ میں نماز جمعہ کے لئے جارہا تھا، تو آپ نے مجھے کہا کہ خوش ہوجاؤ (اس عمل پر) کیونکہ تمہارے یہ قدم اللہ کی راہ میں ہیں، میں نے ابوعبسہ سے سنا کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: جس کے قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوں تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ (ترمذی مع التحفہ: ۱۶۳۲، بخاری: ۹۰۷) اور اسی عموم کی طرف امام طحاوی اپنی کتاب احکام القرآن میں اشارہ فرماتا ہے، یہ قول کہ (فی سبیل اللہ) یہ امداد کرنا ہے اہل سبیل اللہ کے ساتھ، اور پھر آگے لکھتا ہے: اور اسی طرح وہ حاجی بھی ہیں جن کے پاس خرچہ ختم ہوا ہو، بہت تفصیل کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں، کہ دیکھو یہ ابن عمرؓ ہے اور آپ نے حج کو جانا فی سبیل اللہ میں شمار کیا ہے، اور محمد بن الحسن کتاب سیر الکبیر ص: ۲۰۷۶، ج ۵، میں اس آدمی کے متعلق لکھتا ہے جو فی سبیل اللہ اپنے مال میں ثلث کی وصیت کرے، کہ وصیت حاجی منقطع کے بارے میں نافذ کی جائے، اور کسی صحابی سے اس کے خلاف کوئی قول نقل نہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے اس قول کے خلاف مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اہل سبیل اللہ ﷺ صرف غازی ہیں (اور جو امام محمد نے اس کے بارے میں نقل کیا ہے، بنسبت قول امام ابو یوسف مجھے زیادہ محبوب ہے اس لئے کہ یہ حدیث کے زیادہ موافق ہے۔ احکام القرآن: ۲/۳۷۰۔ تو مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ لفظ ''سبیل اللہ'' عام ہے۔

اورایک دوسری حدیث میں اس لفظ کے عموم کی طرف اشارہ ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ طلب علم ''فی سبیل اللہ'' میں داخل ہے۔عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ من خرج فی طلب العلم کان فی سبیل اللہ حتی یرجع. انسؓ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: جو شخص گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے نکلا تو وہ اللہ کی راہ میں ہے جب تک کہ گھر واپس نہ آجائے۔رواہ الترمذی: ۲/ ۲۴۴، و الضیاء المقدسی فی المختارہ ۱۲۴/۶ وابن عبدالبر فی جامع بیان العلم: ۶۶ و الطبرانی فی الصغیر: ۱/ ۲۳۴ واخبار اصفہان: ۱/ ۱۰۲ و العقیلی: ۲/ ۱۷ . ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، اور اسی طرح عبدالملک الدھیش نے تعلیق المختار میں کہا ہے، اور اس کیلئے حدیث ابی ہریرہ بھی شاہد ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ:عن ابی ھریرۃؓ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من جاء مسجدی ھذاء، لم یأت الالخیر ،یتعلّمہ اویعلّمہ، فھو بمنزلۃ المجاھدفی سبیل اللہ ومن جاء لغیر ذلک فھو بمنزلۃ الرجل ینظر الی متاع غیرہ.ابن ماجۃ:۲۲۷ .شعب الایمان:رقم:۱۶۹۸ . میں نے نبی ﷺ سے سنا: کہ جو شخص میری اس مسجد میں داخل ہوا محض اس غرض سے کہ نیک کام سیکھے یا سکھلائے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا ہم مرتبہ ہے، اور جو شخص اس غرض سے نہ آئے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو دوسرے کے اسباب کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ورواہ ابن حبان : ۱/ ۲۸۸ ،واخرجہ الحاکم فی المستدرک (قدیم: ۱/ ۹۱) وجدید: ۱/ ۲۸۱ ،وصححہ الحاکم ووافقہ الذھبی ورواہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ ۲/ ۲۲۷ ،وقال البوصیری فی زوائدہ ھذااسنادصحیح احتج مسلم بجمیع رواتہ: ۵۹ ۔ورواہ احمدفی مسندہ: ۲۵۷/۲ ا .سندی ومظاہرحق:۱/ ۵۰۳، وغیرہ نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا ہے کہ، آپ ﷺ نے اپنی مسجد کی تخصیص کر کے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ میری مسجد اپنی عظمت وفضیلت کے اعتبار سے سب سے اعلی وارفع ہے، اور دوسری مسجدیں چونکہ اس کے تابع ہیں، اس لئے مذکورہ حکم تمام مساجد کے لئے یکساں ہے۔شرح سنن ابی ماجہ: ۱/ ۱۰۱ .ولہ شاھداخرمن حدیث سھل بن سعدعند الطبرانی: رقم: ۵۹۱۱، ص ۶/ ۱۷۵ . سہل بن سعد سے روایت ہے کہ:ان النبی ﷺ قال من دخل مسجدی ھذالیتعلم خیرا اولیعلمہ کان بمنزلۃ المجاھدفی سبیل اللہ،ومن دخلہ لغیر ذلک من احادیث الناس کان بمنزلۃ من یری مایعجبہ وھوشئ غیرہ.

یقیناً نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری مسجد میں داخل ہوا، اس لیئے کہ وہ خیر سیکھے اور سکھائے تو یہ مجاہد فی سبیل

اللہ کے مرتبہ میں ہے اور جو اس کے علاوہ دوسری جگہ میں داخل ہوا ہو جیسے لوگوں کی باتیں تو یہ اس شخص کے مرتبہ میں ہے جو من یری مایعجبہ ھو شیء غیرہ ۔اور اس حدیث کے لئے ابی بکر بن عبدالرحمٰن کی روایت شاہد ہے اور یہ ابی بکر علما سبعہ مشہورین میں سے ہے وہ فرماتے ہیں: من غدا اوراح الی المسجد لا یرید غیرہ لیتعلم خیرا اویعلمہ ثم رجع الی بیتہ الذی خرج منہ کان کا لمجاھد فی سبیل اللہ رجع غانما. مؤطا، ۲/ ۷۸. (روایۃ الشیبانی).

جو مسجد کی طرف روانہ ہو جائے بس خیر سیکھنے اور سکھانے کے علاوہ ان کا کوئی اور کام نہ ہو اور پھر اپنے گھر کو لوٹ جائے تو یہ فی سبیل اللہ کے مرتبہ میں ہے اور واپس ہوا مال غنیمت کے ساتھ: ۶/ ۲۱۷۔

اور کعب بن عجرہ ؓ سے روایت ہے کہ: ان رجلا مرّ علی النبی ﷺ فرأی اصحاب رسول اللہ ﷺ من جَلَدِہ ونشاطہ ماا عجبھم، فقالوا یارسول اللہ لو کان ھذا فی سبیل اللہ فقال رسول اللہ ﷺ ان کان یسعی علی ولدہ صغارًا فھو فی سبیل اللہ، وان کان یسعی علی ابوین شیخین کبیرین ففی سبیل اللہ وان کان خرج یسعی علی نفسہ لیعفّھا ففی سبیل اللہ ،وان کان خرج یسعی علی اھلہ ففی سبیل اللہ ،وان کان خرج یسعی تفاخرا وتکاثرا ففی سبیل الطاغوت. المعجم الکبیر: رقم: ۹۴۰. شعب الایمان ۱۱/ ۱۵۸ . ہم سب لوگ دربار نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے سامنے سے گزرا، نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں نے (جب) اس کی تندرستی اور چھریرا پن دیکھا تو کہنے لگے: اللہ کے رسول! کاش یہ شخص اللہ کی راہ میں ہوتا۔(یعنی اس کی یہ چستی اور تندرستی جہاد میں کام آتی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ شخص اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے کمانے نکلا ہے تب بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے۔اور اگر یہ شخص اپنے بوڑھے ماں، باپ کے لئے کمانے نکلا تب بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے، اور اگر یہ خود اپنے لئے کمانے نکلا ہے تا کہ پاکدامن اور باعزت رہ سکے تب بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ ہاں اگر یہ شخص فخر وریا اور شان وشوکت کی خاطر کمانے نکلا ہے تو یہ راہ شیطان میں ہے۔

اور اسی طرح یہ جہاد باللسان ہے، حدیث میں ہے کہ ’’جاھدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم ‘‘ کہ مشرکین کے ساتھ اپنے مال، نفس، اور زبان سے جہاد کرو۔رواہ احمد: ۱۹/ ۲۷۲، ابوداود ۲۵۰۴، والدارمی: ۲۴۷۱، والمستدرک: ۲/ ۸۱، والبیھقی: ۹/ ۲۰. اس مسئلہ کی تائید اور وضاحت کیلئے بعض علماء کی عبارات نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

ا: عبداللہ بن عبدالرحمٰن البسام نے اپنی کتاب ''الاختیارات الجلیۃفی المسائل الخلافیۃ'' :۱/۴۰۵، میں اس مسئلے کو تفصیل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: معنی ''وفی سبیل اللہ'' علماء کا اجماع ہے کہ زکواۃ صرف کرنے کے آٹھ اقسام جو قرآن کریم میں ذکر ہیں ''انما الصدقات للفقراء'' آلایۃ کہ زکواۃ فقراء کے لئے ہے الخ۔ بس یہی ہیں، تو ان اقسام میں ایک ''فی سبیل اللہ'' ہے، اس کی تفصیل میں علماء نے دو اقوال ذکر کئے ہیں:

ا کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد غازی ہے خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، امام ابوحنیفہؒ نے غازی فقیر کو مقید کیا ہے۔ یہ قول جمہور علما مفسرین، محدثین اور فقہاء جو کہ تبع ائمہ اربعہ ہیں نے ذکر کیا ہے۔

۲ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مسلمانوں کے عام مصالح ہیں۔ یہ قول علماء کے ایک گروہ نے نقل کیا ہے اور اس میں سے اکثر معاصرین علماء بھی ہیں اور ان کی دلیل (فی سبیل اللہ) کے الفاظ ہیں اس کا حصر و تخصیص کسی خاص شخص وافراد میں جائز نہیں مگر دلیل کے ساتھ، لیکن ان کے پاس دلیل تخصیص نہیں، اور جو دلائل جمہور علماء کے مصالح عامہ میں زکواۃ نہ صرف کرنے کے ہیں، تو وہ دلائل مشہور ہیں، سلف میں سے اس پر کسی نے قول نقل نہیں کیا، اور لفظ ''سبیل اللہ'' عام مسلمانوں کے نزدیک جہاد میں محدود ہے، اور اس باب میں صحیح احادیث بھی ہیں کہ سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے، لیکن یہ بطور تمثیل اور قید واقعی ہے نہ کہ قید احترازی، اور ایت کو آٹھ اقسام میں مقصور کیا گیا ہے اور اس سے مصالح عامہ مراد نہیں ہیں۔ اور مجلس مجمع فقہی کا اس نے درج ذیل مقالہ ذکر کیا ہے: **الحمدللہ رب العٰلمین ،و الصلاۃ و السلام علی نبینامحمدوعلی الہ وصحبہ اجمعین، وبعد** ۲۷/۰۴/۱۴۰۵، ۰۸/۰۵/۱۴۰۵، ہجری۔

آیت کریمہ میں ''فی سبیل اللہ'' کا معنی اور اس میں مناقشہ کرنے میں علماء کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد غازی ہیں اور یہ جمہور علماء کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' تمام کار خیر اور مسلمانوں کے مصالح عامہ، جیسے مساجد کو تعمیر کرنا، اور اسی طرح مدارس اور ہر وہ کار خیر جو مسلمانوں اور دین کے لئے مفید ہو۔ اور اس قول کو متقدمین میں سے اور متاخرین میں سے اکثر علماء نے نقل کیا ہے۔ (۲) اگر دیکھا جائے کہ دوسرا قول جس کو علماء المسلمین کے ایک طائفہ نے ذکر کیا ہے تو ان کے لئے بعض ایات کریمہ میں غور وفکر کرنے کا کچھ حصہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا یہ قول ہے: ''**الذین ینفقون فی سبیل اللہ و لایتبعون ماانفقوا منا و لااذی**'' (**البقرۃ: ۲۶۲**)۔ جو اپنا مال اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں۔

اور اسی طرح احادیث میں ذکر ہے: جیسا کہ ابوداوٗد: ۱/۲۰۹، میں ہے کہ: **کان ابو معقل حاجا مع رسول**

اللهﷺفلما قدم قالت ام معقل قدعلمت ان عليّ حجة، فانطلقا يمشيان حتى دخلا عليه، فقالت يارسول اللهان عليّ حجة ،وان لابى معقل بكرا،قال ابومعقل صدقت جعلته فى سبيل الله،فقال رسول اللهﷺاعطها،فلتحج عليه،فانه في سبيل الله، فاعطاها البكرفقالت يارسول اللهاننى امرأة قدكبرت وسقمت فهل من عمل يجزئ عنى من حجتى؟ قال عمرة فى رمضان تجزئ حجة.ابو داود: ١/ ٢٠٨.

ام معقلؓ نے کہا: کہ ابومعقلؓ حج کرنے کو نکلے رسول اللہﷺ کے ساتھ، جب آئے تو ام معقلؓ نے کہا تم جانتے ہو کہ مجھ پر حج لازم ہے، پھر دونوں ام معقلؓ اور ابومعقلؓ چلے، یہاں تک کہ رسول اللہﷺ کے پاس آئے، ام معقلؓ نے کہا یارسول اللہ! ابومعقلؓ کے پاس ایک اونٹ ہے اور مجھ پر حج فرض ہے ابومعقلؓ نے کہا یہ سچ کہتی ہے، میں نے اس اونٹ کو اللہ کی راہ میں وقف کیا ہے، آپﷺ نے فرمایا تو وہ اونٹ ام معقلؓ کو دے، وہ اس پر سوار ہو کر حج کریگی، یہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، ابومعقلؓ نے وہ اونٹ ام معقلؓ کو دے دیا، ام معقل نے کہا یارسول اللہ! میں ایک بوڑھی اور بیمار عورت ہوں کوئی کام ایسا ہے جو کافی ہو مجھ کو حج سے؟ آپﷺ نے فرمایا! رمضان کے مہینے میں ایک عمرہ کرنا حج کے بدلے کافی ہوسکتا ہے۔

(۲) اگر دیکھا جائے کہ ملحدین، یہود و نصاریٰ اور دین اسلام کے دوسرے دشمنوں کے ساتھ، اور وہ لوگ جوان کے ساتھ مادی اور معنوی مدد کرتے ہیں فکری وعقیدوی جنگ مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں، تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان ملحدین، یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان اسلحوں سے مقابلہ کریں جو یہ ملحدین مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور ان اسلحوں سے لڑیں جو اس سے بھی زیادہ قوی ہو۔

(۳) اور مسلح جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ اور دین اسلام کی اشاعت ہے، اور اس کے لئے داعین تیار کرنا تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے، تو یہ دونوں کام اس حدیث کی وجہ سے جو امام احمد اور نسائی نے نقل کی ہے اور حاکم نے تصحیح کی ہے، جہاد ہیں، انسؓ سے منقول ہے کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: کہ مشرکوں کے ساتھ جہاد کرو اپنے مال، نفس، اور زبان کے ساتھ۔

(۴) اسی طرح اگر دیکھا جائے کہ اسلامی ممالک میں جہاد اور دعوت کے لئے کوئی خاص وزارتیں نہیں، اور اکثر ممالک میں اس کے لئے کوئی معقول فنڈ نہیں ہے، اس لئے علماء مجلس میں اکثر نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ دعوت کا کام ''فی سبیل اللہ'' میں داخل ہے۔ شیخ محمد ابراہیم نے کہا ہے کہ یہاں ضروری بات یہ ہے کہ زکواۃ داعین کے افرادی و مالی قوت اور دین کے لئے دفاعی مراکز تعمیر کرنے میں خرچ کیا جائے، یہ ''فی سبیل اللہ'' میں عظیم سبیل ہے۔

قونوی نے اس ایت کی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ جو بھی دینی کام ہیں، مردوں کی تکفین وتجہیز کرنا، دشمن سے بچاؤ کے لئے قلعیں بنانا، یا مساجد وغیرہ بنانا، ان سب میں زکوۃ خرچ کرنا جائز ہے۔(۴۶۴/۹)۔

اس طرح صاحب اللباب نے قفال کا قول نقل کیا ہے، اور پھر کہا ہے کہ اللہ تعالی کا یہ قول کہ ''فی سبیل اللہ'' ان سب کو عام ہیں (۲۴۷/۱۰)۔ اور کاسانیؒ نے بدائع الصنائع: (۴۷/۱۳) میں لکھا ہے: کہ اللہ تعالی کے قول ''فی سبیل اللہ'' سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن سے تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جو طاعت اللہ کی طرف کوشش کرتا ہے اور ہر کار خیر میں اس کا احتیاج ہو تو صرف کیا جاسکتا ہے۔ اور صدیق حسنؒ نے فتح البیان: (۱۵۱/۴) میں لکھا ہے کہ لفظ ''فی سبیل اللہ'' عام ہے، ایک خاص قسم میں اس کا حصر کرنا ناجائز ہے، اور اس میں تمام خیر کے کام داخل ہیں، جیسا کہ میتوں کی تکفین اور تجہیز، پل بنانا، قلعے بنانا اور مساجد وغیرہ بنانا۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر: (۱۱۳/۱۶) میں لکھا ہے کہ '' فی سبیل اللہ'' اس ظاہر لفظ سے غازیوں میں حصر لازم نہیں آتا، پس اس معنے کی وجہ سے قفالؒ نے لکھا ہے کہ بعض نے زکواۃ خرچ کرنے کو خیر کے کاموں میں جائز قرار دیا ہے۔ قلعے بنانا اور مساجد وغیرہ بنانا۔ اس لئے کہ قول ''فی سبیل اللہ'' عام ہے۔

اور ابو المظفر السمعانیؒ اپنی تفسیر (۳۴۴/۴) میں ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ یہ غازیوں اور حاجیوں کو بھی شامل ہیں اور ''سبیل اللہ'' سے مراد طاعت اللہ ہے۔

سید سابقؒ نے فقہ السنۃ (۴۹۶،۴۹۷/۱) میں لکھا ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' سے مراد وہ راستہ ہے جو اللہ تعالی کی رضا تک پہنچاتا ہو، جیسے علم اور اس پر عمل۔ اور آگے لکھتا ہے کہ اس میں مسلمان فوجیوں کا ہسپتال بھی داخل ہے، اور اسی طرح ہر کار خیر، جیسے راستوں کو درست کرنا، مسلمان فوج کے لئے لڑاکہ طیاروں کے اڈے بنانا، جنگی طیارے خریدنا، خندقیں کھودنا، اور ہر وہ چیز جس کا خرچ کرنا اس زمانے اہم اور ضروری ہو دین اسلام کی تائید کے لئے۔ مثلاً ایک تنظیم جو کہ داعیان حق تیار کرتی ہے، جس طرح کفار اپنے دین کے نشر و اشاعت کیلئے یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔ اور اس میں علوم شرعیہ کی وجہ سے جس میں مسلمانوں کی مصلحت ہے۔ مدارس پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔ اور اسی حالت میں مدارس کے مدرسین کو بھی دیا جائے، کیونکہ وہ اپنا وقت مدارس میں گذارتے ہیں اور لوگوں کو اپنے علم سے فوائد پہنچاتے ہیں اور دوسرے دنیاوی کاموں سے منقطع رہتے ہیں۔

طنطاویؒ نے تفسیر الوسیط میں: (۲۰۲/۶) میں لکھا ہے کہ ''سبیل اللہ'' سے مراد وہ راستہ ہے جس میں سہولت ہو، اور بہت راستوں پر محیط ہو، اور اس کی اضافت اللہ تعالی کی طرف ہو۔ اس اشارہ کی وجہ سے کہ یہ سبیل حق ہے، اور باطل اس پر اثر انداز نہیں ہوتا پھر آگے لکھتا ہے کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ''سبیل اللہ'' حج ادا کرنے والے کے ارادے کو بھی شامل ہے،

اور بعض علمانے لکھا ہے کہ دینی طالب علموں کو بھی شامل ہے، اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ یہ لفظ تمام تقربات الٰہیہ کو شامل ہے
اور رشید رضاؒ اپنی تفسیر المنار میں تفصیل سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' مال خرچ کرنے کے ہمارے زمانے میں مصاریف یہ ہے کہ داعین تیار کئے جائیں اور کفار کے ممالک کو بھیجے جائیں الخ۔
پھر آگے لکھتا ہے اس میں علوم شرعیہ کے واسطے مدارس اور ہر وہ چیز جس میں مصلحت عامہ ہو پر خرچ کرنا شامل ہے، اور اس مال سے مدرسہ کے مصاریف اور اساتذہ پر بھی خرچ کیا جائے، جب تک وہ اپنے فرائض پورے سرانجام دیتے ہیں، اور دنیاوی کاروبار سے منقطع ہوں: (۵۰۶/۱۰)۔
اور جمال الدین القاسمیؒ اپنی تفسیر القاسمی (۲۴۱/۸) میں لکھتے ہیں کہ ''فی سبیل اللہ'' کو غازیوں تک محدود کرنا واجب نہیں ہے، اس وجہ سے تو قفال نے بعض فقہاء سے اس کا عموم بیان کیا ہے جیسا کہ آگے گذر گیا ہے۔
اور اسی طرح نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ اپنی کتاب الروضۃ الندیۃ: (۲۰۶/۱) میں لکھتا ہے کہ ''سبیل اللہ'' سے یہاں مراد اللہ تعالی کی طرف راستہ اور جہاد ہے، تو اس کا حصر قتال میں نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ ہر اس راستہ کو شامل ہے جو اللہ تعالی تک رسائی کا ذریعہ ہو، اور یہ آیت کا لغوی معنی بھی ہے۔
اور اسی طرح احمد المصطفی المراغی نے اپنی تفسیر المراغی: (۱۴۵/۱۰) میں لکھا ہے کہ حق بات یہ ہے ''سبیل اللہ'' سے مراد مصالح المسلمین ہے الخ۔
اور امام محمد آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی (۱۴۳/۱۰) میں لکھتے ہیں کہ ''سبیل اللہ'' سے مراد طالب علم ہے۔ اور فتاوی ظہیریہ نے اس کا حصر کیا ہے، اور بدائع نے عموم ذکر کیا ہے کہ تمام خیر کے کاموں کو شامل ہے۔
محمد علی تفسیر آیات الاحکام: (۵۵/۴) اور عبدالکریم زیدان نے المفصل فی احکام المرأۃ میں بہت تفصیل کے بعد لکھا ہے کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ آیت ''فی سبیل اللہ'' تمام مجاہدین اسلام کو شامل ہے، اسے ایک قسم جہاد کو خاص کرنا صحیح نہیں، اس لئے جہاد سے مراد اعلاء کلمۃ اللہ ہے، تو جہاد باللسان اور جہاد بالمال سب کو شامل ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے رسول پاک ﷺ نے فرمایا: مشرکین سے جہاد کرو مال کے ساتھ نفس اور زبان کے ساتھ الخ۔
اور جو شخص تفصیل چاہتا ہے تو وہ تفسیر المنار کو رجوع کرے، وکذافی **فقه الزكواة للدكتور يوسف**.
باقی قبض کا جو مسئلہ ہے تو وہ اس میں علی سبیل التوکیل ہوتا ہے۔ جیسا کہ جہاد میں امیر جہاد یا عاملین علی الزکواۃ یا خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے حیات مبارکہ میں کیا تھا۔ دیکھئے **المغنى لابن قدامة: ۱۹۶/۷**.

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ

اوران میں بعض ایسے ہیں جو پیغمبر کوایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان ہے (ان سے) کہہ دو کہ (وہ) کان (ہے

خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا

تو) تمہاری بھلائی کے لئے وہ اللہ کا اور مومنوں (کی بات) کا یقین رکھتا ہے اور جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں

مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

ان کے لئے رحمت ہے اور جو لوگ رسول اللہ کو رنج پہنچاتے ہیں ان کے لئے عذابِ الیم تیار ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ

مومنو! یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں خوش کر دیں حالانکہ

اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ

اگر یہ (دل سے) مومن ہوتے تو اللہ اور اس کے پیغمبر خوش کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ جو شخص

يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدًا فِيْهَا ؕ

اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرتا ہے تو اس کے لئے جہنم کی آگ (تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا

ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ

یہ بڑی رسوائی ہے۔ منافق ڈرتے رہتے ہیں کہ ان (کے پیغمبر) پر کہیں کوئی ایسی سورت (نہ) اتر آئے

تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِءُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

کہ ان کے دل کی باتوں کو ان (مسلمانوں) پر ظاہر کر دے کہہ دو کہ ہنسی کئے جاؤ جس بات سے تم ڈرتے ہو اللہ اس کو ضرور ظاہر کر دے گا

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ

اور اگر تم ان سے (اس بارے میں) دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے کہو

أَبِاللّٰهِ وَآيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟ [10]

---

[10] شاتم رسول اللہ ﷺ کا شرعی حکم

حق و باطل ہمیشہ سے ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آراء اور برسر پیکار رہے ہیں، اہل باطل داعیان حق کے مقابلے میں نت نئے حربوں کا سہارا لیتے رہے ہیں۔ جناب نوح علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے انبیاء کرام دنیا میں توحید کا علَم بلند کرنے اور غلبۂ حق کے لئے تشریف لائے تو منکرین حق نے ان کی بھرپور مخالفت کی۔ انہیں برے القاب سے نوازا، ان کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کا بازار گرم کیا حتیٰ کہ حق کے دشمنوں نے بعض انبیاء کرام کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ یاد رہے کہ بنی اسرائیل سے قبل جتنے انبیاء کرام تشریف لائے ان کی قوموں (مشرکین) نے ان کو جسمانی اذیتیں بھی دیں اور دشنام طرازی سے بھی کام لیا۔ لیکن سب سے بڑھ کر جس قوم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی بے حرمتی کی اور ان پاک ہستیوں کو طعن و تشنیع اور سب و شتم کا نشانہ بنایا وہ ''یہود'' ہیں۔ کیونکہ یہودیوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی بے حرمتی کی تمام تر حدیں پائمال کیں۔ بے غیرت اور بزدل لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ سامنے آ کر مقابلہ کرنے کے بجائے اکثر اوقات گالی گلوچ اور سب و شتم کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہودیوں کی ہی صفت یوں مذکور ہے: ﴿لایقاتلونکم جمیعا الا فی قریً محصنة او من ورآء جدر بأسهم بینهم شدید تحسبهم جمیعا وقلوبهم شتی ذالک بأنهم قوم لایعقلون﴾ [الحشر۱۴]۔ ''وہ تم سے سب ملکر بھی نہیں لڑ سکتے مگر محفوظ بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں، ان کی لڑائی تو آپس میں سخت ہے آپ ان کو متفق سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دل الگ الگ ہیں اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے''۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم انبیاء کو ایذا رسانی اور ان کے سب و شتم سے گریز کریں اور یہودیوں جیسے نہ بنیں۔ ارشاد ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا﴾ . ۶۹ [الاحزاب]. ''اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ بنو جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی (ستایا) پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان باتوں سے بری کر دیا جو وہ کہتے تھے، اور وہ اللہ تعالیٰ

کے نزدیک بڑے معزز تھے''۔

قرآن مجید میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت وتوقیر پر بہت زور دیا گیا ہے، بالخصوص جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی توقیر وتعظیم کے متعلق آیات قرآنیہ بہت زیادہ ہیں، مضمون کی مناسبت سے ہم یہاں ان آیات کریمہ کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے جناب نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتوقیر کواجاگر کرنے کے ساتھ آپ کی ایذاءرسانی سے منع فرمایا گیا ہے۔

پہلی آیت سورۃ توبہ کی ہے: ﴿ومنهم الذين يؤذون النبى ويقولون هو اذن قل اذن خيرلكم يؤمن بالله ويؤمن للمؤمنين ورحمة للذين امنوا منكم ط والذين يؤذون رسول الله لهم عذاب اليم﴾[التوبه ۶۱].

سورۃ توبہ کی یہی آیتیں اس مضمون کی پوری وضاحت کرتے ہیں، ۶۵، ۶۶۔

ان آیات سے شاتم رسول (ﷺ) کا حکم بھی واضح ہوا۔ اس آیت کی تفسیر میں صاحبِ ''مواهب الرحمٰن'' لکھتے ہیں:

''مسئلہ: جوکوئی کسی آیت پر یا نبی ﷺ کا کلام جان کر حدیث پر یا مسئلہ شرعی پر اس راہ سے کہ حکم شرعی ہے، یا نبی ﷺ پر استھزاء کرے، یا استخفاف کرے، یا عیب لگادے، وہ کافر ہے، اور اگر دل ہی میں رکھے زبان سے نہ کہے تو وہ منافق حقیقی ہے۔ اور اگر اس کے دل میں شیطان نے ان باتوں کے ساتھ وسوسہ ڈالا، اور اس نے ایسا وسوسہ بہت برا اور شیطانی دھوکا جانا تو وہ مؤمن ہے۔'' [مواهب الرحمٰن: ۱۰/۱۵۶]۔

تیسری آیت وماكان لكم ان تؤذوارسول الله ولا ان تنكحوا ازواجه من بعده ابدًا. ان ذالكم كان عندالله عظيما﴿۵۳﴾[الاحزاب]. ''اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو ایذاء دو، اور نہ یہ کہ تم آپ کی بیویوں سے آپ کے بعد کبھی بھی نکاح کرو، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔''

چوتھی آیت:۔﴿ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم اللهفى الدنيا والاخرة واعدلهم عذابا مهينا﴿۵۷﴾ والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنٰت بغير ماكتسبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مبينا﴿۵۸﴾ [الاحزاب]. ''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اوران کے لئے ذلت کا عذاب تیار کیا ہے، اور جو ایماندار مرد اور عورتوں کو نا کردہ گناہوں پر ستاتے ہیں، سووہ اپنے سر بہتان اور صریح گناہ لیتے ہیں۔''

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ جو نبی ﷺ کو سب وشتم کرتا ہے وہ یہودی ہے، اگر پہلے مؤمن تھا تو اس گستاخی سے کافر اور مرتد ہوا اور اس کے لئے عذاب الیم ہے، جب کہ سورۃ احزاب والی آیت میں اس کو دنیا اور آخرت میں ملعون قرار دیا ہے اور فرمایا کہ مؤمن کی یہ صفت قطعی نہیں ہو سکتی۔

مذکورہ بالا آیات میں جس عذاب دنیوی کا ذکر اجمالاً ہوا ہے اس کی تفصیل احادیث کریمہ سے معلوم کرتے ہیں ۔تاکہ واضح ہو کہ دنیا میں شاتم رسول اللہ (ﷺ) کا حکم کیا ہے۔

''کعب بن اشرف یہودی کا قتل:

۱): پہلے ہم وہ حدیث ذکر کریں گے جو کہ امام بخاریؒ نے کتاب المغازی میں نقل کی ہے۔

''جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من لکعب بن اشرف؟ فأنه قد اٰذی الله ورسوله .....الخ۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: کعب بن اشرف کی کون خبر لیتا ہے کون اس کا کام تمام کرتا ہے۔اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ستا رکھا ہے، یہ سن کر محمد بن مسلمہ انصاریؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو منظور ہے کہ میں اس کو مار ڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! تو انہوں نے کہا کہ پھر اجازت دیجئے جو میں مناسب سمجھوں (کعب کو خوش کرنے کیلئے) کہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا جو مناسب سمجھے کہہ۔'' محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب کے پاس آئے اور کہنے لگے! یہ شخص (پیغمبر ﷺ) ہم سے زکوۃ مانگتا ہے ہمارے پاس خود کھانے کو نہیں، عجب تکلیف میں پھنسے ہیں، میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں، مجھ کو کچھ قرض ہی دلواؤ، کعب نے کہا: ابھی کیا ہے؟ قسم اللہ کی آگے چل کر تم کو بہت تکلیف ہوگی، محمد بن مسلمۃ رضی اللہ عنہ نے کہا: بات یہ ہے کہ ہم ایک بار اس کی پیروی کر چکے، اب یہ بھی تو اچھا نہیں لگتا کہ ایک دم اس کو چھوڑ دیں، مگر دیکھ رہے ہیں اس کا انجام کیا ہوتا ہے، خیر اب یہ کہو (یار) ہماری غرض یہ ہے کہ ایک وسق یا دو وسق کھجور یا غلہ ہم کو قرض دلوادو۔کعب نے کہا: اچھا دلائیں گے، مگر کچھ گروی رکھو۔ان لوگوں نے کہا: تم کیا چیز گروی چاہتے ہو؟ کعب نے کہا: اپنی عورتیں رہن رکھ دو۔ان لوگوں نے کہا: واہ اچھی ٹھہری، سارے عرب لوگوں میں تم تو خوبصورت ہو، بھلا ہم اپنی بیویاں تمہارے پاس کیوں کر رہن کریں؟۔

کعب نے کہا: اچھا اپنے بیٹوں کو گروی رکھ دو۔ان لوگوں نے کہا: بیٹوں کو گروی رکھ دیں تو ساری عمر لوگ ان پر طعنہ مار دیتے رہیں گے کہ وسق یا دو وسق پر یہ گروی ہوئے تھے، بڑے شرم کی بات ہے۔البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس

گروی کر سکتے ہیں۔

اتنی گفتگو کے بعد محمد بن مسلمۃ رضی اللہ عنہ رات کو پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے، رات کو آئے تو ابونائلہ کو ساتھ لائے جو کعب کا رضاعی بھائی تھا۔کعب نے ان کو قلعہ کے پاس بلا لیا، اور خود قلعہ سے اتر کر نیچے آ کر ان سے ملا، جب وہ قلعہ سے اترنے لگا تو اس کی بیوی (نام نامعلوم) کہنے لگی اتنی رات کو کہاں جاتا ہے؟ کعب کہنے لگا: یہ محمد بن مسلمۃ اور میرا بھائی ابونائلہ بلا رہے ہیں۔

بیوی کہنے لگی: میں تو ایسی آواز سنتی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے۔کعب نے کہا: واہ وہاں ہے کون؟ محمد بن مسلمہ میرا دوست اور ابونائلہ میرا بھائی؟ اور شریف آدمی کو اگر رات کو نیزہ مارنے کو بلائیں تو وہ جائے گا۔

ادھر محمد بن مسلمۃ رضی اللہ عنہ دو آدمی اور اپنے ساتھ لے کر آئے تھے [ایک روایت کے مطابق ساتھی شخص ابو عبس بن جبیر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم تھے]۔محمد بن مسلمہ ان سے کہنے لگے: جب کعب یہاں آئے گا میں اس کے سر کے بال تھام کر سونگھوں گا۔جب تم دیکھنا میں نے اس کا سر مضبوط تھام لیا ہے تو تم اپنا کام کر ڈالنا (تلوار کی ضرب لگانا) کعب سر سے چادر اوڑھے ہوئے اترا، اس کے بدن سے خوشبو مہک رہی تھی۔

محمد بن مسلمۃ نے کہا: میں نے تو ساری عمر میں آج کی طرح خوشبودار ہوا نہیں سونگھی۔کعب نے جواب میں کہا: میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو سب عورتوں سے زیادہ معطر رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی بے نظیر ہے۔محمد بن مسلمہ نے کہا: تم مجھ کو اپنا سر سونگھنے کی اجازت دیتے ہو۔اس نے کہا: اچھا سونگھو، انہوں نے خود بھی سونگھا اور ساتھیوں کو بھی سونگھایا، پھر دوبارہ درخواست کی میں تمہارا سر سونگھوں؟ کعب نے کہا: جی ہاں محمد بن مسلمۃ نے اس کا سر زور سے تھاما اور اپنے ساتھیوں سے کہا ادھر آؤ۔چنانچہ انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو خوشخبری دی۔" [بخاری کتاب المغازی: رقم: ۲۵۱۰، مسلم: رقم: ۱۸۰۱]۔

قتل ابورافع عبداللہ بن ابی الحقیق:

۲): دوسری حدیث امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ابورافع عبداللہ بن ابی الحقیق یہودی کے قتل کے بارے میں نقل کی ہے۔جو کہ براء بن عازبؓ سے منقول ہے کہ: **بعث رسول اللہ ﷺ الی ابی رافع الیھودی رجالا من الانصار فأمّر علیھم عبداللہ بن عتیک وکان ابورافع یؤذی النبی ویعین علیه وکان فی حصن له بارض الحجاز فلما دنوا منه.......الخ..**

اوس اور خزرج کی جاہلانہ رقابت اسلام لانے کے بعد مسابقت فی الخیرات میں بدل چکی تھی، چونکہ دشمن دین کعب بن اشرف کو اوس قبیلہ نے قتل کیا تھا، اس لئے ابورافع یہودی کو قتل کرنے کے لئے خزرج نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی، تو آپ ﷺ نے عبداللہ بن عتیک ؓ کی سربراہی میں مسعود بن سنان، عبداللہ بن انیس، ابوقتادہ، خزاعی بن اسود اور عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنھم کو روانہ فرمایا۔[فتح الباری: ۷/۳۹۷]۔

رسول اللہ ﷺ نے چند انصار کو ابورافع یہودی کے پاس بھیجا اور ان پر عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ یہ ابورافع رسول اللہ ﷺ کو سخت اذیت و تکلیف دیتا تھا اور آپ کے مخالفین کی اعانت کرتا تھا۔ زمین حجاز میں اس کا قلعہ تھا وہ اس میں رہا کرتا تھا جب یہ لوگ اس کے پاس پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور شام کے وقت لوگ اپنے مویشی واپس لا چکے تھے۔ عبداللہ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم اپنی جگہ پر بیٹھے رہو، میں جاتا ہوں اور دربان سے مل کر نرم نرم باتیں کر کے قلعہ کے اندر جانے کی کوئی تدبیر کرتا ہوں۔

چنانچہ وہ قلعہ کی طرف روانہ ہوئے اور دروازے کے قریب پہنچ کر خود کو کپڑوں میں اس طرح چھپایا گویا قضائے حاجت کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس وقت اہل قلعہ اندر جا چکے تھے، دربان نے اپنا آدمی سمجھ کر آواز دی۔ کہ اے اللہ کے بندے! کہ اگر تو اندر آنا چاہتا ہے تو آجا میں دروازہ بند کر رہا ہوں۔

عبداللہ بن عتیک ؓ کہتے ہیں، کہ یہ سن کر میں قلعہ کے اندر داخل ہوا اور چھپ گیا جب سب لوگ اندر آ چکے تو دربان نے دروازہ بند کر کے چابیاں کیل پر لٹکا دیں۔

عبداللہ بن عتیک ؓ کہتے ہیں: میں نے اٹھ کر چابیاں لیں اور قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ ادھر ابورافع کے پاس رات کو داستان ہوا کرتی تھی۔ وہ اپنے بالا خانوں میں رہتا تھا۔ جب داستان گو کوچل دیے تو میں اس کی طرف چلنے لگا اور جب کوئی دروازہ کھولتا تھا تو اسے اندر کی طرف سے بند کر لیتا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اگر لوگوں کو میری خبر ہو جائے تو مجھ تک ابورافع کو قتل کرنے سے پہلے نہ آسکیں۔

جب اس کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک تاریک مکان میں اپنے بال بچوں کے درمیان سو رہا تھا۔ چونکہ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کس جگہ پر ہے، اس لئے میں نے ابورافع کہہ کر آواز دی، ابورافع نے جواب دیا کون ہے؟ میں آواز کی طرف جھکا اور اس پر تلوار سے زوردار وار کیا، جبکہ میرا دل خوب دھک دھک کر رہا تھا۔ اس ضرب سے کچھ کام نہ نکلا اور وہ چلانے لگا تو میں مکان سے باہر آ گیا۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر داخل ہوا، پھر میں نے کہا: اے ابورافع! یہ کیسی آواز تھی (وہ آواز

کی پہچان نہ کر سکے)۔ابورافع نے کہا: تیری ماں پر مصیبت پڑے ابھی ابھی کسی نے اس مکان میں مجھ پر تلوار کا وار کیا۔

عبداللہ بن عتیک کا بیان ہے: کہ میں نے پھر ایک اور بھر پور وار کیا مگر وہ بھی خالی گیا اگر چہ اس کو زخم لگ چکا تھا لیکن وہ اس سے مرا نہیں تھا۔اس لئے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی (خوب زور دیا تو) تو اس کی پیٹھ تک پہنچ گئی (آر پار چلی گئی)۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اسے مار ڈالا ہے تو میں پھر ایک ایک دروازہ کھولتا ہوا سیڑھی تک پہنچ گیا۔چاندنی رات تھی، یہ خیال کر کے کہ میں زمین پر پہنچ گیا ہوں، نیچے پاؤں رکھا تو دھڑام سے نیچے آ گرا جس سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔میں نے اپنی پگڑی سے اسے باندھا اور باہر نکل کر دروازے پر بیٹھ گیا۔اپنے دل میں کہا کہ میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤنگا جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔لھذا جب صبح کے وقت مرغ نے آذان دی تو موت کی خبر سنانے والا دیوار پر کھڑا ہو کر اعلان کرنے لگا۔

اے لوگو! حجاز کے سوداگر ابورافع کے مرنے کی تمہیں خبر دیتا ہوں۔یہ سنتے ہی میں اپنے ساتھیوں کی طرف چلا اور ان سے کہا یہاں سے جلدی بھاگو۔اللہ تعالیٰ نے ابورافع کو (ہمارے ہاتھوں) قتل کر دیا ہے۔پھر وہاں سے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ کو تمام قصہ سنایا۔

آپ نے فرمایا اپنا ٹوٹا ہوا پاؤں پھیلاؤ۔چنانچہ میں نے اپنا پاؤں پھیلایا تو آپ نے اپنا دست مبارک اس پر پھیر دیا جس سے وہ ایسا ہو گیا کہ گویا مجھے اس کی کبھی شکایت ہی نہیں تھی۔

۳) تیسری حدیث:۔ عکرمہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ **ان اعمی کانت له ام ولد تشتم النبی ﷺ وتقع فیه....... الخ** ایک نابینا (صحابی) کی ایک ام ولد تھی جو رسول اللہ ﷺ کو برا کہا کرتی تھی۔اور آپ ﷺ کی ھجوہ کیا کرتی تھی۔

وہ نابینا جو اس کا مولیٰ تھا۔اس بات سے اس کو منع کرتا تھا۔لیکن وہ باز نہ آتی تھی۔اور جھڑکتا تھا لیکن وہ کسی طرح نہ مانتی تھی۔ایک رات کو (اس نے عادت کے موافق) آپ ﷺ کی ھجوہ شروع کی اور آپ ﷺ کو برا کہنے لگی۔اس کے مولیٰ (نابینا) نے چھرا لے کر اس کے پیٹ میں رکھا، اور اس پر زور دیا (یعنی چھرے پر بوجھ ڈالا) وہ اس کے پیٹ میں گھس گیا۔وہ عورت مر گئی۔اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں ایک لڑکا آ گیا، اور جہاں وہ بیٹھے تھے وہ سب خون سے لت پت رنگین ہو گیا جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ سے اس خون کا ذکر ہوا، آپ ﷺ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا جس شخص نے یہ

کام کیا ہے میں اس کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور اپنے حق کی جو میرا اس پر ہے کہ وہ کھڑا ہو جاوے اور اقرار کرے کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ یہ سن کر وہی نابینا کھڑا ہو گیا۔ اور لوگوں کو پھاندتا ہوا اور لرزتا ہوا آیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سامنے آن کر بیٹھ گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ۔ **انا صاحبھا کانت تشتمک** ۔ میں اس کا قاتل ہوں وہ آپ کو برا کہتی تھی۔ اور آپ کی ھجوہ کرتی تھی۔ میں اس کو منع کرتا تھا لیکن باز نہ آتی تھی، اور جھڑکتا تھا، جب بھی باز نہ آتی تھی، اور اس کے پیٹ سے میرے دو بیٹے ہیں، مثل دو موتیوں کے، اور میری بڑی رفیق تھی کل کی رات وہ آپ کو برا کہنے لگی اور آپ کی ھجوہ کرنے لگی تو میں نے چھرا لے کر اس کی پیٹ پر رکھا اور اس پر زور دیا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ((**الا اشھدوا ان دمھا ھدر**)) دیکھو گواہ رہو اس کا خون لغو ہے [**سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب فیمن سب النبی** ﷺ **رقم ۴۳۶۱**].

۴) چوتھی حدیث:۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **ان یھودیۃ کانت تشتم النبی** ﷺ **وتقع فیه ..... الحدیث**، کہ ایک یہودیہ رسول اللہ ﷺ کو برا کہا کرتی تھی، اور آپ ﷺ کی ھجوہ کرتی تھی۔ اس پر ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹا یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون لغو کر دیا (ابوداود ۴۳۶۲)۔

ان دونوں روایات کا حاصل یہ ہے کہ ذمی کافر مرد ہو یا عورت اگر ہمارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کا قتل کر ڈالنا درست ہے۔

۵) پانچویں حدیث:۔ عبداللہ بن مطرف ابو برزۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ **کنت عند ابی بکرؓ فتغیظ علی رجل فاشتد علیه ...... الحدیث**، کہ میں ابوبکر الصدیقؓ کے پاس بیٹھا تھا وہ ایک شخص پر غصہ ہوئے اور نہایت غصہ ہوئے (شاید اس نے کوئی بری بات ان کو کہی ہوگی) میں نے کہا اے خلیفہ رسول ﷺ اگر آپ مجھے اجازت دیتے ہیں تو میں اس کی گردن ماروں؟ یہ کہنے سے ان کا غصہ جاتا رہا اور کھڑے ہو کر اندر چلے گئے پھر مجھ کو بلا بھیجا، اور کہا تو نے کیا کہا تھا میں نے کہا آپ مجھے اجازت دیجئے تو میں اس کی گردن اڑا دوں، ابو بکر الصدیقؓ نے کہا اگر میں تجھے حکم کرتا تو، تو اس کی گردن مار ہی دیتا؟ میں نے کہا ہاں بے شک مار دیتا۔ ابو بکرؓ نے کہا یہ درجہ کسی بشر کو رسول اللہ ﷺ کے بعد حاصل نہیں ہوا۔ یعنی یہ رسول ہی کا منصب تھا کہ جو کوئی ان کی گستاخی کر کے ان کو برا کہے اس کی گردن ماری جائے، نبی کے سوا کسی کو یہ درجہ حاصل نہیں۔ [**کتاب الحدود رقم: ۴۳۶۳**].

۶): چھٹی روایت: کعب بن علقمۃ روایت کرتے ہیں: کہ ایک نصرانی کا غرفۃ ابن الحارث الکندی پر گذر ہوا۔

اور اسے اسلام کی طرف دعوت دی۔اور کعب بن علقمہ نے پورا واقعہ ذکر کیا ہے۔اس واقعہ میں یہ بھی ہے۔کہ غرفہ نے کہا:معاذاللہ أن تکون العھود والمواثیق علی أن یؤذونافی اللہ ورسولہ. معاذاللہ کہ ہم ان کے ساتھ معاہدہ کریں کیونکہ یہ لوگ پھر ہمیں ہمارے نبی ﷺ کے متعلق تکالیف دیں گے سب وشتم کریں گے۔(اورغرفہ صحابی ہے عکرمہ بن ابوجہل کے ساتھ حالت ارتداد میں لڑائی بھی کی تھی)[الاصابة: ۵/ ۲۴۵. والاوسط: ۹/ ۴۳۱].

حاصل یہ کہ اس صحابی نے معاہدہ کرنے سے اس لئے انکار کیا کہ معاہدہ کی صورت میں ان کے ساتھ جنگ بندی ہوگی اور شاتم رسول کے لئے تو امن نہیں ہے۔

۷): ساتویں روایت: عمیرا بن امیہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اس کی بہن تھی جب آپ نبی ﷺ کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ کی بہن آپ کو نبی (ﷺ) کی وجہ سے بہت تکلیف دیتی۔اور نبی ﷺ کو سب وشتم کرتی تھی،اور یہ عورت مشرکہ تھی۔تو عمیر بن امیہ نے ایک دن اپنے ساتھ تلوار لے کر آئے اور اسے قتل کر دیا۔تو اس کے بیٹے چلائے کہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں،اور کہا کہ کیا صرف ہماری ماں کو ہی قتل کیا جا سکتا ہے۔حالانکہ ان لوگوں کا قبیلہ بھی مشرک تھا۔جب عمیرا بن امیہ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ یہ لوگ اصل قاتل کی بجائے کسی دوسرے شخص کو قتل کرتے ہیں تو نبی ﷺ کو واقعہ کی حقیقت سے آگاہ کیا۔رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: (أقتلتَ أُختکَ؟) کیا تو نے اپنی بہن کو قتل کیا ہے؟ جواب دیا ھاں! پوچھا ((وَلِمَ)) کس وجہ سے قتل کیا ہے؟۔جواب دیا: ((انھا کانت تؤذینی فیک)) یہ آپ کے بارے میں مجھے تکلیف دیتی تھی۔ نبی ﷺ نے ان کے بیٹو ں کی طرف قاصد بھجوایا۔ ان سے پوچھا: تو انہوں نے اصل قاتل کی بجائے دوسرے شخص پر دعویداری کی۔تو نبی ﷺ نے ان کو حقیقی قاتل (عمیر بن امیہ) کے بارے میں خبر دی۔اوران (لڑکوں کی ماں) کے خون کو لغوہ قرار دے دیا۔تو لڑکوں نے اس فیصلے کو سرِ بچشم قبول کیا ((قالوا: سمعًا وطاعة))۔[مجمع الزوائد: ۶/ ۳۹۸. والکبیر: ۱۷/ ۶۴، ۶۵].

۸): علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:قال رسول اللہ ﷺ: ((مَنْ سَبَّ الأنْبِيَاءَ قُتِلَ. وَمَنْ سَبَّ أصْحَابِي جُلِدَ)).

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے انبیاء کو سب وشتم کیا ان کو قتل کیا جائے گا، اور جس نے میرے صحابہ کو گالیاں دی ان کو کوڑے مارے جائیں گے۔[الصغیر: ١/٣٩٣. ح: ٦٥٩. والأوسط: ٣٠٥/٥].

٩): اسی طرح انس ابن زنیم جو کہ قریش کے ساتھ عہد اور صلح میں شامل تھا۔ نے نبی ﷺ کا ھجوہ کیا۔ تو خزاعہ قبیلہ کے ایک جوان نے یہ ھجوہ سنا اور انس بن زنیم پر حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی خزاعہ اور دیلمی قبیلوں کی پرانی دشمنی پھر بھڑک اٹھی۔ تو خزاعہ قبیلہ کے افراد نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے انتقام لینے کا مطالبہ کیا۔ اور انس بن زنیم کا وہ قصیدہ بھی سنا دیا، جس میں اس نے ھجوہ کیا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انس کو مباح الدم قرار دیا۔

انس بن زنیم کو جب یہ خبر پہنچی تو نبی ﷺ کے ہاں معذرت کرنے آئے۔ اور نبی ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ سنایا۔ یہ قصیدہ بھی نبی ﷺ کے پاس پہنچا۔ اور نوفل بن معاویہ نے انس کی سفارش بھی کی۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ: آپ تو سب امت میں سے معافی کرنے کے سب سے زیادہ لائق ہیں۔ اور ہم میں ایسا کون نہیں ہے جس نے آپ کو تکلیف اور اذیت نہ پہنچائی ہو۔ ہم جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کے واسطے ہمیں ہدایت نصیب فرمائی اور ہمیں ہلاکت سے بچایا۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے آپ کو معاف فرما دیا[السیف المسلول للسبکی: ٢٦٢]۔

حاصل یہ کہ شاتم رسول واجب القتل ہے اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بھی معاف نہیں ہو سکتا۔ جب تک رسول اللہ ﷺ خود معافی نہ فرمائیں۔ حالانکہ انس بن زنیم نے بعد میں اسلام قبول بھی کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی مدح میں قصیدہ بھی پڑھا تھا لیکن بعد میں نوفل بن معاویہؓ کی سفارش پر نبی کریم ﷺ نے معاف کر دیا۔

طوالت سے بچنے کے لئے مفسرین، محدثین، اور فقہاء کے اقوال نقل نہ کرتے ہوئے مذکورہ دلائل پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگرچہ اور بھی بے شمار دلائل اس پر موجود ہیں۔ اور اس پر ''**السیف المسلول للسبکی**'' اور ''**الصارم المسلول لابن تیمیۃ**'' نے سلف صالحین کا اجماع نقل کیا ہے۔ ماسوائے احناف کے جن کا اہل ذمہ کے قتل میں اختلاف ہے سزاء میں اتفاق ہے۔ (یعنی احناف کا قول یہ ہے کہ اہل ذمہ میں سے کوئی شانِ رسول ﷺ میں گستاخی کا ارتکاب کرے تو اسے قتل نہ کیا جائے البتہ کوئی اور سزا تجویز کی جائے)۔ اور بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ اتفاق ہے۔ یعنی جمہور علماء سلف کا فتوی مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی اور توہین کا ارتکاب کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ گستاخ رسول واجب القتل ہے۔

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ

بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں

نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۶۶﴾ اَلۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ

تو دوسری جماعت کو سزا بھی دیں گے کیونکہ وہ گناہ کرتے رہے ہیں۔ منافق مرد اور منافق عورتیں

بَعۡضُهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ‌ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ

ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں کہ بُرے کام کرنے کو کہتے اور نیک کاموں سے منع کرتے

وَيَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ‌ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمۡ‌ؕ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۶۷﴾

اور (خرچ کرنے سے) ہاتھ بند کئے رہتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا بیشک منافق نافرمان ہیں

وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ؕ

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے آتشِ جہنم کا وعدہ کیا ہے جس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔

هِىَ حَسۡبُهُمۡ‌ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ‌ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌۙ ﴿۶۸﴾

وہی ان کے لائق ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب تیار ہے۔

كَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡكُمۡ قُوَّةً وَّاَكۡثَرَ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ؕ

(تم منافق لوگ) ان لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں وہ تم سے بہت طاقتور اور مال و اولاد میں کہیں زیادہ تھے

فَاسۡتَمۡتَعُوۡا بِخَلَاقِهِمۡ فَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِخَلَاقِكُمۡ كَمَا اسۡتَمۡتَعَ الَّذِيۡنَ

تو وہ اپنے حصے سے بہرہ یاب ہو چکے سو جس طرح تم سے پہلے لوگ اپنے حصے سے فائدہ اٹھا چکے ہیں اسی طرح تم نے اپنے

مِنۡ قَبۡلِكُمۡ بِخَلَاقِهِمۡ وَخُضۡتُمۡ كَالَّذِىۡ خَاضُوۡا‌ ؕ اُولٰۤـئِكَ

حصے سے فائدہ اٹھا لیا اور جس طرح وہ باطل میں ڈوبے رہے اسی طرح تم باطل میں ڈوبے رہے یہ وہ لوگ ہیں

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ
جن کے اعمال دنیااور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ کیا
يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ
ان کوان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے (یعنی) نوح اور عاد اور ثمود کی قوم اور ابراہیم کی قوم
وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا
اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیوں والے ان کے پاس پیغمبر نشانیاں لے لے کر آئے اور اللہ ایسا تو نہ تھا
كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٧٠﴾
کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔
وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ
اور بُری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ
وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾
اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔
وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے بہشتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (وہ)
خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ
ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے) اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِينَ

نعمت ہے یہی بڑی کامیابی ہے۔[11]اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو

نسخہ حصول رضوان الٰہی

[11] عن سلمان الفارسیؓ قال: خطبنارسول اللهﷺفی اخریوم من شعبان فقال یاایهاالناس قداظلکم شهرعظیم، شهرمبارک ،شهرفیه لیلة خیرمن الف شهر،جعل الله صیامه فریضة وقیام لیله تطوعا،من تقرب فیه بخصلة من الخیر،کان کمن ادی فریضة فیماسواه ،ومن ادی فریضة فیه کان کمن ادی سبعین فریضة فیماسواه،وهو شهر الصبر،و الصبرثوابه الجنة،شهر المواساة ،وشهریزادفی رزق المومن ،من فطّرفیه صائما،کان له مغفرة لذنوبه ،وعتق رقبته من النار،وکان له مثل اجره من غیران ینقص من اجره شیئ ،قلنایارسول الله!لیس کلنایجدمایفطر الصائم؟فقال رسول اللهﷺیعطی الله هذا الثواب من فطّرصائماعلی مذقة لبن اوتمرة،اوشربة من ماء ،ومن اشبع صائماسقاه اللهمن حوضی شربة، لایظمأ حتی یدخل الجنة ،وهوشهراوله رحمة، واوسطه مغفرة، واخره عتق من النار،من خفّف عن مملوکه فیه ،غفرالله له واعتقه من النار،فاستکثروا فیه من اربع خصال ،خصلتان ترضون بهاربکم ،وخصلتان لاغنی بکم عنهما، فاما الخصلتان اللتان ترضون بها ربکم فشهادة ان لا اله الاالله،وتستغفرونه ،واما اللتان لاغنی بکم عنهمافتسألون الجنة وتعوذون به من النار.(شعب الایمان للبیهقی:۵/۲۲۴،وابن خزیمة:۳/۱۹۱ رقم:۱۸۸۷،و العقیلی: ۱/۳۵ وتاریخ بغداد: ۴/۳۳۳).

سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے شعبان کی اخری تاریخ میں ہم لوگوں کووعظ فرمایا: کہ اے لوگو! تمہارے اوپرایک مہینہ آرہاہے، جوبہت بڑامہینہ ہے، بہت مبارک مہینہ ہے، اس میں ایک رات ہے(شب قدر) جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالی نے اس کے روزوں کوفرض فرمایا ،اور اس کی رات کے قیام کو(یعنی تراویح کو) ثواب کی چیز بنایاہے، جوشخص اس مہینہ میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے، ایساہے جیسا کہ غیر رمضان میں=

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ

اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں

مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ

کہ انہوں نے (تو کچھ) نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور یہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں

وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا وَمَا نَقَمُوا

اور ایسی بات کا قصد کر چکے ہیں جس پر قدرت نہیں پا سکے اور انہوں نے (مسلمانوں میں) عیب ہی کون سا دیکھا ہے

إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا

سوائے اس کے کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے پیغمبر نے (اپنی مہربانی سے) ان کو دولتمند کر دیا ہے تو اگر یہ لوگ توبہ کر

=فرض ادا کیا،اور جو شخص اس مہینہ میں کسی فرض کو آدا کرے گا وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرے، یہ مہینہ صبر کا ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے،اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غم خواری کرنے کا ہے،اس مہینہ میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، جو شخص کسی روزہ دار کے افطار کرائے اس کے لئے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب ہوگا،اور روزہ دار کے ثواب کی مانند اس کو ثواب ہوگا،مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا،صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے،تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ (پیٹ بھر کر کھلانے پر موقوف نہیں) یہ ثواب تو اللہ جل شانہ ایک کھجور سے کوئی افطار کرا دے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے،اس پر بھی مرحمت فرما دیتا ہے، یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ اللہ کی رحمت ہے،اور درمیانی حصہ مغفرت ہے،اور آخری حصہ آگ سے ازادی ہے، جو شخص اس مہینے میں ہلکا کرے اپنے غلام وخادم کے بوجھ کو،حق تعالیٰ شانہ اس کی مغفرت فرما دیتا ہے، اور آگ سے نجات فرماتا ہے،اور چار چیزوں کی اس میں کثرت کیا کرو،جن میں سے دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے اور دو چیزیں ایسی ہیں جن سے تمہیں چارہ کار نہیں۔پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی کرو، وہ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے،اور دوسری چیزیں یہ ہیں کہ جنت کی طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو۔

يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَإِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو گا اور اگر منہ پھیر لیں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب دے گا

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ

اور زمین میں ان کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہو گا۔ اور ان میں بعض ایسے ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا

لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

کہ اگر وہ ہمیں اپنی مہربانی سے مال عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے۔[12]

---

[12] یہ آیت بھی ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے، جو ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، الاحاد والمثانی: ۲۷۵/۶، طبرانی (معجم کبیر: ۲۴۶/۷، ۲۴۸) اور بیہقی (دلائل النبوۃ: ۳۷۵/۵) اور ابو نعیم نے معرفۃ الصحابۃ: ۳۰۵/۴، میں ابو امامہؓ باہلی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ: ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست کی کہ آپؐ دعا کریں کہ میں مال دار ہو جاؤں، آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم کو میرا طریقہ پسند نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میں چاہتا تو مدینہ کے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ پھرا کرتے، مگر مجھے ایسی مال داری پسند نہیں، یہ شخص چلا گیا، مگر دوبارہ پھر آیا اور پھر یہی درخواست اس معاہدہ کے ساتھ پیش کی کہ اگر مجھے مال مل گیا تو میں ہر حق والے کو اس کا حق پہنچاؤ نگا، رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی، جس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ اس کی بکریوں میں بے پناہ زیادتی شروع ہوئی، یہاں تک کہ مدینہ کی جگہ اس پر تنگ ہوگئی، تو باہر چلا گیا، اور ظہر عصر کی دو نمازیں مدینہ میں آ کر آپؐ کے ساتھ پڑھتا تھا، باقی نمازیں بھی جنگل میں جہاں اس کا یہ مال مویشی تھا وہیں ادا کرتا تھا، پھر انہی بکریوں میں اور زیادتی اتنی ہوگئی کہ یہ جگہ بھی تنگ ہوگئی، اور شہر مدینہ سے دور جا کر کوئی جگہ لی، وہاں سے صرف جمعہ کی نماز کے لئے مدینہ میں آتا اور پنجگانہ نمازیں وہیں پڑھنے لگا، پھر اس مال کی فراوانی اور بڑھی تو یہ جگہ بھی چھوڑنا پڑی، اور مدینہ سے بہت دور چلا گیا، جہاں جمعہ اور جماعت سب سے محروم ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے اس کا حال دریافت کیا تو لوگوں نے بتلایا کہ اس کا مال اتنا زیادہ ہو گیا کہ شہر کے قریب میں اس کی گنجائش ہی نہیں، اس لئے کسی دور جگہ پر جا کر اس نے قیام کیا

ہے، اوراب یہاں نظر نہیں پڑتا، رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر تین مرتبہ فرمایا "یاویح ثعلبة"، یعنی ثعلبہ پر افسوس ہے۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں آیت صدقات نازل ہوگئی، جس میں رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے صدقات وصول کرنے کا حکم دیا گیا (خذ من اموالھم صدقة) آپ نے مویشی کے صدقات کا مکمل قانون لکھوا کر دو شخصوں کو عامل صدقہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے مویشی کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیج دیا، اوران کو حکم دیا کہ ثعلبہ بن حاطب کے پاس بھی پہنچیں، اور بنی سلیم کے ایک اور شخص کے پاس جانے کا بھی حکم دیا، یہ دونوں جب ثعلبہ کے پاس پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان دکھایا، تو ثعلبہ کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہوگیا، جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے، اور پھر کہا کہ اچھا اب تو آپ جائیں جب واپس ہوں تو یہاں آجائیں، یہ دونوں چلے گئے، اور دوسرے شخص سلیمی نے جب نبی ﷺ کا فرمان سنا تو اپنے مویشی اونٹ اور بکریوں میں جو سب سے بہتر جانور تھے نصاب صدقہ کے مطابق وہ جانور لے کر خود ان دونوں قاصدان رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچ گئے، انہوں نے کہا کہ ہمیں تو حکم یہ ہے کہ جانوروں میں اعلیٰ چھانٹ کر نہ لیں، بلکہ متوسط وصول کریں، اس لئے ہم تو یہ نہیں لے سکتے، سلیمی نے اصرار کیا کہ میں اپنی خوشی سے یہ پیش کرنا چاہتا ہوں، یہی جانور قبول کرلیجئے۔ پھر یہ دونوں دوسرے مسلمانوں سے صدقات وصول کرتے ہوئے واپس آئے تو پھر ثعلبہ کے پاس پہنچے، تو اس نے کہا کہ لاؤ وہ قانون صدقات مجھے دکھلاؤ، پھر اس کو دیکھ کر یہی کہنے لگا کہ یہ تو ایک قسم کا جزیہ ہوگیا، جو مسلمانوں سے نہیں لینا چاہئے اچھا اب تو آپ جائیں میں غور کروں گا پھر کوئی فیصلہ کروں گا۔

پھر یہ دونوں مدینہ طیبہ واپس پہنچے اور رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے ان سے حالات پوچھنے سے پہلے ہی پھر وہ کلمہ دہرایا جو پہلے فرمایا تھا۔ یاویح ثعلبه یاویح ثعلبه یاویح ثعلبه یعنی ثعلبہ پر سخت افسوس ہے، یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا، پھر سلیمی کے معاملہ پر خوش ہوکر اس کے لئے دعا فرمائی، اس واقعہ پر یہ ایت نازل ہوئی "ومنھم من عٰھداللہ"، یعنی ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو مال عطا فرد یں گے وہ صدقہ خیرات کریں گے اور صالحین امت کی طرح سب اہل حقوق رشتہ داروں اور غریبوں کے حقوق ادا کریں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے مال دیا تو بخل کرنے لگے۔ اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے پھر گئے۔

"فاعقبھم نفاقا فی قلوبھم"، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بدعملی اور بدعہدی کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں نفاق کو اور پختہ کردیا۔ کہ اب ان کو توبہ کی توفیق ہی نہ ہوگی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعض اعمال بد کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی۔ **نعوذ باللہ منہ۔**

ابن جریر نے ابوامامہؓ کی تفصیلی روایت جو ابھی ذکر کی گئی ہے اس کے اخر میں لکھا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ نے ثعلبہ کے لئے **یا ویح ثعلبہ** تین مرتبہ فرمایا تو اس مجلس میں ثعلبہ کے کچھ عزیز و اقارب بھی موجود تھے یہ سن کر ان میں سے ایک آدمی فوراً سفر کر کے ثعلبہ کے پاس پہنچا اور اس کو ملامت کی، اور بتلایا کہ تمہارے بارے میں قرآن کی ایت نازل ہوگئی ہے، یہ سن کر ثعلبہ گھبرایا او مدینہ حاضر ہو کر درخواست کی کہ میرا صدقہ قبول کر لیا جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حق تعالی نے تمھارا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے یہ سن کر ثعلبہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا اپنا عمل ہے میں نے تمہیں حکم دیا، تم نے اطاعت نہ کی، اب تمہارا صدقہ قبول نہیں ہوسکتا، ثعلبہ ناکام واپس ہو گیا، اور اس کے کچھ دن بعد ہی رسول کریم ﷺ کی وفات ہوگئی اور صدیق اکبر خلیفہ ہوئے، تو ثعلبہ صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا میرا صدقہ قبول کر لیجئے، صدیق اکبر نے فرمایا جب رسول پاک ﷺ نے قبول نہیں کیا تو میں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ پھر صدیق اکبر کی وفات کے بعد ثعلبہ فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وہی درخواست کی، اور وہی جواب ملا جو صدیق اکبر نے دیا تھا۔ پھر عثمان غنی کے زمانہ خلافت میں ان سے درخواست کی انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ اور خلافت عثمان کے زمانہ میں ثعلبہ مر گیا۔ **نعوذ باللہ من سیئات الاعمال۔**

یہاں پر اکثر مفسرین نے اپنے تفاسیروں میں ثعلبہ بن حاطب کا قصہ بغیر تحقیق اور چھان بین کے نقل کیا ہے۔ یہ چند وجوہ کی بناء پر صحیح نہیں، غالب خیال یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے امام طبری کا قول نقل کیا ہے اور بعد میں جتنے مفسرین آئے ہوئے ہیں بغیر تحقیق انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے یہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔

اس لئے علامہ شامیؒ فرماتا ہے کہ کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ پہلا شخص غلطی کرے تو اسی غلطی کو متاخرین کئی کتابوں میں نقل کرتے ہیں تو اسی طرح غلط چلتا رہتا ہے اور ایک دوسرے سے اسی غلطی کو نقل کرتے ہیں۔ مجموعہ رسائل ۱/۱۳۔

میں کہتا ہوں کہ بعض اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ متقدمین میں سے پہلے شخص سے غلطی ہوتی ہے تو پچاس سے زائد کتابوں میں اسی غلطی کو بغیر تحقیق متاخرین نقل کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عالم کی لغزش عالَم کی لغزش کے لئے سبب بنتی ہے مجموعہ رسائل: ۱/۱۹۰۔

تو یہاں ابن جریر خود یا دیگر نے جو واقعہ نقل کیا ہے یہ اصول حدیث کی بناء سے نا قابل اعتبار ہے۔ ابن جریر نے اسی طرح نقل کیا ہے کہ: **حدثنی المثنی قال حدثنا ھشام بن عمار قال حدثنا محمد بن شعیب قال حدثنا**

معان بن رفاعة السلمی عن ابی عبد الملک علی بن یزیدالالھانی انه اخبره عن القاسم بن عبد الرحمٰن انه اخبره عن ابی امامة الباھلیؓ عن ثعلبه بن حاطب الانصاریؓ ۔اسی سند کے ساتھ طبرانی نے معجم کبیر: رقم ٧٨٧٣: ج ٨ص ٢٦٠،اور ہیثمی نے مجمع الزوائد: ٣٥/٧، میں نقل کرنے بعد لکھا ہے کہ وفیه علی بن یزید الالھانی ،ھومتروک ،بیہقی فی الشعب :رقم: ٤٠٤٨ج ٦ص ١٩٩، میں نقل کیا ہے،اورامام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں نظر ہے فرمایا کہ (وفی اسنادھذا الحدیث نظر، وھو مشھور فی مابین اھل التفسیر)۔اورامام بغوی نے معالم التنزیل: ٨٤/٣، ٨٥، میں،اور ابن ابی حاتم نے تفسیر: ١٨٤٧/٦، میں اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے،اس حدیث کی سند میں معان بن رفاعہ ہے،اسکے بارے میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ لین الحدیثاور کثیر الارسال راوی ہے،ابن معین نے کہا ہے کہ اس کا روایت لکھا جا تا ہے لیکن قابل استدلال نہیں،اورابن معین نے یہ بھی کہا ہے کہ ضعیف ہے :تھذیب التھذیب: ٢٠٢/١۔

اوراس حدث کی سند میں علی بن یزید راوی ہے ابن حجر نے اس کوضعیف قرار دیا ہے،امام ذہبی نے کہا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کوضعیف قرار دیا ہے،لیکن متروک نہیں کہا۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کثیر المنکرات اور واھی الحدیث ہے۔تھذیب التھذیب: ٣٩٧/٧۔جبکہ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ: ٢٨٩/٥، میں بھی مذکورہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔اورشیخ البانی نے ضعیف جامع الصغیر رقم ٤١١٦، میں ضعیف قرار دیا ہے،مزید تفصیل کے لئے کتاب شعب الایمان کی حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

اورابن حزم محلی: ١٣/٥، ٧، میں اس روایت کونقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: کہ ھذہ صفة اوردھاالله تعالی، یعرفھا کل من فعل ذالک من نفسه، ولیس فیھا نص ولا دلیل علی أن صاحبھامعروف بعینه، علی انه قد روینا اثرا لایصح، وفیه انھا نزلت فی ثعلبة بن حاطب وھذا باطل، لأن ثعلبة بدری معروف ۔حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:ھذا باطل بلاشک، لأ ن الله تعالیٰ أمر بقبض زکوٰۃ أموال المسلمین، وأمر علیه السلام عند موته أن لا یبقی فی جزیرۃ العرب دینان ،فلا یخلوثعلبة من ان یکون مسلما، ففرض علی ابی بکر ،وعمرقبض زکوته ولابد ،ولافسحة فی ذالک .ان کان کافرا ففرض ان لایقر فی جزیرۃ العرب .فسقط ھذاالاثر بلاشک، وفی رواته معان بن رفاعة، والقاسم بن عبدالرحمٰن، وعلی بن یزید وھو عبد الملک الالھانی، وکلھم ضعفاء، ومسکین بن بکیر، لیس

بالقوی ۔کہ یہ ایک صفت ہے اللہ تعالی نے یہاں ذکر کی ہے اس کو جانتا ہے، ہر وہ شخص جس نے یہ کام کیا ہے اور اس میں کوئی دلیل نہیں اس بات پر کہ آدمی بعینہ معلوم تھا، علاوہ اس کے ہم نے ایک اثر کی روایت کی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے، جس میں ہے کہ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ ثعلبہ بدری معروف ہیں۔

پھر آگے لکھتا ہے کہ یہ اثر بلا شک باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے زکوٰۃ کے لینے پر امر فرمایا ہے کہ مسلمانوں سے مال وصول کریں، اور نبی کریم ﷺ نے وفات ہونے سے پہلے امر فرمایا تھا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین باقی نہ رہیں، تو ابھی یا ثعلبہ مسلمان ہوگا تو ابوبکر اور عمرؓ پر فرض تھا کہ اس سے زکواۃ وصول کرتے ،اور یہ خوامخواہ ہے اس میں وسعت نہیں، اگر کافر ہوگا تو ان پر فرض تھا کہ اس کو جزیرۃ العرب میں نہ چھوڑتے۔تو یہ روایت بلا شک اور شبہ ساقط ہوگئی۔

اس کے علاوہ امام طبری اور دیگر محدثین نے اس واقعہ کو دیگر طرق سے نقل کیا ہے، لیکن بعض میں مذکورہ رواۃ، جبکہ بعض منقطع ،اور موقوف سندوں سے نقل ہے، جس کا صحیح روایت کے مقابلے میں کوئی اعتبار نہیں۔ہم عصر مفسرین میں سے وہبۃ زہیلی نے اور سعید حویٰ نے تفسیر اساس میں اور رشید رضا نے تفسیر المنار میں اس پر رد کیا ہے جبکہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ثعلبہؓ بدری صحابی ہے اور بدر والے سب کے سب (مغفور لھم) (یعنی بخشے گئے ہیں)۔

امام بخاریؒ نے علیؓ سے مختلف جگہوں میں یہ حدیث نقل کی ہے :[۳۰۸۱، ۳۰۰۷، ۳۹۸۳، ۴۲۷۴، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، ۶۹۳۹]مسلم رقم: ۲۴۹۴ ،ترمذی رقم : ۳۳۰۵،ومسند حمیدی : ۴۹ و النسائی فی سننه الکبریٰ: ۱۱۵۸۵ ،اور اس کے علاوہ اوروں نے بھی کہ :بعثنی رسول اللهﷺ اناو الزبير ومقداد فقال انطلقوا حتی تاتوا روضة خاخ فانّ بهاظعينة ،معها كتاب فخذوه منها،فذهبناتعادی بناخیلناحتی اتینا الروضة، فاذانحن بالظعينة ،فقلنااخرجی الكتاب فقالت مامعی من كتاب فقلنالتخرجن الكتاب اولنلقين الثياب فاخرجته من عقاصها،فاتينابه النبیﷺفاذافيه من حاطب بن ابی بلتعة الی اناس من المشركين ممن بمكة يخبرهم ببعض امر النبیﷺ،فقال النبیﷺ ماهذاياحاطب؟ قا ل لاتعجل علیَّ يارسول اللهانی كنت امرأمن قريش ولم اكن من انفسهم، وكان ممن معک من المهاجرين لهم قرابات يحمون بهااهليهم واموالهم بمكة، فاحببت اذفاتنی من النسب فيهم، ان اصطنع اليهم يدًايحمون قرابتی، ومافعلت ذالک كفراولاارتداداعن دينی، فقال النبیﷺانه قدصدقكم ،فقال عمر دعنی يارسول اللهفاضرب عنقه ،فقال انه شهدبدراومايدريک لعل الله عزوجل اطلع علی اهل

بدر فقال اعملوا ماشئتم فقدغفرت لکم فقال عمر ونزلت فیه یاایها الذین امنوالاتتخذوا عدوی وعدوکم. الایة.

علیؓ نے کہا کہ نبیﷺ نے مجھ کواور زبیراور مقداد تین آدمیوں کو بھیجا، فرمایا: (مکہ کے راستے پر) روضۂ خاخ تک چلے جاؤ (جوایک مقام کا نام ہے) وہاں اونٹ پرسوار ایک عورت ملے گی (اس کا نام سارہ تھا) اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ علیؓ کہتے ہیں ہم تینوں آدمی گھوڑے دوڑاتے ہوئے روضہ خاخ پہنچے تو (سچ مچ) وہاں ایک عورت شترسوار ملی ہم نے اس سے کہا خط نکال، وہ بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ہم نے کہا، لے اب خط نکالتی ہے یا ہم تجھ کو ننگا کریں، تو مجبور ہوکر اس نے اپنے جوڑے میں سے ایک خط نکال کردیا، ہم وہ خط نبیﷺ کے پاس لیکر آئے ،اس کا مضمون یہ تھا: حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے چند مکہ کے مشرکوں کے نام پر، اور نبی کریمﷺ کی تیاری وغیرہ کا اس میں ذکر تھا کہ آپﷺ بڑی فوج لیکر آرہے ہیں۔تم اپنا بچاؤ کرو، نبیﷺ نے حاطب سے پوچھا ارے حاطب یہ کیا بات؟ (تونے مسلمان ہوکر کافروں کومخبری کی) حاطب نے عرض کیا یارسول اللہ جلدی نہ فرمائیے (میرا سب قصہ سن لیجئے، پھر جو جی چاہے سزادیجئے) ہوا یہ کہ میں اصل قریشی تو ہوں نہیں اور آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجر ہیں وہ (اصل قریشی ہیں) ان کے عزیز ناطے دار قریش کے کافروں میں ہیں جن کی وجہ سے ان کے گھربار، مال اسباب محفوظ رہتے ہیں، میں نے یہ چاہا کہ جب میرا ناطہ ان سے نہیں ہے تو کچھ احسان ہی کرکے اپنا حق ان پر قائم کروں، تاکہ وہ اس کی وجہ سے میرے رشتہ داروں کو نہ ستائیں، میں نے یہ کام اس وجہ سے نہیں کیا کہ (نعوذ باللہ) میں کافر ہوا ہوں یا اسلام سے پھر گیا ہوں، نبی کریمﷺ نے فرمایا حاطب نے سچ کہا۔عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑادیتا ہوں آپﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: حاطب نے سچ کہہ دیا، عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑادیتا ہوں، رسول اللہﷺ نے فرمایا: یقیناً وہ بدر کی جنگ میں شریک تھا اور تجھ کو معلوم نہیں اللہ تعالی نے عرش معلٰی پر سے بدر والوں کو جھانکا، فرمایا: اب تم کیسے بھی اعمال کرو (تم سے کیسے بھی گناہ ہوجائیں، بشرطیکہ کفر اور شرک نہ کرو) میں نے تو تم کو بخش دیا۔پھر یہ ایت اتری: یاایها الذین امنوالاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء۔

دوسری حدیث میں ہے کہ: جاء عبدٌ لحاطب بن ابی بلتعة، احدبنی اسد، یشتکی سیده، فقال واللہ یارسول اللہ لیدخلن حاطب النار، فقال له رسول اللہﷺ کذبت لایدخله ابدا، انه قدشهد=

فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

لیکن جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے عہد سے) رُوگردانی کر کے پھر بیٹھے

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ

تو اللہ نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لئے جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے ان کے دلوں میں نفاق ڈال

یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا

دیا اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ کیا ان کو معلوم نہیں

اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِیْنَ

کہ اللہ ان کے بھیدوں اور مشوروں تک سے واقف ہے اور یہ کہ وہ غیب کی باتیں جاننے والا ہے۔ جو (ذی استطاعت)

یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا

مسلمان دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور جو صرف اتنا ہی کما سکتے ہیں جتنی مزدوری کرتے (اور تھوڑی سی کمائی میں سے بھی خرچ کرتے) ہیں

جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۹﴾

ان پر جو (منافق) طعن کرتے اور ہنستے ہیں اللہ ان پر ہنستا ہے اور ان کے لئے تکلیف دینے والا عذاب (تیار) ہے۔

=بدرًا والحدیبیة(مسلم:رقم ۲۱۹۵،ترمذی:رقم ۳۸۶۴،نسائی فی الکبری رقم:۸۲۹۶،طبرانی فی الکبری:رقم ۳۰۶۴). کہ حاطب کا غلام رسول اللہ ﷺ کے پاس حاطبؓ سے شکایت کرتے ہوئے آیا، اور کہا کہ حاطب خوامخواہ آگ میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے جھوٹ بولا۔ یہ آگ کو داخل نہیں ہوگا کیونکہ یہ بدر اور حدیبیہ (کی لڑائی) میں حاضر تھا۔ اور ثعلبہؓ بدری تھے جیسا کہ ابن حجر نے الاصابہ:۱/۱۹۸، میں اور محمود عداب نے تفصیل سے لکھا ہے، حاصل یہ نکلا کہ تفسیر ایت عام ہے منافقوں کے متعلق ہے، اور صحابہ کے متعلق اس ایت کریمہ میں دور کا اشارہ بھی نہیں مزید تفصیل کتاب ثعلبة بن حاطبؓ الصحابی المفتری علیه لمحمود عداب مطالعہ کیجئے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ

تم ان کے لئے بخشش مانگو یا نہ مانگو (بات ایک ہے) اگر ان کے لئے ستر دفعہ بھی بخشش مانگو گے تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا

اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْا

جولوگ پیچھے رہ گئے وہ پیغمبر الٰہی (کی مرضی) کے خلاف بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے اور اس بات کو ناپسند کیا

أَنْ يُّجٰهِدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا

کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کریں اور (اَوروں سے بھی) کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلنا

فِى الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَّوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾

(ان سے) کہہ دو کہ دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے اگر یہ (اس بات کو) سمجھتے۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

یہ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنس لیں اور (آخرت میں) ان کو ان اعمال کے بدلے جو کرتے رہے ہیں بہت سا رونا ہوگا۔

فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ

پھر اگر اللہ تم کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے اور وہ تم سے نکلنے کی اجازت طلب کریں

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا

تو کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں نکلو گے اور نہ میرے ساتھ (مددگار ہوکر) دشمن سے لڑائی کرو گے

إِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ

اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جا کر) کھڑے

إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

ہونا یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے رہے اور مرے بھی تو نافرمان (ہی مرے)[13]

---

[13] احادیث صحیحہ سے باتفاق امت ثابت ہے کہ یہ ایٰت عبداللہ بن ابی منافق کی موت اور اس پر نماز جنازہ کے متعلق نازل ہوئی، اور صحیحین کی روایت سے ثابت ہے کہ اس کے جنازہ پر رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پڑھنے کے بعد یہ ایت نازل ہوئی، اور اس کے بعد آپؐ نے کبھی کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی، صحیح مسلم :۱۲۰/۸، بخاری: ۸۵/۶ میں عبداللہ بن عمرؓ کی رویت سے واقعہ نزول کی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے، کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول مر گیا تو اس کے صاحبزادے عبداللہ جو مخلص مسلمان اور صحابی تھے وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپؐ اپنا قمیص عطا فرمائیں، تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہناؤں، رسول اللہ ﷺ نے اپنا قمیص مبارک عطا فرما دیا، پھر عبداللہ نے یہ بھی درخواست کی کہ آپؐ اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں، آپؐ نے قبول فرمالیا، اور نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوگئے، تو عمر بن الخطابؓ نے آپؐ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ آپؐ اس منافق کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ وان کی نماز جنازہ سے منع فرما دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ میں دعا مغفرت کروں یا نہ کروں، اور آیت میں جو ستر مرتبہ استغفار پر بھی مغفرت نہ ہونے کا ذکر ہے تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرسکتا ہوں، ایت سے مراد سورۂ توبہ کی وہی ایت ہے جو ابھی گذر چکی ہے یعنی، اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَن يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، نماز کے بعد ہی یہ ایت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى أَحَدٍ مِّنْهُم ،الاية. چنانچہ اس کے بعد آپؐ نے کبھی کسی منافق کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی۔

وَلَا تُعۡجِبۡكَ أَمۡوَالُهُمۡ وَأَوۡلَادُهُمۡ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱللَّهُ أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا
اور ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا ان چیزوں سے اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان کو دنیا میں عذاب کرے

فِي ٱلدُّنۡيَا وَتَزۡهَقَ أَنفُسُهُمۡ وَهُمۡ كَٰفِرُونَ ﴿۸۵﴾
اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) یہ کافر ہی ہوں۔

وَإِذَآ أُنزِلَتۡ سُورَةٌ أَنۡ ءَامِنُواْ بِٱللَّهِ وَجَٰهِدُواْ مَعَ رَسُولِهِ ٱسۡتَـٔۡذَنَكَ
اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر لڑائی کرو

أُوْلُواْ ٱلطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُواْ ذَرۡنَا نَكُن مَّعَ ٱلۡقَٰعِدِينَ ﴿۸۶﴾
تو جو ان میں دولت مند ہیں وہ تم سے اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو رہنے ہی دیجئے کہ جو لوگ گھروں میں رہیں گے ہم بھی ان کے ساتھ رہیں

رَضُواْ بِأَن يَكُونُواْ مَعَ ٱلۡخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمۡ
یہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھروں میں بیٹھ) رہیں ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی

فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُونَ ﴿۸۷﴾ لَٰكِنِ ٱلرَّسُولُ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مَعَهُۥ
ہے تو یہ سمجھتے ہی نہیں۔ لیکن پیغمبر اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے سب

جَٰهَدُواْ بِأَمۡوَٰلِهِمۡ وَأَنفُسِهِمۡۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلۡخَيۡرَٰتُۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ
اپنے مال اور جان سے لڑے انہی لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد پانے والے ہیں۔

ٱلۡمُفۡلِحُونَ ﴿۸۸﴾ أَعَدَّ ٱللَّهُ لَهُمۡ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي مِن تَحۡتِهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ
اللہ نے ان کے لئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے

فِيهَاۚ ذَٰلِكَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ ﴿۸۹﴾ وَجَآءَ ٱلۡمُعَذِّرُونَ مِنَ ٱلۡأَعۡرَابِ
یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور دیہاتیوں میں سے بھی کچھ لوگ عذر کرتے ہوئے (تمہارے پاس) آئے

لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

کہ ان کو بھی اجازت دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا وہ (گھر میں) بیٹھ رہے

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

سو جولوگ ان میں سے کافر ہوئے ہیں ان کو دکھ دینے والا عذاب پہنچے گا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا

نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں (کہ شریکِ جہاد نہ ہوں یعنی)

يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ط

جبکہ اللہ اوراس کے رسول کے خیر اندیش (اور دل سے ان کے ساتھ) ہوں نیکوکاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور نہ ان (بے سروسامان) لوگوں پر (الزام) ہے کہ تمہارے پاس ائے کہ ان کو سواری دو

قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا

اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے

أَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ إِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ

کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔[14] الزام تو ان لوگوں پر ہے

---

[14] وعن جابرؓ قال: ماسُئل رسول اللهﷺ شيئا قط فقال لا. (بخاری: ۶۰۳۴ ومسلم: ۲۳۱۱)۔
جابرؓ کہتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول کریمﷺ سے کسی نے سوال کیا ہو اور آپﷺ نے اس کو انکار کردیا ہو۔ علامہ ابن حجر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب کوئی شخص آپﷺ سے کچھ مانگتا اور آپﷺ کے =

يَسْتَأْذِنُوْنَكَ وَهُمْ أَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِأَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ

جو دولت مند ہیں اور (پھر) تم سے اجازت طلب کرتے ہیں (یعنی) اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ

وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٣﴾

جو پیچھے رہ جاتے ہیں (گھروں میں بیٹھ) رہیں اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے پس وہ سمجھتے ہی نہیں۔

يَعْتَذِرُوْنَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ

جب تم اُن کے پاس واپس جاؤ گے تو تم سے عذر کریں گے تم کہنا کہ عذر مت کرو ہم ہرگز تمہاری بات نہیں مانیں گے

= پاس ہوتا تو فوراً ادے دیتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا اور سائل کا سوال پورا کرنے پر قادر نہ ہوتے تو اس صورت میں بھی صفائی کے ساتھ انکار نہ کرتے، بلکہ یا تو خاموشی اختیار کر لیتے، یا مناسب الفاظ میں عذر بیان کرتے، جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل: ۲۸، میں ہے۔ یا دعائیہ جملے ارشاد فرما دیتے، گویا آپ ﷺ کسی بھی حالت میں سائل کے سامنے اپنی زبان پر صاف انکار کا لفظ نہیں لاتے تھے۔

اور شیخ عزالدین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ''لا'' انکار کا لفظ آپ ﷺ کی زبان پر کبھی اس لئے نہیں آیا کہ کسی سائل نے آپ ﷺ سے کوئی سوال کیا ہو، اور آپ ﷺ اس سوال کو ٹھکرانا چاہتے ہوں، یہ اور بات ہے کہ کوئی سوال پورا کرنا آپ ﷺ کے بس میں نہیں رہا ہو، اور آپ ﷺ نے عذر بیان کرنے کے لئے یا کسی اور مقصد کی خاطر اس لفظ کا ستعمال فرمایا ہو، جیسے اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ نے فرمایا ''لا اجد ما احملكم عليه'' میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے کہ تمہیں سوار ہونے کے لئے دوں۔ مشہور شاعر فرزدق نے نبی کریم ﷺ کے اسی وصف کا، کہ ''لا'' کا لفظ آپ ﷺ کی زبان پر کبھی نہیں آیا، اپنے شعر میں اس طرح ذکر کیا ہے:

ماقال لاقط الافی تشهده ☆ لو لاالتشهد كانت لاؤه نعم

اسی مضمون کو ایک فارسی شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

نہ رفت کلمۂ لا بر زبان او ہرگز ☆ مگر باشہدان لا الہ الا اللہ۔

قَدْ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ

اللہ نے ہمیں تمہارے سب حالات بتا دیئے ہیں اور ابھی اللہ اور اُس کا رسول تمہارے عملوں کو دیکھیں گے

إِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

پھر تم غائب وحاضر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور جو عمل تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتائے گا

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوْا عَنْهُمْ

جب تم اُن کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو تمہارے رُوبرو اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے درگزر کرو۔

إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾

سو اُن کی طرف التفات نہ کرنا، یہ ناپاک ہیں اور جو کام یہ کرتے رہے ہیں اُن کے بدلے اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ

یہ تمہارے آگے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے خوش ہو جاؤ لیکن اگر تم اُن سے خوش ہو جاؤ گے تو اللہ

لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّأَجْدَرُ

تو نافرمان لوگوں سے خوش نہیں ہوتا۔ دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکامِ (شریعت)

أَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾

اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اُن سے واقف (ہی) نہ ہوں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۭ

اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُسے تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے حق میں مصیبتوں کے منتظر ہیں

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ

اُنہی پر بُری مصیبت (واقع) ہو اور اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ اللہ پر

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ

اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُس کو اللہ کی قربت اور پیغمبر کی دعا کا ذریعہ سمجھتے ہیں

اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

دیکھو بلاشبہ وہ اُن کیلئے (موجبِ) قربت ہے اللہ اُن کو عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ

جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ

نے نیکوکاری کیساتھ اُن کی پیروی کی اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اُس نے ان کیلئے باغات تیار کئے

تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے [15]

---

[15] اس سے پہلی ایت میں دیہاتی مؤمنین مخلصین کا ذکر تھا، اس آیت میں تمام مؤمنین مخلصین کا ذکر ہے جن میں ان کے درجات فضیلت کا بھی بیان ہے۔ اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ، اس جملہ میں اکثر مفسرین نے حرف {من} کو تبعیض کے لئے قرار دے کر مہاجرین وانصار، صحابہ کرامؓ کے دو طبقے قائم کئے ہیں، ایک سابقین اولین کا دوسرا دوسرے درجے کے صحابہ کرامؓ کا۔

پھر اس میں اقوال مختلفہ ہیں، بعض نے صحابہ کرام میں سے سابقین اولین ان کو قرار دیا ہے جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے، یعنی تحویل قبلہ سے پہلے جو مسلمان ہو چکے تھے وہ سابقین اولین ہیں، یہ قول سعید بن مسیّبؒ اور قتادہؒ کا ہے، عطاء بن ابی رباحؒ نے فرمایا کہ سابقین اولین وہ صحابہ کرامؓ ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، اور شعبیؒ نے فرمایا کہ جو صحابہ کرامؓ حدیبیہ کی بیعت رضوان میں شریک ہوئے وہ سابقین اولین ہیں، اور ہر قول کے مطابق باقی صحابہ کرامؓ مہاجر

ہوں یا انصار سابقین اولین کے بعد دوسرے درجے میں ہیں (مظہری، قرطبی)

اور تفسیر مظہری میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ حرف ''من'' کو اس آیت میں تبعیض کے لئے نہ لیا جائے، بلکہ بیان کے معنی میں ہو، تو مفہوم اس جملے کا یہ ہوگا کہ تمام صحابہ کرامؓ بہ نسبت باقی امت کے سابقین اولین ہیں، اور '' من المھاجرین والانصار'' اس کا بیان ہے، پہلی تفسیر کے مطابق صحابہ کرامؓ میں دو طبقے ہو جاتے ہیں، ایک سابقین الین کا، دوسرا وہ جو تحویل قبلہ یا غزوۂ بدر یا بیعت رضوان کے بعد مسلمان ہوئے، اور آخری تفسیر کا حاصل یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب سابقین اولین ہی ہیں کیونکہ ان کا ایمان باقی امت سے اول اور سابق ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُم بِإِحْسَان یعنی جن لوگوں نے اعمال واخلاق میں سابقین اولین کا اتباع مکمل طریقہ پر کیا، پہلے جملے کی پہلی تفسیر کے مطابق ان لوگوں میں درجہ اول ان مہاجرین وانصار صحابہ کرام کا ہے جو تحویل قبلہ یا غزوۂ بدر یا بیعت حدیبیہ کے بعد مسلمان ہو کر صحابہ کرام میں داخل ہوئے، دوسرا درجہ ان کے بعد کے سب مسلمانوں کا ہے، جو قیامت تک ایمان اور اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ میں صحابہ کرامؓ کے اسوہ پر چلے، اور ان کا مکمل اتباع کیا، اور دوسری تفسیر کے مطابق **الذین اتبعوا** میں صحابہ کرامؓ کے بعد کے لوگ داخل ہیں، جن کو اصطلاح میں تابعی کہا جاتا ہے، اور پھر ان اصطلاحی تابعین کے بعد قیامت تک آنے والے وہ سب مسلمان بھی اس میں شامل ہیں جو ایمان وعمل صالح میں صحابہ کرامؓ کا مکمل اتباع کریں۔ محمد بن کعب قرظیؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب جنت میں ہیں، اگرچہ وہ لوگ ہوں جن سے دنیا میں غلطیاں اور گناہ بھی ہوئے ہیں، اس شخص نے دریافت کیا کہ یہ بات آپ نے کہاں سے کہی؟ (اس کی کیا دلیل ہے؟) انہوں نے فرمایا قرآن کریم کی یہ آیت پڑھو **السابقون الاولون** اس میں تمام صحابہ کرام کے متعلق بلا کسی شرط کے **رضی اللہ عنھم ورضوا عنه** ارشاد فرمایا ہے۔ البتہ تابعین کے معاملہ میں اتباع باحسان کی شرط لگائی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ بلا کسی قید وشرط کے سب کے سب بلا استثناء رضوان الٰہی سے سرفراز ہیں، (بغوی) تفسیر مظہری میں یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے نزدیک سب صحابہ کرام کے جنتی ہونے پر اس سے بھی زیادہ واضح استدلال اس آیت سے ہے: **لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنیٰ**، (حدید: ۱۰) اس آیت میں پوری صراحت سے یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اولین ہوں یا آخرین سب سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے، اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے =

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى
اورتمہارے گردونواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اَڑے ہوئے ہیں تم انہیں نہیں جانتے
النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ
ہم جانتے ہیں، ہم انہیں دہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ۔
عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صٰلِحًا وَّآخَرَ
اور کچھ اور لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار کرتے ہیں انہوں نے اچھے اور بُرے عملوں کو ملا جلا دیا تھا
سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ
قریب ہے کہ اللہ اُن پر مہربانی سے توجہ فرمائے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔ اُن کے مال میں سے زکوٰۃ

= کہ جہنم کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھوسکتی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے (المعجم الکبیر للطبرانی:۱۲/۳۳۰)

تنبیہ:۔ جولوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہمی مشاجرات اوران میں پیش آنے والے واقعات کی بنا پر بعض صحابہ کرامؓ کے متعلق ایسی تنقیدات کرتے ہیں جن کو پڑھنے والوں کے قلوب ان کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہوسکیں، وہ اپنے آپ کوایک خطرناک راستہ پرڈال رہے ہے(نعوذ باللہ منه)۔امام دارمی نے فرمایاہے کہ:لیس اختلاف التابعین سنة لازمة کسنة النبی ﷺ واصحابه ،فاماان لایکون اثرا ،فانه اثر لاشک فیه،واقاویلهم الزم للناس من اقاویل ابی یوسف واصحابه،لان اللہ تعالی اثنی علی التابعین فی کتابه فقرأ هذه الایة.عقائد السلف للدارمی: ۲/ ۶۵۹،۳۸۳ ۔اورص۵۰۳،میں لکھاہے کہ ولولم یکن فیه عن الرسول وقال اصحابه من بعده کانوااولی فیه بالحق منا،لان اللہ اثنی علی من بعدهم باتباعهم اياهم،وکذاعن الاوزاعی عند الهروی: ۱۵۰/۴،اورابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں یہ مسئلہ مفصل ذکرکیاہے اوراحمدسلام نے اس کوایک مستقل رسالہ میں بنام”البینات السلفیة علی ان اقوال الصحابة حجة شرعیة“کےنام سےشائع کیاہے۔

أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ

قبول کرلو کہ اس سے تم اُن کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرو

إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٣﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ

کہ تمہاری دعا اُن کیلئے موجبِ تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی

هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَأْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ

اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا اور صدقات لیتا ہے اور بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا

الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۖ

مہربان ہے ۔ اور ان سے کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ، اللہ اور اُس کا رسول اور مومن (سب) تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے

وَسَتُرَدُّونَ إِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتا دے گا

وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللّٰهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا کام اللہ کے حکم پر موقوف ہے چاہے اُن کو عذاب دے اور چاہے معاف کر دے اور اللہ جاننے والا

حَكِيمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا

حکمت والا ہے ۔ اور جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں

وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۚ

اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں ۔ اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں اُن کیلئے گھات کی جگہ بنائیں ۔

وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں [16]

---

[16] منافقین کے حالات اور خلاف اسلام ان کی حرکتوں کا ذکر اوپر بہت سے آیات میں آچکا ہے، مذکورۃ الصدر آیات میں بھی ان کی ایک سازش کا ذکر ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک شخص ابو عامر نامِ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہوگیا تھا، اور ابو عامر راہب کے نام سے مشہور تھا، یہ وہی شخص ہے جن کے لڑکے، حنظلہؓ مشہور صحابی ہیں جن کی لاش کو فرشتوں نے غسل دیا اس لئے غسیل ملائکہ کے نام سے معروف ہوئے، مگر باپ اپنی گمراہی اور نصرانیت پر قائم رہا۔

جب رسول پاک ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابو عامر راہب حاضر خدمت ہوا اور اسلام پر اعتراضات کئے، رسول اللہ ﷺ کے جواب پر بھی اس بدنصیب کا اطمینان نہ ہوا، بلکہ یہ کہا کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو وہ مردود اور احباب و اقارب سے دور ہوکر پردیس میں مرے، اور کہا کہ آپ کے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئے گا میں اس کی مدد کروں گا، چنانچہ غزوہ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ قتال میں شرکت کی، جب ہوازن کا بڑا اور قوی قبیلہ بھی شکست کھا گیا تو یہ مایوس ہوکر ملک شام بھاگ گیا کیونکہ یہی ملک نصرانیوں کا مرکز تھا، وہیں جا کر اپنے احباب و اقارب سے دور مرگیا، جو دعا کی تھی وہ اس کے سامنے آگئی جب کسی شخص کی رسوائی مقدر ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی کام کیا کرتا ہے خود ہی اپنی دعا سے ذلیل وخوار ہوا۔

مگر جب تک زندہ رہا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں لگا رہا، چنانچہ قیصر ملک روم کو اس پر امادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے لشکر سے مدینہ پر چڑھائی کردے، اور مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے۔ اسی سازش کی ایک معاملہ یہ پیش آیا کہ اس نے منافقین مدینہ کو جن کے ساتھ اس کا ساز باز تھا خط لکھا کہ میں اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ قیصر مدینہ پر چڑھائی کرے، مگر تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہیئے، جو اس وقت قیصر کی مدد کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ ہی میں ایک مکان بناؤ، اور یہ ظاہر کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو شبہ نہ ہو پھر اس مکان میں تم اپنے لوگوں کو جمع کرو، اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے ہو وہ بھی کرو، یہاں مسلمانوں کے خلاف آپس کے مشورے سے بات طے کیا کرو۔

اس کے مشورہ پر بارہ منافقین نے مدینہ کے محلّہ قبا میں جہاں اول ہجرت میں نبی کریم ﷺ نے قیام فرمایا اور ایک مسجد بنائی تھی وہیں ایک دوسری مسجد کی بنیاد رکھی، ان منافقین کے نام بھی ابن اسحٰق وغیرہ نے نقل کئے ہیں، پھر مسلمانوں کو فریب دینے، اور دھوکے میں رکھنے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ خود رسول کریم ﷺ سے ایک نماز اس جگہ پڑھوادیں، تاکہ سب مسلمان مطمئن ہوجائیں کہ یہ بھی ایک مسجد ہے جیسا کہ اس سے پہلے ایک مسجد یہاں بن چکی ہے، ان کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قبا کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے، ضعیف، بیمار آدمیوں کو وہاں تک پہنچنا مشکل ہے، اور خود مسجد قبا اتنی وسیع بھی نہیں کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سما سکیں، اس لئے ہم نے ایک دوسری مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے تاکہ ضعیف مسلمانوں کو فائدہ پہنچے آپ ﷺ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تاکہ برکت ہوجائے۔

رسول کریم ﷺ اس وقت غزوہ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے آپ نے یہ وعدہ کرلیا کہ اس وقت تو ہمیں سفر درپیش ہے واپسی کے بعد ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے لیکن غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت جبکہ آپ مدینہ کے قریب ایک مقام پر فروکش ہوئے تو آیات مذکورہ آپ پر نازل ہوئیں جن میں ان منافقین کی سازش کھول دی گئی تھی، آیات کے نازل ہونے پر رسول پاک ﷺ نے اپنے چند اصحاب جس میں عامر بن سکن اور وحشی قاتل حمزہ وغیرہ شریک تھے ان کو حکم دیا کہ ابھی جاکر اس مسجد کو ڈھادو، اور اس میں آگ لگادو، یہ سب صحابہ اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل کرکے اس کی عمارت کو ڈھاکر زمین کے برابر کردی، یہ تمام واقعہ تفسیر قرطبی اور مظہری کی بیان کی ہوئی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔

تفسیر مظہری میں محمد بن یوسف صالحی کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قباء سے واپس مدینہ منورہ میں پہنچ گئے تو مسجد ضرار کی جگہ خالی پڑی تھی، آپ نے عاصم بن عدی کو اس کی اجازت دی کہ وہ اس جگہ میں اپنا گھر بنالیں، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جس جگہ کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوچکی ہیں میں تو اس منحوس جگہ میں گھر بنانا پسند نہیں کرتا، البتہ ثابت بن اقرم ضرورتمند ہیں ان کے پاس کوئی گھر نہیں ان کو اجازت دے دیجئے کہ وہ یہاں مکان بنالیں، ان کے مشورہ کے مطابق آپ ؐ نے یہ جگہ ثابت بن اقرم کو دیدی، مگر ہوا یہ کہ جب سے ثابت ؓ اس مکان میں مقیم ہوئے ان کے کوئی بچہ نہیں ہوا یا زندہ نہیں رہا۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ انسان تو کیا اس جگہ میں کوئی مرغی بھی انڈے سے بچہ دینے کے قابل نہ رہی، کوئی کبوتر اور جانور بھی اس میں پھلا پھولا نہیں، چنانچہ اس کے بعد سے یہ جگہ آج تک مسجد قبا کے کچھ فاصلہ پر ویراں پڑی

ہے۔واقعہ کی تفصیل سننے کے بعد آیات مذکورہ کے متن کو دیکھئے،پہلی آیت میں فرمایا''والـذیـن اتخذو امسجدا'' یعنی جس طرح اوپر دوسرے منافقین کے عذاب اور ذلت ورسوائی کا ذکر ہوا ہے یہ منافقین بھی ان میں شامل ہیں، جنھوں نے مسجد کا نام رکھ کر ایک ایسی عمارت بنائی جس کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا۔

اس آیت میں مسجد مذکور کے بنانے کی تین غرضیں ذکر کی گئی ہیں: اول ''ضـــــرارًا ''،یعنی مسلمانوں کو نقصان پہچانے کے لئے لفظ''ضـــرر'' اور''ضـــرار''دونوں عربی زبان میں نقصان پہنچانے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ بعض اشخاص نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ ضرر تو اس نقصان کو کہا جاتا ہے جس میں اس کے کرنے والے کا اپنا تو فائدہ ہو دوسروں کو نقصان پہنچے،اور''ضـــرار'' دوسروں کو وہ نقصان پہنچانا ہے جس میں اس پہنچانے والے کا اپنا کوئی فایدہ بھی نہیں ،چونکہ اس مسجد کا انجام یہی ہونے والا تھا کہ بنانے والوں کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے، اس لئے یہاں لفظ ''ضرار''استعمال کیا گیا۔

دوسری غرض اس مسجد کی ''تـفـریقابین المؤمنین '' بتلائی گئی ہے،یعنی ان کا مقصد اس مسجد کے بنانے سے یہ بھی تا کہ مسلمانوں کی جماعت کے دوٹکڑے ہوجاویں،ایک ٹکڑا اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کا الگ ہوجائے ،اور یہ کہ قدیم مسجد قبا کے نمازی گھٹ جائیں اور کچھ لوگ یہاں نماز پڑھا کریں۔

تیسری غرض''وارصـادالـمن حارب الله'' بتلائی گئی جس کا حاصل یہ ہے کہ اس مسجد سے یہ کام بھی لینا تھا کہ یہاں اللہ اور رسول کے دشمنوں کو پناہ ملے اور وہ یہاں مسلمانوں کے خلاف سازش کیا کریں۔

اس مجموعہ بیان سے یہ ثابت ہوگیا کہ جس مسجد کو قرآن کریم نے مسجد ضرار قرار دیا اور نبی کریم ﷺ کے حکم سے اس کو ڈھایا گیا اور آگ لگائی گئی درحقیقت نہ وہ مسجد تھی نہ اس کا مقصد نماز پڑھنے کے لئے تھا، بلکہ مقاصد وہ تین تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے،اس سے معلوم ہوگیا کہ آج کل اگر کسی مسجد کے مقابلہ میں اس کے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنالیں ،اور بنانے کا مقصد یہی باہمی تفرقہ اور پہلی مسجد کی جماعت توڑنا وغیرہ اغراض فاسدہ ہوں، تو اگر چہ ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب تو نہ ملے گا بلکہ تفریق بین المومنین کی وجہ سے گناہگار ہوگا،لیکن با این ہمہ اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائے گا ،اور تمام آداب اور احکام مسجد کے اس پر جاری ہونگے ،اس کا ڈھانا،آگ لگانا، جائز نہیں ہوگا،اور جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہوجائے گی اگرچہ ایسا کرنا فی نفسہ گناہ رہے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس طرح ریاونمود کے لئے یا ضد وعناد کی وجہ سے جو مسلمان کوئی مسجد بنا لے اگر چہ مسجد بنانے والے کو مسجد کا ثواب نہ ملے گا بلکہ گناہ ہو گا، مگر اس کو اصطلاح قرآن والی مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا، بعض لوگ جو اس طرح کی مسجد کو مسجد ضرار کہد یتے ہیں یہ درست نہیں، البتہ اس کو مسجد ضرار کے مشابہ کہہ سکتے ہیں، اس لئے اس کے بنانے کو روکا بھی جا سکتا ہے، جیسا کہ فاروق اعظمؓ نے ایک فرمان جاری فرمایا تھا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد نہ بنائی جائے جس سے پہلی مسجد کی جماعت اور رونق متاثر ہو۔ (کشاف)۔ اس مسجد ضرار کے متعلق دوسری آیت میں نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہے " **لاتقم فيه ابدا** " اس میں قیام سے مراد نماز کے لئے قیام ہے مطلب یہ ہے کہ آپ اس نام کی مسجد میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی اگر کوئی نئی مسجد پہلی مسجد کے متصل بلاکسی ضرورت کے محض ریاونمود کے لئے یا ضد وعنا کی وجہ سے بنائی جائے تو اس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں اگر چہ نماز ہو جاتی ہے۔ اسی آیت میں آپ کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ آپ کا نماز پڑھنا اسی مسجد میں درست ہے جس کی بنیاد اول سے تقوی پر رکھی گئی ہے۔ اور اس میں ایسے لوگ نماز پڑھتے ہیں جن کو پاکی اور طہارت میں پوری احتیاط محبوب ہیں اور اللہ بھی ایسے مطہرین کو پسند کرتا ہے۔ سیاق آیت سے ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد مسجد قبا ہے جس میں اس وقت نبی کریم ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے، اور بعض روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (**کمارواه ابن مردويه عن ابن عباسؓ وعمروبن شيبه عن سهل الانصارى وابن خزيمه فى صحيحه عن عويمربن ساعده**، **ازمظهرى**) اور بعض روایات میں جو یہ آیا ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ مسجد نبوی جس کی بنیاد وحی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی، ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد تقوی پر ہے اور رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مطہر کون ہو سکتا ہے اس لئے وہ بھی اس کی مصداق ضرور ہے۔ **کمارواه الترمذى وصححه عن ابى سعيد الخدریؓ مرفوعا، ازقرطبى**).

"**فيه رجال يحبون ان يتطهروا**" آیت مذکورہ میں رسول کریم ﷺ کی نماز کے لئے اس مسجد کو احق قرار دیا جس کی بنیاد اول سے تقوی پر رکھی گئی جس کی مفہوم میں مسجد قبا اور مسجد نبوی دونوں داخل ہیں اس مسجد کی ایک فضیلت یہ بھی بتلائی گئی کہ اس مسجد کے نمازی ایسے لوگ ہیں جو طہارت کا بہت زیادہ خیال اور اہتمام کرتے ہیں طہارت کے مفہوم میں اس جگہ عام نجاسات اور گندگیوں سے پاکی بھی داخل ہے اور معاصی اور اخلاق رذیلہ سے پاکی بھی، مسجد قبا اور مسجد نبوی کے نمازی عموما ان سب اوصاف کے ساتھ متصف تھے۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ

تم اس (مسجد) میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہونا البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس قابل ہے

أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّونَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوا ۚ وَاللّٰهُ

کہ اُس میں جایا (اور نماز پڑھایا) کرو۔ اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ

يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ

پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اُس کی رضا مندی پر رکھی وہ

خَيْرٌ أَمْ مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ

اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اُس کو دوزخ کی آگ میں لے گری۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً

اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ اُن کے دلوں میں (موجب)

فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾

خلجان رہے گی (اور اُن کو متردد رکھے گی) مگر یہ کہ اُن کے دل پاش پاش ہو جائیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ

اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لئے ہیں (اور اس کے) عوض میں اُن کیلئے جنت (تیار کی) ہے،

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ

یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں، یہ تورات

وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ

اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اُسے ضرور ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے،

فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِیْ بَايَعْتُم بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

تو جو سودا تم نے اُس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے ۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنّٰهُوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللهِ

نیک کاموں کا حکم کرنے والے اور بُری باتوں سے منع کرنے والے، اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے (یہی مومن لوگ ہیں)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا

اور اے پیغمبر مومنوں کو (جنت کی) خوشخبری سنا دو۔ پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک

لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحٰبُ

اہلِ دوزخ ہیں تو اُن کیلئے بخشش مانگیں گو وہ اُن کے قرابت دار ہی ہوں ۔

الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا

اور ابراہیم کا اپنے باپ کیلئے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اُس سے کر چکے تھے

إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

لیکن جب اُن کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اُس سے بیزار ہو گئے، کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے [17]

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتّٰی يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ

اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک اُن کو وہ چیز نہ بتا دے جس سے وہ پرہیز کریں

---

[17] امام بخاری نے مسیّب بن حزم صحابی سے نقل کیا ہے کہ جب ابوطالب مرنے لگے تو نبی کریم ﷺ ان کے =

إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ اللہ ہی ہے جس کیلئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے

يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ

وہی زندگی بخشتا اور (وہی) موت دیتا ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ بیشک اللہ نے پیغمبر پر مہربانی

اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ

کی اور مہاجرین اور انصار پر باوجود اس کے کہ اُن میں بعضوں کے دل جلد پھر جانے کو تھے، مشکل کی گھڑی میں

مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَؤُفٌ

پیغمبر کیساتھ رہے پھر اللہ نے اُن پر مہربانی فرمائی بیشک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور)

رَّحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ

مہربان ہے۔ اور اُن تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے اُن پر تنگ ہوگئی

= پاس تشریف لے گئے، دیکھا تو وہاں ابوجہل بن ھشام اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ ام سلمہؓ کے بھائی جو سخت کافر تھے بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم ﷺ نے ابوطالب سے فرمایا چچا میاں تم ایک کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ لو، میں پروردگار کے پاس تمہاری لئے گواہی دوں گا، یہ سن کر ابوجہل اور عبداللہ ابن ابی امیہ بولے، ابوطالب کیا تم اپنے باپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جاتے ہو؟ عرض نبی کریم ﷺ برابر یہ کلمہ ان پر پیش کرتے رہے، اور وہ دونوں وہی کہتے رہے کہ آپ اپنے باپ عبد المطلب کے دین سے پھر جاتے ہو، ابوطالب نے اخر بات جو کہی وہ یہی تھی کہ عبدالمطلب کے دین پر ہوں، لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کیا، اس وقت نبی کریم ﷺ بہت رنجیدہ ہوکر یہ فرمایا! خیر جو ہونا تھا وہ ہوا، اب میں تمہارے لئے اس وقت تک دعا کرتا رہوں گا جب تک منع نہ کیا جاؤں، پھر اللہ نے یہ ایت اتاری ''ما کان للنبی'' اخر تک۔ بخاری رقم: کتاب التفسیر و مسلم: ۲۴۔

بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيْهِ

اور اُن کی جانیں بھی اُن پر دوبھر ہوگئیں اور اُنہوں نے جان لیا کہ اللہ (کے ہاتھ) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۱۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

پھر اللہ نے اُن پر مہربانی کی تاکہ توبہ کریں، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ۔ اے اہلِ

آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ

ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کیساتھ رہو[18] ۔ اہلِ مدینہ کو اور جو ان کے آس پاس دیہاتی رہتے ہیں ان کو شایاں نہ تھا

---

[18] امام بخاری نے کعبؓ سے تخلف کا واقعہ تفصیل سے نقل کرتے ہوئے کہتے تھے کہ میں نبی کریم ﷺ کو کسی لڑائی میں چھوڑ کر پیچھے نہیں رہا، صرف غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گیا، اور جنگ بدر سے پیچھے رہ جانے پر اللہ تعالی نے کسی پر عتاب نہیں فرمایا تھا، جنگ بدر میں نبی کریم ﷺ نے قریش کا قافلہ لوٹنے کے نیت سے تشریف لے گئے تھے، لڑائی کا ارادہ نہ تھا، مگر اللہ تعالی نے مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کو اچانک بن وعدہ اور بن ٹھہراؤ ٹھرادیا لڑائی ہوگئی، اور میں لیلۃ العقبۃ میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا تھا، جہاں ہم نے اسلام پر قائم رہنے کا اور نبی کریم ﷺ کی مدد کرنے کا مضبوط قول قرار کیا تھا، مجھ کو تو جنگ بدر اس رات سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے، اگرچہ بدر کا شہرہ لوگوں میں اس رات سے زیادہ ہے، میرا حال یہ گذرا کہ غزوہ تبوک کے وقت میں خوب چاق و چوبند اور مال دار تھا، جب نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر پیچھے رہ گیا تھا، میرے پاس سواری کی دو انٹنیاں کبھی اکٹھی نہیں ہوئی تھیں، اس جنگ کے وقت میرے پاس ایک چھوڑ دو اونٹینان سواری کے لئے موجود تھیں، اور نبی کریم ﷺ کا یہ قاعدہ تھا جب کہیں جنگ پر جانے والے ہوتے تو اس کو صاف نہیں بیان کرتے، گول گول ایسا فرماتے کہ لوگ دوسرا کوئی مقام سمجھیں، جب اس جنگ کا وقت ایا تو اتفاق سے اس وقت سخت گرمی تھی، اور سفر بھی دور دراز راستے میں غیر آباد جنگل (بے آب وگیا) دشمن بے شمار، روم کے نصاریٰ، عرب کے نصاریٰ، اس لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں سے صاف صاف بیان کردیا، کہ ہم تبوک کو جانا چاہتے ہیں آپ ﷺ کی غرض یہ تھی کہ وہ اچھی طرح لڑائی اور سفر کا سامان درست کرلیں، خیر نبی کریم ﷺ نے صاف صاف تبوک کا ارادہ مسلمانوں سے بیان کردیا، اس وقت مسلمانوں کا شمار بہت تھا، اور کوئی دفتر وغیرہ نہ تھا، جس میں ان کے نام محفوظ ہوتے، کعبؓ نے کہا کوئی

مسلمان ایسا نہ تھا جو اس لڑائی میں غیر حاضر رہنا چاہتا تھا، مگر وہ یہ گمان کرتا تھا کہ اس کا غیر حاضر رہنا نبی کریم ﷺ کو اس وقت تک معلوم نہ ہوگا جب تک اس کے باب میں کوئی وحی نہ اترے، نبی کریم ﷺ نے اس لڑائی کا اس وقت قصد کیا جب درختوں کا میوہ پک گیا تھا، اور سایہ میں رہنا آدمی کو بہت پسند تھا یعنی سخت گرمی تھی، خیر نبی کریم ﷺ نے اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سفر کا سامان تیار کرنا شروع کیا۔ میں بھی ہر صبح کو جاتا کہ سفر کا سامان تیار کروں پھر خالی لوٹ آتا کچھ تیاری نہ کرتا، میں اپنے دل میں کہتا میں ہر وخت اپنا سامان تیار کرسکتا ہوں جلدی کیا ہے؟ اس طرح دن گذرتے رہے یہاں تک کہ لوگوں نے محنت مشقت اٹھا کر اپنا اپنا سامان تیار کر لیا۔ اور نبی کریم ﷺ اور مسلمان ایک صبح کو روانہ ہو گئے اس وقت تک بھی میں نے کوئی تیاری نہ کی تھی۔

لیکن میں نے اپنے دل میں کہا (آپ کو جانے دو) میں ایک یا دو دن میں سب تیاری کر کے آپ ﷺ سے مل جاؤں گا، جب وہ روانہ ہو گئے، تو دوسری صبح کو میں نے سامان تیار کرنا چاہا، لیکن اس روز بھی خالی پھر آیا، کوئی تیاری نہ کی، پھر تیسری صبح کو بھی ایسا ہی ہوا، خالی لوٹ آیا، کوئی تیاری نہ کی، میرا برابر یہی حال رہا کہ آج نکلتا ہوں کل نکلتا ہوں، ادھر سب لوگ جلدی جلدی سفر کر کے دور نکل گئے میرا (کئی بار) قصد ہوا کہ میں بھی کوچ کروں اور ان سے مل جاؤں، کاش میں ایسا کرتا، مگر قسمت میں نہ تھا۔ اب ایسا ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد میں مدینہ میں نکلتا اور گھوم پھر کر دیکھتا تو وہی لوگ نظر آتے جو منافق کہلاتے تھے یا معذور تھے، ضعیف وناتواں تھے، اس سے مجھ کو بہت رنج ہوتا، ادھر نبی کریم ﷺ نے تبوک پہنچنے تک مجھ کو یاد نہیں فرمایا، جب تبوک پہنچے تو ایک مرتبہ لوگوں کے ساتھ وہاں بیٹھے تھے اتنے میں فرمایا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہاں ہے؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی عبداللہ بن انیس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ اپنے حسن وجمال یا لباس کی خوبی پر اترا کر رہ گیا۔

آپ ﷺ کے ساتھ نہیں آیا، یہ سن کر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا تو نے بری بات کہی، اللہ کی قسم، یا رسول اللہ! ہم تو اس کو اچھا ادمی سچا مسلمان سمجھتے ہیں، نبی کریم ﷺ خاموش ہو رہے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب یہ خبر آئی کہ نبی کریم ﷺ تبوک سے لوٹے آرہے ہیں، تو میرا غم تازہ ہو گیا جھوٹے جھوٹے خیال دل میں آنے لگے، یہ عذر کروں گا وہ عذر کروں گا، مجھ کو یہ فکر ہوئی کعب رضی اللہ عنہ اب کل آپ ﷺ کے غصے سے تو کیوں کر بچے گا؟ میں نے اپنے عزیزوں میں سے جو عقل والے تھے ان سے بھی مشورہ لیا جب یہ خبر آئی کہ آپ ﷺ مدینہ کے قریب آپہنچے اس وقت سارے جھوٹے خیالات میرے دل سے مٹ گئے، اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ جھوٹی باتیں بنا کر میں آپ ﷺ کے غصے سے بچنے والا نہیں۔ اب میں نے یہ ٹھان

لیا جو ہونا ہو وہ ہو، میں تو سچ سچ کہہ دوں گا، خیر صبح کے وقت آپ ﷺ مدینے میں داخل ہوئے آپ کی عادت تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے، وہاں ایک دوگانہ آدا فرماتے، آپ ﷺ نے مسجد میں دوگانہ ادا کیا پھر لوگوں سے ملنے کیلئے بیٹھے، اب جو جو منافق لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور لگے اپنے اپنے عذر بیان کرنے، قسمیں کھانے، ایسے لوگ اسی (۸۰) پر کئی آدمی تھے، آپ ﷺ نے ظاہر میں ان کا عذر مان لیا ان سے بیعت لی، ان کے واسطے دعا کی، ان کے دلوں کی بھید کو اللہ کے حوالے کیا۔

کعبؓ کہتے ہیں میں بھی آیا میں نے جب آپ ﷺ کو سلام کیا آپ ﷺ مسکرائے، مگر جیسے کوئی آدمی غصہ میں مسکراتا ہے، پھر فرمایا آؤ میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے پوچھا کعبؓ تو کیوں پیچھے رہ گیا، تو نے تو سواری بھی خرید لی تھی، میں نے عرض کیا بے شک اگر کسی دنیادار شخص کے سامنے میں اس وقت بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اس کے غصے سے بچ جاتا، میں خوش تقریر بھی ہوں مگر اللہ کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر آج میں جھوٹ بولکر آپ ﷺ کو خوش کرلوں، تو کل اللہ تعالی اصل حقیقت کھول کر پھر آپ ﷺ کو مجھ پر غصہ کر دے گا۔ اس سے فائدہ ہی کیا ہے؟ میں سچ ہی کیوں نہ بولوں؟ گو آپ ﷺ اس وقت سچ بولنے کی وجہ سے مجھ پر غصہ کریں گے، مگر ائندہ اللہ تعالی کی مغفرت کی مجھ کو امید تو رہے گی، اللہ کی قسم میں سراسر قصوروار ہوں (زور طاقت قوت دولت) سب میں میرا کوئی برابر نہ تھا، اور میں یہ سب چیزیں ہوتے ہوئے پیچھے رہ گیا، یہ سنکر نبی کریم ﷺ نے فرمایا! کعبؓ نے سچ سچ کہہ دیا، کعبؓ اب تو ایسا کر چل جا، جبتک اللہ تعالی تیرے باب میں کوئی حکم نہ اتارے، میں چلا، بنی سلمہ کے کچھ لوگ اٹھ کر میرے پیچھے ہوئے، اور کہنے لگے اللہ کی قسم ہم کو معلوم نہیں کہ تو نے اس سے پہلے بھی کوئی قصور کیا ہو، تو نے اور لوگوں کی طرح جو پیچھے رہ گئے تھے، نبی کریم ﷺ سے کوئی بہانہ کیوں نہ کر دیا، اگر تو بھی کوئی بہانہ کرتا تو نبی کریم ﷺ کی دعا تیرے قصور کے لئے کافی ہو جاتی، وہ برابر مجھ کو لعنت ملامت کرتے رہے اللہ کی قسم، ان کی باتوں سے میرے دل میں آیا، کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لوٹ کر چلوں، اور اپنی اگلی بات (گناہ) کے اقرار کو جھٹلا کر کوئی بہانہ نکالوں۔

میں نے ان سے پوچھا، اور بھی کوئی ہے جس نے میری طرح گناہ کا اقرار کیا ہے، انہوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں، جنہوں نے تیری طرح اقرار کیا، اور ان سے بھی نبی کریم ﷺ نے یہی فرمایا ہے، جو تم سے فرمایا ہے، میں نے پوچھا وہ دو شخص کون ہیں؟ انہوں نے کہا مرارہ بن ربیع، اور ہلال بن امیہ واقفی، انہوں نے ایسے دو نیک شخصوں کا بیان کیا، جو بدر کی لڑائی میں شریک ہو چکے تھے، اور جن کے ساتھ رہنا مجھ کو اچھا معلوم ہوا، خیر جب انہوں نے ان دو شخصوں کا بھی نام لیا تو مجھکو تسلی ہوگئی

میں چل دیا، نبی کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو منع کر دیا خاصکر ہم تینوں آدمیوں سے کوئی بات نہ کرے، اور دوسرے جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے جنہوں نے جھوٹے بہانے کئے تھے، ان کے لئے یہ حکم نہیں دیا، اب لوگوں نے ہم سے پرہیز شروع کیا، کوئی بات تک نہ کرتا، بالکل کورے ہو گئے جیسے کوئی آشنائی ہی نہ تھی، ایسے معلوم ہوا جیسے زمین آسمان بدل گئے، وہ زمین ہی نہ رہی جس پر ہم رہتے تھے، خیر پچاس راتیں اسی پریشان حالی میں گذریں، میرے دونوں ساتھی مرارہ بن ربیعؓ اور ہلالؓ تو روتے پیٹتے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے، اور میں جوان مضبوط آدمی تھا تو مصیبت پر صبر کر کے باہر نکلتا، جماعت کی نماز میں شریک ہوتا، بازاروں میں گھومتا رہتا، مگر کوئی شخص مجھ سے بات نہ کرتا، میں نبی کریم ﷺ کے پاس آتا، نبی کریم ﷺ نماز پڑھکر اپنی جگہ بیٹھے ہوتے، میں آپ ﷺ کو سلام کرتا، پھر مجھے شبہ رہتا، آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہونٹ ہلا کر مجھ کو سلام کا جواب بھی دیا، یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہتا، اور دزدیدہ نظر سے آپ کو دیکھتا رہتا، آپ ﷺ کیا کرتے جب میں نماز میں ہوتا، تو مجھ کو دیکھتے اور جب میں آپ کو دیکھتا تو آپ منہ پھیر لیتے، جب اسی طرح ایک مدت گذری، اور لوگوں کی روگردانی دوبھر ہو گئی، تو میں چلا اور اپنے چچازاد بھائی ابوقتادہ کی باغ کی دیوار پر چڑھا، اس سے مجھ کو بہت محبت تھی، میں نے اس کو سلام کیا تو اللہ کی قسم اس نے سلام کی جواب تک نہ دیا، میں نے کہا، ابوقتادہ تجھ کو اللہ کی قسم، تو مجھ کو اللہ اور اس کے رسول کا خیر خواہ سمجھتا ہے یا نہیں؟ جب بھی اس نے جواب نہ دیا میں نے پھر قسم دیکر دوبارہ یہی کہا لیکن جواب نہ دارد، پھر تیسری بار قسم دیکر یہی کہا تو اس نے یہ کہا، اللہ اور رسول خوب جانتے ہیں، بس اس وقت تو مجھ سے رہا نہ گیا، میری انکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے، اور پیٹھ موڑ کر دیوار پر چڑھکر وہاں سے چل دیا، میں ایک بار مدینے کے بازار میں جا رہا تھا اتنے میں ملک شام کا ایک نصرانی کسان ملا جو مدینہ میں اناج بیچنے لایا تھا، وہ کہہ رہا تھا، لوگو! کعب بن مالک کو بتلاؤ، لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا، اس نے غسان کے بادشاہ کا جو (نصرانی تھا) ایک خط مجھ کو دیا، مضمون یہ تھا مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے، کہ تمہارے پیغمبر صاحب نے تم پر ستم کیا ہے، اللہ تعالی نے تم کو ایسا ذلیل نہیں بنایا ہے، نہ بیکار، تم تو کام کے آدمی ہو، تم ہم لوگوں سے آ کر مل جاؤ، ہم تمہاری خاطر مدارت خوب کریں گے، میں نے جب یہ خط پڑھا تو دل میں کہنے لگا یہ ایک دوسری بلا ہوئی، میں نے وہ خط لے کر آگ کے تندور میں جھونک دیا، ابھی پچاس راتوں میں سے چالیس راتیں گزری تھیں کہ نبی کریم ﷺ کا پیغام لانے والا خزیمہ بن ثابت میرے پاس آیا، کہنے لگا، نبی کریم ﷺ کا یہ حکم ہے، تم اپنی جورو (عمیرہ بنت جبیر) سے بھی الگ رہو، میں نے پوچھا کیا اسے طلاق دیدوں یا کیسا کروں؟ اس نے کہا نہیں، اس سے الگ رہو، صحبت وغیرہ نہ کرو، میرے دونوں ساتھیوں کو بھی یہی حکم دیا، اخر میں نے اپنی جورو سے کہہ دیا، نیک بخت تو اپنے کنبے والوں میں چلی

جا، وہیں رہ، جبتک اللہ میرا کچھ فیصلہ نہ کرے، وہ چلی گئی، کعب نے کہا، ہلال بن امیہ کی جورو (خولہ بنت عاصم) نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی، یارسول اللہ ہلال بن امیہ میرا خاوند بوڑھا پھونس ہے اگرمیں اس کا کام کاج کرتی رہوں، تو کیا آپ ﷺ اس کو برا سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، کام کاج کرنے میں قباحت نہیں، وہ تجھ سے صحبت نہ کرے، اس نے کہا اللہ کی قسم وہ تو کہیں چلتا پھرتا بھی نہیں ہے۔ جب سے واقعہ ہوا ہے تب سے برابر رو رہا ہے، اج تک وہ اسی حال میں ہے، کعب نے کہا مجھ سے بھی میرے بعضے عزیزوں نے کہا، تم بھی اگر اپنی جورو کے باب میں نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگو کہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے، تو مناسب ہے، جیسے نبی کریم ﷺ ہلال بن امیہ کی جورو کو خدمت کی اجازت دی، تم کو بھی اجازت دیں گے، کعب نے کہا اللہ کی قسم کبھی اس باب میں نبی کریم ﷺ سے اجازت نہیں مانگوں گا، کیونکہ مجھ کو معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ کیا فرمائیں، اجازت دیں یا نہ دیں، میں جوان آدمی ہوں، ہلال کی طرح ضعیف اور ناتواں نہیں ہوں، خیر اس کے بعد دس راتیں اور گزریں، اب پچاس راتیں پوری ہوگئیں، اس وقت سے جب سے آپ ﷺ نے لوگوں کو ہم سے سلام کلام کی ممانعت فرمادی تھی، پچاسویں رات کی صبح کو جب میں صبح کی نماز پڑھکر اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا، تو جیسے اللہ تعالی نے قران شریف میں فرمایا: (**وضاقت علیھم انفسھم**) میرا دل تنگ، زندگی بھی تنگ ہو رہی تھی، اور زمین اتنی کشادہ ہونے پھربھی تنگ ہوگئی تھی، اتنے میں، میں نے ایک پکارنے والے کی اوازسنی، جو سلع پہاڑ پر چڑھکر پکار رہا تھا (یہ ابوبکر صدیقؓ تھے) کعب بن مالک خوش ہو جا، یہ سنتے ہی میں سجدے میں گر پڑا، اور مجھ کو یقین ہوگیا، اب میری مشکل دور ہوئی، اور نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو خبر کردی، کہ اللہ تعالی ہمارا قصور معاف کر دیا ہے، اب لوگ خوشخبری دینے کو میرے پاس اور میرے دونوں ساتھیوں (مرارہ اور ہلال) کے پاس جانے لگے ایک شخص زبیر بن عوام گھوڑا اکداتے ہوئے میرے پاس آئے، اور اسلم قبیلے کا ایک شخص دوڑتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا، اور پہاڑ پر کی اواز گھوڑ یوالے سے جلد مجھ کو پہنچی، خیر جب یہ شخص جس کی خوشخبری کی آواز مجھ کو پہنچی میرے پاس آیا، تو میں نے خوشی میں آکر کیا کیا، وہ کپڑے جو میرے پاس تھے، وہ کپڑے اتار کر اس کو پہنا دیئے، اس وقت کپڑوں کی قِسم سے میرے پاس یہی دو کپڑے تھے، اور میں نے ابوقتادہ سے دو کپڑے مانگ کر پہنے، اور نبی کریم ﷺ کے پاس چلا ایا، راستے میں فوج درفوج لوگ مجھ سے ملتے جاتے تھے، اور مجھ کو مبارک بادی دیتے جاتے تھے، اور کہتے تھے، اللہ کی معافی تم کو مبارک ہو، کعب کہتے ہیں جب میں مسجد میں پہنچا، دیکھا تو نبی کریم ﷺ بیٹھے ہیں، لوگ آپ ﷺ کے گرد ہیں، طلحہ بن عبید اللہ مجھ کو دیکھ کر دوڑا اٹھے اور مصافحہ کیا، مبارکبادی دی، اللہ کی قسم مہاجرین میں سے اور کسی نے اٹھ کر مجھ کو مبارک بادی نہیں دی، میں طلحہ کا یہ احسان کبھی

بھولنے والا نہیں، کعب کہتے ہیں جب میں نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا، میں نے دیکھا آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کعب! اس دن کی تجھ کو بشارت ہو جوان دنوں میں سے سب سے بہتر ہے، جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ معافی اللہ کی طرف سے ہوئی یا آپ کی طرف سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، اللہ کی طرف سے ہوئی، اس نے خود معافی کا حکم اتارا، نبی کریم ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہو جاتا، ہم لوگ اس کو پہچان لیتے، خیر میں جب آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی معافی کے شکریہ میں اپنا سارا مال خیرات کر دوں؟ اللہ اور اللہ کے رسول کو دیدوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تھوڑا مال اپنے لئے بھی رہنے دے، یہ تیرے حق میں بہتر ہے، میں عرض کیا بہت خوب، خیبر میں جو میرا حصہ ہے، میں وہ رہنے دیتا ہوں، باقی سب خیرات کر دیتا ہوں، پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے جو سچ بول دیا، اس وجہ سے مجھ کو نجات ملی، اور میری توبہ میں یہ بھی ہے کہ اب میں جیئے تک ہمیشہ سچ ہی کہوں گا، اللہ کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے کسی مسلمان پر اتنا فضل کیا ہو جتنا مجھ پر فضل کیا ہے، جب سے میں نے نبی کریم ﷺ سے اس معاملے میں سچ سچ عرض کر دیا، اس وقت سے اج کی دن تک میں نے کبھی قصداً جھوٹ نہیں بولا، اور مجھ کو امید ہے کہ اللہ تعالی جیئے تک مجھ کو جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالی نے یہ ایت اتاری: ''**لقدتاب اللہ علی النبی و المھاجرین**.......... **وکونوامع الصادقین**'' تک، اللہ کی قسم، میں تو اسلام کی ہدایت کے بعد اللہ تعالی کا کوئی احسان اپنے اوپر اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا، کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے سامنے مجھ کو سچ بولنے کی توفیق دی، اور جھوٹ سے بچایا، اگر میں جھوٹ بولتا تو دوسرے منافق لوگوں کی طرح تباہ ہو جاتا، جیسے وہ تباہ ہوئے اللہ تعالی نے ان جھوٹوں کے لئے برا لفظ اتارا کہ ویسا برا کسی کے لئے نہیں اتارا۔

فرمایا اب جب تم لوٹ کر آئے تو یہ لوگ اللہ کی جھوٹی قسمیں کھائیں گے'' اخیر آیت ''**فان اللہ لایرضی عن القوم الفاسقین**'' تک۔ کعب نے کہا ہم تینوں آدمیوں کا حکم ملتوی رکھا گیا اور ان لوگوں کا مقدمہ جنھوں نے جھوٹی قسمیں کھائیں تھیں فیصل ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے بیعت لی، ان کے واسطے دعا کی، اور ہمارے مقدمہ کو ڈہیل میں ڈال دیا، اس وقت تک کہ اللہ تعالی نے ہماری معافی کا حکم اتارا، اور اس ایت: ''**وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا**'' میں سے ''خلفوا'' سے یہی مراد ہے کہ ہمارا مقدمہ ملتوی رکھا گیا۔ اور ہم ڈہیل میں ڈال دئے گئے، یہ مراد نہیں ہے کہ جہاد سے پیچھے رہ گئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے پیچھے رہے جنھوں نے قسمیں کھا کر عذر بیان کئے اور نبی کریم ﷺ نے ان کے عذر قبول کر لئے۔ رقم الحدیث بخاری: ۴۴۱۸ و مسلم ۲۷۶۹۔

وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ وَلَا يَرْغَبُوْا

کہ اللہ کے پیغمبر سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں

بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ

یہ اس لئے نہیں کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی

وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا يَطَؤُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ

یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ کافروں کو غصہ آئے

وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ

یا دشمنوں سے کوئی چیز لیتے ہیں تو ہر بات پر اُن کیلئے نیک عمل لکھا جاتا ہے

إِنَّ اللهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً

کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۔ اور (اسی طرح) وہ جو خرچ کرتے ہیں تھوڑا

وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ

یا بہت یا کوئی میدان طے کرتے ہیں تو یہ سب کچھ اُن کیلئے (اعمالِ صالحہ میں) لکھ لیا جاتا ہے

لِيَجْزِيَهُمُ اللهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ

تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے ۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب

لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

نکل آئیں تو یوں کیوں نہ ہوا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تاکہ دین (کا علم سیکھتے

وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تا کہ وہ بچیں ۔[19] اے اہلِ

آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ

ایمان! اپنے نزدیک کے (رہنے والے) کافروں سے جنگ کرو اور چاہیئے کہ وہ تم میں (اپنے لئے) سختی معلوم کریں اور

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۳﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن

جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کیساتھ ہے۔اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافق (مذاق کرتے اور) پوچھتے ہیں

يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا

کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا

---

[19] مفسر قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت طلب علم دین کی اصل اور بنیاد ہے،اور غور کیا جائے تو اسی آیت میں علم دین کا اجمالی نصاب بھی بتلا دیا گیا ہے،اور علم حاصل کرنے کے بعد عالم کے فرائض بھی،اور بعض کم علموں نے اس آیت سے تقلید جامد ثابت کرنے کے لئے استدلال کیا ہے،لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں،اس لئے کہ اس آیت میں تو اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ ہر قوم اپنے عالم کی بات مانے گی،لیکن مقلدین نے تو پوری امت پر امام ابوحنیفہؒ کی تقلید فرض کر دی ہے۔اور مذاہب اربعہ نے صرف ائمہ اربعہ کو''منذرین'' قرار دیا ہے،حالانکہ اس سے پوری امت کے علماء مراد ہیں۔اس آیت میں نہ صرف تقلید شخصی کی تردید ہے بلکہ علم اور انذار کو صرف ائمہ اربعہ میں منحصر کرنے پر واضح رد بھی موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علماء کرام اپنی قوم کو محض اپنی رائے اور اجتہاد کی روشنی میں یا کسی تیسرے کی بات کی روشنی میں ڈرائیں گے،یا پھر قران وحدیث کی روشنی میں؟ یہ علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی قوم کو بے وقوف نہ بنائیں بلکہ کتاب وسنت کا صریح حکم ان کو بتائیں۔تو معلوم ہوا کہ اس آیت میں تقلید کا رد ہے نہ کہ اثبات۔فیروز آبادی اپنی کتاب''التبصرة فی الاصول'':۴۰۷،میں لکھتا ہے کہ: ان المراد بذلک قبول الاخبار وما سمعوه من النبی ﷺ،فنحملها علیه او نحملها علی العامة،وکذا فی '' العدة'' لابی یعلی: ۱۲۳۲/۴ ۔

وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ وَأَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

اور وہ خوش ہوتے ہیں ۔ اور جن کے دلوں میں مرض ہے

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١٢٥﴾

اُن کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ

کیا یہ دیکھتے نہیں کہ یہ ہر سال ایک یا دو بار بلا میں پھنسا دیئے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے

وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ وَإِذَا مَآ أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ

اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں ۔ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (اور پوچھتے ہیں

هَلْ يَرٰاكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ

کہ) بھلا تمہیں کوئی دیکھتا ہے؟ پھر پھر جاتے ہیں، اللہ نے اُن کے دلوں کو پھیر رکھا ہے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے

لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٢٧﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

کام نہیں لیتے ۔ (لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں! تمہاری تکلیف اُن کو گراں معلوم ہوتی ہے اور

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ

تمہاری بھلائی پر وہ حریص ہے مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے ۔ پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں تو کہہ دو کہ مجھے

اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿١٢٩﴾

اللہ کافی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

☆☆☆

سورة يُونس (مكية)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿١﴾ أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَآ

الر ۔یہ بڑی دانائی کی کتاب کی آیتیں ہیں ۔ کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انھی میں سے

إِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ

ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈر سنا دو اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو کہ اُن کے رب کے ہاں اُن کا سچا درجہ ہے (ایسے

عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢﴾ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ

شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔ تمہارا رب تو اللہ ہی ہے

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنائے پھر عرش (عظیم) پر قائم ہوا، [١]

مسئلہ استوی علی العرش

[١] یہاں ہم تفسیر مظہری والے کا قول نقل کرتے ہیں تا کہ ان متعصبین کو حقانیت مذہب اہل حدیث معلوم ہو جائے (و شهد شاهدمن اهلها):۔

سلف سے خلف تک تمام اہل سنت کا باتفاق عقیدہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ تمام جسمانی صفات اور حدوث کے عوارض سے پاک ہے، لیکن آیت مذکورۃ الصدر اور اس جیسی دوسری آیات (جن میں صفات جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اتصاف ظاہر کیا گیا ہے) بظاہر اہل سنت کے مسلک وعقیدے کے خلاف نظر آتی ہیں، اس شبہ کو دور کرنے کے لئے دو جواب دئے گئے ہیں۔

(۱) تاویل کا مسلک اختیار کیا گیا ہے یعنی ظاہری الفاظ کے وہ (مجازی) معنی لئے گئے ہیں: جو شان الٰہی کے مناسب ہیں۔ کیونکہ ایت : وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ میں " الراسخون" کا عطف "اللہ" پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ متشابہات کا صحیح علم اللہ کو اور مضبوط علم رکھنے والوں کو ہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ متشابہات کی حقیقی مراد اور تاویل سے علماء ربانیین بھی واقف ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث سورۂ ال عمران میں گزر چکی ہے، اس توجیہ کی روشنی میں ایت مذکورہ میں " استوی" کو بمعنی "استولی" قرار دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ عرش جو سب سے اعلی اور بالا مخلوق ہے، جب اللہ اس پر غلبہ رکھتا ہے، تو دوسری مخلوق پر اللہ کا تسلط بدرجہ اولی ظاہر ہے، پس ساری مخلوق اس کے زیر تسلط ہے۔ لیکن بغویؒ نے کہا "استوی" کو بمعنی استیلاء و تسلط قرار دینا معتزلہ کا قول ہے۔

(۲) سلف صالحین کا مسلک اہل تاویل کے مسلک کے خلاف ہے تمام علماء سلف کا قول ہے کہ اس قسم کی آیات کے ظاہر پر ایمان لانا واجب ہے، ان کی تنقیح اور موشگافیوں سے اجتناب لازم ہے۔ ان کی حقیقت کے علم کو اللہ کے سپرد کر دینا ضروری ہے۔ اسی بناء پر امام محمد بن حسن نے فرمایا تھا: کہ پورب سے پچھّم تک تمام فقہاء کا اتفاق ہے، کہ قران اور صحیح احادیث میں اللہ کی جو صفات آئی ہیں انکو (یونہی) بغیر تشریح و تنقیح و توضیح کے ماننا اور ان پر ایمان لانا واجب ہے، جو شخص ان کی توضیح کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ اور اجماع سلف کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اس کا رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور جماعت مسلمین کے اختیار کردہ مسلک سے تعلق نہیں۔ امام مالک بن انسؒ نے فرمایا "استوی" کا حقیقی ترجمہ مجہول نہیں، "استواء" کی کیفیت معلوم نہیں، اور کیفیت استواء کو دریافت کرنا بدعت ہے۔ سلف صالحین تنزیہ باری تعالی کے قائل تھے، اسی کے ساتھ استواء علی العرش کو بغیر تاویل کے مانتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اللہ آسمان میں یقیناً ہے زمین میں نہیں، رواہ البیہقی۔

اس قول کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف کی گئی ہے کہ جس نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ میرا رب آسمان میں ہے یا زمین میں وہ کافر ہو گیا، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: الرحمٰن علی العرش استوی۔ اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔

امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ جس نے اللہ کے آسمان میں ہونے کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔

امام شافعیؒ نے فرمایا! اللہ اپنے عرش پر اپنے آسمان میں ہے، وہ جیسا چاہتا ہے اپنی مخلوق کے قریب بھی ہوتا ہے۔ اور جس طرح چاہتا ہے اترتا ہے یعنی اللہ کا عرش پر ہونا مخلوق کے قریب ہونا، اور نیچے اترنا، تینوں قول صحیح ہیں۔ لیکن عرش پر موجود ہونے مخلوق کے قریب ہونے، اور نیچے اترنے، کی کیفیت معلوم نہیں۔

ایسا ہی قول امام احمد بن حنبل کا بھی مروی ہے۔اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے،تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اللہ عرش کے اوپر مستوی ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے، مزنی ، بخاری ، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، ابویعلی ،بیہقی ، ذہبی اور دوسرے ائمہ حدیث کا یہی قول ہے، ابوذرعہ رازی کے قول سے پتہ چلتا ہے کہ اسی قول پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔حافظ عثمان بن سعید دارمی نے لکھا ہے کہ تمام مسلمان اس قول پر متفق ہیں کہ اللہ اپنے عرش پر آسمان ون کے اوپر ہے، سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا: یہ کہنا جائز نہیں کہ جس نے استواء کو پیدا کیا، وہ کیسے مستوی ہوسکتا ہے؟ ہمارے لئے (استوی) کو ماننا اور تسلیم کرنا لازم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالی عرش پر ہے۔محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے مسلمان کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس کا رب عرش پر مستوی ہے جو اس سے آگے بڑھے گا وہ نامراد اور خسران مآب ہوگا۔محمد بن خزیمہ نے کہا جو شخص اللہ کو عرش پر ساتوں آسمان وں کے اوپر مستوی اور سب مخلوق سے جدا نہیں کہتا وہ کافر ہے۔اس سے توبہ کرائی جائے تو بہ کرلے تو خیر، ورنہ اسکی گردن ماردی جائے۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ عرش وکرسی ویسے ہی ہیں جیسے اللہ نے اپنی کتاب میں ان کو بیان کیا ہے۔اللہ عرش سے بے نیاز ہے اور عرش کے نیچے والی چیزوں سے بھی وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، اور ہر چیز سے اوپر ہے۔شیخ ابوالحسن اشعری بصری اپنی کتاب **اختلاف المضلین و مقالات الاسلامیین** میں اہل السنۃ اور اصحاب حدیث کا ایک قول لکھا ہے: جس کی خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا، اللہ کے فرشتوں، کتابوں، اور پیغمبروں کا ماننا، اور جو کلام اللہ کی طرف سے ایا ہے، اور جو رسول کریم ﷺ کی صحیح حدیثوں میں مذکور ہے۔سب پر اقرار کرنا ضروری ہے، ان میں سے کسی چیز کو رد نہیں کیا جاسکتا، اور یہ بھی ماننا لازم ہے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے، جیسا کہ اس نے خود آیت **الرحمٰن علی العرش استوی** میں فرمایا ہے: اور اللہ کے دو ہاتھ بھی ہیں مگر بغیر کیفیت (مخلوقیہ) کے اس نے خود فرمایا ہے " **خلقت بیدیّ** "۔

ابونعیم نے حلیہ میں لکھا ہے: ہمارا طریقہ سلف کے طریقے کے موافق ہے جو کتاب اللہ احادیث نبی کریم ﷺ اور اجماع کے پیرو تھے، اور اس بات کا اعتقاد رکھتے تھے ، کہ اللہ ہمیشہ سے اپنی تمام صفات میں کامل ہے،۔اخر میں ابونعیم نے کہا جن احادیث میں اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا ذکر ہے سلف ان کو مانتے تھے، اور اللہ کو عرش پر بغیر کسی (مخلوقی) کیفیت اور تشبیہ کے مستوی مانتے تھے، اور اس امر کے بھی قائل تھے کہ اللہ اپنی مخلوق سے جدا ہے۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ اللہ عرش پر سات آسمانوں کے اوپر ہے، جیسا کہ اہل سنت کا قول ہے۔خطیب نے کہا سلف کا مسلک یہ ہے کہ ایسی متشابہ آیات کا اقرار کیا جائے اور ان کے ظاہری معنی پر ہی الفاظ کو محمول کیا جائے اور کیفیت

وتشبیہ کی نفی کی جائے، یعنی کوئی کیفیت اور تمثیل وتشبیہ بیان نہ کی جائے، کہ معنی معلوم ہے مگر معنی کی کیفیت مجہول ہے، اور وجہ اللہ یا ید اللہ یا استوی علی العرش کو ہم مخلوق کے چہرے ہاتھ اور استواء سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ یہ چیزیں اللہ کی صفات ہیں مگر ویسی ہیں جیسی اس کی شان کے مناسب ہیں، امام الحرمین نے کہا: عقیدہ سلف کا اتباع ہی پسندیدہ اعتقاد اور دین اللہ ہے۔ ائمہ سلف نے تاویل سے اجتناب کیا ہے الفاظ کے ظاہری معنی کو اختیار کیا ہے اور معانی وضاحت وتفصیل کو اللہ کے سپرد کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے اہل السنّت قائل ہیں کہ " استویٰ علی العرش "اللہ کی صفت ہے، بلا کیف، اس پر ایمان واجب ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ "استویٰ علی العرش" اللہ کے لئے ویسا ہے جیسا اس کے مناسب ہے۔ استقرار اور مکانیت کی آمیزش سے پاک ہے۔ ابوبکر علی بن عیسیٰ شبلی جو اپنے زمانہ کے صوفیاء میں سب سے بڑے عالم تھے، کہتے ہیں: رب آسمان میں ہے، حکم دیتا ہے، اور فیصلہ نافذ کرتا ہے۔

شیخ الاسلام عبداللہ انصاری نے اخبار شتی میں لکھا ہے کہ اللہ ساتویں آسمان میں عرش پر ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے، اور اس موضوع پر بہت تفصیلی بحث کی ہے۔ (جس کا خلاصہ وہی ہے جو علماء سلف سے منقول ہے کہ معانی معلوم ہیں کیفیت نامعلوم اور ہر تشبیہ سے پاک) یہ تمام اقوال ذہبی نے "کتاب العلو" میں نقل کئے ہیں۔ صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء، اور صوفیہ کے کثیر جماعت (تقریبا سب) کا یہی مسلک ہے۔

میں نے مختصرا سورۂ اعراف کی آیت "ثم استوی علی العرش یغشی اللیل و النھار" اور سورۂ البقرہ کی ایت "یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام" کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے۔ کہ اصحاب قلوب کے نزدیک ذات باری تعالی کی خصوصی تجلی اور خاص پرتو بعض مخلوق پر پڑتا ہے وہ مخلوق نورانی لہروں سے نورچیں ہوتی ہے۔ اس سے ذات باری تعالی محل حوادث نہیں بن جاتی نہ خالص مرتبہ تنزیہ سے اس کا (تشبیہ کی طرف) تنزل ہوتا ہے) بلکہ ممکنات میں ایسا جوہر پیدا ہو جاتا ہے جو پرتو اندوزی کے قابل بن جاتا ہے، امکان وحدوث کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے اس میں جلوہ پذیری کی قابلیت بڑھ جاتی ہے، اور بڑھتی رہتی ہے۔ اس جلوہ پاشی سے وجوب وقدم میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ وجوب سے امکان اور قدم سے حدوث کی طرف ذات واجب وقدیم کا تنزل نہیں جاتا، میں نے سورۂ بقرہ میں "ثم استوی الی السماء فسواھن سبع سمٰوات" کی تفسیر کے ذیل میں اس جلوہ پاشی کی تنقیح کردی ہے، جو مومن کے دل پر، کعبہ پر، اور عرش عظیم پر خصوصیت کے ساتھ ہوتی ہے (یعنی بعض مخلوق تجلی الٰہی کی خصوصی جولانگاہ ہے، خصوصیت کے ساتھ وہ جلوہ الٰہی سے نورچیں ہوتی ہے، اس پر خاص چمکارا اور پرتو پڑتا ہے، اس سے جلوہ ریزی اور نور پاشی کرنے والی ذات کا محتاج مکان وزمان اور حامل

کیف وکم ہونا لازم نہیں آتا۔وہ جلوہ قدیم بے کیف ہے۔بے مکان ہے بے زمان ہے اور ہر حادث مقدار،وعوارض سے پاک ہے۔انتہیٰ بلفظہ۔اوراس مسئلہ کے متعلق سیدامیرعلی نے تفسیر مواہب الرحمان:۳/۷/۲۱، میں لکھا ہے کہ:اورحق اس مسئلہ میں قول اکابر اہل اللہ تعالی ہے،اوراسی کے قریب قول عدم تاویل کا ہے،اورسب سے اخس قول تاویل ہے،اگرچہ متاخرین نے اس کو محکم ومضبوط قرار دیا ہے۔لیکن وہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔اور مترجم کو تعجب ہے کہ کیونکر بندے یہ جرأت کرتے ہیں کہ حق عزوجل کی صفات پاک کو اپنی سمجھ کے موافق کرلیں۔ ''**فاستقم ،والله هو العلى الكبير** ''اورایسی قول بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری:۱/۲۲۲ کہا ہے۔

اور مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے'' پھرعرش پرمستوی ہوا''،کرخی نے لکھا کہ عرش پرمستوی ہونا اللہ تعالی کی ایک صفت ہے،اس کی کیفیت بالکل سمجھ سے باہر ہے،مفسر نے لکھا کہ یہ استواء ایسا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے،یعنی کوئی جاہل یہ گمان نہ کرے کہ عرش پرمستوی ہونا ایسی کیفیت پر ہے،یا اس کی مثال اس طرح ہے،یا یوں متصور ہے،کیونکہ حضرت باری تعالی کو کسی چیز سے تشبیہ نہیں،اور نہ آدمی کے قیاس کو مجال ہے،پس جب یہ صریح آ گیا کہ اللہ تعالی کسی چیز سے مشابہ نہیں ہے تو اتنا بالیقین معلوم ہوگیا کہ جو کیفیت بندہ تصور کرے وہ حادث ہوگی،اوراللہ تعالی حادث سے پاک ہے،تو اس کی کیفیت کبھی معلوم نہیں،اور چونکہ اللہ تعالی نے'' **استواء على العرش** ''کو بیان فرمایا تو ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ کچھ نہیں ہے، بلکہ یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ اس نے فرمایا وہ صحیح ہے،اور کیفیت ہم کو معلوم نہیں ہے، ہاں اتنا یقین ہے کہ کوئی تشبیہ وتمثیل وتصور یہاں نہیں ہے،پس یہ طریقہ تو سلف الامۃ واماموں کا ہے،کہ ایسی ایات کو جو اللہ تعالی کی شان میں ہیں،ان پر بدون تاویل کے اسی طرح ایمان لاتے ہیں کہ جس طرح وارد ہوا ہیں،بدون کیفیت کے،اوریقین جانتے ہیں کہ یہاں قیاس وگمان ووہم وغیرہ سب باطل ہے،اور پچھلے علماء نے ان آیات میں تاویلیں کیں،تاکہ سمجھ سے موافق ہوجاوے،لیکن بے ضرورت تاویل ہے اور بکثرت احادیث جو صفات میں وارد ہیں ان میں تاویل بعض جگہ بنتی ہے اور بعض جگہ بالکل نہیں بنتی،تو تاویل بے کار ہے،اور کوئی آدمی جس کو ذرا بھی عقل ہو وہ ایمان لانے کے لئے اس بات پر ہٹ نہیں کرے گا،کہ مجھے شان وصفت الٰہیٰ کا علم ہوجاوے،اس لئے کہ مخلوق کو اتنا مجال نہیں کہ حضرت خالق تبارک وتعالی کا علم حاصل کرے،لہٰذا آیات واحادیث صفات کو اپنے معنی پر یقین کرے بدون دخل اپنے قیاس کے،اور جان لے کہ یہ صفت الٰہی ہے جس طرح اس کی شان پاک کے لائق ہے اسی طرح ہے۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ

وہی ہرایک کام کا انتظام کرتا ہے،[2] کوئی (اُس کے پاس) اُس کی اِجازت حاصل کئے بغیر (کسی کی) سفارش نہیں کرسکتا یہی اللہ

---

[2] آیت مذکورہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے چھ دن میں آسمان وزمین اور تمام کائنات بنائی، اور اس کے بعد عرش پر قیام فرمایا، یہ یقینی اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالی جسم اور جسمانیت اور اس کی تمام صفات وخصوصیات سے بالا وبرتر ہے، اس کا کسی مکان میں قیام اس طرح کا نہیں ہے جس طرح دنیا کی چیزوں کا قیام اپنی اپنی جگہ میں ہوتا ہے، پھر عرش پر قیام فرمانا کس طرح اور کس کیفیت کے ساتھ ہے، یہ ان متشابہات میں سے ہے جن کو انسان کی عقل وفہم نہیں پاسکتی۔

اسی لئے قرآن حکیم کا ارشاد ان کے بارے میں یہ ہے کہ ﴿ ومایعلم تأویلہ الا اللہ، والراسخون فی العلم یقولون اٰمنابہ ﴾ ،یعنی ان کو سوائے اللہ تعالی کے کوئی نہیں جانتا اور مضبوط اور صحیح علم والے اس پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں، مگر اس کی حقیقت جاننے کی فکر میں نہیں پڑتے ،اس لئے اس قسم کے تمام معاملات میں اللہ تعالی کی نسبت کسی مکان یا جہت کی طرف کی گئی ہے، یا جن میں حق تعالی کے لئے اعضاء، ید، وجہ، ساق وغیرہ کے الفاظ قرآن میں وارد ہوئے ،عقیدہ جمہور علماء امت کا یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ کلمات اپنی جگہ پر حق ہیں اور ان سے جو مراد حق تعالی کی ہے وہ صحیح ہے اور اس کی کیفیت وحقیقت کے جاننے کی فکر کو اپنی عقل سے بالاتر ہونے کی بناء پر چھوڑ دیا جائے:

اور جن متاخرین علماء نے ان چیزوں کے کوئی معنی بیان فرمائے ہیں ان کے نزدیک بھی وہ محض ایک احتمال کے درجہ میں ہیں، کہ شاید یہ معنی ہوں، اس معنی کو یقینی وہ نہیں فرماتے اور نرے احتمالات ظاہر ہے کہ کسی حقیقت کا انکشاف نہیں کرسکتے،

اس لئے صاف اور سیدھا مسلک سلف صالحین اور صحابہ وتابعین ہی کا ہے جنہوں نے ان چیزوں کی حقیقت کو علم الہی کے سپرد کرنے پر قناعت فرمائی، اس کے بعد فرمایا: ﴿ یدبر الامر ﴾ یعنی عرش پر مستوی ہوکر وہ تمام عالموں کا انتظام خود دست قدرت سے انجام دیتا ہے۔ (معارف القرآن)۔

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللهِ حَقًّا

تمہارا رب ہے تو اُسی کی عبادت کرو بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے ؟۔اُسی کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، اللہ کا وعدہ سچا

إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ہے، وہی خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو

بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ أَلِيْمٌ

انصاف کیساتھ بدلہ دے اور جو کافر ہیں اُن کیلئے پینے کو نہایت گرم پانی اور درد ناک عذاب ہو گا

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَالْقَمَرَ نُوْرًا

کیونکہ (اللہ سے) انکار کرتے تھے ۔ وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منوّر بنایا

وَّقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللهُ

اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کرو یہ (سب کچھ) اللہ نے تدبیر سے پیدا کیا

ذٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

ہے سمجھنے والوں کیلئے وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

رات اور دن کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں اور جو چیزیں اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہیں

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ

(سب میں) ڈرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں ۔ جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش

الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ آيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

اور اُسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں۔

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا
اُن کا ٹھکانہ اُن (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے ہیں دوزخ ہے ۔ (اور) جو لوگ ایمان لائے
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ
اور نیک کام کرتے رہے اُن کو اللہ تعالیٰ اُن کے ایمان کی وجہ سے (ایسے محلوں کی) راہ دکھائے گا (کہ) اُن کے نیچے
الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾ دَعْوَاهُمْ فِيهَا
نعمت کے باغوں میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ (جب وہ) اُن میں (اُن کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو بے ساختہ) کہیں گے سبحان اللہ!
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ
اور آپس میں اُن کی دعا السلام علیکم ہو گی اور اُن کا آخری قول یہ (ہو گا) کہ
أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ
اللہ رب العالمین کی حمد (اور اُس کا شکر) ہے ۔ اور اگر اللہ لوگوں کی بُرائی میں جلدی کرتا
اسْتِعْجَالَهُم بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا
جس طرح وہ طلبِ خیر میں جلدی کرتے ہیں تو اُن کی (عمر کی) میعاد پوری ہو چکی ہوتی سو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں
فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾ وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ
انہیں ہم چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں ۔اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹا
أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ
اور بیٹھا اور کھڑا (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس تکلیف کو اس سے دُور کر دیتے ہیں تو (بے لحاظ ہو جاتا اور)
مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا
اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کو اُن کے

يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا

اعمال آراستہ کر کے دکھائے گئے ہیں ۔ اور تم سے پہلے ہم کئی امتوں کو جب انہوں نے ظلم اختیار کیا

وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ

ہلاک کر چکے ہیں اور اُن کے پاس پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے، ہم گنہگاروں کو اسی

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ

طرح بدلا دیا کرتے ہیں ۔ پھر ہم نے اُن کے بعد تم لوگوں کو ملک میں خلیفہ بنایا تاکہ ظاہر کریں کہ تم کیسے

كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ

کام کرتے ہو۔ اور جب اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی اُمید نہیں وہ کہتے ہیں

لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِىْ أَنْ

کہ (یا تو) اس کے سِوا کوئی اور قرآن (بنا) لاؤ یا اس کو بدل دو۔ کہہ دو کہ مجھے اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے

أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِىْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰى إِلَىَّ ۚ

بدل دوں میں تو اُسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں

إِنِّىْٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾

تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے خوف آتا ہے

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَدْرٰكُمْ بِهٖ

(یہ بھی) کہہ دو کہ اگر اللہ چاہتا تو (نہ تو) میں ہی یہ (کتاب) تمہیں پڑھ کر سناتا اور نہ ہی تمہیں اس سے واقف کرتا،

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں بھلا تم سمجھتے نہیں؟ ۔ تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۷﴾

جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور اُس کی آیتوں کو جھٹلائے بیشک گنہگار فلاح نہیں پائیں گے

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ

اور یہ (لوگ) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُن کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کرسکتی ہیں۔

وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا

اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں کہہ دو کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز بتاتے ہو جس کا وجود اُسے نہ [3]

لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا

آسمانوں میں معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے اور (اُس کی شان) ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے

يُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا

اور (سب) لوگ (پہلے) ایک ہی اُمت (یعنی ایک ہی ملت پر) تھے پھر جدا جدا ہو گئے

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۹﴾

اور اگر ایک بات جو تمہارے رب کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے نہ ہوتی تو جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں اُن میں فیصلہ کردیا جاتا

---

[3] ''وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ'' اگر اس ایت سے شفاعت اخروی مراد ہو، تو معنی یہ ہے کہ اگر بالفرض قیامت آ بھی جائے تو یہ ہماری سفارش کریں گے، اور اگر دنیوی مراد ہو تو پھر اس سے شفاعت مافوق الاسباب مراد ہے، اور اصنام کی طرف ان کی نسبت بطریق سببیت کے ہے، کہ وہ بت انہوں نے ہی نیک لوگوں کے صورتوں پر بنائے تھے، کفار کا خیال تھا کہ جب ہم ان کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو یہ ذوات فاضلہ ہماری سفارش کریں گے (روح المعانی)۔جیسا کہ آج کل کے قبروں پرستوں کا یہی خیال ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ

اور کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ غیب (کا علم) تو اللہ ہی کو ہے

فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً

سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ۔ اور جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد (اپنی) رحمت

مِّنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا

(سے آسائش) کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں میں حیلے کرنے لگتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ بہت جلد حیلہ کرنے والا ہے

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

اور جو حیلے تم کرتے ہو ہمارے فرشتے اُن کو لکھتے جاتے ہیں۔ وہی تو ہے جو تمہیں جنگل اور دریا میں چلنے پھرنے اور سیر کرنے

حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ

کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ ہوا (کے نرم نرم جھونکوں) سے

وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ اُن سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں زناٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے

وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ

اُن پر جوش مارتی ہوئی آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اب تو لہروں میں گھر گئے تو اُس وقت خالص اللہ ہی کی

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

عبادت کر کے اُس سے دعا مانگنے لگتے ہیں[4]

[4] جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو عکرمہ (ابوجہل کا بیٹا) بھاگ کر بحری جہاز میں سوار ہوا، مخالف ہوا چلنے لگی تو جہاز=

لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

کہ (اے اللہ) اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشے تو ہم (تیرے) بہت ہی شکر گزار ہوں

فَلَمَّآ أَنْجٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا

لیکن جب وہ اُن کو نجات دیدیتا ہے تو ملک میں ناحق شرارت کرنے لگتے ہیں۔ لوگو! تمہاری

بَغْيُكُمْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ

شرارت کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہوگا تم دنیا کی زندگی کے فائدے اٹھاؤ پھر تمہیں ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے،

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ

اُس وقت ہم تمہیں بتائیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے ۔ دنیا کی زندگی کی مثال مینہ کی سی ہے

أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ

کہ ہم نے اُس کو آسمان سے برسایا پھر اُس کیساتھ سبزہ جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں

حَتّٰىٓ إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قَادِرُونَ

ملا کر نکلا یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں

عَلَيْهَآ أَتَاهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ

ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے اُس کو کاٹ (کر ایسا کر) ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔

=والے لوگوں نے کہا کہ اب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہمیں نہیں بچا سکتا، لہٰذا اب صرف اللہ تعالیٰ ہی سے بچاؤ کی دعا کرو، یہ سنکر عکرمہ نے کہا! اے اللہ جب سمندر میں بچانے والا تو ہی ہے تو پھر خشکی میں کوئی اور بچانے والا ہوگا؟ اے اللہ اگر تو نے مجھے نجات دی تو میں جاتے ہی اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ ہی میں دوں گا، چنانچہ پہنچتے ہی مسلمان ہوا (ابن عباسؓ)۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ
جولوگ غور کرنے والے ہیں اُن کیلئے ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ اور اللہ سلامتی

السَّلٰمِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا
کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے جن لوگوں نے نیکوکاری کی

الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
اُن کیلئے بھلائی ہے اور (مزید برآں) اور بھی اور اُن کے مونہوں پر نہ تو سیاہی چھائے گی اور نہ رسوائی، یہی

الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ
جنتی ہیں کہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور جنہوں نے بُرے کام کئے تو بُرائی کا بدلہ

بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ
ویسا ہی ہو گا اور اُن کے مونہوں پر ذلت چھا جائے گی اور کوئی اُن کو اللہ سے بچانے والا نہ ہو گا

كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
اُن کے مونہوں (کی سیاہی کا یہ عالم ہوگا کہ اُن) پر گویا اندھیری رات کے ٹکڑے اڑھا دیئے گئے ہیں، یہی دوزخی ہیں

النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
کہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے ۔ اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا جمع کریں گے پھر مشرکوں سے کہیں گے

اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ
کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم اُن میں تفرقہ ڈال دیں گے اور اُن کے شریک (اُن سے) کہیں گے

مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
کہ تم ہمیں نہیں پوجتے تھے ۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے

إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ

ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے۔ وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اُس نے آگے بھیجے ہوں گے آزمائش کرلے گا

وَرُدُّوْٓا إِلَى اللّٰهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور وہ اپنے سچے مالک کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ وہ بہتان باندھا کرتے تھے سب اُن سے جاتا رہے گا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

(اُن سے) پوچھو کہ تمہیں آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ

اور بے جان سے جاندار کون پیدا کرتا ہے اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا

الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ

انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ۔ تو کہو کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟۔ یہی اللہ تو تمہارا رب ہے

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۚ فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ

اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا تو تم کہاں پھرے جاتے ہو؟۔ اسی طرح اللہ کا ارشاد اُن

كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

نافرمانوں کے حق میں ثابت ہو کر رہا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے ۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ

(ان سے) پوچھو کہ بھلا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ مخلوقات کو ابتداء پیدا کرے (اور)

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

پھر اُس کو دوبارہ بنائے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا تو تم کہاں پھرے جارہے ہو؟

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِىٓ إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللّٰهُ
پوچھو کہ بھلا تمہارے شریکوں میں کون ایسا ہے کہ حق کا رستہ دکھائے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی
يَهْدِى لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَّهْدِىٓ إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُّتَّبَعَ أَمَّنْ لَّا
حق کا رستہ دکھاتا ہے بھلا جو حق کا رستہ دکھائے وہ اس قابل ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے یا وہ
يَهِدِّىٓ إِلَّآ أَنْ يُّهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾
کہ جب تک کوئی اُسے رستہ نہ بتائے رستہ نہ پائے تو تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیسا فیصلہ کرتے ہو؟
وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ط
اوران میں سے اکثر صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہوسکتا
إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُّفْتَرٰى
بیشک اللہ تمہارے (سب) افعال سے واقف ہے۔ اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اس کو اپنی طرف سے بنالائے
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ
ہاں (یہ اللہ کا کلام ہے) جو (کتابیں) اس سے پہلے (کی) ہیں اُن کی تصدیق کرتا ہے اور اُنہی کتابوں کی (اس میں)
لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ
تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں (کہ) یہ رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے
قُلْ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ
اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنالاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلاسکو بلا
صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيْلُهٗ ط
بھی لو۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پا سکے اس کو (نادانی سے) جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے اُنہوں نے تکذیب کی تھی سو دیکھ لو کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا ۔

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ وَرَبُّكَ

اور ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ ایمان نہیں لاتے اور تمہارا رب

أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَإِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ

شریروں سے خوب واقف ہے ۔ اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو کہہ دو کہ مجھے میرے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تمہیں

عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيْٓئُوْنَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ

تمہارے اعمال (کا) تم میرے اعمال کے جواب دِہ نہیں ہو اور میں تمہارے اعمال کا جواب دِہ نہیں ہوں ۔ اور ان میں بعض

مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ إِلَيْكَ ۭ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾

ایسے ہیں کہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے اگرچہ کچھ بھی (سنتے) سمجھتے نہ ہوں؟

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ إِلَيْكَ ۭ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا

اور بعض ایسے ہیں کہ تمہاری طرف دیکھتے ہیں تو کیا تم اندھوں کو رستہ دکھاؤ گے اگرچہ کچھ بھی دیکھتے (بھالتے) نہ ہوں؟

يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ

اللہ تو لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں

يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ

اور جس دن اللہ ان کو جمع کرے گا (تو وہ دنیا کی نسبت ایسا خیال کریں گے کہ) گویا (وہاں) گھڑی بھر دن سے زیادہ رہے

يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ

ہی نہیں تھے (اور) آپس میں ایک دوسرے کو شناخت بھی کریں گے، جن لوگوں نے اللہ کے روبرو حاضر ہونے کو جھٹلایا

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿٤٥﴾ وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ

وہ خسارے میں پڑ گئے اور ہدایت یافتہ نہ ہوئے اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں

أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾

تمہاری آنکھوں کے سامنے کریں یا تمہاری مدتِ حیات پوری کردیں تو ان کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے پھر جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو دیکھ رہا ہے

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا

اور ہر ایک اُمت کی طرف پیغمبر بھیجا گیا، جب اُن کا پیغمبر آتا ہے تو اُن میں انصاف کیساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اُن پر کچھ

يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٤٨﴾

ظلم نہیں کیا جاتا ۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو (جس عذاب کا) یہ وعدہ (ہے وہ) کب آئے گا؟

قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ

کہہ دو کہ میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے ہر ایک اُمت کیلئے (موت کا) ایک وقت

إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ

مقرر ہے جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے اور نہ جلدی کر سکتے ہیں ۔ کہہ دو بھلا دیکھو

إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾

تو اگر اس کا عذاب تم پر (ناگہاں) آجائے رات کو یا دن کو تو پھر گنہگار کس بات کی جلدی کریں گے؟

أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾

کیا جب وہ واقع ہوگا تب اُس پر ایمان لاؤ گے اور اب (ایمان لائے)؟ اسی کیلئے تو تم جلدی مچایا کرتے تھے

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ

پھر ظالم لوگوں سے کہا جائے گا کہ عذابِ دائمی کا مزہ چکھو (اب) تم اُنہی (اعمال) کا بدلا پاؤ گے جو (دنیا میں)

تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ أَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ إِيْ وَرَبِّيْٓ إِنَّهُ لَحَقٌّ ؕ وَمَا أَنْتُمْ

کرتے رہے۔ اور تم سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ سچ ہے؟ کہہ دو کہ ہاں اللہ کی قسم سچ ہے اور تم (بھاگ کر اللہ کو)

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ

عاجز نہیں کرسکو گے۔ اور اگر ہر ایک نافرمان شخص کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں تو (عذاب سے بچنے کے)

لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ

بدلے میں (سب) دے ڈالے اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو (پچھتائیں گے اور) ندامت کو چھپائیں گے

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

اور اُن میں انصاف کیساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور (کسی طرح کا) اُن پر ظلم نہیں ہو گا۔ سن رکھو کہ جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ؕ أَلَآ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور یہ بھی سن لو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ

وہی جان بخشتا ہے اور (وہی) موت دیتا ہے اور تم لوگ اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ لوگو! تمہارے پاس

مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا

آ پہنچی ہے۔ کہہ دو کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اُس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہیئے کہ لوگ اس سے خوش ہوں،

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَّآ أَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

یہ اُس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں ۔[5] کہو کہ بھلا دیکھو تو اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل فرمایا

فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾

تو تم نے اُس میں سے (بعض کو) حرام ٹھہرایا اور (بعض کو) حلال (ان سے) پوچھو کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر افتراء کرتے ہو؟

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّ اللّٰهَ

اور جو لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہیں وہ قیامت کے دن کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟ بیشک اللہ

لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَأْنٍ

لوگوں پر مہربان ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور تم جس حال میں ہوتے ہو

وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا

یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہو یا تم لوگ کوئی (اور) کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو

---

[5] فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے توفیق ایمان واسلام مراد ہے، یا دونوں سے مراد قران ہی ہے، اس آیت میں نہایت تاکید اور اہتمام سے قرآن کے ساتھ جو اللہ تعالی کا فضل ورحمت ہے خوش ہونے کا حکم دیا گیا ہے، اس آیت کی فصاحت وبلاغت کا کمال یہ ہے کہ لفظی تکرار کے بغیر اس میں معنوی تکرار اور تاکید موجود ہے، چنانچہ یہاں تین بار اس کی تاکید ہے: (۱) بفضل اللہ کا متعلق محذوف ہے اصل میں تھا بفضل اللہ وبرحمتہ فلیفرحوا، (۲) فبذلک، فاء، اس پر دلالت کر رہی ہے کہ "بذلک" کا متعلق محذوف ہے، جو قرینہ مابعد "لیفرحوا" ہے، (۳) "فلیفرحوا" جملہ ہے، جس کا متعلق بذلک مقدر ہے اس طرح فبذلک فلیفرحوا" دو مستقل جملے ہونگے اور اصل کلام یوں ہوگا، فبذلک لیفرحوا "فبذلک لیفرحوا" پہلے جملہ سے فلیفرحوا اور دوسرے جملہ سے بذلک محذوف ہوگا، فبذلک فلیفرحوا میں ظرف کی فعل پر تقدیم مفید حصر ہے، اسی ہی کے ساتھ انہیں خوش ہونا چاہئے، نہ کسی دوسری کتاب یا دنیوی مال ومنال سے ۔=

إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ
ہم تمہارے سامنے ہوتے ہیں اور تمہارے رب سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں
وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ
اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے یا بڑی، مگر کتابِ روشن میں (لکھی ہوئی) ہے
مُّبِينٍ ﴿٦١﴾ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾
سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے
الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
(یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ۔تو اُن کیلئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے
وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾
اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔[6]

= دیگر مفسرین نے صرف دو جملے بنائے ہیں ایک بفضل اللہ وبرحمتہ فلیفرحوا، دوم ،فبذلک فلیفرحوا'' امام رازیؒ فرماتے ہیں وتقدیرہ بفضل اللہ وبرحمتہ فلیفرحوا'' ثم یقول مرۃ اخری ،فبذلک فلیفرحوا''والتکرار للتاکید.

[6] آیات مذکورہ میں اولیاء اللہ کے مخصوص فضائل اوران کی تعریف اور پہچان پھر دنیا اوآخرت میں ان کے لئے بشارت کا ذکر ہے،ارشادفرمایا کہ اولیاء اللہ کو نہ کسی ناگوار چیز کے پیش آنے کا خطرہ ہوگا اور نہ کسی مقصد کے فوت ہوجانے کا غم ،اوراولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ وپرہیزگاری اختیار کی،ان کے لئے دنیا میں بھی خوش خبری ہے اورآخرت میں بھی۔اس میں چند باتیں قابل غور ہیں،اول یہ کہ اولیاء اللہ پرخوف وغم نہ ہونے کے کیا معنیٰ ہیں؟ دوسرے یہ کہ اولیاءللہ کی تعریف کیا ہے اوان کی علامات کیا ہیں؟ تیسرے یہ کہ دنیاوآخرت

میں ان کی بشارت سے کیا مراد ہے؟۔

پہلی بات کہ اولیاء اللہ پر خوف وغم نہیں ہوتا، اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ آخرت میں حساب کتاب کے بعد جب ان کو ان کے مقام جنت میں داخل کر دیا جائے گا، تو خوف وغم سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی، نہ کسی تکلیف وپریشانی کا خطرہ رہے گا نہ کسی محبوب ومطلوب چیز کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم ہوگا، بلکہ جنت کی نعمتیں دائمی اور لازوال ہوں گی، اس معنی کی اعتبار سے تو مضمون ایت پر کوئی اشکال نہیں لیکن یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس میں اولیاء اللہ کی کوئی خصوصیت نہ رہی بلکہ تمام اہل جنت جن کو جہنم سے نجات مل گئی وہ اسی حال میں ہوں گے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو لوگ انجام کار جنت میں پہنچ گئے وہ سب اولیاء اللہ ہی کہلائیں گے۔

دنیا میں ان کے اعمال کتنے ہی مختلف رہے ہوں، مگر دخول جنت کے بعد سب کے سب اولیاء اللہ کی ہی فہرست میں شمار ہونگے۔ لیکن بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ اولیاء اللہ پر خوف وغم نہ ہونا دنیا وآخرت دونوں کے لئے عام ہے اور اولیاء اللہ کی خصوصیت یہی ہے کہ دنیا میں بھی وہ خوف وغم سے محفوظ ہیں اور آخرت میں ان پر خوف وغم نہ ہونا تو سب ہی جانتے ہیں اور اس میں سب اہل جنت داخل ہیں۔

مگر اس پر حالات وواقعات کے اعتبار سے یہ اشکال ہے کہ دنیا میں تو یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ اولیاء اللہ تو کیا انبیاء علیہ السلام بھی اس دنیا میں خوف وغم سے محفوظ نہیں، بلکہ ان کا خوف وخشیت اوروں سے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ قران کریم کا ارشاد ہے (**انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء**) (فاطر: ۲۸) یعنی اللہ تعالی سے پوری طرح علماء ہی ڈرتے ہیں، اور دوسری جگہ میں اولیاء اللہ ہی کا یہ حال بیان فرمایا ہے "**والذین ھم من عذاب ربھم مشفقون ط ان عذاب ربھم غیر مامون**". (معارج: ۲۸) یعنی یہ لوگ اللہ کے عذاب سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں، کیونکہ ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں جس سے کوئی بےفکر ہو کر بیٹھ سکے۔

اور واقعات بھی یہی ہیں جیسا کہ شمائل ترمذی کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ اکثر حالات میں متفکر وغمگین نظر آتے تھے، اور آپ ؐ نے خود فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالے سے ڈرتا ہوں۔ صحابہ کرام میں سب سے افضل صدیق ؓ وفاروق رضی اللہ عنہما اور تمام صحابہ وتابعین اور اولیاء اللہ کی گریہ وزاری اور خوف اخرت کے

واقعات بیشمار ہیں۔

اس لئے روح المعانی میں علامہ آلوسی نی یہ فرمایا کہ اولیاء اللہ کا دنیا میں خوف وغم سے محفوظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جن چیزوں کے خوف وغم میں عام طور سے اہل دنیا مبتلا رہتے ہیں، کہ دنیوی مقاصد آرام وراحت، عزت ودولت میں ذراسی کمی ہو جانے پر مرنے لگتے ہیں، اور ذرا ذراسی تکلیف وپریشانی کے خوف سے ان سے بچنے کی تدبیروں میں رات دن کھوئے رہتے ہیں، اولیاء اللہ کا مقام ان سب سے بالا وبلند ہوتا ہے ان کی نظر میں نہ دنیا کی فانی عزت ودولت، راحت وآرام کوئی چیز ہے، جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں ہوں، اور نہ یہاں کی محنت وکلفت اور رنج کچھ قابل التفات ہے، جس کی مدافعت میں پریشان ہوں۔ اللہ جل شانہ، کی عظمت ومحبت اور خوف وخشیت ان اولیاء پر ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی رنج وراحت سود وزیاں پر کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے،

دوسری بات اولیاء اللہ کی تعریف اور ان کی علامات سے متعلق ہے، اولیاء ولی کی جمع ہے لفظ ولی عربی زبان میں قریب کے معنی میں بھی آتا ہے اور دوست ومحبّ کے معنی میں بھی، اللہ تعالیٰ کے قرب ومحبت کا ایک عام درجہ تو ایسا ہے کہ اس سے دنیا کا کوئی انسان وحیوان بلکہ کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں، اگر یہ قرب نہ ہوتو سارے عالم میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی، تمام عالم کے وجود کی اصلی علت وہی خاص رابطہ ہے جو اس کو حق تعالیٰ جل شانہ سے حاصل ہے، گو اس رابطہ کی حقیقت کو نہ کسی نے سمجھا اور نہ سمجھ سکتا ہے، مگر ایک بے کیف رابطہ کا ہونا یقینی ہے، مگر لفظ اولیاء اللہ میں یہ درجہ ولایت کا مراد نہیں بلکہ ولایت ومحبت اور قرب کا ایک دوسرا درجہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کے ساتھ خاص ہے، یہ قرب محبت کہلاتا ہے جن لوگوں کو یہ قرب خاص حاصل ہو وہ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ نفلی عبادات کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں ہی اسکے کان بن جاتا ہوں وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے۔ میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں وہ جو کچھ دیکھتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے، میں ہی اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں، وہ جو کو کچھ کرتا ہے مجھ سے کرتا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ اس

کی کوئی حرکت وسکون اور کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا۔ بخاری:۲۰۵٦۔

اور اس ولایت خاصہ کے درجات بیشمار اور لا متناہی ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہ السلام کو حاصل ہے، کیونکہ ہر نبی کا ولی اللہ ہونا لازمی ہے، اور اس میں سب سے اونچا مقام سید الانبیاء نبی اکرم ﷺ کا ہے، اور ادنیٰ درجہ اس ولایت کا وہ ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں درجہ فناء کہا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ادمی کا قلب اللہ تعالی کی یاد میں ایسا مستغرق ہو کہ دنیا میں کسی کی محبت اس پر غالب نہ آئے، وہ جس سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے، جس سے نفرت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے، اس کے حب وبغض اور محبت وعداوت میں اپنی ذات کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر وباطن اللہ تعالی کی رضا جوئی میں مشغول رہتا ہے، اور وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتا ہے جو اللہ تعالی کے نزدیک ناپسند ہو، اسی حالت کی علامت ہے کثرت ذکر اور دوام طاعت، یعنی اللہ تعالی کو کثرت سے یاد کرنا اور ہمیشہ ہر حال میں اس کے احکام کی اطاعت کرنا، یہ دو وصف جس شخص میں موجود ہوں وہ ولی اللہ کہلاتا ہے، جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو وہ اس فہرست میں داخل نہیں، پھر جس میں یہ دونوں موجود ہوں اس کے درجات ادنیٰ واعلیٰ کی کوئی حد نہیں، انہیں درجات کے اعتبار سے اولیاء اللہ کے درجات متفاضل کم وبیش ہوتے ہیں ایک حدیث میں بروایت ابو ہریرہؓ مذکور ہے کہ رسول کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اس آیت میں اولیاء اللہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: کہ وہ لوگ جو خالص اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں کوئی دنیاوی غرض درمیان میں نہیں ہوتی (مظہری، از بن مردویہ)۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حالت انہیں لوگوں کی ہوسکتی ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

یہاں ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس درجہ ولایت کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ امت کے افراد کو یہ درجہ ولایت رسول کریم ﷺ ہی کے فیض صحبت سے حاصل ہوسکتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ کا وہ رنگ جو رسول کریم ﷺ کو حاصل تھا اپنے حوصلہ کے مطابق اس کا کوئی حصہ امت کے اولیاء کو ملتا ہے، پھر یہ فیض صحبت صحابہ کرام کو بلا واسطہ حاصل تھا، اسی وجہ سے ان کا درجہ ولایت تمام امت کے اولیاء سے بالا تر تھا، بعد کے لوگوں کو یہی فیض ایک واسطہ یا چند واسطوں سے حاصل ہوتا ہے جتنے وسائط بڑھتے

جاتے ہیں اتنا ہی اس میں فرق بڑھتا جاتا ہے۔ یہ واسطہ صرف وہی لوگ بن سکتے ہے جو رسول کریم ﷺ کے رنگ میں رنگ ہوئے، آپؐ کی سنت کے پیرو ہیں، ایسے لوگوں کے کثرت سے مجالست اور صحبت جبکہ اس کے ساتھ ان کے ارشادات کی پیروی اور اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو۔

یہی نسخہ درجہ ولایت حاصل کرنے کا جو تین جز سے مرکب ہیں کسی ولی اللہ کی صحبت اس کی اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت بشرطیکہ یہ کثرت ذکر مسنون طریقہ پر ہوں کیونکہ کثرت ذکر سے آیئنہ قلب کو جلا ہوتی ہے، تو وہ نور ولایت کے انعکاس کے قابل بن جاتا ہے، حدیث میں ہے کہ ہر چیز کے لئے صیقل اور صفائی کا کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ قلب کی صیقل ذکر اللہ سے ہوتی ہے، اس کو بیہقی نے شعب الایمان :۲۰۱۴، میں بروایت ابن عمرؓ نقل فرمایا ہے۔

اور عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ اپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہے جو کسی مومن سے محبت کرتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے ان کے درجہ تک نہیں پہنچتا؟ اپؐ نے فرمایا ”المرء مع من احب“ یعنی ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے (ترمذی: ۲۳۸۵) اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت وصحبت انسان کے لیے حصول ولایت کا ذریعہ ہے۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں رزینؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول ﷺ نے رزینؓ سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اصول بتلاتا ہوں جس سے تم دنیا و اخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہو، وہ یہ ہے کا اہل ذکر کی مجلس وصحبت کو لازم پکڑ و اور جب تنہائی میں جاؤ تو جتنا زیادہ ہو سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دو، جس سے محبت کرو اللہ کے لیے کرو، جس سے نفرت کرو اللہ کے لیے کرو (شعب الایمان: ۸۷۳۴)۔

مگر یہ صحبت و مجالست انہیں لوگوں کی مفید ہے جو خود ولی اللہ متبع سنت ہوں، اور جو رسول کریم ﷺ کی سنت کے تابع نہیں وہ خود درجہ ولایت سے محروم ہیں، چاہے کرامات ان سے کتنے ہی صادر ہوں، اور جو شخص مذکورہ صفات کے اعتبار سے ولی ہو، اگر چہ اس سے کبھی کوئی کرامت ظاہر نہ ہوئی ہو، وہ اللہ کا ولی ہے (مظہری)۔

اولیاء اللہ کی علامت اور پہچان تفسیر مظہری میں ایک حدیث قدسی کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے کہ اللہ تعالی

نے فرمایا کہ میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں جو میری یاد کے ساتھ یاد آویں اور جن کی یاد کے ساتھ میں یاد آؤں (بغوی)۔

اور ابن ماجہ: ۴۱۰۹، میں بروایت اسماء بنت یزید مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولیاء اللہ کی یہ پہچان بتلائی ''الذین اذا رء وا ذکر اللہ'' یعنی جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے صحبت میں بیٹھ کر انسان کو اللہ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو، یہ علامت اس کے ولی اللہ ہونے کی ہے، تفسیر مظہری میں فرمایا کہ عوام نے جو اولیاء اللہ کی علامت کشف وکرامت یا غیب کی چیزیں معلوم ہونے کو سمجھ رکھا ہے یہ غلط اور دھوکہ ہے، ہزاروں اولیاء اللہ ہیں جن سے اس طرح کی کوئی چیز ثابت نہیں، اور اس کے خلاف ایسے لوگوں سے کشف اور غیب کی خبریں منقول ہیں جن کا ایمان بھی درست نہیں۔

آخر آیت میں جو یہ فرمایا گیا کہ اولیاء کے لئے دنیا میں بھی خوش خبری ہے اور اخرت میں بھی، اخرت کی خوش خبری تو یہ ہے کہ موت کے وقت جب اس کی روح کو اللہ تعالی کے پاس لے جایا جائے گا، اس وقت اس کو خوش خبری جنت کی ملے گی، پھر قیامت کے روز قبر سے اٹھنے کے وقت جنت کی خوش خبری دی جائے گی، جیسا کہ بیہقی نے بروایت ابن عمر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اہل لا الہ الا اللہ'' کو نہ موت کے وقت کوئی وحشت ہوگی، نہ قبر میں، اور نہ قبر سے اٹھنے کے وقت، گویا میری انکھیں اس وقت کا حال دیکھ رہی ہیں جب یہ لوگ اپنی قبروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے '' الحمدللہ الذی اذھب عنا الحزن'' یعنی شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کردیا (شعب الایمان: رقم: ۱۰۰) اور دنیا کی بشارت کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ سچی خوابیں جو انسان خود دیکھے یا اس کے لیے کوئی دوسرا دیکھے جن میں ان کے لیے خوش خبری ہو۔ (مسلم: رقم: ۲۰۸)

اور دنیا کی دوسری بشارت یہ ہے کہ عام مسلمان بغیر کسی غرض کے اس سے محبت کریں اور اچھا سمجھیں اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تلک عاجل بشری الموء من '' یعنی عام مسلمانون کا اچھا سمجھنا اور

تعریف کرنا مومن کے لیے نقد خوش خبری ہے۔(مسلم:۲۶۸۹۱،وبغوی)۔

عن عطاء بن یسارؓ عن رجل من اهل مصر،قال سألت ابا الدرداءؓ عن قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿لهم البشری فی الحیواة الدنیا﴾فقال ماسألنی عنها احدغیرک،الارجل واحد منذسألت رسول اللّٰہ ﷺ ،سألت رسول اللّٰہ ﷺ،فقال ماسألنی عنها احد غیرک ،منذ انزلت،هی الرؤیا الصالحة یراها المسلم اوتری له"(ترمذی:۲۲۷۳،ومسنداحمد:۶/۴۴۵تا۴۴۷،۴۵۲ ومسند الحمیدی:۲/۱۹۳). روایت ہے عطاء بن یسار سے،وہ روایت کرتے ہیں ایک مرد سے اہل مصر کے،کہا اس مرد نے پوچھا میں نے ابوالدرداءؓ سے،معنی اس قول کے "لهم البشری" الایۃ،سوفرمایا:ابو الدرداءؓ نے،نہیں پوچھا مجھ سے کسی نے سوا تیرے،مگر ایک شخص نے جب سے کہ پوچھ رکھا ہے میں نے رسول اللہ پاک ﷺ سے،پوچھا میں نے رسول پاک ﷺ سے،سوفرمایا آپ ﷺ نے"نہیں پوچھا مجھ سے کسی نے جب سے اتری یہ آیت سوا تیرے"مراد بشری سے اس آیت میں خواب نیک ہے کہ دیکھتا ہے اس کو مسلمان کو دکھایا جاتا ہے اس کو یعنی من جانب اللہ۔

عن انس بن مالکؓ قال:قال رسول اللّٰہ ﷺ:ان الرسالة و النبوة قدانقطعت،فلارسول بعدی ولانبی ،قال فشقَّ ذلک علی الناس،فقال لکن المبشرات ،قالوایارسول اللّٰہ،وما المبشرات؟قال رؤیا المسلم ،وهی جزء من اجزاء النبوة.رواه الترمذی:۲۲۷۲، ومسنداحمد:۳/۲۶۷ ۔ روایت ہے انس بن مالکؓ سے،کہ فرمایا رسول پاک ﷺ نے،کہ رسالت اور نبوت تمام ہوگئی،پس اب کوئی رسول نہیں میرے بعد،اور نہ کوئی نبی،کہا راوی نے،پس گراں ہوئی لوگوں پر یہ بات،تب فرمایا آپ ﷺ نے،لیکن مبشرات باقی ہیں،عرض کی لوگوں نے،یارسول اللہ مبشرات کیا چیز ہے؟فرمایا آپ ﷺ نے،خواب مسلمان کا،اور یہ ایک ٹکڑا ہے نبوت کے ٹکڑوں سے۔

اوررسول اللہ ﷺ نے فرمایا:رؤیا المسلم جزء من ستة واربعین جزاً من النبوة ،و الرؤیاثلاث ، فالرؤیا الصالحة بشری من اللّٰہ،و الرؤیامن تحزین الشیطان ،و الرؤیاممایحدث

بها الرجل نفسه، الحديث. رواه الترمذى: ۲۲۷۰، بخارى: ۷۰۱۷، مسلم: ۲۲۶۳.

کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم: جو صحیح اور حق ہے وہ نبوت کے اجزاء میں سے چھیالیسواں جز ہے یعنی اللہ تعالی کی طرف سے الہام ہے۔ دوسری قسم شیطانی ہے جس میں شیطان کی طرف سے، کچھ صورتیں ذہن میں آتی ہیں، تیسری قسم، حدیث نفس ہے یعنی مرد کی خیالات جو متصور ہوتے ہیں حالت بیداری میں، پھر اس کو خواب میں دیکھتے ہیں۔

یہ قسم جو حق اور صحیح ہے، اور صحیح احادیث نبویہ میں نبوت کا ایک جز قرار دی گئی ہے، اس میں روایات حدیث مختلف ہیں، بعض میں چالیسواں جز اور بعض میں چھیالیسواں جز بتلایا، اور بعض روایات میں انچاس اور پچاس اور سترواں جزء ہونا بھی منقول ہے، یہ سب روایتیں تفسیر قرطبی میں جمع کر کے ابن عبدالبر کی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ ان میں کوئی تضاد و تخالف نہیں، بلکہ ہر ایک روایت اپنی جگہ صحیح و درست ہے، اور تعداد اجزا کا یہ اختلاف خواب دیکھنے والوں کے مختلف حالات کی بنا پر ہے، جو شخص سچائی، امانت، دیانت اور کمال ایمان کے ساتھ متصف ہے اس کا خواب نبوت کا چالیسواں جز ہوگا، اور جو ان اوصاف میں کچھ کم ہے اس کا چھیالیسواں یا پچاسواں جز ہوگا، اور جو اور کم ہے اس کا خواب نبوت کا سترواں جز ہوگا۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ سچے خواب کے جزء نبوت ہونے سے کیا مراد ہے؟ تفسیر مظہری میں اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ رسول کریم ﷺ پر وحی نبوت کا سلسلہ تیئیس سال جاری رہا، ان میں سے پہلے ششماہی میں یہ وحی الٰہی خوابوں کی صورت میں آتی رہی، باقی پینتالیس ششماہیوں میں جبرئیل امین کی پیغام رسانی کی صورت میں آئی، اس حساب سے سچی خوابیں وحی نبوت کا چھیالیسواں جزء ہوا، اور جن روایات میں کم وبیش عدد مذکور ہیں، ان میں یا تقریبی کلام کیا گیا ہے، یا وہ سند کے اعتبار سے ساقط ہیں۔

اور امام قرطبی نے فرمایا کہ اس کے جزء نبوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ خواب میں بعض اوقات انسان ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو اس کی قدرت میں نہیں، مثلاً یہ دیکھے کہ وہ آسمان پر اڑ رہا ہے، یا غیب کی ایسی چیزیں دیکھیں جن کا علم حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہ تھا، تو اس کا ذریعہ بجز امداد و الہام الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوسکتا، جو اصل =

وَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۵﴾

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کی باتوں سے آزردہ نہ ہونا (کیونکہ) عزت سب اللہ ہی کی ہے وہ (سب کچھ) سنتا (اور) جانتا ہے

أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ

سن رکھو کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اللہ ہی کے (بندے اور اُس کے مملوک) ہیں

مِن دُونِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ

اور جو یہ اللہ کے سوا شریکوں کو پکارتے ہیں وہ (کسی اور چیز کے) پیچھے نہیں چلتے صرف گمان کے پیچھے

=میں خاصہ نبوت ہے، اس لئے اس کو ایک جز نبوت قرار دیا گیا۔

یہاں کچھ لوگوں کو ایک عجیب مغالطہ لگا ہے، کہ اس جز نبوت کے دنیا میں باقی رہنے اور جاری رہنے سے نبوت کا باقی اور جاری رہنا سمجھ بیٹھے، جو قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اور بے شمار احادیث صحیحہ کے خلاف اور پوری امت کے اجماعی عقیدۂ ختم نبوت کے منافی ہے ،اور یہ نہ سمجھے کہ کسی چیز کا ایک جزء موجود ہونے سے اس چیز کا موجود ہونا لازم آتا ہے، اگر کسی شخص کا ایک ناخن یا ایک بال کہیں موجود ہو تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے، مشین کے بہت سے کل پرزوں میں سے اگر کسی کے پاس ایک پرزہ یا ایک اسکرو موجود ہو اور وہ کہنے لگے کہ میرے پاس فلاں مشین موجود ہے تو دنیا بھر کے انسان اس کو جھوٹا سمجھیں گے یا بیوقوف۔

سچے خواب حسب تصریح حدیث بلاشبہ جزء نبوت ہیں، مگر نبوت نہیں، نبوت تو خاتم الانبیا ﷺ پر ختم ہو چکی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لم يبق من النبوة الا المبشرات ،یعنی ائندہ نبوت کا کوئی جزء بجز مبشرات کے باقی نہ رہے گا، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ مبشرات سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا کہ سچے خواب، جس سے ثابت ہوا کہ نبوت کسی قسم یا کسی صورت سے باقی نہیں، صرف اس کا چھوٹا سا جزء باقی ہے جس کو مبشرات یا سچے خواب کہا جاتا ہے۔ بخاری: ۶۹۹۰۔

وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا

چلتے ہیں اور محض اٹکلیں دوڑا رہے ہیں ۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو

فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾

اور روزِ روشن بنایا (تاکہ اس میں کام کرو) جو لوگ سماعت رکھتے ہیں اُن کیلئے ان میں نشانیاں ہیں

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

(بعض لوگ) کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ اُس کی ذات (اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے۔

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنْ عِندَكُم مِّن سُلْطَانٍ بِهَٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے (اے افتراء پردازو!) تمہارے پاس اس (باطل قول) کی کوئی

تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

دلیل نہیں ہے، تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جو جانتے نہیں ۔ کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں

لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

فلاح نہیں پائیں گے ۔ (اُن کیلئے جو) فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر اُن کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے

ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾

اُس وقت ہم اُن کو عذابِ شدید چکھائیں گے کیونکہ کفر کیا کرتے تھے

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُم مَّقَامِي

اور ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنا دو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اگر تمہیں میرا تم میں رہنا

وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ

اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو اللہ پر بھروسا رکھتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کیساتھ مل کر ایک کام

ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوٓا إِلَيَّ وَلَا تُنظِرُونِ ﴿۷۱﴾

مقرر کرلو اور وہ تمہاری تمام جماعت سے پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو

فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ

اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے

وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَن

اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔ لیکن اُن لوگوں نے اُن کی تکذیب کی تو ہم نے اُن کو اور جو لوگ

مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا

اُن کیساتھ کشتی میں سوار تھے سب کو (طوفان سے) بچا لیا اور انہیں خلیفہ بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں

بِآيٰتِنَا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذَرِينَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنۢ بَعْدِهِ رُسُلًا

کو جھٹلایا اُن کو غرق کر دیا تو دیکھ لو کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے اُن کا انجام کیسا ہوا۔ پھر نوح کے بعد ہم نے اور پیغمبر

إِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوهُم بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا

اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے تو وہ اُن کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کی پہلے تکذیب

بِهٖ مِن قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿۷۴﴾

کر چکے تھے اُس پر ایمان لے آتے اسی طرح ہم زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنۢ بَعْدِهِم مُّوسٰى وَهٰرُونَ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَإِيْهٖ

پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس بھیجا

بِآيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۷۵﴾

تو اُنہوں نے تکبر کیا اور وہ گنہگار لوگ تھے

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا إِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ

تو جب اُن کے پاس ہمارے ہاں سے حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے ۔ موسیٰ نے کہا

مُوْسٰٓى أَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ أَسِحْرٌ هٰذَا وَلَا يُفْلِحُ

کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمہارے پاس آیا یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پا سکتے

السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا

وہ بولے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس (راہ) پر ہم اپنے باپ دادا کو پاتے رہے ہیں

وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

اُن سے ہمیں پھیر دو اور (اس) ملک میں تم دونوں ہی کی سرداری ہو جائے اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ

اور فرعون نے حکم دیا کہ سب کامل فن جادوگروں کو ہمارے پاس لے آؤ ۔ جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے اُن سے کہا

لَهُمْ مُّوْسٰٓى أَلْقُوْا مَآ أَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ أَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى

کہ جو تمہیں ڈالنا ہو ڈالو، جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو موسیٰ نے کہا

مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ إِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ

کہ جو چیزیں تم (بنا کر) لائے ہو جادو ہے اللہ اس کو ابھی نیست و نابود کر دے گا، اللہ شریروں کے کام

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

سنوارا نہیں کرتا ۔ اور اللہ اپنے حکم سے سچ کو سچ ہی کر دے گا اگرچہ گنہگار بُرا ہی مانیں

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ

تو موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا مگر اس کی قوم میں سے چند لڑکے (اور وہ بھی) فرعون اور اس کے اہل دربار سے ڈرتے ڈرتے

أَنْ يَّفْتِنَهُمْ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

کہ کہیں وہ اُن کو آفت میں نہ پھنسا دے اور فرعون ملک میں متکبر اور (کبر و کفر میں) حد سے بڑھا ہوا تھا

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا إِنْ كُنْتُمْ

اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اگر (دل سے) فرمانبردار ہو تو اُسی پر

مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا

بھروسہ رکھو ۔ تو وہ بولے کہ ہم اللہ ہی پر بھروسا رکھتے ہیں اے ہمارے رب!

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ

ہمیں ظالم لوگوں کے ہاتھ سے آزمائش میں نہ ڈال اور اپنی رحمت سے قومِ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَأَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوْسٰى وَأَخِيْهِ أَنْ تَبَوَّءَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ

کفار سے نجات بخش ۔ اور ہم نے موسیٰ اور اُس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کیلئے مصر میں

بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجد یں) ٹھہراؤ اور نماز پڑھو اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِيْنَةً وَأَمْوَالًا

اور موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے اللہ! تو نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت سا) ساز و برگ اور مال

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ

وزور دے رکھا ہے اے اللہ! ان کا مآل یہ ہے کہ تیرے رستے سے گمراہ کر دیں، اے اللہ! ان کے مال کو برباد کر دے

وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ

اور اُن کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں ۔ (اللہ نے) فرمایا کہ تمہاری

أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾

دعا قبول کر لی گئی تو تم ثابت قدم رہنا اور بے عقلوں کے رستے نہ چلنا

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَّعَدْوًا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو فرعون اور اُس کے لشکر نے سرکشی اور زیادتی سے اُن کا تعاقب کیا

حَتّٰٓى إِذَآ أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا الَّذِيٓ آمَنَتْ بِهِ

یہاں تک کہ جب اُس کو غرق نے آ پکڑا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ جس (اللہ) پر

بَنُوٓا إِسْرَآئِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ

بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں[7] اب (ایمان لاتا ہے)؟

---

[7] "قال آمنت" جب فرعون ڈوب رہا تھا تو اس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا کہ میں اس اللہ پر ایمان لے آیا جس کے سوا کوئی عبادت اور پکار کے لائق نہیں، جس پر بنی اسرائیل ایمان لا چکے ہیں، فرعون کا ایمان عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد تھا، اس لئے قبول نہ ہوا "الـئٰن وقدعصیت" جب ایمان لانے اور اللہ کی عبادت وطاعت کا وقت تھا اس وقت تو نے انکار کیا اور اللہ کی نافرمانیاں کیں، اور شرک پھیلا کر دنیا کو شر وفساد سے بھر دیا، اس لئے اب ایمان لانے سے کیا فائدہ؟

"فاليوم ننجيک" یہ نجوہ (اونچی جگہ) سے ماخوذ ہے یعنی آج ہم تیری لاش کو اونچی جگہ ڈالیں گے تا کہ تو باقی ماندہ لوگوں کے لئے عبرت ونصیحت کا نشان بن جائے، نلقیک بنجوۃ من الارض، مدارک۔

یعنی ہم موجوں میں تیرے بدن کو بہا دیں گے اس صورت میں "نجو" سے مشتق ہے یعنی اونچی جگہ کو نجوہ کہتے ہیں۔ تحقیقات کے مطابق فرعون کا بدن قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے لیکن الفاظ قرآن کی صحت اس پر موقوف نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ معارف القران میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: اس سے ثابت ہوا کہ عین موت کے وقت کا ایمان لانا شرعاً معتبر نہیں، اس کی مزید تشریح اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی=

وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ

حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔ تو آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے تاکہ تو

خَلْفَكَ آيَةً وَّإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيٰتِنَا لَغٰفِلُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا

پچھلوں کیلئے عبرت ہو۔ اور بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔[۴] اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کو عمدہ جگہ

بَنِيْٓ إِسْرَآئِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ فَمَا اخْتَلَفُوْا

دی اور کھانے کو پاکیزہ چیزیں عطا کیں لیکن وہ باوجود علم حاصل ہونے کے اختلاف کرتے رہے

حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

بیشک جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں تمہارا رب قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾ فَإِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ

اگر تم کو اس (کتاب) کے بارے میں جو ہم نے تم پر نازل کی ہے کچھ شک ہو تو جو لوگ تم سے پہلے کی (اتری ہوئی) کتابیں

فَاسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ

پڑھتے ہیں اُن سے پوچھ لو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے

=بندہ کی توبہ قبول فرماتے رہتے ہیں، جبتک غرغرہ موت کا وقت نہ آجائے (ترمذی:۳۵۳۸، وابن ماجہ:۴۲۵۳) ”غرغرہ موت“ سے مراد وہ وقت ہے جب نزع روح کے وقت فرشتے سامنے آجاتے ہیں، اس وقت دارالعمل دنیا کی زندگی ختم ہو کر آخرت کے احکام شروع ہو جاتے ہیں، اس لئے اس وقت کا کوئی عمل قابل قبول نہیں، ایسے وقت جو ایمان لاتا ہے اس کو مومن نہیں کہا جائے گا، اور اس کے ساتھ کفن دفن میں مسلمانوں کا سا معاملہ نہ کیا جائے گا، جیسا کہ فرعون کے اس واقعہ سے ثابت ہے کہ بالاجماع فرعون کی موت کفر پر قرار دی گئی ہے نصوص قرآن سے بھی یہی واضح ہے اور جس کسی نے فرعون کے اس ایمان کو معتبر کہا ہے (جیسا کہ ابن عربی نے فتوحات:۲/۴۱۰،۳/۵۳۳، وفصوص الحکم:۳۹۰، میں تصریح کیا ہے) یا تو اس کی کوئی تاویل کی جائے، ورنہ اسے غلط کہا جائے گا۔

مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا

تو تم ہر گز شک کرنے والوں میں نہ ہونا ۔ [8] اور نہ ان لوگوں میں ہونا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں،

بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَتَکُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْھِمْ کَلِمَتُ

نہیں تو نقصان اٹھاؤ گے ۔ جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکمِ (عذاب) قرار پا چکا ہے

رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْھُمْ کُلُّ اٰیَۃٍ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ

وہ ایمان نہیں لائیں گے ۔ جب تک عذابِ الیم نہ دیکھ لیں خواہ اُن کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے

﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَھَآ اِیْمَانُھَا اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ لَمَّا اٰمَنُوْا

تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اُس کا ایمان اُسے نفع دیتا ہاں یہ یونس کی قوم کہ جب ایمان لائی

کَشَفْنَا عَنْھُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰھُمْ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۹۸﴾

تو ہم نے دنیا کی زندگی میں اُن سے ذلت کا عذاب دُور کر دیا اور ایک مدت تک اُن کو بہرہ مند رکھا [9]

---

[8] اس آیت میں بظاہر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کو وحی میں شک ہونے کا احتمال نہیں، اس لئے اس خطاب کے ذریعہ مقصود امت کو سنانا ہے، خود آپ ﷺ مقصود نہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خطاب عام انسان کو ہو، کہ اے انسان اگر تجھ کو اس وحی الٰہی میں کوئی شک ہے جو بواسطہ محمد ﷺ تیری طرف بھیجی گئی، تو تُو ان لوگوں سے دریافت کر جو تجھ سے پہلے اللہ کی کتاب تورات وانجیل پڑھتے تھے، وہ تجھے بتلائیں گے کہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابیں محمد ﷺ کی خوشخبری دیتی آئی ہیں، جس سے تیرے وساوس دور ہو جائیں گے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو دین کے معاملہ میں کوئی شبہ پیش آجائے تو اس پر لازم ہے کہ علماءِ حق سے سوال کر کے اپنے شبہات دور کرے، ان کی پرورش نہ کرتا رہے۔

[9] اس آیت میں ارشاد ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ منکر قومیں ایسے وقت ایمان لے آتیں کہ ان کا ایمان ان کو نفع دیتا، یعنی موت کے وقت یا وقوعِ عذاب اور مبتلا عذاب ہو چکنے کے بعد یا قیامِ قیامت کے وقت جب کہ توبہ کا دروازہ

بند ہو جائے گا۔ کسی کی توبہ اور ایمان مقبول نہ ہوگا۔ اس سے پہلے پہلے اپنی سرکشی سے باز آ جاتیں، اور ایمان لے آتیں، بجز قوم یونس علیہ السلام کے کہ انہوں نے ایسا وقت آنے سے پہلے ہی جب اللہ تعالی کا عذاب آتا دیکھا تو فورًا توبہ کر لی اور ایمان لے آئے جس کی وجہ سے ہم نے ان سے رسوا کرنے والا عذاب ہٹا لیا۔

اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کا عذاب سامنے آ جانے پر بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا بلکہ توبہ قبول ہو سکتی ہے، البتہ اخرت کا عذاب سامنے آ جانے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اور عذاب آخرت کا سامنے آنا یا قیامت کے دن ہوگا یا موت کے وقت، خواہ وہ طبعی موت ہو یا کسی دنیوی عذاب میں مبتلا ہو کر ہو جیسے فرعون کو پیش آیا۔

اس لئے قوم یونس علیہ السلام کی توبہ قبول ہو جانا عام ضابطہ الہیہ کے خلاف نہیں بلکہ اس کے ماتحت ہے کیونکہ انہوں نے اگر چہ عذاب آتا ہوا دیکھ کر توبہ کی مگر عذاب میں مبتلا ہونے اور موت سے پہلے کر لی، بخلاف فرعون اور دوسرے لوگوں کے جنہوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد اور غرغرہ موت کے وقت توبہ کی اور ایمان کا اقرار کیا اس لئے ان کا ایمان معتبر نہ ہوا اور توبہ قبول نہ ہوئی۔

قوم یونس علیہ السلام کے واقعہ کی ایک نظیر خود قرآن کریم میں بنی اسرائیل کا وہ واقعہ ہے جس میں کوہ طور کو ان کے سروں پر معلق کر کے ان کو ڈرایا گیا اور توبہ کرنے کا حکم دیا گیا انہوں نے توبہ کر لی تو وہ توبہ قبول ہوئی۔ جس کا ذکر سورۂ بقرہ ۶۳، میں ہے۔ **ورفعنافوقکم الطور خذوا مااتینکم بقوۃ**؛ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے عذاب کے واقع ہونے اور موت میں مبتلا ہونے سے پہلے محض عذاب کا اندیشہ دیکھ کر توبہ کر لی تھی، اسی طرح قوم یونس علیہ السلام نے عذاب کو آتا ہوا دیکھ کر اخلاص اور الحاح وزاری کے ساتھ توبہ کر لی جس کے تفصیل آگے آتی ہے تو اس توبہ کا قبول ہو جانا ضابطہ مذکورہ کی خلاف نہیں (قرطبی)۔

اس جگہ بعض مفسرین سے بہت سخت غلطی ہوئی ہے کہ یونس علیہ السلام کی طرف فریضہ رسالت ادا کرنے میں کوتاہیوں کی نسبت کر دی، اور قوم سے عذاب ہٹ جانے کا سبب پیغمبر کی کوتاہی کو قرار دیا، اور اسی کوتاہی کو سبب عتاب بنایا جس کا ذکر سورۂ انبیاء اور سورۂ صٰفٰت میں آیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:

قرآن کے اشارات اور صحیفہ یونس علیہ السلام کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت ادا کرنے میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں اور غالبا انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر چھوڑ دیا تھا، اس لئے جب اثار عذاب دیکھ کر آشوریوں نے توبہ و استغفار کی تو اللہ تعالی نے انہیں معاف

کر دیا۔قرآن مجید میں الٰہی دستور کے جو اصول وکلیات بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک مستقل دفعہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر اپنی حجت پوری نہیں کر دیتا پس جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے خود ہی اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس قوم کو عذاب دینا گوارہ نہ کیا (تفہیم القرآن)۔

یہاں سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا گناہوں سے معصوم ہونا تو ایک مسلّمہ عقیدہ ہے، جس پر تمام امت کا اجماع ہے اس کی تفصیلات میں کچھ جزوی اختلافات بھی ہیں کہ یہ عصمت ہر قسم کے صغیرہ کبیرہ گناہوں سے ہے یا صرف کبیرہ سے اور یہ کہ یہ عصمت قبل از نبوت کے زمانے کو بھی شامل ہے یا نہیں۔لیکن اس میں کسی فرقہ کسی شخص کا اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب ادائے رسالت کے فریضہ میں کبھی کوتاہی نہیں کر سکتے۔کیونکہ انبیاء علیہ السلام کے لئے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہوسکتا کہ جس منصب کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب فرمایا ہے خود اسی میں کوتاہی کر بیٹھیں یہ تو فرض منصبی میں کھلی ہوئی خیانت ہے جو عام شریف انسانوں سے بھی بعید ہے اس کوتاہی سے بھی اگر پیغمبر معصوم نہ ہوا تو پھر دوسرے گناہوں سے عصمت بے فائدہ ہے۔قران وسنت کے مسلمہ اصول اور اجماعی عقیدہ عصمت انبیاء کے بظاہر خلاف اگر کسی جگہ قران وحدیث میں بھی کوئی بات نظر آتی تو اصول مسلمہ کی رو سے ضروری تھا کہ اس کی تفسیر ومعنی کی ایسی توجیہ تلاش کی جاتی جس سے وہ قرآن وحدیث کے قطعی الثبوت اصول سے متصادم ومختلف نہ رہتے۔

مگر یہاں تو عجیب بات یہ ہے کہ مصنف موصوف نے جس بات کو قرآنی اشارات اور صحیفہ یونس علیہ السلام کی تفصیلات کے حوالہ سے پیش کیا ہے وہ صحیفہ یونسؑ میں ہو تو ہو، جس کا اہل اسلام میں کوئی اعتبار نہیں، قرآنی اشارہ تو ایک بھی نہیں بلکہ ہوا یہ کہ کئی مقدمے جوڑ کر یہ نتیجہ زبردستی نکالا گیا ہے، پہلے تو یہ فرض کرلیا گیا کہ قوم یونسؑ علیہ السلام سے عذاب کا ٹل جانا الٰہی دستور کے خلاف واقع ہوا، جو خود اسی آیت کے سیاق وسباق کے بھی بالکل خلاف ہے اور اہل تحقیق ائمہ تفسیر کی تصریحات کے بھی خلاف ہے اس کے ساتھ یہ فرض کرلیا گیا کہ الٰہی قانون کو اس موقعہ پر اس لئے توڑا گیا تھا کہ خود پیغمبر سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوگئی تھیں۔اس کے ساتھ یہ بھی فرض کرلیا کہ پیغمبر کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی خاص وقت نکلنے کا مقرر کر دیا گیا تھا۔وہ اس وقت مقرر سے فریضہ دعوت کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اگر ذرا بھی غور وانصاف سے کام لیا جائے تو ثابت ہو جائے کہ قران وحدیث کا کوئی اشارہ ان فرضی مقدمات کی طرف نہیں پایا جاتا۔خود آیت قرآن کے سباق پر غور کیجئے تو الفاظ آیت کے یہ ہیں: **فلولا كانت قرية امنت فنفعها ايمانها**

الاقوم یونس.

جس کا مفہوم صاف یہ ہے کہ دنیا کے عام بستی والوں کے متعلق بطور اظہار افسوس یہ ارشاد ہے (یعنی تم افسوس کرو) کہ وہ ایسے کیوں نہ ہو گئے کہ ایمان اس وقت لے آتے جس وقت تک ایمان مقبول اور نافع ہوتا ہے، یعنی عذاب میں یا موت میں مبتلا ہونے سے پہلے پہلے ایمان لے آتے تو ان کا ایمان قبول ہو جاتا، مگر قوم یونس اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ اثار عذاب دیکھ کر عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی ایمان لے آئی تو ان کا ایمان وتوبہ قبول ہو گئی۔ آیت کا یہ واضح مفہوم خود بتلا رہا ہے کہ یہاں کوئی الٰہی قانون نہیں توڑا گیا بلکہ عین الٰہی دستور کے مطابق ان کا ایمان اور توبہ قبول کر لی گئی ہے۔ اکثر مفسرین بحر محیط، قرطبی، زمخشری، مظہری، روح المعانی وغیرہ نے آیت کا یہی مفہوم لکھا ہے جس میں قوم یونس کی توبہ قبول ہونا عام قانون الٰہی کے تحت ہے۔ قرطبی کے الفاظ یہ ہیں: وقال ابن جبیر غشیهم العذاب کمایغشی الثوب القبر، فلماصحت توبتهم رفع الله عنهم العذاب. وقال الطبری خص قوم یونس من بین سائر الامم بان تیب علیهم بعدمعاینة العذاب وذکر ذلک عن جماعة من المفسرین. وقال الزجاج انهم لم یقع بهم العذاب وانمارأو العلامة التی تدل علی العذاب ولورأوعین العذاب لمانفعهم ایمانهم. قلت قول الزجاج حسن فان المعاینة لاتنفع التوبة معهاهی التلبس بالعذاب کقصة فرعون و لهذاجاء بقصة قوم یونس علی اثرقصة فرعون ویعضدهذاقوله علیه السلام ان اللّٰه یقبل توبة العبدمالم یغرغر، والغرغرة الحشرجة، وذلک هوحال التلبس بالموت. وقدروی معنی ماقلناه عن ابن مسعودؓ (الی) هذایدل علی ان توبتهم قبل رؤیة العذاب (الی) وعلی هذافلااشکال ولاتعارض ولاخصوص.

یعنی ابن جبیر کہتے ہیں کہ عذاب نے ان کو اس طرح ڈھانپ لیا تھا، جیسے قبر پر چادر، پھر چونکہ ان کی توبہ صحیح ہو گئی (کہ وقوع عذاب سے پہلے تھی) تو ان کا عذاب اٹھا دیا گیا۔

طبری فرماتے ہیں کہ قوم یونسؑ کو تمام اقوام عالم سے یہ خصوصیت دی گئی ہے کہ معائنہ عذاب کے بعد ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

زجاج نے فرمایا کہ ان لوگوں پر ابھی عذاب پڑا نہیں تھا، بلکہ علامات عذاب دیکھی تھیں، اور اگر عذاب پڑ جاتا تو ان کی توبہ بھی قبول نہ ہوتی۔ =

وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَآمَنَ مَن فِی الْأَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ
اور اگر تمہارا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے
حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ
ہو کہ وہ مومن ہو جائیں؟ ۔ حالانکہ کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے
وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا
اور جو لوگ بے عقل ہیں اُن پر وہ (کفر و ذلت کی) نجاست ڈالتا ہے ، (ان کفار سے) کہو کہ دیکھو تو
فِی السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ
آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے؟ مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کیلئے نشانیاں اور ڈراوے
عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ إِلَّا مِثْلَ أَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ
کچھ کام نہیں آتے ۔ سو جیسے (بُرے) دن ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں اُسی طرح کے (دنوں کے) یہ منتظر ہیں کہہ دو

= قرطبی فرماتے ہیں کہ زجاج کا قول اچھا اور بہتر ہے کیونکہ جس معائنہ عذاب کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی وہ ہے کہ عذاب میں مبتلا ہو جائے جیسا واقعہ فرعون میں پیش آیا، اور اسی لئے اس سورت میں قوم یونسؑ کا واقعہ فرعون کے واقعہ کے بعد متصلا ذکر فرمایا ہے، تاکہ فرق واضح ہو جائے کہ فرعون کے ایمان ابتلا عذاب کے بعد تھا، بخلاف قوم یونسؑ کے کہ وہ وقوع عذاب سے پہلے ہی ایمان لے آئی۔ اس بات کی تائید نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ: اللہ تعالی بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جبتک وہ غرغرہ کی حالت میں نہ پہونچ جائے، اور غرغرہ موت کے وقت طاری ہونے والے سکرات کو کہتے ہیں، اور یہی بات ابن مسعودؓ کی روایت سے معلوم ہوتی ہے جس میں بتلایا ہے کہ قوم یونسؑ نے وقوع عذاب سے پہلے توبہ کر لی تھی۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس تقریر و تفسیر پر نہ کوئی اشکال ہے نہ تعارض نہ قوم یونس کی تخصیص۔

قَبۡلِهِمۡ قُلۡ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّیۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّیۡ رُسُلَنَا

کہ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ۔ اور ہم اپنے پیغمبروں کو

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَیۡنَا نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۳﴾ قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ

اور مومنوں کو نجات دیتے رہے ہیں اسی طرح ہمارا ذمہ ہے کہ مسلمانوں کو نجات دیں ۔ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ لوگو

اِنۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ شَكٍّ مِّنۡ دِیۡنِیۡ فَلَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

اگر تم کو میرے دین میں کسی طرح کا شک ہو تو (سن رکھو کہ) جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو

وَلٰكِنۡ اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىكُمۡ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۴﴾

میں اُن کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ ایمان لانے والوں میں ہوں

وَاَنۡ اَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا ۚ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۰۵﴾

اور یہ کہ (اے محمد ﷺ! سب سے) یکسو ہو کر دینِ (اسلام) کی پیروی کئے جاؤ اور مشرکوں میں ہرگز نہ ہونا

وَلَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنۡ فَعَلۡتَ

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا کچھ بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے اگر ایسا کرو گے

فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنۡ یَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ

تو ظالموں میں ہو جاؤ گے ۔ اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کے سوا اس کا کوئی دُور کرنے والا نہیں

لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنۡ یُّرِدۡكَ بِخَیۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ ؕ یُصِیۡبُ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ

اور اگر تم سے بھلائی کرنی چاہے تو اُس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا

مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ

ہے وہ بخشنے والا مہربان ہے ۔ کہہ دو کہ لوگو!

قَدْ جَآءَ كُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ

تمہارے رب کے ہاں سے تمہارے پاس حق آچکا ہے تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے

فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا

تو ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور میں تمہارا وکیل نہیں ہوں

يُوْحٰىٓ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور تمہیں جو حکم بھیجا جاتا ہے اُس کی پیروی کئے جاؤ اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

سورة هود (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍ ۙ﴿۱﴾

الر۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کر دی گئی ہیں (وہ یہ)

اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ ۙ﴿۲﴾

کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میں اس کی طرف سے تمہیں ڈر سنانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں

وَّاَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ يُمَتِّعۡكُمۡ مَّتَاعًا

اور یہ کہ اپنے رب سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو وہ تمہیں ایک وقت مقرر تک

حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤۡتِ كُلَّ ذِىۡ فَضۡلٍ فَضۡلَهٗ ؕ

متاعِ نیک سے بہرہ مند کرے گا اور ہر صاحبِ بزرگی کو اُس کی بزرگی (کی داد) دے گا

وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ كَبِيۡرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ

اور اگر رُوگردانی کرو گے تو مجھے تمہارے بارے میں (قیامت کے) بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ تم (سب) کو اللہ

مَرۡجِعُكُمۡ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ يَثۡنُوۡنَ صُدُوۡرَهُمۡ

کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ دیکھو یہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں

لِيَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡهُ ؕ اَلَا حِيۡنَ يَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِيَابَهُمۡ ۙ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۚ

تاکہ اللہ سے پردہ کریں، سن رکھو جس وقت یہ کپڑوں میں لپٹ کر پڑتے ہیں (تب بھی) وہ اُن کی چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے

إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٥﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ

وہ تو دلوں تک کی باتوں سے آگاہ ہے اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے

إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ

وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی یہ سب کچھ کتابِ روشن میں لکھا ہے

﴿٦﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهُ

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا ہے (اس وقت) اس کا عرش

عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط وَلَئِنْ قُلْتَ

پانی پر تھا (تمہارے پیدا کرنے سے) حکمت یہ ہے کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے [۱] اور اگر تم کہو

إِنَّكُمْ مَّبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ

کہ تم لوگ مرنے کے بعد (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے تو کافر کہہ دیں گے کہ یہ تو

---

[۱] یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ''احسن عملا'' فرمایا ہے، یعنی کون اچھا عمل کرنے والا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ نماز، روزہ، تلاوت و ذکر کی عملی کثرت اور بہت بڑی مقدار سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نظر حسن عمل پر ہے، اسی حسن عمل کو ایک حدیث میں اِحسان سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہو اور کوئی دنیوی غرض اس میں نہ ہو اور اُس عمل کی صورت بھی وہ اختیار کی جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے بتلایا اور امت کے لئے اتباع سنت کو لازم قرار دیا، خلاصہ یہ ہے کہ تھوڑا عمل جو پورے اخلاص کے ساتھ سنت کے مطابق ہو، وہ اس زیادہ عمل سے بہتر ہے جس میں یہ چیزیں نہ ہوں یا کم ہوں۔

مُّبِیۡنٌ ﴿۷﴾ وَلَئِنۡ اَخَّرۡنَا عَنۡهُمُ الۡعَذَابَ اِلٰۤی اُمَّةٍ مَّعۡدُوۡدَةٍ لَّیَقُوۡلُنَّ

کھلا جادو ہے۔ اور اگر ایک مدت معیّن تک ہم ان سے عذاب روک دیں تو کہیں گے

مَا یَحۡبِسُهٗ ؕ اَلَا یَوۡمَ یَاۡتِیۡهِمۡ لَیۡسَ مَصۡرُوۡفًا عَنۡهُمۡ وَحَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا

کہ کونسی چیز عذاب کو روکے ہوئے ہے دیکھو جس روز وہ ان پر واقع ہوگا (پھر) ٹلنے کا نہیں اور جس چیز کے ساتھ یہ استہزاء

بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۸﴾ وَلَئِنۡ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً ثُمَّ نَزَعۡنٰهَا مِنۡهُ

کیا کرتے ہیں وہ ان کو گھیر لے گی۔ اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے نعمت بخشیں پھر اس سے اس کو چھین لیں

اِنَّهٗ لَیَـُٔوۡسٌ كَفُوۡرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَیَقُوۡلَنَّ

تو ناامید (اور) ناشکرا (ہو جاتا) ہے۔ اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد آسائش کا مزہ چکھائیں (تو خوش ہو کر) کہتا ہے

ذَهَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیۡ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا

کہ (آہا) سب سختیاں مجھ سے دُور ہو گئیں بیشک وہ خوشیاں منانے والا (اور) فخر کرنے والا ہے۔ ہاں جنہوں نے صبر کیا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ كَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

اور عمل نیک کئے یہی ہیں جن کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعۡضَ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدۡرُكَ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا

ایا تو کچھ چیز وحی میں سے جو تمہارے پاس آتی ہے چھوڑ دو اور اس (خیال) سے تمہارا دل تنگ ہو کہ (کافر) یہ کہنے لگیں

لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ نَذِیۡرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی

کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ اے محمد ﷺ! تم تو صرف نصیحت کرنے

كُلِّ شَیۡءٍ وَّكِیۡلٌ ﴿۱۲﴾ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ

والے ہو اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ یہ کیا کہتے ہیں کہ اس نے قرآن از خود بنا لیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم بھی ایسی دس

سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ

سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو بلا بھی لواگرتم سچے ہو۔

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ

اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ وہ اللہ کے علم سے اترا

وَأَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

ہےاور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تمہیں بھی اسلام لے آنا چاہیئے ۔ جولوگ دنیا کی زندگی اوراس کی زیب وزینت کے

وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ أُولٰٓئِكَ

طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دیدیتے ہیں اوراس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی ۔ یہ وہ لوگ ہیں

الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا

جن کے لئے آخرت میں آتش (جہنم) کے سوا اور کچھ نہیں اور جو عمل انہوں نے کئے سب برباد

وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع ہو گئے ۔ بھلا جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتے ہوں

وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰٓى إِمَامًا وَّرَحْمَةً

اوران کے ساتھ ایک (آسمانی) گواہ بھی اس کی جانب سے ہواوراس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہو جو پیشوااور رحمت ہے

أُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْأَحْزَابِ

(تو کیا وہ قرآن پرایمان نہیں لائیں گے) یہی لوگ تواس پرایمان لاتے ہیں اور جوکوئی اورفرقوں میں سے اس سے منکر ہو

فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ

تواس کا ٹھکانہ آگ ہے تو تم اس (قرآن) سے شک میں نہ ہونا یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ

النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

ایمان نہیں لاتے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے

أُولٰٓئِكَ يُعْرَضُونَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِينَ كَذَبُوا

ایسے لوگ اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا تھا

عَلٰى رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِينَ ﴿١٨﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ

سن رکھو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ جو اللہ کے رستے سے روکتے ہیں

اللّٰهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ ﴿١٩﴾ أُولٰٓئِكَ

اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہ آخرت سے بھی انکار کرتے ہیں ۔ یہ لوگ

لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ

زمین میں (کہیں بھاگ کر اللہ کو) ہرا نہیں سکتے اور نہ اللہ کے سوا ان کا حمایتی ہے (اے پیغمبر!)

يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ

ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا کیونکہ یہ (شدتِ کفر سے تمہاری بات) نہیں سن سکتے تھے

وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ

اور نہ یہ دیکھتے ہی تھے یہی ہیں جنہوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا

مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾

اور جو کچھ یہ افتراء کیا کرتے تھے ان سے جاتا رہا۔ بلا شبہ یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان پانے والے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَأَخْبَتُوٓا إِلٰى رَبِّهِمْ

جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور اپنے پروردگار کے آگے عاجزی کی

أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ

وہی جنت میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہی رہنے والے ہیں،ان دونوں فرقوں کی مثال

كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا

جیسے ایک اندھا بہرہ ہو اور ایک دیکھتا سنتا بھلا دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے،

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ

پھرتم سوچتے کیوں نہیں؟ اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تمہیں کھول کھول کر ڈر سنانے آیا ہوں۔

﴿۲۵﴾ أَن لَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّا ٱللَّهَ إِنِّىٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿۲۶﴾

کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہاری نسبت عذابِ الیم کا خوف ہے۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَىٰكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ ہم تمہیں اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں

وَمَا نَرَىٰكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ

اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے

وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَٰذِبِينَ ﴿۲۷﴾

(نہ غور وتعمق سے) اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّى

انہوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں

وَءَاتَىٰنِى رَحْمَةً مِّنْ عِندِهِۦ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا

اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس کے لئے تمہیں مجبور کر

كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ

سکتے ہیں؟ اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔ اور اے قوم! میں اس (نصیحت) کے بدلے تم سے مال وزر کا خواہاں نہیں

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا

ہوں میرا صلہ تو اللہ کے ذمے ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں میں ان کو نکالنے والا بھی نہیں ہوں وہ تو اپنے پروردگار سے

رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ

ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔ اور اے قوم! اگر میں ان کو نکال دوں تو

اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ

(عذابِ) الٰہی سے (بچانے کے لئے) کون میری مدد کر سکتا ہے بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ

خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کی نسبت

تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ان کو بھلائی نہیں دے گا جو ان کے دلوں

اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا

میں ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں تو بے انصافوں میں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نوح! تم نے ہم سے جھگڑا

فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ

تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا لیکن اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر لا نازل کرو۔ نوح نے کہا

اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

کہ اس کو تو اللہ ہی چاہے گا تو نازل کرے گا اور تم (اس کو کسی طرح) ہرا نہیں سکتے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ إِنْ أَرَدْتُّ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ

اور اگر میں چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور اللہ یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تمہیں کچھ فائدہ نہیں

إِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ أَنْ يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ أَمْ يَقُوْلُوْنَ

دے سکتی وہی تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

افْتَرَاهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِيْ

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن اپنے جانب سے بنالیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر میں نے اپنے جانب سے بنالیا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر

وَأَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَأُوْحِيَ إِلٰى نُوْحٍ أَنَّهُ لَنْ يُّؤْمِنَ

اور جو گناہ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے

مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

(لا چکے) ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا إِنَّهُمْ

اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے روبرو بناؤ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا

مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهٖ

کیونکہ وہ ضرور غرق کردیئے جائیں گے۔ تو نوح نے کشتی بنانی شروع کر دی اور جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے

سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

گزرتے تو ان سے تمسخر کرتے وہ کہتے کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو اسی طرح ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّأْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

اور تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا کہ ہر قسم کے جانداروں)

مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

میں سے جوڑا جوڑا (یعنی) دو (دو جانور ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے

وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ

(نوح نے) کہا کہ اللہ کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا (ہے) اس میں سوار ہو جاؤ بیشک میرا

رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ

پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھے)

وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا

اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو کہ (کشتی سے) الگ تھا پکارا کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا

وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ

اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا کہ میں (ابھی) پہاڑ سے جا لگوں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ

انہوں نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر اللہ رحم کرے

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ

اتنے میں دونوں کے درمیان لہر حائل ہوئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا۔ اور حکم دیا گیا کہ اے زمین!

ابْلَعِیْ مَآءَکِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ

اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا

وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾

اور کشتی کوہِ جودی پر جاٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت۔

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ

اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں ہے

وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ ﴿۴۵﴾

تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔ [2]

---

[2] نوح علیہ السلام نے فرمایا آج طوفان سے اللہ کے سوی کوئی نہیں بچا سکے گا، اس لئے پہاڑ وغیرہ کی پناہ بے سود ہے، (من رحم) میں موصول سے ذات باری تعالی مراد ہے گویا کہ یوں کہا گیا "لاعاصم الیوم من امر اللہ الا ھو سبحانہ و تعالی" اور ضمیر کی جگہ جملہ اظہار شان رحمت کے لئے لایا گیا۔ یا "عاصم" صیغہ نسبت ہے "لابن" دودھ والا، اور "تامر" کھجور والا کی طرح۔ اور موصول سے مرحوم مراد ہے (ای لا ذاعصمۃ)، ای لا معصوم الامن رحمہ اللہ تعالی، (روح، مظہری)۔

یا مستثنی منقطع ہے یعنی آج کوئی بچنے والا نہیں البتہ جس پر اللہ کی رحمت ہوگئی، وہی بچے گا، الامن رحم استثناء منقطع و المعنی لکن من رحم اللہ معصوم (کبیر)۔

"وحال بینھما الموج" اتنے میں طوفان کی ایک لہر نے کنعان کو اپنی لپیٹ میں لے کر اس کا کام تمام کر دیا۔

قَالَ يٰنُوْحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ
اللہ نے فرمایا کہ اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے وہ تو ناشائستہ افعال والا ہے تو جس چیز کی تمہیں حقیقت معلوم نہیں

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ إِنِّيْٓ أَعِظُكَ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾
اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو اور میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنو۔

قَالَ رَبِّ إِنِّيْٓ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ
نوح نے کہا پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی مجھے حقیقت معلوم نہیں

وَإِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ أَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ
اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا کہ نوح

اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى أُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ
ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ

وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾
اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے پھر ان کو ہماری طرف سے عذابِ الیم پہنچے گا۔

تِلْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ أَنْتَ وَلَا
یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے

قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَإِلٰى عَادٍ
اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو صبر کرو کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔ اور ہم نے عاد کی طرف

أَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ
ان کے بھائی ہود کو (بھیجا) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کے بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ط

تم اللہ پر محض بہتان باندھتے ہو، میری قوم! میں اس (وعظ ونصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ

میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟ ۔ اور اے قوم!

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْآ إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا

وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ

اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گنہگار بن کر روگردانی نہ کرو۔وہ بولے کہ اے ہود!

مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ

تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر نہیں لائے اور ہم (صرف) تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں

وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ إِنْ نَّقُوْلُ إِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا

اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے

بِسُوْٓءٍ ط قَالَ إِنِّيْٓ أُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا أَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

انہوں نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جنہیں تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

(یعنی جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو تو) تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔

إِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ط مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا

میں اللہ پر جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے بھروسا رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اس کو چوٹی سے

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم
پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو جو پیغام میرے ہاتھ تمہاری
مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ
طرف بھیجا گیا ہے وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا اور تم اللہ کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے
إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا
میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے ہُود کو
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾
اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور انہیں عذابِ شدید سے نجات دی
وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ
یہ (وہی) عاد ہیں جنہوں نے اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر متکبر
عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا
وسرکش کا کہا مانا۔ تو اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی)۔ دیکھو عاد
كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ
نے اپنے پروردگار سے کفر کیا (اور) سن رکھو ہُود کی قومِ عاد پر پھٹکار ہے۔ اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (کو بھیجا)
يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ
تو انہوں نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا
وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾
اور اس میں آباد کیا تو اس سے مغفرت مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو بیشک میرا پروردگار نزدیک (بھی ہے اور دعا کا) قبول کرنے والا بھی ہے

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ

انہوں نے کہا کہ اے صالح اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے (اب وہ منقطع ہو گئیں)

أَتَنْهٰنَآ أَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَآؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

کیا تم ہمیں ان چیزوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پوجتے آئے ہیں اور جس بات کی طرف تم ہیں

إِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ

بلاتے ہو اس میں ہمیں قوی شبہ ہے۔ صالح نے کہا کہ اے قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل

وَآتٰنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ إِنْ عَصَيْتُهُ قف

پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشی ہو تو اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو اس کے سامنے میری کون مدد کرے گا؟

فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ آيَةً

تم تو (کفر کی باتوں سے) میرا نقصان کرتے ہو۔ اور (یہ بھی کہا کہ) اے قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی (یعنی

فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ فِيْٓ أَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ

معجزہ) ہے تو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں (جہاں چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد

قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ

عذاب آ پکڑے گا۔ مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو (صالح نے) کہا کہ اپنے گھروں میں تین دن

ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا

(اور) فائدہ اٹھالو یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہو گا۔ جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح کو

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ

اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے (محفوظ رکھا) بیشک

رَبَّکَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿٦٦﴾ وَأَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَأَصْبَحُوْا

تمہارا پروردگار طاقتور اور زبردست ہے۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو چنگھاڑ (کی صورت میں عذاب) نے آ پکڑا

فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿٦٧﴾ کَأَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَآ اَلَآ إِنَّ ثَمُوْدَا کَفَرُوْا رَبَّهُمْ

تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے سن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا

اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرَاهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا

اور سن رکھو ثمود پر پھٹکار ہے۔ اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کہا انہوں نے بھی

سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَأٰی أَیْدِیَهُمْ

(جواب میں) سلام کہا ابھی کچھ وقفہ نہیں ہوا تھا کہ (ابراہیم) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ

لَا تَصِلُ إِلَیْهِ نَکِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ

کھانے کی طرف نہیں جاتے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو ان کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا (فرشتوں نے) کہا کہ خوف

إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَأَتُهُ قَآئِمَةٌ فَضَحِکَتْ

نہ کیجئے ہم قومِ لوط کی طرف (ان کے ہلاک کرنے کو) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم کی بیوی (جو پاس) کھڑی تھی ہنس پڑی

فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَّرَآءِ إِسْحَاقَ یَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ

تو ہم نے اس کو اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے کہا

یٰوَیْلَتٰی ءَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا إِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ

کہ اے ہے میرے بچہ ہو گا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں یہ تو بڑی عجیب بات ہے

﴿٧٢﴾ قَالُوْا أَتَعْجَبِیْنَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَکٰتُهُ عَلَیْکُمْ أَهْلَ

انہوں نے کہا کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہلِ بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں

الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ

وہ سزاوارِ تعریف اور بزرگوار ہے۔ جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری بھی مل گئی

الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ﴿۷۴﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ﴿۷۵﴾

تو قومِ لوط کے بارے میں ہم سے بحث کرنے لگے۔ بیشک ابراہیم بڑے تحمل والے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے

يٰٓإِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا إِنَّهُ قَدْ جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ اٰتِيهِمْ عَذَابٌ

اے ابراہیم! اس بات کو جانے دو تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا ہے اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے

غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿۷۶﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

جو کبھی نہیں ٹلنے کا۔ اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے

ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ

اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔ اور لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس بے تحاشا دوڑتے ہوئے آئے

وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئٰتِ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ

اور یہ لوگ پہلے ہی سے فعلِ شنیع کیا کرتے تھے لوط نے کہا کہ اے قوم! یہ (جو) میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں یہ تمہارے لئے

لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِيٓ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ﴿۷۸﴾

(جائز اور) پاک ہیں تو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں (کے بارے) میں میری رسوائی نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں؟

قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿۷۹﴾

وہ بولے کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری (قوم کی) بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں اور جو ہماری غرض ہے اسے تم (خوب) جانتے ہو

قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ اٰوِيٓ إِلٰى رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿۸۰﴾

لوط نے کہا کہ اے کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط کا آسرا پکڑ پاتا۔

قَالُوْا يٰلُوْطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ

فرشتوں نے کہا کہ لوط! ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے تو کچھ رہے سے اپنے گھر

بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيْبُهَا

والوں کو لے کر چل دو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ جو آفت ان پر پڑنے والی ہے

مَآ أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ

وہی اس پر پڑے گی ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دُور ہے؟ ۔ تو جب ہمارا حکم آیا

أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ

ہم نے اس (بستی) کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر پتھر کی تہ بتہہ (یعنی پے در پے) کنکریاں برسائیں

مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کئے ہوئے تھے اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں

وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) تو انہوں نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ إِنِّيْ أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَّإِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ

اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو) مجھے تمہارے بارے میں

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ

ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں گھیر کر رہے گا۔ اور اے قوم! ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں خرابی کرتے نہ پھرو۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمَآ أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿۸۶﴾

اگر تمہیں (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لئے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں

قَالُوا يٰشُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَآ

انہوں نے کہا کہ اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں

أَوْ أَنْ نَّفْعَلَ فِيٓ أَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿۸۷﴾

ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو

قَالَ يٰقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّي وَرَزَقَنِي مِنْهُ

انہوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے ہاں سے مجھے

رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَآ أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلٰى مَآ أَنْهٰكُمْ عَنْهُ

نیک روزی دی ہو (تو کیا میں ان کے خلاف کروں گا)؟ اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ

خود اس کو کرنے لگوں میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں)

وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ

مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے قوم!

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيٓ أَنْ يُّصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَآ أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ

میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کرا دے کہ جیسی مصیبت نوح کی قوم یا ہود کی قوم

أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ ﴿۸۹﴾

یا صالح کی قوم پر واقع ہوئی تھی ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو بیشک میرا پروردگار رحم والا (اور) محبت والا ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ

انہوں نے کہا کہ شعیب تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو

وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

اور اگر تمہارے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا

انہوں نے کہا کہ اے قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے اور اس کو تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے

اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ

میرا پروردگار تو تمہارے سب اعمال پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ میں

عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ

(اپنی جگہ) کام کئے جاتا ہوں تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رُسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے

وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ

اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور جو ظالم تھے ان کو چنگھاڑ نے آ دبوچا تو وہ اپنے گھروں میں

دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ

اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے سن رکھو کہ مدین پر (ویسی ہی) پھٹکار ہے جیسی ثمود پر پھٹکار تھی۔

ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور دلیل روشن دے کر بھیجا ۔ (یعنی)

إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف تو وہ فرعون ہی کے حکم پر چلے اور فرعون کا حکم درست نہیں تھا

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾

وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں جا اتارے گا اور جس مقام پر وہ اتارے جائیں گے وہ بُرا ہے

وَأُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

اور اس جہان میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی) جو انعام ان کو ملا ہے بُرا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾

یہ بستیوں کے تھوڑے سے حالات ہیں جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض تو باقی ہیں اور بعض تہس نہس ہو گئے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ فَمَآ أَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ

اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا اور جب تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا تو جن معبودوں

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ

کو وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ اور تباہ کرنے کے سوا ان کے حق میں اور کچھ نہ کر سکے۔

تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَآ أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ

اور تمہارا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے

إِنَّ أَخْذَهٗٓ أَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ

بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) سخت ہے۔ ان (قصوں) میں اس شخص کے لئے جو عذابِ آخرت سے

الۡاٰخِرَةِ ذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِکَ یَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ ﴿۱۰۳﴾

ڈرے عبرت ہے یہ وہ دن ہوگا جس میں سب اکٹھے کئے جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جس میں سب حاضر کئے جائیں گے

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعۡدُوۡدٍ ﴿۱۰۴﴾ یَوۡمَ یَاۡتِ لَا تَکَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ

اور ہم اس کے لانے میں ایک وقت معین تک تاخیر کر رہے ہیں۔ جس روز وہ آ جائے گا تو کوئی نفس اللہ کے حکم کے

فَمِنۡهُمۡ شَقِیٌّ وَّسَعِیۡدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ شَقُوۡا فَفِی النَّارِ

بغیر بول بھی نہیں سکے گا پھر ان میں سے کچھ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔ تو جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں

لَهُمۡ فِیۡهَا زَفِیۡرٌ وَّشَهِیۡقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

(ڈال دیئے جائیں گے) اس میں ان کو چلانا اور دھاڑنا ہو گا۔(اور) جب تک آسمان

وَالۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ ﴿۱۰۷﴾

و زمین ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے بیشک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِیۡنَ سُعِدُوۡا فَفِی الۡجَنَّةِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

اور جو نیک بخت ہوں گے وہ بہشت میں (داخل کئے جائیں گے اور) جب تک آسمان

وَالۡاَرۡضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ؕ عَطَآءً غَیۡرَ مَجۡذُوۡذٍ ﴿۱۰۸﴾

اور زمین ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے یہ (اللہ کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی

فَلَا تَکُ فِیۡ مِرۡیَةٍ مِّمَّا یَعۡبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ؕ مَا یَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا کَمَا

تو یہ لوگ جو (غیر اللہ کی) پرستش کرتے ہیں اس سے تم خلجان میں نہ پڑنا یہ اسی طرح پرستش کرتے ہیں جس طرح

یَعۡبُدُ اٰبَآؤُهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوۡهُمۡ نَصِیۡبَهُمۡ غَیۡرَ مَنۡقُوۡصٍ ﴿۱۰۹﴾

پہلے سے ان کے باپ دادا پرستش کرتے آئے ہیں اور ہم ان کو ان کا حصہ پورا پورا بلا کم و کاست دینے والے ہیں

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ

ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور وہ تو اس سے قوی شبہے میں (پڑے ہوئے) ہیں۔ اور تمہارا پروردگار ان سب کو (قیامت

رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ

کے دن) ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا بیشک جو عمل یہ کرتے ہیں وہ اس سے واقف ہے۔[3] سو (اے پیغمبر!) جیسا تمہیں

أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱۲﴾

حکم ہوتا ہے (اس پر) تم اور جو لوگ تمہارے ساتھ تائب ہوئے ہیں قائم رہو اور حد سے تجاوز نہ کرنا وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ

اور جو لوگ ظالم ہیں ان کی طرف مائل نہ ہونا نہیں تو تمہیں (دوزخ کی) آگ آ لپٹے گی اور اللہ کے سوا تمہارے

مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ﴿۱۱۳﴾ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ

اور دوست نہیں ہیں اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہو گئے تو پھر تم کو (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی۔ اور دن کے دونوں سروں

---

[3] اس آیت میں تخویف اخروی ہے اس کی دو ترکیبیں ہیں ا۔ "کلا" اسم "انّ" اور "لمّا" کی شرط محذوف ہے ای یبعثھم۔ اور "لیوفیّنھم" جزاء ہے، اور شرط و جزاء مجموعہ "انّ" کی خبر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ بیشک جب ہر ایک کو اللہ اٹھائے گا تو ان کو پوری پوری جزاء دیگا۔

۲۔ لیوفینھم شرط اور "انہ بما تعملون خبیر" اس کی جزا ہے اور مجموعہ شرط و جزا "انّ" کی خبر ہے، یعنی بیشک ہر ایک کو جب اللہ جزا دے گا تو وہ ان کے اعمال سے خبردار ہوگا۔

وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ؕ ذٰلِكَ

(یعنی صبح اور شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دُور

ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

کر دیتی ہیں یہ ان کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں اور صبر کئے رہو کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي

تو جو امتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں ان میں ایسے ہوشمند کیوں نہ ہوئے جو ملک میں خرابی کرنے سے روکتے

الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ

ہاں (ایسے) تھوڑے سے (تھے) جن کو ہم نے ان میں سے مخلصی بخشی اور جو ظالم تھے وہ انہی باتوں کے پیچھے لگے رہے

ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

جن میں عیش و آرام تھا اور وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔[4]

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جب کہ وہاں کے باشندے نیکوکار ہوں ازارہِ ظلم تباہ کر دے

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے

---

[4]"لولا" بمعنی "هلا" برائے تخضیض ہے، یعنی تم سے پہلے قرون میں جو لوگ عقل ورائے والے اور دین کے راہنما تھے انہوں نے دوسرے لوگوں کو شرک وکفر سے کیوں نہ روکا؟ جو زمین میں اصل شر وفساد کی جڑ ہے۔ "بقية" کے معنے اصحاب طاعۃ و دین و عقل و بصر ہے (قرطبی) اور "الا قليلا" استثناء منقطع ہے یعنی البتہ بہت تھوڑے لوگ ایسے ضرور تھے جن کو ہم نے عذاب سے بچالیا۔ جبکہ باقی سرکش قوم کو ہلاک کر دیا۔

إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّکَ لَأَمْلَأَنَّ

مگر جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے اور اسی لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور تمہارے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ

جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْکَ

کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ (اے محمد ﷺ!) اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں

مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَکَ ۚ وَجَاءَکَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ

ان سے ہم تمہارے دل کو قائم رکھتے ہیں اور ان (قصص) میں تمہارے پاس حق پہنچ گیا اور (یہ)

وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلٰى

مومنوں کے لئے نصیحت اور عبرت ہے۔[5] اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دو کہ تم اپنی جگہ عمل

مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عٰمِلُونَ ﴿١٢١﴾ وَانتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾

کئے جاؤ ہم (اپنی جگہ) عمل کئے جاتے ہیں۔ اور (نتیجہ اعمال کا) تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ

اور آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کا علم اللہ ہی کو ہے اور تمام امور کا رجوع اسی کی طرف ہے

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٢٣﴾

تو اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسا رکھو اور جو کچھ تم کر رہے ہو تمہارا پروردگار اس سے بے خبر نہیں ہے۔

---

[5] یہ آیت تمام سابقہ قصوں سے متعلق ہے "کلا" مبدل منہ "مانثبت به" بدل، اور "من انباء الرسل" "مانثبت" کا بیان ہے، یہ قصے ہم نے اس لئے بیان کئے تا کہ آپؐ کے دل میں ثبات و استقلال زیادہ پیدا ہو، اور آپ تبلیغ توحید کی راہ میں ہر کٹھن سے کٹھن وقت کا صبر و ثبات سے مقابلہ کر سکیں، اور مشرکین کے مسلسل رد و انکار کی وجہ سے مایوس نہ ہو جائیں۔

سورة يُوسف (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ آيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

الٓر۔ یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں ۔ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ

سمجھ سکو ۔ (اے پیغمبر!) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے تمہیں

بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْآنَ ق وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾

ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے

إِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ إِنِّيْ رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ ابا میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے،

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ

دیکھتا (کیا) ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔[1] انہوں نے کہا کہ بیٹا!

---

[1] علماء یہود نے مشرکین سے کہا کہ محمد ﷺ سے پوچھو، آل یعقوب شام سے مصر کیسے منتقل ہوئی اور یوسف علیہ السلام کا کیا قصہ ہے؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی (بیضاوی) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے رسول پاک ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ہمیں کوئی عبرت آمیز قصہ سنائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے سورت یوسف نازل فرمائی (خازن)۔ ''احسن القصص'' اس قصے کو احسن القصص اس لئے کہا گیا کہ اس سے دو نہایت اہم مسئلے واضح ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں، اور نہ اس کے سوا کوئی متصرف ومختار ہے اور ساری مخلوق اس کی قضا وقدر کے سامنے عاجز و بے وبس ہے: **وقد افادت انه لا دافع لقضاء الله تعالی ولا مانع من قدره وانه سبحانه اذا قضی لانسان بخیر ومکرمة فلو ان اهل العالم اجتمعوا علی دفع ذلک لم یقدروا** (روح) یا احسن القصص اس لئے فرمایا کہ یہ واقعہ جس فصاحت وبلاغت اور حسن اداء سے بیان کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، یا یہ عبرتوں، نصیحتوں اور حکمتوں سے لبریز ہونے کی وجہ سے احسن القصص ہے، **کونه احسن القصص لما فیه من العبر و النکت و الحکم و العجائب التی لیست فی غیرها.** (کبیر).

یہ قصہ بیان کرنے سے پہلے آپ کو اس کی تفصیلات کا علم نہ تھا۔ "ان کنت" میں "ان" **مخففه من المثقله** ہے اور ضمیر شان محذوف ہے، **ان مخففة من الثقیلة واللام فارقة بینها وبین النافیة** یعنی، **وان الشان.** (مدارک).

"**اذ قال یوسف**" یہاں سے قصے کی ابتداء ہوتی ہے اور یہ مختلف پندرہ احوال پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک حالت ان دونوں مسئلوں کو واضح اور ثابت کرتی ہے، یعنی عالم الغیب اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ **الٓر** [۱] تا **لمن الغافلین** [۳] تمہید ہے اس کے بعد قصہ شروع ہوتا ہے۔

پہلا حال "**اذ قال یوسف لابیه**" [۴] تا "**اٰیٰت للسائلین**" [۷] یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب یعقوب علیہ السلام سے بیان کیا تو انہوں نے ہدایت فرمائی کہ یہ خواب بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا۔

دوسرا حال: "**اذ قالوا لیوسف**" [۴] تا "**والله المستعان علی ماتصفون**" [۱۸] یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں اپنے باپ کے نظروں سے اوجھل کرنے کا منصوبہ بنایا، پھر والد گرامی سے سیر کے بہانے یوسف علیہ السلام کو جنگل میں لے جانے کی درخواست کی جسے انہوں نے ادنی تامل کے بعد قبول کر لیا۔ بھائیوں نے انہیں ساتھ لے جا کر جنگل میں ایک ویران کنویں میں ڈال دیا، اور شکار کے خون سے ان کی قمیص لت پت کی، اور رات کو روتے ہوئے گھر پہنچے اور یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا کہ یوسف کو بھیڑیئے نے پھاڑ کھایا، یہ اس کا خون آلودہ کرتہ ہے۔ یہ سب کچھ ہوا مگر ان باتوں کی اصل حقیقت کا علم یعقوب علیہ السلام کو نہ ہو سکا۔

تیسرا حال۔ "**وجاءت سیارة فارسلوا واردهم**" [۱۹] تا "**وکانوا فیه من الزاهدین**"

[۲۰] ادھر سے ایک قافلہ گذرا جس نے یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر ساتھ لے لیا اور مصر میں جا کر فروخت کر دیا۔ مگر فرزند کی اس نقل و حرکت کا یعقوب علیہ السلام کو کوئی علم نہ تھا۔

چوتھا حال۔ ''وقال الذی اشتراہ من مصر'' [۲۱] تا ''ولکن اکثر الناس لایعلمون'' [۲۱] عزیز مصر انہیں خرید کر گھر لے آیا اور بیوی کو ان سے حسن سلوک اور اعزاز و اکرام سے پیش آنے کی ہدایت کی۔

پانچواں حال۔ ''ولما بلغ اشدہ اتیناہ حکما و علما'' [۲۲] تا ''انک کنت من الخاطئین'' [۲۹] عزیز مصر کی بیوی یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہوگئی اور انہیں ورغلانے کی کوشش کی، مگر اللہ تعالی نے محض اپنی توفیق سے ان کو بچالیا۔ اسی اثناء میں عزیز مصر بھی گھر آ پہنچا اور حقیقت حال جاننے کے بعد اس نے اپنی بیوی کو ملزم اور یوسف علیہ السلام کو بری قرار دیا۔

چھٹا حال۔ ''وقال نسوۃ فی المدینۃ'' [۳۰] تا ''لیسجننہ حتی حین'' [۳۵] اس واقعہ کا شہر میں چرچا ہونے لگا، کہ عزیز مصر کی بیوی نے اپنے غلام کو بدنیتی سے ورغلانے کی کوشش کی ہے۔ عزیز مصر کی بیوی نے جب اپنا یہ چرچہ سنا، تو یوسف علیہ السلام کو پھانسنے کے لئے شہر کی عورتوں کو اپنے یہاں مدعو کر کے ایک نیا جال بچھایا، جب اس میں بھی ناکام ہوگئی تو بدنامی سے بچنے کے لئے یوسف علیہ السلام کو بغیر کسی جرم کے جیل بھجوا دیا۔

ساتواں حال۔ ''ودخل معہ السجن فتیان'' [۳۶] تا ''فلبث فی السجن بضع سنین'' [۴۲] یوسف علیہ السلام کے ہمراہ دو اور ملزم بھی قید خانہ میں داخل ہوئے، یہ دونوں بادشاہ کے درباری تھے، انہوں نے خواب دیکھے اور یوسف علیہ السلام سے تعبیر کے لئے بیان کئے۔ انہوں نے تعبیر دینے سے پہلے ان کو مسئلہ توحید سمجھایا، اور انہیں بتایا کہ اللہ کے سوا کوئی متصرف و مختار اور پکار کے لائق نہیں، اس حصے میں سورۂ ہود کے پہلے دعوے کا تفصیل سے اعادہ کیا گیا ہے آخر میں یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دونوں ساتھیوں کو انکے خوابوں کی تعبیر بتائی۔

آٹھواں حال۔ ''وقال الملک انی اری سبع بقرات'' [۴۳] تا ''وفیہ یعصرون'' [۴۹] شاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جسے اس نے ارکان دربار کے سامنے بیان کر کے اسکی تعبیر پوچھی۔ ارکان دولت میں سے کوئی بھی خواب کی تعبیر تک رسائی حاصل نہ کر سکا اس لئے سب نے بادشاہ کے خواب کو خیال پریشان کہہ کر خاموشی اختیار کی، جو درباری الزام سے بری ہو کر دوبارہ دربار میں باریاب ہوا تھا، اسے یوسف علیہ السلام یاد آئے، اور اس نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی

کہ مجھے اجازت دیجئے اس خواب کی تعبیر میں لے کر آتا ہوں وہ شخص فوراً باجازت خاص قید خانے میں یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور بادشاہ کا خواب بیان کیا انہون نے اسکی تعبیر بتائی جو اس نے بادشاہ مصر کے سامنے حاضر ہو کر بیان کی۔

نواں حال: ''وقال الملک ائتونی به'' [۵۰] تا ''وکانو ایتقون'' [۵۴] شاہ مصر تعبیر سنکر یوسف علیہ السلام کے علم وفضل اور فہم وفراست کا قائل ہوگیا، اور انہیں فوراً جیل سے نکالنے کا حکم دیدیا۔ جب انہیں رہائی کا پیغام ملا تو انہوں نے ایلچی کے ہاتھ بادشاہ سے کہلا بھیجا، کہ پہلے ان عورتوں کے حال کی تحقیق کرو جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، یوسف علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جیل سے باہر آنے سے پہلے ان کی پاکدامنی اور برائت سب پر واضح ہوجائے۔ چنانچہ ان عورتوں نے اقرار کیا کہ یوسف علیہ السلام بے گناہ اور پاکدامن ہیں، خود عزیز مصر کی بیوی نے اعتراف کیا کہ یوسف علیہ السلام سچے ہیں اور خود اسی نے ان کو ورغلانے کی کوشش کی تھی۔ یوسف علیہ السلام کی عصمت اور پاکدانی ثابت ہوگئی اور وہ جیل سے باہر آئے۔ شاہ مصر نے انہیں اپنا مشیر خاص بنالیا، اور خود ان کی مرضی سے زراعت کا محکمہ ان کے سپرد کردیا۔ اس طرح اللہ تعالی نے ان کو جیل سے نکال کر حکومت کے اس منصب بلند پر پہنچا دیا۔ مگر اس کے باوجود یعقوب علیہ السلام اپنے لخت جگر کی جدائی کے غم میں گھڑیاں گن کر وقت گذار رہے ہیں، پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ ان کا فرزند جیل میں ہے اور اب یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا فرزند سعادت مند حکومت کے ایک نہایت بلند منصب پر فائز ہے۔

دسواں حال: ''وجاء اخوة یوسف فدخلوا علیه'' [۵۸] تا ''وعلیه فلیتوکل المؤمنون'' [۶۷] جب ملک میں قحط پڑا تو یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے غلہ حاصل کرنے کے لئے مصر کا رخ کیا جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا، مگر وہ ان کو نہ پہچان سکے۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو تاکید کی کہ ائندہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ضرور ساتھ لائیں، اور اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ وہ ان کا سرمایہ ان کی بوریوں ہی میں ڈال دیں، جب وہ غلہ لے کر واپس گھر پہنچے تو یعقوب علیہ السلام سے کہا چھوٹے بھائی کا حصہ ہم سے روک لیا گیا ہے، اس لئے اب کے بار بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیجیں، ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے، پہلے تو یعقوب علیہ السلام نے پس وپیش کیا، اور بیٹوں کو یوسف علیہ السلام کا واقعہ یاددلایا، کہ جیسی تم نے یوسفؑ کی حفاظت کی تھی ویسی ہی بنیامین کی کروگے؟ بعد میں انہوں نے بیٹوں سے اللہ کا عہد لیا کہ تم سوائے اسمانی حادثہ کے بنیامین کو ضرور واپس لاؤ گے۔

گیارہواں حال: ''ولمادخلوا من حیث امرهم ابوهم'' [۶۸] تا ''انااذالظالمون'' [۷۹] اب

کی بار بنیامین بھی ساتھ تھا اور گیارہوں بھائی مصر پہنچے اور والد گرامی کی ہدایت کی مطابق شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہوکر یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے، یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کا پروگرام بنایا، اور اس کے مطابق آنکھ بچا کر اپنا پیمانہ بنیامین کے سامان میں رکھ دیا، اور سب بھائی اپنے وطن روانہ ہوگئے۔ ادھر تلاش کرنے والے ملازموں نے کنعانی قافلے کو شبہ کی بنا پر روک لیا، تلاشی لینے پر یوسف علیہ السلام کا پیمانہ بنیامین کے سامان سے مل گیا اس لئے اسے روک لیا گیا۔ بھائیوں نے عزیز مصر یوسف علیہ السلام سے بہت منت سماجت کی کہ وہ کسی بھی قیمت پر بنیامین چھوڑ دیں مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔

بارہواں حال: ''فلما استیئسوا منه خلصوا نجیا''[۸۰]تا''الا القوم الکافرون''[۸۷] آخر سب بھائیوں نے مایوس ہوکر میٹنگ کی اور بڑے بھائی نے طے کیا کہ چونکہ وہ اپنے باپ کو اللہ کا عہد دیکر آئے ہیں اس لئے وہ تو مصر ہی میں رہے گا جب تک باپ اجازت نہ دے یا اللہ کی طرف سے کوئی صورت پیدا نہ ہوجائے۔ نو بھائی وطن واپس پہنچے اور سارا ماجرا یعقوب علیہ السلام سے کہہ سنایا، انہوں نے اسے بھی بھائیوں کی سازش قرار دیا، حالانکہ وہ سب بنیامین کے معاملے میں بے قصور تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یعقوب علیہ السلام غیب داں نہ تھے آخر انہوں نے بیٹوں کو سہ بار بھیجا اور فرمایا یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو، اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔

تیرہواں حال: ''فلما دخلوا علیه قالوا''[۸۸]تا''واتونی باھلکم اجمعین''[۹۳] اب تیسری بار بھائی یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور نہایت الحاح سے عرض کیا ہمارے معمولی سرمائے کے بدلے میں مہربانی فرما کر ہمیں پورا غلہ عنایت فرمادیجئے، اب کی بار تو یوسف علیہ السلام بھی بھائیوں کی پُر درد باتیں سن کر پسیج گئے، اور اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکے اور اپنے کو ظاہر کردیا۔ تمام بھائیوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور یوسف علیہ السلام سے معذرت کرنے لگے۔ یوسف علیہ السلام نے پیغمبرانہ شفقت ورحمت سے عام معافی کا اعلان فرمادیا۔ اور بھائیوں کو وطن واپس بھیجا، تاکہ تمام اہل وعیال کو مصر لے آئیں۔

چودہواں حال: ''ولما فصلت العیر''[۹۴]تا ''انه ھو الغفور الرحیم''[۹۸] جب فرزندان یعقوب علیہ السلام کا قافلہ پیراہن یوسف علیہ السلام لیکر مصر سے روانہ ہوا تو اللہ تعالی نے بذریعہ وحی ان کو اس کی اطلاع دیدی، اور انہوں نے اپنے پوتوں سے کہہ دیا کہ اگر تم مجھے کم عقلی کا طعنہ نہ دو تو میں صاف کہہ دوں کہ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔=

لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلٰٓى إِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ

اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔

إِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ

کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح اللہ تمہیں برگزیدہ (وممتاز) کرے گا

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْأَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ

اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور جس طرح اُس نے اپنی نعمت پہلے

وَعَلٰٓى آلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ أَتَمَّهَا عَلٰٓى أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْحَاقَ ؕ

تمہارے دادا پردادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی اُسی طرح تم پر اور اولادِ یعقوب پر پوری کرے گا

إِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَإِخْوَتِهٖٓ

بیشک تمہارا رب (سب کچھ) جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ہاں یوسف اوران کے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے

اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۷﴾ إِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَأَخُوْهُ أَحَبُّ إِلٰٓى أَبِيْنَا مِنَّا

والوں کیلئے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔جب انہوں نے (آپس میں) تذکرہ کیا کہ یوسف اوراُس کا بھائی ابا کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں

=جب قافلہ کنعان پہنچا تو بڑے بھائی نے پیراہن یوسف والد بزرگوار کے چہرے پرڈالا،جس سے ان کی بینائی جو کثرت بکاء سے کمزور ہوچکی تھی بحال ہوگئی۔

پندرہواں حال: ''فلمادخلواعلی یوسف''[۹۹]تا''و الحقنی بالصالحین''[۱۰۱] یعقوب علیہ السلام تمام اہل وعیال سمیت مصر پہنچ گئے ،یوسف علیہ السلام نے انہیں پورے اعزاز واکرام کیساتھ اپنے گھر اتارا۔والدین اورسب بھائی یوسف علیہ السلام کی تعظیم بجالائے۔اس طرح یوسف علیہ السلام کا خواب سچا ہوا۔

وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِ ۚ﴿۸﴾ اقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ

حالانکہ ہم جماعت (کی جماعت) ہیں کچھ شک نہیں کہ ابا صریح غلطی پر ہیں۔ تو یوسف کو (یا تو جان سے) مار ڈالو

اَوِ اطۡرَحُوۡہُ اَرۡضًا یَّخۡلُ لَکُمۡ وَجۡہُ اَبِیۡکُمۡ وَتَکُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ

یا کسی ویرانے میں پھینک دو پھر ابا کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اُس کے بعد تم

قَوۡمًا صٰلِحِیۡنَ ﴿۹﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡہُمۡ لَا تَقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ وَاَلۡقُوۡہُ

اچھی حالت میں ہو جاؤ گے۔ اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو جان سے نہ مارو، کسی

فِیۡ غَیٰبَتِ الۡجُبِّ یَلۡتَقِطۡہُ بَعۡضُ السَّیَّارَۃِ اِنۡ کُنۡتُمۡ فٰعِلِیۡنَ ﴿۱۰﴾

گہرے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر نکال (کر دوسرے ملک میں) لے جائے گا اگر تم کو کرنا ہے (تو یوں کرو)۔

قَالُوۡا یٰۤاَبَانَا مَا لَکَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰی یُوۡسُفَ

(یہ مشورہ کر کے وہ یعقوب سے) کہنے لگے کہ ابا جان کیا سبب ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے؟

وَاِنَّا لَہٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾ اَرۡسِلۡہُ مَعَنَا غَدًا یَّرۡتَعۡ وَیَلۡعَبۡ وَاِنَّا لَہٗ

حالانکہ ہم اُس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب میوے کھائے اور کھیلے کودے ہم اُس کے

لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّیۡ لَیَحۡزُنُنِیۡۤ اَنۡ تَذۡہَبُوۡا بِہٖ

نگہبان ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ امر مجھے غمناک کرتا ہے کہ تم اُسے لے جاؤ (یعنی وہ مجھ سے جدا ہو جائے) اور مجھے یہ بھی

وَاَخَافُ اَنۡ یَّاۡکُلَہُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡہُ غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوۡا لَئِنۡ

خوف ہے کہ تم (کھیل میں) اُس سے غافل ہو جاؤ اور اُسے بھیڑیا کھا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں

اَکَلَہُ الذِّئۡبُ وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَہَبُوۡا بِہٖ

کہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں اسے بھیڑیا کھا گیا تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے۔ غرض جب وہ اس کو لے گئے

وَأَجْمَعُوٓا أَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيَابَةِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِ

اور اس بات پر اتفاق کرلیا کہ اس کو گہرے کنوئیں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ (ایک وقت ایسا آئے

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

گا کہ) تم ان کو اس سلوک سے آگاہ کر دو گے اور ان کو (اس وحی کی) کچھ خبر نہ ہو گی۔

وَجَآءُوْا أَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يَآ أَبَانَآ إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ

(یہ حرکت کرکے) وہ رات کے وقت باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم تو دوڑنے اور ایک

وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَآ أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا

دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے تو اُسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَجَآءُوْا عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ

ہماری بات کا، گو ہم سچ ہی کہتے ہوں یقین نہیں کریں گے۔ اور اُن کے قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ

یعقوب نے کہا کہ (حقیقۃ الحال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنا لائے ہو اچھا صبر (کہ وہی) خوب ہے

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ

اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔ (اب اللہ کی شان دیکھو کہ اس کنوئیں کے قریب)

فَأَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَأَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلَامٌ ؕ

ایک قافلہ آوارد ہوا اور انہوں نے (پانی کیلئے) اپنا سقا بھیجا، اس نے کنوئیں میں ڈول لٹکایا (تو یوسف اس سے لٹک گئے) وہ بولا زہے قسمت یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے

وَأَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ

اور اس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔ اور اس کو تھوڑی سی قیمت

دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ

(یعنی) معدودے چند درہموں پر بیچ ڈالا اور انہیں ان (کے بارے) میں کچھ لالچ بھی نہ تھا اور مصر میں جس شخص نے اُسے خریدا

مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖ اَكْرِمِيْ مَثْوَاهُ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ

اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ

بنا لیں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور حکمت یہ تھی کہ ہم اُن کو باتوں کی تعبیر سکھائیں

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور جب اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے اسے حکم اور علم دیا اور نیکوکاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ

تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اُس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی جلدی

لَكَ ۭ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ

آؤ انہوں نے کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے وہ (یعنی تمہارے میاں) تو میرے آقا ہیں انہوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا ۚ

بیشک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔[2] اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انہوں نے اس کا قصد کیا

---

[2] زلیخا چونکہ برے کام کا پختہ ارادہ کر چکی تھی، اس لئے اس کے ارادے کو ''لام'' اور ''قد'' تاکید کے دو حرفوں کے

ساتھ بیان کیا گیا، لیکن یوسف علیہ السلام نے فعل بد کا ارادہ ہی نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے عظمت الٰہی کا نشان دیکھ لیا تھا، اسی لئے ان کے ارادے کو برہان پر معلق فرمایا۔ یعنی زلیخا تو ارادہ کر چکی تھی اور یوسف علیہ السلام بھی اگر برہان رب نہ دیکھتے تو ارادہ کر لیتے۔

امام ابوعبیدہ فرماتے ہیں: اس میں تقدیم و تاخیر ہے ''لولا ان رأبرھان ربہ'' شرط موخر ہے، اور ''ھم بھا'' جزا مقدم ہے قال ابوعبیدۃ ھذا علی التقدیم و التاخیر کانہ ارادولقدھمت بہ ولولا ان رأ برھان ربہ لھم بھا. (قرطبی)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ یوسف علیہ السلام کے (ھمّ) سے غلط خیال مراد لیتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں کچھ اسرائیلی واقعات بھی ذکر کی ہے جس میں یوسف علیہ السلام کے طرف غلط نسبتیں کی گئی ہیں، لیکن یہ سارے واقعات قران کریم کی نمط سے مخالف ہیں۔ امام رازیؒ اس کے متعلق اپنی کتاب: عصمۃ الانبیاص ٩٨، میں قاضی ابوطاہر سے نقل کرتے ہیں: کہ جس کسی کا بھی اس واقعہ سے کوئی تعلق تھا، ان سب نے یوسف علیہ السلام کی برأت کا اعلان کرلیا، چنانچہ اس عورت کا شوہر اپنی بیوی کو موردالزام ٹھراتا ہے: انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم یوسف اعرض عن ھذا واستغفری لذنبک انک کنت من الخاطئین[٢٩]

اور حاکم بھی برأت یوسفؑ کا اعلان یوں کرتا ہے: وشھدشاھدمن اھلھا ان کان قمیصہ قدمن دبر الخ [٢٦] مصر کی عورتیں تو اس سے بڑھ کر ہر برائی سے برأت یوسف کا اعلان کرتے ہیں ''حاش للہ ماعلمناعلیہ من سوء'' [٥١] اور بادشاہ کہتا ہے انک الیوم لدینامکین امین [٥٤] اور خود یوسف علیہ السلام کا دعویٰ یہ ہے کہ میں پاک ہوں جیسا کہ مندرج ذیل ایت سے معلوم ہوتا ہے ھی راودتنی عن نفسی [٢٦] رب السجن احب الی ممایدعوننی الیہ [٣٣] ذلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب [٥٢] اور خصم عورتوں کے سامنے یوں اعتراف جرم کرتا ہے ولقدراودتہ عن نفسہ فاستعصم الخ[٣٢].

اور اس سے بھی بڑھ کر اقرار جرم ان واضح الفاظ میں کرتا ہے: الاٰن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ [٥١] اور اللہ رب العلمین جو سارے کہنے والوں میں سے زیادہ سچا ہے یہ گواہی دے رہے ہیں کذلک لنصرف عنہ السوٓء و الفحشآء [٢٤]۔

لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ

اگر وہ اپنے رب کی نشانی نہ دیکھتے (تو جو ہوتا، ہوتا) یوں اس لئے (کیا گیا) کہ ہم اُن سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ

بیشک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔ اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے (آگے یوسف پیچھے زلیخا) اور عورت

قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ

نے اُن کا کرتہ پیچھے سے (پکڑ کر جو کھینچا تو) پھاڑ ڈالا اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا تو عورت بولی کہ

مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

جو شخص تمہاری بیوی کیساتھ بُرا ارادہ کرے اُس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید کیا جائے یا دکھ کا عذاب دیا جائے۔

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا

یوسف نے کہا کہ اسی نے مجھے مائل کرنا چاہا تھا، اور اس کے قبیلے میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے یہ فیصلہ دیا

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾

کہ اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہو تو یہ سچی اور یوسف جھوٹا ہے۔

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا

اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے۔ جب اس کا کرتہ دیکھا (تو)

رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

پیچھے سے پھٹا تھا (تب اُس نے زلیخا سے کہا) کہ یہ تمہارا ہی فریب ہے اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے فریب بڑے ہوتے ہیں

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ

یوسف اس بات کا خیال نہ کر اور (زلیخا) تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ بیشک

الْخٰطِئِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَأَةُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا
خطا تیری ہی ہے۔ اور شہر میں عورتیں گفتگو کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے

عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ إِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾
اور اُس کی محبت اُس کے دل میں گھر کر گئی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ
جب زلیخا نے اُن عورتوں کی (گفتگو جو حقیقت میں دیدارِ یوسف کیلئے ایک) چال (تھی) سنی تو اُن کے پاس (دعوت کا)

وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ
پیغام بھیجا اور اُن کیلئے ایک محفل مرتب کی اور (پھل کاٹنے کیلئے) ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور (یوسف سے) کہا

اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهٗ أَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ
کہ ان کے سامنے باہر آؤ جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو ان کا رعب (حسن) ان پر (ایسا) چھا گیا کہ

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿٣١﴾
اپنے ہاتھ کاٹ لیئے اور بے ساختہ بول اٹھیں کہ سبحان اللہ! (یہ حسن) یہ آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ
تب زلیخا نے کہا کہ یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں اور بیشک میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا

فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿٣٢﴾
مگر یہ بچا رہا اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جو میں اُسے کہتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہو گا

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ إِلَيْهِ ۚ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ
یوسف نے دعا کی کہ اے رب! جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اُس کی نسبت مجھے قید پسند ہے اور اگر تو مجھ سے اُن کے فریب کو

كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ

نہ ہٹائے گا تو میں اُن کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤں گا۔ تو اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی

فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾

اور اُن سے عورتوں کا مکر دفع کر دیا بیشک وہ سننے (اور) جاننے والا ہے۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾

پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے اُن کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصے کیلئے ان کو قید ہی کر دیں۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ

اور اُن کیساتھ دو اور جوان بھی داخلِ زندان ہوئے، ایک نے اُن میں سے کہا کہ (میں نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا)

اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ

ہوں کہ شراب (کیلئے انگور) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ (میں نے بھی خواب دیکھا ہے) میں یہ دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر

خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے میں سے کھا رہے ہیں۔ (تو) ہمیں ان کی تعبیر بتا دیجئے ہم تمہیں نیکوکار دیکھتے ہیں

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ

یوسف نے کہا کہ جو کھانا تمہیں ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اُس سے پہلے تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

یہ ان (باتوں) میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں، جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ

اور روزِ آخرت سے انکار کرتے ہیں میں اُن کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں۔ اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق

وَيَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ
اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں، ہمیں شایاں نہیں ہے کہ کسی چیز کو اللہ کیساتھ شریک بنائیں یہ اللہ کا فضل ہے

عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٨﴾
ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾
میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) اللہ یکتا و غالب۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ أَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ أَنْتُمْ وَآبَآؤُكُمْ
جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں،

مَّآ أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ
اللہ نے اُن کی کوئی سند نازل نہیں کی (سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اُس نے ارشاد فرمایا ہے

أَلَّا تَعْبُدُوْٓا إِلَّآ إِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٠﴾
کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّآ أَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ
میرے جیل خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک (جو پہلا خواب بیان کرنے والا ہے وہ) تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا

وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّأْسِهٖ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ
اور جو دوسرا ہے وہ سُولی دیا جائے گا اور پرندے اس کا سر کھا جائیں گے۔ جو امر تم مجھ سے پوچھتے تھے

تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿٤١﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ أَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ
وہ فیصل ہو چکا ہے۔ اور دونوں شخصوں میں سے جس کی نسبت خیال کیا کہ وہ رہائی پا جائے گا اُس سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا

فَأَنسٰهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَقَالَ

لیکن شیطان نے اُن کا اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف کئی برس جیل خانے ہی میں رہے۔ اور بادشاہ نے کہا

الْمَلِكُ إِنِّيْ أَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

کہ میں (نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں

وَّسَبْعَ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّأُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُوْنِيْ فِيْ رُؤْيَايَ

اور سات خوشے سبز ہیں اور (سات) خشک۔ اے سردارو! اگر تم خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ

إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿٤٣﴾ قَالُوْٓا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيْلِ

انہوں نے کہا کہ یہ تو پریشان سے خواب ہیں اور ہمیں

الْأَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ

ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی۔ اب وہ شخص جو دونوں قیدیوں میں سے رہائی پا گیا تھا اور جسے مدت کے بعد وہ بات یاد آ گئی

أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيْلِهٖ فَأَرْسِلُوْنِ ﴿٤٥﴾

بول اٹھا کہ میں آپ کو اس کی تعبیر (لا) بتاتا ہوں مجھے (جیل خانے) جانے کی اجازت دیجئے

يُوْسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيْقُ أَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ

(وہ یوسف کے پاس آیا اور کہنے لگا) یوسف اے بڑے سچے (یوسف) ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتائیے کہ سات

بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ

موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں

وَّأُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْٓ أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٦﴾

اور سات سوکھے تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جا کر تعبیر بتاؤں عجب نہیں کہ وہ (تمہاری قدر) جانیں

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ

انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر کھیتی کرتے رہو گے تو جو (غلہ) کاٹو تو تھوڑے سے غلے کے سوا

فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ

جو کھانے میں آئے اُسے خوشوں میں ہی رہنے دینا۔ پھر اس کے بعد (خشک سالی کے) سات سخت (سال) آئیں گے

شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

کہ جو تم نے جمع کر رکھا ہوگا وہ اس سب کو کھا جائیں گے صرف وہی تھوڑا سا رہ جائے گا جو تم اختیار سے رکھ چھوڑو گے

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا کہ خوب مینہ برسے گا اور لوگ اُس میں رس نچوڑیں گے

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ

(یہ تعبیر سن کر) بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لے آؤ جب قاصد اُن کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کہ اپنے آقا

فَاسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾

کے پاس واپس جاؤ اور اُن سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ بیشک میرا رب اُن کے مکروں سے خوب واقف ہے

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ

بادشاہ نے (عورتوں سے) پوچھا بھلا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا؟ سب بول اٹھیں

حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَةُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ

کہ حاشا للہ ہم نے اُس میں کوئی بُرائی معلوم نہیں کی، عزیز کی عورت نے کہا اب سچی بات

الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾

ظاہر ہو ہی گئی ہے میں نے اُس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بیشک سچا ہے۔

ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ أَنِّی لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَیْبِ

(یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ بات اس لئے (پوچھی ہے) کہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ میں نے اُس کی پیٹھ پیچھے اُس کی

وَأَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِی

(امانت میں) خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کرنے والوں کی تدبیر چلنے نہیں دیتا۔ اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوٓءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّی إِنَّ رَبِّی غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾

کیونکہ نفس امارہ (انسان کو) بُرائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا رب رحم کرے بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے

وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِی بِهٖ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِی فَلَمَّا کَلَّمَهٗ قَالَ

بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ میں اسے اپنا مصاحبِ خاص بناؤں گا پھر جب ان سے گفتگو کی تو کہا

إِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ أَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِی عَلٰی خَزَآئِنِ الْأَرْضِ

کہ آج سے تم ہمارے ہاں صاحبِ منزلت اور صاحبِ اعتبار ہو۔ (یوسف نے) کہا کہ مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر

إِنِّی حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ وَکَذٰلِکَ مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْأَرْضِ

دیجئے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف ہوں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو ملک (مصر) میں جگہ دی

یَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ أَجْرَ

اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے۔ ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں کرتے ہیں اور نیکوکاروں کے اجر کو ضائع

الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَأَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

نہیں کرتے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے اُن کیلئے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔

وَجَآءَ إِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْکِرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور یوسف کے بھائی آئے تو یوسف کے پاس گئے تو یوسف نے انہیں پہچان لیا اور وہ ان کو پہچان نہ سکے

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُمْ مِّنْ أَبِيكُمْ

جب یوسف نے اُن کیلئے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا کہ (پھر آنا تو) جو باپ کی طرف سے تمہارا ایک اور بھائی ہے

أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾

اُسے بھی میرے پاس لیتے آنا کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ناپ بھی پوری پوری دیتا ہوں اور مہمان نوازی بھی خوب کرتا ہوں

فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾

اور اگر تم اُسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو نہ تمہیں میرے ہاں سے غلہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس ہی آ سکو گے

قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾

اُنہوں نے کہا کہ ہم اس کے بارے میں اس کے والد سے تذکرہ کریں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے ۔

وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ

اور (یوسف نے) اپنے خدام سے کہا کہ ان کا سرمایہ (یعنی غلے کی قیمت) اُن کے سامان میں رکھ دو عجب نہیں کہ جب یہ

يَعْرِفُونَهَا إِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ

اپنے اہل وعیال میں جائیں تو اُسے پہچان لیں (اور) عجب نہیں کہ یہ پھر یہاں آئیں ۔ جب وہ اپنے باپ کے پاس

أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ

واپس گئے تو کہنے لگے کہ ابا (جب تک ہم بنیا مین کو ساتھ نہ لے جائیں) ہمارے لئے غلے کی بندش کر دی گئی ہے

فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ

تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تا کہ ہم پھر غلہ لائیں اور ہم اُس کے نگہبان ہیں ۔ (یعقوب نے) کہا

هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِن قَبْلُ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا

کہ میں اُس کے بارے میں تمہارا اعتبار نہیں کرتا مگر ویسا ہی جیسا پہلے اُس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا سو اللہ ہی بہتر نگہبان

وَّهُوَ أَرۡحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمۡ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمۡ

ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ۔ اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو دیکھا کہ اُن کا سرمایہ

رُدَّتۡ إِلَيۡهِمۡ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبۡغِي هٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتۡ إِلَيۡنَا

اُن کو واپس کر دیا گیا ہے کہنے لگے کہ ابا ہمیں (اور) کیا چاہیئے (دیکھئے) یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے اب ہم

وَنَمِيرُ أَهۡلَنَا وَنَحۡفَظُ أَخَانَا وَنَزۡدَادُ كَيۡلَ بَعِيرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيۡلٌ يَّسِيرٌ ﴿٦٥﴾

اپنے اہل وعیال کیلئے پھر غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی نگہبانی کریں گے اور ایک اونٹ بھر غلہ زیادہ لائیں گے (کہ) یہ غلہ (جو ہم لائے ہیں) تھوڑا ہے

قَالَ لَنۡ أُرۡسِلَهُ مَعَكُمۡ حَتّٰى تُؤۡتُونِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَأۡتُنَّنِي بِهِ

(یعقوب نے) کہا کہ جب تک تم اللہ کا عہد نہ دو کہ اس کو میرے پاس (صحیح وسالم) لے آؤ گے میں اُسے ہرگز تمہارے

إِلَّا أَنۡ يُّحَاطَ بِكُمۡ فَلَمَّا آتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ

ساتھ نہیں بھیجنے کا مگر یہ کہ تم گھیر لئے جاؤ جب انہوں نے ان سے عہد کر لیا تو (یعقوب

اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدۡخُلُوا مِنۡ بَابٍ وَّاحِدٍ

نے) کہا کہ جو قول واقرار ہم کر رہے ہیں اس کا اللہ ضامن ہے ۔ اور ہدایت کی کہ اے بچو! ایک ہی دروازے میں سے داخل نہ ہونا

وَّادۡخُلُوا مِنۡ أَبۡوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَا أُغۡنِي عَنۡكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ شَيۡءٍ

بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا اور میں اللہ کی تقدیر تو تم سے روک نہیں سکتا

إِنِ الۡحُكۡمُ إِلَّا لِلّٰهِ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَعَلَيۡهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾

(بیشک) حکم اُسی کا ہے میں اُسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اہلِ توکل کو اُسی پر بھروسا رکھنا چاہیئے ۔[3]

---

[3] آیت مذکورہ میں برادران کا یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر دوسری مرتبہ سفر مصر کا

ذکر ہے، اس وقت یعقوب علیہ السلام نے ان کو شہر مصر میں داخل ہونے کے لئے ایک خاص وصیت یہ فرمائی کہ اب تم گیارہ بھائی وہاں جارہے ہو، تو شہر کے ایک ہی دروازہ سے سب داخل نہ ہونا، بلکہ شہر کے پاس پہنچ کر متفرق ہوجانا اور شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ سبب اس وصیت کا یہ اندیشہ تھا کہ یہ سب نوجوان اور ماشاء اللہ صحت مند، قدآور، صاحب جمال اور صاحب وجاہت ہیں، ایسا نہ ہو کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ سب ایک ہی باپ کی اولاد اور بھائی بھائی ہیں، تو کسی بدنظر کی نظر لگ جائے، جس سے ان کو کوئی تکلیف پہنچے، یا اجتماعی طور سے داخل ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ حسد کرنے لگیں، اور تکلیف پہنچائیں، یعقوب علیہ السلام نے ان کو یہ وصیت پہلی مرتبہ نہیں کی، اس دوسرے سفر کے موقع پر فرمائی، اس کی وجہ غالبا یہ ہے کہ پہلی مرتبہ تو یہ لوگ مصر میں مسافرانہ اور شکستہ حالت میں داخل ہوئے تھے، نہ کوئی ان کو پہچانتا تھا نہ کسی سے ان کے حال پر زیادہ توجہ دینے کا خطرہ تھا، مگر پہلے ہی سفر میں شاہ مصر نے ان کا غیر معمولی اکرام کیا، جن سے عام ارکان دولت اور شہر کے لوگوں میں تعارف ہوگیا، تو اب یہ خطرہ قوی ہوگیا کہ کسی کی نظر لگ جائے یا سب کو ایک باشوکت جماعت سمجھ کر کچھ لوگ حسد کرنے لگیں ۔ نیز اس مرتبہ بنیامین چھوٹے بیٹے کا ساتھ ہونا بھی والد کے لئے اورزیادہ توجہ دینے کا سبب ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی نظر لگ جانا اور اس سے کسی دوسرے انسان یا جانور وغیرہ کو تکلیف ہوجانا یا نقصان پہنچ جانا حق ہے، محض جاہلانہ وہم وخیال نہیں اسی لئے یعقوب علیہ السلام کو اس کی فکر ہوئی رسول کریم ﷺ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ہے جو کہ حدیث ابن عباسؓ میں ہے: عن النبی ﷺ قال العین حق، ولو کان شیء سابق القدر سبقته العین، فاذا استغسلتم فاغسلوا (رواہ مسلم: ۲۱۸۸/۵۲، والترمذی: ۲۰۶۲). ایک روایت اسماء بنت عمیس سے ہے: قالت یارسول اللہ ان ولد جعفر تسرع الیهم العین افاسترقی لهم؟ قال نعم فانه لو کان شیئ سابق القدر لسبقته العین۔

وعن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ ان العین لتدخل الرجل القبر وتدخل الجمل القدر (مسند الشهاب: ۱۰۵۷) یعنی حاصل یہ ہے کہ نظر بد انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہانڈیوں میں داخل کردیتی ہے، اسی لئے رسول کریم ﷺ نے جن چیزوں سے پناہ مانگی، اور امت کو پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے، ان میں ''من کل عین لامة''

بھی مذکور ہے،یعنی میں پناہ مانگتا ہوں نظر بد سے۔قرطبی۔

سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ:ان رسول اللهﷺ خرج وساروامعه نحومكة حتى اذاكانوابشعب الخرارمن الجحفة، اغتسل سهل بن حنيف، وكان رجلاابيض حسن الجسم والجلد،فنظر اليه عامربن ربيعة اخوبنى عدى بن كعب ،وهويغتسل فقال مارأيت كاليوم ولاجلد مخبأة، فلبط بسهل، فاتى رسول اللهﷺ،فقيل له يارسول الله هل لك فى سهل، والله مايرفع رأسه وما يفيق ،قال هل تتهمون فيه من احد؟قالوا انظراليه عامربن ربيعة، فدعارسول اللهﷺ عامرافتغيظ عليه، وقال علام يقتل احدكم اخاه ؟هلااذارأيت مايعجبك برّكت ؟ثم قال له اغتسل له، فغسل وجهه ويديه ومرفقيه وركبتيه واطراف رجليه وداخلة ازاره فى قدح، ثم صب ذلك الماء عليه، يصبه رجل على رأسه وظهره من خلفه ،ثم يكفئ القدح ورائه ،ففعل به ذلك فراح سهل مع الناس ليس به بأس .مسنداحمد: ٢٥/٢٥٥ ،وابن ماجةرقم: ٣٥٠٩ ،

صحابہ کرام میں سہل بن حنیف کا واقعہ معروف ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر غسل کرنے کے لئے کپڑے اتارے تو ان کے سفید رنگ تندرست بدن پر عامر بن ربیعہ کی نظر پڑ گئی ،اوران کے زبان سے نکلا کہ میں نے آج تک اتنا حسین بدن کسی کا نہیں دیکھا، یہ کہنا تھا کہ فوراً سہل بن حنیف کو سخت بخار چڑھ گیا،رسول اللہﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپﷺ نے یہ علاج تجویز کیا، کہ عامر بن ربیعہ کو حکم دیا کہ وہ وضوء کریں،اوروضوء کا پانی کسی برتن میں جمع کریں ، یہ پانی سہل بن حنیف کے بدن پر ڈالا جائے، ایسا ہی کیا گیا تو فوراً بخاراتر گیا، اوروہ بالکل تندرست ہوکر جس مہم پر رسول پاکﷺ کے ساتھ جارہے تھے اس پر روانہ ہوگئے ،اس واقعہ میں آپﷺ نے عامر بن ربیعہ کو یہ تنبیہ بھی فرمائی ''کہ'' کوئی شخص اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟ کہ جب ان کا بدن تمہیں خوب نظر آیا تو برکت کی دعا کر لیتے ،نظر کا اثر ہوجانا حق ہے ۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو کسی دوسرے کی جان ومال میں کوئی اچھی بات تعجب انگیز نظر آئے تو اس کو چاہئے کہ اس کے واسطے یہ دعا کریں: کہ اللہ تعالی اس میں برکت عطا فرماویں۔

☆

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوْهُمْ

اور جب وہ ان مقامات سے داخل ہوئے جہاں سے (داخل ہونے کیلئے) باپ نے اُن سے کہا تھا

مَّا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ

تو وہ تدبیر اللہ کے حکم کو ذرا بھی ٹال نہیں سکتی تھی ہاں وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی

قَضٰهَا وَإِنَّهُ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾

جو انہوں نے پوری کی تھی اور بیشک وہ صاحبِ علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰى إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّيْ أَنَا أَخُوْكَ

اور جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں

فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ

جو سلوک یہ (ہمارے ساتھ) کرتے رہے ہیں اُس پر افسوس نہ کرنا۔ جب ان کا اسباب تیار کر دیا

جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ أَخِيْهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيْرُ إِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿٧٠﴾

تو اپنے بھائی کے سامان میں برتن رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ اے قافلے والو! تم تو چور ہو

قَالُوْا وَأَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿٧١﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ

وہ اُن کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز کھوگئی ہے؟ وہ بولے کہ بادشاہ (کے پانی پینے) کا برتن کھوگیا ہے

وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّأَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْا تَاللهِ لَقَدْ

اور جو شخص اُس کو لے آئے اس کیلئے ایک اونٹ بھر غلہ (انعام) اور میں اس کا ضامن ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم تمہیں

عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾

معلوم ہے کہ ہم (اس) ملک میں اس لئے نہیں آئے کہ خرابی کریں اور نہ ہم چوری کیا کرتے ہیں۔

قَالُوا فَمَا جَزَآؤُهُ إِنْ كُنتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوا جَزَآؤُهُ مَنْ وُّجِدَ فِيْ

بولے کہ اگر تم جھوٹے نکلے تو اُس کی سزا کیا ہے؟ ۔ انہوں نے کہا کہ اُس کی سزا یہ کہ جس کے

رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهُ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

سامان میں وہ دستیاب ہو وہی اُس کا بدل قرار دیا جائے، ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں ۔

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ أَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَآءِ أَخِيْهِ

پھر یوسف نے اپنے بھائی کے سامان سے پہلے اُن کے سامان کو دیکھنا شروع کیا پھر اپنے بھائی کے سامان میں سے اُس کو نکال لیا

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ إِلَّآ أَنْ

اس طرح ہم نے یوسف کیلئے تدبیر کی (ورنہ) وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق مشیّت الٰہی کے سوا

يَّشَآءَ اللّٰهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَآءُ ط وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے[4]

---

[4] آیات مذکورہ میں اس کا بیان ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو اپنے پاس روکنے کا یہ حیلہ اور تدبیر اختیار کی، کہ جب سب بھائیوں کو قاعدہ کے موافق غلہ دیا گیا، تو ہر بھائی کا غلہ ایک مستقل اونٹ پر علٰیحدہ علٰیحدہ نام بنام بار کیا گیا، بنیامین کے لئے جو غلہ اونٹ پر لادا گیا اس میں ایک برتن چھپا دیا گیا اس برتن کو قرآن کریم نے ایک جگہ بلفظ "سقایة "اور دوسرے جگہ" صواع الملک "کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

"سقایہ" کے معنی پانی پینے کا برتن اور صواع بھی اسی طرح کے برتن کو کہتے ہیں، اس کو ملک کی طرف منسوب کرنے سے اتنی بات اور معلوم ہوئی کہ یہ برتن کوئی خاص قیمت اور حیثیت رکھتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ زبرجد کا بنا ہوا تھا، بعض نے سونے کا، اور بعض نے چاندی کا بتلایا ہے، بہرحال یہ برتن جو بنیامین کے سامان میں چھپا دیا گیا تھا خاصا قیمتی برتن ہونے کے علاوہ شاہ مصر سے کوئی اختصاص بھی رکھتا تھا، خواہ یہ کہ وہ خود اس کو استعمال کرتے تھے یا یہ کہ بادشاہ نے بامر خود اس برتن کو غلہ ناپنے کا پیمانہ بنا دیا تھا۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿۷۰﴾ یعنی کچھ دیر بعد ایک منادی نے پکارا، اے قافلہ والو تم چور ہو۔

یہاں لفظ "ثم" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منادی فوراً ہی نہیں کی گئی، بلکہ کچھ مہلت دی گئی، یہاں تک کہ قافلہ روانہ ہوگیا۔ اس کے بعد یہ منادی کی گئی تا کہ کسی کو جعلسازی کا شبہ نہ ہو جائے، بہر حال اس منادی کرنے والے نے برادران یوسفؑ کے قافلہ کو چور قرار دیدیا۔ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ ﴿۷۱﴾ یعنی برادان یوسف علیہ السلام منادی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تم ہمیں چور بنا رہے ہو یہ تو کہو کہ تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے؟۔

قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿۷۲﴾ منادی نے کہا کہ بادشاہ کا صواع یعنی برتن گم ہوگیا ہے اور جو شخص اس کو کہیں سے برامد کرے گا اس کو ایک اونٹ بھر غلہ انعام ملے گا۔ اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

یہاں ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس روکنے کا یہ حیلہ کیوں کیا؟ جبکہ ان کو معلوم تھا کہ والد ماجد پر خود ان کی مفارقت کا صدمہ نا قابل برداشت تھا، اب دوسرے بھائی کو روک کر ان کو دوسرا صدمہ دینا کیسے گوارا کیا؟ دوسرا سوال اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ بے گناہ بھائیوں پر گناہ کا الزام لگانا اور اس کے لئے یہ جعلسازی کہ ان کے سامان میں خفیہ طور سے کوئی چیز رکھ دی، اور پھر اعلانیہ ان کی رسوائی ظاہر ہو۔ یہ سب کام ناجائز ہیں، اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام نے ان کو کیسے گورا کیا۔

بعض مفسرین قرطبی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب بنیامین نے یوسف علیہ السلام کو پہچان لیا اور وہ مطمئن ہو گئے، تو بھائی سے یہ درخواست کی کہ اب آپ مجھے ان بھائیوں کے ساتھ واپس نہ بھیجئے، مجھے اپنے پاس رکھیے، یوسف علیہ السلام نے اول یہی عذر کیا، کہ اگر تم یہاں رک گئے تو والد کو صدمہ شدید ہوگا، دوسرے تمہیں اپنے پاس روکنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ میں تم پر چوری کا الزام لگاؤں، اور اس الزام میں گرفتار کر کے اپنے پاس رکھ لوں، بنیامین ان بھائیوں کی معاشرت سے کچھ ایسے دل تنگ تھے کہ ان سب باتوں کے لئے تیار ہو گئے۔

لیکن اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو والد کی دل آزاری اور سب بھائیوں کی رسوائی اور ان کو چور کہنا صرف بنیامین کے راضی ہو جانے سے تو جائز نہیں ہوسکتا، اور بعض علماء کی یہ توجیہ کہ منادی کا ان کو چور کہنا یوسف علیہ السلام کے علم واجازت سے نہ ہوگا، ایک بے دلیل دعوی اور صورت واقعہ کے لحاظ سے بے جوڑ بات ہے، اسی طرح یہ تاویل کہ ان بھائیوں نے

یوسف علیہ السلام کو والد سے چرایا اور فروخت کیا تھا اس لئے ان کو چور کہا گیا، یہ بھی ایک تاویل ہے، اس لئے ان سب سوالوں کا صحیح جواب وہی ہے جو قرطبی اور مظہری وغیرہ نے دیا ہے، کہ اس واقعہ میں جو کچھ کیا گیا ہے وہ نہ بنیامین کی خواہش کا نتیجہ تھا، نہ یوسف علیہ السلام کی اپنی تجویز کا، بلکہ یہ سب کام بامر الٰہی اسی کی حکمت بالغہ کے مظاہر تھے۔ جن میں یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء وامتحان کی تکمیل ہورہی تھی، اس جواب کی طرف خود قران کی اس آیت میں اشارہ موجود ہے۔ ’’کذالک کدنالیوسف ‘‘یعنی ہم نے اسی طرح تدبیر کی یوسف علیہ السلام کے لئے اپنے بھائی کو روکنے کی۔

اس ایت میں واضح طور پر اس حیلہ وتدبیر کو حق تعالی نے اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ سب کام جب کہ بامر الٰہی ہوئے، توان کو ناجائز کہنے کے کوئی معنی نہیں رہتے ان کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے موسٰی اور خضر علیہما السلام کے واقعہ میں کشتی توڑنا، لڑکے کو قتل کرنا وغیرہ، جو بظاہر گناہ تھے اسی لئے موسٰی علیہ السلام نے ان پر نکیر کیا، مگر خضر علیہ السلام یہ سب کام باذن الٰہی خاص مصالح کے تحت کر رہے تھے، اس لئے ان کا کوئی گناہ نہ تھا۔

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ إِلَّآ أَن يَشَاءَ اللّٰهُ﴾ اسی طرح ہم نے تدبیر کی یوسفؑ کے لئے، وہ اپنے بھائی کو شاہ مصر کے قانون کے ماتحت گرفتار نہیں کرسکتے تھے، کیونکہ مصر کا قانون چور کے متعلق یہ تھا کہ چور کو مار پیٹ کی سزا دیجائے اور مال مسروقہ سے دوگنی قیمت وصول کر کے چھوڑ دیا جائے، مگر انہوں نے یہاں برادران یوسف ہی سے چور کا حکم شریعت یعقوبی کے مطابق دریافت کرلیا تھا، اس کی رو سے بنیامین کو اپنے پاس روک لینا صحیح ہوگیا۔ اس طرح اللہ تعالی کی حکمت ومشیت سے یوسف علیہ السلام کی یہ مراد بھی پوری ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شرعی مسئلہ حد کی بناء پر معاملہ کی صورت میں کوئی ایسی تبدیلی اختیار کرنا جس سے احکام بدل ہوجائیں جس کو فقہاء کی اصطلاح میں حیلہ شرعیہ کہا جاتا ہے یہ شرعاً جائز ہے، شرط یہ ہے کہ اس سے شرعی احکام کا ابطال لازم نہ اتا ہو۔ ورنہ ایسے حیلے باتفاق فقہاء حرام ہیں جیسے زکوٰۃ سے بچنے کے لئے کوئی حیلہ کرنا یا رمضان سے پہلے کوئی غیر ضروری سفر صرف اس لئے اختیار کرنا کہ روزہ نہ رکھنے کی گنجائش نکل آئے، یہ باتفاق حرام ہے، ایسے ہی حیلے کرنے پر بعض اقوام پر عذاب الٰہی آیا ہے، اور رسول کریم ﷺ نے ایسے حیلوں سے منع فرمایا ہے، اور باتفاق امت حرام ہیں، ان پر عمل کرنے الٰہی سے کوئی کام جائز نہیں ہوجاتا بلکہ دوہرا گناہ لازم آتا ہے، ایک تواصل ناجائز کام کا، دوسرے یہ ناجائز حیلہ جو ایک حیثیت سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ چالبازی کا مرادف ہے اسی طرح کے حیلوں کے ناجائز ہونے کو امام بخاریؒ نے کتاب الحیل میں ثابت کیا ہے۔ اور ابن تیمیہؒ نے فتاوی کبریٰ میں تفصیلی بحث لکھی ہے مزید وضاحت کے لئے اس کو مراجعہ کریں۔

قَالُوْا إِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ
(برادرانِ یوسف نے) کہا کہ اگر اُس نے چوری کی ہوتو (کچھ عجب نہیں کہ) اُس کے ایک بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی

وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا
۔ یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا اور اُن پر ظاہر نہ ہونے دیا (اور) کہا کہ تم بڑے بدقماش ہو اور جو تم

تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓأَيُّهَا الْعَزِيْزُ إِنَّ لَهٗ أَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا
بیان کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! اس کے والد بہت بوڑھے ہیں (اور اس سے بہت محبت

فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهٗ إِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾
رکھتے ہیں) تو (اس کو چھوڑ دیجئے اور) اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والے ہیں

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ أَنْ نَّأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ إِنَّآ إِذًا
(یوسف نے) کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اُس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں

لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيْرُهُمْ
ایسا کریں تو ہم بڑے بے انصاف ہیں۔ جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر صلاح کرنے لگے، سب سے بڑے نے کہا

أَلَمْ تَعْلَمُوْٓا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ
کہ کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کا عہد لیا ہے اور اس سے پہلے بھی تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے

فِيْ يُوْسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتّٰى يَأْذَنَ لِيْٓ أَبِيْٓ أَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ
ہو تو جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں میں تو اس جگہ سے نہ ٹلوں گا یا اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی اور تدبیر کرے

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا إِلٰٓى أَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓأَبَانَآ إِنَّ
اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم سب والد صاحب کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ کے صاحبزادے نے (وہاں جا

ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا

کر) چوری کی اور ہم نے تو اپنی دانست کے مطابق آپ سے (اس کو لے آنے کا) عہد کیا تھا مگر ہم غیب (کی باتوں) کے

وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا

(جاننے اور) یاد رکھنے والے تو نہیں تھے۔ اور جس بستی میں ہم (ٹھہرے) تھے وہاں سے (یعنی اہلِ مصر سے)

وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ أَقْبَلْنَا فِيْهَا وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور جس قافلے میں آئے ہیں اس سے دریافت کر لیجیے اور ہم (اس بیان میں) بالکل سچے ہیں۔ (جب انہوں نے یہ بات

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ

یعقوب سے آ کر کہی تو) انہوں نے کہا کہ بلکہ یہ بات تم نے اپنے دل سے بنا لی ہے تو صبر ہی بہتر ہے

عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّأْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا إِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے بیشک وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓأَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ

پھر اُن کے پاس سے چلے گئے اور کہنے لگے کہ ہائے افسوس یوسف (ہائے افسوس) اور رنج والم میں (اس قدر روئے کہ)

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا

ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور ان کا دل غم سے بھر رہا تھا۔ بیٹے کہنے لگے کہ واللہ! اگر آپ یوسف کو اسی طرح

تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا أَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

یاد کرتے رہے تو یا تو بیمار ہو جائیں گے یا جان ہی دیدیں گے۔

قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ إِلَى اللّٰهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

انہوں نے کہا کہ میں تو اپنے رنج و غم کا اظہار اللہ ہی سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

يٰـبَنِىَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَأَخِيْهِ وَلَا تَيْأَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ

بیٹا (یوں کرو کہ ایک دفعہ پھر) جاؤ اور یوسف اور اُس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو

إِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ

کہ اللہ کی رحمت سے بے ایمان لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں۔ جب وہ یوسف کے پاس گئے

قَالُوْا يٰٓأَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ

تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل و عیال کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں

فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿٨٨﴾ قَالَ

آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجئے اور خیرات کیجئے کہ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے (یوسف نے)

هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَأَخِيْهِ إِذْ أَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿٨٩﴾

کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ جب تم نادانی میں پھنسے ہوئے تھے تو تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کیساتھ کیا کیا تھا؟

قَالُوْا أَإِنَّكَ لَأَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ أَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَا أَخِى

وہ بولے کیا تم یوسف ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا

قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٠﴾

بھائی ہے اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے جو شخص اللہ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿٩١﴾ قَالَ

وہ بولے کہ اللہ کی قسم! اللہ نے تمہیں ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بیشک ہم خطا کار تھے۔ (یوسف نے) کہا

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٩٢﴾

کہ آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب (و ملامت) نہیں ہے اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا ج

یہ میرا کرتہ لے جاؤ اور اُسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائیں گے

وَاْتُوْنِىْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ

اور اپنے تمام اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ۔ اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو اُن کے والد کہنے لگے

اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ

کہ اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو مجھے تو یوسف کی بُو آ رہی ہے ۔ وہ بولے کہ واللہ!

اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّا اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى

آپ اُسی قدیم محبت میں (مبتلا) ہیں ۔ جب خوشخبری دینے والا آ پہنچا تو کرتہ یعقوب کے منہ پر ڈال دیا

وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ج قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا

اور وہ بینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہنے لگے کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾

نہیں جانتے ۔[5] بیٹوں نے کہا کہ ابا ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت مانگیئے بیشک ہم خطا کار تھے ۔

---

[5] ان آیات کا خلاصہ بزبان سعدی:۔

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند ۔ کہ اے روشن گہر پیر خردمند

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی ۔ چرا در چاہ کنعانش ندیدی

بگفت احوال ما برق جہان ست ۔ دمے پیدا و دیگر دم نہان ست

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ۔ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم =

قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيٓ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٩٨﴾

انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب سے تمہارے لئے بخشش مانگوں گا بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوا۟ عَلَىٰ يُوسُفَ ءَاوَىٰٓ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ٱدْخُلُوا۟ مِصْرَ

جب (یہ سب لوگ) یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ مصر میں داخل ہو جایئے

إِن شَآءَ ٱللَّهُ ءَامِنِينَ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى ٱلْعَرْشِ وَخَرُّوا۟ لَهُۥ سُجَّدًا ۖ

اللہ نے چاہا تو خاطر جمع سے رہیئے گا۔ اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے

وَقَالَ يَٰٓأَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُءْيَٰىَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا

(اُس وقت) یوسف نے کہا کہ ابا جان یہ میرے اُس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا میرے رب

رَبِّى حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِىٓ إِذْ أَخْرَجَنِى مِنَ ٱلسِّجْنِ

نے اُسے سچ کر دیا اور اُس نے مجھ پر (بہت سے) احسانات کئے ہیں کہ مجھے جیل خانے سے نکالا

وَجَآءَ بِكُم مِّنَ ٱلْبَدْوِ مِنۢ بَعْدِ أَن نَّزَغَ ٱلشَّيْطَٰنُ بَيْنِى وَبَيْنَ إِخْوَتِىٓ

اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا، آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔

=ایک شخص نے یعقوب علیہ السلام سے دریافت کیا، کہ اے روشن ذات عقل مند، پیر، یہ کیا بات تھی کہ مصر سے یوسف علیہ السلام کے قمیص کی بو آپ نے سونگھ لی، لیکن کنعان کے کنوئیں میں جو آپ سے زیادہ دور نہیں تھا آپ یوسف علیہ السلام کو نہ دیکھ سکے۔ یعقوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کہ ہمارے احوال کوندنے والی بجلی کی طرح ہیں، ایک سانس میں ظاہر اور دوسرے سانس میں پوشیدہ ہو جاتے ہیں، کبھی ہم اونچی اٹاری میں بیٹھتے ہیں، یعنی مقامات عالیہ حاصل کر لیتے ہیں، اور عرش تک کی خبر لے آتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ سکتے، عروج ہوتا ہے تو ایسا، اور نزول ہوتا ہے تو ایسا۔ (گلستان: ١١٩)۔

إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰۰﴾

بیشک میرا رب جوچاہتا ہے تدبیر سے کرتا ہے۔ وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ

اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا

فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے

تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿۱۰۱﴾

تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اٹھانا اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کرنا

ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا

یہ اخبارِ غیب میں سے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں[6] اور جب برادرانِ یوسف نے اپنی بات پر اتفاق

---

[6] ''یہ سب کچھ غیب کی خبروں میں سے ہے جوہم آپ کووحی کے ذریعہ بتلاتے ہیں'' یہی مضمون تقریباانہیں الفاظ کے ساتھ سورۂ ال عمران آیت ۴۳، میں مریم کے قصہ میں آیاہے: ذٰلِکَ مِنْ أَنبَاء الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْکَ اورسورۂ ھود کی ایت ۴۸، میں نوح علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق آیاہے: تِلْکَ مِنْ أَنبَاء الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْکَ، ان ایتوں سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حق تعالی اپنے انبیاء علیہم السلام کو بہت سی غیب کی خبروں پر بذریعہ وحی مطلع کردیتے ہیں، خصوصا ہمارے رسول سید الرسل ﷺ کو ان غیب کی خبروں کا خاص حصہ عطا فرمایاہے جو تمام انبیاء سابقین سے زیادہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امت کو قیامت تک ہونے والے بہت سے واقعات کا تفصیل یا اجمال سے پتہ دیاہے۔ کتب حدیث میں کتاب الفتن کی تمام حدیثیں اس سے بھری ہوئی ہیں، عوام الناس چونکہ علم غیب صرف اسی کو جانتے ہیں کہ کوئی شخص غیب کی خبروں سے کسی طرح واقف ہوجائے، اور یہ وصف رسول کریم ﷺ میں بدرجہ =

أَمْـرَهُـمْ وَهُـمْ يَـمْكُـرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَـا أَكْثَـرُ النَّـاسِ وَلَوْ حَـرَصْـتَ

کیا تھا اور وہ فریب کر رہے تھے تو تم اُن کے پاس تو نہ تھے ۔ اور بہت سے آدمی گو تم (کتنی ہی) خواہش کرو

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور تم ان سے اس کا کچھ صلہ بھی تو نہیں مانگتے ۔ یہ قرآن اور کچھ نہیں تمام عالم کیلئے نصیحت ہے

وَكَـأَيِّـنْ مِّـنْ آيَةٍ فِـي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور آسمان و زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور اُن سے اعراض کرتے ہیں ۔

وَمَـا يُـؤْمِـنُ أَكْثَـرُهُـمْ بِاللهِ إِلَّا وَهُـمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ أَفَـأَمِـنُوْا أَنْ تَأْتِيَهُمْ

اور یہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کیساتھ) شرک کرتے ہیں ۔ کیا یہ اس (بات) سے بے خوف ہیں

غَـاشِيَةٌ مِّـنْ عَـذَابِ اللهِ أَوْ تَـأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

کہ اُن پر اللہ کا عذاب نازل ہو کر اُن کو ڈھانپ لے یا اُن پر ناگہاں قیامت آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو

=اتم موجود ہے، اس لئے خیال کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عالم الغیب تھے، مگر قرآن کریم نے صاف لفظوں میں اعلان فرما دیا ہے۔

لایعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ (نمل: ۶۵) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم الغیب سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ علم غیب اللہ جل شانہ کی صفت خاصہ ہے اس میں کسی رسول یا فرشتہ کو شریک سمجھنا ان کو اللہ کے برابر بنانا عیسائیوں کا عمل ہے۔ جو رسول کو اللہ کا بیٹا اور اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں۔ قران کریم کی مذکورہ ایتوں سے معاملہ کی پوری حقیقت واضح ہوگئی، کہ علم غیب تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ اور عالم الغیب صرف اللہ جل شانہ ہی ہیں، البتہ غیب کی بہت سی خبریں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بذریعہ وحی بتلا دیتے ہیں۔ یہ قران کریم کی اصطلاح میں علم غیب نہیں کہلاتا اور عوام چونکہ اس باریک فرق کو نہیں سمجھتے تو غیب کی خبروں ہی کو علم غیب کہہ دیتے ہیں۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا

کہہ دو میرا رستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف

وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۸ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور ہم نے تم سے

قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ

(وسیاحت) نہیں کی کہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے اُن کا انجام کیا ہوا اور متقیوں کیلئے آخرت کا گھر بہت اچھا ہے

لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۹ حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْــــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا

کیا تم نہیں سمجھتے؟ ۔ یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے (قوم سے) اور انہوں نے خیال کیا کہ

اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا

وہ سچے نہ نکلے تو ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی پھر جسے ہم نے چاہا بچا دیا اور ہمارا عذاب (اتر

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ

کر) گنہگار لوگوں سے پھرا نہیں کرتا ۔[7] ان کے قصے میں عقلمندوں کیلئے عبرت ہے۔

---

[7] یہ ایت قران کریم کے اہم مشکلات میں سے ہے اشکال کے تین مواضع ہیں۔(۱) ’’حتی‘‘ کا متعلق (۲) ’’یئس‘‘ کا معنی (۳) ’’ظنوا‘‘ کے ضمیر کا مرجع [۱] حتی کا متعلق ’’فتراخانصرھم‘‘ مقدر ہے۔[۲] ’’یئس‘‘ کے دو ترجمے ہیں ا۔ ’’یئس‘‘ ناامیدی کفار کے ایمان سے نہ کہ باری تعالی کی رحمت سے ناامیدی، جو کہ کفر ہے ۲۔ اگر ’’یأس‘‘ اللہ کی رحمت سے ہو تو اس سے مراد یأس طبعی غیر ارادی ہے۔(۳) لفظ ’’کذبوا‘‘ میں چار احتمالات ہیں: ا۔ مشدد=

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

یہ (قرآن) ایسی بات نہیں ہے جو (اپنے دل سے) بنائی گئی ہو بلکہ جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں اُن کی

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١١١﴾

تصدیق (کرنے والا) ہے اور ہر چیز کی تفصیل (کرنے والا) اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے ۔

=معروف "كذّبوا" ۲۔مشدد مجہول "كُذّبوا" ۳۔مخفف معروف ۴۔مخفف مجہول۔اگر مشدد مجہول "كذّبوا" ہوتو اس بارے میں عروہ بن زبیر نے عائشہؓ سے پوچھا کہ یہ صیغہ "كُذِّبوا" مجہول مشدد ہے یا "كُذِبوا" مجہول مخفف ہے ۔اگر کُذِّبوا مشدد ہے تو کفار کا پیغمبروں کو جھٹلانا یقینی ہے ظنی نہیں ہے۔اور اگر کذبوا مخفف ہے تو پیغمبروں نے یہ گمان کیسے کیا؟۔عائشہؓ نے جواب دیا بل كذبهم قومهم فقلت والله لقد استيقنوا ان قومهم كذبوهم ،وماهو بالظن، فقالت ياعريه (یہ عروہ کی تصغیر ہے) لقد استيقنوا بذالک فقلت فلعلها او كذبوا قالت معاذالله لم تكن الرسل تظن ذلک بربها،واماهذه الاية قالت هم اتباع الرسل الذين امنوا بربهم وصدقوا وطال عليهم البلاء واستاخرعنهم النصرحتى اذااستيئست ممن كذبهم من قومهم وظنوا ان اتباعهم كذبواهم ،بخاری: ۴۶۹۰/۱۔اگر صیغہ معلوم مشدد کَذَّبوا ہو تو مطلب یہ ہوگا ایقن الرسل ان قومهم كذبوهم. مدارک۔اور اگر صیغہ مجہول مخفف (کُذِبُوا) ہو،تو پھر یہ ماننا کوئی ضروری نہیں ہے کہ "ظنوا" کی ضمیر پیغمبروں کی طرف راجع ہے، مدارک۔۲۔یا کفار کی طرف راجع ہے۔۳۔یا لوگوں کی طرف راجع ہے،۴۔اگر "ظنوا" کی ضمیر پیغمبروں کی طرف راجع ہو تو پھر "کذب" اللہ کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ ان کی نفسوں کی طرف منسوب ہے،نصرت کی مدت کی تعین میں (تھانوی وعمدۃ القاری: ۲۸۱/۱۴)۔۵۔اور اگر "کذب من الله" ہو تو پھر یہ ظن اختیاری نہیں ہے بلکہ یہ وسوسہ غیر اختیاری ہے (عثمانی) ٦۔اگر مراد ظن اختیاری ہو تو پھر یہ ازقبیل الزام المخاطب بمالم يلتزم ہے،کہ مخاطب سے کم قصور ہوا ہو،اور آپ زیادہ کا الزام لگا کر ڈانٹ دیں (انور شاہ کشمیری) ۷۔اگر الزام نہ ہو تو "ظنوا" قرب کے معنی میں ہے یعنی گمان کے قریب ہوئے، ای قربوا من ذلک الظن (قرطبی)۔یہی ساتوں احتمالات صیغہ معلوم مخفف كذبوا میں بھی لگا دیں تو کل سولہ ہو گئے۔اور پھر ہر احتمال کے ساتھ یـــــــــــــــأس کے دو معنی صحیح بنتے ہیں۔تو کل احتمالات بتیس ہوئے۔

سورة الرعد (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓرٰ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَالَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَـقُّ

الٓــمّٓـــر. (اے محمد ﷺ!) یہ کتاب (الٰہی) کی آیتیں ہیں اور جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے حق ہے

وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِىۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيۡرِ

لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ۔اللہ وہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان

عَمَدٍ تَرَوۡنَهَا ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ

جیسا کہ تم دیکھتے ہو (اتنے) اونچے بنائے پھر عرش پر مستوی ہوا اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا،

كُلٌّ يَّجۡرِىۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ

ہر ایک، ایک میعادِ معین تک گردش کر رہا ہے، وہی (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتا ہے وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر

لَعَلَّكُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّكُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ مَدَّ الۡاَرۡضَ وَجَعَلَ فِيۡهَا

بیان کرتا ہے کہ تم اپنے رب کے رُوبرو جانے کا یقین کرو۔ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ

رَوَاسِىَ وَاَنۡهٰرًا ؕ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيۡهَا زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ يُغۡشِى

اور دریا پیدا کئے اور ہر طرح کے میووں کی دو دوقسمیں بنائیں، وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔

الَّيۡلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۳﴾

غور کرنے والوں کیلئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ
اور زمین میں کئی طرح کے قطعات ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت بعض کی

صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ
بہت سی شاخیں ہوتی ہیں اور بعض کی اتنی نہیں ہوتیں (باوجودیکہ) پانی سب کو ایک ہی ملتا ہے،

فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ
اور ہم بعض میووں کو بعض میں فضیلت دیتے ہیں اس میں سمجھنے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اگر تم عجیب بات سننا چاہو

قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ
تو کافروں کا یہ کہنا عجیب ہے کہ جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ازسرِ نو پیدا ہوں گے؟ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْ اَعْنَاقِهِمْ
سے منکر ہوئے ہیں اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾
اور یہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ
اور یہ لوگ بھلائی سے پہلے تم سے بُرائی کے جلد خواستگار ہیں حالانکہ ان سے پہلے عذاب (واقع) ہو چکے ہیں

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ
اور تمہارا رب لوگوں کو باوجود اُن کی بے انصافیوں کے معاف کرنے والا ہے اور بیشک تمہارا رب سخت عذاب دینے والا ہے

﴿۶﴾ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اِنَّمَآ اَنْتَ
اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی سو تم تو صرف

مُنۡذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ ﴿٧﴾ اَللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ كُلُّ اُنۡثٰى

ہدایت کرنے والے ہو اور ہر ایک قوم کیلئے رہنما ہوا کرتا ہے۔[1] اللہ ہی اس بچے سے واقف ہے جو عورت کے پیٹ میں

وَمَا تَغِيۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُ وَكُلُّ شَىۡءٍ عِنۡدَهٗ بِمِقۡدَارٍ ﴿٨﴾

ہوتا ہے اور پیٹ کے سکڑنے اور بڑھنے سے بھی (واقف ہے) اور ہر چیز کا اُس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے

عَالِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡكَبِيۡرُ الۡمُتَعَالِ ﴿٩﴾ سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ

وہ دانائے پنہاں و آشکارا ہے سب سے بزرگ (اور) عالی رتبہ ہے۔ کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے

الۡقَوۡلَ وَمَنۡ جَهَرَ بِهٖ وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۢ بِالَّيۡلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾

یا پکار کر یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے (اُس کے نزدیک) برابر ہے۔

---

[1] ”ولکل قوم ھاد“ یعنی ہر قوم کے لئے پچھلی امتوں میں ہادی ہوتے چلے آئے ہیں، آپ کوئی انوکھے نبی نہیں، سب ہی انبیاء کا وظیفہ یہ تھا کہ وہ قوم کو ہدایت کریں، اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، معجزات کا ظاہر کرنا کسی کے اختیار میں نہیں دیا گیا، اللہ تعالی جب اور جس طرح کا معجزہ ظاہر کرنا پسند فرماتے ہیں ظاہر کر دیتے ہیں۔

اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ ”ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے“ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی قوم اور کوئی خطۂ ملک اللہ تعالی کی طرف دعوت دینے اور ہدایت کرنے والوں سے خالی نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کوئی نبی ہو یا اس کے قائم مقام، نبی کی دعوت کو پھیلانے والا ہو، جیسا سورۂ یٰس میں نبی کی طرف سے کسی قوم کے طرف پہلے دو شخصوں کو دعوت و ہدایت کے لئے بھیجنے کا ذکر ہے، جو خود نبی نہیں تھے اور پھر تیسرے آدمی کو ان کی تائید و نصرت کے لئے بھیجنا مذکور ہے۔ (بنا بر ایک تفسیر) اس لئے اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان میں بھی کوئی نبی و رسول پیدا ہوا ہو، البتہ دعوت رسول کے پہنچانے اور پھیلانے والے علماء کا کثرت سے یہاں آنا بھی ثابت ہے اور پھر یہاں بیشمار ایسے ہادیوں کا پیدا ہونا بھی ہر شخص کو معلوم ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

اُس کے آگے اور پیچھے اللہ کے چوکیدار ہیں جو اللہ کے حکم سے اُس کی حفاظت کرتے ہیں،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ

اللہ اُس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم کیساتھ بُرائی

سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِیْ يُرِيْكُمُ

کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ پھر نہیں سکتی اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ اور وہی تو ہے جو تمہیں ڈرانے

الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾

اور امید دلانے کیلئے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

اور رعد اور فرشتے سب اُس کے خوف سے اُس کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں اور وہی بجلیاں بھیجتا ہے،

فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ

پھر جس پر چاہتا ہے گرا بھی دیتا ہے۔ اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور وہ بڑی قوت والا ہے

﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ

سُود مند پکارنا تو اُسی کا ہے۔ اور جن کو یہ لوگ اُس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی پُکار کو کسی طرح قبول نہیں کرتے

اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ

مگر اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے تا کہ (دُور ہی سے) اُس کے منہ تک آ پہنچے

وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ

حالانکہ وہ (اس تک) کبھی بھی نہیں آ سکتا اور (اسی طرح) کافروں کی پکار بیکار ہے۔ اور جتنی مخلوقات آسمانوں

وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾

اورزمین میں ہےخوشی سے یا زبردستی سے اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہے اور اُن کی سائے بھی صبح وشام (سجدہ) کرتے ہیں

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ قُلْ

ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دو کہ اللہ تعالی۔ پھر (ان سے) کہو

اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا

کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو کیوں کارساز بنایا ہے جو خود اپنے نفع ونقصان کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ

(یہ بھی) پوچھو کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہیں؟ یا اندھیرا اور اجالا برابر ہو سکتا ہے؟

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ

بھلا (ان لوگوں نے) جن کو اللہ کا شریک مقرر کیا ہے کیا انہوں نے اللہ کی سی مخلوقات پیدا کی ہے جس کے سبب اُن کو

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

مخلوقات مشتبہ ہوگئی ہے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا (اور) زبردست ہے۔اُسی نے آسمان سے

مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا

مینہ برسایا پھراس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آ گیا اور جس چیز

يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ

کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کیلئے آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔اس طرح اللہ حق

اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ

اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے

فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِيْنَ

وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔ اس طرح اللہ (صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے (تاکہ تم سمجھو)۔ جن لوگوں نے

اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ أَنَّ لَهُمْ

اللہ کے حکم کو قبول کیا اُن کی حالت بہت بہتر ہو گی اور جنہوں نے اُس کو قبول نہ کیا اگر روئے

مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ

زمین کے سب خزانے اُن کے اختیار میں ہوں تو وہ سب کے سب اور اُن کیساتھ ہی اتنے اَور (نجات کے) بدلے میں

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

صرف کر ڈالیں (مگر نجات کہاں) ایسے لوگوں کا حساب بھی بُرا ہوگا اور ان کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے

أَفَمَنْ يَّعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمٰى

بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے حق ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے؟

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ

اور سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل مند ہیں ۔ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے۔

الْمِيْثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

اور جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُن کو جوڑے رکھتے اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے

وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

اور بُرے حساب سے خوف رکھتے ہیں ۔ اور جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے (مصائب پر) صبر کرتے ہیں

وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

اور نماز پڑھتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور نیکی سے بُرائی کو دُور

السَّيِّئَةَ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کیلئے عاقبت کا گھر ہے۔ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالمَلآئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ

اور اُن کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیکوکار ہوں گے وہ بھی (جنت میں جائیں گے) اور فرشتے (جنت

عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

کے) ہر ایک دروازے سے اُن کے پاس آئیں گے۔[2] اور (کہیں گے) تم پر رحمت ہو یہ تمہاری ثابت قدمی کا بدلا ہے

عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا

اور عاقبت کا گھر خوب (گھر) ہے۔ اور جو لوگ اللہ سے عہد واثق کر کے اُس کو توڑ ڈالتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے

أَمَرَ اللهُ بِهٖ أَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ أُوْلَٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ

جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُن کو قطع کر دیتے اور ملک میں فساد کرتے ہیں ایسوں پر لعنت ہے

---

[2] عن رفاعة الجهنی قال صدرنا مع رسول الله ﷺ فقال والذی نفس محمد بیده، مامن عبد یؤمن ثم یسدد الا سلک به فی الجنة، وارجوا ان لا یدخلوها حتی تبوء وا انتم، ومن صلح من ذراریّکم مساکن فی الجنة، ولقد وعدنی ربی عزوجل ان یدخل الجنة من امتی سبعین الفا بغیر حساب.

یعنی رفاعہ جہنیؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ لوٹے، تو آپؐ نے فرمایا: قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو ایمان لاوے، پھر اس پر مضبوط رہے مگر اس کو جنت میں لے جاویں گے، اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ لوگ جنت میں داخل نہ ہونگے، یہاں تک کہ تم اور تمہاری اولاد میں سے جو نیک ہیں وہ جنت میں اپنے اپنے ٹھکانے نہ بنالے، اور بے شک میرے مالک نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کریگا۔ (ابن ماجہ: ۴۲۸۵)۔

وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ

اور اُن کیلئے گھر بھی بُرا ہے اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کا چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے

وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

اور کافر لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو رہے ہیں اور دنیا کی زندگی آخرت (کے مقابلے) میں (بہت) تھوڑا فائدہ ہے

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ

اور کافر کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ اللہ

يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾

جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو (اُس کی طرف) رجوع کرتا ہے اُس کو اپنی طرف کا رستہ دکھاتا ہے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

جو لوگ ایمان لاتے اور جن کے دل یادِ الٰہی سے آرام پاتے ہیں (اُن کو)۔ اور سن رکھو کہ اللہ کی یاد سے دل آرام

﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

پاتے ہیں ۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کیلئے خوشحالی اور عمدہ ٹھکانہ ہے

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ

(جس طرح ہم اور پیغمبر بھیجتے رہے ہیں) اُسی طرح (اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہیں اس اُمت میں

لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ

جس سے پہلے بہت سی اُمتیں گزر چکی ہیں بھیجا ہے تا کہ تم اُن کو وہ (کتاب) جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے پڑھ کر سنا دو

يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

اور یہ لوگ رحمٰن کو نہیں مانتے کہہ دو وہی تو میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اُسی پر بھروسا کرتا ہوں

وَإِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ

اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس (کی تاثیر) سے پہاڑ چل پڑتے یا زمین پھٹ جاتی

أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ ۗ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ۗ

یا مُردوں سے کلام کیا جاسکتا (تو یہی قرآن ان اوصاف سے متصف ہوتا مگر) بات یہ ہے کہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں

أَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا ۗ

تو کیا مومنوں کو اس سے اطمینان نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کے رستے پر چلا دیتا۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا

اور کافروں پر ہمیشہ اُن کے اعمال کے بدلے بلا آتی رہے گی یا اُن کے مکانات کے قریب نازل ہوتی رہے گی

مِّن دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۳۱﴾

یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ پہنچے بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ

اور تم سے پہلے بھی رسولوں کیساتھ مذاق ہوتے رہے ہیں تو ہم نے کافروں کو مہلت دی پھر پکڑ لیا سو (دیکھ لو کہ) ہمارا عذاب

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ

کیسا تھا۔ تو کیا جو (اللہ) ہر متنفس کے اعمال کا نگران (ونگہبان) ہے (وہ بتوں کی طرح بے علم و بے خبر ہوسکتا ہے؟)

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا

اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں ان سے کہو کہ (ذرا) ان کے نام تو لو کیا تم اُسے ایسی چیزیں بتاتے ہو

لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَم بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ

جس کو وہ زمین میں (کہیں بھی) معلوم نہیں کرتا یا (محض) ظاہری (باطل اور جھوٹی) بات کی (تقلید کرتے ہو) اصل یہ ہے

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ

کہ کافروں کو ان کے فریب سجادیئے گئے ہیں اور وہ (ہدایت کے) رستے سے روک لئے گئے ہیں۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ۔[3] اُن کو دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے

---

[3] آخر آیت میں ''کمن لیس کذلک'' خبر محذوف ہے، اور استفہام انکار کے لئے ہے، (مدارک) یعنی اللہ تعالی جو ہرایک کے تمام اعمال سے باخبر ہے اور ہر جگہ حاضر وناظر ہے وہ ان معبودان باطلہ کی مانند نہیں ہوسکتا، جو نہ عالم الغیب ہیں نہ حاضر وناظر۔

''وجعلوا للہ شرکاء'' زجر ہے، مگر اس کے باوجود مشرکین صفات کارسازی سے عاری اور عاجز مخلوق کو اللہ کے شریک بناتے ہیں۔ ''قل سموھم'' یعنی ان خودساختہ معبودوں کے وہ کمالات تو بیان کرو جن کی وجہ سے تم انہیں الوہیت کا درجہ دیتے ہو۔ ''قل اذکروا اصفاتھم وانظروا ھل فیھا مایستحقون به العبادة ویستأھلون الشرکة'' (روح)۔

''ام تنبئونه'' کیا تم اللہ تعالی کو ایک چیز کی اطلاع دیتے ہو، جس کے وجود کا خود اسے علم نہیں ہے؟ یعنی تم اللہ کو بتاتے ہو کہ زمین میں اس کے شریک موجود ہیں حالانکہ اس کا کوئی شریک نہیں، جب اللہ کا کوئی شریک نہیں تو اس کا علم کیسے ہو کیونکہ شریک باری تعالی معدوم محض ہے اگر ہوتا تو اللہ کے علم میں ہوتا۔ یعنی عدم علم اللہ تعالی کا عدم وجود شیء کیلئے مستلزم ہے۔

''ام بظاھر من القول'' یا ویسے ہی بکواس کرتے ہیں اور ظاہری طور پر اپنے ٹھاکروں کو معبود کہتے ہیں اگر چہ وہ صفات معبودیت سے عاری ہیں۔

''بل زین للذین'' الایۃ بلکہ ان کے دلوں پر مہر جباریت لگ چکی ہے اس لئے ان کو اپنی تمام مشرکانہ اور معاندانہ چالیں اچھی معلوم ہوتی ہیں اور اس طرح توفیق ہدایت سے محروم ہوچکے ہیں اب ان کے راہ راست پر آنے کا کوئی امکان نہیں۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَمَا لَهُم مِّنَ اللهِ مِن وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور ان کو اللہ (کے عذاب سے) کوئی بھی بچانے والا نہیں ۔

مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ أُكُلُهَا دَآئِمٌ

جس باغ کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کے اوصاف یہ ہیں کہ اُس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اُس کے پھل ہمیشہ

وَّظِلُّهَا ط تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوا وَّعُقْبَى الْكٰفِرِينَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

(قائم رہنے والے) ہیں اور اُس کے سائے بھی۔ یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی ہیں۔ اور کافروں کا انجام دوزخ ہے

وَالَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (کتاب) سے جو تم پر نازل ہوئی ہے خوش ہوتے ہیں۔ اور بعض فرقے

مَن يُّنكِرُ بَعْضَهُ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ

اس کی بعض باتیں نہیں بھی مانتے۔ کہہ دو کہ مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کروں اور اُس کیساتھ (کسی کو) شریک نہ

إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ مَآبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ط

بناؤں میں اُسی کی طرف بلاتا ہوں اور اُسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللهِ

کا فرمان نازل کیا ہے اور اگر تم علم (و دانش) آنے کے بعد ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلو گے تو اللہ کے سامنے کوئی نہ

مِن وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ

تمہارا مددگار ہو گا اور نہ کوئی بچانے والا ۔ اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبر بھیجے تھے

أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ط وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَّأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ

اور ان کو بیویاں اور اولاد بھی دی تھی اور کسی پیغمبر کے اختیار کی بات نہ تھی کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے۔

لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٣٨﴾ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ

ہر (حکم) قضا (کتاب میں) مرقوم ہے۔[4] اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے

---

[4] ''آیت'' سے مراد اس آیت میں معجزہ ہے، اور یہاں یہ تصریح کی گئی، کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، نبی کے اختیار میں نہیں، مفسر آلوسی لکھتا ہے: **انما الایات عند اللہ، لاعندی فکیف اجیبکم الیھا، واتیکم بھا، او المعنی ھو القادر علیھا، لاانا حتی آتیکم بھا**: روح: ۷/۳۵۳، اور: ۸۹/۲۴، میں لکھتا ہے: **فالمعجزات علی تشعب فنونھا عطایا من اللہ تعالی، قسمھا بینھم حسبما اقتضتہ مشیتہ المبنیۃ علی الحکم البالغۃ کسائر القسم، لیس لھم اختیار فی ایثار بعضھا، والاستبداد باتیان المقترح بھا.**

اور اس مضمون والی آیات مختلف سورتوں میں ذکر ہیں، مثلاً سورۂ انعام: ۱۰۹، اعراف: ۲۰۳، یونس: ۲۰، رعد: ۷، طٰہٰ: ۱۳۳، غافر: ۷۸، عنکبوت: ۵۰۔

''معجزات''، ''معجزۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں، وہ خارق عادت، جس کو اللہ تعالیٰ کسی نبی و رسول کے ہاتھ سے ظاہر کر دے، اور دوسرے اس سے عاجز ہوں۔ لفظ معجزہ عجز سے مشتق ہے جس کے معنی ناتواں ہونا، عاجز ہونا کے ہیں اور جو ''حزم'' (قادر ہونا) کی ضد ہیں اسی لفظ سے معجز بنا ہے، جس کے معنی ہیں عاجز کرنے والا، اعجاز دکھانے والا، اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کی سچائی ثابت کرنے کے لئے اور ان کی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر جو خارق عادت نشانیاں ظاہر فرماتا ہے، ان کو معجزہ اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ جس نبی و رسول کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر ہوتا ہے اس کی امت اور قوم کے لوگ نہ صرف یہ کہ مقابلہ میں اس معجزہ کی طرح کا کوئی کرشمہ دکھانے اور پیش کرنے سے عاجز ہوتے ہیں، بلکہ اگر کوئی چاہے کہ اس معجزہ کا توڑ کر دے تو یہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ ''معجزہ'' کا لفظ اعجاز سے لیا گیا ہے، جس کے معنی عاجز کرنے کے ہیں، اور معجزہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خارق عادت ہو، اور جس سے نبوت و رسالت کا دعویٰ ظاہر و ثابت ہوتا ہو۔ اور جو خوارق عادات ظہور نبوت سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں، ان کو معجزہ نہیں کہتے بلکہ ارہاصات کہتے ہیں، جو ارہاص کی

جمع ہے، ارہاص، کے لغوی معنی مکان کو اینٹ مٹی اور پتھر کے ساتھ مضبوط و مستحکم بنانے کے ہیں، لہذا ظہور نبوت سے پہلے ظاہر ہونے والے خوارق عادات گویا نبوت ورسالت کی عمارت مستحکم ومضبوط بنانے کا ابتدائی ذریعہ ہوتا ہیں۔

خوارق عادت کی قسمیں

خارق عادت، یعنی ایسی چیز کا وقوع پذیر ہونا جو جاری نظام قدت سے الگ اور عادت وعام طریقہ کے خلاف ہو، اور جس کو کرشمہ سمجھا جاتا ہو، کی مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں، اور اسی اعتبار سے ان کی الگ الگ قسمیں ہیں، اور پھران قسموں کو الگ الگ ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے، تاکہ ان سب کی اپنی اپنی حیثیت بھی متعین ہوجائے، اور ایک دوسرے سے ممتاز بھی رہیں، چنانچہ خوارق عادات کی پہلی قسم تو وہ ہے جو نبی اور رسول سے ظاہر ہو جس کو معجزہ کہا جاتا ہے، دوسری قسم وہ ہے جو عام مسلمانوں سے ظاہر ہو، اس کو ''معونت'' کہا جاتا ہے، تیسری قسم وہ ہے جو اولیاء اللہ سے ظاہر ہو، اور جس کو کرامت کہا جاتا ہے، اور چوتھی قسم وہ ہے جو کافروں فاسقوں سے ظاہر ہو، اس کو استدراج کہا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان چاروں قسموں میں سے اول الذکر قسم کو چھوڑ کر باقی تینوں قسمیں اپنے مفہوم ومصداق کے اعتبار سے دعوی نبوت کی قید سے باہر ہیں، گویا ان تینوں قسموں میں سے کسی قسم کو بھی ''معجزہ'' نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ معجزہ تو وہی خرق عادت ہے، جو نبوت کے دعوی کے ساتھ ہو۔

سحر حرق عادت نہیں ہے

شعبدہ اور سحر یعنی جادو کو خرق عادت نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ شعبدہ اور سحر کا صدور وظہور اسباب ظاہری کے تابع ہوتا ہے اور کوئی بھی شخص ان اسباب، میں درک مہارت حاصل کر کے شعبدہ اور سحر ظاہر کرتا ہے، لہٰذا جو چیز ظاہری اسباب کے ذریعہ وجود میں آئے اس پر خرق عادت کا اطلاق نہیں ہوسکتا، اسی وجہ سے دواؤں اور طبی تدابیر کے ذریعہ حاصل ہونے والی شفاء کو بھی خارق عادت نہیں کہا جاتا، اگر اس کو کوئی خارق عادت کہہ دے تو ظاہری صورت کے اعتبار سے ہوگا۔

کرامت کی تعریف

''کرامت'' کی جمع کرامات ہے، جو اکرام اور تکریم کا اسم ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی نفیس ہونا، عزت دار ہونا، اور سخی ہونا کے ہیں، قرآن کریم میں ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝۷۰ (بنی اسرائیل)۔ اور اصطلاحی طور پر کرامت اس خارق

عادت فعل (کرشمہ) کو کہتے ہیں جو مومن نیکوکار کے ہاتھ پر ظاہر ہو، لیکن وہ نہ تو نبوت کے دعوے کے ساتھ ہو، اور نہ اس کا مقصود کفار کا معارضہ ومقابلہ ہو، کیونکہ جو خارق عادت فعل نبوت کے دعوے کے ساتھ ہو اور کفار کے معارضہ ومقابلہ پر ہو، اس کو معجزہ کہتے ہیں اہل سنت کرامت کے مقرّ اور قائل ہیں، جبکہ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے اپنے کتابوں میں باب الکرامات لکھا ہے جیسا کہ صاحب مشکواۃ وغیرہ نے۔

اہل حق (یعنی تمام اہل سنت والجماعت) کا اس امر پر اتفاق ہے، کہ ولی سے کرامت کا ظاہر ہونا واقعی اور حقیقی چیز ہے۔ ولی اللہ اس نیک بندے کو کہتے ہیں جو حق تعالی کی ذات وصفات کا بقدر طاقت بشری عرفان رکھتا ہو، طاعات، نیکی کرنے اور منہیات، برائی کے ترک پر قائم ودائم ہو، سورۂ یونس میں ہے: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾۔

اولیاء اللہ سے کرامتوں کے ظہور ووقوع کا اثبات عقلا تو یوں محال نہیں ہے، کہ اللہ تعالی کے نزدیک کوئی مشکل اور بعید از امکان نہیں ہے، اس کی ذات جس طرح اپنے پیارے پیغمبروں کے ذریعہ معجزوں کا ظہور کراسکتی ہے اسی طرح اپنے پیغمبر کے سچے تابعداروں اور نیکوکار مومنوں کے ہاتھ پر کرامتوں کا ظہور بھی کراسکتی ہے، جیسا کہ رسالہ قشیریۃ ص:۱۵۸، میں لکھا ہے کہ: ظهور الكرامات على الاولياء جائز، والدليل على جوازه انه امر موهوم حدوثه في العقل، لايؤدى حصوله الى رفع اصل من الاصول، فواجب وصفه سبحانه بالقدرة على ايجاده، واذاوجب كونه مقدور الله سبحانه فلاشئ يمنع جوارى حصوله۔

جہاں تک نقلا اثبات کا تعلق ہے تو قرآن پاک واحادیث رسول دونوں میں کرامت کا ثبوت صراحتا مذکور ہے۔

پھر صحابہ کرام اور صحابہ کے بعد کے زمانہ کے اولیاء اللہ سے صادر ہونے والی کرامتوں کی روایتیں جس تسلسل کے ساتھ منقول ہیں وہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، اور قدر مشترک میں تو تواتر معنی اس درجہ کا ہے کہ اگر صاف ذہن اور کھلے دل ودماغ سے دیکھا جائے تو اس بارہ میں کسی کو شک وشبہ اور انکار کی مجال نہیں ہوسکتی۔

علماء نے یہ لکھا ہے کہ ولی سے کوئی بھی کرامت اس کے قصد واختیار کے تحت صادر نہیں ہوتی بلکہ بلاقصد واختیار صادر ہوتی ہے ان علماء کا قول یہ ہے کہ کرامت، معجزہ کی جنس سے ہے، یعنی جو چیزیں معجزہ کے طور پر ظاہر ہوچکی ہے جیسے تھوڑے سے کھانے کا بہت ہوجانا وغیرہ، معارف القرآن: ۵۸۵/۶، میں لکھا ہے کہ، حقیقت یہ ہے کہ جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ وہ براہ راست حق تعالی کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ قران کریم میں فرمایا ہے: فَلَمْ

تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمَى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلاءً حَسَناً إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾ (انفال:۱۷)۔

اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا، براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام ہوجاتا ہے، اور معجزہ اور کرامت دونوں خود صاحب معجزہ و کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے، ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے، غیر نبی کے ذریعہ اس کا ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔

کرامت کا صدور غیر اختیاری ہونے کے لئے بہت سے دلائل ہیں، بطور نمونہ ایک روایت ہم پیش کرتے ہیں جو کہ عمرؓ کی مشہور روایت ہے: مشکوٰۃ کتاب الفضائل کے اخر میں ہے کہ: **عن ابن عمرؓ، ان عمرؓ بعث جیشا و امّر علیھم رجلا یدعی ساریَ، فبینما عمر یخطب فجعل یصیح ،یاساری الجبل ،فقدم رسول من الجیش، فقال یاامیر المؤمنین لقینا عدونا فھزمونا فاذا بصائح یصیح یاساری الجبل، فاسندنا ظھورنا الی الجبل فھزمھم اللہ تعالی۔**

یعنی عمرؓ نے (ایران کے صوبہ ہمدان کے جنوب میں واقع مقام نہاوند کو) جو لشکر بھیجا تھا اس کے ایک حصہ فوج کا سپہ لار ساریہ نامی شخص کو بنایا تھا (ایک دن) جبکہ فاروق اعظم مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرمارہے تھے اور حاضرین میں اکابر صحابہ عثمان اور علیؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ و تابعین بھی تھے، تو انہوں نے دوران خطبہ اچانک چلا چلا کر کہنا شروع کیا کہ ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ (یعنی میدان جنگ کا موجودہ مورچہ چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں چلے جاؤ اور پہاڑ کو پشت بان کر کے نیا مورچہ بنالو، لوگوں کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا، اور پھر جب چند دنوں کے بعد لشکر سے ایک ایلچی آیا اور اس نے میدان جنگ کے حالات سنا کر کہا کہ امیر المومنین! دشمن نے تو ہمیں آلیا تھا، اور شکست سے دوچار ہوا ہی چاہتے تھے کہ اچانک ہمارے کانوں میں ایک شخص کی آواز آئی جو چلا چلا کر کہہ رہا تھا، ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ، چنانچہ یہ آواز سن کر ہم نے اپنا وہ مورچہ چھوڑ دیا اور پہاڑ کی سمت جا کر پہاڑ کو اپنا پشت بان بنالیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو شکست دی۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جب لوگوں نے خطبہ کے دوران فاروقؓ کو اس طرح باآواز بلند ساریہ کو مخاطب کرتے سنا تو حیرت زدہ ہو کر کہا کہ یہاں ساریہ کو پکار رہے ہیں وہ تو (سینکڑوں میل دور) نہاوند کے مقام پر دشمن کا مقابلہ کرنے میں مصروف ہے؟ **فقال واللہ ما القیت لہ بالا وانما ھو شئ القی علی لسانی** ،فاروق اعظم نے

فرمایا: دراصل میں نے ایسا ہی منزل دیکھا کہ مسلمان مصروف جنگ ہیں، اوران کے لئے پہاڑ کو پشت بان بنالینا نہایت ضروری ہے، اس لئے بے اختیار میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے، جب ساریہ کا خط اور ایلچی آیا، تو ٹھیک جمعہ کے روزعین نماز جمعہ کے وقت اس تاریخ کا واقعہ اس خط میں لکھا ہوا تھا اور ایلچی نے زبانی بھی بیان کیا۔ اس روایت کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ:٦/٣٧٠، ابن عساکر:٢٠/ص٢٥، المنتظم:٣٢٦/٤، البدایۃ والنہایہ:١٧٦/١٠، میں نقل کیا ہے، اورابن کثیر نے آخر میں کہا ہے: فهذه طرق يشدبعضهابعضا. وسلسلة الاحاديث الصحيحة: رقم١١١٠۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے بعض صوفیاء کی عبارات نقل کرتے ہیں، الفرق بين المعجزات و الكرامات ان الانبياء عليهم السلام مأمورون باظهارها، و الولي يجب عليه سترهاواخفاء ها، و النبي يدعى ذلك ويقطع القول به والولي لايدعيها، ولايقطع بكرامته، لجوازان يكون ذلك مكراً، (رسالة قشيرية: ١٥٩) ۔ اس کے حاشیہ پر شیخ الاسلام زکریا الانصاری لکھتے ہیں: بل قديكون افضل ممن ظهرله كرامات لان الافضلية انماهي بزيادة اليقين، لابظهور الكرامة۔(١٥٩)۔

ابویزید بسطامی فرماتے ہیں: کہ: لله خلق كثيريمشون على الماء وليس لهم عندالله قيمة. تاريخ اسلام: للذهبي: ٢٠/١١١، وحلية الاولياء: ١٠/٣٩،

اور وحلية الاولياء: ١٠/٣٥۔ میں ان سے نقل کرتا ہے کہ "قيل له انك تمرفي الهواء، قال وایّ اعجوبة هذا؟ طيرياكل الميتة يمرفي الهواء، و المؤمن اشرف منه .

جبکہ حلیۃ الاولیاء:١٠/٤٠، میں فرماتا ہے: لونظرتم الى رجل اعطى من الكرامات حتى يرتفع في الهواء، فلاتغتروابه حتى تنظرواكيف تجدونه عندالامر و النهي وحفظ الحدود واداء الشريعة ۔ تاريخ اسلام: للذهبي: ٢٠/١١١، وشعب الايمان للبيهقي: ٣/٣٠٤، و الرسالة للقشيري: /٩٤.

امام ذہبی مذکورہ عبارات کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: قلت بل قداغتراهل زماننا وخالفوا ابايزيد، واكبرمن ابي يزيد، وتهافتواعلى كل مجنون بوّال على عقبيه، له شيطان ينطق على لسانه بالمغيبات، نسأل الله السلامة ۔

علی القاریؒ مرقات: ٨٤/١، ٣٩٤، میں لکھتے ہیں: قالت الصوفية، الاستقامة خيرمن الف كرامة،

اورشرح فقہ اکبر:۹٦،میں لکھتا ہے:کہ قـال ابـو عـلـى الـجوزجانى ،كن طالباللاستقامة لاطالباللكرامة فان نفسک متحركة فى طلب الكرامة وربک يطلب منک الاستقامة۔

روح المعانی:۱۱/۱۷۹،میں لکھتا ہے:وبـالـجملة متى رأينا الشخص مومنامتقياحكمناعليه بالولاية نـظرا لظاهر الحال ،ووجب علينامعاملته بماهواهله من التوقيروالاحترام غيرغالين فيه بتفضيله على رسـول اونبـى اونـحـوذلک ،مـمـاعليه العوام اليوم فى معاملة من يعتقدونه وليا ، التى هى اشبه شئ بـمـعـامـلة الـمشركين من يعتقدونه الها، نسأل اللهتعالى العفوو العافية، ولايشترط فيه صدوركرامة على يده كمايشترط فى الرسول صدورمعجزة، ويكفيه الاستقامة كرامة ،كمايدل عليه مااشتهرعن ابـى يـزيـدقـدس سـره ،بـل الولى الكامل لا التفات له اليها،ولايودصدورهاعلى يده، الااذاتضمنت مصلحة للمسلمين خاصة اوعامة،وفى الجواهر و الدرللشعرانى سمعت شيخنايقول:

اذا زل الـولـى ولـم يـرجـع لـوقته عوقب بالحجاب،وهو ان يحبب اليه اظهار خرق العوائد الـمسـمـات فـى لسـان الـعـامة كـرامـات ،فيـظهـربهاويقول لوكنت مواخذابهذه الذلة لقبض عنى التـصـريف وغـاب عـنـه ان ذلک استـدراج ،بـل ولـوسـلـم مـن الـزلة فالواجب خوفه من المكرو الاستـدراج ،وقـال بـعـضـهـم : الـكـرامة حيض الرجال ،ومن اغتربالكرامات ،بالكرى مات ،واضر الكرامات للولى ما اوجب الشهرةفان الشهرة آفة .

وقـدنـقل عن الخواص انهاتنقص مرتبة الكمال، وايد ذلک بالاثر المشهور ،خص بالبلاء من عرفه الناس ،نعم ذكرفى اسرار القرآن، ان الولاية لاتتم الاباربعة مقامات: الاول مقام المحبة ،و الثـانـى مـقـام الشـوق،و الثـالـث مـقـام الـعشق،و الرابع مقام المعرفة ،ولاتكون المحبة الابكشف الـجـمال، ولايكون الشوق الابالاستنشاق نسيم الوصال ،ولايكون العشق الابدنوالانوار،ولاتكون الـمـعـرفة الابالصحبة ،وتتحقق الصحبة بكشف الالوهية مع ظهور انوار الصفات،ولحصول ذلک اثار وعلامات مذكورة فيه ،فليراجعه من ارادها،و الكلام فى هذا المقام كثيروكتب القوم ملأى منه، وذكـرنـاه كـفـاية لـغـرضـنـا،واحسـن مايعتمدعليه فى معرفة الولى اتباع الشريعه الغراء، وسلوک المحجة البيضاء، فمن خرج عنهاقيدشبربعدعن الولاية بمراحل،فلاينبغى ان يطلق عليه اسم=

وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ

اور اُسی کے پاس اصل کتاب ہے۔ [5] اور اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں تمہیں دکھائیں

= الولی ولواتی بالف الف خارق،فالولی الشرعی الیوم اعزمن الکبریت الاحمر،ولاحول ولاقوة الاباللہ.

اما الخیام فانھا کخیامھم ☆ واری نساء الحی غیر نسائھا

و کذافی مدارج السالکین: ۱۰۵/۲۔

مذکورہ عبارات سے یہ واضح ہوا کہ کرامت سے استقامت بہتر ہے،اگر چہ لوگوں کے نزدیک کرامت ایک بہت بڑی اور عظیم الشان چیز ہے،اور بعض جہال اس کرامت کو ولی کی الوھیت پر دلیل گردانتے ہیں،اور یہ بھی واضح ہوا کہ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں جیسا کہ معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں،اور معجزہ کا ظاہر کرنا نبی پر لازم ہے جبکہ ولی کو چاہیئے کہ کرامت کو چھپائے۔

[5] ام الکتاب کے لفظی معنی اصل کتاب کے ہیں،مراد اس سے وہ لوح محفوظ ہے جس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا،معنی آیت کے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت اور باقی رکھتا ہے،اور اس محو واثبات کے بعد جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے۔جس پر نہ کسی کی دست رس ہے نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ائمہ تفسیر میں سے سعید بن جبیرؓ اور قتادہ وغیرہ نے اس ایت کو بھی احکام وشرائع کے محو واثبات یعنی مسئلہ نسخ کے متعلق قرار دیا ہے،اور اس آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ جو ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے مختلف رسولوں کے ذریعہ اپنی کتابیں بھیجتے ہیں،جن میں احکام شریعت اور فرائض کا بیان ہوتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ سب احکام دائمی ہوں اور ہمیشہ باقی رہیں۔بلکہ قوموں کے حالات اور زمانے کے تغیرات کے مناسب اپنی حکمت کے ذریعہ جس حکم کو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ثابت اور باقی رکھتے ہیں،اور اصل کتاب بہرحال ان کے پاس محفوظ ہے،جس میں پہلے ہی سے لکھا ہوا ہے کہ فلاں حکم جو فلاں قوم کے لئے نازل کیا گیا ہے یہ ایک خاص میعاد کے لئے یا خاص حالات کی بنا پر ہے،جب وہ میعاد گذر جائے گی یا وہ حالات بدل جائیں

گے تو یہ حکم بھی بدل جائے گا۔اس ام الکتاب میں اس کی میعاد اور وقت مقرر بھی پوری تعین کے ساتھ درج ہے، اور یہ بھی کہ اس حکم کو بدل کر کونسا حکم لایا جائے گا۔اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ احکام الٰہی کبھی منسوخ نہ ہونے چاہئیں، کیونکہ کوئی حکم جاری کرنے کے بعد منسوخ کرنا علامت اس کی ہے کہ حکم جاری کرنے والے کو حالات کا اندازہ نہ تھا اس لئے حالات دیکھنے کے بعد اس کو منسوخ کرنا پڑا، اور ظاہر ہے کہ حق تعالی کی شان اس سے بلند وبالا ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہو۔ کیونکہ تقریر مذکور سے معلوم ہو گیا کہ جس حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے اللہ تعالی کے علم میں پہلے سے ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اتنی مدت کے لئے جاری کیا گیا ہے اس کے بعد بدلا جائے گا۔

اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کسی مریض کا حال دیکھ کر کوئی حکیم یا ڈاکٹر ایک دوا اس وقت کے مناسب حال تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس دوا کا یہ اثر ہوگا، اس کے بعد اس دوا کو بدل کر فلاں دوسری دوا دی جائے گی۔خلاصہ یہ ہے کہ اس تفسیر کے مطابق آیت میں محو واثبات سے مراد احکام کا منسوخ ہونا اور باقی رہنا ہے اور ائمہ تفسیر کی ایک جماعت سفیان ثوریؒ، وکیعؒ وغیرہ نے ابن عباسؓ سے اس آیت کی دوسری تفسیر نقل کی، جس میں مضمون آیت کو نوشتہ تقدیر کے متعلق قرار دیا ہے، اور معنی آیت کے یہ بیان کیئے گئے ہیں، کہ قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق مخلوقات کی تقدیریں اور ہر شخص کی عمر اور زندگی بھر میں ملنے والے رزق اور پیش آنے والی راحت یا مصیبت اور ان سب چیزوں کے مقداریں اللہ تعالی نے ازل میں مخلوقات کی پیدائش سے بھی پہلے لکھی ہوئی ہیں۔پھر بچہ کی پیدائش کی وقت فرشتوں کو بھی لکھوا دیا جاتا ہے اور ہر سال شب قدر میں اس سال کے اندر پیش آنے والے معاملات کا رقعہ فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر فرد مخلوق کی عمر، رزق، حرکات وسکنات سب متعین ہیں۔اور لکھے ہوئے ہیں، مگر اللہ تعالی اس نوشتہ تقدیر میں سے جس کو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں ” **وعنده ام الكتاب** “، یعنی اصل کتاب جس کے مطابق محو واثبات کے بعد انجام کار عمل ہونا ہے۔وہ اللہ کے پاس ہے اس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔تشریح اس کی یہ ہے کہ بہت سی احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال سے انسان کی عمر اور رزق بڑھ جاتے ہیں بعض سے گھٹ جاتے ہیں صحیح بخاری میں ہے کہ صلہ رحمی زیادتی عمر کا سبب بنتی ہے۔اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ بعض اوقات آدمی کوئی ایسا گناہ کرتا ہے کہ اس کے سبب رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور ماں باپ کے خدمت اور اطاعت سے عمر بڑھ جاتی ہے اور تقدیر الٰہی کو کوئی چیز بجز دعا کے ٹال نہیں سکتی۔ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے جو عمر یا رزق وغیرہ کسی کی تقدیر میں لکھ دیئے ہیں، وہ بعض اعمال کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوسکتے ہیں، اور دعاء کی وجہ سے بھی

تقدیر بدل جاسکتی ہے۔اس آیت میں اسی مضمون کا بیان اس طرح کیا گیا کہ کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی عمر یا رزق یا مصیبت یا راحت وغیرہ میں جو تغیر وتبدل کسی عمل یا دعا کی وجہ سے ہوتا ہے،اس سے مراد وہ کتاب تقدیر ہے جو فرشتوں کے ہاتھ یا ان کے علم میں ہے۔اس میں بعض اوقات کوئی حکم کسی خاص شرط پر معلق ہوتا ہے جب وہ شرط نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہیں رہتا اور پھر یہ شرط بعض اوقات تو تحریر میں لکھی ہوئی فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے،بعض اوقات لکھی نہیں ہوتی صرف اللہ تعالی کی علم میں ہوتی ہے جب وہ حکم بدلا جاتا ہے تو سب حیرت میں رہ جاتے ہیں اس طرح کی تقدیر معلق کہلاتی ہے جس میں اس آیت کی تصریح کے مطابق محو واثبات ہوتا رہتا ہے،لیکن آیت کی اخری جملہ " وعنده ام الکتاب" نے یہ بتلا دیا کہ اس تقدیر معلق کے اوپر ایک تقدیر مبرم ہے جو ام الکتاب میں لکھی ہوئی اللہ تعالی کے پاس ہے،وہ صرف علم الٰہی کے لئے مخصوص ہے اس میں وہ احکام لکھے جاتے ہیں جو شرائط اعمال یا دعا کے بعد اخری نتیجہ کے طور پر ہوتے ہیں اسے لئے وہ محو واثبات اور کمی بیشی سے بالکل بری ہے۔(ابن کثیر)۔

لیکن اس سے مراد ہرگز یہ نہیں ہے جو کہ عوام میں مشہور ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں ایک معلق دوسرا مبرم۔ اور پھر ہر ایک کا تفسیرا اپنی طرف سے کرتے ہیں۔ابن کثیر نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ "یمحوا اللہ مایشاء" قال من جاء اجله فذهب ویثبت الذی هو حی یجری الی اجله وکذا قال ابن جریر،یعنی جس کی اجل آجائے چل بستا ہے،نہ آئی ہو رہ جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے دن پورے کرلے،ابن جریر بھی اس قول کو پسند فرماتے ہیں۔اور قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ:هذا كقوله "ماننسخ من اية اوننسها" (بقرہ:۱۰۶)یعنی یہ آیت مثل آیت سورۂ بقرہ کے ہے،یعنی جو چاہے منسوخ کردے جو چاہے باقی اور جاری رکھے۔

اور ابن جریر نے ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ قال اللہ تعالی " مايلفظ من قول" الاية (ق:۱۸)قال يكتب كل من تكلم به من خير اوشر حتى انه يكتب قوله اكلت وشربت وذهبت وجئت ورأيت وغيره حتى اذا كان يوم الخميس وعرض قوله وعمله سائره فذلک قوله تعالی یمحوا الله مايشاء الخ۔یعنی سب باتیں لکھی جاتی ہیں،جمعرات کے دن ان میں سے جو باتیں سزا وجزاء سے خالی ہوں نکال دی جاتی ہیں جیسے تیرا یہ قول کہ میں نے کھایا،میں نے پیا،میں آیا،میں گیا وغیرہ جو سچی باتیں ہیں اور ثواب وعذاب کی چیزیں نہیں،اور باقی جو ثواب عذاب کی چیزیں ہیں وہ رکھ لی جاتی ہیں۔=

أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾

یا تجھے اٹھا لیں سو تیرے ذمہ تو پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے ۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اُس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں

وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

اور اللہ (جیسا چاہتا ہے) حکم کرتا ہے کوئی اُس کے حکم کا رد کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے

= ابن ابی العزاس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:وقیل الزیادة و النقصان فی الصحف التی فی ایدی الملائکة وحمل قوله تعالی: (هذه الایة)علی ان المحوو الاثبات من الصحف التی فی ایدی الملائکة وان قوله وعنده ام الکتاب اللوح المحفوظ ویدل علی هذاسیاق الایة وهوقوله تعالی:لکل اجل کتاب ثم قرأ (هذه الایة) ای من ذٰلک الکتاب .وعنده ام الکتاب ای اصله،وهو اللوح المحفوظ وقیل یمحوا الله مایشاء من الشرائع وینسخه ویثبت مایشاء فلاینسخه، و السیاق ادل علی هذا الوجه من الوجه الاول، وهوقوله تعالی: وما کان لرسول ان یأتی بایة،الایة فاخبرتعالی ان الرسول لایاتی بالایات من قبل نفسه ،بل من عندالله،ثم قال لکل اجل کتاب، الایةٓ ای ان الشرائع لهااجل وغایة تنتهی الیها،ثم تنسخ بالشریعة الاخری،فینسخ الله مایشاء من الشرائع عند انقضاء الاجل ویثبت مایشاء.

یعنی اس سے مراد وہ زیادتی اور کمی ہے جو صحیفوں میں ہے، وہ صحیفیں جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے اسی طرح یہ آیت بھی اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ محو و اثبات صحیفوں سے ہے جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے اور ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔بعض کہتے ہیں اللہ پاک جن شرائع کو منسوخ کرنا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، اور جن شرائع کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔اور سیاق آیت اسی پر واضح دلالت کرتا ہے۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ط

جو لوگ اُن سے پہلے تھے وہ بھی (بہت) چالیں چلتے رہیں سو چال تو سب اللہ ہی کی ہے۔

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ط وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

ہر نفس جو کچھ کر رہا ہے وہ اُسے جانتا ہے اور کافر جلد معلوم کر لیں گے کہ عاقبت کا گھر (یعنی انجامِ محمود) کس کیلئے ہے

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ تم (اللہ کے) رسول نہیں ہو۔ کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ

شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

اور وہ شخص جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے گواہ کافی ہے۔

سورة إبراهيم (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ

الٓر۔ (یہ) ایک کتاب (ہے) اس کو ہم نے تم پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی

بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي

طرف لے جاؤ (یعنی) ان کے رب کے حکم سے غالب اور قابلِ تعریف (اللہ کے) رستے کی طرف۔ وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۲﴾

اور زمین میں ہے سب اُسی کا ہے اور کافروں کیلئے سخت عذاب (کی وجہ) سے خرابی ہے

اَلَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ
جو آخرت کی نسبت دنیا کو پسند کرتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکتے

وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۳﴾ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا
اور اس میں کجی چاہتے ہیں یہ لوگ پرلے سرے کی گمراہی میں ہیں ۔ اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا

مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَہُمۡ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰہُ
مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انہیں (احکامِ الٰہی) کھول کھول کر بتا دے پھر اللہ جسے چاہتا ہے

مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۴﴾
گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے [1]

---

[1] ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن اپنی مجلس میں فرمایا کہ: ان اللّٰہ تعالی فضل محمد ﷺ علی الانبیاء وعلی اهل السماء فقالوا یاابا عباس ، بم فضله اللّٰہ علی اهل السماء؟ قال ان اللّٰہ تعالی قال لاهل السماء ﴿ ومن یقل منهم انی اله من دونه فذٰلک نجزیه جهنم کذٰلک نجزی الظالمین ﴾ (انبیاء: ۲۹) وقال اللّٰہ تعالی لمحمد ﷺ اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴿۱﴾ لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۙ﴿۲﴾ (فتح) ۔ قالوا ومافضله علی الانبیاء ؟قال ، قال اللّٰہ تعالی ، ﴿ ومارسلنا من رسول الا بلسان قومه ﴾ (هذه الاية) وقال تعالی لمحمد ﷺ ﴿ وما ارسلناک الا کافة للناس ﴾ (سبا: ۲۸) فارسله الی الجن و الانس. سنن دارمی: ۴۶ ۔ یعنی ،اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام اور اہل اسمان فرشتوں پر فضیلت عطاء فرمائی ہے، حاضرین مجلس نے یہ سن کر سوال کیا کہ اے ابوعباس! اہل اسمان پر نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح پر فضیلت دی ہے؟ ابن عباسؓ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اہل اسمان سے تو یوں خطاب فرمایا: (ومن یقل منهم ،الایة) گویا اس خطاب میں نہ صرف یہ کہ نہایت سخت انداز اور رعب ودبدبہ کا اظہار کیا بلکہ سخت عذاب کی دھمکی بھی دی گئی ،جبکہ نبی کریم ﷺ کو خطاب

فرمایا گیا،تو بڑی ملائمت ،مہربانی اور کرم و عنایت کا انداز اختیار فرمایا گیا،چنانچہ محمد ﷺ سے اللہ تعالی نے یوں فرمایا: (ترجمہ) اے محمد ﷺ ہم نے تمہارے لئے عظمتوں اور برکتوں کے دروازے پوری طرح کھول دیئے ہیں،(جیسا کہ مکہ کا فتح ہونا) اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے تمہارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں،لوگوں نے عرض کیا کہ اچھا یہ بتائے کہ تمام انبیاء پر نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی نے کس طور سے فضیلت دی ہے؟ ابن عباسؓ نے کہا اللہ تعالی نے دوسرے انبیاء کی نسبت یوں فرمایا: (ترجمہ) یعنی ہم نے ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا،تا کہ وہ قوم کے سامنے اللہ کے احکام وقوانین بیان کرے،اور اللہ تعالی جس کو چاہتا ہے،گمراہ کر دیتا ہے الخ۔جبکہ اللہ تعالی نے محمد ﷺ کے بارے میں یہ فرمایا: (ترجمہ) یعنی اے محمد ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے،کہ جس طرح پچھلی امتوں کے رسول ان کے ہم زبان بھیجے گئے ان کو ترجمہ کرنے کی محنت کی ضرورت نہ رہی،رسول کریم ﷺ صرف عرب میں عربی زبان کے ساتھ کیوں مبعوث ہوئے؟ اور آپؐ کی کتاب قرآن بھی عربی زبان ہی میں کیوں نازل ہوئی؟ لیکن غور وفکر سے کام لیا جائے تو جواب صاف ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کی بعثت اور دعوت تمام اقوام دنیا کے لئے عام ہوئی (جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا) جن میں سینکڑوں زبانیں رائج ہیں،تو ان سب کی ہدایت کے لئے دو ہی صورتیں ممکن تھیں،ایک یہ کہ قرآن ہر قوم کی زبان میں جدا جدا نازل ہوتا،اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات وہدایات بھی ہر قوم کی زبان میں جدا جدا ہوتیں،اللہ تعالی کی قدرت کاملہ کے سامنے اس کا انتظام کوئی دشوار نہ تھا،لیکن تمام اقوام عالم کے لئے ایک رسول ایک کتاب ایک شریعت بھیجنے کا جو ایک عظیم مقصد ان تمام اقوام عالم میں ہزاروں طرح کے اختلافات کے باوجود دینی،اخلاقی،معاشرتی وحدت اور یکجہتی پیدا کرنا ہے،وہ اس صورت سے حاصل نہ ہوتا۔

اس کے علاوہ جب ہر قوم،ہر ملک کا قرآن وحدیث الگ زبان میں ہوتے تو اس میں تحریف قرآن کے بے شمار راستے کھل جاتے،اور قرآن کریم کے کلام کا محفوظ ہونا جو اس کی ایسی خصوصیت ہے کہ اغیار اور منکرین قرآن بھی اس کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتے،یہ معجزانہ خصوصیت قائم نہ رہتی،اور ایک ہی دین ایک ہی کتاب کے ہوتے ہوئے اس کے ماننے والوں کی اتنی مختلف راہیں ہو جاتیں کہ کوئی نقطہ وحدت ہی باقی نہ رہتا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم کے ایک عربی زبان میں نازل ہونے کے باوجود اس کی تعبیر وتفسیر میں کس قدر اختلافات جائز حدود میں پیش آئے، اور ناجائز وباطل طریقوں سے اختلاف کی تو کوئی حد نہیں۔لیکن ان سب کے باوجود مسلمانوں کی قومی وحدت اور ممتاز

تشخص ان سب لوگوں میں موجود ہے جو قران پر کسی درجہ میں بھی عامل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی رسالت و بعثت کا پوری اقوام دنیا کے لئے عام ہونے کی صورت میں ان سب کی تعلیم و ہدایت کی یہ صورت کہ قرآن ہر قوم کی زبان میں الگ الگ ہوتا اس کو تو کوئی ادنیٰ سمجھ کا آدمی بھی درست نہیں سمجھ سکتا، اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن کسی ایک ہی زبان میں آئے۔ اور رسول کی زبان بھی وہی قرآن کی زبان ہو، پھر دوسری ملکی اور علاقائی زبانوں میں اس کے ترجمے پہونچائے اور پھیلائے جائیں، رسول کریم ﷺ کے نائب علماء ہر قوم ہر ملک میں آپؐ کی دی ہوئی ہدایات کو اپنی اپنی قوم و ملک کی زبان میں سمجھائیں، اور شائع کریں، اس کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے تمام دنیا کی زبانوں میں سے عربی زبان کا انتخاب فرمایا جس کی بہت سی وجوہ ہیں۔

اول یہ کہ عربی زبان آسمان کی دفتری زبان ہے۔ فرشتوں کی زبان عربی ہے، لوح محفوظ کی زبان عربی ہے، جیسا کہ آیت قرآن: " **بل ھو قرآن مجید، فی لوح محفوظ** " (بروج: ۲۱، ۲۲) سے معلوم ہوتا ہے، اور جنت جو انسان کا وطن اصلی ہے، اور جہاں اس کو لوٹ کر جانا ہے، اس کی زبان بھی عربی ہے، طبرانی فی الکبیر (۱۸۵/۱۱)، مستدرک حاکم (۸۷/۴)، شعب الایمان (۳۵/۳)، میں بروایت عبداللہ بن عباسؓ منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"**احبو العرب لثلاث، لانی عربی، و القرآن عربی، و کلام اھل الجنة عربی**".

اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں صحیح کہا ہے، جامع صغیر میں بھی صحیح کی علامت بتائی ہے،، حافظ حدیث ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ مضمون اس حدیث کا ثابت ہے درجہ حسن سے کم نہیں۔ (فیض القدیر شرح جامع صغیر: ۱/۱۷۹)۔

معنی حدیث کے یہ ہیں کہ تم لوگ تین وجہ سے عرب سے محبت کرو، ایک یہ کہ میں عربی ہوں، دوسرے یہ کہ قرآن عربی ہے، تیسرے یہ کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے۔

تفسیر قرطبی وغیرہ میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آدم علیہ السلام کی زبان جنت میں عربی تھی، زمین پر نازل ہونے اور توبہ قبول ہونے کے بعد عربی ہی زبان میں کچھ تغیرات ہو کر سریانی زبان پیدا ہو گئی،

عربی زبان کے انتخاب کی ایک وجہ خود اس زبان کی ذاتی صلاحتیں بھی ہیں کہ ایک مفہوم کی ادائیگی کے لئے اس میں بے شمار صورتیں اور طریقے ہیں۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر عربی زبان سے ایک مناسبت عطاء فرمائی ہے، جس کی وجہ سے ہر شخص بآسانی عربی زبان بقدر ضرورت سیکھ لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام جس ملک میں پہونچے، تھوڑے

ہی عرصہ میں بغیر کسی جبر واکراہ کے پورے ملک کی زبان عربی ہوگئی، مصر، شام، عراق سب میں کسی کی زبان بھی عربی نہ تھی، جو آج عربی ممالک کہلاتے ہیں۔

ایک یہ وجہ بھی ہے کہ عرب لوگ اگرچہ اسلام سے پہلے سخت بداعمالیوں کے شکار تھے۔ مگر اس قوم کی صلاحیتیں اور ملکات اور جذبات ان حالتوں میں بھی بے نظیر تھے، یہی وجہ تھی کہ حق تعالی نے اپنے سب سے بڑے اور آخری رسول کو ان میں پیدا فرمایا، اور ان کی زبان کو قرآن کے لئے اختیار فرمایا، اور رسول کریم ﷺ کو سب سے پہلے انہی کی ہدایت وتعلیم کا حکم دیا:۔ ''**وانذر عشیرتک الاقربین**'' (شعراء:۲۱۴) اور سب سے پہلے اسی قوم کے ایسے افراد اپنے رسول کے گرد جمع فرمادیئے، جنہوں نے رسول کریم ﷺ پر اپنی جان، مال، اولاد سب کچھ قربان کیا، اور آپ ؐ کی تعلیمات کو جانوں سے زیادہ عزیز سمجھا، اور اس طرح ان پر رسول کریم ﷺ کی صحبت وتعلیم کا وہ گہرا رنگ چڑھا کہ پوری دنیا میں ایک ایسا مثالی معاشرہ پیدا ہوگیا جس کی نظیر اس سے پہلے اسمان وزمین نے نہیں دیکھی تھی، رسول کریم ﷺ نے اس بے مثال جماعت کو قرآنی تعلیمات کے پھیلانے اور شائع کرنے کیلئے کھڑا کردیا اور فرمایا: ''**بلغوا عنی ولو اية**'' (**بخاری: ۳۴۶۱، عن عبدالله بن عمرو**ؓ) یعنی مجھ سے سنی ہوئی ہر بات کو امت تک پہنچادو جاں نثار صحابہ نے اس ہدایت کو پلے باندھا، اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہونچ کر قرآن اور اس کی تعلیمات کو جہان میں پھیلا دیا، رسول کریم ﷺ کی وفات پر پچیس سال گذرنے نہ پائے تھے کہ قرآن کی آواز مشرق ومغرب میں گونجنے لگی۔

دوسری طرف حق تعالی نے تقدیری اور تکوینی طور پر رسول کریم ﷺ کی امت دعوت جس میں دنیا کے مشرکین اور اہل کتاب یہود ونصاریٰ سب داخل ہیں، ان میں ایک خاص ملکہ اور جذبہ تعلیم وتعلم اور تصنیف وتالیف تبلیغ واشاعت کا ایسا پیدا فرمادیا کہ اس کی نظیر دنیا کی پچھلی تاریخ میں نہیں ملتی، اس کے نتیجہ میں عجمی اقوام میں نہ صرف قرآن وسنت کے علوم حاصل کرنے کا قوی جذبہ پیدا ہوا بلکہ عربی زبان کو حاصل کرنے اور اس کی ترویج واشاعت میں عجمیوں کا قدم عرب سے پیچھے نہیں رہا۔

یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ اس وقت عربی لغت اور محاورات اور اس کے قواعد نحو وصرف (گرائمر) پر جتنی کتابیں دنیا میں موجود ہے، وہ بیشتر عجمیوں کی لکھی ہوئی ہیں، قرآن وسنت کی جمع وتدوین، پھر تفسیر وتشریح میں بھی ان کا حصہ عربوں سے کم نہیں رہا۔

اس طرح رسول کریم ﷺ کی زبان اور آپ ؐ کی کتاب عربی ہونے کے باوجود پورے عالم پر محیط =

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسٰى بِاٰيٰتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّوْرِ
اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے آؤ

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيّٰمِ اللّٰهِ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾
اور اُن کو اللہ کے دن یاد دلاؤ اس میں اُن لوگوں کیلئے جو صابر (وشاکر) ہیں (قدرتِ الٰہی کی) نشانیاں ہیں

وَإِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجٰكُمْ مِّنْ آلِ
اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ نے جو تم پر مہربانیاں کی ہیں اُن کو یاد کرو جب کہ تمہیں فرعون کی قوم (کے ہاتھ)

فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ
سے مخلصی دی وہ لوگ تمہیں بُرے عذاب دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور عورت ذات یعنی تمہاری لڑکیوں کو

نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ
زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی۔ اور جب تمہارے رب نے (تم

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾
کو) آگاہ کیا کہ اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب (بھی) سخت ہے

= ہوگئی۔ اور دعوت وتبلیغ کی حد تک عرب وعجم کا فرق مٹ گیا، ہر ملک وقوم اور ہر عجمی زبان کے لوگوں میں ایسے علماء پیدا ہوگئے جنہوں نے قرآن وسنت کی تعلیمات کو اپنی قومی زبانوں میں نہایت سہولت کے ساتھ پہونچا دیا، اور رسول کریم ﷺ کو قوم کی زبان میں بھیجنے کی جو حکمت تھی وہ حاصل ہوگئی۔ آخر آیت میں فرمایا کہ ہم نے لوگوں کی سہولت کے لئے اپنے رسولوں کو ان کی زبان میں اس لئے بھیجا کہ وہ ہمارے احکام ان کو اچھی طرح سمجھا دیں، لیکن ہدایت اور گمراہی پھر بھی کسی انسان کے بس میں نہیں، اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے، وہ جس کو چاہتے ہیں گمراہی میں رکھتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، وہی بڑی قوت اور حکمت والے ہیں۔

وَقَالَ مُوسٰى إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ

اور موسیٰ نے (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کرو تو اللہ بھی بے نیاز

حَمِيدٌ ﴿۸﴾ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُودَ ۬ۛ

(اور) قابلِ تعریف ہے۔ بھلا تمہیں اُن لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) نوح اور عاد اور ثمود

وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللّٰهُ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

کی قوم اور جو اُن کے بعد تھے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں (جب) اُن کے پاس پیغمبر نشانیاں لے کر آئے

فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهٖ

تو اُنہوں نے اپنے ہاتھ اُن کے مونہوں پر رکھ دیئے (کہ خاموش رہو) اور کہنے لگے کہ ہم تو تمہاری رسالت کو تسلیم نہیں

وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿۹﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللّٰهِ

کرتے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے قوی شک میں ہیں ان کے پیغمبروں نے کہا کہ کیا (تمہیں) اللہ (کے

شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ

بارے) میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں اس لئے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہ بخشے

وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

اور فائدہ پہنچانے کیلئے ایک مدت مقرر تک تمہیں مہلت دے۔ وہ بولے تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو تمہارا یہ منشاء ہے کہ جن

تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۱۰﴾

چیزوں کو ہمارے بڑے پوجتے رہے ہیں ان (کے پوجنے) سے ہمیں بند کردو تو (اچھا) کوئی کھلی دلیل لاؤ (یعنی معجزہ دکھاؤ)

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ

پیغمبروں نے اُن سے کہا کہ ہاں ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (نبوت کا)

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

احسان کرتا ہے اور ہمارے اختیار کی بات نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہیں (تمہاری فرمائش کے مطابق) معجزہ دکھائیں

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ

اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسا رکھنا چاہیئے۔ اور ہم کیونکر اللہ پر بھروسا نہ رکھیں حالانکہ اُس نے ہمیں ہمارے (دین کے

هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ

سیدھے) رستے بتائے ہیں اور جو تکلیفیں تم ہمیں دیتے ہو اُس پر صبر کریں گے اور اہلِ توکل کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیئے

﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ

اور جو کافر تھے انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ (یا تو) ہم تمہیں اپنے ملک سے باہر نکال دیں گے یا ہمارے مذہب

فِيْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ

میں داخل ہو جاؤ تو اللہ نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔ اور اُن کے بعد تمہیں اس زمین میں

الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾

آباد کریں گے۔ یہ اُس شخص کیلئے ہے جو (قیامت کے روز) میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور میرے عذاب

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ

سے خوف کرے۔ اور پیغمبروں نے (اللہ سے اپنی) فتح چاہی تو ہر سرکش ضدی نامراد رہ گیا۔ اُس کے پیچھے دوزخ ہے

جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ

اور اُسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ اس کو گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور گلے سے نہیں اتار سکے گا اور ہر طرف سے اُسے موت

الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

آ رہی ہو گی مگر وہ مرنے میں نہیں آئے گا اور اُس کے پیچھے سخت عذاب ہو گا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ
جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا اُن کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے کہ آندھی کے دن اُس پر زور کی ہوا چلے (اور)

عَاصِفٍ لَّا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ط ذٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيْدُ
اُسے اڑا لے جائے (اسی طرح) جو کام وہ کرتے رہے ان پر ان کو کچھ دسترس نہ ہو گی یہی تو پرلے سرے کی گمراہی ہے

۝۱۸ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر سے پیدا کیا ہے اگر وہ چاہے تو تمہیں نابود کر دے

وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۹ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۲۰
اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق پیدا کر دے۔ اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا
سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ضعیف (العقل متبع اپنے روسائے) متکبرین سے کہیں گے

إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ قَالُوْا لَوْ
کہ ہم تو تمہارے پیرو تھے کیا تم اللہ کا کچھ عذاب ہم پر سے دفع کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اگر

هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ
اللہ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں ہدایت کرتے اب ہم چلائیں یا صبر کریں ہمارے حق میں برابر ہے کوئی جگہ (گریز اور)

مَّحِيْصٍ ۝۲۱ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ
رہائی کی ہمارے لئے نہیں ہے۔ جب (حساب کتاب کا) کام فیصل ہو چکے گا تو شیطان کہے گا (جو) وعدہ اللہ نے تم سے کیا

وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ
تھا (وہ تو) سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا

إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي

ہاں میں نے تمہیں (گمراہی کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے) میرا کہا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو

وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي كَفَرْتُ

بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کرسکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار

بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۲﴾

کرتا ہوں کہ تم مجھے شریک بناتے تھے۔ بیشک جو ظالم ہیں اُن کیلئے دردناک عذاب ہے

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ باغات میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿۲۳﴾

نہریں بہہ رہی ہیں، اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ اُن میں رہیں گے، وہاں اُن کی دعائے ملاقات سلام ہے

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت

أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ

جس کی جڑ مضبوط (یعنی زمین کو پکڑے ہوئے) ہو اور شاخیں آسمان میں ۔ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا

بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۵﴾

(اور میوے) دیتا ہو اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا

اور ناپاک بات کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے (نہ جڑ مستحکم نہ شاخیں بلند) زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے،

مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اُس کو ذرا بھی قرار (وثبات) نہیں۔اللہ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے[2] دنیا کی زندگی میں

وَفِي الآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

[۲] بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا) اور اللہ بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّأَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا

(وہ گھر) دوزخ ہے (سب ناشکرے) اس میں داخل ہوں گے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔اوران لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کئے

---

[2] تمام مفسرین، محدثین اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔خود نبی کریم ﷺ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی منقول ہے۔چنانچہ براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا :اذاأ قعد المؤمن فی قبره أتی ،ثم شهد ان لااله الاالله وان محمدرسول الله ،فذالک قوله ﴿یثبت الله الذین اٰمنوا بالقول الثابت ﴾الا یۃ مؤمن جب اپنی قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں، پھر وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں۔پس یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول ﴿یثبت الله ﴾ الایۃ کا۔(بخاری: رقم: ۴۶۹۹)۔محمد بن بشارؒ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :﴿یثبت الله الذین اٰمنوا ...﴾ نزلت فی عذاب القبر ,,یعنی یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے (بخاری کتاب الجنائز رقم: ۱۳۶۹) اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا،الایۃ طٰہٰ: ۱۲۴ تا ۱۲۶۔سورۂ مومن کی ایت: ۴۵، ۴۶ میں بھی عذاب قبر کا مسئلہ ہے سورۂ التکاثر بھی عذاب قبر کے متعلق ہے۔

لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

کہ (لوگوں کو) اس کے رستے سے گمراہ کر دیں، کہہ دو کہ (چند روز) فائدے اٹھا لو آخر کار تمہیں دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے

قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلٰوةَ

(اے پیغمبر!) میرے مومن بندوں سے کہہ دو کہ نماز قائم کریں

وَيُنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ

اور اس دن کے آنے سے پیشتر جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہو گا اور نہ دوستی (کام آئے گی) ہمارے دیئے ہوئے مال میں

وَلَا خِلَالٌ ﴿۳۱﴾ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ

سے درپردہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں۔ اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ

برسایا پھر اُس سے تمہارے کھانے کیلئے پھل پیدا کئے

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾

اور کشتیوں (اور جہازوں) کو تمہارے زیرِ فرماں کیا تاکہ دریا (اور سمندر) میں اس کے حکم سے چلیں اور نہروں کو بھی تمہارے زیرِ فرماں کیا

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾

اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) ایک دستور پر چل رہے ہیں اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا

وَآتٰكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تمہیں عنایت کیا اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو

إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ

(مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے) کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔ اور جب ابراہیم نے دعا کی

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

کہ میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کیلئے) امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَإِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ

اے اللہ! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرے سے اور جس نے میری نافرمانی کی

فَإِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَا إِنِّیْ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرِ

تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنی اولاد میدانِ (مکہ) میں جہاں

ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ

کھیتی نہیں تیرے عزت وحرمت والے گھر کے پاس لا بسائی ہے، اے اللہ! تاکہ یہ نماز پڑھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ایسا

النَّاسِ تَهْوِیْ إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو پلوں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ

اے اللہ! جو بات ہم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں تو سب جانتا ہے۔ اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں

فِی الْأَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى

(نہ) زمین میں نہ آسمان میں ۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑی عمر میں

الْكِبَرِ إِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ إِنَّ رَبِّیْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾

اسمٰعیل اور اسحٰق بخشے بیشک میرا رب دعا سننے والا ہے ۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾

اے اللہ! مجھے (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش) اے اللہ! میری دعا قبول فرما

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

اے اللہ! حساب (کتاب) کے دن مجھے اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کی مغفرت فرما

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ

اور (مومنو) مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں اللہ اُن سے بے خبر ہے۔ وہ اُن کو اُس دن تک مہلت دے رہا ہے

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْأَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ

جب کہ (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ (اور لوگ) سر اٹھائے ہوئے (میدانِ قیامت کی طرف)

لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾

دوڑ رہے ہوں گے۔ اُن کی نگاہیں اُن کی طرف لوٹ نہ سکیں گی اور اُن کے دل (مارے خوف کے) ہوا ہو رہے ہوں گے

وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَا

اور لوگوں کو اس دن سے آگاہ کر دو جب اُن پر عذاب آ جائے گا تب ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب!

أَخِّرْنَا إِلٰى أَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ

ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا کر تا کہ ہم تیری دعوتِ (توحید) قبول کریں اور (تیرے) پیغمبروں کے پیچھے چلیں

أَوَلَمْ تَكُوْنُوْا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾

(تو جواب ملے گا کہ) کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو (اس حال سے جس میں تم ہو) زوال (اور قیامت کو حسابِ اعمال) نہیں ہوگا

وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ

جو لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے تم اُن کے مکانوں میں رہتے تھے اور تم پر ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان لوگوں کیساتھ

كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ﴿۴۵﴾

کس طرح (کا معاملہ) کیا تھا اور تمہارے (سمجھانے) کیلئے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ

اورانہوں نے (بڑی بڑی) تدبیریں کیں اوران کی (سب) تدبیریں اللہ کے ہاں (لکھی ہوئی) ہیں گووہ تدبیریں ایسی

لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ

تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جاتے۔تو ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ نے جو اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے اُس کے خلاف کرے گا

إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ

بیشک اللہ زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے ۔جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی

وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾

اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) اور سب لوگ اللہ یگانہ و زبردست کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾

اور اس دن تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾

اُن کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور اُن کے مونہوں کو آگ لپٹ رہی ہوگی

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾

یہ اس لئے کہ اللہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دے بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْا أَنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ

یہ (قرآن) لوگوں کے نام (اللہ کا پیغام) ہے تاکہ ان کو اُس سے ڈرایا جائے اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہی اکیلا معبود ہے

وَّلِيَذَّكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

اور تاکہ اہلِ عقل نصیحت پکڑیں۔

سورۃ الحجر (مکیۃ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ آيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْآنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ

الٓر۔ یہ (اللہ کی) کتاب اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں ۔ کسی وقت کافر لوگ آرزو کریں گے

كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۲﴾ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ

کہ اے کاش وہ مسلمان ہوتے ۔(اے محمد ﷺ!) ان کو ان کے حال پر رہنے دو کہ کھالیں اور فائدے اٹھالیں اور (طول)

الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ

امل ان کو (دنیا میں) مشغول کئے رہے عنقریب ان کو (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی

إِلَّا وَلَهَا كِتٰبٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾ مَّا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُوْنَ ﴿۵﴾

مگر اس کا وقت معیّن تھا۔ کوئی جماعت اپنی مدت (وفات) سے نہ آگے نکل سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔

وَقَالُوْا يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾

اور (کفار) کہتے ہیں کہ اے شخص جس پر نصیحت (کی کتاب) نازل ہوئی ہے تو تو دیوانہ ہے۔

لَّوْ مَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ

اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا؟ (کہہ دو) کہ ہم فرشتوں کو نازل نہیں کیا کرتے

إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُّنظَرِينَ ۝٨ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ

مگر حق کے ساتھ اور اس وقت ان کو مہلت نہیں ملتی۔ بیشک یہ (کتاب) ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے [1]

---

[1] امام قرطبیؒ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ: ۱۵۹/۷، میں اس جگہ سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المؤمنین مامون کے دربا کا نقل کیا ہے کہ مامون کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث ومباحثہ اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، جس میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آ گیا، جو صورت، شکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح وبلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا، مامون نے بطور امتحان کہا اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اور اپنے آباء واجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا، بات ختم ہوگئی، یہ شخص چلا گیا، پھر ایک سال کے بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا، اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو گذشتہ سال آئے تھے؟ جواب دیا ہاں وہی ہوں، مامون نے پوچھا کہ اُس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا؟ اس نے کہا میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوش نویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں، تو اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں، میں نے امتحان کرنے کے لئے تورات کے تین نسخے کتابت کئے، جن میں بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ میں پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ لکھ کر نصاریٰ کے عبادت خانہ میں لے گیا وہاں بھی نصاریٰ نے بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لئے، پھر میں نے یہی کام قرآن مجید کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کئے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی، ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کے لئے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا، اس واقعہ سے میں نے یہ سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، اس لئے مسلمان ہو گیا، اس واقعہ کے راوی (قاضی یحی بن اکثمؒ) کہتے ہیں کہ اتفاقا اسی سال مجھے =

لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾

نگہبان ہیں اور ہم نے تم سے پہلے لوگوں میں بھی پیغمبر بھیجے تھے۔

وَمَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ

اوران کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آتا تھا مگر وہ اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔اسی طرح ہم اس (تکذیب وضلال) کو

=حج کی توفیق ہوئی،وہاں سفیان بن عیینہؒ سے ملاقات ہوئی ،تو یہ قصہ ان کو سنایا انھوں نے فرمایا کہ بیشک ایسا ہی ہونا چاہیئے ،کیونکہ اس کی تصدیق قرآن مجید میں موجود ہے،یحیٰ بن اکثمؒ نے پوچھا قرآن کی کونسی آیت میں ہے؟ تو فرمایا کہ قرآن کریم نے جہاں تورات وانجیل کا ذکر کیا ہے،اس میں تو فرمایا'' **بما استحفظوا من كتاب الله** ''یعنی یہود ونصاریٰ کو کتاب اللہ تورات وانجیل کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے یہی وجہ ہوئی کہ جب یہود ونصاریٰ نے فریضۂ حفاظت ادانہ کیا تو یہ کتابیں مسخ ومحرف ہوکر ضائع ہوگئیں،بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا'' **انا له لحفظون** ''یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔اور یہ ظاہر ہے کہ معانی قرآن وہی ہیں جن کے تعلیم دینے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا،جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے'' **لتبين للناس ما نزل اليهم** ''یعنی آپ ﷺ کو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ آپ بتلادیں لوگوں کو، اس کلام کا مفہوم ، جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے،اور یہی معنی اس آیت کے ہیں ،'' **يعلمهم الكتاب والحكمة** ''اوراسی لئے آپ نے فرمایا'' **انما بعثت معلما** '' (**التمهيد: ۱۱۸/۵**)،یعنی میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں،اور جب رسول اللہ ﷺ کو معانی قرآن کے بیان اور تعلیم کے لئے بھیجا گیا تو آپ نے امت کو جن اقوال وافعال کے ذریعہ تعلیم دی،انہی اقوال وافعال کا نام حدیث ہے۔

جولوگ آجکل دنیا کو اس مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ احادیث کا ذخیرہ جو مستند کتب میں موجود ہے وہ اس لئے قابل اعتبار نہیں کہ وہ زمانہ رسول اللہ ﷺ سے بہت بعد میں مدون کیا گیا ہے۔اول تو ان کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں۔کیونکہ حدیث کی حفاظت وکتابت خود عہد رسالت میں شروع ہوچکی تھی بعد میں اس کی تکمیل ہوئی اس کے علاوہ حدیث رسول درحقیقت تفسیر قرآن اور معانی ہیں،ان کی حفاظت اللہ تعالی نے اپنے ذمہ لی ہے،پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قرآن کے صرف الفاظ محفوظ رہ جائیں معانی (یعنی احادیث رسول) ضائع ہوجائیں؟۔

فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾

گنہگاروں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔سو وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پہلوں کی روش بھی یہی رہی ہے۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوا إِنَّمَا

اوراگرہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پرکھول دیں اوروہ اس میں چڑھنے بھی لگیں۔تو بھی یہی کہیں کہ ہماری آنکھیں مخمور ہوگئی

سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي

ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اور ہم نے ہی آسمان میں بُرج بنائے

السَّمَاءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ

اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو سجا دیا۔ اور ہر شیطان راندۂ درگاہ سے اسے محفوظ کر دیا۔

رَّجِيمٍ ﴿۱۷﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ﴿۱۸﴾ وَالْأَرْضَ

ہاں اگر کوئی چوری سے سننا چاہے تو چمکتا ہوا انگارا اس کے پیچھے لپکتا ہے۔ اور زمین

مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿۱۹﴾

کو بھی ہم ہی نے پھیلایا اور اس پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے اور اس میں ہر ایک سنجیدہ چیز اگائی۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿۲۰﴾

اور ہم ہی نے تمہارے لئے اور ان لوگوں کے لئے جن کو تم روزی نہیں دیتے اس میں معاش کے سامان پیدا کئے۔

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿۲۱﴾

اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو بمقدارِ مناسب اتارتے رہتے ہیں۔

وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ

اور ہم ہی ہوائیں چلاتے ہیں (جو بادلوں کے پانی سے) بھری ہوئی (ہوتی ہیں) اور ہم ہی آسمان سے مینہ برساتے ہیں

لَــهُ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ

اور ہم ہی تم کو اسکا پانی پلاتے ہیں اور تم تو اس کا خزانہ نہیں رکھتے۔ اور ہم ہی حیات بخشتے اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہم ہی

الْوَارِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا

سب کے وارث ہیں۔ اور جو لوگ تم میں پہلے گزر چکے ہیں ہمیں معلوم ہیں اور جو پیچھے آنے والے ہیں وہ بھی ہمیں

الْمُسْتَأْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

معلوم ہیں۔ اور تمہارا پروردگار (قیامت کے دن) ان سب کو جمع کرے گا وہ بڑا دانا (اور) خبردار ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

اور ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ

اور جنوں کو اس سے بھی پہلے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا۔ اور جب تمہارے پروردگار نے

لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾

فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهُ

جب اس کو (صورتِ انسانیہ میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اس کے آگے

سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

سجدے میں گر پڑنا تو فرشتے تو سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔

إِلَّآ إِبْلِيْسَ أَبٰى أَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰإِبْلِيْسُ مَا لَكَ

مگر شیطان کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ ابلیس! تجھے کیا ہوا

أَلَّا تَكُونَ مَعَ السّٰجِدِينَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ أَكُنْ لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ
کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ (اس نے) کہا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿۳۴﴾
ہوئے گارے سے بنایا ہے سجدہ کروں۔ (اللہ نے) فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے۔

وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلٰى يَوْمِ
اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برسے گی)۔ (اس نے) کہا کہ پروردگار! مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ

يُبْعَثُونَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۳۷﴾ إِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ
(مرنے کے بعد) زندہ کئے جائیں گے۔ فرمایا کہ تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ وقت مقرر (یعنی

الْمَعْلُومِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ
قیامت) کے دن تک۔ (اس نے) کہا کہ پروردگار جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں

وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۴۰﴾
کے لئے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو چلنا مشکل ہے)

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۱﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ
(اللہ نے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا رستہ ہے۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تجھے

سُلْطٰنٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِينَ ﴿۴۲﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ
کچھ قدرت نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں بدراہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے۔ اور ان سب کے وعدے

لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ
کی جگہ جہنم ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں ہر ایک دروازے کے لئے ان میں جماعتیں

مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ
تقسیم کر دی گئی ہیں۔ جو متقی ہیں وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) ان میں سلامتی

اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا
سے داخل ہو جاؤ۔ اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہو گی اس کو ہم نکال (کر صاف کر) دیں گے (گویا) بھائی بھائی

عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا
تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ نہ ان کو وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے

بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْ أَنِّيْ أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾
نکالے جائیں گے۔ (اے پیغمبر!) میرے بندوں کو بتا دو کہ میں بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہوں۔

وَأَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾
اور یہ کہ میرا عذاب بھی درد دینے والا عذاب ہے۔ اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا احوال سنا دو۔

إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ
جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو سلام کہا (انہوں نے) کہا ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں نے) کہا کہ ڈریئے نہیں

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ أَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰى أَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ
ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ (وہ) بولے کہ جب مجھے بڑھاپے نے آ لیا

فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾
تو تم خوشخبری دینے لگے اب کاہے کی خوشخبری دیتے ہو؟ (انہوں نے) کہا کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں آپ مایوس نہ ہوں

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ إِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ
(ابراہیم نے) کہا کہ اللہ کی رحمت سے (میں مایوس کیوں ہونے لگا اس سے) مایوس ہونا گمراہوں کا کام ہے۔ پھر کہنے لگے

فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلٰى قَوْمٍ

کہ فرشتو! تمہیں (اور) کیا کام ہے؟ (انہوں نے) کہا کہ ہم ایک گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (کہ اس کو عذاب

مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ إِلَّآ آلَ لُوْطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾

کریں)۔ مگر لوط کے گھر والے کہ ان سب کو ہم بچا لیں گے۔

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

البتہ ان کی بیوی (کہ) اس کے لئے ہم نے ٹھہرا دیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے گی۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾

پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے ۔ تو لوط نے کہا تم تو نا آشنا سے لوگ ہو۔

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَأَتَيْنٰكَ

وہ بولے کہ (نہیں) بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کرتے تھے۔ اور ہم آپ کے پاس

بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ

یقینی بات لے کر آئے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ تو آپ کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے نکلیں

وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

اور خود ان کے پیچھے چلیں اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جایئے

وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوتے کاٹ دی جائے گی۔

وَجَآءَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ

اور اہلِ شہر (لوط کے پاس) خوش خوش (دوڑے) آئے۔ (لوط نے) کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں (کہیں ان کے بارے

فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ﴿۶۹﴾

میں) مجھے رسوا نہ کرنا ۔ اور اللہ سے ڈرو اور میری بے آبروئی نہ کرنا۔

قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۷۰﴾

وہ بولے کیا ہم نے تمہیں سارے جہان (کی حمایت و طرفداری) سے منع نہیں کیا ۔

قَالَ هٰۤؤُلَاۤءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمۡرُكَ

(انہوں نے) کہا کہ اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں (ان سے شادی کرلو۔ (اے محمد ﷺ!) تمہاری جان کی قسم!

اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ ﴿۷۳﴾

وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔[2] سو ان کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑ نے آ پکڑا۔

---

[2] قولہ "لعمرک" روح المعانی میں جمہور مفسرین کا قول یہ نقل کیا ہے کہ لعمرک کے مخاطب رسول کریم ﷺ ہیں، اللہ تعالی نے آپ کی حیات کی قسم کھائی ہے بیہقی نے شعب الایمان:۱۷۸/۲،۱۸۴، و الشریعۃ للا جری:۱/۳۹۷، والخلال فی السنۃ:۱/۲۴۱، میں اورابونعیم وابن مردویہ وغیرہ نے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالی نے تمام مخلوقات وکائنات میں کسی کو محمد مصطفی ﷺ سے زیادہ مرتبہ وعزت عطا نہیں فرمایا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے کسی پیغمبر یا کسی فرشتے کی حیات پر کبھی قسم نہیں کھائی، اوراس آیت میں رسول کریم ﷺ کی عمروحیات کی قسم کھائی ہے جو نبی کریم ﷺ کا انتہائی اعزاز واکرام ہے۔

کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالی کے اسماء وصفات کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھائے، کیونکہ قسم اس کی کھائی جاتی ہے جس کو سب سے زیادہ بڑا سمجھا جائے اور ظاہر ہے سب سے زیادہ بڑا صرف اللہ تعالی ہی ہوسکتا ہے۔حدیث میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ماؤں اور باپوں کی اور بتوں کی قسم نہ کھاؤ، اور اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ، اور اللہ کی قسم بھی صرف اس وقت کھاؤ جب تم اپنے قول میں سچے ہو(رواہ ابوداود، و النسائی عن ابی ھریرۃ السلسلۃ الصحیحۃ رقم:۱۱۱۹)۔=

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿٧٤﴾

اور ہم نے اس (شہر) کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر کنکر کی پتھریاں برسائی گئیں

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ﴿٧٦﴾

بیشک اس (قصے) میں اہلِ فراست کے لئے نشانی ہے۔ اور وہ (شہر) اب تک سیدھے رستے پر (موجود) ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ

بیشک اس میں ایمان لانے والوں کے لئے نشانی ہے۔ اور بَن کے رہنے والے (یعنی قومِ شعیب کے لوگ)

لَظَالِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾

بھی گنہگار تھے۔ تو ہم نے ان سے بھی بدلا لیا اور یہ دونوں شہر کھلے رستے پر (موجود) ہیں

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨٠﴾

اور (وادی) حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔

= اور صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے ہیں تو رسول پاک ﷺ نے پکار کر فرمایا کہ خبردار رہو اللہ تعالی باپوں کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے جس کو حلف کرنا ہو اللہ کے نام کا حلف کرے ورنہ خاموش رہے۔ (بخاری: ۶۶۴۶، مسلم: ۱۶۴۶، عن ابن عمرؓ)۔

لیکن یہ حکم عام مخلوقات کے لئے ہے اللہ تعالی خود اپنی مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھاتے ہیں، یہ ان کے لئے مخصوص ہے جس کا مقصد کسی خاص اعتبار سے اس چیز کا اشرف اور عظیم النفع ہونا بیان کرنا ہے، اور عام مخلوق کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے روکنے کا جو سبب ہے وہ یہاں موجود نہیں کیونکہ حق تعالی کے کلام میں اس کا کوئی امکان نہیں کہ وہ اپنی کسی مخلوق کو سب سے زیادہ بڑا اور افضل سمجھیں، کیونکہ علی الاطلاق بڑائی تو صرف اللہ تعالی کی ذات سے مخصوص ہے۔

وَآتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ

اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں اور وہ ان سے منہ پھیرتے رہے۔ اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے

بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَا أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا

(کہ) امن (واطمینان) سے رہیں گے۔ تو چیخ نے ان کو صبح ہوتے ہوتے آ پکڑا۔ اور جو کام وہ کرتے تھے وہ ان کے کچھ

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

بھی کام نہ آئے۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان میں ہے

إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾

اس کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے اور قیامت تو ضرور آ کر رہے گی تو تم (ان لوگوں سے) اچھی طرح سے درگزر کرو۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ آتَيْنٰكَ سَبْعًا

کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار ہی (سب کچھ) پیدا کرنے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اور ہم نے تمہیں سات (آیتیں)

مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ

جو (نماز میں) دہرا کر پڑھی جاتی ہیں (یعنی سورۂ الحمد) اور عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔ اور ہم نے کفار کی کئی جماعتوں

أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

کو جو متمتع کیا ہے تم ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا اور نہ ان کے حال پر تأسف کرنا اور مومنوں سے خاطر اور تواضع سے پیش آنا

وَقُلْ إِنِّيْ أَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

اور کہہ دو کہ میں تو اعلانیہ ڈر سنانے والا ہوں۔ (اور ہم ان کفار پر اسی طرح عذاب نازل کریں گے) جس طرح (قسم کھانے والوں یا قرآن کو)

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾

بانٹ لینے والوں پر یعنی قرآن کو (کچھ ماننے اور کچھ نہ ماننے سے) ٹکرے ٹکڑے کر ڈالا۔

فَوَرَبِّکَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

تمہارے پروردگار کی قسم! ہم ان سے ضرور پرسش کریں گے۔ ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٤﴾

پس جو حکم تمہیں (اللہ کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنا دو اور مشرکوں کا (ذرا) خیال نہ کرو۔

إِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا

ہم تمہیں ان لوگوں سے بچانے کے لئے جو تم سے استہزاء کرتے ہیں کافی ہیں۔[۳] جو اللہ کے ساتھ اور معبود قرار

آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ

دیتے ہیں سو عنقریب ان کو (ان باتوں کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے تمہارا دِل تنگ

بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ

ہوتا ہے۔ تو تم اپنے پروردگار کی تسبیح کہتے اور (اس کی) خوبیاں بیان کرتے رہو

مِّنَ السّٰجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

اور سجدہ کرنے والوں میں داخل رہو۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت کئے جاؤ یہاں تک کہ تمہاری موت (کا وقت) آ جائے

---

[3] اس میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان کے لیڈر پانچ آدمی تھے، عاص بن وائل، اسود بن المطلب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، حارث بن طلاطلہ، یہ پانچوں معجزانہ طور پر ایک ہی وقت میں جبرئیل علیہ السلام کے اشارے سے ہلاک کر دیئے گئے۔

سورة نحل (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

أَتٰىٓ أَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾

اللہ کا حکم (یعنی عذاب گویا) آ ہی پہنچا تو (کافرو!) اس کے لئے جلدی مت کرو یہ لوگ جو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ أَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ أَنْ

وہی فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ (لوگوں کو) بتا دو

أَنْذِرُوْٓا أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ

کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھ ہی سے ڈرو۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو مبنی بر حکمت پیدا کیا

تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳﴾ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ

اس کی ذات ان (کافروں) کے شرک سے اونچی ہے۔ اسی نے انسان کو نطفے سے بنایا مگر وہ اس (خالق) کے بارے میں

خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ

اعلانیہ جھگڑنے لگا۔ اور چارپایوں کو بھی اسی نے پیدا کیا ان میں تمہارے لئے گرمی کے لباس اور بہت سے فائدے ہیں

وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ ﴿۵﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ

اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور جب شام کو انہیں (جنگل سے) لاتے ہو اور جب صبح کو (جنگل) چرانے لے

تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بَالِغِيْهِ إِلَّا بِشِقِّ

جاتے ہو تو ان سے تمہاری عزت وشان ہے۔ اور (دور دراز) شہروں میں جہاں تم زحمتِ شاقہ کے بغیر پہنچ نہیں سکتے

الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾ وَالْخَيْلَ

وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار نہایت شفقت والا مہربان ہے۔ اور اسی نے گھوڑے

وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨﴾

اور خچر اور گدھے پیدا کئے تا کہ تم ان پر سوار ہوا ور رونق وزینت (بھی ہیں) اور وہ (اور چیزیں بھی) پیدا کرتا ہے جن کی تمہیں خبر نہیں

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩﴾

اور اللہ پر سیدھی راہ کا بتا دینا ہے اور بعض رستے ٹیڑھے ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھے رستے پر چلا دیتا

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿١٠﴾

وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اس سے درخت بھی (شاداب ہوتے ہیں)

يُنبِتُ لَكُم بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۗ

جن میں تم اپنے چار پایوں کو چراتے ہو اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور (اور بے شمار درخت)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١﴾

اگا تا ہے اور ہر طرح کے پھل (پیدا کرتا ہے) غور کرنے والوں کے لئے اس میں (قدرت الٰہی کی بڑی) نشانی ہے

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ

اور اسی نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے

بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ

ہیں سمجھنے والوں کے لئے اس میں (قدرتِ الٰہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور جو طرح طرح کے رنگوں کی چیزیں

مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣﴾

اس نے زمین میں پیدا کیں نصیحت پکڑنے والوں کے لئے اس میں نشانی ہے

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً

اور وہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے اختیار میں کیا تا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور نکالو

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ

جسے تم پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں دریا میں پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں اور اس لئے بھی (دریا کو تمہارے اختیار میں کیا)

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ

کہ تم اللہ کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تا کہ اس کا شکر کرو۔ اور اسی نے زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے

اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

کہ تمہیں لے کر کہیں جھک نہ جائے اور نہریں اور رستے بنا دیئے تا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک (آسانی سے) جا سکو

وَعَلٰمٰتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ

اور نشانات بنا دیئے اور لوگ ستاروں سے بھی رستے معلوم کرتے ہیں۔[1] تو جو (اتنی مخلوقات) پیدا کرے کیا

كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ۚ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۚ

وہ ویسا ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو

---

[1] قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ستاروں میں تین فائدے رکھے ہیں۔آسمان کی زینت، بھولے بھٹکوں کی رہبری، اور شیطان کی مار۔کسی اور بات کا ان کے ساتھ عقیدہ رکھنا اپنی رائے سے بات بنانا اور تکلیف اٹھانا اور اپنے حصہ کو کھونا ہے۔جاہلوں نے ستاروں کے ساتھ علم نجوم کو متعلق رکھ کر فضول باتیں بنائی ہیں کہ اس کے وقت جو نکاح کرے یوں ہوگا، فلاں ستارے کے وقت پر سفر کرنے سے یہ ہوتا ہے، فلاں ستارے کے وقت جو تولد ہوا ہو وہ ایسا، وغیرہ وغیرہ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔(ابن ابی حاتم) ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ سبحان اللہ قتادہ کا یہ قول کتنا صحیح کس قدر مفید اور معلومات سے پر ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾

بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو سب سے اللہ واقف ہے

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی تو نہیں بنا سکتے بلکہ خود ان کو اَور بناتے ہیں

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

(وہ) لاشیں ہیں بے جان ان کو یہ بھی تو معلوم نہیں کہ اٹھائے کب جائیں گے۔[2] تمہارا معبود تو اکیلا اللہ ہے

---

[2] ان دلیلوں سے معلوم ہوا کہ سب کچھ کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور مشرکین جن بندگان کو بزعم خود متصرف و مختار سمجھ کر پکارتے ہیں، پیدائش کائنات میں ان کا کوئی دخل نہیں، بلکہ وہ خود ایک عاجز مخلوق ہیں ''اموات غیر احیاء ''یعنی سب کچھ جاننے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، اور مشرکین کے مزعومہ معبود تو فوت ہو چکے ہیں، وہ ان کی دعاء اور پکار سے بے خبر ہیں، اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے، ''و الذین یدعون من دون اللہ'' سے عموم مجاز کے طور پر مشرکین کے تمام معبود مراد ہیں، خواہ وہ جماد ہوں، خواہ ذوی العقول ہوں، ویجوزان یکون المرادمن المخبرعنه بماذکرمایتناول جمیع معبوداتهم، من ذوی العقول وغیرهم ۔فیرتکب فی '' اموات'' عموم المجاز لیشمل ماکان له حیات ثم مات کعزیر، اوسیموت کعیسی علیهما السلام و الملائکة ومالیس من شانه الحیاة اصلا کا لاصنام(روح)۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ موضح قران میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: شاید یہ ان کو فرمایا جو مرے بزرگوں کو پوجتے ہیں، شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں یعنی جن چیزوں کو اللہ کے سوا پوجتے ہیں سب مردے ہیں، خواہ دواماً مثلا بت، یا فی الحال مثلا جو بزرگ مر چکے، اور ان کی پوجا کی جاتی ہے، یا انجام و مآل کے اعتبار سے مردہ ہیں مثلاً عیسیٰ علیہ السلام، روح القدس اور ملائکۃ اللہ، جن کی بعض فرقے پرستش کرتے ہیں (تفسیر عثمانی)۔

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

تو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار کر رہے ہیں اور وہ سرکش ہو رہے ہیں

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اللہ ضرور اس کو جانتا ہے وہ سرکشوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا

الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ

اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا اتارا ہے تو کہتے ہیں کہ (وہ تو) پہلے لوگوں کی

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ

حکایتیں ہیں۔ (اے پیغمبر! ان کو بکنے دو) یہ قیامت کے دن اپنے (اعمال کے) پورے بوجھ بھی اٹھائیں گے

وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور جن کو یہ بے تحقیق گمراہ کرتے ہیں ان کے بوجھ بھی (اٹھائیں گے) سن رکھو کہ جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بُرے ہیں

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ

ان سے پہلے لوگوں نے بھی (ایسی ہی) مکاریاں کی تھیں تو اللہ (کا حکم) ان کی عمارت کے ستونوں پر آ پہنچا اور چھت ان پر

السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

ان کے اوپر سے گر پڑی۔ اور (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آ واقع ہوا جہاں سے ان کو خیال بھی نہ تھا

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَاۗقُّوْنَ فِيْهِمْ

پھر وہ ان کو قیامت کے دن بھی ذلیل کرے گا اور کہے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے

قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

تھے؟ جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہیں گے کہ آج کافروں کی رسوائی اور بُرائی ہے

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ

(ان کا حال یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے لگتے ہیں (اور یہ) اپنے ہی حق میں ظلم کرنے والے (ہوتے

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾

ہیں) تو مطیع ہو جاتے ہیں کہ ہم کوئی بُرا کام نہیں کرتے تھے ہاں جو کچھ تم کیا کرتے تھے اللہ اسے خوب جانتا ہے

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٢٩﴾

سو دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اس میں رہو گے اب تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانہ ہے

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا لِّلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

اور (جب) پرہیزگاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ بہترین (کلام) جو

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٠﴾

لوگ نیکوکار ہیں ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے اور پرہیزگاروں کا گھر بہت خوب ہے

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ

(وہ) بہشت جاودانی (ہیں) جن میں وہ داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہاں جو چاہیں گے ان کے لئے

كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣١﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

میسر ہوگا اللہ پرہیزگاروں کو ایسا ہی بدلا دیتا ہے۔ (ان کی کیفیت یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی جانیں نکالنے لگتے ہیں

طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٢﴾

اور یہ پاک ہوتے ہیں تو السلام علیکم کہتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) جو عمل تم کیا کرتے تھے ان کے بدلے میں بہشت میں داخل ہو جاؤ

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ كَذٰلِكَ فَعَلَ

کیا یہ (کافر) اس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے ان کے پاس (جان نکالنے) آئیں یا تمہارے پروردگار کا حکم (عذاب) آ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

پہنچے اسی طرح ان لوگوں نے کیا تھا جوان سے پہلے تھے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے

فَأَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِئُوْنَ ﴿۳۴﴾

توان کوان کے اعمال کے بُرے بدلے ملے اور جس چیز کے ساتھ وہ ٹھٹھے کیا کرتے تھے اس نے ان کو (ہر طرف سے) گھیر لیا

وَقَالَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَا

اور مشرک کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم ہی اس کے سوا کسی چیز کو پوجتے اور نہ ہمارے بڑے ہی (پوجتے) اور نہ اس کے

آبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ

(فرمان کے) بغیر ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے (اے پیغمبر!) اسی طرح

فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

ان سے اگلے لوگوں نے کیا تھا تو پیغمبروں کے ذمے (اللہ کے احکام کو) کھول کر پہنچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ

اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ

تو ان میں بعض ایسے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی

فَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا

إِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

اگر تم ان (کفار) کی ہدایت کے لئے خواہش مند ہیں تو جس کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے اس کو وہ ہدایت نہیں دیا کرتا اور ایسے لوگوں کا کوئی

نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ

مددگار بھی نہیں ہوتا۔ اور یہ اللہ کی پکی قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے (قیامت کے دن قبر سے) نہیں

بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

اٹھائے گا ہرگز نہیں یہ (اللہ کا) وعدہ سچا ہے اور اس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِیْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا

تاکہ جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دے اور اس لئے کہ کافر جان لیں کہ وہ

كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾

جھوٹے تھے۔ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری بات یہی ہے کہ اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً

اور جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کے لئے وطن چھوڑا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے

وَّلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ

اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے اگر وہ (اسے) جانتے۔[3] یعنی وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر

يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ

بھروسا رکھتے ہیں۔ اور ہم نے تم سے پہلے مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تم

---

[3] امام قرطبی نے اس جگہ ہجرت اور ترک وطن کی قسمیں اور ان کے کچھ احکام پر ایک مفید مضمون تحریر فرمایا ہے اہتمام فائدہ کی لئے اس کو نقل کرتا ہوں، قرطبی نے بحوالہ ابن عربی لکھا ہے وطن سے نکلنا اور زمین میں سفر کرنا کبھی تو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کی لئے ہوتا ہے، اور کبھی کسی چیز کی طلب وجستجو کے لئے۔ پہلی قسم کا سفر جو کسی چیز سے

بھاگنے اور بچنے کے لئے ہو اس کو ہجرت کہتے ہیں، اور اس کے چھ قسمیں ہیں۔

اول، یعنی دارلکفر سے دارالاسلام کی طرف جانا، یہ قسم سفر عہد رسالت مین بھی فرض تھی اور قیامت تک بشرط استطاعت وقدرت فرض ہے جبکہ دارالکفر مین اپنے جان و مال اور ابرو کا امن نہ ہو یا دینی فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو، اس کے باوجود دارالحرب مین مقیم رہا تو گناہگار ہوگا۔

دوسرا دارالبدعت سے نکل جانا، ابن قاسم کہتے ہیں کہ مین نے امام مالک سے سنا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اس مقام میں قیام کرنا حلال نہیں، جس میں سلف صالحین پر سب وشتم کیا جاتا ہو، ابن عربی یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہے، کیونکہ اگر تم کسی منکر کا ازالہ نہیں کرسکتے تو تم پر لازم ہے کہ خود وہاں سے زائل یعنی علیحدہ ہوجاؤ، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ”**واذا رأیت الذین یخوضون فی ایاتنا فاعرض عنهم**“الایة. (**انعام: ۶۸**)

تیسرا سفر وہ ہے کہ جس جگہ پر حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا، کیونکہ طلب حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

چوتھا جسمانی اذیتوں سے بچنے کے لئے سفر، یہ سفر جائز اور اللہ تعالی کی طرف سے انعام ہے کہ انسان جس جگہ دشمنوں سے جسمانی اذیت کا خطرہ محسوس کرے وہاں سے نکل جائے، تاکہ اس خطرہ سے نجات ہو، یہ چوتھی قسم کا سفر سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے کیا، جبکہ قوم کی ایذاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لئے عراق سے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور فرمایا ”**انی مهاجر الی ربی**“ (**عنکبوت: ۲۶**) ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی ایک سفر مصر سے مدین کی طرف کیا ”**فخرج منها خائفا یترقب**“ (**قصص: ۱۸**).

پانچواں سفر آب وہوا کی خرابی اور امراض کی خطرہ سے بچنے کے لئے ہے، شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ (اصحاب العرنیین) کو مدینہ سے باہر جنگل میں قیام کرنے کا ارشاد فرمایا: کیونکہ شہری آب وہوان کو موافق نہ تھی، اسی طرح فاروق اعظم نے ابوعبیدہؓ کو حکم بھیجا تھا، کہ دارالخلافہ اردن سے منتقل کر کے کسی سطح مرتفع پر لے جائیں، جہاں آب وہوا خراب نہ ہو۔

لیکن یہ اس وقت میں ہے جب کسی مقام پر طاعون یا وبائی امراض پھیلے ہوئے نہ ہوں، اور جس جگہ کوئی وبا پھیل جائے اس کے لئے حکم یہ ہے کہ جو لوگ اس جگہ پہلے سے موجود ہیں، وہ تو وہاں سے بھاگیں نہیں اور جو باہر ہیں وہ اس کے اندر نہ جائیں، جیسا کہ فاروق اعظمؓ کو سفر شام کے وقت پیش آیا، کہ سرحد شام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو آپ کو اس ملک میں داخل ہونے میں تردد پیش آیا، صحابہ کرام سے مسلسل مشوروں کے بعد آخر میں جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اذاوقع بارض وانتم بھا فلاتخرجوامنھا واذاوقع فلاتھبطوا علیھا (رواہ الترمذی: ۱۰۶۵، وقال حدیث حسن صحیح) یعنی جب کسی خطہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اب وہاں سے نہ نکلو اور جہاں تم پہلے سے موجود نہیں وہاں طاعون پھیلنے کی خبر سنو تو اس میں داخل نہ ہو۔

اس وقت فاروق اعظم نے حکم حدیث کی تعمیل کرتے ہوئے پوری قافلہ کو لے کر واپسی کا اعلان کر دیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث شریف کے اس حکم میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس جگہ مقیم ہیں جہاں کوئی وباء پھیل چکی ہے یہاں کے لوگوں میں وبائی جراثیم کا موجود ہونا ظن غالب ہے، وہ اگر یہاں سے بھاگیں گے تو جس میں یہ مادہ وبائی سرایت کر چکا ہے وہ تو بچے گا نہیں، اور جہاں یہ جائے گا وہاں کے لوگ اس سے متاثر ہوں گے، اس لئے یہ حکیمانہ فیصلہ فرمایا۔

چھٹا سفر اپنے مال کی حفاظت کے لئے ہے، جب کوئی شخص کسی مقام میں چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ محسوس کرے، تو وہاں سے منتقل ہو جائے، شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے، کیونکہ مسلمان کے مال کا بھی ایسا ہی احترام ہے جیسا اس کی جان کا ہے۔

یہ چھ قسمیں تو اس ترک وطن کی ہیں جو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لئے کیا گیا ہو، اور جو سفر کسی چیز کی طلب و جستجو کی لئے کیا جائے اس کی نو قسمیں ہیں:۔

۱۔ سفر عبرت:۔ یعنی دنیا کی سیاحت و سفر، اس کام کے لئے کرنا کہ اللہ تعالی کی مخلوقات اور قدرت کاملہ کا، اور اقوام سابقہ کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل کرلے۔ قران کریم نے ایسے سفر کی ترغیب دی ہے۔ اولم یسیروا فی

الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلھم "(یوسف: ۱۰۹) ذوالقرنین کے سفر کو بھی بعض علماء نے اسی قسم کا سفر قرار دیا ہے، اور بعض نے فرمایا کہ ان کا سفر زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرنے اور دعوت کے لئے تھا۔

۲۔ سفر حج اس کا چند شرائط کے ساتھ فرض اسلامی ہونا سب کو معلوم ہے۔

۳۔ سفر جہاد، اس کا فرض یا واجب یا مستحب ہونا بھی سب مسلمانوں کو معلوم ہے۔

۴۔ سفر معاش، جب کسی شخص کو اپنے وطن میں ضرورت کے مطابق معاشی سامان حاصل نہ ہوسکے تو اس پر لازم ہے کہ یہاں سے سفر کر کے دوسری جگہ تلاش روزگار کرلے۔

۵۔ سفر تجارت، یعنی قدرے ضرورت سے زائد مال حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا، یہ بھی شرعا جائز ہے، حق تعالی کا ارشاد ہے۔لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم "(بقرہ: ۱۹۸) ابتغاء فضل سے مراد اس ایت میں تجارت ہے۔اللہ تعالی نے سفر حج میں بھی تجارت کی اجازت دیدی ہے تو تجارت کی لئے ہی سفر کرنا بدرجہ اولی جائز ہوا۔

۶۔ طلب علم کے لئے سفر، اس کا بقدر ضرورت دین فرض عین ہونا، اور زائد از ضرورت کا فرض کفایہ ہونا معلوم ومعروف ہے۔

۷۔ کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا، یہ بجز تین مسجدوں کی درست نہیں مسجد حرام مکہ مکرمہ مسجد نبوی مدینہ طیبہ مسجد اقصی بیت المقدس۔

۸۔اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے سفر، جس کو رباط کہا جاتا ہے، احادیث کثیرہ میں اس کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔

۹۔ عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے سفر، حدیث میں اس کو بھی باعث اجر وثواب قرار دیا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم: رقم: ۶۷۱۴، کی حدیث میں اقرباء واحباب کی ملاقات کے لئے سفر کرنے والے کے لئے فرشتوں کی دعا کر ذکر فرمایا گیا ہے (یہ جب ہی کہ ان کی ملاقات سے اللہ تعالی کی رضا مقصود ہو کوئی مادی غرض نہ ہو) واللہ اعلم۔قرطبی فی تفسیر سورۃ النساء۔

فَاسْئَلُوْآ أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنتُمْ لا تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٣﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ
نہیں جانتے تو علماء سے پوچھ لو۔ دلیلوں اورکتابوں کے ساتھ
وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ
اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو اور تاکہ
يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٤﴾ أَفَأَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ أَن يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ
وہ غور کریں۔[4] کیا جولوگ بُری بُری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے

---

[4] آیت مذکورہ کا یہ جملہ ”فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون“ اگرچہ ایک خاص مضمون کے بارے میں آیا ہے، مگر الفاظ عام ہیں جو تمام معاملات کو شامل ہیں، اس لئے قرآنی اسلوب کے اعتبار سے درحقیت یہ اہم ضابطہ ہے، جو عقلی بھی ہے، نقلی بھی، کہ جو لوگ احکام کو نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں، اور نہ جاننے والوں پر فرض ہے کہ جاننے والوں کے بتلانے پر عمل کریں، اسی کا نام تقلید نہیں ہے، (جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے) یہ قرآن کا واضح حکم بھی ہے، اور عقلا بھی اس کے سوا عمل کو عام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی، امت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک بلا اختلاف اسی ضابطہ پر عمل ہوتا آیا ہے، عام علماء کا یہ قول ہے کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتوی لے کر عمل کریں، اور یہ ظاہر ہے کہ ناواقف عوام کو علما اگر قرآن وحدیث کے دلائل بتلا بھی دیں تو وہ ان دلائل کو بھی انہیں علماء کے اعتماد پر قبول کریں گے۔

بعض لوگ اس جملہ سے تقلید مروجہ کے لئے استدلال کرتے ہیں لیکن ان کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ ایت یہود کی بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ تفسیر ابن جریر اور دیگر تفاسیر میں ہے، اور آیت کے سیاق سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر بالفرض مان لے کہ یہ آیت عام ہے پھر بھی اس سے مروجہ تقلید ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالی نے ”ان کنتم لاتعلمون“ کی قید لگائی ہے، تو کیا مقلد عالم ہوتا ہے یا جاہل؟ اگر عالم ہوتا ہے تو پھر تقلید کی ضرورت کیوں محسوس کرتا ہے؟ اور اگر جاہل ہوتا ہے تو اس آیت سے تقلید کے اثبات پر اس نے استدلال کیسے کیا؟

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں اہل الذکر کا لفظ آیا ہے کہ عوام الناس علماء سے مطلوبہ مسائل کے بارے میں اللہ تعالی اور نبی ﷺ کا حکم معلوم کریں گے، اور علماء کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کا حکم بتائیں گے، جس کے نتیجے میں عوام الناس کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہو جائیں گے، اور علماء ان تک حق کی رسائی کا ذریعہ اور واسطہ بن جائیں گے، اس آیت میں اللہ تعالی نے ''فاسئلوا اهل الرائی'' نہیں فرمایا، کہ علماء کی آراء اور اجتہاد کی تابعداری کرو، بلکہ'' اهل الذکر'' فرمایا ہے، اور اهل الذکر اور اهل الرائی میں بڑا فرق ہے، قرآن پاک میں معنوی تحریف کرکے ان کے غلط استعمال سے عوام الناس کو گمراہ کرنے سے مقلدین کو اجتناب کرنا چاہئے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ امی کونسے علماء سے درپیش مسائل کا حل طلب کرے گا، ان سے جو وفات پا چکے ہیں یا ان سے جو بقید حیات ہیں؟ ظاہر ہے تصفیہ طلب مسائل کے حل کے لئے آنجہانی عالم کا انتخاب ناممکن ہے، تو لامحالہ زندہ علماء کرام سے ہی رابطہ کرنا پڑے گا جو کہ قرآن وحدیث کے موافق جواب دیں گے، تو ایسی صورت میں امی نہ تو حنفی رہ سکے گا اور نہ شافعی وحنبلی وغیرہ بلکہ وہ متبع کتاب وسنت کہلائے گا۔

اسی اتباع سے بعض علماء نے تقلید سے تعبیر کیا ہے، خطیب بغدادی نے کتاب الفقیه و المتفقه: ۲/ ۶۸، میں اور ابن تیمیہ نے فتاوی (مواضع مختلفہ) میں اس کو تقلید کہا ہے، خطیب نے فرمایا ہے:۔ و امافی الفروع فیسوغ فیه التقلید بدلیل قوله تعالی: فاسئلوا اهل الذکر، الایة، لانّا لو منعنا التقلید فی هذه المسائل التی هی من فروع الدین لاحتاج کل احدان یتعلم ذٰلک، وفی ایجاب ذلک قطع عن المعائش و هلاک الحرث و الماشیة، فوجب ان یسقط ۔ یہ تقلید بمعنی اتباع ہے، پہلے ہم یہ بیان کر چکے ہیں، کہ علماء نے اس کو علی سبیل المجاز تقلید کہا ہے، احکام الفصول: ۶۴۲، نفائس الاصول: ۳۹۱۹/۹، میں ہے کہ:۔ انما نسمیه التقلیدعلی سبیل المجاز و الاتساع ۔ اور اکثر لکھتے ہیں کہ رجوع العامی الی المفتی والقاضی الی العدول فی شهادتهم لیس بتقلید لوجود الحجة، (کتاب التحریر مع تیسیر التحریر: ۴/ ۲۴۱، و کتاب التقریر: ۳۴۰، التحبیر: ۸/ ۴۰۱۳، ومسلم الثبوت: ۱۸۹، وفواتح الرحموت: ۲/ ۴۴۴، وعضدالدین علی مختصر ابن الحاجب: ۲/ ۳۰۵، و الغیث الهامع: ۳/ ۸۹۴ وغیرہ۔

اس آیت میں '' ذکر'' سے مراد باتفاق قران کریم ہے، اور رسول اللہ ﷺ کو اس آیت میں مامور فرمایا ہے، کہ آپؐ قران کی نازل شدہ آیات کا بیان اور وضاحت لوگوں کے سامنے کردیں، اس میں اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن کریم کے حقائق ومعارف واحکام کا صحیح سمجھنا رسول کریم ﷺ کے بیان پر موقوف ہے، اگر ہر انسان صرف عربی زبان

اورعربی آدب سے واقف ہوکرقرآن کے احکام کوحسب منشأ الٰہی سمجھنے پر قادر ہوتا تو رسول اکرم ﷺ کو بیان وتوضیح کی خدمت سپرد کرنے کے کوئی معنی نہیں رہتی۔

علامہ شاطبیؒ نے ''الموافقات'' میں پوری تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ سنت رسول ﷺ پوری کی پوری کتاب اللہ کا بیان ہے، کیونکہ قرآن کریم نے رسول ﷺ کے متعلق فرمایا ہے ''انک لعلی خلق عظیم'' (القلم:۴) اورعائشہ صدیقہ ام المومنینؓ نے اس ''خلق عظیم'' کی تفسیر یہ فرمائی:۔ کان خلقه القرآن ،(مسند احمد:۲۴۶۰۱)اس کا حاصل یہ ہوا کہ رسول ﷺ سے جو بھی کوئی قول وفعل ثابت ہے وہ سب قرآن ہی کے ارشادات ہیں، بعض تو ظاہری طور پر کسی آیت کی تفسیر وتوضیح ہوتے ہیں جن کو عام اہل علم جانتے ہیں اور بعض جگہ بظاہر قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا، مگر رسول ﷺ کے قلب مبارک میں بطور وحی اس کا القاء کیا جاتا ہے، وہ بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔ کیونکہ حسب تصریح قرآنی آپؐ کی کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں ہوتی بلکہ حق تعالی کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔''وما ینطق عن الھوی ان ھو الاوحی یوحی'' (النجم:۳) اس سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کی تمام عبادات ،معاملات ،اخلاق ،عادات سب کی سب بوحی الٰہی اور بحکم قرآن ہیں۔اور جہاں کہیں آپؐ نے اپنے اجتہاد سے کوئی کام کیا ہے تو بالاخروحی الٰہی سے، یا اس پر کوئی نکیر نہ کرنے سے اس کی تصحیح اور پھر تائید کردی جاتی ہے، اس لئے وہ بھی بحکم وحی ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت نے رسول ﷺ کا مقصد بعثت قرآن کریم کی تفسیر وبیان کو قرار دیا ہے، جیسا کہ سورۂ (جمعہ:۲) وغیرہ کی متعدد آیات میں تعلیم کتاب کے الفاظ سے اس مقصد بعثت کو ذکر کیا گیا ہے، اب وہ ذخیرہ حدیث جس کو صحابہ وتابعین سے لیکر متاخرین محدثین تک امت کے باکمال افراد نے اپنی جانوں سے زیادہ حفاظت کرکے امت تک پہنچایا ہے، اور اس کی چھان بین میں عمریں صرف کرکے روایات حدیث کے درجے قائم کردیئے ہیں، اور جس روایت کو بحیثیت سند اس درجہ کا نہیں پایا، کہ اس پر احکام شرعیہ کی بنیاد رکھی جائے اس کو ذخیرہ حدیث سے الگ کرکے صرف ان روایات پر مستقل کتابیں لکھ دی ہیں جو عمر بھر کی تنقیدوں اور تحقیقات کے بعد صحیح اور قابل اعتماد ثابت ہوئی ہیں۔اگر آج کوئی شخص اس ذخیرہ حدیث کو کسی حیلے بہانے سے نا قابل اعتماد کہتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم قرآنی کی خلاف ورزی کی، کہ مضامین قرآن کو بیان نہیں کیا، یا یہ کہ اپ ﷺ نے تو بیان کیا تھا مگر وہ قائم ومحفوظ نہیں رہا، بہردوصورت قرآن بحیثیت معنے کے محفوظ نہ رہا جس کی حفاظت کی ذمہ داری خودحق تعالی نے اپنے ذمہ رکھی ہے۔''وانالہ لحافظون'' اس کا یہ دعویٰ اس نص قرآن کے خلاف ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص سنت رسول کو اسلام کی حجت ماننے سے انکار کرتا ہے وہ درحقیقت قرآن ہی کا منکر ہے (**نعوذباللہ من ذلک**)۔

الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۴۵﴾

یا (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آئے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو

أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۴۶﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ ۖ

یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ یا جب ان کو عذاب کا ڈر پیدا ہو گیا ہو تو ان کو پکڑ لے

فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۴۷﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ

بیشک تمہارا پروردگار بہت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے۔ کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے ایسی

يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿۴۸﴾

چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے دائیں سے (بائیں کو) اور بائیں سے (دائیں کو) لوٹتے رہتے ہیں (یعنی) اللہ کے

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

آگے عاجز ہو کر سجدے میں پڑے رہتے ہیں اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ کے آگے

مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ

سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔ اور اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں

وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۵۰﴾ وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ

اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو دو معبود نہ بناؤ معبود

إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿۵۱﴾ وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

وہی ایک ہے تو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے

وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا ۚ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿۵۲﴾

سب اسی کا ہے اور اسی کی عبادت لازم ہے تو تم اللہ کے سوا اوروں سے کیوں ڈرتے ہو؟۔

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْئَرُونَ ﴿۵۳﴾

اور جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے آگے چلاتے ہو

ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۵۴﴾

پھر جب وہ تم سے تکلیف کو دُور کر دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں سے اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾

تا کہ جو ہم نے ان کو عطا فرمائی ہیں ان کی ناشکری کریں تو (مشرکو!) دنیا میں فائدے اٹھاؤ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللهِ

اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے ایسی چیزوں کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو جانتے ہی نہیں (کافرو!) اللہ کی قسم!

لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ

کہ جو تم افتراء کرتے ہو اس کی تم سے ضرور پرسش ہو گی۔ اور یہ لوگ اللہ کے لئے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (اور) وہ

سُبْحٰنَهُ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ﴿۵۷﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثٰى

ان سے پاک ہے اور اپنے لئے (بیٹے) جو مرغوب (و دلپسند) ہیں۔ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے)

ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ

کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے۔ اور وہ اندوہناک ہو جاتا ہے اور اس خبرِ بد

بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلٰى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ

سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے؟

أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلّٰهِ

دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بُری ہے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انہی کے لئے بُری باتیں (شایاں)

الْمَثَلُ الْأَعْلٰى وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ

ہیں اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دیتی ہے) اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم کے سبب

بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى

پکڑنے لگے تو ایک جاندار کو زمین پر نہ چھوڑے لیکن ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت

فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾

دیئے جاتا ہے جب وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ

اور یہ اللہ کے لئے ایسی چیزیں تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں اور زبان سے جھوٹ بکے جاتے ہیں

أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾

کہ ان کو (قیامت کے دن) بھلائی (یعنی نجات) ہوگی کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے (دوزخ کی) آگ (تیار) ہے اور یہ

تَاللّٰهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلٰى أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

(دوزخ میں) سب سے آگے بھیجے جائیں گے۔ اللہ کی قسم! ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے تو شیطان نے

أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾

ان کے کردارِ (ناشائستہ) ان کو آراستہ کر دکھائے تو آج بھی وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لئے عذاب الیم ہے

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ

اور ہم نے جو تم پر کتاب نازل کی ہے تو اس کے لئے کہ جس امر میں ان لوگوں کو اختلاف ہے تم اس کا فیصلہ کر دو

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَاللّٰهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا

اور (یہ) مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا

بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾

پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا بیشک اس میں سننے والوں کے لئے نشانی ہے

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُمْ مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ

اورتمہارے لئے چار پایوں میں بھی (مقامِ) عبرت (وغور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اسکے درمیان سے

لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ

ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے ۔اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی (تم پینے

تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكَ

کی چیزیں تیار کرتے ہو) کہ ان سے شراب بناتے ہو اور عمدہ رزق (کھاتے ہو) جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں ان کیلئے ان

لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ وَأَوْحٰى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي

(چیزوں) میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانی ہے۔ اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو ارشاد فرمایا

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ

کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور (اونچی اونچی) چھتریوں میں جو لوگ بناتے ہیں گھر بنا اور ہر قسم کے میوے کھا

الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۗ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ

اور اپنے پروردگار کے صاف رستوں پر چلی جا اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں

أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾

اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے بیشک سوچنے والوں کے لئے اس میں بھی نشانی ہے

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلٰٓى أَرْذَلِ الْعُمُرِ

اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ نہایت خراب عمر کو پہنچ جاتے ہیں

لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾

اور (بہت کچھ) جاننے کے بعد ہر چیز سے بے علم ہو جاتے ہیں بیشک اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اور) قدرت والا ہے

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا

اور اللہ نے رزق (و دولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق اپنے مملوکوں کو

بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ

تو دے ڈالنے والے ہیں نہیں کہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو کیا یہ لوگ نعمتِ الٰہی کے منکر ہیں؟

یَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ

اور اللہ ہی نے تم میں سے تمہارے لئے عورتیں پیدا کیں اور عورتوں سے

اَزْوَاجِكُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ

تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے، اور کھانے کو تمہیں پاکیزہ چیزیں دیں تو کیا بے اصل چیزوں پر اعتقاد رکھتے ہیں

وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ

اور اللہ کی نعمتوں سے انکار کرتے ہیں؟ اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو ان کو آسمانوں اور زمین میں روزی دینے کا ذرا

لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْئًا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۷۳﴾

بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ (کسی اور طرح کا) مقدور رکھتے ہیں

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

تو (لوگو!) اللہ کے بارے میں (غلط) مثالیں نہ بناؤ (صحیح مثالوں کا طریقہ) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ

اللہ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے جو (بالکل) دوسرے کے اختیار میں ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا

وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ

اور ایک ایسا شخص ہے جس کو ہم نے اپنے ہاں سے (بہت سا) مال طیب عطا فرمایا ہے اور وہ اس میں سے (رات دن)

هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا رہتا ہے تو کیا یہ دونوں شخص برابر ہیں؟ (ہرگز نہیں) الحمد للہ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں سمجھ رکھتے

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ

اور اللہ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے کہ دو آدمی ہیں ایک ان میں سے گونگا (اور دوسرے کی ملک) ہے (بے اختیار و ناتواں)

لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ

کہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور اپنے مالک کو دوبھر ہو رہا ہے وہ جہاں اسے بھیجتا ہے (خیر سے کبھی) بھلائی نہیں لاتا کیا ایسا

هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

(گونگا بہرا) اور وہ شخص جو (سنتا بولتا اور) لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود سیدھے رستے پر چل رہا ہے دونوں برابر ہیں؟

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ

اور آسمانوں اور زمین کا علم اللہ ہی کو ہے اور (اللہ کے نزدیک) قیامت کا آنا یوں ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ (اس سے بھی)

اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ

جلد تر کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے پیدا کیا

مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہیں کان اور آنکھیں

وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ

اور دل (اور ان کے علاوہ اور) اعضاء بخشے تاکہ تم شکر کرو۔ کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں

السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ؕ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۷۹﴾

گھرے ہوئے (اُڑتے رہتے) ہیں ان کو اللہ ہی تھامے رکھتا ہے ایمان والوں کے لئے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا

اور اللہ ہی نے تمہارے لئے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا اور اسی نے چوپایوں کی کھالوں سے تمہارے لئے ڈیرے بنائے

تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَافِهَا

جن کو تم سبک دیکھ کر سفر اور حضر میں کام میں لاتے ہو اور ان کی اون اور ریشم

وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَّمَتَاعًا إِلٰى حِينٍ ﴿۸۰﴾

اور بالوں سے تم اسباب اور برتنے کی چیزیں (بناتے ہو جو) مدت تک (کام دیتی ہیں)۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا

اور اللہ ہی نے تمہارے (آرام کے) لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور پہاڑوں میں غاریں بنائیں

وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ ؕ

اور کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچائیں اور (ایسے) کرتے (بھی) جو تم کو (اسلحۂ) جنگ (کے ضرر) سے محفوظ رکھیں

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿۸۱﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا

اسی طرح اللہ اپنا احسان تم پر پورا کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار بنو۔ اور اگر یہ لوگ اعراض کریں تو (اے پیغمبر!) تمہارا کام فقط

عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِينُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ

کھول کر سنا دینا ہے۔ یہ اللہ کی نعمتوں سے واقف ہیں مگر (واقف ہو کر) ان سے انکار کرتے ہیں

الْكٰفِرُونَ ﴿۸۳﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ

اور یہ اکثر ناشکرے ہیں۔ اور جس دن ہم ہر امت میں سے گواہ (یعنی پیغمبر) کھڑا کریں گے تو نہ تو کفار کو (بولنے کی)

لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾ وَإِذَا رَأَ الَّذِينَ ظَلَمُوا

اجازت ملے گی اور نہ ان کے عذر قبول کئے جائیں گے ۔ اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھ لیں

الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۵﴾

تو پھر نہ تو ان کے عذاب ہی میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی

وَإِذَا رَأَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَآءَ هُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَآؤُنَا

اور جب مشرک اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ پروردگار! یہ وہی ہمارے شریک ہیں

الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۚ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَٰذِبُونَ ﴿۸۶﴾

جن کو ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے تو وہ (ان کے کلام کو مسترد کر دیں گے اور) ان سے کہیں گے کہ تم تو جھوٹے ہو

وَأَلْقَوْا إِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾

اور اس دن اللہ کے سامنے سرنگوں ہو جائیں گے اور جو طوفان وہ باندھا کرتے تھے سب ان سے جاتا رہے گا

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللّٰهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا

جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب دیں گے اس لئے کہ

كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم

شرارت کیا کرتے تھے۔ اور (اس دن کو یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے خود ان پر گواہ کھڑے کریں گے

مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ

اور (اے پیغمبر!) تمہیں ان لوگوں پر گواہ لائیں گے اور ہم نے تم پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۸۹﴾

(مفصل) ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى

اللہ تمہیں انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۹۰﴾

اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عٰهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا

اور جب اللہ سے مضبوط عہد کرو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو کہ تم اللہ کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُونُوا

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے

كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا ۖ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ

محنت سے تو سوت کاتا پھر اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ بنانے لگو

أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبٰى مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللّٰهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ

کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ غالب رہے بات یہ ہے کہ اللہ تمہیں اس سے آزماتا ہے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً

اور جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کو اس کی حقیقت تم پر ظاہر کر دے گا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم (سب) کو ایک ہی

وَّاحِدَةً وَّلٰكِن يُضِلُّ مَن يَشَآءُ وَيَهْدِي مَن يَشَآءُ ۚ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ

جماعت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جو عمل تم کرتے ہو (اس دن)

تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا

ان کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔ اور اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ نہ بناؤ کہ (لوگوں کے) قدم جم

وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

چکنے کے بعد لڑکھڑا جائیں اور اس وجہ سے کہ تم نے لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکا تم کو عقوبت کا مزہ چکھنا پڑے اور بڑا سخت عذاب ملے

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا

اور اللہ سے جو تم نے عہد کیا ہے (اس کو مت بیچو اور) اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لو (کیونکہ ایفائے عہد کا) جو (صلہ)

عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

اللہ کے ہاں مقرر ہے وہ اگر سمجھو تو تمہارے لئے بہتر ہے

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے (کہ کبھی ختم نہیں ہوگا) اور جن لوگوں نے صبر کیا

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى

ہم ان کو ان کے اعمال کا نہایت اچھا بدلا دیں گے۔ جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

اور وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت میں) ان کے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔ اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے پناہ مانگ لیا کرو

﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

کہ جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اس کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور اس کے (وسوسے کے) سبب (اللہ کے ساتھ) شریک مقرر کرتے ہیں

وَإِذَا بَدَّلْنَآ ايَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَّاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْآ إِنَّمَآ

اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ جو کچھ نازل فرماتا ہے اسے خوب جانتا ہے تو (کافر) کہتے

أَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ

ہیں کہ تم تو (یونہی) اپنی طرف سے بنا لاتے ہو حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر نادان ہیں۔ کہہ دو کہ اس کو روح القدس

مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا

تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں تا کہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثابت قدم رکھے

وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ

اور حکم ماننے والوں کے لئے تو (یہ) ہدایت اور بشارت ہے۔ اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں، اس کو تو سکھاتا ہے

بَشَرٌ ؕ لِّسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾

ایک آدمی، مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔[5]

إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے ان کو اللہ ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے عذاب الیم ہے

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

جھوٹ کی افتراء تو وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہی جھوٹے ہیں

---

5 مفسر قرطبی نے کہا ہے، کہ عربی زبان کے سوا عجمی ترکیب تو قران میں ہے ہی نہیں، البتہ عجمی نام ضرور ہیں جیسے ابراھیم، نوح، لوط علیہم السلام وغیرہ ، اور اس سوال کے جواب میں کہ کیا قران مجید میں اس کے سوا بھی عجمی زبان کے الفاظ ہیں، تو باقلانی اور طبری نے صاف انکار کر دیا ہے، اور فرمایا کہ اگر کوئی عجمی لفظ ہے بھی تو وہ حقیقت میں عربی ہی ہے یعنی موافقت ہے۔ اس مسئلے کی مزید تفصیل امام شافعیؒ کی کتاب ''الرسالۃ'' میں موجود ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهٖٓ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ
جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ
مطمئن ہو بلکہ وہ جو (دل سے اور) دل کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا

عَظِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ
یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا

وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠٧﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى
اور اس لئے کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہی لوگ ہیں جن کے

قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿١٠٨﴾
دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے اور یہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ
کچھ شک نہیں کہ یہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔ پھر جن لوگوں نے ایذائیں اٹھانے کے بعد

هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا
ترکِ وطن کیا پھر جہاد کئے اور ثابت قدم رہے تمہارا پروردگار ان کو بیشک ان کے بعد

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٠﴾ يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ
بخشنے والا (اور ان پر) رحمت کرنے والا ہے جس دن ہر نفس اپنی طرف سے جھگڑا کرنے آئے گا اور ہر شخص کو

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً
اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کا نقصان نہیں کیا جائے گا۔ اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے

كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ

کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی

اللهِ فَأَذَاقَهَا اللهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ

تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔

جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُونَ ﴿۱۱۳﴾

اور ان کے پاس انہی میں سے ایک پیغمبر آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا سو ان کو عذاب نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ

پس اللہ نے جو تم کو حلال طیب رزق دیا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو اگر اسی کی عبادت کرتے ہو۔

تَعْبُدُونَ ﴿۱۱۴﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ

اس نے تم پر مردار اور لہو اور سؤر کا گوشت حرام کر دیا اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے

لِغَيْرِ اللهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

(اس کو بھی) ہاں اگر کوئی ناچار ہو جائے تو بشرطیکہ گناہ کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے نکلنے والا تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ

اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے

لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ لَا

کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں ان کا

يُفْلِحُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِينَ

بھلا نہیں ہوگا۔ (جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے مگر (اس کے بدلے) ان کو عذاب الیم (بہت) ہوگا اور جو چیزیں ہم تمہیں

هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
پہلے بیان کر چکے ہیں وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کر دی تھیں اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ وہی اپنے آپ پر
أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ
ظلم کرتے تھے۔ پھر جن لوگوں نے نادانی سے بُرا کام کیا پھر اس کے بعد توبہ کی اور
تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوْا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾
نیکوکار ہو گئے تو تمہارا پروردگار (ان کو) توبہ کرنے اور نیکوکار ہو جانے کے بعد بخشنے والا اور (ان پر) رحمت کرنے والا ہے
إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾
بیشک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے
شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهٖ ۭ اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾
اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا
وَآتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَإِنَّهٗ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾
اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے
ثُمَّ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ
پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دینِ ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ
مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ہفتے کا دن تو انہی لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا تھا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا
وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾
اور تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ

اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے بحث کرو جو اس کے رستے سے بھٹک گیا تمہارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۲۵ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ

اور جو رستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔[6] اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو

---

[6] اس آیت میں دعوت تبلیغ کا مکمل نصاب، اس کے اصول اور آداب کی پوری تفصیل چند کلمات میں سموئی ہوئی ہے، تفسیر قرطبی میں ہے کہ، ہرم بن حیان کی موت کا وقت آیا تو عزیزوں نے درخواست کی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمائے، تو فرمایا کہ وصیت تو لوگ اموال کی کیا کرتے ہے، وہ میرے پاس ہے نہیں، لیکن میں تم کو اللہ کی آیات خصوصا سورۂ نحل کی آخری آیتوں کی وصیت کرتا ہوں، کہ ان پر مضبوطی سے قائم رہو وہ آیات یہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

"دعوۃ" کے لفظی معنی بلانے کے ہیں، انبیاء علیہم السلام کا پہلا فرض منصبی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے، پھر تمام تعلیمات نبوت ورسالت اسی دعوت کی تشریحات ہیں، قرآن میں (کئی جگہوں) رسول اللہ ﷺ کی خاص صفت داعی الی اللہ ہونا ذکر ہے (احقاف:۳۱، آل عمران:۱۴۰، حم سجدہ:۲۴، احزاب:۴۶)۔

تعبیر میں کبھی اس لفظ کو دعوت الی اللہ کا عنوان دیا جاتا ہے، اور کبھی دعوت الی الخیر کا اور کبھی دعوت الی سبیل اللہ کا، حاصل سب کا ایک ہے، کیونکہ اللہ کی طرف بلانے سے اس کے دین اور صراط مستقیم ہی کی طرف بلانا مقصود ہے۔

"الی سبیل ربک" اس میں اللہ جل شانہ کی خاص صفت رب، اور پھر اس کی نبی ﷺ کی طرف اضافت میں اشارہ ہے کہ دعوت کا کام صفت ربوبیت اور تربیت سے تعلق رکھتا ہے، جس طرح حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ ﷺ کی تربیت فرمائی، آپ کو بھی تربیت کے انداز سے دعوت دینا چاہیئے، جس میں مخاطب کے حالات کی رعایت کر کے وہ طرز اختیار کیا جائے کہ مخاطب پر بار نہ ہو۔ اور اس کی تاثیر زیادہ سے زیادہ ہو۔ خود لفظ دعوت بھی اس مفہوم کو ادا کرتا ہے، کہ پیغمبر کا کام صرف اللہ کے احکام پہونچا دینا اور سنا دینا نہیں بلکہ لوگوں کو ان کی تعمیل کی طرف دعوت دینا ہے، اور ظاہر ہے کہ

کسی کو دعوت دینے والا اس کے ساتھ ایسا خطاب نہیں کیا کرتا جس سے مخاطب کو وحشت و نفرت ہو، یا جس میں اس کے ساتھ استہزاء و تمسخر کیا گیا ہو۔ جبکہ اس میں نصاب تبلیغ کو بھی اشارہ ہے۔

"**بالحکمۃ**" لفظ حکمت قرآن کریم میں بہت سے معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، اس جگہ بعض ائمہ تفسیر نے حکمت سے مراد قران کریم، بعض نے قرآن وسنت، بعض نے حجت قطعیہ کو قرار دیا ہے، اور روح المعانی نے بحوالہ بحر محیط حکمت کی تفسیر یہ کی ہے: **انھا الکلام الصواب الواقع من النفس اجمل موقع** ۔یعنی حکمت اس درست کلام کا نام ہے جو انسان کے دل میں اتر جائے، اس تفسیر میں تمام اقوال جمع ہو جاتے ہیں، اور صاحب روح البیان نے بھی تقریباً یہی مطلب ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے، کہ حکمت سے مراد وہ بصیرت ہے جس کے ذریعہ انسان مقتضیات احوال کو معلوم کر کے اس کے مناسب کلام کرے، وقت اور موقع ایسا تلاش کرے کہ مخاطب پر بار نہ ہو، نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اختیار کرے، اور جہاں یہ سمجھے ...... کہ صراحتا کہنے میں مخاطب کو شرمندگی ہوگی، وہاں اشارات سے کلام کرے، یا کوئی ایسا عنوان اختیار کرے کہ مخاطب کو نہ شرمندگی ہو اور نہ اس کے دل میں اپنے خیال پر جمنے کا تعصب پیدا ہو۔

"**الموعظۃ**" موعظہ اور وعظ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی خیر اخواہی کی بات کو اس طرح کہا جائے کہ اس سے مخاطب کا دل قبولیت کے لئے نرم ہو جائے، مثلاً اس کے ساتھ قبول کرنے کے ثواب وفوائد اور نہ کرنے کے عذاب ومفاسد ذکر کئے جائیں (قاموس ومفردات راغب)۔

"**الحسنۃ**" کے معنی یہ ہیں کہ بیان اور عنوان بھی ایسا ہو جس سے مخاطب کا قلب مطمئن ہو، اس کے شکوک وشبہات دور ہوں، اور مخاطب یہ محسوس کرے کہ آپ کی اس میں کوئی غرض نہیں۔ صرف اس کی خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں۔ "موعظۃ" کے لفظ سے خیر خواہی کی بات مؤثر انداز میں کہنا تو واضح ہو گیا تھا، مگر خیر خواہی کی بات بعض اوقات دل خراش عنوان سے یا اس طرح بھی کہی جاتی ہے جس سے مخاطب اپنی اہانت محسوس کرے (روح المعانی)۔ اس طریقہ کو چھوڑنے کے لئے لفظ "حسنۃ" کا اضافہ کر دیا گیا،

"**وجادلھم بالتی ھی احسن**" لفظ "**جادل**" مجادلہ سے مشتق ہے، اس جگہ مجادلہ سے مراد بحث ومناظرہ ہے، اور "**بالتی ھی احسن**" سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی دعوت میں کہیں بحث ومناظرہ کی ضرورت پیش آجائے تو وہ مباحثہ بھی اچھے طریقہ سے ہونا چاہیئے۔

روح المعانی میں ہے کہ اچھے طریقہ سے یہ مراد ہے کہ گفتگو میں لطف اور نرمی اختیار کی جائے، دلائل ایسے پیش

کئے جائیں جو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے، دلیل میں وہ مقدمات پیش کئے جائیں جو مشہور و معروف ہوں، تاکہ مخاطب کے شکوک دور ہوں، اور وہ ہٹ دھرمی کے راستہ پر نہ پڑ جائے، اور قرآن کریم کی دوسری آیات اس پر شاہد ہیں، کہ یہ احسان فی المجادلہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں، اہل کتاب کے بارے میں تو خصوصیت کے ساتھ قرآن کا ارشاد ہے: ولاتجادلوا اهل الكتاب الابالتي هي احسن، (عنکبوت: ۴۶)۔ اور دوسری آیت میں موسیٰ اور ھارون علیہم السلام کو "قولا له قولا لينا" (طه: ۴۴) کی ہدایت دے کر یہ بھی بتلا دیا کہ فرعون جیسے سرکش کافر کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنا ہے۔

آیت مذکورہ میں دعوت کے لئے تین چیزوں کا ذکر ہے، اول حکمت، دوسرے موعظہ حسنہ، تیسرے مجادله بالتي هي احسن، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تین چیزیں مخاطبین کی تین قسموں کی بناء پر ہیں، دعوت بالحکمۃ اہل فہم کے لئے، دعوت بالموعظہ، عوام کے لئے، مجادلہ ان لوگوں کیلئے جن کے دلوں میں شکوک وشبہات ہو، یا جو عناد اور ہٹ دھرمی کے سبب بات ماننے سے منکر ہوں۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ اداب دعوت ہر ایک کے لئے استعمال کرنے ہیں، کہ دعوت میں سب سے پہلے حکمت سے مخاطب کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب کلام تجویز کرنا ہے۔ پھر اس کلام میں خیر خواہی و ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ ایسے شواہد اور دلائل سامنے لانا ہے، جن سے مخاطب مطمئن ہو سکے، اور طرز بیان وکلام ایسا مشفقانہ اور نرم رکھنا ہے کہ مخاطب کو اس کا یقین ہو جائے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں میری ہی مصلحت اور خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں، مجھے شرمندہ کرنا یا میری حیثیت کو مجروح کرنا ان کا مقصد نہیں۔

البتہ صاحب روح المعانی نے اس جگہ ایک نہایت لطیف نکتہ یہ بیان فرمایا کہ آیت کے نسق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصول دعوت اصل میں دو ہی چیزیں ہیں، حکمت اور موعظت، تیسری چیز مجادلہ، اصول دعوت میں داخل نہیں، ہاں طریقہ دعوت میں کبھی اس کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے۔

صاحب روح المعانی کا استدلال اس پر یہ ہے کہ اگر یہ تینوں چیزیں اصول دعوت ہوتیں تو مقتضائے مقام یہ تھا کہ تینوں چیزوں کو عطف کے ساتھ اس طرح بیان کیا جاتا، بالحكمة والموعظة الحسنة والجدال الاحسن، مگر قرآن کریم نے حکمت و موعظت کو تو عطف کے ساتھ ایک ہی نسق میں بیان فرمایا، اور مجادلہ کے لئے الگ جملہ "جادلهم بالتي هي احسن" اختیار کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجادلہ فی العلم دراصل دعوت الی اللہ کا رکن یا شرط

نہیں، بلکہ طریق دعوت میں پیش آنے والے معاملات کے متعلق ایک ہدایت ہے، جیسا کہ اس کے بعد کی آیت میں صبر کی تلقین فرمائی ہے کیونکہ طریقہ دعوت میں لوگوں کو ایذاؤں پر صبر کرنا ناگزیر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصول دعوت دو چیزیں ہیں، حکمت اور موعظت، جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونا چاہئے خواہ علماء وخواص کو ہو یا عوام الناس کو، البتہ دعوت میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑجاتا ہے جو شکوک واوہام میں مبتلا اور داعی کے ساتھ بحث مباحثہ پر آمادہ ہیں۔ تو ایسی حالات میں مجادلہ کی تعلیم دی گئی، مگر اس کے ساتھ ''بالتی ھی احسن'' کی قید لگا کر بتلا دیا کہ جو مجادلہ اس شرط سے خالی ہو اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔

دعوت الی اللہ دراصل انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے، امت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں، تو لازم یہ ہے کہ اس کے آداب اور طریقے بھی انہی سے سیکھیں، جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہے وہ دعوت کے بجائے عداوت اور جنگ وجدال کا موجب ہو جاتی ہے۔ دعوت پیغمبرانہ کے اصول میں جو ہدایت قرآن کریم میں موسیٰ وہارون کے لئے نقل کی گئی ہے کہ: فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر اویخشی، یعنی فرعون سے نرم بات کرو شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ یہ ہر داعی حق کو ہر وقت سامنے رکھنا ضروری ہے کہ فرعون جیسا سرکش کافر جس کی موت بھی علم الٰہی میں کفر ہی پر ہونے والی تھی، اس کی طرف بھی جب اللہ تعالی اپنے داعی کو بھیجتے ہیں تو نرم گفتار کی ہدایت کے ساتھ بھیجتے ہیں، آج ہم جن لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں، اور ہم میں سے کوئی ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے برابر ہادی وداعی نہیں۔ تو جو حق تعالی نے اپنے دونوں پیغمبروں کو نہیں دیا کہ مخاطب سے سخت کلامی کریں، اس پر فقرے کسیں، اس کی توہین کریں، وہ حق ہمیں کہاں سے حاصل ہو گیا۔

قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ اور کفار کے مجادلات سے بھرا ہوا ہے، اس میں کہی نظر نہیں آتا کہ کسی اللہ کے رسول نے حق کے خلاف ان پر طعنہ زنی کرنے والوں کے جواب میں کوئی ثقیل کلمہ بھی بولا ہو۔ اس کی چند مثالیں دیکھئے:

سورۂ اعراف کی ایت: ۵۹ سے ٦٧ تک دو پیغمبر نوح اور ہود علیہما السلام کے ساتھ ان کی قوم کے مجادلے اور سخت الزامات کے جواب میں ان بزرگوں کے کلمات قابل ملاحظہ ہیں:

شعیب علیہ السلام نے قوم کو حسب دستور انبیاء اللہ کی طرف دعوت دی اور ان میں جو بڑا عیب، ناپ تول میں کمی کرنے کا تھا، اس سے باز آنے کی ہدایت فرمائی، تو ان کی قوم نے تمسخر کیا، اور توہین آمیز خطاب کیا:۔ (ھود: ۸۷).

موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجنے کے وقت جو نرم گفتار کی ہدایت من جانب اللہ دی گئی تھی، اس کی پوری تعمیل کرنے کے باوجود فرعون کا خطاب موسیٰ علیہ السلام سے یہ تھا: **قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّکَ فِیۡنَا وَلِیۡدًا وَّلَبِثۡتَ فِیۡنَا مِنۡ عُمُرِکَ سِنِیۡنَ** (الشعراء: ۱۸). اس میں موسیٰ علیہ السلام پر اپنا یہ احسان بھی جتلایا کہ بچپن میں ہم نے تجھے پالا ہے، پھر یہ احسان بھی جتلایا کہ بڑے ہونے کے بعد بھی کافی مدت تک تم ہمارے پاس رہے، پھر یہ عتاب کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے جو ایک قبطی بغیر ارادہ قتل کے مارا گیا تھا اس پر غصہ و ناراضگی کا اظہار کر کے یہ بھی کہا کہ تم کافروں میں سے ہو گئے۔

اب اس موقعہ پر موسیٰ علیہ السلام کا جواب سنئے: جو پیغمبرانہ آداب دعوت اور پیغمبرانہ اخلاق کا شاہکار ہے، کہ اس میں سب سے پہلے تو اس کوتاہی اور کمزوری کا اعتراف کر لیا، جو ان سے سرزد ہو گئی تھی، یعنی اسرائیلی آدمی سے لڑنے والے قبطی کو ہٹانے کے لئے ایک مُکا اس کو مارا تھا، جس سے وہ مر گیا، تو گو یہ قتل عمداً ارادۃً نہیں تھا، مگر کوئی دینی تقاضا بھی نہیں تھا، بلکہ شریعت موسیٰ کے لحاظ سے بھی وہ شخص قتل کا مستحق نہیں تھا، اس لئے پہلے یہ اعتراف فرمایا: "**فعلتها اذا و انا من الضالين**"

مراد یہ ہے کہ یہ فعل عطاء نبوت سے پہلے سرزد ہو گیا تھا، جبکہ مجھے اس بارہ میں اللہ کا کوئی حکم معلوم نہیں تھا، اس کے بعد فرمایا: **فَفَرَرۡتُ مِنۡکُمۡ لَمَّا خِفۡتُکُمۡ فَوَهَبَ لِیۡ رَبِّیۡ حُکۡمًا وَّجَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۲۱﴾** (الشعراء)

پھر اس کے احسان جتلانے کا جواب یہ دیا کہ تمہارا یہ احسان جتانا صحیح نہیں، کیونکہ میری پرورش کا معاملہ تمہارے ہی ظلم و عدوان کا نتیجہ تھا، کہ تم نے اسرائیلی بچوں کے قتل کا حکم دے رکھا تھا، اس لئے والدہ نے مجبور ہو کر مجھے دریا میں ڈالا اور تمہارے گھر تک پہونچنے کی نوبت آئی فرمایا: "**وتلك نعمة تمنها علیّ ان عبدت بنی اسرائیل**" شعراء ۲۲:

یہ ایک طویل مکالمہ ہے جو فرعون کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہو رہا ہے، جو سورۂ شعراء میں بیان ہوا ہے، اللہ کے مقبول رسول موسیٰ علیہ السلام کے اس مکالمہ کو اول سے آخر تک دیکھئے، نہ کہیں جذبات کا اظہار ہے، نہ اس کی بدگوئی کا جواب ہے، نہ اس کی سخت کلامی کے جواب میں کوئی سخت کلمہ ہے، بلکہ مسلسل اللہ جل شانہ کی صفت کمال کا بیان ہے، اور تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔

یہ مختصر سا نمونہ ہے انبیاء علیہم السلام کے مجادلات کا جو اپنے معاند اور ضدی قوم کے مقابلہ میں کئے گئے ہیں اور، **مجادله بالتي هي احسن** جو قرآن کریم کی تعلیم ہے، اس کی عملی تشریح ہے، مجادلات کے علاوہ دعوت و تبلیغ =

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ

ان سے پہنچی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھا ہے۔ اور صبر ہی کرو اور تمہارا صبر بھی اللہ ہی کی مدد سے

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ہے اور ان کے بارے میں غم نہ کرو اور جو یہ بداندیشی کرتے ہیں اس سے تنگدل نہ ہو،

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

یقین مانو کہ اللہ تعالی پرہیز گاروں اور نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

= میں ہر مخاطب اور ہر موقعہ کے مناسب کلام کرنے میں حکیمانہ اصول اور عنوان وتعبیر میں حکمت ومصلحت کے رعایتیں بھی جو انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمائی ہے، اور دعوت الی اللہ کو مقبول وموثر اور پائیدار بنانے کے لئے جو طرز عمل اختیار فرمایا ہے وہی دراصل دعوت کی روح ہے اس کی تفصیلات تو تمام تعلیمات نبوی علیہ السلام نے پھیلی ہوئی ہیں، جو اصحاب السیر نے تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

آخری آیت میں ایک عام قاعدہ اللہ تعالی کی نصرت وامداد حاصل ہونے کا یہ بتلا دیا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْن جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالی کی مدد ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو دو صفتوں کے حامل ہوں، ایک تقوی، دوسرے احسان، تقوی کا حاصل نیک عمل کرنا، اور احسان کا مفہوم اس جگہ خلق اللہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے یعنی جو لوگ شریعت کے تابع، اعمال صالحہ کا پابند ہوں اور دوسروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہوں، حق تعالی ان کے ساتھ ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو اللہ تعالی کی معیت (نصرت) حاصل ہو اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟

☆

سورة بنیٓ اسرآئیل (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک

الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَكۡنَا حَوۡلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنۡ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ ﴿۱﴾

جس کے گردا گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تا کہ ہم اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں، بیشک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے[1]

---

[1] اس ایت میں معجزہ اسراء کا ذکر ہے معجزہ اسراء یعنی معجزہ معراج کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ روحانی تھا کہ جسمانی۔ بعض صحابہ اور بعض تابعین سے منقول ہے کہ معراج روحانی تھا, یعنی رسول اللہ ﷺ کو یہ خواب میں کرائی گئی اور تمام ملکوت کا آپؐ نے حالت خواب میں مشاہدہ فرمایا، لیکن جمہور صحابہ اور جمہور امت کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا معراج بجسد عنصری تھا اور حالت بیداری میں تھا، مسجد حرام سے لیکر مسجد اقصی تک، اور پھر وہاں سے لیکر ساتوں اسمانوں کے اوپر، جہاں تک اللہ تعالی نے چاہا، آپ کو عجائب ملکوت کا بجسد عنصری بحالت بیداری بچشم سر مشاہدہ کرایا۔ وذهب معظم السلف و المسلمين الى انه كان اسراء بالجسدوفى اليقضة الخ قرطبى. والاصح بل الصحيح ان الاسراء فى اليقضة بعد البعثة مرة واحدة الخ(جامع البيان).

معراج کے دو حصے ہیں، ایک مسجد حرام سے لیکر مسجد اقصیٰ تک، دوم مسجد اقصیٰ سے لے کر "الٰی ماشاء الله" معراج کا پہلا حصہ یہاں مذکور ہے اور دوسرا حصہ سورۃ النجم میں اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ معراج کے دونوں حصے ایک وقت میں واقع نہیں ہوئے، بلکہ پہلی بار مسجد حرام سے، مسجد اقصیٰ تک ہوا، پھر دوسری بار دوسرے وقت میں مکہ سے آسمانوں تک ہوا، مگر جمہور کا قول یہی ہے کہ مسجد حرام سے لیکر اسمانوں تک کا سارا واقعہ مسلسل ایک ہی وقت میں پیش آیا۔ وانه ركب البراق بمكة ووصل الى بيت المقدس وصلى فيه ثم اسرى

بجسده الخ۔(قرطبی)۔

واقعہ معراج کواس لئے ذکرکیا گیا کہ مشرکین مکہ بطور تمسخرنبی کریمﷺ سے عذاب کا مطالبہ کرتے تھے، تو اللہ تعالی نے ان پر قحط سالی کا عذاب مسلط کردیا جوئی سال تک جاری رہا، جیسا کہ سورۂ نحل میں مذکورہو چکا ہے۔مگراس عذاب کودیکھ کربھی وہ ایمان نہ لائے ، بلکہ معجزہ کا مطالبہ کرنے لگے،تو اللہ تعالی نے واقعہ معراج ظاہر کرکے ان کوایک بہت بڑامعجزہ دکھایا، کہ اگراس کے بعد بھی نہ مانو گے تو ہلاک کردئے جاؤ گے ،چنانچہ جنگ بدر کبری میں ان منکرین کوقتل کردیا گیا۔

سبحان الذی الخ سبحانا تسبیحا ،کے معنوں میں ہےاوروہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے ای سبحوا سبحانا الذی الخ ،یعنی ہرعیب سے پاک سمجھو جس طرح کہ پاک سمجھنے کا حق ہے،اس ذات پاک کوجس نے توحید بیان کرنے والے اپنے بندۂ خاص کوسیرکرائی،تسبیح ،کے معنی ہرعیب اور برائی سے پاک اورمنزہ کے ہیں،ومعناه التنزيه و البراء ة لله عزوجل من كل نقص.قرطبی.

شرک ایک بہت بڑاعیب ہے جوذات باری تعالی کے لائق نہیں اوراس کی ذات اس سے پاک ہے جیسا کہ فرمایا:سبحان الله عمایشر کون اورسبحانه وتعالى عمايشر کون اس طرح اس میں دعوی سورت کا ذکر ہے کہ کسی کواللہ کا شریک نہ بناؤ اوراسے ہرشریک سے پاک سمجھو، نیز یہ دلیل وحی ہے یعنی میں تمہیں اللہ کے وحی سنارہا ہوں کہ اللہ کوشریک سے پاک سمجھو یہ پہلی ایت معجزہ بھی ہے جس میں معجزہ معراج کا ذکر کیا گیا ہے ایات معجزہ سے مقصود تخویف ہے یعنی اگر یہ معجزہ دیکھ کر بھی مسئلہ توحید نہیں مانو گے تو اللہ تعالی کا عذاب آئے گا۔

''عبد'' سے مراد نبی کریمﷺ ہے واقعہ معراج رسول اللہﷺ کے لئے بہت بڑاشرف ہے جوکسی اور پیغمبر کونصیب نہیں ہوا،اس موقع پر اللہ تعالی نے نبی کریمﷺ کوایسے نام یعنی عبد سے یادفرمایا جواسے سب سے زیادہ پسند تھا،قال العلماء لوكان للنبیﷺ اسم اشرف منه لسمّاه به فی تلک الحالة العلية .(قرطبی) . نیز آپ کی امت کوتواضع کا سبق دیناتھااور یہ بتاناتھا کہ محمدﷺ باین شرف واعزاز اللہ تعالی کے بندے ہیں اورصفت بندگی کسی حال میں ان سے جدانہیں ہوسکتی۔''لیلا''کی تنکیر تقلیل کے لئے ہےیعنی ہم نے رات کے تھوڑے سے حصے میں اپنے بندے کوسیرکرائی۔لام،عاقبت کے لئے ہےاور''من اياتنا'' سے وہ عجائب قدرت مراد ہے جوآپ کواس سیرکےدوران میں دکھائے گئے،من عجائب قدرتنا،وقدرأى هناک الانبياء و الايات الكبرى.معالم۔

جناب شیخ حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ ” من ایاتنا“ سے مشرکین کی ہلاکت مراد ہے یعنی ہم نے یہ عظیم معجزہ معراج اپنے بندۂ خاص کو اس لئے دکھایا تھا کہ اس کے بعد اگر مشرکین مکہ مسئلہ توحید کا انکار کرے تو ہم ان معاندین کی ہلاکت میں آپ کو اپنے قدرت کا ایک عظیم اور حیرت انگیز نشان دکھائیں۔ چنانچہ جب مشرکین نے معجزہ اسراء کے بعد بھی مسئلہ توحید کو نہ مانا تو اللہ تعالی نے جنگ بدر میں بے ساز وسامان مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں مشرکین کے مسلح اور کئی گنا بڑے لشکر کو ذلت وخواری کے ساتھ معجزانہ طور پر شکست دی۔ جس طرح موسٰی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: لنریک من ایاتنا الکبری، طٰہٰ: ۲۳۔ اس سے پہلے اللہ تعالی نے موسٰی علیہ السلام کو پیغام توحید دیا ”اننی انا اللہ لا الہ الا انا“ طٰہٰ: ۱۴، اس کے بعد اس مسئلہ توحید کی خاطر عصا اور ید بیضا عطا فرمایا کہ قوم فرعون کے سامنے مسئلہ توحید پیش کرو، اپنی سچائی اور مسئلہ کی حقانیت ظاہر کرنے کے لئے یہ معجزہ دکھاؤ اگر انہوں نے ان معجزات کے بعد بھی مسئلہ نہ مانا تو ہم فرعون اور اس کی قوم کو آپ کے سامنے اس طرح ہلاک کریں گے کہ ان کی ہلاکت بھی ہماری قدرت کا ایک عجیب کرشمہ اور اعجاز ہوگی۔

چنانچہ قوم فرعون کو سمندر کے خشک راستوں میں جو بنی اسرائیل کی سلامتی کے لئے معجزانہ طور پر بنائے گئے تھے داخل کر کے ہلاک کیا گیا۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے صبح اٹھ کر واقعہ معراج کا پہلا حصہ مشرکین کے سامنے بیان کیا کہ میں آج رات بیت المقدس سے ہو کر آ گیا ہوں، تو سب نے تعجب کیا اور نہ مانا، مشرکین میں سے ایک شخص دوڑتا ہوا ابوبکرؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا اے ابوبکرؓ کیا اب بھی محمد ﷺ کو مانو گے؟ فرمایا بات کیا ہے؟ اس نے کہا محمد ﷺ کہتے ہیں کہ میں آج رات بیت المقدس کی سیر کر آیا ہوں تو صدیقؓ اکبر نے فرمایا اس میں کونسی تعجب کی بات ہے؟ آپ نے سچ فرمایا ہے ہم تو آپ کی آسمانوں والی باتیں مان لیتے ہیں تو زمین والی کیوں نہ مانیں گے؟ مشرکین نے ازمائش کے لئے آپؐ سے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں اس سے آپؐ کو بہت غم ہوا کیونکہ آپؐ بیت المقدس کی نشانیاں یاد کرنے کے لئے تو وہاں نہیں گئے تھے۔ جو لوگ سالہا سال کسی جگہ رہے اس جگہ کی ساری علامتیں تو انہیں بھی معلوم نہیں ہوتیں، لیکن اللہ تعالی نے بیت المقدس کا نقشہ آپؐ کے سامنے حاضر کر کے آپؐ کا غم دور فرما دیا، چنانچہ مشرکین نے جو بات پوچھی آپؐ نے صحیح بتادی راستے میں آپؐ کو جو قافلے ملے ان کے بارے میں آپؐ نے جو کچھ بتایا وہ بھی بالکل درست ثابت ہوا۔ خازن، معالم۔

مگر ان تمام باتوں کے باجود مشرکین مکہ نے اس اعجاز قدرت کو جادو کہہ کر رد کر دیا اور نہ مانا، اخر جنگ بدر میں

عذاب قتل سے ہلاک کئے گئے۔اس باب میں احادیث تواتر کو پہنچ گئے ہیں،ہم ان صحابہ کرام کے اسمائے گرامی بمعہ حوالہ جات ذکر کرتے ہیں جنہوں نے واقعہ معراج کو نقل کیا ہے، اختصار کے طور پر ہم دیگر کتابوں کے علاوہ صرف سبل الہدیٰ:٦/٣-٧۔اور خصائص کبریٰ:١/٨٧-٣، ذکر کرتے ہیں ان دونوں کتابوں میں ان صحابہ کرام سے یہ روایت نقل کئے گئے ہیں:

(١).اسامة بن زیدؓ(٢)انس بن مالکؓ(٣)ابی بن کعبؓ(٤)بریدة ابن الحصیبؓ(٥)بلال بن سعدؓ،(٦)بلال بن حمامة (٧)جابربن عبداللهؓ(٨)حذیفة بن الیمانؓ(٩)سمرة بن جندبؓ(١٠) سهل بن سعدؓ(١١)شدادبن اوسؓ(١٢)صهیب بن سنانؓ(١٣)عبدالله بن عباسؓ(١٤)عبدالله بن عمربن الخطابؓ(١٥)عبدالله بن عمروؓ(١٦)عبدالله بن ابی اوفیؓ(١٧)عبدالله بن زبیرؓ(١٨)عبدالله بن اسعدبن زرارةؓ(١٩)عبدالله بن مسعودؓ(٢٠)عباس بن عبد المطلبؓ(٢١)عثمان بن عفانؓ (٢٢) علی ابن ابی طالبؓ(٢٣)عمربن الخطابؓ(٢٤)انس بن عیاضؓ(٢٥)مالک بن صعصعةؓ(٢٦)ابوبکر الصدیقؓ(٢٧)ام هانیٔؓ(٢٨)ابوایوب الانصاریؓ(٢٩)ابو الحمراءؓ(٣٠)ابو الدرداءؓ(٣١)ابوذر الغفاریؓ(٣٢) ابوسعیدخدریؓ(٣٣) ابوسفیان بن حربؓ(٣٤)ابوسلمةبن دحـیةؓ(٣٥)ابوسلمیٰ راعی رسول اللهﷺ(٣٦)ابولیلیٰ الانصاریؓ (٣٧) ابوهریرةؓ (٣٨) اسماء بنت ابی بکرؓ(٣٩)ام المومنین عائشةؓ(٤٠)ام کلثوم بنت رسول اللهﷺ(٤١)ام المومنین ام سلمةؓ(٤٢)عبدالرحمٰن بن قرطؓ(٤٣)ابو حبةالانصاریؓ. مزید تفصیل کے لئے سبل الہدیٰ:٣/١، سے لے کر ص:١٨٠،تک مطالعہ کیجئے۔واقعہ کی وضاحت کے لئے صرف ایک حدیث۔(جو کہ دلائل النبوة ٣٩٠/٢،(للبیهقیؒ) وکتاب الشریعة:٣٠٨/٢،وتاریخ دمشق:٥٠٩/٣،وتاریخ اسلام للذہبی:٢٧٦/١، میں نقل کیا ہے لمبی حدیث ہے)ذکر کرتے ہیں،جو کہ ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ:ایک مرتبہ رسول اللہﷺ کے اصحابؓ نے آپﷺ سے معراج کے واقعہ کے ذکر کی درخواست کی تو آپﷺ نے پہلے تو یہی آیت یعنی:"سبحان الذی " کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ میں عشاء کے بعد مسجد میں سویا ہوا تھا جو ایک آنے والے نے آ کر مجھے جگایا۔میں اٹھ بیٹھا لیکن کوئی نظر نہ ایا،ہاں کچھ جانور سا نظر آیا میں نے غور سے اسے دیکھا،اور برابر دیکھتا ہوا مسجد کے باہر چلا گیا،تو مجھے ایک عجیب جانور نظر پڑا ہمارے جانوروں میں سے تو اس کے کچھ

مشابہ خچر ہے۔

ملتے ہوئے اور اوپر کو اٹھے ہوئے کانوں والا تھا اس کا نام براق ہے، مجھ سے پہلے کے انبیاء بھی اسی پر سوار ہوتے رہے۔ میں اس پر سوار ہو کر چلا ہی تھا جو میری دائیں جانب سے کسی نے آواز دی کہ محمد میری طرف دیکھ میں تجھ سے کچھ پوچھوں گا۔ لیکن نہ میں نے جواب دیا نہ ٹھہرا۔ پھر جو ذرا اور آگے بڑھا تو بائیں طرف سے بھی آواز آئی لیکن میں وہاں بھی نہ ٹھہرا، نہ دیکھا، نہ جواب دیا۔

پھر کچھ آگے گیا کہ ایک عورت دنیا بھر کی زینت کئے ہوئے باہیں کھولے کھڑی ہوئی ہے اس نے مجھے اسی طرح آواز دی کہ میں کچھ دریافت کرنا چاہتی ہوں لیکن میں نے نہ اسکی طرف التفات کیا نہ ٹھہرا۔ پھر آپ کا بیت المقدس پہنچنا دودھ کا برتن لینا اور جبریل علیہ السلام کے فرمان سے خوش ہو کر دو دفعہ تکبیر کہنا ہے پھر جبریل علیہ السلام نے پوچھا آپ ؐ کے چہرے پر فکر کیسے ہے؟ میں نے وہ دونوں واقعے راستے کے بیان کئے، تو آپ ؐ نے فرمایا کہ پہلا شخص تو یہودی تھا اگر آپ اس جواب دیتے یا وہاں ٹھہرتے تو آپ ؐ کی امت یہودی ہو جاتی۔

دوسرا نصرانیوں کا دعوت دینے والا تھا وہاں اگر آپ ٹھہرتے اور اس سے باتیں کرتے تو آپ ؐ کی امت نصرانی ہو جاتی اور وہ عورت جو تھی وہ دنیا تھی اگر آپ اسے جواب دیتے یا وہاں ٹھہرتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر گمراہ ہو جاتی۔

پھر میں اور جبریل علیہ السلام بیت المقدس میں گئے ہم دونوں نے دو دو رکعتیں نفل نماز ادا کیں، پھر ہمارے سامنے معراج لائی گئی جس سے بنی آدم کی روحیں چڑھتی ہیں۔ دنیا نے ایسی اچھی چیز کبھی نہیں دیکھی (تم نہیں دیکھتے کہ مرنے والے کی آنکھیں آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہیں۔ یہ اسی سیڑھی کو دیکھتے ہوئے تعجب کے ساتھ) ہم دونوں اوپر چڑھ گئے میں نے اسمٰعیل نامی فرشتے سے ملاقات کی جو آسمان دنیا کا سردار ہے جس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں جن میں سے ہر ایک فرشتے کے ساتھ اس کے لشکری فرشتوں کی تعداد ایک لاکھ ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ''**وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ** '' المدثر: ۳۱، تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے جبرئیل علیہ السلام نے اس اسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا جبرئیل، پوچھا گیا آپ کے ساتھ اور کون ہیں؟ بتلایا کہ محمد ﷺ ہیں، کہا گیا، کہ کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں۔ وہاں میں نے آدم علیہ السلام کو دیکھا اسی ہیئت میں جس میں وہ اس دن تھے جس دن اللہ تعالی نے انہیں پیدا کیا تھا۔ ان کی اصلی صورت پر۔ ان کے

سامنے ان کی اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں۔ نیک لوگوں کی روحوں کو دیکھ کر فرماتے ہیں پاک روح ہے اور پاک جسم بھی ہے اسی علیین میں لے جاؤ۔ اور بدکاروں کی روحوں کو دیکھ کر فرماتے ہیں خبیث روح ہے جسم بھی خبیث ہے اسے سجین میں لے جاؤ۔ کچھ ہی چلا ہوں گا، کہ میں نے دیکھا کہ خوان لگے ہوئے ہیں جن پر نہایت نفیس گوشت بھنا ہوا ہے۔ اور دوسری جانب اور خوان لگے ہوئے ہیں جن پر بدبودار سڑا گوشت رکھا ہوا ہے۔ کچھ لوگ ہیں جو عمدہ گوشت کے تو پاس بھی نہیں آتے اور اس سڑے ہوئے گوشت کو کھا رہے ہیں۔

میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا آپ کی امت کی وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کی رغبت کرتے تھے۔ پھر میں کچھ اور چلا، تو کچھ اور لوگوں کو دیکھا ان کے ہونٹ اونٹ کی طرح کے ہیں، ان کے منہ پھاڑ پھاڑ کر فرشتے انہیں اس گوشت کے لقمے دے رہے ہیں، جو ان کے دوسرے راستے سے واپس نکل جاتا ہے وہ چیخ کر چلا رہے ہیں اور اللہ تعالی کے سامنے عاجزی کر رہے ہیں میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ آپؐ کے امت کے وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال ناحق کھا جایا کرتے تھے، جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھائیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ ضرور بھڑکتی ہوئی جہنم کی آگ میں جائیں گے۔

میں کچھ دور اور چلا دیکھا کہ کچھ عورتیں اپنے سینوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں اور ہائے وائے کر رہے ہیں، میرے پوچھنے پر جواب ملا، کہ یہ آپؐ کی امت کی زنا کار عورتیں ہیں۔ میں کچھ دور اور گیا، تو دیکھا کہ کچھ لوگوں کے پیٹ بڑے بڑے گھڑوں جیسے ہیں جب وہ اٹھنا چاہتے ہیں تو گر گر پڑتے ہیں اور بار بار کہہ رہے ہے کہ اے اللہ قیامت قائم نہ ہو، فرعونی جانوروں سے وہ روندے جاتے ہیں، اور اللہ تعالی کے سامنے آہ وزاری کر رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے، سود خوار ان لوگوں کی طرح ہی کھڑے ہوں گے جنہیں شیطان نے باؤلا بنا رکھا ہے۔

میں کچھ اور چلا تو دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پہلو سے گوشت کاٹ کاٹ کر فرشتے انہیں کھلا رہے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ جس طرح اپنے بھائی کا گوشت اپنی زندگی میں کھاتا رہا، اب بھی کھا، میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا آپؐ کی امت کے عیب جو، اور اوارہ کش لوگ ہیں۔

پھر ہم دوسرے آسمان پر چڑھے، تو میں نے وہاں ایک نہایت ہی حسین شخص کو دیکھا جو اور حسین لوگوں پر وہی اہمیت رکھتا ہے جو فضیلت چاند کو اور ستاروں پر ہے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ آپ کے

بھائی یوسف علیہ السلام ہیں، اوران کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ ہیں، میں نے انہیں سلام کیا، جس کا جواب انہوں نے دیا۔

پھر ہم تیسرے آسمان کی طرف چڑھے اسے کھلوایا، وہاں یحیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو دیکھا ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ آدمی تھے، میں نے انہیں سلام کیا، اورنہوں نے مجھے جواب دیا۔

پھر میں چوتھے اسمان کی طرف چڑھا وہاں ادریس علیہ السلام کو پایا، جنہیں اللہ تعالی نے بلند مقام پر اٹھالیا ہے میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا۔

پھر پانچویں اسمان کی طرف چڑھا، وہاں ہارون علیہ السلام تھے آدھی داڑھی سفید تھی اور آدھی سیاہ اور بہت لمبی داڑھی تھی قریب قریب ناپ تک، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا، انہوں نے بتلایا کہ یہ اپنی قوم کی ہر دلعزیز ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں ان کے ساتھ ان کی قوم کی جماعت ہے انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب دیا۔

پھر میں چھٹے آسمان کی طرف چڑھا، وہاں موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، آپ کا گندم گوں رنگ تھا بال بہت تھے اگر دو کرتے بھی پہن لے تو بال ان سے گذر جائیں۔ آپ فرمانے لگے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ میں اللہ تعالی کے پاس ان سے بڑے مرتبے کا ہوں حالانکہ یہ مجھ سے بڑے مرتبے کے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ آپ موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں، آپؑ کے پاس بھی آپ کی قوم کے لوگ تھے آپ نے بھی میرے سلام کا جواب دیا۔

پھر میں ساتویں آسمان کی طرف چڑھا وہاں میں نے اپنے والد ابراہیم خلیل الرحمان علیہ السلام کو اپنی پیٹھ بیت المعمور سے ٹکائے ہوئے بیٹھے دیکھا۔ آپ بہت ہی بہتر آدمی ہیں۔ دریافت پر مجھے آپ کا نام بھی معلوم ہوا۔ میں نے سلام کیا، آپ نے جواب دیا، میں نے اپنی امت کو نصفا نصف دیکھا، نصف کے تو سفید بگلا جیسے کپڑے تھے اور نصف کے سخت سیاہ کپڑے تھے۔ میں بیت المعمور میں گیا میرے ساتھ ہی سفید کپڑے والے سب گئے، اور دوسرے، جن کے خاکی کپڑے تھے وہ سب روک دیئے گئے۔ ہیں وہ بھی خیر پر۔

پھر ہم سب نے وہاں نماز ادا کی، اور وہاں سے سب باہر آئے اس بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں لیکن جو ایک دن پڑھ گئے ان کی باری قیامت تک نہیں آتی،

پھر میں سدرۃ المنتہی کی جانب بلند کیا گیا جس کا ہر ہر پتہ اتنا بڑا تھا کہ میرے ساری امت کو ڈھانک لے۔ اس

میں سے ایک نہر جاری تھی جس کا نام سلسبیل ہے۔ پھر اس میں سے دو چشمے پھوٹے ہیں ایک نہر کوثر دوسرا نہر رحمت، میں نے اس میں غسل کیا میرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے۔

پھر میں جنت کی طرف چڑھایا گیا۔ وہاں میں نے ایک حور دیکھی اس سے پوچھا تو کس کی ہے؟ اس نے کہا زید بن حارثہ کی، وہاں میں نے نہ بگڑنے والا پانی اور مزہ متغیر نہ ہونے والا دودھ کی اور بے نشہ لذیذ شراب اور صاف ستھرے شہد کی نہریں دیکھیں۔ اس کے انار بڑے بڑے ڈولوں کے برابر تھے۔ اسکے پرندے تمہارے ان بختی (اونٹ) جیسے تھے۔ بے شک اللہ تعالی نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں، نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خیال تک گذرا۔

پھر میرے سامنے جہنم پیش کی گئی جہاں غضب الٰہی ناراضگی الٰہی تھی اس میں اگر پتھر اور لوہا ڈالا جائے تو وہ اسے بھی کھا جائے۔ پھر میرے سامنے سے وہ بند کر دی گئی،

میں پھر سدرۃ المنتہٰی تک پہنچا دیا گیا اور مجھے ڈھانپ لیا گیا پس میرے اور اس کے درمیان صرف بقدر دو کمانوں کے فاصلہ رہ گیا، بلکہ اور قریب، اور سدرۃ المنتہی کے ہر ایک پتے پر فرشتہ آ گیا، اور مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ اور فرمایا کہ تیرے لئے ہر نیکی کے عوض دس ہیں، تو جب کسی نیکی کا ارادہ کرے گا، گو بجا نہ لائے، تاہم نیکی لکھی جائے گی، اور جب بجا بھی لائے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی، اور برائی کی محض ارادے پر بغیر کیئے ہوئے کچھ بھی نہ لکھا جائے گا۔ اور اگر کر لی تو صرف ایک ہی برائی شمار ہو گی۔

پھر موسٰی علیہ السلام کے پاس آنے اور آپ کے مشورے سے جانے اور کمی ہونے کا ذکر ہے، اخر جب پانچ رہ گئیں، تو نداء کی گئی کہ میرا فریضہ پورا ہو گیا، میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی اور انہیں ہر نیکی کے بدلے اسی جیسی دس نیکیاں دیں۔ موسٰی علیہ السلام نے واپسی پر اب کی مرتبہ بھی مجھے پھر واپس جانے کا مشورہ دیا لیکن میں نے کہا اب تو جاتے ہوئے مجھے کچھ شرم سی محسوس ہوتی ہے۔

پھر آپؐ نے صبح کو مکہ میں ان عجائبات کا ذکر کیا، کہ میں اس شب بیت المقدس پہنچا، آسمانوں پر چڑھایا گیا، اور یہ یہ دیکھا، اس پر ابوجہل بن ہشام کہنے لگا تعجب کی بات، سنو، اونٹوں کو مارتے پیٹتے ہم تو بیت المقدس مہینہ بھر میں پہنچیں اور مہینہ بھر ہی واپس لگ جائے، یہ کہتے ہیں دو ماہ کی مسافت ایک ہی رات طے کر آئے، آپؐ نے فرمایا سنو، جاتے وقت میں نے تمہارے قافلے کو فلاں جگہ دیکھا تھا اور آتے وقت وہ مجھے عقبہ میں ملا۔ سنو، اس میں فلاں فلاں شخص ہے فلاں =

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ

اور ہم نے موسٰی کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کیلئے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو

دُونِي وَكِيلًا ﴿۲﴾ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴿۳﴾

کارساز نہ ٹھہرانا۔اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کیساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا بیشک نوح (ہمارے) شکرگزار بندے تھے

وَقَضَيْنَآ إِلٰى بَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ

اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿۴﴾ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا

اور بڑی سرکشی کرو گے۔پس جب پہلے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط

أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿۵﴾

کر دیئے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ

پھر ہم نے دوسری بار تم کو ان پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تم کو

=اس رنگ کے اونٹ پر ہے اوراس کے پاس یہ اسباب ہے۔ابوجہل نے کہا،خبریں تو دے رہا ہے دیکھیں کیسی نکلیں؟اس پر ان سے ایک شخص نے کہا میں بیت المقدس کا حال تم سب سے زیادہ میں جانتا ہوں،اس کی عمارت کا حال،اسکی شکل وصورت پہاڑ سے اس کی نزدیکی وغیرہ،پس رسول اللہ ﷺ سے حجابات دور کردیئے گئے اور جیسے ہم گھر میں بیٹھے گھر کی چیزوں کو دیکھتے ہیں اسی طرح آپؐ کے سامنے بیت المقدس کردیا گیا۔آپؐ فرمانے لگے اسکی بناوٹ اس طرح کی ہے،اس کی ہیئت اس طرح کی ہے،وہ پہاڑ سے اس قدر نزدیک ہے وغیرہ،اس نے کہا بے شک آپؐ سچ فرماتے ہیں۔پھر اس نے کفار کے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا محمد ﷺ اپنی بات میں سچے ہیں۔یا کچھ ایسے ہی الفاظ کہے۔

أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿٦﴾ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ

جماعت کثیر بنا دیا۔ اگر تم نیکی کرو گے تو اپنی جانوں کیلئے کرو گے اور اگر اعمال بد کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمہاری ہی

فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوٓءُوا وُجُوهَكُمْ

جانوں پر ہوگا پھر جب دوسرے (وعدے) کا وقت آیا (تو ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے) تا کہ تمہارے چہروں کو (بڑوں) بگاڑ دیں

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا

اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو گئے تھے اُسی طرح پھر اس میں داخل ہو جائیں اور جس چیز پر غلبہ

تَتْبِيرًا ﴿٧﴾ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا

پائیں اُسے تباہ کر دیں۔ [2] یقین ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی

---

[2] ان آیات میں بنی اسرائیل کے دو واقعے عبرت ونصیحت کے لئے ذکر کئے گئے، کہ انہوں نے ایک مرتبہ معاصی اور حکم ربانی کی مخالفت میں انہماک کیا، تو اللہ تعالی نے انکے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا جنہوں نے ان کو تباہ کیا پھر ان کو کچھ تنبیہ ہوگئی اور شرارت کم کردی تو سنبھل گئے، مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر وہی شرارتیں اور بداعمالیاں ان میں پھیل گئیں تو پھر اللہ تعالی نے ان کو ان کے دشمن کے ہاتھ سزا دلائی، قرآن کریم میں دو واقعوں کا ذکر ہے مگر تاریخ میں اس طرح کے چھ (۶) واقعات مذکور ہیں۔

پہلا واقعہ : سلیمان علیہ السلام بانی مسجد اقصی کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد پیش آیا کہ بیت المقدس کے حاکم نے بے دینی اور بدعملی اختیار کر لی تو مصر کا ایک بادشاہ اس پر چڑھ آیا اور بیت المقدس کا سامان سونے چاندی کو لوٹ کر لے گیا مگر مسجد اور شہر کو منہدم نہیں کیا۔

دوسرا واقعہ: سے تقریبا چار سو سال بعد کا ہے کہ بیت المقدس میں بسنے والے بعض یہودیوں نے بت پرستی شروع کردی اور باقیوں میں نا اتفاقی اور باہمی جھگڑے ہونے لگے، اس کی نحوست پر مصر کے کسی بادشاہ نے ان پر چڑھائی کردی اور کسی قدر شہر اور مسجد کی عمارت کو بھی نقصان پہنچایا پھر انکی حالت کچھ سنبھل گئی۔

تیسرا واقعہ اس کے چند سال بعد جب بخت نصر شاہ بابل نے بیت المقدس پر چڑھائی کر دی اور شہر کو فتح کر کے بہت سامان لوٹ لیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا کر لے گیا اور پہلے بادشاہ کے خاندان کے ایک فرد کو اپنے قائم مقام کے حیثیت سے اس شہر کا حاکم بنا دیا۔

چوتھا واقعہ اس نئے بادشاہ نے جو بت پرست اور بدعمل تھا، بخت نصر سے بغاوت کی تو بخت نصر دوبارہ چڑھ آیا اور کشت وخون اور قتل وغارت کی کوئی حد نہ رہی، شہر میں آگ لگا کر میدان کر دیا، یہ حادثہ تعمیر مسجد سے تقریباً چار سو پندرہ (۴۱۵) سال کے بعد پیش آیا، اور اس کے بعد یہود یہاں سے جلاوطن ہو کر بابل چلے گئے جہاں نہایت ذلت وخواری سے رہتے ہوئے ستر سال گذر گئے، اس کے بعد شاہ ایران نے شاہ بابل پر چڑھائی کر کے بابل فتح کر لیا پھر شاہ ایران کو ان جلاوطن یہودیوں پر رحم آیا اور ان کو واپس ملک شام میں پہنچا دیا، اور ان کا لوٹا ہوا سامان بھی واپس کر دیا اب یہود اپنے اعمال بد اور معاصی سے تائب ہو چکے تھے یہاں نئے سرے سے آباد ہوئے تو شاہ ایران کے تعاون سے پھر مسجد اقصیٰ کو سابق نمونہ کے مطابق بنا دیا۔

پانچواں واقعہ : یہ پیش آیا کہ جب یہود کو یہاں اطمینان اور آسودگی دوبارہ حاصل ہوگئی تو اپنے ماضی کو بھول گئے اور پھر بدکاری اور بداعمالی میں منہمک ہو گئے تو مسیح علیہ السلام کے پیدائش سے ایک سو ستر سال پہلے یہ واقعہ پیش آیا، کہ جس بادشاہ نے انطاکیہ آباد کیا تھا اس نے چڑھائی کر دی اور چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا چالیس ہزار کو قیدی اور غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا اور مسجد کی بھی بہت بے حرمتی کی، مگر عمارت مسجد بچ گئی، مگر پھر اس بادشاہ کے جانشینوں نے شہر اور مسجد کو بالکل میدان کر دیا اس کے کچھ عرصہ کے بعد بیت المقدس پر سلاطین روم کی حکومت ہوگئی انہوں نے مسجد کو پھر درست کیا اور اس کے آٹھ سال بعد عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

چھٹا واقعہ: عیسیٰ علیہ السلام کے صعود اور رفع جسمانی کے چالیس برس بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ یہودیوں نے اپنے حکمران سلاطین روم سے بغاوت اختیار کر لی رومیوں نے پھر شہر اور مسجد کو تباہ کر کے وہی حالت بنا دی جو پہلے تھی، اس وقت کے بادشاہ کا نام طیطس تھا جو نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی، اس کے بعد قسطنطین اول عیسائی ہوا ہے اور اس کے بعد سے عمر بن خطابؓ کے زمانہ تک یہ مسجد ویران پڑی رہی، یہاں تک کہ آپ نے اس کی تعمیر کرائی۔ یہ چھ واقعات تفسیر بیان القرآن میں بحوالہ تفسیر حقانی لکھے گئے ہیں۔

اب یہ بات کہ قرآن کریم نے جن دوواقعوں کا ذکر کیا ہے وہ ان میں سے کون سے ہیں؟اس کی قطعی تعین تو مشکل ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے جوواقعات زیادہ سنگین اور بڑے ہیں جن میں یہود کی شرارتیں بھی زیادہ ہوئیں اور سزا بھی سخت ملی ان پر محمول کیا جائے اور وہ چوتھا اور چھٹا واقعہ ہے۔قرطبی نے اپنی کتاب تذکرہ:۲/۰۴۷ میں یہاں ایک طویل مرفوع بروایت حذیفہؓ نقل کی ہے اس سے بھی اس کی تعین ہوتی ہے کہ ان دوواقعوں سے مراد چوتھا اور چھٹا واقعہ ہے اس طویل حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔

حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ بیت المقدس اللہ تعالی کے نزدیک بڑی عظیم القدر مسجد ہے آپؐ نے فرمایا کہ وہ دنیا کے سب گھروں میں ایک ممتاز عظمت والا گھر ہے جس کو اللہ تعالی نے سلیمان بن داوٗد علیہ السلام کے لئے سونے چاندی اور جواہرات، یاقوت وزمرد سے بنایا تھا، اور یہ اس طرح کہ جب سلیمان علیہ السلام نے اس کی تعمیر شروع کی تو حق تعالی نے جنات کو ان کے تابع کر دیا، جنات نے یہ تمام جواہرات اور سونے چاندی جمع کر کے ان سے مسجد بنائی، حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ پھر بیت المقدس سے یہ سونا چاندی اور جواہرات کہاں اور کس طرح گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب نبی اسرائیل نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی، اور گناہوں اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو گئے، انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، تو اللہ تعالی نے ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط کر دیا جو مجوسی تھا، اس نے سات سو برس بیت المقدس پر حکومت کی، اور قرآن کریم میں آیت: **فاذاجاء وعداولھما بعثنا علیکم عبادلنا اولی بأس شدید** ۔سے یہی واقعہ مراد ہے، بخت نصر کا لشکر مسجد قدس میں داخل ہوا مردوں کو قتل اور عورتوں، بچوں کو قید کیا، اور بیت المقدس کے تمام اموال اور سونے چاندی جواہرات کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں میں بھر کر لے گیا اور اپنے ملک بابل میں رکھ دیا اور سو برس تک ان بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا کر طرح طرح کی با مشقت خدمت، ذلت کے ساتھ ان سے لیتا رہا۔پھر اللہ تعالی نے فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو اس کے مقابلے کے لئے کھڑا کر دیا جس نے بابل کو فتح کیا اور باقی ماندہ بنی اسرائیل کو بخت نصر کی قید سے آزاد کرایا اور جتنے اموال وہ بیت المقدس سے لایا تھا وہ سب واپس بیت المقدس میں پہنچا دیئے اور پھر بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اگر تم پھر نافرمانی اور گناہوں کی طرف لوٹ جاؤ گے، تو ہم بھی پھر قتل وقید کا عذاب تم پر لوٹا دیں گے۔ایت قرآن: **عسی ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا** ۔سے یہی مراد ہے پھر جب بنی اسرائیل بیت المقدس سے میں لوٹ آئے اور سب اموال اور سامان بھی قبضے میں آ گیا تو پھر معاصی اور بداعمالیوں کی طرف لوٹ گئے، اس وقت اللہ تعالی نے ان پر شاہ روم قیصر کو مسلط کر دیا ایت: **فاذاجاء وعدالاخرة**=

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿۸﴾ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ

پہلاسلوک کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کیلئے قید خانہ بنا رکھا ہے ۔ یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے

أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيْرًا

جو سب سے سیدھا ہے اور مومنوں کو، جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ اُن کیلئے اجرعظیم ہے

﴿۹﴾ وَأَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿۱۰﴾

اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾

اور انسان جس طرح (جلدی سے) بھلائی مانگتا ہے اسی طرح برائی مانگتا ہے اور انسان جلد باز (پیدا ہوا) ہے

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ

اور ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایاہے۔ رات کی نشانی کو تاریک بنایا اور دن کی نشانی

= لِيَسُوْؤُا وجوهكم سے یہی مراد ہے،شاہ روم نے ان لوگوں سے برّی اور بحری دونوں راستوں پر جنگ کی، اور بہت سے لوگوں کوقتل اور قید کیا اور پھر تمام ان اموال بیت المقدس کوایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں پر لاد کر لے گیا اور اپنے کنیسۃ الذہب میں رکھ دیا یہ سب اموال ابھی تک وہیں ہیں۔اور وہیں رہیں گے۔ یہاں تک کہ مہدیؓ پھران کو بیت المقدس میں ایک لاکھ ستر ہزار کشتیوں میں واپس لائیں گے،اوراسی جگہ اللہ تعالی تمام اولین واخرین کوجمع کر دیں گے۔

بیان القرآن میں ہے کہ دوواقعے جن کا ذکرقرآن میں آیا ہےاس سے مراددوشریعتوں کی مخالفت ہے، پہلے شریعت موسوی کی مخالفت،اور پھرعیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعدشریعت عیسویہ کی مخالفت ہے،اس طرح پہلی مخالفت میں وہ سب واقعات درج ہوسکتے ہیں جواوپر بیان کئے گئے ہیں۔واقعات کے تفصیل کے بعدایت مذکورہ کی تفسیر دیکھئے۔

مُبۡصِرَةً لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَالۡحِسَابَ ؕ
کوروشن تاکہ تم اپنے رب کا فضل (یعنی) روزی تلاش کرو اور برسوں کا شمار اور حساب جانو

وَكُلَّ شَىۡءٍ فَصَّلۡنٰهُ تَفۡصِيۡلًا ﴿۱۲﴾ وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰۤـئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ
اور ہم نے ہر چیز کی (بخوبی) تفصیل کر دی ہے۔اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بہ صورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا

وَنُخۡرِجُ لَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلۡقٰهُ مَنۡشُوۡرًا ﴿۱۳﴾ اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ ؕ
دیا ہے اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اُسے نکال دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ (کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ

كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ
لے تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔ جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے تو اپنے لئے اختیار کرتا ہے

لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ
اور جو گمراہ ہوتا ہے تو گمراہی کا ضرر بھی اُسی کو ہو گا اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

اُخۡرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ﴿۱۵﴾
اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے

وَاِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً اَمَرۡنَا مُتۡرَفِيۡهَا فَفَسَقُوۡا فِيۡهَا
اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے

فَحَقَّ عَلَيۡهَا الۡقَوۡلُ فَدَمَّرۡنٰهَا تَدۡمِيۡرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنَ الۡقُرُوۡنِ
رہے پھر اُس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اُسے ہلاک کر ڈالا۔اور ہم نے نوح کے بعد بہت سی اُمتوں کو ہلاک

مِنۡۢ بَعۡدِ نُوۡحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِيۡرًۢا بَصِيۡرًا ﴿۱۷﴾
کر ڈالا اور تمہارا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے اور دیکھنے والا کافی ہے

مَّنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ

جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں

جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾

پھر اُس کیلئے جہنم کو (ٹھکانا) مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ بُرے حال میں، (بارگاہ الٰہی) سے راندہ ہو کر داخل ہوگا۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ

اور جو شخص آخرت کا طلبگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اُسے لائق ہے اور وہ مومن بھی ہو، ایسے لوگوں کی

مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ

کوشش مقبول ہوتی ہے۔ ہم ان کو اور ان سب کو تمہارے رب کی بخشش سے مدد دیتے ہیں

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ

اور تمہارے رب کی بخشش کسی سے رُکی ہوئی نہیں ۔دیکھو ہم نے کس طرح بعض کو

عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ

بعض پر فضیلت بخشی ہے اور آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے۔ اور اللہ کیساتھ کوئی

اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا

اور معبود نہ بنانا کہ ملامتیں سن کر اور بے کس ہو کر بیٹھے رہ جاؤ گے۔ اور تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی

اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ

عبادت نہ کرو اور ماں باپ کیساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں

كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾

تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ اُنہیں جھڑکنا، اور ان سے بات ادب کیساتھ کرنا

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ
اور عجز و نیاز سے اُن کے آگے جھکے رہو اور اُن کے حق میں دعا کروکہ اے اللہ! جیسیا
ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝٢٤ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ
انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا ہےتو بھی اُن (کے حال) پر رحمت فرما۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے
إِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝٢٥
تمہارا رب اس سے بخوبی واقف ہے اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے
وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝٢٦
اور رشتہ داروں اور محتاجوں اورمسافروں کو اُن کا حق ادا کرو اورفضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ
إِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا إِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهِ
کہ فضول خرچی کرنے والےتو شیطان کے بھائی ہیں اورشیطان اپنے رب (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی
كَفُوْرًا ۝٢٧ وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ
ناشکرا) ہے۔اوراگر تم اپنے رب کی رحمت (یعنی فراخ دستی) کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہوان (مستحقین) کی طرف
لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝٢٨ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ
توجہ نہ کرسکوتو ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو۔ اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن کے گرد بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو
وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝٢٩
(کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو) کے ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ
إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ
بے شک تمہارا رب جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے (اور جس کی روزی چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں

كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ
سے خبردار ہے اور (ان کو) دیکھ رہا ہے ۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا (کیونکہ)

نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا
اُن کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں کچھ شک نہیں کہ اُن کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے ۔ اور زنا کے پاس بھی نہ جانا

الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ
کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے ۔اور جس (نفس) کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اُسے قتل نہ کرنا

اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا
مگر جائز طور پر (یعنی بفتویٰ شریعت) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے، ہم نے اُس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل

فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ
سے بدلہ لے) تو اس کو چاہیے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے کہ وہ منصور وفتحیاب ہے ۔اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا

اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ
مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتر ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور

مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ
پرسش ہوگی ۔ اور جب کوئی چیز ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور (جب تول کر دو تو) ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ
یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے ۔اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اُس کے پیچھے نہ پڑ

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾
کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہو گی

وَلَا تَمْشِ فِی الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ

اور زمین پر اکڑ کر (اور تن کر) مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں (کی چوٹی) تک پہنچ جائے گا

طُوْلًا ﴿۳۷﴾ کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

ان سب (عادتوں) کی برائی تیرے رب کے نزدیک بہت نا پسند ہے

ذٰلِکَ مِمَّا أَوْحٰی إِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا

(اے پیغمبر) یہ اُن (ہدایتوں) میں سے ہیں جو اللہ نے دانائی کی باتیں تمہاری طرف وحی کی ہیں، اللہ کیساتھ کوئی اور معبود نہ

آخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

بنانا کہ (ایسا کرنے سے) ملامت زدہ اور (بارگاہ الٰہی سے) راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے

أَفَأَصْفٰکُمْ رَبُّکُمْ بِالْبَنِیْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَآئِکَةِ إِنَاثًا إِنَّکُمْ لَتَقُوْلُوْنَ

(مشرکو) کیا تمہارے رب نے تم کو تو لڑکے دیئے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا، کچھ شک نہیں کہ (یہ) تم

قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْآنِ لِیَذَّکَّرُوْا

بڑی (نا معقول) بات کہتے ہو۔ اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کی باتیں بیان کی ہیں تا کہ لوگ نصیحت پکڑیں

وَمَا یَزِیْدُهُمْ إِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ کَانَ مَعَهٗ آلِهَةٌ کَمَا یَقُوْلُوْنَ

مگر وہ اس سے اور بدک جاتے ہیں ۔ کہہ دو کہ اگر اللہ کیساتھ اور معبود ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں

إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ

تو وہ ضرور (اللہ) مالک عرش کی طرف (لڑنے بھڑنے کیلئے) راستہ نکالتے ۔ وہ پاک ہے اور جو کچھ یہ بکواس کرتے ہیں

عُلُوًّا کَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ

اُس سے (اس کا رتبہ) بہت عالی ہے ۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اُسی کی تسبیح کرتے ہیں

وَمَنْ فِيهِنَّ ۭ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ
اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کیساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو
تَسْبِيْحَهُمْ إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا
نہیں سمجھتے بیشک وہ بُرد بار (اور) غفار ہے ۔ اور جب قرآن پڑھا کرتے ہو تو ہم
بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾
تم میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے حجاب پر حجاب حائل کر دیتے ہیں
وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْ آذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَإِذَا
اور اُن کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں کہ اُسے سمجھ نہ سکیں اور اُن کے کانوں میں بوجھ پیدا کر دیتے ہیں اور جب
ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰى أَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾
تم قرآن میں اپنے اکیلے رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ بدک جاتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں
نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖ إِذْ يَسْتَمِعُوْنَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوٰى
یہ لوگ جب تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو جس نیت سے یہ سنتے ہیں ہم اُسے خوب جانتے ہیں اور جب یہ سرگوشیاں
إِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ إِنْ تَتَّبِعُوْنَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ
کرتے ہیں جب ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔[3] دیکھو انہوں نے

---

[3] کسی نبی یا پیغمبر پر جادو کا اثر ہو جانا ایسا ممکن ہے جیسا بیماری کا اثر ہو جانا، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام بشری خواص سے الگ نہیں ہوتے جیسے ان کو زخم لگ سکتا ہے، بخار اور درد ہو سکتا ہے، ایسے ہی جادو کا اثر بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ بھی خاص اسباب طبعیہ جنات وغیرہ کے اثر ہوتا ہے اور حدیث میں ثابت بھی ہے کہ ایک مرتبہ رسول

اللہﷺ پرسحر کا اثر ہوگیا تھا، آخری آیت میں جو کفار نے آپؐ کومسحور کہا اورقرآن نے اس کی تردید کی کہ ان کی مراد درحقیقت مسحور کہنے سے مجنون کہنا تھا اسی کی تردید قرآن نے فرمائی ہے اسی لئے حدیث سحر اس کے خلاف اور متعارض نہیں۔

ایات مذکورہ میں سے پہلی ودوسری ایت میں جو مضمون آیا ہے اسکا ایک خاص شان نزول ہے، جو قرطبی نے سعید بن جبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ جب قرآن میں (سورۃ تبت یدابی لھب) نازل ہوئی جس میں ابولہب کی بیوی کی بھی مذمت مذکور ہے تو اس کی بیوی رسول اللہﷺ کی مجلس میں گئی اس وقت صدیق اکبرؓ مجلس میں موجود تھے اس کو دور سے دیکھ کر رسول اللہﷺ سے عرض کیا، کہ آپؐ یہاں سے ہٹ جائیں تو بہتر ہے کیونکہ یہ عورت بڑی بدزبان ہے یہ ایسی باتیں کہے گی جس سے آپ کو تکلیف پہنچے گی آپؐ نے فرمایا نہیں اس کے اور میرے درمیان اللہ تعالی پردہ حائل کردیں گے چنانچہ وہ مجلس میں پہنچی، مگر رسول اللہﷺ کو نہ دیکھ سکی، تو صدیق اکبرؓ سے مخاطب ہوکر کہنے لگی کہ آپ کے ساتھی نے ہماری ہجوہ کی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ واللہ وہ تو کوئی شعر ہی نہیں کہتے جس میں عادۃً ہجوہ کی جاتی ہے، تو وہ یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ تم بھی ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو، اس کے چلے جانے کے بعد صدیق اکبرؓ نے عرض کیا، کہ کیا اس نے آپ کو نہیں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جبتک وہ یہاں رہی ایک فرشتہ میرے اور اس کے درمیان پردہ کرتا رہا۔

دشمنوں کی نظر سے مستور رہنے کا ایک عمل

کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ جب مشرکین کی انکھوں سے مستور ہونا چاہتے تو قرآن کی تین آیتیں پڑھ لیتے تھے۔ اس کے اثر سے کفار اپ کو نہ دیکھ سکتے تھے وہ تین آیتیں یہ ہیں:

ایک آیت: وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا [کھف:۵۷]

دوسری آیت سورۂ نحل:۱۰۸، میں ہے: اولٓئک الذین طبع اللہ علیٰ قلوبھم وسمعھم وابصارھم،

اور تیسری آیت سورۂ جاثیہ: أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۳﴾

کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ کا یہ معاملہ میں نے ملک شام کے ایک شخص سے بیان کیا، اس کو کسی

ضرورت سے رومیوں کے ملک میں جانا تھا وہاں گیا اور ایک زمانہ تک وہاں مقیم رہا، پھر رومی کفار نے اس کو ستایا تو وہ وہاں سے بھاگ نکلا ان لوگوں نے اس کا تعاقب کیا، اس شخص کو وہ روایت یاد آگئی اور مذکورہ تین آیتیں پڑھیں قدرت نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ جس راستہ پر یہ چل رہے تھے اسی راستہ پر دشمن گذر رہے تھے مگر وہ ان کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

امام ثعلبیؒ کہتے ہیں، کہ کعبؓ سے جو روایت نقل کی گئی ہے میں نے ''ریٔ'' کے رہنے والے ایک شخص کو بتلائی، اتفاق سے دیلم کے کفار نے اس کو گرفتار کرلیا کچھ عرصہ ان کی قید میں رہا، پھر ایک روز موقع پا کر بھاگ کھڑا ہوا، یہ لوگ اس کے تعاقب میں نکلے مگر اس شخص نے بھی یہ تین آیتیں پڑھ لیں، اس کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ وہ اس کو نہ دیکھ سکے حالانکہ ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور ان کے کپڑے ان کے کپڑوں سے چھو جاتے تھے۔

امام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ ان تینوں کے ساتھ وہ آیت سورۂ یٰسٓ کی بھی ملائی جائیں جن کو نبی ﷺ نے ہجرت کے وقت پڑھا تھا جبکہ مشرکین مکہ نے آپؐ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا آپؐ نے یہ آیت پڑھیں اور ان کے درمیان سے نکلتے ہوئے چلے گئے، بلکہ ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے گئے ان میں سے کسی کو خبر نہیں ہوئی وہ آیات سورت یٰس کی ایات یہ ہیں:یٰسٓ ،وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ، اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ، عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ، لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ فَھُمْ غٰفِلُوْنه لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِھِمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ،اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلاً فَھِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَھُمْ مُّقْمَحُوْنَ ، وَجَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِھِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ .

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ مجھے خود اپنے ملک اندلس میں قرطبہ کے قریب قلعہ منثور میں یہ واقعہ پیش آیا، کہ میں دشمن کے سامنے بھاگا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا دشمن نے دو گھوڑے سوار میرے تعاقب میں بھیجے اور میں بالکل کھلے میدان میں تھا کوئی چیز پردہ کرنے والی نہ تھی مگر میں سورۂ یٰس کی یہ آیتیں پڑھ رہا تھا یہ دونوں سوار میرے برابر سے گذرے پھر جہاں سے آئے تھے یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ یہ شخص کوئی شیطان ہے کیونکہ وہ مجھے دیکھ نہ سکے اللہ تعالی نے ان کو مجھ سے اندھا کردیا تھا (قرطبی)۔

ضَرَبُوْا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٤٨﴾ وَقَالُوْٓا أَءِذَا

کس کس طرح کی تمہارے بارے باتیں بنائی ہیں سو یہ گمراہ ہو رہے ہیں اور رستہ نہیں پا سکتے۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہم

كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَإِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿٤٩﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً

(مرکر بوسیدہ) ہڈیاں اور چور چور ہو جائیں گے تو کیا از سرنو پیدا ہو کر اُٹھیں گے۔ کہہ دو کہ (خواہ تم) پتھر ہو جاؤ

أَوْ حَدِيْدًا ﴿٥٠﴾ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ

یا لوہا۔ یا کوئی اور چیز جو تمہارے نزدیک (پتھر اور لوہے سے بھی) بڑی (سخت) ہو (جھٹ کہیں گے) کہ (بھلا) ہمیں

مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ إِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ

دوبارہ کون جِلائے گا؟ کہہ دو کہ وہی جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تو (تعجب سے) تمہارے آگے سر ہلائیں گے

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰى أَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿٥١﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ

اور پوچھیں گے کہ ایسا کب ہو گا؟ کہہ دو یقین ہے کہ جلد ہو گا۔ جس دن وہ تمہیں پکارے گا

فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿٥٢﴾ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ

تو تم اُس کی تعریف کیساتھ جواب دو گے اور خیال کرو گے کہ تم (دنیا میں) بہت کم (مدت) رہے۔ اور میرے بندوں سے

يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ ۭ إِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ

کہہ دو کہ (لوگوں سے) ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان (بری باتوں سے) اُن میں فساد ڈلوا دیتا ہے

إِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿٥٣﴾ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ إِنْ يَّشَأْ

کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تم سے خوب واقف ہے، اگر چاہے

يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِنْ يَّشَأْ يُعَذِّبْكُمْ وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿٥٤﴾

تو تم پر رحم کرے یا اگر چاہے تو عذاب دے۔ اور ہم نے تم کو اُن پر (داروغہ) بنا کر نہیں بھیجا

وَرَبُّکَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ

اور جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں تمہارا رب اُن سے خوب واقف ہے۔ اور ہم نے بعض پیغمبروں کو

عَلٰى بَعْضٍ وَّآتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

بعض پر فضیلت بخشی اور داؤد کو زبور عنایت کی۔ کہو (کہ اے مشرکو) جن لوگوں کی نسبت تمہیں (معبود ہونے کا) گمان ہے

فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اُن کو بلا دیکھو وہ تم سے تکلیف کے دور کرنے یا اُس کو بدل دینے کا کچھ اختیار بھی نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا)

يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ إِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے ہاں ذریعہ (تقرب) تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون اُن میں (اللہ کا) زیادہ مقرب

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

(ہوتا) ہے اور اُس کی رحمت کے اُمیدوار رہتے ہیں اور اُس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں بیشک تمہارے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے

وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا

اور (کفر کرنے والوں کی) کوئی بستی نہیں مگر قیامت کے دن سب سے پہلے ہم اُسے ہلاک کر دیں گے یا سخت عذاب سے

شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُّرْسِلَ

معذب کریں گے یہ کتاب (یعنی تقدیر) میں لکھا جا چکا ہے۔ اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لئے موقوف کر دیں

بِالْآيٰتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُوْنَ ۭ وَآتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا

کہ اگلے لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (نبوتِ صالح کی کھلی) نشانی دی تو اُنہوں نے اس پر ظلم کیا

بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيٰتِ إِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ

اور ہم جو نشانیاں بھیجا کرتے ہیں تو ڈرانے کو۔ جب ہم نے تم سے کہا کہ تمہارا رب لوگوں کو احاطہ کیے ہوئے ہے،

بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ

اور جو نمائش (معراج) ہم نے تمہیں دکھائی اُس کو لوگوں کیلئے آزمائش کیا، اور اسی طرح (تھوہر کے) درخت کو جس پر

الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْآنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿٦٠﴾

قرآن میں لعنت کی گئی ہے، اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو اُن کو اس سے بڑی (سخت) سرکشی پیدا ہوئی ہے

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَآئِكَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ فَسَجَدُوْا إِلَّا إِبْلِيْسَ قَالَ أَأَسْجُدُ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا بولا بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں

لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿٦١﴾ قَالَ أَرَأَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ

جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے ۔کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے

لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿٦٢﴾

اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿٦٣﴾

اللہ نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا، جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا ہے

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ

اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ[۴] اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ

وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾

اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو وعدے اُن سے کرتا ہے سب دھوکا ہے

---

[۴] ''استفزاز'' کے اصلی معنی قطع کرنے کے ہیں مراد اس جگہ حق سے قطع کر دینا ہے'' بصوتک'' سے

آواز معروف مراد ہیں، عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں صوت کے متعلق فرمایا، کہ اس سے مراد گانے مزامیر اور لہولعب کے اوازیں ہیں یہی شیطان کی اواز ہے جس سے وہ لوگوں کو حق سے قطع کرتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مزامیر، موسیقی اور گانا بجانا حرام ہے (قرطبی)۔

ابن جوزیؒ نے تلبیس ابلیس ص: ۲۳۱، میں ان چیزوں کی حرمت ثابت کرنے کے متعلق لکھا ہے کہ: وقد استدل اصحابنا بالقران و السنة علی کراهية الغناء، فاما الاستدلال من القرآن فبثلاث ايات، یعنی قران کریم سے استدلال میں تین آیتیں پیش کرتے ہیں: پہلی ایت یہی ہے: اس کی تفسیر میں سفیان ثوریؒ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت سے مراد غنا و مزامیر ہیں۔ دوسری ایت: سورۂ لقمان: ٦۔ تیسری ایت سورۂ نجم: ٦١۔

اور احادیث اس باب میں بہت زیادہ ذکر کئے ہیں فرماتا ہے: اما السنة فروايتنا عن ابن عمرؓ انه سمع صوت زمارة راع فوضع اصبعيه في اذنيه وعدل راحلته عن الطريق وهويقول، يانافع اتسمع ؟فاقول نعم فيمضى حتى قلت لا، فوضع يديه واعادراحلته الى الطريق وقال رأيت رسول اللهﷺ سمع زمارة راع فصنع مثل هذا، وكذارواه البيهقى فى الشعب: ۷/ ۱۲۰،

وعن ابى امامةؓ قال نهى رسول اللهﷺ عن شراء المغنيات وبيعهن وتعليمهن وقال ثمنهن حرام وقرأ: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُواً أُولٰئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ[٦ لقمان] (تلبیس ابلیس ۲۳۲۔

ابوامامہؓ سے روایت ہے رسول اللہﷺ نے گانے والی لونڈیوں کے خریدنے اور بیچنے اور تعلیم کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان کی قیمت حرام ہے اور یہ آیت پڑھی: یعنی بعض لوگ ایسے ہیں کہ لہو کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ کردیں اور اس کو ایک تمسخر سمجھیں ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت بخش عذاب ہے۔ مزید تفصیل کے لئے مذکورہ کتاب مطالعہ کیجئے۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٥﴾

۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر!) تمہارا رب کارساز کافی ہے

رَّبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ

تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اُس کے فضل سے (روزی) تلاش کرو بیشک وہ تم پر

بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ

مہربان ہے۔ اور جب تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے (یعنی ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارتے ہو سب اس

إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾

(رب) کے سوا گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو! اور انسان ہے ہی ناشکرا،

أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا

کیا تم (اس سے) بےخوف ہو کہ اللہ تمہیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین میں) دھنسا دے یا تم پر سنگریزوں کی بھری ہوئی

ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ

آندھی چلا دے پھر تم اپنا کوئی نگہبان نہ پاؤ۔ یا (اس سے) بےخوف ہو کہ تمہیں دوسری دفعہ دریا میں لے جائے پھر تم

فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ

پر تیز ہوا چلائے اور تمہارے کفر کے سبب تمہیں ڈبو دے پھر تم اس غرق کے سبب اپنے لئے کوئی

ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ

پیچھا کرنے والا نہ پاؤ۔ اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور دریا میں سواری دی

فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾

اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوْتِيَ كِتٰبَهُ بِيَمِيْنِهِ

جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے پیشواؤں کیساتھ بلائیں گے تو جن (کے اعمال) کی کتاب اُن کے داہنے ہاتھ میں دی

فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ

جائے گی وہ اپنی کتاب کو (خوش ہوکر) پڑھیں گے اور ان پر دھاگے برابر بھی ظلم نہ ہوگا[5] اور جو شخص اس دنیا میں اندھا

---

[5] اس آیت میں لفظ امام بمعنی کتاب ہے جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں ہے: **وکل شیء احصیناہ فی امام مبین**، اس میں امام مبین سے مراد واضح کتاب ہے، اور کتاب کو امام اس لئے کہا جاتا ہے کہ بھول چوک اور اختلاف کے وقت کتاب ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جیسے کسی امام مقتدا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے (قرطبی)۔

اور ترمذی کی حدیث بروایت ابو ہریرہؓ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام سے مراد اس آیت میں کتاب ہے حدیث کے الفاظ یہ ہے: ''**یوم ندعو اکل اناس بامامھم قال یدعیٰ احدھم فیعطیٰ کتابه بیمنه** '' یعنی آیت ''**یوم ندعوا کل اناس بامامھم**'' کی تفسیر میں خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی متعین ہوگیا کہ امام بمعنی کتاب ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کتاب سے مراد نامہ اعمال ہے۔ اور علی مرتضیٰؓ اور مجاہد وغیرہ مفسرین سے یہاں لفظ امام کے معنی مقتدی اور پیشوا کے بھی منقول ہیں کہ ہر شخص کو اس کے مقتدی و پیشوا کا نام لے کر پکارا جائے خواہ وہ مقتدیٰ و پیشوا، انبیاء علیہم السلام، اور ان کے نائب مشائخ وعلماء ہوں، یا گمراہی اور معصیت کی طرف دعوت دینے والے پیشوا (قرطبی)۔

اس معنی کے لحاظ سے مطلب ایت کا یہ ہوگا، کہ میدان حشر میں ہر شخص کو اس کے مقتدیٰ اور پیشوا کے نام سے پکارا جائے گا۔ اور سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے گا۔ مثلاً متبعین ابراہیم علیہ السلام اور متبعین موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام و متبعین محمد ﷺ، پھر ان کے ذیل میں ممکن ہے کہ ان متبعین کے بلا واسطہ مقتداؤں کا نام بھی لیا جائے۔

قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ صرف کفار کو دیا جائے گا جیسا کہ ایک ایت میں ہے: ''**انه کان لایؤمن باللہ العظیم**'' اور ایک دوسری ایت میں ہے: ''**انه ظن ان لن یحور**'' پہلی=

أَعۡمٰى فَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ أَعۡمٰى وَأَضَلُّ سَبِيۡلًا ﴿۷۲﴾

ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور (نجات کے) رستے سے بہت دُور

وَإِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِىۡۤ أَوۡحَيۡنَاۤ إِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِىَ

اوراے پیغمبر! جووحی ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے قریب تھا کہ یہ (کافر) لوگ تم کواُس سے بھکادیں تا کہ تم اُس کے سوااور

=ایت میں صراحتا ایمان کی نفی کی گئی ہے اور دوسری میں انکار آخرت مذکور ہے وہ بھی کفر ہی ہے۔اس تقابل سے معلوم ہوا کہ داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ اہل ایمان کو دیا جائے گا۔خواہ متقی ہوں یا گناہ گار،مومن اپنے اعمال نامہ کوخوشی کے ساتھ پڑھے گا بلکہ دوسروں کوبھی پڑھوائے گا،یہ خوشی ایمان کی اورعذاب ابدی سے نجات کی ہوگی ،گوبعض اعمال پرسزا بھی ہوگی۔اورقرآن کریم میں اعمال نامہ داہنے یابائیں ہاتھ میں دیے جانے کی کیفیت مذکورنہیں لیکن بعض احادیث میں'' تطایرا لکتب '' کالفظ آیاہے،(احمدعن عائشہؓ مرفوعا)اوربعض روایات حدیث میں ہے کہ سب اعمال نامہ عرش کے نیچے جمع ہوں گے۔پھرایک ہواچلے گی جوسب کواڑاکرلوگوں کے ہاتھ میں پہنچادے گی،کسی کے داہنے ہاتھ میں،کسی کے بائیں ہاتھ میں (اخرجه العقيلي عن انس مرفوعا)روح المعانی.

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ لفظ امام بمعنی مقتدیٰ اور پیشوا کے ہے نہ کہ بمعنی امّ،جیسا کہ علامہ زمخشری نے اعجوبات تفسیر میں نقل کیا ہے،ایک شخص نے کلام پاک کی آیت: يوم ندعوا كل اناس بامامهم ،کی تفسیر علم صرف کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کی،کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کواُن کی ماؤں کے ساتھ۔امام کالفظ جومفردتھااس کو،امّ،کی جمع سمجھ گیا۔اگروہ علم صرف سے واقف ہوتاتو معلوم ہوجاتا کہ امّ کی جمع امام نہیں آتی۔اور یہ جومشہور ہے کہ ماؤں کے ناموں کے ساتھ پکاراجائے گا،اس لئے کہ عیسی علیہ السلام کاخیال رکھاجائے گا۔توجواب یہ ہے کہ پھرآدم علیہ السلام کاکیا ہوگا؟ جبکہ یہ قول بہت احادیث سے بھی مخالف ہے۔سب سے واضح حدیث وہ ہے جوکہ ابوداؤد،رقم:۴۹۴۸ ،وابن حبان ،رقم:۵۷۸۸، وابن قیم فی تحفۃ المودود:۸۱،نے ابوالدرداءؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:انكم تدعون يوم القيامة باسماء كم ،واسماء اباء كم ،فاحسنوا اسماء كم۔

یعنی تم قیامت میں بلائے جاؤ گے اپنے ناموں،اوراپنے باپ،دادوں کے ناموں سے،تواچھے نام رکھاکرو۔

عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ

باتیں ہماری نسبت بنالو اور اس وقت وہ تمہیں دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رہنے دیتے تو تم کسی قدر ان کی

تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿۷۴﴾ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ

طرف مائل ہونے ہی لگے تھے۔ اس وقت ہم تمہیں زندگی میں بھی (عذاب کا) دُوگنا اور مرنے پر بھی دُوگنا

وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿۷۵﴾

عذاب چکھاتے پھر تم ہمارے مقابلے میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے

وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا

اور قریب تھا کہ یہ لوگ تمہیں زمین (مکہ) سے پھسلا دیں تاکہ تمہیں وہاں سے جلا وطن کر دیں اور اس وقت

لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا

تمہارے پیچھے یہ بھی نہ رہتے مگر کم۔ جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے اُن کا (اور ان کے بارے میں ہمارا یہی)

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿۷۷﴾ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ

طریق رہا ہے اور تم ہمارے طریق میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے [6] [اے نبی ﷺ] سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے

---

[6] یہاں شیخ امیر علی ملیح آبادیؒ نے تفسیر مواہب الرحمٰن میں عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ نقل کیا ہے، کہ ابوالنصر موسیٰ نے اپنے والد سید عبدالقادر جیلانیؒ سے روایت کی کہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے پچیس سال تک صحرائے عراق میں سفر کیا اور کسی مقام پر مسکن نہیں بنایا ہر روز اس دنیائے فانی کے مقامات میں جہاں وقت آیا سویا اور جہاں جگہ پائی رہا، اور حق تعالیٰ کے روزی پر شکر کیا اتفاق سے ایک دفعہ ایک مقام پر سفر واقع ہوا کہ دو روز تک کچھ میسر نہ آیا اور تیسرے روز رات میں مجھے بے تابی ہوئی، آخر میں ایک کھیت پر پہنچا مگر وہاں کوئی آدمی نہ تھا، جس سے اجازت لے کر حلال رزق حاصل کیا جاوے ناگاہ ایک آواز نہایت خوشگوار، کہ میں نے کبھی نہیں سنی تھی، میری کان میں آئی کہ، اے عبدالقادر! قدر ضرورت اس رزق میں سے

لے لے کہ ہم نے تیرے واسطے حلال کر دیا، میں اس آواز کے شوق میں اس جانب متوجہ ہوا اور دیکھا تو ناگاہ وہ صحرا ایک نور سے منور ہو گیا کہ اس کے مثل میں نے نہیں دیکھا، اور اس میں سے ایک تمثال عجیب جس سے غش آجاوے ظاہر ہو کر خطاب کیا کہ میں ہوں تیرا رب اور تیری سعی اس راہ میں مقبول ہے تو اپنی جان کو زیادہ ہلاکت میں مت ڈال، کہ ہم نے اس میں سے تجھے مباح کیا، شیخ کہتے ہیں کہ میں نے تأمل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ،**ولاتجد لسنتناتحویلاً** یعنی تو ہمارے طریقہ مقررہ کے واسطے تغیر نہیں پاوے گا اور ظاہر ہے کہ شریعت الٰہی تا قیامت یکساں ہے اس میں تغیر نہیں ہوگا تو میرے واسطے اس حلت واباحت کے کیا معنی ہیں پس میں نے ضرور گمان کیا کہ یہ فتنہ شیطان ہے، پس میں نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی **اعوذ باللہ العلی العظیم من الشیطان الرجیم ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العزیز الحکیم**: اتنے میں وہ نور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور آواز غم ناک آئی کہ افسوس اے عبدالقادر! تو اپنے علم سے بچ گیا ورنہ میں نے بہت سے اس مقام تک طے کرنے والوں کو یہاں سے واپس کر دیا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اور جواب دیا کہ اے شیطان! مجھ کو اللہ تعالیٰ تجھ سے بچاوے پھر تو اپنی تلبیس سے باز نہیں آیا، تو نے مجھے مغرور کیا کہ میں اپنے علم سے بچا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جو علم مجھے دیا تھا اُس کی مجھے ہدایت دی اور اپنے لطف عام سے مجھے بچا دیا (بحوالہ شذرات الذہب:۴/۲۰۰)۔

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد شیخ امیر علی صاحب لکھتے ہیں کہ یہاں سے ظاہر ہوا کہ شریعت الٰہیہ میں کسی شخص خاص کے واسطے کوئی تحویل نہیں ہوتی ہے، بعض فقیری لباس والے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ جو شخص درجہ فقر میں کامل ہوا اُس سے نماز، روزہ وغیرہ ظاہری عبادات ساقط ہو جاتے ہیں اُس پر فرض نہیں رہتے، باطل ہے، اور جو اعتقاد کرے گمراہ ہے۔ اسی طرح شراب وغیرہ کا اُس کے حق میں مباح جاننا اس خیال سے کہ وہ شراب نہیں پیتا، نہیں معلوم کیا چیز ہے اور ہم نے ایک مرتبہ دودھ دیکھا تھا، یہ سب گمراہی وفتنہ شیطان ہے کیونکہ اس کے معتقد لوگ دنیاوی منفعتوں کی لالچ سے اُس کے پاس جاتے اور نفع اٹھا کر دین میں اُس کے معتقد اور گمراہ ہوتے ہیں اور خوف نہیں کرتے کہ شراب کو ایک نظر بندی کرنے والا اُن کی نظر میں دودھ دکھلا سکتا ہے پھر دودھ کو چھوڑ کر وہ شراب کیوں منگواتا ہے اور حکم شریعت کا جس طرح متعلق ہے اُس میں تحویل نہیں ہو سکتی ہے۔

شیخ مخدوم جہانیاںؒ نے لکھا کہ میں بحکم ''**سیروا فی الارض**'' سیر عبرت حاصل کرنے کو جاتے جاتے ساحل ملیبار پر اترا اور شہر میں جا کر میں نے مرد صالح دریافت کیا، لوگوں نے مجھے ایک مکان کا پتہ دیا وہاں جا کر میں نے دیکھا تو

وہ شہر کے قاضی عبدالعزیزؒ نامی ہیں انہوں نے شرعی اخلاق سے مجھے مہمان کیا، رات کو میں نے اُن سے دریافت کیا کہ یہاں کوئی شخص اہل اللہ میں سے ہے؟ اُنہوں نے مجھ سے انکار کیا میں نے کہا کہ کوئی درویش ہیں آخر اُنہوں نے کراہت کے ساتھ کہا کہ مرد خدا یہاں باہر شہر کے ایک شخص شریعت سے بے باک مدعی ہے اس کے اس شہر والے معتقد ہیں میں نے دل میں گمان کیا کہ قاضی شرع ہونے سے شائد اس کی بے شرع پابندی سے ناخوش ہیں صبح کو میں نے بعد نماز کے پھر قاضی صاحب سے اس کا پتہ پوچھا انہوں نے بہت کراہت سے بیان کیا اس جانب شہر کے ہے اور راستہ میں بہت لوگ آتے جاتے ہونگے اگر جانا منظور ہے تو کوئی دقت نہیں ہے باوجود کراہت قاضی صاحب کے روانہ ہوا راستہ میں تانتا لگا تھا بلاتکلف میں شہر سے باہر لوگوں کے میل میں چلا گیا یہاں تک کہ اس ٹیلہ پر پہنچا جس پر وہ درویش رہتے تھے دیکھا کہ تمام ٹیلہ آدمیوں کی کثرت سے بھرا ہوا ہے اور سر ہی سر معلوم ہوتے ہیں میں متحیر ہوا کہ وہ کون ہیں؟ کہ فوراً ایک درویش نے آواز دی، کہ آؤ فلانے مبارک ہو، ادھر آؤ میں قریب گیا اور تعجب کیا کہ انہوں نے میرا نام کیونکر جانا اور گمان کیا کہ کامل بزرگ ہیں قاضی صاحب کا خیال ان کی نسبت بدگمانی ہے جب پاس گیا تو انہوں نے خاطر سے بٹھلایا اور لوگ اپنی اپنی مرادوں کے واسطے ہجوم کرتے اور پان چوستے جاتے تھے، اتنے میں انہوں نے بوتل اُٹھا کر ایک کوزہ بھر کر پیا اور دوسرا کوزہ مجھے تواضع کیا میں نے اس کو دیکھا تو وہ شراب تھی میں نے انکار کیا، تھوڑی دیر بعد میں چلا آیا، پھر دوسرے روز گیا اور اسی طرح بیٹھا دوسرے روز انہوں نے شراب کے بارہ میں اصرار کیا اور کہا کہ تو کچھ وہم مت کر، اگر راہ چاہتا ہے تو یہ ہے، میں کچھ حیران ہوا اور متردد ہو کر آخر میں نے یہ مضبوط سمجھا کہ شریعت میں حرام ہے تو ظہور خیر اور انوار اس راہ سے نہیں ہوسکتا ہے میں نے انکار کیا وہ بزرگ کسی قدر ناخوش ہوئے پھر میں رخصت ہو کر چلا آیا، رات میں سویا تو میں نے خواب میں ایک باغ نہایت نفیس دیکھا کہ اُس کے مثل نظر سے نہیں گذرا اور نہ میرے گمان میں آتا تھا میں نے اسے دیکھا اور اس کی تازہ گی وخوشبو سے بے اختیار اس کی طرف چلا کہ اُسمیں داخل ہوں جب دروازہ پر پہنچا تو عین دروازہ پر وہی فقیر دیکھا کہ ہاتھ میں سونٹا لیے ہوئے روکتا ہے اور وہی پیالہ بھرا شراب سے اس کے ہاتھ میں ہے مجھ سے کہا کہ اگر اس کو پیو، تو اندر جانے پاؤ گے ورنہ اجازت نہیں ہے میں نے انکار کیا تو اُس نے مجھے اجازت نہ دی، یہ خواب دیکھ کر میں چونکا اور دیر تک متحیر رہا اور طرح طرح کے ترددات کے بعد پھر سو گیا اور وہی خواب دیکھا پھر چونکا تو مجھے زیادہ تحیر اور اضطراب ہوا اور تردد زیادہ ہو گیا پھر اُسی حال میں سویا تیسری مرتبہ بھی اسی طرح عجائب دیکھے پھر جو خواب سے اٹھا تو مجھے تذبذب ہوا کہ اس=

الـلَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝۷۸ وَمِنَ اللَّيْلِ

تک (ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی) نمازیں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت قرآن پڑھنا موجبِ حضور (ملائکہ) ہے

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ڰ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹

اور بعض حصہ شب میں بیدار ہوا کرو یہ تمہارے لئے زیادت ہے قریب ہے کہ اللہ تمہیں مقامِ محمود میں داخل کرے

= میں کوئی بھید ہے اور خیال آیا کہ یہ کوئی کامل درویش ہے اور شائد کہ اس کی ناخوشی سے مجھے ضرر پہنچے اور دل میں خیال کیا کہ صبح کو اس کا کہنا مان لینا چاہئے اور معاً شراب کے خیال سے مجھے تشویش پیدا ہوئی اور میں نے اٹھ کر تہجد کی نماز آخر وقت پڑھی، اور بعد نماز کے بہت عاجزی والحاح کے ساتھ جناب باری تعالیٰ میں گریہ وزاری کی کہ میں اس حال میں متردد و متحیر ہوں اور میرے خیال میں یہی آیا ہے، الٰہی تیری ہدایت کا امیدوار ہوں اگر تو مجھے ہدیت نہ دے تو میری گمراہی ہے، الٰہی جو بہتر ہو مجھے اسی کی ہدایت ہو، اس گریہ وزاری میں آنکھ لگ گئی دیکھتا ہوں کہ ایک محفل میں لوگ آتے جاتے ہیں میں بھی حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ مجلس سرور عالم ﷺ ہے اور کثرت نور سے آنکھیں نہیں ٹھرتی ہیں اور اصحابؓ بھی موجود ہیں، میں بھی پایان مجلس میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا تو میں نے ادب سے سلام کیا اور عرض کیا کہ میری ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں شراب حرام ہے آپؐ نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب سب پر حرام فرمائی ہے میں نے عرض کیا کہ ایک فقیر مجھ سے اصرار کرتا ہے آپؐ نے فرمایا کہ وہ یہی ہے میں نے دیکھا تو دور ایک طرف وہی فقیر کھڑا ہے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ یہی ہے آپ نے عصائے مبارک پھینک کر مارا وہ گرا اور لوٹ کر سور ہو کر ایک طرف کو بھاگا۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ جا اب تو اس کو نہ پاویگا اور جان لے کہ شراب حرام ہے۔ اتنے میں میری آنکھ کھلی تو فجر کا وقت شروع تھا میں نے جلدی نماز پڑھی اور میری ساری ہمت اُس طرف تھی کہ میں جا کر اس فقیر کو دریافت کروں نماز کے بعد فوراً روانہ ہوا ہنوز تڑکا شروع تھا مگر بعض لوگ اس طرف سے پھرے آتے تھے اور کہتے تھے کہ افسوس ہماری شامت اعمال سے آج شاہ صاحب نہیں معلوم کہاں چلے گیے۔ میں زیادہ تیز روانہ ہوا جا کر ٹیلہ پر چڑھا تو حقیقت میں وہاں کوئی نہ تھا پھر میں نے اللہ تعالیٰ کہ حمد وثناء کی اور قاضی عبدالعزیزؒ سے وہ قصہ بیان کیا انہوں نے کہا کہ میں آپ کو پہلے ہی منع کرتا تھا، والحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

وَقُل رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ

اور کہو کہ اے اللہ! مجھے اچھی طرح داخل کرنا اور اچھی طرح نکالنا

وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ﴿٨٠﴾ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ

اور اپنے ہاں سے زور و قوت کو میرا مددگار بنانا[7] اور کہہ دو کہ حق آ گیا

---

[7] سابقہ آیات میں اعداء اسلام کی مخالفت اور نبی کریم ﷺ کو مختلف قسم کی تکلیفوں میں مبتلا کرنے کی تدبیریں اوراس کا جواب مذکور تھا اس کے بعد آیات صدر میں رسول اللہ ﷺ کو اقامت صلاۃ کا حکم دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دشمنوں کے مکرو کید اور ایذاؤں سے بچنے کا بہترین علاج نماز کی اقامت ہے جیسا کہ سورۂ حجر کی ایت میں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾

یعنی ہم جانتے ہیں کہ کفار کے دل آزار اقوال سے آپ ؐ کا دل تنگ ہوتا ہیں تو آپ ؐ اللہ تعالی کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔(قرطبی)۔

اس ایت میں دشمنوں کی ایذاؤں کا علاج اللہ کے ذکر حمد و تسبیح اور نماز میں مشغول ہو جانے کو قرار دیا ہے ذکر اللہ اور نماز بالخاصہ ان سے بچنے کا علاج ہے اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ دشمنوں کی ایذاؤں سے بچنا اللہ تعالی کی مدد پر موقوف ہے اور اللہ کی مدد حاصل کرنے کا سب سے افضل ذریعہ نماز ہے جیسا کہ قران کریم کا ارشاد ہے: ''واستعینوا بالصبر والصلاۃ'' (البقرۃ: ۴۵) یعنی مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعہ۔

جمہور ائمہ تفسیر نے اس ایت کو پانچوں نمازوں کے لئے جامع حکم قرار دیا ہے کیونکہ ''دلوک'' کا لفظ اگرچہ اصل میں میلان کے معنی میں اتا ہے اور میلان افتاب زوال کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور غروب کو بھی کہہ سکتے ہیں لیکن جمہور صحابہ و تابعین نے اس جگہ لفظ دلوک کے معنی زوال افتاب ہی کے لئے ہیں (قرطبی، مظہری، ابن کثیر)۔

الی غسق اللیل: لفظ ''غسق'' کے معنی رات کی تاریکی مکمل ہو جانے کے ہیں امام مالک ؒ نے ابن عباس ؓ سے

''غسق'' کی یہی تفسیر نقل فرمائی ہے۔

اس طرح ''دلوک الشمس الی غسق اللیل'' میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اوران میں سے دونمازوں کا ابتدائی وقت بھی بتلایا دیا گیا، کہ ظہر کا وقت زوال افتاب سے شروع ہوتا ہے اور عشاء کا وقت غسق لیل سے یعنی جس وقت رات کی تاریکی مکمل ہوجائیں، اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے وقت عشاء کی ابتداء اس وقت سے قرار دی ہے جبکہ شفق احمر کے بعد شفق ابیض بھی غروب ہوجائے یہ سب جانتے ہیں کہ غروب افتاب کے متصل افق مغرب پر ایک سرخی نمودار ہوتی ہے۔ اوراس سرخی کے بعد ایک قسم کی سفیدی افق پر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے پھر وہ سفیدی بھی غروب ہوجاتی ہے یہ ظاہر ہے کہ رات کی تاریکی مکمل اسی وقت ہوگی جبکہ افق کی سفیدی بھی ختم ہوجائے اس لئے اس لفظ میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ دوسرے ائمہ نے شفق احمر کے غروب ہونے پر وقت عشاء کی ابتداء قرار دی ہے اور اسی کو غسق لیل کی تفسیر قرار دیا ہے۔

''وقرآن الفجر' اس جگہ لفظ قران بولکر نماز مراد لی گئی ہے کیونکہ قران نماز کا جزء اہم ہے اکثر ائمہ تفسیر ابن کثیر، قرطبی وغیرہ نے یہی معنی لکھے ہیں اس لئے مطلب ایت کا یہ ہوگیا کہ '' دلوک الشمس الی غسق اللیل'' کے الفاظ میں چار نمازوں کا بیان تھا یہ پانچویں نماز فجر کا بیان ہے اس کو الگ کر کے بیان کرنے میں اس نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

''کان مشھودا'' یہ لفظ شہادت سے مشتق ہے جس کے معنی ہے حاضر ہونا، اس وقت میں حسب تصریح احادیث صحیحہ دن اور رات کے دونوں فرشتوں کی جماعتیں حاضر نماز ہوتی ہے اس لئے اس کو مشہود کہا گیا ہے۔ اس ایت میں پانچ نمازوں کا حکم اجمال کے ساتھ آیا ہے جس کی مکمل تفسیر وتشریح نبی کریم ﷺ نے اپنے قول وفعل سے بتلائی ہیں اور جب تک اس تشریح پر عمل نہ کیا جائے کوئی شخص نماز ادا نہیں کرسکتا۔ معلوم نہیں کہ جو لوگ قران کو بغیر حدیث اور بیان رسول کے سمجھنے کا دعوی کرتے ہیں وہ نماز کیسے پڑھتے ہیں اسی طرح اس آیت میں نماز کے اندر قرأت قرآن کا ذکر بھی اجمالا آیا ہے اس کی تفصیل رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل سے یہ ثابت ہوئی کہ نماز فجر میں قرأت طویل کی جائے بقدر استطاعت اور ظہر وجمعہ میں اس سے کم اور عصر وعشاء میں متوسط اور مغرب میں مختصر، مغرب میں طول قرأت اور فجر میں اختصار جو بعض روایات میں آیا ہے وہ عملاً متروک ہے، امام قرطبی نے صحیح مسلم کی روایت جس میں مغرب کی نماز میں، سورۂ اعراف اور مرسلات وغیرہ طویل سورتوں کا پڑھنا یا صبح کی نماز میں صرف معوذتین پر اکتفاء کرنا منقول ہے اس کو نقل کر کے

فرمایا ہے، فمتروک بالعمل ولانکارہ علیٰ معاذ،التطویل وبأمرہ الائمۃ بالتخفیف ،یعنی یہ اتفاقی واقعات مغرب میں طول قرأت اور فجر میں اختصار کے نبی ﷺ کے دائمی عمل سے نیز زبانی ارشادات کی وجہ سے متروک ہیں (قرطبی)۔لیکن اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ بعض اوقات پر محمول ہے۔

''ومن اللیل فتھجد بہ'' لفظ تہجد ہجود سے مشتق ہے اور یہ لفظ دو متضاد معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کے معنی سونے کے بھی آتے ہیں اور جاگنے کے بھی،اس جگہ ''ومن اللیل فتھجد بہ'' کے معنی یہ ہیں کہ رات کے کچھ حصہ میں قرآن کے ساتھ بیدار رہا کرو کیونکہ 'بہ' کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے (مظہری) قرآن کے ساتھ بیدار رہنے کا مطلب نماز ادا کرنا ہے اسی رات کی نماز کو اصطلاح شرع میں نماز تہجد کہا جاتا ہے اور عموماً اس کا یہ مفہوم لیا گیا ہے کہ کچھ دیر سو کر اٹھنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے وہ نماز تہجد ہے،لیکن تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت کا مفہوم اتنا ہے کہ رات کے کچھ حصے میں نماز کے لئے سونے کو ترک کر دو اور یہ مفہوم جس طرح کچھ دیر سونے کے بعد جاگ کر نماز پڑھنے پر صادق آتا ہے اسی طرح شروع ہی میں نماز کے لئے نیند کو مؤخر کر کے نماز پڑھنے پر بھی صادق ہے اس لئے نماز تہجد کے لئے پہلے سونے کی شرط قرآن کا مدلول نہیں پھر بعض روایات حدیث سے بھی تہجد کے اسی عام معنی پر استدلال کیا ہے،

امام ابن کثیرؒ نے حسن بصریؒ سے نماز تہجد کی جو تعریف کی ہے وہ بھی اسی عموم پر شاہد ہے اس کے الفاظ یہ ہیں ''قال الحسن البصریؒ ھو ماکان بعدالعشآء ویحمل علیٰ ماکان بعدالنوم'' حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ نماز تہجد ہر اس نماز پر صادق ہے جو عشاء کے بعد پڑھی جائے البتہ تعامل کی وجہ سے اس کو کچھ نیند کے بعد پر محمول کیا جائے گا،اس کا حاصل یہ ہے کہ نماز تہجد کے اصل مفہوم میں بعد النوم ہونا شرط نہیں،اور الفاظ قرآن میں بھی یہ شرط موجود نہیں لیکن عموماً تعامل رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا یہی رہا ہے کہ نماز آخر رات میں بیدار ہو کر پڑھتے تھے اس لئے افضل صورت یہی ہوگی۔

''نافلۃً لک'' لفظ نفل اور نافلہ کے لغوی معنی زائد کے ہیں اسی لئے اس نماز اور صدقہ،خیرات وغیرہ کو نفل کہتے ہیں جو شرعاً واجب اور ضروری نہ ہو جس کے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کسی قسم کی برائی،اس آیت میں نماز تہجد کے ساتھ ''نافلۃً لک'' کے الفاظ سے ظاہراً یہ سمجھا جاتا ہے کہ نماز تہجد خصوصیت کے ساتھ نبی ﷺ کے لئے نفل ہے حالانکہ اس کے نفل ہونے میں نبی ﷺ اور پوری امت سب ہی شریک ہیں اسی لئے بعض مفسرینؒ نے اس جگہ نافلہ کو فریضہ کی صفت قرار دے کر معنی یہ قرار دئے ہیں کہ عام امت پر تو صرف پانچ وقت کی نماز فرض ہے مگر رسول

اللہ ﷺ پر تہجد بھی ایک زائد فرض ہے تو یہاں لفظ ''نافلۃ'' بمعنی فرض زائد کے ہے نفل کے عام معنی میں نہیں۔ اور تحقیق صحیح اس معاملہ کی یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں جب سورۂ مزمل نازل ہوئی تو اس وقت پانچ نمازیں تو فرض ہوئی نہ تھیں صرف تہجد کی نماز سب پر فرض تھی اسی فرض کا ذکر سورۂ مزمل میں ہے پھر شب معراج میں پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں تو تہجد کی فرضیت عام امت سے تو باتفاق منسوخ ہوگئی اور اس میں اختلاف رہا کہ نبی ﷺ سے بھی اس کی فرضیت منسوخ ہوئی یا یہ خصوصی طور پر آپؐ کے ذمہ فرض رہا اور اس آیت میں ''نافلۃ لک'' کے یہی معنی ہیں کہ تہجد آپؐ کے ذمہ ایک زائد فرض ہے مگر تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہ کئی وجوہ سے صحیح نہیں، اول یہ کہ فرض کو نفل سے تعبیر کرنے کی کوئی وجہ نہیں اگر کہا جائے کہ مجاز ہے تو یہ ایک ایسا مجاز ہوگا جس کی کوئی حقیقت نہیں، دوسرے احادیث صحیحہ میں صرف پانچ نمازوں کی تعیین کے ساتھ فرض ہونے کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں اس کے آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ شب معراج میں جو اول پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں پھر تخفیف کر کے پانچ کر دی گئیں تو اگرچہ عدد گھٹا دیا گیا مگر ثواب پچاس ہی کا ملے گا اور پھر فرمایا ''لایبدل القول لدیّ'' یعنی میرا قول بدلا نہیں کرتا جب پچاس کا حکم دیا تھا تو ثواب پچاس ہی کا دیا جائے گا اگرچہ عمل میں کمی کر دی گئی۔

ان روایات کا حاصل یہی ہے کہ عام امت اور خود رسول اللہ ﷺ پر پانچ نمازوں کے سوا کوئی اور نماز فرض نہیں ہے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ 'نافلۃ' کا لفظ اگر اس جگہ فریضہ زائد کے معنی میں ہوتا تو اس کے بعد لفظ 'لک' کے بجائے 'علیک' ہونا چاہیئے تھا جو وجوب پر دلالت کرتا ہے لفظ 'لک' تو صرف جواز اور اجازت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اسی طرح تفسیر مظہری میں صحیح اسی کو قرار دیا ہے کہ جب تہجد کی فرضیت امت سے منسوخ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے بھی منسوخ ہوگئی اور سب کے لئے نفل رہ گیا مگر اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس میں نبی ﷺ کی خصوصیت کیا ہے نفل ہونا تو سب ہی کے لئے ثابت ہے پھر '' نافلۃ لک' فرمانے کا کیا حاصل ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ حسب تصریح احادیث تمام امت کی نوافل اور تمام نفلی عبادات ان کے گناہوں کا کفارہ اور فرض نمازوں میں جو کوتاہی، کمی رہ جائے اس کی تکمیل کا کام دیتی ہیں، مگر رسول اللہ ﷺ گناہوں سے بھی معصوم ہیں اور نماز کے آداب میں کوتاہی سے بھی، اس لئے آپ کے حق میں نفلی عبادات بالکل زائد ہی ہے جو کسی کوتاہی کا تدارک نہیں بلکہ محض زیادت تقرب کا ذریعہ ہے (قرطبی، مظہری)۔

سنت مؤکدہ کے لئے فقہاء کا جو عام ضابطہ ہے کہ جس کام پر رسول اللہ ﷺ نے عملاً مداومت فرمائی ہو اور بلا مجبوری کے نہ چھوڑا ہو وہ سنت مؤکدہ ہے بجز اس کے کہ کسی دلیل شرعی سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کام نبی ﷺ کے لئے

مخصوص تھا عام امت کے لئے نہیں تھا اس ضابطہ کا تقاضا بظاہر یہی ہے کہ نماز تہجد بھی سب کے لئے سنت مؤکدہ قرار پائے نہ کہ نفل کیونکہ اس نماز پر صرف رسول اللہ ﷺ کی مداومت سنت متواترہ سے ثابت ہے اور خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں اس لئے عام امت کے لئے بھی سنت مؤکدہ ہونا چاہیئے تفسیر مظہری میں اسی کو مختار اور راجح قرار دیا ہے اور اس کے مؤکد ہونے پر ابن مسعودؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں نبی ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جو پہلے تہجد پڑھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا یہ ارشاد فرمایا ''اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے'' اس طرح کی وعید اور تنبیہ صرف نفل میں نہیں ہوسکتی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔

اور جن لوگوں نے تہجد کو صرف نفل قرار دیا ہے وہ اس مواظبت اور مداومت کو نبی ﷺ کی خصوصیت قرار دیتے ہیں اور تہجد پڑھنے والے کے ترک تہجد پر جو زجر کے الفاظ ارشاد فرمائے وہ دراصل مطلقاً ترک پر نہیں بلکہ اول عادت ڈالنے کے بعد ترک کرنے پر ہیں، کیونکہ آدمی جس نفل کی عادت ڈال لے باتفاق امت اس کو چاہیئے کہ اس پر مداومت کرے اگر عادت ڈالنے کے بعد چھوڑے گا تو قابل ملامت ہوگا کیونکہ عادت کے بعد بلا عذر ترک ایک قسم کے اعراض کی علامت ہے اور جو شروع سے عادی نہ ہو تو اس پر کوئی ملامت نہیں، واللہ اعلم۔

صحیح بخاری و مسلم میں عائشہ صدیقہؓ کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان یا غیر رمضان میں کبھی گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے، ان گیارہ رکعات میں حنفیہ کے نزدیک تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں باقی آٹھ تہجد کی ۔اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں عائشہؓ کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر بھی شامل ہیں اور دو رکعتیں سنت فجر کی بھی (مظہری) سنت فجر کو رات کی نماز میں بوجہ رمضان کے شمار کر لیا ہے۔ان روایات سے معلوم ہوا کہ عادت رسول اللہ ﷺ کی یہ تھی کہ تہجد کی نماز میں آٹھ رکعات ادا فرماتے تھے۔لیکن عائشہؓ ہی کی ایک روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی کبھی اس تعداد سے کم چار یا چھ رکعات پر بھی اکتفاء فرمایا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں آپ سے یہ منقول ہے کہ مسروقؒ نے عائشہؓ سے تہجد کی نماز کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ سات، نو، اور گیارہ رکعات ہوتی تھیں علاوہ سنت فجر کے۔

جو عام روایات حدیث ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ابتداء میں دو رکعت ہلکی مختصر قرأت کے ساتھ پھر باقی رکعات میں قرأت بھی طویل اور رکوع سجدہ بھی طویل ہوتا اور یہ طول بسا اوقات بہت زیادہ ہو جاتا تھا کبھی کچھ کم (راقم الحروف نے کتاب التراویح میں اس کے متعلق مختصر تحقیق کیا ہے)۔قرآن کریم نے اس نماز کا ذکر مختلف آیات =

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ

اور باطل نابود ہو گیا بیشک باطل نابود ہونے والا ہے ۔اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں

مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾

جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ

اور جب ہم انسان کو نعمت بخشتے ہیں تو رُوگردانی کرتا ہے اور پہلو پھیر لیتا ہے اور جب اُسے سختی پہنچتی ہے

يَئُوسًا ﴿٨٣﴾ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ

تو ناامید ہو جاتا ہے ۔ کہہ دو کہ ہر شخص اپنے طریق کے مطابق عمل کرتا ہے سو تمہارا رب اُس شخص سے خوب واقف ہے

=میں کیا ہے،مثلاً العمران:۱۷،۱۱۳،طٰہ:۱۳۰،فرقان:۶۴، الم سجدہ۱۶،زمر:۹:ق :۴۰،ذاریات:۱۷،۱۸،الطور:۴۹، مزمل:اول سے اخر تک،۲۰،الدھر:۲۶۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز تہجد فرض نماز کے بعد عنداللہ محبوب ترین نماز ہے جیسا کہ حدیث ابی ہریرہؓ میں ہے کہ:سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ”افضل الصلاۃ بعد المفروضۃ صلاۃ فی جوف اللیل[مسنداحمد: ۲/ ۳۴۲] ابو ہریرہؓ سے روایت ہے،کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے،فرضوں کے بعد افضل نماز درمیان رات کی نماز ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے اس آیت میں مقام محمود کا وعدہ کیا گیا ہے اور یہ مقام تمام انبیآء علیہم السلام میں سے صرف نبی ﷺ کے لئے مخصوص ہے اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں مگر صحیح وہ ہے جو احادیث صحیحہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے یہ مقام شفاعت کبریٰ کا ہے کہ میدان حشر میں جس وقت تمام بنی آدم جمع ہوں گے اور ہر نبی سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو تمام انبیآء علیہم السلام عذر کر دیں گے صرف رسول اللہ ﷺ کو یہ شرف عطا ہوگا کہ تمام بنی آدم کی شفاعت کر دیں گے،مزید تفصیل کے لئے ابن کثیر اور تفسیر مظہری ملاحظہ کیجئے۔

بِمَنْ هُوَ أَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ

جو سب سے زیادہ سیدھے رستے پر ہے ۔اور تم سے رُوح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دو

الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ أُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

کہ وہ میرے رب کی ایک مخلوق ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے[8]

---

[8] اسی آیت میں کفار کے طرف سے روح کے متعلق ایک سوال اورحق تعالی کی طرف سے اس کا جواب مذکور ہے لفظ روح ،لغات ومحاورات میں نیز قرآن کریم میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے معروف ومشہور معنی تو وہی ہے جو عام طور پر اس لفظ سے سمجھے جاتے ہیں یعنی'' جان''جس سے حیات اور زندگی قائم ہے قرآن کریم میں یہ لفظ جبرئیل امین کے لئے بھی استعمال ہوا ہے''نزل به الروح الامين على قلبك '' (الشعراء:۱۹۳)اورعیسی علیہ السلام کے لئے بھی کئی ایات میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۂ نساء:۱۷۱، میں ہے اورخود قرآن کریم اوروحی کو بھی روح کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اوحینا الیک روحا من امرنا (الشوریٰ:۵۲) ۔اس لئے یہاں پہلی بات غور طلب یہ ہے کہ سوال کرنے والوں نے روح کا سوال کس معنی کے لحاظ سے کیا تھا ،بعض مفسرین نے سیاق وسباق کی رعایت سے یہ سوال وحی اورقرآن یا وحی لانے والے فرشتے جبرئیل کے متعلق قرار دیا ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی'' ننزل من القران'' میں قرآن کا ذکر تھا اور بعد کی آیات میں پھر قرآن ہی کا ذکر ہے اس کے مناسب اس کو سمجھا کہ اس سوال میں بھی روح سے مراد وحی وقرآن یا جبرئیل ہی ہیں اور مطلب سوال کا یہ ہوگا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے کون لاتا ہے قران کریم نے اس کے جواب میں اس پر اکتفا کیا کہ اللہ کے حکم سے وحی آتی ہے تفصیلات اور کیفیات جن کا سوال تھا وہ نہیں بتلائیں۔

لیکن احادیث صحیحہ مرفوعہ میں جو اس آیت کا شان نزول بتلایا گیا ہے وہ تقریبا اس میں صریح ہے کہ سوال کرنے والوں نے روح حیوانی کا سوال کیا تھا اور مقصد سوال کا روح کی حقیقت معلوم کرنا تھا کہ وہ کیا چیز ہے بدن انسانی میں کس طرح آتی جاتی ہے اور کس طرح اس سے حیوان اور انسان زندہ ہوجاتا ہے صحیح بخاری ومسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں ایک روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کے غیر آباد حصے میں چل رہا تھا رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں ایک چھڑی (کھجور کی شاخ) کی تھی آپ کا گذر چند یہودیوں پر ہوا یہ لوگ آپس میں کہنے لگے، کہ محمد ﷺ آرہے ہیں ان

سے روح کے متعلق سوال کرو، دوسروں نے منع کیا مگر سوال کرنے والوں نے سوال کر ہی ڈالا، یہ سوال سنکر رسول پاک ﷺ لکڑی پر ٹیک لگا کر خاموش کھڑے ہو گئے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپؐ پر وحی نازل ہونے والی ہے کچھ وقفہ کے بعد وحی نازل ہوئی تو آپؐ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی "ویسئلونک عن الروح" یہاں ظاہر ہے کہ قرآن یا وحی کو روح یہ قرآن کی ایک خاص اصطلاح تھی ان لوگوں کا سوال کو اس پر محمول کرنا بہت بعید ہے البتہ روح حیوانی وانسانی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کے سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے جمہور مفسرین ابن کثیر ابن جریر، قرطبی، بحر محیط، روح المعانی سبھی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ سوال روح حیوانی کی حقیقت سے تھا، رہا یہ معاملہ کہ سیاق وسباق میں ذکر قرآن کا چلا آیا ہے درمیان میں روح کا سوال جواب بے جوڑ ہے، تو اس کا جواب واضح ہے کہ اس سے پہلی آیات میں کفار ومشرکین کی مخالفت اور معاندانہ سوالات کا ذکر آیا ہے جن سے منظور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں امتحان کرنا تھا۔ یہ سوال بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس لئے بے جوڑ نہیں، خصوصاً شان نزول کے متعلق ایک دوسری حدیث صحیح منقول ہے اس میں یہ بات زیادہ وضاحت سے آگئی ہے کہ سوال کرنے والوں کا مطلب رسول پاک ﷺ کی رسالت کا امتحان لینا تھا۔ چنانچہ مسند احمد میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قریش مکہ جو جا وبے جا سوالات رسول اللہ ﷺ سے کرتے رہتے تھے ان کو خیال پیدا ہوا کہ یہود علم والے ہیں ان کو پچھلی کتابوں کا بھی علم ہے ان سے کچھ سوالات حاصل کئے جاویں جن کے ذریعہ رسول پاک ﷺ کا امتحان لیا جائے اس لئے قریش نے یہود سے دریافت کرنے کے لئے اپنے آدمی بھیجے انہوں نے کہا کہ تم نے ان سے روح کے متعلق سوال کرو۔ (ابن کثیر)۔

اور عبداللہ بن عباسؓ ہی سے بھی اس ایت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے سوال میں یہ بھی کہا تھا کہ آپؐ ہمیں یہ بتلائیں کہ روح پر عذاب کس طرح ہوتا ہے؟ اس وقت تک رسول پاک ﷺ پر اس بارے میں کوئی بات نازل نہ ہوئی تھی اسلئے اس وقت آپؐ نے فوری جواب نہیں دیا پھر جبرئیل امین یہ ایت لیکر نازل ہوئے "قل الروح من امر ربی" (ابن کثیر ملخصا)۔

اس سے پہلے یہاں ایک بات اور قابل نظر ہے کہ شان نزول کے متعلق جو دو حدیثیں ابن مسعودؓ، وابن عباسؓ کی اوپر نقل کی گئی ہیں ان میں سے ابن مسعودؓ کی روایت کے مطابق یہ واقعہ سوال مدینہ میں پیش آیا اور اسی لئے بعض مفسرین نے اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے اگرچہ اکثر حصہ سورۂ بنی اسرائیل کا مکی ہے اور ابن عباسؓ کی روایت کا تعلق مکہ مکرمہ کے واقعہ سے ہے اس کے مطابق یہ آیت بھی پوری سورت کی طرح مکی باقی رہتی ہے اسی لئے ابن کثیر نے اسی احتمال کو راجح

قرار دیا ہے اور ابن مسعودؓ کی روایت کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول مدینہ میں دوسری مرتبہ ہوا، ہو جیسا کہ بہت سی آیات قرآن کا نزول مکرر سب علماء کے نزدیک مسلّم ہے اور تفسیر مظہری نے ابن مسعود کی روایت کو راجح قرار دیکر واقعہ مدینہ کا اور آیت کو مدنی قرار دیا ہے جس کی دو وجہ بتلائیں، ایک یہ کہ یہ روایت صحیحین میں ہے اور سند اس کی روایت ابن عباسؓ سے زیادہ قوی ہے، دوسرے یہ کہ اس میں خود صاحب واقعہ ابن مسعودؓ اپنا واقعہ بیان کر رہے، بخلاف روایت ابن عباسؓ کے کہ اس میں ظاہر یہی ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ بات کسی سے سنی ہوگی۔

قران کریم نے یہ جواب دیا ہے: قل الروح من امر ربی اس جواب کی تشریح میں مفسرین کے کلمات اور تعبیرات مختلف ہیں، ان میں سب سے زیادہ اقرب اور واضح وہ ہے جو تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس جواب میں جتنی بات کا بتلانا ضروری تھا اور جو عام لوگوں کی سمجھ میں آنے کے قابل ہے صرف وہ بتلا دی گئی اور روح کی مکمل حقیقت جس کا سوال تھا اس کو اس لئے نہیں بتلایا کہ وہ عوام کی سمجھ سے باہر بھی تھی اور ان کی کوئی ضرورت اس کے سمجھنے پر موقوف بھی نہ تھی، یہاں رسول پاک ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ آپؐ ان کے جواب میں یہ فرما دیجئے، کہ روح میرے پرورد گار کے حکم سے ہے، یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں جو مادہ کے فطورات اور توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہیں، بلکہ وہ بلا واسطہ حق تعالی کے حکم "کن" سے پیدا ہونے والی چیز ہے، اس جواب نے یہ تو واضح کر دیا کہ روح کو مادیات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جس سے وہ تمام شبہات رفع ہو گئے جو روح کو عام مادیات پر قیاس کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور انسان کے لئے اتنا ہی علم روح کے متعلق کافی ہے اس سے زائد علم کے ساتھ اس کا کوئی دینی یا دنیوی کام اٹکا ہوا نہیں اس لئے وہ حصہ سوال فضول اور لایعنی قرار دیکر اس کا جواب نہیں دیا گیا خصوصا جبکہ اس کی حقیقت کا سمجھنا عوام کے لئے تو کیا بڑے بڑے حکماء و عقلاء کے لئے بھی اسان نہیں۔

جصاص نے اس جواب سے یہ مسئلہ نکالا، کہ مفتی اور عالم کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ سائل کے ہر سوال اور اس کی ہر شق کا جواب ضرور دے، بلکہ دینی مصالح پر نظر رکھ کر جواب دینا چاہئے جو جواب مخاطب کے فہم سے بالاتر ہو یا اس کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا خطرہ ہو، تو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے اسی طرح بے ضرورت یا لایعنی سوالات کا جواب بھی نہیں دینا چاہئے البتہ جس شخص کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اس کو کچھ عمل کرنا لازم ہے اور خود وہ عالم نہیں تو مفتی اور عالم کو اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے (جصاص) امام بخاری نے کتاب العلم میں اس مسئلے کیلئے ایک مستقل ترجمۃ الباب رکھ کر بتلایا ہے کہ جس سوال کے جواب سے مغالطہ میں پڑنے کا خطرہ ہو اسکا جواب نہیں دینا چاہئے۔

قرآن کریم نے اس سوال کا جواب مخاطب کی ضرورت اور فہم کے مطابق دیدیا حقیقت روح کو بیان نہیں فرمایا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کی حقیقت کو کوئی انسان سمجھ ہی نہیں سکتا، اور یہ کہ خود رسول کریم ﷺ کو بھی اس کی حقیقت معلوم نہیں تھی، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت نہ اس کی نفی کرتی ہے اور نہ اثبات اگر کسی نبی و رسول کو وحی کے ذریعہ یا کسی ولی کو کشف والہام کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو اس آیت کے خلاف نہیں بلکہ عقل وفلسفہ کی رو سے بھی اس پر کوئی بحث و تحقیق کی جائے تو اس کو فضول ولا یعنی تو کہا جائے گا مگر نا جائز نہیں کہا جاسکتا، اسی لئے بہت سے علما متقدمین ومتاخرین نے روح کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک مختصر سے رسالے میں اس مسئلے کو بہترین انداز سے لکھا ہے اور اس میں جس قدر حقیقت سمجھنا عام انسان کے لئے ممکن ہے وہ سمجھا دی ہے جس پر ایک تعلیم یافتہ انسان قناعت کرسکتا ہے اور شبہات واشکالات سے بچ سکتا ہے۔

امام بغویؒ نے اس جگہ عبداللہ بن عباسؓ سے ایک مفصل روایت اس طرح نقل فرمائی ہے کہ یہ ایت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جبکہ مکہ کے قریشی سرداروں نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ محمد ﷺ ہمارے اندر پیدا ہوئے اور جوان ہوئے ان کی امانت ودیانت اور سچائی میں کبھی کسی کو شبہ نہیں ہوا، اور کبھی ان کے متعلق جھوٹ بولنے کی تہمت بھی کسی نے نہیں لگائی اور اس کے باوجود اب جو دعوی نبوت کا وہ کر رہے ہیں ہماری سمجھ میں نہین آتا اس لئے ایسا کرو کہ اپنا ایک وفد مدینہ طیبہ کے علماء یہود کے پاس بھیج کر ان سے ان کے بارے میں تحقیقات کرو، چنانچہ قریش کا ایک وفد علماء یہود کے پاس مدینہ پہنچا علماء یہود نے ان کو مشورہ دیا کہ ہم تمہیں تین چیز بتلاتے ہیں تم ان سے ان تینوں کا سوال کرو اگر انہوں تینوں کا جواب دیدیا تو وہ نبی نہیں، اسی طرح تینوں میں سے کسی کا جواب نہ دیا تو بھی نبی نہیں اور اگر دو کا جواب دیا تیسری چیز کا جواب نہیں دیا تو سمجھو کہ وہ نبی ہیں، وہ تین سوال یہ بتلائے کہ ایک تو ان سے ان لوگوں کا حال پوچھو جو قدیم زمانے میں شرک سے بچنے کے لئے کسی غار میں چھپ گئے تھے کیونکہ ان کا واقعہ عجیب ہے دوسرے اس شخص کا حال پوچھو جس نے زمین کے مشرق ومغرب کا سفر طے کیا کہ اس کا کیا واقعہ ہے، تیسرے روح کے متعلق دریافت کرو۔

یہ وفد واپس آیا اور تینوں سوال رسول پاک ﷺ کے سامنے پیش کر دیئے، آپ نے فرمایا میں اس کا جواب تمہیں کل دونگا مگر اس پر انشاء اللہ نہیں کہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز تک وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، بارہ پندرہ سے لیکر چالیس دن تک کی مختلف روایات ہیں جن میں سلسلہ وحی بند رہا۔ قریش مکہ کو طعن وتشنیع کا موقع ملا، کہ کل جواب دینے کو کہا تھا آج اتنے دن ہو گئے جواب نہیں ملا۔ رسول کریم ﷺ کو بھی یہ پریشانی ہوئی پھر جبرئیل امین یہ آیت لیکر نازل ہوئے:" =

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ أَوْحَیْنَآ إِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیْنَا

اوراگر ہم چاہیں تو جو (کتاب) تمہاری طرف بھیجتے ہیں اُسے (دلوں سے) محو کردیں پھر تم اس کیلئے ہمارے مقابلے میں کسی

وَکِیْلًا ﴿۸۶﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ ؕ إِنَّ فَضْلَهٗ کَانَ عَلَیْکَ کَبِیْرًا ﴿۸۷﴾

کو مددگار نہ پاؤ [9]۔ مگر (اس کا قائم رہنا) تمہارے رب کی رحمت ہے، کچھ شک نہیں کہ تم پر اُس کا بڑا فضل ہے

=ولاتقولن لشایٔ انی فاعل ذلک غداالاان یشاء الله'' جس میں آپؑ کو یہ تلقین کی گئی کہ آئندہ کسی کام کرنے کا وعدہ کیا جائے تو انشاء اللہ کہہ کر کیا جائے اوراس کے بعدروح کے متعلق یہ آیت سنائی جواوپر مذکورہوئی اورغار میں چھپنے والوں کے متعلق اصحاب کہف کا واقعہ اورمشرق سے مغرب تک سفرکرنے والے ذوالقرنین کا واقعہ جوسورۂ کہف میں آنے والا ہے اس کی آیات نازل ہوئیں جن میں اصحاب کہف وذوالقرنین کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ جواب میں بیان فرمایا گیاہےاورروح کے متعلق جس حقیقت کا سوال تھااس کا جواب نہیں دیا گیا جس سے یہود کی بتلائی ہوئی علامت صدق نبوت کی ظاہر ہوگئی اس واقعہ کوترمذی نے مختصراً بیان کیا ہے۔(مظہری)۔

[9] یہاں قرطبی اورابن کثیر نے چنداحادیث قرآن کے اٹھ جانے کے متعلق نقل کیے ہیں۔

پہلی روایت حذیفہؓ سے نقل ہے جوکہ ابن ماجہ نے رقم:۴۰۴۹، کتاب الفتن باب ذہاب القرآن میں نقل کیا ہے کہ:قال قال رسول الله ﷺ یدرس الاسلام کمایدرس وشی الثوب. حتی لایدری ماصیام ولاصلاة ولانسک ولاصدقة ،ولیسری علی کتاب الله عزوجل فی لیلةفلایبقی فی الارض منه آیة وتبقی طوائف من الناس، الشیخ الکبیرو العجوزیقولون ادرکناابائناعلی هذه الکلمةلا اله الاالله فنحن نقولها،فقال لـه ،صلة ،ماتغنی عنهم .لااله الاالله وهم لایدرون ماصلاة ولاصیام ولانسک ولاصدقة؟فاعرض عنه حذیفة ثم ردهاعلیه ثلاثا. کل ذلک یعرض عنه حذیفة ثم اقبل علیه فی الثالثة فقال یاصلة تنجیهم من النارثلاثا۔

حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایااسلام پرانا ہوجاوے گا جیسے کپڑے کی بیل پرانی ہوجاتی ہے یہاں تک کہ کوئی (نام کے مسلمانوں میں سے) یہ نہ جانے گا کہ روزہ کیا ہے نماز کیا ہے قربانی کیا ہے صدقہ کیا=

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

کہہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں

لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔اور ہم نے قرآن میں سب باتیں طرح طرح سے انسان کے لئے بیان کردی ہیں

= ہے،اور اللہ کی کتاب ایک ہی رات میں اٹھائی جائے گی (یعنی اس کے حروف غائب ہوجاویں گے) تو زمین میں ایک آیت بھی قرآن کی باقی نہ رہے گی۔اور چند گروہ مسلمانوں کے رہ جاویں گے ان میں بوڑھے اور بوڑھیاں یہ کہیں گی کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو یہ کلمہ کہتے ہوئے پایا: لا الہ الا اللہ تو ہم بھی کہتے ہیں (باقی اور کوئی بات دین کی ان کو معلوم نہ ہوگی)۔صلہ بن زفر نے کہا (جو تابعی ہے اور حذیفہؓ سے راوی ہے) فقط لا الہ الا اللہ کہنے سے ان کو کیا فائدہ ہوگا،اور وہ نہیں جانتے ہوں گے،روزے اور نماز اور قربانی اور زکواۃ کو،تو حذیفہؓ نے تین بار ان کی طرف سے منہ پھرا،لیکن صلہ نے پھر پوچھا؟ پھر پوچھا تین بار؟،ہر بار حذیفہؓ جواب نہیں دیتے تھے،تیسری بار میں انہوں نے رُخ کیا صلہ کی طرف اور کہا اے صلہ یہ کلمہ ان کو دوزخ سے نجات دلوادے گا،تین بار اس کو کہا۔دوسری روایت عبداللہ بن مسعودؓ سے امام بیہقی نے شعب الایمان: ۳۹۸/۳،اور دارمی: ۸۳۴ باب فضائل القرآن،میں نقل کیا ہے کہ: قال اقرأ القرآن قبل ان يرفع فانه لاتقوم الساعة حتى يرفع قالوا اهذه المصاحف ترفع فكيف بمافي صدور الناس ؟قال يعدى عليه ليلافيرفع من صدوركم فيصبحون فيقولون لكأنا كنانعلم شيئاثم يقعون في الشعر ۔اس کے بعد دوسری سند سے امام بیہقی: ۳۹۹/۳،اور حاکم مستدرک: ۵۰۴/۴،میں نقل کرتا ہے کہ ان اول ماتفقدون من دينكم الامانة واخر مايبقى الصلوٰة ،وان هذا القرآن الذى بين اظهركم اوشك ان يرفع قالوا كيف وقداثبته الله في قلوبناواثبتناه في المصاحف قال يسرى عليه ليلافيذهب مافي قلوبكم ويرفع مافي المصاحف ثم قرأ عبدالله هذه الاية ،یعنی یہ قرآن عنقریب اٹھالیا جائے گا،پوچھا گیا کہ کیسے؟اور اس کو تو اللہ تعالی نے ہمارے دلوں میں محفوظ کردیا ہے اور ہم نے مصاحف میں لکھ لیا ہے،فرمایا کہ ایک رات میں ہوا آوے گی پس نہ چھوڑے گی وہ کوئی آیت دل میں اور نہ مصحف میں مگر اٹھالے جاوے گی پھر تم صبح کروگے اس حال میں کہ تمہارے پاس قرآن سے کچھ نہ ہوگا،پھر ابن مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی۔

لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ فَأَبٰٓی أَکْثَرُ النَّاسِ إِلَّا کُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

مگر اکثر لوگوں نے انکار کرنے کے سوا قبول نہ کیا

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ یَنْبُوْعًا ﴿۹۰﴾

اور کہنے لگے کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ (عجیب وغریب باتیں نہ دکھاؤ یعنی یا تو) ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کردو

أَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا ﴿۹۱﴾

یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ میں نہریں بہا نکالو

أَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا أَوْ تَأْتِیَ بِاللّٰهِ

یا جیسا تم کہا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ یا اللہ

وَالْمَلٰٓئِکَةِ قَبِیْلًا ﴿۹۲﴾ أَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقٰی

اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لے آؤ۔ یا تمہارا سونے کا گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ

فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ط

جاؤ اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک کہ کوئی کتاب نہ لاؤ جسے ہم پڑھ بھی لیں

قُلْ سُبْحٰنَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ

کہہ دو کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ان

أَنْ یُّؤْمِنُوْٓا إِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی إِلَّا أَنْ قَالُوْٓا أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟

قُلْ لَّوْ کَانَ فِی الْأَرْضِ مَلٰٓئِکَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ

کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلتے پھرتے (اور) آرام کرتے (یعنی بستے)

لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُولًا ﴿۹۵﴾

تو ہم اُن کے پاس فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے وہی اپنے بندوں سے خبردار (اور ان کو) دیکھنے والا ہے

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ

اور جس شخص کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جن کو گمراہ کرے تو تم اللہ کے سوا ان کے رفیق نہیں پاؤ گے،

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۚ مَأْوٰهُمْ

اور ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے منہ، اندھے، گونگے، اور بہرے (بنا کر) اٹھائیں گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوْا

جب (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو ہم اُن کو کیلئے اور بھڑکا دیں گے یہ اُن کی سزا ہے اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں سے کفر کرتے تھے

بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْآ أَءِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا أَءِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

اور کہتے تھے کہ جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ازسرِ نو پیدا کئے جائیں گے؟

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ

کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ! جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے (لوگ)

مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَأَبَى الظّٰلِمُوْنَ إِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

پیدا کر دے اور اُس نے ان کیلئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں تو ظالموں نے انکار کرنے کے سوا (اسے) قبول نہ کیا

قُلْ لَّوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْ إِذًا لَّأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۭ

کہہ دو کہ اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے (ان کو) بند کر رکھتے

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝١٠٠ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ آيٰتٍ بَيِّنٰتٍ فَاسْئَل

اور انسان دل کا بہت تنگ ہے ۔ اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں

بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ إِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّيْ لَأَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى

توبنی اسرائیل سے دریافت کرلو کہ جب وہ اُن کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ موسیٰ! میں خیال کرتا ہوں کہ تم پر

مَسْحُوْرًا ۝١٠١ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ أَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ إِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

جادو کیا گیا ہے ۔[10] انہوں نے کہا کہ تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا

---

[10] اس میں موسیٰ علیہ السلام کونوایات بینات عطافرمانے کا ذکر ہے''ایت'' کالفظ معجزے کے معنی میں بھی آتا ہے، اورآیات قرآن یعنی احکام الہیہ کے معنی میں بھی، اس جگہ دونوں معنی کا احتمال ہے اسی لئے ایک جماعت مفسرین نے اس جگہ ایات سے مراد معجزات لئے ہیں اورنو کے عدد سے یہ ضرورنہیں ہے کہ نو سے زائدنہوں مگراس جگہ نو کا ذکرکسی خاص اہمیت کی بناء پر کیا گیاہے۔

عبداللہ بن عباس نے یہ نومعجزات اس طرح شمار فرمائیں ہیں :(۱)۔عصیٰ موسیٰ، جواژدھابن جاتی تھی (۲)۔ یدبیضا، جس کوگریباں میں ڈالکر چمکنے لگتا تھا(۳)۔زبان میں لکنت تھی وہ دورکردی گئی (۴)۔بنی اسرائیل کے دریاپارکرنے کے لئے دریا کو پھاڑ کر گئے، دوحصے الگ کر دیئے اورراستہ دیدیا(۵)۔ٹڈی دل کاعذاب غیرمعمولی صورت میں بھیج دیا گیا(۶۔)طوفان بھیج دیا گیا(۷)۔بدن کے کپڑوں میں بیحد جوئیں پیدا کردی گئیں جن سے بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا(۸)۔مینڈکوں کاایک عذاب مسلط کردیا گیا، کہ ہرکھانے پینے کی چیز میں مینڈک آجاتے تھے(۹)۔خون کاعذاب بھیج دیا گیا کہ ہر برتن اورکھانے پینے میں خون مل جاتا تھا۔

اورایک صحیح حدیث کے مضمون سے یہ معلوم ہوتاہے کہ یہاں آیات سے مراداحکام الہیہ ہیں یہ حدیث ابوداوٗد نسائی، ترمذی ابن ماجہ میں بسند صحیح صفوان بن عسال سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ مجھے اس نبی کے پاس لے چلو، ساتھی نے کہا کہ نبی نہ کہواگران کوخبرہوئی کہ ہم بھی ان کو نبی کہتے ہیں توان کی

چار انکھیں ہوجاوینگی یعنی ان کو فخر ومسرت کا موقع ملجاوے گا پھر یہ دونوں رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اوردریافت کیا کہ موسٰی علیہ السلام کو جونو آیات بینات دیگئی تھیں وہ کیا ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ کسی کوشریک نہ کرو (۲) چوری نہ کرو (۳) زنانہ کرو (۴) جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو (۵) کسی بے گناہ پر جھوٹا الزام لگا کر قتل وسزا کے لئے پیش نہ کرو (۶) جادو نہ کرو (۷) سود نہ کھاؤ (۸) پاکدامن عورت پر بدکاری کا بہتان نہ باندھو (۹) میدان جہاد سے جان بچا کر نہ بھاگو۔ اوراے یہود خاص کرتمہارے لئے یہ بھی حکم ہے کہ یوم سبت (سنیچر) کے جوخاص احکام تمہیں دیئے گئے انکی خلاف ورزی نہ کرو۔

رسول کریم ﷺ سے یہ بات سنکر دونوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اورکہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کی نبی ہیں آپ نے فرمایا کہ پھر تمہیں میرا اتباع کرنے سے کیا چیز روکھتی ہے کہنے لگے کہ داود علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا کی تھی کہ ان کی ذریت میں ہمیشہ نبی ہوتے رہیں اور ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم آپ کا اتباع کرنے لگے تو یہود ہمیں قتل کردینگے چونکہ یہ تفسیر صحیح حدیث سے ثابت ہے اس لئے بہت سے مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ یہی معنی امام طحاوی کتاب مشکل الاثار: ۱/۵۵ میں اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد ذکر کرتے ہیں حدیث صفوانؓ سے نقل کیا ہے:

عن صفوانؓ قال قال یہودی لصاحبہ اذھب بنا الی ھذا النبی فقال لہ صاحبہ لاتقل نبی انہ لوسمعک کان لہ اربع اعین، فاتیا رسول اللہ ﷺ فسألاہ عن تسع ایات بینات، فقال لھما: لاتشرکوا باللہ شیئا ولاتسرقوا ولاتزنوا ولاتقتلوا النفس التی حرم اللہ الابالحق ولاتمشوا ببرئ الی ذی سلطان یقتلہ ولاتسحروا ولاتاکلوا الربا ولاتقذفوا محصنۃً ولاتولوا الفرار یوم الزحف وعلیکم خاصۃ الیھود، ان لاتعدوا فی السبت، قال فقبّلا یدیہ ورجلیہ وقالا نشھد انک نبی، قال فما یمنعکم ان تتبعونی قالا ان داود دعا ربہ ان لایزال من ذریتہ نبی وانا نخاف ان اتّبعناک ان تقتلنا یھود۔ ترمذی: ۳۱۴۴، نسائی فی الکبری رقم: ۸۶۵۶، ابن ماجہ: ۳۷۰۵۔

یعنی صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے کہا، ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے کہا، میرے ساتھ اس نبی کی طرف چل، اس کے دوست نے اسے کہا، اسے نبی نہ کہہ اگر اس نے سن لیا تو اس کی چار انکھیں ہوں گی، وہ دونوں رسول ﷺ کے پاس آئے، اور آپؐ سے نو احکام ظاہر پوچھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ

اور چوری نہ کرو، اور زنا نہ کرو، اور اس جان کو نہ مارو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، کسی بے گناہ کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ، کہ وہ اسے قتل کر دے، اور جادو نہ کرو، اور لڑائی کے دن بھاگنے کے لئے پیٹھ نہ پھیرو، اور تم پر اے یہود، خاص طور پر واجب ہے کہ ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرو، راوی نے کہا ان دونوں نے آپؐ کے ہاتھ اور پاؤں چوم لیے اور کہا ہم دونوں گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپؐ اللہ کے نبی ہیں، فرمایا تم کو میری پیروی کرنے سے کون سی چیز منع کرتی ہے؟ ان دونوں نے کہا داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ نبوت ہمیشہ اس کی اولاد میں رہے، اور تحقیق ہم ڈرتے ہیں اگر ہم نے آپ کی پیروی کی تو یہود ہم کو مار ڈالیں گے۔

آگے فرماتے ہیں: فكان في هذا الحديث ان التسع ايات التي اتاهاالله موسٰى هي التسع الايات المذكورات في هذا الحديث وانهاعبادات ،لانذارات ،ولاتخويفات ولاوعيدات ، پھر فرماتا ہے۔ فاماماذكرناانه قدروى عن ابن عباسؓ في تاويلهاوفي التسع الايات المذكورات فيهاهي اليد،و العصا،و الطوفان،و الجراد،و القمل،و الضفادع،و الدم،و السنين،ونقص من الثمرات ۔اس حدیث میں پھر تفصیلی بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

وكانت الايات المذكورات في حديث ابن عباسؓ وفي حديث من ذكرناه معه من التابعين انذارات وتخويفات ووعيدات وكانت الايات هي العلامات، كمافي سورة المومنون :۵۰ ، واسراء:۱۲ .فكانت تلك الايات حججاعلى الخلق، لانهم يعلمون انهالاتكون الامن عندالله تعالى وان المخلوقين عاجزون عنها ، پھر آگے فرماتا ہے: و الايات ايضافقدتكون عبادات ،ومن ذلك ماذكره الله تعالى في سورت مريم:۱۰ ،وآل عمران: ۴۱ . پھر بعد میں لکھتا ہے فكان تصحيح مافي حديث ابن عباسؓ ومافي حديث صفوان في ذلك انمافي حديث صفوان هوعلى الايات التي تعبدوابهاوكان مافي حديث ابن عباسؓ هو الايات التي اُوعدوابهاوخُوفوبهاواُنذروابهاان لم يعلموا ماتعبدوابه ماقدبينه لهم على لسان رسوله عليه السلام ،فصح ذلك مافي الحديثين جميعاوعقلناعن رسول اللهان مراده بمافي احدهماغيرمراده بمافي الاخرمنهماوالله نسأله التوفيق.

پھر آخر میں فرماتا ہے: وحديث عكرمه في تحقيق الايات التسع المرادات بقوله : ولقداتينا موسٰى تسع ايات بينات، الاسراء: ۱۰۱ ،وذلك مماقددفعه حديث صفوان عن =

وَالْأَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾

ان کو کسی نے نازل نہیں کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو اور اے فرعون! میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہلاک ہو جاؤ گے

فَأَرَادَ أَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهُ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾

تو اس نے چاہا کہ ان کو سرزمینِ (مصر) سے نکال دے تو ہم نے اُس کو اور جو اُس کیساتھ تھے سب کو ڈبو دیا

وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ

اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس ملک میں رہو سہو پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے

جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ

لے آئیں گے ۔اور ہم نے اس قرآن کو سچائی کیساتھ نازل کیا ہے اور وہ سچائی کیساتھ نازل ہوا

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾

اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہیں صرف خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے

وَقُرْآنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَأَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے

=رسول اللهﷺ،لان حديث صفوان هذامخرجه تفسيرقوله تعالى:ولقداتيناموسٰى تسع ايات بينات ،كمامخرج حديث عكرمه عن ابن عباسؓ ان تلك الايات هى الايات التى ذكرهافى حديثه عنه فضادذلك حديث صفوان، وليس لاحدمع رسول اللهﷺحجة،ولان معقولاان الذى فى حديث عكرمة هذامحال، لان فيه المجئ بالنِذرات و الوعيدات و التخويفات قبل المجئ بالشريعة التى تكون هذه الاشياء عندابائتها. والله نسأله التوفيق۔

قُلْ آمِنُوْا بِهٖٓ أَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ إِنَّ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ إِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

کہہ دو کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (یہ فی نفسہٖ حق ہے) جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب وہ ان کو

يَخِرُّوْنَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ۝۱۰۷ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا

پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے بیشک ہمارے رب

لَمَفْعُوْلًا ۝۱۰۸ وَيَخِرُّوْنَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝۱۰۹

کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اُس سے اُن کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ أَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ

کہہ دو کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام سے) جس نام سے پکارو اُس کے سب نام اچھے ہیں

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۱۰

اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ آہستہ بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيْكٌ

اور کہو کہ سب تعریف اللہ ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ اور نہ اُس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔ اور نہ اس وجہ

فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝۱۱۱

سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے نہ اُس کا کوئی مددگار ہے۔ اور اُس کو بڑا جان کر اُس کی بڑائی کرتے رہو۔

☆

سورة الكهف (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا ؕ﴿۱﴾

سب تعریف اللہ ہی کو ہے جس نے اپنے بندے (محمدﷺ) پر (یہ) کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی (اور پیچیدگی) نہ رکھی

قَيِّمًا لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِيۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ وَيُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ

بلکہ سیدھی (اور سلیس اتاری) تاکہ (لوگوں کو) سخت عذاب سے جو اس کی طرف سے آنے والا ہے ڈرائے اور مومنوں کو جو

يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ﴿۲﴾ مَّاكِثِيۡنَ فِيۡهِ اَبَدًا ۙ﴿۳﴾

نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائے کہ اُن کیلئے (اُن کے کاموں کا) نیک بدلہ (یعنی جنت ہے)۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

وَّيُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ﴿۴﴾ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمۡ

اور اُن لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے (کسی کو) بیٹا بنالیا ہے۔ اُن کو اس بات کا کچھ بھی علم نہیں اور نہ اُن کے باپ دادا ہی کو تھا

كَبُرَتۡ كَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ اِنۡ يَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾

(یہ) بڑی سخت بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) جو کچھ یہ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا

(اے پیغمبر!) اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید تم ان کے پیچھے رنج کر کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر دو گے

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴿٧﴾
جو چیز زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کیلئے آرائش بنایا ہے تا کہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے [۱]

وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ﴿٨﴾ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ
اور جو چیز زمین پر ہے ہم اس کو (نابود کر کے) بنجر میدان کر دیں گے ۔کیا تم خیال کرتے ہو کہ غار

الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ﴿٩﴾ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ
اور لوح والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے[۲]جب وہ جوان غار میں جا رہے

---

[۱] ابن قیم نے فضیل بن عیاض سے احسن عملا ،کے متعلق ایک قول نقل کیا ہے مدارج السالکین:۸۹/۲، میں ؛فرمایا :هو اخلصه واصوبه، قالوا یااباعلی ،مااخلصه واصوبه؟فقال ان العمل اذاکان خالصاولم یکن صوابالم یقبل واذاکان صواباولم یکن خالصالم یقبل حتی یکون خالصاصوابا.الخالص ان یکون لله والصواب ان یکون علىٰ السنة.ثم قرأ قوله تعالىٰ ﴿فمن کان یرجو لقاء ربه فلیعمل عملاصالحا ولا یشرک بعبادة ربه احدا﴾[الکهف :۱۱۰]

یعنی ،فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اخلص اور اصوب ہو،انہوں نے پوچھا کہ اخلص اور اصوب کیا ہے؟ تو فضیل نے فرمایا کہ عمل جب خالص اللہ تعالی کے لئے ہو لیکن سنت کے خلاف ہوں تو وہ ہرگز قبول نہیں ہوتا اور قرآن اور سنت سے ثابت ہوں لیکن خالص نہ ہوں تو پھر بھی قبول نہیں ہوتا یہاں تک کہ خالص بھی ہوں،اور قرآن وسنت سے ثابت بھی ہوں یعنی خالص وہ ہے جو اللہ تعالی کے لئے ہوں اور اصوب وہ ہے جو قرآن اور سنت سے ثابت ہو پھر یہ ایت کریمہ تلاوت کیا، یہی معنی سورة کھف ۱۱۰، بھی ہے۔

[۲] اس واقعہ میں چند مباحث ہیں،اول یہ کہ اصحاب کہف واصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں،یا الگ الگ دو جماعتیں ہیں،اگر چہ کسی صحیح حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں،مگر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں اصحاب کہف اور اصحاب رقیم دو عنوان الگ الگ دیئے،پھر اصحاب رقیم کے تحت میں وہ مشہور قصہ تین شخصوں کے غار میں بند ہو جانے پھر دعاؤں کے ذریعہ راستہ کھل جانے کا ذکر کیا ہے،جو اکثر کتب حدیث میں مفصل موجود ہے،امام بخاریؒ کی اس صنیع سے یہ

سمجھا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک اصحاب کہف ایک الگ جماعت ہے اور اصحاب رقیم ان تین شخصوں کو کہا گیا ہے جو کسی زمانے میں غار میں چھپے تھے، پھر پہاڑ سے ایک بڑا پتھر اس غار کے دہانے پر آ گرا جس سے غار بالکل بند ہو گیا، ان کے نکلنے کا راستہ نہ رہا، ان تینوں نے اپنے اپنے خاص نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ یہ کام اگر ہم نے خالص آپ کی رضا کے لئے کیا تھا تو اپنے فضل سے ہمارا راستہ کھول دے، پہلے شخص کی دعاء سے پتھر کچھ سرک گیا، روشنی آنے لگی، دوسرے کی دعاء سے اور زیادہ سرکا، پھر تیسرے کی دعاء سے راستہ بالکل کھل گیا، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں یہ واضح کیا ہے کہ از روئے روایت حدیث کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے کہ اصحاب رقیم مذکورہ تین شخصوں کا نام ہے، بات صرف اتنی ہے کہ واقعہ غار کے ایک راوی نعمان بن بشیرؓ کی روایت میں بعض راویوں نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ نعمان بن بشیرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو رقیم کا ذکر کرتے ہوئے سنا، آپ غار میں بند رہ جانے والے تین آدمیوں کا واقعہ سنا رہے تھے، یہ اضافہ فتح الباری میں بزار اور طبرانی کی روایت سے نقل کیا ہے، مگر اول تو اس حدیث کے عام راویوں کی روایات جو صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں مفصل موجود ہیں، اُن میں کسی نے نعمان بن بشیرؓ کا یہ جملہ نقل نہیں کیا، خود بخاری کی روایت بھی اس جملے سے خالی ہے، پھر اس جملے میں بھی اس کی تصریح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غار میں بند ہونے والے ان تین شخصوں کو اصحاب الرقیم فرمایا تھا، بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ رقیم کا ذکر فرما رہے تھے، اس ضمن میں ان تین شخصوں کا ذکر فرمایا، لفظ رقیم کی مراد کے متعلق صحابہ وتابعین اور عام مفسرین میں جو اختلاف اقوال اوپر نقل کیا گیا ہے وہ خود اس کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے رقیم کی کوئی مراد متعین کرنے کے بارے میں کوئی روایت حدیث نہیں تھی، ورنہ کیسے ممکن تھا کہ نبی ﷺ ایک لفظ کی مراد خود متعین فرما دیں پھر صحابہ وتابعین اور دوسرے مفسرین اس کے خلاف کوئی قول اختیار کریں، اسی لئے ابن حجرؒ نے اصحاب کہف ورقیم کے دو الگ الگ جماعتیں ہونے سے انکار فرمایا، اور صحیح یہ قرار دیا کہ یہ دونوں ایک ہی جماعت کا نام ہیں، غار میں بند ہو جانے والے تین شخصوں کا ذکر رقیم کے ذکر کے ساتھ آ گیا ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی تین شخص اصحاب الرقیم تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس جگہ یہ بھی واضح کر دیا کہ قرآن نے جو قصہ اصحاب کہف کا بیان کیا ہے اس کا سیاق خود یہ بتلا رہا ہے کہ اصحاب کہف ورقیم ایک ہی جماعت ہے، یہی وجہ ہے کہ جمہور مفسرین اور محدثین ان دونوں کے ایک ہی ہونے پر متفق ہیں۔

دوسرا مسئلہ اس جگہ خود اس قصے کی تفصیلات کا ہے جس کے دو حصے ہیں، ایک وہ جو اس قصہ کی اصل مقصود ہے، جس سے یہود کے سوال کا جواب بھی ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایات ونصائح بھی، دوسرا حصہ وہ ہے جس کا تعلق

اس قصہ کی صرف تاریخی اور جغرافیائی حیثیت سے ہے، بیان مقصود میں اس کا کوئی خاص دخل نہیں، مثلاً یہ قصہ کس زمانے میں اور کس شہر اور بستی میں پیش آیا، جس کافر بادشاہ سے بھاگ کر ان لوگوں نے غار میں پناہ لی تھی وہ کون تھا، اس کے کیا عقائد وخیالات تھے، اور اس نے ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جس سے یہ بھاگنے اور غار میں چھپنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر یہ کہ ان لوگوں کی تعداد کیا تھی، اور زمانہ دراز تک سوتے رہنے کا کل زمانہ کتنا تھا اور پھر یہ لوگ اب تک زندہ ہیں یا مر گئے،

قرآن حکیم نے اپنے حکیمانہ اصول اور اسلوب خاص کے تحت سارے قرآن میں ایک قصہ یوسف علیہ السلام کے سوا کسی قصے کو پوری تفصیل اور ترتیب سے بیان نہیں کیا، جو عام تاریخی کتابوں کا طریقہ ہے، بلکہ ہر قصے کے صرف وہی اجزاء موقع بموقع بیان فرمائے ہیں جن سے انسانی ہدایات اور تعلیمات کا تعلق تھا۔

قصہ اصحاب کہف میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ قرآن میں اس کے صرف وہ اجزاء بیان کئے گئے جو مقصود اصلی سے متعلق تھے باقی اجزاء جو خالص تاریخی یا جغرافیائی تھے ان کا کوئی ذکر نہیں فرمایا، اصحاب کہف کی تعداد اور سونے کے زمانے کی مدت کے سوالات کا ذکر تو فرمایا اور جواب کی طرف اشارہ بھی فرمایا مگر ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی کہ ایسے مسائل میں زیادہ غور وفکر اور بحث وتکرار مناسب نہیں ان کو اللہ کے حوالے کرنا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن کا فرض منصبی معانی قرآن کو بیان کرنا ہے آپ نے بھی کسی حدیث میں ان اجزاء قصہ کو بیان نہیں فرمایا، اور اکابر صحابہ کرام وتابعین نے اسی قرآنی اسلوب کی بنا پر ایسے معاملات میں ضابطہ کار یہ قرار دیا کہ: ابھموا ماابھمہ اللہ[اتقان للسیوطیؒ]یعنی غیر ضروری چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا تم بھی اسے مبہم رہنے دو (کہ اس میں بحث وتحقیق کچھ مفید نہیں)۔

اکابر صحابہؓ وتابعین کے اس طرز عمل کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس تفسیر میں بھی ان اجزاءِ قصہ کو نظر انداز کر دیا جائے جن کو قرآن اور حدیث نے نظر انداز کیا ہے، لیکن یہ زمانہ وہ ہے جس میں تاریخی اور جغرافیائی انکشافات ہی کو سب سے بڑا کمال سمجھ لیا گیا ہے اور متأخرین علمائے تفسیر نے اسی لئے کم وبیش ان اجزاء کو بھی بیان فرما دیا ہے، اس لئے تفسیر زیر نظر میں قصے کے وہ اجزاء جو خود قرآن میں مذکور ہیں ان کا بیان تو آیات قرآن کی تفسیر کے تحت میں آجائے گا، باقی تاریخی اور جغرافیائی اجزائے قصہ کو یہاں بقدر ضرورت بیان کیا جاتا ہے، اور بیان کرنے کے بعد بھی آخری نتیجہ وہی رہے گا کہ ان معاملات میں کوئی قطعی فیصلہ ناممکن ہے، کیونکہ اسلامی اور پھر مسیحی تاریخوں میں اس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہے وہ خود اس قدر مختلف او متضاد ہے کہ ایک مصنف اپنی تحقیق ورائے کے پیش نظر مقدمات وقرائن کی مدد سے کسی ایک چیز کو متعین کرتا ہے تو دوسرا اسی طرح دوسری صورت کو ترجیح دیتا ہے۔

امام قرطبیؒ اندلسی نے اپنی تفسیر میں اس جگہ چندواقعات ، کچھ سماعی ، کچھ چشم دید،نقل کئے ہیں، جومختلف شہروں سے متعلق ہیں،قرطبی نے سب سے پہلے تو ضحاکؒ کی روایت سے یہ نقل کیا ہے کہ''رقیم'' روم کے ایک شہر کا نام ہے ،جس کے ایک غار میں اکیس آدمی لیٹے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سو رہے ہیں، پھر امام نے تفسیر ابن عطیہؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ شام میں ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں، وہاں کے مجاورین یہ کہتے ہیں کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں،اوراس غار کے پاس ایک مسجداور مکان کی تعمیر ہے جس کو رقیم کہا جاتا ہے اوران مردہ لاشوں کے ساتھ ایک مردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے۔

اور دوسرا واقعہ اندلس غرناطہ کا نقل کیا ہے،ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ غرناطہ میں ایک لوشہ نامی گاؤں کے قریب ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں اوران کے ساتھ ایک مردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے،ان میں سے اکثر لاشوں پر گوشت باقی نہیں رہا،صرف ہڈیوں کے ڈھانچے ہیں،اوربعض پراب تک گوشت پوست بھی موجود ہیں،اس پرصدیاں گذر گئیں،مگرصحیح سند سے انکا کچھ حال معلوم نہیں۔کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہی اصحاب کہف ہیں،ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ یہ خبرسن کر میں خود ۵۰۴ھ میں وہاں پہنچا تو واقعی یہ(۹) لاشیں اسی حالت پر پائیں اوران کے قریب ہی ایک مسجد بھی ہے۔اور ایک رومی زمانے کی تعمیر بھی ہے جس کو رقیم کہا جاتا ہے،ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں کوئی عالیشان محل ہوگا اس وقت تک بھی اس کی بعض دیواریں موجود ہیں اور یہ ایک غیرآباد جنگل میں ہے اور فرمایا کہ غرناطہ کے بالائی حصہ میں ایک قدیم شہر کے آثار ونشانات پائے جاتے ہیں ، جورومیوں کے طرز کے ہیں اس شہر کا نام رقیوس بتلایا جاتا ہے ،ہم نے اس کے کھنڈروں میں بہت سے عجائبات اور قبریں دیکھی ہیں،قرطبی جو اندلس ہی کے رہنے والے ہیں ان تمام واقعات کونقل کرنے کے بعد بھی کسی کو متعین طور پر اصحاب کہف کہنے سے گریز کرتے ہیں اورخود ابن عطیہؒ نے بھی اپنے مشاہدے کے باوجود یہ جزم نہیں کیا کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں،محض عام شہرت نقل کی ہے،مگردوسرے اندلسی مفسرابوحیانؒ جوساتویں صدی ۶۵۴ھ میں خاص غرناطہ میں پیدا ہوئے وہیں رہے بسے ہیں وہ بھی اپنی تفسیر بحرمحیط میں غرناطہ کے اس غار کا اسی طرح ذکر کرتے ہیں جس طرح قرطبی نے کیا ہے اورابن عطیہ کے اپنے مشاہدہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے، کہ ہم جب اندلس میں تھے(یعنی قاہرہ منتقل ہونے سے پہلے) تو بہت لوگ اس غار کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اگرچہ وہ لاشیں اب تک وہاں موجود ہیں اور زیارت کرنے والے ان کو شمار بھی کرتے ہیں مگر ہمیشہ ان کی تعداد بتانے میں غلطی کرتے ہیں، پھر فرمایا کہ ابن عطیہؒ نے جس شہر''رقیوس'' کا ذکر کیا ہے جوغرناطہ کی جانب قبلہ میں واقع ہے تو=

فَقَالُوْا رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾

تو کہنے لگے کہ اے اللہ! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی مہیا کر[2]

=اس شہر سے میں خود بے شمار مرتبہ گذرا ہوں اور اس میں بڑے بڑے غیر معمولی پتھر دیکھے ہیں ،اس کے بعد کہتے ہیں :ویترجح کون اهل الكهف بالاندلس لكثرة دين النصارىٰ بهاحتىٰ هي بلاد مملكتهم العظمىٰ (بحر محیط) یعنی اصحاب کہف کے اندلس میں ہونے کی ترجیح کے لئے یہ بھی قرینہ ہے کہ وہاں نصرانیت کا غلبہ ہے ، یہاں تک کہ یہی خطہ ان کی سب سے بڑی مذہبی مملکت ہے'' اس میں یہ بات واضح ہے کہ ابوحیان کے نزدیک اصحاب کہف کا اندلس میں ہونا راجح ہے(قرطبی)امام ابن جریر اور ابن ابی حاتمؒ نے بروایت عوفی ،ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رقیم ایک وادی کا نام ہے جو فلسطین سے نیچے اَیْلَہْ (عقبہ) کے قریب ہے اور ابن جریر و ابن ابی حاتم اور چند دوسرے محدثین نے ابن عباسؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ رقیم کیا ہے،لیکن میں نے کعب احبارؓ سے پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ رقیم اس بستی کا نام ہے جس میں اصحاب کہف غار میں جانے سے پہلے مقیم تھے(روح المعانی)۔ابن ابی شیبہؒ،ابن المنذرؒ،ابن ابی حاتمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے معاویہؓ کے ساتھ رومیوں کے مقابلے میں ایک جہاد کیا جس کو غزوۃ المضیق کہتے ہیں،اس موقع پر ہمارا گذر اس غار پر ہوا جس میں اصحاب کہف ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے،معاویہؓ نے ارادہ کیا کہ غار کے اندر جائیں اور اصحاب کہف کی لاشوں کا مشاہدہ کریں،مگر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مشاہدہ کرنے سے اس ہستی کو منع کر دیا ہے جو آپ سے بہتر تھی ،یعنی نبی کریم ﷺ ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:لو اطلعت عليهم لوليت منهم فرارا ولملئت منهم رعباً: یعنی اگر آپ ان کو دیکھیں تو آپ ان سے بھاگیں گے اور رعب وہیبت سے مغلوب ہو جائیں گے۔مگر معاویہؓ نے ابن عباسؓ کی اس بات کو شاید اس لئے قبول نہیں کیا کہ قران کریم نے ان کی جو حالات بیان کی ہے یہ وہ ہے جو ان کی زندگی کے وقت تھی ، یہ کیا ضروری ہے کہ اب بھی وہی حالت ہو اس لئے کچھ آدمیوں کو دیکھنے کے لئے بھیجا، وہ غار پر پہونچے،مگر جب غار میں داخل ہونا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سخت ہوا بھیج دی جس نے ان سب کو غار سے نکال دیا(روح المعانی)۔

[2] قصہ کا یہ ٹکڑا بھی وہی ہے جس پر نہ کسی آیت قرآن کا سمجھنا موقوف ہے نہ مقصد قصہ پر اس کا کوئی خاص اثر ہے

اور نہ قرآن وسنت میں اس کا بیان ہے صرف تاریخی حکایات ہیں اسی لئے ابوحیان نے فرمایا:۔

والـــرواة مختلفون فی قصصهم وکیف کان اجتماعهم وخروجهم، ولم یأت فی الحدیث الصحیح کیفیة ذالک ولافی القرآن (بحرمحیط).

اصحاب کہف کے قصہ میں روایوں کا سخت اختلاف ہے اور اس میں کہ یہ اپنے اس پروگرام پر کس طرح متفق ہوئے اور کس طرح نکلے، نہ کسی صحیح حدیث میں اس کی کیفیت مذکور ہے نہ قرآن میں۔

تاہم موجودہ طبائع کی دلچسپی کے لئے جیسے اوپر اصحاب کہف کے مقام سے متعلق کچھ معلومات لکھی گئی ہیں، اس واقعہ کے زمانہ وقوع اور اسباب وقوع کے متعلق بھی مختصر معلومات تفسیری اور تاریخی روایات سے نقل کیجاتی ہیں، اس قصہ کو پوری تفصیل اور استیعاب کے ساتھ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں مختلف روایات سے نقل فرمایا ہے، مگر یہاں صرف وہ مختصر واقعہ لکھا جاتا ہے جس کو ابن کثیرؒ نے سلف وخلف کے بہت سے مفسرین کے حوالہ سے پیش کیا ہے، وہ فرماتے ہیں ''اصحاب کہف بادشاہوں کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار تھے، قوم بت پرست تھی، ایک روز ان کی قوم اپنے کسی مذہبی میلے کے لئے شہر سے باہر نکلی، جہاں ان کا سالانہ اجتماع ہوتا تھا وہاں جا کر یہ لوگ اپنے بتوں کی پوجا پاٹ کرتے، اور ان کے لئے جانوروں کی قربانی دیتے تھے، ان کا بادشاہ ایک جابر ظالم دقیانوس نامی تھا جو قوم کو اس بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اس سال جبکہ پوری قوم اس میلے میں جمع ہوئی۔

تو یہ اصحاب کہف نوجوان بھی پہنچے اور وہاں اپنی قوم کی یہ حرکتیں دیکھیں کہ اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھروں کو خدا سمجھتے اور ان کی عبادت کرتے اور ان کے لئے قربانی کرتے ہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عقل سلیم عطاء فرمادی کہ قوم کی اس احمقانہ حرکت سے ان کو نفرت ہوئی، اور عقل سے کام لیا تو ان کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ عبادت تو صرف اس ذات کی ہونی چاہئے جس نے زمین وآسمان اور ساری مخلوقات پیدا فرمائی ہیں یہ خیال بیک وقت ان چند نوجوانوں کے دل میں آیا اور ان میں سے ہر ایک نے قوم کی اس احمقانہ عبادت سے بچنے کے لئے اس جگہ سے ہٹنا شروع کیا۔ اور ان میں سب سے پہلے ایک نوجوان مجمع سے دور ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گیا اس کے بعد ایک دوسرا شخص آیا اور وہ بھی اسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا اسی طرح پھر تیسرا اور چوتھا آدمی آتا گیا اور درخت کے نیچے بیٹھتا رہا مگر ان میں کوئی دوسرے کو نہ پہچانتا تھا اور نہ یہ کہ یہاں کیوں آیا ہے؟ مگر ان کو درحقیقت اس قدرت نے =

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿11﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ
تو ہم نے غار میں کئی سال تک اُن کے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈالے (یعنی ان کو سلائے) رکھا۔ پھر اُن کو جگا اٹھایا تا کہ ظاہر
اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿12﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ
کریں کہ جتنی مدت وہ (غار میں) رہے دونوں جماعتوں میں سے اُس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے۔ ہم اُن کے حالات تم

= یہاں جمع کیا تھا جس نے ان کے دلوں میں ایمان پیدا فرمایا۔

کیا اصحاب کہف اب بھی زندہ ہے؟

اس معاملے میں صحیح اور ظاہر یہی ہے کہ ان کی وفات ہوچکی ہے تفسیر مظہری میں ابن اسحاق کی مفصل روایت میں ہے کہ اصحاب کہف کی بیداری اور شہر میں ان کے واقعہ عجیبہ کی شہرت ہو جانے اور اس وقت کے بادشاہ ''بیدوسیس'' کے پاس پہنچ کر ملاقات کرنے کے بعد اصحاب کہف نے ملک بیدوسیس سے رخصت چاہی، اور رخصتی سلام کے ساتھ اس کے لئے دعاء کی اور ابھی بادشاہ اسی جگہ موجود تھا کہ یہ لوگ اپنے لیٹنے کی جگہوں پر جا کر لیٹ گئے اور اسی وقت اللہ تعالی نے ان کو موت دیدی۔

اور عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ابن جریر، ابن کثیر وغیرہ سبھی مفسرین نے نقل کی ہے کہ:

قال قتادة غزا ابن عباسؓ مع حبيب بن مسلمة فمروا بكهف فى بلاد الروم فرأوا فيه عظاما فقال قائل هذه عظام اهل الكهف فقال ابن عباس لقدبليت عظامهم من اكثر من ثلاثمائة سنة (ابن كثير)	قتادہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے حبیب بن مسلمہ کے ساتھ ایک جہاد کیا تو بلاد روم میں ایک غار پر ان کا گذر ہوا جس میں مردہ لاشوں کی ہڈیاں تھیں کسی نے کہا کہ یہ اصحاب کہف کی ہڈیاں ہیں تو ابن عباس نے فرمایا کہ ان کی ہڈیاں تو اب سے تین سو برس پہلے خاک ہوچکی ہیں۔

یہ سب اس تاریخی قصے کے وہ اجزاء تھے جن کو نہ قرآن نے بیان کیا نہ حدیث رسول اللہ ﷺ نے اور نہ اس واقعہ کا کوئی خاص مقصد یا قرآن کی کسی ایت کا سمجھنا اس پر موقوف ہے اور نہ تاریخی روایات سے ان چیزوں کا کوئی قطعی فیصلہ کیا جا سکتا ہے، باقی رہے قصے کے وہ اجزاء جن کا خود قرآن کریم نے ذکر فریا ہے ان کی تفصیل انہی ایات کے تحت میں آتی ہے۔

بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

سے صحیح صحیح بیان کرتے ہیں وہ کئی جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے اُن کو زیادہ ہدایت دی تھی

وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ إِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

اوران کے دلوں کومربوط (یعنی مضبوط) کردیا۔ جب وہ (اٹھ) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا رب آسمانوں اورزمین کا

لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ إِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو معبود (سمجھ کر) نہ پکاریں گے (اگر ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّوْلَا يَأْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ

ان ہماری قوم کے لوگوں نے اُس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں بھلا یہ اُن (کے معبود ہونے) پر کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ

تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ، افتراء کرے۔ اور جب تم نے ان (مشرکوں) سے اور جن کی یہ

وَمَا يَعْبُدُوْنَ إِلَّا اللّٰهَ فَأْوٗٓا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ

اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں ان سے کنارہ کرلیا ہے تو غار میں چل رہو تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت وسیع کردے گا

وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ أَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ

اور تمہارے کاموں میں آسانی (کے سامان) مہیا کرے گا۔ اور جب سورج نکلے تو تم دیکھو کہ (دھوپ)

تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ

ان کے غار سے داہنی طرف سمٹ جائے اور جب غروب ہو تو ان سے بائیں طرف کترا جائے

وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ

اور وہ اس کے میدان میں تھے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے

وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ

اور جس کو گمراہ کرے تو تم اُس کیلئے کوئی دوست راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔[3] اور تم ان کو خیال کرو کہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہیں

وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ

اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ بدلاتے تھے اور اُن کا کتا چوکھٹ پر دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾

اگر تم اُن کو جھانک کر دیکھتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور اُن سے دہشت میں آجاتے

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ

اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کریں، ایک کہنے والے نے کہا کہ تم (یہاں)

---

[3] دھوپ کے ان کے اوپر نہ پڑنے کی یہ صورت غار کی کسی خاص وضع کی بنا پر بھی ہو سکتی ہے کہ اس کا دروازہ جنوب یا شمال میں ایسی وضع پر ہو کہ دھوپ طبعی اور عادی طور پر اس کے اندر نہ پہونچے، ابن قتیبہؒ نے اس کی وضع خاص متعین کرنے کے لئے یہ تکلف کیا کہ ریاضی کی اصول وقواعد کی رو سے اس جگہ کا طول بلد، عرض بلد اور غار کا رخ متعین کیا (مظہری)۔ اور اس کے بالمقابل زجاج نے کہا کہ دھوپ کا ان سے الگ رہنا کسی وضع اور ہیئت کی بنا پر نہیں بلکہ ان کی کرامت سے بطور خرق عادت تھا۔

اور اس آیت کے آخر میں جو یہ ارشاد ہے **ذلک من آیات اللہ**، یہ بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ دھوپ سے حفاظت کا یہ سامان غار کی کسی خاص وضع وہیئت کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالی کی قدرت کاملہ کی ایک نشانی تھی (قرطبی) اور صاف بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کے لئے ایسا سامان مہیا فرما دیا تھا کہ دھوپ ان کے جسموں پر نہ پڑے، خواہ یہ سامان غار کی خاص ہیئت اور وضع کے ذریعے ہو یا کوئی بادل وغیرہ دھوپ کے وقت حائل کر دیا جاتا ہو، یا براہ راست افتاب کے شعاعوں کو ان سے بطور خرق عادت کے ہٹا دیا جاتا ہو، آیت میں یہ سب احتمالات ہیں کسی ایک کو متعین کرنے پر زور دینے کی ضرورت نہیں۔

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ

کتنی مدت رہے انہوں نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم انہوں نے کہا کہ جتنی مدت تم رہے ہو تمہارا رب ہی اس کو خوب

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا

جانتا ہے تو اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر بھیجو وہ دیکھے کہ نفیس کھانا کونسا ہے

فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝۱۹

تو اُس میں سے کھانا لے آئے اور آہستہ آئے جائے اور تمہارا حال کسی کو نہ بتائے

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ

اگر وہ تم پر دسترس پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا پھر اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے اور اس وقت تم کبھی

وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۲۰ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ

فلاح نہیں پاؤ گے ۔ اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (کے حال) سے خبردار کر دیا تاکہ وہ جانیں

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ڰ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ

کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (جس کا وعدہ کیا جاتا ہے) اس میں کچھ بھی شک نہیں۔ اس وقت لوگ ان کے بارے

بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ

میں باہم جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ان (کے غار) پر عمارت بنا دو اُن کا رب اُن (کے حال) سے خوب واقف ہے

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝۲۱ سَيَقُوْلُوْنَ

جو لوگ اُن کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ ان (کے غار) پر مسجد بنائیں گے [4] (بعض لوگ) اٹکل پچو کہیں

---

[4] اصحاب کہف کا حال اہل شہر پر کھل جانا

اصحاب کہف کے نکلنے کے وقت جو ظالم اور مشرک بادشاہ ''دقیانوس'' اس شہر پر مسلط تھا وہ مر گیا اور اس پر صدیاں گذر گئیں یہاں تک اس مملکت پر قبضہ اہل حق کا ہو گیا جو توحید پر یقین رکھتے تھے ان کا بادشاہ ایک نیک صالح آدمی تھا (جس کا نام تفسیر مظہری میں تاریخی روایات سے بیدوسیس لکھا ہے) اس کے زمانے میں اتفاقاً قیامت اور اس میں سب مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے مسئلے میں کچھ اختلافات پھیل گئے، ایک فرقہ اس کا منکر ہو گیا کہ یہ گلنے سڑنے پھر ریزہ ریزہ ہو کر ساری دنیا میں پھیل جانے کے بعد پھر زندہ ہو جائیں گے، بادشاہ وقت بیدوسیس کو اس کی فکر ہوئی کہ کس طرح ان کے شکوک وشبہات دور کئے جائیں، جب کوئی تدبیر نہ بنی تو اس نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے اور راکھ کے ڈھیر پر بیٹھ کر اللہ سے دعاء کی اور الحاح وزاری شروع کی، کہ یا اللہ آپ ہی کوئی ایسی صورت پیدا فرما دیں کہ ان لوگوں کا عقیدہ صحیح ہو جائے اور یہ راہ پر آجائیں، اس طرف یہ بادشاہ گریہ وزاری اور دعاء میں مصروف تھا دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاء کی قبولیت کا یہ سامان کر دیا کہ اصحاب کہف بیدار ہوئے اور انہوں نے اپنے ایک آدمی کو (جس کا نام تملیخا بتلایا جاتا ہے) ان کے بازار میں بھیج دیا وہ کھانا خریدنے کے لئے دکان پر پہنچا اور تین سو برس پہلے بادشاہ دقیانوس کے زمانے کا سکّہ کھانے کی قیمت میں پیش کیا تو دکان دار حیران رہ گیا، کہ یہ سکّہ کہاں سے آیا، کس زمانے کا ہے، بازار کے دوسرے دکان داروں کو دکھلایا، سب نے یہ کہا کہ یہ اس شخص کو کہیں پرانا خزانہ ہاتھ آ گیا ہے اس میں سے یہ سکّہ نکال کر لایا ہے، اس نے انکار کیا کہ نہ مجھے کوئی خزانہ ملا نہ کہیں سے لایا یہ میرا اپنا روپیہ ہے، بازار والوں نے اس کو گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا، یہ بادشاہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، ایک نیک صالح، اللہ والا تھا، اور اس نے سلطنت کے پرانے خزانے کے آثار قدیمہ میں کہیں وہ تختی بھی دیکھی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کے فرار ہو جانے کا واقعہ بھی لکھا ہوا تھا، بعض کے نزدیک خود ظالم باشاہ ''دقیانوس'' نے یہ تختی لکھوائی تھی، کہ یہ اشتہاری مجرم ہیں، ان کے نام اور پتے محفوظ رہیں، جب کہیں ملیں گرفتار کر لئے جائیں، اور بعض روایات میں ہے کہ شاہی دفتر میں بعض ایسے مؤمن بھی تھے جو دل سے بت پرستی کو برا سمجھتے اور اصحاب کہف کو حق پر سمجھتے تھے، مگر ظاہر کرنے کی ہمت نہیں تھی، انہوں نے یہ تختی بطور یادگار کے لکھ لی تھی، اسی تختی کا نام رقیم ہے جس کی وجہ سے اصحاب کہف کو اصحاب ''رقیم'' بھی کہا گیا۔ الغرض اس بادشاہ کو اس واقعہ کا کچھ علم تھا اور اس وقت وہ اس دعاء میں مشغول تھا کہ کسی طرح لوگوں کو اس بات کا یقین آجائے کہ مردہ اجسام کو دوبارہ زندہ کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے کچھ بعید نہیں، اس لئے تملیخا سے اس کے حالات کی تحقیق کی تو اس کو اطمینان ہو گیا کہ یہ انہی لوگوں میں سے ہے اور اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کیا کرتا تھا کہ مجھے ان لوگوں سے ملا دے، جو دقیانوس کے

زمانے میں اپنا ایمان بچا کر بھاگے تھے، بادشاہ اس پر مسرور ہوا اور کہا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے میری دعاء قبول فرمائی، اس میں لوگوں کے لئے شاید کوئی ایسی حجّت ہو جس سے ان کو حشر اجساد کا یقین آ جائے، یہ کہہ کر اس شخص سے کہا کہ مجھے اس غار پر لے چلو جہاں سے تم آئے ہو، بادشاہ بہت سے اہل شہر کے مجمع کے ساتھ غار پہنچا، جب غار قریب آیا تو تملیخا نے کہا کہ آپ ذرا ٹھریں، میں جا کر اپنے ساتھیوں کو حقیقت معاملہ سے باخبر کردوں کہ اب بادشاہ مسلمان مؤحد ہے اور قوم بھی مسلمان ہے، وہ ملنے کے لئے آئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اطلاع سے پہلے آپ پہنچیں، تو وہ سمجھیں کہ ہمارا دشمن چڑھ آیا ہے اس کے مطابق تملیخا نے پہلے جا کر ساتھیوں کو تمام حالات سنائے تو وہ لوگ اس سے بہت خوش ہوئے، بادشاہ کا استقبال تعظیم کے ساتھ کیا، پھر وہ اپنے غار کی طرف لوٹ گئے، اور اکثر روایات میں یہ ہے کہ جس وقت تملیخا نے ساتھیوں کو یہ سارا قصہ سنایا اسی وقت سب کی وفات ہوگئی، بادشاہ سے ملاقات نہیں ہوسکی، ابوحیان نے یہاں یہ روایت نقل کی ہے کہ ملاقات کے بعد اہل غار نے بادشاہ اور اہل شہر سے کہا کہ اب ہم آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور غار کے اندر چلے گئے، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان سب کو وفات دیدی,, **و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال**،،

بہر حال اب اہل شہر کے سامنے یہ واقعہ عجیبہ قدرت الٰہیہ کا واشگاف ہو کر آ گیا تو سب کو یقین ہو گیا کہ جس ذات کی قدرت میں یہ داخل ہے کہ تین سو برس تک زندہ انسانوں کو بغیر کسی غذا اور سامان زندگی کے زندہ رکھے اور اس طویل عرصہ تک ان کو نیند میں رکھنے کے بعد پھر صحیح سالم، قوی، تندرست اٹھا دے اس کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ مرنے کے بعد بھی ان اجسام کو زندہ کر دے، اس واقعہ سے ان کی انکار کا سبب دور ہو گیا، کہ حشر اجساد کو مستبعد اور خارج از قدرت سمجھتے تھے، اب معلوم ہوا کہ **مالک الملکوت** کی قدرت کو انسانی قدرت پر قیاس کرنا خود جہالت ہے، اسی طرف اس آیت میں ارشارہ فرمایا: **لیعلموآان وعداللہ حق وأن الساعة لاریب فیھا** : یعنی ہم نے اصحاب کہف کو زمانہ دراز تک سلانے کے بعد جگا کر بٹھا دیا تا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کا عدہ یعنی قیامت میں سب مردوں کے اجسام کو زندہ کرنے کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔

اصحاب کھف کی وفات کے بعد لوگوں میں اختلا ف رائے،

اصحاب کہف کی بزرگی اور تقدس کے تو سب ہی قائل ہو چکے تھے، ان کی وفات کے بعد سب کا خیال ہوا کہ غار کے پاس کوئی عمارت بطور یادگار کے بنائی جائے، عمارت کے بارے میں اختلاف رائے ہوا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل شہر میں اب بھی کچھ بت پرست لوگ موجود تھے وہ بھی اصحاب کہف کی زیارت کو آتے تھے، ان لوگوں نے

عمارت بنانے میں یہ رائے دی کہ کوئی رفاہ عام کی عمارت بنادی جائے، مگر ارباب حکومت اور بادشاہ مسلمان تھے اور انہی کا غلبہ تھا، ان کی رائے یہ ہوئی کہ یہاں مسجد بنادی جائے جو یادگار بھی رہے اور آئندہ بت پرستی سے بچانے کا سبب بھی بنے، یہاں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے درمیان میں قرآن کا یہ جملہ ہے: **ربھم اعلم بھم**، یعنی ان کا رب ان کے حالات کو پوری طرح جانتا ہے، ابوحیان نے اس جملے کے معنی میں دو احتمال ذکر کئے ہیں، ایک یہ کہ یہ قول انہی حاضرین اہل شہر کا ہو، کیونکہ ان کی وفات کے بعد جب ان کی یادگار بنانے کی رائے ہوئی تو جیسا عموماً یادگاری تعمیرات میں ان لوگوں کے نام اور خاص حالات کا کتبہ لگایا جاتا ہے جن کی یادگار میں تعمیر کی گئی ہے تو ان کے نسب اور حالات کے بارے میں مختلف گفتگوئیں ہونے لگیں، جب کسی حقیقت پر نہ پہنچے تو خود انہوں نے ہی آخر میں عاجز ہوکر کہہ دیا: **ربھم اعلم بھم**: اور یہ کہہ کر اصل کام یعنی یادگار بنانے کی طرف متوجہ ہوگئے، جو لوگ غالب تھے ان کی رائے مسجد بنانے کی ہوگئی۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ کلام حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، جس میں اس زمانے کے باہم جھگڑا اور اختلاف کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جب تمہیں حقیقت حال کا علم نہیں، اور اس کے علم کے ذرائع بھی تمہارے پاس نہیں تو کیوں اس بحث میں وقت ضایع کرتے ہو، اور ممکن ہے کہ زمانہ رسول اللہ ﷺ میں یہود وغیرہ جو اس واقعہ میں اسی طرح کی بے اصل باتیں اور بحثیں کیا کرتے تھے ان کو تنبیہ مقصود ہو [واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم]۔

بعض لوگ اس آیت کریمہ سے قبروں پر مسجد بنانے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں، وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ کہنے والے عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار نصاریٰ تھے جیسا کہ بعض کتب تفسیر، مثلاً: حاشیة الشھاب: ۶/ ۸۷، میں ہے، وكونه مسجدا، يدل على جواز البناء على قبور الصلحاء ونحوهم كما اشار اليه في الكشاف: ۲/ ۷۱۱، ۷۱۲، وجواز الصلاة في ذلك البناء ۔ لیکن علامہ الوسیؒ نے تفسیر روح المعانی: ۱۵/ ۲۳۷، میں اس کو منہ توڑ جواب دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ: واستدل بالاية على جواز البناء، على قبور الصلحاء واتخاذ مسجد عليها وجواز الصلاة في ذلك وممن ذكر ذلك، الشهاب الخفاجي في حواشيه على البيضاوي، وهو قول باطل عاطل فاسد كاسد، فقد روى احمد الخ ۔ شہاب لکھتا ہے کہ احادیث کے ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے: وذكر ابن حجر الهيتمیؒ، في الزواجر: ۱/ ۲۷۳، انه وقع في كلام بعض الشافعية عدّ اتخاذ القبور مساجدا و الصلوة اليه واستلامها و الطواف بها ونحو ذلك، من الكبائر وكأنه اخذ ذلك مما ذكر من الاحاديث الخ ۔ معلوم ہوا کہ قبر پر مسجد بنانا ان کی شریعت میں جائز تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ

قول بلا ردو انکار بیان فرمایا ہے اور اصول یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ اگلی امتوں کی شریعتوں کا کوئی حکم بلا ردو کد کے بیان فرمائیں تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت یعنی جائز اور مشروع ہے۔

اس شبہ کے تین جوابات ہیں:۔

پہلا جواب یہ ہے، کہ علم اصول میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ شریعت ماقبل اسلام، اگلی امتوں کی شریعت ہمارے لئے شریعت نہیں ہے، اس کے دلائل کثرت کے ساتھ موجود ہیں، ملاحظہ ہو مطولات کتب، احکام الاحکام لابن حزم وغیرہ۔ ان میں سے ایک دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے" **اعطیت خمسا لم یعطهن احد من الانبیآء قبلی ،وکان النبی یبعث الیٰ قومه خاصة وبعثت الیٰ الناس کآفة** "(بخاری، مسلم) مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملی تھیں، ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں پوری دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں،،

سورۂ کہف کی مذکورہ آیت اگر بناء مسجد علی القبر پر دلالت بھی کرتی ہو تو یہ اگلی امت کی شریعت ہے، جو منسوخ ہوچکی ہے، اس آیت کے مدلول ومفاد پر عمل کرنے کا ہم سے کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا ہے، لہذا ہمارے لئے قبر پر مسجد بنانا جائز اور مشروع نہیں۔

دوسرا جواب: اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ انہیں لوگوں کا قول صحیح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگلی امتوں کی شریعت ہمارے لئے بھی شریعت ہے، لیکن یہ اصول ان لوگوں کے نزدیک بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ" ہماری شریعت میں اس کے خلاف کچھ وارد نہ ہو" اور مسئلہ زیر بحث میں یہ شرط مفقود ہے، کیونکہ قبر پر مسجد بنانے کی ممانعت متواتر احادیث سے ثابت ہے، یہ اس بات کی محکم دلیل ہے کہ مذکورہ آیت کا مدلول ومفاد ہمارے لئے شریعت نہیں۔ ذیل میں ہم بعض وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جن میں قبروں کو مسجد بنانے سے منع کیا گیا ہے۔

(۱) **عن عائشةؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ فی مرضه الذی لم یقم منه "لعن اللہ الیهود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیآئهم مساجد" قالت فلولا ذاک اُبرز قبره، غیر انه خشی ان یتخذ مسجدا[بخاری: ۱/ ۱۷۷، ۱۸۶ ،مسلم : ۱/ ۲۰۱ ،مسنداحمد: ۶/ ۸۰، ۱۲۱].**

عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں ارشاد فرمایا: یہودیوں اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیآء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ قبر نبوی کو سجدہ گاہ بنالیا جائے گا تو نبی ﷺ کی قبر کھلی فضا میں بنائی جاتی"، یعنی اس پر کوئی پردہ نہ کیا جاتا اور آپ بھی گھر کے باہر عام قبرستان میں

دفن کئے جاتے۔ (گھر میں دفن کیا جانا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے، صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو گھر میں کیوں دفن کیا عائشہؓ کے بیان سے صاف واضح ہے کہ اس کا سبب قبر نبوی کو سجدہ گاہ بنا لیے جانے یا اس پر کسی کے مسجد تعمیر کر دینے کے خطرہ کا سد باب کرنا تھا، اس لیے نبی ﷺ کے سوا کسی کو قبرستان کی بجائے گھر میں دفن کرنا اور اس کے جواز میں نبی ﷺ کے حجرہ میں دفن کئے جانے کو بطور دلیل وحجت پیش کرنا کسی طرح جائز نہیں، اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ میت کو گھر میں دفن کرنا حکم شرعی کے خلاف ہے اور سنت یہ ہے کہ مردوں کو قبرستان ہی میں دفن کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کو عام قبرستان بقیع میں دفن فرماتے تھے، نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''اپنے گھروں میں قبریں مت بناؤ'' اور آپ ﷺ کے قول وعمل کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا فعل ہرگز قابل اتباع نہیں ہے۔ ابن عروہ حنبلیؒ نے الکواکب الدراری میں ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کے قبرستانوں ہی میں مردوں کو دفن کرنا اور گھر میں دفن نہ کرنا امام احمد بن حنبلؒ کو زیادہ پسند تھا، کیونکہ اس سے میت کے زندہ ورثاء کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا اور یہ اخروی زندگی کے زیادہ مناسب اور اس کو بہت زیادہ یاد دلانے والا بھی ہے، نیز یہ میت کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کرنے کی طرف راغب اور متوجہ کرتا ہے، صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین سب کا یہی معمول تھا کہ مردوں کو آبادی سے باہر صحرا قبرستان میں دفن کیا کرتے تھے۔ سوال ہوسکتا ہے کہ جب گھر میں دفن کرنا حکم شرعی کے خلاف ہے تو نبی کریم ﷺ کو حجرہ عائشہؓ میں کیوں دفن کیا گیا؟ عائشہؓ نے اسی اشکال کا جوب دیا ہے کہ نبی ﷺ کو اس لئے حجرہ میں دفن کیا گیا کہ آپ ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنایا جاسکے، قبر نبوی کو کھلی جگہ بنانے میں خطرہ تھا کہ اسے مسجد بنالیا جائے گا' یعنی میدان میں اس کے داروگیر مشکل تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء جہاں وفات پاتے ہیں وہیں دفن کئے جاتے ہیں،، علاوہ ازیں آپ کو غیر سے ممتاز کرنا اور زیادہ امدورفت کی جگہ سے آپ ﷺ کی قبر کو محفوظ رکھنا وغیرہ وہ اسباب ومصالح ہیں جن کے پیش نظر صحابہ کرام نے آپؐ کو خصوصیت کے ساتھ مذکورہ حکم شرعی (گھروں میں قبریں مت بناؤ) سے مستثنیٰ قرار دیا اور عام قبرستان میں دفن کرنے کے بجائے گھر میں دفن کیا۔

عائشہؓ کی خیال کی تائید ابوبکر الصدیقؓ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ زنجویہ نے بہ طریق عمر مولی غفرہ روایت کیا ہے کہ جب صحابہ کرام نے رسول اللہ کی جائے تدفین کے متعلق باہم مشورہ کیا تو بعض صحابہ کرام نے یہ رائے دی کہ ہم آپ کو اس جگہ دفن کریں، جہاں آپؐ نماز پڑھتے تھے یعنی مسجد میں مگر ابوبکرؓ نے اس رائے کو سختی سے منع کر دیا اور فرمایا 'اعوذ باللہ' کہ ہم آپؐ کے قبر کو بت اور استانہ بنادیں۔ جس پر رسوم بندگی ادا کی جائیں یعنی ایسا کرنے سے

آپﷺ کی قبر کو قبلہ حاجات اور مقصود و مسجود بنا لئے جانے کا خطرہ ہے، تو کچھ دوسرے صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ نبی کریمﷺ کو عام قبرستان 'البقیع' میں دفن کیا جائے جہاں آپﷺ کے بھائی مہاجرین مدفون ہیں ابوبکرؓ نے اسے بھی رد کر دیا اور فرمایا ہمیں یہ ہرگز گوارہ نہیں اور انہیں آپﷺ کی قبر کھلی جگہ قبرستان میں بنادی جائے کہ لوگ اس سے لپٹنا اور وہاں دعا والتجا شروع کر دیں۔ یہ خاص اللہ کا حق ہے کہ اس سے دعاء والتجاء کی جائے اور اللہ کا حق رسول کے حق سے برتر و بالا ہے۔ آگر آپؐ کی قبر کو کھلی فضا میں بنادیں گے تو اس طرح اللہ کے حق کو ضایع کرنے والے ہوں گے اور پھر اس برائی کے ازالہ کے لئے اگر ہم قبر سے جسم اطہر کو نکال کر کسی بند جگہ لے جانا چاہیں گے تو قبر شریف کھودنے کی جسارت کون کریگا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا، تو آپؓ کی کیا رائے ہے تب ابوبکر الصدیقؓ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ میں نے رسول اللہﷺ سے سنا ہے کہ آپﷺ نے فرمایا: **ماقبض الله نبیاقط الادفن حیث قبض روحه:[رواه ابن ماجة:باب وفات النبی ﷺ : ۲/ ۲۹۹، رقم: ۱۶۲۸، وأحمدؒ: ۱/ ۲۲۸]**. ہر نبی وہی دفن کیا گیا جہاں اس کی روح قبض کی گئی صحابہ نے نبی کریمﷺ کی چارپائی کے چاروں طرف نشان لگایا اور علیؓ، عباسؓ، وفضل بن عباسؓ اور دیگر اہل بیت نے وہاں سے چارپائی اٹھائی اور ٹھیک چارپائی کی جگہ قبر کھودی گئی۔ علامہ ابن کثیر اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں اس کی سند منقطع ہے۔ عمر مولی غفرۃ نے صدیق اکبرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے نیز وہ ضعیف بھی ہے۔

(۲) عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ "قاتل الله الیهود اتخذوا قبور انبیآئهم مساجد"

[بخاری: ۱/۶۲، مسلم: ۱/۲۰۱، سنن ابی داؤد: ۲/۴۳، مسند احمد: ۲/۲۸۴، ۳۶۶، ۳۹۶]۔

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا' اللہ کی مار ہو یہود و نصاریٰ پر جنھوں نے اپنے انبیآء علیہم السلام کی قبریں سجدہ گاہ بنالیا۔

(۳،۴) عن عائشةؓ وابن عباسؓ لما حضره الوفاة جعل یلقی علیٰ وجهه طرف خمیصة له فاذا اغتم کشفها عن وجهه وهو یقول "لعن الله الیهود والنصاریٰ اِتخذوا قبور انبیآئهم مساجد" تقول عائشةؓ یحذر ماصنعوا[بخاری : ۱/ ۶۲، ۲/ ۶۳۹، ۸۶۵،مسلم : ۱/ ۲۰۱، نسائی : ۱/ ۱۱۵، مسنداحمد ۱/ ۲۱۸، ۶/ ۳۴، ۲۳۹، ۲۷۵] ۔

عائشہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہﷺ کی وفات کا وقت قریب آپہنچا، تو آپؐ شدت تکلیف سے چادر کبھی روئے مبارک پر ڈال لیتے اور کبھی اتار دیتے اور بار بار فرماتے تھے کہ یہودیوں اور نصاریٰ پر اللہ

کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ عائشہؓ کہتی ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کو یہود ونصاریٰ کے اس کردار سے ڈرا رہے تھے۔

حافظ ابن حجر حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: گویا نبی ﷺ کو یہ علم و یقین ہو گیا تھا کہ یہ زندگی کے آخری لمحات ہیں آپ ﷺ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ مبادا، آپؐ کی قبر کے ساتھ بھی تعظیم کا وہی معاملہ ہو جو گذشتہ انبیاء وصلحاء کے قبروں کے ساتھ ہو چکا ہے اس لئے آپ ﷺ نے یہود ونصاریٰ پر لعنت فرما کر یہ بات واضح کر دی کہ میرے امت کے بھی جو لوگ قبروں کے ساتھ یہود ونصاری کا سا معاملہ کریں گے وہ بھی مذمت ولعنت کے مستحق ہونگے۔ چھٹی حدیث میں اس کی صراحت آ رہی ہے۔

(۵) عن عائشةؓ قالت: لما كان مرض النبی ﷺ تذاکر بعض نسائه كنيسة بارض الحبشة يقال لها مارية" وقد كانت ام سلمة وام حبيبةؓ قداتتاارض الحبشة فذكرن من حسنهاوتصاويرهاقالت فرفع النبی ﷺ رأسه فقال: "اولائک اذا كان فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجداثم صوروا تلك الصور" اولئک شرار الخلق عندالله يوم القيامة. [بخاری : ۱/ ۶۲، ۱۷۹، مسلم: ۱/ ۲۰۱، ابوداؤد ۲/ ۴۳، مسنداحمد: ۶/ ۵۱].

عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کے مرض الموت کے موقع پر بعض بیویوں نے سرزمین حبشہ کے ایک ماریہ نامی گرجا کا تذکرہ کیا۔ ازواج مطہرات میں ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ ملک حبشہ میں ہجرت کے سلسلہ میں رہ چکی تھیں۔ انہوں نے مذکورہ گرجا کی خوبصورتی اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا، عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ سننا تھا کہ نبی ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا" جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تھا تو وہ لوگ اس کی قبر پر عبادت گاہ اور اس میں نیک لوگوں کی تصویریں بنا دیتے تھے۔ یہی لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔

(۶) عن جندب بن عبدالله البجلیؓ أنه سمع النبی ﷺ قبل ان يموت بخمس وهويقول "قد كان لی فيكم اخوة واصدقآء وانی ابرأ الیٰ الله ان يكون لی فيكم خليل ولو كنت متخذامن امتی خليلا لاتخذت ابابكر خليلا الاوان من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور انبيآئهم وصالحيهم مساجدفانی أنهاكم من ذالک [مسلم: ۱/ ۲۰۱، طبرانی معجم کبیر: ۲/ ۱۸۴]۔

جندب بن عبداللہ بجلیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے آپ ﷺ کے وصال سے پانچ دن پہلے یہ سنا کہ

آپ ﷺ فرما رہے تھے،تم میں میرے بھائی اور دوست ہیں اور اللہ کی طرف میں اس بات سے برأت کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں میرا کوئی خلیل ہو، کیونکہ اللہ عزوجل نے مجھے اپنا خلیل بنالیا ہے۔اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا۔یادرکھو تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیآء وصالحین کی قبروں کو مسجد بنالیتے تھے۔خبردار تم قبروں کو مسجد نہ بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔

(۷) عن الحارث النجرانیؓ قال سمعت النبیﷺ قبل ان یموت بخمس الاوان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیآئھم وصالحیھم مساجد،فانی انھاکم من ذالک[مصنف ابن ابی شیبة ۲/ ۳۷۶:].

حارث نجرانیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبیﷺ کے وصال سے پانچ روز پہلے میں نے آپﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے یادرکھو تم سے پہلے لوگ اپنے انبیآء وصالحین کی قبروں کو مسجد بنالیتے تھے۔خبردار تم قبروں کو مسجد نہ بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔

(۸) عن اسامة بن زیدؓان رسول اللهﷺ قال:فی مرضه الذی مات فیه ادخلواعلی اصحابی وھومتقنع ببردة معافری فکشف القناع فقال "لعن الله الیھود والنصاریٰ اِتخذوا قبور انبیآئھم مساجد" [مسنداحمد:۵/ ۲۰۴ ،طبرانی فی المعجم: ۱/ ۲۳/ ۱]

اسامہ بن زیدؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے مرض موت کے ایام میں صحابہ کو ایک روز اپنے پاس بلایا صحابہ حاضر ہوئے آپﷺ یمنی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔چادر الٹی اور فرمایا؛یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیآء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

(۹) عن ابی عبیدة بن الجراحؓ قال اخرماتکلم به النبیﷺ اخرجوا الیھود اھل الحجاز واھل نجران من جزیرة العرب واعلموا ان شرار الناس الذین اتخذوا وفی روایة یتخذون قبور انبیائھم مساجد [مسنداحمد:رقم: ۱۶۹۱ ،مسندابی یعلی: ۱/ ۵۷،]

ابوعبیدہ بن جراحؓ بیان فرماتے ہیں کہ زندگی کی آخری بات جو نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ اہل حجاز اور اہل نجران کے یہودیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔یادرکھو وہ لوگ بدترین خلائق ہیں جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ایک روایت میں ہے جو انبیاء کی قبروں کو مسجد بنائیں گے۔

(۱۰) عن زیدبن ثابتؓ ان رسول اللہﷺقال:لعن وفی روایة قاتل الیھوداتخذواقبورانبیائھم مساجد [مسنداحمد:۵/۱۸۴،۱۸۶].

زیدبن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: یہود پراللہ تعالیٰ لعنت فرمائے دوسری روایت میں ہے یہود کواللہ تعالیٰ تباہ بربادکرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کومسجدیں بنالیا۔

(۱۱) عن ابی ھریرةؓ قال قال رسول اللہﷺاللھم لاتجعل قبری وثنا،لعن اللہ قوما اتخذوا قبور انبیائھم مساجد [مسنداحمد:رقم:۳۵۲،مسندحمیدی:رقم:۱۰۲۵].

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے دعافرمائی: الٰہی میرے قبرکوبت نہ بننے دیناان قوموں پراللہ کی لعنت جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کومسجد بنالیا۔

(۱۲) عن عبداللہ بن مسعودؓ قال سمعت رسول اللہﷺ یقول:ان من شرار الناس من تدرکہ الساعة وھم احیاء ،ومن یتخذ القبورمساجد [مسنداحمد:رقم:۳۸۴۴،مصنف ابن ابی شیبة:۴/۱۴۰].

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: بے شک وہ لوگ بدترین خلائق ہیں جن پرقیامت قائم ہوگی اوروہ لوگ جوقبروں کومسجد بنائیں گے۔

(۱۳) عن علی بن ابی طالبؓ قال لقینی العباسؓ فقال انطلق بناالی النبیﷺفان کان لنامن الامرشیء والااوصی بنا الناس فدخلنا علیہ وھو مغمی علیہ فرفع رأسہ فقال:لعن اللہ الیھوداتخذوا قبورانبیائھم مساجد، وزادفی روایة ثم قالھاثلاثافلمار أینامابہ خرجناولم نسئلہ عن شیء.[طبقات ابن سعد: ۴/۲۴].

علی بن ابی طالبؓ بیان فرماتے ہیں کہ عباسؓ میرے پاس آئے اورکہاہمارے ساتھ نبیﷺ کی خدمت میں چلو،ہوسکتا ہےہمیں کچھ عنایت ہو،یاآپﷺ ہمارے ذریعہ لوگوں کوکچھ وصیت فرمائیں۔چنانچہ ہم نبیﷺ کی خدمت میں پہنچے توآپﷺ پرغشی طاری تھی ،افاقہ ہواتوسرمبارک اٹھایااورفرمایا: یہود پراللہ لعنت فرمائے۔انہوں نے انبیاء کی قبروں کومسجد بنالیا۔ہم نے آپﷺ کے مرض کی شدت دیکھی توواپس چلے آئے اورکچھ عرض معروض نہیں کیا۔

(۱۴) عن امھات المؤمنین ان اصحاب رسول اللہﷺقالوا کیف نبنی قبررسول اللہﷺ؟انجعلہ

مسجداً؟فقال ابوبکر الصدیق سمعت رسول اللهﷺ یقول: "لعن الله الیھود والنصاریٰ اِتخذوا قبور انبیآئھم مساجد" [جامع الکبیر للطبرانی: نقلاعن فضائل الصدیق لابن زنجویه].

امہات المومنین سے روایت ہے کہ اصحاب نے رسول اللہﷺ کی تدفین کے سلسلہ میں مشورہ کیا کہ ہم نبیﷺ کی قبر کو کہاں بنائیں، کیا اسے مسجد میں بنائیں؟ ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: یہودیوں اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ، انہوں نے اپنے انبیآء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

(قبروں کو مسجد بنانے کے تین معانی ہیں:)

پہلا معنی: علامہ ابن حجر ہیتمیؒ "کتاب الزواجر فی النھی عن اقتراف الکبائر [١٢١/١] میں لکھتے ہیں "قبروں مسجد بنانے کا معنی قبر پر نماز پڑھنا یا قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ہے۔

دیکھیے علامہ موصوف نے صراحت فرمادی کہ قبروں کو مسجد بنانے کے دو معنی میں سے ایک، قبر پر نماز پڑھنا ہے۔

علامہ صنعانی (امیر یمانی) سبل السلام: ٢١٤/١، میں لکھتے ہیں قبروں کو مسجد بنانے کا معنی قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے اور قبر پر نماز پڑھنے دونوں صورتوں کو شامل ہے یعنی تینوں معنی مراد ہونے کی بھی گنجائش ہے۔

چنانچہ امام شافعیؒ تینوں معانی مراد لیتے ہیں:

دوسرا معنی: علامہ مناویؒ فیض القدیر میں عائشہؓ کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہود، نصاریٰ نے اپنے باطل اعتقاد کے تحت قبروں کو قبلہ بنالیا۔ اوران کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھنے لگے۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا گویا قبروں پر مسجد بنانا ہے۔ اسی طرح اس کا عکس یعنی قبروں پر مسجد تعمیر کرنا قبروں کو سجدہ گاہ بنالینا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہود پر لعنت فرمائی ہے۔ کیونکہ اس میں انبیاء کی تعظیم میں بے جا غلو پایا جاتا ہے۔ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں یہود انبیاء کی تعظیم میں ان کی قبروں کا سجدہ کرتے تھے اور نماز میں قبروں ہی کی طرف رخ کرتے تھے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس بدعمل سے منع فرمایا۔

ملاعلی قاریؒ مرقات: ٣٧٢/٢، میں اس نہی کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے میں صاحب قبر کی غلوآمیز تعظیم پائی جاتی ہے گویا کہ اسے معبود کا درجہ دیا گیا ہے۔ قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا مقصد اگر واقعی قبر یا صاحب قبر کی تعظیم ہو تو یہ کفر ہے۔ اس لئے اگر کوئی نماز اللہ ہی کے لئے پڑھے لیکن قبر کی طرف رخ کر کے پڑھے تو ایک طرف کافرانہ عمل کے ساتھ تشابہ کی وجہ سے قبر کو قبلہ بنانے اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے

کی قطعی ممانعت صریح حدیث میں بھی وارد ہے۔

عن ابی مرثد الغنویؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لاتجلسوا علی القبور ولاتصلوا الیھا

[مسلم: ۱/۳۱۲، سنن ابی داؤد: ۲/۴۳، ترمذی: ۱/۱۳۶]

ابومرثد غنویؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔

اس حدیث کے مثل ایک اثر ثابت بنانیؒ نے انسؓ سے روایت کیا ہے،

عن انسؓ قال کنت اصلی قریبا من قبر، فرأنی عمر بن الخطابؓ فقال القبر القبر، فرفعت بصری الی السمآء وانا احسبہ یقول القمر فقال انما اقول القبر لاتصل الیہ[المطالب العالیہ: ۳/۳۴۲].

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک قبر کے قریب نماز پڑھ رہا تھا، عمرؓ نے دیکھا تو کہنے لگے 'قبر قبر' میں نے نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی کیونکہ میں سمجھا کہ 'قمر قمر' کہہ رہے ہیں تو عمرؓ نے فرمایا قبر، کہہ رہا ہوں، اس کی طرف رخ کر کے نماز مت پڑھو۔ اسی وجہ سے انسؓ مقبرہ میں مسجد بنانے سے منع فرماتے، امام بیہقی نے شعب الایمان: ۶/۴۷۳، میں قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ: **ان انس بن مالکؓ مرعلی مقبرۃ رماد، وھم یبنون مسجدا، فقال انسؓ، کان یکرہ ان یبنی مسجد فی وسط القبور۔**

تیسرا معنیٰ:۔ قبر پر مسجد تعمیر کرنا، یہ معنی امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے عائشہؓ سے مروی پہلی حدیث کا ترجمۃ الباب ان الفاظ میں منعقد کیا ہے 'باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور' (قبروں پر مسجدیں بنانے کی کراہیت) اس سے امام بخاریؒ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت قبر پر مسجد بنانے کی ممانعت کو مستلزم ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ کرمانیؒ کی یہ توجیہ نقل کی ہے 'حدیث کا مفاد یہ ہے کہ قبر کو سجدہ گاہ بنانا ممنوع ہے اور باب کا مدلول و مفہوم یہ ہے کہ قبر پر مسجد تعمیر کرنا منع ہے، حدیث اور باب کا مفہوم ایک دوسرے کے بظاہر متغائر ہے مگر اس تغائر کے باوجود دونوں میں درحقیقت تلازم ہے'' یعنی قبر کو سجدہ گاہ بنانا قبر پر مسجد بنانے کو مستلزم ہے اور قبر پر مسجد بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ قبر کو سجدہ گاہ بنالیا جائے گا۔

تیسرا جواب:۔ ہم یہ نہیں مانتے کہ سورۂ کہف کی مذکورہ آیت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگلی شریعت ''یعنی عیسیٰ علیہ

السلام کی شریعت' میں قبر پر مسجد اور عبادت خانہ تعمیر کرنا جائز تھا، مذکورہ آیت سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ہم اصحاب کہف پر مسجد تعمیر کریں گے، اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ لوگ مؤمن تھے اور اگر ان کا مؤمن ہونا بالفرض تسلیم کرلیا جائے تو یہ ثابت نہیں کہ وہ لوگ صالح اور نبی مرسل (عیسیٰ علیہ السلام) کی شریعت کے پابند تھے، بلکہ بعض دلائل اس کے خلاف ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ حدیث ((**لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیآئھم مساجد**)) کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، انبیآء کی قبروں کو مسجد بنانے کی قباحت وممانعت اس حدیث کے علاوہ قرآن سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ اصحاب کہف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **قال الذین غلبوا علٰی امرھم لنتخذن علیھم مسجدا**، اس آیت میں قبروں پر عبادت خانہ تعمیر کرنے کو اہل غلبہ کا فعل قرار دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس اقدام کی سند شریعت کا کوئی حکم نہ تھا، بلکہ محض غلبہ واقتدار میں اپنی خواہش کے مطابق ایسا کرنا چاہتے تھے، یہ فعل کچھ ان اہل علم وفضل کا نہیں تھا جو اپنے رسول پر نازل شدہ ہدایت کے حامی ومددگار ہوتے ہیں (فتح الباری لابن رجب ۲: ۴۴۳)۔

شیخ علی بن عروہ، مختصر الکواکب الدراری ((۲۰۷/۱۰)) میں حافظ ابن کثیر کی متابعت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر نے دو قول نقل کئے ہیں" پہلا قول یہ ہے کہ یہ کہنے والے کہ "ہم ان کی قبر پر مسجد تعمیر کریں گے، مؤمن ومسلم تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مشرک تھے۔ "واللہ اعلم" بہر حال یہ تو ظاہر ہے کہ وہ اصحاب اثر ورسوخ تھے، لیکن وہ لوگ یہ کہنے میں حق بجانب تھے یہ محل نظر ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے "اللہ یہود ونصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیآء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا" اس ارشاد سے آپ ﷺ کی غرض امت کو اس فعل قبیح سے ڈرانا تھا (اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود ونصاریٰ کی شریعتوں میں بھی قبروں کو مسجد بنانا جائز نہیں تھا ورنہ رسول اللہ ﷺ اس وجہ سے انہیں ملعون قرار نہ دیتے)۔

روایت ہے کہ عمرؓ کو اپنے زمانہ خلافت میں عراق کے کسی علاقہ میں دانیال علیہ السلام کی قبر کی خبر ملی تو اسے لوگوں سے بالکل پوشیدہ رکھنے اور اس کتاب کو بھی دفن کر دینے کا حکم دیا جو ان کی لاش کے ساتھ ملی تھی جس میں کچھ حوادث کی پیش گوئی رقم تھی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے بناء مسجد علی القبر کے جواز پر استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

علامہ الوسیؒ تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں اس آیت میں علماء کے قبروں پر مشاہد ومزارات تعمیر کرنے، ان پر مسجد بنانے اور ان میں نماز پڑھنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔جن لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے، ان میں شہاب خفاجی بھی ہیں انہوں نے یہ استدلال اپنے حواشی علی البیضاوی میں ذکر کیا ہے۔لیکن یہ استدلال بالکل غلط ہے، باطل اور فاسد ہے، پھر علامہ الوسیؒ نے احادیث متقدمہ میں سے بعض کو ذکر کرنے کے بعد ابن حجر ہیتمی کا وہ کلام جو گذر چکا ہے نقل کر آئے ہیں اور اس سے اتفاق کیا ہے نیز آلوسی نے اپنی کتاب: شرح المنہاج، میں حافظ ہیتمیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ علماء کے ایک جماعت نے یہ فتوی دیا تھا کہ قرافہ مصر میں قبروں پر جو عمارتیں ہیں وہ سب منہدم کر دی جائیں۔

حتیٰ کہ امام شافعیؒ کی مزار کو بھی گرا دیا جائے جو کسی عقیدت مند بادشاہ نے تعمیر کیا ہے ہر مسلمان کو چاہئے کہ فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی تمام عمارتوں کو مسمار کر دے اور اگر شر وفساد کا خطرہ ہو تو پھر یہ امام وقت کی اور سلطان کی ذمہ داری ہے۔

علامہ الوسیؒ آگے فرماتے ہیں، کہا جا سکتا ہے کہ سورۂ کہف کی ایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبروں پر مسجد بنانا پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور شرائع سابقہ سے استدلال اور ان کے کسی حکم کو حجت کے طور پر پیش کرنا خود نبی ﷺ سے ثابت ہے۔چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو اسے جب یاد آئے پڑھ لے۔پھر آپ ﷺ نے بطور استدلال یہ آیت کریمہ ''**اقم الصلوۃ لذکری**'' تلاوت فرمائی حالانکہ یہ حکم موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا قران میں حکایۃً ذکر کیا گیا ہے۔

اسی طرح امام ابویوسفؒ نے مرد اور عورت کے درمیان قصاص جاری ہونے پر اور امام کرخی نے غلام اور آزاد، ذمی اور مسلمان کے درمیان قصاص جاری ہونے پر آیت کریمہ ''**کتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس**'' سے استدلال کیا ہے حالانکہ اس میں بنی اسرائیل کے شریعت کو حکایتاً بیان کیا گیا ہے۔ان آیتوں سے جب نبی ﷺ نے استدلال فرمایا ہے تو سورۂ کہف کی آیت زیر بحث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔

اس اشکال اور اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ اگلی امتوں کی شریعت ہمارے لئے بھی شریعت ہے لیکن یہ علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اللہ تعالی نے اس شریعت اور اس کے کسی حکم کو بلا انکار بیان فرمایا ہو۔

یاد رہے اس سلسلہ میں رسول پاک ﷺ کا انکار اللہ عز وجل کے انکار کے مثل ہے، حدیث میں ہے رسول

اللہ ﷺ کا حرام کرنا اللہ کا حرام کرنا ہے۔ اور ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ نبی ﷺ نے قبروں پر مسجد بنانے والوں کو ملعون قرار دیا ہے علاوہ ازیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، کہ شرائع ماقبل اسلام میں قبروں پر مسجد بنانا جائز تھا، ایسا رہا ہوتا تو رحمة للعلمین یہود ونصاری کو اسی قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنے کی بناء پر ملعون قرار نہ دیتے پھر یہ آیت: ''لنتخذن علیھم مسجدا'' ان ایات مذکورہ کی طرح نہیں ہے جن سے ائمہ نے بعض مسائل میں استدلال کیا ہے۔ اس ایت میں بس ایک فریق کے اصحاب کہف کی قبروں پر مسجد تعمیر کرنے کے قول اور عزم کو حکایۃً بیان کیا گیا ہے۔ اس میں اس فریق کی مدح وتحسین کا پہلو ہے نہ انکی اقتداء کرنے کی ترغیب، اس لئے جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ ان میں کوئی معصوم بھی تھا، اس وقت تک ان کے کسی کام کے عزم وارادہ تو کجا اسے عملی جامہ پہنا دینا بھی اس کام کی مشروعیت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ نیز ان کے فعل کے قابل توجہ نہ ہونے کا ایک قوی سبب یہ بھی ہے کہ وہ جیسا کہ قتادہ وغیرہ سے مروی ہے امراء وحکام تھے جو مذہب کی پابندی سے کم اور دنیوی نام ونمود کے کاموں سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔

بہرحال اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اصحاب کہف کے بارے میں پہلی جماعت مومنین کی جماعت تھی جو قبروں پر عبادت گاہ بنانے کی حرمت سے واقف تھی اس لئے اس نے غار کے دروازے پر دیوار چن دینے اور دروازے کو بند کر دینے اور اصحاب کہف سے کوئی تعرض نہ کرنے کا مشورہ دیا مگر دوسری جماعت نے جو امراء اور حکام پر مشتمل تھی اس مشورہ کو قبول نہیں کیا بلکہ اور جوش میں آ گئی اور قسم کھا کر کہنے لگی کہ ہم اصحاب کہف کی قبروں پر ضرور مسجد تعمیر کریں گے۔

اگر دوسری جماعت کے ساتھ کسی کو حسن ظن ہی ہو تو وہ اس کے قول ''ہم اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے کی یہ توجیہ کر سکتا ہے کہ وہ اصحاب کہف کی قبروں پر مسجد تعمیر کرنے کی وہ صورت اختیار کرنا نہیں چاہتی تھی جو ممنوع ہے اور جس کے فاعل کو ملعون کہا گیا ہے بلکہ وہ قبروں کے قریب ایک مسجد بنانا چاہتی تھی چنانچہ سدی اور وہب کی روایت میں یہی دوسری صورت صراحتاً مذکور ہے اور یہ ممنوع نہیں ہے اس میں زیادہ سے زیادہ یہ بات ہوتی کہ اصحاب کہف کے نسبت سے وہ مسجد کہف کہلاتی، جس طرح مسجد نبوی قبر نبوی کی نسبت مسجد نبوی کہلاتی ہے۔

گویا اس دوسری جماعت نے پہلی جماعت کے قول: **ابنو علیھم** کے مقابلہ اور جواب میں بطور مشاکلہ یہ کہہ دیا کہ **لنتخذن علیھم مسجدا**۔ ورنہ اس کی اصل منشأ یہ تھی کہ: **لنتخذن قریبامنھم مسجدا**.

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ اس پہاڑی پر جس میں یہ غار تھا مسجد بنانا چاہتے تھے اس سلسلہ میں مجاہد کی ایک روایت یہی ہے کہ بادشاہ وقت نے اصحاب کہف کو غار میں چھوڑ دیا اور پہاڑی کے اوپر ان کی یادگار میں ایک مسجد بنوادی=

ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ

گے کہ وہ تین تھے (اور) چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا یونہی گمان کرتے ہیں

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ

اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو کہ میرا رب ہی اُن کے شمار سے خوب واقف ہے،

= یہ تاویل آیت کے ظاہر لفظ سے قریب تر اور زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

پھر مذکورہ سوال و جواب کی ضرورت اس وقت ہے جب یہ قول اختیار کیا جائے کہ اصحاب کہف لوگوں کے ان پر مطلع ہونے کے کچھ مدت بعد وفات پا گئے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ غار میں آ کر پہلے کی طرح سو گئے یعنی وہ زندہ ہیں مردہ نہیں تو ایت کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں رہ جائے گا۔ الغرض جس کے اندر بھی کچھ رشد اور حق پسندی کا جذبہ ہوگا وہ اس ایت کے سہارے خوامخواہ احادیث صحیحہ اور آثار صریحہ کے خلاف موقف اختیار کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا اس ایت سے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کی استدلال کرنا انتہائی درجہ کی جہالت اور ضلالت ہے اس کے باوجود بندۂ شکم اور نام نہاد مشائخ جہلاء کی ان حرکتوں کو مباح قرار دی ہوئی ہے جو وہ صلحاء کی قبروں کے ساتھ روا رکھتے ہیں یعنی قبروں کو اونچی کرنا ان کو سنگ و خشت سے پختہ بنانا ان پر جھاڑ اور فانوس لٹکانا قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ان کو چومنا ان پر عرس لگانا وغیرہ اور دلیل میں یہی آیت سورت کہف اور واقعات اصحاب کہف کی سلسلہ میں وارد بعض ان روایت کو پیش کرتے ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے اصحاب کہف کو ساگوان کی لکڑی کی تابوت میں محفوظ کر دیا تھا اور ان کی قبروں پر سالانہ عرس کا اہتمام کرتا تھا مگر یہ سب خرافاتی باتیں ہیں اللہ اور اس کے رسول کی مقابلہ میں ڈھٹائی ہے اور ایک ایسا دین ایجاد کر لینا ہے جس کی اللہ نے کوئی اجازت نہیں دی ہے۔

معرفت حق کے لئے بس یہی کافی ہے کہ تم دیکھو روئے زمین پر سب سے افضل قبر یعنی قبر نبی ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رویہ کیا تھا قبر کی زیارت اور اس پر درود و سلام کی خصوص میں ان کا کیا طریقہ تھا اور پھر دیکھو کہ صحابہ کرام کی طرز عمل اور ان قبوریوں کی طریقے میں کتنا فرق ہے صحابہ کا عمل کیا تھا اور یہ قبوری کیا کر رہے ہیں؟ بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا انتہیٰ کلام الالوسیؒ۔ (مزید وضاحت تحذیر الساجد میں ملاحظہ کیجئے)۔

مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا
ان کو جانتے بھی ہیں تو تھوڑے ہی لوگ (جانتے ہیں)۔ تو تم اُن (کے معاملے) میں گفتگو نہ کرنا مگر سرسری سی گفتگو

وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا
اور نہ اُن کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ دریافت ہی کرنا۔ اور کسی کام کی نسبت نہ کہنا کہ میں اسے کل کر دوں گا

﴿۲۳﴾ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ
مگر (انشاء اللہ کہہ کر یعنی اگر) اللہ چاہے تو (کر دوں گا) اور جب اللہ کا نام لینا بھول جاؤ تو یاد آنے پر لے لو اور کہہ دو

عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾
کہ اُمید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کی باتیں بتائے [5]

---

[5] یہاں پر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے لکھا ہے کہ جب قریش کو اصحاب کہف کا واقعہ سن کر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان مشرکوں سے یہ کہو کہ میری نبوت کا ثبوت کچھ اس قصہ پر منحصر نہیں مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ اس سے بڑھ کر مجھ کو نبوت کا ثبوت عطا کرے گا تم نے یہ قصہ میرے امتحان کے لئے پوچھا تھا کہ اگر یہ سچے نبی ہیں تو اس واقعہ کو بیان کر دیں گے ورنہ نہیں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اگر یہ لوگ اس کے علاوہ کسی اور شے کا آپؐ سے سوال کریں گے جو آپؐ کو معلوم نہ ہو گی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس سے بڑھ کر آپؐ کو بتلا دے گا۔ آیت کی یہ تفسیر زجاجؒ سے منقول ہے۔
یا یہ معنی ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نصیحت فرمائی کہ اگلی بات کی بابت بغیر ان شاء اللہ کہے وعدہ نہ کیا کریں اور اگر کسی وقت بھول جائیں تو جب یاد آئے ان شاء اللہ کہہ لیا کریں اور فرمایا کہ آپؐ امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا درجہ اس سے بھی زیادہ کرے یعنی آپ کبھی نہ بھولیں اور آئندہ کبھی بھولنے کا موقع نہ آئے (موضح القرآن) یا یہ معنی ہیں کہ جب کسی چیز کو بھول جایا کرو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیا کرو اور کہہ لیا کرو: عسیٰ ان یهدینی ربی لاقرب من هذا رشدا : یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بھولی ہوئی چیز کے بدلہ میں اس سے زیادہ بہتر اور نافع چیز عطاء فرمائیں اور عجب نہیں کہ یہ نسیان ہی میرے حق میں بہتر ہو: کما قال تعالیٰ او ننسها نأت بخير منها: علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ یہ معنی ظاہری سیاق کے زیادہ مطابق معلوم ہوتے ہیں۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴿۲۵﴾

اور اصحابِ کہف اپنے غار میں نو اوپر تین سو سال رہے [6]

---

[6] اسی آیت میں جو غار میں سونے کی مدت تین سونو سال بتلائے ہیں، ظاہر نسق قرآن سے یہی ہے کہ یہ بیان مدت حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، ابن کثیرؒ نے اسی کو جمہور مفسرین سلف وخلف کا قول قرار دیا ہے، ابوحیانؒ اور قرطبیؒ وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، مگر قتادہؒ وغیرہ سے اس میں ایک دوسرا قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ تین سونو سال کا قول بھی انہی اختلاف کرنے والوں میں سے بعض کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول صرف وہ ہے جو بعد میں فرمایا یعنی ''اللہ اعلم بما لبثوا'' کیونکہ پہلا قول تین سونو کے متعین کرنے کا اگر اللہ کا کلام ہوتا تو اس کے بعد: اللہ اعلم بما لبثوا، کہنے کا موقع نہ تھا، مگر جمہور مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں جملے اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں، پہلے میں حقیقت واقعہ کا بیان ہے اور دوسرے میں اس سے اختلاف کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدّت کا بیان آ گیا تو اب اس کو تسلیم کرنا لازم ہے، وہی جاننے والا ہے، محض تخمینوں اور رایوں سے اس کی مخالفت بے عقلی ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے بیان مدّت میں پہلے تین سو سال بیان کئے اس کے بعد فرمایا کہ ان تین سو پر نو اور زیادہ ہو گئے، پہلے ہی تین سونو نہیں فرمایا اس کا سبب مفسرینؒ نے یہ لکھا ہے کہ یہود ونصاریٰ میں چونکہ شمسی سال کا رواج تھا اس کے حساب سے تین سو سال ہی ہوتے ہیں، اور اسلام میں رواج قمری سال کا ہے اور اس قمری حساب سے نو سال مزید ہو گئے، ان دونوں سالوں کا امتیاز بتانے کے لئے عنوان تعبیر یہ اختیار کیا گیا۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا کہ اصحاب کہف کے معاملے میں خود ان کے زمانے میں، پھر عہد نبوی ﷺ کے اندر یہود ونصاریٰ میں دو باتیں زیر اختلاف تھیں ایک اصحاب کہف کی تعداد میں دوسری غار میں ان کے سوتے رہنے کی مدّت، قرآن نے ان دونوں کو بیان تو کر دی، مگر اس فرق کے ساتھ کہ تعداد کا بیان صریح الفاظ میں نہیں آیا، اشارے کے طور پر آیا، کہ جو قول صحیح تھا اس کی تردید نہیں کی، اور مدّت کی تعین کو صاف الفاظ وصریح الفاظ میں بتلایا: ولبثوا فی کھفھم ثلاث مائة ٍ سنین وازدادو تسعاً وجہ یہ ہے کہ قرآن نے اپنے اس اسلوب سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ تعداد کی بحث تو بالکل ہی فضول ہے، اس سے کسی دنیوی یا دینی مسئلہ کا تعلق نہیں، البتہ مدّت دراز تک خلاف عادت انسانی سوتے رہنا اور بغیر غذا کے صحیح تندرست رہنا پھر اتنے عرصہ کے بعد صحت مند اور قوی اٹھ کر بیٹھ جانا ایک نظیر حشر ونشر کی ہے ، اس سے مسئلہ قیامت وآخرت پر استدلال ہو سکتا ہے، اس لئے اس کو بصراحت بیان کر دیا۔

قُلِ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا ۚ لَہٗ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اَبۡصِرۡ بِہٖ وَ اَسۡمِعۡ

کہہ دو کہ جتنی مدت وہ رہے اُسے اللہ ہی خوب جانتا ہے اُسی کو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں (معلوم) ہیں وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے

مَا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ ۫ وَّ لَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے

وَ اتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ کِتَابِ رَبِّکَ ۚؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ

اور اپنے رب کی کتاب کو جو تمہارے پاس بھیجی جاتی ہے پڑھتے رہا کرو، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں

وَ لَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مُلۡتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَ اصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ

اور اس کے سوا تم کہیں پناہ بھی نہیں پاؤ گے ۔ اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے

رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَ الۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ وَ لَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُمۡ ۚ

اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہیں اُن کیساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں

تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَ لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ اتَّبَعَ

کہ تم آرائش زندگانی دنیا کے طلبگار ہو جاؤ، اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی

ہَوٰىہُ وَ کَانَ اَمۡرُہٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَ قُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ

پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے اس کا کہنا نہ ماننا۔ اور کہہ دو کہ (لوگو!) یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے

فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ ۙ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِیۡنَ نَارًا

برحق ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔ ہم نے ظالموں کیلئے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے

اَحَاطَ بِہِمۡ سُرَادِقُہَا ؕ وَ اِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ

جس کی قناتیں اُن کو گھیر رہی ہوں گی اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے کھولتے ہوئے پانی سے ان کی دادرسی کی جائے گی

كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٢٩﴾

(جو) پگھلے ہوئے تانبے کی طرح (گرم ہوگا اور جو) مونہوں کو بھون ڈالے گا (ان کے پینے کا) پانی بھی بُرا اور آرامگاہ بھی بُری

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾

(اور) جو ایمان لائے اور کام بھی نیک کرتے رہے تو ہم نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے

أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا

ایسے لوگوں کیلئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں ان کے (محلوں کے) نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ان کو وہاں سونے کے

مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ

کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک دیباج اور اطلس کے سبز کپڑے پہنا کریں گے

مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾

(اور تختوں) پر تکیے لگا کر بیٹھا کریں گے (کیا) خوب بدلہ اور (کیا) خوب آرامگاہ ہے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ

اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ (عنایت) کئے تھے

وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا

اور ان کے گرداگرد کھجوروں کے درخت لگا دیئے تھے اور ان کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی۔ دونوں باغ (کثرت سے)

وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾

پھل لاتے اور اُس (کی پیداوار) میں کسی طرح کی کمی نہ ہوتی اور دونوں میں ہم نے ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی

وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ

اور (اس طرح) اس (شخص) کو (ان کی) پیداوار (ملتی رہتی) تھی تو (ایک دن) جب کہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا

أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾

کہنے لگا کہ میں تم سے مال و دولت میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے (اور جماعت) کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت والا ہوں

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا ﴿۳۵﴾

اور اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو

وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا

اور نہ یہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا

﴿۳۶﴾ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ

تو اس کا دوست جو اس سے گفتگو کر رہا تھا کہنے لگا کہ کیا تم اُس (اللہ) سے کفر کرتے ہو جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا

ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لَّٰكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ

پھر نطفے سے پھر تمہیں پورا مرد بنایا۔ مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کیساتھ کسی کو شریک

بِرَبِّي أَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا

نہیں کرتا۔ اور (بھلا) جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے (ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ) کیوں نہ کہا؟

بِاللَّهِ إِن تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنكَ مَالًا وَوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِ خَيْرًا

اگر تم مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتے ہو۔ تو عجب نہیں کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے

مِّن جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾

بہتر عطا فرمائے اور اس (تمہارے باغ) پر آسمان سے آفت بھیج دے تو وہ صاف میدان ہو جائے

أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ

یا اس کا پانی گہرا ہو جائے تو پھر تم اُسے نہ لا سکو۔ اور اُس کے میووں کو عذاب نے آ گھیرا

فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ أَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

اور وہ اپنی چھتریوں پر گر کر رہ گیا تو جو مال اُس نے اُس پر خرچ کیا تھا اُس پر (حسرت سے) ہاتھ ملنے لگا

وَيَقُوْلُ يَا لَيْتَنِيْ لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ أَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهُ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهُ

اور کہنے لگا کہ کاش میں اپنے رب کیساتھ کسی کو شریک نہ بناتا۔ (اس وقت) اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوئی

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ

اور نہ وہ بدلہ لے سکا ۔ یہاں (سے ثابت ہوا کہ) حکومت سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اُسی کا صِلہ بہتر

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور (اُسی کا) بدلہ اچھا ہے ۔ اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کرو (وہ ایسی ہے) جیسے

كَمَآءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيْمًا

پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اُس کیساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی پھر وہ چُورا چُورا ہو گئی

تَذْرُوْهُ الرِّيَاحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہرچیز پر قدرت رکھتا ہے

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ

مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں

رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ أَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ

وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے رب کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں۔ اور جس دن ہم پہاڑوں کو

وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿۴۷﴾

چلائیں گے اور تم زمین کو صاف میدان دیکھو گے اور ان (لوگوں کو) ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے

وَعُرِضُوا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُمُوْنَا کَمَا خَلَقْنٰکُمْ أَوَّلَ

اورسب تمہارے رب کے سامنے صف باندھ کرلائے جائیں گے جس طرح ہم نے تم کوپہلی بار پیدا کیا تھا

مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَّجْعَلَ لَکُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی

تم ہمارے سامنے آئے لیکن تم نے یہ خیال کررکھا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے کوئی وقت مقرر ہی نہیں کیا۔اور کتاب رکھی جائے گی

الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْهِ وَیَقُوْلُوْنَ یَا وَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْکِتٰبِ

توتم گنہگاروں کودیکھو گے کہ جو کچھ اس میں ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے بربادی! یہ کیسی کتاب ہے

لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ج وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط

کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں) مگراُسے لکھ رکھا ہے اور جو عمل کئے ہوں گے سب کو حاضر

وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ احَدًا ﴿۴۹﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَآئِکَةِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ

پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کوسجدہ کروتو سب نے سجدہ کیا

فَسَجَدُوْآ إِلَّا إِبْلِیْسَ ط کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ ط أَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ

مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے باہر ہوگیا، کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو

وَذُرِّیَّتَهٗ أَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَهُمْ لَکُمْ عَدُوٌّ ط بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (اور شیطان کی دوستی) ظالموں کیلئے (اللہ کی دوستی کا) بُرا بدل ہے۔[7]

---

[7] اس ایت کریمہ سے صاف ثابت ہوا کہ ابلیس (بڑا شیطان) جنات میں سے تھا۔پیر محمد کرم شاہ بھیروی لکھتے ہیں: ان الفاظ سے یہ بتا دیا کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا۔(ضیاء القران:۳/۳۴ حاشیہ:۷۵)

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خلقت الملائکة من نور و خلق ابلیس من مارج من نار السموم و خلق ادم علیه السلام مما قد وصف لکم ۔یعنی فرشتوں کو نور سے پیدا کیا ہے اور ابلیس کو

جھلسانے والی آگ کے سیاہی مائل تیز شعلے سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کو اس (مٹی) سے پیدا کیا گیا ہے جس کی حالت تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہے کتاب التوحید لابن منده: ۲۰۸/۱، ح: ۷۳، وھو صحیح لحدیث مسلم: ۲۹۹۶، ۷۴۹۵ مشہور تابعی حسن بصریؒ نے فرمایا: ما کان ابلیس من الملائکة طرفة عین قط وانه لاصل الجن کما ان آدم علیه السلام اصل الانس ۔ابلیس کبھی بھی فرشتوں میں سے نہیں تھا جس طرح آدم علیہ السلام انسانوں کی اصل (ابتدا) ہیں۔اسی طرح ابلیس جنوں کی اصل (ابتدا) ہے تفسیر طبری: ۱۷۹/۱، ۱۵/۱۷۰، وصححه ابن کثیر فی تفسیره: ۲۲۲/۴، الکھف: ۵۰، کتاب العظمة لابی الشیخ: ۱۶۸۱/۵، ح: ۱۱۲۹، وسنده صحیح ۔

اس تحقیق کے مقابلے میں مندرج ذیل علماء کے نزدیک ابلیس ملائکہ (فرشتوں) میں سے تھا۔سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: کان ابلیس اسمه عزازیل وکان من اشرف الملائکة من ذوی الاربعة الاجنحة ثم ابلس بعد: ابلیس کا نام عزازئیل تھا وہ چار پروں والے بلند رتبہ ملائکہ (فرشتوں) میں سے تھا پھر اس کے بعد وہ ابلیس (شیطان) بن گیا تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۴/۱ ح: ۳۶۱، وسندہ صحیح۔

۲۔ قتادہ تابعیؒ نے فرمایا: ابلیس ملائکہ (فرشتوں) کے اس قبیلے میں سے تھا جسے جن کہتے ہیں۔تفسیر عبدالرزاق: ۱۶۸۷، وسندہ صحیح تفسیر طبری: ۱۷۸/۱، ۱۷۹، ۱۵/۱۷۰، وسندہ صحیح۔

۳۔ ابن مسعودؓ و دیگر صحابہ کرام سے روایت ہے کہ جعل ابلیس علی ملک سماء الدنیا وکان من قبیلة من الملائکة یقال لهم الجن وانما سموا الجن لانهم خزان الجنة وکان ابلیس مع ملکه خازنا ۔ابلیس کو اسمان دنیا کی بادشاہی پر مقرر کیا گیا اور وہ فرشتوں کے ایک قبیلے میں سے تھا۔جنھیں جن کہتے ہیں اور انہیں اس لئے جن کہا گیا ہے کہ وہ جنت کے خزانچی ہیں اور ابلیس اپنی بادشاہت کے ساتھ خزانچی بھی تھا۔تفسیر ابن جریر الطبری: ۱۷۸/۱، وسنده حسن، اثبات بن نصر حسن الحدیث۔

اگر سلف صالحین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو کتاب وسنت اور راجح کو ترجیح ہوگی۔اس مسئلے میں راجح یہی ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں بلکہ جنوں میں سے ہے۔ترجیح کی چند دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) قران مجید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا۔

(۲) حدیث صحیح میں ابلیس کی پیدائش آگ سے بیان کی گئی ہے۔

(۳) فرشتوں کی اولاد (نسل) نہیں ہوتی جبکہ ابلیس کی اولاد ہے۔ سورۃ الکہف: ۵۰۔

(۴) فرشتے ملائک ہونے کی صورت میں اللہ تعالی کی نافرمانی نہیں کرتے جبکہ ابلیس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

(۵) جوعلماء یہ کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا ان کے پاس کوئی صریح دلیل نہیں ہے بلکہ ان کا قول اہل کتاب (اسرائیلیات) سے ماخوذ ہے۔ ابوالحسن الرمانی نے اپنی تفسیر" الجامع لعلم القرآن": ۲۶، میں لکھا ہے کہ: ان ابلیس لم یکن من الملائکة باشیاء ،منها: قوله تعالی "لایعصون الله ماامرهم ویفعلون مایؤمرون (التحریم: ٦) .فنفی عنهم المعصیة نفیاعاما، و الثانی: انه قال "الاابلیس کان من الجن "ومتی اطلق لفظ الجن لم یجز ان یعنی به الا الجنس المعروف المبائن لجنس الانس و الملائکة ،و الثالث: ان ابلیس له نسل وذریة ،و الرابع: قوله تعالی: جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلاً أُولِيْ أَجْنِحَةٍ مَّثْنَى وَثُلاثَ وَرُبَاعَ يَزِيْدُ فِيْ الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾ (فاطر)۔ فعمها بالوصف بالرسالة، ولایجوز علی رسل الله ان یکفروا اویفسقوا کا لرسل من البشر.

اس تحقیق کے بعد بین الاقوامی شہرت یافتہ مکتبہ دارالسلام کی مطبوعہ کتاب "اسلام پر ۴۰ ،اعتراضات" کے عقلی ونقلی جواب پڑھنے کا موقع ملا جس میں ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک نے منکرین اسلام کے سوالات اوراعتراضات کے جواب دئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی یہ انتہائی بہترین اورمدلل کتاب ہے۔ اس کتاب سے ابلیس کے بارے میں سوال وجواب بشکریہ مکتبہ دارالسلام پیش خدمت ہے۔ ڈاکٹر عبدالکریم نائیک سے پوچھا گیا۔ قران مجید میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا لیکن سورۃ کہف میں فرمایا گیا ہے کہ ابلیس ایک جن تھا کیا یہ بات قران مجید میں تضاد کوظاہر نہیں کرتے؟ تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا!

قران کریم میں مختلف مقامات پر آدم وابلیس کا قصہ بیان کیا گیا ہے سورۃ بقرہ میں اللہ تعالی فرماتا ہے :و اذقلناللملائکة اسجدو الادم فسجدو الاابلیس ، ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کوسجدہ کروسوان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ البقرہ: ۳۴۔ اس بات کا تذکرہ حسب ذیل آیات میں بھی کیا گیا ہے۔

(۱) اعراف: ۱۱۔ (۲) حجر: ۲۷، ۳۱۔ (۳) الاسراء: ۶۱۔ (۴) طٰہٰ: ۱۱۶۔ (۵) ص: ۷۱، ۷۴۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ﴿۵۰﴾ ئیں گے

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کوسجدہ کروتو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو=

مَآ أَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ

میں نے اُن کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود اُن کے پیدا کرنے کے وقت

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآئِيَ

اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا۔ اور جس دن اللہ فرمائے گا کہ (اب) میرے شریکوں کو

=اپنے رب کے حکم سے باہر ہوگیا۔ پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

سورۂ البقرہ کے مذکورہ بالا ایت کے پہلے حصے سے ہمیں یہ تاثر ملتا ہے کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا قران کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ عربی گرائمر میں ایک کلیہ تغلیب کے نام سے معروف ہے جس کے مطابق اگر اکثریت سے خطاب کیا جارہا ہو تو اقلیت بھی خود بخود اس میں شامل ہوتی ہے مثلا میں ۱۰۰، طالب علموں پر ایک مشتمل ایک ہی کلاس سے خطاب کرر ہا ہوں جس میں لڑکوں کے تعد ۹۹، ہے اور لڑکی صرف ایک ہے اور میں عربی زبان میں یہ کہتا ہوں کہ سب لڑکے کھڑے ہو جائیں تو اس کا اطلاق لڑکی پر بھی ہوگا۔ مجھے الگ طور پر اس سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی طرح قران کریم کے مطابق جب اللہ تعالی نے فرشتوں سے خطاب کیا تو ابلیس بھی وہاں موجود تھا تاہم اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ اس کا ذکر الگ سے کیا جاتا، لہذا سورۂ بقرہ اور دیگر سورتوں کی عبارت کے مطابق ابلیس فرشتہ ہو یا نہ ہو لیکن ۱۸، ویں سورۂ الکھف کی پچاسویں ایت کے مطابق ابلیس ایک جن تھا قران کریم میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا۔ سو قران کریم میں اس حوالے سے کوئی تضاد نہیں۔

اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ جنوں کو ارادہ واختیار دیا گیا ہے اور وہ چاہیں تو اطاعت سے انکار بھی کرسکتے ہیں لیکن فرشتوں کو ارادہ واختیار نہیں دیا گیا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالاتے ہیں، لہٰذا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی کرسکتا ہے، اس حقیقت سے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے کہ ابلیس ایک جن تھا، فرشتہ نہیں تھا۔

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

جن کی نسبت تم گمان رکھتے تھے بلاؤ تو وہ اُن کو بلائیں گے مگر وہ اُن کو کچھ جواب نہ دیں گے اور ہم اُن کے بیچ میں ایک ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا

اور گنہگار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کرلیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور اس سے بچنے کا کوئی رستہ نہ پائیں گے

﴿۵۳﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کے سمجھانے) کیلئے طرح طرح کی مثالیں بیان فرمائی ہیں

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَ

لیکن انسان سب چیزوں سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آ گئی تو ان کو کس چیز نے منع کیا

هُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ

کہ ایمان لائیں اور اپنے رب سے بخشش مانگیں بجز اس کے کہ (اس بات کے منتظر ہوں کہ)

سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

انہیں بھی پہلوں کا سا معاملہ پیش آئے یا اُن پر عذاب سامنے موجود ہو

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ

اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجا کرتے ہیں تو صرف اس لئے کہ (لوگوں کو اللہ کی نعمتوں کی) خوشخبریاں سنائیں اور (عذاب سے) ڈرائیں

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ

اور جو کافر ہیں وہ باطل (کی سند) سے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس سے حق کو پھسلا دیں اور انہوں نے ہماری آیتوں کو

وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ

اور جس چیز سے ان کو ڈرایا جاتا ہے ہنسی بنا لیا، اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کے کلام سے سمجھایا گیا

بِـاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا وَنَسِىَ مَا قَدَّمَتۡ يَدَاهُ ؕ اِنَّـا جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ

تو اُس نے اس سے منہ پھیر لیا اور جو اعمال وہ آگے کر چکا اُس کو بھول گیا، ہم نے ان کے دلوں پر

اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ وَاِنۡ تَدۡعُهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى فَلَنۡ يَّهۡتَدُوۡۤا

پردے ڈال دیئے کہ اُسے سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں بوجھ (پیدا کر دیا ہے کہ سن نہ سکیں) اور اگر تم ان کو رستے کی طرف بلاؤ

اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَةِ ؕ لَوۡ يُؤَاخِذُهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا

تو کبھی رستے پر نہ آئیں گے ۔ اور تمہارا رب بخشنے والا رحمت والا ہے اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کو پکڑنے لگے

لَـعَجَّلَ لَهُمُ الۡعَذَابَ ؕ بَلۡ لَّهُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ يَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖ مَوۡئِلًا ﴿۵۸﴾

تو ان پر جھٹ عذاب بھیج دے مگر ان کیلئے ایک وقت (مقرر کر رکھا) ہے کہ اُس کے عذاب سے کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے

وَتِلۡكَ الۡقُرٰٓى اَهۡلَكۡنٰهُمۡ لَمَّا ظَلَمُوۡا وَجَعَلۡنَا لِمَهۡلِكِهِمۡ مَّوۡعِدًا ﴿۵۹﴾

اور یہ بستیاں جب انہوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا اور ان کی تباہی کیلئے ایک وقت مقرر کر دیا تھا

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤى اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَيۡنِ اَوۡ اَمۡضِىَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے سنگھم نہ پہنچ جاؤں ہٹے گا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں [8]

---

[8] اس واقعہ میں موسیٰ سے مراد مشہور پیغمبر موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں، نوف بکالی نے جو دوسرے کسی موسیٰ کی طرف اس واقعہ کو منسوب کیا ہے صحیح بخاری میں ابن عباسؓ کی طرف سے اس پر سخت رد منقول ہے۔ اور فتی کے لفظی معنی نوجوان کے ہیں جب یہ لفظ کسی خاص شخص کی طرف منسوب کر کے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا خادم مراد ہوتا ہے، کیونکہ خدمت گار اکثر قوی جوان دیکھ کر رکھا جاتا ہے جو ہر کام انجام دے سکے۔

اور نوکر و خادم کو جوان کے نام سے پکارنا اسلام کا حسن ادب ہے کہ نوکروں کو بھی غلام یا نوکر کہہ کر خطاب نہ کرو بلکہ اچھے لقب سے پکارو۔ اس جگہ فتی کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے اس لئے مراد ہے موسیٰ علیہ السلام کے خادم۔ اور، روایات حدیث میں ہے کہ یہ خادم یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے

بھانجے تھے۔مگر اس میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا صحیح روایت سے اس کا نام یوشع بن نون ہونا تو ثابت ہے باقی اوصاف وحالات کا ثبوت نہیں (قرطبی)۔

مجمع البحرین کے لفظی معنی ہر وہ جگہ ہے جہاں دو دریا ملتے ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے مواقع دنیا میں بے شمار ہیں اس جگہ مجمع البحرین سے کونسی جگہ مراد ہے؟ چونکہ قران وحدیث میں اس کو معین طور پر نہیں بتلایا اس لئے اثار وقرائن کے اعتبار سے مفسرین کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔قتادہؒ نے فرمایا کہ بحیرہ فارس وروم کی ملنے کی جگہ مراد ہے۔ابن عطیہؒ نے ازر بائیجان کے قریب ایک جگہ کو کہا ہے بعض نے بحر اردن اور بحر قلزم کے ملنے کی جگہ بتلائی ہے بعض نے کہا یہ مقام طنجہ میں واقع ہے۔

ابی بن کعبؓ سے منقول ہے کہ یہ افریقہ میں ہے۔سدی نے ارمینیہ میں بتلایا ہے بعض نے بحر اندلس جہاں بحر محیط سے ملتا ہے وہ موقع بتلایا ہے واللہ اعلم۔

بہر حال: اتنی بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالی نے موسٰی علیہ السلام کو یہ مقام معین کر کے بتلا دیا تھا۔جس کی طرف ان کا سفر واقع ہوا ہے۔(قرطبی)۔

اس واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری، ومسلم تفسیر سورۂ کہف :۶/۱۱۲، میں بروایت ابی بن کعبؓ اس طرح آئی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ موسٰی علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ موسٰی علیہ السلام کے علم میں اپنے سے زیادہ علم والا کوئی نہیں تھا اس لئے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ ’’علم والا‘‘ ہوں، اللہ تعالی اپنے مقرب بارگاہ انبیاء کو خاص تربیت دیتے ہیں اس لئے یہ بات پسند نہ آئی، بلکہ ادب کا مقتضی یہ تھا کہ اس کو اللہ کے علم کے حوالے کرتے یعنی یہ کہہ دیتے کہ اللہ تعالی ہی جانتے ہیں، کہ ساری مخلوق میں اعلم کون ہے؟ موسٰی علیہ السلام کی اس جواب پر اللہ تعالی کا عتاب ہوا۔موسٰی علیہ السلام پر وحی آئی کہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین پر ہے وہ آپ سے زیادہ اعلم ہے۔موسٰی علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا تو اللہ تعالی سے درخواست کی کہ جب وہ مجھ سے زیادہ اعلم ہے تو مجھے ان سے استفادہ کے لئے سفر کرنا چاہیئے اس لئے عرض کیا یا اللہ مجھے ان کا پتہ نشان بتلا دیا جائے اللہ تعالی نے فرمایا کہ ایک مچھلی اپنی زنبیل میں رکھ لو اور مجمع البحرین کی طرف سفر کر لو، جس جگہ پہنچ کر یہ مچھلی گم ہو جائے بس وہی جگہ ہماری اس بندے کے ملنے کی ہے موسٰی علیہ السلام نے حکم کے مطابق ایک مچھلی زنبیل میں رکھ لی اور چل دئے۔ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی تھے ۔دوران سفر ایک پتھر کے پاس پہنچ کر اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے یہاں اچانک یہ مچھلی حرکت میں آگئی اور زنبیل سے نکل کر دریا میں چلی گئی اور مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلے جانے کے ساتھ ایک دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ جس راستہ سے مچھلی دریا میں گئی اللہ تعالی نے وہاں پانی کا جریان روک دیا۔اور اس جگہ پانی کے اندر ایک سرنگ جیسی ہوگئی، یوشع بن نون اس عجیب واقعہ کو دیکھ رہے تھے موسٰی علیہ السلام

سو گئے تھے جب بیدار ہوئے تو یوشع بن نون مچھلی کا یہ عجیب معاملہ موسیٰ علیہ السلام سے بتلانا بھول گئے اور اس جگہ سے پھر روانہ ہو گئے، پورے ایک دن ایک رات کا مزید سفر کیا جب دوسرے روز کی صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی رفیق سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ کیونکہ اس سفر سے کافی تکان ہو چکا ہے۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ بقضائے الٰہی موسیٰ علیہ السلام کو اس سے پہلے تکان بھی محسوس نہیں ہوا یہاں تک کہ جس جگہ پہونچنا تھا اس سے آگے نکل آئے جب موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ طلب کیا تو یوشع بن نون کو مچھلی کا واقعہ یاد آیا اور اپنی بھول جانے کا عذر کیا، کہ شیطان نے مجھے بھلا دیا تھا کہ اس وقت آپ کو اس واقعہ کی اطلاع نہ کی اور پھر بتلایا کہ وہ مردہ مچھلی تو زندہ ہو کر دریا میں ایک عجیب طریقہ سے چلی گئی اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہی تو ہمارا مقصد تھا (یعنی منزل مقصود وہی تھی جہاں مچھلی زندہ ہو کر گم ہو جائے)۔

چنانچہ اسی وقت واپس روانہ ہو گئے اور ٹھیک اسی راستہ سے لوٹے جس پر پہلے چلے تھے۔ تاکہ وہ جگہ مل جائے اب جو یہاں اس پتھر کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ اس پتھر کے پاس ایک شخص سر سے پاؤں تک چادر تانے ہوئے لیٹا ہے موسیٰ علیہ السلام نے اسی حال میں سلام کیا تو خضر علیہ السلام نے کہاں کہ اس غیر آباد جنگل میں سلام کہا سے آ گیا اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں تو خضر علیہ السلام نے سوال کیا کہ موسیٰ بنی سرائیل؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں موسیٰ بنی اسرائیل ہوں۔ اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ خاص علم سکھلا دیں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔ خضر علیہ السلام نے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے اے موسیٰ، میرے پاس ایک علم ہے جو اللہ نے مجھے دیا ہے۔ وہ آپ کے پاس نہیں اور ایک علم آپ کو دیا ہے جو میں نہیں جانتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی کام میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ میرے ساتھ چلنے ہی کو تیار ہیں تو کسی معاملہ کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھنا نہیں جب تک کہ میں خود آپ کو اس کی حقیقت نہ بتلاؤں۔ یہ کہہ کر دونوں دریا کے کنارے کنارے چلنے لگے اتفاقاً ایک کشتی آ گئی تو کشتی والوں سے کشتی پر سوار ہونے کی بات چیت کی ان لوگوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان سب لوگوں کو بغیر کسی کرایہ اور اجرت کے کشتی میں سوار کر لیا۔ کشتی میں سوار ہوتے ہی خضر علیہ السلام نے ایک کلہاڑی کے ذریعہ کشتی کا ایک تختہ نکال ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام سے نہ رہا گیا کہنے لگے کہ ان لوگوں نے بغیر کسی معاوضہ کے ہمیں کشتی میں سوار کر لیا آپ نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ ان کی کشتی توڑ ڈالی کہ یہ سب غرق ہو جائیں یہ تو آپ نے بہت برا کام کیا۔

خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے عذر کیا کہ میں اپنا وعدہ بھول گیا تھا، اس بھول پر آپ سخت گیری نہ کریں، رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ موسیٰ =

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا

جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے تو اُس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنا لیا

۝٦١ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَ نَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا

جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا لاؤ اس سفر سے ہمیں بہت تھکان ہو گئی ہے

=علیہ السلام کا پہلا اعتراض خضر علیہ السلام پر بھول سے ہوا تھا اور دوسرا بطور شرط کے اور تیسرا قصداً (اسی اثنا میں) ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر اس نے دریا میں سے ایک چونچ بھر پانی لیا خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا کہ میرا علم اور آپ کا علم دونوں مل کر بھی اللہ کے علم کے مقابلہ میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتی جتنی اس چڑیا کی چونچ کے پانی کو اس سمندر کے ساتھ ہے۔

پھر کشتی سے اُتر کر دریا کے ساحل پر چلنے لگے، اچانک خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ دوسرے لڑکوں میں کھیل رہا ہے، خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس لڑکے کا سر اس کے بدن سے الگ کر دیا، لڑکا مر گیا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے ایک معصوم جان کو بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا، یہ تو آپ نے بڑا ہی گناہ کیا، خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ معاملہ پہلے سے زیادہ سخت ہے، اس لئے کہا کہ اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی بات پوچھی تو آپ مجھے اپنے ساتھ سے الگ کر دیجئے آپ میری طرف سے عذر کی حد پر پہنچ چکے ہیں۔

اس کے بعد پھر چلنا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک گاؤں پر گذر ہوا، انہوں نے گاؤں والوں سے درخواست کی کہ ہمیں اپنے یہاں مہمان رکھ لیجئے، انہوں نے انکار کر دیا، اس بستی میں ان لوگوں نے ایک دیوار کو دیکھا کہ گرا چاہتی ہے، خضر علیہ السلام نے اس کو اپنے ہاتھ سے سیدھا کھڑا کر دیا، موسیٰ علیہ السلام نے تعجب سے کہا کہ ہم نے ان لوگوں سے مہمانی چاہی تو انہوں نے انکار کر دیا، آپ نے اتنا بڑا کام کر دیا، اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت ان سے لے سکتے تھے، خضر علیہ السلام نے کہا کہ: **هذا فراق بيني وبينك** (یعنی اب شرط پوری ہو چکی، اس لئے ہماری اور آپ کی مفارقت کا وقت آ گیا ہے)۔

اس کے بعد خضر علیہ السلام نے تینوں واقعات کی حقیقت موسیٰ علیہ السلام کو بتلا کر کہا: **ذالك تأويل مالم تسطع عليه صبراً**: یعنی یہ ہے حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا،، رسول اللہ ﷺ نے یہ پورا واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور کچھ صبر کر لیتے تو ان دونوں کی اور کچھ خبریں معلوم ہو جاتیں (انتہی)۔

﴿۶۳﴾ قَالَ أَرَءَيْتَ إِذْ أَوَيْنَآ إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ

(اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی وہیں بھول گیا

وَمَآ أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطٰنُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿۶۳﴾

اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اُس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

(موسیٰ نے) کہا یہ تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

(وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت)

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهُ مُوسٰى هَلْ أَتَّبِعُكَ

دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا ۔موسیٰ نے اُن سے کہا کہ جو علم (اللہ کی طرف [9]

---

[9] قرآن کریم میں اگرچہ صاحب واقعہ کا نام مذکورنہیں بلکہ عبدامن عبادنا کہا گیا مگر صحیح بخاری کی حدیث میں ان کا نام خضر علیہ السلام بتلایا گیا ہے،خضر کے لفظی معنی ہرے بھرے کے ہیں،ان کا نام خضر ہونے کی وجہ عام مفسرین نے یہ بتلائی ہے کہ یہ جس جگہ بیٹھ جاتے تو کیسی ہی زمین ہو وہاں گھاس اُگ جاتی،اورزمین سرسبز ہوجاتی تھی،قرآن کریم نے یہ بھی واضح نہیں کیا کہ خضر علیہ السلام کوئی پیغمبر تھے یا اولیاء اللہ میں سے کوئی فرد تھے۔لیکن جمہور علماء کے نزدیک ان کا نبی ہونا خود قران کریم میں ذکر کئے ہوئے واقعات سے ثابت ہے کیونکہ خضر علیہ السلام سے اس سفر میں جتنے واقعات ثابت ہیں ان میں سے بعض تو قطعی طور پر خلاف شرع ہیں اور حکم شریعت سے کوئی استثنا بجز وحی الٰہی کے ہو نہیں سکتا جو نبی اور پیغمبر ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

ولی کو بھی کشف یا الہام سے کچھ چیزیں معلوم ہوسکتی ہیں مگر وہ کوئی حجت نہیں ہوتی ان کی بناء پر ظاہر شریعت کے کسی حکم کو بدلا نہیں جاسکتا۔اس لئے یہ متعین ہوجاتا ہے کہ خضر علیہ السلام،اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے۔ان کو بذریعہ وحی=

عَلٰٓی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّکَ لَنۡ

سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کیساتھ رہوں

تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۶۷﴾ وَ کَیۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰی مَا لَمۡ تُحِطۡ بِہٖ خُبۡرًا ﴿۶۸﴾

کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکو گے۔ اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر بھی کیونکر کر سکتے ہو

قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعۡصِیۡ لَکَ اَمۡرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ

(موسیٰ نے) کہا اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔ کہا

اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا ﴿۷۰﴾

کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں

=الٰہی بعض خاص احکام وہ دیئے گئے تھے جو ظاہرا شریعت کے خلاف تھے، انہوں نے جو کچھ کیا۔ اس استثنائی حکم کے ماتحت کیا خود ان کی طرف سے اس کا اظہار بھی قرآن کے اس جملے میں ہو گیا وما فعلته عن امری یعنی میں نے جو کچھ کیا اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ امر الٰہی سے کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک خضر علیہ السلام بھی ایک نبی اور پیغمبر ہے مگر ان کی کچھ تکوینی خدمتیں من جانب اللہ سپرد کی گئی تھیں۔ اسی کا علم دیا گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کی اطلاع نہ تھی اس لئے اس پر اعتراض کیا۔ تفسیر قرطبی، بحر محیط، ابوحیان اور اکثر تفاسیر میں یہ مضمون بعنوانات مختلفہ مذکور ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ بہت سے جاہل غلط کار تصوف کو بدنام کرنے والے صوفی جو کہنے لگے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور ہے بہت سی چیزیں شریعت میں حرام ہوتی ہے مگر طریقت میں جائز ہیں اس لئے کسی ولی کو صریح گناہ کبیرہ میں مبتلا دیکھ کر بھی اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا یہ کھلا ہوا زندقہ اور باطل ہے۔

خضر علیہ السلام پر کسی دنیا کے ولی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا اور نہ ظاہر شریعت کے خلاف اس کے کسی فعل کو جائز کہا جاسکتا ہے۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓی إِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ

تو دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ کیا

أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا إِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ أَلَمْ

آپ نے اس کو اس لئے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی۔ (خضر نے) کہا

أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ

کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟ (موسیٰ نے) کہا کہ جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجئے

وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ أَمْرِیْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓی إِذَا لَقِیَا غُلَامًا فَقَتَلَهٗ

اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اسے مار ڈالا

قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةً بِغَیْرِ نَفْسٍ لَّقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

(موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا (یہ تو) آپ نے بُری بات کی[10]

---

[10] ابن ابی شیبہ نے ۱۷/۸۷۵ [محقق] میں ابن عباسؓ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ نجدہ حروری (خارجی) نے ابن عباسؓ کو خط لکھا کہ خضر علیہ السلام نے لڑکے نابالغ کو کیسے قتل کر دیا؟ جبکہ نبی کریم ﷺ نے نابالغ کو قتل کرنے سے منع فرمایا ابن عباسؓ نے جواب میں لکھا کہ اگر کسی بچے کے متعلق تمہیں وہ علم حاصل ہو جائے جو موسیٰ علیہ السلام کے عالم یعنی خضر علیہ السلام کو حاصل ہوا تھا تو تمہارے لئے بھی نابالغ کا قتل جائز ہو جائے گا۔

مطلب یہ تھا کہ خضر علیہ السلام کو تو بذریعہ وحی نبوت اس کا علم ہوا تھا وہ اب کسی کو نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ جس کو بذریعہ وحی اس قسم کے واقعات کے متعلق کسی حکم الٰہی سے کسی خاص شخص کو مستثنیٰ کرنے کا علم ہو سکے۔

اس واقعہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ کسی شخص کو کسی حکم شرعی سے مستثنیٰ قرار دینے کا نبی، صاحب وحی، کے سوا کسی کو حق نہیں۔

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾

(خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟

قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ

انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا

عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰى إِذَآ أَتَيَآ أَهْلَ قَرْيَةِ ِاسْتَطْعَمَآ أَهْلَهَا

کہ آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ گئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا

فَأَبَوْا أَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ أَنْ يَّنْقَضَّ

انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی

فَأَقَامَهُ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿۷۷﴾

خضر نے اس کو سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام چلتا)

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا

خضر نے کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی آپہنچی (مگر) جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکے میں تمہیں ان کا حال بتائے دیتا ہوں

﴿۷۸﴾ أَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ

(کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت (کر کے یعنی کشتیاں چلا کر گزارہ) کرتے تھے

فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

اور ان کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح سالم) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا

وَأَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ

تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں (تاکہ وہ اسے غصب نہ کر سکے) اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے

فَخَشِيْنَآ أَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨٠﴾

ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر جو بدکردار ہوگا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔

فَأَرَدْنَآ أَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّأَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾

تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور (بچہ) عطا فرمائے جو پاک اور محبت میں زیادہ قریب ہو

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا

اور وہ جو دیوار تھی سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا

وَكَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا

اوران کا باپ ایک نیک آدمی تھا تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں

كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ

یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کئے یہ ان باتوں

تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ

کا راز ہے جن پر تم صبر نہ کرسکے اور تم سے ذوالقرنین کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو [11]

---

[11] قرآن کریم میں جو واقعہ خضر علیہ السلام کا مذکور ہے اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ خضر علیہ السلام اس واقعہ کے بعد وفات پا گئے یا زندہ رہے، اسی لئے قرآن وسنت میں اس کے متعلق کوئی صریح بات مذکور نہیں بعض روایات وآثار سے ان کا اب تک زندہ ہونا معلوم ہوتا ہے، بعض روایات سے اس کے خلاف مستفاد ہوتا ہے، اسی لئے اس معاملے میں ہمیشہ سے علماء کی رائیں مختلف رہی ہیں جو لوگ ان کی حیات کے قائل ہیں ان کا استدلال ایک تو اس روایت سے ہے جس کو حاکم نے مستدرک نے: ۳/۶۰۵، میں انسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ایک شخص سیاہ سفید داڑھی والے داخل ہوئے اور لوگوں کے مجمع کو چیرتے پھاڑتے اندر پہنچے اور رونے لگے پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ

ہوکر یہ کلمات کہے:

ان فی اللہ عزاءً من کل مصیبة وعوضاً من کل نائب وخلفا،من کل ھالک فالی اللہ فانیبوا والیہ فارغبوا فان المحروم من حرم الثواب: یعنی اللہ کی بارگاہ میں صبر ہی ہر مصیبت سے،اور بدلہ ہی ہر فوت ہونے والے چیز کا،اور وہی قائم مقام ہے ہر ہلاک ہونے والے کا۔اس لئے اسی کی طرف رجوع کرو،اسی کی طرف رغبت کرو،کیونکہ محروم وہ شخص ہے جو مصیبت کے ثواب سے محروم ہو جائے یہ کلمات مذکورہ کہہ کر رخصت ہوگیا تو ابوبکرؓ اور علیؓ نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے اس روایت کو جزری نے حصن حصین میں بھی نقل کیا ہے جن کی شرط یہ ہے کہ صرف صحیح السند روایات اس میں درج کرتے ہیں۔اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حاکم لکھتا ہے کہ اس میں عباد بن عبد الصمد ہے اور وہ ہماری کتاب کی شرط میں سے نہیں اور ہیثمی نے مجمع الزوائد ۳۳/۳،میں اس کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: کہ اس میں عباد ہے جو کہ امام بخاری وغیرہ نے ضعیف اور نا قابل اعتبار قرار دیا ہے۔تو جزری کی نقل کرنا اس کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔

اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ دجال مدینہ طیبہ کی قریب ایک جگہ تک پہنچے گا تو مدینہ سے ایک شخص اس کے مقابلے کے لئے نکلے گا۔جو اس زمانے کے سب انسانوں میں بہتر ہوگا یا بہتر لوگوں میں سے ہوگا ابواسحاق نے فرمایا کہ یہ شخص خضر علیہ السلام ہونگے (قرطبی)۔اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الہواتف [۴۲۹/۲] میں منقطع سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ علیؓ نے خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تو خضر علیہ السلام نے ان کو ایک دعا بتلائی کہ جو اس کو ہر نماز کے بعد پڑھا کرے اس کے لئے ثواب عظیم اور مغفرت ہے۔وہ دعا یہ ہے:

یامن لایشغلہ سمع عن سمع ویامن لاتغلطہ المسائل ویامن لایبرم من الحاح الملحین اذقنی بردعفوک وحلاوة مغفرتک.

یعنی اے وہ ذات جس کو ایک کلام کا سننا دوسرے کلام کے سننے سے مانع نہیں ہوتا اور اے وہ ذات جس کو بیک وقت ہونے والے سوالات میں کوئی مغالطہ نہیں لگتا۔اور وہ ذات جو دعا میں الحاح واصرار کرنے اور بار بار کہنے سے ملول نہیں ہوتا۔ مجھے اپنے عفو وکرم کا ذائقہ چکھا دیجئے اور اپنی مغفرت کی حلاوت نصیب فرمادئے۔جبکہ اس کی سند میں محمد بن الحسن الھمدانی ہے میزان :۲۸۸/۲،میں امام ذہبی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔اور پھر اسی کتاب میں بعینہ یہی واقعہ اور یہی دعا اور خضر علیہ السلام سے ملاقات کا واقعہ فاروق اعظم سے بھی نقل کیا ہے۔اسی طرح اولیائے امت میں خضر علیہ

السلام کے بے شمار واقعات منقول ہیں۔

اور جو لوگ خضر علیہ السلام کی حیات کو تسلیم نہیں کرتے ان کا بڑا استدلال اس حدیث سے ہے جو صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر سے منقول ہے: رقم ۲۵۳۹، وترمذی ۲۲۵۰، وہ فرماتے ہیں: کہ ایک رات رسول پاک ﷺ نے ہمیں عشاء کی نماز اپنی آخری حیات میں پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد آپ کھڑے ہوگئے اور یہ کلمات ارشاد فرمائی:

"ارأیتکم لیلتکم هذه فان علی رأس مائة سنة منها لایبقی ممن هو علی ظهر الارض احد" کیا تم اپنی آج کی رات کو دیکھ رہے ہو اس رات سے سو سال گذرنے پر کوئی شخص ان میں سے زندہ نہ رہے گا، جو آج زمین کے اوپر ہے۔ عبداللہ بن عمر نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ اس روایت کے بارے میں لوگ مختلف باتیں کرتے ہیں: مگر رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ سو سال پر یہ قرن ختم ہوجائے گا۔ یہ روایت مسلم میں جابر بن عبداللہ سے بھی تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔

امام قرطبی وغیرہ کا یہ قول کہ اس سے مراد ارض عرب ہے پوری زمین نہیں جیسا کہ یاجوج وماجوج یا عیسی علیہ السلام اس سے مستثنی ہے تو یہ قول صحیح نہیں کیونکہ مذکورہ اشخاص کا استثناء صحیح روایات میں مذکور ہے جبکہ خضر علیہ السلام کے متعلق صحیح حدیث نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر خضر علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں موجود ہوتے تو ان پر لازم تھا کہ رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپؐ کے تابع ہو کر اسلامی خدمات میں مشغول ہوتے کیونکہ حدیث میں ارشاد ہے:

عن جابر رضی الله عنه عن النبی ﷺ حین اتاه عمر رضی الله عنه فقال: انا نسمع احادیث من یهود تعجبنا افتری ان نکتب بعضها فقال امتهوکون انتم تهوکت الیهود والنصاری؟! لقد جئتکم بها بیضاء نقیة ولو کان موسیٰ حیا، ماوسعه الا اتباعی رواه احمد: ۳/۳۸۷، و الدارمی: ۴۴۱، و البیهقی: ۱۷۷/۳۸، فی الشعب ۔یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع کرنا پڑتا کیونکہ میرے آنے سے دین موسوی منسوخ ہو چکا ہے۔

ان کی تیسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے: **وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ** .انبیاء: ۳۴.

اس ایت سے استدلال اس طریقے سے ہے کہ اگر خضر علیہ السلام انسان ہوتو ضرور اس آیت کی عموم میں داخل ہے اور آیت سے اس کی تخصیص صحیح نہیں مگر دلیل صحیح سے جبکہ اصل عدم ہے اور صحیح دلیل تخصیص کے لئے معصوم سے ثابت نہیں۔

چوتھی دلیل سورۂ العمران:۸۱ ہے، جو کہ بمعہ تفسیر پہلے گذر چکی ہے۔

پانچویں دلیل بخاری کی وہ لمبی روایت ہے جو کہ عبداللہ بن عباس سے رقم ۳۴۰۱، میں نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہے **قال النبی ﷺ یرحم اللہ موسیٰ لو کان صبر یقص علینا من امر هما**، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے اگر صبر کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے اور اسرار بھی ہم پر بیان فرماتا۔ اس سے طریقہ استدلال یہ ہے کہ اگر خضر علیہ السلام حیاۃ اور موجود ہوتے تو اس تمنا کی ضرورت نہ ہوتی اور آپ ﷺ اس کو حاضر کرتے اور عجائب **مشافهةً** دیکھتے۔

چھٹی دلیل یہ حدیث ہے جو کہ عمرؓ سے منقول ہے **قال نظر نبی اللہ ﷺ الی المشرکین وهم الف واصحابه ثلاثمائة وبضعة عشر رجلا فأستقبل نبی اللہ ﷺ القبلة، ثم مد یدیه وجعل یهتف بربه اللهم انجز لی ماوعدتنی اللهم أتنی ماوعدتنی اللهم ان تهلک هذه العصابة من اهل الاسلام لاتعبد فی الارض فما زال یهتف بربه مادایدیه مستقبل القبلة حتی سقط رداه من منکبیه** [مسلم:۳/۱۳۸۳، ترمذی :رقم: ۳۰۸۱]۔

عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے، کہا، رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کی طرف نظر کی اور وہ ہزار تھے اور آپؐ کے اصحاب تین سو اور چند آدمی تو نبی ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے کہ اے اللہ! پورا کردے وہ وعدہ جو تو نے مجھ سے کیا ہے یعنی ظفر کا وعدہ، یا اللہ اگر ہلاک کردے گا تو اس جماعت کو مسلمانوں سے تو زمین میں تیری عبادت نہ کی جاوے گی۔ پھر اسی طرح پکارتے رہے اپنے رب کو دونوں ہاتھ پھیلائے قبلہ کی طرف منہ کیے ہوئے یہاں تک کہ گر گئی چادر مبارک آپؐ کے کندھوں سے۔ ابن کثیر نے اس حدیث سے استدلال کچھ یوں کیا ہے: **ومعلوم ان الخضر لم ینقل بسند صحیح حسن تسکن النفس**

الیہ انہ اجتمع برسول اللہ ﷺ فی یوم واحد ،ولم یشھد معہ قتالا فی مشھد من المشاھدوھذا یوم بدر ،یقول الصادق المصدوق ،فیما دعا بہ لربہ عزوجل ،واستنصرہ واستفتحہ علی من کفر ,,اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لاتعبد بعدھا فی الارض ،وتلک العصابۃ کان تحتھاسادۃ المسلمین یومئذ وسادۃ الملٰئکۃ حتی جبریل علیہ السلام کما قال حسان بن ثابت فی قصیدۃ لہ فی بیت یقال انہ افخر بیت قالتہ العرب ،

وبئر بدر اذ یرد وجوھھم جبریل تحت لوائنا ومحمد۔

فلو کان الخضر حیا لکان وقوفہ تحت ھذہ الرایۃاشرف مقاماتہ

حاصل کلام یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کا ملاقات رسول اللہ ﷺ سے صحیح روایات کی بنا پر ثابت نہیں۔جبکہ بدر میں بھی نہ تھے۔

ساتویں دلیل: یہ حدیث ہے جو کہ امام بخاریؒ نے جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ:قال لنارسول اللہ ﷺ یوم الحدیبیہ انتم خیراھل الارض وکناالفا واربعمأۃ ،ولوکنت ابصر الیوم لاریتکم مکان الشجرہ .(رقم الحدیث:۴۱۵۴).

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پرہم سے فرمایا تھا: کہ تم تمام روئے زمین پر رہنے والوں سے بہتر ہو۔اوراس وقت ہماری تعداد چودہ سو (۱۴۰۰) تھی۔اوراگر میں بیناہوتاتواس درخت کی جگہ میں تمہیں دکھادیتا۔اس حدیث کی تشریح میں ابن حجر،فتح الباری:۵۰۸/۷ ،میں لکھتا ہے:

واستدل بہ ایضاعلی ان الحضرلیس بحی لانہ لوکان حیامع ثبوت کونہ نبیاللزم تفضیل غیر النبی علی النبی وھوباطل فدل علی انہ لیس بحی حینئذ۔

خضر علیہ السلام کی موت کے ثبوت میں بعض علماء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس طریقے سے کہ اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے (باوجوداس کے کہ وہ نبی ہے)تواس سے یہ لازم آتا کہ غیرنبی ، نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے تواس سے معلوم ہوا کہ آپؑ اس وقت زندہ نہیں تھے۔

اور جو حدیث ابن عدی نے کامل: ۱۹۶/۷، اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ: ۴۲۳/۵، میں نقل کیا ہے کہ:
حدثنا محمد بن یوسف بن عاصم البخاری ،ثنا احمدبن اسماعیل القرشی ثناعبداللہ بن نافع عن کثیر بن عبداللہ عن ابیه عن جده أن رسول اللہ ﷺ کان فی المسجد فسمع کلامامن ورائه فاذا هو بقائل یقول اللهم اعنی علی ما ینجینی مما خوفتنی فقال رسول اللہ ﷺ حین سمع ذلک ,,الا تضم الیها اختها فقال الرجل اللهم ارزقنی شوقة الصادقین الی ماشوقتهم الیه فقال رسول اللہ ﷺ لانس ابن مالک ؓ وکان معه ،اذهب یا انس الیه، فقل له یقول لک رسول اللہ ﷺ استغفر لی ،فجائه انس ؓ فبلّغه فقال الرجل یا انس أنت رسول رسول اللہ ﷺ الیّ فقال کما انت فرجع فاستثبته فقال رسول اللہ ﷺ قل له نعم فقال له اذهب فقل له ان اللہ فضلک علی الانبیاء بمثل ما فضل به رمضان علی الشهور، وفضل امتک علی الامم بمثل مافضل به یوم الجمعة علی سائر الایام فذهبوا ینظرون فاذاهو الخضر علیه الاسلام ،تو یہ صحیح نہیں اس کی سند میں کثیر بن عبداللہ ہے خود ابن عدی اس کے متعلق لکھتا ہے: منکر الحدیث لیس بشئی اور یہ روایت ابن جوزی نے موضوعات: ۱۹۳/۱، میں ذکر کیا ہے۔ تفسیر جواہر القرآن میں ہے کہ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا، کہ اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان پر فرض تھا کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میںؑ حاضر ہوتے ،آپؐ سے علم قرآن حاصل کرتے اور آپؐ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے۔ اسی طرح امام ابراہیم بن اسحاق حربی، امام شرف الدین محمد بن ابی الفضل مرسی، امام علی بن موسیٰ رضا اور ابوالحسین بن المنادی رحمہم اللہ سے یہی منقول ہے کہ خضر علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں (روح المعانی) رہی یہ بات کہ بہت سے اولیآء اللہ کو خضر علیہ السلام کی حالت بیداری میں زیارت نصیب ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے ان کی حیات پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ بعض کاملین اور محققین صوفیا نے فرمایا ہے خضر علیہ السلام کی زیارت عالم دنیا کی چیز نہیں بلکہ اس کا تعلق عالم امثال سے ہے یعنی خضر علیہ لاسلام کی مثالی صورت بعض کاملین کو بیداری کی حالت میں نظر آتی ہے چنانچہ شیخ صدر الدین اسحاق قونویؒ اپنی کتاب تبصرۃ المبتدی=

سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ

کہ میں اس کا کسی قدر حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔[12] ہم نے اس کو زمین میں بڑی دسترس دی تھی

=وتذکرۃ المنتہی، میں فرماتے ہیں،ان وجود الخضر علیه السلام فی عالم المثال (روح المعانی)ابو حیان نے مختلف واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:والجمهور علی انه مات. معارف القرآن میں ہے کہ یہ بات میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ خضر علیہ السلام کی موت وحیات سے ہمارا کوئی اعتقادی یا عملی مسئلہ متعلق نہیں اسی لئے قرآن وسنت میں اس کے متعلق کوئی صراحت ووضاحت نہیں کی گئی اس لئے اس میں زیادہ بحث وتمحیص کی بھی ضرورت نہیں، نہ کسی ایک جانب کا یقین رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے،لیکن چونکہ مسئلہ عوام میں چلا ہوا ہے اس لئے مذکورۃ الصدر تفصیلات نقل کردی گئی ہیں۔مزید تفصیل ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ:۲۶۵/۲ ،اور ابن جوزی نے المنتظم:۳۶۱/۱، میں ذکر کیا ہے۔(واللہ اعلم بحقیقة الحال)۔

[12] یعنی وہ لوگ آپؐ سے سوال کرتے ہیں یہ لوگ سوال کرنے والے کون ہیں روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قریش مکہ تھے جن کو یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور حقانیت کا امتحان کرنے کے لئے تین سوال بتلائے تھے،روح کے متعلق اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں ان میں دو کا جواب آچکا ہے اصحاب کہف کا قصہ ابھی گذرا ہے۔اور روح کا سوال پچھلی سورۃ کے آخر میں گذر چکا ہے یہ تیسرا سوال ہے کہ ذوالقرنین کون تھا اور اس کو کیا حالات پیش آئے (بحر محیط)۔

ذوالقرنین کا نام ذوالقرنین کیوں ہوا اس کی وجہ میں بے شمار اقوال اور سخت اختلافات ہیں۔بعض نے کہا کہ ان کی دو زلفیں تھیں اس لئے ذوالقرنین کہلائے بعض نے کہا کہ مشرق ومغرب کے ممالک پر حکمران ہوئے اس لئے ذوالقرنین نام رکھا گیا کسی نے یہ بھی کہا کہ ان کے سر پر کچھ ایسے نشانات تھے جیسے سینگ کے ہوتے ہیں۔بعض روایات میں ہے کہ ان کے سر پر دونوں جانب چوٹ کے نشانات تھے اس لئے ذوالقرنین کہا گیا واللہ اعلم،مگر اتنی بات متعین ہے کہ قرآن نے خود ان کا نام ذوالقرنین نہیں رکھا بلکہ یہ نام یہود نے بتلایا ان کے یہاں اس نام سے ان کی شہرت ہوگئی واقعہ ذوالقرنین کا جتنا حصہ قرآن کریم نے بتلایا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ:۔

وہ ایک صالح عادل بادشاہ تھے جو مشرق ومغرب میں پہنچے اوران کے ممالک کو فتح کیا اوران میں عدل وانصاف کی حکمرانی کی، اللہ تعالی کی طرف سے ان کو ہر طرح کے سامان اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے عطا کردیئے گئے تھے۔انہوں نے فتوحات کرتے ہوئے تین اطراف میں سفر کئے،مغرب اقصی تک اور مشرق اقصی تک پھر جانب شمال میں کوہستانی سلسلے تک،اسی جگہ انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیانی درے کوایک عظیم الشان آہنی دیوار کے ذریعہ بند کردیا جس سے یاجوج وماجوج کی تاخت وتاراج سے اس علاقے کے لوگ محفوظ ہوگئے۔

یہود نے جوسوال رسول اللہ ﷺ کی حقانیت اور نبوت کا امتحان کرنے کے لئے پیش کیا تھا وہ اس جواب سے مطمئن ہوگئے انہوں نے مزید یہ سوالات نہیں کئے، کہ ان کا نام ذوالقرنین کیوں تھا، یہ کس ملک میں اور کس زمانے میں تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سوالات کو خود یہود نے بھی غیر ضروری اور فضول سمجھا،اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم تاریخ وقصص کا صرف اتنا حصہ ذکر کرتا ہے جس سے کوئی فائدہ دین یا دنیا کا متعلق ہو، یا جس پر کسی ضروری چیز کا سمجھنا موقوف ہو،اس لئے نہ قران کریم نے ان چیزوں کو بتلایا اور نہ کسی صحیح حدیث میں اس کی یہ تفصیلات بیان کی گئیں،اور نہ قرآن مجید کی کسی آیت کا سمجھنا ان چیزوں کے علم پر موقوف ہے،اسی لئے سلف صالحین،صحابہ کرامؓ وتابعین نے بھی اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی،

اب معاملہ صرف تاریخی روایات کا یا موجودہ تورات وانجیل کو بھی مسلسل تحریفات نے ایک اسمانی کتاب کی حیثیت میں نہین چھوڑا،ان کا مقام بھی اب زیادہ سے زیادہ ایک تاریخ ہی کا ہوسکتا ہے اور زمانہ قدیم کی تاریخی روایات زیادہ تر اسرائیلی قصوں کہانیوں سے ہی پر ہیں۔جن کی نہ کوئی سند ہے اور نہ وہ کسی زمانے کے عقلاو حکماء کے نزدیک قابل اعتماد پائی گئی ہیں۔مفسرین نے بھی اس معاملہ میں جو کچھ لکھا ہے، وہ سب انہی تاریخی روایات کا مجموعہ ہے اس لئے ان میں اختلاف بے شمار ہیں۔اہل یورپ نے اس زمانے میں تاریخ کو بڑی اہمیت دی اس پر تحقیق وتفتیش میں بلاشبہ بڑی محنت وکاوش سے کام لیا آثار قدیمہ کی کھدائی اور وہاں کے کتبات وغیرہ کو جمع کرکے ان کے ذریعہ قدیم واقعات کی حقیقت تک پہونچنے میں وہ کام انجام دئے جو اس سے پہلے زمانہ میں نظر نہیں آتے۔لیکن آثار قدیمہ اوران کے کتبات سے کسی واقعہ کے سمجھنے میں مدد تو مل سکتی ہے مگر خود ان سے کوئی واقعہ پورا نہیں پڑھا جاسکتا۔اس کے لئے تاریخی روایات ہی بنیاد بن گئی ہیں۔اوران معاملات میں زمانہ قدیم کی تاریخی روایات کا حال ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ ایک کہانی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔قدیم وجدید علماء تفسیر نے بھی اپنے کتابوں میں یہ روایات ایک تاریخی حیثیت ہی سے نقل کی ہے جن کی صحت پر کوئی

قرآنی مقصد موقوف نہیں یہاں بھی اسی حیثیت سے بقدر ضرورت لکھا جاتا ہے۔

اس واقعہ کی پوری تفتیش وتحقیق مولانا حفظ الرحمانؒ نے اپنی کتاب :قصص القرآن میں لکھی ہے تاریخی ذوق رکھنے والے اس کو دیکھ سکتے ہیں ۔بعض روایات میں ہے کہ پورے دنیا پرسلطنت وحکومت کرنے والے چار بادشاہ ہوئے ہیں دومومن اور دو کافر۔

مومن بادشاہ سلیمان علیہ السلام اورذوالقرنین ہیں اورکافرنمرود اور بخت نصر ہیں ۔ذوالقرنین کے معاملہ میں یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس نام سے دنیا میں متعدد آدمی مشہور ہوئے ہیں اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہرزمانے کے ذی القرنین کے ساتھ لقب سکندر بھی شامل ہے۔

مسیح علیہ السلام سے تقریبا تین سوسال پہلے ایک بادشاہ سکندر کے نام سے معروف ومشہور ہے جس کوسکندر یونانی ،مقدونی رومی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے جس کا وزیر ارسطوتھا جس کی جنگ ،دارا، سے ہوئی اوراسے قتل کرکے اس کا ملک فتح کیا۔سکندر کے نام سے دنیا میں معروف ہونے والا اخری شخص یہی تھا اسی کے قصے دنیا میں زیادہ مشہور ہیں بعض لوگوں نے اس کو بھی قران میں مذکورذوالقرنین کہہ دیا، یہ سراسر غلط ہے۔کیونکہ یہ شخص اتش پرست مشرک تھا قرآن کریم نے جس ذو القرنین کا ذکرکیا ہے ان کے نبی ہونے میں تو علماء کا اختلاف ہے مگرمومن صالح ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔اورخودقرآن کی نصوص اس پر شاہد ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بحوالہ ابن عساکراس کا پورانسب نامہ لکھا ہے جواوپر جا کرابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے۔اورفرمایا کہ یہی وہ سکندر ہے جو یونانی مصری مقدونی کے ناموں سے معروف ہے جس نے اپنے نام پرشہراسکندریہ آباد کیا اورروم کی تاریخ اسی کے زمانے سے چلتی ہے اور یہ سکندرذوالقرنین اول سے ایک طویل زمانے کے بعد ہوا ہے۔

جودوہزارسال سے زائد بتلایا جاتا ہے اسی نے داراکوقتل کیا اورشاہان فارس کومغلوب کرکے انکا ملک فتح کیا۔مگر یہ شخص مشرک تھا اس کوقرآن میں مذکورذوالقرنین قراردینا سراسر غلطی ہے۔ابن کثیر کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

فاماذو القرنین الثانی فھواسکندربن فیلبس بن مصریح بن برس بن مبطون بن رومی بن نعطی بن یونان بن یافث بن بونه بن شرخون بن رومه بن شرخط بن توفیل بن رومی بن الاصفربن یقزبن العیص بن اسحاق بن ابراھیم الخلیل علیه السلام کذانسبه الحافظ بن عساکرفی تاریخه :

۳۳۰/۱۷،المقدونی الیونانی المصری بانی الاسکندریة الذی یؤرخ بایامه الرومة وکان متاخراعن الاول بدهرطویل وکان هذاقبل المسیح بنحومن ثلاثمائة سنة وکان ارسطاطا لیس الفیلسوف وزیره الذی قتل داراواذل ملوک الفرس واوطأ ارضهم وانمانبهناعلیه لان کثیرامن الناس یعتقدانهماواحدوان المذکورفی القرآن هو الذی کان ارسطاطا لیس وزیره فیقع بسبب ذلک خطأ کبیروفسادعریض طویل فان الاول کان عبداموناصالحا،وملکاعادلاوکان وزیره الخضروقدکان نبیاعلی ماقررناه قبل هذا.

واما الثانی فکان مشرکا ،کان وزیره فیلسوفاوقدکان بین زمانیهماازیدمن الفی سنة فاین هذامن هذالایستویان ولایشتبهان الاعلی غبی لایعرف حقائق الامور(البدایه والنهایه: ۲/ ۵۴۱).

حدیث وتاریخ کے امام،ابن کثیر کی اس تحقیق سے ایک تو یہ مغالطہ رفع ہوا کہ یہ اسکندر جو مسیح علیہ لسلام سے تین سو سال پہلے گذرا ہے ،اور جس کی جنگ دارا اور ملوک فارس سے ہوئی ،اور بانی اسکندریہ ہے ،یہ وہ ذوالقرنین نہیں جس کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے ،یہ مغالطہ بعض اکابر مفسرین کو بھی لگا ہے،ابوحیان نے بحر محیط میں اور علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں اسی کو ذوالقرنین مذکور فی القرآن کہہ دیا ہے۔

دوسری بات:’’وانه قد کان نبیا‘‘ کے جملے سے معلوم ہوتی ہے کہ ابن کثیر کے نزدیک ان کا نبی ہونا راجح ہے، اگر چہ جمہور کے نزدیک راجح وہ قول ہے جو خود ابن کثیر نے بروایت ابی الطفیل علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ نہ وہ نبی تھے نہ فرشتہ بلکہ ایک نیک صالح مسلمان تھے اسی لئے بعض علماء نے یہ توجیہ کی کہ’’ انه کان‘‘ کی ضمیر ذوالقرنین کی طرف نہیں خضر علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔وھو الاقرب۔

اب مسئلہ یہ رہتا ہے کہ پھر وہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے کون ہے اور کس زمانے میں ہوئے ہیں،اس کے متعلق بھی علماء کے اقوال بہت مختلف ہیں ابن کثیر کے نزدیک ان کا زمانہ اسکندر مقدونی یونانی سے دو ہزار سال پہلے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا زمانہ ہے اوران کے وزیر خضر علیہ السلام تھے۔ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں سلف صالحین سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ذوالقرنین پیادہ پاہ حج کے لئے پہنچے۔جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے آنے کا علم ہوا تو مکہ سے باہر نکل کر استقبال کیا۔اور خلیل علیہ السلام نے ان کے لئے دعا بھی کی اور کچھ وصیتیں اور نصیحتیں بھی ان کو فرمائیں (البدایہ والنہایہ:۲/۵۳۹)۔

اور تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ازرقی نقل کیا ہے کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ طواف کیا پھر قربانی دی۔اور ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب الاثار الباقیہ عن القرون الخالیہ میں کہا ہے کہ یہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ابوبکر بن سمی بن عمیر بن افریقس حمیری ہے جس نے زمین کے مشارق ومغارب کو فتح کیا اور تبع حمیری یمنی نے اپنے اشعار میں اس پر فخر کیا ہے کہ میرے دادا ذوالقرنین مسلمان تھے ان کے اشعار یہ ہیں:

قد کان ذو القرنین جدی مسلما ملکا علا فی الارض غیر مبعد

بلغ المشارق و المغارب یبتغی اسباب ملک من کریم سید

یہ روایت ابوحیان نے بحر محیط میں نقل کی ہے ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں اس کا ذکر کرنے کے بعد کہا: کہ یہ ذوالقرنین تبابعہ یمن میں سب سے پہلے تبع ہے اور یہی وہ شخص ہے جس نے بیر سبع کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فیصلہ دیا تھا (البدایہ والنہایہ: ۲/ ۵۴۰)۔

ان تمام روایات میں ان کی شخصیت اور نام ونسب کے بارے میں اختلاف ہونے کے باوجود ان کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ بتلایا گیا ہے اور مولانا حفظ الرحمان صاحب نے اپنی کتاب قصص القرآن میں جو ذوالقرنین کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ذوالقرنین مذکور فی القرآن فارس کا وہ بادشاہ ہے جس کو یہودی ،خورس یونانی ،سائرس ،فارسی ،گورش اور عرب کیخسرو کہتے ہیں جس کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام سے بہت بعد انبیاء بنی اسرائیل میں سے دانیال علیہ السلام کا زمانہ بتلایا جاتا ہے جو سکندر مقدونی قاتل دارا کے زمانے کے قریب قریب ہوجاتا ہے۔

مگر مولانا موصوف نے بھی ابن کثیر وغیرہ کی طرح اس کا شدت سے انکار کیا ہے کہ ذوالقرنین وہ سکندر مقدونی جس کا وزیر ارسطو تھا، وہ نہیں ہوسکتا۔وہ مشرک آتش پرست تھا یہ مومن صالح تھے۔مولانا موصوف کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی سورۂ بنی اسرائیل میں جو دو مرتبہ بنی اسرائیل کے شر وفساد میں مبتلا ہونے اور دونوں مرتبہ کی سزا کا ذکر تفصیل سے آیا ہے اس میں بنی اسرائیل کے پہلے فساد کے موقع پر جو قرآن کریم نے فرمایا ہے: **بعثنا علیکم عبادا لنا اولی بأس شدید فجاسوا خلال الدیار** [سورة الاسراء: ۵، ٦] یعنی تمہارے فساد کی سزا میں ہم تم پر مسلط کردیں گے اپنے کچھ ایسے بندے جو بڑی قوت وشوکت والے ہوں گے۔وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑیں گے۔اس میں یہ قوت وشوکت والے لوگ بخت نصر اور اس کے اعوان ہیں جنہوں نے بیت المقدس میں چالیس ہزار اور بعض روایات میں ستر ہزار بنی اسرائیلکو قتل کیا، اور ایک لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کو قید کرکے بھیڑ بکریوں=

وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾

اور ہر طرح کا سامان عطا کیا تھا۔ تو اس نے (سفر کا) ایک سامان کیا [13]

= کی طرح ہنکا کر بابل لے گیا۔ اور اس کے بعد جو قرآن کریم نے فرمایا "ثم رددنالكم الكرة عليهم " یعنی ہم نے پھر لوٹا دیا تمہارے غلبہ کو ان پر۔ یہ واقعہ اسی کیخسر وخورس بادشاہ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا یہ مومن صالح تھا اس نے بخت نصر کا مقابلہ کر کے اس کے قیدی بنی اسرائیل کو اس کے قبضہ سے نکالا اور دوبارہ فلسطین میں آباد کیا۔ بیت المقدس کو جو ویراں کر دیا تھا اس کو بھی دوبارہ آباد کیا اور بیت المقدس کے خزائن اور اہم سامان جو بخت نصر یہاں سے لے گیا تھا وہ سب واپس بنی اسرائیل کے قبضے میں دئے۔ اس لئے یہ شخص بنی اسرائیل (یہود) کا نجات دہندہ ثابت ہوا۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہود مدینہ نے جو امتحان نبوت کے لئے قریش مکہ کے واسطے سوالات متعین کئے ان میں ذوالقرنین کے سوال کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ یہود اس کو اپنا نجات دہندہ مان کر اس کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

مولانا حفظ الرحمٰنؒ نے اپنی اس تحقیق پر موجودہ تورات کے حوالہ سے انبیاء بنی اسرائیل کی پیشگوئیوں سے، پھر تاریخی روایات سے اس پر کافی شواہد پیش کئے ہیں، جو صاحب مزید تحقیق کے درپے ہوں وہ اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں، میرا مقصد ان تمام روایات کے نقل کرنے سے صرف اتنا تھا کہ ذوالقرنین کی شخصیت اور ان کے زمانے کے بارے میں علماء امت اور ائمہ، تاریخ وتفسیر کے اقوال سامنے آجائیں، ان میں سے راجح کس کا قول ہے یہ میرے مقصد کا جزء نہیں، کیونکہ جن امور کا نہ قرآن نے دعوی کیا، نہ حدیث نے ان کو بیان کیا، ان کے تعین وتشریح کرنے کی ذمہ داری بھی ہم پر نہیں۔ اور ان میں جو قول راجح اور صحیح قرار پائے، مقصد قرآنی ہر حال میں حاصل ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

[13] مراد یہ ہے کہ سامان تو ہر قسم کے اور دنیا کے ہر خطہ میں پہنچنے کے ان کو دیدیئے گئے تھے، انہوں نے سب سے پہلے جانب مغرب کی سفر کے سامان سے کام لیا، حتى اذا بلغ مغرب الشمس ، سے مراد یہ ہے کہ جانب مغرب میں اس حد تک پہنچ گئے جس سے آگے کوئی آبادی نہیں تھی۔ في عين حمئة ، لفظ حمئة کے لغوی معنی سیاہ دلدل یا کیچڑ کے ہیں مراد اس سے وہ پانی ہے جس کے نیچے سیاہ کیچڑ ہو جس سے پانی کا رنگ بھی سیاہ دکھائی دیتا ہو۔ اور آفتاب

کو ایسے چشمے میں ڈوبتے ہوئے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ افتاب اس چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ کیونکہ آگے ابادی یا کوئی خشکی سامنے نہیں تھی۔

جیسے آپ کسی ایسے میدان میں غروب کے وقت ہو جہاں دور تک جانب مغرب میں کوئی پہاڑ، درخت، عمارت نہ ہو۔ تو دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ افتاب زمین کے اندر گھس رہا ہے ''و وجد عندھا قوما'' یعنی اس سیاہ چشمے کے پاس ذوالقرنین نے ایک قوم کو پایا، ایت کے اگلے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم کافر تھی اس لئے اگلی ایت میں اللہ تعالی نے ذوالقرنین کو یہ اختیار دے دیا کہ آپ چاہیں تو ان سب کو پہلے ان کے کفر کے سزا دے دیں اور چاہیں تو ان سے احسان کا معاملہ کریں۔

کہ پہلے دعوت وتبلیغ اور وعظ و پند سے ان کو اسلام و ایمان قبول کرنے پر امادہ کریں۔ پھر ماننے والوں کو اس کی جزا اور نہ ماننے والوں کو سزا دے جس کے جواب میں ذوالقرنین نے دوسری ہی صورت کو تجویز کیا کہ اول ان کو وعظ ونصیحت سے صراط مستقیم پر لانے کی کوشش کریں گے۔ پھر جو کفر پر قائم رہے ان کو سزا دیں گے اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اس کو اچھا بدلہ دیں گے۔

قلنا یاذاالقرنین ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کو حق تعالی نے خود خطاب کر کے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ذوالقرنین کو نبی قرار دیا جاء تب تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں کہ بذریعہ وحی ان سے کہہ دیا گیا، اور اگر ان کی نبوت تسلیم نہ کی جائے تو پھر اس قلنا اور یاذا القرنین کے خطاب کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کسی پیغمبر کے واسطہ سے یہ خطاب ذوالقرنین کو کیا گیا ہے جیسا کہ روایات میں خضر علیہ السلام کا ان کے ساتھ ہونا مذکور ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وحی نبوت ورسالت نہ ہو، ایسی لغوی وحی ہو، جیسے موسٰی علیہ السلام کی والدہ کے لئے قرآن میں واوحینا کے الفاظ آئے ہیں حالانکہ ان کو نبی یا رسول ہونے کا کوئی احتمال نہیں۔

ابوحیان نے بحر محیط میں فرمایا کہ ذوالقرنین کو جو یہاں حکم دیا گیا ہے وہ اس قوم کے قتل وسزا کا حکم ہے اس طرح کا کوئی حکم بغیر وحی نبوت کے نہیں دیا جاسکتا۔ یہ کام نہ کشف والہام سے ہوسکتا ہے نہ بغیر وحی نبوت کے کسی اور ذریعہ سے اس لئے اس کے سوا کوئی احتمال صحیح نہیں کہ یا تو ذوالقرنین کو خود نبی مانا جائے یا پھر کوئی نبی ان کے زمانے میں موجود ہوں۔ ان کے ذریعہ ان کو خطاب ہوتا ہو۔ واللہ اعلم وعندہ حسن الثواب والیہ المرجع و المأب۔

حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِىۡ عَيۡنٍ حَمِئَةٍ

یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایسا پایا کہ ایک کیچڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے

وَّوَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا ؕ قُلۡنَا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ

اور اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی ہم نے کہا کہ ذوالقرنین! تم ان کو خواہ تکلیف دو

وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنۡ

خواہ ان (کے بارے) میں بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تمہیں اختیار ہے)۔ ذوالقرنین نے کہا کہ جو

ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا ﴿۸۷﴾

ظلم کرے گا ہم اسے عذاب دیں گے پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے بُرا عذاب دے گا

وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى ۚ

اور جو ایمان لائے گا اور عملِ نیک کرے گا اس کے لئے بہت اچھا بدلا ہے اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی طرح کی سختی

وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ

نہیں کریں گے بلکہ) اس سے نرم بات کہیں گے۔ پھر اس نے ایک اور سامان (سفر کا) کیا۔ یہاں تک کہ سورج کے طلوع

الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰى قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا ﴿۹۰﴾

ہونے کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ ایسے لوگوں پر طلوع ہوتا ہے جن کے لئے ہم نے سورج کے اس طرف کوئی پردہ نہیں بنائی تھی [14]

---

[14] ذوالقرنین نے مشرق کی جانب میں جو قوم آباد پائی اس کا یہ حال تو قرآن کریم نے ذکر فرمایا کہ وہ دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی سامان، مکان، خیمہ، لباس وغیرہ کے اسباب نہ رکھتے تھے۔ لیکن ان کے مذہب واعمال کا کوئی ذکر نہیں فرمایا اور نہ یہ کہ ذوالقرنین نے ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ لوگ بھی کافر ہی تھے۔ اور ذو القرنین ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو مغربی قوم کے ساتھ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ مگر اس کے بیان کرنے کی یہاں اس لئے ضرورت نہیں سمجھی کہ پچھلے واقعہ پر قیاس کر کے اس کا بھی علم ہو سکتا ہے۔ (بحر محیط)۔

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰىٓ إِذَا بَلَغَ

(حقیقت حال) یوں (تھی) اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم کو سب کی خبر تھی۔ پھر اس نے ایک اور سامان کیا

بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾

یہاں تک کہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا تو دیکھا کہ ان کے اس طرف کچھ لوگ ہیں کہ بات کو سمجھ نہیں سکتے

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ

ان لوگوں نے کہا کہ ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں[15]

---

[15] قران وسنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلاشبہ ثابت ہے کہ یاجوج وماجوج انسانوں ہی کی قومیں ہیں عام انسانوں کی طرح نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی نص صریح ہے: **وجعلنا ذریتهم هم الباقین**، یعنی طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں اور رہیں گے وہ سب نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہوں گے ، تاریخی روایات اس پر متفق ہیں کہ وہ یافث کی اولاد میں سے ہیں ایک ضعیف حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ان کے باقی حالات کے متعلق سب سے زیادہ تفصیلی اور صحیح حدیث نواس بن سمعانؓ کی ہے جس کو صحیح مسلم: ۲۲۵، وابن ماجہ: ۲/۳۵۶، واحمد: ۴/۱۸۲، اور تمام مستند کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے اور محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس میں خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام پھر خروج یاجوج وماجوج وغیرہ کی پوری تفصیل مذکور ہے اس پوری حدیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے، نواس بن سمعانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کے وقت دجال کا تذکرہ فرمایا اور تذکرہ فرماتے ہوئے بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے اس کا حقیر و ذلیل ہونا معلوم ہوتا تھا (مثلا یہ کہ وہ کانا ہے) اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا فتنہ سخت اور عظیم ہے مثلا دوزخ کا اس کے ساتھ ہونا اور دوسرے خوارق عادات)۔ آپؐ کے بیان سے ہم پر ایسا خوف طاری ہوا کہ گویا دجال کھجوروں کے جھنڈ میں ہے (یعنی قریب ہی موجود ہے) جب ہم شام کو نبی ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے قلبی تاثرات کو بھانپ لیا اور پوچھا کہ تم نے کیا سمجھا؟ ہم نے عرض کیا کہ آپؐ نے دجال کا تذکرہ فرمایا اور بعض باتیں اس کے

متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے اس کا معاملہ حقیر واسان معلوم ہوتا تھا اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی بڑی قوت ہوگی اس کا فتنہ بڑا عظیم ہے، ہمیں تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہمارے قریب ہی وہ کھجوروں کے جھنڈ میں موجود ہے، نبی کریم ﷺ فرمانے لگے تمہارے بارے میں جن فتنوں کا مجھے خوف ہے ان میں دجال کی بنسبت دوسرے فتنے زیادہ قابل خوف ہیں۔

یعنی دجال کا فتنہ اتنا عظیم نہیں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے اگر میری موجودگی میں وہ نکلا تو میں اس کا مقابلہ خود کروں گا، تمہیں اس کے فکر کی ضرورت نہیں) اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر شخص اپنی ہمت کے موافق اس کو مغلوب کرنے کی کوشش کرے گا، حق تعالی میری غیر موجودگی میں ہر مسلمان کا ناصر اور مددگار رہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ نوجوان سخت پیچدار بالوں والا ہے اس کی ایک آنکھ اوپر کو ابھری ہوئی ہے اور دوسری آنکھ سے کانا ہے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے، اور اگر میں (اس کی قبیح صورت میں) اس کو کسی کے ساتھ تشبیہ دے سکتا ہوں تو وہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے یہ زمانہ جاہلیت میں بنوخزاعہ قبیلہ کا ایک بدشکل شخص تھا، اگر تم میں سے کسی مسلمان کا دجال کے ساتھ سامنا ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ سورت کہف کی ابتدائی ایات پڑھ لے۔ (اس سے دجال کے فتنہ سے محفوظ ہو جائے گا) دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور ہر طرف فساد مچائے گا، اے اللہ کے بندوں اس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا۔

ہم نے عرض کیا، کہ یارسول اللہ وہ زمین میں کتنی مدت رہے گا؟ آپؐ نے فرمایا وہ چالیس دن رہے گا لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا اور دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی ایام عام دنوں کے برابر ہوں گے ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا ہم اس میں صرف ایک دن کی (پانچ نمازیں) پڑھیں گے آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ وقت کا اندازہ کر کے پورے سال کی نمازیں ادا کرنا ہونگی۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ زمین میں کس قدر سرعت کے ساتھ سفر کرے گا فرمایا اس ابر کے مانند تیز چلے گا جس کے پیچھے موافق ہوا لگی ہوئی ہو۔ پس دجال جس کسی قوم کے پاس سے گذرے گا ان کو اپنے باطل عقائد کی دعوت دے گا وہ اس پر ایمان لائیں گے تو وہ بادلوں کو حکم دے گا تو وہ برسنے لگیں گے۔ اور زمین کو حکم دے گا تو وہ سرسبز و شاداب ہو جائیگی۔ اور ان کے مویشی اس میں چریں گے اور شام کو جب واپس آئیں گے تو ان کے کوہاں پہلے کی بہ نسبت بہت اونچے ہوں گے اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے اور ان کی کوکھیں پر ہوں گی۔

پھر دجال کسی دوسری قوم کے پاس سے گذرے گا اور ان کو بھی اپنے کفر و اضلال کی دعوت دے گا لیکن وہ اس کی

باتوں کورد کردیں گے وہ ان سے مایوس ہوکر چلا جائے گا تو یہ مسلمان لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوجائیں گے اوران کے پاس کچھ مال نہ رہے گا اور ویراں زمین کے پاس سے اسکا گذر ہوگا تو وہ اس کو خطاب کرے گا کہ اپنے خزانوں کو باہر لے آ، چنانچہ زمین کے خزانے اس کے پیچھے پیچھے ہولیں گے جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے ہولیتی ہیں پھر دجال ایک آدمی کو بلائے گا جس کا شباب پورے زوروں پر ہوگا، اس کو تلوار مار کر دو ٹکڑے کردے گا اور دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلہ پر کردیے جائیں گے جس قدر تیر مارنیوالے اور نشانہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے پھر وہ اس کو بلائے گا وہ زندہ ہوکر دجال کی طرف اس کے اس فعل پر ہنستا ہوا روشن چہرے کے ساتھ آجائے گا۔ درین اثناء حق تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائیں گے، چنانچہ وہ دو رنگ دار چادریں پہنے ہوئے دمشق کی مشرقی جانب کے سفید منارہ پر اس طرح نزول فرمائیں گے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے، جب اپنے سر مبارک کو نیچے کریں گے تو اس سے پانی کے قطرات جھڑیں گے (جیسے کوئی ابھی غسل کر کے آیا ہو) اور جب سر کو اوپر کریں گے تو اس وقت بھی پانی کے متفرق قطرات جو موتیوں کی طرح صاف ہوں گے گریں گے، جس کافر کو آپ کے سانس کی ہوا پہنچے گی وہ وہیں مر جائے گا، اور آپ کا سانس اس قدر دور پہنچے گا جس قدر دور آپ کی نگاہ جائے گی، عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے، یہاں تک کہ آپؑ اسے باب اللدّ پر جا پکڑیں گے (یہ بستی اب بھی بیت المقدس کے قریب اسی نام سے موجود ہے) وہاں اس کو قتل کردیں گے، پھر عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے، اور بطور شفقت کے ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے، اور جنت میں اعلیٰ درجات کی ان کو خوش خبری سنائیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں سے ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں، آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر چلے جائیں (عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) اور اللہ یأ جوج مأ جوج کو کھول دینگے تو وہ سرعت سیر کے سبب ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے، ان میں سے پہلے لوگ بحیرۂ طبریہ سے گذریں گے، اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کر دینگے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گذریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی موجود تھا، عیسیٰ علیہ لسلام اور ان کے رفقاء کوہ طور پر پناہ لیں گے اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے، کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا، مگر وہ کم پڑ جائیگا تو ایک بیل کے سر کو سو (۱۰۰) دینار سے بہتر سمجھا جائے گا، عیسی علیہ السلام اور دوسرے مسلمان اپنی تکلیف دفع ہونے کے لئے حق تعالیٰ سے دعاء کریں گے، اللہ تعالیٰ دعاء قبول فرمائیں گے اور ان پر وبائی صورت میں ایک بیماری

بھیجیں گے، اور یأ جوج مأ جوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مرجائیں گے، پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہ طور سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں (اور لاشوں کی سڑنے کی وجہ سے) سخت تعفن پھیلا ہوگا اسی حالت کو دیکھ کر دوبارہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں گے کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، اور بہت بھاری بھرکم پرندوں کو بھیجیں گے، جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کے مانند ہوں گی، وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے، بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈالیں گے، پھر حق تعالیٰ بارش برسائیں گے، کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دُھل جائے گی، اور شیشہ کے مانند صاف ہوجائیگی، پھر اللہ تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اُگا دے، اور از سر نو اپنی برکات کو ظاہر کردے، چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکات ظاہر ہوگی کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کریگا اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے، اور دودھ میں اس قدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا، اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کے سب لوگوں کو کافی ہوجائے گا اور ایک بکری کا دودھ پوری برادری کو کافی ہوجائے گا، یہ غیر معمولی برکات اور امن وامان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد جب قیامت کا وقت آجائے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے، جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہوجائے گی اور سب کے سب وفات پاجائیں گے اور باقی صرف شریر و کافر رہ جائیں گے جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے، ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

اور عبدالرحمٰن بن یزید کی روایت میں یأ جوج و مأ جوج کے قصہ کی زیادہ تفصیل آئی ہے وہ یہ کہ بحیرۂ طبریہ سے گذرنے کے بعد یأ جوج و مأ جوج بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جبل الخمر پر چڑھ جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو، سب کو قتل کردیا ہے، لو اب ہم آسمان والوں کا خاتمہ کرتے ہیں، چنانچہ وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے اور وہ تیر اللہ تعالیٰ کے حکم سے خون آلودہ ہوکر ان کی طرف واپس آئیں گے (تاکہ وہ احمق یہ سمجھ کر خوش ہوں کہ آسمان والوں کا بھی خاتمہ کردیا [مسلم: رقم: ۱۱۰، ۲۹۳۷]۔

اور دجال کے قصہ میں ابو سعید خدریؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ دجّال مدینہ طیبہ سے دور رہے گا اور مدینہ کے راستوں پر بھی اسکا آنا ممکن نہ ہوگا تو وہ مدینہ کے قریب ایک شور زمین کی طرف آئے گا، اس وقت ایک آدمی دجال کے پاس آئے گا اور وہ آدمی اس وقت کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا اور اس کو خطاب کرکے کہے گا کہ میں یقین سے کہتا ہوں

کہ تو وہی دجّال ہے جس کی ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی یہ سن کر دجّال کہے گا، لوگوں! مجھے یہ بتلاؤ کہ اگر میں اس آدمی کو قتل کردوں اور پھر زندہ کردوں تو میرے خدا ہونے میں شک کروگے، وہ جواب دیں گے نہیں، چنانچہ اس آدمی کو قتل کرے گا اور پھر اس کو زندہ کرے گا، تو وہ دجّال کو کہے گا کہ اب مجھے تیرے دجّال ہونے کا پہلے سے زیادہ یقین ہو گیا ہے، دجّال اس کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کریگا، لیکن وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔

صحیح بخاری: تفسیر سورۂ حج: ۱۲۲/۶، مسلم: کتاب الایمان: ۱۴۰/۱، میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالی آدم علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آپ اپنی ذریت میں سے بعث النار یعنی جہنمی لوگ اٹھائے وہ عرض کریں گے اے رب وہ کون ہیں؟ تو حکم ہوگا کہ ہر ایک ہزار میں سے نوسو ناوے جہنمی ہیں صرف ایک جنتی ہے، صحابہ کرام سہم گئے اور دریافت کیا کہ ہم میں سے وہ ایک جنتی کونسا ہوگا؟ تو آپؐ نے فرمایا غم نہ کرو کیونکہ یہ نوسو ناوے جہنمی تم میں سے ایک اور یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار کی نسبت سے ہوں گے اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمام انسانوں کے دس حصے کئے ان میں سے نو حصے یاجوج ماجوج کے ہیں اور باقی ایک حصہ میں باقی ساری مخلوق دنیا کے انسان ہیں (روح المعانی)۔

بخاری کتاب الفتن ۶۰/۹، ومسلم باب اقتراب الفتن ۱۶۵/۸، میں زینب بنت جحش ام المومنین سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور آپؐ کی زبان مبارک پر یہ جملے تھے۔

لا الہ الااللہ، ویل للعرب من شر قداقترب، فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل هذه وحلق تسعین.

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، خرابی ہے عرب کی اس شر سے، جو قریب آ چکا ہے آج کے دن یاجوج وماجوج کی ردم، یعنی سد میں اتنا سراخ کھل گیا ہے اور آپ نے عقد تسعین یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلایا۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ یاجوج وماجوج کے بائیس قبیلوں میں سے اکیس قبیلوں کو سد ذوالقرنین سے بند کردیا گیا۔ ان کا ایک قبیلہ سد ذوالقرنین کے اندر اس طرف رہ گیا وہ ترک ہیں اس کے بعد قرطبی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ترک کے متعلق جو باتیں بتلائی ہیں وہ یاجوج وماجوج سے ملتی ہوئی ہیں اور آخر زمانے میں مسلمانوں کی ان سے جنگ ہونا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے پھر فرمایا کہ اس زمانے میں ترک قوم کی بڑی بھاری

تعداد مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلی ہوئی ہے جن کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے وہی مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی یاجوج وماجوج ہیں یا کم از کم ان کا مقدمہ ہیں (قرطبی:۱۱/۵۸)۔

قرطبی کا زمانہ چھٹی صدی ہجری ہے جس میں فتنہ تا تار ظاہر ہوا اور اسلامی خلافت کو تباہ و برباد کیا ان کا عظیم فتنہ اسلام میں معروف اور تا تاریوں کا مغل ترک میں سے ہونا مشہور ہے مگر قرطبی نے ان کو یاجوج وماجوج کے مشابہ اور ان کا مقدمہ قرار دیا ہے ان کے فتنہ کو وہ خروج یاجوج وماجوج نہیں بتایا جو علامات قیامت میں سے ہے کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے کہ وہ خروج عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کے زمانے میں ہوگا۔

اسی لئے علامہ الوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ان لوگوں پر سخت رد کیا ہے جنھوں نے تا تاری کو یاجوج وماجوج قرار دیا، اور فرمایا کہ ایسا خیال کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہے اور نصوص حدیث کی مخالفت ہے البتہ انہوں نے بھی فرمایا کہ بلاشبہ یہ فتنہ یاجوج وماجوج کے فتنہ کے مشابہ ضرور ہے۔(روح المعانی) اس سے ثابت ہوا کہ اس زمانے میں جو بعض مورخین موجودہ روس چین یا دونوں کو یاجوج وماجوج قرار دیتے ہیں اگر اس سے ان کی مراد وہی ہے جو قرطبی اور آلوسی نے فرمایا کہ ان کا فتنہ یاجوج وماجوج کے مشابہ ہے تو یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوگا مگر اسی کو وہ خروج یاجوج وماجوج قرار دینا جس کی خبر قران وحدیث میں بطور علامات قیامت دی گئی اور اس کا وقت نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بتلایا گیا یہ قطعاً غلط اور گمراہی اور نصوص حدیث کا انکار ہے۔

مشہور مؤرخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کی بحث میں یاجوج وماجوج اور سد ذو القرنین اور ان کے محل ومقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح فرمائی ہے، ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو قبخاق اور چرکس کہلاتے ہیں اور مشرق کی جانب یاجوج وماجوج کی آبادیاں ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف حد فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے کہ وہ بحر محیط سے شروع ہوتا ہے جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے۔

اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے اخر تک چلا گیا ہے اور پھر بحر محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے حتی کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

اور یہاں پہونچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان سد سکندری واقع =

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰٓ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

بھلا ہم آپ کے لئے خرچ (کا انتظام) کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ

ذوالقرنین نے کہا کہ خرچ کا جو مقدور اللہ نے مجھے بخشا ہے وہ بہت اچھا ہے تم مجھے قوتِ (بازو) سے مدد دو میں تمہارے

وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ

اوران کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادوں گا تو تم لوہے کے (بڑے بڑے) تختے لاؤ (چنانچہ کام جاری کر دیا گیا) یہاں

إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا حَتَّىٰ إِذَا

تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان (کا حصہ) برابر کر دیا اور کہا کہ (اب اسے) پھونکو یہاں تک کہ

جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾

جب اس کو (پھونک پھونک کر) آگ کر دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس تانبا لاؤ کہ اس پر پگھلا کر ڈال دوں

= ہے اور ساتویں اقلیم کے نویں حصہ کے وسط ہی میں وہ سد سکندری ہے جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں اور جس کی اطلاع قران نے بھی دی ہے اور عبداللہ بن خردازبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب المسالک والممالک: ۱۴۱، وتاریخ اسلام: ۲۴۴/۳، وطبری: ۴۲۵/۲، میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ سد کھل گئی ہے چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلام ترجمان کو روانہ کیا اور اس نے واپس آ کر اسی سد کے حالات واوصاف بیان کئے۔ (تاریخ ابن خلدون: ۷۹/۱)۔

اس تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ سد ذوالقرنین ابھی تک قائم ہے، اس کے بعد اگر کوئی، شاہ انورؒ کے قول پر جو کہ اس سے نفحۃ العنبر :۱۴۱، میں یوسف بنوریؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ دیوار منہدم ہوا ہے اور اس باب میں جو احادیث وارد ہیں وہ معلل اور صحیح نہیں۔ یقین کرے اور اس دیوار کی وجود سے انکار کرے، یا موجودہ سیڈیوں [CD,s] وغیرہ میں جو ہے کہ یہ دیوار منھدم ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ھدایت دے۔

فَمَا اسْطَاعُوْآ اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا

پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں سوراخ لگا سکیں۔ بولا کہ یہ میرے پروردگار کی

رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا

مہربانی ہے جب میرے پروردگار کا وعدہ آ پہنچے گا تو اس کو (ڈھا کر) ہموار کر دے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے

﴿۹۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِىْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِى الصُّوْرِ

(اس روز ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ (روئے زمین پر پھیل کر) ایک دوسرے میں گھس جائیں گے اور صُور پھونکا جائے گا

فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾

تو ہم سب کو جمع کر لیں گے۔اور اس روز جہنم کو کافروں کے سامنے لائیں گے

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِىْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِىْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا

جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے

﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْآ اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِىْ مِنْ دُوْنِىْ اَوْلِيَآءَ ۚ

کیا کافر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے بندوں کو ہمارے سوا (اپنا) کارساز بنائیں گے (تو ہم خفا نہیں ہوں گے)

اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ

ہم نے (ایسے) کافروں کے لئے جہنم کی (مہمانی) تیار کر رکھی ہے۔ کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے

اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ

نقصان میں ہیں۔ وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں

يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں

وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝١٠٥

اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝١٠٦

یہ ان کی سزا ہے (یعنی) جہنم اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور ہمارے پیغمبروں کی ہنسی اڑائی

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝١٠٧

جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے ان کے لئے بہشت کے باغ مہمانی ہوں گے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝١٠٨ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا

ہمیشہ ان میں رہیں گے اور وہاں سے مکان بدلنا نہ چاہیں گے۔ کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کے علوم کے (لکھنے

لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ

کے) لئے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کے علوم تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور (سمندر)

مَدَدًا ۝١٠٩ قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

اس کی مدد کو لائیں۔ کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (وہی) ایک

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ

رَبِّهٖٓ أَحَدًا ۝١١٠

معبود ہے تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے چاہیئے کہ عملِ نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے

سورة مريم(مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ إِذۡ

کٰہٰیٰعص۔(یہ) تمہارے پروردگار کی مہربانی کا بیان (ہے جو اس نے) اپنے بندے زکریا پر (کی تھی)۔ جب انہوں نے

نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿٣﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّيۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّيۡ

اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا۔ (اور) کہا کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہوگئی ہیں

وَاشۡتَعَلَ الرَّأۡسُ شَيۡبًا وَّلَمۡ أَكُنۡ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾ وَإِنِّيۡ خِفۡتُ

اورسر بڑھاپے (کی وجہ سے) شعلہ مارنے لگا ہے اوراے میرے پروردگار! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے

الۡمَوَالِيَ مِنۡ وَّرَآئِيۡ وَكَانَتِ امۡرَأَتِيۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِيۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾

بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اورمیری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما

يَّرِثُنِيۡ وَيَرِثُ مِنۡ آلِ يَعۡقُوۡبَ وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّا

جو میری اور اولادِ یعقوب کی میراث کا مالک ہو[۱] اور (اے) میرے پروردگار! اس کو خوش اطوار بنائیو۔ اے زکریا!

---

[۱] باتفاق جمہور علماء اس جگہ وراثت سے وراثت مالی مراد نہیں، کیونکہ اول تو زکریا علیہ السلام کے پاس کوئی بڑی دولت ہونا ثابت نہیں، جس کی فکر ہو کہ اس کا وارث کون ہوگا، اور ایک پیغمبر کی شان سے بھی ایسی فکر کرنا بعید ہے، اس کے علاوہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت ہے، اس میں ہے: ان العلماء ورثة الانبياء، وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما، انما ورثوا العلم، فمن اخذه اخذ بحظ وافر. (احمد: ۵/۱۹۶، ابوداود: ۲/۳۴۱، رقم: ۳۶۴۱، ابن ماجة: ۲۲۳، ترمذی: ۲۶۸۲)۔=

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ ۨاسْمُهُ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾

ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کی

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا

انہوں نے کہا کہ اے پروردگار! میرے ہاں کس طرح لڑکا ہو گا جبکہ میری بیوی بھانجھ ہے

= بیشک علماء وارث ہیں انبیاء کے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی وراثت علم ہوتا ہے، جس نے علم حاصل کر لیا اس نے بڑی دولت حاصل کر لی۔

یہ حدیث کتب شیعہ، کافی، کلینی وغیرہ میں بھی موجود ہے، اور صحیح بخاری میں عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لانورث وماترکنا صدقة۔ (بخاری:۲۷۲۶، مسلم:۱۷۵۹) ہم انبیاء کی مالی وراثت کسی کو نہیں ملتی، ہم جو مال چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔ اور خود اس آیت میں ''یرثنی'' کے بعد ''ویرث من ال یعقوب'' کا اضافہ اس کی دلیل ہے، کہ وراثت مالی مراد نہیں کیونکہ جس لڑکے کی پیدائش کی دعاء کی جا رہی ہے اس کا آل یعقوب کے لئے مالی وارث بننا بظاہر ممکن نہیں، کیونکہ آل یعقوب کے وراث ان کے عصبات قریبہ ہوں گے، اور وہ وہی ''موالی'' ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا، وہ بلاشبہ قرابت وعصوبت میں یحییٰ علیہ السلام سے اقرب ہیں، اقرب کے ہوتے ہوئے عصبہ بعید کو وراثت ملنا اصول وراثت کے خلاف ہے، روح المعانی میں کتب شیعہ سے یہ بھی نقل کیا ہے: روی الکلینی فی اصول الکافی: ۱/۲۲۶، عن ابی البختری عن ابی عبداللہ قال ان سلیمان ورث داود، وان محمدا ﷺ ورث سلیمان.

سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور محمد ﷺ سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سلیمان علیہ السلام کی مالی وراثت ملنے کا کوئی احتمال وامکان ہی نہیں، مراد اس سے علوم نبوت کی وراثت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ '' ورث سلیمان داود''(نمل:۱۶) میں بھی وراثت مالی مراد نہیں۔ اور اس تحقیق سے شیعوں کا وہ اعتراض بھی ختم ہوا جو کہ فدک وغیرہ کا تھا۔

وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ

اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں۔ حکم ہوا کہ اسی طرح (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے

وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ

اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔ کہا کہ اے پروردگار! میرے لئے کوئی

اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾

نشانی مقرر فرما فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم صحیح و سالم ہو کر تین (رات دن) بول نہ سکے گا

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً

پھر وہ (عبادت کے) حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان سے اشارے سے کہا کہ صبح

وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾

وشام (اللہ کو) یاد کرتے رہو۔ اے یحییٰ! (ہماری) کتاب کو زور سے پکڑے رہو اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں دانائی عطا

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ

فرمائی تھی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی دی تھی اور وہ پرہیزگار تھے۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ

والے تھے اور سرکش اور نافرمان نہیں تھے۔ اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے

وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ

اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ان پر سلام اور رحمت ہے۔ اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کرو جب

انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ قف

وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیں۔ تو انہوں نے ان کی طرف سے پردہ کر لیا

فَأَرْسَلْنَآ إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾

(اس وقت) ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی (کی طرح) بن گیا

قَالَتْ إِنِّیٓ أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾

مریم بولیں کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔

قَالَ إِنَّمَآ أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾

انہوں نے کہا کہ میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (یعنی فرشتہ) ہوں (اور اس لئے آیا ہوں) کہ تمہیں پاکیزہ لڑکا بخشوں

قَالَتْ أَنّٰى يَكُونُ لِی غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِی بَشَرٌ وَّلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾

مریم نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہو گا مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهُ

(فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے اور (میں اسے اسی طریق پر پیدا کروں

اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

گا) تاکہ اس کو لوگوں کے لئے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہ) رحمت اور (مہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے

فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَأَجَآءَهَا الْمَخَاضُ إِلٰى جِذْعِ

تو وہ اس (بچے) کے ساتھ حاملہ ہو گئیں اور اسے لیکر ایک دُور کی جگہ چلی گئیں۔ پھر دردِ زہ ان کو کھجور کے تنے

النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِی مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا ﴿۲۳﴾

کی طرف لے آیا کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی

فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَآ أَلَّا تَحْزَنِی قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

اس وقت ان کے نیچے کی جانب سے فرشتے نے ان کو آواز دی کہ غمناک نہ ہو تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے ایک

وَهُزِّيٓ إِلَيۡكِ بِجِذۡعِ ٱلنَّخۡلَةِ تُسَٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾

چشمہ جاری کر دیا ہے۔ اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی

فَكُلِي وَٱشۡرَبِي وَقَرِّي عَيۡنًاۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ ٱلۡبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِيٓ

تو کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو اگر تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہنا کہ میں نے اللہ کے لئے

إِنِّي نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمَٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ أُكَلِّمَ ٱلۡيَوۡمَ إِنسِيًّا ﴿٢٦﴾

روزے کی منت مانی ہے تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔ [۲]

---

[۲] قبل از اسلام یہ بھی عبادت میں داخل تھا کہ بولنے کا روزہ رکھے، صبح سے رات تک کسی سے کلام نہ کرے، اسلام نے اس کو منسوخ کر کے یہ لازم کر دیا کہ صرف بُرے کلام، گالی گلوچ، جھوٹ غیبت وغیرہ سے پرہیز کیا جائے، عام گفتگو ترک کرنا اسلام میں کوئی عبادت نہیں رہی، اس لئے اس کی نذر ماننا بھی جائز نہیں۔ لما رواہ ابوداود مرفوعا. رقم: ۲۸۷۳، و۳/ ۱۹۲، والاصابة: ۶/۴، لایتم بعد احتلام ولا صمات یوم الی اللیل (وحسنہ السیوطی). یعنی بچہ بالغ ہونے کے بعد باپ کے مرنے سے یتیم نہیں کہلاتا، اس پر احکام یتیم کے جاری نہیں ہوتے، اور صبح سے شام تک خاموش رہنا تو اسلام میں کوئی عبادت نہیں۔ اور درد زہ میں پانی اور کھجور کا استعمال ازروئے طب بھی مفید ہے اور اکل وشرب کا حکم بظاہر اباحت کے لئے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور حمل وتولد بلا توسط مرد کے خارق عادت معجزہ ہے، اور خوارق میں کتنا ہی استبعاد ہو مضائقہ نہیں، بلکہ وصف اعجاز کا اور زیادہ ظہور ہے لیکن اس میں اس وجہ سے زیادہ استبعاد بھی نہیں کہ حسب تصریح کتب طب عورت کی منی میں قوت منعقدہ کے ساتھ قوت عاقدہ بھی ہے، اس لئے مرض رجا میں اعضاء کی کچھ ناتمام صورت بھی بن جاتی ہے، کما صرح بہ فی القانون، پس اگر یہی قوت عاقدہ اور بڑھ جائے تو زیادہ مستبعد نہیں ہے کہ بچہ بغیر باپ کے پیدا ہو۔ بیان القرآن۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے مریم علیہا السلام کو کھجور کا درخت ہلانے کا حکم دیا، حالانکہ اس کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ بغیر ان کے ہلانے کے خود ہی کھجوریں ان کی گود میں گر جاتیں، مگر حکمت یہ ہے کہ اس میں تحصیل رزق کے لئے کوشش کرنے کا سبق ملتا ہے، اور یہ بھی بتلانا ہے کہ رزق کے حاصل کرنے میں کوشش اور محنت کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ روح المعانی۔

فَأَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾

تو وہ پھر اس بچے کو اٹھا کر اپنی قوم کے لوگوں کے پاس لے آئیں وہ کہنے لگے کہ مریم یہ تو تو نے بُرا کام کیا

يَا أُخْتَ هَارُوْنَ مَا كَانَ أَبُوْكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ ہی بداطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾

تو مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے کہ ہم اس سے کہ گود کا بچہ ہے کیوں کر بات کریں؟

قَالَ إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ آتٰنِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾

بچے نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے

وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ

اور میں جہاں رہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحبِ برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد

حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾

فرمایا ہے۔ اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾

اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (ورحمت) ہے

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾

یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں

مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهُ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ

اللہ کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ہے جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو یہی کہتا ہے

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ

کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اور بیشک اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو یہی

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

سیدھا رستہ ہے۔ پھر (اہلِ کتاب کے) فرقوں نے باہم اختلاف کیا سو جو لوگ کافر ہوئے ہیں ان کو بڑے دن (یعنی

مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ

قیامت کے روز) حاضر ہونے سے خرابی ہے۔ وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے

يَوْمَ يَأْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ وَأَنْذِرْهُمْ

ہوں گے مگر ظالم آج صریح گمراہی میں ہیں۔ اور ان کو حسرت (وافسوس) کے دن سے ڈراؤ

يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾

جب بات فیصل کر دی جائے گی اور وہ غفلت میں (پڑے ہوئے ہیں) اور ایمان نہیں لاتے [3]

---

[3] عن ابی سعیدقال قال رسول اللہ ﷺ یجاء بالموت یوم القیامة کانه کبش املح (زادابوکریب)فیوقف بین الجنة و النار(واتفقافی باقی الحدیث) فیقال یااهل الجنة!هل تعرفون هذا؟فیشرئبّون وینظرون ویقولون نعم هذا الموت، قال فیومربه فیذبح قال ثم یقال یااهل الجنة خلود فلاموت ویااهل النار خلودفلاموت قال ثم قرأ رسول اللہ ﷺ: ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ واشاربیده الی الدنیا. مسلم: ۲۸۴۹.

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن موت کو سرمئی مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا (ابوکریب نے اضافہ کیا) اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا، (اس کے بعد راویوں کا اتفاق

ہے) پھر کہا جائے گا اے اہل جنت! کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ گردن اٹھا کر اسے دیکھیں گے اور کہیں گے، ہاں یہ موت ہے اور کہا جائے گا اے اہل دوزخ! کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ گردن اٹھا کر اسے دیکھیں گے اور کہیں گے، ہاں یہ موت ہے، پھر اس کو ذبح کرنے کا حکم ہوگا اور اس کو ذبح کر دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا اے اہل جنت! اب دوام ہے اور موت نہیں ہے، اور اے اہل دوزخ! اب ہمیشگی ہے اور موت نہیں ہے، پھر رسول ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی، اور آپؐ نے اپنے ہاتھ سے دنیا کی طرف اشارہ کیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو پھر موت کو لایا جائے گا اور اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان رکھ کر ذبح کر دیا جائے گا، علامہ اُبی مالکی لکھتے ہیں: علامہ ماذری نے کہا ہے کہ موت عرض ہے کیونکہ وہ حیات کی ضد ہے، بعض معتزلہ نے کہا کہ وہ معنی نہیں ہے بلکہ وہ حیات کا عدم ہے، لیکن یہ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿خلق الموت و الحیوٰۃ﴾ (ملک:۲) اللہ تعالی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، بہر حال اس حدیث پر اعتراض یہ ہے کہ موت جسم نہیں ہے لہذا اس کو ذبح کرنا کس طرح متصور ہوگا اس لئے اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالی تمثیل کے لئے ایک جسم کو پیدا کر کے اس کو ذبح فرمائے گا، تاکہ اہل آخرت پر یہ واضح ہو جائے کہ ان کو موت نہیں آسکتی۔

علامہ خطابی نے یہ کہا کہ اس حدیث کا ظاہر محال ہے کیونکہ موت یا عرض ہے یا امر عدمی ہے اور ہر دو تقدیر پر اس کا مینڈھا بننا ناممکن ہے کیونکہ انقلاب حقائق محال ہے، سو اس حدیث کی دو تاویلیں ہیں ایک تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالی ایک مینڈھا پیدا کرے گا، اور اس میں موت کو پیدا کر دے گا، اور لوگ اس کو دیکھ کر جان لیں گے، پھر اللہ تعالی اس میں ذبح کے مشابہ ایک فعل پیدا کرے گا جس فعل سے وہ مینڈھا معدوم ہو جائے گا، حتی کہ اہل جنت بے خوف ہو جائیں گے، اور ان کی خوشی زیادہ ہو جائے گی، اور جہنمی مایوس ہو جائیں گے، اور ان کا غم زیادہ ہو جائے گا، دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ موت کو معدوم کرنے کی ایک مثال ہے کیونکہ جب اہل آخرت کے لئے موت معدوم ہو جائے گی تو وہ ایک ذبح شدہ مینڈھے کی طرح ہوگی۔ (اکمال اکمال المعلم: ۷:۲۲۰)۔

☆☆☆

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۴۰﴾

ہم ہی زمین کے اور جو لوگ اس پر (بستے) ہیں ان کے وارث ہیں اور ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہو گا

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بیشک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا

يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ﴿۴۲﴾

کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آ سکیں

يَا أَبَتِ إِنِّيْ قَدْ جَاءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْ أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا

ابا مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا تو میرے ساتھ ہو جائیے میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا

﴿۴۳﴾ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ إِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾

ابا شیطان کی پرستش نہ کیجئے بیشک شیطان اللہ کا نافرمان ہے

يَا أَبَتِ إِنِّيْ أَخَافُ أَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾

ابا مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو اللہ کا عذاب آ پکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں

قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ آلِهَتِيْ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ

اس نے کہا کہ ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا

وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ

اور تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دُور ہو جا۔ ابراہیم نے سلام علیک کہا (اور کہا کہ) میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے بخشش

إِنَّهُ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

مانگو بیشک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔ اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان سے کنارہ کرتا ہوں

وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰٓ أَلَّآ أَكُونَ بِدُعَآءِ رَبِّي شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا

اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔ اور جب ابراہیم

اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُۥٓ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ

ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے ان سے الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحٰق اور (اسحٰق) کو یعقوب بخشے

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾

اور سب کو پیغمبر بنایا۔ اور ان کو اپنی رحمت سے (بہت سی چیزیں) عنایت کیں اور ان کا ذکرِ جمیل بلند کیا

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰٓ إِنَّهُۥ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اور کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کرو بیشک وہ (ہمارے) برگزیدہ اور پیغمبر ورسول تھے

وَنَادَيْنَاهُ مِن جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾

اور ہم نے ان کو طُور کی داہنی جانب سے پکارا اور باتیں کرنے کے لئے نزدیک بلایا

وَوَهَبْنَا لَهُۥ مِن رَّحْمَتِنَآ أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ

اور اپنی مہربانی سے انکو ان کا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا اور کتاب

فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُۥ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾

میں اسماعیل کا بھی ذکر کرو وہ وعدے کے سچے اور (ہمارے) بھیجے ہوئے نبی تھے [4]

---

[4] رسول اور نبی کے مفہوم میں نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے "رسول" وہ ہے جو مخاطبین کو شریعت جدیدہ پہنچائے ،خواہ وہ شریعت خود اس رسول کے اعتبار سے بھی جدید ہو، جیسے تورات وغیرہ، یا صرف ان کی امت کے اعتبار سے جدید ہو، جیسے اسماعیل علیہ السلام کی شریعت، وہ دراصل ابراہیم علیہ السلام کی قدیم شریعت ہی تھی ،لیکن قوم "جرہم" جن کی طرف ان

کو مبعوث فرمایا تھا، ان کو اس شریعت کا علم پہلے سے نہ تھا، اسماعیل علیہ السلام ہی کے ذریعہ ہوا، اس معنی کے اعتبار سے رسول کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں جیسے فرشتے کہ وہ رسول تو ہیں مگر نبی نہیں ہیں۔

یا جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے پرستادہ قاصد، جن کو آیت قرآن "اذجاء ھا المرسلون" (یسٓ: ۱۳) (بنا برایک تفسیر) میں رسول کہا گیا ہے، حالانکہ وہ انبیاء نہیں تھے۔ اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو خواہ شریعت جدیدہ کی تبلیغ کرے، یا شریعت قدیمہ کی، جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل شریعت موسویہ کی تبلیغ کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک اعتبار سے لفظ رسول نبی سے عام ہے ، اور دوسرے اعتبار سے لفظ نبی بنسبت رسول کے عام ہے، جس جگہ یہ دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال کئے گئے، جیسا کہ آیت مذکورہ میں "رسولا نبیا" آیا ہے، وہاں تو کوئی اشکال نہیں کہ خاص اور عام دونوں جمع ہوسکتے ہیں، کوئی تضاد نہیں، لیکن جس جگہ یہ دو لفظ باہم متقابل آئے ہیں، جیسے "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی" الایة (حج: ۵۲) میں، تو اس جگہ بقرینہ مقام لفظ نبی کو خاص اس شخص کے معنی میں لیا جائے گا جو شریعت سابقہ کی تبلیغ کرتا ہے۔

اس فرق کی وضاحت، براء بن عازبؓ کی حدیث میں ہے، کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: جب تو اپنے سونے کی جگہ پر آئے، تو نماز کا سا وضو کر، پھر اپنے داہنی کروٹ پر لیٹ جا، اور یوں دعا کر: **اللھم اسلمت نفسی الیک ، ووجھت وجھی الیک ، وفوضت امری الیک، والجأت ظھری الیک ، رغبة ورھبة الیک، لاملجأ ولا منجأ منک الا الیک، امنت بکتابک الذی انزلت، ونبیک الذی ارسلت . وقال رسول اللہ ﷺ: من قالھن ثم مات تحت لیلته مات علی الفطرة. (بخاری: ۶۳۱۵، مسلم: ۲۷۱۰.** یعنی اے اللہ! تیرے ثواب کے شوق میں، اور تیرے عذاب کے ڈر سے میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا، اور اپنا کام تجھ کو سونپ دیا، اور اپنی پیٹھ تجھ پر ٹیک دی، تجھ سے بھاگ کر کہیں پناہ اور کہیں ٹھکانہ نہیں، مگر تیرے ہی پاس، یا اللہ! میں نے تیری کتاب (قرآن) پر ایمان لایا، جس کو تو نے اتارا، اور تیرے نبی پر ایمان لایا، جس کو تو نے بھیجا، اس کے بعد نبی ﷺ نے اس دعا کی یہ فضیلت بتائی، کہ اگر تو اسی رات کو مر جائے، تو اسلام پر رہے گا، اور ایسا کر کہ یہ دعا تیرا آخری کلام ہو۔

براءؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ دعا سنکر یاد کرنے کے لئے دہرائی: **فلما بلغت: اللھم آمنت بکتابک الذی انزلت، قلت ورسولک، قال: لا ونبیک الذی ارسلت .** یعنی جب میں اس جگہ پہنچا: **اللھم امنت بکتابک الذی انزلت** ، اس کے بعد میں نے یوں کہہ دیا "**ورسولک**" آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، یوں کہہ: **ونبیک الذی ارسلت** ، یعنی نبی کی جگہ رسول کا لفظ تو نے کیوں کہا؟ وہی لفظ کہہ! جو میں نے کہا ہے

،(ترمذی:۳۵۷۴)۔حالانکہ لفظ نبی اوررسول دونوں کاحاصل ومراد ایک ہے، لیکن پیغمبرﷺ نے اپنے صحابی کوسبق سکھا کرقیامت تک کے لئے مثال قائم کردی،کہ آپﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ میں اپنی طرف سے تغیروتبدل کرنا،ترمیم واضافہ کرنا،اورگھٹانا،بڑھانا جائزنہیں۔آج کل اکثرعوام اورخواص اس امرکی پروانہیں کرتے،الفاظ ماثورہ ومنقولہ کوگھٹابڑھا کرپیش کرتے ہیں،حالانکہ نبی علیہ السلام کےمنہ بولےالفاظ میں جوبرکت،بھیدواسرارہوتے ہیں،وہ لوگوں کےمصنوعی الفاظ میں ہرگزنہیں ہوسکتے۔اس وجہ سےفقہاء نے یہ قاعدہ لکھاہےکہ **الاصل فی الاذکارالتوقف .**

اوراس فرق کواس حدیث میں بھی اشارہ کیا گیاہے جوکہ ابوذرؓ سےنقل کی گئی ہے کہ،**قال قلت یارسول اللهای الانبیاء کان اول؟قال :آدم ،قلت یارسول الله!ونبی کان؟قال ”نعم نبی مکلم“ قلت یارسول الله کم المرسلون؟قال ثلاث مئة وبضعة عشر،جماغفیرا۔وفی روایة عن ابی امامةؓ قال ابوذرؓقلت یارسول الله!کم وفاء عدة الانبیاء؟قال مئة الف،واربعة وعشرون الفا، الرسل من ذلک ثلاث مائة وخمسة عشر،جماغفیرا ۔**(مسنداحمد:۱۷۸/۵، ابن حبان:رقم:۲۰۷۹،۲۰۸۵،وسلسلة الاحادیث الصحیحۃ:۲۶۶۸)۔

ابوذرؓکہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:یارسول اللهﷺ سب سے پہلے نبی کون ہے؟آپﷺ نے فرمایا آدم علیہ السلام،میں نے پھرپوچھا کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟فرمایاں ہاں وہ نبی تھے،انہیں اللہ رب العالمین سےشرف تکلم وتخاطب حاصل ہواہے،اس کے بعدمیں نے پوچھا:یارسول اللهﷺ انبیاء میں رسول کتنے ہوئے ہیں؟آپﷺ نے فرمایا:کافی بڑی تعدادمیں تین سودس سے کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔اورایک روایت میں ابوامامہؓ سےمنقول ہے،یہ الفاظ ہیں کہ ابوذرؓ نے فرمایامیں عرض کیایارسول اللہ تمام انبیاء کی کل تعداد(خواہ وہ رسول ہویاغیررسول) کیاہے؟آپﷺ نےفرمایا:ایک لاکھ چوبیس ہزار،ان میں رسول تین سوپندرہ ہوئے ہیں،جوکافی بڑی تعدادہے۔

کل انبیاء کی تعدادکے بارے میں اس حدیث میں ایک لاکھ چوبیس ہزارکاذکرہے،اوربعض روایتوں میں یہ تعداددولاکھ چوبیس ہزاربیان کی گئی ہے،ظاہرہے دونوں عددمیں زبردست تضادہے،اس لئے علماء نے لکھاہے کہ اس بارے میں زیادہ تحقیق وجستجونہ کرنی چاہئے،اورنہ کوئی خاص عددمتعین کرنا چاہئے،بلکہ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ انبیاء کی ٹھیک تعداداللہ تعالی ہی جانتاہے،اوراجمالی طورپراس طرح ایمان لانا چاہئے کہ اللہ تعالی نے جتنے رسول اورنبی بھیجے،ہم ان سب کوبرحق رسول اورنبی مانتے ہیں،اس عقیدہ اوراجمالی ایمان سے نہ کوئی نبی انبیاء کےزمرہ سے باہررہےگا،اورنہ کوئی غیرنبی ان کےزمرہ میں شامل ہوگا۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکٰوۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (وبرگزیدہ) تھے

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

اور کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کرو وہ بھی نہایت سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھا لیا تھا۔[5]

﴿۵۷﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے پیغمبروں میں سے فضل کیا (یعنی) اولاد آدم میں سے اور ان لوگوں میں سے

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْرَآئِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا

جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے اوران لوگوں میں سے جن کو ہم نے

---

[5] واذکر فی الکتاب ادریس، الخ ،ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں (روح المعانی بحوالہ مستدرک وحاکم) اور یہ آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی وہ رسول ہیں،جن پر اللہ تعالی نے تیس صحیفے نازل فرمائے (کمافی حدیث ابی ذر،زمخشری) اورادریس علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو علم نجوم اورحساب بطور معجزہ عطا کیا گیا (بحرمحیط)۔اورسب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے قلم سے لکھنا اور کپڑا سینا ایجاد کیا ان سے پہلے لوگ عموما جانوروں کی کھال بجائے لباس استعمال کرتے تھے،اورسب سے پہلے ناپ تول کے طریقے بھی آپ نے ہی ایجاد فرمائے ،اوراسلحہ کی ایجاد بھی آپ سے شروع ہوئی آپ نے اسلحہ تیارکر کے بنوقابیل سے جہاد کیا۔(بحرمحیط،قرطبی،مظہری،روح المعانی)۔

''ورفعناہ مکانا علیا'' یعنی ہم نے ادریس علیہ السلام کومقام بلند پر اٹھالیا۔معنی یہ ہیں کہ ان کونبوت ورسالت اورقرب الہٰی کا خاص مقام عطافرمایا گیا۔اوربعض روایت میں جوان کا آسمان پر اٹھانا منقول ہے ان کے متعلق ابن کثیر نے فرمایا:ھذا من اخبار کعب الاحبار الاسرائیلیات وفی بعضہ نکارۃ یعنی یہ کعب اخبار کی اسرائیلی روایات میں سے ہے اوران میں سے بعض میں نکارت واجنبیت ہے۔

وَاجْتَبَيْنَآ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ ﴿۵۸﴾

ہدایت دی اور برگزیدہ کیا جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے رہتے تھے

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ

پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اسے) کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

پیچھے لگ گئے۔ سوعنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔[٦] ہاں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عملِ نیک کیا

---

[٦] امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں انس بن مالکؓ کے گھر دمشق گیا (تو دیکھا) وہ رو رہے تھے، میں نے پوچھا آپ کو کس چیز نے رلا دیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: لا اعرف شیئا مما ادرکت الا هذه الصلاة، وهذه الصلاة قد ضيعت۔ (بخاری: ۵۳۰)۔ میں نے جو چیزیں (نبی ﷺ کے عہد میں) دیکھی تھیں، ان میں سے سوائے نماز کے اب کچھ بھی نہیں دیکھ رہا ہوں، اور وہ نمازیں بھی ضائع کر دی گئی ہیں۔

بنوامیہ کے دور میں خلفاء نمازوں کو دیر سے پڑھا کرتے تھے، حالانکہ حدیث میں اول وقت نماز پڑھنے کی تاکید ہے، ولید بن عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو عراق کا حاکم مقرر کیا تھا، حجاج بن یوسف بھی نماز تاخیر سے پڑھتا تھا، طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب حجاج بن یوسف کو نماز میں تاخیر کرتے ہوئے انسؓ صحابی رسول نے دیکھا، تو چاہا کہ حجاج کو کچھ کہیں، لیکن انسؓ کے بھائیوں نے ان کو منع کیا، کیونکہ حجاج بہت بڑا ظالم اور خونخوار تھا۔ چنانچہ انسؓ نے سواری پر سوار ہو کر چلتے وقت کہہ ہی دیا، کہ سوائے کلمہ توحید کے رسول کریم ﷺ کے زمانے کی کوئی چیز میں نے تم میں نہیں پائی۔ کسی نے کہا کیا نماز بھی نہیں؟ انسؓ نے فرمایا ظہر کی نماز عصر کے وقت، اور عصر کی نماز مغرب کے وقت پڑھتے ہو کیا یہ رسول ﷺ کی نماز تھی؟

مسند احمد میں ہے کہ ابورافع نے کہا اے ابوحمزہ کیا نماز بھی ویسی نہیں رہی؟ تو فرمایا تمہیں خود معلوم ہے کہ حجاج نے جو کچھ نماز کا حال کر رکھا ہے، یعنی بے وقت پڑھتے ہیں، جو پڑھی نہ پڑھی برابر ہے، اس بے وقت نماز کے متعلق=

فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ﴿٦٠﴾

تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا

جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ﴿٦١﴾

(یعنی) بہشت جاودانی (میں) جس کا اللہ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے (اور) جو ان کی آنکھوں سے) پوشیدہ (ہے) بیشک اس کا وعدہ آنے والا ہے

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿٦٢﴾

وہ اس میں سلام کے سوا کوئی بیہودہ کلام نہ سنیں گے اور ان کے لئے صبح و شام کھانا تیار ہو گا

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

یہی وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو وارث بنائیں گے جو پرہیزگار ہو گا

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا

اور (فرشتوں نے پیغمبر کو جواب دیا کہ) ہم تمہارے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے جو کچھ ہمارے آگے ہے

خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمَاوَاتِ

اور جو پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے سب اسی کا ہے اور تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں۔ (یعنی) آسمان اور زمین کا

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾

اور جو ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو اور اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہو بھلا تم کوئی اس کا ہمنام جانتے ہو

=انسؓ نے فرمایا: قد ضیعت، یعنی ضائع کردی ہے، نماز کا ضائع کرنا یہ ہے کہ اسے بے وقت پڑھا جائے اور نماز کے ارکان خلاف سنت ادا کرے، چنانچہ اسی آیت کا معنی بھی یہ ہے۔ بیضاوی نے اس کی شرح یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے نماز کو چھوڑ دیا، یا اس کے وقت سے تاخیر کر کے پڑھی۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَءِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ

اور (کافر) انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟۔ کیا انسان یاد نہیں کرتا

الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ

کہ ہم نے اس کو پہلے بھی تو پیدا کیا تھا اور وہ کچھ بھی چیز نہ تھا۔ تمہارے پروردگار کی قسم! ہم ان کو جمع کریں گے

وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ

اور شیطانوں کو بھی پھر ان سب کو جہنم کے گرد حاضر کریں گے (اور وہ) گھٹنوں پر گرے ہوئے (ہوں گے)۔ پھر ہر

لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

جماعت میں سے ہم ایسے لوگوں کو کھینچ نکالیں گے جو اللہ سے سخت سرکشی کرتے تھے

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

اور ہم ان لوگوں سے خوب واقف ہیں جو ان میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں

وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾

اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر گزرنا ہو گا یہ تمہارے پروردگار پر لازم اور مقرر ہے

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَإِذَا

پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ اور جب

تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ

ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں وہ مومنوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے

خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ

مکان کس کے اچھے اور مجلسیں کس کی بہتر ہیں؟ اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر دیں وہ لوگ (ان سے)

أَحْسَنُ أَثَاثًا وَّرِءْ يًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ

ٹھاٹھ اور نمود میں کہیں اچھے تھے۔ کہہ دو کہ جو شخص گمراہی میں پڑا ہوا ہے اللہ اس کو آہستہ آہستہ مہلت دیئے جاتا ہے

مَدًّا ۚ حَتّٰى إِذَا رَأَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ

یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے خواہ عذاب اور خواہ قیامت

فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

تو (اس وقت) جان لیں گے کہ مکان کس کا بُرا اور لشکر کس کا کمزور [۷]

---

[۷] ان کافروں کو جو تمہیں ناحق پر اور اپنے تئیں حق پر سمجھ رہے ہیں، اور اپنی خوشحالی اور فارغ البالی پر اطمینان کئے بیٹھے ہوئے ہیں، ان سے کہہ دیجئے کہ گمراہوں کی رسی دراز ہوتی ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل دی جاتی ہے، جب تک کہ قیامت نہ آجائے یا ان کی موت نہ آجائے۔ اس وقت انہیں پورا پتہ چل جائے گا، کہ فی الواقع برا شخص کون تھا، اور کس کے ساتھی کمزور تھے، دنیا تو ڈھلتی چڑھتی چھاؤں ہے، نہ خود اس کا اعتبار، نہ اس کے سامان اسباب کا، یہ تو اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی رہیں گے، ای فليدعه الله في طغيان جهله و كفره، فلفظه لفظ الامر ومعناه الخبر، اى من كان فى الضلالة مده الرحمٰن مدا، حتى يطول اغتراره فيكون ذلك اشد لعقابه، نظيره فى ال عمران: ۱۷۸، وانعام: ۱۱۰، ومثله كثير، وقيل هذا دعاء امر به النبى ﷺ، تقول: من سرق مالى فليقطع الله يده، فهو دعاء على السارق، وهو جواب الشرط، وعلى هذا فليس قوله "فليمدد خبرا" (قرطبى) ۔ وقال ابن كثير، وهذه مباهلة للمشركين الذين يزعمون انهم على هدى فيماهم فيه ۔ یا یہ معنے ہے کہ ہم میں سے جو گمراہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی بڑھا دے۔ گویا اس آیت میں مشرکوں سے مباہلہ ہے۔ جیسے یہودیوں سے سورۂ جمعہ میں مباہلہ کی آیت (۶) ہے، کہ آؤ ہمارے مقابلے میں موت کی تمنا کرو، اسی طرح سورۂ ال عمران میں مباہلے کا ذکر ہے، کہ جب تم اپنے خلاف دلیلیں سن کر بھی عیسیٰ علیہ السلام کے، ابن اللہ، ہونے کے مدعی ہو، تو آؤ بال بچوں سمیت میدان میں جا کر جھوٹے پر لعنت اللہ تعالیٰ پڑنے کی دعاء کریں، پس نہ تو مشرکین مقابلے پر آئے، نہ یہود کی ہمت پڑی، نہ نصرانی مرد میدان بنے۔

وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى وَّالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ

اور جولوگ ہدایت یاب ہیں اللہ ان کو زیادہ ہدایت دیتا ہے اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ تمہارے پروردگار کے صلے

ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ

کے لحاظ سے خوب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے

لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا

لگا کہ (اگر میں از سرِ نو زندہ ہوا بھی تو یہی) مال اور اولاد مجھے (وہاں) ملے گا کیا اس نے غیب کی خبر پالی ہے یا اللہ کے یہاں (سے) عہد لے لیا ہے؟

﴿٧٨﴾ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾

ہرگز نہیں جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھتے جاتے اور اس کے لئے آہستہ آہستہ عذاب بڑھاتے جاتے ہیں

وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ

اور جو چیزیں یہ بتاتا ہے ان کے ہم وارث ہوں گے اور یہ اکیلا ہمارے سامنے آئے گا۔ اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا

اٰلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ

اور معبود بنالئے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے مدد ہوں ۔ ہرگز نہیں وہ (معبودانِ باطل) ان کی پرستش سے

ضِدًّا ﴿٨٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّآ أَرْسَلْنَا الشَّيٰطِينَ عَلَى الْكٰفِرِينَ

انکار کریں گے اور ان کے دشمن (ومخالف) ہوں گے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے

تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾

کہ وہ ان کو برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ تو تم ان پر (عذاب کے لئے) جلدی نہ کرو اور ہم تو ان کے لئے (دن) شمار کر رہے ہیں

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ

جس روز ہم پرہیزگاروں کو اللہ کے سامنے (بطور) مہمان جمع کریں گے۔ اور گنہگاروں کو دوزخ

إِلَى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ

کی طرف سے پیاسے ہانک لے جائیں گے۔ (تو لوگ) کسی کی سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے مگر جس نے اللہ سے

عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۸۹﴾

اقرار لیا ہو۔[۸] اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو! یہ تو) تم بُری بات (زبان پر) لائے ہو

---

[۸] عن عبادة بن الصامتؓ انه قال قال رسول اللهﷺ خمس صلوات افترضهن الله تعالى .من احسن وضوء هن وصلاهن لوقتهن ،واتم ركوعهن وخشوعهن،كان له على الله تعالى عهد ان يغفرله ،ومن لم يفعل ،ليس له على الله عهد،ان شاء غفرله،وان شاء عذبه.رواه احمد:۵/۳۱۷، وابوداود:۴۲۵،و النسائی : ۱/۲۳۰،وابن ماجة: ۱۴۰۱ . عبادة بن الصامتؓ نقل کرتے ہیں کہ رسولﷺ نے فرمایا: جس شخص نے ان پانچ نمازوں کے لئے جنہیں اللہ نے فرض کیا ہے، اچھی طرح وضوء کیا، اوران کو وقت پر پڑھا، نیز ان میں رکوع وخشوع کیا، تو اس کے لئے اللہ تعالی پر ذمہ یہ ہے کہ وہ اس کے گناہ بخش دے گا، اور جس شخص نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالی اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔ چاہے تو بخش دے، چاہے اسے عذاب میں مبتلا کرے۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ آیت تلاوت کی، پھر فرمایا کہ اللہ تعالی کے ہاں وعدہ حاصل کرلو، بیشک اللہ تعالی قیامت کے دن فرمائے گا کہ جس سے میرا عہد ہے وہ کھڑا ہو جائے، لوگوں نے کہا ہمیں بھی بتادیجئے کہ یہ عہد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یوں کہو:۔ اللهم فاطر السمٰوات والارض عالم الغيب والشهادة فانى اعهداليك فى هذه الحيوٰة الدنيا انك ان تكلنى الى عمل تقربنى من الشروتباعدنى من الخير،وانى لا اثق الا برحمتك، فاجعل لى عندك عهداتؤديه الى يوم القيامة "انك لاتخلف الميعاد". مستدرك حاكم: ۲/۳۷۷. فى التفسير.

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾

قریب ہے کہ اس (افتراء) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں

أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾

کہ انہوں نے اللہ کے لئے بیٹا تجویز کیا ۔ اور اللہ کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے

لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

اس نے ان (سب) کو شمار کر رکھا ہے۔ اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے حاضر ہوں گے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اللہ ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کر دے گا[پ]

فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ﴿۹۷﴾

(اے پیغمبر!) ہم نے یہ تمہاری زبان میں آسان کیا ہے تاکہ تم اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری پہنچا دو اور جھگڑالوؤں کو ڈر سنا دو

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے بھلا تم ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو یا (کہیں) ان کی بھنک سنتے ہو؟[۹]

---

[۹] عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ اذا احب عبدادعاجبریل فقال انی احب فلانا فاحبہ قال فیحبہ جبریل ثم ینادی فی السماء فیقول: ان اللہ یحب فلانافاحبوہ فیحبہ اہل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض، واذا ابغض عبدادعاجبریل فیقول: انی ابغض فلانافابغضہ، قال فیبغضہ جبریل، ثم ینادی فی اہل السماء ان اللہ یبغض فلانا فابغضوہ، قال فیبغضونہ، ثم یوضع لہ البغضاء

فی الارض .بخاری: ۳۲۰۹،مسلم رقم:۲۶۳۷ .

ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: کہ جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت رکھتا ہے،(یعنی جب وہ اپنے بندوں میں کسی بندے کے تئیں اپنی خوشنودی ومحبت کوظاہر کرنے کاارادہ کرتا ہے) تو جبرئیل کو بلا کرفرماتا ہے، کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، نبیﷺ نے فرمایا: جبرئیل علیہ السلام (یہ سنکر)اس بندے سے محبت رکھتے ہیں،اور پھر وہ اللہ تعالی کے حکم سے اسمان میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے، لہذا تم سب بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ اسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

اور پھراس بندے کے لئے زمین میں بھی قبولیت رکھی جاتی ہے،(یعنی زمین والوں کے دلوں میں بھی اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے اور تمام جن وانس اس سے محبت کرنے لگتے ہیں) اور جب اللہ تعالی کسی بندے سے نفرت کرتا ہے،تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کرفرماتا ہے، کہ میں فلاں شخص سے نفرت کرتا ہوں،تم بھی اس سے نفرت کرو، نبیﷺ نے فرمایا: جبرئیل (یہ سنکر) اس شخص سے نفرت کرتے ہیں،اور پھر وہ اسمان میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالی فلاں شخص سے نفرت کرتا ہے،لہذا تم سب بھی اس سے نفرت کرو، چنانچہ اسمان والے بھی اس شخص سے نفرت کرنے لگتے ہیں، یہاں تک اس شخص کے لئے زمین میں بھی عداوت ونفرت رکھی جاتی ہے،جس کی وجہ سے تمام جن وانس اس شخص سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔اللہ تعالی کا کسی بندے کو دوست ومحبوب رکھنے کا مطلب دراصل اس بندے پرحق تعالی کی طرف سے خیر وبھلائی اور ہدایت وفلاح کی بارش ہونااوراس پر رحمت الٰہی کا نازل ہونا ہے،اسی طرح اللہ تعالی کا کسی شخص سے نفرت کرنا گویااس شخص کوعذاب میں مبتلا کرنے کے ارادہ الٰہی کوظاہر کرنا۔

کسی بندے کے حق میں ان کی محبت کودوصورتوں پرمحمول کیا جاسکتا ہے،ایک تو یہ کہ وہ اس بندے کے حق میں استغفار کرتے ہیں اس کی مدح وتعریف کرتے ہیں،اوراس کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہیں،دوسرے یہ کہ ’’محبت ‘‘ کے وہی ظاہری معنی مراد ہیں جو عام طور پر مفہوم ہوتے ہیں یعنی ان کے دل اس بندے کی طرف مائل ہوتے ہیں اوراس سے ملاقات کااشتیاق رکھتے ہیں۔

ملاعلی قاری کہتے ہیں کہ دوسری صورت یعنی محبت کواس کے اپنے ظاہری معنی پرمحمول کرنازیادہ صحیح ہے کیونکہ جب کسی لفظ کواس کے حقیقی معنی پرمحمول کرنا صحیح ہوتو مجازی معنی مراد لیناغیرموزون ہے،علاوہ ازیں محبت کواس کے حقیقی معنی پرمحمول کرنے کی صورت میں پہلے معنی (یعنی اس بندے کے حق میں جبرئیل اور فرشتوں کا دعاواستغفاراورمدح وتعریف

کرنا ضمنی طور پر خود بخود متحقق ہو جاتے ہیں۔

کیفیت حصول محبت الٰہی

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللهﷺ: ان الله تعالی قال: من عاد لی ولیا فقد آذنته بالحرب، وما تقرب الی عبدی بشئ احب الیّ مما افترضت علیه، ومایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبه، فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به، وبصره الذی یبصربه ویده التی یبطش بها، ورجله التی یمشی بها، وان سئلنی لاعطینه ولان استعاذبی لاعیذنّهٗ، وماترددت عن شئ انافاعله ترددی عن نفس المومن یکره الموت وانااکره مسائته ولابدّ له منه. بخاری: ۶۵۰۲.

اورابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: کہ جو شخص میرے ولی کو ایذاء پہنچاتا ہے تو میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں، اور میرا کوئی بندہ مومن میرا تقرب (اعمال میں سے) ایسی کسی چیز کے ذریعہ حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ہو جیسے ادائیگی فریضہ کے ذریعہ میرا تقرب حاصل ہے، ہمیشہ نوافل کے ذریعہ یعنی طاعات وعبادات کے ذریعہ جو فرائض کے علاوہ اور فرائض سے زائد ہیں میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں، کیونکہ وہ فرائض ونوافل دونوں کو اختیار کرتا ہے، اور جب میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ سنتا ہے، میں اس کی بینائی بن جاتا ہوں وہ اسی کے ذریعہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ پکڑتا ہے، میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور وہ برائیوں اور مکروہات سے میری پناہ چاہتا ہے، تو میں اسے پناہ دیتا ہوں، اور جس کام کو میں کرنے والا ہوں اس میں اس طرح تردد نہیں کرتا جس طرح کہ میں بندہ مومن کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ اس کی ناپسندیدگی کو میں ناپسند کرتا ہوں اور موت سے کسی حال میں مفر نہیں ہے۔

"**فقد آذنته بالحرب**" کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے یعنی جو شخص میرے ولی کو ایذا پہنچاتا ہے اس کی اس انتہائی قابل نفرین حرکت کی وجہ سے میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں، یا مطلب یہ کہ میں اپنے ساتھ اس کی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں پس وہ شخص میرے ولی کو ایذاء پہنچا کر گویا مجھ سے لڑنے والا ہے، ائمہ کہتے ہیں کہ ایسا کوئی گناہ نہیں ہے جس کے مرتکب کے بارہ میں اللہ تعال نے یہ فرمایا ہو کہ اس سے اعلان جنگ کرتا ہے علاوہ اس

گناہ یعنی اللہ کے کسی محبوب بندہ اور ولی کو ایذاء پہنچانے کے، اور سود کھانے کے، سود کھانے والوں کے بارہ میں اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے: "فأذنوا بحرب من الله و رسوله" (۲۷۹، بقرہ) پس اگر تم اس سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ دونوں گناہ نہایت ہی قابل نفرین اور بدترین ہیں، اور ان دونوں میں دنیا اور آخرت دونوں کی مکمل تباہی کا خطرہ ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بندہ سے اللہ کی لڑائی اس کے خاتمہ بد پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جس سے اللہ تعالی لڑا وہ کبھی فلاح و نجات نہیں پا سکتا۔

"جو میں نے اس پر فرض کی ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی چیزیں میں نے اس پر واجب کی ہیں یعنی اوامر یعنی جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی فرمانبرداری اور مناہی یعنی جن چیزوں کے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے اجتناب ان چیزوں کو اختیار کر کے جو بندہ اللہ کا تقریب حاصل کرتا ہے وہ سب سے زیادہ محبوب ہے، ان چیزوں کے برابر اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کو اختیار کر کے بندہ اس درجہ کا تقرب حاصل کر سکے۔

"میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں" الخ، اس بارہ میں علامہ خطابی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس بندہ پر ان افعال و اعمال کو آسان کر دیتا ہوں جن کا تعلق ان اعضاء سے ہے اور اس کو ان اعمال و افعال کے کرنے کی توفیق دیتا ہوں، یہاں تک گویا وہ اعضاء ہی بن جاتا ہوں۔

بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالی اس بندہ کے حواس اور اس کے اعضاء کو اپنی رضا وخوشنودی کا وسیلہ بنا دیتا ہے، چنانچہ وہ بندہ اپنے کان سے صرف وہی بات سنتا ہے جو اللہ تعالی کے ہاں پسندیدہ ہے یا اسیطرح وہ اپنی آنکھ سے صرف انہیں چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو اللہ تعالی پسند کرتا ہے۔

بعض علماء اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ اللہ رب العالمین اس بندہ پر اپنی محبت غالب کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی چیز کو دیکھتا ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور وہ اس چیز کو سنتا ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور اس معاملہ میں اللہ تعالی اس کا مددگار، کارساز ہوتا ہے، اور اس کے کان، اس کی آنکھ، اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں کو ان چیزوں سے بچاتا ہے جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔

"میں تردد کرتا ہوں" یعنی اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں اپنی اس عنایت کے سبب جو اس بندہ کے شامل حال ہوتی ہے اس کی زندگی ختم کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ موت اس کے لئے کوئی پسندیدہ شے نہیں ہوتی لیکن موت سے چونکہ مفر نہیں، اور یہ طے شدہ امر ہے کہ اس دنیا میں جو بھی جاندار آیا ہے اس کو موت کی آغوش میں ضرور ہی جانا ہے، اس لئے

سورة طٰهٰ (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

طٰـهٰ ﴿۱﴾ مَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى ﴿۲﴾

طٰہٰ (اے محمد ﷺ!) ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ(۱)

إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ

بلکہ اس شخص کو نصیحت دینے کے لئے (نازل کیا ہے) جو خوف رکھتا ہے۔ یہ اس (ذاتِ برتر) کا اتارا ہوا ہے

= اس کو موت دیتا ہوں پھر یہ کہ اس کی موت بھی اسی کے لئے بھلائی کا ہی سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ موت کے بعد ہی اس عظیم الشان سعادتوں اور درجات عالیہ کو پہنچتا ہے مثلاً حضور باری تعالی اور جنت وغیرہ کی لازوال نعمتیں موت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہیں، اس موقعہ پر یہ بات جان لیجئے کہ تردد کے معنی ہیں ایسی دو چیزوں کے درمیان تحیر اور پس وپیش کرنا جن کے بارہ میں یہ یقینی علم نہ ہو کہ ان دونوں میں سے کونسی چیز زیادہ بہتر ہے، ظاہر ہے کہ حق تعالی کی ذات پر تردد کے اس معنی کا اطلاق قطعاً ناممکن اور محال ہے لہٰذا حق تعالی کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اپنے کسی فیصلہ کو پورا کرنے میں اس طرح تاخیر وتوقف نہیں کرتا جس طرح کہ کوئی متردد شخص اپنے کسی کام اور معاملہ میں کرتا ہے اس بندہ مومن کی روح قبض کرنے کا معاملہ ایسا ہے کہ میں اس میں کچھ توقف کرتا ہوں تاکہ اس بندہ مومن پر موت آسان ہو اس کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ خود موت کے آنے کا مشتاق ہو جائے پھر اس کے بعد وہ زمرہ مقربین میں داخل ہو کر اعلی علیین میں اپنی جگہ حاصل کرلے۔ بحر الفوائد: ۴۴۔، ومظاہر حق۔

(۱) یہاں پر قاضی عیاض نے کتاب الشفاء: ۲۶/۱،، میں سند متصل سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: كان النبي ﷺ اذا صلى قام على رجل ورفع الاخرى، فانزل الله (طه) يعنى طأ الارض يامحمد "ماانزلناعليك

القرآن لتشقى" الاية،ولاخفاء بمافي هذاكله من الاكرام وحسن المعاملة الخ ۔یعنی رسول اللہ ﷺ نماز میں ایک پاؤں زمین پرٹکاتے اوردوسرا اٹھالیتے،تواللہ تعالی نے یہ آیت اتاری،یعنی (طہ) زمین پردونوں پاؤں ٹکادیا کر۔ہم نے یہ قرآن تجھ پراس لئے نہیں اتارا کہ تجھے تکلیف ومشقت میں ڈال دیں۔یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن شہاب الدین خفاجی نے شرح شفاء:۲۳۲/۱،میں اس کے لئے دوشواہد نقل کئے ہیں ۔ابن عباسؓ اور علیؓ سے بحوالہ ابن مردویہ۔اورمسند بزار نے بھی:۱۳۶/۳،میں ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔اوربغوی وابن کثیر وغیرہ نے مقاتل سے یہی معنی نقل کیا ہے۔اورعلی القاریؒ نے شرح الشفاء:۲۳۴/۱،میں اس کونقل کرنے کے بعدفرمایاہے:کہ اس حدیث کامعنی یہ ہے کہ:كانت تدعوه مشقة الصلاة ،الى ان يتروح برفع احدى قدميه وحط الاخرى، فقيل له طأ الارض بمعنى لاتلزم نفسك من القيام ماتتعب معه، فتضطر الى الترويح باحدى قدميك. قال المنجانی وهذا التاويل احسن من التاويل الذى تاوّله القاضى والافالقيام على رجل واحدة لم يثبت فى الشرع،انه من جملة التطوعات فيفعله النبى ﷺ اختيارا دون ان يوجب ذلك موجب من تعب اوتورّم قدم، بل لم يبح ذلك الفقهاء الاللضرورة ،قلت لامانع من انه كان فى الشرع من التطوع ثم نسخ۔

یعنی آپؐ کومجبورکرتی تھی نماز کی مشقت ،کہ ایک قدم کوآرام دے اوردوسرے کو،زمین پررکھیں،پس آپؐ کوکہا گیا کہ زمین کوروندوں اپنی قیام میں،اپنے آپ پرایسے مشقت لازم نہ کروجس سے آرام کی طرف مجبور ہوجاؤ،ایک قدم کے اٹھانے سے،منجانی نے کہاہے کہ یہ تاویل اچھی اوراحسن ہے بنسبت تاویل قاضی کے ، ورنہ ایک پاؤں پرکھڑا ہونا نماز میں شرعا ثابت نہیں ہے،اورنہ یہ تطوعات میں سے ہے،نبی ﷺ اس کواختیاری طورپرکرتے ، بلکہ فقہاء نے اس کوجائزنہیں کہا مگرضرورت کی وجہ سے۔میں کہتا ہوں،کہ اس کامانع نہیں کہ پہلے مشروع تھا نوافل میں پھرمنسوخ ہوا۔

اس تفصیل سے اس واقعہ کی بطلان واضح ہوئی جوکہ ابن البزازکردری (صاحب فتاوی بزازیہ) نے مناقب امام اعظم:۵۵،میں نقل کیا ہے کہ:ولقدذكر الهمدانى فى اخر الخزانة ان الامام لماحج حجة الوداع شاطرماله مع السدانة،واستدخله الكعبة،فقام على رجله وقرأنصف السبع المثانى،ثم قام على رجله الاخرى وختم النصف الثانى ،وقال يارب ماعرفتك حق المعرفة وماعبدتك حق العبادة، فهب لى نقصان الخدمةبكمال المعرفة، فنودى من زاوية البيت، عرفتَ فاحسنتَ المعرفة، =

الْأَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾ لَهُ

جس نے زمین اور اونچے اونچے آسمان بنائے ۔(یعنی اللہ) الرحمٰن جس نے عرش پر استویٰ کیا

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور جو کچھ (زمین کی) مٹی کے نیچے ہے سب اسی کا ہے

وَإِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفٰى ﴿۷﴾ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ

اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔(وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی

إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى ﴿۸﴾ وَهَلْ أَتٰكَ حَدِيثُ مُوسٰى ﴿۹﴾

معبود نہیں ہے اس کے (سب) نام اچھے ہیں۔ اور کیا تمہیں موسیٰ (کے حال) کی خبر ملی ہے؟

إِذْ رَأٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ

جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے کہا کہ تم (یہاں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا

=وخدمت فاخلصت الخدمة ،غفرنالک ولمن کان علی مذهبک الی قیام الساعة.

اور ہمدانی نے (کتاب) خزانہ کے اخر میں ذکر کیا، امام صاحب نے جب حجۃ الوداع کیا، آدھا مال تو وہاں کے خدام کے ساتھ رکھا، اور اس کو کعبے کے اندر داخل کیا، پس ایک پاؤں پر کھڑے ہوئے آدھا ''السبع المثانی'' پڑھا (یعنی اول سات لمبی سورتیں)، پھر دوسرے پاؤں پر کھڑے ہو گئے دوسرا آدھا حصہ ختم کیا۔ پھر کہا، اے رب میں نے نہیں پہچانا تجھ کو جیسے پہچاننے کا حق تھا، اور نہ ہی عبادت کی میں نے تیری، جیسے عبادت کا حق تھا، پس بخشدے مجھ کو، خدمت کا نقصان کمال معرفت سے، پس آواز آئی بیت اللہ کے ایک کونے سے، کہ آپ نے معرفت حاصل کی اور اچھی معرفت حاصل کی، خدمت کی اور خالص خدمت، ہم نے آپ کو اور جو آپ کی مذہب پر ہیں ان کی مغفرت کردی ہے قیامت تک۔

نَارًا لَّعَلِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ مِّنۡہَا بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَی النَّارِ ہُدًی ﴿۱۰﴾
ہوں) شاید اس میں سے میں تمہارے پاس انگاری لاؤں گا یا آگ کے پاس راستے کی اطلاع پاؤں

فَلَمَّاۤ اَتٰىہَا نُوۡدِیَ یٰمُوۡسٰی ﴿۱۱﴾ اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّکَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ ۚ اِنَّکَ
جب وہاں پہنچے تو آواز آئی کہ اے موسیٰ!۔میں تو تمہارا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دو تم (یہاں)

بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی ﴿۱۲﴾ وَ اَنَا اخۡتَرۡتُکَ فَاسۡتَمِعۡ لِمَا یُوۡحٰی ﴿۱۳﴾
پاک میدان (یعنی) طُویٰ میں ہو۔اور میں نے تم کو انتخاب کر لیا ہے تو جو حکم دیا جائے اسے سنو

اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴿۱۴﴾ اِنَّ
بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو قیامت یقیناً

السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخۡفِیۡہَا لِتُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا تَسۡعٰی ﴿۱۵﴾
آنے والی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تا کہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلا پائے

فَلَا یَصُدَّنَّکَ عَنۡہَا مَنۡ لَّا یُؤۡمِنُ بِہَا وَ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ فَتَرۡدٰی ﴿۱۶﴾
تو جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے (کہیں) تم کو اس (کے یقین) سے روک نہ دے تو

وَ مَا تِلۡکَ بِیَمِیۡنِکَ یٰمُوۡسٰی ﴿۱۷﴾ قَالَ ہِیَ عَصَایَ ۚ
تم ہلاک ہو جاؤ۔ اور موسیٰ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟۔ انہوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے

اَتَوَکَّؤُا عَلَیۡہَا وَ اَہُشُّ بِہَا عَلٰی غَنَمِیۡ وَ لِیَ فِیۡہَا مَاٰرِبُ اُخۡرٰی ﴿۱۸﴾
اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور بھی کئی فائدے ہیں

قَالَ اَلۡقِہَا یٰمُوۡسٰی ﴿۱۹﴾ فَاَلۡقٰىہَا فَاِذَا ہِیَ حَیَّۃٌ تَسۡعٰی ﴿۲۰﴾
فرمایا کہ موسیٰ! اسے ڈال دو تو انہوں نے اس کو ڈال دیا اور وہ ناگہاں سانپ بن کر دوڑنے لگا

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ

اللہ نے فرمایا کہ اسے پکڑ لو اور ڈرنا مت ہم اس کو ابھی اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔اور اپنا ہاتھ

إِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ آيَةً أُخْرٰى ﴿۲۲﴾

اپنی بغل سے لگا لو وہ کسی عیب کے بغیر سفید (چمکتا دمکتا) نکلے گا (یہ) دوسری نشانی (ہے)

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾ اِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ

تاکہ ہم تمہیں اپنے نشاناتِ عظیم دکھائیں۔تم فرعون کے پاس جاؤ (کہ) وہ سرکش ہو رہا ہے۔ کہا

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ أَمْرِيْ ﴿۲۶﴾

کہ میرے پروردگار! (اس کام کے لئے) میرا سینہ کھول دے۔ اور میرا کام آسان کر دے

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾

اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ تاکہ وہ بات سمجھ لیں

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ أَخِيْ ﴿۳۰﴾

اور میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر مقرر فرما۔ (یعنی) میرے بھائی ہارون کو

اشْدُدْ بِهٖٓ أَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَأَشْرِكْهُ فِيْٓ أَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا

اس سے میری قوت کو مضبوط فرما اور اسے میرے کام میں شریک کر۔ تاکہ ہم تیری بہت سی تسبیح کریں

﴿۳۳﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ

اور تجھے کثرت سے یاد کریں۔ تو ہم کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ فرمایا

قَدْ أُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰى ﴿۳۷﴾

کہ اے موسیٰ! تمہاری دعا قبول کی گئی۔ اور ہم نے تم پر ایک بار اور بھی احسان کیا تھا

إِذْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰٓ ﴿٣٨﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِى التَّابُوتِ

جب ہم نے تمہاری والدہ کو الہام کیا تھا جو تمہیں بتایا جاتا ہے۔ (وہ یہ تھا) کہ اسے (یعنی موسیٰ کو) صندوق میں رکھو

فَاقْذِفِيهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّى وَعَدُوٌّ لَّهُۥ ۚ

پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دو تو دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا (اور) میرا اور اس کا دشمن اسے اٹھا لے گا

وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّى وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِىٓ ﴿٣٩﴾

اور میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی (اس لئے کہ تم پر مہربانی کی جائے) اور اس لئے کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ

إِذْ تَمْشِىٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُۥ

جب تمہاری بہن (فرعون کے ہاں) گئی اور کہنے لگی کہ میں تمہیں ایسا شخص بتاؤں جو اس کو پالے

فَرَجَعْنَٰكَ إِلَىٰٓ أُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ

تو (اس طریق سے) ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ رنج نہ کریں

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّٰكَ فُتُونًا ۚ

اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تو ہم نے تم کو غم سے نجات دی اور ہم نے تمہاری (کئی بار) آزمائش کی

فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِىٓ أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَٰمُوسَىٰ ﴿٤٠﴾

پھر تم کئی سال اہلِ مدیَن میں ٹھہرے رہے پھر اے موسیٰ! تم ایک اندازے پر آ پہنچے[۲]

---

[۲] سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی بابت سوال کیا، تو آپ نے فرمایا اب تو دن ڈوبنے کو ہے واقعات زیادہ ہے پھر سہی، چنانچہ میں نے دوسری صبح پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا سنو! فرعون کے دربار میں ایک دن اس بات کا ذکر چھڑا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ابراہیم خلیل اللہ سے یہ تھا کہ ان کی اولاد میں سے انبیاء، واولیاء اور بادشاہ ہونگے۔ چنانچہ بنی اسرائیل اس کے آج تک منتظر ہیں، اور انہیں یقین ہے کہ مصر کی سلطنت پھر ان میں جائے گی۔ پہلے

توان کا خیال تھا کہ یہ وعدہ یوسف علیہ السلام کی بابت تھا۔لیکن ان کی وفات تک جب وہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔تو وہ اب عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں اپنے ایک پیغمبر کو بھیجے گا جن کے ہاتھوں انہیں سلطنت بھی ملے گی اوران کی قومی اور مذہبی ترقی ہوگی۔ یہ باتیں کر کے فرعونیوں نے مجلس مشاورت قائم کی کہ اب کیا کیا جائے جس سے ائندہ کے اس خطرے سے محفوظ رہ سکیں،اخراس جلسے میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ پولیس کا ایک محکمہ قائم کیا جائے جو شہر کا گشت لگا تا رہے۔

اور نبی اسرائیل میں جو نرینہ اولاد ہوا سے اسی وقت سرکار میں پیش کیا جائے اور ذبح کر دیا جائے لیکن جب ایک مدت گزر گئی تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ اس طرح تو بنی اسرائیل بالکل پناہ ہو جائیں گے،اور جو ذلیل خدمتیں ان سے لی جاتی ہیں اور جو بیگاریں ان سے وصول ہو رہی ہیں سب موقوف ہو جائیں گے۔اس لئے اب تجویز ہوا کہ ایک سال ان کے بچوں کو چھوڑ دیا جائے اور ایک سال ان کے بچوں کو قتل کر دیے جائیں اس طرح موجودہ بنی اسرائیل کی تعداد بھی نہ بڑھے گی اور نہ اتنی کم ہو جائی گی کہ ہمیں اپنی خدمت گزاری کے لئے بھی نہ مل سکے۔

جتنے بوڑھے دو سال میں مریں گے اتنے بچے ایک سال میں پیدا ہو جائیں گے جس سال قتل موقوف تھا اس سال تو ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال قتل عام بچوں کا جاری تھا اس سال موسٰی علیہ السلام تولد ہوئے،آپ کی والدہ کی اس وقت کی گھبراہٹ اور پریشانی کا کیا پوچھنا؟ بے اندازہ تھی ایک فتنہ تو یہ تھا۔

چنانچہ یہ خطرہ اس وقت دفع ہو گیا جب اللہ تعالیٰ کی وحی ان کے پاس آئی کہ خوف نہ کر ہم اسے تیری طرف پھر لوٹائیں گے اور اسے اپنا رسول بنائیں گے۔چنانچہ بحکم اللہ تعالیٰ آپ نے اپنے بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہادیا۔جب صندوق نظروں سے اجل ہو گیا تو شیطان نے دل میں وسوسے ڈالنے شروع کئے کہ افسوس اس سے تو یہی بہتر تھا کہ میرے سامنے ہی اسے ذبح کر دیا جاتا،تو میں اسے خود ہی کفناتی ودفناتی تو سہی لیکن اب تو میں نے آپ اسے مچھلیوں کا شکار بنایا،یہ صندوق یونہی بہتا ہوا خاص فرعونی گھاٹ سے جالگا۔

وہاں اس وقت محل کی لونڈیاں موجود تھی، انہوں نے صندوق کو اٹھالیا اور ارادہ کیا کہ کھول کر دیکھیں لیکن پھر ڈر گئیں کہ ایسا نہ ہو کوئی چوری پڑے ،یونہی مقفل صندوق ملکہ فرعون کے پاس پہنچادیا،وہ بادشاہ بیگم کے سامنے کھولا گیا تو اس میں سے چاند جیسی صورت کا ایک چوٹھا سا معصوم بچہ نکلا جسے دیکھتے ہی فرعون کی بیوی صاحبہ کا دل محبت کے جوش سے اچلنے لگا۔ادھر ام موسٰی کی حالت غیر ہو گئی سوائے اپنے اس پیارے بچے کے خیال کے دل میں اور کوئی تصور ہی نہ تھا۔ادہران قصائیوں کو جو حکومت کی طرف سے بچوں کے قتل کے محکمہ کے ملازم تھے۔معلوم ہوا تو وہ اپنی چھریاں تیز کئے

ہوئے بڑھے اور ملکہ سے تقاضا کیا کہ بچہ انہیں سونپ دیں تا کہ وہ اسے ذبح کر ڈالیں، اے ابن جبیر یہ دوسرا فتنہ تھا۔

اخر ملکہ نے جواب دیا کہ ٹھہرو میں خود بادشاہ سے ملتی ہو اور اس بچے کو طلب کرتی ہو۔ اگر وہ مجھے دیدیں تو خیر ورنہ تمہیں اختیار ہے، چنانچہ آپ آئیں اور بادشاہ سے کہا کہ یہ بچہ تو میری اور آپ کی انکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا۔ اس خبیث نے کہا بس تم ہی اس سے اپنی انکھیں ٹھنڈی رکھو۔ میری ٹھنڈک وہ کیوں ہونے لگا۔ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ بحلف بیان فرماتے ہیں کہ اگر وہ بھی کہہ دیتا کہ ہاں بے شک وہ میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ضرور راہ راست دکھا دیتا، جیسا کہ اس کی بیوی صاحبہ مشرف بہ ھدایت ہوئیں۔ لیکن اس نے خود اس سے محروم رہنا چاہا اللہ تعالیٰ نے بھی اسے محروم کر دیا۔ الغرض فرعون کو جوں توں کر کے راضی رضا مند کر کے اس بچے کے پالنے کی اجازت لے کر آپ آئیں۔ اب محل کی جتنی دایہ تھیں، سب کو جمع کیا ایک ایک کو گود میں بچہ دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کا دودھ آپ پر حرام کر دیا۔ آپ نے کسی کا دودھ منہ میں لیا ہی نہیں۔ اس سے ملکہ گھبرائیں کہ یہ تو بہت ہی برا ہوا۔ یہ پیارا بچہ یونہی ہلاک ہو جائے گا۔ آخر سوچ کر حکم دیا کہ انہیں باہر لے جاؤ ادھر ادھر تلاش کرو اور اگر کسی کا دودھ یہ معصوم قبول کرلے تو اسے بہ منت سونپ دو، باہر بازاروں میں میلہ سا لگ گیا ہر شخص اس سعادت سے مالا مال ہونا چاہتا تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔ آپ کی والدہ نے اپنی بڑی صاحبزادی آپ کی بہن کو باہر بھیج رکھا تھا کہ وہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ وہ اس مجمع میں موجود تھیں، اور تمام واقعات دیکھ سن رہی تھیں، جب یہ لوگ عاجز آ گئے تو آپ نے فرمایا اگر تم کہو تو میں ایک گھرانہ ایسا بتلاؤں جو اس کی نگہبانی کرے، اور ہو بھی اس کا خیر خواہ۔ یہ کہنا تھا کہ لوگوں کو شک ہوا کہ ضرور یہ لڑکی اس بچے کو جانتی ہے، اور اس کے گھر کو بھی پہچانتی ہے، اے ابن جبیر یہ تھا تیسرا فتنہ۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے لڑکی کو سمجھ دیدی اور اس نے جھٹ سے کہا کہ بھلا تم اتنا ہی نہیں سمجھتے، کون بدنصیب ایسا ہوگا جو اس بچے کی پرورش اور خیر خواہی میں کمی کرے، جو بچہ ہماری ملکہ کا پیارا ہو کون نہ چاہے گا کہ یہ ہمارے ہاں پلے تا کہ انعام و اکرام سے اس کا گھر بھر جائے۔ یہ سن کر سب کی سمجھ میں آ گیا اسے چھوڑ دیا اور کہا بتا تو کونسی دایہ اس کے لئے تجویز کرتی ہے؟ اس نے کہا میں ابھی لائی، دوڑی ہوئی گئیں، اور والدہ کو یہ خوش خبری سنائی، والدہ صاحبہ بہمہ شوق و امید آئیں، اپنے پیارے بچے کو گود میں لیا، اپنا دودھ منہ میں دیا، بچے نے پیٹ بھر کر پیا۔ اسی وقت شاہی محلات میں یہ خوشخبری پہنچائی گئی، ملکہ کا حکم ہوا کہ فوراً اس دایہ کو اور بچے کو میرے پاس لاؤ، جب ماں بیٹا پہنچے تو اپنے سامنے دودھ پلوایا، اور یہ دیکھ کر کہ بچہ اچھی طرح دودھ پیتا ہے بہت ہی خوش ہوئیں اور فرمانے لگیں کہ دائی اماں مجھے اس بچے سے وہ محبت ہے

جو دنیا کی کسی اور چیز سے نہیں، تم یہیں محل میں رہو، اور اس بچہ کی پرورش کرو۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام کی والدہ صاحبہ کے سامنے اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا، انہیں یقین کامل تھا، اس لئے آپ ذرا رکیں، اور فرمایا کہ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اپنے گھر کو اور اپنے بچوں کو چھوڑ کر یہاں رہوں، اگر آپ چاہتی ہیں تو یہ بچہ میرے سپرد کر دیں، میں اسے اپنے گھر لے جاتی ہوں، ان کی پرورش میں کوئی کوتاہی نہ کروں گی۔

ملکہ صاحبہ نے مجبوراً اس بات کو بھی مان لیا اور آپ اسی دن خوشی خوشی اپنے بچے کو لئے ہوئے گھر آ گئیں، اس بچے کی وجہ سے اس محلے کے بنی اسرائیل بھی فرعونی مظالم سے رہائی پا گئے، جب زمانہ گزر گیا تو بادشاہ بیگم نے حکم بھیجا کہ کسی دن میرے بچے کو میرے پاس لاؤ، ایک دن مقرر ہو گیا تمام ارکان سلطنت اور درباریوں کو حکم ہوا کہ آج میرا بچہ میرے پاس آئے گا۔ تم سب قدم قدم پر اس کا استقبال کرو، اور دھوم دھام سے نذریں دیتے ہوئے اسے میرے محل سرائے تک لاؤ، چنانچہ جب سواری روانہ ہوئی وہاں سے محل سرائے سلطانی تک برابر تحفے تحائف نذریں اور ہدیے پیشکش ہوتے رہے، اور بڑے ہی عزت واکرام کے ساتھ آپ یہاں پہنچے، تو خود بیگم نے بھی خوشی خوشی بہت بڑی رقم پیش کی، اور بڑی خوشی منائی گئی، پھر کہنے لگی کہ میں تو اسے بادشاہ کے پاس لے جاؤنگی، وہ بھی اسے انعام واکرام دیں گے۔ لے گئیں اور بادشاہ کے گھود میں لٹا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ڈاڑھی پکڑ کر زور سے گھسیٹی، فرعون کھٹک گیا، اور اس کے درباریوں نے کہنا شروع کیا کہ کیا عجب یہی وہ لڑکا ہو، آپ اسے فوراً قتل کرا دیجئے۔ ابن جبیر یہ تھا چوتھا فتنہ۔

ملکہ بے تاب ہو کر بول اٹھیں، اے بادشاہ کیا ارادہ کر رہے ہو؟ آپ اسے مجھے دے چکے ہیں، میں اسے اپنا بیٹا بنا چکی ہوں، بادشاہ نے کہا یہ سب ٹھیک ہے لیکن دیکھو تو اس نے آتے ہی ڈاڑھی پکڑ کر مجھے نیچا کر دیا، گویا یہی میرا گرانے والا اور مجھے تاخت وتاراج کرنے والا ہے۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا بادشاہ! بچوں کو ان چیزوں کی کیا تمیز؟ سنو! میں ایک فیصلہ کن بات بتلاؤں اس کے سامنے دو انگارے آگ کے سرخ رکھ دو، اور دو موتی آبدار چمکتے ہوئے رکھ دو، پھر دیکھو یہ کیا اٹھاتا ہے؟ اگر موتی اٹھالے تو یہ سمجھنا کہ اس میں عقل ہے، اور اگر آگ کے انگارے تھام لے تو سمجھ لینا کہ عقل نہیں، جب عقل وتمیز نہیں اور اس کے ڈاڑھی پکڑ لینے پر اتنے لمبے خیالات کر کے اس کی جان کے دشمن بن جانا کونسی دانائی کی بات ہے؟ چنانچہ یہی کیا گیا دونوں چیزیں آپ کے پاس رکھی گئیں۔ آپ نے دہکتے ہوئے انگارے اٹھالے اسی وقت وہ چھین لئے کہ ایسا نہ ہو ہاتھ جل جائیں، اب فرعون کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور بدلا ہوا رخ ٹھیک ہو گیا۔ حق تو یہ ہے کہ اللہ کو جو کام کرنا منظور ہوتا ہے اس کے قدرتی اسباب مہیا ہو ہی جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی دربار فرعون میں فرعون کی

خاص محل میں فرعون کی بیوی کی گود میں ہی پرورش ہوتی رہی، یہاں تک کہ آپ اچھی عمر کو پہنچ گئے، اور بالغ ہو گئے۔

اب تو فرعونیوں کے جو مظالم اسرائیلیوں پر ہو رہے تھے ان میں بھی کمی ہو گئی تھی، سب امن وامان سے تھے، ایک دن موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک فرعونی اور ایک اسرائیلی کی لڑائی ہو رہی تھی، اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی، آپ کو سخت غصہ آیا اس لئے کہ اس وقت وہ فرعونی اس اسرائیلی کو دبوچے ہوئے تھا۔

آپ نے اسے ایک مکا مارا اللہ تعالیٰ کی شان مکا لگتے ہی وہ مر گیا۔ یہ تو لوگوں کو عموماً معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اسرائیلیوں کی طرف داری کرتے ہیں، لیکن لوگ اس کی وجہ اب تک یہی سمجھتے تھے کہ چونکہ آپ نے انہیں میں دودھ پیا ہے اس لئے ان کے طرف دار ہیں۔ اصلی راز کا علم تو صرف آپ کی والدہ کو تھا۔ اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کو بھی معلوم کرا دیا ہو، مردہ دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے کہ یہ شیطانی حرکت ہے وہ بہکانے والا دشمن ہے۔ چونکہ قتل کا معاملہ تھا آپ خوفزدہ ہی رہے تاکہ جھانک میں رہے کہ کہیں معاملہ کھل تو نہیں گیا، ادھر فرعون کے پاس شکایت ہوئی کہ ایک قبطی کو کسی بنی اسرائیلی نے مار ڈالا ہے، فرعون نے حکم جاری کر دیا کہ واقعہ کی پوری تحقیق کرو، پولیس نے ہر چند تفتیش کی لیکن قاتل کا سراغ نہ ملا۔

اتفاق کی بات کہ دوسرے ہی دن موسیٰ علیہ السلام پھر کہیں جا رہے تھے کہ دیکھا وہی بنی اسرائیلی شخص ایک دوسرے فرعونی سے جھگڑ رہا ہے، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی وہ دہائی دینے لگا۔ لیکن اس نے یہ محسوس کیا کہ شاید موسیٰ علیہ السلام اپنے کل کے فعل سے نادم ہیں، موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس کا بار بار کا جھگڑنا اور فریاد کرنا برا معلوم ہوا اور کہا تم تو بڑے لڑاکا ہو۔ یہ فرما کر اس فرعونی کو پکڑنا چاہا لیکن اس اسرائیلی بزدل نے سمجھا کہ شاید آپ چونکہ مجھ پر ناراض ہیں مجھے ہی پکڑنا چاہتے ہیں۔

حالانکہ اس کا یہ صرف بزدلانہ خیال تھا۔ آپ تو اسی فرعونی کو پکڑنا چاہتے تھے، اور اسے بچانا چاہتے تھے۔ لیکن خوف وہراس کی حالت میں بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ موسیٰ! جیسے کہ کل تو نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا کیا آج مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے؟ یہ سن کر وہ فرعونی اسے چھوڑ کر بھاگا دوڑا گیا اور سرکاری سپاہ کو اس واقعہ کی اطلاع کر دی۔ فرعون کو بھی قصہ معلوم ہوا اسی وقت جلادوں کو حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر قتل کر دو۔ یہ لوگ شارع عام سے آپ کی جستجو میں چلے۔ ادھر ایک بنی اسرائیلی نے راستہ کاٹ کر نزدیک کے راستے سے آ کر موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی۔ اے ابن جبیر! یہ ہے پانچواں فتنہ۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ سنتے ہی مٹھیاں بند کر کے مصر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ نہ کبھی پیدل چلے تھے نہ کبھی=

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ

اور میں نے تمہیں اپنے (کام کے) لئے بنایا ہے۔ تو تم اور تمہارا بھائی دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ

وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا

اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو رہا ہے۔ اور اس سے نرمی سے بات کرنا

لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا

شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔ دونوں کہنے لگے کہ ہمارے پروردگار! ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر تعدی کرنے لگے

اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾

یا زیادہ سرکش ہو جائے۔ اللہ نے فرمایا کہ ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں (اور) سنتا اور دیکھتا ہوں

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

(اچھا) تو اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی

وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى

اجازت دیجئے اور انہیں عذاب نہ کیجئے ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور جو ہدایت کی بات مانے اس کو سلامتی ہو

﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

ہماری طرف یہ وحی آئی ہے کہ جو جھٹلائے اور منہ پھیرے اس کے لئے عذاب (تیار) ہے

= کسی مصیبت میں پھنسے تھے۔ شہزادوں کی طرح لاڈ چاؤ میں پلے تھے۔ نہ راستے کی خبر تھی نہ کبھی کسی سفر کا اتفاق پڑا ہوا تھا۔ رب پر بھروسہ کر کے یہ دعا کر کے کہ اے اللہ مجھے سیدھی راہ لے چلنا، چل کھڑے ہوئے۔ اس روایت کو امام بیہقی نے سنن کبریٰ: ۶/۳۹۷، اور امام طحاوی نے مشکل الاثار: ۱/۶۰، اور ھیثمی نے مجمع الزوائد: ۷/۵۷ میں اور ابن کثیر، ابن جریر اور درمنثور نے اس آیت کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝۴۹ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ

اس نے کہا کہ موسیٰ ! تمہارا پروردگار کون ہے؟ ۔ کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے

أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝۵۰ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْأُوْلٰى ۝۵۱

جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی پھر راہ دکھائی۔[۳] کہا تو پہلی جماعتوں کا کیا حال؟

---

[۳] تفصیل اس ایت کی یہ ہے کہ ایک ہدایت جو انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ اور فرض منصبی ہے وہ تو خاص ہدایت ہے جس کے مخاطب اہل عقول انسان اور جنات ہی ہوتے ہیں۔ایک دوسری قسم کی تکوینی ہدایت بھی ہے جو مخلوقات میں ہر چیز کے لئے عام اور شامل ہے، آگ، پانی، مٹی اور ہوا اوران سے مرکب ہونے والی ہر شی کو حق تعالی نے ایک خاص قسم کا ادراک وشعور دیا ہے، جو اگر چہ انسان وجن کی برابر نہیں۔اسی لئے احکام حلال وحرام ان چیزوں پر عائد نہیں ہوتے مگر ادراک وشعور سے خالی نہیں،اسی ادراک وشعور کے راستہ حق تعالی نے ہر شی کو اس کی ہدایت کر دی کہ تو کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تجھے کیا کرنا ہے۔اسی تکوینی حکم اور ہدایت کے تابع زمین وآسمان اوران کی تمام مخلوقات اپنے اپنے کام اور اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگے ہوئے ہیں۔ چاند سورج اپنا کام کر رہے ہیں اور دوسرے سیارے وثوابت اپنے اپنے کام میں اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ ایک منٹ وسیکنڈ کا بھی کبھی فرق نہیں ہوتا۔

ہوا، پانی، آگ اور مٹی اپنی اپنی منشأ پیدائش میں لگے ہوئے ان سے بغیر حکم ربانی سرِ موفرق نہیں کرتے۔ہاں جب ان کا حکم ہوتا ہے تو کبھی آگ گلزار بھی بنجاتی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لئے اور کبھی پانی آگ کا بھی کام کرنے لگتا ہے جیسے قوم نوح کے لئے:''اغرقوا فادخلوا نارا'' بچہ کو ابتداء پیدائش کے وقت جبکہ اس کو کوئی بات سکھانا کسی کے بس میں نہیں یہ کس نے سکھایا؟ ماں کی چھاتی سے اپنی غذا حاصل کرے اس کے لئے چھاتی کو دبا کر چوسنے کا ہنر کس نے بتلایا، بھوک، پیاس سردی گرمی کی تکلیف ہو تو رو پڑنا اس کی ساری ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہوجاتا ہے مگر یہ رونا کس نے سکھایا یہ وہی ہدایت ربانی ہے جو ہر مخلوق کو اس کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق غیب سے بغیر کسی کی تعلیم کے عطاء ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالی کے طرف سے ایک عام ہدایت تکوینی ہر ہر مخلوق کے لئے جسکی ہر مخلوق =

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتٰبٍ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسٰى ﴿۵۲﴾

کہا کہ ان کا علم میرے پروردگار کو ہے (جو) کتاب میں (لکھا ہوا ہے) میرا پروردگار نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا

وہ (وہی تو ہے) جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے لئے رستے جاری کئے

وَّأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے انواع و اقسام کی مختلف روئیدگیاں پیدا کیں

كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾

(کہ خود بھی) کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو بھی چراؤ بیشک ان (باتوں) میں عقل والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

= تکوینی طور پر پابند ہے اور اس کے خلاف کرنا اس کی قدرت سے خارج ہے دوسری ہدایت خاص اہل عقول انسان و جن کیلئے ہے یہ ہدایت تکوینی اور جبری نہیں بلکہ اختیاری ہوتی ہے اسی اختیار کے نتیجہ میں اس پر ثواب یا عذاب مرتب ہوتا ہے۔

”اعطى كل شيء خلقه ثم هدى“ میں پہلی ہی قسم کی ہدایت مذکور ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو سب سے پہلے رب العٰلمین کا وہ کام بتلایا جو ساری مخلوق پر حاوی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام ہم نے یا کسی دوسرے انسان نے کیا ہے۔فرعون اس کا تو کوئی جواب نہ دے سکا،اب ادھر ادھر کی باتوں میں ٹلایا اور ایک سوال موسیٰ علیہ السلام سے کیا کہ جس کا حقیقی جواب عوام سنیں تو موسیٰ علیہ السلام سے بدگمان ہو جائیں وہ یہ کہ پچھلے دور کی تمام امتیں اور اقوام عالم جو بتوں کی پرستش کرتے رہے آپکے نزدیک ان کا کیا حکم ہے وہ کیسے ہیں ان کا انجام کیا ہوا؟ مقصد یہ تھا کہ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ یہ سب گمراہ اور جہنمی ہیں تو مجھے یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ لو یہ ساری دنیا ہی کو بیوقوف گمراہ اور جہنمی سمجھتے ہیں اور لوگ یہ سنکر ان سے بدگمان ہونگے تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا مگر موسیٰ علیہ السلام نے اس کا ایسا حکیمانہ جواب دیا جس سے اس کا یہ منصوبہ غلط ہو گیا۔

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ﴿۵۵﴾

اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری دفعہ نکالیں گے

وَلَقَدۡ اَرَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئۡتَنَا

اور ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں مگر وہ تکذیب اور انکار ہی کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ موسیٰ تم ہمارے پاس اس لئے

لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ

آئے ہو کہ اپنے جادو (کے زور) سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو؟ تو ہم بھی تمہارے مقابل ایسا ہی جادو لائیں گے

فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کرلو کہ نہ تو ہم اس کے خلاف کریں گے اور نہ تم (اور یہ مقابلہ) ایک ہموار میدان (میں ہوگا)

قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

موسیٰ نے کہا کہ آپ کے لئے (مقابلے کا) دن نوروز (مقرر کیا جاتا ہے) اور یہ کہ لوگ اس دن چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں

فَتَوَلّٰى فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰى وَيۡلَكُمۡ

تو فرعون لوٹ گیا اور اپنے سامان جمع کر کے پھر آیا موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا کہ ہائے تمہاری کمبختی

لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسۡحِتَكُمۡ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰى ﴿۶۱﴾

اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے فنا کر دے گا اور جس نے افتراء کیا وہ نامراد رہا

فَتَنَازَعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ وَاَسَرُّوا النَّجۡوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ

تو وہ باہم اپنے معاملے میں جھگڑنے اور چپکے چپکے سرگوشی کرنے لگے۔ کہنے لگے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں

يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا وَيَذۡهَبَا بِطَرِيۡقَتِكُمُ

کہ اپنے جادو (کے زور) سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارے شائستہ مذہب کو نابود کر دیں

الْمُثْلٰی ﴿۶۳﴾ فَأَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی

تو تم (جادو کا) سامان اکٹھا کر لو پھر قطار باندھ کر آؤ اور آج جو غالب رہا وہی کامیاب ہوا

﴿۶۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓی إِمَّآ أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّآ أَنْ نَّكُوْنَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقٰی ﴿۶۵﴾

بولے موسیٰ! یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں

قَالَ بَلْ أَلْقُوْا فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعٰی ﴿۶۶﴾

موسیٰ نے کہا کہ نہیں تم ہی ڈالو تو ناگہاں ان کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسی آنے لگیں کہ وہ میں ادھر ادھر دوڑ رہی ہیں[۴]

فَأَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰی ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ

(اس وقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا ہم نے کہا کہ خوف نہ کرو بلاشبہ تم ہی غالب ہو

الْأَعْلٰی ﴿۶۸﴾ وَأَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا

اور جو چیز (یعنی لاٹھی) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے اسے ڈال دو کہ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے اس کو نگل جائے گی (یہ تو)

---

[۴] اسی طرح اثر رسول اللہ ﷺ پر بھی ہوا تھا، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام پر ہوا، لیکن یہ اثر بعض طبعی امور میں تھا، شرعی امور میں اس کا کوئی اثر نہیں تھا، حدیث بخاری: ۵۳۴۰، کتاب الطب، میں ہے: عائشہؓ سے روایت ہے کہ: سحر رسول اللہ ﷺ رجلٌ من بني زريق يقال له لبيدابن الاعصم حتى كان رسول الله يخيل اليه انه يفعل الشيئ ومافعله . الحديث.

بعض کو ابوبکر جصاص وغیرہ کے عبارت سے وہم ہوا، کہ انبیاء علیہم السلام پر سحر کا اثر نہیں ہوسکتا، احکام القرآن: ۱/۴۹، میں لکھتا ہے:۔ قال ابوبكر الجصاص "ومن صدّق هذا" اى صدق انقلاب الاعيان بالسحرفليس يعرف النبـوة، ولايأمن ان تكون معجزة النبي ﷺ من هذا النوع، وانهم كانوسحرة، وقال الله تعالى ﴿ولايفلح الساحر حيث اتٰى﴾ وقداجازوامن فعل الساحرماهواعظم من هذا وافظع، وذلك انهم زعمواان النبي ﷺ سُحر، وان السحرعمل فيه، حتى قال فيه انه يتخيل لي اني اقول

الشئ وافعلہ، ولم اقلہ ولم افعلہ ،وقدقال اللہ تعالی مکذباللکفار فیماادعوہ من ذلک للنبی ﷺ فقال:﴿وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلامسحورا﴾ومثل ھذہ الاخبارمن وضع الملحدین تلعبابالحشو الطغام،وجائز ان تکون المرأة الیھودیة بجھلھافعلت ذلک ظنامنھابان ذلک یعمل فی الاجساد،وقصدت بہ النبی ﷺ ، فاطلع اللہ نبیہ علی موضع سرھا، واظھر جھلھا فیماارتکبت وظنت ،لیکون ذلک من دلائل نبوتہ،لاان ذلک ضرہ وخلط علیہ امرہ،ولم یقل کل الرواة انہ اختلط علیہ امرہ،وانماھذا اللفظ زیدفی الحدیث ولااصل لہ.

ابوبکر جصاص وغیرہ نے کہا کہ جادو کا اثر کسی نبی پر نہیں ہوسکتا،انہوں نے حدیث باب کی صحت کا انکار کیا،ان کا کہنا ہے کہ کفار،رسول اللہ ﷺ کو مسحور کہا کرتے تھے،کہتے تھے کہ نبی ﷺ پر جادو کیا گیا ہے،اس لئے وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں،قرآن کریم نے کفار کی تکذیب وتردید کی،اس آیت کریمہ میں ہے:﴿وقال الظالمون ان تتبعون الا رجلامسحورا﴾ (الفرقان:۸)اوراسی طرح قرآن کریم میں ہے:﴿ولا یفلح الساحر حیث اتی﴾(طہ:۶۹)ساحر اور جادوگر نبی کے مقابلے میں فلاح وکامیابی نہیں پاسکتا۔

لہٰذا جن روایات میں آیا ہے کہ رسول ﷺ پر جادو کا اثر ہوگیا تھا،وہ درست نہیں،ہاں یہ ممکن ہے،مدینہ منورہ کی کوئی یہودی عورت جادو کرتی ہو،اوراس کا خیال ہو کہ یہ جسم میں اثر کرتا ہے،اس نے رسول ﷺ پر بھی جادو کرنے کا ارادہ کیا ہو،اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اس کے اس عمل کی اطلاع دی،اوراس کا جہل ظاہر کیا،یہ تو ہوسکتا ہے،لیکن یہ کہنا کہ جادو کا اثر آپ ﷺ پر اس طرح ہوگیا تھا کہ آپ ﷺ کو اختلاط وخلجان ہونے لگا،کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے سے متعلق، تو یہ درست نہیں۔

لیکن اس کا یہ قول خلاف واقع وخلاف شرع ہے،جبکہ یہ معتزلی المذہب بھی تھا،اور جمہور علماء کے نزدیک نبی پر جادو کا اثر ہوسکتا ہے،خود قرآن کریم (اس مقام) میں سحر سے موسیٰ علیہ السلام کے متاثر ہونے کا ذکر ہے،اور حدیث مذکورہ میں رسول ﷺ پر اس کے بعض اثار کے ظاہر ہونے کا تذکرہ ہے۔اور مذکورہ آیات کا مصداق الگ ہے۔جس کا اس مسئلے سے دور کا تعلق بھی نہیں۔یعنی مشرکین رسول اللہ ﷺ کے بیان اور دعوت کو باطل گردانتے تھے،اور یہ کہتے کہ یہ سحر کا اثر ہے،اور دوسری آیت کا تعلق تو ظاہر ہے کہ یہ ان ساحروں کے متعلق ہے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں صف آراء ہوئے تھے۔

إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ﴿٦٩﴾

جادوگروں کے ہتھکنڈے ہیں اور جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ﴿٧٠﴾

پس جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے

قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ

(فرعون) بولا کہ پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟ بیشک وہ تمہارا بڑا (یعنی استاد) ہے

الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ

جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں (جانب) خلاف سے کٹوا دوں گا

وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ﴿٧١﴾

اور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوا دوں گا (اس وقت) تم کو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر تک رہنے والا ہے

قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا

انہوں نے کہا کہ جو دلائل ہمارے پاس آگئے ہیں ان پر اور جس نے ہمیں پیدا کیا ہے

فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾

اس پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تو آپ کو جو حکم دینا ہو دیدیجئے اور آپ (جو) حکم دے سکتے ہیں وہ صرف اسی دنیا کی زندگی میں ہے

إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ

ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تا کہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور (اسے بھی) جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا

وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿٧٣﴾ إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ

اور اللہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گنہگار ہو کر آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے

لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰ ﴿۷۴﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ

جس میں نہ مرے گا نہ جئے گا۔ اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کئے ہوں گے

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

تو ایسے لوگوں کے اونچے اونچے درجے ہیں۔ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى

ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا بدلا ہے جو پاک ہوا۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی

مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا

کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ پھر ان کے لئے دریا میں (لاٹھی مار کر) خشک رستہ بنا دو

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ

پھر تم کو نہ تو (فرعون کے) آ پکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ (غرق ہونے کا) ڈر۔ پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ

فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

ان کا تعاقب کیا تو دریا نے ان پر چڑھ کر انہیں ڈھانک لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور سیدھے رستے پر نہ ڈالا

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ

اے آلِ یعقوب! ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تورات دینے کے لئے تم سے

جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾

کوہِ طور کی داہنی طرف مقرر کی اور تم پر من اور سلویٰ نازل کیا

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ

(اور حکم دیا کہ) جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں ان کو کھاؤ اور اس میں حد سے نہ نکلنا ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا

وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک ہو گیا اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے

وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ

اور عملِ نیک کرے پھر سیدھے رستے چلے اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔ اور اے موسیٰ! تم نے اپنی قوم سے (آگے چلے

عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ

جانے) میں کیوں جلدی کی؟ کہا وہ میرے پیچھے ہیں اور اے پروردگار! میں نے تیری طرف (آنے کی)

وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ

جلدی اس لئے کی کہ تو خوش ہو۔ فرمایا کہ ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے بعد آزمائش میں ڈال دیا ہے

مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ

اور سامری نے ان کو بہکا دیا ہے اور موسیٰ غصے اور غم کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے

غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۭ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ

(اور) کہنے لگے کہ اے قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا (میری جدائی کی) مدت تمہیں

الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ

دراز (معلوم) ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو اور (اس لئے)

مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا

تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا (اس کے) خلاف کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلافی نہیں کیا

حُمِّلْنَآ أَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

بلکہ ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے پھر ہم نے اس کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا[۵]

---

[۵] لفظ "اوزار" وزر کی جمع ہے جسکے معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں، انسان کے گناہ بھی چونکہ قیامت کے روز اس پر بوجھ بنکر لا دے جائنگے اس لئے گناہ کو "وزر" اور گناہوں کو "اوزار" کہا جاتا ہے۔

"زينة القوم" لفظ زینت سے مراد زیور ہے اور "قوم" سے مراد قوم فرعون (قبط) ہے جن سے بنی اسرائیل نے عید کا بہانہ کر کے کچھ زیورات مستعار لے لئے تھے، اور وہ پھر ان کے ساتھ رہے، ان کو اوزار بمعنی گناہوں کا بوجھ اس لئے کہا کہ عاریت کا نام کر کے ان لوگوں سے لئے تھے، جس کا حق یہ تھا کہ ان کو واپس کئے جاویں، چونکہ واپس نہیں کئے گئے تو اس کو گناہ قرار دیا۔

اور حدیث فتنوں کے نام سے جو مفصل حدیث اوپر نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون علیہ السلام نے ان لوگوں کو اس کے گناہ ہونے پر متنبہ کیا اور ایک گڑھے میں یہ سب زیورات ڈال دینے کا حکم دے دیا، بعض روایات میں ہے کہ سامری نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے ان کو کہا کہ یہ زیورات دوسروں کا مال ہے تمہارے لئے اس کا رکھنا وبال ہے اس کے کہنے سے گڑھے میں ڈالے گئے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار جو اہل ذمہ یعنی مسلمانوں کی حکومت میں ان کے قانون کی پابندی کر کے بستے ہیں اسی طرح وہ کفار جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ جان و مال وغیرہ کے امن کا ہو جائے ان کافرون کا مال تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے حلال نہیں لیکن جو کافر نہ مسلمانوں کا اہل ذمہ ہے، نہ اس سے ان کا کوئی عہد و معاہدہ ہے جن کو فقہاء کی اصطلاح میں کافر حربی کہا جاتا ہے، ان کے اموال تو مسلمانوں کے لئے مباح الاصل اشیاء کی طرح حلال ہیں، پھر ہارون علیہ السلام نے ان کو وزر و گناہ کیسے قرار دیا اور ان کے قبضے سے نکال کر گڑھے میں ڈالنے کا حکم کیوں دیا۔

اس کا ایک جواب تو مشہور ہے جو عام مفسرین نے لکھا ہے کہ کفار حربی کا مال لینا اگرچہ مسلمان کے لئے جائز ہے مگر وہ مال بحکم مال غنیمت ہے، اور مال غنیمت کا قانون شریعت اسلام سے پہلے یہ تھا کہ کافروں کے قبضہ سے نکال لینا تو اس کا جائز تھا مگر مسلمانوں کے لئے اسکا استعمال اور اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں تھا.

بلکہ مال غنیمت جمع کر کے کسی ٹیلہ وغیرہ پر رکھ دیا جاتا تھا، اور اسمانی آگ بجلی وغیرہ آ کر اس کو کھا جاتی تھی، یہی

علامت ان کے جہاد قبول ہونے کی تھی، اور جس مال غنیمت کو اسانی آگ نہ کھائے وہ علامت اس کی تھی کہ جہاد مقبول نہیں، اس لئے وہ مال بھی منحوس سمجھا جاتا، اور کوئی اس کے پاس نہ جاتا، رسول ﷺ کی شریعت میں جو مخصوص رعایتیں اور سہولتیں دی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ بخاری: ۳۳۵، مسلم: ۵۲۱/۳،

اس قاعدہ کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا ہوا مال جو قوم فرعون سے لیا تھا، مال غنیمت ہی کے حکم میں قرار دیا جائے تب بھی اس کا استعمال ان کے لئے جائز نہیں تھا، اسی وجہ سے اس مال کو ''اوزار'' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اور ہارونؑ کے حکم سے اس کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔

لیکن فقہی نظر سے اس معاملہ کی جو تحقیق امام محمدؒ کی کتاب السیر اور اس کی شرح سرخسی میں بیان کی گئی ہے، وہ بہت اہم اور اقرب الی الصواب ہے، وہ یہ ہے کہ کافر حربی کا مال بھی ہر حال میں مال غنیمت نہیں ہوتا بلکہ اس کی شرط یہ ہے کہ با قاعدہ جہاد وقتال کے ذریعہ بزور شمشیران سے حاصل کیا جائے، اسی لئے شرح السیر میں مغالبہ بالمحاربہ شرط قرار دیا ہے اور کافر حربی کا جو مال مغالبہ اور محاربہ کی صورت سے حاصل نہ ہو وہ مال غنیمت نہیں بلکہ اس کو مال فئی کہتے ہیں مگر اس کے حلال ہونے میں ان کفار کی رضا واجازت شرط ہے جیسے کوئی اسلامی حکومت ان پر ٹیکس عائد کر دے اور وہ اس پر راضی ہو کہ یہ ٹیکس دیدے، تو اگر چہ یہ کوئی جہاد وقتال نہیں مگر رضا مندی سے دیا ہوا مال مال فئی کے حکم میں ہے اور وہ بھی حلال ہے۔ یہاں قوم فرعون سے لئے ہوئے زیورات ان دونوں قسموں میں داخل نہیں کیونکہ یہ ان سے عاریت کہہ کر لئے گئے تھے، وہ ان کو مالکانہ طور پر دینے کے لئے رضا مند نہ تھے، کہ اس کو مال فئی کہا جائے اور کوئی جہاد وقتال تو وہاں ہوا ہی نہیں کہ مال غنیمت شمار کیا جائے اس لئے شریعت اسلامی کی رو سے بھی یہ مال ان کے لئے حلال نہ تھا۔

واقعہ ہجرت میں رسول کریم ﷺ نے جب مدینہ طیبہ جانے کا قصد فرمالیا اور اپ کے پاس عرب کے کفار کی بہت سی امانتیں رکھی تھیں کیونکہ سارا عرب آپ کو امانت دار یقین کرتا اور امین کے لفظ سے خطاب کرتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی امانتوں کو واپس کرنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ علیؓ کے سپرد کر کے اپنے پیچھے ان کو چھوڑا اور حکم دیا کہ جس جس کی امانت ہے اس کو واپس کر دی جائے، آپ اس سے فارغ ہو کر ہجرت کریں، اس مال کو رسول ﷺ نے مال غنیمت کے تحت حلال قرار نہیں دیا، ورنہ وہ مسلمانوں کا حق ہوتا کافروں کو واپس کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هٰذَآ إِلٰهُكُمْ
تو اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا بنا دیا قالب جس کی آواز گائے کی سی تھی تو لوگ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے

وَإِلٰهُ مُوسٰى فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا
اور موسیٰ کا بھی معبود ہے مگر وہ بھول گئے ہیں [6] کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے

يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ
نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔ اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو!

إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَأَطِيْعُوْآ أَمْرِيْ ﴿۹۰﴾
اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور تمہارا پروردگار تو اللہ ہے تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ
وہ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اس (کی پوجا) پر قائم رہیں گے۔[7] (پھر موسیٰ نے ہارون

---

[6] لفظ "جسدا" سے بعض مفسرین نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ محض ایک جسد اور جسم تھا زندگی (حیات) اس میں نہیں تھی، اور آواز بھی ایک خاص صفت کے سبب اس سے نکلتی تھی، ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: لا واللہ ما کان له صوت قط انما کانت الریح تدخل من دبره وتخرج من فیه وکان ذٰلک الصوت من ذٰلک. (مسند ابی یعلی: ۲۵/۵) ۔ اور جملہ سے یہ معنی ظاہر ہے۔

[7] مفسر قرطبی یہاں پر "عکوف" کا معنی کرتے ہیں کہ، کانوا یرقصون ویصیحون حول العجل ،فلما رأه موسیٰ قال هذه الفتنة ،اس کے بعد امام طرطوشی سے ایک استفتاء نقل کرتے ہیں کہ: سئل عن الامام الطرطوشی انه اجتمع جماعة من الرجال فیذکرون اللہ ویذکرون محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ثم انهم یقوم بعضهم ،یرقص ویتواجد حتی یقع مغشیا علیه ،هل الحضور معهم جائز ام لا؟ افتونا ماجورین؟.

فقال یرحمک اللہ ،مذهب الصوفیة بطالة وجهالة وضلالة ،وما الاسلام الا کتاب اللہ=

مَـا مَـنَـعَکَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ﴿۹۲﴾ أَلَّا تَتَّبِعَنِ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ﴿۹۳﴾

کہا کہ ہارون! جب تم نے ان کو دیکھا کہ وہ گمراہ ہو رہے ہیں تو تمہیں کس چیز نے روکا اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف کیا؟

قَالَ يَا ابْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ

کہنے لگے کہ بھائی میری داڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیئے میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل

بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾

میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا۔ (پھر سامری سے) کہنے لگے کہ سامری تیرا کیا حال ہے؟[8]

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا

اس نے کہا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تو میں نے رسول کے نقشِ پا سے ایک مٹھی بھر لی پھر اس کو ڈال دیا

وَكَذَٰلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ

اور مجھے میرے جی نے (اس کام کو) اچھا بتایا۔[۹] (موسیٰ نے کہا) جا تجھ کو دنیا کی

= وسنة رسوله، واما الرقص وا لتواجد ،فاول من احدث اصحاب السامری لمااتخذلهم عجلا جسداله خوار ،يرقصون حواليه ويتواجدون ،فهودين الكفار وعباد العجل،وانما كان يجلس النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحابه كانماعلى رؤوسهم الطيرمن الوقار،فينبغی للسلطان ونوابه ان يمنعهم من الحضورفی المساجدوغيرها،ولايحل لاحديومن بالله ورسوله ان يحضرمعهم ،وهذامذهب مالک وابی حنيفة واحمد و الشافعی،وغيرهم من ائمة المسلمين۔

[8] اس واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کی رائے ازروئے اجتہاد یہ تھی کہ اس حالت میں ہارون علیہ السلام اوران کے ساتھیوں کو اس مشرک قوم کے ساتھ نہیں رہنا چاہیئے تھا، ان کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آجاتے جس سے ان کے عمل سے مکمل بیزاری کا اظہار ہو جاتا۔

ہارون علیہ السلام کی رائے ازروئے اجتہاد یہ تھی کہ اگر ایسا کیا گیا تو ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل کے ٹکڑے

ہوجائیں گے،اور تفرقہ قائم ہوجائے گا،اور چونکہ ان کی اصلاح کا یہ احتمال موجود تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کی بعد ان کے اثر سے پھر یہ سب ایمان اور توحید کی طرف لوٹ آویں،اس لئے کچھ دنوں کے لئے ان کے ساتھ مساہلت اور مساکنت کوانکی اصلاح کی توقع تک گوارا کیا جائے،دونوں کا مقصد اللہ تعالی کے احکام کی تعمیل ،ایمان وتوحید پرلوگوں کوقائم کرنا تھا،مگر ایک نے مفارقت اور مقاطعہ کواسکی تدبیر سمجھا،دوسرے نے اصلاح حال کی امید تک اُن کے ساتھ مساہلت اورنرمی کے معاملہ کواس مقصد کے لئے نافع سمجھا،دونوں جانبین اہل عقل وفہم اور فکر ونظر کے لئے محل غور وفکر ہیں۔

کسی کوخطا کہنا آسان نہیں،مجتہدین اُمت کے اجتہادی اختلافات عموماًاسی طرح کے ہوتے ہیں،انمیں کسی کوگنہگار یانافرمان نہیں کہا جاسکتا،رہا موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کے بال پکڑنے کا معاملہ تو یہ دین کے معاملہ میں اللہ تعالی کے لئے شدت وغضب کا اثر تھا کہ تحقیق حال سے پہلے اُنھوں نے ہارون علیہ السلام کوایک واضح غلطی پر سمجھا،اور جب ان کا عذر معلوم ہوگیا تو پھر اپنے لئے اور اُن کے لئے دُعاء مغفرت فرمائی۔

ہارون علیہ السلام کا جواب سن کر وہ سامری کی طرف متوجہ ہوئے،اوراس سے فرمایا اے سامری!تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ کہ گوسالہ بنا کر قوم کو بت پرستی پر لگا دیا۔سامری بنی اسرائیل کے قبیلہ سامرہ کا ایک فرد تھا،اورسمندر پار کرنے کے بعد درپردہ دین موسیٰ علیہ السلام سے مرتد ہوگیا۔اورمنافقانہ طور پر بنی اسرائیل میں شامل رہا۔بنی اسرائیل نے سمندر سے پاراترنے کے بعد ایک قوم کوگائے کی پوجا کرتے دیکھا۔تو موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:**اجعل لنا الھاً کما لھم الھة.** جس پرانہوں نے ان کوسرزنش کی،سامری نے بنی اسرائیل کا مزاج سمجھ لیا۔اورموسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بچھڑے کا بت بنا کر پوجا کے لئے قوم کے سامنے رکھ دیا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سامری کی قوم گاؤ پرست تھی۔اس لئے گاؤ پرستی کی محبت اس کے دل میں موجود تھی۔اورظاہری طور پراس نے اسلام کا اظہار کررکھا تھا۔**عن ابن عباسؓ قال کان السامری رجلامن اھل باجرما،وکان من قوم یعبدون البقر وکان حب عبادة البقرفی نفسه وکان قداظھر الاسلام مع بنی اسرائیل.(ابن کثیر).**

قال قتادہؓ کان السامری عظیمافی بنی اسرائیل من قبیلة یقال لھاسامرة ولکن عدواللہ نافق بعدماقطع البحرمع موسیٰ الخ.(قرطبی)۔

[۹] یہ سامری کا جواب ہے،سامری نے کہا کہ مجھ کوایک ایسی چیز نظر پڑی جواوروں نے نہیں دیکھی تھی۔یعنی

اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے (جبرئیل علیہ السلام) کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔شاید یہ اسی وقت ہوا ہو جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر گھسا،اس حالت میں جبرئیل علیہ اسلام دونوں جماعتوں کے درمیان کھڑے ہو گئے تا کہ ایک کو دوسرے سے نہ ملنے دیں۔بہر حال سامری نے کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے یا کسی قسم کے تعارف سابق کی بنا پر سمجھ لیا کہ یہ جبرئیل ہیں،ان کے پاؤں یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی وہ ہی اب سونے کے بچھڑے کے منہ میں ڈال دی۔کیونکہ اس کے جی میں یہ بات آئی کہ روح القدس کی خاک پا میں یقیناً کوئی خاص تاثیر ہوگی شاہ صاحب لکھتے ہیں: کہ سونا تھا کافروں کا مال لیا ہوا فریب سے۔اسی میں مٹی پڑی برکت کی۔حق اور باطل مل کر ایک کرشمہ بن گیا کہ جاندار کی طرح کی روح اور آواز اس میں ہوگئی ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہئے اس سے بت پرستی بڑھتی ہے۔

تنبیہ: ایت کی جو تفسیر اوپر بیان ہوئی صحابہ وتابعین ومفسرین سے یہ ہی منقول ہے۔(عثمانی) بعض آثار میں ہے کہ جہاں گھوڑا زمین پر پاؤں رکھتا وہاں فوراً سبزہ نمودار ہو جاتا اس سے سامری نے سمجھا کہ اس میں ضرور کوئی کرشمہ ہوگا،اس لئے اس کے پاؤں رکھنے کی جگہ سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔وفی بعض الاثار انه رأه کلما رفع الفرس یدیه اورجلیه علی التراب الیبس یخرج النبات فعرف ان له شأنا فاخذ من موطئه حفنة .(روح المعانی)۔یہ تفسیر اگرچہ اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے لیکن اس میں کئی اشکالات ہیں۔پہلی یہ کہ قرآن نے ''جسد'' کہا ہے اوران کے تفسیر کے مطابق یہ زندہ بچھڑا تھا،اوردوسرا اعتراض یہ ہے کہ صرف سامری نے جبرئیلؑ ،یااس کے گھوڑے کو کیسے دیکھا؟،اور جو واقعات اس کے لئے گڑھے ہوئے ہیں وہ سب کے سب اسرائیلیات ہیں۔یا یہ تفسیر عبداللہ بن عباسؓ سے بروایت کلبی منقول ہیں،

اورامام رازیؒ نے تفسیر کبیر،نیشا پوری،اورصاحب اللباب نے اس آیت کے تحت ایک دوسرا قول ابو مسلم سے نقل کیا،جوکہ انہوں نے اپنی تفسیر صفحہ:۱۹۱،میں نقل کیا ہے،جس کا حاصل معنی یہ ہے'' بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهٖ ''یعنی عرفت ان الذی انتم علیه لیس بحق ،وکنت قبضت قبضة من اثرک ایها الرسول،ای شیئا من دینک ،فنبذته ای طرحته ۔میں نے بہت سوچ وبچار کے بعد یہ معلوم کیا کہ تمہارا دین صحیح نہیں اور پہلے تمہارا تھوڑی سی اتباع کی تھی، بعد میں اس کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا۔اور یہ میرے نفس نے مجھے اسی طرح مزین اور بھلا دکھلایا۔صاحب اللباب بعد میں لکھتا ہے:قال ابن الخطیب وهذا الذی ذکره ابو مسلم لیس فیه الا انه مخالف للمفسرین

لکنه اقرب الی التحقیق لوجوه : پھراس توجیہ کی تائید کے لئے پانچ وجوہ بیان کئے ہیں:۔

پہلی وجہ:أن جبرئیلً لیس معهوداباسم الرسول،ولم یجرله فیماتقدم ذکرحتی تجعل لام التعریف اشـــارة الیه،فاطلاق لفظ الرسول لارادة جبرئیلً کانه تکلیف بعلم الغیب ۔یعنی اس مقام پر رسول سے جبرئیل علیہ السلام مراد لینا،تکلف اور قوانین نحو سے مخالف ہے۔

دوسری وجہ:انه لابدمن الاضماروهو،قبضة من اثرحافردابة الرسول ،والاضمارخلاف الاصل ،یعنی یہاں ایک عبارت محذوف ماننا ہے جوکہ یہ ہے،کہ رسول کے گھوڑے کی چاپ والی جگہ سے مٹی حاصل کیا، اورعبارت محذوف ماننا خلاف الاصل ہے۔

تیسری وجہ:انه لابدمن التعسف فی بیان ان السامری کیف اختص من بین جمیع الناس برؤیة جبرئیلً ومعرفته، ثم کیف عرف ان تراب حافردابته یوثرهذا الاثر ،و الذی ذکروه من ان جبرئیل علیه السلام هو الذی رباه فبعید،لان السامری إن عرف انه جبرئیلً، حال کمال عقله عرف قطعاان موسیٰ علیه السلام نبی صادق فکیف یحاول الاضلال ۔اس کا حاصل یہ ہے کہ،سامری نے دوسرے لوگوں کی نسبت جبرئیل علیہ السلام کو کیسے دیکھا اور پہچانا؟ اور یہ کیسے معلوم کیا کہ اس مٹی میں یہ کمال ہے؟ اور یہ بات بھی صحیح ثابت نہیں کہ سامری کو جبرئیل علیہ السلام نے بچپن میں پالا۔اوراس کے بعد وہ کیسا گمراہ ہوا۔

چوتھی وجہ: انه لوجازاطلاع بعض الکفرة علی ترابٍ هذاشانه ،لکان لقائل ان یقول فلعل موسیٰ اطلع ایضاعلی شئ اخریشبه ذٰلک ،فلاجله اتی بالمعجزات،فرجع حاصله الی سؤال من یطعن فی المعجزات الخ ۔یعنی اگر ہم یہ بات جائز مانے کہ سامری کو یہ معلوم ہوا کہ اس مٹی میں یہ کمال ہے، کہ اس سے جسد(بے روح) زندہ ہوتا ہے۔تو پھر بعض ملحدین کو یہ کہنے کا موقعہ مل جائے گا کہ موسیٰ علیہ السلام سے جو عجائبات صادر ہوئے تھے وہ معجزات الٰہی نہیں۔ بلکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ایسے ہی معلومات کا نتیجہ تھا۔

پانچویں وجہ: یہ تفسیر قرآنی نمط سے خلاف ہے اسی سورۃ ایت نمبر:۸۸،میں اللہ تعالی نے فرمایا:"فاخرج لهم عجلا جسداله خوار"ابن عباسؓ سے اس کے متعلق ابویعلی نے اپنی مسند:۲۵/۵،میں نقل کیا ہے،فرماتے ہیں کہ:لاواللہ ماکان له صوت قط ،انماکانت الریح تدخل من دبره وتخرج من فیه وکان ذلک الصوت من ذلک. تو اس سے ظاہر ہوا کہ یہ بچھڑے کا جسم تھا اور زندہ بچھڑا نہیں تھا۔

أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ

زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ کہتا ہے کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ٹل نہ سکے

وَانْظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ

گا اور جس معبود (کی پوجا) پر تو (قائم و) معتکف تھا اس کو دیکھ ہم اسے جلا دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو اڑا کر دریا میں

فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾ إِنَّمَا إِلَٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ

بکھیر دیں گے ۔[۱۰] تمہارا معبود اللہ ہی ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز پر

عِلْمًا ﴿٩٨﴾ كَذَٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنَاكَ

محیط ہے۔ اس طرح ہم تم سے وہ حالات بیان کرتے ہیں جو گزر چکے ہیں اور ہم نے تمہیں اپنے پاس سے نصیحت

مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾

(کی کتاب) عطا فرمائی ہے۔ جو شخص اس سے منہ پھیرے گا وہ قیامت کے دن (گناہ کا) بوجھ اٹھائے گا

---

[۱۰] سامری کو تو دنیا میں اپنے کئے کی سزا یہ ملی کہ جب بھی کوئی شخص اس کے قریب جاتا تو دونوں کو تپ چڑھ جاتا اس لئے وہ لوگوں سے کہتا کہ مجھ سے دور رہو۔ وہ چاہتا تھا کہ فریب سے قوم کا سردار بن جائے لیکن سزا ایسی ملی کہ کوئی شخص اس کے قریب بھی نہ پھٹکتا تھا۔ بالکل اچھوتوں کی طرح زندگی گذاردی "وان لک موعدالن تخلفه" وہ تو دنیا میں عذاب تھا اور دنیا میں شرک پھیلانے اور فساد بپا کرنے کی سزا اخرت میں بھی ملے گی۔ آخرت میں سزا کی وعید ضرور پوری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف نہیں کرے گا۔ ای لن یخلفک اللہ موعده الذی وعدک علی الشرک و الفسادفی الارض ینجزہ لک فی الاخرة بعدماعاقبک بذلک فی الدنیا. (مدارک)۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ تو تیری سزا ہوئی اب دیکھ میں تیرے معبود کا کیا حشر کرتا ہوں؟ جس پر تو ہر وقت مجاور بنا بیٹھا رہتا ہے۔ میں ابھی اس کو جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہاتا ہوں تا کہ تجھے اور اس کی پوجا کرنے والے دوسرے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس قدر عاجز ہے کہ خود اپنی حفاظت نہیں کرسکتا تو دوسروں کا کیا سنوار سکتا ہے ۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ

ہمیشہ اس (عذاب) میں رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے روز ان کے لئے بُرا ہے۔ جس روز صُور پھونکا جائے گا

وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ

اور ہم گنہگاروں کو اکٹھا کریں گے اور ان کی آنکھیں نیلی نیلی ہوں گی۔ (تو) وہ آپس میں آہستہ آہستہ کہیں گے کہ تم

اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ

صرف دس دن ہی رہے ہو۔ جو باتیں یہ کریں گے ہم خوب جانتے ہیں اس وقت ان میں سب سے اچھی راہ والا کہے گا

اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾

صرف ایک روز ہی ٹھہرے ہو۔ اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ ان کو اڑا کر بکھیر دے گا

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾

اور زمین کو ہموار کر چھوڑے گا۔ جس میں نہ تم کجی (اور پستی) دیکھو گے نہ ٹیلا (اور بلندی)

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ

اس روز لوگ ایک پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے اور اس کی پیروی سے انحراف نہ کر سکیں گے اور اللہ کے سامنے آوازیں پست

الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ

ہو جائیں گی تو تم آواز خفی کے سوا کوئی آواز نہ سنو گے۔ اس روز (کسی کی) سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی

اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

مگر اس شخص کی جسے اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔ جو کچھ ان کے آگے ہے

وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ اس کو جانتا ہے اور وہ (اپنے) علم سے اللہ (کے علم) پر احاطہ نہیں کر سکتے

وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ
اور اس زندہ وقائم کے روبرو منہ نیچے ہو جائیں گے اور جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا وہ نامراد رہا اور جو
يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾
نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہو گا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہو گا اور نہ نقصان کا
وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ
اور ہم نے اس کو اسی طرح کا قرآنِ عربی نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح کے ڈراوے بیان کر دیئے ہیں تاکہ
يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ
لوگ پرہیزگار بنیں یا اللہ ان کے لئے نصیحت پیدا کر دے۔ تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے عالی قدر ہے
وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُّقْضٰٓى إِلَيْكَ وَحْيُهُ
اور قرآن کی وحی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے (پڑھنے کے) لئے جلدی نہ کیا کرو
وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلٰٓى آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ
اور دعا کرو کہ میرا پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔ اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اسے) بھول گئے
وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّا
اور ہم نے ان میں اس کا قصد نہ دیکھا اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کیلئے سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر
إِبْلِيسَ ۖ أَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ إِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ
ابلیس نے انکار کیا ۔ ہم نے فرمایا کہ آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے
فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا
تو یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ نہ بھوکے رہو نہ

تَعۡرٰی ﴿۱۱۸﴾ وَأَنَّکَ لَا تَظۡمَؤُا فِیۡهَا وَلَا تَضۡحٰی ﴿۱۱۹﴾

ننگے ۔ اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ

فَوَسۡوَسَ إِلَیۡهِ الشَّیۡطٰنُ قَالَ یٰۤاٰدَمُ هَلۡ أَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَةِ

تو شیطان نے اُن کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم! بھلا میں تمہیں (ایسا) درخت بتاؤں (جو)

الۡخُلۡدِ وَمُلۡکٍ لَّا یَبۡلٰی ﴿۱۲۰﴾ فَأَکَلَا مِنۡهَا فَبَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا

ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہوتو دونوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو ان پر ان کی

وَطَفِقَا یَخۡصِفٰنِ عَلَیۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ

شرمگاہیں ظاہر ہوگئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف

فَغَوٰی ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیۡهِ وَهَدٰی ﴿۱۲۲﴾

کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہوگئے۔[۱۱] پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی

قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِیۡعًۢا بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا یَأۡتِیَنَّکُمۡ

فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن (ہوں گے) پھر اگر میری طرف سے

---

[۱۱] اس آیت میں جو آدم علیہ السلام کی نسبت صاف لفظوں میں ''عصیٰ'' اور پھر ''غوی'' فرمایا گیا ہے اس کی وجہ بھی سورۂ بقرہ میں بیان ہوچکی ہے، کہ اگرچہ آدم علیہ السلام کا یہ عمل شرعی قانون کی رو سے گناہ میں داخل نہیں تھا لیکن آدم علیہ السلام اللہ کے رسول اور مقربین خاص میں سے ہیں، اس لئے ان کی ادنیٰ لغزش کو بھی بھاری لفظوں سے عصیان کہہ کر تعبیر کیا گیا، اور اس پر عتاب کیا گیا اور لفظ ''غوی'' دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک معنی زندگی تلخ ہوجانے اور عیش خراب ہوجانے کے ہیں، دوسرے معنی گمراہ ہوجانے یا غافل ہوجانے کے، ائمہ تفسیر قشیری اور قرطبی وغیرہ نے اس جگہ لفظ ''غوی'' کے پہلے معنی ہی کو اختیار کیا ہے، اور مراد یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جو عیش جنت میں حاصل تھا، وہ=

مِّنِّیۡ هُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشۡقٰی ﴿۱۲۳﴾ وَمَنۡ

تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور

اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیۡشَةً ضَنۡکًا وَّنَحۡشُرُهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ

جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے

= نہ رہا، زندگی تلخ ہوگئی۔

قاضی ابوبکر ابن عربی نے احکام القرآن میں ایت مذکورہ میں جو الفاظ ''عصی'' وغیرہ آدم علیہ السلام کے بارے میں ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے ایک اہم بات ارشاد فرمائی ہے، وہ انہیں کے الفاظ میں یہ ہے: لایجوز لاحدنا الیوم ان یخبر بذلک عن آدم 'علیه السلام' الااذاذکرناه فی اثناء قوله تعالی عنه، اوقول نبیه ﷺ، فاماان یبتدی ذلک من قبل نفسه فلیس بجائز لنافی ابائنا الادنین الینا المماثلین لنافکیف فی ابینا الاقدم الاعظم الاکرم النبی المقدم الذی عذره الله سبحانه وتعالی وتاب علیه وغفرله. (ازتفسیر قرطبی وذکره ایضا فی البحر).

ہم میں سے کسی کیلئے آج یہ جائز نہیں کہ آدم علیہ السلام کی طرف یہ لفظ عصیان منسوب کرے بجز اس کے کہ قرآن کی اس آیت کے یا کسی حدیث نبوی کے ضمن میں آیا ہو وہ بیان کرے، لیکن یہ کہ اپنی طرف سے یہ لفظ منسوب کرنا ہمارے اپنے قریبی اباء واجداد کے لئے بھی جائز نہیں، پھر ہمارے سب سے پہلے باپ جو ہر حیثیت میں ہمارے آباء سے مقدم اور اعظم واکرم ہیں اور اللہ تعالی کے پیغمبر معزز ہیں جن کا عذر اللہ تعالی نے قبول فرمایا اور معافی کا اعلان کر دیا ان کے لئے تو کسی حال میں جائز نہیں۔

اسی لئے ابونصر قشیری نے فرمایا: کہ اس لفظ کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو عاصی اور غاوی کہنا جائز نہیں، اور قرآن کریم میں جہاں کہیں کسی نبی یا رسول کے بارے میں ایسے الفاظ آئے ہیں یا تو وہ خلاف اولی امور ہیں، یا نبوت سے پہلے کے ہیں، اس لئے بضمن آیات قرآن وروایات حدیث تو ان کا تذکرہ درست ہے، لیکن اپنی طرف سے ان کی شان میں ایسے الفاظ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ (قرطبی)۔

أَعۡمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرۡتَنِيۡۤ أَعۡمٰى وَقَدۡ كُنۡتُ بَصِيۡرًا ﴿۱۲۵﴾

اندھا کر کے اٹھائیں گے۔وہ کہے گا کہ میرے پروردگا! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو دیکھتا بھالتا تھا

قَالَ كَذٰلِكَ أَتَتۡكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيۡتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى ﴿۱۲۶﴾

اللہ فرمائے گا کہ ایسا ہی تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو، تو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج ہم تجھے بھلا دیں گے[۱۲]

وَكَذٰلِكَ نَجۡزِيۡ مَنۡ أَسۡرَفَ وَلَمۡ يُؤۡمِنۡۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ

اور جو شخص حد سے نکل جائے اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہ لائے ہم اس کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں

وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبۡقٰى ﴿۱۲۷﴾ أَفَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ

اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر تک رہنے والا ہے۔کیا یہ بات ان لوگوں کے لئے موجبِ ہدایت نہ ہوئی

---

[۱۲] اس ایت میں ''معیشة ضنکا'' کی تفسیر محمد رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمائی۔سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وان الکافر اذااتی من قبل رأسه لم یوجدشیئ ،ثم اتی عن یمینه فلایوجدشیئ،ثم اتی عن شماله فلایوجدشیئ،ثم اتی من قبل رجلیه فلایوجدشیئ، یقال له اجلس فیجلس خائفامرعوبا،فیقال له ارأیتک هذا الرجل الذی کان فیکم ماذاتقول فیه؟ وماذاتشهدبه علیه؟فیقول ایّ رجل؟فیقال الذی کان فیکم، فلایهتدی لاسمه حتی یقال له محمد،فیقول ماادری، سمعت الناس قالوا اقولا فقلت کماقال الناس ،فیقال له علی ذلک حییت ،علی ذلک مت ،وعلی ذلک تبعث ان شاء الله،ثم یفتح له باب من ابواب النارفیقال له هذامقعدک من النارو مااعدالله لک فیها،فیزدادحسرة وثبوراً،ثم یفتح له باب من ابواب الجنة فیقال له ذلک مقعدک من الجنة وما اعدالله لک فیه، لواطعته ،فیزداد حسرة وثبورا،ثم یضیق علیه قبره حتی تختلف فیه اضلاعه فتلک المعیشة الضنکة التی قال اللهفان له معیشة ضنکا.(صحیح ابن حبان کتاب الجنائز رقم:۳۱۱۳،حسن کماقاله الالبانی).

اور بے شک کافر کو عذاب دینے کے لئے فرشتے اس کے سر کی طرف سے آتے ہیں۔وہ ایمان اور عمل صالح کی کوئی رکاوٹ نہیں پاتے۔پھر وہ اس کے دائیں جانب سے آتے ہیں،پس وہ کوئی رکاوٹ نہیں پاتے ،پھر وہ بائیں جانب سے آتے ہیں،ادھر بھی کوئی رکاوٹ نہیں پاتے ،پھر وہ اس کے پاؤں کی جانب سے آتے ہیں،تو ادھر بھی کوئی رکاوٹ نہیں ملتی ،پھر اس (کافر کو) کہا جاتا ہے ،بیٹھ جا،وہ خوف زدہ اور سہا ہوا بیٹھ جاتا ہے۔فرشتے پوچھتے ہیں،جو شخص تم میں (رسول بنا کر) بھیجا گیا تھا،اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟اور اس کے متعلق تو کیا گواہی دیتا ہے؟ جواب میں کافر کہتا ہے کونسا آدمی ؟فرشتے کہتے ہیں جو تم میں بھیجا گیا تھا۔اسے آپ کے نام کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا،یہاں تک کہ اسے بتایا جاتا ہے کہ محمد ﷺ کے متعلق پوچھا جا رہا ہے)وہ کافر کہتا ہے میں تو نہیں جانتا،البتہ میں نے لوگوں کو(آپ کے متعلق کچھ) کہتے ہوئے سنا تھا،پھر میں نے بھی لوگوں کی طرح ہی کہہ دیا،فرشتے کہتے ہیں،اس شک پر تو زندہ رہا اور اسی پر مرا،اور انشاء اللہ اسی پر تو اٹھایا جائے گا۔

پھر جہنم کے دروازوں میں ایک دروازہ اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے،اور ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ تیرا ٹھکانہ یہ آگ ہے(اور دوسرے عذاب)جو اللہ نے تیرے لئے تیار کر رکھے ہیں،پس اس (نظارے کے بعد)اس کی ندامت اور ہلاکت میں اضافہ ہوتا ہے ،پھر اس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اگر تو (اللہ اور اس کے رسول کی)اطاعت کرتا تو یہ جنت تیرا ٹھکانہ ہوتی ،اور(دوسری نعمتیں) جو اللہ نے تیرے لئے اس میں تیار کر رکھی تھیں،اس نظارے کے بعد اس کی ندامت اور ہلاکت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔پھر اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے۔یہاں تک کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں میں دھنس جاتی ہیں، پس یہ ہے" **معیشتا ضنکا**"(کی تفسیر) جس کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا ہے "**فان له معيشة ضنكا**".

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہؓ سے ایک دوسری حدیث مروی ہے،کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے پوچھا **اتدرون فیما انزلت هذه الاية؟ اتدرون ما المعيشة الضنكة؟** کیا جانتے ہو کہ یہ ایت **فَإِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنكاً** کس چیز کے متعلق نازل ہوئی ؟ کیا تم جانتے ہوں کہ معیشۃ ضنکا کیا ہے؟صحابہ کرام نے کہا،اللہ تعالی اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:**عذاب الكافر في قبره و الذى نفسى بيده انه يسلط عليه تسعة وتسعون تنينا،اتدرون ما التنين ؟سبعون حية ،لكل حية سبع رؤوس يلسعونه ويخدشونه الى يوم القيامة. صحيح ابن حبان كتاب الجنائز :رقم: ۳۱۲۲، ۳۱۱۹.معيشة ضنكا** سے مراد یہ ہے کہ کافر کو اس

کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے،اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،کافر پر ننانوے "تـنـنين" مسلط کر دیے جاتے ہیں، جانتے ہو کہ تنین سے کیا مراد ہے؟اس سے ستر سانپ مراد ہیں،اور ہر سانپ کے سات منہ ہیں،جن کے ساتھ وہ قیامت تک کافر کو کاٹتے رہیں گے۔اسی ایت کی تفسیر میں امام قرطبی فرماتے ہیں:وقـول رابـع وهـو الـصحيح انـه عـذاب الـقبـر قـالـه ابـوسـعيـد الـخـدريؓ ،وعبـدالله بـن مسـعـودؓ، وروى ابـوهـريـرةؓ مـرفـوعـاعـن الـنبـيﷺ،وقـدذكـرنـافـي كتـاب الـتـذكـرة قال ابوهريرةؓ،يضيق على الكافر قبره حتى تختلف فيه اضلاعه ،وهو المعشية الضنكة .

چوتھا قول اور یہی صحیح ہے کہ بے شک "مـعـيشة ضـنـكا" سے مراد عذاب قبر ہے۔یہ قول ابـو سـعيد خدریؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی ہے،اور ابو ہریرہؓ نے نبی کریمﷺ سے مرفوع بیان کیا ہے، جسے ہم نے اپنی کتاب التذکرۃ میں ذکر کیا ہے،ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کافر پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جاتی ہیں، یہی معيشة ضنكا ہے۔

علامہ شوکانی نے بھی اپنی تفسیر میں اس سلسلے میں مروی متعدد روایات درج کرنے کے بعد یہی قرار دیا ہے کہ (معيشة ضنكا) سے مراد عذاب قبر ہی ہے۔(تفسیر فتح القدیر)۔

سید احمد حسن دہلوی نے بھی اس بارے میں سلف کے بعض اقوال ذکر کرنے کے بعد مسند بزار میں ابو ہریرہؓ کی سند سے مروی ایک معتبر حدیث کی بنا پر یہی قرار دیا ہے کہ خود صاحب وحیﷺ نے "معیشۃ ضنکا" کی تعریف عذاب قبر فرمائی ہے۔احسن التفاسیر۔

تفسیر معارف القرآن والے لکھتے ہیں: کہ" اس کی معیشت تنگ ہوگی" اور" قیامت میں اس کو اندھا کر کے اٹھایا جائیگا" پہلا عذاب دنیا ہی میں اس کو مل جائے گا،اور دوسرا یعنی اندھا ہونے کا عذاب قیامت میں ہوگا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں معیشت کی تنگی تو کفار و فجار کے لئے مخصوص نہیں،مومنین صالحین کو بھی پیش آتی ہے، بلکہ انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ شدائد و مصائب اس دنیا کی زندگی میں اٹھانے پڑتے ہیں،اور بعض کتب حدیث میں بروایت سعدؓ وغیرہ یہ حدیث منقول ہے، کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: کہ دنیا کی بلائیں اور مصیبتیں سب سے زیادہ انبیاء پر سخت ہوتی ہیں،ان کے بعد جو جس درجہ کا صالح اور ولی ہے :(مستدرک حاکم :رقم:۵۵۱۴،ترمذی: ۲۴۰۰،وابن ماجہ:۴۰۲۳)۔

اسی کی مناسبت سے اس کو یہ تکلیفیں پہنچتی ہیں، اس کے بالمقابل عموما کفار و فجار کو خوشحال اور عیش و عشرت میں دیکھا جاتا ہے، تو پھر یہ ارشاد قرآنی کہ ''ان کی معیشت تنگ ہوگی'' آخرت کے لئے تو ہوسکتا ہے دنیا میں خلاف مشاہدہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کا صاف، بے غبار جواب تو یہ ہے کہ یہاں دنیا کے عذاب سے قبر کا عذاب مراد ہے، کہ قبر میں ان کی معیشت تنگ کردی جاویگی، خود قبر جوان کا مسکن ہوگا وہ ان کو ایسا دبائیگا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں گی جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح ہے اور مسند بزار میں بسند جید ابو ہریرۃؓ سے یہ حدیث منقول ہے کہ رسول ﷺ نے خود اس آیت کے لفظ ''**معیشة ضنکا**'' کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ اس سے مراد قبر کا عالم ہے۔ (مظہری)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: ان العبداذاوضع فی قبره وتولی عنه اصحابه، وانه ليسمع قرع نعالهم، اتاه ملكان فيقعدانه ،فيقولان ماكنت تقول فی هذا الرجل؟لمحمد،فاما المؤمن فيقول اشهدانه عبدالله ورسوله، فيقال له انظر الی مقعدک من النار،قدابدلک الله به مقعدامن الجنة، فيراهماجميعا،واما المنافق و الكافر فيقال له ماكنت تقول فی هذا الرجل؟ فيقول لاادری ،كنت اقول مايقول الناس ،فيقال له لادريت ولاتليت، ويضرب بمطرقة من حديدضربة بين اذنيه فيصيح صيحة يسمعهامن يليه غير الثقلين**''. (**بخاری: ۱۳۳۸ ،مسلم: ۲۸۷۰**)

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے اعزاء و احباب واپس آتے ہیں، تو وہ (مردہ) ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، اور اس کے پاس (قبر میں) دو فرشتے آتے ہیں، اور ان کو بٹھا کر پوچھتے ہیں، کہ تم اس شخص (محمد ﷺ) کے بارہ میں کیا کہتے تھے؟ اس کے جواب میں بندہ مومن کہتا ہے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں، کہ وہ (محمد ﷺ) بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

پھر اس بندہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھو، جس کو اللہ نے بدل دیا ہے، اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں جگہ دی گئی ہے۔ چنانچہ وہ مردہ دونوں مقامات (جنت و دوزخ) کو دیکھتا ہے، اور جو مردہ منافق یا کافر ہوتا ہے، اس سے بھی یہی سوال کیا جاتا ہے، کہ اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے بارہ میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ اس کے جواب میں کہتا کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو لوگ (مومن) کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا، اس سے کہا جاتا ہے نہ تو نے عقل سے

پہچانا اور نہ تو نے قرآن شریف پڑھا؟ یہ کہہ کر اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے، کہ اس کے چیخنے اور چلانے کی آواز سوائے جنوں اور انسانوں کے قریب کی تمام چیزیں سنتی ہیں۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے، کہ جب قبر میں معذب مردہ پر عذاب نازل کیا جاتا ہے، یعنی فرشتے لوہے کے گرزوں سے اس کو مارتے ہیں، تو اس کے چیخنے چلانے کی آواز انسان نہیں سن پاتے، اس کی حکمت یہ ہے، کہ جن وانس غیب کی چیزوں پر ایمان لانے کے مکلّف ہیں، اگر ان کو آواز سنائی دے، یا وہاں کے حالات کا علم اس دنیا میں ہو جائے تو پھر ایمان بالغیب جاتا رہے گا۔ نیز اگر قبر کے حالات کا احساس انسانوں کو ہونے لگے، تو خوف وہیبت ناکی کی وجہ سے دنیا کے کاروبار میں ہلچل مچی رہے گی اور سلسلہ معیشت منقطع ہو جائے گا۔

"عن البراء بن عازبؓ عن رسول اللهﷺ قال یأتیه ملکان، فیجلسانه فیقولان له ،من ربک؟ فیقول ربی الله ،فیقولان له مادینک؟ فیقول دینی الاسلام ،فیقولان ، ماهذا الرجل الذی بعث فیکم؟ فیقول هورسول الله ،فیقولان له ومایدریک، فیقول قرأت کتاب الله فامنت به وصدقت، فذٰلک قوله" یثبت الله الذین امنوابالقول الثابت" الایة قال فینادی مناد من السماء، ان صدق عبدی ،فافرشوه من الجنة، والبسوه من الجنة، وافتحوالہ بابا الی الجنة ، قال فیأتیه من روحهاوطیبها،ویفسح له فیهامدبصره ،واما الکافرفذکرموته،قال ویعادروحه فی جسده ،ویأتیه ملکان فیجلسانه ،فیقولان له من ربک فیقول هاه هاه لا ادری فیقولان له مادینک؟ فیقول هاه هاه لاادری، فیقولان له ماهذا الرجل الذی بعث فیکم ؟فیقول هاه هاه لا ادری، فینادی منادمن السماء ان کذب فافرشوه من النار ،والبسوه من النار، وافتحواله بابا الی النار ،قال فیأتیه من حرهاوسمومها،قال ویضیق علیه قبره حتی تختلف فیه اضلاعه ،ثم یقیض له اعمی اصم معه مرزبة من حدید لوضرب بهاجبل لصار ترابا ،فیضربه بهاضربة یسمعهامابین المشرق و المغرب الا الثقلین ،فیصیرترابا،ثم یعادفیه الروح(احمد: ۳۰/۵۰۱ ، وابوداود:۴۷۵۳،و النسائی: ۴/۷۸ ،و ابن ماجة: ۱۵۴۹).

براء بن عازبؓ راوی ہیں، نبی کریمﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپﷺ نے فرمایا: قبر میں مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں، کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے "میرا رب اللہ ہے"

'پھر فرشتے کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے میرا دین اسلام ہے، پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں، جو شخص (اللہ کی طرف سے) تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ کون ہے؟ وہ کہتا ہے، وہ اللہ کے رسول ہیں، پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں، یہ تجھ سے کس نے بتایا، وہ کہتا ہے، میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اور اس پر ایمان لایا، اور اس کو سچ جانا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہی مطلب ہے اللہ تعالی کے اس قول کا "یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت" الایة، یعنی اللہ تعالی ان لوگوں کو ثابت قدم رکھتا ہے، جو ثابت بات پر ایمان لائے (آخیر آیت تک) نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ آسمان سے پکارنے والا یعنی اللہ تعالی یا اس کے حکم سے فرشتہ پکار کر کہتا ہے، میرے بندے نے سچ کہا، لہٰذا اس کے لئے جنت کا فرش بچھاؤ، اور اس کو جنت کی پوشاک پہناؤ، اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس جنت کے دروازہ سے اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں، اور حد نظر تک اس قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے۔

اب رہا کافر، تو نبی کریم ﷺ نے اس کی موت کا ذکر کیا، اور اس کے بعد فرمایا کہ، پھر اس کی روح اس کے جسم میں ڈالی جاتی ہے۔ اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، جو اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں، تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں یہ شخص کون ہے؟ جو اللہ کی جانب سے تم میں بھیجا گیا تھا، وہ کہتا ہے ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا، پھر آسمان سے ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، یہ جھوٹا ہے، اس کے لئے آگ کا فرش بچھاؤ، آگ کا لباس اسے پہناؤ، اور اس کے واسطے ایک دروازہ دوزخ کی طرف کھول دو، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ، دوزخ سے اس کے پاس گرم ہوائیں اور لوئیں آتی ہیں، اور فرمایا اس کی قبر اس کے لئے تنگ کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی پسلیاں ادھر نکل آتی ہیں، پھر اس پر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے، جس کے پاس لوہے کا ایسا گرز ہوتا ہے، کہ اس کو اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی ہو جائے، اور وہ فرشتہ اس کو اس گرز سے اس طرح مارتا ہے کہ اس کے چیخنے چلانے کی آواز مشرق سے مغرب تک تمام مخلوقات سنتی ہے، مگر جن وانسان نہیں سنتے، اور اس مارنے سے وہ مردہ مٹی ہو جاتا ہے، اس کے بعد پھر اس کے اندر روح ڈالی جاتی ہے۔

و"عن زید بن ثابتؓ قال بینا رسول اللہ ﷺ فی حائط لبنی النجار علی بغلة له، ونحن معه، اذحادت به، وكادت تلقيه، واذا اقبر ستة او خمسة، فقال من يعرف اصحاب هذه الاقبر، قال رجل انا، قال فمتى ماتوا، قال فی الشرک، فقال ان هذه الامة تبتلی فی قبورها، فلولا ان لاتدافنوا، لدعوت

الله ان یسمعکم من عذاب القبر، الذی اسمع منه ،ثم اقبل علینابوجهه فقال تعوذوابالله من عذاب النارقالوانعوذبالله من عذاب النار، قال تعوذوابالله من عذاب القبر،قالوانعوذبالله من عذاب القبر،قال تعوذوا بالله من الفتن ماظهرمنهاومابطن ،قالوانعوذبالله من الفتن ماظهرمنهاومابطن ،قال تعوذوابالله من فتنة الدجال ،قالوانعوذبالله من فتنة الدجال " (مسلم:۲۸٦۷) ۔

زید بن ثابتؓ سے روایت ہے، کہ ایک روز جبکہ نبی کریم ﷺ بنی نجار کے باغ میں اپنے خچر پرسوار تھے، اور ہم بھی آپؐ کے ہمراہ تھے، کہ اچانک خچر بدک گیا، اور قریب تھا کہ آپ ﷺ کوگرادے، ناگہاں پانچ چھ قبریں نظر آئیں، آپ ﷺ نے فرمایا ان قبر والوں کو کوئی جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ کب مرے ہیں؟ یعنی حالت کفر میں مرے ہیں، یا ایمان کے ساتھ، اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں؟ اس شخص نے عرض کیا، یہ تو شرک کی حالت میں مرے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ امت اپنی قبروں میں ازمائی جاتی ہے (یعنی ان لوگوں پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے) اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ تم (مردوں کو) دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں ضرور اللہ سے یہ دعا کرتا کہ وہ تم کو بھی عذاب قبر (کی اس آواز) کو سنادے جس کو میں سن رہا ہوں، اس کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا، ہم آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا، عذاب قبر سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا ہم دجال کے فتنہ سے اللہ تعالی کی پناہ مانگتے ہیں۔ یعنی عذاب قبر کی شدت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے، کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: کہ اگر تمہاری آنکھیں اس کا مشاہدہ کر لے اور تمہارے کان اس کو سن لیں، تو تم اپنی عقل ودماغ سے ہاتھ دھو بیٹھو، اور تم اس کی شدت وسختی کا محض احساس ہی کر کے بیہوش ہو جاؤ گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس خوف وہراس کی وجہ سے مردوں کو دفن کرنا بھی چھوڑ دو گے۔ اگر مجھے اس کا خدشہ نہ ہوتا تو میں یقیناً تمہیں اس عذاب کا مشاہدہ بھی کرادیتا، اور تمہیں سنوا بھی دیتا۔ (مظاہر حق)۔

اس حدیث سے اس بات کی حقیقت بھی معلوم ہوئی کہ بعض لوگ جو مزاروں وغیرہ پر اپنے جانوروں کو اس غرض سے لے جاتے ہیں، کہ اس کا پاخانہ نہیں ہوتا، اور وہاں لے جانے کے بعد روبصحت ہو جاتے ہیں، تو ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ ہمارے معبودوں نے ہماری حاجت روائی کی، اسی نکتہ کو ابن تیمیہؒ اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں کہ: انمایذهبون =

كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسٰكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ

کہ ہم ان سے پہلے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ چلتے پھرتے ہیں

لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

عقل والوں کے لئے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اگر ایک بات تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے صادر

لَكَانَ لِزَامًا وَّأَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ

اور (جزائے اعمال کے لئے) ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو نزول عذاب لازم ہو جاتا۔ پس جو کچھ یہ بکواس کرتے ہیں

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۚ

اس پر صبر کرو اور سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کیا کرو

=بها الى قبور الكفار و المنافقين، وبينت لهم سبب ذلك ،قلت لان هؤلاء يعذبون في قبورهم، و البهائم تسمع اصواتهم، كماثبت ذلك في الحديث الصحيح،فاذاسمعت ذلك فزعت ،فبسبب الرعب الذى حصل لهاتنحل بطونهافتروث؛ فان الفزع يقتضى الاسهال. فيعجبون من ذلك؛ وهذا المعنى كثيرا ماكنت اذكره للناس،ولااعلم ان احداقاله،ثم وجدته قدذكره بعض العلماء.(الاستغاثة في الردعلى البكرى لابن تيميه: ۲/ ۵۰۲، ۵۰۳). بعض پیروں اور مرشدوں کا یہ دعوی ہے کہ ہمیں کشف القبور ہوتا ہے، اور قبر والے کے احوال ہم پر ظاہر ہوتے ہیں، ہم ان کے احوال پر عالم ہوتے ہیں کہ یہ عالم برزخ میں خوشحال ہیں یا تکلیف میں۔ تو ان احادیث سے ان کا یہ پھانڈہ کھل گیا کہ عالم برزخ کا علم انسانوں میں صرف انبیاء کو ہوتا ہے، اس کے علاوہ جتنے انس وجن ہیں ان کو قبر کے احوال سے بے خبر رکھا گیا ہے، اور حدیث میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ان دونوں کا طاقت اتنا نہیں کہ اس کا تحمل کر سکیں، اور ان کے علاوہ جو جانور وغیرہ ہیں ان کو پتہ چلتا ہے، تو اب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جب صحابہ کرام اس کا تحمل نہیں کر سکتے تو تم کون ہو کہ اس کا تحمل کر سکو گے۔ یا تو نبوت کا دعوی کرو اور یہ کہہ دیں کہ ہم نہ انسان ہیں نہ جن، بلکہ کوئی اور شی ہیں۔ مذکورہ احادیث میں اس مسئلے کا تفصیل کے ساتھ رد ہوا، اس کے بعد اگر کسی کو شبہ ہو تو اللہ تعالی اس کو سمجھائیں۔

وَمِنْ آنَآءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

اور رات کی ساعات (اوّلین) میں بھی اس کی تسبیح کیا کرو اور دن کی اطراف (یعنی دوپہر کے قریب ظہر کے وقت بھی) تاکہ تم خوش ہو جاؤ

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا کی زندگی میں آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾

تاکہ ان کی آزمائش کریں ان پر نگاہ نہ کرنا اور تمہارے پروردگار کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَّحْنُ نَرْزُقُكَ

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اس پر قائم رہو ہم تم سے روزی کے خواستگار نہیں بلکہ تمہیں ہم روزی دیتے ہیں

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ

اور (نیک) انجام (اہلِ) تقویٰ کا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اپنے پروردگار کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں

مَا فِي الصُّحُفِ الْأُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ أَنَّآ أَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ

نہیں لاتے؟ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کی نشانی نہیں آئی؟۔ اور اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھیجنے) سے پیشتر

لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَّذِلَّ

کسی عذاب سے ہلاک کردیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم ذلیل

وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ

اور رسوا ہونے سے پہلے تیرے کلام (واحکام) کی پیروی کرتے۔ کہہ دو کہ سب (نتائج اعمال کی) منتظر ہیں تو تم بھی منتظر

مَنْ أَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

رہو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ (دین کی) سیدھے رستے پر چلنے والے کون ہیں اور (جنت کی طرف) راہ پانے والے کون ہیں (ہم یا تم)

سورۃ الأنبیآء (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ‌﴿۱﴾

لوگوں کا حساب نزدیک آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں (پڑے اس سے) منہ پھیر رہے ہیں

مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ‌﴿۲﴾

ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ان کے رب کی طرف سے نہیں آتی مگر وہ اُسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں

لَاهِيَةً قُلُوۡبُهُمۡؕ وَاَسَرُّوا النَّجۡوَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡاۖ هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا

اُن کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ظالم لوگ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں کہ یہ (شخص کچھ بھی) نہیں

بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡۚ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳﴾ قَالَ

مگر تمہارے جیسا آدمی ہے تو تم آنکھوں دیکھتے جادو (کی لپیٹ) میں کیوں آتے ہو؟ (پیغمبر نے) کہا

رَبِّىۡ يَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۴﴾ بَلۡ

کہ جو بات آسمان اور زمین میں (کہی جاتی) ہے میرا رب اُسے جانتا ہے اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ بلکہ

قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍۢ بَلِ افۡتَرٰٮهُ

(ظالم) کہنے لگے کہ (یہ قرآن) پریشان (باتیں ہیں جو) خواب (میں دیکھ لی) ہیں بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے

بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ ۚ ۖ فَلۡيَاۡتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ‏ ﴿۵﴾

بلکہ یہ (شعر ہے جو اس) شاعر (کا نتیجہ طبع) ہے تو جیسے پہلے بھیجے گئے تھے (اُسی طرح) یہ بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لائے

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا

ان سے پہلے جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا وہ ایمان نہیں لائی تھیں تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے اور ہم نے تم سے پہلے

قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

مرد ہی (پیغمبر بنا کر) بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، اگر تم نہیں جانتے تو جو یاد رکھتے ہیں اُن سے پوچھ لو

﴿۷﴾ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿۸﴾

اور ہم نے اُن کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۹﴾

پھر ہم نے ان کے بارے میں (اپنا) وعدہ سچا کر دیا تو اُن کو اور جس کو چاہا نجات دی اور حد سے نکل جانے والوں کو ہلاک کر دیا

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾

ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو جو ستمگر تھیں ہلاک کر مارا اور ان کے بعد اور لوگ پیدا کر دیئے

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا

جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو لگے اس سے بھاگنے۔ مت بھاگو اور جن میں تم عیش وآسائش کرتے تھے

اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا

ان کی اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ تا کہ تم سے (اس بارے میں) دریافت کیا جائے۔ کہنے لگے ہائے شامت!

كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا

بیشک ہم ظالم تھے۔ تو وہ ہمیشہ اسی طرح پکارتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو (کھیتی کی طرح) کاٹ کر (اور آگ کی

خٰمِدِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۱۶﴾

طرح) بجھا کر ڈھیر کر دیا۔ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اس کو لہو و لعب کیلئے پیدا نہیں کیا

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۷﴾

اگر ہم چاہتے کہ کھیل (کی چیزیں یعنی زن و فرزند) بنائیں تو اگر ہم کو کرنا ہی ہوتا تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ

بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے اور جو باتیں تم

زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَیْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بناتے ہو ان سے تمہاری ہی خرابی ہے۔ اور جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں سب اُسی کے (مملوک اور اُسی کا مال) ہیں

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور جو (فرشتے) اُس کے پاس ہیں وہ اُس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

رات دن (اُس کی) تسبیح کرتے رہتے ہیں، نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

بھلا لوگوں نے جو زمین کی چیزوں سے (بعض کو) معبود بنا لیا ہے (تو کیا) وہ اُن کو (مرنے کے بعد) اٹھا کھڑا کریں گے؟

لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ

اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں اللہ

الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

مالکِ عرش ان سے پاک ہے وہ جو کام کرتا ہے اُس کی پرسش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ وَذِكْرُ

کیا لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں؟ کہہ دو کہ (اس بات پر) اپنی دلیل پیش کرو، یہ (میری اور) میرے ساتھ

مَن قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ فَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٤﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا

والوں کی کتاب بھی ہے اور جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں اُن کی کتابیں بھی ہیں بلکہ ان میں اکثر حق بات کو نہیں جانتے اور اس لئے اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں

مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾

اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے اُن کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ﴿٢٦﴾

اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے، وہ پاک ہے بلکہ جن کو یہ لوگ اُس کے بیٹے اور بیٹیاں سمجھتے ہیں وہ اُس کے عزت والے بندے ہیں

لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا

اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے آگے ہو چکا ہے اور جو پیچھے ہوگا وہ سب

خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿٢٨﴾

سے واقف ہے اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر اُس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وہ اُس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں

وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي

اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اُسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی

الظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾ أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا

سزا دیا کرتے ہیں ۔ کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے

رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾

تو ہم نے اُن کو جدا جدا کر دیا اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ

اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تا کہ لوگوں سے ملنے نہ لگے اور اس میں کشادہ رستے بنائے تا کہ لوگ ان پر چلیں

﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۚ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾

اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ

اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا (یہ) سب آسمان میں

يَسْبَحُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ

(اس طرح چلتے ہیں گویا) تیر رہے ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا

أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ

بھلا اگر تم مر جاؤ تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے؟ ۔ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۳۵﴾

اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں اور تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے

وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ

اور جب کافر تم کو دیکھتے ہیں تو تم سے ہنسی کرتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے؟

آلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْإِنْسَانُ

حالانکہ وہ خود رحمٰن کے نام سے منکر ہیں انسان (کچھ ایسا جلد باز ہے کہ گویا)

مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا

جلد بازی ہی سے بنایا گیا ہے۔ میں تم لوگوں کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھاؤں گا تو تم جلدی نہ کرو۔ اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو

الْوَعْدُ إِنْ كُنتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ

تو (جس عذاب کی) یہ وعید (ہے وہ) کب (آئے گا)؟۔ اگر کافر اُس وقت کو جانیں جب وہ

لَا يَكُفُّونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۳۹﴾

اپنے مونہوں پر سے (دوزخ کی) آگ کو روک نہ سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں پر سے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا

بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۴۰﴾

بلکہ قیامت ان پر ناگہاں آ واقع ہوگی اور ان کے ہوش کھودے گی پھر نہ تو وہ اس کو ہٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا

اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کیساتھ مذاق ہوتا رہا ہے،تو جولوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے ان کو اسی (عذاب) نے جس

بِهٖ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ

کی ہنسی اڑاتے تھے آ گھیرا ۔کہو کہ رات اور دن میں اللہ سے تمہاری کون حفاظت کر سکتا ہے؟

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۴۲﴾ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ

بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے ہوئے ہیں ۔کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں؟ کہ ان کو (مصائب

مِّنْ دُونِنَا لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ ﴿۴۳﴾

سے) بچا سکیں وہ آپ اپنی مدد تو کر ہی نہیں سکتے اور نہ ہم سے پناہ ہی دیئے جائیں گے

بَلْ مَتَّعْنَا هٰؤُلَاءِ وَاٰبَاءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ أَفَلَا

بلکہ ہم ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادا کو متمتع کرتے رہے یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ان کی عمریں بسر ہوگئیں کیا یہ

يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ؕ أَفَهُمُ الْغٰلِبُونَ ﴿۴۴﴾

نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں تو کیا یہ لوگ غلبہ پانے والے ہیں

قُلْ إِنَّمَآ أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ إِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

کہہ دو کہ میں تمہیں حکمِ الٰہی کے مطابق نصیحت کرتا ہوں اور بہروں کو جب نصیحت کی جائے تو وہ پکار کو سنتے ہی نہیں

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر ان کو تمہارے رب کا تھوڑا سا عذاب بھی پہنچے تو کہنے لگیں کہ ہائے کمبختی! ہم بیشک ستمگر تھے

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا

اور ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو کھڑا کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی

وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اُسکو لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کر دینے والی اور روشنی اور نصیحت عطا کی پرہیزگاروں کیلئے

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا بھی خوف رکھتے ہیں

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنْزَلْنٰهُ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور یہ مبارک نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے تو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو؟

وَلَقَدْ آتَيْنَآ إِبْرَاهِيْمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ

اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم اُن (کے حال) سے واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ

وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ أَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَا

اور اپنی قوم کے لوگوں سے یہ کہا کہ یہ کیا مُورتیں ہیں جن (کی پرستش) پر تم معتکف (وقائم) ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے

آبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ

باپ دادا کواُن کی پرستش کرتے دیکھا۔ کہا کہ تم بھی (گمراہ ہو) اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے

﴿۵۴﴾ قَالُوْا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾

وہ بولے کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (ہم سے) کھیل (کی باتیں) کرتے ہو؟

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ

(ابراہیم نے) کہا (نہیں) بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا (بھی) رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے

وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَأَكِيْدَنَّ أَصْنَامَكُمْ

اور میں اس (بات) کا گواہ (اوراسی کا قائل) ہوں۔ اوراللہ کی قسم جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے

بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا إِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ

ایک چال چلوں گا۔ پھران کوتوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگرایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا) تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں

يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ إِنَّهُ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾

کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کیساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟ وہ تو کوئی ظالم ہے

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾

لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے اس کو ابراہیم کہتے ہیں

قَالُوْا فَأْتُوْا بِهِ عَلٰى أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْآ

وہ بولے کہ اسے لوگوں کے سامنے لاؤ تا کہ وہ گواہ رہیں ۔ (جب ابراہیم آئے تو) بت پرستوں نے کہا

ءَأَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰإِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ

کہ ابراہیم بھلا یہ کام ہمارے معبودوں کیساتھ تم نے کیا ہے؟ (ابراہیم نے) کہا (نہیں) بلکہ یہ ان کے اس بڑے (بت)

هٰذَا فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
نے کیا (ہوگا) اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھ لو۔ انہوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے

فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ
کہ بیشک تم ہی بے انصاف ہو۔ پھر (شرمندہ ہوکر) سر نیچا کر لیا (اس پر بھی ابراہیم سے کہنے لگے کہ)

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں۔ (ابراہیم نے) کہا کہ پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو

مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
جو تمہیں نہ کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں۔ تُف ہے تم پر اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے

اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ
ہو اُن پر بھی کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (تب وہ) کہنے لگے کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا
اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجبِ)

عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾
سلامتی (بن جا) ان لوگوں نے برا تو ان کا چاہا تھا مگر ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا [۱]

---

[۱] ابراہیم علیہ السلام کو راہ ہدایت ہم ہی نے دکھائی" وکنا به عالمین" اور ہم ہی اس کو جانتے تھے یعنی دیکھو ابراہیم علیہ السلام کو جو جد الانبیاء ہیں وہ بھی اپنے باپ اور اپنی قوم کو غیر اللہ کی پکار اور عبادت سے روکتے رہے "من قبل" یہ منبی علی الضمه ہے اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے ای من قبل النبوة (بحر).
"اذقالوا" مؤخر سے متعلق ہے اور "اذکر" مقدر ماننے کی ضرورت نہیں "التماثیل" تمثال کی جمع ہے تمثال

اس مصنوعی چیز کو کہا جاتا ہے جو اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کے مشابہ بنائی جائے، مشرکین نے انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور ستاروں کی شکلوں پر بت بنا کر عبادت خانہ میں نصب کررکھے تھے، انہی کی طرف اشارہ کر کے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے سوال کیا کہ یہ مورتیاں کیسی ہیں؟ جن کی عبادت پر تم جمے بیٹھے ہوں۔ **التمثال موضوع لشیء المصنوع مشبَّهًا بخلق من خلق الله (قرطبی). ان القوم كانوا عباد اصنام على صور مخصوصة كصورة الانسان اوغيره الخ (كبير). وكانت على ماقيل صور الرجال يعتقدون فيهم وقد انقرضوا وقيل كانت صور الكواكب صنعوها جسما تخيلوا (روح)** ۔ابراہیم علیہ السلام کا اس سوال سے مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ مشرکین کس شبہ کی وجہ سے ان مورتیوں کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

اور جب وہ اعتراف کرلیں گے کہ تقلید آباء کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ تو انہیں یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ تمہارا یہ فعل سراسر گمراہی ہے مشرکین نے صاف صاف اقرار کرلیا کہ ان کے پاس کوئی دلیل تو ہے نہیں بس انہوں نے اپنے باپ دادا کو ان تماثیل کی عبادت کرتے دیکھا اس لئے وہ بھی ان کی اندھی تقلید کرتے ہوئے ایسا کررہے ہیں (جواھر القرآن)۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم اور تمہارے اباواجداد صریح گمراہی میں تھے کیونکہ تمہارے پاس کوئی معقول دلیل نہیں تم محض خواہش نفسانی کے متبع ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کا جواب سن کر قوم کے مشرک بولے ,,تم سچ کہہ رہے ہو یا یونہی مذاق کررہے ہو؟'' **"قال بل ربكم"**......الأية، ابرہیم علیہ السلام نے جواب دیا ہنسی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ غیر اللہ کی عبادت اور پکار کی وجہ سے تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی گمراہ تھے۔ جن کو تم پکارتے ہو۔ وہ عاجز و بے بس ہیں، اور متصرف و مختار نہیں ہیں، مالک و مختار اور متصرف و کارساز تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے، لہٰذا عبادت اور پکار کا مستحق بھی وہی ہے اور کوئی نہیں، اور اس دعویٰ پر میرے پاس دلیل و حجت موجود ہے، اور میں جو کچھ کہہ رہا ہوں دلیل و حجت سے کہہ رہا ہوں ,,**المعنى اى ابين بالدليل ماقول**'' (قرطبی).

''**وتاللہ لاکیدن**''......الأية، خلیل اللہ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ قوم نے ان ٹھوس عقلی دلائل سے کوئی اثر نہیں لیا، تو اب ایک نہائت مؤثر اور محسوس طریقہ سے ان کے معبودان باطلہ کی بے چارگی کو واضح کرنے کے لئے ایک نئی سکیم سوچی چنانچہ دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا کہ تم اپنے میلے پر تو جاؤ پھر دیکھنا میں تمہارے معبودوں کی کیا گت بناتا ہوں

''**فجعلهم جذاذا**''. جب مشرکین اپنے تہوار میں شریک ہونے کے لئے شہر سے باہر چلے گئے، تو ابرہیم علیہ

السلام نے تمام مورتیوں کوٹکڑے ٹکڑے کردیا البتہ سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا۔اور کلہاڑا اس کے کندھے پر رکھدیا، تاکہ جب مشرکین واپس آکر سارا ماجرا دیکھیں تو بڑے بت کی طرف رجوع کریں، اوراس سے پوچھیں کہ جناب کیا ماجرا ہے؟ کہ یہ ہمارے معبود سب کے سب ٹوٹے پڑے ہیں مگر آپ صحیح سلامت براجمان ہیں، اور کلہاڑا آپ کے کندھے پر ہے ,إن المعنی :"**یرجعون الیہ کما یرجع الی العالم فی حل ا لمشکلات فیقولون مالھؤلآء مکسورۃ ومالک صحیحاوالفاس علی عاتقک**" (کبیر) اس سے مقصود الزام حجت تھا۔

"**قالوا من فعل**" ......**الأیة**، مشرکین جب عید منا کر واپس آئے تو حسب دستور اپنے معبودوں کو نذرانہ سجود پیش کرنے کے لئے عبادت خانہ میں داخل ہوئے، تو معبودوں کو ناگفتہ بہ حال میں دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے ہمارے معبودوں سے یہ حرکت جس نے بھی کی ہے اس نے بڑا ظلم کیا ہے۔

"**قالوا سمعنا**"......**الأیة**، ان میں سے بعض نے کہا کہ ابراہیم نامی ایک نوجوان ہے وہ ان کا ذکر کررہا تھا یہ اسی کی حرکت معلوم ہوتی ہے، شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ "**یذکرھم**" کا مطلب یہ ہے کہ ایک نوجوان جسکا نام ابرہیم ہے ہر وقت ہمارے ان معبودوں کے پیچھے پڑا رہتا اور ان کی توہین کرتا رہتا ہے اور ہمیشہ کہتا رہتا ہے کہ یہ عبادت اور پکار کے لائق نہیں اور نہ نفع ونقصان کے مالک ہیں، اس لئے اندازہ یہی ہے کہ سب کچھ اسی نے کیا ہوگا، بہت سے مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے "**سمعنافتی یذکرھم**" **ای یعیبھم فلعلہ الذی فعل ذالک بھم**، (روح المعانی)۔

"**قالوا فأتوا**"......**الأیة**، اب مشرکین نے کہا تو پھر اس (ابرہیم علیہ السلام) کو لوگوں کے روبرو لاؤ تاکہ سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ہم اسے کس قدر عبرت ناک سزا دیتے ہیں، "**ای یحضرون عقوبتنالہ**" (**مدارک**) یا مطلب یہ ہے کہ ابرہیم علیہ السلام کو سر عام حاضر کرو تاکہ کچھ اور لوگ بھی اس کے خلاف شہادت دیں۔**انھم کرھوا ان یأخذوہ بغیر بینۃ، فارادوا ان یجیئوابہ علی اعین الناس لعلھم یشھدون علیہ بماقالہ فیکون حجۃ علیہ بمافعلہ وھذا قول الحسن وقتادۃ والسدی وعطاء وابن عباس**ؓ (کبیر)۔

ابرہیم علیہ السلام کا اس واقعہ سے یہی مقصد تھا کہ جب یہ معاملہ ان تماثیل کے تمام پجاریوں کے علم میں آئے، اوران سب کے سامنے پیش ہو، اس وقت وہ ان کی جہالت اور بے وقوفی ظاہر کریں اوران کے سامنے برملا ان کے معبودوں کی بے چارگی اور بے بسی کو واضح کرسکیں، اوراس حقیقت کا اعلان کرسکیں کہ جن معبودوں کو تم حاجت روا اور مشکل کشا اور نافع وضار سمجھتے ہو ان کے عجز کا یہ حال ہے کہ وہ خود اپنی ذاتوں سے بھی دفع ضرر کی قدرت نہیں رکھتے، اس لئے وہ تمہارا

بھی کچھ سنوار یا بگاڑ نہیں سکتے اور نہ کچھ تمہیں دے سکتے ہیں: "فأتوا به علی اعین الناس" ای علی رؤس الاشهاد فی الملأ الاکبر بحضرة الناس کلهم و کان هذا هو المقصود الاکبر لابرهیم علیه السلام ان یبین فی هذا المحفل العظیم کثرة جهلهم و قلة عقلهم فی عبادة هذ ه الاصنام التی لاتدفع عن نفسها ضرا ولاتملک لها نصرا فکیف یطلب منها شیٔ من ذالک (ابن کثیر).

"قالوا ء انت" ......الأیة، اس سے پہلے اندماج ہے، ای فأتوا به، یعنی وہ ابرہیم علیہ السلام کو سرعام لے آئے اور ان سے سوال کیا، اے ابرہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کچھ کیا ہے؟ اس سوال سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے اس فعل کا اقرار کر لینگے تو وہ انہیں حسب منشأ سزا دے سکیں گے، مگر ان کا مقصد پورا نہ ہوا، اور معاملہ برعکس ہو گیا، اور الٹے خود ذلیل و رسوا ہوئے، (من الکبیر)۔

"قال بل فعله" ......الأیة، لفظ 'بل' اضراب کے لئے ہے جو ماقبل کے خلاف ایک نئی بات بیان کرنے کے لئے لایا جاتا ہے، تو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابرہیم علیہ السلام نے مشرکین کے سوال کے جواب میں بتوں کو توڑنے کے فعل سے انکار کر دیا، اور اس فعل کو ان کے بڑے بت کی طرف منسوب کر دیا ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ کی صورت ہے جس کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف محال ہے، اس کے بہت سے جواب دیئے گئے جو تفسیر کبیر اور روح المعانی میں بہ تفصیل مذکور ہیں، حسین علی نے فرمایا کہ "بل فعله" میں تکلم سے غیبت کی طرف التفات ہے اور اس کا فاعل مقدر ہے اصل میں تھا، بل فعله من فعله، یعنی جس نے یہ کام کیا ہے اس نے تو کر ڈالا یہ تمہارا بڑا بت بھی یہاں موجود ہے، تم اپنے ان معبودوں ہی سے پوچھ لو کہ ان کے ساتھ یہ ماجرا کس نے کیا ہے، تو ابراہیم علیہ السلام نے اس فعل سے انکار نہیں کیا بلکہ ایک لطیف اور کنائی انداز میں اسے تسلیم کر لیا۔ امام رازی نے اس توجیہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔ ورابعها انه کنایة عن غیر مذکور: ای فعله من فعله، و کبیرهم هذا، ابتداء الکلام ویروی عن الکسائی انه کان یقف عند قوله بل فعله، ثم یبتدی کبیرهم هذا (کبیر).

"فرجعوا الی انفسهم" ......الأیة، ابراہیم علیہ السلام کا جواب سن کر مشرکین کے ہوش ٹھکانے آئے اور ان کو تنبیہ ہوئی کہ وہ ان غیر ناطق جمادات کی عبادت کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں، بھلا جو اس قدر عاجز و بے بس ہوں کہ اپنی حفاظت بھی نہ کر سکیں وہ دوسروں کے کیا کام آ سکتے ہیں۔

"انکم انتم الظٰلمون" ای بعبادة من لاینطق بلفظة و لا یملک لنفسه لحظة و کیف ینفع

عابديه ويدفع عنهم البأ س من لا يرفع عن رأسه الفاس (قرطبی).

"ثـم نـكسوا" ......الأية، مگر تسویل و تضلیل شیطان سے بدبختی اور شقاوت نے پھر انہیں آلیا اور مہر جباریت کی وجہ سے وہ اپنی کفر و شرک کی پہلی حالت کی طرف فوراً منقلب ہو گئے۔قـال اهل التفسير اجرى اللّٰہ تعالى الحق على لسانهم فـي الـقـول الاول ثم ادركتهم الشقاوة،اى ردوا الى الكفر بعدان اقروا على انفسهم بالظلم (مدارک) اور ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ یہ تو تمہیں بھی معلوم ہے،اور ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ معبود بولنے کی طاقت نہیں رکھتے مگر اس کے باوجود ان کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔لا يـخـفـى عـلـيـنـا وعـلـيـك ايهـا الـمبكت انها لا تنطق كذالك وانا انما اتخذناها آلهة مع العلم بالوصف،(روح).

"قـال أتعبدون "......الأية، جب مشرکین نے اپنے معبودوں کی بیچارگی اور بے بسی کا اقرار کرلیا تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کی فکر و عقل کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ یہ عاجز معبود تمہیں نہ نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے اور نہ نقصان پہنچانے کی،تو پھر تم اس اللہ کے سوا ان کی کیوں عبادت کرتے ہو۔تُف تم پر اور تمہارے فعل شرک پر تم ایسے صریح احمقانہ فعل کی قباحت بھی نہیں سمجھتے۔

"قـــالـوا حـرقـوه"......الأية، جب مشرکین ابراہیم علیہ السلام کی مدلل گفتگو کے سامنے مبہوت و لا جواب ہو گئے،تو اب اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے،جیسا کہ باطل پرستوں کا دستور ہے اور آپس میں طے کیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ ان کے معبودوں کی توہین کی ہے اور انہیں ذلیل و رسوا کیا ہے اس لئے اس فعل کی اس کو سزا دینی چاہئے،اور اسے جلا کر خاک کر دینا چاہئے۔لـمـا عـجزوا عن الحاجة وضاقت بهم الحيل وهذا ديدن المبطل المحجوج اذبهت بالحجة وكانت له قدرة يفزع إلى المناصبة،(روح) ."وانصروا الهتكم "بتحريق ابراهيم لانه يسبها ويعيبها(قرطبی).

"قـلـنـا يـا نـار"...... الأية، نمرود نے اسّی گز لمبی اور چالیس گز چوڑی چار دیواری بنوائی اور اس میں چالیس دن ایندھن جمع کرایا اور اس کو آگ لگا دی،جب آگ خوب مشتعل ہو گئی،اور ہر طرف سے اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے،تو ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینکا گیا،جب وہ ان کو آگ میں پھینکنے کی تیاریاں کر رہے تھے اس وقت اللہ کا خلیل ماسوائے اللہ سے اعراض کر کے اپنے آقا و مولیٰ سے مناجات میں مصروف تھا،اور آسمان کی طرف رخ کر کے عرض کر رہا تھا۔ الـلـهـم انـت الـواحـد فـى السـمـاء وانـا الواحد فى الارض ليس احد يعبدك غيرى حسبى الله ونعم الوكيل ،ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:لا اله الا انت سبحٰنك رب العٰلمين، لك الحمد،=

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعٰلَمِينَ ﴿۷۱﴾

اور ابراہیم اور لوط کو اس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے اہلِ عالم کیلئے برکت رکھی ہے

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِينَ ﴿۷۲﴾

اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق عطا کیا اور مستزاد براں یعقوب اور سب کو نیک بخت کیا

وَجَعَلْنٰهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ

اوران کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اوران کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اورزکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا

وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوا لَنَا عٰبِدِينَ ﴿۷۳﴾ وَلُوطًا آتَيْنٰهُ

اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔اورلوط (کا قصہ یادکرو) جب ان کو ہم نے حکم (یعنی حکمت ونبوت) اورعلم بخشا

حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ

اور اس بستی سے جہاں کے لوگ گندے کام کیا کرتے تھے بچا نکالا، بیشک وہ بُرے

=ولک الملک،لاشریک لک ۔ادھراللہ تعالی کےخلیل کوآگ میں پھینکا گیااورادھرسےاللہ کاحکم پہنچ گیا۔"یانارکونی برداوسلاماعلی ابراھیم" اےآگ ٹھنڈی ہوجااورابراہیم کے لئےآرام اورراحت بن جا(قرطبی،بحر)۔چنانچہ آگ کےشعلے بھڑکتے رہےاورفضاکواپنی روشنی سےمنورکئے رہےمگران سےحرارت اورجلانے کی خاصیت سلب کرلی گئی،ہرچیزمیں اللہ تعالی نے جوخاصیت وتاثیررکھی ہےوہ اللہ تعالی کےحکم کےبغیراپنااثرظاہرنہیں کرسکتی آگ میں جلانے کی خاصیت ہےاوروہ جلاتی ہےمگرنارابراہیم سےاللہ تعالی نےجلانے کی خاصیت سلب کرلی،اوراس کی روشنی بدستورباقی رہی۔قال الزمخشری فان قلت کیف بردت النار وھی النارقلت نزع اللہ عنھاطبعھا الذی طبعھاعلیه من الحروالاحراق وابقاھاعلی الإضاءۃوالإشراق،و الاشتعال کماکانت واللہ علی کل شیء قدیر(بحر). یہ واقعہ زبردست دلیل ہے کہ اللہ تعالی کےسواکوئی کارسازاورمتصرف ومختارنہیں۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِينَ ﴿۷۴﴾ وَأَدْخَلْنٰهُ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِنَ
اور بدکردار لوگ تھے ۔اور انہیں اپنی رحمت (کے محل) میں داخل کیا کچھ شک نہیں کہ وہ
الصّٰلِحِينَ ﴿۷۵﴾ وَنُوحًا إِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ
نیک بختوں میں تھے ۔اورنوح (کا قصہ بھی یاد کرو) جب پیشتر انہوں نے ہم کو پکارا تو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمائی،
فَنَجَّيْنٰهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿۷۶﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ
پس اُن کواور اُن کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی ۔اور جولوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ان پر نصرت
كَذَّبُوا بِآيٰتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنٰهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۷۷﴾ وَدَاوُدَ
بخشی۔ وہ بیشک بُرے لوگ تھے، سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا ۔اور داؤد
وَسُلَيْمٰنَ إِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ
اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک کھیتی کا مقدمہ فیصل کرنے لگے جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئیں
وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِينَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا
تھیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے ۔تو ہم نے فیصلہ کرنا سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم
وَّعِلْمًا وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِينَ ﴿۷۹﴾
اور علم بخشا تھااور ہم نے پہاڑوں کوداود کا مسخر کر دیا تھا کہ ان کیساتھ تسبیح کرتے تھےاور جانوروں کو بھی (اور ہم ہی ایسا) کرنے والے تھے
وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شٰكِرُونَ ﴿۸۰﴾
اور ہم نے تمہارے لئے ان کو ایک لباس بنانا بھی سکھا دیا تا کہ تم کو لڑائی سے بچائے پس تمہیں شکرگزار ہونا چاہئیے
وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهٖ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا
اور ہم نے تیز ہوا سلیمان کے تابع کر دی تھی جو ان کے حکم سے اس ملک میں چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی

وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ

تھی اور ہم ہر چیز سے خبردار ہیں۔[۲] اور دیووں (کی جماعت کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا کہ ان) میں سے بعض

---

[۲] یہ تفصیلی نقلی دلیل ہے ہم نے داؤد وسلیمان علیہما السلام کو حکم وعلم دیا۔ جب وہ ایک جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے، ہم اس سے باخبر تھے "اذنفشت" الآیة، یہ اس قضیے کی طرف اشارہ ہے ان کے زمانہ میں ایک شخص کی بکریاں رات کو دوسرے کے کھیت میں گھس گئیں، اور اسے تباہ کر گئیں، کھیت کا مالک مقدمہ لیکر داؤد علیہ السلام کے پاس آیا اور سارا ماجرا سنایا، انہوں نے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا اور بکریاں اسے دلا دیں، جب مدعی اور مدعی علیہ واپس ہوئے تو راستے میں سلیمان علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ والد صاحب نے کیا فیصلہ فرمایا؟ انہوں نے ذکر کیا، تو کہا میرے خیال میں فیصلہ کی ایک اور صورت ہے جو دونوں کی حق میں بہتر ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ تمہارے دل میں جو فیصلہ آیا ہے اسے بیان کرو، سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا میرا خیال ہے کہ بکریاں کھیت والے کے حوالے کی جائیں تا کہ وہ ان کے دودھ اور بالوں سے انتفاع کرے اور اجڑا ہو کھیت بکریوں والے کے حوالے کیا جائے تا کہ وہ اس کی دیکھ بال کرے، جب کھیت اپنی پہلی حالت پر آ جائے تو دونوں اپنی اپنی چیزیں واپس لے لیں۔ داؤد علیہ السلام کو یہ فیصلہ بہت پسند آیا اور اسی کو نافذ فرما دیا" ففهمناها سليمان" یعنی ہم نے زیادہ بہتر فیصلہ سلیمان کے فہم میں ڈال دیا۔

یہی معنی ایک حدیث میں بھی مذکور ہے عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نضر الله عبدا سمع مقالتي فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه وفي رواية نضر الله امرأ سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه فرب مبلغ اوعى له من سامع. رواه الترمذی. ۲٦٥٨، ۲٦٥٧. ابوداود ۳٦٦٠، ابن ماجه ۲۳۲، ۲۲۹. یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تر وتازہ رکھیں اللہ تعالیٰ اس بندے کو جس نے سنا کہنا میرا، اس کو یاد رکھا، اور ہمیشہ رکھا، اور اس کو پہنچایا، چنانچہ اکثر وہ لوگ جنہیں پہنچا دیا جاتا ہے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے فقیہ ہوتے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر وتازہ رکھے۔ جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی، اس کو پہنچا دیا، جیسا کہ سنا تھا پس اکثر پہنچائے گئے اس کو بہت

یادرکھنے والے ہوتے ہیں سننے والے کے نسبت۔

مطلب یہ کہ حدیث کومحفوظ اور یادرکھنے والے بعض تو ایسے ہوتے ہیں جوخودزیادہ سمجھ دارنہیں ہوتے اور بعض سمجھ رکھتے ہیں لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ جس کے سامنے حدیث بیان کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ سمجھ رکھتا ہے، لہٰذا چاہئے کہ حدیث جس طرح سنی جائے اسی طرح دوسروں تک اسے پہنچایا جائے تاکہ جس کوحدیث پہنچائی جارہی ہے اور جس کے سامنے بیان کی جارہی ہے وہ حدیث کا مطلب بخوبی سمجھ لے۔اس حدیث نے اس طرف اشارہ کردیا ہے کہ راویان حدیث کوچاہئے کہ وہ حدیث کوجن الفاظ میں سنیں بعینہ انہیں الفاظ میں نقل کریں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ داود علیہ السلام جب ایک فیصلہ دے چکے تھے تو سلیمان علیہ السلام کواس کے توڑنے کا کیا حق تھا، اور اگرخود داود ہی نے ان کا فیصلہ سن کر اپنے سابق فیصلے کوتوڑا اور دوسرا جاری کیا، تو کیا قاضی کواس کا اختیار ہے کہ ایک فیصلہ دے دینے کے بعداس کوتوڑدے اور فیصلہ بدل دے؟

قرطبی نے اس جگہ اس طرح کے مسائل پر بڑی تفصیل سے بحث فرمائی ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اگرکسی قاضی نے نصوص شرعیہ اور جمہور امت کے خلاف کوئی غلط فیصلہ محض اٹکل سے دیدیا ہے تو وہ فیصلہ باتفاق امت باطل ومردود ہے، دوسرے قاضی کواس کے خلاف فیصلہ دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب اوراس قاضی کا معزول کرنا واجب ہے، لیکن اگرایک قاضی کا فیصلہ شرعی اجتہاد پرمبنی اوراصول اجتہاد کے ماتحت تھا توکسی دوسرے قاضی کواس فیصلہ کا توڑنا جائزنہیں کیونکہ اگرایسا کیا جائیگا تو فساد عظیم ہوگا، اوراسلامی قانون ایک کھیل بن جائے گا، اورروزحلال وحرام بدلا کرینگے، البتہ اگرخوداسی فیصلہ دینے والے قاضی کوبعداس کے کہ اصول اجتہاد کے تحت وہ ایک فیصلہ نافذ کرچکا ہے اب ازروئے اجتہاد یہ نظرآئے کہ پہلے فیصلے اور پہلے اجتہاد میں غلطی ہوگئی ہے تو اسکا بدلنا جائز بلکہ بہتر ہے۔

فاروق اعظمؓ نے جوایک مفصل خط ابوموسیٰ اشعری کے نام قضاء اورفصل مقدمات کے اصول پرمشتمل لکھا تھا اس میں اس کی تصریح ہے کہ فیصلہ دینے کے بعداجتہاد بدل جائے توپہلے فیصلہ کوبدل دینا چاہئے یہ خط دارقطنی: ۴۵۲۴، نے سند کے ساتھ نقل کیا ہے، (قرطبی ملخصا)۔

اورامام تفسیر مجاہد کا قول یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دونوں کے فیصلے اپنی اپنی جگہ ہیں اورحقیقت اس کی یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے جوفیصلہ فرمایا تھا وہ ضابطہ کا فیصلہ تھا اور سلیمان علیہ السلام نے جوفرمایا وہ درحقیت مقدمہ کا فیصلہ نہیں، بلکہ فریقین میں صلح کرانے کا ایک طریقہ تھا، اورقران کریم میں ''والصلح خیر''کا ارشادوارد ہے اس لئے

یہ دوسری صورت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ٹھہری۔ (مظہری)۔

فاروق اعظم نے اپنے قاضیوں کو یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ جب آپ کے پاس دو فریق کا مقدمہ آئے تو پہلے ان دونوں میں رضامندی کے ساتھ کسی بات پر صلح کرانے کی کوشش کریں، اگر یہ ناممکن ہوجائے تو اپنا شرعی فیصلہ جاری کریں، اور حکمت اس کی یہ ارشاد فرمائی کہ حاکمانہ عدالتی فیصلے سے وہ شخص جس کے خلاف ہوا ہو دب تو جاتا ہے مگر ان دونوں میں بغض وعداوت کا بیج قائم ہوجاتا ہے، جو دو مسلمانوں میں نہیں ہونا چاہئے بخلاف مصالحت کی صورت کے کہ اس سے دلوں کی منافرت بھی دور ہوجاتی ہے۔ از معین الحکام۔ مجاہد کے اس قول پر یہ معاملہ قاضی کے فیصلہ کو توڑنے اور بدلنے کا نہیں رہا، بلکہ فریقین کو جو حکم سنایا تھا وہ ابھی گئے بھی نہ تھے کہ انمیں ایک صورت مصالحت کی نکل آئی اور وہ دونوں اس پر راضی ہوگئے۔

اس موقع پر قرطبی نے بڑی تفصیل سے اور دوسرے مفسرین نے مفصل یا مختصر یہ بحث بھی کی ہے کہ ہر مجتہد ہمیشہ مصیب ہی ہوتا ہے، اور دو متضاد اجتہاد ہوں، تو دونوں کو حق سمجھا جائے گا، یا ان میں سے ایک فیصلہ کو خطا اور غلط قرار دیا جائے گا، اس میں قدیم زمانے سے علماء کے اقوال مختلف ہیں، آیت مذکورہ سے دونوں جماعتوں نے استدلال کیا ہے جو علماء یہ کہتے ہیں کہ دونوں اجتہاد حق ہیں اگرچہ متضاد ہوں، ان کا استدلال آیت کے آخری جملے سے ہے جس میں فرمایا "وکلا اتیناہ حکما وعلما" اس میں داؤد اور سلیمان علیہا السلام دونوں کو حکمت اور علم عطاء کرنے کا ارشاد ہے، داؤد علیہ السلام پر کوئی عتاب نہیں ہے، نہ ان کو یہ کہا گیا کہ ان سے غلطی ہوگئی، اس سے معلوم ہوا کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی حق تھا، اور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بھی، البتہ سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو فریقین کے لئے اصلح ہونے کی بناء پر ترجیح دے دی گئی، اور جو علماء یہ فرماتے ہیں کہ اختلاف اجتہادی کے مواقع میں حق ایک طرف ہوتا ہے، دوسرا غلط ہوتا ہے، ان کا استدلال اسی آیت کے پہلے جملے سے ہے یعنی "ففھمناھا سلیمان" کہ اس میں تخصیص کر کے سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو حق فیصلہ سمجھا دیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ حق نہ تھا۔ گو وہ بوجہ اپنے اجتہاد کے اس میں معذور ہوں، اور ان سے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہو۔

یہ بحث اصول فقہ کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے آئی ہے، وہاں دیکھی جاسکتی ہے، یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: کہ جس شخص نے اجتہاد کیا اور کوئی حکم دینی اصول اجتہاد کے ماتحت بیان کیا اگر اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے، ایک اجتہاد کرنے کی محنت کا، دوسرا صحیح وثواب حکم تک =

يَّغُوصُوْنَ لَهُ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

ان کیلئے غوطے مارتے تھے اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگہبان تھے

وَأَيُّوْبَ إِذْ نَادٰى رَبَّهُ أَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور ایوب (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَّآتَيْنٰهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً

تو ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی اور جو اُن کو تکلیف تھی وہ دُور کردی اور اُن کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے

مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ

اُن کیساتھ اتنے ہی اور (بخشے) اور عبادت کرنے والوں کیلئے نصیحت ہے۔[۳] اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل

= پہنچنے کا، (بخاری: ٦٨٠٥) اور اگر یہ اجتہاد صحیح نہ ہو اس سے خطاء ہوگئی تو پھر اس کو ایک اجر اجتہاد کی محنت کا ملے گا دوسرا اجر جو اصل حکم صحیح تک پہنچنے کا تھا وہ نہ ملے گا، اس حدیث سے اس اختلاف علماء کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ درحقیقت یہ اختلاف ایک نزاع لفظی جیسا ہے کیونکہ حق دونوں طرف ہونے کا ظاہر ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ اجتہاد میں خطاء کرنے والے مجتہد اور اس کے متبعین کے لئے بھی اجتہاد حق وصحیح ہے اس عمل کرنے سے ان کی نجات ہو جائے گی، خواہ یہ اجتہاد اپنی ذات میں خطاء ہی ہو مگر اس پر عمل کرنے والوں کو کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ ان کو غلطی کا علم نہ ہو، اور جن علماء نے یہ فرمایا ہے کہ حق ان دونوں میں ایک ہی ہے دوسرا غلط اور خطا ہے اس کا حاصل بھی اس سے زیادہ نہیں کہ اصل مراد حق تعالیٰ تک نہ پہنچنے کے وجہ سے اس مجتہد کے ثواب میں کمی آجائے گی اور یہ کمی اس وجہ سے ہے کہ اس کا اجتہاد حق بات تک نہ پہنچا لیکن یہ مطلب انکا بھی نہیں ہے کہ مجتہد خاطی پر کوئی ملامت ہوگی یا اس کے متبعین کو گناہگار کہا جائے گا۔ (قرطبی)۔

[۳] ایوب علیہ السلام کے قصہ میں اسرائیلی روایات بڑی طویل ہیں، ان میں سے جن کو محدثین نے تاریخی درجہ میں قابل اعتماد سمجھا ہے وہ نقل کی جاتی ہیں قران کریم سے تو صرف اتنی بات ثابت ہے کہ ان کو کوئی شدید مرض پیش آیا جس پر وہ صبر کرتے

رہے بالآخر اللہ تعالی سے دعاء کی تو اس سے نجات ملی، اور یہ کہ اس بیماری کے زمانے میں ان کی اولاد اور احباب سب غائب ہوگئے خواہ موت کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے پھر اللہ تعالی نے ان کو صحت وعافیت دی اور جتنی اولاد تھی وہ سب ان کو دیدی، بلکہ اتنی ہی اور بھی زیادہ دیدی، باقی قصے کے اجزاء بعض مستند احادیث میں موجود ہیں، زیادہ تر تاریخی روایات ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے اس قصے کی تفصیل یہ لکھی ہے: کہ ایوب علیہ السلام کو حق تعالی نے ابتداء میں مال و دولت اور جائداد اور شاندار مکانات اور سواریاں اور اولاد اور حشم وخدم بہت کچھ عطا فرمایا تھا، پھر اللہ تعالی نے ان کو پیغمبرانہ ازمائش میں مبتلا کیا یہ سب چیزیں ان کے ہاتھ سے نکل گئی، اور بدن میں بھی ایسی سخت بیماری لگ گئی جیسے جذام ہوتا ہے کہ بدن کا کوئی حصہ بجز زبان اور قلب کے اس بیماری سے نہ بچا وہ اس حالت میں زبان وقلب کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھتے اور شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ اس شدید بیماری کی جہ سے سب عزیزوں، دوستوں اور پڑوسیوں نے ان کو الگ کر کے ابادی سے باہر ایک کوڑا کچرہ ڈالنے کی جگہ پر ڈالدیا، کوئی ان کے پاس نہ جاتا تھا صرف ان کی بیوی ان کی خبر گیری کرتی تھی جو یوسف علیہ السلام کی بیٹی یا پوتی تھی جس کا نام لیاّ بنت میشا ابن یوسف علیہ السلام بتلایا جاتا ہے (ابن کثیر)۔

مال و جائداد تو سب ختم ہو چکا تھا ان کی زوجہ محترمہ محنت مزدوری کر کے اپنے اور ان کے لئے رزق اور ضروریات فراہم کرتی، اور ان کی خدمت کرتی تھیں۔ ایوب علیہ السلام کا یہ ابتلاء وامتحان کوئی حیرت وتعجب کی چیز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: **اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الصالحون ثم الامثل فالامثل. (۲۵۸۳۲، مسنداحمد).**

یعنی سب سے زیادہ سخت بلائیں اور ازمائشیں انبیاء علیہم السلام کو پیش آتی ہیں، ان کے بعد دوسرے صالحین کو درجہ بدرجہ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر انسان کا ابتلاء اور ازمائش اس کی دینی صلابت اور مضبوطی کے اندازے پر ہوتا ہے جو دین میں جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اتنی اس کی ازمائش وابتلاء زیادہ ہوتی ہے تا کہ اسی مقدار سے اس کے درجات اللہ کے نزدیک بلند ہوں۔ (مشکل الاثار:۱۸۳۳)۔ ایوب علیہ السلام کو حق تعالی نے زمرہ انبیاء علیہم السلام میں دینی صلابت اور صبر کا ایک امتیازی مقام عطا فرمایا تھا، جیسے داؤد علیہ السلام کو شکر کا ایسا ہی امتیاز دیا گیا تھا مصائب وشدائد پر صبر میں ایوب علیہ السلام ضرب المثل ہیں۔ یزید بن میسرۃ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالی نے ایوب علیہ السلام کو مال واولاد وغیرہ۔

سب دنیا کی نعمتوں سے خالی کر کے ازمائش فرمائی توانہوں نے فارغ ہو کر اللہ کی یاد اور عبادت میں اور زیادہ محنت شروع کر دی۔ اللہ تعالی سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگا میں تیرا شکرادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے مال، جائداد، اور دولت دنیا، اور اولاد عطاء فرمائی جس کی محبت میرے دل کے ایک ایک جز پر چھا گئی۔ پھر اس پر بھی شکرادا کرتا ہوں کہ =

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

(کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے ۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا بلاشبہ وہ نیکوکار تھے

﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ إِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي

اور یونس جب وہ غصے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم ان پر کسی قسم کی تنگی نہیں کریں

الظُّلُمٰتِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

گے آخر اندھیرے میں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بیشک میں قصور وار ہوں [۴]

= تو نے مجھے ان سب چیزوں سے فارغ اور خالی کر دیا اور اب میرے اور آپ کے درمیان حائل ہونے والی کوئی چیز باقی نہ رہی ۔ ابن کثیر یہ مذکورہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: کہ وہب بن منبہ سے اس قصہ میں بڑی طویل روایات منقول ہیں جن میں غرابت پائی جاتی ہے اس لئے ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔

[۴] یہ نقلی دلیل ہے، یونس علیہ السلام عرصہ تک اپنی قوم کو دعوت و تبلیغ کے بعد ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور ان کے انکار و اصرار پر ناراض ہو کر ہجرت کر دی حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس قسم کا کوئی حکم ان پر نازل نہیں ہوا غالباً اپنے اجتہاد سے یہ فیصلہ کیا کہ ان لوگوں پر اب حجت الٰہی تام ہو چکی ہے اور ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں اب تو عنقریب ہی ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونے والا ہے اس لئے یہاں سے ہجرت کر جانا چاہئے ۔ **مغاضبا** ای **غضبان علی قومه لشدة شكيمتهم وتمادى اصرارهم مع طول دعوته اياهم و كان ذهابه هذا هجرة عندهم لكنه لم يؤمر به**(روح) ۔ چنانچہ جب وہ اپنے شہر سے نکل کر روانہ ہوئے اور بحیرہ روم کے کنارے پہنچے تو کشتی تیار تھی اس میں سوار ہو گئے کشتی گرداب میں پھنس گئی اور غرق ہونے لگی تو ملاحوں نے کہا کہ سواریوں میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے اور ہمارا دستور یہ ہے کہ ایسے موقع پر قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام کا قرعہ نکلے اسے سمندر میں پھینک دیتے ہیں، چنانچہ تین مرتبہ قرعہ ڈالا گیا تینوں مرتبہ یونس علیہ السلام کا نام نکلا، اب وہ سمجھے کہ انہوں نے بلا امر ربانی ہجرت کر کے غلطی کی ہے اور ملاحوں سے کہا بے شک میں ہی اپنے آقا کے حکم کے بغیر بھاگا ہوا غلام ہوں، اور سمندر میں چھلانگ لگا دی ایک بڑی

مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونس کو کوئی تکلیف نہ دینا میں نے اسے تیری غذا نہیں بنایا بلکہ تیرے پیٹ کو اس کیلئے قید خانہ بنایا ہے۔

"وظن ان لن نقدر" الایۃ "نقدر" یہاں قدرت سے نہیں بلکہ قدر سے ہے جس کے معنی قضا یا تنگی کرنے کے ہیں یعنی یونس علیہ السلام قبل نزول امر ہجرت کر کے چلے گئے، اور ان کا خیال تھا کہ اس فعل پر ان کو سزا دینے کا ہم کوئی فیصلہ نہیں کریں گے یا ہم ان پر کسی قسم کی تنگی نہیں کریں گے۔ ای لن نقضی علیہ العقوبۃ، قالہ ابن عباسؓ فی روایۃ عنہ، وقیل معناہ فظن ان لن نضیق علیہ الحبس (خازن)، فظن ان لن نقدر علیہ، ای لن نضیق علیہ وھو کقولہ تعالی: اللہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر. (رعد: ۲۶) ای یضیق ومن قدر علیہ رزقہ ای ضیق الخ (کبیر).

"فنادی فی الظلمات" الایۃ، مچھلی کے پیٹ میں پہنچکر یونس علیہ السلام نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور اللہ کی تسبیح وتقدیس میں مصروف ہو گئے آخر اللہ تعالی نے ان کی آہ وزاری قبول فرمائی اور مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا۔ یونس علیہ السلام نے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ خود متصرف وکارساز نہ تھے کہ اپنے آپ کو اس مصیبت سے بچا لیتے۔

"فاستجبنالہ" انکی دعا ہم ہی نے قبول کی "ونجینٰہ" اور مصیبت سے ہم ہی نے ان کو بچایا۔ مسند احمد: ۱/۱۷۰، میں ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں میں مسجد میں گیا، عثمانؓ وہاں موجود تھے، میں نے سلام کیا آپ نے مجھے بغور دیکھا، اور میرے سلام کا جواب نہ دیا، میں نے امیر المومنین عمر بن الخطابؓ سے آکر شکایت کی، آپ نے عثمان کو بلوایا ان سے واقعہ کہا کہ آپ نے ایک مسلمان بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا؟ آپ نے فرمایا نہ یہ آئے نہ انہوں نے سلام کیا نہ یہ کہ میں نے انہیں جواب نہ دیا۔

اس پر میں نے قسم کھائی تو آپ نے بھی میرے مقابلے میں قسم کھالی، پھر کچھ خیال کر کے عثمانؓ نے توبہ استغفار کیا اور فرمایا ٹھیک ہے کہ آپ نکلے تھے لیکن میں اس وقت اپنے دل سے وہ بات کہہ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ سے سنی تھی، واللہ جب مجھے وہ یاد آتی ہے میری انکھوں پر ہی نہیں بلکہ میرے دل پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے۔ سعدؓ نے فرمایا: میں آپ کو اس کی خبر دیتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا ہی تھا کہ جو ایک اعرابی آ گیا اور آپ ﷺ کو اپنی باتوں میں مشغول کر لیا بہت وقت گزر گیا اب نبی ﷺ وہاں سے اٹھے اور مکان کی طرف تشریف لے چلے میں =

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

تو ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی اور اُن کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادٰى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور زکریا (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اللہ! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰى وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ

تو ہم نے اُن کی پکار سن لی اور اُن کو یحییٰ بخشے اور اُن کی بیوی کو اُن کے قابل بنا دیا یہ لوگ لپک لپک

فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾

کر نیکیاں کرتے اور ہمیں اُمید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے

وَالَّتِيْ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا

اوران (مریم) کو (بھی یاد کرو) جنہوں نے اپنی عفت وعصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اُن میں اپنی رُوح پھونک دی اوراُن کو

= بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہولیا جب آپ ﷺ گھر کے قریب پہنچ گئے مجھے ڈر ہوا کہ کہیں آپ ﷺ اندر نہ چلے جائیں اور میں رہ جاؤں تو میں نے زور زور سے زمین پر پاؤں مار مار کر چلنا شروع کیا، میری جوتیوں کی آہٹ سن کر آپ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ابواسحٰق؟ میں نے کہا جی ہاں یارسول اللہ میں ہی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے کہا جناب آپ نے اول دعا کا ذکر کیا پھر وہ اعرابی آ گیا اور آپ کو مشغول کر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ دعاء ذی النون کی تھی جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی۔ یعنی (لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ) سنو! جو بھی مسلمان جس کسی معاملے میں جب کبھی اپنے رب سے یہ دعا کرے، اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرماتا ہے۔ اور ترمذی نے مختصرا رقم: ۳۵۰۵، میں نقل کیا ہے۔

وَّابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ

اور اُن کے بیٹے کو اہلِ عالم کیلئے نشانی بنا دیا ۔ یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں

فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ إِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾

تو میری ہی عبادت کیا کرو۔اور یہ لوگ اپنے معاملے میں باہم متفرق ہوگئے سب ہماری طرف رجوع کرنے والے ہیں

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ

جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہو گا تو اُس کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی

وَإِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَآ أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور ہم اس کیلئے لکھ رہے ہیں ۔ اور جس بستی (والوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا محال ہے کہ وہ رجوع نہیں کریں گے

حَتّٰٓى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾

یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا

اور (قیامت کا) سچا وعدہ قریب آ جائے تو ناگہاں کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں (اور کہنے لگیں کہ) ہائے شامت

قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ

ہم اس (حال) سے غفلت میں رہے بلکہ ہم (اپنے حق میں) ظالم تھے ۔ (کافرو! اس روز) تم اور جن کی تم

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ

اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو گے (اور) تم (سب) اس میں داخل ہو کر رہو گے ۔اگر یہ لوگ

اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾

(درحقیقت) معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے اور سب اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

وہاں ان کو چلانا ہو گا اور اس میں (کچھ) نہ سن سکیں گے

إِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىٓ أُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے پہلے بھلائی مقرر ہو چکی ہے وہ اُس سے دُور رکھے جائیں گے

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

کہ اُس کی آواز بھی تو نہیں سنیں گے اور جو کچھ اُن کا جی چاہے گا اس میں ہمیشہ رہیں گے

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ

ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا اور فرشتے ان کو لینے آئیں گے (اور کہیں گے کہ) یہی وہ دن ہے جس

كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ

کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جیسے خطوں کا طُومار لپیٹ لیتے ہیں

كَمَا بَدَأْنَآ أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا

جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلے پیدا کیا اُسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے ہے ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں

فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے

إِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً

عبادت کرنے والے لوگوں کیلئے اس میں (اللہ کے احکام کی) تبلیغ ہے ۔اور ہم نے تمہیں تمام جہان کیلئے

لِّلْعَالَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ إِنَّمَا يُوْحٰى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ أَنْتُمْ

رحمت (بنا کر) بھیجا ہے۔[۵] کہہ دو کہ مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا معبود اللہ واحد ہے تو تمہیں چاہئیے کہ فرمانبردار ہو جاؤ

---

[۵] عن ابی ھریرۃ قال: قیل یارسول اللہ! ادع علی المشرکین، قال انی لم ابعث لعّانا، وانما بعثت رحمۃً۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ، جب آپؐ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ (اپنے دشمن) کافروں کے حق میں بددعاء فرمایئے، تاکہ وہ ہلاک ہوں، اوران کی جڑ، اکھڑ جائے، تو فرمایا: مجھ کولعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے، بلکہ مجھ کو تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، (مسلم، رقم: ۲۵۹۹)۔

اس جملہ ''مجھ کو تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے'' کے ذریعے آپؐ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ میں سارے جہاں کے لئے رحمت کا باعث ہوں، کیا مومن اور کیا کافر جیسا کہ اس آیۃ کریمہ میں ارشاد ہے: یعنی، اس صورت میں جبکہ سب ہی کے حق میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، کافروں کے حق میں بددعاء کیسے کرسکتا ہوں؟ خواہ وہ میرے کیسے ہی دشمن کیوں نہ ہوں؟

اہل ایمان کے حق میں نبی کریم ﷺ کا باعث رحمت ہونا تو ظاہر ہی ہے، رہی کافروں کی بات، تو ان کے حق میں آپ ﷺ کا باعث رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالی اس کے دین اوراس کے رسول کی سخت نافرمانی، سرکشی، اوردشمنی کے باوجود محض نبی کریم ﷺ کے بابرکت وجود کے باعث ان پر سے دنیا کا عذاب اٹھالیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال: ۳۳) اس حالت میں کہ آپؐ ان کے درمیان موجود ہیں اللہ تعالی ان پر (دنیا میں) عذاب نازل نہیں کرے گا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کی اس برکت کو حیات مبارکہ تک ہی محدود نہیں رکھا، ہمیشہ کے لئے اس برکت کو باقی رکھا، اور طے فرمادیا کہ کلی استیصال کا عذاب قیامت تک نازل نہیں ہوگا، جبکہ کتنی ہی گزشتہ امتیں اپنے پیغمبروں کی بددعاء کی وجہ سے کلیتًا نیست ونابود کردی گئیں، اوران کا=

مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ اٰذَنۡتُكُمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنۡ اَدۡرِىۡۤ اَقَرِيۡبٌ

اگر یہ لوگ منہ پھیریں تو کہہ دو کہ میں نے تم سب کو یکساں (احکامِ الٰہی سے) آ گاہ کر دیا ہے اور مجھے معلوم نہیں

اَمۡ بَعِيۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ

کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب (آنے والی) ہے یا (اس کا وقت) دُور ہے۔ جو بات پکار کر کی جائے

وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنۡ اَدۡرِىۡ لَعَلَّهٗ فِتۡنَةٌ لَّكُمۡ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۱۱۱﴾

وہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو تم پوشیدہ کرتے ہو اُس سے بھی واقف ہے۔ اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لئے آزمائش ہو اور ایک مدت تک فائدہ اٹھاتے رہو

قٰلَ رَبِّ احۡكُمۡ بِالۡحَـقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

پیغمبر نے کہا کہ اے میرے رب! حق کیساتھ فیصلہ کر دے اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے اسی سے ان باتوں میں جو تم بیان کرتے ہو مدد مانگی جاتی ہے

= معمولی سا وجود بھی باقی نہیں رہا۔

طیبیؒ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ کسی کو اللہ کی رحمت سے دور کروں، بلکہ اس دنیا میں میری بعثت کا مقصد یہی ہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ ہدایت، اپنی تعلیمات اور اپنے اخلاق کی طاقت سے لوگوں کو اللہ اور اس کی رحمت کے قریب کروں۔ ایسی صورت میں جبکہ کسی کے حق میں بددعا کرنا یا کسی پر لعنت بھیجنا میری شان سے بعید اور میرے حال کے غیر مناسب ہے، تو میں ان کافروں کے حق میں بھی کیسے بددعا کروں اور کس طرح ان پر لعنت بھیجوں۔ اور ابو ہریرۃؓ کی ایک دوسری روایت مضمون کے اعتبار سے اس آیت کے ان الفاظ کا عکس ہے کہ: عن النبی ﷺ، انہ قال: انما انا رحمة مهداة. (الدارمی، رقم: ۱۵، والبیهقی فی الشعب، رقم: ۱۴۴۶، حاکم، رقم: ۱۳۵، وسلسلة الصحیحة، رقم: ۴۹۰) ۔ یعنی آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں۔

☆

سورة الحج [مدنية]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَىۡءٌ عَظِيۡمٌ ۝ [۱]

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک عظیم حادثہ ہو گا [۱]

---

[۱] عن ابی سعید الخدریؓ عن النبیﷺ قال: يقول الله تعالى يا آدم ، فيقول لبيك وسعديك والخير في يديك ،قال: اَخرِجْ بَعْثَ النار،قال وما بعْثُ النار؟ قال من كل الف تسع مائة وتسع وتسعون، فعنده يشيب الصغير ﴿وتضع كل ذات حمل حملها وترى الناس سكارى وماهم بسكارى ولكن عذاب الله شديد﴾ قالوا يارسول واينا ذٰلك الواحد؟ قال ابشروا فان رجلا منكم ،ومن ياجوج ماجوج الف ،ثم قال و الذى نفسى بيده انى لارجو ان تكونوا ربع اهل الجنة ، فكبرنا، فقال: ارجو ان تكونوا ثلث اهل الجنة، فكبرنا،فقال ارجو ان تكونوا نصف اهل الجنة ، فكبرنا،قال ماانتم فى الناس الا كالشعرة السوداء فى جلد ثور ابيض او كشعرة بيضاء فى جلد ثور اسود.

(خ: ۴۷۴۱،مسلم: ۲۲۲).

''ہر ہزار میں سے نوسو ننا وے'' ان الفاظ کے اعتبار سے یہ روایت ابو ہریرہؓ کی نقل کردہ اس حدیث کے مخالف ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ہر سو میں سے ننا وے لوگ دوزخی ہوں گے؟ پس کرمانی نے اس کی تاویل یہ کی ہے، کہ ان دونوں روایتوں میں کسی خاص عدد کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اصل مقصد اہل ایمان کی تعداد کے کم ہونے اور اہل کفر کی تعداد کے زیادہ ہونے کو بیان کرنا ہے، اور یہ احتمال بھی بیان کیا جاتا ہے ''آگ والوں کے لشکر'' سے مراد کافر ہوں اور'' دوزخ میں جانے والوں'' سے مراد گناہگار ہوں۔ پس یہاں ہر ہزار میں سے نوسو ننا وے کا جو تناسب بیان کیا گیا ہے وہ کافروں کے اعتبار سے ہے۔ اور ابو ہریرہؓ کی روایت میں'' ہر سو میں سے

ننانوے'' جوتناسب ذکر کیا گیا ہے وہ گناہگاروں کے اعتبار سے ہے۔

اور ابن حجر نے یہ لکھا ہے کہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابوسعید خدریؓ کی روایت کردہ حدیث کے مفہوم کو تو آدم علیہ السلام کی تمام ذریت پر محمول کیا جائے، یعنی یہاں حدیث میں اہل دوزخ کے لئے ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے، کا جو تناسب ذکر کیا گیا ہے وہ ازاول تا آخر تمام انسانوں کے اعتبار سے ہے، اور ابو ہریرہؓ کی روایت میں اہل دوزخ کے لئے ہر سو میں سے ننانوے کا جو تناسب ذکر کیا گیا ہے اس کو یاجوج و ماجوج کے علاوہ دوسرے لوگوں پر محمول کیا جائے، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج کا ذکر ابوسعید خدریؓ ہی کی روایت میں ہے، نہ کہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں، یا یہ کہ ابوسعید خدریؓ کی روایت کا تعلق تمام مخلوق سے ہے، اور ابو ہریرہؓ کی روایت کا تعلق صرف امت محمدی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور یا یہ کہ ابوسعید خدریؓ کی روایت میں اہل دوزخ کے لشکر سے مراد تمام کفار اور تمام گناہگار ہیں جبکہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں ''اہل دوزخ کے لشکر'' سے مراد صرف مسلمان گناہگار ہیں۔ بہر حال ان تاویلات اور توجیہات سے ان دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں رہتا۔

''اور ہر حاملہ اپنا حمل ضائع کر دیگی'' کے بارے میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بات فرض کرنے کے طور پر بیان کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بالفرض اس وقت کوئی چھوٹی عمر کا ہوتو وہ اس صورت حال کی ہیبت اور اس فیصلہ الٰہی کے صدمہ وخوف سے بوڑھا ہو جائے، اسی طرح اس وقت اگر کوئی عورت حمل سے ہوتو مارے ہیبت کے اس کا پیٹ گر پڑے۔ اور بعض علماء نے یہ احتمال بیان کیا ہے کہ جو عورتیں حمل کی حالت میں مری ہوں گی وہ اپنے حمل کے ساتھ اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گی، اور اس وقت وہ حکم الٰہی سنکر مارے ہیبت کے ان کا حمل گر پڑے گا اسی طرح چھوٹی عمر والے اُٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے، وہ مارے ہیبت کے بوڑھے ہو جائیں گے یہ اور بات ہے کہ وہ جنت میں جاتے وقت جوان ہو جائیں گے۔

''اطمینان رکھو غم نہ کھاؤ'' کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے خوف وخدشہ کو دور فرمایا، کہ دراصل یاجوج و ماجوج کی قوم کے لوگ اتنی کثرت میں ہوں گے کہ اگر تمہاری اور ان کی تعداد کا تناسب نکالا جائے تو وہ اس طرح ہوگا کہ ان میں سے تو ایک ہزار شخص اور تم میں سے صرف ایک شخص، اور اس صورت حال میں بھی اہل جنت کی تعداد کچھ کم نہیں ہوگی بلکہ بہت ہوگی لہٰذا تمہیں اس خدشہ میں نہ پڑنا چاہیئے کہ جنت میں جانے والوں کا تناسب دوزخ میں جانے والوں =

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ
(اے مخاطب!) جس دن تو اُس کو دیکھے گا تمام دُودھ پلانے والی عورتیں

حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُم بِسُكٰرٰى
اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تجھ کو متوالے نظر آئیں گے مگر وہ متوالے نہیں

وَلَكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ ﴿٢﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ
ہوں گے بلکہ (عذاب دیکھ کر) مدہوش ہو رہے ہوں گے بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں

يُجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيدٍ ﴿٣﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ
جو اللہ (کی شان) میں علم کے بغیر جھگڑتے اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں۔ جس کے بارے میں لکھ دیا

أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلٰى عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٤﴾ يٰأَيُّهَا النَّاسُ
گیا ہے کہ جو اُسے دوست رکھے گا تو وہ اُسے گمراہ کر دے گا اور دوزخ کے عذاب کا رستہ دکھائے گا۔ لوگو!

إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ
اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہو تو ہم نے تمہیں (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا تھا (یعنی ابتداء میں) مٹی سے پھر اُس

= کے تناسب سے اس قدر کم ہوگا تو ہم میں سے بہت ہی کم لوگ جنت میں جائیں گے۔

تاہم اس بات سے یہ ضرور واضح ہو گیا کہ مجموعی طور پر دوزخ میں جانے والوں کی تعداد زیادہ ہوگی، اور جنت میں جانے والوں کی تعداد کم! لیکن اگر اہل جنت میں ملائکہ اور حوروں کو بھی شامل کر لیا جائے تو شاید اہل جنت کی تعداد، اہل دوزخ کی تعداد سے زیادہ بڑھ جائے گی، اور اس صورت میں حدیث قدسی: ان رحمتي سبقت غضبي، میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوئی، کے معنی بھی صحیح ہوں گے۔ (بخاری: ٧٥٥٣، مسلم: ٢٧١٥)۔

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ

سے نطفہ بنا کر پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی

لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَآءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ

تاکہ تم پر ظاہر کر دیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلَىٰٓ أَرْذَلِ

کر نکالتے ہیں پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو اور بعض (قبل از پیری) مر جاتے ہیں اور بعض (بوڑھے ہو جاتے اور بڑھاپے کی)

الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً

نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتے ہیں۔ اور تو دیکھتا ہے

فَإِذَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿۵﴾

زمین خشک پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَأَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

ان قدرتوں سے ظاہر ہے کہ اللہ ہی برحق ہے اور یہ کہ وہ مُردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

﴿۶﴾ وَّأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ﴿۷﴾

اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں جلا اٹھائے گا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيرٍ

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ (کی شان) میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے

﴿۸﴾ ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۖ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ

جھگڑتا ہے۔ گردن موڑ لیتا (ہے) تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے گمراہ کر دے، اس کیلئے دنیا میں ذلت

وَنُذِيْقُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٩﴾

ہے اور قیامت کے دن ہم اسے عذاب سوزاں کا مزا چکھائیں گے

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَأَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٠﴾

یہ اس (کفر) کی سزا ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرُ ۨ

اورلوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کنارے پر (کھڑا ہوکر) اللہ کی عبادت کرتا ہے اگر اس کو کوئی (دنیاوی) فائدہ پہنچے

اطْمَأَنَّ بِهٖ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا

تو اُس کے سبب مطمئن ہو جائے اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائے (یعنی پھر کافر ہو جائے) اُس نے دنیا

وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿١١﴾ يَدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

میں بھی۔ نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی یہی تو نقصان صریح ہے یہ اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکارتا ہے

مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿١٢﴾ يَدْعُوْ لَمَنْ

جو نہ اُسے نقصان پہنچائے اور نہ اُسے فائدہ دے سکے یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔[٢] (بلکہ) ایسے شخص کو پکارتا ہے

ضَرُّهٗ أَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿١٣﴾

جس کا نقصان فائدہ سے زیادہ قریب ہے ایسا دوست بھی بُرا اور ایسا ہم صحبت بھی برا

---

[٢] ”یدعو من دون اللہ“ الایۃ یہ ماقبل ہی سے متعلق ہے اور اس میں دنیا اور اخرت کے خسارے کی تفصیل مذکور ہے، یعنی وہ ظالم، اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت چھوڑ کر ایسے عاجز و بے بس معبودوں کی پرستش اور پکار میں لگ جاتا ہے جو نہ اسے نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان پہنچانے کی، اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

توحید کو چھوڑ کر شرک کیا جائے: استیناف مبین لعظم الخسران (روح المعانی).

"یدعوا لمن ضرہ" الایۃ، لام ابتدائیہ ہے جملہ استینا فیہ ہے اس میں غیر اللہ کی پکار اور دعا کا بدانجام اور اس کا بہت بڑی گمراہی ہونا واضح کیا گیا ہے: استیاف یبین مآل دعائہ وعبادتہ غیر اللہ تعالی، ویقرر کون ذلک ضلالا بعیدا (روح) اس آیت اور اس سے پہلی آیت میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلے آیت میں معبودان باطلہ کے نافع اور ضار ہونے کی نفی کی گئی ہیں مگر اس آیت میں ان کے ضار یعنی نقصان رساں ہونے کا اثبات ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن معبودان باطلہ کو مشرکین مختار نفع ونقصان اور متصرف سمجھ کر پکارتے ہیں بے شک وہ عاجز و درماندہ ہیں۔ اور نفع یا نقصان پہنچانا ان کی قدرت وطاقت سے باہر ہے لیکن ان کی عبادت کرنا اور انہیں حاجات ومشکلات میں پکارنا ان کے پوجاریوں کے حق میں سخت نقصان دہ اور باعث خسارہ ہے، کیونکہ اس شرک کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں جلتے رہیں گے۔ حاصل یہ کہ معبودان باطلہ بذات خود نقصان رساں نہیں ہیں لیکن ان کی عبادت اور پکار سراسر نقصان اور خسارے کا باعث ہے۔ اجابوا عن التناقض بامور: احدھا انہا لاتضر ولا تنفع بانفسھا ولکن عبادتہا سبب الضرر (کبیر)

مشرکین معبودان باطلہ کی اس خیال سے عبادت کرتے تھے کہ وہ اللہ کے یہاں ان کے سفارشی ہونگے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی عبادت میں کچھ نفع نہیں بلکہ سراسر خسارہ ہے اور وہ ان کے کسی کام نہیں آسکیں گے، وقیل یعبدونہم توھم انہم یشفعون لھم غدا کما قال اللہ تعالیٰ ویعبدون من دون اللہ مالا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھؤلاء شفعائنا عنداللہ وقال اللہ تعالیٰ مانعبدھم الا لیقربنا الی اللہ زلفی (قرطبی).

"اقرب من نفعه" الایۃ، شیخ حسین علی نے فرمایا۔ دلائل عقلیہ تو واضح اور ثابت کر رہے ہے کہ خالص اللہ ہی کی عبادت کرو اور خالص اسی کو پکارو، لیکن پھر بھی بعض لوگ بلا وجہ او بلا دلیل جھگڑا کرتے اور اللہ کی خالص عبادت اور پکار میں شرک کرتے ہیں اور ایسے عاجز معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت اور جنہیں پکارنے کا ضرر نفع کی نسبت اقرب الی الفھم ہے یعنی یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ان کی عبادت اور پکار میں نفع تو کیا ہوگا البتہ ضرر اور نقصان ضرور ہوگا۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اللہ اُن کو باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

نہریں چل رہی ہیں کچھ شک نہیں کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اس کو دنیا اور آخرت میں مدد نہیں دے گا تو اُس کو چاہئیے کہ اوپر کی طرف (یعنی اپنے گھر کی

بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لِيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾

چھت میں) ایک رسی باندھے پھر (اس سے اپنا) گلا گھونٹ لے پھر دیکھے کہ آیا یہ تدبیر اُس کے غصے کو دُور کر دیتی ہے؟[۳]

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ آيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَأَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے (جس کی تمام) باتیں کھلی ہوئی (ہیں) اور یہ کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

---

[۳] ''من كان يظن '' الایۃ، جمہور مفسرین نے ''ینصره'' کی ضمیر منصوب کا مرجع نبی ﷺ کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے کیونکہ قرآن پڑھتے وقت آپ کا تصور ذہن میں رہتا ہے اس لئے کہ آپ قرآن کے مخاطب اول ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنے پیغمبر ﷺ کی مدد کریگا۔ دنیا میں آپ کے دین اور آپ کے متبعین کو سر بلند کر کے اور آخرت میں آپ کا درجہ سب سے بلند کر کے آپ کے متبعین کو جنت میں داخل فرما کر اور آپ کے دشمنوں کو جہنم رسید کرے گا۔

لیکن جس شخص کا ازراہ بغض وحسد یہ گمان ہو کہ اللہ تعالی دنیا و آخرت میں آپ کی مدد نہیں کرے گا تو وہ بغض وحسد کی آگ میں جل مرے تو کیا حسد وعداوت کے جذبہ میں کوئی سخت اقدام کرنے مثلاً خودکشی کر لینے سے اس کے سینے کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔قال ابن عباسؓ ان الكناية فى (ينصره الله)ترجع الى محمد ﷺ، قرطبى.

اور ''السماء'' سے گھر کی چھت مراد ہے، اور ''لیقطع'' بمعنی لیختنق یعنی چھت سے رسی لٹکا کر خودکشی کرے۔ والمعنی لیشدد حبلا فی سقف بیته فلیختنق به حتی یموت. خازن۔ جیسا کہ حاسد سے کہا جاتا ہے کہ اگر تجھے یہ بات پسند نہیں تو حسد سے جل کر مرجا۔ کمایقال للحاسد ان لم ترض هذا فاختنق ومت غیظا (معالم)۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے، کہ جس شخص کو یہ بات ناگوار ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی پیغمبر کی مدد کرے تو اگر اس کو روکنے کی طاقت ہو تو آسمان پر چڑھ جائے اور مدد کا سرچشمہ بند کر کے اس کو منقطع کردے پھر دیکھے کہ اس حیلے سے وہ مدد کو روک کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر سکتا ہے فلیطلب حیلة یصل بها الی السماء ثم لیقطع ای ثم لیقطع النصران تهیأله (قرطبی)۔ جناب شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں ''دنیا کی تکلیف میں جو کوئی اللہ سے ناامید ہو کر اس کی بندگی چھوڑ دے، اور جھوٹی چیزیں پوجے، جن کے ہاتھ نہ برا نہ بھلا۔ وہ اپنے دل کے ٹھہرانے کو یہ صورت قیاس کرے جیسے ایک شخص اونچی رسی سے لٹک رہا ہو، اگر چڑھ نہیں سکتا توقع تو ہے کہ رسی اوپر کھینچے تو چڑھ جائے، جب رسی توڑ دی پھر کیا توقع رہی۔ اس مطلب کی صورت میں '' ینصره''کی ضمیر منصوب ''من ''کی طرف راجع ہوگی۔

جناب حسین علی نے فرمایا: کہ پہلی دونوں صورتوں میں اس آیت کا ماقبل سے ربط واضح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے پہلے غیر اللہ کی پکار کے غیر نافع ہونے کا ذکر ہے اس لئے ربط میں تکلف ہوگا یعنی مسئلہ توحید کو بیان کرنے والے چونکہ اللہ کے پیغمبر محمد ﷺ ہیں اس لئے مشرکین کا خیال تھا، کہ اللہ اس کی مدد نہیں کرے گا، اس لئے کہ اس تکلف سے بچنے کے لئے شاہ عبدالقادرؒ کا مطلب موزون ہے۔ یا مطلب یہ ہو کہ غیر اللہ کو پکارنے والوں کو اگر یہ گمان ہو کہ اللہ ان کی مدد نہیں کرے گا۔ اس لئے انہوں نے اولیاء کرام کو شفعاء بنایا ہوا ہے تو وہ دل کے اطمینان کی خاطر پہلے ان لوگوں کا خیال کریں جو حاجات ومشکلات میں غیر اللہ کو پکارتے ہیں پھر ان لوگوں کا خیال کریں جو خالص اللہ کو پکارتے ہیں۔

''وکذلک انزلناه'' الایة ''ک'' بیان کمال کے لئے ہے یعنی مسئلہ توحید کو قرآن میں اس طرح دلائل سے واضح کرنا ہمارا ہی کمال ہے اور یہ ترغیب الی القرآن ہے '' من یرید'' ''یرید''کا فاعل '' من '' ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتا ہے جو سیدھی راہ دیکھنا چاہیں اور اللہ کی طرف انابت کریں۔ یا ''یرید'' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور عائد محذوف ہے ای یرید هدایته یعنی اللہ تعالیٰ جسے راہ راست پر لانا چاہتا ہے اسے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسَ

جو لوگ مؤمن ہیں اور جو یہودی ہیں اور ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی

وَالَّذِيْنَ أَشْرَكُوْآ إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

اور مشرک، اللہ ا ن (سب) میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا بیشک اللہ ہر چیز سے

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي

باخبر ہے ۔کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں ہے اور جو

الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ

زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے

وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ

اور بہت سے انسان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔اور جس شخص کو اللہ ذلیل

فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾ هٰذَانِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا

کرے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ دو (فریق) ایک دوسرے کے دشمن اپنے رب

فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ

(کے بارے) میں جھگڑتے ہیں تو جو کافر ہیں اُن کیلئے آگ کے کپڑے بنائے جائیں گے (اور) اُن کے سروں پر جلتا ہوا

رُؤُسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾

پانی ڈالا جائے گا ۔ اس سے ان کے پیٹ میں اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ أَرَادُوْآ أَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ

اور اُن (کو مارنے) کیلئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے ۔جب وہ چاہیں گے کہ اس رنج (وتکلیف کی وجہ) سے

أُعِيْدُوْا فِيْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾

دوزخ سے نکل جائیں تو پھر اُسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کہا جائے گا کہ) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اللہ اُن کو جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے

تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ط وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ

نہریں بہہ رہی ہیں وہاں اُن کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی بھی اور وہاں اُن کا لباس ریشمی ہوگا

﴿۲۳﴾ وَهُدُوْآ إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا إِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

اور ان کو پاکیزہ کلام کی ہدایت کی گئی اور (اللہ) حمید کی راہ بتائی گئی

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

جو لوگ کافر ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے اور مسجد حرام سے جسے ہم نے لوگوں کیلئے یکساں (عبادت گاہ) بنایا ہے

الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءً نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ط

روکتے ہیں خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾

اور جو اس میں شرارت سے کجروی (و کفر) کرنا چاہے اُسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا

اور (ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیم کیلئے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا

وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کیلئے میرے گھر کو صاف رکھا کرو

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ

اور لوگوں میں حج کیلئے منادی کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور دُبلے دُبلے اونٹوں پر جو دُور (دراز) رستوں سے چلے آتے

فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ

ہوں (سوار ہوکر) چلے آئیں۔ تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کیلئے حاضر ہوں اور (قربانی کے) معلوم ایام میں چوپائے

مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا

مویشی (کے ذبح کے وقت) جو اللہ نے اُن کو دیئے ہیں ان پر اللہ کا نام لیں۔ اس میں سے تم بھی کھاؤ اور فقیر درماندہ کو بھی کھلاؤ

الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا

پھر چاہیئے کہ لوگ اپنا میل کچیل دُور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانہ کعبہ (یعنی بیت اللہ)

بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ

کا طواف کریں۔ یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو اللہ نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ اللہ کے

رَبِّهِ ۗ وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں سواء اُن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿٣٠﴾

ہیں تو بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو

حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا

صرف ایک اللہ کے ہوکر اور اُس کیساتھ شریک نہ ٹھہرا کر اور جو شخص (کسی کو) اللہ کیساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے

خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾

جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اُس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دُور جگہ اُڑا کر پھینک دے

ذٰلِکَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو اللہ نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾

ان میں ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے فائدے ہیں پھر ان کو خانہ کعبہ (یعنی بیت اللہ) تک پہنچنا (اور ذبح ہونا) ہے

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

اور ہم نے ہر ایک اُمت کیلئے قربانی کا طریقہ مقرر کر دیا ہے تا کہ جو مویشی چار پائے اللہ نے اُن کو دیئے ہیں (اُن کے ذبح

مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا

کرنے کے وقت) اُن پر اللہ کا نام لیں سو تمہارا معبود ایک ہی ہے اُسی کے فرمانبردار ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ

خوشخبری سنا دو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈر جاتے ہیں اور (جب) ان پر مصیبت پڑتی ہے

عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

تو صبر کرتے ہیں اور نماز آداب سے پڑھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو عطا کیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ

اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ مقرر کیا ہے اس میں تمہارے لئے فائدے ہیں

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا

تو (قربانی کرنے کے وقت) قطار باندھ کر اُن پر اللہ کا نام لو جب پہلو کے بل گر پڑیں تو اُن میں سے کھاؤ

وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور قناعت سے بیٹھ رہنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ اس طرح ہم نے اُن کو تمہارے زیر فرماں کر دیا ہے تا کہ تم شکر کرو

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ

اللہ تک نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اُس تک تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٧﴾

اسی طرح اللہ نے اُن کو تمہارا مسخر کر دیا ہے تاکہ اس بات کے بدلے کہ اُس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے، اُسے بزرگی سے یاد کرو اور نیکوکاروں کو خوشخبری سنا دو

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿٣٨﴾

اللہ تو مومنوں سے اُن کے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے بیشک اللہ کسی خیانت کرنے والے اور کفرانِ نعمت کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿٣٩﴾

جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے اُن کو اجازت ہے کیونکہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ یقیناً اُن کی مدد پر قادر ہے

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا

یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے (انہوں نے کچھ قصور نہیں کیا) ہاں یہ کہتے ہیں

رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ

کہ ہمارا رب، اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کے) خلوت خانے اور (عیسائیوں

صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ

کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں اللہ کا بہت ساذکر کیا جاتا ہے ویران

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٤٠﴾

ہو چکی ہوتیں اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اُس کی ضرور مدد کرتا ہے بیشک اللہ توانا اور غالب ہے

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں

وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے

وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾

اور اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود بھی (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکے ہیں

وَقَوْمُ إِبْرَاهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَأَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوْسٰى

اور قومِ ابراہیم اور قومِ لوط ۔اور مدین کے رہنے والے بھی اور موسیٰ ؑ بھی تو جھٹلائے جا چکے ہیں

فَأَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾

لیکن میں کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر اُن کو پکڑ لیا تو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا (سخت) تھا

فَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

اور بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے اُن کو تباہ کر ڈالا کہ وہ نافرمان تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ أَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ

اور (بہت سے) کنوئیں بیکار اور (بہت سے) محل ویران (پڑے ہیں) ۔کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں

فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ أَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَإِنَّهَا

کی تاکہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ اُن سے سمجھ سکتے اور کان (ایسے) ہوتے کہ اُن سے سن سکتے، بات یہ ہے

لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ

اورتم سے عذاب کیلئے جلدی کر رہے ہیں اور اللہ اپنے وعدے کا ہرگز خلاف نہیں کرے گا اور بیشک تمہارے رب کے

رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾ وَكَأَيِّن مِّنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا

نزدیک ایک روز تمہارے حساب کے رُوبرو ہزار برس کے برابر ہے۔اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں اُن کو مہلت دیتا

وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾ قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ

رہا اور وہ نافرمان تھیں پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ لوگو!

إِنَّمَآ أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

میں تم کو کھلم کھلا نصیحت کرنے والا ہوں ۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِيٓ آيٰتِنَا مُعٰجِزِينَ

اُن کیلئے بخشش اور آبرو کی روزی ہے۔اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں (اپنے زُعمِ باطل میں) ہمیں عاجز کرنے کیلئے

أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَحِيمِ ﴿٥١﴾ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَّلَا

سعی کی وہ اہلِ دوزخ ہیں ۔ اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اُس کا یہ حال تھا کہ)

نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنّٰىٓ أَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيٓ أُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي

جب وہ کوئی تلاوت کرتا تھا تو شیطان اُس کی تلاوت میں (وسوسہ) ڈال دیتا تھا تو جو (وسوسہ)

الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ آيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٢﴾

شیطان ڈالتا ہے اللہ اُس کو دُور کر دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے[۴]

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ

یہ اس لئے کہ جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے اُس کو اُن لوگوں کیلئے جن کے دلوں میں بیماری ہے

---

[۴] "وما ارسلنا" الایۃ، یہ مشرکین کے نہ ماننے کی وجہ ہے جب اللہ کا پیغمبر کلام اللہ کی ایتیں پڑھتا ہے اس وقت

شیطان سننے والوں کے دلوں میں کئی شکوک وشبہات پیدا کرتا ہے مثلا یہ کہ یہ پیغمبر جادوگر ہے، شاعر و مجنون ہے، اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے، وغیرہ، مشرکین ان شبہات کی وجہ سے راہ ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں، لیکن ایمان والوں کے دلوں کو اللہ تعالی ان ناپاک شبہات سے پاک فرما دیتا ہے ۔قریب قریب یہی مضمون قرآن مجید کی آیت ذیل میں بھی مذکور ہے و کذلک جعلنالکل نبی عدوا شیاطین الانس و الجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا (انعام: ۱۱۲)"تمنی" بمعنی قرأ ہے یعنی جب تلاوت کرتا تھا، جیسا کہ حسانؓ، نے عثمانؓ کے مرثیہ میں کہا تھا۔

تمنی کتاب الله اول لیلة واخرهالاقی حمام المقادر (بحر)

اور"امنیته" ای قرائته وتلاوته (مدارک) اس آیت کی تفسیر میں ایک واہی اور باطل قصہ نقل کیا جاتا ہے ایک بار نبی کریم ﷺ بیت اللہ میں سورت النجم (۲۰) تلاوت فرما رہے تھے سامعین میں مسلمانوں کے علاوہ مشرکین بھی تھے جب اس آیت پر پہنچے "ومنات الثالثة الاخری"، تو شیطان نے آپؐ کی زبان مبارک سے یہ کلمات جاری کرا دیئے۔

تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتهن لترتجی

یعنی ہمارے یہ معبود بہت بلند رتبہ ہیں اور آڑے وقت میں ان کی شفاعت کی امید ہے، ان کلمات میں مشرکین کے معبودان باطلہ کی تعریف تھی اس لئے مشرکین بہت خوش ہوئے کہ آج محمد ﷺ نے ہمارے معبودوں کی تعریف کی ہے، چنانچہ جبرئیل علیہ السلام نے آ کر نبی علیہ السلام کو اس غلطی پر متنبہ کیا یہ شیطانی القاء تھا۔

یہ قصہ شان نبوت کے سراسر منافی ہے اس لئے تمام مفسرین نے اسے رد کیا ہے یہ قصہ بھی صحیح سند سے مروی نہیں ۔امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ قصہ موضوع اور من گھڑت ہے زندیقوں اور ملحدوں کا ساختہ ہے اور نقل کے اعتبار سے ثابت نہیں ۔امام محمد بن اسحاق ابن خزیمہ نے اس قصہ کے رد میں ایک کتاب بھی تصنیف کی: وهی قصة سئل عنهاعن الامام محمدبن اسحاق جامع السیرة النبویة :فقال هذامن وضع الزنادقة وصنف فی ذلک کتاباوقال الامام الحافظ ابوبکر احمدبن الحسین البیهقی هذه القصة غیرثابتة من جهة النقل(بحر).

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں اس سلسلے کی ایک روایت بھی صحیح نہیں ولیس منهاشیء یصح (قرطبی). علامہ

خازن لکھتے ہیں انہ لم یروھا احد من اھل الصحۃ ولا اسندھا ثقۃ بسند صحیح او سلیم متصل (خازن) . امام ابن خزیمہ اور بیہقی کا مذکورہ بالا قول امام رازیؒ نے بھی نقل کیا ہے، روی عن محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ انہ سئل عن ھذہ القصۃ فقال ھذا وضع من الزنادقۃ وصنف فیہ کتابا (کبیر) . امام ابوالسعودؒ رقم طراز ہیں وھو المردود عند المحققین (ابوالسعودؒ)۔

امام رازیؒ نے مفسرین اہل التحقیق کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے کہ یہ قصہ باطل اور من گھڑت ہے. اما اھل التحقیق فقالوا ھذہ الروایۃ باطلۃ موضوعۃ (کبیر)۔اور امام ابن کثیر لکھتے ہیں: یہاں پر اکثر مفسرین نے ''غرانیق'' کا قصہ نقل کیا ہے اور یہ بھی کہ اس واقعہ کی وجہ سے اکثر مہاجرین حبش یہ سمجھ کر، کہ اب مشرکین مکہ مسلمان ہوگئے واپس مکہ آگئے۔ لیکن یہ روایت ہر سند سے مرسل ہے کسی صحیح سند سے مروی نہیں جیسا کہ بعد میں آرہا ہے۔واللہ اعلم بالصواب.

بشرط صحت قصہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب نبی علیہ السلام ''ومنات الثالثۃ الاخری'' پر پہنچے تو شیطان نے فوراً اپنی زبان سے نبی علیہ السلام کے لہجہ میں مذکورہ بالا الفاظ ادا کردیئے جس سے سامعین کو دھوکا ہوا کہ یہ کلمات خود نبی علیہ السلام نے پڑھے ہیں،وانما الامر ان الشیطان نطق بلفظ اسمعہ الکفار عند قول النبی ﷺ ''افرأیتم اللات والعزی ومنات الثالثہ الاخری'' وقرب صوتہ من صوت النبی ﷺ حتی التبس الامر علی المشرکین وقالوا محمد قرأھا الخ.(قرطبی).

لیکن شیخ حسین علی فرماتے ہیں: کہ آیت کا مطلب یہ ہے ''اذا تمنی'' ای تلا (القی الشیطان) الوساوس والشبھات فی قلوب السامعین (فی امنیتہ) ای فی اثناء تلاوتہ: یعنی ہم نے جو بھی رسول یا نبی دنیا میں بھیجا ہے وہ جب بھی اللہ تعالی کی ایتیں لوگوں کو پڑھ کر سناتا شیطان اس دوران میں لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات ڈالتا، تاکہ وہ پیغمبر کی تلاوت سے متاثر نہ ہوں، اور کلام اللہ سے بدظن ہوجائیں اور اسے ماننے سے انکار کردیں ''اذا تمنی'' پر دو باتیں متفرع ہیں۔اول ''القی الشیطان'' دوم ''فینسخ اللہ الایۃ'' ایک شیطان کا فعل ہے اور ایک اللہ کا، اور ہر ایک پر ایک امر متفرع ہے القی پر لیجعل اور فینسخ پر لیعلم۔جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے ''فینسخ الایۃ'' شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو اللہ تعالی دور فرما کر اپنی ایتوں کو ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک کرکے محکم کردیتا ہے۔

بدرالدین عینیؒ نے شرح بخاری، عمدۃ القاری: ۳۴۹/۵، میں اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ:ثم الذی قالہ

ابن بطال، انماکان لماالقی الشیطان علی لسانه الی آخره،موجودفی کثیرمن التفاسیر،ذکروا انه لماقرأ سورة النجم ،ووقع فی السورة ذکر الهتهم فی قوله تعالی:(سورة النجم: ۱۹، ۲۰) وسمعوا ذکر الهتهم فی القرآن فربماظنوه،اوبعضهم،ان ذلک مدح لها،وقیل انهم سمعوا بعدذکرالهتهم

تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتها لترتجی

فقیل ،ان بعضهم هو القائل لها،ای بعض المشرکین،لماذکرالهتهم خشو ان یضمهافبدربعضهم، فقال ذلک ،وظنوا ان ذلک من قرأة النبیﷺ الخ.

پھرلکھتاہے وهذا الحدیث الذی ذکرفیه ذکرذلک ،اکثرطرقه منقطعة معلولة ولم یوجدلهااسنادصحیح ولامتصل،الامن ثلاثة طرق، احدهامارواه الطبرانی فی المعجم الکبیر: ۱۲/۵۳،و المقدسی فی المختارة: ۱۰/۲۳۴، والبزارفی مسنده: ۱۱/۲۹۷،قال حدثنا یوسف بن حمادحدثنامیة بن خالدحدثناشعبة عن ابی بشرعن سعیدبن جبیرعن ابن عباسؓ،فیمااحسب(الشک فی الحدیث)ان النبیﷺکان بمکة،فقرأ سورة النجم حتی انتهی الی آیة: ۱۹،۲۰،فجری علی لسانه ، تلک الغرانیق العلیٰ ،الشفاعة منهم ترتجی.قال فسمع ذلک مشرکوا اهل مکة فسروابذلک، فاشتدعلی رسول اللهﷺ فانزل الله هذه الایة.ثم قال البزار ،ولانعلمه یروی عن النبی ﷺباسنادمتصل عنه،یجوزذکره الابهذا الاسناد،ولانعلم احدااسندهذا الحدیث عن شعبة عن ابی بشرعن سعیدعن ابن عباسؓ الاامیة بن خالد ولم نسمعه الامن یوسف بن حماد وکان ثقة، وغیرامیة یحدث به ،عن ابی بشرعن سعیدبن جبیرمرسلا.وانماهذا الحدیث یعرف عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباسؓ.وفی تفسیرابی بکربن مردویه عن سعیدبن جبیر،لااعلمه الاعن ابن عباسؓ ان النبیﷺ قرأ النجم فلمابلغ اية:(۱۹،۲۰)، القی الشیطان علی لسانه ، تلک الغرانیق العلیٰ ،و شفاعتها ترتجی،فلمابلغ اخرهاسجد وسجدمعه المسلمون و المشرکون فانزل الله هذه الایة:الی آیة ۵۵.

و الطریق الثانی روایة محمدبن السائب الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباسؓ.

و الطریق الثالث:ماروا ہ ابن مردویه فی تفسیرہ قال حدثنااحمدبن کامل،حدثنامحمدبن سعید حدثنی ابی حدثناعمی حدثنابی عن ابیه عن ابن عباسؓ قوله:افرأتیم اللات الایة .قال بینمارسول اللهﷺ یصلی، انزلت علیه الهة العرب ،فسمع المشرکون یتلوها،وقالوا انه یذکر الهتنا بخیر فدنوا،فبینماهویتلوهاالقی الشیطان ، تلک الغرانیق العلیٰ منها الشفاعة ترتجی،فعلق یتلوهافنزل جبرئیل علیه السلام فنسخهاثم قال:ومارسلنامن قبلک الایة:وظاهر هذہ الروایة الثالثة ان الایة انزلت علیه فی الصلاۃ وانه تلا ماانزل علیه،وان الشیطان القی علیه هذہ الزیادۃ وان النبیﷺعلق یتلوهایظن انهاانزلت،وانه اشتبه علیه ما القاہ الشیطان بوحی الملک الیه.وهذا ایضاممتنع فی حقه ان یدخل علیه فیماحقه البلا ،وکیف یشتبه علیه مزج الذم بالمدح. اوراسی طرح لکھتاہے کہ :وقیل ان ابلیس اجری ذلک علی لسانه، وهذاباطل قطعاوماکان الله لیسلطه علی نبیه وقدعصمه منه ومن غیرہ.

وکذلک کون ابلیس قالهاوشبه صوته بصوت النبیﷺ باطل ایضا، واذاکان لایستطیع ان یتشبه به فی النوم کما اخبر النبیﷺبذٰلک فی الحدیث الصحیح ،فاذاکان لایقدرعلی التشبه به فی المنام من الرأیی له ،و النائم لیس فی محل التکلیف و الضبط فکیف یتشبه به فی حالة استیقاظ من یسمع قراته؟ وهذامن المحال الذی لایقبله قلب مومن. پھرآگے لکھتے ہیں:

وجمیع هذہ المسانید الثلاثة لایحتج بشیٔ منها امااالاسناد الاول وان کان رجاله ثقات فان الراوی شک فیه ،کمااخبرعن نفسه،فاماشک فی رفعه، فیکون موقوفا،وفی وصله، فیکون مرسلا،وکلاهمالیس بحجة ،خصوصافیمافیه قدح فی حق الانبیاء علیهم السلام ،بل لوجزم الثقة برفعه ووصله حملناہ علی الغلط و الوهم .

واماالاسناد الثانی، فان محمدبن السائب الکلبی ضعیف بالاتفاق منسوب الی الکذب، وقدفسر الکلبی فی روایته الغرانقة العلی بالملائکة لابالهة المشرکین ، جیسا کہ یہ تفسیرشاہ انورنے بھی پسند کیاہے کمایقولون ان الملائکة بنات الله وکذبوا علی الله فردالله ذٰلک علیهم بقوله: الکم الذکر وله الانثی ، النجم: ۲۱ ،فعلی هذا،فلعله کان قرأناثم نسخ لتوهم المشرکین بذلک مدح الهتهم.

واماالاسناد الثالث، فان محمدبن سعد هو العوفی وهوابن السعدبن محمدبن الحسن بن عطیة العوفی تکلم فیه الخطیب فقال کان لینافی الحدیث ،وابوه سعدبن محمدبن الحسن بن عطیة قال ،فیه احمدلم یکن ممن یستأهل ان یکتب عنه، ولاکان موضعا لذلک، وعم ابیه هوالحسین بن الحسن بن عطیة ضعفه ابن معین و النسائی وابن حبان وغیرهم و الحسن بن عطیة ضعفه البخاری وابوحاتم وهذه سلسلة ضعفاء، ولعل عطیة العوفی سمعه من الکلبی فانه کان یروی عنه ویکنیه بابی سعیدبضعفه ،ویوهم انه ابوسعید الخدریؓ.

وقال عیاض فی الشفاء: ۱۲۵/۲ ، هذاحدیث لم یخرجه احدمن اهل الصحة ولارواه ثقة بسندسلیم متصل وانمااولع به وبمثله المفسرون و المورخون المولعون بکل قریب المتلقنون من الصحف کل صحیح وسقیم، قلت الامر کذلک فان غالب هٰولاء مثل الطرقیة و القصاص ولیس عندهم تمیز ،یخبطون خبط عشواء، ویمشون فی ظلمة ظلماء ،وکیف یقال مثل هذا،والاجماع منعقدعلی عصمة النبیﷺونزاهته عن مثل هذه الرزیلة، ولووقعت هذه القصة لوجدت قریش علی المسلمین بها الصولة، ولاقامت علیهم الیهودبها الحجة ،کماعلم من عادة المنافقین وعناد المشرکین کماوقع فی قصة الاسراء حتی کانت فی ذلک لبعض الضعفاء ردة.

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کی چوتھی سند بھی ہے جو کہ طبرانی نے:۲۱/۹، میں لمبی واقعہ(ہجرت حبشہ)نقل کی ہے اور ہیثمی نے اس کو مجمع الزوائد:۳۷/۶، ۳۷/۷، ۱۷، میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:رواه الطبرانی مرسلا ،وفیه ابن لهیعة، ولایحتمل هذامن ابن لهیعة ۔مزید تفصیل کے لئے قاضی عیاض کی کتاب الشفاء:۱۰۷/۲، ملاحظہ کیجئے ۔علامہ البانیؒ کا اس کے متعلق ایک رسالہ ہے(نصب المجانیق لنسف قصة الغرانیق)جس میں ان احادیث کا تفصیلی ردموجود ہے۔اس تفصیل کے بعد اگر کوئی ہیثمی کے اس قول پر، جو کہ اس نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:ورجالهمارجال الصحیح الاان الطبرانی قال لااعلمه الاعن ابن عباسؓ:۲۴۹/۷، مجمع الزوائد ۔اورشاہ انور کے قول جو کہ اس نے العرف الشذی:۲۵۱، میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔پر خطاء ہو جائے، تو اللہ تعالی اس کو ہدایت دے۔

وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ؕ وَإِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

اور جن کے دل سخت ہیں ذریعہ آزمائش ٹھہرائے بیشک ظالم پرلے درجے کی مخالفت میں ہیں [5]

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

اور یہ اس لئے کہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے وہ جان لیں کہ وہ (یعنی وحی) تمہارے رب کی طرف سے حق ہے

فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ آمَنُوْآ

تو وہ اُس پر ایمان لائیں اوران کے دل اللہ کے آگے عاجزی کریں اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو سیدھے رستے کی

إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِىْ مِرْيَةٍ

طرف ہدایت کرتا ہے ۔اور کافر لوگ ہمیشہ اس سے شک میں رہیں گے یہاں تک کہ

---

[5] ”لیجعل، الایہ“ یہ ” القی“ سے متعلق ہے یعنی شیطانی وسوسے منافقین اورمشرکین کے لئے مزید گمراہی کا باعث بن جاتے ،اوروہ وساوس وشبہات کے تابع ہوکر کفروعناد پر ڈٹ جاتے ہیں” الذین فی قلوبھم مرض “ سے منافقین،”القاسیة قلوبھم“ سے مشرکین مراد ہیں”ولیعلم الذین اوتوا العلمَ، الایة ،فینسخ اللہ، سے متعلق ہے،یعنی اہل ایمان کے دلوں سے اللہ تعالی نے شیطانی وسوسوں کا اثر زائل کر کےان کے دلوں کو یقین سے بہرہ مند فرمایا،تاکہ انہیں یقین ہوجائے کہ یہ قرآن شریف اور مسئلہ توحید حق ہے، اوران کے دلوں میں مزید اطمینان اورانابت پیدا ہوجائے ”وان اللہ لھاد “الایة، جن لوگوں کے دلوں میں انابت اور تلاش حق کا جذبہ موجزن ہےاوروہ شیطانی وساوس سے متاثرنہیں ہوتے ایسے لوگوں کواللہ تعالی صراط مستقیم (راہ توحید) پرثابت قدم رکھتاہے اور گمراہی سے ان کی حفاظت فرماتاہے آج بھی یہی حال ہے جب کوئی عالم ربانی قرآن سے مسئلہ توحید بیان کرتااورقران کی آیتیں تلاوت کرتاہے،تو شیطان سامعین کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے اور شبہے ڈالتاہےاوراللہ تعالی نور آیات سے مومنوں کے دلوں سے شبہات کی تاریکی دور فرمادیتا ہے۔

مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿۵۵﴾

قیامت ان پر ناگہاں آجائے یا ایک نامبارک دن کا عذاب ان پر آ واقع ہو

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اُس روز بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی (اور) وہ ان میں فیصلہ کردے گا تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ

وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے ۔ اور جو کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہے اُن کیلئے

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا ۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مارے گئے یا مر گئے

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾

اُن کو اللہ اچھی روزی دے گا اور بیشک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾

وہ اُن کو ایسے مقام میں داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے اور اللہ تو جاننے والا (اور) بردبار ہے

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ

یہ (بات اللہ کے ہاں ٹھہر چکی ہے) اور جو شخص (کسی کو) اتنی ہی ایذا دے جتنی ایذا اس کو دی گئی پھر اس شخص پر زیادتی کی جائے

اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

تو اللہ اس کی مدد کرے گا بیشک اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے ۔ یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اللہ تو سننے والا اور دیکھنے والا ہے ۔ یہ اس لئے کہ اللہ ہی برحق ہے

الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ

اور جس چیز کو (کافر) اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور اس لئے کہ اللہ رفیع الشان اور سب سے بڑا ہے

﴿٦٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ط

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ آسمان سے مینہ برساتا ہے تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے

إِنَّ اللهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنَّ اللهَ

بیشک اللہ باریک بین اور خبردار ہے ۔جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جوکچھ زمین میں ہے اُسی کا ہے

لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا

اور بیشک اللہ بے نیاز اور قابلِ ستائش ہے۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ جتنی چیزیں زمین میں ہیں (سب) اللہ نے تمہارے زیرِ فرمان کر رکھی ہیں

فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ

اور کشتیاں (بھی) جو اُسی کے حکم سے دریا میں چلتی ہیں

وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ

اور وہ آسمان کو تھامے رہتا ہے کہ زمین پر (نہ) گر پڑے

إِلَّا بِإِذْنِهِ ط إِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِيٓ

مگر اُس کے حکم سے، بیشک اللہ لوگوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے اور وہی تو ہے

أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾

جس نے تمہیں حیات بخشی پھر تمہیں مارتا ہے پھر تمہیں زندہ بھی کرے گا اور انسان تو بڑا ناشکرا ہے

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ

ہم نے ہر ایک اُمت کیلئے ایک شریعت مقرر کر دی ہے جس پر وہ چلتے ہیں تو یہ لوگ تم سے اس امر میں جھگڑا نہ کریں

وَادْعُ إِلٰی رَبِّکَ إِنَّکَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۶۷﴾ وَإِنْ جَادَلُوْکَ فَقُلِ

اورتم (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلاؤ بیشک تم سیدھے رستے پر ہو۔ اور اگر یہ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو

اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کُنْتُمْ

کہ جو عمل تم کرتے ہو اللہ اُن سے خوب واقف ہے۔ جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو اللہ تم میں قیامت کے روز

فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ

اُن کا فیصلہ کر دے گا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ اُس کو جانتا ہے

إِنَّ ذٰلِکَ فِیْ کِتٰبٍ إِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۷۰﴾

یہ (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے بیشک یہ سب اللہ کو آسان ہے

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

اور (یہ لوگ) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی اُس نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی

وَّمَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۷۱﴾ وَإِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ

اور نہ اُن کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔ اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھائی جائیں

آیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ

جو کہ واضح ہے تو تو تم منکروں کے چہروں میں ناراضگی دیکھو گے قریب ہوتے ہیں

بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ آیٰتِنَا قُلْ أَفَأُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ ؕ

کہ جو لوگ اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اُن پر حملہ کر دیں۔ کہہ دو کہ میں تم کو اس سے بھی بُری چیز بتاؤں؟

اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۲﴾

وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے

يَـٰٓأَيُّهَـا الـنَّـاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو

لَـنْ يَّـخْـلُـقُـوْا ذُبَـابًـا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهُ ؕ وَإِنْ يَّسْـلُبْهُـمُ الـذُّبَابُ شَيْئًا لَّا

وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کیلئے سب مجتمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے

يَسْتَنْـقِذُوْهُ مِنْـهُ ؕ ضَـعُفَ الـطَّـالِـبُ وَالْـمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ

تو اُسے اُس سے چھڑا نہیں سکتے طالب اور مطلوب کمزور ہیں ۔[6] ان لوگوں نے اللہ کی قدر

---

[6]یـاایها الناس , الخ یہ سورت کے دونوں مضمونوں کے ساتھ متعلق ہے پہلے سے بالذات اور دوسرے سے بالتبع یعنی اللہ کے سوا تم جن خودساختہ معبودوں کو مصائب میں پکارتے ہو وہ بالکل عاجز ہیں تمہاری مدد کرنا تو درکنار وہ اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور اپنے نفع نقصان کے مالک بھی نہیں لہٰذا وہ نذر و نیاز کا استحقاق بھی نہیں رکھتے اس طرح اس سے شرک اعتقادی اور شرک فعلی دونوں کی نفی ہوگئی، ابتدائے سورت سے یہاں تک مسئلہ توحید کے اثبات اور اعتقادی اور عملی شرک کے رد پر دلائل عقلیہ ونقلیہ پیش کئے گئے۔ یہاں معبودان باطلہ کے عاجز و بے بس ہونے اور غیر اللہ کی پکار کے بے سود ہونے کو ایک تمثیل سے واضح کیا گیا ہے یعنی اے مشرکین اللہ کے سوا تم جن خودساختہ معبودوں کو مصائب وحاجات میں پکارتے ہو وہ تمہاری حاجت برآری اور دادرسی نہیں کر سکتے۔ وہ بالکل عاجز ہیں حاجت روا اور مشکل کشا تو صرف وہی ہوسکتا ہے جو سب کا خالق و مالک ہے اور تمہارے معبود تو سارے ملکر ایک مکھی پیدا کرنیکی قدرت بھی نہیں رکھتے مکھی کو پیدا کرنا تو درکنار اگر ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں سے مکھی کچھ تھوڑا سا اپنے منہ میں ڈال کر لے اڑے تو وہ اس کے منہ سے چھڑانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تو جو معبود اس قدر عاجز اور بے بس ہوں انکی عبادت کرنا۔ ان کو کارساز سمجھ کر مصائب میں پکارنا اور ان کی رضاجوئی کے لیے نذریں نیازیں دینا نہایت ہی بے عقلی کی بات ہے۔ ضـعـف الـطـالـب والـمـطـلـوب. طـالب یعنی غیر اللہ کو پکارنے والا اور (مطلوب) یعنی معبود باطل دونوں کمزور ثابت ہوئے طالب اس طرح کہ اس نے غیر محل سے حاجت مانگی اور مطلوب اس طرح کہ اپنے پجاری کو کچھ نہ دے سکا۔ الطالب عابد غير =

حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

جیسی کرنی چاہیئے تھی نہیں کی کچھ شک نہیں کہ اللہ زبردست اور غالب ہے۔ اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے

رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾

منتخب کر لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی، بیشک اللہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے

=اللہ تعالی والمطلوب الالھة(روح ج:۱۷ ص:۲۰۲)

اس آیت سے اولیاء اللہ کو حاجات ومشکلات میں پکارنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے بعض جہلا کا خیال ہے کہ اولیاء اللہ حاجت روائی کرتے ہیں اسلئے وہ ان کی نذریں دیتے ہیں وہ انکو قبروں میں متصرف ومختار سمجھتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں، متشکل ہوکر قبروں سے باہر نکل آتے ہیں اور انکی مدد کرتے ہیں: (ان الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذبابا) اشارة الی ذم الغالین فی اولیاء اللہ تعالی حیث یستغیثون بھم فی الشدة غافلین عن اللہ تعالی وینذرون لھم النذور والعقلاء منھم، قبورھم.... والعلماء منھم یحصرون التصرف فی القبور فی اربعة او خمسة واذا طولبو ابالدلیل قالوا ثبت ذالک بالکشف قاتلھم اللہ تعالی ماجھلھم واکثر افترائھم ومنھم من یزعم انھم یخرجون من القبور ویتشکلون باشکال مختلفة. وکل ذالک باطل لااصل له فی الکتاب والسنة وکلام سلف الامة وقد افسد ھٰؤلاء علی الناس دینھم الخ(روح ج:۱۷ ص:۱۱۲، ۱۱۳)

ماقدروا اللہ ،الایة ان ظالموں نے اللہ کی قدر نہ پہچانی اس حی وقیوم اور قادر ومتصرف کے علاوہ ایسے عاجز معبودوں کو پکارنے لگے جو ان کے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے نہ ان میں حاجات پورے کرنے اور مصیبتیں دور کرنے کی طاقت ہے وہ تو ایک مکھی سے بھی عاجز ہیں: ماقدروا اللہ حق قدرہ حیث اشرکوا به شیئالایقاوم اضعف مخلوقاته (جامع البیان:۲۹۹۷).

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الأُمُورُ ﴿۷۶﴾

جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے وہ اُس سے واقف ہے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ

مومنو! رکوع کرتے اور سجدے کرتے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۷۷﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ ؕ هُوَ اجْتَبٰكُمْ

اور نیک کام کرو تاکہ فلاح پاؤ۔[7] اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے، اُس نے تمہیں برگزیدہ کیا ہے

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ؕ

اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا)

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هٰذَا

اُسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد کرو)

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد ہو

فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ

اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ (کے دین کی رسی) کو پکڑے رہو

هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۷۸﴾

وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے .

---

[7] اس دوسرے سجدے کے بارے میں دو قول ہیں بعض کا قول یہ ہے کہ اس سورۃ میں ایک ہی سجدہ ہے لیکن امام احمدؒ اور

امام ترمذیؒ، امام ابوداوٗدؒ وغیرہ کی روایتوں میں خود صاحب وحی سے اس سورۃ میں دو سجدے ہونے کی صراحت نقل ہے۔اس میں مشہور روایت عقبۃ بن عامرؓ کی ہے جو کہ امام ترمذیؒ نے رقم:۵۷۸،اور ابوداوٗد رقم:۱۴۰۲،مسند احمد:۵۹۳/۲۸، میں ذکر کیا ہے کہ ''قال ابو مصعب المعافری سمعت عقبة بن عامر يقول قلت يارسول الله،افضلت سورة الحج على سائر القرآن بسجدتين؟قال نعم فمن لم يسجدهمافلايقرأهما ۔امام ترمذی اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث قوی نہیں اس لئے کہ اس میں ابن لہیعہ ہے۔ابن کثیر وغیرہ اس سے جواب دیتے ہیں، کہ امام کا یہ قول قابل غور ہے، اس لئے کہ ابن لہیعہ نے اپنی سماعت کی اس میں تصریح کردی ہے، اوران پر بڑی جرح تدلیس ہے جو کہ اس سے اٹھ جاتی ہے، جبکہ امام حاکم مستدرک:۱۴۹/۳، میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس اعتراض سے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ هذاحديث لم نكتبه مسنداالامن هذا الوجه، وعبدالله ابن لهيعه ابن عقبة الحضرمى احدالائمة، انمانقم عليه اختلاطه فى اخرعمره، وقدصحت الرواية فيه من قول عمربن الخطابؓ ،وعبدالله بن عباس، وعبدالله بن مسعود،وابى موسیٰ ، وابى الدرداء، وعمار،رضوان الله عنهم اجمعين ۔

امام حاکم کی قول سے یہ معلوم ہوا کہ اس روایت کو مذکورہ روایات تقویت دیتے ہیں، اورابن عبد البر التمہید:۱۳۱/۱۹، میں لکھتے ہیں کہ عقبہ بن عامر والی روایت عمرؓ وغیرہ کی قول کی تاکید کرتی ہے (قال وهذاتوكيدلقول عمر،وابن عمر،وابن عباسؓ ،لانهم قالوا فضلت سورة الحج بسجدتين ۔

اب ہم ان شواہد کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں:

۱: پہلی روایت عمرو بن العاصؓ کی ہے جو کہ ابن ماجہ نے نقل کیا ہے کہ: ان رسول اللهﷺاقرأه خمس عشرة سجدة فى القرآن منهاثلاث فى المفصل وفى الحج سجدتين . : ۵۶۲/۱،ابوداود كتاب الصلاة [۳۲۸]باب تفريع ابواب السجود باب كم سجدة فى القرآن رقم: ۱۴۰۱ ،یعنی عمرو بن العاصؓ کو رسول اللہﷺ نے پورے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائیں، تین مفصلات میں، دوسورت حج میں۔

۲: روایت عمر بن الخطابؓ جو کہ امام مالکؒ نے موطأ:۲۰۵/۱،باب ماجاء فی سجود القرآن اورامام شافعیؒ نے ''الام'':۱۳۷/۱، اور بیہقی نے سنن الکبریٰ:۳۱۷/۲، میں اور ابن ابی شیبہ نے:۱۱/۲، میں مختلف اسانید سے نقل کیا ہے کہ ان عمربن الخطابؓ قرأسورة الحج فسجدفيهاسجدتين ثم قال:ان هذه السورة فضلت بسجدتين ۔

۳: ابوداؤد نے مراسیل:ص:۸۷، میں خالد بن معدان سے نقل کیا ہے کہ :ان رسول الله ﷺ قال فضلت سورة الحج بسجدتین۔

۴: روایت عبداللہ بن عمرؓ کہ :عن عبدالله بن دینار انه قال رأیت عبدالله بن عمرؓ یسجدفی سورة الحج سجدتین:الموطأ :۲۰۶/۱،الأم:۲۶۷/۷،سنن البیہقی:۳۱۷/۲،مستدرک للحاکم:۱۵۰/۳۔

۵: روایت علی بن ابی طالبؓ:عن علی بن ابی طالبؓ انه سجدفی الحج سجدتین :ابن ابی شیبة :۱۱/۲،المحلیٰ لا بن حزم:۷۵/۵۔

۶ : روایت ابن عباسؓ:عن ابن عباسؓ قال فی سورة الحج سجدتان :. مستدرک:۱۵۰/۳،ابن ابی شیبة :۱۱/۲۔

۷:.روایت ابی الدرداء:عن عبد الرحمٰن بن جبیر قال رأیت ابا الدرداء سجد فی الحج سجدتین : مستدرک:۱۵۱/۵،ابن ابی شیبة:۱۱/۲،المحلیٰ:۷۵/۵۔

۸:روایت عبدالله بن عمرو بن العاصؓ :انه سجد فی الحج سجدتین :ابن ابی شیبة:۱۱/۲،المحلیٰ:۷۵/۵۔

۹،۱۰ :روایت ابن مسعودوعمار بن یاسررضی الله عنهماانهماکانایسجدان فی الحج سجدتین :مستدرک:۱۵۰/۳۔

۱۱ :روایت ابی موسیٰؓ،عن صفوان بن محرز ان ابا موسیٰؓ سجد فی سورة الحج سجدتین، وانه قرأ السجدة التی فی آخر سورة الحج فسجد وسجدنا معه :مستدرک :۱۵۰/۳ .المحلیٰ:۷۵.

اب تفسیر مواہب الرحمان والے کو جو وہم ہوا ہے وہ دفع ہوا،لکھتا ہے،امام شافعی واحمد واسحاق نے کہا کہ یہاں سجدہ تلاوت بھی مسنون ہے،خطیب نے کہا کہ یہی قول عمر،علی،ابن عمر،ابن مسعود،ابن عباسؓ کا ہے۔ابن کثیر نے کہا: کہ اماموں نے سورت حج کے اس دوسرے سجدے میں اختلاف کیا ہے کہ مشروع ہے یانہیں؟اورہم نے سابق میں حدیث عقبہ بن عامر کی، نبی ﷺ سے ذکر کردی کہ میں نے کہا یارسول اللہ سورت حج کو دو سجدوں سے فضلیت دی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں،اور جو کوئی ان میں سجدہ نہ کرے تو وہ ان دونوں کو نہ پڑھے،خطیب نے کہا کہ بیضاوی نے جو اس حدیث یعنی عقبہ بن عامر سے جو اوپر مذکو ہوئی استدلال کیا تو یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اوراس کو ضعیف کیا ہے۔مترجم کہتا ہے کہ ابن کثیر نے ترمذی کے ضعیف کرنے کو نہ مانا،اوراس کو منظور فیہ قرار دیا،اور مترجم نے

وہیں لکھ دیا ہے کہ امام مخرج کا تضعیف کرنا ضرور مقبول ہونا چاہئے الا آنکہ دوسری اسناد صحیح موجود ہو، ورنہ امام مخرج حدیث بنسبت دوسروں کے اس حدیث کے علل سے زیادہ واقف ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: سجدہ تلاوت کو جاتے اور سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہنا ثابت ہے۔ جیسا کہ ابوعبدالرحمٰن السلمی سے منقول ہے (جو کہ ہماری قرآن کریم کی سند کا مرکزی راوی ہیں) ابن ابی شیبہ اس سے نقل کرتا ہے کہ: انه كان يقرأ السجدة وهو يمشي فيكبر ويؤمئ حيث كان وجهه، ويكبر اذا رفع.

جبکہ حسن بصریؒ سے بھی نقل کیا ہے کہ: اذا قرأ الرجل السجدة فليكبر اذا رفع رأسه واذا سجد: ابن ابی شیبه: ۳/۳۸۳: ۔ یہ دونوں اگرچہ عظیم الشان علماء ہیں لیکن ان کا قول بغیر مستند کے قابل قبول نہیں ہوتا، اب ہم ان کے بعض مستندات ذکر کرتے ہیں تاکہ کسی کا شک باقی نہ رہے۔

پہلی مستندان کا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام جب اکھٹے آیت سجدہ سنتے تو جماعت کے ساتھ قاری امام ہو کر سجدے کرتے، اور یہ لازم ہے کہ امام سجدہ کو جاتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہے، ابن ابی شیبہ نے قتادہؓ سے نقل کیا ہے: في المرأة تقرأ السجدة ومعها رجال اورجل قال يسجدون قبلها ولايأتمون بها: ۳/۴۱۷۔

عن مغيرةؓ قال سألت ابراهيم عن المرأة تقرأ السجدة؟ قال هي امامک؟ مصنف ابن ابی شيبة: ۳/۴۱۸.

اس طرح زید بن اسلم سے روایت ہے کہ: ان غلاما قرأ عند النبی ﷺ السجدة، فانتظر الغلام النبي ﷺ ان يسجد، فلمالم يسجد قال يارسول الله اليس في هذه السورة سجدة؟ قال بلیٰ ولكنک كنت امامنا فيها فلو سجدت لسجدنا، مصنف ابن ابی شیبه: ۳/۴۱۸، فتح الباری: ۲/۵۵۶،

اور عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی منقول ہے کہ عن سليم بن حنظلة قال قرأت على عبدالله بن مسعودؓ سورة بني اسرائيل، فلمابلغت السجدة، قال عبدالله اقرأها فانک امامنا فيها. مصنف ابن ابی شيبه: ۳/۴۱۸، مصنف عبد الرزاق: ۳/۳۴۶، بیهقی: ۲/۳۲۴۔

اور حدیث ابوسعید خدریؓ جو کہ امام ابوداؤد نے: ۱/۵۲۴، میں نقل کی ہے کہ: قرأ رسول الله ﷺ وهو على المنبر ص فلمابلغ السجدة نزل فسجد، وسجد الناس معه، فلما كان يوم آخر قرأها، فلمابلغ السجدة تشزن الناس للسجود، فقال رسول الله ﷺ انماهي توبة نبي ولكني رأيتكم تشزنتم للسجود؟ فنزل

فسجد وسجدوا ۔یعنی رسول اللہ نے منبر پر سورت صٓ پڑھی، جب سجدے کی ایت پر پہنچے تو منبر پر سے اترے اور آپ نے سجدہ کیا اور لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا جب دوسرا دن ہوا پھر آپ نے اس سورت کو پڑھا جب سجدے کی آیت پر پہنچے لوگ سجدے کے لئے تیار ہوئے آپ نے فرمایا: یہ سجدہ ایک پیغمبر کی توبہ تھی مگر اب تم مستعد ہو گئے سجدے کے لئے تو خیر آپ اترے اور سجدہ کیا، اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کیساتھ سجدہ کیا۔

اور عبداللہ بن عمرؓ کی روایت بھی ابوداؤد نے: ۱/۵۲۵، **بخاری: رقم: ۱۰۷۵ مسلم: ۱/۴۰۵ باب سجود التلاوۃ** میں نقل کیا ہے کہ: **قال کان رسول اللہ ﷺ یقرأ علینا القرآن فاذامر بالسجدۃ کبر وسجدوسجدنامعہ** ۔یعنی رسول اللہ ﷺ ہم کو قرآن سنایا کرتے تھے جب سجدے کی آیت پڑھتے تو تکبیر کہہ کر سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔

ابن عمرؓ کی ایک روایت ابوداؤد نے: ۱/۳۰۶، میں بھی نقل کیا ہے کہ **ان النبی ﷺ سجدفی صلاۃ الظھر ثم قام فرکع فرأیناانہ قرأتنزیل السجدۃ** ۔یعنی ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا پھر کھڑے ہوئے اور رکوع کیا ہم نے جانا کہ آپ نے **آلم تنزیل السجدہ** پڑھی ہے۔اس پر جو اعتراض ہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو مانع نہیں اس سے کہ ظہر یا عصر میں آیات السجدات پڑھی جائے، کیونکہ حکم قرأت عام ہے اور اس میں تخصیص نہیں۔

دوسری یہ کہ اس حدیث کی مرفوع اور موقوف شواہد ہیں، مسند ابی یعلی: ۲۳۳/۳، میں براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ **سجدنامع رسو ل اللہ ﷺ فی الظھر،فظنناانہ قرأتنزیل السجدۃ.** جبکہ مصنف عبدالرزاق: ۱۰۵/۲، میں اور مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۵۶/۱، میں ابوالعالیہؒ سے روایت ہے کہ **کان اصحاب رسول اللہ ﷺ رمقوہ فی الظھرفحرزواقرأتہ فی الرکعۃ الاولی من الظھربتنزیل السجدۃ.**

ایک روایت ابن زبیر سے بھی ابن ابی شیبۃ: ۴۲۵/۳، میں نقل ہے کہ **عن بکر قال اخبرنی من رأی ابن زبیر فی حائط من حیطان مکۃ، قال فصلی العصراوالظھر،قال فسجد،فقال رجل انک صلیت خمس رکعات، فقال انی قرأت سورۃ فیھاسجدۃ**۔

اسی طرح ابن مسعودؓ سے بھی روایت نقل کی ہے کہ: **عن انس بن سیرین ان ابن مسعودؓ قرأفی الظھر الم تنزیل السجدہ، وفی الاخری بسورۃ من المثانی، ابن ابی شیبہ: ۴۲۵/۳**۔

سورة مومنون (مکیة)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلٰوتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ﴿۲﴾

بیشک ایمان والے رستگار ہو گئے۔ جو نماز میں عجز و خشوع کرتے ہیں۔(۱)

= امام نسائی نے ابو ہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ:۔ ثلاث کان رسول اللہ ﷺ یعمل بھن ترکھن الناس ،کان یرفع یدیه فی الصلاة مدا،ویسکت هنیئة، ویکبر اذاسجدو اذارفع ۔ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ: تین امور رسول اللہ ﷺ کرتے تھے، وہ لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔ آپ ﷺ نماز میں اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کر اٹھاتے، پھر تھوڑی دیر چپ رہتے ،اور جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو تکبیر فرماتے اور سجدے سے سر اٹھاتے وقت بھی تکبیر فرماتے۔ کتاب الافتتاح ،باب رفع الیدین مدا ، رقم:۸۸۳۔جبکہ ایک مشہور اور عام روایت میں ہے کہ: ان اباھریرةؓ کان یصلی بھم فیکبر کلماخفض ورفع فاذاانصرف قال انی لاشبھکم صلاة برسول اللہ ﷺ ۔یعنی ابو ہریرہؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے،تو ہر جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہتے ،اور جب نماز پڑھ چکتے تو کہتے میری نماز بہت مشابہ ہے رسول اللہ ﷺ کی نماز سے ۔بہ نسبت تمہاری نماز۔ یہ روایت متفق علیہ ہے بخاری نے کتاب الاذان ،باب اتمام التکبیر فی الرکوع اور مسلم نے کتاب الصلاة ،باب اثبات التکبیر فی کل خفض ورفع میں نقل کیا ہے۔وقال ابن قدامة فی المغنی : ۳۵۹/۲،وجملة ذلک انه اذاسجدللتلاوة فعلیه التکبیر للسجود و الرفع منه، سواء کان فی صلاة اوفی غیرها،وبه قال ابن سیرین و الحسن و ابو قلابة و النخعی و مسلم بن یسار و ابو عبدا لرحمٰن السلمی و الشافعیؒ و ابو اسحاق و اصحاب الرّای۔

(۱) نسائی نے سنن کبریٰ:۱۱۳۵۰، میں یزید بن بابنوس سے نقل کیا ہے کہ: قلنالعائشةؓ یاام المومنین کیف کان خلق رسول اللہ ﷺ؟قالت کان خلق رسول اللہ ﷺ القرآن،وقرأت ھذه الایات(الی آیة: ۹)قالت

ھٰکذا کان خلق رسول اللہ ﷺ ۔یعنی انہوں نے عائشہؓ سے سوال کیا کہ رسول ﷺ کا خلق کیسا اور کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا آپ کا خلق وہ تھی جو قرآن میں ہے، اس کے بعد یہ نو (۹)، آیتیں تلاوت کر کے فرمایا: کہ بس یہی خلق وعادت تھی رسول اللہ ﷺ کی۔

نسائی سنن کبریٰ:۱۴۳۹، ترمذی: ۳۰۹۷، مسند احمد، ۱/۳۴، میں مروی ہے کہ رسول اللہ پر جب وحی اترتی، تو ایک ایسی میٹھی میٹھی بھینی بھینی ہلکی ہلکی سی آواز آپؐ کے پاس سنی جاتی، جیسے شہد کی مکھیوں کے اڑنے کی بھنبھناہٹ کی ہوتی ہے۔ایک مرتبہ یہی حالت طاری ہوئی تھوڑی دیر کے بعد جب وحی اتر چکی تو آپؐ نے قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھی: کہ: **اللھم زدنا ولاتنقصنا واکرمنا ولاتھنا واعطنا ولاتحرمنا واثرنا ولاتوثر علینا وارض عنا وارضنا** ۔یعنی یا اللہ تو ہمیں زیادہ کر، کم نہ کر، ہمارا اکرام کر، اہانت نہ کر، ہمیں انعام عطاء فرما، محروم نہ رکھ ہمیں دوسروں پر اختیار کر لے، ہم پر دوسروں کو پسند نہ فرما، ہم سے تو خوش ہوجا، اور ہمیں خوش کر دے۔ پھر فرمایا مجھ پر دس آیتیں اتری ہیں جوان پر جم گیا، وہ جنتی ہوگیا، پھر آپؐ نے مندرجہ ذیل دس آیتیں تلاوت فرمائیں۔

ابن کثیر لکھتا ہے ان آیتوں کی تفسیر میں کہ مومن مراد کو پہنچ گئے وہ سعادت پا گئے انہوں نے نجات پالی، ان مومنوں کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں خوف الٰہی رکھتے ہیں خشوع اور سکون کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں دل حاضر رکھتے ہیں، نگاہیں نیچی ہوتی ہیں، پھر ابن سیرین سے نقل کرتا ہے کہ صحابہ کرام اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان کی نگاہیں نیچی ہوگئیں۔سجدے کی جگہ سے اپنے نگاہیں نہیں ہٹاتے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کی جو اصل تفسیر ہے جو کہ **صحیفۃ علی بن ابی طلحۃ فی تفسیر القرآن الکریم .** سے مشھور ہے، اس میں لکھتا ہے کہ ''خاشعون'' کا معنی ہے ''**خائفون ساکنون**'' اور یہی تفسیر ابن عباسؓ سے، ابن جریر، ابن کثیر، ابن ابی حاتم اور درمنثور وغیرہ نے نقل کیا ہے۔بعض لوگ یہاں پر ابن عباسؓ کا وہ قول نقل کرتے ہیں جو کہ تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ میں ہے کہ ''**خاشعون**'' کا معنی یہ ہے **مخبتون متواضعون لایلتفتون یمینا ولاشمالا ،ولایرفعون ایدیھم فی الصلاۃ** ۔اور اس سے عدم رفع الیدین کے لئے استدلال کرتے ہیں، تو ہم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ سورت کی تفسیر کو شروع کرنے سے پہلے اس کتاب میں ہے کہ: **وباسنادہ عن ابن عباسؓ الخ** ۔جبکہ ہم یہ سند اس کتاب کے اول میں دیکھتے ہیں تو وہ کچھ اس طرح ہے: **اخبرنا عبداللہ الثقۃ ابن المامور**

الهروی قال اخبرنا ابی قال اخبرنا ابو عبداللہ قال اخبرنا ابو عبیداللہ محمود بن محمد الرازی ،قال اخبرنا عمار بن عبد المجید الهروی قال اخبرنا علی بن اسحاق السمرقندی عن محمد بن مروان عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس ؓ ۔یادرہے کہ یہ کتاب جو کہ تفسیر ابن عباس ؓ سے مشہور ہے،اس کا اصل نام تنویر المقباس ہے، یہ فیروز آبادی کا تصنیف ہے (صاحب القاموس) اور یہ ۸۱۷ھ میں فوت ہو چکا ہے، صاحب کتاب اور عبداللہ بن عباس ؓ کے درمیان کافی زمانہ گذر گیا ہے، اور مصنف نے کتاب میں ابن عباس تک سند ذکر کر کے اپنا ذمہ فارغ کر دیا ہے،ہم اوروں کے علاوہ ان تینوں کے متعلق ذکر کرتے ہیں جو کہ سند کے اخر میں ہیں اور مشہور و معروف ضعیف اور کذاب ہیں،عبداللہ بن عباس ؓ سے جو نقل کرنے والا ہے (یعنی ابوصالح) یہ ابوصالح باذام سے مشہور ہے،امام ذہبی سیر اعلام النبلاء:۵/۳۷، میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ليس بثقة .

اور اس کا جوشاگرد ہے،کلبی اس کا نام محمد بن السائب ہے ،امام ذہبی:۶/۲۴۸، میں اس کے متعلق فرماتا ہے شيعي متروك الحديث ،

اور اس کا شاگرد محمد بن مروان الکوفی ہے یہ السدی الصغیر صاحب الکلبی سے مشہور ہے،اور ابن عدی الکامل :۷/۵۱۲، میں اس کے متعلق متروک الحدیث لکھتا ہے۔جبکہ ابن حبان کتاب المجروحین:۲/۲۵۴، میں اس تفسیر کے متعلق لکھتا ہے کہ :سمعت محمد بن يحيٰ السجستاني يقول:سمعت محمد بن الفضل يقول:سمعت احمد بن هارون،يقول،سألت احمد بن حنبل عن تفسير الكلبي؟ فقال كذب،قلت يحل النظر فيه ؟قال،لا ۔پھر صفحہ:۲۵۵، میں لکھتا ہے الكلبي،يروى عن ابی صالح عن ابن عباس ؓ التفسير،وابو صالح لم يرا بن عباس ؓ ولا سمع منه شيئا، ولا سمع الكلبي من ابی صالح الا الحرف بعد الحرف،فجعل لما احتيج اليه تخرج له الارض افلاذ كبدها،لايحل ذكره فی الكتب، فكيف الاحتجاج به، الخ ۔جبکہ یحیٰ بن سعید قطان سے:۲/۲۵۵، میں نقل کرتا ہے:عن سفيان قال قال لی الكلبي ،قال لی ابو صالح كلما حدثتك فهو كذب ،اور ۲/۲۵۴، میں بروایت ابوعاصم نقل کرتا ہے کہ قال ،قال لی الكلبي ماسمعته منی عن ابی صالح عن ابن عباس ؓ فهو كذب ۔

اور بروایت یحیٰ بن یعلیٰ کلبی کا ایک واقعہ نقل کرتا ہے کہ:قال قال لی زائـــــدة، اما الكلبي فقد كنت اختلف اليه فسمعته يوما يقول مرضت مرضة فنسيت ما كنت احفظ، فاتيت آل محمد=

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾

اور جو بیہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں۔ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔مگر اپنی بیویوں یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے)

اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ

مباشرت کرنے سے انہیں ملامت نہیں۔ اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾

وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے) نکل جانے والے ہیں۔ اور جو امانتوں اور اقراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾

اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ۔ یہی لوگ میراث حاصل کرنے والے ہیں

=ﷺ فتفلوا في فيّ، فحفظت ما كنت نسيت، فقلت، لا والله لا اروى عنك بعدهذا ابداشیئافتر کته ۔۲/۲۵۳، میں اس کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ عبداللہ بن سبا کے اتباع میں سے تھا، اوران کا عقیدہ یہ تھا کہ: اولئک الذین يقولون ان عليا لم يمت، وانه راجع الى الدنياقبل قيام الساعة، فيملؤ هاعدلا كماملئت جوراً، وان رأوا سحابة قالوا امير المومنين فيها.

اور ابوعوانہ سے مذکورہ صفحہ میں نقل کرتا ہے کہ، سمعت الكلبي يقول كان جبرئيلؑ يملي الوحي على النبي ﷺ فلمادخل النبي ﷺ الخلاء جعل يملي على عليؓ، تو حاصل کلام یہ ہے کہ یہ کتاب نا قابل اعتبار ہے اور اس کا مطالعہ اور اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

الَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ

(یعنی) جو بہشت کی میراث حاصل کریں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ہم نے انسان کو مٹی

مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِیۡ قَرَارٍ مَّكِیۡنٍ ﴿۱۳﴾

کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا

ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا

پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں

فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ۗ ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ

پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا تو اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے

الۡخٰلِقِیۡنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوۡنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ

بابرکت ہے۔ پھر اس کے بعد تم مر جاتے ہو۔ پھر قیامت کے دن اٹھا کھڑے کئے جاؤ گے

﴿۱۶﴾ وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ۖ وَ مَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِیۡنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان پیدا کئے اور ہم خلقت سے غافل نہیں ہیں

وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡكَنّٰهُ فِی الۡاَرۡضِ ۖ وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ

اور ہم ہی نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ پانی نازل کیا پھر اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اس کے نابود کر دینے پر

لَقٰدِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنۡشَاۡنَا لَكُمۡ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ ۘ

بھی قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس سے تمہارے لئے کھجوروں کے باغ بنائے ان میں تمہارے لئے بہت سے میوے پیدا

لَكُمۡ فِیۡهَا فَوَاكِهُ كَثِیۡرَةٌ وَّ مِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَجَرَةً

ہوتے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ اور وہ درخت بھی (ہم ہی نے پیدا کیا)

تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾
جوطور سینا میں پیدا ہوتا ہے (یعنی زیتون کا درخت کہ) کھانے والوں کے لئے روغن اور سالن لئے ہوئے اگتا ہے

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا
اور تمہارے چار پایوں میں عبرت (اور نشانی) ہے کہ جو ان کے پیٹوں میں ہے اس سے ہم تمہیں (دودھ) پلاتے ہیں

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ
اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو

﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان سے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو

مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ أَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟ ۔ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے

مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ أَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ
یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اتار دیتا

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَأَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ آبَآئِنَا الْأَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾
ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی نہیں سنی تھی

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ
اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے تو اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو۔ نوح نے کہا کہ پروردگار!

رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا
انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔ پھر ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے

وَوَحۡيِنَا فَإِذَا جَآءَ أَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ

اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچے اور تنور جوش مارنے لگے

فَاسۡلُکۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَأَهۡلَکَ إِلَّا

تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا دو دو کشتی میں بٹھا دو اور اپنے گھر والوں کو بھی

مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ مِنۡهُمۡ وَلَا تُخَاطِبۡنِيۡ فِيۡ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا إِنَّهُم مُّغۡرَقُوۡنَ

سوا ان کے جن کی نسبت ان میں سے حکم پہلے صادر ہو چکا ہے اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا وہ ضرور ڈبو دیئے جائیں گے

﴿۲۷﴾ فَإِذَا اسۡتَوَيۡتَ أَنۡتَ وَمَنۡ مَّعَکَ عَلَى الۡفُلۡکِ فَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ

اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (اللہ کا شکر کرنا اور) کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار) ہے

الَّذِيۡ نَجَّانَا مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلۡ رَّبِّ أَنۡزِلۡنِيۡ مُنۡزَلًا مُّبَارَكًا

جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات بخشی ۔اور کہہ اے میرے رب مجھے برکت کے ساتھ اتار

وَّأَنۡتَ خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ﴿۲۹﴾ إِنَّ فِيۡ ذٰلِکَ لَآيٰتٍ وَّإِنۡ كُنَّا لَمُبۡتَلِيۡنَ ﴿۳۰﴾

اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔بیشک اس (قصے) میں نشانیاں ہیں اور ہمیں تو آزمائش کرنی تھی

ثُمَّ أَنۡشَأۡنَا مِنۡ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا آخَرِيۡنَ ﴿۳۱﴾ فَأَرۡسَلۡنَا فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِنۡهُمۡ

پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی۔ اور انہی میں سے ان میں ایک پیغمبر بھیجا (جس نے ان سے کہا)

أَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ إِلٰهٍ غَيۡرُهُ أَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الۡمَلَأُ

کہ اللہ ہی کی عبادت کرو (کہ) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ ۔تو ان کی قوم کے سردار

مِنۡ قَوۡمِهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ الۡآخِرَةِ وَأَتۡرَفۡنٰهُمۡ فِيۡ الۡحَيٰوةِ

جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی

الدُّنْيَا مَا هٰذَآ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا

کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور پانی جو تم پیتے ہو

تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ گئے

أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا أَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور استخوان (کے سوا کچھ نہ رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے

نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلُنِ افْتَرٰى

کہ اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افتراء

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ

کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں ۔ پیغمبر نے کہا کہ اے پروردگار! انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

تو میری مدد کر۔ ۔ فرمایا کہ تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

تو ان کو (وعدۂ برحق کے مطابق) زور کی آواز نے آن پکڑا تو ہم نے ان کو کوڑا کر ڈالا پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے

ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا آخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا

پھر ان کے بعد ہم نے اور جماعتیں پیدا کیں۔ کوئی جماعت اپنے وقت سے نہ آگے جا سکتی ہے اور نہ

يَسْتَأْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّ مَا جَآءَ أُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ

پیچھے رہ سکتی ہے۔ پھر ہم پے در پے اپنے پیغمبر بھیجتے رہے جب کسی امت کے پاس اس کا پیغمبر آتا تھا تو وہ اسے جھٹلا دیتے

فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنٰهُمْ أَحَادِيْثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

تھے تو ہم بھی بعض کو بعض کے پیچھے لاتے رہے اور ان کو افسانے بناتے رہے پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر لعنت

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَأَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور دلیلِ ظاہر دے کر بھیجا

إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَإِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾

(یعنی) فرعون اور اس کی جماعت کی طرف تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے

فَقَالُوْٓا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾

کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں اور ان کی قوم کے لوگ ہمارے خدمت گار ہیں

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

تو ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی سو (آخر) ہلاک کر دیئے گئے۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی

لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهٗ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ إِلٰى رَبْوَةٍ

تاکہ وہ لوگ ہدایت پائیں۔ اور مریم کے بیٹے (عیسیٰ) اور ان کی ماں کو (اپنی) نشانی بنایا تھا اور ان کو ایک اونچی جگہ پر

ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ يٰٓأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا

جو رہنے کے لائق تھی اور جہاں (نتھرا ہوا) پانی جاری تھا پناہ دی تھی اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل

صَالِحًا ؕ اِنِّیۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ ﴿۵۱﴾ؕ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا

کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان سے واقف ہوں۔[۲] اور یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے

رَبُّكُمۡ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَیۡنَهُمۡ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزۡبٍۭ

اور میں تم سب کا رب ہوں۔ پس مجھ سے ڈرو۔ پھر انہوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ھر ایک جماعت

بِمَا لَدَیۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرۡهُمۡ فِیۡ غَمۡرَتِهِمۡ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۵۴﴾

وہ اسی سے خوش ہو رہا ہے۔ تو ان کو ایک مدت تک ان کی غفلت ہی میں رہنے دو

اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّ بَنِیۡنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمۡ

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں۔ (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی

فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ بَلۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ هُمۡ مِّنۡ خَشۡیَةِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ

کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ سمجھتے ہی نہیں۔ جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں

---

[۲] عن ابی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ ایها الناس ان الله طیب لا یقبل الا طیبا، وان الله امر المومنین بما امر به المرسلین، فقال: (قرأ هذه الایة) وقال: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ (البقرة: ۱۷۲) ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیه الی السماء، یارب یارب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذی بالحرام فانی یستجاب لذلک. مسلم: ۱۰۱۵.

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیز کے سوا اور کسی چیز کو قبول نہیں کرتا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا تھا، اور فرمایا اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو، میں تمہارے کاموں سے باخبر ہوں، اور فرمایا اے مسلمانو! ہماری دی ہوئی چیزوں سے پاک چیزیں کھاؤ پھر آپؐ نے ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے اس کے بال غبار آلود ہیں وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے یارب یارب! اور اس کا کھانا پینا حرام ہو اس کا لباس حرام ہو، اس کی غذا حرام ہو، تو اس کی دعا کہاں قبول ہوگی۔

﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ

اور جو لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کے ساتھ شریک نہیں کرتے

﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا آتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور جو دے سکتے ہیں وہ دیتے ہیں اوران کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے

اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ

یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی ان کے لئے آگے نکل جاتے ہیں۔ اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ سچ کہہ دیتی ہے اور لوگوں پر ظلم نہیں کیا جاتا

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِىْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا

مگر ان کے دل ان (باتوں) کی طرف سے غفلت میں (پڑے ہوئے) ہیں اور ان کے سوا اور اعمال بھی ہیں جو یہ

عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ

کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم نے ان میں سے آسودہ حال لوگوں کو پکڑ لیا تو وہ اس وقت

يَجْئَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

چلانے لگے۔ آج مت چلاؤ تم کو ہم سے کچھ مدد نہیں ملے گی

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾

میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں اور تم الٹے پاؤں پھر پھر جاتے تھے

مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ

ان سے سرکشی کرتے کہانیوں میں مشغول ہوتے اور بیہودہ بکواس کرتے تھے۔ کیا انہوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا

أَمْ جَآءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ ءَابَآءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ

یا ان کے پاس کچھ ایسی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہیں تھی۔ یا یہ اپنے پیغمبر کو جانتے پہچانتے نہیں

فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَآءَهُم بِالْحَقِّ

اس وجہ سے ان کو نہیں مانتے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے سودا ہے (نہیں) بلکہ وہ ان کے پاس حق کو لے کر آئے ہیں

وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَٰرِهُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَآءَهُمْ

اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور اگر (اللہ) برحق ان کی خواہشوں پر چلتے

لَفَسَدَتِ السَّمَٰوَٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَٰهُم بِذِكْرِهِمْ

تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت (کی کتاب) پہنچا دی

فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ ﴿٧١﴾ أَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ

ہے اور اپنی (کتاب) نصیحت سے منہ پھیر رہے ہیں۔ کیا تم ان سے کچھ مال مانگتے ہو؟ تو تمہارے پروردگار کا مال بہت اچھا ہے

وَهُوَ خَيْرُ الرَّٰزِقِينَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾

اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اور تم تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہو

وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْءَاخِرَةِ عَنِ الصِّرَٰطِ لَنَٰكِبُونَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ

اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ رستے سے الگ ہو رہے ہیں۔ اور اگر

رَحِمْنَٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِم مِّن ضُرٍّ لَّلَجُّوا فِي طُغْيَٰنِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٥﴾

ہم ان پر رحم کریں اور جو تکلیفیں ان کو پہنچ رہی ہیں وہ دُور کر دیں تو اپنی سرکشی پر اڑے رہیں (اور) بھٹکتے (پھریں)

وَلَقَدْ أَخَذْنَٰهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿٧٦﴾

اور ہم نے ان کو عذاب میں بھی پکڑا تو بھی انہوں نے اللہ کے آگے عاجزی نہ کی اور وہ عاجزی کرتے ہی نہیں

حَتّٰى إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۷۷﴾

یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر عذاب شدید کا دروازہ کھول دیا تو اس وقت وہاں ناامید ہو گئے

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۷۸﴾

اور وہی تو ہے جس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (لیکن) تم کم شکر گزاری کرتے ہو

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۹﴾

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب جمع ہو کر جاؤ گے

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾

اور وہی ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے اور رات اور دن کا بدلتے رہنا اسی کا تصرف ہے کیا تم سمجھتے نہیں؟

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۸۱﴾ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا

بات یہ ہے کہ جو اگلے (کافر) کہتے تھے اسی طرح کی (بات یہ) کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب ہم مر جائیں گے

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا

اور مٹی ہو جائیں گے اور استخواں (بوسیدہ کے سوا کچھ) نہ رہے گا تو کیا ہم پھر اٹھائے جائیں گے؟ یہ وعدہ ہم سے اور ہم سے

نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۸۳﴾

پہلے باپ دادا سے بھی ہوتا چلا آیا ہے یہ تو صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں

قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ط

کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب کس کا مال ہے؟ جھٹ بول اٹھیں گے کہ اللہ کا

قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

کہو پھر تم سوچتے کیوں نہیں؟ (ان سے) پوچھو کہ سات آسمانوں کا مالک کون ہے اور عرش عظیم کا (کون) مالک (ہے)؟

﴿۸۶﴾ سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ

بے ساختہ کہہ دیں گے کہ یہ (چیزیں) اللہ ہی کی ہیں کہو کہ پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے

مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾

جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ نہیں دے سکتا

سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُونَ ﴿۸۹﴾

فوراً کہہ دیں گے کہ ایسی بادشاہی تو اللہ ہی کی ہے تو کہو پھر تم پر جادو کہاں سے پڑ جاتا ہے؟

بَلْ أَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿۹۰﴾

بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے پاس حق پہنچا دیا ہے اور یہ جو (بت پرستی کئے جاتے ہیں) بیشک جھوٹے ہیں

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ

اللہ نے نہ تو (اپنا) کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوقات کو لے کر چل دیتا

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۹۱﴾

اور ایک دوسرے پر غالب آ جاتا یہ لوگ جو کچھ (اللہ کے بارے میں) بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ

وہ پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے اور جو اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں اس کی شان اس سے اونچی ہے کہو کہ اے پروردگار!

إِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ﴿۹۴﴾

جس عذاب کا ان سے وعدہ ہو رہا ہے اگر تو میری زندگی میں ان پر نازل کر کے مجھے بھی دکھا دے تو اے پروردگار! مجھے اوران ظالموں میں شمار نہ کیجئے

وَإِنَّا عَلٰى أَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُونَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

اور جو وعدہ ہم ان سے کر رہے ہیں ہم تم کو دکھا کر ان پر نازل کرنے پر قادر ہیں۔ اور بُری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی

السَّیِّئَۃَ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ أَعُوْذُ بِکَ

ہو اور جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے۔ اور کہو کہ اے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری

مِنْ ھَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَأَعُوْذُ بِکَ رَبِّ أَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے پروردگار! اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ موجود ہوں

حَتّٰی إِذَا جَآءَ أَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے گی تو کہے گا کہ اے پروردگار! مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے

لَعَلِّیْٓ أَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا ط إِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا

تا کہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہوگا

وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ إِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

(اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا) اور اس کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے

فَإِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ أَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَ لُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

پھر جب صُور پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں ہوں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَأُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ

تو جن کے (اعمال کے) بوجھ بھاری ہوں گے وہ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جن کے بوجھ ہلکے ہوں گے

فَأُوْلٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا أَنْفُسَھُمْ فِیْ جَھَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

وہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے تیئں خسارے میں ڈالا ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے

تَلْفَحُ وُجُوْھَھُمُ النَّارُ وَھُمْ فِیْھَا کٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ أَلَمْ تَکُنْ آیَاتِیْ تُتْلٰی

آگ ان کے مونہوں کو جھلس دے گی اور وہ اس میں تیوری چڑھائے ہوں گے۔ کیا تم کو میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی

عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا

تھیں (نہیں) تم ان کو سنتے تھے اور جھٹلاتے تھے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری کمبختی غالب ہو گئی

وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور رستے سے بھٹک گئے۔ اے پروردگار! ہم کو اس میں سے نکال دے اگر ہم پھر (ایسے کام) کریں تو ظالم ہوں گے

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ إِنَّهُ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ

(اللہ) فرمائے گا کہ اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ [۳] میرے بندوں میں ایک گروہ تھا

---

[۳] عن ابی الدرداءؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ یلقی علی اھل النار الجوع فیعدل ماھم فیه من العذاب فیستغیثون بالطعام، فیغاثون بطعام ﴿من ضریع لایسمن ولایغنی من جوع﴾(غاشیه:۷) فیستغیثون بالطعام فیغاثون بطعام ﴿ذا غصة﴾(مزمل:۱۳) فیذکرون انهم کانوایجیزون الغصص فی الدنیابالشراب، فیستغیثون بالشراب، فیرفع الیهم الحمیم بکلالیب الحدید، فاذادنت من وجوههم شوت وجوههم فاذادخلت بطونهم قطعت مافی بطونهم فیقولون ادعواخزنة جهنم فیقولون ﴿اولم تک تأتیکم رسلکم بالبنیات قالوابلی قالوافادعوا وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ (غافر:۵۰) قال فیقولون ادع مالکافیقولون ﴿یامالک لیقض علینا ربک﴾(زخرف:۷۷) قال فیجیبهم ﴿ انکم ماکثون﴾(زخرف:۷۷) قال الاعمش نبأت ان بین دعائهم واجابة مالک ایاهم الف عام ،قال فیقولون ادعواربکم فلااحدخیرمن ربکم ﴿ فیقولون ربناغلبت علیناشقوتناوکناقوماضالین،ربنااخرجنامنهافان عدنافاناظالمون﴾ قال فیجیبهم ﴿اخسؤوافیهاولاتکلمون﴾ (مومنون:۱۰۶،تا۱۰۸)،قال فعندذلک یئسوا من کل خیروعندذلک یأخذون فی الزفیروالحسرة والویل .(رواه الترمذی:۲۵۸۶).

ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دوزخیوں پر بھوک اس طرح مسلط کر دی جائے گی، کہ اس بھوک

کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ دوزخی پہلے سے گرفتار ہونگے، چنانچہ وہ بھوک کی اذیت سے بے تاب ہوکر فریاد کریں گے اوران کی فریادرسی ''ضریع'' کے کھانے کے ذریعے کی جائے گی جو نہ فربہ کرے گا، نہ بھوک کو دفع کرے گا، (پھر وہ پہلے کھانے کو لاحاصل دیکھ کر) دوسری مرتبہ فریاد کریں گے، اوراس مرتبہ ان کی فریادرسی گلے میں پھنسی جانے والے کھانے کے ذریعے کی جائے گی، اس وقت ان کو یہ یاد آئے گا کہ جب (دنیا میں) کھاتے وقت ان کے گلے میں کوئی چیز پھنس جاتی تھی تو اس کو وہ کسی پینے والی چیز سے نیچے اتارتے تھے، چنانچہ وہ (اپنے گلے میں پھنسے ہوئے کھانے کو اتارنے کے لئے) کسی پینے والی چیز کی التجاء کریں گے۔ تب ان کو تیز گرم پانی دیا جائے گا جس کو زنبورو کے ذریعے پکڑ کر اٹھایا جائے گا (یعنی جن برتنوں میں وہ تیز گرم پانی ہوگا وہ زنبورو کے ذریعے پکڑ کر اٹھائے جائیں گے۔

اور جب گرم پانی کے وہ برتن ان کے مونہوں تک پہنچیں گے تو ان کے چہروں (کے گوشت) کو بھون ڈالیں گے، اور جب ان برتنوں کے اندر کی چیز (جو ان کو پینے کے لئے دی جائیں گی، جیسے پیپ پیلا پانی وغیرہ) ان کے پیٹ میں داخل ہوگی تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی انتوں وغیرہ) کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گی، پس اس صورت حال سے بیتاب ہوکر وہ دوزخی (جہنم پر) متعین فرشتوں سے کہیں گے اے دوزخ کے سنتریو! اللہ تعالی سے دعاء کرو کہ کم سے کم ایک ہی دن کے لئے ہمارے اوپر مسلط اس عذاب کو ہلکا کردے، دوزخ کے سنتری جواب دیں گے کہ (اب ہم سے دعا کے لئے کہتے ہو) کیا اللہ کے رسول، الٰہی معجزے اور واضح دلیلیں لیکر تمہارے پاس نہیں آئے تھے (اور تم سے یہ نہ کہتے تھے کہ کفر وسرکشی کی راہ چھوڑ کر اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرلو، تاکہ کل آخرت میں دوزخ کے سخت عذاب سے محفوظ رہ سکو؟ وہ کہیں گے کہ بیشک اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے تھے اوران کی تعلیمات ہم تک پہنچی تھی، لیکن وائے افسوس ہم گمراہی میں پڑے رہے، اور ایمان اور سلامتی کی راہ اختیار نہ کرسکے)۔ دوزخ کے سنتری کہیں گے کہ پھر تو تم خود ہی دعاء کرو، اور کافروں کی دعاء زیان کاری اور بے فائدہ گی کے علاوہ کچھ نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دوزخی (جب جہنم کے سنتریوں سے دعاء اور شفاعت کرنے میں ناکام ہوجائیں گے اور انہیں سخت مایوسی کا منہ دیکھنا پڑے گا، تو وہ یقین کرلیں گے کہ ہمیں عذاب الٰہی سے نجات ملنے والی نہیں ہے، پھر کیوں نہ موت ہی مانگی جائے، چنانچہ وہ آپس میں کہیں گے کہ مالک یعنی داروغہ جہنم سے مدد کی درخواست کرو! اور پھر وہ التجاء کریں گے کہ اے مالک! اپنے پروردگار سے دعاء کرو کہ وہ ہمیں موت دیدے (تاکہ ہمیں آرام مل جائے)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا دوزخیوں کی التجا سن کر مالک خود اپنی طرف سے یا پروردگار کی طرف سے جواب دے

گا کہ اس دوزخ سے نجات یا موت کا خیال چھوڑ دو، تمہیں ہمیشہ ہمیشہ یہیں اور اسی عذاب میں گرفتار رہنا ہے، اعمشؒ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں، کہتے ہیں کہ بعض صحابہ نے مجھ سے بیان کیا، کہ مالک سے ان دوزخیوں کی التجاءَ اور مالک کی طرف سے ان کو جواب دینے کے درمیان ایک ہزار برس کا وقفہ ہوگا، یعنی وہ دوزخی مالک سے التجا کرنے کے بعد ایک ہزار سال تک جواب کا انتظار کرتے رہیں گے، اور اس دوران بھی اس عذاب میں مبتلا رہیں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر وہ دوزخی آپس میں کہیں گے کہ اب ہمیں براہ راست اپنے پروردگار ہی سے اپنی نجات کی التجاءَ کرنی چاہئے کیونکہ وہی قادر مطلق، رحیم وکریم اور غفار ہے۔ ہمارے حق میں بھلائی وبہتری کرنے والا اس پروردگار سے بہتر اور کوئی نہیں، چنانچہ وہ التجاءَ کریں گے کہ ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی نے ہمیں گھیر لیا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم (توحید کے راستے سے) بھٹک گئے تھے، اے پروردگار! ہمیں دوزخ اور یہاں کے عذاب سے رہائی عطا فرمادے، اگر ہم اس کے بعد بھی کفر وشرک کی طرف جائیں تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہونگے، اللہ تعالیٰ ان کو جواب دے گا، دور ہو کم بختو! کتوں کی طرح ذلیل اور خوار رہو، اور اسی دوزخ میں پڑے رہو، اور رہائی ونجات کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرو (تمہاری گلوخلاصی ہرگز نہیں ہوسکتی)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آخر کار وہ دوزخی ہر بھلائی سے مایوس ہوجائیں گے اور تب وہ حسرت اور نالہ وفریاد کرنے لگیں گے۔

''اس بھوک کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی'' کا یہ مطلب ہے کہ ان پر جو بھوک مسلط کی جائے گی، اس کی دردناکی دوزخ کے اور تمام عذاب کی دردناکیوں کے برابر ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھوک کی آگ دوزخ کی آگ کی مانند ہے ''اور ان کی فریادرسی ''ضریع'' کے کھانے کے ذریعہ کی جائے گی'' جب وہ دوزخی بھوک سے بیتاب ہوکر کچھ کھانے کو مانگیں گے تو ان کو کھانے کے لئے ضریع دیا جائے گا۔

واضح رہے کہ ''ضریع'' ایک خاردار جھاڑ کو کہتے ہیں جو حجاز میں ہوتا ہے، یہ ایک ایسی زہریلی اور کڑوی گھاس ہوتی ہے جس کے پاس کوئی جانور بھی نہیں پھٹکتا، اور اگر کوئی جانور اس کو کھالیتا ہے تو مرجاتا ہے۔ بہرحال یہاں حدیث میں ''ضریع'' سے مراد آگ کے کانٹے ہیں جو ایلوے سے زیادہ کڑوے مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے۔ یہ دراصل سورۂ غاشیہ کی ساتویں نمبر آیت کو اشارہ ہے۔

اور یہ الفاظ ''اور کافروں کی دعاءَ زیاں کاری وبے قاعدگی کے علاوہ کچھ نہیں''۔ میں ان کی دعاءَ کو زیاں کاری سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت ان کے حق میں کوئی بھی دعاء وشفقت کارگر نہیں ہوگی، خواہ وہ خود دعاءَ کریں

اورگڑگڑائیں، یاکسی اور سے دعاء وشفاعت کرائیں، لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا، کہ کافرومشرک کی دعاء اس دنیامیں بھی قبول نہیں ہوتی، جیسا کہ قران وحدیث کے ان الفاظ سے بعض لوگوں نے نتیجہ اخذ کیا ہے، حقیقت حال تو یہ ہے کہ اس دنیامیں شیطان تک کی درخواست جواس نے اپنی عمر کی درازی کے لئے کی تھی، اللہ تعالی نے قبول فرمائی ہے، پھرکافر کی دعاء قبول کیوں نہیں ہوسکتی؟

"غلبت علیناشقوتنا"، میں" شقوۃ"شین کے زیراور قاف کے جزم کے ساتھ ہےاور یہ لفظ شقاوۃ شین کے زبر کے ساتھ بھی پڑھا گیاہے، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی بدبختی، جوسعادت نیک بختی کی ضد ہے، مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تقدیرکہ جس میں ہماراخاتمہ بدلکھ دیا گیا، پوری ہوکررہی اورہم خوداپنی بدبختی کا شکار ہوگئے۔ اور یہ جملہ"اگرہم اس کے بعدبھی کفروشرک کی طرف جائیں" الخ، کافردوزخیوں کا یہ کہنا بھی مکروفریب پرمبنی ہوگا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیاہے:

"ولوردوا لعادوا لمانھوا عنه وانھم لکاذبون" (انعام:۲۸)اوراگر یہ لوگ پھر(دنیامیں)واپس بھی بھیج دئے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے، جس سے ان کومنع کیا گیا تھااوراس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

"یاخذون فی الزفیرو الحسرۃ والویل" میں لفظ زفیر کے اصل معنی ہیں گدھے کا سانس اندرلے جانا جیسا کہ" شھیق" کے معنی گدھے کا سانس باہر نکالنا، یا یہ کہ جب گدھاریںگنا شروع کرتا ہے تو پہلے اس کی اواز باریک اورچھوٹی نکلتی ہے، جس کوزفیر کہا جاتا ہے، اورآخرمیں اس کی آواز تیز اوربڑی ہوجاتی ہے اس کوشہیق سے تعبیر کیا جاتا ہے، حدیث کے ان الفاظ میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

"لھم فیھازفیروشھیق" (ھود:۱۰۶)دوزخ میں گدھے کی چھوٹی اوربڑی آواز کی طرح ان دوزخیوں کی چیخ وپکارپڑی رہے گی۔ بہرحال حدیث کے اس آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ دوزخی جب بارگاہ الٰہی کا جواب سن لیں گےتو وہ بالکل مایوس وناامید ہوجائیں گے کہ دوزخ کے سنتریوں کوپکارنا کچھ سودمند نہ ہو، داروغہ دوزخ سے درخواست کی کہ اللہ تعالی سے موت ہی دلوادے، اس کا بھی فائدہ نہ ہوا آخرمیں بارگاہ الٰہی میں روئے گڑگڑائے وہاں بھی کوئی بات قبول نہیں ہوئی، اب کہاں جائیں، کس کے سامنے فریادکریں، ایسے میں وہ بے معنی اوازوں اوربے ہنگم صدائوں میں نالہ وفریاداورچیخ وپکارکرنے لگیں گےجیسا کہ مایوسی کے عالم میں ہوتا ہے۔

يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾

جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے تو تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰى أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِىْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾

تو تم ان سے تمسخر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پیچھے میری یاد بھی بھول گئے اور تم (ہمیشہ) ان سے ہنسی کرتے رہتے تھے

إِنِّىْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿١١١﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ

آج میں نے ان کو ان کے صبر کا بدلا دیا کہ وہ کامیاب ہو گئے۔ (اللہ) پوچھے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے؟

فِى الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ

وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے

﴿١١٣﴾ قٰلَ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١١٤﴾

(اللہ) فرمائے گا کہ (وہاں) تم (بہت ہی) کم رہے اگر تم جانتے ہوتے

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿١١٥﴾

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟

فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿١١٦﴾

تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے (اس کی شان) اس سے اونچی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی عرش بزرگ کا مالک ہے

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهٖ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهٖٓ إِنَّهُ لَا

اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس کچھ سند نہیں تو اس کا حساب اللہ ہی کے ہاں ہوگا کچھ شک نہیں

يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١١٧﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١١٨﴾

کہ کافر رستگاری نہیں پائیں گے۔ اور اللہ سے دعا کرو کہ میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

سورة النور (مدنية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سُوۡرَةٌ اَنۡزَلۡنٰهَا وَفَرَضۡنٰهَا وَاَنۡزَلۡنَا فِيۡهَاۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۱﴾

یہ سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا اور اس کو فرض کر دیا اور اس میں واضح المطالب آیتیں نازل کیں تاکہ تم یاد رکھو

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىۡ فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ

بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو دُرے مارو

وَّلَا تَاۡخُذۡكُمۡ بِهِمَا رَاۡفَةٌ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ

اور اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو نفاذ حکم الٰہی میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے

الۡاٰخِرِ‌ۚ وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲﴾ اَلزَّانِىۡ لَا يَنۡكِحُ اِلَّا

اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو ۔[ع] بدکار مرد تو

زَانِيَةً اَوۡ مُشۡرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنۡكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِكٌ‌ ۚ

بدکار یا مشرک عورت کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۳﴾

اور یہ مومنوں پر حرام ہے۔[1]

[1] ''الزانیة و الزانی'' الایة، یہ ستر وعفاف اور تطہیر معاشرہ سے متعلق احکام اربعہ میں سے پہلا حکم ہے، یعنی

زانی اورزانیہ کوسوسو کوڑے مارو،ان پر یہ شرعی حدقائم کروتا کہ لوگ بدکاری سے باز آجائیں۔لیکن ان پرحد جاری کرتے وقت دو باتوں کا خاص خیال رکھو: اول ''ولاتأخذكم بهما رأفة'' اگر واقعی تم اللہ پراور آخرت پر یقین رکھتے ہوتو زانی اورزانیہ پرحدقائم کرتے وقت کسی قسم کی نرمی نہ کرو نہ ان پر ترس کھا کر حد کو روکو، نہ کوڑوں کی تعداد میں کمی کرو اور نہ اس قدر ہلکے کوڑے مارو کہ ان کو پتہ بھی نہ چلے۔ان کے لئے معافی یا رعایت کی سفارش کرنا بھی اس نہی کے تحت داخل ہے۔

دوم ﴿ليشهد عذابهما طائفة﴾ حدجاری کرتے وقت مسلمانوں کے ایک جماعت وہاں موجود ہونی چاہئے ،تا کہ ان مجرموں کی مزید رسوائی ہو اور آئندہ کے لئے وہ گناہ کی جرأت نہ کریں۔یہ کنوارے زانی اورزانیہ کی سزا ہے اگر کوئی شادی شدہ مرد وعورت زنا کریں تو ان کی سزا رجم ہے،رجم کا حکم نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے اور دیگر محکمات کی طرح قطعی اور محکم ہے۔رجم کا حکم بالکل اسی طرح متواتر ہے جس طرح عدد رکعات اور مقادیر زکواۃ متواتر ہیں: ثبوت الرجم منه عليه السلام متواتر المعنى كشجاعة على كرم الله تعالى وجهه وجود حاتم (روح).

اس کے علاوہ رجم خود قرآن کے اشارے سے بھی ثابت ہے رسول پاک ﷺ کے زمانے میں ایک شادی شدہ یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا تورات میں چونکہ رجم کا حکم تھا اس لئے رجم سے بچنے کے لئے وہ نبی کریم ﷺ کے پاس مقدمہ لے آئے ان کا خیال تھا کہ اسلام میں رجم کی سزا نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا تورات میں شادی شدہ زانی کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کوڑے لگانا اور منہ کالا کرنا۔

آپ نے فرمایا میں تم پر تورات کا حکم نافذ کروں گا۔اور تورات میں اس جرم کی سزا رجم ہے۔چنانچہ آپ ﷺ نے یہودیوں کے ایک عالم ابن صوریا کو حلف دیکر پوچھا سچ بتاؤ تورات میں اس گناہ کی سزا کیا ہے؟ اس نے اقرار کرلیا کہ رجم ہے۔چنانچہ آپ نے رجم کا حکم نافذ کردیا اس پر یہ ایت نازل ہوئی: ﴿وكيف يحكمونک وعندهم التوراة فيها حكم الله﴾ مائدہ:۴۳۔گذشتہ شرائع کے احکام کو قرآن میں بلانکیر ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہماری شریعت میں بھی وہ نافذ ہیں۔

[غ] ''الزانی لاینکح'' ا لایة، یہ دوسرا حکم ہے زنا کی سزا کے بعد زانی اور زانیہ کی عادت بد کا ذکر کیا گیا ہے یعنی جو مرد وعورت زنا کی عادت بد میں مبتلا ہو جائیں اور زنا کو عیب نہ سمجھیں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی پاکدامن مومن مرد یا عورت سے ان کا تعلق ازدواج قائم کیا جاسکے۔انکی ناپاک اور ذلیل طبیعت کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی ایسے ہی بدکار مرد و عورت یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک مرد وعورت سے ان کا تعلق قائم کیا جائیں ان کی عادت بد کا اقتضاء تو یہی ہے لیکن

اللہ تعالیٰ نے بعض مصالح کی بناء پر ایسے بدکار اونام نہاد مسلمان مردوعورت کا مشرک ومشرکہ کے ساتھ نکاح ناجائز قرار دیا ہے اسی طرح اگر کسی بدکار مسلمان مردوعورت کا کسی پارساعورت ومرد سے عقد ہوجائیں تو اسے باطل نہیں قرار دیا۔

اس ایت سے زنا کی عادت شنیعہ کی برائی اور قباحت کو واضح کرنا مقصود ہے اس صورت میں لاینکح کے معنی یہ ہونگے کہ اس کیلئے لائق نہیں کہ وہ نکاح کرے یعنی عدم لیاقت فعل کو عدم فعل سے تعبیر کیا گیا ہے۔جیسا کہ محاورہ ہے السلطان لایکذب، یعنی جھوٹ بولنا بادشاہ کے شایان شان نہیں یہ مطلب نہیں کہ بادشاہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتا.تقبیح الامر الزانی اشدتقبیحابیان انه بعدان رضی بالزنی لایلیق به ان ینکح العفیفة المومنة .وانمایلیق به ان ینکح زانیة هی فی طبقته . (فلاینکح)خبرمرادمنه لایلیق به ان ینکح کماتقول السلطان لایکذب ای لایلیق به ان یکذب نزل فیه عدم لیاقت الفعل منزلة عدمه (روح المعانی).

یا نکاح سے یہاں وطی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس مردوعورت کو یہ عادت بد چمٹ جائیں۔وہ ایسے ہی بدکار مردوعورت سے یا ان سے بھی بدتر مشرک ومشرکہ کے ساتھ ہی زنا کرتے ہیں کیونکہ پارسا مردوعورت تو اس فعل بد سے کلی اجتناب کرتے ہیں۔فالمعنی الزانی لایطأ فی وقت الزنا الازانیة من المسلمین اومن هی اخس منها من المشرکات. وقدروی عن ابن عباسؓ واصحابه ان النکاح فی هذه الایة الوطی(قرطبی).

یا نکاح سے عقد شرعی مراد ہے اور آیت منسوخ ہے بایت وانکحوا الایامی منکم (قرطبی) لیکن پہلا مطلب ارجح اور دوسرا راجح ہے۔

"وحــــرم ذلک "الایة، "ذلک" سے زنا کی طرف اشارہ ہے جو ماقبل سے مفہوم ہے اس صورت میں حرمت سے حرمت شرعیہ مراد ہوگی اور یہ جملہ ماقبل کی علت ہوگا والاشـــــــارة یحتمل ان تکون للزناالمفهوم مماتقدم، والتحریم علیه علی ظاهره ولعل هذا الجملة وماقبلهامتضمنة لتعلیل ماتقدم، الخ(روح).

یا اشارہ مذکورہ بالا نکاح کی طرف ہے اور تحریم بمعنی منع ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وحـــرمـــنـــا علیـــه المـراضع ،(قصص: ۱۲) الایة، اور مومنین سے افراد کاملہ مراد ہیں اور مطلب یہ کہ ہم نے تکوینی طور پر مومنین کاملین کے دلوں کو ایسے بدکار مردوں اور عورتوں کے نکاح سے متنفر کر دیا ہے۔اوران کے دل ایسے گندے لوگوں کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے۔ویحتمل ان تکون لنکاح الزانیة وعلیه فالمرادمن التحریم المنع وبالمؤمنین =

وَالَّـذِيْـنَ يَـرْمُـوْنَ الْـمُـحْـصَـنٰـتِ ثُـمَّ لَـمْ يَـاْتُـوْا بِـاَرْبَعَةِ
اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا الزام لگائیں، اور اس پر چار گواہ نہ لائیں

شُهَدَآءَ فَـاجْـلِـدُوْهُـمْ ثَـمَـانِيْـنَ جَـلْـدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ
تو ان کو اسی کوڑے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو

شَهَـادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِکَ هُـمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّـذِيْـنَ تَابُوْا
اور یہی بدکردار ہیں۔[2] ہاں جو ان کے بعد توبہ کر لیں اور

مِـنْ بَـعْـدِ ذٰلِکَ وَاَصْـلَـحُـوْا فَـاِنَّ اللّٰهَ غَـفُـوْرٌ رَّحِيْـمٌ ﴿۵﴾
(اپنی حالت) سنوار لیں تو اللہ (بھی) بخشنے والا مہربان ہے

= الـمـؤمـنـون الـكـاملون ومعنى منعهم عن نكاح الزوانى جعل نفوسهم آبية عن الميل اليه فلايليق ذالک بهم . الخ(روح المعانی).

[2] "و الـذيـن يـرمـون المحصنات" الاية، یہ تیسرا حکم ہے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ مومنوں کی شان سے بعید ہے کہ وہ زنا جیسے برے فعل کا ارتکاب کرے تو اب اگر کوئی شخص کسی پاکدامن عورت یا پارسا مرد پر زنا کی تہمت لگادے تو اس سے چار گواہوں کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر وہ چار قابل اعتماد گواہ پیش نہ کرسکیں تو انہیں حد قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا کے طور پر اسیؔ (۸۰) درے مارے جائیں۔

"ولا تقبلوا لهم" الاية، اور آئندہ کے لئے کسی معاملہ میں کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کی جائے اولٰئک هـم الـفٰسقون یہ تہمت لگانے والوں کے حال کا بیان ہے اور یہ جملہ مستانفہ ہے۔ کـلام مستـانف غيرداخل فى حيـزجـزاء الشـرط كـانـه حـكـاية حـال الـرامـيـن عـنـدالله بـعـدانـقـضـاء الجملة الشـرطية. (مدارک،بحرمحیط).

☆☆☆

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلَّآ أَنْفُسُهُمْ

اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں

فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾

تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بیشک وہ سچا ہے

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٧﴾ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا

اور پانچویں بار یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت۔ اور عورت سے سزا کو

الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٨﴾

یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بیشک یہ جھوٹا ہے

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٩﴾

اور پانچویں دفعہ یوں (کہے) کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب (نازل ہو)[٣]

---

[٣] "و الذين يرمون ازواجهم" الاية، یہ چوتھا حکم ہے پہلے اجنبی پاکدامن عورتوں پرتہمت لگانے کاحکم بیان کیا گیااب اس کی مناسبت سے اپنی بیویوں پرتہمت زنالگانے کاحکم بیان کیا جاتا ہے۔لما ذکر حکم قذف الاجنبيات، بين حكم قذف الزوجات (مدارک) ۔اگرکوئی شخص اپنی بیوی پرتہمت زنالگادےاورگواہ پیش نہ کرسکےتواس پرحدقذف نہیں بلکہ ان دونوں میاں بیوی کے درمیان لعان ہوگا یعنی دونوں میاں بیوی چارچار بارقسم کھاکراپنی سچائی کی گواہی دیں، اور پانچویں بار اپنے اوپر بددعا کرے کہ وہ اگرجھوٹے ہوں تواللہ ان پرلعنت کرے ۔فشهادة احد هم، یہ تہمت لگانے والے کے لئے چارشہادتوں کا طریقہ ہےوہ چار بارقسم کھاکرشہادت دے کہ وہ تہمت میں سچاہے،و الخامسة، الاية، اور پانچویں باریوں کہے: کہ اگروہ جھوٹاہوتواس پراللہ کی لعنت, اگرخاونداس طرح لعان کرےتواس پرحدقذف نہیں ہوگی۔

"ویدرؤ عنها" الاية "ان تشهد" میں "ان" مصدریہ ہے،اورجملہ بتاویل مصدر "یدرؤ" کافاعل ہے=

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتیں مگر وہ صاحبِ کرم ہیں اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور حکیم ہے

إِنَّ الَّذِينَ جَاؤُا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ

جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک جماعت ہے اس کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لئے

خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ

اچھا ہے ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اس کے لئے اتنا وبال ہے

وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ

اور جس نے ان میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہوگا۔[۴] جب تم نے وہ بات سنی تھی

=اور ''العذاب'' سے حد زنا مراد ہے، یعنی اگر عورت بھی بطریق ذیل لعان کرے تو اس سے حد زنا ساقط ہو جائے گی۔ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے، اور پانچویں بار یوں کہے کہ اگر اس کا خاوند اپنے دعویٰ میں سچا ہو تو اس (بیوی) پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ جب خاوند بیوی دونوں بطریق بالا لعان کر لیں، تو ان دونوں کے درمیان زوجیت کے حقوق ختم ہو جائیں گے۔ اور اس سے ان کے درمیان فرقت تابیدی (ہمیشہ) واقع ہو جائے گی۔ (روح، مدارک)۔

[۴] ''واقعہ افک'' کے متعلق امام بخاری نے عائشہؓ سے جو لمبی روایت نقل کی ہے ہم اس کو نقل کرتے ہیں: عائشہؓ نے کہا: نبی کریم ﷺ کا دستور تھا آپ جب سفر میں جاتے تو اپنی بی بیوں پر قرعہ ڈالتے جس کا نام نکلتا اس کو سفر میں ساتھ لے جاتے، ایک بار ایسا ہوا ایک لڑائی (غروۃ مریسیع) میں آپ نے ہم پر قرعہ ڈالا، میرا نام نکلا، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئی، اس وقت پردے کا حکم اتر چکا تھا، میں ایک ہودے میں بٹھا کر اونٹ پر چڑھائی جاتی اور اسی میں رہ کر اتاری جاتی، خیر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے، جب آپ اس جہاد سے لوٹے اور ہم مدینہ کے نزدیک پہنچے تو ایک رات آپ نے کوچ پکارا، جب کوچ پکارا گیا، تو میں اٹھی اور حاجت کے لئے اکیلی چلی، لشکر کے پرے نکل گئی، جب

حاجت سے فارغ ہوئی تو اپنی جگہ پر آئی، میں نے اپنا سینہ جو چھوا، تو معلوم ہوا میرا ہار جو اظفار کے نگینوں کا تھا، وہ ٹوٹ کر گر گیا ہے، میں پھر لوٹی اور ہار ڈھونڈ نے لگی، اس کو ڈھونڈ نے میں مجھ پر دیر ہوگئی، ادھر وہ لوگ آن پہنچے جو میرا ہودہ اٹھایا کرتے تھے، وہ سمجھے کہ میں ہودے میں بیٹھی ہوں، انہوں نے ہودہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا، جس پر میں سوار ہوا کرتی تھی، اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی تھیں، ایسی موٹی پر گوشت نہ تھیں، ذرا سا تو کھانا کھاتیں، اس لئے ہودہ اٹھانے والوں نے جب ہودہ اٹھایا، انہوں نے اس کے ہلکے پن پر خیال نہیں کیا اور یہ بھی تھا کہ میں اس وقت کمسن لڑکی تھی (میرا بوجھ ہی کیا تھا؟) غرض انہوں نے اونٹ اٹھایا اور چلتے ہوئے جب سارا لشکر چمپت ہوگیا اس وقت میرا ہار ملا میں جوان کے ٹھکانوں میں آئی دیکھتی کیا ہوں آدمی کا نام نہیں نہ کوئی بات کرنے والا نہ کوئی جواب دینے والا (اخر مجبور ہو کر) میں اس مقام پر چلی گئی جہاں میں ٹھہری تھی، میں نے یہ خیال کیا کہ جب قافلے والے مجھ کو (ہودہ) میں نہ پائیں گے تو یہیں ڈھونڈھنے آئیں گے، خیر میں اسی جگہ بیٹھی تھی، اتنے میں میری انکھ لگ گئی، یہیں سوگئی ایک شخص تھا صفوان بن معطل سلمی ذکوانی وہ لشکر کے پیچھے رہا کرتا۔ اگر (گرا پڑا اٹھالیتا) وہ جو میرے ٹھکانے میں آیا اس نے دیکھا کوئی شخص سو رہا ہے، اس نے دیکھتے ہی مجھ کو پہچان لیا، کیونکہ پردے کا حکم اترنے سے پہلے اس نے مجھ کو دیکھا تھا، اس نے مجھے پہچان کر ''انا اللہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا، تو میری آنکھ کھل گئی، میں نے اوڑھنی سے منہ ڈھانپ لیا، اللہ کی قسم نہ ہم دونوں نے کوئی بات کی نہ میں نے اس کی کوئی بات سنی، سوائے ''انا اللہ وانا الیہ راجعون'' کہنا تو سنا، خیر وہ اونٹ پر سے اترا، اس نے اونٹ بٹھایا اور اونٹ کے ہاتھ پر پاؤں رکھا، میں کھڑی ہوئی اونٹ پر چڑھ گئی، اور وہ بیچارہ پیدل چلتا رہا، یہاں تک کہ ہم دونوں سخت گرمی کے وقت ٹھیک دوپہر کو لشکر میں پہنچے، اس وقت لشکر کے لوگ آرام کے لئے اتر پڑے تھے۔ عائشہؓ کہتی ہے پھر جو لوگ تباہ ہونے والے تھے وہ اس مقدمہ میں طوفان لگا کر تباہ ہوئے،

اور اس طوفان والوں کا سرغنہ (بانی مبانی) عبداللہ بن ابی بن سلول منافق مشہور تھا، عروہؒ نے کہا مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اس طوفان کا اس کے پاس چرچہ ہوتا لوگ بیان کرتے تو وہ اس کو تسلیم کرتا، کان لگا کر سنتا، کھود کر خوامخواہ اس کو پوچھتا، (اسی سند سے) عروہؒ سے منقول ہے کہ ان طوفان جوڑنے والوں میں انہی لوگوں کا نام لیا گیا، حسان بن ثابتؓ، مسطح بن اثاثہؓ، حمنۃ بنت جحشؓ، باقی لوگوں کے نام معلوم نہیں ہوئے، مگر ان کی جماعت تھی، جیسے اللہ تعالی نے فرمایا: اب سب میں مڈھ (یعنی بڑا) عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، (اسی

سند سے) عروہؒ نے کہا عائشہؓ باوجود اس کے کہ حسانؓ نے ان کو تہمت لگائی تھی، مگر وہ حسانؓ کو برا کہنا پسند نہیں کرتی تھیں، اور کہتی تھیں حسانؓ نے ہی یہ شعر کہی ہے:

میرا باپ دادمیری آبرو☆ ☆ محمد ﷺ کی عزت کا ہوں گے بچاؤ۔

عائشہؓ نے کہا (یہ بات تو بیچ میں آ گئی) خیر میں سفر سے مدینہ آئی، اور ایک مہینہ تک بیمار رہی۔ اور سب سے بڑی وجہ طبیعت خراب ہونے کی یہ ہوگئی کہ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ لطف وکرم اپنے ساتھ نہ دیکھتی تھی جو ہمیشہ سے معمول تھا بلکہ اس عرصہ میں آپ کا معاملہ یہ رہا کہ گھر میں تشریف لاتے اور سلام کرتے پھر پوچھ لیتے کیا حال ہے؟ اور واپس تشریف لے جاتے تھے۔ مجھے چونکہ اس کی کچھ خبر نہ تھی، کہ میرے بارے میں کیا خبر مشہور کی جارہی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کا راز مجھ پر نہ کھلتا تھا، میں اسی غم میں گھلنے لگی، ایک روز اپنی کمزوری کی وجہ سے مسطح صحابی کی والدہ ام مسطح کو ساتھ لیکر میں نے قضاء حاجت کے لئے باہر جانے کا ارادہ کیا کیونکہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا۔ جب میں قضاء حاجت سے فارغ ہوکر گھر کیطرف آنے لگی تو اُم مسطح کا پاؤں اُن کی بڑی چادر میں الجھا اور یہ گر پڑیں، اس وقت انکی زبان سے یہ کلمہ نکلا 'تعس مسطح' یہ ایسا کلمہ ہے جو عرب میں بددعاء کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں ماں کی زبان سے اپنے بیٹے مسطح کے لئے بددعاء کا کلمہ سن کر عائشہ صدیقہؓ کو تعجب ہوا، ان سے فرمایا کہ یہ بہت بری بات ہے تم ایک نیک آدمی کو برا کہتی ہو جو غزوۂ بدر میں شریک تھا یعنی ان کا بیٹا مسطح، اس پر اُم مسطح نے تعجب سے کہا کہ بیٹی کیا تم کو خبر نہیں کہ مسطح میرا بیٹا کیا کہتا پھرتا ہے؟ میں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ تب اُن کی والدہ نے مجھے یہ سارا واقعہ اہل اِفک کی چلائی ہوئی تہمت کا اور مسطح کا اسمیں شریک ہونا بیان کیا۔

صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میرا مرض دوگنا ہوگیا۔ جب میں گھر میں واپس آئی اور حسب معمول رسول اللہ ﷺ تشریف لائے سلام کیا اور مزاج پرسی فرمائی تو صدیقہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں۔ آپ نے اجازت دیدی۔ منشأ یہ تھا کہ والدین سے اس معاملہ کی تحقیق کریں۔ میں نے جاکر والدہ سے پوچھا، انھوں نے تسلی دی کہ تم جیسی عورتوں کے دشمن ہوا کرتے ہیں اور ایسی چیزیں مشہور کیا کرتے ہیں تم اس کے غم میں نہ پڑو، خود بخود معاملہ صاف ہوجاویگا۔

میں نے کہا 'سبحان اللہ'! لوگوں میں اس کا چرچا ہو چکا میں اس پر کیسے صبر کروں۔ میں ساری رات روتی رہی، نہ میرا آنسو تھما، نہ آنکھ لگی، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے جو اس خبر کے پھیلنے سے سخت غمگین تھے، اور اس عرصہ میں اس

معاملے کے متعلق کوئی وحی بھی آپ پر نہ آئی تھی اس لئے علی کرم اللہ وجھہ اور اسامۃ بن زیدؓ جو دونوں گھر کے ہی آدمی تھے ان سے مشورہ لیا کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ اسامۃ بن زیدؓ نے توکھل کر عرض کیا کہ جہاں تک ہمارا علم ہے ہمیں عائشہؓ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں، ان کی کوئی بات ایسی نہیں جس سے بدگمانی کی راہ پیدا ہو، آپ ان افواہوں کی کچھ پرواہ نہ کریں۔

علی کرم اللہ وجہہ نے آپکو غم و اضطراب سے بچانے کے لئے یہ مشورہ دیا کہ اللہ تعالی نے آپ پر کچھ تنگی نہیں فرمائی اگر افواہوں کی بناء پر عائشہؓ کیطرف سے کچھ تکدّر طبعی ہوگیا ہے تو عورتیں اور بہت ہیں۔ آپ کا یہ تکدّر اس طرح بھی رفع ہوسکتا ہے کہ بریرۃؓ جو صدیقہ عائشہؓ کی کنیز ہیں اُن سے ان کے حالات کی تحقیق فرمالیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بریرۃؓ سے پوچھ کچھ فرمائی، بریرۃؓ نے عرض کیا کہ اور تو کوئی بات عیب کی مجھے ان میں نظر نہیں آئی بجز اسکے کہ نوعمر لڑکی ہیں بعض اوقات آٹا گوندھ کر رکھدیتی ہیں خود سو جاتی ہیں بکری آکر آٹا کھا جاتی ہیں، اس کے بعد حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا خطبہ دینا اور برسر منبر تہمت گھڑنے والوں اور افواہ پھیلانے والوں کی شکایت کا ذکر فرمانا اور طویل قصہ مذکور ہے۔

آگے کا مختصر قصہ یہ ہے کہ: صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے یہ سارا دن پھر دوسری رات بھی مسلسل روتے ہوئے گزری میرے والدین بھی میرے پاس آگئے تھے وہ ڈر رہے تھے کہ رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائیگا، میرے والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے، اور جب سے یہ قصہ چلا تھا اس سے پہلے آپ میرے پاس آکر نہ بیٹھے تھے، پھر آپ نے ایک مختصر خطبۂ شہادت پڑھا اور فرمایا: اے عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں یہ باتیں پہنچی ہیں، اگر تم بری ہو تو اللہ تعالی ضرور تمہیں بری کردینگے (یعنی برأت کا اظہار بذریعہ وحی فرمادینگے) اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو اللہ تعالی سے توبہ و استغفار کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کرکے توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالی اس کی توبہ قبول فرمالیتے ہیں۔

جب رسول ﷺ نے اپنا کلام پورا فرمالیا تو میرے آنسو بالکل خشک ہوگئے، میری آنکھوں میں ایک قطرہ نہ رہا، میں نے اپنے والد ابوبکر الصدیقؓ سے کہا کہ آپ رسول ﷺ کی بات کا جواب دیجئے، ابوبکرؓ نے عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں، پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں، اب مجبور ہوکر مجھے ہی بولنا پڑا، میں ایک کم عمر لڑکی تھی اب تک قرآن بھی زیادہ نہیں پڑھ سکی تھی، اس وقت اس رنج

وغم اورانتہائی صدمہ کی حالت میں جبکہ اچھے اچھے عقلاء کو بھی کوئی معقول کلام کرنا آسان نہیں ہوتا، عائشہؓ صدیقہؓ نے جو کچھ فرمایا وہ ایک عجیب وغریب عاقلانہ فاضلانہ کلام ہے اسکے الفاظ بعینہ لکھے جاتے ہیں: **واللہ لقد عرفت لقدسمعتم هذ الحديث حتى استقرفى انفسكم وصدقتم به ولئن قلت لكم انى بريئة والله يعلم انى بريئةلاتصدقوانى ولان اعترفت لكم بامر،والله يعلم انى منه بريئة ، لتصدقونى والله لا اجدلى ولكم مثلاالا كماقال ابويوسف فصبر جميل والله المستعان على تصفون.**

اللہ کی قسم مجھے معلوم ہوگیا کہ آپ نے اس بات کو سنا اور سنتے رہے یہاں تک کہ آپ کے دل میں بیٹھ گئی اور آپ نے اس کی عملا تصدیق کردی، اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں اس سے بری ہوں، جیسا کہ اللہ جانتا ہے، کہ واقعی میں بری ہوں، تو آپ میری تصدیق نہ کرینگے اوراگر میں ایسے کام کااعتراف کرلوں جس سے میرا بری ہونااللہ تعالی جانتا ہے، تو آپ میری بات مان لیں گے، واللہ اب میں اپنے اور آپ کے معاملہ کی کوئی مثال بجزاسکے نہیں پاتی جو یوسف علیہ السلام کے والد یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی غلط بات سنکر فرمائی تھی، کہ میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں، اور اللہ سے اس معاملہ میں مدد طلب کرتا ہوں جو تم بیان کررہے ہو۔

عائشہؓ صدیقہؓ فرماتی ہیں: کہ اتنی بات کر کے میں الگ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی اور فرمایا کہ مجھے یقین تھا کہ جیسا کہ میں فی الواقع بری ہوں اللہ تعالی میری برأت کا اظہار بذریعہ وحی ضرور فرماویں گے۔ لیکن یہ وہم وخیال بھی نہ تھا کہ میرے معاملے میں قرآن کی آیت نازل ہونگی، جو ہمیشہ تلاوت کی جاوینگی کیونکہ میں اپنا مقام اس سے بہت کم محسوس کرتی تھی، ہاں یہ خیال تھا کہ غالبًا آپ کو خواب میں میری برأت ظاہر کردی جاوے گی۔ عائشہؓ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ اپنی اس مجلس سے ابھی نہیں اٹھے تھے اور گھر والوں میں بھی کوئی نہیں اٹھا تھا کہ آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی، جس سے سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹنے لگتا تھا، جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو رسول ﷺ ہنستے ہوئے اٹھے اور سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا: **ابشری یاعائشه اماالله فقدابرأک**، یعنی اے عائشہؓ صدیقہؓ خوشخبری سنو اللہ تعالی نے تو تمہیں بری کردیا، میری والدہ نے کہا کہ کھڑی ہوجاؤ اور نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو، میں نے کہا کہ نہ میں اس معاملہ میں اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں نہ کھڑی ہوں گی میں اپنے رب کی شکرگذار ہوں کہ اسی نے مجھے بری فرمایا۔ [بخاری؛رقم: ۴۱۴۱، مسلم،رقم:۲۷۷۰]۔

ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوْا هٰذَا إِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾

تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے [۵]

لَوْلَا جَاؤُا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَأُولٰئِكَ عِنْدَ

یہ (افتراء پرداز) اپنی بات (کی تصدیق) کے (لئے) چار گواہ کیوں نہ لائے؟ تو جب یہ گواہ نہیں لا سکے تو اللہ کے نزدیک

اللهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا

یہی جھوٹے ہیں۔ اور اگر دنیاو آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی

وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَا أَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے اس کی وجہ سے تم پر بڑا (سخت) عذاب نازل ہوجاتا

---

[۵] عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: رأيت رسول اللهﷺ يطوف بالكعبة، ويقول ماطيبك واطيب ريحك، ماأعظمك واعظم حرمتك، و الذى نفس محمدبيده لحرمة المومن اعظم عندالله حرمة منك، ماله ودمه، وان نظن به الاخيرا. سنن ابن ماجه، ابواب الفتن رقم: ۳۹۳۲.

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، کہ آپ ﷺ کعبہ کا طواف کررہے ہیں، اور کعبے سے خطاب کرتے ہوئے فرمارہے ہیں، کہ تو کتنا پاک ہے؟ اور تیری خوشبو کتنی اچھی ہے؟ تو کتنا عظیم ہے؟ اور تیری حرمت کتنی بڑی ہے؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، یقیناً ایک مومن کی حرمت اللہ تعالی کے نزدیک تیری حرمت سے بھی زیادہ عظیم ہے، اس کے مال کی بھی، اس کے خون کی بھی، اور اس بات کی بھی کہ ہم اس کے بارے میں اچھے گمان کے سوا کوئی اور گمان کریں۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی کو بعض علماء نے ضعیف کہا ہے، جبکہ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے، مصباح الزجاجة: ۱۶۴/۴، لیکن یہی مضمون والی حدیث عبداللہ بن عباسؓ اور جابرؓ اور عبداللہ بن عمروؓ سے بھی مختلف سندوں سے مروی ہے، شعب الایمان للبیہقی: ۲۰۶/۳، معجم کبیر للطبرانی ۱۰۹۶۶، معجم اوسط: ۵۷۱۹، مجمع الزوائد: ۲۵۵/۱، جس کی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث قابل قبول ہے۔ فیض القدیر: ۳۶۶/۵۔

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ

جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تمہیں کچھ علم نہ

وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾

تھا اور تم اسے ایک ہلکی بات سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی بھاری بات تھی

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ

اور جب تم نے اسے سنا تو کیوں نہ کہا کہ ہمیں شایاں نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں (پروردگار!) تو پاک ہے

هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ

یہ تو (بہت) بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر مومن ہو تو پھر کبھی ایسا (کام) نہ کرنا

مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۸﴾

اور اللہ تمہارے (سمجھانے کے لئے) اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا

اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت بدکاری کی خبر) پھیلے

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾

ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہو گا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللّٰهَ رَؤُفٌ رَحِيمٌ ﴿۲۰﴾

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو کیا کچھ نہ ہوتا مگر وہ کریم ہے) اور یہ کہ اللہ نہایت مہربان اور رحیم ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَإِنَّهُ

اے مومنو! شیطان کے قدموں پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو شیطان

يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا
تو بے حیائی (کی باتیں) اور بُرے کام ہی بتائے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو ایک شخص بھی
مِنكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّي مَن يَّشَآءُ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾
تم میں پاک نہ ہو سکتا مگر جس کو اللہ چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے (اور) اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے
وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُّؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ
اور جو لوگ تم میں صاحبِ فضل (اور صاحبِ) وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں
وَالْمَسٰكِينَ وَالْمُهٰجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا
اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ پات نہیں دیں گے ان کو چاہیئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں
أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ
کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ جو لوگ
يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
پرہیزگار اور بُرے کاموں سے بےخبر اور ایمان دار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت (دونوں) میں
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ
لعنت ہے اور ان کو سخت عذاب ہوگا۔ (یعنی قیامت کے روز) جس دن ان کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں سب
وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللّٰهُ
ان کے کاموں کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ ان کو (ان کے اعمال کا) پورا پورا (اور) ٹھیک ٹھیک بدلا دے گا
دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾
اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ برحق (اور حق کو) ظاہر کرنے والا ہے

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ

ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے

وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ أُوْلٰٓئِكَ مُبَرَّؤُنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے یہ (پاک لوگ) ان کی باتوں سے بَری ہیں ان کے لئے بخشش اور نیک روزی ہے

﴿۲۶﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا

مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے

وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى أَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور ان کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ) شاید تم یاد رکھو

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيْلَ لَكُمُ

اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو اور اگر یہ کہا جائے گا (اس

ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾

وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ سب جانتا ہے

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ

اگر تم کسی ایسے گھر میں جاؤ جس میں کوئی بستا نہ ہو اور اس میں تمہارا اسباب ہو تم پر کچھ گناہ نہیں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے۔ مومن مردوں سے کہہ دو

يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ

کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے

إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ

اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے خبردار ہے۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں

مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ

اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند

أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُوْلَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ

اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں

أَوْ بَنِيْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِيْ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ

اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا

أَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ أُولِي الْأِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا

نیز ایسے نوکر جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے

عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ

واقف نہ ہوں کسی پر اپنی زینت (اور سنگھار کے مقامات) ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں

لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْا إِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ

نہ ماریں کہ (جھنکار کی آواز کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ

تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں

مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾

اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوشحال کر دے گا اور اللہ (بہت) وسعت والا اور جاننے والا ہے

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

اور جن کو بیاہ کا مقدور نہ ہو وہ پاکدامنی کو اختیار کئے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ

اور جو غلام تم سے مکاتبت چاہیں اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت کر لو

خَيْرًا وَآتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْ آتٰكُمْ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى

اور اللہ نے جو مال تمہیں بخشا ہے[۶] اس میں سے ان کو بھی دو اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے)

الْبِغَآءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ

دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرنا اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بیچاریوں) کے مجبور کئے

فَإِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ

جانے کے بعد اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں نازل کی ہیں

---

[۶] آج کل دنیا میں مادہ پرستی کا دور دورہ ہے، ساری دنیا معاد و آخرت کو بھلا کر صرف معاش کے جال میں پھنس گئی ہے، ان کی علمی تحقیقات اور غور و فکر کا دائرہ صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، اور اس میں بحث و تحقیق کے زور نے ایک ایک معمولی مسئلے کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے، ان فنون میں سب سے بڑا فن معاشیات کا ہے۔ اس معاملے میں آج کل عقلاء دنیا کے دو نظریئے زیادہ معروف و مشہور ہیں، وہ دونوں ہی باہم متصادم ہیں، ان کے تصادم نے اقوام دنیا میں تصادم اور جنگ و جدال کے ایسے دروازے کھول دیئے ہیں کہ ساری دنیا امن و اطمینان سے محروم ہو گئی۔

ایک نظام سرمایہ دارانہ نظام ہے، جس کو اصطلاح میں کیپٹل ازم کہا جاتا ہے، دوسرا نظام اشتراکیت کا ہے جس

کوکمیونیزم یا سوشل ازم کہا جاتا ہے، اتنی بات تو مشاہدہ کی ہے جس کا دونوں نظاموں میں سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، کہ اس دنیا میں انسان اپنی محنت اور کوشش سے جو کچھ کماتا اور پیدا کرتا ہے اس سب کی اصل بنیاد قدرتی وسائل، پیداوار زمین، پانی اور معادن میں پیدا ہونے والی قدرتی اشیاء پر ہے، انسان اپنے غور وفکر اور محنت ومشقت کے ذریعہ انہیں وسائل پیداوار میں جوڑ توڑ اور تحلیل وترکیب کے ذریعہ اپنی ضرورت کی لاکھوں اشیاء پیدا کرتا اور بناتا ہے، عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ دونوں نظام پہلے یہ سوچتے کہ یہ قدرتی وسائل خود تو پیدا نہیں ہوگئے، ان کا کوئی پیدا کرنے والا ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کا اصل مالک بھی وہی ہوگا۔ جوان کا پیدا کرنے والا ہے ہم ان وسائل پر قبضہ کرنے اوران کے مالک بننے یا استعمال کرنے میں آزاد نہیں بلکہ اصل مالک وخالق نے اگر کچھ ہدایات دی ہیں تو ان کے تابع چلنا ہمارا فرض ہے، مگر مادہ پرستی کے جنون نے ان سبھی کو اصل خالق ومالک کے تصور ہی سے غافل کردیا۔ ان کے نزدیک اب بحث صرف یہ رہ گئی کہ وسائل پیداوار پر قبضہ کرکے ان سے ضروریات زندگی پیدا کرنے والا ان سب چیزوں کا خود بخود آزاد مالک ومختار ہوجاتا ہے، یا یہ سب چیزیں وقف عام اور مشترک ہیں، ہرایک کو ان سے نفع اٹھانے کا یکساں حق حاصل ہے۔

پہلا نظریہ سرمایہ دارانہ نظام کا ہے جو انسان کو ان چیزوں پر آزاد ملکیت کا حق دیتا ہے۔ کہ جس طرح چاہے اس کو حاصل کرے اور جہاں چاہے اس کو خرچ کرے، اس میں اس پر کوئی روک ٹوک برداشت نہیں، یہی نظریہ قدیم زمانے کے مشرکین وکفار کا تھا، جنہوں نے شعیب علیہ السلام پر یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ مال ہمارے ہیں، ہم ان کے مالک ہیں، آپ کو کیا حق ہے کہ ہم پر پابندی لگائیں کہ فلاں کام میں خرچ کرنا جائز اور فلاں میں حرام ہیں۔ آیت قرآن: ''او ان نـفـعـل فی اموالنامانشاء'' (ھود:۸۷) کا یہی مطلب ہے۔

اور دوسرا نظریہ اشتراکیت کا ہے، جو کسی کو کسی چیز پر ملکیت کا حق نہیں دیتا بلکہ ہر چیز کو تمام انسانوں میں مشترک اور سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کا یکساں حقدار قرار دیتا ہے، اور اصل نظریہ اشتراکیت کی بنیاد یہی ہے، مگر پھر جب دیکھا کہ یہ ناقابل عمل تصور ہے، اس پر کوئی نظام نہیں چلایا جاسکتا۔ تو پھر کچھ اشیاء کو ملکیت کے لئے مستثنی بھی کردیا ہے، قرآن کریم نے ان دونوں بیہودہ نظریوں پر رد کرکے اصول یہ بنایا کہ کائنات کی ہر چیز دراصل اللہ تعالی کی مِلک ہے جو ان کا خالق ہے، پھر اس نے اپنے فضل وکرم سے انسان کو ایک خاص قانون کے تحت ملکیت عطا فرمائی ہے۔

جن چیزوں کا اس قانون کی رو سے وہ مالک بنادیا گیا ہے، اس میں دوسروں کے تصرف کو بغیر اس کی اجازت کے حرام قرار دیا۔ مگر مالک بننے کے بعد بھی اس کو آزاد ملکیت نہیں دی، کہ جس طرح چاہے کمائے اور جس طرح چاہے=

مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کی خبریں اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ

اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے

يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ

اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا

يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ

ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے اور روشنی پر روشنی (بڑھ رہی ہے) اللہ اپنے نور سے جس

= خرچ کرے۔ بلکہ دونوں طرف ایک عادلانہ اور حکیمانہ قانون رکھا ہے کہ فلاں طریقہ کمانے کا حلال ہے فلاں حرام اور فلاں جگہ خرچ کرنا حلال ہے اور فلاں حرام۔ اور یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں دی ہے اس میں کچھ اور لوگوں کے حقوق بھی لگا دیے ہیں۔ جن کو ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے، آیت مذکورہ اگرچہ ایک اور مضمون کے لئے آئی ہے مگر اس کے ضمن میں اسی اہم معاشی مسئلہ کے چند اصول بھی آ گئے ہیں۔ الفاظ آیت پر نظر کیجئے: ''واتوھم من مال اللہ الذی اتکم'' یعنی دو! ان حاجتمند لوگوں کو اللہ کے اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے دیا ہے، اس میں تین باتیں ثابت ہوئیں، اول یہ کہ اصل مالک مال اور ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہے، دوسرے یہ کہ اسی نے اپنے فضل سے اس کے ایک حصہ کا تمہیں مالک بنا دیا ہے، تیسرے یہ کہ جس چیز کا تم کو مالک بنایا ہے اس پر کچھ پابندیاں بھی اس نے لگائی ہیں۔ بعض چیزوں میں خرچ کرنے کو ممنوع قرار دیا اور بعض چیزوں میں خرچ کرنے کو لازم و واجب اور بعض میں مستحب اور افضل قرار دیا ہے، واللہ اعلم۔

مَنۡ يَّشَآءُ وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۳۵﴾

کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور اللہ جو مثالیں بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کے لئے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے [7]

فِيۡ بُيُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَيُذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيۡهَا

(وہ قندیل) ان گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے [۷]

بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ

(اور) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہیں۔ (یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر

وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوۡنَ يَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِيۡهِ الۡقُلُوۡبُ

اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت وہ اس دن سے جب دل (خوف گھبراہٹ

---

[7] آیت مذکورہ کو اہل علم آیت نور لکھتے ہیں کیونکہ اس میں نور ایمان اور ظلمت کفر کو بڑی تفصیلی مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ امام غزالی نور کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الظاهر بنفسه و المظهر لغيره ،یعنی خود اپنی ذات سے ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر و روشن کرنے والا ہو۔ اور تفسیر مظہری میں ہے: کہ نور دراصل اس کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی قوت باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے، اور پھر اس کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں جیسے آفتاب اور چاند کی شعاعیں ان کے مقابل اجسام کثیفہ پر پڑ کر اول اس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اس سے شعاعیں منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کرتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ ''نور'' کا اپنے لغوی اور عرفی معنے کے اعتبار سے حق تعالی جل شانہ، کی ذات پر اطلاق نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ جسم اور جسمانیات سب سے بری اور وراء الوراء ہے۔ اس لئے آیۃ مذکورہ میں جو حق تعالی کے لئے لفظ نور کا اطلاق ہوا ہے اس کے معنے باتفاق ائمہ تفسیر منوِّر یعنی روشن کرنے والے کے ہیں، یا پھر صیغہ مبالغہ کی طرح صاحب نور کو نور سے تعبیر کر دیا گیا۔ جیسے صاحب کرم کو کرم اور صاحب عدل کو عدل کہہ دیا جاتا ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالی نور بخشنے والے ہیں، اسمان و زمین کو اور اس میں بسنے والی مخلوق کو، اور مراد اس نور سے نور ہدایت ہے۔ ابن کثیر نے

ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے: **اللہ ہادی اھل السمٰوات و الارض۔**

"مَثَلُ نُوْرِهِ كَمِشْكَاةٍ" الایۃ ،اللہ تعالیٰ کا نور ہدایت جو مومن کے قلب میں آتا ہے یہ اس کی ایک عجیب مثال ہے جیسا کہ ابن جریر نے ابی بن کعبؓ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے: **هو المؤمن الذى جعل الله الايمان و القرآن فى صدره فضرب الله مثله فقال: ،الله نور السمٰوات والارض ،فبدأبنورنفسه ثم ذكرنور المؤمن فقال مثل نورمن آمن به فكان ابى بن كعبؓ يقرأهامثل نورمن آمن به(ابن كثير).**

یعنی یہ مثال اس مومن کی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن کا نور ہدایت ڈال دیا ہے،اس آیت میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا "**اللہ نور السموات والارض**" ۔پھر قلب مومن کے نور کا ذکر فرمایا"**مثل نوره**" اوراس آیت کی قرأت بھی ابی بن کعبؓ کی مثل نورہ کے بجائے "**مثل نور من آمن به**"کی ہے، اورسعید بن جبیرؒ نے یہی قرأت ،اورآیت کا یہی مفہوم ابن عباسؓ سے بھی روایت کیا ہے،ابن کثیر نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "**مثل نوره**" کی ضمیر کے متعلق ائمہ تفسیر کے دوقول ہیں:ایک یہ کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اورمعنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کا نور ہدایت جو مومن کے قلب میں فطرۃً رکھا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے۔"**كمشكوٰة**" الایۃ ، یہ قول ابن عباسؓ کا ہے،دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر ہی مومن کیطرف راجع ہو جس پر سیاق کلام دلالت کررہا ہے،اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مومن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نور ہدایت کی مثال ہے ،جو مومن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے،جسکا خاصہ خود بخود بھی قبول حق کا ہے۔

پھر جس طرح روغن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہوکر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے،اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مومن میں رکھا گیا ہے،جب وحی الٰہی اور علم الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہوجاتا ہے تو روشن ہوکر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے،اورصحابہ وتابعین نے جو اس کی مثال کو قلب مومن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ فائدہ اس نور کا صرف مومن ہی اٹھاتا ہے،ورنہ وہ فطری نور ہدایت جو ابتداءِ تخلیق کے وقت انسان کے قلب میں رکھا جاتا ہے وہ مومن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان کے فطرت وجبلت میں وہ نور ہدایت رکھا جاتا ہے،اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم ،ہر خطہ،ہر مذہب ومشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے وجود کو اوراس کی عظیم قدرت کو فطرۃً مانتا ہے اس کی طرف رجوع کرتا ہے،اس کے تصور اورتعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفس وجود کا ہر انسان فطرۃً

قائل ہوتا ہے، بجز چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہوگئی ہے کہ وہ اللہ ہی کے وجود کے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے، جس میں یہ ارشاد ہے: ''کل مولود یولد علی الفطرۃ'' (بخاری:۱۲۹۶، مسلم:۴۸۰۳) یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈالدیتے ہیں۔

اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے، یہ ہدایت ایمان اور اس کا نور ہر انسان کی پیدائش کے وقت اس میں رکھا جاتا ہے، اور اسی نور ہدایت کی وجہ سے اس میں قبول حق کی صلاحیت ہوتی ہے، جب انبیاء اور ان کے نائبوں کے ذریعہ وحی الٰہی کا علم ان کو پہنچتا ہے تو وہ اس کو بسہولت قبول کر لیتے ہیں، بجز ان منسوخ الفطرت لوگوں کے جنہوں نے اس فطری نور کو اپنی حرکتوں سے مٹا ہی ڈالا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں تو عطاء نور کو عام بیان فرمایا ہے۔ جو تمام اسمان والوں اور زمین والوں کو شامل ہے، مومن کافر کی بھی کوئی تخصیص نہیں۔

اور آخر میں یہ فرمایا: ''یھدی اللہ لنورہ من یشاء'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کیطرف جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے، یہاں مشیت الٰہی کی قید اس نور فطرت کے لئے نہیں جو ہر انسان میں رکھا ہے بلکہ نور قرآن کے لئے ہے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا، بجز اس خوش نصیب کے جس کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے توفیق نصیب ہو۔ ورنہ انسان کی کوشش بھی بلا توفیق الٰہی بیکار بلکہ بعض اوقات مضر بھی پڑ جاتی ہے۔

اذالم یکن عون من اللہ للفتی　　　فاول مایجنی علیہ اجتہادہ

یعنی اللہ کے طرف سے بندہ کی مدد نہ ہو تو اس کی کوشش ہی اس کو الٹا نقصان پہنچا دیتی ہے۔

امام بغوی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابن عباسؓ نے کعب احبار سے پوچھا کہ آس آیت کی تفسیر میں آپ کیا کہتے ہیں مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ ، الایۃ؟ کعب احبار جو تورات اور انجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے، انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے۔ مِشْكٰوةٍ آپ کا سینہ اور ''زجاجۃ'' (قندیل) آپ کا قلب مبارک اور ''مصباح'' چراغ نبوت ہے، اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار واعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے، پھر وحی الٰہی، اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے، تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اظہار نبوت و بعثت بلکہ آپ کی پیدائش سے بھی پہلے جو بہت سے عجیب وغریب واقعات عالم

میں ایسے پیش آئے جو آپؐ نبوت کی بشارت دینے والے تھے۔جن کو اصطلاح محدثین میں ارہاصات کہا جاتا ہے کیونکہ معجزات کا لفظ تو اس قسم کے ان واقعات کے لئے مخصوص ہے جو دعوی نبوت کی تصدیق کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر جاری کئے جاتے ہیں۔اور دعوی نبوت سے پہلے جو اس قسم کے واقعات دنیا میں ظاہر ہوں ان کو ارہاصات کا نام دیا جاتا ہے،اس طرح کے بہت سے واقعات عجیبہ صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو سیوطی نے خصائص کبری میں اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور دوسرے علماء نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔

''شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ ''اس سے زیتون اور اس کے درخت کا مبارک اور نافع ومفید ہونا ثابت ہوتا ہے،علماء نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالی نے اس میں بے شمار منافع وفوائد رکھے ہیں۔اس کو چراغوں میں روشنی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے،اس کے پھل کو بطور تفکّہ کے کھایا جاتا ہے اور یہ ایسا تیل ہے جس کے نکالنے کے لئے کسی مشین یا چرخی وغیرہ کی ضرورت نہیں خود بخود اس کے پھل سے نکل جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کلوا الزیت وادھنوابه فانه من شجرة مبارکة: ،روغن زیتون کو کھاؤ بھی اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجرہ مبارکہ ہے۔(رواہ و الترمذی مرفوعا عن عمرؓ: ۱۷۷۴)۔

فِیْ بُیُوْتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهُ یُسَبِّحُ لَهُ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ، الآیۃ،سابقہ ایت میں حق تعالی نے قلب مومن میں اپنا نور ہدایت ڈال دینے کی ایک خاص مثال بیان فرمائی تھی اور آخر میں یہ فرمایا تھا کہ اس نور سے فائدہ وہ ہی لوگ اٹھاتے ہیں جنکو اللہ چاہتا ہے اور توفیق دیتا ہے۔اس آیت میں ایسے مومنین کا مستقر ومحل بیان فرمایا گیا کہ ایسے مومنین کا اصل مقام ومستقر جہاں وہ اکثر اوقات خصوصا پانچ نمازوں کے اوقات میں دیکھے جاتے ہیں،وہ بیوت یعنی مکانات ہیں جن کے لئے اللہ تعالی کا حکم یہ ہے کہ ان کو بلند وبالا رکھا جائے ،اوران میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے اوران بیوت ومکانات کی شان یہ ہے کہ ان میں اللہ کے نام کی تسبیح وتقدیس صبح شام یعنی تمام اوقات میں ایسے لوگ کرتے رہتے ہیں جن کی خاص صفات کا بیان آگے آتا ہے۔

اس تقریر کی بنا اسپر ہے کہ نحوی ترکیب میں ''فی بیوت''کا تعلق آیت کے جملہ ''یھدی اللہ لنورہ''کے ساتھ ہو(کمایستفادمن ابن کثیروغیرہ من المفسرین)بعض علماء نے اس کا تعلق لفظ'' یسبح''محذوف کے ساتھ کیا ہے جس پر آگے آنے والا لفظ''یسبح''دلالت کرتا ہے مگر پہلا احتمال نسق کلام کے اعتبار سے بہتر معلوم ہوتا ہے،اور مطلب ایت کا یہ ہوگا کہ مثال سابق میں اللہ تعالی کے جس نور ہدایت کا ذکر ہوا ہے اس کے ملنے کی جگہ وہ بیوت

ومکانات ہیں جہاں صبح شام اللہ تعالی کا نام لیا جاتا ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان بیوت سے مراد مساجد ہیں۔

مساجد اللہ کے گھر ہیں ان کی تعظیم واجب ہے، قرطبی نے اسی کو ترجیح دی اور استدلال میں انسؓ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من احب الله عزوجل فليحبني ومن احبني فليحب اصحابي ومن احب اصحابي فليحب القرآن ومن احب القرآن فليحب المساجدفانها افنية الله، اذن الله في رفعهاوبارک فيها ميمونة ميمون اهلها،محفوظة محفوظ اهلها، هم في صلاتهم والله عزوجل في حوائجهم هم في المساجدوالله من ورائهم. (الكامل لابن عدى: ٨/٦٦).

جو شخص اللہ تعالی سے محبت رکھنا چاہتا ہے، اس کو چاہیے کہ مجھ سے محبت کرے، اور جو مجھ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہیئے کہ میرے صحابہؓ سے محبت کرے، اور جو صحابہ سے محبت رکھنا چاہے، اس کو چاہیئے کہ قرآن سے محبت کرے، اور جو قرآن سے محبت رکھنا چاہے، اس کو چاہیئے کہ مسجدوں سے محبت کرے۔ کیونکہ وہ اللہ کے گھر ہیں، اللہ نے ان کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔ اوران میں برکت رکھی ہے، وہ بھی بابرکت ہیں، اوران کے رہنے والے بھی بابرکت۔ وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں اوران کے رہنے والے بھی حفاظت میں۔ وہ لوگ اپنی نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی ان کے کام بناتے اور حاجتیں پوری کرتے ہیں، وہ مسجدوں میں ہوتے ہیں، تو اللہ تعالی ان کے پیچھے ان کی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں (قرطبی)۔

"أَذِنَ اللهُ أَنْ تُرْفَعَ" "اَذِنَ" اِذن سے مشتق ہے جس کے معنی اجازت دینے کے ہیں، اور "ترفع" رفع سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کرنے اور تعظیم کرنے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالی نے اجازت دی ہے مسجدوں کو بلند کرنے کی۔ اجازت دینے سے مراد اُس کا حکم کرنا ہے اور بلند کرنے سے مُراد اُن کی تعظیم کرنا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بلند کرنے کے حکم میں اللہ تعالیٰ نے مسجدوں میں لغو کام کرنے اور لغو کلام کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابن کثیر)۔

عکرمہ ومجاہدؒ امامِ تفسیر نے فرمایا کہ رفع سے مراد مسجد کا بنانا ہے، جیسے بِناءِ کعبہ کے متعلق قرآن میں آیا ہے: ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ ابراهيم القواعد من البيت﴾ (بقرة: ١٢٧) ۔ کہ اس میں رفع قواعد سے مراد بِناءِ قواعد ہے اور حسن بصریؒ نے فرمایا کہ رفع مساجد سے مراد مساجد کی تعظیم واحترام اور اُن کو نجاستوں اور گندی چیزوں سے پاک رکھنا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ: ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مسجد میں سے ناپا کی اور گندگی اور ایذا کی چیز کو نکال دیا اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنت میں گھر بنادیں گے۔ رواہ ابن ماجہ: ٧٤٩۔

وَالْأَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا

کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں۔ تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلا دے

وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور جس کو چاہتا ہے اللہ بے شمار رزق دیتا ہے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے

حَتّٰٓى إِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ

یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور اللہ ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اس کا حساب پورا پورا چکا

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ أَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ

دے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چلی آتی ہو

مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ إِذَآ أَخْرَجَ

اور اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک

يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾

جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے اور جس کو اللہ روشنی نہ دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۭ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلائے ہوئے جانور بھی

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾

اور سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کو معلوم ہے[۸]

---

[۸] شروع آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین وآسمان اوران کے درمیان کی ہرمخلوق اور ہر چیز اللہ تعالی کی تسبیح وتقدیس کرنے میں مشغول ہے۔اس تسبیح کا مفہوم سفیانؒ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز آسمان، زمین آفتاب مہتاب، اورکل سیارے اورستارے اورزمین کے عناصر آگ، پانی، مٹی، ہوا، سب کو خاص خاص کاموں کے لیے پیدا فرمایا ہے اور جس کام کے لیے پیدا فرمایا ہے وہ برابر اسپر لگے ہوے ہیں اس سے سرِ موخلاف نہیں کرتا، اسی اطاعت وانقیاد کوان چیزوں کی تسبیح فرمایا ہے۔حاصل یہ ہے کہ ان کی تسبیح حالی ہے مقالی نہیں۔ان کی زبان حال بول رہی ہے کہ یہ اللہ تعالی کو پاک وبرتر سمجھ کراس کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔

زمخشری اور دوسرے مفسرین نے فرمایا: کہ اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالی نے ہر چیز کے اندر اتنا فہم وشعور رکھا ہو جس سے وہ اپنے خالق ومالک کو پہچانے، اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ ان کو کسی خاص قسم کے گویائی عطا فرمائی ہو، اور خاص قسم کی تسبیح وعبادت ان کو سکھا دی ہو، جس میں وہ مشغول رہتے ہوں۔آخری جملے ''**کل قدعلم صلاته**'' میں اسی مضمون کیطرف اشارہ پایا جاتا ہے، کہ اللہ تعالی کی تسبیح اور نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے، مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے، فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا دوسرا، اور نباتات کسی اور طرح سے عبادت، نماز وتسبیح ادا کرتے ہیں، جمادات کسی اور طریق سے۔

قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے **اعطی کل شئ خلقه ثم هدی**، (طہ:۵۰) یعنی اللہ تعالی نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت دی۔وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالی کی اطاعت میں لگی ہوئی، اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے اس کے علاوہ اس کی اپنی ضروریات زندگی کے متعلق بھی اس کو ایسی ہدایت دے دی ہے کہ بڑے بڑے عقلاء کی عقل حیران ہو جاتی ہے پرندے اور جانور اپنے رہنے بسنے کیلئے کیسے کیسے گھونسلے اور بل وغیرہ بناتے ہیں۔اور اپنی غذا وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿۴۲﴾

اور آسمان اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر ان کو آپس میں ملا دیتا ہے اور ان کو تہ بتہہ کر دیتا ہے

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهِ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ

پھر تم دیکھتے ہو کہ بادل سے مینہ نکل (کر برس) رہا ہے اور آسمان میں جو (اولوں کے) پہاڑ ہیں ان سے اولے نازل کرتا

فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۖ يَكَادُ سَنَا

ہے تو جس پر چاہتا ہے اس کو برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے اور بادل میں

بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

جو بجلی ہوتی ہے اس کی چمک آنکھوں کو (خیرہ کر کے بینائی کو) اچکے لئے جاتی ہے اور اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ

اہلِ بصارت کے لئے اس میں بڑی عبرت ہے۔ اور اللہ ہی نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ

تو ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں سے چلتے ہیں

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِي عَلٰى أَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۴۵﴾

اور بعض ایسے ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

لَقَدْ أَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۚ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

ہم ہی نے روشن آیتیں نازل کی ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتا ہے

﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۴۸﴾ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿۴۹﴾ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۵۰﴾ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵۱﴾ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۵۲﴾

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور (ان کا) حکم مان لیا پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فرقہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ صاحبِ ایمان ہی نہیں ہیں۔ اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ (رسول اللہ) ان کا قضیہ چکا دیں تو ان میں سے ایک فرقہ منہ پھیر لیتا ہے اور اگر معاملہ حق ان کو (پہنچتا) ہو تو ان کی طرف مطیع ہو کر چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا (یہ) شک میں ہیں یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے حق میں ظلم کریں گے؟ (نہیں) بلکہ یہ خود ظالم ہیں بے شک مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کر دیں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں[۹]

---

[۹] امام قرطبی نے تفسیر قرطبی میں اس جگہ ایک واقعہ فاروق اعظمؓ کا نقل کیا جس سے ان چاروں چیزوں کے =

وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَّا تُقْسِمُوا ج

اور (یہ) اللہ کی پکی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تم ان کو حکم دو تو (سب گھروں سے) نکل کھڑے ہوں کہہ دو کہ قسمیں مت کھاؤ

طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ ط إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ

تمہاری اطاعت کی حقیقت معلوم ہے بیشک اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ کہہ دو کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو

وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ

اور رسول اللہ کے حکم پر چلو اگر منہ موڑو گے تو رسول پر (اس چیز کا ادا کرنا) جو ان کے ذمے ہے اور تم پر ہے جو تمہارے ذمے

= مفہوم کا فرق اور وضاحت ہو جاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ فاروق اعظمؓ ایک روز مسجد نبوی میں کھڑے تھے۔ اچانک ایک رومی دہقان آدمی بالکل آپ کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا "انا اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله"، فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو کہا میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا ہوں، فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا اس کا کوئی سبب ہے؟ اس نے کہا ہاں، بات یہ ہے کہ میں نے تورات، انجیل، زبور، اور انبیاء سابقین کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا وہ سنی تو معلوم ہوا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام کتب قدیمہ کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے؟ تو اس رومی دہقان نے یہی آیت مذکورہ تلاوت کی، اور اس کے ساتھ اس کی تفسیر بھی عجیب وغریب اس طرح بیان کی کہ "من يطع الله"، فرائض الٰہیہ کے متعلق ہے "ورسوله"، سنت نبوی کے متعلق ہے "ويخش الله"، گزشتہ عمر کے متعلق ہے "ويتقه"، آئندہ باقی عمر کے متعلق ہے، جب انسان ان چار چیزوں کا عامل ہو جائے تو اس کو "اولئك هم الفائزون" کی بشارت ہے اور "فائز" وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے۔ اور جنت میں اس کو ٹھکانہ ملے۔ فاروق اعظمؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ نبی کریم ﷺ (کے کلام میں اس کی تصدیق موجود ہے) آپؐ نے فرمایا: "اوتيت جوامع الكلم" (مسند احمد: ۷۴۰۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے جامع کلمات عطا فرمائیں ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی نہایت وسیع ہیں۔

وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٥٤﴾

ہے اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو سیدھا رستہ پاؤ گے اور رسول کے ذمے تو صاف صاف (احکامِ الٰہی کا) پہنچا دینا ہے

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا

فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي

جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے

ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ

پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو

بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿٥٥﴾

شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٦﴾

اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور پیغمبرِ الٰہی کے فرمان پر چلتے رہو تاکہ تم پر رحم کی جائے

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَأْوٰهُمُ النَّارُ

اور ایسا خیال نہ کرنا کہ تم پر کافر لوگ غالب آجائیں گے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے

وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٥٧﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ

اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ مومنو! تمہارے غلام لونڈیاں

أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ

اور جو بچے تم میں سے بلوغ کو نہیں پہنچے تین دفعہ (یعنی تین اوقات میں) تم سے اجازت لیا کریں (ایک تو) نمازِ صبح

الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ قف

سے پہلے اور جب تم کپڑے اتار دیتے ہودوپہرکو اور تیسرے عشاء کی نماز کے بعد

ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ط

(یہ) تین (وقت) تمہارے پردے (کے) ہیں ان کے (آگے) پیچھے (یعنی دوسرے اوقات میں) نہ تم پر کچھ گناہ ہے

طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

نہ ان پر کہ کام کاج کے لئے ایک دوسرے کے پاس آتے رہتے ہواس طرح اللہ اپنی آیتیں تم پرکھول کھول کر بیان فرماتا

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا

ہےاوراللہ بڑاعلم والا اور حکمت والا ہے۔اور جب تمہارے لڑکے بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہیئے

كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

جس طرح ان سے اگلے (یعنی بڑے آدمی) اجازت حاصل کرتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا

اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی

فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ ط

اور وہ کپڑے اتار کر سر ننگا کر لیا کریں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کی چیزیں نہ ظاہر کریں

وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اور اگر اس سے بھی بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ سنتا اور جانتا ہے

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ

نہ تو اندھے پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر

حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ

اور نہ خود تم پر کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپوں کے گھروں سے

اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ

یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے

اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی

خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

خالاؤں کے گھروں سے یا اس گھر سے جس کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (اور اس کا

اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھانا کھاؤ یا جدا جدا اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں کو) سلام کیا کرو

تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

(یہ) اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے اس طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ

مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب کبھی ایسے کام کے لئے جو

جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

جمع ہو کر کرنے کا ہو پیغمبر الٰہی کے پاس جمع ہوں تو ان سے اجازت لئے بغیر چلے نہیں جاتے اے پیغمبر! جو لوگ تم سے اجازت حاصل کرتے ہیں

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ

وہی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں سو جب یہ لوگ تم سے کسی کام کے لئے اجازت مانگا کریں

فَأْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

تو ان میں سے جسے چاہو اجازت دیدیا کرو اوران کے لئے اللہ سے بخشش مانگا کرو کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ

مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایکدوسرے کو بلاتے ہو[۱۰] بیشک اللہ کو یہ لوگ معلوم ہیں

---

[۱۰] یہ بھی ادب رسول ہے یعنی جب اللہ کا پیغمبر تمہیں بلائے تو فوراً حاضر ہو جایا کرو اور آپ کے ارشاد کی تعمیل میں تاخیر یا سستی نہ کیا کرو۔ جس طرح اپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ جب آپ کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ تو جہاں آپ حکم دیں وہاں بیٹھو اور جب اجازت دیں تب اٹھو۔ اس صورت میں دعا مصدر کی طرف مضاف ہوگا۔ ای اذااحتاج رسول اللهﷺالی اجتماعکم عنده لامر فدعاکم فلاتقربوا منه الاباذنه ولاتقیسوا دعاءه ایاکم علی دعاء بعضکم بعضا. مدارک۔ یا دعا اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے، یعنی پیغمبر علیہ السلام کو آواز دیتے وقت آپ کے آدب و تعظیم کا خیال رکھو، نہ آپ کا نام لے کر آواز دو، نہ دور سے اور بلند آواز سے پکارو، بعض لوگ آپ کو یا محمد کہہ کر آواز دیتے تھے، اور بعض دیہاتی چلا کر آپ کو پکارتے، ان باتوں سے منع کیا گیا، کیونکہ ادب پیغمبر کے خلاف ہیں: یرید یصیح من بعید یاابا القاسم بل عظموه کمافی الحجرات ﴿ان الذین یغضون اصواتهم عندرسول الله﴾ الایة(الحجرات:۳) وقال سعیدبن جبیرومجاهد المعنی قولوایارسول اللهفی رفق ولین ولاتقولوا یامحمدبتجهم.(قرطبی)۔

ابن جریر نے ایک تیسری توجیہ بھی ذکر کی ہے کہ اس سے مراد بددعا ہے، یعنی رسول اللہﷺ کی بددعائی سے اپنے آپ کو بچاؤ، فرماتا ہے: نهی الله بهذه الایة المؤمنین ان یتعرضوا لدعاء الرسول علیهم، وقال لهم اتقوا دعائه علیکم ،بان تفعلوامایسخطه فیدعولذالک علیکم فتهلکوا، فلاتجعلوادعائه کدعاء غیره من الناس فان دعائه موجبة ، اور اس کی نسبت عبداللہ بن عباسؓ کو کیا ہے، جبکہ ابن ابی حاتم، ماوردی وغیرہ نے بھی یہی معنی اختیار کیا ہے۔

یہاں بعض مفسرین نے ایک بری عادت جو کہ عوام میں رائج ہے کے منع کے لئے استدلال کیا ہے، جو کہ رسول

اللہ ﷺ کو یا محمد سے پکارنا ہے۔تفسیر معارف القرآن والے لکھتے ہیں: کہ رئیس المفسرین عبداللہ بن عباسؓ سے ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ نے یہ نقل کی ہے کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کو کسی کام کے لئے بلاتے ہو یا گفتگو میں مخاطب کرتے ہو تو جس طرح عام لوگ ایک دوسرے کو نام لیکر پکارتے ہیں تو تم اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو نام لیکر یا محمد کہہ کر نہ پکارو، کیونکہ یہ بے ادبی ہے، بلکہ جب وہ حاضر ہیں اور تمہاری اوازسن سکتے ہیں تو ادب کے القاب سے خطاب کرو۔ مثلاً یارسول اللہ!

چنانچہ درمنثور میں بروایت ابن اسحاق عن ابن عباسؓ نقل ہے کہ بنوتمیم کے کچھ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ گھر میں تشریف فرماتھے، تو آپ کا انتظار کئے بغیر باہر ہی سے کھڑے ہو کر آپ کا نام لے کر پکارنے لگے کہ "یا محمد اخرج الینا" تو سورت الحجرات کی ابتدائی آیتیں اس کے متعلق نازل ہوئیں، ان کو زجر دیا گیا، اور نبی کے ساتھ گفتگو اور بلانے کے آداب بیان کئے گئے۔ یہ تو بنی تمیم نے اس وقت آواز دی تھی جبکہ نبی ﷺ گھر کے اندر موجود تھے۔ روئے زمین کے اوپر تشریف فرماتھے۔ آپؐ کے اور یا محمد کہنے والے بنوتمیم کے درمیان صرف حجرہ مبارکہ کی دیواریں حائل تھیں۔ پھر بھی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے "**ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لایعقلون**"۔ (حجرات:۴) فرمادیا۔

اورآج بھی نبی ﷺ حجرہ مقدسہ کے اندر مدفون ہیں۔ اور یہاں سے حجرہ مبارکہ تک کتنے پہاڑ، بلاد، خشکیاں اور سمندر درمیان میں حائل ہیں۔ لیکن یہاں سے یا محمد کہنے والا آپ کو من وراء الحجرات نہیں سمجھتا ہے بلکہ یا تو نبی ﷺ کو اپنے ہاں حاضر سمجھتے ہیں اور یا نبیؐ کو عالم الغیب سمجھتے ہیں اور دونوں عقیدے غلط ہیں۔ جیسا حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کی کلام کا اقتباس ابھی آنے والا اور سورۃ النور سورت الحجرات کی دونوں ایتوں کا یہ مطلب اور یہ مراد لینا کہ نبی علیہ السلام کو نام لیکر یا محمد مت کہا کرو۔ یہ اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ جن میں سے مشہور تفاسیر کے حوالے یہ ہیں: ابن کثیر۔ تفسیر کبیر۔ قرطبی۔ خازن۔ روح المعانی. طبری. بحر محیط. بیضاوی. جلالین۔ کشاف۔ زادالمسیر۔ جامع البیان۔ معارف القران۔ صفوۃ التفاسیر۔ الجصاص لاحکام القران۔ مدارک۔ التسہیل۔

اوراس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: **ان ثوبانؓ مولی رسول اللہ ﷺ قال کنت قائما عند رسول اللہ ﷺ فجاء حبر من احبار الیھود فقال السلام علیک یامحمد فدفعتہ دفعۃ کادیسرع منھا، قال لم تدفعنی ؟ فقلت الا تقول یارسول اللہ، فقال الیھودی انماندعوہ باسمہ الذی سماہ بہ اھلہ(الحدیث)** یعنی ایک یہودی عالم نے آکر نبی علیہ السلام کو یا محمد کہہ دیا تو ثوبانؓ نے اس یہودی

کودھکا دیکر اس کیساتھ جھگڑہ کرنے لگے کہ تو نے نبی علیہ السلام کا نام لیکر کیوں پکارا؟ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ''**لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم**'' پر عمل کرتے ہوئے خود بھی آپ کو یا محمد ﷺ سے نہیں پکارتے، اور دوسروں کو بھی سختی سے منع کرتے تھے۔ یہ روایت طبرانی نے معجم اوسط: ۱/۲۹۱، اور امام مسلم نے **کتاب الحیض باب بیان صفة منی الرجل و المرأة** (رقم: ۴۷۳) میں نقل کیا ہے۔

اور علی القاری نے روایت انس جو کہ بخاری نے رقم: ۲۱۲۰ و مسلم: ۲۱۳۱، میں اور مشکوٰۃ باب الاسامی: ۴۶۷۸ میں نقل ہے کہ: **کان رسول اللہ ﷺ فی السوق فقال الرجل یاابا القاسم فالتفتّ الیه النبی ﷺ فقال انما دعوت ھذا، فقال ﷺ سموا باسمی ولاتکنوا بکنیتی** ۔یعنی نبی کریم ﷺ ایک دفعہ کسی حاجت کے لئے بازار گئے تھے تو پیچھے سے ایک آدمی نے یا ابا القاسم کہہ کر آواز دی، تو نبی علیہ السلام نے پیچھے اس وجہ سے التفات فرمائی کہ شاید مجھے کوئی بلا رہا ہے لیکن اس آدمی نے کہا میں آپ کو نہیں بلکہ اس شخص کو بلا رہا ہوں، بعد میں رسول اللہ ﷺ نے حکم صادر فرما دیا: میرے نام پر کسی کے لئے نام رکھ سکتے ہوں لیکن میری کنیت پر کنیت مت رکھو۔ تو اس حدیث کے تحت ملا علی القاری تحریر فرماتے ہیں: **فانه لایوجب الالتباس لانکم منهیّون عن دعائی باسمی لقوله تعالی لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا، اوللتعلیم العقلی من اللہ تعالی لعبادہ حیث ماخاطبه ﷺ فی کلامه الا بیاایها النبی ونحوہ، بخلاف سائر الانبیاء حیث ناداھم باسمائهم وقال یاآدم ویاابراھیم، الخ** ۔مرقات ۹/۱۰۴۔ شارح کی اس وجہ کو بیان کرنے سے صاف معلوم ہوا کہ یا محمد کہنا مذکورہ ایت سے منع کیا گیا ہے۔

قاضی عیاض نے اپنی کتاب الشفاء میں کہا ہے **وماذکر من خصائصه وبر اللہ تعالی به ان اللہ تعالی خاطب جمیع الانبیاء باسمائهم فقال یاآدم یانوح یاابراھیم یاموسی یاداود یاعیسی یاذکریا یایحی ولم یخاطب ھو الا بیاایها الرسول یاایها النبی یاایها المزمل یاایها المدثر. الشفاء**:۔ ۱/ ۳۱ ۔یعنی رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے اور اللہ تعالی کے آپ کے ساتھ احسان اور بھلائی میں سے ایک یہ ہے کہ باقی سب انبیا علیہم السلام کیساتھ اللہ تعالی نے ان کے ناموں کے ساتھ خطاب فرمایا ہے، مثلا یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، وغیرہ اور آپ ﷺ کیساتھ قرآن میں کہیں یا محمد کہہ کر خطاب نہیں کیا ہے۔ مگر **بیاایها الرسول، یاایها النبی، یاایها المزمل، یاایها المدثر**، جیسے القاب کیساتھ خطاب کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب باری تعالی اپنے رسول کے ساتھ تعظیم اور ملاطفت

کے القاب سے خطاب کرتا ہے اور نام سے خطاب نہیں کیا تو ہم کیوں یا محمد کہہ کر بے آدبی کرتے ہیں۔

اگر کوئی سوال کرتا ہے کہ ہم اب یا محمد کو بعد الوفات حاضر و ناظر کے عقیدے پر نہیں کہتے ہیں اور نہ ان کو دور سے سنانا مقصود ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس عقیدے سے یا محمد کہنا تو نداء غیر اللہ کیوجہ سے ممنوع ہے۔اس کا حکم الگ ہے۔اور بغیر اس عقیدے کے اس کا کہنا بے ادبی اور ترک تعظیم کی وجہ سے ممنوع ہے اگر چہ عقیدہ حاضر و ناظر کا نہ ہو۔کیونکہ تمام مفسرین نے سورۂ نور اور سوۂ حجرات کی آیتوں میں یا محمد کہنے کی ممانعت کی وجہ سے اسے ممنوع قرار دیا ہے اور علت صرف یہی بیان کی ہے کہ نام سے پکارنے میں بے ادبی ہے اور تعظیم و توقیر کے خلاف ہے۔

معارف القران میں مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں: جب تم رسول پاک ﷺ کو کسی ضرورت سے بلاؤ یا مخاطب کرو تو عام لوگوں کی طرح آپ کا نام لیکر یا محمد نہ کہنا، کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔اور امام رازیؒ مسائل رازی:۳۲۱، میں رقمطراز ہیں: **نهاهم الله عن ذلک بقوله لاتجعلوا دعاء الرسول، الاية، اعظاماللنبی علیه السلام** ۔اور صفوۃ التفاسیر میں ہے: **لاتنادوا الرسول باسمه تفخيمالمقامه وتعظيمالشانه** ۔قاضی عیاض بھی الشفاء:۳۵، میں لکھتے ہیں: **و لاتنادوه باسمه نداء بعضكم لبعض ولكن عظموه ووقروه ونادوه باشرف مایحب ان ینادی به، وغیر ذلک من التفاسیر** ۔پس ان تمام نقول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یا محمد کہنے کی ممانعت نبی علیہ السلام کی ادب اور تعظیم و توقیر کیوجہ سے ہے، اگر چہ حاضر و ناظر کا عقیدہ ہی نہ ہو۔اب یہ ممانعت یا محمد کہنے کی ادب او تعظیم کیوجہ سے جس طرح حالت حیات میں تھی، تو اب بعدا لوفات بھی ادب اور تعظیم ضروری ہے اور یہ بعد الوفات بھی ناجائز اور ممنوع ہے۔علامہ الوسی روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں: **وفی احكام القران للسيوطی، لان فی هذا النهی تحریم نداء** ﷺ **باسمه** یعنی سیوطی نے کہا ہے کہ ایت **لاتجعلوا دعاء الرسول الایہ** میں یہ نہی تحریم کے لئے ہے کہ ان کو نام سے پکارنا حرام ہے۔اور صاحب روح المعانی لکھتے ہیں **و الظاهر استمرار ذلک بعدوفاته الآن.** اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حرمت ابھی تک بعدا لوفاۃ بھی باقی ہے۔معارف القرآن میں ہے قاضی ابوبکر ابن عربی نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم اور آدب آپ ﷺ کی وفات کے بعد ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ حیات میں تھی، اور جلالین کے حاشیہ پر صاوی سے نقل کرتے ہیں: **واستفيدمن الاية لايجوزنداء النبی بغيرمايفيد التعظيم لافی حياته ولابعدوفاته ،وبهذايعلم ان من استخف بجنابه** ﷺ **فهو كافرملعون فی الدنياوالاخرة(جلالین:)** جلالین کے=

الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖ

جوتم میں سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں تو جولوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیئے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر

أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ

کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔ دیکھو جو کچھ

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ أَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ

آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے جس (طریق) پر تم ہو وہ اسے جانتا ہے اور جس روز لوگ

يُرْجَعُوْنَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو جو لوگ عمل کرتے رہے وہ ان کو بتا دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

= حاشیہ پر لکھتے ہے کہ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی علیہ السلام کو ایسے الفاظ کیساتھ نداء اور آواز جائز نہیں ہے ، جو کہ تعظیم اور آدب کے خلاف ہو نہ حالت حیات میں اور نہ وفات کے بعد۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کی توہین اور استخفاف کرنے والا کافر اور دنیا اور اخرت دونوں میں ملعون ہے۔

قاضی عیاض نے الشفاء میں ایک ہی فصل میں تین جگہ لکھا ہے: (واعلم ان حرمة النبی ﷺ بعدموته وتوقيره وتعظيمه لازم كماكان حال حياته. وقال حرمته حياوميتاسواء، الشفاء: ۴۰۔۴۱۔۴۳۔ جب نبی علیہ السلام کی تعظیم حیات اور بعد الوفات دونوں حالتوں میں یکساں لازم ہے تو بعد الوفات بھی یا محمد ان کو کہہ کر پکارنا بے ادبی ہے اور خصوصا جو لوگ نبی علیہ السلام کی حیات ناسوتی اور دینوی پر قبر میں قائل ہیں تو کیوں وہ لوگ یہ بے ادبی کرتے ہیں ان کے قول اور فعل میں تضاد ہے۔

سورة الفرقان (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ﴿۱﴾

وہ (اللہ عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ اہلِ حال کو ہدایت کرے

الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لَمۡ یَتَّخِذۡ وَلَدًا

وہی ذات کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور جس نے (کسی کو) بیٹا نہیں بنایا

وَّ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ شَرِیۡکٌ فِی الۡمُلۡکِ وَ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقۡدِیۡرًا ﴿۲﴾

جس کا بادشاہی میں کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا

وَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِہَۃً لَّا یَخۡلُقُوۡنَ شَیۡئًا وَّ ہُمۡ یُخۡلَقُوۡنَ وَ لَا یَمۡلِکُوۡنَ

اور (لوگوں نے) اس کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے گئے ہیں

لِاَنۡفُسِہِمۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا وَّ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مَوۡتًا وَّ لَا حَیٰوۃً وَّ لَا نُشُوۡرًا ﴿۳﴾

اور نہ اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتے ہیں اور نہ مرنا ان کے اختیار میں ہے اور نہ (مرکر) اٹھ کھڑے ہونا

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡکُ ۣ افۡتَرٰىہُ وَ اَعَانَہٗ عَلَیۡہِ قَوۡمٌ

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) من گھڑت باتیں ہیں جو اس (مدعی رسالت) نے بنالی ہیں اور اور لوگوں نے اس میں اس

اٰخَرُوۡنَ ۚۛ فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا وَّ زُوۡرًا ﴿۴﴾ وَ قَالُوۡۤا

کی مدد کی ہے یہ لوگ (ایسا کہنے سے) ظلم اور جھوٹ پر (اتر) آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٥﴾
جس کو اس نے لکھ رکھا ہے اور وہ صبح و شام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں

قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا
کہہ دو کہ اس نے اس کو اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے

رَّحِيمًا ﴿٦﴾ وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي
اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے

الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا ﴿٧﴾ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ
کیوں نازل نہیں کیا گیا اس کے پاس کوئی فرشتہ کہ اس کے ساتھ ہدایت کرنے کو رہتا۔ یا اس کی طرف (آسمان سے)

كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا
خزانہ اتارا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتا اور ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایک جادو زدہ شخص کی

﴿٨﴾ انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا
پیروی کرتے ہو۔ دیکھو تو یہ تمہارے بارے میں کس کس طرح کی باتیں کرتے ہیں سو گمراہ ہو گئے اور رستہ نہیں پا سکتے

﴿٩﴾ تَبَارَكَ الَّذِي إِن شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّن ذَٰلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي
وہ (اللہ) بہت بابرکت ہے جو اگر چاہے تو تمہارے لئے اس سے بہتر (چیزیں) بنا دیں (یعنی) باغات جن کے نیچے

مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَل لَّكَ قُصُورًا ﴿١٠﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ
نہریں بہہ رہی ہوں نیز تمہارے لئے محل بنا دے۔ بلکہ یہ تو قیامت ہی کو جھٹلاتے ہیں اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں

وَأَعْتَدْنَا لِمَن كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ﴿١١﴾ إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ
کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ جس وقت وہ ان کو دُور سے دیکھے گی (تو غضبناک ہو رہی ہو گی اور یہ)

سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَإِذَآ أُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

اس کے جوش اور چیخنے چلانے کو سنیں گے۔ اور جب یہ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں (زنجیروں میں) جکڑ

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا

ڈالے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے۔ آج ایک ہی موت نہ پکارو بہت سی موتوں کو پکارو

﴿۱۴﴾ قُلْ أَذٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ

پوچھو یہ بہتر ہے یا بہشت جاودانی جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے

كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ط

یہ ان (کے اعمال) کا بدلا اور رہنے کا ٹھکانہ ہوگا۔ وہاں جو چاہیں گے ان کے لئے میسر ہوگا ہمیشہ اس میں رہیں گے

كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا

یہ وعدہ اللہ کو (پورا کرنا) لازم ہی اور اس لائق ہے کہ مانگ لیا جائے۔ اور جس دن (اللہ) ان کو اور انہیں جنہیں یہ اللہ کے سوا

يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ

پوجتے ہیں جمع کرے گا تو فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود گمراہ ہو گئے تھے؟

﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِيْ لَنَآ أَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ

وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے ہمیں یہ بات شایاں نہ تھی کہ تیرے سوا اوروں کو

مِنْ أَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ج

دوست بناتے لیکن تو نے ہی ان کو اور ان کے باپ دادا کو برتنے کو نعمتیں دیں یہاں تک کہ وہ تیری یاد کو بھول گئے

وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ

اور یہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔ تو (کافرو!) انہوں نے تو تمہیں تمہاری بات میں جھٹلا دیا پس (اب) تم (عذاب کو)

فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا

نہ پھیر سکتے ہو نہ (کسی سے) مدد لے سکتے ہو اور جو شخص تم میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے

﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا کھاتے تھے

وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ

اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا

اور تمہارا پروردگار تو دیکھنے والا ہے۔ اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کئے گئے یا ہم اپنی آنکھ سے اپنے رب کو دیکھ لیں، یہ اپنے خیال میں بڑائی رکھتے ہیں

وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ

اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کیلئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی

لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا

اور کہیں گے یہ محروم ہی محروم کئے گئے اور جو انہوں نے عمل کئے ہوں گے

مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ

ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دیں گے۔ اس دن اہلِ جنت کا ٹھکانہ بھی بہتر ہوگا

مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ

اور مقامِ استراحت بھی عمدہ ہو گی۔ اور جس دن آسمان ابر کیساتھ پھٹ جائے گا

وَنُزِّلَ الْمَلَآئِكَةُ تَنْزِيلًا ﴿٢٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ

اور فرشتے نازل کئے جائیں گے ۔ اس دن سچی بادشاہی اللہ ہی کی ہو گی

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ

اور وہ دن کافروں پر (سخت) مشکل ہوگا ۔ اور جس دن (ناعاقبت اندیش) ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ

(اور کہے گا) کہ اے کاش میں نے پیغمبر کیساتھ رشتہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے شامت کاش میں نے

أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ أَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَآءَنِيْ

فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا ۔ اس نے مجھ کو نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْإِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ

اور شیطان انسان کو دغا دینے والا ہے ۔ اور پیغمبر کہیں گے

يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِيْ اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا

کہ اے اللہ! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔[1] اور اسی طرح ہم نے گنہگاروں میں سے ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا

---

[1] عن جابرؓ عن النبی ﷺ القرآن شافع مشفّع وماحلٌ مصدّقٌ من جعله امامه قاده الی الجنة ومن جعله خلف ظهره ساقطه الی النار (ابن حبان: ١/٣٣٣، رقم: ١٢٤، وبزار: ١٢٢ ومجمع الزوائد: ١/١٧١) ۔ جابرؓ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا، کہ قرآن پاک ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی گئی، اور ایسا جھگڑالو ہے کہ جس کا جھگڑا تسلیم کرلیا گیا، جو شخص اس کو اپنے آگے رکھے، اس کو جنت کی طرف کھینچتا ہے، اور جو اس کو پس پشت ڈال دے، اس کو جہنم میں گرا دیتا ہے۔

لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيرًا ﴿٣١﴾

اور تمہارا رب ہدایت دینے اور مدد کرنے کو کافی ہے ۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا؟ اس طرح (آہستہ آہستہ) اس لئے اتارا گیا

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا

کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں ۔ اور یہ لوگ تمہارے پاس جو

جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ اَلَّذِينَ يُحْشَرُونَ

بات لاتے ہیں ہم تمہارے پاس اُن کا معقول اور خوب مشرح جواب بھیج دیتے ہیں ۔ جو لوگ اپنے مونھوں کے بل

عَلٰى وُجُوهِهِمْ إِلٰى جَهَنَّمَ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٣٤﴾

دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے اُن کا ٹھکانہ بھی بُرا ہے اور وہ رستے سے بھی بہکے ہوئے ہیں ۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ أَخَاهُ هٰرُونَ وَزِيرًا ﴿٣٥﴾

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُن کے بھائی ہارون کو مددگار بنا کر اُن کیساتھ کیا ۔

فَقُلْنَا اذْهَبَآ إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيرًا ﴿٣٦﴾

اور کہا کہ دونوں اُن کے پاس جاؤ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا ۔

وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً

اور نوح کی قوم نے بھی جب پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر ڈالا اور لوگوں کیلئے نشانی بنا دیا

وَّأَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣٧﴾ وَّعَادًا وَّثَمُودَا وَأَصْحٰبَ الرَّسِّ

اور ظالموں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں

وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ

اور اُن کے درمیان اور بہت سی جماعتوں کو بھی (ہلاک کر ڈالا)۔ اور سب کے (سمجھانے کیلئے) ہم نے مثالیں بیان کی

وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْ أُمْطِرَتْ مَطَرَ

اور (نہ ماننے پر) سب کو تہس نہس کر دیا۔ اور یہ کافر اس بستی پر بھی گزر چکے ہیں جس پر بُری طرح سے مینہ برسایا گیا تھا

السَّوْءِ ط أَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَإِذَا رَأَوْكَ

کیا وہ اس کو دیکھتے نہ ہوں گے بلکہ ان کو (مرنے کے بعد) جی اٹھنے کی امید ہی نہیں تھی۔ اور یہ لوگ جب تمہیں دیکھتے ہیں

إِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ إِلَّا هُزُوًا ط أَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾

تو تمہاری ہنسی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جس کو اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟۔

إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ

اگر ہم اپنے معبودوں کے بارے میں ثابت قدم نہ رہتے تو یہ ضرور ہم کو بہکا دیتا اور یہ عنقریب معلوم

يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

کر لیں گے جب عذاب دیکھیں گے کہ سیدھے رستے سے کون بھٹکا ہوا ہے

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے پھر کیا تو اس کا ذمہ دار ہوسکتا ہے۔

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ أَوْ يَعْقِلُوْنَ ط إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ

یا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ (نہیں) یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں

بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ أَلَمْ تَرَ إِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ

بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ بلکہ تم نے اپنے رب (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح دراز کر

وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾

(کے پھیلا) دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اُس کو (بے حرکت) ٹھہرا رکھتا پھر سورج کو اُس کا رہنما بنا دیتا ہے ۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا

پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں ۔ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ

وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِىْٓ أَرْسَلَ الرِّيَاحَ

اور نیند کو آرام بنایا اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت ٹھہرایا۔ اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت کے مینہ کے آگے ہواؤں کو خوشخبری

بُشْرًا بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾

بنا کر بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک (اور شفاف) پانی برساتے ہیں ۔

لِنُحْيِىَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ أَنْعَامًا وَّأَنَاسِىَّ كَثِيْرًا ﴿۴۹﴾

تاکہ اس سے زمین مردہ کو زندہ کردیں اور پھر ہم اسے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو جو ہم نے پیدا کئے ہیں پلاتے ہیں

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَأَبٰىٓ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾

اور ہم نے اس قرآن کو طرح طرح کے لوگوں میں بیان کیا تاکہ نصیحت پکڑیں مگر بہت سے لوگوں نے انکار کے سوا قبول نہ کیا

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیج دیتے ۔ تو تم کافروں کا کہا نہ مانو

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ

اور ان سے اس قرآن کے حکم کے مطابق بڑے شدومد سے لڑو۔ اور وہی تو ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا ایک کا پانی شیریں

فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

ہے پیاس بجھانے والا اور دوسرے کا کھارا چھاتی جلانے والا اور دونوں کے درمیان ایک آڑ اور مضبوط اوٹ بنا دی

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ

اور وہی تو ہے جس نے پانی سے آدمی پیدا کیا پھر اس کو صاحبِ نسب اور صاحبِ قرابت دامادی بنایا

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ

اور تمہارا رب قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں کہ جو نہ اُن کو فائدہ پہنچا

وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾

سکے اور نہ ضرر اور کافر اپنے رب کی مخالفت میں بڑا زور مارتا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ

اور ہم نے (اے محمد ﷺ!) تمہیں صرف خوشی اور عذاب کی خبر سنانے کو بھیجا ہے۔ کہہ دو کہ میں تم سے اس (کام) کی اُجرت

اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِىْ

نہیں مانگتا ہاں جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف (جانے کا) رستہ اختیار کرے۔ اور اس (اللہ) زندہ پر بھروسہ رکھو

لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾

جو (کبھی) نہیں مرے گا اور اُس کی تعریف کیساتھ تسبیح کرتے رہو اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبر رکھنے کو کافی ہے

الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا وہ (جس کا نام)

عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا

رحمٰن (یعنی بڑا مہربان) ہے تو اس کا حال کسی باخبر سے دریافت کرلو۔ اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ

لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾

کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا؟ کیا جس کیلئے تم ہم سے کہتے ہو ہم اس کے آگے سجدہ کریں، اور اس سے بدکتے ہیں

تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا

اور (اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے آسمانوں میں بُرج بنائے اوران میں (آفتاب کانہایت روشن) چراغ اور چمکتا ہوا

مُّنِیْرًا ﴿۶۱﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ

چاند بھی بنایا۔اوروہی تو ہے جس نے رات اوردن کوایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا(یہ باتیں)اس شخص کیلئے

اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا ﴿۶۲﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ

جو غور کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے ۔ اور اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے

عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ

اور جواپنے رب کے آگے سجدہ کر کے اور (عجز وادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔اوروہ جودعا مانگتے ہیں

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا کَانَ غَرَامًا ﴿۶۵﴾

کہ اے اللہ! دوزخ کے عذاب کو ہم سے دُور رکھنا کہ اُس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے

اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا

اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بُری جگہ ہے ۔ اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں

وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ

اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کیساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔اوروہ جواللہ کیساتھ کسی اور کومعبودنہیں پکارتے

اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور جن جاندار کا مارڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اُس کوقتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر (یعنی حکم شریعت کے مطابق)

وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿۶۸﴾

اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا

يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ﴿۶۹﴾

قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب ہو گا اور ذلت اور خواری سے اس میں ہمیشہ رہے گا

إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُوْلٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے

سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾

بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے ۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوْبُ إِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿۷۱﴾

اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بیشک وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

اور وہ کہ جب ان کو رب کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ

اور وہ جو (اللہ سے) دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا ﴿۷۴﴾ أُوْلٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا

اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا ۔ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے

وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

اونچے اونچے محل دیئے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا وسلام کیساتھ ملاقات کریں گے۔اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۷۶﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ

اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے۔ کہہ دو کہ اگر تم (اللہ کو) نہیں پکارتے تو میرا رب بھی تمہاری کچھ پرواہ

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿۷۷﴾

نہیں کرتا تم نے تکذیب کی ہے سو اس کی سزا (تمہارے لئے) لازم ہو گی[2]

---

[2] ایات مذکورہ میں اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ (۱۳) صفات وعلامات کا ذکر آیا ہے، جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے، سب میں اللہ ورسول کے احکام اور مرضی کی پابندی، دوسرے انسان کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت، رات دن کی عبادت گزاری کے ساتھ خوف الٰہی، تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اپنی اولاد وازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں۔

ان کا سب سے پہلا وصف ''عباد'' ہونا ہے عباد عبد کی جمع ہے عبد کا ترجمہ بندہ، جو اپنے آقا کا مملوک ہو۔اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات واعمال آقا کے حکم ومرضی پر دائر ہوتے ہیں۔اللہ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہوسکتا ہے جو اپنے عقائد وخیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت اور سکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوش برآواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجا لاؤں۔

دوسری صفت: ''یمشون علی الارض ھونا'' یعنی چلتے ہیں وہ زمین پر تواضع کے ساتھ۔لفظ ''ہون'' کا مفہوم اس جگہ سکینت ووقار اور تواضع ہے کہ اکڑ کر نہ چلے، قدم متکبرانہ انداز سے نہ رکھے بہت آہستہ چلنا مراد نہیں، کیونکہ وہ بلاضرورت ہو تو خلاف سنت ہے۔رسول اللہ ﷺ کے چلنے کی جو صفت شمائل نبویہ میں منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چلنا بہت آہستہ نہیں بلکہ کسی قدر تیزی کے ساتھ تھا۔حدیث میں ہے: ''کانما الارض تطوی له'' (جامع الترمذی: ۳۶۴۸) یعنی آپ ایسا چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے لئے سمٹی ہے (ابن کثیر) اسی لئے سلف صالحین نے بتکلف

مریضوں کی طرح آہستہ چلنے کو علامت تکبر وتصنع ہونے کے سبب مکروہ قرار دیا ہے۔ فاروق اعظم نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ چل رہا ہے پوچھا کیا تم بیمار ہو؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے اس پر درہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کے ساتھ چلا کرو۔ (ابن کثیر)۔

حسن بصریؒ نے اس آیت "یمشون علی الارض ھونا" کی تفسیر میں فرمایا کہ مومنین مخلصین کے تمام اعضاء وجوارح، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب اللہ کے سامنے ذلیل وعاجز ہوتے ہیں، ناواقف ان کو دیکھ کر معذور وعاجز سمجھتا ہے حالانکہ نہ وہ بیمار ہیں، نہ معذور بلکہ تندرست قوی ہیں، مگر ان پر حق تعالی کا خوف ایسا طاری ہے جو دوسروں پر نہیں ہے۔ ان کو دنیا کے دھندوں سے آخرت کی فکر نے روکا ہوا ہے۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا اور اس کی ساری فکر دنیا ہی کے کاموں میں لگی رہتی ہے تو وہ ہمیشہ حسرت ہی حسرت میں رہتا ہے (کہ دنیا تو ساری ملتی نہیں اور آخرت میں اس نے حصہ نہیں لیا) اور جس شخص نے اللہ کی نعمت صرف کھانے پینے کی ہی چیزوں کو سمجھا ہے اور اعلی اخلاق کی طرف دھیان نہیں دیا، اس کا علم بہت تھوڑا ہے اور عذاب اس کے لئے تیار ہے۔ (از ابن کثیر ملخصا)۔

تیسری صفت: "واذاخاطبھم الجاھلون قالوا سلاما" یعنی جب جہالت والے ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں، سلام، یہاں جاہلوں کا ترجمہ جہالت والوں سے کر کے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مراد اس سے بے علم آدمی نہیں بلکہ وہ جو جہالت کے کام اور جاہلانہ باتیں کرے خواہ واقع میں وہ ذی علم بھی ہو۔ اور لفظ "سلام" سے یہاں مراد عرفی سلام نہیں بلکہ سلامتی کی بات ہے۔ قرطبی نے نحاس سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سلام تسلیم سے مشتق نہیں بلکہ تسلّم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سلامت رہنا۔ مراد یہ ہے کہ جاہلوں کے جواب میں وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں جس سے دوسروں کو ایذا نہ پہنچے اور یہ گناہگار نہ ہو۔ یہی تفسیر مجاہد، مقاتل وغیرہ سے منقول ہے (مظہری)۔ حاصل یہ ہے کہ بے وقوف جاہلانہ باتیں کرنے والوں سے یہ لوگ انتقامی معاملہ نہیں کرتے بلکہ ان سے درگزر کرتے ہیں۔

چوتھی صفت: "والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاما" یعنی وہ رات گزارتے ہیں اپنے رب کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے۔ عبادت میں شب بیداری کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا گیا کہ یہ وقت سونے آرام کرنے کا ہے اس میں نماز وعبادت کے لئے کھڑا ہونا خاص مشقت بھی ہے اور اس میں ریا ونمود کے خطرات بھی نہیں ہیں، منشأ یہ ہے کہ ان کا لیل ونہار اللہ کی اطاعت میں مشغول ہوتا ہے دن کو تعلیم وتبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے کام

ہیں، رات کو اللہ کے سامنے عبادت گزاری کرنا ہے۔تہجد کی نماز کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ترمذی نے ابوامامہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیام اللیل (تہجد) کی پابندی کرو، کیونکہ وہ تم سے پہلے بھی سب نیک بندوں کی عادت رہی ہے، اور وہ اللہ تعالی سے تم کو قریب کرنے والی اور سیئات کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی چیز ہے (ترمذی:۳۵۴۹)۔

پانچویں صفت: ''و الذین یقولون ربنااصرف عناعذاب جھنم '' الایۃ، یعنی یہ مقبولین بارگاہ شب وروز عبادت وطاعت میں مصروف رہنے کے باوجود بےخوف ہوکرنہیں بیٹھ رہتے بلکہ ہروقت اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر رکھتے ہیں، جس کے لئے عملی کوشش بھی جاری رہتی ہے، اور اللہ سے دعائیں بھی۔

چھٹی صفت: ''و الذین اذا انفقوا '' الایۃ، یعنی اللہ کے مقبول بندے مال خرچ کرنے کے وقت نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل وکوتاہی، بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔ایت میں اسراف اوراس کے بالمقابل اقتار کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔اسراف کے لغوی معنے حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔اصطلاح شرع میں ابن عباس، مجاہد، قتادہ، ابن جریج کے نزدیک اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اگرچہ ایک پیسہ ہی ہو۔اور بعض نے فرمایا کہ جائز اور مباح کاموں میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا تبذیر یعنی فضول خرچی کی حد میں داخل ہوجائے وہ بھی اسراف کے حکم میں ہے کیونکہ تبذیر یعنی فضول خرچی بنص قران حرام ومعصیت ہے حق تعالی کا ارشاد ہے ''ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین ''(اسراء:۲۷) اس لحاظ سے اس تفسیر کا حاصل بھی ابن عباسؓ وغیرہ کی مذکورہ تفسیر ہوگیا۔یعنی معصیت وگناہ میں جو کچھ خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے (مظہری)۔

اور ''اقتار'' کے معنے خرچ میں تنگی اور بخل کرنے کے ہیں۔اصطلاح شرع میں اس کے معنے یہ ہیں کہ جن کاموں میں اللہ اور رسول نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ان میں خرچ کرنے میں تنگی برتنا اور بالکل خرچ نہ کرنا بدرجہ اولی اس میں داخل ہے یہ تفسیر بھی ابن عباسؓ، قتادہ وغیرہ سے منقول ہے۔(مظہری)۔اس ایت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ کے مقبول بندوں کی صفت مال خرچ کرنے میں یہ ہوتی ہے کہ اسراف اور اقتار کے درمیان اعتدال اور میانہ روی پر عمل کرتے ہیں۔رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے: من فقه الرجل قصده فی معیشته یعنی انسان کی دانشمندی کی علامت یہ ہے کہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے۔نہ اسراف میں مبتلا ہو نہ بخل میں۔رواہ احمد عن ابی الدرداءؓ۔(۲۱۶۹۵)۔

ایک دوسری حدیث میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: ماعال من اقتصد یعنی جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا (رواہ امام احمد: ۴۲۶۹)۔

ساتھویں صفت: " الذین لایدعون مع اللہ الھا اخر" پہلی چھ صفات میں طاعت وفرمانبرداری کے اصول آ گئے ہیں اب معصیت اور نافرمانی کی اصول مہمہ کا بیان ہے، جن میں پہلی چیز عقیدہ سے متعلق ہے کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک نہیں کرتے جس سے شرک کا سب سے بڑا گناہ ہونا معلوم ہوا۔

اٹھویں، اورنویں صفت: "لایقتلون النفس" الایۃ یہ عملی گناہوں میں سب سے بڑے بڑے اور سخت گناہوں کا بیان ہے، کہ اللہ کے مقبول بندے ان کے پاس نہیں جاتے، کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا کے پاس نہیں جاتے، یہ تین عقیدہ اور عمل کے بڑے گناہ بیان فرمانے کے بعد آیت میں ارشاد ہے: "ومن یفعل ذلک یلق اثاما" یعنی جو شخص ان مذکورہ گناہوں کا مرتکب ہوگا وہ اس کی سزا پائے گا۔ ابوعبیدہ نے اس جگہ لفظ اثام کی تفسیر سزائے گناہ سے کی ہے، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو سخت اور شدید عذابوں سے پُر ہے، بعض روایات حدیث بھی اس کی شہادت میں لکھی ہیں۔ (تفسیر مظہری)۔

دسویں صفت: "و الذین لایشھدون الزور" یعنی یہ لوگ جھوٹ اور باطل کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے سب سے بڑا جھوٹ اور باطل تو شرک وکفر ہے اس کے بعد عام جھوٹ اور گناہ کے کام ہیں۔ مطلب ایت کا یہ ہے کہ اللہ تعالی کے مقبول بندے ایسی مجلسوں میں شرکت سے بھی گریز کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد مشرکین کی عیدیں اور میلے ٹھیلے ہیں، مجاہد، محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد گھانے بجھانے کی محفلیں ہیں۔ عمرو بن قیس نے فرمایا کہ بے حیائی اور ناچ رنگ کی محفلیں مراد ہیں، زہری، امام مالکؒ نے فرمایا کہ شراب پینے پلانے کی مجلسیں مراد ہیں (ابن کثیر)۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں یہ ساری ہی مجلسیں مجلس زور کی مصداق ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کو ایسی محفلوں ہی سے پرہیز کرنا چاہے کیونکہ لغو وباطل کا بالقصد دیکھنا بھی اس کی شرکت کی حکم میں ہے (مظہری) اور بعض مفسرین نے "لایشھدون الزور" میں یشھدون کو شہادت بمعنی گواہی سے لیا ہے اور معنے ایت کے یہ قرار دیئے کہ یہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے، جھوٹی گواہی کا گناہ کبیرہ اور وبال عظیم ہونا قرآن اور سنت میں معروف ومشہور ہے، بخاری ومسلم میں انسؓ کی روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے جھوٹی گواہی کو اکبر کبائر فرمایا ہے۔ (ابن کثیر)۔ فاروق

اعظمؒ نے فرمایا کہ جس شخص کی متعلق ثابت ہو جائے کہ اس نے جھوٹی شہادت دی ہے تو اس کو چالیس کوڑوں کی سزا دی جائے۔اوراس کا منہ کالا کر کے بازار میں پھرایا جائے اور رسوا کیا جائے پھر طویل زمانہ تک قید میں رکھا جائے۔رواہ ابن ابی شیبہ وعبدالرزاق،مظہری۔

گیارہویں صفت: ''و اذامر و ابااللغو مر و اکر اما''یعنی اگر لغو اور بیہودہ مجلسوں پرکبھی ان کا گزر اتفاقاً ہو جائے تو وہ سنجیدگی اور شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں،مطلب یہ ہے کہ ایسی مجلسوں میں یہ لوگ جس طرح بقصد وارادہ شریک نہیں ہوتے اسی طرح اگر کہیں اتفاقی طور پر ان کا کسی ایسی مجلس پر گزر ہو جاوے تو اس فسق وفجور اور گناہ کی مجلس پر سے شرافت کے ساتھ گزرے چلے جاتے ہیں،یعنی ان کے اس فعل کو برا اور قابل نفرت جانتے ہوئے،نہ گناہوں میں مبتلا لوگوں کی تحقیر کرتے ہیں اور نہ خود اپنے آپ کو ان سے افضل وبہتر سمجھ کر تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کا اتفاق سے ایک روز کسی بیہودہ لغو مجلس پر گزر ہو گیا تو وہاں ٹھیرے نہیں گزرے چلے گئے۔رسول پاکﷺ کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ ابن مسعودؓ،کریم ہو گئے،اور یہ ایت تلاوت فرمائی جس میں بیہودہ مجلس سے کریموں شریفوں کی طرح گزر جانے کا حکم ہے۔ابن کثیر۔

بارہویں صفت: ''و الذی اذاذکر و اابایات ربھم لم یخر و اعلیھاصماوعمیانا ''یعنی ان مقبول بندوں کی یہ شان ہے کہ جب ان کو اللہ کی ایات اور اخرت کی یاددلائی جاتی ہے تو وہ ان آیات کیطرف اندھے بہروں کی طرح متوجہ نہیں ہوتے بلکہ سمیع وبصیر انسان کی طرح ان میں غور کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں،غافل اور مغفل لوگوں کی طرح ایسا معاملہ نہیں کرتے کہ انہوں نے سنا ہی نہیں یا دیکھا ہے نہیں،اس آیت میں دو چیزیں مذکور ہیں،ایک آیات الٰہیہ پر گر پڑنا،یعنی اہتمام کے ساتھ متوجہ ہونا یہ تو امر محمود ومقصود اور بہت بڑی نیکی ہے،دوسرے اندھے بہروں کی طرح گرنا کہ قرآن کی آیات پر توجہ تو دیں مگر یا تو اس پر عمل کرنے میں معاملہ ایسا کریں کہ گویا انہوں نے سنا اور دیکھا ہی نہیں، اور یا آیات قرآن پر عمل بھی کرے مگر ان کو اصول صحیحہ اور تفسیر صحابہ وتابعین کے خلاف اپنے رائے یا سنی سنائے باتوں کے تابع کر کے غلط عمل کریں،یہ بھی ایک طرح سے اندھے بہرے ہو کر ہی گرنے کے حکم میں ہے۔

تیرہویں صفت: ''و الذین یقولون ربناھب لنامن ازواجناوذریاتناقرۃ اعین و اجعلناللمتقین اماما ''اس میں اپنی اولاد اور ازواج کے لئے اللہ تعالی سے یہ دعا ہے ان کو میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے،آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے سے مراد حسن بصریؒ کی تفسیر کیمطابق یہ ہے کہ ان کو اللہ کی طاعت میں مشغول دیکھے،یہی ایک انسان کے

لئے آنکھوں کی اصلی ٹھنڈک ہے اور اگر اولاد و ازواج کی ظاہری صحت و عافیت اور خوشحالی بھی اس میں شامل کی جائے تو وہ بھی درست ہے۔

یہاں اس دعاء سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی مقبول بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اعمال صالحہ پر قناعت نہیں کر لیتے بلکہ اپنی اولاد اور بیبیوں کی بھی اصلاح اعمال واخلاق کی فکر کرتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں اسی کوشش میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی صلاحیت کے لئے اللہ تعالی سے دعا مانگتا رہے اس آیت کے اگلے جملے میں دعا کا یہ جز بھی ہے: ''**واجعلنا للمتقین اماما**'' یعنی ہمیں متقی لوگوں کا امام اور پیشوا بنا دے، اس میں بظاہر اپنے لئے جاہ و منصب اور بڑائی حاصل کرنے کی دعا ہے جو دوسری نصوص قران کی رو سے ممنوع ہے جیسے قرآن کا ارشاد ہے: ''**تلک الدار الاخـــــــــــــــرة نجعلها للذین لایریدون علوا فی الارض ولا فسادا**'' (قصص: ٨٣) یعنی ہم نے دار آخرت کو مخصوص کر رکھا ہے، ان لوگوں کے لئے جو زمین میں اپنا علو اور بڑائی نہیں چاہتے اور نہ زمین فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔

اس لئے بعض علماء نے اس ایت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر شخص اپنے اہل وعیال کا قدرتی طور پر امام و پیشوا ہوتا ہی ہے اس لئے اس دعا کا حاصل یہ ہو گیا کہ ہمارے اولاد و ازواج کو متقی بنا دیجئے اور جب وہ متقی ہو جاویں گے تو طبعی طور پر یہ شخص متقین کا امام و پیشوا کہلائیگا، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں اپنی بڑائی کی دعا نہیں بلکہ اولاد و ازواج کے متقی بنانے کی دعا ہے۔ اور ابراہیم نخعی نے فرمایا: کہ اس دعا میں اپنے لئے کوئی ریاست و امامت و پیشوائی طلب کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود اس دعا کا یہ ہے کہ ہمیں ایسا بنا دیجئے کہ لوگ دین و عمل میں ہماری اقتدا کیا کریں اور ہمارے علم و عمل سے ان کو نفع پہنچے تا کہ اس کا ثواب ہمیں حاصل ہو۔ امام مکحول شامیؒ نے فرمایا کہ دعا کا مقصود اپنے لئے تقوی کا ایسا اعلی مقام حاصل کرنا ہے کہ دنیا کے متقی لوگوں کو بھی ہمارے علم و عمل سے فائدہ پہنچے۔ قرطبی نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ ریاست و امامت کی طلب جو دین کے لئے اور آخرت کے فائدہ کے لئے ہو وہ مذموم نہیں بلکہ جائز ہے۔

''**لایریدون علوا**'' میں اس ریاست و اقتدار کی خواہش کی مذمت ہے جو دنیوی عزت و جاہ کے لئے ہو۔ واللہ اعلم۔ یہاں تک عباد الرحمٰن یعنی مومنین کاملین کی اہم صفات کا بیان پورا ہو گیا۔ آگے ان کی جزاء اور آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔

''اولـئک يـجـزون الغرفة ''غرفہ کےلغوی معنی بالا خانہ کے ہیں، جنت میں مقربین خاص کے لئے ایسے غرفات ہونگے جو عام اہل جنت کو ایسے نظر آئیں گے جیسے زمین والے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔(رواہ البخاری:۳۰۱۶ومسلم: ۵۰۵۹،)۔

مسند احمد:۱۲٦۸،ترمذی:۱۹۰۷، میں ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہونگے جنکا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے نظر آتا ہوگا۔لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ غرفیں کن لوگوں کے لئے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جو شخص اپنے کلام کو نرم اور پاک رکھے اور ہر مسلمان کو سلام کرے اور لوگوں کو کھانا کھلائے اور رات کو اس وقت تہجد کی نماز پڑھے جب لوگ سور ہے ہوں۔

''ویلقون فیھاتحیة و سلاما ''یعنی جنت کی دوسری نعمتوں کے ساتھ ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوگا کہ فرشتے ان کو مبارک باد دیں گے، اور سلام کریں گے، یہاں تک مومنین مخلصین کی خصوصی عادات واعمال اور ان کی جزاوثواب کا ذکر تھا، آخری آیت میں پھر مشرکین کو عذاب سے ڈرا کر سورت کو ختم کیا گیا ہے۔

''قل مایعبؤ ابکم ربی لو لا دعاؤ کم ''اس ایت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں زیادہ واضح یہ ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک تمھاری کوئی وقعت وحیثیت نہ ہوتی اگر تمہاری طرف سے اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا نہ ہوتا کیونکہ انسان کی تخلیق کا منشأ ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے جیسے دوسری آیت میں ہے''و مـا خـلـقـت الـجن و الانـس الالیـعبـدون ''(ذاریات:۵٦)یعنی میں نے انسان اور جن کو اور کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا بجز اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔

یا''بکم''میں باءتعدیہ کے لئے ہے ''ربی'' ''یعبؤا''کا فاعل ہے ''دعائکم''مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل (اللہ ہے) اور ''لو لا''کا جواب محذوف ہے ای لعذبکم ۔اصل عبارت اس طرح ہوگی لو لا دعاء الله ایـاکم لعذبکم، یعنی میرے رب کو تمہاری پرواہ نہیں اگر تمہیں اللہ کی طرف سے توحید کی دعوت نہ ہوتی، تو تمہیں عذاب سے جلد ہلاک کر دیا جاتا، لیکن اللہ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ تبلیغ ودعوت سے پہلے وہ کسی کو نہیں پکڑتا، جیسا کہ ارشاد ہے: و مـا کنامعذبین حتی نبعث رسو لا (اسراء:۱۵) اور نسفی وابوالسعو دوغیرہ نے یہ تاویل کی ہے کہ ''مایعبو ابکم ربی'' ''لو لا''کا جواب ہے یعنی مایصنبع بکم ربی لو لاء دعائه ایاکم الی الاسلام.

سورة الشعرآء (مکیة)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ

طٰسٓمٓ ۔ یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔ (اے پیغمبر!) شاید تم اس (رنج) سے

اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾ اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰیَۃً

کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کر دوگے ۔اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتار دیں

فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا خٰضِعِیۡنَ ﴿۴﴾ وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ ذِکۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ

پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں ۔اور ان کے پاس (اللہ) الرحمٰن کی طرف سے کوئی نصیحت نہیں آتی

مُحۡدَثٍ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہُ مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۵﴾ فَقَدۡ کَذَّبُوۡا فَسَیَاۡتِیۡہِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا

مگر یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، سو یہ تو جھٹلا چکے اب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہو گی

مَا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۶﴾ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الۡاَرۡضِ کَمۡ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ

جس کی ہنسی اڑاتے تھے ۔کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کی کتنی چیزیں اگائی ہیں

کُلِّ زَوۡجٍ کَرِیۡمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَ مَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸﴾

کچھ شک نہیں کہ اس میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانی ہے مگر یہ اکثر ایمان والے نہیں ہیں

وَ اِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۹﴾ وَ اِذۡ نَادٰی رَبُّکَ مُوۡسٰۤی اَنِ ائۡتِ الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۰﴾

اور تمہارا رب غالب (اور) مہربان ہے ۔اور جب تمہارے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ ۔

قَوْمَ فِرْعَوْنَ أَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّيْٓ أَخَافُ أَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾

(یعنی) قومِ فرعون کے پاس کیا یہ ڈرتے نہیں؟ انہوں نے کہا کہ الٰہی! میں ڈرتا ہوں کہ یہ مجھے جھوٹا سمجھیں

وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَأَرْسِلْ إِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان رکتی ہے تو ہارون کو حکم بھیج کہ میرے ساتھ چلیں

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾

اور اُن لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ بھی ہے سو مجھے خوف ہے کہ مجھے مار ہی ڈالیں

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ إِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ

فرمایا ہرگز نہیں تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔تو دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو

إِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ ﴿۱۷﴾

کہ ہم تمام جہان کے مالک کے بھیجے ہوئے ہیں ۔کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیں

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

(فرعون نے موسیٰ سے) کہا کیا ہم نے تم کو کہ ابھی بچے تھے پرورش نہیں کیا اور تم نے برسوں ہمارے ہاں عمر بسر نہیں کی؟

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور تم نے وہ کام کیا تھا جو کیا اور تم ناشکرے معلوم ہوتے ہو۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَّأَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

(موسیٰ نے) کہا کہ (ہاں) وہ حرکت مجھ سے ناگہاں سرزد ہوئی تھی اور میں بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ

تو جب مجھے تم سے ڈر لگا تو تم میں سے بھاگ گیا پھر اللہ نے مجھے نبوت و علم بخشا اور مجھے پیغمبروں میں سے بنادیا

الْـمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِـلْـكَ نِـعْـمَةٌ تَـمُنُّهَا عَلَىَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ

اور (کیا) یہی احسان ہے جو آپ مجھ پر رکھتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے

﴿۲۲﴾ قَـالَ فِـرْعَـوْنُ وَمَـا رَبُّ الْـعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَـالَ رَبُّ السَّـمٰوٰتِ

فرعون نے کہا کہ تمام جہان کا مالک کیا؟۔ کہا کہ آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَمَـا بَيْـنَهُـمَـا إِنْ كُـنْتُـمْ مُّـوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَـالَ لِـمَنْ حَـوْلَـهٗ

اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو۔فرعون نے اپنے اہالی موالی سے کہا

أَلَا تَسْـتَـمِـعُـوْنَ ﴿۲۵﴾ قَـالَ رَبُّـكُـمْ وَرَبُّ آبَـآئِـكُـمُ الْأَوَّلِيْـنَ ﴿۲۶﴾

کہ کیا تم سنتے نہیں؟ (موسیٰ نے) کہا کہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا مالک

قَـالَ إِنَّ رَسُـوْلَـكُـمُ الَّـذِيْٓ أُرْسِـلَ إِلَيْـكُـمْ لَـمَـجْـنُـوْنٌ ﴿۲۷﴾

(فرعون نے) کہا کہ (یہ) پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے

قَـالَ رَبُّ الْـمَشْـرِقِ وَالْـمَـغْـرِبِ وَمَـا بَيْـنَهُـمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

موسیٰ نے کہا کہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو

قَـالَ لَـئِـنِ اتَّـخَـذْتَ إِلٰهًـا غَيْـرِيْ لَأَجْـعَـلَنَّـكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾

(فرعون نے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا

قَـالَ أَوَلَـوْ جِـئْـتُـكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَـالَ فَـأْتِ بِـهٖٓ إِنْ كُنْتَ مِنَ

(موسیٰ نے) کہا کہ خواہ میں آپ کے پاس روشن چیز لاؤں؟ (یعنی معجزہ)۔فرعون نے کہا کہ اگر سچے ہو تو اسے لاؤ

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَأَلْقٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَإِذَا

(دکھاؤ)۔ پس انہوں نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ اسی وقت صریح اژدہا بن گئی۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو اُسی دم

هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾

دیکھنے والوں کو سفید نظر آنے لگا ۔ فرعون نے اپنے سرداروں سے کہا کہ یہ کامل فن جادوگر ہے

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾

چاہتا ہے کہ تم کو اپنے جادو سے تمہارے ملک سے نکال دے تو تمہاری کیا رائے ہے؟

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾

اُنھوں نے کہا کہ اسے اور اس کے بھائی (کے بارے) میں کچھ توقف کیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ

کہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں ۔ تو جادوگر ایک مقرر دن کی میعاد پر جمع ہو گئے

﴿٣٨﴾ وَقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ

اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ تم (سب) کو اکٹھے ہو کر جانا چاہئیے ۔ تاکہ اگر جادوگر غالب رہیں

اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا

تو ہم ان کے پیرو ہو جائیں ۔جب جادوگر آگئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے

لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ

تو ہمیں صلہ بھی عطا ہو گا؟فرعون نے کہا ہاں اور تم مقربوں میں بھی داخل کر لئے جاؤ گے ۔

﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾

موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو چیز ڈالنی چاہتے ہو ڈالو

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾

تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم! ہم ضرور غالب رہیں گے

فَأَلْقٰى مُوسٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿۴۵﴾

پھر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈالی تو وہ ان چیزوں کو جو جادوگروں نے بنائی تھیں یکا یک نگلنے لگی

فَأُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْآ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

تب جادوگر سجدے میں گر پڑے ۔ (اور) کہنے لگے کہ ہم تمام جہان کے مالک پر ایمان لائے

رَبِّ مُوسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ج

جو موسیٰ اور ہارون کا مالک ہے۔فرعون نے کہا کیا اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟

إِنَّهُ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ج فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ط

بیشک یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے سو عنقریب تم (اس کا انجام) معلوم کر لو گے

لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾

کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں اطرافِ مخالف سے کٹوا دوں گا اور تم سب کو سولی چڑھوا دوں گا

قَالُوْا لَا ضَيْرَ إِنَّآ إِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

انہوں نے کہا کچھ نقصان (کی بات) نہیں ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۔

إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾

ہمارا رب ہمارے گناھوں کو معاف کردے گا اس لئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

وَأَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوسٰىٓ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِىْٓ إِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو کو رات کو لے نکلو کہ (فرعونیوں کی طرف سے) تمہارا تعاقب کیا جائے گا

فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ

تو فرعون نے شہروں میں نقیب روانہ کئے (اور کہا) ۔ کہ یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہیں

وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَإِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور یہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں اور ہم سب باسازو سامان ہیں

فَأَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾

تو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا ۔ اور خزانوں اور نفیس مکانات سے

كَذٰلِكَ ط وَأَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَأَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾

(ان کیساتھ ہم نے) اس طرح اور ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔[1] تو انہوں نے سورج نکلتے ان کا تعاقب کیا

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ أَصْحٰبُ مُوْسٰٓى إِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو دھر لئے گئے

قَالَ كَلَّآ إِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَأَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوْسٰٓى

موسیٰ نے کہا کہ ہرگز نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے رستہ بتائے گا۔ اس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی

أَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ط فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ

کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا (یوں) ہو گیا (کہ) گویا بڑا پہاڑ (ہے)

---

[1] اس آیت میں بظاہر یہ تصریح ہے کہ قوم فرعون کی چھوڑی ہوئی املاک اور جائداد، باغات وخزائن کا مالک غرق فرعون کے بعد بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا، لیکن اس میں ایک تاریخی اشکال یہ ہے کہ خود قرآن کی متعدد آیات اس پر شاہد ہیں کہ قوم فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل مصر کیطرف نہیں لوٹے بلکہ اپنے اصلی وطن ارض مقدس شام کیطرف روانہ ہوئے، وہیں ان کو ایک کافر قوم سے جہاد کر کے ان کے شہر کو فتح کرنے کا حکم ملا، جس کی تعمیل سے بنی اسرائیل نے انکار کر دیا اس پر بطور عذاب کے اس کھلے میدان میں جس میں بنی اسرائیل موجود تھے ایک قدرتی جیل خانہ بنا دیا گیا، کہ وہ اس میدان سے نکل نہیں سکتے تھے، اسی حال میں چالیس سال گذرے اور اسی وادی میں

ان کے دونوں پیغمبروں موسیٰ وھارون علیہما السلام کی وفات ہوگئی، اس کے بعد بھی کتب تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی وقت بنی اسرائیل اجتماعی اورقوی صورت سے مصر میں داخل ہوئے ہوں کہ قوم فرعون کی جائداد وخزائن پران کا قبضہ ہوا ہو۔

تفسیر روح المعانی میں سورۂ شعراء کی اسی آیت کے تحت اس کے دوجواب ائمہ تفسیر حسن وقتادہ کے حوالہ سے نقل کئے ہیں، حسنؒ کاارشاد ہے کہ آیہ مذکورہ میں بنی اسرائیل کوفرعونی متروکہ جائداد کاوارث بنانے کاذکر ہے، مگر یہ کہیں مذکورنہیں کہ یہ واقعہ ہلاک فرعون کےفوراًبعد ہوجائیگا، وادی تیہ کے واقعہ اور چالیس پچاس سال کے بعد بھی اگروہ مصر میں داخل ہوئے ہوں تو آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں آتا، رہا یہ امر کہ تاریخ سے ان کا اجتماعی داخلہ مصر ثابت نہیں، تو یہ اعتراض اس لئے قابل التفات نہیں ہے کہ اس زمانہ کی تاریخ یہود ونصاری کی لکھی ہوئی اکاذیب سے بھرپور ہے جو کسی طرح قابل اعتماد نہیں، اس کی وجہ سے آیت قرآن میں کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔

قتادہؒ نے فرمایا کہ اس واقعہ کے متعلق جتنی آیات قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں آئی ہیں مثلاً سورۂ اعراف آیت: ۱۲۸، ۱۳۷، اور سورۂ قصص: ۵، ودخان: ۲۵ تا ۲۸، اور سورۂ شعراء کی آیت مذکورہ: ان سب کے ظاہر سے اگرچہ ذہن اس طرف جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کوخاص انہیں باغات اور جائدادوں کا مالک بنایا گیا تھا، جوقوم فرعون نے ارض مصر میں چھوڑی تھیں، جس کے لئے بنی اسرائیل کا مصر کیطرف لوٹنا ضروری ہے، لیکن ان سب آیتوں کے الفاظ میں اس کی بھی واضح گنجائش موجود ہے کہ مراد ان سے یہ ہو کہ بنی اسرائیل کواسی طرح کے خزائن اور باغات وغیرہ کا مالک بنادیا گیا جس طرح کے باغات قوم فرعون کے پاس تھے، جس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ارض مصر ہی میں پہنچکر حاصل ہوں بلکہ ارض شام میں بھی حاصل ہوسکتے ہیں،

اورسورۂ اعراف کی آیت: ۱۳۷، میں ''التی بارکنافیھا'' کے الفاظ سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، کہ ارض شام مراد ہے، کیونکہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں 'بارکنا' وغیرہ کے الفاظ اکثر ارض شام ہی کے بارے میں آئے ہیں، اس لئے قتادہؒ کا قول یہ ہے کہ بلاضرورت آیات قرآن کوایسے محمل پرمحمول کرنا جوتاریخ عالم سے متصادم ہودرست نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگرواقعات سے یہ ثابت ہوجائے کہ ہلاک فرعون کے بعد کسی وقت بھی بنی اسرائیل اجتماعی صورت سے مصر پرقابض نہیں ہوئے، تو قتادہؒ کی تفسیر کے مطابق ان تمام آیات میں ارض شام اوراس کے باغات وخزائن کاوارث ہونا مرادلیا جاسکتا ہے (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)۔

﴿۶۴﴾ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۵﴾ وَأَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهُ أَجْمَعِيْنَ

اور دوسروں کو وہاں ہم نے قریب کر دیا ۔ اور موسیٰ اور ان کیساتھ والوں کو تو بچا لیا

﴿۶۶﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۷﴾ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَّمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

پھر دوسروں کو ڈبو دیا ۔ بیشک اس (قصہ) میں نشانی ہے لیکن یہ اکثر

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۹﴾

ایمان والے نہیں اور تمہارا رب تو غالب (اور) مہربان ہے

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيْمَ ﴿۷۰﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۱﴾

۔اوران کوابراہیم کا حال پڑھ کرسنادو۔جب انہوں نے اپنے باپ اوراپنی قوم کےلوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو؟

قَالُوْا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۲﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ إِذْ

وہ کہنے لگے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اوران کی پوجا پر قائم ہیں۔ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہوتو کیا وہ تمہاری

تَدْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ أَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ أَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۴﴾

آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدے دے سکتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَ نَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ

انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کواسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ابراہیم نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ جن کوتم

تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۶﴾ أَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْأَقْدَمُوْنَ ﴿۷۷﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ

پوجتے رہے ہو؟ تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی ۔ وہ میرے دشمن ہیں

إِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۸﴾ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۹﴾

لیکن اللہ رب العالمین (میرا دوست ہے) ۔ جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾

اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ۔ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے

وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْ أَطْمَعُ أَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ

اور وہ جو مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا

یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّأَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾

اے اللہ! مجھے علم و دانش عطا فرما اور نیکوکاروں میں شامل کر ۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ

اورآئندہ آنے والوں نسلوں میں میراذکرخیر باقی رکھ۔[2] اور مجھے جنت ِ نعیم کے وارثوں میں کر

---

[2] اس آیۂ مبارکہ میں "لسان" سے مراد ذکر ہے، اور "لی" کا "لام" نفع کے لئے ہے، آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اے اللہ مجھے ایسے پسندیدہ طریقے اور عمدہ نشانیاں عطا فرما، جس کی دوسرے لوگ قیامت تک پیروی کریں، اور مجھے ذکر خیر اور عمدہ صفت سے یاد کیا کریں، (ابن کثیر، روح المعانی)۔

اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، یہود ونصاری اور مشرکین مکہ تک ملت ابراہیمی سے محبت والفت رکھتے ہیں، اوراپنے آپ کواس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کا طریقہ ملت ابراہیمی کے خلاف کفر وشرک ہے، مگروہ دعوی یہی کرتے ہیں کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں، اورامت محمدیہ تو بجاطور پربھی ملت ابراہیمی پر ہونے کواپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہے۔

"حب جاہ" یعنی لوگوں سے اپنی عزت کرنے اور مدح کرنے کی خواہش شرعاً مذموم ہے، قرآن کریم نے دارآخرت کی نعمتوں کوحب جاہ کے ترک پرموقوف قرار دیا ہے، قال اللہ تعالی: "تلک الدار الاخرة

نجعلها للذين لايريدون علوا في الارض ولافسادا'' (قصص: ٨٣) اس جگہ آیت: وَاجْعَل لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ :میں ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا، کہ آنے والی نسلوں میں میری تعریف وثنا ہوا کرے ، بظاہر حب جاہ میں داخل معلوم ہوتی ہے، لیکن آیت کے الفاظ میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس دعا کا اصل مقصد حب جاہ نہیں، بلکہ اللہ تعالی سے اس کی دعاء ہے کہ ایسے نیک اعمال کی توفیق بخشیں جو میری آخرت کا سامان بنیں، اور اس کو دیکھ کر دوسرے لوگوں کو بھی اعمال صالحہ کی رغبت ہو، اور میرے بعد بھی لوگ اعمال صالحہ میں میری پیروی کرتے رہیں۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے کوئی وجاہت کا فائدہ حاصل کرنا مقصود ہی نہیں، جس کو حب جاہ کہا سکے۔قرآن وحدیث میں جہاں طلب جاہ کو ممنوع اور مذموم قرار دیا ہے اس کی مراد وہی دنیوی وجاہت اور اس سے دنیوی منافع حاصل کرنا ہے۔امام ترمذی: ٢٣٧٧، نے کعب بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ماذئبان جائعان ارسلافي غنم بافسدلهامن حرص المرأعلي المال و الشرف ،لدينه.

یعنی ،دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جاویں وہ بکریوں کے ریوڑ کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا دو خصلتیں انسان کے دین کو نقصان پہنچاتی ہیں، ایک مال کی محبت دوسرے اپنے عزت و جاہ کی طلب۔

اس روایت سے مراد وہ حب جاہ اور طلب ثناء ہے جو دنیوی مقاصد کے لئے مطلوب ہو، یا جس کی خاطر دین میں مداہنت یا کسی گناہ کا ارتکاب کرنا پڑے۔اور جب یہ صورت نہ ہو تو طلب جاہ مذموم نہیں۔اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص واقع میں صالح اور نیک ہو، لوگوں کی نظر میں نیک بننے کے لئے ریا کاری نہ کریں اس کے لئے لوگوں کیطرف سے مدح وثنا کی محبت مذموم نہیں۔

ابن عربی نے فرمایا کہ آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جس نیک عمل سے لوگوں میں تعریف ہوتی ہو، اس نیک عمل کی طلب اور خواہش جائز ہے۔اور امام غزالیؒ نے فرمایا کہ دنیا میں عزت و جاہ کی محبت تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے: اول یہ کہ اس سے مقصود اپنے آپ کو بڑا اور اس کے بالمقابل دوسرے کو چھوٹا یا حقیر قرار دینا نہ ہو، بلکہ آخرت کے فائدہ کے لئے ہو، کہ لوگ میرے معتقد ہو کر نیک اعمال میں میرا اتباع کریں۔دوسرے یہ کہ جھوٹی ثناء خوانی مقصود نہ ہو کہ جو صفت اپنے اندر نہیں ہے لوگوں سے اس کی خواہش رکھے کہ وہ اس صفت میں اس کی تعریف کریں۔تیسرے یہ کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے کسی گناہ یا دین کے معاملے میں مداہنت اختیار نہ کرنی پڑے۔

النَّعِيمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ لِأَبِيٓ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّآلِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ

اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔[3] اور جس دن لوگ اٹھا کر کھڑے کئے جائیں گے مجھے رسوا نہ کرنا

﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ

جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔ ہاں جو شخص اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا)

﴿٨٩﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾

اور جنت پرہیزگاروں کے قریب کر دیجائے گی۔ اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی

---

[3] قران مجید کے اس فرمان کے بعد کہ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوٓا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوٓا أُولِي قُرْبَى مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ (التوبہ)۔

اب کسی ایسے شخص کے لئے جس کا کفر پر مرنا یقینی ہو استغفار اور دعائے مغفرت طلب کرنا ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے، کہ کسی نبی اور ایمان داروں کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت طلب کریں، خواہ وہ اس کے رشتہ دار اور قریبی ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان کا جہنمی ہونا بالکل واضح ہو چکا ہو۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ اس نہی اور ممانعت کے بعد پھر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کے لئے کیوں دعائے مغفرت مانگی؟ اس کا جواب خود حق تعالی نے قران مجید میں دیدیا کہ: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾ (التوبہ)۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کیلئے ان کی زندگی میں استغفار اس نیت اور خیال سے کی تھی کہ حق تعالی ان کو ایمان لانے کی توفیق دے، جس کے بعد مغفرت یقینی ہے یا ابراہیم علیہ السلام کا یہ خیال تھا کہ میرا باپ خفیہ طور پر ایمان لے آیا ہے اگر چہ اس کا اظہار اور اعلان نہیں کیا لیکن جب ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ میرا باپ تو کفر پر مرا ہے، تو انہوں نے اپنی پوری بیزاری اور براءۃ کا اظہار فرمایا۔

وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِن دُونِ اللّٰهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ

اوران سے کہا جائے گا کہ جن کو تم پوجتے تھے وہ کہاں ہیں؟ یعنی جن کو اللہ کے سوا (پوجتے تھے) کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں

أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾

یا خود بدلہ لے سکتے ہیں؟ تو وہ اور گمراہ (یعنی بت اور بت پرست) اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾

اور شیطان کے لشکر سب کے سب ۔ وہاں وہ آپس میں جھگڑیں گے

تَاللّٰهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾

اور کہیں گے کہ اللہ کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں تھے ۔ جب کہ تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے

وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾

اور ہم کو ان گنہگاروں نے ہی گمراہ کیا تھا ۔ تو (آج) نہ کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے

وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾

اور نہ گرم جوش دوست ۔ کاش ہمیں (دنیا میں) پھر جانا ہو تو ہم مومنوں میں ہو جائیں

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ

بیشک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں ۔ اور تمہارا رب

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾

تو غالب اور مہربان ہے ۔ قومِ نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾

جب اُن سے اُن کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ ۔ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ

تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو ۔ اور اس کام کا تم سے کچھ صلہ تو نہیں مانگتا میرا صلہ تو

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾

اللہ رب العالمین ہی پر ہے ۔ تو اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو

قَالُوٓا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا

وہ بولے کہ کیا ہم تمہیں مان لیں اور تمہارے پیروکار تو رذیل لوگ ہوتے ہیں ۔نوح نے کہا کہ مجھے کیا معلوم

يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَآ أَنَا

کہ وہ کیا کرتے ہیں ۔ ان کا حساب (اعمال) میرے رب کے ذمے ہے اگر تم سمجھو ۔ اور میں

بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنْتَهِ

مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں ۔ میں تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں ۔ انہوں نے کہا کہ نوح

يٰنُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾

اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے ۔ نوح نے کہا کہ الٰہی! میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا

فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾

سو تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں ان کو بچا لے

فَأَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ

پس ہم نے ان کو اور جو ان کیساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو بچا لیا ۔ پھر اس کے بعد باقی

الْبٰقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَّمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾

لوگوں کو ڈبو دیا ۔ بیشک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۲۳﴾

اور تمہارا رب تو غالب (اور) مہربان ہے ۔ عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۲۴﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۲۵﴾

جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ

تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں اس کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۲۷﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿۱۲۸﴾

(اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے ۔ بھلا تم جو ہر اونچی جگہ پر نشان تعمیر کرتے ہو

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۲۹﴾ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ

اور محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے ۔ اور جب (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو

﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ

تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو

﴿۱۳۲﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۳۴﴾

اس نے تمہیں چوپایوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ

مجھے تمہارے بارے میں بڑے (سخت) دن کے عذاب کا خوف ہے۔ وہ کہنے لگے ہمیں خواہ نصیحت کرو

أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ﴿۱۳۶﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳۷﴾

یا نہ کرو ہمارے لئے یکساں ہے۔ یہ تو اگلوں ہی کے طریق ہیں

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنٰهُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً

اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔تو انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا بیشک اس میں نشانی ہے

وَّمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۴۰﴾

اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے ۔ اور تمہارا رب تو غالب اور مہربان ہے

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۴۱﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ

اور قوم ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ۔ جب ان کو ان کے بھائی صالح نے کہا تم ڈرتے کیوں نہیں؟

﴿۱۴۲﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۴۴﴾

میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں ۔ تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو

وَمَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۴۵﴾

اور میں اس کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هٰهُنَآ اٰمِنِينَ ﴿۱۴۶﴾ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿۱۴۷﴾

کیا جو چیزیں (تمہیں یہاں میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیئے جاؤ گے ۔ (یعنی) باغ اور چشمے

وَزُرُوعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا

اور کھیتیاں اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف و نازک ہوتے ہیں ۔اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو

فٰرِهِينَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِيعُوٓا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ

سو اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو ۔ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو

﴿۱۵۱﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوٓا إِنَّمَآ أَنْتَ

جو ملک میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے ۔ وہ کہنے لگے کہ تم تو

مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَأْتِ بِاٰيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ

جادو زدہ ہو ۔ تم اور کچھ نہیں ہماری ہی طرح کے آدمی ہو

الصّٰدِقِينَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾

اگر سچے ہوتو کوئی نشانی پیش کرو۔صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمہاری باری

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾

اور اس کو کوئی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں سخت عذاب پکڑے گا

فَعَقَرُوْهَا فَأَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر نادم ہوئے ۔پھرانہیں عذاب نے آ پکڑا، البتہ اس میں بڑی نشانی ہے

وَّمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾

اوران میں سے اکثر ایمان والے نہیں تھیں۔ اور تمہارا رب تو غالب (اور) مہربان ہے

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ لُوْطٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ

اورقومِ لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ۔ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟

﴿۱۶۱﴾ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾

میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں ۔ تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو

وَمَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور میں تم سے اس (کام) کا بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے

أَتَأْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ

کیا تم اہلِ عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو؟ اورتمہارے رب نے جوتمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں

مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ

ان کو چھوڑ دیتے ہو حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ لوط! اگر تم باز نہ آ ؤ گے

لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ إِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

تو شہر بدر کر دیئے جاؤ گے ۔ لوط نے کہا کہ میں تمہارے اس عمل کا سخت دشمن ہوں

رَبِّ نَجِّنِيْ وَأَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَأَهْلَهٗٓ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں سے نجات دے۔ سو ہم نے ان کو اور ان کے سب گھر والوں کو نجات دی

إِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی ۔ پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

اور ان پر مینہ برسایا، سو جو مینہ ان (لوگوں) پر (برسا) جو ڈرائے گئے، بُرا تھا ۔ بیشک اس میں نشانی ہے

وَّمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾

اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے ۔ اور تمہارا رب تو غالب (اور) مہربان ہے

كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ

اور بَن کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ۔ جب ان سے شعیب نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟

﴿۱۷۷﴾ إِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾

میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں ۔ تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو

وَمَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور میں اس کام کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمے ہے

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ

(دیکھو) پیمانہ پورا بھرا کرو اور نقصان نہ کیا کرو ۔ اور ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو

الْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ

اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو

مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾

اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلی خلقت کو پیدا کیا ۔ وہ کہنے لگے کہ تم تو جادو زدہ ہو

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

اور تم اور کچھ نہیں ہمارے جیسے آدمی ہو اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو

وَإِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿١٨٦﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ

اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا کر گراؤ

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوهُ

شعیب نے کہا کہ کام جو تم کرتے ہو میرا رب اس سے خوب واقف ہے ۔ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا

فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾

پس سائبان کے عذاب نے ان کو آ پکڑا بیشک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾

اس میں یقیناً نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾ وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾

اور تمہارا رب تو غالب (اور) مہربان ہے ۔ اور یہ (قرآن اللہ) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اس کوامانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے۔(یعنی اس نے) تمہارے دل پر (اِلقا) کیا ہے تا کہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَإِنَّهُ لَفِيْ زُبُرِ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾

(اور اِلقا بھی) فصیح عربی زبان میں (کیا ہے) [4]۔ اس کی خبر پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں (لکھی ہوئی) ہے

---

[4] ایت مذکورہ میں بلسان عربی مبین سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وہی ہے جو عربی زبان میں ہو، کسی مضمون قرآن کا ترجمہ خواہ کسی زبان میں ہو وہ قرآن نہیں کہلائے گا اور ''انہ لفی زبر الاولین '' کے الفاظ سے بظاہر اس کے خلاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ معانی قران جو کسی دوسری زبان میں بھی ہوں وہ بھی قرآن ہیں کیونکہ '' انہ'' کے ضمیر ظاہر یہ ہے کہ قران کیطرف راجع ہے اور ''زبر'' زبور کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کتاب، معنی ایت کے یہ ہوئے کہ قرآن کریم سابقہ کتابوں میں بھی ہے اور یہ ظاہر ہے پچھلی کتابیں تورات اور انجیل زبور وغیرہ عربی زبان میں نہیں تھیں، تو صرف معانی قران کے ان میں مذکور ہونے کو اس ایت میں کہا گیا ہے کہ قرآن پچھلی کتابوں میں بھی ہے ۔اور حقیقت جس پر جمہور امت کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ صرف مضامین قرآن کو بھی بعض اوقات توسعا قرآن کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ اصل مقصود کسی کتاب کا اس کے مظامین میں ہی ہوتے ہیں، کتب اولین میں قران کا مذکور ہونا بھی اسی حیثیت سے ہے کہ بعض مضامین قرآنیہ ان میں بھی مذکور ہیں، اس کی تائید بہت سی روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

مستدرک حاکم میں معقل بن یسار کی حدیث ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ بقرہ ذکر اول سے دی گئی ہے، اور سورۂ طہ اور طواسین یعنی جتنی سورتیں طس سے شروع ہوتی ہیں اور حوامیم یعنی جو سورتیں حم سے شروع ہیں یہ سب سورتیں الواح موسی میں سے دی گئی ہیں اور سورۂ فاتحہ مجھے تحت عرش سے دی گئی ہے۔(مستدرک:۱/۱۷)

اور سورۃ الاعلی میں تو خود قران کی تصریح یہ ہے '' ان ھذا لفی الصحف الاولی صحف ابراھیم وموسٰی '' یعنی یہ مضامین سورت، ابراہیم علیہ السلام اور موسٰی علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی ہیں، لیکن تمام آیات وروایات کا حاصل یہی ہے کہ بہت سے مضامین قران کتب سابقہ میں بھی موجود تھے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان مضامین کی وجہ سے کتب سابقہ کے ان حصوں کو جن میں یہ مضامین قرآن آئے ہیں قران کا نام دیدیا جائے نہ امت میں کوئی اس کا =

أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾

کیا ان کیلئے یہ سند نہیں ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس (بات) کو جانتے ہیں

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم

۔ اور اگر ہم اس کو کسی غیر اہلِ زبان پر اتارتے ۔ اور وہ اسے ان (لوگوں کو) پڑھ کر سناتا

مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾ كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾

تو یہ اُسے (کبھی) نہ مانتے ۔ اسی طرح ہم نے انکار کو گنہگاروں کے دلوں میں داخل کر دیا ۔

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾ فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً

اور جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے اس کو نہیں مانیں گے ۔ وہ ان پر ناگہاں آ واقع ہو گا

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

اور انہیں خبر بھی نہ ہو گی ۔ اس وقت کہیں گے کیا ہمیں مہلت ملے گی؟

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾ أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَاءَ

تو کیا یہ ہمارے عذاب کو جلدی طلب کر رہے ہیں؟ بھلا دیکھو تو اگر ہم ان کو برسوں فائدے دیتے رہے۔ پھر ان پر وہ (عذاب) آ

= قائل ہے کہ ان صحیفوں اور کتابوں کو جن میں مضامین قران مذکور ہیں قران کہا جائے۔ بلکہ عقیدہ جمہور امت کا یہی ہے کہ قران نہ صرف الفاظ قران کا نام ہے نہ صرف معانی کا اگر کوئی شخص قرآن ہی کے الفاظ مختلف جگہوں سے چن کر ایک عبارت بنا دے مثلاً کوئی یہ عبارت بنا لے: الحمد لله العزيز الرحيم الذى له ملك السمٰوات وهورب العالمين خالق كل شيء وهو المستعان .

یہ سارے الفاظ قران ہی کے ہیں مگر اس عبارت کو کوئی قران نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح صرف معانی قرآن جو کسی دوسری زبان میں بیان کئے جائیں وہ بھی قرآن نہیں۔

هُمْ مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾

واقع ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ تو جو فائدے یہ اٹھا رہے ہیں ان کے کس کام آئیں گے؟

وَمَآ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ

اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کیلئے نصیحت کرنے والے (پہلے بھیج دیتے) تھے

﴿٢٠٩﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

(تا کہ) نصیحت کر دیں اور ہم ظالم نہیں ہیں۔ اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوئے

﴿٢١١﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ

یہ کام نہ تو ان کو سزاوار ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ وہ (آسمانی باتوں کے) سننے (کے مقامات) سے الگ کر

فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾ وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾

دیئے گئے ہیں۔ تو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو مت پکارنا ورنہ تمہیں عذاب دیا جائے گا۔ اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ

اور جو مومن تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان سے متواضع پیش آؤ۔ پھر اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں

فَقُلْ إِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٢١٧﴾

تو کہہ دو کہ میں تمہارے اعمال سے بے تعلق ہوں۔ اور (اللہ) غالب اور رحمٰن پر بھروسہ رکھو

الَّذِيْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ ﴿٢١٩﴾

جو تمہیں جب تم (تہجد کے وقت) اٹھتے ہو دیکھتا ہے۔ اور نمازیوں میں تمہارے پھرنے کو بھی

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٢٠﴾ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِيْنُ

وہ بیشک سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (اچھا) میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں

﴿۲۲۲﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۲۲۳﴾ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كٰذِبُونَ

ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں ۔ جو سنی ہوئی بات (اس کے کان میں) لا ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہیں

﴿۲۲۴﴾ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾

اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں [5]

---

[5] یہ مشرکین کے شبہے کا جواب ہے، مشرکین نے کہا تھا کہ محمد ﷺ شاعر ہے اور شعراء کی طرح شعر بناتا ہے تو یہاں اس کا جواب دیا گیا مسوق لتنزیھہ علیہ السلام ایضا عن ان یکون وحاشاہ من الشعراء وابطال زعم الکفرۃ ان القرآن من قبیل الشعر (روح) ۔ یعنی شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں مطلب یہ کہ شعراء چونکہ خود گمراہ ہوتے اس لئے وہ اپنے اشعار میں کفر وشرک اور ضلالت وغوایت کے جو مضامین بیان کرتے ہیں، گمراہ لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ ”الم ترانھم “الایۃ ، یہ شاعروں کے گمراہ ہونے کی پہلی دلیل ہے۔ یہ بات مشاہدے میں اچکی ہے کہ شعراء ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ وہ حق وباطل ایک ہی چیز کی مدح وہجا اور افراط وتفریط، غرضیکہ ہر میدان میں طبع ازمائی کرتے ہیں۔ وانھم یقولون الخ ۔ یہ ان کے غاوی گمراہ ہونے کی دوسری دلیل ہے، کہ ان کے قول اور عمل میں موافقت نہیں ہوتی وہ زبان سے کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ان دونوں گمراہیوں سے بالکل پاک ہے آپ ﷺ کی زبان سے صرف حق ہی نکلتا ہے اور آپ ﷺ جو کچھ زبان سے فرماتے ہیں اس کے موافق عمل بھی کرتے ہیں۔ فقدظھر بھذاان حال محمد ﷺ ماکان یشبہ حال الشعراء (کبیر)۔

”الا الذین “ الایۃ، مومن اور نیک شعراء کو ماقبل سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ وہ شعراء جو مومن اور صالح ہیں، اور اپنے اشعار میں اللہ کی توحید، اس کی حمد وثنا، مدح پیغمبر علیہ السلام اور ترغیب وترہیب کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ کسی کی ہجوہ میں ابتدا نہیں کرتے ہاں اگر کوئی اسلام پر یا پیغمبر اللہ ﷺ کی ذات پر حملہ کرے تو اس کا جواب دیتے ہیں۔ ای کان ذکر اللہ وتلاوۃ القرآن اغلب علیھم من الشعر، واذاقالوا اشعرا ،قالوہ فی توحیداللہ تعالی و الثناء علیہ و الحکمۃ والموعظۃ و الزھد و الادب ومدح رسول اللہ ﷺ و الصحابۃ وصلحاء الامۃ ونحو ذلک مما لیس فیہ ذنب(مدارک).

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَّهِيمُونَ ﴿۲۲۵﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارے مارے پھرتے ہیں ۔ اور کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں

﴿۲۲۶﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا وَّانْتَصَرُوا

مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہے اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد انتقام لیا

مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُونَ ﴿۲۲۷﴾

اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں

سورة النمل (مكيه)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓ قف تِلْكَ آيٰتُ الْقُرْآنِ وَكِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴿۱﴾ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ

طٰسٓ۔ یہ قرآن اور کتابِ روشن کی آیتیں ہیں ۔ مومنوں کیلئے ہدایت اور بشارت

﴿۲﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ

وہ جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور وہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں

﴿۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ﴿۴﴾

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کیلئے آراستہ کر دیئے ہیں تو وہ سرگرداں ہو رہے ہیں

أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ

یہی لوگ ہیں جن کیلئے بڑا عذاب ہے اور آخرت میں بھی وہ بہت نقصان اٹھانے والے ہیں

﴿۵﴾ وَإِنَّکَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ﴿۶﴾

اور تمہیں قرآن (اللہ) حکیم و علیم کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے

إِذْ قَالَ مُوسٰى لِأَهْلِهٖٓ إِنِّيٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ

جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں وہاں سے (رستے کا) پتہ لاتا ہوں

أَوْ اٰتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهَا نُودِيَ

یا سلگتا ہوا انگارا لاتا ہوں تاکہ تم تاپو ۔ جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو ندا آئی

أَنْ بُورِکَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۸﴾

کہ وہ جو آگ میں (بجلی دکھاتا) ہے بابرکت ہے اور وہ جو آگ کے اردگرد ہیں اور اللہ جو تمام عالم کا رب ہے پاک ہے

يٰمُوسٰىٓ إِنَّهٗٓ أَنَا اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۹﴾ وَأَلْقِ عَصَاکَ ؕ

اے موسیٰ میں ہی اللہ، غالب و دانا ہوں ۔ اور اپنی لاٹھی ڈال دو جب اسے دیکھا

فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوسٰى لَا تَخَفْ

تو (اس طرح) ہل رہی تھی گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) موسیٰ ڈرومت!

إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۰﴾ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ

ہمارے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے ۔ہاں جس نے ظلم کیا پھر بُرائی کے بعد

سُوٓءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱﴾ وَأَدْخِلْ يَدَکَ فِي جَيْبِکَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ

اُسے نیکی سے بدل دیا تو میں بخشنے والا مہربان ہوں ۔اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو سفید نکلے گا

مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ فِي تِسْعِ اٰيٰتٍ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا

(ان دو معجزوں کیساتھ جو) نو معجزوں میں (داخل ہیں) فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ کہ وہ

فٰسِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾

بے حکم لوگ ہیں ۔ جب ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں پہنچیں کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اور بے انصافی اورغرور سے ان کا انکار کیا کہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے سو دیکھ لو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہو

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم بخشا اور انہوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾

جس نے ہمیں بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ

اور سلیمان داؤد کے قائم مقام ہوئے اور کہنے لگے کہ لوگو! ہمیں (اللہ کی طرف سے) جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

اور ہر چیز عطا فرمائی گئی ہے بیشک یہ (اس کا) صریح فضل ہے

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور سلیمان کیلئے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے اور قسم وار کئے جاتے تھے

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا

یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں

مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْٓ أَنْ أَشْكُرَ

تو وہ اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے الٰہی! مجھے توفیق عطا فرما کہ جو احسان تو نے

نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا

مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں اُن کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں

تَرْضٰهُ وَأَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩﴾

کہ تو اُن سے خوش جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿٢٠﴾

انہوں نے جانوروں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کہ کیا سبب ہے کہ ہدہد نظر نہیں آ تا؟ کیا کہیں غائب ہو گیا ہے؟

لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيْدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢١﴾

میں اُسے سخت سزا دوں گا یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے (اپنی بے قصوری کی) دلیل صریح پیش کرے

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ أَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ہدہد آ موجود ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿٢٢﴾ إِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ

اور میں آپ کے پاس سبا سے ایک سچی خبر لے کر آیا ہوں[1] میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان لوگوں پر حکومت کرتی ہے

وَأُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا

اور ہر چیز اسے میسر ہے ۔ اور اس کا ایک بڑا تخت ہے میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم

---

[1] یعنی ہدہد نے اپنا عذر بتلاتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ چیز معلوم ہے جو آپ کو معلوم نہیں یعنی میں ایک ایسی

خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا۔امام قرطبی نے فرمایا: کہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے جس سے ان کو ہر چیز کا علم ہو سکے۔

"من سبأ"۔سبا یمن کا ایک مشہور شہر جس کا ایک نام مارب بھی ہے اس کے اور یمن کے دار الحکومت صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت تھی ۔ہدہد کی مذکورہ گفتگو سے بعض لوگوں نے اس پر استدلال کیا ہے کہ کوئی شاگرد اپنے استاد سے یا غیر عالم عالم سے کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ کا علم مجھے آپ سے زیادہ ہے بشرطیکہ اس کو اس مسئلہ کا واقعی طور پر مکمل علم دوسروں سے زائد ہو۔مگر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ طرز گفتگو اپنے مشایخ اور بڑوں کے سامنے خلاف آدب ہے،اس سے احتراز کرنا چاہئے،اور ہدہد کے قول سے اس پر استدلال اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اس نے یہ بات اپنے آپ کو سزا سے بچانے اور عذر کے قوی ہونے کے لئے کہی ہے، تاکہ اس کی غیر حاضری کا عذر پوری طرح سلیمان علیہ السلام کے سامنے آجائے۔ایسی ضرورت میں ادب کی رعایت رکھتے ہوئے کوئی بات کیجائے تو مضائقہ نہیں۔

"انی وجدت امرأة" یعنی میں نے ایک عورت کو پایا جو قوم سبا پر حکومت کرتی ہے۔اس عورت کا نام تاریخ میں بلقیس بنت شراحیل بتلایا گیا ہے۔اور بعض روایات میں ہے کہ اسکی والدہ جنات میں سے تھی۔جس کا نام ملعمہ بنت شیصان بتلایا جاتا ہے۔(قرطبی)۔اور ان کا دادا ہدا ہد پورے ملک یمن کا ایک عظیم الشان بادشاہ تھا جس کی اولاد میں چالیس لڑکے ہوئے سب کے سب ملوک اور بادشاہ بنے۔ان کے والد شراح نے ایک جنیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا اسی کے بطن سے بلقیس پیدا ہوئی۔جنیہ سے نکاح کرنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ایک یہ ہے کہ یہ اپنی حکومت وسلطنت کی غرور میں لوگوں سے کہتا تھا کہ تم میں میرا کوئی کفو نہیں اس لئے میں نکاح ہی نہیں کروں گا کیونکہ غیر کفو میں نکاح مجھے پسند نہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس کا نکاح ایک جنیہ عورت سے کرا دیا۔شاید یہ اسی فخر وغرور کا نتیجہ تھا کہ اس نے انسانوں کو جو درحقیقت کفو تھے حقیر وذلیل سمجھا اور اپنا کفو تسلیم نہ کیا تو قدرت نے اس کا نکاح ایک ایسی عورت سے مقدر کر دیا جو نہ اس کی کفو تھی نہ اس کی جنس وقوم سے تھی۔اس معاملہ میں بعض لوگوں نے تو اس لئے شبہ کیا ہے کہ جنات کو انسان کی طرح توالد وتناسل کا اہل نہیں سمجھا ابن عربی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہ خیال باطل ہے۔احادیث صحیحہ سے جنات میں توالد وتناسل اور مرد وعورت کی تمام وہ خصوصیات جو انسانوں میں ہیں، جنات میں بھی موجود ہونا ثابت ہیں۔

دوسرا سوال شرعی حیثیت سے ہے کہ کیا عورت جنیہ کسی انسان مرد کے لئے نکاح کر کے حلال ہوسکتی ہے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے بہت علماء نے جائز قرار دیا ہے بعض نے غیر جنس مثل جانوروں کے ہونے کی بناء پر حرام فرمایا ہے

اس مسئلہ کی تفصیل ''اکام المرجان فی احکام الجان'' میں مذکور ہے۔اس میں بعض ایسے واقعات بھی ذکر کئے ہیں کہ مسلمان مرد سے مسلمان جنیہ کا نکاح ہوااور اس سے اولاد بھی ہوئی ، یہاں یہ مسئلہ اس لئے زیادہ قابل بحث نہیں کہ نکاح کرنے والا بلقیس کا والد مسلمان ہی نہ تھا اس کے عمل سے کوئی استدلال جواز یا عدم جواز پر نہیں ہوسکتا،اور چونکہ شرع اسلام میں اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور بلقیس کے والد انسان تھے اس لئے بلقیس انسان ہی قرار پائے گی،اس لئے بعض روایات میں جو سلیمان علیہ السلام کا بلقیس سے نکاح کرنا مذکور ہے،اگر وہ روایت صحیح ہوتو بھی اس سے نکاح جنیہ کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بلقیس خود جنیہ نہ تھیں اگر چہ ان کی والدہ جنیہ ہو۔

کیا کسی عورت کا بادشاہ ہونا یا کسی قوم کا امیر وامام ہونا جائز ہے ؟

مذکورہ واقعہ کو عورت کی سربراہی کے لئے بڑی دلیل اور نص کے طور پر پیش کیا جاتا ہے ،ہم آیت کی روشنی اور شارحین ومؤرخین کے نقطہ نظر سے جائزہ لیں گے کہ اس سے کیا عورت کی سربراہی کی دلیل نکل سکتی ہے یا نہیں؟ قرآن مجید نے اس کے غیر مسلم ہونے کی مدت میں بادشاہ ہونے کا اشارہ دیا ہے جو تملکھم سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ [١] وہ اُن کی مالکہ تھی یعنی منتخبہ نہ تھی۔[٢] سبا حمیر بادشاہ چلے آتے تھے ان کی وراثت جان کر اس نے اس علاقہ پر قبضہ جمالیا اور لوگ جنی کی بیٹی ہونے سے اس سے ڈرتے تھے اس لئے مشکل کے وقت مشورہ لیتی مگر مرضی اپنی کرتی تھی۔[٣] حکومت وعوام غیر مسلم تھے۔[٤] اس کے اسلام لانے کے بعد کہیں بھی آیات قرآنی سے ثابت نہیں کہ وہ ملکہ رہی ہو بلکہ اس نے تو سلیمان علیہ السلام کی معیت میں اللہ اور اس کے رسول کو تسلیم کیا ہے۔علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ ابوبکرہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بلقیس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ''وہ قوم ہرگز کامیاب نہ ہوگی جس نے عورت کو اپنا حاکم بنایا (بخاری:٤٠٧٣)۔

تمام انبیآء علیہم السلام کی تعلیم وتبلیغ ایک ہی تھی۔قرآن مجید میں ہے ''ما کنت بدعاً من الرسل'' (احقاف: ٩) میں انبیاء سے کوئی نئی بات لے کر نہیں آیا، گویا آپ نے ایک اصول وضع فرمایا کہ پہلے انبیآء بھی اس قانون سے متفق تھے اس لئے سلیمان علیہ السلام دوبارہ بلقیس کا ملکہ رہنا کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ آپ نبی اور بادشاہ بھی تھے۔ بقول قرطبی بلقیس کے ذکر ہونے پر آپ کا ارشاد اس کے سربراہ نہ رہنے کی طرف اشارہ دیتا ہے کہ چار بادشاہ ہوئے ہیں جنھوں نے پوری روئے زمین پر بادشاہت کی ،دو ان میں سے مسلمان تھے جن میں ایک سلیمان علیہ السلام اور دوسرے ذوالقرنین تھا،اور دو کافر ہوئے ہیں۔ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح کر کے ملک

شام بھیج دیا اور وہاں رہائش دے دی تھی۔ سعید بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کی اور اسے ملک یمن میں واپس بھیج دیا اور ہر ماہ آپ سے ملنے آتی تھی ان روایات سے ثابت نہیں کہ بلقیس کو سلیمان علیہ السلام نے خودمختار ملکہ یا سربراہ مملکت بنا کر بھیجا تھا بلکہ ہوا کو حکم دیا تھا کہ اسے ہر ماہ اٹھا کر لایا کرے۔ ابن منذر، عبد بن حمید کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی بلقیس سے شادی ہوئی تھی، ابن ابی شیبہؒ ابن عباسؓ سے بیان کرتے ہیں کہ شادی ہوئی اور اچھا ہوا، قرطبی نے لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا بلقیس سے ایک بیٹا ہوا تو سلیمان علیہ السلام نے اس کا نام اپنے باپ کے نام داؤد پر رکھا۔

شاہ عبدالقادرؒ تفسیر موضح القرآن میں اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ شادی کی روایات منکر اور سخت غریب ہیں۔ عطاء بن السائب کا ابن عباسؓ پر وہم ہے یا اہل کتاب سے ماخوذ ہیں کعب احبار یا وہب اللہ ان سے تجاوز کرے سچی جھوٹی مبدل منسوخ بیان کرتے ہیں۔ قطع نظر نکاح کے ہوا یا نہ ہوا قرآن مجید نے جیسے بلقیس کا حوالہ "تملکھم" سے دیا بعد میں خاموشی اختیار کی جو علامت ہے کہ اس کی ہر چیز کا خاتمہ ہو گیا تھا اور اس کا عرش سلیمان علیہ السلام نے منگوالیا تھا۔ بادشاہت میں عرش کو بڑی اہمیت حاصل ہے عرش گیا بادشاہت گئی۔ جب وہ مسلمان ہوگئی اور شادی ہوگئی تو وہ اپنے جسم کی مالکہ بھی نہ رہی بادشاہت کی کیسے رہی۔

مذکورہ آیت سے اگرچہ ثابت ہو چکا ہے کہ حکومت کی سربراہی یا ریاست کی سربراہی عورتوں کے حوالے کرنا شریعت میں ممنوع ہے اور ثبوت شرعی کے لئے قرآنی آیات کافی وشافی ہیں، لیکن چونکہ احکام شرعیہ کا دوسرا مأخذ سنت رسول ہے اور احادیث نبویہ سے مزید ثبوت پیش کرنا اطمینان مزید کا باعث ہے، اس لئے چند احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ فارس (ایران) والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو حکمران بنا دیا ہے، تو اس پر آپ نے فرمایا "**لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة**" [**بخاری: کتاب المغازی باب کتاب النبی ﷺ الیٰ کسریٰ وقیصر**] وہ قوم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے عورت کو حکمران بنا دیا ہو۔ اس حدیث کو امام بخاری نے دو مرتبہ، رقم: ۴۴۲۵، ۷۰۹۹، میں نقل کیا ہے، لیکن بعض جاہل اس سند پر کلام کرتے ہیں کہ اس کے بعض راوی متکلم فیہ ہیں، تو ان کا یہ اعتراض اگرچہ ساقط الاعتبار ہے لیکن بعض کم فہم لوگوں کے لئے سبب وہم بنتا ہے، اس لئے ہم دیگر کتابوں کے حوالہ جات ذکر کرتے ہیں، کیونکہ ان کتابوں میں دیگر سندوں سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے خصوصاً مسند احمد، رقم: ۱۹۵۰۷، ۱۹۵۷۳، ۱۹۶۱۲، میں۔ ترمذی: ۲۱۸۸، نسائی مجتبیٰ: ۵۲۹۳، وکبریٰ: ۳/۴۶۵،

وسنن کبری للبیھقی: ۴/۹۰، ۱۰/۱۱۸، وابن ابی شیبہ: ۸/۱۱۷، مستدرک: ۴۵۸۵، ۷۸۹۹،ابن حبان: ۴۵۹۹،ومسندطیالسی: ۹۰۹،ومعجم اوسط: 5012.

کسریٰ کی یہ بیٹی بوران بنت شیرویہ بن کسریٰ بن پرویزتھی۔اس کے بعداس کی بہن ارزمیدخت بھی کچھ مدت تک حکمران رہی تھی، یہ ارشادرسول اللہ ﷺ اگرچہ اہل ایران کے بارے میں ہے لیکن مذمت کی وجہ ان کا اہل ایران ہونانہیں ہے بلکہ عورت کوحکمران اوروالی بنانا اصل وجہ مذمت ہے،عورتوں کوحکمران بنانااورملک کی باگ دوڑان کے سپرد کرناایرانی بادشاہ کسریٰ کے خاندان کی سنت ہےاورموروثی بادشاہتوں کی رسم ہے۔سنت رسول اللہ ﷺ اورسنت اصحاب رسول نہیں ہے،نہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہؓ یابیوی عائشہؓ کواپناجانشین مقررکیاتھا،اورنہ صحابہ کرامؓ نے ان میں سے کسی کوسربراہی کے لئے منتخب کیاتھا،حالانکہ فاطمہؓ اورعائشہؓ علم ودانش،دیانت وامانت اورعفت وپاک دامنی میں بھٹوصاحب کی بیٹی سے ہزارگناسے بھی زیادہ فوقیت رکھتی تھیں،وہ صحیح معنوں میں بے نظیرتھیں،افسوس بھی ہےاورحیرت وتعجب بھی ہے کہ پیپلزپارٹی والوں نے سنت رسول اورسنت اصحاب رسول کوپست پشت ڈال کرکسریٰ کی سنت کواورموروثی بادشاہوں کی رسم کومسلمانوں کے معاشرے میں زندہ کردیاہے،اورپاکستان کی حکومت کوبھٹوخاندان کی میراث بنالیاہے۔

(۲) عن ابی ھریرۃؓ قال رسول اللہ ﷺ اذاکانت امراء کم خیارکم، واغنیاء کم سمحاء کم، وامور کم شوریٰ بینکم، فظھرالارض خیرلکم من بطنھا، واذاکانت امراء کم شرارکم واغنیاء کم بخلاء کم وامورکم الیٰ نساء کم فبطن الارض خیرلکم من ظھرھا [سنن ترمذی :ابواب الفتن:رقم ۲۳۶۸] تھذیب الاثار: ۱/۱۶۶،۳/۳۶۵،وتاریخ بغداد: ۲/۱۹۰،حلیۃ الاولیاء: ۶/۱۷۶.

جب تمہارے حکمران تم میں سے بہترین لوگ ہوں،اورتمہارے دولتمندلوگ سخی ہوں،اورتمہارے معاملات باہمی مشورہ سے طے کیئے جاتے ہوں،تواس وقت تمہارے لئے زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے بہترہوگی۔اورجب تمہارے حکمران تم میں سے بدترین لوگ ہوں،اورتمہارے دولت مندلوگ بخیل اورکنجوس ہوں،اورتمہارے معاملات عورتوں کے سپردکردیئے جائیں،توپھرتمہارے لئے زمین کاپیٹ اس کی پیٹھ سے بہترہوگا۔

(۳) عن ابی بکرۃؓ قال رسول اللہ ﷺ ھلکت الرجال حین اطاعت النسآء [حاکم فی المستدرک :۴/۲۹۱]. مردجب عورتوں کی اطاعت کریں گےتوتباہ وبربادہوجائیں گے،اس حدیث کامقصدبھی عورتوں کی حکمرانی کی ممانعت ہے۔ان کےاچھےمشوروں پرعمل کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔عورتوں کے مشوروں پرتوبعض اوقات خودرسول

اللہ ﷺ نے بھی عمل کیا ہے۔

(۴) عن جابر بن سمرةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لن یفلح قوم یملک امرھم امرأة[مجمع الزوائد: ۵/۲۰۹: باب ملک النسآء] معجم اوسط: ۵/۱۲۳ . جابر بن سمرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جن پر ایک عورت حکمرانی کر رہی ہو۔

(۵) عن ابی بکرةؓ قال سمعت النبی ﷺ وذکر بلقیس صاحبة سبأ فقال لایقدس اللہ امة قادتھم امرأة[مجمع الزائد: ۵/۲۱۰: باب ملک النسآء] ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلقیس جو قوم سبأ کی حکمران تھی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس قوم کو مقدس امت نہیں بناتا جس کی قیادت عورت کے ہاتھ میں ہو۔

(۶) وہ تمام احادیث نبویہ بھی عورت کی حکمرانی کے ممنوع ہونے کے دلائل ہیں جن میں عورتوں کو بغیر ضرورت کے گھروں سے باہر گھومنے پھرنے سے منع کیا گیا ہے اور ضرورت کے وقت گھروں سے باہر نکلنے کے لئے پردے کی شرائط لگائی گئی ہیں اور جن میں محرم کے بغیر سفر کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، یہاں تک کہ محرم کے بغیر حج اور عمرے کا سفر بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے اور جن میں عورتوں اور مردوں کی مخلوط مجالس اور آزادنہ میل ملاپ سے منع کیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ ملک کا نظام چلانے کے ساتھ ان شرعی حدود کی پابندی نہیں کی جاسکتی اور حدود اللہ کو توڑے بغیر کوئی بھی عورت سربراہ ریاست کی ذمہ داریاں پوری نہیں کرسکتی ۔ یہ احادیث ،حدیث کی تمام کتابوں میں نقل ہوئی ہیں اور مشہور ومعروف ہیں اس لئے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے مذکورہ حوالوں سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ عورت نہ وزیراعظم بن سکتی ہے اور نہ صدر مملکت بن سکتی ہے ۔ایک مسلمان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے زیادہ مضبوط دلیل اور کوئی چیز نہیں بن سکتی ۔شریعت اور جمہوریت کے درمیان جب تضاد آجائے تو مسلمان جمہوریت پر شریعت ہی کو ترجیح دے گا اور جمہوریت کو اسی حد تک ملحوظ رکھے گا جس کی شریعت کے اندر گنجائش ہو۔امت مسلمہ قانونی اور دستوری قوت عوام سے نہیں بلکہ قرآن وسنت سے حاصل کرتی ہے ۔فقہاء ودیگر علماء کی عبارات واقوال اس باب میں زیادہ ہیں اس لئے ہم نے اس بحث میں صرف قرآن وسنت کے دلائل نقل کرنے پر اکتفاء کیا۔اور اس باب میں بہت کتابیں بھی لکھی گئی ہیں،جس کو شک ہو وہ ان کا مطالعہ کریں خصوصا شیخ القرآن مولانا گوہر رحمٰن کی کتاب،اور شیخ الحدیث محمد ولی اللہ کی کتابیں اس باب میں قابل الذکر ہیں۔

يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ

اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے اُن کے اعمال اُن کو آراستہ کر دکھائے ہیں

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ

اور اُن کو رستے سے روک رکھا ہے پس وہ رستے پر نہیں آئے ۔ (اور نہیں سمجھتے) کہ اللہ کو

يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾

جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا اور تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے کیوں سجدہ نہ کریں

اَللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔سلیمان نے کہا (اچھا) ہم دیکھیں گے تو نے سچ کہا ہے

أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ

یا تو جھوٹا ہے ۔ یہ میرا خط لے جا اور اُسے اُن کی طرف ڈال دے

ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا إِنِّيْٓ

پھر اُن کے پاس سے پھر آ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ ملکہ نے کہا کہ دربار والو! میری طرف

أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

ایک نامہ گرامی ڈالا گیا ہے [2] یہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے نام جو بے حد مہربان

---

[2] ''کریم'' کے لفظی معنی معزز، مکرم کے ہیں اور محاورہ میں کسی خط کو معزز مکرم جب کہا جاتا ہے جب

کہ اس پر مہر لگائی گئی ہو، اس لئے اس آیت میں ''کتاب کریم'' کی تفسیر ابن عباسؓ، قتادہ، زہیر وغیرہ نے کتاب مختوم سے کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام نے خط پر اپنی مہر ثبت فرمائی تھی۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ کو جب ملوک عجم کی یہ عادت معلوم ہوئی کہ جس خط پر مہر نہ ہو اس کو نہیں پڑھتے تو نبی ﷺ نے بھی بادشاہوں کے خطوط کے لئے مہر بنوائی۔ اور قیصر وکسریٰ وغیرہ کو جو خطوط تحریر فرمائے ان پر مہر ثبت فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ خط پر مہر لگانا مکتوب الیہ کا بھی اکرام ہے اور اپنے خط کا بھی۔ سلیمان علیہ السلام گو عربی نہ تھے لیکن عربی زبان جاننا اور سمجھنا آپ سے کوئی بعید بھی نہیں۔ جبکہ آپ پرندوں تک کی زبان جانتے تھے اور عربی زبان تو تمام زبانوں سے افضل واشرف ہے۔ لہٰذا ہوسکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے خط عربی زبان میں لکھا ہو کیونکہ مکتوب الیہ (بلقیس) عربی النسل تھی اس نے خط کو پڑھا بھی اور سمجھا بھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے خط اپنی ہی زبان میں تحریر فرمایا ہو اور بلقیس کے پاس سلیمان علیہ السلام کی زبان کا ترجمان ہو جس نے پڑھ کر خط سنایا اور سمجھایا ہو (روح المعانی)۔

یہ خط سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اس وقت بھیجا ہے جبکہ وہ مسلمان نہیں تھیں۔ حالانکہ اس خط میں **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم**، لکھا ہوا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو خطوط ملوک عجم کو لکھے ہیں اور وہ مشرک تھے ان میں بھی بعض ایات قران لکھی ہیں۔

وجہ دراصل یہ ہے کہ قران کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آ گئی ہے وہ عرف میں قران نہیں کہلاتا اس لئے اس کا حکم بھی قران کا حکم نہیں ہوگا وہ کسی کافر کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں اور بے وضوء کے ہاتھ میں بھی۔ (بخاری)۔

سلیمان علیہ السلام کے اس والا نامہ کو دیکھئے تو چند سطروں میں تمام اہم اور ضروری مضامین بھی جمع کر دئے، اور بلاغت کا اعلیٰ معیار بھی قائم ہے۔ کافر کے مقابلے میں اپنی شاہانہ شوکت کا اظہار بھی ہے اس کے ساتھ حق تعالی کی صفات کمال کا بیان اور اسلام کی طرف دعوت بھی۔ اور ترفع وتکبر کی مذمت بھی، درحقیت یہ خط بھی اعجاز قرانی کا ایک نمونہ ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو مگر ضروری کوئی مضمون چھوٹے بھی نہیں۔ (روح المعانی)

الرَّحِيمِ ﴿٣٠﴾ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ

اور نہایت رحم والا ہے۔ کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مطیع و منقاد ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ (خط سنا کر) کہنے لگی کہ

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣٢﴾

اے اہلِ دربار! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو جب تک تم حاضر نہ ہو میں کسی کام کا فیصلہ کرنے والی نہیں[3]

---

[3] ''افتونی''، فتویٰ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی خاص مسئلہ کا جواب دینا، یہاں مشورہ دینا اور اپنی رائے کا اظہار کرنا مراد ہے۔ بلقیس کو جب سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچا تو اس نے اپنے ارکان حکومت کو جمع کر کے اس واقعہ کا اظہار کیا، اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اس نے ان کی رائے دریافت کرنے سے پہلے ان کی دل جوئی اور ہمت افزائی کے لئے یہ بھی کہا کہ میں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ فوج اور وزراء نے اس کے جواب میں اپنی مستعدی کے ساتھ تعمیل حکم کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کردی (نحن اولو قوۃ واولو بأس شدید والامر الیک) قتادہ نے فرمایا کہ ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ بلقیس کی مجلس شوریٰ کے ارکان (۳۱۳) تھے، اور ان میں سے ہر ایک آدمی دس ہزار آدمیوں کا امیر اور نمائندہ تھا۔ (قرطبی) اس سے معلوم ہوا کہ اہم امور میں مشورہ لینے کا دستور پرانا ہے۔ اسلام نے مشورہ کو خاص اہمیت دی اور عمال حکومت کو مشورہ کا پابند کیا۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ جو وحی الٰہی کے مورد تھے اور آسمانی ہدایات آپ کو ملتی تھیں، اس کی وجہ سے آپ ﷺ کو کسی رائے مشورہ کی درحقیقت ضرورت نہ تھی مگر امت کے لئے سنت قائم کرنے کے واسطے آپ کو بھی حکم دیا گیا۔ (وشاورھم فی الامر :ال عمران: ۱۵۹) یعنی آپ اہم امور میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا کریں۔ اس میں صحابہ کرام کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی بھی ہے اور آئندہ آنے والے عمال حکومت کو اس کی تاکید بھی، کہ مشورہ سے کام کیا کریں۔ ارباب حکومت کو مشورہ میں شامل کر کے ان کا تعاون حاصل کر لینے کے بعد ملکہ بلقیس نے خود ہی ایک رائے قائم کی، جس کا حاصل یہ تھا کہ وہ سلیمان علیہ السلام کا امتحان لے، اور تحقیق کرے کہ وہ واقعی اللہ کے رسول اور نبی ہیں، اور جو کچھ حکم دے رہے ہیں وہ اللہ کے احکام کی تعمیل ہے یا وہ ایک ملک گیری کے خواہش مند بادشاہ ہیں۔ اس امتحان سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر واقعی وہ نبی و رسول ہیں، تو ان کے حکم کا اتباع کیا جائے اور مخالفت کی کوئی صورت اختیار نہ کی جائے، اور اگر بادشاہ ہیں اور ملک گیری کی=

قَالُوْا نَحْنُ أُولُوْا قُوَّةٍ وَّأُولُوْا بَأْسٍ شَدِيْدٍ وَّالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِيْ

وہ بولے کہ ہم بڑے زور آور اور سخت جنگ جو ہیں اور حکم آپ کے اختیار میں ہے تو جو حکم دیجئے گا (اس کے مآل پر) نظر

مَاذَا تَأْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوْكَ إِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً أَفْسَدُوْهَا

کر لیجئے گا ۔ اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں

وَجَعَلُوْا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾

اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے

وَإِنِّيْ مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾

اور میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں [4]

= ہوس میں ہمیں اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو پھر غور کیا جائے گا کہ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ اس امتحان کا طریقہ اس نے یہ تجویز کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس کچھ ہدیئے تحفے بھیجے، اگر وہ ہدیئے تحفے لیکر راضی ہو گئے تو علامت اس کی ہوگی کہ وہ ایک بادشاہ ہی ہیں، اور اگر وہ حقیقت میں نبی و رسول ہیں تو وہ اسلام و ایمان کے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گے ۔ یہ مضمون ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ ابن عباسؓ، مجاہد، ابن جریج، ابن وہب سے نقل کیا ہے۔

[4] یعنی میں سلیمان علیہ السلام اور ان کے ارکان دولت کے پاس ایک ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ جو قاصد یہ ہدیہ لیکر جائیں گے وہ واپس آ کر کیا صورت حال بیان کرتے ہیں؟ تاریخی اسرائیلی روایات میں بلقیس کی طرف سے آنیوالے قاصدوں اور تحفوں کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں، اتنی بات پر سب روایات متفق ہیں کہ تحفہ میں کچھ سونے کی اینٹیں تھیں، کچھ جواہرات اور ایک سو غلام اور ایک سو کنیزیں تھیں، مگر کنیزوں کو مردانہ لباس میں اور غلاموں کو زنانہ لباس میں بھیجا تھا، اور ساتھ ہی بلقیس کا ایک خط بھی تھا، جس میں سلیمان علیہ السلام کے امتحان کیلئے کچھ سوالات بھی تھے، تحفوں کے انتخاب میں بھی ان کا امتحان مطلوب تھا۔ سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کے تحفوں کی تفصیلات اُن کے پہنچنے سے پہلے بتلا دی تھیں، سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا کہ دربار سے نو فرسخ تقریباً تیس میل کی مسافت میں سونے چاندی=

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ أَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰنِۦَ اللّٰهُ

جب قاصد سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو؟ جو کچھ اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے

خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ إِلَيْهِمْ

وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو گے [5] اس کے پاس واپس جاؤ

فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَا أَذِلَّةً

ہم ان پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جس کے مقابلے کی ان کو طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے

وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰۤأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ

اور وہ ذلیل ہوں گے ۔سلیمان نے کہا کہ اے دربار والو! کوئی تم میں ایسا ہے کہ قبل اس کے

أَنْ يَّأْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ

کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر ہمارے پاس آئیں ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے؟ جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا

= کی اینٹوں کا فرش بن دیا جائے اور راستہ میں دو طرفہ عجیب الخلقت جانوروں کو کھڑا کر دیا جائے جن کا بول و براز بھی سونے چاندی کے فرش پر ہو، اسی طرح اپنے دربار کو خاص اہتمام سے مزین فرمایا، دائیں بائیں چار ہزار سونے کی کرسیاں ایک طرف علماء کے لئے، دوسری طرف وزراء اور عمال سلطنت کے لئے بچھائی گئیں، جواہرات سے پورا ہال مزین کیا گیا، بلقیس کے قاصدوں نے جب سونے کی اینٹوں پر جانوروں کو کھڑا دیکھا تو اپنے تحفہ سے شرما گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ اپنی سونے کی اینٹیں وہیں ڈال دیں، پھر جوں جوں آگے بڑھتے گئے دو طرفہ وحوش وطیور کی صفیں دیکھیں، پھر جنات کی صفیں دیکھیں تو بے حد مرعوب ہو گئے، مگر جب دربار تک پہنچے اور سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ خندہ پیشانی سے پیش آئے، اُن کی مہمانی کا اکرام کیا مگر اُن کے تحفے واپس کر دیئے اور بلقیس کے سب سوالات کے جوابات دیئے (قرطبی)۔

[5] جب بلقیس کے قاصد اس کے ہدایا اور تحفے لے کر سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے قاصدوں سے =

أَنَا اٰتِيكَ بِهٖ قَبْلَ أَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾

کہ قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور میں اس کی طاقت رکھتا ہوں امانتدار ہوں

=فرمایا کہ کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو، مجھے اللہ تعالیٰ نے جو مال ودولت دیا ہے وہ تمہارے مال وسامان سے کہیں زیادہ بہتر ہے ،اس لئے میں یہ مال کا ہدیہ قبول نہیں کرتا اس کو واپس لے جاؤ اور اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش رہو۔سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں ۔اور تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی)۔ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مائنوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو، یا اس کے کسی شر وفساد کو اس کے ذریعہ دفع کیا جاسکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔رسول اللہ ﷺ کی سنت اس معاملے میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمالیا، بعض کا رد کردیا۔عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الہبہ میں اور شرح سیر کبیر میں کعب بن مالک ؓ سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن مالک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور نبی ﷺ کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا۔آپ ؐ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کردیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو؟ اُس نے کہا کہ نہیں، آپ نے ان کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرمادیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے اس کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول ﷺ نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے ،ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا آپ نے قبول فرمالیا اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا آپ نے قبول فرمالیا۔شمس الائمہ اس کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ نبی ﷺ کو بعض کا ہدیہ رد کردینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید نہ تھی وہاں رد کردیا، اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہوجانے کی امید تھی تو قبول کرلیا (عمدۃ القاری، کتاب الہبہ)۔اور بلقیس نے جو رد ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لئے ہدیہ قبول کرنا مشرک کا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اُس نے اپنا ہدیہ درحقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ سلیمان علیہ السلام کے حملے سے محفوظ رہے۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ

ایک شخص جس کو کتابِ الٰہی کا علم تھا کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے اُسے آپ کے پاس حاضر کئے دیتا ہوں

طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۫ۖ

جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے

لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ

تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے شکر کرتا ہے

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ﴿۴۰﴾

اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب غنی (اور) کرم کرنے والا ہے[6]

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ

سلیمان نے کہا کہ ملکہ کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو دیکھیں کہ وہ سوجھ رکھتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو سوجھ نہیں رکھتے

﴿۴۱﴾ فَلَمَّا جَآءَتْ قِیْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ

جب وہ آ پہنچی تو پوچھا گیا کہ آپ کا تخت بھی اسی طرح کا ہے؟ اس نے کہا یہ تو گویا ہو بہو وہی ہے

---

[6] اس سے پہلے اندماج ہے، جب بلقیس کے پرستادوں نے واپس پہنچ کر تمام سرگزشت سنائی تو وہ سمجھ گئی کہ واقعی سلیمان علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں، اس لئے اس نے ایمان لانے اور سلیمان علیہ السلام کی اطاعت قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا، اس نے آدمی بھیج کر پہلے اپنے ارادے سے سلیمان علیہ السلام کو آگاہ کیا، اور پھر امراء سلطنت اور روساء ملک کو ساتھ لے کر سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہوگئی جب ان کو اس کی آمد کی اطلاع ملی، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت یہاں آجائے، اس سے مقصد یہ تھا تاکہ اسکے حیرت واستعجاب میں اضافہ ہو، اور وہ اللہ تعالی کی قدرت کا مشاہدہ کرلے، سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار کے حاضرین سے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو ان کے یہاں

پہنچنے سے پہلے بلقیس کا تخت اٹھا کر یہاں لے ائے۔ایک بہت بڑے طاقتور جن نے کہا اپ کے مجلس برخاست کرنے سے پہلے میں تخت آپ کے پاس لاسکتا ہوں، کیونکہ میں طاقتور بھی ہوں اور امین بھی ہوں، اور اس کے زروجواہر میں کسی قسم کی خیانت بھی نہیں کروں گا، سلیمان علیہ السلام کو چونکہ اس سے بھی پہلے تخت درکار تھا اس لئے آپ نے اس کی بات کو کوئی وقعت نہ دی۔

"قال الذی عنده" الایۃ، ایک شخص بولا جس کے پاس کتاب کا علم تھا، میں آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے لاسکتا ہوں "الذی عنده علم من الکتاب" سے یا تو اصف بن برخیا مراد ہے، جو سلیمان علیہ السلام کا وزیر تھا، اور اسم اعظم کا عامل تھا، لیکن اس پر اعتراض لازم آتا ہے کہ اس طرح ایک امتی سلیمان علیہ السلام کے سامنے فضل وکمال میں ان سے بڑھ گیا، اسی طرح ایات میں اس شخص کو علم الکتاب سے متصف کیا گیا ہے، اور اس صفت میں لامحالہ سلیمان علیہ السلام فائق تھے" ان سلیمان علیه السلام کان اعرف بالکتاب منه لانه هو النبی فکان صرف هذا اللفظ الی سلیمان علیه السلام اولی ،الثانی ان احضار العرش فی ذلک الساعة اللطیفة درجة عالیة فلو حصلت لاصف دون سلیمان علیه السلام لاقتضیٰ ذلک تفضیل اصف علی سلیمان علیه السلام وانه غیر جائز. کبیر"۔

لیکن اگر بالفرض اس سے اصف بن برخیاہی مراہوتو یہ ان کی کرامت ہوگی، اور کرامت ولی کے اختیار میں وتصرف میں نہیں ہوتی، بلکہ اللہ کی قدرت اور اس کے تصرف سے ولی کے ہاتھ پرظاہر ہوتی ہے، اہل بدعت کہتے ہیں "انا اتیک به" میں اصف نے لانے کی نسبت اپنی طرف کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اس کے تصرف واختیار میں تھا، لیکن یہ ایک صریح فریب ہے، کیونکہ یہاں اسناد حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے، یہ کرامت چونکہ اصف بن برخیا کے ہاتھ پرظاہر ہوئی اور بظاہر لانے والا وہی تھا، اس لئے لانے کی نسبت مجازاً اس کی طرف کردی گئی، بعض کا خیال ہے کہ اس سے خود سلیمان علیہ السلام مراد ہیں، اس صورت میں یہ ان کا معجزہ ہوگا۔امام نخعیؒ فرماتے ہیں اس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں، روح، کبیر، مدارک۔

جناب شیخ حسین علیؒ کے نزدیک یہی قول راجح ہے، بعض جہلاء "علم من الکتاب" سے کالاعلم نکالتے ہیں، حالانکہ کالاعلم سراسر کفر ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ سے استعانت ہوتی ہے، اس لئے یہ بالکل بے اصل اور صریح غلط بلکہ کفر ہے۔

وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ
اور ہم کو اس سے پہلے ہی (سلیمان کی عظمتِ شان کا) علم ہو گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہیں۔ اور وہ جو اللہ کے سوا پرستش کرتی تھی
دُوْنِ اللّٰهِ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٤٣﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ
سلیمان نے اُس کو اس سے منع کیا (اس سے پہلے تو) وہ کافروں میں سے تھی۔ (پھر) اس سے کہا گیا کہ محل میں چلئے
فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ اِنَّهُ
جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں سلیمان نے کہا
صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ
یہ ایسا محل ہے جس میں (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں وہ بول اٹھی کہ الٰہی! میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی
وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ
اور (اب) میں سلیمان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں ۔ اور ہم نے ثمود کی طرف
اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٤٥﴾
اُس کے بھائی صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے ۔
قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ
صالح نے کہا کہ بھائیو تم بھلائی سے پہلے بُرائی کیلئے کیوں جلدی کرتے ہو؟ (اور) اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۭ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ
تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لئے بدشگون ہے۔ صالح نے کہا کہ تمہاری بدشگونی
عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ
اللہ کی طرف سے ہے بلکہ تم ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جاتی ہے ۔ اور شہر میں نو شخص تھے

يُّفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ

جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کو اس پر

وَأَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهٖ وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور اس کے گھر والوں پر شبخون ماریں گے پھر اس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم صالح کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ

ہی نہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ اور وہ ایک چال چلے، اور ہم نے ایک تدبیر کیا اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی۔

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾

تو دیکھ لو کہ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾

اب یہ ان کے گھر ان کے ظلم کے سبب خالی پڑے ہیں۔ جو لوگ دانش رکھتے ہیں اُن کیلئے اس میں نشانی ہے

وَأَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ

اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی اور لوط کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا

أَتَأْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

کہ تم بے حیائی کیوں کرتے ہو اور تم دیکھتے ہو۔ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لذت کیلئے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ إِلَّا

حقیقت یہ ہے کہ تم احمق لوگ ہو۔ تو ان کی قوم کے لوگ (بولے تو) یہ بولے اور اس کے سوا ان کا کچھ جواب نہ تھا

أَنْ قَالُوْٓا أَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾

کہ لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو یہ لوگ پاک رہنا چاہتے ہیں۔

فَأَنجَيْنَٰهُ وَأَهْلَهُۥٓ إِلَّا ٱمْرَأَتَهُۥ قَدَّرْنَٰهَا مِنَ ٱلْغَٰبِرِينَ ﴿٥٧﴾

تو ہم نے ان کو اوران کے گھر والوں کونجات دی مگر اُن کی بیوی کہ اس کی نسبت ہم نے مقرر کر رکھا ہے وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَآءَ مَطَرُ ٱلْمُنذَرِينَ ﴿٥٨﴾ قُلِ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ

اورہم نے ان پر مینہ برسایا سو (جو) مینہ ان لوگوں پر برسا جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا بُرا ہے۔ کہہ دو کہ سب تعریف اللہ ہی کو

وَسَلَٰمٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ ٱلَّذِينَ ٱصْطَفَىٰٓ ۗ ءَآللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾

سزاوار ہے اوراسکے بندوں پرسلام ہے جن کواس نے منتخب فرمایا بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ اس کا شریک ٹھراتے ہیں[7]

أَمَّنْ خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً

بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا

فَأَنۢبَتْنَا بِهِۦ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَن تُنۢبِتُوا۟ شَجَرَهَآ ۗ أَءِلَٰهٌ

(ہم نے) پھر ہم ہی نے اُس سے سرسبز باغ اُگائے تو تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اُگاتے تو کیا اللہ کیساتھ کوئی

مَّعَ ٱللَّهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ﴿٦٠﴾ أَمَّن جَعَلَ ٱلْأَرْضَ قَرَارًا

اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ رستے سے الگ ہورہے ہیں ۔ بھلا کس نے زمین کو قرار گاہ بنایا

---

[7] "امایشرکون" میں "ام" متصلہ ہے اوراس کے بعد آنے والی آیاتوں میں "ام" منقطعہ ہے بمعنی "بل" مطلب یہ ہے کہ اچھا اس کے علاوہ یہ بتاؤ، تمہارے معبود اپنے پجاریوں کے حق میں اچھے ہیں یا اللہ تعالی اپنے عابدین کے حق میں اچھا ہے؟ تم جن پیغمبروں اور ولیوں کو کارساز سمجھ کر پکارتے ہو وہ نہ تمہیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ تم سے ضرر دور کر سکتے ہیں، اس لئے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالی ہی بہتر ہے۔ والمعنی، ء اللہ خیر لمن عبده ام الاصنام لمن عبدها، فان اللہ خیر لمن عبده وآمن به لاغنائه من الهلاک ، والاصنام لم تغن عن عابدیها شیئا عند نزول العذاب، ولهذا السبب ذکر انواعا تدل علی وحدانیته وقدرته، خازن۔

وَجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ

اوراس کے بیچ نہریں بنائیں اور اُس کیلئے پہاڑ بنائے اور (کس نے) دو دریاؤں کے بیچ اوٹ بنائی (یہ سب کچھ اللہ نے بنایا)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ

تو کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ ان میں اکثر عقل و دانش نہیں رکھتے۔ بھلا کون بیقرار کی التجا قبول کرتا ہے؟

وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ

جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور (کون اسکی) تکلیف کو دُور کرتا ہے اور (کون) تمہیں زمین میں جانشین بناتا ہے؟

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ

تو کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں مگر) تم بہت کم غور کرتے ہو۔ بھلا کون تمہیں جنگل اور دریا کے اندھیروں

وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ

میں رستہ بتاتا ہے اور (کون) ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾

تو کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ (کی شان) اس سے بلند ہے

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ

بھلا کون مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اُس کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے اور تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے

وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

(یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب (زندہ کرکے)

أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ

اٹھائے جائیں گے؟[8] بلکہ آخرت (کے بارے) میں اُن کا علم ختم ہو چکا ہے بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں

---

[8] غیب سے مراد وہ اشیاء ہیں کہ وہ کسی سبب سے بھی ظاہر نہیں کئے گئے ہو۔یعنی نہ عقل سے اور نہ حواس اور نہیں وحی کے ساتھ تو اس کو غیب حقیقی کہتے ہیں،اس سے متعلق امام قرطبی نے واقعہ ذکر کیا ہے،جس کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز انسان کے علم میں آجائے تو اس کو غیب نہیں کہا جاتا۔

''من فی السمٰوات'' سے مراد ملائکہ،عیسی علیہ السلام اور تمام ان مومنوں کے ارواح جو کہ علیین میں ہے اور یہ آیت اللہ کے سوا علم غیب کی نفی میں صریح دلیل ہے خواہ علم غیب ذاتی ہو یا عطائی جسمانی ہو یا روحانی۔

سول نمبر:ا۔ ''الا اللہ'' استثناء منقطع ہے یا متصل دونوں حالات میں لفظ ''اللہ'' پر نصب (زبر) چاہئے تھا اور یہاں مرفوع ذکر ہوا ہے۔

جواب نمبر:ا۔ یہ استثناء منقطع ہے اس لئے کہ اللہ تعالی ''من فی السمٰوات'' کے جنس میں سے نہیں اور مستثنیٰ مرفوع ہونا بنی تمیم کی لغت میں جائز ہے بنا بر بدلیت یعنی'' الا اللہ'' دراصل من سے بدل ہے تو من رفع کے محل میں ہیں تو اس کا بدل بھی مرفوع ہے۔یہ قول ابن کثیر نے زجاج اور فراء سے نقل کیا ہے۔

جواب نمبر:۲ یہ استثناء متصل ہے اور مستثنی کا رفع اہل حجاز کے ہاں کلام سلبی میں جائز ہے۔

سوال نمبر:۲ جب اللہ تعالی جنس من فی السموات سے نہیں،اس لئے کہ وہ مخلوق ہیں اور اللہ تعالی خالق ہے تو استثناء متصل کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ '' من فی السمٰوات ''کا اطلاق اللہ پر جائز ہے سورۂ انعام کے ایت ۳ سے قرینہ ہے (اس معانی سے جو کہ سورۂ انعام میں مراد ہیں) استثناء متصل صحیح ہے (کذا فی التفسیر نیشاپوری)۔

سوال نمبر۳ جب کوئی چیز انسان سے مخفی ہو تو وہ غیب کہلاتی ہے،اور پھر انسان عقل وحواس یا دلیل وحی سے معلوم کرے تو علم غیب حاصل ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ یہ اطلاق لغت کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن شریعت کی رو سے ناجائز ہے،اس لئے کہ

لفظ علم قرآن اورسنت میں غیب کے ساتھ ثبوتاً اللہ تعالی کے سوا کسی اور کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے، اور اطلاق لغوی سے اطلاق شرعی ثابت نہیں ہوتا (کـذافـی روح الـمعانی). اس ایت سے یہ معلوم ہوا کہ جو ولی، نبی یا نجومی کے لئے علم غیب ثابت کرتا ہے تو وہ کافر ہے، اس لئے صریح اس ایت سے منکر ہے اور اسی طرح شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے: ۱۵۸۔

اور عائشہؓ سے صحیح حدیث نقل ہے جو کہ امام بخاری نے رقم: ۴۸۵۵۔ میں اور امام ترمذی نے رقم: ۳۰۶۸۔ میں نقل کی ہے کہ: قـالـت ثـلاث مـن تـكلم بواحدة منهن فقداعظم الفرية على الله، من زعم ان محمدارأى ربه فـقـد اعـظم الفرية على الله، والله يقول: لاَ تُـدْرِكُـهُ الأَبْـصَـارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾[الانعام] اور، وَمَـا كَـانَ لِبَشَـرٍ أَن يُـكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِـهِ مَـا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾[الشـورى] فـكـنـت متكأفجلست فقلت ياام انـظـريـنـى ولاتعجلينى اليس ،الله يقول: وَلَـقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ﴿۱۳﴾[الـنجم] وَلَـقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾[التكوير]؟ قـالـت انااول من سأل عن هذارسول الله ﷺ قال انماذاك جبرئيل مارأيته فـى الـصـورة التى خلق فيهاغيرهاتين المرتين. رأيته منهبطامن السماء ساداعظم خلقه مابين السماء والارض، ومن زعم ان محمدا ﷺ كتم شيئامماانزل الله عليه فقداعظم الفرية على الله. والله يقول يَا أَيُّهَـا الـرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَهْدِىْ الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ﴿۶۷﴾[المائدة] ومن زعم انه يقول مافى غد فقداعظم الفرية عـلى الله، والله يقول : قُلْ لَّا يَـعْـلَـمُ مَـن فِيْ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿۶۵﴾[النمل].

یعنی فرمایا تین باتیں ہیں کہ جس نے کہی ان میں سے ایک بھی اس نے جھوٹ باندھا اللہ پر، جس نے کہا کہ محمد نے دیکھا اپنے رب کو یعنی شب معراج میں تو اس نے بڑا جھوٹ باندھا اللہ پر، حالانکہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے" لاتـدركـه الابصـار"، یعنی نہیں پاسکتے اس کو آنکھیں اور وہ لے لیتا ہے آنکھوں کو اور وہ لطیف وخبیر ہے، اور فرمایا اللہ تعالی نے ، طاقت نہیں کسی بشر کی کہ کلام کرے اس سے اللہ مگر وحی سے، یعنی بواسطہ جبرئیل کے، یا کلام کرنا پردہ کے پیچھے سے، اور میں تکیہ لگائے ہوئے تھا، سو اٹھ بیٹھا، اور کہا میں نے کہ اے مومنوں کی ماں! مجھے مہلت دیجئے اور جلدی مت کر=

مِّنۡهَا بَلۡ هُم مِّنۡهَا عَمُونَ ۝٦٦ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَءِذَا كُنَّا تُرَابًا

بلکہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔ اور جو لوگ کافر ہیں کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے

وَّاٰبَآؤُنَآ أَئِنَّا لَمُخۡرَجُونَ ۝٦٧ لَقَدۡ وُعِدۡنَا هٰذَا نَحۡنُ وَاٰبَآؤُنَا مِن قَبۡلُ

تو کیا ہم پھر (قبروں سے) نکالے جائیں گے؟۔ یہ وعدہ ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے

إِنۡ هٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الۡأَوَّلِينَ ۝٦٨ قُلۡ سِيرُوا فِي الۡأَرۡضِ فَانظُرُوا

(کہاں کا اٹھنا اور کیسی قیامت) یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ۔ کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو پھر دیکھو

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِينَ ۝٦٩ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُن فِي ضَيۡقٍ

کہ گنہگاروں کا انجام کیا ہوا ہے۔ اور ان (کے حال) پر غم نہ کرنا اور نہ ان چالوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں تنگ دل ہونا

مِّمَّا يَمۡكُرُونَ ۝٧٠ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ إِن كُنتُمۡ صٰدِقِينَ ۝٧١

اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟ ۔

= لیجئے کیا اللہ تعالیٰ نہیں فرماتا ہے "ولقد رأه نزلة اخرى" یعنی بے شک دیکھا اس کو محمدؐ نے دوسری بار؟ اور فرماتے ہیں یعنی بے شک دیکھا اس کو محمدؐ نے روشن کنارہ پر آسمان کے؟ تب فرمایا عائشہؓ نے، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ میں نے سب سے پہلے پوچھیں یہ آیتیں رسول اللہ ﷺ سے، تو فرمایا آپؐ نے کہ مراد ان آیتوں سے دیکھنا ہے جبرئیل کا، اور نہیں دیکھا میں نے جبرئیل کو اس صورت میں کہ وہ پیدا کئے گئے ہیں مگر انہیں دو مرتبہ میں دیکھا، میں ان کو آسمان سے اترتے کہ بھر لیا تھا ان کے جسم کی بڑائی نے آسمان و زمین کے بیچ کو، اور فرمایا عائشہؓ نے، جس نے کہا کہ محمد ﷺ نے کوئی چیز چھپالی اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر اتاری، پس اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اے رسول پہونچادے جو اترا تیرے اوپر تیرے رب کی طرف سے، اور جس نے کہا کہ محمد ﷺ کو معلوم ہے جو کل ہونے والا ہے، تو اس نے جھوٹ باندھا اللہ تعالیٰ پر، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں جانتا کوئی اسمان و زمین والوں میں سے غیب سوا اللہ تعالیٰ کے۔

قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ رَدِفَ لَکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہہ دو کہ جس (عذاب) کیلئے تم جلدی کر رہے ہو یقیناً اس میں سے کچھ تمہارے نزدیک آ پہنچا ہو

وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور تمہارا رب تو لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن ان میں اکثر شکر نہیں کرتے

وَاِنَّ رَبَّکَ لَیَعْلَمُ مَا تُکِنُّ صُدُوْرُھُمْ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور جو باتیں ان کے سینوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں اور جو کام وہ ظاہر کرتے ہیں تمہارا رب ان (سب) کو جانتا ہے

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ ھٰذَا

ور آسمانوں اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز نہیں ہے مگر (وہ) کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے

الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَکْثَرَ الَّذِیْ ھُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں بیان کر دیتا ہے

وَاِنَّهٗ لَھُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّکَ یَقْضِیْ بَیْنَھُمْ بِحُکْمِهٖ

اور بیشک یہ مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ تمہارا رب (قیامت کے روز) ان میں اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا

وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ اِنَّکَ عَلَی الْحَقِّ الْمُبِیْنِ

اور وہ غالب (اور) علم والا ہے ۔ تو اللہ پر بھروسا رکھو تم تو صریح حق پر ہو

﴿۷۹﴾ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا

کچھ شک نہیں کہ تم مُردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے (9) اور نہ بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں آواز سنا سکتے ہو

---

(9) مشرکین کے عناد و مکابرہ کا ذکر کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ ایسے واضح دلائل کے باوجود مشرکین

انکار وتکذیب سے باز نہیں آرہے۔آپ کے انداز وتبلیغ میں کوئی قصور نہیں ان کے دلوں پر ضد وعناد کی وجہ سے مہر جباریت لگ چکی ہے اب وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے،اس لئے آپ ان کے نہ ماننے کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔ یہاں مشرکین کے لئے تین تمثیلیں ذکر کی گئی ہیں:

اول: لاتسمع الموتی یہ تو مردے ہیں اور مردوں کو آپ کسی طرح بھی اپنی بات نہیں سنوا سکتے۔

دوم "لاتسمع الصم " الخ یہ تو بہرے ہیں اور بہرے بھی وہ جو آپ کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے بلکہ پیٹھ پھیر کر دور جارہے ہیں بھلا ان کی کانوں میں آپ کی دعوت حق کس طرح پہنچے گی۔

سوم "ومانت بھادی العمی "الخ یہ تو اندھے ہیں اور آپ اندھوں کو ہرگز راستہ نہیں دکھلا سکتے۔

حاصل یہ ہے کہ آپ کا کام تبلیغ وانذار ہے یہ معاندین جو مہر جباریت کی وجہ سے اپنے دل کی حیات اور سمع وبصر کھو چکے ہیں ان کو راہ راست پر لانا آپ کے بس کی بات نہیں، یہ آپ کی دعوت وتبلیغ کا اثر ہرگز قبول نہیں کریں گے "ان تسمع الا من، الایة" البتہ آپ کی بات صرف وہی لوگ سنیں گے اور اس سے اثر قبول کریں گے جو ہماری آیتوں کو سنکر ان پر یقین کرنے اور ان کے سامنے تسلیم وانقیاد کا جذبہ رکھتے ہوں،اور ان کے دلوں میں حق کو تلاش کرنے اور حق کو پا لینے کے بعد اسے تسلیم کرنے کی سچی تڑپ ہو۔ اکثر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے کہ ان آیات کے اندر (موتی) اور "من فی القبور" کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہے یعنی اس سے مراد زندہ کفار ہیں،اس معنی میں کہ جس طرح مردے اور قبر والے سنا نہیں کرتے اسی طرح کفار بھی سنا نہیں کرتے ،یہی معنی آیت کا عبارت النص ہے۔ اور اسی طرح اس آیت کا ہم معنی دیگر آیات جو ہے یعنی سورت انعام:۳۶،روم:۵۲،فاطر:۲۲۔وہاں بھی یہی معنی مراد ہے۔

لیکن اکثر محققین علماء نے اس آیت سے بطور اشارۃ النص عدم سماع کے لئے استدلال کیا ہے،اور ان آیتوں سے مردوں کی عدم سماعت کے لئے استدلال کرنا کوئی بعید نہیں،اس لئے کہ لوگوں میں یہ بات معروف تھی کہ مردے حقیقت میں سنتے نہیں،اس لئے ان کے ساتھ زندہ کفار کو تشبیہ دی گئی،اس سے معلوم ہوا کہ جن کے ساتھ کفار کو تشبیہ دی گئی ہے ان کے اندر عدم سماع کی قوت بدرجہ اولیٰ پائی جاتی ہے۔مثال کے طور پر یہ کہا جائے کہ زید شیر کی طرح بہادر ہے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ شیر بھی بہادر ہے بلکہ شیر کے اندر زید سے زیادہ شجاعت پائی جاتی ہے،اسی طرح ان دونوں آیتوں کے اندر اگرچہ گفتگو کفار کے بارے میں ہے اور انہیں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردے سنتے ہیں بلکہ عربی زبان سے واقف ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ اس تشبیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے اندر نہ سننے کا مادہ کفار سے

زیادہ پایا جاتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ مردے سنتے نہیں ہیں۔

مولانا رشید گنگوہیؒ لطائف: ٦٧، میں لکھتا ہے کہ اس آیت میں استعارہ ہے، کہ کفار کو اموات اور اصم سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں وجہ شبہ کی حقیقتاً ہوتی ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ میت اور اصم میں صلاح سماعت نہیں، لہٰذا معنی عدم اجابت کے جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہوگا؟ البتہ مشبہ میں یہی مراد ہے لہٰذا حسب قاعدہ مرجح جانب عدم سماع ہے۔اسی وجہ سے عمرؓ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے: رسول اللہ ﷺ کو فرمایا: جو کہ مشہور حدیث ہے مسند احمد: ٣/٢٨٧، ٢١/٤٥٢، (م: رقم ١٤٠٦٤)، نسائی: ٤/١٠٨ ، ومسند طیالسی: ٤٠ ، ومسلم: ٣/٢٨٧، وبزار: ٢٢٢ وابویعلی: ١٤٠) **عن انسؓ ان رسول الله ﷺ ترک قتلی بدر ثلاثة ایام حتی جیفوا، ثم اتاهم فقال یا امية بن خلف، یا اباجهل بن هشام، یاعتبه بن ربیعه ،یاشیبه بن ربیعه، هل وجدتم ماوعدربکم حقا؟ فانی قدوجدت ماوعدنی ربی حقا، فسمع عمرؓ صوته علیه السلام فقال: یارسول الله اتنادیهم بعدثلاث، وهل یسمعون؟ یقول اللّٰه عزوجل انک لاتسمع الموتی، فقالؐ و الذی نفسی بیده ماانتم باسمع منهم ولکنهم لایستطیعون ان یجیبوا** ۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے قلیب بدر کے مقتولین کو تین دنوں تک چھوڑے رکھا، حتی کہ مردار بدبودار ہوگئے، پھر ان کے پاس آ کر فرمایا: اوامیہ بن خلف وابوجہل بن ہشام وعتبہ بن ربیعہ وشیبہ بن ربیعہ! کیا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ وعدہ تم نے برحق پالیا؟ میں نے تو وہ وعدہ جو میرے رب نے میرے ساتھ کیا تھا وہ وعدہ برحق پالیا۔ نبی کریم ﷺ کی ان قلیب بدر والوں کے ساتھ اس گفتگو کرنے کی آواز عمرؓ نے سن لی تو عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ ان قلیب بدر میں پڑے ہوئے مقتولین کو تین راتیں گزرنے کے بعد نداء فرما رہے ہو۔ بھلا یہ آپ کی بات سن رہے ہیں؟ اللہ تعالی تو فرماتا ہے **انک لاتسمع الموتی** ۔عمرؓ کا یہ سوال سن کر آپؐ نے قسم کھا کر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ ان قلیب بدر والوں سے بڑھ کر تم بھی نہیں سنتے ، ہاں البتہ یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔

یہاں عمرؓ نے صراحت کے ساتھ یہ ذکر کیا کہ ان کے اس سوال کی بنیاد مذکورہ آیت ہے اور اس آیت سے تمام صحابہ نے ایک عام مفہوم مراد لیا ہے جس میں قلیب بدر کے مردے بھی داخل ہیں اس لئے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دوٹوک باتیں کیں تا کہ کوئی اشکال باقی نہ رہ جائے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ صحابہ نے آیت کا جو مفہوم لیا تھا نبی کریم ﷺ نے اس کو صحیح قرار دیا اس لئے کہ آپ نے

نہ اس کا انکار کیا اور نہ ہی ان سے یہ کہا کہ تم نے آیت کا مفہوم غلط لیا ہے یہ آیت تمام مردوں کو شامل نہیں ہاں اتنی وضاحت ضرور کردی کہ ان مردوں کا معاملہ جداگانہ ہے یہ آیت سے مستثنیٰ ہے۔

ایک بات کا ذکر، کر دینا بہتر ہے کہ عائشہؓ نے اس آیت سے جو استدلال کیا تھا بعینہ وہی استدلال عمرؓ کا بھی تھا لہٰذا عائشہؓ کو آج خطاوار ٹھہرانا صحیح نہیں ہے۔ جو کہ یہی روایت ہے: **عن ابن عمرؓ انہ قال وقف رسول اللہ ﷺ علی القلیب یوم بدر فقال: یافلان یافلان ھل وجدتم ماوعدکم ربکم حقا؟اماواللہ انھم الان لیسمعون کلامی .قال یحی فقالت عائشۃ:غفراللہ لابی عبد الرحمٰن انہ وھل، انماقال رسول اللہ ﷺ واللہ انھم لیعلمون الان، ان الذی کنت اقول لھم حق، وان اللہ تعالی یقول:انک لاتسمع الموتی ، النمل: ٨٠، وماانت بمسمع من فی القبور:فاطر ٢٢** ۔خاص طور سے اس وقت جبکہ اللہ کے رسول نے عمرؓ کی تائید کی یہ اور بات ہے کہ ابن عمر نے جب اس قصہ کو بیان کیا تو عائشہؓ نے ان کی تردید کی عائشہ اور دوسرے صحابہ کرام کی روایتوں کو جمع کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ عائشہؓ ہی سے وہم ہوا ہے (اس کا مزید تفصیل بعد میں آئے گا) لیکن ان تمام روایتوں میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ آیت سے استدلال کرنے میں عائشہؓ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے بلکہ اس قصہ کی حقیقت حال ان سے پوشیدہ تھی اگر ایسی بات نہ ہوتی تو ان کا موقف بھی وہی ہوتا جو تمام صحابہ کا موقف تھا، لہٰذا صحیح موقف یہی ہے کہ یہ قصہ آیت سے مستثنیٰ ہے۔ ایک بات قابل توجہ یہ ہے کہ مسائل کو صحیح طور سے سمجھنے کے لئے ان امور کی رعایت بھی ضروری ہے جو آپؐ سے بطور اقرار ثابت ہوں، ورنہ احادیث کے سمجھنے میں بسا اوقات غلطی ہوسکتی ہے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، یہی مسئلہ ایک بڑا شاہد ہے، کیونکہ اکثر مصنفین نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ مردے سنتے ہیں، اور وہ بھول گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے اس خیال کی تردید نہیں کی کہ مردے سنتے نہیں لہٰذا یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دراصل مردے سنا نہیں کرتے جب تک کہ کوئی دوسری دلیل اس کے خلاف نہ آجائے۔ تحقیقی نظر رکھنے والا اس قسم کی بہت سی مثالیں پائے گا، میں صرف دو مثالیں بیان کرتا ہوں: مثال اول:

(١) جابرؓ کی حدیث: ام مبشرؓ روایت کرتی ہیں کہ انہوں حفصہؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انشاءاللہ جو لوگ بیعت رضوان میں شریک تھے ان میں سے کوئی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ حفصہؓ نے کہا کیوں نہیں اللہ کے رسول، تو آپؐ نے ان کو ڈانٹا، پھر حفصہؓ نے کہا: اللہ نے فرمایا ہے: **وان منکم الاواردھا** :مریم: ٧٠، یعنی تم میں سے ایسا کوئی نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ یہ بھی فرماتا ہے: ثم ننجی الذین اتقوا ونذر الظالمین فیھا جثیا: مریم: ۷۱: یعنی ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو دنیا میں متقی تھے، اور ظالموں کو اسی میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔ حفصہؓ نے آیت سے یہ استدلال کیا تھا کہ جہنم میں ہر شخص داخل ہوگا خواہ وہ نیک ہو یا بد، اسی لئے جب نبی کریم ﷺ نے یہ کہا بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں میں سے کوئی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا تو ان کو اشکال ہوا اور یہ آیت پیش کی، لہٰذا نبی کریم ﷺ نے ان کا یہ اشکال اس طرح دور کیا کہ ان کو پوری آیت پڑھ کر سنائی۔ لہٰذا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حفصہؓ نے آیت کا جو مفہوم سمجھا تھا نبی کریم ﷺ نے اس کا انکار نہیں کیا بلکہ آیت کے اندر اس سے کون لوگ مراد ہیں اور حدیث کے اندر کون لوگ مراد ہیں، اس کی وضاحت کردی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والے لوگوں کو عذاب نہیں ہوگا، ہاں جہنم سے گزرتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام لوگ جہنم سے گزریں گے، کچھ لوگ تو اس کے عذاب میں گرفتار ہوجائیں گے اور کچھ لوگ اس سے محفوظ رہ کر جنت میں چلے جائیں گے۔

(۲) دوسری مثال بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اس وقت انصار کی دو لڑکیاں منیٰ کے دنوں میں دف بجا کر انصار کے ان کارناموں کو بیان کررہی تھیں جو انہوں نے جنگ بعاث میں انجام دیئے تھے، یہ لڑکیاں گانے والی نہیں تھیں، آپ اپنا رُخ انور دوسری طرف کرکے لیٹ گئے اسی دوران ابوبکرؓ داخل ہوگئے، آپ اپنے اوپر کپڑا اڈھانکے ہوئے تھے ابوبکرؓ نے مجھے ڈانٹا اور کہا کہ شیطانوں کی بانسری محمد ﷺ کے گھر میں؟ نبی کریم ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک کھولا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا ابوبکرؓ رہنے دو ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے آج ہماری عید کا دن ہے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں جب نبی کریم ﷺ ذرا ان لڑکیوں کی طرف سے غافل ہوئے تو میں نے ان کو اشارہ کیا اور وہ واپس چلی گئیں۔

اس حدیث کے اندر آپ دیکھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ کی اس بات کا انکار نہیں کیا کہ گانا بجانا شیطان کا فعل ہے اور نہ ہی جب انہوں نے ڈانٹا تو اس کو برا سمجھا، بلکہ آپؐ نے ان کی دونوں باتوں کو برقرار رکھا، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ چیز درست ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے یہ بات کیسے کہی کہ یہ شیطان کا فعل ہے، ظاہر بات ہے کہ انہوں نے اس چیز کو محمد ﷺ ہی سے حاصل کیا تھا، جیسا کہ گانے بجانے کے متعلق بے شمار حدیثیں موجود ہیں، اگر ابوبکرؓ کو پہلے سے اس کا علم نہ ہوتا اور اس موقف میں وہ حق پر نہ ہوتے تو کبھی محمد ﷺ کے سامنے اس قسم کی جرأت نہ کرتے، ہاں ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ عید اور خوشی کے موقع پر اس نوعیت کا گانا بجانا درست ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے اشارہ کیا۔ لہٰذا ابوبکرؓ کا انکار اپنی جگہ مسلّم تھا کیونکہ آپ نے اسے برقرار رکھا لیکن اس سے یہ مستثنیٰ کردیا کہ

عید کے موقع پر اس نوعیت کا گانا بجانا جائز ہے۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ جس طرح وہاں عمرؓ کے انکار کو برقرار رکھا اور ایک خاص حکم بیان کیا کہ تمہاری بات صحیح ہے مردے سنا نہیں کرتے لیکن یہ مردے اس وقت سن رہے ہیں، بالکل اسی طرح ابوبکرؓ کی انکار کو برقرار رکھتے ہوئے یہ بیان کیا کہ جس نوعیت کا گانا بجانا یہ لڑکیاں کر رہی تھیں عید کے موقع پر اتنا جائز ہے۔

ایک روایت عبداللہ بن عباسؓ سے سیوطیؒ نے درمنثور: ۷، ۱۸، میں تفسیر سورت فاطر ۲۲، میں نقل کیا ہے لکھتا ہے: اخرج ابوسهل السری بن سهل الجندالنیسابوری الخامس من حدیثه من طریق عبد القدوس عن ابی صالح عن ابن عباسؓ فی قوله﴿ فانک لاتسمع الموتی ﴾﴿ومآانت بمسمع من فی القبور: فاطر ۲۲﴾قال کان النبی ﷺ یقف علی القتلی یوم بدرویقول: هل وجدتم ماوعد ربکم حقا؟یافلان ابن فلان الم تکفر بربک؟الم تکذب نبیک؟ الم تقطع رحمکم؟فقالوا یارسول ایسمعون ماتقول ؟قال ماانتم باسمع منهم لمااقول فانزل الله﴿ فانک لاتسمع الموتی ﴾﴿ومآانت بمسمع من فی القبور﴾ومثل ضربه الله للکفار انهم لایسمعون لقوله.

یعنی اس آیت: انک لاتسمع الموتی ' اور'مآأنت بمسمع من فی القبور ' کا شان نزول رئیس المفسرین عبداللہ بن عباسؓ سے اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بدر کے غزوہ میں مشرک مقتولوں کے کنویں پر آکھڑے ہوئے تھے جس میں ان کی لاشوں کو پھینک دیا گیا تھا اور فرمانے لگے کیا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا اب تو تم نے اس وعدہ کو سچ مچ پالیا ہوگا؟ اے فلاں کے بیٹے فلاں، اے فلاں کے بیٹے فلاں، کیا تو نے اپنے رب کے ساتھ کفر نہ کیا، کیا تو نے اپنے نبی کی تکذیب نہیں کی، کیا تو نے قطع رحمی نہیں کی، یہ سن کر حاضرین نے عرض کی یارسول اللہ! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں، یہ بے روح کے دھڑ سن رہے ہیں؟ آپ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا کہ جو بات میں ان سے کہہ رہا ہوں تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے، تب اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی' انک لاتسمع الموتی ' نیز یہ نازل فرمایا' ومآانت بمسمع من فی القبور.

اس کے علاوہ بعض فقہاء و مجتہدین نے بھی ان ایتوں کو نفی سماع پر بطور دلیل پیش کیا ہے، بطور مثال علامہ ابن الہمام مولف فتح القدیر کی تصریح ملاحظہ ہو۔ علامہ موصوف ان ایتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان آیتوں سے سماع موتیٰ کی نفی کی تحقیق مستفاد ہوتی ہے کیونکہ ان میں کفار کو موتیٰ" سے تشبیہ دی گئی ہے اس بناء پر کہ کفار کو حق سنانا متعذر رہے

اور یہ سماع موتیٰ کی نفی پر متفرع ہے ورنہ تشبیہ صحیح نہیں ہوگی۔ اصل عبارت یہ ہے فانھمایفیدان تحقیق عدم سماعھم فانه تعالی شبه الکفاربالموتی لافادةتعذرسماعھم وھوفرع عدم سماع الموتی ۔فتح القدیر۔ اور اس سے تھوڑا سا پہلے مشائخ حنفیہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں وعندی مبنی ارتکاب ھذا المجازھنا عنداکثر مشایخناھوان المیت لایسمع عندھم ......لانھا(الیمین)تنعقدعلی مابحیث یفھم و المیت لیس کذالک لعدم السماع. اور کتاب الایمان میں لکھتے ہیں فلو کلمه بعدموته لایحنث لان المقصود منه الافھام و الموت ینافیه لانه لایسمع فلایفھم۔ فتح القدیر:۲/۱۰۶م۔

رشید احمد گنگوہی شرح الترمذی الکوکب الدری:۱/۳۱۹، میں لکھتا ہے:واستدل المنکرون ومنھم عائشة وابن عباسؓ ومنھم الامام (ابوحنیفہؒ) بقوله تعالی :انک لاتسمع الموتی ،فانه لماشبه الکفار بالاموات فی عدم السماع. علم ان الاموات لایسمعون والالم یصح التشبیه. وماقیل انه من قبیل ”ومارمیت اذرمیت ولکن الله رمی“ غیرتام. لانه لایصح علی ھذا قوله بعده ”ان تسمع الامن یومن بایاتنا“ الایة، فان الاقتدارمنه سبحانه کماھوفی الاول فکذافی الثانی فکیف یصح اثباته له ﷺفی نوع ونفیه فی نوع، وماقال المثبتون ان خطاب النبیﷺلاھل بدرعلی رأس القلیب ینادی علی ثبوت السماع اعلی نداء، فاجاب عنه المنکرون بعضھم من انه من خصوصیاتهﷺبکفاربدر،ردالله سبحانه ارواحھم فی اجسامھم لیسمعوا خطابه تنکیتالھم وتبکیتاوتزییدافی عذابھم، وقال بعضھم انما خاطبھم النبی لیغیظ بذلک المشرکون من قریش ،ومعنی قوله لعمرؓ ماانت باسمع منھم ای باعلم منھم فسّرته بذلک عائشةؓ ،فلایکون دلیل علی السماع، فالظاھرانکار السماع وھو الاصح عندنا ۔یعنی عائشہؓ نے سماع کی علم سے تفسیر کی ہے، اس لئے یہ حدیث سماع موتیٰ کی دلیل نہیں، اس لئے ظاہر عدم سماع ہی ہے، اور ہمارے نزدیک بھی یہی زیادہ صحیح ہے۔

اخر میں مفتی عزیز الرحمان دیوبندی کا قول نقل کرتے ہیں: فتاوی دار العلوم دیوبند عزیز الفتاوی دیوبند:۳/۹۶، میں ہے کہ: یہ واضح رہے کہ حد سے زیادہ جو امر تجاوز کرتا ہے وہ ممنوع ہوجاتا ہے جیسا کہ تعظیم قبور کا رواج ہوگیا ہے یہاں تک کہ ان پر غلاف اور چادریں ڈالی جاتی ہیں اور یہ امور اکثر مفضی الی الشرک ودواعی شرک ہوجاتے ہیں، کماھومشاھد اور سماع میت ثابت نہیں ہے بلکہ عدم سماع پر نص قطعی وارد ہے: قال الله تعالی ﴿ ومآانت بمسمع من فی القبور ﴾

وقال اللہ تعالی ﴿انک لاتسمع الموتیٰ﴾ وقداجاب فی الفتح وغیرہ عن الحدیث الواردفیہ ای حدیث اھل قلیب بدر واوّلوا حدیث سماع قرع النعال بانہ مخصوص باول الوضع فی القبر،فقط واللہ تعالی اعلم۔:۴۳۸/۵،۴۴۱،۴۴۴،۴۶۱،۴۶۷،۴۶۸۔

دوسری وجہ: اکثرمفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں یہی مسئلہ ذکر کی ہے مثلاً:۔۱۔خفاجیؒ نے بیضاوی کی تفسیر:۱۲۸/۷، کے حاشیہ میں لکھا ہے اکثرمشائخنا علی ان المیت لایسمع یعنی ہمارے اکثر مشائخ اسی عقیدہ پر پکے ہیں کہ مردہ کچھ نہیں سنتا۔۲۔امام رازیؒ شافعی المذہب نے اپنی تفسیرکبیر:۱۰۴/۶، میں لکھا ہے و المیت لایدرک شیئا مردہ کسی چیز کا کچھ ادراک نہیں کرسکتا۔اور۳۹/۷، میں لکھا:اما الاحیاء و الاموات فالتفاوت بینھمااکثر،اذمامن میت یساوی فی الادراک حیامن الاحیاء ،فذکران الاحیاء لایساؤن الاموات یعنی مردوں اورزندوں میں بہت بڑافرق ہے کیونکہ کوئی مردہ ایسانہیں جوادراک میں کسی ایک زندہ کے مساوی ہو،اس لئے اللہ تعالی نے ذکرفرمایا کہ زندے مردے مساوی نہیں ہیں:۵۳/۴و پارہ ۲۰صفحہ:۴۴۰۔۳۔زمخشری نے کشاف:۱۲/۲، میں کہا: الموتی لایسمعون یعنی مردے نہیں سنتے۔۴۔علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر۱۳۷/۷، میں یہی لکھا ہے۔۵۔جامع البیان :ص۱۱۲، میں یہی لکھا ہے۔۶۔علامہ بیضاوی نے پارہ(۷)صفحہ ۱۸۶، میں۔۷۔مفسرابوسعود نے ۵۸/۴۔۸۔مفسرخازن نے :۱۴/۲، ان المیت لایسمع و لایتکلم ۔میت نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے۔۹۔بغوی نے معالم التنزیل پارہ۳۰۵/۲۰، المیت الذی لاسبیل الی سماعہ ،میت وہی جس کے سننے کی کوئی صورت نہیں۔۱۰۔مفسرنسفی حنفی نے مدارک التنزیل صفحہ:۴۰۳ میں لکھا ہے واماقبل ذلک فلا یعنی قیامت سے پہلے پہلے تو میت سن نہیں سکتا۔۱۱۔مفسرابن کثیرنے تفسیر۹صفحہ ۶۱۵، میں لکھا:لاتتحرک و لاتسمع و لاتبصر مرنے کے بعدمردے نہ حرکت کرسکتے ہیں اورنہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں۔۱۲۔قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری:۲۵۳/۷، میں لکھا کہ مردے سنتے تونہیں البتہ اللہ تعالی جب چاہے زندوں کا کلام مردوں کوسنادے۔یہ اس کی مرضی ہے۔۱۳۔علامہ الوسیؒ نے تفسیرروح المعانی:۲۶/۷۔میں لکھا ہے المیت لیس من شانہ السماع و لایتحقق منہ السماع الامعجزۃ کسماع اھل القلیب ۔سننا میت کا کام نہیں اورنہ میت کا سننا متحقق ہے، البتہ بطورمعجزہ کے میت سن لے تووہ اور بات ہے جیسے بدرمیں گندے کنوئیں میں پڑے ہوئے مشرک مقتولوں نے نبی ﷺ کا خطاب سن لیا تھا۔

اور:۴۵۵/۶، میں لکھا:ففیہ تنبیہ قوی علی ان الاصل فی الموتی انھم لایسمعون پس اس عبارت

میں قوی تنبیہ ہے اس امر پر کہ موتیٰ کے بارے اصل تو یہی ہے کہ وہ نہیں سنتے ۔۱۴۔مفسر ابن جریر: ۱۱۸/۷، میں الموتی الذین لا یسمعون صوتا ولا یعقلون دعاء ولا یفقھون قولا. مردے جو نہ آواز سنتے ہیں اور نہ کسی پکار کا ادراک کر سکتے ہیں اور نہ کسی کی بات سمجھ سکتے ہیں۔۱۵۔صاحب قاموس نے تنویر المقباس: ۲۸۷، پارہ (۹) میں لکھا ہے: لا یسمعوا ولا یجیبوا لانھم اموات غیر احیاء یعنی وہ جن کو تم پکارتے ہو نہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں کیونکہ وہ اموات (مردہ) ہیں زندہ نہیں ۔۱۶۔ابن جزی کلبی محمد بن احمد نے کتاب التسہیل لعلوم التنزیل: ۱۹۶/۳، میں لکھتے ہیں: النائم کالمیت فی کونہ لا یبصر ولا یسمع یعنی نہ سننے اور نہ دیکھنے میں سونے والا بھی میت کی طرح ہی ہوتا ہے۔۱۷۔عبدالحق بن غالب ابن عطیہ محاربی غرناطی فقیہ مفسر (متوفی ۵۴۲ھ) نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ واقعہ بدر میں اہل قلیب کا سننا محمد ﷺ کا معجزہ ہے اگر آپ یہ نہ فرماتے کہ یہ مردے سن رہے ہیں تو ہم آپ کی نداء کا یہ مطلب لیتے کہ یہ باقی ماندہ کافروں کی توبیخ ہے یا مومنین کے دل کو تسلی ہے عبارت یہ ہے: فیشبہ ان قصۃ بدر خرق عادۃ لمحمد ﷺ فی ان ردالله الیھم ادراکا سمعوا بہ مقالتہ ولولا اخبار رسول الله ﷺ بسماعھم لحملنا نداءہ ایاھم علی معنی التوبیخ لمن بقی من الکفرۃ وعلی معنی شفاء صدور المومنین ۔۱۸۔صاحب فتح البیان نے کہا ہے کہ سماع موتیٰ کی نفی کے ظاہر سے تو عموم معلوم ہوتا ہے۔۱۹۔مولوی عبدالستار محدث دہلوی نے اپنی تفسیر کے: ۴۹۷، میں اسی طرح لکھا ہے۔۲۰۔مترجم معجزہ نما کلان قرآن مجید ۵۳۵، میں ہے عائشہؓ کی رائے کے مطابق امام ابو حنیفہؒ سماع موتیٰ کے منکر ہیں اور اسی قران پاک کے مقدمہ ۴۱، میں ہے: عائشہؓ و دیگر بعض صحابہ اور نیز امام ابو حنیفہؒ اہل قبور کے سننے کے قائل نہیں۔۲۱۔سبحان الہند مولانا احمد سعید (کشف الرحمٰن ۶۵۴) میں فرماتے ہیں عائشہؓ صدیقہ نے اس آیت (ما انت بمسمع من فی القبور) سے مردے کے نہ سننے پر استدلال کیا ہے اور یہی اکثر مشائخ حنفیہ کا مسلک ہے۔ نیز: ۵۸۰/۲، میں لکھتے ہیں مردے میں سننے کی صلاحیت نہیں ہے۔اور اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا کہ سویا، مرا برابر ہے (یعنی عدم ادراک میں)۔۲۲۔جامع القران کے مصنف نے کہا الکفار کالموتی لا یسمعون، کفار بھی ان مردوں کی طرح ہیں جو سنتے نہیں، اس تفسیر کا حوالہ تفہیم المسائل: ۹۲، میں محمد بشیر الدین قنوجیؒ نے دیا ہے۔۲۳۔ابن حبان اندلسی نے البحر المحیط: ۱۱۷/۴، ۱۱۸، میں لکھا ہے: انما یستجیب الذین یسمعون یعنی الذین تحرص علی ان یصدقوک بمنزلۃ الموتی الذین لا یسمعون وانما یستجیب من یسمع کقولہ تعالیٰ یعنی جن لوگوں کے بارے میں آپ کو حرص ہے کہ وہ آپ کے مسئلہ توحید کی تصدیق کریں وہ تو بمنزلہ موتیٰ (مردوں) کے ہیں جو نہیں سنتے، اور مانتے وہی

ہیں جوسنیں۔آگے فرمایا موتی (یہاں مراد) کفار ہے کفار کو موتی اسی طرح کہا گیا ہے جس طرح کفار کو بہرے اور گونگے کہا گیا ہے اور کفار کو موتی سے تشبیہ اس لئے دی ہے کہ میت روح سے خالی ہوتا ہے۔۲۴۔نواب قطب الدین (تلمیذ شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ ومولف مظاہر حق شرح مشکواۃ نے جامع التفاسیر سورۂ فاطر:۱۱۰، میں لکھا ہے۔مذہب امام اعظم اور اکثر مشائخ ہمارے کا عدم سماع ہے بہ دلیل آیت **انک لاتسمع الموتی** ۔۲۵۔جمل نے جلالین کی شرح:۶۰۳ (پارہ۲۴) میں لکھا، موت کی حالت میں توفی النفس کی صورت یہ ہے کہ موت پیدا کرتا ہے اور ہر قسم کی حس کلی طور پر زائل کر دیتا ہے (اس میں حس سننے اور دیکھنے اور بولنے وغیرہ کی سب ہی آ گئیں۔

۲۶۔اخر میں تفسیر مواہب الرحمٰن کا قول نقل کرتے ہیں: اس نے تفسیر سورۂ نمل میں مختصرا، اور تفسیر سورۂ روم میں تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ لکھا ہے: جبکہ ہم بھی ان کے الفاظ حرف بحرف نقل کرتے ہیں اس لئے کہ اس میں بہت سے علمی فوائد مذکور ہیں: مترجم کہتا ہے کہ یہاں ایک مسئلہ ہے کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے ہیں؟ پس امام شافعیؒ اور ایک جماعت سے منقول ہے کہ مردہ سنتا ہے، اور ان کی حجت وہ حدیث ہے کہ جب بدر کی لڑائی میں ابوجہل وغیرہ کفار مشرکین مارے گئے اور وہ ایک کھڈے میں ڈال دئے گئے اور تیسرے دن نبی کریم ﷺ سوار ہو کر اس مقام پر تشریف لائے اور خطاب فرمایا کہ ہم نے تو اپنے پروردگار عز وجل کا وعدہ حق پایا اور تم نے بھی آخر وعید عذاب کو سچا پایا، پس عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اس قوم سے خطاب فرماتے ہیں جو گندے مردار ہو چکے، پس آپ نے فرمایا کہ قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جو میں کہتا ہوں اسکے سننے میں تم لوگ انسے بڑھکر نہیں ہو، لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے ہیں کما فی الصحیح اور حدیث ابن عباسؓ میں ہے کہ جو کوئی بندہ اپنے بھائی مسلمان کی قبر پر گذرا جس کو دنیا میں پہچانتا تھا پس اس پر سلام کیا تو یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالی اس کی روح اس میں پھیر دیتا ہے، حتی کہ وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔(رواہ ابن عبدالبر وقال صحیح) لیکن عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے "**فانک لاتسمع الموتی**" پس مردہ نہیں سنتا ہے، اور واقعہ بدر کی حدیث میں عائشہؓ نے یہ تاویل فرمائی کہ نبی کریم ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو بات میں ان لوگوں سے کہتا تھا اسکا حق ہونا، ان لوگوں نے اب خوب جان لیا، قتادہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے ان لوگوں کو آخرت کی زندگی اتنی دے دی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا کلام شریف جو ان کے حق میں چھڑا اور ملامت کا تھا سن لیا۔

اسیواسطے امام ابوحنیفہؒ وصاحبین وتمام فقہاء حنفیہ وجماعت علماء کا یہی قول ہے کہ مردے نہیں سنتے ہیں، اور کسی شخص کو یہ طاقت نہیں ہے کہ مردے کو اپنا کلام سناوے، اگر اللہ تعالی اپنی قدرت سے چاہے کہ کوئی بات مردہ سنے تو اس کو اپنی قدرت

کا اختیار ہے۔ اسیواسطے جب نبی کریم ﷺ نے قلیب بدر والوں سے کلام کیا تو بوحی الٰہی عز و جل تھا، وہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سنایا، اور اسی طرح مردے کو سلام کرنا اور اس کا جواب دینا بقدرت الٰہی عز و جل ہے، حتیٰ کہ سوائے سلام کے کسی دوسری بات کے واسطے ہم کو آگاہ نہیں کیا گیا کہ وہ بھی مردہ سنتا ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ آج کل جو لوگ حنفی مقلدین حتیٰ کہ تقلید کے واسطے دوسروں کی تکفیر تک نوبت پہنچاتے ہیں ان سے نہایت عجب ہے کہ وہ بزرگوں کے مزاروں پر جا کر اپنی باتوں کی داستانیں سناتے ہیں حالانکہ امام ابوحنیفہ وتمام ائمہ حنفیہ سے قاطبۃً مخالف ہے اور اس مقام پر وہ قطعی غیر مقلد بنجاتا ہے، پس ان نفس کے بندوں کا ظاہر حال یہ ہے کہ وہ تقویٰ وتدین کے واسطے حنفی نہیں تھا بلکہ اسلام میں فساد ڈالنے کے لئے کبھی مقلد بنتا ہے اور کبھی غیر مقلد ہو جاتا ہے، تاکہ اسلام میں باہم نزاع و پھوٹ ڈالے، اور باہمی اختلاف جو مسلمانوں میں فرض ہے اس کی مخالفت کرے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو ایسی معصیت سے بچادے اور ایمان واسلام پر ثابت قدم رکھے۔ آمین **وصلی اللہ علی سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین۔**

اب اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے استدلال نفی سماع موتیٰ کے لئے صحیح ہے یا نہیں؟ سماع موتیٰ کے قائلین کا ایک وہم ہے جس کو ذکر کرنے کے بعد تفصیل کے ساتھ دفع کرتے ہیں، مختصراً اس کو والد صاحب نے تفسیر (احسن الکلام) میں بمعہ جواب ذکر کیا ہے:

قائلین سماع موتیٰ کی طرف سے ان آیتوں کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان میں اسماع (سنانے) کی نفی ہے سماع (سننے) کی نفی نہیں۔ اور اختلاف سماع میں ہے نہ کہ اسماع میں، کیونکہ اسماع کی نفی پر تو سب متفق ہیں۔ دوسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان آیتوں میں کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ عدم استفادہ میں دی گئی ہے نہ کہ عدم سماع میں، اور مطلب یہ ہے کہ مردے زائر کا کلام سن لینے کے باوجود اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اسی طرح کفار بھی سن تو لیتے ہیں لیکن اس سے استفادہ نہیں کرتے۔ ان دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ عائشہؓ اور تمام فقہائے حنفیہ نے ان سے عدم سماع موتیٰ پر استدلال کیا ہے، اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ آیتیں اسماع کے ساتھ ساتھ سماع کی بھی نفی کر رہی ہیں، اور تشبیہ عدم استفادہ میں نہیں بلکہ عدم سماع میں ہے، نیز سماع اسماع کا مطاوع ہے اس لئے اسماع کی نفی یا اثبات، سماع کی نفی اور اثبات کو مستلزم ہے ان آیتوں میں جب اسماع کی نفی کی گئی تو سماع کی بھی نفی ہوگئی۔

مطلب یہ ہے کہ سماع فرع ہے اسماع کی جب انسان کی طرف سے بالکلیہ اسماع نہیں ہے تو سماع جو اسماع کی فرع ہے وہ

بھی نہ ہوگا، کیونکہ جب اصل ہی ثابت نہ ہوگی تو فرع کہاں سے ثابت ہوگی، پس اتنا تو مسلم ہوا کہ انسان بذات خود اپنے کلام وسلام کو بغیر کسی کے واسطے کے میت کو نہیں سنا سکتا، یہ خاص نوع کا اسماع، یعنی اسماع انسانی بالکل نابود ہے اور جس قسم کا اسماع ندارد ہوگا اس خاص قسم کا سماع بھی معدوم ہونا لازم ہوگا۔

بعض کو یہ وہم ہے کہ انسان جو مردوں سے یا قبر والوں سے کلام کرتا ہے وہ انہیں خود تو نہیں سنا سکتا، مگر اس اسماع اور سماع کے درمیان اللہ تعالی کا واسطہ ہوکر مردوں کو سنا دیتا ہے، یہ البتہ ممکن ہے تو جب یہ صورت ممکن ہوئی تو آیت شریفہ سے مردوں کے سننے کی نفی ثابت نہ ہوگی۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ مشیت الٰہی معلوم نہیں جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ:'اللہ کی باتیں اللہ ہی جانے' پس ہمارا مردوں سے یا قبر والوں سے کلام کرنا، خطاب کرنا، سلام کرنا، پھر یہ خیال کرنا کہ وہ سنتے ہیں، محض ایک تمنا ہی تمنا ہے، کیونکہ سماع اموات موقوف ہے مشیت الٰہی پر اور مشیت الٰہی کا ہمیں علم نہیں ہے، نہ ہی اس کے علم حاصل کرنے کا ہمیں کوئی طریقہ حاصل ہے، پس جس کا موقوف علیہ غیر معلوم ہے اس کے موقوف کا بھی موہوم ہونا لازم ہے، پس اس نظیر والی آیت سے بھی عدم سماع اموات ہی ثابت ہوا نہ سماع۔

(اس بات کی مزید تفصیل)اب زیر بحث آیت کریمہ کو دیکھیں''اِن اللہ یسمع من یشآء''اس میں سب مانتے ہیں کہ انسانی اسماع کی لازمی طور پر نفی ہے ہاں الٰہی اسماع اس آیت میں متوقع ہوسکتا ہے۔لیکن الٰہی اسماع مطلق نہیں ہے۔ بلکہ معلق اور مقید ہے بقید مشیت اور معلق بالمشیة کا مسئلہ علم عقائد میں مصرّح موجود ہے ان شاء فعله وان شاء لم یفعله ،اسی طرح کتب فقہ میں ہے انت طالق ان شاء اللہ ، کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ شرط (مشیت الٰہی) کا علم نہیں۔لہٰذا اصل چونکہ عدم طلاق تھی ابھی تک وہی عدم طلاق اپنے اصل پر قائم ہے ہدایہ اولین :۲/۳۷۰، میں ہے، وانه (ای التعلیق)اعدام قبل الشرط، والشرط لایعلم ههنا فیكون اعداما من الاصل ،یعنی شرط سے پہلے تو وہ طلاق نہ تھی اور اب شرط کا علم ہمیں نہیں ہے اس لئے طلاق بھی سرے سے معدوم ہی رہی اس کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ حاصله ان الجزاء معدوم قطعالان الجزاء معدوم عندعدم الشرط وههنالم یعلم تحققه فبقی علی عدمه الاصلی.

اسی طرح کنز:ص:۱۴۶، میں ہے ولو وصل باقراره ان شاء اللہ بطل اقراره ،یعنی اگر کسی نے کسی کے حق کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ میرے ذمہ اس کا ہزار روپیہ ہے ان شاء اللہ تو بس اس کا اقرار بے کار و باطل ہوگیا، اسی طرح

کنز:ص:۶۷، میں ہے، **ولو وصل بحلفه ان شاء الله برّ** اور اگر قسم کھانے کے ساتھ متصل ان شاءاللہ کہہ دیا تو اپنی قسم میں حانث نہیں ہوگا، اسی طرح کنز:۱۲۸، میں ہے: **ویبطل الصک بان شاء الله** چک لکھ کر ساتھ ہی ان شاءاللہ لکھ دیا وہ چک بے کار ہوگیا او مختصر طحاوی:۳۶۸، کے حاشیہ میں اس کا اصول اور قاعدہ تحریر فرمایا: **والاصل فی هذاانه متی علق بمشیة من لاتظهر مشیته فانه یلغو کله.** یہاں اصول یہ ہے کہ جب ایسے ذات کی مشیت کے ساتھ کوئی کام معلق کیا جائے جس کی مشیت معلوم اور ظاہر نہ ہوسکے تو سب لغو اور بے کار ہوجاتا ہے۔

الحاصل: اب اس قاعدہ اصول کے تحت **ان الله یسمع من یشاء** کے معنی ہوئے **من شاء الله اسماعه اسمعه ومن لم یشاء اسماعه لم یُسمعه** یعنی جس کو اللہ تعالی سنانا چاہے گا سناوے گا اور جس کو سنانا نہ چاہے گا نہ سنائے گا۔ تقلیل سماعت اموات کی خود آیت کریمہ کے لفظ مشیت نے پیدا کردی بلکہ نفی سماع کی دلیل بن گئی۔ جیسے ان شاءاللہ کہنے سے طلاق نہیں پڑتی۔ اقرار بے کار ہوجاتا ہے چیک کا اعتبار نہیں رہتا اسی طرح اس آیت میں سماع اموات بھی ثابت نہیں ہوتا۔

اقامۃ البرہان والا اخر میں لکھتے ہیں: اکابرامت کے ان ارشادات اور اجلّہ علماء دیوبند کی ان تصریحات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ ان آیتوں میں صرف اسماع (سنانے) ہی کی نفی نہیں بلکہ سماع (سننے) کی بھی نفی ہے اور انہوں نے سماع موتیٰ کی نفی پر ان ایتوں سے باقاعدہ استدلال کیا ہے اور مفتی عزیزالرحمٰنؒ نے تو یہاں تک فرمادیا ہے کہ یہ آیتیں عدم سماع پر نص قطعی ہیں۔ اس لئے معترض نے اس کے خلاف دور حاضر کے بعض علماء کی جو طویل وعریض عبارتیں نقل کی ہیں وہ ان اکابر کی تصریحات کے ہوتے ہوئے قابل التفات نہیں ہیں۔ ص:۴۷۔

اس اعتراض کو شیخ نیلویؒ تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد اس کا منہ توڑ جواب دیتے ہیں، فرماتے ہیں: قائلین سماع ایک اور طریق پر بھی اس آیت کو حل کرنے کی کوشش فرماتے ہیں کہ اول تو آیت میں سماع کی نفی نہیں ہے اسماع کی نفی ہے، دوسرے اگر بالفرض والتقدیر اس بات کو تسلیم ہی کرلیا جائے کی نفی سماع کی ہے تو پھر کہتے ہیں کہ سماع مطلق نفی نہیں ہے بلکہ سماع قبول یا سماع نافع کی نفی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار وعظ ونصیحت نہیں سنتے یعنی قبول نہیں کرتے اس سے نفع نہیں اٹھاتے چنانچہ کتاب سماع موتی:۲۶۹، میں ہے مردوں سے مطلقا سماع کی نفی نہیں کی گئی بلکہ اس سماع کی نفی کی گئی ہے جو سماع مفید اور نافع ہوسکتا ہے کیونکہ زندہ کفار سے جو مشبہ ہیں جس سماع کی نفی کی گئی ہے، وہ سماع قبول اور نافع ہے سو اسی طرح مردوں سے بھی جو مشبہ بہ کے درجہ میں ہیں نفی مطلقا سماع کی نہیں بلکہ اس سماع کی نفی ہے جو مفید اور نافع ہے، الخ۔

الجواب: محترم مولانا صاحب نے اس مقام پر کمال ہی کر دیا کہ مشبہ کو مشبہ بہ بنا دیا اور مشبہ بہ کو مشبہ بنا دیا، کافروں کو جو مشبہ ہیں مشبہ بہ بنا دیا اور مردوں کو جو مشبہ بہ ہیں مشبہ بنا دیا، جیسے کوئی کہے **'زید کالاسد'** زید شیر کی مانند ہے زید کو شیر کے ساتھ تشبیہ دی گئی شجاعت میں۔ زید انسان ہے مشبہ ہے اور شیر جنگلی جانور مشبہ بہ ہے۔ اب مولانا صاحب کے تقریری انداز میں اگر یوں کوئی تقریر کرے کہ شیر کے لئے مطلقاً شجاعت کو ثابت نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس شجاعت کو ثابت کیا گیا ہے جس کے ساتھ نماز، روزہ اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہو کیونکہ زید کے لئے جو مشبہ ہے جو شجاعت ثابت ہے وہ نماز روزہ جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ مقرون ہے، سو اسی طرح شیر جنگلی کے لئے بھی جو مشبہ بہ کے درجہ میں ہے، وہی شجاعت ثابت ہے، جو نماز، روزہ، جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ مقرون ہے اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ زید شجاع، نمازی، روزہ دار اور مجاہد ہے۔ کیا یہ تقریر صحیح ہے؟ اگر یہ تقریر غلط ہے تو آپ کا "**الکفار کالموتی**" میں یہ بیان غلط ہوگا، اور اگر **الکفار کالموتی** میں آپ کی تقریر صحیح ہے تو زید کالاسد میں بھی ہماری تقریر بالا درست ہوگی لیکن اس میں تو کچھ شک نہیں کہ زید کالاسد کی تقریر بالا صاف غلط ہے پس ثابت ہوا کہ الکفار کالموتی کی تقریر جو محترم مولانا صاحب نے بیان کی ہے بلا شبہ غلط ہے۔ نداء حق: ۲/ ۹۷۔

اس سوال کا مزید تفصیلی جواب ہم تفسیر احسن الکلام سے نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو فائدہ کامل ہو، اس میں بطور ارخاء العنان والد محترم لکھتا ہے کہ جب اس آیت میں یہ مسئلہ ذکر ہے (بزعم خویش) کہ مردے سنتے ہیں لیکن فائدہ نہیں لے سکتے، تو ان کے ساتھ باتیں کرنا عبث اور لغو کام ہے، اور عبث کام کرنا مسلمان کیلئے جائز نہیں، آپ تصحیح تشبیہ کیلئے لکھتے ہیں کہ یہ وہم ہے کہ یہ تشبیہ صحیح نہیں، تو میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے اس لئے کہ وجہ شبہ جنس (نہ سننا ہے) اور یہ دو قسم کے ہیں، ایک مطلقاً نہ سننا اور دوسرا وہ سننا ہے جو کہ بغیر فائدہ ہو (تو یہ بھی نہ سننے کی برابر ہوئی) تو مشبہ بہ (یعنی میت) میں نہ سننا مطلقاً اور جانب مشبہ (یعنی کافر) میں نہ سننا بطریق عدم نفع ہے، جیسا کہ ہم مثال میں کہتے ہیں **'زید کالأسد'** یہ تشبیہ شجاعت میں ہے اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ دونوں کی شجاعت الگ الگ ہے اور تشبیہ صحیح ہے۔

۲۔ نیز جس طرح کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اسی طرح کفار کو اندھوں کے ساتھ بھی تشبیہ دی گئی ہے اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ کفار اس دنیا میں جب کہ وہ بقید حیات ہیں وہ ویسے تو دیکھتے ہیں اور انکی آنکھیں موجود ہیں، مگر بتفسیر شیخ الہند اندھے ہیں جو اپنے نفع ونقصان کو نہیں دیکھتے۔ تو یہاں بینا کفار کو جو مشبہ ہیں جس بینائی اور دیکھنے کی نفی کی گئی ہے وہ، وہ دیکھنا ہے جس سے نفع ونقصان نظر آئے اسی طرح اندھوں سے بھی جو مشبہ بہ کے درجہ میں ہیں نفی مطلقاً دیکھنے کی نہیں۔ اندھوں کو نظر تو آتا ہے اندھیں اپنے ان انکھوں سے دیکھتے تو ہیں مگر اندھے اس طرح کا نہیں دیکھتے جس سے

انہیں نفع ونقصان نظر آئے، کیا یہ تقریر صحیح ہے؟ اگر موتیٰ کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی وہ تقریر صحیح ہے تو اندھوں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی یہ تقریر بھی لازماً صحیح ہوگی اور اگر وہاں تقریر صحیح اور یہاں تقریر غلط ہے تو وجہ فرق کی بتائی جائے۔

۳۔ اسی طرح کفار کو جس طرح مردوں اور اندھوں سے تشبیہ دی گئی ہے کفار کو گونگوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو محترم مولانا صاحب کی تقریر کے مطابق نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ کفار اس دنیا میں جب کہ وہ بہ قید حیات ہیں ویسے تو وہ بولتے ہیں اور ان کی زبان بھی موجود ہے گونگے تو نہیں مگر بتفسیر شیخ الہندؒ گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے ،تو یہاں فصیح بلیغ منطیق کفار سے جو مشبہ ہیں جس گویائی کی نفی کی گئی ہے وہ،وہ گویائی ہے جو سچ کے ساتھ متصف ہو اسی طرح گونگوں سے جو مشبہ بہ کے درجے میں ہیں مطلقاً بولنے کی نفی نہیں ،گونگے بولتے تو ہیں مگر سچ نہیں بولتے ۔کیا یہ تقریر صحیح ہے؟ اگر موتیٰ کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی وہ تقریر صحیح ہے جو محترم مولانا صاحب نے بیان فرمائی ہے تو گونگوں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی یہ تقریر بھی لازماً صحیح ہوگی اگر وہاں صحیح اور یہاں غلط ہے تو وجہ فرق کی کیا بنے؟

۴۔ اسی طرح کفار کو جیسے مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کفار کو بہروں کے ساتھ بھی تشبیہ دی گئی ہے تو محترم مولانا صاحب کی تقریر کے مطابق نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ کفار اس دنیا میں جب بقید حیات ہیں ویسے تو وہ سنتے ہیں اور ان کے کان بھی موجود ہیں مگر بتفسیر شیخ الہندؒ بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے تو یہاں بظاہر ان کفار کے کان بالکل درست ہیں تو کافر سنتے تو ہیں مگر سچی بات نہیں سنتے اسی طرح بہرے جو مشبہ بہ کے درجہ میں ہیں ان سے مطلقاً سننے کی نفی نہیں، بہرے سنتے تو ہیں مگر سچی بات نہیں سنتے ۔کیا یہ تقریر صحیح ہے؟ اگر مردوں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی وہ تقریر صحیح ہے جو محترم مولانا صاحب نے بیان فرمائی ہے تو بہروں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی یہ تقریر بھی لازماً صحیح ہوگی اور اگر وہاں صحیح ہو اور یہاں غلط ہو تو ان دونوں تشبیہوں میں فرق کی وجہ مطلوب ہے۔

مزید فرماتے ہیں: کہ اگر اب قواعد پر نظر کی جائے تو گنگوہیؒ کی تقریر قواعد عربیت کے مطابق ہے (جو پہلے بیان ہوئی) اور مصنفِ سماع موتیٰ کی تقریر قواعد عربیت کے سراسر خلاف ہے لہٰذا مولانا صاحب گنگوہی، کی تقریر ہی ،مسموع مقبول ،معتبر اور معتمد علیہ اور راجح سمجھی جائے گی ،اس پر کسی دوسرے اعلیٰ سے اعلیٰ عالم کی بات کو ترجیح نہیں دی جاسکتی جب کہ قواعد بھی اس سے آبی ہوں یعنی جب آیت '' انک لاتسمع الموتی '' میں استعارہ مصرحہ ہے اور استعارہ مصرحہ میں وجہ شبہ کا مشبہ بہ میں اقویٰ ہونا صحت استعارہ کے لئے شرط ہے ،جب مشبہ اور مشبہ بہ ہر دو میں یکساں طور پر نفی سماع نافع مراد لئے جائیں تو استعارہ باطل ہو جائے گا اور قرآنی فصاحت وبلاغت اور اعجاز میں فرق آجائے گا ،اور اصطلاح اہل

عربیت اور اہل علم کے بیان کے خلاف بھی ہوگا۔

اور اگر گنگوہیؒ کی تقریر دیکھیں تو بات نہایت ہی سہل ہے یعنی لفظ اموات میں عدم سماع مطلق مراد لیا جائے اور کفار میں عدم قبول مراد لیا جائے ،تب استعارہ بھی درست ہو جائے گا اور بلاغت قرآنی بھی اپنی جگہ قائم رہے گی اور قواعد عربیت کے خلاف بھی لازم نہ آئے گا۔

اور جو ہم نے کہا ہے کہ یہ استعارہ مصرحہ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ ان آیات میں کفار کا ذکر موجود نہیں ہے بلکہ صرف موتیٰ کا ذکر ہے مشبہ کا ذکر نہ کرنا اور مشبہ بہ کا ذکر کرنا اور مشبہ بہ سے مشبہ مراد لینے کو اصطلاح علم بیان میں استعارہ کہا جاتا ہے علامہ سید سند شریف جرجانیؒ نے مطول کے حاشیہ میں لکھا ہے وعرف الاستعارہ بان تذکر احدطرفی التشبیہ وتریدبه ای بالطرف المذکور الآخرای الطرف المتروک مدعیا،دخول المشبه فی جنس المشبه به کماتقول فی الحمام اسدوانت تریدبه الرجل الشجاع ، وقسمهاالی المصرحه والمکنی عنهاوعنی بالمصرح بهاان یکون الطرف المذکورمن طرفی التشبیه هو المشبه به یعنی استعارہ مصرحہ اس کا نام ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں سے مشبہ بہ کا ذکر کیا جائے اور مشبہ کا ذکر چھوڑ دیا جائے گویا مشبہ مشبہ بہ کے افراد میں سے ایک فرد ہے، جیسے کوئی کہے حمام میں شیر ہے، اور شیر سے مراد لیا ہو بہادر آدمی، تو اسی طرح ان آیات میں مشبہ بہا موتیٰ کو ذکر کیا ہے اور اس سے کفار مراد لئے جو مشبہ ہیں تو یہ استعارہ مصرحہ ہوا۔ اور استعارہ مصرحہ میں بقاعدہ علم بیان صحت استعارہ کے لئے شرط ہے کہ مشبہ بہ میں وجہ شبہ کی اقوی ہو ورنہ استعارہ باطل ہوگا۔

چنانچہ علامہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے مطول کی حاشیہ میں لکھا ہے: وکون وجه الشبه اقوی، شرط فی الاستعارة المصرحه، اور علامہ دسوقی نے مختصر المعانی کے حاشیہ میں لکھا ہے وتوضیح ذلک ان الاستعارة تعتمد التشبیه ،والتشبیه الذی بنی علیه الاستعارة یقتضی قوة المشبه به عن المشبه فی وجه الشبه یعنی وجہ شبہ میں مشبہ بہ مشبہ سے قوی ہوتا ہے اور مختصر المعانی میں علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے جو لکھا ہے: و الجامع یجب ان یکون فی المستعارمنه اقوی اس کی شرح میں ابراہیم دسوقیؒ نے لکھا وقوله اقوی ای من نفسه حال کونه فی المستعارمنه وانماوجب ذلک لتکون الاستعارة مفیدة پس لفظ موتیٰ ایت کریمہ میں مشبہ بہ ہے، اور کفار مشبہ ہے اور وجہ شبہ کی عدم سماع ہے پس موتیٰ میں یہ وجہ شبہ کی اقوی اور اکمل ہونا شرط ہے ورنہ استعارہ باطل ہوگا اور بلاغت قرانی میں نقص لازم آئے گا۔

یہ تو ہوا طریق استدلال ان چہار آیتوں سے، اور باقی دو دو آیات قرآنی ایسے ہیں جن سے بطریق اقتضاء النص استدلال کیا جاتا ہے۔ پہلی آیت سورۂ بقرہ: ٢٥٩، والی ہے جس میں عزیر علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ تو اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ سو سال کے عرصہ میں عزیر علیہ السلام کو وہ چیزیں محسوس نہیں ہوئیں جو دنیا میں ہوتی رہیں سو سال کے عرصہ میں تقریباً (٣٦٠٠٠) چھتیس ہزار بار سورج طلوع وغروب ہوا اور چاند بھی طلوع اور غروب ہوتا رہا موسم سرما وگرما سو (١٠٠) بار گذرے سینکڑوں بار بارشیں برسی ہونگی سینکڑوں بار بادل گرجے، بادلوں سے کڑاکے دار آوازیں آئیں، بھونچال آئے، آندھیاں آئیں، مگر آپ کو ان میں سے کسی ایک چیز کا احساس نہ ہوا، نہ آپ کی قوت شنوائی تھی جو اتنی آوازوں کا احساس فرماتے۔ اس آیت کریمہ سے حسین علیؒ اور شیخ غلام اللہ خانؒ دونوں نے سماع موتیٰ کی نفی کے لئے استدلال کیا ہے دوسری واقعہ اصحاب کہف والوں کا ہے اس میں ہے کہ: وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا [٢٥] اصحاب کہف اپنے غار میں نو اوپر تین سو سال رہے۔

ان دونوں واقعات میں موت مجازی ہے، اور جب مجازی موت میں احساس نہیں کر سکتے تو حقیقی میں بطریق اولیٰ نہیں کریں گے۔ اس سے پہلے کہ ہم مخالفین کے دلائل کا جائزہ لے۔ یہ ثابت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اور رائے اس میں کیا ہے؟ صاحب تسکین الصدور وغیرہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب سماع موتیٰ کے قائل ہیں، تو یہ بات غلط ہے، چنانچہ سید نعمان بن محمود آلوسیؒ نے ایات بینات: ١٠٤، ١٠٦، میں لکھا ہے

کہ اب مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو فہم وفراست سے عاری ہیں اور اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، عوام میں یہ افواہیں پھیلاتے ہیں کہ مردے کے سننے پر اجماع ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متقدمین ومتاخرین تمام اصحاب کا مذہب ہے ان کا خیال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ: **اذاصح الحديث فهو مذهبی** یعنی جب صحیح حدیث ثابت ہو تو وہی میرا مذہب ہے، اور سماع کے سلسلے میں صحیح حدیث موجود ہے، انہیں یہ نہیں معلوم کہ عائشہؓ وغیرہ کی طرح احناف نے بھی دونوں ایاتوں سے استدلال کیا، اور حدیثوں کو اچھی طرح پرکھنے کے بعد یہ تاویل کی ہے، اور شاید ان وہم پرستوں کا یہ بھی خیال ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح باطل یا ناقص ہے، کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے ان کو یہ بھی کہنا چاہیے کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز ناقص ہے، کیونکہ یہ حدیث بھی صحیح ہے، "**لا صلوة الا بفاتحة الكتاب**" وہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ بغیر نیت کے وضوء صحیح نہیں، کیونکہ صحیح حدیث میں ہے: **انما الاعمال بالنيات**، اسی طرح کی بہت سے مسائل ہیں جن میں صحیح حدیثیں موجود ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ان کے خلاف ہے۔

ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ امام صاحب اوران کے متبعین کو بہت ساری صحیح حدیثیں معلوم تھیں لیکن انہوں نے یا توان کے تاویلیں کیں، یاان کے خلاف جوآیتیں اورحدیثیں تھیں ان سے استدلال کیا، یاان کے نزدیک یہ منسوخ یاخاص تھیں، اس لئے ان پران اسباب کی وجہ سے عمل نہیں کیا،اس کی تفصیل اصول فقہ،اصول حدیث اوردیگرکتابوں میں موجودہے، جیسے: امام طحاوی کی کتاب مختلف الاثار، امام محمد کی کتاب الاثار، فتح القدیر، اورعقودالجواہرالمنیفۃ وغیرہ۔

کسی کے اندرتھوڑاسا بھی علم ہوگا اورتھوڑی بھی سمجھ ہوگی تو علمائے احناف کے ان اقوال کے جان لینے کے بعدکبھی یہ نہیں کہے گا کہ امام ابوحنیفہؒ میت کے سننے کے قائل تھے۔کیا صرف اسی وجہ سے کہ امام صاحب کا قول ہے:: **اذاصح الحدیث فھو مذھبی** سارے مسائل کواسی پر چسپاں کرے گا، یہ محض ہٹ دھرمی، مشاہدہ کوجھٹلانا اورسورج کی روشنی کا انکارکرنا ہے، یہ گھناؤنے مفادکی خاطرعلوم دینیہ کے اندرخیانت کرنا ہے، تاکہ اس سے مسلمانوں کے ساتھ کھیل کیا جائے۔

بعض کو یہ وہم ہواہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے اس کے متعلق کوئی روایت منقول نہیں اوربعض کہتے ہیں کہ ان سے روایت عدم سماع موتیٰ شاذ ہے، اس کا تفصیلی جواب یہ ہے کہ: امام الہندشاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے عقدالجید: ۴۷، میں محققین فقہاءحنفیہ کا بیان کردہ قاعدہ ذکرفرمایاہے، کہ مسائل فقہی چارقسم کے ہیں: اول قسم وہ ہیں، جوظاہرمذہب میں ثابت ہوچکے ہوں (اورظاہر الروایت وظاہرمذہب کی کتابیں یہ ہیں، امام محمد کی مبسوط، سیرصغیر، سیرکبیر، جامع صغیر، جامع کبیر ،اورزیادات) ان کا حکم یہ ہے کہ فقہاءان کو ہرحال میں قبول کرتے ہیں خواہ وہ اصول فقہ کی موافق ہوں یامخالف، اوراسی وجہ سے تم مولف ہدایہ اوردوسرے علماءکودیکھتے ہو کہ تجنیس کے مسائل میں فرق بیان کرنے کے لئے تکلُف کرتے ہیں۔

قسم دوم وہ مسائل ہیں جن میں روایت شاذۃ ابوحنفیہ وصاحبین سے ہے۔ان کا حکم یہ ہے کہ ان کوقبول نہیں کرتے مگرصرف اس صورت میں کہ اصول فقہ کے موافق ہوں۔اورہدایہ اوراس جیسی بہت کتابوں میں تصحیح بعض روایات شاذہ کی بہت ہیں دلیل کی وجہ سے۔

اس کے بعدتیسری اورچوتھی قسم بیان فرمائی۔اب یہ مسئلہ ہم بھی تسلیم کرلیتے ہیں کہ صراحتاً تنصیص نہیں ہے ظاہر الروایت کی کتب میں ،ہاں ان کتب میں بہت سے مؤیدات وشواہد ملتے ہیں جن سے یہ مسئلہ بلاشبہ اورباسانی نکلتاہے۔اورگنگوہیؒ کے فرمان کے مطابق امام ابوحنیفہؒ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اورروایات جوکچھ امام صاحب سے آئی ہیں شاذ ہیں (فتاوی رشیدیہ:۲/۱۰،۱۱)

جب ثابت ہوگیا کہ امام ابوحنیفہؒ سے شاذ روایتیں عدم سماع موتیٰ کے بارے میں موجود ہیں تو اب محققین فقہاء نے شاذ روایت کا جو حکم صادر فرمایا ہے وہ منظور ہونا چاہئے، سوشاذ روایت کا حکم گذر چکا ہے کہ شاذ روایت صرف اس وقت مقبول ہوگی جب اصول وقواعد کے موافق ہو، اگر قواعد کے خلاف ہو تو مردود ہوگی، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ عدم سماع موتیٰ کی شاذ روایات جو امام ابوحنیفہؒ سے آئی ہیں اصول وقواعد کے موافق ہیں یا نہیں؟ دور کیوں جائے خود گنگوہیؒ سے پوچھ لیتے ہیں ہم بھی نہیں پوچھتے ان کے خصوصی شاگرد مفتی اعظم دیوبند مولانا عزیز الرحمٰن نے استفسار فرمایا جس کے جواب میں آپؒ نے فرمایا مسلک عائشہؓ کا مثل طریقہ امام ابوحنیفہؒ کے یہ ہے کہ آیت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنی حقیقی پر عمل کر کے کہ اصل موضوع لہ ہے حدیث میں کہ شرح قرآن ہے تاویل مناسب ہے جب تک قطع معنی حدیث پر حاصل نہ ہو جائے چنانچہ اصول میں مبرہن ہے پس آیت انک لاتسمع الموتی قطعی اور احادیث سماع ظنی اخبار احاد سے کس طرح تخصیص درست ہوسکتی ہے......الحاصل ارجح مذہب عدم سماع کا ہے حسب قواعد، پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے، بقول گنگوہیؒ جب یہ ہمیں معلوم ہوا کہ امام اُبوحنیفہؒ سے اس مسئلہ میں صراحتاً تنصیص نہیں ہے بلکہ ظاہر الروایۃ میں کچھ مؤیدات ،شواہد اور تخریجات موجود ہیں، مثلاً (ا) فقہاء احنافؒ نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر ایک آدمی نے کسی سے بات نہ کرنے کی قسم کھالی، تو یہ اس کی حیات کے ساتھ مقید ہوگا، کیونکہ مرنے کے بعد مرنے والے کے حواس ختم ہوجاتے ہیں، اسی طرح کسی کو مارنے قتل کرنے یا کسی کے پاس نہ آنے کی قسم کھانا ہے کیونکہ مارنے کے ساتھ مردہ کو دکھ نہیں ہوتا، ہم صرف حاشیہ ابن عابدینؒ کی عبارت کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، ۳/۱۸۰، میں فرماتا ہے: وأما الكلام ،فلأن المقصود منه الإفهام، ،والموت ينافيه،ولايردمافي الصحيح ،من قوله ﷺ لأهل قليب بدر :هل وجدتم ماوعدكم ربكم حقا؟فقال عمرؓ أتكلم ا لميت يارسول الله؟فقال عليه الصلاة والسلام: والذى نفسى بيده ماأنتم بأسمع منهم أومن هؤلاء،فقد أجاب عنه المشايخ بأنه غيرثابت يعنى من جهة المعنى،وذٰلک لأن عائشةؓ ردّته بقوله تعالى﴿وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ﴾ [فاطر:٢٢]﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى﴾ [النمل:٨٠] ،وأنه انما قاله على وجه الموعظة للأحياء،وبأنه مخصوص بأولٰئک تضعيفاللحسرة عليهم ،وبأنه خصوصية له عليه الصلاة والسلام معجزة،لكن يشكل عليهم مافى ’ مسلم‘ :’إن الميت ليسمع قرع نعالهم إذاانصرفوا‘إلاأن يخصوا ذلک بأول الوضع فى القبر مقدمة للسؤال ، جمعابينه وبين الآيتين،فإنه شبّه فيهماالكفار بالموتى لإفادة بُعد سماعهم وهوفرع عدم سماع

الموتی. هذا حاصل ماذکرہ فی 'الفتح' هنا، وفی 'الجنائز' ومعنی الجواب الأول أنه وإن صح سنده لکنه معلول من جهة المعنی بعلة تقتضی عدم ثبوته عنه علیه الصلاة والسلام، وهی مخالفته للقرآن، فافهم، انتهی ابن عابدینؒ.

یعنی کلام سے مقصود بالذات افہام وتفہیم ہوتا ہے اور موت اس کے منافی ہے اور قلیب بدر والی حدیث سے اس قاعدہ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حدیث معناً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عائشہؓ نے جب یہ بات سنی تو اس کی اس آیت کے تحت تردید کی، وما انت بمسمع من فی القبور اور انک لاتسمع الموتیٰ ۔ انہوں نے یہ بات بطور عبرت پیش کی اور یہ بات ان مُردوں کے ساتھ خاص ہے، تاکہ ان کو اپنے اوپر مزید حسرت وندامت ہو۔ یہ بھی جواب دیا گیا کہ یہ بطور معجزہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔ لیکن ان کے سامنے مشکل یہ آتی ہے کہ صحیح مسلم میں ہے: ان المیت لیسمع الحدیث، ان کا جواب دیا گیا کہ یہ حدیث قبر کے اندر ابتدائی صورت حال کے ساتھ خاص ہے۔

اس طرح حدیث اور دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں کفار کو مُردوں سے تشبیہ دے کر یہ بیان کیا ہے کہ وہ سن نہیں سکتے۔ اس سے لازماً یہ ثابت ہوا کہ مردے بھی نہیں سنتے۔ یہ ابن الہمام کے کلام کا خلاصہ ہے جسے انہوں نے اپنی کتاب فتح القدیر باب الجنائز میں ذکر کیا ہے۔ پہلے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کی سند اگرچہ صحیح ہے لیکن معناً اس کے اندر ایک ایسی علت ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں اور وہ علت یہ ہے کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔ شامی: ۱۸۰/۳۔

(**فائدہ**) کتاب ''الایات البینات'' کی حاشیہ میں فارسی خط سے یہ دفع لکھی گئی ہے: تعجب خیز بات یہ ہے کہ ائمہ احناف وغیرہ کی ان تحریروں کے باوجود بعض علماء کا خیال یہ ہے اور وہ جاہل عوام میں یہ افواہیں پھیلاتے ہیں کہ ملاعلی قاری نے مشکاۃ کی شرح میں یہ نقل فرمایا ہے کہ اس قسم کی تمام قسموں کی بنیاد عرف عام ہے اس لئے ہمارے ائمہ نے مردوں کے نہ سننے اور قسم کے نہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیا ہے۔ آپ کو بخوبی علم ہے کہ کسی غیر مجتہد مقلد عالم کا قول ائمہ کے واضح اقوال کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ ملاعلی قاری ایک مقلد عالم تھے، ہم ائمہ وغیرہ کے صریح اقوال کو ایک مقلد عالم کے قول کی وجہ سے کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟۔

دوسری مسئلہ　　تلقین کا ہے، فتح القدیر باب الجنائز ۱۰۴/۲، میں مسئلہ تلقین کے متعلق لکھتا ہے: ولقن الشهادة

لقوله عليه السلام :لقنوا موتاكم شهادة ان لا اله الاالله و المراد الذى قرُب من الموت اس کی شرح میں لکھتا ہے:مثل لفظ القتيل فى قوله عليه السلام من قتل قتيلا فله سلبه (متفق عليه)واما التلقين من بعد الـمـوت وهـوفـى الـقبـر ،فـقيـل يفعل،لحقيقة مارويناء،ونُسب الىٰ اهل السنة و الجماعة وخلافه الى الـمـعتزلة ،وقيل لايؤمربه ولاينهى عنه .ويقول يافلان ابن فلان اذكردينك الذى كنت عليه فى دار الـدنيا،شهَادة ان لا اله الاالله وان محمدا رسول الله، ولاشک ان اللفظ لايجوزاخراجه عن حقيقته الابـدلـيـل، فيـجـب تـعينه،ومافى الكافى"من انه ان كان مات مسلمالم يحتج اليه بعدالموت والالّم يـفد،يمكن جعله الصارف ،يعنى ان المقصودمنه التذكيرفى وقت تعرض الشيطان ،وهذا لايفيدبعد الـمـوت وقـديـختار الشق الاول،والاحتياج اليه فى حق التذكيرلتثبت الجنان للسؤال،فنفى الفائدة مطلقا ممنوع،نعم الفائدة الاصلية منتفية.

وعـنـدى ان مبـنى ارتكاب هذا المجازهناعنداكثرمشائخنا رحمهم الله تعالى هوان الميت لايـسـمـع عـنـدهـم ،عـلـى ماصرحوابه فى كتاب الايمان فى باب اليمين بالضرب،لوحلف لايكلمه فكلمه ميتا،لايحنث لانهاتنعقدعلى مابحيث يفهم،و الميت ليس كذلک لعدم السماع،واورد قوله عـلـيـه الـسـلام فـى اهـل الـقـلـيـب:ماانتم باسمع لما اقول منهم(بخارى).واجابواتارة بانه مردود من عـائشةؓ قـالـت كيف يـقـول ذٰلـک ، والله يـقـول: ومـاانـت بـمسمع من فى القبور.وانک لاتسمع الـمـوتـى. وتـــارة بان تلک خصوصية له ﷺمعجزة وزيادة حسرة على الكافرين. وتارة بانه من ضرب المثل كماقال علیؓ .

صاحب ہدایہ نے باب الجنائز میں فرمایا ہے:ولُقّن الشهادة یعنی مردے کوکلمہ شہادت کی تلقین کی جائیگی،میت سے مراد وہ شخص ہے جوموت کے قریب تر ہو۔

ابن الہمام فتح القدیر(حاشیہ ہدایہ)میں اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہاں موت کی مثال ایسی ہے جیسے حدیث رسول اللہﷺمـن قتـل قتيـلافـلـه سلبـه (بخاری ومسلم)میں قتیل ہے،اب رہا موت کے بعد قبر کے اندر کسی کوکلمہ شہادت کی تلقین کی جاسکتی ہے یانہیں تواس حدیث کی روسے یہ بھی جائز ہے۔اہل السنّت والجماعت کا یہی مسلک ہے معتزلہ اس کے خلاف ہیں بعض لوگوں نے یہ کہاہے کہ اس تلقین کا نہ کسی کوحکم دیا گیاہے نہ کسی کواس سے

روکا گیا ہے،(کیفیت تلقین)اس مردہ کا نام لے کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اے فلان بن فلان دنیا کے اندر کلمہ شہادت پر جس طرح کار بند تھے اسے ذہن میں رکھو۔اور جب تک کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہو جو کسی لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہو،اس وقت تک حقیقی معنی مراد لینے سے گریز نہیں کیا جا سکتا،اور جب ایسی دلیل موجود نہ ہو تو لفظ کا حقیقی معنی متعین ہوگا۔

کتاب الکافی کے اندر مذکور ہے کہ کوئی شخص اسلام کے حالت میں فوت ہوا ہو تو موت کے بعد تلقین کی ضرورت نہیں،ورنہ موت کے بعد اس تلقین کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اس کلام سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ لفظ سے اس کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ شیطان کے وسوسہ کے وقت مردے کو کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے اور موت کے بعد شیطان کے وسوسہ کا خوف نہیں،اس لئے موت کے بعد اس کا کوئی فائدہ نہیں۔لہٰذا یقین دہانی کے طور پر اس تلقین کی ضرورت محسوس کی جا سکتی ہے تا کہ سوال کے وقت مردہ ثابت قدم رہے،اور فائدہ کا مطلقا انکار کرنا صحیح نہیں،یہ اور بات ہے کہ اصلی فائدہ مفقود ہے۔میرے نزدیک اس مجازی معنی کو مراد لینے کی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے اکثر علماء کے نزدیک مردہ سنتا نہیں،جیسا کہ کتاب الایمان باب الیمین والضرب میں اس کی وضاحت موجود ہے مثلا کوئی یہ قسم کھالے کہ فلاں سے ہم کلام نہیں ہوگا،اس کے مر جانے کے بعد اس سے ہم کلام ہوا تو وہ حانث نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ قسم اس کے سمجھنے پر موقوف ہے اور مرنے کے بعد وہ سن نہیں سکتا اس لئے وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔

اعتراض:قلیب بدر کے مردوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے،اس کے کئی جواب ہیں:

(۱)عائشہؓ نے اس کی تردید کی ہے،وہ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جب اللہ تعالی فرماتا ہے:**وما انت بمسمع من فی القبور.** تم ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں،**انک لاتسمع الموتی.** تم مردوں کو سنا نہیں سکتے۔

جواب(۲)یہ رسول کریم ﷺ کی خصوصیت اور معجزہ ہے،آپ نے یہ کفار پر حسرت وافسوس کے لئے کہا تھا،

جواب(۳)یہ ضرب المثل ہے جیسا کہ علیؓ سے مروی ہے،الخ۔

سید امیر علی ملیح ابادیؒ نے اپنی کتاب عین الهدایہ ترجمہ ہدایہ کتاب الجنائز:۱/۸۸۱،میں لکھا ہے:باتفاق ائمہ ومشائخ حنفیہ کے نزدیک مردے بہ دلیل نص قرآنی نہیں سنتے ہیں۔اور عموم نص کی تخصیص کے واسطے قطعی دلیل چاہئے اور جو حدیث ذکر کی ہے اگرہ وہ صحیح ہوتی،تو اس(نص قرآنی)کے برابر نہ ہوتی۔حالانکہ اس کی صحت اسناد میں ہنوز کلام باقی

ہے۔پس قبر کی تلقین خلاف مذہب ہے۔(اس مسئلہ کی تحقیق حدیث تلقین میں آئے گی)۔۸۸۲۔

تیسری مسئلہ:سلام کے وقت میت کا نیت کرنا: حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب صلاة الجنائز: ۳۴۱، میں لکھا ہے:(وینوی بالتسلیمتین المیت مع القوم)وجزم فی الظهیریة بانه لاینوی المیت ومثله لقاضی خان وفی الجوهرة قال فی البحروهو الظاهرلان المیت لایخاطب بالسلام لانه لیس اهلاللخطاب قال بعض الفضلاء وفیه نظرلانه ورد انه ﷺ کان یسلم علی اهل القبور،انتهیٰ.علی ان المقصودمنه الدعاء لا الخطاب، وکذلک فی حاشیة ابن عابدین علی الدرالمختار: ۸۱۷/۱،وقال فی البحر: ۱۹۷/۲ ،مانصه وفی الظهیریة ولاینوی الامام المیت فی تسلیمتی الجنازة بل ینوی من علی یمینه فی التسلیمة الاولی ومن علی یساره فی التسلیمة الثانیة ،انتهی وهو الظاهر لان المیت لایخاطب بالسلام علیه حتی ینوی به اذلیس اهلاله انتهی مافی البحر ،بحروفه.

یعنی امام جب نماز جنازہ پڑھائے تو دونوں سلاموں سے میت اوراردگرد کے لوگوں کومراد لے،اورظہیریہ کے اندر ہے کہ سلام کے وقت میت کی نیت نہ کرے،اوراسی کی مثل فتاویٰ قاضی خان میں ہے''جوہرہ میں مذکورہے'' کہ البحرالرائق کے اندراس بات کوترجیح دی گئی ہے کہ میت کوسلام نہ کیا جائے گا،کیونکہ مردہ ہونے کی حیثیت سے وہ اس کا اہل نہیں ،بعض علماء نے کہاہے کہ یہ بات درست نہیں کیونکہ صحیح طور پر نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ اہل قبورکوسلام کیا کرتے تھے،زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراددعاء ہے مردہ کومخاطب کرنا نہیں۔یہی بات الدرالمختار کے حاشیہ ابن عابدین میں بھی ہے،اورالبحرالرائق کے اندر مذکور ہے کہ ظہیریہ میں اس بات کوترجیح دی گئی ہے کہ امام نماز جنازہ کے سلام میں میت کومراد نہ لے، بلکہ ایک سلام سے دائیں جانب کے لوگوں کواور دوسرے سلام سے بائیں جانب کے لوگوں کومراد لے، اس لئے کہ میت کوسلام کے ساتھ خطاب نہیں کیاجاسکتا،توسلام کے وقت اس کوکیسے مراد لیاجاسکتا ہے۔کیونکہ اس کے اندراس کی اہلیت ہی نہیں ہے۔لہٰذاان اقوال سے یہ بات معلوم ہوئی کہ معروف ومشہورفقہاء کے نزدیک بھی میت کوسلام سے نہ مرادلیا جاسکتا ہے،اورنہ اس کومخاطب ہی کیا جاسکتا ہے بلکہ سلام سےمقصوددعاء ہے یہ اقوال بھی ہمارے مدعیٰ کے مطابق ہیں۔(ازآیات بینات)۔

چوتھی بات: یہ ہے کہ احادیث میں جومستثنیات خاصہ ذکر ہیں،اکثرفقہاءکرام ان کوظاہر پرمحمول نہیں کرتے بلکہ

تاویل کرتے ہیں جن کا ذکر مخالفین کے مستدلات میں آئے گا۔

اب ہم ان لوگوں کے مستدلات پر نظر ڈالتے ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ میت سنتا ہے، دراصل اس مسئلہ میں تین اقوال مشہور ہیں:

ا: منکرین سماع موتی (مذکورالصدر) دوسرے وہ لوگ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ سنتے تو نہیں لیکن جہاں نصوص وارد ہیں اُدھر سنتے ہیں جیسا کہ فتح الملہم: ۲۷۹/۲، میں لکھتا ہے: ان الضابطة انما هو عدم السماع لكن المستثنيات في هذا الباب كثيرة یعنی بیشک ضابطہ تو یہی ہے کہ مردے نہیں سنتے لیکن مستثنیات اس باب میں بہت ہیں۔ اور علامہ الوسیؒ تفسیر روح المعانی: ۵۷/۲۱، میں لکھتا ہے: والحق ان الموتى يسمعون في الجملة، فيقتصر على القول بسماع ماورد السمع بسماعه۔ یعنی صحیح بات یہ ہے کہ مردے سنتے نہیں اور جس کے بارے میں سماع ثابت ہے صرف اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔

تیسرا قول: کہ تمام مردے خصوصا انبیاء، اولیاء اور صلحاء دنیا والوں کے تمام باتوں کو دور و نزدیک سے سنتے ہیں اور اسی طرح ہمارے کاموں سے باخبر ہیں۔ یہ، مسلک تو ظاہرا باطل ہے اور عقیدہ شرک ہے، جیسا کہ عام اور مشہور کتاب تعلیم الاسلام: ۲۱/۴، میں فقیہ الامت مفتی کفایت اللہ فرماتے ہیں: شرك في السمع و البصر یعنی اللہ تعالی کی صفت سمع یا بصر میں کسی دوسرے کو شریک کرنا، مثلا یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری تمام باتوں کو دور و نزدیک سے سن لیتے ہیں۔ یا ہمیں اور ہمارے کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں۔ سب شرک ہے۔

جبکہ سورۂ احقاف: ۵-۶، میں اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے: مفسر روح المعانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''غافلون'' لايسمعون ولايدرون اما ان كان المدعو جمادا فظاهر، واما ان كان من ذوى العقول فان كان من المقبولين المقربين عندالله تعالى فلاشتغاله عن ذلك بماهو فيه من الخير، او كونه فى محل ليس من شأن الذى فيه ان يسمع دعاء الداعى للبعد كعيسى عليه الصلاة والسلام اليوم، اولأن الله تعالى يصون سمعه عن سماع ذلك لانه لكونه ممالايرضى الله تعالى يؤلمه لوسمعه، وان كان من اعداء الله تعالى كشياطين الجن والانس الذين عبدوا من دون الله تعالى فان كان ميتا فلإشتغاله بماهو فيه من الشر، وقيل لأن الميت ليس من شانه السماع ولايتحقق منه سماع الامعجزة كسماع أهل القليب (روح المعانى: ۲۶/۷)، وفى هذا كلام تقدم بعضه. (روح المعانى: ۱۸۳/۲۲).

اوراسی طرح سورۂ فاطر، ۱۳، ۱۴، میں بھی ہے: حاصل یہ کہ یہ مذہب بالکل باطل ہے اس کے باوجود بعض متعصب امام سیوطیؒ کو یہ قول منسوب کرتا ہے:

سماع موتى كلام الخلق قاطبة قدصح فيهالناالاثاربالكتب

یعنی مردوں کا ساری مخلوق کے کلام کو سننا بلاشبہ صحیح ہے اس سلسلہ میں کئی کتابوں کی حدیثیں اوراثار ہمارے ہاں صحیح ثابت ہو چکے ہیں۔

اب ہم دوسرے قول والوں کے مستدلات بمعہ جوابات نقل کرتے ہیں:

الدلیل ۱: احدیث قلیب بدر جو کہ پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا، لیکن یہ دلیل اکثر علماء معجزہ رسول پر حمل کرتے ہیں، ابن عطیہ نے تفسیر ''محررالوجیز'' میں اور تفسیر قرطبی: ۲۳۲/۱۳، میں لکھا ہے: **فيشبه ان قصة بدر خرق عادة لمحمد ﷺ في ان ردالله اليهم ادراكا سمعوا به مقالته، ولولا اخبار رسول الله ﷺ بسماعهم لحملناندائه اياهم على معنى التوبيخ لمن بقي من الكفرة، وعلى معنى شفاء صدور المؤمنين. قلت(اى الالبانيؒ في مقدمة الكتاب الايات البينات: ۴۸) ولذلک اورده الخطيب التبريزيؒ في باب المعجزات من المشكاة: رقم: ۵۹۸۳** ۔ابن عطیہ اور تفسیر قرطبی نے اس کی تفسیر میں فرمایا: بدر کا یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا، اس لئے کہ اللہ تعالی نے انہیں قوت سماعت دوبارہ دے دی تھی تا کہ وہ آپ کا کلام سنیں، رسول اللہ ﷺ اگر اس حدیث میں ان کے سننے کی خبر نہ دیتے تو ہم اسے اس بات پر محمول کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے کافروں کی سرزنش اور مومنوں کی تسلی کے لئے ان سے کلام کیا تھا۔شیخ البانیؒ کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خطیب تبریزی نے اس حدیث کو باب المعجزات میں ذکر کیا ہے، اور اس کے متعلق صاحب فتح القدیر کا جواب پہلے گذر گیا، اختصاراً دوبارہ نقل کرتے ہیں: فتح القدیر شرح ہدایہ باب الجنائز میں ہے: **وعندى ان مبنى ارتكاب هذا المجازهناعنداكثرمشائخناهوان الميت لايسمع عندهم، على ماصرحوابه في كتاب الايمان في باب اليمين بالضرب..................وورد عليه قوله عليه السلام في اهل القليب ماانتم باسمع لمااقول منهم، واجابوابان تلك خصوصية له ﷺ معجزة.** یعنی جمہور فقہاء حنفیہؒ کے نزدیک مردے نہیں سنتے، پھر اس مذہب پر اعتراض ہوا کہ نبی ﷺ نے بدر کے مردوں سے کلام کیا، تو جواب یہ ہے کہ یہ کلام کرنا نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور رسول پاک ﷺ کی خصوصیت تھی۔ یہی قول صاحب کفایہ، عنایہ، چلپی، ابن عابدین شامی وغیرہ نے لکھا ہے۔

ایک وہم اور اس کا ازالہ

یہ روایت جب عائشہؓ کو پہنچی تو انہوں نے بھی تاویل فرمائی ’’عن عائشةؓ قالت امر رسول اللہ بالقتلی ان یطرحوا فی القلیب، فطرحوا فیه، الا ما کان من امیة بن خلف، فانه انتفخ فی درعه فملأها، فذهبوا الیحرکوه، فتزایل، فاقرّوه، والقوا علیه ماغیّبه من التراب و الحجارة، فلما القاهم فی القلیب وقف علیهم رسول اللہ ﷺ فقال: یا اهل القلیب هل وجدتم ماوعدکم ربکم حقا؟ فانی قد وجدت ما وعدنی ربی حقا، قال فقال له اصحابه: یارسول اللہ اتکلم قوماموتی؟ فقال لهم لقد علموا ان ماوعدتهم حقٌّ، قالت عائشةؓ و الناس یقولون لقد سمعوا ماقلت لهم، و انما قال رسول اللہ ﷺ لقد علموا۔ (مسند احمد: ۲۶۳۶۱)۔

حاصل جواب عائشہؓ یہ ہے کہ راوی کو الفاظ نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے، اور آپؓ نے قرآنی اصول کی رو میں تصحیح فرمائی اور عقل اور قیاس کے بناء پر اس حدیث کی تردید نہیں فرمائی۔

سید سلیمان ندویؒ نے سیرۃ عائشہؓ: ۲۲۹، میں لکھا ہے: عائشہؓ اس سماع کی منکر ہیں، ان کا انکار صرف قیاس اور عقل پر مبنی نہیں بلکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر آیات ذیل سے ثبوت پیش کرتی ہیں: ۱: انک لاتسمع الموتی [نمل] یعنی اے پیغمبر تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا۔ ۲: وما انت بمسمع من فی القبور (فاطر) اور نہ تو ان کو سنا سکتا ہے جو قبروں میں ہیں۔

(آمدم برسر مطلب) یعنی بعض کو یہ وہم ہوا ہے کہ عائشہؓ نے اپنی قول سے رجوع کیا ہے، اور یہ وہم ابن حجر وغیرہ کے قول کی وجہ سے واقع ہوئی، اس نے فرمایا: کہ جو روایت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے بعینہا وہی روایت عائشہؓ سے بھی مروی ہے یعنی ماانتم باسمع لما اقول منهم.

تکمیل فائدہ کے لئے الفاظ ابن حجرؒ لفظ بہ لفظ نقل کرتے ہیں: (ومن الغریب ان فی المغازی لابن اسحاق روایة یونس بن بکیر باسناد جید عن عائشةؓ مثل حدیث ابی طلحةؓ وفیه: ماانتم باسمع لما اقول منهم، واخرجه احمد باسناد حسن، فان کان محفوظا فکأنها رجعت عن الانکار لماثبت عندها من روایة هؤلاء الصحابة لکونها لم تشهد القصة: ۳۵۴/۷، فتح الباری).

یعنی محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی سے یونس بن بکیر کی روایت باسناد جید کہہ کر ذکر کی ہے، کہ جو روایت قلیب

بدروالی عمرؓاورابن عمرؓ سے مروی ہے وہی روایت بعینھا عائشہؓ سے بھی مروی ہے، ای ماانتم باسمع لما اقول منھم. اورامام احمد نے بھی یہی روایت باسناد حسن بیان فرمائی ہے،اگر یہ روایت محفوظ ہے.

بعینہ اس الفاظ کو قسطلانیؒ نے المواہب اللدنیۃ میں نقل کیا ہے:۳۰۸/۲،مع الشرح۔علامہ زرقانیؒ شرح مواہب میں اس لفظ کی تشریح میں لکھتا ہے:(لکونھالم تشھد القصۃ) کہ ابن عمرؓاورابن سیدان بھی واقعہ بدر میں حاضر نہ تھے :۳۰۸/۲۔

مگرابن حجرؒاورزرقانیؒ وغیرہ کا یہ قول کئی وجوہ سے باطل ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر چہ ابن حجر وغیرہ نے اس اسنادکو جید کہا ہے مگر امرواقع یہ ہے کہ حسب اقرارابن حجر یہ روایت یونس بن بکیر سے ہے جس کے متعلق آجری،ابوداود سے نقل کرتے ہیں کہ یونس بن بکیر حجت نہیں، کہ اس کی عادت تھی، کہ کئی حدیثیں ابن اسحاق سے اخذ کر کے جوڑ لیتا تھا،نسائی نے اس کے متعلق کہا کہ قوی نہیں اورایک دفعہ کہا کہ یہ ضعیف ہے،ابن حجر نے تہذب التہذیب:۴۳۵/۱۱،۴۳۶، میں اس کے متعلق بحث کیا ہے۔

جبکہ مولاناصفدر نے اس کے استاد کو خود کذاب کہا ہے، احسن الکلام میں :سولہ صفحوں میں اس پر جرح لکھی پھرایسے راوی جس روایت میں ہوں تو کس بناء پراس کے بارے باسناد جید کہا جاسکتا ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ خود ابن حجر کواس حدیث کے محفوظ ہونے میں تردد ہے، کیونکہ کلمہ شک (ان) سے بیان فرماتے ہیں،کہ اگر یہ حدیث محفوظ ہے،تب تواس بات کی دلیل بن سکتی ہے کہ ام المومنین اپنے موقف عدم سماع موتیٰ سے رجوع فرما چکی ہیں،اوراگر یہ حدیث محفوظ نہ ہوتو پھر یہ حدیث اس باب کی دلیل نہیں بن سکتی ، پھرابن حجر نے (کانّ) کالفظ استعمال فرمایا ہے اور یہ لفظ بھی مقام شک میں استعمال کیا جاتا ہے حاشیہ غلام یحی بررسالہ قطبیہ :۸/۱، میں ہے کہ کثیر علماء نے تصریح فرمائی ہے جیسا کہ حاشیہ خیالی پرفاضل لاہوری عبدالحکیم نے اورشرح مطالع کے حاشیہ میں میرسیدسند نے صاف فرمایا کہ(کانّ) کالفظ بغیر قصد تشبیہ کے، ظن اورشک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔جیسے فاضل تفتازانیؒ نے مطول:۳۰۳، میں بحث اداۃ تشبیہ میں فرمایا ہے کہ زجاج نحوی نے کہا کہ(کانّ) کی خبر جامد ہوتو (کانّ)تشبیہ کے لئے ہوگا جیسے کانّ زیداً اسدٌ گویا کہ زید شیر ہےاوراگر کانّ کی خبر مشتق ہوتو (کانّ)شک کے لئے یعنی عدم یقین کے معنی میں ہوتا ہے جیسے کانکّ قائمٌ یعنی شاید تم قائم ہے کیونکہ خبر مشتبہ ہے معنی میں اورکسی چیز کواپنی ذات کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاتی اس لئے تشبیہ والا معنی اس مقام پرمناسب نہیں ہے بلکہ شک اورعدم یقین والا معنی ہی مناسب اورموزون ہے،اگے چل کرلکھتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ(کانّ) کی خبرخواہ

جامد ہو خواہ مشتق ہو بغیر قصد تشبیہ کے اس مقصد کے لئے استعمال ہوتا رہتا ہے کہ اس کی خبر کا ثبوت ظنی ہے یقینی نہیں ہے اور مؤلدین کے کلام میں (کانّ) کا استعمال معنی ظن یعنی عدم یقین میں بہت ہے۔

تیسری بات: یہ ہے کہ حافظ صاحب نے شروع ہی میں فرمادیا 'ومن الغریب' جس کے معنی محترم مولانا صاحب نے یوں کئے ہیں ''یہ بڑی نرالی بات ہے''۔

چوتھی بات: یہ روایت مذکور الفاظ سیرت اور احادیث کے کتب میں کہیں نہیں ملتا، روایت عائشہؓ جو کہ پہلے گذر گئی مسند احمد (م) ۲۳۰/۴۲ (ق) ۱۷۰/۶، میں الفاظ، ماانتم بافھم لقولی منھم ، ہیں۔ ابن حبان رقم: ۷۰۸۸۔ اور مستدرک میں بروایت ابن بکیر یہ الفاظ ہیں: (لقد علموا) اور یہی لفظ سیرت ابن ہشام: ۲۵۰/۲، میں موجود ہے۔ اور اسد الغابہ میں اس حدیث کو مختصر نقل کر کے کوئی لفظ بھی اس کے متعلق نقل نہیں کی، جبکہ مستدرک میں بسند یونس بن بکیر یہ الفاظ ہیں (لقد علموا انما وعدکم ربکم حق) (م) ۲۴۰/۴۔

اور سہیلیؒ نے بھی اسی طرح کے الفاظ نقل کی ہیں، ابن مندہ نے: ۲۹۶/۲، میں بھی یہی الفاظ نقل کی ہیں۔ مذکورہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ ابن حجر وغیرہ نے رجوع عائشہؓ کے متعلق جو کچھ نقل کیا ہے اس کا سرے سے کوئی بنیاد ہی نہیں، بعض رجوع عائشہؓ کے لئے اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو کہ ابن ابی ملیکہ نے نقل کیا ہے: قال لما توفی عبد الرحمٰن بن ابی بکر بالحبشی وھو موضع (قریب من مکة) فحمل الی مکة فدفن فیھا، فلما قدمت عائشةؓ، اتت قبر عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ، فقالت:

وکنا کندمانیّ جذیمة حقبةً ... من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کانّی ومالکا ... لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

ثم قالت: اللہ لو حضرتک مادفنتَ الاحیث متَّ ولو شھدتک مازرتک. (ترمذی رقم: ۱۰۵۵)

یعنی جس وقت عبدالرحمان بن ابی بکر فوت ہوئے حبشی مقام میں، ان کو مکہ لایا گیا، اور وہاں دفن کیا گیا، جس وقت عائشہؓ مکہ میں آئیں حج کے لئے تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی قبر پر آئیں اور کہا: ہم جذیمہ کے دو ہمنشینوں کی طرح تھے زمانہ کی مدت دراز تک یہاں تک کہ کہا گیا ہرگز جدا نہ ہونگے پس جب ہم جدا ہوگئے، گویا میں اور مالک باوجود مدت دراز تک اکٹھا رہنے کے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک رات اکٹھے نہیں گذاری، پھر کہنے لگیں، اگر میں وہاں موجود ہوتی تو تو وہی دفن ہوتا جہاں فوت ہوا تھا، اور اگر میں حاضر ہوتی تیری وفات کی وقت تو تیری زیارت کے لئے نہ

آتی۔طریقہ استدلال، کہ عائشہؓ اپنے بھائی سے گفتگو فرما رہی ہیں، میت کا سننا اس سے ثابت ہوا، اور معلوم ہوا کہ عائشہؓ سماع موتیٰ کا قائل ہوگئی تھیں۔

لیکن یہ استدلال کئی وجوہ سے صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ روایت مرسل ہے، اور جریج مدلس ہے سند کو عن سے نقل کیا ہے۔ترمذی میں یہ حدیث اس سند کے ساتھ ذکر ہے: **حدثنا حسین بن حریث قال حدثنا یونس عن ابن جریج عن عبدالله بن ابی ملیکه قال لماتوفی، الحدیث** ۔اور ایسی روایت ضعیف ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس میں سماع کے متعلق صراحتا کوئی بات نہیں، صرف خطاب سے رجوع سمجھ لینا اور اس کو سماع کی دلیل بنانا غلط ہے، اور خطاب سے استدلال کرنا بعد میں تفصیل سے آئے گا۔

صاحب کتاب ''سماع موتی'' (صفدر) رجوع عائشہؓ کے لئے اس روایت سے استدلال کرتا ہے، جو کہ فردوس الاخبار: ۳۱۴/۴، میں عائشہؓ سے منقول ہے بدون سند، کہ: **مامن رجل یزور قبر حمیمه فیسلم علیه، ویقعد عنده، الا ردّ علیه السلام وانس به حتی یقوم من عنده** ۔اس روایت کو ابن رجب کتاب الاھوال: ۸۳، میں اس طریقے سے نقل کرتے ہیں کہ: **ورواه عبدالله عن ابن سمعان (وهو متروک) عن زیدبن اسلم عن عائشةؓ عن النبی ﷺ .... خرجهما ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور: (۲۰۱**، لیکن یہ ملحق میں ذکر ہے اصل کتاب میں نہیں بحوالہ کتاب الروح: ۱۰، ۱۶، اس سند کے ساتھ کہ: **قال: ابن ابی الدنیا فی کتاب القبور: باب معرفة الموتی بزیارة الاحیاء، حدثنا محمدبن عون، حدثنا یحی بن یمان عن عبدالله بن سمعان عن زیدبن اسلم، الحدیث)** ۔بعض نے اس روایت کو مرفوع بیان کیا حالانکہ یہ موقوف ہے، اور اس روایت کی سند میں زید بن اسلم ہے جو کہ ضعیف ہے، تفصیل کے لئے الصارم المنکی: ۱۹۹، اور میزان الاعتدال: ۵۶۴/۳، ملاحظہ کیجئے۔

بعض قائلین مسند احمد وغیرہ کی اس روایت سے رجوع کے لئے استدلال کرتے ہیں جو کہ عائشہؓ سے منقول ہے: **قالت کنت ادخل بیتی الذی فیه رسول الله ﷺ وانی واضعٌ ثوبی، واقول انماھو زوجی وابی، فلما دفن عمر معھم، فوالله مادخلته الا وانا مشدودة علیّ ثیابی حیاءً من عمر، مسنداحمد: (م) ۴۲/۴۴۰ (ق) ۲۰۲/۶ ومستدرک: ۶۱/۳، ۷/۴ وابن سعد: ۳۶۴/۳** ۔یعنی میں اس گھر میں داخل ہوتی تھی، جس میں رسول اللہ ﷺ مدفون تھے، اس حال میں کہ اپنا کپڑا اتار کر رکھتی تھی، اور کہتی سوائے اس کے نہیں میرا خاوند اور باپ ہے، جب ان کے ساتھ عمرؓ دفن کئے گئے، اللہ کی قسم میں نہیں داخل ہوتی مگر جس وقت کہ اپنے کپڑے باندھے ہوتے عمرؓ سے

حیا کرتے ہوئے۔

لیکن اس روایت سے استدلال رجوع اور سماع الموتیٰ کے لئے عائشہؓ کے مذہب اور مرضی کے خلاف ہے، اور یہ توجیه القائل بمالایرضی به قائله ہے، اور اگر اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا جائے، تو اس سے یہ لازم ہوتا ہے کہ میت زائر کی عورت کو بھی دیکھ سکتا ہے، کیونکہ جب اتنی مٹی سے اس کا نظر نفوذ کر کے ایک چادر سے کس طرح رُک سکتی ہے؟ اور یہ عقلاً ونقلاً باطل ہے، عقلاً تو ظاہر ہے کیونکہ جو شخص منوں مٹی میں سے دیکھ سکتا ہے، وہ چادر میت کی نظر کو دیکھ لینے سے کس طرح روک سکتا ہے؟ اس لئے اس روایت کا مطلب لازماً یہی ہوگا، کہ آپؓ کا پردہ کرنا کمال حیاء کی وجہ سے تھی، جو کہ ایک نفسیاتی امر ہے، جیسے زندگی میں پردہ کرتی تھیں ایسے ہی مرنے کے بعد بھی اس سے پردہ کیا، اور کئی شرعی احکام ایسے ہیں جو آداب زیارت کے ساتھ متعلق ہیں۔ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، جیسے زندگی میں اس ہستی کا احترام کیا جاتا تھا اس ہستی کی وفات کے بعد بھی ویسے ہی احترام کرنا واجب ہے۔ (مرقات: ۱۱۷/۴، واشعۃ اللمعات: ۷۶۷/۱) اور حدیث میں ہے کہ: اس کے قبر پر مت بیٹھو اور اس کے قبر کے پاس بول براز مت کرو۔

اور نقلاً بھی ظاہر ہے اس لئے کہ اگر میت اپنے زائر کو دیکھ لیتا تو پھر زیارت قبر کا اجازت نہ دیا جاتا، اور جس حدیث میں آیا ہے کہ: **مامن احدیمر بقبر اخیه المسلم کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه، الارداللہ علیه روحه حتی یرد علیه السلام** ۔ یعنی ابن عباسؓ سے مرفوعاً ایک روایت منقول ہے کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے یہ دنیا میں پہچانتا تھا اور سلام کرتا، مگر اللہ تعالیٰ اس کی روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جواب دے۔ یہ حدیث ابن کثیر نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے بحوالہ ابن عبد البرؒ۔ یہ روایت ابن عبد البرؒ نے الاستذکار: ۱۶۵/۲، میں نقل کیا ہے بروایت **ابوعبداللہ عبید بن محمد قال املّت علینا فاطمة بنت الریان المستملی الخ۔ وکتاب العاقبة للامام عبد الحق اشبیلیؒ: ۲۱۱** ۔

اس سند میں یہ دونوں راوی مجہول ہیں، علل متناہیہ کے حاشیہ: ۴۳۰/۲، میں یہ روایت نقل کیا ہے پھر فرمایا ہے کہ: **وسکت عنه ابن عبد البر، وعبد الحق، ومن قال انهماصححااسناده، فلیس بصحیح، نعم صحح اسناده العراقی و المتقی وغیرهما، ولکن فیه نظر، فان شیخ ابن عبد البرلم اجدمن وثقه، ذکره الحمیدی فی جذوة المقتبس: ۲۷۷، فقال کان رجلاصالحایضرب به المثل فی الزهد الخ، وحال احادیث الزهادمعروف، لاسیمافی مثل هذه المسائل، واماشیخته فاطمة فلاتعرف ولاذکرلهافی**

کتب الرجال، واماعبیدبن عمیرفالظاهر انه مولی ابن عباسؓ،وھومجھول کمافی التقریب:۳۴۷،و المیزان: ۳/۲۱،فالحدیث لایصلح للاحتجاج به والله اعلم۔

اس روایت کوابن رجب نے کتاب ''اھوال القبور:۸۲، میں نقل کیا ہے، پھر فرمایا ہے:وقال عبد الحق الاشبیلیؒ:اسناده صحیح، یشیرالی ان رواته کلھم ثقات، وھو کذلک الاانه غریب بل منکر ۔میں کہتا ہوں کہ عبدالحق نے :۲۱۲، میں نقل کیا ہے لیکن اس کو صحیح نہیں کہا۔

جبکہ عبید بن عمیر جو کہ یہ روایت ابن عباسؓ سے نقل کرتا ہے معلوم نہیں کہ یہ لیثی ہے یا دوسرا، اگر لیثی نہیں تو پھر بھی مجہول ہے۔نعمان بن محمود الالوسیؒ نے کتاب الایات البینات:۹۸، میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور علامہ البانیؒ نے سلسلہ ضعیفہ:۴۴۹۳، میں اس پر تفصیل سے رد کیا ہے۔

اور جو روایت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ:عن ابی سعید الخدریؓ ان النبیﷺ قال:ان المیت لیعرف من یحمله ومن یغسله ومن یدلّیه فی قبره، فقال ابن عمرؓ وھوفی المجلس ممن سمعت ھذا؟ قال من ابی سعید،فانطلق ابن عمرؓ الی ابی سعیدؓ فقال یااباسعیدممن سمعت ھذا؟قال من النبیﷺ. رواه احمدو الطبرانی فی الاوسط وفیه رجل لم اجد من ترجمه(قاله الھیثمیؒ:۳/۱۵۱)۔

یہ روایت مسند احمد نے:۲۹/۱۷(م)اورج:۱۸ رقم :۱۱۶۰۰،میں اس سند سے نقل کی ہے:حدثناابوعامر، حدثنا عبدالملک بن حسین الحارثی،حدثناسعیدبن عمروبن سلیم قال :سمعت رجلامناقال عبد الملک: نسیت اسمه،ولکن اسمه معاویه اوابن معاویه یحدث۔اس سے معلوم ہوا کہ جو راوی ابوسعید خدریؓ سے نقل کرتا ہے، وہ مجہول ہے، اور خطیب نے تاریخ بغداد:۲۱۲/۱۲، میں اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے ،جبکہ ابونعیم نے اخبار اصبہان:۲۰۸/۱،وطبرانی فی الاوسط :۸/۲۱۱، میں عطیہ عوفی عن ابی سعید سے نقل کی ہے لیکن عطیہ ضعیف ہے۔

ایک روایت ابوہریرہؓ سے اس طرح منقول ہے کہ:ان النبیﷺوقف علی ابن عمیر حین رجع من احد فوقف علیه وعلی اصحابه ، فقال اشھدکم انکم احیاء عندالله، فزوروھم وسلمواعلیھم، فو الذی نفسی بیده لایسلم علیھم احدالاردوا علیه الی یوم القیامة،خرجه البیھقی و الحاکم وصححه

،ورواه عـمـروبـن صهبان عن معاذبن عبدالله عن قطن بن وهب عن عبيدبن عبيدمرسلا،ورواه يحى بن العلاء عن عبد الاعلى بن ابى فروة عن قطن بن وهب عن ابن عمرعن النبیﷺ.خرجه الطبرانى وذكـرابـن عـمـروفيـه وهـم،روىٰ عـن عبيـدبـن عـميـرعـن ابـى ذر،ولـعل المرسل اشبه،وبالجمله فهذااسنادمضطرب ومتنه مختص بالشهداء وهذااشبه من حديث بشربن بكر.

اس روایت کوحاکم نے۲۴۸/۲، میں نقل کر کے صحیح ٹھہرایا،لیکن نیچے امام ذہبی فرماتا ہے:کـذاقـال وانـااحسبه مـوضوعا،وقطن لم يرو له البخارى، وعبدالاعلى لم يخرجاله ۔اورابونعیم نے اس کوحلیۃ الاولیاء:۱۰۸/۱، میں نقل کی ہے،اورھیثمیؒ مجمع الزوائد:۶۰/۳، میں نقل کرنے کے بعدفرماتا ہے کہ اس کوطبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے لیکن اس میں ایک راوی ابوبلال اشعریؒ ہے، دارقطنی نے اس کوضعیف ٹھہرایاہے، اورابن جوزیؒ نے کتاب العلل المتناہیہ :۴۳۰/۲، میں اس حدیث کونقل کرنے کے بعدلکھا ہے:هـذاحـديـث لايـصـح، وقـداجـمعوا على تضعيف عبد الـرحـمٰن بـن زيـد، قـال ابـن حبان كان يقلب الاخباروهولايعلم حتى كثرذلک فى روايته من رفع المراسيل واسناد الموقوف فاستحق الترک۔

وروى عبـد الـرحـمٰن بـن زيـدبـن اسلم عن ابيه عن عطاء بن يسارعن ابى هريرةؓ عن النبىﷺقال:مامن عبد يمرعلى قبررجل مسلم يعرفه فى الدنيافيسلم عليه الاعرفه وردعليه السلام.عبد الـرحـمٰن بـن زيدفيه ضعيف وقدخولف فى اسناده. كتاب الاهوال:۸۳،و الخطيب :۱۳۷/۶ وابن عسـاكـرفـى التـاريـخ:۲۸۹/۳، ۲۴۹/۱۰،وفـى رواية هشـام بـن سـعـدعـن زيـدبن اسلم عن ابى هريرةؓموقوفا،وزادفيه،واذامربقبرلايعرفه فسلم عليه ردّعليه السلام. كتاب الاهوال:۸۳.

ورواه عـن زيـدبـن اسـلـم قـال:مرّابوهريرةؓوصاحب له على قبر،فقال ابوهريرةؓسلّم، فقال الـرجـل:اُسـلّـم على القبر؟فقال ابوهريرةؓان كان رآک فى الدنيايوماقط انه ليعرفک الآن.مصنف عبـد الـرزاق:۶۷۲۳۔اس کی سند میں یحی بن علاء ہے جوکہ وضاع ہے۔اورزیدبن اسلم نے ابوہریرہؓ سے کچھ نہیں سنا تو یہ روایت منقطع ہوئی،اورمیزان الاعتدال:۹۸/۲، میں اس پرردبھی کیا ہے،صارم المنکی نے:۱۹۹، میں بھی۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ ابوہریرہؓ سے یہ فرمان نبیﷺ مروی ہے کہ میت کی قبر پر جوایسا آدمی گزرے جس کو دنیا میں میت جانتا پہچانتا تھا،اورپھروہ قبر پر آنے والا آدمی اس قبروالے میت کوسلام کہے تو وہ میت اسے پہچان جاتا ہے

اوراس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔اور یہ مختلف سندوں سے منقول ہے لیکن ایک بھی صحیح نہیں۔

اکثر محدثین نے حیاء من عمرؓ کا معنی کیا ہے بحذف مضاف، یعنی حیاء من اهل عمرؓ کیونکہ عمرؓ کے دفن کے بعدان کی اہل وعیال کے آنے کا خدشہ تھا،تو اس لئے آپؐ نے پردے میں آنا شروع کیا،اور یہ روایات اُس مشھور روایت سے بھی مخالف ہیں جو کہ اُم مُبشرؓ سے منقول ہے،مسند اُحمد:۵۵/۲۵،میں عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے نقل ہے کہ:قالت أم مبشرؓ لکعب بن مالکؓ وهوشاكٍ إقرأ علی إبنی السلام ' تعنی مبشرا' فقال یغفرالله لک یاأم مبشراولم تسمعی ماقال رسول اللهﷺ،إنمانسمة المسلم طیر تعلق فی شجرالجنة حتی یرجعهاالله إلی جسده یوم القیامة،قالت صدقت فأستغفرالله:رواه عبدالرزاق فی تفسیره: ۱/ ۱۳۹، ۱۴۰ ،وعبدبن حمید فی المنتخب:ص: ۳۷۶،والطبرانی فی الکبیر: ۱۹/ ۱۱۹، ۱۲۳۔

جب کعبؓ کا وفات کی وقت قریب آ گیا،توام مبشر نے ان کو کہا کہ میرے بیٹے ''یعنی مبشر'' کو میرے طرف سے سلام کہہ دینا(اگر برزخ میں ان سے آپ کی ملاقات ہوجائے)تو کعبؓ نے فرمایا:اے ام مبشر! اللہ تجھ کو بخشے آیا تم نے رسول اللہﷺ سے یہ کہتے ہوئے نہیں سنا؟ کہ مومنین کے روحیں سبز پرندوں میں رہ کر جنت کے درختوں کے پھل کھاتے ہونگے(یعنی عیش وعشرت اور باہم ملاقتیں)یہاں تک کہ اللہ تعالی قیامت کے دن ان کے جسوں کو روحیں واپس لوٹادے۔تو اس نے فرمایا:تم نے سچ کہا،اور میں اللہ تعالی سے استغفار مانگتی ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر میت قبر میں زندوں کا سلام سنتا تو ام مبشرؓ براءؓ کو یہ نہ کہتی اور براءؓ بھی اس کو کہہ دیتا کہ قبر کے پاس جا کر سلام کہہ دے۔

دوسری جواب: فی بعض الروایات منه من تقییده ﷺ سماع موتی القلیب بقوله "الآن" فان مفهومه انهم لایسمعون فی غیرهذا الوقت وهو المطلوب وهذه فائدة هامة نبّه علیها العلامة الالوسیؒ والد المؤلف(ای الایات البینات) رحمهماالله تعالی فی کتابه "روح المعانی": ۶/ ۴۵۵،ففیه تنبیه قوی علی ان الاصل فی الموتی انهم لایسمعون۔

یعنی بعض روایات میں لفظ''الآن''موجود ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس وقت سن رہے ہیں اس کے بعد نہیں سن سکیں گے،یہ ایک نکتے کی بات ہے،جسے مفسر الوسیؒ نے اپنی تفسیر:۶/ ۴۵۵،میں ذکر کیا ہے،فرماتے ہیں:لھٰذا اس

حدیث میں اس بات کی طرف قوی اشارہ ہے کہ دراصل مردے سنتے نہیں ہیں، بخاری والی روایت کی آخر میں قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ: احیاهم الله حتى اسمعهم قوله، توبيخا وتصغيرا ونقمة وحسرة وندماً ۔یعنی اللہ تعالی نے انہیں زندہ کر دیا تھا تا کہ انہیں آپؐ کی بات سنا دے، اس سے ان کی سرزنش، توہین، اور حسرت وندامت مقصود تھی۔

دلیل:۲: حدیث انسؓ ہے جو کہ متفق علیہ ہے عن انس ان النبی ﷺ قال: ان العبداذاوضع فی قبره وتولى عنه اصحابه وانه ليسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا، (الحديث) [خ۱۳۳۸، ۱۳۷۴ م: ۲۸۷۰]. یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس وقت انسان (میت) قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھی واپس لوٹتے ہیں تو یہ ان کے قدموں کی چاپ سنتا ہے۔

اس کاجواب ابن ہمامؒ کی عبارت میں گزر گئی، کہ اس نے لکھا ہے، ولكن يشكل عليهم مافي "مسلم "ان الميت ليسمع قرع نعالهم اذانصرفوا. الاان يخصوا ذلك باول الوضع فى القبر مقدمة للسؤال ۔یعنی یہ اول وضع کے ساتھ خاص ہے، اور مناوی نے بھی فیض القدیر میں یہی جواب کیا ہے کہ: واجيب بان السماع فى حديثنامخصوص باول الوضع فى القبر مقدمة للسؤال، اور شراح مشکاۃ المصابیح یہ جواب کرتے ہیں کہ: لوكان حيا، فان جسده قبل ان يأتيه الملك ويقعده ميت لايحس بشيء ۔(الطیبی ومرقات) اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جب اس حدیث میں ہے کہ ملائک آتے ہیں، تو اس سے یہ بات لازمی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ یہ سوال وجواب کا وقت ہے اس وقت مردے کی روح کو لوٹا دیا جاتا ہے تو یہ زندہ ہوتا ہے، اور اس کے بعد اس کو کہا جاتا ہے کہ: نم كنومة العروس، الحدیث (مشکاۃ)۔تو اب نسیم الریاض والے کے قول کے مطابق (النائم لايسمع ولايتكلم) جواب ظاہر ہے۔

دلیل:۳: عن ابن عباسؓ انه قال مرّ النبیﷺ بقبور المدينة فاقبل عليهم بوجهه فقال: السلام عليكم يااهل القبور يغفر الله لنا ولكم انتم سلفنا ونحن بالاثر. ترمذی:۱۰۵۳ ۔یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہا کہ نبی کریم ﷺ مدینہ کی قبروں پر گزرے، ان پر اپنے چہرہ کے ساتھ متوجہ ہوئے ۔فرمایا سلام ہو تم پر اے اہل قبور اللہ تعالی ہم اور تم کو بخشے، تم ہمارے پیش خیمہ ہو، اور ہم تمھارے پیچھے ہیں۔

اس روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ محض خطاب سماع کو لازم نہیں، ورنہ بہت ایسے مقامات ہیں جہاں خود یہ لوگ بھی خطاب کو سماع لازم نہیں سمجھتے مثلا: موذن کے آذان کی جواب دیتے وقت، (الصلوٰة خير من

النوم) کلمہ کی جواب میں ''صدقت وبررت'' کہنا، جیسا کہ علی القاری نے مرقات:۲/۲۶۰، میں لکھا ہے۔ اور اسی طرح عمرؓ کا حجر اسود کو مخاطب ہونا جو کہ اس روایت میں ہے کہ: عن عابس بن ربیعۃؓ عن عمرؓ انه جاء الی الحجر الاسود فقبّله ، فقال: انی اعلم انک حجر لاتضرو لاتنفع ، ولولا انی رأیت رسول اللہ ﷺ یقبِّلک ماقبَّلتکَ. خ:۱۵۹۷ م:۱۲۷۰ .

اور جو اس روایت میں زاید الفاظ علیؓ سے منقول ہیں، وہ صحیح ثابت نہیں، مستدرک نے: ۱۰۹/۲، میں اس روایت کو ابوسعید خدریؓ سے نقل کیا ہے کہ: اخبرناه ابو محمد عبداللہ بن محمد بن موسیٰ العدل من اصل کتابه، ثنامحمدبن صالح الکلینی، ثنامحمدبن یحی بن ابی عمرو العدنی، ثناعبد العزیزبن عبد الصمد العمی، عن ابی هارون العبدی، عن ابی سعید الخدریؓ قال: حججنامع عمربن الخطابؓ فلمادخل الطواف استقبل الحجر فقال: انی اعلم انک حجر لاتضر ولاتنفع، ولولا انی رأیت رسول اللہ ﷺ قبّلک ماقبّلتک ثم قبّله، قال له علی بن ابی طالبؓ: بلیٰ یاامیر المومنین انه یضروینفع، قال، ثم قال: بکتاب اللہ تبارک وتعالی؟ قال: واین ذلک من کتاب اللہ؟ قال: قال اللہ عزوجل: وَإِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِن بَنِيٓ آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتَ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَى ﴿۱۷۲﴾ اعراف. خلق اللہ آدم ومسح علی ظهره فقررهم بانه الرب، وانهم العبید، واخذعهودهم ومواثیقهم وکتب ذلک فی رقٍّ: وکان لهٰذا الحجرعینان ولسان، فقال له افتح فاک، قال، ففتح فاه فالقمه ذلک الرقّ وقال: اشهدلمن وافاک بالموافاة یوم القیامة ، وانی اشهدلسمعت رسول اللہ ﷺ یقول: یوتیٰ یوم القیامة بالحجر الاسود وله لسان ذلق یشهدلمن یستلمه بالتوحید، فهویاامیر المومنین یضروینفع، فقال عمر: اعوذباللہ ان اعیش فی قوم لست فیهم یااباحسن.

یعنی علیؓ نے فرمایا: کہ اے امیر المومنین یہ حجر اسودؓ نقصان بھی دے گا اور نفع بھی دے گا، آگے فرمایا اے امیر المومنین اگر آپ کو کتاب اللہ میں سے اس کا علم ہو جائے تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ واقعی بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں اللہ تعالی نے فرمایا: ترجمہ، اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کرالیا (یعنی اُن سے پوچھ لیا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ کیوں

نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا رب ہے یہ اقرار اس لئے کرایا تھا) کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔

پھر جب انہوں نے اللہ تعالی کے رب ہونے اور اپنے عبد ہونے کا اقرار کرلیا تو ان کا یہ میثاق ایک پتلی جھلی میں لکھ کر حجر اسود کا لقمہ بنا دیا، پھر قیامت کے روز اللہ تعالی حجر اسود کو بھی زندہ مبعوث کرے گا اس حجر اسود کی دو آنکھیں ہونگی ایک زبان اور ہر اس شخص کے حق میں شہادت دے گا، جس نے عہد نامہ میں لکھے ہوئے عہد کو پورا کیا، کیونکہ حجر اسود اس عہد نامہ میں اللہ تعالی کا امین ہے۔ پھر علیؓ نے فرمایا: اس سے ثابت ہوا کہ یہ ضرر اور نفع دے گا، تو عمرؓ نے فرمایا: میں اس قوم میں زندگی گذارنے سے اللہ تعالی کی پناہ مانگتا ہوں جس قوم میں تو موجود نہ ہو۔

امام ذہبیؒ نیچے لکھتا ہے اس میں ابو ہارون عبدی ہے جو کہ ساقط الاعتبار ہے، اور ابن ہمام فتح القدیر: ۴۵۸/۲، میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ: یہ حدیث صحیح نہیں، اور عمرؓ کی صحیح حدیث سے مخالف ہے۔ فتح القدیر کی تعلیق میں شیخ عبدالرزاق المہدی لکھتا ہے: یہ روایت باطل ہے۔ حاکم نے خود کہا ہے: **لیس من شرط الشیخین فانھمالم یحتجابابی ھارون وقال الذھبیؒ ابوھارون ساقط ،وقال ابن حجرفی التقریب، متروک ،ومنھم من کذّبہ،وقال العقیلیؒ قال حماد کان ابوھارون کذّاباًیحدث بالغداۃ بشئ وبالعشی شیئا** ۔اور میزان الاعتدال میں امام ذہبی نے اس کا خوب اپریشن کیا ہے۔ اور علی القاریؒ نے بھی مرقات: ۳۲۵/۵، میں ابن ہمامؒ سے یہ عبارت نقل کی ہے، اور شرح نقایہ: ۱۹۴، میں یہ لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

یعنی عابس بن ربیعہؓ سے روایت ہے کہا میں نے عمرؓ کو دیکھا کہ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں اور فرماتا ہے میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ تجھ کو بوسہ دیتے ہیں کبھی تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ متفق علیہ۔

اسی طرح طلحہ بن عبیداللہؓ والی روایت کہ: **ان النبی ﷺ کان اذا رائ الھلال قال:اللھم اھلہ علینابالامن والایمان و السلامۃوالاسلام ربی وربک اللہ.** ترمذی: ۳۴۵۱۔

اور عبداللہ بن عمرؓ والی روایت کہ: **کان رسول اللہ ﷺ اذاسافرفاقبل اللیل قال:یاارض ربی وربک اللہ، اعوذباللہ من شرک ومن شرمافیک وشرماخلق فیک وشرمایدب علیک (الحدیث)**

ابوداود: ۲۶۰۳ نسائی سنن کبری: ۱۰۳۹۸۔

اس کے امثال زیادہ ہیں لیکن ہم ابراہیم علیہ السلام کے قول پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں: فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ﴿٩٢﴾ صافات۔ان جملوں میں ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو مخاطب کرکے فرمایا: اے بتوں تم یہ شیرینی کھاتے کیوں نہیں؟ جو تمہارے پجاری تمہارے آگے رکھ کر چلے گئے ہیں تمہیں کیا ہوگیا ہے، بولتے کیوں نہیں؟۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس موقع پر سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کوئی شخص موجود نہ تھا تو کیا ابراہیم علیہ السلام کا کلام کرنا نامعقول اور عبث تھا؟۔

امام نعمان الوسیؒ ''الایات البینات'': ۱۳۳، میں لکھتا ہے: وبعدان حررت هذه الكلمات ،رأيت فی شرح الزرقانی علی المؤطاء للام مالکؒ فی فصل جامع للوضوء : ۱/۶۳،فی الكلام علی حدیث ابی هریرةؓ ان رسول اللهﷺ خرج الی المقبرة فقال: السلام عليكم دارقوم مومنين،وانا ان شاء الله بكم لاحقون.مالفظه:قال الباجی وعياض:يحتمل انهم اُحيُوا له حتی سمعوا كلامه كاهل القليب،ويحتمل ان يسلم عليهم مع كونهم امواتا لامتثال امته ذلک بعده،قال الباجی فی المنتقی: ۱/۶۹،وهو الاظهر.ورأيت ايضافی حاشيه الطحطاوی علی مراقی الفلاح: فی الصلاة علی الجنائز ماعبارته:

قوله:وينوی بالتسليمتين الميت مع القوم وجزم فی الظهيرية بانه لاينوی الميت ومثله لقاضی خان وفی الجوهرة قال فی البحروهو الظاهر لان الميت لايخاطب بالسلام لانه ليس اهلا للخطاب .قال بعض الفضلاء:وفيه نظر لانه وردانهﷺ كان يسلم علی اهل القبور،انتهی.علی ان المقصودمنه الدعاء لا الخطاب ،انتهیٰ للفظه.وكذلک فی حاشيه ابن عابدين علی الدر المختار: ۱/۱۷۸، وقال فی البحر: ۲/۱۹۷ مانصه وفی الظهيريه :ولاينوی الامام الميت فی تسليمتی الجنازة ،بل ينوی من علی يمينه فی التسليمة الاولی ومن علی يساره فی التسليمة الثانية ، انتهی، وهو الظاهر لان الميت لايخاطب بالسلام عليه حتی ينوی به اذليس اهلا له.انتهی مافی البحربحروفه۔

امام جب نماز جنازہ پڑھائے تو دونوں سلاموں سے میت اور اردگرد کے لوگوں کو مراد لے، اور ظہیریہ کے اندر ہے کہ سلام کے وقت میت کی نیت نہ کرے،اور اسی کی مثل قاضی خان (فتاوی) میں ہے ''جوہرہ'' میں مذکور ہے کہ البحر

الرائق کے اندر اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ میت کو سلام نہیں کیا جائے گا کیونکہ مردہ ہونے کی حیثیت سے وہ اس کا اہل نہیں، بعض علماء نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات درست نہیں کیونکہ صحیح طور پر نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپؐ اہل قبور کو سلام کیا کرتے تھے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد دعاء ہے مردہ کو مخاطب کرنا نہیں۔

یہی بات الدر المختار کے حاشیہ ابن عابدین میں بھی ہے اور البحر الرائق کے اندر مذکور ہے کہ ظہیریہ میں اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ امام نماز جنازہ کے سلام میں میت کو مراد نہ لے، بلکہ ایک سلام سے دائیں جانب کے لوگوں کو اور دوسرے سلام سے بائیں جانب کے لوگوں کو مراد لے، اس لئے کہ میت کو سلام کے ساتھ خطاب نہیں کیا جا سکتا تو سلام کے وقت اس کو کیسے مراد لیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ اس کے اندر اس کی اہلیت ہی نہیں ہے۔

لہٰذا ان اقوال سے یہ بات معلوم ہوئی کہ معروف و مشہور فقہاء کے نزدیک بھی میت کو سلام سے مراد نہیں لیا جا سکتا ہے، اور نہ اس کو مخاطب ہی کیا جا سکتا ہے، بلکہ سلام سے مقصود دعاء ہے۔ یہ اقوال بھی ہمارے مدعا کے مطابق ہیں۔

پھر: ۱۳۱، میں ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کرتا ہے: **فان قیل: اذا کان مذهب الحنفية و كثير من العلماء المحققين على عدم السماع، فمافائدة السلام على الاموات و كيف صحة مخاطبتهم عند السلام؟۔**

قلت: لم اجد فيما بين يدى الآن من كتبهم جوابهم عن ذلك، ولابدان تكون لهم اجوبة عديدة فيماهنالك، و الذى يخطر فى الذهن ويتبادر الى الخاطر و الفهم، انهم لعلهم اجابوا بان ذلك امر تعبّدى، وبانانسلم سرا فى آخر صلاتنا اذا كنا مقتدين و ننوى بسلامنا الحفظة و الامام وسائر المقتدين، مع ان هؤلاء القوم لايسمعونه لعدم الجهر به، فكذا مانحن فيه على ان السلام هو الرحمة للموتى، وننزلهم منزلة المخاطبين السامعين، وذلك شائع فى العربية كمالايخفى على العارفين فهذه العرب تسلم على الديار، وتخاطبها على بعد المزار.

یعنی جب احناف اور دوسرے علماء محققین کا یہ مذہب ہے کہ مردے سنتے نہیں تو پھر ان کو سلام کرنے سے کیا فائدہ ان کو مخاطب کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: میرے سامنے جو کتابیں ہیں ان میں اس کا کوئی جواب مذکور نہیں۔ ان علماء نے ضرور کوئی جواب دیا ہوگا، ذہن اور دل میں یہ بات آتی ہے کہ انہوں نے یہ جواب دیا ہوگا کہ یہ تعبدی معاملہ ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے جس طرح ہم امام کے پیچھے نماز میں تشہد پڑھتے ہوئے آہستہ سلام پڑھتے ہیں اور اس سلام

سے فرشتوں، امام اور دوسرے مقتدیوں کو مراد لیتے ہیں، حالانکہ آہستہ پڑھنے کی وجہ سے یہ لوگ سنتے نہیں، اسی طرح یہاں بھی یہی مراد ہوتا ہے، علاوہ ازیں سلام مردوں کے لئے رحمت ہے اور ہم انہیں سننے والوں کا مقام دیتے ہیں، یہ طریقہ عربوں میں مشہور ہے جیسا کہ اہل علم پر یہ مخفی نہیں، عربوں کو دیکھئے جب وہ کسی دیار سے گزرتے ہیں تو اسے سلام کرتے ہیں اور دور رہتے ہوئے اس سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اور یہی جواب اس سلام خاصہ سے بھی ہے جو کہ التحیات میں بروایت عبداللہ بن مسعودؓ نقل ہے کہ: علمنی رسول اللہ ﷺ التشھد "وکفی بین کفیه "کمایعلمنی السورة من القرآن. التحیات للہ و الصلوات و الطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللہ وبرکاته السلام علیناوعلی عباداللہ الصالحین. فانه اذاقال ذلک اصاب کل عبدصالح فی السماء والارض، اشھدان لا إله الااللہ واشھدان محمداعبده ورسوله. متفق علیه . اس حدیث میں جو لفظ السلام علیک ہے اس سے بعض رسول اللہ ﷺ کا نمازیوں کا سلام سننے کے لئے استدلال کرتا ہے لیکن یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے:

ایک تو پہلی وجہ، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی اخر میں یہ جملہ ابن حجر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ:

فلماقبض قلنا السلام علی النبی ۔ ابن حجر اس جملے کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتا ہے: ھذه الزیادة، ظاھرھاانھم کانوایقولون: السلام علیک ایھا النبی، بکاف الخطاب فی حیات النبی ﷺ، فلمامات النبی ﷺ ترکوا الخطاب وذکروه بلفظ الغیبة، فصارویقولون السلام علی النبی. فتح الباری: ۱۱/ ۵۹. وقال فی موضع اخر: ۲/ ۲۶۲، قال السبکی فی شرح المنھاج: بعدان ذکرھذه الروایة من عندابی عوانة: ۲/ ۲۶۹، وحده: ان صح ھذاعن الصحابة، دل علی ان الخطاب فی السلام بعد النبی ﷺ غیرواجب، فیقال السلام علی النبی، قلت (البانیؒ): قدصح بلاریب یعنی لثبوة ذلک فی صحیح البخاری: ۱۱/ ۵۹، وقدوجدت له متابعاقویا، قال عبد الرزاق (المصنف: ۲/ ۲۰۴) اخبرنا ابن جریج اخبرنی عطاء: ان الصحابة کانوایقولون و النبی ﷺ حی: السلام علیک ایھا النبی، فلمامات قالوا: السلام علی النبی. وھذا اسناد صحیح. وامامار وی سعیدبن منصورمن طریق ابی عبیدة بن عبداللہ بن مسعودؓ عن ابیه ان النبی ﷺ علمھم التشھد............ فذکره قال: فقال ابن عباسؓ انا کنانقول: السلام علیک ایھا النبی اذاکان حیا، فقال ابن مسعودؓ ھکذاعُلّمناوھکذانُعلّم، فظاھر، ان ابن عباسؓ قاله بحثاً، وان ابن مسعودؓ لم یرجع الیه، لکن

روایة ابی معمرؓ اصح (یعنی روایة البخاری)لانّ اباعبیدة لم یسمع من ابیه، والاسنادالیه مع ذلک ضعیف.

وقدنقل کلام الحافظ هذا جماعة من العلماء المحققین ،امثال القسطلانی فی شرحه علی البخاری والزرقانی فی المواهب اللدنیه وفی شرحه علی المؤطاء وعبد الحی اللکنویؒ فی التعلیق الممجد وارتضوه حیث انهم اقروه ولم یتعقبوه بشئ. ویؤیده ان عائشةؓ کانت تعلمهم التشهد فی الصلاة (السلام علی النبیﷺ)رواه السراج فی احادیثه: ٢/١٧٨، والملخص فی الفوائد، وعبدالرزاق : فی مصنفه عن عطاء : ٢/٢٠٤.(از صفة صلاة النبیﷺ).

دوسری جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ معراج کی واقعہ کی ہے،اور یہ بات امام طبرانی نے تفسیر کبیر سورہ بقرۃ:١/٥١٧،کی آخر میں نقل کی ہے،لکھتا ہے کہ:وعن الحسن والضحاک ومجاهد وجماعة من المفسرین أن قوله تعالی ﴿آمن الرسول......﴾إلی آخر السورة کان فی قصة المعراج ،،قالوا:لماإنتهی النبیﷺ إلی سدرة المنتهی قال له جبریل:إنی لم أجاوز هٰذا المکان ،ولم یؤمر أحد بالمجاوزة غیرک فامض أنت ،قال النبیﷺ فمضیت حتی إنتهیت إلی مأأرادالله تعالی، فأشار جبریل علیه السلام أن سلم علی ربک ،فقلت :التحیات لله والصلوات والطیبات،فقال الله عزوجل :السلام علیک أیها النبی ورحمة اللهوبرکاته، قال النبیﷺ فأحببت أن یکون لأمتی حظ فی السلام ،فقلت السلام علیناوعلی عبادالله الصالحین......الحدیث،وتفسیرسمرقندی : ١/٢٤٠، اورابن نجیم نے البحرالرائق :١/٥٦٦،میں لکھا ہے کہ :وأماقوله:السلام علیک أیهاالنبی ورحمة اللهوبرکاته ،حکایة سلام الله تعالی علی نبیه علیه الصلاة والسلام، اورمحمد بن محمود کتاب العنایۃ شرح الهدایۃ:١/٣٢٢،میں لکھتا ہے کہ: وقوله: السلام علیک، حکایة السلام الذی رده الله تعالی علی نبیه علیه السلام لیلة المعراج، اوریہی قول شامی نے:١/٣٤٢،میں لکھا ہے۔فافهم.

یہاں پربطور تکمیل فائدہ امام البانیؒ کاقول نقل کرتے ہیں جوکہ انہوں نے الایات البینات کی حاشیہ:١٣٢،میں ابن قیمؒ پررد کرتے ہوئے لکھتا ہے:

وفی ذلک کله ردقوی علی قول ابن القیمؒ فی الروح:٨،وقدذکر السلام علی

الاموات:فان السلام على من لايشعر ولايعلم بالمسلّم محال،قال:وهذا و النداء لموجود يسمع ويخاطب ويردُّ.وكأنه رحمه الله لم يستحضر خطاب الصحابة للنبي ﷺ في التشهد: السلام عليك ياايها النبي ورحمة الله وبركاته،خلفهٗ في المدينة وبعيداعنه في سائر البلاد،بحيث لو خاطبوه بذلك جهرالم يسمعهم ﷺ،فضلاعن جمهور المسلمين اليوم وقبل اليوم الذين يخاطبونه بذلك ،افيقال انه يسمعهم؟اوانه من المحال السلام عليه وهولايشعربهم ولايعلم،وكذلك لم يستحضر رحمه الله قول شيخ الاسلام ابن تيميه في توجيه هذا السلام ونحوه،فقال في الاقتضاء:٤١٦،وقدذكرحديث الاعمى المشاراليه انفا:وقوله يامحمدهذا وامثاله نداء يطلب به استحضار المنادى في القلب،فيخاطب لشهوده بالقلب،كمايقول المصلي: السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته ،والانسان يفعل هذاكثيرا،يخاطب من يتصوره في نفسه،وان لم يكن في الخارج من سمع الخطاب.

یعنی اس سے ابن القیمؒ کے اس قول کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو ان کی کتاب الروح:٨، میں مذکور ہے کہ جو شعور وادراک نہیں رکھتے ان کو سلام کرنا محال ہے۔سلام خطاب اور آواز اس کو دی جاتی ہے جو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں، شاید انہیں تشہد یاد نہیں رہا جس میں صحابہ کرام نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہوا کرتے تھے،مدینہ میں رہ کر یا مدینہ سے دور رہ کر،اگر یہ لوگ دور سے بھی مخاطب ہوتے تو نبی کریم ﷺ ان کا سلام نہ سنتے۔چہ جائیکہ آج اور آج سے قبل تمام مسلمانوں کے سلام کو آپ سنیں،کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپؐ ان کی بات سنتے ہیں کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپؐ پر سلام بھیجنا محال ہے۔اس لئے کہ آپ نہ ان کا شعور رکھتے ہیں اور نہ ان کو جانتے ہیں۔

اسی طرح ابن القیم کو ابن تیمیہ کی یہ بات بھی یاد نہ رہی۔ابن تیمیہ اپنی کتاب ”اقتضاء الصراط المستقيم“ :٤١٦، پر حدیث الاعمی کے سلسلے میں فرماتے ہیں: یا محمد اور اس قسم کے لفظ کے ساتھ خطاب اور نداء اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مخاطب دل میں موجود ہے جس طرح ایک نمازی تشہد میں السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته ،کہتا ہے۔انسان اس قسم کے خطاب کے وقت دل میں مخاطب کو تصور کرتا ہے اگر چہ خارج میں کوئی موجود نہ ہو جو اس کی بات سنے۔

دلیل:٣: حدیث التلقین: جس کو طبرانی نے معجم کبیر:٢٩٨/٨، میں نقل کی ہے،کہ:حدثنا أبوعقيل أنس بن

سلم الخولانی ثنا محمدبن ابراهیم بن علاء الحمصی ثنااسمٰعیل بن عیاش ثناعبداللہ بن محمد القرشی عن یحی بن ابی کثیرعن سعیدبن عبداللہ الاودی قال: شهدت اباامامةؓ وهوفی النزع فقال اذاانامت فاصنعوابی کماامرنارسول اللہﷺ ان نصنع بموتانا،امرنارسول اللہﷺ فقال: اذامات احدمن اخوانکم فسویتم التراب علی قبره فلیقم احدکم علی رأس قبره ثم لیقل یافلان بن فلانة فانه یسمعه ولایجیب،ثم یقول یافلان بن فلانةفانه یستوی قاعدا،ثم یقول: یافلان بن فلانةفانه یقول: ارشدنارحمک اللہ ،ولکن لاتشعرون، فلیقل: اذکرماخرجت علیه من الدنیاشهادة ان لا اله الااللہ وان محمداعبده ورسوله، وانک رضیت باللہ ربا وبالاسلام دیناوبمحمدنبیاوبالقرآن اماما،فان منکرا ونکیرا،یأخذ،واحدمنهمابیدصاحبه ویقول: انطلق بنامانقعدعندمن قدلقن حجته فیکون اللہ حجیجه دونهما فقال رجل یارسول اللہ فان لم یعرف امه قال: فینسبه الی حواء، یافلان ابن حواء ۔اس روایت کو ھیثمی نے مجمع الزوائد:۳/۴۵، میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: کہ وفی اسناده جماعة لم اعرفهم،اورابن قیم نے زادالمعاد:۱/۱۴۵، میں فرمایا ہے کہ:وهذاحدیث رفعه لایصح، وضعفه النووی وغیره۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراهیم بن العلاء الحمصی ہے جوکہ امام ذہبی نے میزان الاعتدال:۳/۴۴۷، میں ضعیف قرار دیا ہے، دوسرااس کا استاذ اسمٰعیل بن عیاش ہے جس کوتقریب التہذیب:۱۷، میں مدلس اورضعیف کہا گیا ہے۔ تیسرا یحی بن ابی کثیر الطائی یہ بھی مدلس ہے تقریب التہذیب:۲۳۶، میں مذکورہے وتہذیب التہذیب:اور یہ حدیث مقاصد الحسنۃ :۱۶۲،۱۶۳، میں نقل ہے کہ یہ ضعیف ہے، البانی نے سلسلہ ضعیفہ:۲/۵۹۷، میں تحقیق کے ساتھ ذکر کی ہے۔

مسئلہ تلقین کے متعلق فقہاء احناف کی رائے پہلے ہم نے اشارۃً ذکر کی ہے: عینی نے شرح ہدایہ:۲/۱۰۷، میں لکھا ہےو المرادبه الذی قرُب من الموت ”ش“بطریق المجازباعتبارمایؤول الیه وذلک لان التلقین حقیقتامایطاوعه المتلقن وحصول ذلک من المیت محال فالامربه حقیقة یکون امرللعاجزعنه و العقل یأباه فوجب حمله علی هذا المعنی ۔یعنی موتیٰ اسے مراد اس مقام پر حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں (مجاز بالمشارفہ)یعنی مایؤول الیہ کے،تو مطلب یہ ہوگا وہ شخص جوابھی مرانہیں ہے مگر مرنے کے قریب ہے اوراس مقام پر ہم نے مجازی معنی مراد لئے ہیں اور حقیقی معنی مرادنہیں لئے۔حالانکہ اصل یہ ہے کہ لفظ سے حقیقی معنی مراد لئے جائیں

ہاں اگر مانع کی وجہ سے حقیقی معنی مراد نہ لے سکیں تب مجازی معنی مراد لیتے ہیں۔وجہ مجازی معنی مراد لینے کی یہ ہے کہ حقیقتاً تلقین تب تلقین بنتی ہے جب وہ شخص جس کو تلقین کی جارہی ہے اس کو بالمشافہ وہ باتیں سمجھائی جارہی ہوں تو وہ اس سمجھانے والے کی باتیں سمجھ لے اور وہ مان لے۔

مولانا اشرف علیؒ تتمہ فتاوی امدادیہ میں: ۴۶/۱، ۴۷، میں فرمایا ہے:سوال: تلقین القبور کے جواز وعدم جواز میں کونسی صورت مفتی بہ ہے؟ جواب: فی الدر المختار ،ولایلقن بعدتلحیده ،فی رد المحتار: ذکرفی المعراج انہ ظاھر الروایة : ۱ / ۸۹۰ (طبع قدیم) اور ترجیح ظاہر روایت کو ہوتی ہے اور اس کے بعد میں جو تلقین کی مشروعیت کو نقل کیا ہے تو اس کے دلائل ضعیف ہیں بعض ثبوتاً ،بعض دلالتاً، پھر اس پر سب متفق ہیں کہ ضروری نہیں اور غیر ضروری میں جب کوئی مفسدہ ہو، متروک ہوجاتا ہے اور اس میں تشبہ بالروافض ہے اس لئے قابل ترک ہوا، واللہ اعلم۔

امام سیوطیؒ متساہل ہونے کے باوجود الحاوی للفتاوی: ۳۸۸، میں فرماتے ہیں کہ: التلقین لم یثبت فیه حدیث صحیح ولاحسن بل حدیثه ضعیف باتفاق المحدثین ،ولھٰذاذھب جمھور الامة الی ان التلقین بدعة۔یعنی سب محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث تلقین نہ صحیح ہے نہ حسن بلکہ ضعیف ہے اور جمہور امت کا یہی مذہب ہے کہ تلقین بدعت ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ تلقین نہ کی جائے ،زاد المعاد: ۱۴۵/۱، میں ومجمع البحرین ،تنویر الابصار، کافی، جامع الرموز، زاداللبیب: ۷۰، طحطاوی شرح الدرالمختار، عالمگیری ،نہر الفائق ،زیلعی شرح کنز، محمد بشیر قنوجی ،کشف المبہم ،تفہیم المسائل: ۱۲۱،عرف شذی: ۳۴۲، سراجی: ۲۴، فتاوی ظہیریہ، بنایہ، برجندی، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ان سب کتابوں میں کتاب الجنائز میں یہ مسئلہ ذکر کی ہے کہ حنفی علماء کا مذہب ہے کہ تلقین نہ کی جائے۔

دلیل: ۵: وہ مشہور حدیث ہے جو کہ امام بیہقی نے شعب الایمان: ۱۴۱/۳، میں نقل کیا ہے کہ: اخبرنا ابو الحسین بن بشران، اخبرنا ابوجعفر محمدبن عمروبن البختری، حدثنا عیسی بن عبدالله الطیالسی، حدثنا العلاء بن عمروبن الحنفی، حدثنا ابوعبد الرحمٰن عن الاعمش، ح، واخبرنا ابو الحسین بن فضل القطان، اخبرنا ابو الحسین احمدبن عثمان الآدمی، حدثنا محمدبن یونس بن موسٰی حدثنا الاصمعی حدثنا محمدبن مروان السدی، عن الاعمش، عن ابی صالح عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللهﷺ من صلی علیّ عندقبری وکّل بها ملک یبلِّغنی ،وکُفی بهاامردنیاه

واخرته،وكنت له شهيدااوشفيعا.

هذالفظ حديث الاسمعى وفى رواية الحنفى قال عن النبیﷺقال:من صل علىّ عندقبرى سمعته ومن صلى علىّ نائيااُبلغته.شعب الايمان:۳/۱۴۰،و العقيلى فى الضعفاء:۴/۱۳۶، والخطيب فى التاريخ:۳/۲۹۱،وابن الجوزى فى الموضوعات:۱/۳۰۲،وسلسله الاحاديث الضعيفه:۲۰۳۔

یعنی جوشخص میری قبر کے پاس مجھ پردرود بھیجتا ہے میں اس کا درود سنتا ہوں اور جوشخص دور سے مجھ پردرود بھیجتا ہے اسکا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے،امام بیہقی کی متن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت جوقاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ اس میں سمعتہ کی بجائے لفظ بُلِّغته ہے،وہ صحیح ہے،اورسند کے اعتبار سے یہ روایت ساقط الاعتبار ہے اس کی سند میں محمد بن مروان سدی ہے جو کہ مشہور ضعیف ہے اورعلاء بن عمرو الحنفی ہے ،امام ذہبیؒ نے اس کو متروک کہا ہے:میزان الاعتدال:۳/۱۰۳،وابن حبان کتاب المجروحین:۲/۱۷۳،جبکہ ابوعبدالرحمٰن شاید یہ محمد بن مروان السدی ہے اور محمد بن یونس کدیمی بھی ضعیف ہے۔خطیب بغدادی نے اس روایت کونقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابراہیم نے فرمایا کہ میں نے ابن نمیر سے اس حدیث کے متعلق پوچھا؟ تو اس نے جواب میں فرمایا:دع ذا ،محمدبن مروان ليس بشیٔ اور پھر اس پرمزید جرح نقل کی ہے۔امام ابن تیمیہؒ نے کتاب الردعلی الاخنائی،اورصاحب الصارم المنکی نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

دلیل:۶: کبیری:۵۹۹،میں یہ روایت ہے:وعن الحسن عن ابن مسعودؓقال قال رسول اللهﷺلايزال الميت يسمع الاذان مالم يطين قبره ۔یعنی حسنؒ عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتا ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا جب تک قبر کی لپائی نہ کی جائے اس وقت تک مردہ قبر کے اندر سے اذان کی اواز سنتا رہتا ہے،محمد بن طاہر الفتنی تذکرۃ الموضوعات:۲۱۹،میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے،تنزیہ الشریعہ:۲/۳۶۳،میں ہے کہ یہ حدیث جوحسن نے ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے اس میں انقطاع ہے،حسن نے ابن مسعودؓ سے کچھ نہیں سنا،اورسند میں ایک راوی کثیر بن شنظیر ہے جوکہ معتبر نہیں۔تیسرے ابومقاتل ایسا راوی ہے جس سے روایت کرنا حرام ہے، چوتھے محمد بن قاسم الطایکانی جھوٹوں اور منگھڑت حدیثیں بیان کرنے والوں میں مشہورترین کذاب وضاع ہے،ابن جوزی نے کتاب الموضاعات:۲/۲۳۸،میں یہی بیان کیا ہے۔

مردوں کے نہ سننے کے مسئلے میں مذاہب ثلاثہ اور دیگر مسالک کے علماء کی اراء:۔

امام احمدبن حنبلؒ: ابن قدامہؒ اپنی مشہور تصنیف المغنی:۱۳/۶۱۵، میں تحریر فرماتے ہیں: فصل: فان ناداه بحيث يسمع فلم يسمع لتشاغله اوغفلته حنث ،نص عليه احمدفانه سئل عن رجل حلف ان لايكلم فلانافناداه و المحلوف عليه لايسمع قالؒيحنث لانه قدارادتكليمه وهذالكون ذلك يسمى تكليمايقال كلمته فلم يسمع وان كان ميتااوغائبااومغمى عليه اواصم لايعلم بتكليمه اياه لم يحنث وبهذاقال الشافعيؒ وحكى عن ابى بكرانه يحنث بنداء الميت لان النبىﷺ كلمهم وناداهم وقال ماانتم باسمع لمااقول منهم ولناقوله تعالى :ومماانت بمسمع من فى القبور،ولانه قدبطلت حواسه وذهبت نفسه فكان ابعدمن السماع من الغائب البعيد ،لبقاء الحواس فى حقه وانماكان ذلك من النبىﷺ كرامة له وامرااختص به فلايقاس عليه غيره۔

یعنی قسم کھانے والے جب اس فلاں کو ایسے جگہ سے اواز دی جہاں سے سنائی دی جاسکتی ہے لیکن وہ فلاں کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے اس کی اواز نہیں سن سکا تو اس کی قسم ٹوٹ گئی۔

یہ مسئلہ امام احمد بن حنبلؒ نے صراحت سے بیان فرمایاہے کیونکہ ان سے ایسے آدمی کے بارے دریافت کیا گیا جس نے قسم کھائی ہو، کہ میں فلاں آدمی سے بات نہ کروں گا پھر اس نے اس کو اواز دی مگر اس فلاں نے اس کی اواز نہیں سنی۔تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کی قسم ٹوٹ گئی کیونکہ اس نے اس فلان سے گفتگو کرنا چاہا اسی کو تکلیم کہتے ہے چنانچہ محاورہ ہے کہ میں نے تو اس سے کلام کیا مگر اس نے میرا کلام نہیں سنا اور اگر وہ فلاں میت مردہ ہو یا غائب ہو یا بے ہوش یا بہرہ ہو یا اس کو یہ علم ہی نہ ہوسکا ہو کہ وہ آدمی میرے ساتھ گفتگو کررہا ہے،تو ایسی صورتوں میں اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔اوریہی مذہب امام شافعیؒ کا،اورابوبکر قاضی صاحب احمد بن حنبلؒ سے حکایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میت کو اواز دینے سے قسم ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ نبی کریمﷺ نے مردوں سے گفتگو فرمائی اوران کو اواز دی۔

اور یہ بھی فرمایا کہ میری یہ گفتگو تم سے زیادہ یہ مردے سن رہے ہیں لیکن ہمارے دعوی کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان ہے ومماانت بمسمع من فى القبور نیز دوسری یہ بات بھی ہے کہ مرنے کیساتھ مرنے والے کے حواس بے کار ہوگئے اوراس کی جان جاتی رہی تو اندرین حالات میت کا سننا غائب بعید آدمی کے سننے سے بھی زیادہ مستبعد ہے کیونکہ اس غائب بعید آدمی کے حواس تو قائم ہیں۔

اب رہا رسول اللہ ﷺ کا مردوں کو آواز دے کران سے گفتگو کرنا سو یہ آپ کا معجزہ تھا اور آپؐ ہی کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے اس پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

امام شافعیؒ ''تکملہ المجموع شرح المہذب :١٨/ ٩١، ٩٢، میں کتاب الإیمان میں لکھا ہے ہے: فان ناداہ بحیث یسمع فلم یسمع لتشاغلہ اوغفلتہ حنث ،نص علیہ احمدفانہ سئل عن رجل حلف ان لایکلم فلانافناداہ و المحلوف علیہ لایسمع قالؒیحنث لانہ قدارادتکلیمہ وھذالکون ذلک یسمی تکلیمایقال کلمتہ فلم یسمع و ان کان میتااوغائبااومغمی علیہ او اصم لایعلم بتکلیمہ ایاہ لم یحنث وبھذاقال الشافعیؒ وحکی عن ابی بکرانہ یحنث بنداء المیت لان النبیﷺ کلمھم وناداھم وقال ماانتم باسمع لمااقول منھم ولناقولہ تعالی :ومماانت بمسمع من فی القبور،ولانہ قدبطلت حواسہ وذھبت نفسہ فکان ابعدمن السماع من الغائب البعید ،لبقاء الحواس فی حقہ وانماکان ذلک من النبیﷺ کرامۃ لہ وامرااختص بہ فلایقاس علیہ غیرہ۔

یعنی قسم کھانے والے جب اس فلاں کو ایسے جگہ سے اوازدی جہاں سے سنائی دی جاسکتی ہے لیکن وہ فلاں کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے اس کی اواز نہیں سن سکا تو اس کی قسم ٹوٹ گئی۔ الخ۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم :١٧/ ٢٠٦، میں امام مازریؒ کا قول نقل کیا ہے، اور ابن رجبؒ نے : کتاب الاھوال: ٧٧، میں لکھا ہے کہ وقدوافق عائشۃ علی نفی سماع موتی کلام الاحیاء طائفۃ من العلماء ورجحہ القاضی ابویعلی من اکابراصحابنافی کتابہ الجامع الکبیر،واحتجوابمااحتجت بہ واجابواعن حدیث قلیب بدربمااجابت بہ عائشۃؓ الخ ۔اس کے علاوہ اور بھی بہت علماء ہیں جو کہ مفسرین کے اقوال میں ہم نے ان کے نام اختصار کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔ چونکہ اس مسئلے کا اختلاف ہمارے ہاں اکثر احناف اور دیوبندیوں کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے بحث میں اکثر علماء احناف کا ذکر کیا، مزید دیوبندیوں کو خاموش کرنے کے لئے ان کے امام کا قول ذکر کرتے ہیں (یعنی رشید احمد گنگوہیؒ) ان کی کتاب: لطائف رشیدیہ مع الفتاوی:٦٧، میں ایک سوال وجواب ہے جو کہ بلفظہ نقل کرتے ہیں:

سوال: سماع موتیٰ کہ از احادیث ثابت است وآیہ کریمہ انک لاتسمع الموتی اگر بظاہر خود ہم داشتہ آید اگر چہ محل تاملہا ست یا زہم تخصیص آں واحادیث چرائے کنند واگر بتعمیم ایت نظر کردہ آید سماع موتیٰ اسلام احیاء وغیرہ راچہ جواب

است آیا حدیث متروک است یا چگونہ وچہ خرابی است درین کہ سماع را از احادیث ثابت گویند ودر آیت نفی سماع قبول واجابت چنانچہ از سباق وسیاق ایت مفہوم میشود، مراد باشد غرض تحقیق درین مسئلہ چیست؟

جواب: مسئلہ سماع موتیٰ کا قرن اول میں مختلف ہوا ہے اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں مگر بتقلید اپنے مجتہد مقلد کی کوئی ترجیح کی جانب اگر میلان کرے تو مضائقہ نہیں۔ سو مسلک عائشہؓ مثل طریقہ امام ابوحنیفہؒ کے یہ ہے کہ ایت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنی حقیقی پر عمل کر کے کہ اصل موضوع یہ ہے، حدیث میں کہ شرح قرآن ہے تاویل مناسب ہے جب تک قطع معنی حدیث پر حاصل نہ ہو جاوے، چنانچہ اصول مبرہن ہے۔ پس ایت انک لاتسمع الموتی قطعی خاص اور احادیث وسماع ظنی اخبار احاد سے تخصیص کس طرح درست ہوسکتی ہے۔ پھر اس ایت میں استعارہ ہے کہ کفار کو اموات واصم سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں معنی وجہ شبہ کی حقیقتا ہوتے ہیں۔

چنانچہ ظاہر ہے کہ میت اور اصم میں صلاح سماعت نہیں لہٰذا معنی عدم اجابت کے جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہوگا؟۔ البتہ مشبہ میں یہی مراد ہے لہٰذا حسب قاعدہ مرجح جانب عدم سماع ہے اور عمرؓ نے چونکہ فخر عالم کی زبان سے ما انت باسمع منھم سنا تھا، تو ان کے نزدیک یہ حدیث بھی قطعی تھی سو جو کچھ معنی انہوں نے سمجھے اس فہم کی وجہ سے اگر تخصیص کریں، ہوسکتا ہے، ورنہ عائشہؓ نے تو خود حدیث میں تاویل کی اور آیت کو بحال خود رکھا اور جمع کر دیا۔

الحاصل: ارجح مذہب عدم سماع کا ہے حسب قواعد۔ پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے ورنہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے اور زیادہ بسط کی گنجائش نہیں۔ اگر بغور مطالعہ فرماؤ گے تو توقع ہے کہ اصل مراد کو آپ تصدیق فرمادیں۔ فقط واللہ اعلم۔

اخر میں بطور نصیحت ابن عبدالبر کا قول جو کہ انہوں نے التمہید: ۲۴۰/۲۰، میں فرمایا ہے، ذکر کرتے ہیں: وھذہ امور لایستطاع علی تکییفھا، وانما فیھا الاتباع و التسلیم۔ اور اللہ تعالی نے سورۂ بقرہ: ۱۵۴، میں برزخی حیات کے متعلق فرمایا ہے: ولکن لاتشعرون ﴿﴾۔

لقداسمعت لونادیت حیا ولکن لاحیات لمن تنادی

واللہ المستعان وھو حسبنا ونعم الوکیل۔

مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَمَآ أَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا

اور نہ اندھوں کو گمراہی سے (نکال کر) رستہ دکھا سکتے ہو تم تو انہی کو سنا سکتے ہو جو

مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ

ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔ اور جب ان کے بارے میں (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا

أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٨٢﴾

تو ہم اُن کیلئے زمین میں سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے بیان کردے گا اس لئے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے[10]

---

[10] ''دابة الارض'' سے مراد ایک عجیب الخلقت اور نادر شکل کا جانور ہے، وہ حدیث جس میں قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی نشانیوں کا ذکر ہے اس میں بھی اس کا ذکر ہے، حذیفہؓ سے امام مسلم نے نقل کیا ہے: انه قال: اطلع رسول الله ﷺ علینا ونحن نتذاکر، فقال ماتذکرون؟ قالوا نذکر الساعة، قال انها لن تقوم حتی تروا قبلها عشر ایات، فذکر الدخان، والدجال، والدابة، وطلوع الشمس من مغربها، ونزول عیسی بن مریم، ویاجوج وماجوج، وثلاثة خسوف، خسف بالمشرق، وخسف بالمغرب، وخسف بجزیرة العرب، واخر ذلک نار تخرج من الیمین تطرد الناس الی محشرهم. مسلم: ۲۹۰۱، ترمذی: ۲۱۸۳، ابن ماجه: ۴۰۴۱.

حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ آپس میں (قیامت) کا ذکر کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ ہماری طرف آ نکلے، اور پوچھا کہ تم لوگ کس چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں، تب آپ نے فرمایا: یقیناً قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیوں کو نہ دیکھ لوگے، پھر آپ نے (ان دس نشانیوں کو اس ترتیب سے) ذکر فرمایا (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض

(۴) سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا (۵) عیسی ابن مریمؑ کا نازل ہونا (٦) یاجوج وماجوج کا ظاہر ہونا، اور (۷) اور (۸) اور (۹) نشانی کے طور پر آپؐ نے تین خسوف کا ذکر فرمایا ایک تو مشرق کے علاقہ میں، دوسرا مغرب کے علاقہ میں، اور تیسرا جزیرۂ عرب کے علاقہ اور دسویں نشانی جو سب کے بعد ظاہر ہوگی، وہ آگ ہے جو یمن کی طرف سے نمودار ہوگی، اور لوگوں کو گھیر ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائے گی۔ اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ وہ ایک ایسی آگ ہوگی جو (یمن کے مشہور شہر) عدن کے آخری کنارے سے نمودار ہوگی، اور لوگوں کو ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائے گی، نیز ایک اور روایت میں دسویں نشانی کے طور پر یمن کی طرف سے یا عدن کے آخری کنارے سے آگ کے نمودار ہونے کے بجائے ایک ایسی ہوا کا ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی۔

،تو قرآن اور حدیث میں جس دابۃ کا ذکر ہے علماء کرام نے اس کے متعلق لکھا ہے: کہ وہ جانور چوپایہ کی صورت میں ہوگا، جس کی لمبائی ساٹھ گز ہوگی، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس عجیب الخلقت جانور کی شکل یہ ہوگی کہ چہرہ انسانوں کی طرح پاؤں اونٹ کی طرح، گردن گھوڑے کی طرح، دم چیل کی طرح، سرین ہرن کی طرح سینگ بارہ سنگے کی طرح اور ہاتھ بندر کی طرح ہونگے۔

نیز اس کے نمودار ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ کوہ صفا جو کعبہ کی مشرقی جانب واقع ہے، یکا یک زلزلہ سے پھٹ جائے گا اور اس میں سے یہ جانور نکلے گا، اس کے ایک ہاتھ میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا، دوسرے ہاتھ میں سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی، تمام شہروں میں اس تیزی کے ساتھ دورہ کرے گا کہ کوئی فرد بشر اس کا پیچھا نہ کر سکے گا، اور دوڑ میں اس کا مقابلہ کر کے اس سے چھٹکارا نہ پا سکے گا، جہاں جہاں جائے گا ہر شخص پر نشان لگاتا جائیگا، جو صاحب ایمان ہوگا اس کو موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے چھوئے گا اور اس کی پیشانی پر ''مومن'' لکھ دے گا، اور جو کافر ہوگا اس پر سلیمان علیہ السلام کی انگشتری سے سیاہ مہر لگا دے گا، اور اس کے منہ پر کافر لکھ دے گا

بعض علماء نے کہا ہے کہ ''دابۃ الارض'' تین مرتبہ نکلے گا، ایک دفعہ تو امام مہدیؓ کے زمانہ میں پھر عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور پھر آخری دفعہ آفتاب کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کے بعد۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جس روز ہم ہراُمت میں سے اس گروہ کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے تو اُن کی جماعت بندی کی جائے گی

حَتّٰىٓ إِذَا جَآءُوْا قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِىْ

یہاں تک کہ جب (سب) آجائیں گے تو (اللہ) فرمائے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا

وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور تم نے (اپنے) علم سے ان پر احاطہ تو کیا ہی نہ تھا بھلا تم کیا کرتے تھے؟ ۔

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

اوران کے ظلم سے ان پرالزام قائم ہوجائے پھروہ بول بھی نہیں سکیں گے ۔

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو (اس لئے) بنایا ہے کہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن

إِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ

(بنایا ہے کہ اس میں کام کریں) بیشک اس میں مومن لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں ۔ اور جس روز صور پھونکا جائے گا

فَفَزِعَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ أَتَوْهُ

تو جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں سب گھبرا اٹھیں گے مگر وہ جسے اللہ چاہے اور سب اس کے پاس

دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِىَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

عاجز ہوکر چلے آئیں گے۔ اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو خیال کرتے ہو کہ کھڑے ہیں مگر وہ اس طرح اڑتے پھریں گے جیسے بادل

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْٓ أَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ إِنَّهٗ خَبِيْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

(یہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا بیشک وہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

جوشخص نیکی لے کر آئے گا تو اُس کیلئے اُس سے بہتر (بدلہ تیار) ہے اور ایسے لوگ (اس روز) گھبراہٹ سے محفوظ ہونگے

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ

اور جو بُرائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے تم کو تو ان ہی اعمال کا بدلہ ملے گا

إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ

جوتم کرتے رہے ہو۔ (کہہ دو کہ) مجھے یہی ارشاد ہوا ہے کہ اس شہر (مکہ) کے مالک کی عبادت کروں جس نے

حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَّأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اس کو محترم (اور مقامِ ادب) بنایا ہے اور سب چیز اُسی کی ہے اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اس کا حکم بردار رہوں

وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

اور یہ بھی کہ قرآن پڑھا کروں تو جوشخص راہِ راست اختیار کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ رہتا ہے

فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

تو کہہ دو کہ میں تو صرف نصیحت کرنے والا ہوں۔ اور کہو کہ اللہ کا شکر ہے وہ تمہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا

فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

تو تم اُن کو پہچان لو گے اور جو کام تم کرتے ہو تمہارا رب ان سے بے خبر نہیں ہے۔

سورة القصص (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلۡكَ آيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ﴿۲﴾ نَتۡلُوۡا عَلَيۡكَ مِنۡ نَّبَاِ

طٰسم۔ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ (اے محمد ﷺ!) ہم تمہیں موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات مومن لوگوں کو سنانے کیلئے

مُوۡسٰى وَفِرۡعَوۡنَ بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِى الۡاَرۡضِ

صحیح صحیح سناتے ہیں۔ کہ فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا

وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَعًا يَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ يُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ

اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر

وَيَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۴﴾ وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى

ڈالتا اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا بیشک وہ مفسدوں میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے

الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ ﴿۵﴾

گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث بنائیں

وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ

اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر کو

مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶﴾ وَاَوۡحَيۡنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوۡسٰٓى اَنۡ اَرۡضِعِيۡهِ

وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔ اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلاؤ

فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي

جب تم کو اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہوا تو اُسے دریا میں ڈال دینا اور نہ تو خوف کرنا اور نہ رنج کرنا

إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۷﴾

ہم اُس کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اُسے پیغمبر بنا دیں گے

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ

تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اٹھا لیا اس لئے کہ (نتیجہ یہ ہوتا تا کہ) وہ ان کا دشمن اور (ان کیلئے موجبِ) غم ہو بیشک فرعون

وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ﴿۸﴾ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ

اور ہامان اور اُن کے لشکر خطا کار تھے ۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ)

قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا

میری اور تمہاری (دونوں کی) آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرنا شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۹﴾ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا إِن كَادَتْ

اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔ اور موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا اگر ہم اُن کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا

لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾

کہ وہ اس (قصے) کو ظاہر کر دیں غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۱﴾

اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا تو وہ اُسے دُور سے دیکھتی رہی اور اُن (لوگوں) کو کچھ خبر نہ تھی

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ

اور ہم نے پہلے ہی اس پر (دائیوں کے) دُودھ حرام کر دیئے تھے تو موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں

يَّكْفُلُوْنَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نٰصِحُوْنَ ﴿۱۲﴾ فَرَدَدْنٰهُ إِلٰى أُمِّهٖ

کہ تمہارے لئے اس (بچے) کو پالیں اور اس کی خیرخواہی (سے) پرورش کریں؟۔ تو ہم نے ان کو ان کی ماں کے پاس

كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا

واپس پہنچا دیا تا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور معلوم کریں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن یہ اکثر نہیں جانتے

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوٰى آتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ط

اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور بھر پور (جوان) ہو گئے تو ہم نے اُن کو حکمت اور علم عنایت کیا

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ

اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہو رہے

أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ

تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے ہیں ایک تو موسیٰ کی قوم کا ہے اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے تو جو شخص اُن کی قوم میں

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهُ مُوْسٰى

سے تھا اُس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا موسیٰ سے مدد طلب کی تو اُنہوں نے اس کو مکا مارا

فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

اور اس کا کام تمام کر دیا کہنے لگے کہ یہ کام تو (اغوائے) شیطان سے ہوا بیشک وہ دشمن اور صریح بہکانے والا ہے [1]

---

[1] ایک دن موسیٰ علیہ السلام شہر میں ایسے وقت میں داخل ہوئے جبکہ سب لوگ دوپہر کے وقت باہر کے حالات سے بے خبر اپنے گھروں میں قیلولہ کر رہے تھے، آپ نے کیا دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک تو ان کے اپنے قبیلے یعنی بنی اسرائیل کا ہے۔ اور دوسرا ان کی دشمن قوم قبط کا ہے، اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی قبطی کے مقابلے میں انہیں مدد کے لئے پکارا، موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو قبطی کو زبانی سمجھایا کہ وہ اسرائیلی کو چھوڑ دے لیکن وہ

الٹا گستاخی سے پیش آیا، اس پر آپ نے آگے بڑھ کر اس کو ایک گھونسہ رسید کیا، اس سے ان کا ارادہ ظالم کے ظلم سے مظلوم کو بچانے کا تھا۔ قتل کا ارادہ ہرگز نہ تھا اور نہ عادتاً گھونسہ قتل کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن قبطی اس کی تاب نہ لا سکا اور مر گیا۔

اس تقریر سے معلوم ہوگیا یہ واقعہ عصمت انبیاء علیہم السلام از کبائر قبل نبوت کے منافی نہیں کیونکہ موسٰی علیہ السلام نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں، انہوں نے ایک مظلوم کی امداد کی تھی، جس سے بلا ارادہ ایک آدمی مر گیا: **لایشکل ایضا علی القول بعصمتهم عن الکبائر و الصغائر مطلقا لجواز ان یکون علیه السلام قدرای ان فی الوکز دفع ظالم عن مظلوم، ففعله غیر قاصد به القتل، و انما وقع مترتبا علیه لا عن قصد**(روح المعانی)۔

"**رب بما انعمت علیّ**" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موسٰی علیہ السلام کا ارادہ قتل کا ہرگز نہ تھا، جب ان کے گھونسہ مارنے سے غیر متوقع طور پر قبطی کی موت واقع ہوگئی۔ تو بہت نادم ہوئے اور بول اٹھے یہ تو ایک شیطانی فعل ہے، شیطان انسان کا علانیہ دشمن ہے جو اسے ورغلا کر غلط راستے پر ڈالتا ہے۔

"قَالَ رَبِّ إِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ" اس غیر ارادی لغزش پر اللہ سے معافی کی درخواست کی، تو اللہ تعالیٰ نے معافی دے دی کیونکہ معاف کرنے والا اور مہربان حقیقت میں وہی ہے۔

شیخ حسین علیؒ فرماتے ہیں "**بما انعمت علی**" کے بعد **فلا تهنی** محذوف ہے، یعنی مجھے رسوانہ کرنا، یا بما میں باء قسمیہ ہے اور جواب قسم محذوف ہے، اور فلن اکون جواب پر معطوف ہے۔ **ای اقسم بانعامک علی لامنعنّ عن مثل هذا الفعل الخ** (روح المعانی)۔

اور انعام سے یا تو فرعون کے شر سے محفوظ رہنا مقصود ہے یا مذکورہ لغزش پر مغفرت، کیونکہ الہام یا رؤیائے صادقہ سے موسٰی علیہ السلام کو معلوم ہوگیا تھا اللہ نے ان کی لغزش معاف فرما دی ہے (روح)۔

"**فاصبح فی المدینة خائفا**" موسٰی علیہ السلام نے رات اسی امید و بیم اور کشمکش میں گذار دی کہ دیکھیں فرد جرم کس پر عائد ہوتی ہے۔ اگلے روز جب وہ گھر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ وہی اسرائیلی آج ایک دوسرے قبطی سے گھتم گھتا ہے، اس نے موسٰی علیہ السلام کو دیکھ کر آج پھر مدد کے لئے پکارا، موسٰی علیہ السلام نے کہا تو بڑا بے ہودہ آدمی ہے، ان کا مطلب یہ تھا کہ تیرا روزانہ کام ہی یہی ہے "**فلما ان اراد**" اس کے بعد موسٰی علیہ السلام جب قبطی کو پکڑ کر پیچھے ہٹانے کے ارادے سے آگے بڑھے، تو اسرائیلی سمجھا کہ وہ مجھے پکڑنے لگے ہیں، کیونکہ انہوں نے اسے ملامت کی تھی اس لئے فوراً بول اٹھا اے موسٰی جس طرح کل تو نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، اسی طرح آج مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، تو لوگوں کے جھگڑے =

قَالَ رَبِّ إِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

بولے کہ الٰہی! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے تو اللہ نے ان کو بخش دیا بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے

﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

کہنے لگے کہ اے اللہ! تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے میں (آئندہ) کبھی گنہگاروں کا مددگار نہ بنوں گا

فَأَصْبَحَ فِى الْمَدِيْنَةِ خَائِفًا يَّتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِىْ اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ

پس صبح کے وقت شہر میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے کہ دیکھیں تو ناگہاں وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی

يَسْتَصْرِخُهُ قَالَ لَهُ مُوْسٰى إِنَّكَ لَغَوِىٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾

پھر ان کو پکار رہا ہے موسیٰ نے اس سے کہا کہ تو تو صریح گمراہ ہے

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِىْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يٰمُوْسٰى

جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو جوان دونوں کا دشمن تھا پکڑ لیں تو وہ (یعنی موسیٰ کی قوم کا آدمی) بول اٹھا کہ اے موسیٰ!

أَتُرِيْدُ أَنْ تَقْتُلَنِىْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ إِنْ تُرِيْدُ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا

جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا (اُسی طرح) چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو؟ تم تو یہی چاہتے ہو کہ ملک میں ظلم وستم

= صلح صفائی سے ختم کرنے کے بجائے جبر وتشدد سے بڑا بننا چاہتا ہے۔

"وجاء رجل من اقصى المدينة" اسرائیلی کی گفتگو سے قبطی کے قتل کا معمہ حل ہوگیا اور یہ خبر فوراً ہی فرعون تک پہنچ گئی، فرعون اور اس کے مشیروں نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ فرعون کے رشتہ داروں میں سے ایک نیک دل انسان جو بعد میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور قران میں جسے مومن آل فرعون کہا گیا ہے شمعون یا حزقیل کو اس کی اطلاع ہوگئی وہ دوڑتا ہوا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور دربار فرعون کے فیصلے سے انہیں آگاہ کیا اور مشورہ دیا کہ وہ فوراً اس شہر سے ہجرت کر جائیں۔

فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٩﴾

کرتے پھرو اور یہ نہیں چاہتے کہ نیکوکاروں میں ہو

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوسٰى إِنَّ الْمَلَأَ

اور ایک شخص شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا (اور) بولا کہ موسیٰ (شہر کے) رئیس تمہارے بارے میں

يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النّٰصِحِينَ ﴿٢٠﴾

مشورہ کررہے ہیں کہ تم کو مار ڈالیں سو تم یہاں سے نکل جاؤ میں تمہارا خیرخواہ ہوں

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ﴿٢١﴾

موسیٰ وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّي أَنْ يَّهْدِيَنِي سَوَآءَ السَّبِيلِ

اور جب مدیَن کی طرف رُخ کیا تو کہنے لگے کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا رستہ بتائے

﴿٢٢﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ

اور جب مدیَن کے پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہورہے ہیں (اوراپنے چوپایوں کو) پانی پلارہے ہیں

وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي

اوران کے ایک طرف دوعورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے (ان سے) کہا تمہارا کیا کام ہے؟ وہ بولیں

حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿٢٣﴾

کہ جب تک چرواہے (اپنے چوپایوں کو) لے نہ جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتے اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٤﴾

تو موسیٰ نے ان کیلئے پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف چلے گئے اور کہنے لگے کہ الٰہی! میں اس کا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے

فَجَآءَتْهُ إِحْدٰهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ

(تھوڑی دیر کے بعد) ان میں سے ایک عورت جو شرماتی اور لجاتی چلی آتی تھی موسیٰ کے پاس آئی (اور) کہنے لگی

إِنَّ أَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَآءَهُ

کہ تم کو میرے والد بلاتے ہیں کہ تم نے جو ہمارے لئے پانی پلایا تھا اُس کی تمہیں اُجرت دیں۔ جب وہ اُن کے پاس گئے

وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور اُن سے (اپنا) ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ کچھ خوف نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو

قَالَتْ إِحْدٰهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ

ایک لڑکی بولی کہ ابا ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ بہتر نوکر جو آپ رکھیں وہ ہے (جو) توانا اور امانتدار (ہو)

﴿۲۶﴾ قَالَ إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰى أَنْ

انہوں نے (موسیٰ سے) کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دوبیٹیوں میں سے ایک کو تم سے بیاہ دوں اس (عہد) پر کہ تم

تَأْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيْدُ أَنْ

آٹھ برس میری خدمت کرو اور اگر دس سال پورے کر دو تو وہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے۔ اور میں تم پر تکلیف ڈالنا

أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

نہیں چاہتا تم مجھے ان شاء اللہ نیک لوگوں میں پاؤ گے

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ

موسیٰ نے کہا کہ مجھ میں اور آپ میں یہ (عہد پختہ ہوا) میں جونسی مدت (چاہوں) پوری کر دوں پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو

وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهٖٓ

اور ہم جو معاہدہ کرتے ہیں اللہ اس پر گواہ ہے۔ جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ

تو طور کی طرف سے آگ دکھائی دی تو اپنے گھر والوں سے کہنے لگے کہ (تم یہاں) ٹھہرو مجھے آگ نظر آئی ہے شاید میں

اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

وہاں سے (رستے کا) کچھ خبر لاؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم تاپو

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ

جب اس کے پاس پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت میں سے آواز آئی

مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾

کہ موسیٰ میں تو اللہ رب العالمین ہوں [2]

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ

اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو جب دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا کہ وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے پھر کر بھی نہ

یٰمُوْسٰٓی اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ

دیکھا (ہم نے کہا کہ) موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں ہو۔ اپنا ہاتھ

---

[2] "من شاطی" مبدل منہ اور "من الشجرة" اس سے بدل ہے، جب وہ آگ کے قریب پہنچے تو اس بابرکت اور سرسبز و شاداب خطے کا وادی کے دائیں کنارے کی جانب سے ایک درخت میں سے آواز آئی، اے موسیٰ! میں اللہ ہوں، یعنی ساری کائنات میں متصرف اور سارے جہاں کا مالک ہوں "ان یاموسیٰ" میں "ان" تفسیر یہ ہے جو نداء کی تفسیر کر رہا ہے۔

یہاں ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے "من فی النار" کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ "من فی النار" سے خود ذات حق سبحانہ وتعالیٰ مراد ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ آگ

ایک مخلوق ہے اور کسی مخلوق میں خالق کا حلول نہیں ہوسکتا، اس لئے اس روایت کا یہ مفہوم تو ہو نہیں سکتا کہ ذات حق سبحانہ وتعالی نے آگ کے اندر حلول فرمایا تھا، جیسا کہ بہت سے بُت پرست مشرکین بتوں کے وجود میں ذات حق کے حلول کے قائل ہیں، اور یہ توحید کے قطعاً خلاف ہے، بلکہ مراد ایسا ظہور ہے جیسا ائینہ میں جس چیز کو دیکھا جاتا ہے وہ آئینہ میں حلول کئے ہوئے نہیں ہوتی، اس سے الگ اور خارج ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ظہور جس کو تجلی بھی کہا جاتا ہے خود ذات حق سبحانہ وتعالی کی تجلی نہیں تھی، ورنہ اگر ذات حق تعالی کا مشاہدہ موسٰی علیہ السلام نے کرلیا ہوتا تو بعد میں ان کے اس سوال کی کوئی وجہ نہیں رہتی "رب ارنی انظر الیک" (یعنی اے میرے پروردگار مجھے اپنی ذات پاک دکھا کہ میں دیکھ سکوں)۔

اور اس کے جواب میں حق تعالی کی طرف سے "لن ترانی" کا ارشاد بھی پھر کوئی معنی نہ رکھتا، اس سے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ کے اس قول میں حق تعالی کا ظہور مراد ہے یعنی تجلی جو آگ کی صورت میں ہوئی، یہ جس طرح حلول نہیں تھا اسی طرح تجلی ذات بھی نہیں تھی، بلکہ "لن ترانی" الایۃ، سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عالم دنیا میں تجلی ذاتی کا کوئی شخص مشاہدہ نہیں کرسکتا، پھر اس ظہور وتجلی کا کیا مفہوم ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تجلی مثالی تھی۔ (معارف القرآن)۔

اور یہ موسٰی علیہ السلام کا معجزہ تھا، عام لوگوں کے لئے اس پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہوگا، لہٰذا جو مولانا اشرف علی اشعار الغیور بمافی اشعار ابن منصور: ١٤٧، میں لکھتے ہیں کہ: اسی ظہور کے ایک درجہ کو تجلی بھی کہتے ہیں، جیسے شجرۂ طور میں بھی تجلی تھی، اگر کسی انسان کامل میں کلام کی تجلی ہو جائے تو بعد کیا ہے؟ اور، ص: ١٤٣، میں لکھتے ہیں دوسرے معنی محتمل یہ ہے کہ میں نے یہ راز ظاہر نہیں کیا، خود محبوب ہی نے ظاہر کیا، یعنی " انا الحق " کے ساتھ وہی متکلم ہیں جیسا شجرۂ طور سے کلام حق " انی انا الله " کا ظہور ہوا۔

بوادر النوادر: ٣٩٨، میں رقم طراز ہیں کہ: جیسے شجرۂ طور بلا اختیار کلمۂ " انی انا الله "، کا مظہر تصرف حق سے ہوگیا اسی طرح ابن منصور بھی بلا اختیار کلمہ " انا الحق "کا مظہر تصرف حق سے ہوگیا، باطل ہے۔

اور جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب سیرت منصور حلاج: ٥٠، میں لکھتے ہیں: اور ایک تاویل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس وقت ابن منصور کی زبان کلام حق کی ترجمان تھی، ان کی زبان سے اسی طرح "انا الحق" نکلا تھا، جیسا کہ شجرۂ موسٰی سے "انی انا الله رب العالمین" کی آواز آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ درخت نے اپنے کو "الله رب العالمین" نہیں کہا تھا، بلکہ اس وقت وہ کلام الٰہی کا ترجمان تھا، اسی طرح ابن منصور کے متعلق بھی خیال کیا جاسکتا ہے اور غلبہ حالات وارادات میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ عارف کی زبان سے اللہ تعالی تکلم فرماتے ہیں، جس کو سالکین اصحاب

حال سمجھ سکتے ہیں، پس یہ تو مسلم ہوسکتا ہے کہ ابن منصور کی زبان سے " انا الحق" نکلا ہو مگر یہ مسلم نہیں کہ ابن منصور نے خود "انا الحق" کہا تھا۔

لیکن یہ تاویل انتہائی گمراہ کن اور باطل ہے اہل سنت میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے، اور یہ ایک خالص معنوی تحریف ہے۔ جبکہ ائمہ اہل السنّت میں سے کوئی بھی ابن منصور کو اچھا نہیں سمجھتا تھا، حافظ ابن حجر لسان المیزان:۳۱۵/۲، میں لکھتے ہیں: ولاارى يتعصب للحلاج الامن قال بقوله الذى ذكرانه عيّن الجمع، فهذاهوقول اهل الوحدة المطلقة ،ولهٰذا ترى ابن عربى صاحب "الفصوص" يعظمه ويقع فى الجنيد، میں حلاج کے حق میں اسی شخص کو تعصب رکھتے دیکھتا ہوں، جو اسی کے قول کا قائل ہے، جو اس سے ذکر کیا گیا ہے، کہ اس نے (خالق ومخلوق کے درمیان) جمع کو لازم کیا تھا، یہی وحدت مطلقہ (وحدة الوجود) والوں کا عقیدہ ہے۔ اسی لئے آپ "الفصوص" نامی کتاب کے مصنف ابن عربی کو دیکھیں گے کہ وہ اس کی تعظیم کرتا ہے اور جنید کی گستاخی کرتا ہے۔

حافظ ابن الجوزیؒ تلبیس ابلیس:۱۵۴/۱، میں لکھتے ہیں: اتفق علماء العصر على اباحة دم الحلاج۔ اس کے زمانہ کے تمام علمائے کرام حلاج کے خون کے مباح ہونے پر متفق ہو گئے تھے۔

حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ:۱۴۹/۱۱، میں لکھا ہے: قد اتفق علماء بغدادعلى كفر الحلاج وزندقته،واجمعوا على قتله وصلبه،وكان علماء بغداد اذ ذاك هم علماء الدنيا ۔ بغداد کے علماء کرام حلاج کے کافر وزندیق ہونے پر متفق ہو گئے تھے اور انہوں نے اسے قتل کرنے اور سولی پر لٹکانے پر اجماع کرلیا تھا اور اس زمانے میں علمائے بغداد ہی دنیا کے (کبار) علماء شمار ہوتے تھے۔

علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء:۳۴۵/۱۴، میں لکھتے ہیں: فتدبّرياعبدالله!نحلة الحلاج الذى هومن رؤوس القرامطة،ودعاة الزندقة،وانصف وتورع،واتق ذلك وحاسب نفسك،فان تبرهن لك ان شمائل هذا المرء شمائل عدو للاسلام ،محب للرئاسة،حريص على الظهورباطل وبحق، فتبرأمن نحلته، وان تبرهن لك.(و العياذبالله) انه كان (والحالة هذه) محقا هاديامهديا،فجدد اسلامك،واستغث بربك ان يوفقك للحق، وان يثبت قلبك على دينه،فانما الهدى نوريقذفه الله فى قلب عبده المسلم،ولاقوة الابالله۔

اے اللہ کے بندے آپ اس حلاج کے مذہب پر غور کریں، جو کہ قرامطہ غالی اور خطرناک قسم کے رافضی لوگوں کا ایک سردار اور الحاد و بے دینی کا زبردست داعی تھا۔ آپ انصاف وغیر جانب داری سے کام لیں، اس سے بچ جائیں، اور اپنے نفس کا محاسبہ کریں، اگر آپ کے لئے واضح ہو جائے کہ اس شخص کے خصائل اسلام دشمن، حکومت پسند اور باطل وحق کے اختلاط کے ساتھ غلبہ حاصل کرنے کے خواہش مند شخص کے خصائل ہیں تو فوراً اس کے مذہب سے دستبردار ہو جائیے! اور اللہ نہ کرے، اگر اس صورت حال کے باوجود آپ کو وہ حق بجانب، ہدایت یافتہ اور ہدایت کنندہ نظر آئے تو اپنے اسلام کی تجدید کیجئے اور اپنے رب سے مدد مانگیے کہ وہ آپ کو حق کی توفیق دے اور آپ کے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھے، کیونکہ ہدایت تو ایک نور ہے، جسے اللہ تعالی اپنے مسلمان بندے کے دل میں جا گزیں کر دیتا ہے۔ گمراہی سے بچنے اور حق کو پانے کی قوت وطاقت صرف اللہ تعالی دیتا ہے۔

بعض یہاں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اللہ تعالی کے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کلام کو درخت میں پیدا کیا، پھر اس کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی، لیکن یہ تاویل باطل اور فاسد ہے، امام آجری کتاب الشریعۃ: ٣١٣، میں لکھتے ہیں: **فان قال قائل منهم ،خلق الله عزوجل كلاما فی شجرة وكلم به موسیٰ ،قيل هذا هو الكفر لانه يزعم ان الكلام مخلوق ،تعالی الله عن ذلک ،الخ**۔ یعنی اگر ان میں سے کوئی کہے کہ اللہ تعالی نے درخت میں کلام کو پیدا کیا تھا اور اس کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی تھی، تو اسے کہا جائے گا، یہی کفر ہے، کیونکہ ان کا دعوی ہے کہ کلام الٰہی مخلوق ہے، الخ۔

اور اسی طرح امام بیہقی نے کتاب الاعتقاد: ٩٧، ٩٨، اور اشعری نے کتاب الابانۃ: ١٠٩، میں لکھا ہے، اور ابن ابی العز شرح عقیدۃ الطحاویۃ: ١٧٥، ١٧٤، میں لکھتے ہیں: کہ **وماافسداستدلالهم بقوله تعالی : نودی من شاطی الوادی الايمن فی البقعة المباركة من الشجرة" علی ان الكلام خلقه الله تعالی فی الشجرة فسمعه موسیٰ منها وعموا عمّا قبل هذه الكلمة ومابعدها فان الله تعالی قال: " فلما آتاها نودی من شاطی الوادی الايمن " الخ** ۔ یعنی ان جہمی لوگوں کا اس فرمان باری تعالی (اس آیت) سے اس بات پر استدلال کتنا فاسد ہے کہ اللہ تعالی نے کلام کو درخت میں پیدا کیا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس سے سنا وہ اس فرمان باری تعالی کے ماقبل اور مابعد سے اندھے بن گئے ہیں۔

فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ وَّاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ

گریبان میں ڈالو تو بغیر کسی عیب کے سفید نکل آئے گا اور خوف دُور ہونے (کی وجہ) سے اپنے بازو کو اپنی طرف سکیڑ لو

مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَإِئْهٖ

یہ دو دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے ہیں (ان کیساتھ) فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس (جاؤ)

إِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ

کہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ الٰہی! اُن کا ایک شخص میرے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے سو مجھے خوف ہے

أَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿٣٣﴾ وَأَخِيْ هَارُوْنُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا

کہ وہ (کہیں) مجھے مار نہ ڈالیں۔ اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے

فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُّصَدِّقُنِيْٓ إِنِّيْٓ أَخَافُ أَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿٣٤﴾

تو اُس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے مجھے خوف ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا

(اللہ نے) فرمایا ہم تمہارے بھائی سے تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے

فَلَا يَصِلُوْنَ إِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿٣٥﴾

تو ہماری نشانیوں کے سبب وہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے (اور) تم اور جنہوں نے تمہاری پیروی کی غالب رہو گے

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى

اور جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے جو اس نے بنا کھڑا کیا ہے

وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْأَوَّلِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ أَعْلَمُ

اور یہ (باتیں) ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو (کبھی) سنی نہیں۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے

بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ

جو اس کی طرف سے حق لے کر آیا ہے اور جس کیلئے عاقبت کا گھر (یعنی جنت) ہے بیشک ظالم نجات نہیں پائیں گے

﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ

اور فرعون نے کہا کہ اے اہلِ دربار میں تمہارا اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا تو

فَاَوْقِدْ لِیْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا لَّعَلِّیْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ

ہامان میرے لئے گارے کو آگ لگوا (کر اینٹیں پکوا) دو پھر ایک (اونچا) محل بنوا دو تا کہ میں موسیٰ کے معبود کی طرف چڑھ

مُوْسٰى وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ

جاؤں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں ۔ اور وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق مغرور ہو رہے تھے

فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ

اور خیال کرتے تھے کہ وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے ۔ تو ہم نے ان کو اور ان کے لشکروں کو پکڑ لیا

وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور دریا میں ڈال دیا سو دیکھ لو کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا تھا وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن اُن کی مدد نہیں کی جائے گی

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور اس دنیا میں ہم نے اُن کے پیچھے لعنت لگا دی اور وہ قیامت کے روز بھی بدحالوں میں ہوں گے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ

اور ہم نے پہلی اُمتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کیلئے بصیرت

لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلٰى مُوْسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ

اور جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا تو تم (طور کے) مغرب کی طرف نہیں تھے اور نہ اس واقعے کے

الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ

دیکھنے والوں میں تھے۔ لیکن ہم نے (موسیٰ کے بعد) کئی اُمتوں کو پیدا کیا پھر اُن پر مدت طویل گزر گئی اور نہ تم

ثَاوِيًا فِيْ أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾

مدین والوں میں رہنے والے تھے کہ اُن کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے تھے ہاں ہم ہی تو پیغمبر بھیجنے والے تھے

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ إِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

اور نہ تم اُس وقت جب کہ ہم نے آواز دی طُور کے کنارے تھے بلکہ (تمہارا بھیجا جانا) تمہارے رب کی رحمت ہے

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا أَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

تاکہ تم اُن لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا ہدایت کرو تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

وَلَوْلَآ أَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

اور (اے پیغمبر! ہم نے تمہیں اس لئے بھیجا ہے کہ) ایسا نہ ہو کہ اگر ان (اعمال) کے سبب جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں

رَبَّنَا لَوْلَآ أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ

اُن پر کوئی مصیبت واقع ہو تو یہ کہنے لگیں کہ اے اللہ! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا

کرنے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے۔ پھر جب اُن کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے

لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسٰى أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسٰى

کہ جیسی (نشانیاں) موسیٰ کو ملی تھیں ویسی اس کو کیوں نہیں ملیں؟ کیا جو (نشانیاں) پہلے موسیٰ کو دی گئی تھیں

مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُونَ ﴿۴۸﴾

انھوں نے ان سے کفر نہیں کیا؟ کہنے لگے کہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے موافق اور بولے کہ ہم سب سے منکر ہیں

قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدٰى مِنْهُمَا

کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آ ؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو

أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۴۹﴾ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ

تاکہ میں بھی اُسی کی پیروی کروں ۔ پھر اگر یہ تمھاری بات قبول نہ کریں تو جان لو

أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ

کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے۔اوراس سے بڑھ کرکون گمراہ ہوگا

بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿۵۰﴾

جواللہ کی ہدایت چھوڑکراپنی خواہش پرچلتا ہو بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ

اور ہم پے درپے ان لوگوں کے پاس (ہدایت کی) باتیں بھیجتے رہے ہیں تاکہ نصیحت پکڑیں ۔جن لوگوں کو ہم نے

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾ وَإِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوا آ

اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔اور جب (قرآن) اُن کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں

مَنَّا بِهٖ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِينَ ﴿۵۳﴾

کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک وہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے (اور) ہم تو اس سے پہلے کے حکم بردار ہیں

أُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ

ان لوگوں کو دگنا بدلا دیا جائے گا کیونکہ صبر کرتے رہے ہیں اور بھلائی کیساتھ بُرائی کو دُور کرتے ہیں

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا

اور جو (مال) ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اُس سے منہ پھیر لیتے

لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ﴿۵۵﴾

ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال تم کو سلام ہم جاہلوں کو منہ نہیں لگاتے

إِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ أَعْلَمُ

(اے محمد ﷺ!) تم جس کو دوست رکھتے ہو اُسے ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہ ہدایت

بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَقَالُوْا إِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰی مَعَکَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا

پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو اپنے ملک سے اچک لئے جائیں

أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا یُّجْبٰٓی إِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا

کیا ہم نے اُن کو حرم میں جو امن کا مقام ہے جگہ نہیں دی؟ جہاں ہر قسم کے میوے پہنچائے جاتے ہیں رزق ہماری طرف

وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا

سے ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنی (فراخی) معیشت میں اِترا

فَتِلْکَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِیْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ

رہے تھے سو یہ اُن کے مکانات ہیں جو اُن کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم، اور اُن کے پیچھے ہم ہی ان کے وارث ہوئے

﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّکَ مُهْلِکَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْٓ أُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا

اور تمہارا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک اُن کے بڑے شہر میں پیغمبر نہ بھیج لے جو اُن کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰى إِلَّا وَأَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

سنائے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں

وَمَآ أُوْتِيْتُم مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا

اور جو چیز تمہیں دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اورباقی رہنے والی ہے کیا تم سمجھتے نہیں؟

أَفَمَنْ وَّعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

بھلا جس شخص سے ہم نے نیک وعدہ کیا اور اس نے اسے حاصل کرلیا تو کیا وہ شخص اس کا سا ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی

ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾

کے فائدے سے بہرہ مند کیا پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہو جو (ہمارے رُوبرو) حاضر کئے جائیں گے

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ أَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور جس روز اللہ اُن کو پکارے گا اور کہے گا میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کا تمہیں دعویٰ تھا؟

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنٰهُمْ

(تو) جن لوگوں پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے کہ ہمارے رب یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا

كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَآ إِلَيْكَ مَا كَانُوْا إِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے اسی طرح ان کو گمراہ کیا تھا ہم تیری طرف ان سے بیزار ہوتے ہیں یہ ہمیں نہیں پوجتے تھے

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ

اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ تو وہ ان کو پکاریں گے اور وہ ان کو جواب نہ دے سکیں گے اور (جب) عذاب کو دیکھ

لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ

لیں گے (تو تمنا کریں گے کہ) کاش وہ ہدایت یافتہ ہوتے ۔٦٤۔ اور جس روز اللہ ان کو پکارے گا اور کہے گا

مَاذَآ أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا

کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا؟ تو وہ اس روز خبروں سے اندھے ہو جائیں گے اور آپس میں کچھ بھی نہ پوچھ سکیں گے

يَتَسَآءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰٓ أَن يَكُونَ

لیکن جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کئے تو یقین ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں ہو

مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ

اور تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) برگزیدہ کر لیتا ہے

وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٨﴾

ان کو اس کا اختیار نہیں ہے یہ جو شرک کرتے ہیں اللہ اُس سے پاک اور بالاتر ہے

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا

اور ان کے سینے جو کچھ چھپاتے کرتے اور جو ظاہر کرتے ہیں تمہارا رب اس کو جانتا ہے۔ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

هُوَ ۖ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٧٠﴾

دنیا اور آخرت میں اُسی کی تعریف ہے اور اُسی کا حکم اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ

کہو بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات (کی تاریکی) کئے رہے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں

غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِضِيَآءٍ ۖ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿٧١﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللَّهُ

روشنی لا دے تو کیا تم سنتے نہیں؟ ۔ کہو بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر

عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللهِ يَأْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ

ہمیشہ قیامت تک دن کیئے رہے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے کہ تم کو رات لا دے

تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

جس میں تم آرام کرو تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات کو اور دن کو بنایا

لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾

تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ أَيْنَ شُرَكَآئِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٧٤﴾

اور جس دن وہ ان کو پکارے گا اور کہے گا کہ میرے وہ شریک جن کا تمہیں دعویٰ تھا کہاں گئے؟

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْا

اور ہم ہر ایک اُمت میں سے گواہ نکالیں گے پھر کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو تو وہ جان لیں گے

أَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٧٥﴾

کہ سچ بات اللہ کی ہے اور جو وہ افتراء کیا کرتے تھے ان سے جاتا رہے گا

إِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور ان پر ظلم کرتا تھا اور ہم نے اُس کو اتنے خزانے دیئے تھے

مَا إِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓأُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ

کہ اُن کے خزانے ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں، جب اُس سے اُس کی قوم نے کہا کہ اِترائیے مت

إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيْمَا آتٰكَ اللهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ

کہ اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو (مال) تمہیں اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت (کی بھلائی)

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ

طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلائیے اور جیسی اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾

(ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو اور ملک میں طالبِ فساد نہ ہو کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

قَالَ إِنَّمَا أُوْتِيْتُهُ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ

بولا کہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کی وجہ) سے ملا ہے کیا اُس کو معلوم نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی اُمتیں

مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّأَكْثَرُ جَمْعًا ط وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ

جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں ہلاک کر ڈالی ہیں اور گنہگاروں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهِ فِيْ زِيْنَتِهِ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ

پوچھا نہیں جائے گا۔ تو (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کی زندگی

الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوْتِيَ قَارُوْنُ إِنَّهُ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ

کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال و متاع) قارون کو ملا ہے کاش (ایسا ہی) ہمیں بھی ملے وہ تو بڑا ہی نصیب والا ہے

﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس مومنوں اور نیکوکاروں کیلئے (جو) ثواب اللہ (کے ہاں تیار ہے وہ)

اٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا ج وَلَا يُلَقّٰهَآ إِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

کہیں بہتر ہے اور وہ صرف صبر کرنے والوں کو ہی ملے گا

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت اُس کی مددگار نہ ہو سکی

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾ وَأَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ

اور نہ وہ بدلا لے سکا ۔[3] اور وہ لوگ جو کل اس کے رتبے کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے ہائے شامت

---

[3] یہ تخویف دنیوی ہے اور ''وما اوتیتم من شیء ،الایة'' سے متعلق ہے۔دنیا کی ناپائداری کا حال دیکھ لو۔ قارون کے پاس کس قدر دولت تھی مگر اس نے دولت میں اللہ کا حق ادا نہ کیا اور کفر وشرک کرتا رہا،اس لئے دولت کے ساتھ تباہ وبرباد کردیا گیا۔قارون موسٰی علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا موسٰی علیہ السلام کے والد عمران اور قارون کا والد یصہر دونوں حقیقی بھائی تھے جو قاہث بن لاوی بن یعقوب کے بیٹے تھے۔(روح المعانی)۔قارون منافق تھا،اس لئے موسٰی علیہ السلام کے ساتھ دریا سے پار ہوگیا۔ولم یکن فی بنی اسرائیل اقرأ منه للتوراة ولکنه نافق کمانافق السامری (خازن) وہ کثرت مال کی وجہ سے دوسرے اسرائیلیوں پر ظلم وزیادتی کرتا تھا۔

''مفاتحه'' سے مراد خزانے ہیں نہ کہ کنجیاں،جیسا کہ ابن عباسؓ اور دوسرے مفسرین نے کہا ہے:قال السدی ای خزائنه وفی معناہ قول الضحاک ای ظروفه واوعیته، وروی نحوذلک عن ابن عباسؓ و الحسنؓ (روح)۔

''عصبة'' تین سے دس آمیوں تک کی جماعت کو کہتے ہیں۔یعنی ہم نے اسے اس قدر دولت دی تھی کہ اس کے خزانوں کو طاقتور آدمیوں کی جماعت بڑی شکل سے اٹھا سکتی تھی۔

''اذ'' ''قال'' کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے ای اظهر التفاخرو الفرح(روح)۔

''وابتغ فیما اتاک الله'' قوم کے لوگوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی،اور اس سے کہا اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں دولت دی ہے اس میں اللہ کا حق ادا کرکے اور اسے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرکے سامان اخرت تیار کر اور دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھا۔جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور تجھے دولت عطا فرمائی ہے اسی طرح تو اللہ کے بندوں پر احسان کر اور دولت کے بل پر زمین میں شر وفساد بپا مت کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ شر پسند لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔

''قال انما اوتیته علی علم عندی'' قارون نے اپنے ناصحین کو نہایت ہی سرکشانہ جواب دیا اور کہنے لگا کہ اللہ کا کونسا احسان ہے یہ دولت تو میں نے اپنے علم وہنر سے حاصل کی ہے۔''علم'' سے تجارت اور ذرائع معاش کا علم مراد ہے۔بعض نے علم کیمیا مراد لیا ہے،اراد به علمه بوجوه المکاسب و التجارات (کبیر). قال ابن

المیسبؒ علم الکیمیا(روح).

"اولم یعلم ان اللہ" یہ قارون کیلئے تنبیہ وتہدید ہے، کیا تورات کے تلاوت سے اسے یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اس سے پہلے بڑی بڑی سرکش قوموں کو اللہ نے ہلاک کر دیا جو دولت اور خدم وچشم میں اس سے کہیں زیادہ تھے۔ اور پھر ایسے سرکش اور متکبر مجرموں کے گناہوں کا کوئی حساب کتاب نہیں کیا جاتا اور انہیں بلاحساب ہی جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے۔ کیونکہ جرم وگناہ اور معاصی کے سوا ان کے پلے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ لعلمہ تعالی بھم بل یدخلون النار بغیر حساب(مدارک)۔

"فخرج علی قومہ فی زینتہ" قارون ایک دفعہ اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ اپنے خدم وچشم کے جلو میں نہایت ہی بیش قیمت لباس اور ساز وسامان کے ساتھ نکلا۔ جب دنیادار لوگوں نے اس کی شان اور آن بان دیکھی تو بول اٹھے ہائے کاش ہمارے پاس بھی اس قدر دولت ہوتی۔ قارون تو بڑا ہی خوش قسمت ہے۔

"وقال الذین اتوا العلم" دنیاداروں کی باتیں سن کر دیندار اور اہل علم نے اس ارز و پر انہیں سرزنش کی اور کہا تم پر افسوس تم دنیا کی تمنا کرتے ہو حالانکہ ایمان اور عمل صالح کا ثواب واجر اس سے بدر جہا بہتر ہے، لیکن یہ خیال صرف انہیں لوگوں کے دلوں میں آتا ہے جو ایمان اور عمل صالح پر قائم ہوں اور شہوات ومعاصی سے اپنے نفس امارہ کو قابو میں رکھ سکتے ہوں۔

"فخسفنابہ وبدارہ الارض" قارون کی سرکشی اور اس کے عناد واستکبار اور انکار وجحود کی وجہ سے ہم نے اس کو اور اس کے عالیشان محلات کو خزائن دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

"فما کان لہ من فئۃ" دنیا میں ہزاروں افراد اس کی خدمت اور امداد واعانت کرنے والے موجود تھے مگر عذاب الٰہی سے اسے کوئی بھی نہ بچا سکا۔ قارون کے بارے کئی بے سروپا قصے مشہور ہیں جن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں مثلاً اس کے خزانے اس قدر زیادہ تھے کہ ان کی چابیاں چالیس یا ساٹھ خچریں اٹھا سکتی تھیں جبکہ ایک چابی صرف انگلی کی مقدار لمبی تھی اور اتنی ہلکی کہ چمڑے سے بنائی گئی تھی۔

اسی طرح جب وہ شان وشوکت سے نکلا تو اس کے آگے پیچھے او دائیں بائیں ستر ہزار پیادوں چار ہزار گھوڑا سواروں اور تین سو لونڈیوں کا جلوس تھا۔ علی ہذا قارون اس وقت سے لے کر اس وقت تک زمین میں دھنس رہا ہے اور قیامت تک دھنستا رہے گا۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب بے سند اور جھوٹے قصے ہیں۔ علامہ الوسی وغیرہ لکھتے ہیں کہ فلکیات =

يَـقُـوْلُـوْنَ وَيْـكَــأَنَّ اللهَ يَبْسُـطُ الـرِّزْقَ لِـمَـنْ يَّشَـآءُ مِنْ عِبَـادِهٖ وَيَقْدِرُ

اللہ ہی تو اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے رزق فراخ کردیتا ہے اور (جس کیلئے چاہتا ہے) تنگ کردیتا ہے

لَـوْلَا أَنْ مَّـنَّ اللهُ عَـلَيْـنَـا لَـخَسَفَ بِـنَا وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا ہائے خرابی کافر نجات نہیں پا سکتے

تِـلْـكَ الـدَّارُ الْآخِـرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا

وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُسے اُن لوگوں کیلئے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے

فَسَادًا ؕ وَالْـعَـاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَـآءَ بِـالْـحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا

اور انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اُس کیلئے اُس سے بہتر ہے اور جو بُرائی لائے گا

وَمَـنْ جَـآءَ بِـالسَّيِّـئَةِ فَلَا يُـجْـزَى الَّـذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّـاٰتِ إِلَّا مَا كَانُوْا

تو جن لوگوں نے بُرے کام کئے اُن کو بدلا بھی اُسی طرح کا ملے گا جس طرح کے وہ کام کرتے تھے

= کے ماہرین کے مطابق زمین کے قطر کی مقدار معین ہے اس لئے یہ دھنسنے کا واقعہ اشکال سے خالی نہیں۔ واللہ تعالی اعلم بصحة ذلک بل هو مشکل ان صح ماقاله الفلاسفة فی مقدار قطر الارض (روح)۔

"واصبح الذین تمنوا" کل جن لوگوں نے قارون کی شان وشوکت دیکھ کر اس جیسی دولت اور شان کی تمنا کی تھی اب وہ اپنی باتوں پر ندامت کا اظہار کرنے لگے اور کہا دولت کی فراخی اور تنگی اللہ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے دولت مند بنائے اور جسے چاہے تنگدست کرے، اور اس کی حکمتیں بھی وہی جانتا ہے۔ اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس قدر دولت نہیں دی ورنہ ہم بھی قارون کی طرح سرکش اور اللہ کے نافرمان اور باغی ہو جاتے اور ہمارا بھی وہی حشر ہوتا جو قارون کا ہوا۔

يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ إِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ إِلٰى مَعَادٍ

(اے پیغمبر!) جس (رب) نے تم پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ تمہیں بازگشت کی جگہ لوٹا دے گا

قُلْ رَّبِّىْ أَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٨٥﴾

۔ کہہ دو کہ میرا رب اُس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور (اُس کو بھی) جو صریح گمراہی میں ہے

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْ أَنْ يُّلْقٰى إِلَيْكَ الْكِتٰبُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا

اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر تمہارے رب کی مہربانی سے تو تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہونا

تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللهِ بَعْدَ إِذْ

اور وہ تمہیں اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے بعد اس کے کہ وہ تم پر نازل ہو چکی ہیں

أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٨٧﴾

روک نہ دیں اور اپنے رب کو پکارتے رہو اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ ۘ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۭ

اور اللہ کیساتھ کسی اور کو معبود (سمجھ کر) نہ پکارنا اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اُس کی (پاک) ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی

لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٨﴾

ہے۔ حکم اُسی کا ہے۔ اور اُسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے

سورة العنكبوت (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنۡ يُّتۡرَكُوۡٓا أَنۡ يَّقُوۡلُوۡٓا آمَنَّا

الٓـــم ۔کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے

وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ

اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟۔اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا (اور ان کو بھی

فَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۳﴾

آزمائیں گے) سو اللہ اُن کو ضرور ظاہر کرے گا جو (اپنے ایمان میں) سچے ہیں اور اُن کو بھی جو جھوٹے ہیں

أَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ أَنۡ يَّسۡبِقُوۡنَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿۴﴾

کیا وہ لوگ جو بُرے کام کرتے ہیں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے؟ جو یہ خیال کرتے ہیں بُرا ہے

مَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۵﴾

جو شخص اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو اللہ کا (مقرر کیا ہوا) وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے

وَمَنۡ جٰهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفۡسِهٖ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۶﴾

اور جو شخص محنت کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے محنت کرتا ہے اور اللہ تو سارے جہان سے بے نیاز ہے

وَالَّذِيۡنَ آمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ہم اُن کے گناہوں کو اُن سے دُور کر دیں گے

وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ أَحۡسَنَ الَّذِىۡ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷﴾

اور اُن کو اُن کے اعمال کا بہت اچھا بدلا دیں گے

وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ حُسۡنًا ؕ وَاِنۡ جَاهَدٰكَ لِتُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کیساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اگر تیرے ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے

لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ فَلَا تُطِعۡهُمَا اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸﴾

جس سے تم واقف نہوتو اُن کا کہنا نہ ماننا تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے تھے میں تمہیں بتاؤں گا

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِى الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۹﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو ہم نیک لوگوں میں داخل کریں گے

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَاۤ اُوۡذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے جب ان کو اللہ (کے رستے) میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں

فِتۡنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنۡ جَآءَ نَصۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكَ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّا كُنَّا

کی ایذا کو (یُوں) سمجھتے ہیں جیسے اللہ کا عذاب اور اگر تمہارے رب کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم

مَعَكُمۡ اَوَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِمَا فِىۡ صُدُوۡرِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰﴾

تو تمہارے ساتھ تھے کیا جو اہلِ عالم کے سینوں میں ہے اللہ اس سے واقف نہیں؟

وَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

اللہ اُن کو ضرور ظاہر کرے گا جو مومن ہیں اور منافقوں کو بھی ظاہر کر کے رہے گا۔ اور جو کافر ہیں وہ مومنوں سے کہتے ہیں

لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوۡا سَبِيۡلَنَا وَلۡنَحۡمِلۡ خَطٰيٰكُمۡ وَمَا هُمۡ بِحٰمِلِيۡنَ مِنۡ

کہ ہمارے طریق کی پیروی کرو ہم تمہارے گناہ اٹھا لیں گے حالانکہ وہ اُن کے گناہوں کا کچھ بھی بوجھ اٹھانے والے نہیں

خَـطٰيٰهُـمْ مِّنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَـحْـمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ

کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں ۔ اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کیساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی

أَثْـقَــالِهِــمْ وَلَيُسْـئَـلُـنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَـمَّـا كَـانُـوْا يَفْتَـرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور جو بہتان یہ باندھتے رہے قیامت کے دن اُن کی ان سے ضرور پرسش ہو گی

وَلَـقَـدْ أَرْسَـلْـنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ اُن میں پچاس برس کم ہزار برس رہے

فَـأَخَـذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَـأَنْـجَيْـنٰـهُ وَأَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ

پھر ان کو طوفان (کے عذاب) نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی

وَجَـعَـلْـنٰهَآ اٰيَةً لِّـلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَإِبْـرٰهِيْـمَ إِذْ قَـالَ لِـقَوْمِـهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور کشتی کو اہل عالم کیلئے نشانی بنا دیا ۔ اور ابراہیم کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو

وَاتَّـقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اور اس سے ڈرو اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے

اللّٰهِ أَوْثَـانًا وَّتَخْلُقُوْنَ إِفْكًا ط إِنَّ الَّـذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ

اور بہتان باندھتے ہو تو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے

لَـكُـمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

پس اللہ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کا شکر ادا کرو اُسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے

﴿۱۷﴾ وَإِنْ تُـكَـذِّبُـوْا فَـقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا

اور اگر تم (میری) تکذیب کرو تو تم سے پہلے بھی اُمتیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں اور پیغمبر کے ذمے کھول کر

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں ۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو بار بار پیدا

إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ

کرتا رہتا ہے؟ یہ اللہ کو آسان ہے ۔ کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اُس نے کس طرح

بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْاٰخِرَةَ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا ہے پھر اللہ ہی پچھلی پیدائش پیدا کرے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور اُسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور تم (اس کو) نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور نہ اللہ کے سوا تمہارا

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖ

کوئی دوست ہے اور نہ مددگار ۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے اور اس کے ملنے سے انکار کیا

أُوْلٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَأُوْلٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

وہ میری رحمت سے ناامید ہو گئے ہیں اور ان کو دردناک عذاب ہو گا

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ أَوْ حَرِّقُوْهُ فَأَنْجٰهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ

تو ان کی قوم کے لوگ جواب میں کچھ نہ بولے مگر یہ کہ اسے مار ڈالو یا جلا دو مگر اللہ نے ان کو آگ سے بچا لیا

إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کیلئے اس میں نشانیاں ہیں ۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو

اللّٰهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ

تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کیلئے (مگر) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کرو گے

بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہو گا

فَآمَنَ لَهُ لُوْطٌ وَقَالَ إِنِّيْ مُهَاجِرٌ إِلٰى رَبِّيْ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾

پس ان پر لوط ایمان لائے اور کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بیشک وہ غالب حکمت والا ہے

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ

اور ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب بخشے اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی اور ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ

أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَلُوْطًا إِذْ قَالَ

عنایت کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔ اور لوط (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا

لِقَوْمِهٖ إِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

کہ تم (عجب) بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو تم سے پہلے اہلِ عالم میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَتَأْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ

تم کیوں لڑکوں کی طرف مائل ہوتے اور (مسافروں کی) رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں

الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتَ

ناپسندیدہ کام کرتے ہو؟ تو اُن کی قوم کے لوگ جواب میں کچھ نہیں بجز اس کے کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾

اللہ کا عذاب لے آؤ۔ لوط نے کہا کہ اے میرے رب! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں مجھے نصرت عنایت فرما

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا إِبْرٰهِيمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا إِنَّا مُهْلِكُوْآ أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشی کی خبر لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کر دینے والے

إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ إِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ أَعْلَمُ

ہیں کہ یہاں کے رہنے والے نافرمان ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ اس میں تو لوط بھی ہیں، وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں

بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

(رہتے) ہیں ہمیں سب معلوم ہیں ہم اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بچا لیں گے بجز اُن کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں

وَلَمَّا أَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا

میں ہوگی۔ اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کی وجہ) سے ناخوش اور تنگ دل ہوئے فرشتوں نے کہا

تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنَجُّوْكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ

کہ کچھ خوف نہ کیجئے اور نہ رنج کیجئے ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچا لیں گے مگر آپ کی بیوی کہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی

﴿۳۳﴾ إِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰى أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ

ہم اس بستی کے رہنے والوں پر اس سبب سے کہ یہ بدکرداری کرتے رہے ہیں آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں

﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَا اٰيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَإِلٰى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ

اور ہم نے سمجھنے والوں کیلئے اس بستی سے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی۔ اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو

شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي

(بھیجا) تو اُنہوں نے کہا کہ بھائیو! اللہ کی عبادت کرو اور پچھلے دن (کے آنے) کی اُمید رکھو اور ملک میں

الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

فساد نہ مچاؤ۔ مگر اُنہوں نے اُن کو جھوٹا سمجھا سو اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

اور عاد اور ثمود کو بھی (ہم نے ہلاک کر دیا) چنانچہ اُن کے (ویران گھر) تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں اور شیطان نے

أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾

اُن کے اعمال ان کو آراستہ کر کے دکھائے اور اُن کو (سیدھے) رستے سے روک دیا حالانکہ وہ دیکھنے والے (لوگ) تھے

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہلاک کر دیا) اور اُن کے پاس موسٰی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ ملک میں مغرور ہو

فِى الْأَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ

گئے اور وہ (ہمارے) قابو سے نکل جانے والے نہ تھے۔ تو ہم نے سب کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا ان میں کچھ تو

مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ج وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا

ایسے تھے جن پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا اور کچھ ایسے تھے جن کو چنگھاڑ نے آ پکڑا اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے زمین میں

بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا

دھنسا دیا اور کچھ ایسے تھے جن کو غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے

أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَوْلِيَآءَ

جن لوگوں نے اللہ کے سوا (اوروں کو) کارساز بنا رکھا ہے

كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ج اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ط وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ

ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک (طرح کا) گھر بناتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ط

اگر یہ (اس بات کو) جانتے ۔[۱] یہ جس چیز کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں (خواہ) وہ کچھ ہی ہو اللہ اُسے جانتا ہے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ

اور وہ غالب اور حکمت والا ہے ۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں

وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ

اور اسے تو اہلِ دانش ہی سمجھتے ہیں ۔[۲] اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کیساتھ پیدا کیا ہے

---

[1] یہ سورت کا مرکزی دعوی ہے یعنی جب سب کچھ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا اللہ تعالی ہی ہے تو مصائب ومشکلات میں حمایتی اور کارساز بھی وہی ہے۔اس دعوے کو ایک نہایت ہی واضح مثال کے ساتھ سمجھایا گیا ہے، جو لوگ مصائب ومشکلات میں اللہ کے سوا اوروں کو حمایتی اور کارساز سمجھتے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے، جو نہایت ہی باریک اور کمزور تاروں سے جالا بن کر اپنے لئے گھر بناتی ہے۔مکڑی کا یہ گھر نہایت ہی کمزور ہوتا ہے جو نہ سردی سے بچا سکتا ہے نہ گرمی سے ،نہ بارش سے نہ آندھی سے ،بعینہ یہی حال غیر اللہ کی پناہ اور معبودان باطلہ کے سہاروں کا ہے وہ بھی اس قدر کمزور ہیں کہ کسی مصیبت اور مشکل میں کام نہیں آسکتے اس مثال میں مشرک کو مکڑی کے ساتھ اور غیر اللہ کی پناہ اور حمایت کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی گئی ہے۔اتخذت بیتالنفسهاتاوی الیه وان بیتهافی غاية الضعف و الوهن لایدفع عنهاحرا ولابردافکذلک الاوثان لاتملک لعابدیهانفعاو لاضرا (معالم،خازن).

"ان الله یعلم مایدعون"، یعنی سب کچھ جاننے والا اللہ تعالی ہے،اور جن کو مشرکین پکارتے ہیں وہ تو ان پکارنے والواں کے احوال سے بھی باخبر نہیں ہیں پھر انہیں کیوں پکارتے ہیں۔پھر وہ غالب اور حکیم بھی ہے اس لئے علیم وخبیر اور عزیز وقدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو کارساز سمجھ کر حاجات میں غائبانہ پکارنا کونسی عقل مندی ہے۔

[۲] "وتلک الامثال" ہم مثالیں دے کر لوگوں کو مسئلہ توحید سمجھاتے ہیں لیکن ان میں غور وفکر صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو راسخ فی العلم ہوں اور عقل وبصیرت رکھتے ہوں۔=

إِنَّ فِى ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٤﴾ اُتْلُ مَا اُوْحِىَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ

بیشک اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔ یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کرو

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ

اور نماز کے پابند رہو کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بڑا ہے

وَاللهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا أَهْلَ الْكِتٰبِ إِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے جانتا ہے اور اہلِ کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو

أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِىْٓ أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ

ہاں جو اُن میں سے بے انصافی کریں اور کہہ دو کہ جو (کتاب) ہم پر اتری اور جو تم پر اُتریں ہم سب پر ایمان لاتے

= امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا: کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ تعالی کے کلام میں غور وفکر کرے، اور اس کی اطاعت کرے، اور اس کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے محض الفاظ سمجھ لینے سے اللہ کے نزدیک کوئی شخص عالم نہیں ہوتا، جبتک قرآن میں تدبر اور غور وفکر کی عادت نہ ڈالے، اور جب تک کہ اپنے عمل کو قرآن کے مطابق نہ بنائے۔

مسند احمد: ٣٠٢/٤، میں عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ہزار مثال سیکھی ہیں، ابن کثیر اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ عمرو بن عاصؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے اس آیت مذکورہ میں عالم انہی کو فرمایا ہے جو اللہ ورسولؐ کی بیان کردہ امثال کو سمجھیں۔ اور عمرو بن مرہؓ نے فرمایا: کہ جب میں قرآن کی کسی آیت پر پہونچتا ہوں، جو میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھے بڑا غم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا: "ومايعقلها الا العالمون" (ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)۔

وَإِلٰهُنَا وَإِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

ہیں اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے فرمانبردار ہیں

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ فَالَّذِيْنَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

اوراسی طرح ہم نے تمہاری طرف کتاب اُتاری ہے تو جن لوگوں کو ہم نے کتابیں دی تھیں وہ اُس پر ایمان لے آتے ہیں

وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَا إِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور بعض ان لوگوں میں سے بھی اس پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو کافر ہیں

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ

اورتم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اُسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے، ایسا ہوتا تو اہلِ باطل ضرور شک

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ

کرتے ۔ بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے اُن کے سینوں میں (محفوظ)

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَا إِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ

اور ہماری آیتوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں ۔اور (کافر) کہتے ہیں کہ اس پراس کے رب کی طرف

مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ إِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

سے نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں؟ کہہ دو کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کیا ان لوگوں کیلئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے کچھ شک نہیں

لَرَحْمَةً وَذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ كَفٰى بِاللهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا

کہ مومن لوگوں کیلئے اس میں رحمت اور نصیحت ہے ۔۵۱۔ کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ

جو چیز آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جن لوگوں نے باطل کو مانا اور اللہ سے انکار کیا

أُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا أَجَلٌ

وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اور یہ لوگ تم سے عذاب کیلئے جلدی کر رہے ہیں اگر ایک وقت مقرر نہ (ہو چکا) ہوتا

مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾

تو اُن پر عذاب آ بھی گیا ہوتا اور وہ (کسی وقت میں) اُن پر ضرور ناگہاں آ کر رہے گا اور اُن کو معلوم بھی نہ ہوگا

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

یہ تم سے عذاب کیلئے جلدی کر رہے ہیں اور دوزخ تو کافروں کو گھیر لینے والی ہے

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا

جس دن عذاب اُن کو اُن کے اوپر سے اور نیچے سے ڈھانک لے گا اور فرمائے گا کہ جو کام تم کیا کرتے تھے اُن کا مزہ چکھو

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّ أَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو میری زمین فراخ ہے تو میری ہی عبادت کرو

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

ان کو ہم جنت کے اونچے اونچے محلوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے (نیک)

فِيْهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

عمل کرنے والوں کا (یہ) خوب بدلا ہے۔ جو صبر کرتے اور اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں

وَكَاَيِّنْ مِنْ دَآبَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ہی اُن کو رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے

﴿٦٠﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

اور اگر ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے (تمہارے) زیرِ فرماں کیا؟

وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے۔ تو پھر یہ کہاں الٹے جا رہے ہیں۔ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے روزی فراخ کر

مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٢﴾

دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان سے پانی کس نے نازل فرمایا پھر اُس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد (کس نے) زندہ

مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٣﴾

کیا تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے۔ کہہ دو کہ اللہ کا شکر ہے لیکن اُن میں اکثر نہیں سمجھتے

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۚ وَإِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ

اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشہ ہے اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾ فَإِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

اگر یہ (لوگ) سمجھتے۔ پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے (اور) خالص اُسی کی عبادت کرتے ہیں

الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾

لیکن جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچادیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں[٣]

لِيَكْفُرُوْا بِمَا اٰتَيْنٰهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

تاکہ جو ہم نے ان کو بخشا ہے اُس کی ناشکری کریں اور فائدہ اٹھائیں (سو خیر) عنقریب اُن کو معلوم ہو جائے گا

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ

کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقامِ امن بنایا ہے اور لوگ اُس کے گرد و نواح سے اچک لئے جاتے ہیں

أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

کیا یہ لوگ باطل پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ

اور اس سے بڑا ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا جب حق بات اُس کے پاس آئے تو اُس کی تکذیب

لَمَّا جَآءَهُ أَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

کرے کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟ ۔

وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٦٩﴾

اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے اور اللہ تو نیکوکاروں کیساتھ ہے

---

[٣] یہاں اکثر مفسرین نے عکرمہ کا واقعہ نقل فرمایا ہے جو کہ امام نسائی نے: ١٠٥/٧، ١٠٦، میں ذکر کیا ہے کہ:

واما عکرمة فرکب البحر فاصابتهم عاصف، فقال اصحاب السفينة اخلصوا! فان الهتكم لا تغنى عنكم شيئا ههنا، فقال عكرمة والله لئن لم ينجينى من البحر الا الاخلاص،

لا يـنـجيـنـى فـى البـرغيـره، الـلهـم ان لک عـلىّ عهدا ان انت عافيتنى مماانافيه ان آتى مـحـمـدا ﷺ حتـى اضـع يـدى فـى يـده فلاجدنّه عفوا كريما، فجاء فاسلم ۔یعنی جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ بن ابی جہل یہاں سے بھاگ نکلا، اور حبشہ جانے کے ارادے سے کشتی میں بیٹھ گیا، اتفاقاً سخت طوفان آیا اور کشتی ادھرادھر ہونے لگی، جتنے مشرکین کشتی میں تھے سب کہنے لگے یہ موقعہ صرف اللہ تعالی کو پکارنے کا ہے، اٹھواورخلوص کے ساتھ اللہ تعالی سے دعائیں کرو، اس وقت نجات اسی کے ہاتھ میں ہے، یہ سنتے ہی عکرمہ نے کہا سنو! اللہ تعالی کی قسم اگر سمندر کی اس بلا سے بجز رب کے کوئی اور نجات نہیں دے سکتا، تو خشکی کی مصیبتوں کو ٹالنے والا بھی وہی ہے۔

اے اللہ تعالی! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر یہاں سے بچ گیا تو سیدھا جا کر محمد رسول اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا، اور آپ ﷺ کا کلمہ پڑھ لوں گا، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالی کے رسول ﷺ میری خطاؤں سے درگزر فرمالیں گے، اور مجھ پر رحم وکرم فرمائیں گے۔

فائدہ

: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر بھی جس وقت اپنے آپ کو بے سہارا جان کر صرف اللہ تعالی کو پکارتا ہے، اور اس وقت یہ یقین کرتا ہے کہ اللہ کے سوا مجھے اس مصیبت سے کوئی نہیں چھڑا سکتا، تو اللہ تعالی کافر کی بھی دعاء قبول فرمالیتے ہیں، کیونکہ وہ مضطر ہے اور اللہ تعالی نے مضطر کی دعاء قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔سورۂ نمل:۶۲۔

اور ایک آیت میں جو ارشاد ہے: ''ومادعاء الكافرين الافى ضلال'' (رعد:۱۴) یعنی کافروں کی دعا ناقابل قبول ہے، یہ حال اخرت کا ہے، کہ وہاں کافر عذاب سے رہائی کی دعا کریں گے تو قبول نہ ہوگی۔

☆

سورة الروم(مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿۲﴾ فِىۡۤ اَدۡنَى الۡاَرۡضِ وَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ

الٓمّٓ ۔ (اہلِ) روم مغلوب ہوگئے۔ نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب

سَيَغۡلِبُوۡنَ ﴿۳﴾ فِىۡ بِضۡعِ سِنِيۡنَ لِلّٰهِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡۢ بَعۡدُ ‌ؕ وَيَوۡمَئِذٍ يَّفۡرَحُ

غالب ہو جائیں گے۔ چند ہی سال میں۔ پہلے بھی اور پیچھے بھی اللہ ہی کا حکم ہے اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے

الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴﴾ بِنَصۡرِ اللّٰهِ ؕ يَنۡصُرُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ﴿۵﴾

(یعنی) اللہ کی مدد سے وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب (اور) مہربان ہے [۱]

---

[۱] سورۂ عنکبوت اس آیت پر ختم ہوتی ہے جس میں حق تعالی نے اپنے راستہ میں جہاد و مجاہدہ کرنے والوں کے لئے اپنے راستے کھول دینے اور ان کیلئے مقاصد میں کامیابی کی بشارت دی تھی، سورۂ روم کی ابتداء جس قصہ سے ہوئی ہے، وہ اسی نصرت الٰہیہ کا ایک مظہر ہے، اس سورت میں جو واقعہ روم اور فارس کی جنگ کا مذکور ہے، یہ دونوں کفار ہی تھے، اس میں سے کسی کی فتح کسی کی شکست بظاہر اسلام اور مسلمانوں کے لئے کوئی دلچسپی کی چیز نہیں، مگر ان دونوں کفار میں اہل فارس مشرکین آتش پرست تھے، اور روم و نصاریٰ اہل کتاب، اور ظاہر ہے کہ دونوں قسم کے کفار میں اہل کتاب مسلمانوں سے نسبتاً قریب ہیں، کیونکہ بہت سے اصول دین آخرت پر ایمان، رسالت اور وحی پر ایمان، ان کے ساتھ قدر مشترک ہے، اسی قدر مشترک سے رسول ﷺ نے اپنے اس مکتوب میں کام لیا جو روم کے بادشاہ کو دعوت اسلام دینے کیلئے بھیجا تھا، کہ " **تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم** ،الایة، اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کا ایک گونہ قرب ہی اس کا سبب بنا کہ نبی کریم ﷺ کے قیام مکہ مکرمہ کے زمانہ میں فارس نے روم پر حملہ کیا۔

حافظ ابن حجر وغیرہ کے قول کے مطابق ان کی یہ جنگ ملک شام کے مقام اذرعات اور بصریٰ کے درمیان واقع ہوئی، اس جنگ کے دوران میں مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ فارس غالب آجائے، کیونکہ وہ بھی شرک وبت پرستی میں ان کے شریک تھے، اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ روم غالب آئیں، کیونکہ وہ دین ومذہب کے اعتبار سے اسلام کے قریب تھے، مگر ہوا یہ کہ اس وقت فارس روم پر غالب آگئے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ بھی فتح کرلیا، اور ہاں اپنی عبادت کے لئے ایک آتشکدہ تعمیر کیا، اور یہ فتح کسریٰ پرویز کی آخری فتح تھی، اس کے بعد اس کا زوال شروع ہوا اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ اس واقعہ پر مشرکین مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو عار دلائی کہ تم جسکو چاہتے تھے وہ ہار گیا، اور جیسا کہ روم اہل کتاب کو بمقابلہ فارس شکست ہوئی ہمارے مقابلہ میں تم کو شکست ہوگی، اس سے مسلمانوں کو رنج ہوا۔ ابن ابی حاتم وابن ابی جریر۔

قرآن میں سورۂ روم کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں، جن میں یہ پیشین گوئی اور بشارت دی گئی ہے کہ چند سال بعد پھر روم فارس پر غالب آجائیں گے۔

صدیق اکبر نے جب یہ آیات سنیں تو مکہ کے اطراف اور مشرکین کے مجامع اور بازار میں جاکر اس کا اعلان کیا کہ تمہارے خوش ہونے کا کوئی موقع نہیں، چند سال میں پھر روم فارس پر غالب آجائیں گے، مشرکین مکہ میں سے اُبی بن خلف نے مقابلہ کیا، اور کہنے لگا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، ایسا نہیں ہوسکتا، صدیق اکبر نے فرمایا کہ اللہ کے دشمن تو ہی جھوٹا ہے، اور میں تو اس واقعہ پر شرط لگانے کو تیار ہوں، کہ اگر تین سال کے اندر روم غالب نہ آگئی تو دس اونٹنیاں میں تمہیں دونگا، اور اگر وہ غالب آگئے تو دس اونٹنیاں تمہیں دینا پڑینگی، (یہ معاملہ قمار کا تھا مگر اس وقت قمار حرام نہیں تھا) یہ کہہ کر صدیق اکبرؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تین سال کی مدت متعین نہیں کی تھی، کیونکہ قرآن میں اس کے لئے لفظ ''بضع سنین'' مذکور ہے، جس کا اطلاق تین سے نو سال تک ہوسکتا ہے، تم جاؤ اور جس سے یہ معاہدہ ہوا ہے اس سے کہدو کہ میں دس اونٹنیوں کے بجائے سو کی شرط لگاتا ہوں، مگر مدت تین سال کے بجائے نو ۹ سال اور بعض روایات کے رو سے سات سال مقرر کرتا ہوں، صدیق اکبر نے حکم کی تعمیل کی، اور اُبی بن خلف اس نئے معاہدہ پر راضی ہوگیا، (ابن جریر والترمذی عن ابی سعید الخدریؓ)۔

روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال پہلے پیش آیا ہے اور پورے سات=

وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

(یہ) اللہ کا وعدہ (ہے) اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ﴿٧﴾

یہ تو دنیا کی ظاہر زندگی ہی کو جانتے ہیں اور آخرت (کی طرف) سے غافل ہیں

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِيْ أَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

کیا انہوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو

وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ

اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کو حکمت سے اور ایک وقت مقرر تک کیلئے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ اپنے رب

لَكٰفِرُونَ ﴿٨﴾ أَوَلَمْ يَسِيْرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

سے ملنے کے قائل ہی نہیں ۔کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی؟ (سیر کرتے) تو دیکھ لیتے

=سال ہونے پر غزوہ بدر کے وقت روم دوبارہ فارس پر غالب آ گئے،اس وقت اُبی بن خلف مر چکا تھا،صدیق اکبرؓ نے اس کے وارثوں سے اپنی شرط کے مطابق سو اونٹنیوں کا مطالبہ کیا،انہوں نے اونٹنیاں دیدیں۔

بعض روایات میں ہے کہ ہجرت سے پہلے اُبی بن خلف کو جب اندیشہ ہوا کہ ابوبکر بھی شاید ہجرت کر کے چلے جائیں،تو اس نے کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جبتک آپ کوئی کفیل پیش نہ کریں،کہ میعاد معین تک روم غالب نہ آئے تو سو اونٹیاں وہ مجھے دیدے گا،صدیق اکبرؓ نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمان کو اس کا کفیل بنا دیا تھا،جب شرط کے مطابق صدیق اکبرؓ جیت گئے اور سو اونٹنیاں ان کو ہاتھ آئیں تو وہ سب لے کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے،آپ نے فرمایا کہ ان اونٹنیوں کو صدقہ کردو،اور ابو یعلی،ابن عساکر میں براء بن عازبؓ کی روایت سے اس میں یہ الفاظ منقول ہیں: ”هذا السحت تصدق به“ یہ تو حرام ہے اس کو صدقہ کردو(روح المعانی، درمنثور، ابن ابی حاتم)۔

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ

کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا وہ ان سے زور وقوت میں کہیں زیادہ تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا

وَعَمَرُوْهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

اور اس کو اس سے زیادہ آباد کیا تھا جو انہوں نے آباد کیا اور ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آتے رہے

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾

تو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ أَسَآءُوا السُّوْٓآٰى أَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا

جن لوگوں نے بُرائی کی ان کا انجام بھی بُرا ہوا اس لئے کہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور ان کی

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہنسی اڑاتے رہے تھے۔ اللہ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے وہی اس کو پھر پیدا کرے گا پھر تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ

اور جس دن قیامت برپا ہوگی گنہگار نا امید ہو جائیں گے۔ اور اُن کے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی

مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعَؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

اُن کا سفارشی نہ ہو گا اور وہ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا

اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس روز وہ الگ الگ فرقے ہوجائیں گے۔ تو جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور نیک عمل کرتے رہے وہ (جنت کے) باغ میں خوش حال ہوں گے ۔ اور جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿١٦﴾

اور ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا وہ عذاب میں ڈالے جائیں گے

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿١٧﴾

تو جس وقت تم کو شام ہو اور جس وقت صبح کرتے ہو اللہ کی تسبیح کرو (یعنی نماز پڑھو)

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿١٨﴾

اور آسمانوں اور زمین میں اُسی کی تعریف ہے اور تیسرے پہر بھی اور جب دوپہر کرتے ہو [2]

---

[2] لفظ'' سبحان اللہ'' مصدر ہے اس کا فعل محذوف ہے یعنی ''سبحوا اللہ سبحانا'' ''حین تمسون'' یعنی جب تم شام کے وقت میں داخل ہو، اور'' وحین تصبحون '' یعنی جب تم پر صبح کا وقت آئے'' وله الحمد فی السمٰوات والارض'' یہ جملہ درمیان میں بطور دلیل کے لایا گیا ہے، کہ صبح وشام اللہ کی تسبیح اس لئے ضروری ہے کہ آسمان وزمین میں صرف وہی مستحق حمد ہے، اور تمام اسمان وزمین والے اس کی حمد کرنے میں مشغول ہیں۔ اور جس طرح شروع آیت میں صبح وشام کی تسبیح کا حکم ہے، آخر آیت میں، عشیا ، اور، وحین تظھرون، سے اور دو وقتوں میں تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ایک وقت ''عشی '' جو دن کے آخری حصہ کو کہا تا ہے، جو عصر کا وقت ہے، دوسرا وقت ظہر یعنی زوال آفتاب کے۔

اور ترتیب بیان میں جس طرح شام کو صبح سے مقدم کر کے بیان کیا گیا ہے، اسی طرح دن کے آخری حصہ کو ظہر پر مقدم کر کے بیان کیا گیا ہے، یعنی رات کو مقدم کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلامی تاریخ میں رات مقدم ہوتی ہے، اور تاریخ غروب آفتاب سے بدلتی ہے، اور عشی یعنی وقت عصر کو ظہر سے مقدم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عصر کا وقت عموما کاروبار کی مشغولیت کا ہوتا ہے، اس میں کوئی دعا تسبیح یا نماز عادۃ مشکل ہے، اسی لئے قرآن کریم میں صلاۃ وسطی جس کی تفسیر جمہور کے نزدیک نماز عصر ہے، اس کی خصوصی تاکید آئی ہے:

آیۃ مذکورہ کے الفاظ میں نماز یا صلاۃ کی تصریح نہیں، اس لئے ہر قسم کے ذکر اللہ، قولی اور عملی کو شامل ہے، اور ذکر اللہ کے تمام اقسام میں چونکہ نماز سب سے اعلی اور افضل ہے، اس لئے وہ اس میں بدرجہ اولی داخل ہے=

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

وہی زندے کو مُردے سے نکالتا ہے اور (وہی) مُردے کو زندے سے نکالتا ہے اور (وہی)

وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾

زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم (دوبارہ زمین سے) نکالے جاؤ گے

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ أَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ تمہیں مٹی سے بنایا پھر تم انسان بن کر پھیل رہے ہو۔

=،اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں پانچوں نمازوں کا مع ان کے اوقات کے ذکر آ گیا ہے، جیسا کہ ابن عباسؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر صریح ہے؟ تو فرمایا ہاں اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا کہ "حین تمسون" میں نماز مغرب اور، حین تصبحون ، میں نماز فجر اور، عشیا، نماز عصر اور، حین تظہرون، میں نماز ظہر کا ذکر صریح موجود ہے، اب صرف ایک نماز عشاء رہی اس کے ثبوت میں دوسری آیت کا جملہ ارشاد فرمایا: "من بعد صلوٰة العشاء "۔ (النور:۵۸) مصنف عبدالرزاق:۱/۴۵۴، حسن بصریؒ نے فرمایا کہ "حین تمسون" میں نماز مغرب وعشاء دونوں داخل ہیں۔

یہ آیت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعاء ہے، جس کی وجہ سے قرآن کریم نے ان کو وفاء عہد کا خطاب دیا ہے، ارشاد فرمایا "وابراھم الذی وفی "ابراہیم علیہ السلام یہ کلمات صبح وشام پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ اسانید صحیحہ کے ساتھ معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف وفاء عہد سے کرنے کا سبب ان کی یہ دعاء تھی۔(ابن کثیر) اور ابوداؤد، طبرانی، ابن سنی:ص،۲۳، وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دو ایتوں کے متعلق فرمایا کہ جس شخص نے صبح کو یہ کلمات پڑھ لئے تو دن بھر میں اس کے عمل میں جو کوتاہی ہوگی وہ ان کلمات کی برکت سے پوری کردی جائے گی، اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات پڑھ لئے تو اس کے رات کے اعمال کی کوتاہی اس کے ذریعے پوری کردی جائے گی۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں

لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور کرتے ہیں

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اُن کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا اہلِ دانش کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ

اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے تمہارا رات میں اور دن میں سونا اور اُس کے فضل کا تلاش کرنا

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ آيٰتِهٖ

جو لوگ سنتے ہیں اُن کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے

يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَيُحْيِ بِهِ الْاَرْضَ

کہ تم کو خوف اور امید دلانے کیلئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے مینہ برساتا ہے پھر زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد زندہ

بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

(وشاداب) کر دیتا ہے عقل والوں کیلئے ان (باتوں) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ

اور اُسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اُسی کے حکم سے قائم ہیں

ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَآ أَنتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿۲۵﴾

پھر جب وہ تم کو زمین میں سے (نکلنے کیلئے) آواز دے گا تو تم جھٹ نکل پڑو گے

وَلَهُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قٰنِتُونَ ﴿۲۶﴾

اورآسمانوں اورزمین میں (جتنے فرشتے اورانسان وغیرہ ہیں) اُسی کے (مملوک) ہیں (اور) سب اُس کے فرمانبردار ہیں

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ

اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اُسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اُسے بہت آسان ہے

وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۷﴾

اور آسمانوں اور زمین میں اُس کی شان بہت بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے

ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن

وہ تمہارے لئے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ بھلا جن غلاموں کے تم مالک ہو

شُرَكَآءَ فِي مَا رَزَقْنٰكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَآءٌ تَخَافُونَهُمْ

وہ اس (مال) میں جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے تمہارے شریک ہیں؟ اور (کیا) تم اس میں (ان کو اپنے) برابر سمجھتے ہو

كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۲۸﴾

تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنوں سے ڈرتے ہو؟ اسی طرح ہم عقل والوں کیلئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَهْوَآءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَن يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ

مگر جو ظالم ہیں بغیر سمجھے اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں تو جس کو اللہ گمراہ کردے اُسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟

وَمَا لَهُم مِّن نّٰصِرِينَ ﴿۲۹﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ

اور اُن کا کوئی مددگار نہیں۔ تو تم ایک طرف کے ہو کر دینِ (الٰہی کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت

الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ

کوجس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا یہی سیدھا دین ہے

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِیْبِیْنَ اِلَیْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔(مومنو!) اُسی کی طرف رجوع کئے رہو اور اُس سے ڈرتے رہو اور نماز پڑھتے رہو[3]

---

[3] فِطْرَةَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا یہ جملہ فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفاً، کی توضیح اور دین حنیف جس کے اتباع کا حکم پہلے جملے میں دیا گیا ہے، اس کی ایک مخصوص صفت کا بیان ہے، کہ وہ دین فطرت ہے، اور فطرۃ اللہ کی ترکیب نحوی میں منصوب ہونے کی وجہ مفسرین نے مختلف لکھی ہیں، کہ لفظ اتبع یہاں سے محذوف ہے، یا لفظ اعنی، بہر حال یہ متعین ہے کہ دین حنیف جس کا اتباع کا پہلے جملے میں حکم دیا گیا ہے، اس کو اس جملے میں فطرۃ اللہ قرار دیا ہے، اور معنی اس کے خود اگلے جملے میں یہ بتلائے کہ اللہ تعالی کی فطرت سے مراد یہ ہے کہ جس فطرت پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

اس معاملہ میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں، انمیں دو زیادہ مشہور ہیں، اول یہ کہ فطرت سے مراد اسلام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہر انسان اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے، اگر اس کو گرد وپیش اور ماحول میں کوئی خراب کرنے والا خراب نہ کردے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہی ہوگا، مگر عادۃً ہوتا یہ ہے کہ ماں باپ اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف چیزیں سکھا دیتے ہیں، جس کے سبب وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا، جیسا صحیحین کی ایک حدیث میں مذکور ہے، ''کل مولود یولد علی الفطرۃ......الحدیث'' [متفق علیہ، خ، رقم:۱۲۹۲، م، رقم:۶۹۲۶] قرطبی نے اسی قول کو جمہور سلف کا قول قرار دیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فطرت سے مراد استعداد ہے، یعنی تخلیق انسانی میں اللہ تعالی نے یہ خاصیت رکھی ہے، کہ ہر انسان میں اپنے خالق کو پہچاننے اور اس کو ماننے کی صلاحیت واستعداد موجود ہے، جس کا اثر اسلام کا قبول کرنا ہوتا ہے، بشرطیکہ اس استعداد سے کام لے، مگر اس قول پر متعدد اشکالات ہیں، اول یہ کہ خود اسی آیت میں یہ بھی آگے مذکور ہے ''لاتبدیل لخلق اللہ'' اور یہاں خلق اللہ سے مراد وہی فطرۃ اللہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے، اس لئے معنی اس جملے کے یہ ہیں، کہ اللہ کی اس فطرت کو، کوئی تبدیل نہیں کرسکتا، حالانکہ حدیث صحیحین میں خود یہ آیا ہے کہ پھر ماں باپ بعض اوقات بچے

کو یہودی و نصرانی بنا دیتی ہیں'' فأبواہ یھودانہ اوینصرانہ ......الحدیث '' اگر فطرت کے معنی خود اسلام کے، لئے جائیں، جس میں تبدیلی نہ ہونا خود اسی آیت میں مذکور ہے، تو حدیث مذکور میں یہودی، نصرانی بنانے کی تبدیلی کیسے صحیح ہوگی، اور یہ تبدیلی تو عام مشاہدہ ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں سے زیادہ کافر ملتے ہیں، اگر اسلام ایسی فطرت ہے جس میں تبدیلی نہ ہو سکے تو یہ پھر یہ تبدیلی کیسے اور کیوں؟۔

دوسرے خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا، اس کے متعلق صحیح حدیث میں ہے کہ اس لڑکے کی فطرت میں کفر تھا، اس لئے خضر علیہ السلام نے اس کو قتل کیا، یہ حدیث بھی اس کے منافی ہے کہ ہر انسان اسلام پر پیدا ہوتا ہو۔

تیسرا شبہ یہ ہے کہ اگر اسلام کوئی ایسی چیز ہے، جو انسان کی فطرت میں اس طرح رکھ دیا گیا ہے جس کی تبدیلی پر بھی اس کو قدرت نہیں تو وہ کوئی اختیاری فعل نہ ہوا، پھر اس پر آخرت کا ثواب کیسا؟ کیونکہ ثواب تو اختیاری عمل پر ملتا ہے۔

چوتھا شبہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کے مطابق فقہاء امت کے نزدیک بچہ بالغ ہونے سے پہلے ماں باپ کے تابع سمجھا جاتا ہے، اگر ماں باپ کافر ہوں تو بچے کو بھی کافر قرار دیا جائے گا، اس کی تجہیز و تکفین اسلامی طرز پر نہیں کی جائے گی۔

یہ سب شبہات امام تورپشتی نے کتاب المیسر شرح مصابیح: ۱/۴۱ ۵، میں بیان کئے ہیں، اور اسی بناء پر انہوں نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ اس خلقی استعداد کے متعلق یہ بھی صحیح ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، جو شخص ماں باپ یا کسی دوسرے کے گمراہ کرنے سے کافر ہوگیا، اس میں استعداد اور قابلیت حق یعنی اسلام کی حقانیت کے پہچاننے کی ختم نہیں ہوتی، غلام خضر کے واقعہ میں اس کے کفر پر پیدا ہونے سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں حق کو سمجھنے کی استعداد ہی نہ رہی تھی، اور چونکہ اس الٰہی استعداد و قابلیت کا صحیح استعمال انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے، اس لئے اس پر ثواب عظیم کا مرتب ہونا بھی واضح ہوگیا، اور حدیث صحیحین میں جو یہ مذکور ہے کہ بچے کے ماں باپ اس کو یہودی، یا نصرانی بنا دیتے ہیں، اس کا مفہوم بھی اس دوسرے معنی کے اعتبار سے واضح اور صاف ہوگیا، کہ اگرچہ اس میں استعداد اور قابلیت فطری ہے جو اللہ نے اس کی تخلیق میں رکھی تھی۔ وہ اسلام ہی کی طرف لیجانے والی تھی، مگر عوارض اور موانع حائل ہوگئے اور اس طرف نہ جانے دیا، اور سلف سے جو پہلا قول منقول ہے، بظاہر اس کی مراد بھی اصل اسلام نہیں، بلکہ یہی استعداد اسلام اور اس کی قابلیت اور صلاحیت ہے، محدث دہلویؒ نے لمعات شرح مشکوۃ میں جمہور کے قول کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے، اور اسی کی تائید اس مضمون سے ہوتی ہے، جو شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بے شمار قسم کی مخلوقات مختلف طبائع اور مزاج کی بنائی ہیں۔=

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا

اور مشرکوں میں نہ ہونا ۔ (اور نہ) ان لوگوں میں (ہونا) جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور (خود) فرقے

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۳۲﴾ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ

فرقے ہو گئے سب فرقے اُسی سے خوش ہیں جو اُن کے پاس ہے۔ اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتے

مُّنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ

اور اُسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں پھر جب وہ اُن کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ایک فرقہ اُن میں سے اپنے رب کیساتھ شرک کرنے لگتا ہے

﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾

تاکہ جو ہم نے اُن کو بخشا ہے اُس کی ناشکری کریں سو (خیر) فائدے اٹھا لو عنقریب تمھیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا

= ہر مخلوق کی فطرت اور جبلت میں ایک خاص مادہ رکھ دیا ہے، جس سے وہ مخلوق اپنی تخلیق کے منشأ کو پورا کر سکے، قرآن کریم میں ”اعطى كل شئ خلقه ثم هدى“ سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مخلوق کو خالق کائنات نے کسی خاص حکمت کے لئے پیدا کیا ہے، اس کو اس حکمت کے لئے ہدایت بھی دے دی ہے، وہ ہدایت یہی مادہ اور استعداد ہے، شہد کی مکھی میں یہ مادہ رکھدیا کہ وہ درختوں اور پھولوں کو پہچانے اور انتخاب کرے، پھر اس کے رس کو اپنے پیٹ میں محفوظ کر کے اپنے چھتے میں لاکر جمع کرے، اسی طرح انسان کی فطرت وجبلت میں ایسا مادہ اور استعداد رکھ دی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے اس کی شکر گذاری اور اطاعت شعاری کرے، اسی کا نام اسلام ہے۔ ” لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ “ مذکور الصدر تقریر سے اس جملے کا مطلب بھی واضح ہو گیا، کہ اللہ کی دی ہوئی فطرت یعنی حق کو پہچاننے کی صلاحیت واستعداد میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا، اس کو غلط ماحول کافر تو بنا سکتا ہے مگر اس کی استعداد قبول حق کو بالکل فنا نہیں کر سکتا، اور اسی سے اُس آیت کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جس میں ارشاد ہے ﴿ وما خلقت الجن الانس الاليعبدون ﴾ [الذاريات: ۵۶] یعنی ہم نے جن اور انس کو اور کسی کام کے لئے نہیں پیدا کیا، بجز اس کے کہ وہ ہماری عبادت کیا کریں، مطلب یہ ہے کہ ان کی فطرت میں ہم نے عبادت کی رغبت اور استعداد رکھ دی ہے، اگر وہ اس استعداد سے کام لیں، تو بجز عبادت کے کوئی دوسرا کام اس کے خلاف ہر گز سرزد نہ ہو۔

أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے کہ اُن کو اللہ کیساتھ شرک کرنا بتاتی ہے؟

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر اُن کے اعمال کے سبب جو اُن کے

بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ

ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں کوئی گزند پہنچے تو نا اُمید ہو کر رہ جاتے ہیں کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی جس کیلئے چاہتا

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

ہے رزق فراخ کرتا ہے اور (جس کیلئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے بیشک اس میں ایمان لانے والوں کیلئے نشانیاں ہیں

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

تو اہلِ قرابت اور محتاجوں اور مسافروں کو اُن کا حق دیتے رہو جو لوگ رضائے الٰہی کے طالب ہیں یہ اُن کے حق میں بہتر ہے

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور یہی لوگ نجات حاصل کرنے والے ہیں۔

وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ

اور جو تم سُود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی

وَمَا آتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اس سے اللہ کی رضامندی طلب کرتے ہو تو ایسے ہی لوگ دوچند کرنے والے ہیں

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا بھلا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا

مَّنۡ يَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِكُمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۴۰﴾

ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کر سکے وہ پاک ہے اور (اس کی شان) ان کے شرک سے بلند ہے

ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ لِيُذِيۡقَهُمۡ بَعۡضَ

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے

الَّذِىۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۴۱﴾ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا

عجب نہیں وہ باز آجائیں ۔ کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جو لوگ (تم سے)

كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلُ كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّشۡرِكِيۡنَ ﴿۴۲﴾

پہلے گزرے ہیں اُن کا انجام کیسا ہوا اُن میں زیادہ تر مشرک ہی تھے

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ الۡقَيِّمِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ

تو اس روز سے پہلے جو اللہ کی طرف سے آکر رہے گا اور رُک نہیں سکے گا دین (کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے چلو اُس روز

يَوۡمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوۡنَ ﴿۴۳﴾ مَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهِ كُفۡرُهٗ وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا

(سب) لوگ منتشر ہو جائیں گے ۔ جس شخص نے کفر کیا تو اس کے کفر کا ضرر اُسی کو ہے اور جس نے نیک عمل کئے

فَلِاَنۡفُسِهِمۡ يَمۡهَدُوۡنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تو ایسے لوگ اپنے ہی لئے آرامگاہ درست کرتے ہیں ۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

مِنۡ فَضۡلِهٖ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۵﴾ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ يُّرۡسِلَ الرِّيٰحَ

اُن کو اللہ اپنے فضل سے بدلا دے گا بیشک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ۔ اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا

مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيۡقَكُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَلِتَجۡرِىَ الۡفُلۡكُ بِاَمۡرِهٖ

ہے کہ خوشخبری دیتی ہیں تاکہ تم کو اپنی رحمت کے مزے چکھائے اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

اور تاکہ تم اُس کے فضل سے طلب کرو عجب نہیں کہ تم شکر کرو۔ اور ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبر اُن کی قوم کی طرف بھیجے

رُسُلًا إِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ أَجْرَمُوْا

تو وہ اُن کے پاس نشانیاں لے کر آئے سو جو لوگ نافرمانی کرتے تھے ہم نے اُن سے بدلا لے کر چھوڑا

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ

اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں

سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا

پھر اللہ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ فَإِذَا أَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ

کہ اُس کے بیچ میں سے مینہ نکلنے لگتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اُسے برسا دیتا ہے

إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ

تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اور پیشتر تو وہ مینہ کے اُترنے سے پہلے

لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ إِلٰى آثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ

ناامید ہو رہے تھے۔ تو (اے دیکھنے والے) اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ کس طرح زمین کو

مَوْتِهَا إِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾

اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے بیشک وہ مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں کہ وہ تند ہو اور یہ لوگ انہی کھیتوں کو مرجھائی ہوئی زرد پڑی ہو دیکھ لیں تو تو اُس کے بعد وہ ناشکری کرنے لگ جائیں

فَإِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ
تو تم مُردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں آواز سنا سکتے ہو

﴿۵۲﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ
اور نہ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہِ راست پر لا سکتے ہو تم تو انہی لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں

بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضَعْفٍ ثُمَّ
سو وہی فرمانبردار ہیں اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد

جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ
طاقت عنایت کی پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ
اور وہ علم والا، قدرت والا ہے۔ اور جس روز قیامت برپا ہو گی

یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ کَذٰلِکَ کَانُوْا یُؤْفَکُوْنَ
گنہگار قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے تھے اسی طرح وہ (رستے سے) الٹے جاتے تھے

﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْإِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ
اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا تھا وہ کہیں گے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق تم قیامت تک رہے

إِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰکِنَّکُمْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾
ہو اور یہ قیامت ہی کا دن ہے لیکن تمہیں اس کا یقین ہی نہیں تھا

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾
تو اس روز ظالم لوگوں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ اُن سے توبہ قبول کی جائے گی

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ

اور ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے اور اگر تم

جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

اُن کے سامنے کوئی نشانی پیش کرو تو کافر کہہ دیں گے کہ تم تو جھوٹے ہو

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے مہر لگا دیتا ہے

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

پس تم صبر کرو بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور (دیکھو) جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ تمہیں بے صبر نہ بنا دیں

سورة لقمان(مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً

۔الٓمّٓ ۔ یہ حکمت کی (بھری ہوئی) کتاب کی آیتیں ہیں۔ نیکو کاروں کیلئے

لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

ہدایت اور رحمت۔ جو نماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور آخرت کا

هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ

یقین رکھتے ہیں۔ یہی اپنے رب (کی طرف) سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ

اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ بے سمجھے لوگ اللہ کے رستے سے گمراہ کرے[ا]

سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾

اور اس سے ہنسی کرے یہی لوگ ہیں جن کو ذلت والا عذاب ہو گا

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ

۔اور جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو اکڑ کر منہ پھیر لیتا ہے گویا اُن کو سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں

وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بوجھ ہے تو اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو ۔ جولوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے

لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ

اُن کیلئے نعمت کے باغ ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۹﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ اُسی نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو

[ا] اس آیت کا شان نزول ایک خاص واقعہ ہے، کہ نضر بن حارث مشرکین مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا، اور تجارت کے لئے مختلف ملکوں کا سفر کرتا تھا، وہ ملک فارس سے شاہان عجم، کسریٰ وغیرہ کے تاریخی قصے خرید کر لایا، او مکہ کے مشرکین سے کہا کہ محمد ﷺ تم کو قوم عاد وثمود وغیرہ کے واقعات سناتے ہیں، میں تمہیں ان سے................بہتر رستم اور اسفندیار اور دوسرے شاہان فارس کے قصے سناتا ہوں، یہ لوگ اس کے قصہ کو شوق ورغبت سے سننے لگے، کیونکہ ان میں کوئی تعلیم تو تھی نہیں جس پر عمل کرنے کی محنت اٹھانی پڑے، صرف لذیذ قسم کی کہانیاں تھیں، ان کی وجہ سے بہت سے مشرکین جو اس سے پہلے کلام الٰہی کے اعجاز اور یکتائی کی وجہ سے اس کو سننے کی رغبت رکھتے اور چوری چوری سنا بھی کرتے تھے، ان لوگوں کو قرآن سے اعراض کا بہانہ ہاتھ آ گیا (روح المعانی)۔

وَأَلْقٰى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ
اور زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے تاکہ تم کو ہلا نہ دے اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿١٠﴾
اور ہم ہی نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر (اُس سے) اس میں ہر قسم کی نفیس چیزیں اگائیں

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَأَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ
یہ تو اللہ کی پیدائش ہے تو مجھے دکھاؤ کہ اللہ کے سوا جو لوگ ہیں اُنہوں نے کیا پیدا کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ ظالم

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١١﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ
صریح گمراہی میں ہیں ۔ اور ہم نے لقمان کو دانائی بخشی کہ اللہ کا شکر کرو

وَمَنْ يَّشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿١٢﴾
اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بھی بے نیاز اور سزاوارِ حمد (وثنا) ہے

وَإِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ
اور (اس وقت کو یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! اللہ کیساتھ شرک نہ کرنا شرک تو

لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ
بڑا ظلم ہے ۔2۔ اور ہم نے انسان کو جسے اُس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے

۔2۔ اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ لقمان نبی تھے یا نہ تھے؟ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ آپ نبی نہ تھے، پرہیزگار ولی اور اللہ تعالیٰ کے پیارے بزرگ بندے تھے، ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ حبشی غلام تھے، اور بڑھئی تھے۔ جابرؓ سے جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، لقمان پستہ قد اونچی ناک والے موٹے ہونٹ والے نوبی تھے۔

سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ آپ مصر کے رہنے والے حبشی تھے۔ حکمت آپ کو عطاء ہوئی تھی، لیکن نبوت نہیں=

وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾

اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

اور اگر وہ تیرے در پے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کچھ علم نہیں تو اُن کا کہا نہ ماننا

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ

ہاں دنیا (کے کاموں) میں اُن کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع کرے اُس کے رستے پر چلنا

ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ يَا بُنَيَّ إِنَّهَا

پھر تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے ہو میں سب سے تم کو آگاہ کروں گا ۔ بیٹا!

= ملی تھی، سعید بن مسیبؒ نے ایک مرتبہ ایک سیاہ رنگ غلام حبشی سے فرمایا اپنی رنگت کی وجہ سے اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھ، تین شخص جو اکثر لوگوں سے اچھے تھے، تینوں سیاہ رنگ تھے، بلال جو نبی ﷺ کے غلام تھے، مہجع جو فاروق اعظم کے غلام تھے، اور لقمان حکیم جو حبشہ کے نوبہ تھے, خالد ربعیؒ کا قول ہے کہ لقمان جو حبشی غلام بڑھئی تھے ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے، کچھ دنوں بعد پھر ان کے آقا نے یہی حکم دیا، اور کہا کہ آج اس کے سارے گوشت میں سے جو بدترین اور خبیث ٹکڑے ہوں وہ لادو۔ آپ پھر بھی یہی دو چیزیں لے گئے، مالک نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ کہ بہترین ٹکڑے تجھ سے مانگے تو تو یہی دولایا، اور بدترین ٹکڑے مانگے تو تو نے یہی لا دیئے یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا جب یہ اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ برے بن جائیں تو پھر سب سے بدترین بھی یہی ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ لقمان نبی نہ تھے، نیک بندے تھے، سیاہ فام غلام تھے، موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے۔ کہا جاتا ہے کہ داود علیہ السلام کے زمانے میں آپ گزرے ہیں۔ (ابن کثیر)۔

إِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَةٍ أَوْ فِی السَّمٰوٰتِ

اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں (مخفی ہو)

أَوْ فِی الْأَرْضِ یَأْتِ بِهَا اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۶﴾

یا زمین میں، اللہ اس کو قیامت کے دن لاموجود کرے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ باریک بین (اور) خبردار ہے

یَا بُنَیَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْکَرِ

بیٹا! نماز کی پابندی کرنا اور (لوگوں کو) اچھے کاموں کے کرنے کا حکم اور بُری باتوں سے منع کرتے رہنا

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا أَصَابَکَ إِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ ﴿۱۷﴾

اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اُس پر صبر کرنا بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ

اور (ازراہِ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا کہ اللہ کسی

لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ

اِترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا ۔ اور اپنی چال میں اعتدال کئے رہنا

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِکَ إِنَّ أَنْکَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾

اور آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اونچی آواز گدھوں کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب آوازوں سے بُری آواز گدھوں کی ہے

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے

وَأَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ط وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ

اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ

نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے

اتَّبِعُوْا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا

اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا

أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ إِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

بھلا اگرچہ شیطان اُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی)

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ

اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار کر دے اور نیکوکار بھی ہو تو اُس نے مضبوط کڑا ہاتھ میں لے لیا

الْوُثْقٰى وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ

اور (سب) کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے۔ اور جو کفر کرے اُس کا کفر تمہیں غمناک نہ کر دے

إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾

اُن کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر جو کام وہ کیا کرتے تھے ہم اُن کو جتائیں گے بیشک اللہ دِلوں کی باتوں سے واقف ہے

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے پھر شدید عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو بول اٹھیں گے کہ اللہ نے

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

کہہ دو کہ اللہ کا شکر ہے لیکن ان میں اکثر سمجھ نہیں رکھتے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۶﴾

جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کا ہے بیشک اللہ بے نیاز اور سزاوارِ حمد (وثنا) ہے

وَلَوْ أَنَّمَا فِی الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهُ

اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو

مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمٰتُ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۷﴾

(اور) اس کے بعد سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے

مَّا خَلْقُکُمْ وَلَا بَعْثُکُمْ إِلَّا کَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ إِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ﴿۲۸﴾

تمہارا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور (وہی) دن کو رات میں داخل کرتا ہے

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ إِلٰی أَجَلٍ مُّسَمًّی وَّأَنَّ اللّٰهَ

اور اُسی نے سورج اور چاند کو (تمہارے) زیرِ فرماں کر رکھا ہے ہر ایک، ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے اور یہ کہ اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِکَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ

تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ کی ذات برحق ہے اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں

دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْکَ تَجْرِیْ

وہ لغو ہیں اور یہ کہ اللہ ہی عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کی مہربانی سے کشتیاں

فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَکُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ إِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ

دریا میں چلتی ہیں تاکہ وہ تم کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائے بیشک اس میں ہر صبر کرنے والے (اور)

صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ

شکر کرنے والے کیلئے نشانیاں ہیں۔ اور جب ان پر (دریا کی) لہریں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو اللہ کو پکارنے

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ

(اور) خالص اُس کی عبادت کرنے لگتے ہیں پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو بعض ہی انصاف پر قائم

وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿۳۲﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ

رہتے ہیں اور ہماری نشانیوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو عہد شکن اور ناشکرے ہیں۔ لوگو! اپنے رب! سے ڈرو

وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ

اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے

شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے

وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿۳۳﴾ إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ

اور نہ فریب دینے والا (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے۔ اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا

اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی (حاملہ) کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کام کرے گا

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾

اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اُسے موت آئے گی بیشک اللہ ہی جاننے والا (اور) خبردار ہے

سورة السجدة (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔[۱]

---

[۱] عن خالد بن معدان قال اقرؤا المنجية وهى (الم تنزيل) فانه بلغنى ان رجلا كان يقرأها مايقرأشيئاغيرها، وكان كثير الخطايا، فنشرت جناحهاعليه ، قالت رب! اغفرله ، فانه كان يكثرقرائتى، فشفعها الرب تعالى فيه ، وقال اكتبواله بكل خطيئة حسنة ، وارفعواله درجة ، وقال ايضا انهاتجادل عن صاحبهافى القبر، تقول اللهم ان كنت من كتابک فشفعنى فيه، وان لم اكن من كتابک فامحنى عنه، وانها كالطيرتجعل جناحهاعليه فتشفع له، فتمنعه من عذاب القبر،وقال فى تبارک مثله .(رواه الدامى:۳۳۷۳).

خالد بن معدان سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا (رات کے ابتدائی حصہ میں) اس سورت کو پڑھا کرو جو (قبر وحشر کے) عذاب سے نجات دینے والی ہے، اور وہ سورۂ الم تنزیل ہے، کیونکہ (صحابہ سے) مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص تھا جو یہی سورۂ پڑھا کرتا تھا، وہ اس سورت کے علاوہ کچھ اور نہیں پڑھتا تھا، (یعنی اس نے اس سورت کے علاوہ اور کسی چیز کو ورد قرار نہیں دیا تھا) اور وہ شخص بہت زیادہ گنہگار تھا، چنانچہ (جب اس شخص کا انتقال ہوا تو) اس سورت نے اس پر اپنے بازو پھیلا دیئے اور فریاد کی اے میرے پروردگار! اس شخص کی بخشش فرما کیونکہ یہ مجھے بہت زیادہ پڑھا کرتا تھا۔ حق تعالی نے اس شخص کے حق میں اس سورۂ کی شفاعت قبول فرمائی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کے نامامہ اعمال میں اس کے ہر گناہ کے بدلہ نیکی لکھ دو اور اس کے درجات بلند کردو، نبی ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ بیشک یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑتی ہے۔ کہ اے الٰہی! اگر میں تیری کتاب (قرآن کریم) میں سے ہوں تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور اگر (بفرض محال) میں تیری کتاب میں سے نہیں ہوں تو مجھے اس میں سے مٹادے، نیز خالد نے فرمایا یہ سورۂ (قبر میں) ایک پرندہ کی مانند آئے گی اور اس پر اپنے بازو پھیلا کر اس کے لئے (اللہ تعالی) سے شفاعت کرے گی۔ خالدؒ نے سورۃ ملک کے بارے میں بھی یہی کہا ہے کہ اس سورۃ کی بھی=

الٓـمّٓ ﴿١﴾ تَـنۡـزِيۡـلُ الۡـكِتٰـبِ لَا رَيۡـبَ فِيۡــهِ مِـنۡ رَّبِّ الۡـعٰـلَـمِيۡـنَ ﴿٢﴾

الٓـــمّٓ ۔اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیاجانا تمام جہان کے رب کی طرف سے ہے

اَمۡ يَـقُـوۡلُـوۡنَ افۡتَـرَاهُ بَـلۡ هُـوَ الۡـحَـقُّ مِـنۡ رَّبِّكَ

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو ازخود بنا لیا ہے؟ (نہیں) بلکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے

لِتُـنۡـذِرَ قَـوۡمًـا مَّـا اَتٰـهُـمۡ مِّنۡ نَّـذِيۡـرٍ مِّـنۡ قَبۡـلِكَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ﴿٣﴾

تا کہ تم ان لوگوں کو ہدایت کرو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا تا کہ یہ رستے پر چلیں

اَللّٰهُ الَّـذِىۡ خَـلَـقَ السَّـمٰـوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَـا بَيۡـنَـهُـمَـا فِـىۡ سِتَّةِ

اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو چیزیں ان دونوں میں ہیں سب کو چھ دن میں پیدا کیا

اَيَّامٍ ثُـمَّ اسۡتَـوٰى عَـلَـى الۡـعَـرۡشِ مَـا لَـكُـمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا شَفِيۡعٍ

پھر عرش پر مستوی ہوا اس کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ سفارش کرنے والا

اَفَلَا تَتَـذَكَّـرُوۡنَ ﴿٤﴾ يُـدَبِّـرُ الۡاَمۡـرَ مِنَ السَّـمَـآءِ اِلَـى الۡاَرۡضِ

کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ وہی آسمان سے زمین تک (کے) ہر کام کا انتظام کرتا ہے

ثُـمَّ يَـعۡـرُجُ اِلَيۡـهِ فِـىۡ يَـوۡمٍ كَـانَ مِـقۡـدَارُهٗۤ اَلۡفَ سَنَةٍ مِّمَّـا تَعُدُّوۡنَ ﴿٥﴾

پھر وہ ایک روز جس کا مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار برس ہو گا اس کی طرف صعود (اور رجوع) کرے گا[2]

=یہی تاثیر اور برکت ہے۔ ''قبر میں جھگڑتی ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس سورت کو پڑھتا ہے مداومت کے ساتھ تو یہ سورة اس کے لئے عذاب کی تخفیف یا قبر میں فراخی و وسعت یا اسی قسم کی دوسری آسانی و سہولت کی شفاعت و سفارش کرتی ہے۔

[2] یـدبـر الامـر: نظام عالم کی تدبیر اور کائنات کا نظم و نسق اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنے تکوینی احکام بندوں پر

نازل کرتا ہے اور بندوں کے اعمال صالحہ اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ یہ سب کچھ روزانہ ہوتا ہے حالانکہ نزول وعروج کی مسافت ہمارے حساب سے ایک ہزار برس کا راستہ ہوگی۔معناہ(واللہ اعلم) ان امرہ ینزل من السماء علی عبادہ وتعرج الیہ اعمالھم الصالحۃالصادرۃ علی موافقۃ ذالک الامر..ان نزول الامر وعروج العمل فی المسافۃالف سنۃمما تعدون، وھو فی یوم فان بین السمآء والارض مسیرۃ خمسۃ مائۃ سنۃ، فینزل فی مسیرۃ خمسۃ مائۃ سنۃ ویعرج فی مسیرۃ خمسۃ مائۃفھو مقدار الف سنۃ [کبیر].

مولانا مفتی شفیع صاحب نے یہ تفسیر کی ہے: یعنی اس دن کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی ہوگی،اور سورۂ معارج کی آیت میں ہے:فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ أَلْفَ سَنَةٍ یعنی اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی اس کا ایک سیدھا سا جواب تو وہ ہے جو بیان القرآن میں اختیار کیا گیا ہے کہ اس دن کے ہولناک ہونے کے سبب یہ ان لوگوں کو بہت دراز محسوس ہوگا،اور یہ درازی بمقدار اپنے ایمان واعمال کے ہوگی، جو بڑے مجرم ہیں،ان کو زیادہ، جو کم ہیں ان کو کم محسوس ہوگی، یہاں تک کہ جو دن بعض کو ایک ہزار سال کا معلوم ہوگا وہ دوسروں کے نزدیک پچاس ہزار سال کا ہوگا۔

تفسیر روح المعانی میں اور بھی متعدد توجیہات علماء اور صوفیائے کرام سے نقل کی گئی ہیں،مگر وہ سب کے سب قیاسات ہی ہیں،ایسی چیز جس کو قرآن کا مدلول کہا جا سکے یا جس پر یقین کیا جا سکے کوئی نہیں،اس لئے اسلم وہی طریقہ ہے جو سلف صالحین صحابہ وتابعین نے اختیار کیا، کہ اس ایک پچاس کے فرق کو علم الٰہی کے حوالہ کیا اور خود اتنا کہنے پر اکتفاء کیا کہ ہمیں معلوم نہیں۔

ابن عباسؓ نے اس کے متعلق فرمایا:ھمایومان ،ذکرھمااللہتعالی فی کتابہ، اللہتعالی اعلم بھما،واکرہ ان اقول فی کتاب اللہمالا اعلم (اخرجہ عبدا لرزاق والحاکم وصححہ) یعنی یہ دودن ہیں جن کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور اللہ ہی ان کی حقیقت کو جانتا ہے،اور میں اس کو برا سمجھتا ہوں کہ میں قرآن میں وہ بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦﴾

یہی تو پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے (اور) غالب (اور) رحم والا ہے۔ جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا (یعنی)

الَّذِىٓ أَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهُۥ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ﴿٧﴾

اس کو پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُۥ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّآءٍ مَّهِينٍ ﴿٨﴾ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ

پھر اس کی نسل خلاصے سے (یعنی) حقیر پانی سے پیدا کی پھر اس کو درست کرلیا پھر اُس میں اپنی (طرف سے) روح پھونکی

مِن رُّوحِهِۦ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْـِٔدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ

اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (مگر) تم بہت کم شکر کرتے ہو

﴿٩﴾ وَقَالُوٓا أَءِذَا ضَلَلْنَا فِى الْأَرْضِ أَءِنَّا لَفِى خَلْقٍ جَدِيدٍ

اور کہنے لگے کہ جب ہم زمین میں ملیا میٹ ہو جائیں گے تو کیا ازسرِ نو پیدا ہوں گے؟

بَلْ هُم بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ ﴿١٠﴾ قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِى

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے جانے ہی کے قائل نہیں۔ کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری

وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾ وَلَوْ تَرَىٰٓ

رُوحیں قبض کرلیتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔ اور جب دیکھو

إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا

کہ گنہگار اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿١٢﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَأَتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا

تو ہم کو (دنیا میں) واپس بھیج دے کہ نیک عمل کریں (بیشک) ہم یقین کرنے والے ہیں

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا إِنَّا نَسِيْنٰكُمْ

سو (اب آگ کے) مزے چکھو اس لئے کہ تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا (آج) ہم بھی تمہیں بھلا دیں گے

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ

اور جو کام تم کرتے تھے ان کی سزا میں ہمیشہ کے عذاب کے مزے چکھتے رہو۔ ہماری آیتوں پر تو وہی لوگ ایمان لاتے

إِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

ہیں کہ جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے اور اپنے رب کی تعریف کیساتھ تسبیح کرتے ہیں اور غرور نہیں کرتے

﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا

ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں

وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ

اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی نفس نہیں جانتا کہ اُن کیلئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک

جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَّا

چھپا کر رکھی گئی ہے یہ اُن اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔[3] بھلا جو مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو؟

---

[3] ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قال اللہ تعالی اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولااذن سمعت ولاخطر علی قلب بشروا قرؤوا ان شئتم ﴿فلاتعلم نفس مااخفی لھم من قرة اعین﴾ الاية (خ: ۳۲۴۴، م: ۲۸۲۴)۔

''نہ کسی آنکھ نے'' الخ۔ کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ اس چیز (یعنی جنت) کے مظاہر شکل وصورت

آوازیں اور خاطر داریاں مراد ہوں۔مطلب یہ کہ وہاں جو اعلی مناظر ہوں گے اور وہاں جو نظر افروز شکلیں اور صورتیں دکھائی دیں گی،ان جیسے مناظر اور جیسی شکلیں اور صورتیں اس دنیا میں نہ دیکھی گئی ہیں،اور نہ کبھی دیکھی جاسکتی ہیں،اسی طرح وہاں کی آوازوں میں جو مٹھاس،نغمہ گی اور دلکشی ہوگی،ایسی میٹھی،نعمہ ریز اور دلکش آوازیں اس دنیا میں آج تک نہ کسی کان نے سنی ہیں،اور نہ کبھی سنی جاسکتی ہیں،اور ایسے ہی وہاں جو خاطر و مدارت ہونگی،جو نعمتیں اور لذتیں حاصل ہونگی۔ان کا تصور بھی اس دنیا میں آج تک کسی انسان کے دل میں نہیں آیا ہوگا،اور نہ کبھی اس کا کوئی تصور کیا جاسکتا ہے۔

آیت میں جس چیز کو آنکھ کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے فرحت و شادمانی،چین و راحت اور مقصود مراد پانا ہے،واضح رہے کہ'(آنکھ کی ٹھنڈک)میں لفظ''قرۃ''دراصل''قر''سے نکلا ہے جس کے معنی ثبات و قرار کے ہیں،چنانچہ آنکھ جب اپنی محبوب چیز کو دیکھتی ہے تو قرار پاجاتی ہے،اور اس طرح مطمئن ہوجاتی ہے کہ کسی اور طرف مائل نہیں ہوتی۔اس کے برخلاف جب آنکھ کسی غیر پسندیدہ اور ناگوار چیز کو دیکھتی ہے اور اس کی محبوب شی سامنے نہیں ہوتی،تو وہ پریشان پریشان اور کھوئی کھوئی سی رہتی ہے،اور کسی ایک سمت قرار پانے کے بجائے ادھر ادھر بھٹکنا شروع کردیتی ہے،ایسے ہی فرحت و سرور اور راحت و اطمینان کی حالت میں آنکھوں کو عجیب طرح کا کیف و سکون اور آرام ملتا ہے جبکہ خوف و غم کی حالت میں وہ متحرک و مضطرب ہوجاتی ہیں۔

یا یہ کہ''قرۃ''کے لفظ''قُــرَّ''سے مشتق ہے جس کے معنی''ٹھنڈک اور خنکی''کے ہیں،اس صورت میں کہا جائے گا،کہ آنکھ کی ٹھنڈک سے مراد وہ مخصوص لذت و کیف ہے،جو محبوب اور پسندیدہ چیز کو دیکھ کر اور اپنا مقصود و مطلوب پا کر آنکھ محسوس کرتی ہے،اس کے برخلاف آنکھ جب کسی غیر پسندیدہ اور ناگوار چیز اور دشمن کو دیکھتی ہے اور مطلوب و مقصود کے انتظار میں ہوتی ہے تو گویا اس وقت وہ ایک خاص جلن اور سوزش محسوس کرتی ہے،اسی مناسبت سے پیاری اولاد کو''قرۃ العین''یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا جاتا ہے۔

نیز ایک حدیث میں جو یوں آیا ہے:''**جعلت قــرة عيني في الصلواة**''(**مسنداحمد:٣/ ١٩٩،و النسائي: ٧/ ٦١**) نبی کریم ﷺ نے فرمایا:میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے،تو اس میں بھی لفظ''قرۃ''کے دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں۔

اور اسی طرح ایک روایت اسماء بنت یزید سے نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **يحشر الناس في صعيد واحد يوم القيامة، فينادى منادفيقول:اين الذين كانت''تتجافى جنوبهم عن المضاجع''فيقومون وهم**

قليل فيدخلون الجنة بغير حساب ثم يؤمر لسائر الناس الى الحساب.(شعب الایمان: ۴/ ۵۳۹، مشکواۃ:۵/ ۱۷۶). ''تتجافی جنوبهم عن المضاجع'' (جن کے پہلو بستروں اور خوابگاہوں سے جدا رہتے تھے) سے مراد یا تو وہ بندگان اللہ ہیں جو رات میں اپنی پرسکون نیند کی راحت سے صرف نظر کر کے اور اپنے آرام دہ بستروں اور خوابگاہوں کو چھوڑ کر اپنے خالق کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں، اور نماز تہجد پڑھتے ہیں! اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شاید وہ لوگ مراد ہوں جو صلاۃ الاوابین پڑھتے ہیں، نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہوں جو عشاء اور فجر کی نماز پڑھتے ہیں، بہرحال حدیث کے ان الفاظ سے قرآن کریم کی ان آیتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے، جن میں اللہ تعالی نے اپنے عبادت گذار اور پاکباز بندوں کو یوں متعارف کرایا ہے۔ پس ان آیات میں ان صفات اور خوبیوں کا ذکر ہے جو اہل ایمان کا خاصہ ہیں، اور جن میں سے بعض صفات تو ایسی ہیں جن پر خود ایمان ہی موقوف ہے، اور بعض صفات ایسی ہیں جن پر ایمان کا کامل ہونا موقوف ہے نیز مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان وعمل کا کمال رکھنے والے بندگان خاص قیامت کے دن حساب کتاب کے مرحلہ سے محفوظ رہیں گے۔ ان پر کوئی سختی نہیں ہوگی، ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اور وہ اپنے رب کی بے پایاں عنایتوں اور رحمتوں کے سایے میں رہتے ہوئے حساب کتاب کے بغیر سیدھے جنت میں پہنچا دیے جائیں گے۔

''بہت تھوڑے لوگ'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ چونکہ اس دنیا میں اہل ایمان کی تعداد اہل کفر کی تعداد سے کم ہے اور برے لوگوں کے مقابلہ میں نیک لوگ کم ہوتے ہیں، لہٰذا آخرت میں بھی اس دن ایسے لوگوں کی تعداد جو حساب کے بغیر جنت میں داخل کئے جانے کی سعادت کے سزاوار ہونگے۔ نسبتا کم نکلے گی، پس یہ بات قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ اہل حق اور نیکوکار لوگ ہمیشہ اقلیت میں ہوتے ہیں، اور اہل باطل و بدکار لوگوں کی اکثریت ہوتی ہے، جیسا کہ ایک جگہ فرمایا گیا ہے: ''الا الذين امنوا وعملوا الصالحات وقليل ماهم'' (ص:۲۴) مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں، اور ایک موقعہ پر یوں ارشاد ہوا ہے: ''وقليل من عبادى الشكور'' (سبا:۱۳) اور میرے بندوں میں (طاعت وعبادت کے ذریعہ میرا) شکر ادا کرنے والے کم ہی ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان اور اہل حق کا اقلیت میں ہونا اور اس اقلیت میں ہونے کی وجہ سے ان کا مختلف قسم کے سماجی، معاشرتی، اور سیاسی مصائب وآلام میں مبتلا ہونا اور طرح طرح کے ظلم وجور سہنا ان کے لئے کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے وہ تنگ دل اور مایوسی کا شکار ہوں۔ بلکہ حقیقت میں ان کے اللہ کی طرف سے ان کے لئے ایک اعزاز اور ایک سعادت ہے، اور آخر کار جس کا صلہ انہیں ابدی راحتوں اور نعمتوں کی صورت میں ملنے والا ہے۔

يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ

دونوں برابر نہیں ہو سکتے ۔ جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کے (رہنے کے) لئے باغ ہیں

الْمَاْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ

یہ مہمانی اُن کاموں کی جزا ہے جو وہ کرتے تھے ۔ اور جنہوں نے نافرمانی کی اُن کے رہنے کیلئے دوزخ ہے

كُلَّمَآ اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِيْدُوْا فِيْهَا

جب چاہیں گے کہ اُس میں سے نکل جائیں تو اُس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا

وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ

کہ جس دوزخ کے عذاب کوتم جھوٹ سمجھتے تھے اُس کے مزے چکھو۔ اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا

مِنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾

دنیا کا عذاب بھی چکھائیں گے اس لئے کہ (ہماری طرف) لوٹ آئیں

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے تو وہ اُن سے منہ پھیر لے

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

ہم گنہگاروں سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں ۔ اور ہم نے موسٰی کو کتاب دی [4]

فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ ﴿۲۳﴾

توتم اُس کے ملنے سے شک میں نہ ہونا اور ہم نے اُس (کتاب) کو (یا موسٰی کو) بنی اسرائیل کیلئے (ذریعہ) ہدایت بنایا

---

[4] یہ توحید پر دلیل نقلی ہے یعنی ہم نے موسٰی علیہ السلام کو کتاب دی اور اس میں بھی یہی دعویٰ مذکور تھا کہ اللہ=

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٢٤﴾

اور اُن میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے جب وہ صبر کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٢٥﴾

بلاشبہ تمہارا رب ان میں جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے تھے قیامت کے روز فیصلہ کر دے گا

= کے سوا کوئی کارساز اور عالم الغیب نہیں اس لئے صرف اسی ہی کو پکارو۔ اور اس کے سامنے شفیع غالب بھی کوئی نہیں جو اس سے کام کرا سکے تو جس طرح مشرکین قران کے منجانب اللہ ہونے میں شک کرتے ہیں اسی طرح منکرین نے تورات کے بارے میں بھی شک کیا۔ حالانکہ دونوں منجانب اللہ ہیں لہٰذا تورات کے منزل من اللہ ہونے میں بھی کسی کو شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے۔

''لقائه'' لقاء مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یا فاعل کی طرف، پہلی صورت میں فاعل مقدر ہوگا اور دوسری صورت میں مفعول، یعنی موسیٰ علیہ السلام کے کتاب کو پا لینے یا کتاب کے موسیٰ علیہ السلام کو پہنچنے میں کوئی شک نہ کرے۔ ولقاء مصدر مضاف الی مفعوله وفاعله موسٰی ای من لقاء موسٰی الکتاب اومضاف الی فاعله ومفعوله موسٰی ای من لقاء الکتاب موسٰی ووصوله الیه۔ روح المعانی۔ یا یہ کہ ''لقائه'' کی ضمیر قران کی طرف راجع قرار دیکر مطلب یہ لیا گیا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے کتاب دی، آپؐ بھی اپنی کتاب کے آنے میں کوئی شک نہ کریں، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ایسے الفاظ آئے ہیں، ''وانک لتلقی القرآن'' (نمل: ٦) یا یہ کہ ''لقائه'' کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہے کہ اس آیت میں نبی ﷺ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہونے کی خبر دی گئی ہے، اور فرمایا کہ آپ اس میں شک نہ کریں کہ آپ ﷺ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوگی، چنانچہ ایک ملاقات شب معراج میں ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، پھر قیامت میں ملاقات ہونا بھی ثابت ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ

کیا ان کو اس (امر) سے ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے اُن سے پہلے بہت سی اُمتوں کو جن کے مقاماتِ سکونت میں یہ چلتے

إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ أَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا

پھرتے ہیں ہلاک کر دیا بیشک اس میں نشانیاں ہیں تو یہ سنتے کیوں نہیں؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا

نَسُوْقُ الْمَآءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ

کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی رواں کرتے ہیں پھر اُس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس میں سے ان کے چوپائے بھی کھاتے

وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

ہیں اور وہ خود بھی (کھاتے ہیں) تو یہ دیکھتے کیوں نہیں؟۔ اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہو گا؟

﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٢٩﴾

کہہ دو کہ فیصلے کے دن کافروں کو اُن کا ایمان لانا کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿٣٠﴾

تو اُن سے منہ پھیر لو اور انتظار کرو یہ بھی انتظار کر رہے ہیں

سورة الاحزاب (مدنية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

اے پیغمبر! اللہ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ ماننا بیشک اللہ جاننے والا

حَكِيمًا ﴿١﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اور حکمت والا ہے۔[۱] اور جو (کتاب) تم کو تمہارے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے اسی کی پیروی کئے جانا بیشک اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٢﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿٣﴾

تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ اور اللہ پر بھروسا رکھنا اور اللہ ہی کارساز کافی ہے ۔

مَّا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي

اللہ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے اور نہ تمہاری عورتوں کو جن کو تم

تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ

ماں کہہ بیٹھتے ہو تمہاری مائیں بنائیں ہیں اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنائیں ہیں

---

[۱] یاایها النبی ، الایة صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین ومنافقین کا ایک وفد جو ابوسفیان، عکرمہ بن ابوجہل، عبداللہ بن ابی اور معتب بن قشیر وغیرہ پر مشتمل تھا۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے محمد! ہم تم سے یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارے معبودوں کو برائی سے یاد کرنا چھوڑ دو اور صرف اتنی بات مان لو! کہ وہ عنداللہ شفیع ہیں، اور نفع پہنچا سکتے ہیں تو تمہیں ازادی ہے کہ بے شک تم اپنے اللہ واحد کی عبادت کرو۔ اور دوسرے احکام کی تبلیغ کرو ہم تم سے کوئی تعارض نہ کریں گے۔ یہ بات آپ کو بہت ناگوار گذری اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں: قالوا لرسول اللہ ﷺ ارفض ذکر الهتنا وقل انها تشفع وتنفع وندعک وربک، فشق ذلک علی النبی ﷺ و المؤمنین وهموا بقتلهم فنزلت (روح المعانی)۔ مشرکین چاہتے تھے کہ نبی ﷺ اگر نرم ہو جائیں تو وہ بھی اپنا رویہ نرم کرلیں گے لیکن اللہ نے آپ کو اس معاملہ میں نرمی اختیار کرنے سے منع فرما دیا۔ اور حکم دیا کہ تبلیغ توحید میں ذرا برابر کوتاہی یا نرمی نہ ہونے پائے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ودوا لو تدهن فیدهنون ۔ (القلم:۹) اور مائدہ: ٦٧، میں فرمایا: بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالته۔ اور سورۂ بنی اسرائیل: ٧٥، میں ارشاد ہے: لقد کدت ترکن الیهم شیئا قلیلا اذا لأذقنک ضعف الحیاۃ وضعف الممات۔=

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ ﴿۴﴾

یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ تو سچی بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا رستہ دکھاتا ہے [۲]

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ

مومنو! لے پالکوں کو اُن کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے اگر تمہیں

= یہ آیتیں تین اوامر اور ایک نہی پر مشتمل ہیں۔اتق اللّٰہ، یہ پہلا امر ہے یعنی تقوی اور خوف الٰہی پر قائم رہیں اور اللہ کے احکام کے خلاف ہرگز کوئی قدم نہ اٹھائیں۔و المقصود الدوام و الثبات علیها (روح المعانی).

ولاتطع الکٰفرین ۔ یہ نہی ہے، کفار اور منافقین نے آپ سے جو نرمی کرنے کا مطالبہ کیا ہے آپ ان کی بات ہرگز نہ مانے اور مسئلہ توحید بیان کرنے میں ہرگز ان کی رعایت نہ فرمائیں، اللہ تعالی علیم حکیم ہے، اگر آپ کی نرمی سے ان کے ایمان لانے کا امکان ہوتا تو آپ کو نرمی کرنے سے روکا نہ جاتا۔ودل بقوله ان اللّٰه کان علیماحکیما علی انه کان یمیل الیهم استدعاءً لهم الی الاسلام ، ای لوعلم اللّٰه عزوجل ان میلک الیهم فیه منفعة لمانهاک عنه لانه حکیم۔

"واتبع" الایۃ یہ دوسرا امر ہے، اللہ کیطرف سے آپ پر جو امور واحکام دین وحی ہورہے ہیں، آپ انکی پیروی کریں، کفار اور منافقین کی باتوں کی پیروی نہ کریں، اللہ تعالی تم سب کے اعمال سے باخبر ہے، اہل ایمان کو صلاح وتقوی کی راہ ہی سمجھاتا ہے، اور کفار ومنافقین کے مکروفریب سے باخبر کردیتا ہے، ان اللّٰه خبیر بمایعمله کلا الفریقین فیرشدک الی مافیه صلاح حالک وانتظام امرک ویطلعک علی مایعملونه من المکائدو المفاسد (ابو السعود).

وتوکل، الایۃ ، یہ تیسرا امر ہے، آپ بلاخوف وخطر توحید کی تبلیغ کرتے جائیں اور اگر کوئی ڈر خطرہ ہو تو اللہ تعالی پر بھروسہ کریں، اور اپنے تمام معاملات اللہ تعالی کے سپرد کریں، اس سے بہتر کوئی کارساز اور حافظ وناصر نہیں۔

[۲] "ماجعل اللّٰه لرجل ، یہ ماقبل کی دلیل ہے بطور تمثیل فرمایا: جس طرح ایک جوف میں دو دل جمع نہیں ہوسکتے اسی طرح ایک دل میں دو اعتقاد جمع نہیں ہوسکتے، اس لئے یہ ناممکن ہے کہ آپ اللہ کو بھی نافع وضار سمجھیں اور مشرکین کے

باطل معبودوں کو بھی، لایجتمع الکفر والایمان باللہ تعالی فی قلب کمالایجتمع قلبان فی جوف واحد،فالمعنی لایجتمع اعتقادان متغائران فی قلب ،الخ،قرطبی۔

یا دودل ہونے سے دو رُخ ہونا مراد ہے کہ اللہ کو بھی نافع سمجھیں اور غیر اللہ کو بھی،اللہ تعالی سے بھی ڈرے اور غیر اللہ سے بھی،

دودل بودن بجز بے حاصلی نیست یکے بین ویکے دان ویکے گو

یکے خواہ و یکے خوان و یکے جو

"وماجعل ازواجکم" ، یہ ماقبل کے لئے پہلی نظیر ہے زمانہ جاہلیت میں رواج تھا جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرلیتا،یعنی اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو میرے لئے،میری ماں کی مانند ہے تو وہ اسے طلاق کا درجہ دیتا اور کسی صورت میں بیوی کے طور پر اپنے پاس نہ رکھتا،اور اسے ہمیشہ اپنی ماں کے مانند سمجھتا،اسلام نے اس رسم جاہلیت کو اٹھایا اور کفارہ ظہار آدا کرنے کے بعد تعلقات زوجیت بحال رکھنے کا حکم دیا،اس آیت میں ارشاد فرمایا:تم اپنے بیویوں کو ظہار کے بعد اپنی مائیں سمجھ بیٹھتے ہو،تمہارے اس زعم سے تمہاری مائیں نہیں بن جاتیں،تمہاری مائیں وہی ہیں جنہوں نے تمہیں جنم دیا ہے، بعینہ اسیطرح کسی کے کہنے اور سمجھنے سے معبودان باطل اللہ کے یہاں شفیع غالب اور نافع وضار نہیں بن جاتے،نافع وضار وہی ذات پاک ہے جس کے قبضہ واختیار میں سارا نظام کائنات ہے۔

"وماجعل ادعیاء کم"اور ایک قدیم رواج یہ بھی تھا کہ کسی کو اپنا بیٹا بنالیا یہاں تک کہ آدمی اور اس کے متبنی کے درمیان وراثت بھی جاری ہوتی اور متبنی کی بیوی کو حقیقی بہو سمجھا جاتا،یہاں تک کہ متبنی کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔چنانچہ اس رواج کے مطابق نبی کریم ﷺ نے بعثت سے پہلے زید بن حارثہ کو اپنا متبنی بنالیا تھا،اسلام نے اس رسم کو بھی اٹھادیا،ابطال لماکان فی جاھلیة وصدرمن الاسلام من انه اذا تبنی الرجل ولدغیرہ اجریت احکام البنوة علیه، وقدتبنی رسول اللہ ﷺ قبل البعثة زیدبن حارثةؓ(روح) ۔جس طرح کسی کے بیٹے کو بیٹا بنالینے سے وہ بیٹا نہیں بن جاتا،اسی طرح زبانی دعوی سے معبودان باطل شفیع اور نافع وضار نہیں بن جاتے۔

"ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ" الایة ،یہ تمہاری منہ کی باتیں ہیں حقیقت اور نفس الامر سے ان کا کوئی تعلق نہیں،اللہ تعالی ایسی بےسروپا باتوں کی اجازت نہیں دیتا،وہ تو حق بیان کرتا اور سیدھی راہ دکھاتا ہے،اس لئے ظہار اور متبنی کے بارے میں اللہ تعالی نے حق بات ظاہر فرمادی،اور اس بارے میں جو سیدھی راہ اور منصفانہ روش تھی،واضح کردی۔

تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَمَوَالِيۡكُمۡ وَلَيۡسَ

ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں اور جو بات تم سے غلطی سے ہوگئی ہو اس میں تم

عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ وَلٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ وَكَانَ اللّٰهُ

پر کچھ گناہ نہیں لیکن جو قصد دل سے کرو (اس پر مواخذہ ہے) اور اللہ

غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۞ [٦] اَلنَّبِىُّ اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَاَزۡوَاجُهٗۤ

بخشنے والا مہربان ہے ۔ [٣] پیغمبر مومنوں پر اُن کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں

اُمَّهٰتُهُمۡ‌ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ

اُن کی مائیں ہیں اور رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رُو سے مسلمانوں اور مہاجروں سے ایک دوسرے (کے ترکے) کے

فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِكُمۡ مَّعۡرُوۡفًا

زیادہ حقدار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے احسان کرنا چاہو (تو اور بات ہے) ۔

---

[٣] "ادعــوهــم" الاية ، جسے متبنیٰ بنالیا جاتا تھا اس کے منہ بولے باپ کی طرف منسوب کرکے پکارتے تھے مثلاً زید بن محمد، سالم بن ابی حذیفہ، عامر بن خطاب وغیرہ حالانکہ ان تینوں کے نسبی باپ اور تھے، اور فرمایا ان کو ان کے اصل باپوں کی طرف منسوب کرکے بلایا کرو کیونکہ اللہ کے نزدیک یہی طریقہ عدل وصدق کے مناسب ہے، اور اگر تمہیں ان کے باپ نہ معلوم ہوں، تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، انہیں اپنے بھائی کہہ کر بلایا کرو، غلطی سے جو پہلے ہوتا رہا معاف ہے، اب آئندہ حکم واضح ہوجانے کے بعد اگر ان کو ان کے اصل باپوں کے سوا منہ بولے باپوں کی طرف منسوب کروگے تو یہ بہت بڑا جرم اور گناہ ہوگا۔

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ

یہ حکم کتاب (یعنی قرآن) میں لکھ دیا گیا ہے۔ اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا

وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّإِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے

وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۷﴾ لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ

اور عہد بھی ان سے پکا لیا ۔ تاکہ سچ کہنے والوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے

وَأَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

اور اُس نے کافروں کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔ مومنو! اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو

عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

جو (اُس نے) تم پر جب فوجیں تم پر آئیں تو ہم نے اُن پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر نازل کئے جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۹﴾ إِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ

اور جو کام تم کرتے ہو اللہ اُن کو دیکھ رہا ہے ۔ جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے

أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ

اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے

بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾

لگے ۔ وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے [4]

[4] ''یایھا الذین اٰمنوا اذکروا'' الایۃ، یہ مؤمنوں کے لئے حکم ہے۔ اے ایمان والو! نبی علیہ السلام نے

جاہلیت کی رسم کو توڑا ہے۔کفار ومنافقین آپ کی مخالفت کر رہے ہیں ،تم ہمارے پیغمبر علیہ السلام کا ساتھ دینا اور کفار ومنافقین کی مخالفت سے مت ڈرنا، میں تمہارا ناصر وحامی ہوں جس طرح اسباب کی ناموافقت کے باوجود غزوۂ احزاب میں، میں نے تمہاری مدد کی۔غزوۂ احزاب کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔

چار یا پانچ سنہ ہجری کو مشرکین عرب اور یہود نے متحد ہو کر فیصلہ کیا کہ عرب کے تمام معروف قبائل سے ایک عظیم فوج تیار کر کے مدینہ پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔چنانچہ مختلف قبائل کے جوان اپنے اپنے سرداروں کے زیر کمان مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔قریش کا قائد ابوسفیان بن حرب، بنو اسد کا طلیحہ ،غطفان کا عیینہ بنو عامر کا عامر بن طفیل، بنو سلیم کا ابوالدعور سلمی، بنو نضیر کا حیی بن اخطب اور بنو قریظہ کا کعب بن اسد تھا۔ان کی مجموعی تعداد دس اور پندرہ ہزار کے درمیان تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ کو ان کی روانگی کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سلمان فارسیؓ کے مشورے سے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کا کام شروع کرا دیا جو مشرکین کی فوج پہنچنے سے قبل مکمل ہو گیا۔مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔درمیان میں خندق حائل تھی،اسی حال میں تقریباً ایک ماہ گذر گیا،اس دوران میں سنگباری اور تیر اندازی کے بغیر کوئی باقاعدہ جنگ نہ ہوئی سوا چند انفرادی جھڑپوں کے۔مشرکین نے مدینہ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور ہر طرف خوف وہراس پھیل گیا اور منافقین نے بھی اپنے قول وفعل سے مسلمانوں میں بددلی اور بے اعتمادی کی فضا پیدا کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے مدد کے لئے فرشتوں کی فوج اتار دی اور ساتھ ہی تیز وتند طوفان باد بھی بھیج دیا،جس سے ان کے خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں،گھوڑے بدک کر بھاگنے لگے ان کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں،اوران کے دلوں پر ایسا رعب طاری ہوا کہ مشرکین کی فوجیں تتر بتر ہو گئیں اور شکست کھا کر بھاگ نکلیں۔

”اذکروا نعمة الله“ یہاں اللہ تعالیٰ کے ”انعام“ سے غزوۂ خندق میں فتح ونصرت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہود ومشرکین کی عظیم فوجوں پر مسلمانوں کو عطا فرمائی۔

اذجآؤکم الخ یہ اذجآء تکم سے بدل ہے۔فوق سے جانب مشرق اور اسفل سے جانب مغرب وجنوب مراد ہے۔یا چاروں طرف سے کنایہ ہے یعنی کافروں کی فوجیں چاروں طرف سے آپہنچیں،اورانہوں نے مدینہ منورہ کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا۔

”واذزاغت الابصار“ فوجوں کی کثرت سے تمہاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں،اور شدت خوف سے =

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ

اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم سے محض

إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾ وَإِذْ قَالَت طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔ اور جب ان میں سے ایک جماعت کہتی تھی کہ اے اہلِ مدینہ! تمہارے لئے (ٹھہرنے کا) مقام نہیں

= تمہارے دل منہ آنے لگے۔

"وتظنون باللہ الظنونا" خطاب مخلص مؤمنوں سے ہے، باللہ ای فی حق اللہ مسلمانوں کی تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت کم تھی اور دشمن کی فوجیں چاروں طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے تھیں۔

اور بظاہر فتح کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی اس لئے بتقاضائے بشریت مسلمانوں کے دلوں میں مختلف خیالات رونما ہونے لگے بعض کا خیال تھا کہ شاید آج ہمیں فتح نصیب نہ ہو۔ اور بعض کا خیال تھا کہ فتح ہماری ہی ہوگی، اور بعض مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال بھی آیا کہ آج کافر مدینہ پر قبضہ کرلیں گے، لیکن بالاخر اللہ تعالی مسلمانوں کو ان پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ یا یہ خطاب ان تمام لوگوں سے ہے جو علی الاطلاق ایمان کا اظہار کرتے تھے خواہ اخلاص کے ساتھ خواہ نفاق کے ساتھ، اس طرح یہ خطاب مخلصین اور منافقین سب کو شامل ہوگا۔ اور ظنون سے مختلف انواع ظنون مراد ہوں گے۔ مخلصین یہ خیال کرر ہے تھے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یقیناً فتح ہماری ہوگی جیسا کہ مخلصین کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے: وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُونَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ، الاية.

اور منافقین کا گمان تھا کہ وعدہ نصرت جھوٹا ہے اور آج مسلمانوں کا دنیا سے نام ونشان مٹ جائے گا۔ جیسا کہ منافقین کے بارے میں فرمایا: وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ، الاية،

قال الحسن ظن المنافقون ان المسلمين يستأصلون، وظن المومنون انهم ينصرون (قرطبی، روح).

فَارْجِعُوْا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ إِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ط

تو لوٹ چلو اور ایک گروہ ان میں سے پیغمبر سے اجازت مانگنے اور کہنے لگا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں

إِنْ يُّرِيْدُوْنَ إِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا

حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے ۔ اور اگر (فوجیں) اطرافِ مدینہ سے ان پر آ داخل ہوں

ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَا إِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا

پھر اُن سے کفر کیلئے کہا جائے تو (فوراً) کرنے لگیں اور اس کیلئے بہت ہی کم توقف کریں ۔ حالانکہ

اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْأَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنفَعَكُمُ

پہلے اللہ سے اقرار کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ سے (جو) اقرار (کیا جاتا ہے اس) کی ضرور پرسش ہوگی

الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾

کہہ دو کہ اگر تم مرنے یا مارے جانے سے بھاگتے ہو تو بھاگنا تم کو فائدہ نہیں دے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اٹھاؤ گے [5]

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُم مِّنَ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا

کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے تو کون تم کو اُس سے بچا سکتا ہے یا اگر تم پر مہربانی کرنا چاہے

أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ط وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُم مِّن دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

(تو کون اُس کو ہٹا سکتا ہے)؟ اور یہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو اپنا نہ دوست پائیں گے اور نہ مددگار

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا

اللہ تم میں سے ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو (لوگوں کو) منع کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آ ؤ

---

[5] واذیقول ،الایة: یہ ''اذزاغت ''پر معطوف ہے (روح المعانی) و الذین فی قلوبھم مرض سے

منافقین ہی مراد ہیں اور عطف تغایر وصف کی وجہ سے ہے **جوزان یکون المرادبهم المنافقون انفسهم و العطف لتغاير الوصف** (روح) غزوہ خندق میں رسول علیہ السلام نے ایک پتھر کو توڑنے کے لئے اس کو ضرب لگائی تو اس میں سے بجلی کی سی روشنی اور چمک نمودار ہوئی۔اس وقت تمام صحابہ کو آپؐ نے فارس، یمن، روم اور حبشہ کی فتح کی خوشخبری دی۔ یہ بات منافقین نے بھی سنی تو بطور استہزاء و تمسخر کہنے لگے۔محمدﷺ ہمیں قیصر وکسری کے خزانو پر قابض ہونے کی خبر دیتا ہے۔اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لئے بھی باہر نہیں جاسکتے۔اس لئے یہ ویسی ہی ہوائی اور جھوٹے وعدے ہیں، اس ایت میں منافقین کی اس شرانگیز گفتگو کا ذکر کیا گیا ہے۔ایسی باتوں سے منافقین کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں میں بد دلی پیدا ہو۔اوران کی حوصلہ شکنی ہو۔**وذلک ان طعمة بن ابيرق ومعتب بن قشيروجماعة نحوا من سبعين رجلا قالوا يوم الخندق كيف يعدنا كنوز كسرى وقيصرو لايستطيع احدناان يتبرز** (قرطبی)

"**غرورا**" **ای باطلامن القول** (قرطبی).یہ وعدہ العیاذباللہ سراسر جھوٹا ہے.**قال الشيخ رحمه الله،غرورا،ای وعداصاحب غرور ای كذب.**

واذقالت،الایۃ، اس میں ایک اور شرارت کا ذکر ہے،اہل یثرب سے مدینہ والے تمام مسلمان مراد ہیں۔منافقین اپنی خفیہ ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں میں بد دلی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کررہے تھے۔وہ مسلمان سے کہنے لگے اب مشرکین کی ان فوجوں کے سامنے تمہارا ٹھہرنا اور اپنی جان بچانا مشکل اور ناممکن ہے۔اس لئے اب ایمان کو چھوڑ کر اپنے پہلے دین شرک میں واپس آجاؤ۔یا ان کا مطلب یہ تھا کہ مشرکین کے مقابلے میں ٹھہرنا ناممکن ہے۔اس لئے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔اس سے منافقین کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں۔**لامقام لكم فى حومة القتال والممانعة فارجعواالى بيوتكم ومنازلكم ،امروهم بالهرب عن رسول الله**ﷺ، **وقيل فارجعواالى دينكم الاول واسلموه الى اعدائه** (بحر)۔

"**ويستأذن**" منافقین کی ایک جماعت جھوٹے اور لنگڑے بہانوں کے ذریعہ نبی علیہ السلام سے گھروں کو واپسی کی اجازت لے رہی تھی، منافقین نبی علیہ السلام سے کہہ رہے تھے کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں اوران کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں بچوں اور بوڑھوں کے سوا ان میں کوئی نہیں ،ایسا نہ ہو کہ دشمن موقع پا کر نقصان پہنچائیں، حالانکہ ان کے گھروں کو کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ نبیﷺ نے تمام حفاظتی تدابیر اختیار فرمالی تھیں، وہ صرف جہاد اور مسلمانوں کی مدد سے

بھاگنا چاہتے تھے۔

'' ولو دخلت '' یہ منافقین کے نفاق اور فساد باطن کی ایک نہایت عمدہ تمثیل ہے ''دخلت'' کا نائب فاعل ''بیوت '' کی ضمیر ہے ''اقطارھا'' کی ضمیر مدینہ سے کنایہ ہے ''الفتنه'' سے مراد قتال ہے، فرض کرو اگر یہ منافقین اپنے گھروں میں موجود ہوں، اور مدینہ کی چار سمتوں سے فسادی لوگ ان کے گھروں میں آگھسیں، پھر نبی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور شخص ان کو فتنہ وفساد کی طرف لڑائی کیلئے دعوت دے تو اپنے گھروں کو اس طرح خطرے میں چھوڑ کر فورا فتنے کی آگ میں کود پڑیں گے، اور ذرا توقف وتامل نہ کریں گے اس لئے یہ گھروں کے خطرے میں ہونے کا عذر محض جہاد اور نصرت اسلام سے جان بچانے کے لئے کر رہے ہیں، یا فتنہ سے مراد شرک ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر مشرکین ان کے گھروں میں جا گھسیں اور انہیں شرک کرنے پر امادہ کریں تو یہ لوگ بلاتوقف فورا شرک کرنے لگیں گے اور کفر کو قبول کر لیں گے۔ یہ ہے ان کے ایمان کی کمزوری کا حال (روح)۔

''ولقد کانوا '' حالانکہ یہ منافقین جو اس وقت راہ فرار تلاش کر رہے ہیں، اللہ سے عہد کر چکے ہیں کہ آئندہ وہ میدان جہاد سے کبھی پیٹھ نہیں پھریں گے، اور عہد و پیان کو توڑنا نا قابل مواخذہ جرم ہے یہ وہ منافقین تھے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے لیکن جب بدر میں انہوں نے مسلمانوں کی شاندار فتح اور کامیابی دیکھی تو پچھتائے اور نبی علیہ السلام سے عہد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں کبھی جہاد کا موقع دیا تو ہم کبھی پیچھے نہ رہیں گے، اور نہ میدان جہاد سے بھاگیں گے، لیکن اب غزوہ خندق میں بھاگنے کے بہانے تراش رہے ہیں: قال قتادہ وذلک انهم غابوا عن بدر ورأوا مااعطى الله اهل بدر من الكرامة والنصر فقالوا لئن اشهدنا الله قتالا لنقاتلن (قرطبی).

''قل من '' اس ایت میں حذف ہے از قبیل علفتها تبنا وماء باردا، اصل میں تھا۔ او من ذى الذى يمنع رحمة الله منكم ان ارادبكم رحمة (روح)۔

اس ایت میں پہلی ایت ہی کے مضمون کو ایک نئے انداز میں اور ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اللہ تعالی کی قضاء وقدر کے آگے کسی کا بس نہیں چل سکتا۔ اللہ کی طرف سے تمھارے لئے جو تکلیف اور دکھ مقدر ہے اس سے تمہیں کوئی بچا سکتا اور نہ اللہ کی رحمت ہی سے تمہیں کوئی محروم کر سکتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی کسی کا کارساز اور یار ومددگار نہیں جو تکلیف اور مصیبت سے کسی کو بچا سکے۔

''قد يعلم الله '' یہ ان منافقین پر زجر ہے جو لوگوں کو جہاد سے روکتے اور ان کی ہمت شکنی کرتے تھے،=

وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَآءَ الْخَوْفُ

اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کم ۔ (یہ اس لئے کہ) تمہارے بارے میں بخل کرتے ہیں پھر جب ڈر آئے

=اے منافقین! اللہ تعالی ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے جہاد میں جانے والوں کو جہاد سے روکتے ہیں اور اپنی بھائی بند منافقوں سے کہتے ہیں (ہمارے پاس آجاؤ) اور اپنے گھروں میں باغوں میں درختوں کے سایوں میں ارام سے بیٹھو، اس شدت کی گرمی میں جنگ کر کے اپنا ارام کیوں غارت کرتے ہو، اور وہ خود بھی بہت شاذ و نادر انتہائی مجبوری کی صورت میں شریک جہاد ہوتے ہیں۔

"اشحة علیکم" اور جب بامر مجبوری جہاد میں شریک ہوتے ہیں تو اپنے جسم و جاں اور مال کا انتہائی بخل کرتے ہیں۔ کیا مجال کے دشمن سے مقابل ہو کر لڑیں۔ اور اپنے جسم پر آنچ آنے دیں۔ اور ایک کوڑی ہی جہاد میں خرچ کر ڈالیں۔ اشحة علیکم ای بانفسهم و ابدانهم (کبیر). ای بخلاء علیکم بالنفقة و النصرة (روح)۔

"فاذا جاء" پھر جب دشمن کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق ہوتو ایسے دہشت زدہ ہو کر آپ کی طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی پر سکرات الموت طاری ہو، اور جب خوف زائل ہو جائے تو مال غنیمت کے لالچ میں تندی و تیزی کے ساتھ اپ لوگوں سے زبان درازی کرتے ہیں، تم ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو، فتح تو ہماری ہی مدد سے نصیب ہوئی ہے وغیرہ وغیرہ، اس ایت میں منافقین کی انتہائی بزدلی اور دنیا کی حرص وارزو کا ذکر کیا گیا ہے۔ الخیر سے یہاں مال غنیمت مراد ہے اشحة سلقوا کے فاعل سے حال ہے۔ اولئک لم یؤ منوا "یہ لوگ سرے سے ایمان لائے ہی نہیں محض زبانی اقرار کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے ان کے تمام اعمال رایگاں ہیں۔ اور ان کا کوئی اجر و ثواب نہیں۔

"یحسبون" یہ منافقین کی انتہائی بزدلی ہے مشرکین و کفار کی فوجیں نا کام ہو کر واپس جا چکی ہیں، لیکن منافقین مارے خوف کے ابھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ فوجیں ابھی اپنے مورچوں سے نہیں ہٹیں، ای هم من الجزع و الدهشة لمزید جبنهم و خوفهم بحیث هزم الله تعالی الاحزاب فرحلوا و هم یظنون انهم لم یرحلوا (روح)۔

شیخؒ حسین علی فرماتے ہیں کہ یحسبون کی ضمیر معوقین اور قائلین دونوں فریقوں سے کنایہ ہے۔

رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ

تو تم اُن کو دیکھو کہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں (اور) اُن کی آنکھیں پھر رہی ہیں جیسے کسی کو موت سے غشی آ رہی ہو

فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولٰٓئِكَ

پھر جب خوف جاتا رہے تو تیز زبانوں کیساتھ تمہارے بارے میں زبان درازی کریں اور مال میں بخل کریں یہ لوگ

لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿۱۹﴾

(حقیقت میں) ایمان لائے ہی نہ تھے تو اللہ نے اُن کے اعمال برباد کر دیئے اور یہ اللہ کو آسان تھا

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا وَإِنْ يَّأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ

(خوف کے سبب) خیال کرتے ہیں کہ فوجیں نہیں گئیں اور اگر لشکر آ جائیں تو تمنا کریں کہ (کاش)

بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنۢبَآئِكُمْ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَّا قٰتَلُوٓا

گنواروں میں جا رہیں (اور) تمہاری خبریں پوچھا کریں اور اگر تمہارے درمیان ہوں تو لڑائی نہ کریں

إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲۰﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

مگر کم ۔ تم کو پیغمبر الٰہی کی پیروی (کرنی) بہتر ہے

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا ﴿۲۱﴾

اُس شخص کو جسے اللہ (سے ملنے) اور روزِ قیامت (کے آنے) کی امید ہو،اور یاد کیا اللہ کو بہت زیادہ [6]

---

[6] ''لقد کان'' اس میں اتباع رسول ﷺ کی ترغیب ہے پیغمبر اللہ ﷺ نے خندق کھودنے اور کفار کا مقابلہ کرنے میں صبر و استقلال اور سکون و ثبات کا جو بہترین عملی نمونہ پیش فرمایا ہے مسلمانوں کو اس کی پیروی کرنا چاہیئے تھی، یہاں مخلصین سے فرمایا جو بتقاضا بشریت کافروں کی فوجوں سے خوف زدہ ہوگئے تھے،اسوۃ حسنۃ ، خصلۃ حسنۃ ، حقہا ان یؤتسی بہا کالثابت فی الحرب ومقاساۃ الشدائد(ابو السعود).=

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

اور وہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔اور جب مومنوں نے (کافروں کے) لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا اللہ اور

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

اُس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اُس کے پیغمبر نے سچ کہا تھا اور اس سے اُن کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہوگئی[۷]

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ

مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا اُس کو سچ کر دکھایا

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

تو اُن میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہوگئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے ذرا بھی نہیں بدلا

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ

تاکہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا بدلا دے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا (چاہے) تو اُن پر

= "لمن كان يرجوا" یہ لکم سے بدل ہے یعنی جو لوگ اللہ سے اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں ان کے لئے پیغمبر علیہ السلام کی زندگی اتباع واطاعت کا بہترین نمونہ ہے یہ آیت اگرچہ معاملہ جہاد میں نبی علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا مفہوم عام ہے اور زندگی کے تمام شعبوں اور پہلوؤں پر حاوی ہے اس اعتبار سے یہ ایت شریعت کا بہت بڑا اصول بیان کر رہی ہے: والاية وان سيقت للاقتداء بهﷺ فی امر الحرب من الثبات ونحوه فهي عامة فی كل افعالهﷺ اذالم يعلم انهامن خصوصياته(روح). هذه الاية اصل كبير فی التأسي برسول اللهﷺ فی اقواله وافعاله واحواله ولهذاامرتبارک وتعالى الناس بالتأسي بالنبیﷺ يوم الاحزاب فی صبره ومصابرته ومرابطته ومجاهدته الخ(ابن كثير).

[7] "ولما رأ المؤمنون" منافقین کے نفاق ان کے بزدلی اوران کے شرارتوں کا ذکر کرنے کے

بعداب مخلصین کے اخلاص وایثار اوران کے ثبات واستقلال کاذکر کیا جاتا ہے مخلص مومنوں نے جب دیکھا کہ کفار ومشرکین کی فوجیں مدینہ پر چڑھ آئی ہیں تو وہ فورا بول اٹھیں کہ یہ وہی ازمائش ہے جس کی اللہ اوراس کی رسول نے خبردی تھی، اوروہ خبرسچی تھی جس کی صداقت ہم نے آنکھوں سے دیکھ لی ،اوران کی فوجوں کودیکھ کران کاایمان ویقین اورمضبوط ہوگیا۔کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالی ان کی فوجوں کی مقابلے میں ان کی مدد کرے گا۔اورتسلیم واطاعت کاجذبہ اوربڑھ گیا،وعدہ سے مرادسورۂ بقرہ کی یہ ایت ہے:ام حسبتم ان تـدخـلـوا الـجـنة ولمايأتكم مثل الذين خلومن قبلكم:۲۱۴، (قرطبی)۔اس ایت سے مسلمان سمجھ گئے تھے کہ ان پراللہ کی طرف سے کوئی کڑی ازمائش آنے والی ہے۔

"مـن الـمـؤمنين" ایمان والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جوعہد کیا تھاپورا کردکھایااس سے مرادوہ مخلصین مراد ہیں جوسوءاتفاق سے جنگ بدر میں شریک نہ ہوسکے بعدمیں نادم ہوئے اوراللہ تعالی سے عہد کیا کہ اگرآئندہ کوئی جہادکاموقع ہاتھ آیاتووہ پورے استقلال کے ساتھ خون کے آخری قطرے تک لڑیں گے۔چنانچہ جنگ احد اورغزوہ خندق میں ان مخلصین نے پوری جان نثاری سے کام لیا۔

"فـمنهم من قضى" ان مخلصین کی خواہش یہ تھی کہ انہیں اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہوچنانچہ ان میں سے کچھ تو ایسے تھے جن کی خواہش پوری ہوگئی اوروہ غزوہ خندق میں شہید ہوگئے اورکچھ ایسے ہیں جوابھی انتظارمیں ہے لیکن ان کے اخلاص اورجذبہ ایثارمیں ذرابھر فرق نہیں آیا۔

"لیـجـزی" شیخ حسین علی نے فرمایالام عاقبت کاہے یعنی عاقبت یہ ہوگی کہ اللہ تعالی مخلصین کوایفاء عہداورثابت قدمی کی جزاء دے۔اوراگرانہیں عذاب نہ دیناچاہے توان کوتوبہ کی توفیق دے۔ اوران کی توبہ قبول فرمالے۔کیونکہ اللہ تعالی ایسامہربان ہے کہ جوسچی توبہ کریں اس کی توبہ قبول فرمالیتاہے۔ای ان شـاء ان يعذبهم اى لم يوفقهم للتوبة وان لم يشأ ان يعذبهم تاب عليهم قبل الموت (قرطبی)۔

"ورد الله" اس میں غزوہ احزاب میں اللہ کیطرف سے مسلمانوں کی فتح وظفراورانعامات الٰہی کی تفصیل مذکورہے جن کا:فـارسـلـنـاعـليهـم ريحـا میں اجمالاذکرکیا گیا ہے:تـفـصـيـل لتتـمة الـنـعـمة الـمشـاراليهـا اجـمـالا بقوله تعالى ؛فارسلناعليهم ريحاوجنودالم تروها(روح) یہاں پانچ انعامات کاذکرکیاگیاہے،اول:ورد الله ، اللہ تعالی نے کفارکی فوجوں کوبےنیل مرام شکست خوردہ اورغیظ وغضب کی آگ میں سوزان وبریان واپس کردیا۔جس سے مسلمانوں کوانتہائی خوشی ہوئی لیکن کفاراورمشرکین حسداوربغض میں جل بھن گئے

اور حسرت و پشیمانی سے سرنگوں ہو گئے۔

"دوم و کفی اللہ" اللہ تعالی نے مومنوں کو قتال اور جنگ سے بچالیا اور جنگ کے بغیر ہی کافروں کی فوجوں کو شکست دیدی اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے اللہ تعالی اپنے تمام ارادوں کو پورا کرنے پر قادر اور ہر چیز پر غالب ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

سوم جن یہودیوں نے غزوہ احزاب میں مشرکین کی مدد کی تھی اللہ نے ان پر بھی مسلمانوں کو غلبہ عطا کیا اور جب مسلمانوں نے ان کے مضبوط قلعوں کا محاصرہ کر لیا تو وہ مجبور ہو کر اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئے۔ "من اھل الکتاب" "الذین" کا بیان ہے اور "من صیاصیھم" "انزل" سے متعلق ہے صیاصی صیصیۃ کی جمع ہے یعنی قلعہ۔

چہارم "وقذف" یہودیوں کے دلوں میں اللہ تعالی نے ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ اترنے پر مجبور ہو گئے اور اللہ تعالی نے ایمان والوں کو ان پر ایسا تسلط عطا کیا کہ انہوں نے (یہودیوں) کے مردوں کو قتل کر دیا اور ان کے عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا۔

پنجم اللہ نے ان کے زمینوں ان کے مکانوں اور ان کے اموال کا مسلمانوں کو مالک بنا دیا۔ اور ایک ایسا علاقہ بھی ان کو دیدیا جس پر ابھی تک انہوں نے پاؤں نہیں رکھے، اس سے بعض نے ارض خیبر بعض نے ارض حنین، بعض نے ارض مکہ مرادلی ہے، واللہ اعلم۔ غزوہ احزاب کے بعد نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا اور یہود بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا، جنہوں نے مشرکین کی مدد کی تھی بیس پچیس دن محاصرہ جاری رہا۔ اسی اثناء میں یہودی مجبور ہو گئے اور ان کے دلوں میں اللہ نے مسلمانوں کی ہیبت ڈال دی۔ اور انہوں نے خود ہی قلعوں سے باہر انے کی پیش کش کر دی اور سعد بن معاذؓ کا فیصلہ قبول کر لیا۔ سعدؓ قبیلہ اوس میں سے تھے۔ جو بنی قریظہ کا حلیف تھا۔ سعد بن معاذؓ نے فیصلہ دیا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائیں اور ان کے عورتوں اور بچوں کو غلام بنا دیا جائیں۔ اور ان کے اموال واملاک کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے سعد بن معاذؓ کے فیصلے پر عمل فرمایا۔ (روح وغیرہ)۔

یہاں تک غزوہ خندق کی تفصیلات مذکور ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں بظاہر اسباب فتح مفقود تھے اور یہ ایک نہایت ہی کٹھن معرکہ تھا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالی نے تم کو فتح عطا فرمائی، اس لئے اے ایمان والو! ان رسوم جاہلیت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں اگر منافقین اور مشرکین پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت کریں تو تم پیغمبر علیہ السلام کا ساتھ دینا اور دشمن کی طاقت کو خاطر میں نہ لانا، اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

عَلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ

مہربانی کرے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو کافر تھے اُن کو اللہ نے پھیر دیا وہ اپنے غصے میں (بھرے ہوئے

لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾

تھے) کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے اور اللہ مومنوں کو لڑائی کے بارے میں کافی ہوا اور اللہ طاقت ور (اور) زبردست ہے

وَأَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ

اور اہلِ کتاب میں سے جنہوں نے اُن کی مدد کی تھی اُن کو اُن کے قلعوں سے اتار دیا

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَأْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾

اور اُن کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو کتنوں کو تم قتل کر دیتے تھے اور کتنوں کو قید کر لیتے تھے

وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا

اور اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور اُن کے مال اور اُس زمین کا جس میں تم نے پاؤں بھی نہیں رکھا تھا تم کو وارث بنا دیا

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ

اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دو

إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ

کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت و آرائش کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے

سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ

رخصت کر دوں۔[8] اور اگر تم اللہ اور اُس کے پیغمبر اور عاقبت کے گھر (یعنی جنت) کی طلبگار ہو

فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ

تو تم میں جو نیکوکاری کرنے والی ہیں اُن کیلئے اللہ نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اے پیغمبر کی بیویو!

مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ

تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ (الفاظ کہہ کر رسول اللہ کو ایذا دینے کی) حرکت کرے گی اُس کو دگنی سزا دی جائے گی

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور یہ (بات) اللہ کو آسان ہے ۔ اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار رہے گی

وَتَعْمَلْ صٰلِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾

اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دُگنا ثواب دیں گے اور اس کے لئے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے

---

[8] یاایھا النبی ،الایة، یہ نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے اس میں نبی علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنی بیبیوں سے کہہ دیں کہ اگر دنیا کی عیش وعشرت چاہتی ہو تو یہ چیز تمہیں میرے گھر میں نہیں مل سکتی، آؤ میں تمہیں طلاق دیکر اور جوڑا دیکر رخصت کر دیتا ہوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کی رسول کو اور آخرت کی عیش کو پسند کرتی ہو تو اللہ تمہیں اس کا بہت بڑا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ شیخؒ حسین علی ارشاد فرماتے ہیں پہلے مومنوں سے فرمایا: کہ رسوم جاہلیت کو توڑنے میں پیغمبر کے ساتھ دیں، اور کفار ومنافقین کی مخالفت کا مقابلہ کریں اور ہرگز نہ ڈریں۔ اللہ تعالی ان کے ساتھ ہے۔

اب ازواج مطہرات کو تلقین فرمائی کہ تم بھی کفار ومنافقین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر اس بارے میں پیغمبر علیہ السلام کے خلاف لب کشائی نہ کرنا۔ اور پیغمبر نے جو کچھ کیا ہے یعنی اپنے متبنیٰ کے مطلقہ سے نکاح کر لیا ہے اس میں آپ کی تائید کرنا اور اس کو دل وجاں سے تسلیم کرنا، کیونکہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں، آپ نے جو کچھ کیا اللہ کے حکم سے کیا ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی، نبی علیہ السلام نے عائشہؓ کو سنائی اور فرمایا اس بارے میں جلدی نہ کرو اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا "یا رسول اللہ کیا آپ کے بارے میں میں والدین سے مشورہ کروں؟ میں اللہ اور اللہ کے رسول کو دنیا کی عیش وزینت پر ترجیح دیتی ہوں" باقی ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم باتیں نہ کرو

فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرے اور دستور کے مطابق بات کیا کرو[۹]

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت میں اظہار تجمل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ

وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو اے اہلِ بیت! اللہ چاہتا ہے

لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دُور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے[۱۰]

---

[9] "یانساء النبی" یہ ازواج مطہرات سے پہلا خطاب ہے "فاحشة مبينة" سے نشوز، خاوند کی نافرمانی اور آپؐ کو تنگ کرنا مراد ہے۔ ینبغی ان تحمل الفاحشة علی حقوق الزوج وفساد عشر ته(بحر) اے ازواج نبی اگر تم میں سے کوئی پیغمبر علیہ السلام کی نافرمانی کریگی۔ یا اپنی زبان سے آپ کو ایذا دے گی مثلاً تم میں سے کوئی رسول اللہ ﷺ کے اپنے متبنٰی کی مطلقہ سے نکاح کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ کہہ دے کہ پیغمبر زور والا اور اپنی مرضی والا ہے اسے کون روک سکتا ہے تو ایسا کلام فاحشہ مبینہ ہوگا اور اللہ تمہیں اس کی دگنی سزا دیگا۔

[۱۰] "یانساء النبی" یہ ازواج مطہرات سے دوسرا خطاب ہے۔ اس میں ان کو ایسی ہدایات دی گئی ہیں جن پر عمل کرنے سے ان کا بلند مقام قائم رہے اور ان کی عزت وآبرو ہر شک وشبہ سے بالا رہے۔ اے ازواج نبی اگر تم تقوی اختیار کرو تو دنیا کی کوئی عورت تمہارے برابر نہیں ہو سکتی۔

یہ شرط اس فضیلت کی ہے جو اللہ تعالی نے ان کو نساء نبیؐ ہونے کی وجہ سے بخشی ہے، مقصود اس سے اس بات

پر تنبیہ کرنا ہے کہ فقط اس نسبت و تعلق پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ ہم ازواج رسولؐ ہیں، بلکہ تقوی اور اطاعت احکام الٰہیہ پر فضیلت کی شرط ہے۔ (قرطبی)۔

"**فلاتخضعن بالقول**" اس لئے تم پیغمبر علیہ السلام کے مذکورہ بالا معاملے میں ہرگز نرم رویہ اختیار نہ کرنا اور فاحشہ مبینہ سے احتراز کرنا۔ اس بارے میں ہرگز نہ کہنا کہ پیغمبر اپنی مرضی والا ہے اسے اپنے متبنیٰ کی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرنے سے کون روک سکتا ہے اگر تمہاری ایسی نرم پالیسی کا منافقین کو پتہ چل گیا تو وہ خوش ہوں گے کہ چلو ہمارا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے گھر میں کچھ تو مخالفت رونما ہو گئی ہے۔

"**وقلن**"۔ اس نرم گفتگو کے بجائے بالکل صاف اور سیدھے لفظوں میں کہو۔ پیغمبر علیہ السلام نے جو کچھ کیا ہے اللہ کے حکم سے کیا ہے اور بالکل درست اور صحیح کیا ہے اور اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔

"**وقرن**" اپنے گھروں میں رہو، اور جاہلیت کی بناوٹ اور تصنع سے پرہیز کرو۔ نماز قائم کرو زکواۃ دیا کرو اور ہر معاملے میں اللہ اور رسول کی اطاعت کیا کرو۔

"**وانمایریداللہ**" "**الرجس**، عام ہے، اور اس سے ہر قسم کی اخلاقی نجاست اور گناہوں کی گندگی مراد ہے۔ **الرجس يقع على الاثم وعلى العذاب وعلى النجاسة وعلى النقائص والمراد به ھٰھناما يعم كل ذالک** (روح المعانی)۔

اے ازواج نبی! اللہ نے یہ احکام تمہیں اس لئے دیئے ہیں تا کہ ان کے ذریعے تم ہر قسم کی اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ رہو، اور اللہ و رسول کی نافرمانی کے جرم اور گناہ سے پاک وصاف رہو۔

"**واذکرن**" قرآن کی آیتوں اور رسول اللہ ﷺ کی ارشادات کو اپنے گھروں میں بار بار پڑھا کرو، اور ان کو دہرایا کرو تا کہ اللہ و رسول کے احکام ہر وقت تمہارے ذہنوں میں تازہ رہیں، اور ان کے اتباع میں آسانی ہو یہاں لفظ اہل البیت سے روافض پنج تن مراد لیتے ہیں جو قرآن کے سیاق وسباق کے سراسر خلاف اور لغت وعربیت کی رو سے قطعاً غلط ہے جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے اس سے پہلے پانچ آیتوں میں ازواج مطہرات سے خطاب چلا آ رہا ہے، اور اس سے بعد والی آیت میں بھی ازواج ہی سے خطاب ہے، ان تمام آیتوں میں جمع مونث مخاطب کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں، اور خود اس آیت میں اس لفظ سے پہلے چھ صیغے جمع حاضر کے موجود ہیں، جن سے ازواج مطہرات مخاطب ہیں اس لئے لامحالۃ یہاں اہل بیت سے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں، اگر اس سے پنج تن مراد لئے جائیں تو نظم قرآن مختل

ہوجائے گا۔علاوہ آزیں ابن عباسؓ عکرمہ اورعروہ سے مروی ہے کہ یہاں اہل البیت سے ازواج نبی علیہ السلام ہی مراد ہیں۔عن ابن عباسؓ نزلت، انمایرید ،الایة ، فی نساء النبی الکریمﷺخاصة ،قال عکرمة من شاء باھلته انھانزلت فی شان نساء النبیﷺ.عن عروہ یعنی ازواج النبیﷺ(روح،ابن کثیر)۔

بعض لوگوں کوعنکم اوریطھر کم کی ضمیر مذکر سے دھوکا ہوا ہے،حالانکہ یہ محاورات لغت سے ناواقفی کی دلیل ہے لفظ اہل چونکہ مذکر ہے اس لئے باعتبار لفظ اس کے لئے ضمیر جمع مذکر ہی استعمال کی جاتی ہے اگر چہ اس سے مراد صرف ایک بیوی ہو۔

یحتمل ان یکون خرج علی لفظ الاھل کمایقول الرجل لصاحبه کیف اھلک؟ای امرئتک ونسائک فیقول ھم بخیر (قرطبی) ۔قران کریم میں ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو اہل بیت کہہ کر جمع مذکر حاضر کے صیغوں سے مخاطب کیا ہے۔اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ وبرکاته علیکم اھل البیت .(ھود: ۷۳)۔اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی کو خطاب فرمایا:قال لاھله امکثوا انی انست نارا، الایه (قصص: ۲۹) ۔اس لئے اس ایت میں بھی اہل بیت سے مراد رسول اللہﷺ کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں،اور یہ آیتیں ان ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اس قول سے اگر یہ مطلب ہے کہ شان نزول یہی ہے اور نہیں،تو ٹھیک ہے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اہل بیت میں اور کوئی ان کے سوا داخل نہیں تو پھر یہ قول صحیح نہیں، اس لئے کہ احادیث سے اہل بیت میں ازواج مطہرات کے سوا اوروں کا داخل ہونا بھی پایا جاتا ہے، جیسا کہ مسند ابویعلی رقم:۴۰۲۱،اورترمذی (۳۸۷۱) میں مشہور روایت ہے:ام سلمہؓ سے اورانسؓ سے مسند احمد:۳/۲۵۹، میں نقل ہے کہ:ان النبیﷺ کان یمر ببیت فاطمة ستةاشھر، کلماخرج الی الصلاة فیقول الصلوة اھل البیت .ثم یقرأ ھذه الایة، یعنی رسول اللہﷺ چھ مہینے تک صبح کی نماز کے لئے جب گھر سے نکلتے تو فاطمہؓ کے دروازے پر پہنچ کر فرماتے:ای اہل بیت نماز کا وقت آ گیا، پھر اسی ایت کی تلاوت فرماتے۔

عن یزیدبن حیان قال انطلقت اناوحصین بن سبرة وعمربن مسلم الی زیدبن ارقم، فلماجلسنااليه، قال له حصین لقد لقیت یازیدخیراکثیرا، رأیت رسول اللہﷺ وسمعت حدیثه وغزوت معه، وصلیت خلفه ،لقد لقیت یازید خیراکثیرا،حدثنا یازید ماسمعت من رسول اللہﷺ، قال یا ابن اخی! واللہ لقدکبرت سنی وقدم عھدی ونسیت بعض الذی کنت اعیی من رسول

اللهﷺ، فما حدثتكم فاقبلوا وما لافلا تكلفوا فيه، ثم قال قام رسول اللهﷺ يوما فينا خطيبا بماء يدعى خما بين مكة والمدينة، فحمدالله واثنى عليه ووعظ وذكّر ثم قال امابعد الا ايها الناس فانما انابشر يوشك ان يأتي رسول ربي فاجيب، وانا تارك فيكم ثقلين ،اولهما كتاب الله فيه الهدى و النور فخذوا بكتاب الله واستمسكوا به، فحثّ على كتاب الله ورغب فيه، ثم قال واهل بيتي اذكركم الله في اهل بيتي ،اذكركم الله في اهل بيتي ،اذكركم الله في اهل بيتي ،فقال له حصين ومن اهل بيته يازيد؟ اليس نسائه من اهل بيته؟ قال نسائه من اهل بيته، ولكن اهل بيته من حرم الصدقة بعده، قال ومن هم؟ قال هم آل علي وال عقيل وال جعفر وال عباسؓ قال كل هؤلاء حرم الصدقة ؟ قال نعم. مسلم: ۲۴۰۸.

حصین نے کہا اے زید! آپ کو بہت خیر کثیر حاصل ہوئی، آپ نے رسولﷺ کی زیارت کی، ان کی حدیث سنی، ان کے ہمراہ جہاد کیا، اوران کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں، اے زید! آپ ہم کو رسول اللہﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث سنائیے، زید نے کہا اے بھتیجے! اللہ کی قسم میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، اور ایک مدت گذر گئی اور رسول اللہﷺ کی جو احادیث مجھے یاد تھیں، ان میں سے بعض کو میں بھول گیا، سو جو حدیث میں تم کو بیان کروں اس کو قبول کرلو، اور جس کو میں نہ بیان کروں اس کا تم مجھے مکلّف نہ کرو، پھر انہوں نے کہا ایک دن رسول اللہﷺ ہمیں خطبہ دینے کے لئے مدینہ اور مکہ کے درمیان اس تالاب پر کھڑے ہوئے جس کو خم کہتے ہیں، آپﷺ نے اللہ تعالی کی حمد وثناء کے بعد فرمایا اے لوگو سنو! میں ایک بشر ہوں، عنقریب میرے رب کا پیغام لانے والا (یعنی فرشتہ اجل) میرے پاس آئے گا، اور میں اس کو لبیک کہوں گا، میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، اللہ کی کتاب پر عمل کرو، اور اس کو مضبوطی سے تھام لو، پھر آپ نے کتاب اللہ پر برانگیختہ کیا اور اس کی ترغیب دی، پھر فرمایا اور (دوسرے) میرے اہل بیت ہیں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کو یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کو یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کو یاد دلاتا ہوں، حصین نے کہا اے زید! آپؐ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپؐ کی ازواج اہل بیت سے نہیں ہیں؟ اپ نے فرمایا کہ اپؐ کی ازواج بھی اہل بیت سے ہیں لیکن اپؐ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر اپ کے بعد صدقہ حرام کردیا گیا، کہا وہ کون ہیں؟ کہا وہ آل علیؓ آل عقیل آل جعفرؓ اور آل عباسؓ ہیں کہا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟، کہا ہاں۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ

اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت (کی باتیں سنائی جاتی ہیں) ان کو یاد رکھو بیشک اللہ

كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ

باریک بین اور باخبر ہے۔ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں

وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راستباز مرد اور راستباز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد

وَالصّٰدِقَاتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرَاتِ وَالْخٰشِعِيْنَ

اور صبر کرنے والی عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد

وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصَّآئِمٰتِ

اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد

وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ

اور یاد کرنے والی عورتیں کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اور کسی مومن مرد

وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں

وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا ؕ‏ ﴿۳۶﴾ وَاِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِىۡۤ

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا۔ اور جب تم اس شخص سے [11] جس پر

---

[11] واذتقول الخ یہ نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے اس میں نبی کریم ﷺ کو تنبیہ فرمائی، اپ نے اپنی حقیقی پھوپھی کی بیٹی زینبؓ بنت جحش کا نکاح اپنے متبنیٰ زید بن حارثہؓ کے ساتھ کر دیا، لیکن خاوند بیوی کے درمیان موافقت نہ ہو سکی اس لئے زید نے طلاق دینے کا فیصلہ کر دیا اور نبی کریم علیہ السلام کیخدمت میں حاضر ہو کر اس کا اظہار کیا، آپ نے زید کو عتاب فرمایا، اور سختی سے حکم دیا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق مت دے۔

اصل میں نبی ﷺ نے زید کو طلاق دینے سے اس لئے منع فرمایا کہ اگر زید طلاق دیدے تو زینب کے دل ازردہ کا مدار صرف اسی میں ہے کہ آپ خود ان سے نکاح کر لے لیکن یہ بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس میں منافقین کے اعتراض اور پروپیگنڈے کا ڈر تھا۔ اللہ تعالی کو یہ منظور تھا کہ اس رسم جاہلیت کو خود آپ کے اپنے عمل سے ختم کرے، اس لئے اللہ تعالی نے آپ کو تنبیہ فرمائی کہ آپ لوگوں کے اعتراض سے ڈرتے ہیں حالانکہ آپ کو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا چاہئے۔

"الذی انعم الله " سے زید بن حارثہ مراد ہیں اللہ تعالی کا اس پر انعام تھا ایمان کی توفیق، معیت رسول ﷺ غلامی سے ازادی، نبی ﷺ کا اس پر انعام یہ تھا کہ آپ نے اسے ازاد کیا، بچوں کی طرح اس کی پرورش کی اور اپنی ایک قریبی عورت سے اس کا نکاح کیا۔

"وتخفی فی نفسک " اس کے تحت بعض متساہل اور غیر محقق مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہیں کہ نبی ﷺ کے دل میں زینب کی محبت تھی، لیکن بظاہر آپ زید سے کہتے کہ اسے مت طلاق دو لیکن یہ سراسر غلط اور باطل ہے اور نبی ﷺ کی شان کے منافی ہے۔ اس لئے یہاں آپ جو کچھ دل میں چھپا رہے تھے اس سے مراد وہی ہے جسے اللہ نے ساتھ ہی "وتخشی الناس" سے ظاہر فرما دیا۔ یعنی آپ دل میں منافقین کے اعتراض اور پروپیگنڈے سے ڈر رہے ہیں۔ الظاهر ان اللہ تعالی لما ارادنسخ تحریم زوجة المتبنی اوحی الیه علیه السلام ان یتزوج زینب اذا طلقها زید فلم یبادر له ﷺ مخافة طعن الاعداء فعوتب علیه وهو توجیه وجیه قاله الخفاجی (روح).=

أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ

اللہ نے احسان کیا اورتم نے بھی احسان کیا (یہ) کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر

وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ج وَاللّٰهُ

اورتم اپنے دل میں وہ بات چھپارہے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اورتم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ

أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰهُ ط فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا

اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو پھر جب زید نے اس سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی اس کو طلاق دیدی)

لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ

توہم نے تم سے اس کا نکاح کردیا تاکہ مومنوں کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے

إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ج وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٣٧﴾

بارے میں جب وہ ان سے (اپنی) حاجت نہ رکھیں کچھ تنگی نہ رہے اور اللہ کا حکم واقع ہوکر رہنے والا تھا

= "فلماقضی زید "وطر سے مراد طلاق ہے، ای طلقها کماروی عن قتادة وهو کناية عن ذلک (روح) زینب کا مدخولہ ہونا ثابت نہیں۔ قالت (زینب) ماکنت امتنع منه غیر ان الله منعنی منه وقیل انه مذتزوجها لم یتمکن من الاستمتاع بها (بحر). جب زید نے زینب کو طلاق دیدی تو ہم نے آپ کے ساتھ اس کا نکاح کردیا، اور اس رسم جاہلیت کو توڑ دیا۔ تاکہ متبناؤں کی مطلقہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج اور تنگی باقی نہ رہے۔

"وکان امر الله مفعولا" اللہ کا حکم اور فیصلہ ہر حال میں نافذ ہوکر رہتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اللہ کا ارادہ تھا کہ اس رسم جاہلیت کو خود نبی کریم ﷺ کے عمل سے ختم کریں۔ اگرچہ آپ کا ارادہ اس سے بچنے کا تھا لیکن اللہ تعالی کا ارادہ ہوکر رہا۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ

پیغمبر پراس کام میں کچھ تنگی نہیں جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کر دیا اور جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی اللہ کا یہی دستور

خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ

رہا ہے اور اللہ کا حکم ٹھہر چکا ہے۔ اور جو اللہ کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے

رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾

اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ ہی حساب کرنے کو کافی ہے

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ

کر دینے والے) ہیں۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔[12] اے اہلِ ایمان! اللہ کا بہت ذکر کیا کرو

---

[12] یہ آیت کریمہ دو وجوہ سے ختم نبوت کے لئے قطعی دلیل ہے۔

پہلی وجہ: سیاق آیت کریمہ۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ گزشتہ آیات کریمہ میں ان لوگوں کی تردید فرمائی گئی جو کہتے تھے کہ زید بن حارثہ نبی ﷺ کے بیٹے ہیں، اور زینب رضی اللہ عنہا آپ کی بہو ہے، لہٰذا اس کے ساتھ نبی ﷺ کی نکاح جائز نہیں ہے تو اللہ تعالی نے یہ آیت کریمہ ان کے جواب میں نازل فرمائی۔ پہلا جملہ یہ ہے کہ محمد ﷺ کسی مرد (بالغ) کے باپ نہیں۔[اور زید تو مرد بالغ ہے] پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ کہ زینب کیساتھ نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: دوسرا جملہ (ولکن رسول الله) چونکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ پر جاہلیت کی تمام رسوم اور ناجائز امور کو مٹانا لازم تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر کے عملی طور پر دورِ جاہلیت کے اس غلط رسم اور جاہلانہ تصور کو مٹا ڈالا، جس کی وجہ سے وہ متبنیٰ کی بیوی کو نکاح میں لانا ناجائز تصور کرتے تھے۔

پھر سوال وارد ہوتا ہے کہ یہ پیغام آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی پہنچا دیتا۔ جواب: (وخاتم النبیین) یعنی آپ

ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ پھر سوال وارد ہوا کہ کس کو علم ہے کہ آپ کے بعد دوسرا نبی آنے والا نہیں؟ جواب (وکان اللہ بکل شئ علیما) یعنی ہر چیز کو جاننے والا اللہ کا یہ پیغام ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہے۔ اس سیاق سے یہ صاف واضح ہوا کہ خاتم النبیین کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ پر نبوت ختم ہوگئی ہے۔ دوسری وجہ: یہ کہ لفظ خاتم آخر آنے والے کے معنی میں قطعی ہے۔

تنبیه: لفظ خاتم کی لغوی تحقیق:

یہ مادہ (خ، ت، م) قرآن کریم میں آٹھ مرتبہ مختلف صیغوں سے ذکر ہے: ختم، یختم، خاتم، ختامه، مختوم۔ یہ مادہ اصل لغت عربیہ میں کسی چیز کے آخر کو پہنچنے کے لئے استعمال ہوتا ہے: جیسا کہ ختم الکتاب، کتاب آخر تک پڑھی، ختم القرآن، قرآن کریم کو آخر تک پڑھا۔

قال ابن منظور: وختم فلان القرآن اذا قرأه الی آخره (ابن سیده) الشئ یختمه ختما بلغه آخره. وختم الله له بخیر. وخاتم کل شئ وخاتمته وعاقبته آخره وخاتمة السورة آخره. وفی التنزیل: ختامه مسک، ای آخره لأن آخر مایجدونه رائحة المسک.

''ابن منظور لغوی نے کہا ہے کہ فلاں نے قرآن ختم کیا جب کہ آخر تک پڑھا ہو۔ ختم کا معنی آخر تک پہنچنا ہے جیسا کہ خاتمۂ خیر کا لفظ۔ اور خاتم ہر چیز کا آخر اور عاقبت کا نام ہے **خاتمة السورة** سے مراد اس کا آخر ہے اور قرآن میں ہے: ﴿**ختامه مسک**﴾ آخر اس کا مشک کی خوشبو ہوگی۔ [**لسان العرب، حرف: خ**].

قانون یہ ہے کہ جب کوئی چیز آخر کو پہنچتی ہے تو اس پر مہر لگایا جاتا ہے یہ ختم کا لازمی مجازی معنی ہے، تو ختم کا معنی مہر لگانا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: **یسقون من رحیق مختوم** (تطفیف: ۲۵) یعنی خالص شراب ایسے برتن میں ہوگی جس پر مہر لگایا گیا ہو۔ لہٰذا ابن منظور نے کہا ہے: **قال ابن اسحق معنی ختم وطبع فی اللغة واحد وهو الغطیة علی الشئ وخاتم مایوضع علی الطینة والختام الطین الذی یختم به علی الکتاب** ۔ [لسان العرب: ٤/ ٤٢] ''ابن اسحاق نے کہا ہے کہ ختم اور طبع ایک ہے اور وہ کسی چیز کو پردے سے ڈھانپنا ہے۔ کیچڑ پر مہر لگانا جس کا نام خاتم (مہر) ہے۔'' پھر جب کسی چیز پر مہر لگایا جائے تو اس کے ساتھ منع کا معنی لازمی ہوتا ہے۔ تو دلوں پر مہر لگانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے اندر حق بات داخل ہونا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جیسے کسی مکتوب پر مہر لگایا جائے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ مہر کے بعد اس میں کوئی چیز داخل نہیں ہوسکتی یعنی بات آخیر تک پہنچ گئی۔ حاصل یہ ہے کہ ختم کا معنی کسی چیز کو آخر تک

پہنچانا۔ پھر پہلا لازم اس کے ساتھ مہر لگانا ہے اور دوسرا لازم منع کرنا ہے۔ ابن منظور نے لکھا ہے۔ **وفی التنزیل العزیز: ولکن رسول الله وخاتم النبیین: ای آخرھم، ومن اسمائه العاقب معناه آخر الأنبیاء.** [لسان العرب: ۲۵/۴] "قرآن میں ہے خاتم النبیین یعنی ان کا آخر اور نبی ﷺ کے ناموں میں سے العاقب نام بھی ہے جس کے معنی ہیں آخر الأنبیاء۔ اور مبرد کا قول ہے کہ **خاتم النبیین** صیغہ فعل ماضی ہے تو معنی یہ ہے کہ آپ نے سلسلہ انبیاء کو ختم کر دیا۔ تو مرزا غلام احمد کا یہ قول کہ خاتم کا معنی مہر ہے، او پھر مہر سے تصدیق مراد لیتا ہے، یہ تاویل نہیں بلکہ تحریف ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے لئے مصدق کی صفت قرآن کریم نے ذکر فرمائی ہے لیکن ہر ایک مقام پر (**لما بین یدیه**) ذکر فرمایا ہے یعنی آپ ﷺ پہلوں کی تصدیق کرنے والے ہیں ایسا کسی بھی آیت میں نہیں فرمایا کہ پیچھے آنے والوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور یہ بات خوب سمجھنا چاہئے کہ اگر خاتم بمعنی مہر لیا جائے تو مہر ہمیشہ خط کے اختتام اور آخیر میں لگایا جاتا ہے نہ کہ درمیان میں، تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالی نے سلسلہ انبیاء کی آمد پر مہر لگایا اور اس کے بعد بھی کوئی رسول یا نبی مبعوث فرمائے۔ لفظ خاتم ہر حیثیت سے آخر میں آنے والا اور دوسروں کو منع کرنے والا کے لئے حقیقی معنی میں مستعمل ہے اور یہ لفظ ختم نبوت کے سلسلے میں قطعی لفظ ہے۔ اور قانون یہ ہے کہ قطعیات میں تاویل کرنا تحریف کے مترادف ہے اور مرزا اسی تحریف کا مرتکب ہو چکا ہے۔ اور امکان نبوت کے بارے میں اگر ابن حجر سے فتاوی حدیثیہ میں جو کچھ نقل ہے تو اس پر مفسر آلوسی نے تفصیلی رد کیا ہے اور کتاب الاقتصاد للغزالی میں جو کچھ نقل ہے وہ مفسر قرطبی نے تفصیلا رد کیا ہے۔

اثبات ختم نبوت احادیث نبویه کی روشنی میں

۱: **عن جابر بن عبدالله. رضی الله عنه. قال: قال رسول الله ﷺ: مثلي ومثل الأنبیاء کمثل رجل بنی دارا فأکملها وأحسنها الا موضع لبنة، فکان من دخلها فنظر الیها قال: ماأحسنها الا موضع اللبنة، فأنا موضع اللبنة، ختم بی الأنبیاء علیهم الصلاۃ والسلام. وفی روایة: وختم بی الرسل. وفی روایة فأنا اللبنة وأنا خاتم النبیین. بخاری رقم: ۳۵۳۴ ، ۳۵۳۵، مسلم: ۶۰، ۶۵، ترمذی مع التحفة: ۱۵۸/۸، ابوداود رقم: ۱۷۸۵ ومسنداحمد: ۱۶۷/۲۳.**

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا: فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے: میری اور گذشتہ انبیاء کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا اس کو پورا کیا اور خوبصورتی دی سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے، پس جو شخص اس کے اندر جاتا ہے اس کو دیکھتا ہے کہتا ہے بہت خوبصورت ہے مگر ایک اینٹ کی جگہ (نقصان ہے) تو میں (اس آخری) اینٹ کی جگہ ہوں، اللہ

تعالیٰ نے مجھے انبیاء علیہم السلام کے آخر میں بھیجا۔ اور ایک روایت میں (رسل) کا لفظ ہے اور ایک اور روایت میں ہے کہ میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں''۔ (جیسا کہ وہ اینٹ آخری ہے)۔

۲: عن ابی هريرة .رضی الله عنه. قال رسول الله ﷺ :فضلت على الأنبياء بست:أعطيت جوامع الكلم،ونصرت بالرعب(وفی رواية ،مسيرة شهر) وأحلت لی الغنائم ،وجعلت لی الأرض مسجداًوطهوراً، وأرسلت الی الخلق كافة،وختم بی النبيون .مسلم كتاب المساجد: ۲/ ۶۴ .

ترجمہ:''ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ طریقوں سے فضیلت دی گئی ہے۔

(۱) مجھے جوامع الکلم دیا گیا ہے۔ (۲) مجھے ایک مہینہ کی مسافت پر رعب سے مدد دی گئی ہے۔

(۳) میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں۔ (۴) میرے لئے ساری زمین مسجد اور طہارت والی بنائی گئی ہے۔

(۵) اور میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (۶) میری بعثت پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔''

۳: وعن العرباض بن سارية .رضی الله عنه. قال:قال لی النبی ﷺ:انی عند الله خاتم النبيين وان آدم لمن جدل فی طينة .مسنداحمد: ۲۸/ ۳۹۵ .حاكم فی المستدرك: ۲/ ۶۰۰، ومسنداحمد: ۲۸/ ۳۷۹ دارمی: ۲/ ۳۱۷ . عرباض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے کہ مجھے نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اس حال میں کہ آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں پڑے ہوئے تھے۔

۴: وعن جبير بن مطعم .رضی الله عنه. قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ان لی اسماء أنا محمد وأنا احمدوأنا الماحی الذی يمحوالله بی الكفر وأنا الحاشر الذی يحشر الناس على قدمیَّ وأنا العاقب الذی ليس بعده نبی ۔بخاری: کتاب المناقب: ۳/ ۲۲۵، ومسلم: ۷/ ۹۷، ترمذی رقم ۲۸۴۰، شمائل رقم ۳۶۰۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: کہ میرے لئے کچھ صفتی نام ہیں: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا اور میں عاقب ہوں یعنی وہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔'' [بخاری، مسلم اور امام احمد نے روایت کی ہے۔]

:٥ وعن عبدالله بن عمرو. رضی الله عنه. یقول: خرج علینا رسول الله ﷺ یوما کالمودع فقال: أنا محمدالنبی الأمی (ثلاثلاً) و لانبی بعدی. مسنداحمد ١١/١٧٩۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ باہر تشریف لائے ہمارے ہاں رسول اللہ ﷺ ایک دن، اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے رخصت کرنے والے ہوں پس فرمایا: میں محمد نبی امی ہوں (تین دفع فرمایا) اور میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔

:٦ وفی حدیث السائب بن یزید: فنظرت الی الخاتم بین کتفیه فاذاهو مثل زر الحجلة. رواه البخاری والترمذی وکذا عن عبدالله بن سرجس (ففیه) فنظرت الی خاتم النبوة بین کتفیه عند ناغض کتفه الیسری. (رواه مسلم: ٦٢٣٤) وکذا فی حدیث ام خالد وفیه فذهبت العب بخاتم النبوة. (رواه البخاری). اورسائب بن یزید کی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے کندھوں کے درمیان خاتم نبوت دیکھا، وہ دلہن کے لئے بنائی گئی ڈولی کے بٹن کی طرح تھا۔"

روایت کیا بخاری اور ترمذی نے۔ اسی طرح عبداللہ بن سرجس سے بھی روایت ہے اس میں ہے کہ میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان بائیں کندھے کے باریک ہڈی کے نزدیک خاتم نبوت دیکھا۔ (مسلم نے روایت کیا ہے) اسی طرح حدیث ام خالد سے نقل ہے کہ خاتم النبوة کے ساتھ کھیلتا تھا۔

:٧ وعن جابر. رضی الله عنه. أن النبی ﷺ قال: أنا قائد المرسلین ولافخر، وأنا خاتم النبیین ولافخر، وأنا اول شافع ومشفع ولافخر. جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں رسولوں کا قائد ہوں اور اسمیں فخر نہیں ہے، اور خاتم النبیین ہوں اور اس میں فخر نہیں ہے اور پہلا شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعة ہوں اور اس میں فخر نہیں ہے۔" [دارمی: رقم ٥١، اور کنز العمال نے روایت کی ہے۔ ١١/٤٠٢]۔

:٨ وعن ثوبان. رضی الله عنه. قال: قال رسول الله ﷺ: سیکون فی أمتی کذابون ثلاثون، کلهم یزعم انه لنبی الله وأناخاتم النبیین ولانبی بعد. ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہونے والے ہیں ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ تعالی کے نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔" [ابوداؤد رقم: ٤٢٥٢، ومسلم: رقم: ١٩٢٠، ٢٨٨٩، اور ترمذی نے رقم: ٢١٧٦، میں روایت کی ہے اور ابن ابی شیبہ ١١: ٤٥٨ ومسند احمد: ٣٨/٧٩]۔

:٩ وعن أبی أمامة الباهلی رضی الله عنه أن النبی ﷺ قال: أنا آخر الأنبیاء وأنتم

آخـــر الأمـم. ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں انبیاء میں سے آخری ہوں اور تم آخری امت ہو۔“ ابن ماجہ رقم: ۴۰۷۷۔

۱۰: وعن انس .رضی الله عنه. قال :قال رسول الله ﷺ :بعثت أنا والساعة كهاتين. انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے ایسی حالت میں مبعوث کیا گیا کہ میں اور قیامت اس طرح (نزدیک) ہیں جیسے یہ دو انگلیاں۔“ [بخاری نے روایت کی ہے۔۶۵۰۴]

۱۱: وعـن أنـس بـن مـالـک .رضـی الـله عنه. قال :قال رسول الله ﷺ :ان الرسالة والنبوة قد انـقـطعت ،فلارسول بعدی ولانبی بعدی،قال: فشق ذلک علی الناس قال:ولكن المبشرات،قالوا: یارسول الله! وماالمبشرات؟قال:رؤيا الرجل المسلم وهی جزء من أجزاء النبوة.وفی رواية من ستة وأربـعـين جـزء. انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی ہے تو میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ نبی۔ جناب انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ یہ بات لوگوں پر بہت بھاری ہوگئی تو آپ نے فرمایا: کہ مبشرات ہونگی انہوں نے کہا: مبشرات کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان شخص کا خواب دیکھنا یہ ایک جز ہے نبوت کے اجزاء میں سے۔ یا چھیالیسواں حصہ ہے۔“ [مسند احمد رقم: ۱۳۸۲۴، اور ترمذی: رقم ۲۲۷۴، میں روایت کی ہے]۔

۱۲: وعـن الـحسن مرسلاً ان رسول الله ﷺ قال: أنا رسول من أدركت حياً ومن يولد بعدی. حسنؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں رسول ہوں زندہ لوگوں کا اور ان کا جو میرے بعد پیدا ہونے والے ہیں۔“ [کنز العمال: ۱۱/ ۴۰۴]۔

۱۳: عـن عـائشة ام الـمـؤمـنـينؓ قال رسول الله ﷺ :أنا خاتم الأنبياء ومسجدی خاتم مساجد الأنبيـاء، وان أحـق المساجد أن يزار وتشداليه الرواحل مسجد الحرام ومسجدی. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں خاتم النبیین ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مساجد میں سے آخری مسجد ہے اور مساجد میں سے زیارت کرنے اور سفر کرنے کے لائق مسجد حرام اور میری مسجد ہے۔“ [فردوس الاخبار: ۱/۷۸]۔

۱۴: عـن ابـی امـامة الـبـاهـلـی رضی الله عنه قال:سمعت رسول الله ﷺ يقول فی خطبته عام حـجةالوداع: انه لانبی بعدی ولا أمة بعدكم. ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ

ﷺ سے سنا ہے فرمایا خطبہ میں اے لوگو! میرے بعد نبی آنے والا نہیں اور نہ تمہارے بعد کوئی امت آنے والا ہے۔'' [مجمع الزوائد:٨/٧١/٤، المعجم الکبیر للطبرانی:٨/١٦١]

١٥: وعن ام سلمة. رضی الله عنها. ان النبی ﷺ قال لعلیؓ: أماترضی أن تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی ، غیر أنه لانبی بعدی. ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تو اس بات پر راضی نہیں کہ آپ میرے نسبت ایسے ہوں جیسے ہارون علیہ السلام بنسبت موسٰی علیہ السلام کے تھے۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' [صحیح ابن حبان:١٥/١٥]۔

١٦: عن عبدالله بن مسعود .رضی الله عنه.(فی حدیث طویل) قال :قالوا: اللهم اجعل صلاتک ورحمتک وبرکتک علی سیدالمرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدک ورسولک امام الخیر، وقائد الخیر ورسول الرحمة. عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (لمبی حدیث میں) کہا: پڑھو:اللهم اجعل صلاتک ورحمتک وبرکتک علی سیدالمرسلین متقین کا امام ہے خاتم النبیین ہے محمد ﷺ تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے خیر کا پیشوا، اور اس کا قائد اور رحمت کا رسول ہے۔'' [مسند ابی یعلی موصلی:٩/١٧٥، ابن ماجہ رقم:٩٠٦]۔

١٧: وعن سهل بن سعدالساعدی رضی الله عنه قال:استاذن العباس النبی ﷺ فی الهجرة فقال له : یاعم!اقم مکانک الذی أنت به،فان الله تعالی یختم بک الهجرة کما ختم بی النبوة. سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کے متعلق اجازت مانگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے چچا! اپنی جگہ اقامت کرو جہاں تم ہو، اللہ تعالیٰ تم پر ہجرت (مکہ) کا اختتام فرمائے گا جیسا کہ میرے اوپر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔'' [مسند ابی یعلی:٥/٥٦]

١٨: عن ابی ابن کعبؓ عن النبی ﷺ قال:مثلی فی النبیین کمثل رجل بنی داراً فاحسنها واکملها وترک فیهاموضعالبنة لم یضعها.فجعل الناس یطوفون بالبنیان ویعجبون منه. یقولون لوتم موضع هذه اللبنة فانافی النبیین موضع تلک اللبنة.مسنداحمد ١٢٨/٣٠، وابو الشیخ فی الامثال: ٢٥٥ . یعنی میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو جہاں کچھ نہ رکھا۔ لوگ اسے چاروں طرف دیکھتے بھالتے اور اس کی بناوٹ سے خوش ہوتے لیکن

کہتے کیا اچھا ہوتا۔ کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پُر کر لی جاتی پس میں نبیوں میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔

[۱۹] عن ابی سعیدالخدریؓ قال قال رسول اللهﷺ ان مثلی ومثل النبیین من قبلی کمثل رجل بنی دارا فاتمها الالبنة واحدة فجئت انافاتممت تلک اللبنة .مسلم رقم:۲۲۸۶، واحمد: ۱۲۲/۱۷ .

[۲۰] عن ابی الطفیل قال قال رسول اللهﷺ لانبوة بعدی الا المبشرات قال قیل وما المبشرات یارسول الله؟قال الرؤیا الحسنة.اوقال الرؤیا الصالحة.مسنداحمد: ۲۱۳/۳۹، وبخاری فی التاریخ الکبیر: ۲۴۱/۶ . یعنی میرے بعد نبوت نہیں مگر خوشخبری والے، پوچھا گیا یارسول اللہ وہ کیا ہیں؟ فرمایا نیک خواب۔

[۲۱] عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللهﷺ ان مثلی ومثل النبیین من قبلی کمثل رجل ابتنی بنیانا فاحسنه واکمله الاموضع لبنة من زاویة من زوایاها،فجعل الناس یطیفون به ویعجبون منه للبنیان ویقولون مارأینابنیاناً احسن من هذاالاموضع هذه اللبنة .فکنت اناتلک اللبنة. مسنداحمد: ۴۵۷/۱۲ومسلم رقم: ۲۲۸۶،ابن حبان ۶۴۰۷ .

[۲۲] عن عائشة ام المومنینؓ ان النبیﷺ قال:لایبقی بعدی من النبوة شیء الا المبشرات قالوا: یارسول اللہ وما المبشرات؟ قال الرؤیا الصالحة یراها الرجل اوتری له.مسنداحمد ۴۴۳/۴۱ .

[۲۳] حذیفه بن اسیدقال قال رسول اللہﷺ:ذهبت النبوة فلانبوة بعدی الا المبشرات قیل وما المبشرات؟قال الرؤیا الصالحة یراها الرجل اوتری له.معجم کبیر،طبرانی: ۱۷۹/۳.

[۲۴] عن سعدبن ابی وقاصؓ ان رسول اللہﷺ خرج الی تبوک واستخلف علیاؓ فقال:اتخلفنی فی الصبیان و النساء؟قال الاترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی ؟الاانه لیس نبی بعدی.بخاری: ۴۴۱۶ .مسلم رقم: ۲۴۰۴، مسنداحمد: ۱۳۶/۳ .

یعنی جب رسول اللہﷺ تبوک کو روانہ ہونے والے تھے تو علیؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تو علیؓ نے کہا: کہ آپﷺ مجھ کو عورتوں اور بچوں کے پاس چھوڑنا چاہتے ہیں تو پھر رسول پاکﷺ نے فرمایا: کہ آپ کو اس پر خوشی نہ ہوگی کہ آپ ایسا بنے جیسے کہ موسٰیؑ کے لئے ھارونؑ نائب بنے تھے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

تنبیه: ان احادیث میں اگر چہ سنداً بعض ضعیف ہیں لیکن متن کے لحاظ اور دوسری صحیح احادیث کی وجہ سے حجت بن سکتی ہے۔

ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿۴١﴾ وَّسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي

اور صبح اور شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔ وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے

عَلَيْكُمْ وَمَلَآئِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ

اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے

رَحِيمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلٰمٌ ۚ وَّأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ﴿۴۴﴾

جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کا تحفہ (اللہ کی طرف سے) سلام ہوگا اور اس نے ان کے لئے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے

يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ﴿۴۵﴾

اے پیغمبر! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے

وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ﴿۴٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّنَ

اور اللہ کی طرف بلانے والا اور چراغِ روشن۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے اللہ

اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِينَ وَالْمُنٰفِقِينَ وَدَعْ أَذٰاهُمْ

کی طرف سے بڑا فضل ہوگا۔ اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ ماننا اور نہ ان کے تکلیف دینے پر نظر کرنا

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿۴۸﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا

اور اللہ پر بھروسا رکھنا اور اللہ ہی کارساز کافی ہے ۔مومنو! جب

نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ

جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری

عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

کراؤ ان کو کچھ فائدہ (یعنی خرچ) دے کر اچھی طرح سے رخصت کر دو (13)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ

اے پیغمبر! ہم نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں جن کو تم نے ان کے مہر دیدیئے ہیں حلال کر دی ہیں

وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ

اور تمہاری لونڈیاں جو اللہ نے تم کو (کفار سے بطور مالِ غنیمت) دلوائی ہیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں

وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ

اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تمہارے ماموؤں کی بیٹیاں اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیاں جو تمہارے ساتھ وطن چھوڑ آئی

مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ

ہیں (سب حلال ہیں) اور کوئی مومن عورت اگر اپنے تئیں پیغمبر کو بخش دے (یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے)

اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

بشرطیکہ پیغمبر بھی ان سے نکاح کرنا چاہیں (وہ بھی حلال ہیں لیکن) یہ اجازت خاص تم ہی کو ہے سب مسلمانوں کو نہیں

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

ہم نے ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں جو (مہر واجب الادا) مقرر کر دیا ہے ہم کو معلوم ہے (یہ) اس لئے (کیا

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾

گیا ہے) کہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہ رہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

---

(13) یہ ایت بہت سے احکام فقہیہ پر مشتمل ہے: :اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف عقد پر بھی نکاح

کا اطلاق ہوتا ہے۔اس کے ثبوت میں اس سے زیادہ صراحت والی آیت اور نہیں،اس میں اختلاف ہے کہ لفظ نکاح حقیقت میں صرف ایجاب وقبول کے لے ہیں؟یا صرف جماع کیلیے ہیں؟یاان دونوں کے مجموعے کیلئے؟قرآن کریم میں اطلاق عقد ووطی دونوں پر ہی ہوا ہے۔لیکن اس آیت میں صرف عقد پر ہی اطلاق ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دخول سے پہلے بھی خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔مؤمنات کا ذکر یہاں پر بوجہ غلبہ کے ہے،ورنہ حکم کتابیہ عورت کا بھی یہی ہے۔

سلف کی ایک بڑی جماعت نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح ہوگیا ہو۔اس آیت میں نکاح کے بعد طلاق کو فرمایا ہے،پس معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے نہ طلاق صحیح ہے نہ وہ واقع ہوتی ہے۔امام شافعیؒ اور امام احمدؒ،اور بہت بڑی جماعت سلف وخلف کا یہی مذہب ہے،امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا خیال ہے کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق درست ہوجاتی ہے۔مثلاً کسی نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے تو اب جب بھی اس سے نکاح کرے گا طلاق پڑ جائے گی۔پھر امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو کہے کہ جس عورت سے میں نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو امام ابوحنیفہؒ تو کہتے ہیں جب وہ نکاح کرے گا اس پر طلاق پڑ جائے گی اور امام مالکؒ کا قول ہے کہ نہیں پڑے گی،کیونکہ کسی خاص عورت کو مقرر کر کے اس نے یہ نہیں کہا۔جمہور جو اس کے خلاف ہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے۔

امام بخاریؒ نے کتاب الطلاق میں عنوان لکھا ہے کہ:باب لاطلاق قبل النکاح،وقول اللہ تعالی ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ ، الاية۔

وقال ابن عباسؓ:جعل اللہ الطلاق بعدالنکاح .ویرویٰ فی ذٰلک عن علیؓ وسعیدابن المسیب وعروة بن الزبیر وأبی بکر بن عبدالرحمٰن وعبیداللہ بن عبداللہ بن عتبة وأبان بن عثمان وعلی بن حسن وشریح وسعید بن جبیر والقاسم وسالم وطاؤس والحسن وعکرمة وعطاء وعامر بن سعد وجابر بن زید ونافع بن جبیر ومحمد بن کعب وسلیمان بن یسار ومجاھد والقاسم بن عبدالرحمٰن وعمرو بن ھرم والشعبی أنھالاتطلق۔

یعنی:نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوسکتا،ابن عباسؓ نے کہا اللہ تعالی نے طلاق کو نکاح کے بعد رکھا ہے،اور ایسی ہی روایتیں آئی ہیں،علیؓ سے اور سعید بن مسیّب سے،اور عروة بن زبیر سے اور أبوبکر بن عبدالرحمٰن اور عبیداللہ بن عبداللہ بن

عتبہؒ سے اور ابان بن عثمان سے اور امام زین العابدین سے اور قاضی شریح سے اور سعید بن جبیرؒ سے اور قاسم بن محمد سے اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے اور طاؤسؒ سے اور حسن بصریؒ سے، اور عکرمہؒ سے، اور عطاء بن ابی رباحؒ سے، اور عامر بن سعدؒ سے، اور جابر بن زید سے، اور نافع بن جبیرؒ اور محمد بن کعب قرظیؒ سے، اور سلیمان بن یسار سے، اور مجاہدؒ سے اور قاسم بن عبدالرحمٰنؒ سے، اور عمرو بن ہرمؒ سے، اور شعبیؒ سے ان سب نے یہی کہا، طلاق نہیں پڑے گا۔

اب ہم ان راویات کا مختصر تخریج کرتے ہیں: عبداللہ بن عباسؓ والی روایت امام حاکمؒ نے (مستدرک: ۱۹۴/۳) میں طاؤس سے نقل کیا ہے کہ: عن ابن عباسؓ أنه تلا (هٰذه الآية) قال فلايكون طلاق حتى يكون نكاح. یعنی ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے نکاح سے پہلے یہ کہا ہو کہ میں جس عورت سے نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت کی، اور فرمایا اس صورت میں طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے طلاق کو نکاح کے بعد فرمایا ہے پس نکاح سے پہلے کی طلاق کوئی چیز نہیں۔ اس روایت کو امام بیہقی نے: سنن کبری: ۳۲۰/۷، وابن ابی شیبة، و الطحاوی فی مشکل الاثار: ۲۸۳، ارواء الغلیل: ۲۰۶۸۔ میں نقل کیا ہے۔

اسی معنی کی ایک روایت سعید بن منصورؒ نے (سنن: ۲۵۴/۱) میں نقل کیا ہے: عن حبيب بن ثابتؓ: جاء رجل الى على بن الحسينؓ فقال انى قلت يوم اتزوج فلانة فهى طالق، فقرأ هذه الاية: قال على لاارى طلاق الابعدنكاح . ابن ابى شيبة.

علیؓ سے نذال بن سبرۃؒ نقل کرتا ہے کہ: سمعت علياًؓ يقول: لاوصال ولارضاع بعدفطام، ولايتم بعدحلم ولاصمت يوم الى الليل، ولاطلاق الابعدنكاح. (سنن سعيدبن منصور: ۲۵۴/۱).

اور حاکم مستدرک: ۱۹۴/۳، میں عنوان دیا ہے:

شواهد حديث لا طلاق الا بعد نكاح

اولاً مذکورہ بالا حدیث ابن عباسؓ نقل کرتا ہے بعد میں عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لاطلاق الابعدنكاح اس کے بعد عائشہؓ سے نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: لاطلاق الابعدنكاح ولاعتق الابعدملك (اس روایت کو امام طحاوی نے مشکل الاثار: ۲۸۱/۱، سنن دارقطنی: ۱۵/۴ سنن بیہقی: ۳۲۱/۷۔

پھر عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوع روایت نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: لاطلاق لمن لايملك

(سنن کبری:۷؍۳۲۰)۔

بعد میں معاذؓ کا روایت نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لاطلاق الابعدنکاح ولاعتق الابعدملک (سنن دار قطنی:۴؍۱۴، سنن کبری:۷؍۳۲۰) اور جابرؓ سے مرفوعا نقل کرتا ہے: یقول: لاطلاق لمن لایملک ولاعتق لمن لایملک (سنن کبری:۷؍۳۱۹، ومسند طیالسی رقم:۱۶۸۲، اور جلد۲ص۵۶۹، میں عمرو بن شعیبؓ عن ابیہ عن جدہ مرفوعا نقل کرتا ہے کہ لاطلاق قبل النکاح (ترمذی رقم:۱۱۸۱، ابوداود: رقم:۲۱۰۹، ابن ماجہ:۷؍۲۰۴۷۔ یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ابن آدم جس کا مالک نہ ہو اس میں طلاق نہیں اور جو طلاق نکاح سے پہلے کی ہو، وہ کسی شمار میں نہیں۔

پھر امام حاکم اسی باب میں بروایت عکرمہؒ عن ابن عباسؓ نقل کرتا ہے کہ قال: ماقالھا ابن مسعودؓ وان یکن قالھافزلۃ من عالم، فی الرجل یقول ان تزوجت فلانۃ فھی طالق ،قال عزوجلّ :یاایھا الذین امنوا اذانکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن .ولم یقل اذاطلقتم المؤمنات ثم نکحتموھن.

اور بعض موقوف روایات علماء سعید بن منصور نے اپنے سنن:۱؍۲۵۱، میں نقل کیا ہے:

(۱) روایت عبداللہ بن ابی فروۃؒ: قال قدم علیناعمروبن شعیبؓ فسألتہ فقال کان ابی عرض علیّ امرأۃ یزوجنیھا فابیت ان اتزوجھاوقلت ھی طالق البتۃ یوم اتزوجھا،ثم ندمت، فقدمت المدینۃ فسئلت سعیدابن المسیب وعروۃ ابن الزبیرفقالا: قال رسول اللہ ﷺ لاطلاق الابعد النکاح۔

۲۔ روایت شریح: قال لاطلاق الابعدالنکاح۔

۳۔ روایت علی بن ابی طالبؓ: انہ سئل عن رجل قال ان تزوجت فلانۃ فھی طالق،فقال: لیس بشئ لاطلاق الابعدملک ۔

۴۔ روایت حسن: انہ کان یقول: لاطلاق الابعدملک ۔

۵۔ روایت سلیمان بن یسارؒ انہ حلف فی امرأۃ ان تزوجھافھی طالق،فتزوجھا،فاخبر بذلک عمر بن عبدالعزیزوھوامیرعلی المدینۃ فارسل الیہ بلغنی انک حلفت فی کذا؟قال نعم قال: افلاتخل سبیلھا؟قال لافترکہ عمرولم یفرق بینھما۔

۶۔ روایت عبداللہ بن مسعودؓ قال :اذاقال الرجل کل امرأۃ اتزوجھافھی طالق قال فلیس بشئ الاان یوقت۔

تُرْجِی مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْیٓ إِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ

(اورتم کو یہ بھی اختیار ہے کہ) جس بیوی کو چاہو علیحدہ رکھو اور جسے چاہو اپنے پاس رکھو اور جس کو تم نے علیحدہ کر دیا ہو

عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکَ ذٰلِکَ أَدْنٰیٓ أَنْ تَقَرَّ أَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ

اگر اس کو پھر اپنے پاس طلب کر لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں یہ (اجازت) اس لئے ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمناک

وَیَرْضَیْنَ بِمَآ اٰتَیْتَهُنَّ کُلُّهُنَّ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَانَ اللّٰهُ

نہ ہوں اور جو کچھ تم ان کو دو اسے لے کر سب خوش رہیں اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے اور اللہ جاننے

عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ

والا اور بردبار ہے۔ (اے پیغمبر!) ان کے سوا اور عورتیں تم کو جائز نہیں [14] اور نہ یہ کہ ان بیویوں کو چھوڑ کر اور بیویاں کرو

---

[14] مذکورہ بالا کی چار قسم عورتوں کے علاوہ آپ کے لئے کسی اور عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں اور نہ موجودہ بیویوں میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ کسی دوسرے عورت سے نکاح جائز ہے۔ ای من بعد الاصناف التی سمیت، قال ابی بن کعبؓ وعکرمة وابورزین وهو اختیار محمدبن جریر (قرطبی) ۔شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں جتنی قسمیں کہہ دیں اس سے زیادہ حلال نہیں اور جو ہے ان کا بدلنا حلال نہیں اس طرح یہ ایت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ شاہ ولی اللہ اور کئی دوسرے علماء نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو نو (۹) عورتیں اس وقت آپ کے نکاح میں ہیں۔ اور جنہوں نے دنیا پر آپ کو ترجیح دی ہے ان کے بعد اب آپ کے لئے کسی دوسری عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں لایحل لک النساء من بعدهؤلاء التسع اللاتی اخترنک ای لقدحرم علیک تزوج غیرهن (روح).

'' الاماملکت '' یہ ماقبل سے استثناء ہے یعنی باندیوں کا تبدل آپ کے لئے جائز ہے۔ وکان اللّٰہ علی کل شیء شهیدا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور مطلع اور خبر دار ہے اس لئے اس کے حدود واحکام سے تجاوز مت کرو۔

أَزْوَاجٍ وَّلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى

خواہ ان کا حسن تم کو (کیسا ہی) اچھا لگے مگر وہ جو تمہارے ہاتھ کا مال ہے (یعنی لونڈیوں کے بارے میں تم کو اختیار ہے) اور

كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ إِلَّا

اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔ مومنو! پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر

أَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ إِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ إِنٰهُ وَلٰكِنْ إِذَا

اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے اور اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے لیکن

دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَأْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ

جب تمہاری دعوت کی جائے تو جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو چل دو اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو

إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِ

یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں (اور کہتے نہیں) لیکن اللہ سچی بات کہنے سے حیا نہیں کرتا

مِنَ الْحَقِّ ؕ وَإِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ

اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو یہ

أَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا أَنْ

تمہارے اور ان کے دونوں کے دلوں کے لئے بہت پاکیزگی کی بات ہے اور تم کو یہ شایاں نہیں کہ پیغمبر الٰہی کو تکلیف دو اور نہ

تَنْكِحُوْآ أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ؕ إِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾

یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو بیشک یہ اللہ کے نزدیک بڑا (گناہ کا کام) ہے

إِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوْهُ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا اس کو مخفی رکھو تو (یاد رکھو کہ) اللہ ہر چیز سے باخبر ہے

لَّا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآئِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ

عورتوں پر اپنے باپوں سے (پردہ نہ کرنے میں) کچھ گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے

وَلَآ أَبْنَآءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآءِ أَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ

اور نہ اپنے بھتیجوں سے اور نہ اپنے بھانجوں سے اور نہ اپنی (قسم کی) عورتوں سے اور نہ لونڈیوں سے

أَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِينَ اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٥٥﴾

اور (اے عورتو!) اللہ سے ڈرتی رہو بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے [15]

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ

اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں مومنو! تم بھی ان پر درود

وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ

اور سلام بھیجا کرو۔ جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے

---

[15] عورتوں کے پردہ کا بیان قرآن کریم کی سات آیتوں میں آیا ہے تین سورۂ نور میں گذر چکی ہیں، چار آیتیں سورۂ احزاب میں ہیں جن میں سے ایک پہلے آچکی ہیں ایک زیرنظر باقی آگے آئیں گی جن میں پردہ کے درجات کی تعین اور احکام کی تفصیل اور جواس سے مستثنیٰ ہیں ان کا مفصل بیان ہے۔اسی طرح ستر سے زیادہ احادیث میں قولاً وعملاً پردہ کے احکام بتلائے گئے ہیں ان سب کو یک جا معلوم کرنے کے لئے احقر نے ایک مستقل رسالہ بنام تفصیل الخطاب فی تفسیر ایات الحجاب لکھ دیا ہے جو بزبان عربی احکام القران سورۂ احزاب کا جز ہوکر شائع ہو چکا ہے اس تفسیر قرآن میں ہر ایت کی تفسیر تو اپنی اپنی جگہ آتی ہے باقی مضامین رسالہ کے چند ضروری اقتباسات یہاں لکھے جاتے ہیں۔

نزول حجاب کی تاریخ

عورتوں اور مردوں میں بے محابا اختلاط تو دنیا کی پوری تاریخ میں آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیا ﷺ تک

کسی زمانے میں درست نہیں سمجھا گیا۔اورصرف اہل شرائع ہی نہیں دنیا کے عام شریف خاندانوں میں ایسے اختلاط کوروانہیں رکھا گیا۔موسیٰ علیہ السلام کے سفر مدین کے وقت جن عورتوں کا اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے الگ روکے ہوئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے اسکی وجہ یہی بتلائی گئی ہے کہ ان عورتوں نے مردوں کے ہجوم میں گھسنا پسند نہ کیا،سب کے بعد بچے ہوئے پانی پر قناعت کی۔

زینب بنت جحش جن کے نکاح کے وقت پہلی ایت حجاب نازل ہوئی ہےاس کے نازل ہونے سے پہلے بھی جامع ترمذی کی روایت میں ان کی گھر میں نشست کی یہ صورت بیان کی ہے:**وھی مولیة وجھھا الی الحائط** (ترمذی:٣٢١٨) یعنی وہ اپنا رُخ دیوار کی طرف پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نزول حجاب سے پہلے بھی عورتوں مردوں میں بے محابا اختلاط اور بے تکلف ملاقات وگفتگو کا رواج شریف اور نیک لوگوں میں کہیں نہ تھا،قرآن کریم میں جس جاہلیت اولی اوراس میں عورتوں کے تبرج وظہور کا ذکر ہے وہ بھی عرب کے شریف خاندانوں میں نہیں، بلکہ لونڈیوں اور آوارہ عورتوں میں تھا،عرب کے شریف خاندان اس کو معیوب سمجھتے تھے،عرب کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے ہندوستان میں ہندو،بدھ مت،اور دوسرے مشرکانہ مذاہب والوں میں عورتوں مردوں کے درمیان بے محابا اختلاط گوارہ نہ تھا،یہ مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کے دعوے اور بازاروں اورسڑکوں پر پریڈ کرنے اور تعلیم سے لے کر ہر شعبہ زندگی میں مرد وزن کے بے تکلف اختلاط ضیافتوں اور کلبوں میں بے تکلف ملاقوں کا سلسلہ صرف یورپین اقوام کی بے حیائی اور فحاشی کی پیداوار ہے،جس میں یہ اقوام بھی اپنے ماضی سے ہٹ جانے کے بعد مبتلا ہوئی ہیں زمانے قدیم میں ان کی بھی یہ صورت نہ تھی حق تعالی نے جس طرح عورت کی جسمانی تخلیق کو مردوں سے ممتاز رکھا ہے اسی طرح ان کی طبیعتوں میں ایک فطری حیا کا جوہر بھی رکھا ہے۔جو ان کو فطری طور پر عام مردوں سے الگ تھلگ رہنے اور تستر پرآمادہ کرتی ہے اور یہ فطری اور طبعی حیا کا پردہ عورتوں مردوں کے درمیان ابتدائے افرینشن سے حائل رہا ہے۔

ابتدائے اسلام میں بھی باہمی پردہ کی یہی نوعیت تھی پردہ نسواں کی یہ خاص نوعیت کہ عورتوں کا اصل مقام گھروں کی چہار دیواری ہو اور جب کسی شرعی ضرورت سے باہر نکلنا ہو تو پورے بدن کو چھپا کر نکلیں یہ ہجرت مدینہ کے بعد ۵ھ ہجری میں جاری ہوا ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ باتفاق علمائے امت اس پردہ کے متعلق پہلی آیت وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی=

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ

اور ان کے لئے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ

الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا

مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام (کی تہمت) سے جو انہوں نے نہ کیا ہو ایذا دیں تو انہوں نے بہتان

= ہے: لاتدخلوا بیوت النبی اور یہ ایت زینب بنت جحشؓ کے نکاح اور اور حرم نبوی میں داخلہ کے وقت نازل ہوئی ہے۔اس نکاح کے تاریخ میں حافظ ابن حجر نے الاصابہ اور عبدالبر نے الاستیعاب میں دو قول نقل کئے ہیں کہ ۳ھ ہجری میں ہوا یا ۵ھ ہجری میں ہوا، ابن کثیر نے پانچ ہجری کو ترجیح دی، ابن سعد نے انسؓ سے بھی پانچ ہجری نقل کیا ہے۔ عائشہؓ کی بعض روایات سے بھی اسی کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ایت مذکورہ میں عورتوں کو پس پردہ رہنے کا حکم دیا اور مردوں کو حکم یہ ملا کہ اگر ان سے کوئی چیز مانگنا ہے تو پردہ کے پیچھے سے مانگیں اس میں پردہ کی خاص تاکید پائی گئی۔ کہ بلا ضرورت تو مردوں عورتوں کو الگ ہی رہنا ہے ضرورت کے وقت ان سے بات کرنا ہو تو پس پردہ کر سکتے ہیں۔ قرآن میں پردہ نسواں اور اس کی تفصیلات کے متعلق سات ایتیں ناز ہوئی ہیں چار سورۂ احزاب میں اور تین سورۂ نور میں گذر چکی ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پردہ کے متعلق سب سے پہلے نازل ہونے والی یہی ایت ہے۔

"لاتدخلوا بیوت النبی الاان یؤذن لکم" سورۂ نور کی تین آیتیں اور سورۂ احزاب کے شروع کی ایت جس میں ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں میں بیٹھیں وقرن فی بیوتکن یہ سب اگرچہ ترتیب قرآن میں پہلے ہے مگر نزول کے اعتبار سے موخر ہیں۔

سورۂ احزاب کی پہلی آیت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا ہے۔ جبکہ ازواج مطہرات کو من جانب اللہ اختیار دیا گیا تھا۔ کہ اگر دنیا کی وسعت چاہتی ہیں تو رسول اللہ ﷺ سے طلاق لے لیں۔ اور اگر آخرت کو ترجیح دیکر دنیا کی معیشت میں موجودہ حالت پر قناعت کریں تو نکاح میں رہیں۔ معارف القرآن۔

وَّإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾ يَٰٓأَيُّهَا النَّبِىُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ

اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔ اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو

الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ

کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (آپ) پر چادر لٹکا لیا کریں یہ امر ان کے لئے موجبِ شناخت

فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾ لَّئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ

(وامتیاز) ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے

وَالَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُونَ فِى الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ

اور جو (مدینے کے شہر میں) بُری بُری خبریں اڑایا کرتے ہیں (اپنے کردار) سے باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا

بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَآ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٦٠﴾ مَّلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوٓا أُخِذُوا

دیں گے پھر وہاں تمہارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن۔ (وہ بھی) پھٹکار کئے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے

وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ﴿٦١﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ

گئے اور جان سے مار ڈالے گئے۔ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی اللہ کی یہی سنت رہی ہے اور تم اللہ کی

لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴿٦٢﴾ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا

سنت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔ لوگ تم سے قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہیں (کہ کب آئے گی) کہہ دو کہ اس کا علم

عِندَ اللّٰهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٦٣﴾

اللہ ہی کو ہے اور تمہیں کیا معلوم ہے شاید قیامت قریب ہی آ گئی ہو

إِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكَٰفِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿٦٤﴾

بیشک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے (جہنم کی) آگ تیار کر رکھی ہے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا لَّا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ کسی کو دوست پائیں گے اور نہ مددگار

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا

اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے کہیں گے کہ اے کاش ہم اللہ کی فرمانبرداری کرتے اور رسول اللہ کا حکم مانتے۔

﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾

اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انہوں نے ہم کو رستے سے گمراہ کر دیا

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾

اے ہمارے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا

مومنو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے موسیٰ کو (عیب لگا کر) رنج پہنچایا تو اللہ نے ان کو بے عیب ثابت کیا[16]

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

اور وہ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔ مومنو! اللہ سے ڈرا کرو

وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

اور بات سیدھی کہا کرو۔وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا

---

[16] ’’یا ایھا الذین امنوا ‘‘ یہ مومنوں سے خطاب ہے،مومنوں کوتلقین فرمائی کہ خبردار رہو۔منافقین اور فجار کی غلط افواہوں اور جھوٹی رپوٹوں سے متاثر ہوکر کہیں وہ کچھ نہ کربیٹھنا جوموسیٰ علیہ السلام کے وقت کے لوگوں نے کیا تھا،اورانہیں سخت ایذا پہنچائی تھی۔ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پرجھوٹی تہمت لگا کرانہیں بدنام کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالی نے ان کی براءت اور پاکدامنی کا اظہارفرمادیا،کیونکہ موسیٰ علیہ السلام،اللہ کے یہاں بلندقدرومنزلت کے مالک تھے۔=

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک بڑی مراد پائے گا

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ

ہم نے (بار) امانت آسمانوں اور زمین کو پیش کیا تو انہوں نے اس میں خیانت کرنے سے انکار کیا

=جناب شیخ حسین علی فرماتے ہیں کہ قارون اوران کے ہم نواؤں نے موسٰی علیہ السلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگا کر انہیں ایذا دی تھی۔موسٰی علیہ السلام نے قوم کو وعظ فرمایا کہ زنا سے بچو جو شخص زنا کرے گا اسے قتل کیا جائے گا۔

قارون نے کہا اگر چہ تو ہو؟ فرمایا یہ حکم سب کے لئے یکساں ہے۔قارون نے ایک فاحشہ عورت کو کثیر دولت کا لالچ دے کر تیار کیا، تا کہ وہ برسر عام اقرار کرے کہ (العیاذ باللہ) موسٰی علیہ السلام نے اس کے ساتھ بدکاری کی ہے۔چنانچہ قارون نے مجمع عام میں کہا فلاں عورت کہتی ہے کہ تم نے اس کے ساتھ بدکاری کی ہے موسٰی علیہ السلام نے اس عورت کو اللہ کی قسم دلا کر پوچھا سچ سچ بتاؤ، تو اس عورت نے اقرار کیا کہ قارون نے مجھے دولت کا لالچ دیکر اکسایا ہے کہ میں آپ پر جھوٹا بہتان باندھوں۔اس طرح تمام لوگوں کے سامنے موسٰی علیہ السلام کی براءت ظاہر ہوگئی۔اور قارون کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

وقال بعضهم قارون قررمع امرأة فاحشة حتى تقول عندبنى اسرائيل ان موسٰى زنى بى فلماجمع قارون القوم و المرأة حاضره القى الله فى قلبهاانهاصدقت ولم تقل ماالقنت(كبير).قال ابو العاليه هوان قارون استأجرمومسة اى زانية لتقذف موسٰىؑ بنفسهاعلى رأس الملأفعصمهاالله تعالى وبرأ موسٰى من ذالك وكان ذلك سبب الخسف بقارون ومن معه (السراج المنير).وهم قارون وقومه اذرموه بالزنابامرءة مومسة استأجروهالتقذفه بنفسهافبرأه الله مماقالوا باقرارهاانهم استأجر وهالهٰذا القذف فخسف الله بهم الارض (مہائمی)۔

يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ط إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٧٢﴾

اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس میں خیانت بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا[17]

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ

تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے

وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾

اور اللہ مومن مردوں اورمومن عورتوں پر مہربانی کرے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے

---

[17] ''انا عرضنا'' یہ مشرکین ومنافقین پر زجراوران کے لئے تخویف اخروی ہے،ہم نے زمین وآسمان پران کے مناسب حال جواحکام مقرر کئے انھوں نے ان کو بخوشی قبول کرلیااوران کی تعمیل کی چنانچہ [حٰمٓ سجدہ:] میں ارشاد ہے: فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ اِئْتِيَا طَوْعاً أَوْ كَرْهاً قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِيْنَ ۔ لیکن کافرومشرک اورمنافق انسان نے امانت میں خیانت کی اوراحکام الٰہی کوپس پشت ڈال دیاامانت سے مراد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:سب سے بہتر اور جامع قول یہ ہے کہ اس سے تمام احکام الٰہی اورتکالیف شرعیہ مراد ہیں۔قال ابن عباسؓ یعنی بالامانة الطاعة،ابن کثیر:،قال مجاهد ،الامانة الفرائض وحدود الدين، وقال ابو العالية ،ماامروا به ونهوا عنه [معالم التنزيل:]والامانةتعم جميع وظائف الدين على الصحيح من الاقوال وهو قول الجمهور [قرطبی] لیکن غیرذوی العقول کے لئے امانت سے تکوینی فرائض مراد ہونے چاہئے:

''فابین ''ابین کی ضمیر جمع مونث سمٰوات،ارض اور جبال کی طرف راجع ہے۔شیخ حسین علی فرماتے ہیں''ان یحملن'' حمل سے ماخوذ ہےجس کے معنی یہاں خیانت کے ہیں قولہ تعالیٰ: فَأَبَيْنَ أَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ .اى يخنها،وخانها الانسان، ونص الازهرى ،عرفناتعالى انهالم تحملهاای ادتها وكل من خان الامانة فقدحملها(تاج العروس)وحمل الامانة ومحتمل لهايريدانه لايؤديهاالى صاحبها الخ(بحرمحيط)يردبالامانة الطاعة للهوبحمل الامانة الخيانة يقال فلان حامل للامانة ومحتمل لهاای لايؤديها الى صاحبهاحتى تزول عن ذمته الخ(مدارک للنسفی)۔اور''الانسان'' =

سورة سبا(مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَهُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ

سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے (جو سب چیزوں کا مالک ہے یعنی وہ) کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے سب اسی کا ہے

وَلَهُ الْحَمْدُ فِى الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱﴾

اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے اور وہ حکمت والا اور خبردار ہے

= سے کافر اور منافق انسان مراد ہے حاصل یہ ہے کہ ہم نے ساری مخلوق پر بار امانت پیش کیا زمین اور آسمان اور پہاڑوں نے اس امانت کو اٹھاتے ہوئے عہد کیا کہ وہ اس امانت کا حق ادا کریں گے۔ اور اس میں ہرگز خیانت نہیں کریں گے اور مفوضہ فرائض احسن طریقے سے انجام دیں گے۔

"واشفقن منها" یعنی امانت میں خیانت کرنے سے ڈر گئے۔ اسی طرح مومنوں نے بھی امانت کو اٹھالیا اور اسے پورا کرنے کا عہد کیا لیکن کافر اور منافق انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اللہ کی اطاعت کا حق ادا نہ کیا اور اسی خیانت کی وجہ سے اس نے اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کیا۔ اور جہالت و نادانی سے اس میں خیانت کی۔

[وحملها الانسان] ای خان فیها وابی ان یؤدیها

"انه کان ظلوما" لکونه تارکا لأداء الامانة "جهولا" لاخطائه مایسعده مع تمکنه منه وهو ادائها، قال الزجاج الکافر والمنافق حملا الامانة ای خانا ولم یطیعاها ومن اطاع من الانبیاء و المؤمنین فلایقال کان ظلوما جهولا۔ شیخ حسین علی کے نزدیک حمل بمعنی خیانت راجح ہے اگرچہ اکثر مفسرین نے حمل کو اٹھانے کے معنی پر محمول کیا ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ

جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس میں سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے

وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ﴿۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور جو اس پر چڑھتا ہے سب اس کو معلوم ہے اور وہ مہربان (اور) بخشنے والا ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ

لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ

(قیامت کی) گھڑی ہم پر نہیں آئے گی کہہ دو کیوں نہیں (آئے گی) میرے پروردگار کی قسم! وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی

عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ

(وہ پروردگار) غیب کا جاننے والا (ہے) ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں (نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں

وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۳﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ

اور کوئی چیز ذرے سے چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۴﴾

ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو بدلہ دے یہی ہیں جن کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رِجْزٍ أَلِيمٌ ﴿۵﴾

اور جنہوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی کہ ہمیں ہرا دیں گے ان کے لئے سخت درد دینے والے عذاب کی سزا ہے

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقَّ

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ حق ہے

وَيَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ

اور (اللہ) غالب اور سزاوارِ تعریف کا رستہ بتاتا ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ بھلا

نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿٧﴾

ہم تمہیں ایسا آدمی بتائیں جو ہمیں خبر دیتا ہے کہ جب تم (مرکر) بالکل ریزہ ریزہ ہوجاؤ گے تو نئے سرے سے پیدا ہوں گے۔

أَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ

یا تو اس نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اسے جنون ہے بات یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے

فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿٨﴾ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلٰى مَا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا

وہ آفت اور پرلے درجے کی گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔ کیا انہوں نے اس کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور

خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنْ نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ

پیچھے ہے یعنی آسمان اور زمین اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں

عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿٩﴾

اس میں ہر بندے کے لئے جو رجوع کرنے والا ہے ایک نشانی ہے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ أَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی اے پہاڑو! ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (ان کا مسخر کر دیا)

وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿١٠﴾ أَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ

اور ان کے لئے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا۔ کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا

اور نیک عمل کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان کو دیکھنے والا ہوں۔ اور ہوا کو (ہم نے) سلیمان کا تابع کر دیا تھا اس کی صبح کی

شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ

منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی اور ہم نے اس کیلئے تانبے کا چشمہ بہادیا تھا اور جنوں میں سے ایسے[1]

---

[1] جنات کی تسخیر جو اس جگہ مذکور ہے وہ تو اللہ کے حکم سے ہے اس میں تو کوئی سوال ہی نہیں ہوسکتا، اور بعض صحابہ کرام کے متعلق جو روایات میں آیا ہے کہ جنات ان کے مسخر اور تابع تھے، تو یہ تسخیر بھی اسی قسم کی تسخیر باذن اللہ تھی جو بطور کرامت ان کو عطاء کی گئی تھی، اس میں کسی عمل و وظیفہ کا کوئی دخل نہیں تھا، جیسا کہ علامہ شربینی نے تفسیر سراج المنیر میں اس آیت کے تحت میں ابو ہریرہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عمر بن الخطاب، ابوایوب الانصاری زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم کے متعدد واقعات ایسے لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات ان کی اطاعت وخدمت کرتے تھے، مگر یہ سب محض اللہ تعالی کا فضل وکرم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرح کچھ جنات کو ان علماء کا مسخر بنادیا، لیکن جو تسخیر عملیات کے ذریعہ عاملوں میں مشہور ہے وہ قابل غور ہے، کہ شرعا اس کا حکم کیا ہے،

قاضی بدرالدین شبلی حنفی جو آٹھویں صدی کے علماء میں سے ہیں، انہوں نے جنات کے احکام پر ایک مستقل کتاب ''اکام المرجان فی احکام الجان'' لکھی ہے اس میں بیان کیا ہے کہ جنات سے خدمت لینے کا کام پہلے سلیمان علیہ السلام نے باذن اللہ بطور معجزہ کے کیا ہے، اور اہل فارس جمشید بن اونجان کی طرف منسوب کرتے ہیں، کہ انہوں نے جنات سے خدمات لی ہے، اسی طرح آصف بن برخیا وغیرہ جن کا تعلق سلیمان علیہ السلام سے رہا ہے، ان کے متعلق بھی استخدام جن کے واقعات مشہور ہیں، اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ شہرت ابونصر احمد بن ہلال البکیل اور ہلال بن وصیف کی ہے، جن سے استخدام جنات کے عجیب عجیب واقعات مذکور ہیں، بلال بن وصیف نے ایک مستقل کتاب میں جنات کے کلمات جو انہوں نے سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش کئے اور جو عہد و میثاق سلیمان علیہ السلام نے ان سے لئے ان کو جمع کردیا ہے۔

قاضی بدرالدین نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ عام طور سے تسخیر جنات کا عمل کرنے والے عاملین کلمات

کفریہ شیطانیہ سے ،اورسحر سے کام لیتے ہیں ،جن کو کافر جنات وشیاطین پسند کرتے ہیں،اوران کے مسخر وتابع ہونے کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کے اعمال کفریہ شرکیہ سے خوش ہوکر بطور رشوت کے ان کے کچھ کام بھی کر دیتے ہیں اور اسی لئے بکثرت ان عملیات میں قرآن کریم کو نجاست یا خون وغیرہ سے لکھتے ہیں جس سے کفار جن اور شیاطین راضی ہوکران کے کام کر دیتے ہیں،البتہ ایک شخص نے ابن الامام کے متعلق لکھا ہے کہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ میں تھا، جنات کو اس نے اسمائے الٰہیہ کے ذریعے سے مسخر کیا تھا اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں تھی (اکام المرجان)۔

ایک اعتراض اوراس کا جواب: سلیمان علیہ السلام نے دعاء مانگی تھی "**رب اغفرلی وھب لی ملکا لاینبغی لاحدمن بعدی**" ص: ۳۵) ۔اے میرے رب! مجھے بخش دے،اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو،قران کریم نے بتایا ہے کہ اللہ تعالی نے سلیمان علیہ السلام کو جنات اور ہوا پر قدرت عطا فرمائی تھی ،سلیمان علیہ السلام کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ کسی اور شخص کا جنات اور ہواؤں پر قادر ہونا ان کی دعا کی استجابت کے خلاف ہے اس بنا پر یہ سوال متوجہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کا اس عفریت کو دھکیلنا یا گرا دینا ان کی دعا کی قبولیت کے خلاف ہے،الحدیث(**مسلم کتاب المساجد باب جواز لعن الشیطان فی الصلاۃ**)لیکن حقیقتا ایسا نہیں ہے۔

امام رازی اس آیت کے تفسیر میں فرماتے ہیں: **فقولہ"لاینبغی لاحدمن بعدی"لایقدر احدعلی معارضۃ،** ان کی اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اور شخص اس معجزہ میں ان کا مقابل نہ ہو سکے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا کا تعلق ان کے زمانہ نبوت کے ساتھ تھا،یعنی ان کے زمانہ نبوت میں کوئی شخص جنات اور ہواؤں پر قدرت ظاہر کرکے ان کے مزاحم نہیں ہوسکتا تھا،محققین کی رائے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام تمام انبیاء کرام کے معجزات اورکمالات کے حامل ہیں، اس لئے نبی ﷺ کو بھی جنات پر قدرت اورسلطنت حاصل ہے، رہا نبی علیہ السلام کا سلیمان علیہ السلام کی دعا کو یاد کرکے اس عفریت من الجن کو ستون سے باندھنے کے ارادہ کو ترک فرما دینا،تو وہ بعض علماء کی تصریح کے مطابق تواضع اور سلیمان علیہ السلام کی رعایت کرنے پر محمول ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جب آپ نے اس کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا ارادہ فرمایا تھا تو آپ ایسا کر بھی سکتے تھے۔

يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾

تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اس کو ہم آگ کا مزہ چکھائیں گے

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ

وہ جو چاہتے ہیں یہ ان کے لئے بناتے عبادت خانے اور مجسمے اور بڑے بڑے لگن جیسے تالاب اور دیگیں

رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

جو ایک ہی جگہ رکھی ہیں اے داؤد کی اولاد! (میرا) شکر کرو اور میرے بندوں میں شکرگزار تھوڑے ہیں[2]

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ إِلَّا دَآبَّةُ الْأَرْضِ

پھر جب ہم نے ان کے لئے موت کا حکم صادر کیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے

مساجد میں محراب کے لئے مستقل مکان بنانے کا حکم

[2] رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد تک امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک علیحدہ مکان کی حیثیت سے بنانے کا رواج نہیں تھا، قرون اولی کے بعد سلاطین نے اس کا رواج اپنے تحفظ کے لئے دیا، اور عام مسلمانوں میں اس کا رواج اس مصلحت سے بھی ہوا کہ امام جس جگہ کھڑا ہوتا ہے وہ پوری صف خالی رہتی ہے، نمازیوں کی کثرت اور مساجد کی تنگی کے پیش نظر صرف امام کے کھڑے ہونے کی جگہ دیوار میں گہری کر کے بنا دی جاتی ہے، تا کہ اس کے پیچھے پوری صفوف کھڑی ہوسکیں، چونکہ یہ طریقہ قرون اولی میں نہ تھا، اس لئے بعض علماء نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے، مثلا صاحب روح المعانی نے تفسیر سورۂ مریم میں اور شیخ جلال الدین سیوطی نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بنام "**اعلام الاریب فی بدعة المحاریب**" لکھا ہے اور تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس طرح کی محرابیں نمازیوں کی سہوت اور مسجد کے مصالح کے پیش نظر بنائی جائیں اور ان کو سنت مقصودہ نہ سمجھا جائے تو ان کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں، ہاں اس کو سنت مقصودہ بنا لیا جائے، اس کے خلاف کرنے والے پر نکیر ہونے لگے تو اس غلو سے یہ عمل بدعت میں داخل ہوسکتا ہے۔

تَأْكُلُ مِنسَاتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ

جو ان کے عصا کو کھاتا رہا جب عصا گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا (اور کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے

مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

تو ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔[3]

---

[3] "فلماقضينا" ای اوقعنا علی سليمان الموت حاكمين به عليه (روح المعانی)۔یعنی جب ہم نے اپنے فیصلے کے مطابق سلیمان علیہ السلام پر موت واقع کردی،مادلّھم "ضمیر مفعول جنوں کی طرف عائد ہے،جیسا کہ مشہور ہے، فالضمير فی دلهم عائدعلی الجن الذين يعملون له (بحر)۔یااس سے جن اورال داوداوردوسرے لوگ بھی مراد ہیں،مادلھم"ای الجن وآل داود،مدارک، اور دابة الارض سے دیمک مراد ہے جوایک قسم کا کیڑا ہے اورلکڑی کوکھاتا ہے داودعلیہ السلام نے مسجد بیت المقدس کی تعمیر کا کام شروع کیا،لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی ان کی وفات ہوگئی،اوروفات سے پہلے سلیمان علیہ السلام کواس کی تکمیل کی وصیت فرما گئے،انہوں نے والدمحترم کی وصیت کے مطابق بیت المقدس کی تکمیل کے کام پرجنوں کو مامورفرمایا،اورخودکام کی نگرانی فرماتے تھے،ابھی تعمیر کا کام پایہ تکمیل کونہیں پہنچا کہ ان کی اجل قریب آ پہنچی،چنانچہ ایک روزسلیمان علیہ السلام حسب دستورجنوں کوکام میں مصروف پا کرخودعبادت خانے میں لاٹھی پرٹیک لگا کرعبادت میں مصروف ہوگئے،اوراسی حال میں روح مبارک قفص عنصری سے پرواز کرگئی،طویل مدت تک آپ اسی ہیئت میں رہے،جن اوردوسرے لوگ یہی سمجھتے رہے کہ آپ زندہ ہیں اورعبادت میں مصروف ہیں،اور جن بھی باقاعدہ اپنے کام میں مصروف رہے،ادھرجنوں نے تعمیر کا کام مکمل کرلیا،اوراللہ کے حکم سے سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی کودیمک نے یہاں تک کھالیا،کہ وہ ٹوٹ گئی اورسلیمان علیہ السلام گر پڑے۔

اب جنوں کواوردوسرے لوگوں کومعلوم ہوا،کہ ان کی موت توعرصہ سے واقع ہوچکی ہے،اوراتنا عرصہ ان کا جسم لاٹھی کے سہارے اپنی وضع پرقائم رہاہے،اب جنوں پریہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ وہ غیب نہیں جانتے،ان کا غیب دانی کا دعوی غلط ہے،اگروہ غیب جانتے ہوتے تواتنا طویل عرصہ اس ذلت امیزمحنت ومشقت میں کیوں مبتلا رہتے،سلیمان علیہ السلام کی وفات کواللہ تعالی نے دوحکمتوں کیلئے پوشیدہ رکھا،اول اس لئے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام مکمل=

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ج

(اہلِ) سبا کے لئے ان کے مقامِ بودوباش میں ایک نشانی تھی [4]

= ہو جائے، اگر جنوں کو ان کی وفات کا علم ہو جاتا تو وہ کام کو وہیں چھوڑ دیتے۔

دوم جنوں کا دعویٰ تھا کہ وہ غیب جانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی موت کو ان سے پوشیدہ رکھ کر ان کے اس جھوٹے دعوے کا پول ظاہر فرما دیا: **قال قتادة وغيره كانت الجن تدعى علم الغيب فلما مات سليمان عليه السلام وخفى موته عليهم "تبينت الجن" الاية**، قرطبی۔

حالانکہ یہ واقعہ ان کے دعوے کو رد کرتا ہے جن کو یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ سلیمان علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، اور وہ ان کو زندہ سمجھ کر ان کے ڈر سے سال بھر ذلت آمیز محنت ومشقت میں مبتلا رہے، وہ کسی طرح بھی غیب دان اور شفیع غالب نہیں ہو سکتے، شیخ حسین علی فرماتے ہیں، تبینت، فعل لازم ہے اور "ان لو كانوا" جملہ الجن سے بدل الاشتمال ہے، مطلب یہ ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو جن ظاہر ہو گئی یعنی ان کے بارے میں یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اتنا عرصہ عذاب مہین میں گرفتار نہ رہتے۔

[4] ابن کثیر نے فرمایا کہ سبا یمن کے بادشاہوں اور اس ملک کے باشندوں کا لقب ہے "تبابعہ" جو اس ملک کے مقتداء وپیشوا تھے وہ بھی اسی قوم سبا میں سے تھے، اور ملکہ بلقیس جن کا واقعہ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ سورۂ نمل میں گذر چکا ہے، وہ بھی اسی قوم میں سے تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے رزق کے دروازے کھول دیئے تھے، اور ان کی شہر میں آرام وعیش کے تمام اسباب مہیا کر دیئے تھے، اور اپنے انبیاء کے ذریعے ان کو اللہ کی توحید اور اسکے احکام کی اطاعت کے ذریعہ نعمتوں کے شکر کا حکم دیا گیا تھا، ایک مدت تک یہ لوگ اس حال پر قائم اور ہر طرح کی راحت وعیش سے مالا مال رہے، پھر ان میں عیش وعشرت میں انہماک سے اللہ تعالیٰ سے غفلت بلکہ انکار تک نوبت پہنچ گئی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لئے اپنے تیرہ انبیاء بھیجے جنوں نے ان کی فہمائش اور راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کی، مگر یہ لوگ اپنی غفلت وبے ہوشی سے باز نہ آئے تو ان پر ایک سیلاب کا عذاب بھیجا گیا، جس نے ان کے شہر اور باغات سب کو ویراں وبرباد کر دیا۔

امام احمد ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ سبا جس کا قرآن

میں ذکر ہے، یہ کسی مرد یا عورت کا نام ہے، یا زمین کے کسی حصہ کا، رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک مرد کا نام ہے، جس کی اولاد میں دس لڑکے ہوئے، جن میں سے چھ یمن میں آباد رہے، اور چار شام میں چلے گئے، یمن میں رہنے والوں کے نام یہ ہیں: مذحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار، حمیر، ان چھ لڑکوں سے چھ قبیلے پیدا ہوئے جو انہیں مذکورہ ناموں سے معروف ہیں۔

اورشام میں بسنے والوں کے نام یہ ہیں: لخم، جذام، عاملہ، غسان، ان کی نسل کے قبائل انہیں ناموں سے مشہور ہوئے، یہ روایت حافظ امام ابن عبدالبر نے بھی اپنی کتاب القصد والامم بمعرفۃ انساب العرب والعجم میں نقل کی ہے،

ابن کثیر کی تحقیق بحوالہ علمائے نسب یہ ہے کہ یہ دس لڑکے سبا کے صلبی اور بلا واسطہ بیٹے نہیں تھے، بلکہ سبا کی دوسری، تیسری، یا چوتھی نسل میں یہ لوگ ہوئے ہیں پھر ان کے قبیلے شام و یمن میں پھیلے، اور انہی کے ناموں سے موسوم ہوئے اورسبا کا اصل نام عبدشمس تھا سبا عبدشمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان سے ان کا نسب نامہ واضح ہو جاتا ہے، اور اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ سبا عبدشمس نے اپنے زمانے میں نبی آخر الزمان محمد ﷺ کی بشارت سنائی تھی ممکن ہے کہ ان کو اس کا علم کتب قدیمہ تورات وانجیل سے ہوا ہو، نبی ﷺ کی شان میں اس نے چند عربی اشعار بھی کہے ہیں جن میں آپ ؐ کی بعثت کا ذکر کر کے یہ تمنا کی ہے کہ کاش میں ان کے زمانے میں ہوتا تو میں ان کی مدد کرتا، اور اپنی قوم کو ان پر ایمان لانے اور مدد کرنے کی تلقین کی ہے۔

اور حدیث مذکور میں جو یہ ہے کہ سبا کے دس لڑکوں میں سے چھ یمن میں آباد ہوئے چار شام کی طرف چلے گئے یہ واقعہ ان پر سیلاب کا عذاب آنے کے بعد کا ہے، کہ سیلاب آنے کے وقت یہ لوگ مختلف سمتوں اور شہروں میں منتشر ہو گئے۔ ابن کثیر۔ قرطبی نے بحوالہ قشیری قوم سبا کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رسول ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ فترت نقل کیا ہے۔

"**فارسلنا علیھم سیل العرم**" لفظ عرم، کے عربی لغت کے اعتبار سے کئی معنی معروف ہیں، اور علماء تفسیر نے ہر معنی کے اعتبار سے اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے، مگر ان میں سیاق قران کے مناسب وہ معنی ہیں جو قاموس اور صحاح جوہری وغیرہ کتب لغت میں ہیں، کہ عرم کے معنی سدّ یعنی بند کے ہیں جو پانی روکنے کے لئے بنایا جاتا ہے، جو آج کل ڈیم کے نام سے معروف ہے، ابن عباس ؓ نے بھی عرم کے معنی سدّ یعنی بند کے بیان فرمائے ہیں۔ قرطبی۔

واقعہ اس بند (ڈیم) کا حسب بیان ابن کثیر یہ ہے کہ ملک یمن میں اس کے دار الحکومت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک شہر مآرب تھا، جس میں قوم سبا آباد تھی، دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں شہر آباد تھا، دونوں پہاڑوں=

جَنّٰتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۭ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ

(یعنی) دو باغ (ایک) داہنی طرف اور (ایک) بائیں طرف اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو (یہاں تمہارے

وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝۱۵ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ

رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور اللہ بخشنے والا۔ تو انہوں نے منہ پھیر لیا پس ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں ان کے

بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝۱٦

باغوں کے بدلے ایسے دو باغ دیئے جن کے میوے بدمزہ تھے اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝۱۷

یہ ہم نے ان کی ناشکری کی ان کو سزا دی اور ہم سزا ناشکرے ہی کو دیا کرتے ہیں

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً

اور ہم نے ان کے اور (شام کی) ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی (ایک دوسرے کے متصل) دیہات

= کے درمیان سے اور پہاڑوں کے اوپر سے بارش کا سیلاب آتا تھا، یہ شہر ہمیشہ ان سیلابوں کی زد میں رہتا تھا، ایک شہر کے بادشاہوں نے جن میں ملکہ بلقیس کا نام خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک بند نہایت مستحکم مضبوط تعمیر کیا، جس میں پانی اثر نہ کر سکے، اس بند نے پہاڑوں کے درمیان سے آنے والے سیلابوں کو روک کر پانی کا ایک عظیم الشان ذخیرہ بنا دیا، پہاڑوں کی بارش کا پانی بھی اس میں جمع ہونے لگا، اس بند کے اندر اوپر نیچے پانی نکالنے کے لئے تین دروازے رکھے گئے، تاکہ پانی کا یہ ذخیرہ انتظام کے ساتھ شہر کے لوگوں کے اور ان کی زمین و باغ کی آپ پاشی کے کام آوے پہلے اوپر کا دروازہ کھول کر اس سے پانی لیا جاتا تھا، جب اوپر کا پانی ختم ہو جاتا، تو اس سے نیچے کا اور اس کے بعد سے نیچے کا تیسرا دروازہ کھولا جاتا تھا، یہاں تک کہ دوسرے سال کی بارشوں کا زمانہ آ کر پھر پانی اوپر تک بھر جاتا، بند کے نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کیا گیا تھا، جس میں پانی کے بارہ راستے بنا کر بارہ نہریں شہر کے مختلف اطراف میں پہونچائی گئی تھیں، اور سب نہروں میں پانی یکساں انداز میں چلتا اور شہر کی ضرورتوں میں کام آتا تھا۔

وَّقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿١٨﴾

بنائے تھے جو سامنے نظر آتے تھے اور ان میں آمد و رفت کا اندازہ مقرر کر دیا تھا کہ رات دن بے خوف وخطر چلتے رہو۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ

تو انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار! ہماری مسافتوں میں بُعد (اور طول پیدا) کر دے اور انہوں نے اپنے حق میں ظلم کیا تو

وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾

ہم نے (انہیں نابود کر کے) ان کے افسانے بنا دیئے اور انہیں بالکل منتشر کر دیا اس میں ہر صابر و شاکر کے لئے نشانیاں ہیں

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾

اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا کہ مومنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ اس کے پیچھے چل پڑے۔

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ

اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر (ہمارا) حکمت یہ تھا کہ جو لوگ آخرت میں شک کرتے ہیں

مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٢١﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ

ان سے ان لوگوں کو جو اس پر ایمان رکھتے تھے متمیز کر دیں اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔ کہہ دو کہ جن کو تم

زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ

اللہ کے سوا (معبود) خیال کرتے ہو ان کو بلاؤ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ چیز کے بھی مالک نہیں ہیں

وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾

اور نہ ان میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ

اور اللہ کے ہاں سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لئے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے یہاں تک کہ جب ان کے

قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

دلوں سے اضطراب دُور کر دیا جائے گا تو کہیں گے کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ کہیں گے کہ حق اور وہ عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ وَإِنَّآ أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلٰى

پوچھو کہ تم کو آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کہو کہ اللہ اور ہم یا تم (یا تو) سیدھے رستے پر ہیں

هُدًى أَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْئَلُ

یا صریح گمراہی میں ہیں۔ کہہ دو کہ نہ ہمارے گناہوں کی تم سے پرسش ہو گی اور نہ تمہارے اعمال کی

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ

ہم سے پرسش ہو گی۔ کہہ دو کہ ہمارا پروردگار ہم کو جمع کرے گا پھر

الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ أَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ

ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا اور صاحبِ علم ہے۔ کہو کہ مجھے وہ لوگ تو دکھاؤ

أَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ط بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

جن کو تم نے شریکِ (الٰہی) بنا کر اس کے ساتھ ملا رکھا ہے کوئی نہیں بلکہ وہی (اکیلا) اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

جانتے۔ [5] اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب وقوع میں آئے گا؟

---

[5] اس ایت کریمہ سے علماء کرام نے آپ ﷺ کی بعثت عامہ کے لئے استدلال کیا ہے چونکہ آپ ﷺ کا تمام

لوگوں کی جانب مبعوث ہونا بالضرورۃ دین اسلام کا تقاضا ہے لیکن بعض یہود اور نصاری کا یہ قول کہ آپ خاص طور پر عرب کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے، بالکل باطل ہے، اس لئے کہ جب وہ آپ ﷺ کو اللہ تعالی کا رسول مانتے ہیں تو آپ ﷺ جو باتیں کہتے ہیں ان کو وہ سب باتیں تسلیم کرنی چاہئیں۔

آپ ﷺ نے جب فرمایا: کہ:" **بعثت الی الناس کافة**" میں تمام لوگوں کی جانب رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (مسند احمد: ۲۷۴۲) پھر ظاہر ہے کہ رسول جھوٹ نہیں بولتا تو آپ کی تصدیق ضروری ہے چنانچہ آپ نے روئے زمین کے تمام اطراف میں قاصد ارسال کئے اور کسری قیصر، نجاشی، مقوقس، دیگر بادشاہوں کی جانب خطوط ارسال کئے اور انہیں اسلام کی جانب دعوت دی۔

حدیث متفق علیہ میں ہے کہ: **اعطیت خمسا لم یعطهن احدمن الانبیاء قبلی، نصرت بالرعب مسیرة شهر، وجعلت لی الارض مسجداوطهورا، فایمارجل من امتی ادرکته الصلاة فلیصل، واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحدقبلی، واعطیت الشفاعة، وکان النبی یبعث الی قومه خاصة، وبعثت الی الناس عامة(بخاری رقم: ۳۳۵ومسلم: ۵۲۱)**۔ وغیرہ۔ یعنی مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں، ایک ماہ کی مسافت تک مجھے رعب عطا کیا گیا ہے، اور تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کردی گئی ہے، پس میری امت کے کسی فرد پر جب نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز ادا کرے۔ اور میرے لئے غنیمتیں حلال کردی گئی ہیں، مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھیں، اور مجھے شفاعت کا عطیہ دیا گیا ہے، ہر نبی اپنی قوم کی جانب مبعوث ہوا، اور مجھے سب لوگوں کی جانب مبعوث کیا گیا ہے۔

اور حدیث ابی ہریرۃ میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لایسمع بی رجل من هذه الامة، یهودی ولانصرانی ثم لایومن بی الادخل النار.(رواه مسلم: رقم۱۵۳)**۔ یعنی اس امت کا کوئی یہودی، عیسائی میرے بارے میں معلوم کرنے کے بعد اگر ایمان نہیں لائے گا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

لفظ (**کافة**) کی تحقیق، چونکہ لفظ کافۃ کلام عرب میں بطور حال استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کو زیر (جر) دیکر پڑھنا درست نہیں۔ لفظ **کافة** کے اعراب میں تین قول ہیں پہلا قول وہ " کاف" سے حال ہے، اور اسم فاعل کا صیغہ ہے تا مبالغہ کی ہے یعنی آپ لوگوں کو باطل سے پھیرنے والے ہیں۔

یا یہ "**کف**" کا مصدر ہے معنی یوں ہوگا کہ آپ لوگوں کو باطل سے روکیں، اور مصدر حال آتا=

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

کہہ دو کہ تم سے ایک دن کا وعدہ ہے جس سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہو گے نہ آگے بڑھو گے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَرٰى

اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نہ تو اس قرآن کو مانیں گے اور نہ ان (کتابوں) کو جو اس سے پہلے کی ہیں اور اگر (ان)

إِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ

ظالموں کو تم اس وقت دیکھو جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے سے ردّ وکد کر رہے ہوں

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

گے جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْآ أَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ

بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے

= رہتا ہے، دوسرا قول، النـــــــاس، سے حال ہے لیکن اعتراض واقع ہوتا ہے کہ مجرور کا حال مجرور سے پہلے نہیں آ سکتا جمہور کا یہی مسلک ہے لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں، اس لئے کہ کلام عرب میں یہ ترکیب کثرت کے ساتھ موجود ہے لہٰذا اس کو تسلیم کیا جائے چنانچہ ابن مالک نحوی نے اسی کو ترجیح دی ہے، اصل یوں ہوگا ''ومـا ارسلنـاک الا للناس کافة'' ۔

تیسرا قول مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ایسی رسالت جو لوگوں کو باطل سے روکنے والی ہے۔

اسی مضمون والی آیات سورۂ اعراف: ۱۵۸، انعام: ۱۹، نساء ۷۹، یونس: ۲، فرقان: ۱، ال عمران: ۲۰، ہیں۔

☆

عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ إِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾
جب وہ تمہارے پاس آ چکی تھی روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم ہی گنہگار تھے

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
۔اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے (نہیں) بلکہ (تمہاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا)

إِذْ تَأْمُرُوْنَنَآ أَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ أَنْدَادًا وَّأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا
جب تم ہم سے کہتے تھے کہ اللہ کا کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے

الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْأَغْلٰلَ فِيْٓ أَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا
تو دل میں پشیمان ہوں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے بس جو عمل وہ کرتے تھے

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَمَآ أَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا
ان ہی کا ان کو بدلہ ملے گا۔ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا

إِنَّا بِمَآ أُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا
کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں۔ اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ ہم بہت سا مال اور اولاد رکھتے ہیں

وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٣٥﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ
اور ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔ کہہ دو کہ میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے)

وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَمَآ أَمْوَالُكُمْ وَلَآ أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ
تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور تمہارا مال اور اولاد ایسی چیز نہیں

تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰىٓ إِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ
کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں ہاں (ہمارا مقرب وہ ہے) جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا ایسے ہی لوگوں کو

لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

ان کے اعمال کے سبب دگنا بدلہ ملے گا اور وہ خاطر جمع سے بالاخانوں میں بیٹھے ہوں گے

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ أُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

جولوگ ہماری آیتوں میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں ہرا دیں وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے

قُلْ إِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ط

کہہ دو کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے

وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

اور تم جو چیز خرچ کرو گے وہ اس کا (تمہیں) عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ

اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے؟

﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ

وہ کہیں گے تو پاک ہے تو ہی ہمارا دوست ہے نہ یہ بلکہ یہ جنات کو پوجا کرتے تھے

أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا

اور اکثر انہی کو مانتے تھے۔ تو آج تم میں سے کوئی کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا

وَّلَا ضَرًّا ط وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا

اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ دوزخ کے عذاب کا جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَا إِلَّا رَجُلٌ

مزا چکھو۔ اور جب ان کو ہماری روشن آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایک (ایسا) شخص ہے

يُّرِيْدُ أَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ
جو چاہتا ہے کہ جن چیزوں کی تمہارے باپ دادا پرستش کیا کرتے تھے ان سے تم کو روک دے اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ

إِلَّا إِفْكٌ مُّفْتَرًى ط وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا
محض جھوٹ ہے جو (اپنی طرف سے) بنالیا گیا ہے اور کافروں کے پاس جب حق آیا تو اس کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٤٣﴾ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْهِمْ
تو صریح جادو ہے۔ اور ہم نے نہ تو ان کو کتابیں دیں جن کو یہ پڑھتے ہیں اور نہ تم سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا بھیجا

قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿٤٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
مگر انہوں نے تکذیب کی۔ اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے تکذیب کی تھی اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا تھا

وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾
یہ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے تو انہوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا سو میرا عذاب کیسا ہوا

قُلْ إِنَّمَآ أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ج أَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا
کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ پھر غور کرو

مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ط إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾
تمہارے رفیق کو سودا نہیں وہ تمہیں سخت عذاب (کے آنے) سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
کہہ دو کہ میں نے تم سے کچھ صلہ مانگا ہو تو وہ تم ہی کو (مبارک رہے) میرا صلہ تو اللہ ہی کے ذمے ہے اور وہ ہر چیز سے

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٤٧﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾
خبردار ہے۔ کہہ دو کہ میرا پروردگار اوپر سے حق اتارتا ہے (اور وہ) غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا

کہہ دو کہ حق آ چکا اور (معبودِ) باطل نہ تو پہلی بار پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ پیدا کرے گا۔ کہہ دو کہ اگر میں گمراہ ہوں تو میری

أَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ وَإِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيٓ إِلَيَّ رَبِّيْ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾

گمراہی کا ضرر مجھ ہی کو ہے اور اگر ہدایت پر ہوں تو یہ اس کا طفیل ہے جو میرا پروردگار میری طرف وحی بھیجتا ہے بیشک وہ سننے والا نزدیک ہے

وَلَوْ تَرٰى إِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَأُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾

اور اگر تم دیکھو جب یہ گھبرا جائیں گے تو (عذاب سے) بچ نہیں سکیں گے اور نزدیک ہی سے پکڑ لئے جائیں گے

وَقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ وَأَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

اور کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لے آئے اور (اب) اتنی دُور سے ان کا ہاتھ ایمان کے لینے کو کیونکر پہنچ سکتا ہے

وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

اور پہلے تو اس سے انکار کرتے رہے اور بن دیکھے دُور ہی سے (ظن کے) تیر چلاتے رہے

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ

ان میں اور ان کی خواہش کی چیزوں میں پردہ حائل کر دیا گیا جیسا کہ پہلے ان کے ہم جنسوں سے

مِّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾

کیا گیا وہ بھی الجھن میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے

سورة فاطر (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَآئِكَةِ رُسُلًا

سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار ہے) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (اور) فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے

أُوْلِيْ أَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ط يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر ہیں وہ (اپنی) مخلوقات میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے بیشک اللہ ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١﴾ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا

پر قادر ہے۔ ا۔ اللہ جو اپنی رحمت (کا دروازہ) کھول دے تو کوئی اس کو بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے

وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾

تو اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ

لوگو! اللہ کے جو تم پر احسانات ہیں ان کو یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق (اور رازق) ہے

يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٣﴾

جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں بہکے پھرتے ہو؟

وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴿٤﴾

اور اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلا دیں تو تم سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے گئے ہیں اور کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے

يَآيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ

لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے تو تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ (شیطان) فریب دینے والا تمہیں

بِاللهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾ إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ط إِنَّمَا يَدْعُوْا

فریب دے شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے

حِزْبَهُ لِيَكُوْنُوْا مِنْ أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۶﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں ۔ جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے

شَدِيْدٌ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

بھلا جس شخص کو اس کے اعمالِ بد آراستہ کر کے دکھائے جائیں اور وہ ان کو عمدہ سمجھنے لگے تو (یا وہ نیکوکار آدمی جیسا ہو سکتا ہے؟)

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ط

بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ان لوگوں پر افسوس کر کے تمہارا دم نہ نکل جائے

إِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۸﴾ وَاللهُ الَّذِيْ أَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا

یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے واقف ہے۔اور اللہ ہی تو ہے جو ہوائیں چلاتا ہے اور وہ بادل کو ابھارتی ہیں پھر ہم ان کو ایک

فَسُقْنٰهُ إِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴿۹﴾

بے جان شہر کی طرف چلاتے ہیں پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں اسی طرح مُردوں کو جی اٹھنا ہوگا

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۚ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ

جو شخص عزت کا طلب گار ہے تو عزت تو سب اللہ ہی کے لئے ہے اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں[1]

---

[1] اسکی تفسیر میں ایک حدیث بھی وارد ہے جو کہ ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ: قال رسول الله ﷺ يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار ،و يجتمعون في صلاة الفجر، وصلاة العصر ،ثم يعرج الذين باتوا فيكم، فيسألهم ربهم وهو اعلم بهم ، كيف تركتم عبادي؟ فيقولون: تركناهم وهم يصلون، و اتيناهم وهم يصلون ـ(متفق علیہ،خ:۵۵۵،م،۶۳۲)۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،تمہارے پاس آسمان سے فرشتے رات دن آتے رہتے ہیں، جو تمہاری اعمال لکھتے ہیں اورانہیں بارگاہ الٰہی میں پہنچاتے ہیں اور فجر وعصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، اور جو فرشتے تمہارے پاس رہتے ہیں وہ (جس وقت) آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالی بندوں کے احوال جاننے کے باوجود ان سے (بندوں کے احوال واعمال) پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا ہے، اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تو اس وقت بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔

یہ مسئلہ چونکہ پہلے واضح ہوچکی ہے کہ اللہ تعالی عرش پر مستوی ہے، اور بعض آیات کریمہ اور آحادیث میں ”فی السماء“ کی جملہ مذکور ہے جیسا کہ سورۃ الملک:۱۷، اور حدیث میں بھی ہے جو کہ مسند احمد نے:۲/۲۹۱، میں اور ابوداؤد نے:۳/۵۸۸، کتاب الايمان و النذور میں اور امام ذہبی نے کتاب العلو:۱۷، میں اور ابن خریمہ نے کتاب التوحید:۱۲۳، میں ذکر کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: این الله؟قالت في السماء ،قال اعتقهافانهامؤمنة یعنی آپ ﷺ کا لونڈی سے یہ فرمانا کہ اللہ تعالی کہاں ہے؟ لونڈی نے جواب دیا آسمان پر، تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے ازاد کردو، یہ ایمان دار ہے۔ جبکہ امام مسلم نے:۲/۷۴۲، کتاب الزکواۃ میں اور امام بخاریؒ نے:۵/۳۲۶، کتاب المغازی میں ابوسعید خدریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الاتأمنوني وانا امين من في السماء ،رواه مسلم عن ابي سعيد الخدري۔ کیا تم مجھے امانت دار نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو=

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۭوَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ

اور نیک عمل اس کو بلند کرتے ہیں اور جو لوگ بُرے بُرے مکر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے

وَّمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝۱۰ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ

اور ان کا مکر نابود ہو جائے گا۔ اور اللہ ہی نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر

= آسمان پر ہے۔ایسی روایات زیادہ ہیں لیکن ایک دیگر روایت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے جو کہ امام دارمی نے کتاب الرد علی المریسی:۵۷،حلیۃ الاولیاء:۱/۱۹،تاریخ بغداد:۱۰/۳۴۶،اور ابو یعلی وغیرہ نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:لما القی ابراھیم فی النار قال:اللھم انک واحد فی السماء وانا واحد فی الارض اعبدک.اسنادہ حسن.

جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو انہوں نے کہا اے اللہ تو آسمان پر اکیلا ہے اور میں روئے زمین پر تیرا اکیلا عبادت گذار ہوں۔امام ذہبی نے کتاب الاربعین:۵۵،اور کتاب العلو:۲۱،میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔اور مناویؒ نے التیسیر :۲/۳۰۲،میں بھی۔

اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہے کہ اللہ تعالی عرش پر ہے یا اسمانوں میں؟ تو اس کا جواب امام ذہبی کتاب الاربعین میں دیتا ہے کہ:''فی''بہت دفعہ ''علی''کے معنے میں استعمال ہوجاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:فسیحوا فی الارض. التوبة: ۲، یعنی علی الارض نیز دوسری جگہ ہے:فلاصلبنکم فی جذوع النخل، طٰہٰ: ۷۱، یعنی علی جذوع النخل پھر آگے فرماتا ہے:وکل ماعلا فھو سماء، و المراد بالسماء فی ذلک بانه العرش اذ ھو علی السماوات، یعنی ہر وہ چیز جو بلند ہو وہ سماء کہلاتی ہے، تو یہاں سماء سے مراد عرش ہے، کیونکہ عرش اسمانوں پر ہی ہے۔اسی طرح امام بیہقی بھی اس اعتراض کی جواب میں لکھتا ہے:فی السماء ای فوق السماء علی العرش کما نطق الکتاب، و کما صحت الاخبار عن النبی ﷺ، الاسماء و الصفات للبیھقی: ۵۳۴،۵۳۷. اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے الفتاوی:۵/۱۰۶،میں بھی امام بیہقیؒ کے قول جیسے قول کیا ہے۔

جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ

تم کو جوڑا جوڑا بنا دیا اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور نہ کسی بڑی عمر والے کو

مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ إِلَّا فِي كِتٰبٍ ۚ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

عمر دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے بیشک یہ اللہ کو

يَسِيرٌ ﴿۱۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهُ

آسان ہے۔[2] اور دونوں دریا (مل کر) یکساں نہیں ہو جاتے یہ تو میٹھا ہے پیاس بجھانے والا جس کا پانی خوشگوار ہے

---

[2] وما ينقص من عمره میں [ہ] کی ضمیر کا مرجع جنس ہے۔ عین عمر ہی نہیں، اس لئے کہ طول عمر کتاب میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی عمر سے کمی نہیں ہوتی، یعنی اللہ تعالیٰ جس شخص کو عمر طویل عطا فرماتے ہیں وہ پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اسی طرح جس کی عمر کم رکھی جاتی ہے وہ بھی سب لوح محفوظ میں پہلے ہی درج ہے، حاصل یہ ہے کہ یہاں عمر کا طول اور نقص فرد واحد کے متعلق مراد نہیں بلکہ کلام نوع انسانی کے متعلق ہے کہ اس کے کسی فرد کو عمر طویل دی جاتی ہے، یعنی ضمیر جنس کی طرف بھی لوٹتی ہے۔ جیسے عرب میں کہا جاتا ہے عندی ثوب ونصفہ یعنی میرے پاس ایک کپڑا ہے اور دوسرے کپڑے کا آدھا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جس شخص کے لئے میں نے طول عمر مقدر کی ہے وہ اسے پوری کر کے ہی رہے گا۔ لیکن وہ لمبی عمر میری کتاب میں لکھی ہوئی ہے وہیں تک پہنچے گی، اور جس کے لئے میں نے کم عمر مقرر کی ہے اس کی حیات اسی عمر تک پہنچے گی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی پہلی کتاب میں لکھی ہوئی موجود ہے اور رب پر یہ سب کچھ آسان ہے۔ عمر کے ناقص ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو نطفہ تمام ہونے سے پہلے ہی گر جاتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ بعض انسان سو سو سال کی عمر پاتے ہیں اور بعض پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں ساٹھ سال سے کم عمر میں مرنے والا بھی ناقص عمر والا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ماں کے پیٹ میں عمر کی لمبائی یا کمی لکھ لی جاتی ہے۔ ساری مخلوق کی یکساں عمر نہیں ہوتی کوئی لمبی عمر والا کوئی کم عمر والا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا ہوا ہے اور اسی کے مطابق ظہور میں آ رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہے کہ جو اجل لکھی گئی ہے اور اس میں جو گزر رہی ہے سب اللہ تعالیٰ کے علم میں

ہےاوراس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

بخاری ومسلم وغیرہ میں ہے نبی کریمﷺ فرماتے ہیں: جو چاہے کہ اس کی روزی اور عمر بڑھے وہ صلہ رحمی کیا کرے۔(ابن کثیر)۔

تو آیت کریمہ سے عمر کی زیادتی کے لئے استدلال کرنا صحیح نہیں جیسا کہ مذکورہ تفسیر سے یہ مسئلہ واضح ہوئی، جبکہ عقیدہ طحاویہ میں امام طحاوی لکھتے ہیں: (وضرب لهم آجالا) ۔یعنی اللہ تعالی نے مخلوق کی اجل مقرر فرمادی ہے۔اس کی شرح میں ابن ابی العز: ۱/۱۲۷،فرماتا ہے کہ اللہ پاک نے مخلوق کی اجل مقرر فرمادی ہے کہ جب ان کی اجل آجائے گی تو نہ ایک ساعت تاخیر ہوگی اور نہ ایک ساعت تقدیم ہوگی، جیسا کہ سورت یونس: ۴۹، آل عمران: ۴۵، میں مذکور ہے ،جبکہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے قال قالت ام حبيبةؓ زوج النبیﷺ اللهم امتعنى بزوجی رسول الله وبابی ابی سفيان وباخی معاوية قال فقال النبیﷺ قدسألت الله لآجال مضروبة وايام معدودة وارزاق مقسومة، لن يعجل شيئاقبل حله ، ولو كنت سألت الله ان يعيذک من عذاب فی النار وعذاب فی القبر كان خيراًو افضل .(مسلم: رقم ۲۶۶۳)[۳۲،۳۳] فی القدرباب بيان ان الآجال و الارزاق وغيرهالاتزيدولاتنقص عماسبق به القدر،وفی المسند: ۱/ ۳۹۰، ۴۱۳، ۴۳۳، ۴۴۵، ۴۴۶ .السنة لابن ابی عاصم: ۲۶۲، ۲۶۳ .مصنف ابن ابی شيبة: ۱۰/ ۱۹۰، ۱۹۱۔

یعنی عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے اس نے بیان کیا کہ نبی کریمﷺ کی زوجہ ام حبیبہؓ نے دعا کی: اے اللہ! مجھے میرے خاوند رسول اللہﷺ اور والد ابوسفیان اور میرے بھائی معاویہؓ کا مجھے فائدہ عطاء فرما، یعنی عمر میں اضافہ کر۔راوی بیان کرتے ہیں کہ نبیﷺ نے فرمایا: تو نے اللہ سے سوال کیا ہے کہ متعین اجل میں تاخیر ہوجائے اور جس قدر زندگی کے دن لکھے جاچکے ہیں ان میں اضافہ ہواور جو رزق قسمت میں لکھا جاچکا ہے اس میں اضافہ ہو۔(یادرکھ) وقت مقرر میں تقدیم تاخیر نہیں ہوسکتی، بجائے اس کے تو اللہ سے سوال کرتی کہ وہ تجھے جہنم کے عذاب یا عذاب قبر سے بچائے تو تیرے حق میں بہتر ہوتا۔

ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم ابوالدرداء سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس (مضمون کا ذکر) رسولﷺ کے سامنے کیا تو آپﷺ نے فرمایا کہ عمر تو اللہ کی نزدیک ایک ہی مقرر اور مقدر ہے جب مقررہ

مدت پوری ہوجاتی ہے توکسی شخص کوذرا بھی مہلت نہیں دی جاتی، بلکہ زیادت عمر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی اس کواولاد صالح عطا کردیتا ہے وہ اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، یہ شخص نہیں ہوتا ہے اوران لوگوں کی دعائیں اس کوقبر میں ملتی رہتی ہیں یعنی مرنے کے بعد بھی ان کووہ فائدہ پہنچتا رہتا ہے، جوخودزندہ رہنے سے حاصل ہوتا ہے، اسی طرح گویا اس کی عمر بڑھ گئی۔اورجن احادیث میں بعض اعمال کے متعلق یہ آیا ہے کہ ان سے عمر بڑھ جاتی ہے اس سے مرادعمر کی برکت کا بڑھ جانا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جوشخص قتل ہوتا ہے اپنی اجل کے مطابق قتل ہوتا ہے یہ اللہ کا علم اوراس کی تقدیر ہے کہ یہ انسان فلاں بیماری کے ساتھ فوت ہوگا اورفلاں قتل ہوگا اورفلاں پرعمارت گرے گی اورفلاں آگ میں جل کرمرے گا اورفلاں پانی میں ڈوب کرمرے گا۔پس اللہ پاک نے موت،زندگی کو پیدا کیا۔اوران کے اسباب کو پیدا کیا۔

معتزلہ کہتے ہیں جوشخص قتل ہوا وہ اپنی اجل سے نہیں مرا اگرقتل نہ ہوتا تو اپنی اجل تک زندہ رہتا، گویا کہ معتزلہ کے ہاں اس کی دواجل ہے۔اورجوحدیث میں آتا ہے کہ صلہ رحمی اوردعاوغیرہ سے عمر بڑھتی ہے یعنی امام بخاریؒ نے صحیح رقم: ۵۹۸۵، میں نقل کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: من احب ان يبسط في رزقه وينسئ في اثره فليصل رحمه ۔اس کا معنی یہ ہے کہ یہ تقدیر میں اللہ تعالی نے لکھی ہے، یعنی یہ آدمی یہ کام کرے گا اوراس کا عمر اتنا ہوگا۔یہی وجہ ہے امام احمدؒ سے منقول ہے کہ وہ مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص ان کے لئے درازی عمر کی دعا کرے، وہ فرمایا کرتے تھے یہ ایسا کام ہے جس سے فارغ ہوا جاچکا ہے۔

پھرآگے فرماتا ہے کہ آیت مذکورہ میں من عمره کی ضمیران کے اس قول عندي درهم ونصفه کے موافق ہے،اوردرہم اوردوسرا نصف درہم مراد ہے اسی طرح آیت میں، عمره ، کی ضمیر کی مرجع دوسرا معمر ہے۔بعض کہتے ہیں اس سے مرادوہ زیادتی اورکمی ہے جوصحیفوں میں ہے، جوفرشتوں کے ہاتھوں میں ہے۔جیسا کہ سورت رعد: ۳۸، ۳۹، میں ہے وہ آیت اس بات پردلالت کررہی ہے، کہ محواوراثبات صحیفوں سے ہیں، جوفرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں، اورام الکتاب سے مرادلوح محفوظ ہے۔بعض کہتے ہیں اللہ پاک جن شرایع کومنسوخ کرنا چاہتا ہے مٹادیتا ہے اورجن شرائع کوچاہتا ہے ثابت رکھتا ہے آیت کی اول اس معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔اس میں دیگراقوال بھی ہیں واللہ اعلم بالصواب۔مختصرازشرح عقیدۃ الطحاویۃ۔

وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً

اور یہ کھاری ہے کڑوا اور سب سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جسے پہنتے ہو

تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

اور تم دریا میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ (پانی کو) پھاڑتی چلی آتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو

تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ

اور تاکہ شکر کرو۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے ہر ایک ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے [3]

لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾

اسی کی بادشاہی ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو مالک نہیں

إِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ

اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں

---

[3] ”ذٰلِكُمْ“ میں ”ذٰلک“ اشارہ حسیہ کے لئے وضع کیا گیا ہے، اوراس میں حقیقت یہ ہے کہ اس کا مشارالیہ خارج میں محسوس اور موجود ہو، اور ”ذٰلک“ کے ساتھ اشارہ ذہنیہ کرنا مجاز ہے، عارف جامی لکھتے ہیں: اسماء الاشارة ماوضع لمشارالیه اشارة حسية بالجوارح والاعضاء لان الاشارة عند اطلاقها حقيقة فى الاشارة الحسية فلايرد ضمير الغائب وامثاله فانها للاشارة الى معانيها اشارة ذهنية لاحسية ومثل ”ذلكم الله ربكم“ ممالیست الاشارة اليه حسية محمول على التجوز۔

اسماء اشارہ کو مشارالیہ کی طرف ظاہری اعضاء سے اشارہ حسیہ کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے کیونکہ جب

مطلقا اشارہ کیا جائے تو وہ اشارہ حسیہ میں حقیقت ہے، اور ضمیر غائب سے اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ ان کے ساتھ ان کے معانی کی طرف اشارہ ذہنیہ کیا جاتا ہے نہ کہ حسیہ اور "ذلکم اللہ ربکم" میں جو اشارہ حسیہ نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مجاز پر محمول ہے (مجاز کا قرینہ یہ ہے کہ چونکہ ہر چیز اللہ کے وجود اور اس کی ذات پر دلالت کرتی ہے تو شدت وضوح کی وجہ سے اس کو بمنزلہ محسوس نازل کردیا گیا۔ شرح جامی: ۲۴۲۔

اس تحقیق سے قبر کے سؤال میں رسول ﷺ کی طرف اشارہ کرنا بھی واضح ہوا، جو کہ حدیث میں ہے کہ فرشتے سوال میں یہ کہیں گے، **ماکنت تقول فی ھذا الرجل ؟بخاری، رقم: ۱۲۵۲** .

علامہ سیوطی لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر سے سوال کیا گیا کہ کیا میت کے لئے کشف کردیا جائے گا کہ وہ نبی ﷺ کو دیکھ لے؟ تو حافظ ابن حجر نے یہ جواب دیا کہ: کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ میت کے لئے کشف کیا جائے گا، البتہ بعض غیر مستند علماء نے بغیر کسی شرعی دلیل کے یہ دعوی کیا ہے، اور حدیث میں وارد ہے: "اس شخص" اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ اشارہ کا یہ تقاضا ہے کہ میت کے لئے آپ کو منکشف کر کے آپ کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا جائے کہ تم ان کے متعلق کیا کہتے تھے؟ لیکن یہ دلیل نہیں ہے کیونکہ میت کے ذہن میں جو نبی ﷺ کا تصور موجود ہے یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ شرح الصدور: ۶۰۔

ملا علی قاری اس بحث میں لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی کی روایت میں ہے: "تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے تھے"؟ علامہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اشارہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ رسول ﷺ اور میت کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو اٹھا دیا جائے حتیٰ کہ وہ آپ کو دیکھ لے، اور اس سے آپ کے متعلق سوال کیا جائے، کیونکہ اس قسم کی چیز احتمال سے ثابت نہیں ہوتی، علاوہ ازیں یہ امتحان کا موقع ہے اور آپ کی شخصیت کریمہ کو نہ دیکھنا امتحان کے زیادہ قریب اور مناسب ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اگر یہ بات صحیح ہو تو یہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی زیارت بعض مومنین کے لئے مفید ہو، اور بعض کفار کے لئے مفید نہ ہو، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ قبر میں صرف ان کو آپ ؐ کی زیارت کرائی جائے گی جنہوں نے دنیا میں آپ ؐ کی زیارت کی تھی اور جو آپ کے شخصیت مبارکہ کے دیدار سے مشرف ہوئے تھے۔ مرقات: ۱/۱۹۹۔

شیخ عبدالحق لکھتے ہیں: لفظ "ہذا" کے ساتھ جو رسول کریم ﷺ کی طرف اشارہ ہے یہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ آپ کی رسالت مشہور ہے اور آپ کا تصور ہمارے ذہنوں میں حاضر ہے، یا قبر میں آپ کی ذات حاضر کی جائے گی=

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿١٤﴾

اور قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور (اللہ) باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دے گا

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿١٥﴾ اِنْ

لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پرواہ سزا وارِ حمد (وثنا) ہے

يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿١٧﴾

اگر چاہے تو تم کونابود کر دے اور نئی مخلوقات لا آباد کرے اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا

اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے

لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ

تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو (اے پیغمبر!) تم انہی لوگوں کو نصیحت کر سکتے ہو جو بن دیکھے

=، بایں طور کہ رسول ﷺ کی ایک مثال لائی جائے گی، تاکہ آپ کے جان افزا جمال کے مشاہدہ سے اس سوال کی مشکل حل ہو جائے اور جو مسلمان آپ کے فراق کی ظلمت میں گرفتار تھے، آپ کی ملاقات کے نور سے ان کا دل روشن اور شاد ہو جائے۔

اس حدیث میں آپ کے عشاق پریشاں کو یہ نوید اور بشارت ہے کہ اگر رسول ﷺ کی زیارت کے شوق میں کوئی عاشق زار راہ الٰہی میں جان دیدے تو یہ عین مقصود ہے، اگر آپ کے رخ انور کے دیدار کی نعمت مل جائے تو ایک موت تو کیا ہزار موتیں بھی آجائیں تو کیا غم ہے۔ اشعۃ اللمعات: ١١٥/١۔

عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں: یہ اشارہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ نبی ﷺ ذہنوں میں حاضر ہیں اور یا اس وجہ سے ہے کہ آپ کی صورت میت پر منکشف کر دی جائے گی، پہلا احتمال شیخ الاسلام ابن حجر کا مختار ہے۔ شیخ محی الدین صاحب فتوحات نے کہا ہے کہ وصف رسالت کے بغیر صرف یہ کہنا کہ تم اس شخص کو کیا کہتے تھے، شدید امتحان ہے۔ النبر اس: ٣١٩۔

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَمَنْ تَزَكّٰى فَإِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ

اپنے پروردگار سے ڈرتے اور نماز بالالتزام پڑھتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے اپنے ہی لئے پاک ہوتا ہے

وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾

اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾

اور نہ اندھیرا اور روشنی، اور نہ سایہ اور دھوپ

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَآءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ط إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ط

اور نہ زندے اور مُردے برابر ہو سکتے ہیں اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے

وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾

اور تم ان کو جو قبروں میں مدفون ہیں نہیں سنا سکتے۔ تم تو صرف ہدایت کرنے والے ہو

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ط وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ

ہم نے تم کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے

﴿۲۴﴾ وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی تکذیب کر چکے ہیں ان کے پاس ان کے پیغمبر

بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آتے رہے۔ پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا سو

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

(دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا ہوا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے مینہ برسایا

فَأَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ

تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کئے اور پہاڑوں میں سفید

وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ

اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں۔انسانوں اور جانوروں اور چارپایوں کے

وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا

بھی کئی طرح کے رنگ ہیں اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں

إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۲۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ

بیشک اللہ غالب (اور) بخشنے والا ہے۔جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں

وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ﴿۲۹﴾

اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں وہ اس تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۰﴾

کیونکہ اللہ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی دے گا وہ تو بخشنے والا (اور) قدردان ہے

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اور یہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے برحق ہے اور ان (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں

إِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا

بیشک اللہ اپنے بندوں سے خبردار (اور ان کو) دیکھنے والا ہے۔پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے

مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ

بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رَو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے

بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِکَ هُوَ الْفَضْلُ الْکَبِیْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا

نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں یہی بڑا فضل ہے۔ بہشت جاودانی (ہیں) جن میں وہ داخل ہوں گے

یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾

وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ریشمی ہو گی

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ ﴿۳۴﴾

وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دُور کیا بیشک ہمارا پروردگار بخشنے والا (اور) قدردان ہے

الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّلَا یَمَسُّنَا

جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ کے رہنے کے گھر میں اتارا یہاں نہ تو ہم کو رنج پہنچے گا اور نہ ہمیں

فِیْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ

تکان ہی ہو گی۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے

فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۚ کَذٰلِکَ نَجْزِیْ کُلَّ کَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾

نہ انہیں موت آئے گی کہ مرجائیں اور نہ ان کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا ہم ہر ایک ناشکرے کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں

وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ ۚ

وہ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے (اب) ہم نیک عمل کیا کریں گے نہ وہ جو کرتے تھے

اَوَلَمْ نُعَمِّرْکُمْ مَّا یَتَذَکَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَکَّرَ وَجَآءَکُمُ النَّذِیْرُ ۚ

کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو سوچنا چاہتا سوچ لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا

فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ عَالِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ

تو اب مزے چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بیشک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے

وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰئِفَ فِي

وہ تو دل کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔ وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں (پہلوں کا) جانشین بنایا

الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

تو جس نے کفر کیا اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے اور کافروں کے حق میں ان کے کفر سے پروردگار کے ہاں ناخوشی ہی بڑھتی ہے

إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَ

اور کافروں کو ان کا کفر نقصان ہی زیادہ کرتا ہے۔ بھلا تم نے اپنے شریکوں کو دیکھا

كُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ

جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین سے کونسی چیز پیدا کی ہے

أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَٰوَٰتِ أَمْ آتَيْنَٰهُمْ كِتَٰبًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِنْهُ

یا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے یا ہم نے ان کو کتاب دی ہے تو وہ اس کی سند رکھتے ہے (ان میں سے کوئی بات بھی نہیں)

بَلْ إِنْ يَعِدُ الظَّٰلِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ

بلکہ ظالم جو ایک دوسرے کو وعدہ دیتے ہیں محض فریب ہے۔اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے

السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ

کہ ٹل نہ جائیں اگر وہ ہل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو ان کو تھام سکے

بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَٰنِهِمْ

بیشک وہ بُردبار (اور) بخشنے والا ہے۔ اور یہ اللہ کی سخت قسمیں کھاتے ہیں

لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا

کہ اگر ان کے پاس کوئی ہدایت کرنے والا آئے تو یہ ہر ایک امت سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں مگر جب ان کے پاس

جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ

ہدایت کرنے والا آیا تواس سے ان کو نفرت ہی بڑھی۔ یعنی (انہوں نے) ملک میں غرور کرنا

وَمَكْرَ السَّيِّءِ ۚ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ إِلَّا بِأَهْلِهٖ ۚ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّا

اور بُری چال چلنا (اختیار کیا) اور بُری چال کا وبال اس کے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے یہ اگلے لوگوں کی روش کے سوا

سُنَّتَ الْأَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ

اور کسی چیز کے منتظر نہیں سو تم اللہ کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور اللہ کے طریقے میں کبھی

تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾ أَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تغیر نہ دیکھو گے۔ کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ

حالانکہ وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ تھے اور اللہ ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز

فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ

اس کو عاجز کر سکے وہ علم والا (اور) قدرت والا ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب

اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ

پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر ایک چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیئے جاتا ہے

إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

سو جب ان کا وقت آجائے گا تو (ان کے اعمال کا بدلہ دے گا) اللہ تو اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے

سورة یٰسٓ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اورنہایت رحم والا ہے۔

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۳﴾

یٰسٓ ۔قسم ہے قرآن کی جو حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ (اے محمد ﷺ!) بیشک تم پیغمبروں میں سے ہو

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴﴾ تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ﴿۵﴾

سیدھے رستے پر۔(یہ اللہ) غالب (اور) مہربان نے نازل کیا ہے

لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُہُمۡ فَہُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۶﴾

تاکہ ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو متنبہ نہیں کیا گیا تھا متنبہ کر دے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں[1]

---

[1] انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" ان لکل شیء قلبا و قلب القرآن یٰسٓ " یعنی ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یٰسٓ ہے اور اس حدیث کے بعض الفاظ میں ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسٓ کو خالص اللہ اور آخرت کے لئے پڑھتا ہے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اس کو اپنے مردوں پر پڑھا کرو (ترمذی:۲۸۸۷)۔یعنی قران کے علوم و معارف خلاصہ اور اس کا حاصل سورۂ یٰسٓ ہے باین طور کہ اس سورۂ میں قیامت کے احوال اور قران کے مقاصد اعلیٰ مذکور ہیں،

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ سورۂ یٰسٓ کو قلب القرآن فرمانے کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ اس سورۃ میں قیامت اور حشر ونشر کے مضامین خاص تفصیل اور بلاغت کے ساتھ آئے ہیں اور اصول ایمان میں سے عقیدۂ آخرت وہ چیز ہے جس پر انسان کے اعمال کی صحت موقوف ہے،خوف آخرت ہی انسان کو عمل صالح کے لئے مستعد کرتا ہے اور وہی اس کو ناجائز خواہشات اور حرام سے روکتا ہے،تو جس طرح بدن کی صحت قلب کی صحت پر موقوف ہے اسی طرح ایمان کی صحت فکر آخرت پر موقوف

ہے (روح) اوراس سورۃ کا نام جیسا سورۂ یٰسٓ معروف ہے اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ اس سورۃ کا نام عظیمہ بھی آیا ہے (ابونصر السجزی عن عائشہؓ) اور ایک حدیث میں ہے کہ اس سورۃ کا نام تورات میں مُعِمّہ آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا وآخرت کی خیرات وبرکات عام کرنے والی اور اس کے پڑھنے والے کا نام شریف آیا ہے اور فرمایا کہ قیامت کے روز اس کی شفاعت قبیلۂ ربیعہ کے لوگوں سے زیادہ کے لئے قبول ہوگی (سعید بن منصور والبیہقی عن حسان بن عطیہ) اور بعض روایات میں اس کا نام مدافعہ بھی آیا ہے یعنی اپنے پڑھنے والے سے بلاؤں کو دفع کرنے والی اور بعض میں اس کا نام قاضیہ بھی مذکور ہے، یعنی حاجات کو پورا کرنے والی (روح)۔

اور ابوذرؓ سے روایت ہے کہ جس مرنے والے کے پاس سورۂ یٰسٓ پڑھی جائے تو اس کی موت کے وقت آسانی ہوجاتی ہے (مظہری) اور عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ یٰسٓ کو اپنی حاجت کے آگے کردے تو اس کی حاجت پوری ہوجاتی ہے (مظہری)۔ اور یحیٰ بن کثیرؒ نے فرمایا کہ جو شخص صبح کو سورۂ یٰسٓ پڑھ لے وہ شام تک خوشی میں رہے گا، اور فرمایا کہ مجھے یہ بات ایسے شخص نے بتلائی ہے جس نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ ابن الضریس۔

یٰسٓ، اس لفظ کے متعلق مشہور قول یہ ہے کہ حروف مقطعات میں سے ہے، جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے عام بندوں کو نہیں دیا اور ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے ایک نام ہے اور ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے کہ اسمآء الٰہیہ میں سے ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ ہیں: اے انسان! اور مراد انسان سے نبی کریم ﷺ ہیں، اور ابن جبیرؒ کے کلام سے یہ مستفاد ہے کہ لفظ یٰسٓ نبی کریم ﷺ کا نام ہے، روح المعانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نام ان دو عظیم الشان حرفوں سے رکھنا، یعنی یا اور سین اس میں بڑے راز ہیں۔

امام مالکؒ نے اس کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ ان کے نزدیک یہ اسمآء الٰہیہ میں سے ہے اور اس کے صحیح معنی معلوم نہیں اس لئے ممکن ہے کہ کوئی ایسے معنیٰ ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے خالق، رازق وغیرہ، البتہ اس لفظ کو یاسین کے رسم الخط سے لکھا جائے تو یہ کسی انسان کا نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے: ﴿سلام علی اٰلِ یاسین﴾ (صافات: ۱۳۰) (ابن عربی) آیت مذکورہ کی معروف قرأت الیاسین ہے مگر بعض قرأتوں میں اٰلِ یاسین بھی آیا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾

ان میں سے اکثر پر (اللہ کی) بات پوری ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے

إِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلٰلًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾

ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک تو ان کے اوپرکوالٹ گئے ہیں

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا

اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنا دی ہے اور ان کے پیچھے بھی پھر ان پر پردہ ڈال دیا تو یہ

يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

دیکھ نہیں سکتے۔ اور تم ان کو نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے

إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ

تم تو صرف اس شخص کو نصیحت کر سکتے ہو جو نصیحت کی پیروی کرے اور اللہ سے غائبانہ ڈرے سو اس کو مغفرت اور بڑے ثواب

وَّأَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا

کی بشارت سنا دو۔ بیشک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے

وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ إِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ

اور ان کے نشان پیچھے رہ گئے ہم ان کو قلمبند کر لیتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کتابِ روشن میں لکھ رکھا ہے۔ اور ان گاؤں

مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ

والوں کا قصہ بیان کرو جب ان کے پاس پیغمبر آئے۔ [2](یعنی) جب ہم نے ان کی طرف دو (پیغمبر) بھیجے

---

[2] ''واضــرب لهــم'' یہ تخویف دنیوی ہے اصحاب القریہ (بستی والوں) کا قصہ بیان کر کے اہل مکہ کو متنبہ

کرنا مقصود ہے کہ انہوں نے ہمارے رسول کو جھٹلایا، تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، لیکن ان کے مزعومہ سفارشیوں میں سے کسی نے بھی ان کو اللہ کے گرفت سے نہ چھڑایا۔

"اذجاء ھا المرسلون" القریہ سے اکثر مفسرین کے نزدیک شہر انطاکیہ مراد ہے اور المرسلون سے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے پرستادہ مبلغ مراد ہیں (یعنی یحی، یونس اور شمعون۔ کمافی التفاسیر)۔ لیکن بعض ائمہ تفسیر کو اس پر اشکال ہے کہ قریہ سے انطاکیہ اور مرسلین سے رسل عیسیٰ علیہ السلام مراد ہوں چنانچہ مفسر ابن کثیر نے اس پر نہایت محققانہ گفتگو کی ہے: **وقد استشکل بعض الائمة کونها انطاکیة بماسنذکره بعدتمام القصة ان شاء اللّٰہ تعالی** ۔ ابن کثیر نے آگے چل کر اس پر چار اشکال وارد کئے ہیں:

اول نظم قران کے الفاظ کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تینوں رسول، اللہ ﷺ کے رسول تھے عیسیٰ علیہ السلام کے پرستادہ نہ تھے اگر وہ مسیح علیہ السلام کے حواری ہوتے تو نظم قران میں ان کے رسل عیسیٰ ہونے کی طرف کچھ اشارہ ہوتا۔ **ان ظاهر القصة یدل علی ان هؤلاء کانوا رسل اللّٰہ عزوجل لامن جهة المسیح علیه السلام کماقال تعالی :اذارسلنا الیهم اثنین فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُّرْسَلُونَ ﴿۱۴﴾ الی ان قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۷﴾ ولو کانوا هؤلاء من الحواریین لقالوا عبارة تناسب انهم من عند المسیح علیه السلام .**

دوم اگر وہ مسیح علیہ السلام کی طرف سے ہوتے تو مشرکین ان پر یہ اعتراض نہ کرتے کہ تم ہماری طرح بشر ہو کیونکہ بشریت کو وہ رسالت اور نبوۃ کی منافی سمجھتے تھے۔ **ثم لو کانوا رسل المسیح لماقالوا لهم " مَا أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا" ایضا.**

سوم اہل انطاکیہ جن کے پاس مسیح علیہ السلام نے اپنے حواری بھیجے تھے وہ سب کے سب ایمان لے آئے تھے اور اللہ کے عذاب سے محفوظ رہے لیکن جن اہل قریہ کا یہاں ذکر ہے انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ قصہ اہل انطاکیہ اور رسل مسیح علیہ السلام سے متعلق نہیں۔ **فاذا تقرر ان انطاکیه اول مدینة آمنت فاهل هذه القریة ذکراللّٰہ تعالی انهم کذبوا رسله وانه اهلکهم بصیحة واحدة اخمدتهم، واللّٰہ اعلم ۔**

چہارم اہل انطاکیہ اور رسل عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ لامحالۃ نزول تورات کے بعد پیش آیا تھا اور نزول تورات

کے بعد اللہ تعالی نے کسی پوری کی پوری قوم کو ہلاک نہیں فرمایا بلکہ مومنین کو مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔اس سے بھی واضح ہو گیا کہ یہ قصہ اہل انطا کیہ اور حواریین سے متعلق نہیں۔ان قصة انطاكية من الحواريين اصحاب المسيح بعدنزول التورات وقدذكرابوسعيدالخدری‌ؓ وغيرواحدمن السلف ان الله تبارک وتعالى بعدانزاله التورات لم يهلک امة من الامم الى آخرهم بعذاب يبثه عليهم (ابن جريربسنده) بل امر المؤمنين بعدذالک بقتال المشركين ،ذكروه عندقوله تعالى ﴿ولقداتينا موسٰى الكتاب من بعدمااهلكنا القرون الاولى﴾قصص:۴۳.

پھر آگے لکھتے ہیں:واما الحديث الذى رواه الحافظ ابو القاسم الطبرانى ، حدثنا الحسين بن اسحاق التسترى ،حدثناالحسين بن ابى السرى العسقلانى، حدثنا حسين الاشقرحدثنا ابن عيينه عن ابى نجيح عن مجاهد عن ابن عباس عن النبیﷺقال: السبق ثلاثة فالسابق الى موسٰى يوشع بن نون والسابق الى عيسٰى صاحب يس،والسابق الى محمدﷺعلى بن ابى طالب، فانه حديث منكرلايعرف الامن طريق حسين الاشقر وهوشيعى متروک۔الطبرانی فی الکبیر:۱۰۹۸۸۔

یعنی یہ بھی یادرہے کہ طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ دنیا میں تین ہی شخص سبقت کرنے میں سب سے آگے نکل گئے ہیں،موسٰی علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والے یوشع تھے،عیسٰی علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والے صاحب یٰس تھے،اور محمدﷺ کی خدمت میں آگے بڑھنے والے علیؓ تھے،یہ حدیث بالکل منکر ہے صرف حسین اشقر اسے روایت کرتا ہے،اور وہ شیعہ اور متروک ہے۔

ان وجوہات سے واضح ہوا کہ جس قریہ (بستی) کا ان ایتوں میں ذکر ہے وہ انطا کیہ کی علاوہ کوئی اور بستی ہے اور المرسلین سے رسل اللہ مراد ہیں نہ کہ رسل مسیح علیہ السلام فعلى هذايتعين ان هذه القرية المذكورة فى القران قرية اخرى غيرانطاكية كما حقق ذلک غيرواحدمن السلف ،ابن کثیر۔

جناب شیخ حسین علی کی تحقیق بھی بعینہ یہی ہے اوران رسولوں کی اسماء گرامی یہ ہیں: صادق،صدوق،اورشلوم علیہم السلام جیسا کہ ابن عباسؓ،کعب الاحبار اور وہب بن منبہ سے منقول ہے،امام طبری نے بھی یہی نام لکھے ہیں (قرطبی ابن کثیر وغیرہ)قيل رسل من الله على الابتداء(قرطبی) اگر مفسرین سلف کی عبارتوں میں کہیں اس قرینہ کا نام انطا کیہ وارد ہوا ہے تو بشرط صحت روایت ہو سکتا ہے کہ اس قریہ کا نام بھی انطا کیہ ہی ہو۔لکن لامحالۃ یہ وہ انطا کیہ نہیں جس=

فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوٓا إِنَّآ إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ ﴿۱۴﴾ قَالُوا مَآ أَنتُمْ

تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے تقویت دی تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہای طرف پیغمبر ہو کر آئے ہیں۔ وہ بولے کہ تم

إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنزَلَ الرَّحْمٰنُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ﴿۱۵﴾

(اور کچھ) نہیں مگر ہماری طرح کے آدمی (ہو) اور اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم محض جھوٹ بولتے ہو

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّآ إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِينُ ﴿۱۷﴾

انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور ہمارے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینا ہے

قَالُوٓا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ تَنتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ

وہ بولے کہ ہم تم کو نامبارک سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تم کو ہم سے دُکھ دینے والا عذاب پہنچے گا

﴿۱۸﴾ قَالُوا طَآئِرُكُم مَّعَكُمْ أَئِن ذُكِّرْتُم ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿۱۹﴾

انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے کیا اس لئے کہ تم کو نصیحت کی گئی؟ بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو حد سے تجاوز کر گئے ہو

وَجَآءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو[3]

= میں مسیح علیہ السلام نے اپنے حواری بھیجے تھے، کیونکہ اس انطاکیہ پر اللہ کا عذاب کبھی نہیں آیا۔ نہ مسیح علیہ السلام کے زمانے میں اور نہ اس سے پہلے۔ اوتکون انطاکیة ان کان لفظها محفوظا فی هذه القصة مدینة اخری غیر هذه المشهورة المعروفة فان هذه لم یعرف انها اهلکت لا فی الملة النصرانیة ولا قبل ذلک، واللہ سبحانه وتعالی اعلم (ابن کثیر)۔

[3] پہلی آیت میں اس مقام کو جس میں یہ قصہ پیش آیا لفظ ”قریة“ سے تعبیر کیا گیا، جو عربی زبان کے اعتبار سے صرف چھوٹے گاؤں کو نہیں بلکہ مطلق بستی کو کہتے ہیں، چھوٹی بستی ہو یا بڑا شہر، اور اس آیت میں اس مقام کو لفظ مدینہ سے تعبیر

کیا، جوصرف بڑے شہر ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس بستی میں یہ واقعہ ہوا ہے وہ کوئی بڑا شہر تھا، اس سے بھی اُس قول کی تائید ہوتی ہے جس میں اس کو انطاکیہ قرار دیا ہے،

"اقصی المدینة" سے مراد شہر کے کسی گوشہ سے آنا ہے، رجل یسعیٰ، لفظ یسعیٰ، سعی سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی دوڑ کر چلنے کے ہیں، اس لئے معنی یہ ہوئے کہ شہر کے کسی دور گوشہ سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اور کبھی لفظ سعی اہتمام کے ساتھ چلنے کے معنی میں بھی آتا ہے چاہے دوڑ کر نہ چلے، جیسے سورۂ جمعہ میں "فاسعوا الِیٰ ذکر اللّٰہ" میں یہی معنی مراد ہیں۔

قرآن کریم نے اس شخص کو بھی مبہم رکھا ہے اس کا نام اور حال ذکر نہیں فرمایا، تاریخی روایات میں ابن اسحٰق نے ابن عباسؓ، کعب احبارؒ اور وہب بن منبہ کے حوالے سے نقل یہ کیا ہے کہ اس شخص کا نام حبیب تھا، اس کے پیشہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں، ان میں مشہور یہ ہے کہ نجار تھا لکڑی کا کام کرتا تھا (ابن کثیر)۔ اور تاریخی روایات جو مفسرین نے اس جگہ نقل کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بھی شروع میں بت پرست تھا، دو رسول جو پہلے اس شہر میں آئے اس کی ملاقات اُن سے ہوگئی ان کی تعلیم سے اور بعض روایات کے اعتبار سے ان کا معجزہ یا کرامت دیکھ اس کے دل میں ایمان پیدا ہوا، بت پرستی سے تائب ہو کر مسلمان ہوگیا اور کسی غار وغیرہ میں جا کر عبادت میں مشغول ہوگیا، جب اس کو یہ خبر ملی کہ شہر کے لوگ ان رسولوں کی تعلیم و ہدایت کو جھٹلا کر اُن کے درپے آزار ہوگئے، اور قتل کی دھمکیاں دے رہے ہیں، تو یہ اپنی قوم کی خیر خواہی اور ان رسولوں کی ہمدردی کے ملے جلے جذبے سے جلدی کر کے اپنی قوم میں آیا اور ان کو رسولوں کا اتباع کرنے کی نصیحت کی، اور پھر اپنے مؤمن ہونے کا اعلان کردیا: انی اٰمنت بربکم فاسمعون : یعنی میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں تم سن لو، اس کا مخاطب اس کی قوم بھی ہوسکتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو ان کا رب کہنا اظہار حقیقت کے لئے تھا، اگرچہ وہ اس کو تسلیم نہ کرتے تھے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خطاب رسولوں کو ہو، اور فاسمعون کہنے کا مقصد یہ ہو کہ آپ سن لیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے میرے ایمان کی شہادت دیں۔

" قیل ادخل الجنة" الایہ، یعنی اس شخص کو جو گوشۂ شہر سے رسولوں پر ایمان لانے کی تلقین کے لئے آیا تھا اس کو کہا گیا کہ جنت میں داخل ہوجاؤ، ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب کسی مَلَک کے ذریعے ہوا ہے، کہ جنت میں چلے جاؤ، اور مراد جنت میں داخل ہونے سے یہ خوشخبری دینا ہے کہ جنت تمہارا مقام متعین ہوچکا ہے، جو اپنے وقت پر حشر ونشر کے بعد حاصل ہوگا (قرطبی)۔

اور یہ بھی بعید نہیں کہ ان کو ان کا مقام جنت اس وقت دکھلا دیا گیا ہو، اس کے علاوہ برزخ میں بھی اہل جنت کو جنت کے پھل پھول اور راحت کی چیزیں ملتی ہیں، اس لئے ان کا عالم برزخ میں پہنچنا ایک حیثیت سے جنت ہی میں داخل ہونا ہے۔

قرآن کریم کے اس لفظ سے کہ اس کو کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا، اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص کو شہید کر دیا گیا تھا، کیونکہ دخول جنت یا آثار جنت کا مشاہدہ بعد موت ہی ہوسکتا ہے۔

وہب بن منبہؒ کی روایت میں ہے کہ یہ شخص جذامی تھا اور ان کا مکان شہر کے سب سے آخری دروازہ پر تھا، اپنے مفروضہ معبودوں سے دعاء کرتا تھا کہ مجھے تندرست کر دیں جس پر ستر سال گذر چکے تھے، یہ رسول شہر انطاکیہ میں اتفاقاً اسی دروازے سے داخل ہوئے تو اس شخص سے پہلے پہل ملاقات ہوئی تو انھوں نے اس کو بت پرستی سے باز آنے اور ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی، اس نے کہا کہ آپ کے پاس آپ کے دعویٰ کی کوئی دلیل وعلامت صحت بھی ہے؟ انھوں نے کہا ہاں ہے، اس نے اپنی جذام کی بیماری بتلا کر پوچھا کہ آپ یہ بیماری دور کر سکتے ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں ہم اپنے رب سے دعاء کریں گے، وہ تمھیں تندرست کر دے گا، اس نے کہا کہ کیا عجیب بات کہتے ہو، میں ستر سال سے اپنے معبودوں سے دعاء مانگتا ہوں کچھ فائدہ نہیں ہوا، تمہارا رب کیسے ایک دن میں میری حالت بدل دے گا، انھوں نے کہا کہ ہاں ہمارا رب ہر چیز پر قادر ہے، اور جن کو تم نے الٰہ بنا رکھا ہے ان کی کوئی حقیقت نہیں، یہ کسی کو نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے، یہ سن کر یہ شخص ایمان لے آیا، اور ان انبیاء نے اس کے لئے دعاء کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا تندرست کر دیا کہ بیماری کا کوئی اثر باقی نہ رہا،

اب تو اس کا ایمان پختہ ہو گیا اور اس نے عہد کیا کہ دن بھر میں جو کچھ کمائے گا اس کا ادھا اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، جب ان رسولوں پر شہر کے لوگوں کی یلغار کی خبر پائی تو یہ دوڑ کر آیا اور اپنی قوم کو سمجھایا اور اپنے ایمان کا اعلان کر دیا، پوری قوم اس کی دشمن ہو گئی اور سب مل کر اس پر ٹوٹ پڑے،

ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ لاتوں اور ٹوکروں سے سب نے مل کر اس کو شہید کر دیا، بعض روایات میں ہے کہ اس پر پتھر برسائے، اور اس وقت بھی ان سب کی بے تحاشا مار پڑنے کے وقت وہ کہتا جاتا تھا: رب اهدِ قومی: اے میرے پروردگار میری قوم کو ھدایت کر دے، بعض روایاتوں میں ہے کہ ان لوگوں نے تینوں رسولوں کو بھی شہید کر دیا مگر کسی صحیح روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ ان کا کیا حال رہا، بظاہر وہ مقتول نہیں ہوئے (قرطبی)۔

﴿۲۰﴾ اِتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

ایسوں کی جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے رستے پر ہیں

وَمَا لِىَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِىْ فَطَرَنِىْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی پرستش نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّىْ شَفَاعَتُهُمْ

کیا میں ان کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں اگر اللہ میرے حق میں نقصان کرنا چاہے تو ان کی سفارش

شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّىْۤ اِذًا لَّفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے۔ اور نہ وہ مجھ کو چھڑا ہی سکیں تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہوگیا

اِنِّىْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِىْ

میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں سو میری بات سن رکھو۔ حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا بولا کاش میری قوم

يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِىْ رَبِّىْ وَجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا

کو خبر ہو۔ کہ اللہ نے مجھے بخش دیا اور عزت والوں میں کیا۔

عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر کوئی لشکر نہیں اتارااور نہ ہم اتارنے والے تھے ہی

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسْرَةً

وہ تو صرف ایک چنگھاڑ تھی سو وہ (اس سے) ناگہاں بجھ کر رہ گئے۔ بندوں پر افسوس ہے

عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾

کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آتا مگر اس سے تمسخر کرتے ہیں

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا اب وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے

وَإِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۳۲﴾

اور سب کے سب ہمارے روبرو حاضر کئے جائیں گے

وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿۳۳﴾

اور ایک نشانی ان کے لئے زمین مُردہ ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس میں سے اناج اگایا پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں

وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿۳۴﴾

اور اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے اور اس میں چشمے جاری کر دیئے

لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِي

تاکہ یہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو ان کو نہیں بنایا پھر یہ شکر کیوں نہیں کرتے؟ وہ اللہ پاک ہے

خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾

جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے

وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُّظْلِمُونَ ﴿۳۷﴾

اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۳۸﴾

اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب اور دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿۳۹﴾

اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَآ أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ

نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے

وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُونَ ﴿٤٠﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ

سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو

فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُونَ ﴿٤٢﴾

بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ان کے لئے ویسی ہی اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں

وَإِنْ نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ﴿٤٣﴾

اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ تو ان کا کوئی فریاد رس ہو اور نہ ان کو رہائی ملے

إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلٰى حِينٍ ﴿٤٤﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا

مگر یہ ہماری رحمت اور ایک مدت تک کے فائدے ہیں۔اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو

مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٥﴾

تمہارے آگے اور جو تمہارے پیچھے ہے اس سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٤٦﴾

اور ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ اٰمَنُوٓا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں

أَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ أَطْعَمَهٗٓ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٤٧﴾

کہ بھلا ہم ان لوگوں کو کھانا کھلائیں جن کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا تم تو صریح غلطی میں ہو

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا؟

مَا يَنْظُرُوْنَ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾

یہ تو ایک چنگھاڑ کے منتظر ہیں جو ان کو اس حال میں کہ باہم جھگڑ رہے ہوں گے آ پکڑے گی

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَا إِلٰى أَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾

پھر نہ تو وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں میں واپس جا سکیں گے

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا

اور (جس وقت) صُور پھونکا جائے گا یہ قبروں سے (نکل کر) اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ کہیں گے کہ ہائے

يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾

ہائے ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے (جگا) اٹھایا؟ یہ وہی تو ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

صرف ایک زور کی آواز کا ہونا ہو گا کہ سب کے سب ہمارے روبرو آ حاضر ہوں گے

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

اس روز کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو بدلا ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے

إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾

اہلِ جنت اس روز عیش و نشاط کے مشغلے میں ہوں گے

هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَّكِئُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہ بھی اور ان کی بیویاں بھی سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے

لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ﴿٥٨﴾

وہاں ان کے لئے میوے اور جو چاہیں گے (موجود ہوگا)۔ پروردگار مہربان کی طرف سے سلام (کہا جائے گا)۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ

اور گنہگارو! آج الگ ہو جاؤ۔ اے آدم کی اولاد!

أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾

ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے

وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا

اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا رستہ ہے۔اور اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا

أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾

تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے؟یہی وہ جہنم ہے جس کی تمہیں خبر دی جاتی تھی۔

اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ

(سو) جو تم کفر کرتے رہے ہو اس کے بدلے آج اس میں داخل ہو جاؤ۔ آج ہم ان کے مونھوں پر مہر لگا دیں گے

وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٥﴾

اور جو کچھ یہ کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر دیں گے اور ان کے پاؤں (اس کی) گواہی دیں گے

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ﴿٦٦﴾

اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا (کر اندھا کر) دیں پھر یہ رستے کو دوڑیں تو کہاں دیکھ سکیں گے

وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا

اور اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہ پر ان کی صورتیں بدل دیں پھر وہاں سے نہ آگے جا سکیں اور نہ (پیچھے) لوٹ سکیں

يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں تو کیا یہ سمجھتے نہیں

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾

اور ہم نے ان کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کو شایاں ہے یہ تو محض نصیحت اور صاف صاف قرآن (پراز حکمت) ہے

لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾

تاکہ اس شخص کو جو زندہ ہو ہدایت کا رستہ دکھائے اور کافروں پر بات پوری ہو جائے

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِيْنَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں ان میں سے ہم نے ان کے لئے چارپائے پیدا کر دیئے اور یہ ان کے مالک ہیں

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

اور ان کو ان کے قابو میں کر دیا تو کوئی ان میں سے ان کی سواری ہے اور کسی کو یہ کھاتے ہیں۔ اور ان میں ان کے لئے فائدے

وَمَشَارِبُ أَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ

اور پینے کی چیزیں ہیں تو یہ شکر کیوں نہیں کرتے؟ اور انہوں نے اللہ کے سوا (اور) معبود بنا لئے ہیں کہ

يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

ان کو مدد پہنچے (مگر) وہ ان کی مدد کی (ہرگز) طاقت نہیں رکھتے اور وہ ان کی فوج ہو کر حاضر کئے جائیں گے

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

تو ان کی باتیں تمہیں غمناک نہ کریں یہ جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ہمیں سب معلوم ہے

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿۷۷﴾

کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا پھر وہ یکایک جھگڑنے لگا

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۷۸﴾

اور ہمارے ہاں میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا کہنے لگا کہ ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۷۹﴾

کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿۸۰﴾

(وہی ہے) جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس (کی ٹہنیوں کو رگڑ کر ان) سے آگ نکالتے ہو۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم

بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے؟

بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿۸۱﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن

کیوں نہیں اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے

فَيَكُونُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾

کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔ وہ (ذات) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے

سورة صافات (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۳﴾

قسم ہے صف باندھنے والوں کی پرا جما کر۔[1] پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر۔ پھر ذکر (یعنی قرآن) پڑھنے والوں کی

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ

کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ جو آسمانوں اور زمین اور جو چیزیں ان میں ہیں سب کا مالک ہے اور سورج کے طلوع ہونے کے مقامات کا

الْمَشَارِقِ ﴿۵﴾ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ﴿۶﴾

بھی مالک ہے۔بیشک ہم ہی نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى

اور ہر شیطان سرکش سے اس کی حفاظت کی۔کہ اوپر کی مجلس کی طرف کان نہ لگا سکیں

---

[1] ''و الصافات ''،قسم ہے ان فرشتوں کی جو صفیں باندھ کر اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں۔

''فالزاجرات زجرا'' پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو شیاطین کو ملا اعلی کے قریب آنے سے روکنے والے ہیں.

''فالتالیات ذکرا'' پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ کے ذکر اور اس کی حمد وثنا اور تقدیس وتسبیح میں مصروف ہیں۔

''ان الھکم لواحد '' یہ جواب قسم ہے، تینوں انواع کے فرشتے جن کی قسم کھائی گئی ہے ان کے یہ احوال اس پر شاہد اور اس کی واضح دلیل ہیں کہ سب کا معبود اور کارساز ایک ہے جو آسمانوں اور زمین کا اور ساری مخلوق کا اور مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔فرشتوں کی مذکورہ احوال سے معلوم ہوا کہ ان کی حیثیت بارگاہ الٰہی میں خدام کی ہے اور وہ اللہ کے حکم سے مختلف فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔اس لئے وہ کارساز اور شفیع

غالب نہیں ہیں۔

'انا زینا السماء الدنیا'' یہ جنات کا حال ہے کہ جب وہ ملا اعلیٰ کی طرف چوری چھپے کے کوئی بات سننے جاتے ہیں تو ہر طرف سے آگ کے شعلے ان کا پیچھا کرتے اور انہیں واپس دھکیل دیتے ہیں اور شیاطین جن کے لئے دنیا کے اس عذاب کے علاوہ اخرت میں بھی عذاب لازم ہوگا۔تو ایسے راندہ بارگاہ الٰہی کسی طرح شفیع غالب نہیں ہو سکتے۔

اہل ہیئت کی تحقیق یہ ہے کہ سبع سیارات کے علاوہ باقی تمام ستارے (ثوابت) ساتوں اسمان سے اوپر آٹھویں اسمان (کرسی) میں نصب ہیں اگر چہ اس دعوے پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو ستاروں کا پہلے اسمان کے لئے زینت وارائش ہونا اپنی جگہ درست ہے۔ستارے خواہ کہیں ہوں لیکن دیکھنے میں تو پہلا اسمان ہی اراستہ نظر آتا ہے کیونکہ تمام اسمان شیشے کی مانند شفاف ہیں۔وعلی فرض صحته لایقدح فی الایة ،لانه یکفی لصحته کون السماء الدنیامزینة بالکواکب کونها کذالک فی رأی العین (روح).

''وحفظا '' یہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے ای وحفظناها حفظا(مظهری) ستاروں کو اسمان دنیا کے لئے زینت بھی بنایا اوران ستاروں کے ذریعے سے ہر سرکش شیطان سے اس کی حفاظت بھی کی۔

''لایسّمعون الی الملأ الاعلی'' تا کہ شیاطین ملا اعلی تک پہنچ کر فرشتوں کی باہمی گفتگو نہ سن سکے۔

''ویقذفون '' جب شیاطین اوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو انہیں بھگانے کے لئے ہر طرف سے ان پر شہاب ثاقب پھینکے جاتے ہیں دحورا ،یقذفون کا مفعول لہ ہے۔ الامن استرق السمع ،لایسّمعون سے استثناء ہے،اس التزام کی وجہ سے شیاطین فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے۔البتہ اگر کوئی شیطان چالاکی سے کوئی ادھوری سی بات اچک لے تو فوراً ایک شہاب ثاقب اس کا پیچھا کر کے اسے جلا دیتا ہے۔تمام ستارے جو بظاہر اسمان دنیا کی زینت ہیں بقول فلاسفہ اٹھویں اسمان میں مرکوز ہیں،تو پھر ان سے شیاطین کو بھگانے کا کام کس طرح لیا جا سکتا ہے؟ اول تو یہی مسلم نہیں کہ ستارے اٹھویں اسمان میں ہیں اور بصورت تسلیم ممکن ہے کہ ان ستاروں کی شعاعیں جب ہوا میں موجود خاص کیفیت کے حامل ذرات پر پڑیں تو اس سے شعلے پیدا ہو اور شیاطین کے ناری اجسام کی مخصوص خاصیت کے بنا پر ان کا پیچھا کریں اوران تک پہنچ کر ان کو جلا دیں۔

وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿٨﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿٩﴾

اور ہر طرف سے (ان پر انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔ (یعنی وہاں سے) نکال دینے کو اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ

ہاں جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) چوری سے جھپٹ لینا چاہے تو جلتا ہوا انگاران کے پیچھے لگتا ہے۔ تو ان سے پوچھو

أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿١١﴾

کہ ان کا بنانا مشکل ہے یا جتنی خلقت ہم نے بنائی ہے؟ انہیں ہم نے چپکتے گارے سے بنایا ہے

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿١٢﴾ وَإِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿١٣﴾

ہاں تو تم تعجب کرتے ہو اور یہ تمسخر کرتے ہیں۔ اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت قبول نہیں کرتے

وَإِذَا رَأَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿١٤﴾ وَقَالُوْا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾

اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے

أَءِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا أَءِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿١٦﴾

بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا پھر اٹھائے جائیں گے؟

أَوَاٰبَآؤُنَا الْأَوَّلُوْنَ ﴿١٧﴾ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿١٨﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ

اور کیا ہمارے باپ دادا بھی پہلے (ہو گزرے ہیں)؟۔ کہہ دو ہاں اور تم ذلیل ہو گے۔ وہ تو ایک زور کی آواز ہو گی

وَّاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿٢٠﴾

اور یہ اس وقت دیکھنے لگیں گے۔اور کہیں گے ہائے شامت یہی جزا کا دن ہے

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢١﴾ أُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

(کہا جائے گا کہ ہاں) فیصلے کا دن جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے یہی ہے۔ جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو

وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُونِ اللهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ

اوران کے ہم جنسوں کواور جن کو وہ پوجا کرتے تھے جمع کرلو۔ اللہ کے سوا (پوجا کرتے تھے) پھران کوجہنم کے رستے پر چلا دو

﴿٢٣﴾ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿٢٥﴾

اور ان کو ٹھہرائے رکھو کہ ان سے (کچھ) پوچھنا ہے۔ تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿٢٦﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٧﴾

بلکہ آج تو وہ فرمانبردار ہیں۔ اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال (وجواب) کریں گے

قَالُوا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ

کہیں گے کیا تمہی ہمارے پاس دائیں (اور بائیں) سے آتے تھے؟ وہ کہیں گے بلکہ تم ہی ایمان لانے والے نہ تھے

﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ﴿٣٠﴾

اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا بلکہ تم سرکش لوگ تھے

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿٣١﴾ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿٣٢﴾

سوہمارے بارے میں پروردگار کی بات پوری ہوگئی اب ہم مزے چکھیں گے۔ ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا ہم خود بھی گمراہ تھے۔

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا كَذَلِكَ نَفْعَلُ

پس وہ اس روز عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔ ہم گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں

بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ يَسْتَكْبِرُونَ

ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے

﴿٣٥﴾ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ ﴿٣٦﴾

اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں؟

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ إِنَّكُمْ لَذَآئِقُو الْعَذَابِ الْأَلِيْمِ ﴿۳۸﴾

بلکہ وہ حق لے کر آئے ہیں اور (پہلے) پیغمبروں کو سچا کہتے ہیں۔ بیشک تم تکلیف دینے والے عذاب کا مزا چکھنے والے ہو

وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا عِبَادَ اللهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور تم کو بدلا ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے۔ مگر جو اللہ کے بندگانِ خاص ہیں

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

یہی لوگ ہیں جن کے لئے روزی مقرر ہے۔(یعنی) میوے اور ان کا اعزازکیا جائے گا

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ

نعمت کے باغوں میں۔۔ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر (بیٹھے ہوں گے)۔شرابِ لطیف کے جام کا ان میں دَور

عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ

چل رہا ہو گا۔جو رنگ کی سفید اور پینے والوں کے لئے (سراسر) لذت ہو گی۔ نہ اس سے سردرد ہو

وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾

اور نہ وہ اس سے متوالے ہوں۔ اوران کے پاس عورتیں ہوں گی جو نگاہیں نیچی رکھتی ہوں گی اور آنکھیں بڑی بڑی۔

كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾

گویا وہ محفوظ انڈے ہیں۔ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال (وجواب) کریں گے

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَقُوْلُ أَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾

ایک کہنے والا ان میں سے کہے گا کہ میرا ایک ہمنشین تھا۔(جو) کہتا تھا کہ بھلا تم بھی ایسی باتوں کے باور کرنے والوں میں ہو؟

أَءِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا أَءِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾

بھلا جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم کو بدلا ملے گا؟ (پھر) کہے گا کہ بھلا تم (اسے) جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو

فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَآءِ الْجَحِيمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ إِنْ كِدتَّ لَتُرْدِينِ ﴿۵۶﴾

(اتنے میں) وہ (خود) جھانکے گا اور اس کو بیچ دوزخ میں دیکھے گا۔ کہے گا کہ اللہ کی قسم! تو تو مجھے ہلاک کر ہی چکا تھا

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿۵۷﴾ أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ ﴿۵۸﴾

اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں بھی ان میں ہوتا جو حاضر کئے گئے ہیں۔ کیا مرنے کے نہیں

إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿۵۹﴾ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۶۰﴾

ہاں (جو) پہلی بار مرنا (تھا سو مر چکے) اور ہمیں عذاب بھی نہیں ہو گا۔ بیشک یہ بڑی کامیابی ہے

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُونَ ﴿۶۱﴾ أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿۶۲﴾

ایسی ہی (نعمتوں) کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔ بھلا یہ مہمانی اچھی ہے یا تھوہر کا درخت

إِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِينَ ﴿۶۳﴾ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿۶۴﴾

ہم نے اس کو ظالموں کے لئے عذاب بنا رکھا ہے۔ وہ ایک درخت ہے کہ جہنم کے اصل میں اگے گا

طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيٰطِينِ ﴿۶۵﴾ فَإِنَّهُمْ لَاٰكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿۶۶﴾

اس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر۔ سو وہ اسی میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔

ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿۶۸﴾

پھر اس (کھانے) کے ساتھ ان کو گرم پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر ان کو دوزخ کی طرف لوٹایا جائے گا

إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰى آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿۷۰﴾

انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ ہی پایا۔ سو وہ انہی کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِم مُّنذِرِينَ ﴿۷۲﴾

اور ان سے پیشتر بہت سے لوگ بھی گمراہ ہو گئے تھے۔ اور ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٧٤﴾

سو دیکھ لو کہ جن کو دھمکایا کیا گیا تھا ان کا انجام کیسا ہوا۔ ہاں اللہ کے بندگانِ خاص (کا انجام بہت اچھا ہوا)

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾

اور ہم کو نوح نے پکارا سو ہم اچھے قبول کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾

اور ان کی اولاد کو ایسا کیا کہ وہ باقی رہ گئے۔ اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکرِ (جمیل باقی) چھوڑ دیا

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾

(یعنی) تمام جہان میں نوح پر سلام۔نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾

بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا

وَإِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَإِبْرَاهِيْمَ ﴿٨٣﴾ إِذْ جَآءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٤﴾

اور انہی کے پیروؤں میں ابراہیم تھے۔ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس (عیب سے) پاک دل لے کر آئے

إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٨٥﴾ أَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿٨٦﴾

جب انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ کیوں اللہ کے سوا جھوٹے معبودوں کے طالب ہو؟

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿٨٨﴾

بھلا پروردگارِ عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تب انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ

اورکہا میں تو بیمار ہوں۔[2] تب وہ ان سے پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے۔ پھر ابراہیم ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے کہنے لگے

---

[2] ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: لم یکذب ابراھیم الاثلاث کذبات، ثنتین منھن فی ذات اللہ تعالی، قولہ ﴿انی سقیم﴾ وقولہ ﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهُ ۖ كَبِيرُهُمْ﴾ الانبیاء: ٦٣، وقال بینماھو ذات یوم وسارة، اذاتی علی جبار من الجبابرة، فقیل لہ ان ھاھنا رجلا معہ امرأة من احسن الناس، فارسل الیہ، فسألہ عنھا: من ھذہ؟ قال اختی، فاتی سارة، فقال لھا، ان ھذا الجبار ان یعلم انکِ امرأتی یغلبنی علیکِ، فان سألکِ فاخبریہ انکِ اختی، فانک اختی فی الاسلام، لیس علی وجہ الارض مومن غیری وغیرکِ، فارسل الیھا فاتی بھا، وقام ابراھیم یصلی، فلما دخلت علیہ ذھب یتناولھا بیدہ، فَأُخِذَ، ویروی فغُطّ حتی رکض برجلیہ، فقال ادعی اللہ لی ولا اضرکِ، فدعت اللہ فاطلق، ثم تناولھا الثانیة فاخذ مثلھا او اشد، فقال ادعی اللہ لی ولا اضرکِ، فدعت اللہ فاطلق فدعا بعض حجبتہ، فقال انک لم تأتنی بانسان، انما اتیتنی بشیطان! فاخدمھا ھاجر فاتتہ وھو قائم یصلی، فاومابیدہ مھیم؟ قالت رد اللہ کید الکافر فی نحرہ، واخدم ھاجر. قال ابو ھریرةؓ تلک امکم یابنی ماء السماء. بخاری: ٣٣٥٨ مسلم: ١٥٤/٢٣٧١.

یہ جملہ ”ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا علاوہ تین جھوٹ کے“ کے بارے میں یہ ذہن نشین رہے کہ تمام انبیاء معصوم ہیں، ان سے کوئی بھی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، خواہ وہ جھوٹ ہو، یا اور کوئی معصیت، پس حدیث کے مذکورہ جملہ کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں جھوٹ جیسے گناہ کا تین بار ارتکاب کیا، بلکہ ان کی طرف جھوٹ بولنے کی نسبت خود ان کی ذات کے اعتبار سے نہیں، سننے والوں کے اعتبار سے ہے، مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی وہ تینوں باتیں بظاہر تو جھوٹ کی صورت میں تھیں، مگر حقیقت میں جھوٹ نہیں تھیں، نہ تو اس اعتبار سے کہ وہ باتیں ”جھوٹی باتوں“ کے زمرہ میں آتی ہیں اور نہ اس اعتبار سے کہ ابراہیم علیہ السلام میں ان باتوں کے ذریعہ غلط بیانی اور دروغ گوئی کا قصد وارادہ کیا تھا۔

اس بات کو اگر اور زیادہ خوبصورت انداز میں کہنا ہو، تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس مقام پر کذب سے مراد یہ ہے کہ ایسا کلام جو صحیح اور پاک مقصد کے لئے بولا گیا ہو، لیکن مخاطب اس کا وہ مطلب نہ سمجھے جو متکلم کی مراد ہے، بلکہ ان الفاظ کو اپنی

ذہنی مراد کے مطابق سمجھے، یہ انداز کلام معاریض یا تعریض (اشارے کنایے کہ پیرایہ ئے بیان)۔کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے، اور فصحاء اور بلغاء کے ہاں اکثر رائج ہے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ: **ان فی المعاریض مندوحة عن الکذب**(شعب الایمان رقم: ۴۷۹۴)۔

اسی ضمن میں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہاں حدیث میں ابراہیم علیہ السلام سے متعلق اس طرح کی صرف تین باتوں کا ذکر ہے، چوتھی بات کا ذکر نہیں ہے، جو انہوں نے کواکب کو دیکھ کر کہی تھی کہ:"**ھذا ربی**"(سورۃ الانعام:۷۸) یہ میرا رب ہے، اور اس کے ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات ایام طفولیت میں کہی تھی، اس وقت چونکہ وہ کسی بھی امر کے مکلّف نہیں تھے۔اس لئے چوتھی بات کا کوئی اعتبار نہیں یا یہ بطور استفہام تھا، وغیرہ۔

ان میں سے ایک تو ان کا یہ کہنا تھا کہ (میں آج کچھ علیل سا ہوں) اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر اور اپنی قوم کے لوگوں کو ہر طرح سے بت پرستی کی خرابیوں کو ظاہر کر کے اس سے باز رکھنے کی سعی کر لی، اور ہر قسم کے پند و نصائح کے ذریعہ ان کو یہ باور کرانے میں پوری طاقت صرف کر لی کہ یہ بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔اور آزر اور قوم کے دلوں پر کسی بھی پند و نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوا، تو انہوں نے یہ تدبیر سوجھی کہ اب مجھ کو ارشاد و ہدایت کا ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس سے ان لوگوں کو یہ مشاہدہ ہو جائے کہ ہم لکڑیوں اور پتھروں کی جن مورتیوں اور بتوں کو پوجتے ہیں وہ ہمارے لئے کسی بھی طرح کارگر اور فائدہ مند نہیں ہیں۔اور نہ ان کی ذات سے ہمیں کوئی رنج و نقصان پہنچ سکتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ قوم کا ایک اہم مذہبی میلہ لگنے والا تھا، اور سب لوگ اس میں شرکت کے لئے چلنے لگے، تو کچھ لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام سے اصرار کیا کہ وہ بھی سیر کے لئے میلہ چلیں، ابراہیم علیہ السلام تو اسطرح کے موقع کے انتظار میں تھے، کہ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں تو ان کے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہناؤں، چنانچہ انہوں نے پہلے تو ان لوگوں کے ساتھ جانے سے صاف انکار کیا مگر جب ان کا اصرار بہت بڑا تو اس وقت انہوں نے کہا"**انی سقیم**" (آج میں کچھ علیل سا ہوں)۔

ان کی یہ بات بظاہر خلاف الواقع اور جھوٹ معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ اس وقت واقعتاً علیل نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ نہ جانے کے لئے علالت کا بہانہ کیا تھا اس کی تاویل علماء یہ کرتے ہیں کہ "**انی سقیم**" کہنے سے ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ ہر انسان کی طرح میرے ساتھ بھی بیماری آزاری لگی رہتی ہے، اور وقتاً فوقتاً بیمار ہو جایا کرتا ہوں، پس انہوں نے ایسی مبہم بات کہی، کہ اس کے ظاہری اسلوب سے تو یہ مفہوم ہوا کہ میں اس وقت بیمار ہوں تمھارے ساتھ کیسے جا سکتا ہوں، لیکن حقیقت

میں ان کی مراد اس کے برعکس تھی۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص انداز سے مذکورہ بات کہہ کر ان کا دھیان ستاروں کی طرف متوجہ کر دیا تھا، چنانچہ قوم کے لوگ اپنے عقیدہ کے لحاظ سے یہ سمجھے کہ ابراہیم علیہ السلام کسی نحس ستارے کے اثر بد میں مبتلا ہیں اور انہوں نے علم نجوم کے ذریعہ معلوم کر لیا ہے کہ وہ عنقریب بیمار ہونے والے ہیں۔

اس تاویل کا قرینہ قرآن کریم کی اس آیت کا سیاق ہے، جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس جملہ ''انی سقیم'' سے اپنی جسمانی علالت مراد نہیں لی تھی بلکہ (قلب کی ناسازی) مراد لی تھی کہ تمہارے کفر وطغیان نے مجھے دکھی کر دیا ہے، اور میرے دل کی حالت سقیم ہے، ایسے میں تمہارے ساتھ، میرے جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

دوسرا کہنا یہ تھا کہ '' بلکہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہے'' ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کا تعلق بھی مذکورہ بالا پہلے واقعہ ہی سے ہے، ہوا یہ کہ جب ان کی قوم کے تمام لوگ اس میلے میں چلے گئے اور بستی خالی ہوگئی تو وہ اٹھے اور سب سے بڑے بت کے ہیکل میں پہنچے، دیکھا تو وہاں بتوں کے سامنے طرح طرح کے حلووں، پھلوں، میوؤں، اور مٹھائیوں کے چڑھاوے رکھے ہوئے تھے، ابراہیم علیہ السلام طنزیہ لہجے میں چپکے چپکے ان مورتیوں کو خطاب کر کے کہا کہ سب کچھ موجود ہے ان کو کھاتے کیوں نہیں؟ اور پھر کہنے لگے کہ میں تم سے مخاطب ہوں، کیا بات ہے کہ تم جواب نہیں دیتے؟ اور اس کے بعد انہوں نے سب مورتیوں کو توڑ ڈالا۔

اور سب سے بڑے بت کے کاندھے پر کلہاڑا رکھ کر واپس چلے گئے، قوم کے لوگ میلے سے واپس آئے تو انہوں نے مندر میں اپنے دیوتاؤں بتوں کو اس خراب حالت میں پایا اور سخت برہمی کے ساتھ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کس کی حرکت ہے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہو نہ ہو یہ ابراہیم علیہ السلام کا کام ہے، وہی شخص ہے جو ہمارے دیوتاؤں کی برائی کہتا ہے اور اس بستی میں اس کے علاوہ کوئی موجود بھی نہیں تھا، چنانچہ بڑے بڑے پجاریوں، سرداروں کے سامنے ان کی طلبی ہوئی، اور مجمع عام میں ان سے پوچھا گیا کہ ابراہیم تم نے ہمارے ان دیوتاؤں کے ساتھ یہ کیا حرکت کی ہے؟ اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات کہی کہ '' **بل فعله كبيرهم** ''بلکہ یہ کام ان سب کے بڑے بت نے کیا ہے۔

پس ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب بھی گویا خلاف واقع تھا، لیکن حقیقت میں ان کے اس جواب کو جھوٹ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان کی اصل غرض اپنی گمراہ قوم کو متنبہ کرنا اور اس طرح لاجواب کر دینا تھا، کہ ان کے غلط عقائد کی قلعی کھل

جائے، چنانچہ اپنی حریف کواس کی غلطی پر متنبہ کرنے اوراس کوراہ راست پر لانے کے لئے ایک بہترین طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگراس کے ساتھ مناظرہ اور تبادلہ خیالات کا موقع آجائے تواس کے مسلمات میں سے کسی مسلمہ عقیدہ کو صحیح فرض کر کے اس طرح اس کا استعمال کرے کہ اس کا ثمرہ اور نتیجہ حریف کے خلاف اور اپنے موافق ظاہر ہو۔اور ابراہیم علیہ السلام نے مذکورہ واقعہ میں اسی طریقہ کواختیار کیا۔

ان کی قوم (الله) واحد کے علاوہ بیشمار دیوتاؤں اور بتوں کو پوجتی تھی ،ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ یہ دیوتا اور بت سب کچھ سنتے اور دیکھتے ہیں،اور ہماری مرادوں کو پورا کرتے ہیں،اور اپنے اپنے ماننے والوں اور اپنے پجاریوں سے خوش ہوتے ہیں، اور اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے سخت انتقام لیتے ہیں۔ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کی اس خام خیالی اور بدعقیدگی کوعملا ان پر ظاہر کرنے کے لئے ان کے بتوں اور مورتیوں کوتوڑ ڈالا ،اور بڑے بت کو چھوڑ دیا، پھر جب پوچھ گچھ کی نوبت آئی توانہوں نے مناظرہ کا وہی بہترین طریقہ اختیار کیا جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی قوم پر یہ بات پوری طرح عیاں ہوگئی کہ جو بت اپنے کوشکست وریخت سے نہ بچا سکے،اور اپنے کسی دشمن کی توڑ پھوڑ کا مقابلہ نہ کر سکے،وہ کسی دوسرے کو کیا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں،اور عبادت وپرستش کے قابل کیسے ہو سکتے ہیں؟ بعض لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ جواب کی ایک اور تاویل کی ہے،وہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا" **بل فعله كبيرهم** " تو" **كبيرهم** " سے ان کی مراد اللہ تعالی کی ذات تھی، گویا اس جملہ کا مطلب یہ تھا کہ ان بتوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے،وہ اس ذات یعنی اللہ تعالی کی طرف سے ہوا ہے، جو سب سے بڑا ہے اور جس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔

اب تیسرے جھوٹ کو لیجئے ،ابراہیم علیہ السلام نے سارہؓ کے بارے میں کہا کہ "یہ میری بہن ہے" یہ بات بظاہر خلاف حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اپنی بہن بتایا،لیکن اگر اس بات کو ابراہیم علیہ السلام کی اصل مراد کے سیاق میں دیکھا جائے توان کا یہ کہنا کہ "یہ میری بہن ہے" خلاف حقیقت نہیں ہوگا، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام اور سارہؓ ہم مذہب دین اسلام کے پیرو ہونے کی حیثیت سے دینی بھائی بہن تھے۔جیسا کہ خود قرآن نے فرمایا ہے" **انما المؤمنون اخوة** " **(الحجرات: ۱۰)** تمام اہل ایمان ایک دوسرے کے ساتھ اخوت کا تعلق رکھتے ہیں،اور ظاہر ہے کہ بیوی کا رشتہ قائم ہو جانے سے دینی اخوت کا رشتہ منقطع نہیں ہو جاتا۔جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے خود فرمایا۔

علاوہ ازیں سارہؓ ابراہیم علیہ السلام کے چچا "حاران" کی بیٹی تھیں،اور اس اعتبار سے ان کو بہن کہنا ایسی بات ہرگز نہیں ہے جس پر حقیقی جھوٹ کا اطلاق ہو سکے۔ابراہیم علیہ السلام کا سارہ سے یہ کہنا کہ "اس سرزمین میں سوائے میرے اور

تمہارے کوئی دوسرا مؤمن نہیں ہے۔" سورت حال کا صحیح بیان تھا کیونکہ اس وقت وہاں کوئی اور ابراہیم علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا تھا، اور اس شہر میں ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص مومن و مسلمان نہیں تھا، لہٰذا اس موقع پر یہ اشکال پیدا نہیں ہوسکتا کہ ابراہیم علیہ السلام نے سرزمین پر صرف دو مومنوں کے موجود ہونے کی بات کیسے کہی؟ ایک تیسرے مومن لوطؑ بھی تو تھے، جیسا کہ قرآن کریم کی شہادت ہے۔

"فامن له لوط" (عنکبوت: ۲۶) پس ایمان لائے لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام (کے دین) پر، ہاں، یہ اشکال اس صورت میں تو پیدا ہوسکتا تھا، جب ابراہیم علیہ السلام کے اس جملہ کی مراد یہ ہوئی کہ پوری دنیا میں ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور مومن نہیں ہے، یا یہ کہ اس وقت ان دونوں کے ساتھ لوط علیہ السلام بھی اس شہر میں ہوتے، شیخ عبدالحق نے (شرح مشکواۃ) مذکورہ جملہ کی تشریح میں یہ لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس موقع پر اسلام کے رشتہ اخوت کو صرف اپنی اور سارہؓ کی ذات تک جو محدود رکھا تو شاید اس کی بنیاد دین اسلام کی وہ نسبت تھیں جو ان کو اصالتاً حاصل تھی، اور ان کے تعلق کا وہ خاص شرف تھا، جو سارہؓ کو حاصل تھا، شیخؒ نے اس جملے کے تحت ایک اور اشکال اور اس کا جواب نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس جابر حاکم کے سامنے واضح طور پر یہی کیوں نہ کہا کہ "یہ عورت میری بیوی ہے"۔ ابراہیم علیہ السلام جو مقصد سارہؓ کو بہن سے تعبیر کر کے حاصل کرنا چاہتے تھے، وہی مقصد وہ بیوی بتا کر بھی حاصل کرسکتے تھے، کیونکہ پہلے زمانوں کے بدقماش لوگوں کا بھی ایک اصول تھا، وہ کسی شخص سے اسی کی بیوی کو کم ہی چھینتے تھے؟ دوسرے یہ کہ وہ جابر حاکم اگر اتنا ہی ظالم اور بوالہواس تھا، تو اس کو اس بات سے کیا سروکار ہوسکتا تھا کہ کوئی عورت کسی کی بہن ہے یا بیوی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جابر حاکم کی ایک خاص عادت تھی کہ وہ کسی شخص سے اس کی بہن کو نہیں چھینتا تھا لیکن شوہر سے اس کی بیوی کو ضرور لے لیتا تھا۔

علاوہ ازیں وہ حاکم مذہب کے اعتبار سے آتش پرست تھا، اور آتش پرستوں میں بہن اور بھائی کے رشتہ کی ایک خصوصی اہمیت تھی، یہاں تک کہ بڑے سے بڑا ابوالہوس آتش پرست بھی کسی کی بہن پر بری نظر نہیں ڈال سکتا تھا، اور اپنے اس مذہبی اصول کا احترام کرتا تھا، کہ جو عورت اپنے بھائی کی تولیت اور کفالت میں ہے، یا جس عورت کو کسی شخص نے اپنی بہن بتا دیا ہے، وہ ہر طرح سے محفوظ و مامون ہے، اور اس کا بھائی ہی اس کے بارے میں تمام ترحق و اختیار رکھتا تھا، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے چاہا کہ اسی کے دین کا سہارہ لے، اور سارہؓ کو اس ظالم کے چنگل سے بچانے کے لئے ایسی بات کہیں جو بالکل ہی خلاف واقع بھی نہ ہو اور وہ ظالم بھی اپنے برے ارادے سے باز آجائے۔=

أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ﴿٩٢﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٩٣﴾

کہ تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوا ہے تم بولتے نہیں؟ پھر ان کو داہنے ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کیا۔

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ﴿٩٤﴾ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿٩٥﴾

تو وہ لوگ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے۔ انہوں نے کہا کہ تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو؟

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ

حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اس کے لئے ایک عمارت بناؤ پھر اس کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دو

﴿٩٧﴾ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿٩٨﴾ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ

تو انہوں نے ان کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی اور ہم نے انہی کو زیر کر دیا۔ اور ابراہیم بولے کہ میں اپنے پروردگار کی

رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٩٩﴾ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠٠﴾

طرف جانے والا ہوں وہ مجھے رستہ دکھائے گا۔ اے پروردگار! مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادتمندوں میں سے

= یہ اور بات ہے کہ اس ظالم پر شیطان کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس نے نہ تو اپنے دین کے اصول کا احترام کیا اور نہ اپنی قماش کے لوگوں کی روایت وعادت کا لحاظ رکھا۔ بلکہ سارہؓ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے درپے ہوا ۔ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے یعنی وہ سارہؓ کو اس حاکم کی طرف روانہ کر کے خود نماز پڑھنے اور دربار رب العزت میں عرض ومناجات کے لئے کھڑے ہو گئے تا کہ اپنے پروردگار سے التجاء کریں، کہ اس کی قدرت کاملہ سارہؓ کی عزت کو محفوظ رکھے، اور انہیں اس سخت ترین پریشانی سے نجات دے، چنانچہ اللہ کے مقرب بندوں کی یہی عادت ہے، کہ جب انہیں کوئی سخت پریشانی لاحق ہوتی ہے اور وہ رنج ومصیبت میں گھر جاتے ہیں، تو نماز پڑھنے لگتے ہیں ،اور ان کا یہ عمل قرآن کریم کی اس آیت کے بموجب ہوتا ہے ''یاایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ'' (سورة البقرة: ۴۵).

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيْٓ أَرٰى

تو ہم نے ان کو ایک نرم دل کے لڑکے کی خوشخبری دی۔ جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا

فِي الْمَنَامِ أَنِّيْٓ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ

میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جو آپ کو حکم

سَتَجِدُنِيْٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾

ہوا ہے وہی کیجئے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پایئے گا۔ جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا

وَنَادَيْنٰهُ أَنْ يّٰٓإِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي

تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم! ۔ تم نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾

دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہہ یہ صریح آزمائش تھی۔ اورہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى إِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾

اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا (ذکرِ خیر باقی) چھوڑ دیا۔ کہ ابراہیم پر سلام ہو۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔[3] وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے

---

[3] ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کے ایک فرزند صالح کیلئے دعا کا ذکر ہے، اور پھر اس دعا کے بعد جو لڑکا پیدا ہوا، اللہ تعالی کیلئے اس کو قربانی کے لئے پیش کرنے کا ذکر ہے، اہل اسلام کے نزدیک وہ لڑکا جو اللہ کے نام پر ذبح ہوا، وہ اسماعیل علیہ السلام ہیں، اہل کتاب یہود و نصاری یہ کہتے ہیں کہ وہ اسحاق علیہ السلام تھے، اہل کتاب نے اہل اسلام پر حسد کی بناء پر اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیا، کہ یہ فضیلت اسماعیل علیہ السلام کے لئے ثابت نہ ہو لیکن ایات قرانیہ اور احادیث صحیحہ

سے یہی ثابت ہے کہ ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ اسحاق علیہ السلام، اور یہی جمہور اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اور یہی صحیح قول ہے، کہ ذبح کا تمام واقعہ اسماعیل علیہ السلام سے متعلق ہے کیونکہ یہ واقعہ ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد کا ہے جو مکہ میں پیش آیا نہ کہ ملک شام میں۔

اور بعض علماء اہل السنّت سے جو یہ منقول ہے کہ ذبیح اللہ اسحاق علیہ السلام تھے سو ان کا یہ قول صحیح نہیں ان کا یہ قول علماء اہل کتاب سے ماخوذ ہے یا توریت سے ماخوذ ہے، اور موجودہ توریت اول تو وہ توریت نہیں کہ جو موسٰی علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، صفحہ ہستی پر اس توریت کا کہی نام نشان نہیں، دوم یہ کہ جو توریت موسٰی علیہ السلام سے منسوب ہے وہ درحقیقت ان مضامین کا مجموعہ ہے جو بعد میں تصنیف ہوئے اور وہ بھی تحریف سے خالی نہیں بلکہ تغیر و تبدل سے مملوء ہے،

ا ابراہیم علیہ السلام جب ہجرت کر کے ارض مقدسہ میں آئے، تو زمانہ تنہائی میں انس اور محبت کے لئے ایک فرزند صالح کی دعا مانگی اور عرض کیا "رب ھب لی من الصالحین" اے اللہ مجھ کو ایک نیک فرزند عطا فرما، جو تیرے نیک بندوں میں سے ہو، اور تیری طاعت میں اور دین کی خدمت میں میری مدد کریں اور سفر و حضر میں میری لئے باعث انس ہو، اور میرے بعد میرا جانشین ہو۔ اللہ تعالی نے ان کی دعا قبول کی، اور غلام حلیم کی ان کو بشارت دی "فبشرناہ بغلام حلیم" چنانچہ اس دعا اور بشارت کے بعد ہاجرہ کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، پیدائش کے کچھ دنوں بعد ابراہیم علیہ السلام بحکم الٰہی اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ کو وادی غیر ذی زرع فاران کے جنگل اور بیابان میں یعنی مکہ کی سرزمین میں چھوڑ آئے، اور اس بارہ میں اہل اسلام اور اہل کتاب کا کوئی اختلاف نہیں، کہ اسماعیل ابراہیم علیہ السلام کے پہلے فرزند اور اکلوتے بیٹے ہیں، اور اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال کی تھی، اور اسحاق علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے، ابراہیم علیہ السلام کا اصل قیام ملک شام میں اپنی بی بی سارہ کے ساتھ تھا، اور اس وقت سارہ کے کوئی اولاد نہ تھی، مگر ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کی خبر گیری کے لئے ابراہیم علیہ السلام شام سے بکثرت مکہ معظّمہ آتے رہتے تھے، ان کو دیکھ کر واپس ہو جاتے، صبح کو آتے اور شام کو واپس ہو جاتے، دیکھو البدایہ والنہایہ ۱۵۹/۱۔

کچھ عرصہ بعد اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے چلنے پھرنے لگے تو اس وقت اللہ تعالی نے بذریعہ خواب ابراہیم علیہ السلام کو یہ اشارہ فرمایا کہ اپنے اس فرزند وحید اور اکلوتے بیٹے کو ہمارے نام پر ذبح کرو جس سے مقصود ابراہیم علیہ السلام کی محبت کا امتحان تھا، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام دل و جان سے اس حکم کی تعمیل کے لئے امادہ ہو گئے اور یہ تمام واقعہ اسحاق علیہ السلام کی ولادت سے بہت پہلے کا ہے، معلوم ہوا کہ فبشرناہ بغلام حلیم سے اسماعیل کی ولادت کی بشارت

مراد ہے،اور ذبیح اللہ بھی غلام حلیم ہے، اور'' فدیناه بذبح'' سے اسی غلام حلیم کے ذبح کا فدیہ مراد ہے۔

۲ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں غلام حلیم کی بشارت اوران کے ذبح اوران کے فدیہ کے بعد اسحاق کی بشارت کا ذکر فرمایا اور''وبشرناه باسحق ''فرمایا اور یہ دوسری بشارت ہے جو پہلی بشارت کے عرصہ بعد دی گئی،اوراس بشارت کو بحرف عطف ذکر سے جس کا پہلی بشارت ''فبشرناه بغلام حلیم'' پرعطف ہے معلوم ہوا کہ یہ بشارت اور یہ قصہ پہلی بشارت اورقصہ سے مختلف ہے،اورمغایر ہے، اس لئے کہ عطف مغایرت پردلالت کرتا ہے،پہلی خوشخبری اسماعیل علیہ السلام کے متعلق تھی،اوردوسری خوشخبری اسحٰق علیہ السلام کے متعلق ہے،جوواقعہ ذبح کی بعد دی گئی،ابراہیم علیہ السلام جب پہلے لڑکے کے ذبح پرحسب حکم الٰہی مستعد ہوگئے اور امتحان میں پورے اترے تواللہ تعالیٰ نے فدیہ بھیج کران کو بچالیا،اورکمال عنایت والطاف سے بعد چندے ایک اورفرزند کی بشارت دی،یعنی اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی،اورفرمایاو بشرناه باسحق،ان ایات میں دو بشارتوں کا ذکر ہے ایک فرزند کی بشارت تو ابراہیم علیہ السلام سوال اور التجاء کے بعد ہوئی اوردوسرے فرزند کی بشارت بدون سوال اورالتجاء کے ہوئی،اورمختلف وقتوں میں ہوئی،اول اللہ تعالیٰ نے بڑے بیٹے اوراکلوتے بیٹے کی بشارت کا ذکرکیا،اورپھران کے چھوٹے بھائی اسحٰق علیہ السلام کی بشارت کا ذکرکیا،اوراس دوسری بشارت کا پہلی بشارت پرعطف کیا،معلوم ہوا کہ یہ دوسری بشارت پہلی بشارت سے مغایراورمختلف ہے،اوراسماعیل علیہ السلام،اسحاق علیہ السلام سے تقریباً چودہ سال بڑے تھے۔

۳ پھردونوں فرزندوں کی بشارت کے بعدحق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں ''وباركناعليه وعلى اسحاق'' اور برکت نازل کی ہم نے اس پراوراسحٰق پر،عموماً مفسرین نے عليه کی ضمیرابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے،اورعلی ہذا اس کے بعدوالی آیت ''ومن ذريتهما محسن وظالم لنفسه مبين''،ضمیرتثنیہ بھی ابراہیم علیہ السلام اوراسحٰق کی طرف راجع کی ہے مگرسیاق وسباق کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ باركناعليه کی ضمیراسماعیل علیہ السلام کی طرف راجع کی جائے،جن کے ذبح کا مفصل قصہ قریب میں ذکرہوچکا ہے،اوراب عليه پراور وعلى اسحق کا عطف نہایت مناسب ہے اس لئے کہ عليه کی ضمیر پہلے اوربڑے بیٹے کی طرف راجع ہے اور باركنا عليه میں اول پہلے بیٹے پر برکت کے نزول کا ذکر ہے، اورو على اسحق کا عليه پرعطف ہے،جس میں دوسرے بیٹے پر برکت کے نزول کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے بیٹے کی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے پربھی برکت نازل کی اور على هذا ''ومن ذريتهما محسن وظالم'' کی ضمیرتثنیہ عام طورپرمفسرین نے ابراہیم علیہ السلام اوراسحٰق کی طرف راجع کی ہے،مگرشاہ

عبدالقادر نے اسماعیل اور اسحاق کی طرف راجع کی ہے، عرض یہ کہ "وبارکنا علیه وعلی اسحاق میں علیه کی ضمیر کا اسماعیل کی طرف راجع ہونا اور پھر وعلی اسحاق کا اس پر عطف ہونا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ ذبیح اسحٰق نہیں بلکہ اسماعیل ہیں، عطف مغایرت کو چاہتا ہے، ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے اور ایک بیٹے کو دوسرے بیٹے کے مغایر کہا جاسکتا ہے مگر بیٹے کو باپ کے مغایر نہیں کہا جاسکتا۔

۴۔ نیز حق تعالی نے جب اسحٰق کی ولادت کی بشارت دی تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا "ونبیا" وہ نبی بھی ہونگے، معلوم ہوا کہ اسحٰقؑ ذبیح نہیں تھے اس لئے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی بتلا دیا گیا کہ اسحٰق نبی بھی ہوں گے تو ایسی صورت میں امتحان میں ان کے ذبح کا حکم دینا بے معنی ہے، پھر اسی بشارت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے " ومن وراء اسحاق یعقوب" کہ اسحاق کا بیٹا بھی ہوگا جس کا نام یعقوب ہوگا معلوم ہوا کہ اسحاق اتنی عمر کو پہنچیں گے کہ ان کے بیٹا بھی ہوگا تو ایسی حالت میں اگر ذبح کا حکم ہوتا تو نہ نبوت ملتی اور نہ نکاح ہوتا، اور نہ بیٹا ہوتا، نیز اسحاق علیہ السلام کی بشارت کو "وبشرناہ باسحق" سے مستقلا ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قصہ مستقل ہے جس کا پہلے قصہ سے تعلق نہیں۔ مستدرک: ۴۰۹۳، عن محمد بن کعب القرظی۔

۵ نیز جس ولد کے ذبح کا حکم دیا گیا وہ اس کے بلوغ سے پہلے دیا گیا، اس لئے کہ نص قرآنی میں یہ قید مذکور ہے:" فلما بلغ معه السعی" کہ جب وہ لڑکا چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تب اس کے ذبح کا حکم ایا اور یہ حالت بلوغ سے بہت پہلے ہوتی ہے اور اسحٰق کی بشارت میں " ونبیا من الصالحین" کے علاوہ " ومن وراء اسحق یعقوب" بھی فرمایا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسحٰق بلوغ کو پہنچیں گے اور صاحب اولاد ہوں گے اگر ان کے ذبح کا حکم ہوتا تو ان کی موت یقینی ہوتی اور عقلا یہ بات غیر معقول ہے کہ اولاد عطا کئے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیئے جائیں، نیز نبوت عموما چالیس سال کی عمر میں ملتی ہے۔ ابن کثیر۔

٦ نیز اہل اسلام اور اہل کتاب کے اتفاق سے اور توریت سفر پیدائش باب ۲۲۔۱،۲۔ سے صراحتا یہ بات ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا توریت کے قدیم نسخوں میں وحید اور بکر کا لفظ موجود ہے اور باتفاق یہود ونصاری اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ اسحٰق علیہ السلام۔ اس لئے کہ اسحٰق علیہ السلام واقعہ ذبح کے بعد پیدا ہوئے ہیں وہ اکلوتے بیٹے نہ تھے، امتحان کے لئے اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا، اسماعیل کی موجودگی میں اسحٰق کیسے اکلوتے بیٹے ہوسکتے ہیں، جو اسماعیلؑ کے بعد پیدا ہوئے اور توریت کے بعض نسخوں میں جو وحید اور اکلوتے بیٹے کے

بعد لفظ اسحٰقؑ کا بڑھا دیا ہے وہ یہود کی دیدہ ودانستہ تحریف ہے، اکلوتا بیٹا وہ ہے کہ جس کی موجودگی میں کوئی دوسرا بیٹا نہ ہو، اور یہ بات صرف اسماعیل پر صادق آتی ہے کہ ان کی موجودگی میں ان کے سوا اور کوئی بیٹا نہ تھا۔

۷ اس کے علاوہ یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا، اور اس کے اثار اور یادگاروں کا مکہ اور منیٰ میں ہونا اور مدتوں تک فدیہ کے مینڈھے کے سینگوں کا خانہ کعبہ میں معلق رہنا یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام واقعہ مکہ میں پیش آیا، نہ کہ ملک شام میں، شعبی کہتے ہیں کہ میں نے فدیہ کے دنبہ کے دونوں سینگوں کو خانہ کعبے کے اندر دیکھا ہے، اور اسماعیل علیہ السلام بچپن سے مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور اسحٰق علیہ السلام ملک شام کے شہر کنعان میں رہتے تھے، اور کنعان نہ مقام حج ہے اور نہ قربان گاہ ہے، بخلاف منیٰ کے کہ وہ قربان گاہ ہے اور مکہ مقام حج ہے، اور بطور یادگار ابراہیمی واسماعیلی حج اور قربانی، اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمرات کی سنت آج تک بنی اسماعیل میں جاری ہے، اور حج اور قربانی ملت اسلام کا ایک عظیم شعار ہے، جو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے اب تک مکہ اور منیٰ میں چلی آرہی ہے، ابن کثیر۔

۸۔ اصمعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعمر بن العلا سے پوچھا کہ دو بیٹوں میں سے ذبیح کون تھا؟ تو مجھ سے کہا اے اصمعی! تیری عقل کہاں جاتی رہی، کہ تجھ کو پوچھنے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ مکہ میں اسحٰق کہاں تھے بلکہ وہاں تو اسماعیل تھے اور ذبح اور قربانی کا مقام بھی مکہ کی سرزمین میں ہے، اور اسماعیل ہی نے اپنے باپ کو خانہ کعبہ کی تعمیر میں مدد دی تھی۔ (قرطبی)۔

۹ اور معاویہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ''یابن الذبیحین'' اے دو ذبیح کے فرزند اپ کو اللہ نے جو عطا کیا ہے اس میں سے مجھ کو بھی کچھ عطا کیجئے نبی ﷺ یہ سنکر مسکرائے اور ہنسے، معاویہؓ نے جب یہ روایت اپنی مجلس میں بیان کی تو حاضرین میں سے کسی نے کہا اے امیر المومنین وہ دو ذبیح کون ہیں؟ تو فرمایا ایک ذبیح تو اسماعیل علیہ السلام نبی ﷺ کے جد امجد ہیں، اور دوسرا ذبیح اپکے والد ماجد عبداللہ ہیں جس کا قصہ یہ ہے کہ: عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کے کھودنے کا حکم دیا تو اللہ سے یہ نذر کی کہ اگر اللہ نے یہ کام اسان کر دیا تو ایک بیٹے کو اللہ کے نام پر ذبح کروں گا، عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے قرعہ اندازی میں ذبح کا قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلا، خاندان اور دیگر احباب نے بیٹے کے ذبح سے ان کو روکا اور یہ مشورہ دیا کہ فدیہ میں سو اونٹ قربان کر ڈالو، عبدالمطلب نے اس کو منظور کیا اور عبداللہ کی طرف سے فدیہ میں سو اونٹ دیئے، اس طرح سے عبداللہ صاحب حکماً ذبیح اللہ ہو گئے، اس لئے حاضر ہونے والے شخص نے نبی ﷺ کو **یاابن الذبیحین** سے خطاب کیا، اے دو ذبیح کے بیٹے پہلے ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام ہے، جو نبی ﷺ کے جد امجد ہے اور دوسرے ذبیح اللہ آپ ﷺ کے والد ماجد=

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰى

اور ہم نے ان کو اسحٰق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکوکاروں میں سے (ہوں گے)۔ اور ہم نے ان پر اور

اِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾

اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکوکار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے بھی ہیں

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کئے۔ اور ان کو اور ان کی قوم کو مصیبتِ عظیمہ

= عبداللہ تھے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک: ۴۰۹۰۔ تفسیر طبری۔

۱۰ خلیفۃ المسلمین عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے جب محمد بن کعب قرظیؒ نے یہ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی دی کہ ذبح کا ذکر کرنے کے بعد قرآن میں خلیل اللہ کو اسحٰق کے پیدا ہونے کی بشارت کا ذکر ہے اور ساتھ ہی بیان ہے کہ ان کے ہاں بھی لڑکا پیدا ہوگا، یعقوب نامی جب ان کی اور ان کے ہاں لڑکا ہونے کی بشارت دی گئی تھی، پھر باوجود ان کے ہاں لڑکا نہ ہونے کے اس سے پیشتر ہی ان کے ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا؟ تو عمرؒ نے فرمایا یہ بہت صاف دلیل ہے میرا ذہن یہاں نہیں پہنچا تھا گو یہ میں بھی جانتا تھا کہ ذبیح اللہ اسماعیل ہی ہیں، پھر شاہ اسلام نے شام کے ایک یہودی عالم سے پوچھا جو مسلمان ہوگئے تھے کہ تم اس بارے میں کیا علم رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! سچ تو یہ ہے کہ جن کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا وہ اسماعیل علیہ السلام تھے، لیکن چونکہ عرب ان کی اولاد میں سے ہیں تو یہ بزرگی ان کی طرف لوٹتی ہے اس حسد کے مارے یہودیوں نے اسے بدل دیا، اور اسحٰق کا نام لے دیا، حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، ہمارا ایمان ہے کہ اسماعیل اور اسحٰقؑ دونوں ہی طاہر اور طیب اور اللہ کے سچے فرمانبردار تھے۔ ابن کثیر۔ اور جن روایات میں یہ بیان ہے کہ ذبیح اللہ اسحاق ہے تو یہ روایات مستدرک رقم ۴۱۰۰، اور بزار: ۴/۱۳۴۔ وغیرہ نے کعب احبار سے نقل کئے ہیں، ابن کثیر ان روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ کعب الاحبار خلافت فاروقی میں مسلمان ہوئے تھے، اور کبھی کبھی عمرؓ کو قدیمی کتابوں کی باتیں سناتے تھے، لوگوں نے اسے رخصت سمجھ کر پھر ان سے ہر ایک بات بیان کرنی شروع کردی، اور صحیح وغلط کی تمیز اٹھ گئی۔

الْعَظِيمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغٰلِبِينَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا

سے نجات بخشی۔ اور ان کی مدد کی تو وہ غالب ہو گئے۔اور ان دونوں کو

الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِينَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱۱۸﴾

کتاب واضح عنایت کی ۔ اور ان کو سیدھا رستہ دکھایا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِينَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى مُوسٰى وَهٰرُونَ ﴿۱۲۰﴾

اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکرِ چھوڑ دیا۔کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام

إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲۱﴾ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۲﴾

بیشک ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۲۳﴾ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۲۴﴾

اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے ۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟

أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَّتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخٰلِقِينَ ﴿۱۲۵﴾

کیا تم بعل کو پکارتے (اور اسے پوجتے) ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو؟

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَآئِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۲۷﴾

اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا سو وہ (دوزخ میں) حاضر کئے جائیں گے

إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِينَ ﴿۱۲۹﴾

ہاں اللہ کے بندگانِ خاص (مبتلائے عذاب نہیں) ہوں گے۔اور ان کا ذکرِ (خیر) پچھلوں میں (باقی) چھوڑ دیا۔

سَلٰمٌ عَلٰى إِلْ يَاسِينَ ﴿۱۳۰﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۱﴾

کہ الیاسین پر سلام۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ وَإِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٣﴾

بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ اور لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے۔

إِذْ نَجَّيْنٰهُ وَأَهْلَهٗٓ أَجْمَعِيْنَ ﴿١٣٤﴾ إِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٣٥﴾

جب ہم نے ان کواوران کے گھر والوں سب کو (عذاب سے) نجات دی۔ مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿١٣٧﴾

پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کردیا۔ اور تم دن کو بھی ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو

وَبِاللَّيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ وَإِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٩﴾ إِذْ أَبَقَ

اور رات کو بھی، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ اور یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب بھاگ کر

إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿١٤١﴾

بھری ہوئی کشتی میں پہنچے۔ اس وقت قرعہ ڈالا تو انہوں نے زک اٹھائی۔

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَآ أَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾

پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ اپنے اپ کوملامت کرنے لگ گئے۔ پھر اگر وہ (اللہ کی) پاکی بیان نہ کرتے۔

لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿١٤٥﴾

تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اسی کے پیٹ میں رہتے۔ پھر ہم نے ان کو جب کہ وہ بیمار تھے فراخ میدان میں ڈال دی

وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿١٤٦﴾ وَأَرْسَلْنٰهُ إِلٰى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿١٤٧﴾

اور ان پر کدو کا درخت اگایا۔ اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف بھیجا۔

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ إِلٰى حِيْنٍ ﴿١٤٨﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنٰتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ

تو وہ ایمان لے آئے سو ہم بھی ان کو ایک وقت تک فائدے دیتے رہے۔ ان سے پوچھو تو کہ بھلا تمہارے پروردگار کے لئے تو بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے

۱۴۹ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۱۵۰ أَلَا إِنَّهُمْ مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ

یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ (اس وقت) موجود تھے؟ دیکھو یہ اپنی جھوٹ بنائی ہوئی (بات) کہتے ہیں۔

۱۵۱ وَلَدَ اللّٰهُ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۱۵۲ أَصْطَفَى الْبَنٰتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۱۵۳

کہ اللہ کی اولاد ہے کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔کیا اس نے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۱۵۴ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۱۵۵

تم کیسے لوگ ہو کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو؟ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟

أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۱۵۶ فَأْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۱۵۷

یا تمہارے پاس کوئی صریح دلیل ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ط وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۱۵۸

اورانہوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ مقرر کیا حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ (اللہ کے سامنے) حاضر کئے جائیں گے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۱۵۹ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۱۶۰

یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے۔مگر اللہ کے بندگانِ خاص (مبتلائے عذاب نہیں ہوں گے)۔

فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۱۶۱ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۱۶۲

سوتم اور جن کو تم پوجتے ہو۔اللہ کے خلاف بہکا نہیں سکتے

إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ۱۶۳ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۱۶۴

مگر اس کو جو جہنم میں جانے والا ہے۔ اور (فرشتے کہتے ہیں کہ) ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے۔

وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۱۶۵ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۱۶۶

اور ہم صف باندھے رہتے ہیں۔ اور (اللہ اعلیٰ و برتر) کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ أَنَّ عِندَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٦٨﴾

اور یہ لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ اگر ہمارے پاس اگلوں کی کوئی نصیحت (کی کتاب) ہوتی۔

لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿١٧٠﴾

تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے۔لیکن (اب) اس سے کفر کرتے ہیں سوعنقریب ان کو (اس کا نتیجہ) معلوم ہوجائے گا۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ﴿١٧٢﴾

اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے۔ کہ وہی (مظفر و) منصور ہیں۔

وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٤﴾

اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔ تو ایک وقت تک ان سے اعراض کئے رہو

وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٥﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٧٦﴾

اور انہیں دیکھتے رہو یہ بھی عنقریب (کفر کا انجام) دیکھ لیں گے۔کیا یہ ہمارے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں؟

فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنذَرِينَ ﴿١٧٧﴾

مگر جب وہ ان کے میدان میں اترے گا تو جن کو ڈر سنا دیا گیا تھا ان کے لئے بُرا دن ہو گا۔

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٨﴾ وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٩﴾

اور ایک وقت تک ان سے منہ پھیرے رہو۔ اور دیکھتے رہو یہ بھی عنقریب (نتیجہ) دیکھ لیں گے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٨٠﴾

یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحبِ عزت ہے اس سے پاک ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿١٨١﴾ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٨٢﴾

اور پیغمبروں پر سلام۔اور سب طرح کی تعریف اللہ رب العالمین کو (سزاوار) ہے۔

سورة صٓ (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ﴿١﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿٢﴾

صٓ قسم ہے اس قرآن کی جو نصیحت دینے والا ہے۔ (کہ تم حق پر ہو) مگر جو لوگ کافر ہیں وہ غرور اور مخالفت میں ہیں۔

كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِم مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ﴿٣﴾

ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا تو وہ (عذاب کے وقت) لگے فریاد کرنے اور وہ رہائی کا وقت نہیں تھا

وَعَجِبُوْٓا أَنْ جَآءَهُم مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ

اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ہدایت کرنے والا آیا اور کافر کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر ہے جھوٹا

﴿٤﴾ أَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾

کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا لیا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے

وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ

تو ان میں جو معزز تھے وہ چل کھڑے ہوئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو بیشک یہ ایسی بات ہے جس سے مقصود ہے

﴿٦﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ إِنْ هٰذَآ إِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿٧﴾

یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے

ءَأُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿٨﴾

کیا ہم سب میں سے اسی پر نصیحت اتری ہے؟ بلکہ وہ میری نصیحت کی کتاب سے شک میں ہیں بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا

أَمْ عِندَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ﴿۹﴾ أَمْ لَهُمْ

کیا ان کے پاس تمہارے پروردگار کی رحمت کے خزانے ہیں؟ جو غالب اور بہت عطا کرنے والا ہے۔ یا آ

مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿۱۰﴾

سمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان پر انہی کی حکومت ہے؟ تو چاہیئے کہ رسیاں تان کر (آسمانوں پر) چڑھ جائیں۔

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿۱۱﴾

یہاں شکست کھائے ہوئے گروہوں میں سے یہ بھی ایک لشکر ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿۱۲﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میخوں والا فرعون (اور اس کی قوم کے لوگ) بھی جھٹلا چکے ہیں

وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿۱۳﴾

اور ثمود اور لوط کی قوم اور بَن کے رہنے والے بھی یہی وہ گروہ ہیں

إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾

(ان) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آ واقع ہوا۔

وَمَا يَنظُرُ هٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾

اور یہ لوگ تو صرف ایک زور کی آواز کا جس میں (شروع ہوئے پیچھے) کچھ وقفہ نہیں ہو گا انتظار کرتے ہیں

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے ہی دیدے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْأَيْدِ ۚ إِنَّهٗ أَوَّابٌ ﴿١٧﴾

یہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو صاحبِ قوت تھے بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے[1]

---

[1] یہ داؤد علیہ السلام کی صفت ہے ''ایـــد'' بمعنی قوت وطاقت، داؤد علیہ السلام اللہ کی عبادت میں نہایت مضبوط اور چاک وچوبند رہتے تھے۔ ہر رات نصف شب اللہ کی عبادت میں گذارتے اور ہر دوسرے دن روزہ رکھتے تھے۔ یہ ان کی ساری زندگی کا معمول تھا.

''اواب ''اللہ کی طرف بہت زیادہ رجوع رکھنے والا، اوراس کی عبادت وطاعت میں لگا رہنے والا (روح المعانی).

''انـا سـخـرنـا '' پہاڑوں کوہم نے اپنے حکم سے اس کے مطیع بنادیا کہ جب وہ صبح وشام اللہ کی تسبیح وتقدیس میں مصروف ہوتے تو پہاڑ بھی زبان قال سے ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح وتقدیس میں شامل ہوجاتے۔ پہاڑوں کی تسبیح زبان قال سے مراد ہے نہ کہ زبان حال سے، کیونکہ تسبیح حالی ان دووقتوں سے مخصوص نہیں وتسبیـحهن تقديس بلسان قال لائق بهن (روح المعانی) وان ذلک تسبيح مقال على الصحيح من الاقوال(قرطبی)۔

''و الطير'' یہ الجبال پرمعطوف ہے یہ ایت قرینہ ہے کہ سورۂ سبا میں الطیر سے پہلے سخرنا مقدر ہے۔ مـحشورة ، الطير ، سے حال ہے، جب داؤد علیہ السلام تسبیح وتقدیس میں مصروف ہوتے تو پہاڑوں کی شمولیت کے علاوہ پرندے بھی ان کے گرد جمع ہوجاتے، اوراللہ تبارک وتعالی کی تسبیح کرتے۔ای مـجتـمـعة اليـه من كل جانب تسبح معه (مظهری)۔

''كل له اواب'' داؤد علیہ السلام کی تسبیح کی وجہ سے سب اللہ تعالی کی تسبیح کرتے:اللام تعليلية و الضمير لداودای كل واحدمن الجبال والطير لاجل تسبيحه رجاع الى التسبيح (روح المعانی)۔

''وشـددنا '' ہم نے اس کے ملک کوذاتی ہیبت ووجاہت، غیبی مددونصرت، کثرت عساکر اورگوناگوں نعمتوں کی پراوانی سے مضبوط ومستحکم کردیا۔اوراس کونبوت اورکمال علم وعمل سے سرفراز فرمایا اوراسے فیصلہ کن انداز گفتگو کا ملکہ عطا فرمایا (خازن۔روح)۔

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾

ہم نے پہاڑوں کو ان کے زیرِ فرمان کر دیا تھا کہ صبح و شام ان کے ساتھ اللہ کا ذکر (پاک) کرتے تھے۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ

اور پرندوں کو بھی جمع رکھتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے۔ اور ہم نے ان کی بادشاہی کو مستحکم کیا اور ان کو حکمت عطا کی

وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾ وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ

اور بات کا فیصلہ کرنا۔ بھلا تمہارے پاس ان جھگڑنے والوں کی بھی خبر آئی ہے؟ جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے

﴿٢١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ

جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے

بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ

کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہم میں انصاف کا فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے گا

وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً

اور ہم کو سیدھا رستہ دکھا دیجئے۔ (کیفیت یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اس کے (ہاں) ننانوے دُنبیاں ہیں

وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ ۚ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ﴿٢٣﴾

اور میرے پاس ایک دُنبی ہے یہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور گفتگو میں مجھ پر زبردستی کرتا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ

انہوں نے کہا کہ یہ جو تیری دُنبی مانگتا ہے کہ اپنی دُنبیوں میں ملا لے بیشک تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے

لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

پر زیادتی ہی کیا کرتے ہیں ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ

اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد نے خیال کیا کہ ہم نے ان کو آزمایا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جھک کر گر پڑے اور رجوع کیا

﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

تو ہم نے ان کو بخش دیا اور بیشک ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹکتے ہیں

اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾

ان کے لئے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔[2]

---

[2] "وهـل اتاك" "تسوروا" دیوار پھاند کر داخل ہوئے۔ ولا تشطط حق سے تجاوز نہ کرنا "نعجة" .
ولد الضان، دنبے کا بچہ، اکفلنیها، وہ مجھے دیدے عزنی مجھ پر غالب آگیا، یہاں سے لیکر وقليل ماهم تک ایک واقعے کا ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن عبادت خانے میں محوِ عبادت تھے اور عبادت خانے کے دروازے اندر سے بند تھے۔ کہ اچانک دو آدمی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوئے داؤد علیہ السلام ان کے بلا اجازت اور پھر اس انداز سے داخل ہونے سے گھبرا گئے۔ کہ شاید قتل کے ارادے سے آئے ہیں۔ آنے والوں نے کہا: گھبراؤ نہیں، ہم ایک جھگڑے کا فیصلہ لینے آئے ہیں، آپ صحیح فیصلہ صادر فرما کر ہماری راہنمائی فرمائیں۔

بات یہ ہے کہ یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہے، اور یہ میرا بھائی وہ ایک دنبی بھی مجھ سے زبردستی لینا چاہتا ہے، اور گفتگو میں مجھ پر غالب آچکا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے ایک فریق کی بات سن کر فرمایا: بے شک اس شخص نے تم پر ظلم کیا ہے، اور لوگوں کا دستور ہی یہ ہے کہ اکثر لوگ اپنے ساتھیوں پر ظلم

وزیادتی کرتے ہی رہتے ہیں، البتہ مومنین صالحین ایسا نہیں کرتے۔لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔اس کے بعدارشاد ہے۔
"وظن داود" داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ یہ تو میرا امتحان تھا،لیکن مجھ سے لغزش ہوگئی اس لئے فوراً سجدے میں گر پڑے،اوراللہ سے معافی مانگی۔اس واقعہ میں چونکہ دیوار پھاندنے والوں اورداؤد علیہ السلام کی لغزش کا بالتعیین ذکر نہیں اس لئے ان دونوں کی تعین میں مفسرین کے درمیان خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، اس سلسلے میں دشمنان اسلام یہودیوں نے بھی اپنی خودساختہ خرافات کو مسلمانوں میں رائج کرنے کی کوشش کی ہے،بعض مفسرین نے یہودیوں کی ان خرافات کو اپنی تفسیروں میں بلانکیر ذکر کر دیا ہے۔

لیکن اکثر محقق مفسرین نے اس اسرائیلی قصے کو بالکلیہ رد کر دیا ہے۔اس اسرائیلی جھوٹے قصے کی رو سے داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔اورایک دن اپنے ایک امتی کی بیوی پر اتفاقاً نظر پڑ گئی۔اوراس کے حسن وجمال کی بناء پر وہ اسے چاہنے لگے چنانچہ اس کے خاوند کو جہاد میں بھیج کر مروا دیا اوراس کی بیوی سے شادی کر لی۔اوراللہ تعالی نے فرشتے بھیج کر انہیں اس پر متنبہ فرمایا، یہ قصہ سراسر جھوٹا اورداؤد علیہ السلام پر افتراء اوران کی شان بلند کے قطعاً منافی ہے یہ حرکت تو ایک کامل مومن سے بھی سرزد نہیں ہوسکتی۔چہ جائیکہ ایک جلیل القدر پیغمبر اس کا ارتکاب کرے چونکہ یہ واقعہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے اس لئے تمام محققین نے اسے باطل ومردود قرار دیا ہے۔

علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جو شخص داؤد علیہ السلام کے بارے میں یہ واقعہ بیان کرے گا میں اس کو ایک سوساٹھ درے ماروں گا، جو انبیاء علیہم السلام پر بہتان باندھنے کی سزا ہے۔قال علیؓ من حدثکم بحدیث داود علیه السلام علی مایرویه القصاص جلدته مائة وستین جلدة وهوحد الفریة علی الانبیاء (مدارک،خازن،بیضاوی،روح ،قرطبی،جامع البیان،) ۔علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:قدذکر المفسرون ههنا قصة اکثرهاماخوذة من الاسرائیلیات ولم یثبت فیهاعن المعصوم حدیث یجب اتباعه (ابن کثیر).

قاضی عیاض فرماتے ہیں،لایجوز ان یلتفت الی ماسطره الاخباریون من اهل الکتاب الذین بدلوا وغیروا، ونقله بعض المفسرین،ولم ینص الله تعالی علی شیء من ذٰلک، ولاوردفی حدیث صحیح و الذی نص علیه الله فی قصة داود،وظن داود،انمافتناه، ولیس فی قصة داود اوریا خبر ثابت (خازن).

علامہ معین الدین بن صفی رقمطراز ہیں:ومایذکره القصاص لیس له اصل یعتمدعلیه(جامع البیان)امام بیضاوی تحریر فرماتے ہیں وماقیل انه ارسل اوریا الی الجهادمراداًوامران یقدم حتی قتل

فتزوجها،هزاء وافتراء (بیضاوی)۔

ابوحیان فرماتے ہیں:ویعلم قطعاان انبیاء علیهم السلام معصومون من الخطایالایمکن وقوعهم فی شیء منهاضرورة اذلوجوزناعلیهم شیئامن ذلک بطلت الشرائع ،ولم نثق بشیء مما یذکرون انه اوحی اللہبه الیهم.فماحکی اللہتعالی فی کتابه یمرعلی مااراده اللہتعالی وماحکی القصاص ممافیه غض من منصب النبوةطرحناه (بحر)۔

اب سوال یہ ہے کہ اصل لغزش کیاتھی؟ تواس کا جواب یہ ہے کہ اصل لغزش جوبھی ہووہ ترک اولی کے قبیل سے ہوسکتی ہے۔ازقبیل گناہ نہیں ہوسکتی۔کیونکہ باجماع اہل السنۃ انبیاءعلیہم السلام ہرقسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں البتہ اپنے منصب جلیل کے پیش نظر وہ ترک اولی کوبھی اپنے حق میں گناہ سمجھتے ہوئے اللہ تعالی سے اس طرح الحاح وتضرع سے اس کی معافی مانگتے ہیں جس طرح ہمیں کبیرہ گناہوں پرمعافی مانگنی چاہئے ولابدمن القول بانه لم یکن منه علیه السلام الاترک ماهوالاولی بعلی شانه والاستغفارمنه وهولایخل بالعصمة (روح) ۔اصل لغزش کی تعین میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں،بعض کے نزدیک لغزش یہ تھی کہ ان کے پڑوس میں ایک عورت عریاں نہارہی تھی ،وہ کھڑکی کی طرف بڑھے تواچانک بلاقصدوارادہ ان کی نگاہ اس پر پڑگئی،لیکن انہوں نےفورانگاہ پھیرلی۔(قرطبی)۔یہ فعل اگرچہ گناہ نہیں لیکن یہاں یہ مرادنہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں دنبیوں کے ذکرکاکوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔بعض نے کہاہے کہ داودوعلیہ السلام نے ایک مسلمان سے کہاتھاکہ تم اپنی بیوی کومیری خاطر طلاق دیدو، اورایساکرنا انکے یہاں جائزاورمروج تھا،لیکن داؤدعلیہ السلام کی شان رفیع کےخلاف تھااس لئے تنبیہ کی گئی اوربعض نے کہاکہ داؤدعلیہ السلام نے ایک مسلمان کی خطبہ پرخطبہ کیاتھاوغیرہ(روح)۔

لیکن سب سے زیادہ موزوں اورمناسب توجیہہ وہ ہے جوبعض مفسرین نےلکھی ہے۔اورشیخ حسین علی نے جسے ترجیح دی ہےاس توجیہہ میں نہ اسرائیلیات کا سہارہ لینے کی ضروت ہے نہ ظواہرنظم کوظاہر سے پھیرنے کی حاجت،اورلغزش بھی خودسیاق نظم ہی سے متعین ہورہی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ دیوار پھاندکراندھرداخل ہونے والے انسان نہیں تھے بلکہ فرشتے تھےجنہیں اللہ تعالی نے داؤدعلیہ السلام کےامتحان کے لئےبھیجاتھا۔روی ان اللہبعث الیه ملکین فی صورة انسانین فطلباان یدخلاعلیه فوجداه فی یوم عبادته فمنعهماالحرس فتسوراالمحراب (مدارک) ۔اورپھرانہوں نے جوصورت قضیہ داؤدعلیہ السلام کےسامنےپیش کی وہ نفس الامرمیں واقع نہیں تھی بلکہ ایک

مفروضہ صورت تھی گویا وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ اگر ہمارے درمیان یہ صورت پیش آجائے تو اس کا کیا حکم ہے۔جس طرح اہل نحو فاعل ومفعول کی تمثیل میں کہتے ہیں۔ضرب زیدعمرا حالانکہ فی الواقع وہاں ضرب نہیں ہوتی۔قال الحسن ابن الفضل ھذا من الملکین تعریض وتنبیہ کقولھم ضرب زیدعمرا،وماکان ضرب ولانعاج علی التحقیق ،کانہ قال نحن خصمٰن ھذہ حالنا.قال ابوجعفر النحاس واحسن ماقیل فی ھذاان المعنی یقول خصمٰن بغی بعضناعلی بعض علی جھة المسئلة کماتقول رجل یقول لامرأتہ کذامایجب علیہ(قرطبی)۔اس کے بعد داؤد علیہ السلام نے مدعی علیہ کو صفائی کا موقعہ دئے بغیر ہی اپنا فیصلہ صادر فرمایا یہی لغزش تھی: قال النحاس فیقال ان ھذہ کانت خطیئة داود علیہ السلام لانہ قال لقدظلمک ،من غیر تثبت بینة ولا اقرارمن الخصم (قرطبی).وقیل ان ذنب داودا لذی استغفرمنہ لیس ھوبسبب اوریا و المرأة وانماھوبسبب الخصمین وکونہ قضی لاحدھماقبل سماع کلام الاخر(خازن)۔

داؤد علیہ السلام نے پہلے تو یہی سمجھے تھے کہ فریقین انسان ہیں۔اورقضیہ واقعیہ کے بارے میں فیصلہ لینے آئے ہیں لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ فیصلہ سننے کے بعد دونوں سائل ایک دوسرے کیطرف دیکھ کر مسکرائے اور پھرانکے سامنے ہی آسمان کی طرف چڑھ گئے تو سمجھے کہ یہ تواللہ کیطرف سے ابتلا تھاجس میں مجھ سے لغزش سرزد ہوگئی اس لئے فوراسربسجود ہوگئے اوراللہ تعالی سے معافی مانگی۔وقیل لماقضی بینھمانظراحدھماالی صاحبہ فضحک ثم صعد الی السماء حیال وجھہ فعلم بذالک ان اللہ تعالی ابتلاہ(روح المعانی)۔

’’فغفرنا ‘‘ ہم نے ان کی لغزش معاف کردی،وہ ہمارے نہایت ہی مقرب اور برگزیدہ بندے ہیں اورآخرت میں ہمارے یہاں ان کا انجام بہت عمدہ اوران کا مقام بہت بلند ہے۔

یاداود ‘‘ داؤد علیہ السلام کو دنیا میں جوشان ومنزلت عطا کی گئی اس کا ذکر ہے اورساتھ ہی ہدایت بھی ہیں،ہم نے آپ کو زمین میں حکومت عطا کی اورآپ کو لوگوں کے معاملات کا متولی بنایا ہے۔اس لئے لوگوں کے باہمی تنازعات کا تصفیہ پوری چھان بین اور تحقیق سے کیا کریں اورعدل وانصاف کو اپنا شعار بنائیں۔محاکمات میں اوردیگر تمام امور میں خواہش نفس دخل انداز نہ ہونے پائے ورنہ وہ راہ حق اورجادہ عدل سے منحرف کردے گی جولوگ خواہش نفس کے تابع ہوکرراہ حق سے بھٹک جائیں گے ان کے لئے سخت ترین عذاب ہے کیونکہ انہوں نے قیامت کے دن کو بھلادیا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کائنات میں ہیں اس کو خالی از مصلحت نہیں پیدا کیا یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

سو کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

کیا ان کو ہم ان کی طرح کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟

كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْآ اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

(یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہلِ عقل نصیحت پکڑیں

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهٗ أَوَّابٌ ﴿۳۰﴾

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والے تھے

إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾

جب ان کے سامنے شام کو خاصے کے گھوڑے پیش کئے گئے

فَقَالَ إِنِّيْٓ أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ

تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہوکر) مال کی محبت اختیار کی یہاں تک کہ پردے میں چھپ گیا

﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا

(بولے کہ) ان کو میرے پاس واپس لے آؤ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔اور ہم نے سلیمان

سُلَيْمٰنَ وَأَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ

کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔(اور) دعا کی کہ اے

اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

پروردگار! مجھے مغفرت کر اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ

پھر ہم نے تابع کر دیا اس کے ہوا کو، چلتی تھی اس کے حکم سے نرم نرم جہاں پہنچنا چاہتا، اور دیووں کو بھی

كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾

وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور اَوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

یہ ہماری بخشش ہے (چاہو) تو احسان کرو (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۰﴾ وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ

اور بیشک ان کے لئے ہمارے ہاں قُرب اور عمدہ مقام ہے۔[3] اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو

---

[3] یہ بھی نقلی دلیل ہے سلیمان علیہ السلام بڑے پائے کے پیغمبر اور بادشاہ تھے ان پر بھی اللہ کی طرف سے ابتلاء آ گیا اخر انہوں نے اللہ تعالی سے استغفار کیا اور توبہ کی، وہ تو خود اللہ کے سامنے ایسے عاجز تھے، اس لئے وہ شفیع غالب نہیں ہو سکتے۔

''اذعرض'' ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام کو جہاد کی ضرورت پیش آئی تو پچھلے پھر کے وقت اصطبل سے گھوڑے پیش کرنے کا حکم دیا جن کی تعداد کم وبیش ایک ہزار تھی چنانچہ گھوڑے ان کے سامنے پیش کئے گئے چونکہ وہ گھوڑوں کے اوصاف سے بخوبی واقف تھے جب انہوں نے دیکھا کہ تمام گھوڑے عمدہ نسل کے اصیل اور سبک رفتار ہیں تو بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے۔ یہ مال (گھوڑوں کی محبت) بھی یاد الٰہی کی وجہ سے ہے یہ دنیوی محبت نہیں، اسی دوران میں گھوڑے آنکھوں سے اوجھل ہو چکے تھے، اس لئے دوبارہ حکم دیا کہ ان کو دوبارہ واپس لاؤ جب وہ واپس لائے گئے تو ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر پیار سے تھپکی دینے لگے۔ (ابن جریر، کبیر، خازن)۔

"الصافنات" صافن کی جمع ہے صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو ایک پاؤں کو اوپر اٹھا کر اس کے کھر پر کھڑا ہو، یہ گھوڑوں کی عمدہ صفات میں شمار ہوتی ہے۔ الجیاد جواد کی جمع ہے جواد تیز اور سبک رفتار کو کہتے ہیں۔

اورالخیر سے مال مراد ہے ،عن ذکر ربی، عن بمعنی من ہے عن ذکر ربی میں عن بمعنی من ہے (صحیح البخاری) ۔توارت کی ضمیر الصافنات الجیاد کیطرف راجع ہے، ایت کا مذکورہ بالا مفہوم امام ابن جریر طبری، امام رازی، خطیب شربینی اور خازن نے ذکر کیا ہے اور یہ مفہوم حبر الامت عبداللہ بن عباسؓ سے بسند متصل امام طبری نے روایت کیا ہے، رازی اور طبری نے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے۔ امام رازی نے اس کو امام زہری اور ابن کیسان کی طرف بھی منسوب کیا ہے، والذی ذھبنا الیہ قول الزھری و ابن کیسان (السراج المنیر) لیکن علیؓ اور دیگر مفسرین کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ گھوڑوں کی دیکھ پڑتال میں سلیمان علیہ السلام کی نماز عصر جاتی رہی جو ان پر فرض تھی۔ نماز عصر قضا ہونے سے کا سبب گھوڑے تھے اس لئے گھوڑوں کو واپس منگا کر ذبح کر دیا (بحر، روح المعانی۔ معالم، مدارک ابن جریر، ابن کثیر) اس صورت میں توارت کی ضمیر "الشمس" (سورج) کی طرف راجع ہوگی جو "العشی" سے مفہوم ہے اور "عن" اپنے اصل معنی پر ہی ہوگا۔

اور تفصیل یہ لکھتے ہیں: کہ نماز عصر کے قضا ہو جانے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالی سے یہ درخواست کی کہ سورج کو دوبارہ لوٹا دیا جائے، چنانچہ سورج لوٹا دیا گیا، اور آپ نے اپنا معمول پورا کر لیا، اس کے بعد دوبارہ سورج غروب ہوا، یہ علماء " ردوھا" کی ضمیر سورج کی طرف راجع مانتے ہیں۔

لیکن محقق مفسرین مثلاً آلوسیؒ وغیرہ نے اس قصے کی تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ " ردوھا" کی ضمیر گھوڑوں کی طرف راجع ہے نہ کہ سورج کی طرف، اس لئے نہیں کہ (معاذ اللہ) سورج کو دوبارہ لوٹا دینا اللہ تعالی کی قدرت میں نہیں، بلکہ اس لئے کہ یہ قصہ قرآن و حدیث کی کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ (روح المعانی)۔

اس طرح کے کئی ایک قصے اور بھی مشہور ہیں مثلاً کہ علیؓ کی نماز عصر فوت ہوگئی تو نبی ﷺ نے سورج کو واپس لوٹایا، اس روایت کی تفصیل یہ ہے کہ فضیل بن مرزوق نے ابراھیم حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب عن امہ فاطمة بنت الحسین عن اسماء بنت عمیسؓ کی سند سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی آرہی تھی اور آپ کا سر مبارک سیدنا علیؓ کی گود میں تھا، پس انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی! کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں کہا نہیں! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللھم انہ کان فی طاعتک و طاعة

رسولک فاردد علیه الشمس. اے اللہ! وہ تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا، لہٰذا اس کے لئے سورج کو واپس بھیج دے۔ اسماءؓ نے کہا پس میں نے اسے (سورج کو) دیکھا غروب ہوا، پھر دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہوا۔ (مشکل الاثار:۳/۹۲، معجم طبرانی:۲۴/۱۴۷، الموضوعات لابن الجوزی:۱/۳۵۵، الاباطیل والمناکیر:۱/۱۵۸)۔

اس روایت کی سند ضعیف ہے، ابراہیم حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کی صریح توثیق زمانہ تدوین حدیث میں سوائے حافظ ابن حبان کے کسی نے بھی نہیں کی، اور مجہول ومستور کی توثیق میں ابن حبان متساہل تھے۔ لہٰذا براہیم حسن بن حسن مذکور مجہول الحال ہیں، اور حافظ ذہبی نے انہیں ضعیف راویوں میں ذکر کیا ہے (الضعفاء والمتروکین:۱/۴۶)۔

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا فضیل بن مرزوق کا ابراہیم بن حسن سے سماع معلوم نہیں، ابراہیم کا اپنی ماں فاطمہ سے اور فاطمہ کا اسماء بنت عمیسؓ سے سماع معلوم نہیں ہے۔ منہاج السنۃ:۴/۱۹۰۔

محمد بن موسیٰ الفطری المدنی نے عون بن محمد عن امه ام جعفر عن اسماء بنت عمیسؓ کی سند سے نقل کیا کہ نبی ﷺ نے صہباء (ایک مقام) میں ظہر کی نماز پڑھی، پھر علیؓ کو کسی ضرورت کے لئے بھیجا پھر وہ آئے تو نبی ﷺ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ پھر نبی ﷺ نے اپنا سر مبارک علیؓ کی گود میں رکھا تو انہوں سورج کے غروب ہونے تک کوئی حرکت نہیں کی، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: اللهم ان عبدک علیا احتبس بنفسه علی نبیک فردّ علیه شرقها۔ اے اللہ تیرے بندے علیؓ نے اپنے آپ کو تیرے نبی کے لئے روکے رکھا، لہٰذا اس کے لئے سورج کو لوٹا دے۔

اسماءؓ نے کہا پھر سورج طلوع ہوگیا حتی کہ پہاڑوں اور زمین پر دھوپ چھا گئی، پھر علیؓ کھڑے ہوئے تو وضوء کیا اور عصر کی نماز پڑھی پھر سورج غروب ہوگیا۔ یہ واقعہ غزوہ خیبر کے موقع پر صہباء مقام میں ہوا۔ (مشکل الاثار:۳/۹۴، معجم طبرانی:۲۴/۱۴۵، ح:۳۸۲)۔

اس روایت کی سند ضعیف ہے، عون بن محمد اور ام جعفر (ام عون بنت محمد) دونوں کی توثیق نامعلوم ہے یعنی دونوں مجہول الحال تھے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے کہا عون اور اسکی ماں (ام جعفر) کی عدالت اور حفظ معلوم نہیں ہے۔ (منہاج السنہ:۴/۱۸۹)۔ ام جعفر کا اسماء بنت عمیسؓ سے سماع بھی نامعلوم ہے ایضا:۱۸۹۔

تنبیہ: بعض روایات میں سیدہ اسماءؓ سے فاطمۃ بنت حسین کے سماع کی تصریح موجود ہے، لیکن ان میں مروان بن معاویہؒ الفزاری اور شریک بن عبداللہ القاضی (مدلسین) کے عنعنوں کی وجہ سے نظر ہے۔

خلاصہ التحقیق: سیدنا امیر المومنین علیؓ کے لئے سورج کی واپسی والی روایت اپنی دونوں سندوں کے ساتھ

ضعیف یعنی مردود ہے۔ابن عقدہ رافضی اورابن مردویہ والی روایت بھی ضعیف ومردود ہیں۔ابن مردویہ والی روایت میں یزیدبن عبدالملک النوفلی (ضعیف) ہے۔منہاج السنۃ:۱۹۳/۴،من طریق یحی بن یزیدبن عبد الملک النوفلی عن ابیه عن داودبن فراهیج عن عماره عن ابی هریرةؓ۔

''النوفلی'' کےضعف کے لئے دیکھئےتقریب التہذیب (۷۷۵۱) اورمیزان الاعتدال:۴۱۴/۴،ترجمہ یحی بن یزیدبن عبدالملک۔اس موضوع کی مردودروایات کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھئےمنہاج السنۃ:۱۸۵/۴،۱۹۵۔

مظاہرحق:۸۲۳/۳،میں یوشع علیہ السلام کی روایت کے بعدلکھتاہے کہ: مواہب لدنیہ کی روایت کےمطابق نبی ﷺ کے لئے سورج ٹھہرنے کاواقعہ دومرتبہ پیش آیاہے،ایک بارتو شب معراج کے دوسرے دن اوردوسری بارغزوہ خندق کے دن جبکہ کفارنے آپ ﷺ کو جنگ میں الجھائے رکھ کرعصر کی نماز پڑھنے سے روک دیا تھا، یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا تھا،چنانچہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے لئے سورج کوواپس کیا،(یعنی عصرکاوقت لوٹایا) تب آپ ﷺ نےعصر کی نمازپڑھی،اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ کےحکم سےعلیؓ کے لئے بھی سورج واپس ہواہے،وہ یوں کہ ایک دن نبی ﷺ ان کے زانوں پرسررکھ کرلیٹے ہوئے تھے کہ اسی حالت میں آپ ﷺ پروحی کانزول شروع ہوگیا،اس صورت میں آپ ﷺ کاسرمبارک اپنے زانوں پرسے نہ اٹھاسکے یہاں تک کہ عصر کاوقت ختم ہوگیا،اوروہ نمازنہیں پڑھ سکے،چنانچہ نبی ﷺ نے ان کے لئے دعا کی تواللہ تعالی نےسورج کوواپس کیا،تب انہوں نےعصر کی نمازوقت پرادا کی،مواہب لدنیہ نے اس واقعہ کوبھی تفصیل کےساتھ نقل کیاہے،لیکن علماء نے اس واقعہ میں کلام بھی کیاہے،ایسی ایک من گھڑت واقعہ شمس التبریزملتانی کوبھی منسوب ہے۔ظاہر یہ ہے کہ یوشع علیہ السلام کےعلاوہ اورکسی کے لئے سورج کوکبھی نہیں ٹھہرایا گیا،اوریہ روایت متفق علیہ:خ:۳۱۲۴ ،م:۱۷۴۷،میں ہے۔

آمدم برسرمطلب لیکن امام رازی نے اس توجیہ پرکئی اعتراضات وارد کئے ہیں۔اول یہ کہ''الصافنات'' کا ذکرآیت میں صریح ہےاورالشّمس کا کوئی ذکرنہیں اس لئے الصافنات کی طرف ضمیرلوٹانا بہتر ہے،

دوم مسح بالسوق کوذبح پرمحمول کرناصحیح نہیں ورنہ فامسحوا برؤسکم کےمعنی بھی قطع کرنے کےہوتے، البتہ مسح بالسیف قطع کےمعنی میں آتاہے لوکان مسح السوق والاعناق قطعها لکان معنی قوله وامسحوا برؤسکم وارجلکم قطعها ، وهذاما لا یقوله عاقل بل لو قیل مسح رأسه بالسیف فربما فهم منه ضرب العنق .

سوم۔ سینکڑوں گھوڑوں کو بے مقصد ذبح کر دینا جبکہ وہ ہوں بھی بےقصور ایک پیغمبر کی شان سے بعید ہے۔

''ولـقـدفتنـا'' سلیمان علیہ السلام کو ہم نے ازمائش میں ڈالا اور ان کے تخت پر ایک جسد ڈالدیا، اس ایت میں جسد اور ازمائش کی تعیین نہیں کی گئی، اس لئے اس کی تعیین میں بھی اختلاف ہے، بعض مفسرین نے لکھا ہے حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام نے قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام بیویوں سے مقاربت کروں گا، تو ہر ایک کے بچہ پیدا ہوگا۔ اور ہر بچہ مجاہد ہوگا، انشاء اللہ نہ کہا، چنانچہ ایک بیوی کے سوا کسی کے بچہ پیدا نہ ہوا اور وہ بھی ناقص الخلقت، اس کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ کہہ لیتے تو تمام بیویوں کے بچے پیدا ہوتے اور سب مجاہد و شہسوار ہوتے، حدیث کے الفاظ صرف یہاں تک ہیں، اس حدیث کو نقل کر کے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ دایہ نے اس کو لا کر جناب سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت پر ڈالدیا اس پر سلیمان علیہ السلام متنبہ ہوئے کہ یہ انشاء اللہ نہ کہنے کا نتیجہ ہے چنانچہ فورا توبہ واستغفار کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے جو صحیح بخاری: ۳۴۲۴، کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن اس حدیث کے کسی بھی طریق میں ادنیٰ سا اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ حدیث اس ایت کی تفسیر ہے، حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ اپنی جگہ ہے لیکن وہ واقعہ اس ایت کی تفسیر نہیں۔

البتہ مفسرین نے اس کو ایت کی تفسیر میں ذکر کر دیا ہے بعض مفسرین نے جسد سے خود سلیمان علیہ السلام کا جسد مراد لیا ہے، وہ بیماری سے اس قدر بے ہوش اور لاغر ہو گئے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جسد بلا روح ہیں: **وقـال قـوم مـرض سليمان مرضاكا لاغماء حتى صارعلى كرسيه جسداكانه بلاروح(بحر).**

ولـقـدفتـنـاسليمان بسبب مرض شديدالقاه الله عليه و القيناعلى كرسيه منه جسداوذلك لشدة المرض و العرب تقول فى الضعيف انه لحم على وضم وجسم بلاروح. ثم اناب اى رجع الى حال الصحة (كبير)

جناب شیخ حسین علی فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام جہاد کے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں اس قدر محو ہو گئے کہ نماز عصر اپنے اصل وقت سے موخر ہو گئی، اگر چہ سورج غروب نہیں ہوا تھا، اللہ تعالی نے اس ادنی تغافل پر بطور تنبیہ سلیمان علیہ السلام سے حکومت لے کر ان کی جگہ ایک بے کار شخص کو تخت نشین کر دیا۔ جب انہوں نے استغفار کیا تو انہیں ان کا ملک واپس کر دیا اور گھوڑوں کے عوض ہوا کو ان کے تابع کر دیا۔

اس کے علاوہ بعض مفسرین نے سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کو ایک جن (شیطان) کے قبضے میں لے لینے اور ان

کی حکومت پر مسلط ہونے کا قصہ ذکر کیا ہے، وہ سراسر جھوٹا اور یہود و زنادقہ کا افتراء ہے، اس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں: قال ابو حیان وغیرہ ان ھذہ المقالۃ من اوضاع الیھود وزنادقۃ السوفسطائیۃ ولاینبغی لعاقل ان یعتقد صحۃ مافیھا (روح).

قال القاضی عیاض وغیرہ من المحققین لایصح مانقلہ الاخباریون من تشبیہ الشیطان بہ وتسلطہ علی ملکہ وتصرفہ فی امتہ بالجور فی حکمہ وان الشیاطین لایسلطون علی مثلہ وقدعصم اللّٰہ تعالی الانبیاء مثل ھذا (خازن) ۔ واماما یرویہ من حدیث الخاتم و الشیطان وعبادۃ وثن فی بیت سلیمان علیہ السلام فمن اباطیل الیھود (مدارک).

"قال رب "۔ سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالی سے بخشش کی دعا کی۔ انبیاء علیہم السلام کا شیوہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالی سے استغفار کرتے رہتے ہیں جس سے درجات کی بلندی اور گناہوں سے حفاظت کی طلب مقصود ہوتی ہے اس لئے استغفار کے لئے تقدم ذنب ضروری نہیں۔ "وھب لی ملکا " سلیمان علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی کہ مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے سوا کسی اور کو نہ ملے: والصحیح انہ سائل من اللّٰہ تعالی ملکا لایکون لاحد من بعدہ من البشر مثلہ وھذا ھو ظاھر السیاق من الایۃ (ابن کثیر)۔

"فسخرنا " چنانچہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور ہوا کو اور جنات کو ان کے تابع کر دیا، اصاب ای اراد (روح)۔ سلیمان علیہ السلام جہاں چاہتے، ہوا سبک رفتاری سے ان کا تخت اٹھا کر لے جاتی۔ اور جنات کو بھی ان کا مطیع بنا دیا ان میں کچھ تو تعمیر کے کام پر لگا دیئے اور کچھ غوطہ زن تھے جو سمندر کی تہ سے جواہر اور دیگر قیمتی اشیاء نکال کر دیتے اور جو شیاطین زیادہ سرکش اور طاغی تھے ان کو زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال رکھا تھا۔

"ھذا " یہ اللہ کی طرف سے سلیمان علیہ السلام سے خطاب ہے یہ ملک عظیم اور انعامات بے پایاں ہم نے تجھے دیئے ہیں اب تجھے اختیار ہے کہ اس میں سے اوروں کو بھی دے یا نہ دے۔ قال ابن عباسؓ اعط من شئت وامنع من شئت بغیر حساب ای لیس علیک حرج فیما اعطیت وفیما امسکت (کبیر).

"وان لہ عندنا "اس دنیوی سلطنت، تسخیر ریح، وشیاطین کے علاوہ سلیمان علیہ السلام کا ہمارے یہاں مرتبہ بہت بلند ہے اور ان کی عاقبت بھی محمودہ ہے اور وہ ہمارے مقبول اور برگزیدہ بندے ہیں۔

إِذْ نَادٰى رَبَّهُ أَنِّى مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾

جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (اے اللہ) شیطان نے مجھے ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾

(ہم نے کہا کہ زمین پر) لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں)۔

وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِأُولِى الْأَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

اور ہم نے ان کو اہلِ اوران کے ساتھ ان کے برابراور بخشے ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کے لئے نصیحت تھی۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ

اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو بیشک ہم نے ان کو ثابت قدم پایا بہت خوب بندے تھے

إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرٰهِيمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ

بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے۔[4] اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو

---

[4] ایوب علیہ السلام کی قوم مسئلہ توحید کی وجہ سے ان کی مخالف ہوگئی اور اللہ تعالی کی طرف سے ایک شدید بیماری کی شکل میں ان پر ابتلاء آیا، جس کی وجہ سے شہر والوں نے ان کو شہر سے نکال دیا، اخرانہوں نے اللہ تعالی سے دعا کی تو اللہ تعالی نے ان کو اس بیماری سے شفا عطا فرمائی جس کا اپنا یہ حال ہو وہ کسی طرح شفیع غالب نہیں بن سکتا۔

''انی مسنی الشیطان '' نصب، شدت تکلیف ایوب علیہ السلام کی بیماری طول پکڑ گئی اور وہ تقریبا اٹھارہ سال اس میں مبتلا رہے، اس بیماری کی وجہ سے انہوں سخت تکلیف اٹھائی، ایک دن ان کی بیوی کسی کام سے جا رہی تھیں، راستے میں ایک طبیب دیکھا جو درحقیقت شیطان تھا اور انسانی شکل میں متمثل ہو کر سامنے آیا، اس سے اپنے خاوند کی بیماری کا ذکر کیا تو شیطان (بصورت طبیب) نے کہا کہ میں اس شرط پر علاج کروں گا کہ جب تمہارا خاوند میرے علاج سے تندرست ہو جائے تو تم غیر اللہ کے نام کی قربانی دو گی۔

بیوی صاحبہ چونکہ ایوب علیہ السلام کی بیماری کی وجہ سے نہایت غمزدہ اور دلگیر تھیں، اس لئے ان کے دل میں

شیطان کے قول کی طرف کچھ میلان ہو گیا، انہوں نے یہ واقعہ ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا، تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ وہ شیطان ہے، اور اس سے انہیں نہایت ہی شدید روحانی تکلیف پہنچی، اور نہایت عاجزی اور زاری سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی، اے میرے پروردگار شیطان نے اپنے اس بول سے مجھے سخت اذیت دی ہے، اب مجھ پر مہربانی فرما اور اس مصیبت سے نجات عطا کر۔ان الشیطان تعرض لامرأته بصورة طبیب ،فقالت له ان ھھنامبتلی فھل لک ان تداویه ؟ان الشیطان طلب منھاان تذبح لغیر اللّٰہ تعالی اذاعالجه وبرأ ،فمالت لذالک، فعظم علیه السلام الامر،فنادی ،(روح).اشاربقوله مسنی الشیطان الی تعریضه لامرئته وطلبه ان تشرک باللّٰہ تعالی وکانه یشتکی ھذا الامر کان علیه اشدمن مرضه (بحر).

"ارکض" اللہ کی رحمت جوش میں آئی فرمایا زمین پر اپنا پاؤں مارو، فوراً ٹھنڈے پانی کا چشمہ نمودار ہوگا۔ اس سے غسل کرو اور اس سے پیئو، چنانچہ انہوں نے زمین پر پاؤں مارا اس ٹھنڈے پانی کا چشمہ ابل پڑا، اس میں غسل کیا اور اس میں سے پیا تو فوراً تندرست ہو گئے گویا بیمار تھے ہی نہیں۔

"ووھبنا له اھله" ابتلاء میں ان کی جو اولاد فوت ہو گئے تھے اس کو دوبارہ زندہ کر دیا اور اس کے علاوہ بھی اولاد عطا فرمائی یہ سب اللہ کی مہربانی تھی، نیز اس میں عقل مند لوگوں کے لئے عبرت ہے کہ مصائب وشدائد میں صبر کرنے کا یہ ثمرہ ہے۔

"وخذ" ایوب علیہ السلام کی بیوی نے جب طبیب (شیطان) والا قصہ ان سے بیان کیا اور اپنی طبعیت کا رجحان ظاہر کیا تو ایوب علیہ السلام نے ناراض ہو کر قسم کھالی کہ اللہ نے اگر مجھے صحت عطا فرمائی تو میں تجھے ایک سو چھڑی ماروں گا، لیکن ان کی بیوی کا جذبہ ایثار و خدمت اس کی وفاداری اور مصیبت میں پیغمبر علیہ السلام کی مخلصانہ خدمت اللہ تعالی کو بہت پسند تھی، اس لئے اللہ تعالی نے محض اپنی مہربانی سے قسم کو پورا کرنے کا یہ حیلہ بتایا کہ تیلی سوشاخوں کا ایک گٹھا اٹھا کر اس کے ماردو، تمہاری قسم پوری ہو جائے گی اور تم حانث نہیں ہو گے تمثل الشیطان لھافی صورة ناصح اومداو،وعرض لھا شفاء ایوب علی یدیه علی شرط لایمکن وقوعه من مومن، فذکرت ذلک له فعلم ان الذی عرض لھاھوالشیطان ،وغضب لعرضھاذلک علیه، فحلف ،فحلل اللّٰہ یمینه باھون شیء علیه وعلیھاالحسن خدمتھاایاه ورضاه عنھا.(بحر) ۔یہ حیلہ ایوب علیہ السلام کے ساتھ مختص تھا اس پر قیاس کر کے حیلہ اسقاط وغیرہ کو جائز کہنا درست نہیں۔

ہر وہ حیلہ جس سے حکمت تشریع باطل ہو جائے ناجائز اور حرام ہے مروجہ حیلہ اسقاط سے بھی حکمت تشریع باطل ہو جاتی ہے: اس لئے وہ بھی جائز نہیں، اور اس حدیث مبارکہ سے بھی حیلہ اسقاط کی رد ہوتی ہے: **عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من نسی صلاۃ او نام عنہا فکفارتہا ان یصلیہا اذا ذکرھا، وفی روایۃ، لا کفارۃ لہا الا ذالک** (خ: رقم: ۵۹۷، م: رقم ۱۵ ۳/ ۶۸۴، د: رقم: ۴۴۲.

انسؓ سے روایت ہے، کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز بھول گیا، یا اس سے سو گیا، اس کا کفارہ یہ ہے کہ کہ جب یاد آئے اسے پڑھ لے، ایک روایت میں ہے کہ اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے مگر یہی. (تو اس سے معلوم ہوا کہ کوئی فدیہ اس کے بدلے یا صلوۃ قضائے عمری پڑھنا صحیح نہیں) اس لئے یہ بھی جائز نہیں، **ان کل حیلۃ اوجبت ابطال حکمۃ شرعیۃ لاتقبل** (روح):

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے، ظاہر ہے کہ ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قسم کا اصلی تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ کو پوری سو قمچیاں ماریں، لیکن چونکہ ان کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں، اور انہوں نے ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت کی تھی، اس لئے اللہ تعالی نے خود ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی، اور یہ تصریح کر دی کہ اس طرح ان کی قسم نہیں ٹوٹے گی، اس لئے یہ واقعہ حیلہ کی جواز پر دلالت کرتا ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس قسم کے حیلے اس وقت جائز ہوتے ہیں جبکہ انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حق دار کا حق باطل کیا جائے یا کسی صریح فعل حرام کو اس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لئے حلال کر لیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے، مثلاً زکواۃ سے بچنے کے لئے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کی ملکیت میں دیدیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد بیوی نے شوہر کی ملکیت میں دیدیا، اور جب اگلا سال ختم ہونے کے قریب ہوا تو پھر شوہر نے بیوی کو ہبہ کر دیا اس طرح کسی پر زکواۃ واجب نہیں ہوتی، ایسا کرنا چونکہ مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے اس لئے حرام ہے، اور شاید اس کا وبال ترک زکوات کے وبال سے زیادہ بڑا ہو۔ روح المعانی و سرخسی۔ بحوالہ معارف القران۔

اور اس حدیث سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں جو کہ سعدؓ سے منقول ہے: **اتی النبی ﷺ برجل کان فی الحی مخدج سقیم فوجد علی امۃ من امائھم یخبث بھا فقال: خذوا لہ عثکالا فیہ مائۃ شمراخ، فاضربوہ بہ ضربۃ.** ابوداود: ۴۴۷۲، ابن ماجہ: ۲۵۷۴۔=

أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ إِنَّا أَخْلَصْنٰهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾

یاد کرو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا

وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿۴۷﴾

اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے۔

وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کر وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے

= ایک دن ایک ایسے شخص کو نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، جو اپنے محلّہ کا ایک ناقص الخلقت کمزور اور بیمار شخص تھا، اور ایسا بیمار تھا کہ اس کے اچھا ہونے کی کوئی امید نہ تھی، اس شخص کو اہل محلّہ کے لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے اس کے بارہ میں یہ حکم صادر فرمایا کہ کھجور کی ایک ایسی بڑی ٹہنی لو جس میں سو چھوٹی ٹہنیاں ہوں اور پھر اس ٹہنی سے اس شخص کو ایک دفعہ مارو۔

''ایک دفعہ مارو'' کہ مطلب یہ ہے کہ اس بڑی ٹہنی کو اس طرح ایک دفعہ مارو کہ اس کی ساری سوٹہنیوں کی چوٹ اس کے جسم کو پہنچ جائے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام، حاکم کو اس بات کی نگہبانی کرنی چاہئے کہ جس شخص کو کوڑے مارنے کی سزا دی جارہی ہو، وہ مر نہ جائے، اور یہ مسئلہ پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے، ضمن حدیث علیؓ: ص: ۵۸۵، کہ اگر کوئی مریض کسی حد کا مستوجب ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے، جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے، اور جس مریض کے اچھا ہونے کی تو توقع ہی نہ ہو اس پر اس طرح حد جاری کی جائے جس طرح اس حدیث میں مذکور ہے۔ مظاہر حق: ۳/۵۹۰۔

''انا وجدناہ صابرا'' یہ اللہ تعالی کی طرف سے ایوب علیہ السلام کی تعریف وتحسین ہے بیشک ہم نے ایوب علیہ السلام کو صابر پایا۔ اتنی طویل مصیبت میں وہ ایک بار بھی حرف شکایت زبان پر نہ لائے وہ ہمارے بہت ہی اچھے بندے اور ہماری طرف رجوع وانابت کرنے والے تھے، اپنی تکلیف ومصیبت میں انہوں نے ہمارے سوا کسی کو نہیں پکارا۔

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ

یہ نصیحت ہے اور پرہیزگاروں کے لئے تو عمدہ مقام ہے۔ ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے

الْأَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾

ان میں تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے اور (کھانے پینے کے لئے) بہت سے میوے اور شراب منگاتے رہیں گے۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ أَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾

اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی (اور) ہم عمر (عورتیں) ہوں گی

هٰذَامَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا حساب کے دن کے لئے تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

هٰذَا ؕ وَإِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾

یہ سرکشوں کے لئے بُرا ٹھکانہ ہے۔ دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بُری آرامگاہ ہے

هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ أَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾

یہ کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ (ہے) اب اس کے مزے چکھیں۔ اور اسی طرح کے اور بہت سے (عذاب ہوں گے)

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ؕ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾

یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہو گی ان کو خوشی نہ ہو یہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔

قَالُوْا بَلْ أَنْتُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ؕ أَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾

کہیں گے بلکہ تم ہی کو خوشی نہ ہو تم ہی تو یہ (بلا) ہمارے سامنے لائے سو (یہ) بُرا ٹھکانہ ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾

وہ کہیں گے کہ اے پروردگار! جو اس کو ہمارے سامنے لایا ہے اس کو دوزخ میں دُونا عذاب دے۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْأَشْرَارِ ﴿۶۲﴾

اور کہیں گے کیا سبب ہے کہ (یہاں) ہم ان شخصوں کو نہیں دیکھتے جن کو بُروں میں شمار کرتے تھے۔

أَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ﴿۶۳﴾

کیا ہم نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے یا ہماری (آنکھیں) ان (کی طرف) سے پھر گئی ہیں؟

إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾ قُلْ إِنَّمَآ أَنَا مُنْذِرٌ وَّمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا

بیشک یہ اہلِ دوزخ کا جھگڑنا برحق ہے۔ کہہ دو کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور اللہ یکتا اور غالب کے سوا کوئی

اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾

معبود نہیں۔ جو آسمانوں اور زمین اور جو مخلوق ان میں ہے سب کا مالک ہے غالب (اور) بخشنے والا

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ﴿۶۷﴾ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿۶۸﴾

کہہ دو کہ یہ ایک بڑی (ہولناک چیز کی) خبر ہے۔ جس کو تم دھیان میں نہیں لاتے۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلٰى إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۶۹﴾

مجھ کو اوپر کی مجلس (والوں) کا جب وہ جھگڑتے تھے کچھ بھی علم نہ تھا۔

إِنْ يُّوحٰى إِلَيَّ إِلَّآ أَنَّمَآ أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۷۰﴾ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا

إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ﴿۷۱﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي

کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں

فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِينَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۷۳﴾

تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا

إِلَّا إِبْلِيسَ ط اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ

مگر شیطان اکڑ بیٹھا اور کافروں میں ہوگیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ اے ابلیس! جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے

أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِيْنَ ﴿۷۵﴾

بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا، کیا تو غرور میں آ گیا؟ یا اونچے درجے والوں میں تھا؟

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾

بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں (کہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾

فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردُود ہے۔ اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی۔

قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِيْٓ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾

کہنے لگا کہ میرے پروردگار! مجھے اس روز تک کہ لوگ اٹھائے جائیں مہلت دے۔ فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔

إِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾

اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے۔ کہنے لگا کہ مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکا تا رہوں گا۔

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُوْلُ ﴿۸۴﴾

سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔ فرمایا سچ (ہے) اور میں بھی سچ کہتا ہوں۔

لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾

کہ میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَّمَآ اَنَآ مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿٨٦﴾

اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صِلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں۔ [5]

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهُ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿٨٨﴾

یہ قرآن تو اہلِ عالم کے لئے نصیحت ہے۔ اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہوجائے گا۔

---

[5] عن عبداللہ بن مسعودؓ قال یا ایھا الناس من علم شیئا فلیقل به و من لم یعلم فلیقل اللہ اعلم فان من العلم ان تقول: لما لا تعلم اللہ اعلم، قال اللہ تعالی لنبیه (قرأ هذه الاية)۔ (بخاری:۴۸۰۹ و مسلم:۲۷۹۸)۔ابن مسعودؓ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! جو شخص کسی بات کو جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ اسے بیان کردے، اور جو نہ جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ کہے کہ اللہ تعالی زیادہ جانتا ہے، اس لئے کہ جس چیز کا اسے علم نہیں ہے ''اس کے بارے میں اللہ تعالی زیادہ جانتا ہے'' یہ جملہ کہنا بھی علم کی ایک قسم ہے، یعنی معلوم کا غیر معلوم سے تمیز کرنا بھی علم کی ایک قسم ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کے واسطے فرمایا ہے : (ترجمہ) اے محمد! کہہ دیجئے کہ میں اس قران پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔

یعنی اس آیت کے ذریعے رسول ﷺ کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ اللہ نے جو کچھ علم مجھے دیا اور جتنا مجھے سکھادیا اور پھر اس کو پھیلانے اور لوگوں کو سکھانے کا حکم دیا، اسی کو لوگوں تک پہنچاتا اور انہیں سکھاتا ہوں، اس کے علاوہ میں کسی دوسری چیز کا دعوی اپنی طرف سے نہیں کرتا، اور نہ ان چیزوں سے بحث کرتا ہوں، جو مشکل اور سخت ہونے کی وجہ سے عوام کے فہم سے بلند و بالا ہیں، کیونکہ ایسا کرنا خوامخواہ کا تکلف کرنا ہے۔

سورة الزمر (مكية) [۱]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ

اس کتاب کا اتارا جانا اللہ غالب (اور) حکمت والے کی طرف سے ہے۔ (اے پیغمبر!) ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف

بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ ﴿۲﴾

سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو اللہ کی عبادت کرو (یعنی) اس کی عبادت کو (شرک سے) خالص کر کے

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ

دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے (زیبا ہے) اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں)

مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ

ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں اللہ ان میں ان کا فیصلہ کر دے گا

فِىۡ مَا هُمۡ فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿۳﴾

بیشک اللہ اس شخص کو جو جھوٹا ناشکرا ہے ہدایت نہیں دیتا

لَوۡ اَرَادَ اللّٰهُ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰى مِمَّا يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ سُبۡحٰنَهٗ

اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا وہ پاک ہے

---

[۱] عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ یقرأ فی کل لیلة بنی اسرائیل والزمر ۔ مسند احمد: ۳/۵، وابن کثیر، یعنی آپ ﷺ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت کر لیا کرتے۔

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٤﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ

وہی تو اللہ یکتا (اور) غالب ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے

يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

(اور) وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے

وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِيْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ أَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٥﴾

سب ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے دیکھو وہی غالب (اور) بخشنے والا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْأَنْعَامِ

اسی نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لئے چارپایوں میں سے

ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ ۗ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ أُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ

آٹھ جوڑے بنائے وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں (پہلے) ایک طرح پھر دوسری طرح

فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۗ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ

تین اندھیروں میں بناتا ہے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٦﴾ إِنْ تَكْفُرُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ

پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ اگر ناشکری کرو گے تو اللہ تم سے بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری پسند نہیں

الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ثُمَّ

کرتا اور اگر شکر کرو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے پسند کرے گا اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

إِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۗ إِنَّهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٧﴾

پھر تم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ تم کو بتائے گا وہ تو دلوں کی پوشیدہ باتوں تک سے آگاہ ہے

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو پکارتا (اور) اس کی طرف دل سے رجوع کرتا ہے پھر جب

خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوٓا إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ أَندَادًا

وہ اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت دیتا ہے تو جس کام کے لئے پہلے اس کو پکارتا تھا اسے بھول جاتا اور اللہ کا شریک بنانے لگتا ہے

لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ﴿٨﴾

تا کہ (لوگوں کو) اس کے رستے سے گمراہ کرے کہہ دو کہ (اے کافرِ نعمت!) اپنی ناشکری سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لے۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا

پھر تو دوزخیوں میں ہوگا (بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کے وقتوں میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا

يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ

اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٩﴾

اور نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں

قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا

کہہ دو کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو اپنے پروردگار سے ڈرو جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لئے بھلائی ہے

حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾

اور اللہ کی زمین کشادہ ہے جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بیشمار ثواب ملے گا

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ﴿١١﴾

کہہ دو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کو خالص کر کے اس کی بندگی کروں۔

وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُوْنَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ إِنِّيْ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ

اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ میں سب سے اوّل مسلمان بنوں۔ کہہ دو کہ اگر میں اپنے پروردگار کا حکم نہ مانوں

رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾

تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔ کہہ دو کہ میں اپنے دین کو (شرک سے) خالص کر کے اللہ کی عبادت کرتا ہوں

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ قُلْ إِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ

تو تم اس کے سوا جس کی چاہو پرستش کرو کہہ دو کہ نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو

وَأَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾

اوراپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈالا دیکھو یہی صریح نقصان ہے۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ

ان کے اوپر تو آگ کے سائبان ہوں گے اور نیچے (اس کی) فرش ہوں گے یہ وہ (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو

عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ

ڈراتا ہے تو اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہو۔ اور جنہوں نے اس سے اجتناب کیا کہ بتوں کو پوجیں

أَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَأَنَابُوْا إِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾

اور اللہ کی طرف رجوع کیا تو ان کے لئے بشارت ہے تو میرے بندوں کو بشارت سنا دو۔

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهٗ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ

جو بات کو سنتے اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی

وَأُولٰٓئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ

اور یہی عقل والے ہیں۔ بھلا جس شخص پر عذاب کا حکم صادر ہو چکا

أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿١٩﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ

تو کیا تم (ایسے) دوزخی کو نجات دے سکو گے؟ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لئے اونچے اونچے محل ہیں

مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَعْدَ اللَّهِ

جن کے اوپر بالاخانے بنے ہوئے ہیں (اور) ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (یہ) اللہ کا وعدہ ہے

لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا

فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ

پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کرتا پھر اس سے کھیتی اگاتا ہے جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں پھر وہ خشک ہو

فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

جاتی ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو زرد (ہو گئی ہے) پھر اسے چورا چورا کر دیتا ہے بیشک اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے

﴿٢١﴾ أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَّبِّهِ

بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو

فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٢﴾

پس ان پر افسوس ہے جن کے دل اللہ کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ

اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دہرائی جاتی ہیں

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ

جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے (اس سے) رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل

إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

نرم (ہوکر) اللہ کی یاد کی طرف (متوجہ) ہوجاتے ہیں یہی اللہ کی ہدایت ہے وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ أَفَمَنْ يَّتَّقِي بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ

اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔[2] بھلا جو شخص قیامت کے دن اپنے منہ سے بُرے عذاب

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

کو روکتا ہو (کیا وہ ویسا ہوسکتا ہے جو چین میں ہو) اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم کرتے رہے تھے اس کے مزے چکھو

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾

جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی تکذیب کی تھی تو ان پر عذاب ایسی جگہ سے آ گیا کہ ان کو خبر ہی نہ تھی

فَأَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ

پھر ان کو اللہ نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھا دیا اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے

---

[2] شرح کے لفظی معنی کھولنے، پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں، شرح صدر کے معنی وسعت قلب کے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ قلب میں اس کی استعداد موجود ہو کہ وہ تکوینی ایات الٰہیہ اسمان وزمین اور خود اپنی پیدائش وغیرہ میں غور کر کے عبرت اور فوائد حاصل کرے، اسی طرح جو ایات الٰہیہ بصورت کتاب واحکام نازل کی جاتی ہیں، ان میں غور کر کے استفادہ کر سکے، اس کا بالمقابل دل تنگی اور قساوت قلب ہے۔ قران کریم کی ایک آیت "**یجعل صدرہ ضیقا حرجا**" (**انعام: ۱۲۵**) اور اس کی جگہ اگلی آیت میں "**للقاسیۃ قلوبھم**" اسی شرح صدر کے بالمقابل آیا ہے۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے شرح صدر کا مطلب پوچھا آپ نے فرمایا کہ جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے (جس سے احکام الٰہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لئے اسان ہو جاتا ہے) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس (شرح صدر) کی علامت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: **الانابۃ الی دارالخلود والتجافی عن دار الغرور والتاھب للموت قبل**

نزوله، شعب الایمان: ۱۰۵۵۲ حلیة الاولیا: ۷/ ۲۸۰.

آیت مذکورہ کو حرف استفہام ''افمن'' سے شروع کیا گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا ایسا شخص جس کا دل اسلام کے لئے کھول دیا گیا ہو، اور وہ اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے نور پر ہے یعنی اسکی روشنی میں سب کام کرتا ہے اور وہ آدمی جو دل تنگ اور سخت دل ہو، کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ اس کے بالمقابل سخت دل کا ذکر اگلی آیت میں عذاب ویل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

''ویل للقاسیة قلوبهم'' قاسیہ قساوت سے مشتق ہے، جس کے معنی سخت دل ہونا جس کو کسی پر رحم نہ آئے، اور جو اللہ کے ذکر اور اس کے احکام سے کوئی اثر قبول نہ کرے۔

''الله نزل احسن الحديث كتابا متشابها مثانى'' اس سے پہلی آیت میں اللہ کے مقبول بندوں کا یہ حال ذکر کیا گیا تھا، کہ یستمعون القول فیتبعون احسنه ، اس آیت میں بتلا دیا کہ پورا قران ہی احسن الحدیث ہے۔ حدیث کے لفظی معنی اس کلام یا قصے کے ہیں جو بیان کیا جاتا ہے قران کو احسن الحدیث فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ انسان جو کچھ کہتا بولتا ہے اس سب میں احسن الکلام قران ہے۔ آگے قران کی چند صفات ذکر فرمائی ہیں۔

''کتابا متشابها'' متشابہ سے مراد اس جگہ متماثل ہے یعنی مضامین قرآنیہ ایک دوسرے سے مربوط اور مماثل ہیں کہ ایک آیت کی تشریح و تصدیق دوسری آیت سے ہو جاتی ہے، اس کلام میں تضاد و تعارض کا نام نہیں ہے، دوسری صفت مثانی ہے جو مثنیٰ کی جمع ہے جس کے معنی مکرر کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ قران کریم میں، ایک مضمون کو ذہن نشین کرنے لئے بار بار دہرایا جاتا ہے، تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ: ''تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم'' یعنی اللہ کی عظمت سے متاثر ہو کر ڈرنے والوں کا قران پڑھ کر خشیت و ہیبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کے بدن پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں،

چوتھی صفت یہ ہے ''ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله'' یعنی تلاوت قران کا اثر کبھی عذاب کی وعید سن کر یہ ہوتا ہے کہ بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی رحمت و مغفرت کی آیات سن کر یہ حال ہوتا ہے کہ بدن اور قلب سب اللہ کی یاد میں نرم ہو جاتے ہیں۔

اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں، کہ صحابہ کرام کا عام حال یہی تھا کہ جب ان کے سامنے قران پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور بدن پر بال کھڑے ہو جاتے۔ (قرطبی)۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

اگر یہ سمجھ رکھتے۔ اور ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان فرمائی ہیں

لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾

تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔ (یہ) قرآن عربی (ہے) جس میں کوئی عیب (اور اختلاف) نہیں تا کہ وہ ڈر مانیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشَاكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا

اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک شخص ہے جس میں کئی (آدمی) شریک ہیں (مختلف المزاج اور) بدخو اور ایک آدمی

لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

خالص ایک شخص کا (غلام) ہے بھلا دونوں کی حالت برابر ہے؟ (نہیں) الحمدللہ بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ

(اے پیغمبر!) تم بھی مر جاؤ گے اور یہ بھی مر جائیں گے۔ پھر تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے جھگڑو گے

تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ

(اور جھگڑا فیصل کر دیا جائے گا) ۔تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ بولے اور سچی بات

إِذْ جَآءَهٗ أَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ

جب اس کے پاس پہنچ جائے تو اسے جھٹلائے کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں؟ اور جو شخص سچی بات لے کر آیا

وَصَدَّقَ بِهٖ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔ وہ جو چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس (موجود) ہے

ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِيْ عَمِلُوْا

نیکوکاروں کا یہی بدلا ہے۔ تا کہ اللہ ان سے برائیوں کو جو انہوں نے کیں دور کر دے اور نیک کاموں کا جو وہ کرتے رہے

وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۵﴾ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ

ان کو بدلا دے۔ کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں؟

عَبْدَهُ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾

اور یہ تم کو ان لوگوں سے جو اس کے سوا ہیں (یعنی غیر اللہ سے) ڈراتے ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں

وَمَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

اور جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیا اللہ غالب (اور) بدلہ لینے والا نہیں ہے؟

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہہ دیں کہ اللہ نے کہو کہ بھلا دیکھو

مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ

تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں

أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ ۚ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

یا اگر مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو وہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ کہہ دو کہ مجھے اللہ ہی کافی ہے بھروسا رکھنے والے اسی پر

يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ

بھروسا رکھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اے قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) عمل کئے جاتا ہوں

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿۴۰﴾

عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے

إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ

ہم نے تم پر کتاب لوگوں (کی ہدایت) کے لئے سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو جو شخص ہدایت پاتا ہے تو اپنے (بھلے کے)

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

لئے اور جو گمراہ ہوتا ہے اپنا ہی نقصان کرتا ہے (اور اے پیغمبر!)تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا

اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں ان کی روحیں سوتے میں (قبض کر لیتا ہے)

فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

پھر جن پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

جو لوگ فکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔[3] کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا لئے ہیں؟

شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

کہو کہ خواہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ (کچھ) سمجھتے ہی ہوں۔

---

[3] "اللہ یتوفی" یہ عقلی دلیل ہے، یہ ادلہ سابقہ سے بطور ترقی ہے، پہلے انسان کے ابتدائی حالات کا ذکر تھا یعنی اس کی پیدائش کا اس کے بعد کے حالات یعنی اس کی پرورش اور روزی رسانی کا ذکر کیا گیا اور یہاں اس کی زندگی کے اخری لمحات کا تذکرہ ہے، حاصل یہ کہ انسان ہر حال میں اللہ کا محتاج ہے، اور اس کے تمام احوال وکوائف اللہ تعالی ہی کے تصرف واختیار میں ہیں "تـــوفـــی" یہاں عموم مجاز پر محمول ہے، یعنی مطلق قبض خواہ صرف ظاہرا ہو جیسا کہ نیند کی حالت میں ہوتا ہے، یا ظاہرا و باطنا ہو جیسا کہ موت کی حالت میں ہوتا ہے، مظہری۔

یعنی اللہ تعالی موت کے وقت روحوں کو قبض کرتا ہے اس طرح کہ ارواح کا ابدان سے بالکلیہ تعلق منقطع ہو جاتا ہے ظاہرا و باطنا، اور جن کی موت کا ابھی وقت نہیں آیا نیند کی حالت میں بظاہر ان کی روحیں بھی قبض کر لیتا ہے، یہاں تک کہ اس حالت میں سونے والے سے ارادہ حس وحرکت سلب ہو جاتی ہے۔

قُل لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَّهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٤٤﴾

کہہ دو کہ سفارش تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے

وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے

وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٥﴾

ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور جب ان کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

کہو کہ اے اللہ! (اے) آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے (اور) پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے!

أَنتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٤٦﴾ وَلَوْ أَنَّ

تو ہی اپنے بندوں میں ان باتوں کا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں فیصلہ کرے گا۔ اور اگر

لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِن سُوءِ

ظالموں کے پاس وہ سب (مال ومتاع) ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اسی قدر اور ہو تو قیامت کے روز

الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ﴿٤٧﴾

بُرے عذاب (سے مخلصی پانے) کے بدلے میں دیدیں اور ان پر اللہ کی طرف سے وہ امر ظاہر ہو جائے گا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٤٨﴾

اور ان کے اعمال کی بُرائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا

فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ

جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے نعمت بخشتے ہیں تو کہتا ہے

إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٩﴾

کہ یہ تو مجھے (میرے) علم (ودانش) کے سبب سے ملی ہے (نہیں) بلکہ وہ آزمائش ہے مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥٠﴾

جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی یہی کہا کرتے تھے تو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَٰؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ

ان پر ان کے اعمال کے وبال پڑ گئے اور جو لوگ ان میں سے ظلم کرتے رہے ہیں ان پر ان کے اعمال کے وبال عنقریب

سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٥١﴾ أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ

پڑیں گے اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔۵۱۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو فراخ کر دیتا

الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾

ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کے لئے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ

(اے پیغمبر! میری طرف سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے

إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ وَأَنِيبُوا إِلَىٰ

ناامید نہ ہونا اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اس سے پہلے

رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿٥٤﴾

کہ تم پر عذاب آ واقع ہو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ پھر تم کو مدد نہیں ملے گی

وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ

اور اس سے پہلے کہ تم پر ناگہاں عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو اس نہایت اچھی (کتاب) کی جو تمہارے پروردگار کی

بَغْتَةً وَّأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٥٥﴾ أَن تَقُولَ نَفْسٌ يَّحَسْرَتٰى

طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے پیروی کرو۔ کہ (مبادا اس وقت) کوئی نفس کہنے لگے کہ (ہائے ہائے) اس تقصیر پر

عَلٰى مَا فَرَّطتُّ فِي جَنبِ اللّٰهِ وَإِن كُنتُ لَمِنَ السَّاخِرِينَ ﴿٥٦﴾

افسوس ہے جو میں نے اللہ کے حق میں کی اورمیں تو ہنسی کرتا رہا

أَوْ تَقُولَ لَوْ أَنَّ اللّٰهَ هَدٰنِي لَكُنتُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٥٧﴾

یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا۔

أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

یا جب عذاب دیکھ لے تو کہنے لگے کہ اگر مجھے پھر ایک دفعہ دنیامیں جانا ہوتو میں نیکوکاروں میں ہو جاؤں۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ

(اللہ فرمائے گا) کیوں نہیں میری آیتیں تیرے پاس پہنچ گئی تھیں مگرتو نے ان کو جھٹلایا اور تکبرکیا

وَكُنتَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿٥٩﴾ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللّٰهِ

اور تو کافر بن گیا۔ اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا

وُجُوهُهُم مُّسْوَدَّةٌ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾

تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہورہے ہوں گے کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ میں نہیں ہے؟

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦١﴾

اور جو پرہیزگار ہیں ان کی کامیابی کے سبب اللہ ان کونجات دے گا نہ تو ان کو کوئی سختی پہنچے گی اور نہ وہ غمناک ہوں گے

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿٦٢﴾

اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہرچیز کا نگران ہے

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ

اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں اور جنہوں نے اللہ کی آیتوں سے انکار کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

﴿۶۳﴾ قُلْ أَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ﴿۶۴﴾

کہہ دو کہ اے نادانو! تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی پرستش کرنے لگوں؟

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ

اور (اے محمد ﷺ!) تمہاری طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۶۵﴾

شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہوجائیں گے اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِينَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ

بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکرگزاروں میں رہو۔ اور انہوں نے اللہ کی قدرشناسی جیسی کرنی چاہیئے تھی نہیں کی

وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهٖ

اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہو گی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے

سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۶۷﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ

اور وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔اور جب صور پھونکا جائے گا

فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ

تو جو لوگ آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بیہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جس کو اللہ چاہے

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿۶۸﴾

پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيْٓءَ بِالنَّبِيِّيْنَ
اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر
وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٩﴾
اور گواہ حاضر کئے جائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٧٠﴾
اور جس شخص نے جو عمل کیا ہوگا اس کو اس کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اس کو سب کی خبر ہے۔
وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْهَا
اور کافروں کو گروہ گروہ بنا کر جہنم کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے
فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ
تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں
مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا
آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے
قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧١﴾
کہیں گے کیوں نہیں لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم ثابت ہو چکا تھا
قِيْلَ ادْخُلُوْٓا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٢﴾
کہا جائے گا کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اس میں رہو گے تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے۔
وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى إِذَا جَآءُوْهَا
اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کو گروہ گروہ بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ جب

وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ

اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام تم

فَادْخُلُوهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا

بہت اچھے رہے اب اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔ وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے وعدے کو ہم سے سچا کر دیا

الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾

اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا ہم بہشت میں جس مکان میں چاہیں رہیں تو عمل کرنے والوں کا بدلا بھی کیسا خوب ہے۔

وَتَرَى الْمَلَآئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہوئے ہیں (اور) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں

وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہان کا مالک ہے

سورة المومن مكية [۱]

---

[۱] یہاں سے سورۂ احقاف تک سات سورتیں حٰمٓ سے شروع ہوتی ہیں، ان کو الم حٰمٓ یا حوامیم کہا جاتا ہے، ابن مسعودؓ نے فرمایا آل حٰمٓ دیباج القرآن، دیباج ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں، مراد اس سے زینت ہے۔ اور مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ ان کو عرائس کہا جاتا ہے یعنی دلہنیں، اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک مغز اور خلاصہ ہوتا ہے، قرآن کا خلاصہ آل حٰمٓ ہیں، یا فرمایا کہ حوامیم ہیں، یہ سب روایتیں ابوعبید بن سلام نے اپنی کتاب فضائل القران میں لکھی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنۡبِ

حٰمٓ. اس کتاب کا اتارا جانا اللہ غالب ودانا کی طرف سے ہے۔ جو گناہ بخشنے والا

وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ذِی الطَّوۡلِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾

اور توبہ قبول کرنے والا ہے اور سخت عذاب دینے والا اور صاحبِ کرم ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف پھر کر جانا ہے

مَا یُجَادِلُ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ اِلَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَلَا یَغۡرُرۡکَ تَقَلُّبُہُمۡ فِی الۡبِلَادِ ﴿۴﴾

اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں تو ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے

کَذَّبَتۡ قَبۡلَہُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ ۪ وَ ہَمَّتۡ کُلُّ اُمَّۃٍۭ

ان سے پہلے نوح کی قوم اور ان کے بعد اور امتوں نے بھی (پیغمبروں کی) تکذیب کی اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے

بِرَسُوۡلِہِمۡ لِیَاۡخُذُوۡہُ وَ جٰدَلُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِہِ الۡحَقَّ

بارے میں یہی قصد کیا کہ اس کو پکڑ لیں اور بیہودہ (شبہات سے) جھگڑتے رہے کہ اس سے حق کو زائل کر دیں

فَاَخَذۡتُہُمۡ ۟ فَکَیۡفَ کَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ وَ کَذٰلِکَ حَقَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ

تو میں نے ان کو پکڑ لیا (سو دیکھ لو) کہ میرا عذاب کیسا ہوا۔ اور اسی طرح کافروں کے بارے میں بھی تمہارے رب کی بات

عَلَی الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّہُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾ اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ

پوری ہو چکی ہے کہ وہ اہلِ دوزخ ہے۔ جو عرش کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے گردا گرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں

وَ مَنۡ حَوۡلَہٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ وَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ

(یعنی فرشتے) وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور مومنوں کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں

آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا

کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی

وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا

اور تیرے رستے پر چلے ان کو بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ اے ہمارے پروردگار!

وَأَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَآئِهِمْ

ان کو ہمیشہ رہنے کے بہشتوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں

وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۸﴾ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ

اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوں ان کو بھی بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔ اور ان کو عذابوں سے بچائے رکھ

وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾

اور جس کو تو اس روز عذابوں سے بچا لے گا تو نے بیشک اس پر مہربانی فرمائی اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ أَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ

جن لوگوں نے کفر کیا ان سے پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ جب تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے اور مانتے نہیں

إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا

تھے تو اللہ اس سے کہیں زیادہ بیزار ہوتا تھا جس قدر تم اپنے آپ سے بیزار ہو رہے ہو۔ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار!

أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ إِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾

تو نے ہم کو دو دفعہ مار دیا اور دو دفعہ جان بخشی ہم کو اپنے گناہوں کا اقرار ہے تو کیا نکلنے کی کوئی سبیل ہے؟[2]

---

[2] "قالوا ربنا امتنا اثنتین" جہنم میں داخل ہونے کے بعد مشرکین جہنم سے نکلنے کی راہیں تلاش کریں گے،=

ذٰلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا

یہ اس لئے کہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کر دیتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تسلیم کر لیتے تھے

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿١٢﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ آيٰتِهٖ

تو حکم تو اللہ ہی کا ہے جو (سب سے) اوپر اور (سب سے) بڑا ہے۔ وہی تو ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے

وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾

اور تم پر آسمان سے رزق اتارتا ہے اور نصیحت تو وہی پکڑتا ہے جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١٤﴾

تو اللہ کی عبادت کو خالص کر کے اسی کو پکارو اگرچہ کافر برا ہی مانیں۔

=اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے دوبارہ ہمیں موت سے دوچار کیا اور دوبارہ ہمیں زندگی بخشی، ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، اور جس حشر ونشر کا انکار کیا کرتے تھے آج اس پر ایمان لاتے ہیں، کیا اب کوئی صورت ہے کہ ہمیں دوزخ سے نکال کر ایک بار پھر دنیا کی زندگی مل جائے؟ تو ہم تیری پوری پوری فرمانبرداری کریں گے۔

والمراد طلب الخروج نظیر، فارجعنا نعمل صالحا، السجدة: ١٢، (روح) پہلی موت سے مراد عدم ہے جب وہ اصلاب آباء میں تھے، اور دوسری موت وہ ہے جو دنیا کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے، اور پہلی بار احیاء سے دنیا میں پیدا کرنا مراد ہے اور دوسری بار احیاء سے بعث بعد الموت مراد ہے۔ قال ابن مسعودؓ وابن عباسؓ وقتادة وضحاک، کانوا امواتا فی اصلاب آبائهم ثم احیاهم ثم اماتهم الموتة التی لابد منها فی الدنیا، ثم احیاهم للبعث والقیامة، فهاتان حیاتان وموتتان وهو قوله تعالى کیف تکفرون بالله وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ، بقرہ: ٢٨، (قرطبی)

رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الۡعَرۡشِ یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ

(وہ) مالک درجات عالی اور صاحبِ عرش ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی بھیجتا ہے

عِبَادِہٖ لِیُنۡذِرَ یَوۡمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ یَوۡمَ ہُمۡ بٰرِزُوۡنَ لَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنۡہُمۡ

تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔ جس روز وہ نکل پڑیں گے ان کی کوئی چیز اللہ سے مخفی نہ رہے گی

شَیۡءٌ لِّمَنِ الۡمُلۡکُ الۡیَوۡمَ لِلّٰہِ الۡوَاحِدِ الۡقَہَّارِ ﴿۱۶﴾

آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ کی جو اکیلا اورغالب ہے۔

اَلۡیَوۡمَ تُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ لَا ظُلۡمَ الۡیَوۡمَ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ

آج کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلا دیا جائے گا آج بے انصافی نہیں ہوگی بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

﴿۱۷﴾ وَ اَنۡذِرۡہُمۡ یَوۡمَ الۡاٰزِفَۃِ اِذِ الۡقُلُوۡبُ لَدَی الۡحَنَاجِرِ

اور ان کو قریب آنے والے دن سے ڈراؤ جب کہ دل غم سے بھر کر گلوں تک آ رہے ہوں گے

کٰظِمِیۡنَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ حَمِیۡمٍ وَّ لَا شَفِیۡعٍ یُّطَاعُ ﴿۱۸﴾

(اور) ظالموں کا کوئی دوست نہیں ہو گا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات قبول کی جائے۔

یَعۡلَمُ خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ وَ مَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾ وَ اللّٰہُ یَقۡضِیۡ بِالۡحَقِّ

وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو بھی)۔ اور اللہ سچائی کے ساتھ حکم فرماتا

وَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَقۡضُوۡنَ بِشَیۡءٍ اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۲۰﴾

ہے اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں دے سکتے بیشک اللہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ

کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا

كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّآثَارًا فِى الْأَرْضِ

وہ ان سے زور اور زمین میں نشانات (بنانے) کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے تو اللہ نے

فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی بھی بچانے والا نہ تھا۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَّأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ

یہ اس لئے کہ ان کے پاس پیغمبر کھلی دلیلیں لاتے تھے سواللہ نے ان کو پکڑ لیا

إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسٰى بِآيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ

بیشک وہ صاحبِ قوت (اور) سخت عذاب دینے والا ہے۔ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور دلیلِ روشن دے کر بھیجا۔

﴿۲۳﴾ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

(یعنی) فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے جھوٹا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوٓا أَبْنَآءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

توجب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ جو اس کے ساتھ (اللہ پر) ایمان لائے ہیں

وَاسْتَحْيُوا نِسَآءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِى ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی تدبیریں بے ٹھکانے ہوتی ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِىٓ أَقْتُلْ مُوسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّىٓ أَخَافُ

اور فرعون بولا کہ مجھے چھوڑو کہ موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے پروردگار کو بلا لے مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں تمہارے دین کو (نہ)

أَنْ يُّبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُّظْهِرَ فِى الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوسٰىٓ إِنِّى

بدل دے یا ملک میں فساد (نہ) پیدا کر دے۔ موسیٰ نے کہا کہ میں

عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

ہر متکبر سے جو حساب کے دن (یعنی قیامت) پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيْمَانَهٗ أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا أَنْ يَّقُوْلَ

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا کہنے لگا کہ ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا

رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ وَإِنْ يَّكُ كٰذِبًا

ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار (کی طرف) سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا

فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَإِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ يَعِدُكُمْ

ہوگا تو اس کے جھوٹ کا ضرر اسی کو ہوگا اور اگر سچا ہوگا تو کوئی سا عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر واقع ہو کر رہے گا

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ

بیشک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ جھوٹا ہو۔[3] اے قوم! آج تمہاری ہی بادشاہت ہے اور تم ہی ملک میں

الْيَوْمَ ظَاهِرِيْنَ فِی الْأَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللّٰهِ إِنْ جَآءَنَا

غالب ہو (لیکن) اگر ہم پر اللہ کا عذاب آ گیا تو (اس کے دُور کرنے کے لئے) ہماری مدد کون کرے گا

قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيْكُمْ إِلَّا مَآ أَرٰى وَمَا أَهْدِيْكُمْ إِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

فرعون نے کہا کہ میں تمہیں وہی بات سمجھاتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے اور وہی راہ بتاتا ہوں جس میں بھلائی ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْ آمَنَ يٰقَوْمِ إِنِّیْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ﴿۳۰﴾

تو جو مومن تھا وہ کہنے لگا کہ اے قوم! مجھے تمہاری نسبت خوف ہے کہ تم پر اور امتوں کی طرح کے دن کا عذاب آ جائے

---

[3] "قال رجل مومن" جب فرعون کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا پروگرام بن رہا تھا اس وقت قوم

فرعون ہی کا ایک آدمی اس گھناؤنے جرم کے خلاف اواز اٹھاتا ہے، یہ آدمی فرعون کا چچازاد بھائی تھا، اور در پردہ موسی علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا ''مومن ،من ال فرعون، یکتم ایمانه'' تینوں رجل کی صفات ہیں، دوسری صفت کو تیسری صفت پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ وہ رجل مومن آل فرعون سے تھا، اگر اس کا عکس ہوتا تو من ال فرعون ،یکتم ، سے متعلق ہو جاتا، اور اس طرح وہ فائدہ حاصل نہ ہوتا، مومن ال فرعون اگر چہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، لیکن موسی علیہ السلام کے قتل کا پروگرام سن کر اس سے نہ رہا گیا اور بول اٹھا ''اتقتلون رجلا'' تم ایک شخص کو ناحق قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، میں اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرونگا؟ تو یہ بات تو قتل کی وجہ نہیں بن سکتی، کیونکہ اس کا یہ دعویٰ غلط نہیں، بلکہ سراپا حق ہے، اور وہ اپنی سچائی اور اپنے دعوے کی حقانیت پر تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلے دلائل اور واضح معجزات لیکر آیا ہے، جن کا تم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہو، اس لئے اسے قتل کرنے کے لئے تمہارے پاس کوئی وجہ جواز نہیں تم اس سے باز آ جاؤ۔

عن علیؓ انه قال: ایها الناس اخبرونی باشجع الناس قالوا انت قال لا قالوا فمن؟ قال ابوبکر، لقد رأیت رسول اللهﷺ واخذته قریش هذا یحثُّه ....فقال علیؓ انشدکم بالله امومن آل فرعون خیرام ابوبکر؟فسکت القوم ،فقال الاتجیبونی فوالله لساعة ابی بکر خیرمن ملإ الارض من مومن آل فرعون، ذاک رجل کتم ایمانه وهٰذا رجل اعلن ایمانه.(مسند البزار رقم: ۷٦۱، ۱۵/۳ .ودرمنثور.

علیؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آپؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ آپؓ تو علیؓ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ بہادر ابوبکرؓ ہے، کیونکہ میں نے ایک دن رسول اللہﷺ کو حرم میں دیکھا، کہ قریش آپ کی بے عزتی کر رہے تھے، اور کوئی گالیاں دے رہے تھے، اور بعض مکوں سے مار رہے تھے، ہم میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ رسول اللہﷺ سے دفاع کرتے، اچانک ابوبکرؓ تشریف فرما ہوئے اور ان لوگوں کو گالی گلوچ دے کر کسی کو کھینچا اور کسی کو مارا، اور یہ آیت تلاوت فرمایا، اس کے بعد علیؓ نے کہا کہ اے لوگو! میں تمکو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ ابوبکرؓ بہتر تھے یا مومن آل فرعون؟ ابوبکرؓ نے ایمان کا اظہار کر کے رسولﷺ کی مدد کی، اور مومن ال فرعون نے ایمان چھپا کر موسٰی علیہ السلام کی دفاع کی۔

مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۚ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ

(یعنی) نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوئے ہیں ان کے حال کی طرح (تمہارا حال نہ ہو جائے) اور

ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَيٰقَوْمِ إِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾

اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اور اے قوم! مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن (یعنی قیامت) کا خوف ہے۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ

جس دن تم پیٹھ پھیر کر (قیامت کے دن سے) بھاگو گے (اس دن) تم کو کوئی (عذاب) اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ

اور جس شخص کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے

بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ

تھے تو جو وہ لائے تھے اس سے تم ہمیشہ شک ہی میں رہے یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے

لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

کہ اللہ اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا اسی طرح اللہ اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہو

مُّرْتَابٌ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ آيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ أَتٰهُمْ

جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ

اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ جھگڑا سخت ناپسند ہے اسی طرح اللہ

عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا

ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ اور فرعون نے کہا کہ ہامان میرے لئے ایک محل بنوا

لَّعَلِّیۡۤ اَبۡلُغُ الۡاَسۡبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰہِ مُوۡسٰی

تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) رستوں پر پہنچ جاؤں۔ یعنی آسمانوں کے رستوں پر پھر موسٰی کے معبود (اللہ) کو دیکھ لوں

وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّہٗ کَاذِبًا ؕ وَ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ عَمَلِہٖ

اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کو اس کے اعمالِ بد اچھے معلوم ہوتے تھے

وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیۡلِ ؕ وَ مَا کَیۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِیۡ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

اور وہ رستے سے روک دیا گیا تھا اور فرعون کی تدبیر تو بے کار تھی۔

وَ قَالَ الَّذِیۡۤ اٰمَنَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَہۡدِکُمۡ سَبِیۡلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾

اور وہ شخص جو مومن تھا اس نے کہا کہ میرے بھائیو! میرے پیچھے چلو میں تمہیں بھلائی کا رستہ دکھاؤں۔

یٰقَوۡمِ اِنَّمَا ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الۡاٰخِرَۃَ ہِیَ دَارُ الۡقَرَارِ ﴿۳۹﴾

بھائیو! یہ دنیا کی زندگی (چند روز) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَہَا ۚ وَ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی

جو بُرے کام کرے گا اس کو بدلا بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت

وَ ہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡہَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہوگا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

وَ یٰقَوۡمِ مَا لِیۡۤ اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی النَّجٰوۃِ وَ تَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾

اور اے قوم! میرا کیا (حال) ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے (دوزخ کی) آگ کی طرف بلاتے ہو۔

تَدۡعُوۡنَنِیۡ لِاَکۡفُرَ بِاللّٰہِ وَ اُشۡرِکَ بِہٖ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ

۴۱۔ تم مجھے اس لئے بلاتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس چیز کو اس کا شریک مقرر کروں جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں

وَاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ

اور میں تم کو (اللہ) غالب (اور) بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو

لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ

اس کو دنیا اور آخرت میں بلانے (یعنی دعا قبول کرنے کا) مقدور نہیں اور ہم کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے

وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ

اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں۔ جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اسے آگے چل کر یاد کرو گے

وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

اور میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بیشک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

تو اللہ نے اس کو ان لوگوں کی تدبیروں کی بُرائیوں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں کو بُرے عذاب نے آ گھیرا

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَّيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ

(یعنی) کہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون

فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا

والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کرو۔[4] اور جب وہ دوزخ میں جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے آدمیوں سے کہیں گے

---

[4] عذاب قبر کے اثبات میں یہ آیت بڑی واضح دلیل ہے، قیامت سے پہلے انہیں جس عذاب پر پیش کیا جا رہا ہے، وہی عذاب قبر ہے، یاد رہے کہ آگ پر پیشی آل فرعون کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس میں تمام مجرمین شامل ہیں چنانچہ حدیث میں ہے: ان احدکم اذامات عرض علیه مقعده بالغداۃ و العشی، ان کان من اھل الجنة فمن اھل الجنة، وان کان من اھل النارفمن اھل النار،فیقال ھذامقعدک حتی یبعثک اللہ یوم القیامة، بخاری

کتاب الجنائز: رقم: ۱۳۷۹. مسلم: ۲۸۶۶.

بیشک جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کا ٹھکانہ اسے صبح وشام دکھایا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہے، تو جنت میں سے اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے، اور اگر وہ دوزخی ہے تو دوزخ والوں میں، پھر کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھ کو اٹھائے گا۔

معلوم ہوا کہ صبح وشام آگ پر پیشی صرف آل فرعون کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جن کی اعمال فرعون اور آل فرعون جیسے ہوں۔

دوسری وجہ استدلال اس ایت میں یہ ہے کہ قیامت کے دن فرشتوں سے کہا جائے گا۔ کہ قوم فرعون کو زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس سے پہلے جوان کو کم عذاب دیا گیا۔ وہ عذاب برزخ تھا، کیونکہ روز محشر تو انہیں اشد العذاب ہوگا۔ اس کے مقابلے میں پہلے والا عذاب اتنا سخت نہیں تھا، اس لئے سوء العذاب ، النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا، فرمایا، اور پھر بعد میں [ادخلوا ال فرعون اشد العذاب] فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ قیامت سے قبل جو عذاب دیا گیا تھا، وہ تھا تو عذاب مگر قیامت کے سخت عذاب کے مقابلے میں کچھ نہیں تھا۔ امام فخر الدین رازی اس ایت کے متعلق لکھتے ہیں؟ احتج اصحابنا بھذہ الایة علی اثبات عذاب القبر، قالوا الایة تقتضی عرض النار علیھم غدوا وعشیا، ولیس المراد منه یوم القیامة لانه قال: [ویوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب] ولیس المراد منه الدنیا لان عرض النار علیھم غدوا وعشیا ما کان حاصلا فی الدنیا، فثبت ان ھذا العرض انما حصل بعد الموت، وقبل یوم القیامة، وذلک یدل علی اثبات عذاب القبر فی حق ھؤلاء ، واذا ثبت فی حقھم ثبت فی حق غیرھم ، لانه لا قائل بالفرق (بحواله تحفة الاحوذی: ۹/ ۲۶۶).

ہمارے اصحاب نے اس ایت سے عذاب قبر کی استدلال کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ ایت ان ال فرعون پر صبح وشام آگ پیش کرنے کا تقاضا کرتی ہے، اور اس پیشی سے مراد نہ تو قیامت کا دن ہے کیونکہ اس کے لئے [ویوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب] اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ ال فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو فرمایا ہے، اور نہ ہی اس سے مراد دنیا کا دن ہے، کیونکہ صبح وشام ان پر آگ کی پیشی صرف دنیا میں حاصل نہیں ہوئی، پس ثابت ہو گیا کہ یہ پیشی فرعونیوں کے بارے میں عذاب قبر کے برحق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ جب=

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

کہ ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا تم دوزخ (کے عذاب) کا کچھ حصہ ہم سے دُور کر سکتے ہو؟

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾

بڑے آدمی کہیں گے کہ تم (بھی اور) ہم (بھی) سب دوزخ میں (رہیں گے) اللہ بندوں میں فیصلہ کر چکا ہے

= ان فرعونیوں کے بارے میں عذاب قبر ثابت ہوگیا تو دوسروں کے بارے میں بھی ثابت ہوگیا اس لئے کہ اللہ تعالی کا فرمان سب کے لئے یکساں ہے۔

یہی بات حسن بن محمدنیسابوری بھی فرماتے ہیں:وفی ھذہ الایة دلالة ظاھرة علی اثبات عذاب القبر،لان تعذیب یوم القیامة یجئ فی قوله [ویوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب].

اس ایت میں اثبات عذاب قبر کی واضح دلیل ہے کیونکہ قیامت کے دن عذاب دینے کا ذکر تو اس فرمان میں ہے:[ویوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب]

امام ابن کثیر فرماتے ہیں: ہر صبح وشام ان کی روحیں جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں، قیامت تک انہیں یہ عذاب ہوتا رہے گا۔اور قیامت کے دن ان کی روحیں جسم سمیت جہنم میں ڈال دی جائیں گی، اور اس دن ان سے کہا جائے گا اے ال فرعون سخت دردناک اور بہت زیادہ تکلیف دہ عذاب میں چلے جاؤ، یہ ایت اہل السنة کے اس مذہب کی کہ عالم برزخ (یعنی قبروں) میں عذاب ہوتا ہے، بہت بڑی دلیل ہے ۔(تفسیر ابن کثیر اردو مترجم:۴۵۳/۴)

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:ذھب الجمھوران ھذا العرض ھوفی البرزخ [ویوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب] واضح طور پر دلالت کررہا ہے کہ بیشک یہ (آگ پر) پیش کیا جانا برزخ ہی میں ہوتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾

اور جو لوگ آگ میں ہوں گے وہ دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ ایک روز تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے

قَالُوْا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا بَلٰى

وہ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں

قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ إِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

تو وہ کہیں گے کہ تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا (اس روز) بیکار ہو گی۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْأَشْهَادُ ﴿۵۱﴾

ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

(یعنی قیامت کو بھی)۔ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت اور برا گھر ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَأَوْرَثْنَا بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ الْكِتَابَ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت (کی کتاب) دی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔

هُدًى وَذِكْرٰى لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

عقل والوں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔ تو صبر کرو بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۵۵﴾

اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور صبح و شام اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ آيَاتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ أَتَاهُمْ إِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ

جو لوگ بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں ان کے دلوں میں اور کچھ نہیں (ارادہٗ)

إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُم بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾

عظمت ہے اور وہ اس کو پہنچنے والے نہیں تو اللہ کی پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بڑا (کام) ہے لیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

نہیں جانتے۔ اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ ایمان لانے والے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾

اور نہ بدکار (برابر ہیں حقیقت یہ ہے کہ)تم بہت کم غور کرتے ہو۔

إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾

قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ

اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا جو لوگ

يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾

میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے[5]

---

[5]نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ الدعاء هو العبادة ثم قرأ هذه الاية: یعنی دعاء ہی عبادت ہے پھر رسول پاک ﷺ نے یہ ایت تلاوت کی۔ اس روایت کوابوداؤد نے رقم:١٤٧٩، میں نقل کی ہے۔ اورترمذی نے ابوہریرہؓ سے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من لم يسأل الله يغضب عليه جواللہ سے سوال نہ کرے اللہ تعالی اس سے ناراض ہوجاتا ہے۔ رقم:٣٣٧٣۔ ابن کثیر نے ایک شعر بھی نقل کیا ہے کہ:=

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا (کہ اس میں کام کرو) بیشک اللہ

لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ

یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟

﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ یُؤْفَكُ الَّذِیْنَ كَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾

اسی طرح وہ لوگ بھٹک رہے تھے جو اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ

اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی

صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ

خوب بنائیں اور تمہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے پس اللہ پروردگارِ عالم

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ

بہت ہی بابرکت ہے۔ وہ زندہ ہے (جسے موت نہیں) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو اس کی عبادت کو خالص کر

=الله يغضب ان تركت سواله ☆ وبنى ادم حين يسأل يغضب

یعنی اللہ تعالی کی شان یہ ہے کہ جب تو ان سے نہ مانگے تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور انسان کی حالت یہ ہے کہ اس سے مانگو تو وہ روٹھ جاتا ہے۔

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

اسی کو پکارو ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔

قُلْ إِنِّيْ نُهِيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

(اے محمد ﷺ! ان سے) کہہ دو کہ مجھے اس بات کی ممانعت کی گئی ہے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ان کی پرستش کروں

لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾

جب کہ میرے پاس میرے پروردگار سے کھلی دلیلیں آ چکی ہیں اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ پروردگارِ عالم ہی کا تابع فرمان رہوں

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ

وہی تو ہے جس نے تم کو (پہلے) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر لوتھڑا بنا کر پھر تم کو نکالتا ہے

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا وَّمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى

(کہ تم) بچے (ہوتے ہو) پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو پھر بوڑھے ہو جاتے ہو اور کوئی تو تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے

مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْا أَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور تم وقت مقرر تک پہنچ جاتے ہو اور تاکہ تم سمجھو۔

هُوَ الَّذِيْ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ فَإِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

وہی تو ہے جو جلاتا اور مارتا ہے پھر جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ آيٰتِ اللّٰهِ أَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں یہ کہاں بھٹک رہے ہیں؟

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾

جن لوگوں نے کتابُ (اللہ) کو اور جو کچھ ہم نے پیغمبروں کو دے کر بھیجا اس کو جھٹلایا وہ عنقریب معلوم کر لیں گے

إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿۷۱﴾ فِي الْحَمِيمِ

جب کہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی (اور) گھسیٹے جائیں گے۔ (یعنی) کھولتے ہوئے پانی میں

ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿۷۳﴾

پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم (اللہ کے) شریک بناتے تھے؟

مِن دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُوا مِن قَبْلُ شَيْئًا

(یعنی) اللہ کے سوا کہیں گے وہ تو ہم سے جاتے رہے بلکہ ہم تو پہلے کسی چیز کو پکارتے ہی نہیں تھے

كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿۷۴﴾ ذَٰلِكُم بِمَا كُنتُمْ تَفْرَحُونَ

اسی طرح اللہ کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔ یہ اس کا بدلا ہے کہ تم زمین میں حق کے بغیر (یعنی اس کے خلاف) خوش ہوا

فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿۷۵﴾ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ

کرتے تھے اور اس کی (سزا ہے) کہ تم اترایا کرتے تھے۔ (اب) جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ

خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ

ہمیشہ اسی میں رہو گے متکبروں کا کیا بُرا ٹھکانہ ہے ۔تو (اے پیغمبر!) صبر کرو اللہ کا وعدہ سچا ہے

فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۷۷﴾

اگر ہم تم کو کچھ اس میں سے دکھا دیں جس کا ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں یا تمہاری مدتِ حیات پوری کر دیں تو ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ

اور ہم نے تم سے پہلے (بہت سے) پیغمبر بھیجے ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات تم سے بیان کر دیئے ہیں

وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ

اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کئے اور کسی پیغمبر کا مقدور نہ تھا کہ اللہ کے حکم کے سوا کوئی نشانی لائے

إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ فَإِذَا جَآءَ أَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾

پھر جب اللہ کا حکم آ پہنچا تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور اہلِ باطل نقصان میں پڑ گئے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے چارپائے پیدا کئے تاکہ ان میں سے بعض پر سوار ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ

اورتمہارے لئے ان میں (اور بھی) فائدے ہیں اوراس لئے بھی کہ (کہیں جانے کی) تمہارے دلوں میں جو حاجت ہو

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَيُرِيْكُمْ آيٰتِهٖ

ان پر (چڑھ کر وہاں) پہنچ جاؤ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو۔اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے

فَأَيَّ آيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾ أَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ

تو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کو نہ مانو گے۔کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھتے

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْآ أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً

کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا (حالانکہ) وہ ان سے کہیں زیادہ اور طاقتور

وَّآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور زمین میں نشانات (بنانے) کے اعتبار سے بہت بڑھ کر تھے تو جو کچھ وہ کرتے تھے وہ ان کے کچھ کام نہ آیا

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ

اور جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو جو علم (اپنے خیال میں) ان کے پاس تھا

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا

اس پر اترانے لگے اور جس چیز سے تمسخر کیا کرتے تھے اس نے ان کو آ گھیرا۔ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا

قَالُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾

تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس سے نامعتقد ہوئے۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ط

لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا (یہ) اللہ کی سنت (ہے)

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

جو اس کے بندوں (کے بارے) میں چلی آتی ہے اور وہاں کافر گھاٹے میں پڑ گئے۔

سورۃ حٰمٓ سجدہ (مکیۃ)[1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ آيٰتُهٗ

حٰمٓ۔ (یہ کتاب اللہ) رحمٰن و رحیم (کی طرف) سے اتری ہے۔ (ایسی) کتاب جس کی آیتیں واضح (المعانی) ہیں

قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

(یعنی) قرآن عربی ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ جو بشارت بھی سناتا ہے اور خوف بھی دلاتا ہے لیکن ان میں سے

---

[1] جابر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ ایک دن قریش نے جمع ہوکر آپس میں مشاورت کی کہ جادو، کہانت، اور شعر شاعری میں جو سب سے زیادہ ہو اسے لے کر اس شخص کے پاس چلیں (یعنی نبی کریم ﷺ کے پاس) جس نے ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی ہے، اور ہمارے کام میں پھوٹ ڈال دی ہے، اور ہمارے دین میں عیب گیری شروع کردی ہے، وہ اس سے مناظرہ کرے اور اسے ہرادے، اور لاجواب کردے۔ سب نے کہا کہ ایسا شخص تو ہم میں بجز عتبہ

بن ربیعہ کے اور کوئی نہیں۔

چنانچہ یہ سب ملکر عتبہ کے پاس آئے اور اپنی متفقہ خواہش ظاہر کی، اس نے قوم کی بات رکھ لی اور تیار ہو کر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ آ کر کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ یہ تو بتا تو اچھا ہے یا عبداللہ؟ (یعنی آپ ﷺ کے والد صاحب) آپ نے کوئی جواب نہ دیا، اس نے دوسرا سوال کیا کہ اچھا جواب دے تو اچھا ہے یا تیرا دادا عبد المطلب؟ نبی کریم ﷺ اس پر بھی خاموش رہے وہ کہنے لگا سن! اگر تو اپنے باپ دادوں کو اچھا سمجھتا ہے تب تو تجھے معلوم ہے کہ وہ انہیں معبودوں کو پوجتے رہے جنہیں ہم سب پوجتے ہیں، اور جن کی تو عیب گیری کرتا رہتا ہے، اور اگر تو اپنے تئیں ان سے بہتر سمجھتا ہے تو کلام کر ہم بھی تیرے بات سنے، اللہ تعالی کی قسم دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لئے تجھ سے زیادہ ضرررسان پیدا نہیں ہوا، تو نے ہماری شیرازہ بندی توڑ دی، تو نے ہمارے اتفاق کو نفاق سے بدل دیا۔ تو نے ہمارے دین کو عیب دار بتایا، اور اس میں برائی نکالی، تو نے ساری عرب میں ہمیں بدنام اور رسوا کر دیا، آج ہر جگہ یہی تذکرہ ہے کہ قریشیوں میں ایک جادوگر ہے قریشیوں میں ایک کاہن ہے اب تو یہی ایک بات باقی رہ گئی ہے، کہ ہم آپس میں سر پھٹول ہو، ایک دوسرے کے سامنے ہتھیار لگا کر آ جائے اور یوں ہی لڑ ابھڑ اکر تو ہم سب کو پناہ کر دینا چاہتا ہے، سن! اگر تجھے مال کی خواہش ہے تو لے ہم سب مل کر تجھے اس قدر مال دار بنا دیتے ہیں کہ عرب میں تیرے برابر کوئی اور تونگر نہیں نکلے، اور اگر تجھے عورتوں کی خواہش ہے تو ہم میں سے جس کی بیٹی تجھے پسند ہو تو بتا ہم ایک چھوڑ دس دس شادیاں تیری کرا دیتے ہیں، یہ سب کچھ کہہ کر اب اس نے ذرا سانس لیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بس کہہ چکے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا اب میری سنو! چنانچہ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اسی صورت کی تلاوت شروع کی اور تقریباً تیرہ آیات (**مثل صاعقة عاد و ثمود**) تک پڑھا، اتنا سنکر عتبہ بول اٹھا، بس کیجئے، بس کیجئے، تیرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، اب یہ یہاں سے اٹھ کر چل گیا قریش کا مجمع اس کا منتظر تھا، اس نے دیکھتے ہی پوچھا کہو کیا بات رہی؟ عتبہ نے کہا سنو! تم سب ملکر جو کچھ اسے کہہ سکتے تھے میں نے اکیلے ہی وہ سب کچھ کہہ ڈالا۔ انہوں نے کہا پھر اس نے کچھ جواب بھی دیا؟ کہا ہاں، جواب تو دیا لیکن باللہ میں تو ایک حرف بھی اس کا سمجھ نہ سکا التبہ اتنا سمجھا ہوں کہ انہوں نے ہم سب کو عذاب آسمانی سے ڈرایا ہے جو عذاب عادیوں اور ثمودیوں پر آیا تھا انہوں نے کہا تجھے اللہ کی مار ایک شخص عربی زبان میں جو تیری اپنی زبان ہے، تجھ سے کلام کر رہا ہے اور تو کہتا ہے کہ میں سمجھا ہی نہیں اس نے کیا کہا؟ عتبہ نے جواب دیا کہ میں سچ کہتا ہوں بجز ذکر عذاب کے میں کچھ نہیں سمجھا۔ (بغوی و ابن کثیر)۔

فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٤﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا

اکثروں نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس سے ہمارے دل پردوں

تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ

میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (یعنی بہرا پن) ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے تو تم (اپنا) کام کرو

إِنَّنَا عَامِلُونَ ﴿٥﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ

ہم (اپنا) کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم (ہاں) مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود اللہ واحد ہے

وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ﴿٦﴾

تو سیدھے اسی کی طرف (متوجہ) رہو اور اسی سے مغفرت مانگو اور مشرکوں کیلئے ہلاکت ہے۔

الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ ﴿٧﴾

جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی قائل نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٨﴾

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے (ایسا) ثواب ہے جو ختم ہی نہ ہو۔

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا

کہو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور (بتوں کو) اس کا مدِ مقابل بناتے ہو؟

ذٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٩﴾ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا

وہی تو سارے جہان کا مالک ہے۔ اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی

وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴿١٠﴾

اور اسمیں سب سامانِ معیشت مقرر کیا (سب) چار دن میں یہ پوراجواب ہے سائلین کے لئے

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے

اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِىْ يَوْمَيْنِ

خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔پھر دو دن میں سات آسمان بنائے

وَاَوْحٰى فِىْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

اور ہر آسمان میں اس (کے) کام کا حکم بھیجا اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے مزین کیا

وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا

اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا یہ زبردست (اور) خبردار کے (مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں[2] پھر اگر یہ منہ پھیر لیں

فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾

تو کہہ دو کہ میں تم کو ایسے چنگھاڑ (کے عذاب) سے آگاہ کرتا ہوں جیسے عاد اور ثمود پر چنگھاڑ (کا عذاب آیا تھا)

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ قَالُوْا

جب ان کے پاس پیغمبر ان کے آگے اور پیچھے سے آئے کہ اللہ کی سوا (کسی کی) عبادت نہ کرو کہنے لگے

---

[2] امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ تفسیر نقل کیا ہے کہ زمیں کواللہ تعالیٰ نے دودن میں پیدا کیا ہے یعنی اتوار اور پیر کے دن۔اور زمین میں زمین کے اوپر ہی پہاڑ بنادیے،اور زمین کواس نے بابرکت بنایا،تم اس میں بیج بوتے ہودرخت اور پھل وغیرہ اس میں پیدا ہوتے ہیں۔اور اہل زمین کوجن چیزوں کی احتیاج ہے وہ اسی میں پیدا ہوتی رہتی ہیں،کھیتوں اور باغات کی جگہیں اس میں اس نے بنادی ہیں۔زمین کی یہ درستی منگل وبدھ کے دن ہوئی۔ چاردن میں زمین کی پیدائش ختم ہوئی جولوگ اس کی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔انہیں پورا جواب مل گیا۔زمین کے ہر حصے میں اس نے وہ چیز مہیا کردی جو وہاں والوں کے لائق تھی مثلاً عصب یمن میں،سابوری سابور میں طیالسہ رے میں،یہی

مطلب آیت کے آخری جملے کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کی جو حاجت تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مہیا کر دی۔ اس معنی کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے: وآتٰکم من کل ماسألتموہ (ابراھیم: ۳۴) :تم نے جو مانگا اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا' واللہ اعلم' پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی، وہ دھویں کی شکل میں تھا، زمین کے پیدا کیے جانے کے وقت پانی کے جو بخارات اٹھے تھے، اب دونوں سے فرمایا کہ یا تو میرے حکم کو مانوں اور جو میں کہتا ہوں ہو جاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں مثلاً آسمانوں کو حکم ہوا کہ سورج، چاند، ستارے طلوع کرے زمین سے فرمایا اپنی نہریں جاری کر اپنے پھل اگاؤ غیرہ۔ دونوں فرمانبرداری کے لئے راضی خوشی تیار ہو گئے اور عرض کیا کہ ہم مع اس تمام مخلوق کے جسے تو رچانے والا ہے تابع فرمان ہیں۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر آسمان وزمین اطاعت گزاری کا اقرار نہ کرتے تو انہیں سزا ہوتی جس کا احساس بھی انہیں ہوتا۔ پس دو دن میں ساتوں آسمان بنا دیے، یعنی جمعرات، جمعہ کے دن، اور ہر آسمان میں میں نے جو جو چیزیں اور جیسے جیسے فرشتے مقرر کرنے چاہے مقرر فرما دیے، اور آسمان دنیا کو اس نے ستاروں سے مزین کر دیا، جو زمین پر چمکتے رہتے ہیں، اور جو ان شیاطین کی نگہبانی کرتے ہیں جو، ملأ اعلیٰ کی باتیں سننے کے لئے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں۔ یہ تدبیر وانداز اس اللہ کا ہے جو سب پر غالب ہے جو کائنات کے ایک ایک چپے کی ہر چھپی کھلی حرکت کو جانتا ہے۔ اور جو روایت امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے کہ :عن ابی ھریرۃؓ قال اخذ رسول اللہ ﷺ بیدی فقال خلق اللہ التربة یوم السبت ،وخلق فیها الجبال یوم الأحد، وخلق الشجر یو م الاثنین، وخلق المکروہ یوم الثلاثاء، وخلق النور یوم الاربعاء ،وبث فیها الدواب یوم الخمیس، وخلق آدم بعد العصر یوم الجمعة، آخر الخلق فی آخر ساعة من ساعات الجمعة، فیمابین العصر الی اللیل[مسلم کتاب صفة القیامة والجنة والنار:۸/۱۲۷ ،مسند احمد : ۲/۳۲۷،مسندابی یعلی:رقم ۶۱۳۲،السنن الکبریٰ للبیھقی: ۹/۳].

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتے کے روز پیدا کیا، اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن رکھا، درخت پیر والے دن پیدا کیے۔ مکروہات کو منگل کے دن ،نور کو بدھ کے دن پیدا کیا، اور جانوروں کو زمین میں جمعرات کے دن پھیلا دیا، اور جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں آدم=

لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَآئِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتے اتار دیتا سو جو تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً

جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّكَانُوْا بِآيَاتِنَا

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں سے انکار

يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ

کرتے رہے۔ تو ہم نے بھی ان پر نحوست کے دنوں میں زور کی آندھی چلائی تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزا

لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزٰى

چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور (اس روز) ان کو مدد بھی نہ ملے گی

وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَأَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى

اور جو ثمود تھے ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا تھا مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا دھند رہنا پسند کیا

=علیہ السلام کو پیدا کیا، اور خلقت پوری ہوئی۔ مسلم اور نسائی میں یہ حدیث ہے لیکن یہ بھی غرائب صحیح میں سے ہیں۔ اور امام بخاری نے تاریخ: ۱/۴۱۳، میں اسے معلل بتلایا ہے اور فرمایا ہے کہ اسے بعض روایوں نے ابو ہریرہؓ سے اور ابو ہریرہؓ نے اسے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ جبکہ ابن کثیر نے یہاں اور سورۂ اعراف: ۵۴: میں بھی یہ قول ذکر کیا ہے۔ اور ابن تیمیہؒ نے فتاوی: ۱۷/۲۳۶، میں لکھا ہے: واما الحديث الذی رواه مسلم "خلق الله التربة يوم السبت" فهو حديث معلول الخ اسی طرح امام بیہقی نے اسماء الصفات: ۳۸۴، اور مناوی نے فیض القدیر: ۳/۴۴۸، میں یہی قول ذکر کیا ہے مزید تفصیل حاشیہ مسند احمد: ۱۴/۸۲، میں دیکھئے۔

عَلَى الْهُدٰى فَأَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو ان کے اعمال کی سزا میں کڑک نے ان کو آ پکڑا اور وہ ذلت کا عذاب تھا۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَآءُ اللّٰهِ

اورجو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ان کو ہم نے بچا لیا ۔اور جس دن اللہ کے دشمن

إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰى إِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ

دوزخ کی طرف چلائے جائیں گے تو ترتیب وار کر لئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے

وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

تو ان کے کان اور آنکھیں اور چمڑے (یعنی دوسرے اعضاء) ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گے۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا أَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْ

اور وہ اپنے چمڑوں سے کہیں گے کہ تو نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی؟ وہ کہیں گے کہ جس اللہ نے

أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

سب چیزوں کو نطق بخشا اسی نے ہم کو بھی گویائی دی اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ أَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ

اور تم اس (بات کے خوف) سے تو پردہ نہیں کرتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہارے آنکھیں

وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور چمڑے تمہارے خلاف شہادت دیں گے بلکہ تم یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہی نہیں۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

اوراسی خیال نے جو تم اپنے پروردگار کے بارے میں رکھتے تھے تم کو ہلاک کر دیا اور تم خسارہ پانے والوں میں ہو گئے۔

فَإِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

اب اگر یہ صبر کریں گے تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور اگر توبہ کریں گے تو ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اور ہم نے (شیطانوں کو) ان کا ہم نشین مقرر کر دیا تھا تو انہوں نے ان کے اگلے اور پچھلے اعمال ان کو عمدہ کر دکھائے تھے

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِىْ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ

اور جنات اور انسانوں کی جماعتیں جو ان سے پہلے گزر چکیں ان پر بھی اللہ (کے عذاب) کا وعدہ پورا ہو گیا

إِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْآنِ

بیشک یہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اور کافر کہنے لگے کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو

وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا

اور (جب پڑھنے لگیں تو) شور مچا دیا کرو تاکہ تم غالب رہو۔ سو ہم بھی کافروں کو سخت عذاب کے مزے چکھائیں گے

وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ أَعْدَآءِ اللّٰهِ

اور ان کے بُرے اعمال کی جو وہ کرتے تھے سزا دیں گے۔ یہ اللہ کے دشمنوں کا بدلا ہے (یعنی) دوزخ

النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا بِآيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

ان کے لئے اسی میں ہمیشہ کا گھر ہے یہ اس کی سزا ہے کہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ

اور کافر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جنوں اور انسانوں میں سے جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا

نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْأَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا

ان کو ہمیں دکھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے (روند) ڈالیں تاکہ وہ نہایت ذلیل ہوں۔ جن لوگوں نے کہا

اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَآئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا

کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو

وَأَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ أَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ

اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا بشارت سن لو۔ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے

الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا

اور آخرت میں بھی (تمہارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمہارا جی چاہے گا تم کو (ملے گی) اور جو چیز طلب کرو

تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ

گے تمہارے لئے (موجود ہوگی)۔(یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہے۔اور اس شخص سے بات کا اچھا

دَعَآ إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾

کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ

اور بھلائی اور بُرائی برابر نہیں ہو سکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے)

فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾

کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔

وَمَا يُلَقّٰهَآ إِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ إِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾

اور یہ بات انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہیں

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اور اگر تمہیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو بیشک وہ سنتا جانتا ہے

وَمِنْ آيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ

اور رات اور دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو

وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور نہ چاند کو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم کو اس کی عبادت منظور ہے۔

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

اگر یہ لوگ سرکشی کریں تو (اللہ کو بھی ان کی پروا نہیں) جو (فرشتے) تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح

وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمِنْ آيَاتِهٖ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً

کرتے رہتے ہیں اور (کبھی) تھکتے ہی نہیں۔ اور (اے بندے) یہ اسی کے قدرت کے نمونے ہیں کہ تو زمین کو دبی ہوئی

فَإِذَآ أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِىْ أَحْيَاهَا

(یعنی خشک) دیکھتا ہے جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو شاداب ہو جاتی اور پھولنے لگتی ہے تو جس نے زمین کو زندہ کیا

لَمُحْيِ الْمَوْتٰى إِنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِىْ

وہی مُردوں کو زندہ کرنے ولا ہے بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجراہی کرتے ہیں

آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَّنْ يَّأْتِىْٓ آمِنًا

وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن و امان سے آئے

يَّوْمَ الْقِيَامَةِ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾

(تو خیر) جو چاہو سو کر لو جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾

جن لوگوں نے نصیحت کو نہ مانا جب وہ ان کے پاس آئی اور یہ تو ایک عالی رتبہ کتاب ہے۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿۴۲﴾

اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ

تم سے وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو تم سے پہلے اور پیغمبروں سے کہی گئی تھیں بیشک تمہارا پروردگار بخش دینے والا بھی ہے

وَّذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا

اور عذابِ الیم دینے والا بھی ہے۔ اور اگر ہم اس قرآن کو غیر زبانِ عرب میں (نازل) کرتے تو یہ لوگ کہتے

لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ءَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ

کہ اس کی آیتیں (ہماری زبان میں) کیوں کھول کر بیان نہیں کی گئیں؟ کیا (خوب کہ قرآن تو) عجمی اور (مخاطب) عربی؟[3]

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَّشِفَاءٌ ط وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ

کہہ دو کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لئے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں

وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿۴۴﴾

بہرا پن ہے اور یہ ان کے حق میں (موجبِ) نابینائی ہے بہرا پن کے سبب ان کو (گویا) دُور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ٹھہر چکی ہوتی

---

[3] ## قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ

مفسرین کے ہاں یہ بات بھی مختلف فیہ ہے کہ کیا قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ استعمال ہوئے ہیں یا نہیں؟ ابوعبیدہ کہتے ہیں جس نے یہ دعوی کیا کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ ہیں تو اس نے غلط بات کہی، اور اللہ کے ذمے بڑی بات=

لَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ وَإِنَّهُمۡ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡهُ مُرِیۡبٍ ﴿۴۵﴾ مَنۡ عَمِلَ صٰلِحًا

تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور یہ اس (قرآن) سے شک میں الجھ رہے ہیں۔جو نیک کام کرے گا

فَلِنَفۡسِهٖ وَمَنۡ أَسَآءَ فَعَلَیۡهَا وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ ﴿۴۶﴾

تو اپنے لئے اور جو بُرے کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہو گا اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں

إِلَیۡهِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ أَکۡمَامِهَا

قیامت کے علم کا حوالہ اسی کی طرف دیا جاتا ہے (یعنی قیامت کا علم اسی کو ہے) اور نہ تو پھل گابھوں سے نکلتے ہیں

وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ أُنۡثٰی وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلۡمِهٖ وَیَوۡمَ یُنَادِیۡهِمۡ أَیۡنَ شُرَکَآئِیۡ

اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کی علم سے اور جس دن وہ ان کو پکارے گا (اور کہے گا) کہ میرے شریک کہاں ہیں

قَالُوۡٓا آذَنّٰکَ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِیۡدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا کَانُوۡا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ

تو وہ کہیں گے کہ ہم تجھ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو (ان کی) خبر ہی نہیں۔اور جن کو وہ پہلے (اللہ) کے سوا پکارا

=لگادی ہے۔استدلال انہوں نے اسی آیت سے کیا ہے کہ ”اناانزلناہ قرآنا عربیا“(یوسف : ۲) ہم نے یہ قرآن عربی میں نازل کیا ہے۔تاہم ابن عباسؓ، مجاہد، اور عکرمہ کا موقف ہے، کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ موجود ہیں مثلاً: سجیل، مشکوٰۃ، الیم اور استبرق وغیرہ، تفسیر خازن کے مولف نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور ساتھ دونوں قسم کے اقوال کے درمیان ایک جمع کی صورت بھی نکالی ہے کہ قرآن مجید میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو اصلاً عجمی زبانوں کے ہیں، مگر اب جب وہ عربوں کی زبان پر چڑھ کر فصیح عربی کا روپ دھار چکے ہیں تو وہ گویا عربی ہی ہو گئے ہیں۔اور یہ وجہ بھی ہے کہ ان زبانوں اور لغتوں کی وجود سے قبل قرآن مجید موجود تھا۔

قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيصٍ ﴿۴۸﴾ لَا يَسْئَمُ الْإِنسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ

کرتے تھے (سب) ان سے غائب ہو جائیں گے اور وہ یقین کر لیں گے کہ ان کے لئے نجات نہیں۔ انسان بھلائی کی

وَإِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَؤُسٌ قَنُوطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا

دعائیں کرتا کرتا تو تھکتا نہیں اور اگر تکلیف پہنچ جاتی ہے تو ناامید ہو جاتا اور آس توڑ بیٹھتا ہے۔ اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد

مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً

ہم اس کو اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہو

وَلَئِنْ رُّجِعْتُ إِلٰى رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنٰى

اور اگر (قیامت سچ بھی ہو اور) میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو میرے لئے اس کے ہاں بھی خوشحالی ہے

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿۵۰﴾

پس کافر جو عمل کیا کرتے ہیں وہ ہم ان کو ضرور جتائیں گے اور ان کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو

اور جب ہم انسان پر کرم کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے اور پہلو پھیر کر چل دیتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی لمبی

دُعَآءٍ عَرِيضٍ ﴿۵۱﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ

دعائیں کرنے لگتا ہے۔ کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس سے انکار کرو

مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ

تو اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو (حق کی) پرلے درجے کی مخالفت میں ہو۔ ہم عنقریب ان کو اطرافِ (عالم) میں بھی اور

وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ

خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے کیا تم کو یہ کافی نہیں

أَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾ أَلَآ إِنَّهُمْ فِىْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ

کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے۔ دیکھو یہ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے سے شک میں ہیں

أَلَآ إِنَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

سن رکھو کہ وہ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے ۔

سورة الشورٰى (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِىٓ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ

حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ۔ اللہ غالب و دانا اسی طرح تمہاری طرف مضامین (اور براہین) بھیجتا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کی

اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ لَهُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْأَرْضِ

طرف وحی بھیجتا رہا ہے۔جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے

وَهُوَ الْعَلِىُّ الْعَظِيْمُ ﴿۴﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ

اور وہ عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْأَرْضِ

اور فرشتے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہتے اور جو لوگ زمین میں ہیں ان کے لئے معافی مانگتے

أَلَا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ أَوْلِيَآءَ

رہتے ہیں سن رکھو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔اور جن لوگوں نے اس کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں

اَللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶﴾ وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ

وہ اللہ کو یاد ہیں اور تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔ اور اسی طرح تمہارے پاس قرآن عربی بھیجا ہے

إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا

تاکہ تم بڑے گاؤں (یعنی مکہ) کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے اردگرد رہتے ہیں ان کو رستہ دکھاؤ اور انہیں قیامت کے

رَيْبَ فِيْهِ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴿۷﴾

دن کا بھی جس میں کچھ شک نہیں خوف دلاؤ اس روز ایک فریق بہشت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے

وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۸﴾ أَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ أَوْلِيَآءَ

اور ظالموں کا نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار۔کیا انہوں نے اس کے سوا کارساز بنائے ہیں؟

فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۹﴾

کارساز تو اللہ ہی ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ إِلَى اللّٰهِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ

اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہو گا) یہی اللہ میرا پروردگار ہے

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ ﴿۱۰﴾ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ

میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (وہی ہے) اسی نے

مِّــنْ أَنْـفُسِــكُـمْ أَزْوَاجًــا وَّمِـنَ الْأَنْـعَــامِ أَزْوَاجًــا ۚ يَــذْرَؤُكُـمْ فِيْــهِ

تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے اور چار پایوں کے بھی جوڑے (بنائے اور) اسی طریق پر تم کو پھیلاتا رہتا ہے

لَيْـسَ كَـمِثْـلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱ لَـهٗ مَـقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ

اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔[1] آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں

---

[1] ليس كمثله شئ وہ اپنی ذات وصفات میں تخلیق کائنات میں اور تدبیر عالم میں یگانہ، بے مثل و بینظیر ہے کوئی بھی اس سے مشابہ اور اس کے مانند نہیں، کیونکہ وہ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے (و الـذی يعتقدفی هـذا البـاب ان الله جـل اسـمـه فی عظمته و كبريائه وملكوته وحسنى اسمائه وعلىّ صفاته لايشبه شيئامن مـخلوقاته ولايشبّه به، قرطبی) نعیم بن حماد الخزاعی جو امام بخاریؒ کے مشائخ میں سے ہیں فرماتے ہیں، جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی، اس نے کفر کیا، اسی طرح جس نے ان صفات کا انکار کیا جو اس نے اپنی ذات کے لئے ثابت کیا ہے اس نے بھی کفر کیا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی جو صفات بیان کر دیں، یا، رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کر دیں ان میں تشبیہ نہیں ہے (العلو للذهبی).

شیخ البانی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔ علی القاری نے شرح فقہ اکبر [ص ٣٥] میں یہی قول نقل کیا ہے کہ: قال نعيم بن حمادالخزاعی شيخ البخاری ـمـن شبـه الله بـخـلقه ای ذاتا وصفتافقد كفر، ومن جحد ما وصف الله به نفسه ای صفاته الذاتية والفعلية فقد كفر ،وقال الطحاوی ومن لم يتوق النفی والتشبيه زل ولم يصب التنزيه ـ

کمثلہ کا محل اعراب

(وجہ اول) کاف تاکید کے لئے زائد ہے، جیسے اوس بن حجر کہتا ہے: ليـس كـمثـل الـفتى زهير خلق يوازيه فی الفضائل. نوجوان زہیر نامی کا ہمسر فضائل میں کوئی نہیں ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے: مااِن كمثلهم فی الناس من البشر، ان جیسا لوگوں میں کوئی انسان نہیں ہے۔ ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:=

وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَآءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۲﴾

وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے بیشک وہ ہر چیز سے واقف ہے

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا) نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ!)

أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ

ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا

وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ

اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہے

=ومثلی کمثل جذوع النخیل میری مثال کھجور کے تنے کی مانند ہے۔

اس صورت میں لفظ مثله، لیس کی خبر ہے، لفظ شیء اس کا اسم ہے، یہ توجیہ قوی اور اچھی ہے، عربی زبان میں یہ توجیہ متعارف ہے، اس میں کچھ خفا نہیں ہے، کلام عرب میں عام طور پر ''کاف'' تاکید کے لئے زائد استعمال ہوتا ہے، شاعر کہتا ہے: وصالیات ککمایؤثفین جلے ہوئے پتھر چولھے کے پتھر ہیں جن پر ہانڈی رکھی جاتی ہے۔

دوسرا شاعر کہتا ہے: فاصبحت مثل کعصف ماکول، پس تو کھائے ہوئے بھوسہ کی مانند ہو گیا۔

وجه ثانی: مثل کا لفظ زائد ہے، یعنی لیس کھو شیء لیکن یہ توجیہ بعید از استعمال ہے، اس لئے کہ مثل اسم ہے، اس کو زائد کہنے کی بجائے حرف کو زائد کہنا اولیٰ ہے۔

وجه ثالث: کوئی لفظ زائد نہیں ہے، یہ جملہ مثلک لایفعل کذا ، کے قبیل سے ہے، مثلک لایفعل ، کا معنی ہے، کہ تو اس کام کو نہیں کر رہا ہے، لفظ مثل مبالغہ کے لئے ہے، اور، لیس کمثله میں بھی مبالغہ ہے، یعنی اگر اس کا مثل فرض بھی کیا جائے تب بھی اس کا مثل نہیں، تو اس کا مثل کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ اس کا مثل نہیں ہے اس کے علاوہ بھی کچھ اور توجیہات کا احتمال ہے، لیکن پہلی توجیہ واضح اور ظاہر ہے۔

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف سے رستہ دکھا دیتا ہے۔ [2]

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اور یہ لوگ جو الگ الگ ہوئے ہیں تو علم (حق) آ چکنے کے بعد آپس کی ضد سے (ہوئے ہیں) اور اگر تمہارے پروردگار کی

---

[2] ''شرع لکم من الدین'' الایہ، تمہارے لئے ہم نے وہی دین مقرر کیا ہے جس کو قائم کرنے کا نوح کو حکم دیا تھا۔ اور جس کا آپ کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا ہے اور جسے قائم کرنے کا ابراہیم، موسٰی اور عیسٰی علیہم السلام کو حکم دیا تھا۔ ہم نے ان تمام اولوا العزم پیغمبروں کو حکم دیا تھا۔ کہ اس دین (دین توحید) کو قائم کرو اور اس میں اختلاف نہ کرو۔ دین کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی توحید اور تمام ضروریات دین پر ایمان لائیں اور اس کی احکام کی اطاعت کریں۔ ای دین اسلام الذی ھو توحید اللہ تعالی و طاعته والایمان بکتبه ورسله وبیوم الجزاء وسائر مایکون العبد به مومنا. روح، فیه، ای فی التوحید یعنی توحید جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین تھا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ''ولا تکونوا من المشرکین'' (روم: ۳۱)

''ماتدعوھم الیه'' یعنی توحید کو مانو اور شرک کو چھوڑ دو ای من التوحید ورفض الاوثان خازن۔ مشرکین پر یہ بات نہایت گراں گذرتی ہے، جب انہیں توحید کی دعوت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی غیب دان اور کارساز نہیں۔ اس لئے حاجات میں صرف اسی کو پکارو اللہ تعالی جسے چاہتا ہے اپنے دین اور توحید کے لئے چن لیتا ہے اور اسے قبول حق کی توفیق دیتا ہے اور چنتا کس کو ہے اور قبول ہدایت کی توفیق کس کو دیتا ہے جو اخلاص اور صدق نیت سے اس کی طرف رجوع کرے اور انصاف سے راہ حق کی تلاش کرے ضد اور عناد سے دور رہے حاصل یہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ شرک نہ کرو یہ تمام نبیوں کا دین ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيٓ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۲۵﴾ انبیاء۔

مِنْ رَّبِّکَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ

طرف سے ایک وقت مقرر تک کے لئے بات نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور جو لوگ ان کے بعد (اللہ کی)

أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿١٤﴾ فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ

کتاب کے وارث ہوئے وہ اس (کی طرف) سے شبہے کی الجھن میں (پھنسے ہوئے) ہیں۔[3] تو اسی (دین کی)

وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ

طرف (لوگوں کو) بلاتے رہنا اور جیسا تم کو حکم ہوا ہے (اسی پر) قائم رہنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اور کہہ دو

---

[3] ''وما تفرقوا'' یہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ جب تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا اور مسئلہ توحید سب کا اجتماعی دین تھا تو جو کتابیں اور صحیفے ان پر نازل ہوئے ان میں مسئلہ توحید کے خلاف مضامین کیوں پائے جاتے ہیں؟ اس کا جواب دیا گیا کہ بیشک تمام انبیاء علیہم السلام مسئلہ توحید پر متفق تھے اور یہی مسئلہ ان کی طرف وحی کیا گیا لیکن بعد میں دنیا پرست، باغی اور گمراہ کن علماء اور پیشواؤں نے حق کو سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر کتب سابقہ میں تحریف کر ڈالی اور ان میں توحید کے خلاف عبارتیں اپنی طرف سے درج کر دیں، اور یہ سب کچھ انہوں نے محض ضد وعناد کی وجہ سے کیا ہے اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں، اول یہ کہ توحید میں اختلاف کس نے ڈالا؟ مشرک پیشواؤں اور گمراہ کن اور زر پرست علماء نے۔ دوم اختلاف کب ڈالا؟ جب ان کے پاس علم آ گیا اور ان کو حق معلوم ہو گیا گویا یہ اختلاف انہوں نے جان بوجھ کر ڈالا ہے، کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں ڈالا۔ سوم اختلاف کیوں ڈالا؟ محض ضد وعناد اور سرکشی کی وجہ سے۔

''ولولا کلمة سبقت'' یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ پھر ان معاندین پر فوراً عذاب کیوں نہ آیا؟ فرمایا عذاب کے لئے ایک وقت مقرر تھا (قیامت کا دن یا اواخر حیات) اگر وقت معین نہ ہوتا تو اسی وقت ہی ان کا قصہ تمام کر دیا جاتا۔ (اجل مسمیً. هو یوم القیامة او اخر اعمارهم المقدرة) (بیضاوی)

''وان الذین اورثوا الکتاب'' ان محرف اور گمراہ کن پیشواؤں سے وہ کتابیں جب بعد میں آنے والے لوگوں کو ملیں تو وہ بھی ان محرف اور تبدیل شدہ کتابوں کو پڑھ کر مسئلہ توحید کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو گئے۔

آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ

کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں انصاف کروں اللہ ہی ہمارا اور تمہارا

لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ

پروردگار ہے ہم کو ہمارے اعمال اور تمہیں تمہارے اعمال کا ہم میں اور تم میں کچھ بحث و تکرار نہیں اللہ ہم کو اکٹھا کرے گا

الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللّٰهِ مِن بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ

اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور جو لوگ اللہ (کے بارے) میں بعد اس کے کہ اسے (مومنوں نے) مان لیا ہو

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٦﴾

جھگڑتے ہیں ان کے پروردگار کے نزدیک ان کا جھگڑا لغو ہے اور ان پر (اللہ کا) غضب اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

اللّٰهُ الَّذِي أَنزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ

اللہ ہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور (عدل و انصاف کی) ترازو اور تم کو کیا معلوم شاید قیامت قریب

قَرِيبٌ ﴿١٧﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ

ہی آ پہنچی ہو۔ جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لئے جلدی کر رہے ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور

مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ

جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے دیکھو جو لوگ قیامت میں جھگڑتے ہیں وہ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔

﴿١٨﴾ اللّٰهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿١٩﴾

اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے وہ زور والا (اور) زبردست ہے۔

مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ

جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دیدیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو

الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَّصِيبٍ ﴿۲۰﴾

اس کو ہم اس میں سے دیدیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہو گا۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاؤُا شَرَعُوا لَهُمْ مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ

کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور اگر فیصلے (کے دن) کا

الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظّٰلِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۱﴾

وعدہ نہ ہوتا تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور جو ظالم ہیں ان کے لئے درد دینے والا عذاب ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا

تم دیکھو گے کہ ظالم اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ ان پر پڑ کر رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِي رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور نیک عمل کرتے رہے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ

(موجود) ہو گا یہی بڑا فضل ہے۔ یہی وہ (انعام ہے) جس کی اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لاتے ہیں

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي

اور نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہہ دو کہ میں اس کا تم سے صلہ نہیں مانگتا مگر (تم کو) قرابت کی محبت (تو چاہیئے)

الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۲۳﴾

اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس میں ثواب بڑھائیں گے بیشک اللہ بخشنے والا قدردان ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَإِنْ يَّشَإِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے؟ اگر اللہ چاہے تو (اے محمد ﷺ!) تمہارے دل پر مہر لگا دے

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ إِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

اور اللہ جھوٹ کو نابود کرتا اور اپنی باتوں سے حق کو ثابت کرتا ہے بیشک وہ سینے تک کی باتوں سے واقف ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا

اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور (ان کے) قصور معاف کرتا ہے اور جو تم کرتے ہو (سب) جانتا ہے۔

تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کی (دعا) قبول فرماتا اور ان کو اپنے فضل سے بڑھاتا ہے

مِّنْ فَضْلِهٖ وَالْكَافِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ

اور جو کافر ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لئے رزق میں فراخی کر دیتا

لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِى الْأَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ إِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌ

تو زمین میں فساد کرنے لگتے لیکن وہ جو چیز چاہتا ہے اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کو جانتا اور دیکھتا ہے

﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ

اور وہی تو ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت (یعنی بارش) کی برکت کو پھیلا دیتا ہے

الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ آيَاتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

اور وہ کارساز اور سزاوارِ تعریف ہے۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اورزمین کا پیدا کرنا

وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر قادر ہے۔

وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾

اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے افعال سے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف ہی کر دیتا ہے۔ [4]

وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٣١﴾

اور تم زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے اوراللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔

وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ إِن يَشَأْ يُسْكِنِ

اور اسی کی نشانیوں میں سے سمندر کے جہاز ہیں (جو) گویا پہاڑ (ہیں) ۔اگر اللہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے

---

[4] عن ابی موسیٰ ان رسول اللہ ﷺ قال :لایصیب عبدانکبۃ فمافوقھااو دونھا الابذنب ومایعفو اللہ عنہ اکثر،وقرأ: وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ (الترمذی: ۳۲۵۲). ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بندہ کو جو معمولی ایذاء پہنچتی ہے یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے خواہ وہ اس سے کم ہو یا زیادہ ،یہ اس کے گناہوں کا ثمرہ ہوتا ہے اور وہ گناہ جنہیں اللہ تعالی (بغیر سزا دیئے) دنیا وآخرت میں بخش دیتا ہے،ان گناہوں سے بہت زیادہ ہوتے ہیں جن پر وہ سزا دیتا ہے، پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو بھی مصیبت وتکلیف اور بیماری وغیرہ پہنچتی ہے، وہ سب تمہاری بداعمالیوں کا نتیجہ ہوتی ہے، گویا یہاں گنہگاروں کو مخاطب کیا جارہا ہے، کہ اپنی بداعمالیوں اور غلط کاریوں سے باز آجاؤ، اور نیک راستہ پر چلنے ہی کو اپنی دینی ودنیوی راحت وسکون کا ذریعہ جانو، ہاں جب وہ لوگ کسی مصیبت وتکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں، جو گنہگار نہیں ہوتے، تو اس سے ان کی ازمائش وامتحان مقصود ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کے درجات میں بلندی ہوتی ہے، اگرچہ اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے کسی معمولی سی تکلیف وپریشانی میں بھی مبتلا ہوتے ہیں۔اور اپنے عجز وبے چارگی کے احساس کی وجہ سے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ ہماری شامت اعمالی کی وجہ سے ہے۔

الـرِّيْـحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾

اور جہاز اس کی سطح پر کھڑے رہ جائیں تمام صبر اور شکر کرنے والوں کے لئے ان (باتوں) میں قدرتِ الٰہی کے نمونے ہیں۔

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾

یا ان کے اعمال کے سبب ان کو تباہ کر دے اور بہت سے قصور معاف کر دیتا ہے۔

وَيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

اور (انتقام اس لئے لیا جائے کہ) جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کے لئے خلاصی نہیں۔

فَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى

(لوگو!) جو تم کو دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا (ناپائیدار) فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور قائم

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ

رہنے والا ہے (یعنی) ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور جو بڑے بڑے گناہوں

وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ

اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾

کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ

اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم و تعدی ہو تو (مناسب طریقے سے) بدلہ لیتے ہیں۔ اور بُرائی کا بدلا تو اسی طرح کی بُرائی

مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

ہے مگر جو درگزر کرے اور درست کر دے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَأُولٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيلٍ ﴿٤١﴾

اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کچھ الزام نہیں۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں

أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

یہی لوگ ہیں جن کو تکلیف دینے والا عذاب ہوگا۔ اور جو صبر کرے اور قصور معاف کر دے تو یہ ہمت کے کام ہیں۔

﴿٤٣﴾ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ وَتَرَى الظّٰلِمِينَ

اور جس شخص کو اللہ گمراہ کرے تو اس کے بعد اس کا کوئی دوست نہیں اور تم ظالموں کو دیکھو گے

لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيلٍ ﴿٤٤﴾

کہ جب وہ (دوزخ کا) عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے کیا (دنیا میں) واپس جانے کی بھی کوئی راستہ ہے؟

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَاشِعِينَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ

اور تم ان کو دیکھو گے کہ دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے ذلت سے عاجزی کرتے ہوئے چھپی نگاہ سے دیکھ رہے ہوں

وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ

گے اور مومن لوگ کہیں گے کہ خسارہ اٹھانے والے تو وہ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو

يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ﴿٤٥﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ

خسارے میں ڈالا دیکھو کہ بے انصاف لوگ ہمیشہ کے دکھ میں (پڑے) رہیں گے۔ اور اللہ کے سوا ان کے کوئی دوست نہ

أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤٦﴾

ہوں گے کہ اللہ کے سوا ان کو مدد دے سکیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے لئے (ہدایت کا) کوئی رستہ نہیں۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ يَوْمٌ

(ان سے کہہ دو کہ) قبل اس کے کہ وہ دن جو ٹلے گا نہیں اللہ کی طرف سے آ موجود ہو اپنے پروردگار کا حکم قبول کرو

لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿٤٧﴾

اس دن تمہارے لئے نہ کوئی جائے پناہ ہو گی اور نہ تم سے گناہوں کا انکار ہی بن پڑے گا۔

فَإِنْ أَعْرَضُوْا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ

پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے تم کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا کام تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے

وَإِنَّآ إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ

اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کو انہی کے اعمال کے سبب کوئی سختی

أَيْدِيْهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿٤٨﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

پہنچتی ہے تو (سب احسانوں کو بھول جاتے ہیں) بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے۔ بادشاہت اللہ ہی کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾

وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے۔

أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّإِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا إِنَّهُ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾

یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے وہ تو جاننے والا (اور) قدرت والا ہے

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ

اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر وحی (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے

أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَآءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾

یا کوئی فرشتہ بھیجد دے تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے القا کرے بیشک وہ عالی رتبہ اور حکمت والا ہے۔[5]

وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے

وَلَا الْإِيمَانُ وَلٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا

اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نُور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں

---

[5] انبیاء سابقین اور خود محمد رسول اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تین طریقوں سے کلام فرمایا ہے، اور انہی تین طریقوں سے ان کی طرف احکام کی وحی فرمائی ہے، اول یہ کہ اللہ تعال بیداری میں یا خواب میں کوئی بات دل میں ڈالدے، دوسرے لفظوں میں اسے الہام سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: ان روح القدس نفث فی روعی، شعب الایمان:۱۰۳۷۶۔ الا وحیا ای الھاما، کماروی ،نفث فی روعی، اورؤیا فی المنام، کقولہ علیہ السلام رؤیا الانبیاء وحی، وھو کامر ابراھیم بذبح الولد۔مدارک، ابراہیم علیہ السلام کی ذبح اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں وحی اسی نوع کی تھی،

دوم یہ کہ درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہواور اللہ کا کلام پردے کے ورے سے سنائی دے، جیسا کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی، یا محمد رسول اللہ ﷺ کو شب معراج میں۔

سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیج کر اپنا پیغام دے، جیسا کہ جبریل امین کی وساطت سے انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل ہوتی رہی، اور اس کی بھی دو صورتیں ہوتی ہیں، کبھی تو جبریل اپنی اصلی ہیئت میں ہوتا ہے، کبھی بشکل انسانی سامنے آتا ہے۔

وَإِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهُ مَا فِي

اور بیشک (اے محمدﷺ!) تم سیدھا رستہ دکھاتے ہو۔[٦] (یعنی) اللہ کا رستہ جو

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَلَا إِلَى اللّٰهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿۵۳﴾

آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو سب کام اللہ کی طرف رجوع ہوں گے (اور وہی ان میں فیصلہ کرے گا)

---

[٦] اس آیت کریمہ میں قران کریم کی عظمت بیان کی گئی ،اس طریقہ سے کہ وہ ذات جو ہادی اعظم ہے اس کو بھی ہدایت اس سے نصیب ہوئی ،جیسا کہ روایت بخاری میں ہے کہ:عن انس بن مالکؓ انه سمع عمرؓ الغدحين بايع المسلمون ابابكرٍ،واستوى على منبر رسول اللهﷺ،تشهّد قبل ابى بكر فقال: امابعد فاختار الله لرسوله ﷺ الذى عنده على الذى عندكم،وهذا الكتاب الذى هدى الله به رسولكم فخذوا به تهتدوا،ولماهدى به رسوله.بخارى:رقم ۷۲۶۹،۷۲۱۹۔

یعنی انس بن مالکؓ نے ہمیں خبر دی ،انہوں نے عمرؓ کا وہ خطبہ سنا جو نبی کریمﷺ کی وفات کے دوسرے روز انہوں نے پڑھا،جب مسلمانوں نے ابوبکر الصدیقؓ سے بیعت کی تھی ،عمرؓ نبی کریمﷺ کی منبر پر چڑھے اور ابوبکرؓ کے خطبہ سنانے سے پہلے انہوں نے تشہد پڑھا۔پھر کہنے لگے اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر کے لئے دنیا کی نعمتوں سے جو تمہارے پاس ہیں وہ نعمتیں زیادہ پسند کیں جو اس کے پاس ہیں (یعنی اخرت کی نعمتیں)اور یہ قران وہ کتاب ہے جس کے سبب سے اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر کو دین کا سیدہ راستہ دکھلایا،تو اس کو (مضبوط) تھامے رہو تم سیدھا راستہ پاؤ گے یعنی وہ راستہ جو اللہ تعالی نے اپنے پیغمبرؐ کو بتلایا۔

سورة الزخرف (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿١﴾ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٣﴾

حٰم۔کتابِ روشن کی قسم ۔کہ ہم نے اس کو قرآنِ عربی بنایا ہے تاکہ تم سمجھو۔

وَإِنَّهُ فِيْ أُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿٤﴾

اور یہ بڑی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں ہمارے پاس (لکھی ہوئی اور) بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے۔

أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ﴿٥﴾

بھلا اس لئے کہ تم حد سے نکلے ہوئے لوگ ہو تم کو نصیحت کرنے سے باز رہیں گے؟

وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْأَوَّلِيْنَ ﴿٦﴾ وَمَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا كَانُوْا بِهٖ

اور ہم نے پہلے لوگوں میں بھی بہت سے پیغمبر بھیجے تھے۔ اور کوئی پیغمبر ان کے پاس نہیں آتا تھا مگر وہ اس سے تمسخر کیا

يَسْتَهْزِئُوْنَ ﴿٧﴾ فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾

کرتے تھے۔ تو جو ان میں سخت زور والے تھے ان کو ہم نے ہلاک کر دیا اور اگلے لوگوں کی حالت گزر گئی۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے کہ ان کو غالب اور علم والے نے پیدا کیا ہے۔

﴿٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ

جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور اس میں تمہارے لئے رستے بنائے تاکہ تم راہ

تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا

معلوم کرو۔ اور جس نے ایک اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے زمین مُردہ کو زندہ کر دیا

کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِیْ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ کُلَّهَا وَجَعَلَ لَکُمْ

اسی طرح تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ اور جس نے تمام قسم کے حیوانات پیدا کئے اور تمہارے لئے

مِّنَ الْفُلْکِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْکَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ

کشتیاں اور چارپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو اور جب اس پر بیٹھ جاؤ

ثُمَّ تَذْکُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّکُمْ إِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ

پھر اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو اور کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے جس نے اس کو ہمارے زیرِ فرماں کر دیا

لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّآ إِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے۔ اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۵﴾

اور انہوں نے اس کے بندوں میں سے اس کے لئے اولاد مقرر کی بیشک انسان صریح ناشکرا ہے۔

أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنَاتٍ وَّأَصْفَاکُمْ بِالْبَنِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ

کیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے خود تو بیٹیاں لیں اور تم کو چن کر بیٹے دیئے؟ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی

بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ کَظِیْمٌ ﴿۱۷﴾

خوشخبری دی جاتی ہے جو انہوں نے اللہ کے لئے بیان کی ہے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔

أَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴿۱۸﴾

کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے (اللہ کی) بیٹی ہو سکتی ہے؟

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ

اور انہوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں (اللہ کی) بیٹیاں مقرر کیا کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُونَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ

عنقریب ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔ اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کو نہ پوجتے

مَّا لَهُم بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۲۰﴾ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا

ان کو اس کا کچھ علم نہیں یہ تو صرف اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔[1] یا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی

مِّن قَبْلِهٖ فَهُم بِهٖ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَآءَنَا عَلٰى أُمَّةٍ

تو یہ اس سے دلیل پکڑتے ہیں؟ بلکہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رستے پر پایا ہے

---

[1] اس آیت میں اللہ پاک نے شرک کرنے والوں کی مذمت ذکر کی ہے، جب انہوں نے کہا کہ ہمارا شرک کرنا اللہ تعالی کی مشیت کے ساتھ ہے، اسی طرح ابلیس کی مذمت بیان کرتے ہوئے کہا، جب اس نے اپنے گمراہ ہونے کی نسبت اللہ کی جانب کی، جبکہ اس نے کہا ''رب بما اغویتنی ، الایۃ (الحجر:۲۹)۔ اسی طرح آیات سورۂ انعام:۱۴۹، نمل:۳۵، میں بھی ہے۔

اگرچہ اس اعتراض کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں، لیکن سب سے احسن جواب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی مشیت کے ساتھ ساتھ ثابت کیا کہ وہ ہمارے اس فعل پر راضی ہے، اور ہمیں محبوب سمجھتا ہے، ان کا یہ دعوی غلط ہے، اللہ کی مشیت کا ہرگز یہ تقاضا نہیں ہے کہ اللہ نے ان کو ایسے کاموں کا حکم بھی دیا ہے اور پھر انہوں نے مشیت الٰہی کو بطور توحید کے ذکر نہیں کیا ہے بلکہ بطور معارضہ کے ذکر کیا ہے، وہ مشیت الٰہی کا بہانہ بنا کر اوامر ونواہی سے اعراض کرنا چاہتے ہیں، شریعت اسلامیہ کو پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں، جیسا کہ عام طور پر زندیق جاہل لوگوں کو جب کسی کام کا حکم دیا جاتا ہے یا انہیں کسی کام سے روکا جاتا ہے تو وہ تقدیر کا سہارا لیتے ہیں، چنانچہ ایک چور نے عمرؓ کے دور خلافت میں جب تقدیر کا سہارا لیا تو عمرؓ نے فرمایا میں تیرا ہاتھ اللہ کی قضاء اور تقدیر کے ساتھ ہی تو قطع کر رہا ہوں۔ اس

کا شاہد اللہ کا قول ہے۔ کـذلک کذب الذین من قبلھم(انعام: ۱۴۸). اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے تکذیب کی۔

اور حدیث آدم وموسیٰ سے اس مسئلہ کے لئے استدلال کرنا کہ آدم علیہ السلام نے بھی مشیت الٰہی کا سہارا لیا ہے، صحیح نہیں: احتج آدم وموسٰی عندربھما،فحج آدم موسٰی، قال موسٰی انت ادم الذی خلقک اللہ بیدہ،ونفخ فیک من روحہ، واسجدلک ملائکتہ،واسکنک فی جنتہ، ثم اھبطت الناس بخطیئتک الی الارض؟فقال آدم انت موسٰی الذی اصطفاک اللہ برسالتہ وبکلامہ،واعطاک الالواح فیھاتبیان کل شیء،وقربک نجیا فبکم وجدت اللہ کتب التوراۃ قبل ان اخلق ؟قال موسٰی باربعین عاما،قال آدم: فھل وجدت فیھا: ﴿وعصی آدم ربہ فغوی﴾قال نعم ،قال افتلومنی علی ان عملت عملا کتبہ اللہ علی ان اعملہ قبل ان یخلقنی باربعین سنۃ؟قال رسول اللہ ﷺ فحج ادم موسٰی صلوات اللہ علیھما.مسلم: ۲۶۵۲.بخاری: ۶۶۱۴.

عالم ارواح میں آدم وموسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے مناظرہ کیا اور آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے،موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ وہی آدم ہیں جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا،آپ میں اپنی روح پھونکی تھی،فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا تھا،اور اپنی جنت میں اپ کو رکھا تھا،اور پھر آپ نے اپنی خطاء سے لوگوں کو زمین پر اتر وادیا تھا،یعنی اگر آپ خطا نہ کرتے تو یہاں زمین پر نہ اتارے جاتے،اور آپ کی اولاد اس دنیا میں نہ پھیلتی، بلکہ جنت میں رہتی،آدم علیہ السلام نے کہا تم وہی موسیٰ تو ہو جن کو اللہ نے اپنے منصب رسالت سے نواز کر برگزیدہ کیا،اور ہم کلامی کے شرف سے مشرف فرمایا تھا،اور تم کو وہ تختیاں دی تھیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا،اور پھر تم کو سرگوشی کے لئے تقرب کی عزت بخشی تھی،اور کیا تم جانتے ہو اللہ نے میری پیدائش سے کتنے عرصہ پہلے تورات کو لکھ دیا تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا چالیس سال پہلے آدم علیہ السلام نے پوچھا کیا تم نے تورات میں یہ لکھے ہوئے الفاظ نہیں پائے ﴿وعصی ادمُ ربہ فغوی﴾

یعنی ادم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور مقصد کو نہ پہنچا،موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں،آدم علیہ السلام نے کہا پھر تم مجھ کو میرے اس عمل پر کیوں ملامت کرتے ہو جس کو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میرے لئے لکھ دیا تھا،نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا،اس دلیل سے آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

اس لئے کہ مذکورہ حدیث میں صحیح صورت حال یہ ہے کہ آدم علیہ السلام اپنے گناہ پر تقدیر کا سہارا لے کر غالب نہیں آئے، وہ اپنے گناہ کو سمجھتے تھے، اور اللہ کے بارے میں بھی انہیں علم تھا، اسی طرح ایمان داروں کے بارے میں بھی ہماری رائے یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر تقدیر کا سہارا نہیں لیتے ہیں ان پر اس قسم کا الزام درست نہیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے باپ آدم علیہ السلام اس کے گناہ کے بارے میں خوب علم رکھتے تھے، وہ آدم کو ایسے گناہ پر کیسے ملامت کر سکتے تھے، جس سے آدم علیہ السلام تائب ہو چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی تھی، ان کو منتخب فرمایا اور نور ہدایت سے نوازا۔

اصل ملامت تو اس مصیبت پر کی جارہی ہے جس نے آدم کی اولاد کو جنت سے نکال دیا، پس آدم علیہ السلام مصیبت پر تقدیر سے استدلال کرتے ہیں گناہ پر تقدیر سے استدلال نہیں کرتے ہیں، اس لئے کہ مصیبت پر تقدیر کا سہارا لینا درست ہے گناہ پر سہارا لینا درست نہیں، حدیث کی جو تشریح ہم نے کی ہے، وہ نہایت مناسب ہے، پس جو مصیبت تقدیر میں لکھی جا چکی ہے اسے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں، اللہ پر راضی ہونے کی یہ بہترین صورت ہے البتہ گناہ کے بارے میں اصل یہ ہے کہ گناہ نہ کیا جائے، اگر گناہ ہو جائے تو استغفار کی جائے اور توبہ کی جائے، یعنی گناہوں سے توبہ کی جائے اور مصیبتوں پر صبر کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاصبر ان وعداللہ حق واستغفر لذنبک (غافر: ۵۵)۔ تو صبر کر بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔

یہی معنی ابن ابی العز نے شرح عقیدہ الطحاویۃ: ۱/۱۳۶، میں فرمایا ہے۔ لکھتا ہے: بل الصحیح ان آدم علیه السلام لم یحج بالقضاء والقدر علی الذنب، وهو کان اعلم بربه وذنبه، بل احادبنیه من المومنین لایحتج بالقدر، فانه باطل، وموسیٰ علیه السلام کان اعلم بابیه وبذنبه من ان یلوم ادم علیه السلام علی ذنب قدتاب منه، وتاب اللّٰه علیه، واجتباه وهداه، وانما وقع اللوم علی المصیبة التی اخرجت اولاده من الجنة، فاحتج آدم علیه السلام بالقدر علی المصیبة، لاعلی الخطیئة، فان القدر یحتج به عند المصائب، لاعند المعایب.

وهذا المعنی احسن ماقیل فی الحدیث فماقدر من المصائب یجب الاستسلام له، فانه من تمام الرضی باللّٰه ربا، واماالذنوب فلیس للعبدان یذنب واذا اذنب فعلیه ان یستغفر ویتوب، فیتوب من المعایب ویصبر علی المصائب.

وَإِنَّا عَلٰى آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ

اور ہم انہی کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے تم سے پہلے کسی بستی میں کوئی ہدایت کرنے والا نہیں بھیجا

فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى أُمَّةٍ وَإِنَّا

مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم

عَلٰى آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿۲۳﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدٰى مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ

قدم بقدم انہی کے پیچھے چلتے ہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر چہ میں تمہارے پاس ایسا (دین) لاؤں کہ جس رستے پر تم نے اپنے

آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿۲۴﴾ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ

باپ دادا کو پایا وہ اس سے کہیں سیدھا رستہ دکھاتا ہے کہنے لگے کہ جو (دین) تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۵﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ

تو ہم نے ان سے انتقام لیا سو دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ اور جب ابراہیم نے اپنے باپ

وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿۲۶﴾ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ

اور اپنی قوم سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھے سیدھا رستہ دکھائے گا

﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾

اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں۔

بَلْ مَتَّعْتُ هٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتّٰى جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۲۹﴾

بات یہ ہے کہ میں ان کفار کو اور ان کے باپ دادا کو متمتع کرتا رہا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف بیان کرنے والا پیغمبر آ پہنچا

وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿۳۰﴾

اور جب ان کے پاس حق (یعنی قرآن) آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکے اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟[2]

---

[2] ان آیات میں باری تعالیٰ نے مشرکین عرب کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جو وہ نبی کریمﷺ کی رسالت پر کیا کرتے تھے۔ دراصل شروع میں تو وہ یہ باور کرنے پر ہی تیار نہ تھے کہ اللہ کا کوئی رسول انسان ہوسکتا ہے، چنانچہ ان کا یہ اعتراض قرآن کریم نے جابجا ذکر فرمایا ہے کہ نبی کریمﷺ کو ہم رسول کیسے مان لیں جبکہ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے ہیں لیکن جب متعدد آیات قرآنی کے ذریعہ یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ صرف نبی کریمﷺ ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ دنیا میں جس قدر انبیاء آئے ہیں وہ سب انسان ہی تھے، تو اب انہوں نے پینترا بدل کر یہ اعتراض کیا کہ اگر کسی انسان ہی کو نبوت سونپنی تھی تو نبیؑ مالی اعتبار سے کوئی بڑا صاحب حیثیت کیوں نہیں ہیں، یہ منصب نبیؑ کے بجائے مکہ اور طائف کے کسی بڑے دولت منداور صاحب جاہ ومنصب انسان کو کیوں نہیں دیا گیا؟ روایات میں ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے مکہ سے ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کے اور طائف سے عروہ بن مسعودؓ ثقفی حبیب بن عمروؓ ثقفی یا کنانہ بن عبدیالیل کے نام پیش کئے تھے۔ (روح المعانی)۔

مشرکین کے اس اعتراض کے باری تعالیٰ نے دو جواب دیئے ہیں پہلا جواب مذکورہ آیتوں میں سے دوسری آیت میں اور دوسرا جواب اگلی آیات میں دیا گیا ہے، اس کی تشریح بھی وہیں آئے گی۔ اس پہلے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہیں اس معاملے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نبوت کا منصب کس کو دے رہا ہے اور کس کو نہیں دے رہا؟ نبوت کی تقسیم تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے کہ کسی کو نبی بنانے سے پہلے تم سے رائے لی جائے، یہ کام کلیتاً اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اپنے عظیم مصلحتوں کے مطابق اسے انجام دیتا ہے، تمہارا وجود اور عقل وشعور اس عظیم کام کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا، کہ تقسیم نبوت کا کام تمہارے سپرد کر دیا جاتا اور نبوت کے تقسیم تو بہت اونچے درجے کی چیز ہے تمہاری حیثیت وجود وشعور تو اس کی بھی متحمل نہیں کہ خود تمہاری معیشت اور سامان معیشت کی تقسیم کا کام تمہارے سپرد کر دیا جاسکے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ایسا کیا گیا تو تم ایک دن بھی نظام عالم کو نہ چلاسکو گے اور سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی میں تمہاری روزی کی تقسیم بھی تمہارے ذمہ نہیں رکھی بلکہ تقسیم معیشت کا کام خود اپنے ہاتھ میں

رکھا ہے، جب یہ ادنیٰ درجہ کا کام تمہاری حوالہ نہیں کیا جا سکتا تو نبوت کی تقسیم جیسا عظیم کام تمہارے حوالہ کیسے کر دیا جائے، آیات کا مقصودِ کلام تو اتنا ہی ہے، لیکن مشرکین کو جواب دینے کے ضمن میں باری تعالی نے دنیا کے نظام معیشت سے متعلق جو اشارے دیئے ہیں ان سے متعدد معاشی اصول مستنبط ہوتے ہیں یہاں ان کی مختصر توضیح ضروری ہے۔

تقسیم معیشت کا قدرتی نظام: نحن قسمنا بینھم معیشتھم (ہمنے تقسیم کیا ہے ان کے درمیان انکی معیشت کو۔ مقصد یہ ہے کہ ہمنے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ یہاں ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے کی امداد کا محتاج ہے۔ اور تمام لوگ اسی باہمی احتیاج کے رشتے میں بندھے ہوئے پورے معاشرے کی ضروریات کی تکمیل کر رہے ہیں۔

اس ایت نے کھول کر یہ بات بتلا دی ہے کہ اللہ تعالی نے تقسیم معیشت کا کام (اشتراکیت کی طرح) کسی با اختیار انسانی ادارے کے سپرد نہیں کیا جو منصوبہ بندی کے ذریعہ یہ طے کرے کہ معاشرے کی ضرورت کیا ہیں؟ انہیں کس طرح پورا کیا جائے وسائل پیداوار کو کس تناسب کے ساتھ، کن کاموں میں لگایا جائے، اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے، اس کے بجائے یہ تمام کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنا دیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعہ) غیر فطری رکاوٹیں پیدا نہ کیجا ئیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کر دیتا ہے، باہمی احتیاج کے اس نظام کو موجودہ معاشی اصطلاح میں ''طلب و رسد'' کا نظام کہا جاتا ہے طلب و رسد کا قدرتی قانون یہ ہے کہ جس چیز کی رسد کم ہو اور طلب زیادہ اس کی قیمت بڑھتی ہے لہٰذا وسائل پیداوار اس چیز کی تیاری میں زیادہ نفع دے کر اسی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب رسد طلب کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہے تو قیمت گھٹ جاتی ہے، چنانچہ اس چیز کی مزید تیاری نفع بخش نہیں رہتی اور وسائل پیداوار اس کے بجائے کسی اور ایسے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں جس کی ضرورت زیادہ ہو۔

اسلام نے طلب و رسد کی انہی قدرتی قوتوں کے ذریعہ دولت کی پیدائش اور تقسیم کا کام لیا ہے اور عام حالات میں تقسیم معیشت کا کام کسی انسانی ادارے کے حوالہ نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ منصوبہ بندی کے خواہ کتنے ترقی یافتہ طریقے دریافت کر لئے جائیں لیکن ان کے ذریعہ معیشت کی ایک ایک جزوی ضرورت کا احاطہ ممکن نہیں اور اس قسم کے معاشرتی مسائل عموماً ایسے ہی قدرتی نظام کے تابع چلتے ہیں۔ زندگی کے بیشتر معاشرتی مسائل اسی طرح قدرتی طور پر خود بخود طے پاتے ہیں، اور انہیں حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کرنا زندگی میں ایک مصنوعی جکڑ بند پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں، مثال

کے طور پر یہ بات کہ دن کا وقت کام کے لئے ہے اور رات کا سونے کے لئے کسی معاہدہ عمرانی یا انسانی منصوبہ بندی کے تحت نہیں طے پائی، بلکہ قدرت کے خودکار نظام نے خودبخود یہ فیصلہ کر دیا ہے اسی طرح یہ مسئلہ کہ کون شخص کس سے شادی کرے طبعی مناسبتوں کے فطری نظام کے تحت خودبخود انجام پا تا ہے اور اسے منصوبہ بندی کے ذریعہ حل کرنے کا کسی کو خیال نہیں آیا، یا مثلاً یہ بات کہ کون شخص علم وفن کے کس شعبہ کو اپنا میدان بنائے، اسے طبعی ذوق ومناسبت کے بجائے حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کر دینا ایک خواہ مخواہ کی زبردستی ہے اور اس سے نظام فطرت درہم برہم ہوسکتا ہے اسی طرح نظام معیشت کو بھی قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہر شخص کے دل میں وہی کام ڈال دیا ہے جو اس کے لئے زیادہ مناسب ہے اور جسے وہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص خواہ وہ ایک خاکروب ہی کیوں نہ ہو؟ اپنے کام پر خوش ہے اور اسی کو اپنی لئے سرمایہ فخر سمجھتا ہے۔ ''**کل حزب بمالدیھم فرحون**''

البتہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اسلام نے افراد کو اتنی آزادی نہیں دی کہ وہ ہر جائز وناجائز طریقے سے دولت سمیٹ کر دوسروں کے لئے رزق کے دروازے بند کر دیں، بلکہ ذرائع امدنی میں حلال وحرام کی تفریق کر کے سود، سٹہ، قمار اور ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دیدیا ہے، پھر جائز امدنی پر بھی زکواۃ وعشر وغیرہ کے واجبات عائد کر کے ان خرابیوں کا انسداد کر دیا ہے۔ جو موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں پائی جاتی ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کبھی اجارہ داریاں قائم ہوجائیں تو ان کو توڑنے کے لئے حکومت کی مداخلت کو جائز رکھا ہے۔

معاشی مساوات کی حقیقت

''**ورفعنابعضھم فوق بعض درجات** ''اس سے معلوم ہوا کہ معاشی مساوات (اس معنی میں کہ دنیا کی تمام افراد کی امدنی بالکل برابر ہو) نہ مطلوب ہے اور نہ ممکن العمل، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اس کائنات کے ہر رکن پر کچھ فرائض عائد کئے ہیں اور کچھ حقوق دیئے ہیں اور دونوں میں اپنی حکمت سے یہ تناسب رکھا ہے کہ جس کے ذمہ جتنے فرائض ہیں اس کے اتنے ہی حقوق ہیں، انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان کے ذمہ چونکہ فرائض سب سے کم ہیں کہ وہ شرعاً حلال اور حرام جائز وناجائز کے مکلّف نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی حقوق بھی سب سے کم ہیں چنانچہ انسان کو ان کے معاملہ میں وسیع ازادی عطا کی گئی ہے کہ وہ ان سے چند معمولی سی پابندیوں کے ساتھ جس طرح چاہے نفع اٹھا سکتا ہے، چنانچہ بعض حیوانات کو وہ کاٹ کر کھاتے ہیں بعض پر سواری کرتے ہیں بعض مخلوقات کو پامال کرتے ہیں مگر اسے ان مخلوقات

کی حق تلفی نہیں سمجھا جاتا۔

اس لئے کہ ان مخلوقات پر چونکہ فرائض کم ہیں اس لئے ان کے حقوق بھی بہت کم ہیں۔ پھر کائنات میں سب سے زیادہ فرائض انسان اور جنات پر عائد کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے ہر قول وفعل اور نقل وحرکت میں اللہ تعالی کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اور اگر اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کرے تو آخرت کے عذاب کے مستحق ہیں اس لئے حق تعالی نے انسان اور جنات کو حقوق دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عطا کئے ہیں، پھر انسانوں میں بھی یہ لحاظ ہے کہ جس کی ذمہ داری اور فرائض دوسروں سے زیادہ ہیں اس کے حقوق بھی زائد ہیں، انسانوں میں سب سے زیادہ ذمہ داری انبیاء علیہم السلام پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کو بہت سے حقوق بھی دوسروں سے زائد عطا کئے گئے ہیں۔

نظام معیشت میں بھی حق تعالی نے یہی رعایت رکھی ہے کہ ہر شخص کو اتنے معاشی حقوق دیئے جائیں جتنے فرائض کی ذمہ داری وہ اپنے سر لے۔ اور ظاہر ہے کہ فرائض میں یکسانیت کا پیدا ہونا بالکل ناممکن اور ان میں تفاوت ناگزیر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہر شخص کے معاشی وظائف وفرائض دوسروں سے بالکل مساوی ہوں۔ اس لئے کہ معاشی وظائف اور فرائض انسانوں کی فطری صلاحیتوں پر موقوف ہیں جن میں جسمانی طاقت، صحت، دماغی قویٰ اور عمر ذہنی معیار چستی اور پھرتی جیسی چیزیں داخل ہیں اور یہ بات ہر شخص کھلی آنکھوں دیکھ سکتا ہے۔ کہ ان اوصاف کے اعتبار سے انسانوں میں یکسانیت اور مساوات پیدا کرنا بڑے سے بڑے ترقی یافتہ اشترا کی حکومت کے بس میں بھی نہیں جب انسان کی صلاحیتوں میں تفاوت ناگزیر ہے۔ تو ان کے فرائض میں بھی لازماً تفاوت ہوگا اور معاشی حقوق چونکہ انہیں فرائض پر موقوف ہیں اس لئے معاشی حقوق یعنی امدنی میں بھی تفاوت ناگزیر ہے، کیونکہ اگر سب کی امدنی بالکل مساوی کر دی جائے اور فرائض میں تفاوت رہے تو اس سے کبھی عدل وانصاف قائم نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اس صورت میں بعض لوگوں کی آمدنی ان کے فرائض سے زیادہ اور بعض کی ان کے فرائض سے کم ہو جائے گی جو صریح ناانصافی ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ آمدنی میں مکمل مساوات کسی بھی دور میں قرین انصاف نہیں ہوسکتی لہٰذا اشترا کیت اپنی ترقی کے انتہائی دور (مکمل کمیونیزم) میں بھی جس مساوات کا دعویٰ کرتی ہے وہ کسی بھی حال میں نہ قابل عمل ہے اور نہ قرین عدل وانصاف، البتہ یہ طے کرنا کہ کس کے فرائض زیادہ اور کس کے کم ہیں اور ان کی مناسبت سے اسے کتنے حقوق ملنے چاہئیں ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے، اور انسان کے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے جس سے وہ اس بات کا ٹھیک ٹھیک تعین کر سکے، بعض اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ماہر اور تجربہ کار انجنیئر نے ایک گھنٹہ میں اتنی امدنی حاصل کر لی

ہے جو ایک غیر ہنر مند مزدور دن بھر منوں مٹی ڈھو کر بھی حاصل نہیں کی لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو قطع نظر اس سے کہ مزدور کی دن بھر کی ازاد محنت ذمہ داری کے اس بوجھ کے برابر نہیں ہوسکتی جو انجنیئر نے اٹھا رکھا ہے، انجنیئر کی یہ امدنی صرف اس ایک گھنٹے کی محنت کا صلہ نہیں بلکہ اس میں سالہا سال کی اس دماغ سوزی، عرق ریزی، اور جانفشانی کے صلہ کا ایک حصہ بھی شامل ہے جو اس نے انجنیئر نگ کی تعلیم وتربیت اور پھر اس میں تجربہ ومہارت حاصل کرنے میں برداشت کی ہے۔

اشترا کیت نے اپنے ابتدائی دور میں آمدنی کے اس تفاوت کو تسلیم تو کرلیا ہے چنانچہ تمام اشترا کی مما لک میں ابادی کے مختلف طبقات کے درمیان تنخواہوں کا زبردست تفاوت پایا جاتا ہے لیکن ٹھوکر یہاں کھائی ہے کہ تمام وسائل پیداوار کو حکومت کی تحویل میں دے کر وسائل کے لئے فرائض کا تعین اور پھر ان کی مناسبت سے ان پر آمدنی کی تقسیم بھی تمام تر حکومت ہی کے حوالہ کردی ہے، حالانکہ جیسا اوپر عرض کیا گیا فرائض اور حقوق کے درمیان تناسب باقی رکھنے کے لئے انسان کے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے، چنانچہ اشترا کیت کے طریقہ کار کے تحت ملک بھر کی انسانوں کی روزی کا تعین حکومت کے چند کارندوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور انہیں یہ اختیار مل گیا ہے کہ جس شخص کو جتنا چاہیں دیں۔ جتنا چاہیں روک لیں، اول تو اس میں بد دیانتیوں اور اقربا نوازیوں کو ایک بڑا امیدان مل جاتا ہے، جس کے سہارے افسر شاہی پھلتی پھولتی ہے دوسرے اگر حکومت کے تمام کارندوں کو فرشتہ بھی تصور کرلیا جائے اور وہ فی الواقع یہی چاہیں کہ ملک میں امدنی کی تقسیم حق وانصاف کی بنیاد پر ہو تو ان کے پاس آخر وہ کونسا پیمانہ ہے جس سے وہ یہ فیصلہ کرسکیں کہ ایک انجنیئر اور ایک مزدور کے فرائض میں کتنا تفاوت ہے اور اس کی نسبت سے ان کی امدنیوں میں کتنا تفاوت قرین انصاف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس بات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ انسانی عقل کے ادراک سے قطعی ماوراء ہے، اس لئے اسے قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ ایت زیر بحث ''**ورفعنابعضهم فوق بعض درجات**'' میں اللہ تعالی نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس تفاوت کا تعین ہم نے انسانوں کے حوالہ کرنے کے بجائے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہاں بھی یہی ہے کہ دنیا میں ہر شخص کی ضروریات دوسرے کے ساتھ وابستہ کر کے نظام ایسا بنادیا ہے کہ ہر شخص اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے دوسرے کو اتنا دینے پر مجبور ہے جتنے کا وہ مستحق ہے، یہاں بھی باہمی احتیاج پر مبنی طلب و رسد کا نظام ہر شخص کی امدنی کا تعین کرتا ہے یعنی ہر شخص اس بات کا فیصلہ خود کرتا ہے کہ جتنے فرائض میں نے اپنے ذمہ لئے ہیں ان کا کتنا معاوضہ میرے لئے کافی ہے اس سے کم ملے تو یہ کام کرنے پر راضی نہ ہو اور یہ زیادہ مانگنے لگے تو کام لینے

والا اس سے کام نہ لے:''لیتخذ بعضھم بعضا سخریا'' کا یہی مطلب ہے کہ ہم نے آمدنی میں تفاوت اس لئے رکھا ہے تاکہ ایک شخص دوسرے سے کام لے سکے، ورنہ سب کی آمدنی برابر ہوتی تو کوئی کسی کے کام نہ آتا۔

ہاں البتہ بعض غیر معمولی حالات میں بڑے بڑے سرمایہ دار طلب اور رسد کے اس قدرتی نظام سے ناجائز فائدہ اٹھا کر غریبوں کو اس بات پر مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی استحقاق سے کم اجرت پر کام کریں، اسلام نے اول تو حرام وحلال اور جائز وناجائز کے وسیع احکام کے ذریعہ نیز اخلاقی ہدایات اور تصور آخرت کے ذریعہ ایسی صورت حال کو پیدا ہونے سے روکا ہے، اور اگر کبھی کسی مقام پر یہ صورت پیدا ہو جائیں تو اسلامی حکومت کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ ان غیر معمولی حالات کی حد تک وہ اجرتوں کا تعین کر سکتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف غیر معمولی حالات کے لئے ہے، اس لئے اس مقصد کے لئے تمام وسائل پیداوار کو حکومت کے حوالہ کر دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے نقصانات فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔

ایک حدیث میں عدم مساوات کی ایک علت بیان کی گئی ہے جو کہ ابی بن کعبؓ سے صاحب مشکوٰۃ نے کتاب الایمان میں بحوالہ مسند احمد: ۱۳۵/۵، نقل کی ہے: عن ابی بن کعب فی قول اللہ عزوجل ''واذاخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم'' قال جمعھم فجعلھم ازواجا، ثم صورھم، فاستنقطھم فتکلموا، ثم اخذ علیھم العھد و المیثاق ،واشھدھم علی انفسھم ''الست بربکم قالوا بلیٰ ''قال فانی اشھد علیکم السمٰوات السبع و الارضین السبع واشھد علیکم اباکم آدم ان تقولوا یوم القیامۃ لم نعلم بھذا، اعلموا انه لااله غیری ولارب غیری، ولاتشرکوا بی شیأ انی سارسل الیکم رسلی یذکّرونکم عھدی ومیثاقی ،وانزل علیکم کتبی، قالوا: شھدنا بانک ربنا والھنا لارب لنا غیرک ولااله لنا غیرک فاقروا بذلک ورفع علیھم آدم علیه السلام ینظر الیھم فرأی الغنی و الفقیر وحسن الصورۃ ودون ذلک فقال رب لولاسویت بین عبادک؟ قال انی احببت ان اشکر، ورأی الانبیاء فیھم مثل السرج ،علیھم النور، خصوا بمیثاق آخر فی الرسالۃ و النبوۃ، وھو قوله تبارک وتعالی ''واذاخذنا من النبیین میثاقھم'' الی قوله ،عیسیٰ ابن مریم ،احزاب:۷، کان فی تلک الارواح فارسله الی مریم علیھما السلام.

ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہا کہ، اللہ تعالی کے اس فرمان میں، کہ جب تیرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی، راوی نے کہا، ان سب کو جمع کیا، ان کو قسم قسم بنادیا، پھر ان کو صورت بخشی، پھر ان

کو گویا کیا، سب بولے، پھران سے عہد اور میثاق لیا، اوران کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا، کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں، فرمایا میں تم پر ساتوں اسمانوں، ساتوں زمینوں، اور تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے، جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، اور میرے سوا کوئی پروردگار نہیں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا، وہ میرا عہد اور میثاق تمہیں یاد کرائیں گے، میں اپنی کتابیں تم پر نازل کروں گا۔ انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا پروردگار اور ہمارا معبود ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی پروردگار نہیں، اور نہ کوئی معبود ہے، انہوں نے اس بات کا اقرار کیا، آدم ان پر بلند کئے گئے، وہ ان کو دیکھتے تھے، انہوں نے غنی فقیر خوبصورت بدصورت سب کو دیکھا، کہا اے میرے رب! تو نے اپنے بندوں کو ایک جیسا کیوں پیدا نہیں کیا؟ فرمایا میں پسند کرتا ہوں کہ میرے بندے میرا شکر ادا کرتے رہیں، انبیاء کو ان میں دیکھا، وہ ان میں چراغ کی مانند روشن تھے، ان پر ایک خاص قسم کا نور تھا، رسالت و نبوت کے متعلق ان سے ایک الگ عہد لیا گیا، جو حق تعالی کے اس فرمان میں ہے۔

فتح الباری: ۱۸/۱۳او ابن بطال کتاب الفتن، کی حدیث میں دوسری طرف کو اشارہ ہے: **لایزال الناس بخیر ماتفاضلوا، فاذاتساووا اھلکوا**، یعنی یہ لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے، جب تک ان میں عدم مساوات ہو، اور جب سب کے سب یکساں ہو جائیں، تو ہلاک ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امدنی میں مکمل مساوات نہ عدل وانصاف کا تقاضا ہے نہ عملا کہیں قائم ہوئی ہے نہ ہوسکتی ہے، اور نہ یہ اسلام کو مطلوب ہے، البتہ اسلام نے جس مساوات کو قائم کیا ہے وہ قانون معاشرت اور اداء حقوق کی مساوات ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا قدرتی طریقہ کار کے تحت جس شخص کے جتنے حقوق متعین ہو جائیں انہیں حاصل کرنے کے قانونی، تمدنی اور معاشرتی حق میں سب برابر ہیں، اس بات کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ ایک امیر یا صاحب جاہ ومنصب انسان اپنا حق عزت کے ساتھ باسانی حاصل کر لے، اور غریب کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں، اور ذلیل حقیر ہونا پڑے قانون امیر کے حقوق کی حفاظت کرے اور غریب کو بے یار و مددگار چھوڑ دے، اسی کو ابو بکر الصدیقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ ''**واللہ ما عندی اقوی من الضعیف حتی اخذ الحق له ولا عندی اضعف من القوی حتی آخذ الحق منه**'' ''اللہ کی قسم میرے نزدیک ایک کمزور آدمی سے زیادہ قوی کوئی نہیں تاوقتیکہ میں اس کا حق اسے نہ دلوادوں اور میرے نزدیک ایک قوی آدمی سے زیادہ کمزور کوئی نہیں جب تک کہ میں اس سے (کمزور کا) حق وصول نہ کرلوں۔=

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ
کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا

الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا
اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تا کہ ایک دوسرے سے خدمت لے

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَا أَنْ يَّكُونَ النَّاسُ
اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمہارے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔اوراگر یہ خیال نہ ہوتا

أُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ
کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں گے تو جو لوگ اللہ سے انکار کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا

وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿۳۳﴾ وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ
دیتے اورسیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے ہیں۔اوران کے گھروں کے دروازے بھی اورتخت بھی جن پر تکیہ لگاتے ہیں

=(سبل الہدی والرشاد:۱۲، باب۳۳،سیرۃ ابن حبان:۴۱۹/۱)

اسی طرح ٹھیٹھ معاشی نکتہ نظر سے اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں ہر شخص کو کمائی کے یکساں مواقع حاصل ہیں، اوراسلام اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ چند بڑے بڑے دولتمند مال ودولت کے دہانوں پرقابض ہوکراپنی اجارہ داریاں قائم کرلیں، اورچھوٹے تاجروں کے لئے بازار میں بیٹھنا دوبھر بنادیں۔چنانچہ سود،سٹہ بازی، قمار،ذخیرہ اندوزی اوراجارہ دارانہ تجارتی معاہدوں کوممنوع قراردے کر،نیز زکواۃ، عشر،خراج ،نفقات ،صدقات اوردوسرے واجبات عائدکر کے ایسا ماحول پیدا کر دیا گیا ہے جس میں ہرانسان اپنی ذاتی صلاحیت محنت اورسرمایہ کے تناسب سے کمائی کے مناسب مواقع حاصل کرسکتا ہے اوراس سے ایک خوشحال معاشرے کی تعمیر ہوسکتی ہے اس کے باوجودامدنی کا جوتفاوت باقی رہے وہ درحقیقت ناگزیر ہےاورجس طرح انسانوں کےدرمیان حسن وجمال قوت وصحت عقل وذہانت اورآل واولاد کےتفاوت کومٹاناممکن نہیں اسی طرح اس تفاوت کوبھی مٹایانہیں جاسکتا۔

﴿۳۵﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ

اور (خوب) تجمل و آرائش (کر دیتے) اور یہ سب دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہے اور آخرت تمہارے پروردگار

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

کے ہاں پرہیزگاروں کے لئے ہے۔[3] اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کر لے (یعنی تغافل کرے)

نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۷﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ

ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔ اور یہ (شیطان) ان کو رستے سے روکتے رہتے

---

[3] کفار نے جو یہ کہا تھا کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے مالدار کو نبی کیوں نہ بنا دیا گیا، ان آیات میں اس کا دوسرا جواب دیا گیا ہے، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک نبوت کے لئے کچھ شرائط صلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے، لیکن مال ودولت کی زیادتی کی بنا پر کسی کو نبوت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ مال ودولت ہماری نگاہ میں اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام لوگوں کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم سب کافروں پر سونے چاندی کی بارش کر دیتے، اور صحیح ترمذی کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ولو كانت الدنيا تعدل عندالله جناح بعوضة ماسقى كافرا منها شربة ماء (ترمذی: ۲۴۹۵)، یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی درجہ رکھتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا، اس سے معلوم ہوا کہ نہ مال ودولت کی زیادتی کوئی فضیلت کی چیز ہے نہ اس کی کمی انسان کے کم رتبہ ہونے کی علامت ہے۔ البتہ نبوت کے لئے کچھ اعلیٰ درجہ کے اوصاف ضروری ہیں، وہ سرکار دوعالم ﷺ میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں، اسلئے یہ اعتراض بالکل لغو اور باطل ہے۔

اور مذکورہ آیات میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر کافروں پر مال ودولت کی اتنی فراوانی کر دی جاتی تو سب لوگ کافر ہو جاتے، اس میں مراد لوگوں کی بھاری اکثریت ہے ورنہ اللہ کے کچھ نیک بندے آج بھی ایسے موجود ہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ کفر اختیار کر کے وہ مال ودولت سے نہال ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ مال ودولت کی خاطر کفر کو اختیار نہیں کرتے ایسے کچھ لوگ شاید اس وقت بھی ایمان پر قائم رہ جاتے لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی۔

وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٧﴾ حَتّٰى إِذَا جَآءَنَا قَالَ

ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ سیدھے رستے پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا

يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿٣٨﴾

کہ اے کاش! مجھ میں اور تجھ میں مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا تو بُرا ساتھی ہے۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَّلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾

اور جب تم ظلم کرتے رہے تو آج تمہیں یہ بات فائدہ نہیں دے سکتی کہ تم (سب) عذاب میں شریک ہو۔

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾

کیا تم بہرے کو سنا سکتے ہو یا اندھے کو رستہ دکھا سکتے ہو اور جو صریح گمراہی میں ہو اسے (راہ پر لا سکتے ہو)؟

فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿٤١﴾ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ

اگر ہم تم کو (وفات دے کر) اٹھالیں تو ان لوگوں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے۔ یا (تمہاری زندگی ہی میں) تمہیں وہ

وَعَدْنٰهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿٤٢﴾

(عذاب) دکھا دیں جن کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے ہم ان پر قابو رکھتے ہیں۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْ أُوْحِيَ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٣﴾

پس تمہاری طرف جو وحی کی گئی ہے اس کو مضبوط پکڑے رہو بیشک تم سیدھے رستے پر ہو۔

وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَاسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا

اور یہ تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے اور تم سے عنقریب پرسش ہوگی۔ اور جو اپنے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ہیں

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ آلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

ان سے دریافت کر لو کیا ہم نے الرحمٰن کے سوا اَور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟ [4]

---

[4] بعض علماء نے اس ایت کے تحت لکھا ہے، کہ اس آیت سے حیات انبیاء پر دلیل پکڑی جا سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام فخر الدین رازیؒ نے اس ایت کریمہ کے تحت لکھا ہے: **وفیہ اقوال** یعنی اس ایت کریمہ کی تشریح کرنے میں تین مسلک ہیں: جب اس ایت میں تین مفہوم کا احتمال ہے تو حسب قاعدہ **اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال** اس ایت کو حیات انبیاء کی دلیل بنانا ہی سرے سے باطل ٹھہرا۔ نیز شاہ صاحب نے **یستدل به علی حیاة الانبیاء**، فرمایا جس میں ضعف کی طرف اشارہ ہے، یہی وجہ ہے کہ امام الہند شاہ احمد ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے فارسی ترجمہ میں یہ تحریر فرمایا: وپرس احوال آنکہ پرستادہ بودیم پیش از تو از پیغمبران خود، یعنی اپ سے پہلے ہمنے جو پیغمبر بھیجے ہیں، بھلا ان کی احوال تو پوچھ دیکھ، اسی طرف شاہ انور شاہ صاحب مائل ہو کر فرماتے ہیں **والافیمکن ان یکون السوال عن حالهم** یعنی اگر اس ایت کریمہ سے حیات انبیاء پر استدلال جو ضعیف ہے نہ بھی کیا جائے تو بھی یہ سوال جو اس مقام پر وارد ہوتا ہے کہ رسول ﷺ کا سوال کرنا اور دریافت کرنا گذشتہ انبیاء سے ممتنع ہے، وہ وارد نہیں ہوسکتا کیونکہ ان گذشتہ انبیاء کے حالات دریافت کرنا تو ممکن ہے۔

محمد بن ابی بکر بن عبد القادر رازیؒ نے ''مسائل الرازی: ۲/۱۳۱، میں یہ سوال کیا: **فان قیل کیف قال الله تعالی ''واسأل من ارسلنامن قبلک من رسلنا'' و النبی ﷺ مالقیهم حتی یسألهم.** یعنی اس ایت کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ نبی کریم ﷺ ان کے وفات یافتہ ہونے کی وجہ سے ملاقات نہیں کر سکتے تھے، تو ان سے دریافت کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ تو صاحب کتاب نے اس کے چار جواب دئے، پہلا جواب تو یہ دیا کہ **فیه اضمار تقديره واسأل اتباع من ارسلنا** یعنی یہاں مضاف محذوف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے رسولوں کی امتوں اور ان کی متبعین سے دریافت کرلو۔

دوسرا جواب یہی دیا کہ پہلے انبیاء کے دین میں غور کرو، اور ایک جواب یہ دیا کہ نام تو رسول ﷺ کا ہے مگر مراد امت محمدیہ ہے اور یہ جواب ضعیف ہے۔ اور صاحب کتاب نے بھی اسے بصیغہ تمریض قیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ فاضل عالم نے جواب دیا کہ نبی ﷺ کی خاطر معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم =

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَإِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر فرعون اوراس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں

الْعَالَمِينَ ﴿٤٦﴾ فَلَمَّا جَاءَهُم بِآيَاتِنَا إِذَا هُم مِّنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿٤٧﴾

جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ نشانیوں سے ہنسی کرنے لگے۔

وَمَا نُرِيهِم مِّنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ

اور جو نشانی ہم ان کو دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ باز آئیں

يَرْجِعُونَ ﴿٤٨﴾ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ

اور کہنے لگے کہ اے جادوگر! اس عہد کے مطابق جو تیرے پروردگار نے تجھ سے کیا ہے اس سے دعا کر

= السلام کو متشکل فرما کر بیت المقدس میں جمع فرما دیا، تب نبیؐ نے تمام انبیاء کرام سے ملاقات فرمائی اور بیت المقدس کی مسجد میں آپ نے ان کی امامت فرمائی، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تب یہ آیت اتری اور تمام انبیاء کرام وہاں حاضر موجود تھے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں کافی ہو چکا۔مگر یہ قول زہریؒ سعید بن جبیرؒ اور ابن زید کا ہے اور عطاء نے ابن عباس کا قول بتایا ہے مگر وہ قول ابن عباسؓ اگر بغور دیکھا جائے تو اس سے حیات مستمرہ دائمہ بعد الوفات کی نفی نکلتی ہے کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں: لما اسری بالنبی ﷺ بعث الله آدم وولده من المرسلين یعنی جب نبی کریم ﷺ کو سیر کرائی تب آدم اور ان کے مرسل اولاد کو زندہ کر کے اٹھایا گیا اور وہ بھی صرف رسولؐ کی خاطر، مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو پہلے تو دنیوی زندگی حاصل نہ تھی تمام انبیاء علیہم السلام دنیا کی اعتبار سے میت ہی تھے مگر محض رسولؐ کی خاطر صرف اسراء کی رات میں ان انبیاء کرام کو تھوڑی دیر کے لئے دنیاوی زندگی عطا فرمائی گئی، جو اپنی قبروں سے نکل کر بیت المقدس میں تشریف لے گئے سب سے رسولؐ نے ملاقات فرمائی، جبرئیل نے اذان واقامت کہہ کر رسولؐ کو کہا: اگے بڑھو انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھاؤ۔ پھر آپ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔اس روایت کو نقل کیا ہے ،مسند ابی یعلی: ۳/۳۵۱، اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ: رقم: ۱۸۲۔

إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿٥٠﴾

بیشک ہم ہدایت یاب ہو جائیں گے۔ سو جب ہم نے ان سے عذاب کو دُور کر دیا تو وہ عہد شکنی کرنے لگے۔

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ

اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ؟

وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٥١﴾

اور یہ نہریں جو میرے (محلوں کے) نیچے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں)؟ کیا تم دیکھتے نہیں؟

أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ﴿٥٢﴾

بیشک میں اس شخص سے جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا کہیں بہتر ہوں۔

فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّن ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ﴿٥٣﴾

تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٤﴾

غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی اور انہوں نے اس کی بات مان لی بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔

فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٥﴾

جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے ان سے انتقام لے کر اور ان سب کو ڈبو کر چھوڑا۔

فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿٥٦﴾

اور ان کو گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لئے عبرت بنا دیا۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿٥٧﴾

اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کا حال بیان کیا گیا تو تمہاری قوم کے لوگ اس سے چلا اٹھے۔[5]

وَقَالُوْا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ

اور کہنے لگے کہ بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا عیسیٰ؟ انہوں نے عیسیٰ کی جو مثال بیان کی ہے تو صرف جھگڑنے کو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو

---

[5] ان آیات کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایتیں بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ قریش کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **یامعشر قریش لاخیرفی احدیعبدمن دون اللہ** یعنی اے قریش کے لوگو! اللہ کے سوا جس کسی کی عبادت کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں، اس پر مشرکین نے کہا کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں لیکن آپ خود مانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نیک بندے اور اس کے نبی تھے۔ ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئیں (قرطبی)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی ایت" **انکم وماتعبدون من دون اللہ حصب جھنم** " ۔نازل ہوئی تو اس پر عبداللہ بن الزبعری نے جو اس وقت کافر تھے یہ کہا کہ اس آیت کا تو میرے پاس بہترین جواب موجود ہے اور وہ یہ کہ نصاریٰ مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور یہود عزیر علیہ السلام کی، تو کیا یہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے؟ یہ بات سنکر قریش کے مشرکین بہت خوش ہوئے، اس پر اللہ تعالی نے ایک تو یہ آیت نازل فرمائی کہ : "**ان الـذيـن سبقت لهم مناالحسنى اولئک عنهامبعدون**" اور دوسرے سورت زخرف کی مذکورہ بالا آیات (ابن کثیر وغیرہ)۔

تیسری روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے یہ بیہودہ خیال ظاہر کیا کہ محمد ﷺ الوہیت کا دعوہ کرنا چاہتے ہیں، ان کی مرضی یہ ہے کہ جس طرح نصاریٰ مسیح علیہ السلام کو پوجتے ہیں اس طرح ہم بھی ان کی عبادت کیا کریں، اس پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں، اور درحقیقت تینوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، کفار نے تینوں ہی باتیں کہی ہونگی، جن کے جواب میں اللہ تعالی نے ایسی جامع آیات نازل فرمادیں جن سے ان کے تینوں اعتراضات کا جواب ہوگیا، اس آخری اعتراض کا جواب تو مذکورہ بالا آیات میں بالکل واضح ہے کہ جن لوگوں نے مسیح علیہ السلام کی عبادت شروع کردی ہے انہوں نے نہ کسی الٰہی حکم سے ایسا کیا، نہ خود مسیح علیہ السلام کی یہ خواہش تھی اور نہ قران ان کی تائید کرتا ہے انہیں تو مسیح علیہ السلام کے باپ کے بغیر پیدا ہونے سے مغالطہ لگا تھا، اور قران اس مغالطہ کی تردید کرتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ (معاذ اللہ) عیسائیوں کی دیکھا دیکھی اپنی الوہیت کا دعوی کر بیٹھیں۔

﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ ﴿۵۹﴾

وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا اور بنی اسرائیل کے لئے ان کو (اپنی قدرت کا) نمونہ بنا دیا۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور اگر ہم چاہتے تو تمہارے عوض فرشتے کردیتے جو تمہاری جگہ زمین میں رہتے۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾

اور وہ قیامت کی نشانی ہیں۔تو (کہہ دو کہ لوگو!) اس میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو یہی سیدھا رستہ ہے۔ [6]

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾

اور (کہیں) شیطان تم کو (اس سے) روک نہ دے وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ

اور جب عیسیٰ نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ میں تمہارے پاس دانائی (کی کتاب) لے کر آیا ہوں

---

[6] جمہور مفسرین کے نزدیک "وانـــه" کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی عیسیٰ بن مریمؑ بیشک ایک علامت ہیں، قیامت کے لئے، اور اس سے مراد ان کا اسمان سے نزول فرمانا اور زمین پر آنا ہے، تو ان کا یہ آنا من جملہ علامات قیامت ایک عظیم نشانی بنایا گیا۔ابن عباسؓ ،ابوہریرہؓ،ابولعالیہ،ابو مالک،عکرمہ،حسن بصری،قتادہ ،ضحاک، مجاہد اور جملہ ائمہ تفسیر کا اسی پر اتفاق ہے کہ "انـــــه" کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے، درمنثور میں مجاہد سے مروی ہے،قال اية للساعة خروج عيسىٰ ابن مريم قبل يوم القيامة. فرمایا قیامت کی نشانی عیسیٰ بن مریم کا قیامت سے پہلے تشریف لانا۔

ابن کثیر فرماتے ہیں ، کہ یہی تفسیر صحیح ہے، ظاہر ہے کہ کسی صحابی سے اس کے خلاف کوئی تفسیر جب منقول نہیں، تو ایسی صورت میں ابن عباسؓ کی تفسیر کے مقابلہ میں کونسی تفسیر قابل قبول ہوسکتی ہے؟ تفصیل کے لئے تفسیر ابن جریر۔ابن کثیر، درمنثور، عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام: ص۳، ۵، ملاحظہ ہو۔

وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾

نیز اس لئے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم کو سمجھا دوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾

کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی میرااور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا رستہ ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٦٥﴾

پھر کتنے فرقے ان میں سے پھوٹ پڑے سو جو لوگ ظالم ہیں ان کی درد دینے والے دن کے عذاب سے خرابی ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾

یہ صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ قیامت ان پر ناگہاں آموجود ہو اور ان کو خبر تک نہ ہو۔

اَلْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾

(جو آپس میں) دوست (ہیں) اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیز گار (کہ باہم دوست ہی رہیں گے)۔

يَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٦٨﴾

میرے بندو! آج تمہیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمناک ہوں گے۔

اَلَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ

جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار ہو گئے۔(ان سے کہا جائے گا کہ) تم

أَنْتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ

اورتمہاری بیویاں خوشیاں کرتے ہوئے جنت میں داخل ہوجاؤ۔ان کے سامنے سونے کے پیالے پیش کیے جائیں گے

وَأَكْوَابٍ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٧١﴾

اورابخورے بھی اور وہاں جو جی چاہے اور جو آنکھوں کو اچھا لگے (موجود ہوگا) اور (اے اہلِ جنت!) تم اس میں ہمیشہ رہو گے

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور یہ جنت جس کے تم مالک بنا دیئے گئے ہو تمہارے اعمال کا صلہ ہے۔

لَكُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ

وہاں تمہارے لئے بہت سے میوے ہیں جن کو تم کھاؤ گے۔ (اور کفار) گنہگار

فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾

ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے۔ جو ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہی (اپنے آپ پر) ظلم کرتے تھے۔

وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور پکاریں گے کہ اے مالک! تمہارا پروردگار ہمیں موت دے دے وہ کہے گا کہ تم ہمیشہ (اسی حالت میں) رہو گے۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾

ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے ہیں لیکن تم اکثر حق سے ناخوش ہوتے رہے۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ

کیا انہوں نے کوئی بات ٹھہرا رکھی ہے تو ہم بھی کچھ ٹھہرانے والے ہیں۔ کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں

وَنَجْوٰهُمْ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں؟ ہاں (سب سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی سب باتیں) لکھ لیتے ہیں۔

قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿۸۱﴾

کہہ دو کہ اگر اللہ کے اولاد ہو تو میں (سب سے) پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔ [7]

سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۸۲﴾

یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں آسمانوں اورزمین کا مالک (اور) عرش کا مالک اس سے پاک ہے۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۸۳﴾

تو ان کو بک بک کرنے اور کھیلنے دو یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کو دیکھ لیں۔

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۸۴﴾

اور وہی (ایک) آسمانوں میں معبود ہے اور (وہی) زمین میں معبود ہے۔ اور وہ دانا (اور) علم والا ہے۔

---

[7] ”قل ان کان “ یہ ابتدائے سورت میں ”وجعلوا له من عباده جزاء“ سے متعلق ہے، قرآن مجید کا یہ قاعدہ ہے کہ کبھی ابتدائے سورت کے مضمون کو آخر سورت میں بھی بانداز دیگر ذکر کرتا ہے، تاکہ سورت کی ابتداء اور انتہا میں اتحاد و مناسبت ہو جائے، دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالی کا کوئی ولد اور نائب نہیں، لیکن اگر بالفرض مشرکین مکہ کے قول کے مطابق اللہ تعالی کے لئے ولد اور نائب ثابت ہو جائے تو میں سب سے پہلے اسے مانوں گا، اور اس کی تعظیم بجالاؤں گا۔ اور اس کے مطابق اللہ کی عبادت کروں گا، یہ تمثیل نفی ولد میں بطور مبالغہ ذکر کی گئی ہے معنى الاية ان كان للرحمٰن ولد، وصح وثبت ذلك ببرهان صحيح توردونه، وحجة واضحة تدلون بها، فانا اول من يعظم ذلك الولد، واسبقكم الى طاعته و الانقياد له كمايعظم الرجل ولد الملك لتعظيم ابيه ، وهذا كلام وارد على سبيل الفرض و التمثيل لغرض وهو المبالغة فى نفى الولد، والاطناب فيه (كشاف). اور بعض علماء نے ”عابد“ کے معنی جاحد کے، لئے ہیں، یعنی میں سب سے پہلے اس فاسد عقیدہ کا منکر ہوں، اور بعض کے نزدیک، ان، نافیہ ہے، یعنی رحمٰن کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ مگر یہ کچھ زیادہ مضبوط توجیہ نہیں ہے۔ اور بھی کچھ احتمالات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ

اور وہ بہت بابرکت ہے جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کی بادشاہت ہے اور اسی کو

عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۵﴾ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ

قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔ اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ سفارش کا کچھ اختیار نہیں

الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ

رکھتے ہاں جو علم و یقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں گے (وہ سفارش کر سکتے ہیں)۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے

خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿۸۷﴾ وَقِيلِهِ يٰرَبِّ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ

پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے تو پھر یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں؟ اور پیغمبر کا یہ کہنا ہیں کہ اے پروردگار! یہ ایسے لوگ ہیں

لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۸۹﴾

کہ ایمان نہیں لاتے۔[8] تو ان سے منہ پھیر لو اور سلام کہہ دو ان کو عنقریب (انجام) معلو ہو جائے گا۔

---

[8] "وقیلہ" واؤ بمعنی، رُب ّ ہے، بہت بار پیغمبر کا یہ کلمہ کہنا "ان ھولاء قوم لایومنون" مشرکین کے ایمان سے مایوس ہو کر آپ اللہ سے مشرکین کی شکایت کرتے تھے کہ میرے پروردگار یہ قوم ایسی سرکش ہو چکی ہے، کہ اب وہ ایمان نہیں لائے گی، قال ابن عباسؓ شکی الی اللہ تخلف قوم عن الایمان، وقال قتادۃ ھذا نبیکم یشکو قومہ الی ربہ، (خازن) یا "واؤ" قسمیہ ہے، اور "ان ھؤلاء قوم، جواب قسم ہے، یعنی مجھے پیغمبر کے "یارب" کہنے اور مجھ سے دعا مانگنے کی قسم، یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور نبی علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے میں انہیں سزا دونگا، کانہ قیل، واقسم بقیلہ یارب ان ھؤلاء قوم لایومنون، مدارک۔

سورة الدخان (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾

حٰمٓ۔ اس کتاب روشن کی قسم۔ کہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا ہم تو ڈرانے والے ہیں۔ [1]

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿۴﴾ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾

اسی رات میں تمام حکمت کے کام فیصل کئے جاتے ہیں۔ (یعنی) ہمارے ہاں سے حکم ہو کر بیشک ہم ہی (پیغمبر کو) بھیجتے ہیں

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶﴾

(یہ) تمہارے پروردگار کی رحمت ہے وہ تو سننے والا جاننے والا ہے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾

آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم لوگ یقین کرنے والے ہو۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَآئِكُمُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾

اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے (وہی) تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا پروردگار ہے۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾

لیکن یہ لوگ شک میں کھیل رہے ہیں۔تو اس دن کا انتظار کرو کہ آسمان سے صریح دھواں نکلے گا۔

---

[1] "لیلة مبارکه" سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک شب قدر ہے جو رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی

ہے، اس رات کو مبارک فرمانا اس لئے ہے کہ اس رات میں اللہ تعالی کی طرف سے اپنے بندوں پر بے شمار خیرات و برکات نازل ہوتی ہیں اور قرآن کریم کا شب قدر میں نازل ہونا قرآن کی سورۂ قدر میں تصریح کے ساتھ آیا ہے: ''انا انزلناہ فی لیلۃ القدر'' اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں بھی لیلہ مبارکہ سے مراد شب قدر ہی ہے۔

اور ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ اللہ تعالی نے جتنی کتابیں ابتدائے دنیا سے اخر تک اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں وہ سب کے سب ماہ رمضان المبارک ہی کی مختلف تاریخوں میں نازل ہوئی ہیں قتادہ نے بروایت واثلہؓ نقل کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام رمضان کی پہلی تاریخ میں اور تورات رمضان کی چھٹی تاریخ میں اور زبور بارھویں میں اور انجیل اٹھارویں میں اور قران مجید چوبیس تاریخ گزرنے کے بعد یعنی پچیسویں شب میں نازل ہوا۔ (قرطبی)۔

اور بعض مفسرین عکرمہ وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت میں لیلہ مبارکہ سے مراد شب برات یعنی نصف شعبان کی رات قرار دی ہے مگر اس رات میں نزول قران دوسری تمام نصوص قران اور روایات حدیث کے خلاف ہے ''شھر رمضان الذی انزل فیہ القران'' البقرہ، اور ''انا انزلناہ فی لیلۃ القدر'' (القدر) جیسی کھلی نصوص کے ہوتے ہوئے، بغیر کسی قوی دلیل کے نہیں کہا جا سکتا کہ نزول قرآن شب برات میں ہوا، البتہ شعبان کی پندرھویں رات کو بعض روایات حدیث میں شب برات یا لیلۃ الصک کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس رات کا مبارک ہونا اور اس میں اللہ تعالی کی رحمت کے نزول کا ذکر ہے، اس کے ساتھ بعض روایات میں یہ مضمون بھی آیا ہے جو اس جگہ لیلہ مبارکہ کی صفت میں بیان فرمایا ہے یعنی ''فیھا یفرق کل امر حکیم ط امرا من عندنا''.

یعنی اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ ہماری طرف سے کیا جاتا ہے جس کے معنی ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ یہ رات جس میں نزول قرآن ہوا، یعنی شب قدر، اسی میں مخلوقات کے متعلق تمام اہم مورجن کے فیصلے اس سال میں اگلی شب قدر تک واقع ہونے والے ہیں طے کئے جاتے ہیں، کہ کون کون اس سال میں پیدا ہونگے کون کون آدمی اس میں مریں گے، کس کو کس قدر رزق اس سال میں دیا جائے گا، یہی تفسیر دوسرے ائمہ تفسیر قتادہؓ، مجاہد، حسن وغیرہم سے بھی منقول ہے، اور مہدوی نے فرمایا کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ یہ تمام فیصلے جو تقدیر الٰہی میں پہلے ہی سے طے شدہ تھے اس رات میں متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دئے جاتے ہیں، کیونکہ قرآن وسنت کی دوسری نصوص اس پر شاہد ہیں کہ

اللہ تعالی نے یہ فیصلے انسان کی پیدائش سے بھی پہلے ازل ہی میں لکھ دیئے تھے۔تو اس رات میں ان کے طے کرنے کا حاصل یہی ہوسکتا ہے کہ قضاوقدر کی تنفیذ جن فرشتوں کے ذریعہ ہوتی ہے اس رات میں یہ سالانہ احکام ان کے سپرد کرئے جاتے ہیں (قرطبی)۔

چونکہ بعض روایات حدیث میں شب برات یعنی شعبان کی پندرہویں رات کے متعلق بھی آیا ہے کہ اس میں آجال وارزاق کے فیصلے لکھے جاتے ہیں اس لئے بعض علماء نے آیت مذکورہ میں لیلہ مبارکہ کی تفسیر لیلہ البرات سے کردی ہے، مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہاں اس رات میں نزول قرآن کا ذکر سب سے پہلے ہے اوراس کا رمضان میں ہونا قرآن کی نصوص سے متعین ہے۔اور شب برات کے متعلق جو یہ مضمون بعض روایات میں آیا ہے کہ اس میں ارزاق وغیرہ کے فیصلے ہوتے ہیں اول تو ابن کثیر نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ روایت مرسل اور ایسی روایات نصوص صریحہ کے مقابلہ میں قابل اعتماد نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات کے بارے میں کوئی قابل اعتماد روایت ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ رزق اور موت وحیات کے فیصلے اس رات میں ہوتے ہیں بلکہ انہوں نے فرمایا کہ اس رات کے فضیلت میں بھی کوئی قابل اعتماد حدیث نہیں آئی لیکن روح المعانی میں ایک بلاسند روایت ابن عباسؓ سے اس مضمون کی نقل کی ہے کہ رزق اور موت وحیات وغیرہ کے فیصلے نصف شعبان کی رات میں لکھے جاتے ہیں اور شب قدر میں فرشتوں کے حوالے کئے جاتے ،اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس طرح دونوں قول میں تطبیق ہوسکتی ہے ورنہ اصل بات جو ظاہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ سورۂ دخان کی آیت میں ''لیلة مبارکه'' اور ''فیها یفرق''وغیرہ کے سب الفاظ شب قدر ہی کے متعلق ہیں، رہا شب برات کی فضیلت کا معاملہ سو وہ ایک مستقل معاملہ ہے جو بعض روایات حدیث میں منقول ہے مگر وہ اکثر ضعیف ہیں، اسی لئے قاضی ابوبکر بن عربی نے اس رات کی کسی فضیلت سے انکار کیا ہے لیکن شب برات کی فضیلت کی روایات اگر چہ باعتبار سند کے ضعف سے کوئی خالی نہیں لیکن تعدد طرق اور تعدد روایات سے ان کو ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اس لئے بہت سے مشائخ نے ان کو قبول کیا ہے کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم۔

يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ

جولوگوں پر چھا جائے گا یہ درد دینے والا عذاب ہے۔اے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دُور کر ہم ایمان لاتے ہیں۔

﴿۱۲﴾ أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ

(اس وقت) ان کو نصیحت کہاں مفید ہو گی جب کہ ان کے پاس پیغمبر آ چکے جو کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔

وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿۱۴﴾ إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ ﴿۱۵﴾

پھر انہوں نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے پڑھایا ہوا دیوانہ ہے۔ہم تو تھوڑے دنوں عذاب ٹال دیتے ہیں تم پھر کفر کرنے لگتے ہو

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ

جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے تو بیشک انتقام لے کر چھوڑیں گے۔اور ان سے پہلے ہم نے

قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿۱۷﴾ أَنْ أَدُّوا إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ

قومِ فرعون کی آزمائش کی اور ان کے پاس ایک عالی قدر پیغمبر آئے۔جنہوں نے) یہ (کہا) کہ اللہ کے بندوں (یعنی بنی

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۸﴾ وَأَنْ لَّا تَعْلُوا عَلَى اللّٰهِ إِنِّي آتِيكُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ

اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔اور اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو میں تمہارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں

﴿۱۹﴾ وَإِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ أَن تَرْجُمُونِ ﴿۲۰﴾ وَإِن لَّمْ تُؤْمِنُوا لِي

اور اس (بات) سے کہ تم مجھے سنگسار کرواپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہے۔اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو

فَاعْتَزِلُونِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُونَ ﴿۲۲﴾

مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ تب موسیٰ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔

فَأَسْرِ بِعِبَادِي لَيْلًا إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا إِنَّهُمْ جُندٌ مُّغْرَقُونَ

میرے بندوں کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ اور تمہارا تعاقب کریں گے۔دریا کو ٹھہرا ہوا چھوڑ ان کا تمام لشکر ڈبو دیا جائے گا

﴿٢٤﴾ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾

وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے۔ اور کھیتیاں اور نفیس مکان۔

وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فٰكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٢٨﴾

اورآرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے۔اسی طرح (ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان چیزوں کا مالک بنا دیا۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ﴿٢٩﴾

پھر ان پر نہ تو آسمان کو اورزمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَآئِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾

اورہم نے بنی اسرائیل کواس ذلت کی عذاب سے نجات دی

مِنْ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلٰى عِلْمٍ

(یعنی) فرعون سے بیشک وہ سرکش (اور) حد سے نکلا ہوا تھا۔اور ہم نے بنی اسرائیل کو اہلِ عالم سے

عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَآتَيْنَاهُمْ مِّنَ الْآيٰتِ مَا فِيهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾

دانستہ منتخب کیا تھا اور ان کو ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں صریح آزمائش تھی

إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ

یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہمیں صرف پہلی دفعہ (یعنی ایک بار) مرنا ہے اور (پھر) اٹھنا نہیں۔

﴿٣٥﴾ فَأْتُوا بِآبَآئِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾ أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ

پس اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر) لاؤ۔بھلا یہ اچھے ہیں یا تُبَّع کی قوم

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٣٧﴾

اور وہ لوگ جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان (سب) کو ہلاک کر دیا بیشک وہ گنہگار تھے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَا

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔ ان کو ہم نے تدبیر سے پیدا کیا ہے

إِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ کچھ شک نہیں کہ فیصلے کا دن ان سب (کے اٹھنے) کا وقت ہے۔

أَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کو مدد ملے گی۔

إِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ إِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾

مگر جس پر اللہ مہربانی کرے وہ تو غالب اور مہربان ہے بلاشبہہ تھوہر کا درخت۔

طَعَامُ الْأَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾

گنہگار کا کھانا ہے۔ جیسے پگھلا ہوا تانبا پیٹوں میں (اس طرح) کھولے گا۔ جس طرح گرم پانی کھولتا ہے

خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ إِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَأْسِهٖ

(حکم دیا جائے گا کہ) اس کو پکڑ لو اور کھینچتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ۔ پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈال دو

مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾

(کہ عذاب پر) عذاب (ہو)۔ (اب) مزا چکھ تو بڑی عزت والا (اور) سردار تھے۔

إِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ أَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾

یہ وہی (دوزخ) ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔ بیشک پرہیزگار لوگ امن کے مقام میں ہوں گے۔

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۳﴾

(یعنی) باغوں اور چشموں میں۔ حریر کا باریک اور دبیز لباس پہن کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے

كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۴﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی سفید رنگ کی عورتوں سے ان کے جوڑے لگائیں گے۔ وہاں خاطر جمع سے ہر قسم کے میوے منگوائیں گے

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُوْلٰى وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾

(اور کھائیں گے اور) پہلی دفعہ مرنے کے سوا (کہ مر چکے تھے) موت کا مزا نہیں چکھیں گے اور اللہ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے گا

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ

یہ تمہارے پروردگار کا فضل ہے یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان کر دیا ہے

بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ پس تم بھی انتظا رکرو یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

سورة الجاثية (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾

حٰم۔ اس کتاب کا اتارا جانا اللہ غالب (اور) دانا (کی طرف) سے ہے۔

إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَفِيْ خَلْقِكُمْ

بیشک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ اور تمہاری پیدائش میں بھی

وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

اور جانوروں میں بھی جن کو وہ پھیلاتا ہے یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور رات اور دن کے آگے پیچھے

وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

آنے جانے میں اور وہ جو اللہ نے آسمان سے (ذریعہ) رزق نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد زندہ

وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ تِلْكَ آيٰتُ اللّٰهِ

کیا اس میں اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو سچائی کے ساتھ

نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

پڑھ کر سناتے ہیں تو یہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيْمٍ ﴿۷﴾ يَّسْمَعُ آيَاتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ

ہر جھوٹے گنہگار کے لئے ہلاکت ہے۔ (کہ) اللہ کی آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کو سن لیتا ہے (مگر) پھر غرور سے ضد

مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿۸﴾ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا

کرتا ہے کہ گویا ان کو سنا ہی نہیں سو ایسے شخص کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ اور جب ہماری کچھ آیتیں اسے

شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹﴾ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ

معلوم ہوتی ہیں تو ان کی ہنسی اڑاتا ہے ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ ان کے سامنے دوزخ ہے

وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَوْلِيَآءَ

اور جو کام وہ کرتے ہیں کچھ بھی ان کے کام نہ آئیں گے اور نہ وہی (کام آئیں گے) جن کو انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰﴾ هٰذَا هُدًى وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ

رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ یہ ہدایت (کی کتاب) ہے اور جو لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں سے انکار کرتے

لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ أَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ

ہیں ان کو سخت قسم کا درد دینے والا عذاب ہوگا۔ اللہ ہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے قابو میں کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس

الْفُلْكُ فِيْهِ بِأَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے کام میں لگا دیا جو لوگ غور کرتے ہیں

إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ

ان کے لئے اس میں (قدرتِ الٰہی کی) نشانیاں ہیں۔ مومنوں سے کہہ دو کہ جو لوگ اللہ کے دنوں کی (جو اعمال کے بدلے

لَا يَرْجُوْنَ أَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

کے لئے مقرر ہیں) توقع نہیں رکھتے ان سے درگزر کریں تاکہ وہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو کوئی نیک عمل کرے گا تو اپنے لئے اور جو بُرے کام کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جاؤ گے

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِيْ إِسْرَآئِيْلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (ہدایت) اور حکومت اور نبوت بخشی اور پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں

الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَآتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْأَمْرِ

اور اہلِ عالم پر فضیلت دی۔ اور ان کو دین کے بارے میں دلیلیں عطا کیں

فَمَا اخْتَلَفُوْا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ

تو انہوں نے جو اختلاف کیا تو علم آ چکنے کے بعد آپس کی ضد سے کیا بیشک تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں ان باتوں

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ

کا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے فیصلہ کرے گا۔ پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر (قائم) کر دیا

عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨﴾
تو اسی (رستے) پر چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا۔

إِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ
یہ اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں

وَّاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٢٠﴾
اور اللہ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔ یہ قرآن لوگوں کے لئے دانائی کی باتیں ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

أَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئٰتِ أَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا
جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل

الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٢١﴾
کرتے رہے اور ان کی زندگی اور موت یکساں ہو گی؟ یہ جو دعوے کرتے ہیں بُرے ہیں۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ
اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص اپنے اعمال کا بدلا پائے

بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ
اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے

وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ
اور باوجود جاننے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی

وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشَاوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٣﴾
اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اب اللہ کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے بھلا تم کیوں نصیحت نہیں پکڑتے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ

اور کہتے ہیں کہ ہماری ہی دنیا کا جینا ہے پس مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے

وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں

آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾

تو ان کی یہی حجت ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر) لاؤ۔

قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ

کہہ دو کہ اللہ ہی تم کو جان بخشتا ہے پھر (وہی) تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو قیامت کے دن جس (کے آنے) میں کچھ شک نہیں

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

تم کو جمع کرے گا لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٧﴾ وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ

اور جس روز قیامت برپا ہو گی اس روز جاہل خسارے میں پڑ جائیں گے۔ اور تم ہر ایک فرقے کو دیکھو گے

جَاثِيَةً كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾

کہ گھٹنوں کے بل بیٹھا ہو گا اور ہر ایک جماعت اپنی عملنامے کی طرف بلائی جائے گی جو کچھ کرتے رہے ہو آج تم کو اس کا بدلا دیا جائے گا

هَٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٩﴾

یہ ہماری کتاب تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کر دے گی جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے ہیں۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ

تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت (کے باغ) میں داخل کرے گا

ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۰﴾ وَأَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا أَفَلَمْ تَکُنْ آیَاتِیْ تُتْلٰی

یہی صریح کامیابی ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائیگا کہ) بھلا ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں؟

عَلَیْکُمْ فَاسْتَکْبَرْتُمْ وَکُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا قِیْلَ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

پھر تم نے تکبر کیا اور تم نافرمان لوگ تھے۔ اور جب کہا جاتا تھا اللہ کا وعدہ سچا ہے

حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا

اور قیامت میں کچھ شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے ہم اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں

وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَیِّئٰتُ مَا عَمِلُوْا

اور ہمیں یقین نہیں آتا۔ اور ان کی اعمال کی بُرائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِئُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِیْلَ الْیَوْمَ نَنْسَاکُمْ

اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ ان کو آ گھیرے گا۔ اور کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا

کَمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ هٰذَا وَمَأْوَاکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ نَّاصِرِیْنَ

اسی طرح آج ہم تمہیں بھلا دیں گے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔

﴿۳۴﴾ ذٰلِکُمْ بِأَنَّکُمُ اتَّخَذْتُمْ آیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْکُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا

یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا

فَالْیَوْمَ لَا یُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

سو آج یہ لوگ نہ دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ پس اللہ ہی کے لئے ہر طرح کی تعریف ہے

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْکِبْرِیَآءُ

جو آسمانوں کا مالک اور زمین کا مالک اور تمام جہان کا پروردگار ہے۔

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۷﴾

اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے بڑائی ہے اور وہ غالب اور دانا ہے۔

سورة الأحقاف (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۲﴾

حٰمٓ۔ (یہ) کتاب اللہ غالب (اور) حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ط

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے مبنی برحکمت اور ایک وقت مقرر تک کے لئے پیدا کیا ہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنْذِرُوا مُعْرِضُونَ ﴿۳﴾ قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ

اور کافروں کو جس چیز کی نصیحت کی جاتی ہے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ کہو کہ بھلا تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے جن کو تم

مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي

اللہ کے سوا پکارتے ہو (ذرا) مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کونسی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے

السَّمٰوٰتِ ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ

اگر سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ یا علم (انبیاء میں) سے کچھ (منقول) چلا آتا ہو (تو اسے پیش کرو)

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴﴾ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَنْ لَّا

اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو

يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ﴿۵﴾

قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو۔

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ﴿۶﴾

اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ

اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کافر حق کے بارے میں جب ان کے پاس آ چکا کہتے ہیں

هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿۷﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ

کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو از خود بنا لیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا ہوں

فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ

تو تم اللہ کے سامنے میرے لئے کچھ اختیار نہیں رکھتے وہ اس گفتگو کو خوب جانتا ہے جو تم اس کے بارے میں کرتے ہو

كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۸﴾

وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ

کہہ دو کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں آیا اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا (کیا جائے گا)

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۹﴾ قُلْ

میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے اور میرا کام تو اعلانیہ ہدایت کرنا ہے۔ کہو

أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ

کہ بھلا دیکھو تو اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس سے انکار کیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ

عَلٰی مِثْلِہٖ فَآمَنَ وَاسْتَکْبَرْتُمْ إِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظَّالِمِیْنَ ﴿۱۰﴾

اسی طرح کی ایک گواہی دے چکا اور ایمان لے آیا اور تم نے سرکشی کی بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَا إِلَیْہِ

اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ (دین) کچھ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ دوڑ پڑتے

وَإِذْ لَمْ یَھْتَدُوْا بِہٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ ھٰذَا إِفْکٌ قَدِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتَابُ

اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی

مُوْسٰی إِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَھٰذَا کِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ

کتاب تھی (لوگوں کے لئے) رہنما اور رحمت اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے اسی کی تصدیق کرنے والی تاکہ ظالموں کو

ظَلَمُوْا وَبُشْرٰی لِلْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲﴾ إِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

ڈرائے اور نیکوکاروں کو خوشخبری سنائے۔ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے

فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ أُولٰٓئِکَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

تو ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ یہی اہلِ جنت ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے

خٰلِدِیْنَ فِیْھَا جَزَآءً بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصَّیْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ

(یہ) اس کا بدلا (ہے) جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا

إِحْسَانًا حَمَلَتْہُ أُمُّہٗ کُرْھًا وَّوَضَعَتْہُ کُرْھًا وَحَمْلُہٗ وَفِصَالُہٗ ثَلَاثُوْنَ شَھْرًا

اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جنا اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھڑانا ڈھائی برس

حَتّٰٓی إِذَا بَلَغَ أَشُدَّہٗ وَبَلَغَ أَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ

میں ہوتا ہے یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا ہے اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار!

أَوْزِعْنِیْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ أَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَأَنْ أَعْمَلَ

مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار رہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں

صٰلِحًا تَرْضٰهُ وَأَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ إِنِّیْ تُبْتُ إِلَیْكَ وَإِنِّیْ مِنَ

جن کو تو پسند کرے اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح (وتقویٰ) دے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں

الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ

یہی لوگ ہیں جن کے اعمالِ نیک ہم قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے

عَنْ سَیِّئَاتِهِمْ فِیْ أَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور (یہی) اہلِ جنت میں (ہوں گے یہ) سچا وعدہ (ہے) جو ان سے کیا جاتا ہے۔

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِیْ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ

اور جس شخص نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ اف اف! تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ میں (زمین سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ بہت

مِنْ قَبْلِیْ وَهُمَا یَسْتَغِیْثَانِ اللّٰهَ وَیْلَكَ آمِنْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَیَقُوْلُ

سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں اور وہ دونوں اللہ کی جناب میں فریاد کرتے (ہوئے کہتے) تھے

مَا هٰذَا إِلَّا أَسَاطِیْرُ الْأَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ

کہ کمبخت! ایمان لا۔ اللہ کا وعدہ تو سچا ہے تو کہنے لگا یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں

فِیْ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾

جنوں اور انسانوں کی (دوسری) امتوں میں سے جو ان سے پہلے گزر چکیں عذاب کا وعدہ متحقق ہو گیا بیشک وہ نقصان اٹھانے والے ہیں

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِیُوَفِّیَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور لوگوں نے جیسے کام کئے ہوں گے ان کے مطابق سب کے درجے ہوں گے اور یہ ہے کہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلا دے اور ان کا نقصان نہ کیا جائے

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ

اور جس دن کافر دوزخ کے سامنے کئے جائیں گے (تو کہا جائے گا کہ) تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے اور

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ

ان سے متمتع ہو چکے سو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے (یہ) اس کی سزا (ہے) کہ تم زمین میں

تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿٢٠﴾

ناحق غرور کیا کرتے تھے اور اس کی کہ بدکرداری کرتے تھے۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ

اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی اور ان سے پہلے اور

وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا اللّٰهَ إِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٢١﴾

پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے

قَالُوْا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٢﴾

کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو؟ اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے ہم پر لے آؤ

قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَأُبَلِّغُكُمْ مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلٰكِنِّيْ أَرَاكُمْ

کہا کہ (اس کا) علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو جو (احکام) دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم

قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿٢٣﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا

لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو۔ پھر جب انہوں نے اس (عذاب کو) دیکھا کہ بادل ان کے میدانوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے

هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿٢٤﴾

یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا بلکہ وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرٰى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ كَذٰلِكَ

ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے تباہ کیے دیتی ہے تو وہ ایسے ہوگئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا گنہگار لوگوں کو

نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِنْ مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ

ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے ان کو ایسے مقدور دیئے تھے جو تم لوگوں کو نہیں دیئے

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّأَبْصَارًا وَّأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ

اور انہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے تو جب کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے تو نہ تو ان کے کان ہی ان کے کچھ

وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيٰتِ اللّٰهِ

کام آتے تھے اور نہ آنکھیں اور نہ دل اور جس چیز سے استہزاء کیا کرتے تھے اس نے ان کو آ گھیرا

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ

اور تمہارے اردگرد کی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا

مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۷﴾

اور بار بار (اپنی) نشانیاں ظاہر کر دیں تاکہ وہ رجوع کریں۔ تو جن کو ان

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ قُرْبَانًا آلِهَةً بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ

لوگوں نے تقرب کیلئے اللہ کے سوا معبود بنایا تھا انہوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی؟ بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے

وَذٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۸﴾ وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ

اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور یہی وہ افتراء کیا کرتے تھے۔ اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص

الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا

تمہاری طرف متوجہ کیے کہ قرآن سنیں تو جب وہ اس کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو

فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلٰى قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ﴿٢٩﴾ قَالُوا يٰقَوْمَنَا إِنَّا

جب (پڑھنا) تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ (ان کو) نصیحت کریں۔ کہنے لگے کہ اے قوم! ہم نے

سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي

ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے

إِلَى الْحَقِّ وَإِلٰى طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣٠﴾ يٰقَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ وَآمِنُوا

(اور) سچا (دین) اور سیدھا رستہ بتاتی ہے۔ اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ

بِهِ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣١﴾

اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دکھ دینے والے عذاب سے پناہ میں رکھے گا۔

وَمَن لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ

اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے سوا

أَوْلِيَاءُ أُولٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٢﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِي

اس کے حمایتی ہوں گے یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ [1] کیا انہوں نے نہیں سمجھا کہ جس اللہ نے

---

[1] کفار مکہ کو سنانے کے لئے اس سے پہلی آیات میں کفر واستکبار کی مذمت اور ان کا مہلک ہونا بیان ہوا ہے، مذکور الصدر آیات میں اہل مکہ کو عار دلانے کے لئے جنات کے ایمان لانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جنات تو تکبر اور غرور میں تم سے بھی زیادہ ہیں، مگر قرآن سن کر ان کے دل بھی موم ہو گئے، وہ مسلمان ہو گئے تمہیں تو اللہ تعالی نے جنات سے زیادہ عقل وشعور بخشا ہے مگر اس کے باوجود تم ایمان نہیں لاتے۔

اور واقعہ جنات کے قرآن سننے اور ایمان لانے کا احادیث صحیحہ میں اس طرح آیا ہے رسول پاک ﷺ کی بعثت کے وقت جب جنات کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا، تو آپ کی نبوت اور بعثت کے بعد جو جن آسمانی خبریں سننے کے

لئے اوپر جاتا تو اس پر شہاب ثاقب پھینک کر دفع کر دیا جانے لگا۔ جنات میں اس کا تذکرہ ہوا کہ اس کا سبب معلوم کرنا چاہئے کہ کونسا نیا واقعہ دنیا میں ہوا ہے جس کی وجہ سے جنات آسمانی خبروں سے روک دیئے گئے، جنات کی مختلف گروہ دنیا کی مختلف خطوں میں اس کی تحقیقات کے لئے پھیل گئے۔

ان کا ایک گروہ حجاز کی طرف بھی پہنچا اس روز نبی کریم ﷺ اپنے چند صحابہ کرام کے ساتھ مقام بطن نخلہ میں تشریف فرما تھے اور سوق عکاظ کیطرف جانے کا قصد تھا (عرب کے لوگ تجارتی اور معاشرتی امور کے لئے مختلف مقامات پر خاص خاص ایام میں بازار لگاتے تھے، جس میں ہر خطے کے لوگ جمع ہوتے دکانیں لگتیں اور اجتماعات اور جلسے ہوتے تھے، جیسے ہمارے زمانے میں اسی طرح کی نمائشیں جابجا لگ تی ہیں، انہیں میں سے ایک بازار مقام عکاظ میں لگتا تھا، رسول پاک ﷺ غالباً دعوت وتبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے جارہے تھے) اس مقام بطن نخلہ میں آپ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ وہ جنات یہاں پہنچے قرآن سنکر کہنے لگے کہ بس وہ نئی بات یہی ہے جو ہماری اور آسمانی خبروں کی درمیان حائل ہوئے ہے (رواہ و البخاری : کتاب الاذان باب الجھر بقرائۃ صلاۃ الفجر ،ومسلم: کتاب الصلاۃ باب الجھر بالقرائۃ فی الصبح ، الترمذی : ۳۳۷۹،احمد: ۲۵۲۱، وجماعۃ عن ابن عباسؓ)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جنات جب یہاں آئے تو باہم کہنے لگے کہ خاموش ہوکر قرآن سنو اجب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اسلام کی حقانیت پر یقین اور ایمان لاکر اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور ان کو اس واقعہ کے اصلی سبب کی اور اس کی خبر دی کہ ہم تو مسلمان ہوگئے تم کو بھی چاہئے کہ ایمان لے آؤ۔

مگر رسول پاک ﷺ کو ان جنات کے آنے جانے اور قرآن سنکر ایمان لے آنے کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ سورۂ جن کا نزول ہوا جس میں آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی (رواہ ابن المنذر).

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ جنات مقام نصیبین کے رہنے والے تھے اور کل نو یا بعض روایات کے مطابق سات تھے، جب انہوں نے اپنی قوم کو یہ خبر سنائی اور ایمان لانے کی ترغیب بھی دی تو ان میں سے تین سو اشخاص اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئیں (رواہ ابونعیم و الروح).

دوسری حدیثوں میں جنات کے آنے کی روایات دوسری طرح کی بھی آئی ہیں، مگر چونکہ یہ متعدد واقعات مختلف اوقات میں پیش آئے ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں، اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ جنات رسول پاک ﷺ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے خفاجی=

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلٰى

آسمانوں اورزمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے

أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتٰى بَلٰى إِنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۳﴾

کہ مُردوں کو زندہ کر دے ہاں وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا

اور جس روز آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے (اور کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں ہے؟ تو کہیں گے کیوں نہیں ہمارے پروردگار کی قسم!

قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ

حکم ہوگا کہ تم جو (دنیا میں) انکار کیا کرتے تھے عذاب کے مزے چکھو۔ پس جس طرح اور عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں

= نے فرمایا کہ احادیث کی روایات جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ کرنے کے واقعات چھ مرتبہ پیش آئے ہیں (کذا فی الروح وبیان القرآن)۔

"کتابا انزل من بعدموسٰی" اس میں بعدموسٰی کی قید سے بعض اشخاص نے سمجھا ہے کہ یہ جنات یہودی تھے، کیونکہ موسٰی علیہ السلام کے بعد تو عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی اس کا ذکر نہیں کیا، لیکن اس کی کوئی صریح روایت تو ہے نہیں، اور انجیل کا ذکر نہ کرنے سے ان کے یہودی ہونے پر استدلال ناکافی ہے، کیونکہ انجیل کے ذکر نہ کرنے کی یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ انجیل اکثر احکام میں تورات کے تابع ہے، اور قرآن مثل تورات کے مستقل کتاب ہے اسکے احکام وشرائع تورات سے بہت مختلف ہیں، تو یہ ہوسکتا ہے کہ مقصود یہ بتلانا ہو کہ تورات جیسی کتاب مستقل قران ہی ہے۔

"یغفرلکم من ذنوبکم" حرف من اصل میں تبعیض یعنی جزئیت کے معنی کے لئے آتا ہے اگر یہی معنی یہاں لئے جاویں تو حرف من کے بڑھانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اسلام قبول کرلینے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے اس لئے یہ فرمانا مناسب ہوا کہ بعض گناہ یعنی حقوق اللہ معاف ہوجاتے ہیں (یہودی مذہب میں)۔ اور بعض اشخاص نے اس حرف من کو زائد قرار دیا ہے تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ

اسی طرح تم بھی صبر کرو اور ان کے لئے (عذاب) جلدی نہ مانگو جس دن یہ اس چیز کو دیکھیں کہ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۳۵﴾

تو (خیال کریں گے کہ) گویا رہے ہی نہ تھے مگر گھڑی بھر دن۔ یہ پیغام ہے سو وہی ہلاک ہوں گے جو نافرمان تھے[2]

---

[2] اس میں "من الرسل" کا لفظ من محققین کے نزدیک بیانیہ ہے تبعیض کے لئے نہیں۔ معنی یہ ہیں کہ تمام رسول جو صاحب ہمت وعزم ہی ہوتے ہیں، معلوم ہوا کہ صاحب عزم وہمت ہونا سبھی انبیاء کی صفت ہے، البتہ رسولوں کے درمیان صفات کے درجات میں تفاضل اور کمی بیشی خود قرآن کے ارشاد سے ثابت ہے " تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض " (بقرہ: ۲۵۳)

اس لئے جو انبیاء علیہم السلام صفت عزم وہمت میں دوسروں سے زیادہ امتیاز رکھتے ہیں خاص ان رسولوں کے لئے یہ لقب کے طور پر مشہور ہوگیا، اور ان کی تعین میں بھی اختلاف ہے، اور اکثر کا قول یہ ہے کہ لقب اولو العزم جن کو دیا گیا ہے وہ انبیاء ہیں، جن کا ذکر سورۂ احزاب کی اس آیت میں ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿۷﴾

عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی عیش وعشرت اور تنعم محمد اور آل محمد ﷺ کے شایان نہیں کیونکہ اللہ تعالی اولو العزم سے بجز صبر کے اور کسی چیز پر راضی نہیں اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل۔ ابن ابی حاتم۔

سورۃ محمد (مدنیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

جن لوگوں نے کفر کیا اور (اَوروں کو) اللہ کے رستے سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے۔ اور جو ایمان لائے

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ

اور نیک عمل کرتے رہے اور جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی اسے مانتے رہے اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے

کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ﴿۲﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا

ان سے ان کے گناہ دُور کر دیئے اور ان کی حالت سنوار دی۔ یہ (حبطِ اعمال اور اصلاحِ حال) اس لئے ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا

اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ کَذٰلِکَ

انہوں نے جھوٹی بات کی پیروی کی اور جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے (دین) حق کے پیچھے چلے اسی طرح

یَضۡرِبُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَہُمۡ ﴿۳﴾ فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا

اللہ لوگوں سے ان کے حالات بیان فرماتا ہے۔ جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گردنیں

فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ٭ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ

اڑا دو یہاں تک کہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو پھر اس کے بعد یا تو

وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَہَا ۚ۟ۛ ذٰلِکَ

احسان رکھ کر چھوڑ دینا چاہئیے یا کچھ مال لے کر یہاں تک کہ (فریقِ مقابل) لڑائی ہتھیار رکھ دے یہ (حکم یاد رکھو)

وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا

اور اگر اللہ چاہتا تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے کرے

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۴﴾ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿۵﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ ان کو سیدھے رستے پر چلائے گا اور ان کی حالت درست کر دے گا

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ

اور ان کو بہشت میں جس سے انہیں شناسا کر رکھا ہے داخل کرے گا۔ اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے

يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ

تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔ اور جو کافر ہیں ان کے لئے ہلاکت ہے اور وہ ان کے اعمال کو برباد

اَعْمَالَهُمْ ﴿۸﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۹﴾

کر دے گا۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے جو چیز نازل فرمائی انہوں نے اس کو ناپسند کیا تو اللہ نے بھی ان کے اعمال اکارت کر دیئے

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کیا انہوں نے ملک میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا

دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ

اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور اسی طرح کا (عذاب) ان کافروں کو ہوگا۔ یہ اس لئے کہ جو مومن ہیں ان کا اللہ کارساز

اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ان کو اللہ بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل فرمائے گا اور جو کافر ہیں

يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾

وہ فائدے اٹھاتے ہیں اور (اس طرح) کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ اَهْلَكْنٰهُمْ

اور بہت سی بستیاں تمہاری بستی سے جس (کے باشندوں نے تمہیں وہاں) سے نکال دیا زور وقوت میں کہیں بڑھ کر تھیں

فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

ہم نے ان کا ستیاناس کر دیا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔ بھلا جو شخص اپنے پروردگار (کی مہربان) سے کھلے رستے پر ہو

كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

وہ ان کی طرح (ہوسکتا) ہے جن کے اعمالِ بد انہیں اچھے کر کے دکھائے جائیں اور جو اپنی خواہشوں کی پیروی کریں

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ

جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بُو نہیں کرے گا

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ

اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلے گا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے (سراسر) لذت ہے

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور شہد مصفا کی نہریں ہیں اور ان کے لئے ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

ان کی طرح (ہو سکتے) ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جن کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓي اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ

اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو تمہاری طرف کان لگائے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب تمہارے پاس سے نکل کر چلے جاتے

قَالُوْا لِلَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا أُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ

ہیں تو جن لوگوں کو علم (دین) دیا گیا ہے ان سے کہتے ہیں کہ (بھلا) انہوں نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں

طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْا أَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا

جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چل رہے ہیں۔ اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں

زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوٰهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّا السَّاعَةَ

ان کو وہ ہدایت مزید بخشتا اور پرہیزگاری عنایت کرتا ہے۔ اب تو یہ لوگ قیامت ہی کو دیکھ رہے ہیں

أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنّٰى لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرٰهُمْ ﴿۱۸﴾

کہ ناگہاں ان پر آ واقع ہو سواس کی نشانیاں (وقوع میں) آ چکی ہیں پھر جب وہ ان پر آ نازل ہوگی اس وقت انہیں نصیحت کہاں

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

(مفید ہو سکے گی)۔ پس جان رکھو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰكُمْ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ

کے لئے بھی اور اللہ تم لوگوں کے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے سے واقف ہے۔[1] اور مومن لوگ کہتے ہیں کہ کوئی سورت

سُوْرَةٌ فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ

کیوں نازل نہیں ہوتی؟ لیکن جب کوئی صاف معنوں کی سورت نازل ہو اور اس میں جہاد کا بیان ہو

رَأَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَنْظُرُوْنَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ

تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تم ان کو دیکھو کہ تمہاری طرف اس طرح دیکھنے لگیں جس طرح کسی پر موت کی

---

[1] اس ایت کریمہ میں کلمہ طیبہ کی ایک رکن کا ذکر ہے جو کہ اس کلمے کا علم اور فہم ہے یہی معنی حدیث مسلم: ۲۶، اور صاحب

مشکواۃ نے عثمانؓ سے نقل کیا ہے: عن عثمان بن عفانؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من مات وھو یعلم انہ لاالہ الااللہ ، دخل الجنۃ ۔ یعنی عثمانؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا جو کوئی مرے اور وہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جنت میں داخل ہوگا۔

جبکہ کلمہ کا دوسرا رکن اور فرض حدیث ابوہریرہؓ میں ہے (اس پر یقین کرنا) جو کہ مسلم نے: رقم ۳۱، میں نقل کیا ہے۔

حدیث لمبی ہے درمیان میں ہے فقال ﷺ یااباھریرۃ واعطانی نعلیہ فقال اذھب بنعلیّ ھاتین فمن لقیک من وراء ھذا الحائط یشھدان لاالہ الا اللہ مستیقنابھاقلبہ فبشرہ بالجنۃ فکان اول من لقیت عمرفقال ماھاتان النعلان یااباھریرۃ؟ فقلت ھاتان نعلارسول اللہ ﷺ بعثنی بھمامن لقیت یشھدان لاالہ الا اللہ مستیقنابھاقلبہ بشرتہ بالجنۃ، فضرب عمربین ثدیّ فخررت لاستی، فقال ارجع یااباھریرۃ فرجعت الی رسول اللہ ﷺ فاجھشت بالبکاء، ورکبنی عمر،واذاھوعلی اثری، فقال رسول اللہ ﷺ مالک یااباھریرۃ؟ فقلت لقیت عمرفاخبرتہ بالذی بعثتنی بہ، فضرب بین ثدیّ ضربۃ خررت لاستی، فقال ارجع ، فقال رسول اللہ ﷺ یاعمر،ماحملک علی مافعلت؟ قال یارسول اللہ بابی انت وامی ابعثت اباھریرۃ بنعلیک من لقی یشھدان لاالہ الااللہ مستیقنابھاقلبہ بشّرہ بالجنۃ؟ قال نعم، قال فلاتفعل، فانی اخشی ان یتکل الناس علیھا، فخلھم یعملون ، فقال رسول اللہ ﷺ فخلھم۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے! ابوہریرہ، اور آپ ﷺ نے مجھے اپنے دونوں جوتیاں دیں، اور فرمایا یہ میری دونوں جوتیاں لے جاؤ، اس باغ کے باہر تجھے جو شخص ملے، جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس حال میں کہ اس کا دل یقین رکھتا ہو، اس کو جنت کی بشارت دو۔ سب سے پہلے جس سے میں ملا وہ عمر تھے، کہا اے ابوہریرہ! یہ دونوں جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ دونوں جوتیاں رسول اللہ ﷺ کی ہیں آپ نے مجھے دیکر اس لئے بھیجا ہے کہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوا ملے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اسے جنت کی بشارت دوں، عمر نے مجھے سینہ کے درمیان مارا میں پشت کے بل گر پڑا پس کہا اے ابوہریرہ واپس لوٹ جائیں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور رونے کے ساتھ اپنی اواز بلند کی عمر بھی میرے پیچھے چلے آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابوہریرہ تجھے کیا ہوا؟ کیا ہے، میں نے کہا میں عمر کو ملا تھا میں نے اسے اس بات کی خبر دی جس کے ساتھ آپ نے مجھے بھیجا ہے اس نے مجھے سینہ کے درمیان

مارا میں پیچھاڑی کے بل گر پڑا۔ اور کہا لوٹ جا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عمر تجھے کس بات نے اکسایا؟ جو کچھ کہ تو نے کیا ہے، کہا اے اللہ کے رسول میری ماں باپ آپ پر قربان ہو آپ نے اپنی دونوں جوتیاں دیکر ابو ہریرہ کو بھیجا تھا کہ جس شخص کو ملے جو گواہی دیتا ہو، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا دل اس کے ساتھ یقین رکھتا ہو اسے جنت کی بشارت دے آپ نے فرمایا ہاں عمر نے کہا! آپ ایسا نہ کریں میں ڈرتا ہوں کہ لوگ بھروسہ کریں گے پس انہیں چھوڑ دیجئے عمل کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس چھوڑ دے۔

تیسرا رکن ''موت تک اس پر قائم رہنا'' یہ حدیث ابی ذرؓ میں ذکر ہے: **عن ابی ذر قال اتیت النبی ﷺ وعلیه ثوب ابیض وھو نائم ثم اتیته وقد استیقظ، فقال مامن عبد قال لااله الا اللّٰہ ثم مات علی ذلک الادخل الجنة، قلت وان زنی وان سرق؟ قال وان زنی وان سرق، قلت، وان زنی وان سرق؟ قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق؟ قال وان زنی وان سرق، علی رغم انف ابی ذر، وکان ابو ذر اذا حدث بھذا الحدیث قال وان رغم انف ابی ذر۔**

یعنی ابوذرؓ نے کہا: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ ایک سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے، میں پھر آپ کے پاس آیا، آپ اس وقت بیدار ہو چکے تھے، آپ نے فرمایا: جس شخص نے صدق دل سے لا الہ الا اللہ یعنی اللہ کی وحدانیت کا سچے دل سے اعتراف واقرار کیا، اور اسی عقیدہ پر اس کا انتقال ہو گیا تو وہ ضرور جنت میں داخل کیا جائے گا، میں نے کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے؟ فرمایا گرچہ زنا کرے اور چوری کرے، میں نے کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے؟ فرمایا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے، میں نے کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے؟ فرمایا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے، ابوذر کی ناک کے خاک الودہ ہونے کے باوجود، ابوذر جس وقت یہ حدیث بیان کرتے، فرماتے، اگرچہ ابوذر کا ناک خاک الودہ ہو (بخاری رقم: ۵۸۲۷ و مسلم: رقم: ۹۴، ۱۵۴۔)۔

چوتھا رکن: اسکا تصدیق کرنا۔ انسؓ سے روایت ہے کہ: **ان النبی ﷺ ومعاذ ردیفه علی الرحل قال یامعاذ! قال لبیک یارسول اللّٰہ وسعدیک، قال یا معاذ قال لبیک یارسول اللّٰہ وسعدیک، قال یامعاذ قال لبیک یارسول اللّٰہ وسعدیک، ثلثا، قال مامن احد یشھد ان لااله الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ صدقا من قلبه الا حرمه اللّٰہ علی النار، قال یارسول اللّٰہ افلا اخبر به الناس فیستبشروا، قال اذا یتکلوا، فاخبر بھا معاذ عند موته تأثما.** =

مِنَ الْمَوْتِ فَأَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۚ

بیہوشی (طاری) ہو رہی ہو سو ان کے لئے خرابی ہے۔ (خوب کام تو) فرمانبرداری اور پسندیدہ بات کہنا (ہے)

فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ ۚ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾

پھر جب (جہاد کی) بات پختہ ہوگئی تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہنا چاہتے تو ان کے لئے بہت اچھا ہوتا۔

= نبی ﷺ فرمایا جبکہ معاذؓ آپ کی سواری میں آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے ۔اے معاذ! اس نے کہا میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول اور حاضر ہوں خدمت میں ۔فرمایا اے معاذ! پھر کہا حاضر ہوں میں اے اللہ کے رسول اور حاضر ہوں خدمت میں ۔ پھر فرمایا اے معاذ! اس نے کہا حاضر ہوں میں اللہ کے رسول اور حاضر ہوں میں خدمت میں، تین بار اسی طرح فرمایا۔انسؓ نے کہا پھر آپؐ فرمایا، کوئی آدمی ایسا نہیں جو سچے دل سے اس بات کی گواہی دے، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور تحقیق محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، مگر اس پر اللہ دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے، معاذؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا میں اس خوشخبری سے لوگوں کو آگاہ کر دوں؟ تاکہ وہ اس بشارت کو سنکر خوش ہو جائیں، آپؐ نے فرمایا، نہیں لوگ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے، معاذؓ نے گناہ سے بچنے کی خاطر مرتے وقت اس بات کی خبر دی۔

پانچواں رکن : اس کو زبان سے پڑھنا. عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لااله الاالله وان محمد ارسول الله، ویقیموا الصلاة، ویؤتوا الزکوٰة، فاذا فعلوا ذالک عصموا منی دمائهم واموالهم، الابحق الاسلام، وحسابهم علی الله.

ابن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ کی جانب سے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ لڑوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور وہ نماز پڑھیں، زکوۃ ادا کریں، اور پھر جب وہ ایسا کرنے لگیں، تو انہوں نے مجھ سے اپنی جان و مال کو بچالیا، مگر اسلام کے حق سے اور ان کا حساب اللہ پر ہے (بخاری رقم: ۲۵، مسلم: ۲۲/۳۶)۔

فَهَلۡ عَسَیۡتُمۡ إِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ أَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِی الۡأَرۡضِ وَتُقَطِّعُوۡا أَرۡحَامَکُمۡ ﴿۲۲﴾

(اے منافقو!) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتے ناتے توڑ ڈالو۔

أُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمۡ وَأَعۡمٰٓی أَبۡصَارَهُمۡ ﴿۲۳﴾

یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان (کے کانوں) کو بہرا اور (ان کی) آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

أَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡآنَ أَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ أَقۡفَالُهَا ﴿۲۴﴾ إِنَّ الَّذِیۡنَ

بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر قفل لگ رہے ہیں ۔ جو لوگ

ارۡتَدُّوۡا عَلٰٓی أَدۡبَارِهِمۡ مِّنۡ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الۡهُدَی الشَّیۡطٰنُ سَوَّلَ لَهُمۡ

راہِ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ دے کر پھر گئے شیطان نے (یہ کام) ان کو مزیّن کر دکھایا

وَأَمۡلٰی لَهُمۡ ﴿۲۵﴾ ذٰلِکَ بِأَنَّهُمۡ قَالُوۡا لِلَّذِیۡنَ کَرِهُوۡا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ

اور انہیں طول (عمر کا وعدہ) دیا۔ یہ اس لئے کہ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی (کتاب) سے بیزار ہیں

سَنُطِیۡعُکُمۡ فِیۡ بَعۡضِ الۡأَمۡرِ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ إِسۡرَارَهُمۡ ﴿۲۶﴾

یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم تمہاری بات بھی مانیں گے اور اللہ ان کے پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے۔

فَکَیۡفَ إِذَا تَوَفَّتۡهُمُ الۡمَلَآئِکَةُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَأَدۡبَارَهُمۡ ﴿۲۷﴾

تو اس وقت (ان کا) کیسا ہو گا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے اور ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے

ذٰلِکَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوۡا مَا أَسۡخَطَ اللّٰهَ وَکَرِهُوۡا رِضۡوَانَهُ فَأَحۡبَطَ أَعۡمَالَهُمۡ ﴿۲۸﴾

یہ اس لئے کہ جس چیز سے اللہ ناخوش ہے یہ اس کے پیچھے چلے اور اس کی خوشنودی کو اچھا نہ سمجھے تو اس نے بھی ان کے اعمال کو برباد کر دیا

أَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ أَنۡ لَّنۡ یُّخۡرِجَ اللّٰهُ أَضۡغَانَهُمۡ ﴿۲۹﴾

کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کے کینوں کو ظاہر نہیں کرے گا

وَلَوْ نَشَآءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ

اور اگر ہم چاہتے تو وہ لوگ تم کو دکھا بھی دیتے اور تم ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیتے اور تم انہیں اندازِ گفتگو ہی سے

فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ

پہچان لو گے اور اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ اور ہم تم لوگوں کو آزمائیں گے

حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

تا کہ جو تم میں لڑائی کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں ان کو معلوم کریں اور تمہارے حالات جانچ لیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا

جن لوگوں کو سیدھا رستہ معلوم ہو گیا (اور) پھر بھی انہوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا اور پیغمبر کی مخالفت کی

تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾

وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے اور اللہ ان کا سب کیا کرایا اکارت کر دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

مومنو! اللہ کا ارشاد مانو اور پیغمبر کی فرمانبرداری کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ ہونے دو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ

جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے رستے سے روکتے رہے پھر کافر ہی مر گئے

فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ

اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ تو تم ہمت نہ ہارو اور (دشمنوں کو) صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم تو غالب ہو

وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ

اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہارے اعمال کو کم نہیں کرے گا۔ دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے

وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾

اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو وہ تم کو تمہارا اجر دے گا اور تم سے تمہارا مال طلب نہیں کرے گا۔

إِنْ يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾

اگر وہ تم سے مال طلب کرے اور تمہیں تنگ کرے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ (بخل) تمہاری بدنیتی ظاہر کر کے رہے۔

هَٰأَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخَلُ

دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہو تو تم میں ایسے شخص بھی ہیں جو بخل کرنے لگتے ہیں

وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ

اور جو بخل کرتا ہے اپنے آپ سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو

وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

اور اگر تم منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔

سورة الفتح (مدنية)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ﴿۱﴾ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ

(اے محمد ﷺ!) ہم نے تم کو فتح دی فتح بھی صریح اور صاف۔ تاکہ اللہ تمہارے اگلے

وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿۲﴾

اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے اور تمہیں سیدھے رستے چلائے۔ [1]

---

[۱] جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کے نزدیک سورۂ فتح ٦ ھ ہجری میں اس وقت نازل ہوئی جبکہ آپؐ بقصد عمرہ مکہ مکرمہ مع جماعت صحابہ کے تشریف لے گئے، اور حرم مکہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچ کر قیام فرمایا، مگر قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کیا، پھر اس پر صلح کرنے کے لئے تیار ہوئے کہ اس سال تو آپ واپس چلے جائیں اگلے سال عمرہ کر لیں، بہت سے صحابہ کرام خصوصاً عمر فاروق اس طرح کی صلح سے ناراض تھے مگر نبی کریمﷺ نے باشارات ربانی اس صلح کو انجام کار مسلمانوں کے لئے ذریعہ کامیابی سمجھ کر قبول فرمالیا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ جب نبی کریمﷺ نے اپنا احرام عمرہ کھول دیا اور حدیبیہ سے واپس روانہ ہوئے تو راستہ میں یہ سورت پوری نازل ہوئی، جس میں بتلا دیا کہ رسول اللہﷺ کا خواب سچا ہے ضرور واقع ہوگا مگر اس کا یہ وقت نہیں بعد میں فتح مکہ کے وقت ہوگا، اور اس صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ صلح ہی درحقیقت فتح مکہ کا سبب بنی۔

عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے فرمایا ہے کہ تم لوگ تو فتح مکہ کو فتح کہتے ہو اور ہم صلح حدیبیہ کو فتح سمجھتے ہیں۔ اور براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ تم لوگ تو فتح مکہ ہی کو فتح سمجھتے ہو، اور کوئی شک نہیں کہ وہ فتح ہے، لیکن ہم تو واقعہ حدیبیہ کے وقت بیعت رضوان کو اصلی فتح سمجھتے ہیں، جس میں رسول اللہﷺ نے حاضرین صحابہ کرام سے جن کی تعداد چودہ سو تھی ایک درخت کے نیچے جہاد کرنے پر بیعت لی تھی، جیسا کہ اسی سورت میں اس بیعت کا ذکر بھی آگے آرہا ہے (ملخص از ابن کثیر)۔

اور جبکہ یہ معلوم ہوگیا کہ یہ سورت واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس واقعہ کے بہت سے اجزاء کا خود اس صورت میں تذکرہ بھی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس واقعہ کو پہلے ذکر کر دیا جائے۔ تفسیر ابن کثیر میں اس کی بڑی تفصیل ہے اور اس سے زیادہ تفصیل مظہری میں اس جگہ چودہ صفحات میں یہ قصہ اول سے اخر تک مفصل اور مرتب مستند کتب حدیث کے حوالے سے بیان کیا ہے جو بہت سے معجزات اور نصائح اور علمی دینی سیاسی فوائد و حکم پر مشتمل ہے، اس میں سے یہاں اس قصہ کے صرف وہ اجزاء لکھے جاتے ہیں جن کا ذکر خود اس سورت میں کیا گیا ہے یا جن سے اس کا گہرا تعلق ہے

تاکہ آگے ان آیاتوں کی تفسیر سمجھنا اسان ہو جائے جو اس قصہ سے متعلق ہیں۔

واقعہ حدیبیہ

حدیبیہ ایک مقام مکہ مکرمہ سے باہر حدود حرم کے بالکل قریب ہے جس کو آج کل شمیسہ کہا جاتا ہے۔ یہ واقعہ اس مقام پر پیش آیا ہے۔ اس واقعہ کا ایک جز بروایت عبد بن حمید وابن جریر، بیہقی وغیرہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں یہ خواب دیکھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں مع صحابہ کرام کے امن اور اطمینان کے ساتھ داخل ہوئے اور احرام سے فارغ ہو کر کچھ لوگوں نے حسب قاعدہ سر کا حلق کرایا۔ بعض نے بال کٹوا لئے اور یہ کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ آئی، یہ اس واقعہ کا ایک جزو ہے جس کا ذکر اسی سورت میں آنے والا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اس لئے اس سورت کا واقع ہونا یقینی ہو گیا مگر خواب میں اس واقعہ کے لئے کوئی سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا، اور در حقیقت یہ خواب فتح مکہ کے وقت پورا ہونے والا تھا، مگر جب رسول اللہ نے صحابہ کرام کو خواب سنایا تو وہ سب کے سب مکہ مکرمہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے وغیرہ کے ایسے مشتاق تھے کہ انہوں نے فوراً ہی تیاری شروع کر دی، اور جب صحابہ کرام کا ایک مجمع تیار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی ارادہ فرما لیا کیونکہ خواب میں کوئی خاص سال یا مہینہ متعین نہیں تھا، تو احتمال یہ بھی تھا کہ ابھی یہ مقصد حاصل ہو جائے۔

ابن سعد وغیرہ کی روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے عمرہ کا ارادہ فرمالیا تو آپ کو یہ خطرہ سامنے تھا کہ قریش مکہ ممکن ہے کہ ہمیں عمرہ کرنے سے روکیں اور ممکن ہے کہ مدافعت کے لئے جنگ کی صورت پیش آجائے اس لئے آپ نے مدینہ طیبہ کی قریبی دیہات میں اعلان کر کے ان لوگوں کو ساتھ چلنے کی دعوت دی ان میں سے بہت سے اعراب (دیہات) نے ساتھ چلنے سے عذر کر دیا اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب ہمیں قریش مکہ سے لڑوانا چاہتے ہیں، جو ساز و سامان والے اور طاقتور ہیں، ان کا انجام تو یہ ہونا ہے کہ یہ اس سفر سے زندہ واپس نہ لوٹیں گے۔ (مظہری)۔

امام احمد و بخاری، ابوداؤد ونسائی وغیرہ کی روایت کیمطابق روانگی سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے غسل فرمایا اور نیا لباس زیب تن فرمایا اور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے، ام المؤمنین سلمہؓ کو ساتھ لیا اور آپ کے ساتھ مہاجرین وانصار اور دیہات کے آنے والوں کا بڑا مجمع تھا جن کی تعداد اکثر روایات میں چودہ سو بیان کی گئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے خواب کیوجہ سے ان میں کسی کو شک نہیں تھا کہ مکہ اسیوقت فتح ہو جائے گا، حالانکہ بجز تلواروں کے ان کے ساتھ اور کچھ اسلحہ نہ تھے۔ آپ مع اصحاب کرام کے شروع ماہ ذیقعد میں پیر کے دن روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں پہنچ کر احرام

باندھا (کتاب الحج)۔

دوسری طرف جب اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کے ایک بڑی جماعت صحابہ کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہونے کی خبر ملی تو جمع ہوکر باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کے لئے آرہے ہیں، اگر ہم نے ان کو مکہ میں آنے دیا تو تمام عرب میں یہ شہرت ہوجائے گی کہ وہ ہم پر غلبہ پاکر مکہ پہنچ گئے، حالانکہ ہمارے اوران کے درمیان کئی جنگیں ہوچکی ہیں، سب نے عہد کیا کہ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے، اورآپ کو روکنے کے لئے خالد بن ولید (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی سرکردگی میں ایک جماعت کو مکہ سے باہر مقام کراع الغمیم پر بھیجدیا اورآس پاس کے دیہات والوں کو بھی ساتھ ملالیا، اورطائف کا قبیلہ بنوثقیف بھی ان کے ساتھ لگ گیا۔ انہوں نے مقام بلدح پر اپنا پڑاؤ ڈال لیا۔ ان سب نے آپس میں رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے اورآپ کے مقابلے میں جنگ کرنے کا عہد کرلیا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ مقام بلدح سے لیکراس مقام تک جہاں نبی کریم ﷺ پہنچ چکے تھے پہاڑوں کی چوٹیوں پر کچھ آدمی بٹھادیے تاکہ آپ کے پورے حالات دیکھ کرآپ کے متصل پہاڑ والا باواز بلند دوسرے پہاڑ والے تک وہ تیسرے تک وہ چوتھے تک پہنچادے اس طرح چندمنٹوں میں آپ کی نقل وحرکت کا بلدح والوں کوعلم ہوجاتا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے بشر بن سفیان کو آگے مکہ مکرمہ بھیجدیا تھا کہ وہ خفیہ اہل مکہ کے حالات جاکر دیکھیں اورآپ کو اطلاع کریں وہ مکہ سے واپس آئے تو اہل مکہ کی ان جنگی تیاریوں اور مکمل مزاحمت کے واقعات کی خبردی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افسوس ہے قریش پر کہ متعدد جنگوں نے ان کو کھالیا ہے پھربھی وہ جنگ سے باز نہیں آتے، ان کے لئے تو اچھا موقع تھا کہ وہ مجھے اوردوسرے اہل عرب کوازاد چھوڑدیتے اگر یہ عرب لوگ مجھ پر غالب آجاتے تو ان کی مراد گھر بیٹھے حاصل تھی، اور میں ان پر غالب آجاتا تو پھر وہ بھی اسلام میں داخل ہوجاتے اوراگر یہ نہ کرتے اور جنگ ہی کرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ تازہ اورقوی ہوتے اور پھر وہ میرے مقابلے پرآجاتے معلوم نہیں کہ یہ قریش کیا سمجھ رہے ہیں قسم ہے اللہ کی کہ میں اس حکم پر جو اللہ نے مجھے دیکر بھیجا ہے ہمیشہ ان کے خلاف جہاد کرتا رہونگا، یہاں تک کہ تنہا میری گردن رہ جائے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جمع کرکے خطبہ دیا اور مشورہ لیا کہ اب ہمیں یہی سے ان عربوں کے خلاف جہاد شروع کردینا چاہئے یا ہم بیت اللہ کیطرف بڑھیں۔ پھر جو ہمیں روکے اس سے قتال کریں، ابوبکرصدیق

اور دوسرے صحابہ نے مشورہ دیا کہ آپ بیت اللہ کی قصد سے نکلے ہیں کسی سے جنگ کے لئے نہیں نکلے اس لئے آپ اپنے قصد پر رہیں ہاں اگر کوئی ہمیں مکہ سے روکے گا تو ہم اس سے قتال کریں گے، اس کے بعد مقداد بن اسود اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ آپ سے یہ کہہ دیں ”اذھب انت وربک فقاتلا“ (مائدۃ: ۲۴) یعنی جائے آپ اور آپ کا رب لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ قتال کریں گے رسول اللہ ﷺ نے یہ سنکر فرمایا بس اب اللہ کے نام پر مکہ مکرمہ کیطرف چلو، (بخاری فی المغازی) جب آپ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے اور خالد بن ولید اوران کے ساتھیوں نے آپ کو مکہ کیطرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنے لشکر کی صفوف جانب قبلہ کیطرف مستحکم کر کے کھڑا کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے عباد بن بشر کو ایک دستہ فوج کا امیر بنا کر آگے کیا۔انہوں نے خالد بن ولید کے لشکر کے بالمقابل صفوف بنالیں۔اسی حالت میں نماز ظہر کا وقت آ گیا بلال ؓ نے آذان کہی اور رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔خالد بن ولید اور ان کے سپاہی دیکھتے رہے۔بعد میں خالد بن ولید نے کہا کہ ہم نے بڑا اچھا موقع ضائع کر دیا، جب یہ لوگ سب نماز میں تھے اس وقت ہم ان پر ٹوٹ پڑتے، مگر کچھ بات نہیں اب ان کی دوسری نماز کا وقت آنے والا ہے اس کا انتظار کرو، مگر جبرئیل علیہ السلام صلوۃ خوف کے احکام لیکر نازل ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو ان کے ارادوں سے باخبر کر کے نماز کے وقت لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا طریقہ بتلا دیا اور ان کے شر سے محفوظ رہے۔

مگر جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو آپ کی اونٹنی کا ہاتھ پھسل گیا، وہ بیٹھ گئی ،صحابہ کرام نے اٹھانا چاہا تو نہ اٹھی، لوگوں نے کہا کہ قصویٰ بگڑ گئی ،آپ نے فرمایا کہ قصویٰ کا قصور نہیں نہ اس کی ایسی عادت ہے بلکہ اس کو تو اس ذات نے روک دیا ہے جس نے اصحاب فیل کو روک دیا تھا۔(غالباً اس وقت رسول اللہ ﷺ کو یہ اندازہ ہو گیا کہ جو واقعہ خواب میں دکھلایا گیا ہے اس کا یہ وقت نہیں ہے) آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج کے دن قریش مجھ سے جو بات بھی ایسی کہیں گے جس میں شعائر الٰہیہ کی تعظیم ہو تو میں اس کو ضرور مان لوں گا۔پھر آپ نے اونٹنی پر ایک آواز لگائی تو اٹھ گئی ،رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کیجانب سے ہٹ کر حدیبیہ کی دوسری جانب قیام فرمایا جہاں پانی بہت ہی کم تھا۔پانی کے مواقع پر خالد بن ولید اور بلدح والے قابض ہو چکے تھے۔یہاں رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ ایک کنواں جس میں پانی کچھ کچھ رستا تھا، اس میں آپ نے کلی کر دی اور اپنا ایک تیر دیا کہ اس کے اندر گاڑ دو، یہ عمل ہوتے ہی اس کا پانی جوش مار کر کنویں کی من کے قریب پہنچ گیا کنویں کے اوپر والوں نے اپنے برتنوں

سے پانی نکالا اور سیراب ہو گئے۔اس طرح سب صحابہ مطمئن ہو کر یہاں مقیم ہوئے اور اہل مکہ سے بواسطہ وفود بات چیت شروع ہوئی۔

امام بیہقی ؒ نے عروہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول کریم ﷺ نے حدیبیہ میں پہنچ کر قیام فرمایا تو قریش گھبرا گئے تو نبی کریم ﷺ نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس اپنا کوئی آدمی بھیجکر بتلا دیں کہ ہم جنگ کرنے نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں، ہمارا راستہ نہ روکو۔اس کام کے لئے عمر کو بلایا انہوں نے عرض کیا کہ یہ قریش میرے سخت دشمن ہیں۔کیونکہ ان کو میری عداوت وشدت کا حال معلوم ہے اور میرے قبیلہ کا کوئی آدمی ایسا مکہ میں نہیں جو میری حمایت کرے اس لئے میں آپ کے سامنے ایسے شخص کا نام پیش کرتا ہوں جو مکہ میں اپنے قبیلہ وغیرہ کی وجہ سے خاص قوت وعزت رکھتے ہیں ،یعنی عثمان بن عفانؓ ،آپ نے عثمانؓ کو اس کام کیلئے مامور فرما کر بھیجدیا،اور یہ بھی فرمایا کہ جو ضعفائے مسلمین مرد اور عورتیں مکہ مکرمہ سے ہجرت نہیں کر سکے اور مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے پاس جا کر تسلی کر دیں کہ پریشان نہ ہوں انشاء اللہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر تمہاری مشکلات کے ختم ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

عثمان غنی پہلے ان لوگوں کے پاس پہنچے جو مقام بلدح میں نبی کریم ﷺ کا راستہ روکنے اور مقابلہ کے لئے جمع ہوئے تھے ان سے جا کر رسول ﷺ کی وہی بات سنا دی جو آپ نے بدیل اور عروہ ابن مسعودؓ وغیرہ کے سامنے کہی تھی ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے پیغام سن لیا آپ جا کر اپنے بزرگ سے کہہ دو کہ یہ بات ہرگز نہیں ہوگی ،ان لوگوں کا جواب سن کر آپ مکہ مکرمہ کے اندر جانے لگے،تو ابان بن سعید (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے)ان سے ملاقات ہوئی انہوں نے عثمان کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور اپنی پناہ میں لیکر ان سے کہا کہ مکہ میں اپنا پیغام لیکر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں،اس میں آپ کوئی فکر نہ کریں پھر اپنے گھوڑے پر عثمان کو سوار کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کیونکہ ان کا قبیلہ بنو سعد مکہ مکرمہ میں بہت قوی اور عزت دار تھا۔یہاں تک کہ عثمان مکہ مکرمہ میں قریش کے ایک ایک سردار کے پاس پہنچے اور نبی کریم ﷺ کا پیغام پہنچایا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے عمرہ کر کے واپس جائیں گے، ہاں کوئی ہمارا راستہ روکے گا تو لڑیں گے، اور قریش خود جنگوں سے نیم جان ہو چکے ہیں ان کے لئے مناسب یہ ہے کہ ہمیں اور دوسرے اہل عرب کو چھوڑ دیں قریش ہمارے مقابلہ پر نہ آئیں پھر دیکھیں اگر عرب ہم پر غالب آ گئے تو ان کی مراد پوری ہو جائیگی اور ہم غالب آئے تو انہیں پھر بھی اختیار باقی ہوگا۔اس وقت قتال کر سکتے ہیں اور اس عرصہ میں ان کو اپنی طاقت بڑھانے اور محفوظ رکھنے کا موقع بھی مل جائے گا مگر ان سب نے آپ کی بات کو رد کر دیا۔پھر عثمانؓ ضعفاء مسلمین سے ملے ان کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا وہ بہت

خوش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو سلام بھیجا۔ جب عثمان رسول اللہ کے پیغامات پہنچانے سے فارغ ہوئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ چاہے تو طواف کر سکتے ہیں، عثمانؓ نے کہا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کرونگا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کریں، عثمان غنی مکہ میں تین رات رہے اور رؤساء قریش کو رسول اللہ کی بات ماننے کیطرف دعوت دیتے رہے۔

اسی عرصہ میں قریش نے اپنے پچاس آدمی اس کام پر لگائے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے قریب پہنچ کر موقع کا انتظار کریں اور موقع ملنے پر (نعوذ باللہ) آپ کا قصہ ختم کر دیں۔ یہ لوگ اسی تاک میں تھے کہ نبی کریم ﷺ کی حفاظت ونگرانی پر مامور محمد بن مسلمہؓ نے ان سب کو گرفتار کرلیا اور نبی کریم ﷺ کیخدمت میں قید کر کے حاضر کر دیا، دوسری طرف عثمانؓ جو مکہ میں تھے اور ان کے ساتھ تقریباً دس مسلمان اور مکہ میں پہنچ گئے تھے، قریش نے جب اپنے پچاس آدمیوں کی گرفتاری کا حال سنا تو عثمان سمیت ان سب مسلمانوں کو روک لیا اور قریش کی ایک جماعت مسلمانوں کے لشکر کیطرف نکلی اور مسلمانوں کی جماعت پر تیر اور پتھر پھینکے، اس میں مسلمانوں میں سے ایک صحابی ابن زنیم شہید ہوگئے اور مسلمانوں نے ان قریشیوں کے دس سواروں کو گرفتار کرلیا، اور رسول اللہ ﷺ کو کسی نے یہ خبر پہنچائی کہ عثمانؓ قتل کر دیے گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سن کر مسلمانوں کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا کہ سب جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کے لئے بیعت کریں، سب صحابہ کرام نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر آگے اس صورت میں آنے والا ہے احادیث صحیحہ میں ان لوگوں کی بڑی فضیلت آئی ہے جو اس بیعت میں شریک تھے، اور عثمان غنی چونکہ آپ کے حکم سے مکہ گئے ہوئے تھے اس لئے ان کی طرف سے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے یہ خصوصی فضیلت عثمان کی تھی کہ آپ نے اپنے ہی ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیکر ان کیطرف سے بیعت کر لی۔

دوسری طرف اہل مکہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب مسلط کر دیا اور خود مصالحت پر امادہ ہو کر انہوں نے اپنے تین آدمی سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص کو عذر معذرت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، ان میں سے پہلے دو بعد میں مسلمان بھی ہوگئے۔ سہیل بن عمرو نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ تک جو خبر پہنچی ہے کہ عثمان غنی اور ان کے ساتھی قتل کر دیے یہ بالکل غلط ہے ہم ان کو آپ کے پاس بھیجتے ہیں، ہماری قیدیوں کو ازاد کر دیجئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو ازاد کر دیا۔

مسند احمد اور مسلم میں انسؓ کی روایت ہے کہ اس سورت میں جو آگے آیت انیوالی ہے " **هو الذی کف ایدیهم عنكم** " یہ اسی واقعہ سے متعلق ہے، اب سہیل اور ان کے ساتھیوں نے جا کر بیعت رضوان میں صحابہ کرام کی مسارعت

اور جاں نثاری کے عجیب وغریب منظر کا حال قریش کے سامنے بیان کیا، تو قریش کے اصحاب رائے لوگوں نے آپس میں کہا کہ اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ ہم محمد ﷺ سے اس بات پر صلح کر لیں کہ وہ اس سال تو واپس چلے جائیں تا کہ پورے عرب میں یہ شہرت نہ ہو جائے کہ ہمنے ان کو روکنا چاہا وہ زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے، اور اگلے سال عمرہ کے لئے آجائیں اور تین روز مکہ میں قیام کریں، اس وقت اپنے جانور قربانی کے ذبح کر ڈالیں اور احرام کھولدیں چنانچہ یہی سہیل بن عمرو یہ پیغام لیکر نبی کریم ﷺ کیخدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ اب معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے صلح کا ارادہ کرلیا ہے کہ سہیل کو پھر بھیجا ہے، رسول اللہ ﷺ چہار زانو بیٹھ گئے اور صحابہ کرام میں سے عباد بن بشر اور سلمہ ہتھیاروں سے مسلح نبی کریم ﷺ کے پاس حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سہیل حاضر ہوئے تو ادب کے ساتھ رسول پاک ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے، اور قریش کا پیغام آپ کو پہنچایا۔ صحابہ کرام عموما اس پر راضی نہ تھے کہ اس وقت اپنے احرام بغیر عمرہ کئے کھولدیں، انہوں نے سہیل سے سخت گفتگو کی، اوازیں کبھی بلند ہو گئیں کبھی پست ہوئیں، عباد بن بشر نے سہیل کو ڈانٹا کہ رسول پاک کے سامنے اواز بلند نہ کر، طویل گفتگو کے بعد آپ اس شرط کو قبول کر کے صلح کر لینے پر راضی ہو گئے، سہیل نے کہا کہ لائیے ہم اپنے اور آپ کے درمیان صلحنامہ لکھ لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے علیؓ کو بلایا اور فرمایا لکھو **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم**، سہیل نے یہیں سے بحث شروع کر دی، اور کہا کہ لفظ **رحمٰن** اور **رحیم** ہمارے محاورات میں نہیں ہے، آپ یہاں وہی لفظ لکھیں جو پہلے لکھا کرتے تھے یعنی **باسمک اللھم** آپ نے اس کو بھی مان لیا اور علیؓ سے فرمایا کہ ایسا ہی لکھدو۔ اس کے بعد آپ نے علیؓ کو فرمایا کہ یہ لکھو کہ یہ وہ عہدنامہ ہے جسکا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے، سہیل نے اس پر بھی ضد کی کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو ہرگز بیت اللہ سے نہ روکتے (صلحنامہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہونا چاہئے جو کسی فریق کے عقیدہ کیخلاف ہو) آپ صرف محمد بن عبداللہ لکھوائیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کو بھی منظور فرما کر علیؓ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھدو۔ علیؓ نے باوجود سراپا اطاعت ہونے کے عرض کیا میں تو یہ نہیں کر سکتا کہ آپ کے نام کو مٹا دوں۔

حاضرین میں سے اسید بن حضیرؓ اور سعد بن عبادہؓ نے علیؓ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اس کو نہ مٹائیں، اور بجز محمد رسول اللہ کے اور کچھ نہ لکھیں، اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی، اور کچھ اوازیں ہر طرف سے بلند ہونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے صلحنامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود اس کے کہ آپ امی تھے پہلے کبھی لکھا نہیں تھا مگر اس وقت خود اپنے قلم سے آپ نے یہ لکھ دیا **ھذا ما قاضی محمد بن عبداللہ و سھیل بن**

عمرو،اصلحاعلى وضع الحرب عن الناس عشرسنين، يأمن فيه الناس ويكف بعضهم عن بعض ۔
یعنی یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لئے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ مامون رہیں ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔ پھر رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہماری ایک شرط یہ ہے کہ اس وقت ہمیں طواف کرنے سے نہ روکا جائے، سہیل نے کہا کہ باللہ یہ نہیں ہوسکتا، آپ نے اس کو بھی قبول فرمالیا، اس کے بعد سہیل نے اپنی ایک شرط یہ لکھی کہ جو شخص مکہ والوں میں سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آپ کے پاس جائے گا اس کو آپ واپس کردیں گے، اگرچہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو، اس پر عام مسلمانوں کی اواز اُٹھی سبحان اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائی کو مشرکین کیطرف لوٹا دیں، مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کو بھی قبول فرمالیا اور یہ فرمایا کہ ہم میں سے کوئی آدمی اگر ان کے پاس گیا تو اس کو اللہ ہی نے ہم سے دور کردیا، اس کی ہم کیوں فکر کریں، اور اُن میں کوئی آدمی ہمارے پاس آیا اور ہم نے لوٹا بھی دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ سہولت کا نکال دیں گے۔

براءؓ نے اس صلح نامہ کا خلاصہ تین شرطیں بیان کیا ہے، ایک یہ کہ اُن کا کوئی آدمی ہمارے پاس آجائے گا تو ہم اس کو واپس کردیں گے، دوسرے یہ کہ ہمارا کوئی آدمی اُن کے پاس چلا جائے گا تو وہ واپس نہ کریں گے، تیسرے یہ کہ اب آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں گے اور تین روز مکہ میں قیام کریں گے اور زیادہ ہتھیار لے کر نہیں آئیں گے اور آخر میں لکھا گیا کہ یہ عہد نامہ اہل مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک محفوظ دستاویز ہے جس کی کوئی خلاف ورزی نہ کریگا اور باقی سب عرب آزاد ہیں جس کا جی چاہے محمد ﷺ کے عہد میں داخل ہوجائے اور جس کا جی چاہے قریش کے عہد میں داخل ہوجائے، یہ سن کر قبیلہ خزاعہ اُچھل پڑا اور کہا کہ ہم محمد ﷺ کے عقد میں داخل ہیں اور بنوبکر نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم قریش کے عقد وعہد میں داخل ہیں۔

جب یہ شرائط صلح طے ہوگئیں تو عمر بن الخطابؓ سے یہ نہ رہا گیا اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، پھر عمرؓ نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، پھر عمرؓ نے عرض کیا کہ ہمارے مقتولین جنت اور اُن کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، اس پر عمرؓ نے عرض کیا تو پھر ہم کیوں اس ذلت کو قبول کریں کہ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں جب تک جنگ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ نہ کردیں، نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، ہرگز اسکے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہ فرمائیگا، وہ میرا مددگار رہے۔ عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا آپ نے ہم سے یہ

نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا بے شک یہ کہا تھا مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کام اسی سال ہوگا تو عمرؓ نے کہا کہ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا، تو آپ نے فرمایا کہ بس یہ واقعہ جیسا کہ میں نے کہا تھا ہو کر رہے گا، کہ آپ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے۔ عمر بن الخطابؓ خاموش ہو گئے مگر غم و غصہ نہیں گیا، آپ کے پاس سے ابوبکرؓ کے پاس گئے اور اسی گفتگو کا اعادہ کیا جو نبی ﷺ کے سامنے کی تھی، ابوبکرؓ نے فرمایا اللہ کے بندے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا مددگار رہے اس لئے تم مرتے دم تک آپ کی رکاب تھامے رہو، اللہ کی قسم وہ حق پر ہیں، غرض عمرؓ کو ان شرائط صلح سے سخت رنج و غم پہنچا، خود انہوں نے فرمایا کہ واللہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا مجھے کبھی شک پیش نہیں آیا بجز اس وقعہ کے (بخاری)۔

ابھی ابھی یہ شرائط صلح طے ہوئی تھیں، اور صحابہ کرامؓ کی ناگواری اس پر ہو رہی تھی کہ اچانک اسی سہیل بن عمرو کا جو صلح نامہ کا فریق منجانب قریش تھا بیٹا ابوجندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور باپ نے اس کو قید کر رکھا تھا اور سخت ایذائیں ان کو دیتا تھا، وہ کسی طرح بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا اور آپ سے پناہ مانگی، کچھ مسلمان بڑھے اور اس کو اپنی پناہ میں لے لیا، مگر سہیل چلّا اٹھا کہ یہ پہلی عہد نامہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اگر اس کو واپس نہ کیا گیا تو میں صلح کی کسی شرط کو نہ مانوں گا۔ رسول اللہ ﷺ عہد کر کے پابند ہو چکے تھے اس لئے ابوجندلؓ کو آواز دیکر فرمایا کہ اے ابوجندل! تم چند روز اور صبر کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور ضعفاء مسلمین کے لئے جو مکہ میں محبوس ہیں جلد رہائی اور فراخی کا انتظام کرنے والا ہے، مسلمانوں کے دلوں پر ابوجندلؓ کے اس واقعہ نے اور زیادہ نمک پاشی کی، وہ تو یقین کر کے آئے تھے کہ اسی وقت مکہ فتح ہوگا اور یہاں یہ حالات دیکھے تو ان کے رنج و غم کی انتہا نہ رہی قریب تھا کہ وہ ہلاکت میں پڑ جاتے، مگر معاہدہ صلح مکمل ہو چکا تھا اس صلح نامہ پر مسلمانوں کی طرف سے ابوبکرؓ، عمرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور عبداللہ بن سہیل بن عمر، سعد بن ابی وقاص، محمد بن مسلمہ اور علی بن ابی طالب وغیرہ رضی اللہ عنہم کے دستخط ہوئے، اسی طرح مشرکین کیطرف سے سہیل کے ساتھ چند دوسرے لوگوں کے دستخط بھی ہو گئے۔

جب صلح نامہ کی کتابت سے فراغت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ اپنی قربانی کے جانور جو ساتھ ہیں ان کی قربانی کر دیں، اور سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دیں، صحابہ کرام کی مسلسل رنج و غم کیوجہ سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ آپ کے فرمانے کے باوجود کوئی اس کام کے لئے نہیں اُٹھا جس سے رسول اللہ ﷺ مغموم ہوئے، اور ام المؤمنین ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے اس رنج کا ذکر کیا، ام المؤمنین نے بہت مناسب اور اچھا مشورہ دیا کہ آپ صحابہ کرام کو

اس پر کچھ نہ کہیں، ان کو اس وقت سخت صدمہ اور رنج شرائط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی کیوجہ سے پہنچا ہوا ہے، آپ سب کے سامنے حجام کو بلا کر خود اپنا حلق کر کے احرام کھول دیں اور اپنی قربانی کر دیں۔ آپ نے مشورہ کیمطابق ایسا ہی کیا، صحابہ کرام نے جب یہ دیکھا تو سب کھڑے ہو گئے ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کرنے لگے، آپ نے سب کیلئے دعا فرمائی۔

[۲] "لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتأخر" اس میں لیغفر کا "لام" اگر تعلیل یعنی بیان علت کے لئے لیا جائے تو حاصل اسکا یہ ہے کہ یہ فتح مبین آپ کو اس لئے دی گئی ہے تا کہ آپ کو یہ تین کمالات حاصل ہو جائیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، ان میں پہلی چیز تمام اگلی پچھلی لغزشوں اور خطاؤں کی معافی ہے، سورۂ محمد میں پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ انبیآء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں ان کی طرف قرآن میں جہاں کہیں ذنب یا عصیان وغیرہ کے الفاظ منسوب کئے گئے وہ ان کے مقام عالی کی مناسبت سے ایسے کاموں کے لئے استعمال کئے گئے جو خلاف اولیٰ تھے مگر نبوت کے مقام بلند کے اعتبار سے غیر افضل پر عمل کرنا بھی ایسی لغزش ہے جس کو قرآن نے بطور تہدید کے ذنب و گناہ سے تعبیر کیا ہے اور ماتقدم سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو نبوت سے پہلے ہوئیں اور ماتأخر سے مراد وہ لغزشیں جو رسالت و نبوت کے بعد صادر ہوئیں (مظہری)۔

اور فتح مبین کا اس مغفرت کے لئے سبب ہونے کیوجہ یہ ہے کہ فتح مبین سے بہت لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے اور اسلام کی دعوت کا عام ہو جانا آپ کی زندگی کا مقصد عظیم اور آپ کے اجر و ثواب کو بہت بڑھانے والا ہے۔

"ویھدیک صراطا مستقیما" یہ دوسری نعمت ہے جو اس فتح مبین پر مرتب ہوئی، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صراط مستقیم پر تو آپ اول ہی سے ہیں اور نہ صرف خود صراط مستقیم پر ہیں بلکہ دنیا کو اسی صراط مستقیم کی دعوت دینا آپ کا رات دن کا مشغلہ ہے تو ہجرت کے چھٹے سال فتح مبین کے ذریعہ صراط مستقیم کی ہدایت کے کیا معنی ہیں؟ اس کا جواب سورۂ فاتحہ کی تفسیر لفظ ہدایت کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ ہدایت ایک ایسا مفہوم عام ہے کہ جس کے درجات غیر متناہی ہیں وجہ یہ ہے کہ ہدایت کے معنی منزل مقصود کا راستہ دکھلانا یا اس پر پہنچانا ہے اور اصل منزل مقصود ہر انسان کی حق تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرنا ہے اور اس رضا و قرب کے متفاوت درجات بے شمار ہیں، ایک درجہ حاصل ہونے کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کی ضرورت باقی رہتی ہے جس سے کوئی بڑے سے بڑا ولی بلکہ نبی و رسول بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا،

اسی لئے اھدنا الصراط المستقیم کی دعا نماز کی ہر رکعت میں کرنے کی تعلیم جیسے اُمّت کو ہے خود رسول اللہ ﷺ کو بھی ہے جس کا حاصل صراط مستقیم کی ہدایت یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب ورضا کے درجات میں ترقی حاصل کرنا ہے اس فتح مبین پر اللہ تعالیٰ نے اسی قرب ورضا کا کوئی بہت اعلیٰ مقام آپ کو عطا فرمایا جس کو یھدیک کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے،

"وینصرک اللہ نصرًا عزیزًا" یہ تیسری نعمت ہے جو اس فتح مبین پر مرتب ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی امداد واعانت جو آپ کو ہمیشہ حاصل رہی ہے اس وقت اس مدد کا ایک بڑا درجہ آپ کو دیا گیا۔

علامہ سبکی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ نبی ﷺ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، لیکن اللہ تعالی نے نبی ﷺ کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لئے یہ فرمایا: "ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب بخش دیئے" کیونکہ باشاہوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے خواص اور مقربین کو نوازنے کے لئے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیے اور تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، حالانکہ بادشاہ کو علم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کوئی گناہ نہیں کیا،، نہ ائندہ کرے گا لیکن اس کلام سے اس شخص کی تعظیم اور تشریف کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ سبل الہدی: ١٤٠/٣۔

بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ: (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنبِكَ وماتاخر) کا معنی ہے لیعصمک اللہ فیما تقدم من عمرک وفیما تاخر منه یعنی اللہ تعالی آپ کو آپکی اگلی اور پچھلی زندگی میں گناہوں سے بچائے رکھے گا، اور آپ کو عصمت پر قائم رکھے گا، اس آیت میں مغفرت، عصمت سے کنایہ ہے اور قران مجید میں بعض مقامات پر مغفرت سے عصمت کا کنایہ کیا گیا ہے۔

شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اپنی کتاب "نھایة السؤل فیما سنح من تفضیل الرسول" میں لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے رسول ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی ہے، پھر انہوں نے فضیلت کی وہ وجوہات ذکر کی ہیں، اور ان فضیلت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب (یعنی بظاہر خلاف اولی کاموں کو) بخش دیا ہے، اور یہ بیان کیا ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اللہ تعالی نے کسی نبی کی مغفرت کی خبر نہیں دی، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جب دیگر انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کی جائے گی تو سب "نفسی نفسی" کہیں گے، اور ہیبت الٰہی سے شفاعت نہیں کریں گے، اور جب رسول ﷺ سے لوگ شفاعت طلب کریں گے تو آپؐ فرمائیں گے یہ میرا کام ہے، اور اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالی نے پہلے آپ کے لئے فتح مبین کو ثابت کیا، پھر مغفرت ذنوب کا ذکر کیا، پھر اپنی نعمت پوری کرنے اور صراط مستقیم کی ہدایت پر ثابت رکھنے اور نصر عزیز کا ذکر کیا، جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ

اس آیت سے مقصود گناہوں کا ثابت کرنا نہیں بلکہ گناہوں کی نفی کرنا ہے۔

ابن عطاءؒ نے کہا کہ اللہ تعالی نے اس سورت میں نبی ﷺ کے لئے متعدد نعمتوں کو جمع کردیا ہے،، فتح مبین عطاء فرمائی، جو اجابت کی علامت ہے، مغفرت عطاء فرمائی، جو محبت کی علامت ہے، اتمام نعمت سے سرفراز کیا، جو اپ کی اختصاص کی نشانی ہے، اور ہدایت عطا فرمائی جو ولایت کی علامت ہے، پس مغفرت سے مراد تمام عیوب اور نقائص سے آپ ؐکی تنزیہہ ہے، اور اتمام نعمت سے مراد آپ ؐکو درجہ کاملہ پر پہنچانا ہے اور ہدایت سے مراد آپ ؐ کو مشاہدہ ذات وصفات کے اس مرتبہ پر پہنچانا ہے، جس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ (از مدارج النبوۃ: ٢/١، ٧٣، ٧٤)

حافظ ابن کثیرؒ اس ایت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ یہ آیات نبی کریم ﷺ کے ان خصائص میں ہے جن میں کوئی اور آپ ؐکا شریک نہیں ہے، آپ کے علاوہ اور کسی شخص کے لئے کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں ہے، کہ اس کو اگلی اور پچھلی (ظاہری) خطاؤں کی مغفرت کردی گئی ہو، اور اس میں نبی ﷺ کی نہایت تعظیم اور تشریف ہے، اور اطاعت، نیکی، اور پارسائی میں اولین اور آخرین میں سے کسی نے آپ ؐ کے مقام کو نہیں پایا، اور آپ ﷺ دنیا اور آخرت میں علی الاطلاق اکمل البشر اور سید البشر ہیں۔

قاضی عیاض لکھتے ہیں: اللہ تعالی نے سورۂ فتح میں رسول ﷺ کی تعظیم وتوقیر کا جو بیان فرمایا ہے، اور اللہ تعالی کے نزدیک جو نبی ﷺ کا مرتبہ اور مقام ہے اس کا جو ذکر کیا ہے، اس کی ابتداء اللہ تعالی نے دشمنوں پر رسول ﷺ کے غلبہ اور آپ کی شریعت کی سربلندی کی خبر دینے سے کی ہے، اور یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ مغفور ہیں، اور ماضی اور مستقبل کی کسی چیز پر آپ ؐ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ بعض علماء نے کہا اللہ تعالی نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ ؐ سے کوئی چیز ہوئی ہے یا نہیں، اللہ تعالی نے آپ ؐ کے لئے اس کی مغفرت کردی ہے۔ الشفاء: ١/ ٣١۔

علامہ شہاب الدین خفاجیؒ لکھتے ہیں:۔ علامہ تجانی نے کہا ہے کہ یہ آیت نبی ﷺ کی تعظیم وتوقیر بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے، جیسے کوئی شخص کسی سے اظہار محبت کیلئے کہے، اگر تمہارا کوئی پہلا یا پچھلا گناہ ہو بھی تو ہم نے اس کو معاف کردیا، اس کلام سے اس شخص کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ اس نے فی الواقع کوئی گناہ کیا ہے، اور وہ اس کو معاف کر رہا ہے، اور میں کہتا ہوں کہ ذنب کا معنی ستر ہے جو نہ دکھائی دینے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کو لازم ہے عدم ذنب یعنی جب گناہ ہے ہی نہیں، تو کیسے دکھائی دیگا، کیونکہ اگر گناہ ہوتا تو دکھائی دیتا۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالی نے مقدم اور موخر دونوں کا ذکر کیا ہے، حالانکہ موخر کا وجود ہی نہیں ہے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا گناہ مقدم ہے نہ موخر، سو آپ

سے مطلقاً گناہ سرزد نہیں ہوا۔نسیم الریاض:۱/۲۷۳۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس ایت میں یہ اشارہ ہے کہ چنانچہ بندہ اپنے مقسوم کے مطابق اعلی مرتبہ پر پہنچ جائے پھر بھی وہ اللہ تعالی تعالی کی مغفرت سے مستغنی نہیں ہوتا، کیونکہ بندہ اپنے بشری عوارض کی بناء پر تقاضائے ربوبیت کے مطابق عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مباح امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا امت کے اہم کاموں میں منہمک اور مستغرق ہونے کی وجہ سے جو حضرت الوہیت میں غفلت واقع ہوتی ہے، انبیاء علیہم السلام اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس کو بھی سیئۃ اور گناہ خیال کرتے ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔ **شرح الشفاء علی حاشیہ نسیم الریاض: ۱/۲۷۳.**

علامہ الوسی لکھتے ہیں:۔ نبی علیہ السلام کی بکثرت عبادت کرنے کا جو حال مشہور تھا اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اس آیت میں نبی علیہ السلام کے مقام کی بلندی پر جو دلالت ہے اس کو الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں، اور حدیث صحیح میں ہے کہ: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی علیہ السلام نے نفلی روزے رکھے، اور نفلی نمازیں پڑھیں۔ حتی کہ آپؐ کے قدم مبارک سوج گئے، اور سالخوردہ مشک کی طرح آپ کا جسم لاغر ہو گیا، آپ سے کہا گیا کہ آپ عبادت میں اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالی نے آپ کے ذنب (یعنی بظاہر خلاف اولی کاموں) کی مغفرت کردی ہے، رسول علیہ السلام نے فرمایا کیا میں اللہ تعالی کا شکر گذار بندہ نہ بنو؟ روح المعانی۔

عطاء خراسانی کے قول کا بطلان علامہ قرطبی نے اس آیت کے متعدد صحیح محمل بیان کئے ہیں اور ایک قول یہ بھی ذکر کیا ہے، عطاء خراسانی نے کہا ہے کہ "**ماتقدم من ذنبک**" سے مراد آپ کے والدین آدم وحواء کے ذنوب ہیں، اور "ما تاخر" سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہے (قرطبی) اسی طرح اسماعیل حقی نے بھی اس آیت کے بہت سے محمل بیان کئے ہیں، جن میں سے بعض کو ہم نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور علامہ خفاجی کے حوالوں سے ذکر کردیا ہے، اسماعیل حقی نے بھی عطاء خراسانی کے اس قول کا ذکر کیا ہے (روح البیان)۔

اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے کہ بعض اوقات مفسرین کسی آیت کی تفسیر میں تمام اقوال نقل کردیتے ہیں، پھر کبھی وہ اپنے مختار قول کا بیان کردیتے ہیں، اور باطل قول کا رد کردیتے ہیں، اور بعض اوقات وہ صرف اقوال کا ذکر کردیتے ہیں، اور دلائل کی وضاحت کی بناء پر باطل قول کا رد نہیں کرتے، عطاء خراسانی کا یہ قول بکثرت احادیث صحیحہ کے

خلاف ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ میں مغفرت کی نسبت رسول ﷺ کی طرف ہے، آپ نے اس کو اپنی خصوصیت قرار دیا ہے، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور رسول ﷺ کو مبارک باد دی۔

علامہ سیوطیؒ نے مستند کتب احادیث سے سترہ ۱۷، حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں آپ کی طرف مغفرت کا اسناد کیا گیا ہے، اوراس کو آپ کے حق میں نعمت اوراس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا گیا ہے (درمنثور) بعض اوقات مفسرین بغیر کسی کلام اور جرح کے تفسیر میں ایسی روایات ذکر کر دیتے ہیں، جو اہل سنت کے مسلمہ معتقدات کے خلاف ہوتی ہیں۔

امام ابن جریر طبری بیان کرتے ہیں:۔ **عن السدی" فما استمتعتم به منهن الى اجل فاتوهن اجورهن"** سدی سے یہ تفسیر اس طرح منقول ہے تم نے عورتوں سے ایک مدت معینہ تک جو متعہ کیا ہے ان کو اس کی اجرت دو، علامہ سیوطی نے بغیر کسی کلام اور جرح کے یہ روایت نقل کی ہے، **عن ابی سعید، قال لما نزلت (وآتِ ذی القربی حقه) دعا رسول الله ﷺ فاطمة فاعطاها فدک** (درمنثور).

ابوسعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ کو بلایا اور ان کو فدک عطاء فرمایا۔لیکن ان روایاتوں کے نقل کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان روایات کو صحیح مانتے ہیں، یا ان کا التزام کرتے ہیں۔اسی طرح علامہ قرطبی، علامہ حقی یا بعض دوسرے مفسرین نے دیگر اقوال کے ساتھ اگر عطاء خراسانی کا قول بھی نقل کر دیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس قول کو صحیح مانتے ہیں، یا اس کا التزام کرتے ہیں، اور اگر بالفرض وہ اس کو صحیح مانتے ہوں تو احادیث صحیحہ کے مقابلے میں ان کا قول مردود ہے۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ رسول ﷺ کی صحیح اور صریح احادیث کے برعکس ہمارے دور میں عطاء خراسانی کے قول کے مطابق اس آیت کا ترجمہ مشہور کر دیا گیا ہے، اور اس آیت کے ترجمہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ" تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے، تمہارے اگلے اور تمھارے پچھلوں کے" یہ ترجمہ صحیح نہیں کیونکہ بکثرت احادیث میں رسول ﷺ کی طرف مغفرت کی نسبت کی گئی ہے، جیسا کہ ہم پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہے، اور اس سلسلے میں مزید احادیث بھی ہیں۔

وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِىْٓ أَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِىْ قُلُوْبِ

اور اللہ تمہاری زبردست مدد کرے گا۔ وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی

الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا إِيْمَانًا مَّعَ إِيْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر (سب) اللہ ہی کے ہیں

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۴﴾ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ

اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ (یہ) اس لئے کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بہشتوں میں جن کے

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان سے ان کے گناہوں کو دُور کر دے

وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۵﴾ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ

اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔ اور (اس لئے کہ) منافق مردوں

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ

اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے حق میں بُرے بُرے خیال رکھتے ہیں

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ

عذاب دے انہی پر بُرے حادثے واقع ہوں اور اللہ ان پر غصے ہوا اور ان پر لعنت کی اور ان کے لئے دوزخ تیار کی

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ

اور وہ بُری جگہ ہے۔ اورآسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ

عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۸﴾

غالب حکمت والا ہے۔ اور ہم نے تم کو حق ظاہر کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور خوف دلانے والا بھیجا ہے

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۹﴾

تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کو بزرگ سمجھو اور صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ

جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو توڑے

فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾

اور عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجرِ عظیم دے گا

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا

جو گنوار پیچھے رہ گئے وہ تم سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور اہل و عیال نے روک رکھا

فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلْ

آپ ہمارے لئے (اللہ سے) بخشش مانگیں یہ لوگ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے کہہ دو

فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا

کہ اگر اللہ تم کو نقصان پہنچانا چاہے یا فائدہ پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کون ہے جو اس کے سامنے تمہارے لئے کسی بات کا کچھ اختیار رکھے

بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۱﴾ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ

بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔ بات یہ ہے کہ تم لوگ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ پیغمبر اور مومن اپنے اہل و عیال میں

وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ

کبھی لوٹ کر آنے والے نہیں اور یہی بات تمہارے دلوں کو اچھی معلوم ہوئی اور (اسی وجہ سے) تم نے بُرے بُرے خیال

السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا

کئے اور (آخر کار) تم ہلاکت میں پڑ گئے۔ اور جو شخص اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان نہ لائے تو ہم نے (ایسے) کافروں

لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے وہ جسے چاہے بخشے

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ

اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ جب تم لوگ غنیمتیں لینے چلو گے تو جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے

إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلٰى مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ

وہ کہیں گے ہمیں بھی اجازت دیجئے کہ آپ کے ساتھ چلیں یہ چاہتے ہیں

أَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلَامَ اللّٰهِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ

کہ اللہ کے قول کو بدل دیں کہہ دو کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے اسی طرح اللہ نے پہلے سے فرما دیا ہے

فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵﴾

پھر کہیں گے (نہیں) تم تو ہم سے حسد کرتے ہو بات یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں مگر بہت کم۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلٰى قَوْمٍ أُولِيْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ

جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے ان سے کہہ دو کہ تم ایک سخت جنگجو قوم کے (ساتھ لڑائی کے) لئے بلائے جاؤ گے

تُقَاتِلُوْنَهُمْ أَوْ يُسْلِمُوْنَ فَإِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا

ان سے تم (یا تو) جنگ کرتے رہو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے اگر تم حکم مانو گے تو اللہ تم کو اچھا بدلہ دے گا اور اگر منہ پھیر لو

كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ

گے جیسے پہلی دفعہ پھیرا تھا تو وہ تم کو بری تکلیف کی سزا دے گا۔ نہ تو اندھے پر گناہ ہے (کہ سفرِ جنگ سے پیچھے رہ جائے)

وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

اور نہ لنگڑے پر گناہ ہے اور نہ بیمار پر گناہ ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کے فرمان پر اللہ

وَرَسُوْلَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ

اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں اور جو رُوگردانی کرے گا اسے بُرے دکھ کی سزا

عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ

دے گا۔ (اے پیغمبر!) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے

الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾

تو اللہ ان سے خوش ہوا اور جو ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی

وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّأْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

اور بہت سی غنیمتیں جو انہوں نے حاصل کیں اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا کہ تم ان کو حاصل کرو گے سو اس نے غنیمت کی تمہارے لئے جلدی فرمائی اور لوگوں کے

النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲۰﴾

ہاتھ تم سے روک دیئے حکمت یہ تھی کہ یہ مومنوں کے لئے (اللہ کی) قدرت کا نمونہ ہو اور وہ تم کو سیدھے رستے پر چلائے۔

وَأُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

اور اَور (غنیمتیں دیں) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے (اور) وہ اللہ ہی کی قدرت میں تھیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾

اور اگر تم سے کافر لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر کسی کو نہ دوست پاتے اور نہ مددگار۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

(یہی) اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم اللہ کی سنت کبھی بدلتی نہ دیکھو گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ

اور وہی تو ہے جس نے تم کو ان (کافروں) پر فتحیاب کرنے کے بعد سرحدِ مکہ میں

مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجدِ حرام سے روک دیا اور قربانیوں کو بھی کہ اپنی جگہ پہنچنے سے رکی رہیں

أَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهُ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ

اور اگر ایسے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہ تھے

أَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ

کہ اگر تم ان کو پامال کر دیتے تو تم کو ان کی طرف سے بیخبری میں نقصان پہنچ جاتا اس لئے (ہوئی) کہ اللہ اپنی رحمت میں

مَنْ يَّشَآءُ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿۲۵﴾

جس کو چاہے داخل کرے اور اگر دونوں فریق الگ الگ ہو جاتے تو جو ان میں کافر تھے ان کو ہم دکھ دینے والا عذاب دیتے۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ

جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی اور ضد بھی جاہلیت کی تو اللہ نے اپنے پیغمبر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل

سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا

فرمائی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ

أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ

اسی کے مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔ بیشک اللہ نے اپنے پیغمبر کو سچا (اور) صحیح خواب دکھایا

رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ

کہ تم اللہ نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کتروا کر امن وامان سے داخل ہو گے اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے

مُحَلِّقِيْنَ رُؤُسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ

جو بات تم نہیں جانتے تھے اس کو معلوم تھی سو اس نے اس سے پہلے ہی جلد فتح کرا دی

دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِيْٓ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دینِ حق دے کر

الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ

بھیجا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور حق ظاہر کرنے کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ محمد اللہ کے پیغمبر ہیں

اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا

اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل تو ان کو دیکھتا ہے کہ جھکے ہوئے سر بسجود

يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ

ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ

ہیں ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں

فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهِ

جس نے (پہلے زمین سے) اپنی تیغ نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا

اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تا کہ کافروں کا جی جلائے جو لوگ ان میں سے ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ (2)

---

(2) "محمدرسول اللہ" جس عظیم الشان رسول کی وساطت سے دین حق کوغلبہ عطا کرنا ہےاس کے اسم گرامی کی تصریح اوران جاں نثاراورسرفروش صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب کا بیان جنھوں نے پیغمبر ﷺ کی معیت میں دین اسلام کوپھیلانے اوراس کوباقی دینوں پرغالب کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی ،تاکہ آنے والی نسلیں ان کے نقش وقدم پرچلیں اوراپنے اندرایسی صفات پیدا کرنے کی کوشش کریں. محمد،مبتداء مقدر کی خبرہےاوررسول اللہ عطف بیان ہے یانعت یابدل۔اور یہ جملہ:ھو الذی ارسل رسولہ،الایہ کا بیان ہے،ای ھو اوذلک الرسول المرسل بالھدی ودین الحق محمدؐ،علی ان الاسم الشریف خبرمبتدأ محذوف (ورسول اللہ) عطف بیان اونعت اوبدل و الجملة استئناف مبین لقولہ تعالی (ھو الذی ارسل رسولہ) وھذا ھوالوجہ الارجح الانسب بالمساق کمافی الکشف(روح).

"و الذین معہ "ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے وہ صحابہ کرام مراد ہیں، جوصلح حدیبیہ میں آپؐ کے ہمراہ تھے۔قال ابن عباسؓ اھل الحدیبیة اشداء علی الکفار،ای غلاظ علیھم کالاسدعلی فریستہ(قرطبی)۔

یعنی وہ کافروں پراس طرح سخت گیر ہیں جس طرح شیراپنے شکار پر،لیکن جمہورمفسرین کے نزدیک اس سے تمام صحابہ کرامؓ مراد ہیں،وقال الجمھور،جمیع اصحابہ ﷺ رضؓ (روح). وکون الصفات فی جملة اصحاب النبی ﷺ ھو الاشبہ(قرطبی). رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی شان یہ ہے کہ کافروں پر وہ بہت سخت ہیں دین کے معاملے میں کفار کے لئے رأفت ورحمت کا جذبہ ان کے دامن گیرنہیں ہوتا،جب وہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کوکفرکی حمایت میں میدان کارزار میں اپنے سامنے دیکھتے ہیں تو شیرکی طرح ان پرجھپٹ پڑتے ہیں،لیکن آپس میں ایک دوسری کے لئے نہایت مہربان اوررحم دل ہیں،اسلام نے ان کوایک ایسی دینی برادری اوراخوت کے سلسلے میں جوڑدیاہے،کہ ان کی باہمی محبت والفت اورشفقت اوررحمت حقیقی بھائیوں کی محبت وشفقت سے بھی زیادہ مضبوط

اور گہری ہے اور زمانۂ جاہلیت کی عداوتیں اور دشمنیاں ان کے دلوں سے حرف غلط کی طرح محو ہو چکی ہیں، اس آیت میں ان لوگوں کی آرزوں کو خاک میں ملا دیا، جو بے اصل اور باطل تاریخی روایتوں کی بنا پر صحابہؓ کے درمیان باہمی بغض وعداوت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رغم انف الروافض الذین یزعمون ان اصحاب محمد ﷺ کانوا یتباغضون بینھم (مظھری)۔

"تراھم رکعا" یہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، کی کثرت نماز کی طرف اشارہ ہے کہ تو اکثر ان کو نماز میں مصروف پائیگا۔ اور پھر نماز سے ان کا مقصود ریاکاری نہیں، بلکہ وہ اللہ کے فضل ورحمت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نمازیں پڑھتے ہیں یہ ان کے صدق نیت اور اخلاص باطن کی شہادت ہے۔ صحابہ کرامؓ کا مقام کس قدر بلند ہے؟ کہ خود اللہ تعالیٰ گواہی دے رہا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں محض میری رضا جوئی اور خوشنودی کی خاطر کر رہے ہیں۔ وکفی بذلک شرفا.

"سیماھم" ان کے صدق واخلاص کی علامت ان کے چہروں میں کثرت سجود اور عبادت پر مداومت کی برکت سے نورانیت، وقار اور خشوع وتواضع کی صورت میں نمایاں ہیں۔ قال قوم ھو السمت الحسن و الخشوع و التواضع وھی روایہ الوالبی عن ابن عباسؓ (مظھری) اس سے ماتھے کا وہ نشان مراد نہیں جو اکثر نمازیوں کے پیشانیوں پر نمودار ہو جاتا ہے جسے عرف عام میں ماتھے کا محراب کہتے ہیں کیونکہ یہ نشان کوئی حقیقی علامت نہیں ہے۔

"ذلک مثلھم"۔ صحابہؓ کے یہ اوصاف جو اوپر بیان کئے گئے ہیں اسی طرح تورات میں بھی مذکور ہیں۔

"ومثلھم فی الانجیل" یہ صحابہ کرام کے لئے ایک تمثیل ہے کزرع مبتدا محذوف کی خبر ہے، ای ھم کزرع یعنی ان کی مثال ایسی ہیں جیسے کھیت میں ایک پودا پھوٹتا ہے پھر کچھ دنوں کے بعد اس کا کمزور تنا مضبوط ہو جاتا ہے پھر آہستہ آہستہ تنا اس قدر موٹا ہو جاتا ہے کہ پودا اس پر کھڑا ہو جاتا ہے تو کاشتکار اور کھیت کے مالک اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں، یہی مثال صحابہ کرام کی ہے کہ ابتداء اسلام میں بہت کم تھے، پھر ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ایک نہایت اور مستحکم، مضبوط جماعت معرض وجود میں آگئی، جسے دیکھ کر رسول ﷺ خوش ہوتے۔ وھو مثل ضربہ اللہ تعالی للصحابۃ رضوان اللہ تعالی عنھم اجمعین بدأ الاسلام ثم کثروا واستحکموا فترقی امرھم یوما فیوما بحیث اعجب الناس (روح).

"یغیظ" اس کا متعلق محذوف ہے ای فعل اللہ ھذا لمحمد ﷺ واصحابہ یغبط =

سورة الحجرات (مدنية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ

مومنو! (کسی بات کے جواب میں) اللہ اور اس کے رسول سے پہلے نہ بول اٹھا کرو ڈرتے رہو بیشک اللہ

سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ

سنتا جانتا ہے۔ اے اہلِ ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو

=بھم الکفار (قرطبی) اللہ تعالی نے محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے صحابہ کو ضعف کے بعد قوت عطا فرمائی اور قلت کے بعد ان کی جماعت میں اس قدر اضافہ فرمایا کہ وہ ایک نا قابل تسخیر قوت بن گئی تا کہ کفار ومشرکین حسد اور غیظ وغضب کی آگ میں جل اٹھیں۔"وعداللہ" الایة یہ صحابہ کرام کے لئے بشارت اخروی ہے اور "منھم" میں "من "تبعیضیہ نہیں بلکہ موکدہ ہے یا بیانیہ: "من" مؤكدة للكلام و المعنى وعدهم الله كلهم مغفرة واجرا عظيما؛

وقوله "منهم" لبيان الجنس وليست للتبعيض لانه وعدمدح الجميع (بحر) ان ایتوں میں اللہ تعالی نے صحابہ کرام کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، جس شخص کے دل میں کسی صحابی کے بارے میں ذرہ بھر بغض ہوگا وہ "ليغيظ بهم ا لكفار" کا مصداق ٹھہرے گا۔قال مالک من اصبح من الناس فی قلبه غيظ من اصحاب رسول اللہ ﷺ فقداصابته هذه الاية (روح المعانی) ۔تمام صحابہ کرامؓ عدول وثقات ہیں ان کی دیانت وامانت شک وشبہ سے بالا ہے وہ سارے کے سارے اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی بعد اللہ کی ساری مخلوق سے برگزیدہ ہیں۔اہل السنّت کا یہی مسلک ہے فالصحابة كلهم عدول، واولياء اللہ تعالی، واصفيائه ،وخيرته ،من ائمة هذه الامة. (قرطبی)۔

النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو)

أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿٢﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ

کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ پیغمبر الٰہی کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُوْلٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

اللہ نے ان کے دل تقویٰ کے لئے آزما لئے ہیں ان کے لئے بخشش

وَأَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٣﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ أَكْثَرُهُمْ

اور اجرِ عظیم ہے۔ جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں اکثر

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٤﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کئے رہتے یہاں تک کہ تم خود نکل کر ان کے پاس جاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٥﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا

اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا)

أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ﴿٦﴾

کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔ (1)

---

(1) اس آیت کریمہ میں ایک قانون شرعی ذکر کیا جاتا ہے، کہ جب تمہیں کسی قوم کے بارے میں مخالفت کی خبر ملے تو اس کے خلاف کسی قسم کی جنگی کاروائی کرنے سے پہلے اس خبر کی پوری تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور بعد میں تمہیں اپنے کئے پر نادم و پشیمان ہونا پڑے۔ ان تصیبوا ای لئلا تصیبوا، او کراھیة ان تصیبوا (روح) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بنی المصطلق میں صدقات وصول کرنے کیلئے

بھیجا۔ جب بنی المصطلق کو ان کی آمد کا علم ہوا تو وہ استقبال کے لئے گاؤں سے باہر نکل آئے، اسلام سے پہلے ان کے اور ولید بن عقبہؓ کے درمیان مخالفت تھی۔ انہوں نے سمجھا شاید یہ لوگ مجھے مارنے پر امادہ ہیں چنانچہ وہیں سے واپس آکر نبی کریم ﷺ سے سارا ماجرا بیان کیا، لیکن تحقیق حال کے بعد حقیقت اس کے برعکس نکلی اور ولید بن عقبہؓ کو محض غلط فہمی ہوئی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ روایت اکثر مفسرین نے اس مقام پر نقل کی ہے، مسند احمد: ۴۰۴/۳۰، میں یہ روایت نقل ہے، لیکن اس میں ایک راوی، دینار الکوفی ہے جو کہ عمرو بن الحارث کا مولی تھا، اور یہ مجہول راوی ہے، دوسری راوی محمد بن السابق ہے اس پر بھی کلام ہے، اسی سند سے امام بخاری نے تاریخ: ۹۱/۱، میں مختصرا، اور ابن قانع نے المعجم: ۱۷۷/۱، اور طبرانی نے کبیر: رقم: ۳۳۹۵، میں نقل کیا ہے۔

اور طبری نے: ۵۲۹/۹ ۷، اور بیہقی نے سنن کبری: ۵۴/۹، میں عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے لیکن اس کی سند میں الحسین بن الحسن بن عطیۃ العوفی ہے، عن ابیه ، عن جده، جو کہ تینوں ضعیف ہیں۔

جبکہ ام سلمہؓ سے طبری نے مذکورہ جلد اور صفحہ میں اور طبرانی نے: ۲۳/رقم ۹۶۰، میں اسی طرح ایک روایت نقل کی ہے لیکن اس سند میں موسیٰ بن عبیدہ ضعیف اور ثابت مولیٰ ام سلمہ مجہول ہے۔

طبرانی نے معجم اوسط رقم: ۳۸۰۹، میں جابر بن عبداللہ سے نقل کی ہے لیکن وہ سند بھی ضعیف ہے۔ اور طبرانی نے کبیر: ۱۸/رقم: ۴، میں علقمہ بن ناجیہ سے نقل کی ہے لیکن وہ سند بھی کمزور ہے۔ طبری نے مذکورہ صفحہ اور جلد میں قتادہ سے یہ روایت مرسل نقل کی ہے، اور طبرانی نے کبیر: ۴۰۴/۲۲، اور بیہقی نے سنن کبری: ۵۵/۹، میں مجاہد سے مرسل نقل کی ہے۔

اور طبری نے ابن ابی لیلی سے بھی مرسل نقل کی ہے، اور ان مختلف سندوں سے ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل: ۴/۲، میں نقل کی ہے، جبکہ تفسیر میں بھی: ۳۳۰۳/۱۰، میں نقل کی ہے۔

ان مختلف سندوں کی وجہ سے بعض نے اس روایت کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے لیکن یہ بات درست نہیں اس لئے کہ اگر چہ یہ باعتبار شواہد (اصول حدیث کی رو) سے حسن ہے، لیکن وہ احادیث اور ایات قرآنیہ جو کہ صحابہ کرام کی عظمت شان میں وارد ہیں یہ واقعہ ان آیات وروایات سے سراسر خلاف ہے، لہذا یہ شاذ، یا منکر کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔

بطور مثال ہم صرف ایک آیت اور ایک روایت کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، آیت سورۂ حشر والی نمبر (۱۰)

ہےاورروایت:ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ: لاتسبوا اصحابی فلوان احدکم انفق مثل احدذھبامابلغ مدُ احدھم ولانصیفه (خ:رقم:۳۶۷۳ ،ومسلم: ۲۵۴۱،و ،ت: ۳۸۶۱و، د:۴۶۵۸،و ن (کبریٰ:۸۳۰۸)و ،جه: ۱۶۱ . یعنی میرے صحابہ کو گالی مت دو،اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے،تو وہ صحابہ کرام کے ایک مد(جو) کے ثواب کو نہ پہنچے گا اور نہ اس کے آدھے کے برابر۔

ایک اور روایت عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:اکرموا اصحابی، فانھم خیارکم (الحدیث) یعنی میرے صحابہ کی عزت کرو اس لئے کہ وہ تم سے افضل ہیں۔اس روایت کو نسائی نے کبریٰ:۹۲۲۲،میں اورحاکم نے:۱۴۴/۱،میں اور مسند احمد نے رقم:۱۱۴ ،اور ۱۷۷،میں نقل کیا ہے ۔(اس باب میں روایات زیادہ ہیں جو کہ اکثر صاحب المشکواۃ نے فضائل صحابہ میں نقل کی ہے)۔

اورابن جریرو ابن ابی حاتم نے جرح وتعدیل:۶/۲،میں ضحاک سے نقل کی ہے کہ:ان رسول اللہﷺ بعث رجلامن اصحابه ،الخ۔

بعض لوگوں نے اس سے یہ غلط نتیجہ نکالا کہ اس آیت میں ولید بن عقبہؓ کو فاسق کہا گیا ہے۔لیکن یہ بات کئی وجوہ سے درست نہیں،اول اس لئے کہ جن روایتوں میں ولید بن عقبہؓ کا نام مذکور ہے ان میں کوئی روایت بھی صحیح اور جرح سے خالی نہیں،وہ سب روایتیں منقطع ہیں(العواصم،لابی بکرابن العربی:۱۰۲)۔ابن حجر نے الاصابہ:۴۸۲/۶،میں اس روایت کونقل کرنے کے بعد لکھا ہے:وفی السندمن لایعرف ،ویعارض ذلک مااخرجه ابوداودفی السنن (الحدیث)۔

اورابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ :۶۰۴/۱۱،میں ولیدؓ کے احوال کے نقل کرنے کے بعد مذکورہ حدیث کو نقل کیا ہے پھر لکھتا ہے ذکرذلک غیرواحدمن المفسرین ،واللہ اعلم بصحة ذلک ۔

اورابومنصور ماتریدی اس آیت کی تفسیر میں مذکورہ واقعہ کے نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے،لکن ان کان ما ذکروا، فلم یکن فی ذلک النبأ التثبت،لان الایة نزلت بعدنبأ الرجل، وفی الایة الامربالتثبت فی نبأ الفاسق فیمایحدث من الامورمن بعد،فدل ان الایة نزلت لبیان الحکم فی نبأ الفاسق، واللہ اعلم،ولانه یحتمل ان یکون ذلک الرجل منافقا الخ۔(تفسیرتاویلات اھل السنة)۔

تفسیر اللباب میں اس حدیث کے نقل کرنے کی بعد لکھتا ہے:وھذاضعیف، لان اللہ تعالی لم یقل، انی

انزلتھالکذا ،و النبیﷺلم ینقل عنه انه قال وردت الایة لبیان ذلک حسب،غایة مافی الباب انھانزلت فی ذلک الوقت وھومثل تاریخ نزول الایة، وممایصدق ذلک ویؤکدہ ان اطلاق لفظ الفاسق علی الولید بعید،لانه توھم وظن فاخطأ ،و المخطئ لایسمی فاسقا،وکیف و الفاسق فی اکثر المواضع المرادبه من خرج عن رتبة الایمان، کمافی کھف: ۵۰،و الم السجدة، ۲۰،و المنافقون: ۶، الی غیر ذلک۔اوراسی طرح امام رازی نےتفسیر کبیر میں بھی نقل کیا ہے۔

اس تفصیل کے بعد،ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب:۱۵۵۳/۴، میں اس کے متعلق جو اجماع کا دعوی کیا ہے اس کا باطل ہونا ظاہر ہوا۔

دوم: ایک روایت سے ثابت ہے کہ فتح مکہ کے دن ولید بن عقبہؓ خوردسالہ بچوں میں تبریک کی خاطر نبی کریمﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے،آپؐ نے سب کے سروں پر ہاتھ پھیرا مگران کے سر پر ہاتھ نہ پھیرا، کیونکہ ان کے سر میں خلوق (ایک قسم کی خوشبو) لگی تھی اور وہ آپؐ کو ناپسند تھی۔جو شخص فتح مکہ کے دن بچوں میں شامل ہے وہ چند ماہ بعد اس قابل کس طرح ہوگیا کہ اسے بنی مصطلق میں عامل بنا کر بھیجد یا گیا۔عن الولید بن عقبةؓ قال لمافتح رسول اللهﷺمکة جعل اھل مکة یأتونه بصبیانھم فیمسح علی رؤسھم ویدعولھم، فجي بی الیه وانی مطیب بالخلوق، فلم یمسح علی رأسی ،ولم یمنعه من ذلک الاان امی خلقتنی بالخلوق فلم یمسنی من اجل الخلوق:مسنداحمد: ۳۰۵/۲۶،سنن ابی دائود:رقم: ۴۱۸۱ و البخاری فی التاریخ: ۱۰۹/۱، ۹۱،و البیھقی فی السنن الکبری: ۵۵/۹ ومشکل الاثار: ۵۲۳۹ و العقیلی فی الضعفاء: ۳۱۹/۲ و الطبرانی فی الکبیر: ۴۰۶/۲۲ و الحاکم فی المستدرک:۱۰۰/۳ و البیھقی فی الدلائل: ۳۹۷/۶.

ان سب نے ایک ہی سند سے یہ روایت نقل کی ہے اوراس میں ابوموسیٰ عبداللہ الھمد انی ہے جوکہ امام بخاری تاریخ:۲۲۴/۵، میں اس کے متعلق لکھتا ہے، لایصح حدیثه اورابن عبدالبر نے اس کو مجہول کہا ہے،لہذا یہ روایت نا قابل اعتبار ہے۔سوم:اس لئے کہ ”یاایھا لذین امنوا“ میں خطاب عام مومنین سے ہے اورفاسق سے بھی عام فاسقین مراد ہیں اورفاسق کا ذکر مبالغہ فی الحکم کے لئے ہے، یہ مقصود نہیں کہ جس قصہ میں اس کا نزول ہوا ہے اس سے متعلق شخص کو فاسق کہا گیا ہے،لہذا اس سے ولیدؓ کا فاسق ہونا لازم نہیں آتا۔

وَاعْلَمُوْا أَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْأَمْرِ

اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر ہیں[2] اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں

---

[2] "واعلموا ان فیکم": یہ پہلے قانون سے متعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت نہ کرو، آپ ؐ پر تمہاری اطاعت ضروری نہیں، بلکہ تم پر آپ ؐ کی اطاعت لازم وفرض ہے، اگر پیغمبر ﷺ تم میں سے ہر ایک کے مشورے پر عمل کرنے لگیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے بعض خلاف صواب مشوروں پر عمل کرنے کی وجہ سے تم کئی مشقتوں میں پڑ جاؤ گے۔ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے اس لئے تم آپ کے احکام کی پیروی کرو، اور اپنی ہر بات منوانے پر زور نہ دو۔ جب نبی کریم ﷺ کو بنی مصطلق کے ارتداد کی خبر ملی جو خلاف واقع تھی۔ اس وقت بہت سے صحابہ نے یہ رائے دی کہ فوراً ان پر چڑھائی کرنی چاہئے، لیکن آپ نے پہلے کشف حقیقت اور تحقیق حال کا حکم فرمایا اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ہروی نے اپنی کتاب "الرد علی اہل الکلام": ۲۱۹/۲، میں ابوسعید خدریؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ ؐ نے ایک دن یہ آیت تلاوت فرمایا، پھر فرمایا، ھذا نبیکم ﷺ وخیار امتکم لو اطاعھم فی کثیر من الامر لعنتوا فکیف بکم الیوم ۔اور ابن جریر نے قتادہ سے اسی الفاظ سے نقل کی ہے۔ تو اس روایت میں باوجود اس کے کہ: آراء الرجال کی شان ذکر کی، بریلیوں کا جواب بھی مذکور ہے، جو کہتے ہیں کہ "فیکم" سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ اب بھی موجود ہے اور بقید حیات ہے، اس کا تفصیلی جواب سورۂ بقرہ: ۱۵۴، میں گذر چکی ہے لیکن یہاں پر اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حیات کے وقت سے متعلق ہے، بعض بریلویوں کو یہ وہم ہے کہ" فیکم رسوله" ۔کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا رسول تم میں ہے، تو وہ تو اب بھی رسول ہیں، تو جب اب بھی رسول ہیں، اور ہم بھی یہ مانتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہیں تو ہم ان کو بطور جواب الزامی یہ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: قالوا یارسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ؟ قال: وآدم بین الروح و الجسد، ترمذی: رقم : ۳۶۱۸، ابو ہریرہؓ کے علاوہ عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے یہ روایت نقل ہے۔

تو اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پیدائش سے پہلے نبی تھے۔ تو بریلیوں کو چاہئے کہ یہ عقیدہ رکھیں کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ سرے سے دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئے کیونکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ ﷺ

نبی تھے،تو یہ بریلوی عیدمیلا دالنبی ﷺ کیوں مناتے ہیں؟(فماھو جوابکم فھو جوابنا)۔

نیلویؒ صاحب،نداءحق:۱/۷۵۵،میں لکھتے ہیں:کیاوفات النبی ﷺ کےعقیدہ سےانکاررسالت لازم آتا ہے؟

موطاءامام مالک:۵۰۰،کتاب الجنائز،میں ام المومنین عائشہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ فرماتی تھیں کسر عظم المسلم میتا ککسرہ وھوحی، قال مالک تعنی فی الاثم،یعنی مسلمان میت کی ہڈی توڑنا ایساہی (گناہ) ہے جیسے اس کی زندگی کی حالت میں ہڈی توڑنا گناہ ہے،حدیث عائشہؓ میں گو''فی الاثم'' کالفظ نہیں ہے،مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ ام المومنین کی مراد ہےتشبیه فی الاثم ،نہ،تشبیه فی الالم ۔اورابن ماجہ:۱۱۷،میں ام سلمہؓ کی روایت میں صراحۃً لفظ،فی الاثم، وارد ہے۔

نیلویؒ کہتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان آدمی وفات پاجانے کے بعد بھی ایمان کی وصف کے ساتھ متصف رہتاہے،جیسا کہ زندگی میں ایمان کی وصف سے متصف تھا،مرجانے کے بعد مسلمان سے ایمان والی صفت اس سے منتزع نہیں ہوجاتی،جب ہر مسلمان کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں تو بطریق اولی یہ بات ثابت ہوگی کہ ان کی وفات کے ساتھ وصف رسالت ونبوت زائل نہیں ہوسکتی۔

اور جولوگ یہ کہتے ہیں کہ وفات انبیاء کے عقیدہ سے انتزاع وصف رسالت ونبوت کاعقیدہ لازم آتا ہے یہ بالکل بےاصل اور بےدلیل ہے،اگر ہر مسلم سے وصف ایمان زائل نہیں ہوتی تو نبی ﷺ سے وصف نبوت کیسے زائل ہوسکتی ہے؟ حالانکہ حیات مسلم محض برزخی ہے،دنیوی نہیں ہے،اگر وصف نبوت کا زائل نہ ہونا دلیل بن سکتی ہے انبیاء کی حیات دنیویہ برزخیہ کی۔تو پھر ہر مسلم سے وصف ایمان زائل ہونا بھی دلیل بن سکتی ہے ہر مسلمان کی حیات دنیویہ برزخیہ کی ،پھرانبیاء کی حیات دنیویہ پرزوردیناچہ معنی؟۔اورحدیث حسنؒ میں اس معنی کواشارہ ہے: وعن الحسن مرسلا ان رسول الله ﷺ قال: أنا رسول من أدركت حيًا ومن يولد بعدى.

حسنؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں رسول ہوں زندہ لوگوں کا اوران کا جومیرے بعد پیدا ہونے والے ہیں۔'' [کنزالعمال:۱۱/۴۰۴،طبقات کبری لابن سعد:۱/۱۹۱]۔

''ولکن الله '' ان کی طرف سےاس فوری اقدام کےمشورے کاعذر بیان کیا گیا ہے،کہ ایمان سے فرط محبت اور کفر وعصیان سے دلی نفرت کی وجہ سے انہوں نے یہ مشورہ دیا تھا،مگر حقیقت میں صحیح اقدام وہی تھا جس کا پیغمبرؐ نے حکم دیا تھا کہ تحقیق حال سے پہلے حملہ نہ کیا جائے،ومعنی الاية ،ولكن ماصدرمنكم من ترک التثبت انما=

لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ

تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے تم کو ایمانِ عزیز بنا دیااور اس کوتمہارے دلوں میں سجادیا اور

الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ ﴿٧﴾

کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٨﴾ وَإِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(یعنی) اللہ کے فضل اوراحسان سے اوراللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔اوراگر مومنوں میں سے کوئی دوفریق

=کان لحبکم الایمان وبغضکم الکفر فلالوم علیکم ولااثم(مظهری).استدراک ببیان عذرهم وهوان فرط حبهم الایمان وکراهتهم الکفرحملهم علی ذلک(بیضاوی)۔

شیخ حسین علی فرماتے ہیں کہ ''لکن'' معنی موضوع لہ کے اعتبار سے ماقبل کے ساتھ مرتبط نہیں ہوسکتا اس لئے سیاق وسباق کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ لیکن اللہ تعالی کوتمہارے دلوں میں ایمان کومحبوب بنانا اور تمہیں کفروفسوق وعصیان سے متنفرکرنا محبوب ہے،اس لئے اس نے تم پر نبی علیہ السلام کی اطاعت فرض کی ہے۔اس ایت میں اللہ تعالی نے صحابہ کرام کے نہایت بلند مناقب بیان فرمائے ہیں،ایمان کوان کے دلوں کامحبوب بنادیا اورایمان سے ان کے دلوں کومنور ومزین فرمادیا۔اوران کے دلوں کوکفراورفسوق اورعصیان سے متنفر کردیا۔پھرفرمایا یہ لوگ ہی درحقیقت رشدوہدایت کی راہ پرگامزن ہیں۔اور یہ ان پراللہ کافضل وانعام ہے کہ اس نے ان کوایمان کے اس بلند مقام پرفائزفرمایا، یہ سب کچھ ان کے ایمان واخلاص،اطاعت وجان نثاری اورظاہروباطن کی سچائی کاثمرہ ہے۔کیونکہ اللہ تعالی سب کچھ جاننے والا ہے،اوراس کاکوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔اوراس آیت سے اس حدیث کامعنی ظاہرہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:من سرته حسنته وسائته سیئته فهومومن۔یعنی جس شخص کواپنی نیکی اچھی لگے اور برائی اسے ناراض کرے وہ مومن ہے۔ترمذی رقم:۲۲۵۴،ومسنداحمد:۱/۱۸،۲۶۔

اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى
آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگرایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے
فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيٓءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ فَإِنْ فَآءَتْ
توزیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پس جب وہ رجوع کرے
فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٩﴾
تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٠﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى
کہ تم پر رحمت کی جائے۔ مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے یقیناً
أَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى أَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ
کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) یقیناً کہ وہ ان سے اچھی ہوں
وَلَا تَلْمِزُوْآ أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ
اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو ایمان لانے کے بعد بُرا نام
بَعْدَ الْإِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١١﴾
(رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں
يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ
اے اہلِ ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں

وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ

اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے

يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے اور اللہ کا ڈر رکھو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو

لِتَعَارَفُوْآ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا سب سے زیادہ خبردار ہے

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا أَسْلَمْنَا

دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَإِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا او راگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے

لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا بیشک اللہ بخشنے والامہربان ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا

مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

مال اور جان سے لڑے یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں۔

قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللّٰهَ بِدِينِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

ان سے کہو کیا تم اللہ کو اپنی دینداری جتلاتے ہو؟ اور اللہ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۶﴾ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ

اور اللہ ہر شے کو جانتا ہے۔ یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں کہہ دو

لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ

کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا رستہ دکھایا

إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۱۷﴾ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

بشرطیکہ تم سچے (مسلمان) ہو۔ بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے

وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾

اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھتا ہے۔

سورة "ق" (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔[۱]

---

[۱] عن ام ھشام بنت حارثة بن النعمان قالت ماأخذت قٓ والقرآن المجيد الا عن لسان رسول الله ﷺ يقرأها كل جمعة على المنبر اذا خطب الناس. مسلم: ۱۴۴۲۔

ام ھشامؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سورہٴ قٓ و القران المجید نبی ﷺ کی زبان مبارک سے صرف اس طرح سیکھی ہے کہ آپ ہر جمعہ منبر پر جب لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے تو یہ سورت پڑھا کرتے تھے اور میں سن سن کر یاد کر لیتی تھی۔

قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ﴿۱﴾ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ

قٓ ۔قرآن مجید کی قسم ۔لیکن ان لوگوں نے تعجب کیا کہ انہی میں سے ایک ہدایت کرنے والا ان کے پاس آیا تو کافر کہنے لگے

الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿۲﴾ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ﴿۳﴾

کہ یہ بات تو (بڑی) عجیب ہے۔ بھلا جب ہم مرگئے اور مٹی ہوگئے (تو پھر زندہ ہونگے)؟ یہ زندہ ہونا (عقل سے) بعید ہے

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ﴿۴﴾

ان کے جسموں کو زمین جتنا (کھا کھا کر) کم کرتی جاتی ہے ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس تحریری یادداشت بھی ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِيجٍ ﴿۵﴾ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا

بلکہ جب ان کے پاس حق آ پہنچا تو انہوں نے اس کو جھوٹ سمجھا سو یہ ایک الجھی ہوئی بات میں الجھ گئے۔کیا انہوں نے اپنے اوپر

إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ﴿۶﴾

آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس کو کیونکر بنایا اور (کیونکر) سجایا اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿۷﴾

اور زمین کو (دیکھو اسے) ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ رکھ دیئے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں تا

تَبْصِرَةً وَذِكْرَى لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا

کہ رجوع کرنے والے بندے ہدایت اور نصیحت حاصل کریں۔ اور آسمان سے برکت والا پانی اتارا

فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ﴿۱۰﴾

اور اس سے باغ و بستان اگائے اور کھیتی کا اناج ۔اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہ بہ تہ ہوتا ہے۔

رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ﴿۱۱﴾

(یہ سب کچھ) بندوں کو روزی دینے کے لئے اور اس سے ہم نے شہر مردہ کو زندہ کیا اسی طرح (روزِ قیامت) نکل پڑنا ہے

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿١٢﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنوئیں والے اور ثمود جھٹلا چکے ہیں۔

وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ

اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی۔ اور بَن کے رہنے والے اور تُبَّع کی قوم ان سب نے

كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي

پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہمارا وعید (عذاب) بھی پورا ہو کر رہا۔ کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ

لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ

از سرِ نو پیدا کرنے میں شک میں (پڑے ہوئے) ہیں۔ اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں

نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ

گزرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگِ جاں سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں۔ جب (وہ کوئی کام کرتا ہے تو)

الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿١٧﴾ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾

دو لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں۔ کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿١٩﴾

اور موت کی بیہوشی حقیقت کھولنے کو طاری ہوگئی (اے انسان!) یہی (وہ حالت) ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿٢٠﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا

اور صُور پھونکا جائے گا یہی (عذاب کے) وعید کا دن ہے۔ اور ہر شخص (ہمارے سامنے) آئے گا

سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ لَّقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا

ایک (فرشتہ) اس کے ساتھ چلانے والا ہوگا اور ایک (اس کے اعمال کی) گواہی دینے والا۔ اس سے تو غافل ہو رہا تھا

فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِينُهُ هَٰذَا

اب ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔ اور اس کا ہمنشین (فرشتہ) کہے گا یہ (اعمال نامہ)

مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾

میرے پاس حاضر ہے۔ (حکم ہو گا کہ) ہر سرکش ناشکرے کو دوزخ میں ڈال دو۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ

جو مال میں بخل کرنے والا حد سے بڑھنے والا شبہے نکالنے والا تھا۔ جس نے اللہ کے ساتھ اور معبود مقرر کر رکھے تھے تو اس کو

فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِن كَانَ فِي

سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کا ساتھی (شیطان) کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ

ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُم بِالْوَعِيدِ ﴿٢٨﴾

خود ہی رستے سے بھٹکا ہوا تھا۔ فرمائے گا کہ ہمارے حضور میں ردوکد نہ کرو ہم تمہارے پاس پہلے ہی وعید بھیج چکے تھے

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ

ہمارے ہاں بات بدلا نہیں کرتی اور ہم بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتے۔ اس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے

هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ ﴿٣٠﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ

کہ کیا تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کہ کچھ اَور بھی ہے؟ اور بہشت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی

غَيْرَ بَعِيدٍ ﴿٣١﴾ هَٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ ﴿٣٢﴾

دُور نہ ہو گی۔ یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (یعنی) ہر رجوع کرنے والے حفاظت کرنے والے سے

مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ

جو اللہ سے بِن دیکھے ڈرتا ہے اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ

ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُلُوۡدِ ﴿۳۴﴾ لَھُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ فِیۡھَا وَلَدَیۡنَا مَزِیۡدٌ ﴿۳۵﴾

یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ وہاں وہ جو چاہیں گے ان کے لئے حاضر ہے اور ہمارے ہاں اور بھی (بہت کچھ) ہے۔

وَکَمۡ اَھۡلَکۡنَا قَبۡلَھُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ ھُمۡ اَشَدُّ مِنۡھُمۡ بَطۡشًا فَنَقَّبُوۡا فِی الۡبِلَادِ

اور ہم نے ان سے پہلے کئی امتیں ہلاک کر ڈالیں وہ ان سے قوت میں کہیں بڑھ کر تھے وہ شہروں میں گشت کرنے لگے

ھَلۡ مِنۡ مَّحِیۡصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی

کہ کہیں بھاگنے کی جگہ ہے؟ جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے

السَّمۡعَ وَھُوَ شَھِیۡدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَھُمَا

اس کے لئے اس میں نصیحت ہے۔اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان میں ہے

فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ

سب کو چھ دن میں بنا دیا اور ہم کو ذرا بھی تکان نہیں ہوا۔ تو جو کچھ یہ (کفار) بکتے ہیں اس پر صبر کرو اور آفتاب کے

بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّیۡلِ

طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔ اور رات کے

فَسَبِّحۡہُ وَاَدۡبَارَ السُّجُوۡدِ ﴿۴۰﴾ وَاسۡتَمِعۡ یَوۡمَ یُنَادِ الۡمُنَادِ مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ ﴿۴۱﴾

بعض اوقات میں بھی اور نماز کے بعد بھی اس (کے نام) کی تسبیح کیا کرو۔ اور سنو جس دن پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے پکارے گا

یَّوۡمَ یَسۡمَعُوۡنَ الصَّیۡحَۃَ بِالۡحَقِّ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُرُوۡجِ ﴿۴۲﴾

جس دن لوگ چیخ یقیناً سن لیں گے وہی نکل پڑنے کا دن ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیٖ وَنُمِیۡتُ وَاِلَیۡنَا الۡمَصِیۡرُ ﴿۴۳﴾

ہم ہی تو زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾

اس دن زمین ان پر سے پھٹ جائے گی اور جھٹ پٹ نکل کھڑے ہوں گے یہ جمع کرنا ہمیں آسان ہے۔

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ

یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور تم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو پس جو ہمارے وعید سے ڈرے

مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہو۔

سورۃ الذاریٰت (مکیۃ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔[۱]

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾

بکھیرنے والوں کی قسم جو اُڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔ پھر (پانی کا) بوجھ اٹھاتی ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہیں۔

فَالْمُقَسِّمٰتِ أَمْرًا ﴿۴﴾ إِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَإِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾

پھر چیزیں تقسیم کرتی ہیں۔ کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچا ہے۔ اور انصاف (کا دن) ضرور واقع ہوگا۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿۷﴾ إِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾

اور آسمان کی قسم جس میں رستے ہیں۔ کہ تم ایک متناقض بات میں (پڑے ہوئے) ہو۔

---

[۱] سورۂ ذاریات میں بھی اس سے پہلی سورۂ ق کی طرح زیادہ تر مضامین آخرت وقیامت اور اس میں مردوں کے زندہ ہونے، حساب کتاب اور ثواب وعذاب کے متعلق ہیں۔ پہلی چند آیات میں اللہ تعالی نے چند چیزوں کی=

يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴿۹﴾ قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ ﴿۱۰﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ

اس سے وہی پھرتا ہے جو (اللہ کی طرف سے) پھیرا جائے۔ اٹکل دوڑانے والے ہلاک ہوں۔ جو بے خبری میں

سَاهُونَ ﴿۱۱﴾ يَسْئَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ﴿۱۳﴾

بھولے ہوئے ہیں۔ پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب ہوگا؟ اس دن (ہوگا) جب ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا۔

ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۴﴾

اب اپنی شرارت کا مزہ چکھو یہ وہی ہے جس کے لئے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿۱۵﴾ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا

بیشک پرہیزگار بہشتوں اور چشموں میں (عیش کر رہے ہوں) گے۔ (اور) جو جو (نعمتیں) ان کا پروردگار انہیں دیتا ہوگا

قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿۱۶﴾ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿۱۷﴾

ان کو لے رہے ہوں گے۔ بیشک وہ اس سے پہلے نیکیاں کرتے تھے۔ رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے۔

= قسم کھا کر فرمایا ہے کہ قیامت کے متعلق جن چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ سچا وعدہ ہے، جن چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ چار ہیں: اَلذَّارِيَاتِ ذَرْوًا، اَلْحَامِلَاتِ وِقْرًا، اَلْجَارِيَاتِ يُسْرا، الْمُقَسِّمَاتِ أَمْرًا.

ایک مرفوع حدیث میں جس کو ابن کثیر نے ضعیف کہا ہے، اور فاروق اعظمؓ اور علیؓ سے موقوفًا ان چاروں چیزوں کے معنی اور مفہوم یہ بتلایا گیا ہے کہ ذاریات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جن کے ساتھ غبار ہوتا ہے، اور حاملات وقرًا کے لفظی معنی بوجھ اٹھانے والے کے ہیں، اس سے مراد بادل ہے جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں، اور جاریات یسرا سے مراد کشتیاں ہیں جو پانی میں آسانی کے ساتھ چلتی ہیں، اور مقسمات امرًا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حق تعالی کی طرف سے عام مخلوقات میں رزق اور بارش کا پانی اور تکلیف وراحت کی مختلف اقسام تقدیر الٰہی کے مطابق تقسیم کرتے ہیں، ابن کثیر، قرطبی۔

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾

اور اوقاتِ سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے۔ اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾

اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہارے نفوس میں تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔ تو آسمانوں اور زمین کے مالک کی قسم!

إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ

یہ (اسی طرح) قابلِ یقین ہے جس طرح تم بات کرتے ہو۔ بھلا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں

الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٤﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٢٥﴾

کی خبر پہنچی ہے؟ جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کہا انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا ایسے لوگ کہ نہ جان نہ پہچان

فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ

تو اپنے گھر جا کر ایک (بھنا ہوا) موٹا بچھڑا لائے۔ (اور کھانے کے لئے) ان کے آگے رکھ دیا کہنے لگے

أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٢٧﴾ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ

کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟ اور دل میں ان سے خوف محسوس کیا (انہوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجئے

وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٢٨﴾ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا

اوران کو ایک دانشمند لڑکے کی بشارت بھی سنائی۔ تو ابراہیم کی بیوی چلاتی آئی اور اپنا منہ پیٹ کر

وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿٢٩﴾ قَالُوا كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ

کہنے لگی کہ (اے ہے ایک تو) بڑھیا اور بانجھ۔ کہا تمہارے پروردگار نے یونہی فرمایا ہے وہ بیشک صاحبِ حکمت و

الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا
خبردار ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ فرشتو! تمہارا مدعا کیا ہے؟ انہوں نے کہا

إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾
کہ ہم گنہگار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ ان پر کنکر برسائیں۔

مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا
جن پر حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کر دیئے گئے ہیں۔ تو وہاں جتنے مومن تھے

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾
ان کو ہم نے نکال لیا۔ اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔

وَتَرَكْنَا فِيْهَا آيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْأَلِيْمَ ﴿۳۷﴾
اور جو لوگ عذابِ الیم سے ڈرتے ہیں ان کے لے وہاں نشانی چھوڑ دی۔

وَفِيْ مُوْسٰى إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾
اور موسٰی (کے حال) میں (بھی نشانی ہے) جب ہم نے ان کو فرعون کی طرف کھلا ہوا معجزہ دے کر بھیجا۔

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُوْدَهُ
تو اس نے اپنی جماعت (کے گھمنڈ) پر منہ موڑ لیا اور کہنے لگا یہ تو جادوگر ہے یا دیوانہ۔ تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو

فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَفِيْ عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾
پکڑ لیا اور ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ کام ہی قابلِ ملامت کرتا تھا۔ اور عاد میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر نامبارک ہوا چلائی

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ إِذْ قِيْلَ
وہ جس چیز پر چلتی اس کو ریزہ ریزہ کئے بغیر نہ چھوڑتی۔ اور (قومِ) ثمود (کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ان سے کہا گیا

لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ

کہ ایک وقت تک فائدہ اٹھا لو۔ تو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی سو ان کو کڑک نے آ پکڑا

وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ نہ تو اٹھنے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ ہی مقابلہ کر سکتے تھے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ

اوراس سے پہلے (ہم) نوح کی قوم کو (ہلاک کر چکے تھے) بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔اورآسمانوں کو ہم ہی نے ہاتھوں

وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

سے بنایا اور ہم کو سب مقدور ہے۔ اور ہم ہی نے زمین کو بچھایا تو (دیکھو) ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ

اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ تو تم لوگ اللہ کی طرف بھاگ چلو میں

اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ

اس کی طرف سے تم کو صریح رستہ بتانے والا ہوں۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ میں اس کی طرف سے تم کو صریح

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

رستہ بتانے والا ہوں۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو پیغمبر آتا وہ اس کو

اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾

جادوگر یا دیوانہ کہتے۔ کیا یہ ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کرتے آئے ہیں؟ بلکہ یہ شریر لوگ ہیں

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

تو ان سے اعراض کرو تم کو (ہماری طرف سے) ملامت نہ ہوگی۔ اور نصیحت کرتے رہو کہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔[۲] میں ان سے طالبِ رزق نہیں اور نہ

اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾

یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں۔ اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور مضبوط ہے

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾

کچھ شک نہیں کہ ان ظالموں کے لئے بھی نوبت مقرر ہے جس طرح ان کے ساتھیوں کی نوبت تھی تو ان کو مجھ سے جلدی نہیں طلب کرنا چاہیئے

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

جس دن کا ان کافروں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس سے ان کے لئے خرابی ہے۔

---

[۲] اس آیت میں دو اشکال ظاہر نظر میں پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ جس مخلوق کو اللہ تعالی نے کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے، اور اس کا ارادہ یہی ہے کہ یہ مخلوق اس کام کو کریں تو عقلی طور پر یہ ناممکن ومحال ہوگا، کہ پھر وہ مخلوق اس کام سے انحراف کر سکے، کیونکہ حق تعالی کے ارادہ ومشیت کے خلاف کوئی کام محال ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت میں انسان اور جن کی تخلیق کو صرف عبادت میں منحصر کردیا گیا ہے، حالانکہ ان کی پیدائش میں علاوہ عبادت کے دوسرے فوائد اور حکمتیں بھی موجود ہیں۔

پہلے اشکال کے جواب میں بعض مفسرین نے اس مضمون کو صرف مومنین کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، یعنی "ہم نے مومن جنات اور مومن انسانوں کو بجز عبادت کے اور کام کے لئے نہیں بنایا" اور مومنین ظاہر ہے کہ عبادت کے کم وبیش پابند ہوتے ہیں، یہ قول ضحاک وسفیان وغیرہ کا ہے، اور ابن عباسؓ کی ایک قرأت آیت مذکورہ میں لفظ مومنین مذکور بھی ہے اور قرأت اس طرح ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْا،

اس قرأت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ مضمون صرف مومنین کے حق میں آیا ہے، اور اس آیت میں ارادہ الٰہیہ سے مراد ارادہ تکوینی نہیں ہے، جس کے خلاف کا وقوع محال ہوتا ہے، بلکہ ارادہ تشریعی ہے، یعنی یہ کہ ہم نے ان کو=

سورة الطور (مکیة)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اورنہایت رحم والا ہے۔

وَالطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾ فِىۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّالۡبَيۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ

(کوہِ) طُور کی قسم!۔ اور کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے۔ کشادہ اوراق میں۔ اور آباد گھر کی۔

=صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہم ان کو عبادت کیلئے مامور کریں، امرالٰہی چونکہ انسانی اختیار کے ساتھ مشروط رکھا گیا ہے، اس کے خلاف کا وقوع محال نہیں، یعنی اللہ نے تو حکم عبادت کا سب کو دیا ہے مگر ساتھ ہی اختیار بھی دیا ہے، اس لئے کسی نے اپنی اختیار کو صحیح خرچ کیا، عبادت میں لگ گیا، اور کسی نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، عبادت سے منحرف ہو گیا، یہ قول علیؓ سے بغوی نے نقل کیا ہے، اور زیادہ بہتر اور بے غبار وہ توجیہ ہے جو تفسیر مظہری میں کی گئی ہے، کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ہم نے ان کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ ان میں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو، چنانچہ ہر جن وانس کی فطرت میں یہ استعداد قدرتی موجود ہے، پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کر کے کامیاب ہوتا ہے، کوئی اس استعداد کو اپنے معاصی اور شہوت میں ضائع کر دیتا ہے، اور اس مضمون کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول ﷺ نے فرمایا ہے: **کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ اویمجسانہ،رواہ الترمذی:۲۱۳۸۔**

یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو اس فطرت سے ہٹا کر کوئی یہودی بنا دیتا ہے، کوئی مجوسی، تو جس طرح اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ ہر انسان میں فطری اور خلقی طور پر اسلام وایمان کی استعداد وصلاحیت رکھی جاتی ہے، پھر کبھی اس کے ماں باپ اس صلاحیت کو ضائع کر کے کفر کے طریقوں پر ڈالتے ہیں، اسی طرح اس آیت میں "الا لیعبدون" کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ جن وانس کے ہر فرد میں حق تعالیٰ نے استعداد وصلاحیت عبادت کی رکھی ہے۔

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ کسی مخلوق کو عبادت کے لئے پیدا کرنا اس سے دوسرے منافع اور فوائد کی نفی نہیں کرتا۔

﴿۵﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ﴿۶﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ

اور اونچی چھت کی۔ اور ابلتے ہوئے دریا کی۔[1] کہ تمہارے پروردگار کا عذاب

لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ﴿۸﴾ يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۹﴾

واقع ہو کر رہے گا۔ (اور) اس کو کوئی روک نہیں سکے گا۔ جس دن آسمان لرزنے لگے کپکپا کر۔

وَتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ

اور پہاڑ اڑنے لگیں اُون بن کر۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہے۔ جو

هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ إِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿۱۳﴾

خوضِ (باطل) میں پڑے کھیل رہے ہیں۔ جس دن ان کو آتشِ جہنم کی طرف دھکیل دھکیل کر لے جائیں گے۔

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ أَفَسِحْرٌ هٰذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾

یہی وہ جہنم ہے جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے۔ تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو نظر ہی نہیں آتا؟

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْا أَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ

اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے یکساں ہے جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) انہی کا تم کو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَا آتَاهُمْ

بدلا مل رہا ہے۔ پرہیزگار وہ باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ جو کچھ ان کے پروردگار نے ان کو بخشا

رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا بِمَا كُنْتُمْ

اس (کی وجہ) سے خوشحال اور ان کے پروردگار نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیا۔ اپنے اعمال کے صلے میں

---

[1] طور کے معنی عبرانی زبان میں پہاڑ کے ہیں، جس پر درخت اگتے ہوں، یہاں طور سے مراد وہ طور سینین ہے

جوارض مدین میں واقع ہے، جس پر موسٰی علیہ السلام کو حق تعالی سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا، بعض روایات حدیث میں ہے کہ دنیا میں چار پہاڑ جنت کے ہیں، ان میں سے ایک طور ہے، قرطبی۔

''طور'' کی قسم کھانے میں اس کی خاص تعظیم وتشریف کی طرف بھی اشارہ ہے، اور اس کی طرف بھی کہ اللہ تعالی کی طرف سے بندوں کے لئے کچھ کلام اور احکام آیئے ہیں جن کی پابندی ان پر فرض ہے۔

''وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ، فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ'' لفظ ''رق'' دراصل پتلی باریک کھال کے لئے بولا جاتا ہے، جو لکھنے کے واسطے کاغذ کی جگہ استعمال کی جاتی تھی، مراد اس سے وہ چیز ہے جس پر لکھا گیا ہو، اس لئے اس کا ترجمہ کاغذ سے کر دیا جاتا ہے، اور ''کتاب مسطور'' سے مراد یا تو انسانوں کا نامہ اعمال ہے، بعض مفسرین نے اس سے مراد قران کریم قرار دیا ہے، قرطبی۔

''وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ '' بیت معمور آسمان میں فرشتوں کا کعبہ ہے، دنیا کے کعبہ کے بالمقابل ہے، صحیحین کی احادیث میں ثابت ہے کہ شب معراج میں رسول ﷺ جب ساتویں آسمان پر پہنچے تو آپ کو بیت معمور کی طرف لے جایا گیا، جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں، پھر کبھی ان کو دوبارہ یہاں پہنچنے کی نوبت نہیں آتی، کیونکہ ہر روز دوسرے نئے فرشتوں کا نمبر آتا ہے، (حدیث معراج) ابن کثیر۔

بیت معمور ساتویں آسمان کے رہنے والے فرشتوں کا کعبہ ہے، اس لئے شب معراج میں رسول اللہ ﷺ جب بیت معمور پر پہنچے تو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام اس کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں، چونکہ وہ دنیا کے کعبہ کے بانی تھے، حق تعالی نے اس کی جزاء میں آسمان کے کعبہ سے بھی ان کا خاص تعلق قائم کر دیا، ابن کثیر۔

''وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ'' بحر سے مراد سمندر اور ''مسجور'' سجر سے مشتق ہے جو کئی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک معنی آگ بھڑکانے کے بھی ہیں، بعض مفسرین نے اس جگہ یہی معنی لئے کہ قسم ہے سمندر کی جو آگ بنا دیا جائے گا، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے روز سارا سمندر آگ بن جائیگا، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ'' (تکویر) یعنی چاروں طرف کے سمندر آگ بن کر میدان حشر میں جمع ہونے والے انسانوں کے محیط ہو جائیں گے، یہی معنی سعید بن المسیبؒ نے علیؓ سے نقل کیا ہے، ابن عباسؓ اور سعید بن المیسبؒ، مجاہد، عبید اللہ بن عمیرؓ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ ابن کثیر۔

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِئِيۡنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصۡفُوۡفَةٍ وَّزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍ ﴿۲۰﴾

مزے سے کھاؤ اور پیو۔ تختوں پر جو برابر بچھے ہوئے ہیں تکیہ لگائے ہوئے اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ہم ان کا عقد کر دیں گے

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان میں ان کے پیچھے چلی ہم ان کی اولاد کو بھی ان تک پہنچا دیں گے

وَمَاۤ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ كُلُّ امۡرِیٴٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيۡنٌ ﴿۲۱﴾

اور ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔

وَاَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحۡمٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا

اور جس طرح کے میوے اور گوشت کو ان کا جی چاہے گا ہم ان کو عطا کریں گے۔ وہاں وہ ایک دوسرے سے جامِ شراب

لَّا لَغۡوٌ فِيۡهَا وَلَا تَاۡثِيۡمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ غِلۡمَانٌ لَّهُمۡ

جھپٹ لیا کریں گے جس (کے پینے) سے نہ ہذیان سرائی ہوگی نہ کوئی گناہ کی بات۔ اور نوجوان خدمتگار (جو ایسے ہوں گے)

كَاَنَّهُمۡ لُؤۡلُؤٌ مَّكۡنُوۡنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾

جیسے چھپائے ہوئے موتی ان کے آس پاس پھریں گے۔ اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں گفتگو کریں گے

قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا قَبۡلُ فِىۡۤ اَهۡلِنَا مُشۡفِقِيۡنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَوَقٰٮنَا عَذَابَ

کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر میں ڈرتے رہتے تھے۔ تو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لُو کے عذاب سے بچا لیا

السَّمُوۡمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡبَـرُّ الرَّحِيۡمُ ﴿۲۸﴾

اس سے پہلے ہم اس سے دعائیں کیا کرتے تھے بیشک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے۔

فَذَكِّرۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ ﴿۲۹﴾

تو (اے پیغمبر!) تم نصیحت کرتے رہو تم اپنے پروردگار کے فضل سے نہ تو کاہن ہو اور نہ دیوانے۔

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا

کیا کافر کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے (اور) ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں؟ کہہ دو کہ انتظار کئے جاؤ

فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿۳۱﴾ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم بِهَٰذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ

میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سکھاتی ہیں بلکہ یہ لوگ

طَاغُونَ ﴿۳۲﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ

ہیں ہی شریر۔ کیا کفار کہتے ہیں کہ ان پیغمبر نے قرآن از خود بنا لیا ہے؟ بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں رکھتے۔ اگر یہ سچے ہیں

إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۳۴﴾ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿۳۵﴾

تو ایسا کلام بنا تو لائیں۔ کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے تئیں) پیدا کرنے والے ہیں۔

أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴿۳۶﴾ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ

یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں

رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿۳۷﴾ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ

یا یہ (کہیں کے) داروغہ ہیں؟ یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر آسمان سے باتیں) سن آتے ہیں

مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿۳۹﴾

تو جو سُن آتا ہے وہ صریح سند دکھائے۔ کیا اللہ کی تو بیٹیاں اور تمہارے بیٹے؟

أَمْ تَسْئَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ

(اے پیغمبر!) کیا تم ان سے صلہ مانگتے ہو کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے؟ یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ وہ

يَكْتُبُوْنَ ﴿٤١﴾ أَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿٤٢﴾

اسے لکھ لیتے ہیں؟ کیا یہ کوئی داؤ کرنا چاہتے ہیں؟ تو کافر تو خود داؤ میں آنے والے ہیں۔

أَمْ لَهُمْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَإِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ

کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔ اور اگر یہ آسمان سے (عذاب) کا کوئی ٹکڑا

السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلَاقُوْا يَوْمَهُمُ

گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں گے کہ یہ گاڑھا بادل ہے۔ پس ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ روز جس میں وہ بیہوش کر دیئے

الَّذِىْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ

جائیں گے سامنے آ جائے۔ جس دن ان کا کوئی داؤ کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ ان کو (کہیں سے)

يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَإِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ

مدد ہی ملے۔ اور ظالموں کے لئے اس کے سوا اور عذاب بھی ہے لیکن ان میں کے اکثر

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

نہیں جانتے۔ اور تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کئے رہو تم تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو اور جب اٹھا کرو تو اپنے پروردگار کی تعریف

رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٤٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿٤٩﴾

کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔ اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی اس کی تسبیح کیا کرو

سورۃ النجم (مکیۃ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۲﴾

تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے۔[۱] کہ تمہارے رفیق (محمد ﷺ) نہ رستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں۔

---

[۱] والنجم ...تا ...الکبریٰ۔ یہ تمہید ہے برائے صدق الرسول ﷺ "ما ضل" جواب قسم ہے۔ "ضلال" یعنی راستہ نہ ملنا اور "غوایۃ" راستہ ملنے کے بعد بھٹک جانا "الضلال ضد الهداية والغی ضد الرشد "یعنی ھو مھتد راشد (مظھری) قسم ہے ستارے کی جب وہ نیچے گرتا ہے، یعنی غروب ہوتا ہے۔ محمد ﷺ غلط راہ پر نہیں ہیں، بلکہ راہ راست پر قائم ہیں۔ یعنی ستارے کا نیچے آنا شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ پر آسمان سے فرشتہ اترتا اور وحی لاتا ہے، اور آپ کا یہ فرمانا کہ مجھ پر وحی آتی ہے غلط نہیں اور نہ بعید از قیاس ہے۔

"وما ینطق" . .الایۃ:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ جو قرآن پیش کرتے ہیں وہ اپنی رائے اور خواہش سے بنا کر نہیں لاتے، بلکہ اللہ کی طرف سے آپ پر اس کی باقاعدہ وحی ہوتی ہے۔ ای ما یصدر نطقه، فما اتاکم به من جهته عزوجل کالقرآن اومن القرآن عن هو ى نفسه ورأيه اصلا (روح المعانی)

"ان ھو"، الایۃ، ھو سے مراد قرآن کریم ہے یعنی یہ قرآن وحی ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

"علمه شدید القوی"۔ شدید القویٰ مضبوط قوتوں والا، مراد جبریل علیہ السلام ہیں، جن کی قوتوں کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے قوم لوط علیہ السلام کی بستیوں کو اٹھا کر بلندی سے الٹا کر پھینک دیا، اور ملأ اعلیٰ سے زمین تک کا سفر آنکھ جھپکنے میں طے کر لیتے تھے۔ اوران کی ایک دلدوز چیخ سے قوم ثمود کے جگر پھٹ گئے (قرطبی).

"ذومرۃ" ..عقل وفھم میں کامل یا حسین وجمیل اور خوش منظر وطویل القامة ذومنظر حسن (مدارک) ذوھیئة حسنة قیل ھو جسم طویل حسن (بحرالمحیط) ذومرة حصافة فی عقله ورأيه (بیضاوی)۔ حاصل یہ

ہے کہ یہ قرآن آپ نے اپنے پاس سے نہیں بنایا ہے بلکہ جبریل علیہ السلام ایسے شدید وقوی عقیل وفہیم اور حسین وجمیل فرشتہ نے اللہ کی طرف سے آپ پر اتارا ہے۔

"فاستویٰ" یہ غار حراء کے پاس پیش آنے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

"الافق الاعلیٰ". آسمان کا وہ حصہ جو دور سے زمین کے ساتھ ملا ہوا نظر آتا ہے "قاب" وہ فاصلہ جو کمان کے وسط سے وتر تک ہوتا ہے، اس طرح ہر کمان میں صرف ایک قاب ہوا۔ اس لئے ترکیب میں قلب ماننے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں **قابی قوس** تھا۔ **عن مجاھدو الحسن ان قاب القوس مابین وترھاو مقبضھاو لاحاجۃ الی القلب** (روح المعانی)

شیخ حسین علی فرماتے ہیں یہ اصل میں **قاب قوس** تھا پھر اس کو تثنیہ کیا گیا اور جب مرکب کا تثنیہ بنایا جائے تو علامت تثنیہ کبھی صرف ایک حرف کے ساتھ اور کبھی دونوں جزوں کے ساتھ لگائی جاتی ہے یہاں علامت تثنیہ دوسرے جز کے ساتھ لگائی گئی ہے (رضی) اس طرح اس کا اصل **قابی قوسین** ماننے کی ضرورت نہیں، اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جب دو آدمی آپس میں دوستی اور بھائی چارہ بناتے تو اپنی اپنی کمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتے اس طرح کہ ایک کا قاب دوسرے کے قاب پر منطبق ہو جاتا اور پھر ان کو جدا کر کے ان سے ایک ایک تیر چلاتے جس سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ آج وہ دونوں بھائی ہیں، اور ایک کی رضا دوسرے کی رضا ہے اور ایک کی ناراضی دوسرے کی ناراضی ہے (روح)۔

"او" بمعنی **بل** ہے۔ مدارک، روح، یعنی جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی اور حقیقی صورت میں افق آسمانی پر سیدھے کھڑے ہوئے نمودار ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو بیہوش ہو گئے۔ جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں آگے بڑھے اور آپ کے قریب سے قریب تر ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ دو کمانوں کا مقدار بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہو گئے اور آپ کو سینے سے لگا کر دبایا۔ جب آپ ہوش میں آئے تو فرمایا اے جبرئیل میرے تو خیال میں بھی نہیں تھا کہ اللہ کی کوئی مخلوق ایسی شکل وصورت پر بھی ہے یہ پہلی وحی کے بعد کا واقعہ ہے۔

وکانت ھذہ الرؤیۃ الاولی فی اوائل البعثۃ بعدماجاء جبرئیل علیہ السلام اول مرۃ فاوحی اللہ الیہ صدرسورۃ اقرأ ثم فتر الوحی حتی تبدی لہ جبرئیل ورسول اللہ ﷺ بالابطح فی صورتہ التی خلقہ اللہ علیھا (ابن کثیر)

نبی کریم ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو اپنی زندگی میں دوبار اس کی اصلی صورت میں دیکھا ہے ایک بار زمین میں

جس کا زیرتفسیر آیتوں میں ذکر ہے اور ایک بار آسمان میں جس کا ذکر آگے ولقد راٰہ نزلۃ اخری میں آرہا ہے آپ کے علاوہ کسی پیغمبر نے جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں نہیں دیکھا۔ قیل ما راٰہ احد من الانبیاء فی صورتہ غیر محمد علیہ السلام مرتین مرۃ فی السماء ومرۃ فی الارض (بیضاوی)۔

"فاوحی" اوحی کا فاعل جبرئیل علیہ السلام ہے۔ عبدہ کی ضمیر مجرور ذات باری تعالیٰ سے کنایہ ہے (فاوحی جبرئیل علیہ السلام الی عبدہ (الی عبداللہ) (مدارک) جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے عظیم الشان اور جلیل القدر بندے کو وحی پہنچائی وحی کا ابہام تفخیم وتعظیم کے لئے ہے (روح المعانی، قرطبی)۔

"ما کذب الفؤاد" الایۃ آپ نے اپنی آنکھوں سے جس چیز کا مشاہدہ کیا آپ کے دل نے اسے پہچان لیا کہ یہ جبرئیل آمین ہے آپ کے دل نے یہ نہیں کہا کہ میں نے اس کو پہچانا نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں پورے یقین اور وثوق سے دیکھا ہے۔ اور اس بارے میں آپ کے دل میں کوئی شک وشبہ واقع نہیں ہوا۔ یعنی انہ رأہ بعینہ وعرفہ بقلبہ ولم یشک فی ان ماراٰہ حق. (مدارک)

"افتمارونہ" الایۃ، اس میں خطاب مشرکین سے ہے جو کہتے تھے کہ یہ سب خیال وخواب ہے بیداری میں اس نے کچھ نہیں دیکھا تمارونہ مراء سے ہے ای تجادلونہ (روح) یعنی جس چیز کا محمد ﷺ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں کیا اس چیز کے بارے میں تم اس سے جھگڑتے اور بحث کرتے ہو؟ کوئی مشکوک اور مشتبہ بات ہوتی تو بحث وجدال کی کوئی گنجائش بھی تھی لیکن یہ ایک مشاہدہ تھا جو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا تھا۔

"ولقد رأہ" یہ جبرئیل علیہ السلام کو دوسری بار اصلی صورت میں دیکھنے کا ذکر ہے یہ واقعہ شب معراج میں پیش آیا عند اور اذ ظروف رأی سے متعلق ہیں سدرۃ المنتھی بیری کے مانند ساتویں آسمان پر ایک درخت ہے جس کا پھل بڑے بڑے مٹکوں کے برابر ہیں، اسی کے قریب جبرئیل علیہ السلام کا مقام ہے اور یہی اس کے پرواز کی منتہا ہے مایغشی سے اللہ کا نور یا فرشتے مراد ہیں اس پر اس قدر فرشتے تھے کہ درخت ان میں چھپ گیا تھا۔

غَشیھا نور الرب او الملائکۃ تقع علیھا کما یقع الغربان علی الشجر (قرطبی) رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل آمین کو اس کی اصلی صورت میں صرف زمین پر ایک ہی بار نہیں دیکھا بلکہ دوسری بار آسمان میں سدرۃ المنتہٰی کے پاس بھی اس کو اصلی صورت میں دیکھا ہے، وہاں سدرۃ المنتہٰی کے پاس جنت الماوٰی بھی ہے جو متقین کا مقام ہے اس وقت سدرۃ المنتھیٰ نور ربی اور تجلی الٰہی سے جگمگا رہا تھا اس پر فرشتوں کا اس قدر جھرمٹ تھا کہ درخت ان

کے نیچے چھپ گیا تھا وہاں بھی آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو صاف صاف دیکھا۔اس کے دیکھنے میں آپ کی نگاہ نہ ادھر اُدھر ہٹی اور نہ اس سے آگے بڑھکر کسی دوسری چیز کی طرف اٹھی ، گویا یہاں بھی آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو پورے یقین ووثوق سے دیکھا۔قال ابن عباسؓ ای ماعدل یمینا و لا شمالا و لاتجاوز الحد الذی رأی .(ابن کثیر و قرطبی)ای اثبت مارأہ اثباتامستیقناصحیحامن غیران یزیغ بصرہ اویتجاوزہ(کشاف).

"لقد رأی" الایۃ، اس کے علاوہ بھی آپ نے بہت سے قدرت کے بڑے بڑے اور عظیم الشان نشانات کا مشاہدہ کیا۔ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں کیونکہ یہ مشاہدات صرف ایک پیغمبر ہی کو نصیب ہوسکتے ہیں اور غیر پیغمبر تو ان کی تاب ہی نہیں لاسکتا اور جبرئیل آمین آپ پر اللہ کی طرف سے وحی لاتے ہیں اس لئے آپ کی رسالت پر ایمان لاؤ اور اللہ کی وحی کو مانو اور اس پر عمل کرو۔

علماء کرام نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے ، کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یا نہیں؟۔جو علماء یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو شب معراج میں کھلی آنکھوں سے اللہ تعالی کا دیدار حاصل ہوا ہے ،اور جو علماء اس کا انکار کرتے ہیں، دونوں ہی فریق الفاظ روایت کے ،(مندرجہ ذیل)اختلاف کے سبب اس حدیث کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں،کہ: عن ابی ذرؓ قال سألت رسول اللہ ﷺ ھل رأیت ربک؟قال نورٌ انی اراہ ،مسلم:۱۸۷ ، ،کیونکہ اگر "نور انیّٰ اراہ" کی روایت کو سامنے رکھا جائے تو اس جملہ کے استفہام بطریق انکار کے اسلوب کے پیش نظر،اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ پروردگار کی ذات چونکہ نور محض ہے،اور کوئی انسانی آنکھ اس کی طرف نظر آٹھانے پر قادر ہی نہیں ہوسکتی ،اس لئے میں کہتا ہوں کہ میں نے معراج کی رات میں اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا ہے، لیکن اگر "نُوْرَ انِیٌّ اراہ" کی روایت کو دیکھا جائے ،(یعنی بعض نسخوں میں "ی" مشدد نسبت کے لئے ہے،اور الف ونون زائد مبالغہ کے لئے ہیں، اور اسی کے اعتبار سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اس پروردگار کو نورانی گمان کرتا ہوں،)تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات میں اللہ تعالی کو دیکھا ہے،البتہ یہ کہا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات کہنے کے لئے حکایت ماضی (صیغہ حال کا اسلوب اختیار فرمایا)۔

نبی کریم ﷺ کو دیدار الٰہی سے متعلق آیت سورت انعام کی تفسیر

عن ابن عباسؓ قال: ماکذب الفؤادمارایٰ ولقدرأہ نزلۃ اخری ،قال رأہ بفؤادہ مرتین.رواہ مسلم.رقم:۱۷۶ ، وفی روایۃ الترمذی: ۳۲۷۹، قال: رأی محمدٌ ربَّہ،قال عکرمۃ قلت الیس

اللہ یقول: لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار، قال ویحک ذاک اذا تجلیٰ بنورہ الذی ھو نورہ وقد رأی ربہ مرتین.

اس روایت میں ابن عباسؓ سے جن آیتوں کی تفسیر و وضاحت منقول ہے وہ اسی سورت کی ابتدائی آیتوں میں سے ہیں، اور مفسرین کے ہاں ان آیتوں کے بارے میں خاص اختلاف ہے، کہ ان کا مدلول و محمول کیا ہے۔ صحابہ و تابعین اور ائمہ مفسرین میں سے ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ سورۂ نجم کی ان آیتوں میں درحقیقت اس بات کا ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دو مرتبہ دیکھا ہے، ایک مرتبہ تو نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ میں مکہ میں، اور دوسری مرتبہ شب معراج میں، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

اس کے برخلاف صحابہ و تابعین اور ائمہ مفسرین کی دوسری جماعت کا، جن میں ابن عباسؓ کا نام نامی سرفہرست ہے، یہ کہنا ہے کہ ان آیات میں واقعہ معراج کا بیان اور نبی کریم ﷺ کے اللہ تعالی کو دیکھنے کا ذکر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ دیکھا، یعنی اس موقع پر اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کے قلب میں بینائی کی بھی وہ طاقت ودیعت فرمائی جو آنکھ میں ہوتی ہے، اور آپ ﷺ کی آنکھوں کو ادراک کی بھی وہ طاقت عطاء فرمائی جو قلب میں ہوتی ہے، پس یہ کہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے پروردگار کو بچشم قلب دیکھا، یا یہ کہ بچشم سر دیکھا، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یہ مطلب اس لئے اختیار کیا گیا، تا کہ جو علماء جیسے ابن عباسؓ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شب معراج میں پروردگار کو بچشم سر دیکھا ہے، اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ بچشم قلب دیکھا ہے، ان دونوں کے اقوال کی رعایت ہو جائے، پہلے اختلاف تو یہی ہے کہ سورۂ نجم کی ابتدائی آیتوں میں نبی کریم ﷺ کے کس کو دیکھنے کا ذکر ہے، حق تعالی کو یا جبرئیل علیہ السلام کو؟ ابن عباسؓ حق تعالی کو دیکھنا مراد لیتے ہیں، جمہور صحابہ ان کی تائید میں ہیں، اور سلف میں جمہور مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں، ان کے نزدیک، دنی فتدلی، قاب قوسین او ادنی، کے الفاظ جو ان آیات میں آئے ہیں معراج کے موقعہ پر بارگاہ ربوبیت میں نبی کریم ﷺ کے قرب اور پروردگار کے مشاہدہ و زیارت کا بیان ہیں۔

پھر اس بارے میں بھی اختلاف ہے، کہ شب معراج میں نبی کریم ﷺ نے اللہ کو بچشم سر دیکھا ہے یا بچشم قلب؟ بعضوں نے تو یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھ سے دیکھا تھا، سر کی آنکھوں سے نہیں، اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ نہیں، آپ ﷺ نے سر ہی کی آنکھوں سے اپنے پروردگار کو دیکھا۔

امام نوویؒ کی تحقیق کے مطابق اکثر علماء کے نزدیک ترجیحی قول یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالی کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ جو علماء آیات مذکورہ میں نبی کریم ﷺ کا جبرئیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا مراد لیتے ہیں، ان میں عائشہؓ اور ابن مسعودؓ بھی شامل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان آیات میں جبرئیل کے اس قرب اور مشاہدہ کا بیان وذکر ہے، جو نبی کریم ﷺ کو جبرئیل امین کی اصل صورت کے ساتھ شب معراج میں اور اس سے پہلے ایک مرتبہ مکہ میں حاصل ہوا تھا۔

علماء کا اختلاف اقوال اس بارے میں بھی ہے، کہ شب معراج نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی سے بلا واسطہ کلام کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا یا نہیں؟ چنانچہ اشعریین اور متکلمین میں سے ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس رات میں اللہ تعالی سے براہ راست کلام کیا، اور بعض دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا ہے۔

یہ اس وقت کے لئے ہے جبکہ اللہ تعالی اپنی خاص تجلی ظاہر فرمائے، الخ۔ جملے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات حق تعالی کی مشیت وقدرت پر منحصر ہے، اگر اس کی ذات خاص کی تجلی ظاہر ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی کی بھی نگاہ وبصر کی توانائی برداشت کر سکتی ہو، تو یقیناً نگاہ اس کی طرف اٹھ سکتی ہے، اور آنکھیں دیدار وزیارت کی تاب لا سکتی ہیں، رہی اس ایت کی بات جس کا حوالہ عکرمہؒ نے دیا تو اس کے متعلق علماء لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ''ادراک'' کا ذکر ہے جس کے لغوی معنی کسی شی کا اس کے تمام اطراف وجوانب اور تمام سرحدوں کے ساتھ احاطہ کرنا ہیں، اور ظاہر ہے کہ حق تعالی کے لئے نہ کوئی حد ونہایت ہے اور نہ اس کے اطراف وجوانب ہیں، اس کی ذات ان چیزوں سے ماوراء اور لامحدود ہے، اس معنی میں کوئی بھی نگاہ وبصر اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ لہذا اس آیت میں ''احاطہ'' کی نفی مراد ہے، مطلق دیدار کی نفی مراد نہیں ہے جس سے یہ اشکال واقع ہو کہ آپ ﷺ کے شب معراج میں اللہ تعالی کو دیکھنے کی بات اس آیت کے خلاف پڑتی ہے۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا، میں دو مرتبہ، کی وضاحت بعض محدثین نے یہ کی ہے کہ ایک مرتبہ سدرة المنتھیٰ کے قریب اور ایک مرتبہ عرش پر، اور ملا علی قاری نے اس جملہ کے تحت یہ لکھا ہے کہ، دو مرتبہ دیکھا، سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں مرتبہ دل کی آنکھوں سے دیکھا، اور ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے۔ یہ اختلاف مطالب اس لئے ہے کہ کسی بھی روایت میں وضاحت کے ساتھ منقول نہیں ہے، جیسا کہ اس روایت میں بھی نہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالی کو اپنی آنکھوں سے دوبار دیکھا۔ شعبی والی روایت میں ہے:

وعن الشعبی قال لقی ابن عباسؓ کعبا بعرفة فسأله عن شیٔ ،فکبر، حتی جاوبته الجبال،

فقال ابن عباسؓ انابنو اهاشم ،فقال کعب ،ان اللّٰہ تعالی قسّم رؤیته و کلامه بین محمد و موسٰی فکلم موسٰی مرتین ورأہ محمدمرتین ،قال مسروق فدخلت علی عائشةؓ فقلت هل رأی محمدﷺ ربه ؟ فقالت لقدتکلمت بشیٔ قفّ له شَعری قلت رویدا،ثم قرأت :لقدرأی من ایات ربه الکبری ،فقالت این تذهب بک ؟انماهوجبرئیل ،من اخبرک ان محمدارأی ربه، او کتم شیئاممامربه ،اویعلم الخمس التی قال اللہ تعالی ”ان اللہ عنده علم الساعة وینزل الغیث “ الایة(لقمان: ۳۴)فقداعظم الفریة، ولکنه رأی جبرئیل ،لم یره فی صورته الامرتین، مرة عندسدرة المنتهی ،ومرة فی اجیاد،له ستمائة جناح ،قدسد ،الافق.رواه الترمذی:۳۲۷۸، وروی الشیخان مع زیادة و اختلاف وفی روایتهماقال قلت لعائشة فاین قوله ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی قالت ذاک جبرئیل علیه السلام کان یأتیه فی صورة الرجل وانه اتاه هذه المرة فی صورته التی هی صورته فسد الافق. بخاری: ۳۲۳۵، مسلم:۱۷۷ .

یعنی، شعبی کہتے ہیں کہ عرفہ کے دن میدان عرفات میں ابن عباسؓ نے کعب احبار سے ملاقات کی، اوران سے ایک سوال دریافت کیا کہ کیا دنیا میں حق تعالی کا دیدار ممکن ہے؟ کعب نے اس سوال کواتنا عجیب وغریب سمجھا کہ فرط حیرت سے انہوں نے اللہ اکبر کانعرہ مارا اوران کے اس زوردارنعرے کی بازگشت سے پہاڑ گونج اٹھے، ابن عباسؓ نے کہا کہ ہم ہاشم کی اولاد ہیں! کعب نے فرمایا کہ اچھا تمہارے سوال کا مقصداب میری سمجھ میں آیا تو سنو! اللہ تعالی نے اپنے دیدار اوراپنے کلام کومحمدﷺ اورموسٰی علیہ السلام کے درمیان تقسیم کیا، (یعنی ایک کواپنے کلام سے مشرف فرمایا، اورایک کواپنے دیدارکی سعادت عطا فرمائی)۔

چنانچہ اللہ تعالی نے دوبارموسٰی علیہ السلام سے کلام کیا، ایک مرتبہ تو وادی ایمن میں، اوردوسری مرتبہ کوہ طور پر اور محمدﷺ نے شب معراج میں دومرتبہ اللہ تعالی کودیکھا۔ مسروق (جوحدیث کے روای ہیں، اورجن سے شعبی یہ روایت نقل کرتے ہیں)۔ کہتے ہیں کہ میدان عرفات میں کعب اورابن عباسؓ کے درمیان ہونے والی اس بات چیت کوسن کر میں عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اوران سے عرض کیا، کہ کیا محمدﷺ نے اپنے پروردگار کودیکھا ہے؟ عائشہؓ نے جواب دیا کہ تم (مسروق) نے ایسی بات پوچھی ہے جس سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں، یعنی میرا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذات اس سے پاک ومنزہ ہے کہ وہ کسی کونظر آئے، اس لئے میرے نزدیک دنیا میں اس کے دیدارکاواقع

ہونا محال ہے۔

اب تم نے یہ سوال پوچھا،تو اس کی اس پاک ذات کی عظمت وخوف کے مارے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے میں نے عرض کیا کہ، ذرا توقف سے کام لیجئے ،یعنی میرے اس سوال سے اتنا پریشان نہ ہوئے اور نہ اتنی جلد دیدار الٰہی کا انکار کیجئے ، میں چاہتا ہوں کہ آپ ذرا میری بات پوری طرح سن لیں، پھر میں نے دیدار الٰہی کے ثبوت میں یہ آیت پڑھی:لقد رأی من ایة ربه الکبری'' گویا مسروق نے اس آیت کے ذریعہ یہ ظاہر کیا کہ میرے نزدیک آیت میں بڑی نشانی سے مراد نبی کریم ﷺ بچشم سر یا بچشم قلب وہ دیدار الٰہی حاصل ہونا ہے جو پروردگار کی عظمت شان یا نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتکریم پر دلالت کرتا ہے۔

عائشہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ (مسروق) یہ آیتیں تمہیں کہاں لے جا رہی ہیں؟ یعنی تم درست نہیں سمجھ رہے ہو،ان آیتوں کا مطلب نبی کریم ﷺ کو دیدار الٰہی حاصل ہونا نہیں ہے ، بلکہ بڑی نشانی سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے ان کی اصل صورت میں دیکھا جو شخص تم سے یہ کہے کہ محمد ﷺ نے شب معراج میں اپنے پرودردگار کو دیکھا ہے یا یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان چیزوں میں سے کچھ چھپا لیا ہے، جن کے اظہار کا ان کو حکم دیا گیا تھا،اور یا یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ ان پانچ غیبی باتوں کا علم رکھتے تھے،جن کے بارے میں اللہ تعالی نے قرآن کی آیت:ان الله عنده علم الساعةوينزل الغيث ، الاية، میں ارشاد فرمایا ہے،تو بلا شبہ اس نے محمد ﷺ پر بہت بڑھا بہتان باندھا، جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے جو تم نے پڑھی ہے تو اس کی مراد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں آپ ﷺ نے ایک مرتبہ تو سدرۃ المنتہٰی کے نزدیک (جیسا کہ اس آیت:لقد رأه نزلة اخرى عندسدرة المنتهى ۔میں فرمایا گیا ہے اور ایک مرتبہ(مکہ کے نواح) اجیاد میں اور نبی کریم ﷺ نے جبرئیل کو ان کی اصل صورت میں اس طرح دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو (پر) تھے، اورانہوں نے پورے افق کو گھیر رکھا تھا،اس روایت کو ترمذی نے (انہی الفاظ میں)اور بخاری ومسلم نے کچھ مزید اور مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، نیز بخاری ومسلم کی ایک روایت میں یوں ہے:

کہ مسروق نے عائشہ سے کہا کہ اگر نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالی کو نہیں دیکھا تو پھر اللہ تعالی کے اس ارشاد کا محمول ومصداق کیا ہے۔ثم دنى فتدلى فكان قاب قوسين او ادنى'' عائشہؓ نے جواب دیا کہ ان سب کی ضمیروں کا مرجع جبرئیل علیہ السلام ہیں، جو عام طور پر نبی کریم ﷺ کے پاس کسی انسان کی شکل وصورت میں اور وہ بھی اکثر وبیشتر ایک صحابی

دحیہ کلبیؓ کی صورت میں آتے تھے، اور اس مرتبہ (مکہ کے نواح اجیاد میں) اپنی اس صورت میں آئے تو جوان کی اصل صورت ہے اور انہوں نے پورے افق کو گھیر رکھا تھا۔

ابن مسعودؓ کی تفسیر وتحقیق

عن ابن مسعودؓ فی قوله "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى" وفی قوله "مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى" وفی قوله "لَقَدْ رَأٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ،قال فيها كلها رأى جبرئيلؑ له ستماتة جناح،متفق عليه. خ: ۴۸۵۶،م: ۱۷۴ ،وفی رواية الترمذی قال: "مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى "قال رأى رسول اللهﷺ جبرئيل فی حلة من رفرف قدملأ مابين السماء والارض. وله وللبخاری فی قوله "ولَقَدْ رَأٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى "قال:رأى رفرفااخضر سدّ أُفق السماء .

وسئل مالک بن انس ،عن قوله تعالى:"الى ربهاناظرة"فقيل قوم يقولون" الى ثوابه" فقال مالک كذبوا، فاين هم عن قوله تعالى:"كلاانهم عن ربهم يومئذلمحجوبون" قال مالک: الناس ينظرون الى اللهيوم القيامة باعينهم ،وقال لولم يرالمومنون ربهم يوم القيامة، لم يعيّرالله الكفاربالحجاب فقال كلاانهم عن ربهم يومئذلمحجوبون.(تطفیف:۱۵) ، رواه فی شرح السنة:۳/۲۴۲ .

ابن مسعودؓ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى" اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى" اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى ، ان سب آیتوں کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے جبرئیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھا، اور درآنحالیکہ ان کے چھ سو بازوں تھے، اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے: کہ ابن مسعودؓ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى" کی تفسیر میں کہا: نبی کریمﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جو سبز کپڑوں کا جوڑا پہنے ہوئے تھے۔ اور زمین کے درمیان فضا ان سے معمور تھی۔

نیز ترمذی اور بخاری کی ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ابن مسعودؓ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "وَلَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى" کی تفسیر میں کہا کہ نبی کریمﷺ نے جامہ سبز پوش یعنی جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، جنہوں نے پورے آسمانی افق کو گھیر رکھا تھا۔

اورامام مالکؒ سے اللہ تعالی کے اس ارشاد ''الی ربھا ناظرة'' کے بارے میں پوچھا گیا، اوران سے بتایا گیا کہ کچھ لوگ (یعنی معتزلہ اوران کے ہمنوا دیگراہل بدعت) کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالی کی طرف دیکھنے سے مراد اللہ تعالی کی ذات کو دیکھنا نہیں ہے، بلکہ اس کے ثواب کو دیکھنا مراد ہے؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں، آخران کی سمجھ کہاں چلی گئی ہے! وہ اللہ تعالی کے اس ارشاد: کلا انھم عن ربھم یومئذلمحجوبون ، کو کیوں نہیں دیکھتے، پھرامام مالکؒ نے فرمایا: (اس میں کوئی شبہ نہیں) کہ مسلمان لوگ قیامت کے دن اللہ تعالی کو آپنی انکھوں سے دیکھیں گے، اورفرمایا (اگر یہی بات ہوتی) کہ اہل ایمان قیامت کے دن اپنے پروردگار کو نہیں دیکھیں گے تو اللہ تعالی کفار کو دیدار الہی سے محرومی کا عار نہ دلاتا، اور یہ نہ فرماتا کہ: کلا انھم عن ربھم یومئذلمحجوبون .

ابن مسعودؓ نے یہ واضح کیا کہ سورۂ نجم کی ان آیتوں کی ضمیریں جبرئیل علیہ السلام کی طرف راجع ہیں۔ اوران کا محمول ومصداق نبی کریم ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام کی رؤیت قرب ہے، نہ کہ اللہ تعالی کی قرب ورؤیت مراد ہے، جیسا کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں، پس ابن مسعودؓ کی یہ تاویل وتفسیر عائشہؓ کی اس تاویل وتفسیر کے مطابق ہے، جو ان آیتوں سے متعلق پچھلی حدیث میں ذکر کی گئی۔ واضح رہے کہ ابن مسعودؓ کی جلالت شان اوران کا کمال علم مسلمہ ہے، اورعلماء نے لکھا ہے کہ خلفاء اربعہ کے بعد ابن مسعودؓ ہی تمام صحابہ میں سب سے بڑے عالم تھے۔ (مرقات)۔

بہرحال ان روایات واقوال سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں نبی کریم ﷺ کے اللہ تعالی کو بچشم سر دیکھنے کے بارے میں صحابہؓ کے ہاں اختلاف ہے، عائشہؓ کو اس بات سے انکار ہے، اورابن عباسؓ اس کے قائل ہیں، ان میں سے ہرایک کو صحابہ کی تائید حاصل ہے، کہ کچھ صحابہ تو عائشہؓ کے ساتھ ہیں، اور کچھ صحابہ ابن عباسؓ کے ساتھ، پھرصحابہ کے بعد تابعین وعلماء سلف بھی اسی نقش قدم پر گئے ہیں۔

کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ شب معراج میں نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور کچھ علماء اس کا انکار کرتے ہیں، لیکن ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں، جنہوں نے سکوت وتوقف اختیار کیا ہے، اورکسی بھی فریق کے ساتھ نہیں گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دونوں میں سے کسی جانب کے پاس بھی واضح دلیل نہیں ہے، اس لئے ہم یہی بہتر سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں خاموش رہا جائے اورحقیقت حال اللہ کے سپرد کردی جائے، کہ اصل بات اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، تاہم اکثرعلماء اسی کے قائل ہیں کہ شب معراج میں نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی کا عینی

دیدار حاصل ہوا ہے۔

محی الدین نوویؒ فرماتے ہیں: کہ اکثر علماء کبار کے نزدیک راجح اور مختار یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات میں اپنے پروردگا کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ نیز انہوں نے کہا کہ اس کا اثبات نبی کریم ﷺ سے سماعت کے بعد ہی ہوا ہے (کہ ابن عباسؓ نے جو یہ کہا) کہ نبی کریم ﷺ کو شب معراج میں اللہ تعالی کا دیدار حاصل ہوا، تو انہوں نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے سننے کے بعد ہی کہی تھی، جب کہ عائشہؓ نے اس کے انکار میں حدیث سے استدلال نہیں کیا ہے، اور اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے کچھ سن کر روایت نہیں کیا ہے، بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت: **ما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا اومن وراء حجاب**، (شوری: ۵۱) اور اس آیت: **لاتدرکه الابصار وھویدرک الابصار** (انعام: ۱۰۳) سے ان کے اپنے استنباط، اجتہاد کا نتیجہ ہے۔

جبکہ ان آیتوں کے بارے میں بھی ائمہ مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی آیت "**ما کان لبشر ان یکلمه الله**" الایة، میں جو نفی بیان کی گئی ہے، وہ حالت رؤیت میں کلام کی نفی ہے، جس سے رؤیت بے کلام کی نفی قطعا لازم نہیں آتی، اور دوسری آیت: **لاتدرکه الابصار**، الایه، میں "ادراک" کا ذکر ہے جس کے معنی احاطہ کے ہیں، اور احاطہ کی نفی سے مطلق رویت کی نفی مفہوم نہیں ہوتی!

بعض دوسرے علماء نے بھی لکھا ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں ابن عباسؓ ہی کے قول پر زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے، اور یہ طے ہے کہ انہوں نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے سنے بغیر نہیں کہی تھی، اور یہ ممکن بھی نہیں کہ وہ اتنی بڑی بات اپنے ظن واجتہاد سے کہیں، منقول ہے کہ ابن عمرؓ نے ابن عباسؓ سے کافی بحث وتکرار کی، اور پوچھا کہ کیا واقعتاً محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا تھا؟، ابن عباسؓ نے پورے وثوق کے ساتھ جواب دیا کہ ہاں دیکھا تھا، چنانچہ ابن عمرؓ نے ان کی بات کو قطعی طور پر تسلیم کیا، اور کسی تردد وانکار کا اظہار نہیں کیا۔

اب امام مالکؒ کی روایت کی طرف آیئے، جب ان سے بتایا گیا کہ کچھ لوگ جیسے معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ آخرت میں اہل ایمان اللہ تعالی کو نہیں دیکھیں گے، اور قرآن کریم کی اس آیت "**الی ربھاناظرۃ: القیامة: ۲۲**" کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالی کی ذات کو دیکھنے کے بجائے اس کے ثواب یعنی جنت کی نعمتوں اور وہاں کے مراتب ودرجات کو دیکھنا مراد ہے، تو امام مالک نے ان لوگوں کی زبردست تردید کی اور فرمایا کہ وہ لوگ عقل وسمجھ سے کوسوں دور ہیں، کہ بالکل ظاہر معنی رکھنے والی اس آیت کی غلط تاویل تو کرتے ہیں لیکن اس آیت: **کلاانھم عن ربھم**

یومئذ لمحجوبون ، کونہیں دیکھتے جس میں اہل کفر کو اسی بات کا عار دلایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن پروردگار کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے، اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی سعادت سے محروم رہیں گے! جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے، اور اس کے دیدار کی سعادت سے مشرف ہونگے۔

اگر یہی بات ہوتو اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے دیدار کی سعادت حاصل نہیں کریں گے، تو پھر اہل کفار کو اس سعادت سے محرومی کی اس بھرپور انداز میں خبر دینے اور انہیں عار دلانے کی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوا کہ آخرت میں اہل کفار کے حق میں سب سے بڑا عذاب یہ ہوگا کہ وہ دیدار الٰہی سے محروم ومخذول قرار دیئے جائیں گے، اور ہمیشہ ہمیشہ اس محرومی کی حسرت میں مبتلا رہیں گے۔ جس طرح کہ اہل ایمان کے حق میں سب سے بڑا اجر وثواب دیدار الٰہی ہوگا، اور وہ نعمت دیدار الٰہی سے محظوظ ومشرف ہوں گے۔

[۲] ''افرئیتم'' تمہید کے بعد سورت کے پہلے دعوے کا ذکر ہے، یعنی حاجات ومصائب میں ان خودساختہ معبودوں کو غائبانہ مت پکارو۔ جب ثابت ہوگیا کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ پر وحی آتی ہے تو اس وحی ربانی کو مانو جو یہ کہتی ہے کہ مصائب وحاجات میں معبودان باطلہ کو مت پکارو۔

''اللات'' اس میں دو قرأتیں ہیں اول بتخفیف تا دوئم بتشدید تا، پہلی صورت میں یہ لوی سے مشتق ہے جس کے معنی لپٹنے اور گھومنے کے ہیں، مشرکین اس بت کے پاس عبادت کے لئے جاتے اور اس کا اعتکاف کرتے تھے اس لئے وہ اس نام سے موسوم کیا گیا۔ والاصل لویة بزنة فعلة من لوی لانهم کانوا یلوون علیه ویعتکفون للعبادة اویلتون علیه ای یطوفون مخفف بحذف الیاء وبدلت واوه الفاء وعوض عن الیاء تاء فصارت کتاء اخت وبنت (روح المعانی).

دوسری قرأت کے مطابق یہ لتّ یلُتّ کا اسم فاعل ہوگا، اور اس کے معنی ہونگے گھولنے والا۔ عرب میں ایک آدمی تھا حج کے موسم میں حاجیوں کو گھی میں ستوں ملا کر کھلاتا تھا اور اللات اس لئے لوگ اس کو اچھا سمجھتے تھے جب وہ فوت ہوگیا تو اس کی شکل کا بت بنا کر اس کی پوجا پاٹ شروع کردی، اور اسے پکارنے لگے اللات بالتشدید علی انه سمی به لانه صورة رجل کان یلت السویق بالسمن ویطعم الحاج (بیضاوی).

'' العزیٰ '' یہ ایک شیطانہ جنیہ تھی جو وادی نخلہ میں واقع کیکر کی تین درختوں میں رہتی تھی وہاں مشرکین نے ایک عبادت گاہ بھی بنا رکھی تھی اور عزیٰ کے نام پر کئی بت بھی تراش کر مختلف جگہوں میں رکھ لئے تھے۔ مشرکین جب وادی

نخلہ میں عزیٰ کی عبادت گاہ میں اس کی عبادت اور پکار کے لئے آتے تو وہ شیطانہ ان سے باتیں بھی کرتی تھی۔ وکانت بوادی نخلة الشامیةفوق ذات عرق فبنوا علیھا بیتاو کانوا یسمعون منھا الصوت .عن ابن عباسؓ کانت العزیٰ شیطانة تأتی ثلاث سمرات ببطن نخلة (قرطبی) ۔فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ ان تینوں درختوں کو کاٹ ڈالیں چنانچہ جب وہ دو درختوں کو کاٹ کر تیسرے کو کاٹنے لگے تو اس سے ایک چڑیل نمودار ہوئی جس کے بال پراگندہ تھے اور واویلا کرنے لگی۔ خالد بن ولید نے اسے قتل کردیا (روح، خازن، قرطبی)۔

"مـنــات" یہ ایک بت تھا جس کا استھان مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع تھا مشرکین اس کی قربان گاہ پر اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے قربانیاں دیتے اور اس کی برکت سے بارش طلب کرتے تھے کانوا یریقون عندہ الدماء یتقربون بذلک الیہ (قرطبی) ایک قرأت میں مناءت ہے ومنائت مکی مفعلة من النوء کانھم کانوا یستمطرون عندھا الانواء تبرکابھا. (مدارک).

"افرأتیم" بمعنی اخبرونی" ہے یعنی مجھے بتاؤ تو سہی یہ لات وعزیٰ ومنات جن کو تم پکارتے ہو کیا وہ تمہارے نفع ونقصان کا اختیار رکھتے ہیں؟ یا وہ قادر ومتصرف ہیں؟ کہ تم نے ان کو عبادت اور پکار میں اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔ افرأتیم ھذہ الالھة ھل نفعت اوضرت حتی تکون شرکاء للہ(قرطبی) اخبرونی عن الھتکم ھل لھاشیء من القدرة و العظمة اللتی وصف بھارب العزة فی الای السابقة وقیل المعنی اظننتم ان ھذہ الاصنام التی تعبدونھاتنفعکم (روح) استفہام انکاری ہے یعنی وہ نہ قادر ومتصرف ہیں نہ نفع ونقصان کے مختار۔ اس لئے مصائب وحاجات میں ان کو مت پکارو۔

"الکم الذکر" یہ سورۃ کے دوسرے دعوے کا بیان ہے یعنی اللہ تعالی کی بارگاہ میں کوئی شفیع غالب نہیں۔ مشرکین اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے لیکن اسکے ساتھ ہی فرشتوں کو اللہ کا بیٹیاں کہتے یعنی فرشتے اللہ کو اس قدر محبوب ہیں جس طرح ایک باپ کو بیٹیاں محبوب ہوتی ہیں، اس لئے اللہ تعالی فرشتوں کی سفارش کو ہرگز رد نہیں کرتا۔ فرمایا یہ تقسیم تو سراسر بے انصافی پر مبنی اور عدل وانصاف سے ہٹی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ جس کو خود ناپسند کرتے ہیں اس کی نسبت اللہ کی طرف کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ اس لیے انکا یہ کہنا غلط ہے اور بے انصافی پر مبنی ہے کہ فرشتے اللہ تعالی کی بیٹیاں اور اس کی بارگاہ میں شفیع قاہر ہیں۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ﴿۴﴾ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوٰى ﴿۵﴾

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ (قرآن) تو حکم الٰہی ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔ ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا

ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۸﴾

طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے۔ اور وہ (آسمان کے) اونچے کنارے میں تھے۔ پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ﴿۹﴾ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى ﴿۱۰﴾

تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى ﴿۱۱﴾ أَفَتُمَارُونَهُ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾

جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا۔ کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو۔

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى

اور انہوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے۔ پرلی حد کی بیری کے پاس۔ اسی کے پاس رہنے کی جنت ہے۔

﴿۱۵﴾ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾

جب کہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) بڑھی۔

لَقَدْ رَأٰى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾

انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا؟

وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ﴿۲۰﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثٰى ﴿۲۱﴾

اور تیسرے منات کو (کہ یہ بت کہیں معبود ہو سکتے ہیں؟) (مشرکو!) کیا تمہارے لئے تو بیٹے اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟

تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى ﴿۲۲﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ

یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے۔ وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لئے ہیں

وَآبَآؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ

اللہ نے تو ان کی کوئی سند نازل نہیں کی یہ لوگ محض ظنِ (فاسد) اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے چل رہے ہیں

وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾

حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔

أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولٰى ﴿۲۵﴾

کیا جس چیز کی انسان آرزو کرتا ہے وہ اسے ضرور ملتی ہے؟ آخرت اور دنیا تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا

اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی

إِلَّا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾

مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلَآئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنْثٰى ﴿۲۷﴾

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو (اللہ کی) لڑکیوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۲۸﴾

حالانکہ ان کو اس کی کچھ خبر نہیں وہ صرف ظن پر چلتے ہیں اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔

فَأَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾

تو جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا خواہاں ہو اس سے تم بھی منہ پھیر لو۔

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ

ان کے علم کی یہی انتہا ہے تمہارا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹک گیا اور

أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ

اس سے بھی خوب واقف ہے جو رستے پر چلا۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

الَّذِيْنَ أَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾

سب اللہ ہی کا ہے (اور اس نے خلقت کو) اس لئے (پیدا کیا ہے) کہ جن لوگوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلا دے

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ

جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں بیشک تمہارا پروردگار بڑی

الْمَغْفِرَةِ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ

بخشش والا ہے وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے

أُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ أَفَرَأَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾

تو اپنے آپ کو پاک صاف نہ جتاؤ جو پرہیز گار ہے وہ اس سے خوب واقف ہے۔ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے منہ پھیر لیا؟

وَأَعْطٰى قَلِيْلًا وَّأَكْدٰى ﴿۳۴﴾ أَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾

اور تھوڑا سا دیا (پھر) ہاتھ روک لیا۔ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے؟

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَإِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى ﴿۳۷﴾

کیا جو باتیں موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں ان کی اس کو خبر نہیں پہنچی؟ اور ابراہیم کی جنہوں نے (حق رسالت) پورا کیا۔

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾

یہ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

وَأَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْأَوْفٰى ﴿۴۱﴾

اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

وَأَنَّ إِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی ﴿۴۲﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَکَ وَأَبْکٰی ﴿۴۳﴾

اور یہ کہ تمہارے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے۔ اور یہ کہ وہ ہنساتا اور رلاتا ہے

وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰی ﴿۴۵﴾

اور یہ کہ وہی مارتا اور جلاتا ہے۔ اور یہ کہ وہی نر اور مادہ دو قسم (کے حیوان) پیدا کرتا ہے۔

مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنٰی ﴿۴۶﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرٰی ﴿۴۷﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنٰی وَأَقْنٰی

نطفے سے جو (رحم میں) ڈالا جاتا ہے۔ اور یہ کہ اسی پر دوبارہ اٹھانا لازم ہے۔ اور یہ کہ وہی دولتمند بناتا اور مفلس کرتا ہے

﴿۴۸﴾ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ﴿۴۹﴾ وَأَنَّهُ أَهْلَکَ عَادًا الْأُولٰی ﴿۵۰﴾

اور یہ کہ وہی شعریٰ کا مالک ہے۔ اور یہ کہ اسی نے عاد اوّل کو ہلاک کر ڈالا۔

وَثَمُوْدَا فَمَا أَبْقٰی ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغٰی ﴿۵۲﴾

اور ثمود کو بھی اور کسی کو باقی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قومِ نوح کو بھی کچھ شک نہیں کہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے

وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوٰی ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰی ﴿۵۴﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی

اور اسی نے الٹی ہوئی بستیوں کو دے ٹپکا۔ پھر ان پر چھایا جو چھایا۔ تو تو اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت پر جھگڑے گا

﴿۵۵﴾ هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولٰی ﴿۵۶﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿۵۷﴾

یہ (محمد ﷺ) بھی اگلے ڈر سنانے والوں میں سے ایک ڈر سنانے والے ہیں آنے والی (یعنی قیامت) قریب آ پہنچی۔

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿۵۹﴾

اس (دن کی تکلیفوں) کو اللہ کے سوا کوئی دُور نہیں کر سکے گا۔ (اے منکرین) کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو؟

وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿۶۰﴾ وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوا ﴿۶۲﴾

اور ہنستے ہو اور روتے نہیں؟ اور تم غفلت میں پڑ رہے ہو۔ تو اللہ کے آگے سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔

سورة القمر (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ﴿۱﴾ وَاِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا وَيَقُوۡلُوۡا

قیامت قریب آ پہنچی اور چاند پھٹ گیا گیا۔ اور اگر (کافر) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ﴿۲﴾ وَكَذَّبُوۡا وَاتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ وَكُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ ﴿۳﴾

یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔

وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ مَا فِيۡهِ مُزۡدَجَرٌ ﴿۴﴾ حِكۡمَةٌ ۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغۡنِ النُّذُرُ

اور ان کو ایسے حالات پہنچ چکے ہیں جن میں عبرت ہے۔ اور کامل دانائی (کی کتاب بھی) لیکن ڈرانا ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتا

﴿۵﴾ فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ ۘ يَوۡمَ يَدۡعُ الدَّاعِ اِلٰى شَىۡءٍ نُّكُرٍ ﴿۶﴾

تو تم بھی ان کی کچھ پروا نہ کرو جس دن بلانے والا ان کو ایک ناخوش چیز کی طرف بلائے گا۔

خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ ﴿۷﴾

تو آنکھیں نیچی کئے ہوئے قبروں سے نکل پڑیں گے گویا بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔

مُّهۡطِعِيۡنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوۡلُ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا يَوۡمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾

اس بلانے والے کی طرف دوڑ رہے ہوں گے کافر کہیں گے یہ دن بڑا سخت ہے۔

كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ فَكَذَّبُوۡا عَبۡدَنَا وَقَالُوۡا مَجۡنُوۡنٌ وَّازۡدُجِرَ ﴿۹﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ دیوانہ ہے اور انہیں ڈانٹا بھی۔

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ

تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں کمزور ہوں تو بدلا لے پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے

﴿١١﴾ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿١٢﴾

اور زمین میں چشمے جاری کر دیئے تو پنی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا۔

وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ﴿١٣﴾ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا

اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی

جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿١٥﴾

اس شخص کے انتقام کے لئے جس کا انکار کیا گیا تھا۔ اور ہم نے اس کو ایک عبرت بنا چھوڑا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟

مُدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾

عاد نے بھی تکذیب کی تھی سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾

ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی۔

تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ

وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیڑے ڈالتی تھی گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟

﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟۔ ثمود نے بھی ہدایت کرنے والوں کو جھٹلایا۔

۞﴿۲۳﴾ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ۞﴿۲۴﴾

اور کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے ہم اس کی پیروی کریں؟ یوں ہو تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے

ءَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ۞﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا

کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ جھوٹا خود پسند ہے۔ ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ

مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ۞﴿۲۶﴾ إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ

کون جھوٹا خود پسند ہے۔ (اے صالح!) ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو تم ان کو دیکھتے رہو اور صبر کرو۔

۞﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۞﴿۲۸﴾

اور ان کو آگاہ کر دو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے ہر (باری والے کو اپنی) باری پر آنا چاہیئے

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ۞﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۞﴿۳۰﴾

تو ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اس نے (اونٹنی کو پکڑ کر اس کی) کونچیں کاٹ ڈالیں۔ سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہے؟

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ۞﴿۳۱﴾

ہم نے ان پر (عذاب کے لئے) ایک چیخ بھیجی تھی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۞﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ لوط کی قوم نے بھی ڈر سنانے والوں کو جھٹلایا تھا

۞﴿۳۳﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ۞﴿۳۴﴾

تو ہم نے ان پر کنکر بھری ہوا چلائی مگر لوط کے گھر والے کہ ہم نے ان کو پچھلی رات ہی سے بچا لیا۔

نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ ۞﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا

اپنے فضل سے۔ شکر کرنے والوں کو ہم ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ اور لوط نے ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا بھی تھا

فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ

مگر انہوں نے ڈرانے میں شک کیا۔ اور ان سے ان کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں

فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾

سو (اب) میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔ اور ان پر صبح سویرے ہی اٹل عذاب آ نازل ہوا ۔

فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾

تو اب میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟[۱]

---

[1] ''وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ''یعنی قرآن کے جو مضامین نصیحت وموعظت ،ترغیب وترہیب سے متعلق ہیں، وہ بالکل صاف سہل اور موثر ہیں، پھر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ بھی کرے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے نہ اس میں دقائق وغوامض ہیں نہ اس میں اسرار وحکم، بھلا یہ کیسے فرض کرلیا جائے کہ اللہ علیم وخبیر جب اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے تو العیاذ باللہ وہ اپنے لا متناہی علم سے کورا ہو جاتا ہے، یقیناً اس کے کلام میں وہ گہرے حقائق اور باریکیاں ہونگی جس کا ہلکا سا اشارہ حدیث ''لاتنقضی عجائبه'' میں ہے۔(ترمذی)۔

اور واقعہ یہ ہے کہ کلام الملوک ملوک الکلام کی رو سے وہ خصوصیات دوسرے کے کلام میں کہاں مل سکتی ہیں، فقہاء اور حکماء امت نے اس کے دقائق واسرار کے سراغ لگانے میں اور احکام شریعت مستنبط کرنے میں عمریں کھپا دیں، تب اس سمندر کی تہہ تک نہ پہنچ سکے،اس لئے محض اس آیت پر سرسری نظر کر کے مجتہد بننے کی ہوس کرنا قطعا غلط ہے، نصیحت میں موثر اور سہل ہونے سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ وجوہ استنباط بھی آسان ہیں، یہ جملہ کئی قصوں میں دہرایا گیا ہے، تا کہ معلوم ہو سکے کہ ہر واقعہ بجائے خود ایک مستقل درس عبرت ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ

اورقومِ فرعون کے پاس بھی ڈرسنانے والے آئے۔انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کوجھٹلایا تو ہم نے ان کواس طرح پکڑ لیا

أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾

جس طرح ایک قوی اور غالب شخص پکڑ لیتا ہے۔کیا تمہارے کافران لوگوں سے بہتر ہیں یاتمہارے لئے کتابوں میں کوئی فارغ خطی لکھ دی گئی ہے

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت بڑی مضبوط ہے۔عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ﴿۴۶﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ

ان کے وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور بڑی تلخ ہے۔ بیشک گنہگار لوگ

فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا

گمراہی اورعذاب میں(مبتلا) ہیں۔ اس روز منہ کے بل دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے اب آگ

مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ

کا مزہ چکھو۔ ہم نے ہر چیز اندازۂ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے۔ اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح

كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾

ایک بات ہوتی ہے۔ اور ہم تمہارے ہم نسلوں کو ہلاک کر چکے ہیں تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾

اور جو کچھ انہوں نے کیا (ان کے) اعمالناموں میں (مندرج) ہے۔(یعنی) ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھ دیا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

جو پرہیزگار ہیں وہ باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ پاک مقام میں ہرطرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں

سورة الرحمٰن (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلرَّحۡمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ﴿۴﴾

(اللہ جو) نہایت مہربان ۔اسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اسی نے اس کو بولنا سکھایا۔

اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ﴿۵﴾ وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدَانِ ﴿۶﴾

سورج اور چاند ایک حساب مقرر سے چل رہے ہیں۔ اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کر رہے ہیں۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الۡمِيۡزَانَ ﴿۷﴾ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِى الۡمِيۡزَانِ ﴿۸﴾

اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔ کہ ترازو (سے تولنے) میں حد سے تجاوز نہ کرو۔

وَاَقِيۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِيۡزَانَ ﴿۹﴾

اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم مت کرو۔

وَالۡاَرۡضَ وَضَعَهَا لِلۡاَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخۡلُ ذَاتُ الۡاَكۡمَامِ ﴿۱۱﴾

اور اسی نے مخلوق کے لئے زمین بچھائی۔ اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں۔

وَالۡحَبُّ ذُو الۡعَصۡفِ وَالرَّيۡحَانُ ﴿۱۲﴾ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

اور اناج جس کے ساتھ بھُس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ

اسی نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا۔ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ﴿۱۷﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ وہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کے مالک ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ﴿۱۹﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ اسی نے دو دریا رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں۔

بَیْنَھُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾

دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

یَخْرُجُ مِنْھُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾

دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

اور جہاز بھی اسی کے ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو

تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ

جھٹلاؤ گے؟ جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے۔ اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحبِ جلال

وَالْاِکْرَامِ ﴿۲۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾ یَسْئَلُهُ مَنْ فِی

وعظمت ہے باقی رہے گی۔ [1] تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں سب اسی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

سے مانگتے ہیں وہ ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾ سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾

اے دونوں جماعتو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْأِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ

اے گروہِ جن و انس! اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ

وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ إِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِأَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا

تو نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل ہی نہیں سکتے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

---

[1] ''وَجْــــهُ رَبِّکَ'' وجہ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک ذات حق سبحانہ وتعالی ہے،اور ربک میں ضمیر خطاب نبی ﷺ کی طرف راجع ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کا خاص اعزاز واکرام ہے، کہ آپ ؐ کو خاص مقام مدحہ میں کہیں تو ''عبدہ'' کا خطاب ہوا ہے،اور کہیں رب الاربـــاب نے اپنی ذات کی نسبت رسول ؐ کی طرف کر کے ربک سے خطاب فرمایا ہے۔مشہور تفسیر کے مطابق معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے، جن میں جن وانس بھی داخل ہیں سب کے سب فانی ہیں، باقی رہنے والی ایک ہی ذات حق جل وعلی شانہ کی ہے۔اور وجہ کی اطلاق قرآن کریم میں نفس پر کئی جگہوں میں موجود ہیں: مثلاً سورۃ یوسف:۹، و یونس:۱۰۵، وروم:۳۰۔

فانی ہونے سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس وقت بھی اپنی ذات میں فانی ہیں، ان میں دوام وبقاء کی صلاحیت نہیں،اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ قیامت کے روز یہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی۔اور بعض مفسرین نے ''وَجْهُ رَبِّکَ'' کی تفسیر جہت اور سمت سے کی ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہو جائیں گے کہ کل موجوات میں بقا صرف اس چیز کو ہے جو اللہ تعالی کی جانب میں ہے، اس میں اس کی ذات وصفات بھی داخل ہیں،اور مخلوقات کے اعمال واحوال میں جس چیز کا تعلق حق تعالی کے ساتھ ہے وہ بھی شامل ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان اور جن اور فرشتے جو کام اللہ کے لئے کرتے ہیں وہ کام بھی باقی ہے، وہ فناہ نہیں ہوگا، (مظہری، قرطبی، روح المعانی)۔

اور اس مضمون کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے ''ماعندکم ینفد و ماعنداللہ باق'' (نحل:۹٦) یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے، مال ودولت ہو یا قوت وطاقت یا راحت وکلفت یا کسی کی محبت وعداوت یہ سب چیزیں فناہ ہونے والی ہیں،اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اللہ کے پاس انسان کے اعمال واحوال میں سے وہ چیز ہے جس کا تعلق اللہ تعالی سے ہے کہ اس کو فنا نہیں، واللہ اعلم۔

تُكَذِّبَانِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ﴿۳۵﴾

تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے۔

فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۶﴾ فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟۔ پھر جب آسمان پھٹ کر تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا وہ کیسا ہولناک دن ہوگا

كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَنْ

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟۔ اس روز نہ تو کسی انسان سے اس کے گناہوں کے بارے میں پرسش

ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۰﴾

کی جائے گی اور نہ کسی جن سے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْأَقْدَامِ ﴿۴۱﴾

گنہگار اپنے چہرے ہی سے پہچان لئے جائیں گے تو پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لئے جائیں گے۔

فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ یہی وہ جہنم ہے جسے گنہگار لوگ جھٹلاتے تھے

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾

وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔

فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۵﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو باغ ہیں

فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں میں بہت سی شاخیں (یعنی قسم قسم کے میووں کے درخت ہیں)

تُكَذِّبَانِ ﴿۴۹﴾ فِيهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۱﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں دو چشمے بہہ رہے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۳﴾

ان میں سب میوے دو دو قسم کے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ۔

مُتَّكِئِينَ عَلٰى فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾

(اہلِ جنت) ایسے بچھونوں پر جن کے استر اطلس کے ہیں تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور دونوں باغوں کے میوے قریب ہیں

فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۵﴾ فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہیں جن کو اہلِ جنت سے پہلے نہ کسی

إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۷﴾

انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۹﴾

گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۶۱﴾

نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَامَّتَانِ ﴿۶۴﴾

اوران دونوں باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ دونوں خوب گہرے سبز سیاہی مائل ہیں

فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۶۵﴾ فِيهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں دو چشمے ابل رہے ہیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٧﴾ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٩﴾ فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں نیک سیرت (اور) خوبصورت عورتیں ہیں۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧١﴾ حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (وہ) حوریں (ہیں جو) خیموں میں مستور (ہیں)۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٣﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٧٤﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان کو اہلِ جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا نہ کسی جن نے۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٥﴾ مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟۔سبز قالینوں اور نفیس مسندوں پر

وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٧﴾

تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ [2]

تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٧٨﴾

تمہارا پروردگار جو صاحبِ جلال و عظمت ہے اس کا نام بڑا بابرکت ہے۔

---

[2] یعنی اے جن وانس ابھی تمہارے پروردگار کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے تم آخر کس کس نعمت کے جھٹلانے کی جرأت کرو گے، کیا ان کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ اس لئے حدیث میں ہے کہ ہر بار اس کے بعد لا بشئ من نعمتک ربنا نکذب فلک الحمد، پڑھنا چاہئے، یعنی ہم آپ کی کسی بھی نعمت کو جھٹلا نہیں سکتے، بلکہ آپ کے شکر گزار ہیں۔ (ترمذی: ۳۳۴۵) اگرچہ جنات کا ذکر پہلے صراحتاً نہیں ہوا مگر اول تو لفظ

'انام'' میں وہ بھی داخل ہیں، دوسرے آیت: ''وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون'' میں دونوں کی پیدائش کی حکمت عبادت بتلائی گئی ہے، تیسرے'' خلق الانسان ،وخلق الجان ،سنفرغ لکم ایھا الثقلان، یامعشر الجن والانس، انس قبلھم ولاجان'' میں صراحتا انسان اور جن دونوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے ان قرائن کی وجہ سے یہاں بھی دونوں مخاطب ہیں۔

یہ تفریعی آیت اس سورت میں اکتیس جگہ آئی ہے، اور ہر مرتبہ کسی ایک خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور شیون الٰہیہ میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اس لئے اس کو تکرار محض نہیں کہاجائے گا بلکہ تشارک لفظی ہے ،ایسے تکرار کو اتفاق میں اصطلاحی طور پر تر دید کا نام دیا گیا ہے، اور اس ظاہری تکرار سے بھی جب کہ تاکید مقصود ہوتو اس کو قند مکرر سے شرین تر کہا جائے گا۔ اسی طرح فارسی ،اردو وغیرہ ہر زبان میں بکثرت اس کی مثالیں اساتذہ فن اور فصحاء کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں، اس لئے تکرار کو بے مزہ نہیں کہا جائے گا۔

مسلمانوں کے کسی امیر کے عہد میں ایک ملحد نے قرآن میں تکرار کا اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ اللہ کا کلام معلوم نہیں ہوتا، ورنہ عجز کلام اور عبث ماننا پڑے گا، یہ سن کر امیر نے حکم دیا کہ اس کے اعضاء مکررہ، ہاتھ ،پیر، کان، آنکھ، کاٹ دیئے جائیں، کیونکہ جب یہ کہتا ہے کہ اللہ کے کلام میں تکرار نہیں ہونا چاہیئے تو ہم کہتے ہیں، کہ اس کے کام میں تکرار نہیں ہونا چاہیئے ،اس کے دوسرے اعضاء زائد اور بیکار ہیں، ان کو کاٹ دیا جائے۔ سزا سنتے ہی ملحد کے کان کھڑے ہوگئے اور پاؤں تلے سے زمین سرکنے لگی، فوراً ہاتھ جوڑے، کان پکڑے، اور تائب ہوگیا۔

اس آیت کا مختلف قسموں کے بعد آنا جن میں سے بعض کا نعمت ہونا ظاہر بھی نہیں، اس پر دلالت کرتا ہے کہ نعمت مختلف قسم کی ہوتی ہے، بعض حسی اور بعض معنوی، جس کا مشاہدہ اہل بصیرت کو اپنے حالات واوقات میں خوب ہوجاتا ہے، اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نعمت کی تمام قسموں سے نفع حاصل کرنا مطلوب ومحمود ہے۔ زہد کے منافی یا تعلق مع اللہ کے خلاف نہیں ہے۔ کمالین۔

لطیفہ: تفسیر مدارک میں ہے کہ سورت اقتربت ،سورۂ رحمٰن ،سورۂ واقعہ ،تینوں سورتوں میں کہیں لفظ اللہ نہیں ہے، اور تھانویؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ مجادلہ کی کوئی آیت لفظ اللہ سے خالی نہیں ہے، واللہ اعلم باسرار کلامہ، اور ایسی پوری سورت کہ جس میں صرف ایک زیر ہو سورۂ اخلاص ہے۔

سورة الواقعة(مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾

جب واقع ہونیوالی واقع ہو جائے۔ اس کے واقع ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں۔ کسی کو پست کرے کسی کو بلند۔

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنبَثًّا ﴿٦﴾

جب زمین بھونچال سے لرزنے لگے۔ اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں ۔ پھر غبار ہو کر اڑنے لگیں۔

وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ﴿٧﴾ فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾

اورتم لوگ تین قسم ہو جاؤ۔ تو داہنے ہاتھ والے۔ (سبحان اللہ) داہنے ہاتھ والے کیا (ہی چین میں) ہیں۔

وَأَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا أَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿٩﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾

اور بائیں ہاتھ والے بائیں ہاتھ والے کیا ہیں۔ اور جو آگے بڑھنے والے ہیں (ان کا کیا کہنا) وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں

أُوْلٰئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾

وہی مقرب ہیں۔ نعمت کے بہشتوں میں۔ وہ بہت تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے ۔

وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْآخِرِيْنَ ﴿١٤﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا

اورتھوڑے سے پچھلوں میں سے۔ (لعل و یاقوت وغیرہ سے) جڑے ہوئے تختوں پر۔ آمنے سامنے تکیہ لگائے

مُتَقَابِلِيْنَ ﴿١٦﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿١٧﴾ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيْقَ

ہوئے۔ نوجوان خدمت گزار جو ہمیشہ (ایک ہی حالت میں) رہیں گے ان کے آس پاس پھریں گے

وَكَأْسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا

یعنی آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس لے لے کر۔ اس سے نہ تو سر میں درد ہوگا اور نہ ان کی عقلیں زائل ہوں گی۔ اور میوے جس طرح

يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾ وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾

کے ان کو پسند ہوں۔ اور پرندوں کا گوشت جس قسم کا ان کا جی چاہے۔ اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں۔

كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾

جیسے (حفاظت سے) تہ کئے ہوئے (آب دار) موتی۔ یہ ان اعمال کا بدلا ہے جو وہ کرتے تھے۔

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيمًا ﴿٢٥﴾ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴿٢٦﴾

وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ ہاں ان کا کلام سلام سلام (ہوگا)۔

وَأَصْحٰبُ الْيَمِينِ مَا أَصْحٰبُ الْيَمِينِ ﴿٢٧﴾ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿٢٨﴾

اور داہنے ہاتھ والے (سبحان اللہ) داہنے ہاتھ والے کیا (ہی عیش میں) ہیں۔ (یعنی) بے خار کی بیریوں میں۔

وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ﴿٢٩﴾ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ﴿٣٠﴾ وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ﴿٣١﴾

اور تہ بتہ کیلوں ۔ اور لمبے لمبے سایوں۔ اور پانی کے جھرنوں ۔

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَّلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ﴿٣٤﴾

اور میوہائے کثیرہ (کے باغوں) میں ۔ جو نہ کبھی ختم ہوں اور نہ ان سے کوئی روکے۔ اور اونچے اونچے فرشوں میں

إِنَّا أَنْشَأْنٰهُنَّ إِنْشَاءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾

ہم نے ان (حوروں) کو پیدا کیا۔ تو ان کو کنواریاں بنایا۔ (اور شوہروں کی) پیاریاں اور ہم عمر۔

لِّأَصْحٰبِ الْيَمِينِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾

داہنے ہاتھ والوں کے لئے ۔ (یہ) بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہیں۔ اور بہت سے پچھلوں میں سے۔

وَأَصۡحٰبُ الشِّمَالِ مَا أَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِي سَمُومٍ وَّحَمِيمٍ ﴿۴۲﴾

اور بائیں ہاتھ والے (افسوس) بائیں ہاتھ والے کیا (ہی عذاب میں) ہیں۔ (یعنی دوزخ کی) لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی میں

وَظِلٍّ مِّنۡ يَّحۡمُومٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيمٍ ﴿۴۴﴾ إِنَّهُمۡ كَانُوا قَبۡلَ ذٰلِكَ

اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں۔ (جو) نہ ٹھنڈا (ہے) نہ خوشنما۔ یہ لوگ اس سے پہلے عیش نعیم میں پڑے

مُتۡرَفِينَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الۡحِنۡثِ الۡعَظِيمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوا يَقُولُونَ

ہوئے تھے۔ اور گناہِ عظیم پر اڑے ہوئے تھے۔ اور کہا کرتے تھے

أَءِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا أَءِنَّا لَمَبۡعُوثُونَ ﴿۴۷﴾

کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے اور ہڈیاں (ہی ہڈیاں رہ گئے) تو کیا ہمیں پھر اٹھنا ہو گا؟۔

أَوَ آبَاؤُنَا الۡأَوَّلُونَ ﴿۴۸﴾ قُلۡ إِنَّ الۡأَوَّلِينَ وَالۡآخِرِينَ ﴿۴۹﴾ لَمَجۡمُوعُونَ إِلٰى

اور کیا ہمارے باپ دادا کو بھی؟ کہہ دو کہ بیشک پہلے اور پچھلے۔ (سب) ایک روز مقرر

مِيقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُومٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ إِنَّكُمۡ أَيُّهَا الضَّآلُّونَ الۡمُكَذِّبُونَ ﴿۵۱﴾

وقت پر جمع کئے جائیں گے ۔ پھر تم اے جھٹلانے والے گمراہو!

لَاٰكِلُونَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّومٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِئُونَ مِنۡهَا الۡبُطُونَ ﴿۵۳﴾

تھوہر کے درخت میں سے کھاؤ گے۔ اور اسی سے پیٹ بھرو گے۔

فَشَارِبُونَ عَلَيۡهِ مِنَ الۡحَمِيمِ ﴿۵۴﴾ فَشَارِبُونَ شُرۡبَ الۡهِيمِ ﴿۵۵﴾

اور اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے۔ اور پیو گے بھی تو اس طرح جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔

هٰذَا نُزُلُهُمۡ يَوۡمَ الدِّينِ ﴿۵۶﴾ نَحۡنُ خَلَقۡنَاكُمۡ فَلَوۡلَا تُصَدِّقُونَ ﴿۵۷﴾

جزا کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔ ہم نے تم کو (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا ہے تو تم (دوبارہ اٹھنے کو) کیوں سچ نہیں سمجھتے؟

أَفَرَأَيْتُمْ مَّا تُمْنُونَ ﴿٥٨﴾ ءَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿٥٩﴾

دیکھوتو کہ جس (نطفے) کوتم (عورتوں کے رحم میں) ڈالتے ہو۔کیا تم اس (سے انسان) کو بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں؟

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾

ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں۔

عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

کہ تمہاری طرح کے اور لوگ تمہاری جگہ لے آئیں اور تم کو ایسے جہان میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا کر دیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ

اور تم نے پہلی بار پیدائش تو جان ہی لی ہے پھر تم سوچتے کیوں نہیں؟ بھلا دیکھو تو کہ جو کچھ تم بوتے ہو۔

﴿٦٣﴾ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا

تو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں

فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾

اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔ (کہ ہائے) ہم تو مفت تاوان میں پھنس گئے۔ بلکہ ہم ہیں ہی بدنصیب۔

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ أَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ

بھلا دیکھو تو کہ جو پانی تم پیتے ہو۔ کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرتے ہیں؟

الْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾

اگر ہم چاہیں تو ہم اسے کھارا کر دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟ ۔

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا

بھلا دیکھو تو جو آگ تم درخت سے جلاتے ہو۔ کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے

أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِؤُنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾

یا ہم پیدا کرتے ہیں؟ ہم نے اسے یاددلانے اور مسافروں کے برتنے کو بنایا ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾

تو تم اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کرو۔ ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم۔ [1]

وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾

اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے۔ کہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔

---

[1] لفظ ''لا'' قسم کے شروع میں ایک عام محاورہ ہے، جیسے ''لا واللہ'' اور جاہلیت کی قسموں میں ''لا وابیک'' مشہور ہے، بعض علماء نے ''لا'' کو زائد قرار دیا ہے اور بعض نے اس کی توجیہ یہ کی کہ اس موقع میں حرف ''لا'' مخاطب کے گمان کی نفی کے لئے ہوتا ہے، یعنی لیس کما تقول، جیسا تم کہتے اور سمجھتے ہو وہ بات نہیں، بلکہ حقیقت وہ ہے جو آگے قسم کھا کر بتلائی جاتی ہے۔

''مواقع النجوم'' سے ستاروں کے غروب ہونے کی جگہیں مراد ہیں، ستاروں کا غروب ان کے فنا اور زوال کی دلیل ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی بالاتر طاقت کے زیر تصرف ہیں، جس طرح اسمان کے جگمگاتے ستارے چھپ جاتے اور ان کی روشنی زائل ہو جاتی ہے اسی طرح یہ سارا جہاں ایک وقت فنا ہو جائے گا، ''لامزیدۃ مؤکدۃ'' (مدارک). بمواقع النجوم ای بمساقط کواکب السماء ومغاربھا ، تخصیصھابالقسم لمافی غروبھامن زوال اثرھاوالدلالة علی وجودموثردائم لایتغیر ،ولذا استدل الخلیل علیه بالافول علی وجودالصانع جل وعلا(روح)۔

''وانه لقسم'' یہ قسم اور جواب قسم کے درمیان جملہ معترضہ ہے، برائے بیان عظمت قسم یعنی اگر تمہیں اس کی حقیقت کا علم ہو تو یہ ایک نہایت عظیم الشان قسم اور شاہد ہے۔

''انه لقرآن'' یہ جواب قسم ہے یہ قران نہایت اعلی اور احسن کتاب ہے جو دینی اور دنیوی منافع کا بیش بہا خزینہ ہے۔=

فِىْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾

(جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)۔ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ أَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ أَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾

پروردگار عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ کیا تم اس کلام سے انکار کرتے ہو؟

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾

اور اپنا وظیفہ یہ بناتے ہو کہ اسے جھٹلاتے ہو؟۔ بھلا جب روح گلے میں آ پہنچتی ہے۔

وَأَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اورتم اس وقت (کی حالت کو) دیکھا کرتے ہو۔اور ہم اس سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم کونظر نہیں آتے

= "فی کتاب مکنون" وہ لوح محفوظ میں محفوظ اور ہر قسم کے تغیر وتبدل سے مامون ومصون ہے۔

"لایمسه الا المطهرون" یہ جملہ کتاب مکنون کی صفت ہے اور المطهرون سے مراد فرشتے ہیں، جو ہر قسم کے گناہوں اور نجاستوں سے پاک ہیں، اور مس کنایہ ہے لوح محفوظ کے علوم پر اطلاع سے، حاصل یہ ہوا کہ لوح محفوظ کے علوم پر فرشتوں کے سوا کوئی مطلع نہیں ہوسکتا، ونفی مسه کناية عن لازمه وهونفى الاطلاع عليه وعلى مافيه ۔(روح)۔ یا یہ قرآن کی صفت ہے اور المطهرون سے وہ لوگ مراد ہیں جو حدث اصغر اور احدث اکبر سے پاک ہوں، اور نفی بمعنی نہیں ہے اور مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کو صرف وہی لوگ ہاتھ لگائیں جو باوضوء ہوں۔ المراد بالمطهرون المطهرون عن الحدث الاصغر والحدث الاكبر والمعنى لاينبغى ان يمس القرآن الامن هوعلى طهارة من الناس فالنفى بمعنى النهى بل ابلغ من النهى الصريح(روح) ۔اسی بناء پر جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ بے وضوء آدمی قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائے، امام بخاری اس کی اجازت دیتے ہیں۔

فَلَوْلَا إِنْ كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٨٧﴾

پس اگر تم کسی کے بس میں نہیں ہو۔ تو اگر سچے ہو تو روح کو پھیر کیوں نہیں لیتے؟

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ ﴿٨٩﴾

پھر اگر وہ (اللہ کے) مقربوں میں سے ہے۔تو (اس کے لئے) آرام اور خوشبودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں۔

وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٩٠﴾ فَسَلَامٌ لَّكَ مِنْ أَصْحَابِ

اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے۔تو (کہا جائے گا کہ) تجھ پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام

الْيَمِينِ ﴿٩١﴾ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ﴿٩٢﴾

اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے۔

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٩٣﴾ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿٩٤﴾

تو (اس کے لئے) کھولتے پانی کی ضیافت ہے۔ اور جہنم میں داخل کیا جانا ۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾

یہ (داخل کیا جانا یقیناً صحیح یعنی) حق الیقین ہے۔تو تم اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کرتے رہو۔

سورة الحديد (مدنية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١﴾ لَهُ مُلْكُ

جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔ آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِ وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢﴾

اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے (وہی) زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣﴾

وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا

الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ

جو چیز زمین میں داخل ہوتی اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی

وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤﴾

اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے سب اس کو معلوم ہے اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے[١]

---

[١]اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے خبر دی ہے کہ وہ اپنے عرش کے اوپر ہے، کائنات کی ہر چیز کو جانتا ہے۔اور ہم جہاں بھی ہوں ہمارے ساتھ ہے۔یہی بات حدیث الاوعال میں مذکور ہے "واللہ فوق العرش وھو یعلم ماانتم علیہ"(سنن ابو داود کتاب السنة:رقم:٤٧٢٣،وابن ماجه رقم:١٩٣، باب فیماانکرت الجھمیة) یعنی اللہ تعالی عرش پر ہے اور تمہارے ہر معاملے کو جانتا ہے۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ لغت عربیہ میں ,,لفظ،،مـــع،(ساتھ ہونا) جب استعمال کیا جائے گا تو لغت میں اس کا ظاہری معنی مطلقا مقارنت ومصاحبت ہی ہوگا،جس کے ساتھ معیت مذکور ہوا سے چھونا یا اس کے دائیں یا بائیں یا آگے پیچھے ہو کر اس سے مختلط ہونا ضروری نہیں ہے،۔جب سیاق کلام کے پیش نظر لفظ ,,مع،، کے کسی معنی کو مقید کیا جائے گا،تو اسی معنی کی مقارنت مراد ہوگی۔

کہا جاتا ہے ,,مازلنا نسیر والقمر معنا اوالنجم معنا ،،ہم چلتے رہے اور چاند ہمارے ساتھ تھا،یا

فلاں ستارہ ہمارے ساتھ ساتھ رہا۔اسی طرح اپنا سامان اگر چہ آپ نے اپنے سر کے اوپر اٹھا رکھا ہو،مگر آپ کہتے ہیں ,,ھذا المتاع معی ،،(یہ سامان میرے ساتھ ہے)لہٰذا اللہ تعالی حقیقتاً اپنی خلق کے ساتھ بھی ہے،اور حقیقتاً اپنے عرش کے اوپر بھی ہے۔

اب یہ معیت اگر سیاق عموم میں مذکور ہے،تو اس سے کوئی شخص یا وصف مستثنٰی نہیں ہوگا ، بلکہ وہ پوری مخلوق کے ساتھ ہر حال میں ہوگی ۔جیسے اللہ تعالی کا فرمان ہے ۔اس ایت مذکورہ میں کہ جہاں کہیں تم ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے ۔اسی معیت عامہ پر مشتمل ہے ۔جس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالی تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو۔اس سے کوئی فرد، یا اس کی کوئی حالت مخصوص مستثنٰی نہیں ہے ۔اللہ تعالی کے اس فرمان میں بھی یہی معیت عامہ[سورۃ مجادلہ:۷]میں مذکور ہے۔

اور اگر صفت معیت کا سیاق خاص میں ذکر ہے،مثلاً کسی شخص یا وصف کے ساتھ معیت کو مخصوص کیا گیا ہے،تو یہ معیت خاصہ کہلاتی ہے،جس میں علم واحاطہ کے معنی کے ساتھ ساتھ ایک اضافی معنی بھی پیدا ہو جائے گا، اور وہ ہے مدد کرنا تائید فرمانا،ہدایت وتوفیق عطا فرمانا وغیرہ ۔کسی شخص کے ساتھ مخصوص معیت کی مثال اللہ کا موسٰی اور ہارون علیہما السلام سے فرمانا۔جیسے کہ سورۂ طٰہٰ :۴۶، میں مذکور ہے۔اسی طرح اللہ تعالی کا محمد ﷺ کے متعلق فرمان ہے سورۂ توبہ:۴۰،ان مذکور دونوں ایتوں میں معیت خاصہ کا ذکر ہے،جس میں اضافی طور پر نصرت وتائید کا معنی موجود ہے کسی وصف کے ساتھ مخصوص معیت کی مثال سورۂ انفال:۴۶،میں موجود ہے۔قران کریم میں اس قسم کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ مجموع الفتاوی:۱۰۳/۵، میں فرماتے ہیں کہ حسب مقام معیت کے احکام ومعانی مختلف ہیں چنانچہ یہاں اس ایت کا ظاہر دلالت کررہا ہے کہ معیت کا حکم،مقتضی،معنی یہ ہے کہ اللہ تم پر مطلع ہے (گواہ ہے) تمہیں جانتا ہے اور تمہارا پوری احاطہ کیئے ہوئے ہے۔

اس ایت کریمہ کی تفسیر میں سلف صالحین کے قول " انه معهم بعلمه" کا یہی معنی ومراد ہے،اس ایت کریمہ میں صفت معیت کا یہی ظاہر وحقیقت ہے جبکہ نبی کریم ﷺ نے غار کے اندر ابوبکرؓ سے فرمایا:"لاتحزن ان اللہ معنا" تو یہاں بھی معیت اپنی حقیقت وظاہر پر قائم ہے،ایت کا سیاق یہ دلالت کررہا ہے کہ یہاں معیت اطلاع کے معنی کے ساتھ ساتھ نصرت وتائید کے معنی پر بھی مشتمل ہے ۔اسی طرح اللہ تعالی کے اس فرمان میں بھی معیت کے معنی میں نصرت وتائید کا مفہوم شامل ہے۔یعنی سورۂ نحل ۱۲۸، میں جبکہ سورۂ طٰہٰ :۴۶،میں اللہ تعالی نے موسٰی اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا کہ " اننی معکما اسمع واری "۔طٰہٰ:۴۶۔یہاں بھی معیت کا ظاہری معنی علم واحاطہ کے ساتھ ساتھ نصرت وتائید ہے۔=

لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴿۵﴾

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور سب امور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَهُوَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ

(وہی) رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔

= شیخ الاسلامؒ آگے مزید فرماتے ہیں: معیت کے معنی و مقتضیٰ میں فرق موجود ہے

ابن رجب نے الاربعین النوویہ کی ۲۹،ویں حدیث کی شرح کے ضمن میں فرمایا ہے۔اللہ تعالیٰ کی معیت خاصہ ،نصرت،تائید،حفاظت واعانت کی متقاضی ہے جبکہ معیت عامہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر علم واحاطہ اوران کے تمام اعمال کی مکمل نگرانی کی متقاضی ہے۔بہت سے علماء نے اجماع نقل کیا ہے کہ یہاں معیت سے مراد معیت علم واحاطہ ہے اور بلاشبہ یہ مراد لینا محمول برحقیقت ہے۔اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر بات سنتا اور ہر چیز دیکھتا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی خلق کے تمام احوال وامور پر پوری طرح مطلع ہے اوراس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔(جامع العلوم والحکم)

جبکہ امام ابوحنیفہؒ کا قول اس باب میں مشہور ہے، جو کہ امام بیہقیؒ نے کتاب الاسماء والصفات:۱۷۰/۲،اورامام ذہبی نے کتاب ''العلو'' (مختصر:۱۳۵،) میں نقل کیا ہے، کہ،قال نعیم بن حماد سمعت ان نوح الجامع یقول: کنت عند ابی حنیفةؒ اول ماظهر،اذ جائته امرأة من (ترمذ)کانت تجالس جهمافدخلت الکوفة،فأظننی اقل مارأیت علیهاعشرة الاف نفس[تدعوإلی رأیها]فقیل لها:ان هاهنارجلاقدنظرفی المعقول یقال له ابوحنیفةفاتیه،فاتته،فقالت انت الذی تعلم الناس المسائل وقدترکت دینک؟این الهک الذی تعبده؟فسکت عنهاثم مکث سبعة ایام لایجیبها،ثم خرج الیناوقدوضع کتابا:ان الله عزوجل فی السماء دون الارض،فقال رجل،أرأیت قول الله عزوجل(وهومعکم)قال:هوکماتکتب الی الرجل:انی معک وانت غائب عنه۔

الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ

(تو) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو

فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۷﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور (مال) خرچ کرتے رہے ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔ اور تم کیسے لوگ ہو کہ اللہ پر ایمان

بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

نہیں لاتے؟ حالانکہ (اس کے) پیغمبر تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور اگر تم کو

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ

باور ہو تو وہ تم سے عہد بھی لے چکا ہے۔ وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تم کو

الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾

اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے اور بیشک اللہ تم پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی وراثت اللہ ہی کی ہے

لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً

جس شخص نے تم میں سے فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ (اور جس نے یہ کام پیچھے کئے وہ) برابر نہیں ان لوگوں کا درجہ

مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ

ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ (اموال) اور (کفار سے) جہاد و قتال کیا اور اللہ نے سب سے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ

(ثواب) نیک (کا) وعدہ تو کیا ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان سے واقف ہے۔ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے

لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۱﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُورُهُم

تو وہ اس کو اس سے دگنا ادا کرے اور اس کے لئے عزت کا صلہ جنت ہے۔ جس دن تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے

بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرٰكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِي

کہ ان (کے ایمان) کا نور ان کے آگے آگے اور دہنی طرف چل رہا ہے تم کو بشارت ہو (کہ آج تمہارے لئے) باغ ہیں

مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۲﴾

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ رہو گے یہی بڑی کامیابی ہے۔

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ

اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہر جاؤ کہ ہم بھی تمہارے نور سے

مِن نُّورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ

روشنی حاصل کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے لوٹ جاؤ اور (وہاں) نور تلاش کرو پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر

لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾

دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جو اس کی جانب اندرونی ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو جانب بیرونی ہے اس طرف عذاب

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ قَالُوا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ

تو کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں تھے لیکن تم نے خود اپنے تئیں فتنہ میں ڈالا اور منتظر

وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ أَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُم بِاللّٰهِ الْغَرُورُ

رہے اور (اسلام میں) شک کیا اور (لاطائل) آرزوؤں نے تم کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور اللہ کے بارے

﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَأْوٰكُمُ النَّارُ

میں تم کو (شیطان) دغا باز دغا دیتا رہا۔ تو آج تم سے معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے

هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا

(کہ) وہی تمہارے لائق ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ کیا ابھی تک مومنوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا

أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ

کہ اللہ کی یاد کرنے کے وقت اور (قرآن) جو برحق نازل ہوا ہے اس کے سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں

أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ

اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتابیں دی گئی تھیں پر ان پر زمانہ طویل گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور

فَاسِقُونَ ﴿١٦﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا

ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ جان رکھو کہ اللہ ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے ہم نے اپنی نشانیاں

لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ

تم سے کھول کھول کر بیان کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو۔ جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی

وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾

اور اللہ کو (نیت) نیک (اور خلوص سے) قرض دیتے ہیں ان کو دو چند ادا کیا جائے گا اور ان کے لئے عزت کا صلہ ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ

اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے یہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

ان کے لئے ان (کے اعمال) کا صلہ ہوگا اور ان (کے ایمان) کی روشنی اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٩﴾ اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ

وہی اہلِ دوزخ ہیں۔ جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت (و آرائش)

وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ

اور تمہارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (وخواہش) ہے

أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا

جیسے بارش کہ کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر تو اس کو دیکھتا ہے کہ زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہو

وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

جاتی ہے اور آخرت میں (کافروں کے لئے) عذاب شدید اور اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو

إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

متاعِ فریب ہے۔ (بندو!) اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت (کی طرف) جس کا عرض

كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ

آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے اور جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے ہیں

ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۱﴾

لیکو یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ

کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے

أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۲۲﴾ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ

(اور) یہ کام اللہ کو آسان ہے۔ تاکہ جو (مطلب) تم سے فوت ہو گیا ہے اس کا غم نہ کھایا کرو

وَلَا تَفْرَحُوا بِمَآ آتٰكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿۲۳﴾

اور جو تم کو اس نے دیا ہو اس پر اتراؤ مت اور اللہ کسی اترانے اور شیخی بگھارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ

جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو شخص روگردانی کرے تو اللہ بھی بے نیاز (اور) سزاوارِ حمد

الْحَمِيْدُ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ

(وثناء) ہے۔ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں

وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَمَنَافِعُ

اور ترازو تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطر بھی شدید ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں

لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢٥﴾

اور اس لئے کہ جو لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں اللہ اس کو ظاہر کر لے بیشک اللہ قوی غالب ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّإِبْرَاهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلے) کو (وقتاً فوقتاً) جاری رکھا

فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا

تو بعض ان میں سے ہدایت پر ہیں اور اکثر ان میں سے خارج از اطاعت ہیں۔ پھر ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر پیغمبر

وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ

بھیجے اور ان سب کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور ان کو انجیل عنایت کی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں

اتَّبَعُوْهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ

میں شفقت اور مہربانی ڈال دی اور لذات سے کنارہ کشی تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی تھی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں

إِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

دیا تھا مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیئے تھا نباہ بھی نہ سکے

فَآتَيْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔ [2]

---

[2] "ثم قفینا" ان کے بعد ہم پے در پے پیغمبر بھیجتے رہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سب کے بعد ہم نے عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجا اور اس پر کتاب انجیل نازل کی، جس میں مسئلہ توحید اور دیگر احکام شریعت کا بیان تھا، جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں محبت والفت پیدا کر دی، اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے نہایت محبت ومودت کا سلوک کرتے تھے۔

"ورھبانیة ابتدعوھا" رھبانیة، عزلت، ریاضت، لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جانا، اس کا ناصب علی شریطة التفسیر محذوف ہے، منصوب بفعل مضمر یفسرہ الظاھر، ای وابتدعوا رھبانیةً (روح:) ۔"الاابتغاء وجه الله" "کتبناھا، میں ضمیر مفعول سے بدل ہے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے ایک جماعت نے رہبانیت از خود اختراع کی تھی، ہم نے سرے سے ان پر فرض کی ہی نہ تھی، ہم نے تو ان پر اللہ کی رضا جوئی فرض کی تھی، لیکن جو چیز انہوں نے اپنی طرف سے اپنے اوپر لازم کر لی تھی، آخر وہ اس کا بھی حق ادا نہ کر سکے، اور رہبانیت پر پورے نہ اتر سکے، و المعنی ماکتبناعلیھم الاابتغاء رضوان الله (قرطبی)۔

یا استثناء منقطع ہے، یعنی رہبانیت کو ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے خود ہی اللہ کی رضا جوئی کے لئے اسے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، لیکن پھر اس کا حق ادا نہ کر سکے، استثناء منقطع، ای مافرضناھا نحن علیھم رأسا ولکن ابتدعوھا والزموا انفسھم بھا ابتغاء رضوان الله تعالی. (روح). یا استثناء متصل ہے، یعنی رہبانیت کو انہوں نے اختراع کیا اور ہم نے رضاء الٰہی حاصل کرنے کے لئے ان پر اس کو مقرر کر دیا، استثناء متصل، و المعنی انما تعبدناھم بھا الاعلی وجه ابتغاء مرضات الله تعالی (کبیر). ابتداء میں جن لوگوں نے رہبانیت اختیار کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ نہ تو جہاد کی طاقت رکھتے تھے اور نہ امر بالمعروف کی، تو انہوں عزلت اختیار کر لی مگر بعد میں لوگ اسکی رعایت نہ کر سکے۔

اس امت کے لئے گوشہ نشینی افضل ہے یا مخالطت؟

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من خیر معاش الناس لھم: رجل ممسک عنان

فرسه فی سبیل الله،یطیرعلی متنه کلماسمع هیعة اوفزعة طارعلیه،یبتغی القتل و الموت مظانه اورجل فی غنیمة فی راس شعفة من هذه الشعف،اوبطن وادمن هذه الاودیة،یقیم الصلاة،ویوتی الزکاة،ویعبدربه حتی یاتیه الیقین ،لیس من الناس الافی خیر.(مسلم:۱۲۵/۱۸۸۹ ،والنسائی فی السنن الکبری: ۸۸۳۰،ابن ماجه:۳۹۷۷) ۔انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جواللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لے،اور جب کسی کی خوفزدہ آواز یا کسی کے فریاد کرنے کی آواز سنے تو عجلت کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جائے اور اس کی طرف دوڑتا ہوا چلا جائے ،اور اپنی موت کو یا اس جگہ کو تلاش کرتا پھرے، جہاں موت کا گمان ہو، یا اس شخص کی زندگی ہے جو کچھ بکریوں کے ساتھ ان پہاڑوں میں سے کسی ایک پہاڑ کی چوٹی پر، یا ان وادیوں میں سے کسی ایک وادی میں اقامت گزین ہے ،اور نماز پڑھتا ہے اور زکواۃ ادا کرتا ہے ،اور پروردگار کی عبادت میں مشغول رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو موت آجائے ،اور یہ شخص انسانوں کا شریک نہیں ہے بلکہ صرف بلائی کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔امام نوویؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں، کہ یہ ان لوگوں کے مسلک کی دلیل ہے، جومخالطت یعنی دنیاوالوں کے درمیان رہن سہن پر گوشہ گزینی کو فضیلت دیتے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں مشہور اختلافی اقوال یہ ہیں کہ امام شافعی اور اکثر علماء کے نزدیک اختلاط یعنی (دنیاوالوں کے درمیان رہنا سہنا)افضل ہے بشرطیکہ دین میں فتنہ فساد سے محفوظ و مامون رہنے کی امید ہو،جبکہ زاہدان طریقت کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ دنیاوالوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ گزینی اختیار کرنا افضل ہے،انھوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یا تو فتنوں سے بھر پور زمانہ پر محمول ہے۔یا اس کے علاوہ اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو لوگوں کی ایذا پر صبر نہ کرسکتا ہو، یا لوگ خود اس کی وجہ سے سلامت نہ رہتے ہوں۔

پھران کی سب سے بڑی دلیل یہ کہ انبیاء علیہم السلام، اکثر صحابہ کرام ،تابعین عظام،علماء اور مشائخ اور زاہدان طریقت کا معمول یہی رہا ہے، کہ انھوں نے دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی سے احتراز کر کے اسی دنیا میں اور اسی دنیاوالوں کے درمیان رہن سہن کو اختیار کیا،اور اس کے ذریعہ وہ بہت سارے دینی فوائد حاصل کرتے رہے جو گوشہ نشینی کی صورت میں ناممکن الحصول تھے۔جیسے نماز جمعہ و جماعت ،نماز جنازہ اور عیادت مریض وغیرہ وغیرہ۔اوران کی دلیل حدیث ابی ہریرۃؓ ہے : عن ابی هریرةؓ قال:مررجل من اصحاب النبیﷺبشعب فیه عیینة من ماء عذبة، فاعجبته، فقال لواعتزلت الناس فاقمت فی هذا الشعب ،فذکرذلک لرسول اللهﷺ؟فقال لاتفعل، فان مقام احدکم

فی سبیل اللّٰہ افضل من صلاتہ فی بیتہ سبعین عاما،الاتحبون ان یغفراللّٰہ لکم ، ویدخلکم الجنۃ؟اغزوافی سبیل اللّٰہ،من قاتل فی سبیل اللّٰہ فواق ناقۃ وجبت لہ الجنۃ.(ترمذی: ۱۶۵۰)۔ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران رسول کریم ﷺ کے ایک صحابی پہاڑی کے درہ سے گزرے جس میں بریں پانی کا ایک چشمہ تھا،تو وہ چشمہ ان کو بہت اچھا لگا وہ کہنے لگے کہ کاش میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلوں،اوراس درے میں آرہا؟ جب رسول کریم ﷺ کے سامنے اس بات کا ذکر ہوا تو آپؐ نے اس صحابی سے فرمایا: کہ تم ایسا نہ کرنا،کیونکہ تم میں سے کسی شخص کا اللہ کی راہ یعنی جہاد میں قیام کرنا اس کا گھر میں ستر برس نماز پڑھنے سے بہتر ہے،کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالی تم کو کامل طور پر بخش دے اور تمہیں ابتـــداءً ہی جنت میں داخل کردے،اللہ کی راہ میں جہاد کرو،کیونکہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں اونٹنی کے فواق کے بقدر،(یعنی تھوڑی دیر) کے لئے بھی جہاد کیا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے گوشہ گزینی اختیار کرنے اور جنگل وکوہستان میں عبادت الٰہی میں مشغول رہنے سے بخشش ومغفرت حاصل نہیں ہوتی،اس لئے علماء اس ارشاد گرامی کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ چونکہ اس زمانے میں جہاد واجب تھا۔اور کسی نفل کے لئے واجب کو ترک کرنا گناہ ہے،اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ اس صحابی پر گویا یہ واضح کیا کہ اگر تم نے دنیا اور دنیا والوں سے ترک تعلق کرکے،اس پہاڑی درے میں گوشہ گزینی اختیار کی،اوراگرچہ اس کا مقصد محض مکمل تنہائی وخلوت میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہنا ہو،تو اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ تم ان بہت سی سعادتوں اور فضیلتوں سے محروم رہ جاؤ گے جو دنیا والوں کے درمیان رہ کر دینی فرائض وذمہ داریوں کو انجام دینے کی صورت میں حاصل ہوتی ہے بلکہ تمہارا یہ نفل عمل ایک واجب عمل اور ایک اہم دینی فریضہ یعنی جہاد کے ترک کا باعث بھی ہوگا۔جس سے تم گناہگاروں کے زمرے میں شامل ہوجاؤ گے۔

علاوہ ازیں اس ارشاد گرامی سے کامل مغفرت اور ابتداء جنت میں جانے والوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے پر محمول کیا جاسکتا ہے۔یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے درمیان رہنا گوشہ گزینی سے افضل ہے،خصوصا نبی کریم ﷺ کے زمانے سعادت نشان میں تو یہ افضلیت کہیں زیادہ تھی،البتہ رسول پاک ﷺ کے زمانے کے بعد کبھی کبھی گوشہ گزینی ہی کو افضلیت حاصل ہوتی ہے،جبکہ لوگوں کے درمیان رہنے سے فتنہ وشر کے غلبہ کا خوف ہو۔

پہلی بات کی تائید کے لئے حدیث انسؓ زیادہ واضح ہے،کہ:قـال الـنبـی ﷺ ان لکل امۃ رھبانیۃ ورھبانیۃ ھذہ الامۃ الجھادفی سبیل اللّٰہ۔(شعب الایمان:۱۵۷/۸)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ

مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا[3]

---

[3] يَـآ أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوْا الاية، قرآنی نمط سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح کا خطاب امت محمدی ﷺ کو ہوتا ہے، تو یہاں خطاب اس امت کو ہے، اور کثرت اجر کی وجہ درجہ ذیل حدیث میں بیان کی گئی ہے، ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انمـا اجلـكـم فـي اجـل مـن خلامن الامم ، مـابين صلاة العـصـر الـى مـغـرب الشمس ، وانمامثلكم ومثل اليهود والنصارى ، كرجل استعمل عمّالا، فقال من يـعـمـل لى الى نصف النهار على قيراط قيراط؟ فعمِلتِ اليهود الى نصف النهار على قيراط قيراط، ثم قـال مـن يـعـمـل لى من نصف النهار الى صلاة العصر على قيراط قيراط؟ فعملت النصارى من نصف الـنـهـار الـى صـــــلاة العصر على قيراط قيراط ، ثم قال من يعمل لى من صـــــلاة العصر الى مغرب الشـمـس عـلـى قيـراطـيـن قيـراطـيـن،؟ الافانتم الذين يعملون من صلاة العصر الى مغرب الشمس، الالـكم الاجر مرتين، فغضبت اليهود و النصارى، فقالوا نحن اكثر عملا واقل عطاءً ؟ قال الله تعالى فهل ظلمتكم من حقكم شيئا؟ قالوا لا، قال الله تعالى: فانه فضلى اعطيه من شئت (بخاری: ٣٤٥٩)۔

یعنی دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں تمہارا عرصہ حیات اتنا ہے جتنا کہ (سارے دن کے مقابلہ میں) نماز عصر کے بعد سے غروب افتاب تک کا درمیانی وقت، علاوہ ازیں (اللہ رب العزت کے ساتھ) تمہارا معاملہ اور یہود ونصاری کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص اجرت پر کام کرنے کے لئے کچھ مزدوروں کو طلب کرے اور ان سے کہے کہ کوئی ہے جو دوپہر تک میرا کام کرے اور میں (اتنے عرصہ کام کرنے کی اجرت کے طور پر ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں گا؟۔ چنانچہ اس اجرت کو منظور کرکے یہود نے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو دوپہر سے عصر تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں گا؟، چنانچہ یہود کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے لوگوں نے یعنی نصاری نے دوپہر سے عصر کے وقت تک ایک ایک قیراط پر کام کیا، اور پھر اس شخص نے کہا کہ کوئی ہے جو نماز عصر سے غروب آفتاب تک میرا کام کرے، اور میں ہر شخص کو دو دو قیراط دوں گا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ

نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا: جان لو! (اس مثال میں) تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے ہیں، یاد رکھو تمہارا اجر دوگنا ہے اور اسی وجہ سے کہ تمہارے کام کی مدت تو کم ہے لیکن مستحق دوگنے اجر کے قرار پائے ہو، یہود ونصاری بھڑک اٹھے اور بولے کہ عمل کے اعتبار سے تو ہم بہت بڑھے ہوئے ہیں، لیکن اجر وثواب میں ہمارا حصہ بہت کم ہے۔ اللہ تعالی نے ان کو جواب دیا، کیا میں نے تمہارے ساتھ کچھ ظلم کیا ہے؟ یعنی میں نے تمہاری جو اجرت مقرر کی تھی اور تمہیں جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، کیا اس میں کچھ کمی کی ہے؟ یہود ونصاریٰ نے کہا نہیں، ہمارے حق میں تو نے کچھ کم نہیں کیا ہے لیکن تیری طرف سے یہ تفاوت اور تفریق کیسی ہے؟ پروردگار نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادہ اجر دینا میرا فضل واحسان ہے، میں جس کو چاہوں زیادہ دوں، (میں فاعل مختار ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں)۔

''اجل'' کسی چیز کی مدت متعینہ کو کہتے ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** (مومن:٦٧) اور کبھی اس لفظ ''اجل'' کا اطلاق انسان کی موت پر کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے، **دنا اجله**، اس شخص کی موت قریب آ گئی، یہ ملا علی قاری نے طیبی کے حوالہ سے لکھا ہے اور اس کے بعد کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ''اجل'' کے لفظ سے کبھی تو اس پوری مدت کو تعبیر کیا جاتا ہے جو عمر کے لئے متعین ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس ارشاد: **ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ** (انعام:٢)۔ میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

اور کبھی اس لفظ کا اطلاق مدت عمر کے خاتمہ اور زندگی کے آخری لمحہ پر ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے ارشاد: **فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ** (اعراف:٣٤)۔ میں اس لفظ کے یہی معنی مراد ہیں۔

پس یہاں حدیث کے الفاظ: **انما اجلکم فی اجل من خلا من الامم ، الخ**، میں لفظ ''اجل'' کے پہلے معنی مراد ہیں، یعنی پورا عرصہ حیات، پوری مدت عمر، اس روشنی میں حدیث گرامی کے ان الفاظ کی وضاحت یہ ہوگی کہ اے مسلمانو! پچھلی امتوں کے لوگوں کی لمبی عمروں کے مقابلہ میں تمہاری کم عمروں کا تناسب وہی ہے جو دن کے اغاز سے نماز عصر تک کے وقت کے مقابلہ میں عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کے وقت کا ہے، لیکن اس کے باوجود تمہارے اجر وثواب کی مقدار زیادہ متعین ہے۔ جب کہ ان لمبی لمبی عمروں والوں کے لئے اجر وثواب کی مقدار کم رکھی گئی یہ تمہارا شرف واعزاز ہے کہ تمہارے عمل کا عرصہ کم ہے مگر اجر وثواب کہیں زیادہ۔

''قیراط'' ایک وزن کو کہتے ہیں جو درہم کے بارہویں حصہ یا دینار کے بیسویں حصہ کے برابر ہوتا ہے۔ موجودہ

حساب کے مطابق (دوصحیح ایک بٹہ دس رتی یا دوسوپچپن (٢٥٥) ملی گرام ہے)۔

یادرکھو،تمہارااجر دوگنا ہے،یعنی یہودونصاریٰ کے ساتھ تو یہ معاملہ تھا کہ وہ جتنا کرتے تھے اسی کے برابر اجرو ثواب کے مستحق ہوتے تھے،لیکن تمہارااعزاز یہ ہے کہ ان کی بہ نسبت تمکودوگنا اجروثواب ملتا ہے گویا حدیث کا یہ مضمون اللہ تعالی کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے۔تفسیر قرطبی اس معنی کواشارہ کرتے ہیں کہ:لما نزلت﴿ اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴾ (قصص: ٥٤).افتخر مومنو اهل الكتاب على اصحاب النبیﷺفنزلت هذه الاية.

فائدہ: اس حدیث سے حنفی علماء نے عصر کے وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کومضبوط بنانے کے لئے استدلال کیا ہے،امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ عصر کا وقت جب شروع ہوتا ہے کہ ہر شے کا سایہ اس کے دومثل یعنی دوگنا ہوجائے ،چنانچہ ان حنفی علماء کا کہنا ہے کہ نصاریٰ کے عرصہ عمل کا اس امت کے عرصہ عمل سے زیادہ ہونا اسی صورت میں سمجھا جاسکتا ہے جبکہ حدیث میں مذکورمثال کے مطابق ان کے کام (عمل) کی مدت دوپہر کے بعد سے ہر شے کا سایہ دومثل یعنی دوگنا ہوجانے تک رہے۔لیکن ان کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے:

ایک جواب ابن حجرؒ فتح الباری:٢/٤٨، میں لکھتا ہے، کہ :فلو تمسكنا بان المراد التمثيل بطول الزمانين وقصرهما،للزم ان يكون وقت العصر اطول من وقت الظهر ولاقائل به، فدل على ان المراد كثرة العمل وقلته۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ مشہورہ ہے،مثال خارج میں وجود کا تقاضا نہیں کرتا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جوروایات اوقات صلاۃ کے متعلق وارد ہیں،وہ بطورعبارت النص ہے،اوراس سے استدلال بطوراشارۃ النص ہےاورعبارت النص احق ہوتا ہے باعتبار اخذ۔

اکثرمفسرین نے فرمایاہے کہ یہ خطاب یہودونصاری سے ہے جوموسٰی وعیسٰی علیہما السلام پرایمان لاچکے تھے،اوراس جملہ سے اس لئے مخاطب کیا کہ پہلی آیت میں:﴿ فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ ﴾ میں لفظ''امنوا'' ذکر ہے اوران کودوگنا اجروثواب دینا ظاہر ہے۔

اوراس حدیث میں بھی اس کواشارہ ہے:ابوموسٰی اشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے فرمایا: ثلاثة=

وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۸﴾

اور تمہارے لئے روشنی کر دے گا جس میں چلو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ

(یہ باتیں) اس لئے (بیان کی گئی ہیں) کہ اہلِ کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے اور یہ کہ فضل اللہ ہی

وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ [4]

=لهم اجران: رجل من اهل الكتاب آمن بنبيه و آمن بمحمد ﷺ، والعبد المملوك اذا ادّى حق الله وحق مواليه، ورجل كانت عنده امة يطأها، فادّبها فاحسن تأديبها، وعلمها فاحسن تعليمها ثم اعتقها فتزوجها، فله اجران۔ (بخاری: ۹۷، مسلم: ۱۵۴، ۲۴۱)۔

تین شخص ایسے ہیں، جن کو دو دو اجر ملیں گے، اس اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) کو جو (پہلے) اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا پھر محمد ﷺ پر ایمان لایا، اور اس غلام کو جو اللہ کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے آقاؤں کے حقوق کو بھی ادا کرتا رہے، اس شخص کو جس کی کوئی باندی تھی اور وہ اس سے صحبت کرتا تھا، پہلے اس کو اچھا ہنرمند بنایا پھر اس کو خوب اچھی طرح تعلیم دی، اور پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا، تو یہ بھی دوہرے اجر کا حقدار ہوگا۔

[4] ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ﴾ ''لا'' میں دو قول ہیں، اول یہ کہ لاء زائدہ برائے تاکید ہے، اہل کتاب کا زعم تھا کہ رسالت و نبوت اور وحی ربانی کے مستحق صرف بنی اسرائیل ہی ہیں اور کوئی نہیں (جیسا کہ حدیث میں ہے: قالا ان داود دعا ربه ان لا يزال من ذريته نبي و انا نخاف ان اتبعناك ان تقتلنا يهود ۔ ترمذی: ۳۱۴۴، نسائی فی الکبری رقم: ۸۶۵۶، ابن ماجہ: ۳۷۰۵۔) اس لئے اب بھی اگر کوئی پیغمبر آ سکتا ہے تو صرف بنی اسرائیل سے مبعوث ہو سکتا ہے، تو ان کے زعم باطل کا رد فرمایا: کہ ہم نے محمد ﷺ پر ایمان لانے اور دوہرا ثواب دینے کا اس لئے وعدہ کیا ہے تاکہ اہل کتاب کو آپ کی نبوت کا یقین ہو جائے، اور انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے فضل و احسان کی تقسیم ان=

سورة المجادلة (مدنیة)[۱]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَتَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ

(اے پیغمبر!) جو عورت تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث وجدال کرتی اور اللہ سے شکایت (رنج وملال) کرتی تھی

وَاللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۱﴾

اللہ نے اس کی التجا سن لی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا کچھ شک نہیں کہ اللہ سنتا دیکھتا ہے۔

=کے اختیار وقدرت میں نہیں۔اور نبوت ورسالت جو اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے ان کے تصرف میں نہیں، بلکہ اللہ تعالی کے اختیار وتصرف میں ہے وہ جسے چاہے اسکو نوازے، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

دوم یہ کہ "لا" زائدہ نہیں اس صورت میں "یقدرون" کی ضمیر فاعل نبی کریم ﷺ اور مومنین سے کنایہ ہوگی، یعنی تا کہ اہل کتاب یہ نہ سمجھے کہ پیغمبرؐ اور اہل اسلام اللہ کے فضل واحسان کے مستحق نہیں ہیں۔و التقدیر،لئلا یعلم اھل الکتاب ،ان النبی ﷺ و المومنین لایقدرون علی شی ء من فضل اللہ(کبیر). لیکن حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی "یقدرون" کی ضمیر اہل کتاب کیطرف راجع ہے،اور مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اب ہمارا کوئی امام نہیں،اسلئے اب ہم جہاد کرکے اللہ تعالی کا فضل اور اس کی رضامندی حاصل نہیں کرسکتے تو اب خاتم النبین تشریف لاچکے ہیں،لہذا ان پر ایمان لاؤ اور ان کے ساتھ ملکر اللہ کے دین کی سربلندی اور توحید کی اشاعت کے لئے جہاد کرو،اللہ تعالی تمہیں اپنے فضل ورحمت سے نوازے گا

[۱]اس سورت کی ابتدائی ایات کے نزول کا سبب ایک خاص واقعہ ہے کہ اوس بن الصامتؓ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی خولہ کو یہ کہہ دیا کہ، انت علیّ کظھر امی ،تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت یعنی حرام ہے، نبی ﷺ کی بعثت سے

پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ ابدی اور دائمی حرمت کے لئے بولے جاتے تھے، جو طلاق مغلظہ سے بھی زیادہ سخت ہے، خولہؓ یہ واقعہ پیش آنے پر نبی ﷺ کی خدمت میں اس کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئیں، اس وقت تک اس خاص مسئلے کے متعلق نبی ﷺ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی، اس لئے آپؐ نے قول مشہور کے موافق ان سے فرمادیا: ما اراک الاقد حرمت علیه، یعنی میری رائے میں تو تم اپنے شوہر پر حرام ہوگئیں، وہ یہ سنکر واویلا کرنے لگیں کہ میری جوانی سب اس شوہر کی خدمت میں ختم ہوگئی، اب بڑھاپے میں انہوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا، میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچوں کا گذارہ کیسے ہوگا؟ اور ایک روایت میں ہے کہ خولہ نے یہ عرض کیا کہ ''ماذکر طلاقا'' یعنی میرے شوہر نے طلاق تو نام بھی نہیں لیا تو پھر طلاق کیسے ہوگئی، اور ایک روایت میں ہے کہ خولہ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی ''اللھم انی اشکو الیک'' اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے خولہ سے یہ فرمایا ماامرت فی شانک بشئ حتی الآن یعنی ابھی تک تمہارے مسئلے کے متعلق مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا، ان سب روایات میں کوئی تضاد و تعارض نہیں، سبھی اقوال صحیح ہو سکتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئیں، کذافی الدرمنثور، وابن کثیر) ۔اس لئے اس سورت کی ابتدائی آیات میں اس خاص مسئلے کا جس کا نام ظہار ہے حکم شرعی بیان فرمایا گیا ہے، جس میں حق تعالیٰ نے خولہؓ کی فریاد سنی، اوران کے لئے آسانی فرمادی، ان کی وجہ سے حق تعالیٰ نے قران کریم میں یہ مستقل احکام نازل فرمادیئے، اسی لئے صحابہ کرام اس کی بڑا احترام کرتے تھے۔

ایک روز فاروق اعظمؓ ایک مجمع کے ساتھ چلے جارہے تھے، یہ عورت خولہ سامنے آکر کھڑی ہوگئیں، کچھ کہنا چاہتی تھیں، عمرؓ نے راستہ میں ٹھہر کران کی بات سنی، بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس بڑھیا کی خاطر اتنے بڑے مجمع کو روکے رکھا، تو آپ نے فرمایا کہ خبر ہے یہ کون ہے؟ یہ وہ عورت ہے جس کی بات اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنی، میں کون تھا کہ ان کی بات کو ٹال دیتا، واللہ اگر یہ خود ہی رخصت نہ ہوجاتی تو میں رات تک ان کے ساتھ یہیں کھڑا رہتا۔(ابن ابی حاتم)۔فی الشفاء لابن الجوزی:۸۷۔خرج عمر یوما الی السوق ومعه الجارود فاذا امرأة عجوزفسلم علیها عمر، فردت علیه، وقالت هیه یاعمیر،عهدتک وانت تسمی عمیرًا فی سوق عکاظ تصارع الصبیان فلم تذهب الایام حتی سمعت عمر،ثم قلیل سمعت امیر المؤمنین فاتق الله فی الرعیة، واعلم انه من خاف الموت خشی الفوت فبکی عمر،فقال الجارود: لقداجترأت علی امیر المومنین وابکیته، فاشار عمر ان دعها،فلما فرغ قال اماتعرف هذه؟قال لاقال هذه خولة ابنة حکیم التی سمع الله قولها فعمراحری ان یسمع کلامها، اشار الی قوله تعالی هذه الایة،وهی خولة هذه.

اَلَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَائِهِمْ مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ

جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں) ان کی مائیں تو وہی ہیں

إِلَّا اللَّائِىْ وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا

جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے بیشک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا

وَإِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ

ہے۔اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں پھر اپنے قول سے رجوع کرلیں تو (ان کو) ہمبستر ہونے سے پہلے ایک غلام

لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ

آزاد کرنا (ضرور) ہے (مومنو!) اس (حکم) سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۳﴾ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

اس سے خبردار ہے۔[2] جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ

جس کو اسکا بھی مقدور نہ ہو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (چاہیئے) یہ (حکم) اس لئے (ہے)

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿۴﴾

کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہو جاؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور نہ ماننے والوں کے لئے درد دینے والا عذاب ہے

---

[2] لفظ ظہار مشتق ہے ظہر سے چونکہ اہل جاہلیت اپنی بیوی سے ظہار کرتے وقت یوں کہتے تھے: "انت علیّ کظھر امی" یعنی تو مجھ پر ایسی ہے، جیسے میری ماں کی پیٹھ، شریعت میں حکم یہ ہے کہ اس طرح خواہ کسی عضو کا نام لے ظہار ہو جائے گا، ظہار جاہلیت کے زمانے میں طلاق سمجھا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے اس میں کفارہ مقرر کردیا، اور اسے طلاق شمار نہیں کیا۔ جیسے کہ جاہلیت کا دستور تھا سلف میں سے اکثر علماء نے یہی فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ (اسی طرح) ذلیل کئے جائیں گے

وَقَدْ أَنْزَلْنَا اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵﴾

جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کئے گئے تھے اور ہم نے صاف اور صریح آیتیں نازل کر دی ہیں جو نہیں مانتے ان کو ذلت کا عذاب ہوگا

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا أَحْصَاهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ

جس دن اللہ ان سب کو جلا اٹھائے گا تو جو کام وہ کرتے رہے ان کو جتائے گا اللہ کو وہ سب یاد ہیں اور یہ ان کو بھول گئے ہیں

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۶﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ

اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے (کسی جگہ) تین (شخصوں) کا کانوں میں صلاح مشورہ نہیں ہوتا مگر

رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا

وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم یا زیادہ مگر

هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوْا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہوں پھر جو جو کام یہ کرتے رہے ہیں قیامت کے دن وہ (ایک ایک) ان کو بتائے گا

إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى

بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُوْلِ

پھر جس (کام) سے منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگے اور یہ تو گناہ اور ظلم اور رسول (اللہ) کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے

وَإِذَا جَآءُوكَ حَيَّوكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُولُونَ فِيْ أَنْفُسِهِمْ

ہیں اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو جس (کلمے) سے اللہ نے تم کو دعا نہیں دی اس سے تمہیں دعا دیتے ہیں اور اپنے دل

لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۸﴾

میں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں اللہ ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا؟ ان کو دوزخ کافی ہے یہ اسی میں داخل ہوں گے اور وہ بُری جگہ ہے

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ

مومنو! جب تم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی باتیں نہ کرنا

الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾

بلکہ نیکوکاری اور پرہیزگاری کی باتیں کرنا اور اللہ سے جس کے سامنے جمع کئے جاؤ گے ڈرتے رہنا۔

إِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا

(کافروں کی) سرگوشیاں تو شیطان (کی حرکات) سے ہیں (جو) اس لئے (کی جاتی ہیں) کہ مومن (ان سے) غمناک

وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

ہوں مگر اللہ کے حکم کے سوا ان سے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا تو مومنوں کو چاہیئے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا

مومنو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس کشادگی پیدا کرو تو تم جگہ کشادہ کردو اللہ تم کو کشادگی بخشے گا

يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا

اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے

مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَّاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ
مومنو! جب تم پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہو تو بات کہنے سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو
صَدَقَةً ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
یہ تمہارے لئے بہت بہتر اور پاکیزگی کی بات ہے اور اگر خیرات تم کو میسر نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
﴿۱۲﴾ أَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقٰتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا
کیا تم اس سے کہ پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہنے سے پہلے خیرات دیا کرو ڈر گئے؟ پھر جب تم نے (ایسا) نہ کیا
وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ
اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرتے رہو
وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ
اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہو
عَلَيْهِمْ مَّا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ
وہ نہ تم میں ہیں نہ ان میں اور جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں۔
﴿۱۴﴾ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾
اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے یہ جو کچھ کرتے ہیں یقیناً بُرا ہے۔
اتَّخَذُوْا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۶﴾
انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روک دیا ہے سو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔
لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ
اللہ کے (عذاب کے) سامنے نہ تو ان کا مال ہی کچھ کام آئے گا اور نہ اولاد ہی (کچھ فائدہ دے گی) یہ لوگ اہلِ دوزخ ہیں

النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهُ

اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔جس دن اللہ ان سب کو جلا اٹھائے گا تو جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں

كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

(اسی طرح) اللہ کے سامنے قسمیں کھائیں گے اور خیال کریں گے کہ کام لے نکلے ہیں دیکھو یہ جھوٹے (اور برسرِ غلط) ہیں

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ أُولٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ

شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور اللہ کی یاد ان کو بھلا دی ہے یہ (جماعت) شیطان کا لشکر ہے

أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ

اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں

وَرَسُوْلَهُ أُولٰئِكَ فِي الْأَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ

وہ نہایت ذلیل ہوں گے۔ اللہ کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے

إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

بیشک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں

يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَوْ كَانُوْآ اٰبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ

تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ بیٹے

أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيْرَتَهُمْ أُولٰئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْإِيْمَانَ

یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے

وَأَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ

اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ

فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ أُوْلٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ

ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے

أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾

(اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔

سورة الحشر (مدنية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾

جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں (سب) اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ

وہی تو ہے جس نے کفار اہلِ کتاب کو حشرِ اوّل کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا

لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْا أَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ

تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کے عذاب) سے

مِّنَ اللّٰهِ فَأَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

بچالیں گے مگر اللہ نے ان کو وہاں سے آ لیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی

يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۲﴾

کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو [1]

وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا

اور اگر اللہ نے ان کے بارے میں جلا وطن کرنا نہ لکھ رکھا ہوتا تو ان کو دنیا میں بھی عذاب دیدیتا

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ

اور آخرت میں تو ان کے لئے آگ کا عذاب (تیار) ہے۔[2] یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی

---

[1] چنانچہ شریعت میں احکام مشروعہ کی کوئی نہ کوئی علت ہوا کرتی ہے، جہاں جہاں وہ علت پائی جائے گی احکام بھی دائر رہیں گے جیسا کہ واقعات کے اسباب ہوتے ہیں، کہ جہاں وہ اسباب ہونگے واقعات کو بھی ان سے وابستہ مان لیا جائے گا، پس اس طرح قیاس کا حجت ہونا عقلی ہوا، یعنی ایسی دلالت النص سے ثابت ہو رہا ہے جو قیاس کے مشابہ ہے ،بعینہ قیاس سے ثابت نہیں ہے، ورنہ دور لازم آئے گا، یا یوں کہا جائے گا کہ اللہ تعالی نے عبرت واعتبار کا حکم دیا ہے اور اعتبا کسے کہتے ہیں؟ کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانے کو اور یہ عام ہے خواہ قیاس ہو یا مثلیات دونوں کو عبرت واعتبار کہا جائے گا، اس صورت میں قیاس کا حجت ہونا عبارت النص سے ثابت ہو جائے گا، بقول اکثر علماء کے، یعنی بقول صاحب توضیح اشارۃ النص سے قیاس کا حجت ہونا ثابت ہو جائے گا، بہرحال یہ دلیل عقل ونقل کی جامع ہے، اسی لئے بعض اصولی تو اس کو عقلی دلیل کہتے ہیں اور بعض نقلی، صاحب مدارک اور قاضی نے بھی اس سے استدلال کیا ہے، البتہ قیاس کے حجت ہونے کی واضح نقلی دلیل حدیث معاذؓ ہے، اسی طرح معاملات وغیرہ کے بیشتر مسائل اجتہادی اور قیاسی ہیں، جیسا کہ حدیث ربوٰ اس کی شاہد ہے اس لئے روافض وغیرہ کا قیاس واجتہاد سے انکار غلط ہے اور قران کی تفسیر کو رسول ﷺ اور اپنے ائمہ معصومین کے ساتھ مخصوص سمجھنا صحیح نہیں۔

[2] سورۂ حشر پوری یہود کے قبیلہ بنونضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے، (قالہ ابن اسحاق) ابن عباسؓ اس سورت کا نام ہی سورۂ بنی نضیر کہا کرتے تھے (ابن کثیر) بنونضیر یہود کا ایک قبیلہ ہے جو ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہے، ان کے اباء واجداد تورات کے عالم تھے، جس میں خاتم الانبیا ﷺ کی خبر اور آپ کا حلیہ اور علامات مذکور تھے، اور یہ کہ انکی ہجرت یثرب

مدینہ کی طرف ہوگی یہ خاندان اس طمع میں خاتم الانبیا ﷺ کے ساتھ رہیں، شام سے مدینہ طیبہ منتقل ہوا تھا، ان کے موجودہ لوگوں میں بھی کچھ تورات کے عالم تھے، اور نبی ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد علامات دیکھ کر پہچان بھی لیا تھا، کہ یہ وہی خاتم الانبیا ﷺ ہیں ، لیکن ان کا خیال تھا کہ وہ آخری نبی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ان کے خاندان میں ہونگے ، اور خاتم انبیا ﷺ بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں مبعوث ہوئے تو اس حسد نے ان لوگوں کو ایمان لانے سے روک دیا، مگر دل میں ان کے اکثر لوگ آپؐ کے آخر الانبیاء ہونے کو جانتے پہچانتے تھے، اور غزوہ بدر میں مسلمانوں کی حیرت انگیز فتح اور مشرکین کی شکست دیکھ کر ان یقین کچھ اور بڑھا بھی تھا، اس کا اقرار ان کی زبانوں سے سنا بھی دیا، مگر اس ظاہری فتح وشکست کو حق و باطل کے پہچاننے کا معیار بنالینا ہی ایک بودی اور کمزور بنیاد تھی ، نتیجہ یہ ہوا کہ غزوہ احد میں جب ابتداء مسلمانوں کو شکست ہوئی کچھ صحابہ شہید ہوئے تو ان کا یقین متزلزل ہو گیا اور اس کے بعد سے انہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ ساز باز شروع کر دی۔

اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ نبی ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچ کر حکیمانہ سیاست کے مقتضی پر سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ مدینہ طیبہ میں اور شہر کے آس پاس کچھ یہود کے قبائل اباد تھے، ان سے معاہدہ صلح اس پر کرلیا تھا کہ یہ لوگ نہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے اور نہ کسی جنگ کرنے والے کی امداد کریں گی ، اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمان ان کی امداد کریں گے، صلحنامہ میں اور بھی بہت سی دفعات تھیں جن کی تفصیل سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہیں اسی طرح یہود کے تمام قبائل کی جن میں بنونضیر بھی داخل تھے، مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلہ پر ان کی بستی اور مضبوط قلعے اور باغات تھے، غزوہ احد تک تو یہ لوگ بظاہر اس صلحنامہ کے پابند نظر آئے مگر احد کے بعد انہوں نے غداری کی ، اور خفیہ خیانت شروع کر دی، اس غدر و خیانت کی ابتداء اس سے ہوئی کہ بنونضیر کا ایک سردار اکعب بن اشرف غزوہ احد کے بعد اپنے یہودیوں کے چالیس آدمیوں کے ایک قافلہ کے ساتھ مکہ معظّمہ پہنچا اور یہاں کے کفار قریش جو غزوہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی نیت سے غزوہ احد پر گئے تھے اور اس میں بالاخر شکست کھا کر واپس ہو چکے تھے ان سے ملاقات کی ، اور ان دونوں میں نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا ایک معاہدہ ہونا قرار پایا، جس کی تکمیل اس طرح کی گئی کہ کعب بن اشرف اپنے چالیس یہودیوں کے ساتھ اور ان کے بالمقابل ابوسفیان اپنے چالیس قریشیوں کے ساتھ حرم بیت اللہ میں داخل ہوئے ، اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر یہ معاہدہ کیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے، کعب بن اشرف اس معاہدہ کے بعد مدینہ طیبہ واپس آیا تو جبرئیل امین نے نبی ﷺ کو یہ سارا واقعہ اور معاہدہ کی =

وَمَنْ يُّشَاقِّ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤﴾ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ

اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (مومنو!) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے

أَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى أُصُوْلِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٥﴾

یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو اللہ کے حکم سے تھا اور مقصود یہ تھا کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔

وَمَآ أَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ

اور جو (مال) اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا ہے اس میں تمہارا کچھ حق نہیں کیونکہ اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے

= تفصیل بتلادی، نبی ﷺ نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرمادیا، چنانچہ محمد بن مسلمہ صحابی نے اس کو قتل کردیا۔

اس کے بعد بنو نضیر کی مختلف خیانتیں اور سازشیں نبی ﷺ کو معلوم ہوتی رہیں، جن میں ایک وہ واقعہ ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش کی اور اگر پوری طور پر نبی ﷺ بذریعہ وحی اس سازش پر مطلع نہ ہوتے تو یہ لوگ اپنی سازش قتل میں کامیاب ہوجاتے، کیونکہ جس مکان کے نیچے نبی ﷺ کو انہوں نے بٹھایا تھا اس کی چھت پر چڑھ کر ایک بڑا بھاری پتھر آپ ﷺ کے سر مبارک پر چھوڑ دینے کا منصوبہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا جو شخص اس منصوبہ کو عملی صورت دینے والا تھا اس کا نام عمر بن جحاش تھا، حق تعالی نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی اور یہ منصوبہ ناکام ہوگیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے اور یہ لوگ قلعہ بند ہوگئے، اور منافقین منہ چھپا کر بیٹھ گئے، آپ نے ان کا محاصرہ کرلیا، اور ان کے درخت جلوادیئے، کچھ کٹوادیئے، آخر تنگ آکر انہوں نے جلاوطن ہونا منظور کرلیا، آپ نے اس حال میں بھی ان کے ساتھ یہ رعایت کی کہ حکم دیدیا کہ جتنا سامان تم ساتھ لے جاسکتے ہو لیجاؤ بجز ہتھیار کے وہ ضبط کرلئے جاویں گے، یہ لوگ نکل کر کچھ شام میں چلے گئے کچھ خیبر میں اور حرص دنیا کی وجہ سے اپنے گھروں کی کڑیاں تختے کواڑ تک اکھاڑ کر لے گئے، اور یہ قصہ غزوہ احد کے بعد ربیع الاول ۴ھ میں پیش آیا، پھر عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو دوسرے یہود کے ساتھ ملک شام کی طرف نکال دیا، یہ دونوں جلاوطنی حشر اول اور حشر ثانی کہلاتی ہیں، کذا فی زاد المعاد۔

وَلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴿۶﴾ [3] مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

قادر ہے۔[3] جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ اللہ کے اور پیغمبر کے

وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ

اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے

---

[3] ’’مَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَى رَسُوْلِهٖ‘‘ لفظ ’’افاء‘‘فئی سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں،اسی لئے دوپھر کے بعد جو چیزوں کا سایہ مشرق کی طرف لوٹتا ہے،اس کو بھی فئی کہا جاتا ہے،اموال غنیمت جو کفار سے حاصل ہوتے ہیں،ان سب کی اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے باغی ہوجانے کی وجہ سے ان کے اموال بحق سرکار ضبط ہوجاتے ہیں،اوران کی ملکیت سے نکل کر پھر مالک حقیقی حق تعالی کی طرف لوٹ جاتے ہیں، اس لئے ان کے حاصل ہونے کوافاء کے لفظ سے تعبیر کیا گیا،اس کا تقاضا یہ تھا کہ کفار سے حاصل ہونے والے تمام قسم کے اموال کوفئی ہی کہا جاتا،مگر جو مال جہاد وقتال کے ذریعہ حاصل ہوااس میں انسانی عمل اورجدجہد کوبھی ایک قسم کادخل ہے اس لئے اس کوتو لفظ غنیمت سے تعبیر فرمایا گیا،واعلموا انما غنتم من شیء، لیکن جس کے حصول میں جہاد وقتال کی بھی کوئی ضرورت نہ پڑھی اس کولفظ فئی سے تعبیر فرمایا گیا،اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ جو مال بغیر جہاد وقتال کے حاصل ہوا ہے،وہ مجاہدین وغانمین میں مال غنیمت کے قانون کے مطابق تقسیم نہیں ہوگا بلکہ اس میں کلی اختیار رسول ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا جس کو جتنا چاہے عطا فرمادیں،یا اپنے لئے رکھیں،البتہ یہ پابندی لگادی گئی کہ چند اقسام مستحقین کی متعین کردی گئیں،کہ اس مال کی تقسیم انہی اقسام میں دائر رہنی چاہئے،اس کا بیان اگلی آیت میں اس طرح فرمایا: ’’ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ‘‘ اس میں اہل قریٰ سے مراد بنونضیر اوران جیسے دوسرے قبائل بنوقریظہ وغیرہ ہیں جن کا اموال بغیر قتال کے حاصل ہوئے، اگے مصارف ومستحقین کی پانچ قسمیں بتائی گئیں ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے،آیت مذکورہ میں فئی کے احکام اس کے مستحقین اوران میں تقسیم کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ

تاکہ جو لوگ تم میں دولتمند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو

وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾

اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ [4]

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ

(اور) ان مفلسانِ تارک الوطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے ہیں

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ أُوْلٰئِكَ هُمُ

(اور) اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے

الصَّادِقُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ

(ایماندار) ہیں۔ اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جومہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم

---

[4] عن عبداللہ قال لعن الله الواشمات و المستوشمات، المتنمصات و المتفلجات للحسن، المغيرات خلق الله، فبلغ ذلك امرأة من بنى اسد يقال لها ام يعقوب، فجائت فقالت انه بلغنى انك لعنت كيت و كيت، فقال و مالى لا العن من لعن رسول الله ﷺ، ومن هو فى كتاب الله، فقالت لقد قرأت ما بين اللوحين فما وجدت فيه ما تقول، قال لئن كنت قرأتيه لقد وجدتيه، اما قرأت ﴿وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهٰكم عنه فانتهوا﴾ قالت بلى: قال فانه قد نهى عنه، قالت فانى ارى اهلك يفعلونه، قال فاذهبى فانظرى فذهبت فنظرت فلم تر من حاجتها شيئا، فقال لو كانت كذالك ما جامعتنا. (بخارى، كتاب التفسير).

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ: گدنا گودنے والی اور گدانے والی، اور خوبصورتی کے لئے چہرے کے بال نکالنے والی، دانتوں کو (سوہن سے) جدا کرنے والی، عورتوں پر لعنت کی، جو اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں، یہ قول بنی اسد کی ایک=

هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ

اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جولوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو

أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ

ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ

اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔[4] اور جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے

يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ

(اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠﴾

اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے[5]

= عورت کو پہنچی، (اس کا نام معلوم نہیں ہوا) اس کی کنیت ام یعقوب تھی، خیر وہ عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آئی، کہنے لگی، مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ تم نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے، انہوں نے کہا بے شک میں تو ضرور اس پر لعنت کروں گا، جس پر نبی کریم ﷺ نے لعنت کی ہے، اور اللہ کی کتاب میں اس پر لعنت آئی ہے، وہ عورت کہنے لگی میں نے تو سارا قرآن جو دو تختیوں کے بیچ میں ہے پڑھ ڈالا، اس میں تو کہیں ان عورتوں پر لعنت نہیں آئی ہے، ابن مسعودؓ نے کہا اگر تو قرآن کو جیسا سمجھ کر پڑھنا چاہیے پڑھتی، تو ضرور یہ مسئلہ پاتی، کیا قرآن میں تو نے نہیں پڑھا کہ "پیغمبر ﷺ جس بات کا حکم دے اس پر عمل کرو اور جس بات سے منع کرے اس سے باز رہو" اس نے کہا ہاں، یہ آیت تو قرآن میں ہے، ابن مسعودؓ نے کہا، بس نبی کریم ﷺ نے ان باتوں سے منع کیا ہے، وہ عورت کہنے لگی تمہاری بی بی بھی تو یہ کام کرتی ہے، انہوں نے کہا اچھا جا دیکھ، جب وہ گئی تو وہاں کوئی بات اپنی غرض کی نہ پائی، عبداللہ نے کہا اگر میری عورت ایسے کام کرتی، تو بھلا میرے ساتھ رہ سکتی تھی۔

[5] عن ابی ھریرۃؓ قال جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ فقال: انی مجھود فارسل الی بعض نسائہ

فقالت والذی بعثک بالحق!ماعندی الا ماء،ثم ارسل الی اخری فقالت مثل ذٰلک حتی قلن کلھن مثل ذلک ،لا،والذی بعثک بالحق!ماعندی الا ماء،فقال من یضیف ھذا؟اللیلة رحمه الله،فقام رجل من الانصار فقال انا یارسول اللهفانطلق به الی رحله فقال لامرأته ھل عندک شی ء؟قالت لا الاقوت صبیانی قال فعللیھم بشیء فاذا دخل ضیفنافاطفئی السراج واریه انا نأکل فاذا اھوی لیأکل فقومی الی السراج حتی تطفئیه قال فقعدوا واکل الضیف فلما اصبح، غداعلی رسول اللهﷺفقال قدعجب الله من صنیعکما بضیفکما اللیلة. فنزلت ھذه الایة.مسلم: ۲۰۵۴.

ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ کی خدمت میں آکر کہا، میں فاقہ سے ہوں، آپﷺ نے اپنی کسی زوجہ کی طرف پیغام بھیجا، انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس تو پانی کے سوا کچھ نہیں ہے، پھر آپؐ نے دوسری زوجہ کی طرف پیغام بھیجا، انہوں نے بھی اسی طرح کہا حتی کہ سب نے یہی کہا، قسم اس ذات کی جس نے آپﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں، بالآخرہ آپؐ نے فرمایا جو شخص اس کو آج رات مہمان بنائے گا، اللہ تعالی اس پر رحم فرمائے گا، انصار میں سے ایک شخص نے کھڑے ہوکر کہا یارسول اللہ اس کو میں مہمان بناؤں گا، وہ شخص اس مہمان کو اپنے گھر لے گیا، اور بیوی سے پوچھا: تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانہ ہے اس نے کہا: بچوں کو کسی چیز سے بہلا دو، جب ہمارا مہمان آئے تو چراغ بجھا دینا، اور اس پر یہ ظاہر کرنا کہ ہم کھانا کھا رہے ہیں، جب وہ کھانا کھانے لگے تو تم چراغ کے پاس جا کر اس کو بجھا دینا، پھر وہ سب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھالیا، جب صبح کو وہ نبیﷺ کے پاس پہنچا تو رسول اللہﷺ نے فرمایا: تم نے مہمان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اللہ تعالی اس پر بہت خوش ہوا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

[ب] وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یہ بھی'' الفقراء'' پر معطوف ہے، مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کے بعد جو اہل ایمان مستحق ہونگے ان کو بھی اس مال سے حصہ دیا جائے، لیکن ان کے لئے ضروری ہے کہ مہاجرین وانصار کے بغض سے ان کے دل پاک ہوں، بلکہ ان کی محبت سے لبریز ہوں اور وہ ہمیشہ مہاجرین وانصار کو دعاء خیر سے یاد کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے بغض سے دل کو صاف رکھنا اور ان کے حق میں دعا کرنا بعد والوں کے لئے لازم ہے، یہاں تک کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں جس شخص کے دل میں کسی بھی صحابی کا بغض ہوگا مال فیء میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔وفی الایة حث علی الدعاء للصحابة وتصفیة القلوب من بغض احدمنھم(روح).

وما احسن ما استنبط الامام مالکؒ من هذه الاية الكريمه ان الرافضي الذي يسب الصحابة ليس له في مال الفئ نصيب لعدم اتصافه بمامدح هؤلاء في قولهم رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ . الخ. (ابن كثير).

اور ابوھریرہؓ سے روایت ہے: قال رسول الله ﷺ: اذا اتخذالفئ دولا، والامانة مغنما، و الزكوٰة مغرما، وتعلم لغير الدين، واطاع الرجل امرأته وعق امه، وادنى صديقه واقصى آباه، وظهرت الاصوات في المساجد، وسادالقبيلة فاسقهم، وكان زعيم القوم ارذلهم، واكرم الرجل مخافة شره، وظهرت القينات والمعازف، وشربت الخمور، ولعن اخرهذه الامة اولها، فارتقبوا عندذلك ريحا احمرا، وزلزلة، وخسفا ومسخا، وقذفا، وايات تتابع كنظام قطع سلكه فتتابع. (الترمذی: ۲۲۱۱)۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب مال غنیمت کو دولت قرار دیا جانے لگے، اور جب زکواۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے، اور جب علم کو دین کے علاوہ کسی اور غرض سے سکھایا جانے لگے، اور جب مرد بیوی کی اطاعت کرنے لگے، اور ماں کی نافرمانی کی جانے لگے، اور جب دوستوں کو تو قریب اور باپ کو دور کیا جانے لگے، اور جب مسجد میں شور وغل مچایا جانے لگے، اور جب قوم و جماعت کی سرداری، اس قوم و جماعت کے فاسق شخص کرنے لگیں، اور جب قوم و جماعت کے زعیم و سربراہ اس قوم و جماعت کے کمینہ اور رذیل شخص ہونے لگیں، اور جب آدمی کی تعظیم اس کے شر اور فتنہ کے ڈر سے کی جانے لگے، اور جب لوگوں میں گانے والیوں اور ساز و باجوں کا دور دورہ ہو جائے اور جب شرابیں پی جانے لگیں، اور جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہنے لگیں، اور ان پر لعنت بھیجنے لگیں تو اس وقت تم ان چیزوں کے جلدی ظاہر ہونے کا انتظار کرو، سرخ یعنی تیز و تند اور شدید ترین طوفانی آندھی کا، زلزلہ کا، زمین میں دھنس جانے کا، صورتوں کے مسخ و تبدیل ہو جانے کا، اور پتھروں کے برسنے کا، نیز ان چیزوں کے علاوہ قیامت اور تمام نشانیوں اور علامتوں کا انتظار کرو، جو اس طرح پے در پے وقوع پذیر ہوں گی جیسے (موتیوں کی) لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے پے در پے گرنے لگیں۔

حدیث کی اس جملہ ''جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔'' میں اس طرف اشارہ ہے، کہ یہ برائی اسی امت کے ساتھ مخصوص ہے، گذشتہ امتوں کے لوگوں میں اس برائی کا چلن نہیں تھا۔ چنانچہ مسلمانوں میں سے رافضی لوگ اس برائی میں مبتلا ہیں کہ وہ ان گذرے ہوئے اکابر یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم تک کے بارے میں زبان لعن

وطعن دراز کرتے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے۔﴿والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم﴾(التوبة:۱۰۰) ''جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے خوش ہے۔''

اور ایک آیت میں یہ فرمایا کہ:﴿لقد رضی الله عن المؤمنين اذيبايعونک تحت الشجرة﴾(الفتح:۱۸) ''(اے محمد ﷺ) جب مؤمن آپ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے تو اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوا۔''

کس قدر بدنصیبی اور شقاوت کی بات ہے کہ جن بندگان خاص سے اللہ تعالیٰ راضی وخوش ہوا ان سے ناراضگی وناخوشی ظاہر کی جائے اور ان کے خلاف ہفوات بکے جائیں۔؟ ان بندگان خاص کے مناقب وفضائل سے قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں، وہ پاک نفوس ایسی عظیم ہستیاں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اللہ کے دین کو قبول کیا، قبول ایمان میں سبقت حاصل کی، نہایت سخت اور صبر آزما حالت میں اللہ کے نبی ﷺ کی مدد حمایت کی، اللہ کے دین کا پرچم سر بلند کرنے کے لئے اپنی جانوں کی بازیاں لگائیں، جہاد کے ذریعہ اسلام کی شوکت بڑھائی، بڑے بڑے شہر اور ملک فتح کئے، کسی واسطہ کے بغیر سید الانام علیہ الصلوۃ والسلام سے دین کا علم حاصل کیا، شریعت کے احکام ومسائل سیکھے، دین کی بنیاد یعنی قرآن کریم کو سب سے زیادہ جانا اور سمجھا، اور ان مقدس ہستیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہاں امت کے تمام لوگوں کو یہ تلقین فرمائی کہ ان کے حق میں یوں گویا ہوں۔﴿ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان﴾(الاية).

لیکن اس (رافضیوں) کے وہ لوگ کہ جو یا تو ایمان کی روشنی کھو چکے ہیں، یا دیوانے ہوگئے ہیں، ان مقدس، ہستیوں اور امت کے سب سے افضل لوگوں کے بارے میں صرف زبان لعن وطعن دراز کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ محض اپنے گندے خیالات ونظریات اور سڑے ہوئے فہم کی وجہ سے یہ کہہ کر ان پاک نفسوں کی طرف کفر کی بھی نسبت کرتے ہیں۔ کہ ابوبکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بلا استحقاق خلافت پر قبضہ کیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کے اصل مستحق علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اللہ ان عقل کے اندھوں کو چشم بصیرت دے، آخر وہ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اس امت کے اگلے پچھلے تمام لوگوں نے اس بات کو غلط اور باطل قرار دیا ہے، اور قرآن وسنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے یہ صراحت ہوتی ہے کہ رسول کریم ﷺ کے بعد خلافت اول علیؓ کا حق تھا۔

نیز صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جن لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان سے اختلاف کیا، انہوں نے نعوذ باللہ کسی بری غرض کے تحت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان کا اختلاف انکی اجتہادی رائے کے تحت تھا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ خطاء اجتہادی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

لیکن اس کی وجہ سے بھی ان پر لعن کرنا، اور ان کے حق میں گستاخانہ باتیں منہ سے نکالنا نہایت نا روا، بلکہ صریح زیادتی ہے، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ ان میں سے کسی نے بھی علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت راہ حق سے بھٹک جانے کی وجہ سے کی، اور وہ فسق کے مرتکب ہوئے تو بھی ان کو آخر کس بنا پر برا بھلا کہا جا سکتا ہے،؟ کیونکہ یہ بھی تو ہوسکتا ہے، انہوں نے مرنے سے پہلے اپنی غلط روی سے توبہ کر لی ہو یا اگر توبہ بھی نہ کی ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ غالب امید رکھنی چاہئے کہ وہ اپنی رحمت کے صدقہ میں اور ان کی گذشتہ خدمات کے بدلے میں ان کو مغفرت سے نواز دے گا چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ سے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے (بعض) صحابہ (رضی اللہ عنہم) (اگر) زلت یعنی لغزش کا شکار ہوں گے (تو) اللہ تعالی ان کو میری صحبت اور میرے ساتھ تعلق رکھنے کی برکت سے بخش دے گا۔'' مرقات: ۱۰/۲ ۱۷، بحوالہ تاریخ دمشق:......وابن عدی: ۲۴۴/۵، ۲۳۱۸، عن حذیفہؓ۔

اس بات کو اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہم لوگ اکثر و بیشتر صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود اپنے پروردگار کی رحمت اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے امیدوار رہتے ہیں تو کیا وہ ولوگ جو اس امت کے سب سے افضل اور سب سے بڑے لوگوں کے زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کے حق میں یہ نیک گمان رکھا جائے۔

کہ اگر ان سے کوئی لغزش ہوئی بھی ہوگی تو یقیناً اللہ تعالی ان کے درجہ کی عظمت اور ان کے شرف صحابیت کی برکت سے ان سے درگذر فرمائے گا؟۔ مرتبہ صحابیت کے تقدس و شرف کو داغدار کرنے والے نادانو! سوچو کہ تم اپنی زبان کو کن مقدس ہستیوں کی شان میں گستاخی کر کے گندا کر رہے ہو، اور تمہارا یہ طرز عمل نبی ﷺ کو کس قدر تکلیف پہنچا رہا ہوگا؟ کیا تم اس بات سے بے خبر ہو کہ نیک بخت وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے خود کے عیوب ان کو دوسروں کی عیب جوئی سے باز رکھیں، کیا تم اس فرمان رسالت ﷺ کی صداقت کے منکر ہو کہ اپنے مرے ہوئے لوگوں کو برائی کے ساتھ یاد نہ کرو، کیا رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی نہیں ہے، کہ جب تمہارے سامنے میرے صحابہ کا ذکر ہو تو اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اگر تم ذرا بھی ایمان و عقل کا دعوی رکھتے ہو تو سنو کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ہے: ابو بکر عمرؓ کی محبت ایمان کی ایک شاخ

ہےاوران دونوں سے بغض وعداوت رکھنا کفر کی علامت ہے۔

انصار کی محبت ایمان کی ایک شاخ ہے،اوران سے بغض وعداوت کفر ہے،اہل عرب کی محبت ایمان کی ایک شاخ ہے،اوران سے بغض وعداوت کفر ہے،جس نے میرے صحابہ کو برے الفاظ سے یاد کیا وہ اللہ کی لعنت کا مستوجب ہوا،اور جس نے ان کے بارے میں میرے حکم کی پاسداری کی، میں قیامت کے دن اس کی پاسداری کروںگا۔

اے اللہ ! بس تو ہی ان لوگوں کو عقل سلیم اور چشم بصیرت عطا کر کے راہ ہدایت دکھا سکتا ہے، جو جہالت ونادانی اور تعصب کی وجہ سے تیرے محبوب نبی ﷺ کے محبوب صحابہ اور ساتھیوں کی شان میں گستاخی کرتے ہیں،اوران کے حق میں زبان لعن وطعن دراز کر کے خود کو دوزخ کی آگ کا ایندھن بناتے ہیں۔

باقی رہا حدیث انسؓ کہ: **قال رسول اللہ ﷺ مثل امتی مثل المطر لایدری اولہ خیر ام اخرہ(الترمذی: ۲۸۶۹،واحمد: ۱۳۰۲ وعن عمار بن یاسرؓ عنداحمد: ۳۱۹/۴ وعن سلمان:عندابن حبان: ۷۲۲۶،۷۳۰۷ وسلسلة الصحیحة: ۲۲۸۶).**

رسول اللہ نے فرمایا: میری امت کا حال بارش کی حال کی طرح ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا اس کا آخر بہتر ہے۔

بارش کی مثال کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کا ذکر جس انداز میں کیا، اس سے بظاہر تو شک وتردد اور عدم یقین اس میں سمجھا جاتا ہے کہ معلوم نہیں کہ اس امت کے پہلے لوگ بہتر تھے یا بعد کے لوگ بہتر ہیں،

لیکن حقیقت میں حدیث سے یہ مفہوم مراد نہیں ہے ، بلکہ بارش کی مثال کے ذریعے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ پوری امت اچھی ہے جیسا کہ سوکھے اور خشک موسم میں جب باران رحمت نازل ہوتی ہے،تو وہ پوری بارش ہی اچھی اور نافع مانی جاتی ہے،اس طرح امت محمدی ﷺ میں پہلے زمانے سے تعلق رکھنے والے اور بعد کے زمانوں کے سچے اور نیک مسلمان بھی خیر یعنی اچھا ہونے اور فائدہ پہنچانے کے اعتبار سے برابر ہیں،پس لفظ ''خیر'' دین کے اعتبار سے افضلیت ظاہر کرنے والے اسم تفضیل کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے۔

رہا یہ سوال کہ امت کے اول اور آخر دونوں سے تعلق رکھنے والے اچھا اور نافع ہونے میں برابر کیسے ہیں؟ تو وہ یوں کہ دوراول کے لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی صحبت اور رفاقت کا شرف پایا، نبی کریم ﷺ کی ہر حالت میں اتباع کی آپؐ کی دعوت اسلام دوسروں تک پہنچائی، آپؐ کی لائی ہوئی شریعت اور اور آپ ﷺ کے پیش کئے ہوئے دین کے فوائد

وہدایات کی بنیاد رکھی، آپ ﷺ کے دین متین کو اعانت وتقویت پہنچائی، اور آپ ؐ کی ہر طرح سے مدد وحمایت کی، تو بعد کی امتیوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت اور رسالت اور آپ ؐ کی شریعت کو جوں کا توں تسلیم کیا، رسالت وشریعت کے ہر جزء پر مضبوط عقیدے کے ساتھ جمے رہے، آپ ؐ کے دین کی حفاظت اور دین کو استحکام و رواج دیا، دینی قواعد اور ہدایات کی بنیاد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، یا دین وشریعت کے ارکان کو مضبوط و مستحکم کیا، اسلام کے جھنڈے کو سر بلند کیا، اسلام کی روشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلایا، اور اس کے برکات واثرات تمام عالم پر ظاہر کئے اور اگر لفظ ''خیر'' کو اسم تفضیل کے معنی پر محمول کیا جائے تو بھی اس اعتبار سے درست ہوسکتا ہے کہ ''خیر'' بہتر ہونے کے وجوہ اور اسباب متعدد ہوہوتے ہیں جن اسباب ووجوہ کے اعتبار سے دور اول کے امتی بہتر تھے، ان کے علاوہ بعض اور اسباب ووجوہ سے بعد کے زمانے کے امتی بہتر ہیں گویا حاصل یہ نکلا کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نافع اور اچھا ہونے کے اعتبار سے پوری امت یکساں اور برابر ہیں اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وجوہ واسباب کے تعدد واختلاف کے مدنظر دور اول کے امتی اپنے اعتبار سے بہتر ہیں، اور بعد کے زمانے کے امتی اپنی نوعیت سے بہتر ہیں، لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ جہاں تک کلی افضلیت کا تعلق ہے وہ صرف دور اول کے امتیوں یعنی صحابہ کے لئے مخصوص ہے۔ اگر چہ یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ کسی خاص درجہ ونوعیت کے تحت بعد کے امتیوں میں سے کسی کے لئے جزوی افضلیت ثابت کی جائے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ کلی افضلیت سے مراد اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ثواب پانا ہے۔

اور تورپشتیؒ نے لکھا ہے: یہ حدیث بعد کے امتیوں پر دور اول کے امتیوں کی فضیلت وبرتری میں شک وتردد پر ہرگز محمول نہیں ہے، کیونکہ قرن اول (صحابہ کا زمانہ) تمام قرنوں سے بلاشک وشبہ افضل ہے، پھر اس کے بعد کے قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں، اور پھر اس کے بعد کے قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں، پس اس حدیث کی مراد بس یہ بیان کرنا ہے کہ دین وشریعت پھیلانے کے اعتبار سے پوری امت نافع ہے۔

اسی طرح کی بات قاضی نے بھی ایک طویل عبارت میں لکھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح بارش کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا کونسا حصہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہے اور کس وجوہ سے ''خیر'' کا وجود ہے اور کن افراد میں ''خیر'' کا وجود نہیں ہے، کیونکہ وجود خیر کی مختلف جہتیں اور مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں اور اس اعتبار سے امت کا ہر دور اپنی اپنی حیثیت اور جہت سے وجود خیر کا حامل ہوگا۔

تاہم، **الفضل للمتقدم** ، کے اصول کے تحت افضلیت انہی امتیوں کے لئے ہے جو دور اول میں تھے،=

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے جو اہلِ کتاب ہیں کہا کرتے ہیں

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ أَحَدًا

کہ اگر تم جلا وطن کئے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کا کہا نہ مانیں گے

أَبَدًا وَّإِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے مگر اللہ ظاہر کئے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔

= یعنی صحابہ اور یہ حدیث بعد کے زمانے والے امتیوں کے لئے تسلی کا مصدر ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب العالمین کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اور اس کی بارگاہ سے حصول فیض کی توقع ہر حال میں باقی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں طیبیؒ لکھتے ہیں، امت کو بارش کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے، وہ محض ہدایت اور علم کو سامنے رکھ کر دی گئی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں بارش کو ہدایت اور علم کے مشابہت دی ہے، پس حدیث میں مذکورہ امت جس کو بارش کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے، اس سے مراد علماء کاملین ہیں کہ جو خود بھی کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں، یہ وضاحت بھی گویا اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ''خیر'' سے نفع کے معنی مراد لئے جائیں جس سے افضلیت میں پوری امت کا یکساں ہونا لازم نہیں آتا، خلاصہ کلام یہ کہ امت محمدی اپنے کسی دور میں خیر سے خالی نہیں رہے گی، جیسا کہ ایک حدیث میں محمد ﷺ نے پوری امت کو ''امت مرحومہ'' فرمایا ہے (ابو داود: ۴۲۷۸، والحاکم: ۴۴۴/۴) اور یہ ثمرہ ہے اس بات کا کہ اس امت کا نبی ''نبی رحمت'' ہے بخلاف دوسری امتوں کے، کہ ان کے ہاں خیر کا وجود صرف ابتدائی دور میں رہا، اور پھر بعد والوں میں شر آ گیا اور اس طرح آیا کہ انہوں نے اپنی ان مقدس اسمانی کتابوں تک کو بدل ڈالا اور تحریفیں کر کر کے اپنے اس دین کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ جس پر ان کے دور اول کے لوگ تھے۔

لَئِنْ أُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا

اگروہ جلاوطن کئے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے، اور اگر ان سے جنگ چھڑ گئی تو یہ ان کی مدد بھی نہ کریں گے

لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢﴾

اور اگر مدد کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کو (کہیں سے بھی) مدد نہ ملے گی۔

لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿١٣﴾

(مسلمانو!) تمہاری ہیبت ان لوگوں کے دلوں میں اللہ سے بھی بڑھ کر ہے یہ اس لئے کہ یہ سمجھ نہیں رکھتے۔

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا إِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَّرَاءِ جُدُرٍ

یہ سب جمع ہو کر بھی تم سے نہیں لڑ سکیں گے مگر بستیوں کے قلعوں میں (پناہ لے کر) یا دیواروں کی اوٹ میں

بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

(مستور ہوکر) ان کا آپس میں بڑا اختلاف ہے تم شاید خیال کرتے ہو کہ یہ اکٹھے (اور ایک جان) ہیں مگر ان کے دل پھٹے

قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٤﴾ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ أَمْرِهِمْ

ہوئے ہیں یہ اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ ان کا حال ان لوگوں کا سا ہے جو ان سے کچھ ہی پیشتر اپنے کاموں کی سزا کا

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿١٥﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ

مزا چکھ چکے ہیں اور (ابھی) ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔ (منافقوں کی) مثال شیطان کی سی ہے کہ

إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّنْكَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ

انسان سے کہتا رہا کہ کافر ہو جا جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں مجھ کو تو اللہ رب العالمین

رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَذٰلِكَ

سے ڈر لگتا ہے۔ تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں (داخل ہوئے) ہمیشہ اس میں رہیں گے

جَزَآؤُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ

اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے کل

مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

(قیامت) کے لئے کیا (سامان) بھیجا ہے اور (ہم پھر کہتے ہیں کہ) اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے یہ بدکردار

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۹﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ

لوگ ہیں۔ اہلِ دوزخ اور اہلِ بہشت برابر نہیں اہلِ بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں

الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا

مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

اور پھٹ جاتا اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ

يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ

فکر کریں۔[٦] وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے

هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ

والا وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں بادشاہ (حقیقی) پاک ذات

---

[6]"لوانزلنا ھذا القرآن علی جبل" یہ ایک تمثیل ہے کہ اگر قرآن پہاڑوں جیسی سخت اور ثقیل=

الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ

(ہرعیب سے) سالم، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست بڑائی والا۔ اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے

عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٣﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَآءُ

وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب نام اچھے ہیں

الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٤﴾

جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔[۷]

=چیز پر اتارا گیا ہوتا اور جس طرح انسان کو فہم اور شعور دیا گیا ہے ان کو بھی دیدیا جاتا تو پہاڑ بھی اس قرآن کی عظمت کے سامنے جھک جاتے بلکہ ریزہ ریزہ ہوجاتے، مگر انسان اپنی خواہش پرستی اور خودغرضی میں مبتلا ہو کر اپنی فطری شعور کو کھو بیٹھا، وہ قران سے متاثر نہیں ہوتا گویا یہ ایک فرضی مثال ہے، کہ پہاڑوں میں شعور ہوتا، اور بعض نے فرمایا کہ پہاڑوں اور درختوں اور دنیا کی تمام چیزوں میں شعور وادراک ہونا عقل ونقل سے ثابت ہے اس لئے یہ کوئی فرضی مثال نہیں حقیقت ہے (مظہری) واللہ اعلم۔

[۷] "عالم الغیب والشھادۃ" یعنی حق تعالی ہر چھپی اور کھلی چیز اور غائب وحاضر کا پوری طرح جاننے والا ہے۔ القدوس بضم قاف وہ ذات جو ہرعیب سے پاک اور ہر ایسی چیز سے بری ہو جو اس کے شایان شان نہیں المومن یہ لفظ جب انسان کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ایمان لانے والے اور اللہ ورسول کے کلام کی تصدیق کرنے والے کے آتے ہیں، اور جب یہ لفظ حق تعالی کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی امن دینے والے کے ہوتے ہیں، (کماقالہ ابن عباسؓ) یعنی وہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح کے عذاب ومصیبت سے امن اور سلامتی دینے والا ہے۔ "المھیمن" اس کے معنی ہیں نگرانی کرنے والا (کذاقال ابن عباسؓ وقتادہ ومجاھد) قاموس میں ہے کہ ھمن یھمن کے معنی دیکھ بال اور نگرانی کرنے کے آتے ہیں (مظہری)۔

العزیز: بمعنی قوی الجبار صاحب جبروعظمت، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ جبر سے مشتق ہو جس کے معنی ٹوٹی ہڈی وغیرہ کو جوڑنے کے آتے ہیں، اس لئے جبیرہ اس پٹی کو کہا جاتا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے بعد اس

پر باندھی جاتی ہے، تو معنی اس لفظ کے یہ ہوں گے کہ وہ ہر ٹوٹی ہوئی شکستہ اور ناکارہ چیز کی اصلاح کر کے درست کر دینے والا ہے (مظہری)۔

المتکبر: تکبر سے اور وہ کبریا سے مشتق ہے جس کے معنی بڑائی کے ہیں اور ہر بڑائی درحقیقت اللہ جل شانہ کے لئے مخصوص ہے، جو کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں، اور جو محتاج ہو وہ بڑا نہیں ہو سکتا، اس لئے اللہ تعالی کے سوا دوسروں کے لئے یہ لفظ عیب اور گناہ ہے کیونکہ حقیقت میں بڑائی حاصل نہ ہونے کے باوجود بڑائی کا دعوی جھوٹا ہے، اور وہ ذات جو حقیقت میں سب سے بڑی اور بے نیاز ہے اس کی خاص صفت میں شرکت کا دعوی ہے اس لئے متکبر کا لفظ اللہ تعالی کے لئے صفت کمال ہے اور غیر اللہ کے لئے جھوٹا دعوی۔

المصور: کے معنی صورت بنانے والا، مراد یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو حق تعالی نے خاص خاص شکل وصورت عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہوئی اور پہچانی جاتی ہے۔ دنیا کی عام مخلوقات آسمانی اور زمینی خاص خاص صورتوں ہی سے پہچانی جاتی ہیں۔ پھر ان میں اصناف وانواع کی تقسیم اور ہر نوع وصنف کی جداگانہ ممتاز شکل وصورت اور ایک ہی نوع انسانی میں مرد وعورت کی شکل وصورت کا امتیاز پھر سب مردوں سب عورتوں کی شکلوں میں باہم ایسے امتیازات کہ اربوں کھربوں انسان دنیا میں پیدا ہوئے ایک کی صورت بالکلیہ دوسرے سے نہیں ملتی کہ بالکل امتیاز نہ ہو سکے، یہ کمال قدرت صرف ایک ہی ذات حق جل شانہ کا ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں جس طرح غیر اللہ کے لئے تکبر جائز نہیں کہ کبریا صرف اللہ تعالی کی صفت ہے، اسی طرح تصویر سازی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ بھی اللہ تعالی کی مخصوص صفت میں شرکت کا عملی دعوی ہے۔

"**لہ الاسماء الحسنی**"، یعنی اللہ تعالی کے اچھے اچھے نام ہیں، قران کریم میں ان کی تعداد متعین نہیں فرمائی۔ ترمذی کی ایک حدیث میں یہ سب یکجا مذکور ہیں اور بہت سے علماء نے اسماء حسنی پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

"**یسبح له مافی السمٰوات و الارض**" یہ تسبیح زبان حال سے ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ ساری مخلوقات اور ان کے اندر رکھی ہوئی عجیب وغریب صنعتیں اور صورتیں زبان حال سے اپنے بنانے والے کی حمد وثنا میں مشغول ہیں اور ہو سکتا ہے کہ حقیقی تسبیح مراد ہو کیونکہ تحقیق یہی ہے کہ تمام اشیاء کو عالم میں اپنی اپنی حیثیت کا عقل وشعور ہے، اور عقل وشعور کا سب سے پہلا مقتضیٰ اپنے بنانے والے کو پہچاننا اور اس کا شکر گذار ہونا ہے، اس لئے ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہو تو اس میں کوئی بعد نہیں اگرچہ ہم ان کی تسبیح کو کانوں سے نہ سن سکیں اسی لئے قرآن کریم میں ہے: **ولکن لاتفقهون**=

سورۃ الممتحنۃ (مدنیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ إِلَيْهِمْ

مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لئے (مکہ سے) نکلے ہو

بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَإِيَّاكُمْ

تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ تم تو ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دینِ) حق سے جو تمہارے پاس آیا

أَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاءَ

ہے منکر ہیں اور اس باعث سے کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو پیغمبر کو اور تم کو جلاوطن کرتے ہیں

مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ

تم ان کی طرف پوشیدہ پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو جو کچھ تم مخفی طور پر اور جو علی الاعلان کرتے ہو

= تسبیحھم یعنی تم ان کی تسبیح کو سنتے سمجھتے نہیں۔ (اسراء:۴۴)

ترمذی میں معقل بن یسار کی روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو صبح کے وقت تین مرتبہ :اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور اس کے بعد تین مرتبہ سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو ، سے اخر تک پڑھ لے، تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں جو شام تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اگر اس دن میں وہ مر گیا تو شہادت کی موت حاصل ہوگی۔ اور جس نے شام کو یہی کلمات تین مربہ پڑھ لئے تو یہی درجہ اس کو حاصل ہوگا (ترمذی:۲۸۴۶)۔

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١﴾ إِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ

وہ مجھے معلوم ہے اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔اگر یہ کافر تم پر قدرت پا لیں[1]

---

[1] امام بخاریؒ نے علیؓ سے مختلف جگہوں میں یہ حدیث نقل کی ہے :[۳۰۸۱،۳۰۰۷،۳۹۸۳،۴۲۷۴، ۴۸۹۰،۶۲۵۹،۶۹۳۹]مسلم رقم:۲۴۹۴،ترمذی رقم :۳۳۰۵،ومسندحمیدی : ۴۹،و النسائی فی سننه الکبریٰ:۱۱۵۸۵ ، اوراس کےعلاوہ اوروں نے بھی کہ :بعثنی رسول اللہﷺ اناو الزبیر ومقداد فقال انطلقواحتی تاتواروضة خاخ ،فان بهاظعینة معهاکتاب فخذوہ منها، فذهبنایتعادی بناخیلناحتی اتینا الروضة فاذانحن بالظعینة، فقلنااخرجی الکتاب! فقالت مامعی من کتاب، فقلنالتخرجن الکتاب اولنلقین الثیاب، فاخرجته من عقاصهافاتینابه النبیﷺفاذافیه من حاطب بن ابی بلتعة الی اناس من المشرکین ممن بمکة، یخبرهم ببعض امر النبیﷺفقال النبیﷺ ماهذایاحاطب قا ل لاتعجل علیَّ یارسول اللہ،انی کنت امرأملصقا فی قریش ولم اکن من انفسهم، وکان ممن معک من المهاجرین لهم قرابات یحمون بهااهلیهم واموالالهم بمکة، فاحببت اذفاتتنی ذٰلک من النسب فیهم ان اصطنع الیهم یدایحمون بها قرابتی، ومافعلت ذالک کفراولاارتداداعن دینی، فقال النبیﷺانه قدصدقکم فقال عمر دعنی یارسول اللہفاضرب عنقه فقال انه شهدبدراومایدریک لعل اللہ عزوجل اطلع علی اهل بدرفقال اعملواماشئتم فقدغفرت لکم، فقال عمر ونزلت فیه یاایها الذین امنوالاتتخذواعدوی وعدوکم.

علیؓ نے کہا کہ نبیﷺ نے مجھ کو اور زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم تینوں آدمیوں کو بھیجا فرمایا(مکہ کے راستے پر)روضۂ خاخ تک چلے جاؤ(جوایک مقام کا نام ہے)وہاں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی (اس کا نام سارہ تھا)اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ،علیؓ کہتے ہیں ہم تینوں آدمی گھوڑے دوڑاتے روضہ خاخ میں پہنچے تو (سچ مچ) وہاں ایک عورت شتر سوار ملی،ہم نے اس سے کہا خط نکال،وہ بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ہم نے کہا، لے اب خط نکالتی ہے یا ہم تجھ کو ننگا کریں،تب اس عورت نے وہ خط اپنی بالوں کی چوٹی سے نکال کر ہمارے حوالہ کر دیا،ہم وہ خط نبیﷺ کے =

يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوٓا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوٓءِ وَوَدُّوا

وتمہارے دشمن ہو جائیں اور ایذا کے لئے تم پر ہاتھ (بھی) چلائیں اور زبانیں (بھی) اور چاہتے ہیں

لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿۲﴾ لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَآ أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ

کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہارے رشتے ناتے کام آئیں گے اور نہ اولاد اس روز وہی تم میں فیصلہ

بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ

کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔ تمہیں ابراہیم اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے جب

= پاس لے کر آئے، اس کا مضمون یہ تھا: حاطب بن ابی بلتعہؓ کی طرف سے چند مکہ کے مشرکوں کے نام پر، اور نبی کریم ﷺ کے تیاری وغیرہ کا اس میں ذکر تھا کہ آپ ﷺ بڑی فوج لیکر آتے ہیں۔ تم اپنا بچاؤ کرو۔

نبی ﷺ نے حاطبؓ سے پوچھا ارے حاطب یہ کیا بات ہے؟ (تو نے مسلمان ہو کر کافروں کو مخبری کی) حاطبؓ نے عرض کیا یارسول اللہ جلدی نہ فرمائیں (میرا سب قصہ سن لیجئے پھر جو جی چاہے سزا دیجئے) ہوا یہ کہ میں اصل قریشی تو ہوں نہیں، اور آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجر ہیں وہ (اصل قریشی ہیں) ان کے عزیز ناطے دار قریش کے کافروں میں ہیں جن کی وجہ سے ان کے گھر بار، مال اسباب محفوظ رہتے ہیں، میں نے یہ چاہا کہ میرا ناطہ ان سے نہیں ہے تو کچھ احسان ہی کر کے اپنا حق ان پر قائم کروں، تا کہ وہ اس کی وجہ سے میرے رشتہ داروں کو نہ ستائیں، میں نے یہ کام اس وجہ سے نہیں کیا کہ میں کافر ہوا ہوں یا اسلام سے پھر گیا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حاطب نے سچ کہہ دیا۔ عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح مت سوچو اور اس حقیقت پر نظر رکھو کہ وہ بدر کی جنگ میں شریک تھا، اور تجھ کو معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے عرش معلیٰ پر سے بدر والوں کا جھانکا فرمایا اب تم کیسی بھی اعمال کرو (تم سے کیسے بھی گناہ ہو جائیں، بشرطیکہ کفر اور شرک نہ کرو) میں نے تو تم کو بخش دیا؟ عمر نے کہا اس باب میں یہ ایت اتری .

إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَآؤُا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ

انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو

مِنْ دُونِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ

بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لا وَ

الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ

ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلی عداوت اور دشمنی رہے گی ہاں ابراہیم نے اپنے باپ سے

لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ

یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لئے مغفرت مانگوں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۴﴾ رَبَّنَا

اے ہمارے پروردگار! تجھ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیرے ہی حضور میں لوٹ کر جانا ہے۔ اے ہمارے پروردگار!

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۵﴾

ہم کو کافروں کے ہاتھ سے عذاب نہ دلانا اور اے ہمارے پروردگار! ہمیں معاف فرما بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ

تم (مسلمانوں) کو یعنی جو کوئی اللہ اور روزِ اخرت (کے آنے) کی امید رکھتا ہو اسے ان لوگوں کی نیک چال چلنی

وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۶﴾ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ

(ضرور) ہے اور جو روگردانی کرے تو اللہ بھی بے نیاز اور سزاوارِ حمد (وثنا) ہے۔ یقین ہے کہ اللہ تم میں اور ان لوگوں میں

وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيرٌ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۷﴾

جن سے تم دشمنی رکھتے ہو دوستی پیدا کر دے اور اللہ قادر ہے او راللہ بخشنے والا مہربان ہے

لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا

مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٨﴾

ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَأَخْرَجُوْكُمْ

اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے

مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ

گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے

فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ﴿٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ

وہی ظالم ہیں۔ مومنو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں[2]

---

[2] اس ایت میں مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کا ذکر ہے جس میں ایمان اور عقائد کے ساتھ احکام شرعیہ کی پابندی کا بھی معاہدہ ہے سابقہ آیات جن کے سیاق میں یہ ایت بیعت آئی ہے وہ اگر چہ ان مہاجرات کے ایمان کا امتحان کرنے کے سلسلے میں ہے اور یہ بیعت ان کے امتحان ایمان کی تکمیل ہے لیکن الفاظ ایت عام ہے نومسلم مہاجرات کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ سب مسلمان عورتوں کے لئے عام ہیں، اور واقعہ بھی اسی طرح پیش آیا کہ بیعت مذکورہ میں نبی ﷺ سے بیعت کرنے والی صرف نومسلم مہاجرات ہی نہیں دوسری قدیم عورتیں بھی شریک تھیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں ام عطیہؓ سے اور بسند بغوی امیمہؓ بنت رقیہؓ سے منقول ہے۔ امیمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے چند دوسری عورتوں کی معیت میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ نے جن احکام شرعیہ کی پابندی کا معاہدہ اس بیعت میں لیا اس کے ساتھ یہ کلمات بھی تلقین فرمائے کہ: فیما استطعتن و اطقتن یعنی ہم ان چیزوں کی پابندی کا عہد اسی حد تک کرتے ہیں جہاں تک ہماری استطاعت وطاقت میں ہے، امیمہؓ نے اس کو نقل کرکے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی رحمت =

مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ

تو ان کی آزمائش کر لو (اور) اللہ تو ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے سو اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں

فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآتُوهُمْ

تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو کہ نہ یہ ان کو حلال ہیں اور نہ وہ ان کو جائز اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہو وہ ان کو

مَّا أَنفَقُوا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ

دیدو اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو مہر دے کر ان سے نکاح کر لو

=وشفقت ہم پر خود ہماری ذات سے بھی زائد تھی، کہ ہم نے تو بلا کسی قید وشرط کے عہد کرنا چاہا تھا، آپؐ نے اس شرط کی تلقین فرمادی، تا کہ کسی اضطراری حالت میں خلاف ورزی ہوجائے تو عہد شکنی میں داخل نہ ہو (بخاری: کتاب الجنائز وتفسیر سورۃ الممتحنہ)۔

اور صحیح بخاری میں عائشہؓ نے اس بیعت نساء کے متعلق فرمایا کہ عورتوں کی یہ بیعت صرف گفتگو اور کلام کے ذریعہ ہوئی، مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے عورتوں کی بیعت میں ایسا نہیں کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی غیر محرم کے ہاتھ کو نہیں چھوا (بخاری: تفسیر سورۃ الممتحنہ)۔

اور روایات حدیث سے ثابت ہے کہ یہ بیعت نساء صرف اس واقعہ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ بار بار ہوتی رہی یہاں تک کہ فتح مکہ کے روز بھی رسول اللہ ﷺ نے مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد کوہ صفا پر عورتوں سے بیعت لی، اور پہاڑ کے دامن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کو دہرا کر نیچے جمع ہونے والی عورتوں کو پہونچا رہے تھے جو اس بیعت میں شریک تھیں۔

اس وقت بیعت ہونے والی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی داخل تھیں، جو شروع میں حیاء کے سبب اپنے آپ کو چھپانا چاہتی تھیں، پھر بیعت میں کچھ احکام کی تفصیل آئی تو بولنے اور دریافت کرنے پر مجبور ہوگئیں، کئی سوالات کئے، یہ واقعہ تفصیل سے تفسیر مظہری میں مذکور ہے۔

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنفَقْتُمْ

اور کافر عورتوں کی ناموس کو قبضے میں نہ رکھو (یعنی کفار کو واپس دیدو) اور جو کچھ تم نے ان پر خرچ کیا ہو تم ان سے طلب کرلو

وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنفَقُوا ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہو وہ تم سے طلب کرلیں یہ اللہ کا حکم ہے جو تم میں فیصلہ کئے دیتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے [3]

---

[3] ”واتوھم ماانفقوا“ یعنی مہاجرہ مومنہ کے شوہر نے اس کے نکاح میں جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ سب اس کے شوہر کو واپس دیا جائے کیونکہ شرط صلح سے مستثنٰی صرف عورتوں کی واپسی تھی، جو بوجہ ان کے حرام ہوجانے کے نہیں ہوسکتی، مگر جو مال انہوں نے ان کو دیا ہے وہ حسب شرط واپس کردینا چاہیئے، اس مال کی واپسی کا خطاب مہاجر عورتوں کو نہیں کیا گیا کہ تم واپس کرو بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واپس کریں کیونکہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہے کہ جو مال ان کے شوہر نے ان کو دیا تھا وہ ختم ہوچکا ہو، اب ان سے واپس دلانے کی صورت ہی نہیں ہوسکتی، اس لئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا، کہ معاہدہ صلح کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف سے کافر شوہروں کا مال واپس کردیں، اگر بیت المال سے دیا جاسکتا ہے تو وہاں سے ورنہ عام مسلمانوں کے چندے سے۔قرطبی۔

”وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ“ پچھلی آیت میں یہ واضح ہوچکا ہے کہ ہجرت کرکے آنے والے مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے فسخ ہوچکا ہے، اور یہ اس پر حرام ہوچکی ہے، اس آیت میں اسی حکم کا تکملہ ہے کہ اب مسلمان مرد سے اس کا نکاح ہوسکتا ہے اگرچہ سابق شوہر کافر زندہ بھی ہے، اور اس نے طلاق بھی نہیں دی مگر شرعی حکم سے نکاح فسخ ہوچکا ہے اس لئے دوسری مرد سے اس کا نکاح حلال ہوگیا۔

کافر مرد کی بیوی مسلمان ہوجائے تو نکاح فسخ ہوجانا آیت مذکورہ سے معلوم ہوچکا، لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہوگا اس کے متعلق امام ابوحنیفہ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہوجائیں تو حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلاکر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہوجاؤ تو نکاح برقرار رہے گا ورنہ نکاح فسخ ہوجائے گا، اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں میں فرقت کی تکمیل ہوگئی، اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کرسکتی ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہی ہوسکتا ہے جہاں حکومت اسلام کی

ہو دارالکفر یا دارالحرب میں ایسا واقعہ پیش آوے تو شوہر سے اسلام کے لئے کہنے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہوگی، جس سے دونوں میں تفریق کا فیصلہ کیا جا سکے، اس لئے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اس وقت ہوگی جب یہ عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے یا مسلمانوں کے لشکر میں آجائے، دارالاسلام میں آنے کی صورت مذکورہ واقعات میں مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ہو سکتی ہے، اور لشکر اسلام حدیبیہ میں بھی موجود تھا، اس میں پہنچنے سے بھی اس کا تحقق ہو جاتا ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اختلاف دارین سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی جب کافر مرد اور اس کی بیوی مسلمان کے درمیان دارین کا فاصلہ ہو جائے یعنی ایک دارالکفر میں ہے دوسرا دارالاسلام میں تو یہ تفریق مکمل ہو کر عورت دوسرے سے نکاح کے لئے ازاد ہو جاتی ہے۔

اور اس آیت میں جو ''اذا اتیتموا ھن اجورھن'' کو بطور شرط کے فرمایا تم ان سے نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کے مہر دیدو، یہ درحقیقت نکاح کی شرط نہیں، کیونکہ باتفاق امت نکاح کا انعقاد ادائے مہر پر موقوف اور مشروط نہیں ہے، البتہ نکاح پر مہر کی ادائیگی واجب ولازم ضرور ہے، یہاں اس کو بطور شرط کے شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ابھی ایک مہر تو اس کے کافر شوہر کو واپس کرایا جا چکا ہے ایسا نہ ہو کہ اب اس سے نکاح کرنے والے مسلمان یہ سمجھ بیٹھیں کہ مہر تو دیا جا چکا ہے اور جدید مہر کی ضرورت نہیں، اس لئے فرمادیا کہ اس مہر کا تعلق پچھلے نکاح سے تھا، اور یہ دوسرا نکاح ہوگا، تو اس کا جدید مہر لازم ہے،،۔

''ولا تمسکوا بعصم الکوافر'' عصم عصمت کی جمع ہے، جس کے اصلی معنی حفاظت اور استحکام کے ہیں، مراد اس سے وہ عقد نکاح وغیرہ ہیں جن کی حفاظت کی جاتی ہے ''کوافر'' جمع کافرۃ کی ہے، اور مراد اس سے مشرکہ عورت ہے، کیونکہ کافر کتابیہ سے نکاح کی اجازت قرآن کریم میں منصوص ہے، مراد آیت کی یہ ہے کہ اب تک جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کی اجازت تھی وہ ختم کردی گئی، اب کسی مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں، اور جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں وہ بھی ختم ہو چکے، اب کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا حلال نہیں۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو جن صحابہ کرام کے نکاح میں کوئی مشرک عورت تھی اس کو چھوڑ دیا، عمر فاروق کے نکاح میں دو مشرک عورتیں اس وقت تک تھیں جو بوقت ہجرت مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھی، عمرؓ نے یہ آیت نازل ہونے کے بعد دونوں کو طلاق دیدی، (رواہ البغوی بسند الزھری)۔ اور طلاق سے مراد اس جگہ چھوڑ دینا اور قطع تعلق کر لینا ہے، اصطلاحی طلاق کی یہاں ضرورت ہی نہیں، کیونکہ اس آیت کے ذریعے نکاح ٹوٹ چکا ہے۔

و اسئلوا ماانفقتم و لیسئلوا ماانفقوا" یعنی جب معاملہ یہ ٹہرا کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ جائے تو وہ واپس مکہ نہ بھیجی جائے گی، البتہ اس کے شوہر نے جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ اس کے شوہر کو واپس دیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان عورت اللہ نہ کرے مرتد ہو کر مکہ معظّمہ چلی جائے یا پہلے ہی سے کافر ہو مگر مسلمان شوہر کے قبضہ سے نکل جائے۔ کفار مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے مگر اس کے مسلمان شوہر نے جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے اس کی واپسی کفار مکہ کی ذمہ ہوگی، اس لئے ان معاملات کا تصفیہ باہمی حساب فہمی سے کرلیا جائے طرفین سے جو کچھ مہر وغیرہ میں خرچ کیا گیا ہے، وہ دریافت کر کے اس کے مطابق لین دین کرلیا جاوے۔

اس حکم پر مسلمانوں نے تو خوشی سے عمل کیا، کہ احکام قران کی پابندی ان کے نزدیک فرض ہے، اس لئے جتنی عورتیں ہجرت کر کے آئیں سب کے مہر وغیرہ ان کے کافر شوہروں کو واپس بھیج دئے مگر کفار مکہ کا قرآن پر ایمان نہیں تھا، انہوں نے عمل نہ کیا اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔ (رواہ البغوی بسند الزھری)

" وان فاتکم شیٔ من ازواجکم الی الکفار فعاقبتم "عاقبتم معاقبہ سے مشتق ہے جس کے ایک معنی انتقام اور بدلہ لینے کے بھی ہیں، یعنی یہاں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں، کما روی عن قتادۃ و مجاھد، قرطبی، اس صورت میں مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی کچھ عورتیں اگر کفار کے قبضے میں آ جائیں تو شرط صلح کے ماتحت اوروں پر لازم تھا کہ ان کے مسلمان شوہروں کو ان کا دیا ہوا مہر وغیرہ واپس کریں، جیسا کہ مسلمانوں کی طرف سے مہاجرات کے کافر شوہروں کو ان کا مہر واپس کیا گیا، لیکن جب کفار نے ایسا نہ کیا اور مسلمان عورتوں کے مہر ان کو ادا نہ کئے تو ان کے اس عمل کا اگر تم انتقام اور بدلہ لیلو اس طرح کہ کفار مکہ کو جو رقم مہاجرات کے مہر کی ادا کرنا تھی تم بھی وہ اپنے حق کے مطابق روک لو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ فاتوا الذین ذھبت ازواجھم مثل ماانفقوا یعنی تم اس رقم میں سے جو مہاجرات کے مہر کی روک لی گئی ہے ان مسلمان شوہروں کے خرچ کئے ہوئے مہر وغیرہ ادا کر دو جن کی عورتیں کفار مکہ کے قبضے میں آ گئی ہیں، دوسرے معنی عاقبتم، عقّبتم، اعقبتم کے جنگ میں مال غنیمت حاصل کرنے کے بھی ہے اور اس آیت میں لفظ عاقبتم یہ تینوں قرأتیں مختلف قراء سے منقول ہیں، اور قتادہ اور مجاہد سے ان تین لفظوں کے معنی غنیمت کے بھی منقول ہیں، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہونگے کہ جن مسلمان شوہروں کی عورتیں کفار مکہ کے قبضے میں چلی گئیں اور شرط صلح کے مطابق کفار نے ان کے مہر مسلمان شوہروں کو ادا نہیں کیا پھر مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہوا تو ان شوہروں کا حق مال غنیمت سے ان کو ادا کر دیا جائے۔ قرطبی۔

وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ

اور اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے پاس چلی جائے۔ پھر تم ان سے جنگ کرو تو جن کی عورتیں چلی گئی ہیں

أَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا أَنْفَقُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ أَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

ان کو (اس مال میں سے) اتنا دیدو جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا اور اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو ڈرو

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى أَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ

اے پیغمبر جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی

شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ

نہ چوری کریں گی نہ بدکاری کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی

يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ أَيْدِيْهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ

اور نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی

فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

مومنو! ان لوگوں سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے دوستی نہ کرو (کیونکہ) جس طرح کافروں کو مُردوں (کے جی اٹھنے) کی امید

قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

نہیں اسی طرح ان لوگوں کو بھی آخرت (کے آنے) کی امید نہیں۔

سورة الصف (مدنية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾

جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اللہ کی تنزیہ بیان کرتی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾

مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے؟

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾

اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرتے نہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾

جولوگ اللہ کی راہ میں (ایسے طور پر) پرے جما کر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں وہ بیشک محبوبِ رحمٰن ہیں

وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ

اور وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو

أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْا أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں تو جب ان لوگوں نے کجروی کی اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ﴿۵﴾ وَإِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا

يَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ

کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں (پھر)

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ اور اس سے ظالم کون کہ بلایا تو جائے اسلام کی طرف

وَهُوَ يُدْعٰى إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ ﴿۷﴾

اور وہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ﴿۸﴾

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۹﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ

خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔ مومنو! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں

تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿۱۰﴾ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ

جو تمہیں عذابِ الیم سے مخلصی دے؟ (وہ یہ کہ) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾

سے جہاد کرو اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو باغہائے جنت میں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے

وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۲﴾

جاودانی میں (تیار) ہیں داخل کرے گا یہ بڑی کامیابی ہے

وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾

اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو اللہ کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی) اور فتح قریب اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

مومنو! اللہ کے (دین) مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا

لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ

کہ (بھلا) کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے (دین) مددگار ہیں

فَآمَنَت طَّائِفَةٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَت طَّائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ

تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا آخر کار ہم نے

آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿۱۴﴾

ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔

سورة الجمعة (مدنية)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ

جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بادشاہ حقیقی پاک ذات زبردست

الْحَكِيمِ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

حکمت والا ہے۔ وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے پیغمبر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے

﴿۲﴾ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳﴾

اور ان میں سے اور لوگوں کی طرف بھی (ان کو بھیجا ہے) جو ابھی ان (مسلمانوں سے) نہیں ملے اور وہ غالب حکمت والا ہے[1]

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۴﴾

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ

جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بارِ تعمیل) کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے

يَحْمِلُ أَسْفَارًا ط بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوئی ہوں جو لوگ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ان کی مثال بُری ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۵﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلّٰهِ

ہدایت نہیں دیتا۔ کہہ دو کہ اے یہود! اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو

---

[1] عن ابی اهريرة قال كناجلوساعند النبی ﷺ اذنزلت سورة الجمعة، فلمانزلت "وَآخَرِينَ

مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ " قالوا من هؤلاء يارسول الله؟قال وفيناسلمان الفارسی قال فوضع النبیﷺ يده علی سلمان ثم قال لوكان الايمان عند الثريالناله رجال من هٰؤلاء.متفق عليه.(خ:۴۸۱۳م:۲۵۴۶)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبیﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک سورۂ جمعہ نازل ہوئی اور جب یہ آیت آئی توصحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جوابھی آکرنہیں ملے ہیں؟ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت ہمارے درمیان سلمان فارسیؓ بھی تھے، نبی کریمﷺ نے صحابہ کا یہ سوال سنکر اپنا ہاتھ سلمانؓ پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو بلا شبہ ان لوگوں میں کتنے ہی اس کو پالیتے اور حاصل کرتے۔

اس آیت میں امی یعنی ناخواندہ لوگوں سے مراد اہل عرب ہیں،اور اشارہ صحابہ کرام کی طرف ہے جنہوں نے گمراہی و جہالت کا راستہ چھوڑ کر نبی آخرالزمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا،''آخرین'' دوسرے لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جونزول قران کے وقت موجودنہیں تھے بلکہ بعد کے زمانہ میں یعنی صحابہ کے وقت اسلام لانے والوں میں شامل ہوئے،گویا تابعین کی طرف اشارہ ہے اور تابعین بھی خاص طور پر وہ جن کا تعلق غیرعرب یعنی عجم سے ہے، چنانچہ تابعین کی اکثر تعداد عجمیوں ہی پر مشتمل ہے جیسا کہ چندکو چھوڑ کر باقی سب صحابہ عرب سے ہیں بہرحال نبیﷺ نے اس حدیث میں گویا سلمانؓ کی تعریف کی جوغیرعرب یعنی عجمی ہیں اوران کی نسبت سے واضح فرمایا کہ آیت میں''آخرین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جواس وقت تو دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہیں یا تو اس وجہ سے کہ وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں، اور یا اس وجہ سے کہ ان تک ابھی دعوت اسلام نہیں پہنچی ہے،لیکن بعد میں وہ تمہارے پاس آئیں گے، دائرہ اسلام میں داخل ہونگے اوران میں سے اکثر عجمی ہونگے وہ لوگ دین اور علم کے ایسا جویا ہوں گے کہ اگر دین وایمان اور علم کا سرمایہ ثریا کی بلندی پر پہنچ جائے تو وہ اس کو وہاں سے بھی حاصل کریں گے۔

چنانچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان تابعین نے جس جستجو و محنت سے دین وایمان حاصل کیا اور علم واجتہاد کے میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ صحابہ کے بعد صرف انہی کا وصف ہے۔

مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۝۶

اور اَور لوگ نہیں تو اگر تم سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو تو کرو۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظَّالِمِيْنَ ۝۷

اور یہ ان (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں ہرگز اس کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔

قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَإِنَّهٗ مُلَاقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ

کہہ دو کہ موت جس سے تم گریز کرتے ہو وہ تو تمہارے سامنے آ کر رہے گی پھر تم پوشیدہ

إِلٰى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸

اور ظاہر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى

مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (خطبہ) کے لئے جلدی کرو

ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹

اور (خرید و) فروخت ترک کر دو اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا

اور اللہ کو بہت بہت یاد کرتے رہو تاکہ نجات پاؤ۔ اور جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھتے ہیں

انْفَضُّوْا إِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ

تو ادھر بھاگ جاتے ہیں اور تمہیں (کھڑے کا) کھڑا چھوڑ جاتے ہیں کہہ دو کہ جو چیز اللہ کے ہاں ہے

خَيْرٌ مِّنَ اللّٰهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ [11]

وہ تماشے اور سودے سے کہیں بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔[2]

---

[2] نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے

ان نصوص کے عموم سے جو اس کے بارے میں وارد ہوئے ہیں۔سب سے پہلے قرآن کریم کی یہ آیت. اس کی تفسیر میں مفسر قرطبی فرماتے ہیں: خاطب الله المؤمنين بالجمعةدون الكافرين تشريفالهم وتكريما فقال ياايهاالذين الاية.ثم خصه بالنداء وان كان قد دخل فى عموم قوله تعالىٰ واذاناديتم الىٰ ا لصلاة(الاية)ليدل علىٰ وجوبه وتاكيد فرضه .

وقال ابوبكر ابن المنذر! أوجب الله علىٰ الخلق اتباع كتابه وسنن نبيه ﷺقال الله عزوجل﴿ أطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم فأن تنازعتم فى شىء﴾ الاية(النسآء ۵۹)وقال الله عزوجل﴿ ياايهاالذين آمنوااذانودى للصلوٰة من يوم الجمعةفاسعوا الىٰ ذكرالله﴾(الجمعة ۹).فاتباع ظاهر كتاب الله عزوجل يجب، ولا يجوز أن يستثنىٰ من ظاهرالكتاب جماعة دون عددجماعةبغيرحجة. ولوكان لله فى عدددون عددمرادلبين ذالک فى كتابه اوعلىٰ لسان نبيهﷺ، فلماعم ولم يخص كانت الجمعةعلىٰ كل جماعةفى داراقامةعلىٰ ظاهرالكتاب ،وليس لأحدمع عموم الكتاب أن يخرج قومامن جملته بغيرحجة يفزع اليها،وهذايلزم من مذهبه القول بعموم الكتاب وان لايحال ظاهرمنه الى باطن ولاعام الى خاص الابكتاب اوسنةاواتفاق، وقد اختلف الروايات فى هذا الباب عن عمر بن عبدالعزيزوقد ذكرناها،ولولم تختلف الروايات عنه ماوجب الأستثناء من ظاهرالكتاب بقوله، وليس لاحتجاج من احتج بقصةاسعد فى أن لاتجزىء جمعة بأقل من اربعين حجة، اذليس فى شىء من الاخبار أن رسول اللهﷺأمرهم اذاكان عددهم كذاأن يصلوا، اوأن نقصوامن ذالک العددلم يصلوا،انماكتب أن يصلى بمن معه، ولوورد كتاب النبىﷺوعددهم أقل من اربعين فترک أن يصلى بهم لكان تاركالما أمره به، ودفع بعض اهل

العلم قول من زعم أن الجمعة انماتصلیٰ فی مصر او مدینةتکون فیھاقاضی ینفذالأحکام ویقیم الحدود، بأن بعض أصحابہ قد صلیٰ بالمدینةالجمعةولیس فیھامنبر ولاقاضی ولاکانت الحدودتقام بھافی ذالک الوقت. الاوسط لابن المنذر ۴/ ۲۹، ۳۰.

اللہ تعالی نے مومنین ہی کوشرافت اورکرامت کی وجہ سے ان کو جمعہ کے نماز کے لئے مخاطب کیا ہے کہ: اے مومنوں، الخ، اگر چہ یہ عام خطاب میں داخل تھے جیسے کہ اللہ تعالی کا یہ قول اذانادیتم الی الصلوة، الایة، تاکہ یہ خطاب جمعہ کی فرضیت پردلالت کرے۔ابوبکرؒ بن منذر نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے مخلوق پراپنی اور نبی کی تابعداری فرض کی ہے جیسے کہ فرمایا ہے:اطیعوا اللہ والرسول الایة، اوراسی طرح اس قول میں کہ اے مومنو! جب تمہیں جمعہ کے نماز کا اذان ہوجائے، تو ظاہرا کتاب اللہ کی تابعداری واجب ہے۔اوراس سے بغیر کسی دلیل کے جماعت دون جماعت کا استثنی جائز نہیں۔اور اگر اللہ تعالی کا کسی عدد یادون عدد مراد ہوتا تو نبی کے زبان سے اپنی کتاب میں بیان کردیتا، تب جبکہ خطاب عام فرمایا ہے تو ظاہر کتاب اللہ کی وجہ سے جمعہ ہرایک جماعت پرفرض ہے۔بغیر حجت کے کسی کو جائز نہیں کہ کتاب اللہ کے عموم سے ایک قوم کوخارج کرے۔اوراس باب میں عمر بن عبدالعزیز سے مختلف روایات ہیں جسے ہم نے پہلے بیان کیا، اوراگر یہ نہ ہوتے تو تب بھی کتاب اللہ سے استثناء کی کوئی ضرورت نہیں۔اور جو حدیث ہے تو ان کے لئے اس میں کوئی دلیل نہیں۔اس لئے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ سے عدد معین کا کوئی ثبوت نہیں۔کہ اتنے عدد کی موجودگی میں جمعہ ہوسکتا ہے اورکم سے نہیں، اس میں صرف یہی ہے کہ اپنے ساتھیوں سمیت نماز جمعہ ادا کیا۔بالفرض اگران کا عدد چالیس سے کم ہونے کی صورت میں جمعہ نہ پڑھتے تو تارک سنت ہوتے، ان کے اس اعتراض سے کہ جمعہ ایسے شہر میں ادا ہوسکتی ہے کہ جہاں قاضی ہواوراحکام حدودوغیرہ نافذکرتا ہو، تو اس کا علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں جب نماز جمعہ کا اہتمام ہوا تو نہ قاضی تھا اور نہ امیر اور نہ ہی احکام حدود کا نفاذ ہوا تھا۔

احادیث اس باب میں زیادہ ھیں اور اکثر عام ھیں

جس کا ذکر ذیل میں بطور اختصار کرتے ہیں:

(۱) عن حفصةؓ عن النبی ﷺ قال علیٰ کل محتلم رواح، وعلیٰ کل من راح الی الجمعة الغسل.(رواہ ابو داؤدمع المنھل ۴/ ۲۰۲. والنسائی فی سننہ الکبری. ۲/ ۲۶۰، ابن حبان. ۴/ ۲۲ . اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں فرمایا ہے۔ وقال ابو حاتم فی ھذاالخبرأن اتیان الجمعة

فرض علیٰ کل محتلم الخ.ابن خزیمة.رقم ۱۷۲۱ ؛ ۱۷۲۱ ؛ابن الجارود فی المنتقیٰ .ص.۲۸۷ ؛طحاوی شرح معانی الاثار ۱۱۶/۱ ؛طبرانی فی الکبریٰ.۱۹۵/۲۳ ؛بیھقی فی سنن الکبریٰ.۱۷۲/۳ ،۱۸۷ . حفصہؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ہر بالغ کے لئے سویرے مسجد جانا لازم ہے بروز جمعہ، اور ہر اُس شخص پر غسل لازم ہے جو جمعہ کے لئے جاتا ہے، ابوحاتم فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر بالغ پر جمعہ کے لئے جانا لازم ہے۔

(۲) عن ابن عمروابن عباس رضی الله عنهما انهماسمعارسول الله ﷺ یقول علیٰ اعواد منبره، لینتهن اقوام عن ودعهم الجمعات اولیختمن اللّٰہ علیٰ قلوبهم ثم لیکونن من الغافلین .سنن الکبریٰ.۲۶۰/۲ ؛مسند احمد.۳۷/۴؛ ۱۴۲ ؛وابن خزیمة رقم ۱۸۵۵ .؛البغوی رقم ۱۰۵۴ .وابن ابی شیبة.۱۵۴/۲ ،ومسلم مع النووی .۱۷/۴ ؛ ۱۶۵ ،ابن ماجة. رقم ۷۹۴وابن حبان .۲۵/۷ .وطیالسی رقم ۲۷۳۵، ومشکل الاثار رقم ۳۱۸۳.

عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ان دونوں نے نبی کریم ﷺ سے منبر پر فرماتے ہوئے سنا: کہ بعض لوگ جمعہ کو ترک کرنے سے باز آجائے ورنہ اللہ تعالی ان کے دلوں پر مہر ثبت کرے گا۔اور وہ غافلین میں سے شمار ہوں گے۔

(۳)عن ابی الجعد الضمری وکانت له صحبة عن النبی ﷺ قال من ترک ثلاثةجمع تهاونا بها طبع الله علیٰ قلبه .السنن الکبریٰ ۲۶۹/۲ .ومسند احمد. ۲۵۵/۴ ؛ ابوداؤد. ۳۹۶/۱ .وابن حبان ۲۶/۷ .وابن خزیمة رقم ۱۸۵۸ ؛الحاکم . ۲۸۰/۱ ؛وابن ابی شیبة ۱۵۴/۲ ؛ الترمذی رقم ۵۰۰ ؛ابن ماجة رقم ۱۱۲۵ . ابوجعدؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تین جمعے چھوڑ دے گا، سستی سے تو اللہ تعالی اس کے دل پر مہر ثبت کر دے گا۔

(۴) ... عن جابربن عبداللهؓ أن رسول الله ﷺ قال من ترک الجمعة ثلاثامن غیر ضرورة طبع الله علیٰ قلبه .مشکل الاثار للطحاوی رقم ۳۱۸۳؛ ۳۱۸۴ ؛وابن ماجة. رقم ۱۱۲۶ ؛ابن خزیمة رقم ۱۸۵۶ .؛وطبرانی فی الاوسط .۲۸۵ .؛مستدرک . ۲۹۲/۱ .؛بیهقی .۲۴۷/۳ .؛ابو یعلیٰ.رقم ۲۱۹۸ . جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جس نے تین جمعے بغیر عذر کے

چھوڑ دیئے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر ثبت کر دے گا۔

(۵)...أن ابا سعید الخدری ؓ حدثه أنه سمع رسول الله ﷺ یقول خمس من عملهن فی یوم کتبه الله من اهل الجنة، من عاد مریضا، وشهد جنازة، وصام یوما ،وراح یوم الجمعة، وأعتق رقبة .ابو یعلیٰ .رقم ۱۰۴۴ . ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دن میں پانچ کام کئے، تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت والوں میں سے لکھے گا۔جس نے کسی مریض کی عیادت کی، اور جنازہ کو حاضر ہوا، اور ایک دن روزہ رکھا، اور نماز جمعہ کو پڑھنے گیا، اور غلام آزاد کیا۔

(۶).عن سمرة بن جندب ؓ أن رسول الله ﷺ قال من فاتته الجمعة فلیتصدق بدینار ،فأن لم یجد فبنصف دینار .ابو داؤد رقم ۱۰۵۳ ؛ابن ماجة رقم ۱۱۲۸ ؛ومشکل الاثار للطحاوی رقم ۲۷۸۸ ؛ ۲۷۸۹ . سمرۃ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بغیر کسی عذر کے جمعہ ترک کرے تو ایک دینار صدقہ دے۔اگر دینار نہ ہو تو نصف دینار صدقہ دے۔

(۷) ...عن ابن عباس ؓ قال أن اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول الله ﷺ بالمدینة لجمعة جمعت بجواثا،قریة من قری البحرین، قال عثمان ؓ قریة من قری عبد القیس .البخاری مع الفتح .۳/۳۶۲ ،وابی داؤد مع المنهل ۲/۲۱۵ ؛وقال فی معجم البلدان جواثا بالضم وبین الألفین ثاء مثلثة یمد ویقصر وهو علم مرتجل حصن لعبدالقیس بالبحرین فتحه العلاء الحضرمی فی ایام ابی بکر الصدیق ؓ عنوة ۱۲ھ ، ۲/۱۷۴ . ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ پہلا جمعہ جو پڑھایا گیا اسلام میں اس جمعہ کے بعد جو مسجد نبوی میں پڑھایا گیا وہ جمعہ ہے جو جواثا میں پڑھایا گیا، جواثا بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے، عثمان نے کہا وہ عبدالقیس کے گاؤں میں سے ہے۔

(۸)..عن ابی هریرة ؓ قال أن اول جمعةجمعت بعد جمعة جمعت مع رسول الله ﷺ بمکة جمعت بجوا ثا بالبحرین قریة لعبد القیس. سنن کبریٰ للنسائی ۲/۲۵۸ . ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے پہلا جمعہ جس کا مکہ کے بعد اہتمام کیا گیا وہ جواثا مقام میں تھا جو کہ بحرین میں واقع تھا۔

(۹)...عن جابر ؓ أن رسول الله ﷺ قال من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فعلیه الجمعة یوم الجمعةالا مریض او مسافر اوامرأة اوصبی اومملوک، فمن استغنی بلهواوتجارة استغنی الله عنه، والله غنی

حمید .سنن دار قطنی .۲/۱۰۷ .واخرجه ابن عدی فی الکامل .۶/۲۳۳۲؛۲۳۳۳.والبیھقی فی الکبری ۳/۱۸۴ ؛شعب الایمان .۶/۲۷۹ .رقم ۳۰۱۳. جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ لازم ہے، سوائے مریض، غلام، مسافر، زنانہ اور نابالغ ان پر لازم نہیں ۔اور جو کوئی جمعہ سے لھولعب یا تجارت میں مشغول ہوا تو اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ بے حاجت اور تعریف کیا ہوا ذات ہے۔

(۱۰)عن طارق بن شھابؓ عن النبی ﷺ قال الجمعة واجبة فی جماعة الاعلیٰ اربعة، عبد مملوک اوصبی اومریض اوأمرأة.سنن دار قطنی .۲/۱۰۸ .وعند البخاری فی التاریخ ۲/۳۳۵؛الطبرانی فی المعجم الکبیر ۲/۵۱، والبیھقی فی الکبری ۳/۱۸۳ ،ابن ابی حاتم ۱/۲۱۲. طارق بن شھاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ ہر مسلمان پر جماعت سے فرض ہے مگر چار پر، ایک غلام پر دوسرے عورت پر تیسرے لڑکے پر چوتھے بیمار پر۔

(۱۱)...وعن ام عبد اللہ الدوسیه قالت قال رسول اللہ ﷺ الجمعة واجبة علیٰ کل قریة فیھا امام وإن لم یکونوا الا اربعة .دار قطنی ۲/۱۱۸ ؛وابن عدی ۲/۴۸۲؛البیھقی ۳/۱۷۹ . ام عبداللہ الدوسیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جمعہ ہر اس گاؤں والوں پر لازم ہے۔جبکہ اس میں امام ہو اگر چہ وہ چار آدمی کیوں نہ ہو۔

(۱۲).عن عبدالله بن کعب بن مالکؓ وکان قائد ابیه بعد ماذھب بصرہ عن ابیه کعب بن مالکؓ أنه کان اذاسمع النداء یوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارةؓ فقلت له اذاسمعت النداء ترحمت لأسعد بن زرارة؟ قال لأنه اول من جمع بنا فی ھزم النبیت من حرةبنی بیاضة فی نقیع یقال له نقیع الخضمات ، قلت کم انتم یومئذ؟قال اربعون .دار قطنی ۲/۱۱۴ ؛ابو داؤد. ۱/۲۸۰؛البیھقی فی سننه ۳/۱۷۷ ؛ ابن ماجة . ۱/۳۴۳؛ابن حبان فی صحیحه .۱۵/۴۷۷. عبدالرحمٰن بن کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ کعب بن مالکؓ جب جمعہ کے دن آذان سنتے تو اسعد بن زرارۃ کے واسطے دعا مانگتے ،عبدالرحمٰن نے کہا کیا وجہ ہے جب تم آذان سنتے ہو تو اسعد بن زرارۃؓ کے واسطے دعا مانگتے ہو؟ انہوں نے کہا اس واسطے کہ پہلے جمعہ جو انہوں نے قائم کیا ہزم النبیت میں (ایک موضع ہے بنی بیاضہ کی زمینوں میں سے) ایک جگہ میں جس کا نام نقیع الخضمات ہے تھا،

میں نے پوچھا اس دن تم کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا چالیس۔

(۱۳)..أن صالح بن سعد المکی کان مع عمر بن عبد العزیز وھو متبدّی بالسوید اء، وھو فی امارته علیٰ الحجاز ، قال فحضرت الجمعة فھیؤا له مجلسامن البطحاء ثم أذن المؤذن للصلوٰة، فخرج الیھم فجلس علیٰ ذالک المجلس ، ثم أذنوا أذاناآخر، ثم خطبھم ثم أقیمت الصلاة فصلیٰ بھم رکعتین، وأعلن فیھا بالقرأة، ثم قال لھم حین فرغ من صلاته ان الامام یجمع حیث کان ..عبد الرزاق ۳/ ۱۶۱ . صالح بن سعد، عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ سویدآء مقام کو نکلے تھے، صالح کہتے ہیں جمعہ کا دن تھا تو لوگوں نے عمر بن عبدالعزیز کیلئے پتھریلی زمین پر نماز کے لئے جگہ (منبر) تیار کیا تو پھر مؤذن نے نماز کے لئے آذان دیا، تو عمر بن عبدالعزیز نکل کر اس جگہ پر بیٹھ گئے پھر دوسرا آذان ہوا تو انہوں نے خطبہ پڑھ کر دو رکعت نماز ادا کیا، جو کہ اس نماز میں جہر فرمایا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ امام جدھر بھی ہو جمعہ ادا کرے گا۔

(۱۴)..قال الزھریؒ أن مسلمة بن عبد الملک کتب الیه أنی فی قریة فیھااموال کثیر واھل وناس أفأجمع بھم، ولست بأمیر فکتب الیه أن مصعب بن عمیرؓ استأذن رسول الله ﷺ بأن یجمع بأھل المدینة، فأذن لھم فجمع وھم یومئذ قلیل ..عبد الرزاق .۳/ ۱۶۱ . زہری نے فرمایا ہے کہ مسلم بن عبدالملک نے ان کو خط لکھا کہ میں ایک ایسے گاؤں میں ہوں جس میں اموال اور اھل اور بہت سے لوگ ہیں، آیا میں ان کے لئے جمعہ ادا کیا کروں؟ حالانکہ میں ان پر حاکم نہیں ہوں، تو زہری نے ان کو لکھا کہ مصعب بن عمیرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مدینہ والوں کے لئے جمعہ ادا کرنے کی اجازت طلب کی تو نبی ﷺ نے اجازت دے دی تو انہوں نے جمعہ ادا کیا حالانکہ اس وقت وہ کم لوگ تھے۔

(۱۵)..قال ابن جریج بلغنی أن رسول الله ﷺ جمع باصحابه رضوان الله علیھم اجمعین فی سفر، وخطبھم متوکاعلیٰ قوس ..عبدالرزاق..۳/ ۱۵۹ . ابن جریج نے کہا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو سفر میں جمعہ پڑھایا، اور قوس کو پکڑے ہوئے خطبہ فرمایا۔

(۱۶) .قال محمدبن مسلم سمعت عمرودیناریقول اذاکان المسجد یجمع فیه صلاة فلتصل فیه الجمعة .عبدالرزاق..۳/ ۱۷۰ محمد بن مسلم فرماتا ہے کہ میں نے عمرو بن دینار سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کسی مسجد میں باجماعت نماز ادا ہوتی ہو تو اس میں جمعہ کا اہتمام بھی کیا جائے۔

(۱۷) .عن نافع قال کان ابن عمرؓ یریٰ أھل المیاہ بین مکۃ والمدینۃیجمعون فلایعیب علیھم .عبد الرزاق .۳/۱۷۰ ؛الاوسط ۴/۲۶ ؛فتح الباری ۲/۲۸۰. نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ ان لوگوں کو جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی (حوض) کے کنارے ٹھرے ہوئے جمعہ ادا کرتے دیکھتے، اور وہ ان پر رد نہ کرتے۔

(۱۸) .قال ابو حازم مولی لآل الزبیر قال رسول اللہ ﷺ الجمعۃ واجبۃعلیٰ کل حالم الاربعۃ الصبی والعبد والمرأۃ والمریض :ابن ابی شیبۃ .۲/۱۰۹ ؛البیھقی ۳/۱۸۴. ابوحازم نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر بالغ پر جمعہ فرض ہے مگر چار آدمیوں پر، نابالغ لڑکے، غلام، عورت، اور بیمار پر فرض نہیں۔

(۱۹). عن محمد بن کعب القرظی أنہ سمع رجلا من بنی وائل قال قال رسول اللہ ﷺ من کان یؤمن باللہ والیوم الأخرفعلیہ الجمعۃ یوم الجمعۃ الا علیٰ امرأۃ اوصبی اومملوک اومریض .ابن ابی شیبۃ .۲/۱۰۹ .والسنن الکبریٰ ۳/۱۷۳ ؛معرفۃ السنن. ۲/۴۶۰ ؛معالم التنزیل. ۵/۸۶ ؛کتاب الام. ۱/۱۸۹ . محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ انہوں نے بنو وائل قبیلہ کی ایک آدمی سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالی اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تو ان پر جمعہ لازم ہے لیکن عورت ، نابالغ ، غلام اور مریض پر لازم نہیں۔

(۲۰) .عن ابی ھریرۃؓ أنھم کتبوا الیٰ عمرؓ یسألونہ عن الجمعۃ فکتب أن جمعوا حیث کنتم ..ابن ابی شیبۃ؛ ۲/۱۰۱ ؛ الاسط. ۴/۳۲ .وصححہ ابن خزیمۃ . ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرؓ کو خط لکھا جو کہ جمعہ کے بارے میں تھا؟ عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ جمعہ ادا کیا کرو جہاں بھی ہوں۔

(۲۱) عن جعفربن برقان قال کتب عمر بن عبد العزیز الیٰ عدی بن عدی ایما أھل قری لیسوابأھل عمود ینتقلون فأمّرعلیھم أمیرایجمع بھم .ابن ابی شیبۃ ۲/۱۰۲ ؛البیھقی ۳/۱۷۹ . جعفر بن برقانؒ نے فرمایا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن عدیؒ کو خط لکھا کہ جن گاؤں والے جو کہ گھروں والے نہ ہو تو ان پر امیر مقرر کرے کہ ان کو جمعہ ادا کرے۔

(۲۲)..عن عطاءؒ قال اذاکانت قریۃ لازقۃبعضھا ببعض جمعوا .ابن ابی شیبۃ. ۲/۱۰۲ ؛البیھقی ۳/۱۷۸ . عطاءؒ نے فرمایا ہے کہ جب گاؤں کی آبادی ایک دوسرے سے لگی ہوئی ہوں تو وہ جمعہ ادا کیا کریں۔

(۲۳)عن مالک قال کان اصحاب محمد ﷺ فی ھذہ المیاہ بین مکة و المدینة یجمعون. ابن ابی شیبة.. ۲/ ۱۰۲ . امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ کرامؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی (حوض) کے کنارے رہتے تو جمعہ ادا کرتے۔

(۲۴).. کتب عمرؓ أیما قریة اجتمع فیھا خمسون رجلا فلیؤمھم رجل منھم ولیخطب علیھم ولیصل بھم الجمعة. الاوسط. ۲۸/۴ ؛البیھقی ۱۷۸/۳ ؛والمعرفة. ۴۶۶/۲ ؛والمدونة. ۱۵۲/۱ . عمرؓ نے لکھا تھا کہ جس گاؤں کی آبادی پچاس نفوس پر مشتمل ہوں تو ان میں سے ایک امامت کرے اور خطبہ پڑھ کر جمعہ ادا کرے۔

(۲۵)..عن جابرؓ مضت السنة أن فی کل أربعین فمافوق ذالک جمعة وفطر واضحیٰ.. کتاب المعرفة ۴۶۸/۲ ؛البیھقی. ۱۷۷/۳ . جابرؓ سے روایت ہے کہ یہ سنت ماضیہ ہے کہ ہر چالیس یا اس سے زیادہ لوگوں پر مشتمل آبادی میں جمعہ اور عیدین ادا کرنا لازم ہے۔

(۲۶) وقال البغوی فی تفسیرہ: ۸۴/۵ :اول جمعة جمعھا النبی ﷺ بأصحابه لما قدم المدینة مھاجرا، نزل بقباء علیٰ بنی عمرو بن عوف وذالک یوم الاثنین لثنتی عشرة لیلة خلت من شھر ربیع الاول حین امتد الضحیٰ فأقام بقبا یوم الأثنین والثلثاء والأربعاء ویوم الخمیس واسس مسجدھم ثم خرج من بین اظھرھم یوم الجمعة عامد االمدینة فأدرکته صلوٰة الجمعة فی بنی سالم بن عوف فی بطن وادلھم وقد اتخذوا فی ذالک الموضع مسجدا فجمع ھناک وخطب .. دلائل النبوة ۵۱۲/۲ ؛سیرة ابن ھشام ۱۰۸/۲ ؛معجم البلدان ۱۹/۳ ؛ابن سعد ۱۱۴/۱ ؛والطبری ۷/۲ ؛تاریخ الاسلام ۳۳۵/۱ .
امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ پہلا جمعہ جو کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو ادا فرمایا وہ یہ کہ جب نبی ﷺ نے مدینہ کو ہجرت فرمایا، تو بنی عمرو بن عوف کے ہاں قباء میں قیام فرمایا جو کہ بارہ [۱۲] ربیع الاول بروز پیر چاشت کا وقت تھا تو نبی ﷺ پیر کے دن سے جمعرات تک قبا میں ٹھرے اور یہاں مسجد کی بنیاد رکھی، پھر وہاں سے جمعہ کے دن مدینہ کو جانے کے ارادے سے روانہ ہوا، تو بنوسالم کی وادی میں جمعہ کی نماز کا وقت ہوا تو بنوسالم کی پہلے سے تعمیر شدہ مسجد میں خطبہ پڑھ کر جمعہ ادا کیا۔

(۲۷)..عن عبد الله بن عتبةؓ قال کل قریة فیھا اربعون رجلا فعلیھم الجمعة .بیھقی. ۱۷۸/۳ . عبداللہ

بن عتبہؓ نے فرمایا ہے کہ ہر وہ گاؤں جو کہ چالیس نفوس پر مشتمل ہو اُن پر جمع لازم ہے۔

(۲۸)..حدثنی مولی لآل سعید بن العاص أنه سأل عبدالله بن عمرؓ عن القریٰ اللتی بین مکةوالمدینة ماتریٰ فی الجمعة؟ قال نعم اذاکان علیهم امیرفلیجمع..بیهقی.۱۷۸/۳ . مولیٰ سعید بن العاص نے عبداللہ بن عمرؓ سے اُن لوگوں کے بارے میں پوچھا جو کہ مکہ اور مدینہ کے وسط میں واقع ہے کہ جمعہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں اگر اُن کے لئے امیر مقرر ہو تو اُن پر جمعہ لازم ہے۔

(۲۹)..عن تمیم الداریؓ عن النبی ﷺ قال الجمعة واجبة الاعلیٰ صبی اومملوک اومسافر.سنن کبریٰ للبیهقی :۱۸۴/۳ . تمیم داریؓ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر شخص پر جمعہ لازم ہے مگر نابالغ، غلام، اور مسافر پر لازم نہیں۔

(۳۰)..عن ابن عمرؓ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول الجمعة واجبة الاعلیٰ ماملکت ایمانکم اوذی علة.بیهقی..۱۸۴/۳ . عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جمعہ ہر شخص پر لازم ہے مگر غلام اور بیمار پر لازم نہیں۔

(۳۱)..عن ابن عباسؓ قال من ترک اربع جمع متوالیات فقد نبذ الاسلام وراء ظهره .التمهید..۲۷۸/۲ ؛ ۲۷۹ . ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس نے پے در پے چار جمعے چھوڑ دیئے تو یقیناً انہوں نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ اور ایسے ہی الفاظ ابوقتادة؛ جابر اور ابوھریرة رضی اللہ عنہم سے بھی نقل ہیں.

(۳۲)وعن مجاهدؒ قال أن رجلاسأل ابن عباسؓ شهرا کل یوم یسأله ماتقول فی رجل یصوم بالنهار ویقوم اللیل ولایحضر صلاة الجمعة ولاالجماعة؟ فکل ذالک یقول له ابن عباسؓ صاحبک فی النار..التمهید. ۲۷۹/۲ . مجاہد سے روایت ہے کہ ایک آدمی عبداللہ بن عباسؓ سے ایک مہینے تک روزانہ پوچھتے رہے، کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کہ وہ دن کو روزے سے ہو اور رات کو تہجد پڑھتا رہے لیکن جمعہ اور باجماعت نماز کو حاضر نہیں ہوتے؟ تو عبداللہ بن عباسؓ اُن کو بار بار کہتے رہے کہ یہ آدمی جہنمی ہے۔

(۳۳)عن ابن عمرؓ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول کلکم راع، وزاد اللیث قال یونس کتب رزیق بن حکیم الیٰ ابن شهاب وانا معه یومئذبوادالقری هٰل تریٰ أن اجمع ورزیق عامل علیٰ ارض یعملهاوفیهاجماعة من السودان وغیرهم ورزیق یومئذعلیٰ ایلة فکتب ابن شهاب وانااسمع یأمره ان

یـجمع ..بخاری مع الفتح .٣/ ٣٦ . عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے آپ میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے، اور لیث نے مزید فرمایا ہے کہ یونس نے کہا ہے کہ رزیق بن حکم نے ابن شہاب کو لکھا تھا جبکہ میں وادی قریٰ میں اُن کے ساتھ موجود تھا اور رزیق ایلہ مقام پر حاکم تھے، جبکہ وہاں سوڈانیوں اور اُن کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی آباد تھے، کہ ایا آپ کی رائے ہے کہ ہم یہاں جمعہ ادا کرے؟ تو ابن شہاب نے لکھا اور میں سن رہا تھا کہ اُن کو حکم کرتے رہے کہ جمعہ ادا کیا کرو۔

(٣٤)..وعـن انـسؓ أنـه یـکون فی قصره فأحیانایجمع واحیانالایجمع وهوبالزاویةعلیٰ فرسخین من البـصـرة، بخاری مع الفتح .٣/ ٤٣ . انسؓ سے روایت ہے کہ وہ زاویہ مقام جو کہ بصرہ سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اپنے گھر میں موجود تھا، تو کبھی جمعہ پڑھتے اور کبھی چھوڑتے۔ اور اس کا سند تعلیق التغلیق میں مذکور ہے.

اور یہی شرط نماز عیدین میں بھی بعض لوگ لگاتے ہیں. اور حال یہ ہے کہ بعض صحابہء کرامؓ سے منقول ہیں. کہ انہوں نے نماز عید سفر اور گاؤں میں ادا کی ہے۔ جیسا کہ تعلیق التغلیق ٢/ ٣٧٦. میں ہے کہ:

(٣٥) کـان انـسؓ اذافـاتتـه صـلاة العید مع الامام جمع اهله فصلیٰ بهم مثل صلاة الامام فی العید . اور بیہقی نے اس کے ساتھ بڑھایا ویـذکـر عـن انـس ابن مالکؓ أنه کان اذاکان بمنزله بزاویة فلم یشهـدالـعیـد بالبصرة جمع موالیه وولده ثم یأمر مولاه عبدالله بن ابی عتبة فیصلی بهم کصلاة اهل المصر رکعتین ویکبر بهم کتکبیرهم .سنن کبریٰ للبیهقی .٣/ ٣٠٥.

انسؓ سے جب کبھی عید کی نماز فوت ہوتی تو اپنے گھر والے جمع کر کے اُن کو نماز پڑھاتے، اور انسؓ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ زاویہ مقام پر اپنے گھر میں موجود ہوتے اور بصرہ میں نماز عید کے لئے حاضر نہ ہو سکے تو اپنے غلام اور اولاد کو جمع کر کے اپنے غلام عبداللہ بن عتبہ کو حکم دیتے تو وہ اُن کو نماز عید کے دو رکعت نماز پڑھاتے۔

اور یہی روایت امام بخاریؒ نے بھی بغیر سند ''ابواب العید'' کے آخر میں ذکر کیا ہے :١/ ١٣٤۔ اور اسی طرح ابن ابی شیبہؒ نے ذکر کی ہے. أن انسـاًؓ کـان ربـماجمع اهله وحشمه یوم العیدین فصلیٰ بهم عبد الله بن ابی عتبةؓ رکعتین .مصنف ابن ابی شیبة ٢/ ١٨٣ ؛تعلیق التغلیق ٢/ ٣٨٦.

کہ انسؓ بسا اوقات عید کے دن اپنے اہل، عیال اور خدمت گاروں کو جمع کرتے تو عبداللہ بن ابی عتبہؓ اُن کے لئے دو رکعت نماز پڑھاتے۔

اوراسی طرح تعلیق التغلیق میں ابن حجر اپنی سند سے انسؓ کے ایک مولیٰ سے نقل کرتا ہے:قال کان مولیٰ لأنسؓ علیٰ رستاق من رساتیق البصرة فأمره انسؓ ان یجمع بهم الأضحیٰ والفطر .تعلیق التعلیق ۲/۳۸۷.

اوراسی طرح اس کتاب کے صفحہ ۳۸۷، پر عکرمہؓ سے بھی روایت ہے. عن عكرمةؓ أنه قال فی القوم یکونون فی السواد فی السفر فی یوم عید فطر او اضحیٰ قال یجتمعون فیصلون فیؤمهم احدهم . اوریہی روایت ابن ابی شیبہؒ کے ۲/۱۹۱، میں بھی مذکور ہے۔

اورابن ابی شیبہؒ نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے نقل کی ہے کہ. کتب عمر بن عبد العزیزؒ الیٰ اهل القریٰ یأمرهم ان یصلوا الفطرة والأضحیٰ وان یجمّعوا .مصنف ابن ابی شیبة. ۲/۱۹۲ .

اوراس احادیث کے مقابلے میں صرف ایک حدیث ہے وہ علیؓ سے مروی ہے،لیکن اس سے جواب الاوسط نے ذکرکیا ہے حدیث علیؓ اس طرح ہے.عن النبیﷺقال لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولااضحیٰ الافی مصر جامع، تواوسط والاجواب میں کہتے ہیں کہ اعمش لم یسمع من سعد .الاوسط ۴/۳۱. اورصاحب نصب الرایۃ کہتے ہیں کہ.غریب مرفوعاوانماوجدناه موقوفاعلیٰ علیؓ.۳/۱۹۵ .اوراعلاءالسنن والا نے ذکرکیا ہے کہ.ولکن المرفوع لایثبته المحدثون :۸/۶ .

بعض علماءحدیث علیؓ سے استدلال کرتے ہیں اوراتنے عام اورخاص احادیث اس پرمنسوخ کرتے ہیں اورحال یہ ہے کہ یہ انکے اپنے اصولوں کے خلاف ہیں.جس طرح صاحب التحقیقات العلی نے فرمایاہے:

والعجب ومقام التحیر من الاحناف کیف یسوغ لهم باشتراط هذه الشروط والتقید بهذه القیودمع أن کتب اصولهم لأئمتهم الکبار مملؤة أنه لایجوز تخصیص نص القرآن ولاا لزیادة علیه بالاخبار الاحاد ،کما فی التلویح، وانمایرد خبر الواحد فی معارضةالکتاب لأن الکتاب مقدم لکونه قطعیا متواترالنظم لاشبهة فی متنه ولا فی سنده .وجاء فیه ایضا :لایجوزتخصیص الکتاب بخبر الواحد لأن خبر الواحد دون الکتاب، لأنه ظنی والکتاب قطعی فلایجوزتخصیصه ،لأن التخصیص تفسیر وتفسیر الشیء لایکون الابما یساویه اویکون فوقه .

احناف سے تعجب،تحیر کا مقام یہ ہے کہ اُن کے لئے جمعہ کوان شروط سے مشروط کرنا کیسے جائز ہے؟ حالانکہ ان کی کتابیں اس قاعدہ سے مملوء ہیں کہ نص قرآنی کی تخصیص اوراس پرزیادت اخباراحاد سے جائزنہیں،جیسے کہ تلویح میں ہے

۔اور خبر واحد کو کتاب اللہ کے مقابلہ میں رد کیا جاتا ہے، کیونکہ کتاب اللہ ہر چیز پر مقدم ہے، اس لئے کہ کتاب اللہ قطعی، متواتر اور بے شک وشبہ ہے، کیونکہ تخصیص تفسیر ہوتا ہے اور تفسیر نہیں ہوسکتا ہے سوائے اُس پر جو کہ اس کے برابر ہو یا اس سے مرتبہ میں زیادہ ہو۔اور اسی طرح نور الانوار میں بھی ہے۔

باقی اس باب میں علماء اور فقہاء سے بہت اقوال منقول ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے اس پر اکتفاء کیا اور سائل نے جس گاؤں کا ذکر کیا ہے اور اسکی کیفیت ذکر کی ہے تو اس کے بارے میں اکثر علماء احناف اور فقہاء جواز کے قائل ہے جس طرح درمختار جو شامی کا متن ہے وہ لکھتے ہیں، جب ایک گاؤں اس حد تک پہنچ جائے کہ جس کے لوگوں کے لئے ایک بڑی مسجد نا کافی ہو جائے تو اس گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے اور مصر کی تعریف میں لکھتے ہیں: المصر وھو مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا، وعلیہ اکثر الفقھاء (مجتبی) لظھور التوانی فی الاحکام .. ١/٥٣٦. اور جو حدیث یہ لوگ المعجم الاوسط: ١/١٦٢. طبرانی سے نقل کرتے ہیں کہ:

حدثنا احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین بن سعد المصری قال حدثنا ابراھیم بن حماد بن ابی حازم المدینی قال حدثنا مالک بن انس عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ خمسة لا جمعة علیھم، المرأة والمسافر والعبد والصبی واھل البادیة: الحدیث من الزوائد. فقد ذکرہ الھیثمی فی مجمع الزوائد. کتاب الصلاة باب فرض الجمعة ومن لا تجب علیہ .. ٢/١٧٠. وقال رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ ابراھیم بن حماد ضعفہ الدار قطنی، قال العبد الضعیف، رحمہ اللہ الھیثمی فالحدیث فی اسنادہ من ھو اسوأ حالا من ابراھیم بن حماد وھو احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدین المصری شیخ الطبرانی، فقد ترجم لہ الذھبی فی المیزان ١/١٣٣: فقال فیہ قال ابن عدی کذبوہ وانکرت علیہ اشیآء، ثم قال الذھبی قلت فمن اباطیلہ روایة الطبرانی وغیرہ منہ.. معجم الاوسط: ١/١٦١؛ ١٦٢، ھٰذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب.

ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: کہ پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ نہیں عورت، مسافر، غلام، نابالغ، اور وہ لوگ جو شہر سے دور ہوں۔تو امام طبرانی نے کہا کہ حدیث کے سند میں ابراہیم بن حماد ہے اور وہ ضعیف ہے اور امام ہیثمیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں احمد بن محمد بن حجاج بن رشدین ہے کہ یہ ابراہیم بن حماد سے زیادہ ضعیف ہے۔

سورۃ المنافقون (مدنیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا جَآءَکَ الۡمُنَافِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ إِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ یَعۡلَمُ

جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو (ازراہِ نفاق) کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں

إِنَّکَ لَرَسُوۡلُهٗ وَاللّٰهُ یَشۡهَدُ إِنَّ الۡمُنَافِقِیۡنَ لَکَاذِبُوۡنَ ﴿۱﴾

کہ آپ بیشک اللہ کے پیغمبر ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ درحقیقت تم اس کے پیغمبر ہو لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں

اِتَّخَذُوۡا أَیۡمَانَهُمۡ جُنَّةً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ إِنَّهُمۡ

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور ان کے ذریعے سے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روک رہے ہیں کچھ شک نہیں

سَآءَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲﴾ ذٰلِکَ بِأَنَّهُمۡ آمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰی

کہ جو کام یہ کرتے ہیں بُرے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ (پہلے تو) ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی

قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا یَفۡقَهُوۡنَ ﴿۳﴾ وَإِذَا رَأَیۡتَهُمۡ تُعۡجِبُکَ أَجۡسَامُهُمۡ

سو اب یہ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب تم انکو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے

وَإِنۡ یَّقُوۡلُوۡا تَسۡمَعۡ لِقَوۡلِهِمۡ کَأَنَّهُمۡ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ

ہیں اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر کو توجہ سے سنتے ہو گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے

صَیۡحَةٍ عَلَیۡهِمۡ هُمُ الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡهُمۡ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۴﴾

لگائی گئی ہیں ہر زور کی آواز کو سمجھیں ان پر یہ دشمن ہیں ان سے بےخوف نہ رہنا اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ

۔۴۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے مغفرت مانگیں تو سر ہلا دیتے ہیں اور تم ان کو دیکھو

يَصُدُّونَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ ﴿۵﴾ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ

کہ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔ تم ان کے لئے مغفرت مانگو یا نہ مانگو

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۶﴾

ان کے حق میں برابر ہے اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا بیشک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوا

یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس (رہتے) ہیں ان پر (کچھ) خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ (خود بخود) بھاگ جائیں

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۷﴾

حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

يَقُولُونَ لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ

کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینے پہنچے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے حالانکہ عزت اللہ کی ہے

وَلِرَسُولِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸﴾

اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی لیکن منافق نہیں جانتے۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

مومنو! تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۹﴾

اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسارا اٹھانے والے ہیں۔

وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ

اور جو ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پیشتر خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے تو کہنے لگے کہ

رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِيْ إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٠﴾

اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی؟ تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا إِذَا جَآءَ أَجَلُهَا وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١١﴾

اور جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔[۱]

سورة التغابن (مدنية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ

جو چیز آسمانوں میں اور جو چیز زمین میں ہے (سب) اللہ کی تسبیح کرتی ہے اس کی سچی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف

---

[۱] ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم ابوالدرداءؓ سے نقل کیا ہے: ذکرنا عند رسول اللهﷺ الزيادة في العمر فقال: ان الله لايؤخر نفسا اذا جاء اجلها، وانما الزيادة في العمران يرزق الله العبد ذرية صالحة يدعون له ، فيلحقه دعاؤهم في قبره. رواه الطبراني في الاوسط: ۳۳۴۹، و الكبير: ۱۷۲ (قطعة من المفقود) ۔یعنی ایک مرتبہ نبیﷺ کے سامنے صحابہ کرام نے زیادتی عمر کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: جب اجل آ جائے پھر موخر نہیں ہوتی، زیادتی عمر صرف اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو نیک اولاد دے جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرتی رہے۔

وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ

(لامتناہی) ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن

مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔ اسی نے آسمانوں اورزمین کو مبنی برحکمت پیدا کیا

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَإِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۳﴾

اور اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی پاکیزہ بنائیں اور اسی کی طرف (تمہیں) لوٹ کر جانا ہے۔

یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ

جو کچھ آسمانوں اورزمین میں ہے وہ سب جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کھلم کھلا کرتے ہو اس سے بھی آگاہ ہے

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾ أَلَمْ یَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ

اور اللہ دل کے بھیدوں سے واقف ہے۔ کیا تم کو ان لوگوں کے حال کی خبر نہیں پہنچی جو پہلے کافر ہوئے تھے

فَذَاقُوْا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِیْمٌ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُ كَانَتْ تَّأْتِیْهِمْ

تو انہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزا چکھ لیا اور (ابھی) دکھ دینے والا عذاب (اور) ہونا ہے۔ یہ اس لئے کہ ان کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنَاتِ فَقَالُوْا أَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ

پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آتے تو یہ کہتے کہ کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں؟ تو انہوں نے (ان کو) نہ مانا اور منہ پھیر لیا

وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا أَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا

اور اللہ نے بھی استغنا کی اور اللہ بے نیاز (اور) سزاوارِ حمد ہے۔ جو لوگ کافر ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے

قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۷﴾

کہہ دو کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر جو کام تم کرتے رہے ہو وہ تمہیں بتائے جائیں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے

فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۸﴾

تو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور نور (قرآن) پر جو ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے

یَوْمَ یَجْمَعُكُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ

جس دن وہ تم کو اکٹھا ہونے کے دن اکٹھا کرے گا وہ نقصان اٹھانے کا دن ہے[1] اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے

وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ

اور نیک عمل کرے وہ اس سے اس کی بُرائیاں دُور کر دے گا اور باغہائے بہشت میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں

---

[1] یوم الجمع اور یوم التغابن دونوں قیامت کے نام ہیں، یوم الجمع ہونا اس دن کا تو ظاہر ہے کہ تمام مخلوق اولین واخرین کو اس روز حساب کتاب اور جزاء وسزاء کے لئے جمع کیا جائے گا۔ اور یوم التغابن اس لئے کہ تغابن غبن سے مشتق ہے جس کے معنی خسارے اور نقصان کے ہیں مالی نقصان اور خسارہ کو بھی غبن کہا جاتا ہے اور رائے اور عقل کے نقصان کو بھی، امام راغب اصفہانی نے مفردات القران میں فرمایا کہ مالی خسارے کے لئے یہ لفظ بصیغہ مجہول غُبِن فلان فھو مغبون استعمال کیا جاتا ہے اور عقل ورائے کے نقصان کے لئے باب سمع سے غبن استعمال کیا جاتا ہے لفظ تغابن اصل کے اعتبار سے دوطرفہ کام کے لئے بولا جاتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اور دوسرا اس کو نقصان پہنچائے، یا اس کے نقصان وخسارہ کو ظاہر کرے، یہاں مراد یک طرفہ اظہار غبن ہے جیسا کہ یکطرفہ استعمال بھی اس لفظ کا معروف ومشہور ہے، قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حق تعالی نے ہر انسان کے لئے اخرت میں دو گھر پیدا کئے ہیں ایک جہنم میں دوسرا جنت میں، اہل جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان کا وہ مقام بھی دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل نہ ہونے کے صورت میں اس کے لئے مقرر تھا تاکہ اس کو دیکھنے کے بعد جنت کے مقام کی اور زیادہ قدر اس کے دل میں پیدا ہو، اور اللہ تعالی کا مزید شکر گذار ہو۔ اس طرح اہل جہنم کو جہنم میں داخل کرنے سے پہلے ان کو جنت کا وہ مقام دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل صالح کی صورت میں ان کے لئے مقرر تھا تاکہ ان کو اور زیادہ حسرت ہو۔

ان روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر جنت میں جو مقامات اہل جہنم کے تھے وہ بھی اہل جنت کو مل جائیں گے، اور جہنم میں جو مقامات اہل جنت کے تھے وہ بھی اہل جہنم کے حصہ میں آجائیں گے۔ یہ روایات صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں

مختلف الفاظ سے مفصل آئی ہیں، اس وقت جبکہ کفار فجار اور اشقیاء کے جنتی مقامات بھی اہل جنت کے قبضہ میں آئیں گے تو ان کو اپنے غبن اور خسارے کا احساس ہوگا کہ کیا چھوڑا اور کیا پایا۔

صحیح مسلم اور ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون شخص ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جس شخص کے پاس مال نہ ہو اس کو مفلس سمجھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں اپنے اعمال صالحہ نماز، روزہ، زکواۃ وغیرہ کا ذخیرہ لے کر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی، کسی پر بہتان باندھا کسی کو مارا یا قتل کیا کسی کا مال ناحق لے لیا (تو یہ سب جمع ہونگے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے) کوئی اس کی نماز لے جائے گا کوئی روزہ کوئی زکواۃ اور دوسری حسنات اور جب حسنات ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ اس ظالم پر ڈال کر بدلہ چکایا جائے گا۔ جس کا انجام یہ ہوگا کہ یہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ مسند احمد: رقم: ۶۸۶۷،

اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو اس کو چاہیئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کرا کر سبکدوش ہو جائے ورنہ قیامت کے دن درہم و دینار تو ہوں گے نہیں جس کا مطالبہ ہوگا اس کو اس شخص کے اعمال صالحہ دے کر بدلہ چکایا جائے گا، اعمال صالحہ ختم ہو جائیں گے تو بقدر اس کے حق کے مظلوم کا گناہ اس پر ڈال دیا جائے گا (مظہری)۔

ابن عباسؓ اور دوسرے ائمہ تفسیر نے قیامت کو یوم التغابن کہنے کی یہی وجہ بیان کی ہے اور بہت سے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اس دن غبن اور خسارے کا احساس صرف کفار فجار اور اشقیاء ہی کو نہیں بلکہ صالحین مومنین کو بھی اس طرح ہوگا کہ کاش ہم عمل اور زیادہ کرتے تاکہ جنت کے مزید درجات حاصل کرتے اس روز ہر شخص کو اپنی عمر کے اوقات پر حسرت ہوگی جو فضول ضائع کئے جیسا کہ حدیث میں ہے: **من جلس مجلسا لم یذکر اللہ فیه کان علیه ترة یوم القیامة.** جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور پوری مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا تو یہ مجلس قیامت کے روز اس کے لئے حسرت بنے گی۔ (سنن ابی داود: ۴۴۰۰)

قرطبی میں ہے کہ ہر مومن بھی اس روز احسان عمل میں اپنی کوتاہی پر اپنے غبن وخسارہ کا احساس کرے گا، قیامت کا نام **یوم التغابن** رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سورۂ مریم: ۳۹، میں اس کا نام **یوم الحسرۃ** آیا ہے۔

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۹﴾

داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے

وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی اہلِ دوزخ ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے

وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۰﴾ مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ

اور وہ بُری جگہ ہے۔کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر اللہ کے حکم سے اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے

یَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ

وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو

فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۲﴾

اگر تم منہ پھیر لوگے تو ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَی اللّٰهِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی پر ایمان داروں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ وَ اَوۡلَادِکُمۡ عَدُوًّا لَّکُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ

مومنو! تمہاری عورتوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن (بھی) ہیں سو ان سے بچتے رہو

وَ اِنۡ تَعۡفُوۡا وَ تَصۡفَحُوۡا وَ تَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴﴾

اور اگر معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔

اِنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَ اَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۵﴾

تمہارا مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَأَطِيْعُوْا وَأَنْفِقُوْا

سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو اور (اس کے احکام کو) سنو اور (اس کے) فرمانبردار رہو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو

خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾

(یہ) تمہارے حق میں بہتر ہے اور جو شخص طبیعت کے بخل سے بچایا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

إِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

اگر تم اللہ کو (اخلاص اور نیت) نیک (سے) قرض دو گے تو وہ تم کو اس کا دو چند (اجر) دے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کردے گا

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

اور اللہ قدر شناس اور بردبار ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا غالب اور حکمت والا ہے۔

سورة الطلاق (مدنية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ

اے پیغمبر! [1] جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار

---

[1] مطلقہ کیلئے عدت کا اثبات۔ ندا ء سے نبی کریم ﷺ کو مختص کیا گیا، لیکن حکم کا خطاب ساری امت سے فرمایا کیونکہ آپ امت کے امام ہیں یا اصل عبارت اس طرح ہے یاایھا النبی قل لامتک اذا طلقتم ، (روح) حنفیہ اور شافعیہ کا اس پر تو اتفاق ہے کہ طلاق طہر کی حالت میں دینی چاہیئے، البتہ اس میں ان کا اختلاف ہے کہ عدت کا شمار حیض سے ہوگا یا طہر سے۔ حنفیہ کے نزدیک عدت تین حیض ہے اور شافعیہ کے نزدیک تین طہر۔ اسی اختلاف کی بنا پر لعدتھن میں لام=

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ

رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرو (نہ تو تم ہی) ان کو (ایام عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی)

إِلَّا أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ

نکلیں ہاں اگر وہ صریح بےحیائی کریں (تو نکال دینا چاہیئے) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا

= کے مفہوم میں اختلاف ہے۔شافعیہ کی کے نزدیک لام توقیت کے لئے ہے: ای فی وقت عدتھن اور حنفیہ کے نزدیک لام بمعنی قبل ہے: ای قبل عدتھن لیکن شیخ حسین علی فرماتے ہیں کہ یہ لام عاقبت کا ہے جیسا کہ لیکون لھم عدوا و حزنا (قصص: ۸) میں ہے۔مطلب یہ ہوگا کہ جب تم ان کو طلاق دیدو تو طلاق عدت سے ملابس ہو، یعنی ان کو گھروں سے نہ نکالو، بلکہ عدت گذارنے کے لئے ان کو بٹھاؤ۔اور عدت کو باقاعدہ شمار کرو اور اس کی مدت پوری کرو۔اور اللہ سے ڈرو اور اپنے طرز عمل سے معتدہ کو ضرر نہ پہنچاؤ۔

"لاتخرجوھن" ۔عدت گذارنے والی عورتوں کو گھروں سے نکالنے کی ممانعت فرمائی، البتہ اگر وہ اپنی مرضی سے خود بخود نکل جائیں تو تم پر کوئی الزام نہیں۔فاحشة مبینة سے معتدات کا خود بخود گھروں سے نکل جانا مراد ہے۔ھی نفس الخروج قبل انقضاء العدة (روح المعانی) یہ تفسیر عبداللہ بن عمرؓ، سدی، ابن السائبؒ، نخعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کی ہیں، جو شخص ان کو توڑتا ہے وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

"لاتدری لعل اللہ"۔کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ کیسے حالات پیدا کرنے والا ہے، اس لئے طلاق، عدت اور سکنیٰ وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے تجاوز نہ کرو اور نہ عورتوں کو ظلم وتعدی کا نشانہ بناؤ، ممکن ہے طلاق دینے کے بعد تم پشیمان ہو جاؤ اور بیوی سے رجوع کا ارادہ ہو جائے تو آسانی سے مافات کی تلافی کرسکو، اگر تم نے بیوی کو مغلظہ طلاق دیدی یا طلاق کے بعد اس سے بدسلوکی کا برتاؤ کیا تو رجوع مشکل ہو جائے گا۔شیخ حسین علیؒ فرماتے ہیں یہ ماقبل کی علت ہے۔معتدہ کو گھر سے نکالنے کی ممانعت اس لئے کی گئی کہ ہوسکتا ہے کہ اس کے پیٹ میں اپنے خاوند کا حمل ہو اگر اسے گھر سے نکلنے کی اجازت دیدی جائے تو حمل ظاہر ہونے پر تہمت آنے کا اندیشہ ہے۔

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا ﴿۱﴾

وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا (اے طلاق دینے والے!) تجھے کیا معلوم کہ شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کر دے

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ

پھر جب وہ اپنی میعاد کے قریب پہنچ جائیں[2] تو یا تو ان کو اچھی طرح سے رہنے دو یا

فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّأَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ

اچھی طرح سے علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ کر لو اور (گواہو!) اللہ کے لئے درست گواہی دینا

ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ

ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا

یَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ

وہ اس کے لئے نجات (کی صورت) پیدا کر دے گا۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو

---

[2] "بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ" ای قاربن انقضاء العدة (قرطبی) جب ان کی عدۃ اختتام کے قریب ہو، تو اب بھی موقع ہے سوچ سمجھ کر آخری فیصلہ کر لو اگر رجوع کر کے اسے اپنے پاس رکھنا چاہو تو رکھ لو، مگر مقصد حسن معاشرت ہو نہ کہ اسے ایذاء دینا۔ اور اگر رجوع کرنے کا ارادہ نہ ہو تو بھی اسے اچھے برتاؤ کے ساتھ عدۃ گذارنے کا موقع دو، تا کہ انقضاء عدۃ کے بعد وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر لے۔ اس وقت جو بھی فیصلہ کر لو رجعت کا یا فرقت کا، دو قابل اعتماد آدمیوں کو اس پر گواہ بنا لو اور ان کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دو تا کہ تمہارا فیصلہ شک و ریب سے بالاتر ہو جائے اور بعد نزاع کا اندیشہ نہ رہے ۔ واقیموا الشهادة لله یہ گواہوں کو حکم ہے کہ جب ان کی گواہی کی ضرورت پڑے تو وہ کسی دباؤ یا لالچ کے تحت گواہی کو نہ چھپائیں، بلکہ محض اللہ کی رضا کے لئے صحیح گواہی ادا کریں۔ یہ نصیحت اس شخص کے لئے ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، کیونکہ اس سے فائدہ وہی اُٹھائے گا۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ

اور جو اللہ پر بھروسا رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے اللہ نے ہر چیز کا

شَيْءٍ قَدْرًا ﴿٣﴾ وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ

اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔[3] اور تمہاری عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو شبہ ہو

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَّاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ

تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی یہی ہے) اور حمل والی عورتوں کی عدت

يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿٤﴾ ذٰلِكَ أَمْرُ

وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔ یہ اللہ کے حکم ہیں

اللّٰهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ﴿٥﴾

جو اللہ نے تم پر نازل کئے ہیں اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس سے اس کے گناہ دُور کر دے گا اور اسے اجرِ عظیم بخشے گا

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا

(مطلقہ) عورتوں کو (ایام عدت میں) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے

عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

تکلیف نہ دو اور اگر وہ حمل سے ہوں تو بچہ جننے تک ان کا خرچ دیتے رہو پھر اگر وہ بچے کو تمہارے کہنے سے دودھ پلائیں

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ

تو ان کو ان کی اجرت دو اور (بچے کے بارے میں) پسندیدہ طریق سے موافقت رکھو

---

[3] عن ابی ذران رسول اللہ ﷺ قال: انی لاعلم آیۃ لو آخذ الناس بھالکفتھم ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ

یَجۡعَل لَّهُ مَخۡرَجًا ، وَيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ﴾. مسند احمد: ۱۷۸/۵ و ابن ماجۃ: ۴۲۲۰.

ابوذرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ محض اسی آیت پرعمل کریں تو ان کے حق میں وہی ایک آیت کافی ہوجائے، وہ آیت یہ ہے: وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَل لَّهُ مَخۡرَجًا ﴿۲﴾ وَيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ، یعنی جو شخص اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کے لئے دنیا اور آخرت کے غموں سے نجات کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے تعب ومشقت اور فکر وتردد کے بغیر روزی دیتا ہے جہاں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ پس" ومن یتق اللہ" سے "حیث لایحتسب" تک میں تو اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالی اس شخص کے لئے دنیا وآخرت کے اس کے ان تمام امور ومعاملات میں کافی ہوجاتا ہے جن سے وہ ڈرتا ہے، اور جو اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتے ہیں بایں طور کہ اس کو ایسی تمام چیزوں سے محفوظ و مامون رکھا جاتا ہے۔

اور "ومن یتوکل علی اللہ" سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ شخص اگر اللہ تعالی پر اعتماد و بھروسہ کر کے دنیا واخرت کی نعمتوں کا طلبگار و متلاشی ہوتا ہے تو اللہ تعالی اس کے لئے کافی ہوجاتا ہے بایں طور یکہ اس کو وہ نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

توکل کا حق یہ ہے کہ اول تو اس بات پر پورا یقین واعتقاد ہو، کہ کسی بھی چیز کو وجود میں لانے والا اللہ تعالی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، اور ہر موجود کو خواہ وہ جاندار یا غیر جاندار مخلوق ہو، کسی چیز کا ملنا ہو یا نہ ملنا ہو، ضرر ہو یا نفع ہو، غربت وافلاس ہو یا ثروت و مالداری ہو، مرض ہو یا صحت ہو، اور موت ہو یا حیات، غرضیکہ کوئی بھی چیز ہو سب کا مالک اللہ تعالی ہے اور سب چیزیں اسی کی طرف سے ہیں، پھر اس امر کا پختہ اعتقاد ہو کہ رزق کا ضامن بلاشک وشبہ اللہ تعالی ہے اور پھر اس یقین واعتقاد کے ساتھ حصول معاش کی سعی وجہد میں اچھے طور طریقوں سے، اور مناسب ومعقول صورت میں مشغول ہو، یعنی کسب وکمائی میں زیادہ تعب ومشقت برداشت نہ کرے، حرص ولالچ میں مبتلا نہ ہو، ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے کی جدوجہد نہ کرے، اور کمانے کی دھن میں غرق نہ ہوجائے کہ حلال وحرام کی تمیز بھی نہ کر سکے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا گمان یہ ہو کہ "توکل" نام ہے کسب وعمل کے ترک کر دینے کا اور ہاتھ و پاؤں کو معطل کر دینے، اور پاہج بن کر پڑے رہنے کا کہ جس طرح کسی کپڑے کو زمین پر ڈال دیا جائے تو وہ شخص نرا جاہل ہے۔

اور امام قشیریؒ کا قول یہ ہے کہ توکل کا اصل مقام قلب ہے اور حصول معاش کے لئے حرکت وعمل ایک ظاہری فعل

ہے جوتوکل کے منافی نہیں ہے، بشرطیکہ اصل اعتماد اپنے کسب عمل کے بجائے محض اللہ تعالی پر ہو۔لہٰذا حدیث میں ہے کہ:
عن عمر بن الخطابؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لو انکم تتوکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصا و تروح بطانا. ترمذی: ۲۲۶۶ ۔اس حدیث میں پرندہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور وہ اگرچہ اپنی روزی کے تلاش میں نکلتا ہے،اورسارے جہاں میں مارا مارا پھرتا ہے،لیکن اس کا اصل اعتماد اللہ تعالی ہی پر ہوتا ہے، نہ کہ اپنی طلب اور جدجہد اور اپنی تدبیر وقوت پر،لہٰذا اس سے واضح ہوا کہ انسان کا حصول معاش کے لئے معقول اور مناسب طریقہ پر جہد وجہد اور سعی کرنا اللہ تعالی پر اعتماد وبھروسہ کرنے کے منافی نہیں ہے،جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:﴿**وکاین من دابة لاتحمل رزقھا اللہ یرزقھا وایاکم**﴾ (عنکبوت:۶۰)یعنی کوئی جانور اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتا، بلکہ اللہ تعالی ہی اس کوبھی اور تمہیں بھی رزق عطا کرتا ہے۔

حاصل یہ کہ حدیث کا مفہوم اس امر سے آگاہ کرنا ہے کہ سعی وجدجہد اور کسب وعمل حقیقت میں رزق پہنچانے والا نہیں ہے، بلکہ رزق پہنچانے والا صرف اللہ تعالی ہے،اسی طرح حدیث کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ انسان کو اپنی روزی کمانے کے لئے حرکت وعمل سے باز رکھا جائیے کیونکہ اللہ تعالی پر توکل واعتماد کا تعلق دل سے ہے جو اعضاء ظاہری کی حرکت وعمل کے مطلقا منافی نہیں ہے،گو بسا اوقات اعضاء وجوارح کی حرکت اور کسی کسب وعمل کے بغیر بھی اللہ تعالی رزق پہنچاتا ہے، بلکہ توکل کی برکت تو یہاں تک ہوتی ہے کہ متوکل کو اپنا رزق لینے کے لئے حرکت بھی کرنا نہیں پڑتی بلکہ دوسرے حرکت کر کے اس تک اللہ تعالی کیطرف سے رزق پہنچاتے ہیں جیسا کہ اس ارشاد ربانی کے عموم مفہوم سے واضح ہوتا ہے:
ومامن دابة فی الارض الاعلی اللہ رزقھا"(ھود:۶) کہ جب کوئے کے بچے انڈے سے باہر آتے ہیں تو بالکل سفید ہوتے ہیں اور کوّا ان بچوں کو دیکھتا ہے تو وہ اسے بہت برے لگتے ہیں، چنانچہ ان بچوں کو چھوڑ کر کوّا چلا جاتا ہے اور وہ تنہا پڑے رہ جاتے ہیں، تب اللہ تعالی ان کے پاس مکھی اور چونٹیاں بھیجتا ہے جن کو وہ بچے چن چن کر کھاتے ہیں اور پرورش پاتے رہتے ہے، یہاں تک کہ جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو اپنا رنگ بدل دیتے ہیں اور بالکل سیاہ ہو جاتے ہیں، پھر جب کچھ عرصہ کے بعد کوّا ان بچوں کے پاس آتا ہے اور ان کو سیاہ رنگ کا دیکھتا ہے تو ان کو لیکر بیٹھ جاتا ہے اور ان کی پرورش کرنے لگتا ہے اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالی بغیر حرکت وسعی کے بھی کسی طرح رزق پہنچاتا ہے۔

"**ان اللہ بالغ امرہ**" سے مراد یہ ہے کہ وہ قادر مطلق اپنے احکام اور فیصلوں کو جاری اور نافذ کرنے والا ہے،یعنی اس کو ہر طرح کا حکم وفیصلہ جاری کرنے کا کلی اختیار بھی حاصل ہے،اور وہ اپنے ہر حکم وفیصلہ کو نافذ=

وَّإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرٰى ۞ [۶] لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ

اور اگر باہم ضد کرو گے تو بچے کو اس کے کہنے سے کوئی اور عورت دودھ پلائے گی صاحبِ وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیئے

وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا

اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے اس کے موافق خرچ کرے اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر

مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۞ [۷] وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ

اسی کے مطابق جو اس کو دیا ہے اور اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشادگی بخشے گا۔ اور بہت سی بستیوں (کے رہنے والوں) نے اپنے

عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۞ [۸]

پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام کی سرکشی کی تو ہم نے ان کو سخت حساب میں پکڑ لیا اور ان پر عذاب نازل کیا جو نہ دیکھا تھا نہ سنا

= کرنے کی پوری طاقت وقدرت بھی رکھتا ہے، کیونکہ جب یہ جان لیا گیا کہ ہرقسم رزق اور اس کے مانند ہر چیز تقدیر الٰہی اور توفیق الٰہی سے تعلق رکھتی ہے، کہ انسان جس چیز کی بھی خواہش وطلب رکھتا ہے وہ اس کے حکم وفیصلہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، تو اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں رہ جاتا کہ انسان قضا وقدر کے آگے سرِ تسلیم خم کرے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر توکل واعتماد کرے۔

اور اس آیت میں عدت کی دو میعادوں کا بیان ہے۔ ایک تین ماہ اور دوم وضع حمل، ہر میعاد دو دو قسم کی عورتوں کے لئے پہلی میعاد ان دو عورتوں کے لئے (۱) آئیسہ یعنی وہ عورت جس کو بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو (۲) وہ عورت جس کو ابھی تک حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، خواہ صغیرہ ہو یا مراہقہ یا بالغہ بالسن، اسی طرح دوسری میعاد یعنی وضع حمل ان دو عورتوں کے لئے (۱) وہ حاملہ جس کو حالت حمل میں طلاق ہوگئی (۲) وہ حاملہ جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ ان ارتبتم ای فی مقدار عدتھن واللّٰی مبتداء ہے اور فعدتھن الخ اس کی خبر ہے یعنی اگر ان کی مقدار عدت میں تمہیں شک ہو اور و المطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء سے تم ان کی عدت نہیں سمجھ سکے ہو تو سن لو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿۹﴾ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا

سوانہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزہ چکھ لیا اور ان کا انجام نقصان ہی تو تھا۔ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب

شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا

تیار کر رکھا ہے تو اے اربابِ دانش جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اللہ نے تمہارے پاس نصیحت (کی کتاب) بھیجی ہے۔

﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ آيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا

پیغمبر (بھی بھیجے ہیں) جو تمہارے سامنے اللہ کی واضح المطالب آیتیں پڑھتے ہیں[5] تاکہ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ

اور عملِ نیک کرتے رہے ہیں ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آئے اور جو شخص ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے

صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا

گا وہ ان کو باغہائے بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ابدالآباد ان میں رہیں گے

---

[5] اس آیت کی آسان توجیہ یہ ہے کہ یہاں لفظ ارسل محذوف مانا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ نازل کیا ذکر یعنی قران کو اور بھیجا رسول کو۔ بعض مفسرین نے دوسری توجیہات بھی لکھی ہیں، مثلا یہ کہ ذکر سے مراد خود رسول ہوں، کہ ذکر اللہ کی کثرت کے سبب ان کا وجود گویا خود ذکر اللہ بن گیا۔ یا رسول بمعنی رسالت ہو اس سورت میں بغیر تاویل کے رسولا بدل صریح ہو جائے گا، یا اس کو منصوب علی الاغراء کہا جائے، ای اتبعوا والزموا رسولا۔

قَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ لَهُ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

اللہ نے ان کو خوب رزق دیا ہے۔ اللہ ہی تو ہے[6] جس نے سات آسمان پیدا کئے

وَّمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْا

اور ویسی ہی زمینیں ان میں (اللہ کے) حکم اترتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ جان لو

أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

---

[6] "اللہ الذی خلق" الایة، یہ توحید پر عقلی دلیل ہے اس سورت کے اخر میں توحید کا بیان آ گیا تاکہ دیگر احکام کے ساتھ ساتھ توحید کی طرف بھی توجہ باقی رہے کیونکہ اصل مقصود یہی ہے زمین واسمان وساری کائنات کا خالق اللہ تعالی ہے اور زمین واسمان کے درمیان وہی متصرف ومختار ہے۔ اور اسی کا حکم چلتا ہے۔

"لتعلموا" کا متعلق مقدر ہے ای اخبرتکم اواعلمتکم بذلک لتعلموا (روح المعانی) یعنی میں نے تمہیں یہ اس لئے بتایا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ حق تعالی ہر چیز پر قادر ہے، اور اس کا علم کائنات کے ذرے ذرے پر حاوی ہے لہٰذا وہی سب کا کارساز اور حاجت روا ہے۔

ومن الارض مثلھن جیسے آسمان ساتھ ہیں اسی طرح زمینیں بھی ساتھ ہیں لیکن سات اسمان تو تہ بہ تہ ہیں کیونکہ اسمانوں کے لئے قرآن میں طباقا وارد ہے لیکن زمینیں اسی طرح نہیں ہیں بلکہ اس سے روئے زمین کے ساتھ حصے مراد ہیں مثلاً ایشیا، یورپ، شمالی افریقہ، جنوبی افریقہ، امریکا، نیوزیلینڈ، اور اسٹریلیا سات (براعظم) منبسط زمینوں کا مراد ہونا، ابن عباسؓ اور ابوصالح سے مروی ہے۔ قال ابو صالح ھی فی کونھا سبعا لا غیر فی سبع ارضین منبسطة لیس بعضھا فوق بعض یفرق بینھا البحار ویظل جمیعھا السماء وروی بذلک عن ابن عباسؓ (روح المعانی)۔

ضحاک کی رائے ہے کہ یہ سب زمینیں پیاز کی چلکوں کی طرح ایک دوسرے سے متصل ہیں، اور بعض=

سورة التحريم (مدنية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبۡتَغِيۡ مَرۡضَاتَ أَزۡوَاجِكَ

اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟

وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱﴾ قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ أَيۡمَانِكُمۡ وَاللّٰهُ مَوۡلٰكُمۡ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے

وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۲﴾ وَإِذۡ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلٰى بَعۡضِ أَزۡوَاجِهٖ حَدِيۡثًا

اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔[1] اور (یاد کرو) جب پیغمبر نے اپنی ایک بیوی سے ایک بھید کی بات کہی

فَلَمَّا نَبَّأَتۡ بِهٖ وَأَظۡهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيۡهِ عَرَّفَ بَعۡضَهٗ وَأَعۡرَضَ عَنۡۢ بَعۡضٍ

تو جب اس نے اس کو افشا کیا اور اللہ نے اس (حال) سے پیغمبر کو آگاہ کر دیا تو پیغمبر نے کچھ تو بتائی اور کچھ نہ بتائی

= کی رائے ہے کہ ساتوں زمینیں طبقات کی صورت میں ہیں، یہ بھی احتمال ہے کہ ان زمینوں سے مراد وہ کواکب ہیں جن کو آجکل مریخ وغیرہ کہا جاتا ہے، جیسا کہ سائنسدانوں کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ، دریا، آبادیاں ہیں، اور ابن عباسؓ وغیرہ کی روایت کہ ،سبع ارضین فی کل ارض نبی کنبیکم کآدمکم ،الخ ،تو روح المعانی وغیرہ نے ان احادیث کو موضوع شمار کیا ہے، اس لئے اہل علم کے لئے بھی زیبا نہیں کہ وہ اس کو حدیث منوانے میں عوام پر زور دیں۔

[1] صحیح بخاری وغیرہ میں عائشہؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ نبی ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے=

فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴿۳﴾

تو جب وہ ان کو جتائی تو پوچھنے لگیں کہ آپ کو یہ کس نے بتایا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اس نے بتایا ہے جو جاننے والا خبردار ہے

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اگر تم دونوں اللہ کے آگے توبہ کرو (تو بہتر ہے کیونکہ) تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں اور اگر پیغمبر پر باہم اعانت کرو گی تو اللہ

=سب بیبیوں کے پاس (خبر گری کے لئے) تشریف لاتے تھے، ایک روز معمول سے زیادہ زینبؓ کے پاس ٹھیرے اور شہد پیا تو مجھ کو رشک آیا اور میں نے حفصہؓ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لاویں وہ یوں کہے کہ آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے، معافیر ایک خاص قسم کا گھوند ہے جس میں کچھ بدبو ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ نے فرمایا کہ میں نے تو شہد پیا ہے، ان بی بی نے کہا کہ شاید کوئی مکھی معافیر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو، اسی وجہ سے شہد میں بھی بدبو آنے لگی، رسول ﷺ بدبو کی چیزوں سے بہت پرہیز فرماتے تھے، اس لئے آپؐ نے قسم کھالی کہ پھر میں شہد نہ پئیوں گا اور اس خیال سے کہ زینب کا جی بُرا نہ ہو اس کے اخفاء کی تاکید فرمائی، مگر ان بی بی نے دوسری سے کہہ دیا، اور بعض روایات میں ہے کہ حفصہ شہد پلانے والی ہیں، اور عائشہؓ وسودہؓ وصفیہ صلاح مشورہ کرنے والی اور بعض روایات میں یہ قصہ دوسری طرح بھی آیا ہے، ممکن ہے کہ کئی واقعے ہوں اور ان سب کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئی ہوں (بخاری: فی التفسیر ومسلم کتاب الطلاق، اور نسائی کتاب الطلاق)۔

خلاصہ ان آیات کا یہ ہے کہ اس واقعہ میں جو رسول ﷺ نے ایک حلال چیز یعنی شہد کو بذریعہ قسم اپنے اوپر حرام کر لیا تھا یہ فعل جبکہ کسی ضرورت و مصلحت سے ہو تو جائز ہے، گناہ نہیں، مگر اس واقعہ میں ضرورت ایسی نہ تھی کہ اس کی وجہ سے آپ خود کوئی تکلیف اٹھاویں اور ایک حلال چیز کو چھوڑ دیں، کیونکہ نبی ﷺ نے یہ کام ازواج مطہرات کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا، اور ایسے معاملے میں ان کا راضی کرنا آپکے ذمہ لازم نہ تھا اس لئے اللہ تعالی نے ازروئے شفقت وعنایت فرمایا۔

"یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ".

مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾

اور جبریل اور نیک کردار مسلمان ان کے حامی (اور دوستدار) ہیں اور ان کے علاوہ (اور) فرشتے بھی مددگار ہیں۔[2]

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ

اگر پیغمبر تم کو طلاق دیدیں تو عجب نہیں ان کا پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیویاں دیدے مسلمان صاحبِ ایمان

قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ﴿۵﴾

فرمانبردار توبہ کرنے والایاں عبادت گزار روزہ رکھنے والیاں بن شوہر اور کنواریاں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ

مومنو! اپنے آپ کو اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی

وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ

اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو ارشاد اللہ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ

اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔ کافرو! آج بہانے مت بناؤ جو عمل تم کیا کرتے تھے

---

[2] یعنی جبکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی کسی بی بی سے ایک راز کی بات کہی، وہ راز کی بات صحیح اور اکثر روایات کے رو سے یہی تھی کہ اپ نے زینبؓ کے پاس شہد پیا اور دوسری ازواج کو بھاری معلوم ہوا، آپ نے ان کو راضی کرنے کے لئے شہد پینے کی قسم کھالی مگر یہ فرمایا کہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو، تاکہ زینب کو رنج نہ پہنچے، مگر اس بی بی نے یہ راز دوسری پر ظاہر کر دیا، جسکا ذکر اگلی آیت میں ہے، اس راز کی بات کے متعلق دوسری روایات میں اور بھی چند چیزیں منقول ہیں مگر اکثر اور صحیح روایات میں یہی ہے جو لکھا گیا۔

فلما نبأت به واظهره الله عليه عرف بعضه واعرض عن بعض، یعنی جب اس بی بی نے وہ راز کی

بات دوسری بی بی سے کہہ ڈالی، اوراللہ تعالی نے رسول ﷺ کواس کی خبر کردی، کہ اس نے آپ کاراز پاش کردیا، تو آپ نے اس بی بی سے افشاء راز کا شکوہ تو کیا، مگر پوری بات نہیں کھولی، یہ نبی ﷺ کا کرم اور حسن خلق تھا، کہ پوری بات کھولنے سے ان کوزیادہ خجالت اور شرمندگی ہوگی، جس بی بی سے راز کی بات کہی گئی تھی وہ کون تھیں اور جس پر راز ظاہر کردیا وہ کون؟ قرآن کریم نے اس کو بیان نہیں کیا، اکثر روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ راز کی بات حفصہؓ سے کہی گئی تھی انہوں نے عائشہؓ سے ذکر کردیا، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ابن عباسؓ سے اس کا بیان آگے آئے گا۔ بعض روایات حدیث میں ہے کہ حفصہؓ سے راز پاش کرنے پر نبی ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، مگر اللہ نے جبرئیل امین کو بھیج کر انکی طلاق سے روک دیا، اور فرمایا کہ بہت نماز گذار اور بکثرت روزے رکھنے والی ہیں اور ان کا نام جنت میں اپ کی بیویوں میں لکھا ہوا ہے۔

''إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا'' ازواج مطہرات میں سے جن دو کا اجمالی ذکر اوپر آیا ہے کہ انہوں نے باہم مشورہ کر کے نبی ﷺ کے شہد پینے پر ایسا طرز اختیار کیا جس سے آپ نے شہد پینے سے قسم کھالی اور پھر آپ نے اس کے اخفاء کے لئے فرمایا تھا وہ اخفا نہیں کیا، بلکہ ایک نے دوسری پر بات کھولدی، یہ دو کون ہیں، ان کے متعلق صحیح بخاری (کتاب التفسیر) میں ابن عباسؓ سے ایک طویل روایت ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ عرصہ تک میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں ان دو عورتوں کے متعلق عمر بن الخطابؓ سے دریافت کروں، جن کے متعلق قرآن میں آیا ہے: (ان تتوبا الی اللہ) یہاں تک کہ ایک موقعہ آیا کہ عمر بن الخطابؓ حج کے لئے نکلے اور میں بھی شریک سفر ہوگیا، دوران سفر میں ایک روز عمر بن الخطابؓ قضائے حاجت کے لئے جنگل کیطرف تشریف لے گئے اور واپس آئے تو میں نے وضوء کے لئے پانی کا انتظام کر رکھا تھا میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور وضوء کراتے ہوئے میں نے سوال کیا کہ یہ دو عورتیں جن کے متعلق قران میں ان تتوبا آیا ہے کون ہیں؟ عمرؓ نے فرمایا آپ سے تعجب ہے کہ آپ کو خبر نہیں کہ یہ دونوں عورتیں حفصہ اور عائشہؓ ہیں، اس کے بعد عمرؓ نے اپنا ایک طویل قصہ اس واقعہ سے متعلق ذکر فرمایا جس میں اس واقعہ سے پیش آنے سے پہلے کے کچھ حالات بھی بیان فرمایا، جن کی پوری تفصیل مظہری میں ہے۔

آیت مذکورہ میں ان دونوں ازواج مطہرات کو مستقل خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر تم توبہ کرو جیسا کہ اس واقعہ کا تقاضا ہے کہ تمہارے دل حق کو مائل ہوگئے کیونکہ رسول ﷺ کی محبت اور آپ کی رضا جوئی ہر مومن کا فرض ہے مگر تم دونوں نے باہم مشورہ کر کے ایسی صورت اختیار کی جس سے آپ کو تکلیف پہنچی یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧﴾ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوٓا إِلَى اللّٰهِ

انہی کا تم کو بدلا دیا جائے گا۔ مومنو! اللہ کے آگے

تَوْبَةً نَّصُوحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ

صاف دل سے توبہ کرو ،[3]یقین ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دُور کر دے گا اور تم کو باغہائے بہشت میں

---

[3] توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں مراد گناہوں سے لوٹنا ہے اور اصطلاح قرآن وسنت میں توبہ اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے پچھلے گناہ پر نادم ہو اور آئندہ اس کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم کرے اور نصوح کو اگر مصدر نصح اور نصیحت سے لیا جائے تو اس کے معنی خالص کرنے کے ہیں اور مصدر نصاحت سے قرار دیں تو اس کے معنی کپڑے کو سینے اور جوڑ لگانے کے ہیں، پہلے معنی کے اعتبار سے نصوح کے معنی یہ ہونگے کہ وہ ریا اور نمود سے خالص ہو، محض اللہ تعالی کی رضا جوئی اور خوف عذاب سے گناہ پر نادم ہو کر اس کو چھوڑ دے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے نصوح اس مطلب کے لئے ہوگا کہ اعمال صالحہ کا لباس جو گناہ کی وجہ سے پٹ گیا ہے تو یہ اس کے ہر خرق یعنی پھٹن کو جوڑنے والی ہے۔

حسن بصریؒ نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ آدمی اپنے گذشتہ عمل پر نادم ہو اور پھر اس کی طرف نہ لوٹنے کا پختہ ارادہ اور عزم رکھتا ہو۔ اور کلبی نے فرمایا کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادم اور اپنے بدن اور اعضاء کو آئندہ اس گناہ سے روکے۔

اور علیؓ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔ (۱) اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت (۲) جو فرائض واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں اُن کی قضاء (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اس کی واپسی (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی (آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم وارادہ (۶) اور یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے اب وہ اطاعت کرتے ہوئے دیکھ لے (مظہری)۔ علی کرم اللہ وجہہ نے جو شرائط توبہ بیان فرمائی ہیں وہ سبھی کے نزدیک مسلم ہیں۔ بعض نے مختصر اور بعض نے مفصل بیان کر دیا ہے۔ (بیضاوی)۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ

جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں داخل کرے گا اس دن اللہ پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں

نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ أَیْدِیْهِمْ وَبِأَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا

رسوا نہیں کرے گا (بلکہ) ان کا نورِ ایمان ان کے آگے اور داہنی طرف (روشنی کرتا ہوا) چل رہا ہو گا

وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۸﴾

اور وہ اللہ سے التجا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لئے پورا کر دے اور ہمیں معاف فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے

یٰٓأَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ

اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے

وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۹﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَأَةَ نُوْحٍ

اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ اللہ نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی

وَّامْرَأَةَ لُوْطٍ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتَاهُمَا

اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان کی خیانت کی

فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِیْنَ ﴿۱۰﴾

تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ آمَنُوا امْرَأَةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ

اور مومنوں کے لئے (ایک) مثال (تو) فرعون کی بیوی کی بیان فرمائی کہ اس نے اللہ سے التجا کی کہ اے پروردگار![4]

---

[4]وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْا اِمْرَأَةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ =

ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ

میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اوراس کے اعمال سے نجات بخش

الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۱۱﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

اور ظالم لوگوں کے ہاتھ سے مجھ کونجات عطا فرما۔ اور (دوسری) عمران کی بیٹی مریم جنہوں نے اپنی شرمگاہ کومحفوظ رکھا تو ہم نے

فِيهِ مِنْ رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِينَ ﴿۱۲﴾

اس میں اپنی روح پھونک دی اور وہ اپنے پروردگار کے کلام اوراس کی کتابوں کو برحق سمجھتی تھیں اور فرمانبرداروں میں سے تھیں

= یہ مثال فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم کی ہے جس وقت موسٰی علیہ السلام جادوگروں کے مقابلے میں کامیاب ہوئے اور جادوگر مسلمان ہوگئے تو اس بی بی نے اپنے ایمان کا اظہار کردیا فرعون نے ان کو سخت سزا دینا تجویز کیا، بعض روایات میں ہے کہ ان کو چومیخہ کر کے سینے پر بھاری پتھر کھ دیا یعنی چاروں ہاتھوں پیروں میں میخیں گاڑ دیں کہ حرکت نہ کرسکیں۔ اس حالت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جو اس آیت میں مذکور ہے اور بعض روایات میں ہے کہ یہ تجویز کیا کہ اوپر سے بہت بھاری پتھر ان کے سر پر ڈال دیا جائے ابھی ڈالنے نہیں پائے تھے کہ انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کرلی، پھتر جسم بے جان پر گرا اور دعا میں یہ فرمایا میرے رب جنت میں اپنے پاس گھر بنادے اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان کو جنت کا گھر دکھلا دیا (مظہری)۔

''وصدقت بکلمات ربھا و کتبہ'' کلمات رب سے مراد اللہ کے نازل کردہ صحیفے ہیں جو انبیاء پر اترتے ہیں اور کتب سے مراد معروف اسمانی کتابیں انجیل، زبور، تورات ہیں: و کانت من القانتین ،قانت ،کی جمع ہے جس کے معنی عابد کے ہیں جو اپنی عبادت وطاعت پر مداومت کرتا ہے یہ مریمؑ کی صفت ہے۔ ابوموسٰی کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مردوں میں سے بہت لوگ کامل ومکمل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے صرف آسیہ فرعون کی بیوی اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں (بخاری کتاب بدءالخلق: ۷/۱۹۳، ومسلم کتاب الفضائل: ۷/۱۳۲)۔

سورۃ الملک (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُ ۙ﴿۱﴾

وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ

اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست

الۡغَفُوۡرُ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ

(اور) بخشنے والا ہے۔ اس نے سات آسمان اوپر نیچے بنائے (اے دیکھنے والے!) کیا تو (اللہ) الرحمٰن کی آفرینش

مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾

میں کچھ نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟

ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾

پھر دوبارہ (سہ بارہ) نظر کر۔ تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی۔

وَ لَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ وَ جَعَلۡنٰہَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ

ہم نے قریب کے آسمان کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیطان کے مارنے کا آلہ بنایا

وَ اَعۡتَدۡنَا لَہُمۡ عَذَابَ السَّعِیۡرِ ﴿۵﴾ وَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ عَذَابُ جَہَنَّمَ

اور ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا ان کے لئے جہنم کا

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۶﴾ إِذَا أُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَهِيَ تَفُوْرُ ﴿۷﴾

عذاب ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اُس (جہنم) کا چیخنا چلانا سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا

گویا مارے جوش کے پھٹ پڑے گی۔ جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغہ ان سے پوچھیں

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴿۸﴾ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ

گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ کیوں نہیں ضرور ہمارے پاس ہدایت کرنے والا آیا

فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ﴿۹﴾

تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے تو کوئی چیز نازل ہی نہیں کی تم تو بڑی غلطی میں (پڑے ہوئے) ہو۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾

اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۱﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ

پس وہ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے سو دوزخیوں کے لئے (رحمتِ الٰہی سے) دُوری ہے۔ (اور) جو لوگ

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾

بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے

وَأَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ إِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾

اور تم (لوگ) بات پوشیدہ کہو یا ظاہر وہ (یعنی اللہ تو) دل کے بھیدوں تک سے واقف ہے

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۴﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ

بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے۔ وہی تو ہے جس نے

الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿۱۵﴾

تمہارے لئے زمین کو نرم کیا تو اس کی راہوں میں چلو پھرو اور اللہ کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور (تم کو) اسی کے پاس نکل کر جانا ہے

ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ﴿۱۶﴾

کیا تم اس (یعنی اللہ) سے جو آسمان پر ہے بے خوف ہو؟ کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ اس وقت حرکت کرنے لگے

أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ

کیا تم اس سے جو آسمان پر ہے نڈر ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے سو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے۔

﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۱۸﴾

اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا ہے؟

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ

کیا انہوں نے اپنے سروں پر اڑتے پرندوں کو نہیں دیکھا جو پروں کو پھیلاتے رہتے ہیں اور ان کو سکیڑ بھی لیتے ہیں

مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ﴿۱۹﴾ أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ

اللہ کے سوا انہیں کوئی تھام نہیں سکتا بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ بھلا ایسا کون ہے جو

جُندٌ لَّكُمْ يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحْمَٰنِ إِنِ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ ﴿۲۰﴾

تمہاری فوج ہو کر اللہ کے سوا تمہاری مدد کر سکے؟ کافر تو دھوکے میں ہیں۔

أَمَّنْ هَٰذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ ﴿۲۱﴾

بھلا اگر وہ اپنا رزق بند کر لے تو کون ہے جو تم کو رزق دے؟ لیکن یہ سرکشی اور نفرت میں پھنسے ہوئے ہیں۔

أَفَمَن يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّن يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ

بھلا جو شخص چلتا ہوا منہ کے بل گر گر پڑتا ہو وہ سیدھے رستے پر ہے یا وہ جو سیدھے رستے پر برابر

مُّسْتَقِيمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِىٓ أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

چل رہا ہو۔ کہو وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے کان اور آنکھیں

وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِى ذَرَأَكُمْ فِى الْأَرْضِ

اور دل بنائے (مگر) تم کم احسان مانتے ہو۔کہہ دو کہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا

وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾ وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ

اور اسی کے روبرو تم جمع کئے جاؤ گے۔اور کافر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعید کب (پورا) ہو گا؟

﴿۲۵﴾ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللّٰهِ ۖ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲۶﴾

کہہ دو کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور میں تو کھول کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سِيٓـَٔتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هٰذَا الَّذِى كُنتُم بِهِ تَدَّعُونَ

سو جب وہ دیکھ لیں گے کہ وہ قریب آ گیا تو کافروں کے منہ بُرے ہو جائیں گے اور کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کے تم خواستگار تھے

﴿۲۷﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِىَ اللّٰهُ وَمَن مَّعِىَ أَوْ رَحِمَنَا

کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر مہربانی کرے

فَمَن يُجِيرُ الْكٰفِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ ءَامَنَّا بِهِ

تو کون ہے جو کافروں کو دکھ دینے والے عذاب سے پناہ دے؟ کہہ دو کہ وہ (جو اللہ) الرحمٰن (ہے) ہم اسی پر ایمان لائے

وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِى ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿۲۹﴾

اور اسی پر بھروسا رکھتے ہیں تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون پڑ رہا تھا

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَآءٍ مَّعِينٍ ﴿۳۰﴾

کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو (اللہ کے سوا) کون ہے جو تمہارے لئے شیریں پانی کا چشمہ بہا لائے؟

سورة القلم (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾

ن۔ قلم کی اور جو (اہلِ قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم۔ کہ (اے محمد ﷺ!) تم اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو۔

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾ وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾

اور تمہارے لئے بے انتہا اجر ہے۔ اور اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾

سو عنقریب تم بھی دیکھ لو گے اور یہ (کافر) بھی دیکھ لیں گے۔ کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾

تمہارا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹک گیا اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو سیدھے رستے پر چل رہے ہیں

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾

تو تم جھٹلانے والوں کا کہا نہ ماننا۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾

اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آ جانا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل الاوقات ہے۔ طعن آمیز اشارتیں کرنے والا چغلیاں لئے پھرنے والا

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾

مال میں بخل کرنے والا حد سے بڑھا ہوا بدکار۔ سخت خو اور اس کے علاوہ بدذات ہے۔

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٤﴾ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ أٰيٰتُنَا قَالَ أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾

اس لئے کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے۔ جب اس کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے افسانے ہیں

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿١٦﴾ إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ

ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔ ہم نے ان لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی

إِذْ أَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿١٨﴾

آزمائش کی تھی جب انہوں نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہوتے ہم اس کا میوہ توڑ ڈالیں گے۔ اور انشاء اللہ نہ کہا

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿٢٠﴾

سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) اس پر ایک آفت پھر گئی ۔

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَارِمِيْنَ ﴿٢٢﴾

تو وہ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔ جب صبح ہوئی تو وہ لوگ ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔ کہ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی جا پہنچو

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾ أَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿٢٤﴾

تو وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے۔ کہ آج یہاں تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے

وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قَادِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوْا إِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿٢٦﴾

اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے (گویا کھیتی پر) قادر ہیں۔ جب باغ کو دیکھا تو (ویران) کہنے لگے کہ ہم رستہ بھول گئے ہیں

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿٢٨﴾

نہیں بلکہ ہم بے نصیب ہیں۔ ایک جوان میں فرزانہ تھا بولا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟

قَالُوْا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ

(تب) وہ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار! پاک ہے بیشک ہم ہی قصوروار تھے۔ پھر لگے ایک دوسرے کو رُو در رُو ملامت کرنے۔

﴿٣٠﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿٣١﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا

کہنے لگے کہ ہائے شامت ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے۔امید ہے کہ ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں ہمیں اس سے بہتر

اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ

باغ عنایت کرے ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔(دیکھو) عذاب یوں ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٣٤﴾

سے کہیں بڑھ کر ہے اگر یہ لوگ جانتے ہوتے۔ پرہیزگاروں کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں نعمت کے باغ ہیں

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾

کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں کی طرح (نعمتوں سے محروم) کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسی تجویزیں کرتے ہو؟

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿٣٨﴾

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں (یہ) پڑھتے ہو؟ کہ جو چیز تم پسند کرو گے وہ تم کو ضرور ملے گی۔

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٩﴾

یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت کے دن تک چلی جائیں گے کہ جس چیز کا تم حکم کرو گے وہ تمہارے لئے حاضر ہوگی

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿٤٠﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ

ان سے پوچھو کہ ان میں سے اس کا کون ذمہ لیتا ہے؟۔کیا (اس قول میں) ان کی اور بھی شریک ہیں؟ اگر یہ سچے ہیں تو

كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ

اپنے شریکوں کو لا سامنے کریں۔جس دن پنڈلی سے کپڑا اٹھا دیا جائے گا اور کفار سجدے کے لئے بلائے جائیں گے

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٤٢﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ

تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھا رہی ہوگی حالانکہ پہلے سجدے کے لئے بلائے گئے

إِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِي وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ

تو سجدہ نہ کرتے وہ صحیح سال تھے پس مجھے اوراس کلام کوجھٹلانے والے کوچھوڑ دے

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾

ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو۔ اور میں ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں میری تدبیر قوی ہے

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ

کیا تم ان سے کچھ صلہ مانگتے ہو کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے؟ یا ان کے پاس غیب کی خبر ہے کہ (اسے) لکھتے جاتے ہیں

يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ

تو اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کئے رہو اور مچھلی (کا لقمہ ہونے) والے (یونس) کی طرح نہ ہونا

إِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ

کہ انہوں نے (اللہ کو) پکارا اور وہ غصے سے بھرے ہوئے تھے۔ اگر تمہارے پروردگار کی مہربانی ان کی یاوری نہ کرتی

لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

تو چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا۔ پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کرکے نیکوکاروں میں کر لیا

وَإِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ

اور کافر جب (یہ) نصیحت (کی کتاب) سنتے ہیں تو یوں لگتا ہیں کہ تم کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے

وَيَقُوْلُوْنَ إِنَّهُ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔ اور (لوگو!) یہ (قرآن) اہلِ عالم کے لئے نصیحت ہے۔

سورۃ الحاقۃ (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلۡحَآقَّۃُ ﴿۱﴾ مَا الۡحَآقَّۃُ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدۡرٰکَ مَا الۡحَآقَّۃُ ﴿۳﴾

سچ مچ ہونے والی ۔وہ سچ مچ ہونے والی کیا ہے؟ ۔اورتم کو کیا معلوم ہے کہ وہ سچ مچ ہونے والی کیا ہے؟

کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَعَادٌۢ بِالۡقَارِعَۃِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَاُہۡلِکُوۡا بِالطَّاغِیَۃِ ﴿۵﴾

(وہی) کھڑکھڑانیوالی (جس) کو ثمود اور عاد (دونوں) نے جھٹلایا۔سوثمود تو کڑک سے ہلاک کر دیئے گئے۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُہۡلِکُوۡا بِرِیۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِیَۃٍ ﴿۶﴾ سَخَّرَہَا عَلَیۡہِمۡ سَبۡعَ لَیَالٍ

رہے عاد تو ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا۔اللہ نے اس کو سات رات

وَّثَمٰنِیَۃَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوۡمًا فَتَرَی الۡقَوۡمَ فِیۡہَا صَرۡعٰی ۙ کَاَنَّہُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ

اورآٹھ دن لگاتار ان پر چلائے رکھا تو (اے مخاطب!) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) ڈھئے (اورمرے) پڑے دیکھے

خَاوِیَۃٍ ﴿۷﴾ فَہَلۡ تَرٰی لَہُمۡ مِّنۡۢ بَاقِیَۃٍ ﴿۸﴾ وَجَآءَ فِرۡعَوۡنُ وَمَنۡ قَبۡلَہٗ

جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔ بھلا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے؟اورفرعون اور جولوگ اس سے پہلے تھے

وَالۡمُؤۡتَفِکٰتُ بِالۡخَاطِئَۃِ ﴿۹﴾ فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّہِمۡ فَاَخَذَہُمۡ اَخۡذَۃً رَّابِیَۃً

اوروہ جو الٹی بستیوں میں رہتے تھے سب گناہ کے کام کرتے تھے۔انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی تو اللہ

﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ حَمَلۡنٰکُمۡ فِی الۡجَارِیَۃِ ﴿۱۱﴾ لِنَجۡعَلَہَا لَکُمۡ

نے بھی ان کو بڑا سخت پکڑا۔جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی میں سوار کرلیا۔تا کہ اس کو تمہارے لئے

تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَا أُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ

یادگار بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اُسے یاد رکھیں۔ تو جب صُور میں ایک (بار) پھونک مار دی جائے گی۔

﴿۱۳﴾ وَّحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾

اور زمین اور پہاڑ دونوں اٹھا لئے جائیں گے پھر ایک بارگی توڑ پھوڑ کر برابر کر دیئے جائیں گے۔

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾

تو اس روز ہو پڑنے والی (یعنی قیامت) ہو پڑے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہو گا

وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿۱۷﴾

اور فرشتے اس کے کناروں پر اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اپنے سروں پر اٹھائے ہوں گے

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

اس روز تم (سب لوگوں کے سامنے) پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿۱۹﴾

تو جس کا (اعمال) نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لیجئے میرا اعمال نامہ پڑھئے

إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۲۱﴾

مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب (کتاب) ضرور ملے گا۔ پس وہ (شخص) من مانے عیش میں ہو گا

فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾

(یعنی) اونچے (اونچے محلوں کے) باغ میں۔ جن کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔

وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ﴿۲۵﴾

اور جس کا نامہ (اعمال) اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا (اعمال) نامہ نہ دیا جاتا۔

وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾

اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے؟ اے کاش موت (ابد الآباد کے لئے میرا کام) تمام کر چکی ہوتی

مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ﴿۲۹﴾

(آج) میرا مال میرا کچھ بھی کام نہ آیا۔(ہائے) میری دلیل خاک میں مل گئی۔

خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا

(حکم ہو گا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ کی آگ میں جھونک ۔پھر زنجیر سے جس کی ناپ

سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿۳۲﴾ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿۳۳﴾

ستر گز ہے جکڑ دو ۔[1] یہ نہ تو اللہ جل شانہ پر ایمان لاتا تھا۔

وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ﴿۳۵﴾

اور نہ فقیر کے کھانا کھلانے پر آمادہ کرتا تھا۔ سو آج اس کا بھی یہاں کوئی دوستدار نہیں

وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ﴿۳۶﴾ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴿۳۷﴾

اور نہ پیپ کے سوا (اس کے لئے) کھانا ہے۔ جس کو گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

---

[1] عن عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ قال:قال رسول اللہ ﷺ:لو ان رضراضة مثل هذه" واشار الى مثل الجمجمة" ارسلت من السماء الى الارض وهى مسيرة خمسمائة سنة لبلغت الارض قبل الليل، ولوانها ارسلت من رأس السلسلة لسارت اربعين خريفا،الليل و النهارقبل ان تبلغ

اصلھاوقعرھا.(ترمذی:۲۵۸۸ واحمد:۲/۱۹۷،وحاکم:۲/۴۳۸)۔

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اگر سیسہ (رانگ) کا ایک گولہ جواس جیسا ہواور آپؐ نے سر کی طرف اشارہ کیا کہ کوپڑی جیسا ہو(یعنی سیسے کا وہ گولہ جوکوپڑی کی طرح گھول اور بھاری ہونے کی وجہ سے نہایت سرعت کے ساتھ لڑھکنے والا ہو) آسمان سے زمین کی طرف پھینکا جائے ،جس کا درمیانی فاصلہ پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ہے،تو یقیناً وہ گولہ ایک رات گذرنے سے پہلے یعنی بہت مختصر مدت میں زمین پر پہنچ جائے ،لیکن اگر وہ گولہ زنجیر کے سرے سے چھوڑا جائے تو چالیس سال تک مسلسل دن ورات لڑھکنے کے باوجود اس زنجیر کی جڑ یعنی اس کے آخری سرے تک یا یہ فرمایا کہ اس کی تہہ تک نہ پہنچے گا۔اس زنجیر کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے۔

اس موقع پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی رو سے اس زنجیر کی لمبائی ستر گز ہوگی تو وہ اس قدر مسافت کے برابر کیسے ہوسکتی ہے جس کا ذکر حدیث میں کیا گیا ہے،اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ستر گز سے مخصوص عدد اور زنجیر کی متعین لمبائی مراد نہیں ہے بلکہ اس عدد سے کثرت ومبالغہ مراد ہے۔

دوسرے یہ کہ اس جہاں کے گز کو اس دنیا کی گز پر قیاس نہ کرنا چاہئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔کہ وہاں کا گز کتنا لمبا ہوگا اور اس کی کیا صورت ہوگی ،اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے ،آخرت کے قیراط کو احد پہاڑ کے برابر فرمایا گیا ہے۔ایک عالم نوف بکالیؒ سے منقول ہے، کہ انہوں نے کہا ستر گز اس طرح کے ہونگے کہ ہر گز دو ہتوں کے برابر ہوگا،اور ہر دو ہت اس فاصلے کے برابر لمبا ہوگا جو اس جگہ (کوفہ) اور مکہ کے درمیان ہے۔

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس گز کی مقدار کیا ہوگی ۔ بہرحال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس زنجیر میں کافر، دوزخی کو جکڑا جائے گا اگر اس کی لمبائی کا اندازہ لگانا چاہو تو اس سے لگاؤ کہ اگر ایک سیسے کا گولہ آسمان سے چھوڑا جائے اور باوجودیکہ زمین وآسمان کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کے برابر فاصلہ ہے وہ گولہ بہت تھوڑی سی دیر میں زمین پر پہنچ جائے گا۔کیونکہ گول اور بھاری چیز اوپر سے نیچے کو بہت جلد آتی ہے لیکن اگر وہی گولہ اس زنجیر کے ایک سرے سے لڑھکایا جائے اور آسمان سے زمین پر آنے والی اسی تیز رفتاری کے ساتھ چالیس سال تک لڑھکتا رہے تب بھی اس زنجیر کے دوسرے سرے تک پہنچ نہیں پائے گا۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

تو ہم کو ان چیزوں کی قسم جو تم کو نظر آتی ہیں۔اورجو تم کو نظر نہیں آتیں۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾

کہ یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے۔اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور نہ کسی کاہن کے مزخرفات ہیں لیکن تم لوگ بہت کم فکر کرتے ہو۔(یہ تو) پروردگار عالم کا اتارا (ہوا) ہے

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾

اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی بات جھوٹ بنا لاتے۔تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾

پھر ان کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے۔پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور یہ (کتاب) تو پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس کو جھٹلاتے ہیں

وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾

نیز یہ کافروں کے لئے (موجب) حسرت ہے۔اور کچھ شک نہیں کہ یہ برحق قابلِ یقین ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

سوتم اپنے پروردگار کے نام کی تنزیہ کرتے رہو۔

سورة المعارج (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سَأَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ لَيۡسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾

ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو نازل ہو کر رہے گا۔ (یعنی) کافروں پر (اور) کوئی اس کو ٹال نہ سکے گا

مِّنَ اللّٰهِ ذِى الۡمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ إِلَيۡهِ

(اور وہ) اللہ صاحبِ درجات کی طرف سے (نازل ہوگا)۔ [1] جس کی طرف روح (الامین) اور فرشتے چڑھتے ہیں

---

[1] حافظ ابن کثیر ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے معارج کی تفسیر میں درجات کا مفہوم ذکر کیا کہ پروردگار عالم فضائل اور بلندیوں والا ہے، مجاہد نے معارج سے آسمانوں کے مدارج مراد لئے ہیں، روح سے جنس روح، اور مراد مومنین کی روحیں ہیں، جیسا کہ ابوداود و نسائی، واحمد، کی ایک روایت میں ہے، براء بن عازبؓ مومن کی قبض روح کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: فلايزال يصعدبهامن السماء الى السماء حتى ينتهى به الى السماء السابعة ، (مسند احمد: ۱۷۸۰۳) یعنی جب مومن کی روح قبض کر لی جائے گی تو اس کو چڑھایا جائے گا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک، یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جائے گا، اور بعض مفسرین کی رائے ہیں کہ روح سے روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔

”فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ أَلۡفَ سَنَةٍ“ کی مراد میں حافظ ابن کثیر نے چار اقوال نقل کئے ایک یہ کہ اس سے مراد اسفل سافلین سے لیکر عرش تک کی مسافت ہے، جو ساتوں زمینوں کا مستقر ہے، چنانچہ اس قسم کا مضمون ابن ابی شیبہ نے کتاب صفۃ العرش میں بیان کیا ہے۔

دوسرا قول یہ کہ یہ مدت بقاء دنیا ہے کہ جب سے اللہ تعالی نے دنیا پیدا کیا اس وقت سے قیامت تک کی یہ مدت ہے۔ چنانچہ مجاہد اس آیت کی تفسیر میں کہا کرتے تھے، عمرها خمسون الف سنة.

تیسرا قول یہ کہ وہ وقت فاصل ہے دنیا واخرت کے درمیان، مگر اس قول کو مفسرین نے غریب وشاذ کہا ہے۔

چوتھا قول: یہ ہے کہ یہ روز قیامت کی مدت ہے جو دنیا کے ایام کے لحاظ سے پچاس ہزار برس کے بقدر ہوگی، چنانچہ عکرمہ ابن عباسؓ سے باسناد صحیح نقل کرتے ہیں "ھو یوم القیامة" اور ایک روایت میں ہے کہ حق تعالی نے اس دن کو کافروں کے واسطے ایک ہزار سال کے برابر بنایا ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی جبکہ سننے والوں نے کہا، اللہ اکبر یہ کس قدر طویل دن ہوگا، تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ کافر کے لئے ہوگا لیکن مومن کے لئے اللہ تعالی اس دن کو اتنا آسان فرمادے گا جتنا وقت کہ وہ فرض نماز کے لئے دنیا میں آسانی سے گزار دیتا ہے، مال کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کی وعید میں جو حدیث ہے کہ وہ مال اس شخص پر جہنم کی آگ بنا کر داغ دیا جاتا رہے گا اس دن میں کہ جس کی مقدار پچاس پچاس ہزار برس ہے، مسلم: ۱۶۴۷، اس کی تائید کرتی ہے، (ابن کثیر)۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ پچاس ہزار برس کی مدت ظاہری اور حقیقی معنی کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ وہ غم اور کرب ہے جس کے باعث یہ دن اس قدر طویل ہوگا اسی وجہ سے مومنین کے لئے نماز کے وقت کا بقدر ہلکا فرمایا گیا، اور اس تقدیر پر سورۂ سجدہ کی آیت "مقدارہ الف سنة مماتعدون" جس میں ایک ہزار برس مقدار بیان کی گئی کوئی تعارض نہ رہے گا۔ (قرطبی)۔

بعض مفسرین کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں پچاس مؤقف ہوں گے اور ہر موقف اور حاضری کا مقام ایک ہزار برس کے بقدر ہوگا، تو اس لحاظ سے ایک ہزار برس نفس مجموعہ دن کی مدت ہوئی۔ اور اس کے پچاس مواطن کے اعتبار سے پچاس ہزار ہوگئے جس کو بیان فرمایا گیا (روح البیان)۔

"سأل سائل" کی تفسیر میں بعض مفسرین نے نضر بن حارث کا نام بیان کیا ہے، مگر اس لئے کہ یہ ذلیل اس قابل نہ تھا کہ قران کریم میں اس کا نام لیا جائے تو مبہم رکھا، نیز تعین نہ کرنے میں یہ خوبی ہے کہ اس سائل کے بعد جو بھی اس قسم کا سوال کرے گا اس پر آیہ منطبق ہوگی۔

بعض مفسرین کہتے ہیں سائل سے مراد نبی ﷺ ہیں، یہ اشارہ ہے اس دعا اور درخواست کی طرف، نبی ﷺ نے کفار مکہ کی سرکشی اور ان کے تمسخر سے رنجیدہ ہوکر بارگاہ الٰہی میں فرمائی تھی، کہ ان پر کوئی عذاب مسلط کیا جائے چنانچہ ان پر سات برس کا وہ جگر خراش قحط برسا کہ ہڈیاں اور مردار تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ بہرکیف ان متعدد معانی پر ائمہ تفسیر نے ان کلمات کو محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فِی یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِیْلًا ﴿۵﴾

(اور) اس روز (نازل ہوگا) جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ (تو تم کافروں کی باتوں کو) قوت کے ساتھ برداشت

اِنَّهُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِیْبًا ﴿۷﴾ یَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾

کرتے رہو۔ وہ ان لوگوں کی نگاہ میں دُور ہے۔ اور ہماری نظر میں نزدیک۔ جس دن آسمان ایسا ہو جائے گا جیسے پگھلا ہوا تانبا

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَلَا یَسْـَٔلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ﴿۱۰﴾

اور پہاڑ (ایسے) جیسے (دھنکی ہوئی) رنگین اون۔ اور کوئی دوست کسی دوست کا پرسان نہ کرے گا۔

یُّبَصَّرُوْنَهُمْ یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِىٕذٍ بِبَنِیْهِ ﴿۱۱﴾

ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں دیدے یعنی اپنے بیٹے

وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُـْٔوِیْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی۔ اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا۔ اور جتنے آدمی زمین میں ہیں

ثُمَّ یُنْجِیْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾

پھر سب (کچھ دیدے) اور اپنے تئیں عذاب سے چھڑا لے۔ (لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

کھال ادھیڑ ڈالنے والی۔ ان لوگوں کو اپنی طرف بلائے گی جنہوں نے (دینِ حق سے) اعراض کیا۔ اور (مال) جمع کیا اور بند کر رکھا

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾

کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى

اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔ مگر نماز گزار۔ جو نماز کا التزام رکھتے

صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِىْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾

(اور بلاناغہ پڑھتے) ہیں۔اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے

لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾

(یعنی) مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا۔ اور جو روزِ جزا کو سچ سمجھتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ﴿۲۹﴾

بیشک ان کے پروردگار کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اس سے بے خوف نہ ہوا جائے۔اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں

إِلَّا عَلٰىٓ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾

مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کہ (ان کے پاس جانے پر) انہیں کچھ ملامت نہیں

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور جو لوگ ان کے سوا اور کے خواستگار ہوں وہ حد سے نکل جانے والے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور جو اپنی امانتوں اور اقراروں کا پاس کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور جو اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔اور جو اپنی نماز کی خبر رکھتے ہیں

أُولٰئِکَ فِیْ جَنَّاتٍ مُّکْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا قِبَلَکَ مُهْطِعِیْنَ ﴿۳۶﴾

یہی لوگ باغہائے بہشت میں عزت واکرام سے ہوں گے۔تو ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ تمہاری طرف دوڑے چلے آتے ہیں

عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ ﴿۳۷﴾ أَیَطْمَعُ کُلُّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ

(اور) دائیں بائیں سے گروہ گروہ ہوکر (جمع ہوتے جاتے ہیں)۔کیا ان میں سے ہر شخص یہ توقع رکھتا ہے

أَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ ﴿۳۸﴾ کَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

کہ نعمت کے باغ میں داخل کیا جائے گا؟ ہرگز نہیں ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں

فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُوْنَ ﴿۴۰﴾

ہمیں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم! کہ ہم طاقت رکھتے ہیں۔

عَلٰی أَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۴۱﴾

(یعنی) اس بات پر (قادر ہیں) کہ ان سے بہتر لوگ بدل لائیں اور ہم عاجز نہیں ہیں۔

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَیَلْعَبُوْا حَتّٰی یُلَاقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾

تو ان کو باطل میں پڑے رہنے اور کھیل لینے دو یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ان کے سامنے آموجود ہو

یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا کَأَنَّهُمْ إِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾

اس دن یہ قبر سے نکل کر (اس طرح) دوڑیں گے جیسے (شکاری) شکار کے جال کی طرف دوڑتے ہیں۔

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِکَ الْیَوْمُ الَّذِیْ کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی اور ذلت ان پر چھا رہی ہوگی یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

سورۃ نوح (مکیۃ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلٰى قَوْمِهٖٓ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱﴾

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ پیشتر اس کے کہ اس پر درد دینے والا عذاب واقع ہو اپنی قوم کو ہدایت دو

قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲﴾ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿۳﴾

انہوں نے کہا کہ اے قوم! میں تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں۔ کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ

وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور (موت کے) وقت مقرر تک تم کو مہلت عطا کرے گا جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آ جاتا

إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ

ہے تو تاخیر نہیں ہوتی اگر تم جانتے ہوتے۔ جب لوگوں نے نہ مانا تو (نوح نے) اللہ سے عرض کی کہ پروردگار! میں اپنی

قَوْمِي لَيْلًا وَّنَهَارًا ﴿۵﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآئِيٓ إِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾

قوم کو رات دن بلاتا رہا۔ لیکن میرے بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے۔

وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوٓا أَصَابِعَهُمْ فِيٓ أٰذَانِهِمْ

جب جب میں نے ان کو بلایا کہ (توبہ کریں اور) تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں

وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ

اور کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔ پھر میں ان کو کھلے

جِهَارًا ﴿۸﴾ ثُمَّ إِنِّيٓ أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ﴿۹﴾

طور پر بھی بلاتا رہا۔ اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾

اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا

وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا

اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور (ان میں) تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔

﴿۱۲﴾ مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) کا پیدا کیا ہے۔

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَجَعَلَ الْقَمَرَ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں۔اور چاند کوان میں

فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾

نُور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔

ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾

پھر اسی میں تمہیں لوٹائے گا اور (اسی سے) تم کو نکال کھڑا کرے گا۔ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا۔

لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ

تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو۔ (اس کے بعد) نوح نے عرض کی کہ میرے پروردگار! یہ لوگ

عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

میرے کہنے پر نہیں چلے اور ایسوں کے تابع ہوئے ہیں جن کو ان کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا

اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔ اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور وَدّ

وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا

اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔[1] (پروردگار!) انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے

وَّلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا

تو تُو ان کو اور گمراہ کر دے۔ (آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب ہی غرقاب کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے

فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ

تو انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔ اور (پھر) نوح نے (یہ) دعا کی کہ میرے پروردگار

لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا

کسی کافر کو زمین پر بسا نہ رہنے دے۔ اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے

عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ

اور ان سے جو اولاد ہو گی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہو گی۔ اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو

دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

ایمان لا کر میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما اور ظالم لوگوں کے لئے اور زیادہ تباہی بڑھا

---

[1] ”وقالوا لاتذرن“ ان مشرکین نے میری دعوت قبول کرنے کے بجائے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنے تمام معبودوں=

سورة الجن(مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلۡ أُوۡحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡا إِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡآنًا عَجَبًا ﴿۱﴾

کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا[1]

يَهۡدِيۡ إِلَى الرُّشۡدِ فَآمَنَّا بِهٖ وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴿۲﴾

جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے

وَأَنَّهُ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾

اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے وہ نہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد

= کی عبادت ہرگز نہ چھوڑیں خصوصا ان پانچ بڑے معبودوں کو توکسی قیمت پر نہ چھوڑیں یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق، اورنسر، یہ پانچوں نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑے معبود تھے، جنہیں وہ اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں پکارتے تھے، عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے: اسماء رجال صالحين من قوم نوح عليه السلام(بخاری: فی التفسیر)۔ یہ پانچوں نوح علیہ السلام کی قوم میں اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے تھے، جب وہ فوت ہوگئے تو ان کے متعلقین اور معتقدین نے بہت غم کیا، ابلیس انسانی شکل میں ان کے پاس پہنچا اور خیر خواہی کے رنگ میں کہنے لگا تم غم نہ کرو میں تمہاری تسلی کا سامان کردیتا ہوں، چنانچہ وہ ان کی شکلوں پر ان بزرگوں کے بت بنا کر ان کے پاس لے آیا، اور کہنے لگا ان بتوں کو ان بزرگوں کے عبادت خانوں میں نصب کردو، اور وقتاً فوقتاً ان کی زیارت کر کے دلوں کو تسلی دے لیا کرنا، اس کے بعد رفتہ رفتہ ان کی عبادت ہونے لگی تو اللہ تعالی نے نوح علیہ السلام کو دعوت توحید دے کر مبعوث فرمایا(قرطبی، البدایه و النهاية)۔

[1] ”نفر من الجن“ لفظ نفر تین سے دس تک عدد کے لئے بولا جاتا ہے جن جنات کا یہاں ذکر ہے روایت یہ ہے

کہ یہ نو افراد تھے نصیبین کے رہنے والے۔جن مخلوقات الٰہیہ میں ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو ذی اجسام بھی ہیں ذی روح بھی اور انسان کی طرح عقل وشعور والے بھی مگر لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں۔اسی لئے ان کا نام جن رکھا گیا کہ جن کے لفظی معنی مخفی کے ہیں ان کی تخلیق کا غالب مادہ آگ ہے جیسے انسان کا غالب مادہ مٹی ہے۔اس نوع میں بھی انسان کی طرح نر و مادہ یعنی مرد وعورت ہیں اور انسان ہی کی طرح ان میں توالد وتناسل کا سلسلہ بھی ہے۔اور ظاہر یہ ہے کہ قرآن میں جن کو شیاطین کہا گیا ہے وہ بھی جنات ہی میں سے شریر لوگوں کا نام ہے۔ جنات اور فرشتوں کا وجود قران وسنت کی قطعی دلائل سے ثابت ہے جس کا انکار کفر ہے۔(تفسیر مظہری)۔

قل اوحی الیّ :سے معلوم ہوا کہ جنات کے جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اس میں آپ نے قرآن سننے والے جنات کو دیکھا نہیں تھا اللہ تعالی نے بذریعہ وحی آپ کو اطلاع دی۔صحیح بخاری، مسلم وترمذی وغیرہ میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے جنات کو قرآن بالقصد سنایا نہیں بلکہ ان کو دیکھا بھی نہیں بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ آپؐ اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جا رہے تھے اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ شیاطین کو آسمان کی خبریں سننے سے شہاب ثاقب کے ذریعہ روک دیا گیا تھا۔اور جنات نے باہم مشورہ کیا کہ یہ حادثہ جو ہم پر آسمانی خبروں سے ممنوع ہوجانے کا پیش آیا ہے یہ کوئی اتفاقی بات معلوم نہیں ہوتی، دنیا میں کوئی نئی چیز پیش آئی ہے، جو اس کا سبب ہوئی اور یہ طے کیا کہ زمین کے مشرق ومغرب اور ہر طرف میں جنات کے وفود جائیں اور اس کی تحقیق کر کے آویں کہ یہ نئی چیز کیا پیش آئی ہے، ان کا جو وفد تہامہ حجاز کی طرف بھیجا گیا تھا وہ مقام نخلہ پر پہنچے تو وہاں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ صبح کی نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے۔جنات کے اس وفد نے جب قران سنا تو قسمیں کھا کر آپس میں کہنے لگے کہ واللہ یہی کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل اور مانع بنا ہے۔یہ لوگ یہاں سے لوٹے اور جا کر اپنی قوم سے یہ قصہ بیان کیا جس کا ذکر ان ایات میں ہے :اناسمعناقرانا عجبا......الایۃ)۔(بخاری،رقم:۴۹۲۱،ترمذی فی التفسیر)۔

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا،مساجد جمع مسجد ہے یہاں اس کے معروف مشہور معنی بھی لئے جا سکتے ہیں یعنی وہ عبادت گاہیں جو نماز کے لئے وقف کی جاتی ہیں اور مسجد کہلاتی ہیں،اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ جب سب مساجد صرف اللہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں تو تم مسجدوں میں جا کر اللہ کے سوا کسی اور کو مدد کے لئے نہ پکارو جس طرح یہود ونصاری اپنی عبادتگاہوں میں اس شرک کا ارتکاب کرتے ہیں حاصل اس کا مساجد کو عقائد فاسدہ اور اعمال باطلہ سے پاک رکھنا ہے۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **مساجد مسجَد بفتح الجیم** کی جمع ہو جو مصدر میمی بمعنی سجدہ آتا ہے تو معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ سب سجدے صرف اللہ کے لئے مخصوص ہیں اور جو شخص غیر اللہ کو اعانت کے لئے پکارتا ہے گویا وہ اس کو سجدہ کرتا ہے غیر اللہ کی سجدہ سے اجتناب کرو۔

وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾

اور یہ کہ ہم میں سے بعض بیوقوف اللہ کے بارے میں جھوٹ افتراء کرتا ہے۔

وَأَنَّا ظَنَنَّا أَنْ لَّنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۵﴾

اور ہمارا (یہ) خیال تھا کہ انسان اور جن اللہ کی نسبت جھوٹ نہیں بولتے[2]

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ﴿۶﴾

اور یہ کہ بعض بنی آدم بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے (اس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی۔

وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ أَحَدًا ﴿۷﴾

اور یہ کہ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا جس طرح تمہارا تھا کہ اللہ کسی کو نہیں جلائے گا۔

وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَّشُهُبًا ﴿۸﴾

اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا۔

---

[2] واعظین جنّ اپنی طرف سے معذرت پیش کرتے ہیں کہ وہ اب تک کیوں ان نادانوں کی بات مان کر گمراہی اور شرک میں پھنسے رہے، انہوں نے کہا ہم تو اب تک اس خوش فہمی اور حسن ظن میں مبتلا رہے ہیں کہ جن وانس اللہ تعالی کی طرف کوئی جھوٹی اور غلط بات منسوب نہیں کر سکتے، اس لئے ہم یہی سمجھتے رہے کہ ہمارے یہ رہنما جو اللہ کے لئے شریک اور نائب تجویز کر رہے ہیں وہ درست اور حق پر ہے، مگر اب قران سننے سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ وہ جھوٹے اور مفتری ہیں اور اللہ تعالی شریک سے پاک ہے۔

معنی الایة ،انا انمااخذنا قول الغیر،لاناظنناانه لایقال الکذب علی اللہ فلماسمعناالقرآن علمناانهم قدیکذبون وهذا منهم اقراربانهم انماوقعوافی تلک الجهالات بسبب التقلید ،وانهم انماتخلصواعن تلک الظلمات ببرکة الاستدلال والاحتجاج۔(کبیر)۔

وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ﴿٩﴾

اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بہت سے مقامات میں سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے اب کوئی سننا چاہے تو اپنے لئے انگارا تیار پائے

وَاَنَّا لَا نَدْرِىْ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾

ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کیساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿١١﴾

اور یہ کہ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں۔

وَاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِى الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿١٢﴾

اور یہ کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں (خواہ کہیں ہوں) اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں

وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا

اور جب ہم نے ہدایت سنی اس پر ایمان لے آئے تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لاتا ہے اس کو نہ نقصان کا خوف ہے نہ ظلم کا

﴿١٣﴾ وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ

اور یہ کہ ہم میں فرمانبردار ہیں اور بعض (نافرمان) گنہگار ہیں تو جو فرمانبردار ہوئے وہ

تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿١٤﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٥﴾

سیدھے رستے پر چلے۔ اور جو گنہگار ہوئے وہ دوزخ کا ایندھن بنے

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿١٦﴾

اور (اے پیغمبر!) یہ (بھی ان سے کہہ دو) کہ اگر یہ لوگ سیدھے رستے پر رہتے تو ہم ان کے پینے کو بہت سا پانی دیتے

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾

تا کہ اس سے ان کی آزمائش کریں اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیرے گا وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا

وَأَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ اور جب اللہ کے بندے اس کی عبادت کو کھڑے ہوئے

يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوْ رَبِّيْ وَلَا أُشْرِكُ بِهٖ

تو کافران کے گرد ہجوم لینے کو تھے۔ کہہ دو کہ میں تو اپنے پروردگار ہی کی عبادت کرتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتا

أَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ إِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾

یہ بھی کہہ دو کہ میں تمہارے حق میں نقصان اور نفع کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔

قُلْ إِنِّيْ لَنْ يُجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾

(یہ بھی) کہہ دو کہ اللہ (کے عذاب) سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور میں اس کے سوا کہیں جائے پناہ نہیں دیکھتا۔

إِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

ہاں اللہ کی طرف سے احکام کا اور اس کے پیغاموں کا پہنچا دینا میرے ذمے ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی

فَإِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰى إِذَا رَأَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ

کرے گا تو ایسوں کے لئے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ وہ (دن) دیکھ لیں

فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَّأَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہیں تب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ مددگار کس کے کمزور اور شمار کن کا تھوڑا ہے۔

قُلْ إِنْ أَدْرِيْٓ أَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ أَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ أَمَدًا ﴿۲۵﴾

کہہ دو کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز کر دی ہے

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ أَحَدًا ﴿٢٦﴾ إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

(وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔[3] ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے

فَإِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ لِّيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوْا

تو اس (کو غیب کی باتیں بتا دیتا ہے اور اس) کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔ تاکہ معلوم فرمائے کہ انہوں نے

رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾

اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے ہیں؟ اور اس نے ان کی سب چیزوں کو ہر طرف سے قابو کر رکھا ہے اور ایک ایک چیز گن رکھی ہے

---

[3] قرآن کریم کی متعدد آیات واضح طور پر اس امر کو بیان کر رہی ہیں کہ "لایعلم الغیب الا اللہ" علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات میں یکتا ہے وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے، امنت باللہ کماھو باسمائه و صفاته ، کا یہی مفہوم ہے۔ بالخصوص اس آیت میں اس امر کو نہایت ہی وضاحت سے ظاہر کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے جن احوال کی خبر دی، اور بظاہر ان سے یہ گمان کیا گیا کہ یہ غیب کی خبر ہے حقیقت میں وہ غیب کا علم نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر کو مطلع کیا گیا ہے اور اس پر یہ ظاہر کیا گیا، اسی چیز کو ان کلمات میں فرمایا جا رہا ہے: "فلا یظھر علی غیبه احدا الامن ارتضی" یعنی یہ اظہار و اخبار ہر ایک کو نہیں ہوتا، بلکہ جس کو اللہ پسند کرے اس پر ہوتا ہے خواہ اس نوعیت سے کہ وہ فرشتہ ہے اور اس کے ذریعے یہ وحی اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول پر اتارنی ہے یا وہ رسول ہی ہے جس کو بتایا جائے گا، تو اس کو کسی طرح بھی غیب کا علم نہیں کہا جا سکتا، تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے ہم نے ان باتوں کو نبی ﷺ کے ذریعہ سے معلوم کر لیا کہ آخرت میں یہ ہوگا، اس طرح جنت و جہنم ہے، اس طرح قیامت آئے گی، دجال ظاہر ہوگا، عیسیٰ بن مریمؑ آسمان سے نزول فرمائیں گے، تو یہ امور نبی ﷺ کے بتانے کی وجہ سے ہم جانتے ہیں اور ان چیزوں کو جان کر ہم علم غیب رکھنے والے نہیں ہو گئے، تو اسی طرح ان باتوں کو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بتانے اور ظاہر کرنے سے جانتے تھے، تو ایسی ہی جو چیزیں بھی غیب کی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے وحی الٰہی سے معلوم کر کے بتائیں تو وہ علم غیب نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر ان کا اظہار کیا، ان باتوں کی خبر دی ہے، تو علم غیب تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور اس میں سے جو چاہا اپنے پیغمبر کو بتا دیا، پھر یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ اگر بالفرض "الامن ارتضی من رسول" کا استثنیٰ اس امر پر دلالت کرتا ہے اور معنی یہ ہیں کہ عالم الغیب اللہ ہے، اور اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوتا، مگر جس رسول کو اللہ چاہے وہ عالم الغیب ہو جاتا ہے،

سورۃالمزمل (مکیۃ)[۱]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصۡفَہٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡہُ قَلِیۡلًا ۙ﴿۳﴾

اے (محمد ﷺ) جو کپڑے میں لپٹ رہے ہو۔ رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی رات۔

اَوۡ زِدۡ عَلَیۡہِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ﴿۵﴾

آدھی رات یا اس سے کچھ کم۔ یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے

=تو پھر اس فرمانے کا مطلب کیا ہوگا ”قل ان ادری“ کہ کہہ دیجئے میں نہیں جانتا کہ وہ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ قریب ہے یا ابھی اس کی مدت باقی ہے؟ تو ایسے مفروضہ رکھنے والے سے (یعنی جو یہ دعوی کرنے والے سے الامن ارتضی کے استثنائے وہ رسول مراد ہے جو علم رکھتا ہوگا، پوچھا جائے گا کہ جب وہ رسول مستثنی بھی اس استثنٰی کے باعث صاحب علم غیب ہوگیا، اور اس وجہ سے اس کو ما کان وما یکون کا علم حاصل ہوگیا تو پھر اس کا یہ اعلان کیونکر درست ہوا کہ میں نہیں جانتا، الخ، جس پیغمبر کو اس اعلان کا مامور فرمایا جارہا ہو کہ وہ یہ کہدے: میں نہیں جانتا......

اسی کوان الفاظ کی ناقابل تصور اور بعید از قیاس تاویلات کر کے علم الغیب ثابت کرنا مضحکہ خیز بات ہے پھر جبکہ قران وحدیث کی سینکڑوں نصوص اور واقعات بڑی صراحت سے یہ ثابت کررہے ہوں کہ اللہ تعالی کے پیغمبر غیب کا علم رکھنے والے نہیں ہوتے، بلکہ جس چیز کی ان کو وحی کردی گئی وہ انہوں نے بتائی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کو علم غیب نہیں کہا جاتا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس آیت میں سے نبی ﷺ کے واسطے غیب کا علم مانا جائے۔

[1] ”المزمل“ اصل میں المتزمل تھا ”فاء“ تفعل کی جگہ ”زا“ آگئی اس لئے ،تا، کو، زاء، سے بدل کر، زاء، میں ادغام کردیا گیا المزمل کپڑوں کو اپنے اوپر خوب لپیٹنے والا، نبی کریم ﷺ کپڑے لپیٹ کر رات کو سو رہے تھے کہ اللہ تعالی نے آپ کو اسی ہیئت سے خطاب فرما کر قیام الیل کا حکم دیا: کان النبی ﷺ نائما باللیل متزملا فی ثیابه فامر بالقیام للصلوۃ .(مدارک)=

إِنَّ نَـاشِئَةَ الـلَّيْـلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْـأً وَّأَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۶﴾ إِنَّ لَکَ فِی اَلـنَّهَارِ

کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا سخت پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے۔ دن کے وقت

سَبْـحًـا طَوِيْلًا ﴿۷﴾ وَاذْكُـرِ اسْـمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْـهِ تَبْتِيْلًا ﴿۸﴾

تو تمہیں اور بہت سے شغل ہوتے ہیں۔تو اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ

=ابن عباسؓ اور عائشہؓ کے نزدیک پہلے قیام اللیل سب پر فرض تھا اس کے بعد اس کی فرضیت منسوخ کردی گئی بعض کے نزدیک نبی ﷺ پر فرض تھا امت پر فرض نہیں تھا بعد میں آپ پر سے بھی اس کی فرضیت منسوخ کردی گئی اور بعض علماء کے نزدیک شروع ہی سے حکم استحبابی تھا البتہ بعد میں اس میں مزید تخفیف کردی گئی۔قم اللیل :لفظ قلیل محاورہ میں نصف سے کم پر بولا جاتا ہے،یہی وجہ ہے کہ لفلان علی الف درهم الا قليلا میں قليلا سے مراد پانچ سو سے کم ہوں گے۔اب اگر نصفه کو قليلا سے بدل بنایا جائے تو یہ ترکیب قليلا کے مذکور استعمال کے خلاف ہوگی؟صاحب مدارک نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔(۱)نصف کو کل اللیل (تمام رات) کے اعتبار سے قلیل کہا گیا ہے،اس اعتبار سے تینوں صورتیں قليلا میں داخل ہوجائیں گی،نصف،نصف سے کم اور نصف سے زائد۔(۲)نصفه مستثنیٰ منہ مؤخر ہے اور الليل سے بدل ہے۔اور قليلا مستثنیٰ مقدم ہے اصل میں یوں تھا قم نصف الليل الا قليلا من نصف الليل مگر اس صورت میں تکرار لازم آتا ہے،کیونکہ قم نصف الليل الا قليلا اور او انقص منه (من النصف) قليلا کا مفہوم ایک ہی ہے صاحب مدارک نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اصل میں تو نصف رات سے کم قیام کا حکم دیا گیا پھر اس میں کچھ وقت بڑھانے میں تخییر فرمادی۔امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ قليلا سے مراد ثلث ہے جسے الليل سے مستثنیٰ کیا گیا لہٰذا مقصد یہ ہے کہ رات کے دو ثلث قیام کرو اور نصفه ،کسی لفظ سے بدل نہیں،بلکہ مستقل فعل مقدر کا مفعول ہے:المراد بالقليل فی قوله تعالیٰ قم الليل الا قليلا، هو الثلث فاذًا قوله(قم الليل الا قليلا)معناه قم ثلثی الليل ثم قال نصفه والمعنى اوقم نصفه(کبیر).

شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ 'الا قليلا کا مطلب یہ ہے کہ کسی رات کو نہ اٹھو اور نصفه الليل سے بدل ہے 'نصفه او انقص، الاية،جمله ماقبل کی تفسیر ہے۔اور مطلب یہ ہے کہ نصف رات قیام کرو،یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ۔شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک یہ توجیہ پسندیدہ ہے کیونکہ اس سے مذکورہ بالا اشکال بھی ختم ہوجاتا اور کسی تکلف کے ارتکاب کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔

’’انا سنلقی‘‘ ۔قول ثقیل سے مراد قرآن ہے اسے ثقیل (کھٹن ،مشکل، بھاری) اس لئے فرمایا کہ اس کے مضامین توحید، حشر نشر وغیرہ مشرکین پر نہایت مشکل ہیں یا اس کے احکام وفرائض اور شرائع اور حدود پر عمل کرنا بہت مشکل ہے (قرطبی)۔

’’ان ناشئة اللیل‘‘ ۔ یہ قم اللیل کی علت ہے ناشئة نشأ بمعنی قام کا مصدر ہے جیسا کہ عافیة ہے اس سے مراد قیام اللیل ہے وطأ مواطاۃ موافقت (قیلا) سے قرأۃ قران مراد ہے (روح ،قرطبی) آپ کو رات کو اٹھکر نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ رات سکون واطمینان کا وقت ہوتا ہے شور وشغب نہیں ہوتا اس لئے آدمی جو کچھ زبان سے پڑھتا ہے دل پورے سکون کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس طرح دن کی نسبت رات کی وقت دل اور زبان میں زیادہ موافقت کا موقع فراہم ہوجاتا ہے، نیز یکسوئی اور سکون کیوجہ سے تلاوت بہت زیادہ درست اور صحیح ادا ہوتی ہے ۔اور ابن کثیر نے یہاں ایک روایت نقل کرکے اس سے جواب دیا ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے تبتل سے منع فرمایا یعنی بال بچے اور دنیا کو چھوڑ دینے سے، یہاں مطلب یہ ہے کہ علائق دنیوی سے کٹ کر اللہ تعالی کی عبادت میں توجہ اور انہاک کا وقت بھی ضرور نکالا کرو۔

عن عبداللہ بن عمرو عن النبی ﷺ قال یقال (یعنی) لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا فان منزلک عند آخر آیة تقرأ بها ۔ترمذی:۲۹۱۴۔ابوداؤد:۱۴۶۴۔ابن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور (بہشت کے درجوں) پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا، پس تیری منزل اس آخری آیت پر ہوگی جسے تو پڑھے گا۔’’صاحب قرآن‘‘ سے وہ شخص مراد ہے جو قران کریم کی ہمیشہ تلاوت بھی کرتا رہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہو، وہ شخص مراد نہیں ہے جو تلاوت تو کرتا ہے مگر اس پر عمل نہ کرے بلکہ پہلے بتایا بھی جاچکا کہ ایسا شخص کسی جزاء اور انعام کا مستحق تو کیا ہوگا الٹا قرآن کی لعنت میں گرفتار ہوگا کیونکہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے، مگر اس پر عمل نہیں کرتا قران اس پر لعنت کرتا ہے۔’’پڑھتا جا اور چڑھتا جا‘‘ یعنی قرآن کریم پڑھتا جا اور پڑھی ہوئی آیتوں کے بقدر جنت کے درجات پر چڑھتا جا، جتنی آیتیں تو پڑھے گا اتنے ہی درجات تک تیری رسائی ہوگی، ایک روایت میں منقول ہے کہ قرآن کریم کی جتنی آیتیں ہیں جنت کے اتنے ہی درجات ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص پورا قرآن پڑھے گا تو وہ جنت کے سب سے اونچے درجات میں سے اس درجہ پر پہنچے گا جس کا وہ اہل اور جو اس کے لائق ہوگا۔ یہ بات پہلے

ہی بتائی جا چکی ہے کہ آداب تلاوت قران کریم میں سے ایک سب سے اعلی ادب یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر اور لب ولہجہ کے پورے سکون وقار کے ساتھ پڑھا جائے، چنانچہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو حافظ قرآن کریم ترتیل کے ساتھ پڑھتے ہیں جنت میں ان کا بڑا مرتبہ ہوگا۔قرآن کریم کی آیتوں کی تعداد کوفیوں کے اصول کے اعتبار سے جن کا فن قرأت اور اصول ہمارے اطراف میں مروج ہے چھ ہزار دوسو سینتیس (۶۲۳۷) ہے،اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں،مزید تفصیل ووضاحت کے لئے تجوید وقرأت کی کتابوں سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اور ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے:

ان النبی ﷺ قال:یجئ صاحب القرآن یوم القیامۃ، فیقول: یارب حلہ،فیلبس تاج الکرامۃثم یقول:یارب زدہ، فیلبس حلۃ الکرامۃ، ثم یقول یارب،ارض عنہ، فیرضی عنہ، فیقال لہ: اقرأوارق،ویزادبکل آیۃ حسنۃ ۔ترمذی:۲۹۱۵۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ آئے گا صاحب قرآن قیامت کے دن پھر کہے گا قران، کہ اے رب میرے! اس کو جوڑا پہنا، پس اسے پہنایا جاوے گا،تاج کرامت کا،پھر کہے گا قران عظیم الشان اے رب زیادہ دے اس کو،تو پہنایا جاوے گا اس کو جوڑا کرامت کا،پھر کہے گا اے رب راضی ہو اس سے،سو راضی ہوگا اس سے پروردگار،پھر کہا جاوے گا اسے کہ پڑھ تو،اور چڑھ،اور زیادہ کی جاوے گی ہر آیت کے بدلے ایک نیکی۔

ترتیل قران سے مروجہ قرأت مراد نہیں۔ترتیل کے لفظی معنی کلمہ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنے کے ہیں (مفردات امام راغب) مطلب ایت کا یہ ہے کہ تلاوت قران میں جلدی نہ کرے بلکہ ترتیل وتسہیل کے ساتھ ادا کریں اور ساتھ ہی اس کے معانی میں تدبر وغور کریں (قرطبی) **ورتل** کا عطف **قم اللیل** پر ہے اور اس میں اس کا بیان ہے کہ رات کے قیام میں کیا کرنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نماز تہجد اگر چہ قرأت وتسبیح ،رکوع،سجود سبھی اجزائے نماز پر مشتمل ہے مگر اس میں اصل مقصود قرأت قرآنی ہے اسی لئے احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز بہت طویل ادا فرماتے تھے۔یہی عادت صحابہ وتابعین میں معروف رہی ہے۔

مسئلہ:اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قران صرف پڑھنا مطلوب نہیں بلکہ ترتیل مطلوب ہے جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو۔نبی کریم ﷺ اسی طرح ترتیل فرماتے تھے۔ام سلمہؓ سے بعض لوگوں نے رات کی نماز میں آپ کی تلاوت کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے نقل کر کے بتلایا جس میں ایک ایک حرف واضح تھا(ترمذی:۲۹۲۳،ابوداؤد:۱۴۶۶)۔

مسئلہ: ترتیل میں تحسین صوت یعنی بقدر اختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے۔ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی قرأت وتلاوت کو ایسا نہیں سنتا جیسا اس نبی کی تلاوت سنتا ہے جو خوش آوازی کیساتھ جہرا تلاوت کرے (بخاری: ۵۰۲۳، مسلم ۷۹۲، ترمذی: ۲۹۱۱، ابوداؤد: ۱۴۷۳)۔

علقمہ نے ایک شخص کو حسن صوت کے ساتھ تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا لقد رتل القران فداہ ابی وامی۔ یعنی اس شخص نے قران کی ترتیل کی ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں (قرطبی) اور اصل ترتیل وہی ہے کہ حروف والفاظ کی دائیگی بھی صحیح اور صاف ہو اور پڑھنے والا اس کے معانی پر غور کر کے اس سے متاثر بھی ہو رہا ہو جیسا کہ حسن بصری سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر ایک شخص پر ہوا جو قران کی ایک ایت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا ہے ورتل القران ترتیلا بس یہی ترتیل ہے جو یہ شخص کر رہا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۹/۸، ۲۲۶/۷)۔ محمد بن قاسم البقری غنیۃ الطالبین: ۳۴، میں فرماتے ہیں: فالترتیل ھو التأنی فی القراءۃ مع تدبرھا والتفکیر فی معانیھا۔ اور عبیدۃ الملیکی سے روایت ہے قال رسول اللہ ﷺ یااھل القرآن لاتتوسدوا القرآن واتلوہ حق تلاوتہ من اناء اللیل والنھار وافشوہ وتغنوہ وتدبروا مافیہ لعلکم تفلحون ولاتعجلوا ثوابہ فان لہ ثوابا۔ شعب الایمان: ۲۰۰۷، والبخاری فی التاریخ: ۸۳/۶۔

عبیدہ ملیکی جو نبی ﷺ کے ایک صحابی تھے راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے اہل قرآن! قران سے تکیہ نہ کرو اور رات ودن میں پڑھتے رہا کرو، جیسا کہ اس کو پڑھنے کا حق ہے قران کو ظاہر کرو اسے خوش آوازی کے ساتھ پڑھو جو کچھ اس میں مذکور ہے اس میں غور وفکر کرو، تا کہ تمہارا مطلوب حاصل ہو، اور اس کا ثواب حاصل ہونے میں جلد بازی نہ کرو، کیونکہ آخرت میں اس کا بڑا اجر ہے۔

''قران سے تکیہ نہ کرو'' کا مطلب یہ ہے کہ قران پڑھنے اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غفلت نہ برتو، بلکہ برابر قران پڑھتے رہا کرو اور اس کا حق بھی ادا کرو بایں طور کہ اس کے حروف اچھی طرح ادا کرو اور اس کے معانی سمجھو اور اس پر عمل کرو، ابن حجر فرماتے ہیں کہ قرآن پر تکیہ لگانا یعنی اس پر سہارا دیکر بیٹھنا یا لیٹنا، اس کی طرف پاؤں پھیلانا، اس پر کوئی چیز رکھنا، اس کی طرف پیٹھ کرنا، اس کو روندنا، اور اس کو پھینکنا یہ سب چیزیں حرام ہیں، قرآن سے فال نکالنا مکروہ ہیں بلکہ بعض مالکیہ کی نزدیک یہ بھی حرام ہے۔ 'جیسا کہ اس کو پڑھنے کا حق ہے'' قرآن کریم پڑھتے وقت چار باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہئے، اول تو یہ کہ الفاظ کو درست اور صحیح ادا کیا جائے، دوسری بات یہ کہ مفہوم ومعانی سمجھنا چاہئے، تیسری بات یہ کہ مفہوم ومعانی کا مقصد سمجھنا چاہئے، اور چوتھی بات یہ کہ جو کچھ پڑھا جائے اس پر عمل کیا جائے۔ (مظاہر حق: ۴۳۷/۲)۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾

(وہی) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بناؤ

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾

اور جو جو (دل آزار) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کش رہو۔

وَذَرْنِىْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ أُولِى النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾

اور مجھے ان جھٹلانے والوں سے جو دولتمند ہیں سمجھ لینے دو اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دو۔

إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا أَلِيْمًا ﴿۱۳﴾

کچھ شک نہیں کہ ہمارے پاس بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے۔ اور گلو گیر کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب (بھی) ہے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾

جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں اور پہاڑ ایسے بھربھرے (گویا) ریت کے ٹیلے ہو جائیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا

جس طرح ہم نے فرعون کے پاس (موسیٰ کو) پیغمبر بھیجا تھا (اسی طرح) تمہارے پاس رسول بھیجے ہیں جو تمہارے مقابلے میں گواہ ہوں گے

﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَأَخَذْنٰهُ أَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾

سو فرعون نے (ہمارے) پیغمبر کا کہانہ مانا تو ہم نے اس کو بڑے وبال میں پکڑ لیا۔

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾

اگر تم بھی (ان پیغمبر کو) نہ مانو گے تو اس دن سے کیونکر بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾

(اور) جس سے آسمان پھٹ جائے گا یہ اس کا وعدہ (پورا) ہو کر رہے گا۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ

یہ (قرآن) تو نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے پروردگار تک (پہنچنے کا) رستہ اختیار کرے۔ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے

أَنَّكَ تَقُوْمُ أَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ

کہ تم اور تمہارے ساتھ کے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات قیام کیا

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

کرتے ہو اور اللہ تو رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے تو اس نے تم پر مہربانی کی

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى

پس جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں

وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَآخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ

اور بعض اللہ کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں اور بعض اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

تو جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا پڑھ لیا کرو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو نیک

وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ

(اور خلوصِ نیت سے) قرض دیتے رہو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور صلے میں بزرگ تر پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگتے رہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

☆☆☆☆☆☆☆

سورة المدّثر (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝١ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝٣ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤

اے (محمد ﷺ) جو کپڑے لپیٹے پڑے ہو۔ اٹھو اور ہدایت کرو۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝٦ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝٧

اور ناپاکی سے دُور رہو۔ اور (اس نیت سے) احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو۔ اور اپنے رب کے لئے صبر کرو۔

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝٨ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝٩

جب صُور پھونکا جائے گا۔ [1] وہ دن مشکل کا دن ہو گا۔

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝١٠ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝١١

(یعنی) کافروں پر آسان نہ ہوگا۔ ہمیں اس شخص سے سمجھ لینے دو جس کو ہم نے اکیلا پیدا کیا

وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝١٢ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝١٣ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝١٤

اور مال کثیر دیا۔ اور (ہر وقت اس کے پاس) حاضر رہنے والے بیٹے دیئے۔ اور ہر طرح کے سامان میں وسعت دی

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝١٥ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝١٦ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝١٧

ابھی خواہش رکھتا ہے کہ اور زیادہ دیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا یہ ہماری آیتوں کا دشمن رہا ہے۔ ہم اسے صعود پر چڑھائیں گے۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝١٨ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝١٩ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝٢٠

اس نے فکر کیا اور تجویز کی۔ یہ مارا جائے اس نے کیسی تجویز کی۔ پھر یہ مارا جائے اس نے کیسی تجویز کی

---

[1] عن ابن عباسؓ قال: فی قوله تعالی: فاذا نقر فی الناقور، الصور، قال، و الراجفة، النفخة الاولیٰ، و الرادفة، الثانية، اس کو امام بخاری نے: ٣٦٧/١١، ترجمة الباب میں معلق اور تفسیر طبری نے متصل ذکر کیا ہے، یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالی کے ارشاد، فاذا نقر فی الناقور، کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ ناقور سے مراد صور ہے، اور انہوں نے اس آیت: یوم ترجف الراجفة ، تتبعها الرادفة، (نازعات: ٦، ٧) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ راجفہ سے مراد پہلا صور پھونکا جانا، اور رادفة سے مراد دوسرا پھونکا جانا ہے۔

ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾

پھر تامل کیا۔پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا۔ پھر پشت پھیر کر چلا اور (قبولِ حق سے) غرور کیا

فَقَالَ إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ إِنْ هٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾

پھر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا آیا ہے۔ (پھر بولا) یہ (اللہ کا کلام نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے۔

سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾

ہم عنقریب اس کو سقر میں داخل کریں گے۔اور تم کیا سمجھے کہ سقر کیا ہے؟ (وہ آگ ہے کہ) نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ

اور بدن کو جھلس کر سیاہ کر دے گی۔ اس پر انیس داروغہ ہیں۔ اور ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے بنائے ہیں

إِلَّا مَلَآئِكَةً ص وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ

اور ان کا شمار کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کیا ہے (اور) اس لئے

الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا

کہ اہلِ کتاب یقین کریں اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ ہو اورا ہلِ کتاب اور مومن شک نہ لائیں

الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِم مَّرَضٌ وَّالْكَافِرُوْنَ مَاذَا

اور اس لئے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور (جو) کافر (ہیں) کہیں کہ اس مثال (کے بیان کرنے)

أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ط كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

سے اللہ کا مقصود کیا ہے؟ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾

اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو بنی آدم کے لئے نصیحت ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ إِذَآ أَسْفَرَ ﴿۳۴﴾

ہاں (ہمیں) چاند کی قسم۔ اور رات کی جب پیٹھ پھیرنے لگے۔ اور صبح کی جب روشن ہو۔

إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَن شَآءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ

کہ وہ (آگ) ایک بہت بڑی (آفت) ہے۔ (اور) بنی آدم کے لئے موجبِ خوف۔ جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے

أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّآ أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿۳۹﴾

یا پیچھے رہنا چاہے۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے۔ مگر داہنی طرف والے (نیک لوگ)

فِي جَنَّاتٍ يَتَسَآءَلُونَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿۴۲﴾

وہ باغہائے بہشت میں (ہوں گے اور) پوچھتے ہوں گے۔ (یعنی آگ میں جلنے والے) گنہگاروں سے۔ کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿۴۳﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿۴۴﴾

وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے۔

وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۴۶﴾

اور اہلِ باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے۔ اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے۔

حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿۴۸﴾

یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔ تو (اس حال میں) سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے حق میں کچھ فائدہ نہ دے گی۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿۴۹﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿۵۰﴾

ان کو کیا ہوا ہے کہ نصیحت سے روگرداں ہو رہے ہیں۔ گویا گدھے ہیں کہ بدک جاتے ہیں

فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾

شیر سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلی ہوئی کتاب آئے

كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾

ایسا ہرگز نہیں ہوگا حقیقت یہ ہے کہ ان کو آخرت کا خوف ہی نہیں ۔کچھ شک نہیں کہ یہ نصیحت ہے۔

فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ

تو جو چاہے اسے یاد رکھے۔ اور یاد بھی تب ہی رکھیں گے جب اللہ چاہے

هُوَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

وہی ڈرنے کے لائق اور بخشش کا مالک ہے[2]

سورة القيامة(مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

---

[2] عن انس بن مالک ؓ ان رسول اللهﷺ قرأ،هذه الاية، ﴿هو اهل التقوى واهل المغفرة﴾ فقال: قال الله عزوجل: انا اهل ان أُتقى،فلايُجعل معى اله آخرُ،فمن اتقى ان يجعل معى الها آخرفانا اهل ان اغفرله.ابن ماجة: ۴۲۹۹.

انس بن مالک ؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی ”ھو اھل التقوی واھل المغفرة“ پھر فرمایا: کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: میں لائق ہوں اس کے کہ بچو اس سے کہ میرے ساتھ کوئی دوسرا اله مانا جاوے، پھر جو کوئی بچے اس سے کہ میرے ساتھ کوئی دوسرا اله مانے، میں لائق ہوں اس کے کہ اس کو بخش دوں ۔(اس میں تمام اہل توحید کو نجات کی خوشخبری ہے)۔

لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴿۱﴾ وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾

ہم کو روزِ قیامت کی قسم۔ اور نفس لوامہ کی (کہ سب لوگ اٹھا کر) کھڑے کئے جائیں گے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ ﴿۳﴾ بَلَىٰ قَادِرِينَ

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی (بکھری ہوئی) ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے؟ ضرور کریں گے ہم اس بات پر قادر ہیں

عَلَىٰ أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيدُ الْإِنسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ﴿۵﴾

کہ اس کی پور پور تک درست کریں۔ مگر انسان چاہتا ہے کہ آگے کو خودسری کرتا جائے

يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ﴿۶﴾ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾

پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہو گا؟ جب آنکھیں چندھیا جائیں۔ اور چاند گہنا جائے۔

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُولُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾

اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں۔ اس دن انسان کہے گا کہ (اب) کہاں بھاگ جاؤں؟

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ

بیشک کہیں پناہ نہیں۔ اس روز تیرے پروردگار ہی کے پاس ٹھکانہ ہے۔ اس دن انسان کو

بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿۱۴﴾

جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے ہوں گے سب بتا دیئے جائیں گے۔ بلکہ انسان آپ اپنا گواہ ہے

وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿۱۵﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿۱۶﴾

اگرچہ عذر و معذرت کرتا رہے۔ اور (اے محمد ﷺ!) وحی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان نہ چلایا کرو کہ اس کو جلد یاد کرلو۔

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿۱۷﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿۱۸﴾

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اس کو سنا کرو اور) پھر اسی طرح پڑھا کرو۔

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿۲۱﴾

پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔ مگر (لوگو!) تم دنیا کو دوست رکھتے ہو۔ اور آخرت کو ترک کئے دیتے ہو

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾

اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے۔ (اور) اپنے پروردگار کے محوِ دیدار ہوں گے۔ اور بہت سے منہ اس دن اداس ہوں گے

تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾ وَقِيلَ

خیال کریں گے کہ ان پر مصیبت واقع ہونے کو ہے۔ دیکھو جب جان گلے تک پہنچ جائے۔ اور لوگ کہنے لگیں (اس وقت)

مَنْ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾

کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔ اور اس نے سمجھا کہ اب سب سے جدائی ہے۔ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ﴿۳۱﴾

اس دن تجھ کو اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہے۔ تو اس (ناعاقبت) اندیش نے نہ تو (کلامِ الٰہی کی) تصدیق کی نہ نماز پڑھی۔

وَلَٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ﴿۳۳﴾

بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔ پھر اپنے گھر والوں کے پاس اکڑتا ہوا چل دیا۔

أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿۳۵﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ

ہلاکت ہے تیرے لئے پر پھر ہلاکت ہے۔ پھر ہلاکت ہے تیرے لئے پھر ہلاکت ہے۔ کیا انسان خیال کرتا ہے

أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَىٰ ﴿۳۷﴾

کہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا؟

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ﴿۳۹﴾

پھر لوتھڑا ہوا پھر (اللہ نے) اس کو بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا۔ پھر اس کی دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت

أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾

کیا اس خالق کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مُردوں کو جلا اٹھائے؟ [۱]

سورة الدھر (مدنية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

هَلْ أَتٰى عَلَى الْإِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾

بیشک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھا۔

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾

ہم نے انسان کو نطفۂ مخلوط سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔

---

[۱] ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من قرأ منكم بالتين و الزيتون فانتهى الى آخرها ﴿اليس الله باحكم الحاكمين﴾ فليقل بلى و انا على ذٰلك من الشاهدين، و من قرأ لا اقسم بيوم القيامة فانتهى الى ﴿ اليس ذلك بقادر على ان يحى الموتى﴾ فليقل بلى، و من قرأ و المرسلات فبلغ ﴿فباى حديث بعده يومنون﴾ فليقل امنا بالله۔ (سنن ابی داود کتاب الصلوٰۃ، والترمذی، کتاب التفسیر)۔

جو شخص تم میں سے سورۂ والتین کی آخری آیت اليس الله باحكم الحاكمين پڑھے وہ "بلى و انا على ذٰلك من الشاهدين کہے یعنی ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں، اور جو شخص سورۂ قیامۃ کی آخری آیت: ﴿اليس ذٰلك بقادر على ان يحى الموتى﴾ پڑھے، تو وہ کہے: ﴿بلىٰ﴾ اور جو شخص سورۂ المرسلات کی آخری ایت ﴿فباى حديث بعده يومنون﴾ پڑھے تو وہ ﴿امنا بالله﴾ کہے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُورًا ﴿۳﴾ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ

(اور) اسے رستہ بھی دکھا دیا (اب) خواہ شکرگزار ہو خواہ ناشکرا۔ ہم نے کافروں کے لئے

سَلَاسِلَا وَأَغْلَالًا وَّسَعِيرًا ﴿۴﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ

زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جو نیکوکار ہیں وہ ایسی شراب نوش جان کریں گے جس میں

مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿۵﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا

کافور کی آمیزش ہوگی۔ یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے بندے پئیں گے اور اس میں سے نہریں نکال لیں گے

﴿۶﴾ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿۷﴾

یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے جس کی سختی پھیل رہی ہو گی خوف رکھتے ہیں

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّأَسِيرًا ﴿۸﴾

اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی محبت (اور حاجت) ہے فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُورًا ﴿۹﴾

(اور کہتے ہیں) کہ ہم تم کو خالص اللہ کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں نہ شکرگزاری کے (طلبگار)

إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿۱۰﴾

ہم کو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر لگتا ہے جو (چہروں کو) کریہہ المنظر اور (دلوں کو) سخت (مضطر کر دینے والا) ہے

فَوَقَاهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُورًا ﴿۱۱﴾ وَجَزَاهُمْ

تو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے بچا لے گا اور تازگی اور خوشدلی عنایت فرمائے گا۔ اور ان کے صبر کے بدلے

بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَّحَرِيرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ

ان کو بہشت (کے باغات) اور ریشم (کے ملبوسات) عطا کرے گا۔ ان میں وہ تختوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے

لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلٰلُهَا

وہاں نہ دھوپ (کی حدت) دیکھیں گے نہ سردی کی شدت۔ ان سے (ثمردار شاخیں اور) ان کے سائے قریب ہوں گے

وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا ﴿۱۴﴾ وَیُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ

اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے۔ (خدام) چاندی کے باسن لئے ہوئے ان کے اردگرد پھریں گے

كَانَتْ قَوَارِیْرَا ﴿۱۵﴾ قَوَارِیْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا ﴿۱۶﴾

اور شیشے کے (نہایت شفاف) گلاس۔ اور شیشے بھی چاندی کی جو ٹھیک اندازے کے مطابق بنائے گئے ہیں۔

وَیُسْقَوْنَ فِیْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا ﴿۱۷﴾ عَیْنًا فِیْهَا

اور وہاں ان کو ایسی شراب (بھی) پلائی جائے گی جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ یہ بہشت میں ایک چشمہ ہے

تُسَمّٰى سَلْسَبِیْلًا ﴿۱۸﴾ وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ

جس کا نام سلسبیل ہے۔ اور ان کے پاس لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ (ایک ہی حالت پر) رہیں گے

اِذَا رَاَیْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا

جب تم ان پر نگاہ ڈالو تو خیال کرو کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اور بہشت میں (جہاں) آنکھ اٹھاؤ گے کثرت سے نعمت

وَّمُلْكًا كَبِیْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِیَهُمْ ثِیَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ

اور عظیم (الشان) سلطنت دیکھو گے۔ ان (کے بدنوں) پر دیباج کے سبز اور اطلس کے کپڑے ہوں گے۔

وَّحُلُّوْا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَّسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾

اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾

یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (اللہ کے ہاں) مقبول ہوئی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

(اے محمد ﷺ!) ہم نے تم پر قرآن آہستہ آہستہ نازل کیا ہے۔ تو اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق صبر کئے رہو

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿۲۵﴾

اور ان لوگوں میں سے کسی بدعمل اور ناشکرے کا کہا نہ مانو۔ اور صبح و شام اپنے پروردگار کا نام لیتے رہو۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿۲۶﴾

اور رات کو بڑی رات تک سجدے کرو اور اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿۲۷﴾

یہ لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور (قیامت کے) بھاری دن کو پس پشت چھوڑے دیتے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿۲۸﴾

ہم نے ان کو پیدا کیا اور ان کے مفاصل کو مضبوط بنایا اور اگر ہم چاہیں تو ان کے بدلے انہی کی طرح اور لوگ لے آئیں۔

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۲۹﴾

یہ تو نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کا رستہ اختیار کرے

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۳۰﴾

اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو بیشک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۳۱﴾

جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرلیتا ہے اور ظالموں کے لئے اس نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے

سورة المرسلات (مكية)[1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ وَّالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا ﴿۳﴾

ہواؤں کی قسم جو نرم نرم چلتی ہیں۔ پھر زور پکڑ کر جھکڑ ہو جاتی ہیں۔ اور (بادلوں کو) پھاڑ کر پھیلا دیتی ہیں۔

فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ عُذْرًا أَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾

پھر ان کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں۔ پھر فرشتوں کی قسم جو وحی لاتے ہیں۔[2] کہ عذر کر دیا جائے یا ڈر سنا دیا جائے۔

---

[1] عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم منی کے ایک غار میں تھے جب یہ سورت اتری رسول ﷺ اس کی تلاوت کر رہے تھے اور میں آپ ﷺ سے سنکر یاد کر رہا تھا، کہ اچانک ایک سانپ ہم پر کودا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسے مارو۔ ہم گو جھپٹے لیکن وہ نکل گیا، تو آپ نے فرمایا تمہاری شر سے وہ بچ گیا، جیسے تم اس کی برائی سے محفوظ رہے (بخاری فی التفسیر و مسلم کتاب قتل الحیات: ۴۰/۷)۔

عبدابن عباسؓ کی والدہ صاحبہ ام الفضلؓ فرماتیں ہیں: کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مغرب کی نماز میں اس سورت کی قرات کرتے ہوئے سنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ عبداللہؓ کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے سن کر ام فضلؓ نے فرمایا: پیارے بچے آج تو تم نے یاد دلایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس سورت کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے آخری مرتبہ سنا ہے (بحواله مسنداحمد: ۳۳۸/۶، وبخاری كتاب الاذان باب القراة فی المغرب ومسلم باب القراة فی الصبح)۔

[2] اس صورت میں حق تعالی نے چند چیزوں کی قسمیں کھا کر قیامت کے یقینی طور پر آنے کا ذکر فرمایا ہے ان چیزوں کی نام قران میں بیان نہیں کیا گیا۔ البتہ ان کی اس جگہ پانچ صفتیں بیان فرمائی ہیں: مرسلات، عاصفات، ناشرات، فارقات، ملقیات الذکر ۔ کسی حدیث مرفوع میں اس کی پوری تعین نہیں آئی کہ ان صفات کے موصوفات کیا ہیں؟ اس

لئے صحابہ وتابعین کی تفسیریں اس معاملے میں مختلف ہوگئیں۔

بعض علماء نے ان پانچوں صفتوں کا موصوف فرشتے قرار دیا ہے، اور یہ کہ ہوسکتا ہے کہ فرشتوں کی مختلف جماعتیں ان مختلف صفات کی حامل ہوں۔بعض علماء نے ان صفات کا موصوف ہواؤں کو قرار دیا ہے وہ بھی مختلف اقسام اور نوعیت کی ہوتی ہیں، اس لئے یہ صفات مختلفہ ان میں ہوسکتی ہیں۔بعض علماء نے ان کا موصوف خود انبیاء ورسل کو قرار دیا ہے۔ابن جریر طبری نے اسی لئے اس معاملے میں توقف اور سکوت کو اسلم قرار دیا کہ احتمال دونوں کا ہیں ہم اپنی طرف سے کسی کو متعین نہیں کرتے۔

اور اس میں شبہ نہیں کہ جو پانچ صفات اس جگہ ذکر کی گئی ہیں ان میں سے بعض تو ملائکۃ اللہ پر زیادہ چسپاں اور ان کے مناسب ہیں، ان کو ریاح کی صفت بنائیں تو کھینچ تان اور تاویل کرنا پڑھتی ہے۔اور بعض صفات ایسی ہیں جو ریاح یعنی ہواؤں پر زیادہ چسپاں اور واضح ہیں ان کو فرشتوں کی صفت بنائیں تو تاویل کی بغیر نہیں بنتی۔اس لئے اس مقام میں بہتر فیصلہ ابن کثیر کا معلوم ہوتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ شروع کی تین صفات ہواؤں کی صفتیں ہیں، ان تین میں ریاح اور ہواؤں کی قسم ہوگئی باقی اخری دو صفتیں یہ فرشتوں کی صفات ہیں تو یہ فرشتوں کی قسم ہوگئی۔

ابن کثیر کے اختیار کے مطابق معنی ان آیتوں کے یہ ہوگئے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو بھیجی جاتی ہیں۔**عـــرفـــا**: یہاں **عـــرفـــا** کا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جود وسخا اور نفع رسانی جو ہوائیں بارش لیکر آتی ہیں ان کی جود وسخا اور نفع رسانی ظاہر ہے۔اور دوسرے معنی **عـرفـا** کے متتابع یعنی پے در پے کے بھی آتے ہیں۔یہ معنی لئے جاویں تو مراد وہ ہوائیں ہونگی جو بادل اور بارش کو لئے ہوئے مسلسل اور متتابع چلتی ہیں۔اور **عـــاصــفــات عـصـف** سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ہوا کے تیز چلنے کے ہیں اس سے مراد وہ اندھیاں اور تیز ہوائیں ہیں جو بعض اوقات دنیا میں آیا کرتی ہیں۔

اور **ناشرات** سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بارش ختم ہونے کے بعد بادل کو پھاڑ کر منتشر کر دیتی ہیں۔اور **فارقات** یہ صفت فرشتوں کی ہے جو وحی الٰہی نازل کر کے حق و باطل میں فرق واضح کرتے ہیں اور **مـلـقـیـات ذکـرا** بھی فرشتوں کی صفت ہے اور ذکر سے مراد قرآن یا مطلق وحی ہے۔اور مطلب یہ ہے کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو بذریعہ وحی حق و باطل میں فرق وامتیاز واضح کر دیتے ہیں اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو انبیاء علیہم السلام پر ذکر یعنی وحی اور قران کا القا کرتے ہیں اس طرح کسی صفت میں تاویل اور کھینچ تان کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

رہا یہ سوال کہ اس تفسیر کی بناء پر پہلے ہواؤں کی مختلف اقسام کی قسم کھائی گئی پھر فرشتوں کی، ان دونوں میں =

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ ﴿٧﴾ فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ﴿٨﴾

کہ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ہو کر رہے گی۔ جب تاروں کی چمک جاتی رہے

وَإِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿٩﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ ﴿١١﴾

اور جب آسمان پھٹ جائے۔ اور جب پہاڑ اُڑے پھریں۔ اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر لایا جائے گا۔

لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ﴿١٢﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿١٣﴾ وَمَآ أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿١٤﴾

بھلا (ان اُمور میں) تاخیر کس دن کے لئے کی گئی؟ فیصلے کے دن کے لئے۔ اور تمہیں کیا خبر کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٥﴾ أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٦﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر ڈالا؟

ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْآخِرِينَ ﴿١٧﴾ كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿١٨﴾

پھر ان پچھلوں کو بھی ان کے پیچھے بھیج دیتے ہیں۔ ہم گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٩﴾ أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿٢٠﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟

فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿٢١﴾ إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ ﴿٢٣﴾

اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔ ایک معین وقت تک۔ پھر اندازہ مقرر کیا اور ہم کیا ہی خوب اندازہ مقرر کرنے والے ہیں

= ربط اور جوڑ کیا ہے؟ سوکلام الٰہی کی حکمتوں کا احاطہ تو کوئی کر نہیں سکتا، یہ مناسبت بھی ہوسکتی ہے کہ ہواؤں کی دونوں قسمیں بارش والی نفع بخش اور سخت آندھیاں مضرت رساں یہ سب محسوسات میں سے ہیں ہر شخص ان کو پہچانتا ہے پہلے غور وفکر کے لئے انسان کے سامنے ان کو لایا گیا، اس کے بعد فرشتوں اور وحی کو پیش کیا گیا جو محسوس نہیں مگر ذرا سے غور وفکر کرنے پر ان کا یقین ہوسکتا ہے۔

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۴﴾ أَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡأَرۡضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟

أَحۡيَاءً وَّأَمۡوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّأَسۡقَيۡنٰكُمۡ مَّاءً فُرَاتًا

(یعنی) زندوں اور مُردوں کو ۔ اور اس پر اونچے اونچے پہاڑ رکھ دیئے اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا۔

﴿۲۷﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۸﴾ اِنۡطَلِقُوۡا إِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۲۹﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔جس چیز کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اب) اس کی طرف چلو۔

اِنۡطَلِقُوۡا إِلٰى ظِلٍّ ذِيۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَا ظَلِيۡلٍ وَّلَا يُغۡنِيۡ مِنَ اللَّهَبِ

(یعنی) اس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔ نہ ٹھنڈی چھاؤں اور نہ لپٹ سے بچاؤ۔

﴿۳۱﴾ إِنَّهَا تَرۡمِيۡ بِشَرَرٍ كَالۡقَصۡرِ ﴿۳۲﴾ كَأَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ﴿۳۳﴾

اس کے (آگ کی اتنی اتنی بڑی) چنگاریاں اڑتی ہیں جیسے محل۔گویا زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوۡمُ لَا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ (لوگ) لب تک نہ ہلا سکیں گے۔

وَلَا يُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَيَعۡتَذِرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۳۷﴾

اور نہ ان کو اجازت دی جائے گی کہ عذر کر سکیں۔اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

هٰذَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ جَمَعۡنٰكُمۡ وَالۡأَوَّلِيۡنَ ﴿۳۸﴾ فَإِنۡ كَانَ لَكُمۡ كَيۡدٌ فَكِيۡدُوۡنِ ﴿۳۹﴾

یہی فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تم کو اور پہلے لوگوں کو جمع کیا ہے۔ اگر تم کو کوئی داؤ آتا ہو تو مجھ سے کرلو

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۰﴾ إِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِيۡ ظِلٰلٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴿۴۱﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔بیشک پرہیزگار سایوں اور چشموں میں ہوں گے۔

وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾

اور میووں میں جو ان کو مرغوب ہوں۔ جو عمل تم کرتے رہے تھے ان کے بدلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾

ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾

(اے جھٹلانے والے!) تم کسی قدر کھا لو اور فائدے اٹھا لو تم بیشک گنہگار ہو۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾

اور جب ان سے رکوع (نماز) کرنے کا کہا جائے تو رکوع نہیں کرتے۔اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ [3]

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾

اب اس کے بعد یہ کونسی بات پر ایمان لائیں گے؟

---

[3] اس سورۃ میں یہ آیہ مبارکہ "وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ" دس جگہ ارشاد فرمائی گئی،تکرار آیات قرانیہ کی حکمت سورۃ الرحمٰن میں فبائی الاء ربکما تکذبان میں بیان کر دی گئی وہ تو ہر جگہ اور جو بھی آیات قران میں بار بار ہیں،ان پر منطبق ہوتی ہے، یہاں یہ آیت دس بار مکرر ہے بعض عارفین کے کلام سے یہاں اس کے تکرار کی مزید ایک خاص حکمت بھی معلوم ہوتی ہے۔

اس سورۃ میں اصل خطاب منکرین قیامت سے ہے اسی ضمن میں دس مرتبہ ویل یومئذ للمکذبین کا اعادہ کر کے یہ ظاہر کرنا بظاہر مقصود ہے کہ منکرین قیامت دس وجوہ سے ہلاکت و بربادی میں ہیں،تو ہر وجہ کے پیش نظر ہلاکت و بربادی کی یہ وعید بیان فرما دی گئی،جس کی تفصیل اس طرح سمجھ لی جائے کہ انسان میں قدرت الٰہی کی طرف سے تین قوتیں رکھی گئی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فلاح کا ترتب ہوتا ہے۔اور ان کے فساد سے شقاوت و بدبختی اور =

سورۃ النبا (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

عَمَّ يَتَسَآءَ لُوۡنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۲﴾ الَّذِىۡ هُمۡ فِيۡهِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۳﴾

یہ لوگ کس چیز کی نسبت پوچھتے ہیں؟ (کیا) بڑی خبر کی نسبت؟ جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں

كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ﴿۶﴾

دیکھو یہ عنقریب جان لیں گے۔ پھر دیکھو یہ عنقریب جان لیں گے۔کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟

-

=ہلاکت و بربادی ہے، اول قوت نظریہ جس پر ادراک صحیح اور اعتقادات کا دارومدار ہے، کافروں اور منکرین قیامت نے اس کو بگاڑ رکھا تھا متعدد وجوہ سے اول ذات الٰہی کا شرک کر کے۔ دوم صفات الٰہی میں بیہودہ اور لغوہ خیالات اور منگھڑت تصورات باطلہ قائم کر کے۔ سوم فرشتوں کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، ہمارے کاروبار کے وہی مالک ومختار ہیں، چہارم یہ کہ انسان کی زندگی بس دنیا ہی تک محدود ہے نہ حشر ہے نہ بعث بعد الموت، پنجم قضاوقدر کا انکار اور مخلوقات کی اس میں شرکت، ششم انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کا انکار اور ان کے اوامر وہدایات سے سرتابی، تو یہ چھ قسم کی خرابیاں تو منکرین قیامت میں قوت نظریہ کے فساد کی وجہ سے پائی جاتی ہیں، دوسری قوت شہوانیہ جس کی خرابی افراط وتفریط ہے، افراط کے باعث انسان بہائم کی حد تک پہنچ جاتا ہے، اور تفریط کی وجہ سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، تو یہ دونوں عیب منکرین قیامت میں تھے، تیسری قوت غضبیہ ہے اس میں بھی افراط انسان کو بہائم اور درندوں سے بڑھا دیتا ہے، اور اس کی وجہ سے ظلم وتعدی کی کوئی حد نہیں رہتی، اور تفریط انسان میں سے حمیت وغیرت کا وصف ختم کر دیتی ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ محارم الٰہیہ کی بےحرمتی اور گستاخی پر غصہ تو درکنار کان پر جوں تک نہیں رینگتی، تو دو خرابیاں یہ ہوئیں، اس طرح ظاہر ہوا کہ منکرین قیامت اور ایسے مجرمین ان دس خرابیوں میں مبتلا تھے تو ہر ایک خرابی کے بالمقابل ایک بار فرما دیا گیا، ''وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ' واللہ اعلم. (از کبیر بتصرف).

وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ﴿٧﴾ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ﴿٨﴾ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿٩﴾

اور پہاڑوں کو (اس کی) میخیں (نہیں ٹھہرائیں)؟ اور تم کو جوڑا جوڑا بھی پیدا کیا۔ اور نیند کو تمہارے لئے آرام بنایا

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ﴿١٠﴾ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿١١﴾ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿١٢﴾

اور رات کو پردہ مقرر کیا۔ اور دن کو معاش (کا وقت) قرار دیا۔ اور تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے۔

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ﴿١٣﴾ وَأَنزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ﴿١٤﴾

اور (آفتاب کا) روشن چراغ بنایا۔ اور نچڑتے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا۔

لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ﴿١٥﴾ وَجَنَّاتٍ أَلْفَافًا ﴿١٦﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿١٧﴾

تاکہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں۔ اور گھنے گھنے باغ۔ بیشک فیصلے کا دن مقرر ہے۔

يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿١٩﴾

جس دن صُور پھونکا جائے گا تو تم لوگ گروہ درگروہ آ موجود ہوں گے۔ اور آسمان کھول جائے گا تو (اس میں) دروازے ہوجائیں گے

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾

اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے۔ بیشک دوزخ گھات میں ہے۔

لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿٢٢﴾ لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا

(یعنی) سرکشوں کا وہی ٹھکانہ ہے۔ اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ وہاں نہ ٹھنڈک کا مزا چکھیں گے نہ (کچھ) پینا۔

﴿٢٤﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَاءً وِفَاقًا ﴿٢٦﴾

مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔ (یہ) بدلا ہے پورے کا پورا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾

یہ لوگ حسابِ (آخرت) کی امید ہی نہیں رکھتے تھے۔ اور ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھ کر جھٹلاتے رہتے تھے۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾

اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔سو (اب)مزا چکھو ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾

بیشک پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہے۔(یعنی) باغ اور انگور۔اور ہم عمر نوجوان عورتیں ۔

وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ﴿٣٥﴾

اور شراب کے چھلکتے ہوئے گلاس۔وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹ (خرافات) ۔

جَزَاءً مِنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صِلہ ہے انعامِ کثیر۔وہ جو آسمانوں اور زمین

وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾

اور جو ان دونوں میں ہے سب کا مالک بڑا مہربان کسی کو اس سے بات کرنے کا طاقت نہ ہو گا۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ

جس دن روح (الامین) اور (اَور) فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو

أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ

(اللہ) الرحمٰن اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔یہ دن برحق ہے

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهِ مَآبًا ﴿٣٩﴾ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا

پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانہ بنائے۔ہم نے تم کو عذاب سے جو عنقریب آنے والا ہے آگاہ کر دیا ہے

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ﴿٤٠﴾

جس دن ہر شخص ان (اعمال) کو جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کہ اے کاش! میں مٹی ہوتا

سورۃ النازعات(مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾

ان کی قسم جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں۔[1] اور ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں۔اور ان کی جو تیرتے پھرتے ہیں

---

[1] وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا : یہ شواہد ہیں اور اخروی ثواب وعقاب کا نمونہ ہے جس طرح دنیا میں فرشتے قبض روح کے وقت مومنوں کے ساتھ نرمی کا سلوک اور کافروں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں اسی طرح اخرت میں ہوگا، غرقا ، النازعات، کا مفعول مطلق ہے من غیر لفظہ اور اس کے معنی ہیں سختی اور شدت کے ساتھ کھینچنا، یقال اغرق النازع فی القوس ای استوفی مدھابقوۃ وشدۃ (مظھری) ۔اغراق سخت کشیدن کمان (صراح) اس سے کافروں کی روحیں قبض کرنے والے فرشتے مراد ہیں جو شدت کے ساتھ ان کی روحیں کھینچتے ہیں۔

" نشط" کے معنی ہیں آسانی اور نرمی سے نکالنا، جس طرح ڈول آسانی کے ساتھ کنوئیں سے نکال لیا جاتا ہے اس سے مومنوں کی روحیں قبض کرنے والے فرشتے مراد ہیں المراد الملائکۃ الذین یخرجون ارواح المومنین برفق من نشط الدلو اذااخرج بلاکرہ (مظھری) یا اس کے معنی ہیں شادمانی اور خوشی کے۔ نشطا باشادمانی شدن (صراح) مطلب یہ ہوگا کہ وہ مومنوں کی روحیں نہایت خوشی اور شادمانی سے قبض کرتے ہیں۔

"و السّٰبحٰت"، فضاء آسمانی میں تیرنے والے سرعت سیر کو تیرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"فالسّٰبقٰت" اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے والے۔

"فالمدبرات" اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے تدبیریں سوچنے والے: التی تصیخ فی مضیھاای تصرع فتسبق الی ماامروابہ فتدبر امرامن امورعبادمایصلحھم فی دینھم کمارسم لھم (مدارک) یہ قیامت کے حق ہونے پر قسمیں اور شواہد ہیں اور جواب قسم محذوف ہے اقسم سبحانہ بھذہ=

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ﴿۵﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾

پھر لپک کر آگے بڑھتے ہیں۔ پھر کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔ (کہ وہ دن آ کر رہے گا) جس دن زمین کو بھونچال آئیگا

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ قُلُوبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿۸﴾ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿۹﴾

پھر اس کے پیچھے اور (بھونچال) آئے گا۔ اس دن (لوگوں) کے دل خائف ہو رہے ہوں گے۔ اور آنکھیں جھکی ہوئی

يَقُولُونَ أَئِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿۱۰﴾ أَءِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿۱۱﴾

(کافر) کہتے ہیں کیا ہم الٹے پاؤں پھر لوٹیں گے؟ بھلا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کئے جائیں گے)؟

قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾

کہتے ہیں کہ یہ لوٹنا تو (موجبِ) زیاں ہے۔ وہ تو صرف ایک آواز ہو گی۔

فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسٰى ﴿۱۵﴾

اس وقت وہ (سب) میدانِ (حشر) میں آ جمع ہوں گے۔ بھلا تم کو موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغٰى ﴿۱۷﴾

جب ان کے پروردگار نے ان کو پاک میدان (یعنی) طویٰ میں پکارا۔ (اور حکم دیا) کہ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو رہا ہے

= الاشیاء التی ذکرھا علی ان القیامة حق (قرطبی). وجواب القسم محذوف ای لتبعثن ولتحاسبن (مظھری) یالتسلطن علیکم الملائکة یوم القیامة کمافی الدنیا (شیخ ؒ)۔

حاصل یہ کہ یہ امور اس پر شاہد ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ تمہارا حساب کتاب ہوگا اور تم پر فرشتے مسلط کیے جائیں گے جو بڑی شان سے مومنوں کو جنت میں داخل کریں گے۔ کچھ جنت میں ان کا استقبال کریں گے اور ان کو سلام کا تحفہ پیش کریں گے۔ اور کچھ کفار اور مشرکین کو سختی سے گھسیٹ کر دوزخ میں داخل کریں گے اور ان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں گے۔

فَقُلۡ هَلۡ لَّكَ اِلٰۤى اَنۡ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهۡدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخۡشٰى ﴿۱۹﴾

اور (اس سے) کہو کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے؟ اور میں تجھے تیرے پروردگار کا رستہ بتاؤں تا کہ تجھ کو خوف (پیدا) ہو؟

فَاَرٰىهُ الۡاٰيَةَ الۡكُبۡرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدۡبَرَ يَسۡعٰى ﴿۲۲﴾

پس انہوں نے اس کو بڑی نشانی دکھائی۔ اس نے جھٹلایا اور نہ مانا۔ پھر لوٹ گیا اور تدبیریں کرنے لگا۔

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ

اور (لوگوں کو) اکٹھا کیا اور پکارا۔ کہنے لگا کہ تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔ تو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت

نَكَالَ الۡاٰخِرَةِ وَالۡاُوۡلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ﴿۲۶﴾

(دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔ جو شخص (اللہ سے) ڈر رکھتا ہے اس کے لئے اس (قصے) میں عبرت ہے۔

ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ ‌ؕ بَنٰٮهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمۡكَهَا فَسَوّٰٮهَا ﴿۲۸﴾

بھلا تمہارا بنانا آسان ہے یا آسمان کا؟ اسی نے اس کو بنایا۔ اس کی چھت کو اونچا کیا پھر اسے برابر کر دیا۔

وَاَغۡطَشَ لَيۡلَهَا وَاَخۡرَجَ ضُحٰٮهَا ﴿۲۹﴾ وَالۡاَرۡضَ بَعۡدَ ذٰلِكَ دَحٰٮهَا ﴿۳۰﴾

اور اسی نے رات کو تاریک بنایا اور (دن کو) دُھوپ نکالی۔ اور اس کے ساتھ زمین کو پھیلا دیا۔

اَخۡرَجَ مِنۡهَا مَآءَهَا وَمَرۡعٰٮهَا ﴿۳۱﴾ وَالۡجِبَالَ اَرۡسٰٮهَا ﴿۳۲﴾

اسی نے اس میں سے پانی نکالا اور چارا اگایا۔ اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا۔

مَتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ﴿۳۳﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الۡكُبۡرٰى ﴿۳۴﴾

یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چوپائیوں کے فائدے کے لئے (کیا) تو جب بڑی آفت آئے گی۔

يَوۡمَ يَتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الۡجَحِيۡمُ لِمَنۡ يَّرٰى ﴿۳۶﴾

اس دن انسان اپنے کاموں کو یاد کرے گا۔ اور دوزخ دیکھنے والے کے سامنے نکال کر رکھ دی جائے گی۔

فَأَمَّا مَنْ طَغٰی ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَیَاۃَ الدُّنْیَا ﴿۳۸﴾ فَإِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَأْوٰی ﴿۳۹﴾

تو جس نے سرکشی کی۔ اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا ۔ اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ﴿۴۰﴾

اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا۔

فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَأْوٰی ﴿۴۱﴾ یَسْأَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ أَیَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾

اس کا ٹھکانہ بہشت ہے۔ (اے پیغمبر! لوگ) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟

فِیْمَ أَنْتَ مِنْ ذِکْرَاهَا ﴿۴۳﴾ إِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾

تم اس کے ذکر سے کس فکر میں ہو؟ اس کا منتہا (یعنی واقع ہونے کا وقت) تمہارے پروردگار ہی کو معلوم ہے

إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰهَا ﴿۴۵﴾ کَأَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا

جو شخص اس سے ڈر رکھتا ہے تم تو اسی کو ڈر سنانے والے ہو۔ جب وہ اس کو دیکھیں گے

لَمْ یَلْبَثُوْآ إِلَّا عَشِیَّةً أَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾

(تو ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔

سورۃ عبس (مکیۃ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰی ﴿۱﴾ أَنْ جَآءَهُ الْأَعْمٰی ﴿۲﴾ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی ﴿۳﴾

(محمد مصطفیٰ ﷺ) ترش رُو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے۔ کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور تم کو کیا خبر یقین وہ پاکیزگی حاصل کرتا

أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٤﴾ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ﴿٥﴾ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ﴿٦﴾

یا سوچتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا۔ جو پروا نہیں کرتا۔ اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو۔

وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ ﴿٨﴾ وَهُوَ يَخْشَىٰ ﴿٩﴾

حالانکہ اگر وہ نہ سنورے تو تم پر کچھ (الزام نہیں) ہیں۔ اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ اور (اللہ سے) ڈرتا ہے

فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ﴿١٠﴾ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿١٢﴾

اس سے تم بے رخی کرتے ہو۔[1] دیکھو یہ (قرآن) نصیحت ہے۔ پس جو چاہے اسے یاد رکھے۔

---

[1] تنبیہ برائے نبی کریم ﷺ۔ ایک دفعہ رسول پاک ﷺ کے پاس صنادید قریش عتبہ، شیبہ، ابوجہل، امیہ، اور ولید وغیرہم بیٹھے تھے، آپ ان کو سمجھا رہے تھے اور اسلام کی دعوت دے رہے تھے، آپ کو امید تھی کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کی وجہ سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن ام مکتومؓ جو ایک نابینا صحابی تھے اور خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے آپ کے پاس آئے وہ چونکہ نابینا تھے، اس لئے آپ کی اس نہایت ہی اہم مصروفیت کا اندازہ نہ کر سکے اور نبی ﷺ سے قرآن پڑھانے کی بار بار درخواست کرنے لگے، نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی بلکہ ان کی اس حرکت کو ناپسند فرمایا اور چہرے سے ایک مخصوص کیفیت سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان کی طرف سے رخ موڑ لیا۔

مگر حق تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ ہوئی اور آپ کو تنبیہ فرمائی، ضمائر غائب نبی کریم ﷺ سے کنایہ ہیں، ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا۔ اس لئے کہ آپؐ کے پاس ایک نابینا آ گیا، اس نابینا سے آپ کے اعراض میں بھی رضائے الٰہی کا جذبہ مضمر تھا، اور یہ اعراض کبر و نفرت کی وجہ سے نہ تھا آپ نے خیال فرمایا کہ یہ نابینا تو مخلص مومن ہے اور اسے ذرا ٹھہر کر بھی پڑھایا جا سکتا ہے، لیکن صنادید قریش کو شاید اس طرح سمجھانے کا موقع پھر ہاتھ نہ لگ سکے، نیز اگر وہ سمجھ گئے تو ان کی وجہ سے ہزاروں لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ اور ابن ام مکتومؓ سے جو آداب مجلس کے خلاف بات سرزد ہوئی ان کا عذر قرآن میں ''اعمیٰ'' کہہ کر بتلا دیا، کہ وہ نابینا تھے اس لئے اس کو نہ دیکھ سکتے تھے، کہ آپ اس وقت کس شغل میں ہیں؟ کن لوگوں سے گفتگو چل رہی ہے؟ اس لئے وہ معذور تھے۔=

فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَیۡدِیۡ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾

قابلِ ادب ورقوں میں (لکھا ہوا)۔ جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) پاک ہیں۔ (ایسے) لکھنے والے کے ہاتھوں میں

کِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنۡ اَیِّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾

جو معزز اور نیکوکار ہیں۔ انسان ہلاک ہو جائے کیسا ناشکرا ہے۔ اسے (اللہ نے) کس چیز سے بنایا؟

مِنۡ نُّطۡفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِیۡلَ یَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقۡبَرَهٗ ﴿۲۱﴾

نطفے سے بنایا پھر اس کا اندازہ مقرر کیا۔ پھر اس کے لئے رستہ آسان کر دیا۔ پھر اس کو موت دی پھر قبر میں دفن کرایا۔ پھر

= "ومایدریک" آپ کو کیا معلوم وہ نابینا شاید آپ سے قرآن سنکر ہی پاک ہو جاتا اور (یذکر) یا نصیحت سنکر اس میں غور و فکر کرتا اور اس طرح اس سے فائدہ اٹھاتا "یزکی" میں قبول کا اعلی درجہ کا ذکر ہے یعنی سنتے ہی اس سے متاثر ہو کر برائیوں سے پاک ہو جاتا۔ دونوں جملے بحرف تردید یعنی "او" کے ساتھ استعمال کئے گئے، کہ ان دونوں میں کوئی ایک حال ضرور حاصل ہوتا، اس میں اصطلاحی مانعۃ الخلو ہے، یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ دونوں نفع جمع ہو جائیں، کہ ابتداءً تذکّر ہو اور اس کے بعد تزکیہ، مانعۃ الجمع نہیں کہ دونوں جمع نہ ہو سکیں۔

"اما من استغنی" جو ایمان سے اور آپ کی دعوت و تبلیغ سے مستغنی اور بے نیاز ہیں آپ ان کے در پے ہیں اور غور سے ان کی باتیں سنتے ہیں۔ اگر وہ ایمان نہ لائیں اور کفر و شرک سے پاک نہ ہو تو اس سے آپ پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ آپ کا کام بتانا اور سمجھانا ہے منوانا آپ کا کام نہیں۔ اس سے مراد صنادید قریش ہیں جو آپ کی دعوت و تبلیغ میں کوئی حقیقی دلچسپی نہیں لیتے تھے۔

"واما من جاءک" لیکن جو شخص یعنی ابن ام مکتومؓ بڑے شوق سے دوڑتا ہوا آپ کے پاس آتا ہے اور وہ اللہ سے ڈرتا بھی ہے ہدایت کا متمنی اور راہ حق کا طلبگار بھی ہے آپ اس سے اعراض کرتے اور اس سے غفلت کا برتاؤ فرماتے ہیں۔

ثُمَّ إِذَا شَآءَ أَنْشَرَهُ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ أَمَرَهُ ﴿۲۳﴾

جب چاہے گا اسے اٹھا کھڑا کرے گا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ نے اسے جو حکم دیا اس نے اس پر عمل نہ کیا۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿۲۴﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾

تو انسان کو چاہیئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔ بیشک ہم ہی نے پانی برسایا۔

ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾

پھر ہم ہی نے زمین کو چیرا پھاڑا۔ پھر ہم ہی نے اس میں اناج اگایا۔ اور انگور اور ترکاری۔

وَزَيْتُونًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَفَاكِهَةً وَّأَبًّا ﴿۳۱﴾

اور زیتون اور کھجوریں۔اور گھنے گھنے باغ۔اور میوے اور چارا۔

مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾

(یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے لئے پیدا کیا۔ تو جب (قیامت کا) غل مچے گا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾

اس دن بھائی اپنے بھائی سے دُور بھاگے گا۔ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾

ہر شخص اس روز ایک فکر میں ہوگا جو اسے (مصروفیت کے لئے) بس کرے گا۔ اور کتنے منہ اس روز چمک رہے ہوں گے۔

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾

خنداں و شاداں (یہ مومنانِ نیکوکار ہیں)۔ اور کتنے منہ ہوں گے جن پر گرد پڑ رہی ہو گی۔

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

(اور) سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔ یہ کفار بدکردار ہیں۔

سورة التكوير (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ﴿٢﴾

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے۔

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿٤﴾

اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ اور جب بیاہنے والی اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی۔

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿٥﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾

اور جب وحشی جانور اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور جب سمندر آگ ہو جائیں گے۔

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾

اور جب رُوحیں (بدنوں سے) ملا دی جائیں گی۔ اور جب اس لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی؟

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ

اور جب اعمال کے دفتر کھولے جائیں گے۔ اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی۔ اور جب دوزخ (کی آگ)

سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾

بھڑکائی جائے گی۔ اور جب بہشت قریب لائی جائے گی۔ تب ہر شخص معلوم کر لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾

ہم کو ان ستاروں کی قسم جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں جو سیر کرتے اور غائب ہو جاتے ہیں۔ اور رات کی قسم جب ختم ہونے لگتی ہے

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۱۹﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي

اور صبح کی قسم جب نمودار ہوتی ہے۔ کہ بیشک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے۔ جو صاحبِ قوت مالک عرش کے ہاں

الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿۲۲﴾

اونچے درجے والا۔ سردار (اور) امانتدار ہے۔ اور (مکے والو!) تمہارے رفیق (یعنی محمد ﷺ) دیوانے نہیں ہیں۔

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۲۴﴾

بیشک انہوں نے اس کو (آسمان کے کھلے یعنی) کنارے پر دیکھا ہے اور وہ پوشیدہ باتوں کے ظاہر کرنے میں بخیل نہیں

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿۲۵﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲۶﴾

اور یہ شیطان مردود کا کلام نہیں۔ پھر تم کدھر جا رہے ہو؟

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲۷﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿۲۸﴾

یہ تو جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے۔ (یعنی اس کیلئے) جو تم میں سے سیدھی چال چلنا چاہے۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾

اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ رب العالمین چاہے۔

سورة الإنفطار (مكية)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ﴿۲﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں گے۔

وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ

اور جب دریا بہہ (کر ایک دوسرے میں مل) جائیں گے۔ اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی۔ تب ہر شخص معلوم کر لے گا

مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ﴿۵﴾ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ﴿۶﴾

کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔ اے انسان تجھ کو اپنے پروردگار کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ﴿۷﴾ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ﴿۸﴾

(وہی تو ہے) جس نے تجھے بنایا اور ٹھیک کیا اور (تیرے قامت کو) معتدل رکھا۔ اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ﴿۹﴾ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ﴿۱۰﴾ كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴿۱۱﴾

مگر تم لوگ جزا کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ عالی قدر (تمہاری باتوں کے) لکھنے والے۔

يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۱۲﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۱۳﴾

جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔ بیشک نیکوکار نعمتوں (کی بہشت) میں ہوں گے۔

وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿۱۴﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا

اور بدکردار دوزخ میں۔ (یعنی) جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے۔ اور اس سے

بِغَائِبِينَ ﴿۱۶﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۱۸﴾

چھپ نہیں سکیں گے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟ پھر تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿۱۹﴾

جس روز کوئی کسی کا کچھ بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز صرف اللہ ہی کا ہو گا

سورة المطففين (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۝۱ الَّذِيۡنَ إِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝۲

ناپ اورتول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے۔ جولوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا کریں۔

وَإِذَا كَالُوۡهُمۡ أَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ۝۳ أَلَا يَظُنُّ أُولٰٓئِكَ أَنَّهُمۡ

اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے

مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝۴ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝۵ يَوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ ۝۶

کہ اٹھائے بھی جائیں گے؟ ایک بڑے (سخت) دن میں۔ جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے [1]

---

[1] ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ: انه اتى رسول الله ﷺ فقال اخبرنى من يقوى على القيام يوم القيامة ،الذى قال الله عزوجل ﴿يوم يقوم الناس لرب العالمين﴾ فقال يخفف على المؤمن حتى يكون عليه كا لصلوٰة المكتوبة .(شعب الايمان: ۱/۳۲۴، ۳۶۲) ۔یعنی ابوسعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے قران کے جن الفاظ کا حوالہ دیا، وہ اس سورۃ میں قیامت کے دن کے احوال اوراس دن اعمال کی جزاوسزا دیئے جانے کا ذکر ہے، اور چونکہ وہ دن اللہ کے عدل وانصاف کے اظہار کا دن ہوگا، اس مناسبت سے اس سورت میں خاص طور سے بعض ان اعمال پر وعید مذکور ہے جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں، اور سماجی زندگی میں نہایت قابل نفرین سمجھتے ہیں، جیسے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو ان الفاظ میں تہدید کی گئی ہے، کہ: أَلَا يَظُنُّ أُولٰٓئِكَ أَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝۴ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۝۵ يَوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ ۝۶ اس حدیث میں ابوسعید خدریؓ کے سوال کا حاصل یہ تھا، کہ ایک تو قیامت کا دن خود اپنے اندر ہول ودہشت اور خوف وپریشانی کے صد ہزار عالم لئے ہوگا، اوراس

پر اپنے اعمال کا کچا چٹھا لے کر اللہ ذوالجلال کی پر ہیبت بارگاہ میں پیش ہونا ہوگا، اس کے عدل وانصاف کی ہیبت اور اس کے لئے اس کی عدالت میں، اس کی پرجلال بارگاہ میں کھڑا ہوسکے؟ لہٰذا نبی کریم ﷺ نے یہ بشارت عطاء فرمائی کہ مسلمانوں کو بہرحال اطمینان رکھنا چاہئے کہ وہ دن اپنی تمام ہولناکیوں کے باوجود ان کے حق میں ایک آسان دن ہوگا، وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کے سائے میں رہیں گے۔ اس لئے قیامت کا وہ پورا دن بس اتنے عرصہ میں گزر جائے گا جتنے عرصہ میں کوئی شخص فرض نماز پڑھ لیتا ہے۔

پس اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ذہن میں رہنی چاہئے کہ ''مسلمان'' سے مراد کامل مسلمان ہے یعنی عقیدہ وفکر کے اعتبار سے پختہ وصالح، اعمال وکردار کے اعتبار سے پاکباز ومتقی اور پروردگار کی اطاعت وعبادت میں کامل! اسی طرح فرض نماز کے بقدر سے مراد وہ عرصہ ہے جس میں فرض نماز کہ جس کی نہایت چار رکعتیں ہیں، ادا کی جاتی ہیں، یا یہ کہ فرض نماز کا پورا وقت مراد ہے۔

یعنی جتنی دیر تک ایک فرض نماز ادا کرنے کا وقت رہتا ہے، اتنی دیر میں قیامت کا پورا دن گزر جائے گا، رہی یہ بات کہ مسلمانوں کے حق میں قیامت کے دن کا فرض نماز کی ادائیگی کے وقت کے بقدر ہونے سے کیا یہ مراد ہے کہ ان کے حق میں قیامت کا دن واقعتاً اتنے مختصر سے عرصہ پر محیط ہوگا۔ یا یہ مراد ہے کہ وہ دن ہوگا تو بہت زیادہ لمبا وطویل لیکن مسلمانوں کو وہ اتنا بڑا دن بس ایسا محسوس ہوگا جیسے ایک فرض نماز کے وقت کے بقدر ہوکر گزر گیا ہو؟ تو اس سلسلہ میں یہی دوسرا پہلو مراد ہے، یعنی وہ دن اپنی اتنی طوالت اور اتنی شدت وسختیوں کے باوجود مسلمانوں کے لئے اتنا ہلکا بنا دیا جائے گا کہ ان کو وہ پورا دن ایک فرض نماز کے مختصر ترین عرصہ کے بقدر گزرتا ہوا معلوم ہوگا، جب کہ کافروں کے حق میں اس کے برعکس ہوگا، چنانچہ یہ تو اس دنیا میں بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ وقت اور مقدار کے اعتبار سے شب وروز کی گردش ہر شخص کے لئے یکساں ہوتی ہے، لیکن جو لوگ عیش وراحت اور خوشحالی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان کے لئے چوبیس گھنٹوں کے وہی دن رات، لمحوں کے برابر گزرتے محسوس ہوتے ہیں، جو مصائب وآلام اور پریشان حالی میں مبتلا لوگوں کے لئے سالوں کے برابر گزرتے معلوم ہوتے ہیں۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ قیامت کے دن کا مسلمانوں کے حق میں آسان وہلکا ہونا یکساں نوعیت نہیں رکھے گا، بلکہ ہر مسلمان کے عقیدہ وعمل کے مراتب کے اعتبار سے الگ الگ نوعیت رکھے گا۔ کہ جو شخص دنیا میں اپنے عقیدہ وعمل کے اعتبار سے زیادہ کامل رہا ہوگا، وہ اس دن کو اور وہاں کے احوال کو اتنا ہی زیادہ آسان وہلکا محسوس کرے گا، اور دنیا میں

جس شخص کا عقیدہ وعمل جتنا زیادہ کمزور رہا ہوگا، وہ اس دن کو اتنا ہی کم آسان وہلکا محسوس کرے گا یہاں تک کہ کفار کو وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم کے ان الفاظ میں اسی طرف اشارہ ہے: تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ﴿۵﴾ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ﴿۶﴾ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ﴿۷﴾ (المعارج)۔

چنانچہ اس آیت میں اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، جو اپنی درازی اور سختی کے اعتبار سے کافر کو اتنا لمبا معلوم ہوگا، اور جس طرح ایمان کے مراتب میں تفاوت ہونے کی وجہ سے وہ ان اہل ایمان میں سے کچھ کو بہت آسان اور ہلکا معلوم ہوگا، اور کچھ کو کم آسان وہلکا معلوم ہوگا، اسی اعتبار سے ایک آیت میں اس دن کو ایک ہزار سال کے برابر فرمایا گیا ہے، پس بعض کافروں کو ہزار سال کے برابر اور بعض کو پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا۔ نیز باری تعالی کے اس ارشاد سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے: فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿۸﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿۱۰﴾ (المدثر)۔

دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہوگا، کہ اہل ایمان پر وہ دن بہت ہلکا اور آسان ہوگا، اور وہ ہلکا وآسان ہونا ان کے ایمان وعمل کے اعتبار سے تفاوت رکھے گا۔ بہر حال اس حدیث میں مسلمانوں کے لئے واضح طور پر یہ ہدایت ہے کہ اگر وہ قیامت کے دن کو اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ آسان وہلکا اور جلد گزر جانے والا بنانا چاہتے ہیں، تو ان کو چاہیئے کہ وہ اپنے ایمان وعقیدہ کو زیادہ سے زیادہ پختہ بنائیں اور اپنی عملی زندگی کو زیادہ سے زیادہ طاعت وعبادت اور رضاء الٰہی کے کاموں سے مامور کریں۔

جبکہ ابو سعید خدریؓ سے ایک اور روایت بھی ہے کہ: قال سئل رسول الله ﷺ عن يوم كان مقداره خمسين الف سنة ،ماطول هذه اليوم ؟فقال و الذى نفسى بيده انه ليخفف على المؤمن حتى يكون اهون عليه من الصلواة المكتوبة يصليهافى الدنيا. (بيهقى فى شعب الايمان: ۱ / ۳۳۴)۔

یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح اہل ایمان کے حق میں بشارت ہے کہ اگر وہ ایمان کامل کے حامل ہیں، اور ان کی دنیاوی زندگی اعمال صالحہ سے معمور ہے تو انہیں قیامت کے دن کی طوالت اور سختی سے مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں، وہ اللہ تعالی کی بے پایاں رحمتوں کے سائے میں ہوں گے، اور وہ دن تمام درازی وسختی کے باوجود ان کے حق میں اس طرح گزر جائے گا جیسے انہوں نے کوئی فرض نماز پڑھ لی ہو۔ اس آیت کے متعلق شاہ ولی اللہ کا ایک عبارت نقل کرتے ہیں جو کہ انہوں نے=

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ﴿٧﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ﴿٨﴾

سن رکھو کہ بدکاروں کے اعمال سجین میں ہیں۔ اور تم کیا جانتے ہو کہ سجین کیا چیز ہے؟

كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٩﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿١١﴾

ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔(یعنی) جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں

وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ

اوراس کوجھٹلاتا وہی ہے جوحد سے نکل جانے والا گنہگار ہے۔ جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے

الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾

لوگوں کے افسانے ہیں دیکھو یہ جو (اعمالِ بد) کرتے ہیں ان کا ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے۔

كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُو الْجَحِيمِ ﴿١٦﴾

بیشک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے محروم ہوں گے۔پھر دوزخ میں جا داخل ہوں گے

ثُمَّ يُقَالُ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿١٧﴾ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي

پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی چیز ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ (یہ بھی) سن رکھو کہ نیکوکاروں کے اعمال علّیّین

عِلِّيِّينَ ﴿١٨﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ﴿١٩﴾ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿٢٠﴾

میں ہیں۔ اور تم کو کیا معلوم کہ علّیّین کیا چیز ہے؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔

=حجۃ اللہ البالغۃ:۱/۱۵۶،میں نقل کی ہے، فان بلغنا حديث من الرسول المعصوم الذى فرض الله علينا طاعته بسند صالح يدل على خلاف مذهبه وتركنا حديثه واتبعنا ذٰلك التخمين فمن اظلم منا وماعذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين. یعنی اگر ہمیں رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث معلوم ہوجائے،اوراس کے باوجود ہم ایک شیخ یا ایک امام کے قول کے پیچھے جائیں،اورحدیث پر کان نہ دھریں،تو ہمارا کیا حال ہوگا؟جب ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿٢٢﴾

جس کے پاس مقرب (فرشتے) حاضر رہتے ہیں۔ بیشک نیک لوگ چین میں ہوں گے۔

عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿٢٤﴾

تختوں پر بیٹھے ہوئے نظارے کریں گے۔تم ان کے چہروں ہی سے راحت کی تازگی معلوم کر لو گے۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿٢٥﴾ خِتَامُهُ مِسْكٌ ط وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

ان کو خالص شراب سر بمُہر پلائی جائے گی۔ جس کی خلط مشک کی ہو گی تو (نعمتوں کے) شائقین کو چاہیئے

الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهُ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢٨﴾

کہ اسی سے رغبت کریں۔اوراس میں تسنیم (کے پانی) کی آمیزش ہوگی۔وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے مقرب پئیں گے

إِنَّ الَّذِيْنَ أَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿٢٩﴾

جو گنہگار (یعنی کفار) ہیں وہ (دنیا میں) مومنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے۔

وَإِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا انْقَلَبُوْا إِلٰى أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿٣١﴾

اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو حقارت سے اشارے کرتے۔اور جب اپنے گھر کولوٹتے تو اِتراتے ہوئے لوٹتے

وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوْا إِنَّ هٰؤُلَآءِ لَضَالُّوْنَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حَافِظِيْنَ ﴿٣٣﴾

اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو گمراہ ہیں۔ حالانکہ وہ ان پر نگہبان بنا کرنہیں بھیجے گئے تھے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿٣٤﴾

تو آج مومن کافروں سے ہنسی کریں گے۔

عَلَى الْأَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾

(اور) تختوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے۔تو کافروں کوان کے اعمال کا (پورا پورا) بدلامل گیا۔

سورة الانشقاق (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اپنے پروردگار کا فرمان بجالائیگا اور لائق بھی یہی ہے۔ اور جب زمین ہموار کردی جائیگی

وَأَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾

اور جو کچھ اس میں ہے اسے نکال کر باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ اور اپنے پروردگار کی ارشاد کی تعمیل کرے گی اور اس کو لازم بھی یہی ہے

يَآأَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيْهِ ﴿۶﴾

اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے میں) خوب کوشش کرتا ہے سو اس سے جا ملے گا

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾

تو جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس سے حساب آسان لیا جائے گا۔ [1]

---

[1] عائشہؓ کہتی ہیں، کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو بعض نماز میں یہ دعا مانگتے سنا کہ: **اللھم حاسبنی حسابایسیرا**، یا اللہ میرے اعمال کا آسان حساب لیجیو! عائشہؓ کہتی ہیں، کہ میں نے یہ سنا تو عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ آسان حساب کا کیا مطلب ہے اور اس کی کیا صورت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا آسان حساب کی یہ صورت ہوگی کہ بندہ اپنے اعمالنامے کو دیکھ لے گا، اور پھر اللہ تعالی اس سے درگزر فرمادے گا اور اے عائشہؓ! حقیقت یہ کہ اس دن جس شخص کے حساب میں مناقشہ یعنی کروکاوش کی گئی تو (بس سمجھ لوکہ) وہ برباد ہوگیا، یعنی وہ مستوجب عذاب ہونے سے بچ نہیں سکتا۔ (احمد: ۶/ ۴۸)۔

مناقشہ کے معنی ہیں: جانچ کر حساب لینا، کوڑی کوڑی کا جھگڑا کرنا، پس حساب میں مناقشہ کرنا یہ ہے، ایک ایک

عمل اور ہر عمل کے ایک ایک جزء کی پوری پوری چھان بین ہو، ہر فعل کی اچھی طرح جانچ پڑتال ہو، اور رتی رتی کا حساب لیا جائے، ظاہر ہے کہ اصل حساب یہی ہے اور اس حساب میں کوئی بھی بندہ پورا نہیں اتر سکتا، جو بھی شخص اس وقت اللہ تعالی کے فضل وکرم سے محروم رہا، اور اس کو آسان حساب کے بجائے اس سخت حساب سے دوچار کیا گیا تو وہ عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور جو بندہ اللہ تعالی کے فضل وکرم کے سائے میں ہوں گے ان کے ساتھ حساب کی صورت یہ ہوگی کہ ان کے سامنے ان کے اعمال نامے کھول کر ڈال دیے جائیں گے، اور اس کو دکھا دیا جائے گا، کہ دیکھ تو نے یہ فلاں فلاں گناہ کا ارتکاب کیا، بندہ ندامت وشرمندگی کے ساتھ گناہوں کا اعتراف واقرار کرے گا۔ اور تب اللہ تعالی اس کے تمام گناہوں سے درگزر فرمادے گا، اور اس کو اپنی عنایت سے بخشش ومغفرت کا پروانہ عطا فرمادے گا۔

اور متفق علیہ کی روایت میں ہے کہ **ان النبی ﷺ قال: لیس احد یحاسب یوم القیامۃ الا ھلک، قلت اولیس یقول اللہ﴿ سوف یحاسب حسابا یسیرا﴾ فقال انما ذالک العرض، ولکن من نوقش فی الحساب یھلک (بخاری: ۶۵۳۷، مسلم: ۲۸۷۶).**

نبی علیہ السلام نے مذکورہ بالا حدیث میں جو کچھ فرمایا ہے وہ اس کلیہ کو ظاہر کرتا ہے کہ جو بھی شخص حساب کے مرحلہ سے گزرے گا وہ یقیناً عذاب میں مبتلا ہوگا، لیکن قرآن کی مذکورہ آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حساب کے مرحلہ سے گزرنے والوں میں سے بعض لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا، اس طرح سے گویا قرآن کی آیت اور نبی کریم ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے؟ لہٰذا اس ظاہری تضاد کو رفع کرنے کے لئے خود نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں "حساب" سے مراد صرف عرض ہے یعنی ان لوگوں کے سامنے (کہ جن کو نجات یافتہ قرار دینا مقصود ہوگا) ان کے اعمال کی فہرست کھول کر رکھ دی جائے گی۔

چنانچہ انہوں نے جو برے اعمال کئے ہوں گے وہ ان کا اعتراف واقرار کریں گے۔ اور حق تعالی اپنا فضل وکرم ظاہر کرتے ہوئے ان کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمائے گا۔ اس کے برخلاف حدیث میں "حساب" سے مراد واقعی محاسبہ ومواخذہ اور دارو گیر ہے جس کو حساب میں مناقشہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس محاسبہ واردگیر کی بنیاد اظہار عدل ہوگا۔

سنن کبری: ۱۰/۲۳۵، میں امام بیہقی نے یہ روایت نقل کی ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: **ثلاث من کن فیہ حاسبہ اللہ حسابا یسیرا، وادخلہ الجنۃ برحمتہ، قالوا ماھی یارسول اللہ؟ قال: تعطی من حرمک، وتعفو عمن ظلمک، وتصل من قطعک، قال (ابوھریرۃ ؓ) فاذا فعلت ذلک فمالی یارسول اللہ؟=**

وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿٩﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ﴿١٠﴾

اور وہ اپنے گھروالوں میں خوش خوش آئے گا۔ اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ﴿١١﴾ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴿١٢﴾ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾

وہ موت کو پکارے گا۔ اور دوزخ میں داخل ہو گا۔ یہ اپنے اہل (وعیال) میں مست رہتا تھا۔

إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ﴿١٤﴾ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾

اور خیال کرتا تھا کہ (اللہ کی طرف) پھر کر نہ جائے گا۔ ہاں ہاں اس کا پروردگار اس کو دیکھ رہا تھا۔

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾

ہمیں شام کی سرخی کی قسم! اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ اکٹھا کر لیتی ہے ان کی ۔ اور چاند کی جب کامل ہو جائے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ﴿١٩﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ

کہ تم درجہ بدرجہ چڑھو گے۔ تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے؟ اور جب ان کے سامنے قرآن

=قال ان تحاسب حسابایسیرا، ویدخلک اللہ الجنة برحمته ۔ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جس میں تین خوبیاں ہونگی اللہ جل شانہ اس سے بہت آسان حساب لیکر اپنی رحمت سے اس کو جنت میں بھیج دیں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، وہ کیا خوبیاں ہیں؟ ارشادفرمایا: (پہلی یہ ہے کہ) جوتم سے روکے اس کودو، اور (دوسری یہ ہے کہ) جوتم سے توڑے تم اس سے جوڑو (تیسری خوبی یہ ہے کہ) جوتم پر ظلم کرے تم اسے معاف کرو، ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا یارسول اللہ جب میں ان تین خوبیوں کو اختیار کرلوں گا تو مجھے کیا ملے گا؟ ارشادفرمایا! تمہارا حساب آسان ہوگا، اور اللہ تعالی تمہیں اپنی رحمت سے جنت میں بھیج دیں گے، بزار رقم: ۸۶۳۵، طبرانی فی الاوسط رقم: ۹۰۹، حاکم: ۳۹۱۲، وقال صحیح الاسناد۔

الْـقُـرْآنُ لَا يَسْـجُـدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَـلِ الَّـذِيْـنَ كَـفَـرُوْا يُـكَـذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾
پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔ بلکہ کافر جھٹلاتے ہیں۔

وَالـلّٰـهُ أَعْـلَـمُ بِـمَـا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّـرْهُـمْ بِـعَـذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾
اور اللہ ان باتوں کو جو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں خوب جانتا ہے۔تو ان کو دکھ دینے والے عذاب کی خبر سنا دو

إِلَّا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوْا وَعَـمِـلُـوا الصّٰـلِـحٰـتِ لَهُـمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾
ہاں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بے انتہا اجر ہے۔

سورة البروج (مكيه)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّـمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَـوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَـاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ
آسمان کی قسم جس میں بُرج ہیں۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے۔ اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی

﴿۳﴾ قُتِـلَ أَصْـحَـابُ الْأُخْـدُوْدِ ﴿۴﴾ الـنَّـارِ ذَاتِ الْـوَقُـوْدِ ﴿۵﴾
کہ خندقوں (کے کھودنے) والے ہلاک کر دیئے گئے (یعنی آگ کی خندقیں)[1] جس میں ایندھن (جھونک رکھا) تھا۔

---

[1] مسند: ۶/۱۷، احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا اس کے ہاں جادوگر تھا، جب جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت آ رہا ہے مجھے کسی بچے کو سونپ دو تو میں اسے جادو سکھا دوں۔ چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا۔ لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستہ میں ایک راہب کا گھر پڑتا، جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا۔ یہ بھی کھڑا ہو جاتا اس کے طریق عبادت کو

دیکھتا اور وعظ سنتا۔آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا۔جادوگر بھی مارتا اور ماں باپ بھی۔کیونکہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا۔

ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے اپنی یہ شکایت بیان کی۔راہب نے کہا کہ جب جادوگر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگ گئی ؟ تو کہہ دینا کہ گھر والوں نے روک لیا تھا۔اور گھر والے بگڑیں تو کہہ دینا کہ جادوگر نے روک لیا تھا، یونہی ایک زمانہ گزر گیا کہ ایک طرف تو وہ جادو سیکھتا تھا دوسری جانب کلام اللہ اور دین اللہ سیکھتا تھا۔ایک دن یہ دیکھتا ہے کہ راستہ میں زبردست ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے،لوگوں کی آمد ورفت بند کر رکھی ہے۔اِدھر والے اُدھر اور اُدھر والے اِدھر نہیں آسکتے اور سب لوگ اِدھر اُدھر حیران و پریشان کھڑے ہیں۔اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقعہ ہے کہ میں امتحان کرلوں کہ راہب کا دین اللہ کو پسند ہے یا جادوگر کا۔

اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ اے اللہ !اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کردے،تا کہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے۔پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مر گیا اور لوگوں کا آنا جانا شروع ہوگیا۔پھر جا کر راہب کو خبر دی اس نے کہا پیارے بچے !تو مجھ سے افضل ہے۔اب اللہ کی طرف سے تیری آزمائش ہوگی اگر ایسا ہو تو تو کسی کو میری خبر نہ کرنا۔اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کا تانتا لگ گیا۔اور اس کی دعا سے مادرزاد اندھے،کوڑھی،جذامی،اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔بادشاہ کے ایک نابینا وزیر کے کان میں بھی یہ آواز پڑی،وہ بڑے تحفے تحائف لے کر حاضر ہوا۔اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفا دے دے تو یہ سب میں تجھے دیدوں گا۔اس نے کہا کہ شفا میرے ہاتھ میں نہیں۔میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا۔شفا دینے والا تو اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں۔اس نے اقرار کیا۔بچے نے اس کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی وہ بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا اور آنکھیں بالکل روشن تھیں۔

بادشاہ نے متعجب ہوکر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں؟اس نے کہا میرے رب نے۔بادشاہ نے کہا ہاں یعنی میں نے۔وزیر نے کہا نہیں میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔بادشانے کہا اچھا تو کیا میرے سوا تیرا کوئی اور رب بھی ہے؟ وزیر نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔اب اس نے اسکی مار پیٹ شروع کردی اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچانے لگا اور پوچھنے لگا تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟ آخر اس نے بتادیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے

اسلام قبول کیا۔اس نے اسے بلوایا،اور کہا اب تو تم جادو میں خوب کامل ہو گئے ہو کہ اندھوں کو دکھانا اور بیماروں کوتندرست کرنے لگ گئے۔اس نے کہا غلط ہے،نہ میں کسی کو شفا دے سکتا ہوں نہ جادو۔شفا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کہنے لگا ہاں یعنی میرے ہاتھ میں ہے کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں۔اس نے کہا ہرگز نہیں۔کہا پھر کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے۔تو وہ کہنے لگا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔اس نے اب اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگا لیا۔

راہب کو بلا کر اس سے کہا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا۔اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے آرے سے اسے چیر دیا اور ٹھیک دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔پھر اس نوجوان سے کہا کہ تو بھی دین سے پھر جا۔اس نے بھی انکار کیا۔تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑ دینے کو کہیں۔اگر مان لے تو اچھا ورنہ وہیں سے اسے لڑھکا دیں۔چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کی:**اللھم اکفنیھم بماشئت** :اے اللہ جس طرح چاہ مجھے ان سے نجات دے۔

اس دعا کے ساتھ ہی پہاڑ ہلا اور وہ سب سپاہی لڑھک گئے صرف وہ بچہ ہی بچا رہا وہاں سے وہ اترا اور ہنسی خوشی پھر اس ظالم بادشاہ کے پاس آ گیا بادشاہ نے کہا کہ یہ کیا ہوا؟ میرے سپاہی کہاں ہیں؟ فرمایا میرے اللہ نے مجھے بچا لیا ان سے،اس نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ اور بیچوں بیچ سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ۔یہ اسے لے کر چلے اور بیچ میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی کہ یا اللہ! جس طرح چاہ مجھے ان سے بچا۔موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا،یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا اور کہا میرے رب نے مجھے ان سے بھی بچا لیا،اے بادشاہ! تو چاہے تمام تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا۔ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر کرے تو البتہ میری جان نکل جائیگی۔

اس نے کہا کیا کروں؟ فرمایا لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر میری کمان پر چڑھا اور **بسم اللہ رب ھذا الغلام** یعنی اس اللہ تعالیٰ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے کہہ کر وہ تیر میری طرف پھینک وہ مجھے لگے گا اور اس سے میں مروں گا چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا،تیر بچے کے کنپٹی میں لگا اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہو گیا،اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا=

إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ﴿٦﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ﴿٧﴾

جبکہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جو (سختیاں) اہلِ ایمان پر کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے۔

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُّؤْمِنُوا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿٨﴾

ان کو مومنوں کی یہی بات بُری لگتی تھی کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب (اور) قابلِ ستائش ہے۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٩﴾

وہی جس کی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ

جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کو دوزخ کا عذاب بھی ہو گا

وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ

اور جلنے کا عذاب بھی ہو گا۔ (اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کے لئے

=یقین آ گیا، چوطرف سے یہ آوازیں اٹھنے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے۔

یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے ساتھی بڑے گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم تو سمجھے ہی نہیں دیکھئے اس کا یہ اثر پڑا، کہ یہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہو گئے، ہم نے تو اسی لئے اسے قتل کرنا تھا کہ کہیں یہ مذہب پھیل نہ پڑے لیکن وہ ڈر تو سامنے ہی آ گیا، اور سب مسلمان ہو گئے، بادشاہ نے کہا اچھا یہ کرو کہ تمام محلوں اور راستوں میں خندقیں کھدواؤ، ان میں لکڑیاں بھرو اور ان میں آگ لگا دو، جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے اس آگ میں ڈال دو۔ ان مسلمانوں نے صبر و سہار کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کر لیا اور اس میں کود کود کر گرنے لگے۔ البتہ ایک عورت جس کی گود میں دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ تھا وہ ذرا جھجکی تو اس بچہ کو اللہ تعالی نے بولنے کی طاقت دی اس نے کہا اماں! کیا کر رہی ہو؟ تم تو حق پر ہو، صبر کرو اور اس میں کود پڑو۔ (مسلم: کتاب الزھد والرقائق: ۸/۲۲۹، واحمد: ۶/۱۶ ،و الترمذی فی التفسیر)

جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ﴿۱۱﴾

باغات ہیں ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَ یُعِیْدُ ﴿۱۳﴾

بیشک تمہارے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (زندہ) کرے گا۔

وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۶﴾

اور وہ بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔عرش کا مالک بڑی شان والا۔جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

بھلا تم کو لشکروں کا حال معلوم ہوا ہے؟ (یعنی) فرعون اور ثمود کا۔لیکن کافر (جان بوجھ کر) تکذیب میں (گرفتار)

فِیْ تَكْذِیْبٍ ﴿۱۹﴾ وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِیْطٌ ﴿۲۰﴾

ہیں۔ اور اللہ ان کو گرداگرد سے گھیرے ہوئے ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ﴿۲۱﴾ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

(یہ کتاب ہزل و بطلان نہیں) بلکہ یہ قرآنِ عظیم الشان ہے۔لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا)۔

سورۃ الطارق (مکیۃ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾

آسمان اور رات کے وقت آنے والے کی قسم! اور تم کو کیا معلوم کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ وہ تارا ہے چمکنے والا۔

إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾

کوئی متنفس نہیں جس پر نگہبان مقرر نہیں۔ تو انسان کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔

خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ﴿۷﴾

وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا ہے۔ جو پیٹھ اور سینے کے بیچ میں سے نکلتا ہے۔

إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ﴿۹﴾

بیشک اللہ اس کے اعادے (یعنی پھر پیدا کرنے) پر قادر ہے۔جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے۔

فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾

تو انسان کی کچھ پیش نہ چل سکے گی اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا۔ آسمان کی قسم جو مینہ برساتا ہے۔

وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾

اورزمین کی قسم جو پھٹ جاتی ہے۔ کہ یہ کلام (حق کو باطل سے) جدا کرنے والا ہے۔

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾

اور بیہودہ بات نہیں۔ یہ لوگ تو اپنی تدبیروں میں لگ رہے ہیں۔

وَأَكِيدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

اور ہم اپنی تدبیر کرر ہے ہیں۔ تو تم کافروں کومہلت دو بس چند روز ہی مہلت دو۔ [1]

---

[1] اس سورت میں حق تعالی نے آسمان اورستاروں کی قسم کھا کر یہ ارشادفرمایاہے کہ ہرانسان پرایک محافظ نگران ہے جواس کےتمام افعال واعمال وحرکات وسکنات کودیکھتا جانتاہےاس کا تقاضائے عقلی یہ ہے کہ انسان اپنے انجام پرغورکرے کہ دنیامیں وہ جوکچھ کررہاہے وہ اللہ کے یہاں محفوظ ہےاوریہ محفوظ رکھنا حساب کے لئے ہے جوقیامت میں ہوگااس لئے کسی وقت اخرت اورقیامت کی فکرسے غافل نہ ہو،اس کے بعداس شبہ کا جواب ہے جوشیطان لوگوں کے دلوں میں

ڈالتا ہے کہ مرکر مٹی اور ذرّہ ہوجانے کے بعد پھر سب اجزاء کا جمع ہونا اور اس میں زندگی پیدا ہونا ایک موہوم خیال بلکہ عوام کے نظر میں محال و ناممکن ہے۔

جواب میں انسان کی ابتدائی تخلیق پر غور کرنے کی ہدایت ہے کہ وہ کس طرح مختلف ذرّات اور مختلف مواد سے ہوتی ہے جیسے ابتدائی تخلیق میں دنیا بھر کے مختلف ذرّات کو جمع کرکے ایک زندہ سمیع وبصیر انسان بنا دیا، اس کو اس پر بھی قدرت کیوں نہ ہوگی کہ پھر اس کو اس طرح لوٹا دے، اس کے بعد کچھ حال قیامت کا بیان فرما کر دوسری قسم زمین اور آسمان کی کھا کر غافل انسان کو جتلایا کہ جو کچھ اس کو فکر آخرت کی تلقین کی گئی ہے اس کو مذاق و دل لگی نہ سمجھے یہ ایک حقیقت ہے جو سامنے آکر رہے گی آخر میں کفار کے اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ کفر وشرک اور معاصی اگر اللہ تعالی کو پسند نہیں تو پھر دنیا ہی میں ان پر عذاب کیوں نہیں آجاتا اس پر سورت ختم کی گئی ہے۔

پہلی قسم میں آسمان کے ساتھ طارق کی قسم ہے، طارق کے معنی رات کو آنے والے کے ہیں ستارے چونکہ دن کو چھپے رہتے ہیں اس لئے ستارہ کو طارق فرمایا اور خود قران نے اس کی تفسیر کردی۔ **وما ادراک ما الطارق** یعنی تمہیں کیا خبر کہ طارق کیا چیز ہے، پھر فرمایا **النجم الثاقب** یعنی ستارہ روشن، نجم کے معنی ستارہ کے ہیں، قرآن نے کوئی ستارہ متعین نہیں کیا اس لئے ہر ستارہ اس کا مصداق ہوسکتا ہے۔ بعض مفسرین نے نجم سے خاص ستارہ ثریا یا زحل مراد لیا ہے اور کلام عرب سے لفظ نجم کا اس پر اطلاق ثابت کیا ہے ثاقب کے معنی روشن چمکدار کے ہیں۔

"**ان کل نفس لما علیہا حافظ**" یہ جواب قسم ہے اس میں شروع کا حرف "ان" نافیہ ہے اور حرف "لما" بتشدید میم بمعنی "الا" ہے جو قبیلہ ہذیل کے لغت میں استثنی کے معنی دیتا ہے اور معنی ایت کے یہ ہیں کہ کوئی نفس ایسا نہیں جس پر حافظ نہ ہو، حافظ کے معنے نگراں کی بھی آتے ہیں جو کسی کے اعمال کو نظر میں رکھے تا کہ ان کا حساب لے اور حافظ بمعنی محافظ بھی آتا ہے جس کے معنے مصائب وآفات سے حفاظت کرنے والے کے ہیں پہلے معنی کے اعتبار سے حافظ سے مراد فرشتہ کاتب اعمال ہے، اور یہاں اگر چہ اس کو بلفظ مفرد بمعنے جنس بیان کیا ہے مگر ان کا متعدد ہونا دوسری ایت سے ثابت ہے **ان علیکم لحافظین کراما کاتبین** (انفطار: ۱۰) اور دوسرے معنی کے اعتبار سے وہ فرشتے مراد ہیں جو حق تعالی نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے مقرر کیے ہیں وہ دن رات تمام آفات ومصائب سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں بجز اس مصیبت وآفت کے جو اللہ تعالی نے اس کے لئے مقدر کردی ہے جیسا کہ ایک دوسری ایت میں اس کا صراحتًا بیان آیا ہے "**لہ معقبٰت من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ**" (رعد: ۱۱) یعنی انسان کے لئے

نوبت بہ نوبت آنے والے محافظ فرشتے مقرر ہیں جو اس کے آگے اور پیچھے سے اس کی حفاظت بامر الٰہی کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر مومن پر اللہ تعالیٰ کیطرف سے تین سو ساٹھ فرشتے اس کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں جو انسان کے ہر ہر عضو کی حفاظت کرتے ہیں، ان میں سات فرشتے انسان کی آنکھ کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں یہ فرشتے انسان سے ہر بلا و مصیبت جو اس کے لئے مقرر نہیں اس طرح انسان سے دفع کرتے ہیں جیسے شہد میں رکھے ہوئے برتن پر آنے والی مکھیوں کو پنکھے وغیرہ سے دفاع کی جاتا ہے، اور اگر انسان پر یہ حفاظتی پہرہ نہ ہو تو شیطان اس کو اچک لے۔ (قرطبی)۔

''خلق من ماء دافق ''یعنی انسان پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلنے والے پانی سے جو نکلتا ہے پشت اور سینے کی ہڈیوں کی درمیان سے، عام طور سے مفسرین نے اس کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ نطفہ مرد کی پشت اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے مگر اعضاء انسانی کے ماہر اطباء کی تحقیق اور تجربہ یہ ہے کہ نطفہ درحقیت انسان کے ہر ہر عضو سے نکلتا ہے اور بچے کا ہر عضو اس جز نطفہ سے بنتا ہے جو مرد و عورت کے اسی عضو سے نکلا ہو البتہ دماغ کو اس معاملے میں سب سے زیادہ دخل ہے اسی لئے مشاہدہ ہوتا ہے کہ جماع کی کثرت کرنے والے اکثر ضعف دماغ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ان کی تحقیق یہ بھی ہے کہ نطفہ تمام اعضاء سے منفصل ہو کر نخاع کے ذریعہ خصیتین میں جمع ہوتا ہے اور پھر وہاں سے نکلتا ہے اگر یہ تحقیق صحیح ہے تو مفسرین نے جو نطفہ کا خروج مرد کی پشت اور عورت کے سینے کے متعلق قرار دیا ہے اس کی توجیہ بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ اس پر اطباء کا اتفاق ہے کہ نفطہ کی تولید میں سب سے بڑا دخل دماغ کو ہے اور دماغ کا خلیفہ و قائم مقام نخاع ہے جو ریڑھ کی ہڈی کے اندر دماغ سے پشت اور پھر خصیتین تک آیا ہوا ہے اسی کے کچھ شعبے سینے کے ہڈیوں میں آئے ہوئے ہیں، ہوسکتا ہے کہ عورت کے نطفہ میں سینے کی ہڈیوں سے آنے والے نطفہ کا اور مرد کے نطفہ میں پشت سے آنے والا نطفہ کا دخل زیادہ ہو۔ (بیضاوی)۔

اور اگر قران کے الفاظ پر غور کیا جائے تو ان میں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں صرف اتنا ہے کہ نطفہ پشت اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے اس کا یہ مطلب بے تکلف ہوسکتا ہے کہ نطفہ مرد اور عورت دونوں کے سارے بدن سے نکلتا ہے اور سارے بدن کی تعبیر آگے پیچھے کے اہم اعضاء سے کر دی گئی سامنے کے حصہ میں سینہ اور پیچھے کے حصہ میں پشت سب سے اہم اعضاء ہے ان دونوں کے اندر سے نکلنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ سارے بدن سے نکلتا ہے۔

''انه علی رجعه لقادر'' رجع کے معنی لوٹا دینے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس خالق کائنات نے =

سورۃ الاعلی (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ﴿۱﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۲﴾

(اے پیغمبر!) اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو۔ جس نے (انسان کو) بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا۔

=اول انسان کو نطفہ سے پیدا کیا ہے وہ اس کو دوبارہ لوٹا دینے یعنی مرنے کے بعد زندہ کر دینے پر بدرجہ اولی قادر ہے۔

"یوم تبلی السرائر" تبلی کے لفظی معنی امتحان لینے اور آزمانے کے ہیں، اور سرائر کے معنی ہیں مخفی امور، مطلب یہ ہے قیامت کے روز انسان کے تمام عقائد وخیالات اور نیت وعزم جو دل میں پوشیدہ تھے دنیا میں اس کو کوئی نہ جانتا تھا، اسی طرح وہ اعمال وافعال جو اس نے چھپ کر کئے، دنیا میں کسی کو ان کی خبر نہیں۔ محشر میں سب کا امتحان لیا جائے گا یعنی سب کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالی قیامت کے روز انسان کے ہر مخفی راز کو کھول دیگا، ہر اچھے برے عقیدے اور عمل کی علامت انسان کے چہرے پر، یا زینت ہو کر یا ظلمت وسیاہی کی صورت میں ظاہر کر دی جائی گی۔ (قرطبی)۔

"و السماء ذات الرجع" رجع کے معنی اس بارش کے ہیں جو پے در پے ہو کہ ایک مرتبہ بارش ہو کر ختم ہو جائے اور پھر لوٹے۔

"انہ لقول فصل" یعنی قران کریم ایک فیصلہ کن قول ہے جو حق وباطل میں فیصلہ کرتا ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول پاک ﷺ سے سنا ہے کہ قران کے متعلق فرمایا: "کتاب فیہ خبر ماقبلکم وحکم مابعدکم وھو الفصل لیس بالھزل" یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں تم سے پہلی امتوں کے حالات واخبار ہیں اور تمہارے بعد آنے والوں کے لئے احکام ہیں، وہ فیصلہ کن قول ہے ہنسی مزاق نہیں۔ ترمذی۔

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ﴿۳﴾ وَالَّذِیْ أَخْرَجَ الْمَرْعٰی ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُ غُثَآءً أَحْوٰی ﴿۵﴾

اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا (پھر اس کو) رستہ بتایا۔ اور جس نے چارہ اگایا پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا۔

سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی ﴿۶﴾ إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ إِنَّهُ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی ﴿۷﴾

ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم فراموش نہ کرو گے۔ مگر جو اللہ چاہے وہ کھلی بات کو بھی جانتا ہے اور چھپی کو بھی۔

وَنُیَسِّرُکَ لِلْیُسْرٰی ﴿۸﴾ فَذَکِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی ﴿۹﴾

ہم تم کو آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔ سو جہاں تک نصیحت (کے) نافع (ہونے کی امید) ہو نصیحت کرتے رہو۔

سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ﴿۱۰﴾ وَیَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقٰی ﴿۱۱﴾

جو خوف رکھتا ہے وہ تو نصیحت پکڑے گا۔ اور (بے خوف) بدبخت پہلوتہی کرے گا۔

الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی ﴿۱۳﴾

جو (قیامت کو) بڑی (تیز) آگ میں داخل ہو گا۔ پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ﴿۱۴﴾ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾

بیشک وہ مُراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّأَبْقٰی ﴿۱۷﴾

مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔

إِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْأُوْلٰی ﴿۱۸﴾ صُحُفِ إِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی ﴿۱۹﴾

یہی بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

سورة الغاشية(مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

هَلْ أَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾

بھلا تم کو ڈھانپ لینے والی (یعنی قیامت کا) حال معلوم ہوا ہے؟ اس روز بہت سے منہ (والے) ذلیل ہوں گے۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿٣﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ﴿٤﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ ﴿٥﴾

سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے۔ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ ایک کھولتی ہوئے چشمے کا ان کو پانی پلایا جائے گا۔

لَّيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿٦﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ﴿٧﴾

اور خاردار جھاڑ کے سوا ان کے لئے کوئی کھانا نہیں (ہوگا)۔ جو نہ فربہی لائے نہ بھوک میں کچھ کام آئے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾

اور بہت سے منہ (والے) اس روز شاداں ہوں گے۔ اپنے اعمال (کی جزا) سے خوشدل۔ بہشت بریں میں۔

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿١٣﴾

وہاں کسی طرح کی بکواس نہیں سنیں گے۔ اس میں چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ وہاں تخت ہوں گے اونچے بچھے ہوئے۔

وَّأَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾

اور آبخورے (قرینے سے) رکھے ہوئے۔ اور تکئے کی قطار لگے ہوئے۔ اور نفیس مسندیں بچھی ہوئی۔

أَفَلَا يَنْظُرُوْنَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾

کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کئے گئے ہیں؟ اور آسمان کی طرف کہ کیسا بلند کیا گیا ہے؟

وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾

اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں۔اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾

تو تم نصیحت کرتے رہو کہ تم نصیحت کرنے والے ہی ہو۔ تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔

إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾

ہاں جس نے منہ پھیرا اور نہ مانا۔ تو اللہ اس کو بڑا عذاب دے گا۔

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

بیشک ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم ہی کو ان سے حساب لینا ہے۔

سورة الفجر (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالْفَجْرِ ﴿١﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿٢﴾ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ﴿٤﴾

فجر کی قسم! اور دس راتوں کی ۔اور جفت اور طاق کی (نماز)۔ اور رات کی جب جانے لگے۔ [١]

---

[١] حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں کہ: بعض لوگوں نے "فجر" سے عیدالاضحیٰ کی صبح اور دس راتوں سے مراد، ذوالحجۃ کی پہلی دس راتیں لیں ہیں، (ابن کثیر)۔

ایک موقوف روایت ہے کہ عشرے سے مراد عیدالاضحیٰ کے پہلے دس دن ہیں اور "وتر" سے مراد عرفے کا دن ہے، اور "شفع" سے مراد قربانی کا دن ہے۔ (مسند احمد: ٣٢٧/٣)۔=

هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ﴿٥﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ

بیشک اس میں پوراحصہ ہے عقل والوں کے لئے ،کیاتم نے نہیں دیکھا

رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ

کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (جو) ارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد۔ کہ تمام ملک میں

مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾

ایسے پیدا نہیں ہوئے تھے۔اورثمود کی ساتھ (کیا کیا) جو وادیٔ (قریٰ) میں پتھر تراشتے (اور گھر بناتے) تھے۔

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾

اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو میخیں رکھتا تھا۔ یہ لوگ ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے۔

= ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:ان دس دنوں سے مراد ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔(تفسیر البغوی)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں،ان دنوں میں بنیادی عبادات ، جوکہ،نماز،روزہ،صدقہ اورحج ہیں۔وہ سب اکھٹی ہوجاتی ہیں،اوروہ ان کے علاوہ کسی دوسرے دنوں میں جمع نہیں ہوتیں،اس لئے یہ وجہ عشرۃ ذوالحجہ کی امتیازی شان کی معلوم ہوتی ہے۔(فتح الباری:٢/٤٦٠)۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ: نبی کریمﷺ نے فرمایا:کسی بھی دن میں(کیاہوا)اچھا کام اللہ تعالیٰ کوان دس دنوں میں(کئے جانے والے نیک)عمل سے زیادہ پیارانہیں۔انہوں(صحابہ)نے عرض کیا کہ یارسول اللہ!(دوسرے دنوں میں کیاہوا)جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں،ہاں مگروہ شخص جواپنی مال وجان کے ساتھ(راہ جہاد میں)نکلےاورکچھ واپس لےکرنہ آئے۔(ابوداؤد:٢٤٣٤)۔

آپؐ نے ان دنوں کے متعلق فرمایا:فاكثروا فيهن من التهليل و التكبيرو التحميد۔ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں کثرت کے ساتھ تکبیروتہلیل اورحمدوثناء بیان کرو۔(مسنداحمد:٥٤٤٦)۔

فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾

اور ان میں بہت سی خرابیاں کرتے تھے۔تو تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا نازل کیا۔

إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ

بیشک تمہارا پروردگار تاک میں ہے۔مگر انسان (عجیب مخلوق ہے کہ) جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے

فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾

کہ اسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے کہ (آہا) میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی۔

وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾

اور جب (دوسری طرح) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ (ہائے) میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا

كَلَّا بَلْ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾

نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی خاطر نہیں کرتے۔ اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا ﴿١٩﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

اور میراث کے مال کو سمیٹ کرکھا جاتے ہو۔ اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾

تو جب زمین کی بلندی کوٹ کوٹ کر پست کر دی جائے گی۔اورتمہارا پروردگار اور فرشتے قطار باندھ کرآ موجود ہوں گے

وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٢٣﴾

اور دوزخ اس دن حاضر کی جائے گی تو انسان اس دن متنبہ ہوگا مگر تنبہ (سے) اسے (فائدہ) کہاں (مل سکے گا)؟

يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾

کہے گا کاش میں نے اپنی زندگی (جاودانی کے لئے) کچھ آگے بھیجا ہوتا۔تو اس دن نہ کوئی اللہ کے عذاب کی طرح کا عذاب دے گا

وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يَٰٓأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِىٓ إِلَىٰ

اور نہ کوئی ویسا جکڑنا جکڑے گا۔ اے اطمینان پانے والی روح! ۔اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل

رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِى فِى عِبَادِى ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِى جَنَّتِى ﴿٣٠﴾

تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔تو میرے (ممتاز) بندوں میں داخل ہو۔اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

سورة البلد(مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

لَآ أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ﴿١﴾ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ﴿٢﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿٣﴾

ہمیں اس شہر (مکہ) کی قسم[1] اور تم اسی شہر میں تو رہتے ہو۔ اور باپ (یعنی آدم) اور اس کی اولاد کی قسم!

---

[1] حرف 'لا' اس جگہ زائد ہے اور قسموں میں یہ حرف زائد لانا عرب کے محاورہ میں معروف ہے،اور زیادہ اصح یہ ہے کہ یہ حرف مخاطب کے باطل خیال کی تردید کے لئے شروع قسم میں لایا جاتا ہے،جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو تم نے خیال باندھ رکھا ہے وہ نہیں، بلکہ ہم قسم کے ساتھ کہتے ہیں کہ حقیقت وہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں،اور "البلد" سے مکہ مکرمہ مراد ہے جیسا کہ " و التین" میں بھی شہر مکہ کی قسم کھائی ہے،اور اس کے ساتھ اس کی صفت " آمین" بھی بیان فرمائی "و ھذا البلد الامین" شہر مکہ کی قسم کھانا اس شہر کی بہ نسبت دوسرے شہروں کے شرافت و افضلیت کو بتلانا ہے۔عبداللہ بن عدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے وقت شہر مکہ کو خطاب کر کے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ تو ساری زمین میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے،اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا جاتا تو میں تیری زمین سے نہ نکلتا (رواہ الترمذی،رقم:٣٩٢٦،وابن ماجہ۔وغیرہ)

"وانت حل بھذا البلد" لفظ" حل" میں دو احتمال ہیں،ایک یہ کہ حلول سے مشتق ہو جس کی معنی کسی شی کے

اندر سمانے اور رہنے اور اترنے کے آتے ہیں، اس اعتبار سے " حل " کے معنی اترنے والے اور رہنے والے کے ہونگے۔

اور مراد آیت کی یہ ہوگی کہ شہر مکہ خود بھی مکرم اور محترم ہے، خصوصا جبکہ آپ بھی اس شہر میں رہتے ہیں، تو مکین کی فضیلت سے بھی مکان کی فضیلت بڑھ جاتی ہے، اسلئے شہر کی عظمت وحرمت آپ کے اس مقیم ہونے سے دوہری ہوگئی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ " حل " مصدر حلت سے مشتق ہو جس کے معنی کسی چیز کے حلال ہونے کے ہیں، اس اعتبار سے لفظ " حل " کے دو معنے ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آپ کو کفار مکہ نے حلال سمجھ رکھا ہے کہ آپ کے قتل کے درپے ہیں حالانکہ وہ خود بھی شہر مکہ میں کسی شکار کو بھی حلال نہیں سمجھتے مگر ان کا ظلم وسرکشی اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ جس مقدس مقام پر کسی جانور کا قتل بھی جائز نہیں اور خود ان لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے وہاں انہوں نے اللہ کے رسول کا قتل وخون حلال سمجھ لیا ہے دوسرے معنی " حل " کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے حرم مکہ میں قتال کفار حلال ہونے والا ہے، جیسا کہ فتح مکہ میں ایک روز کے لئے آپ سے احکام حرم اٹھا لئے گئے تھے۔

"ووالد وما ولد "والد سے مراد آدم علیہ السلام ہیں، جو سب انسانوں کے باپ ہیں، اور ما ولد سے ان کی اولاد مراد ہے جو ابتدائے دنیا سے قیامت تک ہوگی۔ اس طرح اس لفظ میں آدم علیہ السلام اور تمام بنی آدم کی قسم ہوگئی۔ آگے جواب قسم مذکور ہے۔

"لقد خلقنا الانسان فی کبد "کبد کے لفظی معنی محنت ومشقت کے ہیں۔ معنے یہ ہیں کہ انسان اپنی فطرت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اول عمر سے اخر تک محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: کہ کوئی مخلوق اتنی مشقتیں نہیں جھیلتی جتنی انسان برداشت کرتا ہے باوجودیکہ وہ جسم اور جثہ میں اکثر جانوروں کی نسبت ضعیف وکمزور ہے، ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دماغی قوت سب سے زیادہ ہے اس لئے اس کی تخصیص کی گئی، مکہ مکرمہ اور آدم واولاد آدم علیہ السلام کی قسم کھا کر حق تعالی نے اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ انسان کو ہم نے شدت ومحنت اور مشقت ہی میں اور اسی کے لئے پیدا کیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ انسان خود بخود پیدا نہیں ہوگیا، یا اس کو کسی دوسرے انسان نے جنم نہیں دیا بلکہ اس کا پیدا کرنے والا ایک قادر مختار ہے جس نے اپنی حکمت سے ہر مخلوق کو خاص خاص مزاج اور خاص اعمال وافعال کی استعداد دیکر پیدا کیا ہے، اگر انسان کی تخلیق میں خود انسان کو کچھ دخل ہوتا تو وہ اپنے لئے یہ محنتیں مشقتیں کبھی تجویز نہ کرتا۔ (قرطبی)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ﴿۴﴾ أَيَحْسَبُ أَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿۵﴾

کہ ہم نے انسان کو تکلیف (کی حالت) میں (رہنے والا) بنایا ہے۔ کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پائے گا؟

يَقُوْلُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ أَيَحْسَبُ أَنْ لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿۷﴾

کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال برباد کیا۔ کیا اسے یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟

أَلَمْ نَجْعَلْ لَّهُ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾

بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں؟ اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے)؟

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾

(یہ چیزیں بھی دیں) اور اس کو (خیر و شر کے) دونوں رستے بھی دکھا دیئے۔ مگر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہ گزرا۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ أَوْ إِطْعَامٌ

اور تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے؟ کسی (کی) گردن کا چھڑانا۔ یا بھوک کے دن

فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ أَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾

کھانا کھلانا۔ یتیم رشتہ دار کو۔ یا فقیر خاکسار کو

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾

پھر ان لوگوں میں بھی (داخل) ہوا جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت کی اور (لوگوں پر) شفقت کرنے کی وصیت کرتے رہے

أُولٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيَاتِنَا

یہی لوگ صاحبِ سعادت ہیں۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا

هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

وہ بدبخت ہیں۔ یہ لوگ آگ میں بند کر دیئے جائیں گے۔

سورة الشمس (مکیة)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰهَا ﴿۱﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿۳﴾

سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی[ا] اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے۔ اور دن کی جب اسے چمکا دے۔

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰهَا ﴿۴﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿۵﴾ وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿۶﴾

اور رات کی جب اسے چھپا لے۔ اور آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا۔ اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے پھیلایا

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴿۷﴾ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا ﴿۸﴾

اور انسان کی اور اس کی جس نے اس (کے اعضاء) کو برابر کیا۔ پھر اس کو بدکاری (سے بچنے)

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا ﴿۹﴾ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰهَا ﴿۱۰﴾

اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی۔ کہ جس نے (اپنے) نفس کو پاک رکھا وہ مُراد کو پہنچا۔ اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰٮهَاۤ ﴿۱۱﴾ اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰٮهَا ﴿۱۲﴾

(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر کو) جھٹلایا۔ جب ان میں سے ایک نہایت بدبخت اٹھا۔

فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوۡهُ

تو اللہ کے پیغمبر (صالح) نے ان سے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے حذر کرو۔ مگر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا

فَعَقَرُوۡهَا فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰٮهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا ﴿۱۵﴾

اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو اللہ نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو ہلاک کر کے برابر کر دیا۔ اور اس کو ان کے بدلا لینے کا کچھ بھی ڈر نہیں

[ا] اس سورت کے شروع میں سات چیزوں کی قسم آئی ہے، اور ساتوں چیزوں کے ساتھ ان کی حالت کمال کے

اعتبار سے کچھ اوصاف اور قیود ذکر کئے گئے ہیں۔پہلی قسم ”و الشمس و ضحٰھا “ یہاں اگر چہ ” ضحا“کو واو عطف کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر بقرینہ بعد کی اشیاء کے ضحا کا ذکر بطور وصف شمس کے ہے،یعنی قسم ہے افتاب کی جبکہ وہ وقت ضحیٰ میں ہو۔

ضحٰی اس وقت کو کہا جاتا ہے جب افتاب طلوع ہو کر کچھ بلند ہو جائے اور اس کی روشنی زمین پھر پھیل جائے ،اس وقت میں وہ انسان کو قریب نظر آتا ہے اور تمازت زیادہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پوری طرح دیکھ بھی سکتے ہیں۔

دوسری قسم ”و القمر اذاتلٰھا “یعنی چاند کی قسم جبکہ وہ آفتاب کے پیچھے آئے ،اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب چاند غروب افتاب کے بعد طلوع ہو اور یہ مہینہ کے وسط میں ہوتا ہے۔جبکہ چاند تقریباً مکمل ہوتا ہے اور پیچھے آنے کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح کہ ضحیٰ کے وقت میں آفتاب بکمال نظر آتا ہے اسی طرح جبکہ چانداس کے پیچھے آئے یعنی کامل ہونے میں آفتاب کے تابع ہو جائے۔

تیسری قسم ”و النھار اذاجلٰھا ،جلھا کی ضمیر زمین یا دنیا کی طرف بھی راجع ہوسکتی ہے اگر چہ اس سے پہلے زمین اور دنیا کا ذکر نہیں آیا مگر محاورات عرب میں ایسی چند چیزیں جو عموماانسانوں کے سامنے رہتی ہیں ان کی طرف بغیر ذکر ماسبق کے بھی ضمیر راجع کر دینا مشہور ومعروف ہے،اور قران کریم میں بھی اس کی نظائر موجود ہیں،اس اعتبار سے معنی یہ ہوئے کہ قسم ہے دن کی اور دنیا کی یا زمین کی جس کو دن نے روشن کر دیا ہے،اس میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ دن کی قسم اس حالت کے اعتبار سے ہے جبکہ وہ پوری طرح روشن ہو جائے ،اور عبارت کے اعتبار سے ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر افتاب کی طرف راجع ہو،اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ قسم ہے دن کی جبکہ وہ آفتاب کو روشن کر دے۔یہ اسناد مجازی ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ جب دن نکل آنے کے سبب افتاب روشن نظر آنے لگے۔

چوتھی قسم ”و اللیل اذایغشٰھا “یعنی قسم ہے رات کی جبکہ وہ آفتاب پر چھا جائے یعنی افتاب کی روشنی کو مستور کر دے۔

پانچویں قسم ”و السماء و مابنٰھا “اس میں سباق نظم کے اعتبار سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ مابنٰھا میں صرف ”ما“ کو مصدر یہ قرار دیکر معنی یہ لئے جاویں کہ قسم ہے آسمان اور اس کے بنانے کی جیسا کہ قران کریم میں ہے ”بماغفرلی ربی “[یٰسٓ:۲۷]

اسی طرح چھٹی قسم ”والارض و ماطحٰھا“ میں ما بمعنی مصدر لیکر ترجمہ یہ ہوا کہ قسم ہے زمین اور اس کے بچھانے پھیلانے کی۔کیونکہ طحو مصدر کے معنی بچھانے اور پھیلانے کے آتے ہیں،اس میں آسمان کیساتھ بنانیکا اور زمین کے ساتھ بچھانے پھیلانے کا ذکر بھی اسی حالت کمال کو بتلانے کے لئے ہے کہ قسم ہے آسمان کی اس حالت میں جبکہ اس کی تخلیق

وتکوین مکمل ہوگئی اور قسم ہے زمین کی جبکہ اس کو پھیلا کر اس کی تخلیق مکمل کر دی گئی۔قتادہؒ وغیرہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ کشاف اور بیضاوی وقرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے،اور بعض مفسرین نے اس جگہ صرف ما کو بمعنی ''من'' لیکر اس کی مراد حق تعالیٰ کی ذات لی ہے کہ قسم آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی۔

اسی طرح ''و الارض وماطحٰھا '' کا مفہوم یہ بیان کیا گیا کہ قسم ہے زمین اور اس کے پھیلانے والے کی،مگر یہاں جتنی قسمیں ابتک مذکور ہوئیں اور جو آگے آرہی ہیں وہ سب مخلوقات کی قسمیں ہیں ،درمیان میں ذات حق کی قسم آجانا نسق اور ترتیب سے بعید معلوم ہوتا ہے اور اس صورت میں جو اوپر لکھی گئی ہے یہ اشکال بھی نہیں لازم آتا کہ مخلوقات کی قسم کو ذات خالق پر مقدم کیوں بیان کیا گیا؟ واللہ اعلم۔

ساتویں قسم'' ونفس وماسواھا ''اس میں بھی ما کو مصدر یہ لیا جائے،تو معنی یہ ہیں کہ قسم ہے انسانی جان کی اور اس کے درست ومتناسب کرنے کی،اور اگر ما کو بمعنی من لیا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ قسم ہے نفس کی اور اس کے برابر و درست کرنے والے کی،'تسویہ'یعنی درست اور برابر کرنے کا مفہوم اس سے پہلے سورت میں آچکا ہے۔

''فالھمھا فجورھا وتقواھا ''الہام کے معنی دل میں ڈالنا فجور کے معنی کھلا گناہ اور تقوی کا مفہوم معروف ومشہور ہے یہ جملہ بھی ساتویں قَسَم کے ساتھ مربوط ہے،یعنی اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو بنایا،پھر اس کے دل میں فجور اور تقویٰ دونوں کا الہام کر دیا،مراد یہ ہے کہ نفس انسانی کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے گناہ اور طاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھدی ہے، پھر انسان کو ایک خاص قسم کا اختیار اور قدرت دے دی کہ وہ اپنے اختیار سے گناہ کی راہ اختیار کر لے یا طاعت کی،جب وہ اپنے قصد و اختیار سے ان میں سے کوئی راہ اختیار کرتا ہے تو اسی قصد و اختیار پر اس کو ثواب یا عذاب ملتا ہے،اس تفسیر سے وہ شبہ رفع ہوگیا کہ گناہ اور طاعت جب خود انسان کی تخلیق میں رکھدی گئی،تو وہ اس کے کرنے پر مجبور ہوا،ایسی صورت میں وہ نہ کسی ثواب کا مستحق ہے نہ عذاب کا،اور یہ تفسیر ایک حدیث مرفوع سے مستفاد ہے جو صحیح مسلم میں عمران بن حصینؓ کی روایت سے آئی ہے کہ بعض لوگوں نے نبی ﷺ سے مسئلہ تقدیر کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔اس آیت سے مسئلہ تقدیر کے شبہ کا جواب اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ الہام،فجور و تقویٰ سے مراد یہ لیا جائے کہ دونوں کے مادے اور استعدادیں اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کے اندر رکھدیئے ہیں،اور اس کو ان میں سے کسی ایک پر مجبور کیا،مگر ایسا نہیں بلکہ اُس کو قدرت و اختیار دیا کہ ان میں سے جس کو جی چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو بلند آواز سے یہ دعاء پڑھا کرتے تھے:اللّٰھُمَّ اٰتِ =

سورۃ اللیل (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَاللَّیۡلِ إِذَا یَغۡشٰی ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰی ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالۡأُنۡثٰٓی ﴿۳﴾

رات کی قسم جب (دن کو) چھپالے۔ اور دن کی قسم جب چمک اٹھے۔ اور اس (ذات) کی قسم جس نے نر اور مادہ پیدا کیئے۔

إِنَّ سَعۡیَكُمۡ لَشَتّٰی ﴿۴﴾ فَأَمَّا مَنۡ أَعۡطٰی وَاتَّقٰی ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ﴿۶﴾

کہ تم لوگوں کی کوشش طرح طرح کی ہے۔ تو جس نے (اللہ کے رستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی۔ اور نیک بات کو سچ جانا

=نَفۡسِیۡ تَقۡوٰهَا اَنۡتَ وَلِیُّهَا وَمَوۡلَاهَا وَاَنۡتَ خَیۡرُ مَنۡ زَكّٰهَا : یعنی یا اللہ میرے نفس کو تقویٰ کی توفیق عطا فرما، آپ ہی میرے نفس کے ولی اور مربی ہیں۔ [مسند احمد ۶/۲۰۹] ان سات قسموں کے بعد جواب قسم میں فرمایا: قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا: یعنی بامراد ہو وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا، تزکیہ کے اصلی معنی باطنی پاکی کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرلیا۔ اور محروم ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا۔ فدمدم علیھم ربھم بذنبھم فسوّٰھا : لفظ دمدمۃ ایسے سخت عذاب کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی شخص یا قوم پر بار بار آتا رہے یہاں تک کہ ان کو بالکل فنا کردے اور لفظ فسوّٰھا کا مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب پوری قوم پر محیط ہوگیا جس میں مرد، عورت، بچہ، بوڑھا سب برابر ہوگئے۔ آخر میں فرمایا: ولا یخاف عقبٰھا : یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب اور کسی قوم کو تباہ کردینے کے معاملے کو دنیا کے معاملات کی طرح نہ سمجھ کہ اس میں بڑے سے بڑا بادشاہ صاحب قوت وشوکت بھی جب کسی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جس میں پوری قوم کی ہلاکت ہے، تو اس کو خود بھی یہ خطرہ رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اُن کے بقایا یا ان کے حامی لوگ ہم سے انتقام لیں اور بغاوت کرنے لگیں ۔"واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم"

فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ﴿٨﴾

اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا۔

وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى ﴿١٠﴾

اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا۔ اسے سختی میں پہنچائیں گے۔

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدّٰى ﴿١١﴾ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿١٢﴾

اور جب وہ (دوزخ کے گڑھے میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ ہمیں تو راہ دکھا دینا ہے۔

وَإِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْأُوْلٰى ﴿١٣﴾ فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾

اور آخرت اور دنیا ہماری ہی چیزیں ہیں۔ سومیں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا۔

لَا يَصْلٰهَآ إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٦﴾

اس میں وہی داخل ہو گا جو بڑا بدبخت ہے ۔جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهُ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ

اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ بچا لیا جائے گا۔ جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو۔ اور (اس لئے) نہیں کہ اس پر کسی کا احسان جس کا

نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلٰى ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾

وہ بدلا اتارتا ہے۔ بلکہ اپنے رب (الاعلیٰ) کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔ اور وہ عنقریب خوش ہو جائے گا۔

سورة الضحى (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالضُّحٰى ﴿١﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى ﴿٢﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ

آفتاب کی روشنی کی قسم[1]۔اور رات (کی تاریکی کی) جب چھا جائے۔ کہ (اے محمد ﷺ!) تمہارے پروردگار نے نہ تو تم کو چھوڑ

وَمَا قَلٰى ﴿٣﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولٰى ﴿٤﴾

اور نہ (تم سے) ناراض ہوا۔ اور آخرت تمہارے لئے پہلی (حالت یعنی دنیا) سے کہیں بہتر ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿٥﴾ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى ﴿٦﴾

اور تمہیں پروردگار عنقریب وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ بھلا اس نے تمہیں یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ﴿٨﴾

(بیشک دی) اور رستے سے ناواقف دیکھا تو سیدھا رستہ دکھایا۔ اور تنگدست پایا تو غنی کر دیا۔

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَأَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾

تو تم بھی یتیم پر ستم نہ کرنا ۔اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾

اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کرتے رہنا۔

---

[1] و الضحیٰ جمہور مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی مصلحت سے چند دن جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر نہ آئے، تو مشرکین نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد ﷺ کا رب اس سے ناراض ہو گیا ہے، اور اس نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی جس میں مشرکین کی خرافات کا جواب دیا گیا، اور نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اللہ تعالی نہ آپ سے ناراض ہو گیا ہے، اور نہ اس نے آپ کو چھوڑ ہی دیا ہے۔ (ابن کثیر) ' و الضحی' چاشت کا وقت دن کا اجالا۔

'سجی' ای غطی بظلامه (جلالین) ہر چیز کو اپنی تاریکی میں چھپا لے، روز روشن اور شب تاریک کی قسم کہ اللہ تعالی نے نہ آپ کو چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہو گیا ہے، جس طرح دن کا اجالا اور رات کی تاریکی یکساں نہیں

ہیں اسی طرح تمام حالات یکساں نہیں ہیں کبھی قبض اور کبھی بسط کسی وقت آسودگی اور کسی وقت تنگی ہوتی ہے، یہی حال وحی کا ہے کہ کبھی آتی ہے اور کبھی نہیں آتی۔

ولـلآخـرة. اخرت کا حال بیان کر کے مزید تسلی فرمادی۔ دنیا میں تو مختلف احوال آتے ہی رہیں گے کبھی راحت اور کبھی مشقت، اگر چہ دنیا میں بھی سراسر بہتری ہی ہے لیکن آخرت آپ کے لئے دنیا کے مقابلے میں بہت ہی بہتر ہے کیونکہ آخرت میں سب سے اونچا اور عظیم مقام یعنی مقام محمود آپ کے لئے مخصوص ہے۔

''الـم یـجـدک'' آپ کے ابتدائی حالات یاد دلا کر اور تین انعامات ذکر کر کے تسلی کے لئے شواہد بیان فرمادیئے، ہر لاحق انعام سابق کے بعد ہوا ہے۔ استفہام تقریری ہے آپ یتیم رہ گئے تو اللہ تعالی نے دوسروں کے ذریعے سے آپ کی پرورش کرائی۔ جب آپ جوان ہوئے تو دین کا راستہ نہیں جانتے تھے تو اللہ تعالی نے آپ پر قران نازل کر کے آپ کو شریعت سکھائی اور راستہ بتایا۔ پھر آپ فقیر اور تنگدست تھے تو اللہ تعالی نے آپ کو غنی کر دیا مکہ مکرمہ میں خدیجہؓ کے مال سے یا مدینہ میں غنائم وانفال سے ای فـاغـنـاک بـخـدیـجـةؓ وقیـل اغناک بمافتح لک من الفتوح وافائه عـلیک من امـوال الـکـفـار (قرطبی) مگر دوسری توجیہ پر علامہ قشیری نے اعتراض کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اغناء مکہ میں حاصل ہو چکا تھا لیکن غنائم وانفال اس کے بعد مدینہ میں حاصل ہوئے لہٰذا جس غنا کی طرف اس سورت میں اشارہ ہے اس سے مدینہ کا غنی مراد نہیں ہوسکتا۔

''ضـالا'' اگر چہ اس کو بھی کہا جا سکتا ہے جو راہ راست پر آنے کے بعد گمراہ ہو جائے اور راہ راست سے ہٹ جائے لیکن یہ لفظ اس مفہوم کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ یہ بے خبر اور غافل کے معنوں میں بھی آتا ہے، یعنی جس کو ابھی خبر ہی نہ ہو۔ یہاں یہی مراد ہے یعنی آپ کو اس کی خبر ہی نہ تھی کہ آپ کو نبوت دی جائی گی، اور آپ پر قران نازل کیا جائے گا۔ ضالاعن معالم الـنبـوة واحکام الشریعة غافلاعن کل مالاطریق الی درکه الا السمع، فهدی ای فهداک الی معالم الـدیـن (مـظهـری) ای غـافـلاعـمایرادبک من امر النبوة فهداک ای ارشدک، والضلال هنابمعنی الـغـفـلة (قـرطبـی) جیسـا کـه وإن کـنـت من قبله لمن الغافلین (یوسف: ۸) وماکنت تدری ماالکتاب (شوری: ۵۲) ۔ وامـابـنعمتک ربک فحدث، یہ ووجـدک عـائلافاغنی پر متفرع ہے۔ اللہ تعالی نے آپ کو دولت عطا کی اس لئے اللہ تعالی کی اس نعمت کا شکر ادا کرو اور اس کا اقرار اور اعتراف کر کیونکہ جب تنگی کے بعد فراخی آتی ہے تو اس کا خوب اقرار ہوتا ہے۔

سورۃ الانشراح (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

أَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ﴿۱﴾ وَوَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ﴿۲﴾

(اے محمد ﷺ!) کیا ہم نے تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ (بیشک کھول دیا)۔ اور تم پر سے بوجھ بھی اتار دیا

الَّذِیۡ أَنۡقَضَ ظَہۡرَکَ ﴿۳﴾ وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ ﴿۴﴾

جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی۔اورہم نے تمہارا ذکر بلند کیا۔

فَإِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ﴿۵﴾ إِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ﴿۶﴾

ہاں ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ (اور) بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

فَإِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ﴿۷﴾ وَإِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ﴿۸﴾

تو جب فارغ ہوا کرو تو (عبادت میں) محنت کیا کرو۔ اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جایا کرو۔

سورۃ التین (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ ﴿۱﴾ وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ﴿۲﴾ وَھٰذَا الۡبَلَدِ الۡأَمِیۡنِ ﴿۳﴾

انجیر کی قسم اور زیتون کی۔ اور طُورِ سنین کی۔ اور اس امن والے شہر کی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ ﴿۵﴾

کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔ پھر (رفتہ رفتہ) اس (کی حالت) کو پست سے پست کر دیا

إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾

مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بے انتہا اجر ہے۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴿۷﴾ أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ﴿۸﴾

تو (اے بنی آدم) پھر تو جزا کے دن کو کیوں جھٹلاتا ہے؟ کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ [1]

---

[1] ''و التین'' ازقبیل ذکر مکان وارادہ مکین، یہ ابراہیم علیہ السلام سے دلیل نقلی کی طرف اشارہ ہے اور تین '(انجیر) سے منبت تین یعنی انجیر کے پیدا ہونے کی جگہ مراد ہے، اور وہ ملک شام ہے۔ جہاں انجیر بکثرت پیدا ہوتی ہے، اور ملک شام ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہجرت ہے جہاں ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی تھی۔

''و الزیتون'' یہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے دلیل نقلی کی طرف اشارہ ہے اور اس سے بھی منبت زیتون یعنی بیت المقدس مراد ہے، جو عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے المرادمن الکلام القسم بمنابت التین ومنابت الزیتون (ابن جریر، قرطبی)۔ ''وطور سینین'' یہ موسیٰ علیہ السلام سے دلیل نقلی ہے سینین وہی مشہور پہاڑ یعنی طور سینا ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام کو رب جل جلالہ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔

''وھذا البلد الامین'' اس سے مکہ مکرمہ مراد ہے اور یہ دلیل وحی کی طرف اشارہ ہے امین بمعنی امن ہے یعنی پرامن جیسا کہ دوسری جگہ اشارہ ہے اناجعلنا حرما امنا (عنکبوت: ۶۷)۔

''لقد خلقنا'' ۔ یہ مذکورہ بالا قسموں کا جواب ہے، دمشق بیت المقدس طور سینا اور مکہ مکرمہ گواہ ہیں ان شہروں میں انبیاء علیہم السلام پر ہم نے جو وحی بھیجی وہ شاہد ہیں اور اس میں اس کا بیان ہے کہ ہم نے انسان کو اپنی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ احسن اور اجمل پیدا کیا ہے ظاہری حسن و جمال کے اعتبار سے بھی اور باطنی خوبیوں کے لحاظ سے بھی۔ قال ابن العربی لیس للہ تعالی خلق احسن من الانسان (قرطبی)۔=

سورة العلق (مکیة)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ﴿۲﴾

(اے محمد ﷺ!) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔

اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ﴿۵﴾

پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا

= "ثم رددناہ" باغیوں اور سرکشوں کے لئے تخویف اخروی ہے انسان کو ہم نے ظاہری اور باطنی خوبیوں سے نوازا مگر جب اس نے عقل سے کام نہ لے کر ہماری اطاعت سے سرتابی کی، تو ہم نے اس کو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں دھکیل دیا۔ یعنی ہم نے اس کے لئے اس سزا کا فیصلہ کردیا۔

"الا الذین" یہ مومنوں کے لئے بشارت اخرویہ ہے جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کئے ان کے لئے اخرت میں کبھی ختم نہ ہونے والا اجر وثواب ہے۔ جنت میں ان کو جو نعمتیں ملیں گی وہ کبھی ختم نہ ہونگی۔

"فمایکذبک" یہ جواب قسم پر متفرع ہے مذکورہ بالا بیان کے بعد کونسی چیز تمہیں حشر ونشر و جزا وسزا کے انکار پر امادہ اور مجبور کرتی ہے؟ اللہ تعالی کا انسان کو احسن تقویم میں پیدا کرنا اور ایک قطرہ آب سے ایسے عظیم الشان اور خوبیوں میں ساری مخلوق سے اعلیٰ وارفع مخلوق پیدا کرلینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس لئے حشر ونشر و جزا وسزا کا انکار نہایت ہی قابل تعجب بات ہے۔

"الیس اللہ" یہ دلیل عقلی ہے اللہ تعالی تمام بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ اسکا یہ فیصلہ ہے کہ حشر ونشر اور جزاء وسزا حق ہے۔

كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ﴿٦﴾ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ﴿٧﴾

مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے۔[1] جب کہ اپنے تئیں غنی دیکھتا ہے۔

إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ﴿٨﴾ أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ﴿٩﴾

کچھ شک نہیں کہ (اس کو) تمہارے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔

عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ﴿١٠﴾ أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ﴿١٢﴾

ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے۔ بھلا دیکھو تو اگر یہ راہِ راست پر ہو۔ یا پرہیزگاری کا حکم کرے؟

أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾

اور دیکھ تو اگر اس نے دینِ حق کو جھٹلایا اور اس سے منہ موڑا (تو کیا ہوا)؟ کیا اس کو معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾

دیکھو اگر وہ باز نہ آئے گا تو ہم (اس کی) پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ یعنی اس جھوٹے خطا کار کی پیشانی کے بال

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ﴿١٩﴾

تو وہ اپنے یاروں کی مجلس کو بُلا لے۔ ہم بھی اپنے ملائک کو بلائیں گے۔ دیکھو اس کا کہا نہ ماننا اور قربِ حاصل کرتے رہنا۔

---

[1] صحیحین اور دوسری معتبر روایات سے ثابت اور جمہور سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وحی کی ابتداء سورۂ علق یعنی اقرأ سے ہوئی ہے، اور اس سورۃ کی ابتدائی پانچ آیتیں ”مالم یعلم“ تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ بعض مفسرین نے سورۂ مدثر کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے سورۂ فاتحہ کو۔ امام بغوی نے فرمایا کہ جمہور سلف وخلف کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلی سورۂ اقرأ کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ کذا روی عن ابن عباسؓ و الزھری وعمرو بن دینار (درمنثور)

اور جن لوگوں نے سورۂ مدثر کو پہلی سورت فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرأ کی پانچ آیتیں نازل ہونے کے

بعد نزول قرآن میں ایک مدت تک توقف رہا، جس کو زمانہ فترت کہا جاتا ہے، اور وحی کی تاخیر و توقف سے رسول اللہ ﷺ کو سخت رنج و غم پیش آیا، اس کے بعد اچانک پھر جبرئیل امین سامنے آئے اور سورۂ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں، اس وقت بھی نبی کریم ﷺ پر نزول وحی اور ملاقات جبرئیل سے وہ ہی کیفیت طاری ہوئی جو سورۂ اقراء کے نزول کے وقت پیش آئی تھی، اس طرح فترت کے بعد سب سے پہلے سورت مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اس لحاظ سے اس کو بھی پہلی سورت کہہ سکتے ہیں، اور سورۂ فاتحہ کو جن لوگوں نے پہلی سورت فرمایا ہے اس کی بھی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ مکمل سورت سب سے پہلے سورۂ فاتحہ ہی نازل ہوئی، اس سے پہلے چند سورتوں کی متفرق آیات ہی کا نزول ہوا تھا (مظہری)

صحیحین کی ایک طویل حدیث میں نبوت اور وحی کی ابتداء کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے، کہ ام المومنین عائشہؓ نے فرمایا کہ: سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر سلسلہ وحی رویائے صالحہ یعنی سچے خوابوں سے شروع ہوا جس کی کیفیت یہ تھی کہ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے بالکل اس کے مطابق واقعہ پیش آتا اور اس میں کسی تعبیر کی بھی ضرورت نہ تھی، صبح کی روشنی کی طرح واضح طور پر خواب میں دیکھا ہوا واقعہ سامنے آجاتا تھا۔ [البخاری، کتاب بدء الوحی والتفسیر]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مخلوق سے یکسوئی اور خلوت میں عبادت کرنے کا داعیہ قوی پیش آیا جس کے لئے آپ نے غار حرا کو منتخب فرمایا، یہ غار مکہ مکرمہ کے قبرستان 'المعلیٰ' سے کچھ آگے ایک پہاڑ پر ہے جس کو جبل نور کہا جاتا ہے اس کی چھوٹی دور سے نظر آتی ہے۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: آپ اس غار میں جا کر راتوں کو رہتے اور عبادت کرتے تھے جب تک اہل و عیال کی خبر گیری کی ضرورت پیش نہ آتی وہیں مقیم رہتے تھے، اور اس وقت کے لئے آپ ضروری توشہ لیجاتے تھے اور پھر توشہ ختم ہونے کے بعد خدیجہ ام المومنینؓ کے پاس تشریف لاتے اور مزید کچھ دنوں کے لئے توشہ لے جاتے یہاں تک کہ آپ اسی غار حرا میں تھے کہ اچانک آپ کے پاس حق یعنی وحی پہنچی۔ غار حرا میں خلوت گزینی کی مدت میں علما کا اختلاف ہے صحیحین کی روایت ہے کہ آپ نے ایک ماہ یعنی پورے ماہ رمضان اس میں قیام فرمایا۔ ابن اسحٰق نے سیرت میں، اور زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا کہ: اس سے زیادہ مدت کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں اور یہ عبادت جو آپ غار حرا میں نزول وحی سے پہلے کرتے تھے اس وقت نماز وغیرہ کی تعلیم تو ہوئی نہ تھی، ظاہر یہ ہے کہ اس وقت آپ کی عبادت محض مخلوق سے انقطاع اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ خاص اور تفکر کی تھی (مظہری)

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: وحی آنے کی صورت یہ ہوئی کہ فرشتہ یعنی جبرئیل امین آپ کے پاس آیا، اور آپ سے کہا 'اقرأ' یعنی پڑھیے، آپ نے فرمایا 'ما انا بقارئ' یعنی میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔

صدیقہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے اس جواب پر جبرئیل امین نے مجھے آغوش میں لیکرا تنا دبایا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا اور پھر وہی بات کہی 'اقــــرأ' میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں ،تو پھر جبرئیل امین نے دوبارہ آغوش میں لیکرا تنا دبایا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی، پھر چھوڑ دیا اور تیسری مرتبہ پھر کہا 'اقرأ' میں نے پھر وہی جواب دیا 'ماانابقارئ' تو تیسری مرتبہ پھر آغوش میں دبایا پھر چھوڑ کر کہا: اقرأ باسم ربک ......الأیات الخمس، قرآن کی یہ سب سے پہلی پانچ آیتیں لیکر آپ گھر واپس تشریف لائے، آپ کا دل کانپ رہا تھا خدیجہؓ کے پاس آ کر فرمایا 'زملونی زملونی' مجھے ڈھانپو مجھے ڈھانپو، خدیجہؓ نے آپ پر کپڑے ڈالے یہاں تک کہ یہ ہیبت کی کیفیت رفع ہوئی۔

صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: افاقہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خدیجہؓ کو غار حرا کا پورا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ: اس سے مجھ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا۔ خدیجہ ام المومنینؓ نے عرض کیا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اللہ تعالی آپ کو ہرگز ناکام نہ ہونے دیں گے کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بوجھ میں دبے ہوئے لوگوں کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں، بے روزگار آدمی کو کسب پر لگا دیتے ہیں، مہمانوں کی مہمان داری کرتے ہیں ،مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں، اس کے بعد خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں یہ زمانہ جاہلیت ہی میں بت پرستی سے تائب ہو کر نصرانی ہو گئے تھے (کیونکہ اس وقت کا دین حق یہی تھا)۔

ورقہ بن نوفل (لکھے پڑھے آدمی تھے عبرانی زبان بھی جانتے تھے اور عربی تو ان کی مادری زبان تھی) وہ عبرانی زبان میں بھی لکھتے تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے اور اس وقت وہ بہت بوڑھے تھے بڑھاپے کی وجہ سے بینائی جاتی رہی تھی، خدیجہؓ نے ان سے کہا کہ میرے چچازاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو۔ ورقہ بن نوفل نے نبی کریم ﷺ سے حال دریافت کیا تو آپ ﷺ نے غار حرا میں جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا، ورقہ بن نوفل نے سنتے ہی کہا کہ یہ وہ ہی ناموس یعنی فرشتہ ہے جس کو حق تعالی نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا، کاش میں آپ کی نبوت کے زمانے میں قوی ہوتا اور کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو (وطن سے) نکالے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے (تعجب سے پوچھا) کیا میری قوم مجھے نکالدے گی؟ ورقہ نے کہا بلاشبہ نکالے گی، کیونکہ جب بھی کوئی آدمی وہ پیغام حق اور دین حق لے کر آیا جو آپ لائے ہیں تو اس کی قوم نے اس کو ستایا ہے، اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔ مگر ورقہ اس کی چند ہی روز کے بعد انتقال کر گئے، اور اس واقعہ کے بعد وحی قران کا سلسلہ بند ہو گیا (بخاری، باب بدء الوحی، ومسلم، کتاب الإیمان

،باب بدء الوحی)۔

فترت وحی کے مدت کے متعلق سہیلی کی روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال تک رہی اور بعض روایات میں تین سال کی مدت بیان کی گئی ہے (مظہری)۔

''اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَم'' یہاں لفظ 'اقرأ' کو مکرر لایا گیا ہے، کہا جاسکتا ہے کہ پہلا 'اقرأ' تو خود آپ کے پڑھنے کے لئے فرمایا تھا۔ یہ دوسرا تبلیغ ودعوت اور لوگوں کو پڑھانے کے لئے فرمایا، اور اگر محض تاکید کے لئے تکرار ہو تو وہ بھی کچھ بعید نہیں اور صفت 'اکرمٌ' میں اس طرف اشارہ ہے کہ تخلیق عالم اور تخلیق انسان میں اللہ تعالی کی اپنی کوئی غرض اور نفع نہیں بلکہ یہ سب بتقاضائے جودوکرم ہے کہ بن مانگے کائنات کو وجود کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔

''الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ'' تخلیق انسانی کے بعد اس کی تعلیم کا بیان ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور تمام مخلوقات سے اشرف واعلیٰ بناتی ہے، پھر تعلیم کی عام صورتیں دو ہیں، ایک زبانی تعلیم، دوسرے بذریعہ قلم تحریر وخط سے، ابتدائے سورت میں لفظ 'اقــرأ' میں اگرچہ زبانی تعلیم ہی کی ابتداء ہے مگر اس آیت میں جہاں تعلیم دینے کا بیان آیا ہے اس میں قلمی تعلیم کو مقدم کر کے بیان فرمایا ہے۔

ایک صحیح حدیث ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لما خلق الله الخلق كتب فى كتابه فهو عنده فوق العرش ان رحمتى غلبت غضبى. [بخاری، رقم:۳۱۹۴] یعنی حق تعالی نے ازل میں جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالی کے پاس ہے یہ فیصلہ لکھا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔

اور حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'اول ماخلق الله القلم فقال له اكتب فكتب مايكون الى يوم القيامة فهو عنده فى الذكر فوق عرشه' یعنی سب سے پہلے اللہ تعالی نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھے! اس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھ دیں، یہ کتاب اللہ کے پاس عرش پر ہے (ترمذی، رقم:۳۳۱۹)

علماء نے فرمایا ہے کہ عالم میں قلم تین ہیں، ایک سب سے پہلا قلم جس کو حق تعالی نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تقدیر کائنات لکھنے کا اس کو حکم دیا، دوسرے فرشتوں کے قلم جس سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور ان کی مقادیر کو نیز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں اور جنوں کے قلم جن سے وہ اپنے کلام لکھتے اور اپنے مقاصد میں کام لیتے ہیں، اور کتابت درحقیقت بیان کی ایک قسم ہے اور انسان کی مخصوص صفت ہے (قرطبی)

امام تفسیر مجاہد نے ابوعمرو سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالی نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے

خود بنائیں، اوران کے سوا باقی مخلوقات کے لئے حکم دیا کن یعنی ہو جا! وہ موجود ہوگئیں، یہ چار چیزیں یہ ہیں قلم۔ عرش، جنت عدن، آدم علیہ السلام۔

علماء سلف وخلف نے ہمیشہ خط وکتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے، جس پر ان کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاہد ہیں، افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماوطلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظرانداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر کتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں، فالی اللہ المشتکیٰ۔

"عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ" اس سے پہلی آیت میں تعلیم کے ایک خاص ذریعہ کا ذکر تھا جو عام طور پر تعلیم کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی قلمی تعلیم۔ اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اصل تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے لئے ذرائع تعلیم بے شمار ہیں، کچھ قلم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ پہلے ناواقف تھا، اس میں قلم یا کسی دوسرے ذریعہ تعلیم کا ذکر نہ فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یہ تعلیم انسان کی ابتداء آفرینش سے جاری ہے، کہ اول اس میں عقل پیدا کی جو سب سے بڑا ذریعہ علم ہے، انسان اپنی عقل سے خود بغیر کسی تعلیم کے بہت سی چیزیں سمجھتا ہے پھر اس کے پس وپیش میں اپنی قدرت کاملہ کے ایسے مناظر اور دلائل قدرت رکھدئے جن کا مشاہدہ کر کے وہ اپنی عقل سے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان سکے، پھر وحی اور الہام کے ذریعہ بہت سی چیزوں کا علم انسان کو عطا فرمایا اور بہت سی ضروری چیزوں کا علم انسان کے ذہن میں خود بخود پیدا فرما دیا، جس میں کسی زبان یا قلم کی تعلیم کا دخل نہیں۔ اور بعض مفسرین نے اس آیت میں انسان سے آدم یا نبی کریم ﷺ کو مراد قرار دیا ہے، کیونکہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں، جن کو تعلیم دی گئی "وعلم آدم الاسماء كلها" اور نبی کریم ﷺ وہ اخری پیغمبر ہیں جن کی تعلیم میں تمام انبیاء سابقین کے علوم شامل ہیں۔

"أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى، عَبْدًا إِذَا صَلَّى" اس آیت سے آخر سورت تک ایک واقعہ کیطرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابوجہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ آئندہ نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو وہ آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دے گا، اسکے جواب اور اُس کو زجر کرنے کے لئے یہ آیات آئی ہیں (بخاری کتاب التفسیر) ان میں فرمایا "أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللّٰهَ يَرَى" یعنی کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے، اس لئے عام اور شامل ہے کہ نماز پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور اس سے روکنے والے بدبخت کو بھی، اور یہاں صرف اس جملہ پر اکتفاء کیا گیا کہ ہم یہ =

سورة القدر (مکية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾

ہم نے اس (قران) کو شبِ قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا ہے؟

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا

شبِ قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ اس میں رُوح الامین اور فرشتے ہر کام کے (انتظام کے) لئے

بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾

اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔ یہ (رات) طلوعِ صبح تک (امن اور) سلامتی ہے۔ [1]

=سب کچھ دیکھ رہے ہیں، آگے دیکھنے کے بعد کیا حشر ہوگا اُس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابل تصور نہیں۔

''لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ '' سفع مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی سختی کے ساتھ کھینچنے کے ہیں اور ناصیة سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے جو پیشانی کے اوپر ہوتے ہیں، جس شخص کے پیشانی کے بال کسی کے ہاتھ میں آجائیں وہ اسکے ہاتھ میں مجبور و مقہور ہوکر رہ جاتا ہے۔

[1] ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مرسلا روایت کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا، جو ایک ہزار مہینے تک مسلسل مشغول جہاد رہا، کبھی ہتھیار نہیں اتارے، مسلمانوں کو یہ سنکر تعجب ہوا، اور اس پر سورۂ قدر نازل ہوئی، جس میں اس امت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے سے بہتر قرار دیا ہے۔

اور ابن جریر نے بروایت مجاہد ایک دوسرا واقعہ یہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ حال تھا، کہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا، دن بھر جہاد میں مشغول رہتا، ایک ہزار مہینے اس نے اسی مسلسل عبادت میں گزار دئے۔ اس پر حق تعالی نے سورۂ قدر نازل فرما کر اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرما دی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

ابن کثیر نے یہی قول امام مالک کا نقل کیا ہے اور بعض ائمہ شافعیہ نے اس کو جمہور کا قول لکھا ہے خطابی نے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے مگر بعض محدثین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

"قدر" کے ایک معنی عظمت وشرف کے ہیں، زہری وغیرہ علماء نے اس جگہ یہی معنے لئے ہیں اور اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کیوجہ اس رات کی عظمت وشرف ہے۔ اور ابوبکر وراق نے فرمایا کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس وجہ سے کہا گیا کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس رات میں توبہ واستغفار اور عبادات کے ذریعہ وہ صاحب قدر وشرف بن جاتا ہے۔

قدر کے دوسرے معنے تقدیر وحکم کے بھی آتے ہیں اس معنے کے اعتبار سے لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں تمام مخلوقات کے لئے جو کچھ تقدیر ازل میں لکھا ہے اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آنے والا ہے وہ ان فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ امور کے لئے مامور ہیں، اس میں ہر انسان کی عمر اور موت اور رزق وبارش وغیرہ کے مقداریں مقررہ فرشتوں کو لکھوا دی جاتی ہیں یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال میں حج نصیب ہوگا وہ بھی لکھ دیا جاتا ہے اور یہ فرشتے جن کو یہ امور سپرد کئے جاتے ہیں بقول ابن عباسؓ چار ہیں اسرافیل، مکائیل، ملک الموت، جبرائیل علیہم السلام (قرطبی)۔ اور یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ امور تقدیر کے فیصلے اس رات میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں جو امور تقدیر نافذ ہونا ہے وہ لوح محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں اور اصل نوشتہ تقدیر ازل میں لکھا جا چکا ہے۔

اتنی بات تو قرآن کریم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شب قدر ماہ رمضان مبارک میں آتی ہے مگر تاریخ کے تعین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں: جو چالیس تک پہنچتے ہیں مگر تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کی اخری عشرہ میں ہوتی ہے مگر اخری عشرہ کی کوئی خاص تاریخ متعین نہیں بلکہ ان میں سے کسی بھی رات میں ہوسکتی ہے وہ ہر رمضان میں بدلتی بھی رہتی ہے، اوران دس میں سے خاص طاق راتیں یعنی

۲۱،۲۳،۲۵،۲۷،۲۹۔میں ازروئے بعض احادیث صحیحہ زیادہ احتمال ہے اس قول میں تمام احادیث جو تعین شب قدر کے متعلق آئی ہیں جمع ہوجاتی ہیں جن میں ۲۱،۲۳،۲۵،۲۷،۲۹۔راتوں میں شب قدر ہونے کا ذکر آیا ہے۔اگر شب قدر کو ان راتوں میں دائر اور ہر رمضان میں منتقل ہونے والا قرار دیا جائے تو یہ سب روایات حدیث اپنی اپنی جگہ درست اور ثابت ہوجاتی ہے کسی میں تعین کی ضرورت نہیں رہتی۔اسی لئے اکثر ائمہ فقہاء نے اس کو عشرہ اخیرہ میں منتقل ہونے والی رات قرار دیا ہے۔ابوقلابہ امام مالک احمد بن حنبل ،سفیان ثوری ،اسحاق بن راہویہ ،ابوثور ،مزنی ،ابن خزیمہ وغیرہ سب نے یہی فرمایا ہے،اور ایک روایت میں امام شافعیؒ سے بھی اس کے موافق منقول ہے،اور دوسری روایات امام شافعیؒ کی یہ ہے کہ یہ رات منتقل ہونے والی نہیں بلکہ معین ہے (ابن کثیر)۔

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا **تحرو الیلة القدر فی العشر الاواخر من رمضان** یعنی شب قدر کو رمضان کے اخری عشرہ میں تلاش کرو (**بخاری: کتاب الصلاة باب السجود علی الانف والسجود علی الطین**) اور صحیح مسلم میں ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **فاطلبوا ھافی الوتر منھا** یعنی یعنی شب قدر کو رمضان کے عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو (مسلم: باب فضل لیلۃ القدر: ۱۷۱/۳) اس رات کی سب سے بڑی فضیلت تو وہی ہے جو اس صورت میں بیان ہوئی ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں یعنی تریاسی (۸۳) سال سے زائد کی عبادت سے بھی بہتر ہے پھر بہتر ہونے کی کوئی حد مقرر نہیں کتنی بہتر ہے؟ کہ دوگنی چوگنی دس گنی سوگنی وغیرہ سب ہی احتمالات ہیں۔

اور صحیحین میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شب قدر میں عبادت کے لئے کھڑا رہا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہوگئے۔(**بخاری کتاب الایمان باب قیام لیلة القدر من الایمان، ومسلم باب الترغیب فی قیام رمضان**) اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر میں وہ تمام فرشتیں جن کا مقام سدرۃ المنتہی پر ہے جبرئیل امین کے ساتھ دنیا میں اترتے ہیں اور کوئی مومن مرد یا عورت ایسی نہیں جس کو وہ سلام نہ کرتے ہوں بجز اس آدمی کے جو شراب یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہو۔(ابن ابی حاتم)۔

اور ایک حدیث میں رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم بدنصیب ہے۔شب قدر میں بعض لوگوں کو خاص انوار کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے مگر نہ یہ سب کو حاصل ہوتا ہے نہ رات کی برکات اور ثواب حاصل ہونے میں ایسے مشاہدات کا کچھ دخل ہے، اس لئے اس کی فکر میں پڑنا نہیں چاہئے ۔(سنن کبری

للنسائی:٢٤١٦)۔عائشہ صدیقہؓ نے رسول پاکﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو میں کیا دعا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ دعا کرو:اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی، یااللہ آپ بہت معاف کرنے والے ہے اور معافی کو پسند کرتے ہیں میرے خطائیں معاف فرمائیے(ترمذی:٣٥١٣)۔

"انا انزلنافی لیلة القدر" اس آیت میں تصریح ہے کہ قرآن کریم شب قدر میں نازل ہوا۔

"تنزل الملائکة و الروح": روح سے مراد جبرئیل امین ہیں انسؓ کی روایت ہے کہ رسول پاکﷺ نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل امین فرشتوں کی بڑی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، اور جتنے اللہ کے بندے مرد وعورت نماز یا ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں سب کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں (مظہری)

"من کل امر": میں حرف "من" بمعنی "باء" ہے جیسے یحفظونه من امر الله،الایة(رعد: ١١) میں بھی من بمعنی باء استعمال ہوا ہے۔معنی یہ ہے کہ فرشتے لیلۃ القدر میں تمام سال کے اندر پیش آنے والے تقدیری واقعات لیکر زمین پر اترتے ہیں۔اور بعض مفسرین مجاہد وغیرہ نے من کل امر کو سلام کے ساتھ متعلق کر کے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ یہ رات سلامتی ہے ہر شر و آفت اور بری چیز سے (ابن کثیر)

"سلام": عبارت کی اصل "ھی سلام" لفظ ھی حذف کر دیا گیا، معنی یہ ہیں کہ یہ رات سلام اور سلامتی ہی ہے اور خیر ہی خیر ہے اس میں شر کا نام نہیں (قرطبی)۔اور بعض نے تقدیر عبارت:سلام ھو قرار دے کر اس کو من کل امر کی صفت بنایا، اور معنی یہ ہوئے کہ یہ فرشتے ہر ایسا امر لیکر آتے ہیں جو خیر و سلام ہے (مظہری)

"ھی حتی مطلع الفجر": یعنی لیلۃ القدر کی یہ برکات رات کے کسی خاص حصہ کی ساتھ مخصوص نہیں۔شروع رات سے طلوع فجر تک ایک ہی حکم ہے۔ان آیات میں لیلۃ القدر کو ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان ایک ہزار مہینوں کے اندر بھی ہر سال ایک شب قدر آئے گی تو حساب کس طرح بنے گا، ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ یہاں ایک ہزار مہینوں سے مراد وہ ہیں جن میں شب قدر شامل نہ ہو اس لئے کوئی اشکال نہیں (ابن کثیر عن مجاہد)

جس شخص نے شب قدر میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی اس نے بھی اس رات کا ثواب پالیا اور جو شخص جتنا زیادہ عبادت کرے گا زیادہ ثواب پائے گا۔صحیح مسلم میں عثمان غنیؓ کی روایت ہے کہ رسول پاکﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی تو آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کر لی تو پوری رات جاگنے عبادت کرنے کا ثواب حاصل کر لیا۔(مسلم: کتاب الصلوۃ:٢٦٠)

سورۃ البینۃ(مدنیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی

جولوگ کافر ہیں اہلِ کتاب اور مشرک وہ (کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک

تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۙ﴿۱﴾ رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ﴿۲﴾

کہ ان کے پاس کھلی دلیل (نہ) آتی [1] اللہ کے پیغمبر جو پاک اوراق پڑھتے ہیں

---

[1] "لم یکن" اہل کتاب سے یہود اور نصاری مراد ہیں منفکین یہاں تامہ ہے بمعنی منتھین عن کفرھم (قرطبی) یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اہل کتاب اور مشرکین کے کفر وشرک سے باز آنے کی انتہا نبی کریم ﷺ کے آمد بیان فرمائی ہے، اور حتی چونکہ انتہا غایت کے لئے ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ رسول ﷺ کی امد پر ان کی پہلی حالت یعنی کفر وشرک پر قیام ختم ہو جائے۔ لیکن اس کے بعد والی ایت و ما تفرق الذین اتوا الکتاب کا مقتضیٰ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی امد کے بعد ان کے کفر میں اضافہ ہو گیا۔ اس طرح دونوں ایتوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ اس کے متعدد و جوابات ہیں۔

اول نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین کہا کرتے تھے کہ جب تک نبی موعود ﷺ نہ آجائے اس وقت تک ہم اپنا دین نہ چھوڑیں گے اس طرح ان ایتوں میں ان کے قول سابق کی حکایت ہے اور و ما تفرق میں نفس الامر اور حقیقت کا واقعہ کا بیان ہے: کہ پیغمبر علیہ السلام کی آمد کے بعد ان کا حال ان کے دعوے کے خلاف ہے۔

دوم اہل کتاب اور مشرکین سارے کے سارے کفر وشرک سے ہٹنے والے نہیں تھے جب تک ان کے پاس رسول نہ آجاتا، جب رسول آگیا تو اب ان کا حال پہلا سا نہ رہا۔ بلکہ ان میں سے بہت سوں نے کفر وشرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ (ملخصا من الکبیر للرازی)=

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا

جن میں مستحکم (آیتیں) لکھی ہوئی ہیں۔ اور اہلِ کتاب جومختلف ہوئے ہیں تو دلیل واضح کے آجانے کے بعد

جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۴ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

(ہوئے ہیں)۔ اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں (اور) یکسو ہو کر

حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝۵

اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور یہی محکم دین ہے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ

جولوگ کافر ہیں (یعنی) اہلِ کتاب اور مشرک وہ دوزخ کی آگ میں پڑیں گے (اور) ہمیشہ اس میں رہیں گے

= شیخ حسین علیؒ کے نزدیک یہی جواب راجح ہے حاصل یہ ہوا کہ اہل کتاب اور مشرکین کفر وشرک سے ہٹنے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح برہان نہ آجاتی اور یہ انتظام نہ ہوجاتا کہ اللہ کی طرف سے ان کے پاس رسول آئے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ کتاب کی تعلیم دے اور ان کو تبلیغ کرے اب چونکہ یہ کام ہو چکا ہے اور حق وباطل کے درمیان امتیاز قائم ہو گیا ہے۔ اس لئے اب جولوگ حق نہیں مانتے اور پیغمبر علیہ السلام کی دعوت کو جھٹلاتے ہیں اور نئی نئی راہیں نکالتے ہیں وہ یہ سب کچھ محض ضد وعناد کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ یہ مسئلہ کتب سابقہ میں بھی موجود ہے اور اہل کتاب کے علماء ثقات اس پر ایمان بھی لا چکے ہیں اس لئے اب نہ ماننے والوں کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔

"رسول من اللہ" البينة، سے بدل ہے صحفا مطهرہ باطل کی نجاستوں سے پاک کتابیں اور صحیفے، صحیفہ ان اوراق کو کہا جاتا ہے جن میں کچھ لکھا ہو۔ و الصحف القراطيس التي يكتب فيها و المراد بتطهيرها تنزيهها من الباطل (روح المعاني ملخصا)

"كتب قيمة": پختہ اور محکم مضامین پر مشتمل سورتیں یا محکم احکام۔ رسول سے مراد نبی کریم ﷺ اور صحف سے مراد قرآن کریم ہے۔ (کبیر)۔

فِيهَا أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

یہ لوگ سب مخلوق سے بدتر ہیں۔ (اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٧﴾ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ

وہ تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔[2] ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴿٨﴾

اللہ ان سے خوش اور وہ اس سے خوش یہ (صلہ) اس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا۔

---

[2] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: المؤمن اکرم علی اللہ من بعض ملائکتہ. (ابن ماجہ: ۳۹۴۷) ۔ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (کامل درجہ کے) مومن (یعنی انبیاء اور اولیاء اللہ) اللہ تعالی کے نزدیک اس کے بعض فرشتوں سے افضل و برتر ہیں۔

بعض فرشتوں سے مراد یا تو خواص فرشتے ہیں یا وہ سب فرشتے مراد ہیں جو عام فرشتوں میں کسی بھی طرح کی برگزیدگی اور برتری رکھتے ہیں۔طیبی نے یہ لکھا ہے کہ مومن سے مراد عام مومن ہیں، اور بعض فرشتوں سے مراد بھی عام فرشتے ہیں، محی السنۃ کہتے ہیں: یہ کہا جانا زیادہ بہتر ہے کہ عام مومن عام فرشتوں سے افضل ہیں، اور خواص مومن خواص فرشتوں سے افضل ہیں، چنانچہ اللہ تعالی کے اس ارشاد سے معلوم ہوا۔ (یہ آیہ کریمہ)

اہل السنۃ والجماعت اسی آیت سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ انسان فرشتوں سے افضل ہے لیکن بعض علماء نے لکھا ہے، کہ اجمالی طور پر صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ انسان فرشتوں سے افضل ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس بات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تاکہ انسان میں ہر کس و ناکس کا فرشتوں سے افضل ہونا مفہوم نہ ہو، اور یہ =

سورة الزلزال (مکیة)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ﴿٢﴾

جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی۔ اور زمین اپنے (اندر) کے بوجھ نکال ڈالے گی۔

وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ﴿٤﴾

اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ اس روز وہ اپنے حالات بیان کر دے گی۔

بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾

کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم بھیجا۔ اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾

تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھی بُرائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ [۱]

= بھی ظاہر ہو جائے کہ اس مسئلہ میں عوام اور خواص کا مصداق کیا ہے، چنانچہ یہ تفصیل کی جانی چاہئے کہ خواص مومن سے مراد اللہ تعالی کے تمام رسول اور نبی ہیں، اسی طرح خواص فرشتوں سے مراد جبرئیل و مکائیل اور اسرافیل علیہم السلام وغیرہ ہیں، نیز عام مومنین سے مراد کامل درجہ کے اہل ایمان ہیں جیسے خلفاء راشدین اولیاء کاملین اور تمام علماء۔

ایک حدیث اور منقول ہے جو دو سندوں سے موصول ہے اور وہ حدیث یہ ہے: المومن اعظم حرمة منک (الکعبة). (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۱/۳۷، ومجمع الزوائد: ۳/۲۹۲). مومن کا احترام واکرام کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔

[۱] عن ابن عباسؓ انه قال: قال رسول الله ﷺ ﴿اذا زلزلت﴾ تعدل نصف القرآن و ﴿قل هو الله

احد﴾تعدل ثلث القرآن و﴿قل یاایھا الکافرون﴾ تعدل ربع القرآن (ترمذی: ۲۸۹۴، والحاکم: ۱/ ۵۶۶) یعنی ابن عباسؓ وانسؓ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا سورۂ زلزال آدھے قران کے برابر ہے، اورسورۂ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے، اورسورۂ کافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

قرآن کریم میں مبدأ اور معاد کو بیان کیا گیا ہے، اور چونکہ زلزال میں معاد کا بہت عمدہ پیرایہ اور موثر انداز میں ذکر کیا گیا ہے، اس لئے یہ سورت آدھے قرآن کے برابر ہوئی۔سورۂ اخلاص کے تہائی قرآن کے برابر ہونے کی وجہ بعد میں آئے گی۔سورۂ کافرون چوتھائی قرآن کے برابر بایں طور ہے کہ قرآن کریم میں توحید، نبوت، احکام اور قصص یہ چار مضمون مذکور ہیں اور سورۃ کافرون میں توحید کا بہت اعلی بیان ہے، اس لئے یہ سورۃ چوتھائی قرآن کے برابر ہوئی۔

اور جس حدیث میں ہے کہ یہ سورت ربع القرآن کے برابر ہے تو اس کا جواب تحفۃ الاحوذی: ۲۰۶/۸، وغیرہ میں لکھا گیا ہے کہ وماجاء انھاربع القرآن ، فتقریرہ ان یقال القرآن یشتمل علی تقریر التوحیدو النبوات وبیان احکام المعاش واحوال المعاد،وھذہ السورۃ مشتملہ علی القسم الاخیرمن الاربع۔

عن عبداللہ بن عمروؓ قال اتی رجل النبیﷺ فقال اقرأنی یارسول اللہ!فقال اقرأثلاثامن ذوات﴿الر﴾فقال کبرت سنی واشتدقلبی،وغلظ لسانی،قال اقرأ من ذوات﴿حم﴾ فقال مثل مقالتہ،قال الرجل یارسول اللہ!اقرأنی سورۃ جامعۃ، فاقرأہ رسول اللہﷺ﴿اذا زلزلت﴾حتی فرغ منھا،فقال الرجل: والذی بعثک بالحق لاازید علیہ ابدا،ثم ادبرا لرجل،فقال رسول اللہﷺ''افلح الرویجل''مرتین۔احمد:۱۶۹/۲،ابوداود:۱۳۹۹۔

ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضرہوا، اورعرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے پڑھائیے! آپؐ نے فرمایا قرآن کریم کی ان سورتوں میں سے کہ جن کے شروع میں، الر، ہے پڑھو، اس نے عرض کیا میری عمر زیادہ ہوچکی ہے، اوردل میرا سخت ہوگیا ہے، (یعنی میری قلب پر حافظہ کی کمی اورنسیان کا غلبہ ہے) نیز میری زبان موٹی ہے، آپ نے فرمایا اگرتم وہ سورتیں نہیں پڑھ سکتے تو ان سورتوں میں سے تین سورتیں پڑھو جن کے شروع میں، حم، ہے، اس شخص نے پھروہی کہا، پھرفرمایا کہ یارسول اللہ مجھے کوئی جامع سورت پڑھائیے، چنانچہ آپﷺ نے اسے سورۂ زلزال پڑھائی، جب آپﷺ اس سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اس پر کبھی بھی زیادتی نہیں کروں گا، پھراس شخص نے پیٹھ پھیری تو نبیﷺ نے فرمایا کہ'' اس شخص نے

مراد حاصل کرلی'' یہ جملہ آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمائی۔

اس سورت کو سورۃ جامعہ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس سورت میں یہ ایک ایسا آیت: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ، وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴾ اس آیت میں وہ تمام چیزیں آگئی ہیں جن کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن کے مجموعہ کا نام ہے خیر و بھلائی اور وہ تمام چیزیں بھی اس میں شامل ہیں جن سے بچنے کا حکم دیا ہے جن کے مجموعہ کا نام ہے شر و برائی۔ جو حدیث ابی ہریرۃؓ میں ذکر ہے کہ: عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: الخیل لثلاثۃ ،لرجل اجر ، ولرجل ستر ، وعلی رجل وزر، فاما الذی له اجر، فرجل ربطھافی سبیل اللہ، فاطال طیلھا فی مرج اوروضۃ، فمااصابت فی طیلھاذٰلک المرج و الروضۃ کان له حسنات، ولوانھاقطعت طیلھا فاستنت شرفا اوشرفین کانت اثارھا وارواثھا حسنات له. ولوانھامرت بنھرفشربت منه ولم یردان یسقی به کان ذلک حسنات له. وھی لذلک الرجل اجر، ورجل ربطھاتغنیا وتعففا ولم ینس حق اللہ فی رقابھا ولاظھورھا فھی له ستر ،ورجل ربطھا فخرا ورئاء ونواء فھی علی ذلک وزر، فسئل رسول اللہ ﷺ عن الحمرفقال ماانزل اللہ فیھاشیئا الاھذہ الایۃ الفاذۃ الجامعۃ: ''فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ،وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ' بخاری کتاب التفسیر ،مسلم: کتاب الزکوٰۃ باب اسم مانع الزکوٰۃ.

رسول ﷺ فرماتے ہیں: کہ گھوڑوں والے تین قسم کے ہیں، ایک اجر پانے والا، ایک پردہ پوشی والا، ایک بوجھ اور گناہ والا، اجر والا تو وہ ہے جو گھوڑا پالتا ہے جہاد کی نیت سے اگر اس کے گھوڑے کی اگاڑی پچھاڑی ڈھیلی ہوگئی اور یہ ادھر ادھر سے چرتا رہا، تو یہ بھی گھوڑے والے کے لئے اجر کا باعث ہے، اور اگر یہ رسی اس کی ٹوٹ گئی اور یہ ادھر ادھر چڑھ گیا تو اس کے نشان قدم اور اس کی لید کا بھی اسے ثواب ملتا ہے، اگر یہ کسی نہر پر جا کر پانی پی لے گو ارادہ پلانے کا نہ ہوتا ہ تو بھی ثواب مل جاتا ہے، یہ گھوڑا تو اس شخص کے لئے سراسر اجر و ثواب ہے۔ دوسرا وہ شخص جس نے اس لئے پال رکھا ہے کہ دوسروں سے بے پرواہ رہے اور کسی سے سوال کی ضرورت نہ ہو لیکن اللہ کا حق نہ خود اس میں بھولتا ہے نہ اس کی سواری میں ،پس یہ اس کے لئے پردہ ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس نے فخر و ریاکاری اور ظلم و ستم کے لئے پال رکھا ہے، پس یہ اس کے ذمہ بوجھ اور اس پر گناہ کا بار ہے، پھر نبی ﷺ سے سوال ہوا کہ گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا مجھ پر اللہ تعالی کی جانب سے سوائے اس تنہا اور جامع آیت کے اور کچھ نازل نہیں ہوا، کہ ذرے برابر نیکی اتنی ہی بدی ہر شخص=

سورۃ العادیات(مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالۡعَادِیَاتِ ضَبۡحًا ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِیَاتِ قَدۡحًا ﴿۲﴾ فَالۡمُغِیۡرَاتِ صُبۡحًا ﴿۳﴾

ان سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم! جو ہانپ اٹھتے ہیں۔ پھر (پتھروں پر نعل) مار کر آگ نکالتے ہیں۔ پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں

فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ﴿۶﴾

پھر اس میں گرد اٹھاتے ہیں۔ پھر اس وقت دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ کہ انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس ہے[1]

= دیکھ لے گا۔عن ابی ھریرۃؓ قال قرأ رسول اللہ ﷺ ھذہ الایۃ یومئذ تحدث اخبارھا'' قال اتدرون ما ''اخبارھا''؟ قالوا اللہ ورسولہ اعلم،قال فان اخبارھا ان تشھد علی کل عبدوامۃ بماعمل علی ظھرھا ان تقول عمل کذاوکذا یوم کذا وکذا فھذہ اخبارھا.ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ و کتاب التفسیر ۔مسند احمد:٢/٣٧٤۔رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا: جانتے بھی ہو کہ زمین کی بیان کردہ خبریں کیا ہونگی؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی کو خوب علم ہے،تو آپؐ نے فرمایا: جو جو اعمال بنی آدم نے زمین پر کئے ہیں وہ تمام ظاہر کردے گی، کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں نیکی یا بدی فلاں جگہ فلاں وقت کی ہے۔

حدثنی الحارث بن یزیدسمع ربیعۃ الجریشی ان رسول اللہ ﷺ قال:تحفظوا من الارض فانھاامکم، وانہ لیس من احدعامل علیھاخیرا وشرا الاوھی مخبرۃ ۔ المعجم الکبیر للطبرانی: ٤٥٩٦. رسول ﷺ نے فرمایا: زمین سے بچو یہ تمہاری ماں ہے، جو شخص جو نیکی بدی اس پر کرتا ہے یہ سب کھول کر بیان کردے گی۔

[1] ﴿وَالۡعَادِیَاتِ ضَبۡحًا ﴾ ہانپ ہانپ کر دوڑنے والے گھوڑے ﴿فالموریٰت قدحا﴾ پھتریلی زمین پر دوڑتے وقت اپنے سموں سے چنگاریاں نکالنے والے ﴿فالمغیرات صبحا﴾ پھر صبح لوٹ مار کرنے والے ﴿فاثرن=

وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ﴿٧﴾ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ﴿٨﴾

اور وہ اس سے آگاہ بھی ہے۔ وہ تو مال کی سخت محبت کرنے والا ہے۔

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ﴿٩﴾ وَحُصِّلَ

کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا کہ جو (مُردے) قبروں میں ہیں وہ باہر نکال لئے جائیں گے۔ اور جو (بھید) دلوں میں ہیں

مَا فِي الصُّدُورِ ﴿١٠﴾ إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿١١﴾

وہ ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ بیشک ان کا پروردگار اس روز ان سے خوب واقف ہو گا۔

سورة القارعة(مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الْقَارِعَةُ ﴿١﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٢﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿٣﴾

کھڑکھڑانے والی۔ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ اور تم کیا جانو کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔

=بہ نقعا﴾ دوڑتے وقت گرد غبار اڑاتے ہیں﴿ فوسطن بہ جمعا﴾ پھر تیز رفتاری کے ساتھ جماعتوں کے اندر گھس جاتے ہیں﴿ان الانسان لربہ لکنود﴾ یہ لوٹ مار کرنے والے گھوڑے اس پر شاہد ہیں کہ انسان اپنے پروردگار کا نہایت ہی ناشکر گذار ہے: قالہ الشیخ رحمہ اللہ تعالی.

عام مفسرین کے نزدیک یہ صفتیں مجاہدین کے گھوڑوں کی ہیں اور بعض کے نزدیک ان صفات سے فرشتے یا اونٹ مراد ہیں۔﴿وانہ علی ذلک لشھید﴾ مجموعہ شواہد کے علاوہ انسان اپنی اس بیماری پر خود بھی شاہد ہے اور اسے اپنا کردار خوب معلوم ہے۔

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﴿۴﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ

(وہ قیامت ہے) جس دن لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔ اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے

كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﴿۵﴾ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ ﴿۶﴾

جیسے دھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اُون۔ تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے۔

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿۷﴾ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهُ ﴿۸﴾

وہ دلپسند عیش میں ہو گا۔ اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے

فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ﴿۹﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

اس کا مرجع ہاویہ ہے۔ اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیاہے؟ (وہ) دہکتی ہوئی آگ ہے۔

سورة التكاثر (مكية)[۱]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾

(لوگو!) تم کو بہت سی طلب نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ﴿۵﴾

پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تم جانتے (یعنی) علم الیقین (رکھتے تو غفلت نہ کرتے

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿۸﴾

تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے پھر اس کو (ایسا) دیکھو گے عین الیقین ۔ پھر اس روز تم سے نعمت کے بارے میں پرسش ہو گی۔

---

[۱] عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ الایستطیع احدکم ان یقرأ الف اية فی کل یوم قالوا

ومن يستطيع ان يقرأ الف اية فی كل يوم قال امايستطيع احدكم ان يقرأ الهٰكم التكاثر .رواه البيهقی فی شعب الايمان:۸ ۲۵۱۸،مستدرک: ۱/ ۵٦٦.

ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھا کرے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ کون شخص اس بات پر قادر ہوسکتا ہے کہ وہ (ہمیشہ) روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھتا رہے؟ آپ نے فرمایا: کیا کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہوسکتا کہ وہ روزانہ الهٰكم التكاثر پڑھ لیا کرے۔

''تکاثر'' کثرت مال اور کثرت تعداد پر فخر کرنا اور کثرت میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کرنا: ای التباری فی الكثرت و التباهی بهابان يقول هؤلاء نحن اكثر وهؤلاء نحن اكثر (روح المعانی) ۔ياحتی زرتم المقابر موت سے کنایہ ہے یعنی تم اموال وافراد کی کثرت پر فخر کرتے رہو گے یہاں تک کہ قبروں میں پہنچ جاؤ گے۔

الهٰكم حرصكم علی تكثير اموالكم عن طاعة ربكم حتی اتاكم الموت وانتم علی ذلک (کبیر) اور یہی تفسیر اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے یعنی زیارت مقابر سے مراد مرکر قبر میں پہنچنا ہے جیسا کہ حدیث مرفوع میں خود رسول پاک ﷺ نے حتی زرتم المقابر کی تفسیر میں فرمایا ''حتی يأتكم الموت ''۔(ابن کثیر بروایت ابن ابی حاتم) اس لئے مطلب ایت کا یہ ہوگا کہ تم لوگوں کو مال ودولت کی بہتات یا مال واولاد اور قبیلہ ونسب پر تفاخر غفلت میں ڈالے رہتی ہے، اپنے انجام اور آخرت کے حساب کی کوئی فکر نہیں کرتے ۔ یہاں تک کہ اسی حال میں تمہیں موت آجاتی ہے، اور وہاں عذاب میں پکڑے جاتے ہو۔اس کا معنی یہ ہوا کہ اس آیت میں عذاب قبر کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ امام ترمذی نے کتاب التفسیر میں علیؓ سے نقل کیا ہے: عن علی مازلنانشک فی عذاب القبر حتی نزلت الهٰكم التكاثر یعنی علیؓ نے فرمایا ہم کو عذاب قبر میں شک تھا یہاں تک کہ الهٰكم التكاثر اتری۔

''عين اليقين''، مفعول مطلق ہے من غیر لفظہ یا یہ مفعول مطلق مقدر کی صفت ہے ای رؤية عين اليقين (روح)۔

''عين اليقين'' سے مراد وہ یقین ہے کہ جو کسی چیز کے مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے، اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ یقین کا ہے۔اس میں ایک مشہور مقولہ کی طرف اشارہ ہے کہ ليس الخبر كالمعاينة۔اس کا مزید تفصیل سورۂ بقرہ میں گزرگئی ہے۔

سورة العصر (مكية)[1]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالۡـعَـصۡـرِ ﴿١﴾ إِنَّ الۡإِنۡسَـــانَ لَـفِـىۡ خُسۡـرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا الَّـذِيۡـنَ آمَـنُـوۡا

عصر کی قسم! ۔ کہ انسان نقصان میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے

وَعَـمِـلُـوا الـصَّـــالِـحَـــاتِ وَتَـوَاصَـوۡا بِـالۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡا بِـالصَّبۡرِ ﴿٣﴾

اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔

---

[1] یہاں پر ابن کثیر نے جناب عمرو بن العاصؓ سے اپنے مسلمان ہونے سے پہلے کا ایک واقعہ نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ مسلیمہ کذاب سے ملے اس نے نبوت کا جھوٹا دعوی کر رکھا تھا۔ عمرو کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہو اس مدت میں تمہارے نبی پر بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ عمرو نے جواب دیا ایک مختصر سی نہایت فصاحت والی سورت اتری ہے۔ پوچھا وہ کیا ہے؟ عمرو نے سورت عصر پڑھ کر سنائی۔ مسلیمہ ذرا دیر تک سوچتا رہا پھر کہنے لگا عمرو! دیکھو مجھ پر بھی اسی جیسی سورۂ اتری ہے؟ عمرو نے کہا وہ کیا؟ کہا یہ: یاوبر یاوبر انما انت اذنان وصدر وسائر حضر نقر پھر کہنے لگے عمرو! کہو تمہارا خیال کیا ہے؟ میرا خیال تو تو خود ہی جانتا ہے کہ مجھے تیرے جھوٹا ہونے کا علم ہے۔ وبــر بلی جیسا ایک جانور ہے اس کے دونوں کان ذرا بڑے ہوتے ہیں اور سینہ بھی، باقی جسم بالکل حقیر اور واہیات ہوتا ہے۔

اس کذّاب نے ایسی فضول گوئی اور بکواس کے ساتھ اللہ تعالی کے کلام کا معارضہ کرنا چاہا جسے سن کر عرب کے بت پرست لوگوں نے بھی اس کا کاذب اور مفتری ہونا سمجھ لیا۔ طبرانی میں ہے کہ دو صحابیوں کا یہ دستور تھا کہ جب ملتے ایک اس سورۂ کو پڑھتا دوسرا سنتا پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے (رواہ الطبرانی فی الاوسط: ۳۵۹/۱۱)۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اس سورۂ کو غور اور تدبر سے پڑھیں اور سمجھیں تو یہی ایک سورۂ کافی ہے۔

سورة الهمزة (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ﴿۱﴾ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ﴿۲﴾

ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے۔ جو مال جمع کرتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔

يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَةِ ﴿۴﴾

(اور) خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔

وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحُطَمَةُ ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ﴿۶﴾

اور تم کیا سمجھے کہ حطمہ کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے

الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ﴿۸﴾ فِیۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

جو دلوں پر جا لپٹے گی۔ (اور) وہ اس میں بند کر دیئے جائیں گے۔ (یعنی آگ کے) لمبے لمبے ستونوں میں۔

سورة الفيل (مكية)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ ﴿۱﴾ اَلَمۡ يَجۡعَلۡ كَيۡدَهُمۡ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کا داؤ غلط نہیں کیا؟

فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ﴿۲﴾ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡهِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ﴿۳﴾

(کیا)۔ اور ان پر جھلڑ کے جھلڑ جانور بھیجے

تَرۡمِیۡهِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ﴿۵﴾

جو ان پر کھنگر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔ تو ان کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہوا بھُس۔[۱]

---

[۱] واقعہ فیل

اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ ابرہہ صباح حبشی نے جب دیکھا کہ اہل عرب خانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں، تو صنعاء میں ایک بہت بڑا کنیسہ تعمیر کیا، اور چاہا کہ عرب کا حج اسی کی طرف پھیر دے، مگر جب اس کی خبر بنو کنانہ کے ایک آدمی کو ہوئی تو اس نے رات کے وقت کنیسہ کے اندر گھس کر اس کے قبلے پر پائخانہ پوت دیا، ابرہہ کو پتہ چلا تو سخت برہم ہوا، اور ساٹھ ہزار کا ایک لشکر جرّار لے کر کعبے کو ڈھانے کے لئے نکل کھڑا ہوا، اس نے اپنے لئے ایک زبردست ہاتھی بھی منتخب کیا، لشکر میں کل نو یا تیرہ ہاتھی تھے۔

ابرہہ یمن سے یلغار کرتا ہوا مغمسّ پہنچا، اور وہاں اپنے لشکر کو ترتیب دیکر اور ہاتھی کو تیار کر کے مکے میں داخلے کے لئے چل پڑا، جب مزدلفہ اور منٰی کے درمیان وادی محصر میں پہنچا تو ہاتھی بیٹھ گیا، اور کعبے کی طرف بڑھنے کے لئے کسی طرح نہ اٹھا، اس کا رُخ شمال جنوب یا مشرق کی طرف کیا جاتا، تو اٹھ کر دوڑنے لگتا، لیکن کعبے کی طرف کیا جاتا تو بیٹھ جاتا، اسی دوران اللہ تعالی نے چڑیوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا، جس نے لشکر پر ٹھیکری جیسے پتھر گرائے اور اللہ تعالی نے اسی سے انہیں کھائے ہوئے بھُس کی طرح بنا دیا۔

یہ چڑیاں ابابیل اور قمری جیسی تھیں، ہر چڑی کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور دو پنجوں میں، کنکریاں چنے جیسی تھیں، مگر جس کسی کو لگ جاتی تھیں اس کے اعضا کٹنا شروع ہو جاتے تھے، اور وہ مر جاتا تھا، لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی، کہ ہر شخص دوسرے کو روندتا کچلتا گرتا پڑتا، بھاگ رہا تھا، پھر بھاگنے والے ہر راہ پر گر رہے تھے، اور ہر چشمے پر مر رہے تھے، ادھر ابرہہ پر اللہ تعالی نے ایسی آفت بھیجی کہ اس کی انگلیوں کے پور جھڑ گئے اور صنعاء پہنچتے پہنچتے چوزے جیسا ہو گیا۔

پھر اس کا سینہ پٹ گیا، دل باہر نکل آیا اور وہ مر گیا، ابرہہ کے اس حملے کے موقع پر مکے کے باشندے جان=

سورۃ قریش(مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیۡفِ ۚ﴿۲﴾ فَلۡیَعۡبُدُوۡا

قریش کے مانوس کرنے کے لئے۔ یعنی انہیں جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے لئے لوگوں کو چاہیئے کہ

رَبَّ ہٰذَا الۡبَیۡتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَہُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۬ۙ وَّ اٰمَنَہُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ﴿۴﴾

اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا[۱]

= کے خوف سے گھاٹیوں میں بکھر گئے تھے۔ اور پہاڑ کی چوٹیوں پر جا چھپتے تھے، جب لشکر پر عذاب نازل ہو گیا تو اطمینان سے اپنے گھروں کو پلٹ آئے۔

یہ واقعہ بیشتر اہل سیر کے بقول نبی ﷺ کی پیدائش سے صرف پچاس یا پچپن (۵۵) دن پہلے ماہ محرم میں پیش آیا تھا، لہٰذا یہ سن ۵۷۱ ء کے فروری کے آواخر یا مارچ کے وائل کا واقعہ ہے، یہ درحقیقت ایک تمہیدی نشانی تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے کعبہ کے لئے ظاہر فرمائی تھی۔ کیونکہ آپ بیت المقدس کو دیکھئے کہ اپنے دور میں اہل اسلام کا قبلہ تھا، اور وہاں کے باشندے مسلمان تھے۔ اس کے باوجود اس پر اللہ تعالیٰ کے دشمن یعنی مشرکین کا تسلط ہو گیا تھا، جیسا کہ بخت نصر کے حملہ سن ۵۸۷ ء اور اہل روما کے قبضہ سن ۷۰ء سے ظاہر ہے۔ لیکن اس کے برخلاف کعبہ پر عیسائیوں کو تسلط حاصل نہ ہو سکا، حالانکہ اس وقت یہی مسلمان تھے اور کعبے کے باشندے مشرک تھے۔ (سیرت ابن ہشام: ۴۳/۱)۔

[۱] اس پر تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ معنی اور مضمون ہی کے اعتبار سے یہ سورۂ فیل ہی سے متعلق ہے اور شاید اس وجہ سے بعض مصاحف میں ان دونوں کو ایک ہی سورت کر کے لکھا گیا تھا، دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی تھی مگر عثمانؓ نے جب اپنے زمانے میں تمام مصاحف قران کو جمع کر کے ایک نسخہ تیار فرمایا اور تمام صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہوا۔ اسی نسخہ قرآن کو جمہور کے نزدیک امام کہا جاتا ہے اس میں ان دونوں کو دو الگ الگ سورتیں ہی لکھا ہے۔ دونوں کے درمیان بسم

اللہ لکھی گئی ہے۔

''لایلاف قریش '' حرف لام ترکیب نحوی کے اعتبار سے اس کا مقتضی ہے کہ اس کا تعلق کسی سابق مضمون کے ساتھ ہو، اسی لئے اس کے متعلَق میں متعدد اقوال ہیں، پچھلی سورت کے ساتھ معنوی تعلق کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں محذوف جملہ انااھلکنااصحٰب الفیل ہے یعنی ہم نے اصحاب فیل کو اس لئے ہلاک کیا کہ قریش مکہ سردی گرمی کے دوسفروں کے عادی تھے ان کے راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے ،سب کے دلوں میں ان کی عظمت پیدا ہو جائے۔اور بعض علماء نے فرمایا کہ محذوف جملہ اعجبوا ہے یعنی تعجب کرو قریش کے معاملہ سے کہ کس طرح سردی و گرمی کے سفر آزادانہ بے خطر ہو کر کرتے ہیں، زجاج نے کہا کہ یہ لام تعجب ہے، (کبیر)

اور بعض نے فرمایا کہ اس کا تعلق اس جملہ سے ہے جو آگے ایت میں آرہا ہے یعنی فلیعبدوا مطلب یہ ہوا کہ قریش کو اس نعمت کے نتیجہ میں اللہ تعالی کا شکر گذار ہونا اور اس کی عبادت میں لگ جانا چاہئے اس صورت میں فلیعبدوا کے اوپر حرف فاء اس لئے ہے کہ پہلے جملے میں ایک معنی شرط کے پائے جاتے ہیں۔ بہر حال اس سورت میں ارشاد یہ ہے کہ قریش مکہ چونکہ دوسفروں کے عادی تھے ایک سردی میں یمن کیطرف اور دوسرا گرمی میں شام کیطرف اور انہیں دوسفروں پران کی تجارت اور کاروبار کا مدار تھا، اور اسی تجارت کی بنا پر وہ مالدار اور اغنیاء تھے اس لئے حق تعالی نے ان کے دشمن اصحاب فیل کو عبرتناک سزادیکر ان کی عظمت لوگوں کے قلوب میں بڑھادی، یہ پورے مما لک میں جہاں بھی جائیں لوگ ان کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں۔

اس سورت میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام قبائل عرب میں قریش اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمام اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو انتخاب کرلیا ہے۔(مسلم:۶:۲۲۷) اور ایک حدیث میں رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ تمام آدمی قریش کے تابع ہیں خیر وشر (رواہ مسلم:۶:۴۸۰)

اور پہلی حدیث میں جس الہی انتخاب کا ذکر ہے غالبا اس کی وجہ ان قبائل کے خاص ملکات اور استعدادیں ہیں کفر وشرک اور جہالت کے زمانہ میں بھی ان کے بعض اخلاق اور ملکات نہایت اعلی تھے ان میں قبول حق کی استعداد بہت کامل تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اولیاء اللہ میں بیشتر لوگ قریش میں سے ہوئے ہیں۔(مظہری)۔

''رحلۃ الشتاء والصیف '' یہ بات معلوم ومعروف ہے کہ مکہ مکرمہ ایک ایسے مقام میں اباد ہے جہاں کوئی

زراعت نہیں ہوتی وہاں باغات نہیں جن کے پھل مکہ والوں کو مل سکیں ، اسی لئے بانی بیت اللہ خلیل اللہ علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے آباد ہونے کے وقت اللہ تعالی سے یہ دعا فرمائی تھی کہ اس شہر کو جائے امن بنادے اور اہل مکہ کو ثمرات کا رزق عطا فرمائے۔'' ارزق اھلہ من الثمرات ''اور باہر سے ہر طرح کے پھل یہاں لائے جایا کریں یجبی الیہ ثمرات کل شیء اس لئے اہل مکہ کے معاش کا مدار اس پر تھا کہ وہ تجارت کے لئے سفر کریں اور اپنی ضروریات وہاں سے لائیں ۔ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مکہ والے بڑے افلاس اور تکلیف میں تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کے جد امجد ہاشم نے قریش کو اس کے لئے امادہ کیا کہ دوسرے ملکوں سے تجارت کا کام کریں ۔ ملک شام ٹھنڈا ملک تھا گرمی کے زمانے میں وہاں اور یمن گرم ملک ہے سردی کے زمانے میں اس طرف تجارتی سفر کرتے اور منافع حاصل کرتے تھے، اور چونکہ یہ لوگ بیت اللہ کے خادم ہونے کی حیثیت سے تمام عرب میں مقدس ومحترم مانے جاتے تھے،تو یہ راستہ کے ہر خطرے سے بھی محفوظ رہتے تھے، اور ہاشم چونکہ ان سب کے سردار مانے جاتے تھے ان کا طریقہ یہ تھا کہ اس تجارت میں جو منافع حاصل ہوتے ان کو قریش کے امیر وغریب سب میں تقسیم کردیتے تھے، یہاں تک کہ ان کا غریب آدمی بھی مالداروں کی برابر سمجھا جاتا تھا۔

پھر حق تعالی نے ان پر یہ مزید احسان فرمایا کہ ہر سال کے دو سفروں کی زحمت سے بھی اس طرح بچادیا کہ مکہ مکرمہ سے ملے ہوئے علاقہ یمن ''تبالہ'' اور ''حرش'' کو اتنا سرسبز اور زرخیز بنادیا کہ وہاں کا غلہ ان کی ضرورت سے زائد ہونے کی بنا پر ان کو اس کی ضرورت پڑی کہ یہ غلات وہاں سے لاکر جدہ میں فروخت کریں چنانچہ اکثر ضروریات زندگی جدہ میں ملنے لگیں، مکہ والے ان طویل دوسفروں کے بجائے صرف دو منزل پر جاکر جدہ سے سب سامان لانے لگے۔ایت مذکورہ میں حق تعالی نے مکہ والوں پر اسی احسان وانعام کا ذکر فرمایا ہے۔

''فلیعبدو ارب ھذا البیت ''انعامات کا ذکر کرنے کے بعد ان کا شکر ادا کرنے کے لئے قریش کو خصوصی خطاب کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کیا کرو، اس جگہ اللہ تعالی کی صفات میں سے رب البیت ہونے کی صفت کو خصوصیت سے اس لئے ذکر فرمایا کہ یہی بیت کعبہ ان کے تمام فضائل اور برکات کا سر چشمہ تھا۔

'' الذی اطعمھم من جوع و اٰمنھم من خوف ''اس میں قریش مکہ کے لئے دنیا کی ان تمام عظیم نعمتوں کو جمع فرمادیا ہے جو انسان کے خوش عیش رہنے کے لئے ضروری ہیں اطعمھم من جوع میں کھانے پینے کے ضروریات داخل ہیں اور امنھم من خوف میں دشمنوں ڈاکوؤں کے خوف سے مامون ہونا بھی شامل ہے۔

سورۃ الماعون (مکیۃ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

أَرَأَيْتَ الَّذِی یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ﴿۱﴾ فَذٰلِکَ الَّذِی یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ﴿۲﴾

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو (روزِ) جزا کو جھٹلاتا ہے؟ یہ وہی (بدبخت) ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ﴿۳﴾ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ﴿۴﴾ الَّذِیْنَ هُمْ

اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لئے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا۔ تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے۔ جو نماز

عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿۵﴾ الَّذِیْنَ هُمْ یُرَاؤُنَ ﴿۶﴾ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾

کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔ جو ریا کاری کرتے ہیں۔ اور برتنے کی چیزیں عاریۃً نہیں دیتے۔

سورۃ الکوثر (مکیۃ) [۱]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِنَّا أَعْطَیْنَاکَ الْکَوْثَرَ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ﴿۲﴾

ہم نے تم کو کوثر عطا فرمائی ہے ۔تو اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو۔

إِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿۳﴾

کچھ شک نہیں کہ تمہارا دشمن ہی بے نام ونشان رہے گا۔

---

[۱] ابن ابی حاتم نے سدی سے، اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں محمد بن علی بن حسینؒ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص

کی اولاد ذکور مر جائے اس کو عرب ''ابتر'' کہا کرتے تھے، یعنی مقطوع النسل، جس وقت نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے قاسم یا ابراہیم کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تو کفار مکہ آپ ﷺ کو ابتر کہہ کر طعنہ دینے لگے، ایسا کہنے والوں میں عاص بن وائل کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے، اس کے سامنے جب رسول کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو کہتا تھا کہ ان کی بات چھوڑ و یہ کچھ فکر کرنے کی چیز نہیں، کیونکہ وہ ابتر (مقطوع النسل) ہیں جب ان کا انتقال ہو جائے گا ان کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہے گا، اس پر سورۂ کوثر نازل ہوئی۔

''إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ'' امام بخاری نے ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ''کوثر'' وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالی نے آپ کو عطا فرمائی ہے، ابن عباسؓ کے خاص شاگرد سعید بن جبیرؒ سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے (بخاری فی التفسیر) تو سعید بن جبیرؒ نے جواب دیا کہ (ابن عباسؓ کا قول اس کے منافی نہیں بلکہ) وہ نہر جنت جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس خیر کثیر میں داخل ہے اس لئے مجاہد نے کوثر کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ دنیا و اخرت دونوں کی خیر کثیر ہے، اس میں جنت کی خاص نہر کوثر بھی داخل ہے۔

حوض کوثر: ایک روز جبکہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں ہمارے درمیان تھے اچانک آپ ﷺ پر ایک قسم کی نیند یا بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوئی، پھر ہنستے ہوئے آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ تو فرمایا کہ مجھ پر اسی وقت ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ کیساتھ سورت کوثر پڑھی پھر فرمایا تم جانتے ہو، کوثر، کیا چیز ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک نہر جنت ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے جس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے روز پانی پینے کے لئے آئے گی، اس کے پانی پینے کی برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہونگے، اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے حوض سے ہٹا دیں گے تو میں کہوں گا کہ میرے پروردگار! یہ تو میری امت میں ہے اللہ تعالی فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد کیا نیا دین اختیار کیا ہے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب البسلمة اية من كل سورة: ۲/ ۱۲، و ابوداود کتاب السنة: ۲/ ۱۳۳)۔

حوض کی صفت میں روایت حدیث میں آیا ہے کہ اس میں دو پرنالے آسمان سے گریں گے، جو نہر کوثر کے پانی سے حوض کو بھر دیں گے، اس کے برتن آسمان کی ستاروں کی تعداد میں ہوں گے، اس حدیث سے سورت کوثر کا سبب=

سورة کافرون (مکیة)[۱]

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ﴿۲﴾

(اے پیغمبر! منکرانِ اسلام سے) کہہ دو کہ اے کافرو! ۔جن(بتوں) کو تم پوجتے ہو ان کو میں نہیں پوجتا

=نزول بھی معلوم ہوا،اور لفظ کوثر کی صحیح تفسیر بھی،یعنی خیر کثیر اور یہ بھی کہ اس خیر کثیر میں وہ حوض کوثر بھی شامل ہے جو قیامت میں امت محمدیہ کو سیراب کریگی،نیز اس روایت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اصل نہر کوثر جنت میں ہے،اور یہ حوض کوثر میدان حشر میں ہوگی،اس میں دو پرنالوں کے ذریعہ نہر کوثر کا پانی ڈالا جائے گا،اس میں ان روایات کی بھی تطبیق ہوگئی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کوثر پر امت کا ورود، دخول جنت سے پہلے ہوگا،اور اس حدیث میں جو بعض لوگوں کو حوض کوثر سے ہٹا دینے کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو بعد میں اسلام سے پھر گئے یا پہلے ہی سے مسلمان نہیں تھے،مگر منافقانہ اظہار اسلام کرتے تھے، نبی ﷺ کے بعد ان کا نفاق کھل گیا۔واللہ اعلم۔

''الکوثر'' بروزن فوعل جو چیز عدد وقدر اور منزلت ومنفعت میں کثیر ہو،اسے کوثر کہا جاتا ہے، **العرب تسمی کل شیء کثیر فی العددوا لقدر کوثرا** ۔قرطبی۔الکوثر سے مراد کے بارے میں مفسرین کے تقریباً پندرہ اقوال ہیں: سب سے زیادہ معروف قول دو ہیں: اول یہ کہ اس سے مراد حوض کوثر ہے جیسا کہ حدیث میں ذکر ہوا،دوم یہ کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے جو دین ودنیا کا کوثر ہے،اور دین ودنیا کی خیر کثیر کا سرچشمہ ہے۔

القول الخامس عشر ان المرادمن الکوثر جمیع نعم اللہ علی محمد ﷺ وھو المنقول عن ابن عباسؓ لان لفظ الکوثریتناول الکثر الکثیرة،فلیس حمل الآیة علی بعض ھذہ النعم اولی من حملھاعلی الباقی فوجب حملھاعلی الکل ۔کبیر۔یعنی اس سے مراد ہر وہ خیر وبرکت اور ہر وہ نعمت مراد ہے جو اللہ تعالی نے رسول ﷺ کو عطا فرمائی ہو، یہ قول ابن عباسؓ سے منقول ہے،اور یہ قول قران کو بطریق اولی شامل ہے۔

وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ﴿٣﴾ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ﴿٤﴾

اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے۔ اور جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں

وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ﴿٥﴾ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴿٦﴾

اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ تم اپنے دین پر میں اپنے دین پر[٢]

---

[١] عن فروة بن نوفل عن ابيه انه قال يارسول الله علمنى شيئا اقوله اذا اويت الى فراشى فقال اقْرَأْ ''قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ '' فانها براءة من الشرك ۔ابوداود رقم: ٥٠٥٥، ترمذی: ٣٤٠٣۔ فروہ بن نوفل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز یعنی آیت یا سورت سکھلا دیجئے جسے میں اپنے بستر پر جا کر (سونے سے پہلے) پڑھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ '' پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ سورت شرک سے بیزاری ہے، لہٰذا تو اسے پڑھ کر سو گئے، تو گویا شرک سے پاک ہو کر سو گئے اور مرو گے تو توحید پر مرو گے۔

[٢] امام بخاری اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لا اعبد ما تعبدون'' الآن ،ولا اجیبکم فیما بقی من عمری، یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں: لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ،وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ،وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ، وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ،ان جملوں میں بظاہر تکرار ہے، اس تکرار کی وجہ سے امام بخاری بیان فرماتے ہیں: '' لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ،وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ '' یہ زمانہ حال سے متعلق ہے، اور اگلی دو آیات کا تعلق زمانہ استقبال سے ہے، ولا اجیبکم فیما بقی من عمری، سے اسی کی طرف اشارہ کیا، لیکن اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپؐ ان کے معبودوں کی عبادت مستقبل میں نہیں کریں گے یہ تو درست ہے لیکن کفار میں سے کئی لوگوں نے ایمان قبول کر کے آپؐ کے معبود یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تو ان کے حق میں یہ کہنا کہ تم بھی میرے معبود کی عبادت نہیں کرو گے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ امام بخاری نے اس کا جواب دیا: وھم الذین قال: ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا، یعنی ''وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ '' سے وہ کفار مراد ہیں جن کے بارے میں فیصلہ ہو گیا تھا کہ ان کے حق میں قرآن کی آیت کا نزول طغیان اور کفر کے اضافہ کا باعث ہوگا ان کے بارے میں ''وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ '' فرمایا گیا ہے، سب کے بارے میں نہیں فرمایا گیا ہے۔ یا تکرار تاکید کے لئے ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ اول ''ما'' سے مراد معبودان باطلہ ہیں اور دوسرے سے مراد طریقہ شرکی و بدعی ہے۔

سورة نصر (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح (حاصل ہو گئی)۔اورتم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق درجوق اللہ کے دین میں

أَفْوَاجًا ﴿۲﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

داخل ہورہے ہیں تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرواوراس سے مغفرت مانگو بیشک وہ معاف کرنے والا ہے[1]

---

[1] یہ سورت باجماع امت مدنی ہے اوراس کا نام سورۃ التودیع بھی ہے تودیع کے معنی کسی کورخصت کرنے کے ہیں،اس سورت میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لئے اس کوسورت التودیع بھی کہا گیا۔

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سورت نصرقرآن کی اخری سورت ہے(قرطبی)مطلب یہ ہے کہ اسکے بعدکوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی ،بعض آیات کانزول جواس کے بعدہونابعض روایات میں ہے وہ اس کے منافی نہیں، جیسا کہ سورۂ فاتحہ کوقرآن کی سب سے پہلی سورت اسی معنی میں کہاجاتا ہے کہ مکمل سورت سب سے پہلے فاتحہ نازل ہوئی ہے۔سورت 'اقرأ'اورسورت مدثر وغیرہ کی چندآیات کااس سے پہلے نازل ہونااس کےمنافی نہیں۔

ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ سورت حجۃ الوداع میں نازل ہوئی اس کے بعدآیت ''الیوم اکملت لکم دینکم''[المائدۃ:] نازل ہوئی ان دونوں کےنزول کے بعدرسول اللہ ﷺ اس دنیامیں صرف اسی(۸۰)روزرہے(اسی روزکے بعدوفات ہوگئی)ان دونوں کے بعدآیت کلالہ نازل ہوئی جس کے بعدرسول پاک ﷺ کی عمرکےکل پچاس دن رہ گئے تھے،اس کے بعدآیت ''لقدجائکم رسول من انفسکم عزیزعلیه ماعنتم ......الایة'' نازل ہوئی جس کے بعدعمرکےکل پینتیس(۳۵)روزباقی تھے،اس کے بعدآیت ''اتقوایوماترجعون فیه الی اللہ'' نازل ہوئی،جس

کے بعد صرف اکیس روز (۲۱) اور مقاتل کی روایت میں صرف سات (۷) روز کے بعد وفات ہوگئی (قرطبی)۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس آیت اذا جاء نصر اللہ و الفتح میں فتح مکہ مراد ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورۂ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے یا بعد میں۔ لفظ اذا جاء سے بظاہر قبل فتح نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور روح المعانی میں بحر محیط سے ایک روایت بھی اس کے موافق نقل کی ہے اس سورۂ کا نزول غزوہ خیبر سے لوٹنے کے وقت بیان کیا گیا۔ اور خیبر کی فتح فتح مکہ سے مقدم ہونا معلوم و معروف ہے اور روح المعانی میں بسند عبد ابن حمید قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس سورۂ کے نزول کے بعد دو سال زندہ رہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا کیونکہ فتح مکہ سے وفات تک دو سال سے کم مدت ہے۔

فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوئی اور وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں۔ اور جن روایات میں اس کا نزول فتح مکہ یا حجۃ الوداع میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس موقع پر رسول کریم ﷺ نے یہ سورت پڑھی ہوگی جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ ابھی نازل ہوئی ہے۔

متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ میں ہے کہ اس سورت میں رسول کریم ﷺ کی وفات کا وقت قریب آ جانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا کام پورا ہو چکا اب تسبیح و استغفار میں لگ جائے، جیسا کہ حدیث بخاری میں ہے کہ: 'عن ابن عباسؓ قال: کان عمرؓ یدخلنی مع اشیاخ بدر، فکأن بعضهم وجد فی نفسه، فقال: لم تدخل هذا معنا ولنا أبناء مثله؟ فقال عمرؓ: إنه ممن علمتم: فدعاهم ذات یوم فأدخله معهم، فمارؤیت أنه دعانی فیهم یومئذ إلا لیریهم، فقال: ماتقولون فی قول اللّٰه عزوجل '' إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ''؟ فقال بعضهم: أمرنا أن نحمد اللّٰه و نستغفره إذا جاء نصرنا و فتح علینا، وسکت بعضهم فلم یقل شیئا، فقال لی: کذالک یل تقول یا ابن عباس؟ فقلت: لا، فقال: ماتقول؟ فقلت: هو أجل رسول اللّٰه ﷺ أعلمه له، قال: '' إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ '' فذٰلک علامة أجلک '' فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ کَانَ تَوَّابًا '' فقال عمر بن الخطابؓ: لا أعلم منها إلا ماتقول' [بخاری، کتاب التفسیر]

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ بڑی عمر والے بدری مجاہدین کے ساتھ ساتھ عمرؓ مجھے بھی شامل کر لیا کرتے تھے، تو شاید کسی کے دل میں اس سے کچھ ناراضگی پیدا ہوئی ہوگی، اس نے کہا کہ یہ ہمارے ساتھ نہ آیا کریں، ان جتنے تو ہمارے بچے ہیں، عمرؓ نے فرمایا کہ تم انہیں خوب جانتے ہو، ایک دن سب کو بلایا اور مجھے بھی یاد فرمایا، میں سمجھ گیا کہ آج انہیں کچھ دکھانا=

سورة لھب (مکیة)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ﴿۲﴾

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔ نہ تو اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا

= چاہتے ہیں، جب ہم سب جا پہنچے تو امیر المؤمنین نے ہم سے پوچھا کہ سورۃ 'إذا جاء' کی نسبت تمہیں کیا علم ہے؟ بعض نے کہا اس میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے اور گناھوں کی بخشش چاہنے کا حکم کیا گیا ہے کہ جب مدد الٰہی آجائے اور ہماری فتح ہو تو ہم یہ کریں، اور بعض بالکل خاموش رہے، تو آپؓ نے میری طرف توجہ فرمائی اور کہا کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر اور کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا پیغام ہے، آپ ﷺ کو معلوم کرایا جارہا ہے کہ اب آپ ﷺ کی دنیوی زندگی ختم ہونے کو ہے آپ ﷺ تسبیح اور حمد میں اور استغفار میں مشغول ہو جایئے، عمرؓ نے فرمایا یہی میں بھی جانتا ہوں۔

ورأیت الناس: فتح مکہ سے پہلے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جن کو رسول کریم ﷺ کی رسالت اور اسلام کی حقانیت پر تقریباً یقین ہو چکا تھا، مگر اسلام میں داخل ہونے سے ابھی تک قریش کی مخالفت کے خوف سے یا کسی تذبذب کی وجہ سے رکے ہوئے تھے۔ فتح مکہ نے وہ رکاوٹ دور کردی، تو فوج درفوج یہ لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

فسبح بحمد ربک: عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو یہ دعا کرتے تھے: **سبحانک اللھم ربنا وبحمدک اللھم اغفرلی** (رواہ البخاری، کتاب التفسیر)

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۳﴾ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴿۴﴾

وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا۔ اور اس کی جورو بھی جو ایندھن سر پر اٹھائے پھرتی ہے۔

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿۵﴾

اس کے گلے میں مونجھ کی رسی ہوگی [1]

---

[۱] صحیحین میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر آیت ''وأنذر عشیرتک الأقربین'' نازل ہوئی تو آپ ﷺ کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کو آواز دی، بعض روایات میں ہے کہ 'یاصباحاہ' کہہ کر یا بنی عبدمناف اور یا بنی عبدالمطلب وغیرہ ناموں کے ساتھ آواز دی (اس طرح آواز دنیا عرب میں خطرہ کی علامت سمجھا جاتا تھا) سب قریش جمع ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن (تم پر چڑھ آیا ہے) اور صبح وشام میں تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے، کیا آپ لوگ میری تصدیق کروگے، سب نے یک زبان ہوکر کہا کہ ہاں ضرور تصدیق کریں گے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک عذاب شدید سے (جو شرک وکفر پر اللہ تعالی کیطرف سے مقرر ہے) یہ سن کر أبولہب نے کہا 'تبالک ألھذا جمعتنا' ہلاکت ہو تیرے لئے کیا تو نے ہمیں اس کے لئے جمع کیا تھا اور آپ ﷺ کو مارنے کے لئے ایک پتھر اُٹھالیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ [بخاری، کتاب التفسیر]

اس میں أبولہب اور اس کی بیوی أم جمیل اور بیٹے عتبہ تینوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا گیا ہے، کہ ہر مرد یا عورت اپنا ہو یا بیگانہ، بڑا ہو یا چھوٹا، جو بھی حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار تباہ وبرباد اور ذلیل وخوار ہوکر رہے گا، پیغمبر ﷺ کی قریبی قرابت بھی اسے بچا نہ سکے گی، یہ قرابت ایمان وعمل کے ساتھ تو مفید ہوسکتی ہے، مگر اس کے بغیر کوئی قیمت نہیں رکھتی، اس کی شکست اور ناکامی پر آخری مہر اس طرح لگی، کہ جس دین کی بیخ کنی کے لئے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اسی دین کو اس کی اولاد نے قبول کیا۔ اس سورت کا حاصل یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ سے عداوت رکھنے کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

أبولہب کی بیوی، أم جمیل مالدار ہونے کے باوجود سخت بخیل تھی جنگل سے خود لکڑیاں چن کر لایا کرتی تھی اور کانٹے=

سورۃ الاخلاص (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمۡ یَلِدۡ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ﴿۳﴾

کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ ایک ہے۔ معبود برحق جو بے نیاز ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔

وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔[1]

= نبی کریم ﷺ کے راستے میں ڈال دیا کرتی تھی، ایک دن وہ لکڑیاں کمر پر رکھ کر لا رہی تھی اور رسی اپنی پیشانی سے باندھ رکھی تھی، راستے میں ستانے اور آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئی ایک فرشتہ پیچھے سے آیا اور اس نے وہ لکڑیاں کھینچیں تو رسی اس کی پیشانی سے سرک کر گلے میں آ گئی اور گلا گھٹ جانے سے وہ مرگئی، قرآن کریم نے اس کو "حمالة الحطب" کہا ہے۔

بعض نے کہا "حمالة الحطب" کے معنی چغلخور کے لئے ہیں اور محاورات عرب میں اسی معنی میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، جیسے فارسی میں بھی ایسے شخص کو 'ہیزم کش' کہتے ہیں، مجاہد نے یہی معنی کئے ہیں۔[بخاری، وقرطبی]

[۱] عن عائشةؓ ان النبی ﷺ كان اذا اوی الی فراشه كل ليلة جمع كفيه ثم نفث فيهما فقرأفيهما قل هو الله احد، وقل اعوذ برب الفلق، وقل اعوذبرب الناس، ثم يمسح بهما ما استطاع من جسده يبدأبهما علی رأسه ووجهه وما اقبل من جسده يفعل ذلک ثلاث مرات (بخاری: ۵۰۱۷، ۵۷۴۸) عائشہؓ فرماتی ہے کہ رسول کریم ﷺ روزانہ رات میں جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو سونے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ ملا کر ان پر دم کرتے اور پھر ان پر ﴿قل هو الله احد﴾ ﴿قل اعوذ برب الفلق﴾ ﴿قل اعوذبرب الناس﴾ پڑھتے اور پھر اپنے دونوں ہاتھ اپنے جسم پر جہاں تک ہوسکتا پھیرتے، پہلے آپؐ ہاتھ پھیرنا، اپنے سر، منہ اور بدن کے آگے حصہ سے شروع کرتے (اس کے بعد بدن کے

دوسرے حصوں پر پھیرتے) آپ ﷺ یہ عمل (یعنی پڑھنا، دم کرنا، اور بدن پر دونوں ہاتھوں کا پھیرنا) تین مرتبہ کرتے تھے۔اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھوں پر دم تو پہلے کرتے تھے اور پڑھتے بعد میں تھے ،چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ طریقہ اس لئے اختیار فرماتے تھے تا کہ ساحروں کی مخالفت ظاہر ہو، کیونکہ وہ پہلے پڑھتے ہیں اور بعد میں دم کرتے ہیں ،بعض علما کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے دم کرنے کا ارادہ کرتے پھر پڑھتے اور اس کے بعد دم کرتے ۔

یہ سورت ان سورتوں میں سے ہیں جو کہ متکثّر الاسماء ہیں: رازی وغیرہ نے یہ نام لکھیں ہیں۔

(۱) سورت التفرید(۲)سورۃ التجرید(۳)سورۃ التوحید(۴)سورۃ الاخلاص (۵)سورۃ النجاۃ (۶)سورۃ الولایۃ (۷)سورۃ النسبۃ(۸)سورۃ المعرفۃ(۹)سورۃ الجمال(۱۰)سورۃ المقشقشۃ (۱۱) سورۃ المعوذۃ (۱۲)سورۃالصمد(۱۳)سورۃ الاساس(۱۴) سورۃ المانعۃ(۱۵)سورۃ المحضر (۱۶) سورۃ المنفرۃ(۱۷)سورۃ البرأۃ(۱۸)سورۃ المذکرۃ (۱۹) سورۃ النور(۲۰)سورۃ الامان۔

(۲) عن ابی الدرداءؓ قال : قال رسول اللهﷺ :ایعجزاحدکم ان یقرأفی لیلۃ ثلث القرآن، قالوا وکیف یقرأ ثلث القرآن؟قال قل ھو الله احدتعدل ثلث القران.مسلم: ۸۱۱،والنسائی فی الکبری:۱۰۵۳۷ . ابوالدرداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص ایک رات میں تہائی قرآن پڑھنے سے عاجز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ تہائی قرآن کیسے پڑھا جائے؟ آپؐ نے فرمایا ”قل ھو الله احد“ تہائی قرآن کے برابر ہے،جس شخص نے رات میں یہ سورت پڑھ لی گویا اس نے تہائی قرآن پڑھ لیا۔

قرآن کریم میں بنیادی طور پر تین قسم کے مضمون مذکور ہیں:(۱) قصص(۲) احکام(۳) توحید۔چونکہ سورت اخلاص میں باری تعالی کی توحید نہایت اونچے اور بلیغ انداز میں بیان ہے، یا یوں کہے کہ پورے قران مجید میں توحید کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے،سورت اخلاص اس کا خلاصہ اور حاصل ہے اس لئے سورت اخلاص پڑھنا تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

اور بعض علماءفرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ ”قل ھو الله احد“ کا ثواب تہائی قرآن کے اصل ثواب کے بقدر مضاعف کیا جاتا ہے،(یعنی بڑھایا جاتا ہے)اس طرح ان دونوں اقوال میں ایک لطیف فرق

پیدا ہو گیا ہے، پہلے قول اور پہلی وضاحت کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص سورۂ ''قل ھو اللہ احد'' تین مرتبہ پڑھے تو یہ لازم نہیں آتا کہ اسے پورے قرآن کا ثواب ملے۔ جبکہ دوسرے قول کے مطابق ''قل ھو اللہ احد'' تین مرتبہ پڑھنے سے ایک پورے قرآن کا اصل ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو امیر بنا کر ایک لشکر کے ساتھ بھیجا وہ شخص نماز میں اپنے رفقاء کی امامت بھی کرتا تھا اور (اس کا معمول تھا کہ اپنی قرأت) قـل ھـو اللہ احـد پر ختم کرتا تھا، جب وہ (لشکر کے لوگ) واپس آئے تو انہوں نے اس کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا، آپؐ نے ان سے فرمایا کہ اس شخص سے دریافت کرو کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ یہ اس لئے کرتا ہوں کہ اس سورت میں رحمٰن، اللہ تعالی کی صفت (وحدانیت) بیان کی گئی ہے، اور میں اسے پسند کرتا ہوں کہ (اللہ کی صفت وحدانیت کے اظہار کے پیش نظر) اس سورت کو ہمیشہ پڑھتا رہوں، نبی کریم ﷺ نے یہ سنکر فرمایا کہ اس شخص کو خبر دو کہ اللہ تعالی اس کو دوست رکھتا ہے، کیونکہ وہ (اللہ تعالی کو دوست رکھتا ہے)۔

شیخ ابن عربیؒ نے اشارات کا بیان تطویل سے لکھا کہ جس کا خلاصہ یہ کہ (قـــل) حکم عین الجمع سے مظہر تفصیل پر وارد ہے (ھـــو) حقیقت اُحدیت یعنی ذات صرف بدون لحاظ اعتبار ہے، اور سوائے اللہ تعالی کے کسی میں اس کی معرفت نہیں ہے، (اللہ) ضمیر مذکور سے بدل ہے، اور یہ اسم ذات مع جمیع صفات ہے، اسی طرح بدل ومبدل منہ کے بیان سے ظاہر ہوا کہ صفات حق تعالی اس کی ذات پاک سے امر زائد نہیں ہیں، بلکہ عین ذات ہیں، اور فرق فقط اعتباری سمجھ میں ہے، اسی وجہ سے اس سورت کا نام اخلاص ہے یعنی ذات پاک کو لگاؤ سے خالص کرنا۔

مترجم کہتا ہے کہ صوفیہ کا یہی قول ہے کہ صفات الٰہیہ عین ذات ہیں، اور متکلمین کا یہ قول ہے کہ زائد ہیں لیکن غیر نہیں، اور نہ عین ہیں، اور علماء محدثین اور صالحین نے کہا کہ یہ سب فضول کلام ہے، ہم قرآن وحدیث پر ایمان لائے، پس ہم اللہ تعالی اور اس کے صفات سب پر ایمان لائے، جب آخرت میں جنت میں اس کے فضل سے پہونچے تو ہم اپنی مراد کو پہونچے اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ یہ بہت سیدھا طریقہ ہے اور بارہا ذکر ہوا کہ اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق کے اندر عقل کو پیدا کیا تو غیر ممکن ہے کہ عقل اسکے ادراک کر سکے، اگر کہا جاوے کہ یہاں ''اللہ أحـــــــد'' فرمایا اور دیگر آیات میں ''الـواحد'' فرمایا ہے؟ جواب، فرق دونوں میں کچھ نہیں سوائے اسکے کہ 'أحد' خالص ذات ہے 'واحد' ذات مع صفات

ہے، پس اول 'ھو' فرمایا یعنی خالص حقیقت محضہ، اور اسکا بدل 'اللہ' فرمایا یعنی ذات مع صفات کے پھر فرمایا 'أحد' تا کہ سمجھ لیا جاوے کہ کثرت کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہ عین اُحدیت ہے، جیسے سمندر میں کوئی شخص قطرے اپنے وہم میں تصور کرے تو اس کثرت قطرات سے سمندر کے ایک ہونے میں کچھ خلل نہیں ہوسکتا ہے، "اللہ الصمد" یعنی ذات جامع الصفات جل جلالہ جمیع اشیاء کا مرجع ہے اُسی سے سب کا قیام ہے کیونکہ ہر چیز اُسی کی طرف محتاج ہے، جب وہ پیدا کرے اور اپنی قدرت میں باقی یعنی ظاہر رکھے تب تک وہ چیز ہماری نظر میں باقی رہتی ہے، اور جب اس نے یہ ظہور مٹا دیا تو وہ دوسرے جہان میں ظاہر ہے، پس وہی غنی مطلق ہے اور باقی کل چیزیں اُسی کی محتاج ہیں جیسے فرمایا کہ "یاأیھاالناس أنتم الفقراء و اللہ ھو الغنی الحمید" [فاطر:۱۵]

یعنی اللہ تعالی ہی غنی ہے اور تم سب محتاج ہو، واضح ہو کہ جب ہر چیز کا وجود ایسا ہے کہ خواہ مخواہ ہونا واجب نہیں رکھتا کیونکہ وہ چیز کبھی نہ تھی پھر ہوئی پھر نیست ہوگئی تو خود ظاھر ہے کہ اگر وہ خود ضرور ہوتی تو ہمیشہ سے ہوتی اور ہمیشہ رہتی تو معلوم ہوا کہ الوہیت کے لائق کوئی چیز نہیں ہے، اور معلوم ہوگیا کہ "لم یلد" یعنی اللہ تعالی واجب الوجود قدیم ازلی ہے، اور کوئی چیز نہ تھی جو فرزند ہو کیونکہ اوپر بیان ہوا کہ کسی میں وجود ذاتی نہیں ہے نہ اسکا مادہ ہوسکتا ہے اور نہ نتیجہ ہوسکتا ہے کیونکہ جو چیزیں ہیں وہ اسکے پیدا کرنے سے ظاہر ہیں، تو اپنی ذات سے نیست ہیں تو اسکی جنس نہیں ہوسکتی ہیں کیونکہ سب چیزیں محض عدم و نیست ہیں، پس نہ کسی میں سوائے اُسکے اُلوہیت ہے، اور نہ بیٹا ہے، نہ جورو ہے اور نہ اسکا کوئی ہمسر ہے، کیونکہ ذات واجب قدیم کے مقابلہ میں کیونکر یہ سب نیست چیزیں کچھ ہوسکتی ہیں۔[مواھب الرحمٰن]

"ھو" ضمیر بیضاوی نے کہا کہ یہ ضمیر شان ہے، ھو زید منطلق کی طرح، ابتداء کی وجہ سے یہ مرفوع ہے، اور "اللہ أحد" جملہ اس کی خبر ہے، اور 'ھو' کے ہوتے ہوئے عائد کی ضرورت نہیں ہے، یا یہ ضمیر اس مسئول کو راجع ہے جس کے متعلق استفسار کیا جا رہا تھا جو کہ حدیث میں ہے کہ 'عن أبی بن کعبؓ :أن المشرکین قالوا للنبی ﷺ یامحمد! انسب لنا ربک فأنزل اللہ: ﴿قل ھو اللہ أحد، اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد، ولم یکن لہ کفوا أحد﴾ '

[مسند أحمد: ۱۳۳/۵، ۱۳۴، وغیرہ] یعنی مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اپنے رب کے نسب و اوصاف بیان کرو، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ یعنی اللہ کی نسب و نسبت یہ سورت ہے۔ کمالین والے لکھتے ہیں اس جملہ میں اللہ تعالی کے لئے 'أحد' کا لفظ جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں غیر معمولی ہے،

یوں تو اس کا استعمال بہت سے طریقوں سے ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم کے علاوہ عربی زبان میں محض وصف کے

طور پر اس کے استعمال کی کوئی نظیر نہیں ملتی، قرآن نے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اس کا استعمال کیا ہے، اس غیر معمولی استعمال طرز بیان سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یگانہ اور یکتا ہونا اللہ کی صفت ہے، یعنی وہ اکیلا ہے اسکا کوئی ثانی نہیں ہے، پس مشرکین اور اہل کتاب کے سوالات کا مختصراً حل اس طرح ہوا کہ وہی اکیلا رب ہے، وہی اکیلا اِلٰہ، وہی اکیلا خالق، مالک الملک، مدبر، منتظم، ورازق وغیرہ ہے، ربوبیت کے ان کاموں میں جن کو تم مانتے ہو کہ یہ اللہ ہی کے کام ہیں، اس کا کوئی شریک نہیں ہیں، انہوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کس چیز سے بنا ہے، اس کا نسب کیا ہے، اس کی جنس کیا ہے، وہ کس کا وارث ہے، اس کا وارث کون ہوگا؟

اور لفظ 'اللّٰہ' سے تو دہریوں اور منکرین اِلٰہ پر رد ہو گیا جو بالکل اِلٰہ کے قائل ہی نہیں ہیں، اور اس کائنات کو محض لخت واتفاق کا ایک نتیجہ قرار دیتے ہیں، یا مادہ کو قدیم مانتے ہیں، اسی طرح لفظ **'أحد'** سے ان لوگوں پر رد ہو گیا جو ایک سے زائد معبود مانتے ہیں، خواہ وہ مجوس ہوں جو خالق خیر وشر یزدان واہرمن الگ الگ مانتے ہیں، یا ہنود، یا آج کل کے قبر پرست۔ امام رازی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں فقط 'الواحد اور الاحد' آیا ہے، اور علاوہ اس کے وحد، اور وحید وغیرہ جو اس معنی میں ہیں، صفت اِلٰہی میں نہیں آتے ہیں۔

"الصمد" علیؓ، عکرمہ، کعب احبار کے نزدیک **"صمد"** وہ ہے جس سے بالاتر کوئی نہ ہو، عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ابو وائل شقیق بن سلمہؒ کے نزدیک سردار کامل کے معنی میں ہے، اور ابن عباسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا سردار جو اپنی سیادت، شرف وعظمت، علم وبردباری، حکمت میں کامل ہو، وہ **"صمد"** کہلائے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ وہ سردار جس کی طرف لوگ مصیبت میں رجوع کریں۔ أبو ہریرہؓ فرماتے ہیں وہ جو سب سے بے نیاز ہو اور سب اس کے محتاج ہوں، عکرمہؒ کے اور بھی اقوال ہیں: مثلاً وہ چیز کہ جس میں سے نہ کبھی کوئی چیز نکلی ہو، نہ نکلتی ہو، اور جو نہ کھاتا نہ پیتا ہو، سدی کہتے ہیں کہ جو مطلوب حاصل کرنے کا ذریعہ ہو یا مصائب دور ہونے کے لئے اس کی طرف رجوع کیا جائے، سعید بن جبیرؒ کے نزدیک جو صفات واعمال میں کامل ہو، ربیع بن انسؒ کے نزدیک جس پر کوئی آفت نہ آتی ہو، اور مقاتل بن حیان کے نزدیک بے عیب کے معنی ہیں۔ ابن کیسان کے نزدیک وہ کہ جس کی صفت سے کوئی دوسرا متصف نہ ہو سکے، حسن بصریؒ، قتادہؒ کے نزدیک جو باقی رہنے والا لازوال ہو، مرۃ الہمدانیؒ کے نزدیک وہ جو اپنی مرضی اور کام میں خود مختار، آزاد ہو، اس کے حکم اور فیصلہ کے آگے دم مارنے کی مجال نہ ہو، ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ جس کی طرف حاجات میں رجوع کریں۔

ابو بکر انباریؒ کا کہنا یہ ہے کہ اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ ''صمد'' اس سردار کو کہتے ہیں جس سے بالاتر کوئی سردار نہ

ہو،اورجس کی طرف لوگ اپنے معاملات وضروریات میں رجوع کریں،زجاج کہتے ہیں کہ جس پرسرداری ختم ہوگئی ہواورلوگ اپنی حاجتوں میں اس کی طرف رجوع کریں۔

امام طبرانی نے کتاب السنہ میں ان سب اقوال کونقل کرکے فرماتے ہیں: **وکل ھذہ صحیحۃ وھو صفات ربنا عزوجل ھو الذی یصمد الیہ فی حوائج ، وھو الذی قد انتھا سوددہ ،وھو الصمد الذی لاجوف لہ، لایأکل ولایشرب وھو الباقی بعد خلقہ۔**

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ لفظ''احد''چونکہ اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے،اس لئے نکرہ لانا کافی سمجھا گیا، لیکن''صمد'' کا لفظ چونکہ مخلوق کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے،اس لئے''الصمد''معرفہ استعمال کیا گیا ہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلی صمد اللہ ہے اورمخلوق کواگرکسی حیثیت سے صمد کہا بھی جائے توجزوی لحاظ سے ہوگا،کیونکہ مخلوق اللہ کی طرح لازوال نہیں بلکہ فانی ہے۔مرکب ہوتی ہے جس میں تقسیم وتجزیہ ہوکرکسی وقت اس کے اجزاء بکھرسکتے ہیں۔مخلوقات میں احتیاج بھی ہے اوران کی سیادت بھی اضافی ہے، اوراس کی برتری بھی مطلق نہیں بلکہ اضافی ہے۔اسی طرح مخلوق کی حاجت برابری اورحاجت روائی بھی اضافی ہوگی، برخلاف اللہ تعالی کے اس کی صمدیت ہرحیثیت سے کامل ومکمل ہے،اس لئے وہی''الصمد'' کا مصداق ہے، اس سے جاہلوں پرردہوگیا جوکسی غیراللہ کوکسی درجہ میں اختیاررکھنے والاسمجھتے ہیں،اسی طرح فرقہ آریہ کا بھی ردہوگیا جومادہ اورروح کی قدیم ہونے کی قائل ہیں اوران دونوں کی طرف اللہ کومحتاج مانتے ہیں،ان دونوں کواللہ کامحتاج نہیں مانتے۔

علی ابن ابی طلحہ نے اپنی تفسیر (الصحیفہ) میں عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ: **(الصمد)ھو السید الذی قد کمل فی سوددہ،و الشریف الذی قد کمل فی شرفہ و العظیم الذی قد کمل فی عظمتہ،و الحلیم الذی قد کمل فی حلمہ،و العلیم الذی قد کمل فی علمہ،و الحکیم الذی قد کمل فی حکمتہ، وھو الذی قد کمل فی انواع الشرف وا لسودد،وھو اللہ سبحانہ،ھٰذہ صفتہ لاتنبغی الا لہ،لیس لہ کفؤ، و لیس کمثلہ شیء،سبحان اللہ الواحد القھار** ۔یعنی **الصمد** کے معنی وہ سید جوسرداری میں کامل ہواوروہ شریف جوشرافت میں کامل ہواوروہ عظیم جوعظمت میں کامل ہو،اوروہ علیم جوعلم میں کامل ہو،اوروہ حکیم جوحکمت میں کامل ہو،خلاصہ یہ کہ **الصمد** وہ ہے جوسب صفات کمال میں کامل ہو۔

ایک حدیث میں اس آیت کو'**الصمد**' کی تفسیر ٹھہرایا یعنی **الصمد** وہ ہے کہ ﴿**لم یلد ولم یولد**﴾ عن

بریدۃؓ ان رسول اللہﷺ سمع رجلا یقول: اللھم انی اسألک بانک انت اللہ لااله الا انت، الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفوا احد، فقال: دعا اللہ باسمه الاعظم الذی اذا سئل به اعطی واذا دعی به اجاب. (رواہ الترمذی: رقم: ۳۴۷۵، ابوداود: رقم: ۱۴۹۳) بریدہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریمﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ: اے الٰہی! میں تجھ سے اپنا مقصود ومطلوب اس وسیلہ کے ساتھ مانگتا ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایسا یکتا اور بے نیاز ہے کہ نہ تو اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں یہ سنکر آپﷺ نے فرمایا اس شخص نے اللہ تعالی سے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی، ایسا اسم اعظم کہ جب اللہ تعالی سے اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال پورا کرتا ہے، اور جب اس کے ذریعہ دعا مانگی جاتی ہے تو اللہ تعالی اسے قبول کرتا ہے، یعنی وہ دعا اکثر قبول ہوتی ہے۔

زیادہ صحیح بات تو یہی ہے کہ اسم اعظم اللہ تعالی کی اسماء میں پوشیدہ ہے، تعین کے ساتھ اس کا کسی کو علم نہیں ہے، جیسا کہ (لیلۃ القدر) لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ اسم اعظم لفظ ''اللہ'' ہے، اور سید عبدالقادر جیلانی کے قول کے مطابق اس شرط کے ساتھ کہ زبان سے جب ''اللہ'' ادا ہو تو دل میں اللہ کے علاوہ اور کچھ نہ ہو، یعنی اس اسم پاک کی تاثیر اسی وقت ہوگی جبکہ اللہ کو پکارتے وقت دل ماسوی اللہ سے بالکل خالی ہو۔ اس اسم اعظم کے سلسلے میں علماء کے اور بھی اقوال ہیں۔

بعض علماء نے سؤال اور دعا میں یہ فرق نقل کیا ہے کہ سؤال کے معنی ہیں طلب کرنا جیسے کہ کہا جائے، ''**اللھم اعطنی**''، یعنی اے اللہ مجھے فلاں چیز عطا کر اور اس کے جواب میں اللہ کی عطا یعنی اس کا دینا، اور دعا کے معنی ہیں پکارنا، جیسے کہ کہا جائے یا اللہ! اور اس کے جواب اللہ کی طرف سے اجابت یعنی قبول کرنا ہے، جیسے اللہ تعالی بندہ کی پکار پر فرمائے، **لبیک عبدی**، ہاں اے میرے بندے۔ ''**لم یلد ولم یولد**'' اس سے نصاریٰ ویہود کا شرک باطل ہوا کیونکہ یہ دونوں صفتیں نقصان کی ہیں۔ ''**ولم یکن له کفوا احد**'' مجاہد نے کہا کہ نہ اس کی زوجہ ہے کیونکہ زوجہ انسان کی کفو ہوتی ہے اور ہر ایک چیز کا جوڑا اس کا کفو ہے۔ قرآن کریم میں بکثرت یہود ونصاریٰ کے باطل خیال کو رد کیا اور ان کے خیال کو بہت قبیح کلمہ قرار دیا، کہ قریب ہے کہ ان کی بدزبانوں کے کلمہ سے جو بیٹا یا جوروں بناتے ہیں آسمان پٹ جاوے اور پہاڑ منہدم ہو، بلکہ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ تعالی کے سامنے تابعدار بنکر آوے گی ﴿تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِن فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَن فِي الْأَرْضِ أَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (شوریٰ: ۵)۔

سورۃ الفلق(مکیۃ)[۱]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلۡ أَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾

کہو کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ ہر چیز کی بُرائی سے جو اس نے بنائی۔

وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنۡ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِی الۡعُقَدِ ﴿۴﴾

اور شبِ تاریک کی بُرائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے، اور گنڈوں پر (پڑھ پڑھ کر) پھونکنے والیوں کی بُرائی سے

وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

اور حسد کرنے والے کی بُرائی سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

---

[۱] عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ ﷺ سحر حتی کان یری انه یاتی النساء ولا یاتیھن ،قال سفیان وھذا اشدمایکون من السحر اذا کان کذا،فقال یاعائشۃ ! اعلمت ان اللہ تعالی قدافتانی فیما استفتیته فیه،اتانی رجلان فقعد احدھما عند رأسی والاخر عند رجلی فقال الذی عند رأسی للاخر،مابال الرجل؟قال مطبوب،قال ومن طبه ؟قال لبید بن اعصم ،رجل من بنی زریق حلیف الیھود،کان منافقا،قال:وفیم؟قال فی مشط ومشاقة قال واین؟قال فی جف طلعة ذکر تحت رعوفة فی بئر ذروان ،قالت فاتی النبی ﷺ البئر حتی استخرجه فقال ھذه البئر التی اریتھا وکان مائھا نقاعة الحناء،وکأن نخلھا رؤوس الشیاطین ، قال فاستخرج ، قالت فقلت افلا ای تنشرت؟فقال امّا اللہ فقد شفانی واکرہ ان اثیر علی احد من الناس شرا(بخاری: کتاب الطب)۔

عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ پر جادو کیا گیا آپ سمجھتے تھے کہ آپ ازواج مطہرات کے پاس آئے حالانکہ

نہ آئے تھے۔(سفیان فرماتے ہیں کہ یہی سب سے بڑا جادو کا اثر ہے) جب یہ حالت آپؐ کی ہوگئی، ایک دن آپؐ فرمانے لگے کہ عائشہ! میں نے اپنے رب سے پوچھا اور میرے پروردگار نے بتلا دیا، دو شخص آئے ایک میرے سرہانے بیٹھا، ایک پائنیتیوں، سرہانے والے نے اس دوسرے سے پوچھا ان کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے، پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ کہا لبید بن اعصم جو بنی زریق کے قبیلے کا ہے جو یہود کا حلیف ہے اور منافق شخص ہے، کہا کس چیز میں؟ کہا سر کے بالوں اور کنگھی میں، پوچھا دکھا کہاں ہے؟ کہا نر کھجور کے درخت کے چھال میں پتھر کی چٹان تلے ذروان کے کوئیں میں، پھر نبی ﷺ اس کوئیں کے پاس تشریف لائے، اور اس میں سے وہ نکلوایا، اس کا پانی ایسا تھا گویا مہندی کا گدلا پانی، اس کے پاس کے کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر جیسے تھے، میں نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ ان سے بدلہ لینا چاہئیے، آپؐ نے فرمایا: ﴿الحمدللہ﴾، اللہ تعالی نے مجھے تو شفاء دیدی اور میں لوگوں میں برائی پھیلانا پسند نہیں کرتا۔

دلائل النبوۃ بیھقی میں ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ساتھ ہی نازل ہوئی ہیں، اس لئے ان دونوں سورتوں کا نام معوذتین رکھا گیا ہے، ان کے مضامین بھی ایک دوسرے سے قریبی مناسبت رکھتے ہیں، تاہم یہ دونوں سورتیں الگ الگ ہیں اور مصحف عثمانی میں الگ الگ ناموں سے لکھی ہوئی ہیں، پہلی سورت جس میں پانچ (۵) آیات ہیں، دنیاوی مضرات سے استعاذہ کیا گیا ہے، اور دوسری سورت جس میں چھ (۶) آیات ہیں دینی مضرتوں سے استعاذہ کا بیان ہے، اس طرح تمام شرور سے استعاذہ، اور اللہ پر توکل کی تعلیم ہے۔

حدیث میں ہے کہ: "عن عبداللہ بن خبیبؓ قال خرجنا فی لیلۃ مطر و ظلمۃ شدیدۃ نطلب رسول اللہ ﷺ فأدرکناہ فقال: قل، قلت ما أقول؟ قال: قل ھو اللہ أحد و المعوذتین حین تصبح و حین تمسی ثلاث مرات تکفیک من کل شئ" [رواہ الترمذی، رقم: ۳۵۷۵، و أبو داؤد، رقم: ۵۰۸۲، و النسائی: ۸/ ۲۵۰]

عبداللہ بن خبیبؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سخت اندھیری اور بارش کی رات میں رسول اللہ ﷺ کو ڈھونڈتے ہوئے نکلے (یعنی آپ ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے ہم بھی آپ کو ڈھونڈتے ہوئے نکلے تاکہ آپ ﷺ کے ہمراہ جائیں) چنانچہ ہم نے آپ کو پالیا، آپ نے اس وقت فرمایا کہ پڑھو! میں نے عرض کیا کہ کیا پڑھوں، آپ نے فرمایا "صبح اور شام کے وقت تین مرتبہ قل ھو اللہ أحد، قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس پڑھ لیا کرو، یہ تمہیں

ہر چیز سے کفایت کریں گی'' (یعنی ہر آفت وبلاء کو دفع کریں گی)۔

وعن عقبة بن عامر قال: قلت يارسول الله أقرأ سورة هود اوسورة يوسف؟ قال: لن تقرأ شيئا أبلغ عندالله من قل أعوذ برب الفلق. [نسائی:۲/۱۵۸، وأحمد:۴/۱۴۹]

عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا میں (پناہ چاہنے اوشر وبرائی کے دفعیہ کے لئے) سورۂ ھود یا سورۂ یوسف پڑھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا 'تم اللہ کے نزدیک **قل أعوذ برب الفلق** سے زیادہ بہتر کوئی چیز ہرگز نہیں پڑھ سکتے'۔

'**لن تقرأ شيئا أبلغ عندالله**' کا مطلب یہ ہے کہ آفات وبلاؤں اور برائیوں سے پناہ چاہنے کے سلسلہ میں اس سورۃ یعنی **قل أعوذ برب الفلق**، سے زیادہ کامل اور بہتر دوسری کوئی سورۃ نہیں ہے، کیونکہ یہ سورۃ سب سے زیادہ کامل ہے جس میں ہر مخلوق کی برائی اور شر سے پناہ مانگی گئی ہے، '**قل أعوذ برب الفلق من شر ماشر خلق**.

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پناہ چاہنے کے سلسلہ میں دونوں سورتیں یعنی **قل أعوذ برب الفلق** و **قل أعوذ برب الناس** سے زیادہ کامل اور کوئی سورۃ نہیں ہے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس جملہ سے مقصود ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ طلب کرنے کی رغبت دلانا ہے، گویا علامہ طیبی اور ابن ملک دونوں کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس ارشاد گرامی میں صرف ایک سورۃ یعنی **قل اعوذ برب الفلق** ذکر کی گئ ہے اور چونکہ قرینہ سے دوسری سورۃ یعنی سورۃ الناس بھی مفہوم ہوتی ہے، اس لئے یہاں دونوں سورتیں مراد ہیں۔

"**رب الفلق**" مفسرین کی اکثریت فلق سے مراد رات کی تاریکی پھاڑ کر سپیدہ صبح نکالنا لے رہی ہے، کیونکہ **فلق الصبح** کا استعمال عربی میں طلوع صبح کے لئے بکثرت آتا ہے قران کریم میں دوسری جگہ ''فالق الاصباح'' (انعام :۹۶) جملہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے ''فلق'' کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں دنیا میں جتنی چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں وہ کسی نہ کسی چیز کو پھاڑ کر ہی نکلتی ہیں، چنانچہ تمام نباتات اپنی بیج اور زمین کو پھاڑ کر اپنی کونپلیں نکالتی ہیں تمام حیوانات یا انڈوں کو توڑ کر نکلتے ہیں۔ یا رحم مادر سے برامد ہوتے ہیں، یا کسی اور روکاوٹ کو چیر کر باہر آتے ہیں، تمام چشمے پھاڑوں یا زمین کو شق کر کے بہتے ہیں، اسی طرح دن کو دیکھئے کہ رات کا پردہ چاک کر کے نمودار ہوتا ہے، حتی زمین وآسمان بھی پہلے ایک ڈھیر تھے جس کو پھاڑ کر الگ الگ کر دیا۔ "**كانتا رتقا ففتقناهما**" (انبیاء:۳۰) "**فلق** '' کے معنی اگر خاص صبح کے لئے جائیں،

تو مطلب یہ ہوگا کہ میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں اور فلق کے معنی اگر عمومیت کے ساتھ لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تمام مخلوق کے رب کی پناہ مانگتا ہوں یہاں اسم ذات اللہ کے بجائے صفت ربوبیت لانا پناہ جوئی کے لئے زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

"من شر ما خلق" یعنی ہر مخلوق کی بدی سے پناہ چاہتا ہوں، اس فقرہ میں چند باتیں قابل لحاظ ہیں، اول یہ کہ مخلوق کے پیدا کرنے کی نسبت تو اپنی طرف کی گئی، مگر شر پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں کی گئی، یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ان شرور سے پناہ چاہتا ہوں جو اللہ نے پیدا کئے ہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیں، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کسی مخلوق کو شر کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اس کا ہر کام خیر و مصلحت ہی کے لئے ہوتا ہے البتہ مخلوقات کے اندر جو اوصاف اس نے اس لئے پیدا کیئے ہیں کہ ان کی تخلیق کی مصلحت پوری ہو ان سے بعض اوقات اور بعض اقسام کی مخلوقات سے اکثر شر رونما ہوتا ہے، پس اس اعتبار سے فی نفسہ شر کا پیدا کرنا بھی شر نہ ہوا، جبکہ بے شمار مصالح اس میں مضمر ہوتے ہیں۔ اس فقرہ میں دنیا ہی کے نہیں آخرت کے ہر شر سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔

"و من شر غاسق اذا وقب" تمام مخلوقات کے ہر قسم کے شرور سے پناہ جوئی کے بعد خاص طور سے بعض مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

"غاسق" کے لغوی معنی تاریک کے ہیں **"اقم الصلوۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل"** (بنی اسرائیل: ۷۸) اور "وقب" کے معنی داخل ہونے یا چھپائے جانے کے ہیں، چونکہ اکثر جرائم و مظالم رات ہی کو ہوتے ہیں موذی جانور بھی رات ہی کو نکلتے ہیں، قتل اور غارت اور لوٹ مار کرنے والے بھی رات ہی کو حرکت میں آتے ہیں، چھاپہ ماری اور شب خون کی کاروائیاں بھی رات کی تاریکی میں ہوتی ہیں، نبی ﷺ کے قتل کی سازشیں بھی رات ہی کے اندھیرے میں ہوتی تھیں، غرض رات کی تاریکی میں ہونے والے ان تمام شرور سے خاص طور سے پناہ مانگی گئی ہے، اور اندھیری رات کے شر سے طلوع فجر کے رب کی پناہ مانگنے میں جو لطیف مناسبت ہے وہ کسی صاحب بصیرت سے پوشیدہ نہیں، سحر وغیرہ رات ہی کو کئے جاتے ہیں، چاند کا گرہن یا غروب آفتاب بھی ہو سکتا ہے اور ظاہر و باطن کی تاریکیاں تنگدستی، پریشانی اور گمراہی سب اس میں داخل ہیں۔

"و من شر النفثٰت فی العقد" نفّٰثات تمام مفسرین کے نزدیک یہ لفظ بطور استعارہ جادو کرنے والے کے لئے استعمال ہوتا ہے، کیونکہ عموماً جادوگر کسی ڈورے دھاگے میں گرہ دیتے اور اس پر پھونکتے جاتے ہیں پس اس جملہ میں

جادوگروں یا جادوگرنیوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے،معوذتین میں یہی ایک فقرہ ہے جس کا براہ راست جادو کے واقعہ سے تعلق ہے جو نبی ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

" **ومن شر حاسد اذا حسد** " حسد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ تعالی نے جو نعمت یا فضیلت یا خوبی عطا کی ہے اس پر کوئی دوسرا شخص جلے اور یہ چاہے کہ وہ اس سے سلب ہو کر حاسد کو مل جائے ، یا کم از کم یہ کہ اس سے ضرور چھن جائے ،البتہ حسد کی تعریف میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص یہ چاہے کہ جو فضل دوسرے کو ملا ہے وہ مجھے بھی مل جائے ۔کیونکہ یہ غبطہ ہے جو جائز ہے ۔یہاں حاسد کے شر سے اللہ تعالی کی پناہ اس حالت میں مانگی گئی ہے جبکہ وہ حسد کرے،یعنی اپنے دل کی آگ بجھانے کے لئے کوئی اقدام کرے،کیونکہ جبتک وہ کوئی اقدام نہیں کرتا اس وقت تک اس کا جلنا بجائے خود چاہے براسہی مگر محسود کے لئے ایسا شر نہیں بنتا کہ اس سے پناہ مانگی جائے قرآن وسنت نے اس سے بغاوت سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن اس تحقیق پر قدیم وجدید زمانہ کے بہت سے عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایات اگر مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے، کیونکہ اگر نبیؐ پر جادو کا اثر ہوسکتا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مخالفین نے جادو کے زور سے نبی سے کیا کیا کہلوایا ہوگا؟اور اس کی تعلیمات میں کتنی باتیں اللہ کی طرف سے ہونگی اور کتنے جادو کے اثر سے؟ بلکہ مخالفین جہاں تک کہتے ہیں کہ اس بات کو سچ مان لینے کے بعد تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ جادو ہی کے ذریعہ نبی کو نبوت کے دعوی پر اکسایا گیا ہو اور نبی نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھ لیا ہو کہ اس کے پاس فرشتہ آیا ہے،اوران کا استدلال یہ بھی ہے کہ یہ روایات قرآن مجید سے متصادم ہیں،قران کریم میں تو کفار کا یہ الزام بیان کیا گیا ہے کہ نبی ایک سحر زدہ آدمی ہیں لہٰذا اس کی پیروری نہ کرو،**یقول الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا** (۴۷:اسراء) ۔پس یہ احادیث کفار کے اس الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی نبی پر جادو کا کیا اثر ہوا ہے؟۔

اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ آیا جادو کا واقعہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے یا نہیں؟اور یہ کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا یا نہیں؟اور اگر ہوا تھا تو وہ کیا تھا اور کس حدتک تھا؟اس کے بعد دیکھا جائے کہ جو کچھ روایات سے ثابت ہے اس پر کئے گئے اعتراضات وارد ہوتے ہیں یا نہیں؟

محدثین اور علماء امت کی یہ راست گوئی تھی کہ انہوں نے اپنے خیالات اور مزعومات کے مطابق تاریخ کو مسخ کرنے یا حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی ، بلکہ جو کچھ واقعات کی صورت میں پیش آیا تھا اسے جوں کا توں آنے

والوں تک پہنچا دیا، اور اس بات کی کوئی پروا نہیں کی، کہ ان حقائق سے اگر کوئی ان سے نتائج نکالنے پر اتر آئے تو ان کا فراہم کردہ یہ مواد کسطرح اس کے کام آسکتا ہے؟ اب اگر ایک بات نہایت مستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے ثابت ہو تو کسی دیانت دار صاحب علم کے لئے نہ تو یہ درست ہے کہ وہ اس بنا پر تاریخ کا انکار کر دے کہ اس کو مان لینے سے اس کے نزدیک فلاں فلاں قباحتیں رونما ہوتی ہیں اور نہ یہی درست ہے کہ جتنی بات تاریخ سے ثابت ہو اس کو قیاسات کے گھوڑے دوڑا کر اس کی اصلی حد سے پھیلانے اور بڑھانے کی کوشش کرے، اس کے بجائے اس کا کام یہ ہونا چاہئے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لے اور پھر دیکھے کہ اس سے فی الواقع کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا؟

جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی کریم ﷺ پر جادو کا اثر ہونا قطعی طور پر ثابت ہے، اگر علمی تنقید کے ذریعہ اس کو غلط ثابت کیا جا سکتا ہے تو دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے، روایات اور واقعات کی کڑیاں ملانے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ کہ آپؐ پر سحر کیا گیا اور آپ پر اس کا اثر بھی ہوا، مگر وہ اتنی ہی حد تک ہوا جیسے کسی بیماری سے انسان متاثر ہوتا ہے۔ کچھ مزاج میں تبدیلی آگئی، گویا یوں محسوس ہوا کہ آپ گھلتے جا رہے ہیں یا کسی کام کے متعلق خیال کیا کہ وہ کر لیا ہے گو نہیں کیا ہوتا تھا۔

ازواج مطہرات کے بارے میں خیال کرتے کہ آپ ان کے پاس گئے ہیں مگر نہیں گئے ہوتے تھے، یا کسی وقت آپ کی نظر پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں، مگر نہیں دیکھا ہوا تھا، یہ تمام آپ کی ذات تک محدود رہے، دوسروں کو یہ محسوس نہیں ہوسکا کہ آپ پر کیا گزر رہی ہے۔ اس سے آپ کے نبی ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں اتا تھا، نہ آپ کے فرائض میں کوئی خلل آیا تھا، کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ آپ کسی آیت کو بھول گئے ہوں یا کوئی آیت غلط پڑھ دی ہو، یا اپنی مجلسوں، خطبوں، وعظوں میں آپ کی تعلیمات میں کسی طرح کا فرق واقع ہو گیا ہو یا کوئی ایسا کام آپ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو، جو فی الواقع آپ پر نازل نہ ہوا ہو، یا آپ کی نماز چھوٹ گئی ہو اور اس کے متعلق بھی کبھی آپ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے، مگر نہ پڑھی ہو، معاذ اللہ ایسی کوئی بات پیش آجاتی تو دھوم مچ جاتی، اور پورا ملک عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چت نہ کر سکتی تھی اسے ایک جادوگر نے چت کر دیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کی حیثیت نبوت قطعاً اسے محفوظ اور غیر متاثر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں اپنی جگہ مخصوص کر کے آپ اس سے پریشان ہوتے رہے۔

آخر کار ایک روز آپ عائشہؓ کے یہاں تھے کہ آپ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، اس حالت میں آپ کو

غنودگی ہوگئی یا نیند آ گئی، پھر جب بیدا ہوئے تو آپ نے عائشہؓ سے فرمایا کہ جو بات میں نے اپنے رب سے پوچھی وہ اس نے مجھے بتلا دی ہے، عائشہؓ نے دریافت کیا وہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دو آدمی (مراد فرشتے) میرے پاس آئے ایک سرہانے کی اور دوسرا پائنتی کی طرف، ایک نے پوچھا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ان پر جادو ہوا ہے، اس نے پوچھا کس نے کیا ہے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے، پوچھا کہ کس چیز میں کیا ہے جواب دیا کنگھی اور بالوں میں ایک نر کھجور کے خوشہ کے غلاف کے اندر، پوچھا وہ کہاں ہے، جواب دیا کہ بنی زریق کے کوئیں میں، ذی اروان کے تہہ کے پتھر کے نیچے ہے، پوچھا اب اس کے لئے کیا کیا جائے؟ تو جواب دیا کہ کوئیں کا پانی سونت دیا جائے اور پھر پتھر کے نیچے سے اس کو نکالا جائے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے علیؓ، عمار بن یاسرؓ اور زبیرؓ کو بھیجا ان کے ساتھ جبیر بن ایاس الزرقی اور قیس بن محسن الزرقی بھی شامل ہوگئے، بعد میں خود نبی ﷺ بھی چند اصحاب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے، پانی نکالا گیا اور خوشہ کا غلاف برآمد کر دیا گیا، اس میں کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں، اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں، جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ آپ معوذتین پڑھیں چنانچہ آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور ایک ایک گرہ کھلتی جاتی اور پتلے میں سے ایک ایک سوئی نکالی جاتی رہی، معوذتین ختم ہوتے ہی ساری گرہیں کھل گئے اور ساری سوئیاں نکل گئیں اور آپ جادو کے اثر سے نکل کر بالکل ایسے ہو گئے جیسے کوئی بندھا ہوا پھر کھل گیا۔

اس کے بعد آپ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی، اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا اس لئے آپ نے اس کو چھوڑ دیا کیونکہ اپنی ذات کے لئے کبھی آپ ﷺ نے کسی سے انتقام نہیں لیا، ایک یہودی کی طرف سے زہر خورانی کے واقعہ میں بھی آپؐ نے بعض صحابہؓ کے شہید ہو جانے کی وجہ سے اس سے قصاص لیا، اپنے معاملہ کو نظر انداز فرما دیا، یہی نہیں بلکہ سحر کے معاملہ کا چرچا کرنے سے بھی یہ کہہ کر آپؐ نے روک دیا کہ مجھے اللہ نے شفا دیدی ہے اب میں نہیں چاہتا کہ کسی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاؤں۔

یہ ہے جادو کے واقعہ کی تفصیل، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو آپؐ کے منصب نبوت کے خلاف یا آپؐ کے کمال کے منافی ہو، آگر آپؐ کو غزوۂ احد میں زخمی کیا جا سکتا ہے اگر خیبر کی واپسی پر آپؐ گھوڑے سے گر سکتے ہیں، آگر آپ ﷺ کو بچھو کاٹ سکتا ہے، اگر آپ ﷺ کو نماز میں سہو و نسیان ہوسکتا ہے، حدیث میں ہے ''**انما انا بشر انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی**'' (ابوداود: ۸۶۱) اور ان میں سے کوئی چیز بھی اس تحفظ کے منافی نہیں ہے جس کا نبی ہونے=

سورۃ الناس (مکیۃ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلۡ أَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِکِ النَّاسِ ﴿۲﴾ إِلٰـہِ النَّاسِ ﴿۳﴾

کہو کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی۔لوگوں کے معبودِ برحق کی

= کی حیثیت سے اللہ نے آپؐ سے وعدہ کیا تھا تو آپؐ اپنی ذاتی حیثیت سے جادو کے اثر سے بیمار بھی ہو سکتے ہیں۔

رہا یہ اعتراض کہ اس سے تو کفار کے الزام کی تصدیق ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ کو سحر زدہ آدمی کہتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ کفار آپؐ کو اس معنی سے سحر زدہ نہیں کہتے تھے، کہ آپؐ کسی جادوگر کے اثر سے بیمار ہو گئے ہے بلکہ اس معنی میں کہتے تھے کہ آپ ﷺ مجنون ہو گئے ہیں، اور معاذ اللہ کسی جادوگر نے آپؐ کو پاگل کر دیا ہے، اور اسی پاگل پن میں آپؐ نبوت کا دعوی کر بیٹھے ہیں اور جنت ودوزخ کے افسانے سنا رہے ہیں، اب ظاہر ہے کہ یہ اعتراض ایسے معاملہ پر سرے سے چسپاں ہی نہیں ہوتا، جس کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جادو کا اثر صرف محمد ﷺ کی ذات پر ہوا، آپؐ کی نبوت اس سے قطعاً متاثر نہیں ہوئی اور دعوی نبوت کو سحر کا اثر قرار دینا اس لئے غلط ہے کہ نبوت کے پندرہ سال گزرنے پر سحر کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کا اثر زائل ہونے کے بعد بھی بدستور منصب نبوت پر فائز رہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو لوگ جادو کو محض اوہام کی چیز قرار دیتے ہیں اس کی بنیاد محض یہ ہے کہ اس کے اثرات کی کوئی عقلی اور سائنسی توجیہ نہیں کی جا سکتی لیکن دنیا میں اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو تجربہ اور مشاہدہ میں آتی ہیں مگر سائنسی طریقہ سے نہیں بیان کیا جا سکتا کہ وہ کیسے رونما ہوتی ہیں اسی طرح کی توجیہ پر اگر ہم قادر نہیں ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا ہی انکار کر دیا جائے جس کی ہم توجیہ نہیں کر سکتے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾

(شیطان) وسوسہ انداز کی بُرائی سے جو (اللہ کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے

مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾

جنات میں سے (ہو) یا انسانوں میں سے۔[۱]

---

[۱] سورت الناس بھی سورت فلق کی طرح مختلف فیہ ہے کہ یہ مدنی سورۃ ہے یا مکی، لیکن ان دونوں قولوں کو جمع کرنے کی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے ابتداءً مکہ میں معوذتین اس وقت نازل ہوئی ہوں جب رسول ﷺ کی مخالفت چل رہی تھی اور پھر بعد میں مدینہ میں بھی منافقین اور یہود کی مخالفت کے طوفان جب اٹھے تو رسول ﷺ کو ان سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی گئی جیسا کہ عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں مذکور ہے، اس کے بعد جب آپ ﷺ پر جادو کیا گیا تو پھر بحکم الٰہی جبرئیل امین نے آ کر پھر ان سورتوں کے پڑھنے کی ہدایت کی۔ کیونکہ واقعہ سحر پر نظر کی جائے جو سات (۷) ہجری میں پیش آیا تو پھر ان کا مدنی ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔

"سورت فلق" کی طرح یہاں بھی اعوذ باللہ کی بجائے اللہ کی تین صفات کے ذریعہ استعاذہ کیا گیا ہے، ایک، رب الناس، دوسرے ملک الناس، تیسرے الہ الناس، الہ کے معنی فرضی معبود کے بھی آتے ہیں، اور حقیقی معبود کے بھی، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، سورۂ فلق میں بدنی مضرتوں سے استعاذہ کیا گیا ہے، انسان کی طرف سے ہوں یا دوسرے مخلوق کی طرف سے لیکن سورۃ الناس میں صرف انسانی نفوس کو جو مضرتیں عارض ہوتی ہیں ان سے استعاذہ کیا گیا ہے۔

لہٰذا "رب الفلق" میں اضافت عام اور رب الناس میں اضافت خاص ہوگی، اور اللہ اگرچہ رب العالمین ہے لیکن انسان کی تخصیص اس کی شرف کی وجہ سے ہے کہ جب اللہ انسانوں کا رب ہے تو دوسری مخلوق کا بدرجہ اولیٰ ہے، نیز جب وہ انسانی شرارت سے پناہ دے سکتا ہے، تو دوسری مخلوق کی شر سے بدرجہ اولیٰ پناہ دے گا اور وسوسہ جن کے دلوں میں ہوتا ہے وہ بھی انسان ہیں ان تینوں لفظوں کی ترتیب بڑی لطیف ہے کہ اول اللہ کی ربوبیت، پھر اس کی بادشاہت پھر اس کی معبودیت کا ذکر کیا گیا۔

اور ''ملک الناس،اله الناس'' میں یہ دونوں لفظ رب الناس سے عطف بیان بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ رب ممکن ہے بادشاہ نہ ہو اور بادشاہ ممکن ہے کہ معبود نہ ہو، اگرچہ اضافت ضمیر کی طرف ہوسکتی تھی لیکن مزید بیان تعظیم کے لئے مضاف الیہ اسم ظاہر لایا گیا ہے، اور بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ رب الناس میں بچے اور ملک الناس بڑے آدمی مراد ہیں۔ کیونکہ بچے تربیت کے محتاج ہوتے ہیں اور بڑے وساوس میں مبتلا ہوتے ہیں، اور الہ الناس میں بوڑھے مراد ہیں کیونکہ وہ مصروف عبادت رہتے ہیں، اس صورت میں لفظ الناس مکرر نہیں رہتا۔

من شر الوسواس الخناس'' اس کا تعلق اعوذ سے ہے سورت فلق میں مستعاذ منہ تین چیزیں تھیں اور مستعاذ ایک تھا، لیکن سورۂ ناس میں اس کے برعکس مستعاذ منہ ایک یعنی وسوسہ ہے اور مستعاذ تین صفات الٰہیہ ہیں، اس میں نکتہ یہ ہے کی پچھلی سورت میں بدنی مضرات کا بیان تھا اور وہ متعدد ہیں اور اس سورت میں نفسانی مضرت کا بیان ہے اور وہ ایک ہے، اور چونکہ بدن کی سلامتی کا پیش خیمہ اور وسیلہ ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا ہے، وسواس اور وسوسہ زلزال اور زلزلہ کی طرح دونوں مصادر ہیں، اگر فعلال کو اوزان مصدر میں سے مانا جائے، ورنہ اسم مصدر ہے یا وسواس اور خناس کو مبالغہ کہا جائے شیطان کو وسواس یا وسوسہ زید عدل کی طرح مبالغہ کے لئے کہا گیا ہے، یا مضاف محذوف مانا جائے۔ای ذوی الوسواس ، الخناس خنس کے معنی مٹنے اور لوٹنے کے ہیں۔

''من الجنة و الناس'' یہ وسواس کا بیان ہے یا الذی کا بیان ہے یا یوسوس سے متعلق ہے، اور بعض نے اس کو الناس کا بیان کہا ہے جبکہ الناس سے مراد عام ہو، انسان اور جنات دونوں کو شامل ہے لیکن اس سورت میں تکلف کر کے کہنا پڑے گا کہ ''ناس''، بمعنی ناسی ہے جیسے ''یوم یدع الداع '' میں داع بمعنی داعی ہے اور نسیان انسان اور جن دونوں کو ہوتا ہے۔

''اعوذ'' تعوذ کے معنی پناہ جوئی کے ہیں، سورۂ فلق اور سورۂ ناس دونوں سورتوں کو معوذتین اسی لئے کہتے ہیں کہ ان میں تعوذ کی تلقین فرمائی گئی ہے، تعویذ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ اس وجہ سے بعض مفسرین نے یہاں تعوذ اور تعویذ پر بحث کیا ہے تفسیر مواہب الرحمٰن والے لکھتے ہیں، کہ کیا شرعی تعویذ کے ساتھ دم کرنا جائز ہے؟ جواب اس زمانہ میں تعویذ اس کاغذ کو کہتے ہیں جس پر کچھ لکھ کر بچوں کے گلے میں لٹکاتے ہیں، یہ زمانہ سلف میں نہ تھا، لیکن بعض صحابہ نے آیۃ الکرسی کے مانند لکھ کر ان بچوں کے گلے میں ڈالی جو زبان سے نہیں پڑھ سکتے تھے اور ظاہر کیا کہ اس سے برکت مقصود ہے اور حفاظت اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ اور تعویذ کے معنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دینا۔ تعوّذ اللہ کی پناہ لینا، یہ بات

پڑھنے اوردعا کرنے سے ہوتی تھی اور جمہور صحابہ وتابعین پڑھ کردم کرنے کو جائز رکھتے تھے۔پھرامام نسفی سے نقل کرتے ہیں کہ مدارک میں لکھا کہ رقیہ کرنا ایسے کلام سے جائز ہے جواللہ تعالی کی کتاب سے ہو، یارسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ہو،اور ایسی عبارت سے جائزنہیں ہے جوسریانی ،عبرانی،یاہندی وغیرہ میں ہو،کیونکہ اس پراعتقاد واعتمادصحیح نہیں ہے۔الخ۔مولف کا بھی ایک رسالہ اس مسئلے پرچھپی ہوئی ہے۔

اخر التفسیر وللہ الحمدوالمنة والحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنامحمدوآله وصحبه اجمعین.ورضی اللہ عن الصحابة والتابعین اجمعین حسبنااللہ ونعم الوکیل۔

رحم اللہ من وقف علی خطإاوعیب نبهناعلیه وارشدناطریق الثواب

اللہ کی رحمت ہواس شخص پرجس نے ہمیں عیب اورخطائی پرمطلع کرکے راہ حق بتایا۔

☆☆☆

کمپوزنگ:عبدالخالق فون پشاور

المراجع

نمبر شمار	اسم الکتاب	اسم المصنف
۱	الجامع الصحیح	امام بخاری
۲	الجامع الصحیح	امام مسلم
۳	السنن	امام ترمذی
۴	السنن	امام ابوداؤد
۵	السنن	امام نسائی
۶	السنن	امام ابن ماجہ
۷	السنن	امام دارمی
۸	المسند	امام احمد
۹	فتح الباری	ابن حجر
۱۰	عمدۃ القاری	بدرالدین عینی
۱۱	مظاہر حق	قطب الدین
۱۲	تفسیر القرآن	ابن کثیر (عربی)
۱۳	تفسیر القرآن	ابن کثیر (اردو)
۱۴	الجامع لاحکام القرآن	قرطبی
	تفسیر اللباب	ابن عادل الحنبلی
	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع
	جواہر القرآن	شیخ القرآن غلام اللہ خان

مصنف کی دیگر تصنیفات

۱۔ اختلاف المطالع (اردو)

۲۔ اختلاف المطالع (پشتو)

۳۔ اداب السلام (اردو)

۴۔ کتاب الاذکار (اردو)

۵۔ کتاب الاذکار مختصر (پشتو)

۶۔ کتاب الاربعین (پشتو)

۷۔ نیل المفازۃ (پشتو)

۸۔ تحفۃ العروس (پشتو)

۹۔ سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ (پشتو ترجمعہ)

۱۰۔ کتاب التمائم

د چاپ ځائے

دارالکتب

پرنٹنگ ایجنسی موبائل: +92-333-9084990